خواب سرائے
عالیہ بخاری

WWW.PAKSOCIETY.COM

بس ایک دھچکا کے ساتھ رکی تھی۔

بہت سارے لوگ ایک ساتھ اترنے لگے۔ثانیہ نے کھڑکی کے شیشے کے باہر بھاگتی دوڑتی زندگی کو دیکھا۔

معلوم نہیں' کون سی جگہ تھی؟ کنڈیکٹر نے چلا چلا کر کچھ اعلان کیا تو تھا' مگر وہ سارے راستے جن سوچوں میں گم رہی تھی' وہ ابھی تک غالب تھیں۔

''ہمیں بھی یہیں اترنا ہے خالہ۔'' پچھلی سیٹوں پر سے شہزاد اُٹھ کر ادھر ہی چلا آیا۔

اسے بالکل پیچھے والی لائن میں جگہ ملی تھی۔جب وہ نواب شاہ سے چلے تھے تو رش ہی اتنا تھا کہ بمشکل یہ دو سیٹیں' جن پر ثانیہ اور اماں بیٹھی تھیں' کنڈیکٹر نے ایڈجسٹ کی تھیں۔

''میں نیچے جا کر سامان اترواتا ہوں۔ثانیہ باجی آپ خالہ کو سہارا دے کر لے آئیں۔''

ہدایت دیتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا۔

اماں بے چاری فوراً ہی اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ثانیہ نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا۔اتنے گھنٹے پیر ٹکا کر ایک ہی نشست پر بیٹھنے سے وہ کتنی زیادہ تکلیف محسوس کر رہی ہوں گی۔اسے اچھی طرح اندازہ تھا۔

"ذرا دیکھ کر بھائی' پیچھے لیڈیز آرہی ہیں۔"

ثانیہ نے سنا شہزاد اُترتے ہوئے کنڈیکٹر سے کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ دبلا پتلا اٹھارہ انیس سالہ شہزاد نواب شاہ سے کراچی تک کے اس سفر میں کتنا بڑا سہارا ثابت ہوا تھا۔

سارے راستے اس کے احساسِ ذمہ داری میں ذرا کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ پچھلی سیٹوں پر سے وہ بار بار اٹھ کر اس کی اور اماں کی خیریت پوچھنے آتا رہا۔ چند ایک مسافروں نے اس کے مستقل پھرنے پر منہ بھی بنایا' مگر وہ ہر بار بڑی عاجزی سے ان سے معافی مانگتا رہا۔

کنڈیکٹر کوئی بھلا شخص تھا۔

بیچ میں سے لوگوں کو ہٹا کر اس نے اماں کو اتارنے میں فوراً ہی مدد کی۔

شہزاد سامان فٹ پاتھ پر ایک طرف لگا چکا تھا۔

"میں نے سب گن لیا ہے' پوری چیزیں ہیں۔ آپ خالہ کو لے کر ادھر سامان کے پاس کھڑی ہو جائیں۔ میں ٹیکسی وغیرہ دیکھتا ہوں۔"

ثانیہ اور اماں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اب تک کی ساری تفصیلات شہزاد کی ہی طے کی ہوئی تھیں۔ وہ کراچی اکثر آتا جاتا رہتا تھا اور بقول اس کے' کراچی کا پورا نقشہ اسے ازبر تھا۔ سو رہنمائی کی ذمہ داری اسی کے سپرد ہوئی تھی۔ میر کارواں بنا وہ کئی روز سے اس پروگرام کو فائنل کر رہا تھا۔

"سفر ٹرین سے ہو یا بس سے۔"

"کون سی بس سروس بہتر رہے گی؟"

"راستے میں کھانا کون سے سٹاپس پر اچھا ملتا ہے' وغیرہ وغیرہ..."

اماں کو ٹرین میں سہولت رہتی' مگر آج کل ٹرینوں میں غضب کا رش پڑ رہا تھا۔ بس میں کم از کم اپنی سیٹ اپنی تو رہتی ہے اور پھر وقت کی بھی بچت بھی۔

شہزاد نے اس معاملے میں بھی اماں کو کنوینس کر دیا' مگر اس وقت جب وہ بڑا معتبر بنا ٹیکسی والوں سے بھاؤ تاؤ کر رہا تھا تو اسے اماں کی رائے لینے کی ضرورت پیش آ ہی گئی۔

"خالہ پہلے کدھر چلنا ہے۔ جمیل ماموں کے گھر یا خالو کے دیئے ہوئے ایڈریس پر۔"

ٹیکسی والے سے اپنی گفتگو ادھوری چھوڑ کر وہ اسی سوال کو لئے چلا آیا' جو اتنے دن سے جواب طلب تھا۔

"پہلے اپنے خالو کے بتائے ہوئے پتے پر چلو۔" اس بار اماں نے حتمی جواب کے لئے لمحہ بھی نہیں لگایا۔ انہیں جتنی بار سوچنا تھا' شاید وہ سوچ چکی تھیں۔ ثانیہ نے مضطرب سی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ معلوم نہیں اب وہ تقدیر کو کس انداز میں آزمانے کا سوچے ہوئے تھیں۔

"جمیل ماموں کے گھر ہی چلیں نا اماں۔ یہ لوگ معلوم نہیں کون ہیں؟ ہم سے ملنا پسند بھی کریں گے یا نہیں۔" حالانکہ جمیل ماموں کے گھر سے بھی کوئی ریڈ کارپٹ ویل کم والی خوش فہمی نہیں بندھی ہوئی تھی' مگر پھر بھی ابا کے ان گئے گزرے قسم کے ملنے والوں سے تو زیادہ ہی اپنے اپنے سے لگتے تھے۔

اماں پوری طرح سے شہزاد کی طرف متوجہ تھیں۔ثانیہ کی منمناہٹ کو انہوں نے ڈھنگ سے سنا ہی نہیں۔''جیسا میں کہہ رہی ہوں ویسے ہی کرو بیٹا۔تمہارے خالو ہمیشہ ہی کہتے تھے کہ کبھی بھی اگر ضرورت پڑے تو...''

اماں یہ بات اتنی بار دہرا چکی تھیں کہ اب کوئی ایک لفظ بھی اِدھر اُدھر محسوس نہیں ہوتا تھا۔مگر شہزاد اس طرح اثبات میں سر ہلائے جا رہا تھا' جیسے یہ انکشاف اس پر ابھی ابھی ہی ہوا ہو۔

اصل بات عادت کی تھی۔اماں کو ساری زندگی ابا کی باتیں مانتے رہنے کی عادت رہی تھی اور یہ عادت اب اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ اب ان کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے چھ ماہ بعد بھی وہ ہر موقع کے لئے ان کی کہی باتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تازہ کئے رکھنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھیں۔

ٹیکسی میں سامان رکھا جا رہا تھا۔

ایڈریس کا پرچہ اماں کے پاس تھا' مگر کل رات جب بالکل آخری چیزیں سمیٹی جا رہی تھیں۔اس وقت شہزاد نے بھی ایک پرچہ پر لکھ کر اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا۔ٹیکسی والے کے ہاتھ میں اس وقت وہی پرچہ تھا اور اسے پڑھ کر وہ بڑے پُراعتماد انداز میں سر ہلا رہا تھا۔

''بڑا سیدھا اور صاف پتہ ہے خالہ آرام سے پہنچ جائیں گے ہم لوگ۔''

اماں اور ثانیہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھیں۔ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ کر شہزاد نے گردن موڑ کر تسلی دینی ضروری سمجھی۔

ثانیہ نے یوں ہی ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا۔اس لمبے سفر کے تقریباً اختتام پر پہنچنے کے بعد دل کو ایک عجیب سی گھبراہٹ نے گھیرنا شروع کر دیا تھا۔اتنے دن سے جب رختِ سفر بندھنا شروع ہی ہوا تھا۔اس وقت سے اب تک جس کمال کی بے حسی اس پر طاری رہی تھی' وہ ٹوٹی بھی تو کہاں آکر۔

''بس اب خدا کرے گھر نہ بدلا ہوا ان لوگوں نے۔اتنے سالوں سے کوئی کنٹیکٹ نہیں تھا خالو کا ان سے۔کیا پتہ نارتھ ناظم آباد چھوڑ کر کہیں اور...'' شہزاد کی قیاس آرائی کی اماں نے پورا ہونے سے پہلے ہی تردید کر دی۔

''وہ لوگ وہیں ہوں گے۔ان کے والد مرحوم کا بنایا ہوا گھر ہے۔کم از کم اپنی زندگی میں تو وہ اسے نہیں چھوڑ سکتے۔آگے ان کی اولاد وہاں رہنا پسند کرے نہ کرے یہ اور بات ہے۔''

کسی کو بغیر دیکھے' بغیر ملے وہ اتنے پُریقین انداز میں بات کر رہی تھیں کہ ثانیہ کو حیرت ہونے لگی۔ابا کے یہ پہلے ملنے والے تھے' جن کا ذکر اس قدر تفصیل اور تواتر سے ان کے انتقال کے بعد ہو رہا تھا۔ورنہ وہ کوئی ایسے سوشل قسم کے شخص ہرگز بھی نہیں تھے۔ان کے جتنے بھی ملنے والے تھے گلی محلے کی حد تک ہی محدود تھے۔

''اماں۔آپ ملی ہیں کیا ان لوگوں سے پہلے کبھی؟'' اسے پوچھ ہی لینا پڑا۔حالانکہ سائے کی طرح تو وہ خود ہمیشہ اماں کے ساتھ ساتھ رہی تھی' پھر بھی شاید کبھی بچپن میں ایسا ہوا ہو۔مگر ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔

''میں کہاں مل لیتی۔تمہارے ابا کبھی نکلے ہی نہیں نواب شاہ سے شادی کے بعد۔''

سادہ سے لہجے میں کہہ کر وہ چہرہ دوسری طرف موڑ کر باہر دیکھنے لگیں۔

اب کچھ اور پوچھنا فضول ہی تھا۔ویسے بھی یہ سارے سوالات' جو ایک دم ہی ہاتھ باندھ کر سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔ان کا جواب اس چلتی ہوئی ٹیکسی میں ڈھونڈا بھی نہیں جا سکتا تھا اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تک جب وہ بس سے اُتری

تھی تو اسی یقین میں تھی کہ وہ لوگ جمیل ماموں کے گھر ہی جا رہے ہیں۔ پچھلے ماہ وہ بے چارے خود بھی اسے اور اماں کو لینے آئے تھے، لیکن وہاں مزید کچھ کام نمٹانے باقی رہ گئے تھے۔

''جمیل ماموں کو ضرور برا لگے گا کہ ہم لوگ کہیں اور ٹھہرے ہیں۔ ان کے گھر رُک کر بھی تو کچھ دن بعد یہاں آیا جا سکتا تھا۔'' سفر کٹنے کے ساتھ جو گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی، اس کو چھپاتے ہوئے اس نے اماں کو جمیل ماموں کے ہاں ''پہلے جانے'' کا اخلاقی پہلو یاد دلانا چاہا، مگر اب اماں بیچ راستے میں اپنا فیصلہ بدلنے کے لئے تیار نہیں تھیں۔

''بُرا لگنے کی کوئی بات نہیں اس میں۔ پھر یہ کہ جمیل کو میں یہاں سے کل کسی وقت فون کر دوں گی۔ وہ آ کر خود مل جائے گا۔'' ابا کی دی گئی ان چوبیس چھبیس سال پرانی انفارمیشن میں اُمید کا کوئی روشن سرا یقیناً تھا۔

اگلی سیٹ پر بیٹھا شہزاد عادتاً ہی اماں کی ہاں میں ہاں ملائے جا رہا تھا۔ ''اور کیا، جمیل ماموں کے یہاں تو کسی وقت بھی جایا جا سکتا ہے، پھر خالو نے جب تاکید کی تھی کہ آپ اور خالہ سیدھی یہیں جائیں تو کچھ سوچ کر ہی کی ہو گی نا۔'' ثانیہ کے پاس اس جذباتی دلیل کے جواب میں کچھ بھی کہنے کے لئے نہیں تھا۔ ابا کی وصیت کسی پاکستانی فلم کی گھسی پٹی سچویشن کی مانند نہیں تھی، جس کا اعلان ان کے انتقال کے بعد کسی ڈرامائی منظر میں ہوا ہو اور جس کے اوپر عمل درآمد کی انہوں نے سختی سے تاکید کی ہو۔

بس اتنا تھا کہ اپنی بیماری کے آخری دنوں میں وہ اکثر یہ کہنے لگے تھے کہ ان کے بعد اماں اسے لے کر ایک بار ضرور ان کے دیئے ہوئے پتے پر چلی جائیں۔

''کبھی بھی تمہیں ایسا لگے کہ ثانیہ کو لے کر اکیلے رہنے میں دشواری پیش آ رہی ہے تو فوراً ہی یہاں سے چلی جانا۔''

اس نے ایک آدھ بار خود بھی ابا کو یہ کہتے سنا تھا اور اس وقت اتنا بُرا لگا تھا کہ بس۔

ان کی طویل بیماری کے باوجود بھی دل میں ان کے لئے کسی بُرے امکان کا گمان تک نہیں گزرتا تھا، مگر وہ پھر بھی چلے ہی گئے۔

ثانیہ نے باہر کے نظارے میں خود کو محو کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی آنکھیں چپکے سے رگڑیں۔

''اور اب وہ خود جا رہی ہے ایک اجنبی گھرانے میں بن بلائے مہمان کی حیثیت سے، نامعلوم مدت تک کے قیام کے لئے۔''

بنا کسی لحاظ اور مروت کے اس سارے چکر میں اس نے اپنا مقام متعین کیا۔ بات کتنی بھی توہین آمیز سہی، سچ تو تھی۔

ٹیکسی رُک چکی تھی۔ شہزاد ان لوگوں کو روک کر پہلے خود ٹیکسی سے اترا۔

''سڑک تو یہی ہے خالہ۔ میں ذرا گھر کون سا ہے یہ کنفرم کر لوں؟ انہی سامنے کے دو چار گھروں میں سے ایک ہو گا۔'' وہ کہہ کر چلا گیا۔

ثانیہ حیرت سے ہزار گز کے وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے ان شاندار گھروں کو دیکھتی رہی۔ حیرت اسے گھروں کے شاندار ہونے پر نہیں تھی، بلکہ ان میں سے کوئی ایک ابا کے کسی عزیز کا بھی ہو سکتا ہے، اس پر ہو رہی تھی۔ کراچی میں اس کی گھر کے بارے میں واقفیت جمیل ماموں کے چھوٹے چھوٹے تین کمروں والے گھر تک ہی تھی۔ شاید ذہن میں خود بخود ہی کہیں یہ بات فرض ہو چکی تھی کہ اس وقت جو مطلوبہ منزل ہے اس کا نقشہ بھی کچھ اسی سے ملتا جلتا ہو گا۔

''آ جائیں، مل گیا۔ یہی نمبر ہے۔ وہ سامنے تیسرا۔'' شہزاد پُرجوش انداز میں دور سے ہی کہتا آ رہا تھا۔ راہ چلتے ایک دو لوگوں نے اس کی طرف دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ بھی پاس کی۔

بڑے گھروں میں تیسرا گیٹ بھی کچھ دور ہی تھا۔ ٹیکسی والے نے گاڑی آگے بڑھا کر ٹھیک سامنے کے تیسری گھر کے گیٹ پر جا کر کھڑی کر دی۔

ثانیہ کو بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔

''معلوم نہیں پتہ غلط تھا یا...؟''

''آپ اُتریں' میں سامان نکال کر لاتا ہوں۔''

شہزاد اماں کو اتارتے ہوئے کہنے لگا تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ یقین میں شاید یہ پہلی دراڑ تھی۔

''ابھی سامان رہنے دو' پہلے میں خود ذرا بات کر لوں۔'' انہوں نے شہزاد کو بھی اپنے پیچھے نہیں آنے دیا۔ وہ اور ثانیہ ٹیکسی کے ادھ کھلے دروازوں کے ساتھ لگے کھڑے ہی رہ گئے۔

''کتنا اچھا گھر ہے۔ آپ کو یہاں رہنے میں بہت مزا آئے گا ثانیہ باجی۔'' شہزاد نے اسے تسلی دینا چاہی تھی یا اس کے خیالات ابھی تک اتنے بچگانہ تھے۔ ثانیہ کو ہلکی سی ہنسی آ ہی گئی اور اسی وقت اپنے قریب سے گزرتی ایک نئی چمچماتی کرولا کو اس نے سامنے والے گیٹ پر رکتے دیکھا۔

اماں وہیں رک کر کھڑی ہو گئیں۔ ڈرائیور ان سے کچھ بات کر رہا تھا۔ معلوم نہیں اماں کو اپنی بات سمجھانی آ رہی تھی یا نہیں۔ جب ہی ڈرائیور کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی خاتون نے شیشہ نیچے کرتے ہوئے ''بات چیت'' کی باگ ڈور خود سنبھالی۔

امارت کی چکا چوند سے جگمگاتا یہ چہرہ سخت مرعوب کرنے والا تھا۔ باادب' باملاحظہ ہوشیار کی صدائیں بلند کرتا ہوا۔ اماں سے عمر میں چھوٹی ہونے کے باوجود وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے ان کی بات ڈھنگ سے سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھیں

اور شاید کسی کو دینے کے لئے ان کے پاس ایک منٹ بھی نہیں تھا۔ بڑا گیٹ کھل کر گاڑی اندر جا چکی تھی اور جب شہزاد اماں کو سہارا دے کر ٹیکسی میں بیٹھا رہا تھا تو وہ آہستہ سے بولی۔

''بس اب لیاقت آباد ہی چلو۔''

...☆☆☆...

لکڑی کے بڑے سارے ہرے رنگ کے گیٹ کے اندر قدم رکھتے ہی سارا منظر یک دم تبدیل ہو جاتا تھا۔

شور مچاتی دھوپ' بھری سڑک کہیں پیچھے ہی رہ جاتی اور اس پر پھیلی جانے والی کوفت بھی۔

آگے راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔

سرخ اینٹوں والے صحن میں درختوں کا بھی سایہ تھا اور جا بجا پھیلی ہوئی سرخ اور نارنجی پھولوں والی بیلوں کا بھی۔

نازنین نے سر اُٹھا کر آم کے درختوں کی طرف دیکھا۔ پچھلے دنوں جو درخت بور سے پہلے زرد ہوئے جا رہے تھے۔ وہاں اب ہرے رنگ کی چھوٹی چھوٹی کیریاں جھانک رہی تھیں۔ ٹپ ٹپا ٹپ۔

ہوا کے ایک تیز جھونکے سے چند ایک کیریاں زمین پر آ رہیں۔

ہر موسم میں نہ جانے کتنی ہی اس طرح ضائع ہوتیں پھر بھی تینوں درخت ہرے پیلے دیسی آموں سے لد جاتے۔ ایک مخصوص مہک' ہوا کے ساتھ سارے گھر میں اڑی پھرتی۔

''اے نازی آپا۔''

عقب سے سمیع کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"ذرا یہاں آکر میری ہیلپ تو کرنا پلیز۔" ایک لمبے سے سٹول پر چڑھا' وہ اپنے کمرے کی کھڑکی پر پھیلی بیلوں کو کسی خوبصورت شیپ میں باندھنے کی فکر میں تھا۔

نازنین کے ہاتھوں میں پرس کے علاوہ سکول سے لائی کاپیوں کا بھی ڈھیر تھما تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس رکھی کرسی پر سب رکھ کر' وہ سمیع کے پاس آکھڑی ہوئی۔

"سارا رنگ روغن خراب ہو چکا ہے یہاں کا۔ ان پھول پتوں نے کم از کم اس عیب کو تو چھپا ہی رکھا ہے۔ اگر یہ سب کچھ یہاں سے نوچ کر پھینک دو تو ساری اصلیت سامنے آجائے۔ گھر کی بھی اور ہماری بھی۔ ذرا یہ ہتھوڑی پکڑانا۔" اپنا تبصرہ درمیان میں سے منقطع کر کے اس نے حکم جاری کیا۔

"پوری لائن میں ہر گھر اپنا نقشہ بدل چکا ہے۔ خوبصورت ٹیرس والے ون یونٹ گھر' باہر سے ہی لوگوں کو اندازہ ہونے لگتا ہے کہ اندر کیا کچھ نہیں ہوگا اور ایک ہم ہیں' پروفیسر بشارت حسین اینڈ فیملی' سنبھالے بیٹھے ہیں اسی موروثی جائیداد کو جس کی آخری دیکھ بھال بھی یقیناً دو چار نسل پہلے ہی ہوئی ہوگی۔"

یہ سارے گلے شکوے نازنین کو ازبر ہو چکے تھے۔ ایک اسے اور ابا کو چھوڑ کر سارا گھرانہ یہی آموختہ دہراتا رہتا اور پہلے سے بڑھ کر ناخوش نظر آنے کی پریکٹس میں جتا رہتا۔

نازنین اس وقت تھکی ہوئی تھی۔ آدھے سے زیادہ دن سکول میں پڑھانے پر نذر کر کے یہاں کھڑے ہو کر یہ سب کچھ سننا کس قدر صبر آزما تھا۔

کیلیں... بک... ڈوری... وہ جو مانگتا رہا' وہ دیتی گئی اور پھر ایک تھکی تھکی سی سانس لیتے ہوئے نرمی سے بولی۔

"اب میں اندر چلی جاؤں سمیع۔"

"ہاں۔"

اس نے چونک کر سٹول پر بیٹھے بیٹھے دست بدستہ کھڑی نازنین پر نظر ڈالی۔ "ہاں تو جاؤ' روکا کس نے ہے۔ میرا کام تو ختم۔" ایک چھلانگ مار کر وہ نیچے بھی آگیا۔ "ویسے لگ رہی ہے ناشاندار۔"

رنگین شیشوں والی کھڑکی کے اوپر بنی گول محراب پر کاسنی پھولوں والی بیل کو اس نے واقعی بڑی محنت سے شیپ دی تھی۔ نازنین نے تعریف کر کے جلدی سے قدم اندر کی طرف بڑھائے۔

"اگر میرے پاس کچھ پیسے آجائیں تو سب سے پہلے ان لال پیلے شیشوں کو نکال کر ٹنٹڈ گلاس کی کھڑکیاں..."

جس وقت وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں' اسے سمیع کی آواز سنائی دیتی رہی۔

اسے گھر کا یہ قدیمی انداز سخت ناپسند تھا اور معلوم نہیں اس کے پاس پیسے آنے میں ابھی کتنی مدت اور تھی' جو وہ جدیدیت کی طرف دوڑ لگانے کا اپنا خواب پورا کر سکتا۔

نیازی اس "نہ ہونے کا" ہمیشہ ہی شکر ادا کرتی تھی۔ کسی بہانے سہی' یہ گھر اپنے اصل رنگ ہیں محفوظ تھا' جس کے پرانے پن سے اپنائیت کی خوشبو پھوٹی پڑتی تھی۔

اندر سارے گھر میں کالے سفید ٹائلوں کی شطرنجی بساط بچھی ہوئی تھی۔ اونچی چھتوں اور اوپر بنی برساتی نیچے کی منزل ٹھنڈی رہتی تھی۔ بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی وہ امی کے کمرے کے سامنے رکی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بیڈ پر اپنے سامنے ویلوٹ کے خوش رنگ ٹکڑوں کا ڈھیر لگائے وہ حسب معمول مصروف تھیں۔

"آ گئیں۔"

نازنین کے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے اپنا مخصوص خیر مقدمی لفظ کہا۔

''یہ کیا لے بیٹھی ہیں آپ؟ اتنی لمبی دوپہر ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر سو ہی جایا کریں۔''

ان کے قریب جگہ بنا کر بیٹھتے ہوئے وہ ہلکی سی فکر مندی کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکی، پر وہ اسی طرح اپنے کام میں مصروف رہیں۔ ہلکے اور گہرے نیلے رنگوں کے امتزاج سے نہ جانے کس چیز کی

ڈیزائننگ کی جا رہی تھی۔ نازنین تو بس ان کے مہارت سے چلتے ہوئے گلابی ہاتھوں کو دیکھے گئی، جن کی رنگت کے لئے وہ آج تک بھی کوئی موزوں مثالیں نہیں دے سکی تھی۔ امی واقعی حسین تھیں۔

اپنے زمانے میں وہ کس غضب کی لگا کرتی تھیں۔ اس کا کچھ اندازہ تو ان کی جوانی کی تصاویر سے ہوتا تھا اور کچھ دِیا کو دیکھ کر۔

''چاروں اولاد میں دِیا بالکل ہی اپنی امی کی کاپی ہے۔'' پہلی بار ملنے والا بھی اگر ان سب کو ایک ساتھ دیکھتا تو اس کی یہی رائے ہوتی۔ امی کو اس کی خاموشی سے کچھ احساس ہوا تو سر اُٹھاتے ہوئے ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولیں۔

''لیٹ بھی جائوں تو نیند کہاں ہے اور الٹی فکریں ہی ذہن پر آسوار ہوتی ہیں اور فکریں بھی ایسی، جن کا میرے پاس کوئی حل بھی نہیں۔''

امی کی سب سے بڑی پریشانی وہ خود تھی۔

یہ بڑا شرمندہ کرنے والا احساس تھا، پھر بھی اپنی شرمندگی پر قابو پاتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی۔

''نہ کیا کریں فکر اللہ مالک ہے۔''

شکر ہے کہ اس وقت انہوں نے اس ''فکر نہ کرنے'' والے مشورے پر دھیان نہیں دیا۔ ورنہ عام طور پر تو وہ اس پر بھی ناراض ہو جاتی تھیں۔ ''کیسے نہ کریں فکر؟'' مگر اس وقت توجہ بٹی ہوئی تھی۔

''صوفوں کے کشن پرانے ہو رہے ہیں، بدلنے ہی پڑیں گے۔ یہ دیکھو کیسے لگیں گے، ڈوری لگا کر وہ ان ہلکے گہرے رنگوں کو ایک ترتیب میں رکھ کر پوچھنے لگیں۔

نازنین نے یوں ہی بے دلی سے سر ہلا دیا۔ ''ہر آنے والا وہیں بیٹھتا ہے۔ اس ایک جگہ کو تو بالکل بہترین حالت میں رہنا چاہئے۔ لڑکیوں والا گھر ہے، اگر آنے والوں پر پہلا ہی تاثر غلط پڑے تو کتنا برا لگتا ہے۔''

امی حقیقتاً بے حد سلیقہ مند تھیں۔ عام طور پر بے حد حسین عورتیں، جس طرح اپنی ہی ناز برداری اور آرام طلبی کی عادی ہو جاتی ہیں وہ ان میں نہیں تھیں یا پھر ان کے حالات نے انہیں ایسا بننے کی مہلت نہیں دی تھی۔ وہ بڑی حد تک متوازن شخصیت کی مالک تھیں۔ کئی باتوں میں اختلاف رکھنے کے باوجود نازنین کو کسی بھی معاملے میں آخری رائے ان ہی کی بہتر لگا کرتی تھی۔ اپنے گھر اور گھرانے کا بہترین دکھائی دینا ان کے لئے ہمیشہ ہی سب سے بڑا چیلنج بنا رہا۔ سستے کپڑوں سے بہترین ڈیزائننگ کئے لباس، کم خرچ میں اچھی سے اچھی میزبانی کے گر گھر میں تیار کردہ اشیاء سے گھر کی سجاوٹ، صفائی ستھرائی۔

ان کا ہر دن اسی قسم کے مسئلوں سے نمٹتا ہوا گزرتا۔

''تھوڑے سے فالتو پیسے ہوں تو میں اس گھر کی شکل بدل کر رکھ دوں۔''

نازی کے لبوں پر بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ گھر میں سب ہی کو تھوڑے سے ''فالتو پیسے'' درکار تھے۔ اس گھر کی حالت کو بدلنے کے لئے۔ اپنے طور پر شاید ہر ایک یہ فرض کئے ہوئے تھا کہ گھر کے بدلنے کے ساتھ گھر والوں کی قسمت بھی بدلنی شروع ہو جائے گی۔ امی کی نظر سے اس کی مسکراہٹ چھپی نہ رہ سکی۔

''تم جا کر کھانا کھاؤ' کپڑے وغیرہ چینج کرو' تھکی ہوئی آئی ہو۔''

ان کے کہنے پر وہ سعادت مندی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ سامنے کھڑکی کی الماری کے قد آدم شیشے میں نظر آتے اپنے سادہ سے وجود پر اس نے ایک نگاہ ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

''اور بھلا وہ ایسے ہی بے وجہ کبھی کبھی کیوں مسکراتی رہتی ہے؟''

اپنی مصروفیت میں چھوٹا سا وقفہ کر کے امی نے قیاس آرائی کرنا چاہی۔

ایسی لڑکی جو نوجوانی کے بہت سارے سنہرے سال سکول کے بچوں کی کاپیاں چیک کرتے ہوئے گزار چکی تھی۔ وقت کے اتنا آگے نکل آنے پر بھی اس کی مسکراہٹ اتنی شفاف تھی' جیسے دل پر ملال کا کوئی ہلکا سا سایہ بھی نہیں پڑا ہو۔ امی کو نازنین کبھی بالکل صابر اور سادہ دل لگتی اور کبھی کبھی بالکل بے حس۔ وہ چند منٹ یوں ہی سوچ میں گم رہتیں اگر دِیا کمرے میں نہ داخل ہوتی۔

''چھوٹی پھوپھو کو آنا ہے آج۔ رات کے کھانے کا کیا سوچا ہے آپ نے۔''

یہ وقت دِیا کے آرام کا تھا۔ اس وقت جو وہ بستر استراحت چھوڑ کر آنے والے مہمانوں کی تواضع کے لئے فکر مند تھی تو اس کی ایک خاص الخاص وجہ بھی تھی۔

امی کے پاس مہمانوں کی تواضع کے لئے کھانا آدھی تیار حالت میں فریزر رہا کرتا تھا۔ کسی بھی ایسی آمد پر وقت کی بھی بچت رہا کرتی تھی اور پیسوں کی بھی۔ لیکن یہ مہمان ذرا زیادہ توجہ چاہتے تھے۔ خالی قیمے کے کبابوں' سبزیوں کے کٹلٹس اور گھر کے بنے ہوئے بسکٹس پر نہیں بہلائے جا سکتے تھے۔

''چکن بریانی تو ضرور بنا لیجئے گا اور کڑاہی گوشت بھی' کباب رکھنے ہی ہیں' ایک سالن اور بنا لیجئے گا' لیکن چکن تکہ بازار سے منگوایئے گا۔''

دِیا کے بیان کردہ مینو سے نا چاہتے ہوئے بھی انہیں اتفاق کرنا پڑا۔ حالانکہ اس ایک وقت کے کھانے کے خرچ میں وہ پورا ہفتہ بآسانی نکال سکتی تھیں۔

''اور تو سب ٹھیک ہے پر بازار سے کچھ نہیں آئے گا' میں گھر میں ہی چکن تکہ بنا لوں گی۔ بازار سے زیادہ اچھا بنتا ہے۔''

دِیا کو اچھا برا لگنے سے سروکار نہیں تھا۔ اصل مسئلہ اسٹیٹس کا تھا۔ چھوٹی پھوپھی کے ہاں جب بھی جانا ہوتا ان کی ٹیبل کسی نہ کسی مشہور فوڈ پوائنٹ کے کھانوں اور کسی مہنگی بیکری کی چیزوں سے بھری ہوتی تھی۔ یہ بات امی کو ہمیشہ یاد دلانی پڑتی تھی۔

''اسماء کے گھر کی آمدنی ڈالر اور ریال میں ہے۔ اس کا ہمارا کیا مقابلہ' مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔''

امی اپنی ساری دانشمندی کے باوجود اسٹیٹس کی مار آسانی سے کھا جاتی تھیں۔ خاص طور پر دِیا کے ہاتھوں۔ وہی تو تھی جسے دیکھ کر ان کا کھویا ہوا سیلف کانفیڈینس وقفے وقفے سے بحال ہونے لگا تھا۔ جس کی طرف سے انہیں کبھی کوئی تشویش' کوئی فکر لاحق نہیں ہوتی تھی۔ جس کے حُسن و جمال پر ملنے جلنے والوں کی نگاہوں میں اُترتی مرعوبیت اور زبان پر آتے

قصیدے، ان کے دل کو فخر سے بھر دیا کرتے تھے۔اوپر سے وہ پھوپھی کے امریکہ میں بیٹھے لائق فرزند کی منگیتر بھی تھی۔

باہر پیسیج میں سے چلتا ہوا کوئی اسی طرف آرہا تھا۔ مخصوص وقت کی بے حد مخصوص چاپ۔

پروفیسر بشارت حسین ایک اتوار کو چھوڑ کر روزانہ ہی تین بج کر پانچ یا دس منٹ پر اپنے کمرے سے نکل کر باہر جانے سے پہلے اس کمرے کے دروازے پر ایک دو منٹ کے لئے رکا کرتے۔

''چلتا ہوں میں، کوئی خاص بات تو نہیں۔''

اپنے گھر سے باہر جانے کی اطلاع وہ اسی طرح دیا کرتے تھے۔عام طور پر تو کوئی خاص بات نہیں ہوتی تھی، مگر آج امی نے ان کی بہن کی آمد کی یاددہانی کرانی ضروری سمجھی۔

''اسماء آرہی ہے، ہوسکے تو ذرا جلدی لوٹنے کی کوشش کیجئے گا۔پچھلی بار بھی نہیں مل سکے تھے آپ اس سے۔''

بشارت صاحب اپنی چھوٹی موٹی کوتاہیوں کا ریکارڈ رکھنے کے عادی نہیں تھے۔انہیں جب کچھ جتایا جاتا تو وہ بڑا عجیب سا محسوس کرتے۔

''کمال ہے۔خود تو وہ اتنے غلط دن پروگرام بنا کر آتی ہے۔اگر مجھ سے ملنا اتنا ضروری ہے تو اتوار کے دن کیوں نہیں آتی، جب میں سارا وقت گھر پر ہوتا ہوں۔''

''انہیں برسہا برس سے پڑھانے کے تجربہ نے ہر بات کو جواز اور دلیل سے کرنے کی صفت بخشی تھی۔روزمرہ زندگی میں بھی وہ مصلحت، مروت جیسے صلح کن روّیہ پر صاف اور سیدھی بات کرنے کو ترجیح دیتے آئے تھے، جبکہ امی کے پلو

میں ہمیشہ ہی غرض اور مصلحت کی گٹھڑی بندھی رہتی اور اس صاف کورے جواب کو سن لینے کے بعد بھی انہوں نے تھوڑی سی جذباتی بلیک میلنگ کر لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

''بیٹی دینی ہے آپ کو اسماء کے گھر۔بیٹی کی ہونے والی سسرال سمجھ کر ہی اپنے روّیے کو تھوڑا سا نرم کر لیں۔انہیں شکایت کا موقع دے کر ہم خود اپنے حق میں اچھا نہیں کر رہے۔''

یہ گھسے پٹے ڈراوے کم از کم ان پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے۔زیرِ لب لاحول پڑھتے ہوئے وہ مڑنے لگے تھے کہ کچھ خیال آیا۔

''نینی کالج سے اب تک کیوں نہیں لوٹی۔کچھ کہہ کر گئی تھی کیا؟''

''نینی کی دوستوں نے آج کسی ایک دوست کے گھر پر رُک کر یوں ہی کسی چھوٹی موٹی پارٹی کا ارینجمنٹ کیا تھا۔امی اسی کے متعلق بتانے لگیں تو وہ ہلکی سی ناگواری کے انداز میں بولے۔

''اس کا اتنی دیر تک رکنا مناسب نہیں ہے۔ابھی کم عمر ہے، تم خیال رکھا کرو۔''

انہیں دیر ہو رہی تھی۔اپنی بات کہہ کر وہ ایک پل کا بھی توقف کئے بغیر واپس مڑ گئے۔

ہلکی ہوتی ہوئی چاپ پہلے سے معدوم ہوئی اور پھر تھوڑی ہی دیر میں ان کی پرانی بائیک کا مخصوص شور فضا میں بکھرنے لگا۔

اب ان کی واپسی رات گئے ہونی تھی اور واپسی تک انہیں نینی کی گھر میں غیر موجودگی یاد رہنی تھی اور نہ ہی مہمانوں کی آمد۔

وہ شام کے ایک مقامی کالج میں فزکس پڑھا رہے تھے اور کالج کے بعد ٹیوشنز۔

ریٹائرمنٹ کا سال اب قریب تر تھا' مگر نہ تو مصروفیات میں کمی آ رہی تھی اور نہ ذمہ داریوں میں۔ اس غضب کے رش میں بہت سی ایسی باتیں بھی بھول جاتیں' جنہیں یاد رکھنا ضروری ہوتا۔

''اسی روّیہ کی وجہ سے پھوپھا نے ہمارے گھر آنا چھوڑ دیا ہے۔ اطلاع دے کر آنے والوں سے بھی ابا ملنا پسند نہیں کرتے۔ کتنا برا سا لگتا ہے نا امی۔'' دِیا کو اپنی سسرال کی بالکل ویسی ہی قدر تھی' جیسی لڑکیوں کو عام طور پر منگنیوں کے بعد شادی ہونے تک کے وقفے میں ہوتی ہے۔

امی نے کچھ جواب نہیں دیا۔

ایک ٹھنڈی سانس کو اندر ہی اندر اتار کر وہ اپنے سامنے پھیلے کپڑوں کو سمیٹ پر شاپر میں رکھنے لگیں۔ ابا نے ہمیشہ ہی انہیں حزب اختلاف میں بٹھائے رکھا۔ نہ کبھی دل کی بات کہی نہ سنی۔

کیا فائدہ ہوا تھا انہیں اس بے پناہ حُسن سے؟ نوجوانی میں تو وہ معمولی صورت شکل کی بد سلیقہ عورتوں کو شوہروں پر حکومت کرتے دیکھ کر اکثر ہی یہ بات سوچا کرتی تھیں۔ اب بھی کچھ نہ کچھ خیال آ ہی جاتا تھا۔ پہلے اس خیال میں رنج اور اداسی کا احساس جاگتا تھا اور اب دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی ہلکی کڑواہٹ کا۔

اسماء پھوپھی شام ڈھلنے سے پہلے ہی آ گئیں۔ ان کا چھوٹا بیٹا فراز انہیں چھوڑ کر جا چکا تھا اور وہ جب سے آئی تھیں امریکہ سے آئی مسعود کی تازہ تصاویر اور دِیا کے لئے بھیجے گئے تحائف کی بار بار نمائش میں مصروف تھیں۔

''یہ لڑکا جو مسعود کے بالکل برابر میں کھڑا ہے' مراکش کا ہے' ربیع بن... کچھ ایسا ہی سا نام بتایا تھا مسعود نے اور یہ لڑکی جو داہنے ہاتھ کی طرف ہے کتنی خوبصورت لگ رہی ہے۔ سپین سے آئی ہوئی ہے۔ میرینا نام ہے اور یہ لڑکا نیلی شرٹ والا' ناروے کا ہے اور یہ لڑکی۔''

انہوں نے اس کانٹی نینٹل قسم کے گروپ کی ساری تفصیلات معلوم نہیں کتنی محنت سے یاد کی تھیں اور اب انہیں دوسروں تک پہنچا کر انہیں متاثر کرنے پر مصر تھیں۔

''یہ اورنج ساڑھی والی لڑکی کو دیکھیں بھابی! بالکل وحیدہ رحمان کی جوانی کی تصویر نہیں لگ رہی؟ میں تو پہلی نظر میں دیکھتے ہی چونک گئی۔''

انہوں نے خاص طور پر امی کو متوجہ کیا۔ وحیدہ رحمان امی کی بھی کسی زمانے میں فیورٹ تھیں۔ مگر تصویر کو بغور دیکھ لینے کے بعد بھی وہ ایسے کسی اشتیاق کا اظہار نہیں کر پائیں' جیسا اسماء پھوپھی کر رہی تھیں۔

''مہاراشٹر سے آئی ہے۔ سنیتا نام ہے۔ مسعود کے ساتھ ہی کام کرتی ہے۔ یہ سپین والی لڑکی اسی کی سہیلی ہے۔ ایک ہی اپارٹمنٹ میں...'' یہ ساری تفصیلات کئی بار سنی جا چکی تھیں۔

دِیا مسعود کے بھیجے ہوئے فرنچ کاسمیٹکس اور دیگر تحائف بمعہ احتیاط سے بند کئے ہوئے کارڈز لے کر کب کی اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ سمیع ان سب پر ایک سرسری نظر ڈال کر اب صبح کا باسی اخبار کھولے بیٹھا تھا اور ابھی چند منٹ پہلے امی بھی اُٹھ کر کچن کی طرف جا چکی تھیں۔

صرف ایک وہی تھی، جو سعادت مندی سے بیٹھی ان کی ہر بات پر سر ہلائے جا رہی تھی اور ایسا کرتے ہوئے وہ کتنی سخت احمق لگ رہی تھی۔ اس کا احساس ہوتے ہوئے بھی وہ دِیا کی طرح بے مروّتی سے اپنے کمرے میں جا کر بند نہیں ہو سکتی تھی۔

''میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔ آپ آرام سے بیٹھیں۔'' ان کے پیچھے گاؤ تکیہ ٹھیک کرتے ہوئے اس نے بڑے سلیقے سے وہاں سے اٹھنے کا جواز نکالا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔''

تصویروں کے البم پر جھکے جھکے وہ فوراً ہی متفق ہو گئیں۔ یہ احساس بعد میں ہوا کہ اب ان کی معلومات سے مستفید ہونے کے لئے کوئی بھی سامع نہیں۔ سمیع کو انہوں نے متوجہ کرنا بھی چاہا تو وہ ''جی جی دیکھ لیں سب'' کہہ کر اپنا اخبار سمیٹتا ہوا باہر چلا گیا۔

ذرا دیر کے لئے تو وہ اس ہال نما کمرے میں جو بیک وقت سٹنگ روم کا کام سرانجام دیتا تھا' اکیلی ہی بیٹھی رہ گئیں۔

اسماء پھوپھی کے دو ہی بیٹے تھے۔

مسعود جو پانچ سال سے امریکہ میں جما بیٹھا تھا اور انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھتا ہوا افراز۔

پھوپھا بھی ڈھیر سارے درہم کما کر بہت سالوں بعد دبئی سے لوٹے تھے۔ اسماء پھوپھی کے حصے میں دولت کی فراوانی کے ساتھ تنہائی اور دوریوں کے عذاب بھی آئے تھے۔ اسی اکیلے پن سے گھبرا کر وہ یہاں دوڑی چلی آتی تھیں۔

کچن سے بڑی مزیدار قسم کی خوشبوئیں اُڑ رہی تھیں۔ بہتر تھا کہ وہیں چل کر دیکھ لیا جاتا۔

''آپ کیوں یہاں گرمی میں آ گئیں۔ میں لا ہی رہی تھی بس۔''

نازنین کچھ شرمندہ سی ہو کر کہنے لگی۔ شاید اسے چائے لے جانے میں کچھ دیر ہوئی تھی' مگر وہ وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ چکی تھیں۔

کچن کافی بڑا تھا اور ایک بڑی کھڑکی باہر کے رخ پر کھلتی تھی۔ سر سے سر جوڑے سرگوشیاں کرتے درخت یہاں سے بھی نظر آیا کرتے تھے۔ کچن کی اس بڑی ساری کھڑکی اور احاطے میں لگے درختوں کے ساتھ یادوں کا بڑا ہی خوبصورت سلسلہ جڑا ہوا تھا۔

اسماء پھوپھی جب بھی یہاں کچن میں آتیں' بڑی مانوس سی آہٹوں اور آوازوں کو اِرد گرد ابھرتا محسوس کرنے لگتیں۔ چھوٹے چھوٹے دو ہاتھ کھڑکی کی چوکھٹ پر جمتے ہوئے دکھائی دینے لگتے۔

''اسماء ہٹو یہاں سے' چوٹ لگ جائے گی۔ ہزار بار منع کیا ہے اتنے اوپر سے مت کودا کرو۔''

''ایک پیر یہاں رکھو' اب اس شاخ کو پکڑ کر...''

''اماں۔ یہ بشیر بھائی کو دیکھیں اتنی زور سے مجھے گرا دیا' سارا ہاتھ چھل گیا ہے میرا۔''

''کہاں... یہ اسماء کی بچی خود چڑھتی ہے درختوں پر اور نام میرا...''

وقت کتنی بھی دھول اڑا لے یادوں کا سنہرا پن ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے۔

اماں کے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ اور بشارت بھائی باہر جانے کے لئے یہی کھڑکی والا شارٹ کٹ استعمال کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہ درخت اتنے تن آور نہیں تھے' بلکہ ان کے ساتھ ایک بڑا سا نیم کا درخت گھنا سایہ کئے ہوئے

تھا۔ وہ اور بشارت بھائی دن میں کتنی بار درختوں پر چڑھتے اترتے' اماں سے جھڑکیاں کھاتے اور روتے روتے ہنس پڑتے۔

ساتھ ہنسنے اور ساتھ رونے کے دن کب کے گزر چکے تھے۔ اب تو انہیں اور بشارت بھائی کو ڈھنگ سے مل بیٹھے بھی طویل مدت گزر چکی تھی۔

''بیٹھ جائیں پھوپھو' کھڑی کیوں ہیں؟''

نازنین نے چھوٹی سی ٹیبل کے ساتھ رکھی گئی دو کرسیوں میں سے ایک کو سرکایا تو وہ ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بیٹھ گئیں۔

کچن میں اس وقت بڑا پھیلاوا تھا۔

ساتھ میں گرمی اور مصالحوں کی خوشبو' امی کو ان کا یہاں بیٹھنا کچھ بے چین کر رہا تھا۔ جب سے دِیا کی منگنی مسعود سے ہوئی تھی' وہ اسماء پھوپھی کو دیئے جانے والے پروٹوکول کے بارے میں زیادہ حساس ہونے لگی تھیں۔

''اتنا کچھ کیوں پکا رہی ہیں بھابی' میں کوئی مہمان تھوڑی ہوں۔'' امی کے اصرار کے باوجود بھی وہ وہیں بیٹھی بار بار کہتی رہیں۔ مگر دِیا جو مینو بنا کر امی کو تھما چکی تھی۔ اسے سو فیصد پایہ تکمیل تک پہنچانا وہ خود پر فرض کئے ہوئے تھیں۔

''ایسا کیا پکایا ہے' جو کچھ گھر میں پکنا تھا وہی تو ہے۔'' کمال بے نیازی سے وہ سارا کام جب ختم ہونے کے قریب تھا' پھوپھی سے کہنے لگیں تو سلاد کی ٹرے کو فریج میں رکھتی نازنین کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس قسم کے جملے پھوپھو کی ہر آمد پر لازمی ہوتے تھے۔ وہ اس فخر بھری انکساری کے اظہار پر کتنا یقین لاتی تھیں یا لاتی بھی تھیں یا نہیں۔ کبھی اندازہ نہیں ہو پایا تھا۔

نازنین کا کئی بار دل چاہا کہ وہ امی کو اشارتاً ہی سہی کبھی تو ٹوک ہی دے' مگر کبھی بھی ایسا نہ کر پاتی۔ ہمیشہ ہی اسے ان پر رحم آ جاتا۔ اپنے گھر اور گھر والوں کے بھرم کے لئے وہ جس طرح ساری عمر سے خود کو ہلکان کئے ہوئے تھیں' اس پر ہلکی سی بھی چوٹ نہ معلوم ان پر کس طرح اثر انداز ہوتی۔ اچھا ہی تھا جو اسماء پھوپھو ہمیشہ اطلاع دے کر ہی آتی تھیں۔

امی اور اسماء پھوپھو اندر بڑے کمرے میں جا چکی تھیں۔ نازنین کو ذرا سی فرصت ملتے ہی نینی یاد آئی۔ وہ اب تک نہیں آئی تھی۔ نازی کو تھوڑی گھبراہٹ ہونے لگی۔ اس کی دوست کے گھر فون کرنے کے خیال سے اسے بڑے کمرے میں ہی آنا پڑا۔

ٹیلی فون ریک میں رکھی ڈائری میں نینی کی درجنوں دوستوں کے نام اور ٹیلی فون نمبر درج تھے۔ گھر میں دوستیاں نبھانے کا ٹھیکہ دو ہی کے پاس تھا۔

ایک سمیع اور دوسری نینی۔

فائزہ کے گھر کا نمبر مستقل انگیج جا رہا تھا۔ تیسری بار ٹرائی کر لینے کے بعد وہ ریسیور رکھ کر پلٹ رہی تھی تو اسماء پھوپھو دبے دبے سے لہجے میں بولی۔

''فائزہ کے گھر ہی تھی نا پارٹی' کہیں لڑکیوں نے کہیں اور جانے کا پروگرام تو نہیں طے کر رکھا تھا۔'' ان کے سادہ سے لہجے میں سے جو یہ ہلکا ہلکا سا شک جھانک رہا تھا' بے حد کنفیوز کرنے والا تھا۔ نازی نے شکر کیا کہ امی ابھی کمرے سے باہر نکلی تھیں۔

''میرا مطلب ہے کہ ایسے ہی کہیں آئس کریم وغیرہ کھانے کے لئے رک گئی ہوں۔ پروگرام تو بن ہی جاتا ہے نا۔'' اپنی پہلی بات کے بے تکے پن کا شاید انہیں خود ہی احساس ہوا تھا' جو انہوں نے اپنی بات کی وضاحت ضروری سمجھی۔

نازنین بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

ان کی مرضی تھی۔ وہ جو چاہے اندازے قائم کرتیں۔

"کیا پروگرام بن رہا ہے بھئی؟ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔" دِیا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ان کی بات کا آخری فقرہ ہی سنا تھا۔ وہ بڑی دیر لگا کر کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔ مسعود کے بھیجے گئے

تحائف اور کارڈز میں بھیجے گئے محبت بھرے پیغامات کا اثر اس کے چہرے پر بکھرے خوبصورت رنگوں سے بخوبی ہو رہا تھا اور اس وقت وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ نازنین کو جو اس پر ہمیشہ ہی کسی مہمان کی آمد پر اس کی کام چوری کے سلسلے میں غصہ آنے لگا تھا' وہ بھی ذرا دیر کو بھول بھال سا گیا۔

"کچھ نہیں، بس ذرا نینی کا انتظار کر رہے تھے۔" سوال پھوپھو سے کیا گیا تھا' سو جواب دینا بھی ان ہی کی ذمہ داری ٹھہرا۔

دِیا اس وقت اتنی خوش تھی کہ کسی بھی مسئلے کو مسئلہ گرداننے کے لئے تیار نہیں تھی۔ لاپروائی سے چہرے پر آئی لٹوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے بولی۔

"آجائے گی' ابھی کون سا اتنا ٹائم ہوا ہے۔"

"ہاں اور کیا' میں بھی یہی کہہ رہی تھی۔"

پھوپھو فوراً ہی متفق ہو گئیں۔ وہ دِیا کے آگے ابھی سے دبنے لگی تھیں۔ نازی کو ہنسی آنے لگی۔

سمیع کو دیکھنے کے خیال سے وہ اگلے برآمدے کی طرف آئی تو گیٹ پر ایک گاڑی رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ نازی وہیں پہلی سیڑھی پر رُک کر منتظر نظروں سے گیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔

گیٹ کے چھوٹے داخلی دروازے پر سمیع نے اپنی آسانی کے لئے ایک ایک چھوٹی سی لوہے کی راڈ اٹکا رکھی تھی۔ اِدھر سے اُدھر کی اور دروازہ کھلا۔

اس وقت دروازہ کھول کر نینی اندر آئی تھی۔ اندر داخل ہو کر اس نے مڑ کر پھر کسی کو خدا حافظ کہا اور جب تک وہ گاڑی چلی نہ گئی وہیں کھڑی ہاتھ ہلاتی رہی۔ گیٹ کے اوپر لگی تیز روشنیاں اِرد گرد کے ماحول کو منور کیے دے رہی تھیں۔

نینی کا جدید تراش کا سوٹ' جو اس نے ابھی پچھلے دنوں ہی سلوایا تھا' نفاست کے ساتھ کیا گیا میک اپ سب ہی نمایاں ہو رہے تھے۔ ایک ہاتھ میں بڑا سا شاپر' جس میں وہ کپڑے اور اپنی دیگر اشیاء رکھ کر لے کر گئی ہو گی۔ تھامے سیڑھیوں کی طرف آ رہی تھی تو نازی کو وہ کافی بڑی بڑی سی محسوس ہوئی۔ اتنی دیر سے وہ نینی کے خیال میں جتنی پریشان ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ مل کر اس نئے احساس نے عجیب سی گھبراہٹ میں مبتلا کرنا شروع کر دیا۔

"کس کے ساتھ آئی ہو؟"

نینی کے نزدیک آتے ہی اس نے اپنی انکوائری شروع کی۔ اس کے انداز میں جو ایک سختی خود بخود در آئی تھی وہ نینی کے لئے حیران کن تھی۔

"فائزہ ہی چھوڑ کر گئی ہے اور بھی دوستیں تھیں۔" نینی کو گھر سے بڑی حد تک آزادی ملی ہوئی تھی اور دوسرے فائزہ کے گھرانے سے خود امی کے بھی اچھے اور پرانے تعلقات تھے۔ وہاں اسے اکثر ہی دیر سویر ہو جاتی تھی۔ پھر بھی اس وقت نازی نے جو سوال جواب کا سلسلہ شروع کیا تھا' وہ بہت تحمل سے جو جو وہ پوچھتی گئی' ان سب کا جواب دیتی گئی۔

"گاڑی کون چلا رہا تھا؟"

"اتنی دیر کیوں ہوئی' وغیرہ وغیرہ؟"

فائزہ کے ایک ہی بڑے بھائی تھے۔ شادی شدہ اور دو بچوں کے والد محترم۔ گاڑی ڈرائیو کرنا ان ہی کی ذمہ داری تھی۔ یہ بات نازی کو بھی پتہ تھی۔ نینی نے پھر بھی دہرا دی۔

"بس اب جاؤں اندر۔"

برآمدے کی سب سے نچلی سیڑھی پر ایک قدم جماتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

یہ بڑی دل جلانے والی مسکراہٹ تھی۔ کم از کم نازی کو تو ایسا ہی لگا جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہی ہے۔

"اتنی ڈارک لپ اسٹک کیوں لگا رکھی ہے' ہلکی کرو' اندر اسماء پھوپھو آئی بیٹھی ہیں۔ کیا سوچیں گی؟ ابھی تم بہت چھوٹی..."

خود کو کمپوز کرتے ہوئے' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ایک آخری نصیحت اور کرنا چاہ رہی تھی۔ پر اس بار نینی نے پوری بات سننے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔

"کوئی چھوٹی وٹی نہیں' پورے سترہ سال کی ہو جاؤں گی اس اکتوبر میں اور آپ شاید لڑکیوں کو غور سے دیکھتی نہیں ہیں۔ سب ہی لگاتی ہیں۔ اس سے بھی زیادہ ڈارک۔"

یہ دوٹوک جواب پکڑا کر وہ مزید ایک پل بھی نہیں رکی۔ نازنین کے پاس سے گزرتی تیزی سے اندر چلی گئی۔ وہ یوں ہی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

بڑی بہن ہونے کے ناطے جو سارے فرائض وہ لمبے عرصے سے پورے کر رہی تھی۔ ان میں ایک چھوٹی سی خوش فہمی بھی چھپی ہوئی تھی۔ یہی کہ وہ کسی بھی غلط بات یا غلط روّیے پر اپنے سے چھوٹوں سے باز پرس کا حق رکھتی ہے۔ اس وقت اس احساس کو تو جو چوٹ لگی سو لگی تھی' نینی کا بدلا بدلا سا انداز بھی کم۔

نینی گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ اب تک اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کیا جاتا تھا اور وہ خود بھی بڑی مگن اور پڑھا کو قسم کی لڑکی تھی۔ اب جو یہ تبدیلی آنی شروع ہوئی تھی۔ یہ ظاہری تھی یا باطنی اس کا فیصلہ وقت نے کرنا تھا۔

"شاید غلطی میری ہی تھی۔ گھر میں گھستے ہی اس سے بحث نہیں شروع کرنی تھی۔"

کسی بھی معاملے میں آخری غلطی وہ عموماً اپنی ہی فرض کر لیا کرتی تھی۔ کچھ نہ کچھ ٹینشن کم ہونے ہی لگتی تھی۔ اس وقت بھی یہی کیا۔ ایک انجانے سے خوف کی جو آہٹ کہیں قریب سنائی دینی شروع ہوئی تھی۔ اس کی طرف سے کان بند کر لینے میں ہی عافیت تھی۔ واپس اندر مڑتے ہوئے نازی نے حتی الامکان خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

...☆☆☆...

موسم کا بھی کچھ اتہ پتہ نہیں تھا۔ سردی کے مہینے ڈھنگ سے ختم بھی نہیں ہو پائے تھے کہ ایک دم ہی چلچلاتی دھوپ بوکھلائے دینے لگی اور اب جب ہر شخص حسبِ معمول "لگتا ہے" اس سال گرمی پچھلے سالوں سے زیادہ پڑے گی! قسم کی پیشن گوئیوں سے فارغ ہی ہوا تھا کہ ایک دم ہی گھنے سرمئی بادلوں نے سارا ماحول جل تھل کر ڈالا۔

نہ بارشوں کے مہینے تھے اور نہ ہی صبح کچھ ایسے آثار تھے۔ بس دوپہر کو چلنے والی گرم ہوا کچھ دیر کے لئے بند ہوئی تھی اور اسی دم گھوٹتے عالم میں گھنیرے بادلوں کے قافلے اچانک مل جانے والی خوشی کی طرح حیران کرنے آ پہنچے۔

دوپہر کی گئی لائٹ ابھی ابھی آئی تھی۔ سجاد نے ٹیرس پر کھڑے ہو کر نیچے جھانکا۔ ساری لائٹیں روشن تھیں اور لان میں پڑی کرسیاں پوری طرح بھیگی ہوئی تھیں۔ نمی سے بوجھل ہوا کے جھونکوں سے پتوں اور ٹہنیوں پر رکے بارش کے قطرے ابھی تک ٹپک رہے تھے۔

ٹن۔ ٹن۔ ٹن

ایک مستقل جلترنگ بالکل نزدیک ہی بجے جارہا تھا۔ ٹیرس کی ریلنگ کے آگے بنے سرخ کھپریل کے چھجوں سے پھسلتا ہوا پانی ٹھیک نیچے گلابوں والی کیاری کے پاس رکھے پانی ڈالنے والے فوارے کے اوپر گر رہا تھا۔ موسم کی ذرا سی تبدیلی نے منظر میں کتنا سکون اور کتنے ہی رنگ بھر دیئے تھے۔

سجاد نے ایک گہرا سانس لیا۔ ہوا میں کچی مٹی اور سبزے کی مہک کے ساتھ کچھ مزیدار قسم کی خوشبو بھی آنا شروع ہو چکی تھی۔ نیچے شاید کچن میں کچھ تلا جارہا تھا۔

سجاد کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ نیچے بھابیوں کی حکومت تھی، جنہیں زیادہ سے زیادہ ماڈرن اور کلچرڈ نظر آنے کا شوق ہلکان کئے دے رہا تھا۔ کئی سال پہلے برادری کے سب سے زیادہ دقیانوسی گھروں سے بیاہ کر آنے والیوں نے ماضی کی ہر چھاپ خود پر سے مٹانے کے لئے جتنی محنت کی تھی، اس کی گواہی تصویروں کے پرانے البمز سے ہی ہو جاتی تھی۔ نہ جانے کیا یاد آنے پر سجاد کھل کر ہنس پڑے۔

کہیں دیپ جلے، کہیں دل

ذرا دیکھ لے آکر پروانے

سرونٹ کوارٹرز کی طرف سے لتا کی خوبصورت آواز دھیرے دھیرے آرہی تھی۔ سجاد سننے والے کے ذوق کو دل ہی دل میں سراہتے ہوئے واپس کمرے میں جانے کے لئے مڑنے ہی لگے تھے کہ نیچے سے بڑی ساری گلاس ونڈو میں سے جھانک کر ان کی چودہ سالہ بھتیجی نے آواز دی۔

"نیچے آجایئے چاچا، پکوڑے بنے ہیں۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر اسے مطمئن کیا تو وہ فوراً ہی واپس اندر غائب ہو گئی۔ ان محفوظ و مامون گھروں میں بیٹھ کر ہر موسم کا مزا لینا کتنا سہل لگتا ہے۔ سجاد کی نگاہیں خود بخود سامنے والی چوڑی سڑک کے دوسری طرف زیرِ تعمیر عمارت پر جا ٹھہریں۔ جہاں خلاف معمول غیر معمولی چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔

ناکافی کپڑوں میں ملبوس ننگے پیر سیڑھیوں پر بیٹھے بچے، بستر اور صندوق ایک دوسرے پر جماتے ہوئے مرد، عورتیں، جھکی جھکی کمروں والے ضعیف وجود یہ سب وہ تھے، جو اطراف کی چند جھونپڑیوں کے مکین تھے۔ برسہا برس سے ہر بارش انہیں یوں ہی دربدری پر مجبور کرتی۔ ایک دن، دو دن اور کبھی ہفتہ دس دن بھی لگ جاتے۔ وہ خستہ حال جھونپڑیاں پھر سے مرمت کر لی جاتیں۔ اتنے دن کی ادھ بنی عمارت میں یا دکانوں کے آگے بنے برآمدوں میں گزار کر وہ لوگ پھر سے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے اور پھر کسی ایسی ہی بارش کا انتظار کرتے۔ انہیں زندگی بھر یہ خبر نہیں ملتی تھی کہ موسم کو انجوائے بھی کیا جاتا ہے۔

سجاد نے جیب میں والٹ کی موجودگی کو کنفرم کیا اور پھر نچلی منزل کے لاؤنج میں اترتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ نیچے محفل گرم تھی۔ دونوں بڑے بھائیوں کے اہل و عیال کی حاضری پوری تھی، مگر خود وہ دونوں کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔

‘‘وقار بھائی اور سہیل بھائی ابھی نہیں آئے ہیں کیا بھابی؟’’

سامنے والے صوفے پر براجمان بھتیجے' بھتیجیوں کے گروپ کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے سرسری سے انداز میں پوچھ لیا۔

بلقیس بھابی جو ابھی گرما گرم پکوڑوں کی پلیٹ تھام کر بیٹھی تھیں' ہر ایسے دن سخت ٹینشن میں ہوتی تھیں' جب سجاد دونوں بڑے بھائیوں سے پہلے گھر میں نظر آنے لگتے تھے۔

‘‘وہ بے چارے کب جلدی آتے ہیں۔ رات گئے ہی واپسی ہوتی ہے۔ نہ بیوی کے لئے وقت اور نہ بچوں کے لئے' تم نوکری کر رہے ہو تو کم از کم شام تک گھر تو آ جاتے ہو۔’’

‘‘وقار بھائی بھی آ سکتے ہیں۔ آپ ذرا روزانہ زور دے کر کہا کریں نا۔’’

یہ مشورہ وہ اکثر ہی دیا کرتے تھے۔ مگر دونوں بھابیاں متفق نہیں ہوتیں۔ ‘‘بزنس تو نری ذمہ داری ہی ذمہ داری ہے۔ آرام تو جاب میں ہے اور وہ بھی تمہارے جیسی شاندار! بڑی سمجھداری سے کام لیا تم نے جو بابا کے آگے بزنس میں ہاتھ بٹانے سے صاف صاف منع کر دیا۔ کم از کم اپنی زندگی تو سیٹ کر لی۔ بڑے بھائی تو بس فرمانبرداری میں ہی...’’

یہ بڑی بے وقت راگنی وہ چھیڑ کر بیٹھی تھیں۔ ڈھکے چھپے طنز اور دبا دبا سا غصہ' سجاد سب کچھ سمجھنے کے باوجود بھی نظر انداز کئے رکھتے تھے۔

‘‘جاؤ انعم میرے لئے بھی کچھ لے آؤ۔ آخر تمہاری دعوت پر ہی نیچے اتر کر آیا ہوں۔’’

بات بدل دینے کی ایک کوشش کر لینے میں حرج ہی کیا تھا۔

انعم فوراً ہی اٹھ کر چلی گئی۔

بھابیاں جیسی بھی تھیں' دونوں کے چاروں بچے سجاد سے بے حد محبت کرتے تھے۔ سہیل بھائی کے دونوں بچے فہد اور بلال تو ابھی چھوٹے تھے' مگر انعم اور فیضی کے انداز میں اب محبت کے ساتھ دوستی کا رنگ نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔

‘‘یہ شرٹ تو زوردار لگ رہی ہے آپ کی' کسی دن میں بھی کالج پہن کر جاؤں گا۔’’

فیضی کی تعریفی نگاہیں ہلکی نیلی اسٹرپڈ شرٹ پر تھیں۔ قد و قامت میں ہلکا سا فرق ہونے کے باوجود بھی وہ اس طرح کے کام چلاتا رہتا تھا۔ روزانہ ہی اس کی تیاری اپنے کمرے سے شروع ہو کر سجاد کے کمرے پر ختم ہوتی تھی اور سجاد کے برابر والا کمرہ اسی کا تھا۔

‘‘کسی دن کیوں' کل ہی پہن لینا۔ میں ابھی چینج کر دیتا ہوں۔’’ وہ واقعی اٹھنے لگے تو فیضی نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

‘‘ایسی کوئی جلدی تھوڑی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر ہمیں دیکھ کر خوش تو ہو لینے دیجئے کہ ہمارے چاچا اس عمر میں بھی کتنے سمارٹ اور ینگ دکھائی دیتے ہیں۔’’

‘‘اچھا میری عمر کو کیا ہوا ہے۔ تم سے کچھ ہی سال بڑا ہوں۔’’

انہوں نے دانستہ خود پر مصنوعی خفگی طاری کرنا چاہی۔ ‘‘بجا فرمایا۔’’ فیضی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ان سے بھی زیادہ سنجیدگی سے بولا۔ ‘‘صرف سترہ سال اور سات ماہ بڑے' کوئی زیادہ فرق بھی نہیں۔’’ سجاد زور سے ہنس پڑے۔

آج کل ان کی عمر کا ذکر فیضی کا پسندیدہ ترین موضوع تھا اور کیوں تھا؟ یہ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

‘‘تمہارے پاپا جب سجاد کی عمر کے تھے تو تم دس سال کے ہو چکے تھے۔’’

مرچوں کے پکوڑوں پر مزید چٹنی لگا کر منہ میں رکھتے ہوئے بلقیس بھابی نے فخریہ اطلاع دینا ضروری سمجھی۔

''اب جو تاریخ وقار بھائی رقم کر چکے ہیں اس کو دہرانا ضروری تو نہیں ہے۔''

سجاد فیضی کی طرف جھکتے ہوئے ہلکے سے بڑبڑائے تو وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

''تمیز سیکھو فیضی، کتنے بڑے ہو گئے ہو۔ آخر عقل کب آئے گی۔''

بلقیس بھابی کو نہ اپنے بچوں کا سجاد سے لگاؤ پسند تھا اور نہ ہی ہنسی مذاق۔ کہیں کا غصہ کہیں اور اترنے لگا۔

''فضول وقت برباد کرتے ہو۔ اپنی پڑھائی پر ہی دھیان دے تو، تم ہی کسی قابل ہو جاؤ تو ہماری فکریں کچھ کم ہوں۔''

سجاد نے ذرا غور سے ان کی طرف دیکھا۔ ایک کامیاب بزنس مین کی بیوی کی حیثیت میں اس خوبصورت گھر میں بیٹھ کر وہ کن فکروں میں آخر مبتلا تھیں۔ انہوں نے کچھ اندازہ لگانا چاہا، مگر اسی وقت انعم ہاتھ میں ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے سہیل کی بیوی ثمینہ بھی تھی۔

''بابا سے مل لینا، تمہیں پوچھ رہے تھے۔''

انعم کے لائے ہوئے پکوڑوں کے ساتھ ثمینہ بھابی کی دی گئی اطلاع بھی تھی۔

''پہلے کھالو بیٹھ کر آرام سے، پھر مل لینا۔ کوئی جلدی تھوڑی ہے۔''

پکوڑے گرم بھی تھے اور مزیدار بھی لیکن بلقیس بھابی مطمئن نہیں ہو رہی تھیں۔

''اتنی زیادہ مرچیں ڈال رکھی ہیں۔ بیسن سخت رکھا ہوا ہے، وغیرہ وغیرہ...''

دو تین پلیٹیں صاف کر دینے کے باوجود نہ ان کی تنقید ختم ہونے میں آ رہی تھیں اور نہ ہدایتیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

پچھلے بارہ تیرہ سال سے پکانے کی ذمہ داری مکمل طور پر خانساماں کے سپرد تھی۔ پھر بھی تینوں وقت وہ سگھڑ بیبیوں کی طرح بے حد مصروف اور بے حد ٹینشن میں نظر آتی تھیں۔

''میں ذرا دیر کے لئے بھی کچن سے نکل آؤں، پھر دیکھو تماشہ کسی اور کو ذرا بھی پروا نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟''

''کسی اور...'' کی اصطلاح صرف ثمینہ پر فٹ بیٹھتی تھی۔ بلقیس بھابی نے انہیں کبھی بھی مرحومہ ساس کی غیر موجودگی کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔

ثمینہ بھابی اس وقت ان کی طرف سے چت کئے ہوئے تھیں۔ ان کے ماتھے پر پڑتی شکنیں اور منہ ہی منہ میں کچھ کہہ کر دل ہلکا کرنے کی کوشش کا منظر سجاد ہی دیکھ سکے۔

گھر میں اب تک امن و آشتی کا جو دور دورہ چلا آ رہا تھا، اس میں بابا کے رعب، بھائیوں کی آپس کی محبت کے بعد کچھ نہ کچھ کنٹری بیوشن ثمینہ بھابی کا بھی تھا۔ ہنسی خوشی نہ سہی، منہ بنا کر ہی سہی۔ ان میں در گزر کرنے کی کچھ تو صلاحیت تھی ہی۔

یہ غیر جانبدار تجزیہ سجاد کا تھا۔

سامنے کے رخ والی کھڑکی پوری دیوار کی لمبائی میں پھیلی ہوئی تھی۔ پردے ہٹے ہوئے تھے، مگر کھڑکیاں ایک آدھ کے علاوہ ساری بند تھیں۔ انعم نے آگے بڑھ کر دو چار کھڑکیاں ایک ساتھ کھول دیں تو بھیگی ٹھنڈی ہوا لاؤنج میں سے گزرنے لگی۔

بارش کی مہکار نے ایک بھولا ہوا کام یاد دلایا۔ انعم اور فیضی کی ڈرائیو پر چلنے کی آفر کو ٹالتے ہوئے وہ لاؤنج سے نکل رہے تھے تو انہوں نے سنا بھابی بھی بلقیس فیضی سے کہہ رہی تھیں۔

"دادا کے پاس جا کر بیٹھا کرو، سب سے بڑے پوتے ہو ان کے۔ تمہارا ہر چیز پر برابر کا حق ہے۔" سجاد کو رنج سا ہونے لگا۔

بلقیس بھابی کی ہر وقت کی جمع تفریق کی عادت آگے چل کر کسی وقت بھی خاندان کی تقسیم کا سبب بن سکتی تھی۔ جس کام کے لئے وہ نکل رہے تھے، اس سے پہلے بابا کی بات سننا ضروری تھا۔ کوریڈور میں سے مڑتے ہوئے وہ ان کے کمرے کی طرف چلے گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ سامنے ہی کرسی پر بیٹھے کسی گہری سوچ میں ڈوبے نظر آ رہے تھے۔

"آؤ بیٹھو سجاد۔" آہٹ پر چونکتے ہوئے انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"اور آفس کیسا چل رہا ہے تمہارا؟"

"جی بالکل ٹھیک ٹھاک۔" ان کی نزدیکی کرسی سجاد نے کھینچی۔

"آج کل کچھ جلدی آنے لگے ہو۔"

"جی، بس ذرا کام کم ہے۔"

اپنی جاب سے متعلق ان کے ہر سوال کا مختصر ترین جواب، وہ اب دانستہ دینے لگے تھے۔ مگر پھر بھی پکڑ ہو ہی گئی۔

"نوکری تو نوکری ہی ہے، کام ختم سو ختم، بھائیوں کو دیکھو ذرا فرصت نہیں ہے انہیں۔ لاکھوں میں کھیلتے تھے اب کروڑوں کی طرف جا رہے ہیں۔ ایک فیکٹری سے تین فیکٹریاں کھڑی کر چکے ہیں اور تمہیں کیا ملے گا۔ دس سال بھی اگر یہاں جتے رہے، وہی گنی چنی تنخواہ۔"

ملٹی نیشنل کمپنی کی جو ہائی فائی قسم کی جاب بلقیس بھابی کے لئے وجہ رشک بنی ہوئی تھی اسی کو لے کر بابا اکثر ان پر جھنجلاتے، ترس کھاتے۔

"میں نے تو یہ سوچ کر تمہاری اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش میں تمہارا ساتھ دیا کہ چلو تمہارا شوق ہے، پورا ہو جائے۔ کام تو اپنے بزنس میں ہی آئے گا۔ مگر تمہیں نہ معلوم کیا سوجھی کہ..."

سجاد کچھ دیر تک سعادت مندی سے ان کی خفگی بھری ساری ہی باتیں سنتے رہے۔ پھر جب وہ سانس لینے کے لئے ذرا رکے تو دھیرے سے بولے۔

"آپ نے مجھ بلوایا تھا۔"

یہ یاد دہانی کارگر ثابت ہوئی۔ اس نے سالوں پرانے واویلے کو چھوڑ کر بابا کو وہ سارے کام یاد آنے شروع ہو گئے، جو انہوں نے خالصتاً سجاد کے لئے رکھ چھوڑے تھے۔

"سائٹ ایریا والی زمین کا جو مقدمہ چل رہا ہے، دو دن بعد اس کی ہیئرنگ ہے۔ تم ذرا لائر سے مل لینا۔ نئے آفس کے لئے جو جگہ میں نے منتخب کی ہے اسے تم بھی ایک نظر دیکھ لو تو اچھا ہے۔ میں جلد سے جلد اس بات کو فائنل کرنا چاہ رہا ہوں۔ کل وقت نکال کر یہ دونوں کام ضرور کر لینا۔"

سجاد کچھ جز بز سے ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ اپنا روزمرہ کا ورکنگ ڈے نمٹانے کے بعد وہ شہر کے دو مختلف سروں پر ہونے والے ان کاموں کو کس طرح کر پائیں گے۔ یہ بابا نے ایک بار بھی نہیں سوچا تھا۔

"وکیل سے تو میں مل لوں گا، مگر بابا آفس کی جگہ کا صحیح مشورہ تو وقار بھائی یا سہیل بھائی ہی دے سکتے ہیں۔ وہ لوگ جگہ دیکھ لیتے تو زیادہ بہتر مشورہ دے سکتے تھے۔"

یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اپنے آگے بحث بالکل پسند نہیں کرتے' سجاد نے دبے لفظوں میں ایک کوشش کر ہی لی۔

نتیجہ حسب توقع رہا۔

بابا فوراً ہی ناراض ہو گئے۔

''سارے فیصلے میں خود کرتا ہوں۔ کسی کی رائے یا مشورہ لینے کی مجھے ضرورت نہیں ہے اور تمہیں بھی محض اس لئے کہا ہے کہ جلد یا بدیر میرا آفس تو تمہیں سنبھالنا ہی ہوگا۔ جس دن تمہارا نوکری کرنے کا شوق پورا ہو جائے' بتا دینا۔''

یہ دھمکی وہ اکثر ہی دیا کرتے تھے اور بڑی مشکل یہ تھی کہ اپنے منہ سے نکلی بات کو وہ ہمیشہ ہی حرفِ آخر سمجھتے تھے۔ اب جو وہ عرصے سے یہ کہتے آرہے تھے کہ سجاد کو ان کا آفس سنبھالنا ہے' سو سنبھالنا ہی تھا۔ ابھی یا کبھی بھی۔

سجاد کی کسی بھی تاویل میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ ایک پل کے لئے رک کر اس پر غور فرمانے کی زحمت اٹھاتے۔ گھڑی تقریباً سوا آٹھ بجا رہی تھی۔

جس کام کا خیال لے کر وہ اپنے کمرے سے نیچے آئے تھے' اتنا ضروری نہ ہوتا تو سجاد یقیناً کچھ دیر اور رک کر اپنے مستقبل کے وہ سارے پلان سنتے رہتے' جن میں ایک بھی ان کا اپنا بنایا ہوا نہیں تھا' مگر فی الحال جانا ہی تھا۔

''ٹھیک ہے جائو۔'' سجاد کے منہ سے ''ضروری کام'' کا سن کر وہ فوراً ہی نرم پڑ گئے۔ کمیٹ منٹس کی ان کے نزدیک ہمیشہ ہی بڑی اہمیت رہی تھی۔ وہ پوری طرح سیلف میڈ شخص نہیں تھے۔ پیسہ انہیں وراثت میں بھی ملا تھا اور قسمت سے بھی' مگر آگے زندگی یوں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہنچنے کی جدوجہد ان کی اپنی تھی۔ جس میں ہمیشہ زندگی اصولوں کے تابع رہی تھی۔ اصولوں نے کبھی زندگی کے آگے تابعداری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

کسی وقت فرحت کے پاس بھی ہو آنا' بہت دن سے اس کا آنا نہیں ہوا ہے۔ اس وحید کی طرف سے بھی کبھی کوئی اچھا خیال نہیں سمجھتا ہے' فکر ہی رہتی ہے۔''

کمرے سے نکلنے سے پہلے جو یہ آخری کام وہ بتا رہے تھے' تب ان کے لہجے میں ہلکی سی شکستگی صاف جھلکی۔ فرحت آپا کا ذکر اداس کرتا تھا۔

سجاد نے بابا کی طرف دیکھا' مگر وہ نظر چرا گئے۔ کبھی کبھی یوں ہی وہم سا ہوتا تھا' جیسے ان کی آنکھوں میں نمی کی ہلکی سی تہہ جمنے لگی ہے۔ کل سب سے پہلے فرحت آپا کی طرف جانے کا ارادہ باندھتے ہوئے جب وہ لان کی طرف آرہے تھے تو آدھی فیملی پورچ میں کھڑی نظر آئی۔

''کچھ ضروری چیزیں خریدنی تھیں۔ قریب سے ہی سوچا چلو اسی بہانے آئوٹنگ ہی ہو جائے گی۔ اگر تم باہر جا رہے ہو تو تم ہی لے چلو سب کو۔''

بلقیس بھابی کے ساتھ انعم اور سہیل بھائی کے بچے بھی تھے۔ سجاد نے ایک نظر آسمان پر ڈالی۔ بارش رکے ہوئے دیر ہو چکی تھی' مگر آسمان کا رنگ ابھی بھی سیاہی مائل ہو رہا تھا۔

''سڑکوں پر بہت پھسلن ہو گی بھابی' جگہ جگہ پانی بھی کھڑا ہو گا' مجھے بتا دیں کیا لانا ہے؟ میں لیتا ہوا آجائوں گا۔'' بچوں سمیت کسی کو بھی یہ رائے اچھی نہیں لگی۔

''گھر میں بیٹھے بیٹھے طبیعت بے زار ہوئی جا رہی ہے۔ تمہارے بھائیوں کو تو فرصت ملتی نہیں ہے' تم جائو ہم لوگ تو ویسے بھی ڈرائیور کو لے کر جا رہے ہیں۔ انعم جا کر دیکھو' ثمینہ کو اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے۔''

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بلقیس بھابی کو ان کا انکار اچھا نہیں لگا تھا۔ پر اس وقت کیا بھی کیا جا سکتا تھا۔

سجاد اپنی گاڑی بیک کرنے لگے۔ سامنے سے ثمینہ بھابی آ رہی تھیں۔ موڈ چاہے کتنا ہی خراب ہو، بلقیس بھابی کے ہر پروگرام میں وہ ان کا بھرپور ساتھ دیتی تھیں۔ اصل مسئلہ ''بوریت'' کا تھا، جسے مٹانے کے لئے ہر ممکن جتن کئے جاتے تھے مگر... مہنگے سے مہنگے فوڈ پوائنٹ اور شاپنگ سینٹرز میں گھنٹوں گزار لینے کے بعد بھی مسئلہ جوں کا توں رہتا تھا۔ ایک بڑی برادری سسٹم کا حصہ ہونے کی وجہ سے سوشل تقریبات کی بھی کوئی کمی نہیں تھی۔

عقیقہ سے لے کر چہلم اور برسی تک تقریبات کی نوعیت میں زبردست ورائٹیز موجود تھی۔ پھر بھی بوریت تھی کہ مٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔

پیچھے چوکیدار بڑا گیٹ کھول چکا تھا۔ گاڑی باہر نکالتے ہوئے سجاد نے سوچا کہ ''اگر اس دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی تعلیم بھی دونوں بھابیوں کو عطا ہو جاتی تو نشہ شاید بہتر ہوتا یا شاید پھر بھی نہیں۔''

سامنے والی بلڈنگ تک جانے کے لئے بھی راستہ مختصر نہیں تھا۔ ایک لمبا سا یوٹرن لے کر واپس آنا پڑتا تھا۔ ایک آدھ بار پہلے کبھی سجاد نے یہ ''ذرا سا فاصلہ'' سمجھ کر ایسے موسم میں پیدل دوسری طرف جانے کی غلطی کر لی تھی۔ تب اندازہ ہوا تھا کہ سڑک کے دوسری طرف اس موسم میں کتنی کیچڑ اور پھسلن ہوتی ہے۔ آج کل تو وہاں تعمیراتی سامان بھی پھیلا ہوا تھا۔

سیڑھیوں پر بیٹھے چند لوگوں نے ان کی گاڑی کو رکتے دیکھا تو ایک دم ہی ان کے چہرے کھل اٹھے۔ وہ سب سجاد کو پہچانتے تھے۔ سالوں سے آخر وہ ان کے پڑوس میں ہی تو آباد تھے۔

''کیسے ہیں خیرو چاچا؟''

''اور گل شیر ٹھیک ٹھاک ہو بھئی۔''

اپنے خیر مقدم کے لئے آگے بڑھنے والوں سے وہ بڑی انکساری اور اپنائیت سے مل رہے تھے۔

''اس موسم نے تو بڑا مسئلہ کر دیا بھئی، کوئی بڑا نقصان تو نہیں ہوا نا؟ میں بس اِدھر سے گزر رہا تھا تو تم لوگوں پر نظر پڑ گئی۔ سوچا چلو خیریت ہی پوچھتا چلوں۔''

حالانکہ ان سب کو پتہ تھا کہ وہ جب بھی آتے ہیں پوری پلاننگ کے ساتھ آتے ہیں، مگر پھر بھی سب کے سب زور و شور سے تاکیدی انداز میں سر ہلائے جا رہے تھے۔

یہاں وہاں سامان چڑھ کر شور مچاتے بچے بھی اب ذرا خاموش سے ہو کر ایک طرف کو ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ سجاد بس چند منٹ کے لئے ہی آئے تھے۔ بے سروسامانی کے عالم میں بیٹھے ان لوگوں کی عزت نفس کو امتحان میں ڈالنے سے بچانے کے لئے ضروری تھا کہ یہاں بس چند پل ہی رکا جائے۔ سو وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

''موسم کا کچھ پتہ نہیں ہے، ایسا کیجئے گا چند روز سب لوگوں کے لئے کھانا وغیرہ منگواتے رہئے گا، جو بچ جائیں وہ تقسیم کر دیجئے گا۔''

باباخیرو کے ہاتھ میں کچھ رقم تھماتے ہوئے انہوں نے سرگوشی سی کی۔ وہ عرصے سے یہ خدمت انجام دے رہے تھے۔ زیادہ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی اور کچھ کہنا سننا ضروری بھی نہیں تھا۔

چند ہی منٹ میں جب وہ واپس سیڑھیاں اتر رہے تھے تو سامنے سڑک پر سے گزرتی بلقیس بھابی وغیرہ کی گاڑی پر ان کی نظر تک نہیں گئی۔ البتہ ان کی وہاں موجودگی کو نہ صرف پوری طرح نوٹ کیا گیا بلکہ حسب عادت سخت برا بھی منایا گیا۔

یہ بڑا پرانا جھگڑا تھا۔

رات کو جب جملہ اہل خانہ کھانے کی میز پر اکٹھے تھے تو انہیں ان چند منٹوں کا حساب دینا پڑ ہی گیا۔

''تمہیں بڑی دیر لگی سجاد، ہم تو اسی دیر میں ہی گھر آ گئے تھے، کوئی خاص کام تھا کیا؟''

بلقیس بھابی نے پالک گوشت کا ڈونگہ اور نکتہ اعتراض ایک ساتھ اٹھایا۔ سجاد کی یہ چھوٹی سی سرگرمی تفصیلاً سارے گھر کے علم میں لائی جا چکی تھی۔ اس وقت ذکر چھیڑ کر صرف یاد دہانی کرانا مقصود تھا۔

''آج تم پھر ان جھگی والوں کے ہاں گئے تھے۔'' ایک بار خود سجاد کے منہ سے اعتراف سننا شاید ضروری تھا۔ سو بابا نے بنا کسی تمہید کے فرد جرم عائد کی۔ سجاد کے لئے ان کی خفگی کو محسوس کرنا مشکل نہیں تھا۔ کھانے کی پلیٹ سے ہاتھ کھینچتے وہ ان ہی کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان کی خاموشی سے یقیناً اپنی مرضی کے معنی اخذ کر رہے تھے۔

سجاد نے محض سر اثبات میں ہلانے پر اکتفا کیا۔ یہ چند منٹ کا وزٹ جو وہ وہاں کر آئے تھے، اس میں بتانے کے لئے کچھ تھا بھی نہیں۔

''ضرورت کیا ہے آخر، پہلے بھی کتنی بار تمہیں کہہ چکا ہوں کہ ایسے لوگوں سے فاصلہ رکھا کرو۔ گھٹیا لوگ ہیں۔ کل کو منہ کو آنے لگیں گے۔ معلوم نہیں کیا سوچ کر تم ان سے تعلقات بڑھاتے جا رہے ہو۔ کل کو کوئی نئی پریشانی نہ کھڑی کر دیں یہ مل کر تمہارے لئے۔'' بابا کے خدشات کا اظہار ماحول کو سنجیدہ کیے دے رہا تھا۔ سجاد کو انہیں مطمئن کرنے کے لئے کچھ کہنا پڑ ہی گیا۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے بابا۔ سارے بے چارے شریف غریب لوگ ہیں۔ شروع سے یہیں رہ رہے ہیں۔ کوئی خانہ بدوش ٹائپ لوگ نہیں ہیں۔ آپ بھی جانتے ہیں ذرا سی بارش نے بے چاروں کو دربدر کر دیا ہے۔ میں اتفاقاً ادھر سے گزر رہا تھا کہ نظر پڑ گئی۔ سوچا چلو انہیں...''

بابا ہر بار مطمئن ہو بھی جاتے تھے، مگر آج یہ معاملہ نہ جانے کس طور ڈسکس ہوا تھا کہ ان کی خفگی دور ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ سجاد کی ساری صفائیاں یوں ہی بے اثر سی ثابت ہو رہی تھیں۔ کچھ نہ کچھ کریڈٹ بلقیس بھابی کا بھی تھا جو اس سارے قصے کو ختم ہونے ہی نہیں دے رہی تھی۔ سجاد نے کبھی اشارتاً بھی ایسا کچھ کہنے کی غلطی نہیں کی تھی، مگر وہ سب تاڑے رکھتی تھیں۔ ''خدا خوفی اچھی چیز ہے۔ ہم بھی جو بن پڑتا ہے، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں بلکہ بابا میرا تو خیال ہے کہ ہمارا خاندان ان برادری کے چیریٹی کے پروگراموں میں سب سے زیادہ تعاون کرنے والا گھر ہو گا۔''

اپنی بات کہتے کہتے انہوں نے بابا سے تائید چاہی۔

وہ پہلے ہی فخریہ انداز میں سر ہلا رہے تھے۔ برادری میں مخیر افراد کی کمی نہیں تھی، مگر وہ اچھے اچھوں کو اس معاملے میں پیچھے بیٹھا چکے تھے۔ ان کی سخاوت اور دریا دلی کا سکہ پوری برادری میں چلتا تھا۔ بلقیس بھابی کو ان کی سپورٹ عموماً اسی قسم کی باتوں سے مل جایا کرتی تھی۔

''اتنی بڑی برادری ہے، کتنے ہی بے چارے ضرورت مند ہیں۔ پہلا حق تو ان ہی کا بنتا ہے۔ اس طرح باہر پیسہ لٹانا کوئی دانشمندی تو نہیں ہے۔''

سجاد کو یہ سارا لیکچر سخت کوفت کے عالم میں سننا پڑ رہا تھا۔ بابا، بلقیس بھابی وغیرہ کے سامنے بحث فضول ہی ثابت ہوتی تھی۔ زیادہ رنج سجاد کو بابا پر ہوتا تھا جو حسن سلوک کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے ہر عمل کو سختی سے برادری کی حد تک محدود رکھنے کے قائل تھے۔

''آج کے دور میں بھی وہی سارے اصول لاگو ہیں جو بزرگوں سے چلے آ رہے ہیں، ہم بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں۔ لوگوں سے ملنا ملانا، تعلق دوستی سب رکھتے ہیں، مگر ایک حد تک۔ یہی اپنے بڑوں سے سیکھا ہے اور حقیقت بھی ہے کہ برادری سے باہر کا حد سے بڑھا ہوا میل جول ہمیشہ ہی پرابلمز کھڑی کرتا ہے۔''

بات کہیں سے کہیں نکلی جارہی تھی۔

سجاد نے ایک نظر سامنے بیٹھے فیضی، انعم اور سہیل بھائی کے بچوں پر ڈالی۔ معلوم نہیں ان میں سے کون یہ سنبھل کر رکھے زریں اصول سن رہا تھا اور کون نہیں، وہ تو یہ سب کچھ ازبر کئے ہوئے تھے۔ مگر کیا تھا کہ بہت سی باتیں علم میں ہونے کے باوجود بھی عمل کی تاثیر نہیں جگا پاتی تھیں۔ کم از کم سجاد کو تو اپنے بارے میں سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بہت سارے ایسے رہنما اصول جو نہ جانے کس کے وضع کردہ تھے ان سب کے لئے وہ اپنے اندر علم اور عمل کے کوآرڈی نیشن کا سخت فقدان پاتے تھے۔

سامنے والی کرسی کھسکا کر فیضی ایک دم ہی اٹھ کر لائونج سے باہر چلا گیا۔

سجاد کے سوا شاید کسی نے بھی اس کے جانے کو نوٹ نہیں کیا۔ پرُسوچ نگاہوں سے وہ اس کی خالی کرسی کو تکتے گئے۔

"انعم، ذرا جا کر گرم روٹی لائو دادا کے لئے، کیا کر رہے ہیں آخر یہ لوگ کچن میں۔ دیکھو جا کر۔" بلقیس بھابی کو ملازموں پر غصہ آنا شروع ہو گیا۔ سجاد پر طاری خاموشی کے واقفے، انہیں یوں وہی جھنجلاہٹ میں مبتلا کرتے تھے۔ کوئی بھی ایشو جو انہوں نے بڑی محنت سے اٹھایا ہوتا تھا، خود بخود ہی ختم ہونے لگتا تھا۔

سجاد پر سارا غصہ اب وہ دل ہی دل میں نکال رہی تھیں۔

...☆☆☆...

پچھلے برآمدے کی چوڑی سیڑھیوں پر نازنین سکول سے لائی کاپیوں کو چیک کرنے میں مصروف تھی۔ یہ تقریباً روز کا ہی کام تھا۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی سکول کا کام سکول میں ہی ختم نہیں ہو پاتا تھا۔ کلاسوں میں گنجائش سے زیادہ بچے اور اپنا کام ایمان داری سے انجام دینے کی لت دونوں ہی باتیں سارے دن کی مصروفیت کا سبب بن جاتیں۔ پھر یہ بھی تھا

کہ ہیڈ مسٹریس صاحبہ کی گڈ بک میں وہ اب تک جگہ نہیں بنا پائی تھی۔ سو ان کے فیورٹ گروپ میں سے بھی کسی نہ کسی فالتو پیریڈ آئے دن بھگتنا پڑتا رہتا تھا۔ امی اور دِیا کو اس کا رات تک کاپیوں پر جھکے رہنا بہت کھلتا تھا۔ سو وہ کوشش کر کے سر شام ہی اس کام کو ختم کرنے پر کمربستہ ہو جاتی، لیکن امی کو پھر بھی فکر ہی رہتی۔

"اب بس بھی کر دو نازی۔ کب سے ایک ہی نشست میں بیٹھی ہو۔ سارا دن سکول ہی کیا کم ہے جو گھر میں بھی دو گھڑی کا آرام نہیں رہا۔"

سیڑھیوں کے آگے چبوترہ سا بنا ہوا تھا اور اس سے ملا ہوا امی کا چھوٹا سا کچن گارڈن۔

نازی نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کاپی پر سے نظریں اٹھا کر امی کی طرف دیکھا۔ اپنے سامنے اخبار بچھائے وہ کیاریاں کے بڑے سارے ڈھیر کو کاٹنے میں دیر سے لگی ہوئی تھیں۔ قریب ہی چھوٹی ٹرے میں اچار کے مصالحے کھلے ہوئے رکھے تھے۔ رائی اور سونف کی ملی جلی سی خوشبو ہلکی ہلکی سی چلتی نیم گرم ہوا کے ساتھ سارے میں پھیل رہی تھی۔

کاپیاں ایک طرف کو سرکاتے ہوئے وہ اٹھ کر ان کے نزدیک چلی آئی۔

"امی، دِیا سے کہہ دیتیں وہ آپ کے ساتھ مل کر کٹوا دیتی۔" اصل میں اسے خود بھی شرمندگی ہوئی تھی۔ اس خیال سے کہ امی کی خاطر خواہ مدد وہ خود بھی نہیں کرا پاتی تھی۔

"دِیا کہاں کرتی ہے ایسے کام اور میں خود بھی اسے نہیں کہتی ہوں۔ مہمان ہی ہے اب تو، جس مہینے بھی مسعود کے آنے کا پروگرام بن گیا اس کی تاریخ رکھ دیں گے۔" امی کے ہاتھ تیزی سے کیریاں کاٹے جا رہے تھے۔ اس ڈھلتی ہوئی عمر میں بھی وہ کاموں کو جس پھرتی سے سمیٹنے کی کوشش کرتی تھیں، نازی کو بڑا متاثر کرتی تھی۔ بڑے سارے تھال میں

سے دوسری چھری اٹھا کر وہ بھی ان ہی کی طرح کاٹنے کی کوشش کرنے لگی۔امی اس کی طرف دیکھ کر مسکرانا چاہ رہی تھیں، پر اس پھیکی سی مسکراہٹ میں بہت سی تشویش چھپی ہوئی تھی۔

''تھوڑا سا ٹائم اپنے آرام کے لئے بھی نکالا کرو۔ کتنی کمزور اور بیمار بیمار لگنے لگی ہو۔دِیا کو دیکھا ماشاءاللہ کتنی فریش اور پیاری دکھائی دیتی ہے۔ محض اس لئے کہ اس نے اپنے سر پر کاموں کا انبار نہیں رکھا۔ہر وقت ٹینشن فری رہتی ہے۔''

نازی کو بے ساختہ ہی ہنسی آگئی۔

امی نے مثال بھی دی تو کس کی؟

دِیا پیاری نظر آتی تھی تو صرف اس لئے کہ وہ درحقیقت پیاری تھی۔ محض ٹینشن فری رہنے سے حسین نہیں کہلاتی تھی۔ یہی بات اس نے امی سے بھی کہہ دی، مگر وہ پھر بھی اپنی بات پر قائم رہیں۔

''بہت فرق پڑتا ہے آرام اور کیئر سے ورنہ دِیا تم اور لبنیٰ میں ایسا کون سا بڑا فرق ہے۔''

امی کو جلد کی تازگی کے لئے بہت سے نسخے یاد تھے۔پہلے بھی کئی بار بتا چکی تھیں۔اس وقت پھر بتانے لگیں۔نازی چپ کر کے سنے گئی۔

امی کی کہی بات کے حوالے سے ایک گھٹیا سا خیال نہ جانے کہاں سے آیا تھا۔''اگر وہ اور دِیا مختلف نہیں تھے تو پھوپھی نے اسے کیوں نہ مسعود کے لئے منتخب کر لیا۔''

یہ بڑی شرمندہ کرنے والی بات تھی۔خود اپنی نظروں یوں سبھی۔نازی نے بوکھلا کو موضوع بدلنا چاہا، مگر اسی وقت دِیا کی آواز سنائی دی۔

''امی... امی۔'' اپنے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے جھانک کر وہ امی کو پکار رہی تھی۔انہوں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تو وہ وہیں سے خفگی کے ساتھ بولی۔

''آپ نے بھی یہ کیا پھیلار کھا ہے۔سارے گھر میں مصالحوں کی اسمیل آرہی ہے، سانس بھی نہیں لیا جار ہا ہے مجھ سے تو۔''

''جاؤ نازی ذرا کچن سے پلیٹیں لا کر ان پر ڈھک دو۔ مجھے بھی کچھ خیال ہی نہیں رہا کہ دِیا ان کی بو سے چڑتی ہے۔'' امی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی شکایت رفع کرنے کی فکر میں لگ گئیں۔انہیں اس کی نازک مزاجی پر بڑا پیار آتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اسے نازک مزاج بنانے والی بھی وہ خود ہی تھیں۔

نازی کی بس اب چند کاپیاں ہی چیک ہونے سے رہ گئی تھیں۔انہیں رات سونے سے پہلے پر موقوف کر کے وہ انہیں اپنے کمرے میں رکھنے چلی گئی۔کچن سے پلیٹیں لیتی ہوئی واپس پچھلے صحن میں آئی تو دِیا بھی وہیں موجود تھی۔

ابھی چند ہی منٹ پہلے وہ جن مصالحوں سے الرجک ہو رہی تھی، اب ان ہی کے درمیان بیٹھی کسی اور بات پر بے حد سنجیدہ ہو رہی تھی۔

''اب کسی پرانی ساڑھی یا دوپٹے میں سے شرٹ بنانے کا مشورہ مت دیجئے گا۔بہت آکورڈ سا لگتا ہے۔سب دیکھتے ہی سمجھ جاتے ہیں کہ کس چیز سے کیا کام لیا گیا ہے۔''

نازی کی سمجھ میں ساری بات فوراً ہی آگئی۔جمعے کو اسماء پھوپھی کے ہاں میلاد کی محفل تھی اور دِیا کے لئے وہاں کی تیاری بڑی خصوصیت کی حامل تھی۔

امی طویل عرصے سے سلیقے اور کفایت شعاری کے جس تال میل کے ساتھ زندگی گزارنے کی عادی ہو چکی تھیں اب ان سے اس پیٹرن سے ہٹ کر کچھ اور سوچا ہی نہیں جاتا تھا۔ دِیا کی اکتاہٹ کو نظرانداز کرتے ہوئے وہ اسے منانے کی کوشش کئے گئیں، مگر ان کی سب سے خوش رنگ اور خوبصورت بنارسی ساڑھی کا لالچ بھی دِیا کی اعلیٰ وارفع سوچ کے سامنے نہیں ٹھہر پا رہا تھا۔

''آپ کی ہر ساڑھی سب کی دس بار کی دیکھی ہوئی ہے اور وہاں پھوپھا کا سارا خاندان آیا ہوا ہوگا، میری ہر بات کو نوٹ کرتے ہیں وہ لوگ۔''

دِیا کی بے زاری میں بھی فخر کا احساس چھلکتا تھا اور اس وقت گھر کے عام سے کپڑوں میں بھی وہ جس تمکنت کے ساتھ اس پرانے سے تخت پر بیٹھی تھی اسے دیکھ کر نازی کو ''رعب حسن'' والی اصطلاح یاد آنے لگی۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے بہن کو محبت سے دیکھا اور بولی۔

''تمہیں لوگوں کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے پورے خاندان میں بھی کوئی تم جیسا نہیں ہے، جو بھی پہن کر جاؤ گی دیکھ لینا سب سے اچھی لگو گی۔''

دل جوئی کی کوئی بھی کوشش دِیا کا موڈ بحال نہیں کر پا رہی تھی۔ اسے فی الحال صرف نیا سوٹ درکار تھا اور وہ بھی کسی اچھے بوتیک کا۔ کپڑوں سے لبالب بھری الماری میں اسماء کے پھوپی کے گفٹ کیے چند ایک سوٹ بہت اچھے بوتیکس کے بھی تھے، مگر دِیا اور نینی دونوں کا جانے آنے کا شوق کوئی کپڑا نیا نہیں رہنے دیتا تھا۔

کیریاں ساری کٹ چکی تھیں۔ دِیا ناراض ناراض سی اٹھ کر جانے لگی تو امی اپنے سامنے رکھے بڑے سے تھال کو ایک طرف کرتے ہوئے کچھ کچھ رضامند ہو ہی گئیں۔

''آج تمہارے ابا سے بات کروں گی۔ کسی ٹیوشن سے ایڈوانس لے لیں۔ تھوڑے پیسے نازی نے رکھوائے تھے میرے پاس، میرے خیال میں کافی ہو جائیں گے تمہارے لئے۔''

نازی سے رہا نہ گیا، جو پیسے اس نے امی کے پاس رکھوائے تھے وہ نینی کے امتحان کی فیس تھی۔ اگلے ماہ اس کے فارم جانے تھے۔ امی کے اوپر زیادہ بوجھ نہ پڑے سو ایسے موقعوں کے لئے وہ کچھ پہلے سے بچت شروع کرتی تھی۔ دِیا کی بچگانہ ضد کی خاطر یہ فضول خرچی نہیں کی جا سکتی تھی۔

''بے کار کی ضد مت کرو دِیا۔ ذرا سی بات کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے تم نے۔ ایک اسماء پھوپھو کے گھر جانا اتنا بڑا...'' بڑی بہن ہونے کے ناطے اسے ٹوکنے کا جو فرض وہ انجام دینے چلی تھی، دِیا کو سخت ناگوار گزرا۔

''ان کے پیسے مجھ پر خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے امی۔ ابھی سے انہیں تکلیف ہو رہی ہے۔ آپ ابا سے بات کر لیجئے گا۔ اس کے پاس ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے کوئی...'' وہ جس بدتمیزی سے یہ سب کہے جا رہی تھی، نازی چند لمحوں کے لئے تو ہکا بکا سی اس کی شکل دیکھے گئی۔ امی نے اس کے چہرے کے اڑے ہوئے رنگ کو دیکھا تو دِیا کو ڈانٹنے لگیں۔ مگر وہ خاموش نہیں ہوئی۔ بڑبڑاتی ہوئی برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ مگر نچلی سیڑھی پر ہی ٹھٹک گئی۔

ٹھیک سامنے بالکل ہی خلاف توقع ابا کھڑے تھے۔ یہ ان کے گھر آنے کا ٹائم نہیں تھا۔

دِیا نے ان کے چہرے پر پھیلی گھبراہٹ کو پل سے بھی کم وقت میں محسوس کیا۔

''نینی کس کے ساتھ گئی ہوئی ہے؟''

بنا کسی تمہید کے وہ سوال کر رہے تھے۔

دِیا نے مڑ کر پیچھے آتی امی اور نازنین کو دیکھا۔

...☆☆☆...

چند لمحوں کے لئے بڑا گہرا سناٹا گھر کے اس پچھلے حصے میں آ اترا۔

"نینی کہاں گئی ہے؟ اس گھر میں کسی کو معلوم ہے یا نہیں۔" ان کی بے ساختہ اونچی ہوتی آواز نے اس خاموشی کو بھی توڑا اور گھر والوں پر چھائے حیرانی کے عالم کو بھی۔

"وہ فائزہ آئی تھی اسے لینے' دونوں مل کر کسی دوست کے گھر..." امی نے آگے بڑھتے ہوئے اس بڑی غیر متوقع سی صورتحال کو کنٹرول کرنا چاہا' مگر بے سود۔ بشارت صاحب نے بیچ میں ہی بات کاٹ ڈالی۔ "کون سی دوست' کچھ نام تو ہو گا نا...؟"

دوست کا نام تو واقعی تھا' مگر اس وقت بوکھلاہٹ میں یاد ہی نہیں آ رہا تھا اور وہ اس وقت وہ بات یاد کرنے کے لئے کوئی مہلت دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔

"کس قدر بے خبر ماں ہو تو حیرت ہے۔ یہ دس شوق جو تم نے پال رکھے ہیں ان کے بجائے صرف ایک فرض انجام دے لیتیں ان لڑکیوں کی تربیت کا تو بڑا کرم ہوتا مجھ پر۔"

جب کبھی انہیں غصہ آتا تھا تو وہ اصل بات کے ساتھ امی کی پچھلی ساری خدمات کو پل بھر میں یکسر مسترد کر دیتے تھے۔ اس وقت بھی نازی کے ہاتھوں میں کٹی ہوئی کیاریاں سے بھرا تھال اور بیک گراؤنڈ میں پھیلا اچار کا ساز و سامان ان کی مزید خفگی کا سبب بن گیا۔

نازی نے ایک نظر امی کی طرف دیکھا۔ وہ ابا کے دیئے گئے طعنوں کو شاید ڈھنگ سے سن بھی نہیں رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر پھیلی گھبراہٹ کی وجہ دوسری ہی تھی۔

نازی کو ان پر بڑا رحم سا آیا۔

"ابا ان دونوں کو کچھ نوٹس لینے تھے کسی سے' بس اب آتی ہی ہوں گی۔" اپنی ساری اولاد میں وہ اسی کے کہے کو گردانتے تھے۔ اسی یقین کو لے کر نازی نے ان کے غصے کو ٹھنڈا کرنا چاہا' مگر وہ جو کچھ ابھی باہر دیکھ کر آ رہے تھے اس کے بعد نینی کے حوالے سے کوئی صفائی کی کوشش ان کے نزدیک بہانے بازی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

"کہاں سے لانے تھے نوٹس؟ جس کے لئے اسے اجنبی گاڑی سے لفٹ لینے کی ضرورت پڑ گئی؟ یا اس شہر میں اس کی جان پہچان اتنی بڑھ گئی ہے کہ لوگ اسے سڑک پر کھڑا دیکھ کر اپنی گاڑی روک لیتے ہیں؟ یہ سب تمہاری ماں کی ڈھیل کا نتیجہ ہے کہ آج میری بیٹی ان..."

سخت ناراضگی میں بھی وہ دِیا اور نازی کے سامنے ان دو لڑکوں کا ذکر نہیں کر پائے' جو انہیں ایک نظر میں ہی سخت چھچھورے لگے تھے اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ وہ نینی اور فائزہ کو سڑک کے کنارے کھڑا دیکھ پائے اور ان کے نزدیک رکتی ہوئی گاڑی کو بھی' درمیان میں فاصلہ بھی تھا اور ٹریفک بھی' ورنہ شاید وہ وہیں۔

ایک جھنجلاہٹ بھری بے بسی' جس کا تجربہ انہیں آج ہی ہوا تھا۔ دِیا اور نازی کو سامنے کھڑا دیکھ کر کچھ اور بڑھتی محسوس ہو رہی تھی۔ بشارت صاحب کو خدشہ ہونے لگا کہ کہیں آج پہلی بار وہ بیوی اور بیٹیوں کے آگے کمزور نہ پڑ جائیں۔

"اچھا بہانہ ڈھونڈا ہے نوٹس لینے ہیں۔ ارے اگر نوٹس ہی چاہئیں تو میں مر تو نہیں گیا' سارے زمانے کو پڑھاتا ہوں اپنی بیٹی کو..."

سامنے والے کوریڈور سے گزر کر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ مستقل بولے چلے گئے۔

نازی' دِیا اور امی ان کی لگائی عدالت میں کھڑی ہی رہ گئیں' سب سے پہلے دِیا اس ٹرانس سے باہر آئی۔

''زمانے بھر کو تو اس لئے پڑھاتے ہیں کہ ان سے پیسے جو ملتے ہیں۔ اپنی اولاد کے لئے فری میں کیسے ٹائم نکال سکتے ہیں۔ سب بے کار کی باتیں ہیں۔''

امی اور نازی کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بے زاری سے سر کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے بولی۔

نازی نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔ بجائے نینی کے لئے تشویش کا اظہار کرنے کے وہ بات کو دوسرا ہی رنگ دے رہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک بار پھر اسے ٹوکنا پڑا۔

''بات نینی کی ہو رہی ہے دِیا۔ اس کی غلطی کو اس طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور ابا بے چارے اس عمر میں جس طرح ہم لوگوں کے لئے محنت کر رہے ہیں اس کا کیا تم کو احساس تک نہیں ہے۔''

''سب ہی والدین کرتے ہیں محنت اور کوئی احسان نہیں کرتے۔ آپ بات بات میں اتنی حساس مت ہوا کریں۔ ورنہ یوں ہی بے کار کی باتوں میں اُلجھی رہیں گی۔''

دِیا کے دیئے گئے مشورے کو ان سنا سا کرتی ہوئی وہ اس کے قریب سے گزرتی ہوئی برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی' تب وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔

''اور نینی کو لے کر بے کار کی ٹینشن پھیلائی ہے۔ ضرور کوئی دوست مل گئی ہو گی راستے میں' جس نے انہیں لفٹ دے دی ہو گی اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ابا نے ٹھیک سے پہچانا ہی نہیں ہو' بس یوں ہی شبہ سا ہو گیا ہو۔''

خوش گمانی بھی بڑی نعمت ہے' جس کو عطا ہو جائے۔

نازی نے کمرے کے دروازے پر ذرا رک کر دِیا کے چہرے کی طرف دیکھا۔

وہاں فکر کے کسی ہلکے سے سائے کا بھی شبہ نہیں ہوتا تھا۔ آنکھوں میں اتری جگمگاہٹ مخاطب کو چند لمحوں میں ہی نظر جھکا لینے پر مجبور کرتی تھی۔

دِیا کے شانے کو نرمی سے چھوتے ہوئے وہ ہلکے سے بولی۔ ''اور دِیا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ابا نے جو کچھ دیکھا اور سمجھا ہے وہ ٹھیک ہی ہو۔''

ایک گہری سانس دِیا کے لبوں سے آزاد ہوئی۔ اپنے شانے سے نازی کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس نے بڑی مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ کو کوئی نہیں سمجھا سکتا نازی آپا' بس چلیں تھوڑی دیر انتظار کریں۔ نینی آتی ہی ہو گی۔''

ابھی تھوڑی دیر پہلے جو وہ اسماء پھوپھو کے ہاں پہن کر جانے والے کپڑوں کے مسئلے پر نازی سے بے حد خفا ہو چکی تھی' وہ خفگی اس تازہ ایشو کے بعد مدہم ہو چکی تھی۔

تینوں کی آپس میں ناراضگیاں عموماً اتنے ہی دورانئے کی ہوتی تھیں۔ اپنی الماری چوپٹ کھولے وہ پھر نئے سرے سے جائزہ لے رہی تھی۔

''جو سوٹ سب سے زیادہ اچھے ہیں' وہ وہی ہیں جو پھوپھو کے دیئے ہوئے ہیں۔ اب ان کے گھر ان ہی کے گفٹ کئے کپڑوں کو پہن کر جانا بھی تو اچھا نہیں لگتا نا۔'' کپڑوں سے بھرے ہینگر ایک ایک کر کے پھر سے بیڈ پر آ رہے تھے۔ باوجود پریشانی کے نازی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"کیوں نہیں پہنے جاسکتے؟ لڑکیاں تو بہت شوق سے سسرال سے آئی چیزیں استعمال کرتی ہیں اور بہت فخر سے بتاتی ہیں۔"

دِیا اس قسم کے مظاہرے خود بڑے شوق سے کرتی تھی مگر کچھ اصول اور قاعدوں کے ساتھ۔

"سمجھا کریں نا' یہ باتیں اپنی فرینڈز میں کرنا اچھا لگتا ہے۔ وہ امپریس بھی ہوتی ہیں' وہاں مسعود کے خاندان کے بیچ بیٹھ کر یہ باتیں کرنا اچھا لگے گا کیا؟ کہ یہ سوٹ بھی یہیں سے بھیجا گیا ہے اور یہ ٹاپس بھی اور یہ جوتا بھی' جیسے ہم کوئی بالکل ہی پھٹیچر قسم کے لوگ ہیں' جنہیں نہ کوئی تمیز ہے' نہ کوئی اچھی چیز افورڈ کر سکتے ہیں۔"

اس بار نازی کی سمجھ میں بھی اس کا پرابلم آگیا۔

"لے لینا کل چل کر تم اپنا سوٹ' فی الحال ذرا نینی کو آجانے دو' مجھے واقعی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

وہ وہیں اس رنگے برنگے ڈھیر کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

دِیا نے بمشکل ہی خود کو کسی مزید نصیحت کرنے سے باز رکھا۔ اس کا مسئلہ حل ہو رہا تھا' یہی کافی تھا۔ سوٹ تو اسے امی بھی دلا ہی دیتیں' مگر نازی کی بہر حال اپنی اہمیت تھی۔ گورنمنٹ سکول والی جاب سے ملنے والی تنخواہ کو وہ جس فراخ دلی سے بہن بھائی پر خرچ کرتی چلی آرہی تھی' اس کا اعتراف منہ سے بھلے کوئی نہ کرتا ہو' دل سے سب ہی معترف رہتے تھے۔

امی ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھیں۔ دِیا اور نازی دونوں ہی کو پتہ تھا کہ وہ ابا کے کمرے میں ہیں جو کچھ وہ اُن دونوں کے لحاظ میں نہیں کہہ سکے ہوں گے اب اکیلی امی کو سننا پڑ رہا ہو گا۔

نازی کو زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ نینی کی سرگرمیاں پچھلے کچھ عرصے سے واقعی مشکوک سی لگنے لگی تھیں۔ تیزی سے بڑھتا ہوا حلقہ احباب' آئے دن کسی نہ کسی باہر کے پروگرام کا سبب بن جاتا۔ تھوڑی سی ردوکد کے بعد اجازت بھی مل ہی جاتی تھی۔ اکثر ہی شامیں باہر گزرنے لگی تھیں۔

ون ڈش پارٹی' برتھ ڈے پارٹی وغیرہ وغیرہ اور جب کچھ نہیں تو مل کر نوٹس تیار کرنے کا بڑا مضبوط جواز تو تھا ہی۔

نینی گھر میں چھوٹی تھی سو چھوٹوں کو ملنے والی ساری رعائتیں اسے خود بخود ہی حاصل ہوتی رہی تھیں۔ "معلوم نہیں وہ کب اتنی بڑی ہو گئی' جو اس قسم کے پرابلم کری ایٹ کرنے لگی ہے۔" نازی نے حیرت سے سوچا۔

"مسعود کی ساری کزنز سخت جیلس ہیں مجھ سے' ابھی آپ خود نوٹ کر لیجئے گا اسماء پھوپھو کے گھر' کس قسم کا برتاؤ ہو گا ان لوگوں کا میرے ساتھ۔ مجھے تو ان بے چاریوں پر بس ہنسی ہی آتی ہے۔" دِیا اس کی ہر سوچ سے بالکل معترض تھی اور اس وقت گھر میں پھیلی ٹینشن سے بھی۔

نازی یوں ہی گم صم سی اس فخریہ اظہار کو سنتی رہی۔ باہر گیٹ کی طرف سے کچھ آہٹ سنائی دی' کوئی شاید اندر آیا تھا۔

نازی اٹھ کر فوراً ہی باہر چلی گئی۔ دِیا کی بات پوری ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا۔

باہر کے رُخ پر کمروں کے آگے ایک پتلا سا لمبا برآمدہ تھا۔ رنگین شیشوں والی بڑی بڑی کھڑکیاں' چند ایک کو چھوڑ کر باقی سب ہی کھلی ہوئی تھیں۔ نازی کو فوراً ہی نینی آتی نظر آگئی' جتنے خوشگوار موڈ میں وہ اس وقت تھی' اس کا اندازہ اس تھوڑے سے فاصلے سے بھی بخوبی ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم۔"

برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے دور ہی سے آواز لگائی۔ ''ضرور میرے ہی انتظار میں کھڑی ہوں گی آپ۔ ہے نا۔ جس خوش دلی اور یقین کے ساتھ اس نے یہ قیاس آرائی کی تھی وہ پل بھر کے لئے نازی کو بھی گڑبڑا گئی۔ فوری طور پر سمجھ میں ہی نہیں آسکا کہ اس کے ساتھ کس قسم سے ری ایکٹ کرنا چاہئے۔

''کیوں خوامخواہ میں خود کو تھکاتی ہیں۔ مت اتنی فکر کیا کریں۔ ویسے ہی آپ کے اوپر اتنی ذمہ داریاں ہیں۔ تھوڑا سا اپنا خیال بھی کیا کریں۔''

سادہ سے لہجے میں وہ جس دردمندی اور اخلاص سے یہ مشورہ دے رہی تھی' اس میں طنز کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اپنی بات کہتے ہوئے وہ نازی کے قریب آچکی تھی۔ نازی نے ذرا غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

نوعمری کی بے فکری اور معصومیت کا دلکش تاثر اس کے چہرے پر بے حد نمایاں تھا۔ وہ دِیا جیسی تو نہیں تھی' مگر بہرحال اچھی لگا کرتی تھی۔

''آپ کی پریشانی کی وجہ سے آج میں نے ذرا بھی دیر نہیں ہونے دی' فائزہ تو ابھی اتنا روک رہی تھی مگر میں نے...''

عام طور پر وہ ذرا ذرا سی بات پر جس طرح غصے میں آجاتی تھی' اس کے برعکس بڑی نرمی سے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

''کون تھے وہ دونوں لڑکے' جن سے تم اور فائزہ لفٹ لے رہی تھی۔'' نازی کو اپنے عقب سے ابا کی آواز سنائی دی اور مڑ کر اُن کی طرف دیکھے بغیر بھی اُسے اُن کے چہرے پر پھیلی شرمندگی اچھی طرح نظر آرہی تھی۔

نینی بالکل سامنے کھڑی تھی۔

ایک پل کے لئے جو سایہ سا اس کے چہرے پر سے گزرتا ہوا محسوس ہوا تھا' وہ یقیناً باقی کہی گئی بات کی تصدیق کر دیتا اگر نینی کی آنکھیں دوسرے ہی لمحے گیلی ہونا شروع نہیں ہو جاتیں۔

اس کے ہونٹ ہلکے سے کانپے' شاید اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی' مگر کسی کے کانوں تک کوئی آواز نہیں پہنچی۔

''جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرنا' میں نے خود دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے' تم اور فائزہ اس وائٹ کرولا میں...''
رنج سے ان کی آواز پھٹنے لگی' کوشش کے باوجود بھی بات پوری نہیں ہوسکی۔ تب ہی امی تیزی سے آگے آئیں۔

''اب خاموش کیوں کھڑی ہو' جواب کیوں نہیں دیتیں؟ تمہارے ابا کیا پوچھ رہے ہیں؟''

پتی ورتا عورتوں کی طرح وہ فوراً ہی ابا کی مدد کو آئیں' مگر نہ ان کی آواز بلند تھی اور نہ ہی لہجہ تحکم تھا۔

ایک سہم تھا' جو ان پر طاری تھا اور جو کچھ وہ نینی سے پوچھ رہی تھی وہ بڑا بے بسی بھرا انداز تھا۔

نینی کے شانے پر ہاتھ رکھے وہ اس کا نفی میں ہلتا سر دیکھے گئیں۔

''ایسا کچھ نہیں ہے امی' ابا کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے' میں اور فائزہ تو بس بینا کے گھر تک گئے تھے اور جب سے وہیں تھے' آپ فون کر کے پوچھ لیں۔''

جو کچھ وہ کہہ رہی تھی۔ اس پر یقین کرنے نہ کرنے کا اختیار صرف بشارت صاحب کو حاصل تھا۔ سب ہی کی نظر ان کی طرف اٹھی تھی۔ کمرے کے دروازے پر آکر کھڑی ہوئی دِیا کی بھی۔

ساری نگاہوں میں ایک تمنا مشترک تھی۔

نینی کی بے گناہی پر ان کے یقین کی۔

اتنی دیر میں وہ جتنا آگ بگولہ دوسروں پر ہوئے تھے' اس سے کہیں زیادہ خفگی دل میں خود اپنے لئے تھی۔ کہیں نہ کہیں قصوروار وہ خود بھی تھے۔

گزرے بہت سے سالوں میں گھر والوں سے برائے نام تعلق اور زمانے بھر کو علم کی دولت بانٹتے بانٹتے کہیں وہ چراغ تلے اندھیرا والی مثال کو سچ تو نہیں کر دکھا رہے تھے؟

ایک میزان اندر کہیں خود ان کے اپنے سامنے بھی آ کر رکھا گیا تھا۔اُن سب سے نظریں چرا کر وہ تھوڑا سا رخ موڑے' کھلی کھڑکی سے باہر احاطے میں لگے درختوں کو دیکھنے گئے۔

''آپ کو یقین نہیں آ رہا تو بینا کے گھر فون کر کے کنفرم کریں' قصہ ختم۔''

ان کی طویل ہوتی خاموشی کو دِیا کی اکتاہٹ بھری تجویز نے توڑا۔اسے اس لمبے ہوتے جذباتی سین سے اب بڑی سخت قسم کی کوفت ہو رہی تھی۔امی کو بشارت صاحب کے بعد صرف دِیا کی سمجھ پر ہی مکمل بھروسہ تھا' سو فوراً ہی تائید کر بیٹھیں۔

''یہ بالکل ٹھیک ہے' لاؤ نینی مجھے دو بینا کا فون نمبر میں خود بات کروں گی اس سے۔''

''کسی کو ضرورت نہیں ہے کہیں فون کرنے کی۔''

وہ جو نینی کو بازو سے تھام کر ٹیلی فون والے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھیں' بشارت صاحب کی آواز پر فوراً ہی رک گئیں۔

''تمہاری عقل کو ہو کیا گیا ہے آخر' سارے زمانے میں گھر کی بات کو اڑانا ہے کیا۔دوسروں کے گھر فون کر کے اپنی بیٹی کے متعلق گواہی لینے کا مطلب سمجھتی ہو۔'' ایک بار پھر سارا غصہ امی کی طرف منتقل ہونے لگا۔اتنی دیر ان پر اچھی

طرح برس لینے کے بعد بھی ان کا دل ٹھنڈا نہیں ہوا تھا' ابھی جو وہ خود ایک احساسِ جرم کی گرفت میں آتے جا رہے تھے' ایک جھٹکے سے اس سے باہر بھی آ گئے۔

''سارا قصور اس ''بے وقوف عورت'' کا ہے۔''

گھر کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے مسئلے پر وہ ہمیشہ ہی بڑی آسانی سے یہ یقین حاصل کر لیتے تھے۔اس وقت بھی اسی میں نجات تھی۔

''سمجھ دار عورتیں اس قسم کے مسئلوں کی بھنک گھر کی دیواروں کو بھی نہیں ہونے دیتیں' ایک تم ہو۔''

تاسف میں ہلتا ہوا اُن کا سر۔

کڑی ملامت کرتی نظریں۔

امی کی نظریں آپ ہی آپ جھکتی چلی گئیں' انہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اس قصے کو گھر کی دیواروں کو سنانے والے بھی وہ خود ہی تھے۔

جس وقت باآوازِ بلند وہ اپنی دونوں بیٹیوں کے سامنے نینی کے متعلق سوال کر رہے تھے' خود انہیں اپنی آواز نیچی کرنے کا خیال کیوں نہیں آیا؟

نازی نے ایک نظر اُن کے جھکے ہوئے سر پر ڈالی اور دوسری نینی کے بہتے ہوئے آنسوؤں پر۔

وہ خوفزدہ تھی یا شرمندہ' یہ طے کرنے میں ابھی کچھ وقت درکار تھا۔فی الحال جو یہ اعصاب شکن سی کیفیت چھائی تھی اسے کم کرنا ضروری تھا۔نازی آگے بڑھتے ہوئے نینی کا بازو امی کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے نرمی سے بولی۔

''آئو اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔''

بناء کسی تعرض کے' وہ فوراً ہی اس کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔

نازی سمجھ رہی تھی کہ شاید ابا اُس کی اس دخل اندازی پر مزید برہم ہوں گے' پر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اپنے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے نازی نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی بے یقینی کے ساتھ ان ہی دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دِیا ابھی تک یہیں دروازے کی چوکھٹ سے لگی کھڑی تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ ہی اندر چلی آئی۔ اسے گھر والوں پر بھی غصہ آرہا تھا اور نینی پر بھی۔ ''اب بس بھی کردو' لے کر دماغ خراب کر دیا ہے سب نے اور آخر ضرورت ہی کیا ہے یوں روز روز منہ اٹھا کر دوستوں کے گھر چل دینے کی۔ ہم بھی پڑھے تھے سکول کالج میں' خود ہی جتنی محنت ہو سکتی تھی کر لیا کرتے تھے اس طرح دوستوں کے سہارے... '' اس سارے قصے میں پہلی بار دِیا نے کوئی ڈھنگ کی بات کی تھی اور حسب عادت اس میں بھی نینی کو نصیحت دینے کے ساتھ اپنے لئے بھی تعریف کا پہلو ڈھونڈ نکالا تھا۔

نینی اب اپنے آنسو خشک کر چکی تھی اور بیڈ کی پشت سے تکیہ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی خاصی ریلیکسڈ لگ رہی تھی۔ دِیا کی نصیحت لمبی ہونے لگی تو کچھ چڑ کر بولی۔

''آپ کو پڑھائی کا شوق ہی کہاں تھا دِیا باجی' میٹرک میں بھی تھرڈ ڈویژن اور انٹر میں بھی' پھر مسعود بھائی سے منگنی کروا کر تو آپ نے کتابوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔''

بات چونکہ سچی تھی' سو کڑوی بھی لگی۔ دِیا جو ابھی کچھ دیر پہلے تک نینی کی خوامخواہ کی حمایت کئے جا رہی تھی' خود پر ذرا سی بھی تنقید برداشت نہیں کر پائی۔

''بات بڑھ ہی جاتی اگر نازی مداخلت نہ کرتی۔''

''خدا کے لئے اب کچھ دیر گھر میں سکون رہنے دو۔ دِیا تم تو بڑی ہو تم ہی کچھ خیال کر لو پلیز۔''

''اور چھوٹوں کو کوئی تمیز سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ بڑوں سے کس طرح بات کرنی چاہئے' آپ بھی بس مجھے ہی...'' روہانسی ہو کر اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

نازی کا دل تو چاہا کہ وہ اسے بھی یاد دلا دے کہ ابا کی غیر موجودگی میں وہ خود ان کے لئے کس انداز میں بات کرتی ہے' سو تھوڑی سی تمیز سیکھنے کی خود اسے بھی ضرورت ہے' مگر پھر کمرے کا رہا سہا سکون بھی ختم ہو جاتا تھا۔

نینی نے جو ذرا بھی اثر لیا ہو' نیم دراز ہوتے ہوئے اطمینان سے بولی۔ ''میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔ دِیا باجی کو پڑھنے کا شوق ہی کہاں تھا؟ انہیں تو بس گھنٹوں آئینے کے سامنے بیٹھنے کا شوق تھا۔ مجھے تو اپنی سٹڈی کی فکر رات کو سونے بھی نہیں دیتی۔''

اُس کی بات اتنی غلط بھی نہیں تھی۔

نینی پڑھائی میں واقعی بہت اچھی تھی۔ ابتدائی کلاسوں سے لے کر اب تک وہ نمایاں پوزیشن لیتی رہی تھی۔ میٹرک میں بھی اس کا اے۔ ون گریڈ تھا اور اب آگے انٹر میں بھی اس کے اچھے مارکس کے لئے سب ہی پُریقین تھے۔ مگر اس کا یہ مطلب کہاں تھا کہ وہ منہ در منہ دِیا کا مذاق اڑائے۔

نازی کو اپنا لہجہ سخت کرنا ہی پڑا۔

''اچھا بس' بہت ہو گئی۔ ابا کیا پوچھ رہے تھے تم سے۔ مجھے سچ سچ بتا دو تو تمہارے ہی حق میں اچھا ہو گا۔''

نینی کے چہرے پر نا چاہتے ہوئے بھی ایک ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"بے چاری نازی آپا۔ آج تک اپنے لئے تو کچھ اچھا نہیں کر پائیں' میرے لئے کیسے فیصلہ کر سکتی ہیں اچھے اور برے کا۔"

بڑے ترس کھانے والے انداز میں اس نے نازی کے لئے سوچا اور پھر قریب بیٹھی نازی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے ملائمت سے بولی۔

"میں نے سچ ہی کہا تھا ابا سے بھی اور آپ سے بھی کہ..."

"تم نے سچ نہیں کہا ہے نینی۔" نازی نے جس اعتماد سے اس کی بات کاٹی تھی' وہ بڑا چونکا دینے والا تھا۔

دِیا جواب پھر سے اپنی الماری کھولے کھڑی تھی' پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ابا نہ اتنے غائب دماغ ہیں اور نہ ان کی آئی سائٹ اتنی ویک ہو چکی ہے کہ وہ تمہیں پہچاننے کی غلطی کریں گے' سمجھیں۔" اپنی بات کہتے کہتے اس نے ذرا رک کر غور سے نینی کے چہرے کو دیکھا۔

وہاں کوئی تاثر نہیں تھا۔ بڑے سپاٹ سے انداز میں وہ اس طرح نازی کو دیکھ رہی تھی' جیسے کسی بالکل ہی غیر متعلق فرد کی بات کہی اور سنی جا رہی ہو۔

"انہوں نے تمہارے کپڑے تک نوٹ کئے تھے۔ سفید دوپٹہ اور سفید شلوار کے ساتھ پرنٹڈ شرٹ۔"

نینی کے بے تاثر چہرے پر ایک گہری سی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"اور نازی آپ اس شہر میں روزانہ ہزاروں لڑکیاں وائٹ شلوار دوپٹے کے ساتھ نکلتی ہوں گی۔ ہے نا۔" ان سب کا مذاق اڑاتی وہ بڑی اجنبی سی لگ رہی تھی۔

...☆☆☆...

کچن میں کوئی برتن زمین پر گرا تھا۔

یا نا معلوم گرایا گیا تھا۔ تخت کے کونے پر بیٹھی ثانیہ نے بے ساختہ ہی اٹھ کر دیکھنا چاہا' مگر کچھ خیال آنے پر واپس بیٹھ گئی۔

اماں قریب ہی گاؤ تکیہ کے سہارے نیم دراز تھیں۔ مندی مندی سی آنکھوں سے انہوں نے اس کا کھڑا ہونا بھی دیکھا اور بیٹھنا بھی اور پھر بڑے ہی غیر محسوس انداز میں دوسری طرف کروٹ لے لی۔

کچن سے کچھ رکھنے اٹھانے کی سرگرمی کے آثار مستقل سنائی دے رہے تھے۔ ثانیہ سے رہا نہ گیا تو وہ کچن کے دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔

چند منٹ پہلے دیئے گئے لہسن اور زیرے کے بگھار کی خوشبو ابھی تک یہاں محسوس ہو رہی تھی۔ ممانی سامنے ہی کھڑی تھی۔ اسے دیکھتے ہی مڑ کر کیبنٹ میں سے کچھ تلاش کرنے لگیں۔

سِنک پر رات کے جھوٹے برتنوں کا ڈھیر ابھی تک جوں کا توں دھرا تھا۔ بنا ایک لفظ کہے وہ اسی طرف بڑھ گئی' نل کھلنے کی آواز پر ممانی فوراً ہی پلٹیں۔

"رہنے دو ثانیہ سب کام ہو ہی گیا ہے۔ نینی آئے گی تو یہ برتن بھی دھل جائیں گے۔"

سرد لہجے میں ان کا ہمہ وقت کچھ جتانا سا انداز' ثانیہ کے لئے بڑا مسئلہ بنا ہوا تھا۔ وہاں نواب شاہ میں جب کبھی وہ مع ماموں اور صاحبزادی آتی تھیں تو قطعی اتنی سرد مہر اور طنزیہ گفتگو کی اس قدر شوقین نہیں محسوس ہوتی تھیں۔

"میں دھو لیتی ہوں ممانی سارا دن فارغ ہی تو بیٹھی رہتی ہیں۔" اس نے بڑے عاجزانہ انداز میں انہیں کنوینس کرنے کی کوشش کی، مگر ایسی سب ہی کوششوں کا جو وہ اتنے دن سے اس گھر کا حصہ بننے کے لئے کر رہی تھی، ایک جیسا ہی نتیجہ نکل رہا تھا۔ ممانی آگے بڑھ کر نل بند کر چکی تھیں۔

ثانیہ وم میں بھیگی جالی ہاتھ میں تھامے ان کی شکل دیکھے گئی۔

"مہمان ہو تم لوگ، اچھا نہیں لگتا اس طرح تمہارا کام کرنا اور آخر پہلے بھی تو گھر کے سب ہی کام ہو رہے تھے نا۔"

بین السطور انہوں نے جو کچھ سمجھانے کی کوشش فرمائی تھی۔ وہ اب ثانیہ کے اچھی طرح سمجھ میں آنے لگا تھا۔ ان کے پیچھے کی ساری کشتیاں جل جانے کا یقین رکھنے کے باوجود بھی ممانی انہیں یہاں مستقل قیام کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں تھیں۔

"جاؤ باہر جا کر آرام سے بیٹھو، یہاں بڑی سخت گرمی ہے۔ پھر یہ کچن بھی اتنا چھوٹا ہے کہ دو آدمی ایک ساتھ کھڑے ہو جائیں تو بالکل ہی تنگ پڑنے لگتا ہے۔"

ثانیہ کے ہاتھ سے برتن دھونے والی جالی لے کر واپس صابن دانی میں رکھتے ہوئے انہوں نے اسے سلیقے سے باہر کی راہ دکھائی تو وہ لاچار سی پھر واپس آ کر تخت پر بیٹھ گئی۔

تنگی کچن میں تھی یا خود ممانی کے دل میں، یہ فیصلہ کرنے کا حق بہر حال اسے نہیں تھا۔ وہ مالک تھیں اسی گھر کی اور گھر کے ہر گوشے اور ہر شخص کے بارے میں مکمل اختیار رکھتی تھیں۔

ثانیہ نے دوسری طرف کروٹ لئے لیٹی اماں کی طرف دیکھا۔ معلوم نہیں وہ سو رہی تھیں یا جاگ رہی تھیں، اسے کچھ اندازہ نہیں ہوا۔ پاؤں اوپر کر کے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے اس نے خود کو پہلے سے بڑھ کر حقیر اور یوں ہی کوئی ناکارہ سی چیز تصور کیا۔

یہ سٹیٹس ان ہی پندرہ بیس دنوں کی دین تھا، جو یہاں ماموں کے گھر میں گزرے تھے۔ خالی خالی نگاہوں سے وہ چاروں طرف پھیلی ابتری کو دیکھے گئی۔

یہاں اس گھر میں کرنے کے لئے بہت کچھ تھا، مگر ثانیہ کے لئے کچھ بھی نہیں۔

اماں اکثر کہا کرتی تھیں کہ "تن آسان آرام طلب عورتوں کے گھر کے نقشے کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔" ثانیہ کو ان کی ایسی بات کا مطلب صحیح طور پر ان ہی دنوں میں سمجھ میں آ رہا تھا۔

ممانی کا پورا گھر سخت بے توجہی کا شکار تھا۔ کوئی بھی شخص یہاں قدم رکھتے ہی ساری صورتحال بھانپ سکتا تھا۔ پر یہاں رہنے والوں کو چاروں طرف پھیلی اس افراتفری سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

صحن کا ایک کونہ ناکارہ سامان سے اٹا ہوا تھا۔

ایک پرانی سی میز پر پرانے اخبار اور خالی ڈبے، بوتلیں جمع کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا ہو گا وہ اب ترقی کرتا ہوا میز کے نیچے اور اطراف میں بھی پھیل چکا تھا۔

فیوز ہوئی ٹیوب لائٹس، مختلف سائز کے کارٹن، ٹوٹی ہوئی ٹیوب لائٹس، مختلف سائز کے کارٹن، ٹوٹی ہوئی چپلیں، پلاسٹک کی ناکارہ بالٹیاں اور بھی نہ جانے کیا کیا۔

دن بھر گلی میں ایک نہیں کئی ٹین ڈبے والے آوازیں لگاتے گزر جاتے، مگر یہ خزانہ کسی کو بھی نہیں بخشا جاتا۔

میلے کپڑوں کا ریک واشنگ مشین کے قریب ہی رکھا ہوا تھا' لبالب بھرا ہوا۔

ممانی اور نینی کو جو سوٹ درکار ہوتا کھینچ کھانچ کر اسی میں سے درآمد کیا جاتا۔ فوری طور پر دھونے اور سکھانے کی ٹینش بڑی دیر تک مچی رہتی۔ ثانیہ نے اتنے دن میں ایک بار بھی کسی کو مشین لگا کر سارے کپڑے تسلی سے ایک ساتھ دھوتے نہیں دیکھا تھا۔ اچھی بات یہ تھی کہ ماموں اپنے سارے کپڑے دھوبی سے دھلوا کر لاتے تھے۔ بس ان کے لئے کسی کو بھی تردد نہیں کرنا پڑتا تھا۔ بیڈ شیٹ' تولئے اور دیگر چھوٹے بڑے کپڑوں کی دھلائی کے لئے اس گھر میں کیا طریق کار رائج تھا؟ یہ ابھی تک ثانیہ پر واضح نہیں ہوا تھا۔

سامنے لگے واش بیسن کا نل ایک بار پھر سے بہنے لگا تھا۔

ذرا ذرا دیر بعد یہ اسی طرح بہنے لگتا تھا۔ ثانیہ دن میں دس بار اٹھ کر اسے بند کرتی مگر ایک پتلی سی دھار پھر چپکے سے نمودار ہو جاتی۔ ممانی بظاہر الغرض نظر آتی تھیں' مگر کسی طرف سے بے خبر نہیں رہتی

تھیں۔ جب وہ بڑی احتیاط سے ہلکے ہلکے اس دائم المریض نل کو بند کر رہی تھی تو وہ پیچھے ہی آ کھڑی ہوئیں۔

''بار بار مت چھیڑ وا سے اسی لئے بالکل ہی لوز ہو گیا ہے ورنہ پہلے تو اچھا بھلا کام دے رہا تھا۔''

ثانیہ سے مارے شرمندگی کے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں گیا' بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی وہ واپس برآمدے میں آ گئی۔ ممانی اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اندر کمرے میں چلی گئیں۔

اس کی ساری شرمندگی جھنجلاہٹ میں تبدیل ہونے لگی۔

''اور گھسو دوسروں کے گھر میں خوامخواہ ہی۔ بھلا ضرورت ہی کیا ہے' بہہ جائے ساری ٹنکی' اپنی بلا سے۔''

دل ہی دل میں آئندہ آنکھ اٹھا کر بھی کسی طرف نہ دیکھنے کا عہد باندھتے ہوئے اسے اپنا نواب شاہ یاد آنے لگا۔

کیسی فکروں سے آزاد' سادہ سی زندگی وہاں گزرتی تھی اور اب ابا کے بعد بھی ایسی کیا افتاد آ پڑی تھی کہ بوریا بستر باندھ کر یہاں آ پڑے تھے۔

اچھی بھلی عزت کے ساتھ گزر بسر ہو ہی رہی تھی۔

تقدیر نے اگلے صفحے پر کیا لکھا رکھ چھوڑا ہے' اس کا پتہ تب ہی چلتا ہے جب صفحہ الٹتا ہے۔

اُس کے حصے میں آئی عبارت گنجلک تھی۔

اپنائیت کے احساس سے لبریز' چھوٹا سا صاف ستھرا گھر' جسے چھوڑے ابھی بہت تھوڑے سے ہی دن ہوئے تھے اور جسے بھولنا تب بھی بہت مشکل ہوتا اگر ممانی نے ان ''اعلیٰ اقدار'' کا مظاہرہ نہ بھی کیا ہوتا۔

اس چھوٹے سے گھر کی ویلیو وہاں سے نکل کر بے حساب بڑھتی جا رہی تھی' جہاں کسی چیز کو چھو لینے کی ممانعت تھی نا تعاقب کرتی تنقیدی نگاہیں۔

آئے دن ان چھوٹے چھوٹے کمروں کی سیٹنگ بدل جاتی اور اماں اور ابا مسکراتی نگاہوں سے دیکھے جاتے۔ بالٹیاں بھر بھر کر سرخ اینٹوں والے آنگن کو دھوتے ہوئے ابا نے اسے کسی دن دیکھا تو جب ہی جا کر ایک لمبا سا موٹا' پلاسٹک کا پائپ خرید لائے۔ اُس روز وہ کس قدر خوش ہوئی تھی۔ اماں نے دیکھا تو فوراً ہی بولیں۔ ''اب اندر کے کمروں کی بھی شامت آئی سمجھو' پانی اڑانے والے سادے کاموں میں اس کی جان ہے' اتنا بھی نہیں سمجھتی کہ اللہ کے ہاں اس بے جا اڑائے جانے والے پانی کا بھی حساب دینا پڑے گا۔''

وہ ہمیشہ ہی اللہ کے آگے جوابدہی کی فکر میں رہتیں ”اور یہاں جب وہ اس بے سروسامانی کے سے عالم میں بٹھادی گئی تھیں تو اس کی جوابدہی کس کے ذمہ تھی۔“ اس کا دل بے اختیار ہی چاہنے لگا کہ وہ اماں کو لے کر کہیں اور چلی جائے۔ واپس اپنے گھر ہی سہی۔ وہاں کچھ اور نہ سہی‘ محبتوں کی فراوانی تو تھی۔ شہزاد جاتے جاتے بھی بار بار تاکید کئے گیا تھا۔

”کوئی بھی پریشانی ہو تو مجھے فون کر دیجئے گا ثانیہ باجی! میں فوراً ہی آ کر آپ لوگوں کو واپس لے جاؤں گا۔“

اسے یہاں مختصر ترین قیام میں ہی ممانی کی سرد مہری پریشان کر گئی تھی۔ وہ یہاں سے بڑا فکر مند سا روانہ ہوا تھا۔

”یہ خون کے رشتوں والا فلسفہ کبھی کبھی بالکل ہی ناقابل یقین سا کیوں لگنے لگتا ہے بھلا۔“

پلکوں پر جو ابھی ابھی نمی سی محسوس ہونا شروع ہوئی تھی‘ اسے خشک کرتے ہوئے وہ سوچ گئی۔ ان دس بیس دنوں میں رشتوں اور رشتے داروں کے بیچ کا فرق بڑا سا سوالیہ نشان بن کر بار بار سامنے آ کھڑا ہوتا تھا۔

”ثانیہ! ذرا پانی تو پلانا‘ میرا گلا خشک ہوا جا رہا ہے۔“ اماں کروٹ لیتے ہوئے بولیں تو ان دل دکھاتے خیالات میں وقفہ آ ہی گیا۔

فریج یہیں برآمدے میں رکھا تھا۔ یہ بھی ایک طرح سے اچھا ہی تھا۔ ورنہ ممانی کے کمروں میں جانا پڑتا۔ جتنی دیر میں اماں نے پانی کا گلاس ختم کیا‘ وہ کھڑی حرفِ مدعا بیان کرنے کے لئے ذہن میں ترتیب دیئے گئی۔

”اماں...!“

گلاس واپس رکھ کر آ کر بیٹھتے ہوئے وہ اُن کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بڑی اُمید بھرے انداز میں بولی۔ ”ایک بات مانیں گی۔“

اماں بڑی دیر سے آنکھیں موندے لیٹی تھیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

ذہن کچھ پوری طرح حاضر بھی نہیں تھا‘ مگر پھر بھی ثانیہ کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ انہیں لگا جیسے وہ کوئی بالکل ہی ناقابل عمل بات کہنے والی ہے۔

بہرحال اب جو بھی تھا‘ سننا تو تھا ہی۔

”کہو...“

”اماں!“ وہ ذرا کی ذرا رکی۔ ”ہم واپس اپنے گھر نہ چلے چلیں‘ یہاں تو بالکل بھی دل نہیں لگ رہا ہے‘ وہاں کتنا مزہ آتا تھا‘ ہے نا۔“

اس آخری بات کی تائید تو خیر وہ بھی دل و جان سے کر سکتی تھیں‘ پر اس وقت ایسا کوئی اعتراف کرنا دانشمندی نہیں تھی۔

”دل کا لگانے کی کوشش کرو گی تو ضرور لگ جائے گا۔ شروع میں نئی جگہ پر ایسے ہی دل گھبرایا کرتا ہے‘ پھر انسان سیٹ ہو ہی جاتا ہے۔“

اپنے طور پر اسے سمجھانے کی انہوں نے مقدور بھر کوشش کرنا چاہی پر مسئلہ صرف دل لگنے کا بھی نہیں تھا۔

اماں کو دُکھ نہ پہنچے صرف اس خیال سے جو بات کہنے سے وہ اب تک گریز کر رہی تھی‘ اس وقت کہنی ہی پڑ گئی۔

”ممانی کو ہمارا یہاں آنا اچھا نہیں لگا ہے اماں۔ وہ سخت ناراض ہیں ہم لوگوں سے۔ ایسے میں یہاں ان کے گھر زبردستی پڑے رہنا...“

”کوئی برا نہیں لگ رہا ہے اور اگر لگتا ہے تو سو بار لگے۔ میرے بھائی کا گھر ہے۔ کسی غیر کا نہیں۔“ اماں سے اس کی بات پوری طور پر سنی بھی نہیں گئی۔ ”خبردار جو اس طرح کی بات اپنے ماموں سامنے کی‘ کس قدر دکھ پہنچے گا اُسے۔“

بے حد خفگی کے ساتھ انہوں نے اپنی بات پوری کی۔ثانیہ بے بسی سے ان کی شکل دیکھے گئی۔

ماموں کی خفگی کے بارے میں ان کے اندازے سے اسے ذرا بھی اتفاق نہیں تھا۔ کیا پتہ ان لوگوں کی اس ''باعزت واپسی'' پر وہ شکر کا کلمہ ہی پڑھتے۔

''وہاں کب تک پڑے رہتے سب رشتے داروں سے کٹ کر۔ یہ تو تمہارے ابا کی ضد تھی' اب جب وہی نہیں رہے تو ...'' ابا کا ذکر انہیں تھوڑا سا جذباتی ضرور کرتا تھا۔

''بہر حال کوئی پریشانی تو نہیں تھی وہاں۔اب بھی رہا ہی جا سکتا تھا۔ معلوم نہیں یہاں کیا کرنے آ گئے ہیں ہم لوگ...؟''

ثانیہ حقیقتاً بے زار ہو رہی تھی۔

اتنے دنوں میں اس دھوپ بھرے برآمدے میں بیٹھ کر ماموں کے گھر کی ابتر حالت کا نظارہ کرنے اور ممانی کے ہمہ وقت شرمندہ کرتے روّیے کو جھیلنے کے سوا یہاں کیا بھی کیا تھا؟

''زندگی کے اگلے بہت سے سالوں میں کیا یہی سب کچھ مقدر کر دیا گیا ہے۔'' یہ بڑا بے حوصلہ کرنے والا خیال تھا۔

''اچھا بس' بے کار کی بحث مت کرو۔'' اماں تکیہ دوسرے رخ پر رکھتے ہوئے بولیں۔ جہاں ابھی نسبتاً سایہ باقی تھا۔ یوں ہی خالی بیٹھے رہنے سے دماغ میں فضول باتیں ہی آتی رہیں گی۔اٹھ کر کوئی کام دیکھ لیا کرو۔

یوں ہی رواداری میں جو مشورہ وہ دے رہی تھیں اس کے غلط ہونے کا احساس بھی انہیں فوراً ہی ہو گیا۔ ممانی کو گھر کے کاموں کے لئے کسی قسم کی مدد درکار نہیں تھی اور ثانیہ یا اماں سے تو بالکل بھی نہیں۔

ممانی سامنے والے کمرے میں تھیں۔

اماں اور ثانیہ کی باتیں دھیمی آواز میں ہو رہی تھیں اُن کی سمجھ میں تو نہیں آیا بس' مگر کچھ کھسر پھُسر سی ضرور کان میں پڑ رہی تھی۔اپنی ذہنیت کے مطابق وہ ان سنی باتوں سے بھی مفہوم اور مطلب اخذ کر لیتی تھیں۔اس وقت بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔

''کھانا تیار ہے آپ لوگوں کو اگر بھوک لگ رہی ہو تو کھانا نکال کر کھا لیں۔''

کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر انہوں نے سخاوت کا مظاہرہ کیا۔ماموں کی غیر موجودگی میں دسترخوان بچھا کر کھانا سرو کرنے کا تکلف وہ چند ہی دن کر پائی تھیں اور اب جب وہ روزانہ ہی دوپہر کو کھانا کھا لینے کی اجازت عطا کرتیں تو ثانیہ کو ایسے لگتا۔

جیسے وہ اور اماں محض دو وقت کے کھانے کے لئے یہاں بیٹھ کر ان کا منہ تک رہے ہیں۔

''کھانا تو بس اب شام کو ہی کھاؤں گی۔ناشتہ ہی اتنی جلدی کہاں ہضم ہوتا ہے۔''

اماں کو کراچی کا پانی سوٹ نہیں کر رہا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ دوپہر کا کھانا گول کر رہی تھیں۔ثانیہ کو ایک دو بار شبہ سا بھی ہوا کہ شاید انہیں بھی ممانی کے انداز میں وہی کچھ محسوس ہوا ہو جو اسے ہو رہا تھا۔

باہر گیٹ پر بیل ہو رہی تھی۔

یہ لبنیٰ کے آنے کا وقت تھا۔

وہ کسی کمپیوٹر سنٹر میں دو سالہ کورس کر رہی تھی۔

ممانی تیزی سے گیٹ کی طرف چلی گئیں۔ثانیہ نے اماں کی طرف دیکھا۔پر وہ نظر چرا گئیں۔

ایک پھیکی سی مسکراہٹ ثانیہ کے لبوں پر آئی۔ وہ اس کے سوال جواب والے کھیل سے گھبرانے لگی تھیں۔ ثانیہ کو اُن پر آج کل بڑا رحم سا آنے لگتا تھا۔

"اب کم از کم آج کوئی مزید سوال' مزید مشورہ ہرگز نہیں۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے خود کو ہدایت دی اور کھڑی ہوگئی۔

سامنے سے لبنیٰ آرہی تھی۔

"کیا قیامت کی گرمی ہے؟ آپ لوگ ذرا نکلیں باہر تو پتہ چلے۔ بس سے اتر کر بھی کتنا چلنا پڑتا ہے۔ ہوش حواس گم ہونے لگتے ہیں۔"

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی موجودگی کا پتہ چلنے لگتا تھا۔

"سارا دن وہاں مغزماری کرو' پھر یہ سخت دھوپ والا ٹائم بھی جھیلو۔ ایک تو یہ گھر بھی اتنا اندر کی طرف ہے کہ آدمی چل پھر کر بھی بے زار ہو جاتا۔"

اپنے اس تجزیہ تبصرے کے ساتھ وہ اماں کو سلام کرتی ہوئی وہیں تخت پر بیٹھ چکی تھی۔ اُس کی یہ شکایت اتنی بے جا بھی نہیں تھی۔

موسم کی شدت اچھے اچھوں کو بوکھلائے دے رہی تھی۔ اس جیسی نازک مزاج کی تو بات ہی دوسری تھی۔ ثانیہ گلاس میں پانی لے آئی۔

ممانی کچھ جزبز سی ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

معلوم نہیں ان سے یہ چوک کیسے ہوگئی تھی۔

"کمال کرتی ہو' ابھی تو بچی دھوپ میں سے آئی ہے' تم نے لے کر پانی کا گلاس بھی پکڑا دیا۔"

انہوں نے دوسری طرح کسر نکالی۔

لبنیٰ پانی کا گلاس منہ کو لگا چکی تھی۔ ان کی تنبیہ پر ذرا بھی کان دھرے بغیر اس نے گلاس ختم کیا اور پھر واپس ثانیہ کو پکڑاتے ہوئے ممانی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کو اتنا چلنا پڑے گرمی میں تو پتہ چلے۔ پیاس کے مارے دم نکلنے لگتا ہے۔ میں تو ابھی راستے میں ایک جوس کا پیکٹ ختم کرتی ہوئی آئی ہوں' پھر بھی یہاں پہنچنے تک ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی کہیں گر کر بے ہوش ہو جاؤں گی۔"

ثانیہ چپ چاپ واپس گلاس رکھنے کے لئے مڑ گئی۔

لبنیٰ کی یہ باتیں روز کا معمول تھیں۔

وہ نازک مزاج تھی اسی لئے تھوڑی تنک مزاج خود بخود ہوگئی تھی۔ اکلوتی اولاد عموماً تھوڑی سی نازک مزاج ہو ہی جاتی ہے۔ یہ ثانیہ بھی اچھی طرح سمجھتی تھی۔ خود اسے بھی اماں اور ابا نے جس لاڈ پیار سے پالا تھا۔ وہ بھی ابا کی زندگی تک چھوٹی چھوٹی تکلیفوں پر اچھا خاصا شور مچا لیا کرتی تھی۔ یہ انکشاف تو خود اس پر بھی اب کہیں جا کر ہوا تھا کہ اس میں قوتِ برداشت کی اچھی خاصی کمی ہے' ورنہ ممانی کے روّیے سے وہ بار بار نہیں ٹوٹ رہی ہوتی۔

"خوامخواہ کی دردسری مول لے لی میں نے بھی آپ لوگوں کی باتوں میں آکر' ورنہ اچھا بھلا بیوٹیشن کا کورس کرنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ نہ اتنا دماغ تھکتا اور اُلٹا مزا ہی آیا کرتا۔ میں تو یہ کورس چھوڑ ہی دوں گی۔ سمجھ میں بھی اتنی مشکل سے آتا ہے۔"

انعم کو کمپیوٹر میں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔

بات کسی طرح بنائے نہ بن پڑتی۔

''سب سمجھ میں آنے لگے گا' ماشاءاللہ ذہین ہو' انٹر تک پڑھ بھی لیا ہے۔ سکول میں پڑھتی تھی تو ہر سال ٹرافی لے کر آتی تھی۔ یہ کمپیوٹر ایسی کون سی نرالی چیز ہے' آج کل تو بچہ بچہ...''

انہیں لبنٰی کی وہ ساری پچھلی پرفارمنس دہرانی پڑی' جس کا گواہ خود اُن کے سوا دوسرا کوئی اور نہیں تھا۔

''لبنٰی کو کوئی بھی ٹرافی کس سلسلے میں مل سکتی ہے؟''

ثانیہ نے اندازہ لگانا چاہا' مگر کچھ سمجھ میں نہ آسکا۔ دل میں آئی بھی کہ ممانی سے پوچھ لیا جائے' مگر کیا پتہ وہ بُرا ہی مان جاتیں۔

کسی کسی مبارک گھڑی میں تو وہ ان لوگوں کو تھوڑی ہی دیر بات کر لینے کا اعزاز بخشتی تھیں' اس وقت لبنٰی کی قابلیت کے طفیل ہی سہی۔

''اب کپڑے تبدیل کر لو۔ میں کھانا لگا دیتی ہوں صبح سے یہ وقت آگیا ہے' بغیر کچھ کھائے پیئے۔'' انہیں لبنٰی کی تھکن کا احساس بے چین کئے دیتا تھا۔ بار بار کہے گئی۔ پر لبنٰی کو سننے سے زیادہ اپنی کہنے کا شوق تھا۔

''گلی کی تین لڑکیوں نے بیوٹیشن کا کورس کمپلیٹ کیا تھا پچھلے سال۔ تینوں کو فوراً ہی اسی پارلر میں جاب مل گئی جہاں سے ٹریننگ لی تھی اور خود کتنی چینج ہو گئی ہیں۔ اگر تم نے پہلے دیکھا ہوتا تو اب پہچان بھی نہیں پاتیں۔ اس قدر سمارٹ اور اٹریکٹیو ہو گئی ہیں کہ بس' ایک کی تو ابھی پچھلے مہینے انگیجمنٹ بھی ہو گئی۔'' بات کہیں سے کہیں نکلی جا رہی تھی۔

لبنٰی کو اپنی معمولی شکل و صورت کا کمپلیکس ضرورت سے زیادہ تھا۔ بیوٹیشن کا کورس کر لینے سے اسے خود ہی کسی ڈرامائی تبدیلی کی توقع تھی۔

اچھی پرسنالٹی کے ساتھ اچھا رشتہ ملنے کے سارے ہی امکانات روشن ہوتے نظر آتے تھے۔

ان کے خیال کی بلندیوں کی پرواز یہیں تک تھی۔

''یہاں تو دھوپ میں آجا کر اسکن بالکل ہی ڈل ہو کر رہ گئی ہے۔ دو سال پورے کئے تو اپنی شکل خود بھی دیکھنے کو دل نہیں چاہے گا۔'' کچھ بھی تھا لبنٰی کی باتیں گھر پر چھائی اُس سہاد دینے والے اجنبیت کے احساس کو ضرور کم کر دیتی تھیں جو ممانی کی دین تھا۔

ثانیہ اور اماں دونوں ہی کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

اکلوتے بھائی کی اکلوتی اولاد' اماں کو خود اس سے بے اندازہ محبت تھی۔ ماموں جب بھی نواب شاہ کا چکر لگاتے وہ ان کے ساتھ اس کے لئے معلوم نہیں کیا کیا کر ڈالتیں اور اگر کبھی ممانی اور لبنٰی بھی ماموں کے ساتھ چلی آتیں تو ان کی خوشی کا کوئی بھی اندازہ نہیں کر پاتا۔ اب اس وقت جو وہ اپنا بڑا ہی جینوئن پرابلم ان کے سامنے لے کر بیٹھتی تھی تو وہ فوراً ہی اس سے متفق ہو گئیں۔

''کیا کرنا ہے کمپیوٹر کے کورس کا' چھوڑ دو فوراً جس چیز کو دل چاہ رہا ہے وہی کرو بس۔''

''ہائے کاش ہماری امی بھی آپ ہی کی طرح ہوتیں پھوپھو۔'' لبنٰی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

ثانیہ نے شکر کیا کہ ممانی کھانا گرم کرنے کے لئے جا چکی تھیں۔ اگر اماں کا مشورہ سن لیتیں تو ان کی سادہ لوحی کا ذرا بھی لحاظ نہیں کرتیں۔

لبنیٰ کپڑے بدل کر آئی تو ممانی کھانا برآمدے کے کونے میں رکھی چھوٹی سی ٹیبل پر لگا چکی تھیں۔

''آپ لوگوں نے کھالیا۔''

کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

لبنیٰ کے ساتھ اتنے دن اکٹھے رہنے کا یہ پہلے اتفاق تھا۔ ثانیہ کو اس کے متعلق اپنے سابقہ اندازے بدلنے پڑے تھے۔ یہاں آنے سے پہلے وہ اس کی خودسری اور بدتمیزی سے خائف تھی' مگر اب اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہر حال اتنی ناقابل برداشت نہیں ہے' بلکہ ممانی سے تولاکھ درجہ بہتر ہے۔

ممانی کی کم گوئی اور دھیرے دھیرے بات کرنے کی عادت کے پیچھے ایک انتہائی سرد مہر اور تنگ دل شخصیت چھپی ہوئی تھی۔

''پورا ہفتہ گزر گیا' دالیں سبزیاں کھاتے۔ کوئی اچھی چیز پکنا منع ہے کیا؟ اچھی خاطر ہو رہی ہے مہمانوں کی۔ بے چارے گھبرا کر کہیں واپس ہی نہ چلے جائیں۔''

کھانا کھاتے ہوئے بھی وہ مستقل بڑبڑائے گئی اور مہمان اپنی جگہ پر شرمندہ۔

اُن کا مسئلہ دال اور سبزی نہیں تھا۔

ممانی کچھ بھی نہ کھلاتیں' تب بھی ان کے پاس پلٹ کر جانے کی گنجائش نہیں تھی۔

ممانی اندر جا کر لیٹ چکی تھیں۔ انہیں ظہر کی نماز کے بعد سونے کی عادت تھی۔ عصر تک خود ہی اٹھ جاتیں کسی کو بھی اجازت نہیں تھی کہ وہ اس درمیان میں ان کے کمرے میں قدم رکھنے کی جرأت کرتا۔ لبنیٰ کی بھی یہی روٹین تھی اور یہی عادت۔

''برا نہیں ماننا ثانیہ مجھے اپنا کمرہ شیئر کرنے کی عادت نہیں ہے۔ شروع سے اکیلی رہی ہوں نا' تم کہیں اور سو جایا کرو۔''

شروع دنوں میں ہی وہ یہ بات واضح کر چکی تھی۔ وہ منہ پھٹ تھی یا صاف گو' بہر حال اس عادت کی بدولت بڑی بچت میں رہتی تھی۔ کسی بھی بات میں دل ہی دل میں کڑھنے یا جلنے کی نوبت ہی نہیں آ پاتی۔ کھانا کھا لینے کے بعد وہ بھی فوراً ہی کمرے میں چلی گئی۔

اماں اور ثانیہ وہیں تخت پر بیٹھی رہ گئیں۔ ریلوے سٹیشن پر اگلی گاڑی کے انتظار میں بیٹھے مسافروں کی طرح' حد تو یہ کہ ساتھ آیا سامان بھی ابھی تک بندھی ہوئی حالت میں اسی تخت کے نیچے دھرا تھا۔

گھر میں تین کمرے تھے۔ دو میں لبنیٰ اور ممانی کی عمل داری تھی اور تیسرا ڈرائنگ روم تھا۔ وہاں ویسے ہی بلا ضرورت داخلے پر پابندی عائد تھی۔

سیل میں خریدے گئے قالین اور پرانے فرنیچر کی دکانوں سے بہت چھان بین کے بعد خریدے گئے صوفے کا ہر ممکن خیال اور احتیاط کی جاتی تھی۔ بھری دوپہر میں تخت پر بیٹھی اماں کی نظر ڈرائنگ روم کے بند دروازے کا طواف کئے گئی۔ وہاں کیسی ٹھنڈک بھری نیم تاریکی چھائی رہتی تھی۔ خود انہوں نے باہر کھڑے ہو کر اندر جھانک کر دیکھا تھا۔

زمانہ بدلا ہے یا زندگی گزارنے کی تھیوری یکسر تبدیل ہوئی ہے۔ گھر کے لفظ کے ساتھ جو پہلا تصور انسان کے سکھ اور آرام کا آتا تھا۔ وہ اب ویسا نہیں رہا۔ بے حد گلیمرائزڈ ہو چکا تھا۔ بے جان مادی اشیاء کی صرف قیمت ہی نہیں بڑھی' ویلیو بھی بڑھی تھی۔

انہیں ایک بے حد محدود سرکل میں زندگی گزارتے ہوئے خبر ہی نہیں ہو سکی تھی کہ کب زندگی سے جڑے جیتے جاگتے سانس لیتے رشتے بالکل ہی فضول اور غیر اہم قرار دیئے جا چکے ہیں۔ اب اہمیت چیزوں کی تھی۔ وہ چیزیں جو پیسہ خرچ کر کے گھر میں لائی جاتی ہیں۔ مفت گلے پڑے رشتوں سے کہیں زیادہ قیمتی ٹھہرنی ہی تھیں۔

انہوں نے پلٹ کر ثانیہ کی طرف دیکھا۔

گاؤ تکیہ پر سر رکھ کر وہ بھی آڑی ترچھی سی ہو کر ایک طرف کو لیٹ چکی تھی۔

اچھا ہی تھا' ورنہ پھر سے کوئی نہ کوئی سوال کھڑا کر دیتی۔

آج کل اور کچھ کرنے کے لئے تھا ہی نہیں۔ نہ ان کے پاس اور نہ ثانیہ کے پاس۔ دن بھر میں تخت پر بیٹھ کر کتنا سوچا اور کتنا اونگھا جا سکتا تھا؟ انہیں زیادہ فکر ثانیہ کی تھی۔

اس پر چھائی بے زاری کو جھنجلاہٹ اور جھنجلاہٹ کو کڑواہٹ میں بدلنے میں زیادہ دن نہیں لگنے تھے۔ وہ خاموش نظروں سے اسے تکے گئیں۔

دربدری کی یہ آزمائش جو اس کے حصے میں اچانک ہی آئی تھی۔ اس میں قصور وار کون تھا؟ وہ یا تقدیر...

ماموں رات کو لوٹتے ہوئے روز ہی دیر کر دیتے تھے۔ مارکیٹ میں ان کی چھوٹی سی پلاسٹک کے برتنوں کی دکان تھی جو برسوں سے ایک سی پوزیشن میں چلے جا رہی تھی۔ نہ بہت فائدہ' نہ کوئی بڑا نقصان۔ رات کو جب وہ گھر لوٹتے تھے تو اس قدر تھکے ہوئے نظر آتے تھے کہ اماں کا دل ہی نہیں چاہتا کہ ان سے اپنے مسائل ڈسکس کرنے بیٹھ جائیں۔

''اب آپ کوئی فکر مت کریں' اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' آتے جاتے وہ انہیں دلاسہ دینا البتہ نہ بھولتے تھے۔

ممانی کی پیشانی پر گہرے ہوتے بلوں میں مزید اضافہ ہونے لگتا۔

''مجھے ثانیہ کی بہت فکر ہے جمیل' سارا دن یوں ہی خالی بیٹھی رہتی ہے۔ اس طرح تو یہ بہت الجھتی چلی جائے گی۔''

آج رات کے کھانے سے فارغ ہو کر وہ حسب معمول ماموں کو آرام کرنے کی تاکید کرنے کے بجائے اپنا مسئلہ لے بیٹھیں۔ ماموں اٹھتے اٹھتے واپس بیٹھ گئے۔

''تو آپ کیوں فکر کرتی ہیں' سب ٹھیک...'' روز کی تسلی وہ پوری طرح دہرا بھی نہ پائے تھے کہ اماں نے ان کی بات کاٹ دی۔

''میں چاہتی ہوں یہ کسی کام میں مصروف ہو جائے۔ کوئی کورس' کوئی ٹریننگ' جو بھی تمہیں مناسب لگے۔''

ثانیہ سامنے والے کمرے میں لبنیٰ کے ساتھ کوئی ٹی وی ڈرامہ دیکھ رہی تھی اور ممانی کچن میں تھیں۔ کسی بھی دخل اندازی کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔

اماں اطمینان کے ساتھ دھیرے دھیرے دل میں اٹھے اندیشوں کو بھائی سے بیان کئے گئیں۔

وہ خاموشی سے سنے گئے، کہیں کہیں بیچ میں ہنکارا ابھر دیتے۔اماں ذرا رکیں تو وہ بڑی ملائمت سے بولے۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے آپا' مگر میرے خیال میں ابھی ایسی کوئی جلدی بھی ہمیں نہیں کرنی چاہیئے۔ذرا مہینہ دو مہینہ ثانیہ کو مانوس ہو لینے دیں۔پھر اچھی طرح سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کریں گے۔"

یک بار گی تو اماں کا دل چاہا کہ صاف صاف کہہ ہی دیں کہ اُسے یہاں سے مانوس کرنے کے لئے ہی وہ اس کے لئے گھر سے باہر کی مصروفیت ڈھونڈنا ضروری سمجھ رہی ہیں۔پر ایسی کوئی بات ماموں کا دل دکھا سکتی تھی۔

"بہت ٹائم پہلے ہی برباد ہو چکا ہے۔بی ایس سی کئے ہوئے بھی دوسرا تیسرا سال ہے۔اب جتنی جلدی کسی کام میں لگے اچھا ہے۔"

اصل وجہ کو دباتے ہوئے وہ ماموں کو قائل کئے گئیں' ممانی کے کچن سے برآمدے تک کے کئی چکر لگ چکے تھے۔ان لوگوں کے بیچ چھڑا یہ موضوع ان کے کان تک بھی پہنچ ہی رہا تھا۔ابھی تک تو پھر بھی امید تھی کہ کسی نہ کسی طرح وہ ان ماں بیٹی کو یہاں سے چلتا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی' مگر اب جو ماموں بیٹھے بڑے شوق سے بھانجی کی فیوچر پلاننگ فرما رہے تھے تو انہیں بڑی سخت قسم کی ڈپریشن

نے آگھیرا۔سامنے والے کمرے میں ٹی وی پر کوئی مزاحیہ پروگرام آرہا تھا۔ثانیہ اور لبنیٰ دونوں مستقل ہنسے جا رہی تھیں۔

اتنے دن سے جو زبردستی وہ ہر کام خود کرنے کی ضد پکڑے ہوئے تھیں' اس کی تھکن' دل میں دبا دبا سا غصہ اور یہ تازہ وارد ہوتی ڈپریشن۔ان کے صبر وضبط کی حد شاید یہیں تک تھی۔"کسی وقت کچن میں آکر بھی جھانک لیا کرو' سارا دن بس آرام ہی آرام ہے۔میں اکیلی کہاں تک..." مخاطب لبنیٰ تھی۔کہیں کا غصہ' کہیں اور اتر رہا تھا۔

وہ مستقل بولے چلے گئیں تو ثانیہ چپکے سے اٹھ کر باہر برآمدے میں آگئی۔اماں اور ماموں یہیں بیٹھے ہوئے تھے۔وہ بھی وہیں تخت کے ایک کونے پر ٹِک گئی۔

"آپ سے کس نے کہا ہے کہ بے کار کے کام اپنے سر لیں۔کوئی ماسی کیوں نہیں رکھ لیتیں اوپر کے کام کے لئے۔مجھ سے تو ہو نہیں سکتا کہ سارا دن باہر تھک ہارنے کے بعد برتنوں کا ڈھیر مانجھنے کھڑی ہو جاؤں۔" لبنیٰ کو شاید ہی کبھی اس طرح جھاڑا گیا ہو گا۔اسے برا بھی بے حد لگا۔ممانی کا اصل مسئلہ سمجھے بغیر اس نے جواب در جواب کا سلسلہ شروع کر دیا۔بات کہیں سے کہیں نکلنے لگی۔

ملازمہ رکھنے کے بے حد صائب مشورے سے انہیں اور بہت سارے "خرچ" یاد دلا دیئے' جو خوامخواہ ہی سر آپڑے تھے۔

"کہاں سے پورا ہو گا اتنا خرچ؟"

"ایک ذرا سی آمدنی' وغیرہ وغیرہ..."

ماموں کو اُٹھ کر مداخلت کرنی ہی پڑی۔وہ نہ کند ذہن تھے اور نہ بے خبر...

اس سارے واویلے کے ایک ایک لفظ کا مطلب سمجھ رہے تھے' مگر مصلحتاً اس وقت بات کو ٹالنا چاہ رہے تھے۔

"لبنیٰ!" انہوں نے تنبیہی نگاہوں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔"یہ طریقہ ہے ماں سے بات کرنے کا۔اپنے سے بڑوں سے اس طرح بحث کی جاتی ہے۔" لبنیٰ ممانی سے چاہے جتنی بھی زبان درازی کر لیتی تھی' پر ماموں کے آگے خاموش ہی رہتی تھی۔

"اپنی ماں کے سکھ آرام کا بھی خیال کیا کرو' بے چاری ہم سب کے لئے سارا دن لگی رہتی ہیں۔"

اپنی تعریف و توصیف کے دو چار جملوں کو سن لینے کے بعد انہیں بھی کچھ نہ کچھ تسلی تو حاصل ہو ہی گئی تھی، لیکن رات گئے جب ان کے کمرے میں صرف وہ اور ماموں ہی تھے تو وہ یکدم ہی بہت سنجیدہ موڈ میں آ گئے۔

”ایک بات یاد رکھنا نور جہاں! آپا اور ثانیہ میری ذمہ داری ہیں، جو مجھے آخری سانس تک نبھانی ہے۔ تم میرا ساتھ دو گی تو مجھے خوشی ہو گی اور اگر نہیں، تب بھی مجھے تو بہر حال ان کا ساتھ دینا ہی ہے، تم اچھی طرح سوچ لینا۔“

ممانی بڑی حیرت سے انہیں دیکھے گئیں۔

ساری زندگی ماموں نے انہیں یہ ہی ہلکا پھلکا سا امپریشن دیئے رکھا تھا کہ گھر سے جڑے ہر معاملے میں حرفِ آخر، ممانی کی رائے ہوتی ہے۔ پر آج جس قطعیت سے انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا تھا، وہ پچھلی ساری خوش فہمیوں پر پانی پھیر رہا تھا۔

...☆☆☆...

لائونج میں اترنے والی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے سجاد نے صوفے پر بیٹھی بلقیس بھابی کو دیکھا تو ان ہی سے فیضی کا پوچھ لیا۔ ”فیضی آیا ابھی تک بھابی۔“

وہ کسی پاکستانی چینل سے فیشن سے متعلق پروگرام دیکھ رہی تھیں۔ ٹی وی پر نظریں جمائے جمائے ہی نفی میں سر ہلا دیا۔

سکرین پر بیوٹیشن جلد کو تروتازہ رکھنے کے لئے چند مفید ماسک بتا رہی تھی۔ دونوں بھابیوں کو اس قسم کے پروگرام بے حد پسند تھے۔ فیشن اور میک اپ سے متعلق ان کی معلومات اپ ٹو ڈیٹ رہتی تھیں۔

”میں نے کہا بھی تھا کہ جلدی آ جانا۔ مجھے ایک ڈنر پر پہنچنا ہے۔ معلوم نہیں کہاں رہ گیا ہے۔“

ان کے لہجے میں جو ہلکی سی فکر مندی جھلکی تھی، وہ بلقیس بھابی کی تھوڑی سی توجہ اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

نظر اٹھا کر سجاد کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے ان کی غیر معمولی تیاری کو نوٹ بھی کیا اور دل ہی دل میں سراہا بھی۔

”اس کے موبائل پر بات کر لو۔ یہ لڑکا اسی طرح غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اب دیکھ لو تمہاری گاڑی لے کر گیا ہے اور یہ دھیان تک نہیں کہ تمہیں کتنی پریشانی ہو رہی ہو گی۔“

عموماً وہ اپنی اولاد کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی غلطی ماننے سے بھی انکار ہی کرتی تھیں۔ اس وقت جو بڑی ملائمت سے سجاد کو فیور دینے لگیں تو یہ بڑی عجیب سی بات تھی۔

سجاد کو ہلکی سی تشویش بھی ہوئی۔

معلوم نہیں وہ کیا کرنے والی تھیں؟

اُن کے اس قسم کے پُرسکون روّیے عموماً کسی آنے والی ہنگامی صورتحال کی تمہید ہوا کرتے تھے۔

فی الحال یہاں رُک کر ان قیاس آرائیوں میں وقت ضائع کرنے سے بہتر تھا کہ یہاں سے چلا جائے۔ سو انہوں نے یہی کیا۔

”میں بابا کی گاڑی لے جاتا ہوں۔ فیضی آ جائے تو آپ اس پر غصہ مت کیجئے گا۔“

بلقیس بھابی نے ہلکے سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور پھر اصل بات بھی پوچھ ڈالی۔

”کیا ڈنر پر شیریں بھی آ رہی ہے۔“

سجاد کو باہر نکلتے نکلتے رکنا پڑا۔

''ہمارے آفس کے لوگوں کا ہی ڈنر ہے بھابی تو ظاہر ہے شیریں بھی ہو گی۔''

انہیں دیر ہو رہی تھی۔ مزید کسی سوال سے بچنے کے لئے وہ تیز قدموں سے بابا کے کمرے کی طرف چلے گئے۔

بلقیس بھابی نے دوبارہ نظریں ٹی وی پر جمائیں' مگر چند منٹوں میں ہی اندازہ ہونے لگا کہ اب تک توجہ سے دیکھے جانے والے اس پروگرام میں اب کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ سجاد کی اہتمام سے کی گئی تیاری اور شاندار پرسنالٹی' دل میں کہیں اندر چبھن پیدا کر رہی تھی۔

''معلوم نہیں کس کی قسمت اتنی زور آور ہونی تھی' جسے اتنے شاندار شخص کا ساتھ ملنا تھا؟''

دل میں اٹھنے والے اس سوال کا جواب ڈھونڈنے میں وہ پچھلے کئی سالوں سے جتنی اپنی جان جلا سکتی تھیں' جلا رہی تھیں۔

سو فیصد صحیح جواب پھر بھی حاصل نہیں ہو پا رہا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی دماغ اسی ادھیڑ بن میں پھر مصروف ہونے لگا۔

سامنے سکرین پر شہد اور انڈے کے ماسک کے فائدے خوامخواہ ہی غصہ آنے لگا۔

''بے کار کا وقت برباد کرنا' ہوتا کچھ بھی نہیں ہے۔ اب عمر تو آگے ہی بڑھنی ہے' پیچھے کی طرف تو لوٹنے سے رہی۔''

بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے قریب رکھا ہوا ریموٹ اٹھا کر چینل کو آگے بڑھایا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

تھوڑی دیر پہلے غصہ اور خفگی کے جذبات کو کنٹرول کر کے' خوش اخلاقی اور نرمی کے جذبات کو ابھار لینے سے چہرے کی جھریوں میں کمی لانے کے جس فارمولے کو ٹی وی پر سن کر انہوں نے اس پر فوری عمل درآمد کا فیصلہ کیا تھا' اس کی مدت محض چند منٹ ہی ثابت ہوئی تھی۔

گھر میں سجاد کی شادی ہاٹ ایشو بنی ہوئی تھی۔ پچھلے کئی سالوں سے بابا آئے دن یہ تذکرہ چھیڑتے اور پھر بنا کسی فیصلے پر پہنچے خاموش ہو جاتے' وجہ سجاد خود تھے۔

وہ معلوم نہیں کیا چاہتے تھے جو بابا کو اس طرح کی پُراسرار خاموشی اختیار کرنی پڑی تھی۔

بلقیس بھابی کے اب تک کے لگائے گئے سارے اندازے غلط ثابت ہوتے آ رہے تھے۔

تازہ ترین قیاس آرائی کا عنوان ''شیریں'' تھا۔

شیریں احمد۔

اس پیشین گوئی کو بھی سال ڈیڑھ سال کا عرصہ بیتا جا رہا تھا۔

گھر میں ہوئے ایک فنکشن میں سجاد کے مہمانوں میں شیریں بھی شامل تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے آئی تھی اور سب کو چونکا کر چلی گئی تھی۔ بلقیس بھابی ابھی تک پوری استقامت کے ساتھ چونکے چلی جا رہی تھیں۔ باقی گھر والے محض ایک خوشگوار احساس کے ساتھ کبھی کبھاریوں ہی یاد آ جانے پر اس کا تذکرہ کر لیا کرتے تھے۔

''کیا بات ہے؟ بہت شوق سے ٹی وی دیکھا جا رہا ہے بھئی۔'' ان کے شوہر لاؤنج میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ عموماً رات گئے گھر لوٹ پاتے تھے اور گھر میں کیا کیا ''شوق'' پالے ہوئے ہیں' اس بارے میں کچھ ایسے باخبر بھی نہیں تھے۔

بلقیس بھابی جتنے متضاد خیالات میں گھری ہوئی تھی۔ فوری طور پر کچھ بھی نہ بول سکیں۔ یوں ہی پُر سوچ سی نگاہوں سے انہیں دیکھے گئیں۔

حد سے تجاوز کرتا ہوا وزن اور تیزی سے گرتے ہوئے بال۔

تینوں بھائیوں میں آپس میں جو گہری محبت قائم تھی۔ اس کا اظہار چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہوتا رہتا تھا۔ وقار کو ان کی ایک تصحیح ابھی اور بھی کرنی تھی۔ ''اور سجاد مجھ سے چھ' سات نہیں بلکہ پورے ساڑھے نو سال چھوٹا ہے۔ آپ نوٹ کر لیں؟''

بھابی بلقیس نے بے زاری سے سر کو جھٹکا۔

ایک اچھے مشورے کے جواب میں یہ تفصیل تبصرہ مزید جان جلانے کا باعث بن رہا تھا' انہیں کیا پڑی تھی جو وہ اس سارے خاندان کی عمروں کا تفصیلی حساب کتاب منہ زبانی یاد رکھنے کی زحمت اٹھاتیں۔

''اور یہ سجاد بابا کی گاڑی لے کر جا رہا تھا۔ اس کی گاڑی ضرور فیضی لے کر گیا ہوگا ہے نا' تم اسے منع کیوں نہیں کرتیں۔ ابھی سے اتنی آزادی اور خود مختاری ملی ہوئی ہے اسے۔''

جس روز بھی وقار جلدی گھر آ جاتے تھے۔ اس قسم کی پڑتال ایک نہ ایک ضرور قبضے میں آ جاتی۔ بھابی بلقیس کا موڈ کوئی بات اتنا خراب نہیں کرتی تھی جتنا فیضی کو کچھ کہا جانا اور اس وقت تو کوئی ایسی بڑی بات بھی نہیں تھی۔

''اس کے سارے دوست لے کر گھومتے ہیں ایک سے ایک گاڑی' اس کا بھی دل چاہ جاتا ہے۔ یہ کوئی ایسی قابل اعتراض بات تو نہیں ہے۔ وقار اور سجاد کو بھی کوئی پیدل تو نہیں جانا پڑا ہے۔ بابا کی گاڑی لے کر گیا ہے وہ بھی۔''

میاں کے ساتھ کھل کر جھگڑنے سے وہ عموماً پرہیز ہی رکھا کرتی تھیں۔ شادی کے شروع کے سالوں میں یہ بے وقوفیاں سرزد ہوئی تھیں جب ہی یہ تجربہ حاصل ہوا تھا کہ بے کار کے جھگڑوں میں سراسر اپنا ہی نقصان ہے۔

مگر اس وقت جو وہ میاں کو سمجھانا چاہ رہی تھیں وہ اسے سمجھنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ بدستور خفگی بھرے انداز میں بولے چلے گئے۔

''سجاد کی کتنی اعلیٰ پوسٹ ہے؟ کیسے کیسے لوگوں سے اس کا ملنا رہتا ہے۔ وہ بابا کی پرانی گاڑی استعمال کر سکتا ہے' مگر تمہارے بیٹے کو شرم آتی ہے پرانی گاڑی کو ہاتھ لگاتے ہوئے۔ وہ جب باہر نکلتے ہیں' نئی گاڑی لے کر ہی نکلتے ہیں۔ اتنا شوق ہے شو آف کا تو خود کو پہلے اس قابل بنائیں' چچا کے بل بوتے پر کیوں دوستوں میں رنگ جماتے ہیں؟''

اس بار وہ بھی خاموش نہیں رہ سکیں۔ فیضی کا سجاد سے کمپیئر کیا جانا ناقابل برداشت تھا۔

''سجاد نے کون سا ایسا تیر مارا ہے۔ بابا کے پیسے کا ہی کمال ہے جو وہ باہر سے پڑھ کر آ سکے۔ فیضی بھی انشاءاللہ کچھ بن کر ہی دکھائے گا۔ کسی سے پیچھے رہنے والا نہیں ہے میرا بیٹا۔''

طنز اور تفاخر میں ڈوبے لہجے کے پیچھے وہی بیماری تھی' جو انہیں برسوں سے لاحق تھی۔

حسد' کینہ' چڑ' کھسیاہٹ۔ سب مل جل کر ایک گہری نفرت میں بدلتے چلے گئے تھے۔

زندگی نے انہیں ظرف سے زیادہ بخش کر آزمائش میں ڈالا تھا۔ پر وہ بالکل بے خبر تھیں۔

وقار جیسے معروف بزنس مین کو فرصت کے یہ چند لمحات مشکل سے ملتے تھے اور وہ اسے نیم خواندہ بیوی کے ہزار بار دہرائے ہوئے ان گھسے پٹے فقروں کو پھر سے سننے اور دل جلانے میں ضائع کرنے کی غلطی بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دل بہلانے کے لئے بہت سی مصروفیات تھیں۔

"میں تیار ہو رہا ہوں۔ تم میرے کمرے میں چائے بھجواد و اور دعا کیا کرو کہ صرف پیسے کے بل پر ہی قابلیت حاصل ہونے لگے' پھر تمہارا خواب بھی پورا ہو جائے گا۔"

اپنی بات کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر بنا ایک منٹ بھی مزید رُکے تیز قدمے سے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

کہاں جا رہے ہیں اور کب آئیں گے۔ اس قسم کے سوالوں کا جواب انہوں نے کبھی بھی صحیح صحیح نہیں دیا تھا۔ سو وہ پوچھنا چھوڑ تو نہیں' البتہ کم ضرور کر چکی تھیں۔

ملازم کو چائے کی ہدایت کر کے وہ کچھ سوچتی ہوئی ٹیلی فون کے پاس آ بیٹھیں۔

فیضی کو گئے واقعی کئی گھنٹے ہو رہے تھے۔ اُسے چیک کرنا ضروری تھا۔ اس کا موبائل نمبر ملاتے ہوئے بھی انہیں میاں کی بات مستقل چبھے گئی۔

"ہنہ ساری قابلیت تو جیسے بس انہی بھائیوں کے حصے میں۔"

دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔

منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے انہیں فیضی کی آواز پر دوسری طرف متوجہ ہونا پڑا۔

"کہاں ہو تم آخر؟ کب کے نکلے ہوئے ہو' کچھ یاد ہے؟"

وہ ایک دم ہی برس پڑیں۔

غصے اور جھنجلاہٹ کو کہیں تو اترنا ہی تھا۔ فیضی "ریلیکس' ریلیکس" ہی کہتا رہ گیا' مگر انہوں نے ایک سانس میں ہی سجاد کے چلے جانے سے لے کر وقار کی ناراضگی تک کی اطلاع دے ڈالی۔

"چلیں یہ اچھا ہوا کہ وہ چلے گئے۔ اب میں اطمینان سے آجاؤں گا' کچھ دیر تک۔"

اسے ابھی مزید وقت درکار تھا۔

بلقیس بھابی کو اپنی بات اتنی بے اثر ہونے کی توقع ہرگز بھی نہیں تھی۔ مزید خفا ہونے ہی لگی تھیں کہ رُک سی گئیں۔

فون کے دوسرے سرے پر کسی لڑکی کے ہنسنے کی آواز انہیں بالکل صاف سنائی دی تھی۔

"کون ہو سکتا ہے بھلا فیضی کے ساتھ؟"

انہوں نے پل بھر کا توقف کرتے ہوئے ذہن پر زور ڈالا' مگر فوری طور پر کوئی بھی نام ذہن میں نہ آسکا۔ فیضی کے حلقہ احباب سے ان کی واقفیت نہ ہونے کے برابر تھی۔

اس کے معاملے میں وہ ہمیشہ اتنی پُریقین اور بے فکر رہتی تھیں کہ کبھی اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔

"کون ہے تمہارے ساتھ؟" صاف صاف پوچھ لینے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہوا۔

"میرے ساتھ۔" دوست ہیں امی اور کون ہوگا۔ فیضی کے لہجے میں جو ہلکی سی حیرت ابھری تھی' بڑی نیچرل تھی۔ اسے آج تک ان کی طرف سے کم از کم کسی پوچھ گچھ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

بلقیس بھابی کو اس سے ایسے ہی کسی جواب کی توقع تھی۔ مگر کسی حد تک وہ اپنا اطمینان کر لینا چاہتی تھیں۔ ہنسی کے ساتھ کچھ بولنے کی آواز پھر سنائی دے رہی تھی۔

"میں اس لڑکی کے متعلق جاننا چاہ رہی ہوں جو تمہارے ساتھ ہے۔"

انہوں نے براہ راست فرد جرم عائد کی' مگر وہ ذرا بھی نہیں بوکھلایا۔ "کیسی لڑکی امی ہم لوگ تو یہاں ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہیں۔ آس پاس بہت سے لوگ ہیں۔ آپ بھی بس نا' حد کرتی ہیں کبھی کبھی۔" اس بار اس کی آواز قدرے نیچی تھی۔ خفگی کے انداز میں اپنی بات پوری کر کے اس نے فوراً ہی اپنا موبائل بھی آف کر دیا۔

بلقیس بھابی ذرا دیر کے لئے یوں ہی بیٹھی رہ گئیں۔

یہ ایک نئی فکر تھی جو ان کی جان کو لاحق ہوئی تھی۔ اب تک کی تمام فکروں سے بالکل جدا۔

معلوم نہیں کون لڑکی تھی۔

ان کے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے تھے۔ مگر فیضی سے کچھ قبلوانا آسان نہیں تھا۔

اُسے بچپن سے لے کر اب تک جو کھلی چھٹی ان کی طرف سے حاصل رہی تھی۔ اس کے اثرات اب پوری طرح ظاہر ہونے لگے تھے۔

دولتمند باپ کا نو عمر بیٹا۔

"کوئی بھی لڑکی چٹکیوں میں بے وقوف بنالے گا۔"

انہیں واثق یقین ہونے لگا۔ تمام ماؤں کی طرح ان کی نظر میں بھی بیٹا انتہائی سادہ اور معصوم اور لڑکیاں' چالاک ہوشیار۔

...☆☆☆...

تیز روشنیوں سے پورا ہال جگمگا رہا تھا۔

شیشے کے بڑے سادے دروازے کے باہر لمحے بھر کے لئے رک کر اس نے یہ خوبصورت منظر ذرا غور سے دیکھا۔

تقریباً سارے ہی چہرے شناسا تھے۔ بے فکرے اور خوش باش۔ بات بات میں مسکراہٹیں بکھیرتے اور قہقہے لگاتے' جن کو دیکھ کر پہلا احساس یہی ہوتا تھا کہ جیسے دنیا میں فکر اور ٹینشن جیسے لفظوں کا کوئی وجود ہی نہیں۔

"اور چاہے ذرا دیر کے لئے ہی سہی' آج کے دور میں بے فکری کا یہ احساس بھی کیسی بڑی نعمت ہے۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے سوچا اور ہلکے سے دروازہ پش کرتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ بہت سی گردنیں اس کی طرف مڑیں۔

ستائش بھری اِن نظروں کی وہ عرصہ ہوا عادی ہو چکی تھی۔ لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اُسے کبھی کوئی ہلکی سی کوشش بھی نہیں کرنی پڑی تھی۔ یہ اعزاز اسے خود بخود ہی حاصل ہوتا رہا تھا' لوگ پہلی ملاقات میں اس سے مرعوب ہوتے اور پھر دوسری' تیسری کیا' اگلی بہت ساری ملاقاتوں تک اسی مرعوبیت کے مارے رہتے۔ ماسوا چند قریب ترین دوستوں کے۔

بہت سے خوامخواہ حسد کا شکار رہتے۔ یوں ہی عادتاً' جن سے نہ کوئی تعلق نہ واسطہ' وہ انہیں بھی نظر انداز کرنے کی عادی ہو چکی تھی۔ اس وقت بھی جب کو لیگز کے ایک جادو جگا رہی تھی' چند سرگوشیاں کانوں میں پڑ ہی گئیں۔

"کس قدر مین ٹین کر کے رکھا ہوا ہے خود کو۔ لگتا ہی نہیں اتنی ایج ہو چکی ہے۔ میرے خیال میں فورٹی کے نزدیک تو آ ہی گئی ہوں گی شاید فورٹی پلس..." رنگ آمیزی کے لئے مبالغے کی کمی نہیں تھی میں تو" اب ہی پانچ چھ سالوں سے

جانتی ہوں، جب سے اب تک تو کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کو صحیح اندازہ ہوگا، جو پرانے ملنے والے ہیں۔"

ایک اور دبی دبی سی آواز۔

اتنے قریب سے نہ ابھر رہی ہوتی تو وہ یقیناً سن بھی نہیں پاتی، جو کوئی بھی ان کے بائیں ہاتھ کی طرف والی ٹیبل پر بیٹھیں تھیں۔ یہ ان ہی کی کرم فرمائی تھی۔ فوراً ہی پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ اپنا تمام دھیان دوستوں کی باتوں کی طرف لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کسی نے قریب آ کر پکارا۔ "شیریں!"

نہ آواز اجنبی تھی اور نہ پکارنے والا۔

وہ مسکراتے ہوئے پلٹی۔

سامنے سجاد کھڑے تھے۔

...☆☆☆...

"آؤ بیٹھتے ہیں کہیں۔ یہاں تو کوئی ٹیبل خالی نظر نہیں آ رہی ہے۔"

بالکل سرسری سے انداز میں کہتے ہوئے سجاد پلٹنے لگے تو شیریں کو بھی اُن کا ساتھ دینا پڑا۔

چند منٹ پہلے ان کا نام لے کر جو دھول اڑائی جا رہی تھی وہ شاید ابھی تک منظر کو دھندلائے ہوئے تھی۔ جب ہی آس پاس کی دو تین خالی میزوں کو وہ نوٹ ہی نہیں کر سکیں۔ ہال کے بالکل دوسرے سرے تک پہنچنے تک سجاد ہی باتیں کئے گئے۔

"بہت دیر سے تمہیں فون پر کنٹیکٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر مل کر ہی نہیں دے رہا تھا، پھر میں نے تمہارے گھر فون کیا تو آنٹی نے بتایا کہ تم نکل چکی ہو اور خود وہ کتنے دن سے بیمار ہیں یہ بھی ان ہی کی زبانی پتہ چلا۔ میں تو بڑا شرمندہ ہوا۔ کیا سوچتی ہوں گی کہ میں ایک بار بھی دیکھنے نہیں آیا۔ تم بھی بس کبھی کبھی حد کرتی ہو۔"

وہ پوری تابعداری کے ساتھ، بنا بیچ میں ایک لفظ کہے سنا کئے گئی۔

"بیٹھو اب کھڑی کیوں ہو؟"

کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے وہ اسے بھی ہدایت کرنا نہ بھولے۔

"آں، ہاں۔"

وہ جیسے کسی گہرے خیال سے نکلی۔ سجاد نے ان چند منٹوں میں اس کی ہر بات کو نوٹ کیا تھا۔ جب بھی وہ کنفیوز ہوتی اسی طرح خاموش ہو جاتی تھی۔ اس وقت جو کنفیوژن پھیلا تھا۔ اس کی چند وجوہات ان کے کانوں میں بھی پڑ چکی تھیں۔ چند چھینٹیں اڑاتے ہوئے جملے، جو بالکل ہی فضول قسم کے ذہنوں کی پیداوار تھے۔ "اور یہ لوگ بے چارے اگر اس قسم کی باتیں نہ کریں تو ان کی یہ سوشل گیدرنگز کتنی پھیکی، کتنی بورنگ نہ ہو جائیں۔"

سجاد نے دل ہی دل میں ایک غیر جانبدار تجزیہ کیا۔ پر یہ بات شیریں کو سمجھانا آسان نہیں تھا، بلکہ شیریں ہی کیا، کوئی دوسرا بھی اس کی جگہ ہوتا تو اس قدر تلخ ریمارکس خود اپنے بارے میں سن کر خوش مزاجی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔

سجاد نے ذرا غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ نظریں جھکائے میز کے کنارے پر انگلی پھیر رہی تھی اور یقیناً رنجیدہ تھی۔ سجاد کو خود بھی دکھ سا ہوا۔

''وہ تم نے بتایا نہیں آنٹی کو کیا تکلیف ہو گئی تھی پچھلے ہفتے؟'' شیریں جیسی اچھی اور مخلص دوست کو اس ناگوار احساس سے نجات دلانے کا یہی طریقہ تھا کہ باتوں کا سلسلہ کہیں نہ کہیں سے جوڑا جائے' سو سجاد نے یہی تکنیک استعمال۔

شیریں کو وقتی طور پر دل دکھانے والی ان باتوں کو جھٹک کر ذرا سنبھل کر بیٹھنا پڑا۔

''بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے امی کا۔ تمہیں پتہ ہی ہے اس بار کنٹرول نہیں ہو پا رہا تھا۔ سو تھوڑا سا پرابلم بڑھ گیا تھا۔ ڈاکٹر کہتے ہیں سختی سے پرہیز کریں' تھوڑی سی بھی ٹینشن نہیں لیں مگر ان سے یہ دونوں ہی کام نہیں ہوتے ہیں۔''

اس عمر میں صحت عموماً گرنے ہی لگتی ہے۔ پر شیریں کی امی کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ وہ بڑی چاق وچوبند اور خوش مزاج خاتون تھیں۔ سجاد کو تھوڑی سی حیرت ہوئی۔

''مشورہ تو ڈاکٹر کو تمہیں دینا چاہئے تھا جو ذرا ذرا سی بات پر گھبرائی ہوئی پھرتی ہو۔ آنٹی تو میرے خیال میں بڑی سے بڑی پریشانی کو بھی زیادہ لفٹ کرانے کی قائل نہیں ہیں۔ اُن کے پاس بیٹھ کر تو بور سے بور شخص بھی مسکرانے لگتا ہے۔''

ایک ہلکی سی افسردگی گھلی مسکراہٹ شیریں کے چہرے پر ابھری۔ ''ہر شخص کے دل کا حال اس کے چہرے سے عیاں نہیں ہوتا سجاد اور دوسرا یہ کہ تم بالکل ہی فلاپ قسم کے فیس ریڈر ہو۔ اس لئے اندازے لگانے میں جلدی نہ کیا کرو۔''

'خیر اتنا بُرا بھی نہیں۔'' سجاد ہنسنے لگا۔ ''کم از کم اپنے قریبی لوگوں کے بارے میں تو صحیح رائے دے ہی سکتا ہوں۔''

شیریں سے جواباً مسکرایا بھی نہیں گیا۔'' وہ لوگ سجاد کے قریبی لوگوں میں شمار نہیں ہوتیں۔'' یہ یاد دہانی بھی وہ چاہنے کے باوجود نہ کر سکی۔ ہال آہستہ آہستہ پوری طرح بھر چکا تھا۔ ان کی ٹیبل بھی خالی نہیں رہ سکی۔

تقریباً سارے ہی کولیگز جمع تھے۔ جن کے ساتھ برسوں کا تعلق تھا۔ سو ایک پُرلطف سی محفل جمنی ہی تھی۔ پھر بھی سجاد شیریں کی طرف سے غافل نہیں تھے۔ اس کی غائب دماغی کچھ اور لوگوں کے نوٹس میں بھی آ رہی تھی۔

''آج تم کیوں اس قدر خاموش ہو؟ لگ ہی نہیں رہا کہ سب کے بیچ میں بیٹھی ہو۔'' تھوڑی ہی دیر میں مسز ہاشمی فکر مند سی ہو کر اُس سے پوچھنے لگیں۔ شیریں سے ان کی دوستی بڑی گہری اور پرانی تھی اور وہ ویسے بھی شیریں کے لئے بات بات میں فکر مند ہو جایا کرتی تھیں۔

شیریں کے لئے انہیں مطمئن کرنا آسان نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ دھیرے دھیرے مسکراتے ہوئے جو کچھ وضاحت انہیں دے رہی تھی۔ اس پر وہ بس یوں ہی رواداری میں سر ہلا رہی تھیں۔ یقین شاید ایک لفظ پر بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس بڑی ساری گروپ گیدرنگ میں کوئی پرسنل بات چھیڑی بھی نہیں جا سکتی تھی' البتہ پارٹی کے اختتام پر ہوٹل کے پارکنگ ایریا کی طرف شیریں کو مسز ہاشمی کے ساتھ جاتا دیکھ کر سجاد نے فوراً ہی اگلا پروگرام ترتیب دے لیا۔

''میں اس وقت تھوڑی دیر کے لئے تمہارے گھر ہوتا ہوا جاؤں گا۔ شیریں آنٹی کو دیکھنا ہے' آپ بھی چل رہی ہیں کیا مسز ہاشمی؟''

''نہیں میں تو اس وقت نہیں جا سکتی۔ ہاشمی صاحب لاہور گئے ہوئے ہیں اور بچے گھر پر اکیلے ہیں لیکن اچھا ہے تم چلے جاؤ۔ مجھے بھی بے فکری رہے گی۔ آج شیریں کی طبیعت بھی کچھ اچھی نہیں ہے۔''

ان کے انداز میں کچھ ایسا سکون تھا' جیسے کوئی اہم مسئلہ حل ہوا ہو۔ اُن کی یہ فکر مندی بڑی محبت بھری تھی۔ شیریں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور ہلکے سے سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

''آپ بھی بس نا' حد کرتی ہیں کبھی کبھی۔ میں کوئی کم عمر لڑکی ہوں جس کے لئے آپ فوراً ہی پریشان ہونا شروع ہو جاتی ہیں؟ میچور ایج کی عورت ہوں۔ پندرہ سولہ سال ہو گئے ہیں جاب کرتے ہوئے۔''

''مجھے مت بتائو' سب جانتی ہوں۔یہ بھی کہ کس عمر میں تم نے جاب شروع کرلی تھی اور یہ بھی کہ اپنا خیال رکھنے کے معاملے میں تمہاری ساری سمجھداری دھری کی دھری ہے اب تک۔''

یہ آخری جملہ ذو معنی تھا۔شیریں کے چہرے پر ہلکا سا سایہ سا لہرایا' جو طنزیہ فقرے کچھ کچھ بھولنا شروع ہوئے تھے ان کی بازگشت ابھی بھی باقی تھی۔ہوا کے تیز جھونکوں سے بکھرتے بالوں کو سمیٹتے ہوئے ہلکے سے بولی۔''یہ تو آپ سمجھتی ہیں نا' لوگوں کی رائے میرے بارے میں بالکل مختلف ہے۔ان کے خیال میں تو میں بہت ہی...''

وہ بات جو وہ کہنے جا رہی تھی۔ادھوری ہی رہ گئی۔''بکواس کرتے ہیں لوگ اور تم انتہائی احمق ہو جو اس ساری بکواس پر کان دھرتی ہو اور پھر دل سے لگا کر بیٹھ جاتی ہو۔'' سجاد سے اس بار رہا نہ گیا۔اتنی دیر سے شیریں کی افسردگی نے انہیں بھی رنجیدہ کیا تھا۔''ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق بات کرتا ہے۔یہ اس کی مجبوری ہے کہ وہ اس سے زیادہ کچھ اور کر ہی نہیں سکتا۔چھوٹے چھوٹے سے حسد' دلوں میں چھپا کینہ ان کی نگاہوں کو گدلائے رکھتا ہے۔وہ وہی دیکھتے ہیں جو دیکھنا چاہتے ہیں۔کیا کریں خود کو مطمئن کرنے کا ایک یہی طریقہ تو ہوتا ہے ان کے پاس۔''

یہ چھوٹی موٹی سی تقریر جو انہوں نے جذبات میں آکر کر ڈالی تھی۔اس کے دوران مسز ہاشمی مستقل اثبات میں سر ہلائے گئیں۔سرکل میں ہونے والی تمام تر گوسپز سے وہ باخبر رہتی تھیں۔شیریں کے

حاسدوں میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور مخالفت میں ہونے والی باتوں میں بھی اس کا کامیاب کیریئر اور بے تحاشہ خوبصورتی' دونوں ہی بڑی معقول وجوہ تھیں' جو لوگوں کو جیلسی پر مجبور کر دیتی تھیں۔مگر ان ہی بے مہر چہروں کے درمیان کچھ مہربان چہرے بھی تھے۔نرم سی روشنی کی جگمگاہٹ لئے ہوئے۔ایسے چہرے ہر جگہ ہوتے ہیں۔خود غرضی اور نفسانفسی کی آندھی میں چھوٹے چھوٹے چراغ ہمیشہ ہی جلے رہتے ہیں۔دس بار منع کر دینے کے باوجود بھی جب سجاد نے اس کے ساتھ ہی اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور مسز ہاشمی ہاتھ ہلاتی مطمئن سی اپنی گاڑی پارکنگ ایریا سے باہر لے جا رہی

تھیں۔شیریں کو کچھ دیر پہلے ہونے والے ملال پر شرمندگی سی محسوس ہونے لگی۔''چند سچے اور مخلص دوستوں کی موجودگی میں بے کار کی کڑواہٹ خود پر لادے رکھنے میں بھی بھلا کوئی دانشمندی تھی؟''

شیریں کے وسیع و عریض گھر کی ساری لائٹیں روشن تھیں۔خاموش اُجالے میں لپٹے اس گھر میں قدم رکھتے ہی پہلا احساس سناٹے کا جاگتا تھا۔

''امی نے ضرور ٹیبلٹ لے لی ہو گی۔ڈاکٹر انہیں جلدی سونے کے لئے کہتے ہیں۔اسی لئے تمہیں منع بھی کر رہی تھی مگر تم بھی...''

لمبا سا کاریڈور طے کرتے ہوئے شیریں اپنی بات پوری کرنے بھی نہیں پائی تھی کہ وہ سامنے سے آتی نظر آگئیں۔

''بڑے دنوں میں آئے اب کہ تو' میں کتنے دن سے شیریں کو کہہ رہی تھی کہ سجاد سے کہنا امی یاد کر رہی ہیں۔مگر اس نے یقیناً تم سے نہیں کہا ہو گا۔''

سجاد کے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ کہنے لگیں۔تھوڑے سے شرمندہ ہو کر وہ شیریں کی طرف دیکھنے لگے۔''اصل میں آنٹی یہ گھبراتی ہیں کہ مجھے بلا کر انہیں کہیں مہمانداری نہ کرنی پڑ جائے' بہت مصروف ہستی ہیں۔فرصت کہاں ہے انہیں۔''

''میں ہوتی ہوں نا گھر پر' تمہارا جب دل چاہے آجایا کرو۔'' وہ انہیں لئے لائونج میں چلی آئیں۔شیریں کو ان کے دیر تک جاگنے پر تشویش ہو رہی تھی' مگر وہ اس وقت اپنی بیماری کو لفٹ کرانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔شیریں چائے کا کہنے چلی گئی تو وہ کچھ بے چارگی سے بولیں۔

"کیا کروں جب تک یہ گھر پہ نہیں ہوتی مجھے نیند ہی نہیں آتی۔ خود بھی سمجھتی ہے اس لئے کہیں بھی غیر ضروری آنے جانے سے پرہیز رکھتی ہے۔ آفس سے آنے کے بعد سارا وقت بس میرے ساتھ ہی گزرتا ہے۔ خود کو بالکل پابند کر رکھا ہے اس نے۔ مجھے تو اسے دیکھ دیکھ کر رنج ہوتا ہے۔"

سجاد کے سامنے وہ اپنا دل عموماً ہلکا کرلیا کرتی تھیں۔ اس وقت بھی کرنے لگیں۔

"شیریں کو آپ سے بہت محبت ہے آنٹی! آپ بے کار کا رنج کرتی ہیں۔ آپ کی دیکھ بھال تو اس کا فرض بنتا ہے۔" انہوں نے ہمیشہ کی طرح اُن کی دل جوئی کرنا چاہی۔ مگر آج وہ پہلے کی طرح مسکرا کر ان سے اتفاق کرنے کے بجائے اسی طرح سنجیدہ سنجیدہ سی رہیں۔

"محبت کو محبت ہی رہنا چاہئے سجاد' بوجھ نہیں۔ میری محبت شیریں کے لئے بوجھ بن گئی ہے۔ ذرا سوچو زندگی کی ساری خوشیوں سے اس نے صرف میرے لئے منہ موڑ رکھا ہے۔ نئے رشتے بنانے سے خوفزدہ ہے کہ کہیں ان میں گھر کر میری طرف سے کوئی لاپروائی نہ ہو جائے۔ اپنی تنہا اور نامکمل زندگی کا اسے احساس تک نہیں ہے۔ میرے بعد اس کا کون...؟"

آج وہ واقعی ٹینشن کا شکار ہو رہی تھیں۔ سجاد کو شیریں کی کہی بات پر یقین لانا پڑا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی ملائمت سے بولے۔ "ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو آپ سوچ رہی ہیں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہئے شیریں کی کامیابیوں پر۔ وہ اپنے پروفیشن میں ماشاءاللہ کتنی کامیاب ہے۔ آفس میں اس کے ٹیلنٹ کو کس قدر سراہا جاتا ہے اور رہی بات اس کی ذاتی زندگی کی تو یہ فیصلہ شیریں کا قطعی ذاتی ہے۔ کیا خبر ابھی اسے کوئی ایسا شخص ملا ہی نہ ہو جو اس کے معیار پر پورا اترتا ہو اور جب مل جائے گا تو یقیناً اس کام میں پھر دیر نہیں ہوگی۔"

شیریں کی امی چند لمحے خاموش سی نگاہوں کے ساتھ سجاد کے چہرے کو تکتے گئیں۔

پھر دفعتاً ہی وہ سر جھٹکتے ہوئے اس کمزور لمحے کی زد سے باہر نکل آئیں۔

"بے کار کے مسئلے کھڑے کر رکھے ہیں تم لوگوں نے۔ کیسا معیار اور کہاں کی تلاش؟ شادی ہو جاتی ہے تو ساری انڈر سٹینڈ نگ ہو جاتی ہے۔ آخر پہلے بھی تو شادیاں ہوتی تھیں' سو فیصد والدین کی مرضی سے' کامیاب ہوتی تھیں یا نہیں۔ شریف خاندانوں میں طلاق کا لفظ گالی سے بھی بڑھ کر سمجھا جاتا تھا۔ کسی مرد یا عورت کو منہ پر لانے کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی اور اب جتنی جانچ پڑتال کی جاتی ہے' شادی سے پہلے انڈر سٹینڈ نگ قائم کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ اتنا ہی طلاقوں کا تناسب بڑھتا چلا جارہا ہے۔ میرے ملنے والوں میں خود کئی ایک واقعے ایسے ہی ہو چکے ہیں۔"

سجاد چپ چاپ اُن کے تجزیہ کو سنتے رہے۔

اختلاف کی کوئی گنجائش تھی بھی نہیں۔ فی الحال یہ بھی بہت تھا کہ ان کی توجہ اپنی پریشانیوں سے ہٹ رہی تھی۔ چائے آ چکی تھی اور شیریں بھی۔

اپنا کپ ختم کرتے ہی سجاد اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آتے رہا کرو' تم آتے ہو تو بڑا اچھا سا لگتا ہے۔ ہارون کی سی جھلک دکھائی دیتی ہے تم میں۔"

شیریں کی امی منع کرنے کے باوجود بھی انہیں خدا حافظ کہنے باہر تک چلی آئی تھیں۔

اس چھوٹے سے جملے میں محرومی بھی تھی اور تڑپ بھی۔ اس نام کا ذکر گھر میں دن بھر میں درجنوں بار ہوتا تھا' مگر "صاحب نام" کے درشن گھر کے درودیوار طویل ترین سالوں میں ایک آدھ بار ہی کر پائے تھے۔

ہارون احمد۔

شیریں کے اکلوتے برادر محترم!

ماں اور بہن کی ذمہ داری سے جان چھڑا کر برسوں سے کینیڈا میں اپنی دنیا بسائے بیٹھے تھے۔ ہر سال دو سال میں شیریں‘ امی کو لے کر ان سے ملوانے کے لئے کینیڈا جاتی‘ خود انہیں نہ فرصت تھی اور نہ ہی وہ ”وطن عزیز کی محبت“ جیسی سستی جذباتیت کے شکار تھے۔ سو زندگی مزے میں کٹ رہی تھی۔ کم از کم خود ان کی۔

گاڑی گیٹ سے باہر نکالنے تک شیریں اور امی ہاتھ ہلائے گئیں۔

رات خاصی ہو چکی تھی۔ سڑکوں پر ٹریفک کم ہو چکا تھا۔ سیاہی مائل دکھائی دیتی سڑک پر تیزی سے گاڑی بھگاتے ہوئے سجاد مستقل ہی ان دونوں کے بارے میں سوچے گئے۔

قیمتی سامان سے بھرے ہوئے اس شاندار گھر میں رہتی ہوئی وہ دونوں تنہا عورتیں ایک دوسرے کا سہارا تھیں۔ ان کا اکیلا پن آج کچھ زیادہ ڈسٹرب کر رہا تھا۔ شاید شیریں کی امی کی باتوں کا اثر تھا یا پارٹی میں ہونے والی بدمزگی کا‘ یا پتہ نہیں کیا؟ وہ شیریں جس کی کامیابیوں کا تسلسل لوگوں کو باجماعت رشک میں مبتلا کرتا تھا‘ جس کے پُراعتماد روّیہ کو دیکھ کر کبھی ہلکا سا بھی شبہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ عدم تحفظ جیسے مسئلے سے دوچار ہو سکتی ہے۔ خود اپنی ماں کی نگاہوں میں ایسی ہی سچوئشن سے گزر رہی تھی۔

”معلوم نہیں اکثر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ زندگیاں جیسی گزرتی نظر آ رہی ہوتی ہیں‘ ویسی گزر نہیں رہی ہوتیں۔ نظریں دھوکہ دیتی ہیں یا روّیے پر کوئی چیز ایسی ہے ضرور جو اصل پر پردہ ڈالے رکھتی ہے۔ بے خبر رکھتی ہے۔“

اگلی صبح چھٹی کے دن کی تھی۔ حسب معمول ایک جیسی‘ ہر کام میں دیر‘ اٹھنے میں‘ فریش ہونے میں‘ ناشتے میں۔

دونوں بڑے بھائی بیک وقت گھر پر آدھے دن تک پائے جا سکتے تھے اور یہ کوئی کم بات نہیں تھی۔ ناشتہ پچھلے ایک گھنٹے سے جاری تھا۔

جو کوئی اٹھ کر آتا ٹیبل پر بیٹھ کر اپنے ناشتے کا آرڈر کر دیتا۔ سب کچھ بالکل اور دنوں کی طرح ہی تھا‘ پھر بھی کوئی بات ذرا ہٹ کے تھی۔

بابا کچھ اہم مسائل چھیڑے بیٹھے تھے۔ ان کی بات پوری طرح توجہ سے سنتے ہوئے بھی سجاد کا دھیان بار بار بٹ رہا تھا۔

”کل میں گیا تھا فرحت کی طرف‘ بڑی فکر مند ہے بے چاری۔ اس وحید نے پھر سے ”رحمت منزل“ کا قصہ اٹھایا ہوا ہے۔ کہہ رہا ہے کہ یا تو بلڈنگ کسی دوسری پارٹی کے ہاتھ فروخت کر کے فرحت کو اس کے حصے کے پیسے ادا کر دیئے جائیں ورنہ ہم لوگ خود فرحت کا حصہ خریدیں اور اسے پیمنٹ کر دیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس شخص سے کس طرح نمٹا جائے۔“

”بلڈنگ بیچنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ بات تو وحید اپنے دل سے نکال ہی دے۔ آپ فرحت سے کہیں اسے صاف صاف کہہ دے۔“ وقار اپنی بات دو ٹوک انداز میں کہتے تھے۔ بابا کے بعد بزنس کے معاملات میں ان ہی کی رائے سب سے زیادہ مستند تصور کی جاتی تھی۔ ”ابھی تو اچھا بھلا آدھی بلڈنگ کا کرایہ فرحت کے اکاؤنٹ میں جمع ہو رہا ہے۔ ان حضرت کی فرمائش پوری کر دی تو وہ غریب اس سے بھی جائے گی۔“

ان کی بات سے سب ہی کو اتفاق تھا۔ پر اتفاق کر لینے سے مسئلہ حل نہیں ہو سکتا تھا۔ بابا ہاتھ میں تھامے چائے کے کپ سے چھوٹا سا گھونٹ بھرتے ہوئے بولے۔ ”کیا بھی کیا جا سکتا ہے؟ اسے تو پیسہ درکار ہے وہ بھی یک مشت‘ کسی بزنس کا سوچے بیٹھا ہے۔ میں نے تو کچھ پوچھا بھی نہیں۔ پہلے کب اس نے کوئی بات سچ کہی ہے‘ جواب کہے گا۔“

بابا ایک دم ہی مایوس سے دکھائی دینے لگے۔ لہجے اور انداز کی یہ شکستگی ان پر سوٹ نہیں کرتی تھی۔ وہ بڑے بااصول اور مضبوط اعصاب والے انسان تھے۔ سجاد نے انہیں صرف دو موقعوں پر مایوسی کا شکار ہوتے دیکھا تھا۔ ایک فرحت آپا کے ذکر پر اور دوسرا؟

اس بڑے سارے سوالیہ نشان کے جواب میں پورے گھر کو ایک گہری خاموشی اختیار کرنی پڑتی تھی۔ ''یہ شخص تو ایک مستقل درد سر بن گیا ہے بابا۔ ہم کچھ بھی کر دیں' یہ کبھی چین سے جینے نہیں دے گا۔ تھوڑے عرصے بعد پھر کوئی نیا مسئلہ لے کر کھڑا ہو گا۔ میرے خیال میں تو اس سے بالکل صاف الفاظ میں معذرت کر لی جائے۔'' سہیل کی رائے بھی وقار بھائی سے مختلف نہیں تھی۔ چھٹی کا دن اس بے کار سی بحث کی نذر ہو رہا تھا۔ وہ بے زار سے لہجے میں بیوی کو پکارنے لگے۔ ''ثمینہ یہ چائے لے جاؤ' بالکل ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ اتنے لوگ ہیں گھر میں اور ایک چائے کا کپ گرم نہیں مل سکتا۔''

ثمینہ بُرا سا منہ بناتی ہوئی چائے کا کپ اٹھا کر لے گئیں۔ سجاد ہلکے سے مسکرا دیئے۔

انہیں اپنی بھابیاں بہت بہتر لگا کرتی تھیں۔ چاہے اوپری دل سے ہی سہی' گھر میں ملازمین کی موجودگی کے باوجود ذمہ داریوں کو نباہ رہی تھیں۔

''فوری طور پر اتنی بڑی رقم کاروبار سے نکالنا ناممکن ہے بابا۔ تھوڑا بہت انتظام تو کیا جا سکتا ہے' مگر ''رحمت منزل'' گو پرانی ہی سہی' مگر اس کی لوکیشن کی قیمت ہم فی الحال ادا نہیں کر سکتے اور یوں بھی یہ بلڈنگ بیچنے کی نیت سے نہیں بنائی گئی تھی۔ آپ کو دادی کی زندگی میں ہی ان کی وصیت کو تبدیل کروا دینا چاہیئے تھا۔'' سہیل کے لہجے میں جو ہلکا سا گلہ تھا' بابا کو بُرا لگا۔

''کیسی باتیں کرتے ہو؟ ''رحمت منزل'' اماں مرحومہ کی ملکیت تھی۔ ان کو پورا حق تھا وہ جس کے چاہتیں اس کے نام کرتیں اور پھر انہوں نے دی بھی کس کو ہمارے ہی بچوں کو نا' کیا اپنی ہی بیٹی کے لئے ان کی مخالفت کرتا۔''

چند لمحوں کے لئے تو بالکل ہی خاموشی سی ہو گئی۔ سجاد ویسے بھی بزنس اور پراپرٹی جیسے معاملات میں اپنی رائے کم ہی دیا کرتے تھے۔ انہیں اس بارے میں خود سے زیادہ دونوں بھائیوں اور بابا کی سمجھ پر بھروسہ تھا۔

''میرا مطلب تھا کہ اگر صرف فرحت کے ہی نام ہوتی تو اسے بیچنے میں...'' سہیل نے دبے لفظوں میں اپنی بات کی وضاحت کرنا چاہی' مگر وہ مزید خفا ہو گئے۔

''آئندہ اس طرح کی بات لبوں پر بھی نہ لانا۔ امانت ہے اس کی آدھی ملکیت میرے پاس اور اگر میری زندگی میں حق دار تک نہیں پہنچے تو یہ فرض تم تینوں پر عائد ہو گا۔ یاد رکھنا میری اس بات کو۔''

بابا کی آواز میں جو ہلکی سی کپکپاہٹ ابھری تھی' وہ ان کی دلی کیفیت کی غماز تھی۔

ایک پرانا زخم پھر سے لو دے رہا تھا۔

سجاد اور وقار دونوں ہی کی فہمائشی نگاہیں سہیل کی جانب اٹھ گئیں۔ وہ بے چارے خجل سے ہو گئے۔

ان کا مطلب بھی یہ نہیں تھا۔ بس یوں ہی بر سبیل تذکرہ کر بیٹھے تھے۔ وہ بھی ان آئے دن کے جھنجٹوں سے گھبرا کر۔

اسی وقت ثمینہ چائے کی ٹرے لئے چلی آئیں۔ اس بار چائے بڑے اہتمام سے آئی تھی۔ نئے خوبصورت سے کپوں سے اڑتی خوشبو کو سب ہی نے محسوس کیا۔

ابھی ابھی جو یہ خاموشی کا وقفہ ان تینوں بھائیوں اور بابا کے درمیان آیا تھا۔ ثمینہ اس کی معنی خیزی سے بے خبر تھیں۔ کچھ ایسا ہی معمول کا سا ماحول سمجھتے ہوئے وہ اپنے میاں کو ان کا اگلا پروگرام یاد دلانے لگیں۔

”کتنے بجے تک نکلیں گے گھر سے؟ آدھ پون گھنٹہ تو راستے میں ہی لگ جائے گا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے امی کا فون بھی آیا تھا پوچھنے کے لئے۔“

بابا سمیت سب ہی کو یاد آ گیا کہ ثمینہ اتوار کا آدھا دن عام طور پر اپنے میکے میں گزارتی ہیں۔

”ہاں بھئی سہیل جاؤ جا کر تیاری کر لو۔ ساڑھے گیارہ تو بج ہی رہے ہیں۔“ بابا جو اتنی دیر میں خود کو کمپوز کر چکے تھے ملائمت سے کہنے لگے۔

سہیل پہلے ہی شرمندہ سے تھے۔ دبے لہجے میں بیوی پر ہی ناراض ہونے لگے۔ ”بابا کے پاس بیٹھا ہوں یہی خیال کر لیا کرو بولنے سے پہلے۔“

ایک اسپیشل خوشبودار چائے بنانے کی جو زحمت ابھی ابھی اٹھائی تھی‘ ثمینہ کو یوں ہی جاتی سی لگنے لگی۔ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی وہ لاؤنج سے باہر چلی گئیں۔ بابا اٹھ کھڑے ہوئے تو سب ہی کو اٹھ جانا پڑا۔ انہیں کسی دوست سے ملنے جانا تھا۔ وقار ان کے ساتھ ہی باہر کی طرف چلے گئے۔

”یہ آج فیضی کہاں...؟“

سجاد پوچھتے پوچھتے خود ہی رک گئے۔ بات ہی کچھ ایسی تھی۔

لاؤنج کے بالکل داہنے کونے میں جہاں ٹی وی رکھا ہوا تھا‘ اس کے سامنے بچھے صوفے پر بلقیس بھابی بیٹھی تھیں۔ بالکل خاموش اور سنجیدہ‘ کارپٹ پر نظریں جمائے‘ وہ نہ جانے کس معاملے پر اتنا گہرا غور فرما رہی تھیں کہ اِرد گرد سے بالکل لاتعلق نظر آ رہی تھیں اور تعجب کی بات تو یہ کہ ان کا من پسند ٹی وی بھی بند پڑا تھا۔

”الٰہی خیر!“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے۔

قریب کھڑی انعم کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ بھی اشارے سے لاعلمی کا اظہار کر گئی۔ اتنی دیر سے جو گھر کے سب کام بنا کسی مداخلت کے انجام پا رہے تھے اور کوئی بات ”الگ الگ“ سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ تسمیہ فوراً ہی سمجھ میں آ گئی۔ بلقیس بھابی کی خاموشی کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں تھی۔ سجاد کو تھوڑی سی تشویش بھی ہوئی‘ مگر براہِ راست پوچھنا بھی مناسب نہیں لگا۔ کیا پتہ وقار بھائی کے ساتھ ہی کوئی جھگڑا ہوا ہو؟

انہوں نے دل ہی دل میں نہایت مناسب سی قیاس آرائی کرتے ہوئے وہاں سے گزر جانا چاہا۔ تب ہی اوپر کی سیڑھیوں سے اترتا ہوا فیضی چلا آیا۔

”ہم سے کیا پوچھ رہے ہیں؟ آپ تو ہمارے بھی کہیں بعد گھر تشریف لاتے ہیں‘ قصہ کیا ہے؟“

”تمیز سے بات کرو فیضی۔ کیا بڑوں سے بات کرنے کا طریقہ بھی بھول گئے ہو۔“

تیز سی آواز پر فیضی اور سجاد دونوں ہی نے ان کی طرف دیکھا۔ بلقیس بھابی جو ابھی چند منٹ پہلے تک سارے زمانے سے الغرض ہوئی بیٹھی تھیں۔ اب پوری طرح چوکنا تھیں۔ ”سجاد اور تمہارا مقابلہ ہے کیا؟ ابھی تم ہو کیا؟ پہلے کچھ بن کر تو دکھاؤ‘ چلے ہیں برابری کرنے۔ وہ اب اگر دیر سے گھر لوٹتا ہے تو اپنی مصروفیات کی بنا پر‘ اپنا مقام بنا لینے کے بعد‘ تمہاری طرح فضول قسم کے لڑکوں میں وقت ضائع نہیں کرتا پھرتا۔“

انہوں نے بمشکل ہی ''لڑکوں'' کے ساتھ ''لڑکیوں' کا اضافہ کرنے سے خود کو باز رکھا تھا۔

فیضی تو فیضی خود سجاد بھی اس انتہائی معقول پھٹکار پر حیران رہ گئے۔ اتنی غیر جانبداری سے حالات کا تجزیہ وہ کم ہی کرتی تھیں اور خاص طور پر فیضی کے معاملے میں تو وہ بڑی سے بڑی حقیقت کو بھی صفائی سے جھٹلا دیتی تھیں۔

''آپ بس ''صبح ہی صبح'' میرے پیچھے پڑ جایا کریں۔ معلوم نہیں چاہتی کیا ہیں؟ آپ کے گھٹنے سے لگا بیٹھا رہا کروں لوگوں سے ملوں جلوں نہیں۔ رات سے یہ وقت ہو گیا ہے مگر آپ کی تسلی ہو کر نہیں دے رہی ہے۔''

''فیضی بری طرح جھنجھلا گیا۔ روک ٹوک سے اسے کوئی خاص واسطہ رہا بھی نہیں تھا۔ سو عادت بھی نہیں تھی۔ اس وقت جس بدتمیزی سے وہ بلقیس بھابی سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ سجاد کو بھی بری لگی۔ فیضی کو ٹوکنا ہی پڑا۔

''اتنی اونچی آواز میں بولتے ہیں بڑوں کے سامنے اور کچھ ایسا غلط نہیں کہہ دیا ہے تمہیں جو اس قدر براماں رہے ہو۔ تمہارے سمسٹر سر پر ہیں اور تمہاری وہی لاپروائی ہے۔''

اس بار فیضی خاموش ہی رہا۔ سجاد کے سامنے بولنے کی غلطی اس نے کبھی نہیں کی تھی۔ اس سے محبت بھی بے حد تھی اور لحاظ شاید اس سے بھی زیادہ۔

''معلوم نہیں کیا سوچ رکھا ہے اس نے۔ ذرا اپنے مستقبل کی فکر نہیں ہے۔ اس کی عمر کے لڑکے...'' بلقیس بھابی روہانسی سی ہونے لگیں۔ سجاد نے ہاتھ کے ہلکے سے اشارے سے انہیں خاموشی اختیار کرنے کے لئے کہا۔ پھر خود انعم کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔

''جاؤ انعم' فیضی کے لئے ناشتہ کا کہہ کر آئو۔''

''میرا ناشتہ اوپر کمرے میں پہنچوا دینا انعم۔'' فون ہاتھ میں لیتا ہوا وہ تیزی سے واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

بلقیس بھابی کی نگاہوں نے آخری سیڑھی تک اس کا تعاقب کیا۔ فیضی کے چہرے پر آئی مسکراہٹ' کل رات کے ان کے واہموں کی تصدیق کر رہی تھی۔

فیضی کا بیشتر وقت باہر گزرتا۔

رات اس کے فون پر بہت نزدیک سے کسی لڑکی کی آواز سنائی دینا اور پھر پوچھنے پر صاف مکر جانا۔

اسی ٹیلی فونک سلسلے کی کڑیاں تھے۔ انہیں پورا پورا یقین ہونے لگا۔

دنیاداری کے تمام سبق پڑھے ہوئے تھیں۔ اس عمر میں اس قسم کی مصروفیت' کسی طرح کیریئر اور کردار دونوں کی بربادی کا سبب بنتی ہے۔ اس سے بھی اچھی طرح واقف تھیں۔ فیضی انہیں بالکل ہی ہاتھ سے جاتا دکھائی دینے لگا۔

کل سے ضبط کرتے کرتے برداشت ختم ہونے پر تھی۔ یک بارگی تو دل چاہا کہ سجاد سے ہی رازداری برت لی جائے۔ مگر پھر رک گئیں۔

فیضی کی خامیوں پر پردہ ڈالتے رہنے کی جو پالیسی انہوں نے ہمیشہ اختیار کئے رکھی تھی۔ وہ ایک دم سے کیسے ترک کی جا سکتی تھی۔

''سارا قصور وقار کا ہے۔ انہیں اپنے بزنس سے ہی فرصت نہیں جو وہ بچوں پر توجہ دیں۔ انعم تو چلو لڑکی ہے۔ گھر میں میرے ساتھ ہوتی ہے۔ مگر فیضی کی خیر خبر رکھنا تو وقار کا ہی فرض بنتا ہے نا' لیکن انہیں احساس ہی نہیں۔ کل کو مجھے الزام دینے ضرور کھڑے ہو جائیں گے۔''

سارا ملبہ وقار پر گرنے لگا۔

سجاد نے یوں ہی مروتاً سر اثبات میں ہلا دیا اور کیا بھی کیا جا سکتا تھا؟

...☆☆☆...

فضاء میں بڑی مزیدار سی خوشبو اڑ رہی تھی۔

یہاں سے وہاں تک لگی کھانے کی ساری ہی میزیں خواتین سے بھری ہوئی تھیں۔

برتنوں کی کھنک' قہقہے' آوازیں؟

ابھی تھوڑی دیر پہلے تک میلاد کی مقدس محفل کے احترام میں جو سب کو اچھی خاصی دیر تک خاموش بیٹھنا پڑا تھا۔اس کی کسر اب بلا تکان باتیں کر کے پوری کی جا رہی تھی۔نازی ہاتھ میں خالی پلیٹ تھامے اس سارے منظر کو دلچسپی سے دیکھے گئی۔

کھانے کی میزوں پر بڑی عجیب سی صورتحال تھی۔ہجوم چھٹنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔لگ رہا تھا جو جہاں تک پہنچ گیا' وہیں کا ہو رہا ہے۔

''معاشرتی آداب'' پر جو پُر اثر تقریر سب نے ہی بڑی توجہ سے سنی تھی۔وہ سلام پڑھے جانے سے لے کر دعا مانگنے تک شاید سب ہی بھلا چکے تھے۔

''آپ ایک طرف کیوں کھڑی ہیں' کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟'' اسماء پھوپھو کا چھوٹا بیٹا چکن بروسٹ سے بھری ہوئی ڈش اٹھائے ہوئے سامنے کھڑا تھا۔

نازی کچھ چونکتے ہوئے مسکرا دی۔

''لے رہی ہوں ابھی' ذرا رش کم ہو جائے وہاں۔''

''رش وش کوئی کم نہیں ہو گا' آپ بس اِسی میں سے شروع کر لیں۔'' وہ اصرار کرنے لگا۔

نازی کو اس کے ہاتھ میں تھمی ڈش میں سے بروسٹ کا ایک پیس اٹھانا ہی پڑا۔خوامخواہ میں وی آئی پی بن کر ایک طرف کھڑے ہونا اسے خود بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''اس بار کچھ ٹیبلز کم رہی ہیں۔میرے خیال میں یا پھر امی نے لوگ زیادہ انوائٹ کر لئے ہیں۔جگہ کچھ تنگ پڑ رہی ہے۔''

نازی کو اس کی بات سے اتفاق کرنا پڑا۔اس بار واقعی لوگ زیادہ تھے۔بہت سے نئے چہرے دکھائی دے رہے تھے' جو پہلے اسماء پھوپھو کے گھر پہلے نہیں دیکھے گئے تھے۔

ان کا حلقہ احباب تیزی سے بڑھ رہا تھا۔وہ خود ہمیشہ سے ملنے ملانے کی شوقین تھیں اور ایک بڑا فرق مسعود کی امریکہ والی کمائی سے پڑا تھا۔تیزی سے آئی خوشحالی کی لہر میں بہت سے نئے ملنے والوں کا اضافہ ہو رہا تھا۔

دِیا اور نینی کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔نازی نے ان کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں بھی' پر اتنے لوگوں میں کسی کو ڈھونڈ نکالنا بھی آسان کام نہیں تھا۔

دِیا آج ویسے بھی مہمان خصوصی بنی ہوئی تھی۔یہاں پہنچتے ہی وہ امی اور ان دونوں بہنوں کو چھوڑ کر سیدھی اسماء پھوپھو کے پاس جا کر بیٹھی تھی اور پھر سارا وقت وہیں ان ہی کے ساتھ رہی تھی۔میلاد پڑھنے والوں کے گلے میں ہار ڈالنے اور مہمان خواتین میں خوشبو تقسیم کرنے کا ''اہم فریضہ'' بھی اس نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔اسماء پھوپھو کی چند سسرالی رشتہ دار لڑکیاں مدد کے لئے اٹھی بھی تھیں' مگر دِیا کے آگے کسی کا چراغ نہ جل سکا۔ناپسندیدہ لوگوں کو نظر انداز کرنا اسے اچھی طرح آتا تھا۔نتیجتاً وہ لوگ جلد ہی بد دل ہو کر ایک طرف بیٹھ گئیں۔اسماء پھوپھو ہونے والی بہو کے ''احساس

ذمہ داری" پر پھولی نہیں سما رہی تھیں۔ نئے پرانے ملنے والوں پر دِیا کی خوبصورتی کی دھاک الگ بیٹھ رہی تھی۔ ذرا ہی دیر میں وہ نازی کو پھر سے نظر آ گئی۔ بالکل ہی اجنبی خواتین تھیں' جن کے ساتھ وہ کھڑی باتیں کر رہی تھی۔ کھانا لاتے لے جاتے لڑکوں میں سے ایک کے ہاتھ سے ڈش لے کر' اس نے ان سے مزید لینے پر اصرار بھی شاید کیا تھا۔ اس وقت وہ اسماء پھوپھو کی "ہونے والی بہو" کے بجائے "دو چار سال پرانی بہو" ہونے لگ رہی تھی۔ نازی کو یک دم ہی ہنسی آ گئی۔

دِیا آج کچھ زیادہ ہی اوور کانفیڈنٹ ہو رہی تھی۔ گلابی اور نارنجی رنگوں کے امتزاج والا سوٹ' جو گھر میں ڈھیر ساری ٹینشن پھیلانے کے بعد آخر کار وہ خریدنے میں کامیاب ہوئی تھی' بڑی چھان پھٹک کے بعد سلیکٹ ہوا تھا۔

وہ سوٹ نازی کو پہلی نظر میں تو بس ٹھیک ہی لگا تھا پر جب دِیا نے پہنا تو کچھ سے کچھ دکھائی دینے لگا اور آج جب وہ یہاں موجود ساری عورتوں کی مرکز نگاہ بنی ہوئی تھی تو اس سوٹ پر خرچ ہونے والی ساری رقم وصول ہو گئی تھی۔

"اب کتنی دیر اور رکنا ہے نازی آپا۔ میرا تو خیال ہے چلیں' اتنی دیر تو ہو گئی ہے۔" نینی ڈھونڈتی ہوئی اس تک آ ہی پہنچی تھی۔

"تم نے کھانا کھا لیا ہے؟" اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے نازی پوچھنے لگی' کیونکہ ابھی کھانے کا دور پورے عروج پر تھا۔

"ہاں' بس کھا لیا' اب چلیں نا۔"

وہ پھر سے اپنی بات دہرانے لگی۔ نازی مسکرا دی۔

نینی کو کھانے وانے میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہی تھی۔ پچھلے ڈیڑھ دو سال سے سلم رہنے کا جنون' اکثر اسے فاقہ کشی پر مجبور کئے رکھتا تھا۔

"میں امی کو جا کر بلا لاؤں' آپ یہیں کھڑی رہیے گا۔ دِیا باجی تو اِدھر سامنے ہی کھڑی ہیں۔" نینی واقعی جلدی میں تھی۔

نازی نے پوچھا تو وہ بڑے سپاٹ سے لہجے میں بولی۔ "میرے دوست کا فون آنا ہے۔ ضروری بات کرنی ہے۔"

"تم خود گھر جا کر اسے فون کر لینا۔ اس میں کون سی بات ہے یا اگر دیر ہو جاتی ہے تو صبح کو..."

اس بالکل مناسب مشورے کو نینی نے غور سے سننے لائق بھی نہ سمجھا۔ لاپروائی سے کندھے جھٹکتے ہوئے بولی۔ "صبح میں بات نہیں ہو سکتی' اس نے کالج جانا ہوتا ہے اور اگر کسی کے موبائل پر بات کر لو تو ابا بل دیکھتے ہی تفتیش شروع کر دیتے ہیں۔"

یہ قصہ بھی کچھ عرصہ پہلے چھڑ چکا تھا۔

نینی کی بہت سی دوستیں' بقول اس کے اپنے ابا یا بھائیوں کے موبائل استعمال کرتی رہتی تھیں' جنہیں اسے کسی نہ کسی کام سے فون کرتے رہنا پڑتا تھا۔ نازی کے مزید کسی اعتراض کا جواب دینے کے لئے یہاں رکنے کے بجائے وہ امی کی تلاش میں آگے بڑھ گئی۔

نازی کو اسے جاتا دیکھ کر اچانک ہی یاد آیا کہ آج کل جب امتحان کی تیاری کے سلسلے میں اس کی کلاسز آف ہیں تو پھر اس کی دوست کالج کیا کرنے جا رہی ہے؟

"نازی باجی! آپ کو اسماء آنٹی وہاں بلا رہی ہیں۔" ایک رشتے دار لڑکی نے قریب آتے ہوئے پیغام رسانی کی۔

جس طرف اشارہ کیا گیا تھا وہاں واقعی اسماء پھوپھو موجود تھیں اور اسی طرف دیکھ رہی تھیں۔ نازی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر انہوں نے ہاتھ سے بھی آنے کا اشارہ کر دیا۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے نازی نے اِدھر اُدھر دیکھا' مگر نینی نظر نہیں آ رہی تھی۔ امی کی تلاش میں شاید وہ گھر کے اندر جا چکی تھی۔

بہر حال اس کے حکم کی تعمیر میں یہاں کھڑا نہیں رہا جا سکتا تھا۔ نازی کو اسماء پھوپھو کی طرف جانا ہی پڑا۔

''یہ ہے میری بڑی بھتیجی نازنین۔ سکول میں پڑھا رہی ہے۔ میں نے اسی کا ذکر کیا تھا آپ سے۔''

چند اجنبی خواتین سے تعارف کا سلسلہ تھا' جو بڑے ٹٹولنے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔

اسماء پھوپھو کے گھر کی تقریبات میں ہر بار ہی اسے اس قسم کے تعارف سے نمٹنا پڑتا تھا۔ نازی کو اس سلسلے سے اب سخت بوریت ہونے لگی تھی۔ پھر بھی خوش اخلاقی سے مسکرانا پڑا۔

''اچھا۔ ویسے دونوں بہنوں میں کوئی خاص مشابہت نہیں ہے۔ آپ کی دِیا تو بالکل ہی الگ لگتی ہے۔''

معلوم نہیں یہ دِیا کی تعریف تھی یا پھر اس کے لئے اظہار ناپسندیدگی فرمایا گیا تھا۔ وہ بھی کچھ کم مضحکہ خیز نہیں تھا۔ نازی کو اپنی مسکراہٹ دبانا پڑی۔

''دراصل یہ بالکل بشارت بھائی کی شکل ہے اور دِیا ہماری بھابی کے اوپر گئی ہے۔ جب وہ شادی کر کے ہمارے گھر آئی تھیں تو بالکل دِیا ہی کی طرح لگا کرتی تھیں۔'' اسماء پھوپھو اس قسم کی وضاحت اکثر ہی دیا کرتی تھیں۔ کچھ لوگ خاموشی سے سن بھی لیا کرتے تھے۔ مگر یہ سامنے موجود خاتون شاید ہر معاملے میں اپنی رائے دینے کی عادی تھیں۔ ان کی بات ختم ہوتے ہی فوراً بول پڑیں۔

''اس کا تو مطلب ہے آپ بہت ہی سمجھدار ہیں اسماء باجی' پہلے اپنے بھائی کے لئے بھی حسین بیوی ڈھونڈی اور اب بیٹے کے لئے بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ دِیا جیسی کوئی لڑکی نظر نہیں آ رہی ساری محفل میں۔''

اسماء پھوپھو کے مسکراتے ہوئے چہرے پر ایک سایہ سا ابھر آیا' جو کچھ بین السطور انہیں بتایا گیا تھا۔ وہ کم از کم نازی کے سامنے نہ کہا گیا ہوتا تو اچھا تھا۔

''میں ذرا امی کو دیکھ لوں۔ کافی دیر سے نظر نہیں آ رہی ہیں۔'' انہیں مزید شرمندگی سے بچانے کے لئے نازی کو یہی بہتر لگا کہ وہ وہاں سے ہٹ جائے' سو اس نے ایسا ہی کیا۔

''بڑی تو نازنین ہے نا' آپ کے مسعود سے تو یہ بھی چھوٹی ہے۔ پھر آپ نے...''

اپنے پیچھے اس نے ان خاتون کی آواز پھر سے آتی سنی۔ ''اب معلوم نہیں بے چاری اسماء پھوپھو کیا صفائی پیش کریں گی۔'' اس نے اپنا دھیان ان کی طرف سے ہٹاتے ہوئے' تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے دور ہٹ جانا چاہا۔ باوجود اس کے کہ وہ کبھی خود ترسی کا شکار نہیں ہوتی تھی' پھر بھی دل کبھی کبھی ہلکی سی کڑواہٹ سے بھرنے لگتا تھا۔

اور دیکھا جائے تو اسماء پھوپھو کا بھی کیا قصور؟

دِیا کو تو مسعود نے خود پسند کیا تھا اور اپنے لئے انتخاب کرتے وقت ہر شخص بہتر سے بہترین کی طرف ہی دیکھتا ہے۔''

لان سے گھر کے داخلی دروازے تک پہنچتے پہنچتے وہ حسبِ عادت سب کو بری الذمہ قرار دے چکی تھی۔

اسماء پھوپھو کا گھر اگرچہ پرانا ہی تھا' مگر بہت ساری جدید تبدیلیاں آ چکی تھیں۔

ماربل فلورنگ، اٹالین کچن، جدید فرنیچر، ٹیک ووڈ کے وال یونٹس، ہر کمرے میں لگے اسپلٹ، اے سی بڑے سے بڑے سائز کے فریج، ڈیپ فریزر اور ٹی وی وغیرہ وغیرہ... گھر بالکل ہی بدلا ہوا نظر آتا تھا۔ مڈل کلاس کے لئے سٹیٹس سمبل یہی ساری چیزیں ہوتی ہیں سو اپنے حساب سے اسماء پھوپھو اینڈ فیملی ہوتی ہیں سو اپنے حساب سے اسماء پھوپھو اینڈ فیملی پورے خاندان کو متاثر کرنے کے لئے سارے لوازمات اکٹھے کر چکی تھی۔

رہی سہی کسر ان تقریبات سے پوری ہو رہی تھی، جو آئے دن کسی نہ کسی بہانے ان کے گھر میں منعقد ہوتی رہتی تھیں۔

محفل میلاد، گیارہویں کی نیاز، دعوتِ حلیم وغیرہ وغیرہ۔ پچھلے سال ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے فراز نے اپنے سارے دوستوں کو نیو ایئر پارٹی بھی دے ڈالی تھی۔ امی اور نینی اندر داخل ہوتے ہی نظر آئیں۔

"یہ نینی چلنے کو کہہ رہی ہے، لیکن اگر ابھی سے چلے گئے تو کہیں اسماء برا نہ مان جائے۔"

امی اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

لائونج میں دیوار کے ساتھ ساتھ لگے صوفوں پر امی کے ایج گروپ کی چند اور خواتین بھی براجمان تھیں۔

ان کی بات سنتے ہی وہ بھی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔

"اور کیا، ابھی تو ڈھنگ سے کھانا بھی ختم نہیں ہوا ہے۔ سارے مہمان موجود ہیں۔ تم لوگ کیسے جا سکتے ہو؟"

نینی کو یہ دخل در معقولات سخت کھلی۔

"اب اگر سب لوگ آدھی رات تک گھر جانے کا نام نہ لیں تو ہم بھی یہیں بیٹھے رہیں گے۔ میلاد ختم ہو گئی۔ کھانا کھا لیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے یہاں کرنے کے لئے۔"

بات اس کی صحیح تھی۔ پر چونکہ کہی گئی بڑی رکھائی کے ساتھ تھی، لہٰذا اس کا فوراً ہی برا منایا گیا۔

"ہم نے تو ویسے ہی ایک بات کہہ دی تھی۔ اسماء کے سب سے قریبی تم لوگ ہو، پھر دوہری رشتے داری ہے ورنہ آج کل فارغ کون ہے۔ ہم بھی بڑی مشکل سے ٹائم نکال کر آئے ہیں۔"

جن خاتون نے سب سے پہلے نکتہ اعتراض اٹھایا تھا، خفگی سے اپنی بات کہہ کر جلدی جلدی ہاتھ میں تھامی بریانی کی لبالب بھری پلیٹ کو صاف کرنے لگیں۔

امی ان کی ناراضگی دور کرنے لگیں۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں آپ۔ یہ آج کل کے بچوں کو تو بس بغیر سوچے سمجھے بولنے کی عادت ہے۔"

نازی نینی کو لے کر واپس باہر کی طرف مڑ گئی۔

چند ہی منٹ بعد امی بھی آ گئیں۔ معلوم نہیں ان خاتون کی ناراضگی دور ہوئی بھی تھی یا نہیں۔

"یہ کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں، خاندان والوں پر کیا امپریشن پڑے گا تمہارا اگر اس انداز میں بات کیا کرو گی۔"

اِرد گرد آتے جاتے ہوئے لوگوں کے خیال سے انہوں نے دبے دبے سے لہجے میں نینی کو تنبیہ کرنا چاہی مگر بے سود۔

"مجھے کیا کرنا ہے ان لوگوں پر اچھا یا برا امپریشن جما کر، سمجھتا رہے جو جیسے سمجھتا ہے۔" اسے ان کے خدشات کی رتی بھر بھی پروا نہیں تھی۔ پل بھر کے لئے تو امی اس کی شکل ہی دیکھتی رہ گئیں۔ اس کی خودسری اور بے نیازی دن بدن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ بہرحال۔

اسے کسی کی پرواہ ہو یا نہیں' انہیں ہر ایک کی پرواکرنا پڑتی تھی۔ خاندان' ملنے جلنے والے' سب ہی کی۔ ساری زندگی ایک اچھا تاثر جمانے کی ہی تگ ودو میں گزری تھی۔ دِیا کی طرف سے بے شک اب انہیں بے فکری تھی' مگر نازی اور نینی تو تھیں' جن کے رشتے خاندان میں یا خاندان والوں کی وساطت سے ہی طے پانے تھے۔

یہاں کھڑے ہو کر نینی جیسی منہ پھٹ لڑکی کو نصیحت نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس کام کو گھر واپسی پر موقوف کرتے ہوئے وہ نازی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

آج اندر ایک دو رشتے دار خواتین نے بطور خاص نازی کے متعلق دریافت کیا تھا۔

ایک موہوم سی اُمید خود بخود دل میں بندھنے لگی تھی۔

شیڈ ورک کے ہلکے سے رنگ کے سوٹ میں اپنے ساتھ چلتی نازی کو انہوں نے محبت سے دیکھا۔ یہ سوٹ انہوں نے اپنی ایک پہلے کی رکھی ساڑھی میں سے اس کے لئے سیا تھا' جسے اس نے بہت

خوش ہو کر پہنا تھا' نہ کوئی شکوہ نہ گلہ 'نہ اعتراض اور نہ فرمائش۔

نازی کی بے غرض طبیعت کبھی کبھی دل پر عجب سے انداز میں اثر انداز ہونے لگتی تھی۔ اس وقت بھی ان کا دل بھر آنے لگا' مگر خود پر قابو پا ہی لیا۔

''نینی کی جلدی جلدی'' کی رٹ بوکھلائے دے رہی تھی۔

''اتنی جلدی تھی تو پھر آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہیں گھر پر بیٹھی رہتیں۔''

''آپ نے ہی کہا تھا کہ جلدی آجائیں گے۔ ٹیکسی کے ڈیڑھ سو روپے تو لگنے ہی ہیں۔ اچھا ہے سب چلیں۔''

امی کے ٹوکنے پر اس نے ان ہی کی کہی بات دہرادی تو وہ کچھ خجل سی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

ٹیکسی کے کرائے کا حوالہ کسی کے کان میں پڑتا تو خوامخواہ کی شرمندگی ہوتی۔ اسماء پھوپھو کے سسرالیوں میں تقریباً سب ہی کے پاس ذاتی گاڑیاں تھیں۔ ان کے گھر کے باہر گاڑیوں کی لمبی قطار کو دیکھ کر دِیا آتے وقت ویسے ہی بہت کڑھی تھی۔

''معلوم نہیں ہم لوگ کب تک لے پائیں گے گاڑی۔ مسعود کے آنے سے پہلے تو ضرور لے لیجئے گا امی۔''

اس نے ٹھیک اسی انداز میں فرمائش کی تھی جس طرح چند روز پہلے اس پندرہ سو روپے والے سوٹ کے لئے کی تھی' جو اس وقت وہ پہن کر یہاں آئی تھی۔

پورا لان خواتین سے بھرا ہوا تھا۔ دِیا یہاں پتہ نہیں کس کونے میں تھی۔

''اسماء پھوپھو کو ڈھونڈیں' انہی کے آس پاس کھڑی مل جائیں گی دِیا باجی بھی۔'' نینی نے مشکل آسان کی۔ اس کی بات سو فیصد صحیح نکلی۔ دِیا واقعی ان ہی کے ساتھ کھڑی تھی۔

''آج تو لگ رہا ہے جیسے ہمیں پہچانتی بھی نہیں ہیں۔ دیکھ رہی ہیں نا نازی آپا۔ جب سے یہاں آئے ہیں دِیا باجی ہم لوگوں سے کیسی الغرض ہیں۔''

نازی ہنسنے لگی۔

''اس کی سسرال ہے بھئی' یہاں تو وہ ذمہ داری کا مظاہرہ کرے گی ہی' ہم لوگوں کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتی تھی۔''

"جب شادی ہو جائے' تب کریں یہ مظاہرہ' ابھی سے کیا ضرورت ہے۔ مسعود بھائی کی ساری کزنز مذاق اڑا رہی تھیں' وہاں پیچھے بیٹھ کر میں نے خود سنا تھا۔"

نینی تقریبات میں عموماً خاموش رہا کرتی تھی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں سننے پر زیادہ دھیان رکھتی تھی۔ نازی نے اسے کئی بار سمجھایا بھی' مگر ہر تقریب سے واپسی پر اس کے پاس بہت سی خبریں ہوتی تھیں۔

"کیا واقعی...؟" نازی کو سنجیدہ ہونا پڑا۔ "اور کیا' کہہ رہی تھیں کہ ذرا دِیا کو دیکھو' کس طرح آنٹی کی چمچی بنی ہوئی ہے۔ یوں ہی ان کے آگے پیچھے گھوم کر مسعود سے منگنی کی ہے' ورنہ شہر میں اچھی شکل کی لڑکیوں کو کون سی کمی ہے۔"

تفصیلی رپورٹ کا پہلا حصہ ہی امی کو سخت بُرا لگا۔

"جلتی ہیں میری بچی سے سب کی سب' ذرا دکھانا تو نینی مجھے' کون سی لڑکیاں تھیں وہ۔"

نینی کا کیا جا رہا تھا۔ وہ بصد شوق ان کی فرمائش پوری کر دیتی۔ مگر نازی نے کچھ گھبرا کر انہیں روک لیا۔

"چھوڑیں بھی' کیا کرنا ہے دیکھ کر۔ لوگوں کی تو عادت ہوتی ہے باتیں کرنے کی۔ آپ خود بھی تو نظر انداز کرنے کو کہتی ہیں۔" انہیں اپنا پڑھایا ہوا سبق خود ہی یاد آ گیا۔ دھیرے سے بولیں۔ "بس کیا کروں' ایسے ہی غصہ آ گیا تھا۔"

"آئیں چلیں۔" نازی دِیا کی طرف بڑھ گئی۔ مگر اپنا حق جتانے کے لئے وہ جس طرح اوور ہوئی جا رہی تھی' وہ بڑا بھونڈا طریقہ تھا۔

دِیا کو ان لوگوں کے پروگرام کی خبر ہوئی تو وہ ایک دم ہی بگڑ گئی۔

"ابھی سے کس طرح جا سکتے ہیں۔ ابھی تو کھانا ٹھیک طرح سے ختم بھی نہیں ہوا ہے۔ یہاں سارا کام پھیلا پڑا ہے۔"

خواتین کی اکثریت اب اپنی چادریں یا پرس اور بچے سنبھال رہی تھی۔ نینی نے ایک نظر اس سارے منظر کو دیکھا اور پھر چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کیوں' آپ کو کیا یہاں بچی ہوئی دیگوں کو سنبھالنا ہے یا ڈیکوریشن والوں کا حساب کتاب کرنا ہے۔"

دِیا بس ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈال کر رہ گئی۔ اگر یہاں اتنے لوگ نہ ہوتے اور دوسرے اسے اپنے مرکز نگاہ ہونے کا خیال نہ ہوتا تو نینی کو اچھا خاصا بھگتنا پڑ جاتا۔

امی دِیا کو نینی کے "ضروری کام" سے آگاہ کرنے لگیں۔ مگر اس کے نزدیک فی الحال اس ہونے والی سسرال سے بڑھ کر کوئی دوسری بات اہم نہیں تھی۔

"اور پھر ابھی تو ہم لوگوں نے کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔ مہمان چلے جائیں تو ذرا سکون سے بیٹھ کر..."

"ہم لوگ کھا چکے ہیں۔ میں' امی اور نینی تینوں ہی۔ تم بھی کھا لو تو پھر چلتے ہیں۔" نازی نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا تو اس کے چہرے پر پھیلی برہمی اور گہری ہونے لگی۔ "امی آپ تو کم از کم پھوپھو کے ساتھ ہی کھانا کھاتیں' وہ کیا سوچیں گی۔" قریب آ کر وہ دھیرے دھیرے امی پر خفا ہونے لگی۔

امی بے چاری شرمندہ سی ہونے لگیں۔ انہوں نے کھانا وانا کیا تھا۔ میلاد ختم ہونے کے بعد اندر لاؤنج میں جا بیٹھی تھیں۔ وہاں جو رشتے دار خواتین تھیں ان کے اصرار پر ان کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔

دِیا کی باتیں اب واقعی ناقابل برداشت ہو رہی تھیں۔ نازی کو اسے ذرا سخت لہجے میں پھر ٹوکنا پڑ گیا۔

"اب تم بھی جلدی سے فارغ ہو جاؤ۔ راستے میں بھی آدھا گھنٹہ لگ جائے گا اور ٹیکسی بھی نہ جانے کتنی دیر میں ملے گی۔"

قریب ہی اسماء پھوپھو کھڑی کسی مہمان خاتون کو خدا حافظ کہہ رہی تھیں۔ انہیں پتہ چلا کہ وہ لوگ بھی بس جانے ہی والے ہیں تو وہ بھی رکنے پر اصرار نہیں کر سکیں۔ انہیں گھر بیٹھے اپنے گھر کا خیال آ گیا تھا۔

"بشارت بھائی انتظار میں بیٹھے ہوں گے۔ صبح ہی انہیں پھر اٹھنا ہو گا۔ میں فراز کو دیکھتے ہوں وہ چھوڑ آئے گا۔" وہ ادھر اُدھر نظریں دوڑاتی ہوئی کہنے لگیں۔

"فراز کو رہنے دیں پھوپھو' یہاں ابھی سارا کام پھیلا ہوا ہے۔ بے کار میں اتنی دور جانے آنے میں اس کا وقت برباد ہو گا' بس ہو سکے تو کسی سے ہمیں ٹیکسی منگوا دیں۔"

نازی کی بات معقول تھی۔ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد انہوں نے مان ہی لی۔

"دِیا کا موڈ سخت خراب ہو چکا تھا۔ اصرار کے باوجود بھی نہیں مانی' لیکن اسی خراب موڈ میں پھوپھا کو سلام کرنے جانا پڑا۔

وہ عادتاً الگ تھلگ رہنے والے انسان تھے۔ لوگوں کے ساتھ گھلنا ملنا انہیں پسند نہیں تھا۔ گھر کے داخلی دروازے کے داہنی طرف والے کمرے کے آگے ایک چھوٹا سا گول برآمدہ سا تھا' ہلکی سی روشنی کئے وہ وہیں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔

آج کئی قریبی رشتے کی بھانجیاں' بھتیجیاں انہیں آکر سلام کر چکی تھیں' شاید اسی لئے سارے چہرے ایک سے لگ رہے تھے۔

"اوہ تم لوگ ہو۔ نازی' دِیا' بشارت کی بیٹیاں۔"

اپنے موٹے سے چشمے کو ٹھیک کرتے ہوئے وہ بولے۔

"نہ کوئی اشتیاق' نہ تپاک"

انہوں نے بس اسی طرح کہا جس طرح وہ بات کرنے کے عادی تھے۔

"گئے نہیں ابھی تک تم لوگ' رات تو میرے خیال میں کافی ہو گئی ہے۔ عورتیں واقعی کھینچ تان کر ہر فنکشن کو لمبا کر ہی لیتی ہیں۔"

وہ سب جو دست بدستہ ان کی خدمت میں سلام کرنے حاضر ہوئے تھے۔ اس تبصرے کے جواب میں ایک پھیکی سی ہنسی ہنس دیئے۔

"بس جا ہی رہے تھے۔ آپ سے ملنے کے لئے چند منٹ رکے ہیں۔" نازی نے چھوٹی سی وضاحت ضرور سمجھی۔

چاہنے کے باوجود بھی کوئی انہیں اپنے گھر آنے کی رسمی سی بھی دعوت نہیں دے سکتا تھا۔

ان کے اور ابا کے تعلقات میں کچھ اتنی سرد مہری پائی جاتی تھی کہ مل بیٹھنے کی کوئی صورت بن ہی نہیں پاتی تھی۔ یہ بات وہ خود بھی جتائے بغیر نہیں رہ سکتے۔

"بڑی مہربانی بھئی' تمہارے ابا تو ہمیں چند منٹ کے قابل بھی نہیں سمجھتے ہیں' چلو ان کی مرضی۔"

اپنی دانست میں انہوں نے شاید مذاق اڑایا تھا۔ بات ختم کر کے خود ہی ہنسنے لگے۔

وہ تینوں شرمندہ سی خاموش کھڑی رہیں۔ رسمی طور پر بھی کوئی مسکرا نہ سکا۔

نینی اگرچہ اس روز کے واقعہ کے بعد سے ابا سے کھنچی کھنچی سی رہتی تھی' مگر باہر نکل کر سب سے پہلے صدائے احتجاج اسی نے بلند کی۔

''بہت ہی تنگ دل شخص ہیں پھوپھا۔ ابا کا طعنہ دینا ضروری تھا کیا اس چند منٹ کی ملاقات میں۔ ٹھیک ہی کرتے ہیں وہ جو ان سے نہیں ملتے۔ دیکھا تھا نا نازی آپا' ہمیں بیٹھنے تک کے لئے نہیں کہا حالانکہ سامنے ساری کرسیاں خالی پڑی تھیں۔''

''ایسے ہی ہیں شروع سے' ہمیں تو سلام کرنا تھا' کر لیا بڑے ہیں آخر۔'' نازی لاپروائی سے کہنے لگی۔ پھوپھا کے روّیے پر کڑھنے کے بجائے اسے یہ بات اچھی لگی تھی کہ نینی ابھی بھی ابا کے لئے حساس ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔

دِیا خلاف معمول بالکل خاموش تھی۔ ایک تو اس کا موڈ پہلے ہی سے بگڑا ہوا تھا' دوسرا پھوپھا کی طرف سے اسے ''ہونے والی بہو'' والا خصوصی پروٹوکول بھی نہیں ملا تھا۔ حد تو یہ کہ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔

وہ لوگ واپس لان میں آئیں تو ٹیکسی بھی آ چکی تھی اور ایک بڑے سارے ناشتہ دان میں ساتھ لے جانے کیلئے کھانا بھی پیک ہو چکا تھا۔ امی نے چند بار منع بھی کیا' مگر پھوپھو کے اصرار پر خاموش ہونا پڑا۔

''گھر میں بشارت بھائی ہیں' سمیع ہے۔ پھر دِیا نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے۔''

گو گھر میں موجود دونوں افراد اب تک کھانا کھا ہی چکے ہوں گے مگر یہ ناشتہ دان اور اس کے ساتھ الگ سے دو باکسز اتنے بڑے تھے کہ اگلے دو تین دن ان میں رکھا کھانا کام آ جانا تھا۔

سچی بات تو یہ کہ امی کو بڑا سکون سا ہوا۔ محض یہاں تک آنے اور جانے میں ٹیکسی کے کرائے کی مد میں جتنے پیسے خرچ ہو رہے تھے' کم از کم وہی اس دو تین دن کی بچت میں ایڈجسٹ ہو رہے تھے۔ مگر دِیا کو اس سارے ساز و سامان کے ساتھ

ٹیکسی میں بیٹھنا بے حد توہین آمیز محسوس ہوا۔ اس وقت جب کہ آس پاس کھڑی گاڑیوں میں اسماء پھوپھو کی سسرالی خواتین اور لڑکیاں بیٹھ رہی تھیں' اسے اپنی پوزیشن سخت آکورڈ لگ رہی تھی۔ قریب ہی کچھ لڑکیاں بڑے زور سے ہنسیں تو وہ جلدی سے پیچھے ہو کر بیٹھ گئیں۔

دوسری طرف کھڑا افراز نازی سے جانے کون سا مسئلہ ڈسکس کر رہا تھا۔ شاید کسی دوست کی بہن کا ذکر تھا' جو نازی کے سکول میں نئی اپائنٹ ہو کر آئی تھی۔ برابر سے دو گاڑیاں آگے پیچھے زن کرتی ہوئی گزر گئیں۔

وہی لائٹ پرپل اور میرون سوٹ والی مسعود کی کزنز تھیں۔ جنہیں آج اپنی دانست میں اس نے سب سے زیادہ نظر انداز کئے رکھا تھا۔ ان دو لڑکیوں سے اسے خاص چڑ تھی۔ بہت عرصہ پہلے اسماء پھوپھو نے یوں ہی تذکرہ کر دیا تھا کہ یہ گھرانہ بھی مسعود سے رشتے کا خواہاں تھا اور پھوپھا بھی ان کی حمایت میں آگے آگے تھے۔ تب سے ہی یہ بات دِیا کی گرہ میں بندھی ہوئی تھی اور ایک فضول سی مقابلہ بازی کی فضاء اس نے اپنے طور پر بنالی تھی۔ اس وقت بھی یہ گاڑیاں کچھ منہ چڑاتی سی محسوس ہوئیں۔

نئے ماڈل کی گاڑیاں' آگے بڑھ کر دروازہ کھولتے ڈرائیور اور وہ خود؟

''اب چل بھی دیں نا' یا تو اتنی جلدی مچا رکھی تھی۔''

بڑی دیر بعد اس کی خاموشی ٹوٹی تھی' مگر آواز بھرا رہی تھی۔ نازی نے ذرا چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ مگر وہ منہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ سارا راستہ خاموشی ہی رہی۔

کبھی کبھار امی اور نینی کوئی بات کر لیتیں اور بس دِیا مستقل ہی منہ بند کئے بیٹھی رہی۔ نازی نے دو ایک بار اسے مخاطب کرنا چاہا تو وہ ان سنی کر گئی۔

"معلوم نہیں وہ کیوں اتنی ٹچی ہو رہی ہے۔" دِیا نے اندازہ لگانا چاہا۔ اپنی ہر خواہش منوا لینے کے بعد بھی وہ کیوں خوش نہیں ہو پائی تھی۔ کیا محض جلدی گھر آ جانے پر؟"

نازی کی سمجھ میں یہی ایک وجہ آ رہی تھی اور یہ اتنی احمقانہ تھی کہ دِیا کی عقل پر حیرت کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔

گھر آیا تو وہ تیزی سے اتر کر فوراً ہی اندر چلی گئی۔ امی ٹیکسی والے کو فارغ کرنے لگیں۔ ناشتہ دان اور دوسرا سامان نینی اور نازی نے سنبھالا۔ "ان کا دماغ کیوں اتنا خراب ہو رہا ہے؟" نینی تیکھے لہجے میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

نازی کیا بتا سکتی تھی۔ ہاں، ماحول کو مزید خرابی سے بچانے کے لئے کم از کم ایک نصیحت نینی کو کی جا سکتی تھی۔ سو وہ اندر پہنچنے تک اسے یہی سمجھائے گئی۔

"اب تم مت چھیڑنا دِیا کو، کچھ کہہ بھی دے تو خاموشی سے سن لینا۔ ابا گھر آ چکے ہوں گے۔ ان کے سامنے خوامخواہ بات لمبی ہو گی۔"

نینی نے جواباً سر تو اثبات میں ہلا دیا، مگر مستقل بڑبڑائے گئی۔ "ساری باتیں تو اپنی منوا لیتی ہیں۔ اب بھی دیکھ لیں نیا سوٹ بنوا کر ہی چھوڑا۔ وہ بھی کتنا مہنگا۔ پھوپھو الگ ایک سے ایک سوٹ ان کے لئے لاتی رہتی ہیں۔ مسعود بھائی کے بھیجے ہوئے گفٹ الگ، پر دِیا جی کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگانے دیتیں۔ میں نے ایک دن لپ سٹک اور پرفیوم مانگا تو..."

کچن تک پہنچنے تک نازی صبر سے اس کی ساری شکایات سنتی رہی۔

"آپ تو سکول میں پڑھاتی ہیں۔ آپ کو بھی تو روز ایک نیا سوٹ چاہئے اور آپ کے پاس تو اپنے پیسے بھی ہوتے ہیں، پھر بھی سستے سے چار چھ سوٹوں میں کام چلاتی رہتی ہیں۔ ان کی نیت ہی نہیں بھرتی، ہر اچھی چیز پر بس ان ہی کا حق ہے جیسے۔"

نازی فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالنے لگی۔ نینی کی لمبی ہوتی شکایت پر مسکراتے ہوئے بولی۔ "تم فکر مت کرو، جب تمہاری انگیجمنٹ ہو گی تو تمہارے لئے اس سے بھی اچھے گفٹ آیا کریں گے۔"

نینی کے چہرے پر ایک دم ہی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "چھوڑیں بھی۔" اس نے سر جھٹکتے ہوئے لاپروائی کا مظاہرہ کرنا چاہا کہ دفعتاً فون کی بیل نے اسے چونکا دیا۔

ہاتھ میں تھاما پانی کا گلاس، جو اس نے ابھی ابھی نازی سے لیا تھا، بغیر ایک گھونٹ بھی پیئے کاؤنٹر پر رکھ کر وہ اپنی بات ادھوری چھوڑتی ہوئی تیزی سے ٹیلی فون کی طرف دوڑ گئی۔

نازی ہلکے سے ہنس پڑی۔

نینی کے انداز میں ابھی بھی بچپن کی ہلکی سی معصومیت جھلکتی تھی۔ حالانکہ اس کی عادتوں میں بڑی حد تک بدلاؤ آیا تھا اور اس روز جب ابا اس پر خفا تھے اس دن کے بعد سے نازی نے اس کے معمولات پر ایک غیر محسوس سی نظر بھی رکھنا شروع کر دی تھی۔ مگر کوئی ایسی قابل اعتراض بات نظر نہیں آ رہی تھی۔ آج کل تو وہ باہر آنے جانے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ اس کی دوستیں خود ہی یہاں آ جاتی تھیں۔ نینی کا باہر جانا کہیں ہفتہ دس دن میں ہی ممکن ہو پاتا تھا۔

نازی کے دل میں اُس کی طرف سے آنے والے شک و شبہات خود بخود ختم ہو رہے تھے۔

کھانا فریج میں رکھ کر جب وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی تو درمیان والے بڑے ہال کا دروازہ پورا کھلا ہوا تھا۔

یہ گھر اس وقت کا بنا ہوا تھا، جب گھروں میں ٹی وی لاؤنج کا کوئی تصور نہیں تھا۔ سو ان کے ہاں یہی بڑا کمرہ مختلف خدمات سرانجام دے رہا تھا۔

اس وقت بھی ابا بالکل دوسری طرف کسی پاکستانی چینل سے رات گئے آنے والی خبریں سن رہے تھے اور یہاں اس دروازے کے بالکل قریب رکھے ٹیلی فون ریک کے پاس کرسی بچھائے نینی فون سنبھالے بیٹھی تھی۔

یقیناً اس کی دوست کا فون آیا تھا۔

نازی کو اس کا اندازہ اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ سے فوراً ہی ہو گیا۔ نازی چند لمحوں کے لئے دروازے میں ٹھٹکی بھی' پر نینی کو اس کے کھڑے ہونے کا احساس تک نہیں ہوا۔ وہ یوں ہی مگن سی آواز نیچی کئے باتیں کئے گئی۔

سامنے والے کمرے میں امی اور دِیا تھیں۔

دِیا کسی بات کو لے کر تیز تیز کچھ کہہ رہی تھیں۔ نازی کی توجہ اس طرف ہو گئی۔ اس کی مرضی کے برخلاف محض تھوڑا سا جلدی آ جانے پر اگر وہ اس طرح مستقل ناراضگی کا اظہار کئے جا رہی تھی تو یہ سخت ناانصافی والی بات تھی۔

نازی جیسی صلح جو کو بھی ہلکا سا غصہ آنے لگا۔

''ضرورت کیا تھی وہاں سے کھانا لے کر آنے کی۔ کتنا برا الگ رہا تھا جب ہم یہ کھانے کے ڈبے اٹھائے اس پھٹیچر سی ٹیکسی میں بیٹھ رہے تھے اور بھی تو لوگ تھے وہاں' ان میں سے تو کسی کے ہاتھ میں یہ ٹرین کے مسافروں کی طرح ناشتہ دان نہیں تھا؟'' کمرے کے دروازے پر کھڑے کھڑے اس نے دِیا کی ناراضگی کی دوسری اہم وجہ جانی۔

''ان میں سے کوئی بھی قریبی رشتے دار نہیں تھا تمہارے پھوپھا کا۔ ورنہ اسماء ان کے ساتھ بھی ضرور یہی سب کرتی اور کیا پتہ ابھی بھی فراز کے ہاتھ بجھوا ہی رہی ہو' آخر اتنا کھانا بچا ہے وہاں۔''

امی بڑی سادگی سے اسے مطمئن کرنے لگیں۔ لیکن وہ اس بات کو بری طرح دل سے لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔

''یہاں بھی فراز کے ساتھ کھانا بھیجا جا سکتا تھا یا پھر ہم ہی لوگ فراز کے ساتھ آ رہے ہوتے' تب بھی اتنا برا نہیں لگتا۔ وہاں دیکھا تھا آپ نے کس طرح سب اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ رہے تھے۔ ہم ہی ایسے گئے گزرے لگ رہے تھے جیسے کوئی...''

نازی سے مزید ضبط نہ ہو سکا۔

دِیا کی باتیں دکھ پہنچانے والی تھیں اور اس سے بھی بڑھ کر حیران کرنے والی۔

''عزت' اور بے عزتی کا جو معیار اس نے از خود قائم کر رکھا تھا اور جس میں کمی آ جانے کا وہ یوں علانیہ اظہار کر رہی تھی' خود اس کی اپنی ذہنی حالت کا اظہار کر رہے تھے۔

''اگر آس پاس دس لوگوں کے پاس گاڑی ہے یا وہ ہم سے بہتر سٹیٹس رکھتے ہیں تو اس میں ہماری بے عزتی کہاں سے ہوتی ہے۔ میں روزانہ دو بسیں بدل کر سکول پہنچتی ہوں۔ نینی بھی اسی طرح کالج جاتی ہے۔ شہر میں لاکھوں لوگ سستی سے سستی ٹرانسپورٹ استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ تمہارے نزدیک سب ہی سب سٹینڈرڈ ہو گئے اور اگر ایسا ہی ہے تو یہ دوڑ کہیں ختم ہونے والی نہیں' سمجھیں۔'' اپنی بات کہتے ہوئے اس نے پل بھر کا توقف کرتے ہوئے دِیا کو دیکھا' جو فی الوقت اس کی طرف دیکھ تک نہیں رہی تھی۔

''کل کو تمہیں گاڑی مل بھی گئی تو دس اور کمپلیکس کھڑے ہو جائیں گے۔ تم خود اپنے ہاتھوں کھڑے کرو گی۔ ایسے ہی جیسے کل تک تمہارے لئے نئے اور مہنگے سوٹ کا نہ ہونا بے عزتی کا سبب بنا ہوا تھا۔ سنبھالو خود کو' ورنہ بالکل ہی منتشر ہو کر رہ جاؤ گی اندر سے۔''

بہت زور کا غصہ آنے کے باوجود بھی نازی نے حتی الامکان اسے سکون سے ہی سمجھانے کی کوشش کی تھی اور دِیا جس خاموشی سے یہ سب سنے گئی تھی اس سے اپنی بات ختم کرنے تک اسے کچھ ایسا ہی لگا تھا' جیسے وہ اس کی بات سمجھ بھی رہی ہے پر ایسا کچھ نہ تھا۔

دِیا کو گھر میں جو امتیازی حیثیت بچپن سے حاصل رہی تھی۔اس احساس میں اب اتنی شدت آچکی تھی کہ اسے اب ذرا سا بھی جھکنا گوارا نہیں رہا تھا۔اس کی ہر سوچ سولہ آنے درست اور ہر فرمان بجا تھا۔یہ اس کا خیال نہیں یقین تھا۔

سو نازی کی خوش فہمی بھی زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکی۔چند لمحوں کی جو خاموشی کمرے میں پھیلی تھی اسے دِیا کی آواز نے ہی فرو کیا۔

''آپ نہیں سمجھ سکیں گی میرا پوائنٹ آف ویو نازی آپا اس لئے کہ آپ مختلف حالات میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ گورنمنٹ سکول کی ٹیچری نے آپ کی سوچ کو محدود کر دیا ہے۔آپ دو بسیں بدل کر اسی لئے خوشی خوشی سکول جاتی ہیں کہ وہاں آنے والی آپ کی ساری کولیگز تقریباً اسی طرح آتی ہوں گی' ظاہر ہے آپ کو بالکل بھی برا نہیں لگتا ہوگا۔ کسی کو بھی نہیں لگے گا۔بُرا جب لگتا اگر آپ اکیلی بسوں میں اترتی چڑھتی ہوتیں اور باقی آپ کی ساری کولیگز آپ کے سامنے اپنی شاندار پرائیویٹ کنوینس استعمال کر رہی ہوتیں۔''

نازی نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے سر کو ہلکے سے جنبش دی۔

دِیا نے جو بھاری بھر کم جواز تراشا تھا' اس کے نزدیک بالکل ہی بے معنی تھا۔کم از کم اپنے لئے تو وہ اس طرح کے احمقانہ روّیہ کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔مگر بہت سے لوگوں کی طرح دِیا کو بھی صرف اپنی کہی بات اور اپنی سمجھ سے بڑھ کر کسی کو کچھ بھی نہیں لگتا تھا۔

بحث کو لمبا کرنا فضول ہی تھا اور اچھی بات یہ کہ اسے بات بات میں بُرا ماننے کی عادت بھی نہیں تھی۔سو دِیا نے جو اس وقت اس کے پروفیشن پر بالکل ذاتی حملہ کیا تھا' اسے قطعی نظرانداز کرتے ہوئے وہ امی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''آپ کپڑے بدل کر لیٹ جائیں امی۔تھک گئیں ہوں گی شام سے بیٹھے بیٹھے' میں چائے بنا کر لاتی ہوں' تم پیوٴ گی دِیا۔''

امی سے بات کرتے کرتے وہ دِیا کی طرف مڑی۔بالکل ایسے جیسے کوئی بات ہی ان دونوں کے درمیان ہوئی نہیں تھی۔

دِیا کو بھی اثبات میں سر ہلانا پڑا۔

نازی فوراً ہی کمرے سے باہر چلی گئی۔

دِیا کی شخصیت کا تضاد بڑھتا ہی جا رہا تھا۔نازی چائے بناتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچے گئی۔وہ بیک وقت شدید خود پرستی اور اتنی ہی احساس کمتری کا شکار تھی۔ضرورت سے زیادہ توجہ جو اسے گھر اور خاندان میں ملی تھی' اس میں نادانستہ ہی سہی' امی کا ہاتھ تھا۔

نازی کو ایسا لگتا تھا جیسے انہوں نے اپنی زندگی کی چھوٹی بڑی محرومیوں کا ازالہ دِیا کی اہمیت کو دوچند کرنے کی صورت میں کرنا چاہا ہے۔

''ابا چائے کا پوچھ رہے ہیں نازی آپا۔''

دروازے میں نینی کھڑی تھی۔

نازی جیسے کسی گہرے خیال سے باہر آئی۔چائے کا پانی پک رہا تھا' فی الحال دِیا کی نیچر پر غور و فکر کرنے کے بجائے اسے یہ چائے نمٹانی تھی۔

"تم چلو میں لے کر آرہی ہوں۔" نینی سے کہتے ہوئے وہ چائے کے کپ ٹرے میں رکھنے لگی۔ پھر کچھ یاد آیا تو واپس مڑتی نینی کو آواز دے کر پوچھنے لگی۔

"تمہاری دوست مل گئی۔ بات ہو گئی نا؟"

"جی ہو گئی، شکر ہے۔ میں تو سمجھ رہی تھی اتنی دیر ہو گئی ہے اب کیا ہو سکے گی۔" نازی اس کی طرف سے پشت کئے چائے کے مگوں میں شکر ڈال رہی تھی۔ اس نے نہ نینی کے چہرے پر پھیلی مسرت کو دیکھا اور نہ ہی اس کے لہجے کی کھنک پر دھیان دیا۔ یوں ہی سرسری سے انداز میں بولی۔

"کیوں؟ فائزہ وغیرہ کے گھر تو سب لوگ بہت دیر سے سوتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ دیر سے تم بات کر لیتی ہو۔"

نینی کے چہرے پر آئی بوکھلاہٹ صرف لمحے بھر کی تھی اور خوش قسمتی سے وہ بھی نازی کی پکڑ میں نہ آسکی۔

"یہ لو تم اپنی چائے وہی امی اور دِیا کی چائے کے ساتھ لے جاؤ۔ مجھے ذرا ابا سے بات کرنی ہے۔" محض دِیا کے ساتھ کسی مزید بحث سے بچنے کے لئے اس نے یہیں تھوڑی دیر ابا کے ساتھ بیٹھنا مناسب سمجھا تھا۔ پر بڑے کمرے میں داخل ہوتے وقت جو بات اچانک ہی اس کے ذہن میں آئی، اس پر یقیناً اس وقت ابا سے بات کی جاسکتی تھی۔

وہی تھے جو اسماء پھوپھو پر سنجیدگی سے زور ڈال کر مسعود کو جلد وطن لوٹنے پر مجبور کر سکتے تھے اور اب شاید بہتر یہی تھا کہ اس شادی کو مزید نہ ٹالا جائے۔ کم از کم دِیا کی ساری پریشانیوں کا حل تو نازی کی یہی سمجھ میں آرہا تھا۔

...☆☆☆...

آج صبح ہی سے حبس تھا۔

ہر شے ساکت اور خاموش۔

باہر گلی میں ہمہ وقت پھرنے والے بچے بھی گرمی سے گھبرا کر شاید گھروں میں ہی تھے۔ کسی کسی وقت گلی سے گزرتی گاڑی یا موٹر سائیکل کی آواز ماحول پر چھائی خاموشی کو توڑتی اور پھر وہی سناٹا۔

آسمان پر چھایا مٹیالا سا غبار موسم کی تبدیلی کا پتہ دے رہا تھا۔

اماں کراچی کی اس چپچپاتی گرمی کی مدت سے عادی نہیں رہی تھی۔ زندگی کا بڑا حصہ اندرون سندھ گزرا تھا۔ گرمی کے سخت دنوں میں جب سارا بالائی سندھ تندور بنا رہتا تھا، وہ بڑی فخریہ حسرت کے ساتھ کراچی کے معتدل موسم کو یاد کرتی تھیں۔

"ہمارے کراچی میں اس غضب کی گرمی کبھی نہیں پڑی۔ سارا سارا دن بادل چھائے رہتے ہیں۔ یہاں تو سورج کی تپش جھلسائے رہتی ہے۔"

"ثانیہ بڑے شوق سے اس تجزیہ کو سنتی رہتی اور اب جب پہلی بار اسے گرمی کا یہ پورا موسم یہاں گزارنا پڑ رہا تھا تو یہاں وقفے وقفے سے آتی گرمی کی لہر کی شدت کا بھی اندازہ ہو رہا تھا۔

"کتنی بار بھی نہالو، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہوا میں وہ تاثیر ہی نہیں جو انسان کو تروتازہ کردے۔ ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ دن رات میں لاکھوں گاڑیاں مستقل ہی چلے جاتی ہیں۔ کارخانے، فیکٹریاں اور بھی معلوم نہیں کون کون سی مشینیں چلتی رہتی ہوں گی دھواں اگلتے ہوئے۔"

ثانیہ برآمدے کے کنارے کھڑی آسمان کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ آیا بارش کے کچھ آثار ہیں بھی یا نہیں۔اماں وقفے وقفے سے کچھ نہ کچھ بولے جا رہی تھیں۔

اس نے تھوڑا سا چہرہ موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔پنکھے کے نیچے بیٹھ کر بھی ان کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

''لوگوں نے زندگی کی سہولتیں تو حاصل کر لیں۔مگر کتنی بڑی قیمت چکا کر' نہ تو فطرت کی خوبصورتی رہی اور نہ ہی اپنی صحتیں' مشینوں میں رہتے رہتے خود بھی مشین بنے جا رہے ہیں؟''

گاؤ تکیہ کے نیچے چھوٹے سے شاپر میں وہ اپنی کچھ ضروری چیزیں رکھا کرتی تھیں۔دن میں دس بار ان میں سے کچھ رکھا نکالا جاتا تھا اس وقت بھی یہی شغل جاری تھا۔

یہ خود سے باتیں کرنے کی عادت انہیں ان ہی دنوں میں پڑی تھی۔

یہ تنہائی جو انہیں اس گھر میں لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی بخشی گئی تھی' کچھ ایسا ہی رنگ لا سکتی تھی۔ثانیہ کو ان پر ترس بھی آتا اور وہ انہیں ٹوک بھی نہیں پاتی۔

شاید وہ اسی طرح اس گھٹن سے بچ رہی تھیں جس کا وہ خود شکار بن رہی تھی۔اماں کو شروع سے لوگوں کے بیچ رہنے کی عادت تھی۔وہاں سارا دن محلے میں سے کوئی نہ کوئی آیا رہتا تھا۔چھوٹے بڑے ہر مسئلے میں ان کی رائے لینی ضروری سمجھی جاتی تھی۔پھر عصر کی نماز کے بعد سے قرآن پاک پڑھنے والے بچوں کو سلسلہ شروع ہوتا' جو مغرب کی اذان تک جاری ہوتا۔

آپا' خالہ' اماں' دادی۔

وہاں سارے ہی رشتے ان سے جڑے ہوئے تھے اور ان کے جڑے ہونے کا احساس بھی ساتھ ساتھ رہتا تھا۔رشتے یہاں بھی تھے۔پیچھے چھوڑ کر آنے والے' سب ہی رشتے سے زیادہ مضبوط۔

مگر قربت کے احساس سے خالی' محض ایک اداس بھری تنہائی بخشنے والے۔

''دیکھنا اس سال بارشیں زیادہ ہوں گی۔ایسا حبس بھرا موسم جل تھل کرنے والی بارشوں کو ہی لے کر آتا ہے۔ایک بار جھڑی لگ جائے تو ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی۔'' اسے وہاں ایک ہی جگہ کھڑا دیکھ کر اماں نے تسلی دینے کے سے انداز میں کہا۔

ثانیہ ہلکے سے مسکرا دی۔

''اور یہ جو اس کی اور اماں کی زندگیوں پر چھایا ہوا حبس ہے اسے ٹوٹنے کے لئے کون سا موسم درکار ہو گا؟'' ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے سامنے پھر سے آ کھڑا ہوا۔

آج کل زیادہ وقت اس کا جواب ڈھونڈنے میں صرف ہو رہا تھا۔

''اماں' ماموں نے کیا مشورہ دیا۔مجھے کیا کرنا چاہئے۔سخت بور ہو رہی ہوں۔ایسے کب تک بیٹھی رہوں گی۔'' وہ تخت پر ان کے قریب ہی جا بیٹھی۔

اماں' اس مسئلے پر کئی بار ماموں سے بات کر چکی تھیں۔ان کے خیال میں ابھی کچھ ماہ ثانیہ کو ایسے ہی گزار لینے چاہئیں تھے۔ماحول سے مانوس ہونے کے لئے تھوڑا ریلیکس ہونے کے لئے۔

ثانیہ کے ہر بار پوچھنے پر اماں اسے ان کی کہی بات ہی سنا دیتی تھیں۔

ہر بار وہ سن کر خاموش ہی رہتی مگر آج کچھ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''کیا فائدہ ہے اتنا ٹائم ضائع کرنے میں' لوگ تو دوسرے ملکوں میں جا کر بھی دنوں میں سیٹ ہو جاتے ہیں' یہ تو اپنا ہی شہر ہے۔ایک بار بسوں کے روٹ سمجھ لوں گی' پھر مجھے کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔''

اماں کو اس کی یہ پُراعتمادی اچھی لگی۔ محبت سے اس کے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے کہنے لگیں۔''اچھی بات ہے' پھر ایسا کرو اپنے طور پر خود بھی دو چار جگہ پتہ کر لو' دو گھر چھوڑ کر جو ابرار صاحب رہتے ہیں۔ان کی بھی چاروں بیٹیاں کچھ نہ کچھ کر رہی ہیں۔اس دن ان کی بیوی آئی تھیں نا۔'' ذرا سا رک کر انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کس وقت چل کر ان بہنوں سے مشورہ کر لیں' گھر میں لبنیٰ ہے۔کسی وقت اس کے ساتھ اس کے سنٹر چلی جائو شاید وہاں کوئی نئی بات تمہاری سمجھ میں آ جائے۔میں آج جمیل سے بھی پھر کہوں گی۔''

اماں کی اپنی معلومات محدود تھیں۔پر وہ ہر معاملے کو بڑے سکون اور سمجھائو کے ساتھ دیکھتی تھیں۔ان کے اسی روّیے نے انہیں وہاں پرانے محلے میں سب کا صلاح کار بنائے رکھا تھا' جو کوئی بھی ان کے پاس آتا تھوڑی سی ہی دیر میں اپنا پریشانی کو کم ہوتا محسوس کرنے لگتا تھا۔ثانیہ کو بھی اپنے اندر اطمینان سا اترتا ہوا لگنے لگا۔''میں تو بس اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتی ہوں' اپنے لئے' آپ کے لئے...''

...☆☆☆...

کمرے میں اچانک ہی بوجھل سی خاموشی اُتر آئی۔

وقار نے بڑی بے یقینی سے بلقیس کی طرف دیکھا۔

''سچ کہہ رہی ہو تم۔''

''جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے مجھے' اور وہ بھی اپنے بچے پر الزام لگائوں گی۔میرے تو اپنے ہوش اڑے ہوئے ہیں۔وقار' فیضی نے کوئی ایسا ویسا قدم اٹھالیا تو بہت بڑا طوفان کھڑا ہو جائے گا۔ہمارا ایک ہی بیٹا ہے۔''

وہ اپنے لہجے میں جتنی وحشت اور پُراسراریت شامل کر سکتی تھیں کرنے میں کامیاب رہیں۔

وقار جواب سونے کی تیاری میں تھے ان کی نیند پوری طرح اُڑ چکی تھی۔''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم' خدا نہ کرے کہ ایسا کوئی وقت آئے۔تم کسی طرح بھی فیضی کو کنٹرول کرو۔بلقیس میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔بابا کو ذرا بھی بھنک پڑ گئی تو...

''پریشان نہ ہوں۔ابھی تو شاید ہمارے پاس وقت ہے وقار۔میں نے تو آپ کو اسی لئے بتا دیا تا کہ کل کو آپ مجھے الزام نہ دیں۔''بلقیس بھابی کا انداز' احسان جتانے والا تھا۔

وقار نے جس طرح سارے ہتھیار پھینک کر انہیں نجات دہندہ تسلیم کیا تھا' وہ خود کو یکایک بڑا معتبر سا محسوس کرنے لگی تھی۔

''ویسا ہی حادثہ دوبارہ سہہ جانے کی اب ہمارے گھرانے ہیں سکت نہیں ہے۔اتنے سال گزر گئے پھر بھی یہ ساری تکلیفیں اور الجھنیں جو بار بار ہمارے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں' اس ایک غلطی کی دین ہیں لیکن اب...'' انہوں نے پُرسوچ انداز میں نفی میں سر ہلایا۔

''اب نہیں' کسی طرح بھی نہیں۔کل کو ہمیں انعم کے بارے میں بھی سوچنا ہے۔فیضی کی کوئی بھی غلطی انعم کے لئے دس مسائل کھڑے کرے گی۔''

بلقیس بھابی مستقل تائیدی انداز میں سر ہلائے گئیں۔

جن فکرات میں وہ خود پچھلے کئی دن سے گھل رہی تھیں' انہیں میاں کے کاندھوں پر رکھ کر انہیں کچھ نہ کچھ ریلیکسیشن مل رہی گیا تھا۔

رہا سوال آگے کچھ کرنے کا تو وہ بھی کوئی ایسا مشکل مسئلہ نہیں تھا۔ انہیں گھریلو مسائل سے نمٹنے کی پرانی مشق تھی۔ اپنی ساری حاکمیت انہوں نے چھوٹی بڑی پلاننگز کے ذریعے ہی برقرار رکھی ہوئی تھی۔ کسی بھی مسئلے کے ایک سے زائد حل سوچ رکھنا ان کا پرانا مشغلہ تھا۔ اس وقت بھی وہ یہ شوق پورا کر چکی تھیں۔

''سب سے پہلے تو آپ خود اس پر ذرا سختی کریں۔ آنے جانے کا حساب رکھا کریں۔ اس کے دوستوں کو فون کر کے اس کے بارے میں پوچھتے رہا کریں۔ وہ آپ سے ڈرتا ہے' دباؤ میں آسانی سے آجائے گا۔'' وہ ساری ترکیبیں جو وہ خود فیضی کے سلسلے میں آزما چکی تھیں۔ انہیں اب وقار کے ذریعے زیادہ مؤثر انداز میں آزمانا چاہ رہی تھیں۔ پر وہ بالکل بھی متفق نہیں ہوئے۔

''سختی سے بات بگڑتی ہے بنتی نہیں اور اس عمر کے بچے تو بات بات میں پوچھ گچھ کو ویسے بھی اپنی بے عزتی تصور کرتے ہیں۔ دوسرے میں خود کون سا اتنا وقت گھر پر گزار پاتا ہوں جو مجھے فیضی کے آنے جانے کا پتہ رہے۔'' بات تھی بھی صحیح۔

بلقیس بھابی کو بری بھی نہیں لگتی اگر وقار آخری جملہ نہ کہتے۔ اپنی ساری دُور اندیشی بھلا کر وہ جھنجلا ہی گئیں۔

''یہ کہیں کہ آپ کے پاس بچوں کے لئے وقت ہی نہیں ہے یا شاید نکالنا ہی نہیں چاہتے۔ ورنہ ایسی نوبت آتی ہی کیوں۔ فیضی کو بگاڑنے کی ساری ذمہ داری خود آپ پر آتی ہے۔ اسے پتہ ہے کہ باپ کو فرصت ہی نہیں ہے جو اولاد...''

بات کہیں سے کہیں نکلنے لگی۔ ''مجھے اگر فرصت نہیں ہے تو اس کی کچھ وجہ بھی ہے۔ یہ اتنی ساری آسائشیں جو تم سب لوگوں کو حاصل ہیں یوں ہی نہیں مل گئیں۔ برسوں کی ان تھک محنت ہے میری۔ گھر بیٹھ کر بچوں کی تربیت تمہاری ذمہ داری تھی۔ جس میں یقیناً جھول تھا ورنہ اس عمر کے لڑکے پہلی فکر اپنے کیریئر کی کرتے ہیں۔ ان بے ہودگیوں میں وہی پڑتے ہیں جن کی تربیت بے ڈھنگی ہوتی ہے۔''

بلقیس بھابی منہ سے بات نکال کر پچھتائیں۔ یہ ''سپاس نامہ'' جو اس وقت سننا پڑ رہا تھا' محض اپنی حماقت کے سبب تھا۔ کرنے کے لئے اتنی ضروری بات پاس نہ ہوتی تو وہ ضرور ٹھیک ٹھاک بُرا مان چکی ہوتیں۔ مگر فی الوقت اس پروگرام کو ملتوی کرنے میں ہی عقلمندی تھی' سو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

''چلیں' ساری خطائیں میری ہی سہی۔ مگر اب بحث کرنے سے کیا فائدہ۔ اصل مسئلہ تو حل کرنا ہی ہوگا۔'' انہوں نے اتنی عاجزی سے سارا قصور اپنے سر لیا کہ وقار کے لئے آگے کہنے کے لئے کچھ رہا ہی نہیں۔ ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر وہ ان کی طرف وضاحت طلب نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

''میرے تو ذہن میں صرف ایک ہی بات بار بار آرہی ہے کہ کیوں نا بابا سے بات کر کے ہم لوگ فیضی کی منگنی کر دیں۔ یہیں کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر۔''

بگڑتی اولاد کو درست رکھنے کا جو گھسا پٹا سا فارمولا' ہمیشہ سے رائج ہے' وہی انہوں نے اپنے الفاظ میں پیش کرنا چاہا۔ پر وقار اس طرح چونکے جیسے کوئی بہت ہی ان ہونی سی بات سن لی ہو۔

''دماغ تو صحیح ہے تمہارا۔ یہ کوئی شادی کی عمر ہے اس کی۔ خود کو تو سنبھال نہیں سکتے حضرت' بیوی کی ذمہ داری کہاں سے اٹھائیں گے۔ ایسی بات اس کے سامنے دہرانا بھی نہیں۔ پڑھائی سے بالکل ہی ہاتھ اٹھا لے گا۔''

بلقیس بھابی ان سے اس معاملے میں ایسے ہی رد عمل کی توقع کئے ہوئے تھیں۔ سوانہیں نہ حیرت ہوئی اور نہ مایوسی۔ وقار خاموش ہوئے تووہ بڑے رسان سے بولیں۔ ''بعض دفعہ اپنی منشاء کے خلاف جاکر بھی کچھ فیصلے کرنے پڑ جاتے ہیں وقار۔ایک بار آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں گے تو اس بات میں کوئی ایسی بڑی قباحت نہیں ہے۔ کیریئر فیضی کا مسئلہ نہیں ہے۔اسے جلد بدیر آپ کا بزنس ہی سنبھالنا ہے' نوکری تو نہیں کرنی ہے نا۔ پھر کیوں نہیں آپ اسے اپنے ساتھ آفس لے جانا شروع کر دیتے۔ رفتہ رفتہ سمجھتا جائے گا سب کچھ۔'' وقار پر ان بے حد معقول وجوہات کا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ مستقل ہی نفی میں سر ہلائے گئے۔انہوں نے فیضی کے لئے جو کچھ سوچ رکھا تھا' اس میں ردوبدل کرنا ان کے لئے فوری طور پر بالکل بھی آسان نہیں تھا۔

''بزنس کرنے کے لئے بھی اعلیٰ تعلیم بے حد ضروری ہے آج کل۔اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ انگوٹھا چھاپ بھی فیکٹری کے مالک بن کر بیٹھتے تھے۔اب دنیا سمٹ کر بالکل چھوٹی سی ہو گئی ہے۔ فارن ٹریڈنگ ہمارے سارے بزنس پروجیکٹس کا اہم حصہ ہے۔اس سارے سسٹم کو فیضی کو ہی سنبھالنا ہے آگے چل کر اور تم اتنی سی بات کو سمجھ نہیں رہی ہو۔''

بلقیس بھابی اس خشک تقریر کو اکتائے ہوئے سے انداز میں سنے گئیں۔ان ساری باتوں کا فیضی کی شادی سے کیا تعلق بنتا ہے' یہ حقیقتاً ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وقار خاموش ہوئے تو انہوں نے اپنی اس ناسمجھی کا اظہار بھی کر دیا۔

''پڑھنے کو کون منع کر رہا ہے۔ شوق سے پڑھتا رہے۔ آپ نے بھی تو شادی کے بعد ہی اپنا بی ایس سی پورا کیا تھا۔ فیضی بھی پڑھ لے گا۔میری تو خود تمنا ہے کہ وہ سجاد کی طرح اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے باہر جائے مگر پہلے ہمیں اس کی شادی...

''بس خدا کے لئے۔'' وقار اب ایک لفظ بھی سننے کے لئے تیار نہیں تھے۔'' باہر جاکر پڑھنا کوئی مذاق نہیں ہے۔ سجاد کی اور بات تھی۔ فیضی تو اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا۔ تم بس اتنی مہربانی کرنا کہ اپنے اس احمقانہ خیال کا ذکر گھر کے دوسرے لوگوں کے سامنے مت کرنا۔ فیضی کے لئے کیا کرنا ہے میں خود سوچ لوں گا۔''

اپنی بات ختم کرتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔انہوں نے فی الوقت یہ سارا قصہ ہی ختم کیا۔

بلقیس بھابی پلکیں جھپک جھپک کر ان کو دیکھنے لگیں۔

یہ بات جو رات کے اس پہر میں شروع ہوئی تھی اب اتنی آسانی سے ختم نہیں ہونی تھی۔

اتنا انہیں خود اپنے آپ پر بھروسہ تھا۔اپنی کسی بھی بات کو منوانے کے لئے وہ اسے بار بار دہرائے جانے کا نسخہ پہلے بھی کئی بار استعمال کر چکی تھیں اور سو فیصد کامیاب رہتی تھیں۔

''اس بار...''

''اس بار بھی یقیناً یہی ہونا تھا۔''

صحن میں لگے واش بیسن کے اوپر آئینہ تو موجود تھا' مگر بس اتنے ہی سائز کا جیسے عموماً واش بیسن کے ساتھ لگے ہوتے ہیں۔

ثانیہ ہاتھ دھونے کے بہانے تیسری بار اس کے سامنے آکر کھڑی ہوئی' مگر پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔اس میں محض شکل ہی نظر آتی تھی۔

دیکھی بھالی مانوس سی شکل' جس میں کوئی بھی نیا پن نہیں تھا۔

بے زار سی ہو کر وہ ایک بار پھر وہاں سے ہٹ گئی۔اماں نے بھی اس بار نوٹ کر ہی لیا۔

’’اب جاتو رہی ہو ماموں کے ساتھ پھر کیا پریشانی ہے ؟اللہ نے چاہا تو کوئی سبیل بھی نکل آئے گی۔‘‘

وجہ جاننے کے ساتھ ہی انہوں نے دلاسہ بھی دے ڈالا۔

ثانیہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

ابا کے چلے جانے کے بعد سے اماں میں بڑی تبدیلی آگئی تھی۔ایک تو پہلے جو وہ ڈانٹ ڈپٹ کا سلسلہ اس کے ساتھ جاری رکھا کرتی تھیں۔وہ تقریباً تقریباً موقوف ہو چکا تھا اور دوسرے جب سے وہ لوگ یہاں کراچی ماموں کے گھر آئے تھے‘ اٹھتے بیٹھتے وہ اسے تسلیاں دیتی جاتی تھیں۔حالانکہ اب تو وہ ان کے سامنے خود کو بہت خوش باش اور پرُامید سا ظاہر کرنے لگی تھیں۔مگر کبھی کبھی وہ اس کی مسکراہٹ کو بھی اتنی مشکوک نگاہوں سے دیکھا کرتیں کہ وہ اچھی خاصی کنفیوز ہونے لگتی۔

’’میرے کپڑے صحیح تو لگ رہے ہیں نا؟‘‘

پتہ بھی تھا کہ اماں کیا جواب دیں گی‘ پھر بھی ان ہی سے پوچھنا پڑا۔

کاٹن کا یہ خوش رنگ سوٹ آج پہلی بار پہنا گیا تھا‘ وائٹ پرپل اور پنک کے شیڈ والا۔

کپڑوں کی اس کے پاس کمی نہیں تھی۔ان کی فیملی میں اور تھا بھی کون‘ اماں اور ابا دونوں ہی اس کی ناز برداری میں لگے رہتے تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

یہاں چونکہ کہیں آنے جانے کا اتفاق ہی نہیں رہتا تھا‘ سو گھر میں روزمرہ پہنے جانے کے لئے چند سوٹوں کے علاوہ سارے سوٹ کیس میں بند ہوئے تخت کے نیچے رکھے تھے۔

اماں نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر دم کیا۔

’’بتائیں نا۔‘‘

’’میری بچی کچھ بھی پہن لے‘ ماشاءاللہ اچھی ہی لگتی ہے۔‘‘ سارے لاڈ پیار کے باوجود وہ اس کی شکل صورت کی تعریف میں کافی کنجوسی کر جاتی تھیں‘ اس وقت بھی کر گئیں۔

’’کچھ بھی کی بات نہیں کررہی‘ یہ والا سوٹ کیسا لگ رہا ہے ؟ایک تو یہاں برآمدے میں کوئی بڑا شیشہ بھی نہیں ہے‘ جو انسان ڈھنگ سے خود کو دیکھ ہی لے۔‘‘

کچھ جھنجلاتے ہوئے اس نے خود پر چھائی الجھن بیان کر ہی دی۔

اماں نے اس کا دل رکھنے کے لئے ’’سوٹ‘‘ کی بھی تعریف کردی‘ مگر پھر کچھ خاموش سی ہو گئیں۔سامنے دونوں کمروں میں ایک چھوڑ دو دو قد آدم شیشے لگے تھے۔ایک نسبتاً پرانی بڑی ساری ڈریسنگ ٹیبل ممانی کے کمرے میں تھی اور دوسری نئی لبنٰی کے کمرے میں۔درجنوں کاسمیٹکس اور پرفیومز سے بھری ہوئی‘ مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ ثانیہ ان میں سے کسی ایک کے سامنے بطور خاص کھڑی ہو کر اپنے نئے سوٹ میں خود کو دیکھ سکے۔

لبنٰی نے آج پھر چھٹی کی ہوئی تھی۔سو وہ اب تک کمرے سے ہی نہیں نکلی تھی۔

یہ احتجاج کا اظہار تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

ثانیہ کو اس کے انسٹی ٹیوٹ لے جائے جانے پر۔ ممانی نے ہر چند ٹال مٹول سے کام لینا چاہا' مگر جمیل ماموں کچھ ایسے موڈ میں آئے ہوئے تھے کہ انہوں نے نہ تو ثانیہ کے ساتھ جانے کا پروگرام بدلا اور نہ کسی کو بدلنے دیا۔ سو اب وہ بیٹھی ان ہی کا انتظار کر رہی تھی۔

"آپ تو کہہ رہی تھیں کہ بارش ضرور ہی ہوگی' مگر اب تو آسمان صاف ہوتا جارہا ہے۔"

اسے اماں کی کل شام والی پیشین گوئی یاد آئی۔

"تو میں کوئی محکمہ موسمیات ہوں' نہیں ہوگی۔ اللہ کی مرضی' بادل کہیں اور کو نکل گئے ہوں گے۔"

اماں یوں ہی سرسری سے انداز میں جواب دیتے ہوئے تخت پر جمع کپڑوں کے ڈھیر کو تہہ کئے گئیں' نہ کوئی جواز نہ دلیل۔

زندگی کے چھوٹے بڑے ہر مسئلہ' ہر بات کو وہ اسی طرح اللہ میاں کے سپرد رکھا کرتی تھیں اور ہر اچھی بری بات میں بہتری کا پہلو ڈھونڈ نکالتیں۔

"نہیں ہوگی بہتری آج یہاں بارش برسانے میں۔ کسی اور جگہ خدا کی رحمت کو برسنا ہوگا۔ یہ تو اس کے راز ہیں' کب کہاں کیا ہونا ہے کس میں اس کی مخلوق کی بہتری ہے۔"

ثانیہ خاموشی سے سنے گئی۔

اکثر ہی سنتی رہتی تھی۔ پر اندر کہیں ایک کشمکش سی سر اٹھانے لگتی۔ اس وقت بھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

"بھلا اسے اس طرح بے سائبان کر کے یہاں بے بسی کے عالم میں لا ڈالنے میں خدا نے اس کی کس بہتری کو مد نظر رکھا ہے؟"

وہ بے اختیار ہی پہلو بدل کر رہ گئی۔

ابا کا دنیا سے چلے جانا' اپنے مخصوص مانوس ماحول سے بالکل علیحدہ ہو کر ایک نئی زندگی میں قدم جمانے کی تگ و دو شروع کرنا۔ سب کچھ کیا اتنا ہی آسان ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی دل بھر آنے لگا تو وہ کھڑی ہو گئی۔ دن خاصا چڑھ آیا تھا اور جمیل ماموں نہ جانے کہاں رہ گئے تھے۔

"کیا پتہ بھول ہی گئے ہوں۔"

وہ اسی خدشے کا اظہار اماں سے کر رہی تھی کہ سامنے والے کمرے کا دروازہ کھول کر لبنیٰ باہر آئی۔

تیار ہوئی ثانیہ کو دیکھ کر وہ ذرا ٹھٹکی۔

"تم تیار بھی ہو گئیں پہلے میرا اور امی کا ناشتہ بنا دیتیں۔"

ثانیہ کچھ جز بز سی ہوئی اسے دیکھنے لگی۔

ناشتہ بنانے سے اسے انکار نہیں تھا' مگر یہی کام ذرا پہلے بھی کہا جا سکتا تھا' بلکہ کافی دیر پہلے جب اس نے جمیل ماموں کے لئے ناشتہ بنایا تھا تو ان لوگوں سے پوچھا بھی پر اس وقت کسی کو بھی "بھوک" نہیں تھی۔

"جلدی سے بنا لائو' ناشتہ بننے میں کون سی دیر لگتی ہے۔ دس منٹ میں بن جاتا ہے۔" بے نیازی سے کہتی ہوئی وہ اگلے صحن کی طرف چلی گئی۔

"تم رہنے دو' میں بنادوں گی۔ پراٹھے اور آملیٹ ہی بننا ہے نا' میں بھی تو فارغ ہی بیٹھی ہوں۔"

اماں اٹھ کر کچن کی طرف جانے لگیں تو وہ خود جلدی سے آگے بڑھ گئیں۔

"آپ بیٹھ جائیں' اتنی گرمی میں کہاں کھڑا ہوا جائے گا آپ سے اور کہیں طبیعت نہ خراب ہو جائے۔"

وہ پھر بھی ہیں۔

ثانیہ کا تیار ہو کر پھر سے چولہے کے آگے جا کر کھڑا ہونا انہیں اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"نیا سوٹ ہے' کوئی نہ کوئی چکنائی کا دھبہ تم ضرور ہی لگاؤ گی' ابھی باہر بھی جانا ہے۔"

انہوں نے چولہے پر توا رکھتے ہوئے اسے وہاں سے ہٹا ہی دیا۔ ثانیہ پھر بھی باہر نہ نکلی۔ وہیں قریب کھڑی ہو کر آملیٹ کے لئے پیاز کاٹنے لگی۔

اماں کے ہاتھ میں غضب کا ذائقہ تھا۔

اب جب کہ وہ اپنا سارا فن ثانیہ کو منتقل کر کے خود کچن میں کم کم ہی آیا کرتی تھیں' ثانیہ اور ابا ان سے اکثر ہی پراٹھے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ لیکن یہاں جمیل ماموں کے گھر میں انہیں پراٹھے بناتا دیکھنا بڑا ہی عجیب سا لگ رہا تھا۔

ثانیہ کو مستقل ہی شرمندگی کا احساس گھیرے رہا۔

لبنیٰ ابھی تک اگلے صحن سے واپس نہیں آئی تھی۔ گیٹ کھولے کسی بچے کو آواز دیتے تو اسے ثانیہ نے بھی سنا تھا۔ لیکن وہ اب تک وہیں تھی۔

اب جو آئی تو ہاتھ میں شاپر تھا۔

بڑی مزیدار سی خوشبو اڑاتا ہوا گرما گرم۔

"یہ بھی ناشتے کے ساتھ میرے کمرے میں لے آنا۔" اماں کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ثانیہ کو ہدایت دی اور فوراً ہی واپس مڑ گئی۔

کچن دن بھر بے حد گرم رہتا تھا۔ اس کے سامنے کوئی برآمدہ یا شیڈ بھی نہیں تھا۔ سارا دن سورج کی تپش براہِ راست اس پر پڑتی۔ اماں کا کیونکہ بی پی ہائی رہتا تھا اسی حساب سے انہیں گرمی بھی زیادہ لگتی تھی۔ اس وقت بھی تھوڑی سی دیر میں ہی ان کے چہرے پر پسینہ کے قطرے چمکنے لگے تھے۔

دوپٹہ کے پلو سے چہرہ صاف کرتے ہوئے انہوں نے کن انکھیوں سے ٹرے میں ناشتہ لگاتی ثانیہ کی طرف دیکھا۔

لبنیٰ کی لائی ہوئی کچوریوں اور حلوہ پوری کو اس نے ذرا سا چکھ لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی' پلیٹیں' چمچے' چٹنیاں سب ہی کچھ ایک بڑی سی ٹرے میں وہ ترتیب سے جماتی جا رہی تھی۔ ان کا بے اختیار ہی دل چاہا کہ وہ خود بھی اس میں سے کچھ کھا لے۔ کتنے ہی دن سے اس نے کوئی اچھی سی چیز نہیں کھائی تھی اور ادھر نواب شاہ میں تو۔

کتنی ہی گزری ہوئی خوش گوار صبحیں لمحے بھر میں نظروں کے سامنے سے گزریں۔

ایک اداس اور ہلکی سی مسکراہٹ اماں کے لبوں پر ابھری بھی اور معدوم بھی ہو گئی۔ ثانیہ کو خبر بھی نہیں ہوئی۔

"اماں' یہ میں اندر دے کر آتی ہوں۔ آپ آکر باہر بیٹھ جائیں پنکھے میں' چائے میں آکر بنالوں گی۔"

ان کی طرف سے پشت کئے ہوئے جب وہ کہہ رہی تھی' اسی وقت کچن کے دروازے میں جمیل ماموں آکر کھڑے ہو گئے۔

"یہ اس وقت کون ناشتہ کر رہا ہے اور آپ یہاں اس گرمی میں کیوں کھڑی ہو گئی ہیں؟ کس نے کہا ہے آپ سے کہ حد ہو گئی۔" اس کے لئے شاید یہ غیر متوقع منظر تھا۔ اسی لئے جھنجلاہٹ میں کوئی بھی بات ڈھنگ سے پوری نہیں کر پا رہے تھے۔

"وہ، ماموں میں تو منع کر رہی تھی اماں کو، مگر یہ خود ہی زبردستی پراٹھے بنانے کھڑی ہو گئیں۔"

ثانیہ نے شرمندہ سے لہجے میں صفائی پیش کرنا شروع کی تو وہ جو اب تک محض جھنجلا رہے تھے، باقاعدہ خفا ہو گئے۔

"تمہیں میرے ساتھ چلنا نہیں ہے کیا؟ یہ پراٹھے وراٹھے کیا اسی وقت بننے ضروری تھے؟ یہ دونوں کہاں ہیں آخر؟ بیگم اور صاحبزادی کے متعلق استفسار کرتے ہوئے ان کی نظر اس لبالب بھری ٹرے پر بھی پڑ ہی گئی۔ "اتنا کچھ، محض دو لوگوں کا ناشتہ ویسے ہر وقت بیماری کا شور مچائے رکھتی ہیں تمہاری ممانی، پر کھانے پینے کا شوق، خدا کی پناہ۔"

اماں اس تبصرے کے دوران چپکے سے باہر نکل آئی تھیں اور برآمدے میں پنکھے کے نیچے جا کر بیٹھ بھی چکی تھیں۔

"چلو بس جلدی کرو۔ یہ لبنیٰ کہاں ہے؟ آج پھر چھٹی کر کے بیٹھی ہوئی ہے۔" وہ لبنیٰ کو آواز دینے ہی لگے تھے کہ ثانیہ نے بڑی لجاجت سے انہیں روک دیا۔ "ماموں پلیز۔ میں دے آتی ہوں نا، بس پھر چلتے ہیں۔"

وہ جو بڑی خفگی کے سے عالم میں لبنیٰ کے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک دم ہی رک گئے۔ ایک خاموش سی نگاہ ثانیہ کے چہرے پر ڈالی اور پھر یوں ہی چپ چاپ سے اماں کے پاس تخت پر جا بیٹھے۔

ثانیہ ہلکی سی دستک دے کر لبنیٰ کے کمرے میں چلی گئی۔

اندر بڑا ہی آئیڈیل ماحول تھا۔

ممانی بیڈ پر نیم دراز سٹار پلس کا ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔ انہیں ان ڈراموں میں خواتین کی بھارتی بنارسی ساڑھیاں اور رنگ برنگے میک اپ بہت بھاتے تھے اور لبنیٰ صوفے پر بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھی کوئی فلمی میگزین دیکھ رہی تھی۔ ثانیہ کی آمد پر دونوں ہی خواتین نے اپنی اپنی مصروفیات میں سے سر اٹھایا۔

"اتنی دیر، ساری بھوک ہی ختم کر کے رکھ دی تم نے تو اب تک تو ٹھنڈی بھی ہو گئی ہوں گی ساری چیزیں۔"

صوفے کے سامنے رکھی میز پر ٹرے رکھتے ہوئے اس نے لبنیٰ کا یہ تبصرہ بھی صبر و شکر کے ساتھ سن لیا۔ یہاں اور توقع بھی کیا کی جا سکتی تھی۔

"میں جا رہی ہوں ممانی، ماموں کے ساتھ انسٹی ٹیوٹ۔" ان کی طرف مڑتے ہوئے اس نے انہیں مطلع کرنا بھی ضروری سمجھا۔

"جاؤ بھئی ہم نے کون سا روکا ہے۔ ماموں جانیں بھانجی جانے، ہم بیچ میں بولنے والے کون۔"

انہیں اس کا جانا بالکل بھی پسند نہیں آ رہا تھا اور اس بات کو چھپانے کی انہوں نے ذرا بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ انہوں نے اس وقت ثانیہ کی طرف ایک نظر تک نہیں ڈالی تھی۔ بدستور ٹی وی سکرین پر نظر جمائے اسی کی بات کا جواب دے ڈالا تھا۔

"جانے سے پہلے ذرا چائے بھی بنا لینا۔" وہ خاموشی سے سر جھکائے باہر نکل رہی تھی تو پیچھے سے لبنیٰ کی آواز سنائی دی۔ لبنیٰ کے کمرے کی بڑی سی ڈریسنگ ٹیبل دروازے کے بائیں طرف والی دیوار کے ساتھ بالکل ہی قریب رکھی تھی، مگر تھوڑی دیر پہلے خود کو اس نئے سوٹ میں دیکھنے کی خواہش کا اب نشان تک باقی نہیں رہا تھا۔

اندر کمرے میں اس بے حد شوق سے تیار کروائے گئے ناشتے کا لطف کھانے سے پہلے ہی کرکرا ہوا جا رہا تھا۔

''کتنا خوبصورت پرنٹ ہے ثانیہ کے سوٹ کا اور کپڑا بھی کتنی اچھی کوالٹی کا ہے' پتہ نہیں کہاں سے خریدا ہے' وہاں نواب شاہ میں اتنی اچھی شاپنگ کہاں ہو سکتی ہو گی۔''

لبنٰی کی نظروں میں وہ فریش کلرز والا پرنٹ مستقل پھر رہا تھا۔

ممانی نے چونکہ نگاہ بھر کر ثانیہ کی طرف دیکھنا بھی گورا نہیں کیا تھا۔ سو وہ بیٹی کے ساتھ اس غم میں برابر کی شریک بھی نہیں بن پائیں۔ لاپروائی سے بولی۔

''اب تو ہر جگہ سب کچھ مل جاتا ہے تم مجھے یہیں پلیٹ میں نکال کر دے دو' بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔''

ڈرامے میں کسی پارٹی کا سین چل رہا تھا۔ سو اسی حساب سے ملبوسات اور زیورات کی ورائٹی بھی موجود تھی۔ ممانی کو اب اپنا یہ لائف سٹائل بہت بھا رہا تھا۔

نہ کوئی فکر نہ تردّد' نہ کام' نہ تھکان۔

''مفت کی ملازمہ'' کے مزے انہوں نے زندگی میں پہلی بار لوٹے تھے۔ دل سے بیٹی کی سمجھداری کی معترف تھیں۔

''معلوم نہیں میری عقل کو کیا ہوا تھا جو یوں خود کو ہلکان کئے رکھا اتنے دن۔''

اپنی پچھلی مصروفیات پر نظر ڈال کر وہ خود ہی ''توبہ' توبہ'' کر لیا کرتیں۔

اور یہ ''توبہ'' کس سے جاتی تھی۔

''یہ وہ خود ہی جانتی ہوں گی۔''

لبنٰی کا انسٹی ٹیوٹ ٹھیک ٹھاک بڑی ساری عمارت میں واقع تھا۔

سر سبز درختوں سے گھرے لان میں سے سرخ اینٹوں والی چوڑی سی دوروش سامنے مرکزی دو منزلہ عمارت تک پہنچ رہی تھیں۔

کافی پرانا ادارہ تھا اور شہرت بھی ٹھیک ہی تھی۔

''اب تو یہ عالم ہے کہ ہر گلی کے کارنر پر ایک انسٹی ٹیوٹ کھلا مل جائے گا۔ کسی مین روڈ سے گزرو تو دونوں طرف لائن سی بنی ملتی ہے۔

آئی ٹی اور دوسرے کورسز کرانے والے اداروں کی' سب ہی اپنے اپنے طور پر اچھا کام کر رہے ہوں گے۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ہمیں کون سا سوٹ کرتا ہے۔'' ماموں سارے راستے ٹیکسی میں اسے اسی طرح کی باتیں سمجھاتے آئے تھے اور وہ آج کل خود کو بہت باہمت پوز کرنے کی پریکٹس جاری رکھے ہوئے تھی۔ اصل میں اپنی اسی دقیانوسی حساسیت کے ہاتھوں گرفتار تھی۔

لبنٰی کے چبھتے ہوئے جملے' ممانی کا بے زاری بھرا انداز' سب ہی ان چاہے بوجھ کی طرح گٹھڑی میں بندھا سر پر دھرا تھا۔

''پتہ نہیں ان لوگوں کو کتنا برا لگ رہا ہو گا۔ یہاں رہنا کہیں اور زیادہ دوبھر نہ ہو جائے۔'' کئی بار دل میں آیا بھی کہ ٹیکسی یہیں سے واپس مڑوالی جائے' مگر ماموں کی ناراضگی کا خوف آڑے آتا رہا۔

بہت دن بعد نواب شاہ واپس لوٹ جانے کی خواہش نے بھی سر ابھارا۔

''اور جو کل اماں کے سامنے بڑے بڑے دعوے کئے گئے ہیں' ان کا کیا بنے گا۔''

دماغ نے ایک بروقت یاددہانی کرائی تو پھر سے تھوڑی سی ہمت کرنا پڑی اور بڑی عجیب سی بات یہ ہوئی کہ سرخ اینٹوں والے اس خوبصورت سے راستے پر سے گزرتے ہوئے وہ ساری دل آزار باتیں اور سارے مایوس کن خیال' خود بخود ہی کہیں گم ہونے لگے۔ لڑکے' لڑکیوں کے بہت سے گروپ آس پاس سے گزر رہے تھے۔ چند ایک نے اچٹتی ہوئی سی نگاہ ثانیہ پر بھی ڈال لی۔

سیڑھیاں طے کر کے انٹرنس لابی اور پھر انفارمیشن ڈیسک تک پہنچتے پہنچتے وہ پھر سے پُراعتماد ہو چکی تھی۔ یہاں بھی اچھا خاصا رش تھا۔

بہت سے لڑکے لڑکیاں اس کی طرح آج پہلی بار ہی آئے تھے۔ کاؤنٹر پر اٹینڈ کرنے کے لئے حالانکہ چار لوگ موجود تھے' دو لڑکے اور دو لڑکیاں' پھر بھی کاؤنٹر تک رسائی مشکل ہو رہی تھی۔

ثانیہ کو اچھا نہیں لگا کہ ماموں اس کی وجہ سے یہاں دھکے کھائیں۔ سو انہیں لابی میں رکھے صوفے پر بیٹھا چھوڑ کر وہ دوبارہ کاؤنٹر کی طرف بڑھنے لگی۔

''میں کچھ مدد کر سکتی ہوں۔''

عقب سے آئی آواز پر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

ڈارک براؤن اسٹریکنگ کئے ہوئے وہ خوش لباس سی لڑکی بالکل اجنبی تھی۔

ثانیہ کے پلٹ کر دیکھنے پر اس نے اپنی بات پھر سے دہرادی۔

''وہ میں یہیں سے...'' کچھ ہچکچاتے ہوئے اس نے تکلف برتنا چاہا' مگر وہ بڑے آرام سے اس کی بات کاٹ گئی۔

''شام ہو جائے گی کھڑے کھڑے یہیں پر۔ بہت سست سروس ہے ان لوگوں کی۔ کورسز کی ڈیٹیل ہی معلوم کرنی ہے نا تمہیں؟'' اپنی بات کہتے ہوئے اس نے ذرا رک کر ثانیہ کی طرف دیکھا تو وہ بے اختیار ہی فوراً اثبات میں سر ہلا گئی۔

''یہ لو' میرے بیگ میں ہی پڑا ہے یہ بک لیٹ۔'' کاندھے پر ڈالے بیگ کی زپ کھول کر وہ اس میں سے کچھ نکالتے ہوئے مستقل ہی بولے چلی جا رہی تھی۔ ''سارے کورسز' ان کا دورانیہ اور فیسز وغیرہ سب ہی اس میں تمہیں مل جائے گا' ویسے میرے خیال میں تم نے ابھی تک یہ طے نہیں کیا ہے کہ تمہیں کرنا کیا ہے۔''

بک لیٹ ثانیہ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اس نے ثانیہ کے بارے میں پہلا بالکل درست اندازہ لگایا۔

اس کا سر دوبارہ اثبات میں ہلا' پر اب کہ حیرت کا اظہار بھی ساتھ میں تھا۔

''آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں...''

''میں' میں بہت پہنچی ہوئی چیز ہوں۔ تمہیں خود ہی اندازہ ہو جائے گا جب میرے ساتھ رہو گی۔'' وہ بڑے زور سے ہنسی۔ نزدیکی کھڑے چند لڑکے لڑکیوں نے ان دونوں کو مڑ کر دیکھا مگر اسے شاید چھوٹی موٹی باتوں کی طرف توجہ دینے کی عادت نہیں تھی۔

''بہر حال' ہمیں اپنا ایک چھوٹا سا تعارف کرا ہی لینا چاہئے۔ میں فرح ہوں' یہاں پر پارٹ ٹائم جاب کرتی ہوں ایز اے کمپیوٹر پروگرامر اور یہاں کی آفس مینجمنٹ ٹیم میں شامل ہوں۔'' دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو ثانیہ کو بڑا اچھا سا لگا۔

''میں ثانیہ ہوں' بی اے کر چکی ہوں اور اب یہ...''

"اور اب قطعی طور پر کنفیوز ہوں کہ آگے کیا کرنا چاہئے اور یہ کہ اس بڑے سارے شہر میں ابھی کچھ دن پہلے ہی آئی ہوں۔ ٹھیک کہا نا میں نے؟" ثانیہ کی بات کو درمیان میں سے کاٹتے ہوئے اس نے پورے یقین کے ساتھ آگے کا بیان مکمل کیا۔

حیرت در حیرت۔

ثانیہ کے لب تھوڑے سے نیم وا ہوئے۔ پہلی ملاقات میں کوئی اس کے متعلق اتنے درست اندازے بھی لگا سکتا ہے۔ اسے کبھی گمان تک نہیں گزرا تھا اور چہرے پر اتنی ساری حیرت اکٹھی کر کے وہ ضرور بالکل احمق ہی لگ رہی ہو گی۔ جب ہی فرح احمد اس کی شکل دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔ پھر اسے شاید ثانیہ پر ترس آ ہی گیا۔

"ارے بابا ایسی کوئی حیرت والی بات نہیں ہے۔ میں تو یہاں سے بس یوں ہی گزر رہی تھی کہ تم پر نظر پڑ گئی۔ اس رش کے عالم میں تم بجائے آگے بڑھنے کے دوسروں کو مستقل رستہ دیئے جا رہی تھیں۔ وہ مجھے بڑا انٹرسٹنگ لگا۔ ہمارے ہاں اب دوسروں کو رستہ دینے کا رواج باقی نہیں ہے۔ کیا کریں مجبوری ہے۔ ہر شخص کے پاس وقت کی کمی ہے۔ اسی لئے تھوڑے سے بدلحاظ ہو گئے ہیں۔ تم بھی وقت کے ساتھ ساتھ یہ سب سیکھ جاؤ گی۔"

ثانیہ ہلکے سے مسکرا دی۔

ایک مستقل تبدیلی کا عمل جو پچھلے کئی ماہ سے اس کے ساتھ چل رہا تھا' کیا پتہ فرح کے اس اندازے کو بھی آگے کہیں زندگی میں درست ثابت کر دے۔ اس نے خاموشی سے سوچا۔

"میں چلتی ہوں' آفس کا کام باقی ہے۔ میری کسی ہیلپ کی ضرورت ہو تو میں وہیں ملوں گی۔"

فرح نے جانے کے لئے قدم بڑھایا تو ثانیہ کو ساری فارمیلیٹیز یاد آ گئیں۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ' آپ کا یہ بک لیٹ میں ایک دو دن میں آپ کو پہنچا دوں گی۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں' میرے لئے تو یہ بے کار ہی ہے۔ تمہارے کام آ گیا مجھے اس کی خوشی ہے' پھر ملیں گے۔" وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"ثانیہ ہاتھ میں اس کی تھمائی ہوئی انفارمیشن گائیڈ لئے اس وقت تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ اسے نظر آتی رہی۔

"یہ کون لڑکی تھی؟ پہلے سے جانتی تھیں کیا تم اسے۔"

جمیل ماموں نے ذرا فاصلے پر بیٹھے بیٹھے خیر سگالی کا یہ منظر کافی تجسس کے ساتھ دیکھا تھا اور فرح کے جاتے ہی وہ اس کے بارے میں تصدیق کرنے ثانیہ کے پاس چلے بھی آئے۔ ثانیہ نے ذرا چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پھر ہلکے سے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میری کوئی دوست یہاں کہاں ہو سکتی ہے ماموں' میری تو ساری ایجوکیشن وہیں..."

جمیل ماموں نے پوری بات سنے بغیر ہی "آں ہاں۔" کہتے ہوئے بڑے پُرزور انداز میں سر ہلا دیا۔ "واقعی' تمہاری یہاں کوئی دوست کیسے ہو سکتی ہے؟ میں تو بس ایسے ہی' دراصل وہ تم سے بات کر رہی تھی تو مجھے ایسا لگا جیسے وہ تمہیں پہلے سے ہی جانتی ہے۔"

ثانیہ انہیں فرح کے بارے میں بتانے لگی۔ اس مختصر سی ملاقات میں ہی وہ بڑی گہری خوشگواریت کا احساس دلا گئی تھی۔

"تم یہاں اطمینان سے بیٹھ کر اس بک لیٹ کو دیکھ لو تا کہ کوئی بات پوچھنی ہو تو ابھی پوچھ لیں' میں ذرا لبنٰی کی پروگریس کے بارے میں بھی پتہ کر لوں۔ کچھ کر بھی رہی ہے یا یوں ہی وقت برباد کر رہی ہے۔" ماموں کو ثانیہ کے بارے میں

اطمینان ہوا تو لبنیٰ کی خبر گیری کا خیال بھی آ گیا۔ثانیہ مطمئن سی ہو کر سامنے والے صوفے پر جا بیٹھی۔اسے بار بار فرح کا خیال آئے جا رہا تھا۔

"اگر وہ تھوڑی دیر اور یہاں بیٹھتی تو کتنا اچھا لگتا۔"

☆☆☆...

سہ پہر کی نرم دھوپ، رنگین شیشوں والی کھڑکیوں پر سے پوری طرح سے ابھی اتری بھی نہیں تھی کہ اسماء پھوپھو کی آمد ہوئی۔

نازی نے جس وقت دِیا کو یہ اطلاع پہنچائی اس وقت وہ چہرے پر کسی سفید سفید سے ماسک کی تہہ چڑھائے اطمینان سے لیٹی تھی اور کسی بھی قسم کے فوری ردعمل کے اظہار سے قطعی قاصر تھی۔

"دِیا، اسماء پھوپھو بلا رہی ہیں تمہیں، جا کر ان سے مل لو پہلے ورنہ وہ یہیں چلی آئیں گی۔"

نازی نے جز بز سا ہوتے ہوئے اپنی بات کو پھر سے دہرایا۔اسماء پھوپھو کی عادت سے سب ہی واقف تھی۔انہیں یہاں گھر میں قدم رکھتے ہی دِیا کی یاد سب سے پہلے ستاتی تھی اور کچھ پتہ نہیں تھا کہ اگلے چند منٹوں میں وہ یہاں اس کمرے تک تشریف بھی لے آتیں۔

دِیا نے اپنی آنکھوں پر رکھے کاٹن پیڈ زہٹاتے ہوئے نازی کی طرف دیکھا۔ماسک کی وجہ سے اس کا چہرہ بالکل ہی بے تاثر سا دِکھ رہا تھا۔مگر آنکھوں میں پھیلی بے زاری بڑی نمایاں تھی۔اس اپنے بیوٹی پلانز پر سختی سے عمل کرنے اور انہیں پوشیدہ رکھنے کا خبط تھا۔اس کی خوبصورت جلد کو مزید تابناک بنانے کے لئے فی الحال اس ماسک کو جتنا وقت درکار تھا، وہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔اسی لئے وہ بھیگے ہوئے کاٹن پیڈز سے چہرہ صاف کرتے ہوئے جھنجلائے جا رہی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"انہیں بھی اسی وقت آنا تھا اور آپ بھی میرے پاس پیغام لئے چلی آ رہی ہیں۔یہ نہیں کہ انہیں تھوڑی دیر وہیں امی کے کمرے میں روک لیں۔مجال ہے جو اس گھر میں دو گھڑی سکون سے انسان کوئی کام کر سکے۔"

گھر میں حالانکہ ایک وہی تھی جو سب سے زیادہ سکون میں تھی۔گھر اور باہر کی تمام ذمہ داریوں سے فارغ پھر بھی اس کے پاس شکایتیں ہی شکایتیں رہا کرتی تھیں۔نازی خفیف سی ہوئی اس کی یہ تقریر ختم ہونے کا انتظار کرتی رہی تاکہ اپنی لائی ہوئی اس اطلاع کا دوسرا اور زیادہ اہم حصہ بھی اس کے گوش گزار کر سکے۔

"اسماء پھوپھو اکیلی نہیں آئی ہیں۔آج پھوپھا بھی اُن کے ساتھ ہیں۔"

یہ واقعی حیران کن بات تھی۔دِیا کا بھی ہاتھ چہرے پر جہاں تھا وہیں رک گیا۔

"وہ کیسے آ گئے خیریت۔"

اس سوال کا جواب نازی کے پاس بھی نہیں تھا۔ہلکے سے کندھے اچکا کر نفی کا اشارہ کرتے ہوئے وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔اسے اُن کی خاطر مدارت کی فکر کرنا تھی۔ایسی صورت میں جبکہ آج پھوپھا بھی آئے تھے اور وہ ان کے گھر کم کم ہی آتے تھے۔اتنا کم کہ...

"بھلا آخری بار وہ اُن کے گھر کب آئے تھے؟ چہرے کو پانی سے دھوتے ہوئے دِیا نے یاد کرنا چاہا۔" شاید پچھلی بقر عید پر۔"

"نہیں، بقر عید پر تو انہوں نے اپنی بیماری کا عذر کر کے ان کے گھر پر ہونے والی دعوت میں شرکت بھی نہیں کی تھی۔پھوپھو اور فراز ہی آئے تھے۔" اپنے خیال کی خود ہی نفی کرتے ہوئے وہ قیاس آرائی کئے گئی۔"شاید پچھلی عید کو۔"

"بہر حال۔"

اب جب وہ اپنی پچھلی روایات کو توڑ کر یہاں تک تشریف لے ہی آئے تھے تو یقیناً کوئی بہت ہی خاص وجہ تھی اور دِیا کو جو تھوڑی سی تشویش لاحق ہو رہی تھی۔ وہ اس لئے تھی کہ آج کل مسعود کی واپسی کے سلسلے میں روزانہ ہی کوئی نہ کوئی بات اٹھتی رہتی تھی۔

بشارت صاحب صاف لفظوں میں اسماء پھوپھو کو کہہ چکے تھے کہ وہ مسعود سے اس کی واپسی کی حتمی تاریخ کنفرم کر کے انہیں مطلع کریں تاکہ وہ ان دونوں کی شادی کے پروگرام کو فائنل کر سکیں۔ اس سلسلے میں روزانہ ہی یاد دہانی کے فون ہو رہے تھے۔ کبھی وہ خود کرتے اور کبھی یہ فریضہ نازی کو انجام دینا پڑتا۔ اسماء پھوپھو روز ''آج کل'' پر ٹال رہی تھیں۔

''معلوم نہیں کیا مسئلہ ہو رہا تھا؟''

خود دِیا جو نہ جانے کب سے یہ فرض کئے بیٹھی تھی کہ یہاں سے اشارہ ملتے ہی مسعود سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سر کے بل دوڑا چلا آئے گا ہلکی سی مایوسی کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔

کپڑے تبدیل کر کے، بالوں کو برش کرنے اور ہلکی سی لپ اسٹک لگانے تک پھوپھا کی آمد کے بارے میں اس نے جتنی بھی وجوہ تلاش کرنا چاہیں، بد قسمتی سے ان میں سے ایک بھی خوش کن نہیں تھی۔

پھوپھا کا اب تک کا سرد ترین روّیہ کسی خوش فہمی کو پنپنے ہی نہیں دیتا تھا۔ دِیا کے پاس اعتماد بخشنے اور فخر کرنے کے لئے ایک ہی چیز تھی۔

اس کی حسین شکل و صورت۔

اسی کے بل پر وہ اب تک سارے مایوس کن خیالات کو جھٹکتی چلی آ رہی تھی اب بھی یہی نسخہ کام آیا۔

''پھوپھا کے سارے خاندان اور مسعود کے امریکہ میں بسے دوستوں کے سرکل میں موجود ساری رنگ برنگی لڑکیوں میں کوئی ایک بھی اس کے پاسنگ ہے؟''

کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے آئینہ میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بڑے اعتماد سے خود سے کئے اس سوال کا جواب ''نفی'' میں دیا۔

بڑا ہال خلاف توقع خاموش تھا۔

وہاں صرف نینی تھی جو سامنے ایک کتاب کھولے بیٹھی تھی۔

''سب لوگ ابا کے کمرے میں ہیں اور نازی آپا کچن میں۔'' نینی نے اس کے استفسار پر کتاب پر سے نظر اٹھائے بغیر مختصر سا جواب دیا۔

بات واضح ہونے کے باوجود بھی واضح نہیں ہو رہی تھی۔ دِیا کچھ اُلجھن سی محسوس کرتے ہوئے چند لمحے اُسے دیکھے گئی، مگر نینی اسی طرح کتاب میں گم رہی۔ آج کل وہ خود کو بڑا پڑھا کو پڑھا کو سا ظاہر کر رہی تھی یا شاید واقعی ہو گئی تھی۔

بشارت صاحب کا کمرہ گھر کے بقیہ حصے سے الگ تھلگ سا محسوس ہوتا تھا۔ انہیں اس میں کسی کی بھی زیادہ مداخلت پسند نہیں تھی سو سب ہی وہاں کم کم ہی جاتے تھے۔ البتہ امی کو جو باتیں اُن بہن بھائی سے چھپائی ہوتی تھیں وہ ان کے کمرے میں جا کر ہی ڈسکس کرتی تھیں۔

اُس کمرے کی ایک خاص حیثیت کا تعلق خود بخود ہی ہو گیا تھا اور اب جوان مہمانوں کو ہال کی بے تکلف نشست کے بجائے کتابوں سے بھرے اس بے حد سنجیدہ ماحول میں لے جایا گیا تھا تو یقیناً کوئی بہت سنجیدہ ہی گفتگو وہاں فرمائی جا رہی ہو گی۔

دِیا پھر بھی خود کو دروازہ کھول کر اندر جانے سے نہ روک سکی۔

"ذمہ داریاں وقت پر پوری نہ ہوں تو وہ مسائل بن جاتی ہیں اور میں جتنے مسائل میں گھرا ہوا ہوں ان میں آپ لوگ مزید اضافہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ ورنہ ایسی بات..."

پروفیسر بشارت زور زور سے بول رہے تھے۔ وہ جب کبھی بھی جذباتی ہونے لگتے تھے اسی طرح اونچی آواز میں اپنی بات کہتے تھے۔ کسی کو بیچ میں ٹوکنے کی ہمت نہ رہتی۔ پر اس وقت دِیا کو کمرے میں آتا دیکھ کر وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر خود ہی خاموش ہو گئے۔

ایک عجیب ناگوار سی خاموشی کمرے میں پھیلنے لگی۔

بالکل سامنے امی بیٹھی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں اس کے لئے صاف صاف تنبیہ تھی۔

"شاید اسے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔" دِیا کچھ سٹپٹا سی گئی۔

"السلام علیکم۔" کم از کم اتنا تو کہنا ہی تھا۔ سو اس نے کہہ ہی دیا۔

جواباً کسی بھی قسم کی گرمجوشی کا اظہار نہیں تھا۔

اسماء پھوپھو نے بالکل رسمی سے انداز میں "جیتی رہو" کہا اور بس۔

نہ ہمیشہ کی طرح ماتھا چوما' نہ گلے لگایا اور نہ ہی دعاؤں کی بھرمار' پھوپھا سے اتنا بھی نہیں ہوا' خفیف سا سر ہلا کر انہوں نے اس کے "سلام" کو نمٹایا اور پھر منہ پھیر کر سائیڈ میں اپنے قریب رکھے شیلف پر رکھی کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دِیا کو یہاں اتنی سرد مہری کی توقع ہرگز بھی نہیں تھی۔ کم از کم اسماء پھوپھو کی موجودگی میں اس سے ان کی بے پناہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

محبت کا گواہ سارا خاندان تھا اور وہ جو اتنے سارے اندیشوں میں گھرنے کے باوجود یہاں اس کمرے میں بے دھڑک چلی آئی تھی تو محض ان ہی کے بھروسے پر۔

"دیا' جا کر دیکھو' چائے نہیں بنی کیا اب تک۔"

امی کو اسے یوں شرمندہ سا کھڑا دیکھ کر خیال آیا تھا یا پھر وہ واقعی اس وقت اس کے یہاں موجودگی کو مناسب نہیں سمجھ رہی تھیں۔ اُسے تو بہرحال وہاں سے ٹلنا غنیمت ہی لگا۔

"چائے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ ہم لوگ گھر سے پی کر ہی چلے تھے۔"

جب وہ باہر نکل رہی تھی تو اس نے پھوپھا کو کہتے سنا۔

"پتہ نہیں ابا ایسا کیا کہہ سن بیٹھے تھے جو پھوپھا چائے کے کپ سے بھی انکاری ہو رہے تھے۔"

دِیا کی فکر میں ایک دم ہی اضافہ ہونے لگا۔

کچن میں نازی پہلے سے تھی اور چائے کی ٹرالی کو کتنی ہی چیزوں سے بھر لینے کے باوجود بھی مطمئن نہیں تھی۔

"کچھ کمی تو نہیں لگ رہی ہے دِیا۔ ایک تو یہ سمیع بھی گھر پر نہیں ٹکتا' ورنہ بازار سے کیک وغیرہ منگوا لیتے۔ پھوپھا تو کبھی کبھار ہی ہمارے گھر آتے ہیں۔ امی باہر آئیں تو اُن سے پوچھ کر رات کے کھانے کی تیاری شروع کر لیتے ہیں۔"

دِیا کی گم صم سی حالت کو ذرا بھی نوٹ کئے بغیر وہ اپنی ہی کہے گئی۔

دِیا خالی الذہنی کے سے عالم میں چلتی ہوئی دیوار کے ساتھ رکھی گول میز کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

نازی رات کے مینو کے بارے میں بات کرنے لگی۔ آج وہ سکول سے بہت ساری کاپیاں چیک کرنے کے لئے لائی تھی' مگر اس وقت وہ ساری مصروفیت کو پس پشت ڈال کر پھوپھا کی مدارات میں کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہ رہی تھی۔

''امی پتہ نہیں کیوں باہر نہیں آرہی ہیں۔ ایک بار آکر ذرا سا گائیڈ کر جاتیں۔ مجھے تو کچھ ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ لوگ آج تمہاری شادی کی تاریخ کو فائنل کر کے ہی اٹھیں گے۔ ہے نا۔'' ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے دِیا کی طرف مڑتے ہوئے اپنے اس خوشگوار اندازے کی تصدیق چاہی تو چونک اٹھی۔ ''تمہیں کیا ہوا ہے' طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

ہاتھ میں تھامی پلیٹ کو وہیں سلیب پر رکھ کر وہ فکر مند سی ہوئی دِیا کے پاس چلی آئی۔

''کسی نے کچھ کہہ دیا کیا۔ میرا مطلب ہے نینی نے...'' دِیا کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ اتنی ڈیپریسنگ حالت میں تو جب بھی نظر نہیں آتی تھی' جب مسعود کے فون آنے میں دیر ہونے لگتی تھی۔

نازی نے اپنی بات دہرائی تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے دھیرے سے بولی۔ ''نہیں' کوئی بات نہیں آپ کو ایسے ہی وہم ہو رہا ہے۔''

خود کو نارمل ظاہر کرنے کی جو یہ چھوٹی سی کوشش اس نے کی تھی' یوں ہی بے کار گئی۔

دوسرے ہی لمحے وہ ٹیبل پر جھکتے ہوئے دھواں دھار رونا شروع کر چکی تھی۔

نازی حیران سی ہوئی۔ سارے کام کو بھول بھال کر اسے تسلیاں دینے میں لگ گئی۔

''بات کیا ہوئی ہے؟ مجھے بتاؤ تو سہی' اس طرح رونے سے کیا فائدہ ہے بھلا۔''

دِیا مستقل ہی روئے گئی۔

کچھ اور فائدہ ہو یا نہ ہو' کم از کم اس کا دل تو ہلکا ہو ہی رہا تھا۔

''ٹھیک ہے مت بتاؤ۔ میں یہ چائے لے جاتی ہوں۔ بے کار میں ہی دیر ہو رہی ہے۔'' بے بس سی ہو کر نازی پلٹنے لگی تھی کہ دِیا نے خود پر چھائے اس ''بے بہار رنج'' کی کیفیت پر سے پردہ اٹھانا شروع کر دیا۔

''کوئی بڑی گڑ بڑ ہوئی ہے نازی آپا' وہ لوگ بہت سیریس موڈ میں آئے ہیں۔ ضرور کوئی بری خبر ہے۔ ورنہ پھوپھا اس طرح کب ہمارے گھر کا چکر لگاتے ہیں۔''

دِیا کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ کسی ''بری خبر'' کے آنے سے پہلے ہی اس کی حالت قابل رحم ہو رہی تھی۔ ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی۔

نازی سے فوری طور پر کچھ بھی نہیں کہا گیا۔ پہلا خیال جو اسے دِیا کی بات سنتے ہی آیا تھا وہ ''مسعود کی امریکہ میں شادی'' ہو جانے کا تھا۔ بیرون ملک مقیم منگیتروں کی طرف سے اس طرح کی اطلاعات عموماً آ ہی جاتی ہیں۔

''شاید مسعود بھی۔''

''مگر نہیں۔ نازی نے دل میں آئے اس خیال کو پل بھر کے لئے بھی جمنے نہیں دیا' ایسا ہونا مشکل تھا۔

وجہ' خود دِیا تھی۔ جسے مسترد کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ مسعود دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جاتا' اسے دِیا سے بہتر لڑکی ملنا ناممکنات میں سے تھا۔ وہ حقیقتاً حسین تھی اور اس کا حسن اپنا اعتراف خود کراتا تھا۔

نازی نے اس یقین دہانی کے سہارے خود کو پھر سے پُراعتماد محسوس کیا۔

''بے کار کے وجہ مت پالو' ضروری تو نہیں ہے کہ وہ لوگ تمہاری کوئی بات کرنے آئے ہوں۔ ہوں گی ان کی کوئی آپس کی باتیں' جب ہی تو وہاں ابا کی سٹڈی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ بے کار میں مجھے بھی دیر کرائی۔ ابھی رات کے کھانے کا انتظام بھی کرنا ہے' تم بھی نادِیا بس۔''

نازی مڑتے ہوئے ٹرالی کو دروازے کی طرف دھکیلنے لگی ''اور تم بھی یوں منہ بنا کر نہ بیٹھو' فریزر سے گوشت وغیرہ نکال لو۔''

یہ چھوٹا سا کام جو نازی نے اس کے سپرد کرنا چاہا تھا' وہ اس تکلیف دہ ماحول کو بہتر کرنے کی کوشش میں تھا۔ پر اس وقت باہر سے ایک دم ہی گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دینے لگی۔

دونوں نے بیک وقت ہی ایک دوسرے کو بڑی حیرت سے دیکھا۔

کچن میں ایک کھڑکی سامنے کے رخ پر تھی۔ نازی ٹرالی وہیں چھوڑ کر کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔ باہر سامنے لگے درختوں کی شاخیں گیٹ کو صاف طور پر دیکھنے تو نہیں دیتی تھیں' پھر بھی اتنا اندازہ ہو رہا تھا کہ پھوپھا کی گاڑی ابھی ابھی باہر نکلی ہے۔

''شاید پھوپھا کسی کام سے گئے ہیں۔ بے چارے کتنے دن میں آئے تھے۔ ایک کپ چائے بھی نہیں پی۔ تم نے بھی ایک منٹ میں میرے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے۔'' نازی کو چائے لے جانے میں دیر ہو جانے پر افسوس ہونے لگا۔ اتنی جلدی جلدی کر کے جو کباب اور رولز فرائی کئے تھے' وہ یوں ہی رہ گئے تھے۔

''وہ پہلے ہی منع کر چکے تھے۔ آپ لے بھی جاتیں تو نہ پیتے' بے حد مصروف شخص ہیں۔ دِیا کو ان کا ابھی ذرا دیر پہلے کا انکار یاد آیا۔

نازی نے اس کی بات پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ٹرالی کو لئے وہ کاریڈور میں آئی تو سامنے سے نینی آتی نظر آئی۔

''یہ سب کچھ آپ کہاں لئے جارہی ہیں نازی آپا۔'' نازی کے کچھ پوچھنے سے پہلے اس نے خود حیرت سے سوال کر ڈالا۔

''ابا کے کمرے میں اور کہاں؟ اسماء پھوپھو وہیں ہیں نا ابھی تک۔'' لاپروائی سے کہی ہوئی وہ آگے بڑھ ہی رہی تھی کہ رکنا پڑ گیا۔

نینی کی دی ہوئی اطلاع تھی ہی حیرت انگیز۔

''وہ تو چلی بھی گئیں واپس' ابھی ابھی تو گئی ہیں۔ آپ نے گاڑی کی آواز نہیں سنی کیا۔''

یہ شاید پہلا موقع تھا' جو وہ ان سب کو ''خدا حافظ'' تک نہیں کہہ پائی تھیں۔ شاید انہوں نے ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔

دِیا کے خدشات بے جا نہیں تھے۔

نازی کو حالات کی سنجیدگی کا اندازہ صحیح معنوں میں اسی وقت ہوا تھا۔ ''شاید ابا سے جھگڑا ہوا ہے ان لوگوں کا' اسی لئے وہ ان کو چھوڑنے باہر تک بھی نہیں آئے۔ میں نے کھڑکی میں سے دیکھا تھا۔ پھوپھو بے چاری روتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ رہی تھیں۔'' نینی کی آواز نسبتاً نیچی تھی اور بظاہر گھر کے معاملات سے الغرض رہتے ہوئے بھی' وہ ارد گرد سے پوری طرح باخبر تھی کہ نازی کو تھوڑی سی حیرت ہوئی۔

''تم یہ ٹرالی واپس کچن میں لے جاؤ۔ میں ذرا امی سے بات کرتی ہوں۔ پتہ تو چلے نا کہ معاملہ کیا ہے؟''

یہاں کھڑے ہو کر وقت ضائع کرنے سے بہتر تھا کہ براہ راست امی سے ہی پوچھ لیا جائے۔ جاتے جاتے کچھ خیال آیا تو وہ نینی کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔

''ابھی دِیا سے کوئی ذکر نہ کرنا۔ وہ پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہے۔ کہہ دینا کہ ان لوگوں کو کسی بہت ضروری جگہ پہنچنا تھا اسی لئے نہیں رکے۔''

نینی نے ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ ہلکے سے سر کو جھٹکا اور بناء کوئی لفظ کہے کچن کی طرف چلی گئی۔ دِیا کو اسی طرح ہمیشہ سے چھوٹی بڑی چوٹوں سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ امی اب تک وہیں ابا کے کمرے میں ہی تھیں۔ معلوم نہیں آج گھر میں اب تک کیا کھچڑی پک رہی تھی۔ نازی نے ان کے باہر آنے کا انتظار کرنے کے بجائے کمرے کے دروازے پر دستک دینا بہتر سمجھا۔ ''آ جاؤ بیٹا۔''

اندر سے جواباً فوراً ہی ابا کی آواز آئی۔

سر شام ہی ان کے کمرے کی ساری لائٹس روشن تھیں۔ پھر بھی ایک عجیب سی بے رونقی کا احساس کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے محسوس کیا۔

''بیٹھو میں تمہیں ہی بلوانے والا تھا۔'' انہوں نے قریب رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ نازی نے ایک خاموش سی نظر ان کے چہرے پر ڈالتے ہوئے کچھ جاننا چاہا۔

وہ فکرمند بھی تھے اور اداس بھی۔ کالے فریم والے چشمے کے پیچھے سے جھانکتی آنکھوں میں گہری سوچ کا عکس تھا۔ نازی ان کے لئے ہمیشہ ہی بے حد حساس رہتی تھی۔ ان کی ان تھک محنت' اصول پسندی' اپنے گھرانے کے لئے ذمہ داری کا گہرا احساس اور اور بھی بہت کچھ۔

اُسے ابا ہمیشہ ہی ایک رول ماڈل لگا کرتے تھے۔

اس وقت وہ جیسے مایوس اور تھکے تھکے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ نازی کا دل ان کی طرف دیکھتے ہوئے بری طرح رکھ رہا تھا۔

''مسعود نے فی الحال پاکستان آنے سے انکار کر دیا ہے۔ اسماء اور اس کے میاں یہی بات کہنے کے لئے آئے تھے۔''

بناء کسی تمہید کے انہوں نے وہ پریشان کن اطلاع سنا ہی دی' جو کافی دیر سے الجھن کا سبب بنی ہوئی تھی۔

چند لمحوں کے لئے خاموشی کا وقفہ در آیا۔ نازی سمجھ رہی تھی کہ وہ ابھی کچھ اور تفصیل بھی دیں گے' مگر وہ خاموش ہی رہے۔ نازی کو خود ہی پوچھنا پڑا۔

''آپ نے کیا کہا پھر ان سے' میرا مطلب ہے نہ آنے کی وجہ تو پوچھی ہو گی۔''

''ہوں۔'' انہوں نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''پوچھی تھی۔ مگر کوئی معقول وجہ نہیں ہے' نہ ان کے پاس نہ ان کے بیٹے کے پاس۔ بس وہی گھسی پٹی سی باتیں کرتے رہے کہ ابھی پوری طرح سیٹ نہیں ہوا ہے۔ ابھی ابھی پڑھائی ختم ہوئی ہے۔ پہلے کوئی اچھی جاب مل جائے پھر اسے یہاں بلوانے کے بارے میں سوچا جائے۔''

''اس جواز میں واقعی دم نہیں تھا۔

سارا خاندان جانتا تھا کہ مسعود سٹوڈنٹ ویزے پر گیا ضرور تھا۔ مگر وہ وہاں واقعی پڑھ رہا ہے' یہ کسی کو بھی یقین نہیں آتا تھا۔

"ڈالر کمانے کی مہم پر لگے ہوئے ہیں موصوف' ہم بھی دیکھ رہے ہیں کہ یہاں ان کے گھر کا سٹینڈرڈ کہاں سے کہاں پہنچ رہا ہے۔"

قریبی کزنز اکٹھے ہوتے تو کھل کر کہتے تھے۔دِیا کو بے حد برا لگتا تھا۔

خود نازی بھی دِیا کے لئے بھیجے گئے قیمتی تحائف کو دیکھ کر مسعود کی طرف سے مشکوک ہونے لگتی تھی۔تصویروں میں اس کی ساتھی لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے اسے اکثر ہی اُن کے عامیانہ پن پر شبہ سا گزرتا تھا۔پر پھوپھو کہتی تھیں کہ وہ اس کی کلاس فیلوز ہیں تو یہاں سب ہی ان کی کہی بات کو مان لیتے۔پر اب یہی مسعود جو اتنے سال سے ڈالر بھر بھر کر گھر کو روانہ کر رہا تھا' بقول پھوپھا کے یک دم ہی ایک مفلوک الحال' غریب الوطن سٹوڈنٹ کا روپ دھار چکا تھا۔

"ابا" نازی کو ایک خیال ابھی ابھی آیا۔

"شادی کے بعد بھی فوری طور پر تو دِیا مسعود کے ساتھ نہیں جا سکتی ہے۔بہت ساری فارمیلٹیز پوری کرنی پڑتی ہیں تو کیوں نہ مسعود فی الحال شادی کر کے دِیا کو یہیں چھوڑ جائے۔پھر سال ڈیڑھ سال میں اسے وہاں بلا لے۔اس کو اتنا ٹائم بھی مل جائے گا خود کو مزید سیٹ کرنے کے لئے۔" ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے نازی کو دیکھا۔"یہ بھی کہہ چکا ہوں' حالانکہ یہ بھی ایک غیر اطمینان بخش صورتحال ہے ہمارے لئے' مگر وہ یہ بھی نہیں مانتے۔"

اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے ایک گہری سانس لی۔نازی کو ایسا لگ رہا تھا جیسے آج وہ مسعود اور اس کے گھر والوں کی طرف سے مکمل طور پر مایوس ہو چکے تھے۔ان کی تسلی کے لئے وہ کچھ الفاظ کو ذہن میں ترتیب دے ہی رہی تھی کہ امی نے پھوپھا کی خفگی کا احوال شروع کر دیا۔

"تمہارے پھوپھا بہت خفا ہو کر گئے ہیں۔جتنی دیر یہاں بیٹھے رہے مستقل اسماء بے چاری کو جھڑکتے رہے۔اس کی پوزیشن سب سے خراب ہے۔دونوں طرف سے برائی ہی ملی ہے اب تک لیکن نہ اُن کی سمجھ میں کچھ آتا ہے نہ ان کی۔میں نے اور اس نے تو بہت بات سنبھالنے کی کوشش کی' مگر یہ دونوں ہی بات کو بگاڑنے پر تل چکے ہیں۔"

بے نیازی سے اپنی بات ختم کر کے وہ نازی کی طرف دیکھنے لگی۔

اس طرح کھلے لفظوں میں ابا کو ان کی کسی غلطی کا احساس انہوں نے پہلے کبھی نہیں دلایا تھا۔ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔مگر آج معاملہ دِیا کا تھا' جس کی خوشی کے لئے وہ ابا اور ان کے اصولوں' دونوں کو خاطر میں نہ لانے کے موڈ میں آرہی تھیں۔

"میں بات بگاڑ رہا ہوں میں۔" حسب توقع ابا غصے میں آگئے۔اس شخص کے تیور دیکھے تھے تم نے' کس طرح جان چھڑانے والے انداز میں بات کر رہا تھا اور تم چاہتی ہو کہ میں اس کے حضور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاؤں۔ہر جائز ناجائز بات پر ہاں میں ہاں ملاتا رہا ہوں۔میری بھی کچھ عزت ہے یا نہیں۔" مسئلے کا حل ڈھونڈنے کے بجائے اسے بحث کی شکل دینے میں کوئی عقل مندی نہیں تھی۔نازی نے یہی بات امی کو سمجھانی چاہی تو وہ خفگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"رہنے دو بس' ساری پریشانی تم باپ بیٹی کی لائی ہوئی ہے۔ایسی کیا جلدی تھی جو ایک شور مچا کر رکھ دیا۔ہو جاتی شادی جب بھی مسعود آتا' مگر تم لوگوں کی رٹ نے انہیں جھنجھلا کر رکھ دیا ہے۔"

ان کے لہجے میں بڑی نمایاں تلخی تھی۔نازی کے دل کو ایک دم ہی دھکا سا لگا۔

امی اسے اس طرح مورد الزام ٹھہرائیں گی۔ یہ بڑی غیر متوقع سی بات تھی۔ باوجود ضبط کے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ امی اپنی بات کہہ کر اب لاتعلقی کے سے انداز میں دوسری طرف دیکھ رہی تھیں۔ بشارت صاحب نے ان کا عائد کردہ فرد جرم بھی سنا تھا اور نازی کا اترا ہوا چہرہ بھی ان سے چھپا نہیں رہا تھا۔ پھر بھی وہ ایک دم بھڑک اٹھنے کے بجائے چند لمحے پرُسوچ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے گئے۔

''پھر تمہارے خیال میں کیا کرنا چاہئے ہمیں' کیا ہے اس مسئلے کا مناسب ترین حل۔''

وہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں براہ راست امی سے پوچھ رہے تھے۔ وہ ابھی مزید بحث در بحث کے سلسلے کی توقع میں تھیں۔ خود پر طاری کی لاتعلقی کو بھلا کر انہوں نے کچھ گڑ بڑا کر بشارت صاحب کی طرف دیکھا۔

وہ جواب طلب نظروں سے انہیں اب بھی دیکھے جا رہے تھے اور جواب بہر حال ان کے پاس تھا۔

''حل بس یہی ہے کہ اس بات کو طول دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی جائے اور جب بھی مسعود کو آنے کی آسانی ہو' اس وقت شادی کر دی جائے۔'' بے حد آسان لفظوں میں سمجھایا ہوا یہ حل ان کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔

''اندازاً کتنے سال۔''

انہوں نے کسوٹی کسوٹی کھیلنا شروع کیا۔

''سال' دو سال' پانچ یا اس سے بھی زیادہ۔''

''اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسعود آئے گا بھی یا نہیں۔ بشارت صاحب کو کوئی بڑی مضبوط سی گارنٹی درکار تھی۔ امی نے تین سوالوں کے بعد ہی ہار مان لی۔

''اور تم نازی' تمہاری کیا رائے ہے۔''

وہ نازی کو دیکھنے لگے۔ ان چند منٹوں کے وقفے میں بہر حال اس نے خود پر کچھ نہ کچھ تو قابو پا ہی لیا تھا۔ پر اس نازک گھڑی میں پھر سے کوئی رائے دے کر مزید جوتے کھانے کی ہمت ہر گز بھی نہیں تھی۔

''جیسی آپ لوگوں کی مرضی ابا۔''

''تو پھر میرا فیصلہ یہ ہے کہ میں دِیا کو ایک لاحاصل سے انتظار کی نذر نہیں کروں گا۔ اگر مسعود آ سکتا ہے تو زیادہ سے زیادہ چھ مہینے اور انتظار کیا جا سکتا ہے' ورنہ میری طرف سے یہ رشتہ ختم۔''

''آخری کیل ٹھوکنے کے سے انداز میں انہوں نے فیصلہ سنایا اور پھر لب بھینچ کر اس طرح بیٹھ گئے جیسے اب مزید ایک لفظ بھی کہنے کے لئے باقی نہ رہا ہو۔

امی اور نازی دونوں ہی بے یقینی سے انہیں دیکھے جا رہی تھیں' جو کچھ وہ کہہ چکے تھے' اس کے اثرات کی سنگینی کا معلوم نہیں انہیں اندازہ تھا بھی یا نہیں۔

پیچھے کچھ لڑکھڑانے کی سی آہٹ ہوئی تو بے ساختہ ہی سب کی نگاہیں دروازہ کے طرف مڑ گئیں۔

دروازے کے قریب رکھی کرسی سے سہارا لئے دِیا کھڑی تھی۔ پیچھے دروازہ نیم وا تھا۔ وہ ابھی چند لمحے پہلے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''اور کتنا اچھا ہوتا اگر دِیا ابا کے اس تکلیف دہ جذباتی فیصلے کو اپنے کانوں سے نہ سنتی۔'' نازی نے بڑی آزردگی سے دِیا کی آنکھوں میں پھیلے دکھ کو محسوس کرتے ہوئے سوچا۔

...☆☆☆...

بارش ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تھمی تھی۔ کھڑکیوں کے شیشوں پر سے ہلکی ہلکی بوندیں اب تک پھسلتی ہوئی گزر رہی تھیں۔

شیریں نے پردے سرکاتے ہوئے کھڑکیاں کھولیں تو گیلی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے لاؤنج کے اندر تک چلے آئے۔ کھڑکی کی چوکھٹ پر ہتھیلیاں جماتے ہوئے وہ ذرا جھک کر نیچے کیاری میں دیکھنے لگی۔ کھڑکی کے بالکل نیچے والا حصہ سفید گلابوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ بیل پتہ نہیں کتنے سال پہلے لگی تھی' اب تو کھڑکی کے ساتھ ساتھ پوری دیوار پر پھیل چکی تھی۔

گلاب ممی کی کمزوری تھے۔

سرخ' سفید' گلابی' زرد' نارنجی ہر رنگ کا گلاب یہاں موجود تھا۔ جنہیں وہ بڑے پیار سے پروان چڑھانے میں مصروف رہتی۔ بدلتے ہوئے موسموں میں ان کی فکرمندی اور بڑھ جاتی۔ اس وقت بھی بارش کے ذرا رکتے ہی وہ مالی کو ساتھ لئے لان میں نکل آئی تھیں اور حفاظتی اقدامات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ چند گملوں میں لگائی گئیں نئی قلمیں ابھی چند روز پہلے ہی پھوٹی تھیں۔

بارش تھوڑی سی دیر میں ہی اتنی زوردار برسی تھی کہ شیڈز کے نیچے رکھے ہوئے پودے بھی محفوظ نہیں رہ سکے تھے۔ ساتھ میں تیز ہوائیں' لگ رہا تھا کہ مالی کو ان کی اچھی خاصی ناراضگی بھگتنا پڑ رہی تھی۔

''بارش کے تیز ہوتے ہی اگر گملے اندر رکھ دیتے تو یہ سب نہ ہوتا۔ میں تو اپنے گھٹنوں کے درد کی وجہ سے مجبور ہوں ورنہ خود ہی...'' وہ مالی پر بگڑ رہی تھیں۔

اچھے خاصے فاصلے سے بھی ان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

جواباً اس نے منمنا کر شاید کچھ صفائی دینا چاہی تھی' مگر وہ اس کی ایک بھی بات سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''جوان آدمی ہو' ذرا سے پانی میں اگر بھیگ بھی جاتے تو کیا غضب ہو جاتا۔ پر تمہیں تو چوکیدار کے ساتھ گپیں لڑانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔'' ممی کی خوش مزاجی مشہور تھی۔ عام طور پر غصے میں بھی نہیں آتی تھیں۔ سارے ملازم اس بات کے گواہ تھے' پر اب کچھ عرصے سے کبھی کبھی چڑچڑی ہونے لگی تھیں۔ شیریں کو اس وقت بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوا۔

''اور اس بر ہم سے موڈ کی وجہ؟''

کھڑکی پر اسی طرح جھکے جھکے اس نے اصل وجہ کھوجنا چاہی۔ تب ہی کوئی گاڑی تیزی سے اندر آئی۔ ان کے ہاں آنے والوں کی تعداد ہمیشہ سے ہی زیادہ نہیں رہی تھی اور یہ گاڑی تو گھر اور گھر کے مکینوں دونوں کے لئے ہی بے حد مانوس تھی۔

شیریں نے مسکراتے ہوئے ڈرائیو وے پر گاڑی روک کر باہر نکلتے ہوئے سجاد کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

آج وہ چھٹی پر تھی اور سجاد یقیناً آفس سے واپسی پر ادھر آئے تھے۔

لاؤنج میں بائیں ہاتھ کی طرف کا دروازہ باہر کی جانب کھلتا تھا۔ جن مہمانوں کے لئے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کا تکلف برتنا ضروری نہیں ہوتا تھا وہ اس راستے سے آجایا کرتے تھے۔ مگر سجاد ادھر آنے کے بجائے سیدھا ممی کی طرف جاتے نظر آرہے تھے۔

یہاں گھر میں قدم رکھنے کے بعد وہ پہلے ان ہی سے ملا کرتے تھے۔ شیریں کو ان کا یہ ادب لحاظ والا روّیہ بے حد اچھا لگا کرتا تھا۔

''تم رہنے دو بیٹا' سارے کپڑے خراب ہو جائیں گے۔ ابھی تو ان سب میں سے پانی ٹپک رہا ہے۔ تم چل کر اندر بیٹھو۔''

ممی کا موڈ سجاد کو دیکھتے ہی خوشگوار ہو چکا تھا اور سجاد ساری صورت حال کو بھانپ کر فوری طور پر مالی کی مدد کے لئے کمر بستہ ہو چکے تھے۔

ممی کے ''نہیں نہیں'' کی قطعی پروا کئے بغیر انہوں نے وہ چند بڑے بھاری سے گملے مالی کی مدد سے اندر شیڈ میں رکھ کر ہی چھوڑے۔ اس چھوٹی سی گھریلو مصروفیت میں گھرے وہ بالکل ہی گھر کے فرد لگ رہے تھے۔

شیریں کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ آہستہ آہستہ ہلکی پڑنے لگی۔ خاموش سی نگاہوں سے چند منٹ ان لوگوں کو دیکھتے رہنے کے بعد وہ واپس صوفے پر آبیٹھی۔

بعض اوقات دل یوں ہی بھر آنے لگتا تھا۔ معلوم نہیں کیا حساب کتاب تھا۔

رنجیدہ ہونے کے لئے کوئی اچھی سی بات' کوئی خوشگوار سا منظر ہی کافی ہونے لگتے تھے۔ اس وقت بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔

موسم کی ساری خوبصورتی بھلا کر وہ گم صم سی خود کو یکایک گھیرتی اس رنجیدگی پر حیران ہوتی رہی۔ وقت کا ایک چھوٹا سا وقفہ اسی کیفیت کی نذر ہوا۔

''السلام علیکم۔''

سجاد لائونج کے دروازے میں کھڑے تھے۔

''پوچھ سکتا ہوں کہ اس نظر بندی کے آرڈر کہیں اوپر سے آئے ہیں یا یہ سارا اہتمام خود اختیاری ہے۔''

غیر سنجیدہ باتوں کو بھی سنجیدہ سے لہجے میں کہہ دینے کا وصف انہیں بخوبی آتا تھا۔ شیریں کبھی ہنس کر اڑا دیتی۔ کبھی برابر سے بحث شروع ہو جاتی۔ اس وقت دونوں میں سے کوئی بھی کام نہیں ہو سکا۔

''آئو بیٹھو۔'' ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بس اتنا ہی کہا گیا۔

''اللہ اکبر۔'' سجاد گرنے کے سے انداز میں سامنے والے صوفے پر بیٹھے۔ ''آج پھر قنوطیت کا دورہ پڑ چکا ہے۔ میں یقینا بالکل غلط وقت پر آیا ہوں۔''

''کوئی قنوطیت ونوطیت نہیں۔'' وہ صاف مکر گئی۔ اس بالکل درست اندازے کی تصدیق نہ کرنے میں ہی عافیت تھی۔

''تم بغیر سوچے سمجھے بولنے کی عادت پر کنٹرول کرنا سیکھو سجاد۔ آفس کے باہر تمہارا روّیہ بالکل غیر سنجیدہ محسوس ہوتا ہے۔''

خود کو بچانے کے لئے ضروری تھا کہ گفتگو کا رخ خود ان ہی کی طرف موڑ دیا جائے۔

سجاد بھی اس کی کہی بات میں الجھنے لگے۔ ''میں ہمیشہ سوچ سمجھ کر بولتا ہوں بلکہ بعض اوقات تو اتنا سوچتا ہوں کہ بس سوچتا ہی رہ جاتا ہوں۔ بات کہہ ہی نہیں پاتا۔ کئی بار اس عادت کے ہاتھوں نقصان اٹھا چکا ہوں پھر بھی...''

یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس وقت بالکل بھی سنجیدہ نہیں ہیں۔ شیریں کا دل بے اختیار ہی انہیں ایک یاد دہانی کرانے کو چاہنے لگا۔ ایک بے حد ضروری بات جو انہوں نے اس سے ابھی تک نہیں کہی تھی اگر اسی طرح بھولے رہے تو اس نقصان کی تلافی کس طرح ہو گی؟

کارپٹ پر پھیلے خوش رنگ پرنٹ پر نظریں جماتے ہوئے وہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی۔ سجاد نے اس کی لاتعلقی کے اس انداز کو بھی نوٹ کر لیا۔

''حد ہے یعنی کہ مروتاً بھی کوئی مسکراہٹ نہیں۔ شیریں تمہارے ساتھ آخر پرابلم کیا ہے؟ بڑی تیزی سے تمہارے اندر چینج آ رہا ہے۔ اس عمر میں تو عادتیں بالکل پختہ ہو چکی ہوتی ہیں۔ اب تو ہم لوگوں کو جیسا بننا تھا' بن چکے ہیں۔ اب پھر سے تبدیلی تو بڑی...''

اس بار وہ واقعی ہنس پڑی۔

''عمر کا طعنہ دے رہے ہو۔''

''خدایا!''

انہوں نے ایک ہاتھ سے کان کی لو کو چھوا۔

''عورتیں واقعی ایک سیدھی سادی سی بات کے بھی بچھتر مطلب نکال سکتی ہیں۔ تمہیں عمر کا طعنہ کیسے دے سکتا ہوں۔ خود تم سے اڑھائی تین سال بڑا ہوں بھئی اور بقول فیضی کے ''ابھی تک ینگ اور اسمارٹ۔''

''تمہیں اپنے بارے میں کچھ زیادہ خوش فہمیاں نہیں رہنے لگی ہیں سجاد۔ فیضی کی آڑ لے کر اپنی تعریف کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ہو۔''

شیریں کے لبوں پر ابھی تک گہری مسکراہٹ تھی۔ ملازم کافی لے آیا تھا۔ شیریں ٹرے ہاتھ میں لئے ہوئے ممی کے بارے میں پوچھنے لگی تو ملازم نے جواب دیا۔

''وہ فی الوقت مصروف ہیں۔''

''فارغ ہو جائیں تو مجھے آ کر بتا دینا اور ہاں انہیں بھی کافی پہنچا دینا کہیں بھیگ نہ رہی ہوں۔'' شیریں نے ہدایت دیتے ہوئے فکرمندی کا اظہار کیا۔ ''اپنے پودوں کے لئے ہمیشہ ہی جذباتی ہو جاتی ہیں۔ اس وقت بھی دیکھنا تم نے بارش ٹھیک سے رکی بھی نہیں اور وہ باہر نکل گئیں۔''

ملازم چلا گیا تو وہ سجاد سے کہنے لگی۔

سجاد کو ان کا یہ خوبصورت شوق اچھا لگتا تھا۔ خود انہیں تھوڑی بہت باغبانی کا شوق شیریں کی ممی کے طفیل ہی ہوا تھا۔

اتنے تو نہیں جتنے یہاں تھے۔ مگر پھر بھی ٹیوب روز کی ایک بڑی تعداد اب ان کے لان میں بھی نظر آتی تھی جو تقریباً سارے ہی شیریں کی ممی کے تحفے میں دیئے ہوئے تھے۔

شیریں کا اُن کے گھر جانا بے حد کم ہوتا تھا۔

سجاد اپنے گارڈن کی تفصیل بتانے لگے۔

''ایسے ہی پھولوں کی بیلیں میرے کمرے کی دیواروں پر بھی چڑھ آئی ہیں۔ کھڑکی سے باہر جھانکو تو لگتا ہے پوری دیوار ہی ہرے پتوں سے بنی ہوئی ہے۔ زرد اور گلابی پھول تم کبھی آئو تو دیکھنا' بہت اچھا لگتا ہے۔''

''میں کہاں آ پائوں گی کبھی؟''

شیریں جو بہت انہماک سے یہ ساری تفصیل سنے جا رہی تھی' بے ساختہ ہی کہہ بیٹھی۔ میرا مطلب ہے کہ تمہارے گھر میرا جانا ہی کہاں ہوتا ہے اور اوپر کا پورشن تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں ہے۔''

اس ایک چھوٹے سے فقرے سے جو گہری ناامیدی چھلک رہی تھی' اسے چھپانے کے لئے اسے آگے تھوڑی سی صفائی پیش کرنا پڑی۔

سجاد کچھ شرمندہ سے ہونے لگے۔ شیریں جیسی پرانی اور مخلص دوست کو اتنے سالوں میں وہ محض چند بار ہی اپنے گھر پر مدعو کر سکے تھے۔

وجہ کچھ اور نہیں صرف گھر کا ماحول تھا۔

برادری کے بے حد روایت پسند ماحول سے ہٹ کر دونوں بھابیوں نے خود کو ظاہری طور پر تو بڑی محنت سے ماڈرن سوسائٹی کے تقاضوں سے کسی حد تک ہم آہنگ کر لیا تھا' مگر اندر سے بالکل ویسی کی ویسی ہی تھیں۔

اپنے مخصوص سرکل سے باہر کے لوگوں کو شک وشبہ سے دیکھنے والی غلط اندازے لگانے میں ماہر۔

خاص طور پر بلقیس بھابی۔ انہوں نے چند ملاقاتوں میں ہی شیریں کی وہاں آمد کو جتنے معنی خیز رنگ دیئے تھے' کسی سے بھی پوشیدہ نہیں رہے تھے اور تو اور فیضی اور انعم بھی ان سے اپنی بے تکلفی کا فائدہ اٹھا کر اس حوالے سے مذاق کر جاتے تھے۔ شیریں کو یہ چھوٹی سی بات کہہ کر پچھتاوا ہونے لگا جبکہ نہ سجاد کو شرمندہ کرنا مقصد تھا اور نہ خود کو ہلکا ثابت کرنا۔ پھر بھی دل کے کسی کونے میں چھپی آرزو زبان پر آکر دونوں کام کر گئی تھی' بہرحال...

"اور آفس کی سنائو آج کیسا رہا؟"

اپنی فطری خوداعتمادی کے سہارے وہ اس ٹین ایجرز والی جھینپ سے باہر نکل ہی آئی۔

"آفس میں سب خیر رہی' تم نہیں آئی تھیں۔ بس یہی کمی محسوس ہوتی رہی۔ سب سے زیادہ تمہاری مسز ہاشمی' اٹھتے بیٹھتے یاد کرتی رہیں۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"ہاں اُن کا تو فون آ گیا تھا میرے پاس۔ فوراً ہی فکرمند ہو جاتی ہیں میرے لئے۔ تمہاری کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے سجاد اور منگواتی ہوں۔" شیریں نے ملازم کو آواز دینا چاہی۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے ایک بڑے سے گھونٹ سے اپنا کپ ختم کیا اور کھڑے ہو گئے۔ "بس چلتا ہوں اب۔ بارش تیز ہو رہی ہے پھر سے۔ جگہ جگہ پانی کھڑا ہو جائے گا۔ کہیں راستے میں کوئی مسئلہ نہ ہو جائے۔"

ابھی تھوڑی دیر پہلے جس موسلادھار بارش کا سلسلہ رکا تھا وہ شاید پھر سے شروع ہونے والا تھا۔ لائونج کے شیشوں سے پار تیزی سے پڑتی بوندیں یہی اشارہ دے رہی تھیں۔

"میرے خیال میں تو بارش کو ذرا تھمنے دو پھر..."

"نہیں' یہ ابھی جلدی رکنے والی نہیں ہے۔ بہت گہرے بادل ہیں اور پھر یہاں سے نارتھ کا راستہ بھی اچھا خاصا ہے۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔ شیریں نے بھی دوبارہ اپنی بات پر اصرار نہیں کیا۔

"بس تم باہر تک مت آئو۔ بے کار میں بھیگو گی۔ میں چلا جائوں گا۔" شیریں کو لائونج کے دروازے پر ہی روکتے ہوئے وہ سیڑھیاں اتر رہے تھے کہ دفعتاً کچھ یاد آنے پر واپس پلٹے۔

"اور اب میرے کمرے کی کھڑکی سے ہمارے "شاہی باغ" کا نظارہ کرنا تم پر ڈیو ہو چکا ہے۔ میں اور میرے کمرے کی کھڑکی دونوں ہی تمہارا انتظار کریں گے۔"

اپنی بات کہہ کر وہ فوراً ہی پلٹ گئے۔

شیریں زور سے ہنس پڑی۔

سجاد نے بغیر پیچھے مڑ کر دیکھے ہاتھ ہلا کر ''خدا حافظ'' کا اشارہ کیا اور تقریباً دوڑتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

تیز ہوا کے جھونکے پانی کی بوچھاڑ کو اندر تک لئے آ رہے تھے۔ شیریں نے لاؤنج کا دروازہ بند کیا تو بارش شفاف شیشوں پر برسنے لگی۔ دن کی روشنی کم سے کم ہوتی جا رہی تھی۔

سجاد نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن کیں تو سائیڈ میں بنے ہوئے کیبن میں سے چوکیدار نکل کر تیزی سے گیٹ کھولنے کے لئے لپکا۔ سارا منظر اب دھندلاتا جا رہا تھا۔ پھر بھی وہ تب تک دیکھے گئی جب تک سجاد کی گاڑی گیٹ سے باہر نہیں نکل گئی۔

''تم نے روکا نہیں سجاد کو رات کے کھانے پر؟''

ممی کی آواز پر وہ کچھ چونک کر مڑی۔

ممی بالکل پیچھے ہی آ کھڑی ہوئی تھیں اور اس سیدھے سادے سوال کو بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہی تھیں۔

''رات کے کھانے میں تو ابھی کافی وقت پڑا ہے ممی' سجاد کا گھر یہاں سے کتنا دور ہے اور پھر موسم بھی...''

شیریں نے بڑے مدلل سے انداز میں ایک سے زائد جواز پیش کرنا چاہا ہے۔ مگر ان کے لئے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں تھا۔

''ذرا سی بارش ہی تو ہے۔ یہاں تو لوگ چار بوندیں پڑتے ہی بوکھلا جاتے ہیں۔ میں نے اور تمہارے پاپا نے تو کتنے ہی سال ڈھاکہ میں گزارے تھے۔ ایسی طوفانی بارشیں کہ بس خدا کی پناہ۔ آج کے دور جیسی سہولتیں بھی نہیں تھیں مگر پر بھی۔

انہیں خود ہی شاید احساس ہوا کہ وہ اصل موضوع سے ہٹ رہی ہیں۔ سو کوئی پرانا قصہ سناتے سناتے رک سی گئیں ورنہ جو ضروری بات انہوں نے شیریں سے کرنی تھی' وہ کہیں پیچھے ہی رہ جاتی۔

''سجاد سے ذکر کیا تم نے؟''

''کیسا ذکر...؟''

کافی کے خالی ہوتے کپ واپس ٹرے میں رکھتے ہوئے شیریں نے جس لاپروائی سے ان سے یہ الٹا سوال کیا' وہ تلملا ہی گئیں۔

''تمہارے لئے آئے پرپوزل کا ذکر اور کیا؟ کتنے دن سے کہہ رہی ہوں کہ سجاد سے باتوں باتوں میں کہہ دو کہ میں اس بار تمہاری شادی کے لئے کس قدر سنجیدہ ہو چکی ہوں اور سنجیدہ بھی کیا مجھ پر تو اب وحشت سی سوار ہے۔ خدا ہی جانے یہ مسئلہ کس طرح جا کر حل ہو گا۔''

اس مسئلہ کا کوئی شافی حل شیریں کے پاس بھی نہیں تھا' لیکن جو حل ممی نکالنا چاہ رہی تھیں اس پر عمل پیرا ہونا بھی بے حد توہین آمیز لگتا تھا۔ دبے لفظوں میں کئی بار یہ بات اس نے ان سے کہی تھی۔ ایک بار پھر کہہ دی۔

''اچھا نہیں لگتا۔ سجاد کے ساتھ اس طرح کے موضوع چھیڑنا کتنا آکورڈ سا محسوس ہوتا ہے۔ آپ خود سوچیں' میری اور اس کی دوستی کتنی پرانی ہے پھر بھی ہم لوگ ایک دوسرے کے پرسنل معاملات کو وہیں تک ڈسکس کرتے ہیں جہاں تک مناسب ہوتا ہے۔''

یہ ایک پرانی بحث تھی اور ممی ہمیشہ کی طرح اس کی کسی ایک بات سے بھی متاثر نہیں ہو رہی تھیں۔ انہیں اب اس سارے معاملے کا کوئی حتمی نتیجہ درکار تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے' مجھے جو بہتر لگتا ہے وہ کرنے دو۔ میں ڈاکٹر احمد کی والدہ کو رضامندی کا فون کر دیتی ہوں۔ بے چاری بار بار پوچھ رہی ہیں۔''

شیریں نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

ساری قابلیت اور سمجھداری ممی کے سامنے دھری کی دھری رہ جاتی تھی۔ ادھوری دلیلیں اور کمزور جواز۔ کوئی مضبوط سا سرا کبھی ہاتھ ہی نہیں آپاتا تھا۔ اس وقت بھی جب ممی یہ "اہم اعلان" کر چکیں تو وہ انہیں پھر سے ناراض کرنے کا اہتمام کر بیٹھی۔

"مجھے نہیں کرنی شادی۔ آپ اس موضوع کو ختم کیوں نہیں کرتی ہیں اور اب تو وقت ویسے بھی بہت پیچھے چلا گیا ہے ممی۔"

ممی خلاف توقع نہ بھڑکیں' نہ خفا ہوئیں۔ شیریں کے لہجے میں جو ایک گہری اداسی سی اترتی انہوں نے محسوس کی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لئے بالکل ہی خاموش کر دینے والی تھی۔

"کیا گورکھ دھندا ہے قسمت کا بھی۔ نہ سمجھ میں آنے والا۔ چاہے کتنی بھی جان مار لو۔" انہوں نے اپنی حسین و جمیل بیٹی پر ایک گہری نگاہ ڈالتے ہوئے سوچا۔ "ایک سے ایک نالائق نکمی لڑکی تک بیاہی جاتی ہے اور یہاں؟"

اس سوالیہ نشان کے آگے انہیں ڈھیر سارے پچھتاوے گھیرنے لگتے تھے اور ان پچھتاؤں کے آگے غصہ' سو وہ ایک بار پھر خفا ہو ہی گئیں' شیریں سے بھی اور خود سے بھی۔

"ساری غلطی میری ہے۔ کر دیتی اپنی مرضی سے تمہاری شادی تو اب کس بات کی پریشانی تھی مگر میں تو تمہارے بار بار کے انکار پر اسی خوش فہمی میں مبتلا رہی کہ چلو اچھا ہے یہ فیصلہ تمہاری مرضی کے مطابق ہو۔ دونوں سمجھدار ہو' شروع سے انڈر سٹینڈنگ ہے' آگے بھی..."

"ممی پلیز۔" شیریں کا چہرہ خفت سے سرخ پڑنے لگا۔ "کتنی بار بتا چکی ہوں کہ سجاد اور میرے بیچ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ معلوم نہیں آپ خود سے کیا کچھ فرض کرے بیٹھی ہیں۔" ممی پچھلے چند ماہ میں اپنے اس خیال کا اظہار اتنی بار کر چکی تھیں کہ ان کے نزدیک وہ اب یقین کا روپ دھار چکا تھا۔

"کوئی بات نہیں تھی تو پھر اتنے عرصے سے ہر رشتے پر انکار' سجاد سے اتنا ملنا ملانا' یہ سب کیا ہے آخر۔ ہمارے گھر میں وہ ایک گھر کے فرد کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور اب تم کہتی ہو کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ کیا سمجھتی ہو دنیا اندھی ہے۔ کچھ نہیں دیکھ رہی۔ تمہارے اور سجاد کے حوالے سے اب تک کتنی باتیں بنی ہوں گی' اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات پوری کرتے ہوئے انہوں نے لہجے میں آئی تلخی کو چھپانے کی ذرا بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

ان کی باتوں میں وزن تھا' سچائی تھی۔ جب بھی وہ یہ موضوع چھیڑتیں شیریں کے لئے بچاؤ مشکل ہو جاتا۔ خود اس تک بھی بہت کچھ پہنچ جاتا تھا۔ مگر سوائے دل جلانے کے اور کیا کیا جا سکتا تھا۔

اسے یوں خاموش سا بیٹھا دیکھ کر انہیں پھر سے ترس آنے لگا۔ "ایک بار صاف بات کر کے تو دیکھو سجاد سے۔ پتہ تو چلے اس کے دل میں آخر کیا ہے؟ کم از کم ان پرپوزلز کا ذکر ہی چھیڑ کر دیکھو' اگر اس کے دل میں خود کوئی ایسی بات ہو گی تو وہ فوراً ہی..."

شیریں ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر بنا ایک لفظ کہے لائونج سے باہر چلی گئی۔ ان کی بات ایک بار پھر ادھوری ہی رہ گئی۔ ادھوری باتیں' ادھوری امیدیں۔

زندگی کا ادھورا پن بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

...☆☆☆...

اس روز اتفاق سے سکول میں بریک کے بعد کے دو پیریڈ فری مل گئے۔

کوئی انٹر اسکولز مقابلوں کا سلسلہ شروع ہونے والا تھا۔اسی سلسلے میں لڑکیوں کو تقریری مقابلے کی تیاری کرائی جارہی تھی۔نازی موقع غنیمت جان کر میتھس کی چیک ہونے والی کاپیاں لے کر سٹاف روم میں آبیٹھی۔

وہاں آج معمول سے زیادہ رونق تھی۔سب ہی کو یہ اتفاقاً ملنے والی ''وقتی چھٹی'' اطمینان بخش رہی تھی۔

''اس وقت یہ بور کام کیوں لے کر بیٹھ رہی ہیں مس نازنین' آئیں تھوڑا انجوائے ہی کریں۔''

ابھی اس نے پہلی ہی کاپی کھولی تھی کہ ایک طرف سے بڑی فراخ دلی کے ساتھ دعوت دی گئی۔نازی کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔

چند ساتھی ٹیچرز میز پر چھولے اور پیٹیز سجائے ضیافت کے موڈ میں تھیں۔

''آجائیں' بڑے گرم پیٹیز ہیں اور ابھی چائے بھی آرہی ہے؟''

نازی کو سکول ٹائم میں کچھ کھانے کی عادت نہیں تھی۔بس چائے پی لیتی تھی یا کبھی رعنا کے اصرار پر کچھ لینا پڑ جاتا۔اس وقت بالکل بھی موڈ نہیں تھا۔سو یہ دعوت شکریہ کے ساتھ لوٹانا پڑی۔

''بہت شکریہ مس سلمہ!یقین مانیں بالکل دل نہیں چاہ رہا کچھ کھانے کو۔ہاں آپ کی چائے ضرور پیوں گی۔''

''وہ پھر بھی اصرار کئے گئیں۔

''تھوڑا بہت تو لے لیا کریں۔بڑا عجیب سا لگتا ہے جب سب لوگ کھا پی رہے ہوں اور آپ ایسے ہی بیٹھی ہوئی ہیں۔''

چند ایک اور نے ان کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی۔

''لگتا ہے خود کو مین ٹین رکھنے کے خیال سے کھاتی پیتی نہیں ہیں۔ظاہر ہے اس طرح کی بازاری چیزوں سے تو وزن بھی بڑھتا ہے اور اسکن بھی خراب ہونے لگتی ہے۔''

تجزیہ نگاروں کی کمی یہاں بھی نہیں تھی۔''اچھی بات ہے' خیال رکھنا بھی چاہئے۔ہماری طرح نہیں کہ صبح اٹھ کر جو منہ دھلتا ہے تو پھر اگلی صبح ہی دھلنا نصیب ہوتا ہے۔سارے گھر کی ذمہ داری ایک اکیلے انسان پر ہو تو کہاں ہوش رہتا ہے۔''

مس روشن کو ہمیشہ ہی حالات کا گلہ رہتا تھا۔کسی بھی موقع پر نہیں چوکتی تھیں۔

نازی کا دل بھی چاہا کہ پوچھ لے کہ ''کیا نماز بھی نہیں پڑھتی ہیں؟''

بات کا رخ خود بخود دوسری طرف مڑنے لگا۔وقت بے وقت کھانے کے نقصانات پر بحث شروع ہونے لگی۔سٹاف میں چند سینئر ٹیچرز کو چھوڑ کر زیادہ تر تعداد غیر شادی شدہ تھی۔سب ہی کو اپنے اپنے طور پر اسمارٹ دکھائی دینے کا خیال رہتا تھا۔مگر سکول کے معمولات میں کھانے پینے کی بے احتیاطی ہوتی ہی رہتی تھی۔

یہ بات ماننے سے سب ہی انکاری تھے۔

مس سلمیٰ عموماً سب ہی کی ترجمانی کر دیا کرتی تھی۔''قدرتی طور پر ہوتا ہے موٹا یا دبلا ہونا۔ہم تو نہیں بھی کھائیں گے تو وزن پر فرق نہیں پڑتا۔بہت سے لوگ چاہے کتنا بھی کھاتے پیتے رہیں بالکل دبلے پتلے رہتے ہیں اور بھئی ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جب سارا دن بھاگ دوڑیں گزاریں گے تو یوں ہی تو نہیں رہا جا سکتا۔'' اپنے تیزی سے بڑھتے ہوئے ویٹ پر سے اپنی توجہ ہٹانے کے لئے وہ اسی قسم کی باتوں کا سہارا لیتی تھیں۔نازی کو خود بھی اندازہ تھا کہ آدھا دن سکول اور بسوں کے انتظار میں گزار لینے کے بعد تھکن لازمی تھی۔

ان لوگوں کو دوبارہ اپنی باتوں میں مشغول ہوتا دیکھ کر اس نے پھر سے توجہ ہاتھ میں تھامی کاپی کی طرف مبذول کی۔

اس بار بنا کسی مداخلت کے اچھی خاصی کاپیاں چیک ہوتی چلی گئیں۔ سلسلہ چائے کی آمد کے ساتھ ٹوٹا۔

''اب تو آجائیں مس نازنین کم از کم چائے ہی ہمارے ساتھ پی لیں۔''

مس سلمیٰ کی مہمان نوازی عروج پر تھی اور اب اس دفعہ منع کرنا سخت بداخلاقی۔

نازی کو کاپیاں ایک طرف کر کے اٹھنا ہی پڑا۔ داخلی دروازے سے رعنا بھی اندر داخل ہو رہی تھی۔

نازی کے لبوں پر خود بخود ہی مسکراہٹ پھیل گئی۔

رعنا اس کی سب سے پرانی اور سب سے گہری دوست تھی۔ سکول سے لے کر کالج اور پھر یونیورسٹی تک تو ساتھ تھا ہی' ٹیچنگ لائن میں بھی دونوں مشترکہ فیصلے کے ساتھ آئی تھیں۔ رعنا کے بڑے بھائی ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں تھے۔ ان کی کوشش سے پوسٹنگ بھی ایک ہی سکول میں مل گئی تھی۔

رعنا کو آتا دیکھ کر ہی سب کو اس کی غیر حاضری یاد آئی۔

رعنا ساتویں کلاس کی بچیوں کو جنرل نالج کے مقابلے کی تیاری کروا رہی تھی۔ جواباً اس کی تفصیل بتانے لگی تو مس سلمیٰ نے بیچ میں ہی سے بات کاٹ دی۔

''یہ تیاریاں تو سپورٹس ٹیچر اور لائبریرین وغیرہ کے سپرد ہی رکھنا ٹھیک ہے۔ ہم لوگوں کو کہاں اتنی فرصت ہوتی ہے کہ کلاسز بھی لیں اور یہاں بھی وقت صرف کریں۔ کیوں مس نازنین ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

ویسے تو انہیں کسی بات کو کہہ کر دوسرے کی تائید کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی تھی' مگر رعنا کا معاملہ دوسرا تھا۔ ایک تو وہ فطرتاً کچھ زیادہ صاف گو تھی اور دوسرے اتنے سالوں میں اسکے بھائی بھی ایجوکیشن کے محکمے میں اب تک کافی ترقی کر چکے تھے۔

نازی عام طور پر ان کی بات کی مخالفت کرتی بھی نہیں تھی۔ پر یوں کسی دوسرے کی کارکردگی کو ڈی گریڈ کرنا بھی اچھا نہیں لگا۔ وہ بھی سب کے بیچ میں بیٹھ کر دبے لفظوں میں کہہ ہی گئی۔

''ایسی بات نہیں ہے مس سلمیٰ ہر ایک کی ذمہ داری تقریباً برابر ہی ہوتی ہے۔ وہ بھی اتنا ہی وقت دیتے ہیں کام کو جتنا ہم اور سپورٹس ٹیچرز تو صرف دو ہیں پورے سکول کے لئے۔''

''واقعی' تین سیکشنز فی کلاس کے حساب سے دیکھا جائے تو بہت برڈن ہے ان لوگوں پر' روزانہ تقریباً چھ پیریڈ تو ایک کو لینے ہی پڑ جاتے ہیں۔'' کسی اور کے بھی دل کو بات لگی تو کہہ گئی۔

مس سلمیٰ پھر بھی اپنی بات پر ہی مصر رہیں۔ ''بھئی ٹھیک ہے ہماری طرح دماغ خالی کرنے سے تو بچی رہتی ہیں۔ کھلے میدان میں فرش ماحول میں سارا دن کھیلوں کی ہی پریکٹس ہوتی رہتی ہے۔ گھٹن کا تو احساس نہیں ہوتا۔ آپ لوگ ذرا میری کلاس آ کر دیکھیں۔ کس بری طرح بھری ہوئی ہے لڑکیوں سے' آدھی سے زیادہ لڑکیاں تو کھڑی رہتی ہیں سارا دن' بلیک بورڈ پر کچھ لکھنا ہو تو چار لڑکیوں کو اس کے سامنے سے ہٹانا پڑتا ہے۔''

کسی کے لئے بھی اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ تقریباً ساری ہی کلاسوں کی حالت یکساں تھی۔ رعنا نے لڑکیوں کو تیاری کرانے کی جو ذمہ داری لی تھی' بڑے دل سے لی تھی۔ مس سلمیٰ کے بیان پر تبصرہ کرنے کے بجائے وہ بڑے ذوق و شوق سے اسی کے بارے میں بتانے لگی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اس بار لڑکیوں نے بہت محنت کی ہے۔ خدا کرے ٹرافی جیت کر ہی آئیں۔ 1857ء سے 47ء تک کے دور کے بارے میں سوالات ہوں گے۔ اتنی چھوٹی بچیوں کی معلومات سنیں آپ لوگ تو حیران رہ جائیں گی۔ میری تو خود نالج میں اضافہ ہی ہوا ہے۔" محض چند ایک نے ہی رعنا کی بات کو دلچسپی سے سنا۔

ایک سینئر ٹیچر کسی نئی کمیٹی کے شروع ہونے کی اطلاع دے رہی تھیں۔ سو سب ہی ان کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ نازی اور رعنا آنکھوں ہی میں اشارہ کرتے ہوئے وہاں سے اٹھنے لگیں تو ان سے بھی پوچھا جانے لگا۔

"ارے آپ دونوں نہیں شامل ہو رہی ہیں کیا؟" دونوں ہی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

رعنا کو ضرورت نہیں تھی اور نازی پہلے ہی سے اتنی جگہ قسط بھر رہی تھی کہ اب مزید کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ دونوں اپنا اپنا کپ اٹھا کر واپس اسی میز پر آ گئیں' جہاں جانے سے پہلے نازی بیٹھ کر کاپیاں چیک کر رہی تھی۔

"اب پھر روز ایک نیا قصہ شروع رہا کرے گا۔"

رعنا بے زاری سے بڑبڑائی۔

نازی خاموش ہی رہی۔ کمیٹیوں کے سلسلے میں اسے خود یہاں کئی تلخ تجربات ہو چکے تھے۔

رعنا کو کچھ خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"تمہیں جو اس ماہ پچیس ہزار والی کمیٹی ملنی تھی' اب تک ملی نہیں ہے نا۔"

"وہ میں نے خود ہی نہیں لی ہے۔ اچھا ہے جتنی زیادہ سے زیادہ اتر جائے۔ مجھے تو ویسے بھی دِیا کی شادی کے لئے ہی چاہئے ہو گی۔

کاپی چیکنگ کا سلسلہ دوبارہ جوڑتے ہوئے وہ بڑے سرسری سے انداز میں بتا رہی تھی تو رعنا ایک دم ہی دوسرے سوال پر آ گئی۔

"کیوں دِیا کے لئے ہی کیوں؟ تمہاری اپنی کوئی ضرورت نہیں ہے کیا؟"

اس کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا جو چونکا دینے والا تھا۔ نازی بھی اپنا کام کرتے کرتے رک سی گئی۔ "میری کیا ضرورت ہوتی ہے اور جو ہیں وہ آرام سے پوری ہو رہی ہیں اصل خرچہ تو دِیا کی شادی کا ہی ہے۔"

رعنا اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہو پائی تھی' جو خیال اس کے ذہن میں ابھر رہا تھا وہ تھوڑا سا تلخ سہی مگر اپنی پرانی دوستی کے بل پر کیا جا سکتا تھا۔

"پچھلے تین چار سال سے تمہاری ساری سیونگ دِیا کے لئے ہی ہو رہی ہے۔ حساب لگاؤ تو اچھا خاصا بڑا اماؤنٹ بن جاتا ہے۔ اگر اس سال دِیا کی شادی ہو بھی جاتی ہے تو تمہاری اگلے دو ڈھائی سال ابھی بھی یہی قسطیں بھرتے گزرنے ہیں۔"

جو بات وہ کہے جا رہی تھی' نازی کو تھوڑی سی حیرت میں مبتلا کرنے لگی۔

اُسے رعنا سے ایسی کسی بات کی توقع نہیں تھی' سو جیسے ہی خاموش ہوئی نازی فوراً ہی بول پڑی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو رعنا۔ اپنوں میں کوئی حساب کتاب ہوتا ہے؟ دِیا میری بہن ہے' یہ تھوڑے سے پیسے کیا اس سے بڑھ کر ہیں' پھر اُس کی شادی ظاہر ہے ہماری ذمہ داری ہے۔ اس میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی جا سکتی ہے۔"

"اور تمہاری۔" رعنا کی نگاہیں اُس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ "تمہاری شادی اسی دوران ہونے لگی تو تمہارے پاس اپنے لئے کیا بچے گا؟"

''میری کوئی نہیں ہورہی شادی وادی۔''

نازی سر جھٹکتے ہوئے ہلکے سے ہنس پڑی۔ ''اتنے سال سے نہیں ہوئی تو اب کیا آناً فاناً ہو جائے گی۔ تم بھی حد کرتی ہو رعنا' یعنی جو کام ہونے والا ہے اس کی فکر چھوڑ کریں محض ایک مفروضے کا سرا پکڑ کر دیا کے بجائے اپنا جہیز جمع کرنا شروع کردوں۔'' ہاتھ میں تھامی کاپی کی طرف دوبارہ متوجہ ہوتے ہوئے وہ مستقل ہی مسکرائے گئی۔ ''اور پھر امی ابا ہیں' خدا انہیں سلامت رکھے۔ایسی کوئی بات ہو تو وہ ہیں نا فکر کرنے کے لئے۔''

رعنا خاموش سی ہوگئی۔

شاید وہی غلطی پر تھی۔والدین کی محرومی کی وجہ سے عدم تحفظ کا شکار۔ ہلکی سی رنجیدگی کے ساتھ اس نے سوچا۔بہت قریبی رشتوں کو پرایا ہوتے دیکھ چکی تھی۔ سو اسی حوالے سے دیکھنے اور سوچنے کی عادی ہوتی جارہی تھی۔

نازی نے بھی اس کی سوچ جیسے پڑھ لی تھی۔رعنا کے خلوص کی وہ دل سے معترف تھی' مگر اس کی سوچ سے متفق ہونا ناممکن سا لگتا تھا۔

''مسعود کے آنے کا کچھ پروگرام بنا؟''

رعنا نے خود ہی موضوع بدل ڈالا۔

نازی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے پین کو بند کیا۔آخری کاپی بھی چیک ہوگئی تھی۔

''معلوم نہیں اس طرح کیوں کررہا ہے؟ جتنی اس کی اور دِیا کی انڈرسٹینڈنگ ہے' اسے دیکھتے ہوئے تو یہ کھنچاؤ بڑا عجیب الگ رہا ہے۔''

نازی حقیقتاً فکر مند تھی۔

بہت سارے دنوں سے اسماء پھوپھو کے گھرانے نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔

رعنا تسلی دینے لگی۔اس کے خیال میں یہ ایسی کوئی پریشانی والی بات نہیں تھی۔

''اتنی دور سے آنا کوئی آسان بات تو نہیں ہے۔ہو سکتا ہے اسے واقعی کوئی پرابلم ہو اور وہ کوئی آنے سے منع تو نہیں کررہا ہے۔ تھوڑے دن کی مہلت ہی تو مانگی ہے' آجائے گا انشاءاللہ۔اب نہیں تو دو چار ماہ بعد سہی۔''

نازی کے لئے اس ساری تسلی تشفی میں کوئی بات نہیں ہیں تھی۔ تھوڑے سے الٹ پھیر کے ساتھ یہی آموختہ دِیا بھی دہرارہی تھی آج کل' مگر اس کے واہمے کم ہونے میں نہیں آرہے تھے۔

''پتہ نہیں رعنا' پھوپھا اور مسعود کے انداز میں کچھ ایسا ہے جو مستقل کھٹک رہا ہے۔ایسا لگنے لگا ہے جیسے...؟''

نازی کو بات ادھوری ہی چھوڑنی پڑی۔

مس سلمیٰ دو ساتھی ٹیچرز کے ساتھ اٹھ کر ان ہی کی ٹیبل پر چلی آئی تھی۔یہ گفتگو جو ابھی تک آہستہ آہستہ جاری تھی' ان کی آمد پر منقطع کرنی پڑی۔

''آپ دونوں تو یہاں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئیں۔ہمارا مسئلہ تو حل کریں پلیز۔'' مس سلمیٰ کے بولنے کا انداز اکثر ہی نو عمر لڑکیوں کا سا ہونے لگا تھا۔خدا جانے یہ خوبی فطری تھی یا انہوں نے خود محنت کر کے کری ایٹ کی تھی۔

ایسے موقعوں پر بڑا لطف لیتی تھی۔اس وقت بھی اس کے لبوں پر بڑی بے ساختہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

نازی کو خدشہ ہونے لگا کہ وہ کوئی ایسا فقرہ نہ کہہ جائے جو مس سلمیٰ کو ناگوار گزرے۔اس لئے جلدی سے خود ہی پوچھ بیٹھی۔

''کیسا مسئلہ مس سلمیٰ خیر تو ہے۔''

وہ اپنی ڈائری کھول کر کچھ منہ ہی منہ میں گنتے ہوئے بولیں۔''ہماری کمیٹی میں تین ممبرز کی کمی ہو رہی ہے دو میں آپ لوگوں کے نام لکھ رہی ہوں ایک اور ڈھونڈنا پڑے گا۔''

''نہیں پلیز ہمیں مت شامل کریں۔ہم دونوں ہی نہیں ڈال سکتے ہیں ابھی۔''

نازی بوکھلا کر منع کرنے لگی مگر وہ محض اطلاع دینے ہی آئی تھیں' سودے کر اپنی ساتھیوں سمیت اسٹاف روم سے نکل گئیں۔شاید تیسرے ممبر کی تلاش میں۔

''اب کیا کریں۔میرے پاس تو بالکل بھی گنجائش نہیں ہے۔انہوں نے نام بھی لکھ لیا ہے۔''

نازی نے میز پر سے پرس اور فائل اٹھائی۔اگلا پیریڈ اسے نویں کلاس میں لینا تھا۔آج باتوں میں الجھ کر چند منٹ دیر ہو رہی تھی ورنہ تو وہ بیل لگنے سے پہلے ہی متعلقہ کلاس کے باہر جا کر کھڑی ہو جاتی تھی۔

''کیا ہوتا ہے لکھنے سے' لکھ لینے دو' ہمیں نہیں شامل ہونا ہے' بس اتنا کافی ہے۔'' رعنا بھی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔''ہر بات کو اتنا سیریسلی مت لے لیا کرو۔اچھا بازار چلو گی سکول سے فارغ ہونے کے بعد؟ کئی دن سے چکر نہیں لگا ہے۔''

''نہیں۔''

پل بھر کا بھی توقف کئے بغیر اس نے انکار کیا۔

''آج تو نہیں' گھر میں بہت سارے کام ہیں۔''

رعنا پوچھ ہی نہیں سکی کہ اچانک کون سے ایسے ضروری کام لاحق ہو گئے ہیں۔وہ تیز قدم اٹھاتی سٹاف روم سے باہر جا چکی تھی۔

لابی میں سے گزرتی نازی کا دھیان پھر سے گھر کی طرف جانے لگا۔

جہاں دیا اور امی دونوں اس سے خفا خفا سی تھیں۔اس کے لاکھ صفائی دے لینے کے باوجود بھی۔

رعنا کے پروگرام سے متفق ہونے پر ان دونوں کی خفگی اور بڑھ جانا تھی۔

یہ بہر حال اُسے پکا پتا تھا۔

...☆☆☆...

رات کو دیئے جانے والے ڈنر کی تفصیلات طے کرنا تھیں۔ایسی کوئی بڑی گیدرنگ نہیں تھی محض پندرہ لوگوں کے لئے بہت اچھا سا انتظام کرنا تھا۔آفس کی جاب کے ساتھ ساتھ اس سے متعلقہ سوشل سر گرمیوں کو نمٹانے کا بھی خاصا تجربہ ہو چکا تھا۔سو سمندر کے کنارے واقع اس ریسٹورنٹ میں سب سے مناسب جگہ پر ٹیبل اریجمنٹ کروانے اور کھانے کے مینوں کو فائنل کرنے میں اسے کچھ زیادہ دیر نہیں لگی۔

کائونٹر پر ایڈوانس پے منٹ کرنے کے بعد وہ ایک نظر دیکھنے پھر سے اس حصہ کی طرف چلا آیا جہاں رات کو سب کو اکٹھا ہونا تھا۔خوبصورت ڈائننگ ہال کا یہ گوشہ نسبتاً الگ تھلگ تھا۔شیشے کی شفاف دیوار کے اس پار تا حد نظر سمندر کی اٹھتی ہوئی لہریں نظر آ رہی تھیں۔

اسے خود ذاتی طور پر بھی یہ جگہ بڑی پسند تھی۔ کبھی کبھار جب دوستوں کے پیسے خرچ کرنے کے لئے دل چاہنے لگتا تھا تو وہ انہیں ہمیشہ ہی اصرار کر کے یہاں لے آتا۔

وہ سب شور ہی مچاتے رہ جاتے۔

''بہت مہنگا ہے یار! مہینے بھر کے پیسے خرچ ہو جاتے ہیں۔ صدر میں کہیں بیٹھ کر تکے کباب اور کڑاہی گوشت کھا لیں گے۔ یہاں سے زیادہ لذیذ اور بہت زیادہ سستا۔''

پر وہ ان کے دیئے ہوئے کسی لالچ میں نہ آتا اور وہ سب اُس کے اتنے پرانے اور گہرے دوست تھے کہ ہر بار اُسی کی مان لیتے۔

''پُرشور جگہوں پر بیٹھنے میں بھلا کیا مزا ہے اور صرف اچھا کھانا کھا لینا ہی تو کافی نہیں ہوتا۔ اصل چیز ہے سکون' اپنے اندر کا سکون' بس یہ سمجھا کرو کہ ہم یہاں بیٹھ کر اس سکون کی قیمت پے کر رہے ہیں جو یہاں کی خاموشی سے حاصل ہوتا ہے۔'' وہ ان کا غم غلط کرنے کے لئے دانشوری جھاڑے جاتا اور وہ سب منہ بناتے ہوئے سنے جاتے۔

اُسے سمندر ہمیشہ سے ہی فیسی نیٹ کرتا تھا۔

''اگر جو کبھی اللہ میاں نے ڈھیر سارے پیسے دے ہی ڈالے تو سی ویو پر ایک اپارٹمنٹ لازمی خریدنا ہے۔ بے شک بالکل چھوٹا سا ہو ایک یا دو کمروں کا ہی سہی۔''

یہ ارادے سارے قریبی لوگوں کے علم میں تھے۔

اس وقت بھی وہ تھوڑی سی دیر کے لئے ساری ذمہ داری' سارے مسئلے مسائل کو ایک طرف رکھ کر بڑی محویت سے سامنے سے اٹھتی موجوں کو تکتا رہا۔

موبائل کی بیل نہ ہوتی تو شاید کچھ وقت اور یوں ہی گزر جاتا۔ آفس سے فون تھا۔ چند منٹ بات کر کے وہ موبائل آف کرتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

تیز قدموں سے چلتا ہوا جب وہ پارکنگ ایریا میں کھڑی اپنی بائیک کی طرف جا رہا تھا تو ٹھٹک سا گیا۔ ''ارے فیضی۔ کیا حال ہیں بھئی۔''

کچھ قدم کے فاصلے پر کھڑے فیضی کو پلٹ کر دیکھنا پڑا۔ تب ہی عمر نے دیکھا کہ وہ اکیلا نہیں تھا اور وہ جو کوئی بھی اس کے ساتھ تھی' کم از کم ان کے گھرانے سے تعلق نہیں رکھتی تھی۔ وہاں کے سب مکینوں سے وہ بہت اچھی طرح واقف تھا۔ ''السلام علیکم عمر بھائی' آپ اس وقت یہاں۔'' فیضی کو آگے بڑھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھنا پڑ گیا۔ اسے در حقیقت حیرت ہوئی تھی۔ بارہ ساڑھے بارہ بجے دن میں' عموماً ایسی جگہوں پر کسی ملنے والے سے سامنے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہی ہوتا ہے۔

''سجاد صاحب کی کچھ لوگوں کے ساتھ رات کے کھانے پر میٹنگ ہے یہاں پر' بس اسی سلسلے میں آیا تھا۔''

فیضی نے بمشکل ہی اس کی بات پوری ہونے دی۔ ''وہ آج کل بابا کی طبیعت خراب ہے تھوڑی سی' اس لئے چاچا پر دہری ذمہ داری آئی ہوئی ہے۔ اپنے آفس سے فارغ ہو کر بابا کے آفس میں آ کر بیٹھتے ہیں۔ میری تو کئی دن سے ان سے ڈھنگ سے بات بھی نہیں ہو پائی ہے۔'' عمر کا بازو تھام کر تیز تیز بولتا ہوا وہ اسے غیر محسوس انداز میں چند قدم آگے تک لے گیا۔

عمر سجاد کی بیشتر مصروفیات کا ساتھی تھا' بلکہ بابا کے آفس کی حد تک تو وہی اس کا اسسٹنٹ بھی تھا اور اس پر وہ بڑے فخر کا اظہار بھی کرتا تھا۔ ''سجاد صاحب کی تو کیا بات ہے۔ سارا اسٹاف دعا کرتا ہے کہ کب وہ اپنی جاب چھوڑ کر مستقل طور پر ہمارے آفس میں آ جائیں۔ وہ ایسے شخص ہیں فیضی کی ان کا مقام سب کے دلوں میں ہے۔''

جتنی دیر میں عمر نے پورے خلوص کے ساتھ یہ مختصر سی بات کی' فیضی پیچھے مڑ کر دوبارہ دیکھ چکا تھا۔

عمر نے بھی نوٹ کیا۔

صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کی کوئی بھی بات دھیان سے نہیں سن رہا تھا۔ اُس کی ساری دلچسپی فی الوقت وہیں تھی' جہاں وہ خوش شکل لڑکی کھڑی مستقل اسی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ ''شاید وہ غلط وقت پر مخل ہوا ہے۔''

عمر نے سوچا۔

''میں چلتا ہوں فیضی ذرا جلدی میں ہوں۔ آفس واپس پہنچنا ہے۔''

فیضی کی پریشانی دور کرنے کے لئے اس نے رخصت لینے میں کچھ زیادہ ہی جلدی دکھائی' مگر وہ پھر بھی تھوڑا سا کنفیوز سا ہی محسوس ہو رہا تھا۔

''وہ عمر بھائی ایک بات کہنی تھی۔''

جب عمر مڑ رہا تھا تو فیضی نے ہچکچاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔ ''ہاں کہو نا۔'' وہ چلتے چلتے رکنے لگا۔

''چاچا سے میرا ذکر مت کیجئے گا' میرا مطلب ہے کہ یہاں میرا ملنا...''

بات صاف صاف سمجھ میں آ رہی تھی۔ عمر نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور پھر ایک لفظ مزید کہے بغیر اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

فیضی کے طرزِ عمل پر اسے اچھی خاصی حیرت تھی۔ خاص کر اس کے یوں منع کرنے کے بعد۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں وہ اپنی فرینڈز کو لے کر گھومنے لگا تھا۔ اگر ان کے گھرانے کے روایتی طور پر طریقوں سے وہ کسی حد تک آگاہ نہ ہوتا تو شاید اسے یہ حیرت نہ ہوتی' مگر یہاں معاملہ تھوڑا سا مختلف تھا۔

''دولتمندوں کی بگڑی ہوئی اولاد۔'' کہہ کر بات کو نظر انداز کرنا آسان نہیں تھا۔ مگر اسے تو بہر حال ایسا ہی کرنا تھا۔

''کون تھا یہ اور تم نے بھی اتنی دیر لگا دی باتوں میں۔'' فیضی کی ساتھی لڑکی اب ناگواری سے اس سے پوچھ رہی تھی۔ وہ شاید ابھی تک ذہنی طور پر حاضر نہیں تھا۔

تھوڑا سا چونک گیا۔

''ہاں' وہ۔''

''کیا ہاں' وہ' اتنی مشکل سے ٹائم نکالا ہے کہ کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کریں' تم یوں ہی ہر ایک سے دعا سلام کرنے کھڑے ہو جاتے ہو۔'' پام کے پودوں میں گھری داخلی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بھی وہ مستقل بڑبڑانے لگی۔

فیضی کو صفائی پیش کرنی پڑ رہی تھی۔

''بابا کے آفس کے خاص آدمی ہیں عمر بھائی اور چاچا کے تو بے حد نزدیک ہیں۔ ان سے اس طرح روڈلی پیش نہیں آ یا جا سکتا تھا۔ بات کو سمجھا کرو۔ اگر میں ان سے ٹھیک سے نہ ملتا اور وہ کچھ الٹا سیدھا جا کر آفس میں چاچا کے گوش گزار کر دیتے تو...''

''تو کیا...؟''

وہ ایک نزدیکی ٹیبل کی کرسی پر بیٹھے ہوئے تیزی سے فیضی کی بات کاٹ گئی۔ ''اچھا تھا ان تک یہ بات پہنچ جاتی، آخر تمہارے گھر والوں کے علم میں تو آنا ہی ہے تو پھر تم کیوں چھپانے پر تلے ہوئے ہو۔''

''میں کچھ نہیں چھپا رہا اور نہ چھپانا چاہتا ہوں، لیکن ابھی وقت نہیں آیا ہے یہ بات کرنے کا۔ ابھی میری تعلیم مکمل نہیں ہے۔ گھر والے کسی قیمت پر میری بات نہیں سنیں گے۔ کیا پتہ مجھے فی الفور کہیں باہر روانہ ہی کر دیں، انگلینڈ امریکہ وغیرہ وغیرہ۔''

فیضی بہت تحمل کے ساتھ اپنی بات سمجھانے لگا۔ اُس پر اثر بھی ہوا۔ چند لمحے پہلے کی جھنجلاہٹ، ہلکی سی پریشانی میں بدلنے لگی۔ ''ایسا مت کرنا فیضی پلیز، باہر جانے کی بات مت ماننا۔ اگر ایک دفعہ یہاں سے چلے گئے تو واپس آنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ ہمارے درمیان پھر سوائے وہم اور وسوسوں کے کچھ باقی نہیں رہ پائے گا۔'' کسی خیال کے زیرِ اثر اس کے لہجے میں ہلکی سی رنجیدگی جھلکنے لگی۔

''ایک بات کہہ رہا ہوں۔ کون سا جا ہی رہا ہوں۔ ایک بار یہاں پڑھائی ختم ہو جائے پھر شادی کر کے مزید پڑھنے کے لئے ضرور باہر جاؤں گا۔ تب تو اعتراض نہیں کرو گی نا۔''

فیضی کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ، ماحول کو کچھ سے کچھ کرنے لگی۔

''بس رہنے دو، یہ شیخ چلی والی باتیں، گھر والی پلاننگ کر کے بیٹھے رہو۔''

وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس بار انداز میں خفگی کے بجائے کچھ کچھ شرماہٹ سی تھی۔

''تم دیکھنا نوین میں تمہارے ہر خدشے کو مٹا دوں گا، جو تم چاہو گی اسی طرح ہو گا۔ بس مجھے تھوڑا سا وقت درکار ہے۔ تم مجھ پر بھروسہ رکھو۔ ایک وقت ضرور آئے گا۔ جب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

نوین ہلکے سے مسکرادی۔

''بھروسہ ہی تو ہے فیضی جو تمہارے ساتھ اس طرح چلی آئی ہوں۔ گھر والوں کے علم میں لائے بغیر۔ سچ کبھی کبھی تو بڑی شرمندگی سی ہونے لگتی ہے۔ ان سب سے بھی اور خود اپنے آپ سے بھی۔''

''اوں ہوں۔''

فیضی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی بات کو رد کیا۔ ''بے کار کی ٹینشن مت لیا کرو اور اس وقت کیا ہم یہی ڈیپریسنگ باتیں کرنے کے لئے اتنے دن بعد اکٹھے بیٹھے ہیں؟''

اپنی بات کہہ کر وہ مینو کارڈ اٹھا کر دیکھنے لگا۔ نوین خاموشی سے اس کی طرف دیکھے گئی۔ اسے فیضی پر پورا بھروسہ تھا۔ خود کو عقلِ کل سمجھ لینے کی جو غلط فہمی عام طور پر ہوتی ہے، وہی اسے بھی تھی۔

...☆☆☆...

چھوٹے سے گھر میں بڑی گہری خاموشی اتری ہوئی تھی۔ بالکل وہی جیسی کسی طوفان سے پہلے یا طوفان کے ٹل جانے کے بعد چھاتی ہے۔

یہاں یہ دو طوفانوں کے بیچ کا وقفہ تھی۔ برآمدے میں حسبِ معمول دو ہی افراد تھے۔ اماں اور ثانیہ۔

دونوں ہی چپ چاپ۔ اپنی اپنی سوچوں میں گم۔ اماں تو وقفے وقفے سے گہری سانس لے کر ثانیہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ رہی تھیں، لیکن ثانیہ کو تو شاید ان کی وہاں موجودگی کا شاید احساس بھی باقی نہیں رہا تھا۔

تخت کے بالکل سامنے والی کرسی پر سر جھکائے وہ بڑی دیر سے بالکل ایک سی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔

اماں کو تو صاف طور پر اس کا چہرہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ نگاہ گھنے سیاہ بالوں میں الجھ کر رہ جاتی تھی۔

پتہ نہیں اتنی دیر میں اس کی گردن میں کہیں دکھن نہ ہونے لگی ہو۔ یہ خیال بار بار بے چین کرنے لگا تو ذرا دیر پہلے سنی جانے والی ساری تکلیف دہ باتیں پس پشت جانے لگیں۔

''ثانی، سیدھے ہو کر بیٹھ جائو بیٹا۔''

وہ کچھ بے قرار ہو کر کہہ ہی گئیں۔

ایک بار پھر دوسری بار۔

اس نے آخر سن ہی لیا۔

جھکا ہوا سر اوپر اٹھا تو اماں کو اس کا چہرہ صاف طور پر نظر آ ہی گیا۔

پہلی نظر میں ہی اس کا اترا ہوا چہرہ اور خشک آنکھیں ان کا دل بری طرح دکھا گئیں۔ وہ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر دل کھول کر آنسو بہا لینے کا شوق پورا کر لیتی تھی، آج اپنے اس مشغلے سے بھی دستبردار تھی۔

''یہاں اوپر میرے پاس آئو۔''

اماں نے اسے نزدیک بلایا تو وہ سعادت مندی سے بنا کوئی لفظ کہے اٹھ کر ان کے قریب رکھے گائو تکئیے پر سر رکھ کر نیم دراز ہو گئی۔ ''بے کار میں دل پر مت لو، تمہاری ممانی کی تو عادت ہے جو منہ میں آیا کہہ ڈالا۔ ایسے لوگوں کی باتوں کو محسوس نہیں کیا کرتے۔ میں آج جمیل سے بات کروں گی، اب تک میں نے کوئی شکایت نہیں کی تھی ورنہ وہ بیوی کا مزاج ٹھیک کر چکا ہوتا، مگر اب تم دیکھنا۔'' معلوم نہیں وہ خود کو تسلی دے رہی تھیں یا ثانیہ کو، وہ بہر حال انہیں اسی طرح خالی خالی نگاہوں سے دیکھے گئی۔

کانوں کے قریب ابھی تک کچھ دیر پہلے سنے گئے جملوں کی بازگشت باقی تھی۔

''ہمارے ٹکڑے کھانے والوں کو ہماری ہی اولاد کی برابری کی سوجھی ہے۔ بڑی لائق فائق بننے چلے ہیں۔ ہم نے کیا یتیموں اور لاوارثوں کا ادارہ کھول رکھنا ہے جو ہمارے سر پر آ کر ماں بیٹیاں بیٹھ گئی ہیں ارے اتنی بڑی دنیا پڑی ہے جہاں سینگ سمائیں چلے جائو وہیں...''

بے چین سی ہو کر وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔ ''کیا ہو گیا ہے؟'' اُن کے منہ سے بے اختیار ہی نکلا۔

ثانیہ نے ایک خاموش سی نظر اُن کی طرف ڈالی اور پھر دوبارہ گائو تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

اماں اس ایک نظر کے زیر اثر خود سے شرمندہ ہونے لگیں۔

جو کچھ ہوا تھا۔ ان کے سامنے ہی ہوا تھا۔ ممانی کی قہر آلود نظریں اور جملے، لبنیٰ کے جارحانہ تیور جو سب کے سب ثانیہ کا کتنی دیر گھیرائو کئے رہے تھے۔ وہ سب اتنی جلدی بھولنے والی چیز نہیں تھے۔

بلکہ شاید کبھی بھی نہیں بھلائے جا سکتے تھے۔

وہاں نواب شاہ کے اس چھوٹے سے گھر میں زندگی گزارتے ہوئے انہیں کبھی گمان تک بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ ثانیہ سمیت کبھی یوں رگیدی جائیں گی اور یہ سب کچھ جوان کے لئے اس قدر تکلیف دہ ہے' وہ ثانیہ کی کم عمری اور سادہ دلی کے لئے کس قدر ناقابل برداشت ثابت ہو رہا ہو گا۔

انہیں یک دم ہی ڈر سا لگنے لگا۔

''ثانی۔'' نرمی سے اس کے بالوں کو سمیٹتے ہوئے وہ ایک فوری فیصلے پر پہنچ ہی گئیں۔

''ہم لوگ کل ہی نواب شاہ واپس چلے چلتے ہیں۔ اچھا بھلا ہمارا اپنا گھر ہے وہاں۔ اپنا محلہ تمہاری ساری سہیلیاں' وہاں بھی تو آخر لڑکیاں پڑھ ہی رہی ہیں۔ تم بھی کچھ نہ کچھ کر ہی لینا۔ نہ کوئی

پریشانی' نہ آئے دن کی چخ چخ' بہت آرام سے رہ لیں گے' بے کار ہی آئے یہاں تو۔''

بنا درمیاں میں رکے وہ دھیرے دھیرے کہتی چلی گئیں۔ ثانیہ نے انہیں خلاف معمول ایک بار بھی بیچ میں ہی ٹوکا تھا۔ انہیں خود بخود ہی خوش فہمی ہونے لگی تھی جیسے وہ ان کے کہے ہر لفظ سے متفق ہو رہی ہے۔

''اٹھ کر اپنا سامان ٹھیک ٹھاک کر لو۔ جمیل کے آنے سے پہلے وہ ہمیں کل ہی کی ٹرین میں بٹھادے گا۔ یوں تو شہزاد کو ابھی فون کر دوں تو اس کی ماں کھڑے کھڑے روانہ کر دے گی اسے ہمیں لے آنے کے لئے مگر کیا فائدہ' اپنے شہر ہی تو واپس جانا ہے۔ ہم دونوں آرام سے پہنچ جائیں گے۔ بس رات کو فون کر کے اتنا ضرور کہہ دیں گے کہ وہاں سٹیشن پر ہمیں لینے آجائے۔ سامان وغیرہ اچھی طرح اتروالے گا۔ بڑا ہی بھلا اور محبت کرنے والا بچہ ہے۔ کس ذمہ داری سے ہمیں یہاں تک پہنچا کر گیا تھا۔''

اپنے طور پر جب وہ واپسی کے اس سفر کو فائنل کر دینے کے بعد شہزاد کی سابقہ خدمات کو خراج تحسین پیش کر چکی۔ تب ہی ثانیہ نے بڑی دیر سے بند آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا۔

''ہم کہیں نہیں جارہے اماں' ہم یہیں رہیں گے کراچی میں۔''

اتنے اٹل انداز میں اس نے آج سے پہلے شاید ہی کبھی کوئی بات کہی تھی۔

اماں بالکل ہی ہکا بکا سی ہوئی اسے دیکھنے لگیں۔ ان کے خلاف میں تو نواب شاہ واپس جانے کی تجویز پر وہ اپنا سارا رنج بھول کر فٹافٹ سامان پیک کرنے کے لئے کھڑی ہو جائے گی۔

مگر اب تک جس تواتر سے اُن کے اندازے غلط ثابت ہوتے آرہے تھے' یہ اسی میں مزید ایک اور اضافہ تھا۔

''اور آپ میری بالکل فکر نہیں کریں۔ مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا ممانی اور لبنیٰ کی باتوں سے۔'' اپنے بالوں کو سمیٹتی ہوئی وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''ممانی کو یہی اعتراض ہے نا کہ میں لبنیٰ کا انسٹی ٹیوٹ نہ جوائن کروں' نہیں کروں گی۔ بس اتنی سی بات ہے۔ باقی کراچی میں کوئی کمی تو نہیں ہے انسٹی ٹیوٹس کی' جگہ جگہ کھلے ہوئے ہیں۔ یہ تو ماموں کی خواہش تھی کہ میں وہیں لبنیٰ کے ساتھ جانا شروع کر دوں ورنہ میں تو خود بھی نہیں چاہتی تھی کہ ہم دونوں ایک ہی جگہ پر جائیں۔ خوامخواہ روزانہ ہی کوئی نہ کوئی بات اٹھتی رہے گی۔''

وہ بالکل نارمل سے انداز میں انہیں اس طرح سمجھا رہی تھی جیسے ابھی کچھ دیر پہلے ان دو خواتین کی طرف سے ہونے والی ''عزت افزائی'' اس کے بجائے کسی اور کی ہوئی تھی۔

نہ کوئی آنسو اور نہ گلے شکوے اور نہ کسی بھی تکلیف دہ بات کی ریپیٹیشن۔ حد تو یہ کہ آواز میں لرزش یا نمی کے احساس کا شائبہ تک بھی نہیں۔

یہاں آنے کے بعد سے انہیں ثانیہ کے روّیے پر کبھی کبھی یوں ہی گمان سا ہونے لگا تھا جیسے اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اس وقت یہ گمان یقین کی شکل اختیار کرنے لگا۔

”لیٹ جائو‘ ابھی کچھ دیر آرام کرو‘ پھر بات کریں گے۔“

تھوڑا سا خوفزدہ ہوتے ہوئے‘ انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے لٹانا چاہا۔ مگر اس نے نرمی سے ان کا ہاتھ پیچھے کر دیا۔

”دل نہیں چاہ رہا اماں۔ آپ لیٹ جائیں بہت دیر سے ایک ہی پہلو سے بیٹھی ہوئی ہیں۔“

پوری طرح سے اس کی بات ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ سامنے والے کمرے سے لبنیٰ باہر آئی۔

یہاں کا منظر اس کے لئے بھی اتنا ہی حیرت انگیز تھا۔

دھواں دھار آنسو بہاتی ثانیہ اور پلو سے آنکھیں صاف کرتی اماں۔

ایسا کچھ بھی یہاں نہیں ہو رہا تھا۔ پل بھر کے لئے تو وہ بری طرح سے گڑبڑائی سی محسوس ہوئی۔

”کیا بات ہے لبنیٰ‘ کچھ کام ہے کیا؟“

تخت پر سے اٹھ کر کھڑے ہوئے وہ اسی اطمینان سے اب لبنیٰ سے پوچھ رہی تھی جو اماں اور لبنیٰ دونوں کو حیران کئے دے رہا تھا۔

”کام... وہ...“

لبنیٰ کچھ کہتے کہتے اٹک سی گئی۔

فوری طور پر یہ طے ہی نہیں ہو پا رہا تھا کہ اُسے کس کام کیلئے کہا جائے۔ ثانیہ نے یہ مشکل خود ہی آسان کر دی۔

”چائے بنا لیتی ہوں‘ ٹائم بھی ہو رہا ہے تم بھی پیئو گی نا؟“

اپنی بات کہتی ہوئی وہ کچن کی طرف چلی بھی گئی بنا لبنیٰ کا جواب سنے۔

بہت دیر بعد اماں کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلنا شروع ہوئی‘ جسے چھپانے کے لئے انہوں نے لبنیٰ کی طرف سے ذرا سا رخ پھیرتے ہوئے اپنی تسبیح اٹھالی۔ ویسے بھی اس وقت ان کا اپنا بھاوج اور بھتیجے دونوں ہی کی شکل دیکھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

لبنیٰ مڑ کر تیزی سے واپس اندر چلی گئی۔

”کس درجہ کی ڈھیٹ ہے یہ ثانیہ‘ اتنی بے عزتی کروا کر بھی تسلی نہیں ہوئی‘ ہمیں تو کوئی ایک لفظ کہہ دے تو ہفتوں دل دکھتا رہتا ہے‘ لیکن یہ تو‘ توبہ۔

والدہ ماجدہ کے سامنے باہر کی صورتحال گوش گزار کرتے ہوئے اس نے اپنی ”حساسیت“ کا ذکر بھی ضروری سمجھا۔

ممانی محض ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔ ان کا بی پی حقیقت میں بڑی جلدی جلدی شوٹ اپ کر جاتا تھا۔ اس وقت وہ جتنا شور شرابہ مچا کر بیٹھی تھیں‘ اس کے اثرات اب اپنی ذات پر محسوس بھی کر رہی تھیں۔ چند منٹ پہلے ہی بی پی کنٹرول کرنے کی ٹیبلٹ لی تھی۔ ایسے وقتوں میں انہیں اپنا آپ اور زیادہ مظلوم اور بے چارہ بے چارہ سا محسوس ہوتا تھا۔

متوسط آمدنی میں ذمہ داریوں کے انبار تلے دبا روایتی کریکٹر۔

ثانیہ جب ان کی چائے لے کر کمرے میں آئی تو ممانی لبنیٰ سے اپنی ایک اور خوبی بیان کر رہی تھیں۔

''ہمیں کبھی گھناپن اور چالا کیاں نہیں آئیں۔ یہاں تو جو دل میں آیا فوراً ہی کہہ ڈالا برے بنتے ہیں تو ہزار بار بنیں۔ کم از کم منافقت کا گناہ تو سر پہ لے کر دنیا سے نہیں جائیں گے۔ لوگوں کو خوف خدا ہے نہیں' بیٹھ کر سارا سارا دن بے شک تسبیحاں گھمائی جائیں لیکن یہ جو دوسروں کا حق کھایا جارہا ہے' اس کا حساب تو اللہ کے ہاں دینا ہی پڑے گا نا۔''

سائیڈ کی چھوٹی ٹیبل پر چائے کا کپ رکھتی ثانیہ کا ہاتھ ہلکے سے لرزا' مگر پھر فوراً ہی وہ خود کو کمپوز کر کے سیدھی کھڑی ہو گئی۔ ایک نظر ان دونوں کی طرف دیکھا' مگر وہ اسے بالکل نظر انداز کئے اپنی ہی ''توبہ توبہ'' میں مصروف تھیں۔ وہ بھی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ رات گئے جب جمیل ماموں کھانے کے ساتھ ساتھ گھر میں پھیلی خاموشی کے بارے میں بھی بہت سارے اندازے لگا کر فارغ ہوئے تھے تو ثانیہ کے پاس انہیں سنانے کے لئے ایک بالکل نئی بات تھی۔

''ماموں' میں اسی انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ نہیں لوں گی۔ یہیں کہیں قریب میں کوئی دوسری جگہ ایڈمیشن لے لوں گی۔ آپ منع نہیں کیجئے گا پلیز۔''

جمیل ماموں نے اماں سے بات کرتے کرتے سر اٹھا کر اُس کی طرف دیکھا اور پھر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ممانی اور لبنیٰ کی طرف۔ ثانیہ کی اس خواہش یا فرمائش کے پیچھے جو بھی سبب تھا' آج گھر میں چھائی اداسی سی خاموشی بھی وہی کارن تھا۔

''انہیں یہ انکشاف فوری طور پر ہوا تھا۔

...☆☆☆...

ادھ کھلے دروازے سے دھوپ ایک لمبی سی لکیر بناتی ہوئی کمرے کے وسط تک آرہی تھی۔ بشارت صاحب نے ایک نظر اُن سب کے چہروں پر ڈالی۔ ناشتہ ختم کیا جا چکا تھا۔ مگر جملہ حاضرین میں سے کوئی بھی خود کو فارغ ظاہر کرنے کے موڈ

میں نہیں تھا۔ سمیع اخبار کے پیچھے گم تھا اور وہ تینوں بہنیں بڑے انہماک سے چائے پینے میں مصروف تھیں۔ اُن کی پکڑ میں حسب معمول امی ہی آئیں جو ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

''یہ برتن ابھی تک یوں ہی رکھے ہیں' انہیں یہاں سے اُٹھا کر...'' وہ اپنی ہدایت بھی پوری نہیں کر پائی تھیں کہ بشارت صاحب نے ان کی بات کاٹ دی۔

''رہنے دو ابھی اور تم سے میں نے کہا بھی تھا کہ مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے مگر تمہاری مصروفیت ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی ہے۔''

ایک ہلکی سی تلخی کا احساس جو اُن کے لہجے میں امی سے بات کرتے ہوئے خود بخود جھلکنے لگتا تھا' اس وقت بھی نمایاں تھا۔

نازی اور نینی جو امی کی ادھوری بات پر ہی اُٹھ کھڑی ہو چکی تھیں' انہیں پھر سے بیٹھ جانے میں ہی عافیت نظر آئی۔

اب معلوم نہیں وہ کیا کہنے جارہے ہیں' جس کی تمہید ہی اتنے ناخوشگوار انداز میں باندھی گئی ہے۔

نازی نے ایک خاموش سی نگاہ قریب کھڑی امی پر ڈالتے ہوئے سوچا' اُسے ان پر بڑا رحم آتا تھا۔ خود کو ساری زندگی ہلکان کئے رکھنے کے بعد بھی وہ ابا کی نگاہ میں اپنی ذرا سی بھی اہمیت ثابت کرنے میں ہمیشہ فیل رہی تھیں۔ آج بھی جب وہ علی الصبح سے چھٹی کے دن کا سپیشل قسم کا ناشتہ تیار کرنے میں جتی رہی تھیں تو جواباً دو لفظوں کی تعریف بھی بشارت صاحب کی طرف سے نہیں سمیٹ پائی تھیں۔ امی کے بیٹھ جانے کے بعد بھی چند منٹ کے لئے خاموشی چھائی رہی۔

''اور اس وقت کیا کچھ زیر بحث لایا جاسکتا ہے؟''

خاموشی کے اس چھوٹے سے وقفے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نازی نے اندازہ لگانا چاہا۔

''گھر کے بڑھتے ہوئے اخراجات۔''

سمیع کی پڑھائی پر سے کم توجہی۔

نینی سے متعلق کوئی شکایت یا پھر دِیا اور مسعود کا مسئلہ۔''

آخری بات سب سے زیادہ پریشان کن تھی یا پھر شاید بنالی گئی تھی۔ جس وقت بھی اٹھتی شدید اور واضح اختلاف رائے کی وجہ سے تلخی پر ہی ختم ہوتی۔ ایک تھکن بھرے ہفتے کے گزرنے کے بعد چھٹی کے دن کی خوشگواریت بشارت صاحب کے نزدیک شاید کوئی بھی معنی نہیں رکھتی تھی۔ انہوں نے وہی ذکر چھیڑا جو سب سے زیادہ چبھن پیدا کر رہا تھا۔

''اسماء نے اب تک کوئی واضح جواب دیا یا نہیں؟'' انہوں نے بناء کسی کی طرف دیکھے بے حد دوٹوک انداز میں جو سوال پوچھا تھا۔ اس کا صحیح صحیح جواب سب ہی کو آتا تھا۔ مگر دینے کی ذمہ داری ایسے حالات میں سب امی پر ڈال دیتے تھے۔ اس وقت بھی سب ہی کی نظر باری باری اُن کی طرف ہی اٹھی۔ ''ابھی اس کی مسعود سے بات نہیں ہوئی ہے۔ کہہ رہی تھی بس ایک دو روز میں...''

''کتنے روز اور؟ دو مہینے سے اوپر ہو رہے ہیں میری اور اس کی بات ہوئے بھی۔ اُس کا بیٹا اسے بے وقوف بنا رہا ہے یا وہ ہمیں بنا رہی ہے۔ میری طرف سے پوچھ لینا اس سے۔'' وہ بے حد خفا سے دکھائی دینے لگے۔

امی نے جو بہت سمجھداری کے ساتھ مصالحتی بیان جاری کرنا چاہا تھا' اس کا کوئی بھی فائدہ نہ ہو سکا تھا۔

''کتنے دن ہو گئے ہیں اسماء کو یہاں آئے ہوئے؟'' اُن کے پے در پے سوالات سے امی بوکھلائی جا رہی تھیں۔ ہر جواب سے بشارت صاحب کے غصے کے مزید بڑھنے کا اندیشہ تھا۔

اسماء پھوپھو اُس دن کی گئیں پلٹ کر نہیں آئی تھیں۔ خود بشارت صاحب کو بھی علم تھا مگر اس بات کو سارے گھر کے سامنے اسی طرح جتایا جا سکتا تھا۔

''اسماء کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے کئی دن سے۔''

''اچھا۔''

مصنوعی سی حیرت کا جو فوری اظہار بشارت صاحب کی طرف سے ہوا تھا۔ اُس پر دِیا کو چھوڑ کر ان تینوں کے چہرے پر ہی مسکراہٹ آ گئی۔ جسے سمیع نے اخبار کی اوٹ کا فائدہ اٹھا کر چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

''پھر تو فون بھی تم ہی کرتی ہو گی آج کل' اس کی طبیعت پوچھنے کے بہانے۔ ویسے تکلیف کیا ہے اسے؟''

''ایک اور مشکل سوال۔''

کبھی کبھی وہ بالکل ہی ایسے محسوس ہونے لگتے تھے جیسے زبانی امتحان کے لئے آنے والا کسی دوسرے کالج کا پروفیسر' سخت گیر اور اجنبی جس کی طرف سے کسی بھی رعایت کی توقع نہیں بندھتی تھی۔

''کیا کریں پھر' انتظار ہی کر سکتے ہیں۔ بیٹی والے ہیں۔ اس طرح اکڑ کر بات خراب تو نہیں کی جا سکتی ہے نا۔''

امی اس بار تھوڑا سا چڑ ہی گئیں۔ انہیں دِیا کی ذہنی حالت کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ اُس کے سامنے اس موضوع کا چھڑنا ہی انہیں بری طرح کھلتا تھا۔ گھر میں صرف ایک وہی تھی جس کی پرواہ ہمیشہ انہوں نے بشارت صاحب سے زیادہ کی تھی۔

"اِن دقیانوسی باتوں کا زمانہ اب نہیں رہا ہے۔ تم بھی برائے مہربانی یہ گھسے پٹے جملے بولنا چھوڑ دو۔ ایسی ہی بات کر کر کے تم نے ان لوگوں کا دماغ خراب کیا ہے۔ ورنہ جس وقت انہیں رشتہ لینا تھا کس قدر خوشامد میں لگے رہتے تھے دونوں میاں بیوی اور وہ مسعود بھی۔ میری تو اس وقت بھی مرضی نہیں تھی مگر تمہارے مجبور کرنے پر مجھے ماننا پڑا تھا۔"

اپنے "نہ ماننے" کی اطلاع وہ پہلے بھی کئی بار دے چکے تھے۔ جس کی سراسر ذمہ داری امی پر تھی۔

خود امی کو اس رشتے پر مجبور کرنے والی دِیا تھی۔ یہ بات آج تک بھی کوئی بشارت صاحب کے سامنے نہیں دہرا پایا تھا۔

مسعود کے آنے نہ آنے کا مسئلہ جب بھی چھڑتا اچھا خاصا وقت لے لیتا۔ نینی کے پیپرز چل رہے تھے۔ سب سے پہلے وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرا پرسوں بوٹنی کا پریکٹیکل ہے۔" سارے گھر کو اُس کا ٹائم ٹیبل یاد تھا' پھر بھی اس نے دہرانا مناسب سمجھا۔

بشارت صاحب نے ایک لمحے کے لئے اُسے بڑے غور سے دیکھا۔

نینی بالکل سنجیدہ تھی۔ ابھی کچھ عرصے پہلے تک اُس کے چہرے سے جو بچگانہ پن جھلکتا تھا' اب وہ بالکل غائب ہو چکا تھا۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ فوراً ہی تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

وہ اس کی طرف سے اب بھی پوری طرح سے مطمئن نہیں تھے۔ ایک خلش تھی جو بے چین رکھتی تھی مگر مصلحتاً خاموش رہتے۔

گھر میں صرف سمیع تھا جو اُس روز کی اُن کی نینی سے خفگی سے لاعلم تھا۔ امی اور دِیا نے تو اسے بشارت صاحب کا وہم گردان کر اُسی وقت نظرانداز کر دیا تھا۔ نازی اُن جیسی لاپروائی تو نہیں برت سکی تھی' لیکن پھر بھی نینی کی طرف سے کوئی بڑی بدگمانی بہرحال اُسے بھی نہیں تھی۔

"اور تمہیں میں نے یہاں اخبار کے مطالعے کے لئے نہیں روکا ہے۔ گھر کے مسائل کے بارے میں سوچنا تمہارا بھی فرض بنتا ہے۔ کیا رائے ہے اس بارے میں' ہمیں مسعود کا اور کب تک انتظار کرنا چاہئے؟"

اس بار انہوں نے بالکل ہی غیر متوقع طور پر سمیع کو مخاطب کیا۔

سمیع اس قسم کے گھریلو اجلاس میں محض حاضری لگانے کی نیت سے بیٹھا کرتا تھا۔ سوچنا یا رائے دینا اُس کے خیال میں اُس کا کام تھا بھی نہیں۔ لیکن اب جو یہ رائے اُس سے طلب کی جا رہی تھی تو کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ "میرا خیال ہے جب تک مسعود بھائی آئیں ہمیں انتظار کرتے رہنا چاہئے۔"

اخبار کو تہہ کرتے ہوئے بڑے معتبر انداز میں اُس نے جو پہلا خیال دماغ میں آیا' وہی کہہ دیا۔

یہ بالکل وہی بات تھی جو امی بھی اتنے دن سے دہرائے جا رہی تھیں۔

بشارت صاحب کا جھنجلانا لازمی تھا۔

"نہ آئیں اگلے دس برس تک تمہارے مسعود بھائی پھر۔"

سمیع کو فوری طور پر اندازہ ہو گیا کہ وہ کچھ غلط بول گیا ہے۔ سو کچھ ازالہ کرنا بھی چاہا۔ "اتنے دن تو نہیں لگیں گے ابا' میرا خیال ہے کہ اس سال کے آخر تک آ ہی جائیں گے مسعود بھائی۔"

"یہی بات میں بھی کہہ رہی ہوں۔ اتنے دن سے تھوڑا سا وقت ان لوگوں کو دے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" امی کو بڑی مورل سپورٹ ملی تھی۔ سمیع کی حمایت سے، تھوڑی سی امید بھی بندھی کہ شاید اب وہ سمجھ ہی جائیں۔ نازی سارا وقت بالکل ہی خاموش بیٹھی رہی۔ ایک آدھ بار بشارت صاحب نے بات کرتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا بھی تو وہ نظریں چرا گئی اور رہی دِیا تو وہ اس قدر سر جھکائے ہوئے تھی کہ کوئی بھی اس کے بارے میں اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کے تاثرات کس قسم کے ہیں۔

"تم لوگ جو بھی کہو، جو بھی سمجھو، میں تم لوگوں کی طرح خوش فہمیوں کے سہارے وقت برباد کرنے کا قائل نہیں۔ اچھا ہی تھا اگر اُسی روز بات صاف ہو جاتی، جس دن وہ دونوں میاں بیوی آئے تھے۔ لیکن جب سے اب تک کی اُن کی خاموشی بھی تم لوگوں کی ساری خوش فہمیوں کو دور کرنے کے لئے کافی ہونی چاہئے۔" اپنی بات کہتے کہتے انہوں نے ذرا سا توقف کیا۔

نازی نے کچھ چونک کر اُن کی طرف دیکھا۔

یہ چند لمحوں کی خاموشی بڑی بھید بھری تھی۔

نازی کا دل بڑے نامانوس سے انداز میں دھڑکنے لگا۔

"تم آج ہی اسماء کو فون کر کے بتا دو کہ ہماری طرف سے اب یہ رشتہ ختم سمجھے اور آئندہ اس حوالے سے کوئی بات..."

فضاء میں کسی غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے جب وہ بالکل غیر جذباتی انداز میں اپنا یہ ناخوشگوار فیصلہ سنا رہے تھے تو دِیا ایک دم ہی کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:

"کہیں کوئی فون نہیں کیا جائے گا اور ابا۔" اس سارے وقت میں پہلی بار وہ براہِ راست اُن سے مخاطب تھی۔ "مجھے آپ کا یہ فیصلہ بالکل بھی منظور نہیں ہے، سن لیں سب لوگ۔" اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی جس کی وجہ شرمندگی یا رنج کے بجائے برہمی تھی۔

حد درجہ بے حساب برہمی، جس کی تپش اُس کی آنکھوں اور چہرے پر پھیلی محسوس ہو رہی تھی۔ فوری طور پر کوئی بھی کچھ نہیں کہہ پایا۔ خود بشارت صاحب بھی بے یقینی کے سے عالم میں اُسے دیکھے گئے۔ البتہ جب وہ پلٹ کر کمرے سے باہر جانے لگی تو انہوں نے پے در پے اسے کئی آوازیں دے ڈالیں۔

"دِیا، دِیا، دِیار، میری بات سنو۔" مگر وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔

اُسے جو کہنا تھا کہہ چکی تھی۔ بشارت صاحب ابھی تک بے یقینی کی سی کیفیت میں تھے۔ پچھلے کئی برسوں سے ان کا اپنی اولاد کے ساتھ ربط ضبط بے حد رسمی سا تھا۔

مختصر سوال، مختصر ترین جواب۔

"جی ہاں، جی نہیں، بہت اچھا۔" صرف ایک نازی تھی جو کسی حد تک ان سے قریب تھی اور اسے دیکھتے ہوئے وہ خود بخود ہی یہ فرض کئے بیٹھے تھے کہ باقی تینوں بھی اُسے جیسے نہ سہی مگر اُن کے فرمانبردار ضرور ہیں۔

اُن کی کسی بات کو پلٹا یا یارد بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کا اگر انہیں کبھی شبہ بھی گزرا ہوتا تو وہ اس فیصلے سے پہلے یقیناً ہزار بار سوچ چکے ہوتے۔ خود اپنی نگاہوں میں شرمندہ ہونے کا اُن کا یہ پہلا تجربہ تھا۔

امی، نازی، سمیع کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں ہو پا رہی تھی کہ انہیں تسلی کے طور پر ہی سہی کچھ کہہ سکے۔

ذرا دیر وہ یوں ہی شکست خوردہ سے انداز میں سر جھکائے بیٹھے رہے۔

ماحول میں اُترا بوجھل پن بڑھتا ہی جا رہا تھا اور جب وہ سب اپنے اپنے طور پر یقین کئے بیٹھے تھے کہ دِیا کی نافرمانی کی پاداش میں انہیں کتنا کچھ سننے کو ملنے والا ہے بشارت صاحب کسی حتمی نتیجے پر پہنچ ہی گئے۔

''ٹھیک ہے پھر جیسا تم اور تمہاری بیٹی مناسب سمجھو کرو' ٹھیک۔'' انہوں نے سر کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے امی کے چہرے پر نگاہیں جمائیں۔ ''مگر آج کے بعد میرے سامنے اِس موضوع پر کوئی بات نہیں ہو گی۔ دِیا کی شادی اور اس سے متعلق معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ کب ہونی ہے؟ کہاں ہونی ہے...؟'' اُنہیں بات پوری کرنے میں دِقت سی محسوس ہوئی تو وہ ہاتھ کے اشارے سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ امی اُن کے ساتھ ہی بے ساختہ کھڑی ہوئی تھیں اور شاید کچھ کہنا بھی چاہا تھا۔ مگر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں ایک لفظ بھی کہنے نہ دیا اور پھر دل گرفتہ سے انداز میں راہداری کی طرف کھلنے والے دروازے کی طرف مڑ گئے۔

اُن کے باہر نکلتے ہی سب ہی کو اظہار خیال کی آزادی مل گئی۔

سب سے زیادہ غصے میں سمیع تھا۔ اُسے دِیا پر غصہ آ رہا تھا جو یوں منہ در منہ جواب پکڑا کر گئی تھی۔

''اُسے جو بھی کہنا تھا' آپ سے یا نازی آپا سے کہہ سکتی تھی۔ ضروری تھا کہ ابا کے سامنے اتنی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتی۔''

ابھی تھوڑی دیر پہلے تک وہ بڑے آرام سے مسعود کے انتظار کر لینے کا خود بھی مشورہ دے رہا تھا' مگر اب یہی بات دِیا کے منہ سے سُن لینے کے بعد وہ بالکل روایتی قسم کے بھائیوں والے جملے کہہ رہا تھا۔

''ابا اگر کچھ کہہ رہے تھے تو اس کی بھلائی کی غرض سے ہی کہہ رہے تھے۔ مگر اس نے تو ان کی بات کو ڈھنگ سے سننا بھی گوارا نہیں کیا۔ ایک منٹ میں اُن کی بے عزتی کر کے چلی گئی اور اسماء پھوپھو والے اگر دولت مند ہیں تو ہم بھی کوئی اتنے گرے پڑے نہیں ہیں کہ ان لوگوں کی وجہ سے دِیا ابا کی بے عزتی کرنے لگے۔''

سمیع گھر کا اکلوتا بیٹا تھا اور آج پہلی بار وہ گھر کے کسی معاملے میں اِس قدر جذباتی ہوا تھا۔

نازی اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے لگی۔ مگر وہ کسی طرح بھی نارمل نہیں ہو رہا تھا۔

''وہی گھر اچھے ہوتے ہیں جہاں لڑکیوں کو شروع سے ہی دبا کر رکھا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں ضرورت سے زیادہ آزادی ملی ہوئی ہے۔ اِسی لئے جس کا جہاں دل چاہتا ہے منہ اُٹھا کر چل دیتا ہے' جو دل چاہتا ہے کہہ ڈالتا ہے بنا کسی لحاظ کے۔''

نازی کے ہاتھ کو اپنے کندھے پر سے جھٹکتے ہوئے وہ بڑی روکھائی سے مستقل کچھ نہ کچھ کہے ہی جا رہا تھا۔

نازی کے چہرے کا رنگ بدلتا ہوا محسوس ہوا تو اسے اپنے الفاظ کی سختی کا خیال آیا۔

''سوری نازی آپا۔''

آواز نیچی کرتے ہوئے وہ ہلکی سی شرمندگی کے ساتھ نازی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میرا یہ مطلب نہیں ہے' میں تو دِیا کے روّیہ کی وجہ سے خود اتنا عجیب سا محسوس کر رہا ہوں' سمجھ میں نہیں آ رہا کہ...''

''اب سارے ہی مل کر دِیا کے پیچھے مت پڑ جائو۔ اگر اس نے کھل کر اپنی مرضی بتادی تو ایسا کون سا غضب ہو گیا ہے۔ اتنے دن سے یہی بات سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر تمہارے باپ سمجھنا ہی نہیں چاہتے ہیں' اب تسلی ہو گئی اُن کی۔''

امی ہمیشہ کی طرح دِیا کی ہمنوا تھیں۔

سمیع کی خفگی کی بھی پروا نہیں کی‘ وہ جو نازی کی وجہ سے تھوڑا ساد ھیما پڑنے لگا تھا پھر سے آئوٹ ہونے لگا۔

’’ساری آپ کی شہ ہے‘ صرف دِیا ہی ہمیشہ نظر آتی ہے آپ کو اس کی ہر بات صحیح اور باقی ہم سب ہمیشہ غلط۔‘‘

وہ ایک دم ہی اونچی آواز میں بولنے لگا۔ نازی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سخت جذباتی کیفیت کو فی الحال کس طرح کنٹرول کیا جائے۔ بہتر تھا کہ کوئی ایک فرد یہاں سے ہٹ جائے۔ یہی سوچ کر وہ سمیع کو بازو سے پکڑ کر باہر لے جانے لگی۔ تب ہی پیچھے سے اُسے امی کی آواز سنائی دی۔

’’اچھا بھلا سارا سلسلہ چل رہا تھا‘ نہ تم مسعود کے آنے کا قصہ اپنے ابا کے سامنے چھیڑتیں‘ نہ یہ نوبت آتی۔ دِیا سگی بہن ہے تمہاری‘ کچھ تو اس کی خوشی کا خیال کرلیا ہوتا۔‘‘ سارا الزام اسی کے سر آکر رہا۔

نازی نے بمشکل تمام تھوڑا سا مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

وہاں اس کے لئے خفگی اور بے زاری تھی۔ دِیا کی خوشیوں کو غصب کرنے کا جو علانیہ اظہار انہوں نے کیا تھا وہ نازی کی ساری ہمت جواب دینے کا سبب بن رہا تھا۔ اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی کوشش کرنا چاہی۔ مگر اِس وقت کچھ بھی کہنا آسان نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے سمیع کو لئے باہر نکل آئی۔ باہر کی طرف کھلنے والی راہداری میں دھوپ پوری طرح پھیل چکی تھی۔ سمیع مزید ایک لفظ کہے بنا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تو وہ یوں ہی گم صم سی سامنے والی کھڑکی کے نزدیک آکھڑی ہوئی۔

دِیا کی بھلائی کے لئے دیا جانے والا چھوٹا سا مشورہ اتنی بڑی رنجش کا سبب بنے گا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

’’کیا تھا جو مسعود اگلے کچھ اور سال آنے کا نام لیتا۔ جب دِیا اور امی مطمئن تھیں۔ اس نے حسب عادت خود کو ہی موردِ الزام ٹھہرانا چاہا مگر امی کے کہے فقروں کی بازگشت ابھی بالکل تازہ تھی۔

’’سگی بہن ہے تمہاری‘ کچھ تو اُس کی خوشیوں خیال کرلیا ہوتا۔‘‘

’’ اور اُس نے کب‘ کس موقع پر ان سب کی خوشیوں کا خیال نہیں کیا۔‘‘ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے اس نے سوچنا چاہا۔

چند آنسو بڑی تیزی سے پھسل کر کھڑکی کی چوکھٹ پر جمے اس کے ہاتھوں پر آگرے۔ باوجود لاکھ کوشش کہ کبھی کبھی خود ترسی کی کیفیت طاری ہونے ہی لگتی تھی جس سے وہ ہمیشہ ہی کترا کر نکل جانے میں کامیاب ہو جاتی تھی۔ آج یہ کامیابی بھی نہ ہو پائی۔ بڑے دل گرفتہ سے انداز میں اس نے مڑ کر بڑے کمرے کی طرف دیکھا۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا شاید۔

امی یقیناً دِیا کی دلجوئی کے لئے اس کے پاس جا چکی تھیں۔ ’’کیا صرف دِیا کو ہی ہمیشہ اُن کی دِل جوئی کی ضرورت رہتی ہے۔‘‘

ہتھیلی کی پُشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے بے اختیار ہی سوچا۔

...☆☆☆...

ہاتھ میں تھامی ہوئی لمبی سی فہرست پر سے سر اٹھاتے ہوئے انعم نے چہرے پر آتی بالوں کی لٹوں کو پیچھے کیا۔

’’اب بس بھی کردیں نا امی‘ مجھ سے تو اب لکھا بھی نہیں جا رہا ہے۔‘‘

وہ واقعی تھک چکی تھی۔ ڈیڑھ گھنٹے سے ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے وہ یہ خدمت انجام دے رہی تھی اور اب بالکل بے زار تھی۔

''بلقیس بھابی کے ''ہیں ہیں'' کرنے کے باوجود وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''میری گردن میں درد ہو گیا ہے۔ آپ فیضی بھائی کو بلوائیں نا اب' اوپر اپنے کمرے میں ہی ہیں۔''

اس کا مشورہ اچھا تو تھا' مگر نا قابلِ عمل۔ فیضی کا گھر میں ہونا نا ہونا برابر ہی ہوتا تھا۔ اُس کے اپنے ''ہزاروں کام'' بقول خود اُس کے ہر وقت ہی باقی ہوتے تھے' جن کی تفصیل بتانے کی وہ کبھی بھی زحمت نہیں کرتا تھا۔ بلقیس بھابی عادت سے مجبور ہو کر بار بار پوچھ بھی جاتیں تو وہ اتنے برے برے منہ بناتا کہ انہیں خود ہی اپنا اصرار ختم کرنا پڑتا۔

''اس وقت بھی خدا جانے اوپر اپنے کمرے میں وہ کیا کر رہا تھا؟ پڑھائی' یا پھر اپنے موبائل سے لڑکیوں سے لمبی لمبی باتوں میں مصروف۔''

اوپر جاتی سیڑھیوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے بلقیس بھابی نے اضطراب سے پہلو بدلا۔ قریب بیٹھی ثمینہ سمجھیں کہ اُن کے چہرے پر پھیلی پریشانی کا سبب یہ نامکمل کام ہے جو انعم چھوڑ کر اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ سو بڑھ کر کاپی قلم خود سنبھال لیا۔ اصل میں کام بھی اُن ہی کا تھا۔

''لائیں آگے میں پورا کر دیتی ہوں۔ اب رہ ہی کتنے گھر گئے ہوں گے۔''

بلقیس بھابی کی واجبی تعلیم کے آگے انہیں اپنے میٹرک پاس ہونے پر ایسے ہی موقعوں پر فخر ہوا کرتا تھا۔

''ہاں بس' ساری برادری ہی آنی ہے۔ یہ لوگ تو اپنے ملنے والے ہمارے فنکشن میں بلاتے ہی نہیں ہیں۔'' اپنے میاں اور دیوروں سے انہیں یہ ہی گلہ رہتا تھا کہ جو فنکشن خالصتاً اُن کے اور ثمینہ

بھابی کے منعقد کردہ ہوتے' اس میں وہ لوگ اپنے کولیگز کو سرے سے انوائیٹ ہی نہیں کرتے تھے۔

''چلیں اچھا ہی ہے' کم کم کرتے ہوئے بھی اڑھائی تین سو لوگ ہو رہے ہیں اور بڑھ جاتے تو ارینجمنٹ کا مسئلہ بھی بنتا ہے۔'' ثمینہ نے انہیں روشن پہلو کی طرف متوجہ کرنا چاہا' مگر وہ عرصہ ہوا اس قسم کی مڈل کلاس باتیں کرنے سے پرہیز کرنے لگی تھیں۔ اک شانِ بے نیازی سے سر کو ہلکے سے جھٹکتے ہوئے بولی۔

''خیر ارینجمنٹ کا تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارے گھر کے دونوں لان کی گنجائش کافی ہے۔ پہلے بھی دسیوں بار اس سے زیادہ لوگ انوائٹ کئے جا چکے ہیں اور پھر سب سے بہترین کیٹرنگ سروس کے سپرد ہوتا ہے سارا انتظام۔'' یہ تعریفی بیان ابھی ان کے ہونٹوں پر ہی تھا کہ اوپر سے سجاد آتے نظر آئے۔

''یہ فیضی کیا کر رہا ہے سجاد' تم اس کے کمرے میں ہوتے ہوئے آئے ہو؟''

فیضی کی خیر خبر رکھنے کا اب وہ کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ ان کی ہر وقت کی پوچھ پرسش اب سب پر عیاں ہوتی جا رہی تھی۔

سجاد ہلکے سے مسکرا دیئے۔

''فیضی بہت دیر سے میرے ہی پاس بیٹھا تھا بھابی' ایک ٹاپک پر اسے کچھ مدد کی ضرورت تھی' وہی اسے سمجھا رہا تھا۔''

بلقیس بھابی کو جیسے بہت بڑی تسلی حاصل ہوئی تھی۔ سجاد کے ساتھ جو ایک مقابلے بازی کی سی فضاء انہوں نے خود ہی اپنے اطراف میں قائم کر رکھی تھی۔ اس وقت وہ بھی باقی نہیں رہی۔ نہ معلوم کتنی مدت کے بعد انہیں سجاد پر بڑی محبت سی آئی۔

اپنی اہم ترین مصروفیت کو چھوڑ کر وہ بے ساختہ ہی اٹھ کر سجاد کے قریب چلی آئیں۔ ''میرے بھائی' ذرا تم ہی وقت نکال کر اسے دیکھ لیا کرو۔ تمہارا کہا تو سن بھی لیتا ہے' میں تو ذرا سا کچھ کہہ دوں تو اس قدر چڑچڑا ہونے لگتا ہے کہ کچھ کہہ کر بھی پچھتاتی ہوں۔''

ان کے شانے پر ہاتھ رکھے' وہ اتنی دردمندی سے بات کر رہی تھیں کہ سجاد کو تھوڑی سی حیرت ہونے لگی۔

یہ عاجزی اور انکساری بلقیس بھابی کا سٹائل نہیں تھا۔ وہ تو سیدھی سادی بات میں بھی سامنے والے کو چار باتیں سنا جاتی تھیں۔

پھر کیا وجہ تھی کہ...؟

مگر وہ اس وقت کوئی اندازہ لگانے کی بھی مہلت نہیں دے رہی تھیں۔

''فیضی کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں سجاد۔ نہ معلوم کیا بنے گا اس کا۔ سارا سارا دن غائب رہتا ہے۔ یہ عمر اس کی پڑھنے لکھنے کی ہے' اِدھر اُدھر دھیان بھٹکے گا تو کیا کر پائے گا۔ تمہارے بھائی کو تو اتنی بھی فرصت نہیں ہے کہ وہ دو گھڑی کے لئے ہی بیٹے پر توجہ دے دیں۔''

ان کے لہجے میں پریشانی ہی پریشانی تھی اور اس اتنی زیادہ پریشانی کی وجہ سجاد کی بالکل بھی سمجھ میں نہیں آ پا رہی تھی۔

''ہمارا فیضی ایسا نہیں ہے بھابی وہ ماشاءاللہ اپنی سٹڈی میں بہت اچھا جا رہا ہے۔ آپ نہ گھبرائیں بالکل بھی۔ میں تو تقریباً روزانہ ہی اس کی پڑھائی چیک کرتا ہوں۔'' وہ بڑے خلوص سے انہیں تسلی دینے لگے۔

بلقیس بھابی کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی بھی آنے لگی۔ یکبارگی تو دل چاہا کہ سجاد کو سارا قصہ صاف صاف سنا ہی ڈالیں۔ فیضی کے معاملے میں ان کے شکوک کا سرا کہاں جا کر مل رہا تھا۔ یہ یقیناً سجاد کے لئے نئی خبر ہوتی۔

مگر اصل بات بتانا آسان نہیں تھا جبکہ سامنے ثمینہ بھی بیٹھی تھیں اور فیضی کے لئے اس طرح کے شکوک کا اظہار خود انہیں اپنی بے عزتی بھی محسوس ہو رہا تھا۔ بہر حال سجاد پر اس وقت وہ واقعی مہربان تھیں۔

''سہیل کے بچوں کا عقیقہ نہیں ہوا ہے اب تک اس سنڈے کو ہمارا پروگرام ہے کہ یہ کام بھی کر ہی دیا جائے' بس اپنے خاندان کے لوگوں کو انوائٹ کر رہے ہیں۔''

یہ تمہید جو انہوں نے باندھنی شروع کی تھی۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ دونوں بھابیاں اکثر ہی اپنے طور پر کوئی نہ کوئی فنکشن کر لیا کرتی تھیں۔

میلاد شریف' سالگرہیں' دعوت حلیم' وغیرہ وغیرہ' سہیل اور ثمینہ کے بچوں کا عقیقہ نہ معلوم کس وجہ سے رہ گیا تھا سو اب یہ نیک کام بھی کیا جا رہا تھا۔

سجاد کو بھی اپنی دلچسپی کا اظہار کرنے کے لئے سر ہلانا پڑا۔ وہ مزید پُرجوش ہو گئیں۔

''ایسا ہے کہ تم بھی انہیں انوائیٹ کر لو' وہی جو ہمارے گھر ایک دو بار شیریں کے ساتھ آئی ہیں' تمہاری کولیگ' کیا نام ہے ان کا...؟

نام واقعی یاد نہیں آ رہا تھا۔

''مسز ہاشمی۔''

''مسز ہاشمی کو بلانے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا البتہ حیرت کافی تھی۔ مسز ہاشمی کو یاد رکھے جانے پر۔

''دراصل شیریں کو تو انوائٹ کر رہی ہیں' سو میں نے سوچا وہ بے چاری یہاں بوریت محسوس نہ کرے۔ میں بھی مصروفیت کی بنا پر کہاں ایک جگہ ٹک کر بیٹھ پاؤں گی۔ مسز ہاشمی ہوں گی تو اُسے بھی اچھی کمپنی مل جائے گی۔''

اُن کے انداز سے بالکل ایسا تاثر مل رہا تھا جیسے شیریں یہاں اکثر ہی آتی جاتی رہی ہے۔

تھوڑے فاصلے پر بیٹھی ثمینہ نے بے ساختہ ہی ہاتھ میں تھامی ہوئی مہمانوں کی فہرست پر نظریں دوڑائیں۔ شیریں احمد کا نام کہیں بھی نہیں تھا۔

سجاد کے ناطے سے ان دو مہمانوں کا اضافہ یقیناً ابھی ابھی ہی کیا گیا تھا۔

''تم ضرور کسی وقت مجھے لے کر چلنا' میں خود ان لوگوں کے گھر چل کر دعوت دے کر آؤں گی۔ تمہاری اتنے اچھے ٹرمز ہیں ان لوگوں سے' پھر بھی تم انہیں گھر پر انوائٹ نہیں کرتے ہو۔ کیا سوچتی ہوں گی وہ ہمارے بارے میں کہ کتنی بداخلاق بھابیاں ہیں سجاد کی۔''

شیریں سے متعلق اپنے سارے شکوک اور اعتراضات فی الحال ایک طرف رکھ کر وہ جس اپنائیت اور محبت کا مظاہرہ کر رہی تھیں' سجاد باوجود حیرت کے متاثر ہونے لگے۔

انکار کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ ویسے بھی شیریں کو اپنے گھر پر مدعو نہ کرنے پر ایک ہلکی سی شرمندگی رہتی ہی تھی۔ اس بہانے وہ بھی مٹ ہی جاتی۔

وہیں کھڑے کھڑے بلقیس بھابی نے شیریں اور مسز ہاشمی کے گھر جانے کا پروگرام فائنل کر لیا۔

''بس ٹھیک ہے' اب تم جاؤ دیر ہو رہی ہوگی۔''

انہوں نے کمال مہربانی سے اجازت دی۔ بدلے بدلے سے اس روپ میں وہ واقعی بڑی اچھی لگ رہی تھیں' بالکل اپنی اپنی سی۔

سجاد چلے گئے تو وہ واپس ثمینہ کے پاس آ بیٹھیں۔

''یہ سجاد کی کولیگز کو بھی انوائٹ کر رہی ہیں آپ کو کچھ عجیب سا نہیں لگے گا۔ خاندان کے لوگوں میں دو بالکل باہر کے مہمان۔''

ثمینہ گو اُن کے کسی فیصلے کو رد کرنے کی جرأت تو نہیں کر سکتی تھی' پھر بھی پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

''کوئی عجیب سا نہیں لگے گا۔ پہلے بھی شیریں کو سب دیکھ چکے ہیں ہمارے گھر اور پھر خاندان سے ہٹ کر بھی ملنا ملانا تو ہوتا ہے انسان کا تو ایسے موقعوں پر اُن کو نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا۔''

وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے غالباً کچھ اور نام یاد کر رہی تھیں' جن کا فہرست میں لکھوایا جانا ابھی تک بھولا ہوا تھا۔

ثمینہ چند لمحے انہیں خاموشی سے دیکھتی رہیں۔ شیریں اور سجاد کے بارے میں جو معنی خیز سی باتیں وہ تواتر سے کرتی آ رہی تھیں' سب ہی قریبی لوگوں کے علم میں تھیں۔

خود ثمینہ بھی اپنے میکے میں یہ قصہ دُہرا چکی تھیں۔ ''بابا کا پریشر ہے ورنہ سجاد کب کے برادری کی روایات کو توڑتے ہوئے برادری سے باہر شادی کر چکے ہوتے۔'' ایسی باتیں پر لگا کر اڑتی ہیں اُن کے حوالے سے بھی یہ بات اب تک خاصی مشہور ہو چکی تھی۔

ثمینہ نے دبے لفظوں سے یہی بات بلقیس بھابی کو یاد دلانا چاہی۔

اپنی کہی باتوں کی نفی کرنا آسان نہیں تھا۔

''ایک اندازہ ہی تھانا' کر تو نہیں لی شادی سجاد نے۔'' وہ اندر ہی اندر تھوڑا سا ڈگمگا گئیں۔

''اور میرے خیال میں تو کرے گا بھی نہیں۔ کرنی ہوتی تو اب تک یہ کام ہو چکا ہوتا۔ سجاد بہت سمجھدار ہے۔ اپنے خاندان کو بے کار کی الجھنوں میں مبتلا نہیں کر سکتا ہے۔'' سجاد کو سمجھداری کا سرٹیفکیٹ جاری کرتے لہجے میں ہلکا سا تاسف بھی در آیا۔ ''ایک بہت بڑا جھٹکا کھا کر بیٹھے ہیں یہ لوگ۔ اتنی آسانی سے دوبارہ خود کو کسی آزمائش میں نہیں پڑنے دیں گے۔''

جو دھڑکا انہیں فیضی کی طرف سے لگ چکا تھا۔ وہ وقتی طور پر ہی سہی' ان کی شخصیت کو بدلنے کا سبب بن رہا تھا۔

ثمینہ شانوں کو ہلکی سی جنبش دے کر خاموش ہی رہیں۔ سجاد کی جلد یا بدیر شیریں سے شادی کر لینے کی پیشین گوئی بلقیس بھابی کی طرف سے ہی دعوئوں کے ساتھ کی جاتی رہی تھی۔ اب اگر وہی اس سے دستبردار ہو رہی تھیں تو کوئی بھی اس پر اصرار نہیں کر سکتا تھا۔

''ذرا مجھے ایک بار شروع سے پڑھ کر سنائو شاید کچھ اور یاد آجائے۔'' انہوں نے دوبارہ اپنے سابقہ موضوع پر آتے ہوئے فرمائش جاری کی۔

ثمینہ کی بھی زیادہ دلچسپی یہیں تھی۔

بے فکری' آزادی' خوش حالی' اتنی سازگار فضاء میں رشتے داریاں نبھانے سے بڑھ کر دوسری کون سی مصروفیت خوشگوار ہو سکتی تھی۔

...☆☆☆...

میٹرک کلاس کے سکول میں چار سیکشن تھے۔ چاروں میں روزانہ جمعہ کو چھوڑ کر دو پیریڈ میتھس کے لئے مخصوص تھے۔

نازی انگلش اور میتھس ہی لیا کرتی تھی۔ دسویں کلاس کے دو سیکشن کی ذمہ داری اس پر تھی اور باقی دو دوسری ٹیچرز کے سپرد تھے۔ روزانہ ہی چار پیریڈ میتھس کے لینے پڑتے اور باقی دو پیریڈ انگلش کے دوسری کلاس میں لینے ہوتے تھے۔ ٹیبل میں اس کے لئے ان ہی چھ پیریڈ کا اندراج ہوتا تھا لیکن کوئی کوئی خوش قسمت دن ہوتا تھا' جس دن کوئی اضافی کام نہ مل پاتا تھا۔

رعنا اُس کے یوں بے چوں چراں لگے رہنے پر سخت خفا رہتی تھی۔ آج بھی ایک ٹیچر چھٹی پر تھیں۔ صبح اسمبلی ٹائم میں ہی پتہ چل گیا کہ ان کی چھٹی کی درخواست آئی رکھی ہے۔

''صاف صاف منع کر دینا جب تمہیں کہا جائے' اپنی حالت دیکھو تین دن سے بخار میں سکول آ رہی ہو۔ میری تو یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آخر چھٹی لے کر گھر پر آرام کیوں نہیں کر رہی ہو۔'' رعنا نے دبے دبے سے لہجے میں وہیں سب کی موجودگی میں ہدایت دینی شروع کی۔

نازی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلاتی رہی۔ بخار تو ابھی تین دن سے ہی آ رہا تھا۔ گھر کی ٹینشن کو لے کر وہ پچھلے دس پندرہ دن سے سخت مضطرب تھی۔

''میری ڈیوٹی کیوں نہیں لگتی ان خالی پیریڈز میں' اس لئے کہ میں شروع میں ہی صاف منع کر چکی ہوں۔ ہم جب اپنی ذمہ داری پوری ایمانداری کے ساتھ پوری کرتے ہیں تو کسی کو حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ ہمیں ناجائز طور پر پریشرائز کرے۔''

اسمبلی ختم ہونے کے بعد جب لڑکیاں لائن بنا کر گراؤنڈ سے کلاسوں کی طرف جا رہی تھیں تو وہ دونوں بھی ساتھ ساتھ ہی چل رہی تھیں۔ نازی ہلکے سے ہنس پڑی۔

''پہلی بات تو یہ کہ مجھ میں اور تم میں بڑا فرق ہے رعنا' تم انہیں اس لئے صاف منع کر سکتی ہو کر تمہارے بھائی ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں اچھی پوسٹ پر ہیں اور یہ بات ہماری ہیڈ مسٹریس صاحبہ بھی بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔''

اصل حقیقت بھی یہی تھی۔

پر رعنا پھر بھی اپنی بات پر مصر رہی۔

''خود اپنے اندر گٹس ہونے ضروری ہیں' تب ہی لوگ آپ کا حق استعمال کرنے سے باز رہ سکتے ہیں۔ میں شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں کے اگر تم میری جگہ ہوتیں' تب بھی یوں ہی دوڑ دوڑ کر ہلکان ہو رہی ہوتیں۔''

اُس کی کلاس کی طرف مڑنے والا کاریڈور آ گیا تو اُسے سلسلہ خطاب بیچ میں منقطع کرنا پڑ گیا۔ نازی کی کلاس اوپر تھی' وہ سیڑھیوں کی طرف مڑ گئی۔

رعنا کا اندیشہ غلط نہیں تھا۔ دوسرے پیریڈ میں ہی چپڑاسی کے ہاتھوں اُس کے نام کی چٹ چلی آئی۔

ہیڈ مسٹریس صاحبہ نے اُسے بلانے کی زحمت سے بچاتے ہوئے مختصراً اُس کے دو خالی پیریڈز کو کسی دوسری کلاس میں ایڈجسٹ کرنے کی خوشخبری بھیجی تھی۔

آج پہلی بار اُس نے خود میں کم ہمتی سی محسوس کی۔ پتہ نہیں رعنا کی باتوں کا اثر تھا یا جو بخار کی ایک مسلسل کیفیت چند دنوں سے طاری تھی وہ حاوی ہو رہی تھی۔ دل بے اختیار ہی کہیں سکون سے دو گھڑی بیٹھے رہنے کو چاہ رہا تھا۔

مگر اب جو یہ ''نادر شاہی'' چلا ہی آیا تھا تو اس کو لوٹانا بھی اس کے لئے ایک مشکل ترین امر تھا۔

چپڑاسی جواب کے لئے ابھی تک منتظر کھڑا تھا۔ یہاں جواب دینے کے لئے کیا دھرا تھا۔ صرف حکم بجا لانا تھا۔

اس کے ہلکے سے اشارے پر وہ واپس مڑ گیا۔ بریک کے بعد سے چھٹی تک اُسے خود اپنی کلاسز میں مصروف رہنا تھا۔ میڈم نے اسے بریک سے پہلے جو دو فری پیریڈ اس کے حصے میں آئے تھے' ان میں انگیج کر دیا تھا۔

رعنا سے ملاقات بریک میں ہوئی۔ جب تک وہ اس فرمائشی پروگرام کو بھگتا چکی تھی۔

سٹاف روم میں گراؤنڈ کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے ساتھ والی کرسیاں' غیر محسوس انداز میں ان کی مخصوص جگہ بن چکی تھی۔ اب تو سٹاف ممبرز بھی اس بات کا دھیان رکھنے لگی تھیں۔

رعنا جب اندر آئی تو وہ پہلے سے موجود تھی۔ قریب آتے آتے اس کی خستہ حالی کا اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا۔ اس نے ماتھے کو چھو کر فی الفور اپنے اندازے کی تصدیق بھی کر لی۔

''کتنا تیز بخار ہے نازی' کوئی دوا لی یا نہیں؟ اپنی طبیعت کا اسے خود بھی اندازہ ہو رہا تھا۔ بخار کم کرنے والی گولیاں پرس میں موجود تھیں۔ وہیں کلاس میں پانی منگوا کر کھا چکی تھی۔

رعنا کو بتا بھی دیا' پھر بھی وہ پُر تشویش نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''میرا خیال ہے کہ تم چھٹی لے کر گھر چلی جاؤ' آرام سے لیٹو گی تو بخار جلدی اتر جائے گا۔ میں خود جا کر میڈم سے بات کرتی ہوں۔''

وہ اٹھنے لگی تو نازی نے ہاتھ تھام کر اسے روک لیا۔

”اب آدھا دن تو گزر ہی گیا ہے۔ ابھی میں نے ٹیبلیٹ بھی لے لی ہے۔ طبیعت تھوڑی دیر میں سنبھل ہی جائے گی۔ اس وقت گھر چلی جاؤں گی تو بڑا پرابلم ہو جائے گا کلاس کا۔“

کبھی کبھی وہ اتنی عاجزی سے اپنی بات کہتی تھی کہ رعنا کو اس پر غصہ بھی نہیں آپاتا تھا۔ اس عاجزی کے پیچھے بے غرضی کی جو انمول صفت جھلکتی تھی۔ وہ صرف حیرت زدہ کرتی تھی۔ اس وقت بھی چند لمحے وہ بالکل خاموشی سے نازی کا چہرہ تکنے لگی۔

ایسے کیا دیکھ رہی ہو، ناراض نہیں ہونا پلیز۔“ نازی کو لگا جیسے بار بار اپنی بات رد کئے جانے پر وہ اس سے خفا ہو رہی ہے۔

رعنا کی ناراضگی کی سچ مچ اُسے بہت پرواہ ہوتی تھی۔ اس کی زندگی میں حقیقی دوست صرف اور صرف ایک وہی تھی۔ سچی اور پُر خلوص، جس کے اوپر ہر لمحے آنکھیں بند کر کے اعتبار کیا جاسکتا تھا۔

رعنا نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

”تم سے بھلا کون ناراض ہو سکتا ہے، چاہیں بھی تو نہیں ہوا جاتا۔“

یہ بات جو رعنا نے بڑے پر یقین سے لہجے میں کہی تھی۔ نازی کا بے اختیار ہی دل چاہا کہ اس کی تصحیح کر دے۔

اس سے خفا ہونے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ گھر میں دِیا اور امی تو خیر اس سے سخت ناراض تھیں ہی، ابا اور سمیع کو اس نے سمجھانا چاہا تو وہ بھی اس پر موڈ خراب کر کے بیٹھ رہے تھے۔

اپنے گھر میں ہی وہ آج کل بڑی معتوب زندگی گزار رہی تھی۔ رعنا کو حالات کا کچھ کچھ اندازہ تو تھا ہی، مگر گھر والوں کے اس درجہ سخت روّیہ کا علم نہیں تھا۔

نازی نے خود ہی زیادہ بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ گھر والوں کی کسی طور بھی شکایت میں خود اپنی ہی بے عزتی تھی۔

رعنا کا اصرار جاری ہی تھا کہ میڈم کے آفس سے رعنا کا بلاوا آ گیا۔

بریک ٹائم ختم ہونے میں ابھی چند منٹ باقی تھے۔ ”ضرور کوئی کام اٹک رہا ہو گا، جب ہی میری یاد آئی ہے وہاں۔ سننا ہی پڑے گا بھائی جا کر۔“ وہ پُر مزاح سے انداز میں کہتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ بات تھی بھی ٹھیک۔

آفس کے کاموں میں اگر کوئی الجھن پیش آ رہی ہوتی تو رعنا کو ہی آواز پڑتی تھی۔ اس کے بھائی کا ڈائریکٹوریٹ میں ہونا اکثر ہی کام آتا رہتا تھا۔

چند منٹ وہ یوں ہی خاموش بیٹھی رہی۔

آس پاس سب ہی اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ اپنی اپنی دوستیاں، اپنے اپنے تعلقات، سٹاف روم میں عرصے سے چند بڑے واضح گروپ تشکیل پا چکے تھے۔ ویسے سب ہی ایک دوسرے کے ساتھ بنائے رکھنے کی کوشش میں رہتے مگر مخصوص دوستیوں کی بات اور ہی تھی۔

نازی کو اکیلا دیکھ کر دو، ایک نے اسے آواز بھی دے لی۔ ”اِدھر آ جائیں مسز ناز نین، وہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہیں، مس رعنا تو اب بریک ختم ہونے کے بعد ہی فارغ ہوں گی میڈم کے آفس سے۔ سٹاف روم سے جب بھی کسی کو خاص طور پر بلایا جاتا تو سب ہی کو فوری خبر ہو جاتی تھی۔ اپنی اپنی باتوں میں وقفہ دے کر بلائے جانے کی وجہ تسمیہ کے بارے میں اندازے لگانے شروع کر دیئے جاتے۔

اس اعتبار سے رعنا کی اہمیت مسلم تھی۔ شاید اسی وجہ سے وہ ہر بات دھڑلے سے کہہ لیا کرتی تھی۔ بریک ختم ہونے کی بیل ہوئی تو وہ کسلمندی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ایک بار تو دل چاہا بھی کہ رعنا کے مشورے پر عمل کر ہی لیا جائے۔ پرنسپل سے چھٹی لے اور پیون سے رکشا منگوا کر سیدھی گھر جا کر آرام ہی کر لے، مگر پھر سے ہمت بندھنے لگی۔ اپنی فائل اور رجسٹر اٹھا کر جب وہ سٹاف روم سے نکل رہی تھی تو مس سلمیٰ بھی اِس کے بالکل برابر میں آ کھڑی ہوئیں۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے مس ناز نین۔ چہرہ بہت اترا اترا سا محسوس ہو رہا ہے۔''

نازی کو ذرا سا رک کر ان کی تسلی کرانا پڑی۔ جب بھی ملتیں پہلا نہیں تو دوسرا تیسرا سوال ضرور اپنی ''کمیٹی'' میں شرکت کے بارے میں کرتی تھیں۔ اچھا یہی تھا کہ انہیں دوسرے اور تیسرے سوال کا موقع ہی نہیں دیا جائے۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے مس سلمیٰ' کلاس میں بچیاں اچھا خاصا شور شروع کر لیتی ہیں۔'' اس نے عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیئے۔

مس سلمیٰ نے روکنا بھی چاہا' مگر وہ معذرت کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔

لمبے سے کاریڈور کو طے کر کے جب وہ سیڑھیوں تک پہنچی تو اسے معمول سے زیادہ تھکان کا احساس ہونے لگا طبیعت واقعی گڑبڑ کر رہی تھی۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے خود بھی اعتراف کیا۔ مگر اپنی ہمت اور برداشت کے متعلق اس کے سارے اندازے اس وقت دھرے کے دھرے ہی رہ گئے جب تھوڑی ہی دیر بعد کلاس کو الجبرا کا کوئی فارمولا سمجھاتے ہوئے یکدم ہی اسے بڑی زور کا چکر آیا۔

بلیک بورڈ پر اپنے ہی ہاتھ سے لکھے ہوئے سارے الفاظ اسے گڈمڈ ہوتے محسوس ہوئے تو اس نے پاس رکھی کرسی کی پشت کا سہارا لیا۔

چند منٹ تو خاموشی سے کاپیوں پر سوال اتارتی لڑکیوں کو بھی اس کی حالت کا اندازہ نہیں ہو سکا مگر جب وہ کرسی پر بیٹھ رہی تھی تو اس کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ نے ان کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

چند لڑکیاں فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

''آپ ٹھیک تو ہیں مس؟''

''یہ لیں پانی پی لیں۔'' ایک لڑکی فوراً ہی اپنے ساتھ لائے تھرموس میں سے پانی نکال لائی۔ اتنی سی دیر میں ایک لڑکی اسے سہارا دے کر کرسی پر بٹھا چکی تھی۔ پانی کے چند گھونٹ پی لینے کے بعد بھی اسے دل ڈوبتا سا محسوس ہو رہا تھا۔ لگ رہا تھا کہ اگر کھڑی ہوئی تو ضرور ہی گر پڑے گی۔

اب ساری ہی لڑکیاں اُس کے گرد گھیرا ڈالے کھڑی تھیں۔ وہ جوان کی ہر وقت کی کھسر پھسر سے کبھی کبھی عاجز ہو جایا کرتی تھی' اس وقت وہی سب بالکل خاموش تشویش بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''مس' مس رعنا کو بلا لائیں جا کر۔''

اس کی اور رعنا کی دوستی سے سب لڑکیاں واقف تھیں' سو بڑا صائب مشورہ دیا گیا۔ نازی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کمرے میں چھائی خاموشی میں تھوڑی سی ہلچل ہوئی۔ جس نے مشورہ دیا تھا' وہی اپنی دوست کو لے کر فوراً کمرے سے نکل گئی۔ کلاس مانیٹر سب کو جگہ پر بیٹھنے کی ہدایت کرنے لگی۔

''اپنی اپنی جگہ پر چلیں سب' ایک جگہ پر مت کھڑی ہوں۔ ہوا آنے دیں مس کے پاس۔'' سب ہی ایک وقت بے حد کوآپریٹو ہو رہی تھیں' فوراً ہی سارا مجمع چھٹ گیا۔

نازی کے لئے اس کی ساری سٹوڈنٹس کے دلوں میں عزت بھی تھی اور محبت بھی۔ مشکل سے مشکل مضمون کو بھی وہ جس طرح اپنے نرم لہجے میں سادہ ترین طریقے سے سمجھاتی' لڑکیوں کے لئے وہ بے حد آسان ہونے لگتا تھا۔

ان کی پسندیدہ ترین ٹیچر "مسز نازنین" ہی تھیں۔ یہاں پڑھنے والی لڑکیاں سب ہی متوسط اور نچلے متوسط گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ نازی ان کے لئے کئی بار بڑی خاموشی سے ذاتی مسائل کے حل کا سبب بھی بنتی رہتی تھی۔ سو اس کی عزت سب ہی کے دلوں میں دوچند ہوتی رہتی تھی۔

رعنا کو آنے میں چند منٹ ہی لگے۔ نچلی منزل سے یہاں تک آنے میں اس نے جتنی جلدی دکھائی تھی۔ اس کا اندازہ اس کے چہرے پر پھیلی گھبراہٹ سے ہی ہو رہا تھا۔

نازی کو ایک اور لڑکی کے ساتھ سہارا دے کر میڈیکل روم تک لے جا رہی تھی۔ تو کاریڈور میں سے انہیں گزرتے ہوئے آس پاس کی سب ہی کلاسوں میں پیریڈ ز لیتی ٹیچروں نے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"خیریت تو ہے نا مس نازنین۔"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو بالکل ٹھیک تھیں۔" تشویش کی ایک لہر یہاں سے وہاں تک دوڑتی چلی گئی۔

سب ہی اپنی اپنی کلاسوں کے دروازوں میں آ کر کھڑی ہو گئیں۔ چند ایک نے تو ساتھ چلنے کی بھی پیش کش کی' نازی جو خود کو کسی حد تک سنبھالتی جا رہی تھی۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شکریہ کہہ کر ٹال گئی۔ مس سلمیٰ البتہ منع کرنے پر بھی نہیں رکیں۔

"میں نے تو ابھی کچھ دیر پہلے ہی مس نازنین سے کہا تھا کہ آج آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔ ایک نظر میں میں تو سمجھ گئی تھی۔"

نازی کی طبیعت کے قطع نظر وہ اپنے اندازے کی درستگی پر نازاں تھیں۔

رعنا اور نازی دونوں ہی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو دبایا۔ سکول کے میڈیکل روم میں گو کہ نہ کوئی اٹنڈنٹ ہوتا تھا اور نہ ہی کسی ایمرجنسی کی صورت حال سے نمٹنے کا انتظام تھا' پھر بھی اس کا صاف ستھر ماحول اور ایک لمبے سے صوفے کی موجودگی' سے خاصا آرام دہ بنائے ہوئے تھی۔

الماری میں ڈیٹول کی شیشی اور ڈریسنگ کرنے کا سامان بھی موجود رہتا تھا۔ چند ایک اور دوائیں رہتی تھیں۔ عام گورنمنٹ سکولوں سے بہر حال یہ بھی بہت غنیمت صورتحال تھی۔

نازی کو وہاں لیٹ کر بڑے سکون کا احساس ہوا۔ مس سلمیٰ جا کر میڈم کو بھی خبر کر آئیں اور ماسی کو چائے بسکٹ لانے کا آرڈر بھی دے آئیں۔ ہیڈ مسٹریس صاحبہ مزاج پرسی کو آئیں تو ازراہ مہربانی اسے چند روز چھٹی لے کر آرام کرنے کی اجازت بھی دے گئیں۔

"اور اگر اس وقت بھی آپ جلدی گھر جانا چاہیں تو پیون سے رکشا منگوا دیتی ہوں۔" جاتے جاتے انہوں نے ایک اور کرم نوازی کرنا چاہی۔

مس سلمیٰ کو یہ آئیڈیا بہت اچھا لگا۔ خود اُن کا گھر بھی اسی طرف تھا' جدھر نازی وغیرہ رہتے تھے' فوراً ہی بول پڑیں۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ' میرا خیال ہے میں مس نازنین کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔ اکیلے تو نہ جائیں' کیا پتہ راستے میں طبیعت خراب ہو جائے تو کوئی ساتھ میں ہونا ضروری ہے۔"

کچھ بھی تھا اُن کا خلوص بہر حال محسوس ہو رہا تھا۔ نازی نے شکر گزار نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

چھٹی ہونے میں اب صرف گھنٹہ ' سوا گھنٹہ باقی رہ گیا۔ اس وقت تک اُس کی سوزو کی بھی لینے آجاتی تھی۔ اس طرح ایک ساتھ دو ٹیچرز کے چلے جانے سے آخری پیریڈز میں کلاسز ڈسٹرب ہونا لازمی بات تھی۔ نازی نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ یہ تھوڑا سا وقت یہیں گزارے۔

''ٹھیک ہے پھر' آپ مس سلمیٰ جا کر اپنی کلاس کو دیکھیں اور رعنا آپ یہاں پر ہی رُکی رہیں۔''

مختصر سی ہدایت جاری کرتے ہوئے میڈیم مس سلمیٰ کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گئیں۔ وہ تھوڑی سی بد مزہ ہوتے ہوئے چلے گئیں۔

نازی' رعنا سے بھی کہتی رہی کہ وہ بھی جا کر اپنی کلاس کو دیکھے مگر وہ مان کر ہی نہیں دی۔ چھٹی کے وقت بھی اس کا پورا موڈ نازی کے ساتھ اس کے گھر جانے کا تھا کہ جب ہی اس کی بھابی کا فون آ گیا۔

گھر پر چند قریبی عزیزوں کی آمد کی اطلاع تھی اور رعنا کو جلد از جلد گھر پہنچنے کی تاکید بھی۔

''میں چلی جاؤں گی آرام سے' تم میری فکر مت کرو۔ گاڑی میں ہی تو جانا ہے۔ کون سا پیدل جا رہی ہوں۔ گھر پہنچ کر تمہیں فون بھی کر دوں گی' بس۔'' نازی بمشکل اسے مطمئن کر پائی۔

گھر پر حسب معمول اس وقت سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ سب کے سب اپنے کمروں میں بند۔ دوپہر کے کھانے کے سب کے اپنے اپنے اوقات تھے جو جس وقت گھر آتا' کھا پی کر فارغ ہو لیتا۔ نازی کا سکول سب سے زیادہ دور تھا۔ اس لئے اس کی واپسی میں سب سے زیادہ تاخیر ہوتی تھی۔

لمبے سے برآمدے میں کھلنے والے تقریباً سب ہی دروازے بند تھے۔ وہ بڑھی ہی تھی کہ رُکنا پڑا۔

ہال میں رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ گھر کے سناٹے میں یہ آواز کچھ زیادہ ہی گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

نازی ذرا تیز قدموں سے ہال میں چلی آئی۔ مگر اس کے اندر آنے سے پہلے ہی سمیع فون اٹھا چکا تھا۔

وہ دوپہر میں اپنے کمرے کے بجائے یہیں ہوتا تھا۔ جب دل چاہا کسی دوست سے گپ شپ کر لی۔ دل چاہا ٹی وی آن کر لیا۔ اس وقت اس کی نیند میں خلل پڑا تھا۔ یہ اندازہ نازی کو اس کی بند ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر ہوا۔

''معلوم نہیں ابھی گھر پہنچی ہیں یا...'' وہ ریسیور کان سے لگائے کسی کو اسی کے بارے میں بتا رہا تھا' جب ہی وہ اسے اندر آتی دکھائی دی۔ تو بات درمیان چھوڑتے ہوئے اس نے ریسیور نازی کی طرف بڑھا دیا۔ ''آپ کی دوست رعنا کا فون ہے۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے نازی نے ہلکے سے سر کو جنبش دی۔

سمیع کا موڈ تھوڑا سا خراب تھا۔ بڑی گہری نیند سے اسے اٹھنا پڑا تھا۔

''لوگوں کو دوپہر میں بھی چین نہیں' نہ خود آرام کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔''

صوفے پر پھر سے کشن سیٹ کرتے ہوئے وہ بڑبڑائے گیا۔

دوسرے طرف سے رعنا' بات ادھوری رہ جانے پر مستقل ''ہیلو ہیلو'' کہے جا رہی تھی۔

سمیع کی طرف سے توجہ ہٹا کر اسے رعنا کی بات پر دھیان دینا پڑا۔

''ہاں' میں بول رہی ہوں نا' ابھی ابھی پہنچی ہوں۔''

''چلو اچھا بس یہی پوچھنا تھا۔''

رعنا کو جیسے بڑا اطمینان سا حاصل ہوا تھا۔ ''طبیعت تو ٹھیک ہے نا' اب اور شام کو ڈاکٹر کے پاس ضرور چلی جانا۔''

یہ ساری ہدایتیں ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی وہ کر چکی تھی۔ نازی نے اس وقت بھی سعادت مندی سے ''اچھا' اچھا۔'' کہتے ہوئے سن لیں۔

''اور تمہارے مہمان پہنچ گئے ہیں۔'' وہ ذرا سا خاموش ہوئی تو اس نے بھی پوچھ ہی لیا۔

''مت پوچھو سارا گھر بھرا ہوا ہے اور بھابی حیران پریشان کھڑی ہیں' جب ہی تو اس ایمر جنسی میں مجھے یاد کیا گیا تھا۔ انہیں تو نہ عادت ہے اور نہ ہی اتنے سارے لوگوں کے لئے فوری طور پر ان سے کچھ پک سکتا ہے۔ بس اب میں جا رہی ہوں کچن میں۔''

گھر میں موجود ایک بڑی مصروفیت کے خیال نے ہی اسے ٹیلی فون بند کرنے پر مجبور کر دیا۔ ورنہ اس کے لئے یہیں کھڑے کھڑے شام کر دینا کچھ مشکل نہیں تھا۔

نازی نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ کر سمیع کی طرف دیکھا۔ وہ صوفے پر دو تین کشن سر کے نیچے رکھے دوبارہ سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اتنا بھی نہیں پوچھا کہ جب وہ ابھی ابھی سکول سے گھر پہنچی ہی ہے تو پھر پیچھے ہی پیچھے رعنا کا فون کیوں آیا تھا؟

نازی خاموشی سے باہر نکل آئی۔

سامنے والا برآمدہ ابھی بھی خاموشی میں ہی ڈوبا ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے وہ حسب عادت امی کے کمرے کے سامنے رکی۔ ان کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا۔ اس نے ہلکے سے پش کرتے ہوئے اندر جھانکا۔

بیڈ پر نینی سو رہی تھی اور امی دروازے کی طرف پشت کئے الماری میں سے کچھ رکھ یا نکال رہی تھیں۔

''السلام علیکم امی۔''

''وعلیکم...''

اُن کے جواب کا بقیہ آدھا حصہ اس تک پہنچا ہی نہیں۔ چند لمحے وہ اسی امید پر دروازے میں کھڑی رہی کہ وہ بھی شاید اس سے کوئی بات کریں یا کم از کم پیچھے مڑ کر ہی دیکھ لیں۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مصروف رہیں۔

''نینی کا پریکٹیکل کیسا ہوا ہے امی؟''

ایک نظر سوئی ہوئی نینی پر ڈالتے ہوئے اس نے سلسلہ کلام جوڑنے کی ایک کوشش اور کرنا چاہی۔ مگر وہ نہ جانے اس سے کتنی ناراض تھیں جو اتنے دنوں سے اس کی ساری کوششوں کو ناکام بنائے جا رہی تھیں' ہر سوال کا مختصر جواب۔

''ٹھیک ہی ہوا ہے' اُٹھ جائے تو پوچھ لینا۔'' انہوں نے اس بار بھی پلٹ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔

وہ مایوس سی ہو کر باہر نکل آئی۔

ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید امی ایک نظر اسے دیکھیں گی تو اس کی طبیعت کی خرابی پر بے چین ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گی۔

مگر وہ ایک نظر بھی نہ مل سکی۔

اپنے کمرے تک آتے آتے اسے بڑی زور کا رونا آنا شروع ہو چکا تھا۔ دِیا کئی دنوں سے برابر والے کمرے میں شفٹ ہو چکی تھی۔ اظہارِ لاتعلقی کی ایک صورت کے طور پر۔

بہر حال اس وقت یہ تنہائی بڑی غنیمت ثابت ہوئی۔

بیڈ پر لیٹ کر وہ جتنے آنسو بہا سکتی تھی۔ بناء کسی مداخلت کے بہائے گئی۔

''بھلا اس کی چھوٹی سی خطا معاف ہو کر کیوں نہیں دے رہی تھی؟''

''وہ بات جو اس نے مسعود اور پھوپھا کے رویوں سے مشکوک ہو کر صرف اور صرف دِیا کی بھلائی کے لئے کہنا چاہی تھی۔ اس کا بالکل ہی غلط مطلب نکال لیا گیا تھا۔ زیادہ رنج اسے امی کی طرف سے تھا۔

''کیا صرف ایک دِیا کی محبت اتنی طاقتور تھی کہ انہیں اپنی ہی اولاد میں انصاف کرنا نہیں آ رہا تھا۔''

دل دکھاتا ہوا یہ تجزیہ آج کل برابر تنہائی میں مصروف رکھتا تھا۔

آنکھیں پتہ نہیں زیادہ رو لینے سے جل رہی تھیں یا بخار پھر سے تیز ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اچھی بات یہ تھی کہ ساری تکلیف دہ سوچوں سے ذہن ہٹتا جا رہا تھا۔

بہت تھک کر اس نے آنکھیں بند کیں۔

اگلے چند گھنٹے گھر میں ویسے ہی گزرے جیسے روزانہ گزرتے تھے۔

بشارت صاحب اپنے مقررہ وقت پر ٹیوشن پڑھانے روانہ ہوئے۔ امی نے چائے بنا کر سمیع اور دِیا کو دی اور پھر اپنے کچن گارڈن کی دیکھ بھال کے لئے وہاں چلی گئیں۔

سمیع چائے پی کر باہر چلا گیا تو نینی اطمینان سے ٹیلی فون لے کر بیٹھ گئی۔

تھوڑے سے الٹ پھیر کے ساتھ شام کو یہی منظر خود کو دہراتا تھا۔

ایک چھوٹی سی کمی جو آج گھر میں تھی۔ اُس کی طرف بڑی دیر تک کسی کا دھیان نہیں گیا۔ البتہ ایک طویل ٹیلی فونک گفتگو بھگتا کر جب نینی پچھلے برآمدے کی طرف آئی تو خالی سیڑھیوں کو دیکھ کر ذرا سا چونکی۔

''امی، آج نازی آپا اب تک بھی نہیں اٹھیں۔ وہ تو اتنا سوتی بھی نہیں ہیں۔''

سبزی کی کیاریوں کے ساتھ والی جگہ پر امی کا ایک تخت بچھا رہتا تھا۔ وہ اور دِیا دونوں ہی وہاں بیٹھی تھیں۔

نینی کے پوچھنے پر انہوں نے سر اٹھا کر اُس کی طرف دیکھا، مگر بولیں کچھ بھی نہیں۔

دِیا مغموم چہرہ لئے آج کل ان سے سر جوڑے کیا باتیں کرتی رہتی تھی۔ اس کا اندازہ سب ہی کو تھا۔

''آپ نے انہیں چائے کے لئے آواز دی تھی یا نہیں؟'' نینی کو امی سے اپنی بات کا جواب چاہئے تھا۔ اپنی بات کو دہراتی ہوئی وہ اِدھر ہی چلی آئی۔

دِیا کو اس کی سادہ سی بات میں نہ معلوم کیا ناگوار گزرا۔ امی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''امی کی ذمہ داری ہے کیا ہر ایک کو پوچھنا؟ تمہیں اتنی فکر ہو رہی ہے تو خود بنا دو جا کر۔''

نینی حالانکہ بڑے اچھے موڈ میں تھی مگر کوئی بات سن کر چپ ہو جانا، اس کے لئے بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ سو فوراً ہی جواب حاضر تھا۔

''میں تو بنا ہی دوں گی، لیکن امی کی ذمہ داری بھی کیا صرف آپ ہی رہ گئی ہیں، باقی سب...''

''بد تمیزی نہیں کرو نینی، بڑی بہن سے اس طرح بات کرتی ہو تم؟'' امی نے اِسے بات بھی نہیں پوری کرنے دی، نینی اور چڑ گئی۔

''ان سے بڑی نازی آپا ہیں۔ یہ انہیں کتنی عزت دے رہی ہیں' مگر انہیں کچھ نہیں کہا جاتا۔'' دِیا آج کل رنجیدہ تو سچ مچ رہتی تھی' جھٹ پٹ آنسو آنکھوں میں تیرنے لگتے تھے۔اس کی یہ حالت امی کو جذباتی کر دیتی تھی۔

عین ممکن تھا کہ نینی کو ایک زبردست سی ڈانٹ سننے کو مل جاتی کہ باہر سے کسی کی آواز سنائی دینے لگی۔

''آنٹی' نازی کدھر ہو بھئی' سب لوگ۔''

کوئی پکارتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا اور یہ آواز بالکل بھی اجنبی نہیں تھی۔

اگلے ہی لمحے سامنے والے کاریڈور سے نکل کر رعنا سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''السلام علیکم رعنا باجی کیسی ہیں آپ۔'' سب سے پہلے نینی ہی آگے بڑھی۔''بہت دن بعد آئیں آپ تو۔''

''ارے اس وقت بھی اس نازی کی محبت کھینچ کر لائی ہے۔اتنے سارے مہمان بھگتائے ہیں آج' بس یہ سمجھو کچن میں کھڑے کھڑے ٹانگیں شل ہو گئی ہیں' مگر جیسے ہی وہ لوگ نکلے' بس یہی خیال آیا کہ نازی کو جا کر ایک نظر دیکھ آئوں' اب کیسی ہے وہ؟'' اپنا سارا احوال سنا کر وہ جو ایک چھوٹا سا سوال پوچھ رہی تھی۔فوری طور پر کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

''بالکل بھی اپنا خیال نہیں کرتی۔کتنے دن سے بخار آ رہا ہے' مگر بجائے چھٹی کرنے کے اور دس کام سکول کے اپنے سر لے رکھے ہیں اور آج تو حد ہی ہو گئی۔سارا اسکول پریشان ہو گیا' حالت ہی اس کی اتنی خراب...''

نینی ہراساں سی نگاہوں سے رعنا کے چہرے کو تکے جا رہی تھی۔اُس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ نینی تقریباً دوڑتی ہوئی نازی کے کمرے کی طرف چلی گئی۔اپنے پیچھے اُس نے رعنا کی آواز سنی

وہ امی سے پوچھ رہی تھی۔

''کون سے ڈاکٹر کو دکھایا ہے آنٹی نازی کو؟ اب تو کچھ بہتر ہو گئی ہو گی طبیعت اُس کی۔''

''ارد گرد سے اتنی زیادہ بے خبری پر کہیں نہ کہیں تو وہ خود بھی قصوروار ہے ہی۔''

نازی کے کمرے کا دروازہ دھکیلتے ہوئے نینی نے بڑی شرمندگی کے ساتھ سوچا۔

...☆☆☆...

سامنے کا منظر دھیرے دھیرے صاف ہوا تھا۔دو' تین بار آنکھیں کھولنے اور بند کرنے کے وقفے میں ارد گرد گھیرا ڈال کر کھڑے اور بیٹھے لوگوں کی شکلیں ٹھیک سے سمجھ میں ہی آ کر نہیں دے رہی تھیں۔

وجہ کئی گھنٹوں سے چھائی ہوئی بخار کی غفلت بھی تھی اور ٹھیک سامنے سے پڑتی ہوئی ٹیوب لائٹ کی روشنی بھی۔

ابا' سمیع' دِیا' نینی اور رعنا بھی۔

اس سوتے جاگتے سے عالم میں بھی اس کی آنکھوں میں رعنا کو دیکھ کر ہلکی سی حیرت اتری۔

'' وہ بھلا یہاں کیوں...؟''

'' نازی' کیسی طبیعت ہے بیٹا...؟''

یہ مشفق آواز امی کی تھی۔اس کے بالوں کو سمیٹتے ہوئے وہ اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں۔

"شکر ہے بخار کا زور ٹوٹا' ہم سب تو ڈر ہی گئے تھے۔ پہلے تو کبھی بھی تمہیں اتنا تیز ٹمپریچر نہیں ہوا۔"

نازی کی نگاہ گھوم کر ان کے چہرے پر آ ٹکی۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھی تھیں۔

ماتھے پر ٹھنڈک کا سا احساس ہوتے ہی اس کا ہاتھ بے ساختہ پیشانی پر آیا۔

وہاں اس وقت بھی برف کے پانی میں بھیگی پٹی موجود تھی۔

اپنی دن بھر کی خستہ حالی یاد آئی تو بیک وقت سب کی یہاں موجودگی کی وجہ بھی سمجھ میں آنے لگی۔

"نینی جلدی سے جا کر چائے بنا کر لائو۔"

"سمیع ڈاکٹر صاحب کو فون کر کے نازی کا حال تو بتا دینا۔"

"اس وقت کون کون سی گولیاں دینی ہیں؟"

کمرے میں بہت دیر سے چھائی خاموشی کے بعد اب ایک ساتھ کئی آوازیں گونج رہی تھیں۔

ایک تھکی تھکی سی مسکراہٹ نازی کے چہرے پر لمحے بھر کیلئے ابھری۔

"چلو' اس بیماری کے صدقے ہی سہی' وہ گھر والوں کے لئے تھوڑی سی VIP ہوئی تو۔"

"خود سے اتنی لاپروائی نہیں کرتے۔ طبیعت خراب تھی تو دوا کھا کر آرام کرنا چاہئے تھا' نہ کہ اسکول کی حاضری ضروری تھی۔"

یہ ابا کہہ رہے تھے' جنہوں نے خود اپنے پروفیشن سے سوائے اشد ضرورت کے کبھی منہ نہیں موڑا تھا۔ اس وقت وہ نہ معلوم کتنی دیر سے اور کتنے زیادہ پریشان رہے تھے جو یہ "بے اصولی" بات کہہ گئے۔

سمیع' نینی اور رعنا تینوں ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

نازی کو اپنی چند منٹ پہلے والی سوچ پر شرمندگی سی ہونے لگی۔

"سب لوگ اس کی وجہ سے کس قدر پریشان رہے ہیں اور وہ ہے کہ" تھوڑی سی توجہ پر نازاں ہو رہی ہے۔"

کبھی کبھی واقعی وہ خود بھی کتنی خود غرض ہو کر سوچنے لگتی ہے۔

خود کو تھوڑے سے بھی رعایتی نمبر نہ دینے کی عادت کا کم از کم یہ ایک فائدہ تو تھا ہی کہ کسی سے بھی خفگی زیادہ دیر برقرار نہیں رہ پاتی تھی بلکہ خفگی بھی کیا' وہ جو ان سب کی طرف سے مسلسل نظر انداز کئے جانے کی جو تکلیف اس نے پچھلے کئی دن سے اٹھا رکھی تھی۔ اس کا ازالہ فوری طور پر ہونے لگا۔ تھوڑا سا مسکراتے ہوئے وہ تکیوں کے سہارے اٹھ کر بیٹھنے لگی تو امی فوراً ہی منع کرنے لگیں۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اٹھ کر بیٹھنے کی' بس لیٹی رہو آرام سے۔ ایک تو اس لڑکی کو خود کو آرام دینا کبھی نہیں آیا۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے لئے کام جمع رکھتی ہے' اب دیکھ لیا نتیجہ۔"

یہ پیار بھری ڈانٹ کانوں کو بھی بھلی لگ رہی تھی اور دل کو بھی۔ وہ جیسے ہار مانتے ہوئے اپنی اٹھنے کی کوشش ترک کر کے دوبارہ لیٹ گئی۔

ابھی دوپہر کو ہی جب وہ صرف ان کی ایک نظر کو اپنی طرف اٹھتا دیکھنے کی خواہش لئے ان کے کمرے کے دروازے پر بڑی اُمید لئے کھڑی رہی تھی' وہ پل' وہ خواہش اس وقت یاد تک نہیں رہی تھی۔

رعنا جو پہلے پائنتی کی طرف کھڑی تھی اب اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی۔

نازی کو زیادہ حیرت اسی کے یہاں ہونے پر ہو رہی تھی۔" کیا اس کی طبیعت اتنی زیادہ خراب ہو رہی تھی کہ رعنا کو بھی یہاں آنا پڑا گیا۔" اسی خیال کو لے کر وہ پوچھ بیٹھی۔

" تمہیں بھی فون کر کے ان لوگوں نے پریشان کر دیا ہو گا۔ جب ہی اتنی دور سے آنا پڑ گیا۔"

کمرے میں اس وقت صرف امی' دِیا اور رعنا ہی رہ گئے تھے۔ نازی کے سوال پر فوری طور پر تب سب ہی ایک دوسرے سے نظر چرا کر رہ گئے' پھر رعنا ہی نے بات کو سنبھال لیا" میں تو ویسے ہی تمہیں دیکھنے آ گئی تھی۔ تمہاری طبیعت زیادہ خراب تھی تو رک گئی' گھر فون کر دیا تھا۔"

یہ گول مول سی بات جو اس نے محض نازی کی طبیعت کے پیش نظر کی تھی۔ اس کی فطرت سے ہٹ کر تھی' ایک دبا دبا سا غصہ جو اسے ان سب لوگوں پر شام سے آیا ہوا تھا۔ اتنی دیر ٹینشن سہہ لینے کے بعد اب مزید اسے دبائے رکھنا بڑا مشکل ہو رہا تھا۔

" میں سوچ رہی ہوں رات کو یہیں تمہارے پاس رک جائوں' رات میں کہیں تمہاری..."

نازی کو اس کا یہ پروگرام بالکل بھی منظور نہیں ہوا۔ رعنا کے یہاں رکنے کا مطلب تھا' کل اسکول سے دونوں کی غیر حاضری۔

خوامخواہ وہاں کا روٹین اور زیادہ خراب ہوتا۔ یہی بات اس نے رعنا سے کہی تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تھوڑی سی تلخ ہو گئی۔

" ایک میرے اور تمہارے نہ ہونے سے دنیا کا کوئی سا کام رکنے والا نہیں ہے۔ ہر وقت دوسروں کے بارے میں ہی نہ سوچتی رہا کرو۔ بہت لوگ ہیں وہاں اور سب کو تنخواہ ملتی ہے۔ ہم دونوں ہی خالی وہاں کی ذمہ داری نہیں اٹھائے ہوئے ہیں۔"

نازی کو احساس تھا کہ وہ اس وقت جو کچھ بھی کہہ رہی ہے' اس کی محبت میں کہہ رہی ہے ورنہ اسکول اور پڑھانا ان دونوں کے لئے محض ملازمت اور تنخواہ وصول کرنے والا معاملہ نہیں تھا۔ پڑھانا ان کی زندگی کی سب سے بڑی ترجیح تھی۔ دونوں ہی بڑی لگن سے اس پروفیشن سے وابستہ ہوئی تھیں اور رعنا بھی دوسروں کی کاہلی سے تنگ آ کر وقتی طور پر بددل ہونے لگتی تھی ورنہ اپنے اسٹوڈنٹس پر وہ جس خلوص سے ان تھک محنت کرتی تھی' سب ہی کے علم میں تھا۔

" یہاں سب لوگ ہیں میرے پاس' تم بے فکر ہو کر گھر جائو اور اب تو میں ٹھیک بھی ہوں۔"

نینی ٹھیک اسی وقت چائے لے کر اندر داخل ہوئی جب نازی رعنا کو اطمینان دلا رہی تھی۔ "امی' دِیا' نینی سب ہی تو ہیں' میری تیمارداری کرنے کیلئے۔" چہرے پر بڑی پُراعتماد سی مسکراہٹ کے باوجود وہ بہت کمزور اور زرد کھائی دے رہی تھی۔

رعنا اس کے چہرے کو یوں ہی خاموش نظروں سے تکے گئی' جواباً ایک ہلکی سی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے پر نہیں آ سکی۔

نینی کو بڑی سخت شرمندگی نے شام سے گھیرا ہوا تھا۔" کیا سوچتی ہوں گی رعنا باجی بھی؟"

شام کو رعنا کی آمد کے بعد نازی کی بخار کی شدت سے چھائی نیم بے ہوشی کو دیکھنے کے بعد سے گھر میں جو بھاگ دوڑ مچی تھی' اس وقت سے لے کر اب تک وہ رعنا سے آنکھ ملانے سے کترا رہی تھی اور اسی شرمندگی کے ازالے کے طور پر وہ بہرحال کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہ ہی رہی تھی۔

ٹرے میں بسکٹ' انڈا اور بریڈ کے سلائس کے ساتھ چائے بھی تھی۔" آپ شروع کریں نازی آپا' میں ابھی آئی۔" یہ کہہ کر وہ فوراً ہی واپس بھی مڑ گئی' چند منٹ میں دوبارہ واپسی ہوئی تو اس بار ٹرالی ساتھ تھی۔

" آئیں رعنا باجی! کھانا کھائیں۔ اتنی دیر ہو گئی ہے۔" امی دیا اور نازی تینوں نے کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

نینی سے کسی قسم کے احساس ذمہ داری کی توقع کم ہی کی جاتی تھی اور اس وقت جو وہ بڑے سلیقے سے جو کچھ اس سے بن سکتا تھا' بنا کر مہمان کو پیش کر رہی تھی تو یہ بڑی خوش آئند سی تبدیلی تھی۔

خود رعنا بھی تھوڑا سا متاثر ہو ہی گئی۔ یہاں آمد پر لاتعلقی کا جو عظیم الشان مظاہرہ دیکھ کر وہ اب تک مستقل کڑھتی رہی تھی' اس میں تھوڑی سی کمی آئی۔

" تم نے کیوں اتنی تکلیف کی نینی؟ مجھے کوئی بھوک بھی نہیں ہے۔" اس نے بہت نرمی سے اسے کہنا چاہا۔ مگر وہ اچھے میزبانوں کی طرح مستقل ہی اصرار کئے گئی۔

" تھوڑا سا تو لیں نا' بتائیں کیسا بنا ہے؟"

بہت دیر سے خاموش بیٹھی دِیا سے رہا نہ گیا۔ جس پرانے اخبار کو وہ سب سے الگ تھلگ بیٹھی الٹ پلٹ کئے جا رہی تھی۔ اسے ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔

" ویسے بھی نینی کا پکایا ہوا تھوڑا سا ہی کھایا جا سکتا ہے۔ آپ بھی یہ ہمت کر ہی لیں۔" رعنا نے پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے ایک گہری نظر دیا پر ڈالی۔

اگر یہ مذاق تھا تو بہت بھونڈا اور بے محل۔

نینی اس کی بات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے رعنا کی طرف ہی متوجہ رہی' مگر پھر بھی اس کے چہرے پر پھیلتی سرخی رعنا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہی۔ معلوم نہیں وہ شرمندہ ہو رہی تھی یا خفا۔

لیکن رعنا کو آج وہ پہلی بار بڑی مختلف سی لگی۔ آج سے پہلے اسے نازی کی بہنوں میں دیا کی خوبصورتی متاثر کرتی تھی۔ مگر آج نینی اس سے بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ نینی کی نرم مزاجی اور شائستگی کا تجربہ رعنا کو آج ہی ہوا تھا۔

اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نینی کے ہاتھ سے پلیٹ تھامی اور نازی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔" تم نے تو بتایا ہی نہیں تھا کہ نینی ماشاءاللہ اب کچن بھی سنبھالنے لگی ہے۔"

" نینی بے چاری جو شام سے گھر والوں کی طرف سے ہونے والی کوتاہی کا ازالہ کرنا خود پر فرض کئے ہوئے تھی' مزید شرمندہ ہونے لگی۔"

" میں کہاں کچھ کرتی ہوں' امی اور نازی آپا ہی لگی رہتی ہیں۔"

مگر نازی نے بھی رعنا کی بات کی ہی تائید کی' سچ تھا بھی یہی۔

نینی پر براہ راست گھر کے کسی بھی کام کی ذمہ داری نہیں تھی۔ مگر پھر بھی وہ از خود کئی کاموں میں ہاتھ بٹادیا کرتی تھی' نازی اگر اسکول کے کام میں مصروف نظر آتی تو اسے تھوڑی تھوڑی دیر بعد چائے کا کپ دینے کا خیال بھی اسے ہی آتا تھا۔ شاید اس کی ان ہی عادات کی بنا پر اس کی بعض لاپروائیوں کو معاف کر دینے کو دل چاہتا تھا۔

دِیا کھانے میں شریک نہیں تھی۔ رعنا کے کہنے پر بھی نہیں بیٹھی۔

نینی کھانے کے برتن واپس رکھنے گئی تو رعنا اور نازی کمرے میں اکیلے ہی رہ گئے۔

" یہ دِیا کا روّیہ کچھ زیادہ عجیب نہیں ہوتا جا رہا ہے۔ اتنی چڑچڑی اور روکھے مزاج کی یہ پہلے تو نہیں تھی۔"

رعنا' نازی کے سرہانے تکیئے ٹھیک کرتے ہوئے سرسری سے انداز میں پوچھ بیٹھی۔

" بس وہی مسعود والا قصہ۔" نازی نے کچھ افسردگی کے ساتھ صفائی پیش کرنا شروع کی۔

" بہت زیادہ ڈیپریس رہنے لگی ہے۔ اسماء پھوپھو وغیرہ نے تو بات کو لٹکا ہی رکھا ہے۔ ابا بھی اپنے روّیہ میں نرمی نہیں لا رہے' دِیا بے چاری تو بیچ میں پس کر رہ گئی ہے۔"

رعنا نے اس ساری الجھی ہوئی صورت حال کا ذرا بھی اثر لیا ہو۔

" ایسی بھی کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ سب ہی خاندانوں میں الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان اپنی ٹینشن یوں خوامخواہ اِدھر اُدھر اتارتا پھرے' ابھی دیکھا تھا دِیا کا روّیہ' کس طرح نینی سے بات کر رہی تھی۔"

نازی خاموشی سے اس کا چہرہ تکنے گئی۔ رعنا کا دِیا کو کچھ کہنا اسے اچھا تو نہیں لگا تھا مگر وہ اتنی پر خلوص اور قریبی دوست تھی کہ اس کی بات کا برا بھی نہیں منایا جا سکتا تھا۔ پھر بھی ایک چھوٹی سی کوشش اس نے کر ہی لی۔ " دِیا شروع سے ہی بہت حساس ہے رعنا اس میں قوت برداشت کی بہت کمی ہے' اس کے لئے یہ چھوٹی بات نہیں ہے کہ اسے مسعود کی طرف سے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔"

" ہر شخص حساس ہوتا ہے' خاص طور پر اپنے لئے۔" رعنا نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا " کیا ہم انسان نہیں ہیں' اپنے آپ کو دیکھو' مجھے دیکھو' ماں باپ دونوں سر پر نہیں ہیں' کس پائے کی بد مزاج خاتون ہیں میری بھابی تمہیں بھی علم ہے' آج میں خود جاب نہیں کر رہی ہوتی تو نہ معلوم کب کا مجھے دھکا مار کر باہر کر چکی ہوتیں۔"

" خدا نہ کرے۔" نازی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ " تمہارے بھائی تو بہت اچھے ہیں رعنا۔" رعنا نے اس کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی کو دیکھا اور پھر مسکرا دی۔ " میں کب کہہ رہی ہوں کہ بھائی اچھے نہیں ہیں' وہ واقعی بہت اچھے ہیں' مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اور یہی ایک مجبوری ہے جس کی وجہ سے بھابی کو مجھے برداشت کرنا پڑ رہا ہے' میں تو صرف تمہیں یہ سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ دِیا کے روّیہ کو کھل کر غلط کہنے کے بجائے تم لوگ اس طرح بے معنی جواز تراش کر اسے شہ مت دو' وہ اور زیادہ بے مروت اور تلخ..."

" رعنا باجی آپ کے بھائی آ گئے ہیں۔" سمیع نے ادھ کھلے دروازے میں سے جھانکتے ہوئے اطلاع دی اور پھر فوراً ہی واپس مڑ گیا۔

رعنا کی اب بھی مرضی نہیں تھی' مگر نازی نے اسے واپسی کیلئے تیار کر کے ہی چھوڑا۔

" اب تو ویسے بھی اچھا نہیں لگے گا' وہ بے چارے اتنی دور سے تمہیں لینے آئے ہیں اور تم نہ جاؤ اور اب تو میری طبیعت کافی بہتر ہے' رات کو امی اور نینی تو ہیں ہی میری دیکھ بھال کے لئے۔" وہ جس مان اور بھروسے سے یہ بات جتنی بار بھی کہہ چکی تھی' امی اور نینی کو اتنی ہی بار اس سے اور رعنا سے نظر ملانا مشکل ہوا تھا۔

اس بات کو رعنا محسوس بھی کر چکی تھی۔ یہاں آتے ہی غصے اور رنج کی جس شدید کیفیت میں وہ مبتلا ہوئی تھی اس میں اب تک تھوڑی بہت کمی واقع ہو ہی گئی تھی۔ اس لئے چلتے وقت جب امی اور نینی اسے رخصت کرنے گیٹ تک آئیں تو وہ دانستہ تھوڑا سا پیچھے رک گئی۔ امی' بشارت صاحب اور سمیع اس کے بھائی سے باتیں کر رہے تھے۔

" سنو نینی۔"

اس نے نینی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے نرمی سے مخاطب کیا۔" آج شام کو یہاں جو بھی ہوا' اس کا ذکر نازی سے مت کرنا اسے تکلیف ہو گی۔"

نینی نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ٹھیک یہی درخواست وہ خود اس سے کرنا چاہ رہی تھی مگر ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

رعنا کے بھائی گاڑی کے قریب کھڑے آواز دے رہے تھے۔ وہ مزید ایک لفظ بھی کہے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

نینی اس کا شکریہ تک نہ ادا کر سکی۔ ایک بھاری بوجھ جو شام سے کاندھوں پر دھرا تھا' رعنا کی مہربانی سے ہلکا ہونے لگا۔

ایک دم ہی بہت سارا نمکین پانی اسے حلق میں اٹکتا ہوا محسوس ہوا۔

سامنے رعنا گاڑی میں بیٹھ رہی تھی' اسے ہاتھ ہلاتے ہوئے اس نے خود کو بمشکل کمپوز کیا۔ رعنا جیسی پر خلوص دوست یقیناً ایک بہت بڑی نعمت تھی۔

" اور نازی آپا کم از کم اس ایک حوالے سے تو خوش قسمت ہیں' ہم گھر والے ان کے حق میں خواہ کیسے بھی ہیں۔"

نازی کے کمرے کی طرف واپس آتے ہوئے نینی نے خود سے اعتراف کیا۔

آج کل وہ بہت زیادہ سوچنے لگی تھی۔ اسی وجہ سے شاید زیادہ حساس' زیادہ ذمہ دار ہوتی جا رہی تھی۔

دِیا کے کمرے کے بند دروازوں کے پیچھے سے آتی ہوئی میوزک کی ہلکی ہلکی سے آواز کو سنتے ہوئے اس نے ہلکی سے ناگواری کے احساس کے ساتھ اس طرف دیکھا اور سر کو ہلکے سے جھٹکتے ہوئے نازی کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

...☆☆☆...

شام قریباً ڈھلنے کو تھی۔

ثانیہ بس اسٹاپ پر اتری تو اس کے ساتھ کچھ اور لڑکیاں بھی اتر آئیں۔ اس پر ہجوم سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر بھی وہ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکیں۔

یہ ہلکی پھلکی سی آشنائی پچھلے چودہ پندرہ دنوں کی دین تھی۔ ان سب کی واپسی کا ٹائم یکساں تھا۔ تھوڑا سا دور چل لینے کے بعد وہ سب مختلف سمتوں میں مڑ جاتیں۔ دو کا گھر ماموں کے گھر سے دو گلی آگے تھا۔ سو وہ ثانیہ کو اس کی گلی کے کنارے پر خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ جاتیں۔

ثانیہ کو یہ ساتھ بڑا غنیمت لگتا۔

اکیلے کہیں آنے جانے کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے وہ دل ہی دل میں جتنا خائف تھی۔ اس میں ایسے چھوٹے موٹے سہارے بڑے تسلی بخش ثابت ہو رہے تھے۔

گھر کے گیٹ پر پہنچتے پہنچتے مغرب کی اذان کی آوازیں بلند ہونے لگی تھی۔ اماں اس کے انتظار میں گھنٹہ بھر پہلے سے ہی اگلے برآمدے میں آ کر بیٹھ جاتی تھیں۔ گیٹ کھولنے میں ذرا بھی دیر نہیں ہوتی۔

" آج کچھ زیادہ دیر نہیں ہو گئی تمہیں۔"

ثانیہ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے ہلکی سے تشویش کے ساتھ کہا۔

ثانیہ مسکرا دی۔

اس کی واپسی کے وقت میں محض پانچ سات منٹ کا فرق بھی وہ ضرور ہی نوٹ کر لیتی تھیں۔

اندر ممانی اور لبنیٰ دونوں ہی موجود تھیں۔کان اگرچہ اسی کی آہٹ پر لگے رہتے تھے، مگر اسے آتا دیکھ کر وہ بڑی شد و مد سے خود کو مصروف مصروف سا ظاہر کرنے لگتیں۔

ثانیہ کو انہیں دیکھ کر ابا کی دہرائی ایک بات یاد آکر رہ جاتی "Busy for nothing"

اس کے سلام کے جواب میں وہ محض سر ہلا کر میز پر پہلے سے ہی ٹھیک کر کے رکھے گلاسوں کو پھر سے اِدھر اُدھر کرنے لگیں اور پھر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

ثانیہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے ہاتھ میں تھاما ہوا بیگ اور فائل تخت کے ایک کونے پر ٹکایا اور پھر خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔

" آج کیا ہوا تمہارے سینٹر میں؟"

" پڑھائی۔"

لبنیٰ کے بڑے اشتیاق سے پوچھے جانے والے سوال کا یہی مختصر ترین جواب ہو سکتا تھا۔ مگر اس کی تسلی نہ ہو سکی۔

مسئلہ یہ تھا کہ وہ یہ سوال ہر روز پوچھا کرتی تھی۔ معلوم نہیں اس کے لئے انگریزی زبان پڑھائے جانے والے اس سینٹر میں کیا ڈرامہ متوقع تھا۔ثانیہ کے گروپ میں شامل لڑکے لڑکیوں کی تعداد اور ان کے نام تو وہ اتنے دن میں پوچھ چکی تھی۔آگے اسے بتانے کیلئے ثانیہ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

" ہمارے کیمپس میں تو بہت مزا آتا ہے۔اس قدر جولی لڑکے، لڑکیاں ہیں کہ سارا دن ہنس ہنس کر برا حال ہو جاتا ہے۔"

ثانیہ نے تھوڑی سی حیرت سے اس کی اتراتی ہوئی شکل کو دیکھا اور پھر پوچھ ہی لیا۔

" تو تم لوگ کام کس وقت کرتے ہو؟ تمہارا تو کورس بھی خاصا وقت طلب ہے۔میرا مطلب ہے کہ اتنی باتوں کا وقت مل جاتا ہے کہ..."

" اب ہر وقت کام ہی تھوڑی ہوتا ہے۔انسان کو ریلیکس کرنا بھی ضروری ہے۔یہ کیا کہ بس منہ جھکا کر جو بیٹھے تو بس گھر آنے کے وقت تک وہیں جمے بیٹھے رہے۔"

ثانیہ کی بات کو بے زاری سے کاٹتے ہوئے جس وقت وہ اپنا دفاع کر رہی تھی۔ ممانی کمرے سے باہر آچکی تھیں۔

ثانیہ سے روزانہ کی جو رپورٹ لینے کا فریضہ ان کی ہونہار صاحبزادی انجام دیتی تھیں۔اسے وہ بھی بڑا دل لگا کر سنا کرتی تھیں۔اس میں سے اپنے کام کی بات کو چن لینا آگے ان کا کام تھا۔

" اس ویک اینڈ پر ہم لوگ پارٹی رکھ رہے ہیں، تمہیں کیا چیز اچھی سی بنانی آتی ہے؟"

ہفتے کے اختتام پر جو چٹ پٹا سا پروگرام وہ بنائے بیٹھی تھی۔ثانیہ فی الحال اس میں تھوڑی سی بھی دلچسپی نہ دکھا سکی۔

" سوچ کر بتاؤں گی۔" اتنا ہی کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

وقت تنگ ہو رہا تھا۔ بہتر تھا کہ مغرب کی نماز ادا کر لی جائے۔اماں کب کی نیت باندھ چکی تھیں۔

ممانی کو اس کا یہ ٹالنے کا انداز اچھا خاصا ناگوار گزرا تھا۔

لبنیٰ کے معاملے میں ان کی حساسیت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں انہیں اس کی دل شکنی کا خیال ستانے لگتا تھا اور اب جب بالآخر اس نے اپنی بیزاریت پر قابو پا کر اس کمپیوٹر کورس میں دل لگا ہی لیا تھا تو خود ان کی اپنی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

" یہیں پکا دوں گی' جو بھی کہو۔ بریانی' قورمہ' شاہی ٹکڑے' کباب' کس دن ہو گی دعوت؟"

انہوں نے وہی چاروں ڈشز ایک سانس میں گنوا دیں' جن کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ ان سے بہتر کوئی دوسرا نہیں پکا سکتا' پر لبنیٰ کے لئے یہ آخر بے کار ہی تھی۔

" وہاں یہ سب نہیں چلتا ہے۔ وہ شام کی پارٹی ہے' اسنیکس بنا کر لے جانے ہوں گے۔"

" وہ تو اور بھی آسان ہیں' چھولے' دہی بڑے یا وہ کیا کہتے ہیں ڈبل روٹی کے سینڈوچ بیچ میں کباب رکھ کر' بنا دوں گی میں' جس دن بھی کہو۔" وہ مزید پُراعتماد لہجے میں بولیں۔

" خالی کباب نہیں رکھے جاتے ہیں امی اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے' آپ سے نہیں بنیں گے۔" وہ کچھ جھنجلا گئی۔

ان کی مستقل دخل اندازی کچھ سوچنے بھی نہیں دے رہی تھی۔ وہاں لڑکیاں بڑے عجیب عجیب سے ناموں کے اسنیکس گنوا رہی تھیں۔ ان کی معلومات کانٹی نینٹل کھانوں کے بارے میں قابل رشک تھی۔

سارا وقت وہ چپ چاپ بیٹھی سخت متاثر ہوتی رہی تھی۔

" یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ آج تک کسی اچھے ریسٹورنٹ میں کھانا تک نصیب نہیں ہوا۔ نہ اٹالین کا پتہ اور نہ چائنیز کا' چار لوگوں میں بیٹھ کر بس ان کا منہ ہی تکتے رہتے ہیں۔"

ان ساری سنی سنائی باتوں کا ری ایکشن بڑی سخت بے چارگی کے اظہار کی صورت میں ہونے لگا۔

اس " احساس محرومی" کا مداوا فوری طور پر کرنا ممانی کے لئے ممکن نہیں تھا جن جگہوں کے نام لبنیٰ اب روانی سے لینے لگی تھی' وہ اتنی ناقابل رسائی بھی نہیں تھیں۔ مگر سب سے بڑی رکاوٹ تھی گاڑی۔ اپنی ذاتی گاڑی۔ یہ بڑا مشترکہ کمپلیکس تھا۔

خود ممانی کی عرصے سے یہ تمنا تھی کہ کراچی میں موجود رشتے داروں کے ہاں جانے کیلئے ان کے پاس ایک عدد گاڑی ہونی ہی چاہئے۔ محض سوچ کر ہی دل بڑی گہری فخریہ خوشی سے ہم کنار ہونے لگتا تھا۔

لبنیٰ کی پارٹی کا مسئلہ ان کی اس دکھتی رگ کو چھیڑنے لگا۔

" اپنے گھر گاڑی ہو تو بھلا بچی کو کیوں اس طرح شرمندہ ہونا پڑتا۔"

وہ اسی قسم کے خیالات کا اظہار اگلے چند منٹ کرتی رہیں' کوئی سنے یا نہ سنے ان کی بلا سے۔

ثانیہ نماز پڑھ کر آئی تو لبنیٰ کیلئے کسی چٹ پٹی Recipe کے بجائے ایک اور بہتر مشورہ تھا۔" تم سب لوگ پیسے اکٹھے کر کے اپنی پارٹی کسی ریسٹورنٹ میں ارینج کر لو' یہ زیادہ بہتر رہے گا۔"

(سارے نادر خیالات نماز کے آس پاس ہی سوجھا کرتے تھے۔ اماں کے خشوع و خضوع پر اسے ایسے ہی تھوڑی رشک آیا کرتا تھا۔)

یہ آئیڈیا فوراً ہی کلک کر گیا۔

" واقعی، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ میرا خیال ہے سب ہی مان جائیں گے۔ کیا خیال ہے کچھ دوستوں سے ابھی نہ بات کرلوں۔" لبنیٰ نے تعریفی نظروں سے ثانیہ کو دیکھتے ہوئے اس طرح مشورہ طلب کیا جیسے ہر کام اس کے مشورے سے طے پاتا ہو۔

ثانیہ کو اس " عزت افزائی" پر اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو دبانا پڑا۔

کچن میں بہت سے کام اس کے منتظر تھے۔

کھانا وہ بنا کر ہی جاتی تھی، مگر دوپہر سے شام تک کہ اس وقفے میں نہ معلوم کہاں کے برتن اکٹھے کرکے سنک میں بھر دیئے جاتے تھے۔

گوندھ کر رکھنے کے بعد وہ ان ڈھیر سارے برتنوں کو بھی تقریباً دھو ہی چکی تھی، جب لبنیٰ اپنی دوستوں کے فون بھگتا کر کچن میں آئی۔

ثانیہ کو دیا ہوا پروگرام اتفاق رائے سے منظوری لینا شروع کرچکا تھا۔ سو، لبنیٰ بڑی پرجوش تھی۔

"سب راضی ہیں، بس کل جا کر گروپ کے لڑکوں سے اور بات کرنی ہوگی۔ اس لئے بھی کہ پک اینڈ ڈراپ کا مسئلہ تو انہیں ہی حل کرنا ہوگا نا۔"

وہ کچن کے دروازے میں کھڑی ثانیہ کو تفصیلات بتاتی رہی۔ ممانی برآمدے کی کرسی پر بیٹھی جز بز ہوتی رہیں۔

لبنیٰ کو دو چار آوازیں بھی دیں، مگر وہ وہیں کھڑی " جی، جی" کرکے ان سنی کرتی رہی۔

ان کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو وہ وہیں سر پر جا پہنچیں۔

" آخر ایسا کیا کام ہے، جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے، یا یوں ہی زبردستی کچن میں کھڑے رہنے کا شوق ہے تو اور بات ہے۔"

ان کی غصیلی آواز کافی اونچی تھی۔

نماز سے فارغ ہو کر تسبیح پڑھتی ہوئی اماں کے وجود میں بڑی خفیف سی جنبش ہوئی۔ مگر انہوں نے پلٹ کر کچن کی طرف دیکھنا ضروری نہیں سمجھا۔

جب بھی ممانی کو غصہ آیا ہوا ہوتا یا ثانیہ سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی، جو کہ ممانی اور لبنیٰ دونوں کی نظروں میں اکثر ہی ہوتی رہتی تھی۔ وہ اسی طرح خود کو لاتعلق سا ظاہر کرتیں۔ بس اس دن ان کی تسبیح معمول سے بڑھ کر طویل ہو جاتی اور پھر جب کافی دیر کے بعد جب ثانیہ کا ان سے سامنا ہوتا تو اسے بالکل ہی ایسا محسوس ہوتا کہ اماں نے کچھ بھی نہیں سنا۔

اس وقت صورتحال روز جیسی دل دکھانے والی تو خیر نہیں تھی کہ لبنیٰ تھوڑی دیر کیلئے ہی سہی ثانیہ پر مہربان تھی، پھر بھی جو کچھ ممانی کہہ رہی تھیں وہ سننا پڑ ہی رہا تھا۔

" دوسروں کے ہاتھ گھر سپرد کرنے کا نتیجہ ہے جو کچن کا یہ حال ہو رہا ہے۔ سارا دن اوندھا پڑا رہتا ہے۔ میری اپنی طبیعت ٹھیک ہو تو کسی کا احسان لینے کی کیا ضرورت ہے۔"

بات کہیں سے کہیں نکلی جا رہی تھی۔

لبنیٰ اس وقت ذرا دوسرے موڈ میں تھی، تیزی سے بولی۔" خیر امی ایسا تو نہ کہیں، کم از کم کچن کی حد تک تو ثانیہ نے نقشہ بدل دیا ہے۔ گھر کا سب سے صاف ستھرا حصہ یہی ہے۔ ڈرائنگ روم تک میں

ہر وقت مٹی اڑتی رہتی ہے۔ میرے خیال میں تو آپ مہمانوں کو یہیں کچن میں لا کر بٹھالیا کریں' یا پھر باقی گھر کی ذمہ داری بھی ثانیہ ہی کے سپرد...''

لبنیٰ کو بولتے وقت کچھ مطلب نہیں ہوتا تھا جو بھی دل میں آیا' ٹھکا ٹھک کہتی چلی جاتی تھی' اچھا یا برا۔

اس وقت نادانستگی میں ہی سہی ثانیہ کا فیور ہونے لگا۔

ممانی نے بیٹی پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالی اور خاموش ہو رہیں۔ جانتی تھیں کہ اس وقت وہ جو کچھ بھی اور جتنا کچھ بھی کہیں گی اس کا جواب دینے کی ذمہ داری لبنیٰ خود بخود اپنے ذمہ لئے رکھے گی۔ ان کے اتنا سمجھانے بجھانے کے باوجود بھی وہ بسا اوقات یوں ہی ان کے ہاتھوں سے نکلنے لگتی تھی۔

دل پر جبر کرتی ہوئی وہ واپس اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ لبنیٰ نے فی الوقت ان کے پیچھے پیچھے جانے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

'' اب دیکھو کون سی جگہ جانے کیلئے فائنل ہوتی ہے' کے ایف سی' میکڈونلڈ' میلہ یا...''

اس '' یا'' کے آگے بھی بڑی لمبی لسٹ تھی۔ شہر میں فوڈ پوائنٹس کی گنتی تھی نہ شمار' ثانیہ سر جھکائے اپنا کام کرتے ہوئے بددلی سے وہ ساری '' خوشگوار'' باتیں سنے گئی' جنہیں کرنے لبنیٰ کا کو پورا پورا حق حاصل تھا۔

اور یہ حق اسے محض اس لئے حاصل تھا کہ وہ بدنصیبی جس نے تاک کر ثانیہ کو اپنا نشانہ بنایا تھا' لبنیٰ کے حصے میں نہیں آئی تھی۔

قسمت کا بھی یہ کیا ہی عجیب گورکھ دھندہ ہے۔

صاف کپڑے سے پلیٹیں خشک کر کے ریک میں لگاتے اس کے ہاتھ کی رفتار سست ہونے لگی۔

'' شاید انسان پیدائشی طور پر ہی یا تو خوش قسمت ہوتا ہے یا پھر بدقسمت' اس خصوصیت کو حاصل کرنے کے لئے اسے خود سے کوئی بھی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔ زندگی خود بخود ہی اپنے لئے طے شدہ راستے پر چل پڑتی ہے۔'' تھوا سارک کر اس نے اس نہ سمجھ میں آنے والی سچائی کو کھوجنا چاہا مگر لبنیٰ جیسی باتونی کی موجودگی میں ڈھنگ سے کچھ بھی سوچنا دشوار تھا۔

اب وہ شاید اس سے اپنے پہنے جانے والے کپڑوں کے متعلق کچھ کہہ رہی تھی۔ مگر ثانیہ اس کی بات پر ذرا بھی دھیان دیئے بغیر اس کے چہرے پر پھیلی بے فکر سی مسکراہٹ کو رشک سے تکے گئی۔

جب سے اس نے لینگویج سینٹر جانا شروع کیا تھا اسے اپنے آس پاس ہنستی مسکراتی' بے تکان باتیں کرتی ہوئی لڑکیوں کو دیکھ کر اکثر ہی رشک آنے لگتا تھا۔

زمانے بھر کی فکروں سے آزاد۔

اپنے محفوظ و مامون گھروں میں بیٹھی ہوئی' جن کے سروں پر ماں باپ کا مہربان سایہ سلامت تھا۔

کئی بار اس نے ان سب کیلئے بڑے دل سے دعا بھی کی تھی۔ اسے کبھی بھی ان سب سے یا لبنیٰ سے رتی برابر بھی حسد محسوس نہیں ہوا تھا۔ مگر ذہن میں پھر سے وہی قضیہ شروع ہو جاتا تھا۔

'' کیا تھا جو وہ بھی ان ہی میں سے ایک ہوتی عمر کے اس سب سے سنہری دور میں یہ دربدری اس کے حصے میں نہ آئی ہوتی تو اس کی زندگی بھی یقیناً ان سب کی طرح ہی ہوتی۔''

لبنیٰ نے بالآخر اس کی غائب دماغی کو محسوس کر ہی لیا" کیا بات ہے' طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری' آتے ہی کام میں نہ لگ جایا کرو۔ پہلے ایک کپ چائے بنا کر پی لیا کرو' بلکہ مجھے بھی پلا دیا کرو۔"

ثانیہ نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ گھر میں شام کی چائے اس کی واپسی سے قبل پی لی جاتی تھی۔ وہ تھکن اور دل چاہنے کے باوجود بھی اپنے لئے ایک کپ بنانے کی ہمت نہیں کر پاتی تھی۔ کیتلی میں چائے کے لئے پانی ڈالتے ہوئے اس نے سوچا کہ " کچھ بھی سہی' جو اگر لبنیٰ بھی پورا پورا امامانی کے ہی نقش قدم پر چل رہی ہوتی تو زندگی نہ معلوم اور کتنی مشکل ہو رہی ہوتی۔ اس کا یہ دھوپ چھائوں والا روّیہ کہیں نہ کہیں تو سہارا بن ہی جاتا ہے۔"

...☆☆☆...

سجاد اپنا کام ختم کر کے بس اٹھنے ہی والے تھے جب انٹر کام پر عمر کے آنے کی اطلاع ملی۔

اسے اندر بھیجنے کا کہتے ہوئے انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

شام کے ٹھیک پونے چھ بجے تھے۔

عمر عام طور پر یہاں ان کے آفس میں نہیں آیا کرتا تھا۔ زیادہ تر ٹیلی فون پر ہی رابطہ رہتا یا پھر بابا کے آفس میں جب بھی جانا ہوتا' ملاقات ہو جاتی۔

اس وقت جو وہ خاص طور پر یہاں آیا تھا تو بھلا کیا بات ہو سکتی تھی۔

انہوں نے قیاس آرائی کرنا چاہی۔

مگر اسی وقت وہ اندر چلا آیا۔

سجاد کی آنکھوں میں تیرتی الجھن کو بھانپتے خود بخود ایک معذرت خواہانہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھر آئی۔

" ڈسٹرب کرنے پر معافی چاہتا ہوں سجاد صاحب۔"

" ایسی کوئی بات نہیں۔ آئو بیٹھو' ویسے بھی بہت دن ہو گئے تھے تم سے ملے ہوئے۔"

سجاد نے گرمجوشی سے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

" اس بار پورا ہفتہ ہی گزر گیا' آپ ہمارے آفس ہی نہیں آئے۔"

عمران کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ پچھلے کئی دن سے سجاد واقعی بابا کے آفس نہیں جا پا رہے تھے۔ وجوہات ایک نہیں دو دو تھیں۔

پہلی' خود ان کے اپنے آفس میں کام کی زیادتی اور دوسری یہ کہ آج کل بابا خود اپنا پورا پورا ٹائم اپنے بزنس کو دے رہے تھے۔

عمر کے اس ہلکے سے گلے کے جواب میں انہوں نے وہی اس سے بھی کہہ دیں۔

" اور پھر سچی بات ہے کہ بابا کی موجودگی میں میری وہاں ایسی کوئی خاص ضرورت رہ بھی نہیں جاتی' ہر بات ہر معاملے کی سمجھ انہیں مجھ سے کہیں زیادہ ہے۔"

بابا کی تعریف میں وہ جو کچھ کہہ رہے تھے' سو فیصد ٹھیک تھا۔ پر عمر اچھی طرح جانتا تھا کہ سجاد اپنے بارے میں بھی اچھی خاصی انکساری سے کام لیتے تھے۔

"بہر حال وہ بزنس بہت جلد آپ کے سپرد کرنے والے ہیں۔" عمر نے بابا کے منہ سے دسیوں بار سنی ہوئی بات مسکراتے ہوئے یاد دہانی کے طور پر دہرائی۔

سجاد ہلکے سے ہنس پڑے۔

یہ ایک پیار بھری دھمکی تھی، جو وہ انہیں اکثر ہی دیا کرتے تھے۔

"تم سناؤ۔اس وقت کیسے آنا ہوا؟"

"ایک مسئلہ آپڑا ہے سجاد صاحب اور اس کا کوئی حل آپ ہی نکال سکتے ہیں۔"

عمر ایک دم ہی بہت سنجیدہ نظر آنے لگا۔

سجاد نے ذرا غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔"وحید صاحب نے دس فلیٹ والوں کو خالی کر دینے کا نوٹس دیا ہے۔وہ بھی پندرہ دن کے اندر اندر۔"

"کب کی بات ہے یہ؟"

"کل شام، بلکہ عشاء کی نماز کے بعد وہاں یونین میں جوان کا ایک مستقل کارندہ ہے، اس نے وہ سارے نوٹس جنرل سیکرٹری کے حوالے کرنے کے بجائے بذات خود جا کر ان گھروں پر دیئے ہیں اور ظاہر ہے وحید صاحب نے ہی اسے ایسا کرنے کے لئے کہا ہو گا۔"

عمر نے آخری فقرہ ذرا دبے ہوئے لہجے میں کہا۔اسے وحید اور سجاد کے مابین رشتے کی نوعیت کا بھی اندازہ تھا اور اپنی حدود کا بھی۔

"باقاعدہ لیگل نوٹس ہیں یا یوں ہی وحید صاحب کے دستخط کے ساتھ جاری ہوئے ہیں؟"

عمر جس پریشانی کے عالم میں یہاں تک آیا تھا، اس میں سجاد کا یہ لائٹ سا انداز اور چہرے پر آئی ہلکی سی مسکراہٹ فوراً ہی اس کی ٹینشن میں کمی کا سبب بننے لگی۔

"سائیکو اسٹائل کے کئے ہوئے پیپر ہیں سر، میں لے کر آیا ہوں۔"

اس نے جیب سے ایک پیپر نکال کر ان کے سامنے میز پر رکھا۔

پیپر میں وہی تھا، جو ابھی عمر بتا چکا تھا۔نئی بات صرف وحید کے وکیل کی مہر اور دستخط تھے۔

سجاد کے چہرے پر آئی مسکراہٹ تھوڑی سی اور گہری ہو گئی۔

یہ وکیل صاحب، وحید کے پرانے دست راست تھے۔الٹے سیدھے نہ جانے کتنے مقدمے وحید نے ان ہی کی سرپرستی میں مختلف عدالتوں میں دائر کئے ہوئے تھے۔

"وحید صاحب کے لوگوں نے آج صبح سے ان گھروں پر جا کر تقاضا بھی شروع کر دیا ہے۔وہ لوگ بہت گھبرائے ہوئے ہیں۔صبح کے وقت گھروں پر یا تو ہاؤس وائیوز ہوتی ہیں یا پھر بزرگ اور یہی لوگ سب سے زیادہ آسانی سے دباؤ میں آجاتے ہیں۔"

عمر صورتحال کو مزید واضح کرنے لگا۔

سجاد اچھی طرح سمجھ سکتے تھے کہ وہاں "رحمت منزل" میں اس وقت کس طرح کی صورتحال ہو رہی ہو گی۔

" عمر، تم سب سے پہلے یہ کرو کہ ان سب لوگوں کو فوری طور پر اطمینان دلاؤ کہ انہیں پریشان ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیگلی وحید بھائی کو ایسی کوئی اتھارٹی حاصل نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں سے گھر خالی کرا سکیں بلکہ کوئی نوٹس بھی بھجوا سکیں۔ بلڈنگ کی ملکیت میں فرحت آپا حصہ دار ضرور ہیں مگر کسی بھی حتمی فیصلے کا اختیار آج بھی صرف بابا کے پاس ہی ہے۔"

سجاد کو وہاں کے مکینوں کی پریشانی کا خیال بے چین کر رہا تھا۔ یہ بات ان کے نزدیک معمولی سہی مگر دوسروں کیلئے یقیناً پریشانی کا سبب بن رہی تھی۔

" دراصل سر، لوگ تو انہیں ہی وہاں کا مالک سمجھنے لگے ہیں۔ اتنے سالوں سے وہی وہاں کے ہر معاملے کی نگرانی کر رہے ہیں۔ ایک فلیٹ تو آپ کو پتہ ہی ہے، ان کے مستقل استعمال میں رہتا ہے۔"

عمر" رحمت بلڈنگ" کا رہائشی تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی تک، اس کا پورا وقت وہیں گزرا تھا اور گزر رہا تھا۔ وحید اور اس کے لوگ جس جس طرح وہاں پر اثر انداز ہوتے تھے، اسے سب خبر رہتی تھی۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ وحید اور سجاد کے درمیان قائم رشتے کا لحاظ اسے ان لوگوں کی بار بار شکایت سے باز رکھتا تھا۔ جب کبھی بات برداشت سے بالکل ہی باہر ہونے لگتی تب ہی وہ سجاد کو تکلیف دیتا تھا۔

جیسا کہ اس بار۔

سجاد کو نہ معلوم کیوں کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے اطمینان دلانے کے باوجود بھی عمر پریشان ہے۔

اور اس جیسے زندہ دل، سمجھدار انسان کے لئے اس قسم کا گمان ہونا یقیناً دل میں الجھن پیدا کرنے والا تھا۔

چائے آچکی تھی۔

حالانکہ عمر نے منع بھی کیا مگر وہ اپنی اس الجھن کو دور کئے بغیر اسے جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔

" بات کیا ہے؟ مجھ سے چھپاؤ مت پلیز۔" بنا کسی تمہید کے انہوں نے براہ راست ہی پوچھ لینا مناسب سمجھا۔

اتنے پُریقین لہجے کے جواب میں وہ رسماً بھی انکار نہیں کر سکا۔

" وحید صاحب کے دوستوں کی حرکتوں سے وہاں کے لوگ بہت پریشان ہیں سر، وہ لوگ اب ناقابل برداشت ہوتے جا رہے ہیں۔ دن رات غل غپاڑہ مچا رہتا ہے۔ خاص طور پر سیکنڈ فلور کے لوگوں کا تو سکون بالکل ہی برباد ہو چکا ہے۔ خود میں اسی فلور پر ہوں اس لئے اچھی طرح اندازہ ہے کہ..."

آگے کی تفصیلات واقعی پریشان کن تھیں۔

" رحمت بلڈنگ" کا طرز تعمیر کافی پرانا تھا۔ فلیٹ چھوٹے تھے اور سب ہی کے داخلی دروازے لمبی سی راہداری میں کھلتے تھے۔ وہاں کوئی بھی ناگوار صورتحال سب ہی کو ڈسٹرب کرنے کا سبب بہت آسانی سے بن سکتی تھی۔

" وہاں کا ماحول ہمیشہ اچھا رہا ہے سر، سب ہی لوگ بہت پرانے رہنے والے ہیں۔ اب تو بالکل ایک خاندان کا سا ماحول بن چکا ہے۔ ایسے میں ان بالکل اجنبی لوگوں کا وہاں اٹھنا بیٹھنا اور پھر اوپر سے ان کی حرکتیں اتنی معیوب ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کس طرح سے کنٹرول کیا جائے۔"

سجاد نے اسے درمیان میں ایک بار بھی نہیں ٹوکا تھا اور اب جب وہ اپنی پوری بات کہہ چکا تھا تو وہ دل میں اتنی گہری شرمندگی محسوس کر رہے تھے کہ چند لمحے تو انہیں خود کو کمپوز کرنے میں لگ ہی گئے۔

" تمہیں پہلے دن ہی میرے علم میں یہ باتیں لے آنی چاہئیں تھیں عمر، اتنے مہینے گزر گئے اور تم یوں ہی ان باتوں کو نظر انداز کرتے رہے۔"

" سر' میں وہ صرف وحید صاحب کی وجہ سے..."

ان کے لہجے میں جو ہلکی سی تنبیہ تھی۔ عمر نے اس کے جواب میں اپنی صفائی دینا چاہی مگر اس کی پوری بات بھی نہ ہو پائی۔

" وحید بھائی کا ہمارے خاندان سے تعلق ہونے کا یہ مطلب ہر گز بھی نہیں ہے کہ ان کی ہر ناجائز بات کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ جہاں تک ہم لوگ سمجھتے ہیں ان کی بڑی حد تک مان بھی لیتے ہیں۔ اس لئے کہ ہماری تو وہ مجبوری بن چکے ہیں۔ مگر انہیں دوسرے لوگوں پر دبائو ڈالنے کا کوئی بھی حق نہیں ہے۔ ہر شخص ان کا غلام نہیں ہے۔ تم فکر مت کرو میں آج ہی ان سے بات کروں گا اور بابا جب یہ سب سنیں گے تو تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ وہ وحید بھائی کی کس طرح شامت بلا سکتے ہیں۔"

اپنی بات کے اختتام تک وہ جس حد تک خفا نظر آنے لگے تھے۔ اس عالم میں عمر نے انہیں بہت کم ہی دیکھا تھا۔ اسے تھوڑا سا افسوس بھی ہوا کہ وہ ان کی پریشانی کا سبب بنا سو اپنے اسی خیال کی

تلافی کے طور پر اٹھتے اٹھتے اس نے دو چار باتیں اِدھر اُدھر کی بھی کر ڈالیں اور پھر جب وہ ان سے جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا تب ہی سجاد کے موبائل کی بیل ہونے لگی۔

ہاتھ کے اشارے سے عمر کو ٹھہرنے کا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے فون کان سے لگایا دوسری طرف فیضی تھا۔

عمر کو یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی۔

" ٹھیک ہے پھر' میں پہلے گھر آ جاتا ہوں' وہاں سے تم..."

اپنی بات ادھوری چھوڑ کر انہیں اسی کی زیادہ سننی پڑ رہی تھی اور اپنی بات بار بار کٹنے پر بھی وہ بجائے جھنجلانے کے مسکرائے ہی جا رہے تھے۔

کئی مرتبہ پہلے بھی عمر کو اندازہ ہوا تھا کہ وہ فیضی سے کتنی زیادہ محبت کرتے ہیں ان ہی اندازوں کو ایک بار پھر سے تصدیق ہونے لگی۔

" چلو پھر پہنچو تم' میں یہیں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔"

سجاد نے مسکراتے ہوئے بات ختم کی۔

" معاف کرنا عمر' دراصل اس نالائق کی بات اتنی لمبی ہو جاتی ہے کہ بندہ پھنس کر رہ جاتا ہے۔"

عمر کو فیضی کے فون کی آمد کے ساتھ ہی اس کے ساتھ سی وی پر ہونے والی اتفاقیہ ملاقات یاد آنے لگی تھی اور اس یاد کے ساتھ ہی وہ پیاری سی کم عمر لڑکی بھی جو اس روز فیضی کے ساتھ تھی۔

" معلوم نہیں اسے یہ بات سجاد صاحب کو بتا دینی چاہئے تھی یا نہیں۔"

سجاد کیساتھ جو انتہائی گہرا خلوص اور وفاداری وہ نبھاتا چلا آیا تھا اسی کے تحت اس نے تذبذب کے ساتھ سوچا۔ مگر فیضی کی لجاجت سے کی جانے والی درخواست کا خیال آڑے آنے لگا۔

" کیا سوچنے لگے تم' کوئی اور بات تو نہیں ہے جسے تم وحید بھائی کے خیال سے چھپا رہے ہو؟" اس کے چہرے پر پھیلی ہلکی سی کشمکش کو دیکھتے ہوئے سجاد کو اسے ٹوکنا ہی پڑا۔

" نہیں اور کچھ نہیں سر' بس جو تھا آپ کے گوش گزار کر دیا' اب میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

" چلو میں بھی تمہارے ساتھ ہی نیچے چلتا ہوں۔ فیضی بھی بس پہنچنے والا ہی ہوگا۔ یہ فون اس نے یہیں قریب سے ہی کیا تھا۔"

سجاد اس کے ساتھ ہی آفس سے نکل آئے اور اب تم بالکل بے فکر ہو جاؤ' میں ان سارے معاملات کو خود دیکھوں گا۔ تم صرف اتنا کرو کہ وہاں جب بھی وحید بھائی یا ان کے دوست ماحول کے بگاڑ کا سبب بننے لگیں' تم مجھے بتانے میں خوامخواہ کی مروت مت برتا کرو پلیز۔

لفٹ کی طرف جاتے ہوئے وہ ایک بار پھر عمر کو یہ سب کہنا نہیں بھولے۔ حالانکہ وہ عرصے سے '' رحمت منزل'' سے متعلق امور میں اس قسم کی خدمات انجام دیتا آیا تھا پھر بھی سجاد کو آج یہ احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا کہ عمران کے خاندان کی عزت اور لحاظ کے بارے میں بے حد حساس طبیعت رکھتا ہے۔

عمر کے منع کرنے کے باوجود وہ اس کے ساتھ پارکنگ ایریا تک آئے۔

'' تم میرے بہت قریب ہو عمر اور سچ بتاؤں میں جو یہاں بہت بے فکری سے جاب کر رہا ہوں تو اصل وجہ یہی ہے کہ مجھے یہ اطمینان ہے کہ وہاں بابا کے پاس آفس میں تم ہوتے ہو' سمجھے۔'' اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بڑی اپنائیت سے بولے۔

عمر شکر گزار سے انداز میں سر جھکا کر رہ گیا۔ کبھی کبھی خاموشی زبان بن جاتی ہے۔ محبت اور اعتماد کے جس گہرے احساس میں وہ بابا اور سجاد کے ساتھ بندھا ہوا تھا' اس کے اظہار کیلئے لفظوں کی ضرورت تھی بھی نہیں جس وقت اس کی موٹر بائیک اس ملٹی اسٹور بلڈنگ کے مین گیٹ سے باہر نکل رہی تھی تب ہی اس نے فیضی کی گاڑی کو مین روڈ سے اندر کی طرف آتے دیکھا۔ اس کے برابر والی سیٹ آج خالی تھی۔ اس کی نگاہ عمر پر نہیں پڑی تھی۔ بیچ میں چند ایک گاڑیاں اور بائیکس حائل تھیں۔ فیضی کی ساری توجہ سامنے کی طرف تھی۔

عمر کے چہرے پر فیضی کی اس دن کی بوکھلاہٹ کو یاد کر کے مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

'' معلوم نہیں وہ اس لڑکی کے ساتھ کتنا سنجیدہ ہے' جو اس کے ساتھ یوں تنہا گھومنے پھرنے میں وہ کوئی عار نہیں سمجھ رہی۔''

عمر نے بائیک کو مین روڈ پر لاتے ہوئے سنجیدگی سے قیاس آرائی کرنا چاہی۔

فیضی کو وہ اس وقت سے جانتا تھا جب فیضی اسکول جا رہا تھا اور عجیب بات تھی اس ٹھیک ٹھاک فلرٹ سچویشن کو دیکھ لینے کے بعد بھی اسے فیضی پر کوئی خاص اعتراض نہیں سوجھ رہا تھا۔

'' اصل میں آج کل لڑکیاں ہی تیز ہیں' پیسے والے لڑکوں کو خود لفٹ دیتی ہیں۔''

معاشرے کی روایت کے عین مطابق اس نے سارا قصور اس لڑکی کا ہی نکالا اور پھر بائیک کی اسپیڈ بڑھاتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

...☆☆☆...

نازی کو پوچھنے کے لئے تین دن تک سارے ہی اسٹاف کے فون آتے رہے۔

مس سلمیٰ کا گھر نسبتاً قریب تھا سو ایک شام وہ اسے پوچھنے گھر بھی آ گئیں۔

ان کی یہ اچانک آمد نازی کو بڑی اچھی لگی۔ ننھی رنگین شیشوں والی لمبی سی راہداری میں سے گزر کر جب انہیں نازی کے کمرے تک لائی اس وقت تک وہ ٹھیک ٹھاک متاثر ہو چکی تھیں۔

'' آپ کا گھر تو بہت خوبصورت بنا ہوا ہے بالکل منفرد سا اور کافی بڑا بھی ہے۔''

نازی کی مزاج پرسی سے پہلے ہی وہ بے ساختہ تعریف کر بیٹھیں۔

نازی ہلکے سے مسکرادی۔

کمرے میں اس وقت دِیا یا امی میں سے کوئی بھی نہیں تھا ورنہ ضرور ہی مس سلمیٰ کی تعریف کے جواب میں ان کی تصحیح کی جاتی۔

" اس طرح کے گھر اب کہاں نظر آتے ہیں۔ اتنی اونچی چھتیں ہیں، گرمیوں میں تو آپ کا گھر خوب ٹھنڈا رہتا ہو گا۔"

نازی کی خیریت پوچھ لینے کے بعد وہ پھر سے سابقہ موضوع پر آئیں۔

یہ کہنا آسان نہیں تھا کہ گھر کی ساری خوبیاں قائم و دائم ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہاں صرف پیسے کی کمی تھی۔

گھر والوں کے بس میں ہوتا تو آج سے کئی برس پہلے ہی یہاں ایک جدید طرز کی عمارت کھڑی کر چکے ہوتے سو وہ ان کی ساری تعریفوں کو مسکرا مسکرا کر وصولتی رہی۔

نینی انہیں نازی کے پاس چھوڑ کر واپس جا چکی تھی، مس سلمیٰ اگرچہ نازی کے دوستوں میں شامل نہیں تھیں مگر اب جب وہ بحیثیت کولیگ یہ اہم کرسی نبھاتے ہوئے اس کی مزاج پرسی کو یہاں تک چلی آئی تھیں تو لگے ہاتھوں نازی کے گھرانے کے بارے میں مفصل معلومات حاصل کرنے میں بھی کیا حرج تھا۔

وہ بڑے شوق سے کچھ دیر یہی کام کئے گئیں۔ کمرے کا دروازہ پورا کھلا ہوا تھا۔

سامنے راہداری میں دِیا کھڑکی کا پٹ کھول کر باہر صحن میں کھڑے سمیع کو کچھ کہنے کیلئے اندر سے نکل کر آئی تو مس سلمیٰ کی توجہ اس کی طرف ہو گئی۔

" بہن ہے تمہاری؟"

نازی نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ فوراً ہی دوسرے سوال پر آ گئیں۔

" درمیان والی ہے نا' میرا مطلب ہے تمہارے بعد دوسرے نمبر پر۔"

" نہیں' میرے بعد سمیع ہے' دِیا اس سے چھوٹی ہے اور پھر سب سے چھوٹی نینی ہے۔"

نازی کو ان کے اندازوں کی درستگی کیلئے چھوٹی سی تصحیح کرنی پڑی۔

" دیا۔"

ان کے شوق کو دیکھتے ہوئے نازی نے انہیں اس سے متعارف کروادینا ہی بہتر سمجھا۔ دِیا نے پلٹ کر اس طرف دیکھا اور پھر کمرے میں چلی آئی۔

" آپ نے بلایا۔"

مس سلمیٰ کو" السلام علیکم" سے نوازنے کے بعد وہ نازی سے پوچھنے لگی۔

" ہاں' ان سے ملو' میرے ساتھ ہی اسکول میں پڑھاتی ہیں مس سلمیٰ"

ابتدائی تعارف کا مختصر سا مرحلہ نمٹاتے ہوئے نازی نے مس سلمیٰ کی طرف دیکھا۔

وہ بڑے مبہوت سے انداز میں دِیا کی جانب دیکھے جا رہی تھیں۔

نازی کے چہرے پر بے ساختہ سی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

دِیا کو نظر انداز کرنا عام طور پر آسان نہیں ہوتا تھا' وہ پہلی ملاقات میں ہی بلکہ پہلی نظر میں ہی اپنا امپریشن جما دینے والی شخصیت تھی۔ نازی کے تعارف کے جواب میں اس نے محض مس سلمیٰ کو دیکھ کر سر ہلا دینا ہی کافی سمجھا تھا۔ سلام وہ انہیں پہلے ہی کر چکی تھی۔

'' آپ کی بہن تو بہت پیاری ہے مس نازنین' پہلے کبھی آپ نے ملوایا ہی نہیں۔''

مس سلمیٰ فوری طور پر دِیا کے '' متاثرین'' میں شامل ہو چکی تھیں۔

دِیا کیلئے ان کی تعریف کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ بچپن سے اب تک اتنی بار اور اتنا زیادہ سراہی جا چکی تھی کہ اسے اب یہ سب سننا اپنا حق محسوس ہوتا تھا۔

ایک بے نیازی بھری ہلکی سی مسکراہٹ سے مس سلمیٰ کو نواز کر وہ واپس بھی چلی گئی' انہوں نے روکنا بھی چاہا مگر دِیا کیلئے لوگوں پر اس سے زیادہ توجہ صرف حماقت تھی۔

اخلاق کی فضول خرچی وہ صرف اور صرف وہاں کرتی تھی جہاں وہ خود اس کی ضرورت سمجھتی۔

'' کمال ہے' اتنے سالوں سے ہم لوگ ساتھ جاب کر رہے ہیں اور میں نے کبھی آپ کی بہنوں کو دیکھا تک نہیں۔''

مس سلمیٰ کو بڑا افسوس تھا اپنی بے خبری پر' نہ جانے ان سے کیا مس ہوا تھا۔ '' کبھی اسکول کے کسی فنکشن میں بھی آپ کی بہنیں نہیں آئیں۔''

نینی اور دِیا کو واقعی کبھی نازی کے اسکول جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ سب کی اپنی اپنی مصروفیت تھی۔ نازی کے اسکول اسٹاف میں صرف رعنا ہی تھی جس سے گھر والے مانوس تھے اور اس کی وجہ ان دونوں کی طالب علمی کے زمانے سے قائم بے حد گہری دوستی تھی۔

مس سلمیٰ بے چاری آئیں تو حقیقتاً نازی کو ہی دیکھنے تھیں پھر دِیا کے جادو جگاتے حسن نے انہیں دوسرے '' اہم کام'' یاد دلانے شروع کر دیئے تھے۔

'' ایک دو بہت اچھے رشتے ہیں' اعلیٰ تعلیم یافتہ پیسے والے گھرانوں کے اگر آپ کی مرضی ہو میں دِیا کیلئے بات کروں' یقین کریں اس سے اچھے رشتے ملنا آج کل بڑی ناممکن...''

انہوں نے پیشہ ور رشتے کرانے والوں کے سے انداز میں بات شروع کی۔

نازی خاموشی سے ساری تفصیل سنے گئی۔ لڑکوں کا بیک گراؤنڈ' ان کی بیرون ملک سے حاصل کی گئی تعلیم وغیرہ وغیرہ اور جب وہ یہ سب سنا کر فارغ ہوئیں تو ہلکے سے بولی۔

'' بہت شکریہ مس سلمیٰ مگر دِیا کی بات تو طے ہے۔ ہمارے اپنے خاندان میں۔'' یہ چھوٹی سی اطلاع انہیں دیتے ہوئے اسے اپنے لہجے کے کھوکھلے پن کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ (دِیا اور مسعود کے درمیان رہ جانے والے اس بے نام سے تعلق کو اب کوئی نام دینا بھی چاہیئے یا نہیں) دل میں بہت سارے وسوسے اس ذکر کے ساتھ ہی جاگنے شروع ہو جاتے تھے۔

'' اچھا۔''

مس سلمیٰ کو واقعی بڑی مایوسی ہوئی تھی۔

'' لیکن بڑی تو آپ ہیں' میرا مطلب ہے کہ پہلے تو آپ کی ہونی چاہیئے تھی۔''

اپنی مایوسی کو انہوں نے اعتراض کے پردے میں چھپانا چاہا' مگر ان کے چہرے کے تاثرات اتنے دلچسپ سے ہونے لگے تھے کہ نازی کو ان کی بات پر برا ماننے کے بجائے ہنسی آ گئی۔

" یہ کوئی طے شدہ اصول تھوڑی ہے مس سلمیٰ کہ سب کا اپنی باری پر نمبر آئے' یہ سب تو قدرت کے اپنے ہاتھ میں ہے۔"

" پھر بھی' ہمارے معاشرے کی روایت تو یہی ہے نا' ہمارے اپنے خاندان میں اس بات کا بے حد خیال رکھا جاتا ہے کہ شادیاں ترتیب وار ہی کی جائیں کیونکہ ایک بار یہ ترتیب بگڑ جائے تو پھر بگڑتی ہی چلی جاتی ہے۔اب برا نہیں منایئے گا دِیا کی شادی کے بعد کیا پتہ آپ کے بجائے نینی کے لئے کوئی پرپوزل آجائے' اچھا ہوا تو ظاہر ہے کہ آپ لوگ انکار نہیں کر پائیں گے' پھر کیا ہو گا یہی نا کہ آپ کی شادی تو نامعلوم مدت تک ٹلتی رہے گی۔گھر پر جو مالی دباؤ بڑھتا ہے اسے ریلیز کرنے کیلئے بھی کچھ عرصہ درکار ہوتا ہے۔اب ہم آپ جس عمر میں ہیں اس میں اس طرح کی تاخیر' آپ سمجھ رہی ہیں نا۔ بڑے آرام سے انہوں نے خود کو نازی کے ایج گروپ میں فٹ کرتے ہوئے یہ تجزیاتی لیکچر دے ڈالا' اسی وقت نینی چائے لئے اندر چلی آئی۔وہ نازی سے اپنی بات کی تائید بھی نہیں کرا سکیں۔"

" اور کچھ لوگ کس آسانی سے دوسروں کی ذاتیات میں دخل دیتے ہیں اور چن کر سب سے کمزور پہلو پر ہی انگلی اٹھاتے ہیں ان کیلئے کوئی احساس' کوئی ضابطہ اخلاق بھی نہیں۔"

نازی نے ہلکی سی آزردگی کے ساتھ نینی کے ہاتھ سے چائے کا کپ تھام کر مس سلمیٰ کو دیکھا۔

...☆☆☆...

بڑا سارا سیاہ آہنی گیٹ کھلنے سے پہلے گمان بھی نہیں گزرا تھا کہ دوسری طرف کا منظر یوں ہکا بکا کر دینے کی کیفیت طاری کر دے گا۔خود اپنے گھر کی نت نئی گاڑیوں میں ایک خاص فخریہ انداز بے نیازی کے ساتھ بیٹھنے کی برسوں سے پریکٹس تھی' دل ہی دل میں چاہے کسی سے کتنا بھی متاثر ہوتیں مگر اس کا اظہار ہو جانا' سخت باعث توہین سمجھا جاتا تھا۔

پر آج یہ حادثہ ہو ہی گیا۔

" علی بابا اور چالیس چوروں کی کہانی والا۔" جس طرح " کھل جا سم" کہہ دینے کے بعد علی بابا ششدر سا غار کے کھلے منہ میں داخل ہوا تھا' ٹھیک ویسی ہی گم صم سی کیفیت میں مبتلا' وہ اس وسیع و عریض عالیشان گھر میں داخل ہوئی تھیں۔

دور تک پھیلا ہوا سرسبز لان' جس پہ جگہ جگہ بڑی خوبصورت لینڈ اسکیپنگ کی گئی تھی' نظر پڑتے ہی مسحور کر رہا تھا۔

" بھلا اس گھر کا کل ملا کر کتنا رقبہ ہو گا؟ دو ہزار گز یا اس سے بھی زیادہ۔"

بلقیس بھابی نے گردن گاڑی کی کھڑکی سے نکالتے ہوئے اندازہ لگاتا چاہا' مگر ساری توجہ جا بجا گرتی مصنوعی آبشاروں اور بانس کے بنے ہوئے پل کی طرف مبذول ہونے لگی۔

اپنے گھر کی آرائش پر وہ بھی بے دریغ پیسہ خرچ کرنے کی عادی تھیں' مگر یہ نکھار' یہ چمک جو گھر کے رہائشی حصے میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہاں قدم قدم' تھام لے رہی تھی' اس کا وہاں ایک حصہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

پھر وجہ کیا تھی؟

داخلی دروازے کی سمت جاتی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر انہوں نے ایک بار پھر اس دل فریب منظر کو دیکھا۔

" ثمینہ' ہم اس بار کسی اچھے ماہر ڈیکوریٹر سے کام کروائیں گے' یہ پچھلے والا تو بس یوں ہی اپنے پیسے بنا کر چلتا بنا' ایک پہاڑی سی بنا کر کیکٹس لگا دیئے' یا جگہ جگہ پھولوں کے دائرے بنا کر رکھ دیئے' ہو گئی جی لان کی آرائش۔"

بلقیس بھابی کو در حقیقت بڑی کوفت ہونی شروع ہو گئی تھی' سو اندر جانے سے پہلے انہوں نے اپنے ساتھ آئی ثمینہ کو اس آئندہ ادارے سے مطلع کر کے شاید خود کو ہی مورل سپورٹ دینا چاہی' کیفیت ثمینہ کی بھی مختلف نہیں تھی اور ویسے بھی وہ بلقیس بھابی کی ہاں میں ہاں ملانے کی عادی تھیں' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے اس خیال کا اظہار بھی کر دیا' جو انہیں بار بار آرہا تھا۔

''ویسے بھابی یہ اندازہ نہیں تھا کہ شیریں اتنی زیادہ پیسے والی ہو گئی' یہ لوگ تو بہت زیادہ آگے محسوس ہو رہے ہیں ناں۔''

'' نہیں خیر' مجھے تو اندازہ تھا' شیریں کو ماں باپ دونوں کی طرف سے بہت جائیداد ملی ہے' ساہیوال کی طرف سے زرعی زمین الگ ہے ان لوگوں کی' پھر خود شیریں کی اتنی اعلیٰ تعلیم اور اچھی جاب۔ میں نے ایک بار شیریں سے خود باتوں باتوں میں ساری معلومات حاصل کی تھی۔''

اطلاعی گھنٹی پر انگلی رکھنے سے پہلے انہوں نے بڑے فخریہ طور پر ثمینہ سے اپنی معلومات کو شیئر کیا' یہ صلاحیت ان میں کمال کی تھی کہ چند منٹوں کی ملاقات میں ہی ساری معلومات اکٹھی کر لیا کرتی تھیں۔

ثمینہ نے تھوڑے سے رشک کے ساتھ انہیں دیکھا۔ شاید مزید کچھ کہہ بھی دیتیں مگر اسی وقت لکڑی کا منقش دروازہ کھل گیا۔

اندر شاید ان کے آنے کی اطلاع گیٹ سے ہی کروا دی گئی تھی۔

ملازم انہیں ڈرائنگ ہال ہیں بٹھا کر میز بانوں کو اطلاع دینے کا کہہ کر رخصت ہوا تو ان دونوں ہی نے اپنے اپنے طور پر ذرا اطمینان سے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نگاہیں دوڑائیں۔

قیمتی پینٹنگز اور آرٹ ورک کے نمونوں سے سجا یہ گھر' بہت سی مختلف سا تاثر دیتا تھا' باادب' باملاحظہ' ہوشیار۔ کی سی صدائیں لگاتا ہوا'' رعب حسن'' کی اصطلاح کا مطلب کچھ کچھ ان دونوں کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔

'' اور گویا وہ جواب تک برادری بھر میں اپنے گھر کو اول نمبر کی پوزیشن پر سمجھ کر زمین پر پائوں نہیں ٹکاتیں تو حقیقت میں کتنی بڑی احمق ہیں۔''

سیلف کانفیڈنس کو بار بار بحال کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے ہوئے بلقیس بھابی نے تاسف کے ساتھ سوچا۔

ثمینہ نے ان کی سوچ کو پڑھا تھا یا یہاں کے ماحول نے ان کی سوچ کو ذرا دانشورانہ جلا بخشی تھی' بڑے پر سوچ سے انداز میں گویا ہوئیں'' '' ساری بات ذوق کی ہے بھابی' بہت سے لوگ کم سے کم خرچ میں اپنے ماحول کو اس قدر خوبصورت بنا لیتے ہیں کہ رشک آتا ہے یہاں تو اعلیٰ ذوق کے ساتھ ساتھ وافر پیسہ بھی ہے' کچھ سے کچھ نتیجہ تو اپنے آپ آنا ہے۔''

یہ بات جو شاید ان کی نسل کیلئے کہی گئی تھی' انہیں بڑی کس کر لگی۔

گھر کے سیاہ سفید کی مالک وہی تھیں۔'' یہ بدذوقی کا طعنہ انہیں جان بوجھ کر دیا گیا ہے۔''

یہ بات انہوں نے فوراً ہی فرض کر لی۔

جب ہی شیریں کی والدہ اندر چلی آئیں۔

اپنے اپنے زریں خیالات ایک طرف رکھ کر دونوں ہی ان سے ملنے کیلئے کھڑی ہو گئیں۔

سجاد سے اتنے قریبی تعلقات ہونے کے باوجود شیریں کی امی کی دونوں بھابیوں سے ایک آدھ ملاقات ہی ہوئی تھی، پھر بھی ان دونوں کو پہچاننے میں انہیں دیر نہیں لگی۔

"کتنی بار سجاد سے کہا، بھابیوں کو لے کر ہمارے گھر آئو، آپس میں ملے جلیں تو کیسا اچھا لگتا ہے۔" وہ بڑی گرم جوشی سے ملیں۔

اپنائیت کا یہ مظاہر ان دونوں کو ہی تھوڑا سا حیران کرنے لگا۔ یہاں آنے سے پہلے اور اب یہاں اندر آنے تک جو ایک گمان پریشان کر رہا تھا کہ اتنی دولت مند خاتون، یوں بلا اطلاع منہ اٹھائے چلے آنے پر ڈھنگ سے بات بھی کریں گی کہ نہیں، وہ ایک حرف غلط کی طرح ذہن سے مٹنے لگا۔

اب جوابی طور پر اس سے زیادہ محبت کا مظاہرہ لازم تھا۔ بلقیس بھابی لہجے میں زمانے بھر کی مٹھاس سمو کر ملتے جلتے جملے بولنا شروع کر چکی تھیں۔

"ہم تو خود سجاد سے کئی بار کہہ چکے تھے۔"

"بہت دل چاہتا تھا آپ سے ملنے کیلئے... وغیرہ وغیرہ۔"

ثمینہ کو تھوڑی دیر میں ہی اندازہ ہو گیا کہ اس کی موجودگی یہاں بالکل ہی بے معنی ہے، سوائے مسکرا مسکرا کر ان دونوں کی طرف دیکھتے رہنے کے علاوہ وہ کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

شیریں گھر پر نہیں تھی۔

آج آفس میں کوئی میٹنگ تھی۔ یہ بات اس کی والدہ نے ہی بتائی۔

"میں نے تو کہا بھی تھا بھابی سے کہ پہلے اطلاع کر دیں آنے کی، اس طرح ذرا آسانی رہتی ہے۔" ثمینہ کو بالآخر اپنی موجودگی کا احساس دلانا پڑا، عقیقے کی دعوت کا انوی ٹیشن کارڈ ابھی تک اس کے پرس میں پڑا تھا، زپ کھول کر کارڈ نکال کر شیریں کی والدہ کو تھماتے ہوئے اس نے پرتپاک سے الفاظ میں انہیں زبانی دعوت بھی دے ڈالی۔

شیریں کی والدہ نے بڑی مسرت آمیز سی حیرت محسوس کی۔ سجاد کے ہاں گھریلو فنکشنز میں عموماً ان کی برادری ہی مدعو ہوتی تھی، جو کم و بیش ان کے دور، نزدیک کے رشتے داروں پر مشتمل تھی، ایک بار شیریں گئی تھی تو بڑی بدمزہ سی ہو کر واپس آئی تھی۔

"کوئی بات کرنے والا بھی نہیں، ان سب کی آپس کی باتیں ہی ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھیں۔"

اس کا تبصرہ یاد کر کے ان کے لبوں پر ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ ابھری۔

پر، اب جو یہ نئی بات ہونے جا رہی تھی، یہ بڑی خوش آئند تھی، کم از کم وہ تو فوری طور پر ہی سجاد اور شیریں سے متعلق بہت سی خوش گمانیوں میں گھرنے لگی تھیں۔ دونوں بھابیوں کی زبردست خاطر مدارت ہوئی۔ اس تازہ تازہ قائم ہوئی بے تکلفی کی فضاء میں بلقیس بھابی نے لگے ہاتھوں یہ بھی پوچھ ڈالا کہ انہوں نے گھر اور لان کی آرائش کس ماہر فن سے کرائی ہے؟

وہ سادگی سے ہنس پڑیں۔

"لان کی سیٹنگ میرے ہاتھوں ہوتی رہتی ہے اور گھر کی دیکھ بھال میں زیادہ تر شیریں دلچسپی لیتی ہے، دراصل اسے اپنے مرحوم پاپا کے کلیکشن کی بے حد فکر رہتی ہے۔"

"کیسا کلیکشن"

بلقیس بھابی نے فوراً ہی یہ بھی پوچھ لیا۔انہیں اس لفظ میں بڑی اٹریکشن محسوس ہوئی تھی۔ کیا پتہ بڑے میاں کیا کچھ چھوڑ کر گئے ہیں۔ سونا' ہیرے جواہرات وغیرہ وغیرہ۔

خیال کی بلندی پرواز کی کوئی حد تھی نہ انتہا۔

''آپ کو نہیں پتا کیا؟''

''شیریں کی والدہ نے بے یقینی کے سے انداز میں انہیں دیکھا تو وہ تھوڑا سا شرمندہ ہونے لگیں۔''

''انہیں کسی خاص تعارف کی ضرورت نہیں وہ خود اپنے کام کے حوالے سے بہت مشہور تھے' آپ لوگوں نے ''کمال احمد'' کا نام تو سن رکھا ہی ہوگا۔''

''ان دونوں نے اتفاقاً یہ نام بھی خصوصیت کے ساتھ نہیں سن رکھا تھا' مگر اب جب سامنے بیٹھی شیریں کی والدہ بڑے وثوق سے یہ بات کہہ رہی تھیں تو وہ یقیناً کوئی بہت ہی خاص خصوصیت کے حامل شخص گزرے ہوں گے۔''

یہی سوچ کر شاید وہ دونوں اثبات میں سر ہلانے لگی تھیں۔ مگر شیریں کی والدہ اپنی کہی بات کو ساتھ ساتھ ہی واضح کئے دے رہی تھیں۔

''بہت معروف آرٹ کلیکٹر تھے شیریں کے پاپا۔ جنون کی حد تک شوق تھا' انہیں فن پارے جمع کرنے کا' اپنی بیماری کے آخری دنوں میں انہوں نے کافی حصہ نیشنل گیلری کو عطیے کے طور پر دے دیا تھا۔ مگر پھر بھی گھر کی دونوں منزلیں بھری پڑی ہیں۔''

گھر کے کونے کونے سے پھوٹتی خوبصورتی کا راز اب دونوں بھابیوں کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

''شیریں بہت محبت کرنے والی بیٹی ہے' بیٹیوں کو خدا نے محبت کرنے کا خاص وصف عطا کیا ہے ویسے بھی اور شیریں کیلئے تو سمجھیں ساری دنیا ہی ماں باپ رہے ہیں۔اپنی ساری مصروفیت کے باوجود اس نے ہمیں کبھی ذرا سی تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیا۔''

شیریں کی والدہ کی زیادہ تر باتیں اپنی بیٹی کے متعلق ہی تھیں یا پھر اپنے مرحوم شوہر کے بارے میں۔ پر ان سب میں ان کے لہجے کی خوشگواریت سب سے نمایاں چیز تھی۔

شاید وہ لوگوں کے ساتھ محض اچھی یادوں کو شیئر کرنیکی عادی تھیں۔

بلقیس بھابی اور ثمینہ دونوں ہی وہاں سے بہت اچھا تاثر لے کر اٹھیں۔ عام طور پر برادری میں ہی ملنے جلنے سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ آج جب یہ تجربہ ذرا تفصیلاً ہوا تو دونوں ہی کو تھوڑی سی روشن خیالی کا اظہار کرنا بھا رہا تھا۔

''ویسے ماننا پڑے گا کہ لوگ خاندانی ہیں' کتنا رکھ رکھاؤ اور شائستگی ہے شیریں کی ممی میں۔'' بلقیس بھابی راستے بھر ساتھ بیٹھی ثمینہ کو اپنی پسندیدگی سے آگاہ کرتی رہیں۔ یہ بھلا کر کہ آج سے پہلے اپنی برادری سے باہر انہوں نے کسی کو بھی ''خاندانی'' کی قطار میں شامل نہیں سمجھا ہے۔

گھر پر سجاد کو پہلے سے ہی موجود دیکھ کر ان دونوں کو ہی حیرت ہوئی۔

''شیریں تو ابھی تک آفس میں ہی ہے' تم یہاں گھر بھی آ گئے۔''

بلقیس بھابی نے فوراً ہی روانی سے پوچھ بھی لیا۔

سجاد کو ان کا سوال کچھ عجیب سے لگا۔''کیا مطلب؟ میں اور شیریں کیا ایک ساتھ آفس آتے جاتے ہیں۔''

''وہ آج میٹنگ ہو رہی ہے نا کوئی' شیریں کی ممی بتا رہی تھیں تو میں سمجھی کہ تم بھی وہیں مصروف ہو گے۔''

انہیں اپنی بات کے بے تکے پن کا اندازہ خود بھی ہو گیا تھا۔ اسی لئے ساتھ ساتھ صفائی بھی پیش کر دی۔

سجاد ہلکے سے مسکرا دیئے۔

دونوں بھابیاں آج شیریں کے گھر گئی ہیں۔ یہ اطلاع انہیں مل چکی تھی۔ شیریں نے خود کچھ دیر پہلے انہیں آفس میں بتا دیا تھا اور یہ اطلاع دیتے ہوئے وہ اتنی خوش کیوں تھی' ان کی ذرا بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

''پہلی دفعہ وہ دونوں ہمارے گھر آئی ہیں اور میں ہی موجود نہیں ہوں' اگر تم یہ میٹنگ اٹینڈ کر لو تو میں فوراً ہی گھر چلی جاتی ہوں۔'' اس نے ان سے اصرار بھی کیا پر ان کے خیال میں ان کو در پیش کام زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ یہ نسبت بھابیوں کو جا کر اٹینڈ کرنے کے' یہ بات انہیں شیریں کو سمجھانی بھی پڑی۔

''میں اس وقت بالکل نہیں رک سکتا شیریں' عمر کا فون آ چکا ہے اور گھر سے مجھے بابا کو بھی لینا ہے' بھابیوں کا کیا ہے' تم کہو تو کل پھر انہیں ہم تمہارے گھر بھجوا دیں گے' دونوں بہت خوشی خوشی چلی جائیں گی' تمہیں اندازہ نہیں ہے ہماری فیملی کتنی ملنسار ہی۔''

شیریں کو ماننا پڑ گیا۔

باوجود سجاد کے پر مزاح انداز کے' اسے ان کے مسئلے کی سنجیدگی کا اندازہ پوری طرح سے تھا۔

''اور اب یہی بات دونوں بھابیوں سے بھی کہنی پڑ رہی تھی۔ تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ اصل میں بھابی مجھے اور بابا کو کہیں ضروری کام جانا ہے' اسی لئے مجھے اٹھنا پڑا۔ ورنہ آج یہیں بھی شاید تھوڑا لیٹ ہو جاتا۔''

دونوں بھابیوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

اس ''مشترکہ دورے'' کی اصل وجہ جانے بغیر تسلی ہونا ناممکن سی بات تھی۔ سجاد کو فوری طور پر ہی چند سوالات کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ ''کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''بابا تو اس وقت کہیں نکلتے نہیں ہیں۔''

''کوئی پریشانی والی بات ہے تو دیکھو ہم سے مت چھپاؤ۔''

اپنی کہی اس آخری بات پر بلقیس بھابی کو سو فیصد اعتبار تھا' سو انہوں نے بڑا زور دے کر پوچھی۔

انہیں مطمئن کرنا آسان نہیں تھا' پھر بھر سجاد اپنی سی کوشش کر ہی رہے تھے کہ بابا آ گئے۔ سب ہی کو فوری طور پر خاموش ہونا پڑا۔ سجاد نے دل ہی دل میں شکر کا کلمہ پڑھا۔

''چلو سجاد ویسے ہی دیر ہو چکی ہے۔''

انہیں یہاں لائونج میں کھڑے ہو کر چند منٹ بھی گنوانے اس وقت گوارا نہیں تھے۔ سو وہ سیدھے لائونج سے بیرونی دروازے کی طرف جاتے کاریڈور کی طرف مڑ گئے اور ان کے پیچھے پیچھے سجاد بھی۔

ان دونوں کے انداز میں جھلکتی غیر معمولی عجلت بڑی نمایاں تھی۔

''تمہارے پاس عمر کا فون آئے کتنی دیر ہو گئی۔'' بابا پوچھنے لگے تو سجاد کچھ چونک سے گئے۔ پچھلے پندرہ بیس منٹوں میں یہ پہلی بات تھی جو ان دونوں کے درمیان ہونا شروع ہوئی تھی' ورنہ گھر سے نکلنے سے لے کر اب تک ایک گہری خاموشی گاڑی میں چھائی رہی تھی۔

"تقریباً ڈیڑھ گھنٹے سے تو اب اوپر ہی ہو رہا ہے ٹائم۔ اور اس کا فون آتے ہی میں آفس سے اٹھ..."

"یہ عمر بھی کبھی کبھی بڑی احمقانہ حرکت کر جاتا ہے۔" بابا نے سجاد کی بات کو درمیان میں سے ہی کاٹ دیا۔ "تمہیں وہاں کرنے سے کہیں بہتر تھا کہ براہ راست مجھے مطلع کرتا' اب تک میں پہنچ بھی گیا ہوتا وہاں' اب کیا معلوم جب تک ہم لوگ وہاں پہنچیں' وہ لوگ وہاں سے جا بھی چکیں۔"

وہ واقعی پریشان تھے جب ہی عمر بھی ان کی تنقید کی زد میں آ رہا' جس پر عام حالات میں وہ سجاد کے بعد شاید سب سے زیادہ انحصار کرتے تھے۔

منزل پر پہنچنے سے پہلے بابا کو ریلیکس کرنا ضروری تھا' سجاد خود بھی حالانکہ فکرمند تھے' پھر بھی وہ بڑے لائٹ سے انداز میں انہیں اطمینان دلانے لگے۔

"وہ لوگ وہیں ہوں گے بابا' وہ تو رات گئے تک وہیں بیٹھتے ہیں' بلکہ اکثر تو پوری رات ہی گزر جاتی ہے' اچھا ہے اتنی دیر میں سب کو اکٹھا ہو لینے دیجئے۔"

اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ چہرہ موڑ کر بابا کی طرف دیکھا' مگر وہ بالکل سنجیدہ تھے اور اب یہ سنجیدگی برہمی کی صورت اختیار کر رہی تھی۔

"تم میں سے کسی کو اتنی فرصت نہیں ہے' جو وہاں کی باقاعدگی سے خیر خبر رکھ سکو' وقار اور سہیل تو خیر اب شہر کے مصروف ترین لوگوں میں سے ہیں اور اس بلڈنگ میں انہیں انٹرسٹ ہی کیوں ہوگا جس میں ان کا دو ٹکے کا بھی فائدہ نہیں' پکے کاروباری ہیں آخر' رہے تم تو تمہاری مہربانی ہے جو اپنی "شاندار جاب" سے وقت نکال کر چلے آئے ہو' یہ

تو بے چارہ عمر ہے جو وہاں کی خیر خبر رکھنے کا فرض نبھا رہا ہے اور جو وہ بھی وہاں نہیں ہوتا تو ہمیں خبر تک نہ ہوا کرتی کہ کیا گزر رہی ہے۔'

جب وہ اس طنزیہ ٹون میں بات کر رہے ہوتے تھے تو کسی کی بھی مجال نہیں ہوتی تھی کہ ان کے کہے ایک لفظ کی بھی تصحیح کر سکے۔

سجاد بھی سامنے سڑک پر نظر جمائے خاموشی سے سب کچھ سنے جاتے۔ "معلوم نہیں بابا کو اس معاملے سے باخبر کر کے وہ کوئی غلطی تو نہیں کر گئے۔" یا پھر جیسے پہلے دس بار بابا کے علم میں لائے بغیر وہ اور عمر وہاں کے مسائل کو حل کرتے رہے ہیں' ایسے ہی اس بار بھی کر لینا چاہئے تھا۔"

اب انہیں بار بار یہی خیال آئے جا رہا تھا' پر اب کیا کیا جا سکتا تھا' اب تو وہ ان کے ساتھ ہی تھے۔

"اب تک بہت ڈھیل دے لی وحید کو' لیکن اس کا لفنگا پن اتنے بہت سے شریف گھرانوں کیلئے عذاب بنے' یہ ناقابل برداشت ہے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ خود کو پھر سے کمپوز کر چکے تھے۔ "اور مجھے تو سوچ سوچ کر وحشت ہو رہی ہے کہ لوگ ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کر رہے ہوں گے' اتنے سالوں کی کمائی ہوئی نیک نامی اس وحید کے ہاتھوں مٹی میں مل رہی ہے۔"

بابا بری طرح رنجیدہ تھے۔

سجاد نے انہیں کبھی اتنے دباؤ میں آتے تو اس وقت بھی محسوس نہیں کیا تھا' جب وحید بھائی کی ڈیمانڈ پر بڑی سے بڑی رقمیں ان کے حوالے کی گئی تھیں۔

شام ڈھل کر پوری طرح رات میں بدل چکی تھی اور ''رحمت منزل'' کے پارکنگ ایریا کی تمام لائٹیں آن تھیں، جب سجاد کی گاڑی نے وہاں کے مین گیٹ پر ہارن دیا' بابا بڑی خاموشی سے چاروں طرف کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہ درمیانہ سائز کی عمارت مین روڈ کے کارنر پر واقع تھی' سڑک کے دو اطراف دکانیں تھیں اور تیسری طرف رہائشی حصے کی طرف جانے کیلئے سیڑھیاں اور پارکنگ ایریا تھا۔

رات کا یہ بالکل ابتدائی پہر بڑا پر رونق تھا۔ ساری کی ساری دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان پر خریداری کرتے لوگ' فوڈ اسٹالز سے اٹھتی ہوئی برگر اور کبابوں کی خوشبو' ٹریفک کا شور' شہر کے اس وسطی علاقے میں پورا ماحول جاگتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

مین گیٹ خلاف معمول چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ سجاد بجائے گاڑی کو اندر لے جانے کے' وہیں رک گئے تھے' تب ہی سامنے سے عمر آتا دکھائی دیا۔

''گاڑی اندر لے آیئے نا سجاد صاحب۔''

انہیں اور بابا کو سلام کرتا ہوا' وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے سجاد کی طرف جھکتا ہوا بولا۔

''گیٹ اس طرح کیوں کھلا ہوا ہے اور چوکیدار بھی موجود نہیں ہے۔'' انہوں نے اندر جانے سے پہلے اپنی الجھن رفع کرنی چاہی۔ عمر نے ایک تذبذب بھری نظر سجاد کے ساتھ بیٹھے بابا پر ڈالی' وہ اسی کی طرف متوجہ تھے۔

''وحید صاحب کے دوستوں کا ہی آرڈر ہے کہ گیٹ کھلا رکھا جائے' ان کی گاڑیاں آتی جاتی رہتی ہیں تاکہ اس میں رکاوٹ نہ ہو۔''

''اور چوکیدار''

دوسرا سوال ہنوز جواب طلب تھا' مگر سجاد کی گاڑی کے ٹھیک پیچھے دو گاڑیاں رک کر ہارن دینا شروع کر چکی تھیں۔ سو اپنی بات کو ادھورا چھوڑ کر انہیں اپنی گاڑی پہلے اندر لیجانی پڑی۔

پرانی طرز کی اس عمارت میں ''ہر فلیٹ کارنر فلیٹ'' کا سلسلہ نہیں تھا اور نہ ہی یہ مختلف بلاکس پر مشتمل تھی۔ یہاں چاروں منزلوں پر سامنے کے رخ میں طویل اور کشادہ راہداریاں تھیں' جن ہیں تمام فلیٹوں کے داخلی دروازے کھلتے تھے۔ ان راہداریوں کے دونوں اطراف اور درمیان میں اوپر اور نیچے کی طرف جاتی سیڑھیاں تھیں اور یہی سب رہنے والوں کا مشترکہ آمد و رفت کا راستہ تھا' الگ الگ بالکونیوں کے نہ ہونے کے باوجود بھی پرائیویسی یا کسی کی بے جا مداخلت کے سلسلے ہیں آج تک کوئی چھوٹی سی بھی شکایت نہیں اٹھی تھی۔

وجہ یہی تھی کہ مکینوں کی اکثریت عرصہ دراز سے یہاں مقیم تھی' چند ایک گھرانے تو اس عمارت کے پہلے پہل کے مکینوں کا اعزاز بھی رکھتے تھے سو اس طویل ساتھ نے آپس میں محبت' لحاظ اور قرابت داری کے خوبصورت رشتوں میں سب کو باندھ رکھا تھا' جو لوگ بہت بعد میں بھی یہاں آئے وہ بھی اب اسی ماحول کا حصہ بن چکے تھے۔

ماحول کی اس اچھائی کو برقرار رکھنے میں بہت بڑا حصہ بابا کا بھی تھا۔ اس ہوش اڑاتی مہنگائی کے زمانے میں بھی انہوں نے ان فلیٹوں کے کرائے حیرت انگیز طور پر کم رکھے تھے' بار بار کرایہ بڑھانے کے بہانے فلیٹ خالی کرانے کا یہاں کبھی بھی سلسلہ نہیں رہا تھا' رہنے والے خود کو ذہنی اور مالی دونوں طرف آسودہ پاتے۔

اس بالکل ٹھیک ٹھاک پر سکون ماحول ہیں چھوٹے مسائل جب سے پیدا ہونا شروع ہوئے' جب سے تھوڑا بہت اختیار وحید بھائی کو حاصل ہوا۔

سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے عمر یہ بھی اطلاع دے چکا تھا کہ پرانے چوکیدار کی جگہ نیا آدمی لے چکا ہے اور یہ کہ اس کا سارا وقت گیٹ پر گزرنے کے بجائے مالکوں کے ذاتی احکامات کی بجاآوری میں گزرتا ہے۔ اپنے بیان کی تصدیق کے طور پر اس نے کولڈ ڈرنکس کا کریٹ لے کر اوپر جاتے چوکیدار کو انہیں دکھا بھی دیا۔

سجاد دیکھ رہے تھے کہ بابا کے ماتھے پر پڑتی شکن گہری ہوتی جا رہی تھی۔

وحید کے حصے میں آیا فلیٹ پہلی منزل پر ہی تھا' لیکن وہاں تک پہنچنے میں ابھی چند منٹ اور باقی تھے۔

سیڑھیوں پر اترتے چڑھتے کچھ لوگ بابا سے ملاقات کی خاطر انہیں راستے میں روک کر کھڑے ہو گئے تھے۔

ان کی یہاں پر مقبولیت اتنے سالوں میں بڑھتے بڑھتے اب عقیدت میں بدل چکی تھی۔ عمر اور سجاد دونوں کو اندازہ تھا کہ اگر بابا کچھ دیر اور یہاں کھڑے رہے تو ان سے ملنے والوں کا اچھا بڑا ہجوم یہاں اکٹھا ہو جائیگا۔

بہتر یہی تھا کہ جس کام کیلئے یہاں آیا گیا تھا' پہلے وہی کام نمٹا لیا جاتا۔ سجاد نے دبے لفظوں میں بابا کی توجہ اس طرف دلائی تو وہ فوراً ہی سب سے معذرت کرتے ہوئے ان دونوں کے ساتھ ہو لئے۔

سیڑھیوں کے اختتام پر طویل راہداری نظروں کے سامنے تھی۔ عام طور پر یہ چوڑا سا برآمدے نما راستہ خالی ہی رہتا تھا' ریلنگ کے کنارے کنارے اس فلور پر رہنے والوں نے اپنے شوق اور ذوق کے مطابق ہرے بھرے پودے رکھے ہوئے تھے اور بس۔

ایک سرے پر کھڑے ہو کر دوسرے سرے تک بآسانی نگاہ دوڑائی جا سکتی تھی۔ مگر آج ایسا ممکن نہیں تھا۔

پورے فلور کا نقشہ یکسر بدلا ہوا تھا۔ نظر دوڑانا تو ایک طرف وہاں راستہ چلنے کی گنجائش بھی آنے جانے والے نہ جانے کس طرح نکال رہے تھے۔ سامان کا ایک انبار تھا جو صرف وحید بھائی کے تصرف میں آئے فلیٹ کے سامنے ہی نہیں بلکہ آس پاس کے تین چار فلیٹس کو بھی کور کر رہا تھا۔

آڑی ترچھی پڑی کرسیاں' میزیں' پھلوں اور کولڈ ڈرنکس کے کریٹ' پھلوں کے چھلکے' جھوٹے برتن اور ان میں ادھ کھایا کھانا وغیرہ وغیرہ' بلند آواز میں چلتا ہوا ڈیک اس کے علاوہ۔ بابا اور سجاد دونوں کی نظر وہاں سے پلٹ کر بے ساختہ ہی عمر کے چہرے پر آ ٹھہری۔

''یہ سب یہاں روز کا معمول ہے سر۔'' وہ اس سارے منظر پر کچھ اس طرح سے شرمندہ دکھائی دے رہا تھا جیسے اس سب میں تھوڑا بہت قصور وار وہ بھی ہو۔

اور شاید تھوڑا بہت تو وہ تھا بھی'

جب ہی بابا ہلکی سی خفگی کا اظہار اس پر کر ہی گئے۔

''اتنا کچھ ہوتا رہا اور تم نے مجھے باخبر کرنا تک بھی ضروری نہیں سمجھا' مجھے کم از کم تم سے اس حد تک غیر ذمہ داری کی توقع نہیں تھی عمر۔''

اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے بڑے تاسف سے سر ہلایا۔

عمر غریب سر جھکا کر رہ گیا۔

بابا کا غصہ حق بجانب تھا' وہ اسے سارے اسٹاف سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے تو اس سے توقعات باندھنے کا حق بھی رکھتے تھے' مگر یہاں وہ ان ہی کی مروت میں مار کھا گیا تھا۔

ڈیک سے اٹھتی آواز اتنی بلند تھی کہ وہاں تک پہنچتے پہنچتے ایک دوسرے کی آواز سنائی دینا مشکل ہونے لگا۔ کاریڈور میں پھیلی تباہ حالی قریب پہنچنے پر اور نمایاں طور پر محسوس ہو رہی تھی' فرش پر جا بجا پلیٹوں سے گری بریانی چاول اور روٹیوں کے ٹکڑے پھیلے ہوئے تھے اور ایک کرسی پر پڑی چادریں چکنائی اور سالن کے نشانوں سے پر تھیں شاید کھانے والے ان ہی سے ہاتھ صاف کرنے کے عادی تھے۔ فلیٹ کا دروازہ پورا کھلا ہوا تھا اور ساری لائٹیں روشن تھیں' عمر جلدی جلدی سامنے سے چیزیں ہٹانے لگا تاکہ جانے کیلئے راستہ بن سکے۔

بابا ذرا رک کر مزید ادھر ادھر کا جائزہ لینے لگے۔ آس پاس کے فلیٹوں کے دروازے سختی سے مقفل تھے اور کوئی بچہ تک یہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔ رہنے والوں نے باہر آنے جانے کے سلسلے کو یقیناً کم سے کم کر رکھا تھا۔

''اور جو یہاں پودوں کی لائنیں تھیں وہ کہاں گئیں؟'' اکا دکا کنارے ٹوٹے گملوں کو کونوں میں لڑھکتے دیکھ کر بابا کو اس کمی کا بھی احساس ہوا تو وہ سجاد کی طرف دیکھ کر زور سے پوچھنے لگے۔

سجاد بھلا کیا جواب دے سکتے تھے' یوں بھی ان کا ذہن ان چھوٹی موٹی باتوں میں الجھنے کے بجائے عمر کی دی ہوئی کہیں زیادہ اہم اطلاعات میں اٹکا ہوا تھا اور اس شور شرابے میں بات کرنا ویسے بھی مشکل ہو رہا تھا۔

عمر کس حد تک چیزیں ہٹا کر راستہ صاف کر چکا تھا' سجاد کو سب سے زیادہ تکلیف فرش پر پھیلے ہوئے کھانے کو دیکھ کر ہو رہی تھی' رزق کی یہ بے حرمتی برداشت سے باہر تھی' انہیں بے ساختہ ہی گھر کے دوسری طرف والی سڑک کے کنارے سے کچی آبادی کے مکین یاد آ گئے جو برسات کے موسم میں دو وقت کے کھانے سے بھی مجبور دکھائی دینے لگتے تھے۔

اور یہاں۔

سوچ کا یہ سلسلہ بڑے تکلیف وہ رخ کو ظاہر کر رہا تھا' معاشرے کی غیر متوازن اور بگڑی ہوئی تصویر کا رخ' جہاں سارا کا سرا اسیٹ اپ بہت بڑے تضاد کا شکار ہو' معاشی طور پر بھی اور نفسیاتی طور پر بھی' وہاں اس طرح کے مناظرے سے بڑھ کر بھی اور بہت کچھ دل دکھانے کا سبب بننے لگتا ہے۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے سجاد بابا کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے کھلے ہوئے دروازے عین وسط میں آ کھڑے ہوئے۔

بابا اور عمر اب اندر لائونج میں تھے' جہاں فی الوقت کوئی موجود نہیں تھا' جتنے بھی لوگ تھے وہ یا تو سامنے والے بیڈ روم میں تھے یا پھر داہنے ہاتھ پر بنے ڈرائنگ روم میں۔

چھوٹے سے لائونج میں بڑا قیمتی قالین اور فرنیچر سجایا گیا تھا اور یہ کان کے پردے اڑائے دیئے جانے والے شور کی آواز بھی یہیں ایک دیوار گیر کیبنٹ کے شیلف پر رکھے اسپیکرز میں سے آ رہی تھی' ایک مکمل میوزک سسٹم یہاں موجود تھا۔

بابا نے اشارہ کیا تو عمر نے آگے بڑھ کر '' اسٹاپ'' کا بٹن دبا دیا۔

ایک دم ہی جیسے سارا ماحول ساکت ہو گیا۔

یہ خاموشی جو بالکل اچانک ہی اس پر شور ماحول میں آ اتری تھی بڑا عجیب سا تاثر جگا رہی تھی۔

سجاد کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ کبھی کبھی خاموشی' شور سے بڑھ کر چبھن پیدا کرنے والی شے بن جاتی ہے' وہ تینوں بھی چند پل اسی احساس کے زیر اثر کھڑے رہے کہ تب ہی اندر سے جیسے کوئی بہت تڑپ کر چلایا۔

''کون گھسا ہے اندر' دماغ خراب ہے کیا جو منہ اٹھائے اندر چلا آیا ہے۔''

اندر ہی سے پھٹکارنے کے ساتھ ساتھ موصوف سامنے والے بیڈ روم سے بنفس نفیس خود بھی بر آمد ہو گئے۔

لائونج میں موجود تین اجنبی شکلوں کو دیکھ کر انہیں دل میں حیرت ہوئی ہو تو' ہوئی ہو' مزاج تو برہم برہم ہو رہا تھا۔

''ایسے منہ اٹھائے کیوں اندر چلے آئے ہو' اپنے باپ کا گھر سمجھ رکھا ہے کیا اور یہ ٹیپ ریکارڈ کو ہاتھ لگانے کی جرأت کیسے ہوئی ہے تمہیں' مجھے جانتے نہیں ہو' ہاتھ توڑ کر رکھ دیتا ہوں۔''

خلیے سے ہی سخت نامعقول نظر آتا وہ شخص کسی بڑے چھوٹے کا لحاظ کئے بغیر بدتمیزی کی حدوں کو چھونے لگا۔

عمر سخت تائو میں آکر اس کا منہ بند کرنے کیلئے آگے بڑھا ہی تھا کہ بابا نے سختی سے اس کا بازو تھام لیا' تب ہی اندر سے وحید کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کیا بات ہے شیر ابھائی' کون ہے جو تمہارے یہاں ہوتے ہوئے بھی یہاں تک آپہنچا ہے' تم سے تو شہر بھر کی پولیس بھی کترا کر نکل جاتی ہے۔''

یہ تعریف یا خوشامد وہ اس شخص کی کر رہے تھے جو نہ جانے پولیس کو کتنے ہی مقدموں میں مطلوب تھا اور اصل میں عمر بھی اسی گروپ کی یہاں بڑھتی ہوئی آمد و رفت کے بعد سجاد کے نوٹس میں یہ بات لائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

وہ شخص جسے وحید نے ابھی ابھی شیرا کہہ کر پکارا تھا' اب خالص فلمی ولن والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے ہوئے تھا۔

سجاد کو اس بے حد کوفت بھرے ماحول میں بھی ہنسی آنے لگی۔

''اب کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو' چلو نکلو باہر یا میں دکھائوں باہر کا راستہ۔''

سجاد کے چہرے پر مذاق اڑاتے تاثرات خود شیرا نے بھی بھانپ لئے تھے' تب ہی وہ بے حد تپ کر آگے بڑھا تھا' مگر اسی وقت جیسے سب کو اپنی اپنی جگہ پر فوری طور پر رک جانا پڑا۔

''وحید۔''

بابا کی آواز پورے زور کے ساتھ تحکم بھرے لہجے میں اس قیمتی ساز و سامان سے بھرے فلیٹ میں گونجی۔ اور دوسرے ہی لمحے سامنے والا دروازہ کھٹاک سے کھلا اور گرتے پڑتے وحید بھائی ان کے حضور آکھڑے ہوئے۔

''آپ' بابا' سجاد' وہ بھی سمجھا...۔''

ان لوگوں کی آمد اتنی غیر متوقع تھی کہ وحید کی کہی بات میں سے الفاظ گم ہوئے جا رہے تھے۔

بابا کو اپنی بات کہنے کیلئے عموماً زیادہ الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور خاص طور پر جب وہ غصے کے عالم میں ہوتے آج بھی انکی ساری اولاد ان کے خفگی بھرے موڈ میں ان کا سامنا کرنے سے گھبراتی تھی' سجاد نے کن انکھیوں سے ان کی طرف دیکھا' ان کے چہرے پر پھیلتی سرخی' گواہی دے رہی تھی کہ وحید کا برا وقت آہی گیا ہے اور اپنی یہ شامت انہوں نے خود اپنے ہاتھوں بلوائی تھی۔

''یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص اتنا بھی گر سکتا ہے' تمہاری پیچ سے پیچ حرکت کو بھی یہ سوچ کر نظر انداز کرتا رہا کہ تم میں شاید صرف ایک لالچ ہی کی بیماری ہے' پیسہ مل جانے پر سدھر جاتے ہو' مگر تم' تم تو وحید اخلاقی طور پر اتنے تباہ و برباد ہو چکے ہو کہ تمہارے وجود پر بھی شرم آتی ہے۔''

وہ آخر کار پھٹ ہی پڑے۔

وحید نے کمال ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک آدھ کوشش اپنی صفائی پیش کرنے کی، کی بھی مگر وہ اتنے طیش میں تھے کہ ایک لفظ بھی سننے کیلئے تیار نہیں ہو رہے تھے۔

تب ہی سجاد اور عمر دونوں ہی نے نوٹ کیا کہ سامنے کے کمروں میں سے دو تین مزید افراد نکل کر چپکے سے باہر کا رخ کر چکے تھے، اب صرف ایک وہی نام نہاد دوست وحید بھائی کی مورل سپورٹ کیلئے وہاں موجود تھا، جسے بابا قطعی لفٹ دینے کیلئے تیار نہیں تھے۔

فلیٹوں پر انہیں خالی کرنے کے نوٹس بھجوانے، بلڈنگ کے داخلی امور میں بے جا مداخلت، جس میں تازہ ترین مثال چوکیدار کی تبدیلی تھی، ماحول کے سکون میں ڈالا گیا خلل اور سب سے بڑھ کر خود وحید کے اپنے فلیٹ پر ہونے والی غیر اخلاقی سرگرمیاں۔

بابا کی لگائی گئی عدالت میں سارے کے سارے مقدمے فوری فیصلہ طلب تھے۔

"عمر، تم تمام دیئے گئے نوٹسوں کی منسوخی کا ایک اعلان میری طرف سے ٹائپ کروا کر یہاں کی یونین کے حوالے کر دو اور آج کے بعد یہاں کے کسی بھی ایسے فیصلے کا اختیار میرے علاوہ کسی اور کو نہیں، یہ بات پوری طرح اس اعلان میں واضح کر دو اور یہاں کسی کو بھی کوئی شکایت ہو تو وہ براہ راست تم سے رابطہ کرے اور تم خود ان معاملات کو ہینڈل کرو گے سمجھے۔"

وحید توز کینہ توز نگاہوں سے عمر کی طرف دیکھ کر ہی رہ گئے، لیکن شیرا نے نادان دوست والی مثال سچ کر دکھائی، اس "ناانصافی" پر تڑپ کر بولا:

"وحید بھائی مالک ہیں اس بلڈنگ کے، کون انہیں بے دخل کر سکتا ہے، نمٹ لیں گے ہم سب سے جو بھی انہیں نقصان..."

اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی وحید نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی، نہ صرف بات کاٹی بلکہ اسے وہاں سے چلے جانے کو بھی کہہ دیا۔

اپنی اس "عزت افزائی" پر وہ کچھ حیران سا ہو کر مزید اعتراض کر ہی رہا تھا کہ وحید بھائی نے مزید رکھائی اختیار کر لی۔

"ہمارا آپس کا معاملہ ہے شیرا، تمہیں بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اسے واقعی جانا پڑ گیا، پھر بھی جانے سے پہلے سخت بے مروتی کے اس مظاہرے پر اس نے بہت حیرت سے وحید بھائی کی طرف دیکھا مگر وہ نظریں چرا گئے، بابا کے اثر رسوخ کے آگے شیرا کی حیثیت کتنی تھی، اس کا انہیں اچھی طرح اندازہ تھا، سو وہ بڑی تیزی سے اپنا رنگ بدلے تھے۔

معافی تلافی، قسمیں وعدے، یقین دہانیاں۔ پر اب کافی دیر ہو چکی تھی۔

"تمہارے حصے میں آیا کرایہ۔ تمہارے اکاؤنٹ میں جمع ہو جایا کرے گا، لیکن اب تمہیں یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

بہت سے معاملات کو ترتیب وار سلجھا لینے کے بعد جب بابا عمر سے اس فلیٹ کو لاک کروا رہے تو انہوں نے حتمی لہجے میں یہ آخری بات بھی وحید بھائی سے کہہ ڈالی۔

وہ جواباً منہ کھول کر رہ گئے، لیکن کہہ کچھ نہ سکے، بابا کو اس درجہ طیش کے عالم میں انہوں نے آج پہلی بار فیس کیا تھا۔

اور سچ تو یہ کہ اپنی تمام تر عیاریوں کے باوجود وہ خود کو اس وقت سخت کنفیوز پا رہے تھے۔

بابا نے آج پہلی بار ہی تھوڑی دیر کے لئے شاید فرحت آپا کو بھی بھلا دیا تھا۔

عمر دوبارہ اپنے گھر سے چائے بنوا کر لایا تھا اور اب اس کا اصرار کھانے کیلئے تھا۔

''اس وقت نہیں عمر' انشاءاللہ پھر کبھی ضرور آئیں گے' اس وقت تو ذہن بالکل تھک رہا ہے۔'' سجاد نے ملائمت سے انکار کیا' عمر خود بھی ان کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا تو زیادہ اصرار نہ کر سکا' یونین کے لوگوں کے ساتھ لمبی میٹنگ سجاد نے ہی بھگتائی تھی اور جب اس سارے تھکا دینے والے عمل کے بعد وہ لوگ نیچے آرہے تھے تو فرح مل گئی۔

''مجھے پتہ چلا تھا کہ آپ لوگ آئے ہوئے ہیں مگر وہاں انتشار ہو رہا تھا کہ میں نے آنا مناسب نہیں سمجھا۔'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ لئے انہیں بتانے لگی۔

بابا بھی مسکرا کر اس کی خیریت دریافت کرنے لگے' فرح تیسرے فلور پر رہتی تھی' مگر ظاہر ہے کہ بلڈنگ میں ہونے والے تمام اہم معاملات اس کے علم میں بھی آہی جاتے تھے' پر اس وقت کسی غیر ضروری تفصیل میں جانے کا موقع نہیں تھا' بابا اس کی جاب کے متعلق پوچھ رہے تھے تو وہ انہیں بتانے لگی۔

''ایک ایجوکیشنل اکیڈمی ہے بابا' وہیں آفس میں کمپیوٹر پروگرامر کی جاب کر رہی ہوں۔''

''بہر حال ہمارے آفس کے دروازے ہمیشہ تمہارے لئے کھلے ہیں' جب بھی دل چاہے تو بیٹا بلا جھجک چلی آنا۔''

اسی کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر وہ آگے بڑھ گئے۔

''کتنی ہمت سے اپنے معذور باپ کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہے یہ بچی ورنہ کچھ سال پہلے تک کتنی لاپرواسی محسوس ہوتی تھی۔''

بابا کی بات سے کسی کو اختلاف نہیں تھا' بلکہ ابھی ابھی جب وہ ان لوگوں کے پاس کھڑی بات کر رہی تھی تو خود سجاد اس کے ہاتھ میں تھماد وائوں کا شاپر' انڈے اور بریڈ وغیرہ کو دیکھ کر عجیب سے احساس کا شکار ہو رہے تھے۔

''یار عمر' یہ لوگ تمہارے ساتھ والے فلیٹ میں ہی تو رہتے ہیں' ان چھوٹے موٹے کاموں میں تھوڑی سی ہیلپ کر دیا کرو تم۔''

وہ اسی خیال کو لے کر عمر کو کہہ گئے۔

''فرح کسی سے مدد لینا پسند نہیں کرتی سر' اگر کبھی وہ گھر پر نہ ہو تب تو میں ضرور انکل اور آنٹی کے کہنے پر جو کچھ وہ چاہیں کر پاتا ہوں' ورنہ بالکل نہیں' اس معاملے میں وہ بہت سخت ہے۔''

عمر کے پاس اس سلسلے میں بڑا مدلل جواب تھا۔ ''اب یہی دیکھ لیں کہ وحید صاحب کا بھیجا ہوا نوٹس اس کے والد نے بھی وصول کیا تھا' چاہتی تو آپ کو ڈائریکٹ بھی کہہ سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ خدا جانے اپنے دل میں کیا ٹھانے رکھتی ہے۔''

''خدا پر بھروسہ بہت بڑا سہارا بن جاتا ہے انسان کا' یہی چھوٹے موٹے انسانی سہاروں سے بے نیاز کر دیتا ہے' فرح کے ساتھ بھی یقیناً کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔'' بابا ساتھ ساتھ چلتے ہوئے گاڑی تک آئے ہوئے کہے گئے۔

عمر جب ان کیلئے گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا تو وہ فوری طور پر بیٹھنے کے بجائے ذرا رک کر عمر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"مجھے تم پر فخر ہے عمر' جس طرح تم ہمیشہ آگے بڑھ کر میری ذمہ داریوں کو شیئر کرتے ہو' اس کے شکریئے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔"

عمر نے بے ساختہ ہی کچھ کہنا چاہا' مگر ان کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ "تم میرے دل کے کتنے نزدیک ہو' یہ بتانے کی بھی مجھے ضرورت نہیں ہے' لیکن اس ناطے بس ایک ہی درخواست کروں گا کہ اس "رحمت منزل" کو مسائل کا شکار ہونے سے بچانے میں میری مدد کرتے رہو' اس وقت تک جب تک اس کا اصل حقدار سامنے نہیں آجاتا' یہ میرے پاس امانت ہے کسی کی بیٹا' نہ جانے کس دن اچانک اس پر ہجوم شہر میں سے اس کا اصل حقدار نکل کر میرے سامنے آکھڑا ہو۔"

یہ بالکل ان کے خاندان کا کوئی اندرونی مسئلہ تھا' اسی لئے عمر محض سعادت مندی سے سر جھکائے کھڑا رہا' ہاں جب وہ بابا کی گاڑی کو خدا حافظ کہہ کر واپس اپنے گھر جانے کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو اسے بابا کے الفاظ اور ہدایتیں یاد آنا شروع ہوئیں۔

"ہوگا کوئی خاندانی پرابلم' بہرحال ہمیں کیا لینا دینا۔ اس نے سر کو ہلکے سے جھٹکتے ہوئے اس "دوسرے حقدار" کے بارے میں خیالی گھوڑے' دوڑانے کی مشقت سے خود کو بچایا۔"

...☆☆☆...

ثانیہ نے مسکراتے ہوئے ایک بار پھر پوری دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

لبنیٰ کے قصے ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے' کل رات ان کے گروپ کی پارٹی بخیر وخوبی کے ایف سی میں انجام پا چکی تھی' سو اب آنکھوں دیکھا حال' ثانیہ کو سننا ہی تھا' نہ صرف سننا ہی تھا بلکہ پوری دلچسپی کا اظہار بھی کرنا تھا' ورنہ فوراً

ہی لبنیٰ اور ممانی طے کر لیتیں کہ وہ جل گئی ہے' یہ ان دونوں خواتین کی بڑی مشترکہ رائے ہوتی تھی' جس کا اطلاق صرف ثانیہ پر ہی نہیں بلکہ پاس پڑوس' عزیز رشتے داروں میں سے کسی پر بھی' کسی وقت بھی ہو سکتا تھا' سارا زمانہ یا تو ان کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف تھا یا پھر ان سے جلنے میں' اس سے ہٹ کر وہ کچھ اور سوچنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتی تھیں۔

"ساری کی ساری لڑکیاں اتنی بے کار ڈریسنگ کر کے آئی تھیں کہ بس دیکھ کر ہنسی آئے جا رہی تھی' دو ایک تو مجھ سے پوچھنے بھی لگیں کہ میں یہ سوٹ کہاں سے خرید کر لائی ہوں' پر مجھے کیا ضرورت پڑی تھی صحیح بات بتانے کی' یوں ہی کچھ انٹ شنٹ بتا دیا۔"

ثانیہ کی نگاہوں میں چیختے رنگوں والا وہ ٹرائوزر سوٹ گھوم گیا' جو لبنیٰ نے کل نہایت اہتمام سے پہنا تھا۔

"لبنیٰ کے ساتھ پڑھنے والی لڑکیوں کا ٹیسٹ کیا اس قدر خراب ہو سکتا ہے جو وہ اس سوٹ پر فدا ہو رہی تھیں جو کوئی بھی معقول لڑکی فری میں بھی لینا پسند نہیں کرے گی۔"

اس نے بے ساختہ ہی سوچا۔

"سب لوگ اتنا انجوائے کر رہے تھے مگر وہ سونیا' فری اور رومانہ تو مستقل منہ بنائے بیٹھی رہیں' بے چاریوں کو کوئی پوچھتا نہیں ہے' اس لئے دل ہی دل میں کڑھتی رہتی ہیں۔"

لبنیٰ کی ساتھی لڑکیوں کو' ثانیہ محض نام کی حد تک ہی پہچانتی تھی' وہ بھی اس لئے کہ لبنیٰ کی گفتگو میں تواتر کے ساتھ ان تینوں کا ذکر رہتا تھا' یہ اور بات کہ یہ ذکر طنزیہ پیرائے میں ہوتا تھا۔

دراصل آج کل اسے ایک بالکل نئی خوش فہمی ہو چکی تھی کہ اس کی کلاس کے دو بہت سے بہتر لڑکے اس میں بیک وقت دلچسپی لینے لگے ہیں۔

ثانیہ کو حسب معمول یقین تو نہیں آیا تھا مگر کیا تھا کہ لبنیٰ کو اس کے علاوہ کوئی دوسرا سامع گھر میں میسر نہیں تھا اور دوسرے اس بہانے گھر میں پھیلی تلخی کا احساس کم ہونے لگتا تھا۔

سو ثانیہ صبر و شکر کے ساتھ یہ فخریہ بیان سن ہی لیتی تھی، اماں الگ مطمئن ہو جاتیں کہ " چلو ثانیہ اور لبنیٰ میں بڑی پکی دوستی ہوتی جا رہی ہے۔"

آج چونکہ اتوار تھا، سو صبح ناشتے کے بعد سے ہی لبنیٰ کا خبر نامہ جاری تھا۔

بارہ بجنے کو تھے اور ابھی تک دوپہر کے کھانے کا کچھ اتہ پتہ نہیں تھا، ثانیہ کی نگاہ بار بار ادھ کھلے دروازے سے نظر آتی ممانی کی طرف اٹھ رہی تھی، جو سامنے اپنے کمرے میں آدھ پونے گھنٹے سے فون کان سے لگائے بیٹھی تھیں۔

اتنے لمبے فون وہ عموماً کسی کو کیا نہیں کرتی تھیں، آج یقیناً کوئی خاص بات تھی۔

پر ثانیہ کا کچھ اندازہ لگانے کو بھی دل نہ چاہا، ممانی اور لبنیٰ کے لئے اس کے روّیہ میں عجیب سی لاتعلقی اور آئی تھی، جو شاید کسی کو محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔

کسی نے بات کی تو کر لی، ہنسے تو ہنس دیئے، کام کہا تو کر دیا، منع کیا تو رہنے دیا۔ کمرے میں بیٹھنے کی اجازت ملی تو بیٹھ گئے ورنہ اپنا برآمدہ اور اس کا تخت تو تھا ہی، اس گھر میں اپنی " حیثیت " کا تعین کر لینے کے بعد وہ ظاہراً ہی سہی، مطمئن دکھائی دینے لگی تھی۔

لبنیٰ نے بھی اس کی بار بار اٹھتی نگاہ کو محسوس کر لیا تھا، سو تھوڑی خفگی سے بولی، "تمہارا دھیان پتہ نہیں کہاں ہے، سن ہی نہیں رہی ہو۔"

حالانکہ وہ یہاں جب سے آئی تھی "سن" ہی رہی تھی پھر بھی لبنیٰ کی غلط فہمی کو دور کرنا پڑا۔

"دراصل میں ممانی کو دیکھ رہی تھی، انہوں نے ابھی تک کھانا پکنے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہے، آج چھٹی ہے ویسے بھی ماموں گھر پر ہی ہیں۔"

"امی کو بھی بس کیا کہوں، ایک تو فون اپنے کمرے میں لگا رکھا ہے، انسان ڈھنگ سے کسی سے بات بھی نہیں کر سکتا، میں تو بابا اپنا نمبر بھی کسی کو دینے میں بڑی احتیاط کرتی ہوں انہیں خوامخواہ کوئی شک پڑ گیا تو میرا باہر نکلنا بھی بند کر دیں گی۔"

لبنیٰ نے شکر ہے اس کے جواز کو قبول کر لیا تھا، ٹیلی فون حالانکہ وہ خود بھی سارا دن جہاں چاہتی کرتی تھی، مگر پھر بھی شاکی رہتی۔

"کسی طرح ایک موبائل لینا ہی پڑے گا، دیکھو آج ابو سے بات کرتی ہوں رات کو۔"

ثانیہ نے یوں ہی رسماً پھر سر ہلا دیا۔

تب ہی ممانی فون بند کر کے ادھر لبنیٰ کے کمرے میں چلی آئیں، چہرے پر ایک دبے دبے جوش کے آثار بڑے نمایاں ہو رہے تھے۔

"کس کا فون تھا، جو آپ اتنی دیر سے بات کر رہی تھیں؟"

لبنیٰ نے ان کے کچھ بتانے سے پہلے ہی سوال کر ڈالا۔

''زرینہ آپا کا۔''

ان کے مختصر سے جواب میں ہی ساری تفصیل عیاں تھی، لیکن لبنیٰ بھی آخر ان ہی کی بیٹی تھی، خود ان کے منہ سے تفصیل سنے بغیر اسے کہاں چین آنا تھا۔

''کوئی خاص بات تھی، جو آپ کو اتنی دیر لگی، خیریت سے تو ہیں نا زرینہ آنٹی۔''

ثانیہ کو اس کے یوں بن بن کر پوچھنے پر روکنے کے باوجود بھی ہنسی آنے لگی۔

زرینہ آپا کا نام ہی کافی تھا۔

ان کی آمد ہو یا فون، غرض اور نوعیت ہمیشہ ایک ہی ہوتی تھی۔

ممانی کی پسندیدہ ترین ہستی تھی اور عرصہ سے رشتے کروانے کا فریضہ انجام دے رہی تھیں۔ جب سے ثانیہ اور اماں نواب شاہ سے آئی تھیں۔ تب سے بھی ان کے یہاں جمیل ماموں کے گھر کئی چکر لگ چکے تھے۔

ہر بار نئے لوگ، نیا رشتہ، پہلے سے بھی زیادہ خوبیاں رکھنے والا۔

مگر نہ معلوم کیا مسئلہ تھا۔ جو بات بن کر نہیں دے رہی تھی، ثانیہ نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی، ویسے ہی جب کسی کے جانے کے چند روز بعد دھیرے دھیرے لبنیٰ کے منہ سے ان لوگوں کو خامیاں گنوائی جانا شروع ہوتیں تو اسے خود ہی اندازہ ہو جاتا کہ بات اس بار بھی نہیں بنی۔

''ممانی کھانے کا بتا دیں، کیا پکنا ہے، کافی ٹائم ہو گیا ہے۔''

اس سے پیشتر کہ ممانی، لبنیٰ کے سوال کا جواب شروع کرتیں۔ ثانیہ نے جلدی سے پوچھ لیا، اس مداخلت پر ممانی بدمزہ تو ہوئیں مگر بات ثانیہ کی بھی صحیح تھی، سارا صحن دھوپ سے بھر چکا تھا۔

''بس دال چاول پکا لو، جلدی سے پک جائیں گے، ڈرائنگ روم صاف کر لو اچھی طرح سے اور دو چار چیزیں شام کی چائے کیلئے بنا کر رکھ دو کچھ مہمان آئیں گے شام میں۔''

ثانیہ نے چند منٹ انتظار کیا کہ شاید وہ کچھ اور بھی کہیں، مگر انہیں اسے جو کہنا تھا، کہہ چکی تھیں، باقی کی معلومات لبنیٰ کے لئے تھی۔

ثانیہ اٹھ کر باہر چلی آئی۔

برآمدہ خالی تھا۔

جمیل ماموں اماں کو ساتھ لئے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے، وہ جس دن گھر پر ہوتے اماں کے ساتھ کافی وقت بتاتے تھے، شاید اس طرح وہ ممانی کی بے اعتنائی کا کچھ ازالہ کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

آج کی ساری دوپہر کچن کی نذر ہی ہونا تھی۔ ثانیہ نے ذرا رک کر موسم کی حدت کا اندازہ لگانا چاہا۔

دن روز بروز گرم سے گرم تر ہوتے جا رہے تھے، معلوم نہیں ابھی بارشوں میں کتنے دن باقی تھے۔

وہ کچن میں چلی آئی، شام کی چائے کا مینو ممانی اسے اب تک اچھی طرح یاد کرا چکی تھیں، چاٹ، دہی بڑے، رولز اور کباب، یہ گھر میں تیار کرنے ہوتے تھے اور کیک اور بسکٹ بازار سے آ جایا کرتے تھے، ثانیہ کی آمد سے قبل، باقی چیزیں بھی فوری طور پر بازار سے آ جایا کرتی تھیں، مگر اب نہ جانے کس نے یہ نکتہ ان کے دماغ میں بٹھا دیا تھا کہ گھر میں تیار ہوئی چیزوں سے آنے والوں پر لڑکیوں کی سلیقہ مندی

کی دھاک بیٹھتی ہے۔

ثانیہ کا شک بار بار لبنیٰ کی طرف ہی جاتا تھا۔

کام اچھا خاصا تھا۔

مگر تب ہی اسے یاد آیا کہ پچھلے ہفتے فریز کئے کباب' فریج میں اس وقت بھی اتنے تو ہیں کہ مہمانوں کے سامنے رکھے جاسکیں۔

ثانیہ کو فراغت کا تھوڑا سا احساس نصیب ہوا تو ہاتھ خود بخود تیزی سے چلنے لگے۔

''معلوم نہیں یہ کہانیوں اور افسانوں کی ہیروئنز کس طرح جھٹ پٹ سارے کام نمٹا لیتی ہیں' یہاں تو تھک کر چور ہو جانے کا وقت آجاتا ہے' مگر کام نہیں سمٹ پاتا۔''

یہ خیال اکثر ہی آتا تھا' خاص طور پر ایسے موقعوں پر کچھ چیزوں کی ضرورت تھی' یہی میدہ' دہی وغیرہ وغیرہ۔

ممانی سے کہنے کیلئے اسے واپس لبنیٰ کے کمرے میں آنا پڑا۔

ممانی کی آواز باہر برآمدے میں بھی سنائی دے رہی تھی۔

''سب سے اچھی بات تو یہ کہ سسرال کا کوئی جھنجھٹ ہی نہیں' نہ یہاں پاکستان میں رہنا ہے اور نہ ہی سسرال کی خدمت میں ہلکان ہونے کی ضرورت۔''

ثانیہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اس بار رشتہ ''امپورٹڈ'' تھا۔

لبنیٰ کی سب سے بڑھ کر یہی خواہش بھی تھی۔

سو اسی حساب سے وہ بے حد خوش تھی۔

ثانیہ جب کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بڑے ناز سے ممانی کو کہہ رہی تھی۔

''تصویر بالکل نئی منگوایئے گا' یہ بات زرینہ آنٹی سے صاف صاف کہہ دیں پرانی والی سے کام نہیں چلے گا۔''

''نہیں نہیں' یہ بات تو میں نے کرلی ہے' زرینہ آپا سے' ابھی جب وہ آئیں گی تو تصویریں ساتھ ہی لائیں گی۔''

ممانی نے فوری تسلی کرادی۔

ثانیہ کو ممانی اور لبنیٰ کے درمیان پائی جانے والی اس بے تکلفی پر بڑی حیرت ہوئی تھی' آنے والے ہر رشتے کا لبنیٰ بذات خود جائزہ لیتی' دس سوالات' دس اعتراضات۔ ممانی مگر ہمیشہ اس کی ہم نوا رہتیں۔

بات کوئی ایسی قابل اعتراض بھی نہیں تھی' پر اسی ایک مقام پر ثانیہ کو لگتا تھا' جیسے وہ واقعی بڑے دقیانوسی ماحول میں پلی بڑھی ہے' وہاں نواب شاہ میں ان کے گھر کیا' پڑوس میں بھی لڑکیوں کے سامنے رشتوں کی بات کرنا بڑا نامناسب سا تصور کیا جاتا تھا' خود اس کے جو چند ایک رشتے ابا کی زندگی میں آئے تھے' ان کے متعلق وہ آج بھی کچھ وثوق سے نہیں بتاسکتی تھی کہ ان کا حدود اربعہ کیا تھا۔

بس گھر میں چند اجنبی چہروں والی خواتین کی آمد اور اس کے بعد کئی کئی دن اماں اور ابا کے درمیان ہونے والے خفیہ مذاکرات' جن کا سلسلہ اسے دیکھتے ہی منقطع ہو جاتا' پھر نہ معلوم کب خاموشی سے انکار بھی کر دیا گیا' خود اس سے نہ کوئی رائے' نہ مشورہ' مگر یہاں کا منظر نامہ کچھ اور تھا۔

"تمہیں کچھ کام ہے کیا مجھ سے۔" ممانی کے چبھتے ہوئے لہجے پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"جی' وہ یہ منگوانا ہے۔" کچھ گڑبڑا کر اس نے انہیں ایک چھوٹی سی لسٹ پکڑائی۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ مگر دیکھو ثانیہ' جب میں اور لبنیٰ کوئی آپس کی بات کر رہے ہوں تو تم بہانے بہانے سے یہاں سر پر آ کر مت کھڑی ہو جایا کرو' حیرت ہے تمہاری اماں نے تمہیں یہ تک نہیں سمجھایا ہے کہ اس طرح دوسروں کی جستجو میں رہنا کتنی بری عادت ہے۔"

ممانی کو اس کا یہاں آنا' فی الوقت بے حد ناگوار گزرا تھا سو ان کے جو منہ میں آیا' کہہ گئیں' ثانیہ کا ہاتھ بے ساختہ ہی قریب رکھی کرسی پر جا لگا' اپنے بارے میں بے حسی اور بہادری کے تمام دعوئوں کی قلعی ایسے ہی موقعوں پر اس پر کھلا کرتی تھی۔

اس وقت بھی اسے سارے جسم میں ایک ہلکی سی کپکپاہٹ کا سا احساس ہو رہا تھا۔

ممانی کے الفاظ اور لہجے میں عجیب سا تال میل تھا' تضحیک آمیز' زہر آلود سا۔

"اور اگر کہیں لوگ لفظوں سے مر جایا کرتے تو وہ تو یقیناً اس گھر میں روزانہ ہی دس بار مر ہی جایا کرتی۔"

بمشکل خود کو کمپوز کرتے ہوئے اس نے وہاں سے پلٹنا چاہا تو انہوں ایک بار پھر یاد دہانی کرا دی۔

"اب بس کچن میں ہی مت گھسی رہنا' ذرا ڈرائنگ روم کو بھی اچھی طرح صاف کر دینا۔"

سر جھکائے جھکائے اس نے یہ نادر شاہی بھی سن لیا' اتنا بھی نہ کہا گیا کہ ڈرائنگ روم پہلے ہی بہت اچھی طرح صاف ہے۔

ڈرائنگ روم' برآمدہ اور کچن' کم از کم تین جگہیں اب ثانیہ کے ہاتھوں جگمگا اٹھی تھیں۔ باقی ممانی اور لبنیٰ کے کمرے اور صحن کی دیوار کے ساتھ سجی کاٹھ کباڑ کی نمائش' یہ تین جگہیں اس کی عملداری میں نہیں آتی تھیں۔

وجہ؟

اپنے کمروں میں سے "قیمتی چیزوں" کے غائب ہو جانے کا ممانی کا ڈر اور صحن میں لگے ناکارہ چیزوں کے انبار کے مفید اور کارآمد ہونے کا یقین۔

لبنیٰ یوں ہی بے اعتنائی سے بیٹھی پائوں ہلاتی رہی' ممانی جب بھی اس کے سامنے ثانیہ کو لتاڑتیں وہ اسی طرح بے مروتی کا مظاہرہ کرتی۔

"اور کم از کم آج میں اس لڑکی کو گھر میں رکھنے کا رسک نہیں لوں گی' چھوٹا سا گھر ہے' سب ہی کا سامنا ہو جاتا ہے۔"
ممانی کو زرینہ آپا کی دہرائی چند باتیں بری طرح چبھی تھیں۔

"میری مانو تو پہلے ثانیہ کی شادی کر دو' جس کسی کو بھی تمہاری ہاں لے کر آتی ہوں' اس کی نظر ثانیہ پر ہی رکتی ہے' کرنی تو تم لوگوں کو اس کی بھی شادی ہے' پھر خوامخواہ کی دیر کیوں۔"

زرینہ آپا کے مخلصانہ مشورے پر وہ پورا مہینہ بھر ان سے خفا رہی تھیں۔

مگر آج ایسا کوئی رسک لینا سراسر بے وقوفی تھی' سو وہ پیچھے پیچھے ہی کچن میں پہنچ گئیں' ثانیہ یوں ہی غائب دماغی کے عالم میں سلیب سے لگی کھڑی کسی سوچ میں گم تھی۔

ممانی کی آہٹ پر ایک ہلکی سی پیلاہٹ اس کے چہرے پر ابھری۔

"سنو، جب سب کام ختم ہو جائے تو تم کچھ دیر کے لئے کہیں چلی جانا، میرا مطلب ہے کہ مہمانوں کی موجودگی میں تمہیں گھر پر نہیں ہونا چاہئے، سمجھ رہی ہو نا، میں کیا کہہ رہی ہوں۔"

اس بار اس کی سمجھ میں واقعی کچھ نہیں آیا۔

"کہاں چلی جائوں ممانی، میرا مطلب ہے کہ اس طرح اکیلے۔۔۔" اسے اپنے سینٹر کے راستے کے علاوہ واقعی کسی اور طرف کا کوئی آئیڈیا نہیں تھا۔ ممانی بری طرح جھنجلا گئیں۔

"ارے اتنا بڑا شہر ہے، کہیں بھی ہو آئو، آخر اتنی دور سینٹر بھی تو جاتی ہو، اپنی اماں کو بھی کہیں گھما لائو۔" پھر وہی مذاق اڑاتا انداز۔

اپنی بات کہہ کر وہ واپس مڑ گئیں۔ "اور اب اس اتنے بڑے شہر میں وہ اماں کو لے کر کہاں جائے۔" ثانیہ نے بے بسی کے ساتھ سوچا۔

...☆☆☆...

دن گرم تھا۔اور کچن گرم تر۔

برابر رکھے ہوئے تینوں چولہوں پر مستقل ہی کچھ نہ کچھ پکتا رہا تھا اور دوسرے صحن میں بنے اس کچن کا رخ بھی ایسا تھا کہ دھوپ سہ پہر تک اس کی دیوار پر براجمان رہتی۔

ممانی اور لبنیٰ وقفے وقفے سے چکر لگاتیں اور ثانیہ کی کارکردگی کا جائزہ لے کر مزید کچھ مشوروں سے نوازتیں۔

"رولز کی روٹی بہت پتلی ہونی چاہیے۔"

"یہ دہی بڑوں کی دال کو ابھی اور اچھی طرح پھینٹو۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔"

وہ مزید تندھی سے اپنے کام میں جت جاتی۔

"کام جلدی ختم کر لو، تاکہ ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی نکل جائو۔"

ممانی کمال بے مروتی سے یہ یاددہانی بھی کرا رہی تھیں۔ انہیں بھلا کس کا ڈر پڑا تھا جو وہ بات کو گول مول کر کے کہنے کی زحمت کرتیں۔ ثانیہ تو اسی پر شکر ادا کرتی رہی کہ دل دکھانے والی ساری باتیں وہ عموماً اسے ہی کہہ دیتی ہیں۔ اماں کا تھوڑا بہت لحاظ تھا یا جمیل ماموں کی ناراضگی کا خوف، ثانیہ کے انسٹی ٹیوٹ جانے والے مسئلے پر ایک بڑا جھگڑا کھڑا کر لینے کے بعد وہ اماں سے نہ کرنے کے برابر ہی بات چیت کرتی تھیں۔ اور جب اس سارے فرمائشی پروگرام کو آخری شکل دے لینے کے بعد وہ کچن سے باہر نکل کر آئی تو لبنیٰ تیار ہوئی برآمدے میں کھڑی تھی۔ "میں ذرا پارلر تک جا رہی ہوں، بلو ڈرائی کرانے

کیلئے تم سب کچھ اچھی طرح چیک کر لینا کوئی کام رہ نہ جائے۔ میری تو اب ہمت نہیں ہوگی کہ وہاں سے آ کر کچھ کر سکوں۔"

لبنیٰ کے لہجے میں اس کے لئے اوقات جتاتی رکھائی تھی اور اپنے لئے اہم ترین ہونے کا فخر۔

ثانیہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہلکا سا رنج گھیرنے لگا۔

"کیا تھا جو لبنیٰ رسمی طور پر ہی سہی، اس کی اس تین ساڑھے تین گھنٹے کی محنت کو ذرا سا سراہ دیتی، "شکریہ" کا چھوٹا سا لفظ کیسی جادو بھری خصوصیت رکھتا ہے، انسان کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھنے کی، مگر اس کے لئے یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔"

لبنیٰ کو دیر ہو رہی تھی اور یہ پارلر جس کی خدمات سے وہ عام طور پر مستفید ہوتی رہتی تھی' ایک گلی چھوڑ کر ہی تھا' ابھی سہ پہر کے ڈھلنے میں کافی وقت تھا' پھر بھی وہ جلدی جلدی کا شور مچاتے ہوئے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے گیٹ کی طرف چلی گئی۔

ممانی گیٹ بند کر کے آئیں تو ثانیہ اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔

اسے جانے کی تیاری کرتا دیکھ کر انہیں بڑا اطمینان سا ہوا۔

''تمہارے ماموں تو سو گئے ہیں اور آپا بھی وہیں ہیں ڈرائنگ روم میں' ان سے بھی کہہ دو اگر تیار ہونا ہے تو ہو جائیں گی۔''

اس بار ان کا لہجہ نسبتاً نرم تھا۔

ثانیہ نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

اماں نے صبح ہی نہا کر کپڑے تبدیل کئے تھے سو ایک طرح سے وہ تیار ہی تھیں ثانیہ نے جب انہیں بڑے عام سے انداز میں اس ''ہنگامی آؤٹنگ'' کے پروگرام سے آگاہ کیا تو وہ حیران سی ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''اس دوپہر میں' تمہارا دماغ تو نہیں خراب اور اتنی دیر سے چولہے کے آگے کھڑی ہو' اب نہا کر کھانا کھاؤ اور تھوڑی دیر کیلئے آ کر لیٹ جاؤ۔''

اماں کی تشویش بجا تھی۔

بھوک بے شک اس کی کب کی اڑ چکی تھی' مگر ایک اچھی سی نیند لینے کیلئے خود اس کا دل بھی پوری طرح آمادہ تھا' پر اس وقت وہی کرنا اور کہنا تھا جو ممانی کی منشاء تھی۔

''دوپہر کہاں اماں' اب تو سہ پہر کا وقت ہے' میں اتنے میں نہا کر آتی ہوں' آپ تیار ہو جائیں۔''

وہ جلدی جلدی کہتی ہوئی باہر نکل گئی' خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی ساری کوششیں' اماں کے سامنے کمزور پڑنے لگتی تھیں۔

عجیب بات تھی کہ وہ اس کی سب سے بڑی طاقت بھی تھیں اور سب سے بڑی کمزوری بھی۔ ان ہی کی بے پایاں محبت کبھی اسے کچھ کر دکھانے کا حوصلہ دیتی تھی اور کبھی سارے زمانے سے منہ چھپا کر ان کی شفیق آغوش میں پناہ لینے کو دل چاہنے لگتا۔

وہ واپس آئی تو حیرت انگیز طور پر چادر اوڑھ کر وہ چلنے کیلئے تیار بیٹھی تھیں۔ ثانیہ نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا وہ ان کے مزید سوالوں سے بچ گئی۔

''ادھر مین روڈ پر کافی ساری دکانیں کھلی رہتی ہیں اتوار کے دن بھی' ہم لوگ جب سے کراچی آئے ہیں بازار ہی نہیں گئے' مجھے کچھ چیزیں خریدنی ہیں' پورا ہفتہ تو کلاسز اٹینڈ کرنے کے چکر میں نکل جاتا ہے۔''

اماں کی تسلی کیلئے ایک بے حد مناسب سا جواز اس نے تراش ہی لیا تھا۔

انہوں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

"چلو پھر۔" وہ اس سے پہلے ہی گیٹ کا رخ کر چکی تھیں' ثانیہ کو جلدی جلدی تخت کے نیچے رکھے بکس میں سے پیسے نکال کر پرس میں رکھنے پڑے اور جب وہ تیز قدموں سے باہر کی طرف جانے والے چھوٹے سے کوریڈور میں سے گزر رہی تھی تو پیچھے سے ممانی کی آواز سنائی دی۔

"ذرا آرام سے ٹائم لگا کر آنا' معلوم نہیں وہ لوگ کتنی دیر رکیں۔"

ممانی عادتاً زور سے بولا کرتی تھیں۔

"کیا پتہ اماں نے بھی ان کی ہدایت سن ہی نہ لی ہو۔"

اماں کو گیٹ کے قریب کھڑا دیکھ کر ثانیہ نے اندازہ لگانا چاہا' مگر ان کے چہرے سے ایسا کوئی تاثر نہیں مل رہا تھا۔ بازار میں ہمیشہ کی طرح رونق عروج پر تھی' اتوار ہونے کی وجہ سے اندر کی طرف ساری دکانیں بند ہونے کے باوجود باہر مین روڈ پر کسی شے کی کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

خواتین خریداروں کا ایک ہجوم تھا جو سامنے دکانوں اور فٹ پاتھ کے ساتھ آدھی سڑک کو گھیرے اسٹالز پر خریداری میں مصروف تھا۔ وہ دونوں بھی تھوڑی سی دیر میں ہی اسی ہجوم کا حصہ بن گئیں۔ سارے تکلیف دہ خیال' وقتی طور پر ہی سہی فی الوقت پس پشت جانے لگے تھے۔

"شاپنگ" کے ساتھ خواتین کی جو بڑی طاقتور کیمسٹری قائم ہے' وہ واقعی حقیقت ہے۔ ثانیہ بھی پورے انہماک سے ٹھیلے پر سے پسند کی گئی ایک سینڈل کے بھاؤ تاؤ میں مصروف تھی' جب ہی کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ثانیہ۔"

وہ جیسے چونک کر پلٹی۔ سامنے فرح کھڑی تھی۔

لبنیٰ کے انسٹی ٹیوٹ میں ملنے والی فرح احمد۔ اس کی پرخلوص مسکراہٹ' دوستانہ رویہ۔

ڈارک براؤن اسٹریکنگ ہوئے بال اور خود ثانیہ کے متعلق لگائے ہوئے اس کے درست اندازے۔ ثانیہ کو پل سے بھی کم وقت میں سب ہی کچھ یاد آتا چلا گیا۔

لبنیٰ کے انسٹی ٹیوٹ میں ہونے والی وہ اتفاقیہ ملاقات ویسے بھی ابھی اتنی پرانی نہیں ہوئی تھی۔

"کہاں غائب ہو گئیں تھی تم' میں نے تو چند بار تمہیں پوری سنجیدگی کے ساتھ نیو اسٹارٹ کلاسز میں تلاش بھی کیا' لگتا ہے ہمارا انسٹی ٹیوٹ پسند نہیں آیا ہے؟"

وہ اس کا ہاتھ تھامے بڑی محبت سے کہہ رہی تھی۔ ثانیہ کو بڑی خوشگوار سی حیرت ہونے لگی۔ فرح جیسی مصروف لڑکی' جو دن میں کتنی ہی لڑکیوں سے ملتی ہو گی' اسے خصوصیت سے یاد رکھے ہوئے تھی۔

"یہ میری اماں ہیں۔"

پسندیدہ جوتے کو فی الحال یوں ہی چھوڑ کر اس نے ذرا سا ہٹ کر کھڑے ہوتے ہوئے اماں کا تعارف کرایا۔

فرح مسکراتے ہوئے ان سے ملنے لگی۔ اماں کو فرح بڑی اچھی لگی اور اس سے بھی اچھا یہ کہ کم از کم کوئی ثانیہ کا بھی جاننے والا اس شہر میں موجود ہے۔

فرح ان لوگوں میں سے تھی، جس سے پہلی ملاقات ہی پرانی محسوس ہوتی تھی، یہ تو دوسری بار تھی، چند منٹ میں ہی ساری اہم معلومات کا تبادلہ ہو چکا تھا۔ "میں تو یہاں اپنی خالہ کے گھر آئی تھی، آج کل بیمار ہیں وہ، اگلی بار تمہارے ماموں کے گھر بھی آئوں گی تم سے ملنے۔" اس نے بے تکلفی سے اپنے اگلے پروگرام سے آگاہ کیا۔

اپنے بیگ سے نوٹ بک نکال کر وہ جمیل ماموں کا ایڈریس نوٹ کر رہی تھی۔

ثانیہ نے کچھ جز بز سا ہوتے ہوئے اماں کی طرف دیکھا۔ "معلوم نہیں ممانی کے گھر وہ اپنی کسی جاننے والی کو بلا بھی سکتی تھی یا نہیں۔"

اماں کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ تھی، گویا انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ثانیہ کو تھوڑی سی تسلی ہوئی۔

"اور یہ لو میرا ایڈریس اور فون نمبر، کبھی جو موقع ہو تو ضرور آنا، آنٹی آپ پلیز ضرور ضرور اسے لے کر آیئے گا۔" اس کے لہجے میں اتنا اصرار تھا کہ اماں کو حامی بھرنی ہی پڑ گئی۔ ثانیہ نے ہاتھ میں تھمائی گئی اس چٹ پر نظر دوڑائی جہاں فرح نے بڑے بڑے حرفوں میں لکھا تھا۔

"رحمت منزل فلیٹ نمبر 21"

...☆☆☆...

ٹی وی لائونج میں جملہ اہل خانہ کی حاضری پوری تھی۔ یہاں، وہاں، صوفے، کرسی، فلور کشن، کارپٹ، جسے جہاں جگہ ملی، وہیں بیٹھا بابا کی زبانی پچھلی رات کو ہونے والے معرکے کی تفصیلات سن کر رہا تھا۔

اور جب وہ اس لمبی کہانی سے فارغ ہوئے تو ذرا دیر کیلئے بڑی ہی گہری خاموشی سارے میں چھا گئی۔

اپنی اپنی جگہ سب ہی سر جھکا کر اس طرح غور و فکر میں مصروف ہوئے، جیسے اس وقت کرنے کیلئے سب سے ضروری کام یہی ہے، صرف ایک بلقیس بھابی تھیں جن کی بے قرار نظریں بار بار چاروں طرف گھوم کر بابا اور ان کے نزدیک بیٹھے سجاد پر جا ٹکتیں، اس امید پر کہ شاید وہ لوگ کچھ اور بھی بتائیں، کوئی مزید نیا انکشاف۔

پر بابا اب تک شاید سب کچھ ہی بتا چکے تھے، کم از کم اتنا، جتنا انہوں نے مناسب سمجھا تھا، وہ بڑی جلدی بور ہو گئیں۔

اتنے ایکسائٹمنٹ بھرے قصے کے بعد گھر والوں کا یہ پھسپھسا ردعمل، ان کی برداشت سے باہر تھا اور نہ ہی انہیں کسی مسئلے پر نیا نکتہ اٹھانے کیلئے اور لوگوں کی طرح سوچ وبچار کی ضرورت تھی۔

اس وقت یہی فن ان کے کام آیا۔

"میری تو سمجھ میں ایک بات نہیں آ پا رہی، کہ وحید آپ لوگوں کے ہاتھوں اپنی بے عزتی کروا لینے کے بعد، اس طرح کان دبا کر وہاں سے چل کیسے دیا، وہ تو بڑا ابدلحاظ شخص ہے، ذرا ذرا سی بات پر ہنگامہ کھڑا کر دینے والا۔"

انہیں اصل میں تھوڑا سا ملال بھی ہو رہا تھا کہ وحید نے بابا اور سجاد کے سامنے اتنی آسانی سے ہار کیسے مانی۔

ان کی بات بمشکل ہی ختم ہوئی تھی کہ وقار فوراً ہی بول پڑے۔

"کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو بلقیس، وحید کیسا بھی سہی، بابا کے سامنے سر اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکتا ہے، اگر صرف ہم بھائیوں میں سے ہی کوئی ہوتا تو ضرور تھوڑی بہت چوں چراں کرتا، پر اسے اچھی طرح علم ہے کہ بابا کی مخالفت میں جا کر وہ کہیں کا نہیں رہے گا۔"

ان کے لہجے میں اپنی بیگم کے لئے ہلکی سی تنبیہ بھی تھی۔ بلقیس بھابی کی بات کو کبھی کبھار ہی "بے وقوفی" کا خطاب ملتا تھا۔ سو صبر کا گھونٹ پیتے ہوئے انہوں نے ایک دانشمندانہ جواز اپنے لئے ڈھونڈ ہی لیا۔

''مجھے تو سب سے زیادہ فکر اتوار کو ہونے والے فنکشن کی ہے' سہیل کے بچوں کی خوشی ہے اور اب ظاہر ہے وحید نہ خود آئے گا اور نہ فرحت کو شریک ہونے دیگا۔ سارا خاندان اکٹھا ہو گا' لوگ کیا کیا اندازے نہیں لگائیں گے۔''

ان کی اس بات میں کچھ نہ کچھ دم تو تھا۔ سب ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اتوار اب کچھ زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا' آج جمعرات تھی' بس جمعہ' ہفتہ اور پھر؟

ایک بڑا سا سوالیہ نشان سب کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ فرحت آپا کی عدم شمولیت بہت سی نئی کہانیوں کو جنم دینے والی تھی اور یہاں سب ہی کو اندازہ تھا کہ برادری میں گھریلو سیاست پر مبنی جھگڑوں کے قصوں کو بڑی دلچسپی سے کہا اور سنا جاتا ہے۔

سب ہی ایک ساتھ کچھ نہ کچھ بولنا شروع ہو گئے۔

''کوئی بھی بہانہ بنایا جا سکتا ہے' کہہ دیں گے فرحت کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''کسی ضروری کام'' کا ہونا بھی وجہ بن سکتی ہے۔''

''بچوں کے امتحان بھی قریب...''

وغیرہ وغیرہ۔

سب سے آخری رائے فیضی کی تھی' جب سب ذرا خاموش ہوئے تو وہ بڑی لاپروائی سے بولا۔ ''کوئی ایسا ضروری بھی نہیں ہے ابھی یہ فنکشن ملتوی کر دیں قصہ ختم۔''

سجاد کے چہرے پر بڑی بے ساختہ سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ پر خواتین کے گروپ کو یہ سادہ سا حل سرے سے نامنظور تھا۔

دعوت نامے تقسیم ہو چکے تھے اور کھانے کے مینو سے لے کر فنکشن میں پہنے جانے والے لباس تک کو فائنل کیا جا چکا تھا' ان سارے دشوار مرحلوں سے گزر جانے کے بعد فنکشن کو ملتوی کرنے کا سوچنا بھی محال تھا۔

''تمہیں کس نے کہا ہے کہ بڑوں کے بیچ میں بولو' جاؤ اپنے کمرے میں۔''

نہ ان کے لہجے کی ناگواری نے فیضی پر اثر ڈالا اور نہ ہی ان کے آرڈر نے' وہ اسی بے نیازی کے ساتھ وہاں جما رہا۔

''آپ لوگوں کو کوئی صحیح مشورہ دینا ہی بے کار ہے' لوگ شادی کی تقریبات کھڑے کھڑے ملتوی کر دیتے ہیں' آئے دن اخبار میں اعلان منسوخی...''

بابا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش ہونے کو کہا تو وہ فوراً ہی چپ ہو گیا۔

''اب تم لوگ ذرا غور سے میری بات سن لو۔''

حالانکہ ان کی بات ہمیشہ ہی غور سے سنی جاتی تھی' مگر پھر بھی انہوں نے یہ کہنا ضروری سمجھا ''تقریب تو خیر ملتوی کرنا بے کار ہی ہے' میں ویسے بھی وحید کے قصے کو زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہتا ہوں اور

مجھے یہ بھی یقین ہے کہ وہ فرحت کو یہاں آنے سے روکنے کی بے وقوفی ہرگز بھی نہیں کرے گا' پھر بھی اگر ایسا کچھ ہو تو کسی کو بھی یہ ''رحمت منزل'' والا قصہ چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے' سمجھ میں آ گیا تم سب کے۔''

اپنی بات کے اختتام تک ان کی نگاہیں خود بخود ہی بلقیس بھابی پر جا رکیں۔ وہ کچھ خجل سی ہو گئیں۔

(بھلا یہاں کسے پڑی ہے' جو لوگوں کو روک روک کر یہاں کے قصے سنائے' پر لکھ کر رکھ لیں میری بات جو پہلے ہی سب کو سن گن نہ مل چکی ہو)

بابا کے کوئی ملنے والے آ گئے تھے' سو وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے' اپنے ملنے والوں کو وہ اپنے کمرے سے ملحقہ اسٹیڈی میں نمٹایا کرتے تھے۔

وہ تینوں بھائی بھی کھڑے ہونے لگے تو ثمینہ نے روک لیا۔

"آپ لوگ ذرا مہمانوں کی لسٹ تو چیک کریں' کوئی رہ تو نہیں گیا ہے اور یہ کچھ کارڈز رہ گئے ہیں جانے سے۔" سائیڈ بورڈ پر رکھے کارڈز اٹھاتے ہوئے اس نے ان تینوں کی طرف دیکھا۔

وقار اور سہیل کے چہرے کے تاثرات تھوڑے سے تبدیل ہوئے' پر اسی وقت سجاد نے ذرا سا آگے بڑھتے ہوئے کارڈرز ثمینہ کے ہاتھ سے لے لئے۔

"میں دے آئوں گا' فکر نہ کریں۔"

ثمینہ کے چہرے پر اطمینان کی ایک لہر سی دوڑی۔ "ہائے' بہت شکریہ سجاد اصل میں مجھے امید ہی بس تم سے تھی' ویسے تمہیں زیادہ پریشان نہیں ہونا پڑے گا' یہ سارے کارڈز بس فیڈرل بی ایریا کے ہی ہیں' یاد وایک ناظم آباد کے' اگر کوئی رہ گیا بلانے سے تو پھر دنوں گلے شکوے چلتے ہیں' بس اسی لئے مجھے زیادہ فکر ہے۔"

فنکشن چونکہ ذاتی طور پر تو اسی کا تھا' سو اس حساب سے وہی زیادہ پریشان اور زیادہ حساس ہو رہی تھی' وقار بھائی کو تو کچھ کہہ نہیں سکتی تھی مگر اپنے میاں پر اسے تھوڑا سا غصہ آ ہی گیا۔

"آپ تو سہیل ذرا بھی انٹرسٹ نہیں لے رہے' بالکل ایسے بی ہیو کر رہے ہیں' جیسے آپ کا تو کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔"

"کمال ہے' سارا ارینجمنٹ کروادیا' کھانے کا پورا مینو تمہاری خواہش کے مطابق سیٹ کروایا' تمہیں جتنے پیسے چاہئیں تھے وہ تمہارے ہاتھ پر رکھ دیئے' اب اور کتنا انٹرسٹ درکار ہیں تمہیں؟" سہیل نے ایک ہی سانس میں اپنے سارے احسانات گنوادیئے۔

بلقیس بھابی نے بڑی معنی خیز نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ ثمینہ کی اپنے اور بچوں کیلئے کی جانے والی شاپنگ دیکھ کر انہیں شک تو گزرا تھا' پر وہ بار بار ان کے سامنے یہی کہتی رہی تھی کہ سہیل نے اسے اس موقعے کیلئے شاپنگ کیلئے الگ سے ایک پیسہ بھی نہیں دیا ہے اور یہ سارا اہتمام وہ اپنی سیونگ میں سے کر رہی ہے۔

ثمینہ اپنی بات کہہ کر پچھتائی۔

وقار بھائی اور سہیل دونوں اس طویل مدت میں اتنے کھرے بیوپاری بن چکے تھے کہ کسی کو بھی کوئی رعایت دینے کیلئے تیار نہیں رہتے تھے اور اپنی اس عادت کو "اسٹریٹ فارورڈ" ہونے کا نام دے کر فخر بھی کیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی وہ اپنی اسی کوالٹی کا اظہار کر رہے تھے۔

"تم لوگوں کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ پیسہ کتنی مشکل سے کمایا جاتا ہے اور یہ جو منہ مانگے خرچے پورے ہو رہے ہیں ان کیلئے کتنی محنت کتنی جان ماری ہمیں کرنی پڑتی ہے۔ گھر پر ہمارا وقت ہی کتنا گزرتا ہے جو ہم ان فضولیات کو بھی نبھاتے پھریں۔"

سہیل کی بات کڑوی مگر سچی تھی' پھر بھی سجاد کو ثمینہ کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر رحم سا آنے لگا' سو اس تلخی کی طرف جاتے ہوئے ماحول کو ذرا سا ہلکا پھلکا بنانے کی ایک کوشش انہوں نے کر ہی لی۔

"ارے بھائی مجھے بتائیں' کیا کیا کام رہ گئے ہیں۔ میں ہوں نا فارغ آدمی' کیوں بلقیس بھابی۔"

وہ بات کرتے کرتے بلقیس بھابی کی طرف مڑے۔

''بقول آپ کے بس نو سے چار'' والا کام کرنے والا تو پھر ان چاروں کو کیوں تکلیف دی جائے' جائیں سہیل بھائی' آپ جہاں جا رہے تھے۔'' انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بھائیوں کو دیکھا۔

''ان دونوں کو واقعی کہیں جانا تھا' اس وقت اتنی دیر سے یہاں بابا کی ''طلبی'' پر رکے ہوئے تھے' ان کے لئے سجاد کا اتنا اشارہ ہی کافی تھا' بڑے اطمینان بھرے انداز میں سر ہلاتے ہوئے دونوں ہی لائونج سے باہر چلے گئے' انہیں سجاد کی وجہ سے گھر کی طرف سے ہمہ وقت کی بے فکری حاصل تھی۔''

تینوں بھائیوں میں طبیعت کے بے حد اختلاف کے باوجود بڑی مثالی محبت تھی' جس پر دونوں بھابیاں اثر انداز نہیں ہو پاتی تھی۔

''چلو فیضی گاڑی نکالو' ہم دونوں ابھی چل کر یہ کارڈ بھی دے آتے ہیں۔'' سجاد کو اپنے آفس کی مصروفیات کا بھی اچھی طرح اندازہ تھا' سو یہ کام وہ فوری طور پر ہی نمٹا دینے کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ثمینہ کا موڈ بڑی حد تک بحال ہو گیا۔ کارڈ سجاد کو تھماتے ہوئے وہ کچھ ہدایتیں دے رہی تھیں کہ فیضی نے مداخلت کی۔

''کچھ مہمان میرے بھی ہوں گے ثمینہ چچی' آپ مجھے چند سادے کارڈ دے دیں۔''

''ہاں' ہاں' جتنے چاہے لے لو' وہ سائیڈ بورڈ پر رکھے ہیں نا اور سجاد تم بھی اپنے کولیگز کو بلا لونا' ہم تو صرف شیریں ہی کو انوائیٹ کر پائے ہیں۔''

وہ اس وقت سخت فیاضی کے موڈ میں آچکی تھیں' ان کی تقریب پرفیکٹ انداز میں ہو پائے اس کیلئے سجاد اور فیضی ہی سب سے بڑے مددگار تھے۔ اس بات کا اندازہ پہلے بھی تھا' سہیل کے صاف جواب کے بعد یقین بھی ہو گیا۔

فیضی وہیں سائیڈ بورڈ پر کھڑا ہو کر کچھ کارڈ لکھ رہا تھا کہ بلقیس بھابی سے رہا نہ گیا۔

''نوین حسین۔''

انہوں نے باآواز بلند کارڈ پر لکھا نام پڑھا۔ ثمینہ اور سجاد دونوں ہی نے تھوڑا سا چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''یہ تمہارے دوستوں میں اتنی ساری لڑکیاں کب سے شامل ہو گئی ہیں' پہلے تو کبھی یہ نام نہیں سنا تھا۔''

ان کے لہجے میں جھلکتی خفگی بے حد نمایاں ہو رہی تھی۔ فیضی نے چند اور کارڈ اپنی طرف سرکائے اور تیزی ان پر کچھ لکھنے لگا۔ والدہ محترمہ سر پر کھڑی جو سوال پوچھ رہی تھیں اس کا جواب دینے کی زحمت شاید وہ کرنا ہی نہیں چاہ رہا تھا' مگر پھر بھی جب یہ سوال ان کی طرف سے شدت کے ساتھ دہرایا گیا تو وہ بڑی رکھائی سے بولا۔

''مجھے پتہ تھا کہ آپ ضرور اعتراض کریں گی' آپ کا بس چلے تو سات تالے لگا کر مجھے گھر پر ہی بند رکھیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پرابلم کیا ہے' اگر میرے دوستوں کے سرکل میں چند لڑکیاں ہیں تو آخر اس میں اعتراض کی بات کیا ہے؟''

''تو آخر یہ لڑکیاں ایک دم ہی کہاں سے اگنا شروع ہو گئی ہیں' بچپن سے تم بوائز سکول اور پھر کالج میں پڑھے' دوست تمہارے سارے وہی اسکول کے زمانے کے ہیں' پھر یہ لڑکیاں کہاں سے آ گئیں' بیچ میں' جو سارا سارا دن موبائل بجتا رہتا ہے تمہارا۔''

وہ ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئیں اور جس طنزیہ ٹون میں وہ بات کرنے کی عادی تھیں' وہ فیضی کو فوراً ہی مشتعل کرنے کا سبب بنی جاتی تھی۔ اس وقت بھی کچھ ایسا ہی ہونے کو جا رہا تھا۔ ''دیکھا میں ٹھیک کہہ رہاں ہونا' آپ کا ذہن جاتا ہی بس

اسی طرف ہے، آپ خود ہی فرض کئے رکھتی ہیں کہ جب بھی فون کی بیل ہو رہی ہے، ضرور دوسری طرف کوئی لڑکی ہی ہے اور میں کوئی بہت سی..."

"فیضی۔"

سجاد کو مداخلت کرنی ہی پڑی۔

"ہمیں دیر ہو رہی ہے، جاؤ اوپر میرے کمرے میں سے جا کر گاڑی کی چابی لے آؤ، اچھا خاصا ٹائم لگ جائے گا سمجھے۔"

فیضی کو بات ادھوری چھوڑنی پڑی۔

وہ اوپر چابی لینے گیا تو سجاد اور ثمینہ دونوں ہی بلقیس بھابی کو سمجھانے لگے

"اس طرح اسے ہر وقت مت ضد دلایا کریں۔ اگر بلا رہا ہے اپنی فرینڈز کو تو بلانے دیں، ایک طرح سے تو اچھا ہے کہ اس کے دل میں کوئی چور نہیں ہے اور دوسرے آپ خود دیکھ لیں گی کہ کیسی لڑکیاں ہیں تو پھر اس طرح پریشان بھی نہیں ہوا کریں گی۔"

"میں خوامخواہ پیچھے نہیں پڑی رہتی سجاد اور نہ ہی مجھے ان لڑکیوں سے کوئی بیر ہے، مجھے صرف یہ ڈر ہے کہ کہیں یہ کسی کے ساتھ سنجیدہ نہ ہو جائے خدانخواستہ اور اس صورت میں کیا طوفان کھڑا ہو گا، تم لوگوں کو اچھی طرح اندازہ ہے۔"

وہ خود کو بڑا بے بس سا محسوس کر رہی تھیں۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا، آپ خود کو پرسکون رکھیں اور بس اب پلیز دوبارہ نہیں چھیڑیئے گا اس ٹاپک کو اس وقت۔" فیضی نیچے آتا دکھائی دیا تو سجاد نے دبے دبے لہجے میں جلدی سے بات ختم کی۔

"میرا ایک ہی بیٹا ہے سجاد۔" بلقیس بھابی جیسے رو دینے کو ہوئیں۔

"مزید رکنا غیر ضروری تھا۔ سجاد فیضی کو لے کر فوراً ہی باہر نکل آئے۔"

گاڑی فیضی ڈرائیو کر رہا تھا۔

ایک ٹریفک سگنل پر گاڑیوں کی لمبی قطار میں جب وہ لوگ رکے ہوئے تھے تو فیضی نے کچھ جھجکتے ہوئے بات شروع کی۔

"میرا دوست ہے نافرحان، آپ جانتے ہیں۔" تھوڑا سا رک کر اس نے ان کی طرف دیکھا۔

سجاد نے اثبات میں ہلکے سے سر ہلایا۔

"اسی کے ہال کے ایک فنکشن میں ملاقات ہوئی تھی، اس کی چھوٹی بہن کی فرینڈز ہیں یہ دو تین لڑکیاں، بہت اچھی ہیں، آپ ملیں گے تو ضرور پسند کریں گے۔"

سجاد کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ فیضی کو ان سے ہمیشہ اسی روشن خیالی کی توقع رہتی تھی۔ "امی تو بات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتیں، خوامخواہ کا ایشو کھڑا کر لیتی ہیں۔" ٹریفک کھل چکا تھا، فیضی نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے مزید دل ہلکا کرنا چاہا۔

پر سجاد اس چھوٹی موٹی شکایت پر ذرا بھی دھیان دینے کے بجائے ڈیش بورڈ پر رکھے کارڈز کی طرف متوجہ تھے۔ جہاں اوپر ہی اوپر "نوین حسین" کا نام جگمگا رہا تھا۔

"کون ہے یہ لڑکی، کیا کرتی ہے؟"

یہ بے حد عام سا سوال، جو کسی بھی تعارف کی پہلی کڑی تھی، سجاد نے بالکل سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"یہ نوین' اس نے ابھی انٹر کا ایگزام دیا ہے' اب مارکس آنے پر ہے کہ آگے کیا کرے گی' ویسے بڑی ذہین لڑکی ہے' پڑھائی کی شوقین۔" یہ تھوڑی سی تفصیل سناتے ہوئے وہ جس طرح مستقل مسکرائے جا رہا تھا' سجاد کو تھوڑا سا سنبھل کر بیٹھنا ہی پڑ گیا۔

"لگتا ہے تمہاری اچھی خاصی فرینڈ شپ ہے۔"

"ہوں۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے زور سے ہنس پڑا۔

اگلے چند منٹ سجاد نے مزید کچھ جاننے میں گزارے۔ "چلو پھر' پہلے ان ہی کے گھر کارڈ دیتے ہوئے چلتے ہیں۔"

"کیا۔" فیضی اس طرح چونکا جیسے کوئی بہت ہی ان ہونی سی بات سجاد نے کہی ہو' "وہاں کیسے جا سکتے ہیں' یہ کارڈ تو میں فرحان کے گھر ہی دے دونگا' اسی کی بہن کی تو فرینڈ ہے۔"

سجاد کو اس بار بالکل سنجیدہ ہونا پڑا۔ "تو پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نوین کے گھر والے بالکل ہی لاعلم ہیں تم دونوں کی دوستی سے اور اس طرح وہ تمہاری دعوت میں کیسے آ سکتی ہے اپنے پیرنٹس کی پرمیشن کے بغیر۔"

"وہ آجائے گی سجاد چچا۔ میرا مطلب ہے فرحان کی بہن کے پاس تو وہ اکثر ہی آتی رہتی ہے تو وہیں سے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہمارے ہاں بھی آجائے گی۔" فیضی نے بڑی تیزی سے ان کی بات کاٹی' پر سجاد کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی میں کمی کے آثار نہیں تھے۔

"یہ تو بے غلط طریقہ ہے' مجھے تم لوگوں کی دوستی پر اعتراض نہیں ہے' مگر اس کیلئے اولین شرط نوین کے والدین کی رضامندی ہے' اب چند جگہوں کو چھوڑ کر ہر جگہ کو ایجوکیشن ہے' لوگ ہر ادارے میں مل جل کر کام کر رہے ہیں' آپس میں اچھے مراسم ہوتے ہیں' مگر اس طرح کے چور دروازے صرف تکلیف اور رسوائی کا سبب بنتے ہیں۔"

فیضی خاموشی سے سنتے گیا اور جب وہ خاموش ہوا تو بڑی لجاجت سے بولا۔ "اچھا بس اس دفعہ بلانے دیں' پھر آئندہ کیلئے میرا وعدہ ہے' نوین کے فادر سے پرمیشن لینے کے بعد ہی اسے کسی پارٹی میں انوائیٹ کرونگا' اس بار میں کہہ چکا ہوں اس سے اور اس بے چاری نے ساری تیاری بھی کر لی ہے' ہمارے ہاں آنے کی' اب اگر نہیں کہا اسے تو بڑی رنجیدہ ہو گی۔" اس نے موڑ کاٹتے ہوئے بڑی امید بھری نظروں سے سجاد کو دیکھا' پر ان کے چہرے پر ابھی بھی ناپسندیدگی کے آثار تھے۔

فیضی کو اس وقت ان کے روّیے سے بڑی مایوسی ہوئی تھی' پہلی بار وہ اسے بقیہ گھر والوں سے کچھ زیادہ مختلف محسوس نہیں ہو رہے تھے' پتہ نہیں کیوں وہ ان سے بڑے کھلے ڈلے روّیہ کی توقع باندھے ہوئے تھا' مگر وہ بھی بس۔ اس نے ایک بار پھر توقع بھری نگاہوں سے سجاد کی طرف دیکھا' مگر اب وہ کسی اور ہی سوچ میں تھے' سامنے سڑک پر پھیلے ٹریفک پر نظریں جمائے بالکل خاموش۔ "شاید بلقیس بھابی کی پریشانی اتنی بے جا بھی نہیں ہے۔" سجاد کو اس سارے معاملے کا بڑی احتیاط سے جائزہ لینے کا خیال آئے جا رہا تھا۔

...☆☆☆...

لبنیٰ سجی سجائی ٹرالی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو سب ہی کی توجہ ذرا دیر کیلئے اسی کی طرف ہو گئی۔

آج اس نے ثانیہ کے مشورے پر کپڑے تو لائیٹ کلر کے پہن لئے تھے مگر میک اپ نہ نہ کرتے ہوئے بھی ڈارک ہو گیا تھا' پھر بھی کچھ نہ کچھ توازن برقرار ہو گیا تھا' اس لئے کافی اچھی لگ رہی تھی۔

لڑکے کی ماں اور بھابی کی نگاہوں میں پسندیدگی کی جھلک واضح ہو رہی تھی۔

''ماشاءاللہ بیٹی تو آپ کی بہت پیاری ہے' یہاں آؤ بیٹا' ادھر ہمارے پاس بیٹھو۔'' انہوں نے لبنیٰ کو اپنے نزدیک ہی بٹھالیا۔ یہ بڑی حوصلہ افزاء ابتداء تھی۔ ممانی نے اطمینان بھری نگاہوں سے رشتے کروانے والی خاتون کی طرف دیکھا۔

''اس طرف بھی کچھ ایسے ہی تاثرات تھے۔''

وہ دونوں خواتین اب لبنیٰ سے وہی سارے رسمی سوالات پوچھ رہی تھیں جو عموماً ایسے موقعوں پر معلومات حاصل کرنے کیلئے پوچھے جاتے ہیں۔

''کہاں تک پڑھا ہے؟ آج کل کیا کر رہی ہو؟''

''پڑھائی کے علاوہ کیا مصروفیت رہتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ''

لبنیٰ کو بھی ان معاملات کو نمٹانے کی اب تک اچھی خاصی پریکٹس ہو چکی تھی' ان سارے ترتیب وار سوالوں کے بڑے پرفیکیٹ قسم کے جواب اس کے پاس تیار رہتے تھے' سو کھٹا کھٹ دیئے جا رہی تھی' خاص طور پر پڑھائی کے علاوہ دیگر مصروفیت تو اتنی زیادہ متاثر کن تھی کہ کوئی حد نہیں۔

''ڈرائی اریجمنٹ' کینڈل میکنگ' جوٹ' سرامک' اٹالین ورک' فیبرک پینٹنگ' اسکرین پرنٹنگ' گلاس پینٹنگ اور بھی نہ جانے کیا کیا...'' آرٹ اینڈ کرافٹ کا کوئی بھی ہنر اس کی دسترس سے بقول اس کے' باہر نہ تھا' ثبوت کیلئے کریم آباد سے خرید کر لائے ہوئے ہر ایک کرافٹ ورک کے ایک دو نمونے ڈرائنگ روم میں موجود تھے' ممانی کا خیال تھا کہ جب بھی لبنیٰ کی شادی ہونے لگے گی' وہ بازار سے اکٹھی ہی یہ ساری چیزیں خرید کر لبنیٰ کے جہیز میں درجنوں دے دیں گی' تاکہ وہاں اس سے کچھ سال تو کوئی فرمائش کی ہی نہ جاسکے اور فوری طور پر اس کے سلیقے کی دھوم بھی مچ جائے۔

لڑکے کی ماں اور بھابی دونوں تعریفی نگاہوں سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہی تھیں۔ بھابی کو آرٹ ورک میں خود بھی اتفاق سے تھوڑی بہت دلچسپی تھی' سو وہ دو ایک سوال کر بیٹھی' جس سے لبنیٰ کی قابلیت کا پول کھلنے کا اندیشہ پیدا ہونے لگا۔

''سرامک کا ڈو تو آسانی سے بن جاتا ہے' مگر یہ اٹالین بڑا مشکل ہے' مجھ سے تو کبھی ٹھیک طرح سے بن کر نہیں دیا' ذرا مجھے ایک پرچے پر اس پیس کی چیزوں کا صحیح تناسب اور کوکنگ ٹائم تو لکھ کر دیں پلیز۔''

لبنیٰ سے پہلی بار فوری طر پر کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ ممانی فوراً ہی مدد کو آگئیں۔

''ارے آپ لوگ یہ تو لیں۔'' انہوں نے بیٹھے بیٹھے ٹرالی کو پیش کیا۔ ''لبنیٰ اٹھ کر سرو کرو نا' یہ کیا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئیں' اصل میں بہت سیدھی بچی ہے۔''

آخری فقرہ انہوں نے لڑکے کی بھابی اور والدہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں بھی مسکرانے لگیں۔

ٹرالی' اس قدر بھری ہوئی تھی کہ اچھا خاصا ٹائم اس کے ساتھ انصاف کرنے میں گزر گیا۔ اٹالین ڈو کی ریسپی پوچھنے والی بھابی بھی فی الحال اپنا سوال بھول گئی تھیں۔

ممانی کو خود بھی یہ رشتہ اسی لئے زیادہ پسند آ رہا تھا کہ یہاں نندوں کا جھمیلا نہیں تھا' لڑکے کا ایک بھائی بڑا تھا' جس کی بیوی اسی وقت یہاں آئی ہوئی تھی اور دوسرا اس سے چھوٹا تھا۔

اب تک کا ان کا تجربہ یہی بتاتا تھا کہ رشتے کے لئے آنیوالے متوقع نندیں زیادہ باریک بینی سے لڑکی کا جائزہ لیتی ہیں' بھابیاں البتہ اس دل جمعی کا مظاہرہ نہیں کر پاتیں' اس وقت بھی ان کے اسی خیال کی تصدیق ہو رہی تھی۔

ٹرالی پر دھرے سارے لوازمات ایک سے بڑھ کر ایک لذیذ تھے اور سب کے سب لبنٰی کے ہاتھوں سے بنے ہوئے۔

اس کی ویلیو بڑھتی ہی جا رہی تھی' دس انگلیاں' دسوں چراغ۔

لڑکے کی والدہ بڑی محبت بھری نگاہوں سے بار بار اس کی طرف دیکھ رہی تھیں' اس قدر سلیقہ مند لڑکی انہیں کہاں ملنی تھی' سارا معاملہ سیٹل ہوتا محسوس ہو رہا تھا' پھر اسی وقت ایک چھوٹی سی گڑبڑ ہو ہی گئی۔

لبنٰی چائے بنانے کیلئے اٹھ ہی رہی تھی کہ اچانک ہی لائٹ چلی گئی۔

گرمیوں کی شامیں طویل ہوتی ہیں اور ابھی بھی مغرب میں اچھا خاص وقت تھا' مگر ڈرائنگ روم چونکہ بالکل اندر کی طرف تھا' سو وہاں ایک دم ہی اندھیرا چھا گیا' پھر پنکھا بند ہونے کی وجہ سے کمرے میں ایک دم ہی گرمی اور گھٹن کا احساس بڑھنے لگا تھا۔ ''چلیں' چائے باہر برآمدے میں چل کر پیتے ہیں۔'' ممانی کی آفر پر سب فوراً ہی کھڑے ہوئے۔

کمرے کی نسبت باہر ہر طرف اجالا تھا اور پچھلی سائیڈ پر بنے اس برآمدے میں بڑی اچھی ہوا آ رہی تھی۔

''یہ جگہ تو بڑی اچھی ہے' آرام دہ پرسکون سی'' لڑکے کی اماں بڑی بے تکلفی کے ساتھ آرام سے گاؤ تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

ممانی کے چہرے پر ایک فخریہ مسکراہٹ آج مستقل بسیرا کئے ہوئے تھی۔ آج کا دن ان کیلئے یقیناً بہت اچھا تھا' ہر بات میں تعریف ہی تعریف۔

لبنٰی کے پوچھنے پر کہ آیا وہ اس موسم میں چائے کے بجائے کولڈ ڈرنک پینا پسند کریں گی' دونوں ہی مہمانوں نے منع کر دیا۔

''ہمارا تو سارا گھر ہی چائے کا عادی ہے اور یہ تو ویسے بھی چائے کا وقت ہے' نہیں پئیں گے تو سر میں درد ہو جائے گا۔''

لبنٰی جز بز سی ہوتی ہوئی واپس چلی گئی۔ اس نے اسی نیت سے کولڈ ڈرنکس منگوا کر فریج میں رکھے ہوئے تھے تاکہ وہ چائے بنانے کی زحمت سے بھی بچ جائے' پر اب مجبوری تھی۔ تخت پر بڑا خوبصورت رِلی ورک میں تیار کیا ہوا کور اور اس سے میچ کرتے ہوئے گاؤ تکیہ تھے' اماں کے پاس اس طرح کی کئی چیزیں نواب شاہ کے قیام کی یادگار تھیں۔ آنے والے مہمان بھی اس خوبصورتی کو سراہے بغیر نہ رہ سکے۔

''بہت خوبصورت ہے' کہاں سے بنوایا ہے آپ نے' بازار میں یہاں تو اس طرح کے ڈیزائن نہیں ملتے ہیں۔''

''یہ نواب شاہ سے بنوایا ہے' خاص طور پر ڈیزائن دے کر۔'' ممانی ان لوگوں کے سلسلے میں اب تک اتنی پراعتماد ہو چکی تھیں کہ یہ چھوٹا سا سچ بول ہی گئیں۔

''ہمیں بھی بنوا کر دیجئے گا' وہاں کوئی عزیز رہتے ہیں کیا آپ کے۔'' لڑکے کی والدہ اب خاندانی انکوائری پر اتر آئیں۔

ممانی کو اماں اور ثانیہ کا ذکر کرنا پڑ گیا' ساتھ میں یہ بھی بتانا پڑا کہ وہ لوگ آج کل یہیں ان کے پاس مقیم ہیں اور اس وقت ایک بے حد ''ضروری کام'' سے ان لوگوں کو کہیں جانا پڑ گیا ہے۔

معلوم نہیں وہ مطمئن ہوئیں کہ نہیں' مگر اتنی دیر میں ان کے ساتھ آئی ان کی بہو بغور چوپٹ کھلے دروازوں میں جھانکتی کمروں کی بے ترتیبی اور صحن کی دیوار کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے اس سارے کاٹھ کباڑ کا جائزہ لے چکی تھیں' جسے ممانی کام کا سامان کا نام دے کر نہ جانے کب سے گھر کا حصہ بنائے ہوئے تھیں۔ انہیں اندازہ ہی نہیں تھا' ٹوٹے ہوئے ردی' ناکارہ سامان کا یہ انبار' جس کی موجودگی کی بھلے ہی گھر والوں کی آنکھوں کو عادت ہو چکی ہو' باہر سے آنے والوں پر کس قدر خراب اثر ڈالتی ہے۔

گھر والوں کے ذوق اور سلیقے کی ایک خاموش سی "تائید" یہیں سے ہونے لگتی تھی۔

جب لبنیٰ چائے سے چھلکتے کپوں کی ٹرے سنبھالتے ہوئے چائے سرو کر رہی تھی تو وہ دونوں خواتین' ادھر سے ادھر نظریں گھماتی ہوئی' یہاں پھیلی گھر کی بدنظمی کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں' انہوں نے اب لبنیٰ سے بھی کوئی مزید بات چیت نہیں کی۔ بس یوں ہی ممانی کی باتوں کے جواب میں ہوں ہاں کرتی رہیں۔

چائے ٹھنڈی اور بدمزہ تھی۔

بمشکل دو چار گھونٹ لے کر وہ دونوں خواتین اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ممانی کی جو سہیلی انہیں اپنے ساتھ لائی تھیں' انہیں بھی اٹھنا پڑ گیا۔ "آپ تو کھڑی ہو گئیں' ابھی کچھ دیر تو بیٹھتیں۔" ممانی کے اصرار پر بھی وہ نہ رکی۔

ابھی کچھ دیر پہلے وہ لوگ جس گرمجوشی اور دلچسپی کا اظہار کر رہی تھیں' وہ یکایک ہی کم ہوتا صاف نظر آ رہا تھا۔

ممانی اور لبنیٰ دونوں ہی نے صاف صاف نوٹ کیا تھا' ممانی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی سہیلی کو بھی اشارہ کیا' مگر وہ بھی نظر چرا گئیں۔

"عجیب عورتیں ہیں' یا تو ایسے اخلاق برت رہی تھیں' جیسے نہ جانے کون سی پرانی رشتہ داری نکل آئی ہے' یا اب ایسی بے مروتی سے چل دیں کہ جاتے ہوئے اتنا بھی نہیں کہا کہ آپ لوگ بھی ہمارے گھر آیئے گا۔"

ممانی کو قلق ہو رہا تھا اور ان لوگوں کے روانہ ہوتے ہی انہوں نے اپنے افسوس کو چھپانے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ "کتنے روپوں پر پانی پھر گیا اور دن الگ برباد ہوا۔" تھوڑی سی کھٹک تو لبنیٰ کے دل میں بھی پیدا ہو رہی تھی مگر وہ اتنی جلدی ناامید ہونے کیلئے تیار نہیں تھی۔ یہ رشتہ اب تک آئے تمام پرپوزلز پر سبقت لے رہا تھا۔ لڑکا خوبصورت تھا اور

اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی۔ گھر کی خواتین کا رکھ رکھاؤ اور وہ شاندار گاڑی جس میں وہ لوگ آئی تھیں' سب ہی کچھ بے حد متاثر کن تھا۔

اب جو ممانی ٹھنڈی سانس بھر کر یہ "بدشگونی" والی باتیں کرنا شروع ہوئی تھیں تو اسے واقعی برا لگنے لگا۔

"آپ تو بے کار میں ہی دوسروں کو بھی ڈپریس کرنے لگتی ہیں امی' پہلی بار کوئی اتنی ہی دیر کیلئے آتا ہے' وہ لوگ تو پھر بھی خاصی دیر بیٹھ لی ہیں' ہو سکتا ہے گھر میں کوئی ضروری کام ہو' یا کہیں اور جانا ہو۔" ممانی جواب میں کچھ نہ بولی۔

صرف خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھے گئیں۔ اپنی بات کہہ کہ وہ رکی نہیں' سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ایک خوبصورت خواب جو اس کی دسترس میں آ ہی گیا تھا' اس سے وہ ابھی دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں تھی۔

ممانی نے ایک نظر ادھ پیئے چائے کے کپوں اور پھر کچن کی طرف ڈالی' یہ سارا بکھیڑا جو لبنیٰ کے ہاتھوں کچھ زیادہ ہی پھیل چکا تھا اور اتنی دیر سے باتیں کرتے کرتے' وہ خود بھی بہت تھکن محسوس کر رہی تھیں۔

اماں اور ثانیہ بھی نہ جانے کہاں رہ گئی تھیں' وہ ہوتیں تو منٹوں میں کام ختم ہو جاتا۔

اب انہیں ان کے دیر کر دینے پر غصہ آنا شروع ہو گیا تھا۔ یہ یاد کئے بغیر کہ ایک سے زائد بار خود انہوں نے ہی ان لوگوں کو دیر سے آنے کی تاکید کی تھی۔

...☆☆☆...

گھر ٹھنڈا اور نیم تاریک سا رہتا تھا۔

خاص طور پر اسکول سے واپسی پر تو نازی کو تو گھر پہنچتے ہی ایسا لگتا تھا جیسے کسی گھنے سایہ دار بادل نے اپنی پناہ میں لے لیا ہو۔

آج بھی رنگین شیشوں والی راہداری میں قدم رکھتے ہی کچھ ایسا ہی سکون میسر آیا تھا پر آج ماحول کچھ مختلف سا تھا۔

وہ گہری خاموشی‘ جو گھر کے بیشتر افراد کے سونے کی لت کی بدولت اس وقت گھر میں چھائی رہتی تھی‘ آج اس میں خلل پڑا ہوا تھا۔اندر کمروں میں کچھ چہل پہل سی تھی‘ جس کا احساس باہر ہی سے ہو رہا تھا۔

’’بھلا‘ اس وقت کیا خاص ہو سکتا ہے۔‘‘

نازی نے امی کے کمرے کے سامنے رکتے ہوئے اندازہ لگانا چاہا‘ مگر اسی وقت کمرے کا دروازہ کھول کر سمیع باہر آیا۔

’’آ گئیں نازی آپا‘ میں آپ ہی کو دیکھنے کیلئے باہر آ رہا تھا‘ آج کچھ زیادہ دیر نہیں ہو گئی‘ میں نے تو ابھی آپ کے اسکول بھی فون کیا تھا۔‘‘

اس کے انداز میں بہنوں کیلئے ہمیشہ بزرگوں والی تشویش ہوتی تھی‘ نازی کو کبھی کبھی جھنجلاہٹ ہوتی اور کبھی بڑا اچھا بھی لگتا۔اس وقت سمیع کی پریشانی بجا تھی‘ آج واقعی دیر ہو گئی تھی۔

’’آج ہماری گاڑی خراب ہو گئی تھی‘ اتنی دیر وہیں کھڑے کھڑے ہو گئی‘ پھر آخر رکشہ کر کے آنا پڑا۔‘‘

اس کی وضاحت پر اسے پھر سے کچھ یاد آ گیا۔

’’کب سے کہہ رہا ہوں کہ ایک موبائل تو لے لیں کم سے کم‘ آج کل تو لوگ یوں ہی بلا ضرورت بھی اٹھائے گھومتے ہیں‘ آپ کا اسکول تو ہے بھی اتنے فاصلے پر‘ راستے میں کوئی بات ہو تو انسان گھر پر انفارم تو کر سکتا ہے۔‘‘

سمیع جب بھی تھوڑا سا خفا ہونے لگتا تھا تو اس کی بات سے فوراً ہی متفق ہونا پڑتا تھا‘ ورنہ گھر میں سب کو پتہ تھا کہ اسے لمبی بحثیں کرنے کا کس قدر شوق ہے۔

نازی بھی مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے لگی۔موبائل کی ضرورت تو خود اسے بھی کبھی کبھی واقعی محسوس ہوتی تھی۔پر فی الحال جیب اس فضول خرچی کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔

گھر کے چند اخراجات اور کمیٹیوں کی قسط بھرنے کے بعد وہ اپنے پاس محض اتنی ہی رقم رکھ پاتی تھی جس سے اسکول وین کا کرایہ اور کچھ چھوٹے موٹے ذاتی اخراجات پورے ہو سکیں۔مگر یہ بات وہ سمیع تو کیا‘ کسی کے بھی سامنے نہیں دہراتی تھی۔

’’اندر کوئی آیا ہوا ہے کیا؟‘‘ جو اصل سوال پیچھے رہ گیا تھا‘ بند دروازے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے وہی پوچھ لیا۔

’’جی ابھی ذرا دیر پہلے ہی تشریف آئی ہے مہمان بلکہ خاص الخاص مہمان کی‘ آپ بھی...‘‘

سمیع کی بات پوری ہونے سے قبل ہی وہ دروازہ کھول چکی تھی۔

سامنے ہی اسماء پھوپھو بیٹھی تھیں۔

اس کے پرانے چوڑے سے بیڈ پر ٹیک لگا کر وہ اپنے اسی پرانے بے تکلف انداز میں بیٹھی تھیں۔

نازی کو بڑی خوشگوار سی حیرت ہوئی۔

اسماء پھوپھو کی یہاں آمد تو کیا اب ذکر بھی برائے نام ہی رہ گیا تھا۔

’’السلام علیکم پھوپھو‘ کیسی ہیں‘ بہت دنوں بعد چکر لگا۔‘‘ نازی گرمجوشی سے آگے بڑھتی چلی گئیں۔

’’وعلیکم السلام‘ ہمیشہ خوش رہو‘ اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہو‘ کیا کھاتی پیتی نہیں ہو؟‘‘ اسماء پھوپھو کو اپنی تینوں بھتیجیوں اور سمیع چاروں ہی سے بہت محبت تھی اور اس بات میں کسی کو ذرا سا بھی شک نہیں تھا۔

امی انہیں نازی کی بیماری کے بارے میں بتانے لگیں کہ کس طرح وہ ہفتہ بھر بخار میں پڑی رہی ہے۔

''بچی اتنی بیمار رہی اور آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں' بشارت بھائی نے تو بالکل ہی غیر کر دیا ہے بہن کو۔''

وہ کچھ رنجیدہ سی ہو کر بولیں۔

چند لمحوں کیلئے کمرے میں خاموشی سی پھیل گئی' کسی کے بھی پاس ان کے گلے کے جواب میں کہنے کیلئے کچھ نہیں تھا۔ وہ خود ہی کچھ توقف کر کے ہلکے سے بولیں۔

''وہ تو جب آج صبح میں نے فون کیا یہاں تو بھابی نے بتایا کہ بشارت بھائی لاہور گئے ہوئے ہیں ورنہ ان کے سامنے تو آنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی۔''

ان کے لہجے کی آزردگی بے سبب نہیں تھی' بشارت صاحب کا رویہ ان کے ساتھ اتنا سرد ہو چکا تھا کہ سارے گھر والے ہی اپنی اپنی جگہ شرمندہ رہتے۔

آج واقعی وہ اسی لئے چلی آئی تھیں کہ بشارت صاحب کسی ضروری عیادت کیلئے لاہور گئے ہوئے تھے۔

''بے چاری اسماء پھوپھو۔''

نازی کو ان پر اکثر ہی رحم آنے لگتا تھا۔ بے چاری' چکی کے دو پاٹوں میں پسی جا رہی تھیں' اصول پسند بھائی اور سخت گیر شوہر۔ ایک بیٹا' جو انہیں اس سارے معاملے میں بری طرح الجھائے ہوئے تھا۔ بہر حال۔

اب جب وہ آ ہی گئی تھیں تو اس تھوڑے سے وقت کو خوشگوار بنایا جا سکتا تھا' سو وہ خوش دلی سے ان سے مسعود اور پھوپھا کی خیریت پوچھنے لگی۔

''سب ٹھیک ہیں' ابھی پچھلے ہفتے مسعود کا ایک دوست آیا ہے اس کے ساتھ یہ گفٹ دیا کیلئے بجھوائے ہیں۔'' اسماء پھوپھو نے اپنے نزدیک رکھا شاپر آگے کو سرکایا۔ نازی نے ذرا چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ معلوم نہیں ان کے لہجے میں کیا تھا جو اسے کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھنا پڑا۔ پر وہ نظر چرا کر دِیا کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ ''اس کا دوست بتا رہا تھا کہ مسعود تو بہت سا سامان بھیجنا چاہ رہا تھا' مگر مجبوراً وہیں چھوڑنا پڑا' سامان کا وزن جو زیادہ ہو رہا تھا۔''

دِیا سب سے ذرا ہٹ کر ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھی تھی' اسماء پھوپھو نے جو بات بطور خاص اسے مخاطب کر کے سنائی تھی اس کے جواب میں وہ اس طرح لاتعلقی برت رہی تھی کہ جیسے یہ سب کسی اور سے کہا سنا جا رہا ہو۔

مسعود کے بھیجے گئے تحفوں کے سلسلے میں وہ جس اشتیاق کا مظاہرہ ہمیشہ کرتی تھی' آج ایسا کچھ بھی نہیں تھا' اسماء پھوپھو کے بار بار کہنے پر بھی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ تب ہی نینی نے آگے بڑھ کر شاپر میں سے سامان برآمد کرنا شروع کر دیا۔ دور سے آئے ہوئے تحائف کو کھولتے وقت جو بھید بھری سی خوشی انسان کو اپنی گرفت میں لینا شروع کرتی ہے آج صرف نینی ہی اس میں مبتلا تھی۔

''کیا زبردست جیولری ہے اور اس میک اپ کٹ کے شیڈز دیکھو دِیا باجی' کتنے سوفٹ ہیں' مجھے یوز کرنے دینا پلیز' اس ویک اینڈ پر میری دوستوں نے پارٹی رکھی ہے۔''

دِیا پھر بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔ ورنہ ہمیشہ ہی وہ ساری چیزیں سمیٹ کر پہلے اپنے کمرے میں لے جاتی اور ایک ایک چیز کو دس بار چیک کر لینے کے بعد دوسروں کو دیکھنے کی اجازت دیتی اور استعمال کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ نینی باز نہیں آتی تھی' کئی بار دِیا کی نظر بچا کر وہ ان امریکی سوغاتوں سے فیضیاب ہو لیتی۔

نتیجتاً ایک لمبی لڑائی لازم ہو جاتی۔ مگر آج وہ بڑے اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے نینی کی کمنٹری سن رہی تھی اور جب وہ ذرا خاموش ہوئی تو اسی اطمینان کے ساتھ بولی۔

''طارق روڈ بھرا پڑا ہے ان چیزوں سے' ہم لوگ اتنی خریداری کر نہیں پاتے ہیں' ورنہ یوں خوشی خوشی بے وقوف نہیں بنا کرتے۔''

دِیا کے لہجے کی تلخی کو سب نے ہی بیک وقت محسوس کیا' نینی نے ہاتھ میں تھامی پرفیوم کی شیشی کو آہستگی سے واپس شاپر میں رکھ دیا اور خود تھوڑا سا سرک کر بیٹھ گئی۔

اسماء پھوپھو کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ اب معدوم تھی' دِیا کے تبصرے کے جواب میں ان کے پاس کہنے کیلئے شاید کچھ بھی نہیں تھا' تب ہی بات کا رخ مڑ گیا' یا دانستہ موڑا گیا۔

''بہت دن بعد آئی ہو اسماءٔ' بتائو کیا کھائو گی' تمہاری کوئی پسندیدہ چیز...'' امی کھڑی ہوئیں تو اسماء پھوپھو نے ان کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔ ''کچھ بھی نہیں بھابی کھانا میں کھا کر آئی ہوں اور مغرب سے پہلے ہی واپس چلی جائوں گی' اس گرمی میں آپ کسی تکلف میں نہ پڑیں۔''

مگر وہ ان کے منع کرنے کے باوجود بھی نہ مانیں۔ اسماء پھوپھو کو جو ہمیشہ سے وی آئی پی پروٹوکول دیا جارہا تھا اس وقتی ناراضگی کے سبب اس میں کمی کرنا انہیں گوارا نہیں تھا۔

نینی بھی ان کے ساتھ ہی مدد کے خیال سے کچن میں جاچکی تھی۔

کمرے میں بس نازی اور اسماء پھوپھو ہی رہ گئے تھے' ڈریسنگ ٹیبل کے برابر میں دیوار سے لگی کرسی اب خالی تھی۔

بڑے غیر محسوس سے انداز میں دِیا باہر جاچکی تھی۔ مسعود کے بھیجے گئے تحائف کا شاپر بیڈ پر ادھ کھلی حالت میں جوں کا توں تھا' دِیا نے اسے آج چھونے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ نازی کو خود بخود ایک شرمندگی سی گھیرنے لگی۔

''اب تو دِیا بھی خفا ہے' کوئی بھی میری مجبوری کو نہیں سمجھتا' نہ بشارت بھائی' نہ تم لوگ۔'' اسماء پھوپھو نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے وہی متنازعہ مسئلہ چھیڑا۔

''مجھے کم از کم دِیا سے ایسی امید نہیں تھی' اس کے ساتھ ہونے سے بڑا حوصلہ سا تھا' مگر اب تو وہ بھی۔''

ایک بار اس معاملے کے بیچ میں بول کر نازی امی اور دِیا کی لمبی ناراضگی جھیل چکی تھی اور اب جب اللہ اللہ کر کے گھر کا ماحول بڑی حد تک نارمل محسوس ہونے لگا تھا تو وہ بہت سختی سے عہد کئے بیٹھی تھی کہ اب اس بارے میں ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالنا ہے۔ پھر بھی جب اسماء پھوپھو دِیا کے بارے میں شکایت کر رہی تھیں تو اسے تھوڑا سا برا لگ ہی گیا۔

''دِیا کا قصور نہیں ہے اسماء پھوپھو اس بے چاری کی پوزیشن تو سب سے خراب ہے مستقل ایک بے یقینی کے عالم میں مبتلا ہے وہ اب تو یہاں مسعود کا فون بھی کبھی کبھار ہی آتا ہے۔'' نازی کی بات کا' انہوں نے ذرا بھی اثر نہیں لیا۔

''سارا قصور بشارت بھائی کے روّیہ کا ہے' اپنے پھوپھا کی عادات سے تم واقف ہو' وہ تو اس رشتے کے اول دن سے مخالف تھے' میری اور مسعود کی ضد کے آگے مجبوراً خاموش تھے' اب انہیں بھی موقع مل گیا ہے' اس دن بشارت بھائی نے جو کچھ انہیں غصے میں کہا' وہ سب بڑھا چڑھا کر بیٹے کو سناتے ہیں۔''

سارے قصور پھر سے ابا کے کھاتے میں درج ہونے لگے۔ پھوپھا کے توہین آمیز روّیہ کا کہیں کوئی ذکر نہیں تھا۔ اسماء پھوپھو ان سب سے محبت کا دعویٰ رکھنے کے باوجود جانبداری برت رہی تھیں۔

نازی کو دکھ تو ہوا پر خاموش ہی رہی۔ فی الحال اس بات کو ختم کرنے کا یہی طریقہ تھا۔ اس نے اسکول سے آکر اب تک نہ تو کپڑے تبدیل کئے تھے اور نہ ہی کھانا کھایا تھا' سو وہ یہی عذر پیش کرتے ہوئے اٹھنے لگی تو انہوں نے اسے وہ شاپر بھی تھما دیا۔

''دِیا کے کمرے میں رکھ دو' تم بڑی ہو اور اس کے مقابلے میں سمجھدار بھی' اسے سمجھاؤ کہ ذرا تحمل سے کام لے' ابھی میری جگہ اس کے پھوپھا ہوتے تو اس کے روّیہ پر کتنا برا مناتے۔'' ان کے لہجے میں بڑی واضح تنبیہ تھی۔

نازی خاموشی سے باہر نکل آئی۔ دِیا کا کمرہ ساتھ والا ہی تھا۔ نازی نے ہلکے سے دستک دی تو اندر سے دِیا کی آواز بھی فوراً ہی آگئی۔

''آ جائیں۔''

''مجھے پتہ تھا کہ آپ ہی ہوں گی' گھر میں صرف آپ ہی ناک کرنے کی زحمت کرتی ہیں یا پھر ابا۔''

نازی کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اس کی طرف سے پشت کئے الماری میں سے نہ معلوم کیا چیز ڈھونڈ رہی تھی۔

''تم تھوڑی دیر پھوپھو کے پاس بیٹھ جاؤ' وہ بالکل اکیلی بیٹھی ہیں' اچھا نہیں لگ رہا ہے۔''

نازی کی بات کے جواب میں اس نے کچھ بھی نہ کہا' بدستور اپنی الماری میں ہی مصروف رہی۔

نازی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا شاپر قریبی کرسی پر رکھ کر اسے ایک بار پھر مخاطب کیا۔

''کیا بات ہے دیا؟''

اس بار وہ اپنی خود ساختہ مصروفیت کے خول سے نکل ہی آئی تھی۔

''کوئی بات نہیں ہے' آپ یوں ہی...''

اس کی نظر کرسی پر رکھے شاپر پر گئی تو پہلی بات ادھوری ہی رہ گئی ''یہ کیوں اٹھا لائی ہیں آپ' واپس کر دیں انہیں مجھے نہیں چاہئے۔''

اس کے خوبصورت چہرے پر تپش سی پھیلتی صاف محسوس ہو رہی تھی اور'

وہ یقیناً ابھی چند منٹ پہلے ہی رو دھو کر فارغ ہوئی تھی۔ نازی کو بڑا رنج سا ہونے لگا۔

چند ماہ پہلے تک وہ کتنی خوش باش اور اپنے آپ میں مگن نظر آتی تھی' ایک بے حد محفوظ اور خوشگوار مستقبل کا یقین لئے حال کی چھوٹی بڑی الجھنوں کو وہ کبھی خاطر میں بھی نہیں لاتی تھی اور ایسے میں ان سب کو وہ کبھی کبھی بے حد خود غرض سی بھی لگنے لگتی تھی۔ پھر بھی نازی کا بے ساختہ ہی دل چاہنے لگا کہ کاش وہ پہلے جیسی ہی ہو جائے۔ اپنے بے مثال حسن پر نازاں' احساس برتری میں چور۔

''مسعود نے خاص تمہارے لئے بھیجے ہیں یہ گفٹس' وہ سنے گا تو کیا سوچے گا۔''

''کچھ نہیں سوچے گا وہ۔'' وہ جیسے بہت تھک کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھی۔ ''اس لئے کہ اس نے یہ سب کچھ بھیجا ہی نہیں ہے بلکہ بہت عرصے سے اس نے کچھ بھی نہیں بھیجا ہے' اسماء پھوپھو خود ہی ذرا مہنگی سی شاپنگ کر کے مجھے یہ چیزیں پکڑا دیتی ہیں مسعود کے نام سے اور میں احمق۔'' بات کو ادھورا ہی چھوڑ کر اس نے بڑے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

نازی کو کم از کم اس بات پر یقین نہیں آکر دے رہا تھا' بھلا اسماء پھوپھو کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی' مسعود نے خود اپنی پسند سے دِیا سے منگنی کی تھی' دِیا کے لئے وہ اس قدر دیوانہ تھا کہ پھوپھا جیسے دبنگ شخص کو بھی اس کے آگے ہار ماننی پڑی تھی۔

دبے دبے سے لہجے میں نازی نے اسے یہی سب یاد دلانا چاہا تو وہ اور بھی تلخ ہونے لگی۔

''کسی کو بدلنے میں دیر نہیں لگتی ہے' بس ہمیں پتہ دیر میں چلتا ہے اور جب پتہ چلتا ہے' تب بھی ہم سے حقیقت تسلیم نہیں کی جاتی' بہت تکلیف دہ ہوتی ہے نا' اسی لئے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے رکھنے میں ہی عافیت محسوس ہوتی ہے۔''

نازی حیرت سے اس بے سنجیدہ تبصرے کو سننے لگی' دِیا میں آئی تبدیلی حیران کن تھی' ابھی کل تک تو وہ مسعود اور اسماء پھوپھو کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سننے کے لئے تیار نہیں تھی بلکہ ابا تک کے سامنے کھلے الفاظ میں اپنی مرضی کا اعلان کر چکی تھی۔

''اور بھلا اس ساری تبدیلی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔'' نازی نے ذہن پر زور ڈالا۔

''اب تو میری ساری فرینڈز بھی منہ پر مذاق اڑانے لگی ہیں کہ تمہارے منگیتر کو طارق روڈ ہی ملتا ہے تمہارے لئے شاپنگ کرنے کیلئے' یاد ہے آپ کو پچھلی بار جو سفید پرلز کا سیٹ آیا تھا' بالکل ویسا ہی پچھلے ہفتے میری دوست پہن کر آئی تھی ہمارے گھر' بتا رہی تھی کہ ساڑھے سات سو کا خریدا ہے' اتنی سخت شرمندگی ہوئی مجھے کہ بس اگر ہم لوگ بھی اچھی شاپنگ کے عادی ہوتے تو اسماء پھوپھو کی جرأت نہیں ہوتی کہ اتنا بھونڈا طریقہ استعمال کریں۔''

نازی نے نرمی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ پھر سے آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو صاف کرنے لگی۔

اس وقت اسے کچھ بھی سمجھانا آسان نہیں تھا' وہ ہمیشہ سے ہی ایسی تھی' چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لینے والی نازی کو اب یاد آ رہا تھا کہ پچھلے ہفتے جب اس کی دوستوں کا گروپ آیا تھا' وہ تب سے ہی بڑی خاموش خاموش تھی۔

''ہو سکتا ہے تمہیں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہو دیا؟'' نازی نے ایک چھوٹی سی تسلی کا سرا اسے تھمانا چاہا مگر خود ترسی کی جس کیفیت میں وہ فی الوقت پوری طرح گرفتار تھی' اس میں کسی خوشگوار امکان کیلئے کوئی جگہ نہیں تھی۔

''آپ جائیں پلیز' مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔'' اس کے لہجے میں وہی مانوس سی رکھائی پھر در آئی' جو اس کی شخصیت کا ایک حصہ بن چکی تھی۔ نازی بے ساختہ ہی ذرا پیچھے کو ہو گئی۔ دِیا کا لہجہ اور الفاظ دونوں ہی عموماً تکلیف دہ ہو جاتے تھے اور اس وقت تو وہ اتنی ڈپریس تھی کہ کوئی اچھی توقع کی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ نازی چند لمحے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتی رہی اور پھر خاموشی سے باہر نکل آئی۔ سامنے ایک کھڑکی نہ جانے کیسے ادھ کھلی رہ گئی تھی۔ نازی اسے بڑھ کر بند کرنے لگی تو اسے باہر سے سمیع آتا دکھائی دیا۔ اس گرمی میں وہ اسماء پھوپھو کی خاطر مدارات کیلئے بہت کچھ لئے چلا آ رہا تھا۔ امی کی حد سے بڑھی مہمان نوازی کی عادت پر وہ اکثر مسکرا دیا کرتی تھی۔ مگر آج دل کو صرف دِیا کا خیال گھیرے ہوئے تھا۔

شعور کی ابتدائی منزل سے ہی من چاہی زندگی پا لینے کا جو یقین اسے بآسانی مل گیا تھا' اس سے دستبرداری کا خوف اسے بری طرح منتشر کئے دے رہا تھا۔

''اور جو یہ خوف حقیقت میں تبدیل ہو ہی گیا تو؟''

ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس سوال کا جواب بہت دنوں سے سب ہی دینے سے کترا رہے تھے پر اب اس سوال میں شدت آتی جا رہی تھی۔

...☆☆☆...

دروازہ ممانی نے کھولا تھا۔

بلیک ٹراؤزر کے ساتھ ٹائی اینڈ ڈائی کی خوش رنگ کُرتی، اسٹریکنگ کئے ہوئے بال، ہاتھ میں ایک بے حد خوبصورت نازک سا بریسلیٹ اور ایک انگلی میں پھنسی ہوئی کی چین، ان کے گھر آنے والوں میں سٹائل نہ ہونے کے برابر ہی تھا، سو متاثر بھی فوراً ہی ہو گئیں۔

" ثانیہ یہیں رہتی ہیں، میرا مطلب ہے کہ یہ ان کے ماموں کا گھر ہے نا۔"

" جی جی ہاں۔"

وہ کچھ جھجک کر پیچھے ہٹ گئیں۔" آپ اندر آجایئے، ثانیہ گھر پر ہی ہے۔"

آنے والی کا امپریشن اتنا زوردار نہ ہوتا تو کبھی بھی ثانیہ کا حوالہ دینے پر، دس سوال جواب یہیں دروازے پر کھڑے کھڑے کر لیتیں، مگر اس وقت صورت حال تھوڑی سی بدلی ہوئی تھی۔

مہمان بلا تکلف اندر تشریف لا چکا تھا۔

ممانی نے دروازہ بند کرنے سے پہلے باہر جھانک کر کونے پر کھڑی گاڑی کی موجودگی کو بھی کنفرم کر لیا۔

" میں ثانیہ کی دوست ہوں، اس کی والدہ کی طبیعت خراب ہے کچھ۔"

گو اسے اپنے یہاں آنے کے بارے میں ان کے آگے کسی صفائی کی ضرورت نہیں تھی، پھر بھی اس نے جیسے رواداری میں وجہ تسمیہ بیان کی۔

اماں سے ممانی کا ربط ضبط نہ ہونے کے برابر تھا، مگر کسی باہر والے کے منہ سے ان کی بیماری کا ذکر سن کر وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے کی غلطی نہیں کرنے والی تھیں۔اسی لئے بس اتنا کہہ دیا کہ " ہاں جی، کچھ دنوں سے ان کی طبیعت خراب رہتی ہے۔"

ممانی اسے لئے ہوئے برآمدے میں چلی آئیں۔ثانیہ کچن میں سے آرہی تھی، فرح کو یوں اچانک دیکھ کر حیران سی رہ گئی۔" فرح۔"

" یقین ہی نہیں آرہا ہے کہ تم یہاں ہمارے گھر آئی ہو۔" آگے بڑھ کر گلے ملتے ہوئے وہ بڑی خوشی سے بولی۔

" تو یہ ہے فرح۔"

ممانی نے دل ہی دل میں جیسے خود کو باور کرایا، یہ نام پچھلے کئی دن سے گھر میں سنا جا رہا تھا، اس روز مین مارکیٹ میں ہونے والی ملاقات کے بعد سے فرح کا فون آنا ایک معمولی کی بات بنتا جا رہا تھا، روزانہ رات کو اس کا فون اس وقت آتا جب جمیل ماموں گھر آچکے ہوتے، ممانی اور لبنیٰ کو نہ چاہتے ہوئے بھی ثانیہ کو اس سے بات کرانی پڑتی، فرح کو لمبی بات کرنے کی عادت تھی، سو وہ اطمینان سے کئے جاتی، جمیل ماموں کو اسی بات سے خوشی ہوتی کہ ان کی سادہ دل اور تنہائی کا شکار بھانجی کو اس اتنے بڑے شہر میں آخر کوئی ایک دوست تو مل ہی گئی۔اماں چند دنوں کے بخار میں بے حد کمزور ہو گئی تھیں، زیادہ وقت لیٹی ہی رہتی تھیں، فرح کو دیکھ کر اٹھنے لگیں تو وہ بڑی اپنائیت سے انہیں منع کرنے لگی۔

" لیٹی رہیں آنٹی، میں یہیں آپ کے پاس بیٹھ جاتی ہوں۔"

اس لمبے چوڑے تخت پر اماں کا کمزور سا وجود جگہ ہی کتنی گھیرے ہوئے تھا' فرح بڑے اطمینان سے ایک کونے میں ٹک گئی۔ ممانی بھی وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔ان کی فرح میں دلچسپی دیکھ کر ثانیہ کو بڑی طمانیت سی محسوس ہو رہی تھی۔ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ان کے اسی موڈ کو بحال رہنے کی دعا بھی اس نے کر لی۔

''اصل میں آپ کے ہاں آنے کا پروگرام میں نے سنڈے کا بنایا تھا' پر جب ثانیہ سے یہ سنا کہ وہ آپ کی طبیعت کی وجہ سے تین دن سے اپنی اکیڈمی بھی نہیں جا رہی ہے تو بس میں نے یہ جھٹ پٹ پروگرام بنا لیا۔''

جب وہ اماں سے بڑی محبت سے یہ سب کہہ رہی تھی تو اماں کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی رہی۔انہیں درحقیقت یہ بہت اچھا لگا تھا کہ کوئی خاص طور پر انہیں دیکھنے کے لئے بھی آیا ہے' بناء کسی ظاہری رشتے کے وہ اپنی اس فیلنگ کو بتانا بھی چاہ رہی تھیں' مگر پاس بیٹھی ممانی انہیں بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھیں۔

''ثانیہ تو یوں ہی چھٹی کر کے بیٹھ گئی ہے' یہاں ہم سب ہیں آپا کی دیکھ بھال کرنے کے لئے' مگر اسے تو لگتا ہے جیسے اعتبار ہی نہیں ہے کسی کا۔اس کے ماموں تو جان چھڑکتے ہیں اپنی بہن پر' آدمی رات تک یہیں کرسی بچھائے بیٹھے رہتے ہیں۔''

گو' ممانی نے بڑا مسکراتے ہوئے یہ چھوٹا سا ٹائم ٹیبل سنایا تھا' مگر ان کے لہجے میں جو دبی دبی سی تپش اماں اور ثانیہ کے ذکر کے ساتھ ہی خود بخود در آئی تھی' اسے بڑی آسانی سے نوٹ کیا جا سکتا تھا' فرح نے بھی کیا۔

اسے لوگوں کے چہرے پڑھنے میں کمال حاصل تھا اور رویوں کو سمجھنے میں بھی' ممانی کی ''ٹائپ'' سمجھنے میں بھی اسے دیر نہیں ہوئی۔''ثانیہ بہت تعریف کرتی ہے' آپ لوگوں کی کہ آپ اس کا اور آنٹی کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔''

اس قسم کے لوگوں کو ہینڈل کرنے کا اس کا اپنا فارمولا تھا اور ویسے بھی ثانیہ کی زبانی اس نے جمیل ماموں کا ذکر جہاں بڑی محبت کے ساتھ سنا تھا' وہاں ممانی یا لبنیٰ کی بھی کوئی چھوٹی سی برائی بھی نہیں سنی تھی۔

اپنی بات کہتے کہتے فرح کو کچھ اور بھی یاد آ گیا۔

''اف' میں بھی کتنی بڑی بھلکڑ ہوں۔''

پیشانی پر ہلکے سے ہاتھ مارتے ہوئے وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔''ابھی آئی بس۔'' کہتی ہوئی وہ اسی تیزی کے ساتھ گیٹ کی طرف چلی گئی' فوری طور پر کسی کی بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

ممانی نے ابھی ابھی جو اپنی تعریف سنی تھی' اس پر بے یقینی کے باوجود خوش تھیں' سو اسی لئے کچھ فیاضی کے موڈ میں آ گئیں۔

''چائے بنا لو اچھی سی' ویسے بھی وقت تو ہو ہی رہا ہے چائے کا۔''

اس خالی خولی ''چائے'' کی اجازت ہی ثانیہ کو خوش کر گئی' یہی بات کیا کم تھی کہ وہ اس کی مہمان کو اتنی عزت دے رہی ہیں۔

اماں کا چھوٹا سا پرس ان کے سرہانے ہی رکھا رہتا تھا' اس میں سے کچھ پیسے نکالتے ہوئے انہوں نے ممانی کی طرف بڑھائے ''کسی بچے کو بھیج کر کچھ سموسے' کیک وغیرہ منگوا لو شاہدہ۔''

ممانی نے بلا تردد ان کے ہاتھ سے پیسے پکڑے اور خود بھی کھڑی ہو گئیں' اس مہمان نوازی پر انہیں تھوڑا سا بھی اعتراض نہیں تھا' کون سا ان کے پلے سے کچھ خرچ ہونا تھا' الٹا ان کا امپریشن ہی بننا تھا۔

تب ہی فرح واپس آتی دکھائی دی۔

لدی پھندی۔

ایک ہاتھ میں خوش رنگ مہکتے ہوئے پھولوں کا بوکے اور دوسرے میں ایک بڑا سا شاپر جو اوپر تک پھلوں سے بھرا ہوا تھا۔

" یہ گاڑی میں ہی رہ گئے، اصل میں یہ سوچ کر اتری تھی کہ پہلے گھر کنفرم کر لوں پھر آکر اٹھاؤں گی، مگر گھر ملا تو سب بھول کر سیدھی اندر چلی آئی۔"

وہ اماں کے سرہانے رکھی چھوٹی سی میز پر یہ سب چیزیں رکھتے ہوئے بتانے لگی۔

" اس سب کی کیا ضرورت تھی بیٹی، ہمارے لئے تو تمہارا آنا ہی بے حد خوشی کی بات ہے۔"

اماں ممنون ہونے لگیں۔

خود ممانی کے لئے اس سارے اہتمام میں بڑا نیا پن سا تھا، اب جو باگچھ کرنا اور بھی ضروری لگنے لگا تھا، سو اماں کے دیئے سارے ہی پیسوں کو خرچ کر دینے کا پروگرام بناتی ہوئی وہ جلدی جلدی گیٹ کی طرف چلی گئیں۔

" تمہارے پاس گاڑی ہے فرح۔"

ثانیہ کو واقعی نہیں پتہ تھا، اسی لئے تھوڑے اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

" ہاں ہے ایک چھوٹی سی، تھوڑی پرانی، ابھی دو سال پہلے ہی خریدی ہے، بہت سہولت ہو گئی ہے اس سے، ٹائم بھی بچ جاتا ہے تھوڑا۔"

فرح ایک چھوڑ دو جگہ جاب کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ چند میگزینز کے لئے فری لانسنگ بھی کرتی تھی، یہ باتیں ثانیہ کو بھی پتہ تھیں، پھر بھی اس کا یہ خود انحصاری والا لائف سٹائل بار بار حیران کرتا تھا۔

" یہ گاڑی تم نے خود خریدی ہے فرح، میرا مطلب ہے، خود اپنے پیسوں سے؟"

تھوڑا سا جھجکتے ہوئے وہ بے تکا سوال پوچھ ہی بیٹھی۔

فرح اماں کی طرف متوجہ تھی، ثانیہ کی بات پر ذرا سا مڑ کر ثانیہ کی طرف دیکھا اور ہلکے سے ہنس پڑی۔

" بالکل اپنے ذاتی پیسوں سے جناب، کچھ سیونگ، کچھ لون، مل ملا کر اتنے تو ہو ہی گئے تھے، اب ہم کوئی جدی پشتی رئیس تھوڑی ہیں کہ والدین برتھ ڈے پر نئی گاڑی کا تحفہ عنایت کریں گے۔"

وہ عادتاً ہر چھوٹی بڑی بات کو چٹکیوں میں اڑاتی تھی، جبکہ ثانیہ کو حیرت ہو رہی تھی کہ اس کو اپنے اتنے بڑے " کارنامے" کی اہمیت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ " یہ سب کچھ اتنا آسان کہاں رہا ہو گا بھلا۔" اپنے اسی خیال کا اس نے اظہار بھی کر دیا۔

فرح اس کے پرابلمز بڑی حد تک سمجھنے لگی تھی۔ اس کم عمری میں وہ جس بڑے کرائسز سے گزر رہی تھی، اس کا احساس فرح کو بھی افسردہ کرتا تھا، پر ان احساسات کا اظہار صرف اور صرف انسان کو کمزور کرنے کا کام کرتا ہے۔

یہ اس کا زندگی سے اپنا حاصل کردہ تجربہ تھا، سو وہ بڑی بشاشت سے بولی۔

" کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا ثانیہ، اصل چیز ہے والدین کی دی گئی تربیت اور آپ کے ارادے کی مضبوطی، ایک بار کوئی ہدف مقرر کر لو اور پھر اس تک پہنچنے کی کوشش میں جت جاؤ، کامیابی قدم چومتی ضرور ہے، بے شک تھوڑی دیر لگ جائے۔"

ثانیہ کے چہرے پر خود بخود مسکراہٹ پھیلنے لگی، تب ہی ممانی ہاتھ میں تین چار شاپر پکڑے چلی آئیں، مختلف قسم کی ملی جلی سی خوشبوئیں سارے کمرے میں پھیلنے لگیں۔

''تم نے ابھی تک چائے بھی نہیں بنائی، اتنے وقت میں تو ساری چیزیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔''

'' ابھی بن جاتی ہے، پانچ منٹ میں، آپ بیٹھ جائیں۔'' ثانیہ ان کے ہاتھ سے شاپر زلیتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔اس وقت وہ اتنی خوش تھی کہ ممانی کے لہجے کی ناگواری ذرا بھی محسوس نہیں ہوئی، امید کا ایک روشن سرا جو فرح کی باتوں نے ہاتھ میں تھمایا تھا، وہ اطراف کو ہلکے ہلکے منور کرتا جا رہا تھا۔

چائے کی ٹرے لئے جب وہ برآمدے میں آئی تو ممانی اس بات کا افسوس کر رہی تھیں کہ فرح کی ملاقات لبنیٰ سے نہیں ہو سکی، وہ آج پڑوس کی کسی لڑکی کے ساتھ اپنی شاپنگ پر نکلی ہوئی تھی۔

'' کوئی بات نہیں، پھر ملاقات ہو جائے گی۔ میرا تو اس طرف آنا رہتا ہی ہے، بلکہ آپ لوگ بھی آیئے گا نا ہمارے گھر، بہت آسان ایڈریس ہے، مین روڈ پر ہی'' رحمت منزل'' نظر آجاتی ہے۔'' وہ ایک بار پھر بڑے پرتپاک انداز میں دعوت دینے لگی۔

اماں کو ایک دم ہی کوئی بھولی بسری بات یاد آگئی۔'' اللہ جنت نصیب کرے، ہماری ساس کا نام بھی رحمت تھا... رحمت فاطمہ۔''

ثانیہ نے جیسے بہت چونک کر ان کی طرف دیکھا۔فرح سموسے پر چٹنی لگا رہی تھی، اماں کی طرف دیکھے بغیر بس یوں ہی محض بات برائے بات پوچھنے لگی۔'' وہیں آپ کے ساتھ رہتی تھیں، نواب شاہ میں وہ بھی۔''

'' نہیں وہ تو یہیں کراچی میں ہی رہیں ساری عمر، تم کچھ لو نا، یہ پیسٹری وغیرہ، سب کچھ ایسے ہی رکھا ہے۔''

وہ بالکل نادانستہ طور پر یہ متنازعہ موضوع چھیڑ بیٹھی تھیں، سو اب اسے بدلنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

ثانیہ نے ممانی کی طرف دیکھا تو وہ بڑی گہری طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے بیٹھی تھیں۔

'' کیسی ساس اور کہاں کی سسرال۔''

اسے ان کے تیور پکار پکار کر کہتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

ماضی سے جڑا یہ پہلو اب تک اپنے اسرار کو باقی رکھے ہوئے تھا، کئی سوال تھے جو جواب طلب تھے اور وہ جن کے پاس ہر سوال کا جواب تھا، اس ساری دردسری سے پیچھا چھڑا کر اب مٹی تلے محوِ خواب تھے۔ثانیہ نے ایک گہری سانس لی۔

ابا کی یاد دن میں نہ جانے کتنی بار چپکے سے دل کو بے حد قریب سے چھوتی ہوئی گزر جاتی، کبھی بھی، کہیں بھی۔

فی الوقت یہی مقام شکر تھا کہ ممانی نے اس بارے میں اپنی رائے محفوظ رکھی تھی، ورنہ عام طور پر ان کے ملنے والے اس مختصر سی تفصیل کو کئی بار سن چکے تھے، اس وقت انہیں لبنیٰ کے کمپیوٹر کورس کی افادیت کا ذکر بھلا لگ رہا تھا، یہ جان کر کہ فرح اسی اکیڈمی میں جاب کر رہی ہے، جہاں ان کی دختر نیک اختر معرکے سر کر رہی ہیں، وہ بڑی ایکسائیٹڈ تھیں۔

''بے حد پڑھنے والی اور ذہین بچی ہے، سارے ٹیچر متاثر ہیں اس سے، ہر ایک تعریف کرتا ہے۔'' جو جھوٹے سچے قصے لبنیٰ انہیں سناتی تھی، ان ہی کی بنیاد پر وہ بڑے فخریہ موڈ میں تھیں۔فرح سعادت مندی سے ہاں میں ہاں ملائے جا رہی تھی، ثانیہ نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو ضبط کیا۔

...☆☆☆...

وسیع و عریض لان میں تقریب پورے زور و شور سے جاری تھی۔

گھر کے تین اطراف میں پھیلے ہوئے لان کا تقریباً ہر حصہ مہمانوں سے بھر چکا تھا۔ان کی برادری میں ابھی تک ''مکس گیدرنگ'' کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔سو برادری کی تقریبات کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہی پڑتا تھا' اس وقت بھی سامنے کا سب سے بڑا حصہ خواتین اور بچوں کے لئے مختص تھا اور اطراف میں مرد حضرات کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔

سجاد نے ڈرائیو وے پر ذرا رک کر اس ساری چہل پہل کو ایک نظر دیکھا اور پھر گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔اتنی دیر میں وہ کتنی ہی بار یہاں تک آ کر واپس لوٹ چکے تھے۔اس وقت بھی وہاں ثمینہ مل گئیں' سب سے زیادہ مہمان ان کے میکے سے ہی آ رہے تھے اور تقریب بھی بہر حال ان ہی کے بچوں سے متعلق تھی' سو گیٹ کے ساتھ بنے خوبصورت استقبالیہ پر ان کی زیادہ سے زیادہ موجودگی لازمی سی بات تھی۔

سجاد کو انہوں نے پہلے بھی چکر لگاتے دیکھا تھا اور اس سے پہلے وہ کافی دیر کھڑے رہ کر مہمانوں کو ریسیو بھی کر چکے تھے۔

'' تمہارے خاص مہمان تو کب کے آ چکے ہیں پھر کس لئے ادھر ہی گھوم رہے ہو۔'' بہت ہنس کر اپنی دانست میں انہوں نے مذاق فرمایا۔

برا منانے کی ذرا بھی عادت نہ ہونے کے باوجود سجاد تھوڑا سا برا مان ہی گئے یا ذہن پر چھایا ہوا دباؤ ایسا کرنے پر مجبور کر گیا۔

'' آپ بھول رہی ہیں' میں نے خصوصی طور پر کسی کو بھی نہیں بلایا ہے' یہ کلی طور پر آپ کا اور بلقیس بھابی کا ڈیپارٹمنٹ ہے اور آپ کے مہمانوں میں اگر کوئی میرے نزدیک بہت اہم ہے تو مجھے یقیناً اسی کا انتظار ہے۔''

تھوڑی سی رکھائی سے کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ کر موبائل پر کسی کو کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

سہیل بھی وہیں کھڑے تھے' بھائی کی نرم مزاجی اور سادہ دلی سے بخوبی واقف تھے' اس وقت اگر وہ الجھا الجھا سا نظر آ رہا تھا تو یقیناً کوئی وجہ تھی' بیوی کو تنبیہی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ سجاد کے پاس آ کھڑے ہوئے۔

'' کیا بات ہے' کچھ پریشان ہو۔''

سجاد ابھی تک موبائل پر مصروف تھے' سہیل کی بات پر کچھ چونک کر ان کی طرف مڑے۔

'' اتنی دیر ہو گئی سہیل بھائی' مگر فرحت آپا ابھی تک نہیں آئیں' فون پر بھی کانٹیکٹ نہیں ہو پا رہا ہے' پتہ نہیں بے چاری وحید بھائی سے کتنی باتیں سنتی ہوں گی' ان کا اور بچوں کا خیال بڑا دل دکھاتا ہے۔''

سجاد کے لہجے میں بہن کے لئے گہری محبت تو تھی ہی مگر اتنا ہی گہرا دکھ بھی جھلک رہا تھا۔

فوری طور پر تو سہیل سے کچھ جواب بھی نہیں بن پڑا' یوں ہی خاموش سی نگاہوں سے سجاد کے چہرے کو تکنے گئے' اندر کہیں اپنی بے حسی پر شرمندگی کی ایک لہر سی اٹھی۔

'' ٹھیک کہہ رہے ہو تم' فرحت تو بیچ میں پس کر رہ گئی ہے غریب' اس پر صابر اتنی ہے کہ کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتی...''

'' اسی لئے تو ہم زیادہ تر بھولے ہی رہتے ہیں کہ ہماری ایک بہن بھی ہے' اسی شہر میں۔'' سجاد نے سہیل کی بات درمیان میں سے کاٹ دی۔'' کچھ لوگ ذرا سی پھانس چبھ جانے پر ہی واویلا مچا کر دنیا کو اکٹھا کر لیتے ہیں' سہیل بھائی اور کچھ کا سر بھی قلم ہو جائے تو سسکی بھی نہیں گونجتی۔''

'' میرا خیال ہے میں خود جا کر فرحت اور بچوں کو لے آتا ہوں' ویسے بھی عجیب سا لگتا ہے کہ سارا خاندان تو اکٹھا ہے مگر ہماری اپنی بہن ہی گھر کے فنکشن سے غیر حاضر ہے۔''

سہیل ایک دم ہی جذباتی ہو گئے۔

دونوں بڑے بھائیوں کے ساتھ یہی مسئلہ تھا یا تو انتہائی بے حسی اختیار کئے رکھتے یا جو کبھی کبھار خیال آ ہی جاتا تو بڑی محبت اور لگائو کا مظاہرہ کرتے۔

"بابا اکثر کہا کرتے تھے کہ" وقار اور سہیل دل کے برے نہیں ہیں' بس کیا ہے کہ پیسے سے دونوں کا لگائو' رشتوں کے لگائو سے آگے بڑھتا جارہا ہے۔" اپنی بات کے ثبوت میں وہ کئی ایسے مواقع یاد دلا دیا کرتے تھے' جہاں ان کی کہی بات کی تائید ہوتی تھی۔

سجاد کے چہرے پر بابا کی بات یاد کرکے ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نہیں' آپ رہنے دیں' جانا ہوا تو میں چلا جائوں گا۔" سہیل بھائی کا اس وقت تقریب کے بیچ میں سے جانا انہیں مناسب نہیں لگا۔

ثمینہ بھی محض تجسس میں شوہر کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھیں اور آخری چند جملے سن کر ساری صورت حال بھانپ چکی تھیں' روشنیوں میں نہائے اس سارے رنگارنگ منظر میں دونوں بھائیوں کا یہ اداسی بھرا ڈسکشن انہیں سخت بے محل محسوس ہوا۔

"آپ ادھر مردوں میں جاکر بیٹھے سہیل' خاندان کے سب ہی لوگ ہیں' کبھی کبھی تو ہمارے گھر آنا ہوتا ہے سب کا' انہیں اچھی طرح اٹینڈ نہیں کیا تو کتنا برا منائیں گے۔"

وہ ان کے موڈ کا اندازہ کئے بغیر بول پڑیں اور جواباً کوئی سخت سی بات یقیناً سننے کو مل جاتی اگر اسی وقت گیٹ کے ٹھیک سامنے آکر وحید بھائی کی گاڑی نہ رکتی۔

فرنٹ سیٹ پر بیٹھی فرحت اور پچھلی سیٹ سے جھانکتے ہوئے بچے۔

دونوں بھائی تیزی سے آگے بڑھے۔

"معاف کیجئے گا سہیل بھائی' آنے میں دیر ہو گئی۔ گھر میں دراصل چند مہمان آ گئے' بس ان ہی کے چکر میں..."

وحید بھائی حد درجہ منافق شخص ہیں' یہ جانتے ہوئے بھی سہیل اور سجاد دونوں ہی' وہ جو کچھ جھوٹ سچ گھڑ رہے تھے' اسے ماننے پر مجبور تھے۔

فرحت کو دونوں بھائیوں نے بڑی محبت سے گلے لگایا تھا' سجاد تو خیر ان کے بے مثال بھائی تھے ہی' پر فی الوقت سہیل جس محبت کا مظاہرہ کر رہے تھے' وہ ان کی بار بار آنکھیں نم کئے دے رہا تھا۔

آنسوئوں کا بھی انسان کے ساتھ عجب چولی دامن والا حساب کتاب ہے' خوشی ہو یا غم' یہ ہر جگہ ہی ساتھ نبھانے کے لئے آموجود ہوتے ہیں۔

سجاد نے نمی چھلکاتی اس مسکراہٹ کو بڑی محبت سے دیکھا۔ اپنی بہن پر انہیں فخر تھا اور ان کی قسمت کے چکر پر حیرانی۔

"اور جب یہاں اس دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک چین کی بنسی بجاتا ہے تو صابر اور سادہ دل ہی کیوں آزمائش کے بھاری پتھر تلے پستے ہیں یا شاید قدرت کوئی اجر عظیم صرف ان ہی کو دینا چاہتی ہو۔"

فرحت آپا کی زندگی کو دیکھ کر انہوں نے اکثر ہی ایسا سوچا تھا۔

سہیل بہن کے کاندھے پر ہاتھ رکھے' انہیں مہمان خصوصی کے سے پروٹوکول کے ساتھ لئے خواتین والے لان میں داخل ہوئے تو ایک ساتھ بہت سی نظریں ان کی طرف اٹھیں۔

چند ایک کو چھوڑ کر سب ہی خواتین خاندان سے متعلق تھیں' فرحت کو سب ہی بہت اچھی طرح پہچانتی تھیں' بہت سوں کو انہیں آتا دیکھ کر مایوسی ہوئی۔

دونوں بھابیوں کے طفیل وحید بھائی کی حرکتوں کی رتی رتی تفصیل خاندان بھر میں نشر ہوتی رہتی تھی اور مزے لے لے کر دہرائی جاتی تھی۔اس وقت بھی فرحت آپا کی غیر موجودگی تقریب کا ہاٹ ایشو بنی ہوئی تھی' پر وہ عین کلائمکس پر آ ہی گئیں۔

''کب سے تمہارا انتظار تھا' اتنی دیر لگادی؟'' سب سے پہلے بڑھ کر پذیرائی کرنے والی بلقیس بھابی تھیں۔'' انعم سے کہا بھی تھا کہ پھوپھو کو فون کر کے پوچھو' مگر آج اس کی ساری دوستیں اکٹھی ہیں' کوئی بات سن ہی نہیں رہی۔'' ان کی ہر دلعزیزی کا سبب یہی ظاہر داری تھی اور آج تو وہ خوش اخلاقی کے سارے ریکارڈ توڑ رہی تھیں' فرحت کو قریبی رشتے داروں کے ایک گروپ میں باتیں کرتا چھوڑ کر وہ سارے ہجوم سے قدرے ہٹ کر بیٹھی ہوئی شیریں کی ٹیبل پر آ گئیں۔

یہاں شیریں کے علاوہ اس کی امی اور مسز ہاشمی بھی موجود تھیں۔

آفس کے لوگوں میں سے صرف یہی تھیں' آج کے فنکشن میں' یا پھر ادھر مردوں میں عمر۔

یہ تقریب کلی طور پر دونوں بھابیوں کی مرضی سے ارینج ہوئی تھی۔

مہمانوں کی فہرست سے لے کر' کھانے کے مینئو تک۔ سہیل اور وقار دونوں کہتے ہی رہے کہ گھر پر کرنے کے بجائے کسی لان میں یہ سارا بندوبست کر لیا جائے مگر وہ دونوں اس پر راضی ہی نہیں ہوئیں۔

خاندان میں ان کے گھر سے بڑھ کر شاندار گھر کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکا تھا' سو اس کا مظاہرہ بھی وقتاً فوقتاً ایسے ہی مواقع نکال کر کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔

شیریں کو چونکہ بلقیس بھابی نے بطور خاص خود مدعو کیا تھا' اس لئے اپنی ڈھیر ساری مصروفیت میں سے وقت نکال کر اس کی ٹیبل کے کئی چکر لگا چکی تھیں۔ محفل کے بیچ نہ بیٹھنے کے باوجود بھی اس کے حسن کی جگمگاہٹ نمایاں تھی۔

جنہوں نے شیریں کو پہلے یہاں دیکھا تھا' وہ بھی اور وہ جو آج پہلی بار دیکھ رہے تھے وہ بھی' سب ہی اسے بار بار دیکھنے پر خود کو مجبور پاتے تھے۔

وہ عام طور پر ہلکے رنگوں کے کپڑے پہنا کرتی تھی' مگر آج سیاہی مائل میرون لباس میں تھی اور ہلکی سی جیولری کے ساتھ اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ بلقیس بھابی کو نہ چاہتے ہوئے بھی تعریف کرنا پڑ رہی تھی۔

شیریں سے زیادہ اس کی امی خوش ہو رہی تھیں' بلقیس بھابی کی اپنے گھر آمد' ایسی بالکل گھریلو تقریب میں مدعو کئے جانا اور اب یہ بار بار کی جانے والی تعریف۔

یہ سب ہی بہت نیک شگون تھے۔

شیریں او سجاد کے حوالے سے جو خواب انہوں نے بن رکھا تھا' شاید اس کی تکمیل کا وقت اب قریب ہی تھا۔

اسی خیال کے تحت آج وہ اس لمبے چوڑے خاندان کی الجھی ہوئی رشتے داریوں میں پوری دلچسپی لے رہی تھیں۔

'' یہ سجاد کی بہن ہیں نا' جو ابھی ابھی آئی ہیں' بے چاری کافی لیٹ ہو گئیں۔''

’’جی ہاں وہ بس کچھ پرابلم تھی، اس وجہ سے....‘‘ بلقیس بھابی نے گول مول سے انداز میں جواب دیا۔ سجاد کا ڈر نہ ہوتا تو وہ اوروں کی طرح انہیں بھی ضرور اطلاع دے دیتیں کہ وحید کا سسر اور سالوں سے پرانا جھگڑا چل رہا ہے۔

اب وہ کچھ اور معلومات حاصل کرنے لگیں۔

’’فرحت کے میاں بھی آپ لوگوں کے شاید کزن ہوتے ہیں‘ سجاد نے ایک بار ذکر تو کیا....‘‘

شیریں بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئی‘ گھر سے انہیں اچھا خاصا سمجھا کر لائی تھی کہ ان کے گھرانے میں زیادہ دلچسپی ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں‘ مگر وہ یہاں آکر ساری احتیاط بھولتی جارہی تھیں‘ شیریں نے امداد طلب نگاہوں سے مسز ہاشمی کی طرف دیکھا‘ مگر وہ بھی اس گھریلو تبادلہ خیال کو پورے انہماک سے سن رہی تھیں اور عین اس وقت جب ان دونوں کے بیچ خاموشی کا چھوٹا سا وقفہ آیا۔ مسز ہاشمی نے وہی سوال پوچھ ڈالا‘ جس کے لئے شیریں نے ممی کو سب سے زیادہ منع کیا تھا۔

’’ایک بات تو بتایئے مسز وقار‘ سجاد کی شادی کا کیا پروگرام ہے۔ اب تک تو آپ لوگوں کو اس نیک کام سے فارغ ہو جانا چاہیے تھا۔‘‘

تمام تر بولڈنیس کے باوجود شیریں کو سخت شرمندگی نے آگھیرا۔ حالانکہ مسز ہاشمی قریب ترین دوست تھیں اور اپنے بڑے پن اور قربت کا فائدہ اٹھا کر صاف لفظوں میں اسے اور اشارے کنایئے میں سجاد کو اس طرف توجہ دینے کا مشورہ بہت عرصے سے دے رہی تھیں‘ پھر بھی یہاں بلقیس بھابی کے ساتھ یہ تذکرہ چھیڑنا بالکل ہی دوسرے معنی رکھتا تھا۔

’’کیا سوچیں گی‘ سجاد کی بھابی‘ جیسے کوئی ہماری طرف سے اشارہ دیا جارہا ہے۔‘‘

سجاد کے معاملے میں وہ اسی طرح چھوٹی سی بات پر سوچ سوچ کر عاجز ہونے لگتی تھی‘ جب کہ بلقیس بھابی کے کسی بھی انداز سے ایسا محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کچھ ایسا الٹا سیدھا سوچ رہی ہیں۔

’’کیا کریں مسز ہاشمی‘ ہم تو خود کہہ کہہ کر تھک چکے ہیں‘ سجاد حامی تو بھر لے‘ مگر اس کی معلوم نہیں کیا مرضی ہے‘ بابا تک کی نہیں سن رہا ہے۔‘‘

جو بات اصل میں تھی‘ وہ وہی ہنستے ہوئے بتا رہی تھیں‘ مگر مسز ہاشمی بھی آج یہاں آنے سے پہلے شاید کچھ تہیہ کر چکی تھیں۔

’’پھر بھی اب آپ لوگوں کو سنجیدگی کے ساتھ یہ کام کر ہی ڈالنا چاہیے‘ ابھی تک کوئی بھی لڑکی سلیکٹ نہیں ہوئی ہے شاید؟‘‘

اس سوال کے جواب پر مستقبل کے اندازے زیادہ بہتر طور پر لگائے جاسکتے تھے۔ شیریں نے ممی کے چہرے پر دبے دبے سے جوش کے آثار صاف پھیلتے محسوس کئے۔ اس وقت ان کے حصے کا کام مسز ہاشمی نے بخوبی کر دیا تھا۔

’’نادان دوست‘‘ والی مثال کا مطلب صحیح طور پر آج ہی سمجھ میں آرہا تھا۔

’’لڑکیاں تو کئی ہیں نظر میں‘ اتنا بڑا خاندان ہے آخر‘ سجاد جتنی تعلیم یافتہ نہ سہی‘ بہر حال پڑھی لکھی تو ہیں لیکن بات وہی آجاتی ہے کہ سجاد کی جہاں مرضی ہوگی۔‘‘ بلقیس بھابی اس وقت بڑی ذمہ داری کا ثبوت دے رہی تھیں‘ کوئی طنز‘ کوئی چبھتا ہوا فقرہ‘ کوئی گلہ۔ انہوں نے اب تک ایسا کچھ بھی نہیں کہا تھا‘ جس سے سجاد کی برائی کا پہلو نکلتا ہو‘ لیکن پھر بھی وہ جس طرح خاندان‘ خاندان کی گردان کر رہی تھیں‘ وہ خاصا ڈپریسنگ ثابت ہونے لگا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی شیریں کے لئے بھی۔

سجاد کے گھرانے میں شادیاں ابھی تک برادری سے باہر نہ ہونے کا علم گو ان سب ہی کو تھا مگر اسی روایت میں آج بھی ذرا سی گنجائش نہ دینے کا تہیہ جو یہ خاندان کئے بیٹھا تھا' یہ تلخ حقیقت پوری طور پر ابھر کر سامنے آرہی تھی۔

" لڑکے لڑکیاں جتنا بھی پڑھ لکھ جائیں' شادی بیاہ کے فیصلے والدین کی مرضی سے طے پاتے ہیں' یہ بھی نہیں ہے کہ اولاد پر کوئی زبردستی کی جاتی ہے' اگر ان کی کہیں مرضی ہوتی ہے تو بھی خوامخواہ کے اعتراض نہیں اٹھائے جاتے' بس شرط صرف اتنی سی ہوتی ہے کہ..." تب ہی فیضی سامنے آکھڑا ہوا۔

بلقیس بھابی کو اتنی سی بات کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں مل سکا۔

" یہ فائزہ اور نوین ہیں اور یہ بشریٰ۔ اور یہ میری امی' جن سے ملنے کا تم لوگوں کو بہت اشتیاق تھا۔"

وہ اپنے ساتھ کھڑی تینوں لڑکیوں کا تعارف بلقیس بھابی سے کرانے لگا۔

لڑکیاں تینوں ہی اچھی تھیں اور اپنے حلیئے سے اچھے خاندان کی محسوس ہو رہی تھیں' پھر بھی بلقیس بھابی انہیں زیادہ لفٹ کرانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ سرسری سے انداز میں ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔"

میں ذرا فرحت کو دیکھ لوں' بہت دن بعد آئی ہے نا' آپ لوگوں سے بھی ملواؤں گی۔"

ان کی مخاطب شیریں اور مسز ہاشمی وغیرہ ہی تھیں' فیضی کی مہمانوں کو انہوں نے مروتاً بھی بیٹھنے تک کے لئے نہیں کہا اور اپنی بات کہہ کر وہ جھٹ پٹ وہاں سے چل بھی دیں' جیسے بے حد جلدی میں ہوں۔ خود شیریں کو ان کا روّیہ بڑا عجیب سا لگا' فیضی اور وہ تینوں لڑکیاں خجل سی ہوئی کھڑی تھیں اور شاید فیضی کی فوری طور پر سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی ان " معزز مہمانوں" کے لئے کیا کرے۔ شیریں کو اس کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر رحم آنے لگا۔ " کھڑی کیوں ہیں' آپ تینوں بیٹھیں نا' فیضی کے ساتھ پڑھتی ہیں؟"

ان سب کے لئے ہی شیریں کا اپنائیت بھرا لہجہ اس وقت بڑا سہارا ثابت ہوا۔

تینوں لڑکیاں فوراً ہی بیٹھ گئیں اور فیضی کے چہرے کی پھیکی پڑتی رنگت بھی بحال ہونا شروع ہو گئی۔

" شیریں آنٹی ہماری بہت کلوز فیملی فرینڈ ہیں۔ سجاد چچا کی کولیگ ہیں اور اتنی قابل ہستی ہیں کہ تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتیں۔"

شیریں ہنس پڑی۔

" اب ایسا بھی کچھ نہیں ہے' یہ فیضی تم لوگوں کو امپریس کرنا چاہ رہا ہے دراصل۔"

" آپ کو دیکھ کر تو اچھے اچھے خود ہی امپریس ہو جاتے ہیں' بناء کسی کوشش کے' کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔"

کسی خیال کے تحت' فیضی کے لہجے میں شرارت سی جھلکنے لگی۔

اس کی مہمان لڑکیاں بات کی گہرائی میں جائے بناء ہی' تائید کرنا شروع ہو گئیں۔

" ہم جب اس طرف آ رہے تھے تو ہم لوگوں کی سیدھی نظر آپ پر ہی پڑی۔ سب سے مختلف' سب سے الگ دکھائی دے رہی تھیں۔"

بات تھی بھی سچ۔

یہاں اتنے ہجوم میں کوئی ایک بھی اس جیسا نہیں تھا' شیریں کے حسن میں وقار تھا' شائستگی تھی' ایک مقناطیسیت تھی جو صرف محسوس کی جاسکتی تھی۔

لڑکیوں نے ابھی ابھی بلقیس بھابی کی بے مروتی کو جھیلا تھا' شاید اسی لئے شیریں کی نرم مزاجی اور بے تکلفی کچھ زیادہ ہی اچھی لگ رہی تھی' ذرا دیر میں ہی بلقیس بھابی کی پھیلائی ہوئی بوریت کا ازالہ ہونے لگا۔

فیضی نے بھی جیسے سکون کا سانس لیا۔

اس وقت اس کی جینٹس والے پورشن میں موجودگی ضروری تھی اور ویسے بھی والدہ صاحبہ جیسے موڈ میں یہاں سے اٹھ کر گئی تھیں' اس کے بعد اس کا مزید یہیں جمے رہنا' ان کے غصے کو اور بڑھاوا دینے والا تھا۔

سو وہ اپنی تینوں مہمانوں کو شیریں کے سپرد کر کے خود دوسرے لان کی طرف جانے لگا۔

خاندان والے اس قسم کی گیدرنگس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی گہری نظر رکھنے کے ہمیشہ سے عادی تھے۔ شیریں کی طرح فیضی کی مہمانوں کا نوٹس بھی بخوبی لیا گیا۔

" اتنی سی عمر میں لڑکیاں بھی " دوستوں " میں شامل ہو گئی ہیں' یہ بلقیس کا بیٹا تو بالکل ہی ہاتھ سے جاتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ "

" ساری ماں باپ کی ڈھیل ہے' ورنہ ہمارے بچوں کی تو مجال نہیں ہو سکتی کہ ماں باپ کے سامنے ایسے مظاہرے کر سکیں۔ ان کے گھر کا ماحول تو سارے خاندان سے ہمیشہ سے ہی مختلف رہا ہے۔ "

" مختلف بھی کیا' بس یہ کہہ لو کہ سارا پیسے کا کھیل ہے۔ اب آخر ماڈرن سوسائٹی میں اٹھتے بیٹھتے ہیں تو وہیں کے انداز بھی سیکھ لئے ہیں۔ "

آس پاس میزوں پر بلا تکلف تبصرے جاری تھے' فیضی نے سنا تک نہیں' اپنی ہی دھن میں نکلتا چلا گیا' اسے خاندان والوں میں دلچسپی تھی اور نہ ان کی باتوں میں' بلقیس بھابی زبردستی کسی کے سامنے پکڑ کر کھڑا کر دیتیں تو وہ محض " السلام علیکم " کہنے کا فرض نبھا دیتا اور بس۔

کھانا لگا تو ذرا دیر کے لئے سارے ہی اہم اور غیر اہم موضوع پس پشت چلے گئے۔

وہی روایتی ہڑبونگ۔

لوگوں کے ہاتھوں میں لبالب بھری ہوئی پلیٹیں جن میں آدھے سے زیادہ کھانا ضائع ہونے کے لئے تھا۔

فیضی کی مہمانوں کو جانے کی جلدی تھی' خاص طور پر نوین کی نگاہ بار بار ہاتھ میں بندھی گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھی۔

کھانا بھی اس نے برائے نام ہی کھایا۔

" جلدی کرو فائزہ' بہت دیر ہو رہی ہے' امی نے ضرور اب تک تمہارے گھر فون بھی کر لیا ہوگا۔ " وہ اپنی ساتھی لڑکی سے کہہ رہی تھی' جب شیریں نے سنا' اسے تھوڑا عجیب سا بھی لگا' تقریبات میں دیر سویر ہو ہی جاتی تھی اور آج کل کے معمولات کو دیکھتے ہوئے تو یہاں پھر بھی بہت مناسب وقت پر سارے کام ہو رہے تھے' سو وہ ملائمت سے کہہ ہی گئی۔

" تم نے تو کچھ بھی نہیں کھایا نوین' چلی جانا آرام سے' گھر یہاں سے بہت دور ہے کیا؟ "

" جی' جی نہیں' گھر تو زیادہ دور نہیں ہے 'شیریں آپا... " اس جیسی حسین اور ینگ دکھائی دیتی ہستی کو فیضی کی طرح بے تکلفی سے " آنٹی " کہنا ان تینوں ہی لڑکیوں کے لئے مشکل ہو رہا تھا' سو ایک پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر لئے نوین کو بھی اسی لفظ پر اٹکنا پڑا۔

شیریں کو یہ جان کر بھی حیرت ہوئی کہ وہ یہی چند بلاک آگے رہتی تھی۔" جلدی جلدی" کا شور مچا کر اس نے بشریٰ اور فائزہ کو بھی کھڑا کر دیا۔ ان لوگوں کو" خدا حافظ" کہہ کر جب وہ تینوں مڑ رہی تھیں' تب بھی نوین اپنی دوستوں کو تاکید کئے جا رہی تھی۔

" پہلے تم لوگ مجھے چھوڑنا اور گیٹ سے ہی مت چلی جانا' پانچ منٹ کے لئے اندر آ جانا' امی وغیرہ کو تسلی ہو جائے گی ورنہ تو..."

اس کی فکر مندی اس قدر فطری تھی کہ شیریں مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

" اچھی بات ہے نا مسز ہاشمی' لڑکیوں کو اس عمر میں اتنا ذمہ دار ہونا چاہیے۔ شکر ہے ہماری مڈل کلاس میں تو کم از کم Values کی پاسداری کی جاتی ہے۔"

اپنی بات کہہ کر وہ تائید طلب نگاہوں سے مسز ہاشمی کی طرف دیکھنے لگی۔ جب سے بلقیس بھابی اٹھ کر گئی تھیں۔ وہ اور ممی دونوں ہی بالکل خاموش تھیں' شیریں کی بات کا جواب دیتے ہوئے بھی ان کے لہجے میں بشاشت کا فقدان تھا۔

" کچھ بھی کہا نہیں جا سکتا شیریں' ماحول ہماری سوچ سے کہیں زیادہ بدل چکا ہے۔ اب ان لڑکیوں کو ہی لے لو' کیا پتہ گھر سے پارٹی اٹینڈ کرنے کی اجازت لے کر ہی نہ نکلی ہوں' اسی لئے دیر ہو جانے پر گھبرائی ہوئی تھیں' بلکہ مجھے تو پورا یقین ہے کہ ایسا ہی تھا' ورنہ موبائل سے گھر پر کانٹیکٹ کرنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔"

انہوں نے کمال بے مروتی سے شیریں کی خوش گمانی کے بخیئے ادھیڑے۔ انداز میں اتنی قطعیت تھی کہ وہ آگے سے کچھ کہہ بھی نہیں سکی پھر بھی نوین کی معصوم سی شکل کا تاثر اتنی جلدی زائل ہونے والا نہیں تھا۔

کھانا ختم ہوتے ہی ممی اور مسز ہاشمی بھی چلنے کے لئے تیار ہو گئیں' اس رش کے عالم میں کسی بھی میزبان کو ڈھونڈنا مشکل ہو رہا تھا۔ شیریں ان لوگوں کے ساتھ چلتی ہوئی باہر کی طرف آ رہی تھی' تب ہی ایک دم سجاد سامنے آ گئے۔

" اچھا ہوا تم مل گئے سجاد' اصل میں اس وقت تمہاری دونوں بھابیوں میں سے کوئی بھی نہیں مل رہی ہیں اور ہم لوگ اب اور رک نہیں سکتے۔"

دونوں خواتین نے بڑے رسمی سے انداز میں' جس میں اب ہلکی سی رکھائی بھی جھلک رہی تھی' سجاد سے اجازت چاہی۔

" ارے اتنی جلدی۔ ابھی تو بابا سے بھی ملاقات نہیں ہوئی' آپ لوگوں کی۔" انہیں بالکل بھی ممی کے موڈ کا اندازہ نہیں ہوا تھا' مگر شیریں کی سمجھ میں سب کچھ آ رہا تھا۔

یہاں آنے سے پہلے اور آنے کے بعد بھی کتنی ہی دیر وہ خوشگوار ترین موڈ میں تھیں' خرابی بلقیس بھابی کے منہ سے" خاندانی روایات" کا ذکر سن لینے کے بعد ہوئی تھی۔

" اپنے والد کو میری طرف سے سلام کہہ دینا' اس وقت تو بہت مہمان ہیں' انہیں بھی فرصت نہیں ہوگی' میری دوا کا بھی ٹائم ہو رہا ہے' وقت پر نہ لوں تو طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔"

اس جواز کے آگے مزید کیا اصرار کیا جا سکتا تھا' سجاد بھی چپ سے ہو گئے۔

مسز ہاشمی سے باتیں کرتے ہوئے ممی گیٹ کی طرف بڑھ گئیں۔

شیریں کو ان کے اس لاتعلق سے انداز پر عجیب سی صورتحال کو فیس کرنا پڑ رہا تھا۔" سجاد جیسے مخلص اور اچھے دوست کو محض اس لئے ہرٹ کرنا کہ نادانستہ ہی سہی کسی ایک مقام پر وہ امیدوں پر پورا نہیں اتر پا رہا' کس قدر سخت ناانصافی والی بات ہے۔"

خود کو کمپوز کرتے ہوئے اس نے پوری دیانتداری سے خود کو سمجھانا چاہا اور پھر شاید اسی جھینپ کو مٹانے کے لئے وہ چند منٹ وہیں کھڑی رہ کر ان سے چند ایک عام سی باتیں کئے گئی۔

" اگلی بار آئوں گی تو تمہارے کمرے کی کھڑکی سے گلابوں کی بیل ضرور دیکھوں گی سجاد' آج تو ایسا کچھ بھی ممکن نہیں تھا۔"

" واقعی' آج تو بس....."

سجاد نے ایک چھوٹے سے فقرے کو ادھورا چھوڑتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دی۔" ایک تو آج فرحت آپا کی وجہ سے بھی میں بڑا اپ سیٹ ہوتا رہا' بہت دیر لگا کر آئیں اور وہ دیکھا ہوگا تم نے۔"

" ہاں' لیکن وہ آگئیں مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہوئی' خدا نے چاہا تو ان کے حالات میں مزید بہتری آتی جائے گی' تم فکر مت کرو۔"

سجاد کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ شیریں کے لہجے میں ہمیشہ ہی تسلی کا ایسا گہرا احساس ہوتا تھا کہ خراب سے خراب صورتحال میں بھی بہتری کا راستہ دکھائی دینے لگتا تھا۔ شاید اسی لئے وہ اس سے اپنے پرابلمز کو شیئر کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔

" ابھی جب میں آ رہی تھی باہر تو میں انہیں دور سے ہی ہاتھ ہلا پائی' تمہارے ہاں لوگ ہی ماشاءاللہ اتنے....."

" شیریں۔"

کچھ دور پر اس کے انتظار میں کھڑی ممی کے پکارنے پر اس کی بات ٹھیک سے پوری بھی نہیں ہو سکی۔

" اچھا بس چلتی ہوں میں' ممی کی طبیعت واقعی ٹھیک نہیں رہتی' تم خیال مت کرنا۔"

جانے سے پہلے وہ ایک چھوٹی سی معذرت کرنا نہیں بھولی۔

سجاد نے دیکھا' شیریں کی ممی اسے کچھ کہہ رہی تھیں' اس تھوڑے سے فاصلے پر بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خفا تھیں۔

وہ دانستہ وہیں رکے رہے۔

آگے جانے کا مطلب شیریں کو شرمندگی سے دوچار کرنا تھا۔

" اور اس جیسی عزیز ہستی کے لئے ایسا کچھ گوارا نہیں تھا۔ ایک ہلکی ہلکی سی افسردگی جو مدت سے دل کے ساتھ ساتھ تھی' اب بہت مانوس سی ساتھی بنتی جا رہی تھی۔

...☆☆☆...

اماں کی طبیعت بحال ہونے میں زیادہ دن نہیں لگے' بلکہ جمیل ماموں تو صاف صاف کہتے تھے کہ وہ ثانیہ کی اکیڈمی سے ہونے والی چھٹیوں کی وجہ سے گھبرا کر زبردستی خود کو ٹھیک کر رہی ہیں۔

بہرحال اس کا اکیڈمی جانے کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا تھا' چند روز کی چھٹیوں میں ہی اچھا خاصا کام جمع ہو گیا تھا۔ نتیجتاً زیادہ محنت اور زیادہ انہماک پر اسے اب اس ساری محنت میں مزہ آنے لگا تھا۔ خود ترسی کا وہ عالم جس سے نکلتے ہوئے

وہ شاید خود بھی گھبراتی تھی، اب آہستہ آہستہ تحلیل ہونے لگا تھا اور اس ساری تبدیلی میں بڑا کریڈٹ فرح کو بھی جاتا تھا۔

سارے دن کی مصروفیت کچھ انٹ شنٹ سوچنے کی مہلت ہی نہیں دیتی تھی اور دوسرے خود ادھر گھر میں حیران کن طور پر خاموشی چھائی رہنے لگی تھی، کبھی کبھی ثانیہ کو تھوڑی تشویش بھی ہوتی۔

ممانی زیادہ تر کمرے میں رہتیں، معلوم نہیں بیمار تھیں یا کیا، وہیں لیٹے لیٹے ثانیہ کو ضروری ہدایت جاری کر دیتیں یا پھر چپکے چپکے ٹیلی فون پر باتیں کئے جاتیں، ایسے میں اگر ثانیہ ان سے کچھ پوچھنے کے لئے کمرے میں آ ہی جاتی تو وہ اتنے کڑے تیوروں کے ساتھ اس کی طرف دیکھتیں کہ وہ یہ بھی بھول جاتی کہ اسے ان سے پوچھنا کیا تھا؟

چپ چپ لبنیٰ بھی رہتی تھی، مگر اس کی خاموشی میں ممانی کی سی ڈپریشن بہر حال محسوس نہیں ہوتی تھی، کمپیوٹر سنٹر کی مصروفیت اسے بہر حال کافی بیلنس رکھتی تھی، نت نئی دوستیوں پر مشتمل حلقۂ احباب دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔

اس کے اور ثانیہ کے واپسی کے اوقات اچھے خاصے مختلف تھے، وہ صبح کی شفٹ میں جاتی تھی، جبکہ ثانیہ کی اکیڈمی سیکنڈ شفٹ میں پڑھ رہی تھی، لبنیٰ کی جب واپسی ہوتی تھی، اس وقت ثانیہ کو گئے ہوئے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ہی ہوا کرتا تھا اور جب ثانیہ شام ڈھلے واپس آتی تو لبنیٰ ایک نیند لے کر اٹھ چکی ہوتی تھی۔ سو بہت کم وقت ہی دونوں کا ایک ساتھ گزر پاتا، ثانیہ کو یہ شیڈول بہت غنیمت لگ رہا تھا۔ بہت سی الٹی سیدھی باتیں سننے سے بچت ہو رہی تھی، پر کچھ دن گزر جانے کے بعد اتوار کا دن بھی بالآخر آ ہی جاتا تھا۔

اس روز بھی اتوار ہی تھا، جب ممانی کی فیورٹ سہیلی عین ناشتے کے وقت پر آ پہنچیں، دروازہ ثانیہ نے کھولا۔

اماں اور جمیل ماموں برآمدے کے تخت پر بیٹھے تھے، جبکہ ممانی اور لبنیٰ کو وہ اندر کمرے میں ناشتے کی ٹرے پہنچا کر نکل رہی تھی کہ ڈور بیل کی آواز پر اسے گیٹ پر آنا پڑا تھا۔

"تمہاری ممانی نے اس قدر فون پر فون کھڑکا رکھے تھے کہ آج سو کام چھوڑ کر پہلے ادھر ہی آنا پڑا۔"

ثانیہ کے سلام کے جواب میں انہوں نے سب سے پہلے اپنی آمد کی وجہ تسمیہ بیان کی۔

ثانیہ جواباً کیا کہہ سکتی تھی۔

یہ وہی خاتون تھیں، جنہوں نے لبنیٰ کا رشتہ طے کرانے کا ٹھیکہ لیا ہوا تھا، ممانی کی ان کے لئے بے قراری کی وجہ سمجھ میں آئی تھی، وہ انہیں لے کر سیدھی ممانی کے کمرے میں ہی چلی آئی، وہ ابھی ناشتہ ہی کر رہی تھیں، مارے خوشی کے فوراً کھڑی ہو گئیں۔

"تین دن سے برابر خواب میں دیکھ رہی ہوں تمہیں، آج تو پکا یقین تھا کہ ضرور ہی آؤ گی۔ اے ثانیہ ذرا ناشتہ بنا لانا اور۔" انہوں نے مہمانداری کا سلسلہ بھی فوراً ہی جوڑنا چاہا مگر فی الوقت مہمان اتنے پر تپاک موڈ میں ہرگز بھی نہیں تھا۔

"نہیں ناشتے کی ضرورت نہیں، میں اپنے گھر سے خالی پیٹ نہیں نکلتی ہوں، صبح ہی صبح، بدشگونی ہوتی ہے اور تم بھی آنے آنے کی رٹ تو لگا لیتی ہو، یہ نہیں دیکھتیں کہ آنا کون سا آسان ہے، کورنگی یہاں رکھا ہے کیا؟ بسوں میں مجھ سے چڑھا اترا نہیں جاتا ہے اور رکشہ ٹیکسی کے کرایوں پر خرچ کرنے میں صاف بات ہے، دل دکھتا ہے۔"

ثانیہ کے لبوں پر ان کی صاف گوئی پر بے ساختہ ہی مسکراہٹ ابھرنے لگی تو وہ جلدی سے کمرے سے نکل گئی۔ اندر اب ممانی اور لبنیٰ کے علاوہ رشیدہ آپا ہی رہ گئی تھیں۔

"کرائے کی فکر چھوڑو، تمہارے لئے پیسوں کی کوئی کمی ہے کیا۔" ممانی کا پرس جو ویسے بمشکل ہی کھلا کرتا تھا، اس وقت فوراً ہی کھل چکا تھا۔ "فون پر ڈھنگ سے کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی، اسی لئے تمہیں یہاں بلوایا۔" ممانی نے ایک پانچ سو کا نوٹ ان کے ہاتھ میں تھمایا، مگر وہ پھر بھی کوئی خاص خوش نظر نہیں آرہی تھیں۔

"تم ذرا میرے لئے ایک کپ چائے تو بنوا لاؤ، میں اس دوران تمہاری امی سے کچھ باتیں کرلوں۔"

اپنی بات شروع کرنے سے پہلے انہوں نے لبنیٰ کو وہاں سے اٹھنے کا اشارہ دیا، وہ سارا قصہ اپنے کانوں سے سننا چاہ رہی تھی مگر جب والدہ صاحبہ نے بھی آنکھ سے اشارہ دیا تو اٹھنا ہی پڑا، ویسے بھی اس کے کمرے میں یہاں کی جانے والی گفتگو بخوبی سنائی دے جاتی تھی۔

دونوں کمروں کے بیچ میں کھلنے والا دروازہ اس نے دانستہ ہی کھلا چھوڑ دیا۔

"ہاں اب بتاؤ ان لوگوں کو آخر اعتراض کس بات پر ہے، یہاں تو بہت خوش خوش دکھائی دے رہی تھیں، دونوں ساس بہو، ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے انہیں، تم ان لوگوں کو منانے کی سر توڑ کوشش کرو۔"

معلوم نہیں ان کی بات ختم ہوئی تھی یا وہ محض سانس لینے کو رکی تھیں، خاموشی کے اس چھوٹے سے وقفے میں ہی رشیدہ آپا نے وہی بات پھر سے دہرا دی، جو کئی بار ٹیلی فون پر کہہ چکی تھی اور آج روبرو کہنے کے لیے انہوں نے کورنگی سے یہاں تک آنے کی زحمت اٹھائی تھی۔

"ان لوگوں کی مرضی نہیں ہے، میں جتنا سمجھا سکتی تھی، سمجھا لیا ہے، مگر وہ پھر بھی نہیں مانتیں، کہتی ہیں ہمارے گھر کے لئے لڑکی مناسب نہیں ہے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

چند لمحے تو مارے رنج کے ان سے کچھ کہا ہی نہیں گیا اور پھر جیسے ایک دم ہی پھٹ پڑیں۔ "کیا خرابی ہے لبنیٰ میں، صورت شکل سلیقے کس بات میں پیچھے ہے وہ کسی سے، یہ کہو کہ لالچی لوگ ہیں، ہمارے چھوٹے سے گھر کو دیکھ کر انہیں زیادہ جہیز کی امید نہیں بندھی ہو گی، تم ان کے کان میں یہ بات ڈال دو کہ لبنیٰ کے لئے کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہو گی، بلکہ اس کے نام تو ایک پلاٹ بھی ہے، گلستان جوہر میں، پھر دیکھنا کیسے رنگ بدلیں گے، وہ لوگ۔

رشیدہ آپا کے چہرے پر پھیلی مایوسی اس طویل خطاب کے آخر میں دی گئی "خوش خبری" پر بھی نہیں کم ہوئی، انہیں اس پروفیشن میں برسوں بیت چکے تھے، سینکڑوں رشتے بھگتا چکی تھیں۔ سو مردم شناس خود بخود ہو چلی تھیں، کس قسم کے لوگوں کی کیا ترجیحات ہوتی ہیں، اس کا بھی بخوبی اندازہ کرلیتی تھیں، آہستگی سے صرف اتنا ہی بولیں۔ "ان لوگوں کے ہاں خدا کا دیا سب کچھ ہے، تمہیں میں نے کتنی بار سمجھایا تھا کہ لڑکی اور گھر پر حقیقی معنوں میں توجہ دو، محض دکھاوا ہی دکھاوا ہو تو لوگ اصل بات بھانپ ہی لیتے ہیں۔" ثانیہ جتنی دیر میں چائے لے کر آئی، وہ چادر اوڑھ کر جانے کے لئے کھڑی بھی ہو چکی تھیں، ثانیہ کو دیکھ کر نرمی سے بولیں۔

"تم نے ناحق تکلیف کی بیٹی، مجھے کہیں اور بھی ضروری جانا ہے۔"

ممانی نے ایک بار ان سے یہ نہیں کہا کہ ذرا سا رک کر چائے پی ہی لیں۔

ان کی بے مروتی کا ثانیہ کو تو خیر تجربہ تھا ہی، اس وقت رشیدہ آپا کو بھی ہو گیا۔ ثانیہ ان کے ساتھ ہی کمرے سے باہر نکل آئی تھی، برابر والے کمرے میں گم صم سی بیٹھی لبنیٰ کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ آج کوئی اچھی خبر نہیں سنی گئی ہے۔

...☆☆☆...

شام خوشگوار تھی۔

گھر کے پچھلی طرف والے برآمدے کی سیڑھیوں پر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی نازی نے ایک بار پھر ایک خاموش سی نگاہ نینی پر ڈالی، نیچے ذرا ہٹ کر امی کے کچن گارڈن کے ساتھ کرسی ڈالے وہ تقریباً اتنی ہی دیر سے ایک موٹے سے ناول میں منہ دیئے بیٹھی تھی، جتنی دیر سے وہ یہ کاپیاں چیک کر رہی تھی، اس بار رہا نہ گیا تو آواز دے ہی لی۔ " نینی۔"

خلاف توقع اس نے فوراً ہی سن بھی لیا۔ " اب تو بہت دن ہو گئے ہیں۔ ایگزامز ختم ہوئے، تھوڑی سیریس ہو جاؤ، انٹری ٹیسٹ کی کچھ فکر ہے یا نہیں؟" ابا کے بعد وہی تھی جسے سمیع اور نینی کی پڑھائی کی فکر سب سے زیادہ رہتی تھی، وہ دونوں کہتے تھے کہ یہ سب سکول کی جاب کا اثر ہے۔

اس وقت بھی نینی نے ذرا بھی اثر نہ لیا۔ " سب تیاری ہے نازی آپا۔" رٹے رٹائے سے انداز میں کہہ کر وہ واپس اپنے ناول میں گم ہو جاتی کہ کچھ خیال آنے پر ناول بند کر کے اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

" ابا سے کہہ کر مجھے پری پریشن کلاس میں ایڈمیشن دلوا دیں پلیز۔"

" کیا کرنا ہے، یہ کام تو تم خود بھی اچھی طرح کر سکتی ہو، تمہارا ایڈمیشن تو انشاءاللہ ہو ہی جانا ہے، فرسٹ ایئر میں اتنی ہائی پرسنٹیج آئی ہے اور اب سیکنڈ ایئر میں بھی مجھے پوری پوری امید ہے۔" نازی نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے سمجھانا چاہا، مگر وہ تھوڑی سی ضدی ہونے لگی۔ " سب ہی لیتی ہیں، فائزہ بھی لے رہی ہے، ہم ساتھ چلے جایا کریں گے۔" آج کل اس کا باہر آنا جانا کافی کم رہ گیا تھا، سو یہ جواز برا نہیں تھا۔

" اچھا ٹھیک ہے، ابا سے بات کریں گے۔" نازی عادتاً بحث سے گھبراتی تھی، سو اسے ٹالتے ہوئے دِیا کو پوچھنے لگی۔ " دِیا کہاں ہے؟ آج اب تک کمرے سے نہیں نکلی ہے، ذرا اسے بلا کر تو لاؤ۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

" نازی آپا۔" نینی نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ " میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ امی دِیا باجی سے کیوں اتنی زیادہ خفا ہیں، میرے خیال میں تو دِیا باجی نے زندگی میں پہلی بار حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔"

آخری کاپی بھی چیک ہو چکی تھی، نازی نے کاپی بند کر کے ایک طرف رکھی، نینی ابھی اپنے جواب کی منتظر تھی۔

" اصل میں امی دِیا سے ناراض نہیں ہیں، انہیں اسماء پھوپھو کی خفگی کا افسوس ہے، اس روز دِیا کا رڈیہ بہر حال ناخوشگوار تو بہت تھا ان کے ساتھ، اسے جو کچھ کہنا تھا، ان کے جانے کے بعد بھی کہہ سکتی تھی۔" نینی نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ سامنے والا دروازہ کھول کر امی تیزی سے باہر آئیں، ایک نظر میں ہی ان کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔

" نازی۔"

ان کی آواز میں عجیب سی لرزش تھی۔ نینی اور نازی دونوں ہی کا دل بری طرح سے دھڑکا۔

...☆☆☆...

امی کمرے کے دروازے پر ہی کھڑی تھیں اور ان کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی، نازی اور نینی دونوں ہی کے لئے پریشانی کا سبب تھی۔

" خدا کرے کہ ابا بالکل خیریت سے ہوں۔" نازی کے دل نے بے ساختہ ہی دعا کی، بشارت صاحب کو کچھ اور دن لاہور میں رکنا پڑ گیا تھا، اس کا ذہن فوری طور پر ان ہی کی طرف گیا۔

مگر بات کچھ اور تھی۔

"اسماء ہسپتال میں داخل ہے' ابھی دو گھنٹے پہلے اس کی طبیعت اچانک ہی خراب ہو گئی۔انٹینسو کیئر میں ہے۔" چند منٹ پہلے اسماء پھوپھو کے چھوٹے بیٹے کے فون سے ملی اطلاع واقعی پریشان کن تھی۔

"تکلیف کیا ہوئی ہے' پھوپھو کو؟"

"کون سے ہسپتال میں ہیں؟" وغیرہ وغیرہ وہ دونوں ہی پے در پے کئی سوال کر بیٹھیں' امی سے گھبراہٹ میں ٹھیک سے جواب بھی نہیں دیا جا رہا تھا۔

امی کے کمرے کا دوسرا دروازہ آگے والی راہداری میں کھلتا تھا۔سمیع اسی طرف سے کمرے میں داخل ہوا' ابھی دوپہر کے وقت جو ملگجا سا شلوار کرتا پہن کر وہ گھر میں گھوم رہا تھا' اسے تبدیل کر کے وہ جینز اور ٹی شرٹ میں باہر جانے کے لئے بالکل تیار تھا۔

"آپ تیار بھی نہیں ہوئیں اب تک' ہمیں جلد سے جلد وہاں پہنچنا چاہیے۔"

وہ بڑا سنجیدہ تھا اور بشارت صاحب کی گھر سے غیر موجودگی کے سبب اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔

"میں بس تیار ہی ہوں' نینی ذرا الماری سے میری چادر نکال کر دو۔" وہ سمیع سے بھی زیادہ جلدی میں تھیں' تھوڑی دیر پہلے گھر کے دھلے جس سوٹ کو انہوں نے نینی سے استری کروا کر پہنا تھا' اس وقت انہیں باہر پہن کر جانے کے لیے بالکل مناسب لگ رہا تھا۔

"صرف دو منٹ لگیں گے امی' میں دوسرا سوٹ نکال دیتی ہوں۔" نینی نے کہا تو وہ ناراض ہو گئیں۔

"دماغ تو صحیح ہے تمہارا' یہ کوئی سج سنور کر جانے کا وقت ہے' چلو سمیع کوئی رکشہ ٹیکسی پکڑو۔"

مگر سمیع ان کے کہنے سے پہلے ہی ٹیکسی لینے جا چکا تھا۔

"ہسپتال پہنچتے ہی ہمیں فون کر کے بتا دیجئے گا' پھوپھو کی طبیعت کے بارے میں' مجھے تو سخت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" نازی کی آنکھوں میں بار بار آنسو آئے جا رہے تھے۔اسے اسماء پھوپھو سے محبت بھی بہت تھی۔نینی کا خیال تھا کہ وہ لوگ بھی ساتھ ہی ہسپتال چلی چلتیں' مگر امی کو ایسا کرنا بھی مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

"اسماء انٹینسو کیئر میں ہے' ابھی تو کسی کو ملنے کی بھی اجازت نہیں ہو گی' بے کار میں ہسپتال میں رش لگانے کا کوئی فائدہ نہیں' تم لوگ گھر ہی میں بیٹھ کر اس کی صحت کے لئے دعا کرنا' تینوں بہنیں مل کر...."

تب ہی انہیں دِیا کا خیال آ گیا۔وہ ابھی تک اپنے کمرے میں تھی۔

اس پریشان کن خبر سے یکسر انجان۔

"دِیا کو بتا دوں جا کر' پتہ نہیں کیا کر رہی ہے اپنے کمرے میں اب تک۔"

بڑے عجلت سے چادر اوڑھتے ہوئے انہوں نے دِیا کے کمرے کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا کہ سمیع کی آواز پر رکنا پڑا۔

"آ جائیں' میں ٹیکسی لے آیا ہوں۔"

وہ داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑا کہہ رہا تھا۔

"ایک منٹ رکو' میں دِیا کو بتا دوں۔"

دِیا کی اسما پھوپھو سے "خصوصی" نسبت کا احساس انہیں اس سے خفگی میں بھی تھا' مگر سمیع منع کرنے لگا۔

"میں نے بتادیا ہے اسے، جیسے ہی فراز کا فون آیا تھا، آپ آجائیں بس، ٹیکسی والے کو جتنی دیر کھڑا ہونا پڑے گا، اتنا ہی زیادہ بل بنادے گا، ایک تو یہ بھی پرابلم ہے کہ آپ بائیک پر نہیں بیٹھتی ہیں۔"

سمیع کہتا ہوا واپس باہر کی طرف مڑ گیا۔

امی، نازی اور نینی تینوں ہی کی نگاہیں بے ساختہ دِیا کے کمرے کی طرف اٹھ گئیں، دروازہ بند تھا مگر اندر ٹیوب لائٹ روشن تھی۔

یہ بے حسی بھرے مظاہرے گھر والوں کے لئے نئے نہیں تھے، پھر بھی ہر بار نئے سرے سے تکلیف دہ محسوس ہوتے تھے، اس وقت تکلیف سے بھی بڑھتی ہوئی حیرانگی تھی۔

"عاجز کر کے رکھ دیا ہے، اس لڑکی نے ہر دم من مانی، دیکھا نہیں تھا اس روز کس بری طرح اسماء سے پیش آئی تھی، کیا پتہ وہ غریب اسی ٹینشن میں..."

امی زور زور سے کہتی ہوئی سمیع کے پیچھے باہر نکل گئیں۔ مقصد دِیا کو سنانا تھا اور سننا پڑا نینی اور نازی کو، دِیا کے کمرے میں جو ہلکا ہلکا سا میوزک بیشتر وقت بجتا رہتا تھا، وہ ایسی تمام آوازوں کو بخوبی دبا دیتا تھا، جنہیں وہ سننا ہی نہیں چاہتی تھی۔

امی اور سمیع کے جاتے ہی گھر میں ایک دم سناٹا پھیل گیا، وہ دونوں واپس امی کے کمرے میں آکر بیٹھ گئیں۔ اس وقت جیسے کرنے کے لئے کچھ بھی نہ رہا تھا، سارا دھیان رہ رہ کر اسماء پھوپھو کی طرف ہی جا رہا تھا، تب ہی نازی کو ایک اور ضروری بات بھی یاد آگئی۔

"نینی، ابا کو لاہور فون کر کے انفارم تو کر دینا چاہیے ہیں، خدانخواستہ پھوپھو کی زیادہ طبیعت خراب ہو گئی تو۔" وہ جواب طلب نگاہوں سے نینی کو دیکھنے لگی۔

"رہنے دیں۔"

نینی نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

"آپ کیا سمجھ رہی ہیں وہ اپنی بہن کی بیماری کا حال سن کر بھاگے بھاگے چلے آئیں گے، ناممکن بات ہے، اس قسم کی جذباتی باتیں ان کے شایان شان نہیں ہیں، ابھی وہ گھر پر بھی ہوتے تو امی کو یوں بھاگم بھاگ کبھی نہ جانے دیتے، یہی کہتے کہ کیا ضرورت ہے، خیریت تو فون پر بھی معلوم کی جاسکتی ہے، زیادہ ہے تو سمیع کو بھیج دو، بس۔"

نازی کو اس مفصل تجزیہ سے ذرا سا بھی اتفاق نہیں تھا، لیکن نینی کے انداز بیان پر اسے ہنسی ضرور آگئی۔

ابا کی غیر موجودگی نینی پر بڑا خوشگوار اثر ڈالے ہوئے تھی۔ دن بھر میں بڑی ذمہ داری کے ساتھ گھر کے کئی کام نمٹا ڈالتی، نازی جو کبھی دِیا بھی ان لوگوں کے ساتھ آبیٹھتی تو اس کے ساتھ بھی خوشگوار سی گپ شپ چلتی رہتی اور پھر اس کی دوستوں کے فون آجاتے، جو کہ ضرور ہی آجاتے تھے تو بناء کسی دخل کے گھنٹوں کے لئے فون کی ہی ہو کر رہ جاتی، انٹر کے امتحانوں کے بعد کی فراغت میں وہ یقیناً چین کی بانسری بجا رہی تھی۔

کام سے چھٹی کے اسی احساس نے ابا کے لاہور کے قیام کو کچھ دن اور بڑھا دیا تھا۔

امتحانوں کے بعد کالج بند ہو چکے تھے اور شام کو پڑھائی جانے والی ٹیوشن کلاسز بھی نہ ہونے کے برابر ہی رہ گئی تھیں، سال بھر میں مہینے بیس دن کا یہی وقفہ ہوتا تھا اور پھر نئے بیچ کی کلاسز شروع۔

"ایسی بات نہیں ہے نینی، ابا کو اپنی بہن سے بہت محبت ہے، تم دیکھ لینا، انہیں جیسے ہی اطلاع ملے گی، اسما پھوپھو کی بیماری کی، وہ فوراً ہی وہاں سے چل پڑیں گے، انہیں حالات نے چڑچڑا کر رکھا ہے، ورنہ دل کے وہ بے حد اچھے ہیں۔"

نازی نے ابا کی فیور کرتے رہنے کی ذمہ داری خود بخود اپنے سر لے رکھی تھی' سو اس وقت بھی نینی کے جواب میں کہنا پڑا۔

'' اور سچی بات تو یہ کہ مسعود کے معاملے میں تو ان کا مؤقف ہے بھی اصولی' اس نے پانچ سال سے اس معاملے کو لٹکا رکھا ہے' ابا کو غصہ نہیں آئے گا تو اور کیا ہو گا؟''

نینی اثبات میں سر ہلائے گئی۔

نازی کی بہ نسبت اسے بشارت صاحب کی خفگی کو جھیلنے کا ایک سے زائد بار تجربہ ہو چکا تھا اور ان ساری تکلیف دہ باتوں کی کسک بہر حال باقی تھی۔

'' وہ سب ٹھیک ہے نازی آپا۔'' نازی خاموش ہوئی تو اس نے بڑے رسان سے اپنی بات کہنی چاہی۔

'' پر ابا کو اپنی اولاد پر تو بھروسہ کرنا چاہیے' ہم سب اب سمجھ دار ہیں' اپنا اچھا برا سمجھتے ہیں' وہ اس طرح قدم قدم پر پابندیاں لگاتے ہیں کہ انسان نہ چاہتے ہوئے بھی....''

ایک دبا دبا سا گلہ جو بہت دن سے اس کے دل میں تھا' زبان پر آنے لگا۔

'' معلوم نہیں اس روز ابا صحیح تھے یا غلط۔'' دس بار کی سوچی ہوئی بات کو نازی نے پھر سے دل میں دہرایا۔

ابا جیسے سمجھدار شخص سے کسی ایسی غلطی کی توقع تو نہیں کی جاسکتی تھی' پھر بھی اپنے شک کو بنیاد بنا کر وہ اس روز نینی کو جو کچھ کہہ سن چکے تھے' اس سے نینی کی دل آزاری تو بہر حال ہوئی تھی۔اس کا نازی کو بے حد احساس تھا اور وہ تلافی کرنے کی ہر ممکن کوشش بھی کیا کرتی تھی۔

'' ماں باپ کی بات کا برا نہیں مناتے نینی' ان کا تجربہ ہماری عقل سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے' چھوٹے بچے جب چلنا سیکھتے ہیں تو انہیں ہاتھ چھڑا کر کھلی سڑک پر بھاگنے کی اجازت کیوں نہیں ملتی۔اسی لئے نہ کہ ٹھوکر کھا کر گرنے کا اندیشہ اپنی جگہ موجود ہوتا ہے۔''

'' لیکن ٹھوکریں کھا کر وہ مضبوطی سے قدم جمانا بھی تو سیکھ جاتے ہیں۔''

نازی کی بات کے جواب میں وہ دھیرے سے بولی۔اس کے لہجے میں کچھ عجیب سا احساس تھا' نازی نے ذرا چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

وہاں بڑی پر سوچ سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔اس کی عمر سے ذرا بھی میل نہ کھاتی ہوئی۔ایسے میں وہ بڑی اجنبی سی دکھائی دے رہی تھی۔نازی چند لمحوں کے لئے اسے چپ چاپ تکے گئی۔تب ہی وہ ایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

'' چائے بنا کر لاتی ہوں اور دیبا باجی کو بھی یہیں بلائیں' وہ تو معلوم نہیں کیا ضد لگا کر بیٹھ جاتی ہیں' ہم لوگوں سے۔'' ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتی ہوئی وہ پیچھے کچن کی طرف کھلنے والے دروازے میں سے باہر چلی گئی۔

نازی کو ہلکی ہلکی فکر مندی گھیرنے لگی۔'' نینی نے ایسا کیوں کہا آخر؟''

...☆☆☆...

ثانیہ نے کھڑکی سے اس پار سبزے پر برستی موسلا دھار بارش کو بڑی فکر مندی سے دیکھا۔

آج صبح سے ہی گھٹا تلی کھڑی تھی اور حبس ایسا تھا کہ الامان۔

اماں نے اکیڈمی آنے سے روکا بھی مگر وہ خود ہی ضد کر کے چلی آئی۔

اپنی پڑھائی کے معاملے میں وہ بے حد سنجیدہ تھی اور یہی سنجیدگی اسے کلاس میں ایک نمایاں حیثیت دے رہی تھی۔ "انگلش لینگویج" کے اس کورس میں اس نے اب تک شاید کوئی کلاس مس کی تھی۔

انگریزی تو بہتر ہو ہی رہی تھی۔ اسی بہانے کچھ وقت کے لئے ہی سہی ماحول بھی تبدیل ہو جاتا تھا۔

گھر میں کاموں کا تھکان بھرا نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا' یا ممانی اور لبنیٰ کی دل آزار باتیں۔

جمیل ماموں کا محبت بھرا سہارا نہ ہوتا تو وہ اور اماں تو کب کی واپس نواب شاہ سدھار چکی ہوتیں۔

کلاس ختم ہو چکی تھی' مگر وہ باہر جانے کے بجائے کھڑکی کے قریب بیٹھی باہر برستے پانی کو دیکھنے لگی۔

بارش کے ساتھ ہی صبح سے چھایا ہوا حبس بھی ٹوٹا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے' سبزے اور کچی مٹی کی خوشبو سے بوجھل ہو رہے تھے۔ یہ بڑی مانوس سی خوشبو تھی۔

ثانیہ کو بے اختیار ہی اپنا نواب شاہ والا گھر یاد آنے لگا۔

اس ایک یاد کے ساتھ یادوں کی ایک لمبی زنجیر جڑی ہوئی تھی۔ کڑی در کڑی۔

گھر کے آنگن میں لگے نیم کے درخت پر پڑا ہوا جھولا' چھوٹے سے باورچی خانہ میں تلے ہوئے پکوان۔ بچپن سے قائم ہوئے دوستیوں کے سلسلے۔ بات بات پر مسکراہٹیں بکھیرنے والے ابا اور اور... یقیناً اور بھی بہت کچھ تھا' مگر اب کچھ بھی یاد آکر نہیں دیتا تھا۔

ہمیشہ اسا ہی ہوتا تھا۔

ابا کی یاد کے آگے' ہر بیتی بات ذہن سے محو ہونے لگتی تھی' بس وہی وہ رہ جاتے تھے' ہنستے مسکراتے' اس کی فرمائیں پوری کرتے' اس کے ناز اٹھاتے ہوئے۔

اب تو یہ سوچنا بھی کتنا عجیب سا لگتا تھا کہ کبھی وہ بھی لبنیٰ کی طرح چاہی گئی تھی۔

" کیا تھا اگر ابا بھی کئی سالوں تک ابھی اس کے سر پر سلامت رہتے' یہ کڑی دھوپ جو مقدر نے اس کے پیروں تلے بچھائی ہے' اس سے وہ آشنا ہی نہ ہو پاتی۔"

اس نے بڑی دل گرفتگی کے ساتھ سوچا۔

موسم کی ساری خوبصورتی کہیں پس منظر میں تحلیل ہونے لگی۔

اسی وقت ایک ملا جلا ساز وردار قہقہہ اسے چونکا گیا۔ اس بڑے سارے ہال میں تھوڑے سے فاصلے پر ساتھی لڑکیوں کا ایک گروپ اپنی ہی گپ شپ میں مصروف تھا' اسے متوجہ ہوتے دیکھ کر ایک نے آواز بھی دے ڈالی۔

" وہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو ثانیہ' ادھر آجائو نا۔" اس نے مسکرا کر ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ زیادہ تر لڑکیاں آپس میں پہلے ہی سے دوست تھیں' ایک ساتھ پڑھی ہوئی تھیں' یا پڑھ رہی تھیں' کچھ نے شوقیہ اور کچھ نے واقعی سنجیدگی سے اس کورس میں دوستوں کے ہمراہ ایڈمیشن لیا تھا' ثانیہ کو وہ ساری ہی بہت خوش مزاج اور تعاون کرنے والی محسوس ہوئی تھیں۔

وقت اچھا خاصا ہو گیا تھا' ثانیہ نے کتابیں سمیٹ کر کھڑے ہوتے ہوئے ان لوگوں کو " خدا حافظ" کہا تو وہ سب ہی روکنے لگیں۔

" اتنی بارش میں کیسے جائو گی' تھوڑی دیر رک جائو' بارش کم ہو جائے تو سب ہی ساتھ نکل چلیں گے۔"

ان لوگوں کی بات صحیح تھی' مگر اسے اماں کا خیال پریشان کر رہا تھا' سو وہی بات ان سے بھی کہہ دی۔

'' اماں بہت پریشان ہو جاتی ہیں' مجھے دیر ہو جانے پر' بارش تو نہ جانے کتنی دیر کے بعد رکے۔''

باہر کلاسوں کے سامنے والا طویل برآمدہ اور سیڑھیاں پوری طرح اسٹوڈنٹس سے بھری ہوئی تھیں۔ زیادہ تر بارش کے رکنے کے انتظار میں تھے اور کچھ اس جیسے جلد باز' اس دھواں دھواں ہوتے موسم کا مقابلہ کرنے کے لئے سامنے کے لان طے کر کے گیٹ تک پہنچ چکے تھے۔

ثانیہ بھی چادر کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتے ہوئے سیڑھیوں سے اتر آئی' خیال یہی تھا کہ تیز قدموں سے لان پار کر کے گیٹ تک تو بآسانی پہنچا جا سکتا ہے' آگے بس کالج کے ٹھیک سامنے ہی سے مل جاتی تھی' مگر یہ سب اتنا آسان ثابت نہیں ہوا۔

بارش متوقع سے کہیں زیادہ تیز تھی اور اسی وجہ سے لان' دلدل کی سی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا' پیر اٹھانا دوبھر ہوا جا رہا تھا' نہ کہ تیز چلا جاتا۔ ثانیہ کو دو منٹ میں ہی یقین ہونے لگا تھا کہ ضرور بالضرور یہیں بیچ لان کے کیچڑ میں جا گرے گی اور یہاں سب کے سامنے تماشہ بننے کا خیال ہی آنکھوں میں آنسو لانے کا سبب بننے لگا۔

'' ثانیہ۔'' کسی نے بہت قریب سے پکارا۔ فرح چھتری لئے سامنے کھڑی تھی۔

...☆☆☆...

آج آفس سے لوٹنے میں معمول سے کہیں زیادہ دیر ہو گئی تھی۔

بابا کی کمپنی چند نئے پروجیکٹ لانچ کرنے والی تھی' سو ان ہی کے سلسلے میں میٹنگ لمبی ہوتی چلی گئی اور پھر اس کے بعد بھی بابا بڑی دیر تک آفس میں موجود رہے' سو عمر کے بھی وہاں سے اٹھنے کا سوال نہ تھا۔

بابا اس عمر میں بھی جوانوں سے بڑھ کر کام کیا کرتے تھے' نہ کبھی بے زاری کا اظہار کرتے اور نہ تھکان کا۔

عمر کو ان کے اس اسپرٹ پر ہمیشہ ہی رشک آتا تھا۔

'' رحمت منزل'' کا مین گیٹ رات کو جزوی طور پر بند کر دیا جاتا تھا' کوئی آنے جانے والا آتا تو گیٹ کیپر شناخت کرنے کے بعد کھول دیتا تھا' عمر کی بائیک آ کر رکی تو اس نے بڑی پھرتی سے مین گیٹ کھول دیا۔ وہ گاڑی اندر لے آیا۔

'' خیر تو تھی عمر بھائی' اتنی دیر؟''

گیٹ کیپر بہت پرانا تھا اور اسی لئے شاید مکینوں کے دیر سویر ہو جانے پر پوچھ گچھ کو اپنا حق سمجھتا تھا۔

'' بس خان صاب' آفس میں کبھی کبھی کام زیادہ ہو جاتا ہے تو پھر بیٹھنا تو پڑتا ہے۔''

عمر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی تسلی کرانی چاہی' مگر وہ مزید فکر مند ہو گیا۔

'' پھر تو بابا صاحب بھی اتنا ہی دیر بیٹھتے ہوں گے' یہ تو ان کی صحت کے لئے بہت ڈینجرس بات ہے' آپ انہیں سمجھاؤ مہربانی کر کے۔''

ایک غریب ملازم کے لہجے میں مالک سے وفاداری کا گہرا احساس بہت نمایاں ہو رہا تھا۔

عمر گاڑی سائیڈ میں لگا رہا تھا' وہیں سے زور سے بولا۔

'' فکر مت کریں' خان صاحب' کل ہی انشاءاللہ آپ کی ہدایت بابا صاحب تک پہنچا دوں گا۔''

'' ارے' توبہ' معافی' ہدایت نہیں' عمر بھائی' گزارش' مؤدبانہ گزارش بابا صاحب کے گوش گزار کرنا آپ' ان کے اس خادم کی طرف سے۔''

عمر کو ''گ'' کی گردان پر ہنسی آ گئی' مگر خان صاحب کا دھیان اس کی ہنسی کے بجائے کہیں اور تھا۔

'' ہمارا رواں رواں احسان مند ہے' بابا صاحب کا عمر بھائی' ابھی آپ نے دیکھا اس بدبخت شیرا نے' وہی جو وحید صاحب کا خاص آدمی ہے' کس طرح ہم کو یہاں سے نکال باہر کیا تھا۔ اگر آپ مہربانی کر کے بابا صاحب کو اطلاع نہ کرتے تو ہم تو خوار ہو گیا تھا' بال بچوں کے ساتھ اس اتنے بڑے شہر میں۔''

خان صاحب کی آواز میں نمی گھلنے لگی تو عمر کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

'' حوصلہ رکھیں خان صاحب' اللہ بڑا کارساز ہے' وہی اپنے بندوں کو وسیلہ بناتا ہے۔''

انہیں تسلی دیتا ہوا وہ سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔

عمر کے فلیٹ کی طرف جانے والا زینہ گیٹ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے نمبر پر پڑتا تھا' اس سے کچھ فاصلے پر دوسرا اور پھر تیسرا زینہ تھا۔

عمر نے سیکنڈ فلور تک کی سیڑھیاں تیزی سے طے کیں' اس کا فلیٹ تیسرے فلور پر تھا' اوپر جاتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف وہ مڑا ہی تھا کہ بے ساختہ ہی رک گیا۔

کچھ عجیب سی آوازیں تھیں۔

سٹر سٹر کرتی ہوئی اور پھر جیسے کوئی شے اونچائی سے پھینکی گئی ہو یا کوئی زور سے کودا ہو' یہ طویل راہداری' جس میں وہ اس وقت کھڑا تھا' بالکل خالی تھی' برابر برابر بنے ہوئے فلیٹوں سے ٹی وی چلنے کی ملی جلی سی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں' مگر اتنی بلند نہیں تھی' شاید اسی وجہ سے وہ ان معمول سے ہٹتی ہوئی آوازوں کو سن سکا تھا۔

یہ آوازیں پچھلی سائیڈ سے آئی تھیں' جہاں تمام فلیٹوں کی کھڑکیاں کھلا کرتی تھیں' سیڑھیوں کے ساتھ اس طرف کے حصے میں سیمنٹ کی جالیاں لگی ہوئی تھیں' عمر کو فوری طور پر وہیں سے پیچھے دیکھنے کا خیال آیا۔

یہ دو عمارتوں کے بیچ کی جگہ تھی' جہاں ایک بڑا پرانا گھنا سا درخت کھڑا تھا اور رات کے وقت دو چار سوزوکیاں آگے پیچھے کر کے کھڑی کر دی جاتی تھیں۔

یہ جگہ کس زمرے میں آتی تھی' یہ جاننے کی کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔

رحمت منزل کے مکینوں کا اس سائیڈ سے کچھ ایسا خاص واسطہ تھا ہی نہیں۔

گھروں سے آتی روشنی نے اس جگہ کو مکمل تاریکی سے بچا رکھا تھا' کم از کم اتنی روشنی تو تھی ہی کہ سارے ماحول کو ایک نظر میں کافی حد تک دیکھا جا سکتا تھا۔

عمر نے بھی جہاں تک گردن موڑ کر دیکھ سکتا تھا' دیکھا۔ بظاہر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

یہ جگہ دن میں بھی عام طور پر سنسان ہی رہا کرتی تھی۔ '' کیا پتہ جو کوئی تھی تھا' وہ گاڑیوں کے درمیان نہ چھپا ہو۔''
عمر نے وہاں سے ہٹنے سے قبل ایک بار سوچا بھی اور اگر اس طرف سے کوئی راستہ پچھلی طرف جا رہا ہوتا تو وہ یقیناً فوراً ہی جا کر اپنی تسلی بھی کر لیتا' مگر اب ایسا کرنے کے لئے نیچے اتر کر بھی' باہر کی طرف ایک لمبا راؤنڈ لینا پڑتا' جس کی فوری طور پر نہ ہمت تھی اور نہ موڈ۔

'' پھینکا ہو گا برابر والی عمارت سے کسی نے کوئی فالتو سامان۔'' وہ قیاس آرائی کرتا ہوا اور چلا آیا۔

دونوں ہی دروازے اندر سے بند تھے' لوہے کی گرل والا بھی اور اندر کی طرف کھلنے والا لڑکی کا بھی' عام طور پر صرف گرل والا دروازہ بند رہتا تھا' شام سے رات تک دوسرا دروازہ کھلا رہنے دیا جاتا تھا' ہوا کی کراسنگ کے لئے' یہ طریقہ نانی کا وضع کردہ تھا اور یہاں گھر میں عمر کے علاوہ صرف وہی ہوتی تھیں۔

اس خلاف معمول بات پر تھوڑی سی الجھن محسوس کرتے ہوئے اس نے کال بیل پر انگلی رکھی۔

آج نانی کو دروازہ کھولنے میں بھی کئی منٹ لگ گئے۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے نانی؟ زیادہ خراب تھی تو مجھے فون کر دیتیں نہ آپ۔" گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے بہت فکرمندی سے ان کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے' تم کپڑے تبدیل کرو' میں کھانا نکالتی ہوں۔"

وہ اس کی بات کو قطعی نظر انداز کرتی ہوئی کچن کی طرف مڑ گئیں' پر وہ مطمئن نہیں ہوا۔

"تو پھر آپ کو اتنی دیر کیوں لگی' دروازہ کھولنے میں آج' ورنہ تو آپ یہیں لائونج میں بیٹھی رہتی ہیں اور یہ دروازہ بھی بند تھا۔"

نانی کو بڑا برا لگتا تھا' جب کبھی کبھی عمر ان کا بھی بزرگ بننے کی کوشش کرتا تھا' مگر آج وہ جھنجلانے کے بجائے بڑے رسان سے بولیں۔

"تسبیح پڑھتے پڑھتے آنکھ سی لگ گئی تھی۔ اس لئے شاید فوری طور پر نہیں اٹھ پائی اور یہ دروازے تو دونوں میں نے اس لئے بند کئے تھے کہ آج یہاں سامنے بچوں نے بہت شور و غل مچایا ہوا تھا۔"

عمر کو ان کی بتائی دونوں وجوہات پر یقین نہیں آیا۔ آس پاس کے سارے بچوں کو وہ خود دن بھر یہاں گھر میں اکٹھا کئے رکھتی تھیں اور نیند ان کی اتنی کچی تھی کہ ہلکی سی آہٹ پر بھی چوکنی ہو کر اٹھ بیٹھی تھیں۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ ان کے چہرے کے تاثرات بھی نہیں دیکھ پا رہا تھا' اس کی طرف سے پشت کئے وہ چولہے پر رکھی ہنڈیا میں مستقل ہی چمچہ ہلائے جا رہی تھیں۔

چند لمحے وہ یوں ہی چپ چاپ سا کچن کے دروازے کے ساتھ لگا کھڑا رہا اور پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا آیا۔

جب تک وہ فریش ہو کر کھانا کھا کر فارغ نہیں ہو گا' نانی اسے ایک لفظ سے بھی آگاہ نہیں کریں گی۔ یہ طے تھا۔ سو اس نے وہی کیا جو اس وقت کرنا چاہیے تھا۔

نانی کے بنائے ہوئے مٹر چاول' شامی کباب اور فرائی قیمے کو کھاتے ہوئے اس نے ایک بار بھی کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔

"آج تو آپ نے کمال ہی کر دیا' اتنا مزیدار کھانا ہے کہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے' کیا کھائوں اور کیا چھوڑوں' آپ نے تو مجھے اچھا خاصا چٹورہ بنا دیا ہے۔" وہ کن انکھیوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ اس کی ان تعریفوں کے جواب میں وہ ضرور ہی اپنے بڑھاپے اور تھکان کا ذکر چھیڑتی تھیں' جس کا واحد علاج بس یہی تھا کہ جتنی بھی جلدی ممکن ہو' عمر کی شادی انجام پا جائے' تا کہ اس کی بیوی کے سپرد ساری ذمہ داریاں کر کے' وہ خود سکون کا سانس لے سکیں۔

مگر آج انہیں اپنی یہ محبوب تمنا بھی یاد نہیں رہی تھی۔ عمر کو تو یہ بھی شبہ ہوا کہ جیسے وہ اس کی بات سن بھی نہیں رہی تھیں۔

گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی، جیسے کسی فیصلے پر پہنچ نہیں پارہی ہوں۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنا چائے کا کپ لے کر ان کے بیڈ پر آبیٹھا۔

" اب بتائیں کیا بات ہے، بالکل منع نہیں کیجئے گا۔"

بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے اس نے بایاں بازو ان کے کندھے پر پھیلاتے ہوئے اتنے یقین سے اپنی بات دہرائی کہ وہ اس بار سچ مچ کہے بغیر نہیں رہ سکیں۔

" دو آدمی آئے تھے، آج مغرب کی نماز کے وقت۔" دھیمی سی آواز میں وہ اتنی سی بات کہہ کر ذرا رکیں۔

عمر بہت دھیان سے ان کی طرف دیکھنے لگا" وہ لوگ تمہارا پوچھ رہے تھے، میں سمجھی شاید کوئی جاننے والے ہوں گے مگر وہ لوگ تو..." نانی کو اپنی بات مکمل کرنے میں دقت کا سامنا تھا، یہ محسوس کرنے کے باوجود بھی عمر خاموش ہی رہا۔

" وہ کوئی شریف لوگ نہیں تھے بیٹا، انہوں نے میری عمر کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ گالیاں، دھمکیاں دے رہے تھے، تمہیں نقصان پہنچانے کی باتیں کررہے تھے، کہہ رہے تھے کہ عمر سے کہنا باز آجائے، ہمارے معاملے میں دخل دینے سے ورنہ...."

بات پوری بھی نہیں ہو پائی تھی کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

غصہ کی ایک تند لہر عمر کو اپنے اندر اٹھتی سی محسوس ہوئی، مگر فی الوقت غصہ کے اظہار کے بجائے نانی کو تسلی دینا زیادہ ضروری تھا۔

" کچھ نہیں ہوتا نانی، آپ گھبرائیں نہیں، ایسے ہی کوئی گھٹیا قسم کے لوگ ہوں گے، میں دیکھ لوں گا انہیں۔"

وہ پھر بھی روئے گئیں، انہیں عمر سے والہانہ محبت تھی، ان کی مرحومہ بیٹی کی اکلوتی نشانی تھا وہ، اسی کی خاطر وہ اپنا غم چھپا کر اب تک بڑی ہمت کا مظاہرہ کرتی آئی تھیں، مگر اس وقت جیسے سارا حوصلہ بالکل پست ہوا جا رہا تھا۔

" کون لوگ تھے، جنہوں نے نانی کی عمر اور ضعیفی کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا۔ پتہ نہیں بے چاری کتنی گھٹیا باتیں سن کر بیٹھی ہیں، جو یوں بے بسی سے روئے جارہی ہیں۔"

جتنے زیادہ وہ آنسو بہا رہی تھیں، اس سے کہیں زیادہ عمر کا دماغ کھول رہا تھا۔

" بس بھی کریں نانی، یہ لیں پانی پی لیں۔" وہ ان کے لئے پانی کا گلاس بھی بھر لایا تھا۔

" اب بتائیں، کیسی شکل وصورت کے لوگ تھے۔ پہلے کبھی آپ کی نظر پڑی ہے۔ ان دونوں پر یہاں آتے جاتے ہوئے۔"

وہ کچھ پر سکون ہوئیں تو عمر نے اپنی تفتیش کا آغاز کیا۔ نانی ہلکے ہلکے تفصیل بتانے لگیں۔ عمر بغور سنے گیا وہ جو کوئی بھی تھے، نانی کے لئے قطعی اجنبی تھے۔ ویسے بھی ان کا باہر نکلنا کم کم ہی ہوتا تھا اور یہاں کے مستقل پرانے رہائشیوں کے علاوہ نئے لوگوں کو پہچاننے میں انہیں اب دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

" میں ذرا نیچے ہو کر آتا ہوں، باہر سے لاک کر کے جائوں گا تاکہ آپ کو اٹھنا نہ پڑے، آپ بس اب لیٹ جائیں۔"

وہ کسی طور اس کے فی الوقت نیچے جانے کے لئے رضامند نہیں تھیں، مگر اس نے کسی نہ کسی طرح انہیں منا ہی لیا۔

" کتنا منع کیا تھا، میں نے کہ وحید کے معاملے میں تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں ہے، کوئی تم نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے۔" رحمت منزل" کے معاملات کے سدھار کا، ارے وحید جیسا بھی ہے، باباصاحب کا داماد ہے، مالک ہے، اس بلڈنگ کا، ہماری کیا حیثیت کہ ہم اس کی مخالفت...." جب تک عمر باہر نکلا، وہ اس پر مستقل خفا ہوتی رہیں۔

کوریڈور اور سیڑھیوں کو طے کرنے میں اس نے چند منٹ ہی لئے۔

عمر کو یاد نہیں آرہا تھا کہ زندگی میں کبھی پہلے اس نے اتنے شدید غصے میں خود کو محسوس کیا ہو' بہت بچپن میں والدین کو کھو دینے کا گہرا صدمہ اٹھانے کے بعد نانی کی والہانہ محبت اس کے حصہ میں آئی تھی' جذباتی ناہمواری کے اس دور کو بہت پیچھے چھوڑ دینے کے باوجود اس کی شخصیت اثرات سے محفوظ نہیں تھی۔ وہ تنگ مزاج بھی تھا اور جذباتی بھی' پچھلے کچھ سالوں سے بابا اور سجاد کی قربت میں اس نے خود کو کسی حد تک کنٹرول کرنا سیکھ لیا تھا' مگر پھر بھی کبھی کبھی خود کو کمپوز رکھنے کی ساری پریکٹس غارت ہوتی محسوس ہوتی تھی۔ جیسا کہ اس وقت۔

خان صاحب بدستور گیٹ کیپری کے فرائض انجام دے رہے تھے' عمر کو دوبارہ آتا دیکھ کر وہ ذرا بھی حیران نہیں ہوئے' گھر آنے کے بعد وہ عموماً ایک آدھا چکر باہر کا لگا ہی لیا کرتا تھا' کبھی نانی کی دوائیں لینے کے لئے' یا گھر کے لئے کوئی ضروری سامان خریدنے کی خاطر' نیچے دوبارہ وہ بہرحال آیا ہی کرتا تھا۔ وہ اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھے اسے نزدیک آتا دیکھتے رہے اور جب وہ قریب آیا تو اٹھ کر گیٹ کھولنے لگے ہی تھے کہ عمر نے آواز دے کر منع کر دیا۔

"گیٹ مت کھولیں خان صاحب' مجھے آپ سے ہی کچھ بات کرنی ہے۔"

ان کا ہاتھ وہیں رک گیا۔

عمر کے لہجے میں سے چھلکتی غیر معمولی سنجیدگی نے انہیں فوراً ہی کسی "خاص بات" کا احساس دلا دیا تھا۔

"خیریت تو ہے نا عمر بھائی۔"

سب خیریت ہے' بس ذرا آپ سے ایک دو باتیں پوچھنا تھیں' ذرا سوچ کر جواب دیجئے گا۔"

عمر کو ان سے اپنے گھر آنے والوں کا حلیہ کنفرم کرنا تھا' سو اسی حوالے سے وہ ان سے یکے بعد دیگرے کئی سوال کرتا چلا گیا۔

"کوئی بالکل نئے لوگ جو یہاں آئے ہوں؟"

"آج شام سے کون کون یہاں آتا جاتا رہا؟"

"مغرب کے وقت' خاص طور پر آنے والوں کا حلیہ۔"

خان صاحب اس آخری سوال پر اٹک گئے' نماز پڑھنے وہ بڑی باقاعدگی کے ساتھ قریبی مسجد میں جایا کرتے تھے' اتنی دیر ان کا پندرہ سولہ سالہ بیٹا گیٹ پر موجود رہتا تھا۔

"وہ سوچکا ہے' پر ہم ابھی اس کو جاکر اٹھاتا ہے۔"

وہ مصر ہوئے' پر عمر نے منع کر دیا۔

خان صاحب کے اصرار پر انہیں پوری بات بتانی پڑ رہی تھی' وہ بے چارے شرمندہ ہوئے جا رہے تھے' ان کے خیال میں یہ سب ان کی تھوڑی دیر کی غیر موجودگی کی وجہ سے ممکن ہوا تھا' ورنہ وہ جب سے دوبارہ ڈیوٹی پر آئے تھے' ہر کسی نہ کسی کو منہ اٹھائے اندر جانے کی قطعی اجازت نہیں دیتے تھے۔

"یہ اسی بدبخت شیرا کے آدمی ہیں' جنہوں نے یہاں فساد پھیلائے رکھا' اب ان سے اپنی ناکامی برداشت نہیں ہو رہی ہے' آپ فوراً بابا صاحب کو مطلع کرو۔"

ان کے اندازے سے خود عمر بھی سو فیصد متفق تھا' مگر بابا یا سجاد کو مطلع کرنے کے بجائے وہ ایک بار تو ان لوگوں کا دماغ درست کرنا چاہ رہا تھا۔

خان صاحب اگر اس کے خیال کو جان لیتے تو یقیناً ایک لمبی چوڑی نصیحت ضرور کرتے' تب ہی اسے اچانک ایک اور بات یاد آئی۔

"میں بس ابھی آیا پانچ منٹ میں۔" وہ انہیں کہتا ہوا گیٹ سے باہر نکل آیا۔ آس پاس کی چند دکانیں ابھی تک کھلی ہوئی تھیں' ان کے سامنے سے گزرتا ہوا وہ کمپاؤنڈ کے دوسری طرف مڑ گیا' تھوڑی دیر پہلے اس سائیڈ پر اس نے کچھ گرنے کی آواز سنی تھی۔

یہاں اس وقت بھی کوئی نہیں تھا پھر وہ ایک اکیلا درخت' جس کی شاخیں اوپر کی طرف کافی زیادہ پھیل چکی تھیں' عمر نے بس ایسے ہی سر اٹھا کر اس کی اونچائی کا اندازہ کرنا چاہا تو دوسرے ہی پل وہ بری طرح چونک اٹھا۔ دوسرے فلور پر وحید بھائی کے بند فلیٹ کی کھڑکی کا ایک پٹ پوری طرح کھلا ہوا تھا۔

...☆☆☆...

اسماء پھوپھو ہفتہ بھر گزرنے کے بعد بھی ہسپتال میں ہی تھیں۔

گو' انہیں اب کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا' پھر یہ سب مائنر ہارٹ اٹیک جس سے وہ گزری تھیں' اپنے ساتھ بہت ساری احتیاط اور بہت سارے خدشات لے کر آیا تھا۔

مکمل آرام' سخت پرہیز' کم سے کم بات چیت اور جو خدانخواستہ پھر کبھی ایسی کسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ گیا تو؟

خوفزدہ کرنے والا ایک بڑا سا سوالیہ نشان ہمہ وقت ہی نگاہوں کے سامنے موجود رہنے لگا تھا۔

ان جیسی خوش مزاج اور ایکٹیو خاتون کو جس طرح اچانک بیماری نے گھیرا تھا' وہ خود اپنی جگہ حیران کرنے والی بات تھی۔

فراز اور پھوپھا بس اتنا ہی بتاتے تھے کہ اچھا خاصا بیٹھے تھے کہ انہوں نے گھبراہٹ اور سینے میں درد کی شکایت کی تھی' جس پر وہ لوگ ذرا سا بھی وقت ضائع کئے بغیر انہیں فوراً ہسپتال لے آئے۔

اس سادہ سی صورت حال سے کوئی بھی وجہ اخذ کرنا آسان نہیں تھا۔

جب سے وہ کمرے میں شفٹ ہوئی تھیں' امی رات کو ان کے پاس رک رہی تھیں۔ نازی' نینی اور سمیع تو انہیں دیکھنے جاتے ہی تھے' ایک بار دیا بھی ہو آئی تھی۔

سب کو حیرت بشارت صاحب کے روّیہ پر تھی' سمیع کا فون ملتے ہی' وہ سب سے پہلی ملنے والی ٹرین سے لاہور سے کراچی پہنچے تھے۔

نینی نے تو نازی کو اس کے سو فیصد صحیح اندازے پر داد بھی دی تھی۔

"جواب نہیں نازی آپا' اتنی صحیح پیشن گوئی اور وہ بھی ابا کے متعلق۔"

جواباً وہ بس ہلکے سے مسکرا دی۔

سارا مسئلہ سمجھنے سمجھانے کا تھا۔

سمجھداری کے سارے دعوؤں کے باوجود' انسان کی ساری زندگی اپنے قریب ترین لوگوں کو ہی مس انڈر اسٹینڈ کرنے میں گزر جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں ہاتھ آتی ہیں' نہ ختم ہونے والی الجھنیں اور رشتوں میں گہری ہوتی دراڑیں۔

بشارت صاحب نہ صرف فوری طور پر واپس آئے تھے' بلکہ اپنا بیشتر وقت بھی ہسپتال آنے جانے اور اسماء پھوپھو کے پاس ٹھہرنے میں صرف کر رہے تھے۔ امی کا رات کو وہاں پر رکنے کا آئیڈیا بھی ان ہی کا دیا ہوا تھا۔

"گھر پر تو یہ تینوں بچیاں ہوتی ہیں' ایسا کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا' تم اگر اسماء کے پاس رہو گی تو اسے خود بڑی ڈھارس رہے گی۔" جس وقت وہ کہہ رہے تھے' امی کے چہرے پر پھیلی حیرت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ کہاں تو وہ ان کے فون کرنے تک پر معترض رہتے تھے اور کہاں یہ مہربانی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ' اسماء کا بھی ہمارے علاوہ اور ہے کون۔" بوکھلائے ہوئے لہجے میں انہوں نے بشارت صاحب کو سراہا۔ کچھ بھی سہی' آخر کو یہ مہربان روّیہ تھا تو نیک شگون ہی۔

"خدا نے کیا تو اب یہ مسعود اور دِیا کا قصہ بھی خیریت کے ساتھ نمٹ ہی جائے گا۔"

دن رات میں کئی بار یہ تسلی وہ اپنے آپ کو دے لیتیں' حالانکہ مسعود کا ذکر ان دنوں نہ ہونے کے برابر ہی رہ گیا تھا۔ بشارت صاحب تو خیر اس کا نام زبان پر لاتے ہی نہیں تھے۔

خود اسماء پھوپھو کی فیملی بھی اس ذکر سے کترائی کترائی رہتی' ایک آدھ بار ان لوگوں کی موجودگی میں پھوپھا کے کسی رشتے دار نے پھوپھا سے مسعود کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے صاف صاف ٹالنے کے سے انداز میں صرف اتنا بتانا پسند کیا تھا کہ وہ رات گئے فون کر کے اسماء پھوپھو کی خیریت دریافت کر لیتا ہے۔

امی نے یہ چھوٹی سی اطلاع بھی بڑے دھیان سے سنی تھی' جبکہ ابا یکسر نظر انداز کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اسماء پھوپھو کی کیس ہسٹری اٹھا کر پڑھنا شروع ہو گئے تھے۔ یہ ان کی پرانی ادا تھی۔

جو سننا چاہتے' سنتے' جو نہیں' سو نہیں۔

کم از کم یہ ایک عادت تو دِیا نے ان ہی سے لی تھی۔

دن رات کی یہ تھکا دینے والی ڈیوٹی امی کو ذرا بھی بے زار نہیں کر رہی تھی' ساری عمر چھوٹی چھوٹی باتوں پر بشارت صاحب کے سامنے جواب طلبی کا خوف ان پر حاوی رہا تھا' اب جو وہ ذرا سے بدلے تھے تو گھر کا پورا ماحول بدلتا سا محسوس ہونے لگا تھا۔

نازی کو امی کا ریلیکسڈ رہنا بڑا اچھا لگ رہا تھا۔

"شاید عورت کا اعتماد' حوصلہ' خوشی سب ہی شوہر کی نظر کرم کی دین ہیں' پیروں تلے زمین تب ہی ٹھہرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے' جب سر پر تنے آسمان کے مہربان ہونے کا یقین ہو۔"

امی کو دیکھ کر اسے بارہا یہ خیال آتا تھا۔

"مسعود اتنا لا تعلق بھی نہیں ہے گھر والوں سے' اب دیکھو روزانہ رات کو فون کر کے ماں کی خیریت معلوم کر رہا ہے' وہ تو ضرور کوئی بڑی وجہ ہے جو وہ فوری طور پر نہیں آ پا رہا ہے' پاکستان۔"

انہوں نے بڑے فخریہ انداز میں مسعود کی لائقی کا ذکر چھیڑا۔

نازی اور نینی ان سے اسماء پھوپھو کی طبیعت کا تازہ احوال سننے کے لئے بیٹھی ہوئی تھیں اور بالکل اتفاقاً ہی دیا بھی کچھ رکھنے اٹھانے کے لئے کمرے میں آئی تھی۔

"پردیس میں رہنا آسان تھوڑی ہے' معلوم نہیں کیا کیا پریشانیاں اکیلے جھیلنی پڑتی ہوں گی' ہم لوگ ذرا سی دیر سویر میں بدگمان ہونے لگتے ہیں۔"

وہ معلوم نہیں، خود کو تسلی دے رہی تھیں، یادِیا کو، پر نازی نے دِیا کو الماری کا پٹ بند کرتے ہوئے ایک ذرا سا رکتے ہوئے بھی نوٹ کیا اور اس کے چہرے پر آتے ہلکے سے رنگ کو بھی۔

مسعود کی تمام تر بے اعتنائی اور اس سے اپنی خفگی کے زبردست مظاہرے کے باوجود بھی وہ اس کے خیال سے پیچھا چھڑانے میں ناکام رہی تھی۔

نازی کو ہلکا سا رنج ہونے لگا۔

اتنا پیسہ کما رہے ہیں مسعود بھائی، آنا چاہیں تو کیا دیر لگتی ہے آنے میں، کم از کم انہیں پھوپھو کی بیماری کا سن کر تو فوراً ہی آ جانا چاہیے تھا، اچھے بیٹے ہیں جو صرف فون کر کے اپنا فرض پورا کر رہے ہیں۔"

نینی نے امی کی تعریفوں سے ذرا بھی اثر نہیں لیا۔

" پھر وہی بات۔"

امی کا جھنجلانا اب لازمی تھا۔" تم لوگ بھی بس ایک بات پکڑ کر بیٹھ جایا کرو، کہہ تو رہی ہوں کہ ہو گی کوئی مجبوری، ہماری پریشانی کے خیال سے ہمیں بتا نہیں رہا ہو گا، مگر یہاں تو الٹی سے الٹی بات ڈھونڈ کر نکالی جاتی ہے۔"

" بہر حال مجھے تو مسعود بھائی کی کوئی مجبوری نظر نہیں آتی، دِیا باجی کو صحیح چڑ ہوئی ہے ان سے۔"

نینی کے لہجے میں ابھی بھی تلخی تھی۔

امی کو زوردار غصہ آنا شروع نہ ہو، اس خیال سے نازی کو اسے سختی سے ٹوکنا پڑا۔

" اب خاموش بھی ہو جاؤ، نینی تمہیں یہ بات بات پر بحث کرنے کی کیا عادت پڑتی جا رہی ہے، چھوٹے بڑے کا کچھ لحاظ ہے یا نہیں۔"

نینی منہ بنا کر اس بار خاموش ہی رہی۔ دِیا اس سارے وقفے میں خاموشی سے ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھی تھی، پہلے جس طرح وہ مسعود کے خلاف ایک لفظ سننا بھی گوارا نہیں کرتی تھی، اب اس کے بالکل برعکس ہوتی جا رہی تھی۔ امی اور نینی کے درمیان ہونے والی اس چھوٹی سی بحث میں اس نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا، لیکن برسوں پرانے اس بندھن کی گرفت پوری طرح زائل ہونے کے لئے ابھی بھی کافی وقت

چاہتی تھی۔

" دیا، بہت دن سے بازار نہیں گئے، کسی دن شام کو پروگرام بنالو۔"

نازی نے بات بدلنے کی خاطر، ٹھیک دِیا کا من پسند موضوع چھیڑا۔

نینی کی طرح اسے دوستوں کے ہاں جانے کا کبھی بھی شوق نہیں رہا تھا، شوق تھا تو صرف اور صرف شاپنگ کا، سارا دن بازار میں گھوم کر بھی تھکان کا لفظ بھی اس کی زبان پر نہیں آتا تھا۔

" اتنی گرمی ہے آج کل، کیا کریں گے بازار جا کر، رہنے ہی دیں۔"

امی، نینی اور نازی تینوں ہی نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

مانا گرمی واقعی بہت پڑ رہی تھی، مگر دِیا کے شوق میں یہ چھوٹی موٹی رکاوٹیں کبھی بھی حائل نہیں رہی تھیں۔

"دِیا باجی' یہ تم ہی ہو نا۔ مجھے تو یقین نہیں آرہا ہے۔" نینی نے شرارت سے اس کے سامنے ہاتھ ہلایا تو وہ خود بھی ہلکے سے ہنس دی۔

گھر والوں کے بیچ بیٹھ کر ہنسنا بولنا اس کے مزاج سے میل نہیں کھاتا تھا' مگر شاید بہت دن سے اپنے کمرے میں بند رہ کر ٹینشن سہتے ہوئے بھی وہ خود بھی گھبرا چکی تھی۔

"ابا اور دِیا دونوں ہی اگر اسی طرح رہیں تو کتنا اچھا لگے۔"

نازی کے دل نے بے ساختہ سی خواہش کی۔

"ابا تو تمہارے' میرا خیال ہے ابھی تک اسماء کے پاس ہی بیٹھے ہوں گے' آج کل تو ان کا اپنی بہن کے پاس سے ہٹنے کے لئے دل ہی نہیں چاہتا' سوچ رہی ہوں ڈسچارج ہونے کے بعد اسماء کو سیدھی یہیں لے آئوں' اپنے گھر' یہاں زیادہ بہتر دیکھ بھال ہو جائے گی اور پھر یہ کہ دونوں بہن بھائی مل کر بیٹھیں گے تو یہ چھوٹی موٹی الجھنیں بھی سلجھنے لگیں گی۔" امی کی خوش امیدی' ہر تبدیلی کا سرا اس ایک سلسلے سے جوڑ دیتی تھی۔

نازی کو امی کی اس سادہ دلی سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

ابا اور اسماء پھوپھو کے درمیان جو خوشگوار ماحول پیدا ہوا تھا' اس کے خیال میں دِیا اور مسعود کے قصے کا اس سے کوئی بھی تعلق نہیں تھا۔

ابا سگے بھائی تھے ان کے' جو بہن کی تکلیف پر اپنا سارا غصہ وصہ بھول چکے تھے' مگر امی کو نہ جانے کیوں امن و آشتی کے اس راستے پر جو ابھی کچھ دن پہلے ہی استوار ہوا تھا' ہر دم امریکہ میں بیٹھا مسعود ہی آتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"اسماء پھوپھو کو یہاں لانا تو ٹھیک نہیں ہوگا امی' شاید پھوپھا پسند بھی نہ کریں اور دوسرے ابھی ان کی طبیعت پوری طرح ٹھیک بھی نہیں ہے' کسی وقت خدانخواستہ تھوڑی سی بھی خراب ہوئی تو وہاں ان کے گھر پر ہر وقت گاڑی تو رہتی ہے نا۔"

امی' دِیا اور نینی کے ساتھ جب ان کے لئے کمرہ سیٹ کرنے کی بابت بات کر رہی تھیں تو نازی کو انہیں ٹوکنا پڑ ہی گیا۔

وہ تینوں ہی اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

نازی کی بات کچھ ایسی غلط بھی نہیں تھی۔ رات کو ابا اس وقت واپس آئے' جب امی سمیع کے ساتھ ہسپتال جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

"کل صبح جب ڈاکٹر صاحب وزٹ کریں گے' تب ہی اسماء کو ڈسچارج کرنے کا فیصلہ ہوگا۔ ویسے انشاءاللہ کل گھر چلی ہی جائے گی۔ تم وہیں رکی رہنا' میں بھی صبح آجائوں گا۔"

انہوں نے آتے ہی ہدایت اور اطلاع دونوں ہی ملا جلا کر دے ڈالیں اور پھر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

نازی چائے کا فلاسک لے کر کمرے میں داخل ہو رہی تھی' امی نے تب ہی اسے بھی مطلع کرنا ضروری سمجھا۔

"تم کل سکول کی چھٹی کر لو' اب پتہ نہیں مجھے کل سارا دن ہی وہاں ہو جائے' تم ایسا کرو کہ رعنا کو فون کر دو' وہ تمہاری ایپلیکیشن دے دے گی سکول میں۔"

"میں چھٹی نہیں کر سکتی امی' اپنی طبیعت کی خرابی میں پہلے ہی کئی دن کا گیپ کر چکی ہوں' میرے سٹوڈنٹس کا کافی کام باقی رہ گیا ہے۔"

وہ کچھ جزبز سی ہو کر انہیں اپنی مجبوری سمجھانا چاہتی تھی، مگر وہ جھنجلانے لگیں۔

" ایسا کون سا فرق پڑ جاتا ہے ایک دن میں، سب ہی کو پتہ ہے گورنمنٹ سکولوں میں کون سی خاص پڑھائیاں ہو رہی ہیں، سارا دن ٹیچریں بیٹھی باتیں بناتی ہیں اور بچے کلاس سر پر اٹھائے رکھتے ہیں۔"

گورنمنٹ سکولوں کے متعلق ساری کی ساری رائے عامہ ٹھیک اسی قسم کی ہے، پھر بھی امی کے کہے الفاظ اسے دل پر پڑتی چوٹ کی طرح محسوس ہوئے۔

" سارے سکول ایک جیسے نہیں ہیں امی اور میں نے تو ہمیشہ ہی اپنے کام کو بہت سیریسلی لیا ہے، آپ کو تو پتہ....."

اپنی آزردگی کو چھپاتے ہوئے اس نے کچھ کہنا بھی چاہا مگر اس وقت جو رائے وہ دے چکی تھیں، اس پر نظر ثانی کے موڈ میں نہیں تھیں تو کیا ضرورت ہے تمہیں اپنی جان مارنے کی، جیسے اور لوگ کرتے ہیں، تم بھی کرو، کون سی بہت بڑی تنخواہیں دے رہے ہیں سکول والے، میں تو پچھتاتی ہوں تمہیں اس جاب کی اجازت دے کر۔" وہ تیز تیز کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔ ہسپتال جانے کی جلدی نہ ہوتی تو وہ اس " پچھتاوے" کی وجہ بھی بتا دیتیں۔

حالانکہ انہوں نے اس سے " چھٹی" ضرور ہی کرنے پر اصرار تو نہیں کیا تھا، پھر بھی نازی کی آنکھوں میں بہت تیزی سے آنسو جمع ہونے لگے۔

گھر کی کئی ضرورتیں، اسی گورنمنٹ سکول کی ٹیچری سے پوری ہوتی تھیں۔ وہاں سے ملنے والی پہلی تنخواہ سے لے کر اب تک وہ ہر پیسہ امی کے ہاتھ پر رکھ کر یکسر لاتعلق ہو جاتی تھی، یہی نہیں بلکہ چند ایک ٹیوشنز جو وہ سکول میں ڈالی جانے والی کمیٹیوں کی وجہ سے پڑھایا کرتی تھی، وہ بھی گھر کے کسی نہ کسی اہم کام کے لئے پہلے ہی سے مخصوص تھیں۔

ہر بات امی کے علم میں تھی، بلکہ سارے گھر کے ہی، لیکن کبھی کبھی جھنجلاہٹ یا خفگی سے امی نادانستہ ہی سہی اس کی جاب کو ڈی گریڈ کر ہی جاتی تھیں۔ تب اس کو خود کو کمپوز کرنے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا، نہ چاہتے ہوئے بھی رعنا کو فون کر کے منع کرنا پڑا۔

وہ حسب توقع ناراض ہونے لگی۔

" دماغ تو خراب نہیں ہے تمہارا، اسماء پھوپھو کو ڈسچارج ہو کر اپنے گھر جانا ہے، تم کس لئے چھٹی کر کے گھر بیٹھ رہی ہو، پتہ بھی ہے پرنسپل کے موڈ کا، دومنٹ میں جان کو آ جاتی ہیں۔"

" مجبوری ہے نا، پلیز تم ذرا ٹھیک سے انہیں سمجھا لینا، دیکھو امی گھر پر نہیں ہوں گی، سارا دن، پھر تو مجھے ہی دیکھنا پڑے گا نا۔"

" حد ہے تم سے بھی نازی، دیا اور نینی تو ہیں گھر پر اور ایسی کون سی وہاں بارات اتر رہی ہے، گھر کا روٹین کا کام ہے، وہ دونوں بھی دیکھ سکتی ہیں۔"

رعنا کو کبھی کبھی وہ اتنی احمق لگا کرتی تھی کہ ڈھنگ سے لڑا بھی نہیں جاتا تھا۔

" تم لوگوں نے تو اپنی پھوپھو کی بیماری کو سر پر سوار کر لیا ہے۔ لوگ بیمار ہو ہی جاتے ہیں۔ ابھی میرے چھوٹے چچا بے چارے پندرہ دن ہاسپٹلائز رہے ہیں اور بھائی جان بمشکل تین یا چار بار ہی جا سکے، صرف فون کر کے خیریت معلوم کر لیتے تھے اور ہماری بھابی نے تو ایک بار بھی جانے کی زحمت نہیں کی۔"

" میں اوروں کی بات نہیں کر رہی رعنا، لیکن ہمارے ہاں اس طرح نہیں چلتا، ہمیں تو..." اسے رعنا کی بات فی الواقع اچھی نہیں لگی تھی، پر فون کے دوسرے سرے پر موجود رعنا کو اس کی بات اس سے بھی زیادہ بری لگی۔

"سب کچھ چلتا ہے‘ بس موڈ اور مرضی کی بات ہے۔" رعنا کو دفعتاً ہی وہ خاموش سی شام یاد آ کر رہ گئی‘ جب وہ نازی کی خیریت دریافت کرنے ان کے گھر پہنچی تھی۔

پچھلی طرف والے لان میں بے فکری سے باتیں کرتی ماں اور بہنیں۔

اور اپنے کمرے میں بخار سے بے سدھ پڑی نازی۔

محض اس کی دل شکنی کے خیال سے وہ یہ ساری بات گول کر گئی تھی‘ پر اس وقت نہ چاہتے ہوئے بھی لہجے میں تلخی جھلکنے لگی۔ "میری بات غور سے سن لو نازی بیگم‘ اب بھی وقت ہے‘ ہمارے اس معاشرے میں خود غرضی کی ٹکسال میں جو بے حسی کے سکے گھڑے جا رہے ہیں‘ وہی سب سے کامیاب رائج الوقت کرنسی ہے‘ تم بھی کہیں سے حاصل کرو‘ ادھار ہی سہی‘ ورنہ بالکل ہی قلاش رہ جاؤ گی۔"

اپنی بات پوری کرتے ہی اس نے کھٹاک سے فون بھی بند کر دیا۔

نازی کو خیال ہی نہیں آیا کہ اس کی ناراضگی اور فلسفہ چھانٹتی نصیحت کے پیچھے کئی دن کا دبا باغصہ بھی ہو سکتا ہے۔

کچھ بھی تھا‘ اب رعنا نے ایپلیکیشن ضرور ہی پرنسپل تک پہنچا دینی تھی۔

اسے فون کر دینے کے بعد یہ اطمینان ضرور حاصل ہو گیا تھا۔

امی ابھی تک گھر پر ہی تھیں۔

سمیع "پانچ منٹ" کا کہہ کر نہ جانے کہاں غائب ہوا تھا‘ امی کو چھوڑنا اور لانا اسی کی ذمہ داری اور اس جیسے وسیع حلقہ احباب رکھنے والے نے بڑی مشکل سے اپنی مصروفیت میں سے یہ گنجائش نکالی ہوئی تھی‘ ابا کھانا کھا کر اطمینان سے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

بڑے کمرے میں اخبار کھولے بیٹھے تھے‘ امی کو بے قراری سے ادھر سے ادھر آتے جاتے دیکھا تو بڑے رسان سے بولے۔

"آ جائے گا سمیع‘ ابھی ایسا کوئی زیادہ وقت نہیں ہوا ہے اور یہ شہر تو ویسے بھی ساری رات ہی جاگتا ہے۔"

وہ آج کل اتنے خلیق لہجے میں بات کرتے تھے کہ ہر پریشانی خود بخود ختم ہونے لگتی تھی‘ امی بھی اطمینان سے ایک کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"نازی‘ ایسا کرنا‘ صبح کو ذرا جلدی ہی گوشت فریزر سے نکال کر باہر رکھ دینا‘ داہنے ہاتھ پر اوپر والے شیلف میں جو سب سے اوپر والا پیکٹ ہے وہ نکالنا‘ سبزی کے خانے میں..."

تب ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

رات کو آنے والے فون نینی کی دوستوں کے ہوتے تھے‘ اس وقت بھی وہ معلوم نہیں گھر کے کس کونے سے دوڑ لگا کر یہاں تک پہنچی تھی‘ مگر امی اس سے پہلے ہی فون اٹھا چکی تھیں۔

"ہیلو‘ ہاں کون؟"

جس وقت وہ پوچھ رہی تھیں‘ کسی کی بھی ان کی طرف توجہ نہیں تھی‘ صرف نینی تھی جو بڑے وثوق سے ان کی طرف ہاتھ بڑھائے ہوئے تھی۔

"لائیں مجھے‘ آ جائے دیں امی۔"

مگر انہوں نے جیسے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تک نہیں۔

"وعلیکم السلام، جیتے رہو، خوش رہو۔" مارے خوشی کے ان کی آواز خوشی سے کپکپائے جا رہی تھی۔

میز صاف کرتی نازی کا ہاتھ جہاں تھا، وہیں رک گیا، اخبار کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے بشارت صاحب اور امی کے سامنے کھڑی نینی، تینوں ہی اس بے پایاں خوشی کا سبب جاننے کے لئے ہمہ تن گوش ہوئے۔

"کیسے ہو بیٹا، بہت دن بعد یاد کیا، ہم تو بڑے فکر مند تھے، پردیس کا معاملہ ہے، تم ٹھیک تو رہے نا۔"

یہ مسعود کا فون تھا۔

ان تینوں کو ہی سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی۔ نازی کے لبوں سے ایک گہری سانس آزاد ہوئی۔ کئی مہینوں کی ٹینشن کا بالآخر خاتمہ۔

یہ ایک زبردست سرپرائز تھا، جو اس وقت وصول ہوا تھا۔

"نہیں، نہیں شکریہ کیسا، اسماء کی دیکھ بھال ہم نہیں کریں گے تو کون کرے گا، سگی بہن ہے، فرض ہے ہمارا، تم اس کی طرف سے بالکل فکر مند مت ہو، بس اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔" امی بات مسعود سے کر رہی تھیں مگر ہاتھ کے اشارے سے نینی کو مستقل ہی دِیا کو بلالانے کا کہہ رہی تھیں۔ نینی جانے لگی تھی مگر بشارت صاحب کو اپنا کوئی کام یاد آگیا، سو وہ امی کو بات کرتا چھوڑ کر ان کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"نہیں بیٹا، تم کیوں اتنا محسوس کر رہے ہو، ہم لوگ کوئی تم سے ناراض نہیں ہیں، ایسے بار بار معافی مانگ کر غیریت کا احساس مت دلاؤ۔"

امی بار بار رک کر دوسری طرف کی گفتگو سننے لگتی تھیں، مسعود یقیناً اپنی کسی مجبوری کی داستان سنا رہا تھا، جس پر امی سو جان سے نثار ہو رہی تھیں۔

"نہیں، نہیں، یہاں کوئی ٹینشن نہیں، ہم سب بہت خوش ہیں، بس تمہاری طرف سے ہی فکر تھی، خدا کا شکر ہے، یہ بھی دور ہوئی۔ اپنے ماموں سے بات کرو گے، یہ بیٹھے ہیں۔"

بشارت صاحب نے کچھ مضطرب سا ہو کر پہلو بدلا۔ "نہیں بھئی، وہ بھی ناراض نہیں ہیں، تم خوامخواہ ہی شرمندہ ہوئے جا رہے ہو، ارے بیٹا تم ہم سے الگ ہو کیا؟ لو بات کرلو، میں دِیا کو بھی۔۔۔"

اچانک ہی اس خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کرتی گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

امی "ہیلو، ہیلو۔" ہی کرتی رہ گئیں۔

"کٹ گیا لگتا ہے، شاید دوبارہ کرلے، اچھا ہوتا جو آپ بھی بات کر لیتے۔" امی فون رکھ کر جدھر ابا بیٹھے تھے، ادھر آتے ہوئے ان سے کہنے لگیں۔

انہوں نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔

نازی نے تھوڑا سا چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ آج کل اگر وہ اسماء پھوپھو کے خیال سے تھوڑا سا بدلے ہوئے تھے تو اس کا یہ مطلب ہرگز بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مسعود کا فون آنے پر بھی کسی ردعمل کا اظہار نہیں کریں گے۔

پر اس وقت وہ کچھ ایسا ہی کر رہے تھے۔ نازی کو کچھ عجیب سے محسوسات گھیرنے لگے، گھبراہٹ سے بھرے ہوئے، دل پر سہم سا طاری کرنے والے۔

"میں کہتی تھی نا مسعود کی طرف سے بدگمانی ٹھیک نہیں ہے، اب دیکھ لیں بے چارہ بار بار معافیاں ہی مانگے گیا، اتنا شرمندہ ہو رہا تھا کہ بس نینی تم دِیا کو بھی مسعود کے فون کا۔۔۔"

" تمہیں علم ہے کہ وہ کس بات کے لئے معافیاں مانگ رہا تھا۔" بشارت صاحب نے نینی کو ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے امی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ اس وقت جس خوشی کے عالم میں تھیں' ٹھیک طرح سے یہ سوال سمجھ بھی نہ پائیں' بس یوں ہی ان کی شکل دیکھے گئیں۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ' جسے پتہ نہیں مسکراہٹ کہنا بھی چاہیے تھا یا نہیں' ایک لمحے کے لئے ان کے لبوں پر آئی اور پھر معدوم بھی ہو گئی۔

" مسعود نے شادی کر لی ہے وہاں اور اس بات کو بھی اب مہینہ ہونے کو آیا ہے۔" ان کے لبوں سے ادا ہونے والے الفاظ میں برف کی سی ٹھنڈک تھی' جو سارے ماحول کو منجمد کرتی چلی گئی۔

گھر کے اس کونے سے لے کر آخری کونے تک۔

...☆☆☆...

مسعود سے منگنی ٹوٹنے کی خبر پر لگا کر اڑی' کیا خاندان' کیا ملنے والے' جس نے بھی سنا' بہانے بہانے سے تصدیق ضرور کی' چاہے خود آ کر' چاہے ٹیلی فون کے ذریعے " چچ چچ' اتنی پرانی منگنی کا بھی خیال نہیں کیا مسعود نے' لے کر امریکہ میں شادی رچائی۔" اظہار افسوس کا ہر ایک کا اپنا انداز تھا۔

" سب قسمت کا کھیل ہے' ورنہ دِیا جیسی حسین لڑکی تو لاکھوں میں ایک ہی نظر آتی ہے۔" اکثریت اسماء پھوپھو کو موردالزام ٹھہراتی۔

" سارا قصور اسماء کا ہے' اندازہ تو ہو گا ہی کہ بیٹا ہاتھ سے نکل گیا ہے' بلاوجہ بھتیجی کو اٹکائے رکھا۔"

" سچی بات تو یہ کہ آج کل کے زمانے میں اتنے لمبے عرصے تک منگنیاں چلانا ہی سرے سے غلط ہے' دس پیچیدگیاں پڑ جاتی ہیں' معاملے میں۔"

امی ہر ایک کی رائے سے متفق ہو جاتیں اور آنسو صاف کرتے ہوئے سب کی ہمدردیاں سمیٹتی رہتیں۔ خاندان والوں کا زیادہ آنا جانا بھی ان ہی کے گھر تھا۔ اسماء پھوپھو کے ہاں کم ہی کسی کا جانا ہوتا تھا' وجہ پھوپھا کا روّیہ تھا۔

وہ سسرالی خاندان کو کم ہی منہ لگاتے تھے' نتیجتاً خاندان نے انہیں لفٹ کرانی چھوڑ دی تھی اور اب تو ویسے بھی اسماء پھوپھو دل کی بیماری سے نئی نئی اٹھی تھیں۔ اس طرح کے ٹینشن بھرے موضوعات ان کے سامنے چھیڑنا' عقلمندی کی بات نہیں تھی۔

ساری گہما گہمی بشارت صاحب کے گھر تک ہی محدود تھی۔ اس وقت بھی سر شام سے ہی کچھ رشتے دار خواتین آئی بیٹھی تھیں۔ امی انہیں لے کر پچھلی طرف والے کچن گارڈن میں بیٹھی تھیں' جسے نینی مذاقاً امی کا " پائیں باغ" کہتی تھی اور جس کے کنارے بچھے ان کے تخت کو " تخت شاہی" کا نام دے رکھا تھا۔

اسی " تخت شاہی اور اس کے اردگرد بچھی کرسیوں پر اس وقت کی محفل منعقد تھی۔" آپ بھی بہت بھولی ہیں بھابی' جو یوں صبر کر کے بیٹھ گئیں' ذرا اچھی طرح خبر لینی تھی اسماء کی' کوئی کھیل تماشا ہے کیا' بچی کی زندگی برباد کر کے رکھ دی۔"

کچن سے چائے لے کر آتی ہوئی نازی کو اس طرح کی گفتگو اب سخت کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔

" بھلا کوئی تک بھی ہو ان باتوں کی' کون سا آسمان سر پر آ پڑا ہے' جو یوں باجماعت واویلا کیا جا رہا ہے۔"

خود کو بمشکل کمپوز کرتے ہوئے اس نے مسکراتے ہوئے سب کو چائے کی پیالیاں تھمائیں۔

" تم بھی بیٹھونا' آنا جانا تو تم لوگوں کا ویسے بھی کہاں ہوتا ہے ہمارے ہاں' یہ تو ہم ہی آجاتے ہیں تم لوگوں کی محبت میں دوڑے ہوئے۔" یہ رشتے کی ایک پھوپھی تھیں۔

نازی کو ان کا گلہ دور کرنے کے لئے بیٹھنا ہی پڑا' حالانکہ ابھی کئی کام اس کے منتظر تھے۔ کچن میں بھی اور کمرے میں بھی' سکول سے چیکنگ کے لئے لائی ہوئی کاپیوں کے ڈھیر کی صورت میں۔

" یہ دِیا ابھی تک اٹھی نہیں سو کر' شام ڈھلے تک سونا تو کچھ اچھی عادت نہیں' پھر رات کو بھی نیند نہیں آتی ہے جلدی۔"

بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے ایک اور رشتے دار خاتون پوچھنے لگیں' آنے والوں کو دِیا کے تاثرات دیکھنے میں مستقل مایوسی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

وہ کسی کے بھی سامنے نہ آتی' جب تک مہمان چلے نہ جاتے وہ یوں ہی کمرہ میں بند ہو کر بیٹھی رہتی۔

" مجھے نہیں ملنا ہے کسی سے' آپ لوگ اچھی طرح سن لیں' نفرت ہے مجھے ان سب تماشہ دیکھنے آنے والوں سے اور اگر کسی نے زبردستی مجھ سے ہمدردی جتانے کی کوشش کی تو پھر یہاں سے اچھی طرح بے عزتی کروا کر جائے گا۔"

امی کے سمجھانے پر وہ شروع میں ہی دوٹوک انداز میں کہہ چکی تھی۔

دوبارہ کہنے کی جرأت کس میں تھی' الٹا جتنی دیر کوئی بیٹھا رہتا' امی اور نازی اسی ٹینشن میں رہتیں کہ کہیں کسی سے دِیا کا سامنا نہ ہو جائے۔

اس وقت جو خواتین مہمان آئی بیٹھی تھیں' امی کو ان کے خلوص پر کوئی شک نہیں تھا' مگر دِیا کا کیا جاتا' جو کسی کی سننے کو تیار ہی نہیں ہوتی تھی۔

" دِیا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آنٹی' سر میں کافی درد تھا' گولی کھا کر سوئی ہے۔" نازی کو بروقت دِیا کی غیر موجودگی کے لئے ایک جواز سوجھ ہی گیا۔

امی نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔

" چلو ٹھیک ہے' آرام کرنے دو' ویسے بھابی آپ دِیا کو لے کر ذرا گھر سے نکلیں' رشتے داروں کے ہاں آئیں جائیں' بچی کا بھی دل بہلے گا' ورنہ گھٹن کا شکار ہو جائے گی۔"

مفت میں صرف ایک ہی چیز ملتی ہے۔

" مشورے۔"

امی بھی تھوک کے بھاؤ مشورے وصول کر رہی تھیں' مغرب کی نماز کے بعد وہ لوگ رخصت ہو گئیں تو نازی کچن میں چلی آئی' وہاں نینی پہلے سے موجود تھی۔" آپ جا کر دِیا باجی کو دیکھ لیں نازی آپا۔ کچن کا کام میں کر لوں گی۔"

نازی کو دیکھتے ہی وہ کہنے لگی۔

آٹا گوندھ کر رکھا جا چکا تھا اور اب وہ شامی کبابوں کا ابلا ہوا قیمہ چوپر میں ڈال رہی تھی۔

نینی میں واقعی دن بدن بہتر تبدیلیاں آتی جا رہی تھیں۔ نازی کے چہرے پر بے ساختہ ہی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

" تم تو ماشاءاللہ بہت کام کی ہوتی جا رہی ہو' پتہ ہے' رعنا تمہاری بہت تعریف کرتی ہے مجھ سے۔"

نازی کو دونوں ہی بہنوں سے بے حد محبت تھی اور ان کی چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی سراہنے میں وہ دیر نہیں کرتی تھی۔

" رعنا باجی کی محبت ہے' ورنہ مجھ میں تو کوئی بھی ایسی قابل ذکر خوبی نہیں ہے۔"

نینی بدستور اپنے کام میں مصروف رہی۔اس وقت اسے اپنی تعریف بھی کوئی خوشی نہیں پہنچا سکی۔اصل میں رعنا کے نام کے ساتھ ہی اسے وہ شرمندگی بھری شام یاد آکر رہ گئی تھی' جس میں بخار سے تپتی نازی سے بے خبر' وہ سارے ہی اپنی اپنی مصروفیت میں گم رہے تھے۔

'' ایسا غلط ملط کیوں سوچتی ہو اپنے بارے میں' ماشاءاللہ ہر لحاظ سے قابل ہو' پتہ ہے ابا ایک دن کہہ رہے تھے کہ میری چاروں اولاد میں سب سے زیادہ ذہین سمیع اور نینی ہیں۔''

نازی نے جاتے جاتے رک کر ایک بار پھر اس کی دل جوئی کرنا چاہی' بار بار ایسا لگنے لگتا تھا' جیسے نینی دل ہی دل میں سب سے خفا ہے اور ابا کے روّیہ میں جو سختی اس کے ساتھ آج بھی محسوس ہوتی تھی' اسے وہ دل سے لگا کر رکھے ہوئے ہے۔

پر اس وقت وہ خلاف عادت' ابا کے '' تعریفی حوالے '' کے جواب میں بھی کوئی طنزیہ بات کہنے کے بجائے خاموش ہی رہی۔

'' اچھا' میں پھر دِیا کو دیکھتی ہوں' بالکل ہی کمرے کی ہو کر رہ گئی ہے' معلوم نہیں اس لڑکی نے کیا سوچ رکھا ہے۔''

نازی کہتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔

نینی نے ذرا سا مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ایک گہری سوچ کا عکس اس کے چہرے پر ابھر رہا تھا۔اندر ہی اندر ہونے والی ایک کشمکش اس نے اب تک بڑی خوبی کے ساتھ گھر والوں سے چھپا رکھی تھی۔کوریڈور میں ٹیوب لائٹ آن تھی۔

کھڑکیوں کے رنگین شیشے ٹھنڈی ملائم روشنی میں کچھ اور رنگین' کچھ اور چمکدار محسوس ہو رہے تھے' کبھی کبھی تو گھر کا یہ حصہ بالکل ہی کسی محل سرا کا تاثر دینے لگتا تھا' مگر یہ فیلنگ صرف نازی تک ہی محدود تھی۔گھر کے باقی لوگوں کو

ان اونچی لمبی کھڑکیوں کو دیکھ کر صرف اور صرف '' دقیانوسیت '' کا خیال آتا تھا اور جس سے وہ سب ہی بے حد الرجک تھے۔

دِیا کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔

نازی نے ہلکی سی دستک کے ساتھ' وقفے وقفے سے دو بار آواز بھی دے ڈالی' مگر دِیا کی طرف سے کوئی بھی جواب نہیں تھا۔

دروازے کو ہاتھ سے اندر کی طرف دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا' اندر ابھی تک کوئی لائٹ جلانے کی زحمت نہیں کی گئی تھی۔ دروازے کے ساتھ والی دائیں ہاتھ کی دیوار پر سوئچ بورڈ تھا۔نازی نے اندر داخل ہوتے ہی لائٹ آن کی۔

سامنے ہی بیڈ پر دِیا نیم دراز تھی۔دیر سے اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے تیز روشنی اس کی آنکھوں میں چبھی تھی۔

'' لائٹ کیوں جلائی ہے آپ نے' بند کریں اسے۔'' ایک ہاتھ آنکھوں پر رکھتے ہوئے اس نے اپنا حکم جاری کیا' لہجے میں وہی مانوس سی رکھائی تھی' جس کے گھر میں سب ہی عادی تھے۔سو نازی بھی

بناء تھوڑا سا بھی برا مانے اپنی ہی کہہ گئی۔

'' اٹھ جائو بس' کب سے کمرے میں ہو' چلو باہر آکر بیٹھو' چائے بنائوں تمہارے لئے۔'' دِیا اور زیادہ چڑچڑی ہونے لگی۔

'' آپ لائٹ بند کر کے جائیں یہاں سے' مجھے جب چائے پینی ہو گی' خود بنا لوں گی۔''

"کیوں بے کار میں ضد کرنے لگتی ہو دیا' ہم سب کتنے پریشان ہونے لگتے ہیں تمہاری..." ایک چھوٹی سی تنبیہ جو نازی نے اسے کرنی چاہی' اس نے پورے طور سننا بھی گوارا نہیں کیا۔

"کیا پریشانی ہے آپ لوگوں کو میری' ساری پریشانی تو ختم ہو گئی ہے اب' ابا کی' آپ کی' اب تو کوئی پرابلم باقی نہیں رہا۔ آپ کی کمیٹیوں کے پیسے خرچ ہونے سے بچ گئے اور ابا کو جو پہلے دن سے چڑ تھی مسعود کے نام سے' سو ان کی آرزو پوری ہو گئی۔"

ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے مسعود کا سارا کیا دھرا' بڑے زہریلے لہجے میں اس کے اور ابا کے کھاتے میں درج کیا۔ چند لمحوں کے لئے تو نازی ایک لفظ بھی نہیں کہہ پائی۔

مسعود کے قصے کو لے کر دیا رو دھو کر جتنا بھی سوگ منا چکی تھی' اس میں اب تک اس نے ایک بار بھی اس سارے معاملے میں گھر کے کسی فرد کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا تھا' مگر اس وقت وہ بناء رو رعایت' بدگمانیوں کی انتہا پر تھی۔

"یہاں کسی کو میری کتنی فکر ہے' مجھے اچھی طرح خبر ہے۔ اس لئے یہ ہمدردی کا ڈھونگ تو بس اب آپ بند ہی کر دیں۔"

جتنی بدتمیزی سے وہ یہ سب کہے جا رہی تھی' نازی جیسی ٹھنڈے مزاج والی لڑکی بھی برح طرح سے جھنجلاہٹ کا شکار ہونے لگی۔

"چپ ہو جاؤ دیا بہت ہو گئی بدتمیزی' چھوٹے بڑے کا کچھ لحاظ ہے یا نہیں' جو منہ میں آ رہا ہے' کہے جا رہی ہو۔"

"کیوں نہیں کہوں' آپ سب لوگ میری خوشیوں کے دشمن ہیں' آپ اور ابا' سارا گھر جانتا ہے' آپ لوگوں نے کبھی دل سے قبول ہی نہیں کیا تھا' میرے اور مسعود کے رشتے کو' ابا کو ہمیشہ پھوپھا سے نفرت..."

دیا ایک دم ہی بہت زور زور سے بولنے لگی' نازی کو الٹا اسے چپ کرانے کے لئے منت کرنا پڑ گئی۔

"اتنا اونچا بولنے کی کیا ضرورت ہے' گیٹ تک آواز جاتی ہے' تھوڑا تو خیال کر و دیا۔"

مگر دیا کو کسی "خیال" کی کوئی پروا نہیں تھی۔

امی صرف ایک کمرہ چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ چکی تھیں' دیا کی اونچی آواز پر انہوں نے یہاں تک آنے میں ذرا بھی دیر نہیں کی۔

"کیا ہو گیا بیٹا' خیر تو ہے' کیوں ایسے..." نازی کو یکسر نظر انداز کرتی ہوئی وہ سیدھی دیا کے قریب جا بیٹھیں۔

وہ انہیں دیکھتے ہی اپنی بات ادھوری چھوڑ کر زور زور سے رونا شروع کر چکی تھی۔

ماحول ایک دم ہی بہت گمبھیر سا ہو چلا تھا۔

دیا کی خستہ حالی' ایک تواتر سے بہتے آنسو اور سب سے بڑھ کر اس کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا احساس۔

امی نے ایک خفگی بھری نگاہ نازی پر ڈالی۔" میں نے کچھ بھی نہیں کہا ہے امی' میں تو صرف باہر آ کر بیٹھنے کا کہنے آئی تھی دیا کو۔"

بناء کسی غلطی کے یوں مورد الزام ٹھہرایا جانا اسے بھی روہانسا کر رہا تھا۔

"تمہیں کیا ضرورت ہے اس کے پیچھے پڑنے کی' اگر اسے کمرے میں ہی سکون ملتا ہے تو پڑا رہنے دو اس غریب کو یہیں' چھوٹی بہن ہے تمہاری' رحم کرو اس پر' حالت نہیں دیکھ رہیں اس کی۔" ایک بار بھی نازی کی بات پر غور کیے بناء وہ اس پر بری طرح برس پڑیں۔

دِیا کے غم کو انہوں نے شاید اس سے بھی بڑھ کر دل سے لگا رکھا تھا' یوں ہی بہانے بہانے سے وہ دن میں کئی بار برس پڑتی تھیں۔

" خدا غارت کرے' جنہوں نے میری بچی کو دکھ دیا' سکھ کا ایک پل نصیب نہیں ہوگا' اللہ نے چاہا تو۔" نازی اپنے اوپر پڑی پھٹکار کو ذرا دیر کے لئے بھلا کر انہیں تاسف سے دیکھے گئی۔

دِیا کے روّیہ کو اس حد تک نا قابل برداشت بنا دینے میں خود امی کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ اس کی بے جا حمایت اور محبت میں وہ اس حد تک آگے بڑھ چکی تھیں کہ انہیں احساس ہی نہیں رہا تھا کہ دِیا کس درجہ غیر متوازن شخصیت میں ڈھل چکی ہے۔

پیچھے سے کسی نے کندھے پر ہلکے سے ہاتھ رکھا تو وہ اپنے خیال سے باہر آئی۔

پیچھے نینی کھڑی تھی۔

گردن کے خفیف سے اشارے سے اس نے نازی کو باہر چلنے کو کہا تو وہ اس کے ساتھ ہی باہر کے دروازے کی طرف مڑ گئی۔

بڑے کمرے میں ٹی وی کھلا ہوا تھا۔

نینی کو پاکستانی بینڈ پسند تھے' سو زیادہ تر وقت "IM" ہی لگا رہتا تھا۔ یہاں سے کچن بھی قریب تھا اور پچھلا برآمدہ بھی' سو بناء کسی رکاوٹ کے ہر جگہ سے ہی لطف اندوز ہوا جا سکتا تھا۔ نازی کو میوزک کی یہ قسم' قطعی نہیں بھاتی تھی' مگر نینی کی پسند کا خیال کر کے خاموش ہی رہتی۔ اس وقت بھی وہ چپ چاپ سی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

نینی نے خود ہی ریموٹ اٹھا کر آواز ہلکی کر دی۔" اس وقت ساری غلطی میری تھی۔" نازی کے بالکل قریب نیچے کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے' وہ اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہلکے سے بولی۔ نازی نے جواباً کچھ بھی نہیں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

نینی یقیناً امی اور دِیا کے ہاتھوں ہونے والی اس کی " عزت افزائی" سے آگاہ ہو چکی تھی۔ اسے یکدم ہی بڑا عجیب سا لگا۔

خود سے چھوٹوں کے سامنے شرمندگی اٹھانا ایک بالکل ہی الگ تجربہ ہوتا ہے۔ دل میں عجیب سی چبھن پیدا کرتا ہوا۔

" میں نے ہی تو کہا تھا آپ سے دِیا باجی کو بلانے کے لئے' مگر میں سچ کہتی ہوں نازی آپا' میں نے صرف اسی لئے کہا تھا کہ آپ کچن کے کام میں نہ لگیں۔ میں تو صرف آپ کو تھوڑا سا آرام دینا چاہ رہی تھی اور بس۔"

نازی بے ساختہ ہی ہلکے سے ہنس پڑی۔

نینی کے کہے سادہ سے الفاظ میں' اس کے دل میں چھپی گہری محبت بول رہی تھی۔

ساری افسردگی جیسے آپ ہی آپ فضا میں تحلیل ہونے لگی۔

" کوئی غلطی نہیں ہے تمہاری' بلکہ مجھے تو اس بات کی خوشی ہو رہی ہے کہ میری چھوٹی سی بہن میری اتنی زیادہ فکر کرنے لگی ہے۔" نازی نے نرمی سے اس کے گال کو چھوا' درحقیقت اسی وقت نینی کی چھوٹی سی بات نے بڑی گہری خوشی بخشی تھی۔

" امی دِیا باجی کو اور زیادہ زود رنج بنا رہی ہیں' مگر مشکل یہ ہے کہ وہ یہ بات ماننے کے لئے کبھی بھی تیار نہیں ہوں گی۔ ٹھیک ہے دِیا باجی مسعود بھائی کو بے حد پسند کرتی تھیں' انہیں صدمہ بھی اسی حساب سے زیادہ ہوا ہے' مگر لوگ اس سے کہیں بڑے صدمے بھی تو آخر سہہ ہی جاتے ہیں نا' گہری سے گہری محبتوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں نا' عزیز سے عزیز تر ہستیاں ہمیشہ کے لئے بچھڑ جاتی ہیں' قسمت کا لکھا تو آخر سہنا ہی پڑتا ہے نازی آپا۔" نازی بہت دھیان سے اس کی بات سنے گئی' اسے بڑا اچھا لگا کہ نینی کی سوچ واضح اور مثبت انداز لئے ہوئے تھی۔ شاید اسی لئے دِیا سے منسلک ایک الجھن جو بار بار ذہن میں سر اٹھاتی تھی' وہ نینی کے سامنے کہہ ہی گئی۔

"میری سمجھ میں تو یہ نہیں آکر دے رہا کہ اب کتنے ہی دن سے دِیا خود مسعود کے ذکر سے کتنی الرجک ہو رہی تھی۔" بظاہر" یعنی سب سے پہلے وہ خود مسعود کے روّیہ کی تبدیلی سے آگاہ ہو چکی تھی' پھر بھی اس نے خود کو ذہنی طور پر ان سب باتوں کے لئے تیار کیوں نہیں کیا تھا۔ وہ تو ہمیشہ سے بہت سمجھدار ہے۔"

"دِیا باجی بے حد خود پسند ہیں نازی آپا اور خود غرض بھی' ان کی ساری سمجھداری' ان دو عادتوں کے آگے ہار مان جاتی ہے۔" "انہیں کسی بھی معاملے میں ہار منظور نہیں" انہیں چاہے کچھ بھی اندازہ ہوا ہو مگر دل سے وہ آج بھی یہی چاہتی ہیں کہ مسعود بھائی اور پھوپھو ان سے گھٹنے ٹیک کر معافی مانگیں۔"

نازی کے چہرے پر نظریں جمائے وہ بڑی سنجیدگی سے اسے جو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی' وہ بخوبی سمجھ رہی تھی۔

لوگوں کے روّیہ اور ان کی شخصیت کو پہچاننے میں نینی بلاشبہ اس سے آگے تھی۔

نازی کو رعنا کا خیال آیا' جو یہ بات برملا کہا کرتی تھی کہ "لوگوں کو پہچاننے کے معاملے میں نازی سے بڑا احمق شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔"

کوریڈور میں باہر سے کھلنے والا دروازہ زور سے کھلا اور پھر بند ہوا۔

یہ سمیع کی آمد کا اعلان تھا۔

ان دونوں کی نگاہ ایک ساتھ ہی دروازے کی طرف اٹھی اور توقع کے عین مطابق وہ دوسرے ہی منٹ میں ہال کے دروازے پر کھڑا دکھائی دیا۔

"کیا ہو رہا ہے نازی آپا؟ ابا تو نہیں آئے نا اب تک۔" وہ سیدھا نازی کے ساتھ والی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔

دو متضاد سوال' جن میں سے کسی کا بھی دوسرے کے ساتھ سرا نہیں ملتا تھا۔

نازی مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

"اگر ابا آگئے ہوتے تو آپ اتنے اطمینان سے یہاں آکر نہیں بیٹھ چکے ہوتے' کم از کم بھی آدھ' پون گھنٹے ان کے سامنے اس اتنی لمبی غیر حاضری کی صفائی پیش کر رہے ہوتے۔"

"معلوم ہے۔"

ریموٹ اٹھا کر اس نے بڑے اطمینان سے نینی کی اس یاد دہانی کا جواب دیا۔" اور یہ امی اور دِیا کہاں ہیں' وہیں دِیا کے کمرے میں نا۔"

ذرا سا مڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے اپنے اندازے کی تائید چاہی۔

نازی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بڑے بناوٹی سے تجسس کا اظہار کرنے لگا۔

"بات کیا ہے' آپ لوگوں کے درمیان بڑی شدید قسم کی گروپنگ ہوتی جا رہی ہے' جب دیکھو امی اور دِیا نے آپ دونوں کو بالکل ہی آئوٹ کیا ہوا ہوتا ہے' اپنے کمرے سے' کم از کم نازی آپا تو اس سلوک کی بالکل بھی مستحق نہیں ہیں۔"

یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ یہ سب بالکل مذاق میں کہہ رہا ہے' نازی کو تھوڑی دیر پہلے والی روداد یاد آنے لگی' نینی نے بھی شاید محسوس کیا تھا' تب ہی وہ سمیع پر ناراض ہونے لگی۔

"پتہ ہے سمیع بھائی آپ اس وقت کیا لگ رہے ہیں' بالکل ہی کوئی مکار قسم کی خاتون' جو ٹوہ لینے کے لئے بیچ میں آ بیٹھی ہو۔"

"اور تم' تم کیا ہو' سست' آرام طلب' سارا دن بس باتیں' نصیحتیں کرنے کے علاوہ آتا کیا ہے تمہیں؟"

سمیع پورا کا پورا نینی کی طرف مڑ گیا۔

یہ صرف آغاز تھا۔

سمیع اور نینی میں اسی طرح بے بات کی بحث شروع ہو جاتی اور پھر کہیں سے کہیں نکلتی چلی جاتی' اس وقت بھی کوئی خاموش ہونے کے لئے تیار نہیں تھا' نازی کو پتہ تھا کہ سمجھانا فضول ہے اور سچی بات تو یہ کہ سمیع اور نینی ہی تھے' جن کے دم سے گھر کا ماحول نارمل محسوس ہونے لگتا تھا اور یہ بہت بڑی غنیمت تھی۔

...☆☆☆...

رات گئے "رحمت منزل" میں پولیس کی آمد کا علم محض چند ہی لوگوں کو ہو سکا۔

سجاد کے ایک دوست' سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے' اس وقت بے حد کام کے ثابت ہوئے۔ معاملے کو سمجھتے ہی انہوں نے پولیس موبائل تو روانہ کی ہی' بذات خود بھی سجاد کے ساتھ وہاں پہنچے۔

عمر مین گیٹ پر منتظر تھا اور اس وقت اس کے ساتھ چوکیداری کا فرض نبھانے والے خان صاحب کے ساتھ کوئی بھی دوسرا شخص نہیں تھا۔ بلڈنگ کی انتظامیہ آج تک کچھ ایسی ذمہ دار ثابت بھی نہیں ہوئی تھی اور دوسرے اس وقت سجاد نے خاص طور پر کسی کو بھی مطلع کرنے سے منع کیا تھا۔

"اتنی دیر میں کوئی غیر متعلق شخص اندر تو نہیں آیا ہے' عمر؟" سجاد نے گاڑی سے اترتے ہی پوچھا۔

"جی نہیں سر۔ میں اس وقت سے یہیں ہوں۔"

عمر واقعی یہاں سے نہیں ہلا تھا' اوپر نانی کو بھی دیر سے آنے کا خان صاحب سے ہی کہلوا دیا تھا۔

سجاد نے پہلے عمارت کی دوسری سائیڈ پر کھلی وحید بھائی کے فلیٹ کی کھڑکی کو دیکھنا ضروری خیال کیا۔

تقریباً سوا دو کا ٹائم ہو رہا تھا اور سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔ پھر بھی اکا دکا گزرتی گاڑیوں میں بیٹھے لوگوں نے پولیس موبائل سے اترتے سپاہیوں کو دیکھ کر اپنے اپنے طور پر اندازے تو لگائے' مگر ایسے موقعوں پر رکنے کی حماقت کوئی بھی نہیں کرتا۔

وہ کھڑکی اس وقت بھی کھلی ہوئی تھی۔

"کمال ہے' یہ ساری کھڑکیاں تو تم نے خود بند کی تھیں نا عمر۔"

سجاد نے تھوڑا سا مڑ کر اپنے پیچھے کھڑے عمر سے تصدیق چاہی۔

"جی سر' میں نے ہی بند کی تھیں۔" عمر نے تھوڑا سا شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ اس سارے معاملے میں قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی اسے کہیں نہ کہیں اپنی کوتاہی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ سجاد کے

چہرے پر پھیلی تشویش صاف دکھائی دے رہی تھی۔ عمر کے فون پر انہوں نے باوجود بے حد تھکان کے یہاں آنے میں دیر نہیں کی تھی۔

اوپر کی منزلوں کی طرف جاتی سیڑھیاں اور کوریڈور سنسان پڑے تھے۔ اگلا دن چھٹی کا نہیں تھا۔ اسی لئے شاید لوگوں کی اکثریت سونے کے لئے جا چکی تھی۔ کہیں کہیں سے ٹیلی ویژن چلنے کی آواز آ رہی تھی مگر بے حد ہلکی۔ بھاری بوٹوں کے چلنے کی آوازوں نے اس خاموشی بھرے منظر میں ارتعاش سا پیدا کیا اور پھر وہ سب اسی بند ہوئے فلیٹ کے سامنے جا کر رکے' جو وحید بھائی کی ملکیت تھا۔

دونوں تالے جو لگائے گئے تھے' ویسے کے ویسے ہی تھے۔ سب سے پہلے اندر داخل ہونے والے پولیس کے سپاہی تھے۔

'' پہلے ہمیں چیک کر لینے دیجئے پھر آپ لوگ آیئے گا۔'' سجاد اندر داخل ہونے لگے تو ان لوگوں نے دروازے پر ہی روک دیا۔

مجبوراً چند منٹ رکنا پڑ گیا۔

سجاد کے ساتھ آئے پولیس آفیسر' یقیناً ان کے قریبی دوست تھے۔ تب ہی وہ بہت بے تکلفی سے ان سے حالات کو ڈسکس کر رہے تھے۔

'' وحید بھائی نے تو ہمیشہ ہی پریشان کر کے رکھا ہے۔ اب اسی معاملے کو دیکھ لو' آدھی ملکیت فرحت آپا کے نام ہے' اس بلڈنگ کی' مگر وحید بھائی اپنے آپ کو پوری کا مالک تصور کرتے ہیں۔ بابا پہلے ہی ان کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ اب یہ نیا قصہ معلوم نہیں کیا ہوا ہے۔''

'' تم اتنی فکر مت کرو سجاد اور میرا خیال ہے کہ انکل سے تو کچھ ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ابھی' ویسے تم ان سے اس وقت کیا کہہ کر آئے ہو۔''

وہ بڑے تسلی بھرے انداز میں پوچھنے لگے۔ سجاد نے ابھی جواب دیا بھی نہیں تھا کہ ایک مستعد سا پولیس مین دروازے پر آ موجود ہوا۔

'' آپ لوگ اندر آ جائیں' فی الحال ایسی کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے۔''

عمر کو پہلے ہی اندازہ تھا۔

مگر اندر قدم رکھتے ہی حیرت کا ایک زوردار جھٹکا بہر حال سہنا پڑ ہی گیا۔

اس بار یہاں کا منظر نامہ پہلے سے قطعی مختلف تھا۔

اجاڑ' پھیکا پھیکا سا' بالکل ایسے جیسے کسی خوش رنگ تصویر کے سارے رنگ ایک دم ہی اڑ گئے ہوں۔

سجاد اور عمر بے ساختہ ہی آگے بڑھتے چلے گئے' خالی فرش پر میلی کچیلی دریاں پڑی ہوئی تھیں اور لائونج کے ایک کونے میں فریج کھڑا تھا' باقی وہ خوبصورت دبیز قالین' میوزک سسٹم' آرائشی اشیائ' فرنیچر سب ہی کچھ غائب ہو چکا تھا۔

'' یہ تو بالکل ہی خالی ہو گیا ہے بلال' کچھ بھی تو نہیں رہا ہے یہاں۔'' سجاد نے بڑی حیرت سے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

'' ہوں۔ مجھے پتہ تھا کہ یہاں ایسا ہی کچھ ہوا ہوگا' تم نے جب مجھے تفصیل بتائی تھی' تب ہی مجھے یقین ہو گیا تھا۔''

بلال صاحب کو پولیس سے وابستہ ہوئے برسوں بیت چکے تھے اور اس طرح کی سینکڑوں سیچو ئیشنز کو نمٹانے کا بھی پرانا تجربہ تھا۔ سو وہ سجاد کے انکشاف پر ذرا بھی حیران نہیں ہوئے۔ " تھوڑی سی احتیاط کرو اور پلیز کسی چیز کو ٹچ مت کرو۔ ابھی یہاں سے فنگر پرنٹ اٹھائے جائیں گے۔ "

تینوں کمروں اور لاؤنج کی حالت صاف بتا رہی تھی کہ یہ فلیٹ ابھی بھی زیر استعمال ہے۔ فریج میں کھانے کا سامان اور کچن میں گندے برتن بھی موجود تھے۔ کمروں میں بڑی گھٹن اور عجیب ناگوار سی بو کا احساس رچا ہوا تھا۔

سائیڈ میں کھلنے والی کھڑکی کافی بڑی تھی۔

بلال صاحب اسی کے قریب کھڑے باہر جھانک رہے تھے۔

" یہاں سے کچھ بھی بآسانی لے جایا جا سکتا ہے' ایک تو یہ فلیٹ زیادہ ہائٹ پر نہیں ہے' دوسرے یہ جو بیچ میں خالی جگہ ہے' رات گئے ایسی سرگرمیوں کے لئے بڑی محفوظ جگہ ہے۔ سارا فرنیچر کھول کر لے جایا گیا ہے اور باقی چیزوں کا لے جانا بھی کوئی خاص مشکل نہیں' چھوٹے موٹے چور اچکے بھی ان کاموں میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ "

فرش پر جا بجا پڑے اسکرو ڈرائیور' پلاس اور دیگر اوزار بلال صاحب کے اندازوں کی مکمل طور پر تصدیق کر رہے تھے۔

ایک اعلیٰ آفیسر کی موجودگی کا احساس ہی تھا' جو کام تیزی سے نمٹتا جا رہا تھا۔ فنگر پرنٹس بھی اٹھائے جا چکے تھے اور فلیٹ میں موجود سامان کی لسٹ جو اسی روز سجاد نے عمر سے تیار کروا کر اسی کے پاس رکھ چھوڑی تھی۔ وہ بھی اس نے اوپر سے لا کر بلال صاحب کے حوالے کر دی تھی۔

برابر والے فلیٹ میں رہنے والے صاحب معلوم نہیں پہلے سے ہی جاگ رہے تھے یا پھر اس ہلچل سے جاگے' بہر حال باہر نکل ہی آئے۔

عمران کی تسلی کرانے کے لئے باہر کوریڈور میں چلا گیا' واپس آیا تو سوائے ایک کے سارے ہی پولیس مین جا چکے تھے اور سجاد اور بلال صاحب بیچ لاؤنج میں کھڑے ابھی تک کچھ تفصیلات طے کرنے میں مصروف تھے۔

" جو کچھ بھی کرنا بہت دیکھ بھال کر کرنا بلال' اس سارے معاملے میں خود وحید بھائی بھی ملوث ہو سکتے ہیں' کسی نہ کسی طور' میں نے تمہیں بتایا تو ہے کہ ان کے پاس یہاں سارے مشکوک قسم کے لوگ اکٹھے رہتے تھے۔ "

سجاد کے سارے تردد کی وجہ یہاں سے سامان کا غائب ہونا نہیں بلکہ " وحید بھائی " ہی تھے۔

" کچھ نہیں ہوتا انہیں' حالانکہ ہونا چاہیے' چاہے سبق کے طور پر ہی سہی' تھوڑا بہت ٹف ٹائم وحید کو بھی ملنا چاہیے' مگر اس کی اجازت تم خود نہیں دو گے۔ "

بلال صاحب نے لاپروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے جو مشورہ دیا تھا' وہ بڑا صائب تھا۔

خود عمر کو بھی بے حد پسند آیا تھا اور شاید دل ہی دل میں سجاد کو بھی۔

فلیٹ بند کیا جا چکا تھا اور اب وہ لوگ کوریڈور میں سے گزر رہے تھے' تب ہی سجاد کے فون کی بیل ہونے لگی۔ " یہ یقیناً بابا ہیں۔ " اپنے موبائل پر نظر ڈالنے سے پہلے ہی انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مطلع کیا۔

دوسری صرف واقعی وہی تھے۔ سجاد نے چند منٹ بات کر کے فون بند کیا' تب تک وہ لوگ نیچے آ چکے تھے۔ بلال صاحب ایک بار پھر " فکر نہ کرنے " کی تلقین کرتے ہوئے روانہ ہو گئے تو سجاد بھی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے' عمر ساتھ ساتھ ہی تھا۔

" میرے لئے کیا حکم ہے سر۔ "

سجاد گاڑی کا دروازہ کھولتے کھولتے ذرا سا رکے اور پھر اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے بڑی نرمی سے بولے۔ '' تمہیں کسی حکم کی ضرورت نہیں ہے عمر' مجھے پتہ ہے کہ تم ہمیشہ ہی میرے ساتھ ہوتے ہو اور ہمیشہ رہو گے۔'' وہ اتنا کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ وہ جب بھی ایسا کچھ کہتے عمر کو بڑا فخر سا محسوس ہوتا۔ اس وقت بھی ہوا۔

اندازہ تو رعنا کو صبح صبح اس کی شکل دیکھتے ہی ہو گیا تھا' مگر پوچھ لینے کا نہ وقت تھا اور نہ موقع۔

ایک تو آج سکول پہنچنے میں تھوڑی سی تاخیر ہو رہی تھی' جس وقت وہ گیٹ میں داخل ہو کر گرائونڈ کی طرف آ رہی تھی' اسمبلی ختم کر کے لڑکیاں لائن بنائے اپنی اپنی کلاسوں کی طرف جا رہی تھیں۔

نازی سے اس کی ملاقات' سکول کی مرکزی عمارت کی داخلی سیڑھیوں پر ہوئی اور وہ بھی ہیڈ مسٹریس صاحبہ کی موجودگی میں۔

وہ سارا دن بھلے ہی بے حد خوشگوار موڈ میں رہی ہوں' مگر اس وقت روزانہ ہی خفا خفا سی دکھائی دیتی تھیں' ٹیچرز کے ساتھ ساتھ لوئر سٹاف بھی خائف سا رہتا تھا۔ اس وقت بھی نہ جانے کس سے خطا سرزد ہو چکی تھی۔

'' معلوم نہیں کب احساس ذمہ داری پیدا ہو گا' یہاں لوگوں میں' کوئی بھی اپنے کام سے سنسیئر نہیں۔ سوائے چند ایک کو چھوڑ کر' سمجھ میں نہیں آتا کہ جن لوگوں کو کام کی اہمیت کا اندازہ نہیں' وہ کیوں چلے آتے ہیں۔ یہی ملازمت کسی دوسرے حقدار کے لیے چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔''

حالانکہ خود ان کی '' فیورٹ ٹیچرز'' کا گروپ بھی اسی زمرے میں آتا تھا۔

رعنا کا دل بھی چاہا کہ انہیں یہ بات بتا بھی دی جائے' مگر یہ دانشمندی نہ ہوتی' چنانچہ وہ انہیں یوں ہی مصروف چھوڑ کر سلام کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی' قریب کھڑی نازی سے بھی بس اشاروں میں ہی دعا سلام ہوئی۔

تب ہی اسی پل اسے لگ گیا تھا کہ وہ کچھ پریشان سی ہے' رعنا کے بریک تک کے سارے پیریڈ اوپر کی منزل میں تھے۔ سیڑھیوں کی طرف مڑنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر مڑ کر اس طرف دیکھا جہاں وہ لوگ کھڑی تھیں۔

نازی ابھی تک وہیں تھی۔ شاید ہیڈ مسٹریس صاحبہ نے اسے خود وہاں روک رکھا تھا۔

'' معلوم نہیں وہ کیوں پریشان سی محسوس ہو رہی ہے۔'' سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے خود سے قیاس آرائی کی۔

یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ ہیڈ مسٹریس صاحبہ کی کسی بات پر وہ پریشان ہو گی' کیونکہ سکول کے مسئلوں کو خود پر سوار کرنے کے بجائے' نازی ہمیشہ ہی دل و جان سے ان کے حل نکالنے پر جت جاتی تھی اور خود ہیڈ مسٹریس بھی کام چاہے کتنا بھی اس پر لاد دیتی ہوں' لحاظ بھی بہرحال کر ہی لیا کرتی تھیں۔

'' پھر یقیناً کوئی گھر کا مسئلہ' دیا کا کھڑا کیا ہوا...'' اس وقت مزید اندازے بھی نہیں لگائے جا سکتے تھے۔

پہلا پریڈ جماعت نہم کے A سیکشن میں تھا اور اب وہ ٹھیک اسی کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ بریک تک اب نہ اسے فرصت تھی اور نہ ہی نازی کو' پھر بھی جب سکول میں انٹرویل کا مخصوص شور مچا ہوا تھا' سٹاف روم میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھتے ہی رعنا کا پہلا سوال یہی تھا۔

'' کوئی نئی بات ہو گئی ہے' یا کسی پرانی بات کو ہی دل سے لگائے بیٹھی ہو۔''

رعنا کے آگے نہ تو بات کو ٹالا جا سکتا تھا اور نہ ہی جھوٹ بولا جا سکتا تھا۔

'' نئی بات کیا ہونی ہے' ہمارے گھر میں آج کل پرانی باتوں کو ہی دھرا دھرا کر نیا کیا جا رہا ہے۔'' ایک گہری سانس اندر ہی اندر اتارتے ہوئے نازی نے ایک زبردستی لائی گئی ہلکی سی مسکراہٹ کو چہرے پر سجایا۔

" کچھ دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ دِیا کو تھوڑا وقت لگے گا' مگر دیکھنا بہت جلد سیٹل ہو جائے گی۔ اتنی پیاری ہے وہ تو' دیکھنا بہت جلدی کوئی بہت اچھا رشتہ اس کے لئے آجائے گا۔ میں خود اس کے لئے کوئی۔۔۔"

" یہ بات نہیں ہے رعنا۔"

وہ ہلکے سے بولی۔" اصل مسئلہ امی اور ابا کے درمیان بڑھتی ٹینشن ہے' اب رات ابا نے مجھے کہا ہے کہ آج شام ان کے ساتھ اسماء پھوپھو' کے گھر چلوں' ان کی طبیعت پوچھنے۔"

" اور یہی بات تمہاری امی اور دِیا دونوں کو سخت ناگوار گزر رہی ہو گی۔"

ماسی چائے کے کپ رکھ گئی تھی' رعنا نے کپ اپنے آگے سرکاتے ہوئے اس کا اصل مسئلہ بڑی آسانی سے ڈھونڈ لیا۔

" یہی بات ہے نا۔"

" میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کرنا چاہیے۔" ہلکے سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے نازی نے اپنی بات جاری رکھی۔
" امی تو چاہتی ہیں کہ اب ساری زندگی اسماء پھوپھو کی شکل بھی نہ دیکھی جائے' مگر یہ بھی تو سخت ناانصافی والی بات ہے نا۔"

اسی سنجیدہ سی بات پر' رعنا کو ایک دم ہی ہنسی آگئی۔

" ویسے تمہارے ابا بھی خوب ہیں' یا تو اسماء پھوپھو سے اتنے ناراض تھے کہ کوئی حد نہیں' یا اب جب کوئی ان سے ملنا نہیں چاہ رہا تو وہ ان کی ساری خطائیں معاف کر چکے ہیں۔"

خود نازی بھی مسکرادی' رعنا کی بات سو فیصد درست تھی۔ ابا نے مسعود کی شادی کی خبر کو اتنے آرام سے لیا تھا' جیسے وہ اسی کے منتظر تھے اور شاید حقیقت میں تھے ہی۔

" ابا دل کے بہت نرم ہیں۔ انہیں اصل غصہ اس معاملے کو لٹکائے رکھنے پر تھا۔ اب جب یہ سارا قصہ ایک طرف ہو ہی گیا ہے تو وہ اپنی بہن سے کس طرح ناراض رہ سکتے ہیں۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ وہ بے چاری خود اتنا گہرا رنج اٹھا رہی ہیں کہ ہسپتال تک ہو آئیں۔"

" یہ تو ہے خیر۔ لیکن میرا مشورہ تو یہی ہے کہ تم وہاں مت جاؤ نا بھی' انکل سے کچھ بھی بہانہ کر دو' ورنہ خوامخواہ آنٹی اور دِیا کو اور زیادہ رنج ہو گا۔" یہ آخری جملہ اس نے اپنی فطرت کے بالکل بر خلاف خاصی رواداری برتتے ہوئے کہا' ورنہ دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ نازی کو صاف صاف جتا دے کہ دِیا اور امی دونوں ہی اس کی زندگی مزید مشکل کئے رکھیں گی۔

مگر اس صاف گوئی کے مظاہرے پر نازی کی سخت ناراضگی کا سامنا کرنا پڑتا اور وہ رعنا کو منظور نہیں تھا۔

باہر سے لڑکیوں کا اٹھتا ہوا شور' ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بڑھ رہا تھا۔ رعنا نے اپنی بات بیچ میں روک کر کچھ دور بیٹھی مس سلمیٰ کی توجہ اس طرف دلائی۔

" ذرا ماسی کو بھیج کر لڑکیوں کو کنٹرول تو کروائیں۔ مس سلمیٰ' اگر کوئی وزیٹر اس وقت آجائے تو اس پر کیسا برا تاثر پڑے گا۔"

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں جن کا نازی اور رعنا کو بڑا دھیان رہتا تھا۔ مس سلمیٰ کے نزدیک ان پر توجہ صرف کرنا' وقت اور توجہ دونوں کا اسراف تھا۔

اس وقت بھی وہ ایک ٹھٹھا مار کر ہنس دیں۔" کون وزیٹر آئے گا یہاں، محکمہ تعلیم کے افسر تو سال میں صرف ایک دورہ یہاں کا کرتے ہیں۔ وہ چار ماہ پہلے کر لیا، اب سات آٹھ ماہ تک کوئی آکر جھانکے گا بھی نہیں۔ یہ گورنمنٹ سکول ہے مس رعنا، یہاں تو یہ سب معمول کا حصہ ہے۔"

دروازے کے قریب بیٹھی ماسی کو انہوں نے آواز دینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

" میں ابھی آئی۔" رعنا عاجز سی ہو کر خود ہی اٹھ کر باہر کی طرف چلی گئی۔

ذرا دیر کے لئے تو نازی بالکل ہی اکیلی رہ گئی، سب سے پہلے مس سلمیٰ کو ہی اس کا خیال آیا۔ اپنا چائے کا کپ تھامے وہ اس کے پاس چلی آئیں تو ایک بار پھر دِیا ہی کا ذکر چھڑا۔

" اور آپ کے گھر میں سب خیریت تو ہے۔ وہ جو آپ کی بہن ہے دیا، کیسی ہے وہ، مجھے تو سچ بتاؤں وہ بھولائے نہیں بھولتی۔"

" اور کتنی عجیب بات ہے کہ جسے اسے زندگی بھر نہیں بھلانا چاہیے تھا، وہ بڑی آسانی سے اسے بھلا چکا ہے۔"

نازی نے بڑی دل گرفتگی کے ساتھ سوچا۔

" اور، اس کا منگیتر کب تک آ رہا ہے پاکستان، سٹاف کو تو آپ انوائیٹ کریں گی ہی بہن کی شادی میں۔"

ان کے دونوں ہی سوالوں کے جواب، فی الحال نازی کے پاس نہیں تھے اور گھر کی تازہ ترین صورت حال سے مس سلمیٰ کو فوری طور پر آگاہ کرنا بھی بالکل غیر ضروری تھا۔

اچھا ہی ہوا کہ بریک ختم ہونے کا گھنٹہ بجنے لگا۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ محض سر ہی ہلا سکی۔

رعنا ابھی تک واپس نہیں آئی تھی، مگر جب نازی سٹاف روم سے باہر نکلی تو وہ برآمدے میں ہی مل گئی۔

" میں آج شام تمہاری طرف آجاتی ہوں۔ ابھی دوپہر تمہارے گھر فون کر کے کہہ دوں گی۔ پھر تو ظاہر ہے کہ انکل تمہیں لے جانے کے لئے اصرار نہیں کریں گے۔" اس وقت بھی اسے نازی کا پرابلم یاد تھا۔ اور " حل تو بقول خود اس کے، اس کی جیب میں ہی پڑے رہتے تھے۔

نازی نے واقعتاً اطمینان کا سانس لیا، رات سے جب سے ابا نے اسے خاص طور پر اپنے کمرے میں بلا کر اپنے پروگرام سے آگاہ کیا تھا۔ وہ اتنی پریشان تھی کہ ڈھنگ سے نیند بھی نہیں آئی تھی۔

رعنا کی دوستی" شکریہ" کہنے کا بھی موقع نہیں دیتی تھی۔

دوپہر کو نازی کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی رعنا کا فون آ چکا تھا۔

ریسیو امی نے کیا تھا۔ نازی اس وقت تک فریش ہونے کے لئے جا چکی تھی۔ سو وہ اس سے ذکر بھی نہ کر سکیں۔

نینی کھانا لگا چکی تھی۔

کھانے کی میز پر جملہ اہل خانہ کی حاضری بہت دنوں بعد پوری تھی۔

نازی کو خاص طور پر ابا اور دِیا کی موجودگی بڑی اچھی لگی۔ اپنی الجھن کو سلجھا چکی تھی اس لئے خود اپنا موڈ بھی خوشگوار تھا۔

دوپہر کا کھانا امی بناتی تھیں اور ان کے ہاتھ کی لذت سارے خاندان میں مانی جاتی تھی۔ چنے کا پلاؤ، رائتہ اور آلو گوشت کا سالن، یہ سادہ سا کھانا بھی اپنی مثال آپ تھا۔

نازی، نینی اور سمیع تینوں ہی باری باری تعریف کر چکے تھے۔ صرف ابا اور دِیا ہی تھے۔ جنہوں نے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اور یہی وہ دو لوگ تھے، جنہیں امی نے ہمیشہ سب سے بڑھ کر اہمیت دی تھی۔

نازی کو سچ مچ ان پر اکثر ہی ترس آتا تھا۔

'' تیار رہنا، ٹھیک پانچ بجے چلنا ہے، پھر تمہیں اسماء کے گھر چھوڑ کر میں کوچنگ سنٹر چلا جائوں گا۔''

کھانے کے اختتام پر ابا نے وہی متنازعہ موضوع چھیڑا، جس کے نہ چھیڑے جانے کی وہ دعا کر رہی تھی۔

ماحول پر ایک دم ہی گہری خاموشی طاری ہو گئی۔

سارے ہی اس طرح منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، جیسے وہ کوئی بہت اہم اعلان کرنے والی ہے۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پھر سے کنفیوز ہونے لگی۔

''حد ہے یعنی کہ اور یہ رعنا کی بچی بھی معلوم نہیں کہاں رہ گئی ہے۔''

ابا کو حتمی جواب درکار تھا اور وہ بھی فوری بات دہرانا انہیں پسند نہیں تھا۔ اسی لئے دوسری بار ان کے لہجے کی سختی لازمی تھی۔

'' تم سے کہہ رہا ہوں نازی، ٹھیک پانچ بجے۔''

نازی نے تھوڑا سا گڑبڑاتے ہوئے ان کی طرف دیکھنا چاہا، مگر نظر پہلے سامنے بیٹھی دِیا سے جا ملی۔

وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ہاتھ میں تھا چمچہ پلیٹ میں ساکت تھا اور اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی اس کی آنکھوں میں ٹھہری اداسی اتنی ہی گہری تھی اور اگلے ہی لمحے وہ پلیٹ کو آگے سرکاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

'' میں نہیں جائوں گی ابا۔''

نازی ایک دم ہی ابا کی طرف دیکھتے ہوئے قطعیت کے ساتھ بولی۔

'' کیا۔'' بشارت صاحب کو لگا جیسے انہوں نے ٹھیک سے سنا نہیں۔

نازی نے پھر سے اپنی بات دہرا دی۔

'' اور مجھے اپنا وہاں جانا مناسب بھی نہیں لگتا ہے ابا۔''

'' کیا نامناسب ہے اس میں، تم سب لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور بس۔''

انہیں کم از کم نازی سے اس کورے جواب کی توقع نہیں تھی، سو فوراً ہی برہم ہو گئے۔

دِیا ابھی تک وہیں کھڑی تھی، مگر انہیں جب غصہ آیا ہوا ہوتا تھا تو انہیں یہ بات بالکل ہی بھول جاتی تھی کہ کوئی بات کسی کی موجودگی میں کہنی بھی چاہیے یا نہیں۔

'' تم لوگ کیا سمجھ رہے ہو، میں اپنی بہن کو چھوڑ دوں گا، زندگی بھر کے لئے تو سخت غلطی کر رہے ہو۔ میں تو شکر کرتا ہوں کہ اس لفنگے مسعود سے خود بخود پیچھا چھوٹ گیا، جو ہم بہن بھائی کے بیچ میں تنازعہ بن چکا تھا۔''

مسعود کے لئے اپنی ناپسندیدگی کو وہ پہلے بھی کبھی چھپانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ اب تو اسے ویسے بھی جو دل میں آئے کہہ سکتے تھے۔

دِیا ان سے '' صاف گوئی'' کے ان ہی مظاہروں کی بناء پر سخت بدگمان ہو چکی تھی۔

''جس وقت رشتہ طے ہو رہا تھا۔اس وقت کھل کر مخالفت کرنی چاہیے تھی۔ یہ کیا کہ اتنے سال معاملے کو لٹکائے رکھا اوراب بھی آپ کی بہن ہی بے قصور ہیں۔''

یہ ساری باتیں اتنے دن میں ان گنت بار زیرِ بحث لائی جا چکی تھیں' مگر امی ایک بار پھر ناگواری کے ساتھ بڑبڑائے جا رہی تھیں۔ نتیجتاً وہی لاحاصل سی بحث۔

'' لٹکانے والی تم خود ہو' میں تو کب سے رو رہا تھا کہ ختم کر دو۔اس سارے سلسلے کو' مگر تم سننے تک کے لئے تیار نہیں تھیں۔''

سمیع' نینی' دِیا تینوں ہی باری باری باہر جا چکے تھے۔

سمیع ایک نمبر کا لاپروا۔

جذباتی صورت حال' متنازعہ باتیں۔

جس حد تک اپنی جان چھڑا سکتا' چھڑائے رہتا تھا۔

'' پھر بھی ابا' سب سے بڑا دکھ تو بے چاری دِیا نے ہی اٹھایا ہے' اس وقت سب سے بڑھ کر اسے ہماری توجہ کی ضرورت ہے۔''

وہ جو بات کئی دن سے انہیں سمجھانا چاہ رہی تھی۔اس وقت کہہ ہی گئی۔اصل میں پہلی بار ہی اسے ابا کا دِیا کے ساتھ غیر متوازن روّیہ کھلا تھا۔

وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

'' دِیا نے یہ وقت اپنی خود سری کے ہاتھوں دیکھا ہے اور اب بھی اگر وہ سبق نہیں لے گی تو بس خدا ہی اس کے حال پر رحم کرے۔''

وہ بہت مایوس سے نظر آ رہے تھے۔'' اولاد ہے میری وہ اس کے رنج کا احساس ہے مجھے' لیکن یہ وقت بھی بہر حال گزر ہی جائے گا۔''

اپنی بات کہہ کر وہ تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گئے۔

'' وقت تو خیر گزر ہی جائے گا' مگر درد؟''

'' درد کا کیا ہوگا' درد میں یوں لمحہ لمحہ کر کے گزرنے کی صلاحیت ہی کہاں ہے' وہ تو بس ٹھہر ہی جاتا ہے۔مہینوں' سالوں اور کبھی کبھی تا زندگی۔''

نازی نے کھلے ہوئے دروازے پر نگاہیں جمائے جمائے سوچا' جہاں سے ایک ایک کر کے وہ سب جا چکے تھے۔

'' خاک خیال ہے اولاد کا' ایک بار بھی تو بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی' بہن کو تسلی دینے کے لئے تو روز دوڑ کر جا رہے ہیں۔''

امی برتن سمیٹتے ہوئے کہے جا رہی تھیں' نازی نرمی سے انہیں منع کرنے لگی۔'' آپ رہنے دیں' امی بس میں اٹھا لوں گی' آرام کر لیں آپ بھی تھوڑی دیر۔''

"" تم نے بہت اچھا کیا جو وہاں جانے سے صاف منع کر دیا۔ دِیا کا دل بہت برا ہوتا' اگر تم وہاں چلی جاتیں' مجھے بھی اسی بات کی خوشی ہوئی کہ تم نے بہن کا خیال کیا۔""

کئی دن بعد ان کے لہجے کی نرمی کو محسوس کر کے نازی کو بہت سکون سا محسوس ہوا۔ دِیا کے مقابلے میں وہ اسے کتنا ہی نظر انداز کرتیں' مگر پھر بھی جب وہ اپنی خفگی میں تھوڑی سی بھی کمی کرتیں' اسے بڑی سے بڑی بات بھی بھولنے لگتی تھی۔

"" ویسے رعنا کا بھی فون آیا تھا' آج آنے کا کہہ رہی تھی' شام کے وقت۔""

وہ برتن لے کر کمرے سے کچن کی طرف جا رہی تھی تو اس نے امی کے منہ سے یہ خبر بھی سن لی۔

"" تو گویا امی نے جان بوجھ کر ابا کے سامنے رعنا کے فون کا نہیں بتایا' شاید وہ میرا جواب سننا اور میری نیت دیکھنا چاہتی تھیں۔"" نازی نے بے ساختہ ہی سوچا۔

...☆☆☆...

چھٹی کا دن تھا۔

گھر پر سب ہی موجود تھے' حتیٰ کہ جمیل ماموں اور لبنیٰ بھی۔

فرح جس وقت آئی' ممانی دروازے پر کھڑی بھوسی ٹکڑے والے سے باسی روٹیاں تلوا رہی تھیں' جو محض ثانیہ کو زیادہ سے زیادہ کام میں لگائے رکھنے کے مراق میں روزانہ ہی وہ ضرورت سے کہیں زیادہ پکوا لیتی تھیں اور روزانہ ہی بچ کر ایک ڈھیر کی صورت اختیار کر لیتی تھیں۔

"" پیسے صحیح لگانا اور تول میں ڈنڈی مارنے کی ضرورت نہیں ہے' میں اس طرح کی چوریاں فوراً ہی پکڑ لیتی ہوں۔""

انہوں نے بھوسی ٹکڑے والے کے ساتھ فرح کو بھی متاثر کرنا چاہا' جو انہیں سلام کرتی ہوئی ابھی اندر داخل ہوئی تھی۔

ثانیہ کو بڑی شرمندگی محسوس ہوئی' ممانی پر بھی اور خود پر بھی' جو اس ""منافع بخش تجارت"" میں ممانی کی نائب بنی' باسی روٹی سے بھری بڑی سی ٹوکری اٹھائے کھڑی تھی۔

فرح ممانی کو داد دینے کے لئے چند منٹ کے لئے وہیں رک گئی۔"" آپ تو بہت سمجھدار ہیں ممانی' ہر ماہ اچھے خاصے پیسے آجاتے ہوں گے اس طرح آپ کے پاس۔""

""تو اور کیا' اگر نہ دھیان دوں تو ان ساری روٹیوں میں پڑے پڑے پھپھوندی لگ جائے گی۔ تب کوئی ایک ٹکے کو بھی نہیں پوچھے گا۔"" وہ دانشمندی کے ساتھ گویا ہوئیں (اور وہ اور اماں بھی ممانی کے نزدیک بس اب پھپھوند لگی روٹیوں کے برابر ہی رہ گئے ہیں جن کی بقول ان کے ٹکے کی بھی اوقات نہیں ہے۔)

دل دکھانے کے لئے جو ایک خیال فوراً ہی آ براجمان ہوا' وہ چہرے کا رنگ بھی بدلنے کا سبب بن گیا۔

فرح نے بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور پھر بڑے لاپرواسے انداز میں اس کے ہاتھ سے ٹوکری لیتے ہوئے ممانی کے آگے گیٹ پر رکھتے ہوئے بولی۔

"" بس آج سے میں بھی یہی کام شروع کرنے والی ہوں' ثانیہ تم ذرا جلدی سے پہلے میری بات سن لو۔"" ثانیہ کا بازو تھامتے ہوئے وہ اسے اندر لینے چلی آئی۔ ممانی کچھ بھی نہیں کہہ سکیں۔

فرح وہ پہلی ہستی تھی، جس کے آگے وہ تھوڑا سا دب رہی تھیں، فرح کا رکھ رکھاؤ، لباس، سٹائل اور سب سے بڑھ کر اس کے پاس موجود گاڑی، جس میں وہ چند بار ممانی اور لبنیٰ کو بھی گھما لائی تھی۔ انہیں ثانیہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی تھوڑی رعایت دینی پڑ جاتی۔

اندر جمیل ماموں غصے میں بڑبڑائے جا رہے تھے۔" غضب خدا کا، خدا کے رزق کی اتنی بے حرمتی اور احساس تک نہیں اس عورت کو، مہنگائی کا عالم دیکھو اور یہ ہے کہ کس آرام سے میری حق حلال کی کمائی میں آگ لگائے جا رہی ہے۔"

اماں گھبرا گھبرا کر گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے ماموں ہی کو سمجھائے جا رہی تھیں۔

" بس چھوڑ، غصہ مت کر، بے کار میں کچھ سن لے گی تو ایک نیا قضیہ شروع ہو جائے گا۔ میں ثانیہ کو منع کر دوں گی کہ اتنی روٹیاں مت پکایا کر، ویسے بھی اصل غلطی تو ثانیہ ہی کی ہے، نہ وہ اتنی زیادہ...." باوجود کوفت اور رنج کے ثانیہ کو بے اختیار ہی ہنسی آ گئی۔

" السلام علیکم ماموں۔"

" وعلیکم سلام، جیتی رہو بھئی، بہت دن بعد نظر آئیں۔" جمیل ماموں کا دھیان کچھ دیر کے لئے ممانی کی طرف سے ہٹ ہی گیا۔ انہیں فرح کا بے تکلفی کے ساتھ " ماموں" کہنا بڑا اچھا لگتا تھا۔

" میں تو آتی ہی رہتی ہوں، یہ کہیے آپ سے ملاقات نہیں ہو پاتی، لگتا ہے بہت بڑے بزنس مین ہوتے جا رہے ہیں آپ۔"

مسکراتے ہوئے جو بات اس نے یوں ہی رواداری میں کہہ ڈالی تھی، جمیل ماموں کو پھر سے چڑنے پر مجبور کر گئی۔

" ٹھیک کہہ رہی ہو، بہت بڑے بڑے بزنس مین بن گئے ہیں، کر تو رہی ہیں ہماری بیگم گیٹ پر کھڑی ایک بڑی بزنس ڈیل کو فائنل۔"

ثانیہ کی پھر سے ہنسی چھوٹی، اس بار فرح بھی ساتھ تھی، لیکن ماموں واقعی جھنجلائے ہوئے تھے۔" یہ لبنیٰ کہاں ہے، آج تو گھر پر ہو گی ہی۔"

فرح نے کئی بار کے تجربے کو مد نظر رکھتے ہوئے پوچھ لیا تو جمیل ماموں کے بجائے اماں بول پڑیں۔

" ناشتہ کر کے ابھی دوبارہ سوئی ہے۔ شاید طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔"

جمیل ماموں لگتا تھا کہ آج کس بھی بات سے متفق نہ ہونے کی قسم کھائے بیٹھے تھے، سو اس بات سے بھی نہیں تھے۔

" سست ہے ہمیشہ کی اور یہ سب تمہاری ممانی کی شہ ہے، سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہاں اکیڈمی میں آخر کیا کر رہی ہے، آخر کب ختم ہو گا۔ یہ کمپیوٹر کورس، تمہیں تو اندازہ ہو گا نا فرح۔" وہ اپنی بات کہتے کہتے یکدم ہی فرح سے پوچھ بیٹھے۔

سامنے کے کمرے میں لیٹی لبنیٰ کے کان ادھر ہی لگے ہوئے تھے۔ ماموں کے " ارشادات عالیہ" سن کر جو جان جلی تھی سو الگ، یہ جو انکوائری انہوں نے فرح سے شروع کی تھی، فرح بڑی خدشات بھری تھی۔

خود فرح جیسی صاف گو کے لئے بھی اس کا فوری جواب دینا آسان نہیں تھا۔ ثانیہ کی وجہ سے وہ ممانی یا لبنیٰ کے ساتھ کوئی بدمزگی بھی نہیں چاہتی تھی اور جمیل ماموں جیسے سادہ دل انسان کو جان بوجھ کر اندھیرے میں رکھنا بھی بڑی بددیانتی والی بات ہوتی، سو وہ کچھ جھجکتے ہوئی کہہ ہی گئی۔

"اصل میں ماموں' کیا ہے کہ کورس تو اس کا اب تک ختم ہو چکا ہوتا' کیونکہ یہ تو شارٹ کورس ہے' کوئی بڑا ڈپلومہ تو ہے نہیں' مگر لبنیٰ اسے کلیئر نہیں کر پا رہی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اکیڈمی سے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لئے جو کلیئرنس ٹیسٹ پاس کرنا ضروری ہوتا ہے' وہ نہیں کر پا رہی ہے وہ۔"

اندر لیٹی لبنیٰ نے بھی لفظ بہ لفظ یہ وضاحت سنی' جو راز اب تک اس کے اور ممانی کے بیچ بڑی حفاظت سے محفوظ تھا' وہ آج یوں سر بزم افشا ہوا تھا۔

مارے غصے کے' اس کا برا حال ہو رہا تھا' اگر جمیل ماموں کی موجودگی کا خیال مانع نہ ہوتا تو وہ یقیناً فرح کو گھر سے باہر کا راستہ دکھا چکی ہوتی۔

باہر پہلے تو چند منٹ خاموشی چھائی رہی' پھر نسبتاً دھیمی آواز میں گفتگو ہونے لگی' شاید موضوع بدلا جا رہا تھا۔

لبنیٰ کو جو توقع تھی کہ اس انکشاف پر والد محترم اس کی "قابلیت" کو با آواز بلند سراہیں گے۔ فی الحال ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔

"شاید انہوں نے فرح کی بات ٹھیک طرح سے سنی یا سمجھی ہی نہ ہو۔" لبنیٰ کو اپنی تسلی کے لئے ایک نیا نکتہ ہاتھ آ ہی گیا۔

فرح جب بھی آتی' باہر برآمدے میں اماں کے تخت کے پاس پڑی کرسیوں پر ہی بیٹھی رہتی۔ ممانی نے ایک آدھ بار اسے ازراہ مروت ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کی بھی آفر کی' مگر وہ مسکرا کر ٹال گئی۔

اتنے دن سے یہاں آنے جانے میں اسے اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ اماں اور ثانیہ کا اس گھر میں کیا مقام ہے۔

(اور یہ اندازے بھی کبھی کبھی دل کو کس بری طرح دکھاتے ہیں)۔

فرح کی کسی بات پر ثانیہ پھر سے ہنسی تو اماں کچھ چونک سی گئیں۔ آج معلوم نہیں کتنے دن بعد انہوں نے اس طرح اسے بڑے دل سے ہنستے ہوئے دیکھا تھا' ورنہ یہاں آ کر تو لگتا تھا جیسے وہ اپنی ہنسی نواب شاہ کے اس چھوٹے سے گھر میں ہی چھوڑ آئی ہے۔

"اور اس طرح ہنستے ہوئے وہ کتنی پیاری لگ رہی تھی۔" اماں نے دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہتے ہوئے اپنا دھیان جمیل ماموں کی باتوں کی طرف لگانا چاہا' جواب سخت میزبانی کے موڈ میں آ چکے تھے۔

"تم لوگ کیا کھاؤ گی بھئی' چاٹ' سموسے یا..."

"کچھ بھی بے آئیں ماموں' آپ کے ہاں تو سب ہی کچھ مل جاتا ہے۔ میں نے ویسے بھی بڑا لائٹ سا ناشتہ کیا ہے۔" ان کی بات کاٹتے ہوئے فرح نے بڑے اطمینان سے مشورہ دیا۔ وہ ہنستے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔

جمیل ماموں کی موجودگی میں ثانیہ کو بڑا اعتماد سا حاصل رہتا تھا۔ وہ تھے بھی ایسے ہی' سادہ دل' بے حد محبت کرنے والے۔ ممانی اور لبنیٰ دونوں ہی نے ان سے ذرا بھی اثر نہیں لیا تھا۔

"تمہیں اگر کچھ کام کرنا ہو تو وہیں کچن میں چلے چلتے ہیں۔" فرح کو ثانیہ کی ذمہ داریوں کی اچھی طرح خبر تھی۔

"نہیں آج میں فارغ ہو چکی ہوں۔ ماموں کے گھر میں ہونے کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ وہ صبح ہی صبح یہ فیصلہ کر دیتے ہیں کہ کیا پکنا ہے۔ سو آج جو کچھ پکنا تھا' پک چکا ہے اور صفائی بھی ہو چکی۔" ثانیہ نے کہتے ہوئے بمشکل صحن کی دیوار کے ساتھ پڑے کاٹھ کباڑ کے ڈھیر سے نظر چرائی' جس کی موجودگی گھر میں صفائی کے تاثر کو جمنے ہی نہیں دیتی تھی اور چونکہ یہ چھوٹا سا برآمدہ بالکل ہی صحن کے ساتھ ملحق تھا' سو یہاں بیٹھ کر اور بھی زیادہ برا محسوس ہوتا تھا۔

فرح کا دھیان کہیں اور تھا۔ اس وقت ویسے بھی وہ ثانیہ سے کچھ کام کی باتیں کرنے کے لیے آئی تھی۔

"تمہارا لینگویج کورس تو اب ختم ہونے کو ہوگا ثانیہ۔"

"ہوں‘ اگلے مہینے کے آخر تک‘ میرے ٹیچر کہہ رہے تھے کہ میں نے بہت تیزی سے اور بہت زیادہ امپرو کیا ہے۔"

وہ بڑی خوشی خوشی بتانے لگی۔

"لیکن تین ماہ کا ایک اور ایڈوانس کورس ہمارے سنٹر میں شروع کیا جارہا ہے‘ میں سوچ رہی ہوں‘ وہ بھی کر ہی ڈالوں۔"

"کوئی حرج نہیں ہے‘ انگلش تو جتنی بھی امپرو ہو‘ اچھی ہی بات ہے۔ آگے کسی بھی فیلڈ میں جاؤ کام آتی ہے‘ لیکن میں چاہ رہی ہوں کہ تم اب ساتھ ساتھ کچھ اور بھی کام شروع کرلو۔" ثانیہ کے دل و دماغ کی سوئی‘ کئی دنوں سے خود اسی ایک نقطے پر ٹکی ہوئی تھی۔ سو اس کی سوالیہ نظریں فرح کے چہرے پر جم سی گئیں۔

"اگلے ہفتے سے کمپیوٹر کے نئے کورسز شروع ہو رہے ہیں۔ ہمارے ہاں‘ میں چاہ رہی ہوں کہ تم بھی کوئی ایک ضروری ہی کرلو‘ بیسک شارٹ کورس ہی سہی۔"

ثانیہ نے جو ہلکا سا جوش ابھی ابھی محسوس کیا تھا۔ وہ فرح کے مشورے سے ایک دم ہی ٹھنڈا پڑنے لگا۔

"کیا فائدہ اس طرح کے کورس میں وقت ضائع کرنے کا‘ اب تو اتنی ایڈوانس اور تفصیل سے IT کی تعلیم دی جارہی ہے کہ ان چھوٹے موٹے کورسز کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں رہی۔"

ثانیہ کی بات غلط نہیں تھی‘ مگر فرح بات کو دوسرے رخ سے دیکھ رہی تھی۔ "تمہاری نالج میں یہ چھوٹا سا کورس ہی بے حد اضافہ کردے گا‘ جب تم کرلوگی تو تمہیں خود ہی اندازہ ہوگا کہ یہ تمہارے لئے کتنا ضروری تھا۔ انگلش تم نے اپنی امپرو کرنے کی کوشش کی‘ بے حد اچھا کیا۔ اب میرے کہنے سے یہ بھی کرلو‘ دیکھنا....."

"میں اب کوئی ایسا کام کرنا چاہ رہی ہوں فرح‘ جس میں آمدنی ہو۔ چھوٹی موٹی تنخواہ‘ جس کے تھوڑے بہت پیسے ہی میں اماں کے ہاتھ پر رکھ سکوں۔"

فرح کی بات پر وہ دل سے قائل ہو رہی تھی‘ مگر اس کا اصل مسئلہ کچھ اور ہی تھا۔

ماں کے خیال سے وہ بہت ہلکی آواز میں یہ سب کہہ گئی۔ اس کے لہجے میں بڑی عجیب سی کیفیت تھی۔

بے بس اداس لمحوں میں تمنا کا اظہار‘ بالکل ایسی جیسے کہرے میں سے جھانکتی کوئی اجلی کرن رستہ بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔

فرح نے محبت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میری ایک بات بہت دھیان سے سنو ثانیہ اور اس پر یقین رکھنا پلیز۔" دھیمے مگر بہت مضبوط لہجے میں وہ گویا ہوئی۔ "تم بہت آگے جاؤگی‘ انشاءاللہ‘ یہ چھوٹی موٹی تنخواہ تمہاری منزل نہیں ہے۔ ایک دن تم وہاں ہوگی کہ لوگ تمہیں رشک کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔"

ثانیہ چند لمحے یوں ہی گم صم سی اس کے کہے الفاظ کی گونج میں گھری رہی۔

ممانی گیٹ سے اندر واپس آرہی تھیں‘ ان کا سودا آخر کو فائنل ہو ہی گیا تھا۔ باآواز بلند کسی بات پر اظہار خیال کرتی ہوئی۔

ثانیہ نے ایک بار پھر حیرت سے فرح کے مسکراتے ہوئے چہرے پر نگاہ ڈالی‘ "اور جو کچھ اس نے ابھی کہاں ہے‘ کتنا ناقابل یقین سا لگتا ہے۔" اس نے بے اختیار ہی سوچا۔

...☆☆☆...

کمرے میں اس وقت ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور ان دونوں کے بیچ چھائی خاموشی بھی طویل تر ہوتی جا رہی تھی۔

بابا اپنی آرام دہ کرسی پر نیم دراز چھت پر نظریں جمائے' اس وقت کیا کچھ سوچ رہے تھے۔ سجاد کو اس بات کا اندازہ تھا۔

" شاید انہیں ہی بابا کو وحید بھائی کے فلیٹ پر ہونے والے تازہ واقعہ کی تفصیل سنانے سے پرہیز کرنا چاہیے تھا۔"

یہ خاموشی اب انہیں سچ مچ تھوڑا سا کنفیوز کر رہی تھی' مسئلہ یہ تھا کہ بابا سے کچھ چھپانا بھی ناممکن لگتا تھا۔ معلوم نہیں ان کے مخبر کہاں کہاں تھے۔ چھپائی جانے والی ہر چھوٹی بڑی بات جلد یا بدیر ان کے علم میں آ ہی جاتی تھی۔

صرف سجاد ہی نہیں' وقار بھائی اور سہیل کو بھی اس بات کا بارہا تجربہ ہو چکا تھا' سو بعد والی شرمندگی سے بچنے کے لیے وہ لوگ اب ان سے کچھ چھپانے کے قائل ہی نہیں رہے تھے۔

" میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا سجاد۔"

دفعتاً کمرے میں چھائی خاموشی ٹوٹی۔

"جی بابا۔"

سجاد بڑے سے ہو کر بیٹھے'

بابا ان ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں ایک کاٹ دار سی چمک' اس وقت بڑی نمایاں ہوتی تھی۔ جب وہ کسی سوچ میں ڈوب کر نکلے ہوں۔ ایسے میں ان کی نگاہ بڑی ناقابل مزاحمت لگا کرتی تھی۔

سجاد کی نظر بھی فوراً ہی جھک گئی۔

" جو لوگ خدا کی طرف سے بھرپور طور پر نوازے جاتے ہیں' مال' اولاد' عیش و آرام' ہر نعمت وہ ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیتا ہے۔ دنیا میں لوگ انہیں خوش قسمت ترین گردانتے ہیں۔ ان جیسے نصیب کو پانے کی دعا کرتے ہیں' لیکن وہی لوگ سب سے زیادہ رسک پر رہتے ہیں۔"

اپنی بات کہتے کہتے انہوں نے ذرا سا توقف کیا۔

سجاد اسی طرح سر جھکائے بیٹھے رہے۔

بابا کثیر المطالعہ اور فکری شخصیت تھے اور اس وقت بھی وہ جو کچھ کہتے جا رہے تھے' یقیناً بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہے تھے۔

" انسان کا سب سے زیادہ آزمائش کا وقت وہی ہوتا ہے' جب ضرورت سے زیادہ خوش قسمتی اس کے حصہ میں آ جاتی ہے۔ زندگی میں آئی آسانیاں' بہت غیر محسوس طور پر انہیں بے خوف اور بے نیاز بنا دیتی ہیں اور پھر پے در پے اس سے غلطیاں سرزد ہوتی ہی چلی جاتی ہیں' جیسے جیسے اچھا تم بتاؤ۔"

انہوں نے یک دم ہی جیسے کسوٹی' کسوٹی کھیلنا شروع کر دیا۔

سجاد کا ذہن قدرتی طور پر وحید بھائی کی طرف ہی گیا' ایک تو اتنی دیر سے قصہ بھی ان ہی کا چھڑا ہوا تھا اور دوسرے بابا کا بیان کردہ احوال کا ایک ایک لفظ' ان ہی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ سو وہ تھوڑا اب جھجکتے ہوئے کہہ ہی گئے۔

" وحید بھائی۔"

بابا پر زور انداز میں نفی میں سر ہلائے گئے۔" نہیں' وحید' اس کیٹیگری میں نہیں آتا۔ وہ ایک گھٹیا اور کمینہ شخص ہے اور ہمیشہ ہی رہے گا۔ تھوڑی بہت دولت جو اسے فرحت سے شادی کر کے مل گئی ہے۔ وہ خوش قسمتی کی دلیل ہر گز بھی نہیں ہے۔

" تو پھر بھلا کون؟"

سجاد نے دل میں اندازہ لگانا چاہا' مگر سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ بابا نے اس کے چہرے پر جمی حیرت کو دیکھا اور ہلکے سے مسکرا دیئے۔ بجھی بجھی سی' جسے شاید مسکراہٹ کہنا بھی غلط ہی تھا۔

" وہ خود میں ہوں بیٹا اور اللہ جنت نصیب کرے بہت معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ تمہارے دادا بھی اس قسم کے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ تقریباً ان ہی جیسا ہوں۔ فطرت انسان کو وراثت میں ملتی ہے شاید' کم از کم کوئی ایک اولاد تو بالکل آپ جیسی ہوتی ہی ہے۔"

بات کہیں سے کہیں نکلی جا رہی تھی۔

سجاد الجھن سی محسوس کر رہے تھے۔

بشری کمزوریاں بجا' مگر بابا ہمیشہ ہی سجاد کے آئیڈیل رہے تھے۔

ان کی سچائی' ایمانداری' ذہانت اور قوت فیصلہ کی ہمیشہ ہی سجاد نے تقلید کرنے کی کوشش کی تھی۔

آج اگر وہ تینوں بھائی' بہترین کیریئر رکھتے تھے تو یہ خدا کی مہربانی کے بعد بابا کی ہی پلاننگ اور تربیت کی وجہ سے تھا۔

مگر وہی آج خود کو مورد الزام ٹھہرا رہے تھے۔

" پیسے کے معاملے میں ہمارا خاندان ہمیشہ ہی خوش قسمت رہا ہے' میرے والد اور ان سے پہلے میرے دادا بھی بڑے کامیاب کاروباری رہے ہیں۔ کم از کم ہماری برادری میں کسی گھرانے نے یہ ترقی نہیں کی' جیسے کہ ہم لوگوں نے کی' مگر ذاتی زندگی میں ہم لوگ اس سمجھداری سے کام نہ لے سکے' جیسے کاروباری معاملات میں لیتے رہے اور اس کا نتیجہ دیکھو' یہ سب کچھ جو ہمارے خاندان میں نسل در نسل سامنے آ رہا ہے۔"

سجاد نے ایک گہری سانس لی۔

" تتر بتر ہوا خاندان"

" زندہ در گور ہوئی زندگی' کیا ہے یہ سب؟"

" ہم پیسے کے بل پر اوور کانفیڈنٹ ہو کر فیصلے کرتے ہیں' سمجھتے ہیں سب کچھ حسب منشاء ہو جائے گا' مگر کیا ہوا۔"

انہوں نے پل بھر کا توقف کیا۔

" جو حق دار تھے' وہ اس پیسے پر لات مار کر زندگی بھر کے لیے ہم سے الگ راہ پر چل دیئے اور جنہیں ہم نے اپنے زعم میں ان کے حق سے بھی کہیں زیادہ دیا۔ وہ ہماری زندگی کا آزار بن کر چمٹ گئے۔ وحید کا رونا تو اب عمر بھر کا ہے' جانتے بوجھتے ہوئے اس کی فطرت کو میں نے اپنی اکلوتی بچی پر عمر بھر کا عذاب مسلط کر دیا۔ بس یہی خوش فہمی تھی نہ کہ فرحت کی ملی جائیداد' جہیز' وحید میں بہتری لے آئیں گے' مگر پیسہ ہاتھ آتے ہی اس کی بد فطرت نے وہ وہ رنگ دکھائے' جو وہ خالی ہاتھ رہ کر کبھی نہیں دکھا سکتا تھا۔"

وہ بولتے بولتے یک لخت ہی خاموش ہو گئے' اس وقت وہ حد سے زیادہ رنجیدہ تھے۔

اپنے ذاتی دکھوں پر وہ کم سے کم بات کرتے تھے، مگر سجاد کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ خود سے جڑے دو نزدیک ترین رشتوں کا دکھ انہیں اندر سے پوری طرح گھائل کئے ہوئے ہے۔

"بابا۔"

سجاد اپنی جگہ سے اٹھ کر قریب پڑے فلور کشن پر آ بیٹھے، "آپ اتنی ٹینشن مت لیں، سب کچھ کبھی نہ کبھی تو ٹھیک ہو گا ہی، آپ خود کو قصوروار مت ٹھہرائیں، اگر قسمت میں یہ سب لکھا گیا تھا تو یہ تو ہونا ہی تھا نا۔"

ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر وہ بہت نرمی سے جو کچھ کہہ رہے تھے، بابا کی تسلی کے لئے ناکافی تھا۔

"قسمت پر الزام دھر کر خود کو بری الزمہ قرار دے لینا، سب سے آسان ہے سجاد، قسمت پر میرا بھی ایمان ہے، لیکن اپنی سی بہترین کوشش کر لینے کا اختیار تو اللہ نے بندوں کو دیا ہے نا، مگر ہم سے تو وہ کوشش بھی نہیں ہوئی۔"

سجاد کو احساس تھا کہ بابا کی صحت بہر حال اب پہلے جیسی نہیں ہے اور جس سخت ذہنی دبائو کو وہ جھیل رہے ہیں، وہ ان کے لیے کہیں نہ کہیں تشویشناک ثابت ہو سکتا ہے تو انہوں نے بڑے غیر محسوس انداز میں بات کو دوسری طرف لے جانا چاہا۔

"ارے ہاں بابا، فرحت آپا کے بچوں نے مجھے آج آفس میں فون کیا تھا۔ فارم ہائوس چلنے کی فرمائش کر رہے تھے۔ اس اتوار کا وعدہ لے کر ہی مانے، میں ہفتے کو ہی فرحت آپا کو آفس سے اٹھ کر لیتا ہوا آئوں گا اور اس بار ہم لوگوں کے ساتھ آپ کو بھی چلنا پڑے گا۔ اس دن کے لیے کوئی دوسری مصروفیت نہیں جمع رکھئے گا۔"

بابا واقعی تھوڑا سا خوش ہو ہی گئے۔

فرحت آپا سے بھائیوں، خصوصاً سجاد کی گہری محبت کو محسوس کر کے انہیں اکثر ہی بہت اطمینان بھی ہوتا تھا، جو زیادتیاں فرحت آپا جھیل رہی تھیں۔ اس کی تھوڑی سی تلافی ہوتی محسوس ہونے لگتی تھی۔

"یہ اچھا پروگرام بنا لیا تم نے، میں کل ہی عمر سے کہوں گا کہ ذرا وہاں فون کر کے ضروری ہدایات دے دے، تم لوگوں کا رات کو وہاں رکنے کا بھی پروگرام ہے یا شام کو ہی واپس آئو گے۔"

سجاد کی کوشش کارگر رہی۔

تلخ حقیقتیں کچھ دیر کے لئے ہی سہی، پس منظر میں جانے لگیں اور کافی دیر بابا کے پاس بیٹھ کر جب سجاد اٹھ رہے تھے، تب تک بابا خود پر پوری طرح سے قابو پا چکے تھے۔

"شام کو میں وحید کو بلا رہا ہوں اور اس کی وہ خبر لوں گا کہ یاد رکھے گا۔ رحمت منزل کے فلیٹ اس کی آبائی جاگیر نہیں ہیں، وہاں جو چاہے کرتا پھرے۔ وہ ہمارے خاندان کی پراپرٹی ہے، جس کا کچھ حصہ ہم نے اپنی بیٹی کو دیا ہے۔ یہ کہاں سے اس کا مالک بن بیٹھا ہے، بہت اٹھا چکا ہماری شرافت سے ناجائز فائدے۔"

وہ بہت دبدبے والے شخص تھے اور جب کسی بات پر خفا ہوتے تو بہت سخت گیر لگا کرتے۔

اس وقت بھی وہ کچھ ایسے ہی محسوس ہو رہے تھے۔ سجاد کو بہر حال ان کا یہی روپ اچھا لگا کرتا تھا، پر وقار، بااصول اور بے خوف۔

ان ہی سے سجاد نے اپنی ذات کا اعتماد پایا تھا اور وہی تھے جن سے مشکل ترین گھڑیوں کو آسان کرنے کا انہوں نے ہنر سیکھا تھا۔ ان کی ذات سے جڑی شکستگی، افسردگی ایک حقیقت سہی، مگر وہ صرف ایک حصہ ہی تھی، صرف ایک حصہ۔

...☆☆☆...

فرح کا دیا ہوا مشورہ شش و پنج میں ڈالے ہوئے تھا۔ دل کہتا کہ آنکھیں بند کر کے عمل کر ہی لیا جائے، مگر یہاں ایک دو نہیں، دس جواز تھے، جو دس بار سوچنے پر مجبور کر رہے تھے۔

لینگویج کلاس میں تو چلو، وہ سہ پہر کے وقت ہی جاتی تھی۔ صبح کے سارے کاموں سے فارغ ہو کر، ممانی چاہتے ہوئے بھی کوئی اعتراض نہیں اٹھا پا رہی تھیں۔ رات کو بھی وہ کھانے، چائے سے فارغ ہو کر ہی اپنی کتابیں سنبھالتی تھی۔ انہیں اس کی لگن، چڑاتی تو بہت، اپنی جھنجلاہٹ کسی نہ کسی بہانے اتار بھی لیتیں، مگر ثانیہ کی پڑھائی پر کسی طور اثر انداز نہیں ہو پا رہی تھیں، مگر اب یہ صبح کا بھی جانا بڑی ٹیڑھی کھیر تھا، سب سے پہلا مسئلہ، اجازت کا ملنا تھا۔

ممانی کسی صورت بھی اسے صبح کے وقت کہیں جانے دینے والی نہیں تھیں۔ ساری زندگی میں انہیں پہلی بار ایک فل ٹائم ملازمہ میسر آئی تھی اور وہ بھی مفت کی۔ بالکل ایسا لگتا تھا کہ انہیں جادو کی چھڑی میسر آ گئی ہے، جس کے بل پر دن بھر خود بخود ہر کام ہوتا چلا جاتا اور وہ خود مزے سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتیں۔

آرام طلبی کا یہ مزہ جو انہوں نے ثانیہ اور اماں کی نواب شاہ سے آمد کے بعد چکھا تھا۔ اب ان کی عادت بن چکا تھا۔

" اگر صبح فجر کی نماز کے بعد دوپہر کا سالن بنا کر رکھ دیا جائے اور گھر کی صفائی بھی کر لی جائے تو شاید ممانی مان ہی جائیں۔"

وہ از سر نو دل ہی دل میں وقت کی جمع تفریق کرتی، مگر صبح کے سات سوا سات بجے نکلنا پھر بھی ممکن نہیں نظر آتا۔ پھر یہ بھی تھا کہ صبح سویرے کی جانے والی صفائی دن بھر برقرار بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ جب سے اس نے صفائی ستھرائی کا چارج سنبھالا تھا، ممانی اور لبنیٰ دونوں ہی بے حد " صفائی پسند " ہو گئی تھیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

ثانیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس معاملے کو کس طرح حل کیا جائے۔ فرح روزانہ ہی فون کر کے زور ڈالتی۔

" اپنے وقت کی قدر کرو ثانیہ، کچھ نہیں ملنا ملانا اس خدمت گزاری سے، تمہاری زندگی پر تمہارا اپنا حق ہے۔ اسے بے حس لوگوں کی نظر مت ہونے دو، جو " شکریہ " کا چھوٹا سا لفظ بھی کہنے کے روادار نہیں ہیں۔ انہیں تم اپنی ساری زندگی بھی دے دو تو جواباً کچھ ہاتھ نہیں آنا۔" وہ بے دردی سے حالات کا تجزیہ کرتی، ثانیہ کو یہ کڑوی گولی حلق سے اتارنی مشکل ہو جاتی۔ " بہر حال فرح، ماموں کا احسان تو ہے نا، مجھے اور اماں کو سہارا نہ دیتے تو سوچو ہم لوگ کہاں جاتے۔ اب اگر میں ممانی کو تھوڑا بہت آرام دے دیتی ہوں تو...."

وہ جز بز سی ہو کر کچھ کہنا چاہتی تو وہ بھی فرح کے لئے قابل قبول نہیں ہوتا۔

" فرض ہے جمیل ماموں کا، کوئی احسان نہیں۔ اس دنیا میں بھی جوابدہ ہیں اور اللہ کے آگے بھی۔ اور یہ جو گھر جس کی مالکن تمہاری ممانی بنی بیٹھی ہیں نا، تمہارے نانا کا ہے۔ تمہارا اور اماں کا حق بنتا ہے اس پر، میں نے ایک بار پوچھا تھا ماموں سے کہ یہ گھر ان کا بنوایا ہوا ہے یا پھر...."

فرح کی معلومات قابل رشک تھیں۔ خود ثانیہ کو تو کبھی بھولے سے بھی اس بات کا خیال نہیں آیا تھا اور فرح کی زبانی اس اطلاع پر بھی اسے کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔

" خیر ہمیں ان کے گھر سے کیا لینا دینا، خدا جمیل ماموں کو لمبی عمر دے۔"

اسے ماموں سے بے حد محبت تھی، وہی تھے جن میں کہیں نہ کہیں ابا کی سی شفقت کا احساس جھلکتا تھا۔

فرح بھی آگے سے خاموش ہو رہی۔ ثانیہ کے جذبات کا اسے پاس بھی تھا۔

پر اس رات، جب وہ روزانہ کی طرح رات کے کھانے کے بعد چائے بنانے کے لئے کچن میں تھی، فرح کا فون ایک بار پھر آ گیا۔

اماں اور جمیل ماموں تخت پر بیٹھے تھے، جبکہ ممانی وہیں قریب ہی کرسی پر براجمان تھیں۔ لبنیٰ نے کمرے سے نکل کر بہت ناگواری کے ساتھ فرح کے فون کی اطلاع دی۔ اسے نہ فرح پسند آئی تھی، نہ اس کی یہاں گھر میں آمد اور نہ ہی اس کا فون آنا اور ممانی اسی ایک نقطے پر متفق نہیں ہو پائی تھیں۔

اسمارٹ، خود اعتماد، قابل اور فیشن ایبل۔

انہیں دل و جان سے فرح پسند آ چکی تھی، بلکہ پاس پڑوس، خاندان، کہیں بھی انہیں کوئی اسی لڑکی دکھائی نہیں دیتی تھی، جس میں فرح کا سا اسٹائل ہو۔ وہ جب ان کے چھوٹے سے گیٹ پر اپنی گاڑی لا کر روکتی تھی تو انہیں خود بخود ہی اپنا "سوشل اسٹیٹس" بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

"جس طرح وہ اور ثانیہ گھلی ملی رہتی تھیں، ان کا بے ساختہ دل چاہنے لگتا تھا کہ ثانیہ کی جگہ لبنیٰ فرح کے قریب ہو۔ تو اس وقت بھی اپنی دبی ہوئی خواہش کے زیر اثر وہ لبنیٰ سے کہہ گئیں۔

"ثانیہ چائے بنا رہی ہے، اتنی دیر میں وہ فارغ ہو، تم ہی فرح سے باتیں کر لو۔"

"میں نہیں کرتی بات وات کسی سے" اس نے بڑی ناگواری سے سر جھٹکتے ہوئے ان کی بات کا جواب دیا اور وہیں دروازے میں کھڑے کھڑے ہی ثانیہ کو آوازیں دینے لگی۔

جمیل ماموں بہت غور سے اس کے انداز دیکھے گئے، جس دن سے فرح بتا کر گئی تھی کہ لبنیٰ سے فائنل ٹیسٹ کئی بار کی کوشش کے بعد بھی پاس نہیں ہو پا رہا ہے۔ وہ رنجیدہ بھی تھے اور لبنیٰ سے خفا بھی، مگر یہ بات انہوں نے ابھی تک اسے

جتائی تک نہیں تھی، پر اس وقت لبنیٰ کا یہ اکڑ فوں انداز ان سے بالکل بھی برداشت نہیں ہوا۔" ثانیہ۔" انہوں نے سامنے سے آتی ثانیہ کو مخاطب کیا۔" بیٹا، تم جا کر اپنی دوست سے بات کر لو۔ چائے لبنیٰ بنا کر لے آئے گی۔ جاؤ لبنیٰ، کسی وقت تم بھی مجھے کچن میں نظر آ جایا کرو۔"

ایک پل کے لیے تو سب ہی خاموش سے رہ گئے۔ خود ممانی اور لبنیٰ بڑی حیرت سے ماموں کا چہرہ تکنے لگیں، مگر وہ یک دم ہی بڑے سنجیدہ سنجیدہ سے دکھنے لگے تھے۔

"سنا نہیں، تم سے کہہ رہا ہوں۔ رات گئے تک ٹی وی کے آگے جمی بیٹھی رہتی ہو۔ خود سے تمہیں ذرا بھی خیال نہیں آتا کہ ثانیہ اکیلی سارا دن لگی رہتی ہے۔"

اپنی بات ختم کرتے کرتے وہ باقاعدہ غصے میں آ چکے تھے اور سب ہی کو گھر میں پتہ تھا کہ ان کا کبھی کبھی آنے والا غصہ، کس نوعیت کا ہوتا ہے۔

ثانیہ کو وہ ہاتھ کا اشارہ کر کے کمرے میں جانے کا کہہ چکے تھے۔ سو وہ دھڑکتے دل کے ساتھ فرح کا فون سننے کے لیے سامنے والے کمرے میں چلی گئی۔ اتنا بھی نہ کہا گیا کہ چائے وہ دم کر چکی ہے اور اب صرف پیالیوں میں ڈالنا باقی ہے۔

فرح نے جمیل ماموں کے گھر کے قریب ہی کوئی اور بڑا مناسب سا کمپیوٹر سنٹر دریافت کر لیا تھا اور اس کے خیال میں اب کوئی وجہ نہیں تھی جو ثانیہ کو ایڈمیشن لینے میں اعتراض ہوتا۔

"صرف ایک سٹاپ کا فاصلہ ہے اور ٹائم بھی تمہیں سوٹ کرتا ہے، نو سے ایک، تم واپس آ کر اطمینان سے اپنی چار بجے والی لینگویج کلاس میں بھی جا سکتی ہو۔"

ثانیہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

اسے لینگویج کلاس سے زیادہ صبح کے کام کی فکر تھی۔ نو بجے تک تو وہ کسی نہ کسی طرح گھر کا کام ختم کر کے جا ہی سکتی تھی۔

پھر یہ بھی کہ گھر سے فاصلہ بھی مختصر ہی تھا۔ بہت سے کام ایک بجے واپسی کے بعد بھی نمٹائے جا سکتے تھے۔ اصل مسئلہ ممانی کی رضامندی تھی اور یہ تو کم از کم طے ہی تھا کہ وہ بخوشی کبھی بھی رضامندی کا اظہار نہیں کرنے والی ہیں۔

"تم انہیں چھوڑو' ڈائریکٹ جمیل ماموں سے بات کرو۔ ورنہ کہو تو میں اتوار کو آ کر ان سے بات کر لوں۔ دیکھنا وہ فوراً ہی خوشی خوشی اجازت دے دیں گے۔"

فرح سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ وہ اتوار چھوڑ' کل بھی آ سکتی تھی۔

اور ثانیہ کو پتہ تھا کہ جمیل ماموں کو اچھا نہیں لگے گا کہ وہ اپنی بات ان سے خود کہنے کے بجائے فرح کا سہارا لے رہی ہے۔ سو اس نے فوراً ہی اسے منع بھی کر دیا۔

"نہیں تم رہنے دو' میں خود ہی بات کر لوں گی۔"

"آج ہی کر لو' بلکہ ابھی' گھر پر ہی ہیں نا۔"

ثانیہ کو گھر کی موجودہ صورت حال کو فرح جیسی دوست سے کہنا بھی اچھا نہیں لگا' جلدی جلدی اسے اطمینان دلا کر وہ واپس باہر آئی تو جمیل ماموں کی خفگی ابھی تک کم نہیں ہوئی تھی۔

چائے سے لبالب بھرے مگوں والی ٹرے ان کے سامنے تخت پر دھری تھی اور ممانی اور لبنیٰ کے چہروں پر اچھی خاصی ٹینشن محسوس ہو رہی تھی۔

اسے آتا دیکھ کر لبنیٰ تیزی سے مڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور پھر اس کے پیچھے ممانی بھی۔

ثانیہ کو شرمندگی سی گھیرنے لگی۔

کہیں نہ کہیں شاید' وہی قصوروار تھی' نہ اس وقت فرح کا فون آتا' نہ ہی ماموں لبنیٰ پر برس پڑتے۔

"یہاں بیٹھو میرے پاس۔"

ماموں اس کی اتری ہوئی شکل دیکھتے ہوئے نرمی سے بولے۔ "کیا کہہ رہی تھی فرح' کوئی خاص بات تھی کیا۔"

عجیب بات تھی کہ جب بھی اسے کچھ کہنا ہوتا تھا' ماموں یوں ہی شکل دیکھ کر سمجھ جاتے تھے۔

اسی وقت ان سے بات کر لینا' سب سے بہتر تھا۔

قریبی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے خود کو تھوڑی سی رعایت دینے کا سوچا اور پھر فوراً ہی ماموں سے کہہ بھی دیا۔

ان کے خراب موڈ اور ممانی اور لبنیٰ کی خفگی کو فی الحال ایک طرف رکھتے ہوئے وہ پوری سنجیدگی سے ماموں کو فرح کے دیئے مشورے کی تفصیل بتانے لگی۔

وہ بنا ءپیچ میں ٹوکے سننے لگے اور جب ثانیہ خاموش ہوئی تو ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"فرح کبھی بھی تمہیں غلط مشورہ نہیں دے سکتی' ایسا کرو کل ہی صبح جا کر وہاں سے ایڈمیشن کا پتہ کر آؤ۔"

جس بات کو وہ اتنے دن سے دل سے لگائے غور و فکر میں مصروف تھی۔ انہوں نے اسے حل کرنے میں دو منٹ بھی نہیں لگائے۔

ثانیہ کو اپنی خوشی چھپانا مشکل لگنے لگا۔

ماموں نے اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کو محبت سے دیکھا اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے '' ثانی بیٹا' تمہارا ماموں تو معمولی پڑھا لکھا شخص ہے' آج کل کی ایڈوانس تعلیم کے بارے میں تمہیں صحیح مشورہ بھی نہیں دے سکتا' مگر یہ ضروری ہے کہ تم اپنی بہتری کے لیے جو کچھ بھی کرنا چاہو گی' اس میں وہ ہمیشہ ہی تمہارا بھرپور ساتھ دے گا۔ بس اس بات کا ضرور یقین رکھنا۔''

ثانیہ کو ان کی آواز نم ہوتی محسوس ہوئی۔

ماموں سے اسے محبت تو ہمیشہ سے ہی تھی' پر آج بے حد فخر بھی محسوس ہو رہا تھا۔

اور وہ خود کتنی بے وقوف ہے جو ممانی اور لبنیٰ کے سطحی روّیہ پر گھنٹوں کے حساب سے کڑھ کڑھ کر آنسو بہاتی ہے۔

اس نے بہت اعتماد کے ساتھ خود کو سرزنش کی اور صبح جب وہ جلدی جلدی ناشتہ اور صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر ممانی کو تیار ہوتی دکھائی دی تو حیرت سے ان کا برا حال ہونے لگا۔

اتنی من مانی' بنا ان سے پوچھے؟

'' کہیں جا رہی ہو کیا؟'' بڑے کڑے تیوروں کے ساتھ وہ بالکل سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

ثانیہ گاؤ تکیے کے نیچے رکھے اماں کے بٹوے میں سے کرائے کے لیے پیسے لے رہی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے گڑبڑائی بھی مگر رات کا ماموں کا بخشا ہوا اعتماد' ابھی بالکل تازہ تھا۔

'' جی ہاں' کمپیوٹر سنٹر پر ایڈمیشن کا پتہ کرنا ہے' وہیں جا رہی ہوں۔''

انہیں برا لگنا ہی تھا' ساتھ میں تشویش بھی تھی۔ '' کیا لبنیٰ کے انسٹیٹیوٹ جا رہی ہو؟''

'' جی نہیں۔'' وہ پرس کی زپ بند کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی'' اور یہ بھی ایک طرح سے اچھا ہی ہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔

ممانی کی تشویش دور ہوئی تو انہیں ثانیہ کی'' خود سری اور بھی زیادہ کھلنے لگی۔'' ضرورت کیا ہے بے کار میں پیسے برباد کرنے کی' ایک کورس کر تو رہی ہو۔ پہلے وہ تو پورا ہو جائے۔''

'' وہ بھی ہو جائے گا' اپنے وقت پر اور انشاءاللہ یہ بھی۔'' وہ اعتماد سے کہتی ہوئی برآمدے سے اگلے گیٹ کی طرف جانے لگی تو سامنے سے ماموں آتے دکھائی دیئے۔

ممانی کی برداشت کی قوت بس ایسی ہی تھی۔

دل پر کوئی بات رکھنا' اس کے لیے ہمیشہ ہی مشکل ثابت ہوتا' جیسے کہ اس وقت

'' آپ کی بھانجی جا رہی ہیں لیکن خود ہی پوچھ لیجئے' کل کو مجھے مت الزام دیجئے گا' اگر کوئی اونچ نیچ ہو گئی۔''

انہوں نے ٹھیک اپنی ذہنیت کے مطابق بات کی۔

ثانیہ ایک دم ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔

ان کا انداز اس درجہ گراوٹ لیے ہوتا تھا کہ آدمی لاکھ کوشش کے باوجود بھی خود کو کمپوز نہیں رکھ سکتا تھا۔

ثانیہ کو یہاں رہتے ہوئے یہ تجربہ بارہا ہوتا تھا' مگر اس وقت جمیل ماموں بنفس نفیس موجود تھے۔

'' لاحول ولا' جب بھی بات کرنا الٹی ہی کرنا۔ ثانیہ''

ممانی کی بات کا جواب دیتے دیتے وہ ثانیہ کی طرف مڑے' '' تمہیں دیر ہو رہی ہے بیٹا' تم تو جاؤ۔''

وہ شکر کا کلمہ پڑھتی جلدی سے اگلے صحن میں نکل آئی۔ یہاں اماں کرسی بچھائے بیٹھی تھیں۔ انہیں خدا حافظ کہنے کے لئے وہ ان کے سامنے جھکی تو' زیر لب کچھ پڑھتے ہوئے انہوں نے اس کے اوپر دم کیا۔

"خیال سے جانا بیٹا اور کام ہوتے ہی فوراً واپس چلی آنا۔" وہ کہے بغیر نہیں رہ سکیں۔

حالانکہ پتہ تھا کہ وہ ان کے کہے بغیر بھی یہی کچھ کرے گی' مگر وہ بھی مجبور تھیں۔

ثانیہ کی خوبصورتی' اس کی کم عمری اور معصومیت انہیں بار بار ڈراتی تھی۔

"اور ایسا تو کبھی گمان بھی انہیں نہیں گزرا تھا کہ اس چھوٹے سے شہر کے چھوٹے سے گھر سے نکل کر یہاں اس لا متناہی پھیلتے شہر کی بھیڑ میں ان کی سادہ دل بیٹی کو تن تنہا اپنا راستہ کھوجنے کے لئے نکلنا پڑے گا۔"

ثانیہ کے جانے کے بعد وہ کتنی دیر تک بار بار اپنی آنکھیں خشک کئے گئیں۔

اندیشوں کی کوئی حد نہیں تھی۔ ایک کے بعد ایک سر اٹھائے کھڑے ہوتے ہی رہتے تھے۔

"کاش' کہ وہ ثانیہ کی ددھیال کا کوئی سراغ لگا پاتیں' آخر کوئی نہ کوئی تو ہوگا ہی جوان کی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ سکے۔"

انہوں نے بڑی حسرت سے سوچا۔

...☆☆☆...

گھر میں سب کی مشترکہ ملاقات رات کے کھانے پر ہی ہوتی تھی عام طور پر' گھر اور خاندان کی چھوٹی بڑی اطلاعات یہیں بیٹھ کر کہی سنی جاتیں۔

آج کل فارم ہاؤس جانے کا پروگرام زیر بحث رہتا۔ سپر ہائی وے پر واقع یہ فارم ہاؤس خالصتاً سجاد کے شوق کا نتیجہ تھا۔

آم اور چیکو کے درختوں سے گھرے اس فارم ہاؤس میں اور بھی کچھ چیزوں کی کاشت کی جا رہی تھی۔ تجارتی لحاظ سے کچھ ایسا نفع بخش تو نہیں تھا' مگر سجاد نے اس کی دیکھ بھال کے لیے وہاں اچھا خاصا سٹاف رکھ چھوڑا تھا۔

چند سال پہلے جب سجاد نے اسے خریدنے کا پروگرام بنایا تھا۔ وقار بھائی اور سہیل دونوں ہی نے دل کھول کر مخالفت کی تھی۔ دونوں کا خیال تھا کہ جتنی خطیر رقم اس کی خریداری اور بعد میں اس کی دیکھ بھال پر صرف ہوگی۔ اس میں یہیں شہر میں کوئی اور پروجیکٹ شروع کر کے زبردست منافع کمایا جا سکتا ہے۔ اصل میں "فارم ہاؤس" کا آئیڈیا ان کے مزاج سے میل بھی نہیں کھاتا تھا' مگر سجاد اسے لے کر ہی رہے۔

اب سارے خاندان کو اس کی افادیت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ خود سہیل اور وقار اپنی کئی بزنس پارٹیاں یہاں پر ارینج کروا چکے تھے۔

"بہت دن ہوگئے ہیں' شہر سے نکلے ہوئے' اچھا ہے ایک آدھ دن تو کھلی ہوا میں سانس لے آئیں گے۔"

فوری تائید اس پروگرام کی بلقیس بھابی کی تھی اور اس کے بعد کسی کی طرف سے رد کئے جانے کا سوال ہی نہیں تھا۔

آج جمعرات تھی۔

بیچ میں بس دو دن رہ گئے تھے۔

دونوں بھابیاں اور انعم بڑی پر جوش تھیں۔ مستقل ہی ان کے پروگراموں میں کچھ نہ کچھ ترمیم ہو رہی تھی۔ تب ہی کھانا کھاتے ہوئے وقار بھائی کو کچھ خیال آیا تو سجاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"سجاد' فرحت کو ہفتے کے بجائے کل ہی لے آئو' جمعہ ہے اور اس کے بچوں کی ہفتہ اتوار دو دن چھٹی ہوتی ہے۔ اچھا ہے بچے تھوڑا زیادہ وقت انجوائے کر لینگے۔"

وحید بھائی کی حرکتوں کی رتی رتی تفصیل انہوں نے بھی بابا کی زبانی سن لی تھی۔ سو وہ بھی بہن کے لیے تھوڑے زیادہ حساس ہو رہے تھے۔

بلقیس بھابی بات چاہے کسی سے بھی کر رہی ہوں۔ اگر ان کے میاں وہیں کہیں موجود ہوتے تو وہ ان کی طرف بھی کان لگائے رکھتیں اور اس وقت تو وہ بالکل ہی سامنے بیٹھے تھے۔

بلقیس بھابی نے تھوڑا سا بے چین ہو کر پہلو بدلا۔ انہیں فرحت کا یہاں زیادہ آنا جانا سچی بات ہے' بالکل بھی نہیں بھاتا تھا۔

کوئی لڑائی جھگڑا' کوئی چپقلش نہیں' بس وہی گھسا پٹا سا روایتی نند بھاوج کا قصہ۔ مگر تھیں سمجھدار' اپنی اندر کی جلن کو ہمیشہ ہی بڑی کامیابی سے چھپائے رکھتیں۔

" ہاں بالکل میں تو خود بھی کہنے والی تھی کہ فرحت بے چاری کا ویسے تو کئی دن تک آنا ہوتا نہیں ہے۔ اب جو پروگرام بنا ہے تو اچھا ہے کہ ہم اسے ایک کے بجائے دو دن کے لئے بلوا لیں۔

اپنے لہجے میں ڈھیر ساری مٹھاس بھر کر کہی تھی۔ پتہ نہیں بابا کو اس میں کیا محسوس ہوا جو وہ فوراً ہی ٹوک گئے۔

" فرحت کو کسی کے بلوانے کی ضرورت نہیں۔ یہ گھر اس کا اتنا ہی ہے جتنا کہ اور لوگوں کا' وہ جب تک اور جب چاہے' یہاں آ بھی سکتی ہے اور رہ بھی سکتی ہے۔ یہ بات تم سب لوگوں کو ہمیشہ دھیان میں رکھنی ہے۔"

یہ یاد دہانی بڑی بروقت کرائی گئی تھی۔

تینوں بھائیوں کے لبوں پر دبی دبی سی مسکراہٹ ابھری' جسے چھپانے کے لیے تینوں ہی اپنی اپنی پلیٹوں پر مزید جھکے۔

بلقیس بھابی کو کچھ بھی سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی' مگر کب کہاں' کس بات کا برا منانا ہے اور کس کا نہیں۔ ان سے زیادہ گھر میں کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ سو وہ بڑی خوش اسلوبی سے بابا کی بات کو بھی پی گئیں۔

" سچ کہتی ہوں بابا' میرے لیے تو فرحت اور انعم برابر ہیں۔ بیٹی ہے وہ اس گھر کی' اس سے بڑھ کر ہم پر کسی کا بھی حق نہیں اور یہ پروگرام تو بنایا ہی اسی کی خاطر ہے۔" بابا کو جو باور کرانا تھا' کرا چکے تھے۔ سو اب کی بار مسکرا کر ان کی وضاحت کو بھی شرف قبولیت عطا کر دیا۔

بلقیس بھابی کو جو اپنی تھوڑی سی کر کری ہوتی محسوس ہوتی تھی اس وقت' اس کے تدارک کے لیے انہیں کچھ سوجھ ہی گیا۔

" سجاد۔" وہ ان سے مخاطب ہوئیں۔

سجاد کھانا کھا چکے تھے اور اب اٹھ ہی رہے تھے کہ ذرا رکنا پڑا۔

" کیوں نہ اس بار شیریں کو بھی اپنے ساتھ چلنے کے لئے انوائیٹ کریں۔ جتنے زیادہ لوگ ہوں گے' اتنا ہی مزہ آئے گا۔"

سجاد کے کچھ بھی کہنے سے پہلے ہی کئی تائیدی آوازیں ابھر آئیں۔

فیضی' انعم' ثمینہ اور سب سے بڑھ کر بابا۔

" بہت اچھی تجویز دی ہے بلقیس نے' شیریں کو تو ضرور ہی مدعو کرو۔ اس روز فنکشن میں بے چاری آئی بھی' مگر اتنے ہجوم میں میں تو مل بھی نہیں سکا اس سے۔"

بابا نے تعریفی نگاہوں سے بلقیس بھابی کی طرف دیکھا تو وہ دل ہی دل میں اپنی ذہانت پر مزید نازاں ہوئیں۔ بابا کی نگاہ میں اپنے امیج کی انہیں ہمیشہ ہی فکر رہتی تھی۔ وقار اور سہیل جن مستحکم کمپنیوں کے مالک بنے بیٹھے تھے۔ وہ بابا کی اسٹیبلش کی ہوئی تھیں اور ان دونوں کے علاوہ بھی کتنے ہی پروجیکٹ تھے‘ جو بابا کے گروپ آف کمپنیز کے تحت چل رہے تھے۔

بابا بارہا یہ بات جتاتے تھے کہ اب جس بزنس کو خالصتاً وہ چلا رہے ہیں‘ سب سجاد کی امانت ہے۔ وہ جب بھی اپنا جاب کرنے کا شوق پورا کرے گا۔ یہ بزنس اسے ہی سنبھالنا ہے‘ مگر بلقیس بھابی کو پوری امید تھی کہ یہ سب آخر کار فیضی کو ہی ملنا ہے۔ وقت کی مٹھی میں کیا ہے؟

اس کا شافی جواب پیشتر کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔

بلقیس بھابی نے جو تجویز پیش کی تھی‘ اس کا پورا پورا کریڈٹ لیے بغیر اب انہیں چین نہیں ملنا تھا۔

سو کسی وقت انہوں نے فون کر کے شیریں کو بھی بمعہ ممی‘ فارم ہاؤس والے پروگرام میں مدعو کر لیا۔

سجاد کو یہ اطلاع شیریں کی زبانی ہی ملی۔

اگلے روز آفس میں کام میں گھرے گھرے‘ فراغت کے کچھ لمحے میسر آ ہی گئے۔

شیریں اور مسز ہاشمی سجاد کے بالکل ساتھ والے چیمبر میں ہی بیٹھا کرتی تھیں۔

جب کبھی فرصت ہوتی‘ وہ لوگ تھوڑی سی دیر چائے کے بہانے ساتھ بیٹھ لیتے۔

اس وقت بھی وہ دونوں سجاد کے آفس میں آ بیٹھی تھیں۔ مسز ہاشمی‘ آج کل ذرا خاموش سی لگا کرتی تھیں‘ بلکہ اکھڑی اکھڑی سی بھی۔

سجاد نے ان میں آئی تبدیلی کو نوٹ ہی نہیں کیا‘ بلکہ شیریں سے اس کی وجہ بھی جاننا چاہی تھی۔

مگر وہ بھی مسکرا کر ٹال گئی۔

کام کی مصروفیت میں انہیں بھی کچھ یاد نہیں رہ پاتا تھا‘ مگر جب کبھی وہ لوگ اکٹھے بیٹھتے‘ سجاد کو پھر سے ان کا روّیہ الجھن میں ڈالنے لگتا۔ جیسا کہ اس وقت۔

”معلوم نہیں کوئی گھریلو الجھن ہے یا۔“ وہ ان کی پریشانی کو دور بھی کرنا چاہ رہے تھے مگر کسی کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی بھی انتہائی معیوب سی بات محسوس ہوئی۔

زیادہ باتیں شیریں ہی کر رہی تھی۔ تب ہی اسے بلقیس بھابی کا مدعو کیا جانا بھی یاد آ گیا۔ ”پتہ ہے سجاد“ اتوار کے روز میں تمہارے فارم ہاؤس پر انوائیٹڈ ہوں۔ بلقیس بھابی کی طرف سے پرزور دعوت آئی ہے مجھے۔“

شیریں خوش دلی کے ساتھ بتانے لگی۔ ”کم از کم انہیں میں یاد تو رہی اور ایک تم ہو آئے دن جاتے ہو‘ مگر کبھی ہم لوگوں کو مروتاً بھی ساتھ چلنے کو نہیں کہتے ہو۔“

”خدا کو مانو۔“ سجاد ہنس پڑے۔

”کتنی دفعہ تمہیں اور سارے سٹاف کو کہا ہے کہ سب لوگ مل کر وہاں کوئی اچھی سی پارٹی رکھتے ہیں‘ مگر یہاں کسی کو فرصت ہی نہیں ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنی ہے بھائی‘ یہاں کے ملازمین عام لوگوں کی طرح فارغ تھوڑی ہیں۔ کیوں مسز ہاشمی ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔“

اپنی بات کے آخر میں انہوں نے مسز ہاشمی سے تائید چاہی۔ عام طور پر وہ ہنس کر ان کی ہم نوا ہو بھی جاتی تھیں، مگر اس وقت ان سنی سی کرتے ہوئے، شیریں سے بولیں۔

"اس اتوار کو تو تم ہمارے گھر آنے کا کہہ رہی تھیں۔ میں نے بچوں سے بھی کہہ دیا ہے۔ وہ سب بہت منتظر ہیں۔"

ان کا لہجہ کچھ عجیب سا تھا، جو سجاد کو محسوس بھی ہو رہا تھا۔

"آپ کے ہاں تو کبھی بھی آسکتی ہوں، مسز ہاشمی، سجاد کو فارم ہاؤس پر جانے کا موقع تو کبھی کبھار ہی ملتا ہے۔ سوچ رہی ہوں اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دوں۔" سجاد مسز ہاشمی کے بدلتے ہوئے تیور غور سے دیکھے گئے اور جب شیریں کی بات ختم ہوئی تو بڑی شائستگی سے بولے۔

"آپ بھی چلیں نا، ہمارے ساتھ مسز ہاشمی، سنڈے کو تو بچے بھی فری ہوں گے اور ہاشمی صاحب بھی، سب لوگ چلیں گے تو بڑا اچھا لگے گا۔ میں خود آپ لوگوں کو صبح صبح پک کر لوں گا۔"

انہوں نے مروتاً بھی شکریہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور بڑی رکھائی سے بولیں۔ "نہیں سجاد، ہم لوگ تو اس طرح کا کوئی پروگرام نہیں بنا سکتے۔ ہمارا ویک اینڈ تو ویسے ہی بڑا مصروف گزرتا ہے اور ویسے بھی یہ تمہاری فیملی گیدرنگ ہے۔ ہم یا شیریں تو بڑے مس فٹ سے لگیں گے۔ سچی بات ہے۔

تب ہی سجاد پر دفعتاً یہ انکشاف ہوا کہ "مسز ہاشمی کا پرابلم کچھ اور نہیں خود وہ یعنی سجاد ہی ہیں۔"

اور یہ بہت ہی حیرت انگیز سی بات تھی۔ طویل عرصے سے وہ لوگ بہت اچھے دوست اور کولیگ تھے۔ سجاد کو بہت یاد کرنے پر بھی کوئی ایک پل ایسا یاد نہیں آ رہا تھا جب ان لوگوں کے درمیان تلخی تو دور کی بات لاتعلقی کا ہلکا سا بھی احساس جاگا ہو۔

"تو اب آخر اتنے دن سے اگر وہ ناراض تھیں تو اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔" سجاد نے بہت غیر جانبداری سے تجزیہ کرنا چاہا، مگر مشکل یہ تھی کہ شیریں مستقل ہی بولے جا رہی تھی۔

مسز ہاشمی نے بھی شاید سجاد کے چہرے پر پھیلی الجھن کو بھانپ لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوشش کر کے ان سے کوئی سوال کر ہی لیتا۔ وہ اٹھ کر وہاں سے چل بھی دیں۔

"میری ٹیبل پر بہت کام جمع ہوا رکھا ہے۔ اسے ہی نمٹا لوں۔ شیریں، مجھے ذرا تمہاری ہیلپ بھی درکار ہے۔"

"چلیں۔" شیریں فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اور سجاد تمہارے فارم ہاؤس والے پروگرام میں شاید میں چلوں یا شاید نہیں۔" وہ بدستور مسکرانے لگی۔

مسز ہاشمی کی بات کا اس نے کتنا اثر لیا تھا۔ سجاد کو کچھ بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ سو انہوں نے شیریں سے پوچھ ہی لیا۔

"مسز ہاشمی اتنی زیادہ کیوں خفا ہیں، شیریں ابھی دیکھا تم نے وہ مجھ سے کتنی روڈلی بات کر کے گئی ہیں۔"

مسز ہاشمی جا چکی تھیں اور شیریں بھی بس پیچھے نکلنے ہی والی تھی کہ سجاد کہے بغیر نہیں رہ سکے۔

"میری بالکل بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ انہیں میری کس بات سے تکلیف پہنچی ہے، مگر ان کا یہ روّیہ مجھے اپنی ہی نظروں میں شرمندہ کر رہا ہے۔"

سجاد یہ بات اتنے یقین سے کہہ رہے تھے کہ اس بار شیریں چاہتے ہوئے بھی ان کی تردید نہ کر سکی۔

"میں پوچھ لوں گی ان سے، تم اتنے سنجیدہ مت ہو اور کوئی بات ایسی بڑی بات ہو گی بھی نہیں، دیکھ لینا۔"

اپنی طرف سے اس نے پھر بھی بات کو ہلکا پھلکا سا رنگ دینا چاہا مگر سجاد مطمئن نہیں تھے۔ان کے لیے یہ معمولی بات نہیں تھی کہ کہیں نہ کہیں انہیں غلط سمجھا جا رہا ہے اور وہ بھی بے حد قریبی دوستوں کے حلقے میں۔

شیریں بڑی مضطرب سی اپنے آفس میں آئی' مسز ہاشمی وہیں بیٹھی تھیں۔

کام وام کا تو صرف بہانہ تھا۔شیریں سمجھ چکی تھی کہ وہ صرف وہاں سے اٹھنا چاہ رہی تھیں۔

'' آپ کو سجاد کے ساتھ اس طرح بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا مسز ہاشمی' آج کل تو آپ مستقل ہی اس کے ساتھ سرد مہری سے پیش آتی ہیں۔میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کو کس طرح سے.....''

بناء کسی تمہید کے اس نے مسز ہاشمی کو ان کے روّیہ کی بدصورتی کا احساس دلانا چاہا' مگر انہوں نے ڈھنگ سے اس کی بات بھی نہیں سنی۔

'' مجھے کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے شیریں' اصل میں تو تمہیں سمجھنا چاہیے' اپنا کتنا سنہری وقت تم محض ایک آس پر کھو چکی ہو اور آگے بھی آنکھیں کھولنے کے لیے تیار نہیں ہو۔''

شیریں کو پتہ تھا کہ جواباً یہی کچھ سننے کو ملے گا۔جب سے سجاد کے گھر کا فنکشن انہوں نے اٹینڈ کیا تھا اور بلقیس بھابی کی زبانی سجاد کی '' خاندانی روایات'' کی تفصیلات سنی تھیں۔انہوں نے ساری مروت ایک طرف رکھ کر شیریں کو بڑے سخت الفاظ میں سمجھانا شروع کر رکھا تھا۔'' آخر آپ میرا غصہ سجاد پر کیوں اتار رہی ہیں۔آپ کو خود پتہ ہے کہ وہ فطرتاً کتنا سوئیٹ انسان ہے اور آپ کے روّیہ سے وہ بے چارہ کتنا ہرٹ ہو رہا ہے۔یہ آپ صحیح نہیں کر رہی ہیں۔''

'' اور خود سجاد نے کیا کچھ ٹھیک کر لیا ہے اب تک۔'' وہ مزید طنزیہ ہونے لگیں۔

'' جب اسے شروع سے اندازہ تھا کہ آج کل کے دور میں بھی ان کے ہاں برادری سے باہر شادی کرنا کار محال ہے تو پھر کیا سوچ کر اس نے اتنے لمبے عرصے سے تمہارے ساتھ دوستی کا رشتہ استوار رکھا اور وہ بھی اتنی گہری کہ تمہیں ادھر اُدھر دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔'' مسز ہاشمی مخلص ترین ساتھی تھیں' مگر جب بھی وہ اس طرح کی باتیں کرتیں' شیریں کو توہین کا احساس ہونے لگتا۔

'' آخر آپ نے یہ کیوں فرض کر لیا کہ میں سجاد سے شادی کی امید لگا کر بیٹھی ہوئی ہوں۔ہم لوگوں کے درمیان جو ایک بہت اچھا رشتہ ہے' نہ وہ آپ کی سمجھ میں آتا ہے اور نہ امی کے۔'' کچھ زچ آ کر اسے انہیں ٹوکنا پڑتا تھا۔

'' کم از کم تم مجھ سے تو جھوٹ مت بولو شیریں' کوئی بھی دوستی اتنی اثر انگیز نہیں ہوتی کہ انسان کی زندگی کی ترجیحات ہی بدل جائیں۔مانو یا نہ مانو' بہر حال تم آج تک سجاد کی منتظر ہو اور اس وقت تک رہو گی' جب تک وہ اپنی برادری کی کسی بھی لڑکی سے شادی کر کے ہنسی خوشی اپنی نئی زندگی نہ شروع کر دے۔''

شیریں بالکل خاموش سی ہو رہی۔

سچ عموماً تلخ ہوتا ہی ہے' مگر اس وقت تلخ ترین ثابت ہو رہا تھا۔

'' کسی کسی وقت وہ لوگ بھی کس قدر نا قابل برداشت ہو جاتے ہیں' جو بے چارے اپنی دانست میں سو فیصد آپ کا صرف بھلا ہی چاہتے ہیں۔''

شیریں نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو جھٹکتے ہوئے مسز ہاشمی کی باتوں کے اثر کو زائل کرنا چاہا۔

'' آپ کو حق ہے جو بھی چاہیں سمجھیں' مگر پلیز کم از کم آفس کی حد تک ہی سہی' سجاد سے اپنا روّیہ ٹھیک رکھیں۔اس کا تو پتہ نہیں مگر میں آپ سے سچ کہہ رہی ہوں۔مجھے بڑی سخت شرمندگی ہو رہی ہے۔ایسے جیسے میں آپ سے.....''

تب ہی کوئی مسز ہاشمی کو بلانے آ گیا۔

شیریں سے اپنی بات بھی پوری نہیں کہی گئی۔ پر مسز ہاشمی ایسی ادھوری بات کا بھی مطلب اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔ انہیں خود بھی احساس ہونے لگا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی تلخ ہو گئی تھیں۔

اٹھ کر باہر جاتے ہوئے وہ ایک لمحے کے لیے شیریں کے نزدیک آ کر رکیں اور اس کے شانے کو ہلکے سے چھو کر باہر نکل گئیں۔ یہ یقین دہانی تھی، جو انہوں نے شیریں کو کرائی تھی۔

وہ یوں ہی اپنی جگہ پر بیٹھی رہی، مسز ہاشمی کی موجودگی میں جو ایک زبردستی کی پھیکی سی مسکراہٹ اس نے لبوں پر سجا رکھی تھی۔ ان کے جاتے ہی اس تکلیف کی ضرورت بھی ختم ہوئی۔

وہ گہرے سانس لیتے ہوئے خود کو کمپوز کرتے ہوئے، ان سب باتوں سے فرار حاصل کرنا چاہ رہی تھی، مگر مسز ہاشمی کے کہے الفاظ کی بازگشت کمرے میں باقی رہ گئی تھی۔ لوگ کتنے آرام سے دوسروں کے بارے میں اندازے لگاتے ہیں اور

کمال کی بات یہ کہ وہ اکثر درست بھی نکل آتے ہیں۔ کم از کم اس کے ساتھ تو یہی ہو رہا تھا۔

خود اسے خبر بھی نہیں ہو سکی اور سارے زمانے کو پتہ بھی چل گیا کہ وہ سجاد کے عشق میں اپنی ساری زندگی داؤ پر لگا بیٹھی ہے۔

حسین، اعلیٰ تعلیم یافتہ، دولت مند۔

جس کی زندگی میں روشن امکانات ہمیشہ سے موجود تھے اور ہیں، وہ محض ایک تمنا کے پیچھے برسوں لمبی تنہائی کاٹ کر بھی کچھ سوچنے و سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔

شیریں نے کرسی کی پشت سے سر کو ٹکاتے ہوئے بیتے وقت کا تھوڑا سا حساب کرنا چاہا۔

مٹھی میں بند ریت کی طرح غیر محسوس سے انداز میں پھسلتا وقت۔

جس کی رفتار انسان کو حیران کرتی ہے اور حاصل جمع میں بہت بار صرف خسارہ ہی ہاتھ آتا ہے۔

دفعتاً ہی آنکھ کے بیرونی کونے پر پانی کا ایک قطرہ چمکا۔

" اور ہم توقعات کے مارے لوگ۔"

"ساری گڑبڑ خود اپنے ہاتھوں سے پھیلاتے ہیں۔ کسی نے ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا ہے کہ وہ ہماری توقع پر ضرور ہی پورا اترے گا۔"

انگلی کی پور سے اس پانی کے قطرے کو جھٹکتے ہوئے اس نے خود کو سرزنش کی۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

اس وقت بالکل بھی کسی سے بات کرنے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا، مگر اس ڈپریسنگ صورت حال سے نکلنے کے لیے یہی چھوٹے موٹے سہارے کارگر بھی ہوتے ہیں۔

دوسری طرف بابا تھے۔

شیریں نے بڑی تیزی سے خود کو سنبھالا۔

بابا شاذ و نادر ہی اسے فون کرتے تھے اور اس وقت جو انہوں نے اسے یاد کیا تھا تو وہ بلقیس بھابی کی دی گئی دعوت کا اعادہ کرنے کے لئے تھا۔

" اور یہ دعوت بھی نہیں ہے بھئی، ایک طرف کا حکم سمجھ لو، اتنا حق تو تمہیں ہمیں دینا ہی پڑے گا۔"

دل پر پہلے سے طاری عالم کچھ اور ہی تھا۔ اسی لیے اس وقت بابا کی اپنائیت بھی مزید افسردگی کا باعث بننے لگی۔''

پروگرام تھوڑا تبدیل ہو رہا ہے۔ اتوار کی صبح کے بجائے ہفتے کی سہ پہر کو ہی نکلنا اچھا رہے گا۔ ذرا زیادہ ٹائم مل جائے گا وہاں کے لئے، تم اور سجاد کوشش کر کے ذرا جلدی آفس سے واپس آ جانا۔''

وہ اس کے ساتھ چلنے کے بارے میں اتنے پر یقین تھے کہ شیریں کو فوری طور پر کوئی بہانہ بھی نہیں سوجھ رہا تھا، مگر پھر بھی احتیاطاً اتنا تو کہہ ہی دیا۔

'' اصل میں ممی کا ساتھ چلنا مشکل ہے بابا اور انہیں میں اکیلا بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ دوائیں لینے کے بارے میں وہ بہت لاپرواہیں، مجھے ہی دھیان رکھنا پڑتا ہے۔''

مگر وہ پھر بھی نہیں مانے۔

'' صرف ایک رات ہی کی تو بات ہے۔ پھر کوئی اتنا زیادہ دور جانا بھی نہیں ہے۔ تمہاری امی سے میں خود بات کر لوں گا۔ وہاں سب لوگ ہوں گے، ان کا خیال کرنے کے لیے، کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے۔''

شیریں کے لیے اب آگے کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ سوہنستے ہوئے اس نے انہیں خدا حافظ کہنا ہی بہتر سمجھا۔

'' یہ پر خلوص، محبت بھرے ناطے یہ بھی تو آخر کسی نعمت سے کم نہیں ہیں، مگر یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آنے والی ہے۔''

بابا سے بات کرنا اس وقت بڑا ہی کارگر رہا۔

مسز ہاشمی کی بخشی ہوئی تلخی کا بڑی حد تک مداوا ہونے لگا۔ شیریں تھوڑا سا ریلیکس ہو کر کام کی طرف متوجہ ہوئی تو رفتہ رفتہ جیسے سب ہی باتوں کی طرف سے دھیان ہٹتا چلا گیا۔

اپنے کام سے اسے جنون کی حد تک لگاؤ تھا اور یہی لگاؤ کامیابی کا بھی سبب تھا اور زندگی کو آسان کرنے کا بھی۔

بہت سی ایسی باتیں جن کی طرف دھیان لگائے رکھنے میں صرف سکون ہی غارت ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ کام کی مصروفیت اس سے بآسانی بچا لیتی ہے۔

رات کو کھانے سے پہلے جب وہ اور ممی اپنے وسیع و عریض گھر کے چاروں طرف پھیلے لان میں معمول کی واک پر تھیں تو شیریں کو ایک بار پھر بابا اور بلقیس بھابی کی طرف سے دی گئی دعوت یاد آئی۔

'' آپ کہیں تو چلے چلتے ہیں۔ وہ لوگ بہت اصرار بھی کر رہے ہیں اور تھوڑی سی چینج بھی ہو جائے گی۔''

اس کا خیال تھا کہ وہ خوش ہو جائیں گی۔ خود اس کا تو بڑا وقت آفس میں کٹ جاتا تھا، مگر ممی کے لیے دن بھر کی تنہائی تھی۔ کبھی کبھی کا کہیں جانا ان پر بڑا خوشگوار اثر مرتب کرتا تھا۔ شیریں بڑے خوشگوار سے لہجے میں انہیں بابا کے فون کے بارے میں بتانے لگی۔

ممی بڑے بے تاثر سے انداز میں سنے گئیں اور جب وہ خاموش ہوئیں تو بڑی بے نیازی سے بولیں۔

'' ہاں، میرے پاس بھی آیا تھا ان کا فون۔''

شیریں کو بڑی خوشگوار سی حیرت ہوئی۔

بابا کا واقعی جواب نہیں تھا۔

'' چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ انہوں نے خود ہی ممی کو کہہ دیا۔'' اس نے کچھ ایسا سوچتے ہوئے ان سے پروگرام جاننا چاہا۔

'' پھر چل رہی ہیں نا آپ، وہ سب لوگ بہت خوش ہوں گے۔''

ممی ذرا رک کر کھڑکی پر چڑھی بیل کو دیکھ رہی تھی، جس کی شاخیں زیادہ ہی پھیلی جا رہی تھیں۔

بناء شیریں کی بات کا جواب دیئے، وہ انہیں ایک ہاتھ سے سمیٹنے لگیں۔ شیریں کو لگا جیسے انہوں نے اس کی بات سنی ہی نہیں ہے۔ ابھی وہ اپنی بات دھرانا ہی چاہ رہی تھی کہ وہ ہلکے سے بولیں۔

" ہم نے کوئی لوگوں کو خوش رکھنے کا ٹھیکہ تو نہیں لیا ہوا۔ یہاں کسی کو ہماری پرواہ ہو یا نہیں۔ ہم بے کار میں ہی دوسروں کی فکر میں گھلنا شروع کر دیتے ہیں۔"

ان کے لہجے میں حد درجے رکھائی تھی۔

شیریں کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ بابا سے بھی کوئی خاص خوش اخلاقی نہیں برت رہی ہوں گی۔

" آپ نے منع کر دیا انہیں؟"

" ہاں، ظاہر ہے۔"

بیل کو گرل پر موڑتے ہوئے وہ اپنی مصروفیت کو جاری رکھے ہوئے تھیں۔" کل یاد سے، اس بیل کی کٹنگ کروانی ہے۔ بہت بے تکی بڑھتی جا رہی ہے۔ مجال ہے جو یہ لوگ خود سے کوئی کام دیکھ لیں۔ دو، دو مالی رکھے ہوئے ہیں جب کہ۔"

ان کے نزدیک شاید اس وقت دیگر امور زیادہ توجہ طلب تھے۔" آپ نے بابا سے کہا کیا؟"

شیریں کو ان کے روّیہ پر رنج بھی تھا اور پریشانی بھی، مگر اس کی یہ تفتیش ممی کو مزید چڑانے کا سبب بن رہی تھی۔" کہنا کیا تھا، بس سیدھے سیدھے معذرت کر لی۔ کوئی زبردستی تھوڑی ہے کہ کسی نے بھی دعوت دی اور ہم نے قبول کر لی۔

میری ویسے بھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور تمہارا ان لوگوں کے ساتھ جانا میں مناسب نہیں سمجھتی، بات ختم۔" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولیں، مگر بات ختم نہیں ہوئی تھی۔ ممی عام حالات میں بے حد خوش مزاج خاتون تھیں، لیکن کبھی کبھی جب وہ بدمزاجی کا مظاہرہ کرتیں تو ایک بالکل ہی مختلف شخصیت کے روپ میں ڈھل جاتی تھیں۔ بے مروت، سرد مہر اور اکھڑ، شیریں کو یہ سوچ کر ہی سخت شرمندگی ہو رہی تھی کہ انہوں نے بابا جیسے بااخلاق اور نرم گفتار شخص کے ساتھ کس لہجے میں بات کی ہو گی۔" آپ کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا ممی۔"

واک کا آخری راؤنڈ لے کر جب وہ دونوں اندر جانے کے لیے داخلی سیڑھیوں کی طرف آ رہی تھیں تو وہ انہیں ان کی غلطی کا احساس دلائے بغیر نہیں رہ سکی۔

" آپ کی مرضی نہیں تھی تو بے شک ہم لوگ نہیں جاتے، مگر یہ بات خوش اسلوبی سے بھی کہی جا سکتی تھی۔ اس طرح صاف اور سخت الفاظ میں منع کرنا تو بے کار ہی میں ایک تلخی سی پیدا کرتا ہے۔"

آج ممی اس سے زیادہ تیز رفتاری سے چل رہی تھیں۔ وہ ابھی سیڑھیوں سے نیچے ہی کھڑی تھی اور ممی چوتھے اسٹیپ پر تھیں۔" مجھے تم سے یہ سیکھنے کی ضرورت قطعی نہیں ہے کہ کہاں سے خوش اخلاقی برتنی ہے اور کہاں نہیں، میں جو مناسب سمجھتی ہوں، وہی روّیہ لوگوں سے اختیار کرتی ہوں۔" پیچھے مڑ کر شیریں کی طرف دیکھے بغیر، وہ تیز تیز بولتی ہوئی داخلی دروازہ کھول کر اندر چلی گئیں۔ شیریں کو سخت کوفت ہو رہی تھی۔

" آپ خوامخواہ سنجیدہ ہو رہی ہیں۔ وہ سجاد کے والد ہیں۔ مجھ سے بھی اپنی بیٹیوں کی طرح محبت کرتے ہیں تو ہمیں بھی ان کے ساتھ اس طرح...۔ ان کے پیچھے اندر آتے ہوئے اس نے جو کچھ کہنا چاہا تھا، ممی وہ بھی سننے کے لئے تیار نہیں تھی، مگر اس بار ان کی آواز نم ہو رہی تھی۔" زبانی کلامی دعوئوں سے رشتے نہیں جڑتے ہیں شیریں، حقیقت تو یہ ہے کہ اس اتنی بڑی دنیا میں تمہارا میرے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے اور یہ بات سجاد کو بھی پتہ ہے اور اس کے والد کو بھی، اگر

وہ لوگ اتنے ہی خیال کرنے والے ہوتے تو انہیں کبھی تو تم اور تمہاری تنہائی نظر آتی' مگر سچی بات یہ کہ وہ لوگ دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔

شیریں نے ایک گہرا سانس لیا۔

ممی اور مسز ہاشمی کی سوچ میں غضب کی مماثلت تھی۔

...☆☆☆...

عمر لابی میں سجاد کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا جب اس نے شیریں کو آتے دیکھا۔

"کیسے ہو عمر؟" وہ اس کے قریب آ کر رکی۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک۔ آپ سنائیں۔" عمر مسکرانے لگا۔

شیریں سے کوئی بہت زیادہ ربط ضبط نہ ہونے کے باوجود بھی اسے وہ بے حد اچھی لگا کرتی تھی۔ اور یہ محض شکل اچھی لگنے والی پسندیدگی نہیں تھی بلکہ اس کی شخصیت کے مجموعی تاثر میں جو اپنائیت اور نرمی تھی' عمر کو وہ بھاتی تھی۔ شیریں کے اسٹیٹس کی عورتوں میں عموماً وہ انکساری نہیں تھی' جو شیریں کی فطرت میں تھی۔

"سجاد کیا ابھی تک آفس میں ہی ہیں؟" وہ پوچھنے لگی تو عمر کو تھوڑی سی حیرت ہوئی۔ "جی میں ان ہی کا انتظار کر رہا ہوں۔"

شیریں نے محض سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا مگر عمر کو اس کے چہرے پر پھیلا تاثر صاف دکھائی دیا۔ "آج آپ پہلے جا رہی ہیں؟"

"ہاں۔ مجھے کچھ ضروری کام ہیں۔ مسز ہاشمی باہر میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ اچھا پھر ملاقات ہو گی۔ انشاءاللہ۔"

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ' عمر کو خدا حافظ کہتے ہوئے وہ آگے چلی گئی۔

کوئی تو بات تھی' جو ذہن میں چبھ رہی تھی۔

عمر پر سوچ سی نگاہوں سے اسی طرف دیکھے گیا جس طرح ابھی شیریں گئی تھی۔

"وہ جلدی میں تھی یا نہیں' بہر حال اداس بے حد تھی۔ اس نے عادتاً منٹوں میں اپنا تجزیہ مکمل کر لیا' وجہ کو کھوجنا شاید اتنا آسان نہیں تھا' پھر بھی۔"

"شاید سجاد صاحب کی کوئی بات....۔"

خیال پل بھر میں کہیں سے کہیں پہنچ رہا تھا اور اسے ویسے بھی اپنے بارے میں "لفافہ دیکھ کر مضمون بھانپ لینے" والی خصوصیت کا دعویٰ تھا' تب ہی سجاد کے کمرے سے اس کا بلاوا آ گیا۔

"عمر پلیز معاف کرنا یار تمہیں انتظار کرنا پڑا' ایک بہت ہی ضروری کام اچانک ہی آ گیا تھا۔"

اس کے اندر داخل ہوتے ہی وہ بڑی اپنائیت سے معذرت کرنے لگے' حالانکہ اسے آئے ہوئے زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی۔ ہوئے ہوں گے بس یہی کوئی پندرہ بیس منٹ۔

"شیرا کے گروپ اور وحید بھائی کی دوستی تو فی الحال منقطع ہو گئی ہے۔ جب سے وہ لوگ لاک اپ میں بند ہوئے ہیں۔ وحید بھائی کا دماغ خود بخود درست ہو گیا ہے۔" وہ عمر کو تفصیلات سے آگاہ کرنے لگے۔ رحمت منزل میں وحید بھائی کی

شہ پر غلط سلط لوگوں کی دخل اندازی سے جو وہاں کے رہنے والوں کو کوفت اور پریشانی اٹھانی پڑی تھی، اس کا انہیں بے حد رنج تھا۔

"ان لوگوں پر تو کئی مقدمے بنا دیئے ہیں، پولیس نے، بابا نے مجھے بتایا ہے۔"

"ہاں اور اسی وجہ سے وحید بھائی اس وقت دبے ہوئے ہیں۔ بابا نے انہیں بلا کر صاف کہا ہے کہ اگر وہ شیرا وغیرہ کا فیور کریں گے تو پولیس بلا کسی لحاظ کے انہیں بھی ان تمام کیسز میں ملوث کر سکتی ہے۔ بابا نے پہلی بار بڑی سختی سے ان سے بات کی ہے۔ ورنہ آج تک جو وہ کہتے، کرتے رہے۔ ہم لوگ فرحت آپا کی وجہ سے برداشت ہی کرتے رہے۔"

بابا اور سجاد، دونوں ہی کے لیے عمر گھر کے افراد سے بھی بڑھ کر حیثیت رکھتا تھا اور جب کبھی بھی ان دونوں میں سے کوئی بھی وحید بھائی کے حوالے سے کوئی بات کرتا، عمر کو اپنے اپنے شعبے میں کامیاب ترین، ان دونوں افراد کے لہجے سے چھلکتا گہرا دکھ، خود اپنے دل کو بھی چھوتا ہوا محسوس ہوتا۔

ان ہی لمحوں میں وہ جان پایا تھا کہ شرافت کہاں کہاں انسان کی کمزوری بن جاتی ہے اور خود غرضی اور کمینگی کس دھڑے سے سر چڑھ کر بولتی ہے۔ سجاد اپنی بات کہتے کہتے تھوڑا سا رکے تو وہ دل میں آئی بات کو دبے لفظوں میں کہہ ہی گیا۔ "مجھے شاید کہنا تو نہیں چاہیے سر، مگر بابا صاحب کو بہت پہلے ہی وحید بھائی سے سختی سے پیش آ جانا چاہیے تھا۔"

سجاد نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"پہلے تم اپنا کریکشن کر لو، تم یقیناً ہر بات کہہ سکتے ہو، خاص طور پر مجھ سے اور جو بات تم کہہ رہے ہو وہ سو فیصد درست ہے، مگر کیا ہے عمر کہ تم خوش قسمتی سے کسی برادری سسٹم کا حصہ نہیں ہو۔ یہاں بہت سی وہ باتیں، جو کرنی

چاہئیں، وہ نہیں کر سکتے اور بہت سی ان چاہی خود بخود زندگی کا حصہ بن جاتی ہیں۔ وحید بھائی کا سلسلہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔"

شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں، مگر عمر کو بے ساختہ ہی نانی یاد آنے لگیں۔ جن کا یہی ملال کم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا کہ یہاں پاکستان میں بس اکا دکا رشتے دار ہی پائے جاتے ہیں۔ باقی سب کے سب وہیں انڈیا میں رہ گئے۔

"آپس کی رشتے داریاں بے شک لحاظ اور محبت کی باتیں ہیں مگر بعض اوقات یہ بہت ناروا پریشر کا سبب بن جاتی ہیں۔ وحید بھائی اسی پریشر کا فائدہ اٹھاتے چلے آ رہے ہیں۔ بہر حال اب یہ اندازہ تو ہو ہی گیا ہے کہ ان کا ویک پوائنٹ کیا ہے اور انہیں کس طرح کم از کم "رحمت منزل" سے تو دور رکھا ہی جا سکتا ہے۔"

سجاد نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے بات ختم کی۔

"اور اب اس فلیٹ کا کیا کرنا ہے سر، اسے بند ہی رکھنا ہے، یا پھر رینٹ پر دے دیں؟"

"فی الحال تو بند ہی رکھو، کچھ عرصے بعد دیکھیں گے اسے اور ہاں" سجاد کو ایک دم ہی کچھ یاد آیا" پھر تو کوئی نہیں آیا تمہارے ہاں، میں تو اس طرف سے بھی بڑا فکر مند رہا ہوں۔" عمر نے جواباً بڑے اطمینان سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں سر، اب وہ لوگ آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔ پولیس نے ان کی ٹھیک ٹھاک خبر لی ہے۔" اس نے دانستہ بابا اور سجاد سے چھپایا تھا کہ خود اس کی ذاتی طور پر شیرا کے آدمیوں کے ساتھ اچھی خاصی جھڑپیں ہو چکی ہیں۔ ان لوگوں کی اپنی فکریں بہت تھیں اور عمر کو بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ بھی انہیں اپنی طرف سے فکر میں مبتلا کرے۔

"اپنا خیال رکھا کرو عمر، بے خوفی اچھی چیز ہے، مگر یہ انسان کو تھوڑا سا لاپروا بھی بنا دیتی ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ ہمیں الجھنا پڑا ہے۔ ان کی طرف سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے۔"

سجاد نے یہ چھوٹی سی نصیحت، پھر بھی ضروری سمجھی۔انہیں عمر کی فطرت کا بالکل ٹھیک ٹھیک اندازہ تھا۔وہ سادہ دل اور بے حد جذباتی تھا۔حالانکہ سجاد کے سامنے وہ ہمیشہ ہی بڑا مؤدب نظر آتا تھا، مگر پھر بھی اتنے برسوں کے ساتھ میں اس کی بہت جلد بھڑک جانے والی عادت، ان پر بھی ظاہر ہو چکی تھی۔

خود عمر کے خیال میں اس میں ایسی کوئی بھی خامی نہیں تھی۔نانی، بابا، یا سجاد کی نصیحتوں کو وہ صرف ان کی محبت ہی سمجھتا، سو مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلائے گیا۔

کافی آ چکی تھی، دن بھر کی تھکا دینے والی مصروفیت کے بعد، اس وقت وہ دونوں ہی فارغ تھے۔بات سے بات نکلتی ہی رہی۔پچھلے دنوں ہونے والی فارم ہاؤس کی آؤٹنگ کا بھی ذکر نکل آیا۔

بالکل اتفاقاً ہی عین وقت پر عمر وہاں نہیں جا سکا تھا۔نانی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور انہیں تنہا چھوڑنا، خود سجاد اور بابا نے بھی منظور نہیں کیا تھا۔

" بس فرحت آپا اور بچوں کی وجہ سے یہ پروگرام رکھ لیا تھا۔ان لوگوں نے اچھا انجوائے کر لیا۔"

لیکن مجھے تمہاری اور شیریں کی کمی بڑی محسوس ہوئی۔" تب ہی عمر کو شیریں سے کچھ دیر پہلے ہونے والی ملاقات یاد آئی تو وہ سجاد سے بھی کہہ گیا۔

" شیریں چلی بھی گئی۔"

انہوں نے حیرت سے عمر کو دیکھا۔

" جی سر، کہہ رہی تھیں کہ کوئی بہت ضروری کام ہے۔"

عمر نے ان کی حیرت کو بطور خاص نوٹس کیا، پتہ نہیں کیوں اسے یہ خیال آ رہا تھا، جیسے شیریں کے چہرے پر پھیلی اداسی کا کچھ نہ کچھ تعلق سجاد سے ہے، مگر لاکھ بے تکلفی کے باوجود اس خیال کو کنفرم کرنا آسان نہیں تھا۔

" کل بھی وہ مجھ سے پہلے جا چکی تھی۔فون پر بھی پھر کانٹیکٹ نہیں ہو سکا۔ایسی کیا ایمرجنسی ہو سکتی ہے۔"

عمر کے چہرے پر نظریں جمائے سجاد نے اندازہ لگانا چاہا اور پھر شاید دوسرے لمحے انہیں خود ہی اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔

" تمہیں مبارک باد دینا تو بھول ہی گیا۔نیا پروجیکٹ شروع ہوا ہے، تم لوگوں کا آخر۔"

بابا کا بزنس، بڑی مستحکم بنیاد پر پھیلتا ہی جا رہا تھا اور خود عمر اب وہاں بڑی پوسٹ پر پہنچ چکا تھا اور اسے اپنے ادارے کی کارکردگی پر بجا طور پر فخر بھی تھا۔

" سب اسی کا کرم ہے سجاد صاحب، میرا B.B.A میں داخلہ ہی ہوا تھا۔جب بابا صاحب نے مجھے پارٹ ٹائم کام کے لیے آفر کی تھی۔حالانکہ اس وقت مجھے آتا ہی کیا تھا، مگر مجھ پر ان کی شفقت ہمیشہ رہی، اس وقت سے جب میں بہت چھوٹا سا نانی کے پاس ہمیشہ کے لیے آ گیا تھا۔" وہ رحمت منزل" آتے تو میرے لیے ضرور ہی کچھ نہ کچھ لے کر آتے اور میں بھی ان پر اپنا اتنا حق سمجھتا تھا کہ اگر وہ زیادہ دن نہ آ پاتے تو باقاعدہ ان سے ناراض ہو جاتا تھا۔"

اپنی بات ختم کرتے کرتے وہ ہنس پڑا، مگر سجاد مسکرائے تک نہیں، عمر کی ہنسی میں جو نمی سی انہوں نے محسوس کی تھی۔وہ اس کی ہنسی میں ساتھ دینے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔اپنی کرسی سے اٹھ کر وہ اس کے قریب چلے آئے۔

"تمہارا حق ہے عمر، بابا پر ہی نہیں، مجھ پر بھی، تم ہم سے الگ نہیں ہو اور تم نے جتنا کچھ ہمارے لیے ہمیشہ کیا ہے، اس کا تو ہم کبھی بدلہ اتار بھی نہیں سکتے اور نہ اتارنا چاہیں گے۔اس لیے کہ تم ہمارے اپنے ہو۔"

عمر ایسے موقعوں پر ہمیشہ ہی شرمندگی سی محسوس کرنے لگتا تھا۔ سجاد اور بابا دونوں ہی کی اس کی زندگی میں بہت خاص اہمیت ہمیشہ سے تھی۔ زندگی کو برتنا' پرکھنا' اسے ان دونوں ہی سے سیکھنے کو ملا تھا' مگر وہ دونوں ہی عجیب تھے' بجائے احسان دھرنے کے' الٹا اس کے مشکور ہوتے رہتے' ایسے میں عمر کو وہ دل کے مزید قریب' مزید عزیز محسوس ہوتے۔ اس وقت بھی سجاد کچھ اسی قسم کی باتیں کیے گئے۔

عمر کا M.B.A کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بھی بابا کی فرم میں رکے رہنا' صرف بابا اور سجاد کی وجہ سے رحمت منزل کے چھوٹے سے فلیٹ میں رہائش اختیار کیے رہنا۔

وہ اتنی بار ان باتوں کو گنوا چکے تھے کہ اب عمر نے ان کو ٹوکنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی سمجھ میں یہ آتا جا رہا تھا کہ حصہ میں آئی محبت محض خوش قسمتی کی دلیل ہوتی ہے۔ اسے بس اسی محبت کے ساتھ وصول کر لینا چاہیے اور بس۔

"اب تم جلد سے جلد شادی کر ڈالو' نانی بے چاری اس عمر میں گھر کی ذمہ داریوں کی فکروں میں الجھی رہتی ہیں۔"
آفس سے نکل کر جب وہ پارکنگ کی طرف آ رہے تھے تو سجاد نے بڑی سنجیدگی سے مشورہ دے ڈالا۔ عمر ہنسنے لگا۔

"مذاق نہیں' کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے یا نہیں۔"

"ارے نہیں سر" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ مسکرائے گیا۔ "ابھی تو بالکل بھی نہیں اور پھر پہلے تو آپ کی ہونی چاہیے اصولاً۔"

یہ بے تکلفی جو وہ کبھی کبھی برت لیتا تھا۔ سجاد نے ہی اسے عطا کی تھی۔

"بے کار کے اصول قاعدے مت فرض کر کے بیٹھو' میرے انتظار میں رہو گے تو بس بن گیا تمہارا کام' میرا خیال ہے بابا سے کہنا پڑے گا کہ تمہارا اور ہی کچھ بندوبست کریں۔"

سجاد نے گاڑی اسٹارٹ کر لی تھی اور بابا کا حوالہ ہمیشہ عمر کو سنجیدہ کر دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بوکھلا کر کچھ کہنا چاہ رہا تھا' مگر سجاد نے گاڑی آگے بڑھا لی تھی۔

"شیریں اس طرح کیوں کترانے لگی ہے' اچانک ہی' پہلے فارم ہاؤس کی پکنک کے پروگرام سے معذرت کر لی اور اب پھر وہی عجیب سا بھید بھرا سا رویہ۔"

گاڑی کے آفس کے مین گیٹ تک پہنچنے سے بھی پہلے' شیریں کا خیال پھر سے آ پہنچا۔

اس بار اس خیال میں غصہ بھی شامل تھا اور کوفت بھی۔

پہلے ہی مسز ہاشمی' کا کھنچا کھنچا سا روّیہ الجھن کا باعث بنا ہوا تھا اور اب شیریں بھی۔

بہت سوچنے کے باوجود بھی انہیں پچھلے دنوں کی کوئی چھوٹی سی بھی اپنی ایسی کوتاہی نظر نہیں آ رہی تھی جس کو بنیاد بنا کر وہ لوگ کسی بات کا برا منا سکتی تھیں' مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ تو تھا ہی۔

"حد ہے اگر اتنے میچور لوگ بھی' اسی طرح کے بچگانہ روّیے اختیار کرنے لگیں" گاڑی کی رفتار بڑے غیر محسوس انداز میں بڑھتی جا رہی تھی' نہ جانے کتنی بار انہوں نے شیریں کے موبائل پر کانٹیکٹ کیا تھا' جو اس نے اس بار ریسیو کر ہی لیا۔ "ہاں سجاد کہو" وہ اتنے سرسری سے انداز میں پوچھ رہی تھی کہ سجاد کو اپنے سارے غصہ پر لاحول پڑھنے کو دل چاہا۔

"بس آج تم سے بات نہیں ہو سکی تھی' بلکہ کئی دن سے نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کم از کم خیریت تو معلوم کر ہی لوں' مگر تم تو فون پر بھی دستیاب نہیں؟"

دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی۔

وہ فی الحال اس کی خاموشی پر بھی دھیان نہیں دینا چاہ رہے تھے۔" میں تو اچھا خاصا پریشان ہو گیا تھا اور تم جاتے ہوئے مجھے بتا کر بھی نہیں جا رہی ہو' لگتا ہے مسز ہاشمی کا اثر آتا جا رہا ہے تم پر بھی۔"

اپنی بات ختم کرتے ہوئے وہ شاید پھر سے بولنے جا رہے تھے' مگر شیریں کی ہنسی کی آواز پر خاموش ہونا پڑا۔

" کمال ہے سجاد' یہ تم ہو۔ بالکل بھی یقین نہیں آ رہا' کیا عورتوں کی طرح جلی کٹی سنائے جا رہے ہو اور تم کیا آفس میں میرے گارجین لگے ہوئے ہو' جو میں آتے جاتے تمہارے حضور میں حاضری لگاتی رہوں۔"

" اس وقت تو میں خود حاضری لگانے آ رہا ہوں' گھر پر ہی ہو نا۔" شیریں کا گھر اب زیادہ دور نہیں تھا۔

" نہیں سجاد' اس وقت نہیں' میں ویسے بھی گھر سے باہر ہوں' تم کسی اور دن آ جانا پلیز۔"

" چلو ٹھیک ہے۔" وہ بڑی آسانی سے مان گئے۔ آگے ٹریفک لائٹ سرخ ہو رہی تھی۔ شیریں اس وقت جلدی میں تھی۔ سو انہوں نے موبائل آف کرتے ہوئے سامنے سڑک پر دھیان لگانا چاہا' اگلے یوٹرن سے گاڑی کو واپس موڑ لینا تھا' مگر تب ہی انہیں شیریں کی ممی کا خیال آیا۔ ان کی طبیعت تو اکثر ہی خراب رہتی تھی اور فارم ہاؤس کی پکنک کے دوران بابا نے بھی چند بار خاص طور پر ذکر کیا تھا کہ شیریں کی والدہ سے فون پر بات ہوئی تو وہ کچھ بیمار سی محسوس ہوئی تھیں' بہت مختصر سی بات کر پائی تھیں۔ اب جب یہاں تک آنے کی زحمت وہ اٹھا ہی چکے تھے تو لگے ہاتھوں ممی کو پوچھ لینے میں کیا حرج تھا۔ کچھ ان کی شکایت کا ہی ازالہ ہو جاتا۔ بس تھوڑی سی دیر وہاں بیٹھ لینے کے خیال سے وہ گاڑی کو آگے بڑھا لے گئے۔

گھنے درختوں کے بیچ سے گزرتی سڑک کے آخری سرے والا وسیع و عریض گھر شیریں کا تھا۔ گیٹ کیپر انہیں بہت اچھی طرح پہچانتا تھا' سو نہ گیٹ کھلنے میں دیر ہوئی اور نہ پورچ میں کھڑی شیریں کی گاڑی کو پہچاننے میں۔

" محض دس' مٹ کے وقفے سے وہ واپس گھر کیسے پہنچ سکتی ہے۔"

بہت حیرت کے ساتھ' انہوں نے ابھی بالکل ذرا دیر پہلے شیریں کے ساتھ فون پر ہونے والی بات چیت کو یاد کرتے ہوئے سوچا' بہر حال ممکن تھا کہ وہ کسی اور کے ساتھ ہو۔

ملازم اندر اطلاع کرنے جا چکا تھا۔ سجاد کے لیے یہ گھر بے حد مانوس تھا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے' بیٹھانے کا تکلف ان کے یہاں ہر گز بھی نہیں تھا۔ سو وہ ہمیشہ کی طرح سیدھے لاؤنج میں چلے آئے۔

شیریں بالکل سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھی۔ گھر کے سادہ سے کپڑوں میں' وہ جتنے ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر دونوں پاؤں اوپر کئے سامنے کھولا ہوا میگزین دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ وہ آفس سے آنے کے بعد گھر سے باہر نکلی ہو گی۔

فوری طور پر تو وہ اتنے شاکڈ ہوئے کہ بناء کچھ کہے صرف اسے دیکھے ہی گئے' تب ہی شیریں نے سر اٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا۔

" تم مجھ سے جھوٹ بول رہی تھیں' شیریں مجھ سے' بالکل بھی یقین نہیں آ رہا ہے مجھے' حد ہو گئی۔"

بہت بے یقینی کے ساتھ کہتے ہوئے وہ تھوڑا سا آگے بڑھ آئے۔

شیریں یوں ہی اپنی جگہ ساکت سی بیٹھی رہی۔

" جھوٹ واقعی عادی جھوٹوں کو ہی راس آتا ہے' کبھی کبھی کی بد دیانتی کرنے والے یوں ہی بیچ چوراہے پر پکڑے جاتے ہیں۔" اپنے احمقانہ پن پر عاجز ہوتے ہوئے اس نے دل میں پوری سچائی کے ساتھ اعتراف کیا۔

" تمہیں نہیں ملنا تھا تو صاف منع کر دیتیں مجھے' کیا حرج تھا' ہمارے درمیان اس طرح کے تکلفات کب حائل ہوئے ہیں کہ ہمیں اس طرح ناپسندیدہ افراد کی طرح ایک دوسرے کو ٹالنا پڑے۔" سجاد کا غصہ بجا تھا اور اب اسے اپنی صفائی میں آخر کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔

" میرے سر میں درد تھا سجاد' بس اسی لیے نہیں کہا کہ تم کہیں پریشان نہ ہو جاؤ۔"

" ایک اور جھوٹ۔" جھنجلاہٹ کے ساتھ سجاد نے سر کو خفیف سی جنبش دی" اتنا ہی شدید درد تھا اگر دس منٹ پہلے تو تم اس وقت یہاں لاؤنج میں بیٹھی مطالعے میں مصروف نظر نہیں آتیں' اپنے کمرے میں ہوتیں۔"

آج کے دن کے لیے شاید طے تھا کہ اسے صرف شرمندہ ہی ہونا ہے' سو بحث کا خیال ترک کر کے وہ خاموش ہی ہو رہی۔

سجاد کا غصہ اب رنجیدگی میں بدل رہا تھا۔

" بہرحال اچھا ہوا' جو میں یہاں تک چلا آیا اب کم از کم تمہیں اسی طرح کے بہانے بنانے کی ضرورت تو نہیں پڑے گی' مجھے اصل میں اب تک اندازہ ہی نہیں ہو پایا تھا کہ تم مجھے..."

بات کے اختتام تک ان کے الفاظ بڑبڑاہٹ میں تبدیل ہو گئے۔

شیریں نے بہت ہمت کر کے سجاد کے چہرے کی طرف دیکھا۔

وہ اسی کی طرف دیکھ رہے تھے' رنجیدہ ملول' پہلی بار شیریں کو اجنبیت کا بڑا نامانوس سا احساس اپنے اور سجاد کے درمیان حائل ہوتا محسوس ہوا۔

پھر اچانک ہی جیسے کسی خیال کو جھٹکتے ہوئے سجاد تیزی سے واپس باہر کی طرف جاتے کاریڈور کی طرف مڑ گئے۔

شیریں نے بے ساختہ ہی صوفے سے اٹھ کر ان کے پیچھے آنا چاہا۔

" ایک قیمتی اور بے لوث تعلق کو شاید ابھی بھی بچایا جا سکتا تھا۔" سارے جواز اور مصلحتوں کو ایک طرف رکھ کر وہ شاید یہی کرنا چاہ رہی تھی' تب ہی ممی سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

" جانے دو اسے' ایک لاحاصل سا تعاقب کرتے رہنا آخر کہاں کی سمجھداری ہے' جو بھی ہوا بہت اچھا ہوا۔ تمہارے لئے بھی اور خود اس کے لیے بھی۔"

وہ عین فلموں' ڈراموں والی سخت گیر والدہ صاحبہ کا روپ دھارتی جا رہی تھیں۔ اپنی ساری شگفتگی' ساری وسیع النظری کو بھلا کر پچھلے کئی ماہ سے ان کی سوئی بس اسی ایک مقام پر اٹک کر رہ گئی تھی۔

" ممی پلیز بس کر دیں۔" شیریں کا سارا حوصلہ جواب دینے کو تھا۔

کچھ اندازہ ہے آپ کو' سجاد کو کتنی گہری تکلیف پہنچی ہے میری وجہ سے اور یہ محض آپ کی ضد کا نتیجہ ہے۔ ہمیشہ میرا کتنا خیال رکھا ہے' کتنے کام آتا رہا ہے وہ' قدم قدم پر میرا ساتھ دیتا رہا ہے اچھے بلکہ بہت اچھے..."

" بس رہنے دو۔" انہوں نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا۔ یہ سب باتیں اب اتنی پرانی ہو چکی تھیں کہ انہیں اس میں سجاد کے لیے قابل تعریف پہلو کوئی بھی نہیں محسوس ہوتا تھا۔

" ایسے کون سے احسان کر ڈالے ہیں ہم پر' جو ہم یوں مرہون منت ہوں کسی کے' سجاد کے خاندان سے کہیں بہتر پوزیشن ہے ہماری' ان کے ہاں ہے کیا' سوائے بے تحاشہ پیسے کے' مجھے تو سجاد کے سوا کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص نظر تک نہیں آیا۔"

ممی کبھی کبھی دل بھر کر مغرور ہونے لگتی تھیں اور اس کے لیے خود کو حق بجانب بھی سمجھتیں، مگر یہ سارا سپاس نامہ جو وہ پیش کر رہی تھیں، شیریں نے ڈھنگ سے سنا بھی نہیں تھا۔

سجاد کی آنکھوں میں پھیلی بے یقینی اور رنج کی جو کیفیت ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے اس نے جھیلی تھی۔ وہ خود اپنی ہی نظروں میں گرائے دے رہی تھی۔

" اب یوں گم صم ہونے کی ضرورت نہیں ہے، سجاد کو اگر تمہاری ذرا بھی پرواہ ہوتی تو وہ اتنے عرصے سے معاملے کو لٹکائے نہیں رکھتا، بڑھ کر کوئی قدم اٹھا سکتا تھا۔ یہ تو انتہا ہے خود غرضی کی، اگر وہ اتنا ہی پابند ہے اپنے خاندان کا تو پھر کوئی حق نہیں پہنچتا اسے کہ تمہیں اس طرح پابند کر کے رکھے۔"

ممی کو بے تحاشہ غصہ آئے جا رہا تھا اور اس وقت وہ شیریں کی آنکھوں میں آتے آنسوئوں کو بھی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

" سجاد نے مجھے کبھی پابند نہیں کیا ممی اور نہ ہی اس کی فطرت میں ذرا سی بھی خود غرضی ہے۔ وہ اتنا سوئیٹ انسان ہے اور یہ آپ خود بھی جانتی ہیں، مگر اس وقت مانیں گی نہیں۔" بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے گیلی ہوتی آنکھوں کو خشک کرتے ہوئے شیریں نے انہیں ان کی غلط فہمی کا احساس دلانا چاہا تو ایک بڑی طنزیہ سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر پھیلنے لگی۔ چند قدم آگے بڑھ کر وہ بالکل اس کے قریب آ کھڑی ہوئیں۔ اگر وہ اتنا ہی اچھا اور تمہاری پرواہ کرنے والا ہے تو آج تک اس نے تمہاری ادھوری زندگی کو مکمل کرنے کا یوں ہی سوچا، نہ، نہ۔" اسے کچھ کہنے سے پہلے انہوں نے بیچ میں ہی روک دیا۔" یہ مت کہنا کہ ہماری دوستی میں ایک دوسرے سے کوئی غرض نہیں بندھی، یہ افلاطونی باتیں، عملی زندگی میں نہیں چلتیں، یہاں عورت اگر سوسائٹی کے لگے بندھے سیٹ اپ سے ہٹ کر زندگی گزارتی ہے تو اسے بہت

سے سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ تمہاری طرح آنکھیں بند کر کے اپنے ہی دائرے میں گھومنے والوں پر لوگ بناء کسی لحاظ کے ہنستے ہیں۔" وہ تاک تاک کر نشانہ لگاتی رہیں۔

شیریں کا زرد ہوتا ہوا چہرہ انہیں تکلیف کے ساتھ دل میں کہیں یہ سکون بھی پہنچا رہا تھا کہ وہ اندر سے کمزور پڑتی جا رہی ہے۔

اور انہیں اب ایسے ہی کمزور لمحات میں اپنا مقصد حاصل کرنا تھا۔

" مجھ سے اب لوگوں کی باتیں نہیں سنی جاتیں۔ سارے سرکل میں لوگ باتیں بناتے ہیں کہ میں اپنی تنہائی کے خوف سے تمہارا گھر بسنے نہیں دے رہی ہوں۔ اگر اپنی ضد کے پیچھے تم ماں کی بے عزتی کروا کر ہی خوش ہو تو پھر اور بات ہے۔"

اپنی بات ختم کر کے وہ رکی نہیں۔

ویسے بھی آج یہ جو کچھ اتفاقاً پیش آ گیا تھا۔ ان کے حساب سے کافی تھا۔

شیریں اور سجاد کے درمیان آئی دراڑ انہیں اس وقت بڑا مطمئن کر گئی تھی۔

شیریں نے انہیں روکنا بھی نہیں چاہا۔

فائدہ بھی کیا تھا۔

ممی کو قائل کرنا روز بروز مشکل سے مشکل تر بلکہ ناممکن ہوتا جا رہا تھا بلکہ سچی بات تو یہ کہ اس کے پاس خود کو حق بجانب قرار دینے کے لیے کوئی ایک بھی ایسا جواز نہیں تھا جس میں تھوڑا سا بھی دم ہو۔

ونڈو گلاس کے دوسری طرف پھیلے سرسبز لان پر شام گہری ہوتی جارہی تھی۔ پودوں اور بہترین لینڈ اسکیپنگ سے آراستہ لان پر گہرا سناٹا سا اترتا محسوس ہورہا تھا۔ شام کے اس انتہائی وقت میں جو ایک پراسرار سی کیمسٹری چھپی ہے۔ اس وقت پوری طرح سے سامنے کے منظر کو گرفت میں لے رہی تھی۔

ایک غیر فطری سی خاموشی دن کو رات سے اور رات کو دن سے الگ کرتے اس لمحے میں اسے خود اپنے آپ سے سوال کرتی محسوس ہورہی تھی۔

کیا واقعی سجاد ہی وہ شخص ہے جس کا وہ آج تک پیچھا کرتی چلی آرہی ہے یا اتنے سالوں میں وہ شخص کہیں پیچھے رہ گیا ہے اور اب جس سجاد کو وہ جانتی ہے وہ کوئی اور ہی ہے۔ جیسے اس کے بجائے ممی اور مسز ہاشمی زیادہ بہتر طور پر جانی اور سمجھی ہیں۔

اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے چہرے پر آئے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے میٹ کر پیچھے کیا۔

"اور اگر واقعی ایسا ہی ہے تو یہ کس قدر خوفناک بات ہے۔" بے ساختہ ہی سر کو جھٹکتے ہوئے اس نے خود کو بڑا غیر محفوظ سا تصور کیا۔ ایک بے حد کامیاب کیریئر اور خوشحال زندگی گزارتے ہوئے بھی اس ڈھیر سارے وقت کا اسے ایک بار تو خیال آیا ہی' جیسے اب پلٹ کر نہیں آنا تھا۔

"شاید امی اور مسز ہاشمی کا اثر مجھ میں بھی آتا جارہا ہے۔ ہر وقت نفع نقصان کا تخمینہ تیار۔ اپنی بے لوث فطرت کے تحت اس نے دوسرے ہی پل ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خود کو سرزنش کی" اصل میں تو یہ ساری زندگی ہی بے تکی ہے۔"

...☆☆☆...

موسم دھیرے دھیرے بدل رہا تھا۔

دن نیم گرم سے سہی' مگر راتیں اچھی خاصی ٹھنڈی ہونے لگی تھیں' سردی سے گرمی اور گرمی سے سردی کا موسم آتے وقت کا یہ تال میل' نازی کو ہمیشہ ہی بڑا بھاتا تھا۔

ماحول پر چھائی ساری اداسی' ساری بوریت شام کو چلنے والی تیز ٹھنڈی ہوائیں اڑائے لیے چلی جاتیں۔

سہ پہر کو جو چند لڑکیاں آج کل ٹیوشن پڑھنے آرہی تھی' انہیں وہ تھوڑا اور جلدی بلانے لگی تھی۔ لڑکیاں بالکل قریب قریب کے گھروں سے آتی تھیں۔ بخوشی جلدی آنے لگیں۔ شام کو پہلے کی نسبت سب ہی تھوڑا جلدی فارغ ہو جاتے۔

اس کے بعد کا وقت پچھلی طرف بنے امی کے کچن گارڈن کے ساتھ والے چبوترے پر ان کے تخت کے ساتھ کرسی ڈالے' گھر والوں کے ساتھ گپ شپ میں گزر جاتا۔ امی اور نینی تو خیر ہمیشہ ہی موجود رہتیں۔ کبھی کبھی دیا اور سمیع بھی آ کر بیٹھ جاتے۔ اس وقت سب سے ہی اچھا لگتا' گھر میں سب ہی کو دِیا کا خیال رہتا۔

مسعود سے منگنی' ٹوٹنے کا قصہ گو اب پرانا ہو چکا تھا' مگر سب ہی کو احساس تھا کہ دِیا نے نہ جانے کس طرح اس رنج کو جھیلا ہے۔

صرف ایک نینی تھی' جو کبھی کھلے اور کبھی دبے لفظوں میں کہنے کی جسارت کر جاتی کہ دِیا کو زود رنج بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ خود گھر والوں ہی کا ہے۔

پر اس کی سنتا ہی کون تھا۔

اس وقت بھی دیا کو اس طرف آتا دیکھ کر امی نینی کے بچپن کا کوئی قصہ سناتے سناتے' سب کچھ بھول بھال کر دِیا کی آئو بھگت میں لگ گئیں۔

" اس طرف بیٹھو آرام سے اوپر پیر کرکے۔"

انہوں نے آس پاس پڑی رنگ برنگی کپڑے کی کترنوں کو سمیٹا' جنہیں جوڑ کر وہ شاید کوئی میٹ وغیرہ تخلیق کر رہی تھیں۔

"چائے پیئو تو بنواؤں" دِیا نفی میں سر ہلاتے ہوئے' اپنے اہتمام میں خالی کی ہوئی جگہ کے بجائے نازی کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کچھ ٹھنڈا پی لو' نینی سے بنوا کر" امی ہمیشہ کی طرح اسے کسی بہت ہی خاص الخاص عزت مآب مہمان کی مانند ٹریٹ کرنے لگیں۔

پر دِیا کو اچھا مہمان بننا بھی کبھی نہیں آیا تھا۔

"کچھ نہیں پینا نہ' آپ پیچھے مت پڑ جایا کریں۔"

بہت بے تکے طریقے سے انہیں جھڑکتے ہوئے اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

نینی اور نازی دونوں ہی کو اس کا یہ انداز برا تو لگا مگر اب جیسے نظرانداز کرتے رہنے کی بھی عادت سی پڑ چکی تھی۔ پھر دِیا کو کچھ بھی کہہ دینے سے امی کی خفگی بھی سہنی پڑ جاتی تھی۔

دونوں ہی بس ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔ دِیا شاید کچھ بے چینی سی محسوس کر رہی تھی۔ "کیسی عجیب سی بو ہے ہوا میں' آپ لوگوں کو نہیں محسوس ہو رہی ہے کیا؟" لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے وہ ان لوگوں سے پوچھنے لگی۔

کسی کو بھی ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا تھا۔

"اصل میں تمہیں عادت نہیں ہے' یہاں بیٹھنے کی۔ ماشاءاللہ سردیوں کی ساری سبزی' ہمارے اس کچن گارڈن میں اب دستیاب ہے۔ ان ہی کی ملی جلی سی خوشبو ہوا میں بھی محسوس ہو رہی ہے شاید۔" نازی نے بڑے رسان سے جو اسے صحیح لگا' کہہ دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

دِیا بڑے طنز سے ہنس پڑی۔

"خوشبو۔ آپ کا بھی جواب نہیں نازی آپا' اسے آپ خوشبو کہہ رہی ہیں۔ بالکل ایسا لگ رہا ہے کہ سبزی کے ٹھیلے کے پاس آکر کھڑے ہو گئے ہیں۔"

نازی نے ایک نظر امی کے اترے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ یہ سارا کچھ ان کی انتھک محنت کا نتیجہ تھا۔ اس ہوش اڑاتی مہنگائی میں وہ کب سے ان چھوٹی موٹی بچتوں کے پیچھے خود کو ہلکان کیے ہوتے تھی۔ دِیا کو اس کی کبھی بھی قدر نہیں ہوتی تھی۔

نرسریاں بھری پڑی ہیں' ایک سے ایک خوبصورت پودوں سے' مگر ہمارے گھر میں یہ شلجم' پالک' گوبھی کی بیل ہی تیار ہوتی رہتی ہے۔ چلیں آگے تو پھر بھی۔

ٹھیک ہے' پھل دار درخت تو سب ہی شوق شوق میں لگا لیتے ہیں مگر یہ سب تو..." اس نے اپنی بات کو ادھورا چھوڑتے ہوئے اتنے تاسف سے نفی میں گردن ہلائی' جیسے گھر والوں سے کتنی بڑی کوتاہی سرزد ہوئی جا رہی ہو۔

"اتنی زمین بے کار پڑی تھی بیٹا' اس طرح کم از کم تھوڑی سی بچت ہو جاتی ہے۔ سبزیاں بھی اب سستی تھوڑی ہیں' بھاؤ کہیں سے کہیں پہنچتے جا رہے ہیں۔" امی نے کمزور سے لہجے میں صفائی پیش کرنا چاہی' مگر دِیا کے نزدیک اس جواز میں ذرا بھی دم نہیں تھا۔

پہلے بھی وہ کئی بار امی کے اس شوق پر نکتہ اعتراض اٹھا چکی تھی۔ آج ذرا زیادہ ہی مخالفت کے موڈ میں تھی۔

"کتنی بچت ہو جاتی ہو گی امی؟ اور ان سو پچاس کی بچتوں سے کیا بنتا ہے۔ آنے جانے والے تو یہی سوچتے ہوں گے کہ بے چاری معمولی سی سبزی بھی بازار سے لے کر نہیں کھا سکتے۔ وہ بھی گھر میں ہی سے توڑ توڑ کر پکا لیتے ہیں۔" وہ کچھ

اتنی زیادہ چڑی ہوئی تھی کہ نینی بے ساختہ ہی زور سے ہنس پڑی۔امی نے ایک نظر دِیا کے جھنجلائے ہوئے اور دوسری نظر نینی کے مسکراتے ہوئے چہرے پر ڈالی مگر بولی کچھ بھی نہیں۔

دِیا سے ان کی محبت کا رنگ کچھ الگ ہی تھا۔وہ چاہے کتنی بھی بدتمیزی یا خود غرضی کا مظاہرہ کر جاتی' امی اسے کبھی ایک لفظ نہ کہتیں' بلکہ اگر کوئی اور بھی اسے ٹوکنے کی غلطی کر بیٹھتا تو وہ الٹا اس سے ہی خفا ہو جاتیں۔

کئی ناگوار تجربوں کے بعد نازی نے تو اسے کچھ بھی کہنا چھوڑ دیا تھا۔اس وقت بھی حالانکہ اسے امی پر بہت رحم آ رہا تھا' مگر دِیا کو کچھ بھی احساس نہیں دلایا جا سکتا تھا۔

بہتر یہی تھا کہ موضوع بدل دیا جائے۔

'' دِیا تم یا تو پڑھائی شروع کر لو یا پھر کوئی جاب وغیرہ جو بھی تمہارا دل چاہے۔''

نازی نے بہت نرمی کے ساتھ اسے وہ مشورہ دے ہی ڈالا' جو اس کے فارغ دماغ کے لیے مثبت مصروفیت کا سبب بن سکتا تھا۔

'' میں۔'' دِیا نے حیرت سے نازی کو دیکھا۔

'' شاید اسے پھر کچھ برا لگنے والا ہے۔'' نازی کو تو پل بھر کے لیے یہی شبہ گزرا تھا' مگر اس بار سارے اندازے غلط ثابت ہونے لگے۔

'' کہہ تو آپ واقعی ٹھیک رہی ہیں' بالکل بور ہو گئی ہوں میں' لیکن اب مجھ سے پڑھائی وڑھائی تو بالکل بھی نہیں ہو گی۔''

نازی کو اس کی یہ رضامندی بھی بڑی غنیمت لگی۔شاید اسے کسی اچھے فیصلے پر پہنچنے کے لیے صرف تھوڑی سی حوصلہ افزائی ہی درکار تھی۔

'' پڑھائی شروع کرنا بھی کوئی مشکل نہیں ہے۔گھر میں مجھ سے پڑھ سکتی ہو یا کوئی کوچنگ سنٹر جوائن کر لینا' آخر تم نے انٹر بھی تو کیا تھا نا تو بہت آرام سے اب گریجویشن بھی کر سکتی ہو۔''

دِیا نازی کی بات بیچ میں ایک بار بھی ٹوکے بنا خاموشی سے سنے گئی اور جب وہ خاموش ہوئی تو بہت نیچی سی آواز میں بولی نہیں نازی آپا آگے پڑھنا تو اب میرے بس کی بات نہیں ہے۔بے کار میں وقت ہی ضائع ہوگا۔مجھے تو لگتا ہے کہ میرے دماغ نے بالکل ہی کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔'' وہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی کو مسلتے ہوئے نیچے فرش کو تکنے لگی۔

امی چند منٹ پہلے کی اپنی ساری رنجیدگی بھلا کر پھر سے صرف اس کے لیے پریشان ہونے لگیں۔

'' کوئی ضرورت نہیں ہے بے کار کی ٹینشن اٹھانے کی' پڑھ لیا جتنا پڑھنا تھا۔بس اب گھر پر آرام کرو۔کیا ضرورت ہے مارے مارے پھرنے کی۔''

وہ دِیا کی محبت میں ہمیشہ ہی سب کو بھول جاتی تھیں۔اس وقت بھی انہیں نازی کا سالوں سے مارے مارے پھرنا یاد نہ رہا۔

'' اور تم بھی نازی یوں ہی خوامخواہ کے مشورے نہ دینے بیٹھ جایا کرو' دیکھ تو رہی ہو کہ وہ کتنی کمزور اور بیمار سی ہو رہی ہے۔ابھی کسی محنت کے قابل ہے کہاں۔''

امی مارے محبت کے روہانسی ہونے لگیں۔

نازی ایک گہری سانس لے کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔اسے اب یہ باتیں بری نہیں لگتی تھیں۔صرف ایک احساس سا ہوتا تھا۔

اپنے کاندھے پر دباؤ کے سے احساس پر اس نے نگاہ اٹھائی تو قریب ہی نینی کھڑی تھی۔

" مت سوچا کریں اتنا' جائیں رعنا باجی سے بات کریں۔ ان کا فون آیا تھا جب آپ ٹیوشن والی لڑکیوں کو پڑھا رہی تھیں۔"

رعنا کے فون کی اطلاع پر نازی کو ایک دم ہی کچھ اور بھی یاد آگیا۔

"امی۔" وہ ان کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔

" رعنا نے ایک کوچنگ سنٹر کا بتایا ہے۔ سکول سے گھر کے راستے میں پڑتا ہے' وہاں میتھس کی ٹیچر کی جگہ خالی ہے۔ پیسے بھی اچھے دے رہے ہیں۔"

" ہاں تو کر لو' اچھا ہے کچھ پیسے ہی ہاتھ میں آئیں گے۔ بس ٹائم کا اندازہ کر لو۔ بہت زیادہ دیر ہوئی تو تمہارے ابا بے کار میں شور مچائیں گے۔

پل بھر کا بھی توقف کیے بغیر وہ فوراً ہی راضی ہو گئیں۔

اگر تھوڑی دیر پہلے انہوں نے دِیا کو اتنی شد و مد سے منع نہ کیا ہوتا تو شاید نازی کو اتنا محسوس نہ ہوتا مگر اس وقت دل کو ان کی بات تھوڑی سی تو لگ ہی گئی تھی۔

" نہیں فائم کا تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں' سکول سے واپسی پر پہلے وہاں جا کر پڑھانا ہو گا۔" رعنا کہہ رہی تھی۔

" وہ لوگ پہلے دو گھنٹے مجھے دینے پر راضی ہیں' پانچ ساڑھے پانچ تک واپسی ہو پائے گی۔"

وہ کچھ نیم دلی سے بتانے لگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

" یہ تو کوئی ایسا زیادہ ٹائم نہیں ہے۔ اچھا ہے ایک ساتھ ہی دونوں کاموں سے فارغ ہو لیا کرو گی۔ اپنی ٹیوشن والی لڑکیوں کو مغرب کے بعد کا ٹائم دے دینا' وہ لوگ تو مان بھی جائیں گی کیونکہ اتنا اچھا پڑھانے والا یہاں ہے بھی کون۔" وہ مزید مطمئن ہو گئیں مگر نینی سے نہ رہا گیا۔

" کوئی ضرورت نہیں ہے پہلے ہی سکول کی اتنی تھکا دینے والی ڈیوٹی ہے' سارا دن میں مشکل سے ایک پریڈ ہی فری مل پاتا ہے۔ سارا دن کھڑے رہنا کون سا آسان ہے اور اوپر سے ہائی کلاسز کو پڑھانا آپ فوراً منع کر دیں۔ رعنا باجی کو۔"

تھوڑا سا خیال تھوڑی سی توجہ اپنی الگ ہی تاثیر رکھتی ہے۔ نازی بھی بے ساختہ ہی مسکرانے لگی' سچی بات تو یہ کہ نینی دن بدن اس کے قریب آتی جا رہی تھی اور جتنا وہ قریب آ رہی تھی' اتنا ہی حیران بھی کر رہی تھی۔

وہ حساس بھی تھی اور حوصلہ مند بھی' کم از کم صحیح اور غلط بات کو کہہ ڈالنے میں اسے کوئی جھجک نہیں ہوتی تھی۔

" تم سے کس نے کہا ہے بیچ میں بولنے کے لیے" امی کو اس کی مداخلت بے حد کھلی۔

" اچھی بھلی آرام کی جاب ہے نازی کی' سارا زمانہ کہتا ہے کہ سکول کی نوکری سے زیادہ آرام والی نوکری تو کوئی دوسری ہے ہی نہیں' صرف پڑھانا ہی تو ہوتا ہے وہ بھی جب جی چاہا' ورنہ گورنمنٹ سکولوں کی ٹیچریں تو سارا دن سٹاف روم میں بیٹھی باتیں ہی بنائے جاتی ہیں۔"

" سب سکول ایک جیسے نہیں ہوتے امی اور نہ ہی ساری ٹیچریں" نازی نے اس کی غلط فہمی کو دور کرنا چاہا تو وہ لاپروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے اس کی بات کو کاٹ گئیں۔

" ہاں' ہاں میں مانتی ہوں بیٹا' تم بڑی محبت سے اپنا کام کرتی ہو' مگر پھر بھی دوسری نوکریوں سے تم لوگ زیادہ آرام میں رہتی ہو۔ ایک تو چھٹیاں ہی آئے دن اتنی مل جاتی ہیں' کوئی اور ادارہ بند ہو نہ ہو سکول سب سے پہلے بند ہو جاتے

ہیں اور پھر یہ کہ اس بہانے گھر کی ذمہ داریوں کا بار بھی تم پر نہیں پڑ پاتا' ورنہ اگر گھر پر رہا کرتیں تو سارا دن' چولہے کے آگے کھڑے رہ کر بھی کیا ملنا تھا۔ میں تو خود یہی کوشش کرتی ہوں کہ کم از کم تمہارے اوپر گھر کے کسی کام کا بار نہ پڑے۔"

گھر کا کام حقیقتاً زیادہ تر امی ہی کر لیا کرتی تھیں۔ شام کے وقت نینی یا نازی' ان کی مدد کے خیال سے کچھ نہ کچھ از خود ہی کر لیا کرتی تھیں' ورنہ امی خود سے انہیں گھر کے کاموں کی طرف کوئی خاص متوجہ نہیں کرتی تھیں۔

اس معاملے میں ان کا فیصلہ جدا تھا۔

" ٹھیک ہے پھر میں رعنا کو کہہ دیتی ہوں' کل سکول سے واپسی پر وہاں ہوتی آؤں گی۔ شاید مجھے تھوڑی سی دیر ہو جائے۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

نینی ابھی مزید کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر نازی مزید بحث سے بچنے کے لیے تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اندر کی طرف چلی گئی۔

دیا' اس سارے وقت میں بالکل خاموش بیٹھی رہی' دوسروں کی سننے میں اسے ویسے بھی کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی اور آج کل تو وہ کچھ زیادہ ہی" حاضر' غائب" کی سی کیفیت خود پر طاری کیے رکھتی تھی اور یوں گم صم کھوئی کھوئی سی وہ اور بھی حسین دکھائی دیتی۔ مسعود اور اسماء پھوپھو کو ہزار بد دعائیں دے لینے کے بعد بھی اگر کوئی بات امی کے دل کو تسکین پہنچاتی تھی' وہ دِیا کا حسن تھا اور وہ بھی بے مثال حسن۔

انہیں یقین ہونے لگتا تھا کہ جلد ہی کوئی مسعود سے بھی بڑھ کر اچھا رشتہ دِیا کے لیے بس آنے ہی والا ہے۔

" سب کچھ اچھا ہو جائے گا۔ انشاءاللہ تمہیں کسی فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کھاؤ' پیو' خوش رہو بس اور کیا کرنا ہے۔"

انہیں اگر ہر منٹ پر بھی دِیا کی دل جوئی کرنی پڑتی تو بھی وہ بخوشی کیے جاتی تھیں۔ نینی چائے کے برتن سمیٹ کر لے جا رہی تھی۔ ذرا سا رک کر پلٹ کر بولی۔

" فکر کرنے کی ذمہ داری یہاں ویسے بھی کسی اور کے سپرد ہے' آپ کیوں وہ کام کرنا چاہ رہی ہیں جو پہلے کبھی نہیں کیا۔"

امی جز بز سی اسے دیکھے گئیں۔

ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' تینوں بہنوں میں ایک کھنچاؤ کی سی کیفیت کیوں رہنے لگی تھی۔ خاص طور پر نینی کیوں بار بار لاحاصل سی کوئی متنازعہ بات کیوں چھیڑنے پر تلی رہتی ہے۔ نازی کی جاب' دِیا
کی گھر میں غیر معمولی اہمیت دونوں میں سے کوئی بھی بات نئی نہیں تھی مگر شاید نینی ہی بدل گئی تھی۔

...☆☆☆...

گاڑی کی پچھلی سائیڈ کا دروازہ کھولے وہ اس وقت کی گئی ساری شاپنگ کو باہر نکال کر اپنے قریب ڈھیر کرتی جا رہی تھی۔

مہینے بھر کا گروسری کا سامان' پھل' سبزی' دوائیں پتہ نہیں کیا کیا۔

اتنی سی دیر میں کتنا ہی کچھ خرید لیا گیا تھا' فرح کو اس ڈھیر کو دیکھ کر خود حیرت ہو رہی تھی۔

دوپہر کی وجہ سے شاید اس وقت سارا کمپاؤنڈ خالی پڑا تھا۔ اس نے ایک نگاہ میں گیٹ سے لے کر آخری کونے تک نگاہ ڈالی اور ہلکی سی مایوسی کے ساتھ سر نفی میں ہلایا' اصل مسئلہ اب تھا۔

اس سارے ساز و سامان کو اوپر اپنے فلیٹ تک پہنچانے کے لیے فوری طور پر کوئی بھی دستیاب ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا اور ایسا اتفاق شاید کبھی کبھار ہی ہوا ہو گا۔ عام طور پر بھری دوپہر میں بھی کوئی نہ کوئی بچہ تو ادھر سے آدھر آتا جاتا دکھائی دے ہی جاتا تھا' جو سب اب ایک دوسرے سے اتنے مانوس ہو چکے تھے کہ فرح کے کہنے سے پہلے خود ہی بھاگ کر مدد کی آفر کر دیتے تھے۔

لا محالہ اسے خان صاحب کا ہی خیال آیا۔ وہ اس وقت گیٹ بند کیے باہر سڑک کی طرف بیٹھے تھے۔ انہیں بلا کر لانے کے خیال سے فرح گیٹ کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ اسے اوپر سے عمر آتا دکھائی دیا۔

"عمر۔" فرح کے سر سے جیسے کوئی بہت بھاری بوجھ اترا۔

"ذرا پلیز یہ سامان تو اوپر پہنچوا دو۔"

وہ جو کچھ لینے کے لیے نیچے اترا تھا' اسے بھول کر حیرت سے گاڑی کے قریب سجی اس چھوٹی سی دکان کو دیکھنے لگا۔

"اتنا کچھ۔"

"خدا کی پناہ کتنی خریداری کرتی ہو تم سچ سچ بتاؤ تو تمہاری ٹوٹل انکم ہے کتنی آخر۔"

فرح کی درخواست کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ایک نئی تفتیش شروع کی۔

"بتا دوں گی' پہلے تم یہ اٹھاؤ تو سہی اتنی تیز دھوپ ہے' کئی چیزیں خراب ہو سکتی ہیں۔"

"یہاں تو چھٹی کا ایک دن ملتا ہے اور وہ بھی نانی دکانوں کے دس چکر کروا کر ختم کر دیتی ہیں' ابھی یہ ختم ابھی وہ ختم۔"

سامان اٹھا کر سیڑھیوں کا رخ کرتے ہوئے بھی وہ اپنی ہی سنائے گیا۔

"تو تم بھی ایک ساتھ سب چیزیں لا کر رکھ کیوں نہیں دیتے' نانی بے چاری کتنی پریشان ہوتی ہوں گی۔ وہ خود تو زیادہ چل پھر بھی نہیں سکتی ہیں۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے فرح نے فوراً اس کی کوتاہی جتانا ضروری سمجھی۔ مگر بے سود تھا۔

"میری کوئی غلطی نہیں' اصل میں یہ گھر کے سامان کا اتنا بڑا گڑبڑ گھٹالا ہے کہ انسان کی سمجھ سے بالکل ہی باہر ہے۔ میری مراد نارمل انسانوں سے ہے' تم جیسی خبطیوں سے نہیں۔" بجائے برا ماننے کے فرح ایک دم ہی ہنس پڑی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں' گوشت' سبزی اور دوسری ضروری چیزیں تو میں بھی لے کر آتا ہی ہوں' مگر نانی تو ایسے انوکھے اور نرالے کام بتاتی رہتی ہیں کہ جتنا بھی دھیان لگا کر لاؤ کوئی نہ کوئی غلطی نکل ہی آتی ہے۔ اب یہی دیکھو ان کے دیئے ہوئے سارے رنگ ملا کر سلائی کی ریلیں لایا' اب سب واپس کرنے جا رہا ہوں۔ اس لیے کہ انہیں ان ریشمی ریلوں کے بجائے سوتی درکار ہیں۔"

ان کی جھنجلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس بار باوجود دل کھول کر ہنس لینے کے فرح کو اس سے ہمدردی کرنی پڑی۔ "تھوڑی کام مجھے کہہ دیا کرو' حالانکہ میں نانی کے پاس روزانہ ہی چھوٹا سا چکر تو لگاتی ہی ہوں' مگر وہ مجھ سے کوئی کام کہتی ہی نہیں ہیں۔"

اب وہ دوسرے فلور کی سیڑھیوں پر تھے۔ عمر نے ذرا سا مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ "نانی کو میں نے منع کیا ہوا ہے کہ تمہیں کسی بھی کام کے لیے نہ کہا کریں۔"

فرح جس سیڑھی پر تھی' وہیں رک گئی۔ عمر آگے بڑھ چکا تھا۔

"اس لیے کہ تم بھی کبھی ہم سے کسی کام کے لیے نہیں کہتیں۔ بہت سے بڑے مشکل وقت تم نے اکیلے جھیلے ہیں‘ مگر ہمیں کہنا غیر ضروری سمجھا۔"

بنا مڑ کر فرح کی طرف دیکھے‘ اسے جو کہنا تھا کہتا چلا گیا۔

فرح نے ایک گہری سانس لے کر درمیان کی سیڑھیاں تیزی سے طے کیں "ایسا کچھ بھی نہیں ہے‘ تم خود ہی معلوم نہیں کیا کیا فرض کر لیتے ہو اور پھر ایسے گھٹیا قسم کے بدلے لینا شروع کر دیتے ہو۔"

عمر اس بار کچھ بھی نہیں بولا۔

فرح کا فلیٹ آ گیا تھا اور اس کی امی دروازے میں ہی کھڑی تھیں۔ عمر ان سے دعا سلام کرتا ہوا ان کے ساتھ ہی اندر آ گیا۔ چھوٹے سے لائونج میں ایک سائیڈ پر چھوٹی سی چار کرسیوں والی کافی ٹیبل رکھی تھی۔ عمر نے اپنے ساتھ لایا ہوا سامان اسی پر رکھ دیا۔ فرح بھی اندر آ چکی تھی۔ عمر فرح کی امی سے دو چار باتیں کر کے پلٹنے لگا تو وہ اسے کھانے پر رکنے کے لیے اصرار کرنے لگیں۔

"کھانا پھر کسی دن کھائوں گا آنٹی‘ آج تو نانی نے میرے لیے خاص طور پر نرگسی کوفتے بنائے ہیں‘ انتظار میں بیٹھی ہوں گی۔"

فرح سے ایک بار پھر دخل دیئے بغیر نہیں رہا گیا۔

"نرگسی کوفتے۔"

"تم ان سے اتنے محنت طلب کھانوں کی فرمائشیں کرتے کیوں ہو آخر‘ حد ہے ان کی عمر اور صحت ہے اس قابل کہ وہ اتنی دیر چولہے کے آگے کھڑے ہو کر تمہارے لیے نرگسی کوفتے بنائیں۔"

اتنی دیر بازار میں گھومنے اور پھر اب اوپر تک آنے میں وہ خود اچھی خاصی تھک چکی تھی اور آتے ہی بڑے ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں قریب پڑی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

"نانی تمہاری طرح ذرا ذرا سی دیر میں تھکتی نہیں ہیں اور میری تو ہر فرمائش وہ بڑی خوشی خوشی پوری کرتی ہیں‘ بلکہ انہیں خود خبر رہتی ہے کہ میرا کیا کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ اب میرے کہے بغیر ہی انہوں نے رات کے لیے بریانی..."

"بس کرو۔" فرح نے ہنستے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "تمہارے لیے بہت ضروری ہو گیا ہے عمر کہ تمہاری اب شادی کر دی جائے‘ ورنہ نانی کا لاڈ پیار تو تمہیں دو کوڑی کا نہیں رکھے گا۔"

فرح کی امی کولڈ ڈرنک نکال چکی تھی۔ عمر کو اب چند منٹ رکنا ہی تھا۔ فرح کا مشورہ سنتے ہوئے اسے بے اختیار ہی سجاد بھی یاد آ گئے۔

"آج کل سب لوگوں کو میری شادی کی فکر ستا رہی ہے۔ اللہ خیر کرے مگر شادی کے لیے لڑکی کہاں دستیاب ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں کچھ اتہ پتہ نہیں۔"

فرح کو نہ جانے کیوں لگا جیسے وہ اس موضوع پر تھوڑا سا سنجیدہ ہونے کو جا رہا ہے۔

سو سارا ہنسی مذاق ایک طرف رکھ کر وہ فوراً ہی مدد کے لیے کمر بستہ ہوئی۔

"تم اگر واقعی کرنا چاہ رہے ہو تو پھر کوئی اچھی لڑکی ملنا کون سی مشکل بات ہے۔"

عمر نے بمشکل لبوں پر آتی مسکراہٹ کو دبایا۔ فرح سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ اس کے محض ایک اشارے پر وہ فوری طور پر لڑکی ڈھونڈنے کی مہم پر بھی روانہ ہو سکتی تھی۔

"کوئی اچھی سی لڑکی ہے نظر میں۔"

"ہاں نا۔" ہاتھ میں تھاما گلاس میز پر رکھ کر فرح اب پوری طرح سنبھل کر بیٹھی "بہت ہی اچھی لڑکی ہے، عمر تمہارے ساتھ تو بہت ہی سوٹ کرے گی۔ بہت پیاری نیچر ہے اس کی، تم رشک کرو گے اپنی قسمت پر، سچ کمال ہے مجھے پہلے خیال کیوں نہیں آیا۔"

فرح اب پوری طرح سنجیدہ ہو چکی تھی اور اس سے کہیں زیادہ پرجوش۔ "تم کہو تو آج ہی شام میں نانی کو ان کے گھر لے جاتی ہوں، تمہیں بھی ملوا دوں گی جب کہو۔" اس کا بس چلتا تو وہ شاید ابھی عمر اور نانی کا ہاتھ تھام کر ثانیہ کے ماموں کے در دولت پر حاضری دینے پہنچ جاتی، مگر عمر کو ایسی کوئی جلدی نہیں پڑ رہی تھی۔ اس کی اپنی ترجیحات تھیں۔

فرح باقاعدہ پروگرام سیٹ کرنے لگی تو اسے تھوڑا سا ٹوکنا پڑ ہی گیا۔

"ارے ابھی نانی کے ساتھ پروگرام مت بنا لینا، پہلے میں خود دیکھوں گا اور پہلے ہی بتا دوں کہ لڑکی کو بے حد حسین ہونا چاہیے، ورنہ کوئی فائدہ نہیں۔" شاید وہ ابھی مذاق کے موڈ میں تھا۔

فرح نے کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھا، مگر وہ بالکل بھی مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔

"وہ بے حد پیاری لڑکی ہے اور اسے کوئی بھی رد نہیں کر سکتا اور شکل سے بھی کئی پیاری اس کی فطرت ہے۔"

فرح کا جوش بتدریج کم ہونے لگا۔ اصل میں اسے عمر سے ایسی بچگانہ سوچ کی بالکل بھی توقع نہیں تھی، مگر ہر شخص ہی چاہے جتنا بھی جانا پہچانا ہو، کہیں نہ کہیں آ کر توقع کے بالکل برعکس نکل ہی آتا ہے۔ انسانی فطرت سے بڑھ کر ناقابل یقین شے دوسری کوئی بھی نہیں۔

عمر بھی بہر حال انسان ہی تھا۔

"ویسے تو مجھے ابھی ایسی کوئی جلدی ہے ہی نہیں، لیکن سچ بتاؤں، کروں گا جب ہی جب کوئی بے حد حسین لڑکی ملے گی۔ بس اسی ایک خوبی کو ذہن میں رکھنا اگر یہ کار خیر کرنے کا بیڑہ اٹھاؤ۔"

اپنی بات ختم کرنے تک حالانکہ وہ پھر سے تھوڑا سا اپنی میں واپس آ ہی گیا تھا مگر اس بار فرح مسکرائی تک نہیں۔ "دیکھ لیں گے تمہاری دوست کو کیا پتہ اچھی ہی ہو، ویسے نام کیا ہے۔"

"بس اب رہنے دو اس ذکر کو۔" فرح نے کولڈ ڈرنک کے گلاس ٹرے میں رکھے۔ عمر جو یہ تھوڑی سی دل جوئی اس کی کرنا چاہ رہا تھا، اسے وہ قطعی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ "اچھا ہوا تم نے اپنی ریکوائرمنٹ پہلے ہی بتا دی۔ میں نانی کو خوامخواہ ہی تکلیف دیتی اور پھر ثانیہ کے سامنے بھی شرمندہ ہونا پڑتا، ظاہر ہے کہ وہ ایسی مس ورلڈ تو نہیں ہے، جیسی تم چاہ رہے ہو۔"

"چلو چھٹی ہوئی۔" عمر ہنس کر ہاتھ جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ "پہلے ہی قدم پر تم تو ناراض ہو کر الگ کھڑی ہو گئیں، اس طرح تو ضرور ہی ہو جائے گی میری شادی۔"

"تم نیچے سے جا کر ریلیں لے کر آؤ نانی کی، وہ بے چاری انتظار میں بیٹھی ہوں گی۔" فرح نے اس کی ہنسی کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اسے نانی کا کام یاد دلایا۔ اصل میں تو اسے عمر کی اس گھسی پٹی روایتی سی سوچ نے واقعی رنجیدہ کر دیا تھا۔

...☆☆☆...

پانی کی موٹی دھار کے نیچے تھوڑی دیر پہلے کھائے گئے کھانے کے برتنوں کا ڈھیر تھا۔ وم لگی جالی کو ایک ایک برتن پر رگڑ کر وہ بڑی تیزی سے انہیں دھو کر ایک طرف رکھے جا رہی تھی۔

آج برتن معمول سے کچھ زیادہ تھے۔ ممانی کے کچھ رشتے دار دوسرے شہر سے آئے ہوئے تھے اور آج وہ ان سے ملنے یہاں آئے تھے۔

ثانیہ کو آج اپنی کمپیوٹر کلاس کا ناغہ کرنا پڑ گیا تھا۔ صبح کا سارا وقت گھر کی صفائی ستھرائی اور پھر دوپہر کی اس دعوت کی نذر ہوا' چاہتی تو وہ نہ بھی رکتی؟ پر کتنی ہی باتیں ممانی سے سننی پڑ جاتیں' مگر دل چاہتے ہوئے بھی اس نے ایسا نہیں کیا۔

وجہ صرف اور صرف اماں تھیں۔

جب سے اس نے دونوں وقت جانا شروع کیا تھا۔ ممانی اور لبنیٰ مزید ناقابل برداشت روّیہ پر اتر آئی تھیں۔

سب سے تکلیف دہ بات جو اس کے بار بار نوٹس میں آ رہی تھی۔ ان لوگوں کا اماں پر حکم چلانا تھا۔ بناء ان کی عمر اور رشتے کا پاس کیے وہ دونوں ہی اس کی غیر موجودگی میں اماں کو مستقل کاموں میں لگائے رکھتیں۔

اماں عادتاً حرف شکایت لبوں پر لانے والی ہستی نہیں تھی' مگر دوپہر گھر واپسی پر ثانیہ کو اب وہ اکثر ہی کسی نہ کسی کام میں مصروف ملتی تھیں۔ کبھی ڈسٹنگ کرتی ہوئی' کبھی چائے بناتی ہوئی اور کبھی اگلے یا پچھلے آنگن کی جھاڑو دیتے ہوئے۔

ہر بار ہی بڑی درد بھری حیرت کا ثانیہ کو سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اپنی طرف سے وہ صبح ہر ایک کام کو ختم کر کے ہی جا رہی تھی' مگر ممانی کو اب صبح سویرے کی ہوئی صفائی پر اعتراض رہنے لگا تھا۔ ان کے خیال میں اتنی جلدی کی جانے والی صفائی کے بعد گھر دوپہر ہی سے گندا نظر آنے لگتا ہے۔

جو بھی ثانیہ کے لیے جمیل ماموں کے گھر کے قیام میں یہ بات سب سے زیادہ رنج پہنچانے والی ثابت ہو رہی تھی اور اب اس تکلیف سے بچنے کی یہی ایک صورت تھی۔

زیادہ جانفشانی' زیادہ محنت اور بہت زیادہ صبر۔

آج بھی اگر وہ اپنی کلاس اٹینڈ کرنے چلی جاتی تو لازماً یہ سب کچھ اماں ہی کے سر پڑنا تھا۔ جتنی دیر میں اس نے برتن دھوئے' ممانی اور لبنیٰ دوبارہ کچن میں آ کر جھانک چکی تھی۔ اس بار لبنیٰ آئی تو ساتھ میں چائے کی فرمائش بھی تھی۔

بناء ایک لفظ بھی کہے اس نے چائے کا پانی بھی چولہے پر رکھ دیا۔ اماں سامنے ہی برآمدے میں بیٹھی تھیں۔ لبنیٰ ہٹی تو وہ دروازے میں آ کھڑی ہوئیں۔

"تم جا کر تیار ہو جاؤ میں چائے بنا دیتی ہوں۔ تمہاری کلاس کو دیر ہو جائے گی۔"

انہیں اس کے صبح نہ جا سکنے کا بھی افسوس ہوا تھا۔ سوچ رہی تھیں کہ اب کم از کم یہ شام والی کلاس نہ چھوٹنے پائے۔ موسم حالانکہ اب کافی بدل چکا تھا مگر ابھی سردی کا باقاعدہ آغاز نہیں ہوا تھا۔ کچن دن میں بہر حال گرم ہی محسوس ہوتا تھا۔ اماں کو اس سے زیادہ احساس ہوتا تھا۔

" جا کر نہا لو پہلے' سارا دن گرمی میں گزارا ہے۔" وہ تھوڑا سا آگے بڑھ آئیں۔

ثانیہ ان کی طرف سے پشت کیے ٹرے میں کپ لگا رہی تھی۔ " آپ جا کر باہر بیٹھیں اماں' چائے تو بس ابھی دو منٹ میں بن جاتی ہے۔"

وہ بناء ان کی طرف دیکھے بڑے نرمی سے بولی " ہاں تو اگر میں ہی بنا دوں گی تو ایسی کون سی قیامت آ جائے گی۔" وہ تھوڑا سا چڑ ہی گئی۔ آج سارے دن میں وہ کئی بار ثانیہ کی مدد کے خیال سے کچھ نہ کچھ کرنا چاہتی رہیں' مگر اس نے کوئی ایک کام بھی نہیں کرنے دیا تھا۔ خود ہی سر جھکائے لگی رہی تھی۔

" قیامت تو ہمارے لیے اسی روز آ گئی تھی اماں' جس دن ابا ہمارا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اب تو بس...." بہت بے ساختہ ہی وہ کہہ گئی اور پھر شاید خیال آنے پر اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔

پل بھر کے لیے تو اماں سے کچھ کہا ہی نہیں جا سکا۔

بہت دن ہوئے ابا کا ذکر اب نہ ہونے کے برابر ہی رہ گیا تھا۔ ثانیہ کی بے تحاشہ مصروفیت تھی یا کیا' بہر حال اماں کے لیے یہی غنیمت تھا کہ اب وہ پہلے کی طرح بات بات میں انہیں یاد کرنے کا بہانہ نہیں ڈھونڈتی تھی۔ انہیں لگنے لگا تھا کہ اب وہ بہلتی جا رہی ہے اور شاید انہیں بھولتی بھی' پر یہ چھوٹی سی بات ان کے سارے خیالات کی یکسر تردید کر چکی تھی۔

" ایسا نہیں سوچتے بیٹا' اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ تمہارے لیے بھی یہاں ضرور کوئی نہ کوئی بھلائی منتظر ہو گی۔ تب ہی تو ہمیں نواب شاہ چھوڑ کر یہاں کراچی آنا پڑا۔"

بے حد رنجیدہ سی ہو کر انہوں نے اسے سمجھانا چاہا" اور پھر یہاں جمیل بھی تو ہے' مجھ سے اور تم سے کتنی زیادہ محبت کرتا ہے۔ کتنا خیال رکھتا ہے' تمہارے لیے فکر مند رہتا ہے تو پھر ایسی مایوسی کی...."

اس بار وہ کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ ان ہی کی سنی گئی۔ اصل میں تو اسے اپنے منہ سے بالکل ہی بے اختیار نکلی ہوئی بات کا بھی پچھتاوا تھا۔ اب کافی عرصے سے دل سے جڑی ساری یادوں اور باتوں کو دل ہی میں رکھنے کی جس پریکٹس میں وہ جتی ہوئی تھی۔ وہ ایسا کچھ بھی کہنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ ورنہ لاکھ دماغ لڑانے پر بھی یہ بات آج تک بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کہ یوں آناً فاناً انہیں اپنا ہنستا بستا گھر چھڑوا کر ممانی کے در دولت پر لا پھینکنے میں ایسی کیا بھلائی پوشیدہ ہے' جس کی قیمت ابا سے ابدی جدائی لکھی گئی ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے تو یہ تک سمجھ نہیں آ پایا تھا کہ جس راستے پر وہ چل رہی ہے' وہ صبر ہے یا مجبوری' اتنا ڈھیر سارا غصہ اور رنج جو باوجود کوشش کے بھی کہیں نہ کہیں سے کسی نہ کسی وقت راستہ بنا کر دل میں آ براجمان ہوتا ہے۔ وہ صابرین کا شکار تو ہرگز بھی نہیں ہوتا۔ پھر وہ کس درجے میں گنی جائے گی بھلا؟

شاید ایک مایوس کن جواب سے بچنے کے لیے ہی وہ چائے کے کپوں میں تیز تیز چمچ گھمائے گئی۔

" ارے دیکھ کر ساری ٹرے میں چھلک جائے گی چائے' ایسے چمچ چلاتا ہے چائے میں' اماں فوراً ہی سرزنش کیے بغیر نہ رہ سکیں۔ ثانیہ کی خاموشی پر وہ تھوڑی سی مطمئن ہو ہی گئی تھیں۔ چائے دے کر جلدی سے تیار ہو جاؤ' ابھی آدھ پون گھنٹہ تو ہے' تمہاری کلاس میں۔" ثانیہ سر ہلاتی ہوئی ٹرے اٹھا کر ممانی کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

ممانی کے رشتے داروں سے اسے خاص کیا عام سی دلچسپی نہیں تھی۔ دو تین عورتیں اور دو تین لڑکے اور لڑکیاں جن کے اس نے نام بھی جاننے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ ممانی نے ان لوگوں کو اس کے اور اماں کے بارے میں کیا بتایا تھا۔ اس کا اندازہ ان سب کی ترحم آمیز نگاہوں سے ہو رہا تھا۔ ثانیہ کو برا تو لگ رہا تھا مگر اور بہت سی باتوں کی طرح اسے بھی برداشت کرنا ہی پڑ رہا تھا۔

چند گھنٹوں کے لیے آئے مہمانوں کی کسی بات کا برا منانا ویسے بھی بے وقوفی ہی تھا اور مہمان بھی وہ جو آپ سے یکسر انجان اور مختلف' اس وقت جو وہ چائے دے کر پلٹنے لگی تو مہمان خواتین میں سب سے عمر رسیدہ خاتون نے اسے آواز دے کر روکا۔ ثانیہ نے ان کی طرف دیکھا تو وہ اپنا پرس ٹٹول رہی تھی۔

" یہ لو۔" انہوں نے مٹھی میں دبائے نوٹ اس کی طرف بڑھائے' رکھ لو' کچھ لے لینا اپنے لیے' پل سے بھی کسی چھوٹے وقفے میں وہ ان کا مطلب سمجھ کر تیزی سے پیچھے ہٹی' مگر وہ مستقل ہی اصرار کیے گئیں۔

" رکھ لو کوئی سوٹ وغیرہ بنالینا' اپنا ویسے گھر میں تو اتنے کپڑے فالتو پڑے ہیں' اگر مجھے تمہارے بارے میں پتہ ہوتا تو ضرور ہی سارے بیگ میں بھر کر لے آتی۔"

وہ بڑی بے بس سی نگاہوں سے انہیں دیکھے گئی اور پھر یکدم ہی دروازے کی طرف مڑ گئی۔

" لائیں مجھے دے دیں' میں لادوں گی' ثانیہ کے لئے کوئی سوٹ کا کپڑا یا پھر فیس بھجوادوں گی اس کی' وہ بھی تو ایک بڑا خرچہ سر پر پڑا ہوا ہے۔"

کمرے سے نکلتے ہوئے ثانیہ نے ممانی کو کہتے ہوئے سنا۔

پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت تھی اور نہ تمنا۔

" ممانی کی طرز فکر اور طرز عمل دونوں سے بس گھن ہی کھائی جا سکتی ہے اور بس۔"

آج اسے سو فیصد اس بات کا یقین ہو چکا تھا۔

...☆☆☆...

آفس کے دروازے کو ہلکا سا ناک کر کے کوئی اندر آیا تھا۔

سجاد بدستور' اپنے سامنے کھلی فائل پر جھکے رہے' نگاہ اٹھا کر دیکھے بغیر ہی انہیں اچھی طرح علم تھا کہ اندر آنے والی شیریں ہے۔بہت انہماک سے ایک کے بعد دوسرا صفحہ الٹتے ہوئے وہ کچھ پوائنٹ نوٹ کر رہے تھے۔

" آج کل کام واقعی زیادہ ہے یا پھر شاید ڈھونڈ ڈھونڈ کر اکٹھا کیا گیا ہے۔"

شیریں نے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اندازہ لگانا چاہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

پورے ہفتے بھر کی چھٹی لینے کے بعد اس نے آج ہی سے دوبارہ آفس جوائن کیا تھا اور یہ پورا ہفتہ اس نے جس طرح سجاد کا سامنا کرنے کے لیے اپنی تمام تر ہمت کو متوجہ کرنے میں گزارا تھا۔ وہ اب تک اس کی زندگی کا ایک بالکل ہی الگ تجربہ تھا۔یوں چھوٹی موٹی شرمندگیاں الجھنیں جو نہ چاہتے ہوئے بھی ہر ایک کے حصے میں آتی رہتی ہیں۔اس کے ساتھ بھی رہتی تھیں' مگر اس طرح کی بے اعتمادی کا اظہار ان دونوں کے بیچ پہلی بار ہوا تھا۔

" سجاد"

" تم گئیں نہیں ابھی تک' آفس ٹائم تو کب کا ختم ہو چکا ہے۔" وہ اسی طرح فائلوں پر جھکے ہوئے تھے۔

وہ آواز جس میں ہمیشہ نرمی اور اپنائیت جھلکتی تھی' اس وقت بڑی اجنبیت رسمی سا انداز لیے ہوئے تھی۔

شیریں کو اپنے سارے دنوں کی محنت ضائع ہونے کا ڈر سا ہونے لگا۔

" مجھے بہت شرمندگی ہے سجاد' اس روز جو کچھ بھی ہوا بس ایک مس انڈر اسٹینڈ نگ سمجھ لو اسے۔" خود کو بمشکل کمپوز کرتے ہوئے اس نے پہلے سے ذہن میں ترتیب دیئے ہوئے جملوں کو دہرانا شروع کیا" اصل میں' میں تمہیں گھر آنے سے نہیں روک رہی تھی سجاد' وہ سب کچھ اس طرح نہیں تھا' جیسا تم نے سمجھا۔" تب ہی سجاد نے ایک جھٹکے سے فائل بند کر کے اس کی طرف دیکھا تو وہ فوراً ہی خاموش ہو گئی۔آگے کی وضع کردہ ساری صفائیاں ذہن میں غلط سلط ہو رہی تھیں۔

کبھی کبھی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی وہی کچھ ہو جاتا ہے' جسے ہم کسی بھی قیمت پر نہیں ہونے دینا چاہتے ہیں۔

" کیا غلط سمجھا میں نے۔"

سجاد کی دھیمی سی آواز میں ٹھنڈک گھل رہی تھی۔ "جواب نہیں تمہارا ابھی شیریں' آج تک میں غلط سمجھتا رہا تو تم نے کبھی بھی میری تصحیح کرنے کی کوشش نہیں کی اور اس دن پہلی بار جب میں نے خود کو اپنی ہی نظروں سے گرتے ہوئے دیکھ لیا تو آج تم مجھے یہ سمجھانے کے لیے آ گئی ہو' کہ ذلت کا وہ تماشہ محض ایک غلط فہمی تھی اور میں اسی بے وقوفی کے ساتھ تمہاری بات کا یقین کر لوں' جس طرح آج تک تم اپنی ممی اور مسز ہاشمی کے روّیہ کا یقین دلاتی چلی آ رہی ہو۔"

"یہاں ممی اور مسز ہاشمی کا کیا ذکر ہے سجاد' یہ بات تو ہم دونوں کے بیچ ہوئی ہے۔" اسے بخوبی اندازہ ہونے لگا تھا کہ آج سجاد کو کچھ بھی سمجھانا بہت مشکل ثابت ہوگا۔

"تم بھول رہی ہو' تمہاری ممی اور مسز ہاشمی تو بہت دن پہلے سے مجھے وہی باور کرانے کی کوشش کر رہی تھیں جو تم نے اس روز نہایت بھونڈے پن کے ساتھ کی اور میں احمق اصل بات کو سمجھنے کے بجائے' بار بار تم سے پوچھے جاتا۔" وہ بات کرتے کرتے' چند سیکنڈ کے لیے خاموش ہوئے' شیریں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے سامنے بیٹھے اس شخص سے آنکھ ملا کر کس طرح بات کی جائے' جس کا ہر گلہ' ہر شکایت' سو فیصد بجا تھی' مگر اب بات' شکایت اور گلے سے بھی آگے جاتی محسوس ہو رہی تھی۔

"کیا ہیں مسز ہاشمی؟ ایک کولیگ' ایک دوست جن کی آج تک میں کس قدر عزت کرتا چلا آیا اور تمہاری ممی" ذرا سا رک کر وہ ایک طنزیہ ہنسی ہنستے چلے گئے۔

شیریں کو پہلی بار ان کا انداز بے حد برا لگا۔

"دونوں ہی کتنے عرصے سے' اپنی بے زاری کا علانیہ اظہار کر رہی تھیں اور تمہاری ممی نے تو بابا کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ اتنے برے لہجے میں ان سے بات کی کہ انہوں نے خاص طور پر مجھ سے پوچھا کہ وہ ہم لوگوں سے کیوں ناراض ہیں۔ بتاؤ

کیا جواب دیتا میں انہیں' پر میں نے ایک بار بھی تمہیں نہیں جتایا اور اس روز بھی جب تمہارے جھوٹ کو سن لینے کے بعد بھی' میں تمہارے گھر پہنچا تھا' تب بھی اسی خیال کے تحت گیا تھا کہ شاید تمہاری ممی اپنی بیماری کی وجہ سے بابا کے ساتھ اچھا بی ہیو نہیں کر پائی ہیں۔ میں تھوڑی دیر ان کے ساتھ بیٹھوں گا تو وہ اپنی بے زاری بھول جائیں گی' مگر وہاں تو۔"

اپنی بات درمیان میں ہی چھوڑ کر سجاد نے ہونٹ بھینچتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے ممی کے روّیہ کا بہت رنج ہے سجاد اور یقین مانو' میں نے انہیں کہا بھی ہے۔ میری ہمت نہیں ہو رہی تھی' ورنہ میں خود بابا سے معافی مانگ لیتی اور تم جانتے ہو کہ میں ان کی کتنی عزت کرتی ہوں۔" بہت لجاجت سے وہ سجاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع ہوئی مگر اس کے چہرے پر پھیلی سختی میں کوئی کمی واقع ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"میں بھی تو تمہاری ممی کی عزت کرتا چلا آیا ہوں' لیکن میرے خاندان میں سے اگر کوئی فرد' ان کی بے عزتی کر دے تو تمہیں کیا لگے گا۔ شیریں تمہارا دل نہیں چاہے گا کہ اس شخص کی طبیعت صاف کر دو' جس نے بھی یہ حرکت کی ہے۔"

"یہ محض اتفاق تھا سجاد' محض ایک برا اتفاق جواب دوبارہ نہیں ہوگا۔"

صرف ایک مسئلے کو لے کر وہ بہت سے سوالوں کی زد میں گھر گئی تھی۔ "اور فضول سی بحث کے اختتام پر اس کے اور سجاد کے بیچ کے رشتے کی کیا وہی شکل واپس لوٹ سکے گی' جو ان تھرڈ کلاس باتوں سے پہلے تھی۔" شیریں نے اپنے اندر مایوسی سی اترتی محسوس کی۔

کتنے بھولے پن سے ہم خود سے جڑے عزیز ترین رشتوں کے بارے میں پر اعتماد رہتے ہیں۔ ان کی مضبوطی پر ایمان لاتے ہیں، مگر پھر جیسے ہی کوئی بری گھڑی تاکتی ہے۔ ساری مضبوطی، سارا اعتماد، ایک پل بھی نہیں ٹک پاتا۔

" دوبارہ میں ہونے بھی نہیں دوں گا۔ اگر اب تک میں سادہ لوحی سے ہر ایک کو رعایت دیتا آیا ہوں تو اب آئندہ کوئی بھی اس بھول میں نہیں رہے۔" بیچ آئی گہری دراڑ کے دوسری طرف کھڑا سجاد کہہ رہا تھا۔

کسی نرم، کسی اپنائیت کا شائبہ تک نہیں تھا۔

شیریں رنجیدہ سی اس کی طرف دیکھے گئی۔

ممی اور مسز ہاشمی کا رویہ، خود اس کا چھوٹا سا جھوٹ، کچھ بھی اتنا بلا جواز نہیں تھا، جتنا کہ سجاد نے سمجھ لیا تھا، مگر اس کا احساس دلانے کی ہمت، اس میں نہ پہلے کبھی ہوئی تھی اور شاید آج بھی نہیں۔

" وہ تو شاید یہ بھی کھوجنے کی ضرورت نہیں محسوس کرے گا کہ اس وقت اس کی یہ تکلیف دہ ناراضگی کو اگر وہ چپ چاپ بیٹھی جھیل رہی ہے تو اس کی کوئی وجہ بھی ہے۔" شیریں نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو ہتھیلی کے زور سے رگڑا۔

☆☆☆...

اماں نے ثانیہ کے سامنے خاص احتیاط کرنا شروع کر دی تھی۔

دن بھر کے جس وقفے میں وہ گھر پر ہوتی اماں اپنا زیادہ وقت برآمدے میں بیٹھے بیٹھے ہی گزارا کرتیں۔ ممانی کو بھی ان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ ثانیہ خود ہی لپ جھپ ہر کام کو تیزی سے نمٹا دینے کی فکر میں رہتی اور اتوار کے دن جمیل ماموں گھر پر ہوتے تھے۔ اس لیے کسی بھی بدمزگی کا امکان نہ ہونے کے برابر ہی رہتا۔ پھر بھی رات کو جب وہ برائے نام ہی کھانا کھا کر، جلدی ہی لیٹ جاتیں تو ثانیہ انہیں بڑی تشویش سے تکنے جاتی۔

" چلیں آج آپ کو ڈاکٹر کو دکھالاتی ہوں۔"

اس روز وہ مصر ہی ہو گئی۔

" کچھ نہیں ہو رہا مجھے بس تھکان جلدی ہونے لگی ہے۔ تھوڑا سا آرام کروں گی تو وہ بھی جاتی رہے گی۔"

انہیں ڈاکٹر کے پاس جانے کے خیال سے ویسے بھی ہمیشہ گھبراہٹ ہوتی تھی۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی بیماریوں کا علاج وہ کسی نہ کسی دیسی نسخہ کی مدد سے خود ہی کر لیا کرتی تھیں، مگر یہاں معاملہ نزلہ، کھانسی یا پیروں میں درد کا نہیں تھا۔ ان کی دن بدن بڑھتی کمزوری کا تھا۔ پچھلے چند دنوں سے تو رات کو ان کے قریب لیٹ کر ثانیہ نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ انہیں اچھا خاصا بخار بھی ہے۔ اس کے اصرار پر انہوں نے ڈسپرین کی گولی بھی اس تاکید کے ساتھ کھائی کہ اسے جمیل ماموں سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔

" اب ماموں کو مت سنانے بیٹھ جانا۔ ویسے ہی اس غریب کو دس فکریں ہیں، ایک میں بھی بڑھا دوں۔" اماں کو جمیل ماموں سے بے انداز محبت تھی۔

مگر اس روز ثانیہ کا اصرار بڑھتا ہی چلا گیا۔ اماں کو تھک ہار کر ماننا ہی پڑا۔

" چلو، کہاں چلنا ہے؟"

وہ چادر اوڑھے تیار کھڑی تھیں۔ ثانیہ اپنا پرس کھولے، اس میں موجود رقم کا اندازہ لگا رہی تھی۔ ان کے کہتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

" چلیے..."

اماں کو کبھی کبھی اس کے روّیے پر بہت حیرانی ہوتی تھی۔اس وقت بھی اسے بے نیازی سے باہر کا رخ کرتے ہوئے دیکھ کر انہیں ٹوکنا پڑا۔

" ذرا کہہ تو دو اپنی ممانی سے کہ ہم لوگ تھوڑی دیر کے لیے کہیں جا رہے ہیں۔ یہ کیا کہ بغیر کسی سے کچھ کہے سنے منہ اٹھا کر چل پڑے۔" حالانکہ اس گھر میں منہ اٹھا کر چل پڑنے کا ہی "رواج" تھا مگر محض اماں کی خاطر وہ اس وقت کسی بحث میں پڑنا نہیں چاہ رہی تھی۔

ممانی اور لبنیٰ سامنے والے کمرے میں تھیں۔ جہاں تقریباً سارا وقت ہی ٹی وی پوری آواز میں کھلا رہتا تھا۔ایک گہری سانس اندر ہی اندر اتارتے ہوئے' وہ اس طرف بڑھ گئی۔

" ہم لوگ باہر جا رہے ہیں تھوڑی دیر کے لیے۔"

کمرے کے دروازے پر ہی رک کر' بناء ان دونوں میں سے کسی کو بھی مخاطب کیے' اس نے اماں کی اس فرمائش کو بھی پورا کر ڈالا اور پھر پل بھر کا بھی توقف کیے بغیر وہ اماں کا بازو تھامتی ہوئی گیٹ کی طرف چلی آئی۔

ممانی اور لبنیٰ کو اس کی بات سمجھنے میں جو چھوٹا سا وقفہ درکار تھا۔تب تک وہ اور اماں گیٹ تک پہنچ ہی چکی تھیں۔

" آخر جا کہاں رہے ہو تم لوگ' اے ثانیہ۔ذرا رکو...."

پیچھے سے پکارتی ہوئی لبنیٰ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے' ثانیہ نے باہر نکلتے ہوئے گیٹ کو بند کیا۔

" کیا بدتمیزی ہے ثانیہ' بتا دینے میں حرج کیا تھا' آخر لبنیٰ پوچھتی رہ گئی مگر تم...."

اماں وہیں گیٹ کے آگے کھڑے ہو کر' دبی دبی سی آواز میں خفگی کا اظہار کرنے لگیں۔پر وہ تیزی سے ان کی بات کاٹ گئی۔

" بتا تو دیا تھا اماں' خود وہ لوگ کہیں جاتے ہوئے تو ہم سے ایک لفظ بھی کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتیں۔"

اپنی بات کہتے ہوئے وہ اپنے قدم آگے بڑھا چکی تھی۔اماں کو بھی مجبوراً آگے بڑھنا پڑا۔

" ہماری ان کی برابری نہیں ہے۔وہ جہاں چاہیں آ جا سکتی ہیں' لیکن ہم ان کے گھر میں رہ رہے ہیں۔ہماری ذمہ داری اور ہے۔" اماں کی خفگی برقرار تھی۔ثانیہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے گلی کو کراس کر کے روڈ تک آتے ہوئے' وہ اسے مستقل ہی جمیل ماموں کے گھر میں اپنی حیثیت یاد دلائے گئیں۔

ثانیہ سر جھکائے سنتی رہی۔یہ جو کچھ بھی اماں دھیمی دھیمی آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔اسے وہ کب کا ذہن نشین کر چکی تھی' بلکہ دہرا دہرا کر اسے ہر وقت ہی تازہ کیے رکھنے کا سامان رکھتی تھی۔

" یہ وقت تو کاٹنا ہی ہے بیٹا' دیکھو خدا کب کوئی بہتری کا سبب بناتا ہے۔"

اسی کی مستقل خاموشی سے اماں نے یہی نتیجہ نکالا تھا کہ وہ یقیناً ان کی کہی ہر بات کو سمجھ بھی رہی ہے اور اس کا اثر بھی لے رہی ہے۔

مگر یہ محض غلط فہمی تھی' جس کا اندازہ بھی انہیں تھوڑی ہی دیر میں ہو گیا۔

ڈاکٹر صاحب کے کلینک کی انتظار گاہ میں بیٹھے ہوئے' جب وہ وقتی طور پر یہ سارا قصہ بھول کر برابر بیٹھی مریض خاتون سے خیر سگالی برت رہی تھیں' ثانیہ نے دھیرے سے انہیں مخاطب کیا۔

" اماں۔"

اس کے دوبارہ کہنے پر انہیں اس کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑا۔

" کیا بات ہے۔"

" اماں، ہم لوگ الگ گھر نہ لے لیں۔ فرح بتا رہی تھی کہ وہاں ان کے فلیٹوں میں بھی ایک فلیٹ خالی ہے آج کل، اگر ہم وہاں...۔"

" دماغ تو نہیں خراب۔" بڑی تیزی سے انہوں نے اس کی بات کاٹی، اس بالکل ہی غیر متعلقہ ماحول میں انہیں ثانیہ کی کہی بات اتنی زیادہ فضول محسوس ہوئی کہ حد نہیں۔

" آسان ہے الگ گھر لے لینا، اکیلی عورت سے گھر سنبھلتا ہے کیا اور پھر تمہیں کون سا میرے پاس ہی بیٹھے رہنا ہے۔ دن رات دعا کرتی ہوں کہ عزت سے یہ ذمہ داری پوری ہو جائے، پھر کرتی رہنا سارے شوق پورے۔"

پاس بیٹھی خاتون ان کی دوسری طرف بیٹھی خاتون سے مصروف گفتگو ہو چکی تھی۔ ثانیہ نے اسی پر دل میں شکر ادا کیا۔

" اس بار فرح آئے تو اسے بھی سمجھاؤں گی کہ تمہیں ایسی الٹی سیدھی پٹی نہ پڑھائے۔" اماں فرح سے بھی تھوڑی سی بدگمان ہو رہی تھی اور یہ سراسر ناانصافی والی بات تھی۔

" فرح کا اس بات سے کوئی واسطہ نہیں ہے اماں، اسے آپ کچھ مت کہیے گا، پلیز۔"

ثانیہ کو اب اپنی بے وقوفی کا احساس ہونا شروع ہو چکا تھا، جو بات ایک بہت اچھا سا گرائونڈ سیٹ کر کے شروع کرنا چاہیے تھی۔ وہ طبیعت پر چھائی جھنجلاہٹ اور کوفت نے یوں ہی بے تکے پن سے کہلوا کر بے اثر کر دی تھی۔

" واسطہ کیسے نہیں، اپنی اس " رحمت منزل" کی تفصیلات سنانے والی وہی ہے۔ ارے ہماری بلا سے وہاں ایک فلیٹ خالی ہو یا دس اور جمیل سنے گا تو کتنا رنج کرے گا۔ تمہیں اس کا بھی خیال نہیں آیا۔"

اماں کو عام طور پر بھی اونچی آواز میں بولنے کی عادت نہیں تھی، اس وقت آس پاس لوگوں کی موجودگی کے احساس نے ان کی آواز اور بھی دھیمی کر رکھی تھی۔

ثانیہ کو بہرحال ان کا ایک ایک لفظ سر جھکائے ہوئے سننا ہی پڑ رہا تھا۔ غنیمت ہو کہ معائنہ کے لیے اماں کی باری جلد ہی آ گئی تو وہ انہیں لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

واپسی میں میڈیکل سٹور سے دوائیں خریدنے اور پھر رکشہ کی تلاش میں کچھ اور وقت بھی لگ گیا۔ اپنی گلی میں رکشہ مڑواتے ہی اماں اور ثانیہ، دونوں ہی نے بیک وقت گھر کے آگے کھڑے جمیل ماموں کو دیکھ لیا۔

" وہ ہمارے ہی انتظار میں بے چارہ پریشان کھڑا ہے۔ کہہ دیتیں تو اسے اطمینان تو رہتا۔"

اماں کو ایک بار پھر اس کی کوتاہی یاد آئی، جمیل ماموں واقعی پریشان تھے۔

رکشہ رکتے ہی وہ فوراً آگے بڑھ آئے۔

" خیریت تو ہے نا آپا، کہاں چلی گئی تھیں آپ، میں تو سخت پریشان تھا، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔"

اماں کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اندر لاتے ہوئے وہ بڑی بے تابی سے بولے چلے گئے۔ ان کے چہرے اور لہجے دونوں سے ان کے الفاظ کی تائید ہو رہی تھی۔

"ساری میری غلطی ہے ماموں' اصل میں مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ اتنی جلدی آجائیں گے۔" ثانیہ نے شرمندگی محسوس کرتے ہوئے' تھوڑی سی صفائی پیش کرنا چاہی تو وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے محبت سے مسکرا دیئے۔

"اصل میں' میں ہی کچھ زیادہ وہمی ہوتا جارہا ہوں۔ ایک دم ہی الٹے سیدھے خیالات آنے لگتے ہیں۔ تھوڑی سی پریشانی میں بھی اور پھر تمہاری ممانی اور لبنٰی کی طرف سے بھی تو کوئی اچھی توقع نہیں کہ وہ تمہارا اور آپا کا خیال...۔"

پچھلی طرف کے برآمدے میں ٹھیک سامنے ممانی اپنے کمرے سے نکل کر آکھڑی ہوئیں۔" اب پوچھیں' اپنی بہن سے کہ ہم نے ایسا کیا ظلم ڈھا رکھا ہے' ان لوگوں پر' ارے پیچھے پیچھے دوڑایا ہے میں نے لبنٰی کو' مگر مجال ہے جو کسی نے بتانا بھی گوارا کیا ہو' لیکن آپ کا سارا عتاب ہم ماں بیٹی پر ہی اترتا ہے۔"

کافی دیر انہوں نے جمیل ماموں کی ناراضگی برداشت کی تھی۔ سو اب ردعمل بھی ہونا تھا۔

اماں نے آگے بڑھتے ہوئے کچھ کہنا چاہا' مگر جمیل ماموں نے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔" میں ہی بھول گیا تھا' آپا نے صبح بتایا بھی تھا کہ آج وہ ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے جائیں گی' مگر دکان سے واپسی تک دماغ بالکل خالی ہو کر رہ جاتا ہے۔ چلو اب اس قصے کو ختم بھی کرو۔" بڑے سرسری سے انداز میں کہتے ہوئے وہ تخت کے ساتھ والی کرسی پر جا بیٹھے۔

ثانیہ نے ایک نگاہ ممانی اور ان کے پیچھے کھڑی لبنٰی کے چہروں پر ڈالی۔ دونوں ہی کے چہرے بڑے تپتے ہوئے سے محسوس ہو رہے تھے۔

جمیل ماموں نے بڑی صفائی سے اس وقت اماں اور ثانیہ کو سوال جواب کے کسی بھی سلسلے سے بچا ہی لیا تھا۔

اور اب وہ اتنے انہماک سے چھوٹے سے شاپر میں سے اماں کی دوائیں نکال کر دیکھتے ہوئے' ان سے تفصیلات پوچھ رہے تھے۔ جیسے ابھی تھوڑی دیر قبل یہاں کسی قسم کی کوئی بھی ٹینشن نہیں تھی۔

ثانیہ کو اکثر ان پر بڑا پیار بھرا سا فخر محسوس ہوتا تھا۔ اس وقت بھی۔

"شاید اماں ٹھیک ہی کہتی ہیں' چاہے یہاں رہنے میں تکلیف اور توہین کا سلسلہ کتنا بھی دراز ہوتا رہے۔ ماموں کے پیار اور خلوص پر' پیر رکھ کر یہاں سے چلے جانا اتنا بھی آسان نہیں ہے۔"

چند لمحوں کے لیے اس نے یہیں ان دونوں کے قریب بیٹھ کر کچھ سوچنا چاہا مگر ممانی اور لبنٰی کی موجودگی میں عموماً حسب مرضی کچھ کر لینا ناممکن سا ہونے لگتا تھا۔

"کھانے کا وقت ہو چکا ہے' اب تک روٹیاں بھی نہیں پکیں۔"

"پانی کی ساری بوتلیں خالی ہیں' کسی کو دو گھونٹ ٹھنڈا پانی نصیب نہیں...۔" ہر ایک منٹ ایک کوتاہی گنوانے لگا تو وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔

"لوگ جس کا کھاتے ہیں' اسی کو آنکھیں دکھاتے ہیں' ترس کھا کر پناہ کیا دی' ہم تو الٹے خود ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ خدا ہی اس مصیبت سے نجات...۔"

ممانی بڑی تیزی سے کچن میں آئی تھی اور اب اس کے پیچھے والا کیبنٹ کھول کر رکھے ہوئے ڈبوں کو ادھر سے ادھر کرتے ہوئے بنا کسی رو رعایت بڑی سفاکی سے بخیے ادھیڑنا شروع کر چکی تھیں۔

"دنیا جہاں میں لوگ مرتے ہی ہیں' ایسا کون سا انوکھا ستم ٹوٹ پڑا تھا' مگر یہاں تو بہانہ مل گیا' دوسروں کے سر پڑنے کا۔"

ثانیہ کا دل بڑے زور سے کانپا' نہ ہی ممانی کی باتیں نئی تھیں اور نہ ہی آج یہ سب کچھ سننے کا اس کا پہلا تجربہ تھا' مگر ہمیشہ ہی کسی کاری زخم کی ٹیس پہلو میں سے اٹھتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

سامنے توے پر روٹی جل کر سیاہ ہوتی جا رہی تھی۔ ثانیہ نے چولہے کی آنچ ہلکی کرتے ہوئے اسے اتار کر روٹیوں کے ڈھیر کے نیچے دبا دیا۔

ممانی کی نظر پڑ جاتی تو رزق کی اس بے حرمتی پر اسے اور بھی بہت کچھ سننا پڑ جاتا' باہر سے ماموں کے کسی بات پر زور سے ہنسنے کی آواز آئی۔ تو وہ کیبنٹ کھلا چھوڑ کر تیزی سے باہر چلی گئیں۔

ایک چھوٹی سی من مانی جو اس نے کر ڈالی تھی' اس کی سزا اب کئی دن تک قسط در قسط اسی طرح بھگتنی تھی۔

" کیا صرف اس لیے کہ وہ اور اماں یہاں رہنے پر مجبور تھیں۔"

تیز تیز ہاتھ چلاتے ہوئے اس کی ذہنی رو پھر سے بہکنا شروع ہوئی۔

" کیا انسان کی زندگی میں دو وقت کی روٹی اور سر پر تنی چھت کا سایہ اتنی بڑی ترجیح ہے کہ اس کے بدلے میں عزت نفس کو یوں ہی ہر ایرے غیرے کو قدموں تلے کچلتے رہنے کی اجازت دینی پڑتی ہے۔"

اس تلخ ترین سچائی کو جھٹلانا اسے ہمیشہ ہی بالکل ناممکن لگتا' کوئی بھی جواز یا دلیل' آڑے آکر اس کڑواہٹ کو کم کرنے کا سبب نہیں بن پاتا۔

حقیقت یہی تھی۔

" اور یہاں اس معاشرے میں صرف ایک وہ ہی تو ایسے تھرڈ کلاس سمجھوتے کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک باصفات لوگ' پتہ نہیں کن کن مجبوریوں میں بندھے' قدم قدم پر ذلت سہنے پر مجبور ہیں۔"

ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری اور پھر اگلے ہی پل معدوم ہو گئی۔

جہاں زندگی کو برتنے سمجھنے میں اب تک زمین آسمان کا فرق آ چکا تھا۔ وہاں سوچ کا دائرہ بھی اپنی ذات سے ہٹ کر ارد گرد صبح شام دکھائی دیتی ناہمواریوں تک پھیلتا جا رہا تھا۔

اگلے دن شام کو جب وہ لینگویج کلاس سے فارغ ہو کر نکل رہی تھی تو سامنے ہی سیڑھیوں پر فرح انتظار کرتی دکھائی دی۔

ثانیہ کو تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی۔

فرح کا یہ وقت' خود اس کی اپنی شام کی جاب کا تھا اور اگر اس وقت وہ خاص طور پر اس سے ملنے کے لیے یہاں آئی تھی تو یقینا کوئی خاص ہی وجہ ہو گی۔

" خیریت تو ہے اس وقت تم کیسے نکل آئیں اپنی اکیڈمی سے۔"

فرح کی اکیڈمی کے ایڈمنسٹریٹر' کام اور چھٹی کے معاملے میں اتنے حساس تھے کہ سارا اسٹاف ہی ہر وقت اٹینشن رہتا تھا۔ خود فرح اپنے ڈھیر سارے کاموں میں اس شام والی جاب کو ہی سب سے "ٹف" قرار دیتی تھی۔

" آج ہمارے ہاں عید ہے۔ ایڈمنسٹریٹر دو دن کے لیے لاہور گئے ہیں۔ اسی لیے سب تھوڑا سا ریلیکسڈ ہیں۔" ثانیہ کے ساتھ سیڑھیاں اترتے ہوئے' وہ بڑے اطمینان سے بتانے لگی۔

" شرم کرو کچھ اس کا تو یہی مطلب ہوا نا کہ تم لوگوں میں دکھاوے کی ایفی شنسی ہے۔ اصل میں تو ڈیوٹی کا مطلب خانہ پری کرنا ہی ہے۔"

اپنا پچھلا سوال بھلا کر' ثانیہ نے فرائض اور اخلاقیات کا درس شروع کرنا چاہا' مگر فرح لاپروائی سے ہنستی چلی گئی۔

" ہم کیا کر سکتے ہیں' اصل میں تو یہ سب ہمارا قومی مزاج بن چکا ہے۔ ہم ڈنڈے کے زور پر کام کرنے والے لوگ ہیں' ورنہ کام کی بے ایمانی' وقت کی چوری' یہ ساری چھوٹی موٹی بے ایمانیاں تو ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہیں۔"

" مگر یہ تو خود پر ڈیپینڈ کرتا ہے نا' ضروری تو نہیں کہ اگر سب لوگ...."

ثانیہ مزید بحث کے موڈ میں آرہی تھی۔ بچپن سے ابا کی زبانی' ایمانداری اور اخلاقیات کے بارے میں اتنے لیکچر سن چکی تھی کہ اب ان سے ہٹ کر کی جانے والی کوئی بھی بات چاہے وہ مذاقاً ہی کیوں نہ ہو اسے فوراً ہی جذباتی کرنا شروع کر دیتی تھی۔

فرح کو اس کی یہی سچائی بے حد بھاتی تھی۔ سیڑھیاں اتر کر' طویل برآمدے کے آخری سرے تک آتے آتے وہ بڑے مزے لے کر ثانیہ کی نصیحتیں سنے گئی اور جب وہ ذرا سانس لینے کو رکی تو ایک دم ہی بڑی سنجیدگی سے بولی۔

" تم نے اماں سے بات کر لی؟"

" ہاں۔" ثانیہ کچھ چونک سی گئی۔

یہ ایک بالکل ہی مختلف ایشو تھا' جو کہ فرح نے بالکل اچانک اٹھایا تھا۔

فوری طور پر تو ثانیہ کی سمجھ میں بھی نہیں آیا کہ اس کا کس طرح جواب دیا جائے۔

" اور اصل میں تو اسے خود ہی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ فرح جیسی مصروف ہستی اپنے سارے کام بیچ میں چھوڑ کر خاص اس وقت اس سے کیا" خاص" بات کرنے آسکتی ہے۔"

دل ہی دل میں اسے اپنی بے وقوفی پر تھوڑا سا افسوس بھی ہوا۔

فرح بڑے غور سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ ثانیہ کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر اس نے خود ہی بات آگے بڑھانا چاہی۔

" میں کل بابا سے ان کے آفس میں جا کر ملی تھی۔ ویسے تو عمر سے بھی بات کی جا سکتی تھی۔ ہماری بلڈنگ کا اصل میں تو انہوں نے اسی کو انچارج بنا رکھا ہے' مگر میں نے مناسب سمجھا کہ بات بابا سے ہی کرنا بہتر رہے گی۔" ثانیہ کے لیے اب کم از کم ناموں کی حد تک ان میں سے کوئی بھی نام اجنبی نہیں رہا تھا۔

" پھر' کیا کہا انہوں نے؟"

ثانیہ نے بڑی امید کے ساتھ اس کی طرف دیکھا کہ کاش خود بابا نے ہی منع کر دیا ہو تاکہ وہ فرح کے سامنے شرمندگی اٹھانے سے بچ پائے۔

" وہ بہت خوشی کے ساتھ راضی ہیں۔ ان کے پاس آج کل تین فلیٹ خالی ہیں۔ ایک تو خیر جھگڑے کی وجہ سے بند ہے مگر دو فلیٹوں میں سے تم جس میں چاہو شفٹ ہو سکتی ہو' ایڈوانس بھی نہیں دینا پڑے گا۔"

فرح بہت خوشی خوشی تفصیلات بتانے لگی اس کے خیال میں ثانیہ کا ایک بہت بڑا مسئلہ بہت آسانی سے حل ہونے جا رہا تھا۔

" تمہیں وہاں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔ سب ہی لوگ اتنے اچھے ہیں کہ تمہیں اور اماں کو ذرہ برابر بھی اجنبیت کا احساس نہیں رہے گا اور پھر سب سے بڑھ کر میں، میری فیملی ہوگی۔ وہاں ہر وقت قریب، میرا خیال ہے تم کل چل کر دیکھ لو، میں عمر سے آج رات چابیاں لے کر رکھ لوں گی۔"

ثانیہ خاموشی سے اس کا چہرہ تکنے گئی۔

فرح غریب، جو مارے محبت کے اس کے لیے جس تگ ودو میں مصروف تھی۔ اس تک اماں کے خیالات پہنچانا آسان نہیں تھا۔

پھر بھی جب وہ اپنی ساری بات کہہ کر بہت پریقین انداز سے ثانیہ کو جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی تو اسے کہنا ہی پڑا۔

" اماں بالکل بھی راضی نہیں ہو رہی ہیں فرح، ان کے خیال میں جمیل ماموں بھی یہ بات بالکل پسند نہیں کریں گے۔"

اس کی نگاہ سامنے کیاری میں گیندے کے پھولوں کی لمبی قطار پر جمی رہی۔

" اچھا۔"

اس نے فرح کو ہلکے سے کہتے ہوئے سنا۔

خاموشی کا ایک بالکل چھوٹا سا وقفہ ان دونوں کے بیچ آیا۔ ثانیہ کو حقیقتاً بہت شرمندگی ہو رہی تھی۔ الگ گھر لینے کا آئیڈیا سراسر خود اس کا اپنا تھا۔ فرح تو بس اس کے حکم کی تعمیل میں دوڑی پھر رہی تھی۔

چلو خیر، تم پریشان مت ہو۔ میں اماں اور ماموں دونوں سے خود بات کر لوں گی۔ دیکھنا کیسے راضی ہو جائیں گے۔"

بڑے مطمئن انداز میں فرح کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

ثانیہ کو اس کی خوش امیدی پر رشک آتا تھا۔ ہر مسئلہ اس کے نزدیک ہمیشہ ہی قابل حل ہوتا تھا۔

" آج تو ٹائم نہیں ہے، ورنہ ابھی تمہارے ساتھ چلی چلتی، آخر ڈیوٹی بھی تو بھگتانی ہے۔ ایسا ہے کہ میں اتوار کی صبح آ جاتی ہوں، آرام سے بیٹھ کر اماں کو کنوینس کریں گے، ٹھیک۔"

" نہیں تم مت آنا پلیز۔" ثانیہ نے تھوڑا سا گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔ " ابھی اماں سے کوئی بات کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے ابھی کچھ عرصے کے لیے اس بات کو جانے ہی دیتے ہیں۔"

فرح نے اس کے چہرے پر پھیلتی خفت کو ذرا غور سے دیکھا اور پھر ہلکے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

" اماں بے حد خفا ہیں مجھ سے، یہی بات ہے نا۔ فرح سے کچھ بھی چھپانا، اس کے لیے مشکل ہونے لگتا تھا۔ بے کار کے جواز دینے کے بجائے، ثانیہ نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اماں فرح سے بے حد خفا تھیں۔ ان کے خیال میں اب وہ اپنی اور ثانیہ کی گہری دوستی کا فائدہ اٹھا کر اسے الٹی سیدھی پٹیاں پڑھانا شروع کر چکی تھی اور اپنے اس خیال پر وہ اس سختی سے جمی ہوئی تھیں کہ ثانیہ کے لیے ان کو یہ بات سمجھانی مشکل ہوئی جا رہی تھی کہ فرح بے چاری کا اس سارے قصے میں ایسا کوئی برا قصور ہر گز بھی نہیں ہے۔

" تم پلیز ابھی کچھ دن ادھر مت آنا۔ میری بات کا برا نہ ماننا فرح، اماں کو میں سمجھا دوں گی۔"

بے حد شرمندگی کے ساتھ اسے یہ سب فرح کے سامنے کہنا پڑ رہا تھا۔

اصل میں تو اسے خود بھی' ان ہی دنوں میں اندازہ ہوا تھا کہ اماں' ماموں کے گھر پر رہنے کے معاملے میں کتنی حساس ہیں۔ خراب سے خراب صورت حال میں بھی انہیں اپنے اور ثانیہ کے لیے اس گھر سے بڑھ کر کوئی بھی پناہ گاہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ثانیہ خود مختاری اور خود انحصاری کے جتنے بھی پلان بنا رہی تھی۔ ان سب کا کیا بننا تھا۔ اسے اماں کے روّیہ سے اب یہ خطرہ بھی لاحق ہو رہا تھا۔

" میں اسی اتوار کو تمہارے گھر آئوں گی۔ اماں بے شک ابھی نہ مانیں' مگر بہت جلد ان کے خیالات میں تبدیلی آجائے گی' تم دیکھ لینا۔" گیٹ کی طرف جاتے ہوئے فرح نے بڑے پر یقین انداز میں ثانیہ سے کہا۔

...☆☆☆...

نازی کی کوچنگ سنٹر والی نوکری پر سب سے زیادہ برا سمیع نے منایا۔

اس بات کا اندازہ خود نازی کو ہفتہ' دس دن میں ہی ہو گیا۔

" کیا ضرورت تھی آپ کو یہ کوچنگ سنٹر جوائن کرنے کی' آج کل تو شام کو ٹھنڈ بھی اتنی ہو جاتی ہے۔ پہلے ہی آپ کی اتنی طبیعت خراب رہ چکی ہے۔"

نازی ابھی چند منٹ قبل ہی بڑے کمرے میں ٹی وی پر خبریں سننے کے لیے آکر بیٹھی تھی۔ جب سمیع نے اپنے سامنے پھیلا اخبار سمیٹتے ہوئے یہ نقطۂ اعتراض اٹھایا۔

نازی نے تھوڑا سا چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا' پہلے بھی کئی بار وہ کوچنگ سنٹرز کی جاب کر چکی تھی اور گھر میں کبھی بھی کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا' بلکہ تھوڑے سے اضافی پیسوں کی گھر میں آمد سے ماحول مزید بہتر محسوس ہوتا ہے' مگر اس بار شاید ایسا نہیں تھا۔

" میں نے امی سے بھی کہا تھا کہ آپ کو منع کریں۔ مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا' جب آپ شام ڈھلے گھر آرہی ہوتی ہیں۔"

سمیع کی برہمی کی وجہ' اب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی' مگر پھر بھی بڑی نرمی سے بولی۔

" کام کرنے والے سب ہی لوگ' شام ڈھلے ہی گھروں کو پہنچ جاتے ہیں' بلکہ اور اس سے بھی زیادہ لیٹ' یہاں اس شہر میں فاصلے ہی اتنے زیادہ..."

" جو لوگ دیر سے آتے ہیں' ان کے کام کے اوقات آپ سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہاں سب کو خبر ہے کہ آپ سکول میں پڑھاتی ہیں۔ سارے سکول زیادہ سے زیادہ دو بجے تک ہی بند ہو چکے ہوتے ہیں۔ آس پاس کے لوگ کیا سوچتے ہوں گے۔ جب وہ آپ کو اتنی شام کو واپس آتا دیکھتے ہوں گے۔"

جتنی خفگی کے ساتھ' وہ یہ سب کہہ رہا تھا۔ نازی کو بڑی خفت سی محسوس ہوئی اور یہ شاید قریب بیٹھی امی نے بھی نوٹ کیا۔ تب ہی وہ سمیع کو ڈانٹنے لگیں۔

" ہمیں لوگوں سے مطلب؟ اور لوگ ہوتے کون ہیں ہمارے بارے میں رائے قائم کرنے والے' تمہیں بڑی بہن سے بات کرتے ہوئے کچھ تو خیال رکھنا چاہیے۔"

امی کی بات وہ ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ سنے گیا۔" لوگوں کی رائے کی پرواکرنی پڑتی ہے امی' کل ہی پڑوس والے احتشام صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ نازی آپا کا ٹرانسفر کسی سیکنڈ شفٹ والے سکول میں تو نہیں ہو گیا ہے۔ بتایئے کیا جواب دیتا ان کو میں نے تو شام کو دوستوں کے ساتھ باہر بیٹھنا ختم کر دیا ہے۔"

" تم خوامخواہ ہی اتنا محسوس کر رہے ہو' سمیع۔"

نازی نے ہاتھ کے اشارے سے امی کو مزید کچھ کہنے سے روکا" یہ کوئی ایسی انوکھی بات نہیں ہے' شہر میں کتنے ہی لوگ دو' دو بلکہ تین تین جگہ بھی پارٹ ٹائم کام کرتے ہیں۔ مہنگائی ہی اتنی بڑھ گئی ہے کہ ضرورتیں بھی پوری کرنا مشکل ہو رہا ہے۔"

" اس گھر کی ضرورتیں پوری کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے' نازی آپا۔ یہ ابا کی اور میری ذمہ داری ہے اور میں...۔"

بہت جھنجلا کر اس نے اپنا داہنا ہاتھ کرسی کے ہتھے پر مارا۔

" کبھی کبھی تو واقعی دل چاہتا ہے کہ اس انجینئرنگ کی پڑھائی کو ایک منٹ میں خیر باد کہہ دیا جائے۔"

نازی کو سمیع کے چہرے پر پھیلتی سرخی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ معلوم نہیں کسی نے اس سے ایسا کیا کہہ دیا تھا جو وہ یوں خود اپنے آپ سے ہی خفا ہوا جا رہا تھا۔ نازی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ

اسے کس طرح سمجھائے۔

" سال ڈیڑھ سال کی تو بات رہ گئی ہے' سمیع تم ماشاءاللہ جاب کرنے لگو گے' پھر شوق سے ساری ذمہ داریاں اٹھا لینا' بس ابھی کچھ عرصہ پلیز۔"

سمیع چپ چاپ سا اس کی طرف دیکھے گیا۔ نازی کی شفاف آنکھوں میں ہلکا ہلکا سا پانی اتر رہا تھا۔

" آپ بس یہ شام والی جاب چھوڑ دیں' گھر پر ٹیوشن کے لیے لڑکیاں آتو جاتی ہیں' بس کافی ہیں۔" وہ سر جھکاتے ہوئے ہلکے سے بولا۔

" ٹھیک ہے' میں کل ہی منع کر دوں گی' انہیں بس اب تو خوش ہو۔"

اور وہ واقعی بے حد خوش ہو گیا' " شکریہ بہت بہت۔" ایک دم ہی جیسے کوئی بہت بھاری وزن کندھوں سے اتار کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

" اور نازی آپا' یہ مت سمجھ لیجئے گا کہ ایسا میں نے صرف اپنی کسی وجہ سے کہا ہے۔"

نازی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا' سمیع اس سے کتنی زیادہ محبت کرتا تھا۔ یہ وہ اچھی طرح سمجھتی تھی۔

امی کو نہ سمیع کی مداخلت اچھی لگی تھی اور نہ ہی نازی کا فیصلہ' ان کے ماتھے پر گہرے ہوتے بل' ان کے موڈ کا احساس دلا رہے تھے' مگر منہ سے انہوں نے بھی اس وقت کچھ نہ کہا۔

سمیع سے وہ تھوڑا سا دبتی تھیں' دِیا کے بعد سمیع ہی تھا جو ان سے بہت سی باتیں منوا لیا کرتا تھا اور جس سے بحث و مباحثہ سے وہ ہمیشہ ہی بچا کرتی تھیں۔

نینی معلوم نہیں کس وقت یہاں کمرے میں آئی تھی اور تھوڑے فاصلے پر پڑی سیٹ پر بیٹھی' خاموشی سے یہ سب سنے جا رہی تھی۔

" اچھے بھلے پیسے مل رہے ہیں' صرف دو ڈھائی گھنٹے پڑھانے کے' سمیع کا تو دماغ خراب ہے مگر تم نے بھی فوراً ہی اس کی بات مان لی۔" سمیع باہر جا چکا تھا۔ تب امی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔" پیسوں کی کب اور کسے

ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تو ایک جگہ بات بھی کر لی تھی' کمیٹی ڈالنے کی' اکٹھے پیسے مل جاتے ہیں تو کوئی بڑا کام ہو ہی جاتا ہے۔''

'' آپ فکر مت کریں' میں گھر پر ہی ٹیوشن پڑھالوں گی۔ کئی نے کہا ہے کہ اس ہفتے میں' میں نے خود ہی اس جاب کی وجہ سے زیادہ دلچسپی نہیں لی تھی۔''

نازی نے بڑی ملائمت سے ان کی فکر کو بھی کم کرنا چاہا' اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ امی کی سلیقہ شعاری کی عادت سے ہی گھر کا ایک بہتر سیٹ اپ قائم ہوا ہے۔

نینی جواب تک خاموش تھی' نازی کی بات پر اب کی بار بولے بنا نہیں رہ سکی۔

'' آپ ہی کیوں' میں اور دِیا باجی بھی تو پڑھا سکتے ہیں' فی الحال تو جب تک میڈیکل کالج کے ایڈمیشن شروع نہیں ہوتے میں بھی فارغ ہی ہوں۔''

امی کو نازی کے علاوہ کوئی بھی اس قابل نظر نہیں آتا تھا کہ ذمہ داریوں کا کچھ بوجھ وہ بھی اٹھا سکے۔

'' تم تو بس رہنے ہی دو' اپنا ہی پڑھ لو تو بہت ہے اور دِیا کو تو خود ہی کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ ویسے بھی اس کی تو مجھے اب جلد از جلد شادی کر دینی چاہیے۔ چند لوگوں نے رشتے بتائے ہیں اس کے لئے' لیکن میں چاہتی ہوں کہ ایسا لڑکا ہو کہ اسماء اور مسعود کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں۔''

بات ختم ہونے تک کہیں کی کہیں پہنچ چکی تھی اور امی کے چہرے پر ایسا دبا دبا سا جوش پھیل رہا تھا کہ نازی کو اپنی مسکراہٹ کو دبانے کے لیے خاصی کوشش کرنی پڑی۔

دِیا کی شادی کا معاملہ اب رنج اور مایوسی کی کیفیت سے نکل کر اب ضد بحث کی صورت اختیار کر چکا تھا۔

امی کی شدید خواہش تھی کہ اب جہاں کہیں بھی دِیا کی شادی ہو' لڑکا ہر صورت' مسعود سے کہیں بہتر ہو تا کہ سارا خاندان اور خود اسماء پھوپھو اور مسعود' خاص طور پر منہ دیکھتے رہ جائیں۔

ان کے خیال میں اس ساری تکلیف کا ازالہ اسی صورت ممکن تھا' جو انہوں نے اٹھا کر کی تھی۔

'' خاندان میں سے تو کئی لوگ' جب سے انہیں پتہ چلا ہے' دِیا کے لیے کہلوا چکے ہیں' مگر اب میں خاندان میں کرنا نہیں چاہتی' بے کار میں دِیا کا اسماء کے گھرانے سے بار بار سامنا ہوتا رہے گا اور پھر لڑکے اچھے تو ہیں مگر اسٹیٹس میں تو بظاہر اسماء کا گھرانہ ہی آگے دکھائی دیتا ہے۔''

تھوڑی دیر کے لیے تو سمیع اور نازی کے درمیان اٹھے قصے کو بھول بھال کر وہ اپنے اس من پسند موضوع کی تفصیلات چھیڑ بیٹھیں۔

نازی نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔

دِیا کی شادی کی فکر خود اسے بھی تھی۔ یہ کام خود اس کے خیال میں بھی جتنی جلدی ہو جاتا بہتر تھا۔ سکول میں بھی رعنا سے اس کی اس سلسلے میں کئی بار بات ہو چکی تھی۔ دونوں ہی پر امید تھیں کہ دِیا کے پاس فی زمانہ رائج' لڑکیوں کی سب سے زیادہ گنی جانے والی خوبی '' حسن'' کی فراوانی تھی۔

یقین واثق تھا کہ کوئی دن آ رہا ہے جو کوئی آن' بان اور شان والا امیدوار ان کی دہلیز پر قدم رکھنے والا ہے۔

تب ہی ایک دن ایک عجیب سی بات ہوئی' ایک لمبی سی بالکل نئی قیمتی گاڑی دروازے کے آگے آ ٹھہری اور اس میں سے اتر کر اندر آنے والی خواتین' اگرچہ اجنبی تھیں' مگر اپنے لباس اور انداز سے اتنی خاندانی قسم کی لگ رہی تھیں کہ سب ہی لوگ بے اختیار ہی ان کی پذیرائی کو آگے بڑھ آئے۔

نازی، دیا، نینی، تینوں ہی گھر پر تھیں، آنے والیوں نے تینوں ہی لڑکیوں پر بڑی شفقت کی نگاہ ڈالی تھی۔

" بشارت صاحب سے بڑے پرانے تعلقات ہیں، ہمارے خاندان کے سارے بچے ان ہی سے پڑھ کر آج اتنے قابل ہیں۔"

آشنائی کا ایک دراں لوگوں نے وا کیا۔

امی حیرت سے سنے گئیں (بھلا بشارت صاحب کے بھی اتنے کارآمد تعلقات ہو سکتے ہیں)۔"بہت دن سے ہم لوگ کہہ رہے تھے، آپ کے گھر آنے کے لیے بشارت صاحب نے آپ سے ذکر تو کیا ہو گا۔"

امی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی، مگر پھر بھی بوکھلا کر " جی جی" کہے گئیں۔

" کمال کرتے ہیں تمہارے ابا بھی، مجال ہے جو کوئی بات سنجیدگی سے لیں۔ اگر بتا دیتے پہلے سے تو ہم لوگ ڈھنگ سے کوئی اہتمام تو کر لیتے۔"

کچن میں جب وہ چائے کا انتظام دیکھنے آئیں تو ایک جھنجلاہٹ بھری خوشی میں مبتلا تھیں۔

نازی اور نینی، جو کچھ بن پڑ رہا تھا، کر رہی تھیں۔ دِیا کے لیے زیادہ ضروری مہمانوں کو اٹینڈ کرنا تھا جو وہ اس وقت بخوشی کر رہی تھی۔

مسعود سے منگنی ختم ہونے کے بعد یہ پہلے لوگ تھے۔ جنہیں اس نے تھوڑی سی لفٹ کے قابل سمجھا تھا۔

" لڑکا یوکے میں ہے اور ایم ایس کر رہا ہے۔ گھر کی خواتین، بات چیت سے ہی بہت سلجھی ہوئی لگ رہی ہیں۔ میرے دل کو تو یہ لوگ بہت بھا رہے ہیں۔ اب خدا کرے بات یہاں بن ہی جائے۔"

اتنی دیر میں وہ جتنی تفصیلات حاصل کر پائی تھیں، وہ بڑی متاثر کن تھیں۔ انہیں اسماء پھوپھو اور مسعود کو نیچا دکھانے کا سنہری موقع پہلی بار ہاتھ آتا دکھائی دے رہا تھا۔

" شکر ہے امی اور دِیا باجی کو کوئی پسند تو آ رہا ہے۔ میں تو بہت سارے نفل پڑھوں گی، شکرانے کے، اگر یہ رشتہ طے ہو گیا تو۔"

امی واپس چلی گئیں تو نینی مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ خود نازی کو بھی دِیا کے لیے بڑی اچھی سی امید بندھ رہی تھی۔ شاید اس لیے بھی کہ یہ لوگ بشارت صاحب کے حوالے سے آئے تھے۔ ٹرالی میں برتن سیٹ کرتے ہوئے وہ یہ بات کہہ بھی گئی۔

" یہ لوگ واقعی بہت اچھے ہوں گے۔ ابا ایسے ہی کسی کو اپنے گھر آنے کی اجازت نہیں دینے والے ہیں۔ ہر طرف سے مطمئن ہو کر ہی انہوں نے اپنے گھر کا پتہ دیا ہو گا اور یہ بھی تو دیکھو نینی۔" اس نے تھوڑا سا سر اٹھا کر سامنے کھڑی نینی کی طرف دیکھا۔" انہیں دِیا کی کتنی فکر ہے۔ بظاہر وہ کتنے بھی لاتعلق نظر آئیں، حقیقت یہی ہے کہ انہیں اپنی اولاد کی بہتری سب سے بڑھ کر عزیز ہے۔"

اس وقت نینی بھی اس کی بات کی نفی نہیں کر پائی۔ ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر مسکرا دی۔

معزز مہمانوں کی واپسی کے بعد بھی، بہت پرجوش انداز میں یہی موضوع دہرایا جاتا رہا۔ ان لوگوں نے جاتے ہوئے بہت اصرار کے ساتھ اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی تھی۔ سو اس حوالے سے بھی پروگرام بننے شروع ہو گئے تھے۔

"پہلی بار میں تو تمہارے ابا' سمیع اور نازی ہی جائیں گے۔ یہی مناسب لگتا ہے۔" گو کہ سمیع اور بشارت صاحب ابھی تک بھی گھر نہیں لوٹے تھے اور اس ساری پیش قدمی سے واقف بھی نہیں تھے' مگر امی کے ترتیب دیئے ہوئے گروپ میں ان کی شمولیت لازمی تھی۔

آج دِیا بھی وہیں بڑے کمرے میں ان لوگوں کے ساتھ ہی بیٹھی رہی۔ بہت دنوں بعد اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کی چمک تھی۔

اور یہ ہلکی سی مسکراہٹ بھی اس کی خوبصوری میں اس قدر اضافے کا باعث تھی کہ نازی نے دل ہی دل میں کئی بار "ماشاءاللہ" کہا۔

"بس خدا کرے لڑکا شکل کا بھی اچھا ہو۔ ہم لوگ فوٹو لے آئیں گے اور کیا پتہ تمہارے ابا نے دیکھ ہی رکھا ہو اسے۔"

بڑے ہلکے پھلکے سے ماحول میں امی' قیاس آرائیاں کیے جا رہی تھیں۔ تب ہی بے ساختہ نینی کے منہ سے نکل گیا۔

"شکل اچھی ہونی تو بہت ہی ضروری ہے' کم از کم مسعود بھائی سے تو اچھا ہی ہو لڑکا' تاکہ خاندان والوں کو بھی پتہ چل سکے۔"

کمرے میں ایک دم ہی خاموشی چھا گئی۔

گھر میں مسعود کا نام' باآواز بلند لینا ایک طرح سے ممنوع ہی تھا۔ خاص طور پر دِیا کے سامنے تو احتیاط ہی کی جاتی تھی' مگر اس وقت نینی سے غلطی ہو ہی گئی تھی۔

نازی نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا' آج کل وہ جتنی سمجھدار اور سنجیدہ محسوس ہوتی تھی۔ اس میں اس طرح کی بے وقوفی کی اس سے امید نہیں کی جا سکتی تھی۔

خود نینی کو بھی اپنی بات کے بے تکے پن کا احساس ہو گیا تھا۔ اس لیے کچھ خفیف سی دکھائی دے رہی تھی۔ امی ناراض ہونے لگیں۔ تب بھی سر جھکائے چپ چاپ سنے گئی۔

"ہمارا اب کیا لینا دینا ان لوگوں سے' جوان کا ذکر بھی کیا جائے۔ خدا کو ضرور کوئی بہتری منظور تھی' جو ہمارا ان سے پیچھا چھوٹ گیا' تمہیں سوچ سمجھ کر بولنا کب آئے گا نینی' بڑی ہو گئی ہو اب۔"

حالانکہ خود امی' دِیا کے سامنے نہ سہی' پیچھے اسی قسم کے مسعود کو نیچا دکھانے کے پروگرام بناتی رہتی تھیں' مگر اس وقت معاملہ تھوڑا سا مختلف ہو رہا تھا۔ ایک نئے اور بہت بہتر آغاز کی امید بندھ چکی تھی۔

وہ شاید کچھ اور بھی کہتیں' مگر دِیا نے روک دیا۔

"چھوڑیں بھی امی ایسے ہی ایک بات کہہ گئی ہے نینی اور ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہا' خاندان والوں کو پتہ تو چلنا ہی چاہیے' ہم کوئی ایسے گرے پڑے بھی نہیں ہیں۔ جسے دیکھو رشتہ لیے چلا آ رہا ہے۔ بناء اپنی اوقات کو جانے بوجھے۔"

خاندان میں سے اس کے لیے واقعی کئی رشتے آ چکے تھے۔ جنہیں دو منٹ کے لیے بھی غور کرنے کے قابل نہیں سمجھا گیا تھا' مگر اب جب وہ ایک ہاتھ سے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے پر غرور انداز سے اس بات کا ذکر کر رہی تھی تو نازی کو سچ مچ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"شاید امی دِیا کو اس بار ٹوک ہی دیں۔"

نازی نے یہی سوچ کر ان کی طرف دیکھا' مگر ایسا نہیں تھا۔

دیا' امی کے لیے سرمایہ فخر تھی۔

" تو اور کیا' آجاتے ہیں لوگ رشتے داری کے زعم میں اپنا اپنا حق جتانے' ارے میری پریوں جیسی بیٹی کے لیے...."
وہ آگے بھی کچھ کہے جارہی تھیں۔

نازی ایک ٹھنڈی سانس لیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

یہاں کون کون' کس کس زعم میں مبتلا ہے اس بات کو نہ دہرانے میں ہی عافیت تھی۔

ابا اور سمیع کے گھر لوٹتے ہی رات کا کھانا کھایا جاتا تھا' آج بھی ایسا ہی تھا۔

نازی' جب نینی کے ساتھ مل کر کھانا لگوا رہی تھی تو اس نے امی کو ایک بار پھر شام کی ساری روداد کہتے سنی۔

اس بار ان کے مخاطب میں ابا اور سمیع تھے۔ وہ آج اتنی خوش تھیں کہ لگ رہا تھا کہ اگر کوئی رات بھر بھی ان سے اس موضوع پر بات کرنا چاہے تو وہ بخوشی کیے جائیں گی۔

" آپ کو کم از کم ذکر تو کر دینا چاہیے تھا۔ ہم لوگ ذرا اچھی طرح خاطر مدارت کر لیتے۔ اب اس وقت تو جلدی جلدی میں کوئی ایسا خاص اہتمام بھی نہیں ہو سکا۔ اوپر سے یہ سمیع بھی غائب رہتا ہے۔" امی کو ملال اسی بات کا تھا کہ شاید مہمانوں کی آئو بھگت میں کوئی کمی نہ رہ گئی ہو۔ ویسے بھی مہمانداری ان کا خاص شوق تھا۔ گھر میں سب ہی اس بات کو مانتے تھے۔

" آگے بھی دس موقعے آئیں گے۔ آپ تب دل بھر کر اہتمام کر لیجیے گا۔ ابھی فی الحال تو بس اتنا ہی ٹھیک تھا۔"

بشارت صاحب نے شاید ان کا دکھ کم کرنا چاہا۔ نینی' دیا' سمیع' نازی چاروں ہی مسکرا کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

بشارت صاحب' ان سے بات کرتے ہوئے" آپ" کا صیغہ دو ہی صورتوں میں استعمال کرتے تھے۔ ایک تو اس وقت جب وہ خفا ہوتے اور دوسرے تب' جب کبھی وہ بڑے خوشگوار موڈ میں ہوتے' اس وقت نمبر دو والی صورت حال تھی۔

" خدا آپ کی زبان مبارک کرے۔ اس معاملے میں دیر کرنا مناسب نہیں۔ ہم لوگ بھی جلدی ہی کسی دن ان کے گھر ہو آتے ہیں۔"

امی کو تو جلدی تھی ہی' مگر اس وقت بشارت صاحب بھی اثبات میں سر ہلا رہے تھے۔

معلوم نہیں' گھر میں کتنی مدت کے بعد اتفاق رائے کا یہ مظاہرہ دیکھنے میں آ رہا تھا۔

لڑکا بشارت صاحب کا دیکھا بھالا تھا۔ کسی زمانے میں ان کا اسٹوڈنٹ بھی رہ چکا تھا اور بقول ان کے بے حد قابل اور اسمارٹ تھا۔

" اصل میں تو لڑکے کے والد اور میرے درمیان کوئی مہینہ' ڈیڑھ مہینہ پہلے ہی بات ہو چکی ہے۔ بہت پرانے تعلقات ہیں میرے ان سے اور میں بہت مطمئن ہوں اس بارے میں۔"

کھانا ختم ہونے کے بعد بشارت صاحب نے معاملے کی گرہ کھولنی شروع کی۔

سب ہی بڑے اشتیاق کے ساتھ ان کی طرف متوجہ تھے۔ امی کو تو اب تک یقین نہیں آ کر دے رہا تھا کہ بشارت صاحب جیسے لاتعلق دکھائی دینے والے شخص بھی کسی مسئلہ کو اتنی ذمہ داری کے ساتھ

سلجھانے میں معاون ہو سکتے ہیں۔

پڑھا لکھا' پیسے والا خاندان۔

فارن کوالیفائیڈ لڑکا۔

مسعود کا دیا ہوا غم' یکبارگی حرف غلط کی طرح مٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

امی بڑی محبت سے بار بار دِیا کی طرف دیکھے جا رہی تھیں اور دیا۔

دِیا کسی کی طرف بھی بطور خاص نہیں دیکھ رہی تھی' لیکن وہ ایک خاص پُر غرور سا تاثر' جو اس کے چہرے اور آنکھوں میں ہمیشہ ہی جما ہوا سا محسوس ہوتا تھا۔ اس وقت اور بھی گہرا تھا۔

نینی تھوڑی دیر ہوئی چائے بنانے کے لیے جا چکی تھی۔ امی ایک بار پھر لڑکے والوں کے ہاں جانے کے لئے گروپ تشکیل دینے لگیں۔

ابا' سمیع' نازی اور وہ خود۔

" ایسا کرو' دِیا کو بھی ساتھ لے چلنا۔"

بالکل خلاف عادت' بشارت صاحب نے مشورہ دے ڈالا۔

امی حیرت سے انہیں تکنے لگیں۔

" دِیا کو؟"

تھوڑی سی حیرت نازی کو بھی ہوئی اور شاید خود دِیا کو بھی۔

ان کے گھرانے میں لڑکیوں کا شادی سے پہلے ہونے والی سسرال جانے کا کچھ ایسا رواج تھا بھی نہیں۔

دِیا کو یہ رعایت پہلے بھی صرف اس لیے مل گئی تھی کہ اسماء پھوپھو' سگی پھوپھی تھیں اور وہ بہت بچپن سے ہی بنا روک ٹوک ان کے گھر آ جا رہی تھی۔

امی نے اسی بات کا احساس' بشارت صاحب کو بھی دلانا چاہا۔

" دِیا کو ساتھ لے جانا تو مناسب نہیں لگتا' غیر لوگ ہیں' معلوم نہیں کیا مطلب نکالیں۔"

" اس میں غلط کیا بات ہے' جس طرح نازی جا رہی ہے' دِیا بھی جا سکتی ہے۔ ان کے گھر سے بھی تو آخر تین چار خواتین آئی ہی تھیں۔"

امی کی بات کو یوں ہی چٹکیوں میں اڑا کر وہ جواباً روانی سے کہتے چلے گئے' مگر وہ پھر بھی اپنی ہی بات کا سرا تھامے رہیں۔

" نازی کی اور بات ہے' مگر جب رشتے کی بات چیت شروع ہو گئی ہے تو پھر لڑکی کو ساتھ لے کر جانا بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔"

" ہاں تو ہم نینی کو تو اپنے ساتھ نہیں لے کر جا رہے ہیں۔"

قریب رکھی چھوٹی میز پر سے' صبح کا اخبار اٹھا کر اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے انہوں نے بڑے اطمینان سے اس جواز کو تسلیم کیا' مگر فوری طور پر یہاں کسی کی بھی سمجھ میں ان کی بات نہیں آئی۔

" بھلا' نینی کا کیا ذکر۔"

امی جز بز سی ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔

یوں ٹکڑے توڑ توڑ کر بات کرنا' بشارت صاحب کی پرانی عادت تھی اور وہ ہمیشہ ہی ان کی اس ادا سے عاجز رہی تھیں۔

" نینی جائے یا نہ جائے' بات تو دِیا کی ہے۔"

جب وہ یہ بات بشارت صاحب کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی' اس وقت تک کمرے میں مکمل خاموشی چھا چکی تھی اور شاید ماحول کے اسی تاثر نے انہیں بھی سنبھل کر بیٹھنے پر مجبور کیا۔

" بات دِیا کی نہیں' نینی کی ہی ہے۔"

اخبار سمیٹ کر واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ براہ راست امی کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

" تم اپنی غلط فہمی دور کر لو۔ وہ لوگ دِیا کے لیے نہیں بلکہ نینی کے سلسلے میں آئی تھیں اور میری بھی ان کے والد سے نینی کے رشتے کے لیے ہی بات ہوئی تھی۔"

چند لمحوں کے لیے تو سب ہی دم بخود سے ان کی شکل دیکھے گئے۔

جو کچھ انہوں نے ابھی کہا تھا۔ وہ اتنا ہی غیر متوقع تھا' سب سے پہلے امی نے خود کو سنبھالا۔

" آپ ان سے دوبارہ بات کریں۔ ویسے بھی انہوں نے خاص طور پر نینی کا نام تو نہیں لیا۔ کہہ دیں کہ ہمیں پہلے دِیا کی شادی کرنی ہے۔"

حالانکہ وہ خود کو بہت سنبھال کر بات کر رہی تھیں' مگر ان کے لہجے میں آئی گھبراہٹ بہت واضح تھی۔

" اب اس طرح بات بدلی نہیں جا سکتی اور آخر تمہیں اس میں پریشانی کیا ہے۔ اگر نینی کی شادی تھوڑا پہلے ہو جاتی ہے تو اس میں کیا برائی ہے۔ تم بتاؤ نازی' کوئی حرج ہے اس میں؟"

بشارت صاحب نے ایک دم ہی اس کی رائے طلب کی تو وہ کچھ گڑبڑا سی گئی۔

" حرج ہے' بہت بڑا حرج ہے۔"

امی کی آواز اب تھوڑی اونچی ہونے لگی تھی۔

" اچھا ہی ہوا کہ وہ جواب دینے کی آزمائش سے بچ گئی۔" نازی نے کچھ سکون سا محسوس کیا۔

" میں اپنی دِیا کی حق تلفی نہیں ہونے دوں گی۔ آپ ہمیشہ سے ہی اس کے ساتھ ناانصافی کرتے آئے ہیں۔ اب اگر قسمت سے ایک اچھا رشتہ مل ہی رہا ہے تو یہ صرف اور صرف دِیا کا حق ہے اور اسی کو ملے گا۔"

ہمیشہ کی طرح دِیا کی محبت میں بے حد جذباتی ہو کر جب وہ یہ سب کہہ رہی تھیں تو نازی نے بے ساختہ ہی ان سے نگاہیں چرائیں۔ گھبراہٹ' غصہ' رنج' امی کی آواز میں ساری کیفیتیں گھل مل سی رہی تھیں۔ " باپ ہیں آپ دِیا کے اس کی بہتری سوچنا فرض ہے آپ کا' نینی تو بہت چھوٹی ہے۔ پہلے تو دِیا کا کرنا ضروری ہے ہمارے لیے" آواز میں نمی گھلنے لگی تو انہیں اپنی بات کو ادھورا چھوڑنا پڑا۔ بشارت صاحب ایک تلخ سی مسکراہٹ لیے ان ہی کی طرف دیکھ رہے تھے اور جیسے ہی وہ خاموش ہوئیں تو ان کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

" کمال ہے' مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ آپ اتنی انصاف پسند ماں ہیں' مگر پھر دِیا کیوں' نازی کیوں نہیں۔ اگر بڑے چھوٹے کی ترتیب کا آپ کو اتنا خیال ہے تو سب سے پہلے تو ہمیں نازی کی فکر کرنا چاہیے' مگر اس کا خیال' آپ کو کبھی نہ آیا۔"

ایک بار دبا سا غصہ' جو نہ جانے کب سے اظہار کا منتظر تھا۔" اس وقت جب آپ بہت دھوم دھام سے دِیا کی مسعود سے منگنی کر رہی تھیں' نہ اس کے بعد اور نہ اب تو پھر جب نازی سے پہلے دِیا کی کر دینے میں کوئی حرج نہیں تھا تو اب دِیا سے پہلے نینی کی بھی کی جا سکتی ہے۔"

" بالکل صحیح کہہ رہے ہیں ابا' یہ بات تو پہلے سے سوچنے کی تھی۔"

نازی نے دیکھا کہ' اس ساری ادھیڑ بن میں پہلی مرتبہ سمیع بھی بہت زور شور سے' بشارت صاحب کا ساتھ دینا شروع ہوا تھا۔

بہت بے چینی کے ساتھ اس نے پہلو بدلا۔

یکایک ہی جس طرح وہ موضوع گفتگو بنی تھی' وہ بڑا تکلیف دہ سا احساس تھا۔

" شاید' اب یہاں سے اس کا اٹھ جانا ہی بہتر تھا۔"

یہی سوچ کر وہ کھڑی ہوئی تھی' مگر بشارت صاحب نے اسے دوبارہ بیٹھنے کو کہا۔

" میرے لیے سب برابر ہیں' دیا' نینی' نازی۔"

امی کی بھرائی ہوئی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

" لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ آپ کو ہمیشہ ہی ایک ضد سی رہی ہے مجھ سے' میری نفی کر کے ہی تسلی ہوتی ہے' ورنہ آپ ایک بار تو..."

زور سے کرسی گھسیٹنے کی آواز پر سب نے ہی اس طرف دیکھا۔

دِیا اپنی جگہ سے اٹھی تھی' ایک جھٹکے سے اپنی کرسی کو پیچھے کر کے' بنا کسی کی بھی طرف دیکھے' وہ بہت تیز قدموں سے کمرے سے باہر چلی گئی۔ امی نے آواز بھی دی' مگر اس نے مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

" بہت ناراض ہو کر گئی ہے۔" امی نے ایک آہ سی بھری۔

جس طرح وہ اٹھی تھی اور پھر باہر کا رخ کیا تھا۔ وہ انداز سب ہی کو جتا گیا تھا کہ وہ کتنا برا منا کر گئی ہے۔

" اس کے ساتھ ہو بھی تو کتنا غلط رہا ہے۔ بار بار کے ذہنی دھچکے میری بچی کی قسمت میں لکھے گئے ہیں' شاید۔"

" کچھ برا نہیں ہوا دِیا کے ساتھ' تم بے کار کی شہہ دے کر اسے اور بھی زیادہ..."

بشارت صاحب کا سخت' بے لچک انداز

امی کی بار بار نم ہوتی آواز

ماحول میں لحہ بہ لحہ اجنبیت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ یہ بحث جلد ختم ہونے والی نہیں تھی' بلکہ ان دونوں کے درمیان کبھی بھی کوئی بحث جلد ختم نہیں ہوئی تھی۔

نازی نے تھوڑا سا اکتا کر ادھر ادھر دیکھا' خاموش تماشائی کی یہ حیثیت جو رفتہ رفتہ اس نے اپنے لیے خود طے کر لی تھی۔ کبھی کبھی بڑا صبر آزمانے لگتی تھی۔

دِیا بہت سے معاملات میں قابل رشک تھی۔ کیا سننا ہے' کیا نہیں' کیا کہنا ہے' کس سے ملنا ہے' وغیرہ وغیرہ۔

اپنی ذات سے جڑی ان چھوٹی بڑی باتوں کے بارے میں تو اس نے کم از کم خود پر کبھی بھی کوئی پابندی عائد نہیں رکھی تھی۔

" اور یوں بنا کسی لحاظ مروت کے جی لینا' بھی کتنا آرام دہ سا لگتا ہوگا۔"

نینی ابھی تک بھی چائے لے کر نہیں آئی تھی۔

نازی کو وہاں سے اٹھنے کے لیے یہی ایک معقول جواز ہاتھ آیا۔

کمرے سے باہر آتے ہوئے اس نے سنا ابا کہہ رہے تھے۔

"تم جو چاہو سمجھو' مجھے اب سب سے زیادہ جلدی نینی کی شادی کی ہے' جتنی بھی جلدی ہو' میں اس کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ اور یہ گھرانہ اس کے لیے بے حد مناسب....۔"

نازی کو ان کی بات سے بڑی مایوسی ہوئی۔ شاید وہ ابھی تک نینی کو نہ معاف کر پائے تھے اور نہ ہی ان کا اس پر اعتماد بحال ہوا تھا۔

کچن خالی پڑا تھا۔

اسے وہیں سے پچھلے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی نینی دکھائی دی۔ نازی کی طرف سے پشت کیے وہ اکیلی وہاں بیٹھی' آخر کر کیا رہی تھی۔

نازی نے اسی خیال کے تحت اسے' ایک دو آوازیں بھی دے ڈالیں' مگر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تک نہیں۔

اور یہ بڑی عجیب سی بات تھی۔

نازی کی وہ جتنی سنتی اور مانتی تھی' اس کا نازی کو خود پورا پورا احساس تھا۔ سو وہ کچھ پریشان سی ہوئی' نینی کے قریب چلی آئی۔

"نینی۔"

مگر اس نے اب بھی گھٹنوں پر جھکا اپنا سر نہ اٹھایا۔

تب ہی اسے لگا کہ شاید وہ رو رہی ہے۔

ہلکی ہلکی ہچکیوں سے' اس کے جسم میں ہلانے والی لرزش' قریب آنے پر صاف طور پر محسوس ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے' مجھے بتاؤ پلیز۔" اس کے قریب بیٹھتے ہوئے' نازی نے بڑی ملائمت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

"نینی' میں تم سے کہہ رہی ہوں۔ پلیز بند کرو یہ رونا۔"

شاید اس کے سمجھانے کا ہی اثر تھا کہ پہلے نینی کے وجود کی لرزش رکی اور پھر آہستہ سے اس نے سر اٹھا کر نازی کی طرف دیکھا۔

خدایا' کیا حال بنا لیا ہے تم نے' اتنی سی دیر میں کیا ہوا ہے آخر۔"

نینی کا بھیگا ہوا چہرہ اور سرخ ہو رہی آنکھیں' کسی بے حد سنجیدہ بات کی نشان دہی کر رہی تھیں۔ پھر بھی نازی نے دل سے ایسا کچھ بھی نہ ہونے کی خواہش کی۔

"مجھے کسی سے شادی نہیں کرنی ہے۔ آپ صاف کہہ دیجئے ابا سے' میرے ساتھ وہ کوئی زبردستی نہیں کر سکتے۔"

بے حد صاف مضبوط اور حتمی انداز۔

"اور اگر انہوں نے ایسا کچھ کیا تو پھر نتیجے کے ذمہ دار بھی خود ہوں گے۔"

کچھ ایسا یقیناً اس کے لہجے میں تھا جو نازی کو چونکا رہا تھا۔

معلوم نہیں کب کس وقت وہ ڈرائنگ روم کے دروازے میں کھڑی ہو کر یہ سارا قصہ سن چکی تھی۔

"تمہاری مرضی کے خلاف وہ ایسا کیوں کریں گے نینی' تم بے کار میں ہی واہموں کا شکار...."

ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جو تسلی نازی نے اسے دینا چاہی تھی۔ وہ اسے بھی اہمیت دینے کے لیے فی الوقت تیار نہیں تھی۔

" وہ میری مرضی کے خلاف ہی جانا چاہتے ہیں نازی آپا اور مجھے بہت پہلے سے اندازہ تھا کہ وہ کچھ ایسا ہی کریں گے' مگر میں انہیں کرنے نہیں دوں گی۔"

نینی کے لہجے میں رفتہ رفتہ اجنبیت اتر رہی تھی اور یہ لہجہ یہ الفاظ' سننے میں کتنے ہی ناخوش گوار سہی' مگر پھر بھی کسی گہری مشابہت کا احساس دلا رہے تھے۔

گہری ہوتی رات کے اس سمے میں تاروں بھرے آسمان کے نیچے' برآمدے کی ٹھنڈی یخ سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے نازی کا یکا یک ہی ایسا لگا' جیسے اس کے برابر میں نینی نہیں' بلکہ دِیا آ بیٹھی ہے۔

" میں کسی کو بھی اپنی خوشی کو برباد کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔"

اس طرح کے جملے نازی نے پہلے بھی سنے تھے۔

" اور محض اپنی ذاتی خواہشوں کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے کو' اتنے اعتماد سے خوشی قرار دے لینا' معلوم نہیں صحیح بھی ہے یا غلط"

بے بس سی نگاہوں سے نینی کی طرف دیکھتے ہوئے نازی نے سوچا۔

...☆☆☆...

نینی کے انکار کو گھر میں ذرا بھی اہمیت نہیں دی جا رہی تھی۔

صرف نازی تھی' جو سارا وقت اس کے خاموش ستے ہوئے چہرے کو چپکے چپکے دیکھے جاتی اور سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی رہتی۔

" امی ہمیں جلدی نہیں کرنی چاہیے' نینی کو پوری طرح راضی کر کے ہی کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔ اس طرح زبردستی کر کے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہونا ہے۔"

نیم گرم دوپہر کا سکون سارے گھر میں پھیلا ہوا تھا اور امی اکیلی ہی اپنے پچھلی طرف والے کچن گارڈن کے تخت پر موجود تھیں۔ نازی رعنا کو فون کرنے کے لیے بڑے کمرے کی طرف جا رہی تھی' مگر انہیں اکیلا دیکھ کر اس طرف چلی آئی۔

چند لمحے وہ منتظر نگاہوں سے ان کی طرف دیکھے بھی گئی کہ وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہیں گی' مگر وہ اسی طرح خاموشی سے اپنے چکن کڑھے' ہلکے نیلے رنگ کے دوپٹے پر کروشیے کی بیل بنے گئیں۔

نازی کو لگا کہ جیسے انہوں نے اس کی بات شاید دھیان سے سنی ہی نہیں ہے اور اپنی ساری توجہ انہوں نے فی الوقت اسی خوبصورت ڈیزائن کی طرف دے رکھی ہے' جسے ان کے ہنر مند ہاتھ بڑی مہارت سے بنے جا رہے ہیں۔

ہلکے گہرے نیلے رنگ کی ریشم کی لچھیوں میں الجھے ہوئے ان کے گلابی ہاتھ۔

کبھی کبھی تو نازی کو سچ مچ ہی امی اور دِیا پر رشک آنے لگتا تھا۔ اتنا حسن' اتنی خوبصورتی۔ کچھ لوگ قدرت کی طرف سے پیدائشی طور پر ہی اتنے زیادہ نوازے ہوئے ہوتے ہیں کہ حد نہیں۔ انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے عام لوگوں کی طرح انتھک محنت کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی' جو بے غرضی' خلوص اور خدمت گزاری کی ریاضت میں ساری زندگی بھی لگے رہیں تو کبھی کوئی چونک کر انہیں دیکھتا ہے کہ " اچھا یہ بھی ہیں۔ اور کبھی ساری زندگی بھی گزر جائے تو بھی ان کا کہیں نوٹس نہیں لیا جاتا۔

"تو بس ثابت ہوا کہ "حسن سیرت" کی بالادستی کا ڈھول پیٹنے والے بھی دل ہی دل میں اصل میں تو....."

"قدرت کی طرف سے بھیجی گئی نعمت کو ٹھکرانا بھی تو کفران نعمت ہے۔"

امی کی آواز نے، اس سارے تجزیہ کو درہم برہم کر ڈالا' جو وہ بڑی سنجیدگی سے کرنا شروع ہوئی تھی۔

"دکھ تو مجھے بھی ہے کہ تمہارے اور دِیا کے ہوتے ہوئے' پہلے نینی کے بارے میں سوچنا پڑ رہا ہے' مگر کیا کیا جائے' یہ لوگ اتنے اچھے ہیں کہ میں چاہتے ہوئے بھی تمہارے ابا کے فیصلے کے سامنے کھڑا ہونے کی ہمت خود میں نہیں پا رہی ہوں۔ اور کیا پتہ اسی میں ہم سب کے لیے کوئی بہتری پوشیدہ ہو۔"

دھاگے اور دوپٹہ ایک طرف رکھ کر اب پوری طرح سے نازی کی طرف متوجہ تھیں۔ چہرے پر پھیلی اداسی' کے ساتھ شکست خوردگی کا احساس ان کے پورے وجود سے عیاں ہو رہا تھا۔ دونوں ہاتھ گود میں رکھے' سر کو ایک طرف ہلکا سا خم دیئے ہوئے۔

نازی کو اپنی ذرا پہلے کی سوچ پر بڑی شرم سی محسوس ہوئی۔

"کیا پایا تھا امی نے اس بیش بہا حسن کے ہوتے ہوئے بھی' ابا کی طرف سے کوئی اعتبار' کوئی بھرم' کوئی مان؟"

"ویسے بھی نینی کی شادی تو کرنی ہے' ذرا پہلے ہی سہی اور مجھ سے چاہے کتنے بھی خفا رہتے ہوں۔ تم لوگوں کے لیے بشارت صاحب کوئی غلط فیصلہ تو نہیں کریں گے۔"

عورت کی وہی گھسی پٹی سی سر جھکا دینے والی روایت۔

نازی کو پورا پورا یقین ہونے لگا کہ نینی کے معاملے میں امی' سو فیصد ابا کی ہم نوا ہو چکی ہیں۔

"مگر امی' نینی کو بھی تو دیکھیں۔ وہ کتنی اپ سیٹ ہے۔ آخر زندگی تو اسی کو گزارتی ہے نا۔" اصل مسئلہ کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانے کی ایک کوشش اور اس نے کر ہی ڈالی' مگر وہ خفا ہونے لگیں۔

"کس کس کو دیکھوں میں آخر' پہلے ہی دِیا کا مسئلہ' میرے سر پر سوار ہے۔ اوپر سے اب یہ نینی بھی زندگی عذاب بنانے پر تلی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں کیا سوچ رکھا ہے تم تینوں بہنوں نے' زمانے بھر کی لڑکیاں' جہاں ماں باپ کی مرضی ہو' وہیں سر جھکا کر ہامی بھر لیتی ہیں' مگر تم لوگوں کو تو اپنی من مانی کرنے کی کھلی آزادی حاصل ہے۔"

چند جملوں میں انہوں نے تینوں کو ایک ہی قطار میں کھڑا کر دیا۔

نازی شرمندہ ہو کر نگاہیں جھکا کر رہ گئی۔

یاد کرنے پر بھی کوئی ایک چھوٹی سی "من مانی" بھی ذہن سے نہیں گزر رہی تھی' جو اس نے کسی بھی معاملے میں گھر والوں کی مخالفت میں جا کر کی ہو۔

"ذرا کل ان لوگوں کے گھر ہو آئیں' پھر میں نینی کو خود اچھی طرح سمجھا دوں گی۔ جب سکھ چین کی زندگی گزارے گی' تب اسے خود ہمارے فیصلے کی قدر ہو گی۔" امی کو شاید خود بھی کچھ خیال آ گیا تھا۔ تب ہی ان کا لہجہ نسبتاً نرم تھا۔ "اور تم بھی کل کوئی سکول کا کام گھر نہیں لے آنا' معلوم نہیں وہاں آنے جانے میں کتنی دیر لگ جائے۔"

نازی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ بھی کہنے کو دل نہ چاہا کہ سکول کا کام لانا یا نہ لانا اس کے اختیار کی بات بالکل بھی نہیں ہے۔

"تمہارے ابا تو اتوار کا کہہ رہے تھے' مگر اتوار کو وہ لوگ فارغ نہیں ہیں۔ قریبی رشتہ داروں میں کوئی شادی ہے ان کے ہاں۔"

برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے امی کی دی ہوئی یہ اطلاع بھی سن لی۔

معاملے کی نوعیت سنجیدہ سے سنجیدہ تر ہوتی جارہی تھی۔ اباکا اتوار کے علاوہ کسی اور روز جانے کے لیے تیار ہو جانا تو کم از کم ایسا ہی کچھ ظاہر کر رہا تھا۔

سامنے بڑے کمرے کے پچھلے دروازے پر نینی کھڑی تھی۔ نازی کو کچھ دن سے مستقل ہی ایسا لگتا تھا کہ وہ جب بھی اس کی طرف دیکھتی ہے۔ اس کی نگاہوں میں بڑی امید بھری التجا ہوتی ہے۔

"پتہ نہیں وہ اس طرح کیوں کر رہی ہے؟" نازی کو بڑی سخت سی جھنجلاہٹ ہونے لگی۔ نینی نے بھی شاید اس کے چہرے پر پھیلی بے زاری کو نوٹ کر لیا تھا۔ تب ہی جھجک کر تھوڑا سا پیچھے ہٹ گئی تھی۔ نازی نظریں چراتی ہوئی، تھوڑے تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

آج نینی اس کے پیچھے نہیں آئی۔

"شاید، وہ اس سے ڈر گئی تھی، یا پھر اپنی امید کے ٹوٹنے سے۔"

نازی کو بہر حال رنج سا ہوتا رہا۔

اگلے دن سکول میں اس نے یوں ہی سرسری سے انداز میں رعنا کے سامنے ذکر کیا تو وہ بے ساختہ ہی ہنس پڑی۔

"تم بھی بڑی سخت وہمی ہوتی جارہی ہو۔ نازی کمال ہے، ذرا سی بات پر اتنی پریشانی طاری کر لی ہے خود پر، اتنی چھوٹی ہے نینی ابھی، اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا یہ سب کچھ، بے چاری پریشان نہ ہو تو کیا ہو؟"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔" نازی نے بڑے صدق دل سے کہا، اصل میں اسے رعنا کی بات سے بڑی مورل سپورٹ ملی تھی۔

"ہونے دو، جو کچھ ہو رہا ہے۔ آنٹی انکل جو کچھ کریں گے۔ اس کی بہتری کے لیے ہی کریں گے۔ تم بے کار کے غم لگا کر نہ بیٹھو۔ ہمارے لیے یہیں کے دکھڑے کم نہیں ہیں۔"

تب ہی نازی کو بھی یاد آیا کہ آج مس سلمٰی کی چھٹی کر لینے کی وجہ سے، اس کے حصے میں ان کے دو پیریڈ بھی ایکسٹرا آئے ہیں۔ رعنا کے لیے بھی یہ موضوع زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔

"حد ہوتی ہے کوئی زیادتی کی بھی، میڈیم کے آفس میں جو چار پانچ ٹیچرز، بڑی باقاعدگی سے جمی بیٹھی رہتی ہیں، انہیں کیوں نہیں ذرا سی بھی تکلیف دیتی ہیں۔ ایک تم ہی نظر آتی ہوا نہیں، ہر کسی کا بوجھ لادنے کے لیے۔" یہ بڑا پرانا رونا تھا۔

نازی کو بھی اس سب کی عادل ہو چکی تھی۔

"یہاں پوچھنے والا کون ہے رعنا، گورنمنٹ سکول ہے، جواب دہی کا ڈر کس کو ہے۔ چھ ماہ میں کسی آفیسر کا رسمی سا چکر لگ جاتا ہے۔ "انسپکشن" کے نام پر" پھر اللہ اللہ خیر صلہ۔"

اپنے سامنے پھیلی ہوئی کاپیوں کو تیزی سے چیک کرتے ہوئے نازی کو امی کا شام کا پروگرام یاد آنے لگا۔

"تو پھر، ہم لوگ کیوں اتنی جان ماری کرتے ہیں۔ آخر ہم بھی تو گورنمنٹ ٹیچری ہی کر رہے ہیں۔ ہمیں کس کا ڈر پڑا ہے۔" رعنا، اسی کی بے نیازی پر تھوڑا سا چڑ ہی گئی۔

نازی کا تیزی سے چلتا ہوا ہاتھ چند لمحوں کے لیے رک گیا۔" ہمیں اپنے آپ سے ڈر لگتا ہے رعنا' یہ جو سیلف چیکنگ کا نظام' قدرت نے ہر انسان کے اندر فٹ کیا ہوا ہے نا' خوش قسمتی سے ہم نے ابھی تک اس کا فیوز نہیں اڑنے دیا ہے۔ ہم اس کے سامنے سرخرو رہنا چاہتے ہیں۔ خود اپنے آپ کو شرمندگی کے ساتھ فیس کرنے سے خوف کھاتے ہیں۔ سمجھیں۔" اپنی بات کو ختم کرتے کرتے' حالانکہ وہ بڑے لائٹ سے موڈ میں آگئی تھی' مگر رعنا بغور اس کی شکل کو دیکھے گئی۔

" کبھی کبھی تو میں تم سے سخت مرعوب ہونے لگتی ہوں۔ اپنی ساری علمیت اور سمجھداری کا دعویٰ دھرا کا دھرا دکھائی دینے لگتا ہے۔"

" تم بھی نا بس۔"

نازی کی آخری کاپی بھی چیک ہو چکی تھی اور یہ بڑا کام تھا' جو اس نے اسی وقت بہت لگ کر ختم کر لیا تھا۔ اب مس سلمیٰ کے حصے کے آخری دو پیریڈز لے لینے کے بعد' وہ شام کو نینی کے متوقع سسرال جانے کے لیے بالکل فارغ تھی۔ گھر میں پھیلی گہما گہمی کا اندازہ اسے گھر میں قدم رکھتے ہی ہو گیا تھا۔

رنگین شیشوں والی کھڑکیاں' دو ایک کو چھوڑ کر ساری ہی بند تھیں۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں سے آنے والی ٹھنڈی ہوا ان نرم گرم کمروں کے اندر تک پھیل رہی تھی۔

سوزوکی میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے برداشت کر لینے کے بعد' گھر میں پھیلا حدت کا احساس' بڑا ہی سکون آمیز تھا۔ دل بے اختیار ہی لمبی تان کر سونے کو چاہنے لگا' مگر آج ایسا کچھ بھی ممکن نہیں تھا۔

" تمہیں کہا بھی تھا کہ دو ڈبے مٹھائی کے الگ الگ لینا' تم نے ایک ہی میں مکس مٹھائی رکھوالی۔"

امی بالکل سامنے ہی کھڑے سمیع پر ناراض ہو رہی تھیں اور اس کی سمجھ میں یہ بات بالکل بھی نہیں آ رہی تھی کہ دو ڈبوں کے بجائے ایک میں ہی ساری مٹھائی رکھوا لینے سے کیا فرق پڑ گیا ہے۔

" آپ بھی نا امی' ذرا سی بات کو مسئلہ بنا رہی ہیں۔ اب دوبارہ اتنی دور جانا آسان ہے کیا۔ تم ہی بتاؤ نازی آپا' میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔" اس نے نازی کو بھی ہم نوا بنانا چاہا۔

" پتہ نہیں' امی کو معلوم ہو گا بھی۔" اس نے تھوڑا سا بوکھلاتے ہوئے جان چھڑانا چاہی' مگر وہ پھر بھی اپنی بات پر اصرار کیے گیا۔

" ابھی تو ویسے بھی آپ لوگ صرف دیکھنے ہی جا رہے ہیں۔ کوئی رشتہ تھوڑی طے کر دیا ہے اور وہ لوگ بھی تو یوں ہی آ گئی تھیں' بغیر کسی اطلاع کے۔"

ایک حد تک تو وہ کہہ بھی ٹھیک ہی رہا تھا' مگر امی نے اسے دوبارہ بھیج کر ہی چھوڑا۔" اور تم ذرا میرے کمرے میں آؤ نازی' مشورہ کرنا ہے کہ وہاں کیا پہن کر جانا چاہیے۔" اپنے کمرے کی طرف مڑتے ہوئے وہ اسے کہنا نہیں بھولیں۔ نازی مسکراتے ہوئے فوراً ہی ان کے پیچھے چلی گئی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ امی ان لوگوں کو سخت مرعوب کرنے میں موڈ میں ہیں۔

اس رشتے کو دِیا کے بجائے نینی کے لیے پسند کرنے پر وہ جس خفگی کا اظہار کر چکی تھیں۔ اب اس کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔ دور اندیش ماؤں کی طرح وہ صرف مستقبل کی فکر کر رہی تھیں۔

" دِیا بھی چل رہی ہے ہمارے ساتھ' ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی مجھ سے کہہ کر گئی ہے۔" امی بڑی خوشی خوشی اسے بتانے لگیں۔

نازی جو مسہری پر پھیلے ان کے ویلوٹ کے سوٹوں میں سے، سب سے مناسب کا انتخاب کر رہی تھی۔ تھوڑا سا چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

" یہ تو بہت ہی اچھا ہے امی کہ دِیا نے اس بات کو مثبت انداز میں لیا ہے۔" اسے واقعی اس اطلاع پر بڑا اطمینان سا ہوا تھا۔

" سچ پوچھو تو میرے بھی دل کو آج ہی سکون ملا ہے۔ صحیح معنوں میں، ورنہ دِیا کی دل آزاری کا خیال مستقل ہی چبھن پیدا کر رہا تھا۔"

ایک گہری سانس لیتے ہوئے امی مسہری کے کنارے پر ہی بیٹھ گئیں۔ نازی ان کے بالکل قریب ہی کھڑی تھی۔ ہاتھ میں تھاما ہوا گرے ویلوٹ کا سوٹ، واپس مسہری پر رکھتے ہوئے وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

" سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا امی، آپ اتنا مت اثر لیا کریں ہر بات کا، صحت کتنی گرتی جا رہی ہے آپ کی، تھوڑا سا اپنا خیال بھی رکھا کریں۔ سارا دن کوئی آرام نہیں ملتا آپ کو۔"

ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر جب وہ بڑی نرمی سے یہ سب کہہ رہی تھی۔ امی کی آنکھوں میں ہلکا سا پانی اترنے لگا۔

ایک وہی تھی، جو ہمیشہ ہی ان کی ان تھک محنت کا اعتراف کرتی تھی۔ اسے سراہتی تھی۔ گھر سے جڑے ہر مسئلے کو حل کرنے میں بہت کم عمری سے ہی وہ ان کا ساتھ دیتی چلی آئی تھی۔

" کیا کروں بیٹا، تم کو دیکھتی ہوں تو تم سے بھی شرمندگی ہوتی ہے۔ تمہارے معاملے میں تو واقعی میں بہت خود غرضی سے کام لیتی آئی ہوں، مگر تمہارے علاوہ میرا سہارا بھی کون ہے۔ دِیا کا حال سامنے ہے۔ بچپن سے ہی وہ اس قدر نازک مزاج ہے۔ اب اگر ہم لوگ ہی اس کا خیال نہ رکھیں تو..."

نازی کے سر کو اپنے کندھوں سے لگائے وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتی رہیں۔

نازی کو یاد نہیں آ رہا تھا کہ کتنے عرصے بعد امی نے اسے اس طرح اپنے قریب کیا تھا۔ دِیا کی تنگ مزاجی، اپنے خود کو غیر اہم ہونے کا احساس اور بھی بہت سارے چھوٹے چھوٹے گلے جو بہت دنوں سے اس کے پاس جمع ہو رہے تھے، اس جادو اثر لمس نے بڑی تیزی سے مٹانے شروع کر دیئے۔ تب ہی کمرے کا دروازہ کھول کر بشارت صاحب اندر آئے۔

" کیا ہو رہا ہے بھئی، آج تو ماں بیٹی میں بڑی محبت کا اظہار دیکھ رہا ہوں۔"

وہ تھوڑا سا ٹھٹکتے ہوئے مسکرائے۔

نازی سے امی کا یوں الفت کا اظہار، اچھا انہیں بھی بہر حال بہت لگا تھا۔

" بیٹی ہے میری آخر، آپ نے معلوم نہیں کیوں فرض کر لیا ہے کہ مجھے نازی سے کم محبت ہے۔"

امی نے مسکراتے ہوئے اسے خود سے علیحدہ کیا۔

" خیر یوں ہی تو نہیں فرض کیا ہے، مگر بس اب چھوڑو اس بات کو۔"

بشارت صاحب نے خود کو مزید کچھ کہنے سے روکا، ماحول اتنا اچھا ہو رہا تھا کہ اسے خوامخواہ تلخ کر دینے کو ان کا بھی دل نہیں چاہا۔

" چلیں امی، آپ کے کپڑے تو فائنل ہو گئے ہیں۔ اب میں بھی دیکھوں کیا پہننا ہے۔"

حالانکہ کپڑوں وغیرہ کے معاملے میں وہ کچھ ایسا خاص اہتمام کرتی تو نہیں تھی، مگر اس وقت اتنی زیادہ خوش تھی کہ دل واقعی چاہنے لگا تھا۔

''میں نے انہیں پانچ بجے کا ٹائم دیا ہے۔اسی حساب سے تم لوگ تیار ہو جانا۔ سمیع کو گھر پر ہی چھوڑنا ہو گا' کیونکہ نینی پھر اکیلی رہ جائے گی۔''

تھوڑی سی ترمیم جو پروگرام میں ہوئی تھی۔بشارت صاحب وہی بتانے کے لیے کمرے میں آئے تھے۔

ان کے پابندی وقت کی عادت سے گھر والے ہی نہیں' ان کے سارے ملنے جلنے والے بھی اچھی طرح واقف تھے۔

پانچ بجے کا مطلب پانچ بجے ہی تھا۔

یہ بات یقیناً میزبان بھی اچھی طرح سمجھتے تھے۔مگر نازی کو ان کی بات سنتے ہوئے' نینی کا خیال آگیا۔

سکول سے واپسی کے بعد اب تک' ایک بار بھی نینی گھر میں نظر نہیں آئی تھی۔امی سے پوچھا تو پتہ چلا کہ اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔اسی لیے کونے والے کمرے میں جا کر سو گئی ہے۔

'' اچھا ہے' سو گئی' سر کا درد آرام کرنے سے ہی جاتا ہے۔''

نازی کو تھوڑا سا تردد تو ہوا' مگر نینی کے معاملے کو لے کر جو پریشانی اور گھبراہٹ اس پر طاری تھی۔وہ اب کم از کم نہیں تھی۔

اپنے آس پاس موجود رشتوں کا یقین ذات کے اعتماد کو مضبوط تر کرنے کے لیے شاید سب سے زیادہ ضروری ہے۔

ٹائم تین سے اوپر کا ہو رہا تھا اور اب تیار ہو کر گھر سے نکلنے کے لیے کچھ ایسا زیادہ وقت باقی بھی نہیں رہ گیا تھا۔پھر بھی نازی نے پہلے نینی کو ایک نظر دیکھ لینا چاہا۔

ایک قطار میں بنے کمروں میں آخری کمرہ سب سے چھوٹا تھا۔یہ کمرہ کسی کا بھی بطور خاص نہیں تھا۔پھر بھی سب ہی کا تھا۔جو کوئی بھی ذرا اطمینان سے دن میں سونا چاہتا' اسی کا رخ کرتا۔

نینی سامنے ہی پیچھے سنگل بیڈ پر کمبل میں منہ دیئے ہوئے لیٹی تھی۔

'' نینی۔'' نازی نے دو ایک بار اسے ہلکے سے پکارا' مگر وہ شاید سو رہی تھی۔تھوڑا سا آگے بڑھ کر نازی نے اس کے ماتھے کو چھوا' بخار کے کوئی آثار نہیں تھے۔اسے مزید ڈسٹرب نہ کرنے کے خیال سے کمرے کا دروازہ ہلکے سے بند کرتے ہوئے وہ واپس باہر نکل آئی۔

بشارت صاحب کے '' جلدی جلدی'' کے شور نے اسے اور امی کو تو خیر بہت تھوڑے ہی وقت میں تیار کروا دیا تھا' مگر دِیا کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا۔

'' یہ دِیا آخر کیا کر رہی ہے؟ کمرے سے باہر نکلے تو سمیع کو ٹیکسی لینے کے لیے بھیجوں۔''

سمیع بے چارہ دو بار جا کر مٹھائی کا دوسرا ڈبہ بھی لے آیا تھا اور اب برآمدے کی سیڑھیوں پر دوسرے حکم کا منتظر کھڑا تھا۔

'' نازی آپا' دیکھو نا جا کر دِیا کو' تم لوگ جاؤ تو' مجھے اپنا یونیورسٹی کا کام بھی بیٹھ کر ختم کرنا ہے۔''

اب تک تھوڑا سا بے زار وہ ہو ہی چکا تھا۔نازی پہلے بھی چند بار اسے جا کر آوازیں دے چکی تھی۔سمیع کے کہنے پر پھر اس کے کمرے پر جا کر کھڑی ہو گئی۔

گھر میں سب ہی کو دِیا کی عادت کا علم تھا۔وہ اول تو کہیں جاتی ہی بہت کم تھی اور جس دن کہیں جانے کا پروگرام بنا ہی لیتی' اس دن اس کی تیاری اتنا ہی وقت لے لیتی تھی۔

"دیا' ابا ناراض ہو رہے ہیں' جلدی کرو۔"

تھک ہار کر نازی کو ابا کا ڈراوا دینا ہی پڑا' جس کا خاطر خواہ اثر بھی ہوا۔

"آ رہی ہوں' آپ لوگوں کے ساتھ تو پروگرام بنانا ہی فضول ہے۔ ذرا سا صبر نہیں ہے کسی میں۔"

اس بار ایک جھٹکے سے دروازہ کھل ہی گیا۔

"انسان کو ڈھنگ سے تیار ہونے میں کچھ وقت تو لگتا ہی ہے' مگر ہمارے ہاں تو....۔"

نازی اس کی جھنجلاہٹ بھری تقریر پر ذرا بھی دھیان دیئے بغیر' یک ٹک اسے دیکھے ہی چلی گئی۔ ڈارک میرون سوٹ میں' تھوڑے سے میک اپ اور ہلکی سی جیولری کے استعمال نے اس کے حسن کو اتنا پُر اثر بنا دیا تھا کہ وہ جو اسے ہمیشہ سے ہی دیکھتی آ رہی تھی۔ مبہوت ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ اجنبیوں پر تو معلوم نہیں' وہ کس طرح اثر انداز ہوتی تھی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو ماشاءاللہ۔"

بڑی محبت سے نازی نے اس کے گال کو چھوا۔

دِیا کے لبوں پر ایک ہلکی سی فاخرانہ مسکراہٹ آئی۔

"تعریف" اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی' بلکہ وہ انہیں اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی تھی۔

"چلیں' کہیں پھر ابا آوازیں دینا نہ شروع کر دیں۔" تھوڑی سی نرمی' دِیا کے لہجے میں بھی آ ہی گئی۔

شاید اسی تعریف کے صدقے میں اس نے اس وقت نازی کی "بے ادبی" کو نظر انداز کر دیا تھا۔

نینی کی متوقع سسرال میں ان کا استقبال بہت ہی پرتپاک انداز میں ہوا۔

ابا کے لیے تو گھر اور گھر والے' دونوں ہی بہت مانوس سے لگ رہے تھے' مگر نازی اور امی' اس بڑے سارے گیٹ کے اندر قدم رکھنے سے پہلے ہی متاثر ہو چکی تھیں اور اب وسیع و عریض سجے سجائے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر مزید متاثر تھیں۔ میز بانوں کی خوش اخلاقی مزید پلس پوائنٹ دے رہی تھی۔

ان لوگوں کے ہاں ایک بڑا جوائنٹ فیملی سسٹم تھا اور تین چار بھائیوں کا خاندان ایک ہی جگہ رہائش پذیر تھا۔

باری باری نہ جانے کن کن کو متعارف کرایا جا رہا تھا۔ یہ فلاں کی بیٹی' یہ فلاں کی بھابی وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ نازی پوری کوشش کر رہی تھی کہ سب کو نام بہ نام یاد رکھ سکے' مگر تھوڑی ہی دیر میں جیسے اس نے تھک کر ہار مان لی۔

"دیکھا جائے گا' جب نینی اس گھر میں جائے گی۔" وہ خاتون اور ان کے میاں جو لڑکے کے والدین تھے۔ بے حد مشکور ہو رہے تھے۔

"بشارت صاحب جیسے کھرے انسان سے رشتے داری قائم ہونا' ہمارے لیے کتنے فخر کی بات ہے۔ یہ ہم خود ہی جانتے ہیں۔ ہماری تو خواہش ہے کہ اب اس کام میں دیر نہ ہو۔ باقی آگے جو آپ کی رائے۔"

جس طرح وہ سب بشارت صاحب کے آگے پیچھے جا رہے تھے۔ امی پر بھی ان کے "نام و مقام" کی اہمیت واضح ہوتی جا رہی تھی۔ آج وہ پوری طرح ان کی ہم نوا تھیں۔

"ہمیں خود جلدی ہے وقار صاحب' اللہ نے چاہا تو باہمی مشورے سے کوئی مناسب تاریخ رکھ لیں گے۔ ہم میں اور آپ میں کوئی غیریت تو ہے نہیں' جو بے کار کے تکلفات میں وقت ضائع کیا جائے۔" بشارت صاحب یقیناً پوری طرح سے مطمئن تھے اور سارے معاملے کی سنجیدگی واضح شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔

یو کے سے بھیجی گئی' لڑکے کی تصویروں کا البم بھی موجود تھا۔ بشارت صاحب نے تو بس سرسری سی نگاہ ہی ڈالی' مگر امی' دیا اور نازی نے بہت غور سے جائزہ لیا۔

میزبان خواتین' شاید اسی لیے کہ وہ لوگ اچھی طرح سے البم دیکھ سکیں۔ چند منٹ کی معذرت کر کے باہر جا چکی تھیں۔

لڑکا خوش شکل بھی تھا اور شاید تصویروں میں نظر آتے بیک گراؤنڈ میں اور بھی اچھا لگ رہا تھا۔ نازی مستقل ہی تعریف کیے گئی۔

" بہت ہی اچھا لڑکا ہے امی' نینی بہت خوش رہے گی۔ انشاءاللہ۔"

دبی دبی سی آواز میں جب وہ اس طرح کی دو چار باتیں کہے جا رہی تھی۔ اپنی خوشی میں دِیا کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ پر ذرا بھی دھیان نہ دے سکی۔ ورنہ شاید اس کی کہی بات پر اس طرح نہ چونکتی۔

"مجھے تو بالکل بھی پسند نہیں آئے' نہ لڑکا اور نہ لوگ' عجیب سے نودولتیے ٹائپ چھچھورے۔"

نازی نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ دِیا کے چہرے پر ناپسندیدگی کے تاثرات بہت واضح تھے۔

" اور یہ لڑکا بھی اچھی خاصی عمر کا ہے' کم از کم نینی کے ساتھ بالکل بھی نہیں سوٹ کر رہا ہے۔"

" نہیں دیا' تمہیں شاید سمجھنے میں تھوڑی غلطی ہو رہی ہے' کیوں امی۔" اس نے ہلکے سے اس کی غلط فہمی کو دور کرنا چاہا' مگر وہ پھر بھی اپنی بات پر مصر رہی۔

اچھا ہی ہوا کہ کمرے میں دوسری خواتین نہیں تھیں اور بشارت صاحب' دیگر مرد حضرات کے ساتھ' تھوڑے فاصلے پر بچھے دوسرے صوفے پر بیٹھے تھے۔

" چپ کر و دیا' یہ تبصرے یہاں بیٹھ کر کرنے کے لیے نہیں ہیں' کچھ تو عقل کر لو۔"

امی کو اسے ٹوکنا ہی پڑا' جس پر وہ فوراً ہی سخت برا منا گئی۔

" آپ لوگ تو بس کسی کو بھی سر پر بیٹھا لیتے ہیں اور اگر کوئی صحیح غلط بتانا چاہے تو سننے کے لیے تیار بھی نہیں ہیں۔"

خاطر مدارات کے لیے لائے گئے لوازمات کو اس نے سب کے اصرار کے باوجود بھی چکھا تک نہیں' نہ امی اور نازی کے شرمندہ چہروں کی طرف دیکھا اور نہ ہی بشارت صاحب کی چبھتی ہوئی نگاہوں کی پروا کی۔

" آپ کی یہ بیٹی ذرا الگ طبیعت کی ہے' ورنہ بڑی تو ماشاءاللہ بڑی خوش مزاج ہے۔" خاتون خانہ نے آخر کار کچھ دیر بعد کہہ ہی دیا۔

امی کی نگاہ بے ساختہ ہی اس طرف اٹھ گئی۔ جہاں دِیا اور نازی دونوں ہی' ان کے گھر کی چند لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

کوئی شک نہیں کہ دِیا کے حسن کے آگے' سب ہی ماند تھیں' مگر ان ہنستی مسکراتی لڑکیوں کے بیچ میں وہ جس طرح بیزار سی شکل بنائے بیٹھی تھی۔ امی نے پہلی بار یہ سوچا کہ کاش وہ اسے اپنے ساتھ لائی ہی نہیں ہوتیں۔

" اصل میں آج اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے' اسی لیے بس خاموش سی ہو رہی ہے۔" اپنی شرمندگی کو چھپاتے ہوئے' انہوں نے تھوڑی سی صفائی پیش کی۔

" لڑکیوں کو تو بہت تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر رشتے میں ایک نئی ذمہ داری' ان کی منتظر رہتی ہے۔ بڑے سبھاؤ اور قرینے سے چلنا پڑتا ہے۔"

انہوں نے تو شاید' بر سبیل تذکرہ ہی کیا تھا۔پر امی کو کچھ ایسا لگا کہ جیسے وہ ان کی بیٹیوں کی طرف سے کچھ مایوس سی ہوئی ہیں۔

یہ پہلے لوگ تھے' جنہوں نے دِیا کے حسن جہاں نور کے فقرے پڑھنے کے بجائے' نازی کی خوش اخلاقی کو سراہا تھا' ورنہ اس سے پہلے' کسی کے بھی ساتھ ہونے والی پہلی ملاقات میں' دِیا کے حسن کی تعریفیں ہی ان کا سر فخر سے بلند کیے رکھتی تھیں۔

مگر آج حیرت انگیز طور پر نازی'' ان'' رہی تھی۔

'' خدا کرے کہ نینی بھی بالکل اپنی بڑی بہن کی سی عادت رکھتی ہو' آپ بہت خوش قسمت ہیں بہن کہ نازنین جیسی سلجھی ہوئی پیاری بچی کی ماں ہیں۔''

چلتے وقت لڑکے کی والدہ' بڑے خلوص کے ساتھ امی سے کہہ رہی تھیں۔

...☆☆☆...

ناشتے کی میز پر بلقیس بھابی اکیلی ہی بیٹھی تھیں۔ایک ایک کر کے سب ہی جا چکے تھے۔اپنے اپنے کاموں پر' سہیل' وقار' سجاد' بابا۔

صرف فیضی تھا' جو ابھی تک اوپر اپنے کمرے سے اتر کر نیچے نہیں آیا تھا۔پچھلے دنوں سے اس کی صبح' دوپہر کے قریب ہی طلوع ہو رہی تھی۔پہلے کچھ دنوں تو وہ یہی سمجھتی رہیں کہ شاید آج کل اس کی کلاسز آف ہیں' مگر کل اتفاقاً ہی بازار میں اس کے ایک دوست کی امی سے ملاقات میں ان کی یہ غلط فہمی دور ہو چکی تھی۔

'' آج کل تو پڑھائی کا بہت زیادہ لوڈ ہے بچوں پر' سلمان کے والد تو اس بیچارے کو یونیورسٹی سے آنے کے بعد' گھر سے بھی نہیں نکلنے دیتے' کہتے ہیں یہی چند سال ہیں' زندگی بنانے کے' اگر ہم یوں ہی لاپرواہی سے اسے آزاد چھوڑ دیں گے تو باقی عمر سر پکڑ کر یہ بھی روئے گا اور ہم بھی' موبائل تک لے کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔''

وہ خاتون تو چند منٹ اپنے شوہر کی سختیوں کا احوال سنا کر آگے بڑھ گئیں' مگر بلقیس بھابی کا پھر' شاپنگ جیسے من پسند مشغلے میں بھی دل نہیں لگا' فیضی کی لاپرواہیاں۔

یونیورسٹی سے کئی کئی دن تک کی غیر حاضری گھر سے رات گئے تک غائب رہنا۔

معلوم نہیں اس کی کیا سرگرمیاں تھیں' جو باوجود کوشش کے بھی ان کی پکڑ میں نہیں آ رہی تھیں۔کل سلمان کی والدہ سے ملاقات سے لے کر اب تک انہیں پکا یقین ہو چکا تھا کہ اور کوئی ہو نہ ہو' وہ خود ضرور عمر بھر کے لیے سر پکڑ کر رونے والی ہیں۔

آج صبح وہ ناشتے کی میز پر اتنی خاموش تھیں کہ باری باری سب ہی نے ان کی خیریت دریافت کرنا ضروری سمجھی' حتیٰ کہ ان کے شوہر نامدار نے بھی۔

'' خیریت تو ہے' آج تو بڑی خاموشی چھائی ہوئی ہے۔کوئی خاص بات ہو گئی کیا۔''

وقار بھائی نے اپنے سابقہ تجربات کی بنیاد پر ایک درست اندازہ لگایا۔

'' نہیں کوئی بات نہیں' بس ایسے ہی سر میں درد ہو رہا ہے۔'' ایک ٹھنڈی سانس کو اپنے اندر ہی اتار کر انہوں نے مختصر سا جواب دیا۔

'' چلو شکر ہے میں سمجھا کہیں کوئی بڑی فرمائش ہونے والی ہے۔ تمہاری طرف سے' ہزاروں روپوں پر پانی پھیرنے والی۔''

اپنی جان بخشی پر شکر کر کے باقی وقت وہ اطمینان سے ناشتہ کرتے رہے۔

آج معلوم نہیں کیوں' بلقیس بھابی کا ایک بار بھی دل نہیں چاہا کہ وہ انہیں اس '' بڑی'' پریشانی سے آگاہ کریں' جو اتنی ہی ان کے لیے بھی اہم ہونی چاہیے تھی۔

خاموشی سے بیٹھی چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرتی رہی' ایک گلہ تھا' بہت گہرا۔

پر کہنے سے فائدہ۔

روم کے معمول کی طرح آج بھی وہ انہیں '' خدا حافظ'' کہنے باہر تک آئیں اور گاڑی کے گیٹ سے باہر نکلنے کے بعد' گارڈ کے گیٹ بند کرنے تک وہیں پورچ کے سامنے کھڑی بھی رہیں اور پھر بڑے ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں واپس اندر آکر ناشتے کی ٹیبل پر آبیٹھیں۔ ثمینہ ابھی ابھی ان سے تیسری بار ناشتے کے لیے پوچھ کر گئی تھیں۔

اس بار بھی انہوں نے نفی میں سر ہلا کر انہیں منع کر دیا تھا۔

وہ آج نہ نوکروں پر چیخ پکار کر رہی تھیں اور نہ ہی انہیں نے کسی کے لیے بھی بطور خاص کو تردد کیا تھا۔

ثمینہ اس بار ڈائننگ روم میں آئیں تو کھڑکیوں پر گرے بھاری پردے' سمیٹ کر ایک طرف ہٹانے لگیں تو کمرہ دھوپ سے بھرنے لگا۔

وقت شاید کافی گزر چکا تھا۔

بلقیس بھابی نے تھوڑا سا چونک کر کلاک کی طرف دیکھا تو پونے بارہ بج رہے تھے۔

'' کھانے میں آج کیا بننا ہے بھابی' ابھی تک کچھ بھی پکنا شروع نہیں ہوا ہے۔''

انہیں وہاں سے اٹھتا دیکھ کر ثمینہ نے انہیں روز مرہ کی سب سے اہم ذمہ داری یاد دلائی' یہ اہم فیصلہ ان ہی کی حسب مرضی طے ہوتا تھا۔

'' بنوالو جو دل چاہے' ہر کام میرے لیے ہی نہیں رکھ چھوڑا کرو۔''

انتہائی بے رخی سے کہتی ہوئی وہ باہر نکل گئیں۔ ثمینہ حیرت سے منہ کھولے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔ اتنے سالوں سے بلقیس بھابی کی بالادستی کو وہ بڑی فرمانبرداری کے ساتھ قبول کیے ہوئے تھیں۔ پھر بھی جب کبھی ان کا موڈ خراب ہو جاتا' وہ اسی طرح کا طعنہ بڑے آرام سے دے جایا کرتی تھیں۔

'' کمال ہے' یہاں سارا دن بھا بھی' بھابی کہتے منہ سوکھتا ہے اور انہیں دیکھو۔''

مارے جھنجلاہٹ کے وہ فوراً ہی کچن کی طرف چل پڑیں۔

لائونج سے اوپر کی طرف جاتی سیڑھیاں اوپری منزل والے لائونج میں ہی کھلتی تھیں۔ بلقیس بھابی آج نہ جانے کتنے دن بعد اوپر آئی تھیں۔ کچھ تو نچلی منزل کی نہ ختم ہونے والی مصروفیات اور کچھ سردیاں شروع ہوتے ہی بڑھتا ہوا جوڑوں کا درد' انہیں یہاں کا رخ کرنے ہی نہیں دیتا تھا۔

سامنے ہی سجاد کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ شاید جلدی میں کھلا رہ گیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بند کرنے لگیں تو نگاہ خود بخود کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

بے حد صاف ستھرا، قیمتی مگر سادگی کا سا تاثر دیتا ہوا، گھر کا سب سے بڑا بیڈ روم یہی تھا۔

ان کے کمرے کی ایک ایک چیز، رہنے والے کے ذوق کی گواہی دیتی تھی۔ داہنے ہاتھ کی دیوار کے ساتھ بنا ہوا ایک شیلف اور دوسری طرف بڑے ترتیب کے ساتھ سیٹ کیا ہوا میوزک سسٹم، کمپیوٹر

ٹیبل، یہاں ہر وہ چیز تھی، جو ان کے لیے اہمیت رکھتی تھی۔ مطالعہ اور میوزک دونوں ہی ان کے ہمیشہ سے محبوب ترین مشاغل تھے۔

بلقیس بھابی چند منٹ یوں ہی اس سکون آمیز خاموشی میں ڈوبے ہوئے کمرے کو تکتے گئیں پھر بہت ہلکے سے دروازے کو بند کرتے ہوئے واپس پلٹ کر لائونج میں آکھڑی ہوئیں۔

"فیضی، کچھ بھی تو سجاد سے نہ لے سکا، نہ عادت، نہ فطرت اور نہ قابلیت۔"

ان کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی، فیضی کے کمرے کا دروازہ خلاف توقع محض دو بار کے بجانے سے ہی کھل گیا۔

"صبح ہی صبح کیا شور مچانا شروع کر دیتی ہیں آپ۔" ادھ کھلی آنکھوں اور بکھرتے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ سامنے کھڑا کہہ رہا تھا اور جس بدتمیزی سے وہ یہ سب کہہ رہا تھا۔ ایک بار تو بلقیس بھابی کا دل چاہا کہ ساری مصلحتیں ایک طرف رکھ کر، وہ اس کی بالکل ٹھیک ٹھاک خبر لے ہی ڈالیں۔

"انسان ڈھنگ سے سو بھی نہیں سکتا ہے اس گھر میں، پتہ نہیں کیا شوق ہے آپ کو ہر وقت کی دخل اندازی کا۔"

"دوپہر ہونے کو آرہی ہے بیٹا، اٹھ کر کم از کم ناشتا تو کر لو۔"

بڑی کوشش کر کے انہوں نے اپنے لہجے کی نرمی کو برقرار رکھا۔ اصل میں اتنی دیر سے سوچ بچار کر کے، وہ اسی نتیجے میں پہنچی تھیں کہ فیضی جیسے بالکل ہی آئوٹ آف کنٹرول لڑکے پر، سختی کر لینا اب ان کے بس کی بات رہی نہیں ہے۔ یہ کام صرف وقار یا بابا ہی کر سکتے تھے۔ سو وقار سے وہ بالکل مایوس ہو چکی تھیں اور بابا کے گوش گزار کرنے کی ان میں ہمت نہیں تھی، یا پھر دل میں ابھی بھی کہیں فیضی کو بابا کی حد سے بڑھی ہوئی سخت گیری سے بچائے رکھنے کی خواہش باقی تھی۔

فیضی بڑبڑاتا ہوا واش روم چلا گیا تو وہ سامان کے اس انبار کے بیچ اکیلی کھڑی رہ گئیں، جو کمرے میں کارپٹ، صوفہ، ٹیبل اور سائیڈ ٹیبل ہر جگہ موجود تھا۔

ذرا دیر کے لیے تو وہ چکرا ہی گئیں، مگر پھر ہمت کر کے اس سارے پھیلاوے کو سمیٹنا شروع کرنا چاہا، کارپٹ پر چلنے کی جگہ نہیں تھی۔ الٹے سیدھے اتارے ہوئے کپڑے۔ میگزینز، سی ڈیز، جوتے، ٹینس ریکٹ اور بھی نہ جانے کیا کیا۔

کچھ چیزیں ان کے پائوں کے نیچے آنے لگیں تو وہ گھبرا کر وہیں بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔ بیڈ شیٹ بھی اچھی خاصی میلی ہو رہی تھی۔ ہر چیز پر مٹی کی تہہ سی جمی نظر آرہی تھی۔ تب ہی انہیں یاد آیا کہ صفائی والی نے انہیں پچھلا پورا ہفتہ، فیضی کے کمرے کے لاک رہنے کی اطلاع دی تھی۔

وہ جتنی بھی دیر کے لیے گھر سے باہر جاتا، کمرہ لاک کر کے جاتا تھا۔

یہ ایک نیا اضافہ تھا، جو اس کی عادتوں میں ہوا تھا۔ فی الحال پہلا کام، اس ابتر کمرے کی درستگی کا تھا، جو انہوں نے اسی وقت کام والی کے سر پر خود کھڑے رہ کر کروانے کا فیصلہ کیا۔

"بے چارہ بچہ کسی چیز کا ٹھکانہ نہیں۔ اگر وہ لاپرواہ ہے تو میں ہی کون سا اس کا خیال رکھ رہی ہوں۔"

ہمیشہ کی طرح ان کے سارے غم و غصے پر فیضی کی محبت غالب آنے لگی۔

بیڈ پر چند میگزینز بے ترتیبی سے پڑے ہوئے تھے۔انہیں اکٹھا کر کے' سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے سرسری سی نگاہ ڈالی تو

نظریں شرم سے جھکنے لگیں۔

" یہ انگریزی رسالے بھی بس' کوئی روک ٹوک ہی نہیں ہے ان کے ہاں تو۔" آج تک وہ فیضی کے کمرے میں انگلش

میگزینز کے ڈھیر دیکھ کر اس کی علمیت پر فخر کرتی رہی تھیں' اس وقت برا تو بہت لگا' مگر " وقت کے ساتھ چلنے" کی

لت نے یہ کڑوی گولی بھی نگلنے پر مجبور کر دیا۔

" اب کیا بھی کیا جائے' ٹی وی پر ہی چینلز کی بھرمار ہے' پھر انٹرنیٹ کی وبا۔"

اردو اخبارات میں پڑھے کئی اسکینڈل انہیں یاد آ کر رہ گئے۔

جتنی دیر میں فیضی واش روم سے نکلتا' اتنی دیر میں کچھ تو کرنا ہی تھا۔

انہوں نے تھوڑے بہت کپڑے ایک طرف الگ کر کے رکھے اور پھر بیڈ شیٹ' دھلنے کے لیے دینے کی غرض سے

ہٹانے لگیں تو تکیے کے نیچے ایک ساتھ ہی بہت ساری تصویریں پھیل کر کارپٹ پر آ گریں۔فوٹو گرافی کا شوق' فیضی کو

اکثر ہی اٹھا کرتا تھا' گھر میں اس کے کھینچے ہوئے بہت سے فوٹوز البم اور فریم کی زینت تھے' مگر اب کئی مہینوں سے

انہوں نے اسے گھر میں فوٹو کھینچتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

" شاید دوستوں وغیرہ کے کسی پروگرام کے ہوں۔" اسی خیال کے تحت وہ جھک کر کارپٹ پر سے ساری تصویریں

اٹھانے لگیں۔

زیادہ تر سی سائیڈ پر لی گئی تھیں۔فیضی کے جو خاص خاص دوست تھے۔انہیں تو وہ اچھی طرح پہچانتی تھیں۔ان

تصویروں میں ان لوگوں کے علاوہ کچھ اور بھی لڑکے تھے۔

پانی کے ساتھ موج مستی کرتے ہوئے' ریت پر فٹ بال کھیلتے ہوئے۔

وہ تھوڑی سی دلچسپی کے ساتھ ایک کے بعد ایک یہ تصویریں دیکھے گئیں' کہ اچانک ہی ٹھٹکنا پڑا۔

بڑی پیاری سی مسکراہٹ لیے جو لڑکی' ہاتھ میں پکڑی تصویر میں نظر آ رہی تھی۔وہ بڑی جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔

ایک' دو' تین' چار

انہوں نے بڑی تیزی سے آگے کے چار فوٹوز دیکھ ڈالے۔

سب کے سب میں وہی ایک خوبصورت چہرہ نمایاں تھا۔

ہنستا مسکراتا' مختلف پوز دیتا ہوا۔ان تصویروں میں نظر آتی لوکیشن بالکل مختلف تھی۔ظاہر ہے یہ کوئی الگ بنایا ہوا

آئوٹنگ کا پروگرام تھا' جس میں فیضی کے دوست شامل نہیں تھے۔چند منٹوں میں ہی بلقیس بھابی نے ان چند تصویروں

کو کتنی ہی بار الٹ پلٹ کر دیکھ لیا۔

لڑکی کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ اور اعتماد ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کسی کی کچھ زیادہ پرواکرنے والی نہیں ہے۔گو اس کی

خوبصورتی میں کوئی کلام نہیں تھا' مگر انہیں بڑا شدید قسم کا تائو آنا شروع ہو چکا تھا۔

" مکار' آوارہ' پیسے والے گھرانوں کے بھولے بھالے لڑکوں کو' اسی طرح ادائیں دکھا کر بے وقوف بناتی ہیں۔"

انہیں اس لڑکی کی دیدہ دلیری پر اتنا غصہ آ رہا تھا کہ اگر وہ سامنے ہوتی تو نہ معلوم اس کا کیا حشر کر ڈالتیں۔

غصے کی اسی تند و تیز لہر میں انہیں اچانک یاد آگیا کہ انہوں نے اسے کہاں دیکھا ہے۔

اس روز گھر میں ہونے والی تقریب میں، فیضی کے مدعو کئے ہوئے مہمانوں میں جن تین لڑکیوں کو اس نے خاص طور پر ان سے ملوایا تھا۔ یہ ان میں سے ایک تھی۔

" نوین۔"

انہیں یہ نام بہت دن تک چبھتا رہا تھا۔ پھر سجاد کے سمجھانے پر کہ خوامخواہ فیضی ضد میں نہ آجائے۔ انہوں نے بمشکل خود کو اس ذکر سے باز رکھنا شروع کر دیا تھا اور خود فیضی نے بھی دوبارہ اس کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ اب جب وہ اس قصے کو کچھ بھول سی گئیں تھیں تو اتنے دن بعد ان کا صبر آزمانے کے لیے کہیں سے یہ تصویریں نکل آئی تھیں۔

" جلدی سے ناشتہ لگوایئے، مجھے بہت ضروری کام سے نکلنا ہے اور خدا کے لیے بار بار فون مت کیا کریں۔ سارے دوست مذاق اڑاتے ہیں۔"

فیضی واش روم سے، تولیے سے سر رگڑتا ہوا نکل کر باہر آیا۔ اپنی رو میں بات کرتے ہوئے، اس نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں کہ وہ کس طرح سر پکڑے بیٹھی ہیں۔

" کون سے ضروری کام پیچھے لگے ہوئے ہیں، یہ۔"

فیضی ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا ہوا تھا، جب اس نے انہیں پیچھے سے نوین کی تصویروں کو لہراتے ہوئے دیکھا۔

" یہ کہاں سے لیں آپ نے ؟اس طرح تلاشی تو مت لیا کریں میرے کمرے کی۔"

وہ جیسے بہت جھنجلا کر ان کی جانب مڑا، مگر بلقیس بھابی نے اس کی بات کا جواب دینے کے قابل بھی نہیں سمجھا۔

" یہی ہیں وہ دوست، جو میرے فون کرنے پر تمہارا مذاق اڑاتے ہیں۔ کچھ تو شرم کرو فیضی، ان چلتی پھرتی لڑکیوں کے کہے میں آکر ماں کی بے عزتی کرنے کھڑا ہو گیا ہے۔"

" نوین چلتی پھرتی لڑکی نہیں ہے امی، وہ بہت شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اور نہ ہی آپ کے لیے ایسا کچھ کہتی ہے۔ وہ بے چاری تو آپ سے ایک ہی ملاقات میں اتنا ڈر گئی ہے کہ بس۔"

فیضی کے انداز میں کوئی ندامت، شرمساری نہیں جھلک رہی تھی، بلکہ الٹا، جس انداز سے وہ اس لڑکی کی طرف داری کر رہا تھا۔ وہ بلقیس بھابی کو مزید تاؤ دے گیا۔

" بہت ڈرنے والی ہے وہ، تب ہی تو اس دیدہ دلیری سے تمہارے ساتھ گھومتی پھرتی ہے۔ شریف گھرانوں کی لڑکیاں اس طرح لڑکے پھنساتی نہیں پھرتی ہیں، سمجھے۔ ان کی تصویروں کے ڈھیر نہیں لگے ہوتے ہیں، غیر لڑکوں کے کمروں میں۔"

ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فیضی جیسے بے وقوف کو کس طرح سمجھائیں۔

" کسی نے نہیں پھنسایا ہے مجھے، آپ معلوم نہیں کیوں شروع سے ہی نوین کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ جب وہ ہمارے گھر آئی تھی تو آپ نے اس سے بات تک کرنا گوارا نہیں کی تھی۔ مجھے کتنی شرمندگی اٹھانا پڑی تھی اس کے سامنے۔"

" میں ہر کس و ناکس کو منہ نہیں لگاتی، تمہیں یا اسے برا لگتا ہے تو لگا کرے۔ مجھے نہ وہ لڑکی پسند آئی ہے اور نہ اس کے انداز اور نہ ہی مجھے تمہارا اس سے میل جول پسند ہے، بات ختم۔"

کبھی کبھی وہ دل بھر کر مغرور ہونے لگتی تھیں مگر بات محض ان کے کہہ دینے سے ختم ہونے والی نہیں تھی۔ فیضی کے چہرے پر پھیلنے والی طنزیہ مسکراہٹ، کچھ اور ہی اشارہ دے رہی تھی۔

"لیکن مجھے نوین پسند ہے' آج یہ بات میں آپ کو بالکل صاف لفظوں میں بتارہاہوں اور مجھے اس بات سے بالکل بھی فرق نہیں پڑتا کہ آپ یا گھر کے دوسرے لوگ اس کے بارے میں کیارائے رکھتے ہیں۔"

بہت مضبوط لہجے میں ٹھہر ٹھہر کراس نے اپنی بات پوری کی اور پھر صوفے پر بیٹھ کر سامنے پڑے ہوئے جاگرز پہننے لگا۔

اس کے ہونٹ سختی کے ساتھ ایک دوسرے میں پیوست تھے اور چہرے پر ایک بڑی گہری اجنبیت کا سا تاثر پھیل رہا تھا۔

ان تصویروں سے زیادہ' بلقیس بھابی کو فیضی کا روّیہ رنج پہنچانے لگا اور شاید ان کا یہ فوری جذباتی ردعمل' ایک اور بڑی غلطی ثابت ہونے جارہا تھا۔

اس بات کا احساس ہونے کے باوجود بھی' وہ اپنے آپ کو روک نہیں پارہی تھیں۔

" شاباش۔ بہت جلدی تم نے ہمیں ہمارے مقام سے آگاہ کردیا۔ تمہارے باپ اور چچا تو آج تک بھی بابا کے سامنے خودسری دکھانے کی جرأت نہیں کرسکے' بہرحال۔"

ایک ٹھنڈی سی سانس لیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

فیضی نے کچھ کہنا چاہا' مگر ان کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے' انہوں نے کمرہ چھوڑنے سے پہلے اسے بس ایک یاددھانی کرانی ضروری سمجھی۔

" بہت بڑے بن کر' جو فیصلے تم سنارہے ہونا' ان کے نتائج پر ایک بار ضرور غور کرلینا۔ ہمارے ہاں کے کچھ اصول' قاعدے آج بھی ہیں اور ان کی پابندی بھی کی جاتی ہے۔ اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ تمہیں کوئی رعایت مل جائے گی۔ اس گھر میں تو پہلے ہی ایک بہت بڑی مثال قائم کی جاچکی ہے۔"

اپنی بات کہتے ہوئے انہوں نے ایک بار بھی فیضی کے چہرے پر سے نگاہ نہیں ہٹائی' مگر فیضی کے چہرے کی سختی میں ذرا سا بھی فرق نہیں نظر آیا۔

فیضی کا ناشتہ' کمرے کی صفائی ستھرائی' ہر خیال حرف غلط کی طرح ان کے ذہن سے مٹ چکا تھا اور بہت بھاری دل کے ساتھ جب وہ اس کے کمرے سے نکل رہی تھیں تو چند لمحوں کے لیے رکنا پڑا۔

" مجھے سب پتہ ہے آپ کی اس برادری کے جاہلانہ اصول' قاعدوں کا اور میں اپنی زندگی کو یہاں برباد کر بھی نہیں سکتا ہوں' شادی مجھے نوین سے ہی کرنی ہے۔ امی اس بات میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

بنامڑ کر دیکھے بلقیس بھابی کو یقین ہونے لگا تھا کہ اب وہ اپنے کہے سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔

ان کے خاندان میں پتھر پر لکیر کھینچنے کی روایت بہت پرانی تھی۔ باقی ساری زندگی پھر چاہے اس پتھر سے سر ٹکراٹکرا کر گزارنی پڑے' کسے پروا تھی۔

" ہم دونوں نے تو سوچ رکھا تھا کہ ابھی چند سال جب تک ہم اپنی پڑھائی مکمل کرکے سٹیل نہیں ہوجاتے' اس مسئلے کو نہیں اٹھائیں گے' مگر حالات اچانک ہی کچھ ایسے ہوگئے ہیں کہ ہمیں اب فوراً ہی شادی کرنی پڑے گی' یا کم از کم کوئی منگنی نکاح وغیرہ۔"

بلقیس بھابی نے اپنے پیچھے اسے کہتے ہوئے سنا' زندگی میں پہلی بار انہیں اپنے پیروں تلے سے زمین کھینچتی ہوئی محسوس ہوئی۔

...☆☆☆...

" دیکھ کر ذرا بیٹا' کہیں گرہی نہیں پڑنا۔"

جمیل ماموں نے دونوں ہاتھوں سے لکڑی کے پرانے سے اسٹول کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا اور وہ بڑی تشویش سے اسٹول کے اوپر چڑھی ثانیہ کو دیکھے جا رہے تھے۔

" اتنے بھاری پردے ہیں، تم سے تو سنبھل بھی نہیں رہے ہیں۔ میں لگا دیتا خود، مگر تم سنتی کب ہو۔"

" ماموں، اگر آپ یوں ہی بولتے رہیں گے نا تو میں ضرور ہی نیچے آپڑوں گی، پلیز، پلیز چند منٹ کے لیے خاموش ہو جائیں۔"

ان کی مستقل دخل اندازی، اب زچ کر رہی تھی، مگر وہ یہ بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

" لو، میں بھلا کب بول رہا ہوں، بس اتنی سی بات کہی ہے کہ ....."

تب ہی اسٹول بڑی زور سے کانپا۔

" ارے ماموں، اچھی طرح پکڑیں نا۔"

ثانیہ گڑبڑا کر ایک دم ہی زور سے پکار اٹھی، تب ہی سامنے والے کمرے میں سے ممانی نے جھانکا۔

" ہنہ، بے کار کی چونچلے بازی۔"

بہت جل کر وہ واپس پیچھے ہٹیں۔

چھٹی کے دن یوں ہی بات بات پر ان کی جان جلا کرتی تھی۔ سامنے بیڈ پر بلینکٹ میں منہ دیئے لبنیٰ معلوم نہیں سو رہی تھی یا بس یوں ہی آرام کرنے کے موڈ میں تھی۔

وہ مارے کوفت کے اس کا کاندھا ہلا گئیں۔

" تم بھی اٹھ کر کچھ دیکھ لیا کرو، چار دن کی آئی ہوئی بھانجی، ہر وقت اپنی کارکردگی دکھانے پر تلی رہتی ہے اور بیٹی کو یہ ہوش نہیں کہ باپ گھر پر ہے تو میں بھی کچھ تھوڑا بہت ہی سہی، ہاتھ پاؤں ہلاتی دکھائی دے جایا کروں۔"

لبنیٰ نے جواباً کروٹ دوسری طرف بدل کر کمبل اور زیادہ اپنے گرد لپیٹ لیا۔

باہر سے ثانیہ اور جمیل ماموں کی آوازیں مستقل ہی آئے جا رہی تھیں۔ ان سے ضبط نہ ہوا تو خود ہی باہر آ گئیں۔

ہلکے گہرے سبز رنگ کے خوبصورت پردے برآمدے کی گرل کے آگے ڈالے ہوئے اتنے اچھے لگ رہے تھے کہ وہ دل ہی دل میں خود بھی سراہے بغیر نہیں رہ سکیں۔

تخت پر جھالر والا کور، سامنے پڑی کرسیوں پر خوبصورت کڑھائی والے کشن، چھوٹی سی کھانے کی میز پر برسوں پرانے رنگ اڑے پلاسٹک کور کے بجائے آف وائٹ اور سبز چیک کا چمکتا ہوا ٹیبل کور، جس کے اوپر اماں اور ثانیہ کے اتوار بازار سے لائے ہوئے میٹ اور پھول سجے ہوئے تھے۔ گھر کے اس چھوٹے سے حصے کو ایک بالکل ہی الگ شکل دے چکے تھے۔

پڑوس والے ابرار صاحب کے گھر اماں کا آنا جانا رہتا تھا۔ ان ہی کے ہاں سے وہ بڑے پتوں والے منی پلانٹ کا ایک گملا لائی تھیں جو باہر صحن کی طرف جانے والے راستے کے ایک کونے میں رکھا تھا۔ چند بڑی منفرد سی شیشے کی بوتلوں میں بھی منی پلانٹ ڈالی ہوئی تھی۔ جنہیں اب ثانیہ، جوٹ سے بنے ہوئے مکرامے کے ہینگرز میں سیٹ کر کے، ریلنگ اور دیوار میں لگی کیلوں پر لٹکا رہی تھی۔

" دیکھا میری بھانجی کا سلیقہ، گھر کا کونہ کونہ چمکنے لگا ہے۔"

جمیل ماموں نے بڑے فخریہ انداز میں ممانی کی طرف دیکھا۔

" ہاں، اچھا ہے۔" برا تو انہیں بہت لگ رہا تھا مگر جمیل ماموں کے سامنے وہ اکثر ہی مصلحت پسندی سے کام لے لیتی تھیں۔

" یہ اتنا بڑا گملا، راستے میں کیوں رکھ دیا، آتے جاتے ہوئے ہر ایک ٹکرائے گا۔"

پہلا نقطۂ اعتراض۔

" کوئی نہیں ٹکرائے گا، اگر آنکھیں کھول کر چلے گا۔"

ماموں پنجوں کے بل پر کھڑے، ایک نسبتاً اونچی کیل پر منی پلانٹ کی بیل کو باندھ رہے تھے۔

ان کی طرف دیکھے بغیر بڑے اطمینان سے بولے۔

ثانیہ کو اپنے لبوں پر آنے والی مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے چہرہ دوسری طرف کرنا پڑا۔

" میں تو مچھروں کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔ سردیوں کے دن ہیں۔ پودوں پر تو اور بھی زیادہ مچھر آتے ہیں۔"

بڑے سلیقے سے انہوں نے ایک اور نکتہ اٹھایا۔ ماموں اپنے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ ہاتھ جھاڑتے ہوئے ان کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔

" یہ گملا باہر کی طرف رکھا ہوا ہے اور یہاں گرل میں ہر طرف نیٹ لگی ہوئی ہے۔ ویسے بھی ثانیہ پابندی سے اسپرے کرتی ہے۔ مچھروں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔"

ممانی سے بات کرتے کرتے وہ اماں کی طرف متوجہ ہو گئے، جو بے چاری ثانیہ کی خوشی کی خاطر، اس ساری تبدیلی میں حصہ دار تو بن گئی تھیں، مگر دل ہی دل میں ممانی سے بھی سخت خوفزدہ تھیں۔

بے شک ایک دن جمیل ماموں کی وجہ سے گھر میں ان کی پوزیشن بہتر دکھائی دینے لگی تھی، مگر ہفتے کے باقی پانچ دن تو انہیں ممانی کی اردلی میں ہی گزارنے پڑتے تھے۔

" میرا تو خیال ہے آپا، اگلے ہفتے، کسی نرسری سے کچھ پودے خرید کر لاتے ہیں، یہ کاٹھ کباڑ جو سارا صحن گھیرے ہوئے ہے۔ اسے صاف کر کے وہاں پر گملے رکھتے ہیں، بہت اچھا لگے گا۔"

" ہاں واقعی۔ جگہ تو بہت ہے یہاں، ساری سرسبز ہو جائے گی۔"

سارا ڈر، وقتی طور پر بھول بھال کر اماں بہت خوش ہو کر بولیں۔

ثانیہ نے بڑی محبت سے جمیل ماموں کی طرف دیکھا، اماں کو پودوں سے، ہریالی سے بڑا پرانا عشق تھا۔ نواب شاہ والا چھوٹا سا گھر، ان کے اسی شوق کے طفیل، خوش رنگ پھولوں سے ہمیشہ ہی مہکتا رہا تھا۔ ماموں ان کے اسی شوق کو یہاں بھی پورا ہوتے دیکھنا چاہتے تھے۔ پودوں کی تفصیلات اور نرسری کا انتخاب ہونے لگا تو ممانی کے ضبط کی حد بھی ختم ہونے لگی۔

" آپ کو کوٹھ کباڑ نظر آ رہا ہو گا۔ سارا میرا ضرورت کا سامان ہے۔ کیا باہر نکال کر گلی میں رکھ دوں۔"

جمیل ماموں نے تھوڑا سا چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پھر زور زور سے ہنسنے لگے۔

" یہ سیروں ردی، ٹوٹی ہوئی بالٹیاں، پلاسٹک کے مگ، ٹوٹی ہوئی چپلیں، گھی کے خالی ڈبے کیا ضرورت بندھی ہوئی ہے ان سے ہمیں بھی تو پتہ چلے آخر۔"

وہ بڑا صاف صاف مذاق اڑا رہے تھے۔

اور کم از کم ممانی کے لیے تو یہ بڑی ناقابل برداشت بات تھی۔

" ہاں ہم تو کباڑی ہی ٹھہرے' ہمیں کیا سلیقہ اور کیا عقل' بے کار سے بے کار چیز کو بھی کام میں لیے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس طرح شو بازی پر پیسہ اڑایا ہوتا تو ہماری بھی دھوم مچ جاتی' مگر ہم نے تو ہمیشہ ہی دل مار کر رکھا' پیسے کی قدر کی' ورنہ...."

حالانکہ سب ہی کو پتہ تھا کہ وہ کس قدر مبالغے سے کام لے رہی ہیں' پھر بھی اماں اور ثانیہ' دونوں ہی کو ان کے آگے بڑی شرمساری سی محسوس ہونے لگی۔

ایسے مواقع پر' معلوم نہیں کیا جتن کر کے' ممانی آنکھوں میں آنسو بھر لانے میں بھی کامیاب ہو جاتی تھیں۔

اماں آگے بڑھ کر جمیل ماموں پر خفا ہونے لگیں' مگر وہ بھی ان کی ڈبل مار کر رکھنے' والی بات کو دل پر لگا چکے تھے۔

" غضب خدا کا' ساری زندگی جو کمایا' اس عورت کے ہاتھ پر رکھ دیا اور پھر کبھی پلٹ کر پوچھا تک نہیں' ضرورت کی کیا چیز ہے جو میسر نہیں' کپڑے' زیور اور بھی نہ معلوم کیا کیا' الماریاں بھری پڑی ہیں۔بیٹی' ان سے بھی چار ہاتھ آگے' دونوں ہاتھوں سے لٹا رہی ہیں ماں بیٹی' تھک گیا میں تو ان کی نالائقیوں پر پردہ ڈالتے ڈالتے۔"

وہ ایک دم ہی جیسے واقعی تھک کر خاموش ہو گئے۔

مایوس' افسردہ

ان کی مہربان' مسکراتی ہوئی آنکھوں میں' جیسے ٹوٹا ہوا کانچ سا بھرنے لگا۔

" معلوم نہیں' اس معاشرے میں صرف عورتوں ہی کی مظلومیت کا کیوں رونا رویا جاتا ہے۔ان شریف خوددار مردوں کے بارے میں کوئی سوچتا بھی نہیں' جو معلوم نہیں کہاں کہاں آزمائے بھی جاتے ہیں اور زخمائے بھی۔"

ثانیہ نے سر جھکاتے ہوئے سوچا۔

ممانی اونچی آواز میں رونا شروع کر چکی تھیں۔یہ ایک ہتھکنڈہ انہیں ہمیشہ ہی سب پر بھاری پڑنے میں مدد دیتا تھا۔

" باہر آواز جا رہی ہو گی شاہدہ' یہ جمیل تو بس یوں ہی جو منہ میں آتا ہے کہہ جاتا ہے۔تم کیوں اپنا دل چھوٹا کر رہی ہو۔ دیکھو آس پڑوس میں لوگ سن رہے ہوں گے تو کیا سوچیں گے۔"

حالانکہ پاس پڑوس والے' اتنے برسوں میں جتنا کچھ سن چکے تھے۔اس میں کسی اضافے سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔پھر بھی اماں مارے بوکھلاہٹ کے ممانی کی خوشامد پر اتری ہوئی تھیں۔

مگر ان کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی' بناء کسی بات کے وہ گھر کے اچھے بھلے خوشگوار ماحول کو ایک بار پھر بخیر وخوبی خراب کرنے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔

اس سارے ہنگامے میں لبنیٰ بھی بستر چھوڑ کر دروازے میں آ کھڑی ہوئی تھی اور بڑی بے زار سی نگاہوں سے اس سارے منظر کو تکے جا رہی تھی۔

" لاؤ ثانیہ' ممانی کے لیے پانی کا گلاس تو لاؤ۔"

اماں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ انہیں کسی طرح بھی خاموش کرا سکیں۔

ثانیہ نے ایک نگاہ جمیل ماموں پر ڈالی۔

ان کا سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ ' کسی بھی تاثر کو دیکھ پانا ' ناممکن سی بات تھی۔ برآمدے کے صاف ستھرے فرش پر معلوم نہیں وہ کیا کھوج رہے تھے۔

'' اپنے ٹکڑوں میں بٹے وجود کو یا قسمت کے اس بھید کو ' جس کے آگے انسان ہمیشہ سے ہی خود کو بے بس پاتا ہے۔''

'' ثانیہ۔''

اماں نے دوبارہ اسے پکارا تو اسے اٹھنا ہی پڑا۔ سچی بات تو یہ کہ اس وقت اس کا دل ممانی کو پانی کا گلاس دینے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا۔

اماں کو گلاس پکڑا کر ' جب وہ مڑ رہی تھی ' تب ہی گیٹ پر لگی کال بیل بجنے لگی۔

'' آپ کو کوٹھ کباڑ نظر آ رہا ہو گا۔ سارا میرا ضرورت کا سامان ہے۔ کیا باہر نکال کر گلی میں رکھ دوں۔''

جمیل ماموں نے تھوڑا سا چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پھر زور زور سے ہنسنے لگے۔

'' یہ سیروں ردی ' ٹوٹی ہوئی بالٹیاں ' پلاسٹک کے مگ ' ٹوٹی ہوئی چپلیں ' گھی کے خالی ڈبے کیا ضرورت بندھی ہوئی ہے ان سے ہمیں بھی تو پتہ چلے آخر۔''

وہ بڑا صاف صاف مذاق اڑا رہے تھے۔

اور کم از کم ممانی کے لیے تو یہ بڑی ناقابل برداشت بات تھی۔

'' ہاں ہم تو کباڑی ہی ٹھہرے ' ہمیں کیا سلیقہ اور کیا عقل ' بے کار سے بے کار چیز کو بھی کام میں لیے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح شو بازی پر پیسہ اڑایا ہوتا تو ہماری بھی دھوم مچ جاتی ' مگر ہم نے تو ہمیشہ ہی دل مار کر رکھا ' پیسے کی قدر کی ' ورنہ...''

حالانکہ سب ہی کو پتہ تھا کہ وہ کس قدر مبالغے سے کام لے رہی ہیں ' پھر بھی اماں اور ثانیہ ' دونوں ہی کو ان کے آگے بڑی شرمساری سی محسوس ہونے لگی۔

ایسے مواقع پر ' معلوم نہیں کیا جتن کر کے ' ممانی آنکھوں میں آنسو بھر لانے میں بھی کامیاب ہو جاتی تھیں۔

اماں آگے بڑھ کر جمیل ماموں پر خفا ہونے لگیں ' مگر وہ بھی ان کی ڈبل مار کر رکھنے ' والی بات کو دل پر لگا چکے تھے۔

'' غضب خدا کا ' ساری زندگی جو کمایا ' اس عورت کے ہاتھ پر رکھ دیا اور پھر کبھی پلٹ کر پوچھا تک نہیں ' ضرورت کی کیا چیز ہے جو میسر نہیں ' کپڑے ' زیور اور بھی نہ معلوم کیا کیا ' الماریاں بھری پڑی ہیں۔ بیٹی ' ان سے بھی چار ہاتھ آگے ' دونوں ہاتھوں سے لٹا رہی ہیں ماں بیٹی ' تھک گیا میں تو ان کی نالائقیوں پر پردہ ڈالتے ڈالتے۔''

وہ ایک دم ہی جیسے واقعی تھک کر خاموش ہو گئے۔

مایوس ' افسردہ

ان کی مہربان ' مسکراتی ہوئی آنکھوں میں ' جیسے ٹوٹا ہوا کانچ سا بھرنے لگا۔

'' معلوم نہیں ' اس معاشرے میں صرف عورتوں ہی کی مظلومیت کا کیوں رونا رویا جاتا ہے۔ ان شریف خوددار مردوں کے بارے میں کوئی سوچتا بھی نہیں ' جو معلوم نہیں کہاں کہاں آزمائے بھی جاتے ہیں اور زخمائے بھی۔''

ثانیہ نے سر جھکاتے ہوئے سوچا۔

ممانی اونچی آواز میں رونا شروع کر چکی تھیں۔ یہ ایک ہتھکنڈہ انہیں ہمیشہ ہی سب پر بھاری پڑنے میں مدد دیتا تھا۔

" باہر آواز جا رہی ہوگی شاہدہ' یہ جمیل تو بس یوں ہی جو منہ میں آتا ہے کہہ جاتا ہے۔ تم کیوں اپنا دل چھوٹا کر رہی ہو۔ دیکھو آس پڑوس میں لوگ سن رہے ہوں گے تو کیا سوچیں گے۔"

حالانکہ پاس پڑوس والے' اتنے برسوں میں جتنا کچھ سن چکے تھے۔ اس میں کسی اضافے سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔ پھر بھی اماں مارے بوکھلاہٹ کے ممانی کی خوشامد پر اتری ہوئی تھیں۔

مگر ان کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی' بناء کسی بات کے وہ گھر کے اچھے بھلے خوشگوار ماحول کو ایک بار پھر بخیر وخوبی خراب کرنے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔

اس سارے ہنگامے میں لبنیٰ بھی بستر چھوڑ کر دروازے میں آ کھڑی ہوئی تھی اور بڑی بے زار سی نگاہوں سے اس سارے منظر کو تکے جا رہی تھی۔

" لاؤ ثانیہ' ممانی کے لیے پانی کا گلاس تو لاؤ۔"

اماں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ انہیں کسی طرح بھی خاموش کرا سکیں۔

ثانیہ نے ایک نگاہ جمیل ماموں پر ڈالی۔

ان کا سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ' کسی بھی تاثر کو دیکھ پانا' ناممکن سی بات تھی۔ برآمدے کے صاف ستھرے فرش پر معلوم نہیں وہ کیا کھوج رہے تھے۔

" اپنے ٹکڑوں میں بٹے وجود کو یا قسمت کے اس بھید کو' جس کے آگے انسان ہمیشہ سے ہی خود کو بے بس پاتا ہے۔"

" ثانیہ۔"

اماں نے دوبارہ اسے پکارا تو اسے اٹھنا ہی پڑا۔ سچی بات تو یہ کہ اس وقت اس کا دل ممانی کو پانی کا گلاس دینے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا۔

اماں کو گلاس پکڑا کر' جب وہ مڑ رہی تھی' تب ہی گیٹ پر لگی کال بیل بجنے لگی۔

جمیل ماموں یوں ہی ساکت سے بیٹھے رہے۔

" لیجئے ماموں پانی پی لیں۔"

ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بڑی نرمی سے بولی تو انہوں نے جیسے بہت چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

ڈور بیل کی آواز پھر سے گونجنے لگی۔

معلوم نہیں کون تھا' جسے دو منٹ کا بھی صبر نہیں تھا اور یہاں فی الحال کوئی بھی گیٹ کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا تھا۔

ایک لبنیٰ ہی فارغ کھڑی تھی۔ سو وہ ہی جھنجلاتی ہوئی' اگلے صحن کی طرف چلی گئی۔

"آ رہے ہیں نا' کوئی قیامت تو نہیں آ گئی ہے جو اس کی اطلاع دینے چلے آئے ہو۔"

حسب عادت' بے تکے پن کے ساتھ بولتے ہوئے اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ گیٹ کھولا۔

سامنے فرح کھڑی تھی۔

"قیامت سے پناہ مانگی جاتی ہے اور اس کی اطلاع دینے کی کسی کو بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

لبنیٰ نے اس کی چھوٹی سی بات بھی ڈھنگ سے نہ سنی۔ اس کی ساری توجہ فرح سے دو قدم پیچھے کھڑے لڑکے اور سائیڈ میں کھڑی نئے ماڈل کی گاڑی پر تھی۔

"گھر میں سب ہیں نا۔" کچھ بعید نہیں تھا کہ لبنیٰ کتنی دیر باہر ہی کھڑا کیے رکھتی، سو فرح نے ادھ کھلے دروازے سے خود ہی اندر چلے آنا مناسب سمجھا۔

"ہاں، ہاں سب ہیں آپ آئیں نا۔"

آج پہلی بار اس نے فرح پر اپنی خوش اخلاقی کی دھاک بٹھانی چاہی۔ "اور یہ جو آپ کے ساتھ آئے ہیں، انہیں بھی بلا لیں۔ میں ڈرائنگ روم کھولتی ہوں۔"

فرح کو اکیلے میں اندر کا رخ کرتے دیکھ کر اس نے مزید خوش اخلاقی برتی، مگر وہ اس وقت جلدی میں تھی۔

"میں بس پانچ منٹ کے لیے ہی آئی ہوں۔ ایک ضروری کام تھا۔" تیزی سے کہتی ہوئی وہ اگلے برآمدے میں پہنچ چکی تھی۔ جہاں ابھی تک ممانی کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

ماحول کی گھمبیرتا صورت اس پر بھی ایک ہی نگاہ میں ظاہر ہو گئی۔

"سب خیریت ہے، یہاں تو ایسے ہی سب چلتا رہتا ہے بیٹا تم کہو اچھی تو ہو۔" ماموں فوری طور پر خود کو سنبھال چکے تھے۔

فرح مطمئن تو نہیں ہوئی تھی۔ پر ثانیہ کے آنکھ کے اشارے پر مزید کچھ پوچھنے سے رک ہی گئی۔

"ماموں، میں وہ کمپیوٹر لے آئی ہوں، جس کے لیے آپ سے بات ہوئی تھی۔ بھائی ہے میرا باہر کھڑا ہوا، وہ لا کر یہاں اندر رکھ دے گا۔"

اماں اور ممانی کے ساتھ سلام دعا سے فارغ ہوتے ہی، وہ پھر سے ماموں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہاں، ہاں باہر کیوں کھڑا کر رکھا ہے۔ بھئی اندر لے کر آئو۔" ماموں پر جوش لہجے میں کہنے لگے، ثانیہ کے لیے اس کمپیوٹر کی بات فرح نے براہ راست ان سے ہی کی تھی۔ اماں کے سامنے بھی ثانیہ نے کئی بار ذکر نکالا تھا، مگر فرح یوں لے کر ہی چلی آئے گی، انہیں یہ خیال بھی نہیں گزرا تھا۔

وہ عجیب تذبذب میں پڑنے لگیں۔

"یہ فرح بھی عجیب ہے، اب معلوم نہیں کتنے پیسے دینے پڑیں گے۔ پہلے قیمت تو معلوم کر لینی چاہیے تھی۔"

ان کا دل، فرح کی طرف سے تھوڑا سا برا تو پہلے ہی ہو رہا تھا۔ اوپر سے اب وہ یہ نیا قصہ چھیڑ بیٹھی تھی۔

ثانیہ خود تھوڑی سی کنفیوژ ہو رہی تھی، پر ماموں ایک دم ہی اب خوش نظر آنے لگے تھے اور ان سے بھی زیادہ لبنیٰ۔

"بہت ہی اچھا کیا ابو جو آپ نے فرح کی بات مان لی۔ آج کل تو سب کے ہی گھر میں کمپیوٹر ہے۔ یہاں اپنے محلے میں بھی ہر ایک ہی یوز کرنے لگا ہے اب تو۔"

پچھلے چند منٹوں سے اس کا دماغ، فرح اور اس باہر کھڑے خوش پوش لڑکے کے مابین، رشتے کی جو گتھی سلجھانے میں مصروف تھا، وہ "بھائی" کا لفظ سنتے ہی ایک دم ہلکا ہو گیا تھا۔

ثانیہ نے بہر حال' اس کی طرف بڑی شکر گزار نگاہوں سے دیکھا' کسی بھی ایشو پر لبنیٰ کی رضامندی' گھر میں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی تھی۔اب اگر وہ خوش تھی تو ممانی کی طرف سے بھی کوئی بڑا اعتراض سامنے نہیں آنا تھا۔

فرح باہر جا چکی تھی۔

دن چڑھے کی مخصوص چہل پہل' گلی میں جاری تھی اور وہ ابھی تک وہیں' گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

'' چلو عمر' اب پلیز' یہ اٹھا کر اندر تک پہنچا دو۔''

فرح کو احساس تھا کہ وہ اپنے آفس ٹائمنگ میں اٹھ کر محض اس کے کام کی خاطر آیا ہے۔

'' پہلے یہ بتاؤ یہی ہیں وہ محترمہ ثانیہ' جن کے ساتھ تم میرے مستقبل کی منصوبہ بندی کر رہی تھیں۔'' وہ کچھ الجھی ہوئی نگاہوں سے فرح کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کی کم عقلی پر خود بھی یقین نہیں آ رہا ہو۔

معلوم نہیں وہ کیا سمجھ بیٹھا تھا۔

فرح نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دی۔'' میں تمہیں یہاں کوئی لڑکی پسند کروانے کے لیے نہیں لائی ہوں عمر' اگر میری گاڑی خراب نہیں ہوتی تو مجھے تمہارے آفس کی گاڑی کی ضرورت بھی نہیں تھی' سمجھے۔

''چلو اب اندر چلو اور ذرا تمیز سے یہ سب بہت سیدھے سادے لوگ ہیں۔''

وہ بہت سنجیدہ تھی اور عمر کی غلط فہمی کو دور کرنے کی اس نے کوئی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔

عمر کو اس کی شکل دیکھ کر بہت زور کی ہنسی آنے لگی تھی مگر فی الوقت وہ بڑی سعادت مندی سے گاڑی کی بیک ڈور کو کھولنے کے لیے دوسری طرف مڑ گیا۔

فرح نے جمیل ماموں کے گھر کی طرف دیکھا' وہاں ایک بار پھر گیٹ سے لبنیٰ باہر جھانک رہی تھی۔

...☆☆☆...

چھوٹا سا گیٹ پار کر کے صحن اور پھر پچھلے برآمدے تک آتے آتے عمر جی بھر کر فرح کے ٹیسٹ پر حیران ہو چکا تھا اور اب نہایت سعادت مندی سے اماں اور ماموں سے مل رہا تھا۔

'' جیتے رہو' خوش رہو' ماں باپ کو ہزار خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں۔''

اماں عادتاً بڑی تفصیل سے دعائیں دیتی تھیں۔ عمر کے چہرے پر پھیلی ہلکی سی مسکراہٹ میں رنجیدگی سی گھلتی محسوس کر کے وہ بولتے بولتے خاموش ہو کر فرح کی طرف دیکھنے لگیں۔

'' عمر کے والدین بہت چھوٹا سا چھوڑ کر دنیا سے جا چکے ہیں۔''

وہ جب ماموں کی طرف متوجہ تھا۔ فرح نے ہلکے سے انہیں بتایا تو وہ بڑی متاسف سی نظر آنے لگیں۔

'' بے چارہ بچہ۔''

'' کمپیوٹر یہاں برآمدے میں تو بالکل بھی مناسب نہیں لگ رہا ہے۔ ڈرائنگ روم میں رکھیں یا پھر میں اپنے کمرے میں جگہ بنا لیتی ہوں۔''

لبنیٰ سب سے زیادہ پر جوش تھی اور عمر نے اتنی دیر میں اسے ایک بار بھی خاموش ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

معقول شکل وصورت' اچھا لباس' گھر میں بھی تھوڑا بہت میک اپ کیے رکھنے کا شوق' وہ دیکھنے میں' بہر حال بری نہیں لگتی تھی۔

عمر نے کن انکھیوں سے نہ چاہتے ہوئے بھی ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔

اس چھوٹی سی ملاقات میں وثوق سے تو نہیں کہا جاسکتا تھا مگر اسے پھر بھی اتنا تو ضرور اندازہ ہو رہا تھا کہ اس لڑکی کی موجودگی اکتاہٹ کا سا احساس پیدا کر رہی تھی۔

"اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا' یا شاید اس کا مستقل بولنا...؟"

عمر نے کوئی معقول سا سبب ڈھونڈنا چاہا مگر تب ہی نگاہ فرح سے جا ملی' جو بڑے طنزیہ سے انداز سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

عمر نے کچھ جھینپ کر اس سے نگاہیں چرائیں۔

"یہی جگہ مناسب ہے' ڈرائنگ روم میں آئے وقت تمہاری امی کی سہیلیاں آئی بیٹھی رہتی ہیں اور تمہارے کمرے میں تو چوبیس گھنٹے ہی ٹی وی کھلا رہتا ہے۔"

ماموں بڑے دوٹوک انداز میں لبنیٰ کی ہر تجویز کو رد کیے جا رہے تھے۔ انہیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ ڈرائنگ روم اور لبنیٰ کا کمرہ دونوں ہی ثانیہ کے لیے ایک طرح سے ممنوعہ علاقہ ہی ہیں۔ جہاں وہ صرف کام کے لیے جاسکتی تھی۔

اماں کے تخت کے دوسری طرف دیوار کے ساتھ ایک میز رکھی ہوئی تھی' جس پر وہ اپنا چھوٹا موٹا سامان رکھ لیا کرتی تھی۔ ماموں کو کمپیوٹر کے لیے سب سے سوٹ ایبل وہی جگہ لگی۔

"یہی ایک جگہ ہے جہاں ثانیہ جس وقت بھی چاہے بیٹھ کر کام کر سکتی ہے۔" انہوں نے بہت مطمئن ہو کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ثانیہ کو کچھ کہنا چاہا۔

"مگر وہ تھی کہاں؟"

انہوں نے اس کے بارے میں پوچھنا ہی چاہا تھا کہ ممانی کے آواز دے لینے پر اٹھ کر کچن کی طرف چلے آئے' ثانیہ چولہے کے سامنے کھڑی کچھ تل رہی تھی اور ممانی کے چہرے پر پھیلے جوش و خروش کے آثار بتا رہے تھے کہ وہ پوری طرح مہمانداری کے موڈ میں آچکی ہیں۔

آپ ابھی تک یہیں ہیں' جلدی سے جا کر کچھ لے آئیں' چائے کے ساتھ رکھنے کے لیے۔" ماموں کے ساتھ اپنی حالیہ سنجیدہ جھڑپ کو وہ فی الوقت بھول کر جو ہدایت دے رہی تھیں' وہ اسے سننے کے بجائے بڑی حیرت سے ثانیہ سے پوچھنے لگے۔

"ارے تم یہاں کیا کر رہی ہو' ادھر آکر دیکھو' اگر کچھ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہو تو ابھی فرح اور عمر سے سمجھ لو۔"

ممانی جز بز سی ہو کر ماموں کی طرف دیکھنے لگیں۔ وہ جان بوجھ کر' ثانیہ کو کچن میں روکے ہوئے تھیں۔ انہیں ثانیہ کو اتنی زیادہ اہمیت دیئے جانا بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا اور وہ بھی گھر میں آئے نئے لوگوں کے سامنے۔

"تمہاری سہیلی ہے فرح اور تم ہی اس بے چاری کے آتے ہی یہاں کچن میں گھس گئیں۔ کیا سوچے گی وہ بھلا۔"
ماموں بضد تھے اور وہیں رکے کھڑے تھے۔ تب ہی ثانیہ نے چولہا بند کرتے ہوئے ان کی طرف پلٹ کر دیکھا اور نرمی سے بولی۔

"چائے بھی بن ہی چکی ہے' آپ چلیں میں لے کر آرہی ہوں۔" اس کے چہرے پر بڑی اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔ جمیل ماموں جس طرح اس کے لیے ہر وقت اسٹینڈ لینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ وہ بذات خود ایک بڑا ہی تسلی بخش احساس تھا۔

ممانی نہ اسے اتنی جلدی فارغ کر دینے پر راضی تھیں اور نہ ہی مہمانداری کے اس وقفے کو مختصر کرنے پر۔

"خالی کباب اور رولز تو اچھے نہیں لگتے رکھتے ہوئے' آپ ذرا بازار تک چلے کیوں نہیں جاتے۔" وہ پھر سے مصر ہونے لگیں۔

تب ہی ثانیہ نے ہاتھ بڑھا کر اوپر والے کیبنٹ سے بسکٹ اور نمکو کے پیکٹ نکال لیے' چند دن پہلے جب وہ اور اماں مارکیٹ گئی تھیں تو ساتھ میں خریدتی لائی تھیں۔

ٹرے اب پورے طرح سے سیٹ ہو گئی تھی۔ ماموں بڑی تعریفی نگاہوں سے دیکھے گئے اور بمشکل ہی خود کو کچھ کہنے سے باز رکھ پائے' برآمدے میں سے فرح انہیں آواز پر آواز دیئے جا رہی تھی۔

"آرہا ہوں بھئی۔" وہ اسے تسلی دے کر بھی وہیں کھڑے رہے' ثانیہ کو چار و ناچار' جلدی جلدی کر کے ان کے ساتھ ہی کچن سے نکلنا پڑا۔ ممانی بڑی خائف سی نگاہوں سے دیکھے گئیں۔ کبھی کبھی' وہ اسی طرح ترکیبیں لڑاتی رہ جاتی تھیں اور کچھ بھی نہیں بن پڑتا تھا۔

ابھی بھی ثانیہ کو مزید منظر سے ہٹائے' لبنیٰ کو چائے کی ٹرے لے کر جانے کے لیے بلانے میں' کسی بھی بات میں کامیاب نہیں ہو پائی تھیں۔

انہیں سب سے زیادہ حیرت اپنے میاں کی عقل پر ہوتی تھی۔ جنہیں بھانجی کی محبت میں بیٹی' شاید بالکل ہی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

صرف وہی تھیں' جو کسی بھی روشن امکان کا سرا پکڑ کر' خود کو ہلکان کرنا شروع کر دیتی تھیں۔ جیسا کہ ابھی ذرا دیر پہلے' فرح کے ساتھ آئے عمر کو دیکھ کر انہیں بڑی خوش آئند سی امیدیں بندھنا شروع ہو گئی تھیں۔

خوش شکل' خوش مزاج۔

جس کی دو خوبیاں تو پہلی نگاہ میں ہی آشکار ہو رہی تھیں' یقیناً کسی اچھی جگہ پر برسر روزگار بھی تھا۔ تب ہی اتنی اچھی گاڑی لے کر گھوم رہا تھا۔

وہ گیٹ پر سے ایک نگاہ ادھر بھی ڈال کر آ چکی تھیں۔

فرح کی چھوٹی سی سیکنڈ ہینڈ گاڑی کے مقابلے میں کہیں زیادہ چمکتی دمکتی' بڑی ساری۔

اور یہ کتنی خوش قسمتی کی بات تھی کہ اتنے گنوں والا لڑکا خود چل کر ان کی دہلیز تک آ پہنچا تھا۔

"مگر یہ ثانیہ۔"

یہ سوچ کر بھی ٹینشن ہو رہی تھی کہ اب وہیں عمر کے سامنے ثانیہ بھی بیٹھی ہو گی' حالانکہ انہیں خود ہر لحاظ سے لبنیٰ ثانیہ سے کہیں برتر لگا کرتی تھی' مگر بہرحال رسک تو تھا ہی۔

وہ کچھ بے چین سی ہوئی' خود بھی ادھر ہی چلی آئیں۔

سامنے ہی ثانیہ' چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل پر چائے کے لوازمات اور پلیٹیں سیٹ کر رہی تھی اور قریب ہی کھڑی فرح' ہلکے ہلکے اس سے نہ جانے کیا بات کر رہی تھی۔ ممانی کا سارا دھیان لبنیٰ اور عمر کی طرف جانے لگا۔

کمپیوٹر کے آگے عمر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے نزدیک بیٹھی لبنیٰ بڑے ذوق و شوق سے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

یہ "معلوماتی" سا منظر انہیں بے حد بھایا۔

"میری لبنیٰ تو بہت ہی شوقین ہے سیکھنے کی، وہاں کتنے عرصے سے اکیڈمی جا رہی ہے، ابھی بھی کہتی ہے کہ امی ایک سال اور نکالوں گی، تاکہ بہت ہی پرفیکٹ ہو کر نکلوں وہاں سے۔"

فرح بہت مرعوب سی ہو کر اثبات میں سر ہلائے گئی اور جب وہ سانس لینے کو رکیں تو بڑی سادگی سے بولی۔

"بالکل صحیح سوچا ہے لبنیٰ نے، اس کے ساتھ جن لوگوں نے ایڈمیشن لیا تھا، انہیں تو کورس ختم کر کے وہاں سے گئے ہوئے بھی کتنے ہی مہینے ہو گئے ہیں، مگر لبنیٰ کا تو بہت ہی دل لگا ہوا ہے۔ اب معلوم نہیں اس گروپ کے ساتھ اپنا کورس پورا کرے گی، یا پھر اس سے بھی اگلے بیچ کے ساتھ..."

ممانی بڑے فخریہ انداز میں ہنسنے لگیں۔ ثانیہ صرف فرح کو گھور کر رہ گئی۔

ماموں، عمر کو چائے کے لیے بلا رہے تھے۔

"چائے وائے کا تکلف بالکل نہیں ماموں، اگلی بار پی لیں گے۔ اس وقت تو بہت جلدی میں ہیں۔"

عمر کمپیوٹر سکرین پر نگاہیں جمائے جمائے، بڑی شائستگی سے معذرت کرنے لگا۔ لبنیٰ کے مستقل سوالوں کی وجہ سے ہی وہ اس ذرا سی دیر کے لیے رکا ہوا تھا۔ ورنہ اس کا دھیان بار بار آفس اور بابا کی طرف جا رہا تھا۔

"بس اب اجازت، چلو فرح۔" اب کہ وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا اور پلٹ کر فرح کی طرف دیکھتے ہوئے پل بھر کے لیے جیسے رک سا گیا۔

برآمدے کے دوسرے سرے پر ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھی ہوئی فرح سے دھیرے دھیرے باتیں کرتی ہوئی لڑکی، اس کے لیے قطعی اجنبی تھی۔

سادہ پر کشش سی شخصیت اور ملائم سی مسکراہٹ۔

"چائے تو پینی ہی پڑے گی، آخر ہماری ثانیہ نے بنائی ہے۔"

ماموں کے اصرار کا انداز ہی اور تھا۔

تب ہی اس نے تھوڑا سا چہرہ اوپر کرتے ہوئے عمر کی طرف دیکھا۔

"تو یہ ہیں، محترمہ ثانیہ صاحبہ۔"

تھوڑا سا جھینپ کر نگاہیں چراتے ہوئے، عمر نے اپنی عقل کو داد دی۔

"بھلا کیسے اس نے سمجھ لیا تھا کہ یہ کچر کچر دماغ کھاتی اور حلیے سے ہی احمق دکھائی دینے والی لڑکی، فرح جیسی سمجھدار کی عزیز ترین دوست بن سکتی ہے۔"

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ گاڑی مکینک کے پاس چھوڑ رکھی ہے، اسی لیے مجھے عمر کو لے کر آنا پڑا۔"

جب ماموں، ممانی اور لبنیٰ اصرار کر کر کے، اس کی پلیٹ کباب اور رولز سے بھر رہے تھے، عمر نے فرح کو ثانیہ سے کہتے ہوئے سنا۔

عمر نے بہت صاف صاف نوٹ کیا تھا کہ فرح اسے بالکل نظر انداز کیے ہوئے تھی اور خاص طور پر ثانیہ سے تو اس نے عمر کو متعارف کرانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔

اس دن کی بات کو لے کر شاید وہ ابھی تک ناراض تھی۔

عمر کچھ یاد کر کے ہلکے سے مسکرایا۔

ممانی کو اس کے بار بار مسکرانے سے بڑی تقویت ہو رہی تھی۔

"لڑکا یقیناً ان کے گھر آ کر خوش تو ہے۔"

اسی اعتماد کو لے کر وہ مزید تفصیلات جاننے کے لیے بے قرار ہو رہی تھیں۔

"گھر اپنا ہے یا کرائے کا۔"

"نانی خدانخواستہ بیمار تو نہیں رہتیں؟"

(دوراندیشی کی انتہا تھی۔)

"تنخواہ خیر سے کتنی ہے؟"

ماموں کے لاکھ گھورنے اور بار بار بات کو پلٹنے کے باوجود' انہیں نے یہ اہم جوابات تو حاصل کر ہی لیے' اماں اور ماموں دونوں ان کی شکل دیکھتے گئے۔ عمر کو خوامخواہ ہی یہ خدشہ لاحق ہونے لگا کہ جیسے وہ "بردکھوے" کی احمقانہ رسم کو نبھانے کے لیے یہاں بیٹھا ہوا ہے۔

"چلو اٹھو فرح مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

اس بار فرح کو بھی کچھ خیال آ ہی گیا اور وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اماں کو خداحافظ کہہ کر عمر اگلے صحن میں نکل آیا۔ ماموں' ممانی اور لبنیٰ تینوں ہی گیٹ تک آئے اور مستقل ہی دوبارہ آنے پر اصرار کر رہے تھے۔

قریب ہی ثانیہ کھڑی' فرح کی کسی بات پر ہنسنے لگی تو عمر کی نگاہ' بے ساختہ ہی ایک بار پھر اس کی طرف اٹھی۔

اپنے اس طرح نظرانداز کیے جانے پر ایک ہلکا سا گلہ دل میں ابھر رہا تھا۔

تب ہی' ثانیہ اس کی طرف مڑی۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ عمر صاحب' بڑی تکلیف دی ہم نے آپ کو۔"

نرم' مگر پراعتماد لہجے میں' وہ اس کا شکریہ ادا کر رہی تھی اور تب ہی' عمر کو پہلی بار یہ احساس ہوا کہ اس بالکل سادہ سے حلیے اور عام سے بیک گراؤنڈ والی اس لڑکی میں ایک بڑی خاص قسم کی تمکنت ہے جو اس کا احترام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

خود عمر کی نگاہ بھی ایک پل کے لیے جھک سی گئی۔

"نہیں کوئی بات نہیں' اچھا ہوا اسی بہانے آپ سب سے ملاقات ہو گئی۔"

ثانیہ جواباً ہلکے سے مسکرا دی۔

"چلو' تمہیں پہلے ہی دیر ہو رہی ہے عمر۔"

فرح نے بڑی سنجیدگی سے اسے یاد دلایا تو وہ "خداحافظ" کہتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"ویسے تم اتنے گھٹیا قسم کے بدلے لیتی ہو' مجھے اس کا اندازہ آج ہی ہوا ہے۔"

جمیل ماموں کی گلی سے نکلنے کے بعد پہلی بات عمر نے اس سے یہی کی۔

فرح بالکل ان سنا سا کرتے ہوئے مستقل باہر دیکھے گئی۔

"اتنا بھی نہیں ہوا کہ یہی بتا دیتیں کہ وہ بالکل ہی ناقابل برداشت لڑکی ثانیہ نہیں ہے۔"

" تم سے کہا کس نے تھا کہ تم اس کے ساتھ اتنی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرو۔"

فرح ابھی بھی باہر دیکھ رہی تھی اور جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ وہ عمر کو مزید چڑانے کا سبب تھا۔

" اچھا اور جو یہ صبح سے میں محض تمہاری خاطر اپنے سارے کام چھوڑ کر، تمہارے ساتھ پھر رہا ہوں اور صرف تمہاری بہت عزیز دوست سمجھ کر اس بے وقوف لڑکی کو برداشت کرتا رہا۔ اس کی تمہاری نگاہ میں کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔"

" کوئی اندھا بھی اگر مجھے جانتا ہوگا تو وہ لبنیٰ کو میری " عزیز ترین دوست " نہیں سمجھ سکتا ہے۔"

ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے، فرح نے رک رک کر اپنا جملہ پورا کیا۔

فوری طور پر عمر سے کوئی جواب بھی نہیں بن پڑا۔ بات تھی بھی ٹھیک۔

خود اسے بھی وہاں یہی اندازہ ہو چلا تھا، مگر پھر بھی فرح کے آگے جلدی ہار مان لینا بھی توہین تو تھی۔

" تمہیں کم از کم میرا تعارف تو کرا دینا چاہیے تھا سب سے، مگر تم سے تو اتنا بھی نہ ہوا۔ وہ تو وہاں ماموں اور اماں، دونوں بے چارے بہت اچھے لوگ ہیں، ورنہ وہ لبنیٰ بیگم اور ان کی والدہ۔"

اس نے تاسف سے نفی میں سر ہلا دیا۔

فرح نے تھوڑا سا مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے، بڑے اطمینان سے بولی۔

" وہ سب لوگ جیسے بھی ہیں۔ تمہارا ان سے کیا لینا دینا ہے۔ یہ تو ایک اتفاق تھا جو تمہیں ان کے گھر میرے ساتھ جانا پڑ گیا۔ تم اس کو اتنا سنجیدگی سے کیوں لے رہے ہو۔"

" ہاں، واقعی۔ یہ کوئی ایسی بڑی بات تو ہے بھی نہیں۔"

عمر نے تھوڑا سا گڑبڑاتے ہوئے سوچا۔

" اور تم مجھے اب آگے بائیں ہاتھ پر اتار دینا۔ یہاں سے مجھے اپنے آفس کے لیے بس مل جائے گی۔"

عمر کو لگا جیسے وہ کچھ ناراض سی ہے اور بھلا کس بات پر؟

وہ ایک دم ہی زور سے ہنستا چلا گیا۔

" چلو بس اب جانے بھی دو۔ اس روز بناء دیکھے جو کچھ بھی تمہاری دوست کی شان میں اظہار خیال کر گیا تھا۔ اس پر واقعی شرمندہ ہوں، بس اب تو خوش۔"

" پھر، اب بتاؤ، تمہیں ثانیہ کیسی لگی۔" فرح پھر سے پرجوش ہونے لگی۔" اچھی ہے نا ثانیہ، بالکل ایمانداری سے بتاؤ، خاص طور پر اس کی آنکھیں...۔"

" ہاں، آنکھیں تو واقعی کمال کی ہیں۔ بہت روشن، جب دیکھتی ہے تو کچھ ایسا لگتا ہے کہ" عمر اپنی بات کہتے ہوئے ذرا رکا۔" ویسے اس لڑکی کو دیکھ کر کچھ ایسا نہیں لگتا فرح جیسے یہ غلطی سے یہاں اس گھر میں نظر آ رہی ہے۔ اس کی اصل جگہ کوئی اور ہے۔"

بات کہیں سے کہیں نکلی جا رہی تھی۔

فرح نے کچھ حیرت سے عمر کی طرف دیکھا وہ جیسے کسی سوچ میں ڈوب کر یہ سب کہہ رہا تھا۔ تب ہی یکبارگی وہ چونک کر بولی۔

" میرا اسٹاپ، دیکھا نکل گیا نا پیچھے۔"

" اس وقت آفس جانے کی ضرورت کیا ہے۔ تمہاری اکیڈمی کی پہلی شفٹ تو ختم ہی ہو رہی ہو گی۔ میں تمہیں گھر پر اتار کر باباکے پاس چلا جائوں گا۔"

بہت آرام سے عمر اپنے ساتھ اس کا ٹائم ٹیبل بھی سیٹ کر رہا تھا۔

ہر بات میں اعتراض، ہر بات میں دخل۔ فرح کو کبھی کبھی ایسا لگتا تھا کہ، عمر ایک بہت اچھا دوست نہیں بلکہ اس کا اپنا بھائی ہے، بالکل سگا بھائی۔

...☆☆☆...

کھلے ہوئے دروازے سے خنک ہوا مستقل اندر آ رہی تھی۔

فرحت دوسری بار دروازہ بند کرنے کے لیے آئی تھیں، مگر انہوں نے " ہوں ہنہ " کر کے پھر منع کر دیا۔

وہ کچھ حیران سی ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگیں۔" کمرہ بالکل ٹھنڈا ہو رہا ہے، طبیعت آپ کی پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے، کہیں اور زیادہ..."

" رہنے دو یہ بے کار کی ہمدردیاں۔" کان سے لگا ہوا موبائل آف کرتے ہوئے وہ ایک دم ہی غصے میں آ گئے۔

" آج مر جائوں تو سب سے پہلے تو تمہارے بھائی اور باپ ہی شکر ادا کریں گے۔ مجھ سے نجات حاصل ہونے پر۔ مگر میں بھی اتنی آسانی سے جان چھوڑنے والا نہیں ہوں، جو جو زیادتیاں وہ لوگ کرتے آ رہے ہیں نا میرے ساتھ، ایک ایک کا حساب لے کر رہوں گا۔ چاہو تو بتا بھی دینا انہیں، مجھے کسی کا کوئی ڈر نہیں ہے۔"

فرحت نے ایک گہری سانس اندر ہی اندر اتار دی اور سر جھکا کر رہ گئیں۔

اچھی طرح جانتی تھیں کہ شجاعت کے جو دعوے وہ کر رہے ہیں۔ محض زبانی کلامی ہی ہیں۔ بابا اور سجاد کے سامنے ان کی ایک نہیں چلی ہے، مگر یہ کھلی حقیقت بھی انہیں جتائی نہیں جا سکتی تھی۔

" غضب خدا کا، کوئی لحاظ، کوئی شرم باقی نہیں رہ گئی ہے تمہارے خاندان میں، جو لوگ اپنے داماد پر پولیس کا چھاپہ پڑوا سکتے ہیں۔ ان سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے۔"

" رحمت منزل" کے فلیٹ پر تالہ پڑ جانے کا غم وحید بھائی کے دل سے کسی طور بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

دن میں کتنی ہی بار یہ قصہ لے بیٹھتے تھے۔

" کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے مجھے تو، سب لوگ دیکھ کر ہنستے ہیں کہ، یہ ہے " رحمت منزل" کے مالک کی اوقات۔"

خوش فہمیوں کی انتہائ، ابھی بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ فرحت، لاکھ زبان بندی کے اصول پر کاربند رہنے کی کوشش کرتیں، پھر بھی کبھی کبھی بولنا پڑ ہی جاتا تھا۔

" رحمت منزل" ہماری ملکیت تو نہیں ہے وحید، دادی کی پراپرٹی ہے اور باباہی اس کے نگران ہے۔ وہ جیسا بہتر سمجھیں گے کریں گے۔"

وحید بھائی کی جیسے دکھتی رگ پر ہاتھ پڑا۔

" ہماری ملکیت نہیں ہے تو کس کی ہے۔ تمہارے نام کر دی تھی، دادی نے اپنی زندگی میں، مگر یہ کہو تمہارے باپ بھائی اتنی قیمتی عمارت اپنے ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتے ہیں۔ اتنا پیسہ کما رہے ہیں، مگر لالچ کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا ہے۔" ان کے لہجے کی تحقیر مزید بڑھنے لگی۔

فرحت کو ایسے لمحوں میں ہمیشہ ہی خود کو کمپوزر رکھنا از حد مشکل لگا کرتا تھا۔

اتنے برسوں میں، وحید کے برے سے برے روّیہ کی مار سہہ لینے کے باوجود، انہیں سب سے مشکل وقت وہی لگا کرتا، جب وہ ان کے باپ اور بھائیوں کے متعلق رائے زنی فرماتے تھے۔ دل پر ایک دم ہی پیر ساپڑتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ میکے کے متعلق تمام عورتوں کی حساسیت کا عالم شاید یکساں ہی ہوتا ہے۔

برے یا بھلے، زندگی جس ڈھب سے بھی جتنی آگے بڑھتی جاتی ہے، پیچھے چھوڑ کر آئے اس اجلے روشن دور کی یاد کو، کسی مقدس مہینے کی طرح سنبھال سنبھال کر رکھے جاتے ہیں۔

فرحت کو بھی یہ "بے ادبی" بری طرح کھل جاتی تھی۔

"بابا یا کسی بھی بھائی کو "رحمت منزل" سے کوئی لالچ نہیں ہے وحید، وہ اسے امانت سمجھ کر سنبھال رہے ہیں۔ آپ کیوں بھول جاتے ہیں کہ دادی کی وصیت میں خالی میرا نام نہیں تھا، آدھے کے حصہ دار...."

ایک کھلی، روشن حقیقت کو پوری طرح سن لینا بھی ان کے لیے از حد مشکل کام تھا۔ تڑپ کر بیچ میں ہی بات کاٹ ڈالی۔

"ارے مرکھپ گئے آدھے کے حصہ دار، زندہ سلامت ہوتے تو کب کے آکر حصہ بٹا چکے ہوتے، تمہارے گھر والوں کو ایک بہانہ ہاتھ آیا ہوا ہے اور بس، اگر ان کی نیت صاف ہوتی تو پوری بلڈنگ تمہارے نام کر دینا بھی کوئی مشکل نہیں تھا ان کے لیے، مگر اتنے سالوں سے آدھے حصے کے کرائے پر ٹرخا رکھا ہے ہمیں۔"

کبھی کبھی فرحت کو ان کی ڈھٹائی پر صرف حیرت ہی ہوا کرتی تھی۔

سالوں سے جس بری طرح وہ دونوں ہاتھوں سے پیسہ وصول کر رہے تھے۔ اس کے جواب میں کوئی اظہار ممنونیت، کوئی کلمہ شکر۔

یہاں کچھ بھی تو نہیں تھا۔

"آپ بھول رہے ہیں، اسی آدھے کے کرائے پر ہمارا گھر چل رہا ہے اور یہ کوئی معمولی رقم نہیں ہے جو ہمیں گھر بیٹھے مل رہی ہے۔" دل میں آئی ڈھیروں تلخی کے کسی بہت چھوٹے سے حصے نے ان کے لہجے کو چھوا تھا جسے فوراً ہی محسوس کر کے وہ آخر اپنی اوقات پر اتر ہی آئے۔

"طعنے دیتی ہے مجھے، احسان جتاتی ہے، اپنے باپ اور بھائی کا، شکر ادا نہیں کرتی کہ میں نے تجھے قبول کر لیا۔ ورنہ برادری میں کوئی رشتہ نہیں تھا، جوڑ کا، عمر بھر وہیں بیٹھی رہ جاتی اپنے باپ کی دہلیز پر...." تکیہ، کشن، گلاس، جو چیز بھی ان کے قریب رکھی تھی، اسے اچھالتے ہوئے وہ زور زور سے چیخے جا رہے تھے۔

نہ یہ باتیں نئی تھیں اور نہ ہی یہ سین۔

پھر بھی ہر بار ماؤف ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ جو ایک خیال بار بار چلا آتا تھا۔

"کیا برا تھا جو وہیں اپنے باپ کی دہلیز پر ہی بیٹھی رہ جاتیں، اس دہلیز سے اس چوکھٹ تک کے سفر میں کون سی خوش بختی ان کے حصے میں آئی ہے، جس کی قیمت انہیں اب تا زندگی ادا کرتے ہی رہنا ہے۔"

اندر کی طرف کھلنے والے دروازے میں ایک ایک کر کے تینوں بچے آ کھڑے ہوئے تھے۔

خوفزدہ، چپ چاپ۔

ان تینوں کی آنکھوں میں سہم کی ایسی کیفیت طاری تھی، جو دل کو اندر سے کہیں کاٹتی تھی۔

اپنی ذات سے جڑے ہر خیال، ہر گلے، ہر رنج کو انہوں نے ہمیشہ کی طرح پل سے بھی کم وقت میں پس پشت ڈالا اور تیزی سے بچوں کی طرف بڑھ گئیں۔

تینوں بچوں کو بیڈ روم کی طرف لے جاتے ہوئے بھی ان کے کانوں میں مسلسل وحید بھائی کی آواز آئے ہی جا رہی تھی۔

ان کی ذات کی ان گنت کمپلیکس تھے اور وہ خود ذات کے قیدی۔

...☆☆☆...

امی دِیا سے خفا تھیں۔

یہ بات بذات خود ایک اہم "خبر" تھی۔

گھر کی تاریخ میں پہلے کبھی ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

کسی بھی موقع، کسی بھی بات پر صحیح یا غلط، امی کے لیے ہمیشہ ہی دِیا کا ساتھ دینا لازم رہا تھا، مگر اب جب وہ اس سے ناراض تھیں تو سب ہی کے لیے بڑی حیران کن سی بات تھی۔

رنگین شیشوں والے کاریڈور کی ساری کھڑکیاں پوری کھلی ہوئی تھیں اور سردیوں کی نرم گرم سی دھوپ بھرے کمرے میں بیٹھی امی، گھر آئی رعنا کو بھی دِیا کی حماقت کا حال سنا رہی تھیں۔

"میں تو اس لڑکی کی عقل پر حیران ہوں۔ اگر یہ اندازہ ہوتا کہ یہ ان لوگوں کے گھر جا کر اس درجہ بدمزاجی کا مظاہرہ کرے گی تو میری کیا شامت نے دھکا دیا تھا کہ اسے وہاں ضرور ہی اپنے ساتھ لے کر جاتی۔"

تھی تو گھٹیا سی بات، مگر رعنا کو اس سارے قصے پر بڑے زور کی ہنسی آ رہی تھی، جسے وہ محض ان کے برا منا جانے کے خیال سے دبا رہی تھی۔

آج وہ سکول سے نازی کے ساتھ، ان کے گھر ہی چلی آئی تھی اور اب نینی کے لیے آنے والے رشتے کا وہ سارا قصہ پھر سے امی کی زبانی سن رہی تھی، جسے پہلے نازی سنا چکی تھی۔

"انسان کسی کے گھر جاتا ہے تو دل چاہے نہ چاہے خوش اخلاقی تو برتنا ہی پڑتی ہے۔ کچھ اپنی کہنی کچھ دوسرے کی سننی، مگر یہ لڑکی تو مجال ہے اگر ایک بار مسکرائی تک ہو، بات چیت تو در کنار۔"

رعنا کا دل چاہا کہ انہیں اتنا تو یاد دلا ہی دے کہ اس سے بھی زیادہ بدمزاجی کے مظاہرے، دِیا عام طور پر بھی ہمیشہ ہی سے کرتی چلی آ رہی ہے، جسے سب سے ڈیفینڈ کرنے والی بھی وہ خود ہی ہیں، مگر پھر بھی اس نے وہی کہا جو کہ رسماً کہا جا سکتا تھا۔

"کوئی بات نہیں آنٹی، اتنا فیل مت کریں۔ دِیا کی تو شروع سے ہی عادت ہے ذرا خاموش رہنے کی۔"

امی کے لہجے میں خفگی اور بھی بڑھنے لگی۔

"کیسے نہ فکر کروں، جس دن سے ہم لوگ ان کے گھر ہو کر آئے ہیں۔ وہ لوگ بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گئے ہیں، کہاں تو روز فون پر فون چلے آ رہے تھے اور اب دیکھ لو۔"

وہ روہانسی سی ہونے لگی تھیں تو رعنا کو واقعی سنجیدہ ہونا پڑا۔

"ہو سکتا ہے، وہ لوگ آپ کو سوچنے کے لیے تھوڑا سا ٹائم دے رہے ہوں۔ ابھی ہفتہ ہی تو ہوا ہے، ہو سکتا ہے ایک آدھ دن میں ان کے گھر سے کوئی نہ کوئی کانٹیکٹ ہو ہی جائے۔"

امی سوچ سوچ کر اتنے دن میں جتنا پریشان ہو چکی تھیں۔اس میں کوئی خوش آئند بات' ان پر اثر انداز نہیں ہو پا رہی تھی۔

" آج صبح تو بشارت صاحب بھی پوچھ رہے تھے کہ کیا بات ہے' تم لوگوں نے وہاں کچھ ایسی ویسی بات تو نہیں کر دی' جس پر وہ لوگ برا منا گئے ہوں۔"

رعنا کی نگاہ' ان کی بات سنتے سنتے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف بالکل اتفاقاً ہی اٹھی تھی' جو اسے وہاں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

جو کوئی بھی تھا۔وہ بالکل سامنے تو نہیں کھڑا تھا' مگر فرش پر پھیلا ہوا سایہ نمایاں تھا۔رعنا سے رہا نہ گیا۔

امی کی باتوں پر یوں ہی سر ہلا کر انہماک کا اظہار کرتے ہوئے وہ بیڈ سے اتر کر دروازے کی طرف چلی آئی۔

سائیڈ کی دیوار کے ساتھ نینی کھڑی تھی۔

رعنا کو اپنے سامنے پا کر وہ تھوڑا سا بوکھلائی تو' مگر پھر فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔

" میں چائے کا پوچھنے آ رہی تھی رعنا باجی' بنا لاؤں۔"

دوپہر کا کھانا کھایا جا چکا تھا اور اب چائے کا وقت ہو چلا تھا۔رعنا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بہت غور سے نینی کے چہرے کو دیکھا تو وہ فوراً ہی مڑ کر تیز قدموں سے کاریڈور کو پار کر گئی۔

" نینی کو اس طرح چھپ کر باتیں سننے کی کیا ضرورت ہے۔کیا اسے بھی گھر والوں کی طرح ان لوگوں کی طرف سے تشویش ہے' یا پھر...؟"

رعنا نے وہیں کھڑے کھڑے ذرا سا رک کر سوچنا چاہا' تب ہی اسے یاد آیا کہ نازی نے کئی دن پہلے ذکر کیا تھا کہ نینی اس رشتے کے بالکل بھی حق میں نہیں ہے' جسے اس نے یوں ہی بچگانہ سا رویہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

" کیا بات ہے رعنا' وہاں دروازے میں کیوں کھڑی ہو۔دھوپ میں بیٹھنے کو دل چاہ رہا ہو تو وہاں کرسی ڈال لو۔"

اندر سے امی اسے آواز دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں تو وہ واپس ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

جب تک نینی چائے بنا کر لائی' نازی بھی وہیں آ کر بیٹھ چکی تھی اور باتوں کا رخ بدل چکا تھا۔

" جاؤ نینی' دِیا کو بھی یہیں بلا لاؤ۔"

نازی نے چائے کی ٹرے اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا تو نینی ایک دم ہی ہنس پڑی۔

" امی سے اجازت لے لیں پہلے' ورنہ بے چاری دِیا باجی پر پھر سے برسنا شروع ہو جائیں گی۔"

امی الماری میں سے کچھ نکالنے کے لیے کھڑی تھیں' بے زاری سے بولیں" رہنے دو اسے اپنے کمرے میں ہی' بالکل ہی آدم بے زار ہو چکی ہے اور یہ سب میری ہی غلطی ہے۔شروع سے اس کے ناز نہ اٹھاتی تو آج وہ اتنی بد دماغ کیوں ہوتی۔"

نینی ایک بار پھر ہنسنے لگی۔

نازی کے گھورنے پر اس نے اپنی ہنسی پر تو قابو پا لیا مگر مسکراہٹ ابھی بھی گہری ہو رہی تھی۔

" امی' اب ختم بھی کریں اپنی ناراضگی' خوامخواہ کا وہم پال لیا ہے آپ نے بھی کہ دِیا کی وجہ سے وہ لوگ کچھ برا منا گئے ہیں۔بھلا اس نے ایسا کیا کر دیا تھا وہاں۔"

نازی نے بڑی نرمی سے انہیں کنوینس کرنا چاہا‘ تب ہی نینی سے نہ رہا گیا تو بے ساختہ ہی بیچ میں بول پڑی۔ ’’ اور میں تو ویسے بھی شکر ہی کر رہی ہوں کہ وہ لوگ ذرا خاموش تو ہوئے ہیں‘ ورنہ پچھلا پورا مہینہ۔‘‘

اپنی بات کہتے ہوئے‘ وہ ذرا سا رک کر رعنا کی طرف متوجہ ہوئی۔ ’’ بتا نہیں سکتی رعنا باجی‘ کتنی غضب کی گھبراہٹ طاری رہی ہے مجھ پر۔‘‘

اس کے لہجے میں ہی اطمینان نہیں تھا بلکہ وہ چہرے سے بھی بڑی خوش خوش سی دکھائی دے رہی تھی۔

رعنا اور نازی‘ دونوں ہی نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

نینی کا رویہ‘ دن بدن معنی خیز ہوتا جا رہا تھا اور ہر بار‘ اسے محض بچگانہ کہہ کر نہیں ٹالا جا سکتا تھا۔

’’ نازی۔‘‘

امی نینی پر بس ایک کڑی سی نگاہ ڈال کر نازی سے مخاطب ہوئیں۔ ’’ میرے خیال میں تو بیٹا تم‘ آج یا کل ان لوگوں کے گھر ذرا ایسے ہی ایک فون کر لو۔ خیریت پوچھنے کے بہانے‘ کچھ نہ کچھ تو اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی اب کیا مرضی ہے۔‘‘

نازی نے فوراً ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔ آج کل وہ اس سے جتنی محبت سے پیش آ رہی تھیں۔ اس کے آگے نازی کو کوئی پریشانی‘ کوئی فکر ٹکتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

نینی‘ دیا کو بلانے کے لیے کمرے سے نکل ہی رہی تھی کہ ان کی بات سن کر وہیں رک گئی۔

’’ کوئی ضرورت نہیں ہے نازی آپا کو فون کرنے کی کہیں بھی‘ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ کو ان میں ایسی کون سی خوبی دکھائی دے رہی ہے‘ جو اس طرح ....۔‘‘

اس کی پیشانی پر ہلکا سا بل پڑنے لگا تھا اور اپنی بات اس نے سامنے سے آتے بشارت صاحب کو دیکھ کر بیچ میں چھوڑی تھی۔

وہ ادھر امی کے کمرے کی طرف ہی آ رہے تھے‘ بے حد بشاشت سے رعنا کے سلام کا جواب دیتے ہوئے‘ انہوں نے فوراً ہی وہ خوش خبری بھی سنا دی‘ جس کے لیے امی آج کل دن رات دعا گو تھیں۔

’’ اس اتوار کو باقاعدہ بات پکی کرنے کے لیے آنا چاہ رہے ہیں نینی کے سسرال والے‘ میرے پاس کالج میں فون آ گیا تھا ان کے والد کا اور میرا خیال ہے زیادہ سے زیادہ دو مہینے بعد کی تاریخ رکھیں گے وہ لوگ۔‘‘

ان کی آواز میں بے پایاں خوشی تھی۔ خود سے محض دو قدم پیچھے کھڑی نینی کے زرد پڑتے ہوئے چہرے سے قطعی بے خبر‘ وہ بڑی خوشی خوشی امی کو ان لوگوں کی اس ہفتے کی مصروفیت کا حال سنا رہے تھے۔

’’ اسلام آباد سے کچھ عزیز آ گئے تھے‘ ان کے گھر ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ بے چارے بڑی معذرت کر رہے تھے۔ حالانکہ آج کل کے لوگوں میں اتنی کرٹسی کہاں پائی جاتی ہے۔‘‘

امی دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں۔ معلوم نہیں‘ وہ کس درجہ ذہنی دباؤ میں رہی تھیں اور بلکہ ایک عرصے سے ہی وہ کسی نہ کسی کشمکش میں مبتلا رہی تھیں۔

پہلے دیا کی پریشانی‘ جو ابھی تک حل طلب تھی اور اب اچانک ہی نینی کے لیے آنے والے اتنے اچھے رشتے‘ میں شش و پنج کی کیفیت۔

’’ مجھے بتا دینا کیا کیا انتظام کرنا ہے اور رعنا بیٹی‘ بھئی اتوار کو تم بھی ادھر ہی آ جانا ضرور۔‘‘ بشارت صاحب نے بڑی محبت سے رعنا کو بھی مدعو کیا تو امی بھی بڑے پر زور انداز میں اصرار کرنے لگیں۔

" اور اس طرح ایک ساتھ خوشی خوشی کوئی بات کرتے ہوئے وہ دونوں کتنے پیار' کتنے مکمل سے لگتے ہیں۔''

نازی نے محبت سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا' نینی کا رشتہ' گھر کے لیے شاید بہت ہی مبارک ثابت ہونا تھا۔''

اس نے دروازے کی طرف دیکھا' جہاں نینی کھڑی تھی' مگر اب وہ وہاں نہیں تھی۔

ٹرے میں رکھی ہوئی اس کی چائے کی پیالی میں پڑی چائے' ٹھنڈی ہوتی رہی' مگر اس نے پھر آکر کمرے میں جھانکا بھی نہیں۔

بشارت صاحب بھی کمرے سے جا چکے تھے اور امی اب مستقل ہی مسکرائے جا رہی تھیں۔

اس بے حد ریلیکسڈ ماحول میں نازی کی نگاہ بار بار ہی نینی کی ٹھنڈی' بدمزہ ہوتی چائے کی پیالی کی طرف اٹھتی رہی۔

" معلوم نہیں کیا بھید تھا کہ گھر میں ہمیشہ ہی کسی کی بھی خوشی' دوسرے کی ناخوشی سے مشروط چلی آرہی تھی۔ پہلے دِیا خوش تھی تو ابا کو مسعود ناپسند تھا اور اب امی اور ابا خوش تھے تو نینی؟''

ایک بڑا سا سوالیہ نشان مستقل ہی نازی کے سامنے ٹھہرا رہا' وہ امی کی خوشی میں بہت دل سے خوش ہونا چاہتی تھی' مگر اسے لگا جیسے ہر بار ہی مسکرانے میں اسے دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

رعنا تھوڑی دیر بیٹھ کر' اپنے گھر جا چکی تھی۔ امی کے سامنے اس سے کوئی بات کرنے کا موقع مل ہی نہیں سکا' مگر اگلے دن سکول میں جب تھوڑی سی فرصت ملی تو خود رعنا نے ہی سب سے پہلے نکتہ اعتراض اٹھایا۔

" نینی بالکل بھی خوش نہیں ہے اور اس طرح بے کار کی زبردستی کرنے کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہو گا۔''

بڑے حتمی سے لہجے میں اس نے جب یہ بات کہی تو فوری طور پر نازی سے کوئی جواب بھی نہیں بن پڑا۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں' جن کے بارے میں انسان خود بھی بہت پر یقین ہوتا ہے۔ پھر بھی اندر کہیں یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا ان کی نفی کرے۔ اسے محض وہم قرار دے' نازی کو بھی شاید کوئی ایسی ہی تسلی درکار تھی۔

''جب میں نے تمہیں پہلے یہ بات بتائی تھی' تب تو تم نے کہا تھا کہ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ سب ہی لڑکیاں اس عمر میں...۔''

نازی نے مدہم سی آواز میں رعنا کو اس کی کہی ہوئی بات ہی یاد دلانا چاہی۔

" ہاں میں نے یہی کہا تھا۔ مگر تب تک میں نے خود اپنی آنکھوں سے نینی کے ردعمل کو نہیں دیکھا تھا۔ میں واقعی یہی سمجھ رہی تھی کہ نینی کو اپنی پڑھائی کے بیچ میں چھوٹنے کا رنج ہے اور پڑھنے میں تو واقعی وہ ہمیشہ ہی بہت اچھی رہی ہے۔''

بناء کچھ کہے نازی نے اثبات میں سر ہلایا۔

" مگر کل تمہارے گھر جا کر ہی اصل میں تو اندازہ ہوا ہے کہ بات صرف اتنی نہیں ہے۔ یقین کرنا' رات مجھے نینی کے خیال سے نیند بھی بہت دیر میں آئی۔''

رعنا کے لہجے میں اب تشویش کا رنگ نمایاں ہو رہا تھا اور اس جیسی مخلص دوست سے یہی توقع کی جا سکتی تھی۔

" کیا بات ہو سکتی ہے پھر' اسے کم از کم بتانا تو چاہیے نا۔'' امید کا کوئی روشن سرا' اس نے تھامے رکھنا چاہا۔ اسٹاف روم میں بیٹھی ایک دو ٹیچرز نے اپنی باتیں کرتے کرتے' مڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھا اور شاید ان دونوں کے مدھم لب و لہجے پر ہی ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا تھا۔ رعنا کی سمجھ میں جو بات آرہی تھی' اسے کہنا بھی چاہیے یا نہیں۔ اسے اسی بات کا فیصلہ کرنے میں چند پل لگے۔

نازی مستقل ہی اس کی طرف بڑی امید بھری نگاہوں سے دیکھے جارہی تھی۔

" دیکھو نازی' میری بات کا برا نہ ماننا" ایک حتمی نتیجے پر پہنچتے ہوئے وہ سامنے رکھی میز پر کہنیاں ٹکاتے ہوئے تھوڑا سا اس کی طرف جھک آئی۔

" مجھے سو فیصد یقین ہو رہا ہے کہ نینی کہیں اور انٹرسٹڈ ہے۔اس کے علاوہ اور کوئی بھی وجہ نہیں ہو سکتی ہے' اس کی ناخوشی کی۔"

نازی نے دفعتاً ہی خود کو بہت کمزور سا پڑتا ہوا محسوس کیا۔

" وہ تو ابھی بہت چھوٹی ہے رعنا اور اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو اسے گھر والوں کے علم میں لانی چاہیے تھی۔اگر وہ لڑکا اچھا ہو گا تو گھر میں کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرے گا۔"

اپنی ہی زبان سے ادا ہونے والے سارے الفاظ اسے خود بالکل کھوکھلے سے لگے۔

" اس کی بس ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے' وہ لڑکا جہاں تک میرا خیال ہے' نینی کا ہم عمر ہی ہو گا' یا زیادہ سے زیادہ دو چار سال بڑا تو ظاہر ہے کہ ابھی پوری طرح سے اپنی تعلیم بھی مکمل نہیں کر پایا ہو گا۔نینی صرف اسی لیے اسے انکل کے سامنے لانے کی ہمت نہیں کر پا رہی ہے۔جانتی ہے کہ وہ اسے کبھی بھی قبول نہیں کریں گے۔"

بہت سمجھانے کے سے انداز میں رعنا نے اپنی بات پوری کی' نازی کو لگا وہ بالکل ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔بشارت صاحب کے نزدیک کسی بھی شخص کی اچھائی کا معیار' صرف اور صرف تعلیم ہی تھی۔

صحیح یا غلط' یہ ان کا اپنا نظریہ تھا' جس میں ردوبدل کے لیے وہ کبھی بھی تیار نہیں ہو سکتے تھے۔

مسعود سے ان کی خفگی کی بڑی وجہ بھی' اس کی تعلیم ادھوری چھوڑ دینا ہی تھا۔حالانکہ وہ اسماء پھوپھو جیسی عزیز ترین بہن کا بیٹا بھی تھا۔"

چند لمحوں میں یہ نازی کو یکے بعد دیگرے' کئی خیال آ کر رہ گئے۔

" ہمارا پیریڈ شروع ہونے میں بس پانچ منٹ ہی رہ گئے ہیں" رعنا نے سامنے پڑی کاپیاں سمیٹتے ہوئے یاد دلایا تو نازی بھی ایک گہری سانس لیتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

اصل میں تو اس وقت رعنا کے سامنے بڑی شرمندگی سی محسوس ہو رہی تھی۔

" کیا سوچتی ہو گی نینی کے بارے میں' اتنی سی لڑکی اور کس مزے سے گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر افیئر چلا کر بیٹھی ہوئی ہے۔"

شاید یہ بات رعنا سے ڈسکس کرنے کے لیے تھی ہی نہیں۔

اتنے سالوں کی دوستی میں نازی کو پہلی بار لگا کہ کچھ باتیں' عزیز ترین دوستوں سے بھی چھپانے کے لیے ہوتی ہیں۔"

" میرا تو خیال ہے کہ ہمیں نینی کو اعتماد میں لے کر اس لڑکے سے ایک بار خود مل لینا چاہیے۔ان لوگوں کے آنے سے پہلے کوئی راہ تو نکالنی ہی ہو گی۔"

نازی کی سوچ سے بے خبر رعنا بڑی سادگی سے ایک معقول سا حل پیش کر رہی تھی' مگر اس نے بے زاری سے نفی میں سر ہلا دیا۔

" اباجو کچھ کر رہے ہیں' ٹھیک ہی ہے۔ تم بھی ان لوگوں کو دیکھو گی تو ان کی چوائس پر داد دو گی۔ نینی کو اگر ہم لوگوں کی طرف سے شہ مل گئی تو بات مزید بگڑ جائے گی۔"

پرس اٹھاتے ہوئے اس نے باہر کا رخ کرتے ہوئے اپنی بات پوری کی۔

اصل میں تو اسے پورا یقین ہو چلا تھا کہ نینی کی کم عمری سے کوئی سمجھداری کی توقع کرنا ہی بہت ہے۔

...☆☆☆...

گاڑی موڑتے ہی انہیں گیٹ پر ہونے والی چہل پہل دکھائی دے گئی تھی۔

چند ایک گاڑیاں پہلے ہی سے پارک تھیں اور اس وقت بھی ایک رکشہ سے دو خواتین اتر کر اندر جا رہی تھیں۔

سجاد نے گاڑی دانستہ آہستہ کر لی۔

" اس وقت اندر کون کون ہو سکتا تھا۔"

ذہن پر ذرا سا زور ڈالتے ہوئے انہوں نے ایک محتاط سا اندازہ لگانا چاہا' مگر ناکامی ہوئی' برادری جتنی بڑی تھی' اتنی ہی آنے جانے کی شوقین بھی' چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی سب ہی ایک دوسرے کے گھر آنا خود پر فرض کیے رکھتے تھے۔ یہ تو پھر ایک ٹھیک ٹھاک قسم کا موقع تھا۔

جس وقت تک وہ گیٹ تک گاڑی لائے' آنے والی خواتین اندر تشریف لے جا چکی تھیں۔

گارڈ نے پھرتی سے گیٹ کھولا تو وہ معمول کی سی تیزی کے ساتھ گاڑی کو پورچ تک نہ لے جا سکے۔

چار چھ بچے ڈرائیو وے پر ہی کھیل رہے تھے۔ گارڈ اور ایک دو دوسرے ملازم انہیں وہاں سے ہٹانے لگے' تب ہی سجاد نے ایک سرسری سی نگاہ لان کی طرف بھی ڈال لی۔

" اللہ اکبر۔"

زیر لب بڑبڑاتے ہوئے' وہ خود ہی ہنس پڑے۔ اس سے دوگنی تعداد' لان میں مشغول تھی۔

بلا تکان ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے' درختوں کے گرد گول گول چکر لگاتے ہوئے۔

لان میں ایک طرف بابا نے سہیل بھائی کے بچوں کو جھولا اور سلائیڈ لگوا کر دی تھی' سو وہ بھی خالی نہیں تھی۔

گھر کے اندر کے سین کا اندازہ' اب کچھ کچھ لگایا جا سکتا تھا۔

سجاد گاڑی کھڑی کر کے باہر نکلے تو مالی شکایت لیے منتظر کھڑا تھا۔

" صاحب' بچے بالکل بھی نہیں سن رہے ہیں۔ مستقل پھول توڑ رہے ہیں اور گھاس بھی ساری خراب ہوتی جا رہی ہے۔"

چلو کوئی بات نہیں' ابھی تھوڑی دیر کے لیے آئے ہیں' چلے ہی جائیں گے۔" اسے تسلی دیتے ہوئے وہ داخلی دروازے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے' مگر مالی پھر بھی پیچھے پیچھے ہی آیا۔

" مگر سجاد صاحب' بابا تو مجھ پر ہی خفا ہوں گے کہ کیوں نہیں دھیان کیا۔ ذمہ داری تو میری ہی ہے نا۔"

سب ہی کو پتہ تھا کہ بابا' فجر کی نماز کے بعد' لان کا ایک لازمی چکر لگاتے ہیں اور وہاں ہونے والی ہر کمی بیشی ان کے نوٹس میں رہتی ہے۔ مالی بے چارے کی تشویش بھی جائز تھی۔

"میں کہہ دوں گا بابا سے' تم فکر مت کرو اور دیکھو ادھر لان کی طرف ہی رہو' بچے کھیل رہے ہیں کہیں خود کو کوئی چوٹ نہ لگا بیٹھیں۔"

وہ اسے تسلی دیتے ہوئے خود کچھ سوچ کر مین دروازے کے بجائے' بابا کی اسٹڈی کی طرف کھلنے والے' چھوٹے دروازے کی طرف مڑ گئے۔

اسٹڈی سے ملحقہ' ایک چھوٹا لیونگ روم بابا کے زیر استعمال رہتا تھا۔ توقع کے عین مطابق اس وقت وہاں بھی' بابا کے پاس لوگ آئے بیٹھے تھے۔

دروازہ کھلا ہوا تھا اور اب سامنے سے بے نیاز بن کر گزر جانا بھی' سخت بد اخلاقی کی بات تھی۔ سجاد کو بھی وہاں' ایک چھوٹی سی حاضری لگانا ہی پڑی۔

دور' قریب کے تعلق میں بندھی رشتے داریاں' کچھ کو تو وہ پہچانتے تھے اور کچھ کو نہیں بھی۔

مگر وہ سب لوگ جو یہاں آئے بیٹھے تھے۔ وہ ضرور انہیں اچھی طرح جانتے تھے۔ یہ ان کے پر تپاک اور محبت بھرے انداز سے صاف صاف جھلک رہا تھا۔

بابا کا برادری میں خاص مقام تھا۔

وہ جس خلوص سے یہاں کی ریت' رسموں سے جڑے ہوئے تھے اور عائد ہر پابندی کی پاسداری کرتے آرہے تھے۔ وہ سب کے لیے اب تک مثال کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

شاید ان کی بڑائی کے اعتراف کے طور پر ہی اب سب ہی' اپنے اپنے اہم کاموں میں ان سے مشورہ لینے کو اپنے لیے سعادت سمجھنے لگے تھے۔

اس موقع کو بھی غنیمت جان کر' چند اہم مسائل زیر بحث آچکے تھے اور کمرے میں موجود سب ہی لوگ دوبارہ اسی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

سجاد کو چند منٹ میں ہی اندازہ ہونے لگا تھا کہ ایک وہی ہیں' جنہیں اس سارے معاملے کی ایک فیصد بھی' سمجھ میں نہیں آسکی ہے اور ان کی یہاں کوئی ایسی ضرورت بھی نہیں ہے۔ خود بابا بھی ان کی کیفیت کو بھانپ رہے تھے۔

"جاؤ سجاد' تم جا کر کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے فریش ہو جاؤ۔"

انہوں نے کہا تو فوراً ہی سب ان کی تائید کرنے لگے۔

"ہاں' ہاں بالکل' صبح کے گھر سے نکلے ہوئے ہو' تھوڑا سا آرام بھی کر لو۔"

ان سب کی محبت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

عموماً لوگوں کی اکثریت اچھی ہی ہوتی ہے۔ سارا مسئلہ عدیم الفرصتی کا ہے۔ روزانہ کی ایک جیسی بھاگ دوڑ میں ہلکان ہوتے ہوئے ہمیں اتنا وقت ہی نہیں مل پاتا کہ ہم ایسے لوگوں کو بھی تھوڑی توجہ دے پائیں' جو ہمیشہ ہمارے منتظر رہتے ہیں۔

وقت تیزی سے بھاگتا ہے۔

اور انجام کار ایک نہ ختم ہونے والا گلٹ' دل کے کسی پوشیدہ سے کونے میں ہمیشہ کے لیے براجمان ہو جاتا ہے۔

لاؤنج کی سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے سجاد کی نگاہ' بلقیس بھابی کے کمرے کمرے کی طرف اٹھ گئی۔ ساری مہمان خواتین وہیں جمع تھیں۔

اس ساری رونق میلے کی روح رواں تھیں بھی بلقیس بھابی۔

پورے تین دن ہسپتال میں گزار کر وہ بالکل ہی بخیر وعافیت گھر واپس آئی تھیں اور تین دن ہسپتال میں عیادت کے لیے آنے والوں کے رش کے بعد' گھر پر بھی ان کو پوچھنے کے لیے آنے والوں

میں کوئی کمی نہیں آ رہی تھی۔

وہ یقیناً خاندان کی مقبول ترین خاتون تھیں اور اس بیماری میں بھی اپنے کمرے میں بیٹھی بیٹھی وہ جس طرح ساری مہمانداری کو سپروائز کر رہی تھی۔ اس کا اندازہ اندر سے آتی ہوئی ان کی آواز سے ہو رہا تھا۔

" انعم۔"

سجاد نے سیڑھیوں پر رکتے ہوئے' کچن کی طرف سے آتی ہوئی انعم کو آواز دی۔

اسنیکس سے بھری ٹرالی' ایک طرف کھڑی کر کے وہ ان کے قریب چلی آئی۔

" بھابی نے دن میں کچھ ریسٹ بھی کیا ہے' یا صبح سے یہی کچھ ہو رہا ہے۔"

" بارہ' ایک بجے سے تو مستقل ہی کوئی نہ کوئی آ ہی رہا ہے' سجاد چچا اور ابھی بھی دیکھ لیں۔"

وہ بڑی تھکی تھکی سی اور بیزار سی محسوس ہو رہی تھی۔

" ابھی تھوڑی دیر پہلے ڈاکٹر صاحب بھی آئے تھے۔"

" خفا ہو رہے تھے کہ آپ لوگوں نے مریض کے کمرے میں انتارش لگا رکھا ہے۔ اس سے تو اچھا تھا کہ انہیں ہسپتال میں ہی کچھ دن روک لیا جاتا۔"

" بات تو صحیح ہے۔"

سجاد نے پرسوچ سی نگاہ بلقیس بھابی کے کمرے کی طرف ڈالی۔" اگر یہی عالم رہا تو' شاید ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ ریسٹ کی ضرورت تو انہیں ابھی بہر حال کئی دن تک ہے۔"

" ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ آپ لوگ شکر کریں کہ اتنے ہائی بلڈ پریشر کے بعد بھی' امی کو کسی بڑے کمپلیکیشن کا سامنا نہیں کرنا پڑا' ورنہ تو برین ہیمرج تک ۔۔۔"

اپنی بات بیچ میں ہی ادھوری چھوڑ کر' وہ یکایک بڑی خوفزدہ سی دکھائی دینے لگی۔ سجاد بے اختیار ہی چند اسٹیپ نیچے اتر آئے۔

" ایسے نہیں سوچتے بیٹا' اللہ بہتری کرے گا اور پھر ہم لوگ ہیں نا' تم کیوں فکر کر رہی ہو۔"

انعم کے سر کو اپنے شانے سے لگاتے ہوئے انہوں نے محبت سے تسلی دی تو اس کی آنکھوں میں باقاعدہ آنسو آنے لگے۔

" مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' سجاد چچا۔"

وہ چھوٹی تھی اور اب تک بڑی بے فکری کی زندگی گزارتی آ رہی تھی۔ سجاد بڑی محبت سے اسے تسلی دیتے رہے۔

" ویسے ایک بات اچھی بھی ہے کہ اتنے لوگوں کے آنے سے بلقیس بھابی پر بڑا خوشگوار اثر پڑا ہے۔ کئی دن بعد میں نے تو انہیں اتنا بولتے ہوئے سنا ہے۔"

" ہاں' شاید۔"

انعم ہنسنے لگی۔" امی خاموش بھی تو بہت ہو گئی تھیں' ایک دم ہی' آج تو ماشاءاللہ بہت بہتر ہیں۔"

"چلو، بس پھر اسی خوشی میں، میرے لیے اچھی سی چائے اوپر بھجوادو۔" وہ دوبارہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ "اور یہ فیضی کہاں ہے، اس کو میرے پاس بھیجنا۔"

"بھائی تو صبح سے نہیں ہیں گھر پر، آ گئے تو میں آپ کے پاس بھیج دوں گی۔"

"اچھا۔"

وہ تھوڑے سے ٹھٹکے، مگر پھر تیزی سے سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اوپری منزل میں چلے گئے۔

اندر بلقیس بھابی کے پاس آئی مہمان خواتین میں سے ایک کو شاید لائونج میں کھڑے سجاد کی جھلک دکھائی دے گئی تھی۔ تب ہی وہ بڑے اشتیاق سے پوچھ رہی تھیں۔

"سجاد کی شادی کیا کیا ارادہ ہے تم لوگوں کا، اچھی سے اچھی لڑکیاں برادری میں ہیں، تم کہو تو کسی دن چل کر دکھا لائوں۔"

"لڑکیاں تو ساری دیکھی ہوئی ہیں، اصل مسئلہ تو سجاد کا ہے۔ وہ راضی تو ہو پہلے۔"

بلقیس بھابی کے لہجے میں جو اکتاہٹ تھی۔ وہ تجویز پیش کرنے والی خاتون نے بھی محسوس کر لی تھی۔ تھوڑا سا برا مان کر بولیں۔

"کرنے والے تو تم لوگ ہو۔ تمہارے میاں سسر، اگر سب لوگ مل کر سجاد پر زور دو گے تو ظاہر ہے اسے ماننا ہی پڑے گا۔ ساری برادری میں اس سے زیادہ قابل لڑکا نظر نہیں آتا۔ اس کی شادی میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟"

اپنے حساب سے وہ بھی ٹھیک ہی کہہ رہی تھی، مگر سجاد کی شادی، ہونا یا نا ہونا، کبھی بھی بلقیس بھابی کا مسئلہ نہیں رہا تھا، بلکہ اندر ہی اندر تو وہ ہمیشہ ہی اس ان دیکھی لڑکی سے بھی خائف ہی رہی تھیں جسے سجاد کی زندگی میں آنا ہی تھا۔

"سجاد کو چھوڑیں، آپ فیضی کے لیے کوئی اچھا رشتہ بتائیں۔ مجھے بہت جلدی ہے اس کی شادی کی۔"

وہ بڑی بے نیازی سے اپنے اسی اکلوتے مسئلے کی طرف آئیں، جو بہت دن سے ان کی زندگی اجیرن کیے ہوئے تھا اور اسی کی ٹینشن انہیں ہسپتال تک پہنچانے کا بھی سبب بنی تھی۔

چند اور خواتین نے ان کی بات سن کر نگاہوں ہی نگاہوں میں کچھ تبادلہ خیال کیا۔

"فیضی تو ابھی چھوٹا ہے۔ میرے تو خیال میں اس کی تعلیم ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ پہلے اپنے پیروں پر تو کھڑا ہونے دو۔"

ان خاتون کی ساری دلچسپی جیسے ختم سی ہونے لگی۔ فیضی کی دس خامیوں کے باوجود بھی، بلقیس بھابی کو کسی اور کا اسے نظر انداز کرنا، ہمیشہ ہی برا لگتا تھا۔ سو اس وقت بھی لگا۔

"فیضی کو خدانخواستہ کون سا، کسی کی نوکری کرنی ہے، جو اس کی تعلیم پوری ہونے کا انتظار کیا جائے۔ ماشاءاللہ باپ اور دادا کا اتنا بڑا بزنس ہے۔ وہی سنبھالے گا آخر۔ اور پھر ہماری برادری میں تو اس سے بھی کم عمر میں شادیاں ہوئی ہیں۔"

اپنے سے کم اسٹیٹس کے لوگوں سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ ہی ایک رعونت کا احساس، ان کے لہجے میں نمایاں ہونے لگتا تھا۔ خواہ وہ رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔

سامنے بیٹھا ہوا انسان خود بخود ہی اپنے اندر شرمندگی سی محسوس کرنے لگتا۔ وہ بے چاری بھی کچھ کھسیاسی گئیں۔

" پہلے زمانے اور تھے، بلقیس' اب تو سب ہی بچے بچیاں پڑھ رہے ہیں۔ اس کے بعد ہی شادی بیاہ کا نمبر آتا ہے۔ خیر تم کہہ رہی ہو تو دیکھوں گی۔"

اس بار بلقیس بھابی نے ان کی بات کا جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا' سر جھٹک کر دوسری طرف متوجہ ہو گئیں۔

بہت سالوں پہلے' جب وہ اس امیر کبیر گھرانے کی بہو بنی تھیں۔ ایک احساس برتری تب ہی سے ان کے ساتھ تھا اور انہیں اس بات کی بھرپور توقع ہمیشہ ہی رہتی تھی کہ لوگ ان کی برتری کو مانیں بھی اور سراہیں بھی۔

ساری برادری میں کون تھا' جسے وہ بڑھ چڑھ کر دینا دلانا نہ کر چکی تھیں۔ خوشی غمی کے علاوہ بھی ان کا گھرانہ سخاوت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا' جس کا اور کوئی چاہے اشارۃً بھی ذکر کرنا پسند نہ کرتا ہو' مگر وہ نہ خود بھولتی تھیں اور نہ دوسروں کو بھولنے کی اجازت دیتی تھیں۔

مگر یہ دنیا ہے۔

جہاں کا چلن کچھ اور ہی ہے۔ ظاہر اگو کوئی کتنی بھی جی حضوری کر لیتا۔ پیچھے ہر ایک کی زبان پر وہی ہوتا' جو اس کا دل کہتا تھا۔

رہائشی حصے سے گیٹ کی طرف جاتی' ان ساری مہمان خواتین کے پاس بھی بلقیس بھابی اور ان کا روّیہ نئے عنوان کے ساتھ زیر بحث تھا۔

" بہت چالاک عورت ہے بلقیس' قسمت سے شریف اور دولت مند گھر مل گیا تو پاؤں زمین پر نہیں ہیں۔ اپنا وقت بھول گئی ہے۔ جب ٹین کی چھت والا کمرہ...

"دس' بیس سال پہلے' کون کیا تھا۔"

یہ ویسے بھی سب کا محبوب ترین موضوع تھا۔

شاید اسی ذریعے سے اپنی ناکامیوں پر کچھ تسلی سی حاصل ہو جاتی تھی۔

" یہی دیکھ لو کہ سجاد بے چارے کی شادی کا ذکر تک سننا گوارا نہیں ہے اور اپنے بیٹے کے لیے کس قدر جلدی ہے۔ وہ خاتون جن کی بات رد ہوئی تھی۔ سب سے زیادہ خفا تھیں۔" صاف لگتا ہے کہ سجاد کی جائیداد اور آمدنی سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہے۔ فیضی تو کسی قابل ہوتا دکھائی نہیں دیتا ہے۔ بالکل ہاتھ سے نکل چکا ہے۔

" ابھی پرسوں ہی میرا بیٹا بتا رہا تھا کہ....."

یہاں گھر میں ابھی تک کسی کو خبر تک نہ تھی کہ فیضی کی شہرت سارے خاندان میں کتنی زیادہ بگڑ چکی ہے۔

بے بہا پیسہ اور گھر کی طرف سے ملی ہوئی آزادی' پیٹھ پیچھے' اس کے متعلق سچی جھوٹی خبریں اڑتی رہتی تھیں۔

ایک ایک کر کے سب ہی لوگ چلے گئے تو گھر میں خاموشی سی چھا گئی۔

سجاد تیار ہو کر نیچے آئے تو گھر کا ماحول' معمول پر آ چکا تھا۔ تیز روشنیوں میں نہائے' ٹی وی لاؤنج میں انعم اور سہیل بھائی کے دونوں بچے بیٹھے ہوئے ٹی وی دیکھ رہے تھے اور سہیل کی بیوی ثمینہ غالباً

اس وقت بھی کچن میں ملازموں کے سر پر کھڑی تھی۔

بلقیس بھابی کی بیماری میں' وہ غریب اپنی ایفی شینسی ثابت کرنے میں پوری طرح جتی ہوئی تھی۔

باہر جانے سے پہلے' کھڑے کھڑے بلقیس بھابی کا حال پوچھ لینے کے لیے ان کے کمرے کی طرف جانے لگے تو انعم نے بتایا کہ بابا نے کہا ہے کہ باہر جانے سے پہلے ان سے مل کر جائیں۔

سجاد کی نگاہ بے ساختہ ہی اپنی رسٹ واچ پر جا رکی۔

رات کے نو بجنے کو تھے۔

بلقیس بھابی کی مزاج پرسی کو فی الوقت ملتوی کر دینا ہی بہتر تھا۔

بابا' اپنے کمرے میں اب اکیلے تھے۔اپنے نرم گرم سے بلینکٹ کو سینے تک کھینچے' نیم دراز کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔

" کہیں جا رہے ہو۔"

" جی بابا۔" وہ ان کے قریب ہی بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔" آفس کے ایک صاحب اب کینیڈا شفٹ ہو رہے ہیں' ان ہی کو الوداعی ڈنر دیا ہے' آج اسٹاف نے۔"

" اچھا جاؤ پھر تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" وہ جیسے تھوڑے مایوس سے ہوئے۔

" نہیں آپ کہیں نا' مجھے کیوں بلایا تھا۔ابھی تو کافی وقت ہے۔لوگ دس ساڑھے دس سے پہلے تو اکٹھے بھی نہیں ہوتے ہیں' بلکہ اس سے بھی زیادہ وقت لیتے ہیں۔"

سجاد کو تھوڑی سی شرمندگی بھی تھی۔

کئی دن ہوئے' آفس کی اور ذاتی بھی' دونوں ہی مصروفیت بڑھی ہوئی تھیں۔ بابا کے پاس ٹک کر بیٹھنا ہو ہی نہیں رہا تھا۔

" چاروں اولاد میں تم اور فرحت ہو' جو میرے بہت زیادہ قریب ہو۔تم لوگوں کو زیادہ دن نہیں دیکھتا تو بے چین ہونے لگتا ہوں۔" بابا شفقت سے مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

" فرحت بے چاری تو اپنی پریشانیوں میں گھری ہو کر بھی دن بھر میں جب بھی موقع ملے' میری خیر خبر لیتی رہتی ہے۔ ابھی بھی اسی سے بات کر رہا تھا۔تھوڑی دیر پہلے۔"

سجاد تھوڑا سا سنبھل کر انہیں دیکھنے لگے' حالانکہ فرحت آپا سے پچھلے دنوں بار بار ملاقات ہوتی رہی تھی۔جب وہ بھابی کو دیکھنے ہسپتال آ رہی تھیں' لیکن' پھر بھی۔"

پہلا خیال یہی آیا کہ' ضرور وحید بھائی کی ہی کوئی بات کرنے کے لیے' اس وقت بابا نے انہیں روکا ہے۔ذرا سا توقف کرنے کے بعد' سجاد نے ان سے یہی بات پوچھ بھی لی۔

" نہیں' فرحت کی طرف تو سب خیریت ہی ہے اور ویسے بھی وہ بے چاری چھوٹی موٹی باتیں تو ہم تک پہنچاتی بھی نہیں ہے۔جب بالکل ہی پانی سر سے اونچا ہونے لگتا ہے تب ہی مجبوراً کچھ کہتی ہے۔"

ایک لمبی سی سانس کھینچ کر انہوں نے بات پوری کی' لیکن نہیں۔

کچھ اور بھی تھا' جس کے بارے میں وہ اس وقت سجاد سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔

" بلقیس اور وقار کے درمیان' کیا کوئی بڑا جھگڑا ہوا ہے سجاد۔"

" جی۔" سجاد نے تھوڑا سا گڑبڑا کر ان کی طرف دیکھا' " معلوم نہیں بابا' میرے سامنے تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔"

" ہوں۔" میں نے ثمینہ سے بھی پوچھا تھا۔اسے بھی کوئی آئیڈیا نہیں ہے۔پھر آخر کوئی تو وجہ ہو گی' جو بلقیس کی اتنی زیادہ طبیعت خراب ہوئی کہ اسے ہاسپٹلائز کرنا پڑا۔ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ وہ بہت زیادہ ٹینشن میں تھی۔"

بابا بہت متفکر تھے۔

" آپ وقار بھائی سے پوچھیں' اگر ان لوگوں کے درمیان کوئی بات ہوئی ہے تو صرف وہی بتا سکتے ہیں۔"

مگر بابا کو وقار بھائی سے بھی کوئی خاص توقع نہیں تھی۔" وقار تو کوئی بات ہو گی بھی تو کبھی نہیں بتائے گا۔ہمیشہ سے ہی نالاں رہتا ہے بیوی سے' دونوں میاں بیوی کی طبیعت میں زمین آسمان کا پہلے ہی فرق ہے اور آج تک دونوں میں سے کسی نے بھی اسے کم کرنے کی کوشش کی بھی نہیں ہے' سمجھ میں نہیں آتا میری اولاد' اپنی اپنی زندگیوں میں بخوشی سیٹ کیوں نہیں ہو پائی ہے۔"

بابا کو اپنے گھرانے کی تمام تر ترقی اور خوشحالی کے باوجود' یہ ایک دکھ ہمیشہ ہی ستاتا رہا تھا۔

سجاد کے سامنے کتنی ہی بار انہوں نے اس کا پہلے بھی اظہار کیا تھا اور ہمیشہ ہی وہ انہیں اس سلسلے میں تسلی دیا کرتے تھے۔
اس وقت تسلی کے ساتھ ایک تلخ حقیقت بھی بے ساختہ ہی زبان سے ادا

ہو گئی۔

" آپ زیادہ فکر مت کریں۔ہائی بلڈ پریشر تو بے حد کامن ہوتا جا رہا ہے اور بلقیس بھابی کا تو ویٹ بھی کافی عرصے سے بڑھ رہا ہے۔کھانے پینے کی احتیاط کرنا اب بہت ضروری ہے ان کے لیے۔"

اپنی بات کہتے ہوئے وہ ذرا رکے" اور بابا' جہاں تک یہ دوسرے سارے مسئلے ہیں' یہ تو شروع سے نظر آتے تھے۔ بے جوڑ شادیاں' کسی کو خوشی دے سکتی ہیں؟چاہے وہ وقار بھائی ہوں یا فرحت آپا' مگر ہمارے ہاں جیتے جاگتے انسانوں سے زیادہ اہم فرسودہ رسم و رواج ہیں۔"

" ٹھیک کہتے ہو' مگر یہاں آکر ہم سب ہی مجبور ہو جاتے ہیں۔کچھ باتیں اپنے بس سے باہر ہوتی ہیں۔انہیں قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرنا پڑتا ہے سجاد' برادری میں یہ عزت' یہ نام ایسے ہی نہیں بنا ہے۔اس کا بہت بھاری تاوان ادا کیا ہے میں نے۔"

سجاد سر جھکائے بیٹھے رہے اور جب بابا نے اپنی بات پوری کی تو ہلکے سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

" اور اپنے دل کی خوشی' اسے آخر ہم نے زندگی میں سب سے کم اہم درجہ پر کیوں رکھا ہے بابا' نام' عزت' پیسہ کماتے ہوئے ہم خود کو کیوں بھولتے چلے گئے۔۔۔"

تب ہی ان کے فون کی بیپ ہونے لگی۔

کسی کولیگ کا فون تھا اور غالباً کھانے پر پہنچنے کی بابت ہی پوچھا جا رہا تھا۔

جتنی دیر انہوں نے فون پر بات ختم کی۔

بابا' بڑی پرسوچ سی نگاہوں سے سجاد کو دیکھے گئے۔

ایک بہت اچھے کیریئر کے ساتھ خوش شکل ہی نہیں' فطرتاً بھی اچھائی میں' وہ کمال درجے پر محسوس ہوتے تھے۔

پر خلوص، بے غرض، ہر کسی کے کام آنے کے لیے تیار، وقار اور سہیل کی طرح، پیسے کو ہی مطمح نظر بنانے سے گریزاں۔

بابا کو بجا طور، سجاد پر فخر تھا اور ان کی تنہا زندگی گزارنے کے فیصلے پر رنج، مگر بہت سال ہوئے وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ سجاد اس گھسے پٹے سیٹ اپ میں خود کو تجربہ کی نظر کبھی نہیں ہونے دیں گے۔

اور جب یہ طے تھا کہ یہاں کچھ بھی بدلا نہیں جاسکتا ہے تو وہ ان کے کیے اس ایک فیصلے کا تو احترام کر ہی سکتے تھے۔

سو وہ یہی کر سکتے تھے۔

" چلو اب تم دیر مت کرو، کل اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

سجاد نے فون پر بات ختم کر لی تو بابا نے دانستہ اپنے لہجے کو بشاش کرتے ہوئے، ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" اور شیریں کو بھی پوچھنا میری طرف سے، اب کہ ملے گی تو اچھی طرح ڈانٹوں گا، ملنا جلنا سب چھوڑ دیا ہے کیا؟"

سجاد محض ان کا دل رکھنے کے لیے مسکرا دیئے۔ بابا کو اب تک بھی صحیح طور پر یہ اندازہ ہیں تھا کہ ان کے اور شیریں کے درمیان، بہت کچھ بدلا ئو آچکا ہے۔

سجاد کے خیال میں، یہ کچھ ایسا ضروری بھی نہیں تھا کہ وہ اس ساری بات کو دہرا کر بار بار تازہ کیے رکھیں۔

پھر بھی یہی " غیر اہم" تعلق دن میں کئی بار ذہن پر دستک دے کر چونکا تا رہتا تھا۔

ہوٹل کی کار پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے جب وہ انٹرنس کی طرف آرہے تھے تو چند کولیگز وہیں مل گئے۔

" آج تو سب بڑے وقت پر پہنچ رہے ہیں، سنا ہے اندر کافی لوگ تو آ بھی چکے ہیں۔"

رضوان صاحب مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ اندر کی جانب بڑھے۔

تب ہی ایک مانوس سی ہنسی پر، سجاد نے بے اختیار ہی داہنی طرف مڑ کر دیکھا، سامنے شیریں کسی بات پر ہنس رہی تھی اور مسز ہاشمی اور شیریں کے ساتھ، بہت اعتماد کے ساتھ کھڑا ہوا وہ بالکل اجنبی شخص۔

سجاد نے دفعتاً ہی دل کو ایک عجیب سی بے چینی میں گھرتا ہوا محسوس کیا۔

...☆☆☆...

شیریں اور مسز ہاشمی کے ساتھ، سامنے آتا ہوا وہ شخص، ان کے لئے قطعی اجنبی تھا۔

سجاد نے یہ اندازہ تو ایک نظر میں ہی لگا لیا تھا اور زیادہ حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ ان دونوں کے حلقۂ احباب میں شاید کوئی بھی ایسا نہیں تھا جسے وہ سرسری طور پر ہی سہی، جانتے نہ ہوں۔

" معلوم نہیں، اس وقت ان لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے انہیں آگے بڑھ جانا چاہیے، یا نہ چاہتے ہوئے بھی اس ایک نئے تعارف کو یہیں نمٹا دینا چاہیے۔"

تھوڑی سی بے چینی محسوس کرتے ہوئے، سجاد نے اندر کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے سوچا، مگر ان جیسے شخص کے لئے اس طرح کی بے مروتی کا اظہار خلاف فطرت تھا۔

" السلام علیکم، کیسی ہیں آپ لوگ۔"

ایک فارمیلٹی نبھا لینے میں حرج بھی کیا تھا اور ایک ہلکی پھلکی سی دعا سلام کے بعد وہ ان لوگوں کے ساتھ مزید رکنے کا بالکل بھی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔

مگر مسز ہاشمی کی بلا تکان باتیں' اس ارادے کو بھی آسانی سے پورا ہونے نہیں دے سکتی تھیں۔

" میں تمہیں ہی یاد کر رہی تھی سجاد' بلکہ ابھی شیریں سے بھی پوچھا تھا کہ تم آج اس پارٹی میں آرہے ہو یا نہیں' بہت دن بعد آج اس طرح مل بیٹھنے کا اتفاق ہو رہا ہے نا' مگر شیریں کو تمہارے پروگرام کا علم ہی نہیں تھا۔"

معلوم نہیں وہ واقعی کچھ جتانا چاہ رہی تھیں یا سجاد نے خود ہی کچھ ایسا محسوس کیا تھا۔

ایک بے ساختہ سی نگاہ شیریں پر ڈال کر وہ ہلکے سے مسکرا دیئے۔

" آپ مجھ سے پوچھ لیتیں براہ راست' سارا دن تو میں آپ کے ساتھ آفس میں ہی ہوتا ہوں۔"

حالانکہ اب مہینے ہونے کو آرہے تھے۔ مسز ہاشمی جس طرح کی رکھائی برت رہی تھیں۔اس میں ایک آفس میں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا تھا۔

" آفس میں تو کام ہی اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ انسان کو اپنا ہی ہوش نہیں رہتا ہے۔ کہاں بیٹھ کر ڈھنگ سے بات ہوتی ہے۔"

انہیں اپنے پچھلے روّیہ کی بدصورتی کا کوئی احساس بھی شاید نہیں تھا۔ بڑی لاپروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنی مصروفیت کی کہانی کہے گئیں۔

شیریں اب تک بالکل خاموش تھی۔

ایک گہری سرد مہری' جو بہت دن سے ان لوگوں کے بیچ آچکی تھی۔ سجاد کو اس وقت اور بھی زیادہ چبھتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔

" ان سے ملو' میرے کزن شہریار' اسلام آباد میں ہوتے ہیں' آج ہی کراچی آئے ہیں۔"

مسز ہاشمی تعارف کرا رہی تھیں۔

" خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

مصافحہ کے لئے بڑھا ہوا ہاتھ تھامتے ہوئے سجاد نے بالکل رسمی سے انداز میں کہا۔

" میں بہت زبردستی کھینچ کر یہاں لے کر آئی ہوں کہ ہمارے کولیگز سے ملو' تاکہ انہیں پتہ تو چلے اچھے لوگوں کی کمپنی ہوتی کیا ہے۔"

"مسز ہاشمی نے بولنے کا فریضہ بدستور خود ہی سنبھالے رکھا تھا" مگر اس بار خود شہریار نے ہی انہیں ٹوک دیا۔

" اصل میں بہت زیادہ لوگوں کے ساتھ مکس اپ ہونا میری کبھی بھی عادت نہیں رہی ہے۔اسلام آباد میں بھی ایک مخصوص سوشل سرکل ہے' جو جاب اور لائف اسٹائل کو سوٹ بھی کرتا ہے۔"

اس کا تعلق بیورو کریسی سے تھا اور سجاد کو چند منٹ میں ہی' اس کے بے حد "اسٹیٹس کانشس" ہونے کا اندازہ بھی ہو گیا۔

اس ٹائپ کے لوگ انہیں ہمیشہ ہی بڑا مایوس کرتے تھے۔ مصنوعی پر تکلف باقی سب کو ایک مخصوص فاصلے پر رکھنے اور تنقیدی نگاہ سے دیکھنے کے عادی۔

اندر ڈائننگ ہال میں تقریباً سارے ہی کولیگز نظر آرہے تھے۔ سجاد کو چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں تو موقع غنیمت جانتے ہوئے انہوں نے مسز ہاشمی سے بھی اجازت لینی چاہی۔" آپ لوگ انجوائے کریں' میں ذرا اور سب سے مل لوں۔" مسز ہاشمی اصرار کرنے لگیں کہ وہ انہی کی ٹیبل پر آجائیں۔

" سب سے مل کر ہماری ٹیبل پر آجائو سجاد' اچھی گپ شپ رہے گی۔"

آج وہ بالکل پرانی مسز ہاشمی محسوس ہو رہی تھیں۔ سجاد کو تو سچ مچ یاد نہیں آرہا تھا کہ کتنے دن بعد وہ اس سے' خوش اخلاقی میں کسی خلوص کے بجائے کچھ دکھانے' کچھ جتانے کی سی کیفیت بدستور محسوس ہو رہی تھی۔

سجاد ان کے اصرار کے باوجود بھی' معذرت کرتے ہوئے' اسی ٹیبل پر آگئے جہاں سے ان کے لئے سب سے زیادہ آواز پڑ رہی تھی۔

" شاید اب وہ لوگوں کی کھلی آنکھ سے دیکھنے اور زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔" اپنی سیٹ سنبھالتے ہوئے انہوں نے دل ہی دل میں خود سے قیاس آرائی کی' پر یہ کوئی ایسا خوشی بخشنے والا خیال نہیں تھا۔ اگر یہ دانشمندی انہیں حاصل ہو بھی گئی تھی تو بڑی بھاری قیمت چکا کر۔

" یہ مسز ہاشمی' آج کسے پکڑ کر لائی ہیں۔ موصوف اس طرح اکڑے بیٹھے ہیں' جیسے آج کی تقریب کے دولہا وہی تو ہیں۔"

کسی ساتھ کے دبے الفاظ میں کئے ہوئے تبصرے پر سب ہی ہنس پڑے۔

شہریار کی آمد کا اچھا خاصا نوٹس لیا جا رہا تھا اور شیریں کا ان کے ساتھ ہونے کا اور بھی زیادہ۔" مجھے تو کچھ اچھے آثار دکھائی نہیں دے رہے ہیں سجاد' یہ آمد بے وجہ نہیں ہے اور بیورو کریسی تو میرے بھائی پرائیویٹ سیکٹر کو نقصان پہنچانے سے کبھی بھی نہیں چوکتی ہے۔"

سجاد کے برابر میں بیٹھے صمدانی صاحب' پرانے اور بے تکلف ساتھی تھے۔

سجاد کی نگاہ' نہ چاہتے ہوئے بھی وقفے وقفے سے ادھر ہی اٹھ رہی تھی۔ جہاں وہ تینوں بیٹھے تھے اور اب آفس کے بھی چند لوگ ان کی ٹیبل پر آچکے تھے۔

" تمہارے اور شیریں کے درمیان ٹینشن ابھی تک چل رہی ہے کیا سجاد؟"

ان کے قریب بیٹھے لوگ جب اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے تو صمدانی صاحب سے رہا نہ گیا۔

" پلیز صمدانی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

" بات تو خیر ہے۔" وہ بہت سنجیدگی سے سجاد کے چہرے کو تکنے گئے۔" تم دونوں اپنی اپنی جگہ اتنے اچھے ہو کہ مجھے تم دونوں پر ہی فخر محسوس ہوتا ہے۔ میں بہت دل سے چاہتا ہوں کہ تم دونوں کسی وقتی جذباتیت کے تحت اپنا کوئی نقصان نہ کر بیٹھو۔"

سجاد کو ان کے خلوص پر ذرہ بھر بھی شبہ نہیں تھا' مگر جو کچھ وہ سمجھانا چاہ رہے تھے۔ اس پر ضرور حیرت تھی۔

" اپنی زندگی کے جس اہم پہلو سے وہ خود نظریں چرائے ہوئے تھے۔ اسے ہر ایک یاد دلانے پر تلا ہوا تھا۔" بہت ساری ملتی جلتی سی باتیں انہیں یاد آکر رہ گئیں۔

شیریں کی ممی کی خفگی' مسز ہاشمی کا خود کو نظر انداز کئے جانا۔

قریبی دوستوں کی اشارتاً کی گئی چھیڑ چھاڑ اور اب صمدانی کی صاف صاف الفاظ میں جتائی گئی حقیقت حال۔

" ہم لوگ تو کب سے تم دونوں کی طرف سے کوئی خوش خبری سننے کے منتظر ہیں۔ اب مزید دیر کرنا اور بھی غلط ہوگا سجاد' شیریں سے بہتر لائف پارٹنر تمہارے لئے کوئی دوسری ہو بھی نہیں سکتی۔"

سجاد کی مستقل خاموشی سے ہی حوصلہ پا کر صمدانی صاحب نے بڑے سبھاؤ کے ساتھ اس وقت ملی فرصت میں سے' تھوڑا اور فائدہ اٹھایا۔ " ٹھیک کہتے ہو تم۔" پہلی بار سجاد کو لگا کہ اب ان کے پاس اپنی مدافعت میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے اور ایک اچھے مخلص دوست سے دل کی بات کر لینا' ان کے حق میں بہتر ہی تھا۔

" مگر میں نے کبھی بھی اس طرح سوچا نہیں صمدانی' ہمارے ہاں کے مسائل کچھ اور طرح کے ہیں۔ ان میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ ....."

" کمال ہے۔ اب تک نہیں سوچا تو بہت بڑی بے وقوفی کی ہے۔" سجاد کی بات کاٹ کر وہ ایک دم ہی کچھ خفا ہو گئے۔" تم جیسے کامیاب اور مضبوط شخص کی زبان سے اس طرح کی باتیں بالکل بھی اچھی نہیں لگتیں سجاد' تم بھلا کب سے مسائل کی پروا کرنے لگے ہو۔ میں نے تمہیں بڑے سے بڑے مسئلے پر بھی آسانی سے قابو پاتے ہی دیکھا ہے۔ ہمیشہ اور یہ تو پھر تمہاری زندگی کا سوال ہے۔ اب مزید دیر کرنا دانشمندی نہیں ہے۔"

تب ہی کسی اور کے مخاطب کرنے پر وہ دونوں ہی دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔

موضوع بدل چکا تھا' مگر سارا وقت سجاد یہی محسوس کرتے رہے کہ جو بات آج صمدانی صاحب نے کھل کر محض اپنی دوستی کے ناطے کہہ ڈالی ہے۔ وہ شاید سب ہی کولیگز کے دل میں کہیں نہ کہیں ضرور چھپی ہے۔ اتنے لبرل نظر آنے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ حلقے میں بھی معاشرے کی وہی روایتی سی سوچ کار فرما تھی۔

" اور انہیں کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ شیریں کو اس طرح لوگوں کی قیاس آرائیوں کا مرکز بنا کر رکھ دیں۔"

اپنی ساری اعلیٰ اقدار سے بالکل قطع نظر انہیں آج صرف اپنی خود غرضی دکھائی دینے لگی تو مضطرب سے ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

" ابھی آرہا ہوں' ذرا ایک ضروری فون کرنا ہے۔"

یہاں شور بھی اچھا خاصا تھا تو ان کی معذرت خوش دلی سے قبول کر لی گئی۔

باہر لابی سے ملحقہ چوڑے سے کاریڈور میں لوگوں کی آمد و رفت نسبتاً کم تھی۔ دیواروں پر لگی واٹر کلر پینٹنگز پر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے انہیں مستقل ہی اندر بیٹھی شیریں کا خیال آتا رہا۔

مسز ہاشمی' شیریں اور شہریار۔

بہت سارے گڈمڈ ہوتے چہروں کے ساتھ' ایک بگڑتی' مٹتی تصویر کو نظر انداز کرنا اب بہت مشکل ہو رہا تھا۔

جو کچھ نظر آرہا تھا' حقیقت تھی۔

اور وہ جو خود کو آج تک بڑے یقین کے ساتھ " حقیقت پسند" کہتے چلے آئے تھے۔ وقت کے اس مختصر سے بھید بھرے وقفے میں ایک نئے احساس سے دوچار تھے۔

ہر حقیقت کو قبول کرتے چلے جانا' سوائے ایک تکلیف دہ تجربے کے کچھ بھی نہیں اور یہ تکلیف ساری زندگی پر محیط ہوتی ہے اور انہیں اپنی زندگی کو اس تکلیف سے بچانا تھا۔

اندر شہریار اپنا موبائل آف کرتے ہوئے' بڑی دل کش سی مسکراہٹ کے ساتھ' شیریں سے کہہ رہا تھا۔" آپ کی ممی بڑی مہمان نواز خاتون ہیں' آپ کو تو خیال نہیں آیا' مگر انہوں نے کل رات کے کھانے پر انوائٹ کر لیا ہے۔"

شیریں ایک دم چپ سی ہو گئی۔

" کیا آپ بلانا نہیں چاہ رہی ہیں۔" وہ تھوڑا سا سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھنے لگا تو شیریں کو نفی میں سر ہلانا پڑا۔

" ایسا تو نہیں ہے' آپ لوگ یہاں پر بتانا نہیں چاہ رہیں۔" وہ اندازے لگانے میں بھی جلدی کرتا تھا اور انہیں زبان سے ادا کرنے میں بھی۔

" آپ ضرور آیئے گا۔ ممی ہمارے گھر کی سب سے اہم فرد ہیں اور ان کا مہمان سب کے لئے ہی مہمان خصوصی ہوتا ہے۔" ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے شہریار اور پھر مسز ہاشمی کو دیکھا یہ سارا ڈرامہ ان ہی کی زیر ہدایت چل رہا تھا۔ ایک نظر میں اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ مسز ہاشمی زیادہ خوش ہیں یا ان کا کزن شہریار۔

...☆☆☆...

نینی کے سسرال والوں کی آمد کے لئے اتوار کا دن طے ہوا تھا۔

بیچ میں چند روز ہی رہ گئے تھے' سو گھر میں اسی حوالے سے ہر وقت ہی ایک گہما گہمی سی رہنے لگی تھی۔ خاطر مدارت کے انتظامات سے لے کر گھر کی صفائی ستھرائی اور آرائش کے حوالے تک کوئی نہ کوئی موضوع زیر بحث رہ ہی رہا تھا۔ امی کی شدید خواہش تھی کہ کسی بھی بات میں کوئی کسر نہ رہنے پائے اور اچھی بات یہ تھی کہ اس بار بشارت صاحب بھی پوری طرح ان کا ساتھ دے رہے تھے۔

" پہلی بار تمہارے ابا نے اپنی کسی اولاد کی بھلائی کے لئے اتنا بڑا عملی قدم اٹھایا ہے۔ مجھے تو ابھی بھی سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے اتنا اچھا رشتہ نینی کے لئے کیسے ڈھونڈ نکالا۔"

بڑے ہال میں بچھے لکڑی کے صوفوں کے پرانے کوّر اتارتے ہوئے وہ وہی بات کہہ رہی تھیں جو پچھلے کئی دن میں بار بار کہہ چکی تھیں۔

نازی ان کے ساتھ ہی لگی ہوئی تھی۔ بشارت صاحب کے بارے میں اس کی رائے امی سے قطعی مختلف تھی۔ وہ اسے ہمیشہ ہی بہت سمجھدار' بااصول اور شفیق باپ کے روپ میں ہی دکھائی دیتے تھے تو وہ کبھی بھی خود کو ان کا فیور کرنے سے باز نہیں رکھ پاتی تھی۔ اس وقت بھی دبے دبے سے لفظوں میں اس کی تصحیح کرنا چاہی۔

" ابا ہم سب سے ہی بہت محبت کرتے ہیں امی' بس ان کے اظہار کا انداز مختلف ہے۔"

" ہاں شاید۔"

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے وہ بدستور اپنے کام میں مصروف تھیں۔

چند لمحوں کے لئے ان دونوں کے بیچ خاموشی کا چھوٹا سا وقفہ آ گیا۔ پھر جیسے وہ خود اپنے آپ کو ہی مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔" خدا کرے دِیا کے لئے بھی کوئی ایسا ہی سبب بن جائے' آسانی کے ساتھ تو میری سب سے بڑی فکر دور ہو۔"

نازی نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ بظاہر وقتی طور پر وہ دِیا سے تھوڑی بہت خفا تو ابھی بھی تھیں' مگر اس سے جو والہانہ محبت انہیں ہمیشہ سے تھی' اس کا اظہار اس وقت بھی ان کے لہجے سے چھلکتے رنج سے ہو رہا تھا۔

" امی۔"

نازی اپنے ہاتھ میں تھاما کشن اور کور' دونوں وہیں چھوڑ کر ان کے قریب آ بیٹھی۔" آپ اتنا زیادہ مت محسوس کریں۔ اس بات کو' دِیا کے لئے انشاء اللہ بہت اچھا ہو گا۔ اس جیسی لڑکیاں تو دیکھنے میں بھی نہیں آتیں' پھر آپ اتنی فکر کیوں کر رہی ہیں۔"

ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھے' وہ بڑی نرمی سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرنے لگی' مگر ان کے چہرے پر پھیلی کشمکش کی سی کیفیت ابھی بھی کم نہیں ہو پائی تھی۔ دِیا کے بارے میں ہمیشہ وہ جتنی زیادہ پر اعتماد رہی تھیں' وہ کیفیت اب جیسے خواب کی سی بات لگنے لگی تھی۔ دِیا جیسی حسین لڑکی کو ٹھکرایا بھی جا سکتا ہے' یا دیکھنے والے اس پر نینی کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ اس تکلیف دہ حقیقت کو ماننا ان کے لئے بہت تکلیف دہ تجربہ رہا تھا۔

" اگر یہی سب دِیا کے حوالے سے ہو رہا ہوتا تو کتنا اچھا لگتا۔ نینی کی تو ہمیں ابھی ایسی کوئی جلدی بھی نہیں تھی۔ یہ لڑکا' یہ گھرانہ سب ہی باتیں دِیا کے لئے زیادہ موزوں تھیں۔"

پچھلے کئی دن سے وہ جتنی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ نازی کو لگنے لگا کہ فی الحال دیا کے مسئلے کو پس پشت ڈال چکی ہیں کہ ہر کام کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ پھر جب دِیا کا بھی وقت آئے گا تو سب کچھ خود ہی ہوتا چلا جائے گا۔ یہاں اس جگہ نینی کی قسمت جڑی تھی۔

" امی' آپ اس کے لئے دعا کیا کریں کہ وہ بہت خوش..."

تب ہی باہر سے آتی دِیا کی تیز تیز آواز پر وہ اپنی بات بیچ میں ہی چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

" کیا بکھیڑا پھیلا دیا ہے آپ نے بھی امی' سارا گھر الٹا پڑا ہے۔ کہیں بیٹھنے تک کی جگہ نہیں' سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ایسی کیا آفت آ رہی ہے۔"

دِیا سیدھی اندر ہی آئی اور اب امی سے کھڑی سوال جواب کر رہی تھی۔

نازی کو احساس تھا کہ امی ابھی تک اپنی اداسی کو دور نہیں کر سکی ہیں' سو ان کو جواب دینے کی زحمت سے بچاتے ہوئے وہ خود ہی دِیا کی خفگی کو دور کرنے کی کوشش میں لگ گئی۔

" بس ابھی ختم ہونے لگا ہے سارا کام' اصل میں اب ایک ہی دن تو بیچ میں رہ گیا ہے نا' ان لوگوں کے آنے میں' اسی لئے آج جم کر کام ہو رہا ہے۔"

اس کے شگفتہ لہجے اور ہلکی سی مسکراہٹ نے دِیا کے بگڑے بگڑے سے موڈ پر تھوڑا سا خوشگوار اثر ڈال ہی دیا۔ تب ہی اس کی خفگی کم ہو کر طنزیہ انداز اختیار کرنے لگی۔

" تو نینی کے سسرال والے' تاریخ فکس کرنے آ رہے ہیں یا در و دیوار کی دھول مٹی اور گھر کی صفائی ستھرائی کو چیک کرنے' یہاں تو باہر رکھے گملوں تک پر نیا پینٹ پھیرا جا رہا ہے' اف میرے خدا۔"

اپنی بات کے اختتام پر وہ ہلکے سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے' وہیں بیٹھی رہی۔

باہر کے رخ پر کھلنے والی کھڑکی سے' گملوں کو پینٹ کرتا ہوا سمیع نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے تک دِیا خود شوق میں اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی' مگر اب اکتا چکی تھی۔

" مہمانوں کے سامنے گھر کا امپریشن تو اچھا بنانا ہی چاہیے نا' پھر دیکھو اس بہانے گھر کے بہت سارے ایسے کام ہو رہے ہیں' جو بہت دن سے ٹالے ہوئے تھے۔"

نازی کی کہی اس بالکل سادہ سی بات میں سے بھی اس نے اپنے مطلب کی بات اچک ہی لی۔ " اس طرح کی باتوں سے کوئی امپریس نہیں ہوتا نازی آپا' بہت پیسہ آ گیا ہے لوگوں کے پاس اور متاثر ہونے کے لئے بڑے اونچے معیار قائم کر لئے ہیں انہوں نے' گھر کار ہن سہن' نوکر چاکر' نت نئی گاڑیاں' لوگ اس کی بنیاد پر ایک منٹ میں سامنے والے کی اوقات کا اندازہ کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں جو یہ اتنی جان ماری کی جاتی ہے' اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں۔"

ایک طرح سے شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔نازی سے فوری طور پر تو کوئی جواب بھی نہیں بن پڑ رہا تھا۔پھر بھی شاید تھوڑی سی مورل سپورٹ اس نے خود کو دینا چاہی۔

"سب لوگ ایک جیسے بھی نہیں ہوتے دِیا اور یہ لوگ جہاں نینی کا رشتہ طے ہوا ہے' یہ تو بہت اچھے اور سادہ طبیعت لوگ ہیں۔"

اس بار وہ بے ساختہ ہی ہنس پڑی' بالکل ایسے جیسے نازی نے کوئی دل چسپ لطیفہ سنا دیا ہو۔"آپ تو واقعی بہت سیدھی ہیں اور مشکل یہ ہے کہ سارے زمانے کو آنکھ بند کر کے بالکل اپنے جیسا ہی سمجھتی چلی آرہی ہیں۔یاد ہے ابھی جب ہم ان کی شان و شوکت سے کیسے مرعوب ہوئے بیٹھے رہے تھے۔ایسے ہی سادگی پسند ہیں وہ تو گھر کو اتنی بڑی نمائش گاہ کیوں بنا رکھا ہے۔صرف اس ڈرائنگ روم میں ہی جو کچھ نظر آرہا تھا۔ہم آپ تو اس ساز و سامان کی قیمت کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔اس لئے کہ ہمیں کبھی ایسی چیزیں دیکھنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔" دِیا دن بدن زیادہ حقیقت پسند ہوتی جارہی تھی اور ارد گرد پھیلی حقیقتوں کی کڑواہٹ کو اپنے اندر مزید جذب کرنے والی بھی۔

نازی نے جواباً کچھ کہنا بھی چاہا' مگر اس نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے اس کو روک دیا۔ابھی بات پوری نہیں ہوئی تھی۔

"ویسے وہ آپ کے سامنے اتنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کریں گے کہ انتہا نہیں' آپ کے سلیقے کو سراہیں گے۔سارا دن چولہے کے آگے کھڑے رہ کر امی جو کچھ پکائیں گی۔اس کی داد دیتے ہوئے نہ تھکیں گے' جب کہ یہ بھی ایک طریقہ ہے جو ان جیسے لوگوں نے خود کو نمایاں کرنے کے لئے بڑی عقل مندی سے ایجاد کیا ہے کہ دیکھو ہم اتنے دھنوان ہو کر' اتنی اونچی مسند پر بیٹھ کر بھی تم لوگوں سے کتنا جھک کر مل رہے ہیں۔تمہیں تمہاری اوقات سے بڑھ کر نواز رہے ہیں اور دل ہی دل میں...."

"بس خدا کے واسطے چپ کر جادِیا۔"

امی بہت دیر خاموشی سے اس کے سارے لیکچر کو سنے جارہی تھی۔اب برداشت نہ ہو سکا تو گھبرا کر سچ مچ ہی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ بیٹھیں۔

"اور اگر یہی ساری باتیں کرنی ہیں تو اچھا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے آنا ہی مت' بیٹھی رہنا اندر اپنے کمرے میں ہی۔"

"مجھے خود کوئی شوق نہیں ہے ایسے دوغلے منافق لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا۔"

"تمہیں تو کسی کی بھی ضرورت نہیں' ہماری بھی نہیں' پتہ نہیں اس لڑکی کا کیا بنے گا۔" کبھی کبھی امی کو اس کی ڈھٹائی عاجز کرنے لگتی تھی اور دِیا کو ان کا اپنے اوپر تبصرہ۔

"بن جائے گا جو بھی بننا ہو گا۔آپ خدا کے لئے مجھے یوں دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں نہ بھرا کریں' جیسے میں کتنی قابل رحم ہستی بن کر رہ گئی ہوں۔"

"نینی کے سسرال کو بھول کر اب اسے اپنی حالت زار کا خیال ستانے لگا تھا اور دس لڑکیوں کی منگنیاں ٹوٹتی ہیں مگر اس طرح کہیں نہیں ہوتا ہو گا' جیسے آپ ہر وقت ہر کسی کے سامنے میرا ہی دکھڑا لے کر بیٹھ جاتی ہیں۔"

دِیا کا لہجہ دن میں کئی بار اس طرح بدتمیزی کی حدوں کو چھونے لگتا تھا' مگر اس کے اور امی کے بیچ میں بولنا اور بھی بڑی بے وقوفی تھی۔

نازی کا کام ویسے بھی یہاں ختم ہو رہا تھا۔صوفوں کے سارے کورز بدلے جا چکے تھے۔وہ اتارے ہوئے پرانے کورز سمیٹ کر باہر چلی آئی۔

برآمدے کی رنگین شیشوں والی کھڑکیوں کے نیچے سمیع نے ہرے بھرے پودے لا کر رکھ دیئے تھے۔ یہاں کا سارا ماحول اور بھی زیادہ رنگوں سے بھرا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

اپنے کمرے کی طرف جانے سے پہلے نازی کے قدم بے ساختہ ہی چند منٹ کے لئے تھم گئے۔

" پرانی طرز کے بنے ہوئے اس پرسکون سے گھر میں جس کے در و دیوار سے اپنائیت کی خوشبو پھوٹتی محسوس ہوتی ہے' رہتے ہوئے دِیا کو اتنے بلاجواز کمپلیکسز آخر کیوں ستاتے ہیں؟" دل میں ابھرتے ہوئے اس سوال کا جواب نہ تو پہلے ہی کبھی اسے مل پایا تھا اور نہ ہی اب۔

امی کے کمرے سے ملحقہ اسٹور روم تھا' ہاتھ میں تھامے ہوئے کورز کو' اسٹور میں رکھ کر نازی اپنے کمرے میں آئی تو نینی خلاف توقع جاگ رہی تھی۔ انٹر کے امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد سے سہ پہر کا یہ وقت وہ عموماً سو کر گزار دیتی تھی' مگر آج بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ اس طرح الرٹ بیٹھی ہوئی تھی کہ نازی کو لگا کہ جیسے وہ اسی کی منتظر تھی۔

فوری طور پر کچھ بھی نہ سوجھا تو اس سے نظر چراتے ہوئے نازی سیدھی اپنی الماری کی طرف بڑھ گئی۔

کئی دن ہوئے نینی سے سامنا کرنا بڑا کٹھن کام بنتا جا رہا تھا۔

ترتیب سے رکھے ہوئے کپڑوں کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی' عجیب بے چینی سی گھیرنے لگی۔ نینی نے ذرا دیر تو اس کے فارغ ہونے کا انتظار کیا' مگر جب اسے کوئی آثار نظر آتے نہیں دکھائی دیئے تو وہ پکار ہی بیٹھی۔

" نازی آپا۔"

" ہوں۔" وہ دوسری طرف منہ کئے خود کو بدستور مصروف مصروف سی پوز کئے گئی۔

" مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

" ہاں میں سن رہی ہوں۔"

بے نیازی برتنے کی پوری کوشش کے باوجود بھی نازی کو خود اپنی آواز میں آئی لرزش صاف محسوس ہوئی۔

" آپ یہاں آ کر بیٹھیں اور میری بات کو ذرا ٹھنڈے دل سے سن لیں' پلیز۔"

اس بار نازی کو مڑ کر اس کی طرف دیکھنا ہی پڑا۔ نینی کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

نازی کا دل یک دم ہی بڑی زور سے دھڑکنے لگا۔

" تھوڑا سا کام باقی ہے' میں ابھی ختم کر کے پانچ منٹ میں آتی ہوں۔"

کسی فیصلہ کن گھڑی سے بچ نکلنے کی ایک کمزور سی کوشش میں نازی نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا بھی مگر یہ بھی ممکن نہ ہو سکا۔

" میری بات سن کر جایئے گا نازی آپا۔"

اس بار اس کی آواز میں کچھ ایسی التجا سی تھی کہ نازی کو رکنا ہی پڑا۔

جب سے رعنا نے نینی کی ناپسندیدگی کے بارے میں اپنے شبہات کا اظہار کیا تھا۔ تب سے وہ سچ مچ بے حد ڈری ہوئی تھی۔ اس موقع پر ایسی کوئی بھی بات کس طرح کے نتائج پیدا کر سکتی تھی۔ اس کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔

" دیکھو نینی۔"

اپنی ساری منتشر ہمت کو مجتمع کر کے' اس نے بظاہر بڑے اعتماد سے' نینی کے کچھ بھی کہنے سے پہلے خود ہی پیش بندی کر لینا چاہی۔" جو کچھ بھی ہو رہا ہے' تمہاری بھلائی کے لئے ہی ہو رہا ہے۔ بے کار باتوں سے نہ خود کو پریشان کرو اور نہ ہی گھر والوں کو' تمہیں خود اندازہ...۔"

" مجھے مت بہلائیں پلیز۔"

نینی نے اس کی بات پوری سننی بھی گوارہ نہیں کی۔" آخر کیوں آپ لوگ میری بات کو سمجھنا نہیں چاہ رہے ہیں۔ مجھے یہاں شادی نہیں کرنی ہے۔ کبھی بھی نہیں اور یہ بات میں نے آپ کو پہلے ہی دن کہہ دی تھی' مگر آپ نے اسے قابل توجہ سمجھا ہی نہیں۔ کوئی بھی میری مرضی کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

بناء کسی تمہید کے وہ جس دو ٹوک انداز میں اپنی بات کہہ رہی تھی۔ نازی نے بمشکل اپنے غصے کو ضبط کیا۔

" وہ لوگ بہت اچھے ہیں نینی اور خاص طور پر وہ لڑکا خود کتنا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ تمہیں تو یہاں پاکستان میں رہنا بھی نہیں ہو گا۔ ایک آرام دہ پر آسائش زندگی جب گزار رہی ہو گی' تب تمہیں...۔" وہی ساری لگی بندی سی خوبیاں جو پہلے بھی نینی کے سامنے دہرائی جا چکی تھیں۔ ایک بار پھر دہراتے ہوئے' اس کے چہرے پر گہری ہوتی طنزیہ مسکراہٹ کے آگے نازی نے خود کو سخت احمق محسوس کیا۔

" تمہارا انکار سوائے ایک بے وقوفی کے کچھ بھی نہیں ہے نینی۔" وہ دفعتاً ہی کمزور پڑ گئی۔

" تو کرنے دیجئے نا مجھے بے وقوفی' کیوں زبردستی اپنے طے کردہ راستے پر چلانا چاہ رہے ہیں آپ سب' جو بھی برا بھلا زندگی میں ہونا ہے۔ اس کی ذمہ داری میں خود لے سکتی ہوں اور میں ایسا کر کے دکھا بھی دوں گی۔ میں دیا باجی کی طرح

جذباتی اور بے وقوف نہیں ہوں۔ جنہوں نے خود کو ایک بے کار کے تجربہ کی نذر کر دیا ہے۔ میں اپنا اچھا برا بہت اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں۔"

نازی یک ٹک اس کا غصے سے سرخ ہوتا چہرہ اور لہجے میں اترتی تپش کو دیکھے اور محسوس کئے گئی۔ وہ خود کو دِیا سے مختلف اور اس سے زیادہ سمجھدار ہونے کا دعویٰ کر رہی تھی' حالانکہ بڑی تیزی سے وہ بالکل اس کے سانچے میں ڈھلتی چلی جا رہی تھی۔

اجنبی' بے مروت۔

اس نرم گفتار' محبت کرنے والی نینی سے بالکل مختلف جس کے بارے میں کچھ عرصہ پہلے رعنا نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ" نینی سے بڑھ کر حساس' سمجھدار اور توقعات پر سو فیصد پورا اترنے والا ان کے گھر میں دوسرا اور کوئی بھی نہیں ہے۔

خود نازی کو اس کی بے لوث محبت کو سمجھنے کا کئی بار تجربہ ہوا تھا۔

" مگر زندگی میں کہیں نہ کہیں آ کر شاید ہر شخص ہی چاہے ایک بار ہی سہی اپنے سے جڑے ہر تاثر کی یکسر نفی کرتا ہی ہے' یا پھر ہم سب ہی صرف اس وقت تک اچھے بنے رہنے کی پریکٹس میں جتے رہتے ہیں۔ جب تک ہمارے مفاد پر کوئی چوٹ نہ پڑ رہی ہو اور جیسے ہی کسی معمولی سے معمولی زیاں کا اندیشہ بھی گھیرنے لگتا ہے' سچ فوراً ہی اس ساری اچھائی کو ایک طرف دھر کر اپنے مفاد کی خاطر' اپنے ہی وضع کردہ سارے اصولوں کی نفی کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتے ہیں۔"

ایک بڑا مایوس کن سا تجربہ اس نے کھڑے کھڑے ہی مکمل کر ڈالا۔

نینی کو شاید کسی بہت بڑے نقصان کا اندیشہ تھا۔ اسی لئے' اس کی ذات میں تبدیلی کا عمل' زیادہ شدت لیے ہوئے تھا۔

"مجھے اپنی زندگی کا یہ اہم ترین فیصلہ صرف اور صرف اپنی مرضی سے کرنا ہے اور آپ سب کو اس پر راضی ہونا ہی پڑے گا۔ چاہے خوش ہو کر یا ناخوش ہو کر، ہونا تو بہر حال وہی ہے۔"

کھرے لہجے میں کسی لچک کا شائبہ تک نہیں تھا۔ پہلی بار نازی کو بھی سو فیصد یقین آنے لگا کہ اتنے دن سے جاری یہ ساری بھاگ دوڑیوں ہی فضول اور لا حاصل ہی رہی ہے۔

"کون ہے وہ کیا کرتا ہے؟"

نینی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے، وہ وہی سوال پوچھ رہی تھی، جس کا جواب بہت دن سے خوفزدہ کئے ہوئے تھا۔

...☆☆☆...

عمر کا گھر میں آنا بڑی نیک فال ثابت ہوا تھا۔ ممانی تو جو خوش تھیں، سو تھیں۔

لبنیٰ بھی فرح کے فون پر ہمیشہ کی طرح منہ بنانے کے بجائے اب مسکرا مسکرا کر اس کا حال احوال پوچھ ہی لیتی تھی۔ سب سے اچھی بات یہ ہوئی کہ تھوڑی سی خوش بختی، ثانیہ کے حصے میں بھی آرہی تھی۔ سر آنکھوں پر نہ سہی، مگر بے زاری اور حقارت کی وہ کیفیت جو ممانی اور لبنیٰ دونوں پر ہی اسے دیکھتے ہوئے طاری رہتی تھی، اس میں کمی ضرور واقع ہوئی تھی۔

"دیکھا میں کہتی تھی نہ کہ دل کی بری نہیں ہے تمہاری ممانی، بس زبان ہی ذرا کڑوی ہے اور اب تو اس پر بھی اس نے قابو پا ہی لیا ہے۔ تم یوں ہی دل چھوٹا کر لیتی ہو۔ اپنے اپنے ہی ہوتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر کوئی بھی تمہارا خیر خواہ نہیں ہو

سکتا اور یہ چھوٹی موٹی خفگیاں تو ہر گھر میں ہی چلتی ہیں۔" اس روز ثانیہ گھر پر ہی تھی اور حیرت انگیز طور پر فارغ بھی۔ تب ہی اماں کے پاس نیم دراز تھی۔

اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بڑی دیر سے اسے وہ سارے روشن پہلو دکھا رہی تھیں جو ان کے خیال میں ثانیہ کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔

بناء ایک بار بھی انہیں ٹوکے، وہ چپ چاپ سنے جا رہی تھی۔ حالانکہ ان کی سادہ لوحی پر بار بار اس کا دل دکھتا رہا مگر آنکھوں پر بازو کو رکھے وہ بڑی فرمانبرداری سے، خلوص، پیار، محبت جیسے سنہری لفظوں کے جو معنی اور مطلب وہ سمجھا رہی تھی، سمجھنے کی کوشش کئے گئی۔ البتہ جب ذرا سی دیر کے لئے ایک خاموشی کا وقفہ اس کے اور اماں کے بیچ میں آیا تو وہ یوں ہی آنکھیں بند کئے ہوئے بڑی سرسری سے انداز میں پوچھ بیٹھی۔

"آپ نے کمپیوٹر کے پیسے ماموں کو دے دیئے۔"

چند لمحوں کے لئے تو اماں اس کی شکل ہی دیکھے گئیں۔ اصل میں انہیں تھوڑی سی مایوسی ہوئی تھی کہ ثانیہ نے ان کی اتنی ساری اچھی اچھی باتوں کے جواب میں تائیداً ایک لفظ بھی کہنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

"وہ نہیں لیتا، میں نے بہت کہا مگر نہیں مان رہا ہے۔" تھوڑا سا رکتے ہوئے وہ ہلکے سے بولیں۔

"یہ تو ٹھیک نہیں ہے اماں پیسے تو آپ انہیں دے ہی دیں۔ چاہے جس طرح بھی ہو سکے، ماموں کو راضی کریں۔"

وہ فکرمند سی ہو کر ایک دم اٹھ بیٹھی۔

جس روز فرح اور عمر ہو کر گئے تھے، جمیل ماموں اگلے روز ہی فرح کی اکیڈمی جا کر اسے پیسوں کی ادائیگی کر آئے تھے۔

"اور ایسے وقت میں دیجئے گا جب ممانی بھی سامنے ہی ہوں' تا کہ ان کے علم میں بھی رہے۔" وہ بڑی سنجیدگی سے انہیں سمجھانے لگی۔

ممانی اور لبنٰی کے متعلق کسی بھی قسم کی خوش گمانی قائم کرنا سوائے بے وقوفی کے کچھ بھی نہیں تھا۔

یہ بات چاہے وہ منہ سے کہے نا کہے بہر حال اپنے رڈیہ سے بار بار نہ چاہتے ہوئے بھی ظاہر کر جاتی تھی۔اماں کو کبھی کبھی اس کا یہ حتمی سا انداز برا بھی لگنے لگتا تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ جمیل میرا بھائی ہے۔ہم دونوں کے بیچ میں کوئی بھی لین دین ہو یہ ہماری آپس کی بات ہے۔کسی کو دکھانے یا سنانے کے لئے تو نہیں۔" ایک ہلکی سی مسکراہٹ ثانیہ کے لبوں پر ابھری اور پھر معدوم ہوئی۔

اماں کی طبیعت میں جو فطری معصومیت تھی وہ بڑی غنیمت تھی۔ان کی خوش گمانیاں جو برے سے برے حال میں بھی بڑی حد تک برقرار رہتی تھیں' وقتی طور پر ہی سہی' ان کے سارے دکھ بھرے خیالات کو بڑی حد تک کیمو فلاج کئے رکھتی تھیں۔جنہیں ثانیہ نے پوری سچائی کے ساتھ کبھی نہ بھولنے کے لئے دل و دماغ پر نقش کر ڈالا تھا۔

" وہ آپ کے بھائی ہیں تو ممانی کے بھی تو شوہر ہیں اور انہیں یہ جاننے کا پورا حق بھی ہے کہ ان کے شوہر کی آمدنی کہاں اور کیسے خرچ ہو رہی ہے۔"

جمیل ماموں پر اماں کا دعویٰ ملکیت بے جا نہیں تھا مگر ثانیہ بڑی دانشمندی سے انہیں سمجھائے گئی۔

" اور پھر آپ خود ہی تو کہتی ہیں کہ ہم لوگ ان کے گھر رہ رہے ہیں۔سو بہت سی باتوں کا ہمیں خود سے خیال رکھنا چاہیے۔جمیل ماموں کا تو کوئی اتنا بڑا بزنس بھی نہیں ہے کہ انہیں خوامخواہ زیر بار کیا جائے۔آپ آج ہی انہیں پیسے دے

دیجئے گا۔رات کو کھانے کے بعد جب وہ آپ کے پاس بیٹھتے ہیں' پیسے تو ابھی ہیں ناں آپ کے پاس۔" اپنی بات ختم کرتے ہوئے اسے خیال آیا تو اپنی تسلی کرنا چاہی۔

" ہاں ابھی تو چل ہی رہے ہیں' مگر آگے کے لیے تو کچھ انتظام کرنا ہی پڑے گا۔"

ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ خود بھی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

" اللہ مالک ہے' آپ فکر نہ کریں۔"

ثانیہ کو خود بھی احساس تھا کہ پاس رکھے پیسے تیزی سے ختم ہوتے جا رہے تھے۔کراچی آئے اب تو سال ہونے کو آ رہا تھا۔ اتنے عرصے میں کتنے ہی خرچے پیش آ چکے تھے۔

لینگوئج اور کمپیوٹر کورس کی فیس' آنے جانے کے لئے کرائے کے پیسے' اس کی اور اماں کی دیگر ضروریات اور پھر یہاں گھر میں بھی اماں کچھ نہ کچھ ضرور ہی اپنے پاس سے خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ثانیہ کے ساتھ بازار جاتیں تو ضرور ہی لبنٰی کے لئے بھی کوئی نہ کوئی اچھا سا سوٹ یا پھر ایسی ہی دوسری کوئی چیز لینا نہ بھولتی تھیں۔

" ثانیہ تخت سے اٹھ کھڑی ہو چکی تھی۔" ان کے اشارہ کرنے پر دوبارہ بیٹھ گئی۔

" کیا بات ہے اماں' بتایئے نا۔"

اسے لگا جیسے وہ جو کچھ کہنا چاہ رہی ہیں' شاید کہہ نہیں پا رہی ہیں۔ان کے قریب سرکتے ہوئے اس نے بہت نرمی سے اپنا ہاتھ ان کے کاندھے پر رکھا۔

کبھی کبھی بالکل ایسا لگتا تھا' جیسے وہ خود بخود اماں کی سرپرست بنتی جارہی ہے۔ بہت ذمہ داری کے ساتھ ان کی صحت کا' ان کے آرام کا اور ان کے دل کو کسی بھی ٹھیس سے بچانے کا ہر ممکن خیال رکھنے کی کوشش کرتی' بالکل ویسے ہی جیسے ابھی بہت دن نہیں بیتے اماں اور ابا اس کی ناز برداری کیا کرتے تھے۔

"ایک بات تو آتی ہے دل میں مگر شاید تمہیں بری لگے گی۔"

"کمال کرتی ہیں آپ۔"

اماں کے تذبذب پر دل میں آئی حیرانی کو چھپا کر وہ بڑی خوش دلی سے ہنسی۔ "آپ کی بات کا برامانوں گی' کتنا تو ڈانٹ لیتی ہیں آپ مجھے' بتایئے جب سے ہم لوگ کراچی آئے ہیں' میں ایک بار بھی آپ سے خفا ہوئی ہوں۔"

اماں کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر رہ گیا۔ "واقعی ادھر نواب شاہ میں تو ذرا ذرا سی بات پر گھنٹوں منہ پھلائے رکھتی تھی۔ خدا بخشے تمہارے ابا ہمیشہ مجھ پر اسی بات پر ناراض ہوا کرتے تھے کہ ثانیہ کو کیوں ڈانٹا۔"

بہت سارے بیتے ہوئے لمحے' ایک دم ہی سامنے آکر ٹھہر گئے۔

ثانیہ نے بمشکل ہی خود کو کمپوز کیا۔

زندگی میں سب کچھ ویسا کب رہتا ہے' جیسا ہم نے چاہا ہو۔

"اچھا آپ بات تو بتائیں"

"ہم دونوں نواب شاہ چل کر اپنا گھر نہ فروخت کر آئیں۔" رکے رکے سے لہجے میں انہوں نے اپنی بات کہہ ہی ڈالی۔

"مگر اماں...." کچھ بے چینی سی محسوس کرتے ہوئے ثانیہ نے پہلو بدلا تو وہ اپنی بات کی وضاحت کرنے لگیں۔

"بے کار ہی تو پڑا ہے' بیچ دینا ہی اچھا ہے۔ بند رہ کر تو اس کی حالت بھی خراب ہی ہوتی جائے گی۔ آج جو قیمت مل جائے گی۔ چند سال یوں ہی گزر گئے تو یہ بھی نہیں مل سکے گی۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے اماں۔"

بہت بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

بے حد قیمتی یادوں سے جڑے اس چھوٹے سے گھر کے لئے' نفع نقصان کی بات بھی کرنا اسے بڑا ہی بے معنی سا محسوس ہوا تھا۔ آج تک یہی لگتا تھا کہ زندگی کا سارا سنہرا پن بس اسی دہلیز پر چمکتا رہ گیا ہے۔

"آگے سو خرچے آرہے ہیں۔ تمہارا ابھی آگے کچھ کرنے کا ارادہ ہو تو وہ بھی آسانی کے ساتھ کر سکو گی۔ محض پیسے نہ ہونے کی وجہ سے مشکل میں تو نہ پڑو گی۔"

انہوں نے بڑی سمجھداری سے کام لیتے ہوئے اس کی شادی کا ذکر نہیں کیا۔ ورنہ اصل نیت تو ان کی یہی تھی کہ اب جلد از جلد ثانیہ کی شادی سے فارغ ہو جائے اور اسی کام کے لئے وہ پیسوں کا انتظام بھی کرنا چاہ رہی تھیں۔

"میں جاب کرلوں گی نا اب تو میرے یہ کورسز بھی تقریباً ختم ہی سمجھیں اور اب آگے پڑھائی شروع بھی کی تو ایوننگ پروگرام میں کروں گی۔ ہمارے سارے خرچ آرام سے پورے ہو جایا کریں گے۔"

وہیں بیٹھے بیٹھے وہ آگے کا سارا پروگرام سیٹ کرنے لگی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے' مگر تم میری بات کو بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ پچھلی بار جب شہزاد کے گھر سے فون آیا تھا تو وہ لوگ بھی یہی مشورہ دے رہے تھے۔ یہ کہو وہاں کے پڑوسی اچھے ہیں جو بے چارے

بناء کسی غرض کے اس کی دیکھ بھال تو کر رہے ہیں۔"

اماں کو پہلے ہی اندازہ تھا کہ ثانیہ کی طرف سے گھر کو بیچے جانے کی مخالفت ہونی ہی ہے۔

تب ہی سامنے کمرے کے دروازے میں ممانی آکھڑی ہوئیں۔

" ارے ثانیہ آج چائے نہیں بنی ابھی تک۔"

آج کل ان کا موڈ اچھا رہتا تھا۔ ہر بات خوش دلی کے ساتھ کرتی تھیں۔

ثانیہ کو اچھا لگتا' نہ برا صرف خود کو ان " موسمی تبدیلیوں" کا عادی بنانے کی کوشش کیے جاتی۔

بناء ایک لفظ بھی کہے' اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ چائے بناتے ہوئے ذہن اماں کی باتوں میں ہی الجھا رہا۔

بہت سارا قصور اپنا ہی نظر آ رہا تھا۔

اگر کراچی آتے ہی وہ ان کورسز کے چکر میں پڑنے کے بجائے' کوئی چھوٹی موٹی نوکری کر لیتی تو اماں پر نہ تو اخراجات کا بار پڑتا اور نہ ہی آئندہ کی فکر میں مبتلا ہوتیں' آخر ہزاروں لڑکے' لڑکیاں اس بے تحاشہ پھیلتے شہر میں ان ہی پارٹ ٹائم کاموں کے سہارے' اپنی اپنی جدوجہد میں مصروف ہیں اور وہ خود معلوم نہیں' کون سا تیر چلانے کی فکر میں ہے۔

اپنے اب تک کے وقت ضائع کرنے کا احساس تاسف میں مبتلا کر رہا تھا اور جب تک چائے بنی وہ جیسی ہے' جہاں ہے کی بنیاد پر فوری طور پر جاب شروع کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

" اے ثانیہ۔" ممانی اسے چائے لاتا دیکھ کر وہیں سے پکار بیٹھیں۔

" کسی دن فرح کے گھر چلے چلیں' بہت کہتی ہے' جب بھی آتی ہے اور بات ہے بھی صحیح' ہم لوگ ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی آج تک اس کے گھر ہو کر نہیں آئے ہیں۔"

انہوں نے خود ہی فرح کے گھر جانا خود پر فرض کر لیا تھا۔ حالانکہ لبنیٰ آئے دن اپنی دوستوں کے گھر آتی جاتی تھی' مگر انہوں نے کبھی بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں لی تھی۔

" مجھے اس کے گھر کا صحیح اندازہ نہیں ہے ممانی' ابھی میری سمجھ میں یہاں کے راستے ٹھیک طرح سے آئے بھی نہیں ہیں۔"

ان کا اصرار بڑھنے لگا تو اسے کہنا پڑا۔

" میں جو ساتھ ہوں گی' گھر ڈھونڈنا میری ذمہ داری ہے' بلکہ ڈھونڈنا بھی کیا' بالکل سیدھا راستہ ہے۔ میری سمجھ میں تو اچھی طرح آ چکا ہے۔ میں' تم' آپا اور لبنیٰ چاروں چلے چلیں گے۔" ان کے پاس ہر مسئلے کا حل تھا اور یہ بھی ان کی مہربانی ہی تھی کہ انہوں نے اسے اور اماں کو بھی اپنے پروگرام میں شریک رکھا تھا۔

ورنہ کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ لبنیٰ کو لے کر خود ہی فرح کے گھر جا پہنچتیں۔

ثانیہ کو حامی بھرنی ہی پڑی۔

" آپا کی وجہ سے ٹیکسی کرنا پڑے گی' ورنہ ہم تینوں تو بس سے بھی آرام کے ساتھ چلے جاتے۔"

حسب عادت انہوں نے حساب کتاب پہلے ہی صاف کر لینا چاہا۔

" بے کار میں تین چار سو روپوں کا خرچہ۔"

" وہ میں دوں گی تم فکر مت کرو۔"

اماں فوراً ہی بول پڑیں۔

ان کے لئے تو یہی سب سے بڑی خوشی کی بات تھی کہ ممانی ان لوگوں کے ساتھ مل کر کہیں آنے جانے کا پہلی بار پروگرام بنا تو رہی تھیں۔ بڑے اطمینان سے' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ممانی نے چائے کا کپ منہ سے لگا یا۔

اچھا ہوا کہ یہ فکر بھی دور ہوئی۔

رات کو فرح کا حسب معمول فون آیا تو اتفاقاً انہوں نے ہی اٹینڈ کیا۔ سو اسے بھی یہ " خوش خبری" سنا دی گئی۔

" تم سے اچھی تو ممانی ہی ہیں جن کا دل تو چاہا ہمارے گھر آنے کے لئے"

ثانیہ سے بات ہونے لگی تو وہ ہنس کر دوسری طرف سے بولی۔

" تم سوچ نہیں سکتیں مجھے تمہارے اور اماں کے آنے کی کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ ثانیہ ایک بات اور بھی اچھی ہو گی کہ میں کسی بہانے اماں سے تم لوگوں کے یہاں شفٹ ہونے کی بات بھی چھیڑ لوں گی' بلکہ اپنی امی سے کہوں گی کہ وہ انہیں یہ بات...۔"

"ارے نہیں اللہ کے واسطے یہ غضب مت کرنا۔"

ثانیہ نے گھبرا کر اس کی بات کاٹی' " وہ پھر سے خفا ہو جائیں گی۔ بڑی مشکل سے تو ان کا موڈ ٹھیک ہوا ہے۔"

" کوئی بات نہیں ہے' مجھ پر ناراض ہوں گی ناں' ہونے دو۔ میں ان کو منا بھی لوں گی۔ تم اس کی فکر مت کرو۔ یہ میرا اور اماں کا آپس کا معاملہ ہے۔"

فرح کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آ رہا تھا۔ ایسا گہرا یقین اور مان' اس کے لہجے سے اکثر ہی جھلکتا ہوا محسوس ہوتا تھا اور اس کی بے غرض اور شفاف محبت کے آگے بعض اوقات کچھ بھی کہنا بہت ہی مشکل ہونے لگتا تھا۔

" ہیلو' ہیلو۔ ثانیہ آواز نہیں آ رہی ہے کیا۔"

اس کی خاموشی سے یہی نتیجہ اخذ کر کے دوسری طرف سے فرح پوچھے جا رہی تھی۔

" سن رہی ہوں۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے ثانیہ نے موضوع کو ہی بدل دیا جو بات اسے آج دن بھر پریشان کئے ہوئے تھی۔ اسے فرح جیسی دوست کے ساتھ ہی شیئر کیا جا سکتا تھا۔

" اور اب یہ مت کہنا کہ چھوٹی موٹی نوکریوں سے اسٹارٹ لینا میرے لئے ٹھیک نہیں ہو گا۔ کام کرنا اب بہت ضروری ہو چکا ہے۔ فرح کچھ نہ کچھ سہارا تو مل ہی جائے گا۔ ورنہ اماں یوں ہی نواب شاہ والے گھر کو بیچنے کی ضد کئے جائیں گی۔"

اماں سے ہوئی بات چیت کو مختصراً بتا کر اس نے مشورہ چاہا۔ انداز اتنا حتمی تھا کہ فرح اس بار اس کے ارادے سے اختلاف بھی نہ کر سکی۔

" دونوں کورسز اب ختم ہی ہو رہے ہیں۔ پھر آگے جو کچھ بھی کرنا ہو گا' وہ جاب کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے۔ آخر تم بھی تو اتنے بہت سارے کام کر رہی ہو نا۔"

جب سے فرح کی دوستی حاصل ہوئی تھی' سوچنے کا ڈھنگ بڑی حد تک بدلا تھا۔ دوست تو خیر وہ تھی ہی مگر کہیں اندر وہ اسے بڑی حد تک آئیڈیالائز بھی کئے جاتی تھی۔

فرح کو دیکھ کر ہمیشہ یہی خیال آتا تھا کہ جیسے زندگی ان ہی کے لئے آسان ہے جو اپنی زندگی کی باگ ڈور خود اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھامے رکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ آس پاس دستیاب چھوٹے بڑے' سب ہی سہاروں سے قطعی بے نیاز مگر فرح جیسا ہونے کے لئے ابھی وقت بھی درکار تھا اور حوصلہ بھی۔

" ٹھیک ہے پھر میں کچھ سوچ کر رکھتی ہوں۔ تم لوگ آئو گے تو پھر آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے۔ میں خود آجائوں گی تم لوگوں کو لینے کے لئے۔"

" نہیں ہم آجائیں گے' ممانی کو راستہ اچھی طرح معلوم ہے اور پھر...."

بات ختم کر کے وہ واپس برآمدے میں آئی تو جمیل ماموں حسب معمول اماں کے پاس بیٹھ چکے تھے۔ ممانی اور لبنیٰ بھی موجود تھیں۔

" میں نہیں جائوں گی فرح کے گھر آپ لوگ ہی ہو آئیں' میرا تو کوئی خاص موڈ نہیں ہے۔" لاپروائی کے انداز میں لبنیٰ کہہ رہی تھی۔

صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اصرار کروانا چاہ رہی ہے۔ خود کو اہمیت دینے کا یہ اس کا اپنا طریق کار تھا۔

" کیوں نہیں چلو گی وہ بے چاری اتنی محبت سے بلاتی ہے۔ کتنا افسوس کرے گی' اگر تم نہیں جائو گی۔"

ممانی ایک دم تڑپ کر بولیں۔

حالانکہ یہاں موجود کوئی بھی فرد یاد کرنے کے باوجود بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے فرح کو کبھی بھی لبنیٰ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتے ہوئے سنا ہو۔

" زمانے بھر کی لڑکیوں کو گھومنے پھرنے کا شوق ہوتا ہے' مگر ایک یہ ہے کہ ہر وقت گھر میں گھسے رہنا ہی پسند ہے۔"

ثانیہ کو اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لئے خوامخواہ ہی دوسری طرف دیکھنا پڑ گیا۔

ممانی لبنیٰ کی وہ خوبیاں زیادہ روانی سے بیاں کرتی تھیں جو اس میں سرے سے پائی ہی نہیں جاتی تھیں۔

" اچھی بات ہے۔ اگر وہ گھر پر ہی رہنا چاہتی ہے تو کیوں اصرار کر رہی ہو۔ ویسے بھی فرح تو ثانیہ ہی کی سہیلی ہے' لبنیٰ تو وہاں جا کر بور ہی ہو گی۔"

ماموں نے فوراً ہی فیصلہ بھی کر دیا۔

لبنیٰ کا انکار اور ممانی کی تعریف' دونوں ہی الٹے پڑنے لگے۔

" اور میرے خیال میں تو تمہارے جانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس آپا اور ثانیہ ہی جائیں گی۔ تم لبنیٰ کے ساتھ' اس کی کسی دوست کے گھر ہو آنا۔ وہ بھی خوش ہو جائے گی۔"

کبھی کبھی ماموں انہیں واقعی عاجز کرنے پر تل جاتے تھے۔

" مجھے نہیں جانا لبنیٰ کی دوستوں کے گھر' کوئی ایک جوڈھنگ کی لڑکی ہو۔ معلوم نہیں اسے کیا خوبیاں نظر آئی ہیں ان میں جو یوں ان سب کو گلے کا ہار بنا رکھا ہے۔" ممانی کو اب لبنیٰ پر غصہ آنا شروع ہوا۔

نہ وہ اس طرح بن بن کر فرح کے گھر جانے سے انکار کرتی اور نہ انہیں اس جواب دہی میں پڑنا پڑتا۔

خود لبنیٰ ماموں کے سامنے کہہ کر پچھتائی تھی۔ جب سے عمر ہو کر گیا تھا۔ کئی بار اس نے خود ممانی کے سامنے فرح کے گھر چلنے کا کہا تھا۔

اب جب سب کچھ حسب منشاء ہو رہا تھا تو بناء سوچے سمجھے بولنے کا نتیجہ سامنے آ رہا تھا۔

اپنی بات سے پھرنا خلاف شان تو تھا مگر مصلحت بھی آخر کوئی چیز ہوتی ہے۔

"غصہ مت کریں امی اتنی ساری فرینڈز کا ہونا تو اچھی بات ہوتی ہے۔ آپ کی بیٹی کی خوش اخلاقی کا ثبوت ہیں۔ ورنہ لوگوں کو تو زندگی بھر میں ایک آدھ ہی کوئی دوست مل پاتا ہے۔"

آخری جملہ کہتے ہوئے اس کی نگاہ بطور خاص ثانیہ پر جا ٹکی' جو اماں کے پاس بیٹھی نہ معلوم کیا کھسر پھسر کر رہی تھی۔

لبنیٰ کا کیا ہوا طنز' شاید اس نے سنا بھی نہیں تھا۔ تخت کے نیچے سے ایک چھوٹا سا لیدر کا سوٹ کیس نکال کر اماں کے سامنے رکھتے ہوئے اسے جمیل ماموں نے بھی دیکھا مگر کوئی خاص دھیان نہیں دیا۔

اماں ضرورت کی چیزیں' یوں ہی ادھر سے ادھر کرتی رہتی تھیں۔ سب چیزوں کو سنبھالنا ثانیہ کی ڈیوٹی تھی۔

وہ چونکے تب' جب ہزار ہزار کے کئی نوٹ اماں نے ان کے ہاتھ میں تھمائے۔

"یہ کیا ہے آپا۔"

اب تک وہ گاؤ تکیہ کے سہارے تخت پر نیم دراز تھے۔ ایک دم ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"تمہارے پیسے ہیں جو تم نے فرح کو دیئے تھے۔"

اماں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ ممانی اور لبنیٰ' فرح کے گھر کا جانا آنا بھول کر پوری طرح سے اس طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

"مگر اس کی کیا ضرورت ہے' رکھیں آپ اپنے پاس' جب مجھے چاہیے ہوں گے تو لے لوں گا آپ سے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

اپنے طور پر وہ اس موضوع کو ختم کر چکے تھے۔ اس وقت اماں نے بڑے غیر متوقع طور پر یہ بات چھیڑی تھی تو وہ کچھ سٹ پٹا سے گئے تھے۔

"نہیں یہ تو تمہیں رکھنے ہی ہوں گے اور میرے پاس ہیں' تب ہی تو دے رہی ہوں' نہ ہوتے پیسے تو دوسری بات تھی۔"

اماں کا سوٹ کیس واپس تخت کے نیچے جا چکا تھا اور ان کے لہجہ میں بڑی قطعیت تھی۔ ممانی اپنی کرسی سے اٹھ کر قریب آ چکی تھیں' کسی ہلکی سی بھی ہچکچاہٹ کا اظہار کئے بغیر تخت پر رکھے وہ سارے نوٹ' دوسرے ہی لمحے اپنی مٹھی میں دباتے ہوئے' وہ بڑی خوش خوش دکھائی دینے لگیں۔

"جب آپا خود اپنی خوشی سے دے رہی ہیں تو اس طرح منع نہیں کرنا چاہیے۔ آپ نہیں لیتے تو میں لیے لیتی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی واپس مڑنے لگیں۔

جمیل ماموں نے بہت چڑ کر کچھ کہنا چاہا تھا' مگر اماں نے ان کا ہاتھ تھام کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

مختصر سا برآمدہ پار کر کے وہ اپنے کمرے میں جا چکی تھیں اور ان کے پیچھے پیچھے لبنیٰ بھی۔

"دیکھ لینا آپ نے کون سے یہ پیسے میرے ہاتھ میں آئے' مگر میں بھی اسے دوں گا تو ہرگز بھی نہیں۔"

وہ سخت جھنجلا کر اٹھنے لگے۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس سے لینے کی' بیوی ہے تمہاری' اگر اس کے پاس بھی رکھے رہیں گے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اپنی بچی کے لئے ہی جمع کر کے رکھتی ہے۔"

اماں نے انہیں اٹھنے نہ دیا۔ دھیرے دھیرے سمجھائے گئیں۔ ثانیہ کو بہر حال اس وقت بڑا سکون سا حاصل ہوا تھا۔

...☆☆☆...

سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ بشارت صاحب' وقفے وقفے سے اپنے کمرے سے نکل کر سارے گھر کا ایک چکر لگا رہے تھے۔ گیٹ سے لے کر برآمدہ اور پھر اندر کے بڑے ہال تک' ہر

شے اجلی اجلی سی نظر آ رہی تھی' اتنے دن کی محنت بلاشبہ رنگ لائی تھی۔ ہرے بھرے پودوں سے آراستہ سیڑھیاں اور برآمدہ اندر ہال کی پر سکون اور آرام دہ نشست۔

گھر کی آرائش کو قیمتی قیمتی سا لک دینے کے بجائے اسے آرام دہ سا تاثر دینے میں ہی اصل خوبصورتی چھپی ہوتی ہے اور امی بلاشبہ اس فن میں ماہر تھیں۔

پہلی بار بشارت صاحب کو بھی ان کی اس خوبی کا اعتراف کرنا پڑ رہا تھا۔

ایک لگی بندھی آمدنی میں گھر کے سارے اخراجات کو پورے کرنے کے بعد انہوں نے جس خوبی کے ساتھ یہ سب کیا تھا۔ اس کے پیچھے بلاشبہ برسوں کی جان ماری تھی۔

"تمہاری امی جیسی سلیقہ مند عورتیں کم کم ہی ہوتی ہیں۔ یہاں جو کچھ بھی ہے۔ سب ان ہی کی بدولت ہے۔ اس گھر کو انہوں نے صحیح معنوں میں گھر بنا کر ہمیشہ رکھا ہے۔"

بڑے ہال میں کھڑے ہوئے وہ ڈیا اور نازی کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ پتہ نہیں انہیں آج یہ احساس ہوا تھا' یا آج جتنے وہ خوش تھے۔ اس خوشی میں انہیں امی سے اپنی زندگی بھر کے اختلافات بھول گئے تھے۔

سائیڈ ٹیبل پر رکھے مصنوعی کرسٹل کے گلدانوں میں سرخ اور سفید گلابوں کی ٹہنیاں ڈالتے ہوئے امی کا دل بڑے زور سے کانپا۔

یہ لہجہ' یہ الفاظ' یہ اعتراف سب ہی کچھ بہت نیا سا تھا۔ شادی کے ابتدائی سالوں میں' انہیں ضرور یہ خواہش بڑی شدت سے ہوتی تھی کہ کبھی تو بشارت صاحب ایسا کچھ کہیں' جو حاصل زندگی ٹھہرے' مگر تب شاید ان کے پاس کبھی اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ وہ ذرا رک کر ایک سراہتی ہوئی نگاہ ان پر یا گھر پر ڈال لیں اور اب جب برسوں بیت چکے' اس قسم کی کوئی خواہش بھولے سے بھی نہیں ستاتی تھی۔ انہیں کہیں کہیں سے خیال آ ہی گیا تھا۔

" میں نے کیا تیر مار لیا۔ ساری آپ کی محنت ہے۔ کمانے والے تو آپ ہی ہیں۔ خیر سے ساری ذمہ داری اکیلے ہی اٹھاتے آئے ہیں اور ابھی تک بھی..."

ان کی آواز گلے میں پھنسنے لگی تو بیچ میں ہی رک گئیں۔

نازی کے لبوں پر آئی مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔ اپنے تمام تر شکوے شکایتوں کے باوجود امی وہی ایک روایتی مشرقی بیوی ہی تھیں۔ قدم قدم پر شوہر کی احسان مند اور ممنون۔

بہر حال اسے بہت اچھا لگا تھا۔ ابا کا اس طرح کہنا۔

آج کا دن ہی بہت مبارک تھا شاید۔

رات کو نینی کے سسرال والے بات طے کرنے آ رہے تھے۔" وہ لوگ تو وقت کے بڑے پابند ہیں۔ خیال رکھنا اپنی طرف سے بھی کوئی دیر نہ ہونے پائے۔" ابا امی سے کہہ رہے تھے اور وہ صبح سے کئی بار انہیں یقین دلا چکی تھیں کہ ان کے ہاں سب انتظامات بڑے پرفیکٹ انداز میں مکمل ہیں۔

" تب ہی گیٹ کی بیل بڑے زور سے بجنے لگی، معلوم نہیں رعنا آئی تھی یا سمیع۔"

نازی نے اندازہ لگانا چاہا۔

" نازی اگر سمیع ہے تو گیٹ پر ہی روک لینا، مجھے اسے کسی کام سے دوبارہ بھیجنا ہے۔"

بشارت صاحب نے اسے سیڑھیوں کا رخ کرتے دیکھ کر پیچھے سے پکار کر کہا۔

" جی اچھا ابا۔"

بڑے لاپرواسے انداز میں کہتی ہوئی وہ سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔

آج سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ گھر کے ماحول پر چھایا بوجھل پن کہیں ہواؤں میں تحلیل ہو چکا تھا۔

" سمیع، ابھی باہر ہی رکو، ابا...۔"

گیٹ کھولتے ہوئے بڑے مگن سے انداز میں ابا کا پیغام دیتے ہوئے وہ بڑے زور سے چونکی، بلو جینز اور لائٹ کلر کی شرٹ میں ملبوس وہ لڑکا قطعی اجنبی تھا۔

سائیڈ میں پارک کی ہوئی نئے ماڈل کی گاڑی، ایک نگاہ میں نازی کے نوٹس میں آچکی تھی۔

" جی کہیں کس سے ملنا ہے۔"

یہ چھوٹا سا روزمرہ کا سوال پوچھتے ہوئے بھی نازی کو ایک دم ہی ایسا لگا جیسے اس کا دل بڑی زور زور سے دھڑکنا شروع ہو گیا ہے۔

" میرا نام فیضان ہے اور مجھے بشارت حسین صاحب سے ملنا ہے۔"

اس کے تیور صاف بتاتے تھے کہ وہ اپنی عام زندگی میں کسی کو خاطر میں لانے والا نہیں ہے۔

شاید کچھ ایسا ہونے والا تھا جو کسی بھی قیمت پر نہیں ہونا چاہیے تھا۔

پیچھے آہٹ محسوس کرتے ہوئے نازی نے تھوڑا سا مڑ کر دیکھا۔

بشارت صاحب ٹھیک اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔

...☆☆☆...

بشارت صاحب نے اپنے سامنے کھڑے اس اسمارٹ کم عمر لڑکے کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔

انہیں یقین ہونے لگا تھا کہ وہ اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکے ہیں۔

" کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

" بات تھوڑی سی لمبی ہے، بہتر ہو گا کہ ہم کہیں بیٹھ کر بات کریں۔"

آنے والے کے لہجے میں اصرار تھا اور صاف لگ رہا تھا کہ وہ اپنی بات منوانے کا عادی ہے۔

بشارت صاحب کی عمر گزری تھی، اس قسم کے ضدی اور خودسر شاگردوں کے ساتھ، خوشحال گھرانوں میں پلنے والوں کی اکثریت کا ایک ہی جیسا حال تھا اور وہ ان سے نمٹنا بھی اچھی طرح جانتے تھے۔

" مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت آپ کو وقت نہیں دے سکتا۔ میرے گھر میں مہمان آنے والے ہیں، آپ پھر کسی وقت...۔"

’’میرا آپ سے اسی وقت بات کرنا بے حد ضروری ہے۔‘‘ ان کے لہجے کی روکھائی کا ذرا سا بھی اثر لیے بغیر اس نے بڑی بے تابی سے ان کی بات کاٹی۔

’’ ایک بار آپ میری بات سن لیں گے تو آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا۔‘‘

صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ ٹلنے والا نہیں ہے۔

’’ پلیز۔آپ میری بات....۔‘‘

اور اس کے انداز میں اصرار کے ساتھ‘ درخواست کرنے کی سی کیفیت بھی جھلکنا شروع ہو چکی تھی۔

’’ شاید انہیں اس طرح بے مروتی کا روّیہ اپنانا سوٹ کرتا بھی نہیں ہے۔چند منٹ دے دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔‘‘

یہی سوچ کر انہوں نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

’’ ٹھیک ہے آئو پھر‘ مگر صرف چند منٹ۔‘‘

ٹھیک پیچھے کھڑی نازی جلدی سے ایک طرف ہو گئی۔ایک اچٹتی ہوئی نگاہ‘ نازی اور صحن میں ہوئے سارے تام جھام پر ڈالتے ہوئے‘ وہ سر جھکائے بشارت صاحب کے ساتھ چلتا ہوا‘ بیرونی برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

بشارت صاحب کے گھر شاگردوں اور ان کے متعلقین کا آنا معمول کی بات تھی۔لوگ ان کے پاس ٹیوشنز اور کالج سے متعلق مسائل پر بات کرنے کے لیے آتے ہی رہتے تھے‘ مگر پتہ نہیں اس لڑکے کو دیکھ کر نازی کو ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ ایسے ہی کسی کام کے لیے آیا ہے۔

اس نے ایک بار پھر اس سمت دیکھا‘ جس طرف وہ لوگ گئے تھے۔

بڑی تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں طے کر کے وہ سامنے والے دروازے سے بڑے ہال کے کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔

ایک بڑی ہی بے وجہ سی گھبراہٹ نازی نے اچانک ہی خود پر طاری ہوتی محسوس کی۔

برآمدے کی کھلی ہوئی کھڑکی میں اسے امی بھی کھڑی دکھائی دے رہی تھیں۔وہ بھی بشارت صاحب کو اس لڑکے کو اندر لاتا دیکھ چکی تھیں۔

تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کو اس نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ‘ ہلکی سی سرزنش کرتے ہوئے نارمل کرنا چاہا۔

’’ حد ہے یعنی کہ کوئی اگر آ ہی گیا ہے‘ ایسے بے وقت میں تو اس طرح ہراساں ہونے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔‘‘

اب یہاں گیٹ کے پاس احمقوں کی طرح جمے رہنے کی کوئی ضرورت تھی بھی نہیں۔وہ واپس اندر آئی تو امی ابھی تک وہیں اسی ہرے شیشے والی کھڑکی کے پاس کھڑی تھیں۔

تمہارے ابا کا بھی جواب نہیں‘ گھر میں اتنے کام ابھی پھیلے پڑے ہیں اور انہوں نے اللہ جانے کس کو اندر لا بٹھایا ہے۔

اب نہ جانے یہ لڑکا کب تک بیٹھا رہے گا۔نینی کے سسرال والے تو ہیں بھی وقت کے بے حد پابند‘ شام ہوتے ہی دیکھ لینا آ بھی پہنچیں گے۔‘‘

نازی کو قریب آتا دیکھ کر وہ تھوڑا سا جھنجلا کر کہنے لگیں۔

’’ نہیں امی‘ وہ بس چند منٹ کے لیے ہی آیا ہے۔میں نے خود سنا تھا۔اسے ابا سے کہتے ہوئے۔‘‘

’’وہی ہو گی بس امتحانوں کی‘ ٹیوشن کی اور کون سی ضروری بات در پیش آسکتی ہے۔ تمہارے ابا کے ملنے والوں کو اور دیکھ لینا‘ اب یہ کتنی دیر سب کچھ بھول بھال کر اس لڑکے کے ساتھ بیٹھے رہیں گے۔‘‘

امی‘ نازی کی تسلی سے مطمئن نہیں تھیں۔ ویسے بھی آج ان پر گھبراہٹ طاری تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ گھڑی کی چوتھائی میں سارے کام بخیر وخوبی نمٹ جائیں۔

’’اور تم ذرا رعنا کو فون کر کے پوچھو تو کہ اس کا کیا پروگرام ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے آنے سے پہلے مہمان پہنچ جائیں۔‘‘

کچن میں جانے سے پہلے انہوں نے نازی کو ہدایت دی۔

فون بڑے کمرے میں رکھا تھا‘ مگر ایک ایکسٹینشن یہاں اس برآمدے میں بھی موجود تھا۔ پر اس پر صرف فون ریسیو کیا جاسکتا تھا۔ کوئی بھی نمبر ملانا اس پرانے ٹیلی فون سیٹ پر عام طور پر مشکل ہی ہوتا تھا۔

نازی چند منٹ تو یوں ہی تذبذب میں کھڑی رہی‘ اس وقت رعنا کو فون کرنے سے زیادہ اہمیت اندر بڑے ہال میں ہونے والی بات چیت کی تھی‘ جس کے بارے میں مشکل تو یہ تھی کہ کوئی بھی اندازہ نہیں لگا یا جاسکتا تھا۔

’’ہو سکتا ہے ابا کا کوئی پرانا اسٹوڈنٹ ہی ہو۔‘‘

امی کے پیچھے پیچھے کچن میں جانے سے پہلے اس نے خود کو ایک کمزور سی تسلی دے ہی لی۔ اندر بشارت صاحب پہلے سے بھی بڑھ کر بے مروتی سے اپنے سامنے بیٹھے شخص سے کہہ رہے تھے۔

’’میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے پاس اس وقت زیادہ لمبی چوڑی بات کرنے کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔ تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے‘ ذرا مختصر الفاظ میں کہو۔‘‘

گیٹ سے یہاں تک آتے آتے‘ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نئے ملاقاتی کے بارے میں‘ ان کی ناپسندیدگی کا گراف اچھا خاصا اونچا ہو چکا تھا۔

جس بے نیازی کے سے انداز میں‘ وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا‘ برآمدے اور پھر ہال میں داخل ہوا تھا اور جس طرح ان کے کہنے سے پیشتر ہی‘ ٹھیک سامنے والے صوفے پر جا بیٹھا تھا۔ وہ انہیں ٹھیک ٹھاک سی چڑچڑاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

ہال کے پرانے مگر بے حد صاف قالین پر‘ اس کے جوتوں کے نشان‘ داخلی دروازے سے لے کر وہاں تک جہاں اب وہ بیٹھ چکا تھا‘ بہت نمایاں نظر آرہے تھے۔ اس نے فٹ میٹ پر اپنے جوتوں کو رگڑنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔

ابھی تک ان کا یہی خیال تھا کہ وہ ان سے خود اپنے یا اپنے کسی جاننے والے کے لیے ٹیوشن کی بات کرنے کے لیے آیا ہے اور اپنے طور پر وہ یہ فیصلہ بھی کر چکے تھے کہ وہ اسے فوری طور پر منع بھی کر دیں گے۔ بھلے سے وہ کتنے ہی زیادہ پیسوں کی آفر دے۔

’’پیسے والوں کی بگڑی ہوئی اولاد‘ اس طرح دولت کے بل پر اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلانے کے قابل ہو رہی ہے۔‘‘ انہیں ہمیشہ ہی اس بارے میں سوچ کر کوفت ہوتی تھی۔

خود پر ان کی سرد مہری سے جمی نگاہوں کو شاید اب وہ بھی محسوس کر چکا تھا‘ مگر لگتا تھا کہ اسے ان کے روّیہ کی‘ کوئی خاص پروا نہیں ہے۔

’’مجھے آپ سے نوین کے بارے میں بات کرنی ہے۔‘‘

بناء کسی لمبی چوڑی تمہید کے اس نے کہنا شروع کیا۔

" نوین کا کیا ذکر ہے یہاں اور میں اپنی بیٹی کے بارے میں کسی اجنبی سے بات کرنا پسند بھی نہیں کرتا ہوں۔"

ایک نہایت غیر متوقع بات جواب چھیڑی ہی تھی۔ حد درجہ ناگواری کا احساس پیدا کرنے کا سبب بنی تھی۔" اور کچھ بھی الٹی سیدھی بکواس کرنے سے بہتر ہے کہ تم یہاں سے چلتے بنو۔"

بشارت صاحب کو شدت سے احساس ہوا کہ وہ اس لڑکے کو اندر لا کر بہت بڑی غلطی کر چکے ہیں۔

" اس طرح غصہ کرنے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔ آپ اگر ٹھنڈے دل سے میری بات سنیں گے تو ہم دونوں ہی کے حق میں اچھا ہو گا۔"

وہ اس بار بھی ان کے غصے سے مرعوب ہوتا محسوس نہیں ہوا اور اس کا یہ ٹھنڈا اور پر سکون انداز' بشارت صاحب کے لیے بڑا توہین آمیز تھا۔

مگر وہ ان کے بار بار کہنے پر بھی ٹس سے مس ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔

" آپ کو ایک بار تو سننا ہی ہو گا اور میں اپنی بات کہے بغیر جانے والا بھی نہیں ہوں' میں اور نوین...۔"

" مت نام لو بار بار میری بیٹی کا۔" اپنے سارے اعتماد کے باوجود بھی انہیں اپنی آواز میں آئی لرزش خود بھی محسوس ہوئی' جو کچھ وہ کہنے جا رہا تھا۔ وہ سننے سے پہلے ہی انہیں خوفزدہ کیے دے رہا تھا۔" خوب جانتا ہوں تم جیسے چلتے پھرتے لڑکوں کو' اچھے گھروں کی لڑکیوں کے پیچھے پڑ کر انہیں بدنام کرنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہو' لیکن یہاں تمہاری دال نہیں گلنے والی ہے سمجھے' اٹھو یہاں سے۔"

بشارت صاحب نے نزدیک آ کر سختی سے اس کے کندھے کو ہلایا تو وہ پہلی بار غصے میں آیا۔

" میں کوئی چلتا پھرتا لڑکا نہیں ہوں بشارت صاحب' میرے باپ اور دادا' شہر کے معروف لوگوں میں شمار ہوتے ہیں' بہت عزت دار خاندان ہے ہمارا' آپ اس طرح میری توہین نہیں کر سکتے ہیں۔" اس کا ہر انداز اپنے اسٹیٹس کی گواہی دے رہا تھا۔ وہ جن لوگوں کا حوالہ دے رہا تھا' وہ بھی واقعی شہر کے بڑے نام تھے' مگر اس وقت ذرا سی بھی کمزوری دکھانا' ان کے حق میں برا تھا۔ بشارت صاحب پر یہی خیال حاوی ہو رہا تھا۔

" میری بلا سے تمہارا تعلق جن لوگوں سے بھی ہو اور اتنا ہی اچھا خاندان ہے تمہارا تو آئندہ اس طرح کسی شریف لڑکی کا نام لینے سے پہلے سو بار سوچ لینا۔"

"میں بہت سوچ سمجھ کر ہی یہاں تک آیا ہوں بشارت صاحب' آپ بھی سمجھنے کی کوشش تو کریں پلیز۔"

اپنی عادت کے بالکل ہی برخلاف وہ اب تک بشارت صاحب کی کہی ہر ناگوار بات کو کچھ نہ کچھ برداشت ہی کر رہا تھا' مگر اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ آسانی سے کچھ بھی سننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اور اس کے پاس اپنی بات کہنے کے لیے اب وقت بہت کم رہتا جا رہا تھا۔ سو اسے کہنا ہی پڑا۔

" میں اور نوین پسند کرتے ہیں ایک دوسرے کو' شادی کرنا چاہتے ہیں ہم' مگر آپ کی اجازت سے۔"

اپنی بات کے اختتام پر ایک گہری سانس لیتے ہوئے اسے کوئی بھاری بوجھ اتار پھینک دینے جیسی راحت کا احساس ہوا۔

وقت کا کوئی فیصلہ کن موڑ جیسے بالکل ہی سر پر آ پہنچا تھا۔

بشارت صاحب' ششدر سے ہوئے اسے دیکھے جا رہے تھے' جس بات کے ہونے کا خوف انہیں اتنے دن سے دہلائے جا رہا تھا' جسے ذہن سے جھٹکنے کے لیے انہوں نے تنہائی میں بھی' محض وہم سمجھ کر ذہن سے جھٹکنے کی کوشش بار بار کی تھی۔ وہ بات شاید اول دن سے ہی ایک بڑا جیتا جاگتا سچ تھی۔

" آپ اگر غیر جانبداری سے دیکھیں تو مجھ میں کوئی برائی نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ابھی میری تعلیم مکمل نہیں ہے' مگر ہمارا خاندانی بزنس...."

بشارت صاحب کے ہاتھ کے اشارے پر وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

" تمہیں معلوم ہے کہ ہم نینی کا رشتہ طے کر چکے ہیں اور آج اس سلسلے میں اس کے سسرال والے یہاں آ رہے ہیں۔"

وہ بروقت تمام خود کو کمپوز کیے ہوئے تھے' مگر ان کے چہرے پر گہری ہوتی مایوسی ظاہر تھی۔

" جی ہاں۔"

اعتراف جرم کے سے انداز میں پہلی بار اس نے لمحے بھر کے لیے نظر جھکائی۔

" نویں نے بتایا تھا مجھے' اسی وجہ سے مجھے یہاں آپ کے پاس آنا پڑا ہے۔"

ایک طنزیہ سی مسکراہٹ پہلی بار بشارت صاحب کے لبوں پر ابھری اور پتہ نہیں اسے مسکراہٹ کہنا بھی چاہیے یا نہیں۔ بس صرف لبوں کو کھینچ کر پھیلا لینے کی کیفیت۔

" اچھا"

بہت کھینچ کر انہوں نے یہ چھوٹا سا لفظ کہا۔

" پھر کیا ارادہ تھا تم دونوں کا' اگر ابھی نینی کا رشتہ طے نہیں ہوتا تو اسی طرح ماں باپ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر سڑکوں' پارکوں میں ملاقاتیں کیا کرتے۔ خاندان کی عزت کا ذرا بھی پاس کیے بغیر ہاں۔"

انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے اب وہ اپنا توازن کھونے ہی والے ہوں۔

ماحول میں آیا تناؤ جیسے لمحہ لمحہ کر کے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

" اور اس عمر کے لوگوں کو' ایسی کوئی بھی بات جو ان کے خلاف مرضی ہو' سمجھانا کس قدر مشکل کام ہے۔"

سامنے بیٹھے فیضان نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کرتے ہوئے سوچا' مگر یہ مشکل کام سرانجام دینا ہی تھا۔

" سنو لڑکے۔"

انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے کھڑا ہونے کا اشارہ دیا۔" بس اب تم یہاں سے چلتے پھرتے نظر آئو۔ ہم لوگ اپنی بیٹی کا رشتہ طے کر چکے ہیں اور اب اس میں آگے بات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں تمہیں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ دفع ہو جائو یہاں سے۔" ان کی آواز بہت اونچی تھی۔ وہ اتنے غصہ میں آ چکے تھے کہ فیضان کو لگا کہ اب وہ اسے دھکے دے کر باہر نکالنے میں بھی دیر نہیں کریں گے اور خود اسے بھی آج تک یہ اتفاق نہیں ہوا تھا کہ کوئی اسے اتنے توہین آمیز انداز میں مخاطب کرے' بلکہ وہ تو خود لوگوں کو اپنے موڈ کے حساب سے ٹریٹ کرتا آیا تھا۔

" اور کیا تک ہے ان کی اس بلاجواز ہٹ دھرمی کی۔ کس نے حق دیا ہے کہ وہ اس آسانی سے اس کی اور نوین کی زندگیوں سے' ان کی عمر بھر کی خوشیوں سے اس طرح کھیل جائیں۔"

بشارت صاحب کے لیے جو تھوڑی بہت عزت' وہ نوین کے والد کی حیثیت سے برقرار رکھنا چاہ رہا تھا' وہ بڑی تیزی سے زائل ہونے لگی تھی اور جب کہ یہ طے تھا کہ وہ جو کچھ سوچ کر آیا ہے' اسے ان سے منوائے بغیر واپس نہیں جائے گا۔

'' آپ نوین کو یہاں بلا کر پوچھیں میرے سامنے کہ وہ آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر راضی ہے یا نہیں۔''

ان کی ضد کو توڑنے کے لیے جو کچھ بھی کیا جا سکتا تھا' وہ کرنے والا تھا۔

'' میری بیٹی راضی ہے یا نہیں' یہ ہمارا اپنا معاملہ ہے۔ ہمیں پتہ ہے کہ اس کے لیے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں اور یہ فیصلہ ہمارا کیا ہوا ہے' سمجھے تم۔''

'' مگر ابا' زندگی تو میری ہے نا' تھوڑا سا حق تو آپ مجھے بھی دیں گے نا۔''

نینی کی آواز پر ان دونوں ہی نے پلٹ کر بیک وقت دیکھا۔

پچھلے برآمدے کی طرف کھلنے والے دروازے سے وہ اندر آئی تھی اور اس کے پیچھے حیران اور خوفزدہ سی امی اور نازی بھی تھیں۔

نہ جانے کس وقت ان لوگوں کی آوازیں اتنی اونچی ہو گئی تھیں جو گھر کے سب لوگوں کو اس طرف متوجہ ہونا ہی پڑ گیا تھا۔

بشارت صاحب نے بہت پر اعتماد قدموں سے نینی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھیں' جیسے کئی رات سے سو نہ سکی ہو' مگر کوئی ہلکی سی بھی گھبراہٹ اس کے کسی انداز سے جھلکتی ہوئی نہیں محسوس ہو رہی تھی۔

'' اور پھر ہم آپ سے اپنا حق ہی تو مانگ رہے ہیں۔ وہ حق جو مذہب بھی ہمیں دیتا ہے۔ پھر آپ اس سے کیوں انکاری ہیں۔''

آج سے پہلے وہ کبھی بھی اس طرح ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت نہیں کر پائی تھی' بلکہ وہ تو ان کے سامنے پڑنے سے ہی گریز کرتی آئی تھی۔ صرف رات کے کھانے کی میز پر جس کسی دن وہ جلدی آجاتے' یا پھر چھٹی کے دن کے ناشتے کا وقت' ایسا تھا جب دِیا اور نینی انہیں کچھ دیر کے لیے اپنی موجودگی کا احساس دلاتی تھیں اور اس میں بھی وہ انہیں کتنا کم مخاطب کرتے تھے' جو بات کہنی ہوتی زیادہ تر امی یا پھر نازی اور سمیع میں سے کسی کو مخاطب کر کے کہا کرتے۔

آج جب وہ یوں روبرو اپنے حق اور ان کے فرض کو جتلانے کے لیے آکھڑی تھی تو کتنی اجنبی سی لگ رہی تھی۔

'' مت آڑ لو مذہب کی۔'' انہوں نے اتنی ہی بلند آواز میں کہنا چاہا' جس میں وہ اب تک فیضان کو مخاطب کر رہے تھے' مگر ایسا ہو نا پایا۔

وہ بس یک ٹک اسے دیکھے گئے۔

'' اتنے یکطرفہ فیصلے مت کریں ابا' جن سے کسی کو بھی خوشی حاصل نہ ہو پائے۔ ہمیں ہماری زندگی جی لینے دیں۔''

'' ہمیں۔''

انہوں نے جیسے بہت چونک کر نینی پر سے جمی نگاہ ہٹائی۔ کتنی آسانی سے اس نے سارے تعلق کو توڑ کر خود کو ایک نئی اکائی کا حصہ بنالیا تھا۔

"ہمیں۔"

رنج اور مایوسی میں ڈوبی ایک نگاہ انہوں نے سامنے کھڑے فیضان پر ڈالی۔

وہ جو اتنی دیر سے اس کے اعتماد بلکہ ڈھٹائی پر حیران ہوتے رہے تھے۔ اب اس کی اصل وجہ سمجھ میں آرہی تھی۔

کہیں کوئی گنجائش نہیں تھی۔

نہ بحث و تکرار کی۔

اور نہ کسی نعمتوں کے پلندے کی۔ ابھی تک جو وہ فیضان کے ساتھ روّیہ اختیار کیے ہوئے تھے تو کتنے بڑے بے وقوف تھے۔ انہیں بخوبی احساس ہو رہا تھا۔

پھر بھی جیسے آخری کیل ٹھوکنے سے پہلے انہوں نے رسمی کارروائی نبھائی۔

"اور اگر میں تم لوگوں کو اجازت نہیں دوں تو...؟"

ایک بڑا سا سوالیہ نشان کمرے کے بیچوں بیچ آکر ٹھہرا۔

دروازے میں کھڑی امی' بہت تیزی سے اندر آئیں۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا نینی' بے شرم باپ کے سامنے کھڑے ہو کر کس ڈھٹائی سے بات کر رہی ہے۔ نازی اسے اس کے کمرے میں لے کر جائو۔"

وہ نازی کو کہنے کے ساتھ ہی خود بھی اس کا بازو پکڑ کر کھینچنے لگیں۔

مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

"رہنے دو تم' اسے بات کہنے دو۔"

بشارت صاحب کے لہجے میں امی کے لیے' وہی کھردرا پن اور کڑواہٹ پھر سے در آئی تھی' جو پچھلے کچھ عرصے سے بالکل غائب تھی اور جس تبدیلی کا گھر میں بڑا خوشگوار سا نوٹس بھی لیا جا رہا تھا۔

"ہاں بھئی کہو' پھر کیا ارادہ ہے۔"

کمرے میں موجود سب ہی لوگوں کی موجودگی کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے' انہوں نے اپنا سوال پہلے سے بھی بڑھ کر رسمی انداز میں دہرایا' بالکل ایسے' جیسے وہ اپنی بیٹی سے نہیں' بلکہ کسی دور پار کے' کبھی کبھار ملنے والے سے یوں ہی بس تکلفاً ہی' اس کے مستقبل کے ارادے پوچھ رہے ہوں۔

ایک گہری خاموشی جو اطراف میں آٹھہری تھی۔ بڑی اعصاب شکن تھی۔

دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگا کر کھڑی نازی نے ملتجی نگاہوں سے نینی کو دیکھا۔

محض اس کے جواب پر' گھر کے سارے سیٹ اپ میں کتنی بڑی تبدیلی آنے والی تھی۔ اس کا اندازہ وہ بخوبی کر سکتی تھی۔

"اور شاید اس کے بعد' اس منتشر ہوئے گھر کو سمیٹنا کسی کے بھی بس میں نہیں رہ پائے گا۔"

بہت مایوس سا ہو کر اس نے سوچا اور یہ صرف وہم نہیں حقیقت تھی۔

نینی کو سوچنے کے لیے وقت درکار نہیں۔ فیصلہ وہ کر ہی چکی تھی۔

اور یہ چند لمحوں کی مہلت اس نے خود کو نہیں بلکہ گھر والوں کو ان کے بکھرتے ہوئے اعصاب کو مجتمع کرنے کے لیے دی تھی۔

" میں فیضان کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کروں گی' آپ لوگ بے کار کا دباؤ مجھ پر مت ڈالیں۔"

یہ فیصلہ تھا' جو اس نے اپنے لہجے میں ذرا سی بھی لچک ظاہر کیے بغیر سنایا تھا۔

اب کسی کے لیے کوئی رائے دینے کی گنجائش باقی نہیں تھی۔ یہاں موجود ہر شخص اندازہ کر سکتا تھا کہ اس نے جو ٹھان لی ہے۔ وہ ہر قیمت پر کر گزرے گی۔

بشارت صاحب' قریب پڑی ہوئی کرسی پر بڑے ہارے ہوئے انداز میں بیٹھے۔

" تمہیں پتہ تھا' اچھی طرح نا کہ یہ جو کچھ بھی ہم لوگ تمہارے سلسلے میں کر رہے تھے۔"

اضطرابی سے انداز میں' ہاتھ کو گھماتے ہوئے بڑے سارے ہال میں ہوئے سارے انتظامات کی طرف اشارہ کیا۔

گل دانوں میں مسکراتے ہوئے خوبصورت رنگوں والے' اصلی اور نقلی دونوں طرح کے پھول' صوفوں پر رکھے خوبصورت کشن۔

کھانے کی میز پر چمکتی کٹلری اور خوبصورت تہہ بنا کر رکھے گئے نیپکن۔

ہر شے جیسے' کچھ دیر بعد آنے والے مہمانوں کی منتظر تھی۔

" تو جب ہر بات تمہارے علم میں تھی تو پھر اپنا فیصلہ سنانے میں تم نے اس آخری وقت تک کا انتظار کیوں کیا۔ ایک شریف اور عزت دار گھرانہ' ہماری زبان پر بھروسہ کر کے' نجانے کیا کیا انتظامات کر چکا ہے۔ وہ لوگ اس ذلت میں کس لیے حصہ دار بنیں' جو ہمارے لیے ناگزیر ہے۔"

" میں نے کہا تھا ابا۔"

ان کے خاموش ہوتے ہی نینی تیزی سے بولی تھی۔

" دس بار کہا' امی سے' نازی آپا سے کہ مجھے ابھی نہیں کرنی ہے شادی وادی' مگر ان لوگوں نے میری بات کو سیریس لیا ہی نہیں۔"

بشارت صاحب کی نگاہ' خاموش' ساکت کھڑی نازی پر آ ٹکی۔

" میں اسے نینی کی بے وقوفی سمجھ کر ٹال گئی تھی ابا' میں سمجھی کہ بس بعد میں خود بخود سب ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ امی اصل میں آپ کو...۔"

حالانکہ انہوں نے اس سے کوئی سوال بھی نہیں کیا تھا' مگر وہ سخت شرمندہ سی اپنی صفائی دینے کے لیے آگے بڑھ آئی۔

لگتا تھا کہ اب جیسے سارے جواز' ساری دلیلیں اپنے اپنے معنی کھو رہی تھیں۔

بشارت صاحب نے اس کی بات پورے طور سنے بغیر ہی' خود کو نینی کی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ پہلی بار نازی کو احساس ہوا کہ جیسے آج وہ خود بھی' ان کی نگاہوں سے گر گئی ہے۔ ایک بے اعتمادی کی سی کیفیت' اس وقت ان کی خود پر اٹھی' نگاہ میں اس نے صاف صاف محسوس کی تھی۔

" تو بس اب پھر بات ہی ختم، کیا نام ہے تمہارا...۔"

" فیضان۔"

اس نے جلدی سے انہیں یاد دلایا۔

" ہاں، اچھا"

ویسے فرق بھی کیا پڑتا تھا، اس کا جو بھی نام ہو۔

" تو فیضان، تمہارے گھر سے کوئی بڑا، مجھ سے بات کرنے کی تکلیف اٹھائے گا، یا یہ فرض تم خود ہی انجام دے لو گے۔"

ایک بے حد مجبوری میں کیے جانے والے فیصلے کی تکلیف کو جھیلنے کے لیے، وہ تیار تھے۔

امی، نازی دونوں کو ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ وہ اس طرح آسانی سے نینی کو اپنی من مانی کرنے کی اجازت دے دیں گے۔

" کیا کہہ رہے ہیں آپ" امی سے رہا نہ جا رہا تھا۔

"ایسے کیسے راضی ہو سکتے ہیں ہم، یہ لڑکا کون ہے، کس خاندان سے ہے، کیا کرتا ہے، کچھ بھی تو نہیں پتہ ہے ہمیں۔"

" ہمارا وہ سب جاننا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ فیصلہ ہمارا نہیں، اس کا ہے۔"

شہادت کی انگلی سے انہوں نے نینی کی طرف اشارہ کیا۔" اور یہ سب کچھ ظاہر ہے جانتی ہے تو پھر تشویش کس بات کی ہے؟"

کوئی غصہ، کوئی جھنجلاہٹ نہیں۔

" یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں اس لڑکی کی شادی کرنی ہے، جلد از جلد، تمہیں کیا کرنا ہے، کیسے سیٹ ہونا ہے۔ اس سے ہمارا کوئی مطلب نہیں ہے۔ ویسے بھی تم دونوں نے الگ الگ ابھی میرے سامنے یہی بات تو کہی ہے کہ تم لوگ شادی کرنا چاہتے ہو۔ پھر اتنی سی دیر میں ہی کیوں پیچھے ہٹنا شروع کر دیا ہے۔"

ان کا انداز بے حد طنزیہ ہونے لگا تھا۔ فیضان کو بڑی خفت سی محسوس ہوئی، نینی کے والد اس کے ہر انداز سے بالکل مختلف ثابت ہو رہے تھے۔

" میں پیچھے نہیں ہٹ رہا ہوں۔ مجھے صرف تھوڑا سا وقت درکار ہے، ہو سکتا ہے میں اپنے گھر والوں کو بھی راضی کر سکوں۔"

" کچھ نہیں ہوتا، مفروضے کچھ بھی نہیں دیتے، سوائے مایوسی کے، میں نے بھی اپنے طور پر بہت کچھ فرض کر لیا تھا۔ نینی کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت، مگر کیا ہاتھ آیا۔" ان کی آواز مدھم اور شکستگی میں ڈوبی سی تھی۔

بائیں طرف کھڑی نینی کی نگاہ خود بخود جھکنے لگی۔

" بہر حال۔"

ایک گہری سانس لیتے ہوئے انہوں نے خود کو ایک بار پھر کمپوز کیا۔" ایک فیصلہ میں نے تم لوگوں کا سنا ہے اور مانا بھی، اب ایک آخری بات تم بھی سن لو۔ اس جمعہ کو تمہارا نکاح نینی کے ساتھ ہو جائے گا۔ تمہارے ساتھ تمہارے گھر والے

آتے ہیں یا نہیں اور تم اس کو رخصت کرا کے کہاں لے جاتے ہو۔ ان سب باتوں سے ہمارا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ تم جس طرح چاہو' ان معاملات کو ہینڈل کر سکتے ہو۔"

بات کہیں سے کہیں پہنچ رہی تھی۔

فیضان خود یہاں آنے سے پہلے اتنی مشکل صورت حال کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ بس اتنا ہی اندازہ تھا کہ وہ اس کی اور نینی کی بات سن کر برا بھلا کہہ کر' فی الحال اپنے اس سر پر کھڑے فیصلے کو کچھ عرصے کے لیے ٹال دیں گے اور اس وقفے میں کچھ نہ کچھ تو کیا ہی جا سکتا تھا۔

گھر والوں کو راضی نہ سہی' ایک خود مختار زندگی کی شروعات کے لیے ابتدائی تیاری ہی سہی۔ تھوڑی سی مہلت بہر حال بے حد ضروری تھی' مگر سب کچھ بڑی تیزی سے گڑ بڑ ہوا تھا۔

فیضان کو بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ بشارت صاحب کے سامنے تھوڑی سی مہلت کی درخواست کرنا بھی بالکل ہی فضول ہے۔

ان کی حد سے بڑھی ہوئی سرد مہری صرف ذلت کے احساس کو بڑھا رہی تھی۔

" شاید اس نے بات کا آغاز صحیح طور پر نہیں کیا تھا' یا اسے خود آنے کے بجائے فی الحال کسی دوست وغیرہ کو یہاں بھیج دینا چاہیے تھا۔"

اپنی غلطی کا احساس اسے شدت کے ساتھ ہونا شروع ہوا تھا' مگر اب آگے بڑھایا ہوا قدم واپس لینا بھی بڑی ناممکن سی بات تھی۔

" ٹھیک ہے' مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے۔"

کمرے سے نکلنے سے پہلے' جب وہ انہیں یقین دلا رہا تھا۔ تب بھی وہ یوں ہی بے تاثر سے انداز میں سامنے رکھی میز کی سطح پر نگاہیں جمائے دیکھے گئے۔

اور جب وہ ان سب کو" خدا حافظ" کہہ کر باہر برآمدے کی طرف کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تب بھی کسی نے اسے" خدا حافظ" کہنے یا اس کے پیچھے کمرے سے باہر آنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ خود نینی کو لگ رہا تھا کہ اس کے پیر فرش پر جم سے گئے ہیں۔

ایک نئی زندگی کی شروعات' ٹھیک اس کی اپنی مرضی کے مطابق ہونے ہی والی تھی۔ پھر بھی دل پر ایک سہم سا طاری ہونا شروع ہو رہا تھا۔

ایک بے حد بڑی کامیابی' دل کو سچی خوشی سے ہم کنار کرنے میں کیوں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی بھلا۔

کمرے میں صرف امی کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ نازی' ان کے برابر کھڑی' معلوم نہیں اب کن الفاظ میں انہیں تسلی دے رہی تھی۔

تب ہی

" تم بھی اب چپ ہو جاؤ خدا کے لیے' ایسی اولاد کے لیے آنسو نہیں بہائے جاتے' جنہیں والدین کی عزت کا تماشہ بناتے ہوئے کوئی جھجک نہیں ہوتی۔ انہیں صرف ایک ناگوار بوجھ کی طرح اتار پھینکنے میں ہی عافیت ہوتی ہے۔"

اس بوجھل ہوتے ماحول میں اس نے بشارت صاحب کو کہتے ہوئے سنا۔

سمیع ابھی ابھی باہر سے آیا تھا۔

ہاتھ میں تھامے ہوئے بڑے سارے شاپر کو سنبھالتے ہوئے' اس نے بڑی حیرت سے کمرے کے اس بالکل ہی غیر متوقع اور بھید بھرے ماحول کو دیکھا۔

...☆☆☆...

شہر کے پرانے' مصروف ترین علاقے میں بنی اس پرانی ہی طرز کی عمارت کے گیٹ پر' ٹیکسی ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ رکی تھی۔

ثانیہ نے بڑے اشتیاق کے ساتھ' ٹیکسی سے سر نکال کر باہر جھانکا۔

دھوپ بھری فٹ پاتھ پر زندگی پوری طرح سے رواں دواں تھی۔

اطراف کی دکانوں پر خریداروں کا ہجوم اور دکانوں کا فٹ پاتھ تک پھیلا ہوا سامان' راہ گیر' پھر بھی بچتے بچاتے گزر ہی رہے تھے۔ مرکزی دروازہ بند تھا اور اس کے ٹھیک اوپر نصب پتھر کی بڑی سی سل پر لکھے الفاظ' اتنے نمایاں تھے کہ دور سے بھی صاف پڑھے جاتے تھے۔

'' رحمت منزل۔''

اس نے زیر لب دہرایا۔

''لیجئے آپا' پہنچا دیا نا آخر میں نے آپ کو بالکل صحیح جگہ پر۔''

ممانی نے بڑے فخریہ انداز میں اپنی کارکردگی جتائی' وہ اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی اور راستہ بتانے کی کلی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھیں۔

یہ الگ بات تھی کہ اتنی آسانی سے یہاں تک پہنچنے میں ان کی رہنمائی سے زیادہ' ٹیکسی ڈرائیور کی سارے شہر کے بارے میں' بہترین معلومات کا دخل تھا۔

مرکزی دروازے میں کھڑا' پٹھان چوکیدار اشارے سے ٹیکسی کو وہیں رکے رہنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

'' مہمانوں کی گاڑیوں کو باہر ہی رکنا پڑتا ہے' اندر لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔

ڈرائیور بتا رہا تھا۔

'' اچھی بات ہے بیٹا' پھر ہم یہیں اتر جاتے ہیں۔''

اماں عادتاً ہی ہر ایک سے شفقت سے بات کرتی تھیں۔ پچھلی سیٹ پر وہ' ثانیہ اور لبنیٰ بیٹھی تھیں۔ تب ہی ثانیہ نے کسی کو زور سے کہتے ہوئے سنا۔

'' خان صاحب' ٹیکسی کو اندر جانے دیں۔ ہمارے مہمان ہیں۔''

ثانیہ نے گردن موڑ کر ادھر ادھر دیکھنا بھی چاہا مگر لوگوں کے ہجوم میں کوئی شناسا چہرہ دکھائی نہیں دیا۔

پٹھان چوکیدار نے بڑی تیزی سے مین گیٹ کھولا تھا اور جب ٹیکسی اندر جا رہی تھی تو اس نے بڑے ادب سے ہاتھ اٹھا کر سلام بھی کیا۔ ثانیہ کو ایک عجیب سی فیلنگ نے آگھیرا۔

'' سلام کر رہا تھا مجھے' آگے بیٹھی ہوئی ہوں نا۔''

ممانی اپنی اس'' عزت افزائی'' پر بے حد خوش تھیں اور اپنے غصے اور خفگی کی طرح' وہ اس خوشی کو بھی جتائے بغیر نہیں رہ سکتیں۔

ٹیکسی اندر جا کر سامنے کے تینوں بلاکس کی طرف جاتی ہوئی سیڑھیوں کے سامنے رک گئی۔

وہ لوگ اتر چکی تھیں، جب انہیں باہر کے دروازے سے عمر اندر آتا دکھائی دیا۔

اسی نے ان لوگوں کو دیکھ کر، خاں صاحب کو گیٹ کھولنے کے لیے کہا تھا۔

آج وہ اس دن سے بالکل مختلف دکھائی دے رہا تھا، جس روز ان کے گھر آیا تھا۔

آفس کے لیے کی گئی، ٹپ ٹاپ والی تیاری کے بالکل برعکس، کاٹن کی ہلکی آسمانی قمیض اور فیڈڈ جینز میں ملبوس، بالکل ریلیکس موڈ میں، اس کی پر خلوص مسکراہٹ، خود بخود ایک گہری اپنائیت کا احساس جگاتی تھی اور اس وقت وہ کچھ اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ ان سب نے ہی اپنی اپنی جگہ پر اس کا نوٹس لیا تھا۔

"تم ہم لوگوں کا ہی انتظار کر رہے تھے نا، باہر کھڑے۔ فرح نے بتایا ہو گا ہمارے آنے کا۔"

ممانی کی خوش فہمی انتہا درجہ کی تھی۔

"جی وہ میں...."

عمر سے فوری طور پر کوئی جواب بھی نہیں بن پڑا۔ اصل میں تو وہ نانی کی کچھ دوائیں لینے کے لیے نیچے میڈیکل سٹور پر آیا تھا اور فرح سے تو ویسے بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے ان خاص مہمانوں کی آمد کی اطلاع بطور خاص اسے دیتی۔

"آئیے اس طرف آئیے اماں۔"

شاید فرح کے منہ سے سن سن کر ہی اس کے منہ سے بھی اماں نکلا تھا۔

ان کا ہاتھ پکڑ کر، وہ بڑی احتیاط سے انہیں ایک ایک سیڑھی کر کے زینہ طے کر رہا تھا۔

"کاش کہ وہ ان کی لبنیٰ کا ہی مقدر بن سکے۔"

ممانی نے اس کی دل کش شخصیت اور برتاؤ کی خوبیوں پر بڑا رشک سا آتا محسوس کیا۔

فرح کے گھر تک پہنچتے پہنچتے، وہ عمر سے اس کے فلیٹ کا نمبر اور نانی سے مل کر جانے کی خواہش دونوں ہی باتیں کر چکی تھیں۔

فرح کے گھر میں بڑا پر تپاک استقبال کیا گیا تھا۔

اس کی امی بھی، اس کی طرح محبت کرنے والی اور سادہ مزاج تھیں۔ اماں کو پہلی نظر میں ہی بے حد پسند آ گئی تھیں۔

ان لوگوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر، ثانیہ اور فرح چھوٹے سے لاؤنج میں آ بیٹھی، لبنیٰ بھی ساتھ تھی۔

"فرح تمہارا گھر تو ماشاءاللہ بہت خوبصورت ہے۔ بہت اچھا سیٹ کیا ہوا ہے تم نے۔"

ثانیہ نے تعریفی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سراہا۔

فرح انکساری سے مسکرا دی۔

"ہاں، بس ایسے ہی تھوڑا بہت۔"

لبنیٰ نے اس طرح، کسی کا دل رکھنا سیکھا ہی نہیں تھا اور فرح تو اسے یوں بھی کوئی خاص کیا، عام بھی پسند نہیں تھی۔ سو تھوڑی سی تنقید ضروری تھی۔

"فلیٹس میں رہنا تو بڑا ہی مشکل لگتا ہو گا۔ بالکل ہی بند گھٹے ہوئے' میں تو سچی بات ہے کہ یہاں رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

اپنی اس عادت کو وہ ٹھیک ممانی کے الفاظ میں "صاف گوئی" کا نام دیتی تھی اور عام طور پر فخر بھی کرتی تھی۔

"نہیں خیر لبنیٰ' فلیٹس میں رہنا' میرے خیال میں تو آرام دہ بھی ہے اور سکیورٹی کے حساب سے بھی بہت زیادہ بہتر۔"

ثانیہ نے تھوڑی سی شرمندگی محسوس کرتے ہوئے' اسی کی کہی بات کا ازالہ کرنا چاہا تھا' مگر فرح جیسی دوست کے لیے شاید اس طرح کی رسمی باتوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

"میں چائے بنالوں یا یہ خدمت یہاں بھی تم ہی سرانجام دے لو گی۔" وہ ثانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے' مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

فرح اور اس کی امی نے بے حد اہتمام کیا ہوا تھا۔ اس کا اندازہ ثانیہ کو ان کے چھوٹے سے کچن میں داخل ہوتے ہی ہو گیا تھا۔

"یہ اتنا کچھ فرح۔ کیا ضرورت تھی اس سب کی' مجھے تو سخت شرمندگی ہو رہی ہے۔"

"کچھ بھی نہیں اور تمہارے بہانے ہم بھی کھالیں گے۔" فرح ہلکے سے ہنس پڑی۔

اس کے ہاتھ بڑی تیزی سے چل رہے تھے۔ چیزیں ڈبوں اور مائیکروویو سے نکل نکل کر پلیٹوں اور ڈونگوں میں منتقل ہوتی رہیں۔

وہ جو خود کو بالکل ہی کاہل اور گھر کے کاموں میں کوری' ظاہر کرتی تھی۔ حقیقتاً اس کے برعکس تھی۔ ثانیہ کو اس بات کا اندازہ آج ہی ہوا تھا اور اس کا اظہار اس نے فرح سے کر بھی دیا۔

"سب آجاتا ہے ثانیہ" وہ بدستور اپنے کاموں میں مصروف تھی۔

"جب سر پر پڑتی ہے نا تو انسان مشکل سے مشکل سبق بھی آسانی سے پڑھ جاتا ہے۔"

ساتویں کلاس میں پڑھ رہی تھی میں' جب امی پر فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ ان کا بلڈ پریشر اکثر شوٹ اپ کر جاتا تھا۔ ہم میں سے کسی کو اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ تب وہ مہینہ بھر ہسپتال میں رہی تھیں۔ آج بھی اس وقت کو یاد کرتی ہوں تو دل کانپ جاتا ہے۔ بس یہی خوف سوار ہو گیا تھا کہ کہیں امی کو کچھ نہ ہو جائے۔ خدا نے یہ سمجھ لو کہ بس انہیں نئی زندگی دی تھی۔"

ثانیہ خاموشی سے اس کے چہرے کو تکے گئی۔

فرح اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی' مگر اتنے عرصے پہلے کی اس تکلیف دہ یاد کا سایہ آج بھی اس کے چہرے پر ابھرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"پھر اس وقت کون تھا سنبھالنے والا' تمہارے کوئی عزیز رشتے دار تھے' یہاں کراچی میں۔" ثانیہ نے اس کے ہاتھ سے پلیٹیں لیتے ہوئے ٹرالی میں رکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔

"خاندان ایسا کوئی لمبا چوڑا نہیں ہے اور امی بے چاری تو ہیں بھی ایک ہی' نہ کوئی بھائی نہ بہن' نانا' نانی بھی انتقال کر چکے تھے' مگر بس یہ سارا پڑوس ہی عزیز رشتے داروں کا رول نبھاتا آیا ہے آج تک' خاص طور پر نانی' عمر کی جو نانی ہیں نا۔"

اس نے ثانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے، اسے سمجھانا چاہا۔

" انہوں نے تو گھر کو کلی طور پر کتنے مہینے سنبھالے رکھا۔ میں نے تقریباً سب ہی کچھ ان ہی سے سیکھا ہے۔ ان دنوں بس دھن سوار ہو گئی تھی کہ سب کچھ اب خود ہی کرنا ہے، کمزور نہیں پڑنا بالکل۔"

یاد کا احساس، کتنا بھی تکلیف دہ سہی۔

فرح کی آواز میں حوصلہ اور فریش نیس جھلک رہی تھی۔ شکستگی کا کوئی ہلکا سا احساس بھی نہیں تھا۔

خود سے کی گئی کمٹ منٹ کو بہت خوبی کے ساتھ نباہ دینے میں وہ کامیاب تھی اور یہی کامیابی اس کے بے حد پر اعتماد ہونے کی دلیل تھی۔

بچپن سے اب تک، اس کا سارا وقت نانی اور عمر کے ساتھ ہی گزرا تھا۔ کٹھن وقت کو آسان بنانے والے ویسے بھی، دل میں خود بخود ہی سب سے اونچے مقام پر براجمان ہو جاتے ہیں۔

فرح کی باتوں میں بھی بار باران ہی سب لوگوں کا بڑی محبت کے ساتھ ذکر آتا گیا۔

" اور بابا اور سجاد بھائی بھی اتنے بہترین انسان ہیں ثانیہ، کبھی ملوائوں گی تمہیں، دیکھا جائے تو ان کا ہمارا کیا جوڑ، مالک ہیں وہ اس پوری بلڈنگ کے اور یہی بلڈ نگ کیا، پتہ نہیں کتنے پروجیکٹس ہیں اس شہر میں ان کے، مگر ایسا محبت بھرا رشتہ رکھا ہے انہوں نے ہم لوگوں سے کہ جسے شاید الفاظ میں بیان بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

ثانیہ پوری دلچسپی سے سنے گئی۔ فرح کی زبانی پہلے بھی بہت باران سب کا ذکر سنتی آئی تھی اور اب اسے ان میں سے کوئی بھی اجنبی نہیں لگتا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے یقین تھا کہ وہ سب لوگ اس سے بھی بڑھ کر اچھے ہوں گے، جتنا فرح بتاتی ہے۔

دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں، مشکل یہ ہے کہ وہ صحیح وقت اور صحیح مقام پر، عموماً آپ کو مل نہیں پاتے۔

ثانیہ نے نوٹ کیا تھا کہ فرح نے ایک ٹرے، کھانے کے لوازمات کی الگ سیٹ کی ہے۔

" یہ نانی اور عمر کے لیے ہے، میں ابھی دو منٹ میں دے کر آتی ہوں۔"

سب لوگوں کو چائے کی میز پر بلا کر، وہ چپکے سے ثانیہ کو کہتی ہوئی ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

" یہ اتنا زیادہ تکلف کیوں کیا، بچی آج سارا دن ہلکان ہوتی رہی ہو گی۔ ایک تو چھٹی کا دن اسے ملتا ہے۔ اس میں بھی آرام نہیں۔"

بھری ہوئی میز دیکھ کر اماں ثانیہ سے بھی زیادہ شرمندہ ہوئیں۔ فرح کی امی کی زبانی فرح کی خدمت گزاری اور چھوٹی سی عمر سے ہی اس کے اوپر بھاری ذمہ داریوں کا پڑ جانا، ویسے ہی انہیں اور زیادہ حساس کیے ہوئے تھا۔

" ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔"

فرح کی امی سادگی سے مسکرانے لگیں۔

" فرح آج اتنی خوش ہے کہ کیا بتائوں، پہلی بار کوئی اس کے اتنے قریب آیا ہے اور دوست دوست کیا، ثانیہ تو اس کی بہن ہے۔ وہ کہتی ہی نہیں، سمجھتی بھی ہے۔ تعریفیں کرتی نہیں تھکتی وہ ثانیہ کی۔"

محبت ہر روپ میں بڑا بے بہا خدائی عطیہ ہے۔ منافقت اور خود غرضی کے گہرے ہوتے کہرے کو کم کرنے کے لیے اس کی ایک ننھی سی کرن بھی کافی ہوتی ہے۔

اماں اور ثانیہ کی آنکھیں بھی تشکر کے احساس سے نم ہونے لگیں۔

ممانی نے ایک فہمائشی نگاہ لبنیٰ پر ڈالی' جو باتوں سے الغرض' چھولے' دہی بڑے ملا کر کھانے میں مصروف تھی۔

" اگر تھوڑی سی سمجھ داری سے کام لیتی تو آج وہ بھی ان تعریفوں میں حصے دار ہوتی۔"

جب سے انہیں عمر بھایا تھا۔ لبنیٰ پر بات بات میں غصہ آنے لگا تھا۔

تب ہی انہیں فرح کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔

" اوپر گئی ہوگی' نانی اور عمر کے لیے یہ سب لے کر ہے نا۔" فرح کی امی نے ان کے استفسار پر بتاتے ہوئے' ثانیہ کی طرف دیکھا تو اس نے بھی ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

یہ سب یہاں کے روزمرہ ماحول کا حصہ تھا' مگر ممانی اور لبنیٰ دونوں ہی نے اپنے اپنے ڈھنگ سے اندازے قائم کیے۔

" بہت اچھا لڑکا ہے عمر' آپ لوگوں کا تو بہت زیادہ میل جول ہے آپس میں' فرح ہمارے گھر بھی آئی تھی اسی کی گاڑی میں۔"

بظاہر بہت سرسری سے انداز میں ممانی نے کہنا شروع کیا۔

ثانیہ کا دل ایک دم ہی بہت زور سے دھڑکنے لگا۔ اتنے دن سے ان کے ساتھ' ان کے گھر میں رہتے ہوئے' وہ ان کی ذہنیت اور بات کرنے کے ڈھنگ دونوں ہی سے بہت اچھی طرح واقف ہو چکی تھیں۔

" اور اتنے پیارے اور مخلص لوگوں پر' محض اپنے کمینے پن کے بل پر چھینٹے اڑانا' کہاں کا انصاف تھا۔"

فرح کی امی جواباً پھر انہیں وہی ساری کہانی سنا رہی تھیں' جو ثانیہ کی سنی ہوئی تھی۔

اپنی شدید بیماری' فرح کی کم عمری۔

اور نانی کی بے پایاں شفقت۔

" ہمارے لیے تو جو کچھ ہیں' یہی لوگ ہیں' فرح نے ساری محبت ان ہی سے پائی ہے۔"

ممانی اور لبنیٰ دونوں کے چہروں پر کچھ عجیب سی کیفیت پھیلتی رہی' بے چینی اضطراری سی۔

" پھر تو ایسا کوئی سلسلہ ہوگا' آپ کے ہاں" ممانی نے ہلکے سے کھنکار کر اپنی بات کا پر سے سرا جوڑا۔" میرا مطلب ہے فرح کے رشتے کی کوئی بات وات عمر کے ساتھ..."

انہیں کسی کی بھی ذاتیات میں دخل دینے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا تھا۔

ثانیہ نے فرح کی امی کا چہرہ اڑتا ہوا سا محسوس کیا۔" نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

وہ ہلکے سے بولیں۔" بچے آپس میں بالکل بہن بھائی کی طرح ہیں۔ ہم لوگ تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتے..."

" عمر تو انتظار میں بیٹھا تھا کہ میں نے آج کیا کیا بنایا ہے' نانی نے اسے بہت چٹورا بنا دیا ہے امی۔"

فرح بولتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

امی کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔ وہ فرح کے سامنے یہ ادھورا ذکر پورا کرنا بھی نہیں چاہتی تھیں۔ بات کو بدل کر اماں سے کچھ اور لینے پر اصرار کرنے لگیں۔

امی اور ثانیہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ شرمندہ تھیں۔

" ممانی اور لبنیٰ کو یہاں لانا ہی شاید اس کی غلطی تھی۔"

ثانیہ نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا‘ جو اپنے دل میں ہوتی خلش کو دور کرنے کے بعد اب اطمینان سے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ انصاف کرنے میں جتی ہوئی تھیں اور ساتھ ساتھ ہی اپنا اگلا پروگرام بھی ترتیب دے چکی تھیں۔

’’ ہم لوگ اب ذرا عمر کی نانی سے مل آئیں۔ بہت اصرار سے کہہ کر گیا تھا کہ اس کے گھر ضرور آئیں۔‘‘

چائے کا خالی کپ رکھتے ہی ممانی اٹھ کھڑی ہوئیں اور ساتھ ہی لبنیٰ بھی۔

کسی نے بھی عمر کو اصرار کرتے ہوئے نہیں سنا تھا‘ مگر مروت کا تقاضہ تھا کہ جیسا وہ کہہ رہی ہیں‘ اسے جوں کا توں مان لیا جائے۔

’’ چلیں پھر میں آپ کو چھوڑ آتی ہوں۔‘‘

اخلاقاً فرح بھی ان کے ساتھ کھڑی ہونے لگی‘ مگر انہوں نے فوراً ہی منع کر دیا۔

’’ نہیں ہم خود ہی چلے جائیں گے۔ یہ سامنے والی سیڑھیاں چڑھ کر ہی تو ہے‘ نمبر اس نے بتا ہی دیا تھا۔‘‘

فرح خاموش ہو گئی۔

وہ لوگ چلی گئیں۔ تب بھی کسی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اماں اور فرح کی امی دونوں واپس کمرے میں جا کر بیٹھ گئیں اور وہ دونوں میز پر پھیلے لوازمات کو سمیٹنے میں مصروف ہو گئیں۔

فرح کے منع کرنے کے باوجود بھی‘ ثانیہ سنک پر کھڑے ہو کر برتن دھونے شروع کر چکی تھی۔

’’ تم مجھ سے یہ غیروں والا تکلف نہ برتا کرو فرح‘ اگر یہ واقعی میرا ہی گھر ہے تو مجھے کرنے دو۔ میں جو بھی یہاں کرنا چاہوں۔‘‘

اس نے کہا تھا‘ جس کے جواب میں فرح سے پھر ایک لفظ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

’’ تم مجھے اب کوئی جاب ڈھونڈ دو فرح‘ چاہے پیسے تھوڑے کم ہی ملتے ہوں۔ لیکن اب میں اور دیر نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ اتنے سارے لوگ آخر کہیں نہ کہیں سے تو اسٹارٹ کرتے ہی ہوں گے۔‘‘

جس مسئلے نے اسے ان دنوں درحقیقت پریشان کیا ہوا تھا۔ اس پر بات کرنے کے لیے یہی آئیڈیل وقت تھا۔ جب لبنیٰ کی بار بار کی دخل اندازی نہیں تھی۔

فرح کو اس بارے میں تھوڑی سی ہچکچاہٹ تھی۔

’’ میرا تو خیال ہے ثانیہ‘ کہ پہلے تم لگ کر کوئی ایک ڈپلومہ کر لو‘ دو سال کا‘ دیکھو لینگویج کورس تم نے کر ہی لیا ہے۔ تم خود فیل کرتی ہو گی کہ تمہاری انگلش کتنی زیادہ امپروو کر گئی ہے۔ کمپیوٹر سے تمہاری نالج بڑھ چکی ہے۔ اب آگے کسی بھی چیز کو کرنا بالکل بھی مشکل نہیں ہو گا۔ ایک بار اگر کسی چھوٹی موٹی جاب میں لگ گئیں نا تو وہیں پھنس کر رہ جاؤ گی۔‘‘

فرح کا اپنا ایک تجربہ تھا۔

اور یقیناً ثانیہ سے کہیں زیادہ۔

جو کچھ بھی وہ کہہ رہی تھی‘ ضرور وزن رکھتا تھا اور ثانیہ نے اسے بیچ میں ایک بار بھی ٹوکے بغیر پورے سکون کے ساتھ اس کی بات سنی تھی‘ مگر اس کے خیال میں بہتر وہی تھا‘ جو اس نے خود سوچا تھا۔

"بہت سارے ادارے ایوننگ پروگرام کراتے ہیں' میں کرلوں گی کچھ نہ کچھ انشاءاللہ' یہ تو میں نے خود بھی پکا ارادہ کیا ہوا ہے فرح۔"

کچن کا کام سمیٹا جا چکا تھا اور وہ دونوں اب دروازہ کھول کر کاریڈور میں نکل آئی تھیں۔ سامنے کے رخ پر کھلنے والے سب ہی فلیٹس کا یہ مشترکہ راستہ تھا۔

صاف ستھرے' پرسکون سے کاریڈور میں لوگوں کی آمدورفت بہت زیادہ نہیں تھی۔ قطار میں رکھے ہرے بھرے پودوں کے ساتھ لگی ریلنگ کے ساتھ کھڑے ہو کر وہ دونوں کتنی ہی دیر باتیں کیے گئیں۔

"سال سے اوپر ہو گیا ہے فرح' جو کچھ بھی پاس ہے وہ تیزی سے خرچ ہو رہا ہے' حالانکہ دیکھا جائے تو ماموں سے کتنی بڑی سپورٹ ہے' مگر اب ان پر اور زیادہ بوجھ ڈالنا بھی تو ناانصافی والی بات ہے نا۔"

ایک فرح ہی تھی' جس سے دل کی کسی پن کی طرح چبھتی ہر بات بنا کسی کمپلیکس میں مبتلا ہوئے کی جا سکتی تھی' سو وہ ہر وہ بات' جو پچھلے چند ہفتوں سے پریشان کر رہی تھی' بتاتی چلی گئی۔

نواب شاہ والا گھر بیچ دینے کا اماں کا آئیڈیا بھی۔

"تو اس میں برا کیا ہے۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں اماں' یوں بھی وہ خالی اور بند ہی تو پڑا ہے۔ اچھا ہے تمہارے کام آ جائے گا۔"

فرح یہ سنتے ہی اماں سے سو فیصد متفق ہو گئی تھی۔

ثانیہ کچھ بے بس سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

نواب شاہ والے گھر سے متعلق اس کی فیلنگ کو سمجھنا شاید ہر ایک کے لیے دشوار تھا۔ یادوں کا جو سنہرا سلسلہ' اس گھر کے تصور کے ساتھ ہی بندھا چلا آتا تھا۔ اس تک کسی کی بھی رسائی ممکن نہیں تھی۔

پھر بھی اس نے فرح کو تھوڑا بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"دیکھو ثانیہ۔"

اس کی بات کو سن لینے کے بعد فرح نے بڑے دھیرج سے کہنا شروع کیا۔

"یادیں ہماری زندگی کا انمٹ حصہ سہی' مگر انہیں اپنے حال پر اثر انداز ہونے دینا بے وقوفی ہے۔ ہم لوگ ویسے بھی فطرتاً ماضی سے جڑے رہنے میں ہی سکون محسوس کرتے ہیں' مگر کیا یہ زیادہ اچھا نہیں کہ ہر تلخ یا شیریں یاد سے ہم خوش یا اداس ہونے سے زیادہ' اپنے حال کو بہتر بنانے کا حوصلہ پکڑیں اور پھر اگر پوری ایمانداری سے سوچو تو اب تمہیں بقیہ زندگی یہیں گزارنی ہے۔ اسی شہر میں اور اگر قسمت میں ہے تو کہیں اور آگے۔"

وہ اپنی بات کہتے کہتے ذرا رکی۔

ثانیہ سر جھکائے' نیچے احاطے میں ہوتی چہل پہل کو دیکھے گئی۔

"سب کچھ ہمیشہ ایک سا رہ بھی نہیں پاتا ہے۔ کسی کی بھی زندگی میں نہیں۔ گزرتے ہوئے خوشیوں بھرے دنوں کی یاد کو کسی قیمتی اثاثے کی طرح دل میں سنبھال کر رکھو اور بس جو کچھ آج ہے۔ وہی سب سے بڑی حقیقت ہے۔"

ایک گہری سانس لیتے ہوئے ثانیہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

فرح واقعی لاجواب تھی۔

ایک بار پھر وہ اس کے ذہن میں چھپے سارے کنفیوژن اور اداسی کو دور نہ سہی' کم کرنے میں تو ضرور ہی کامیاب ہو گئی تھی۔

" تم جاب کرنا چاہتی ہو' ضرور کرو۔ خود انحصاری سے اچھی بات' دوسری کوئی بھی نہیں ہے۔ اچھا ہو گا کہ تمہیں کوئی جاب' گھر کے نزدیک ہی مل جائے تاکہ تم اپنے شام کے پروگرام کو بھی وقت دے سکو۔ دیکھو میں پتہ کر کے بتاتی ہوں تمہیں ایک دو دن میں۔"

بات کا رخ خود بخود دوسری طرف مڑ گیا۔

ثانیہ کی نظریں باتیں کرتے ہوئے بھی' مستقل ادھر ادھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔

پرانی طرز کی اس صاف ستھری عمارت میں' بڑی عجیب سی کشش اسے محسوس ہو رہی تھی' حالانکہ وہ پہلی بار ہی یہاں آئی تھی' مگر سب کچھ بہت مانوس سا لگ رہا تھا۔

" کاش اماں یہاں رہنے پر راضی ہو ہی جائیں۔"

اس نے بڑے دل سے بے ساختہ ہی تمنا کی اور پھر اس تمنا پر حیران بھی ہوتی رہی۔

" تمہیں پسند آئی نا یہ جگہ؟"

" ہاں۔"

ثانیہ کو کہنا ہی پڑا' ویسے بھی فرح کے سامنے بہتر یہی ہوتا تھا کہ جو بھی بات ہے' سچ سچ بتا دی جائے۔

" بہت زیادہ' پتہ نہیں کیوں فرح اس جگہ پر آ کر بڑی اپنائیت کا احساس ہو رہا ہے۔ ایسا تو کبھی اتنے دن میں مجھے ماموں کے گھر پر بھی نہیں لگا۔"

بہت سادگی کے ساتھ' اس نے جو محسوس کیا تھا وہی کہا۔

" اس کی وجہ ہوں میں۔"

فرح ہلکے سے ہنس پڑی۔" اصل میں مجھے تم سے محبت بھی تو بے حد ہے۔ سو وہی محبت تمہیں اٹریکٹ کر رہی ہے۔"

" ہاں' شاید یہی بات ہے۔"

ثانیہ کو اچھا نہیں لگا کہ اس کے محبت بھرے دعوے کی تردید کرے' مگر پھر بھی یہاں کچھ ایسا ضرور تھا' جو اس کی سمجھ میں تو نہیں آ رہا تھا' مگر بہت اچھا لگ رہا تھا۔

فرح مختصراً آس پاس رہنے والوں کے بارے میں بتاتی رہی۔

باتوں ہی باتوں میں رحمت منزل سے وحید بھائی کی " باعزت" بے دخلی کا قصہ بھی سنا ڈالا۔

" بابا اور سجاد بھائی' بے حد عاجز ہیں ان سے' مگر کیا کریں فرحت باجی کی وجہ سے مجبور ہیں سب کے سب' اب تو ان کا فلیٹ بھی' عمر بتا رہا تھا کہ بابا نے کرائے پر دے دینے کا فیصلہ کیا ہے۔"

بات کرتے کرتے جیسے فرح کو کچھ اور خیال آیا۔

" چلو' آؤ' تمہیں نانی سے ملوا کر لاتی ہوں۔"

" بہت خوش ہوں گی' وہ تمہیں دیکھ کر۔"

" نہیں فرح' رہنے دو۔"

ثانیہ نے فوراً ہی منع کر دیا۔

" ابھی وہاں ممانی اور لبنیٰ بیٹھی ہوں گی۔ انہیں بہت برا لگے گا کہ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے آگئی ہوں۔"

" مگر تمہیں تو میں لے کر جا رہی ہوں۔"

فرح کو بعض اوقات اس کی حد درجہ بڑھی ہوئی احتیاط کی عادت جھنجلاہٹ میں مبتلا کرنے لگتی تھی۔

" ان کے برا ماننے کا کیا سوال ہے' خود وہ تو وہاں بناء کسی تعارف کے جا پہنچی ہیں۔"

" ایسے ہی کب گئی ہیں۔"

ثانیہ کے چہرے پر ایک شرارتی سی مسکراہٹ آنے لگی۔

" تم نے ان کی بات نہیں سنی تھی' انہیں تو عمر صاحب دعوت دے کر گئے تھے۔"

" ارے ایسی کی تیسی عمر صاحب کی' آئو چلو چلتے ہیں۔"

فرح اس کا ہاتھ تھام کر قدم بڑھا چکی تھی' مگر ثانیہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

" نہیں فرح' اس وقت رہنے دو۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے' ممانی اور لبنیٰ کی ذہنیت کا' مجھے اور اماں کو ان ہی کے ساتھ رہنا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر' ممانی اماں کی زندگی کو مستقل عذاب بناتی رہیں۔"

اس بار وہ اتنی سنجیدہ تھی کہ فرح سے اصرار بھی نہ ہو سکا۔

" دوستی کے اس مضبوط ترین رشتے میں بندھ کر بھی شاید وہ' ابھی تک بھی ثانیہ کی پریشانیوں سے ٹھیک طرح سے واقف نہیں ہے۔"

فرح کو یہ خیال پہلے بھی گزرا تھا۔ اس وقت بھی۔

" اسی لیے تو میں کہہ رہی ہوں کہ تم اور اماں یہاں شفٹ ہو جائو۔ بہت آرام سے سب کچھ سیٹل ہو جائے گا۔ اماں اور ماموں کو میں تیار کر لوں گی۔"

اس بار فرح کی آواز مدھم تھی۔ شاید وہ تھوڑی سی افسردہ ہو گئی تھی۔ ثانیہ نے بہت محبت سے اس کی طرف دیکھ کر کچھ کہنا چاہا' مگر تب ہی اس کی نگاہ سامنے پڑی۔ اوپر سے اترتی سیڑھیوں سے' عمر نیچے آ رہا تھا۔

...☆☆☆...

سامنے سیڑھیوں پر سے عُمر آتا دکھائی دیا۔ ممانی اور لبنیٰ ابھی تک اوپر ہی تھیں۔

"اپنے معزز مہمانوں کو چھوڑ کر وہ یہاں نیچے کیوں چلا آیا ہے۔"

ثانیہ اور فرح دونوں کو ایک ہی خیال آیا تھا۔ "فرح۔ نانی سب کو اوپر بُلا رہی ہیں۔ اُن کے گھٹنے کی تکلیف رات سے بڑھی ہوئی ہے' ورنہ وہ خود آ کر اماں سے مل لیتیں۔"

عُمر سیدھا اُن ہی دونوں کی طرف آیا۔ "نہیں' نہیں' نانی کو تکلیف تو دو بھی مت ہم لوگ ویسے بھی ابھی اوپر آنے کا سوچ ہی رہے تھے۔" فرح تیزی سے بولی۔

"چلو۔ پھر تم لوگ جائو میں اندر سے امی کو لے آتا ہوں۔"

عُمر مطمئن سے انداز میں کہتا ہوا فرح کے نیم کھلے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''ہم لوگ کب سوچ رہے تھے' اوپر جانے کے لئے۔ تم نے بھی بس خوامخواہ ہی....''

ثانیہ فرح پر ناراض ہونے لگی۔

اصل میں اُسے وہاں ممانی اور لبنیٰ کی موجودگی میں جانے کا سوچ کر ہی کوفت ہو رہی تھی۔ فرح بھی یہ بات سمجھتی تھی' مگر اُسے اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔

''تمہارا تو ہو چکا ہے دماغ خراب' کسی سے خائف ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے' کہ اُسے بالکل ہی اپنے سر پر سوار کر لیا جائے۔ جیسے تم نے ممانی اور لبنیٰ کو کر لیا ہے۔''

ثانیہ سعادت مندی سے اس کا یہ چھوٹا سا لیکچر سننے لگی۔

''وہ لوگ تمہارے تعلق سے یہاں تک آئی ہیں۔ تم اُن کے تعلق سے نہیں آئی ہو جو اس طرح بات بات پر گھبراتی ہو۔ ایسے چلو گی ثانیہ تو ہو گیا تمہارا گزارا۔ لوگ اپنا راستہ بنانے کے لئے آگے والے کو روندنے میں ایک منٹ نہیں لگاتے ہیں' سمجھیں....''

وہ ثانیہ کا ہاتھ تھام کر اوپر جاتی سیڑھیوں کا رُخ کر چکی تھی۔ ثانیہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔

اوپر ممانی تھیں' جو عُمر کے حوالے سے بہت ہی روشن امکان کا سرا تھامے ہوئے یہاں تک آ گئی تھیں۔ ثانیہ کی یہاں دخل اندازی انہیں بُری لگتی ہی تھی۔ یہی بات وہ بہت کھل کر فرح جیسی اچھی دوست سے بھی نہیں کہہ پا رہی تھی' مگر فرح کے خیال کی بلندی پرواز کی کوئی حد نہیں تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''اور جو تمہاری ممانی' دختر نیک اختر کے لئے عُمر پر تکیہ کر رہی ہیں۔ تو شاید زمانے میں ان سے بڑھ کر بے وقوف کوئی اور نہیں ہے' معذرت کے ساتھ....''

اُس کے لہجے میں جو ایک مذاق اُڑانے کی سی کیفیت تھی' ثانیہ کو اچھی نہیں لگی۔ ممانی اور لبنیٰ جیسی بھی ہیں' اُن سے خون کا رشتہ بندھا ہوا تھا۔

''لبنیٰ اچھی لڑکی ہے۔ فرح اور ممانی بے چاری بہت پریشان ہیں اُس کے لئے۔ اسی لیے شاید وہ اپنی سی کوشش کرتی ہیں۔''

وہ دونوں سیڑھیوں کے اگلے گھماؤ پر تھیں' جب ثانیہ نے آہستہ سے کہا۔

فرح نے پلٹ کر ایک نگاہ اُس کے چہرے پر ڈالی اور ہلکے سے مسکرا دی۔

''اِس حساب سے تو نہیں تمہارے لیے زیادہ پریشان ہونا چاہیے' تم تو لبنیٰ سے بڑی ہو۔ یہ بات وہ ہر ملاقات میں کم از کم ایک مرتبہ تو بتاتی ہیں۔''

ثانیہ ہنس پڑی۔

ممانی کے لئے لبنیٰ کا ثانیہ سے دو ڈھائی ماہ چھوٹا ہونا' بڑا باعثِ فخر تھا۔

''میری فکر کرنے کے لئے تم جو ہو۔''

وہ لاپروائی سے سر کو جھٹکتے ہوئے' بس یوں ہی بناء سوچے سمجھے بولی تھی۔

فرح نے کچھ چونک کر ثانیہ کی طرف دیکھا' مگر وہ اب بڑی دل چسپی کے ساتھ اوپری منزل کا جائزہ لے رہی تھی۔

''اور جو ثانیہ کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ عمُر کے آگے اُس کا پرپوزل پہلے ہی رکھ چکی ہے تو کتنی زیادہ غصّے میں آجائے گی۔ شاید کچھ دن تک بات بھی نہ کرے۔''

فرح نے چہرے پر آنے والی بے ساختہ مسکراہٹ کو دبانے کی کوشش بھی کی، مگر ثانیہ دیکھ چکی تھی۔

''اب کیا بات ہے۔''

''کچھ بھی نہیں، بس ایسے ہی۔ وہ والا ہے، عمُر وغیرہ کا فلیٹ۔ وہ سامنے والی لائین میں تیسرا دروازہ۔''

فرح نے بات کو گھمانے کی بڑی ٹھیک ٹھاک کوشش کی تھی، مگر ثانیہ بدستور ہی اُس کی طرف دیکھے گئی۔

''کبھی کبھی تم بڑی سخت مشکوک لگنے لگتی ہو۔ پتہ نہیں کیا کیا مجھ سے چھپائے رکھتی ہو۔''

وہ بڑی اُلجھی اُلجھی سی نگاہوں سے فرح کو دیکھ رہی تھی۔

اس بار فرح زور سے ہنس پڑی۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم میں کچھ کچھ عقل تو آنا شروع ہوگئی ہے۔ اچھی بات ہے تھوڑا عرصہ اور گزرا تو ترقی کرہی جائو گی۔''

لفظ ''ترقی'' نے جیسے پھر سے ثانیہ کو اپنا مسئلہ یاد دلا دیا۔

''ہائے فرح۔ اب تم پلیز جلد سے جلد میرے لیے کوئی جاب تو ڈھونڈو گی نا۔'' سب کچھ بھول بھال کر وہ پھر سے پریشان ہونا شروع ہوئی۔ فرح بڑے تسلّی آمیز انداز میں سر ہلاتی عمُر کے فلیٹ پر دستک دینے لگی۔

...☆☆☆...

''ایسا تم کہہ آئے ہو اُن سے۔''

سجاد مارے حیرت کے ایک دم ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

فیضی۔ اُن کے بیڈ کے قریب ہی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنی داستانِ عشق، تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ اِنہیں سُنا کر ابھی فارغ ہوا تھا۔

''اگر تمہیں کوئی لڑکی پسند آ ہی گئی ہے تو بھی کیا یہ ضروری تھا کہ تم براہِ راست اُس کے والد تک پہنچ جائو اور نہ صرف پہنچ گئے بلکہ اُن کے حضور شادی کی درخواست تک پیش کر بیٹھے، حد ہے گویا بے وقوفی کی۔''

سجاد کو بڑی جھنجلاہٹ آمیز پریشانی گھیرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

اتنی دیر سے انہوں نے پورے صبر کے ساتھ فیضی کے منہ سے سارا قصّہ سنا تھا اور سخت نیند آنے کے باوجود بھی اُسے ایک بار بھی عدم دلچسپی کا احساس تک نہیں ہونے دیا تھا۔ لیکن اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ رومیو جولیٹ والی اِس ساری کہانی کا اگلا موڑ جذبات اور ایکشن سے اِس درجہ بھرپور ہوگا کہ خود اُن کے اپنے ہوش اُڑا دے گا۔

''میں کون سا ابھی جانا چاہ رہا تھا، مگر جانا پڑا نا۔ ورنہ نوین کے ابّا نے تو پورا انتظام کر لیا تھا، میری بربادی کا۔ جب میں وہاں پہنچا ہوں تو میزیں تک لگ چکی تھیں۔ نوین کے ہونے والے سسرالیوں کے اعزاز میں۔''

فیضی نے اُنہیں ایک بار پھر، ساری سچویشن کی سنجیدگی سمجھانی چاہی۔

''حالات ہی ایسے ہوگئے ہیں سجاد چچا۔ نوین بے چاری کا تو رو رو کر بُرا حال ہوگیا ہے۔ اب اِس موقع پر میں اُسے اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔''

’’اور باقی لوگ۔‘‘

’’میرا مطلب ہے کہ ہم سب گھر والے، ہماری کیا اہمیت ہے تمہاری نظر میں اور کوئی تو بابا اور وقار بھائی، بلقیس بھابی کا تو خیال کرنا ہی چاہیے تھا نا تمہیں۔‘‘

فیضی کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے، وہ بے حد سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہے تھے۔

’’مجھے سب کی پروا، سب کا خیال ہے۔ لیکن یہ بات میں اِن سے کس طرح کہہ سکتا تھا۔ اِن لوگوں کا ردِ عمل آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ یہ تینوں مل کر میرا وہ حشر کرتے کہ زندگی دوبھر ہو جاتی۔ اور جب وہ یہ کہہ رہا تھا تو سجاد کو اُس کے لہجے سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ اب گھر والے اُس کے لئے کتنے اہم رہ گئے ہیں۔

’’نوین کتنی اچھی ہے، سمجھدار، خوبصورت، مگر یہ لوگ اُس کی کسی ایک خوبی پر بھی نگاہ ڈالنا گوارا نہیں کریں گے۔ سجاد چچا۔ لکیر کے فقیر بنے اپنے اُسی پِٹے پٹائے سسٹم کو زندگی بھر فالو کرتے رہنے میں ہی اپنی بڑائی اور شان سمجھتے ہیں اور ہمیشہ سمجھتے رہیں گے۔ اِن کے اصول قاعدے کسی کے لئے نہیں بدلتے ہیں۔‘‘

اِس بار سجاد فوری طور پر کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا، حرف بہ حرف ٹھیک تھا۔ یہ شان و شوکت، عزت، مقام، اُن کی پوری برادری میں کسی اور گھرانے کو حاصل نہیں تھا، مگر سب ہی کو ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ اِس عزت کو برقرار رکھنے کے لئے، خاندان کی جڑوں میں کتنی دل شِکن قربانیوں سے آبیاری کی گئی ہے۔

مگر اتنے بہت سارے سال گزر جانے کے بعد فیضی شاید سب کچھ ہی یکسر بُھلا دینے پر تلا ہوا تھا۔

’’مجھے اگر ایک فیصد بھی اُمید ہوتی کہ یہ لوگ کم از کم میری بات سُن ہی لیں گے۔ ہمدردی سے تو میں سچ کہتا ہوں کہ کبھی بھی اکیلا نوین کے والد سے ملنے نہیں جاتا۔‘‘

سجاد کو بار بار بلقیس بھابی کا خیال آ رہا تھا۔ فیضی کے بارے میں اُن کی فکر تشویش۔۔۔

پچھلے سال بھر سے وہ بالکل ہی بُجھ کر رہ گئی تھیں۔ بار بار انہوں نے سجاد سے فیضی کے بارے میں اپنے واہموں کا ذکر کیا تھا۔

مگر وہ اُسے فیضی کی کھلنڈری طبیعت اور لاڈ پیار سے ہوئی پرورش کے سبب ہمیشہ ہی رعایت دیتے رہے تھے۔

’’کہیں نہ کہیں قصوروار وہ خود بھی ہیں۔‘‘

دل میں ایک افسوس سا جاگنے لگا۔

اپنی شب و روز کی مصروفیت میں اُنہوں نے بلقیس بھابی کی باتوں کو کبھی سنجیدگی سے لیا ہی نہیں۔‘‘

وہ ماں تھیں۔

فیضی کی رگ رگ سے واقف۔

کتنا عرصہ پہلے وہ اِس آنے والے وقت سے خائف رہنے لگی تھیں۔

سجاد کو بلقیس بھابی کی دانشمندی کا پہلی بار دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا۔

’’تم ابھی بہت چھوٹے ہو فیضی۔ یہ باتیں جو تم کہہ رہے ہو، بہت قبل از وقت ہیں۔ اِس وقت تمہاری ساری توجہ اپنے کیریئر، اپنی پڑھائی پر ہونی چاہیے تھی نا کہ اِس طرح کی فضول باتوں پر۔‘‘

حالانکہ گھر میں سب سے زیادہ سجاد ہی لبرل سمجھے جاتے تھے اور اپنے بھائیوں کے بچوں کے ساتھ اُنہیں کبھی بھی کوئی معمولی سا بھی جنریشن گیپ والا وہم نہیں ستاتا تھا' پھر بھی وہ بالکل اُسی انداز سے اُسے سمجھانا شروع ہوئے' جیسے بابا یا وقار بھائی سمجھاتے۔

فیضی چند منٹ میں ہی اُکتایا ہوا سا محسوس ہونے لگا۔

''یہ سب مجھے بھی پتہ ہے سجاد چچا۔ مگر ہمارے ہاں بہت ساری شادیاں اِسی عمر میں ہو بھی جاتی ہیں تو یہ کوئی الگ بات تو نہیں ہے۔ تعلیم تو بعد میں بھی مکمل ہو سکتی ہے۔''

سجاد کا بے اختیار ہی سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔ ابھی وہ کتنی ذمہ داری کا ثبوت اپنی تعلیم کے سلسلے میں دے رہا تھا۔ یہ اندازہ انہیں اِس سارے قصّے کو سنتے ہوئے بجا طور پر ہو چکا تھا۔

''میری مانو... ابھی اِس بات کو جوں کا توں رہنے دو۔ ڈیڑھ سال باقی رہ گیا ہے' تمہارا B.E مکمل ہونے میں کم از کم اُسے پورا ہونے دو۔ پھر گھر والوں کے سامنے اِس ذکر کو چھیڑنا۔''

اپنے طور پر ایک بہتر حل اِس سارے مسئلے کا انہوں نے اُس کے سامنے رکھا۔

بلقیس بھابی ابھی پچھلے ماہ ہی ہاسپٹل رہ کر آئی تھیں اور اب بھی اُن کا بلڈ پریشر کنٹرول سے باہر ہو جاتا تھا۔

گھر میں اِس وقت کوئی نئی ٹینشن نہیں پھیلائی جا سکتی تھی۔ سجاد اسی خیال کے تحت' فیضی کو بھی یہی سمجھانے کی کوشش کرتے رہے' پر فیضی کے چہرے پر پھیلی اُلجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

''میں نے آپ کو اصل بات اب تک بتائی ہی نہیں ہے۔'' سجاد ذرا خاموش ہوئے تو وہ لمحے کا بھی توقف کیے بغیر ہلکے سے بولا۔

''کیا۔''

اُنہوں نے بہت حیرت سے فیضی کی طرف دیکھا۔ اتنی چھوٹی عمر میں وہ انہیں کس آسانی کے ساتھ بار بار چونکنے پر مجبور کر رہا تھا۔

''اب کیا رہ گیا ہے' لڑکی تم نے پسند کر لی۔ اُس کے گھر تک ہو آئے اور سب سے بڑھ کر اُس کے والد کو رشتے کا پیغام تک دے ڈالا' پھر باقی بچا کیا ہے۔''

باری باری اُس کے سارے کارنامے جب وہ گنوا رہے تھے تو فیضی بے ساختہ ہی ہنسنے لگا۔

''نوین کے ابا نے میرا پرپوزل قبول کر لیا ہے' فوری طور پر وہ بھی۔''

''دماغ تو ٹھیک ہے نا تمہارا... وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔ کوئی بھی باپ نہیں کر سکتا ایک خالی خولی لڑکے پر اعتبار اور بشارت صاحب تو جیسا تم بتا رہے ہو' خاصے سمجھدار اور بااصول آدمی لگتے ہیں۔''

''شاید مجھ سے اتنے زیادہ متاثر ہو گئے ہوں کہ فوراً ہی...'' وہ بتدریج بڑے لائٹ سے موڈ میں آتا جا رہا تھا' مگر سجاد کے چہرے پر پھیلتی برہمی نے اُسے واپس سنجیدہ ہونے پر مجبور کر دیا۔

''انہیں شاید نوین کی وجہ سے ایسا کرنا پڑا ہے۔ اُس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ صرف مجھ سے ہی شادی کرے گی اور وہ بے حد ضدی بھی ہے۔ انہیں پتہ ہے اِسی لئے انہوں نے مجھے اُسی وقت کہہ دیا کہ اُنہیں میرے خاندان یا کیریئر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کوئی شریک ہو یا نہ ہو' انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بس اِسی جمعہ کو میرا اور نینی کا نکاح...''

سجاد نے ایک مجبور اور عزّت دار باپ کے دُکھ کو دِل کی بہت گہرائیوں سے محسوس کیا۔

"تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوا فیضی کہ بشارت صاحب کے لئے یہ فیصلہ کتنا تکلیف دہ ہوگا۔"

"ابھی تو واقعی اُن کو رنج ہو رہا ہوگا' مگر جب وہ نوین کو میرے ساتھ ایک شاندار زندگی گزارتے ہوئے دیکھیں گے تو کل کو اپنے اِس فیصلے پر فخر کریں گے۔"

فیضی مطمئن تھا۔

اپنے فیصلے سے بھی اور اپنے مستقبل سے بھی' کم عمری کی جذباتیت اُسے بے خوف اور پُر اعتماد بنائے ہوئے تھی۔ گو اُس کے سمجھنے کی ایک فیصد بھی اُمید نہیں تھی' مگر وہ پھر بھی اپنی سی ہر کوشش کیے گئے۔

رات تیزی سے گزرتی جا رہی تھی۔

اور جب ہر حجت تمام ہوئی تو وہ اُٹھ کھڑا ہو گیا۔

"آپ میرا اِس موقع پر ساتھ دیں گے یا نہیں اب صرف یہ بتا دیں۔"

صاف لگ رہا تھا کہ وہ ناراض ہو چکا ہے۔

سجاد چند لمحے خاموشی سے فیضی کے چہرے کو تکے گئے۔

خوبصورت' اسمارٹ پچھلے چند سالوں میں اُس کی شخصیت میں بڑا زبردست بدلاؤ آیا تھا۔ خاندان میں سب ہی کہتے تھے کہ وہ ہو بہو سجاد کی کاپی ہے اور گھر کے سب بچوں میں شاید اُنہوں نے سب سے زیادہ چاہا ہی فیضی کو تھا' تب ہی شاید اُسے مایوس کرتے ہوئے وہ خود اندر سے رنجیدہ تھے۔

"نہیں...۔"

"میں بابا اور وقار بھائی سے الگ نہیں ہوں فیضی۔ اور ایسا کچھ بھی کرنا میرے لیے آسان نہیں ہے' جو اُن لوگوں کو تکلیف دے۔"

"بے ساختہ ہی اُنہیں شیریں یاد آئی اور اُس یاد کے ساتھ ایک بڑی گہری چبھن بھی تھی۔"

اُنہوں نے نوٹ ہی نہیں کیا کہ کب فیضی کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیلی۔

"مجھ سے واقعی غلطی ہوئی سجاد چچا۔ جو میں آپ کے پاس چلا آیا۔"

وہ کہہ رہا تھا۔

"جو شخص اتنے سالوں میں خود اپنے لیے کچھ نہ کر سکا ہو۔ اِس خاندان برادری کے خوف سے خود اپنے اوپر ہر خوشی حرام کیے ہوئے ہو' وہ بھلا میرے لیے کیا کرے گا' مگر میں نہ آپ جیسا ہوں اور نہ بننا چاہتا ہوں۔"

بہت بے خوفی سے وہ اُن کے سامنے اپنی بات کہتے کہتے تھوڑا سا رُکا۔

"اور نہ ہی میں نوین کو شیریں آنٹی بننے دوں گا۔"

اپنی بات کہتے ہی وہ ایک جھٹکے سے مڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

سجاد چند لمحوں کے لئے تو بالکل ہی ساکت کھڑے رہ گئے۔

ایک کڑوا سچ جو اُنہوں نے ابھی ابھی فیضی کے منہ سے سُنا تھا' اُسے جھیلنا آسان نہیں تھا۔ خود کو کمپوز کرتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر باہر لائونج میں آئے۔

فیضی کے کمرے کا دروازہ اور لائٹ دونوں ہی بند ہو چکی تھیں۔ اتنی جلدی وہ سو تو نہیں گیا ہو گا‘ مگر صاف ظاہر تھا کہ وہ اب مزید کوئی بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اور خود وہ کون سا ابھی فوری طور پر اُس کا سامنا کرنا چاہتے تھے۔

باہر ٹیرس پر آدھی رات کی مخصوص خنکی پھیلی ہوئی تھی۔ نمی سے بوجھل ہوتے ہوا کے جھونکے بہت نرمی سے چھوتے ہوئے گزرتے محسوس ہو رہے تھے۔

بے آواز قدموں سے چلتے ہوئے وہ ٹیرس کی ریلنگ تک آئے۔ لان اور گیٹ پر بنے گارڈ روم کی لائٹیں جلی ہوئی تھیں‘ باقی سارے گھر پر گہرا سکوت طاری تھا۔

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے نگاہ خود بہ خود اُٹھ گئی۔

اوپر ستاروں بھرا آسمان مسکرا رہا تھا۔ ”کیا غلط کہا تھا فیضی نے؟“

وہ نہ صرف اپنی زندگی کے سونے پن کے ذمہ دار تھے‘ بلکہ شیریں کے بھی...

شیریں نے آج تک اُن کا انتظار کیا تھا۔ یہ اعتراف کرتے ہوئے وہ ہمیشہ ہی ہچکچا جاتے تھے۔ پر دوستی‘ تعلق‘ انڈر اسٹینڈنگ جیسے لفظوں کے پیچھے وہی ایک جذبہ چھپا تھا۔ جس کا اعتراف نہیں خود سے بھی کرنا نہیں آیا تھا۔

پھر بھی بات جیسے خوشبو کی طرح اُڑی تھی۔

اور بے چاری شیریں۔

کیا ہاتھ آیا اُس کے اِس لاحاصل انتظار کے بعد... سجاد کو بے اختیار ہی مسز ہاشمی کا کزن یاد آیا اور اس کے ساتھ میں کھڑی شیریں کا پھیکا پڑتا ہوا رنگ۔

”مسز ہاشمی‘ شیریں کی ممی‘ کوئی بھی غلط نہیں تھا۔ اپنے روّیہ میں‘ شیریں کی زندگی کو کنارہ دینے کی اُن کی خواہش بڑی فطری تھی۔ غلط صرف اور صرف وہ خود تھے۔“

وہ باری باری سب کو ”باعزّت بری“ قرار دیتے گئے اور خود؟

ایک بڑا سا سوالیہ نشان‘ ابھی تک اپنے جواب کے انتظار میں تھا۔

فیضی اُن سے کہیں زیادہ دلیر تھا۔ یا شاید اس نسل کی مجبوری ہے کہ وہ اپنے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچنے کی تکلیف گوارا ہی نہیں کرتی ہے۔

آسائشوں کی ریل پیل‘ شکر کے بجائے ایک بے نیازی‘ ایک غرور‘ دل میں جگانے لگے۔ تو اِسی زعم سے ہر قدم اٹھتا ہے‘ جیسا فیضی اُٹھانے کے لئے بالکل تیار تھا۔

ہمیشہ کی طرح پھر سے سجاد نے ”ذات“ کے بجائے ”کل“ کے اندیشوں میں خود کو زیادہ مبتلا پایا ایک بڑا طوفان گھر کے دروازے تک پہنچ چکا تھا اور ایک پرانا زخم جسے وقت کا مرہم بھی نہیں بھر پایا تھا اور بھی زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔

اگلی صبح کی ہنگامہ خیزی کا آغاز توقع سے بھی پہلے ہوا۔ سجاد‘ رات کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے صبح اپنے معمول سے ذرا بعد میں اُٹھے اور فیضی شاید رات بھر سویا ہی نہیں تھا۔

سجاد کو اطلاع اُس وقت ملی‘ جب وہ آفس کے لئے تیار ہو کر نیچے جانے ہی والے تھے۔

''سجاد چچا۔''

وہ کمرے سے نکل کر باہر آ ہی رہے تھے کہ انعم بڑی تیزی سے نیچے سے آتی دکھائی دی۔

''آپ۔آپ فوراً نیچے آجائیے۔''

انعم کا سانس پھول رہا تھا اور چہرے پر پھیلی گھبراہٹ بتا رہی تھی کہ نیچے معرکہ شروع ہو چکا ہے۔ صبح ناشتے کی میز پر عموماً سب ہی جمع ہوتے تھے فیضی نے اپنا فیصلہ سنانے کے لئے اِسی شبھ گھڑی کا انتخاب کیا تھا۔

''فیضی بھائی کا پتہ نہیں دماغ خراب ہو رہا ہے۔ دادا اور پاپا دونوں ہی بڑے سخت غصّے میں ہیں۔''

نیچے لاؤنج سے بلند ہوتی آوازیں' یہاں سیڑھیوں پر سنائی دے رہی تھیں۔

''ہمارے گھرانے کی ساکھ ایسے ہی نہیں بنی ہوئی ہے۔ لوگ پیٹھ پیچھے بھی عزت سے نام لیتے ہیں۔ کس طرح سوچ لیا تم نے کہ اتنی آسانی سے خاندان کا نام مٹی میں ملا دو گے۔''

وقار بھائی کچھ ایسی ہی جذباتی تقریر کر رہے تھے' جو کہ ایسے موقعوں پر ''ناخلف اولاد'' کے سامنے کی جاتی ہے۔ بغیر یہ سوچے کہ وہ اس سارے لیکچر سے ذرّہ بھر بھی اثر لے رہی ہے یا نہیں۔

سجاد بڑی تیزی سے سیڑھیاں اُترے۔

لاؤنج میں جملہ اہلِ خانہ کی حاضری پوری تھی۔

''سنا تم نے سجاد۔'' وقار بھائی اُنہیں دیکھتے ہی بولے۔

''یہ صاحب زادے ابھی زمین سے اُگے نہیں ہیں اور چلے ہیں شادی کرنے' وہ بھی نہ جانے کس چلتی پھرتی لڑکی سے۔''

فیضی دونوں ہاتھ سینے پر باندھے' پیشانی پر بل ڈالے بہت دیر سے خاموش' سب کی سنے جا رہا تھا' مزید ضبط نہ کر سکا۔

''نوین چلتی پھرتی لڑکی نہیں پاپا۔ آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہے مجھے کہیں۔ نوین کا گھرانہ اتنا پیسے والا نہ سہی' مگر ہم سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں وہ لوگ۔'' اِس وقت وہ رات سے کہیں زیادہ خودسر اور ضد پر اُترا ہوا دِکھ رہا تھا۔

سجاد کو افسوس ہونے لگا۔

اگر رات میں ہی وہ اُس کے ساتھ اِس مسئلے کا کوئی حل نکال پاتے تو شاید یہ پریشانی گھر والوں کے علم میں آئے بغیر ہی ٹل گئی ہوتی۔

اصل میں فیضی کچھ زیادہ ہی جلدی کر رہا تھا۔ ورنہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اُنہوں نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ کسی بھی وقت بشارت صاحب سے خود ملیں گے اور امید تھی کہ کوئی نہ کوئی راہ نکال کر ہی اُٹھیں گے۔

...☆☆☆...

مگر اب یہ پنڈورا بکس ٹھیک چوراہے پر کھلا رکھا تھا۔

''تعلیم سے اُن لوگوں نے یہی سیکھا ہے نا کہ اچھے پیسے والے گھروں کے لڑکوں کو پھنسا کر اپنا اُلو سیدھا کریں۔ بے غیرت' بے شرم لوگ' لڑکیوں کو آلۂ کار بنا کر اپنا دھندا چمکائے ہوئے ہیں۔''

وقار کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

انہیں نہ یہاں موجود بلقیس بھابی' ثمینہ اور انعم یاد رہی تھیں' نہ بابا کی گرتی ہوئی صحت ہی کا احساس رہا تھا۔

اپنے طیش اور پیسے کے زعم میں اُنہوں نے وہ کچھ بھی کہا' جو کسی بھی شریف آدمی کی زبان پر زیب نہیں دیتا تھا۔

خود سجاد کو بھی بڑا ناگوار سا لگا۔

فیضی' وقار بھائی کا ہی بیٹا تھا۔ صورت شکل میں لاکھ وہ سجاد سے مشابہ تھا' عادت واطوار میں وہ وقار ہی کی کاپی تھا۔

تھوڑا سا خود غرض اور بہت زیادہ بدلحاظ۔ ''آپ چپ کر جائیں بس....''

اپنے اور اُن کے مابین رشتے کا سارا عزّت واحترام بھلا کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر ٹھیک اُن کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''کوئی حق نہیں پہنچتا ہے آپ کو....نوین کی بے عزّتی کرنے کا' آپ کو لگتا ہے کہ آپ ہی عزّت دار ہیں اس سارے شہر میں؟ باقی کسی کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے' جیسے چاہیں کیچڑ اُچھال دیں۔'' اُس کی آواز وقار سے زیادہ بلند تھی۔

سب ہی نے جیسے بہت ششدر سا ہو کر اُن دونوں کی طرف دیکھا۔

یہاں اب تک ماں باپ کے سامنے اونچی آواز میں بولنا بے ادبی میں تصوّر کیا جاتا تھا۔

خود وقار بھی شاید ایسا کچھ تصوّر نہیں کر سکتے تھے۔

''تم... تم''

ایک بے حد دُکھ بھری حیرت میں مبتلا ہو کر وہ اُس کی طرف بڑھے ہی تھے کہ سجاد اور سہیل تیزی سے اُن دونوں کے بیچ آ گئے۔

''بے شرم باپ کے آگے زبان چلاتا ہے۔ اُس دو ٹکے کی لڑکی کے لئے مجھے بے عزّت کرنے کھڑا ہو گیا ہے۔ جو تجھ جیسے کتنوں کو بے وقوف بناتی ہو گی' اُس کی انگلیوں کے اشارے پر....''

نوین کے بے عزتی مت کریں۔ میں آپ سے پھر کہہ رہا ہوں۔''

فیضی نے ایک بار پھر چلا کر وقار کی بات کاٹی' سجاد نے بھائی کو سنبھالتے ہوئے مڑ کر فیضی کو دیکھا۔ اُس کے چہرے پر بڑی گہری اجنبیت تھی اور آنکھوں میں ایک جنون کی سی کیفیت....

اس وقت فیضی اور وقار دونوں ہی کو کچھ بھی سمجھانا ناممکن ترین تھا۔

وقار بھائی لمحے کا بھی توقف کئے بغیر جو کچھ بھی منہ میں آ رہا تھا۔ نوین۔ اُس کے خاندان اور فیضی تینوں ہی کو کہے جا رہے تھے اور فیضی اِس زبانی جنگ کے پہلے رائونڈ میں کسی طرح بھی شکست کھانے کو تیار نہیں تھا۔

''شادی تو مجھے نوین سے کرنی ہی ہے' چاہے آپ کی مرضی ہو یا نہ ہو۔'' اُس نے اِس بار ''اجازت'' کا لفظ استعمال کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ ''مجھے اپنے فیصلے پر قائم رہنا بھی آتا ہے اور اس پر عمل درآمد کرنا بھی....''

اِس بار اگرچہ وہ نسبتاً نیچی آواز میں بول رہا تھا' مگر اپنی بات میں زور' پہلے سے زیادہ ڈالا تھا۔

اور اب تک شاید سب ہی کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اُس میں کتنا زیادہ سنجیدہ ہے۔

سجاد کو سب سے زیادہ حیرت بابا اور بلقیس بھابی کے روّیہ پر تھی۔

بابا پر بڑی گہری خاموشی طاری تھی۔ ایسا تماشہ اُن کی موجودگی میں ہو جانا ہی بہت بڑی بات تھی ناکہ وہ اِس طرح خاموش اور الغرض بیٹھے رہیں۔ ایسے ہی بلقیس بھابی۔ سجاد جب سے نیچے آئے تھے۔ انہوں نے بلقیس بھابی کو ثمینہ بھابی کے کندھے سے لگ کر رونے کے علاوہ کچھ اور کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

وقار بھائی سے چند ایک بڑی یادگار لڑائیوں کے علاوہ سجاد کو نہیں یاد پڑتا تھا کہ وہ اِس طرح گھر والوں کے سامنے روئی ہوں اور اُس رونے دھونے میں بھی بہر حال وہ بول بول کر اپنا حساب ضرور بے باق کر لیتی تھیں، پر آج تو جیسے اُنہیں کوئی گہری چپ لگی ہوئی تھی۔

بے آواز گرتے ہوئے آنسوئوں کے ساتھ وہ اتنی ہی بے بس دکھائی دے رہی تھیں، جتنی کوئی بھی حوصلہ ہاری ہوئی ماں...۔

''بابا پلیز۔''

سجاد نے بہت ملتجی نگاہوں سے اُنہیں دیکھا۔

''آپ کچھ کہتے کیوں نہیں ہیں آخر...۔روکیں نااِن لوگوں کو۔''

ماحول پر چھایا ہوا تناؤ، اُن کی مداخلت کے بناء ختم ہونا بھی نہیں تھا۔

بابا نے اتنی دیر میں پہلی بار سجاد کی طرف دیکھا اور پھر باقی سب کے چہروں پر سے ہوتی ہوئی اُن کی نگاہ فیضی کے چہرے پر جم سی گئی۔

''یہاں اِدھر آئو میرے پاس۔''

اُنہوں نے جیسے کوئی اسم سا پڑھا تھا جو کمرے میں ایک دم ہی بالکل گہری خاموشی چھا گئی۔

جذبات میں لتھڑی وہ ساری گفتگو جس پر وہ دونوں باپ بیٹے، بعد میں کبھی یقیناً بے حد شرمندگی بھی محسوس کرتے۔ فی الوقت رُک ہی گئی تھی۔

''مجھے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کرنی ہے فیضی۔''

دل ہی دل میں چاہے وہ کتنے بھی ٹوٹے تھے، مگر آواز یا لہجے میں ہلکی سی بھی کمزوری کا تاثر نہیں ملتا تھا۔

''جو کچھ بھی ابھی تم باپ بیٹے کے درمیان ہوا ہے۔ اُس کے بعد کسی کے بھی کچھ کہنے کی گنجائش باقی رہی بھی نہیں ہے، چاہے وہ میں ہی کیوں نہ ہوں۔''

وہ پل بھر کے لئے رکے تو وقار بہت تڑپ کر آگے بڑھے۔

''آپ کو اختیار ہے بابا۔ پورا اختیار ہے۔ مار مار کر حشر کر دیں اِس کا، جو خاندان کی عزّت کا اِس طرح تماشا بنانے پر تُلا ہوا ہے۔''

''وقار...۔''

بابا نے فہمائشی نگاہوں سے اُنہیں دیکھا۔

''ہاں تو فیضی۔ میں تم سے بات کر رہا تھا۔'' وہ دوبارہ اُس کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو اُن کے قریب خاموش تو کھڑا تھا، مگر اُس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اپنی کہی کسی بات پر بھی نادم نہیں ہے۔

''اب جو تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر عمل بھی کرو گے۔ کرو ضرور کرو...۔ ہمارے گھرانے کے مرد ویسے بھی اپنی بات کہہ کر اُس سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ صحیح یا غلط اُسے نبھانے میں ہماری شان ہے۔ ایک بہت بڑی قربانی ہمیں آج تک زندہ درگو کیے ہوئے ہے۔ اب دوسری کہاں تک لے کر جائے گی' کچھ پتہ نہیں ہے۔''

بلقیس بھابی دفعتاً ہی بہت زور زور سے رونے لگیں انعم دوڑ کر پانی کا گلاس بھر لائی' مگر وہ اُسے منہ سے لگانے کے لئے تیار ہی نہیں ہو رہی تھیں۔

''میں تمہیں کب سے کہہ رہی تھی' سجاد۔ کہ فیضی کی دیکھ بھال کیا کرو۔ وقار کے آگے بھی ہاتھ جوڑے مگر تم لوگوں کو فرصت ہی نہیں ہے۔ کام ہی ختم نہیں ہوتے تمہارے' وہی ہوا جس کا مجھے سب سے زیادہ ڈر تھا۔'' اپنی بات کہتے کہتے وہ پھر سے رونا شروع ہو چکی تھیں۔ سجاد اور وقار دونوں ہی نے اپنی اپنی جگہ شرمندگی محسوس کی۔

بلقیس بھابی کی بات غلط نہیں تھی' پر بابا پر اُن کے آنسوئوں کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔

''چپ ہو جائو بلقیس۔ میری بات مکمل ہونے دو۔''

بڑی رُکھائی سے اُنہیں ٹوکتے ہوئے وہ ایک بار پھر فیضی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ''تمہیں جو کرنا ہے شوق سے کرو' میں تمہارے باپ کی طرح بے وقوف نہیں ہوں۔ جو تمہیں روکنے کی کوشش کروں' تمہاری نظر میں ہم دقیانوسی' بے رحم' ضدّی جیسے بھی ہیں' ہم اُس رائے کو بالکل بھی بدلنا نہیں چاہتے۔''

بابا کی آواز میں ایک مخصوص سی سرسراہٹ' بہت دِن بعد در آتی جا رہی تھی۔

کمرے میں موجود سب ہی لوگوں کو ایک بھاری سا بوجھ دل پر بڑھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

جب کبھی بھی انہوں نے درد کی ہر ممکنہ حد کو پار کرتے ہوئے کوئی فیصلہ لیا تھا۔ چند گھڑی پہلے ہی اُس کا ادراک' اِسی طرح ہوا تھا۔

''جوان ہو اور ظاہر ہے بہت ہمت والے بھی ہو۔ تمہیں کوئی ایسی خاصی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ تو بس آج ابھی جانا چاہو تو بھی جا سکتے ہو' کل یا پرسوں تک جانا چاہو' تب بھی ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ ہمارا تم سے اور تمہاری بیوی سے کوئی لینا دینا نہیں ہو گا تازندگی...۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔''

گھڑی بھر خاموشی میں سب ہی نے ہوش اُڑتے ہوئے محسوس کیے۔

''اور تم سب بھی سُن لو' خاص طور پر تم...۔''

انہوں نے دائیں ہاتھ کی انگلی سے سجاد کی طرف اشارہ کیا۔

''کسی نے بھی اگر فیضی یا اُس کی بیوی سے چوری چھپے ملنا چاہا تو میں اُس کو معاف نہیں کروں گا۔''

بابا جب غصّے میں ہوتے تھے تو سخت ناقابلِ مزاحمت ہو جاتے تھے۔ اس وقت بھی سجاد کی نگاہ اُن کے سامنے خود بخود جھک گئی۔

بلقیس بھابی ایک بار پھر سے زور زور سے رونا شروع ہوئیں اور سہیل اور وقار دونوں بھائی بہت گھبرا کر بابا کے دائیں بائیں آ کر بیٹھ گئے۔

''فیضی سمجھ جائے گا بابا۔ اس وقت ضد میں آ رہا ہے۔''

"اور کیا... دیکھیے گا میں اِسی ہفتے اس کو ملک سے باہر بھجوا دیتا ہوں۔ سارا بھوت دماغ سے اُتر جائے گا۔ آپ اتنا زیادہ ٹینشن مت لیں۔"

لاکھ غصّے کے باوجود وقار۔ اکلوتے بیٹے کی جدائی کے لئے تیار نہیں تھے۔

گھبرا گھبرا کر وہ دونوں ہی بابا کو کنوینس کرنے کی کوشش کیے گئے۔

فیضی واپس اپنے کمرے میں اوپر جا چکا تھا اور بلقیس بھابی کو بمشکل تمام ثمینہ اور انعم اُن کے بیڈ روم میں لے جا چکی تھی۔

آج کسی کو بھی نہ فیکٹری جانا یاد آ رہا تھا اور نہ آفس' خاندان کے شیرازے کو ایک بار پھر بکھرنا تھا یا نہیں۔ خدشات کی گرد' اس وسیع و عریض' عالیشان گھر کے درودیوار کو میلا کرتی ہوئی گزر رہی تھی۔

ہمارے گھرانے کے لئے اِس طرح کی آزمائش نئی نہیں ہیں۔ تم اپنے دل کو مضبوط کر لو وقار۔ فیضی کو اب یہاں سے جانا ہی ہے۔"

بابا کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے کہہ رہے تھے۔ وقار کے چہرے کا رنگ اُڑتا جا رہا تھا۔

برسوں پرانی کہانی' پھر سے دُہرائے جانے کی منتظر تھی۔

کوئی بدلاؤ' کوئی گنجائش' نرمی کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ سجاد کو بڑی سخت مایوسی گھیرنے لگی۔

پتہ نہیں' کبھی کبھی ایک اُمید سی بندھنے لگتی تھی کہ شاید سالوں پرانا زخم' بابا کو اندر سے کچھ نہ کچھ تو تبدیل کر ہی چکا ہے۔ اپنی ساری اولاد کے ساتھ اُن کی نرمی' شفقت انسانیت کے لئے اُن کا اپنی ذات کو وقف کر دینا بابا کی طرف سے

کسی کے لئے بھی ناانصافی کا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن وہی بابا حیرت انگیز طور پر اپنی اُن ہی گھسی پٹی روایتوں کے امین تھے۔ جن کو قائم رکھنے کے لئے کتنی ہی زندگیوں کو چپ چاپ راکھ ہونا پڑا تھا۔

سجاد کو یاد آیا۔

"میں طبیعتاً' بالکل اپنے باپ پر گیا ہوں۔"

بابا اکثر یہ جُملہ کہا کرتے تھے۔ تب سجاد کو کبھی بھی ایسا نہیں لگتا تھا۔

بابا کی اصول پسندی اپنے والد کی سخت گیری سے اُنہیں کبھی بھی مشابہ نہیں لگتی تھی۔ مگر آج اُنہوں نے واقعی خود کو اُن جیسا ہی ثابت کیا تھا۔

"بابا۔"

سجاد اُن کے گھٹنوں کو چھُوتے ہوئے بالکل سامنے ہو کر قالین پر بیٹھ گئے۔

"یہاں نیچے کیوں بیٹھے ہو' اِدھر اوپر آ جاؤ سجاد۔"

دونوں بڑے بھائیوں نے اُن کے لئے جگہ خالی کرنا چاہی' مگر وہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔

جو کچھ بھی وہ کہنا چاہ رہے تھے' اُس کے لئے مناسب ترین مقام یہی تھا۔

"بابا پلیز۔ فیضی ابھی بچہ ہے۔ اُسے بُرے بھلے کی تمیز نہیں۔ ایسے میں اگر ہم لوگ بھی اس طرح ضد پر اُتر آئیں گے۔ تو وہ بالکل ہی ہاتھ سے نکل جائے گا آپ اُسے...."

''وہ ہاتھ سے نکل چکا ہے سجاد۔ آج جس بدلحاظی سے وہ وقار کے ساتھ زبان چلا رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر بھی تمہیں اُس میں کسی اچھی تبدیلی کی توقع ہے تو یہ سراسر تمہاری بے وقوفی ہے۔''

اُن کی آواز مدہم تھی' مگر لہجے میں بے حد یقین۔

''برے سے برے حالات میں بھی کہیں نہ کہیں ایک چھوٹا سا اِمکان تو ہوتا ہی ہے۔ حالات کو درست کرنے کے لئے' ہم سب لوگ اگر مل کر کوشش کریں گے تو فیضی کو یقیناً اپنی غلطی کا احساس ہو ہی جائے گا۔''

سجاد بڑی عاجزی سے بابا کے گھٹنوں پر اپنا ہاتھ رکھے ہوئے کہہ گئے۔

وقار نے بڑی ممنون نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھا۔ سجاد سے زیادہ بہتر طریقے سے کوئی بھی فیضی کی وکالت نہیں کر سکتا تھا۔

''بابا۔ آپ اگر اِس طرح اُسے گھر سے جانے دیں گے۔ تو نقصان کس کا ہوگا' ہمارا نا۔ ساری برادری کا کیا بگڑے گا۔ لوگ کچھ دن بہت زور و شور سے آپ کی اصول پسندی پر واہ واہ کریں گے اور پھر بھول جائیں گے۔ کچھ عرصے بعد کسی کو فیضی کا نام تک یاد نہیں رہے گا۔ لیکن آپ کے دِل میں فیضی کے نام کے ساتھ جڑا ایک گہرا گھاؤ اور بن جائے گا۔ ابرار چچا کے دیے ہوئے گھاؤ کے ساتھ۔''

بابا کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا' مگر وہ خاموش تھے۔

''اتنے سالوں میں ابرار چچا نے ایک بار بھی تو مڑ کر نہیں دیکھا' آخری دنوں میں تو دادا خود بھی اُن کے لیے کتنا بے قرار رہے تھے۔ چپکے چپکے انہیں ڈھنڈوانے کی کوشش بھی کی گئی' مگر انہوں نے تو کوئی پتہ کوئی نشان چھوڑا ہی نہیں تھا اور دادی بے چاری تو اُن کے جانے کے بعد جیسے بالکل ہی دنیا سے کٹ کر رہ گئی تھیں۔

ماضی کے وہ سارے تلخ تجربے' جو اُن سب کو ہی یاد تھے۔ انہیں سجاد نے اِس موقع پر دہرایا تھا کہ شاید وہ اپنی کہی بات کی سنگینی کا خیال کر کے فیضی کے لئے بیچ کی راہ نکال لیں۔

''آج بھی آپ ابرار چچا کی واپسی کے منتظر ہیں اور کل کو فیضی کو بھی اِسی طرح یاد کیا کریں گے۔''

سجاد دھیمے انداز میں اپنی بات کہہ رہے تھے۔ بابا کو نہیں یاد پڑتا تھا کہ اُنہوں نے سجاد کو کبھی بھی اونچی آواز میں بولتے سنا ہو۔

مگر اُن کے اِس پُراثر لہجے کے سحر سے خود کو بچا کر رکھنا' خود بابا کے لئے بھی مشکل ہو رہا تھا۔

پُشتوں سے بنی ساکھ کو جذباتیت کی نظر نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''ہم جانے والوں کا انتظار نہیں کرتے' دُکھ تکلیف اپنی جگہ مگر میرے ماں باپ نے بھی' جوان بیٹے کو کھو دینا منظور کیا تھا۔ بجائے اِس کے کہ اپنے اصولوں پر....''

''مگر اُنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا بابا۔''

سجاد نے شاید پہلی بار اُن کی بات کاٹنے کی جسارت کی۔

''ایسا نہیں ہوتا تو دادی نے رحمت منزل کی آدھی ملکیت ابرار چچا کی اولاد کے نام کیوں کی ہوتی اور اگر دادا کو وہ اتنے ہی نامنظور ہو گئے تھے تو اُنہوں نے اُس وصیت کو بدلوانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ کیوں آج تک آپ اُس امانت کو سنبھال کر بیٹھے ہیں۔ وحید بھائی کے سپرد سارا کچھ سونپ کر فرحت آپا کی زندگی کو کیوں نہیں آسان کر دیتے۔ اِس لیے کہ آپ خود منتظر ہیں کہ ایک نہ ایک دن اُن کا کچھ نہ کچھ پتہ تو چل کر رہے گا۔''

کھٹ کھٹ، ایک کے بعد ایک۔

سجاد نے ایک کے بعد ایک کئی آئینے سامنے رکھ دیے۔ بابا کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے افسردہ سی مسکراہٹ اُبھری۔

"تم اپنی جگہ ٹھیک ہو سجاد، مگر میرے فیصلے میں ترمیم کی گنجائش نہیں ہے، اگر میرے لیے اِن اصولوں کو بدلنا اتنا ہی آسان ہوتا تو شاید بہت سالوں پہلے میں تمہاری اور شیریں کی شادی کرا چُکا ہوتا۔"

وہ اپنی بات کہتے ہوئے اُٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے اور اُن کے ساتھ خود بہ خود ہی تینوں بیٹے بھی۔

"مجھے فخر ہے تم پر کہ تم نے خاندان کو کسی آزمائش میں نہیں ڈالا، چاہتے تو بہت آسانی کے ساتھ اپنے لیے من پسند زندگی کا انتخاب کر سکتے تھے مگر" اُنہوں نے اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ دی دونوں بھائیوں کی نگاہیں خود پر محسوس کرتے ہوئے سجاد کو بڑا عجیب سا لگنے لگا۔

"ایسی کوئی بات نہیں تھی بابا، آپ کو خوا مخواہ وہم ہو رہا ہے۔"

اِس اتنے ٹینشن بھرے وقت میں جو یہ قصّہ بابا چھیڑ بیٹھے تھے۔ ایک جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ کے ساتھ سجاد نے اُس "غلط فہمی" کو بھی دور کرنا چاہا۔

الفاظ لہجے کا ساتھ دے رہے تھے یا نہیں، اس سے اُنہیں کوئی مطلب نہیں تھا۔

بابا نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

انہیں سجاد کی بات پر ذرہ بھر بھی یقین نہیں آیا تھا۔

"کاش جو فخر میں تم پر کر پایا ہوں، وقار بھی فیضی پر کر پاتا۔"

لائونج سے نکلنے سے پہلے، وہ مڑ کر اُن تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"اور میں تمہیں کوئی الزام نہیں دے رہا ہوں وقار مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اولاد کو تمام تر آسائش فراہم کرنے کے علاوہ بھی۔ والدین کے کچھ فرائض باقی رہتے ہیں۔ کاش تم کبھی اس بات کا احساس کر لیتے تو آج ہم اس طرح پچھتاؤں میں نہ گھرے کھڑے ہوتے۔"

...☆☆☆...

ڈائننگ ٹیبل کی سیٹنگ پوری طرح مکمل تھی، شیریں نے ایک مطمئن سی نگاہ ڈالی اور پھر لیونگ روم کی طرف کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"ایک سے ایک نادر آرٹ ورک، شیریں کے والد کے کلیکشن میں تھا۔ اُن کے بعد بہت ساری چیزیں تو میں نے حفاظت کے خیال سے نیشنل آرٹ گیلری کو عطیہ کے طور پر دے دیں، مگر پھر بھی آپ دیکھ رہے ہوں گے کہ گھر بھرا پڑا ہے، آرٹ پیسز سے....."

شیریں کو ہنسی آنے لگی۔

یہ ممی کا بڑا ہی من پسند مشغلہ تھا۔

اُس کے والد کے چھوڑے ہوئے آرٹ کلیکشن کا دیدار کرتے وقت، مہمانوں کو اُن سے یہ سارا فخریہ قصہ بھی سننا پڑتا تھا۔ پرانے ملنے والوں کو تو بہت ساری تفصیل از بر بھی ہو چکی تھی۔ لیکن شہر یار بہر حال نیا آدمی تھا۔

پچھلے ایک ڈیڑھ گھنٹے سے وہ جس استقامت سے پینٹنگز اور اسکیچز کے بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کروا رہا تھا۔ وہ اُس جیسے آدمی کے لیے یقیناً ایک بڑا ہی تھکا دینے والا تجربہ تھا۔ اِس کا اندازہ اُس کی شکل دیکھ کر بڑی آسانی سے ہو رہا تھا' مگر پھر بھی مسکرا مسکرا کر اُن کی بات کو غور سے سننے کی کوشش جاری رکھے ہوئے تھا۔

بیوروکریسی کے تحت مصنوعی ماحول میں رہتے ہوئے بھی' اُسے یہ خبر بہر حال مل چکی تھی کہ آرٹ اور کلچر سے دلچسپی رکھنا' اب فیشن میں بھی شامل ہو چکا ہے۔

شہریار کے ساتھ آئی مسز ہاشمی' تھوڑی دیر تک تو ساتھ دیتی رہی تھیں' مگر چوں کہ اُن کے لئے اب اِن سب چیزوں میں کوئی نئی بات نہیں رہ گئی تھی۔ سو اب کافی دیر سے وہ اطمینان سے ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھی۔

شیریں کو اندر آتا دیکھ کر انہوں نے فوراً ہی اُسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

''آخر تم بار بار کہاں غائب ہو جاتی ہو' شہریار بے چارہ یہاں محض تمہاری وجہ سے آیا ہے اور تم ہو کہ اُسے تھوڑی سی بھی کمپنی نہیں دے رہی ہو۔''

''پلیز مسز ہاشمی۔''

شیریں کے چہرے پر یک لخت سنجیدگی آ گئی۔

''میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ ایسا کچھ آپ مت سوچیں اور نہ شہریار صاحب کو ہی سوچنا چاہیے۔ میں اُن کی عزت کرتی ہوں' اس لئے کہ وہ آپ کے کزن ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی اور تعلق...''

دبے دبے سے انداز میں کہتے ہوئے اُس نے اپنی بات کو ادھورا چھوڑتے ہوئے' سر کو نفی میں ہلایا۔

''جانے دو بس...''

مسز ہاشمی نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

''میں نے تم سے تمہاری رائے نہیں مانگی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اِس وقت شہریار تمہارا مہمان ہے اور تمہارا فرض بنتا ہے کہ اُسے کچھ نہ کچھ تو ٹائم دو' آخر تم...''

وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئیں۔

شیریں نے بڑی گہری نظر اُن پر ڈالی۔

''کہیے' رُک کیوں گئیں۔''

''نہیں کچھ خاص نہیں۔''

شیریں کے چہرے پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ اُتر آئی۔

''آپ یہی کہنا چاہ رہی تھیں نا مسز ہاشمی۔ کہ آخر میں سجاد کو بھی تو اتنا ٹائم دیتی تھیں۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔''

مسز ہاشمی نے منہ سے کچھ نہ کہا مگر اُن کی آنکھوں سے تائید ہو رہی تھی۔

''سجاد کا کسی سے کوئی مقابلہ نہیں ہے مسز ہاشمی۔''

اِس بار اُس کی آواز بہت زیادہ دھیمی نہیں تھی۔ مسز ہاشمی نے تھوڑا سا گھبرا کر اُس طرف دیکھا' جہاں شہریار اور ممی موجود تھے۔

اُن لوگوں کی اِس طرف پشت تھی اور فاصلہ بھی اچھا خاصا تھا۔ کم از کم یہاں ہونے والی بات چیت وہاں تک سُنے جانے کا امکان ہر گز نہیں تھا۔

"وہ اتنا اچھا انسان ہے کہ بہت کم لوگ اُس جیسے ہوتے ہیں اور مجھے اُس کی دوستی پر ہمیشہ فخر رہا ہے۔"

شیریں کو کسی کے سنے جانے' یا نہ سنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"ہم نے بھی کبھی سجاد کو بُرا نہیں سمجھا' وہ یقیناً بہت اچھا ہے۔ اتنے سالوں سے آخر ہم سب ساتھ ہیں۔"

شیریں کو لگا' جیسے مسز ہاشمی محض خانہ پری کر رہی ہیں۔ ورنہ وہ اور ممی دونوں ہی سجاد کی کتنی پروا کرنے والی ہیں۔ اس کا اندازہ اُسے اب بہ خوبی ہونے لگا تھا۔

"اور جس بات کو لے کر آپ اور ممی' بار بار سجاد کو اِس بُری طرح ہرٹ کر رہی ہیں نا مسز ہاشمی۔ اُس کے پیچھے بھی دیکھیں تو' سجاد کی ایک اور بہت بڑی اچھائی ہی ہے۔ وہ فطرتاً اتنا اچھا ہے کہ صرف اپنی خوشی کے لئے....."

"ہم یہاں سجاد کو ڈسکس کرنے کے لئے جمع نہیں ہوئے ہیں شیریں۔"

مسز ہاشمی کو اپنی ساری محنت اکارت جاتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔

"اِس وقت جو لوگ تمہارے ارد گرد ہیں۔ وہی تمہارے لیے اہم ہونے چاہئیں۔ ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے کامن انٹرسٹس کے بارے میں بھی تو بات کر سکتے ہیں نا اور تم تو بہر حال کبھی کسی کے بھی ساتھ بد اخلاقی برت ہی نہیں سکتی ہو۔"

شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

شیریں اِس بار خاموش ہی رہی۔

"اور اِس لحاظ مروّت والی عادت کے ہاتھوں وہ آخر پچھلے وہ دن سے شہریار جیسے آدمی کو مستقل برداشت کر رہی ہے۔"

یہ بات وہ صرف سوچ کر ہی رہ گئی۔

کھانا حسبِ روایت شاندار تھا۔

ممی کی زیرِ نگرانی ہونے والی دعوتوں کی دھوم ویسے ہی سارے سرکل میں رہی تھی۔ وہ واقعی بڑی منتظم اور سلیقے قرینے والی خاتون تھیں۔

شہریار اب تک' اتنا زیادہ متاثر ہو چکا تھا کہ مسز ہاشمی کو شیریں کی شادی کی گھنٹیاں بہت قریب ہی بجتی سنائی دینے لگی تھیں۔ تھوڑا بہت خطرہ اب صرف شیریں کی طرف سے رہ گیا تھا' سو اُسے دور کرنا بھی کچھ ایسا مشکل نہیں تھا۔

"تم لوگ جا کر باہر واک کر لو تھوڑی دیر' شہریار نے اندر آتے ہوئے تمہارے لان میں کی ہوئی لینڈ اسکیپنگ' ٹھیک سے دیکھی نہیں ہے۔"

مسز ہاشمی نے بہت خوبی سے شیریں کو اُسے کے ساتھ کمپنی دینے کے لیے تیار کیا۔

"ہاں چلو' ہم سب ہی چلتے ہیں۔"

ممی ایک بار پھر پُر جوش ہو کر مسز ہاشمی کی طرف دیکھ کر بولیں' مگر اُن کی آنکھوں میں بڑا واضح اشارہ تھا۔

"ویسے آج میں بہت تھک رہی ہوں' ایسا کرو تم لوگ ہی چلے جائو۔ میں اور مسز ہاشمی یہیں بیٹھ کر گپ شپ کر لیتے ہیں۔"

اپنا پہلا بیان بدل کر اُنہوں نے فوراً ہی خود پر تھکان طاری کی، اصل میں تو وہ بڑی دل سے مسز ہاشمی کی شکر گزار تھیں۔

جنہوں نے اُن کی زندگی کے اِس سب سے پریشان کن مسئلے کے حل کا بیڑا اُٹھایا تھا۔

شہریار انہیں پہلی ملاقات میں بے حد پسند آچکا تھا۔ صورت شکل، تعلیم، اسٹیٹس....

"میرے خیال میں تو مسز ہاشمی، شہریار، شیریں کے لیے ملنے والا اب آخری پرفیکٹ شخص ہے۔ اس موقع کو اب ہاتھ سے کسی صورت جانے نہیں دینا چاہیے۔"

جب شیریں اور شہریار باہر جا چکے تھے، تب وہ مسز ہاشمی سے کہہ رہی تھیں۔

"میں خود بھی یہی سمجھتی ہوں مگر بس خدا کرے کہ شیریں مان جائے۔"

مسز ہاشمی ابھی تک شیریں کی باتوں کے زیرِاثر تھیں۔ "آپ نے شیریں سے شہریار کی پہلی بیوی کے بارے میں بات کی۔"

اُنہیں کچھ یاد آیا تو پوچھنے لگیں۔

"ہاں ایسے ہی تذکرہ کر دیا تھا۔ یہ کوئی ایسی بڑی بات بھی نہیں، ہزاروں شادیاں اسی طرح ٹوٹ جاتی ہیں۔ شہریار کے تو بچے بھی نہیں ہیں۔ شیریں نے تو اس بات کو خاص سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔"

ممی مطمئن سی ہو کر تیار ہی تھیں۔

مسز ہاشمی نے کچھ بے چینی سی محسوس کرتے ہوئے بولا۔

سنجیدگی سے تو شیریں نے ابھی تک خود شہریار کو بھی نہیں لیا تھا۔

انہوں نے بمشکل ہی خود کو یہ کہنے سے روکا....

"بہت دن بعد میں نے اپنے معمول سے ہٹ کر یہاں کراچی میں کچھ وقت گزارا ہے، آپا کا اصرار ہی اتنا تھا کہ مجھے اُن کے لئے کچھ ٹائم نکالنا ہی پڑا۔"

باہر بے حد سلیقے سے ترتیب دیئے لان میں سے گزرتے ہوئے شہریار، مسز ہاشمی کا حوالہ دیتے ہوئے شیریں سے کہہ رہا تھا۔

"بہت کم لوگوں کے ساتھ میں خود کو ذہنی طور پر کمفرٹیبل محسوس کرتا ہوں۔ وہاں اسلام آباد میں بھی ایک مخصوص سرکل میں ہی ملنا ملانا ہوتا ہے۔

اصل میں تو ہم لوگ اپنے کام کے ساتھ اتنے زیادہ کمٹڈ ہیں کہ اپنا وقت بے کار کے لوگوں پر صرف کرنا افورڈ ہی نہیں کر سکتے۔"

پچھلے دو دن سے وہ مستقل ہی اپنی مصروفیت اور اپنی اہمیت کا ترانہ گائے جا رہا تھا۔

"پھر تو واقعی مسز ہاشمی نے آپ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کی، جو آپ کے یہ دو دن برباد ہوئے۔"

شیریں سے رہا نہ گیا، اُسے سچ مچ بڑی کوفت ہو رہی تھی۔ شہریار کے خیالات سنتے ہوئے۔

"نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔"

وہ چلتے چلتے تھوڑا سا ٹھٹکا۔

جو باتیں وہ شیریں کو متاثر کرنے کے لئے کہے جار ہا تھا۔ اُن کا بڑا اُلٹا اثر پڑا تھا۔

"آپ سے ملنا تو ایک بڑا اچھا تجربہ رہا' بہت خوشگوار بلکہ مجھے تو افسوس ہے کہ میں پہلے ہی کیوں نہ آپ لوگوں سے ملا۔"

اپنی عادت کے بالکل برخلاف وہ ایک اسٹیپ نیچے اُتر آیا۔

شیریں نے جیسے سُنا ہی نہیں۔

"کل وہاں ہمارے آفس کی پارٹی میں بھی آپ لگ رہا تھا' بہت بور ہو رہے تھے۔ کسی سے بھی کوئی خاص بات چیت نہیں کی۔"

مصنوعی چٹان کے ساتھ بہتی واٹر نال کے نیچے بچھی کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے شیریں نے اپنی بات جاری رکھی۔

سچی بات یہ ہے کہ اُسے کل شہریار کا بے حد روکھا انداز بہت کھلا تھا۔

"اگر آپ وہاں نہ ہوتیں تو واقعی بہت بور ہوتا۔"

میرے لیے سب سے اہم بات' وہاں آپ کا ہونا تھا شیریں۔ باقی مجھے وہاں کسی سے کوئی مطلب' کوئی لینا دینا نہیں تھا۔" شیریں کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے' اُس کھردرے سپاٹ شخص کے لہجے میں بھی نرمی سی گھلتی محسوس ہونے لگی۔

شیریں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔

مسز ہاشمی کی منصوبہ بندی' اُس پر نہ سہی... پر کہیں نہ کہیں تو کام دِکھا ہی رہی تھی۔

سر پر آئے اِس خطرے کو ٹالنے میں ہی عافیت تھی۔

"وہ سب ہی لوگ بہت اچھے ہیں' ہمارے آفس کا ماحول بے حد ریلیکسڈ ہے اور ہم سب بہت اچھے دوست ہیں' اگر آپ اُن سے گھلتے ملتے تو آپ کو بھی بہت اچھا لگتا۔"

بڑی صفائی سے پہلو بچا کر وہ بات کو دوسری سمت ہی رکھے ہوئے تھی۔

شہریار کے ماتھے پر ہلکی سی شکن اُبھرنے لگی وہ اسٹیٹس کانشیس تھا۔

کئی سال سے آفیسری کرتے کرتے' اپنی رائے کو مسلط کرنے کا بھی عادی ہو چکا تھا اور لوگوں کی تعریف کرنے اور تعریف سننے سے سخت الرجک ہوئے بھی عرصہ بیت چکا تھا' سو تھوڑا سا بُرا فوراً ہی منا گیا۔

"اپنی اپنی عادت ہوتی ہے شاید' مجھے تو وہاں کوئی ایک شخص بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اتنی اچھی شہرت کا حامل ادارہ اور اُس کے ممبرز کا اتنا لائٹ سا ایٹی ٹیوڈ۔ حیرت ہے۔ کیا یہ سب لوگ آفس میں بھی اتنے ہی زور زور سے قہقہے لگاتے ہیں۔"

طنزیہ پیرائے میں کیے گئے اِس بیان اور سوال دونوں ہی کا شافی جواب دیا جا سکتا تھا' اگر وہ اِس وقت مہمان نہ ہوتا۔

"وہ سب لوگ اپنے پروفشن میں مہارت رکھتے ہیں شہریار صاحب۔ اور آپ نے کیسے فرض کیا کہ زور زور سے ہنس لینا' کوئی بہت ہی غیر مہذب بات ہے۔"

"چلیے بہت نہ سہی' غیر مہذب تو ہے' کسی بھی انسان کو اُس کا اپنا روّیہ ممتاز بناتا ہے۔ میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس طرح...۔" شیریں نے بڑی مایوس سی نگاہوں سے شہریار کی طرف دیکھا۔

شہریار میں کسی اچھی تبدیلی کی توقع رکھنا بھی عبث تھا اور جس شخص کے ساتھ وقت کا یہ مختصر ساوقفہ گزارنا بھی دو بھر ہو، اُس کے ساتھ ساری زندگی کو کاٹنے کا تصوّر بھی محال تھا۔

شیریں کی نگاہ خود بہ خود لیونگ روم کی بند کھڑکیوں کی طرف اُٹھ گئی، جہاں اندر ممی اور مسز ہاشمی سارے اندیشوں اور واہموں سے آزاد، بڑی خوش آئندسی پلاننگ میں مصروف تھیں۔

عجیب بات تھی کہ دونوں میں سے کسی کا بھی یہ خیال آکر نہیں دے رہا تھا کہ زبردستی گھر بسائے جا سکتے ہیں، مگر دل نہیں اور ایک وہی دونوں کیا، معاشرے میں طے شدہ شادیوں کے لئے جو کلیہ قائدہ رائج ہے، اُس میں یہ سوچنے کی تکلیف بہت ہی کم گوارا کی جاتی ہے۔

...☆☆☆...

جیسے جیسے نینی کے نکاح کا دن قریب آرہا تھا، گھر پر ایک الگ ہی ہڑبڑاہٹ طاری ہوتی جا رہی تھی۔

بشارت صاحب کو اُن کے فیصلے سے ایک انچ بھی سرکا لینے کی تمام تر کوششوں میں ناکامی کے بعد، جیسے سب ہی ذہنی طور پر تیار ہوتے جا رہے تھے۔

''قریبی رشتے داروں کو تو بلانا ہی پڑے گا، اچھا ہے کہ یہاں کراچی میں چند ایک ہی لوگ رہتے ہیں باقی دور والوں کو فون پر بتا دیں گے کہ جلدی میں نینی کی شادی کرنی پڑی ہے، اس لیے سادگی سے تقریب ہوئی ہے۔''

امی چلتے پھرتے، اس طرح کے جواز تراشتیں جو رشتے داروں کو مطمئن کر سکیں اور شاید خود انہیں بھی...

''کہیں گے کیا لوگوں سے امی، کوئی ایک بات پہلے سے ہی سیٹ کریں، تا کہ سب سے وہی کہا جا سکے۔'' نازی کو عادتاً لوگوں کی سب سے زیادہ فکر رہتی تھی۔

''کہہ دیں گے کہ لڑکے والوں کے ہاں کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہے، کوئی بیمار ہے یا کسی کو ملک سے باہر جانا ہے۔ بہانے تو دس بنائے جا سکتے ہیں۔''

امی پہلے سے ہی سوچے بیٹھی تھیں۔

دِیا بھی وہیں تھیں اُن کی بات سُن کر بڑے طنزیہ لہجے میں بولی۔

''اور جو لڑکے والے شادی میں سرے سے شریک ہی نہیں ہوئے تو پھر آپ کے یہ سارے رشتہ دار کتنی باتیں بنائیں گے، یہ بھی سوچ لیں۔''

نازی اور امی دونوں ہی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔

دِیا کی بات کسی حد تک ٹھیک ثابت ہو سکتی تھی۔ ابھی تک فیضی کے گھر سے کوئی بھی اُس کا کوئی سرپرست یہاں نہیں آیا تھا۔ وہ پہلی بار اکیلے آنے کے بعد دوسری مرتبہ اپنے دو دوستوں کو لے کر آیا تھا، جو اُس ہی کی عمر کے تھے۔

''معلوم نہیں اُس کے گھر والوں کو ابھی تک علم بھی ہے یا نہیں، ابا کو کم از کم اُن لوگوں سے ایک بار مل تو لینا چاہیے تھا امی۔''

نازی کو بشارت صاحب کی بے نیازی پر حیرت ہو رہی تھی۔ ایک بار فیضی کو ''ہاں'' کہہ دینے کے بعد وہ جیسے ہر بات سے بری الذّمہ ہو گئے تھے۔''

نینی کی نافرمانی کا لاکھ رنج سہی، مگر وہ اس طرح ہر بات سے ہاتھ اُٹھا لیں گے۔ یہ بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔

''لوگ تو بہت خاندانی ہیں اور بے حد پیسے والے بھی۔'' نینی سے ساری تفصیل حاصل کر لینے کے بعد امی اُس طرف سے تو مطمئن تھیں۔

''فیضان کہہ رہا تھا کہ وہ لوگ وقتی طور پر ناراض ہیں' پھر مان ہی جائیں گے۔ خاندان کا بڑا بیٹا ہے اور اپنے ماں باپ کا تو ایک ہی بیٹا ہے' اُسے خود سے الگ تو نہیں کریں گے۔''

نازی کو امی کی سوچ پر تھوڑی سی تکلیف پہنچی۔

''اور امی' ہمارے متعلق اُن لوگوں کی کیا رائے ہو گی' یہی نا کہ دولت مند لڑکا دیکھ کر' ہم نے اُسے پھنسا لیا ہے۔ اُس کے ماں باپ کی شرکت تک ضروری نہیں سمجھی ہے نکاح میں....''

''بے کار کی باتیں مت کرو....''

امی ایک دم تیزی سے بولیں۔'' ہم کیوں خدانہ کرے پھنسانے لگے کسی کو' فیضان خود آیا ہے ہمارے گھر' ہم تو اُسے جانتے تک نہیں تھے۔''

''راستہ دکھانے والی تو نینی ہے اور پھر معاملے کو اس انجام تک لانے والی بھی' اصل کمال تو اُس نے کر دکھایا ہے۔''

دِیا کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی' اب تو صاف لگنے لگا تھا کہ گھر کے ہر مسئلے میں وہ تناؤ کے عنصر کو جان بوجھ کر بڑھاوا دیتی ہے۔

''ہمارے ابا بے چارے ساری زندگی تعلیم و تربیت کا ڈھول ہی پیٹتے رہے اور صاحبزادی نے کس رازداری سے داستانِ عشق رقم فرمالی' ویسے نازی آپا۔''

وہ اپنی بات کہتے کہتے نازی کی طرف مڑی۔'' یہ نینی کی قسمت کچھ زیادہ ہی تیز نہیں ہے۔ پہلے اتنا اچھا رشتہ اِس کے لئے ملا اور پھر اُسے رد کر کے اس سے بھی اچھا لڑکا۔''

اِس کھلے طنز کا کیا جواب دیا جا سکتا تھا۔ نازی ہلکے سے بولی۔''بس اب تو ہم سب کو یہی دعا کرنا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے' نینی کے حق میں اچھا ہی ہو۔''

''آمین۔''

اُسے صرف امی کی آواز سنائی دی' تب ہی باہر سے سمیع۔ دِیا کو پکارنے لگا تو وہ اُٹھ کر باہر چلی گئی۔

امی نے بڑی خاموش نگاہوں سے اُسے جاتے دیکھا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔''میں نے اتنا کہا تمہارے ابا سے کہ نینی کے لئے آیا ہوا رشتہ دِیا کے لئے پٹالو' مگر انہوں نے تو بات کو ڈھنگ سے سننا ہی گوارا نہیں کیا' کیا خرابی ہے دِیا میں۔ لاکھوں میں ایک ہے' وہ لوگ بہ خوشی راضی ہو جاتے۔''

دِیا کے حسن پر ان کا ناز ہمیشہ کی طرح برقرار تھا۔ نازی کو پتہ تھا کہ ابا سے ایسی بھی توقع رکھنا غلط تھا۔ انہوں نے بالکل عین موقع پر نہ جانے کیا کچھ کہہ کر نینی کے سسرال والوں کو منع کیا تھا اور جو شرمندگی اور رنج وہ اب مستقل جھیل رہے تھے' اُس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا۔

''کچھ پیسے مجھے ٹیوشنز سے ملے تھے اور رعنا نے آج کمیٹی کے پیسے بھی جمع کر کے دے دیے ہیں۔ آپ نینی کے لیے کچھ شاپنگ تو کر ہی لیں کل جا کر....'' اُٹھ کر الماری میں سے پیسے نکال لائی۔ امی کی جیسے بڑی فکر دور ہوئی۔

'' یہ بڑا اچھا کیا تم نے' تمہارے ابا تو کوئی ایک چیز نہیں خریدنے دے رہے ہیں۔ بس ایک چیک دیں گے نینی کو' فرنیچر اور دوسری چیزوں کے لئے۔''

یہاں تیاری کے نام پر دھوم دھام کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔

''امی۔ آپ ابا کو کسی بھی بات کے لئے فورس مت کریں۔ جن حالات اور جس انداز میں یہ شادی ہونے جا رہی ہے' یہ سب کتنا غیر فطری سا لگ رہا ہے۔ ابا بہت پریشر میں ہیں انہیں تکلیف بھی بے حد پہنچی ہے۔ بس صرف نینی کی ضد کے آگے مجبور ہوئے ہیں۔''

نازی نرم سے لہجے میں انہیں ہلکے ہلکے سمجھائے گئی' وہ بڑی بے بس سی ہو کر بولیں۔

''میں کیا کروں' دل تو چاہتا ہے نا کہ بچی کے لیے کچھ تو کروں۔ زیور تو خیر بنا ہوا رکھا ہے' باقی کپڑے اور دوسری چیزیں تو لانی چاہئیں۔''

''ہاں تو بس کل پرسوں میں لگ کر آپ یہ شاپنگ کر لیجئے گا۔ جتنی بھی ممکن ہو سکے۔ بس اب جب ایک بات طے ہو گئی ہے تو اُسے خوشی خوشی نمٹا دینا ہی اچھا ہے۔''

اُس کا تسلی آمیز انداز امی کے لئے ہمیشہ ڈھارس کا سبب بن جاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بے ساختہ ہی مسکرانے لگیں۔

''خدا تمہیں ہزاروں خوشیوں سے نوازے' بڑا کرم کیا ہے اُس نے جو مجھے تم جیسی بیٹی عطا کی۔ میری ہر پریشانی کے آگے ڈھال بن کر کھڑی ہو جانے والی۔''

اُس کی خوبیوں کا اعتراف وہ کبھی کبھار ہی کرتی تھیں' پر نازی کے لیے جیسے وہی لمحہ' ہر شے سے بڑھ کر قیمتی ہونے لگتا تھا۔

''میں نینی سے بات کرتی ہوں کہ فیضان پر زور دے کہ اُس کے گھر والے بھی نکاح میں شریک ہوں۔''

آنکھوں میں آئی نمی کو چھپاتے ہوئے وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''ایسا ہو جائے تو سب سے ہی اچھا ہے تمہارے ابا نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ فیضان کے ساتھ کون آتا ہے اور کون نہیں' مگر مجھے بس اِس بات کی فکر کھائے جا رہی ہے' کل کو خدانہ کرے کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو ہم کس سے جا کر بات کریں گے۔''

امی ہاتھ میں تھامے ہوئے پیسے لے کر اُس کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑی ہو گئیں۔

نازی باہر آئی تو برآمدہ خالی پڑا تھا۔ آج کل شام ڈھلتے ڈھلتے بھی اچھی خاصی دیر لگا دیتی تھی۔ اس وقت بھی برآمدے کی ساری کھڑکیاں دھوپ سے سنہری ہو رہی تھیں۔ وہ بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی بڑے ہال تک آئی' تب ہ بڑی تیزی سے نینی باہر نکل آئی۔

''نازی آپا۔''

اُس کے چہرے پر پریشانی تھی اور لہجے میں گھبراہٹ۔

''فیضان اپنا گھر چھوڑ رہا ہے' ہمیشہ کے لئے۔۔۔''

نازی نے بڑے بے یقینی کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا یہ چھوٹی سی اطلاع' یقینا زندگی پر بڑا دوررس اثر ڈال سکتی تھی۔

...☆☆☆...

فیضی کو گھر سے گئے دوسرا دن تھا۔

مزید کچھ بھی کہے سُنے بغیر' جس خاموشی سے اُس نے یہ انتہائی قدم اُٹھایا تھا' وہ سب کو بڑی دُکھ بھری حیرت میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔

اپنا اپنا فیصلہ سنا دینے کے بعد' ہر محاذ پر وقتی خاموشی طاری تھی۔

بابا' وقار اور خود فیضی'

اس دن جو ہوا' سو ہوا۔

اس کے بعد کے دو تین دن بڑے نارمل انداز میں گزرے تھے۔ کوئی جھگڑا کوئی بحث تکرار نہیں۔ فیضی اوّل تو بابا اور وقار کا سامنا ہی کم سے کم کر رہا تھا' دوسرے اُن لوگوں نے بھی خود سے کوئی ایشو اُٹھانے کی پھر سے کوشش نہیں کی تھی۔

بلقیس بھابی کو پکا یقین ہونے لگا تھا کہ وہ جو بڑے پیر صاحب کے پاس سے تعویذ لا کر فیضی کے تکیہ میں سی چکی ہیں' اُس نے ہی اپنا کام دکھانا شروع کر دیا ہے۔ فیضی کے کمرے میں جو چھوٹا فریج رکھا رہتا تھا' اُس کی بوتلوں میں بھی وہ خود اوپر جا کر پڑھا ہوا پانی پابندی سے ملا کر آتی تھیں۔

"اللہ نے چاہا تو اب فیضی کے دماغ سے اُس لڑکی کا بھوت اُتر ہی جائے گا۔ بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ دو منٹ میں مراقبہ کر کے بتا دیا کہ لڑکے پر بڑا سخت سفلی کرایا گیا ہے۔ جب ہی وہ کسی خونی رشتے کو خاطر میں نہیں لا رہا ہے' اُسی کا توڑ کروا رہی ہوں اُن سے میں۔"

اُنہوں نے بڑے یقین کے ساتھ ثمینہ کو کہا تھا' جس پر وہ بڑے رشک سے اُنہیں دیکھے گئی تھی۔

"کتنی اچھی قسمت تھی اُن کی۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

ہر مسئلے سے اتنی آسانی سے نکل جاتی تھیں کہ حیرت ہوتی تھی۔

اب اور کچھ نہیں تو یہ "بابا" ہی مل گئے تھے' جو اس سرکش لڑکے کو لگام ڈالنے میں نوے فیصد تو کامیاب ہو ہی گئے تھے۔ بدلے میں اگر بلقیس بھابی نے انہیں ہزاروں روپے بخشے تھے تو بھی کون سا گھاٹے کا سودا کیا تھا۔

کچھ دو' کچھ لو۔

ساری دُنیا کا کاروبار آخر اسی اصول کے تحت ہی تو چل رہا ہے۔

"اب کہ آپ جائیں تو مجھے بھی لے کر چلیے گا۔" وہ بے ساختہ ہی خود بھی فرمائش کر بیٹھیں۔

سہیل اتنے دن سے گھر بہت دیر میں لوٹ رہا تھا۔ (کہیں کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں' پوچھ لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔)

"ہاں ضرور چلنا' اس جمعرات کو چلیں گے' عصر سے پہلے۔"

وہیں بیٹھے بیٹھے پروگرام بھی سیٹ ہو گیا تھا اور عمل درآمد بھی یقیناً ضرور ہو جاتا' اگر جمعرات آنے سے پہلے ہی فیضی یہ انتہائی قدم بھی نہیں اُٹھا لیتا۔ بعد کی رات بہت دیر تک تو اُس کی غیر موجودگی کا کوئی ایسا خاص نوٹس بھی نہیں لیا گیا تھا' مگر جب ایک ایک کر کے بابا' وقار' سہیل اور سجاد سب گھر آ چکے تھے۔

تو دفعتاً ہی سب کو فیضی کی غیر موجودگی کی فکر ستانے لگی۔

"یہ سب تمہاری ڈھیل ہے بلقیس' تم کم از کم اُس کے آنے جانے کا حساب تو رکھا کرو' ویسے بھی اب کیا کسر باقی رہ گئی ہے۔"

وقار بھائی مارے جھنجلاہٹ کے بار بار بولنا شروع کر دیتے۔

ایک ایک کر کے فیضی کے سارے ہی دوستوں کو فون پر کونٹیکٹ کر لیا گیا۔

کسی کو بھی اُس کی خبر نہیں تھی۔

اب معلوم نہیں، اُن میں سے کس نے سچ بولا اور کون دوستی نبھانے کی خاطر سچ پر پردہ ڈال رہا تھا۔ پریشانی بہر حال بڑھ ہی رہی تھی۔ دس وہم اور اندیشے سب ہی کے دلوں کو ستا رہے تھے۔ فیضی کا موبائل بھی مستقل ہی بند مل رہا تھا۔ معلوم نہیں اُس نے جان کر بند کر رکھا تھا یا کیا، بہر حال۔ تب ہی سجاد کو اپنے موبائل پر فیضی کی کال ملی۔

وہ بخیریت تھا اور اپنے گھر چھوڑ دینے کی اطلاع دے رہا تھا۔

''بتا کر آتا تو سب لوگ پریشر ڈالنے کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ خاص طور پر امی اور جب دادا اپنا فیصلہ سنا چکے ہیں تو پھر اب وہاں رکنے کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔''

سجاد حیرت زدہ سے ہوئے اسے روکتے ہی رہ گئے، مگر وہ فون بند بھی کر چکا تھا۔

موبائل پر آیا نمبر، فیضی کے موبائل کا نہیں تھا۔ سجاد کو پہلے ہی یقین تھا، پھر بھی اُنہوں نے اس نمبر کو ٹرائی کر ہی لیا۔

وہ نمبر کسی P.C.O کا تھا۔

فیضی کہاں ٹھہرا ہوا تھا، اِس بات کا ابھی بھی کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا، مگر وہ جتنا مطمئن تھا، اُس سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ اُسے اپنے فیصلے پر کوئی ہلکی سی بھی ندامت نہیں ہے۔

''جو دروازہ آج اُس نے خود اپنے ہاتھ سے بند کیا ہے، اب اُس پر ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ سمجھ گئے نا تم لوگ۔''

سجاد کے پاس، فیضی کا فون آنے سے جو بھنبھناہٹ لاؤنج میں پھیلی تھی۔ بابا کے بات کرنے پر یکدم ہی خاموشی میں تبدیل ہو گئی۔

سجاد نے بلقیس بھابی کی طرف دیکھا۔

دو دن میں ہی وہ اتنی زیادہ کمزور دکھائی دینے لگی تھی کہ اُنہیں دیکھ کر گھبراہٹ ہو رہی تھی اور بابا کی بات کو سنتے ہوئے اُن کے چہرے پر جو زردی پھیلی تھی وہ دل کو بڑی تکلیف دے رہی تھی۔

''بھابھی۔'' سجاد نے اُنہیں لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو بڑی تیزی سے آگے بڑھے، مگر وہ صوفے کی پشت کا سہارا لے کر خود کو سنبھال چکی تھیں۔

''تمہیں خود کو سنبھالنا ہو گا بلقیس۔ ہمارے خاندان کے لیے اولاد سے بچھڑ کر زندگی گزارنا، نئی بات نہیں ہے۔ فیضی کی خاطر بھی کسی اصول کو کبھی نہیں بدلا جا سکے گا۔''

اپنی بات کہہ کر وہ رُکے نہیں۔

سجاد نے اُن کے پیچھے جانا چاہا مگر وقار بھائی نے آواز دے کر روک لیا۔

''کوئی فائدہ نہیں ہے سجاد۔ بابا کبھی نہیں مانیں گے۔ فیضی نے ہمیں اِس لائق چھوڑا ہی کہاں ہے کہ ہم اُن سے کوئی بات منوا سکیں۔''

ایک بہت گہری چوٹ کا سا تاثر لیے وہ اُس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

وہ رات سب ہی نے جاگ کر گزاری۔

بلقیس بھابی کی حالت سب سے زیادہ قابلِ رحم تھی' خالی خالی نگاہوں سے ایک ایک کی شکل تکنے جاتیں یا پھر ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتیں۔ کہیں آخری پہر بلڈ پریشر کے لئے دی گئی دوائوں کے زیرِ اثر وہ سو پائی تھیں۔

سجاد آج بغیر ناشتہ کیے آفس آئے تھے۔

صبح سب ہی اِسی طرح ایک دوسرے سے نگاہ چُرا کر گھر سے نکلے تھے۔ ثمینہ کا بنوایا ہوا ناشتہ میز پر رکھا رکھا ٹھنڈا ہوتا رہا تھا۔

زندگیاں کب تک اپنی خوشیوں کا خراج ادا کرتی رہیں گی۔

وہ بھی جو آگے بڑھ کر' ادھوری ہی سہی' اپنے حصے کی مٹھی بھر ہنسی' تقدیر کے تھال میں سے اُٹھا لیتے ہیں اور وہ بھی جو اپنی ذات کی نفی کرتے کرتے محرومی کی ہر حد کو پار کر جاتے ہیں۔

تنہائی ازل سے ہی انسان کے مقدر میں لکھی گئی ہے۔ رشتوں کے بیچ میں رہ کر بھی اور اُن سے دور رہ کر بھی۔ کام کے بے پناہ دبائو میں بھی سجاد کا ذہن مستقل ہی اُلجھتا رہا۔

شیریں نے کئی بار اُن کی غائب دماغی کو نوٹ کیا اور پھر آفس کے کام سے ملنے والی پہلی فرصت میں ہی وہ اُن کے سامنے جا بیٹھی۔

''کیا بات ہے سجاد' اتنے پریشان کیوں ہو؟''

سجاد نے بڑی حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ معلوم نہیں کتنے دن بعد وہ اس طرح اُن کے کمرے میں آ کر بیٹھی تھی اور بڑی متفکر نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

آپس میں خفگی کا جو یہ طویل دورانیہ اُن کے بیچ میں آیا تھا' اُس کی مہربانی سے شیریں کو اب تک فیضی کے اس تازہ کارنامے کے بارے میں ابتدائی معلومات بھی حاصل نہیں تھیں۔ پھر بھی جب سجاد نے یہ سارا قصہ شروع کیا تو اُسے اچانک ہی کچھ یاد آیا۔

''ایک منٹ سجاد۔''

اُنہیں اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑی'

''کیا نام بتایا تم نے' نوین۔ ہے نا۔'' وہ پوچھ رہی تھی۔

سجاد نے اثبات میں سر ہلا دیا تو شیریں کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''وہ تو بڑی پیاری لڑکی ہے اور عادتاً بھی مجھے تو بہت سلجھی ہوئی لگی تھی۔ تمہارے ہاں سہیل بھائی کے بچوں کے فنکشن میں فیضی نے ملوایا تھا مجھ سے' بلکہ وہ میرے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔''

سجاد محض اس کا دل رکھنے کے لئے ہلکے سے مسکرا دیے۔

''شیریں اب چاہے اُس لڑکی کی کتنی بھی تعریف کرے' اُس کا اس سارے مسئلے پر کیا اثر پڑنا تھا۔'' وہ بس سوچ کر رہ گئے۔

''تمہیں بابا کو سمجھانا چاہیے' اس طرح ضد میں آ کر بات بگاڑنے سے کیا فائدہ' یہ تو اچھی بات ہے کہ فیضی نے ایک اچھے گھرانے کی لڑکی کو پسند کیا ہے۔ لیکن یہ وقت بہر حال اُس کی شادی کا نہیں ہے' ابھی تو اُس کی تعلیم بھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ تم ایسا کرو کہ....''

اتنے دنوں سے چھائی ہوئی اجنبیت کی کہر جیسے لمحوں میں چھٹتی جا رہی تھی۔

کوئی خفگی' کوئی گلہ جیسے بیچ میں آیا ہی نہیں تھا۔ایک بے حد بھاری بوجھ سے اُن دونوں ہی نے خود کو آزاد ہوتا محسوس کیا۔

''بابا کی سخت گیری اور اصول پسندی کے آگے کوئی خوش گمانی ٹھہر تو نہیں سکی تھی' پھر بھی سجاد کو جیسے کوئی اُمید سی بندھنے لگی تھی۔''

''تم کہو تو میں فیضی سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔'' شیریں پوچھ رہی تھی۔

''نہیں' ابھی تو کوئی فائدہ نہیں ہے۔اپنے فیصلے کو وہ بدلنے والا نہیں ہے۔اصل میں اُسے کسی محرومی کا تجربہ ہوا نہیں ہے۔زندگی میں ابھی تک من چاہی زندگی گزارنے کا عادی ہے فیضی۔اور اب اِس وقت تو اُسے نوین کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔''

سجاد کا یقین فیضی کے بارے میں غلط نہیں تھا۔''تم اگر ہو سکے تو کچھ دن بعد بابا سے مل کر انہیں کنوینس کرنے کی کوشش کرنا' حالانکہ فائدہ وہاں بھی کچھ نہیں ہے۔ہمارے ہاں آسانی سے کوئی بھی نہیں مانتا ہے۔''

عجیب بات تھی کہ اتنے حساس اور ٹینشن بھرے ٹاپک پر بات کرتے ہوئے بھی وہ مسکرا رہے تھے۔

''مجھے اچھی طرح اندازہ ہے۔تم بھی کچھ کچھ تو بابا پر ہی گئے ہو' بات نہ سننے' نہ ماننے والے۔''

اتنی دیر میں شیریں نے پہلی بار سجاد کی اُس سخت خفگی کو جتایا۔

''ہاں شاید۔''

مسز ہاشمی اندر آئیں تو وہ دونوں کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

''شیریں۔'' اُنہوں نے سجاد کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اُسے مخاطب کیا۔

''تم فارغ ہو تو میرے کمرے میں آ جائو۔ایک بہت ضروری فائل تم سے ڈسکس کرنی ہے۔''

''میں آتی ہوں مسز ہاشمی۔''

شیریں نے ملائمت سے اُن کی طرف دیکھا' وہ فوراً ہی واپس بھی چلی گئیں۔

آج سجاد کو اُن کا روّیہ بالکل بھی بُرا نہیں لگا' بلکہ اُن کے جاتے ہی وہ بڑی زور سے ہنس پڑے۔

''تم نے مسز ہاشمی کو خوامخواہ ہی میرا دشمن بنا دیا ہے' دیکھا نا ابھی پھر۔''

شیریں چاہتے ہوئے بھی اِس بار اُن کا ساتھ نہیں دے سکی۔

پچھلی رات کی دعوت' شہریار کا روّیہ اور اُن لوگوں کے جانے کے بعد ممی کا دوٹوک رویہ۔بہت کچھ یاد آ کر رہ گیا' مگر سجاد کو کچھ بھی جتانے کی ہمت نہ وہ کل کر سکی تھی اور نہ آج۔

''میں اُن کی طرف سے معافی مانگ لیتی ہوں سجاد اور ممی کی طرف سے بھی۔''

نادم سے لہجے میں اُن کی طرف دیکھتے ہوئے' اُس نے کہا بھی تو صرف اتنا ہی۔

''نہیں شیریں۔''

سجاد نے کچھ بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

''تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، ساری غلطی خود میری ہے۔ میں نے تمہاری مجبوری، یا مصلحت کو سمجھنے کی کوشش آخر کیوں نہیں کی، اب اتنے دن بعد میں کوئی لمبی چوڑی وضاحت تو کیا دوں۔ لیکن اب یقیناً مسز ہاشمی یا ممی، دونوں ہی کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں رہے گی۔''

سجاد کی آواز بتدریج دھیمی ہوتی گئی۔

شیریں کو وہم سا ہونے لگا، جیسے سجاد کی آواز میں کچھ نمی سی گھلی ہے۔

''ہم دونوں کے درمیان کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے سجاد۔ تم تو ماشاءاللہ ایک بہت بڑے خاندان کے فرد ہو۔ تمہارے اردگرد لوگوں کی کمی نہیں ہے، مگر تمہیں خود اچھی طرح پتہ ہے کہ میرے قریب ترین لوگوں میں ممی کے بعد صرف تم ہو اور پلیز یہ خیال دل میں نہ لانا کہ کسی کا بھی روّیہ تمہارے اور میرے بیچ کوئی رخنہ پیدا کر پائے گا۔''

اُس کی آواز کا یقین، لہجے کا ٹھہراؤ اور آنکھوں میں پھیلی وہی مخصوص سی نرمی۔

شیریں میں کوئی بدلاؤ نہیں آیا تھا۔

اُسی طرح ہر پریشانی، ہر ٹینشن کو ختم کر دینے کی صلاحیت، جو بہت بار راہ کو سہل بنا چکی تھی۔ مگر جواباً وہ خود اُسے کیا دے پا رہے تھے۔

کل رات سے، بلکہ پچھلے چند دنوں سے ہی جب سے فیضی کے اِس انتہائی فیصلے کو اُنہوں نے جانا تھا۔ بار بار ہی شیریں کے بارے میں سوچا تھا۔

فیضی کے مقابلے میں کہیں زیادہ محفوظ ترین حالات رکھتے ہوئے بھی، وہ آج تک ایسا کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر پائے تھے۔''

یہ صرف بابا اور خاندان کو کسی گہری چوٹ سے بچانے کے لئے تھا یا وہ شیریں سے ایسی محبت ہی نہیں کر پائے تھے۔

جیسی فیضی نے نوین سے کی تھی، جو بھی تھا وہ بہر حال اُسے اس طرح پابند کرنے کے حقدار ہر گز نہیں تھے۔ پھر بھی جب شیریں نے پچھلی رات مسز ہاشمی اور شہریار کی دعوت کی اطلاع بڑے سرسری سے انداز میں دی تو انہیں اندر ہی اندر خود کو کمپوز کرنے میں تھوڑی سی دقت تو ہوئی۔

''یہ تو اچھی خبر ہے، مسز ہاشمی کے کزن اچھے آدمی لگ رہے تھے۔ اُس دن دعوت میں مِلا تھا نا میں اُن سے۔''

اپنے سامنے رکھی فائل پر بہت دیر بعد اُنہوں نے دھیان دینا شروع کیا۔

دفعتاً ہی شیریں کو جیسے شہریار اپنے اور سجاد کے بیچ آتا ہوا محسوس ہوا۔ سجاد کے منہ سے نکلے اِن بے ضرر سے الفاظ کی ایک الگ ہی تاثیر تھی۔

''میں چلتی ہوں، مسز ہاشمی انتظار کر رہی ہوں گی۔''

کم از کم آج اِس وقت وہ اُداس نہیں ہونا چاہتی تھی، اِس لیے خود کو گرفت میں لیتی اس کیفیت سے بچنے کے لئے وہ فوراً ہی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''اور سجاد۔ تم پلیز اتنا پریشان مت ہونا، فیضی کا معاملہ کسی نہ کسی طرح سیٹل ہو جائے گا۔ اب زمانہ بدل گیا ہے بابا کا یہ ری ایکشن بہت زیادہ عرصے کے لیے نہیں ہے۔ دیکھنا وہ جلد ہی فیضی کو معاف کر کے واپس گھر بلا لیں گے۔''

کمرے سے نکلنے سے پہلے، اُس نے ایک بار پھر سجاد کی فکر کو ہی کم کرنا چاہا تھا۔

آج دن بھر میں اُنہوں نے گھر پر معمول سے زیادہ فون کیے۔

بلقیس بھابی کی طبیعت پوچھنے کے لئے۔

بابا کا پتہ کرنے کے لئے، وقار اور سہیل دونوں بھائیوں کے بارے میں پوچھنے کے لئے اور سب سے بڑھ کر یہ جاننے کے لئے کہ آیا فیضی کا دوسرا فون آیا یا نہیں۔

اِس سوال کا جواب ہر بار نفی میں ہی ملا، لیکن اُس وقت جب وہ آفس کا کام ختم کر کے اُٹھنے والے ہی تھے۔ اُس کا فون اُن کے ہی پاس آیا۔

''فیضی۔ یہ کیا حماقت ہے آخر، مجھے بتاؤ تم کہاں پر ہو، میں خود تمہیں لینے آتا ہوں۔''

اُس کی آواز سنتے ہی وہ بے تابانہ بولے، مگر وہ جواباً کوئی گرمجوشی نہیں دکھا رہا تھا۔

''میں واپس آنے کے لئے گھر سے نہیں نکلا ہوں سجاد چچا۔ اور اگر واپس آتا ہوں تو نوین کو ہمیشہ کے لیے کھو دوں گا۔ جو میں کسی قیمت پر نہیں چاہتا ہوں۔''

سجاد نے ایک گہری سانس لی۔

فیضی کیسا بھی جذباتی اور خود غرض سہی اپنی فیلنگز کے بارے میں انتہائی سچا اور مخلص تھا۔

''ہم لوگ بابا کو سمجھا رہے ہیں۔ کیا پتہ کچھ وقت گزرے تو وہ مان بھی جائیں۔ تم ایک غلط قدم وقت سے پہلے اُٹھا کر کیوں اُن کے غصّہ کو بڑھاوا دے رہے ہو۔''

کامیابی کا ایک فیصد بھی یقین نہ ہونے کے باوجود وہ اُسے سمجھانے کی ایک اور شاید آخری کوشش کرنا چاہ رہے تھے۔

مگر اب بات سمجھنے سمجھانے سے آگے نکل چکی تھی۔ ''میں نے آپ کو فون اس لیے کیا تھا، کہ کیا آپ میرے نکاح کے فنکشن میں شریک ہو سکتے ہیں؟'' فون کے دوسرے سرے سے جب وہ پوچھ رہا تھا تو سجاد کو ایک بڑا فطری سا رنج ہونے لگا۔ فیضی سے اُنہیں بڑی گہری محبت تھی، وہ گھر کا بڑا بیٹا تھا، سب کی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز۔

اُس کی شادی، جو آنے والے وقت میں گھر کی سب سے بڑی خوشی بنتی اور نہ جانے کس کس انداز میں اِس خوشی کو سیلیبریٹ کیا جاتا، وہ موقع یوں چھپ چھپاتے، ایک گھمبیر اُداسی کے ساتھ لے کر چلا آیا تھا۔

''شاید میں ایسا نہ کر سکوں۔''

اُنہیں ایسا کہتے ہوئے، بڑی دِقت سی محسوس ہو رہی تھی، مگر حقیقت یہی تھی۔

بابا۔ اس جسارت کو کسی صورت معاف کرنے والے نہیں تھے، وہ فیضی کو یہی سمجھانے کی کوشش کرتے رہے مگر وہ کچھ سمجھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''آپ میری خوشی کے لئے کیا اتنا چھوٹا سا کام بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ مجھے تو بڑا بھروسہ تھا آپ پر سجاد چچا۔''

آخر کار وہ مایوس سا ہو کر بولا ''میں تو صرف یہی چاہ رہا تھا کہ کوئی ایک تو اپنا ہو، جو اس خوشی کے موقع پر میرے ساتھ ہو۔''

''تمہارے پاس پیسے ہیں فیضی۔''

بات کا رُخ موڑ کر وہ پوچھنے لگے۔ ''اور رہنے کا کیا بندوبست کیا ہے۔''

پیسے ہیں میرے پاس، آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' فیضی کے لہجے میں ابھی بھی خفگی تھی۔

"اور ابھی فی الحال تو ہم لوگ کسی ہوٹل میں ہی رہیں گے' پھر دیکھ لیں گے کوئی فلیٹ۔"

"گھر یا فلیٹ کا کرایہ کہاں سے دو گے اور سب سے بڑی بات کہ گھر کا خرچ چلانے کے لئے بھی اچھی خاصی رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"سب ہو جائے گا آہستہ آہستہ' یہ کوئی بڑے مسئلے نہیں ہیں۔"

جن باتوں کو لے کر سجاد فکر مند ہو رہے تھے' فیضی کو اُن کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں تھی۔

پیسے کو اُس نے کبھی بھی اپنے لیے مسئلہ بنتا نہیں دیکھا تھا' سو اُسے آگے بھی ایسا کوئی دھڑکا نہیں تھا۔

"شاید فی الحال اُس کے اکاؤنٹ میں اچھی بھاری رقم موجود ہے۔" سجاد کو اُس کے اِس فوری اطمینان کی یہی وجہ سمجھ آ رہی تھی' بابا بلقیس بھابی' وقار بھائی اور خود سجاد' وہ سب ہی سے اچھی بھاری رقم وقتاً فوقتاً لیتا رہتا تھا اور کیا پتہ کچھ عرصے سے وہ اس غرض سے کچھ نہ کچھ سیونگ بھی کر رہا ہو۔"

تھوڑا سا اطمینان سجاد کو بھی اُس کی طرف سے ہوا لیکن یہ کوئی مستقل حل نہیں تھا۔

"مجھے اپنا ایڈریس بتاؤ' فیضی اور نوین کے والد کا بھی۔"

"کیا فائدہ جب آپ آ ہی نہیں رہے۔"

اُس کی ہنسی میں ہلکی سی تلخی تھی "اور نوین کے والد کا ایڈریس ڈھونڈ لینا تو آپ کے لئے مشکل بھی نہیں ہے۔ لیکن خدا کے واسطے بابا اور پاپا کو لے کر مت پہنچ جائیے گا' آپ کو میری قسم ہے اس کام کو ہو جانے دیجیے۔"

فیضی کے لہجے میں ایک گہری شدّت کا احساس گھل رہا تھا۔

سجاد کا اُسے مزید کچھ بھی کہنے کو دل نہ چاہا۔

فون بند کر کے وہ کچھ دیر یوں ہی خاموش بیٹھے رہے۔

تب ہی اُنہیں یاد آیا کہ جب وہ اور فیضی' سہیل کے بچوں کے فنکشن کے کارڈ بانٹنے کے لئے نکلے تھے تو فیضی نے اپنے چند دوستوں کے کارڈ بھی اُن کے گھروں پر دیے تھے۔

نوین کا کارڈ بھی ایک مشترکہ دوست کے گھر دیا گیا تھا۔

ذہن پر تھوڑا سا زور ڈالا تو اُنہیں اُس گھر کا محلِ وقوع یاد آنے لگا' اُن کے گھر سے بہت زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ نوین کے گھر کا ایڈرس وہیں سے حاصل ہو سکتا تھا۔

سجاد کی آنکھوں میں چمک سی دوڑنے لگی۔

تیزی سے ٹیلی فون پر نمبر ملا کر وہ دوسری طرف سے فون اُٹھائے جانے کا انتظار کرنے لگے۔

"ہیلو عمر۔"

انہوں نے شکر ادا کیا کہ وہ فوراً ہی مل گیا تھا۔

"تم مجھے اِس وقت مل سکتے ہو پلیز۔ ایک بہت ضروری کام آ پڑا ہے' اگر گھر پہنچ گئے ہو تو میں خود وہیں آ جاتا ہوں۔"

عمر حسبِ توقع اُنہیں تکلیف دینے پر راضی نہیں تھا۔

"میں آدھ گھنٹے تک آ جاتا ہوں آپ کے آفس یا کہیں تو گھر پر۔"

"نہیں پھر آفس ہی ٹھیک ہے' تم آؤ' میں انتظار کر رہا ہوں۔" وہ تھوڑے مطمئن ہوئے۔

فون بند کرنے سے پہلے اُنہیں ایک اور بہت ضروری بات یاد آئی' جسے عمر کو کہنا ضروری تھا۔

''بابا کو میرے فون کا مت بتانا عمر اور نہ یہاں میرے آفس آنے کا ذکر کرنا۔''

دوسرے سرے پر موجود عمر نے یہ ہدایت سنتے ہوئے' بے ساختہ ہی بابا کے آفس کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

وہ ابھی تک یہیں موجود تھے اور صبح جب سے آئے تھے مستقل ہی کام میں لگے ہوئے تھے۔

آج وہ غیر معمولی طور پر خاموش تھے۔ عمر تک کو بس دو چار بار ہی مخاطب کیا تھا۔

وہ انہیں آفس میں چھوڑ کر نکلنا تو نہیں چاہتا تھا' مگر اِس وقت مجبوری تھی۔

سجاد نے بابا کو بتانے کو منع نہ کیا ہوتا تو وہ اُنہیں سیدھی سیدھی بات بتا کر بڑے اطمینان سے جا سکتا تھا' مگر اِس وقت کوئی نپا تلا سا بہانہ ہی چل سکتا تھا۔

عمر نے بھی بہانہ ہی چلایا۔

ٹریفک سے بھری ہوئی سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے اُس کا ذہن مستقل ہی سجاد کی طرف سے اُلجھا رہا۔ ''ایسی کیا بات ہو سکتی ہے' جو انہوں نے بابا سے کہنے سے بھی منع کیا ہے۔'' اپنے طور پر کچھ تجزیہ خود اس نے بھی کرنا چاہا' مگر سب ہی کچھ یکسر غلط ثابت ہوا۔

''کیا کہہ رہے ہیں سجاد بھائی۔ بابا کو پتہ چلا نا تو زندگی بھر میری شکل نہیں دیکھیں گے' مجھے تو اس بار معاف ہی کر دیں' پلیز۔''

تھوڑی ہی دیر بعد وہ سجاد کے سامنے بیٹھا ہوا خود سخت گڑبڑایا ہوا تھا۔

...☆☆☆...

ممانی فرح کے ہاں سے بہت خوش واپس لوٹی تھیں۔

''بہت اچھا لڑکا ہے عمر۔ خوش شکل' خوش اخلاق' اچھی تنخواہ اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اکیلا' بس ایک نانی ہیں تو بے چاری کتنے دن جی لیں گی۔''

اپنے کمرے میں بیٹھیں' جب وہ ساری تفصیل جمیل ماموں کو سُنا رہی تھیں تو اُن کے لہجے کا دبا دبا سا جوش بھی نمایاں ہوا جا رہا تھا۔

''خدانخواستہ۔''

جمیل ماموں نے کچھ جھنجلا کر اُن کی طرف دیکھا۔

''خدا عمر کی نانی کی لمبی عمر کرے' بزرگوں کا سایہ بڑی برکت والی بات ہوتی ہے۔ تم تو بس منہ میں آیا کہتی چلی جاتی ہو۔''

''میں نے تو ایک بات کہی ہے۔ یوں ہی زبان مت پکڑ لیا کرو۔ عمر کی نانی اچھی صحت مند خاتون ہیں' مجھ سے زیادہ پھرتیلی لگ رہی تھیں۔ ظاہر ہے ابھی تو بہت جی لیں گی' پھر بھی آخر عمر تو ہو ہی گئی ہو گی۔''

ممانی کو اُن کا انداز بُرا تو لگا تھا' مگر اِس وقت اتنی خوش تھیں کہ بُرا منا کر رنگ میں بھنگ ڈالنا بھی منظور نہیں ہوا۔

''بہر حال بے کار کی امیدیں وابستہ کر کے مت بیٹھ جایا کرو۔ یہ سب قسمتوں کے کھیل ہیں' کسی کی قسمت کہاں لکھی ہے' یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اتنی زیادہ اُمیدیں باندھنے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے' سوائے تکلیف کے...''

اتنی دیر سے وہ اُنہیں ایک یہی بات سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے' جو کسی صورت سمجھنے کے لئے تیار نہیں تھیں۔

''قسمت اپنی جگہ مگر کچھ کوشش بندے کی بھی ہوتی ہے۔لوگوں سے ملنے جلنے کے یہی تو فائدے ہیں ورنہ گھر بیٹھے کون سا مسئلہ حل ہوتا ہے۔''

''سب ہو جاتے ہیں۔''

وہ بڑے اطمینان سے کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔''جب خدا کو منظور ہوتا ہے' ہر کام بنتا چلا جاتا ہے۔ورنہ کچھ بھی ترکیبیں لڑاتے رہو' ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا' ذرا دیر کے لئے آرام کرنے لیٹ گیا تھا۔مگر ساری نیند اُڑا کر رکھ دی تمہاری باتوں نے۔'' وہ پائوں میں چپل ڈالتے ہوئے باہر نکلتے ہوئے بولے' ممانی کے جواب کا بھی انتظار نہیں کیا۔

وہ مارے کوفت کے وہیں بیٹھی رہ گئیں۔

کبھی کبھی جمیل ماموں بھی واقعی زیادتی کر جاتے تھے۔''ایسا کیا کہہ دیا تھا اُنہوں نے''

''دل میں آئی خواہش کو اُن سے شیئر ہی تو کر رہی تھیں۔زمانے بھر کی عورتیں' آخر ایسی باتیں شوہروں ہی کو تو سنا کر دل ہلکا کرتی ہیں۔''

وقتی طور پر لبنیٰ کی طرف سے دھیان ہٹا کر وہ خود اپنی تقدیر سے شکوہ کناں ہونے لگیں۔

باہر سے اب جمیل ماموں کے ہنسنے کی آواز آ رہی تھی۔وہ یقیناً اماں کے پاس جا بیٹھے تھے۔

ممانی کے غصے کو بڑھاوا ایسی ہی باتوں سے اور بھی مل جاتا تھا۔

''لُبنیٰ۔''

غصّے میں وہ شاید کچھ زیادہ ہی زور سے پکار بیٹھیں۔

''کیا بات ہے' اتنا چلاّ کیوں رہی ہیں۔''

وہ فوراً ہی دروازے میں آ کھڑی ہوئی اور جس اُکھڑے سے لہجے میں وہ اُن سے مخاطب ہوئی تھی وہ خود اُن ہی کا بخشا ہوا تھا۔

مگر یہ بات نہ وہ مانتی تھیں اور نہ یاد رکھتی تھی۔

''میری مرضی چلائوں یا نہ چلائوں۔تم اپنے طور طریقوں پر دھیان دو۔یہ انداز ہوتا ہے بڑوں سے بات کرنے کا؟''

''میں نے کیا کہا ہے؟آپ خود ہی چیخ رہی ہیں۔''

لُبنیٰ ابھی تک دروازے میں ہی کھڑی تھی اور اندر آنے کی زحمت تک نہیں اُٹھائی تھی۔''کام کیا ہے یہ بتائیں۔''

وہی روکھائی' وہی اکھڑپن۔

خود بخود ہی ایک ٹھنڈی سانس اُن کے لبوں پر آئی۔

منہ سے کہنے میں اپنی ہی بے عزّتی محسوس ہوتی تھی' مگر جب سے ثانیہ آئی تھی' انہیں یہ احساس ہونے ہی لگا تھا کہ لبنیٰ کے حصّے میں تربیت نام کی کوئی شے آ ہی نہیں سکی ہے۔

وہ لاکھ اُس کی نالائقیوں پر پردہ ڈالتی رہیں' مگر لوگ' اُس کی زبان درازی اور پھوہڑپن کو بھانپ لینے میں زیادہ دیر نہیں لگاتے ہیں۔

"رحمت منزل" سے واپسی پر اُنہیں اس بات کا احساس اور شدّت سے ہو رہا تھا۔ فرح اور عمر دونوں ہی کے گھروں کے رکھ رکھاؤ سے وہ سخت متاثر ہو کر آئی تھیں۔

عمر کی نانی اِس عمر میں اپنی چھوٹی موٹی ساری بیماریوں کے باوجود بھی قابلِ رشک خاتون تھیں۔

اُن کے چھوٹے سے فلیٹ کو دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کس درجہ صفائی پسند اور سلیقہ مند ہیں۔

عمر اُن ہی کے زیرِ سایہ پلا تھا اور اُن کے لاڈ پیار میں وہ کتنا نازک مزاج بن چکا تھا۔ یہ بات اُنہوں نے خود بار بار بتائی تھی۔

لبنیٰ کی کاہلی اور خود پسندی کا وہاں لمحے بھر کے لیے بھی گزارا نہیں تھا۔

"یہاں آکر بات سنو میری۔"

انہوں نے اس بار نسبتاً نرم لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔

لبنیٰ کو مجبوراً آنا ہی پڑا۔ "آپ بھی نا بس۔"

وہ زمین کو ٹھوکر مارنے کے انداز میں چلتی ہوئی آئی اور دھپ سے اُن کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"میری بات غور سے سنو ذرا۔" ممانی نے بمشکل اپنا غصّہ ضبط کیا۔ "لڑکیوں کے یہ طریقے نہیں ہوتے ہیں' اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرو۔ شام کو گھر پر ہوتی ہو تو پوری شام سو کر گزار دیتی ہو اور رات کو ٹی وی سے ہی جان نہیں چھوٹتی۔"

یہ ایک انتہائی مختلف گفتگو کا آغاز تھا۔ جس کی لبنیٰ کو ایک فیصد بھی اُمید نہیں تھی۔

پہلے تو وہ بڑی حیرت سے زدہ سی ہوئی سُنے گئی اور پھر ٹھیک ٹھاک بُرا مان گئی۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے خود کو بدلنے کی' جیسی بھی ہوں' ٹھیک ہوں اور آپ کو آج کہاں سے یہ خیال آ گیا کہ مجھ میں اتنی ڈھیر ساری برائیاں موجود ہیں۔"

اُس کا لہجہ بے حد تپتا ہوا سا تھا اور جس طرح وہ بُرے بُرے منہ بنائے جا رہی تھی۔ ممانی کی چڑچڑاہٹ اُسے دیکھ کر بڑھتی جا رہی تھی۔

"بُرا ماننے کی بات نہیں ہے' اگر چھوٹی موٹی تبدیلی اپنے اندر لے آؤ گی تو تمہارے ہی حق میں اچھا ہو گا۔ بے شک کام نہ کرو گھر کے' مگر دیکھ بھال تو رکھو' اپنے کمرے کو ٹھیک ٹھاک رکھا کرو' لڑکیوں کو تو خود شوق ہوتا ہے گھر کو سجانے کا۔"

اپنی عادت کے بالکل بر خلاف' وہ بڑے رسان سے اُسے سمجھانے کی ایک اور کوشش میں لگ گئیں۔

لبنیٰ ڈھنگ سے سُن بھی رہی تھی یا نہیں' اِس کی پروا کیے بغیر وہ چند ایک "گُر" کی باتیں اور کہہ گئیں۔

سسرال والوں پر دھاک بٹھانا' میاں کو اپنی مٹھی میں لینا' وغیرہ وغیرہ۔

لُبنیٰ کے لبوں پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ اُبھرنے لگی۔

"سب پتہ ہے مجھے' آپ بے فکر رہیں' یہ کام لوگوں کی خدمت گزاریوں میں خود کو رگڑے بغیر بھی بڑی آسانی سے ہو سکتے ہیں۔ یہ گھسے پٹے فارمولے اب نہیں چلتے۔ اب لڑکیوں کو عقل آ گئی ہے۔"

بڑی لاپروائی سے کندھے جھٹک کر وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "اور مجھے ثانیہ بنانے کی کوشش نہ کریں' دنیا میں ہر شخص برابر نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ صرف خدمت کے لیے ہوتے ہیں اور کچھ میرے جیسے صرف اور صرف راج کرنے کے لئے۔"

اُس کے انداز میں اُنہیں بڑی عجیب سی رعونت سی محسوس ہوئی' حالانکہ ممانی خود بھی اکثر بڑے بول عادتاً بولا ہی کرتی تھیں' مگر اس وقت لُبنیٰ کی بات پر دل پر ایک سہم سا طاری ہونے لگا۔ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر اُنہوں نے شاید توبہ کی تھی یا کیا' لُبنیٰ دھیان دیے بغیر واپس باہر جا چکی تھی۔

ممانی چند منٹ یوں ہی گم صم سی ہوئی بیٹھی رہیں۔

لُبنیٰ کے لئے انہیں دوا کی ضرورت اب محسوس ہوئی تھی' جب اُس کا مرض لاعلاج ہو چکا تھا وقت بند مٹھی میں سے ریت کی مانند تیزی سے پھسلا تھا۔

وہ تب تک اپنے کمرے میں ہی بیٹھی رہیں' جب تک ثانیہ کھانے کے لئے بُلانے نہیں آئی۔

دِل تو نہیں چاہ رہا تھا' مگر اُٹھ کر باہر چلی ہی آئیں' بھوک کی وہ ہمیشہ کچی تھیں۔ اس وقت نہ کھانے کا مطلب تھا کہ رات بھر کی بے چینی۔ برآمدے کی چھوٹی سی میز پر لگے کھانے کی خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔

سلاد' چٹنی' رائتہ سلیقے سے سیٹ کی ہوئی میز' صاف ستھرے برتن۔ ممانی خوش ہونے کے بجائے اور بھی زیادہ اُلجھنے لگیں۔

''سالن میں نمک تیز ہے۔''

''چاول کچے رہ گئے ہیں۔''

''روٹیاں جلی ہوئی ہیں۔''

سارا وقت وہ اِس قسم کا تبصرہ فرماتی رہیں اور صرف ثانیہ تھی' جو ہر بار اُن کے تبصرے پر چونک کر اُنہیں دیکھتی اور پھر شرمندہ سی ہو کر سر جھکا لیتی۔

جمیل ماموں' اماں کو اپنی باتوں میں لگائے ہوئے تھے' سو وہ اِس طرف متوجہ ہی نہیں ہوئیں۔

لُبنیٰ کو تیسری بار چاول پلیٹ میں نکالتے دیکھ کر اُن سے ایک بار پھر رہا نہ گیا۔

''چاول کھانے کم کرو لُبنیٰ۔ تمہارا وزن پہلے ہی بہت بڑھ رہا ہے۔''

اتنا کہتے ہوئے اُن کی نگاہ خود بخود ہی ثانیہ کی طرف اٹھی تھی۔

اُس کا دل کش سراپا اور پُرکشش چہرہ' نظرانداز کرنا آسان نہیں تھا۔ کبھی کبھی تو خود انہیں دل ہی دل میں تسلیم کرنا پڑتا تھا۔

''آج آخر آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہیں۔ گھر کا کام کرو' کھانا کم کھایا کرو' ثانیہ کو ٹوک ٹوک کر آپ کو عادت پڑ گئی ہے۔ ہر وقت اعتراض کرنے کی۔''

پلیٹ میں چمچہ پٹختے ہوئے وہ اُس بدلحاظی کے ساتھ جواب دے رہی تھی' جو خود ممانی نے ہی اُسے عطا کی تھی۔ لبنیٰ کی آواز اتنی اُونچی تھی کہ خود بخود ہی سب کو متوجہ ہونا پڑا تھا۔

''کمال ہے۔ اگر تمہاری امی واقعی تمہیں یہ سب کہہ چکی ہیں۔ مجھے تو سچی بات ہے کہ یقین ہی نہیں آ رہا ہے۔'' جمیل ماموں شاید واقعی حیرت زدہ تھے۔ لبنیٰ مزید بُرا مان گئی اور جب وہ ماتھے پر تیوریاں ڈالے میز پر سے اُٹھ رہی تھی' ممانی نے غور سے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

کبھی لُبنیٰ کا بے تحاشہ گورا رنگ' جس پر اُنہیں بڑا فخر سا محسوس ہوتا تھا۔ تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے وزن کی وجہ سے اپنی ساری خوبصورتی کھوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اُنہوں نے سر کو جھٹک کر اپنا وہم دور کرنا چاہا۔

''رحمت منزل'' جانا اُن کی سائیکی پر اثر انداز ہوا تھا۔

ثانیہ ٹیبل پر برتن اُٹھا کر کچن میں لے جا رہی تھی۔ ابھی اُس کے لئے گھنٹے بھر کی مصروفیت تو تھی ہی' کھانے کے بعد کی چائے اور پھر برتن دھو کر کچن کو صاف کر دینا۔

وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے حساب لگائے گئیں۔

ثانیہ کی اسمارٹ نیس کا راز شاید اِسی میں تھا کہ وہ سارا دن مصروف رہتی تھی۔

اور لُبنیٰ۔

سامنے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

اِدھر ٹی وی پر چینلز کی بھرمار نے تفریح کے نام پر کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی ہے اور کچھ نہیں تو میوزک چینلز پر ہی ایک نا ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

لُبنیٰ بھی آئی۔ ایم کی دیوانی تھی۔

بیڈ پر نیم دراز' اس وقت بھی وہ ساری کوفت اور جھنجلاہٹ کو بُھلا کر علی ظفر کا ''چل دل میرے'' سُن رہی تھی۔

کھانا کھاتے ہی بستر پر دراز ہونا' اُس کے لئے کتنا نقصان دہ ہے۔ اِس کا اُسے احساس تک نہیں تھا اور ایک یہ ثانیہ۔ کتنی ہوشیار لپ جھپ کام نمٹاتی ہوئی' دومنٹ کے لئے دروازے میں کھڑے ہو کر گانا بھی سُن گئی تھی۔ ممانی کو ایک بار پھر لُبنیٰ کی کاہلی پر سادگی کا گمان ہونے لگا اور ثانیہ ماموں کے سامنے بھاگ بھاگ کر اپنے نمبر بناتی' ایک نمبر کی عیار۔

...☆☆☆...

نازی نے چھٹی کی درخواست میں بہت سوچ بچار کے بعد آخر کار ''بوجہ ہمشیرہ کی شادی'' ہی لکھا تھا۔

سو اب اِس ''سچ'' کو بھگتنا بھی لازم تھا۔

''یعنی آپ کی سگی بہن کی شادی ہے اور ہم میں سے کسی کو بھی اطلاع نہیں کیا آپ کسی ایک فنکشن میں بھی اسٹاف کو مدعو نہیں کریں گی مس نازی۔''

پرنسپل صاحبہ کو درخواست پڑھ کر جو دلی صدمہ پہنچا تھا' اُس کا اندازہ اُن کے چہرے سے ہو رہا تھا۔

''میں شرمندہ ہوں میڈم۔ مگر فی الحال حالات ہی کچھ ایسے ہیں کہ یہ کام بہت سادگی سے کرنا پڑ رہا ہے۔''

گو وہ اِس وضاحت کے لئے تیار تھی' پھر بھی اس بریک ٹائم میں جب پرنسپل کا آفس پوری اُن کی من پسند ٹیچرز کے گروپ سے بھرا ہوا تھا' اُسے انہیں یہ سب سمجھاتے ہوئے تھوڑی سی دِقت تو ہوئی۔

''ایسا بھی کیا ہے اور ہم لوگ تو بہر حال آپ کے گھر کے لوگوں میں ہی شمار ہوتے ہیں۔ آخر اتنے سال کا ہم سب کا ساتھ ہے۔''

پرنسپل صاحبہ کو اسٹاف ممبرز کے گھروں پر ہونے والی تقریبات میں شریک ہونے کا از حد شوق تھا۔ وہاں جو اُنہیں وی آئی پی ٹریٹمنٹ ملتی تھی' وہ بڑی تسکین بخش محسوس ہوتی تھی۔ دوسرے نازی کو اکٹھے پانچ دن کی چھٹی دینا بھی آسان نہیں تھا۔ چوں کہ یہ سب کچھ کہتے ہوئے وہ جملہ حاضرین کی طرف بھی نظر دوڑاتی جاتی تھیں۔ اِسی لیے سب پر اُن کی تائید کرنا فرض ہوا جا رہا تھا۔

''بالکل' بالکل میڈم۔''

''ہم سب تو مس نازی کا ہاتھ بٹانے کے لئے خوشی سے تیار ہیں' مگر یہ تو اتنی غیریت برت رہی ہیں یا پھر بہن کی شادی کے بجائے کوئی اور سلسلہ ہے۔'' ایک ساتھ ہی ڈھیر ساری کچ کچ شروع ہو چکی تھی۔

نازی نے بے بس سی نگاہوں سے رعنا کی طرف دیکھا' جو مورل سپورٹ کے لئے یہاں تک بھی اُسی کے ساتھ ہی چلی آئی تھی۔

''اصل میں میڈم۔ مس نازنین اسٹاف کو بلانا ہی نہیں چاہ رہی ہیں۔ انہیں ہم لوگوں کے ساتھ مکس اپ ہونا ویسے بھی زیادہ پسند نہیں ہے شاید۔''

ایک اور ٹیچر کہہ رہی تھیں' جو خود کبھی کبھار ہی اسکول میں نظر آتی تھیں۔ اُن کی جاب پرنسپل کی خوشنودی کے علاوہ اور کس چیز پر ٹکی ہوئی تھی۔ نازی کو اِس کا اندازہ نہیں تھا۔

ساتھ بیٹھی رعنا سے مزید ضبط نہ ہو سکا تو وہ بول ہی پڑی۔

''اصل میں نازنین کے پاس پورے دن میں کوئی ایک پیریڈ بھی فری نہیں ہوتا ہے اور اگر کبھی قسمت سے مل بھی جاتا ہے تو چیکنگ کا کام اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ ایک منٹ کی فرصت نہیں ملتی۔ میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا میڈم کہ بہت سے لوگ ذرا بھی تکلیف اُٹھائے بغیر کس قسم کی سرکاری نوکری کر رہے ہیں۔''

کمرے میں مچی بھنبھناہٹ ایک دم ہی خاموشی میں تبدیل ہو گئی۔

رعنا کے لہجے میں تلخی سے زیادہ اُس کے بھائی کی محکمہ تعلیم کی اعلیٰ پوسٹ' اثر انگیز تھی۔

خود پرنسپل صاحبہ بھی اگر کسی کو خاطر میں لاتی تھیں تو صرف اور صرف رعنا کو ہی۔

''اِس ہمارے اسکول میں کتنی ٹیچرز ہیں جو بناء کوئی درخواست دیے' لمبی چھٹیوں پر چلی جاتی ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا ہے کہ...''

''نہیں' نہیں درخواست تو ضرور ہی دیتے ہیں ہمیشہ' پابندی کے ساتھ۔''

ایک ساتھی ٹیچر جو ابھی دو تین دن پہلے ہی ایک لمبی چھٹی بھگتا کر آئی تھیں۔ ''چور کی داڑھی میں تنکے'' والی مثال کو سچ ثابت کرنے پر تُلی ہوئی تھیں۔

''تو آپ سے وضاحت تو نہیں مانگی جاتی۔ جو کچھ بھی درخواست میں لکھ دیا کافی ہے اور نازنین بے چاری تو پانچ دِن کے لئے ہی جانا چاہ رہی ہے اور اُس کی چھٹیاں ڈیو بھی ہیں۔ پھر بھی اگر اسکول کو کچھ پرابلم ہوتا ہے تو میں ڈائیریکٹ اوپر....''

رعنا کو عام طور پر غصّہ نہیں آتا تھا' لیکن جب آ جاتا تھا تو اُسے خود کو کنٹرول کرنا' بڑا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس وقت یہ دوسری والی صورتِ حال تھی۔

''ڈائریکٹ اوپر'' والی دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی۔اسکول میں ٹیچرز کی آمد میں بے قاعدگی کے علاوہ بھی کئی باتیں تھیں، جنہیں پرنسپل صاحبہ موضوعِ گفتگو بنانا قطعی پسند نہ کرتی تھیں۔

اسکول کے سوئیپر اور مالی کی اسکول میں حاضری لگا کر اُن کے گھر کی ڈیوٹی دینا' اسکول کے لئے لائے گئے پودوں سے اُن کے گھر کے لان کی آرائش۔

لائبریری اور سائنس لیب کے لیے مختص فنڈ سے خریدے جانے والے سامان اور کتابوں کا صرف کاغذ پر اندراج وغیرہ وغیرہ۔

یہ پنڈورا بکس نہ ہی کھلے تو بہتر تھا۔

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں مس رعنا' مس نازنین شوق سے چھٹی پر جاسکتی ہیں' بلکہ میرے خیال میں تو پانچ دن کے بجائے پورا ایک ہفتہ کرلیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ہماری بہت محنتی ٹیچر ہیں یہ تھوڑا سا ریسٹ بھی اِسی بہانے کرلیں گی۔''

معاملہ تیزی سے رفع دفع ہونے لگا۔

''لوگوں کو لگام ڈالنا سیکھو ورنہ وہ تم پر مستقل ہی حاوی ہونے کی کوشش کرتے رہیں گے۔''

پرنسپل کے آفس سے نکل کر طویل کاریڈور میں سے گزرتے ہوئے رعنا کہہ رہی تھی۔

نازی کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آنے لگی۔

''یہاں لوگ بڑی آسانی سے پرسنل ہو جاتے ہیں' دوسرے کی کمزوری کو تلاشتے ہیں اور پھر اُسی کو اُچھال اُچھال کر خوش ہوتے ہیں۔ارے بھئی کسی کو مطلب' ہم کیوں چھٹی لے رہے ہیں۔''

رعنا کو اب بھی رہ رہ کر پرنسپل کے آفس میں ہونے والی قیاس آرائیوں پر غصہ آئے جارہا تھا۔

''ویسے اُن لوگوں کی بات اتنی زیادہ غلط بھی نہیں ہے رعنا۔ظاہر ہے ایسے موقعوں پر اپنے دوستوں کو ساتھ کام کرنے والوں کو یاد تو رکھا ہی جاتا ہے۔'' نازی نے آہستہ سے کہا۔

پاس سے طالبات کا ایک گروپ سلام کرتا ہوا تیزی سے گزرا۔

''ہاں تو نارمل حالات ہوتے تو پوچھا جاتا نا' اب اگر کسی کو کوئی مجبوری ہے تو اُسے یوں گھیر گھیر کر زچ کرنا کہاں کی شرافت ہے۔''

''لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے' جو دیکھتے ہیں اُسی کے بارے میں بات کرتے ہیں۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے نازی داہنے ہاتھ کی طرف اوپر کو جاتی ہوئی سیڑھیوں پر مڑگئی' رعنا ساتھ ہی تھی۔

''چھوڑو اِس بات کو' یہ بتاؤ فیضان کے گھر سے کوئی آیا اب تک یا نہیں'' رعنا نے موضوع بدلا۔

''نہیں۔''

''اچھا۔''

خاموشی کے چھوٹے سے وقفے میں' باقی سیڑھیاں تیزی سے طے ہوئیں۔

''اب تو شاید وہ گھر بھی چھوڑ رہا ہے۔کل نینی کو اُس نے بتایا ہے'' نازی کا لہجہ بجھا ہوا تھا۔

''اور میری تو بالکل سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اس معاملے کا انجام کیا ہونا ہے۔ سب سے زیادہ حیرت مجھے ابّا پر ہورہی ہے۔ رعنا کہ انہیں کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا ہے۔ اُن کا بس چلتا تو شاید جس دن پہلی بار فیضان ہمارے گھر آیا تھا' اُسی وقت نینی کا نکاح پڑھوا کر اُسے رخصت کر دیتے۔''

''انکل کو نینی کی نافرمانی کا رنج ہے' تم لوگ اُن کا بے حد خیال رکھو' وہ اندر ہی اندر بالکل ٹوٹ چکے ہیں۔ بیٹیوں کے معاملے میں باپ' ماں سے بھی زیادہ حساس ہوتے ہیں۔''

''وہ نینی کو روک بھی تو سکتے تھے' اگر سختی سے کام لیتے تو وہ کیا کر سکتی تھی' مگر اب تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ اُسے مزہ چکھانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آخر انسان اپنی اولاد کو خود آزمائش کی نذر کیسے کر سکتا ہے۔''

نازی کو مستقل ہی اندیشے ستا رہے تھے' گھر میں وہ خود کو نارمل ہی رکھتی تھی' مگر رعنا کے سامنے ہر پریشانی کو زبان مل جاتی تھی۔

''اللہ بہتر کرے گا' خدا کرے کہ نینی اپنی آئندہ زندگی میں اتنی خوش رہے کہ انکل کو اپنے اِس ناراضگی میں کیے جانے والے فیصلے پر ہی خوشی اور فخر کا احساس ہو۔''

رعنا ہر پریشان گھڑی میں حوصلہ دلاتی تھی۔

''خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔''

اپنی کلاس کی طرف مڑنے سے پہلے نازی نے کہا' آج اُس کا اسکول میں آخری دن تھا' کل سے اُس کی چھٹیاں شروع ہو رہی تھیں' وہ تو شاید کسی نہ کسی طرح آتی ہی رہتی' مگر امی نے بڑی سختی سے ہدایت کی تھی۔

''دس کام باقی ہیں ابھی کرنے کے لئے' تم گھر پر رُکو گی تو تسلّی سے ہو سکتے ہیں۔ باقی دِیا کے بس کا تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

کل شام بھی اُنہوں نے کئی بار اُسے کہا تھا۔ سو آج رعنا کے ہمت دلانے پر' اُس نے چھٹی آخر کار لے ہی لی۔ منظور کروانے کا ذمہ رعنا کا تھا۔

آج واپسی میں معمول سے زیادہ دیر ہوئی' اپنی اسٹوڈنٹس کا کوئی کام بھی التواء میں ڈالنا اس کے بس سے باہر تھا۔ سوا ایک ایک کاپی' جب تک چیک نہ ہو گئی۔ وہ اطمینان سے بیٹھی کام کیے گئی۔

گھر پر بہت دنوں بعد اسماء پھوپھو آئی بیٹھی تھیں۔ دِیا کی مسعود کے ساتھ منگنی ختم ہونے کے بعد اُن کا یہاں آنا جانا تقریباً ختم ہی ہو چکا تھا۔ مگر آج بشارت صاحب۔ کالج سے اُٹھتے ہوئے اُنہیں بطورِ خاص اپنے ساتھ لیتے ہوئے آئے تھے۔ نازی کو دیکھ کر وہ واقعی بے حد خوش ہوئیں۔ ''کتنے دن بعد تمہیں دیکھا ہے' کبھی فون تک بھی نہیں کرتی ہو۔''

اُسے گلے لگا کر وہ محبت سے کہنے لگیں۔ نازی کو خود بھی اُن سے کافی شرمندگی تھی۔ محض امی اور دِیا کی ناراضگی کا خیال کر کے وہ اُن کی بیماری کے بعد ایک بار بھی اُنہیں پوچھنے نہیں جا سکتی تھی اور ابھی بھی دیا۔ تو معلوم نہیں کہاں تھی' لیکن امی سامنے ہی بیٹھی جتنی خفا دکھائی دے رہی تھیں۔

وہ اسماء پھوپھو سے جواباً گرم جوشی بھی نہ دکھا سکی۔

''اسکول کا کام بہت زیادہ ہے پھوپھو اور پھر شام کو ٹیوشن' وقت ہی نہیں مل پاتا۔''

آہستگی سے اُنہیں خود سے علیحدہ کرتے ہوئے' اُس نے سادہ سی وضاحت پیش کی تو وہ چُپ سی ہو گئیں۔

نینی میز پر کھانے کے برتن لگا رہی تھی' نازی کپڑے تبدیل کر کے کچن میں آئی تو امی وہیں آ چکی تھیں۔

نازی نے ڈھکن ہٹا کر دیگچیاں چیک کیں۔ دال' چاول اور قیمہ مٹر۔

نازی کو کچھ یاد آیا تو پوچھنے لگی۔ ''امی۔ فریزر میں کباب رکھے ہیں فرائی کرلوں۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

ایک لمحے کا توقف کیے بغیر اُنہوں نے صاف منع کیا۔ ''جو پکا ہے' کافی ہے' بہت کرلی ہیں ہم نے اِن کی مہمان داریاں' حاصل کیا ہوا' اپنی بچی کی بربادی اور سارے خاندان میں ذِلّت۔''

مسعود کی حرکت کا رنج اُنہیں آج بھی تھا اور وہ کسی بھی قیمت پر اسماء پھوپھو کو اس معاملے میں بری الذّمہ سمجھنے پر تیار نہیں تھیں۔

''میرا بس چلتا تو نینی کے نکاح میں کبھی بھی اِن لوگوں کی شرکت نہ ہونے دیتی' مگر تمہارے ابا کو اب بہن کی محبت بہت زیادہ آنے لگی ہے۔''

نازی چند لمحے خاموش کھڑی اُن کی سنے گئی پھر بڑی ملائمت سے بولی۔

''جانے دیں امی۔ دِیا کی اللہ نے چاہا تو بہت اچھی قسمت رہے گی۔ آپ بھی اپنی ناراضگی کو ختم کریں اور ویسے بھی اسماء پھوپھو بے چاری تو بے قصور ہی ہیں اس معاملے میں' مسعود اتنی دور بیٹھا ہوا ہے کہ وہ بے چاری اُسے کیا کہہ سن سکتی ہیں۔''

مگر وہ ایک بھی سننے کے لئے تیار نہیں تھیں۔

''تمہیں زیادہ فیور کرنے کی ضرورت نہیں ہے نازی۔ یہ کام تمہارے ابا پہلے ہی بہت اچھی طرح کر رہے ہیں۔ کس کے ساتھ کیسا رویّہ رکھنا ہے میں بہتر سمجھتی ہوں۔''

بہت سرد مہری کے ساتھ اُنہوں نے اُس کی طرف پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ کوئی ہماری محبت میں دوڑی نہیں چلی آئی ہیں' صرف یہ اندازے لگانے آئی ہیں کہ ہم پر ایسی کیا مصیبت پڑ رہی ہے جو ہم تمہیں اور دِیا کو چھوڑ کر نینی کی شادی کرنے پر مجبور ہوئے ہیں' تاکہ کل کو سارے خاندان میں ایک کو دس سے ضرب دے کر سُنا سکیں۔''

اُن کی بدگمانی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور مزید کچھ بھی کہنا اُن کی خفگی کو بڑھاوا ہی دیتا۔ حالانکہ نازی کو سو فیصد یقین تھا کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

اسماء پھوپھو کے لیے ایسا کچھ سوچنا بھی محال تھا۔ انہیں ابا اور ان سب سے بڑا ہی گہرا لگاؤ تھا اور مسعود کی طرف سے دِیا کو ٹھکرائے جانے کی اطلاع ہی اُنہیں ہاسپٹل پہنچانے کا سبب بنی تھی۔

آج بہت دن بعد دِیا بھی اسماء پھوپھو سے اپنا بائیکاٹ ختم کر کے ساتھ ہی کھانے پر آ بیٹھی تھی اور اُس سے پہلے دو منٹ رک کر اُس نے انہیں سلام بھی کر لیا تھا۔

وہ بیچاری دِیا کے اِس اتنے سے التفات پر ہی بہت زیادہ خوش نظر آنے لگی تھیں۔

نازی نے اُن کی بار بار دِیا کی طرف اُٹھتی ہوئی نگاہ کو محسوس کیا تھا اور اُس نگاہ میں چھُپی ہوئی حسرت کو بھی۔

بالکل سادہ سے پرپل سوٹ میں بھی دِیا کا جادو منہ سے بول رہا تھا' عادتاً وہ چاہے جیسی بھی تھی' مگر اُس کی دلربائی میں کوئی کلام نہیں تھا۔ جب اور جہاں بھی وہ ہوتی سارے منظر میں ایک رنگ سا بھرتا ہوا محسوس ہونے لگتا تھا۔

نازی نے بڑی محبت سے دِیا کی طرف دیکھا کبھی کبھی اُسے مسعود پر بڑی حیرت ہونے لگتی تھی۔ دِیا کے بے مثال حسن کو ٹھکرانا اُس کے لئے کچھ ایسا آسان تو نہ رہا ہو گا۔

جس چاہت اور لگن سے اُس نے دِیا کے ساتھ منگنی کا بندھن باندھا تھا' ابا اور پھوپھا کی ہزار مخالفتوں کو بھی وہ بالکل خاطر میں نہیں لایا تھا اور پھر امریکہ چلے جانے کے بعد اُس کی چاہت میں طویل عرصے تک بھی کوئی ہلکی سی کمی کسی کو بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ پھر اچانک ہی وہ کیسے کمزور پڑا تھا۔

خاندان میں اُڑتی اُڑتی سی سنی تھی کہ مسعود کی بیوی' انڈین مسلم تھی اور امریکن نیشنیلٹی رکھتی تھی۔

نازی کا ذہن خود بخود اُس دوسری لڑکی کی طرف مڑنے لگا' جس کی قسمت میں دِیا کے حصّے کی مسرتیں آئی تھیں۔

''کیا اُسے دیکھ کر کبھی بھی مسعود کو دِیا کا خیال نہیں ستایا ہوگا؟''

نازی کا اپنا دل رنج سے بھرنے لگا' نہ چاہتے ہوئے بھی۔

کھانا ختم ہوتے ہی بشارت صاحب۔ اسماء پھوپھو کو لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ نازی کو وہیں چائے لانے کا کہہ کر۔ امی تھوڑی دیر تو ضبط کیے بیٹھی رہیں' پھر اُن سے بھی رہا نہ گیا۔

''معلوم نہیں دونوں بہن بھائی کیا باتیں کر رہے ہیں۔ میرے خدا تو ہی میری مشکلیں آسان کرنے والا ہے' نازی تم میری چائے بھی وہیں لے آنا۔'' کہتی ہوئی وہ بھی اندر چلی گئیں۔

نازی کچن میں آئی تو نینی چائے بنا رہی تھی' اب جب کہ وہ دو تین دن ہی کی مہمان رہ گئی تھی اِس گھر میں' نازی کی جب بھی اُس پر نگاہ پڑتی' دل بھر آنے لگتا تھا۔

''ہٹ جاؤ نینی میں بنا لوں گی۔''

مگر وہ اُس کے کہنے کے باوجود نہیں ہٹی' کپ خشک کر کے ٹرے میں رکھنے لگی۔

''آپ سب مجھ سے بہت ناراض ہیں' نازی آپا۔ اپنی من مانی کر کے بہت سخت تکلیف دی ہے میں نے سب گھر والوں کو۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔''

ان سب باتوں کا اب کچھ بھی فائدہ نہیں تھا۔ ''اور معلوم نہیں' وہ اپنے اندر کے گلٹ کو کم کرنے کے لئے ایسا سب کہہ رہی ہے' یا پھر وہ واقعی دل سے شرمندہ ہے ہم سب سے۔'' نازی نے سوچا۔ ''ہم لوگ ابھی ایسا کچھ بھی نہیں چاہتے تھے' آپ یقین کریں' مگر ابا حالات کو اِس طرح بگاڑے جا رہے تھے کہ...''

نازی کو ایک دم ہی نینی پر غصّہ آنے لگا۔ ''ہر بات کا الزام اُنہیں مت دو نینی۔ وہ تمہارے لیے نہ پہلے کچھ غلط کر رہے تھے اور اب تو ویسے بھی جو تم چاہ رہی تھیں' وہی ہو رہا ہے۔ تمہاری اتنی بڑی ضد کے آگے وہ جھک گئے ہیں' پھر بھی وہی قصوروار ہیں تمہاری نظر میں۔''

''میں یہ نہیں کہہ رہی ہوں' مگر آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ ابھی نہ تو میری تعلیم مکمل ہے اور نہ فیضان کی۔ وہ بے چارہ تو اُن سے بات کرنے آیا تھا کہ وہ میری شادی کہیں اور نہ کریں۔ کچھ سال انتظار کریں۔'' نینی کو لگ رہا تھا کہ وہ اپنی بات کو سمجھا نہیں پا رہی ہے اور جب ایک بار وہ اِس گھر سے چلی جائے گی تو پھر شاید کبھی بھی کوئی اُس کا موٴقف سمجھ نہیں پائے گا۔ یہی سوچ کر وہ آگے بھی کچھ کہنے والی تھی' مگر نازی نے موقع ہی نہیں دیا۔

''یہ سب باتیں پہلے سے سوچنے کی تھیں' ابا کے پاس اب دوسرا اور راستہ کیا رہ گیا تھا۔ تمہاری اور فیضان کی چوری چھپے ملاقاتوں سے جو بدنامی سر پر منڈلا رہی ہے' اُسے روکنے کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہی ہے' جو وہ کر رہے ہیں۔''

چائے کپوں میں ڈالی جا چکی تھی' اپنی بات ختم کرتے ہی نازی ٹرے اُٹھا کر کچن میں سے نکل آئی۔

نینی کے چہرے پر پھیلتی شرمندگی پر ایک نگاہ بھی نہیں ڈالی۔

ایک گہرا تضاد تھا' جو شاید گھر میں اس وقت سب ہی جھیل رہے تھے' نینی کی جدائی کا رنج بھی تھا اور جس طرح یہ شادی ہو رہی تھی اُس کا سارا غصّہ بھی نینی پر ہی آتا تھا۔ ابا کے کمرے کا ماحول بڑی سرد مہری لیے ہوئے تھا۔

''رشتے داروں کو اکٹھا کر کے مجھے یہاں تماشا نہیں بنوانا ہے۔ کسی کو نہ مدعو کرنے میں صرف ناراضگی ہی جنم لے گی اور یہاں سب کو اکٹھا کرنے کا مطلب ہے کہ سارے خاندان کو سو طرح کی باتیں کرنے کا موقع فراہم کرنا۔''

جب نازی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو بشارت صاحب بڑے حتمی لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''مگر ایک' ایک یا دو' دو لوگ تو قریبی رشتے داروں میں سے بلانے بہت ضروری ہیں۔ کسی کو بھی نہ بلایا تو بھی بہت برا لگے گا۔''

امی کو رشتے داریاں نبھانے کا عام حالات میں بھی خیال رہتا تھا' اِس وقت تو موقع بھی تھا۔ ''اس سے زیادہ کیا برا ہو گا' جو ہو رہا ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے زبیدہ۔ جو میں نینی کے نکاح کے وقت اتنی ساری نگاہوں میں اپنے لیے تمسخر دیکھ سکوں۔ بعد میں قسط در قسط ذلّت جھیلنا شاید تھوڑا آسان رہے۔''

بشارت صاحب کے لہجے میں بڑی گہری تکلیف کا احساس نمایاں ہو رہا تھا۔

''خدا نہ کرے اب ایسی بھی کوئی بات نہیں' ہم اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کی شادی کر رہے ہیں۔ کوئی ایسی ویسی بات....''

امی نے شاید اُن سے زیادہ خود کو مورل سپورٹ دینا چاہی تھی' مگر بشارت صاحب سے اُن کی بات پوری سنی بھی نہیں گئی۔

''ہاں اپنے ہاتھوں سے کر رہے ہیں یہی اللہ کا شکر ہے ورنہ اس لڑکی نے کوئی کسر چھوڑی نہیں تھی۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:

امی کو اُن کی بات کی تلخی' سے زیادہ وہاں اسماء پھوپھو کی موجودگی تکلیف دے رہی تھی اور اُس سے بھی زیادہ یہ کہ سارا قصہ اُن کے علم میں خود بشارت صاحب لا چکے ہیں۔

''نازی تم رعنا اور اُس کے بھائی بھابی کو انوائیٹ کر لینا اور چند ایک میرے ساتھی لیکچرارز ہو جائیں گے۔'' اُنھوں نے نازی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بعض موقعوں پر غیر اپنوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں' نہ زیادہ سوال کرتے ہیں اور نہ زیادہ جستجو' اپنائیت کی آڑ لے کر نشتر لگانے والے' رشتہ داروں کے تو سوال ہی ختم ہونے میں نہیں آتے۔''

کسی حد تک اُن کی بات ٹھیک ہی تھی' مگر امی کی تسلّی نہیں ہو پا رہی تھی' وہ بار بار سوال پر سوال کیے جا رہی تھیں۔ اسماء پھوپھو نے اُن ہی کی خوشنودی کے لئے ایک بار خود بھی بشارت صاحب سے کہہ دیا آہستہ سے۔

''بلا لیں بھائی جان رشتے داروں کو بھی' سب کو نہیں تو خاص خاص لوگوں کو تو بلا ہی لیں' بھابی کا کہنا ہے تو ٹھیک ہی۔''

اُنہیں اپنی بہن سے شاید ایسی توقع نہیں تھی۔ چند لمحے بے یقینی سے اُنہیں دیکھتے رہے' پھر ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

''رشتے داروں کو اکٹھا کر لوں جو یہاں آ کر دیکھیں کہ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ ایک ایسے لڑکے کے ہاتھ میں دے رہا ہوں' جس کے ساتھ اُس کے خاندان کے کسی ایک فرد نے بھی آنا پسند نہیں کیا ہے اور جس کے پاس اپنے رہنے کا کوئی ٹھکانہ تک نہیں ہے۔

نازی کمرے سے نکل رہی تھی' تب اُس نے اُنہیں کہتے ہوئے سنا۔

...☆☆☆...

پتہ بالکل سیدھا اور آسان تھا۔

عمر کو اور بھی زیادہ آسانی اپنے گھومنے پھرنے کی عادت کی بناء پر ہوئی۔

پرانی طرح کا بنا ہوا وہ خاصا بڑا مکان اپنے طرزِ تعمیر کی وجہ سے آس پاس کے گھروں میں نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔ سیاہ بڑے سادے گیٹ کے ساتھ ملحقہ چار دیواری کے کنارے' کنارے آم' امرود اور نہ جانے کون کون سے درخت ایک دوسرے کے ساتھ جوڑے کھڑے تھے۔

عمر نے چند منٹ اِسی فیصلے میں لگا دیے کہ اُسے ایک معزز مہمان کی طرح سیدھے اندر چلا جانا چاہیے' یا پھر یہاں رُک کر فیضی کی بارات کا انتظار کرنا بہتر رہے گا۔ رہ رہ کر سجاد کے یہاں آنے کی امید بھی بندھ رہی تھی۔

"تم وہاں فیضی کے ساتھ ہو گے تو مجھے بھی تسلی رہے گی کہ اِس موقع پر اُس کے ساتھ کوئی تو ہے۔ ویسے شاید میں خود بھی تھوڑی دیر کے لئے وہاں آئوں۔ بابا کی شدید ناراضگی کا ڈر تو رہے گا' مگر فیضی کو اس طرح اکیلا چھوڑنا بھی دل گوارا نہیں کر رہا ہے۔"

آج صبح بھی جب اُس کی اُن سے فون پر بات ہوئی تھی تو سجاد کہہ رہے تھے۔

فیضی کے نکاح میں اُس کی شرکت کے لئے یہاں آمد' سجاد کی ہی سخت ہدایت پر ممکن ہوئی تھی اور وہ جو بابا کے انتہائی قریب ہونے کا دعوے دار تھا' پہلی بار اُن کی حکم عدولی پر صرف اور صرف سجاد کی محبت میں مجبور ہوا تھا۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے سجاد بھائی۔"

خود سے کچھ فیصلہ نہ ہو سکا تو اُس نے وہیں کھڑے کھڑے سجاد سے کانٹیکٹ کر کے اُن سے رائے لی۔ "آپ آ رہے ہیں یہاں نا۔"

دوسری طرف چند پل کے لئے خاموشی چھائی اور پھر سجاد کی آواز اُسے سنائی دی۔

"نہیں عمر۔ میں نہیں آسکوں گا۔ بلقیس بھابی کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے' بلڈ پریشر بہت بڑھا ہوا ہے۔ اُنہیں اب اسپتال لے کر جا رہے ہیں' تم ایسا کرو باہر نہ رکو' سیدھے اندر چلے جائو۔ فیضی وہاں آ چکا ہو گا' اپنے دوستوں کے ساتھ اور اُس سے فی الحال بلقیس بھابی کی طبیعت کے بارے میں بھی کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے سمجھے۔"

"نہیں وہ تو خیر میں بابا کے ڈر کی وجہ سے بھی اِدھر کی اُدھر نہیں کر سکتا ہوں' وہ فوراً ہی مجھ تک پہنچ جائیں گے۔"

عمر نے فوراً ہی بڑی تیزی کے ساتھ جواز پیش کیا۔

اس سخت ٹینشن والے وقت میں بھی سجاد کو ہنسی آ گئی۔ "اچھا بس جائو' اب اور دیر مت کرو اور فارغ ہو کر مجھے فوراً ہی فون کرنا۔"

عمر نے اُلجھی اُلجھی نگاہوں سے سامنے درختوں سے گھرے اِس مکان کی طرف دیکھا' جہاں ایسے کوئی آثار نہیں دکھائی دے رہے تھے کہ وہاں کوئی چھوٹا موٹا فنکشن جاری ہو گا۔ بس باہر کی دیوار کے ساتھ سائیڈ میں دو گاڑیاں اور ایک بائیک کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔

"ذرا سوچو تو کن حالات میں یہ تقریب ہو رہی ہے' فیضی کے ساتھ کوئی بارات تو نہیں آئی تھی زیادہ سے زیادہ چار چھ دوست ہوں گے اور بس۔"

دوسری طرف سے سجاد کہہ رہے تھے۔

عمر فون بند کر کے سامنے کی طرف بڑھ گیا گیٹ دوسری بیل پر کھلا۔

''وہ میں فیضی' میرا مطلب ہے کہ فیضان کے ساتھ...۔''

''آیئے اندر آیئے نا۔''

فیضی کا ہم عمر ہی وہ خوش شکل سا لڑکا' جس نے دروازہ کھولا تھا۔ بڑے اخلاق سے اُسے اندر آنے کی دعوت دے رہا تھا۔

ایک بالکل اجنبی گھرانے میں مہمان بن کر چلے آنے پر عمر کو جو ہلکی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ خوش اخلاقی کے اِس مظاہرے پر تھوڑی سی کم ہوتی محسوس ہوئی۔

''میرا نام سمیع ہے' نوین میری چھوٹی بہن ہے۔''

بڑے سے صحن میں سے گزر کر سامنے والے طویل برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے وہ ابتدائی تعارف کو نمٹا رہا تھا۔

عمر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سنے گیا۔ اُس کی ساری توجہ رنگین شیشوں والی کھڑکیوں کی قطار کی طرف تھی' ایک بڑا خوبصورت اور آرٹسٹک سا تاثر اس گھر میں داخل ہوتے ہی اُس نے محسوس کیا تھا۔ سفید ماربل کی سیڑھیوں کو طے کر کے اب وہ اِسی رنگوں بھرے برآمدے میں کھڑا تھا' جہاں آج سرِ شام ہی ساری لائٹیں روشن کر دی گئی تھیں۔

ہری' پیلی' نیلی' نارنجی' جامنی۔

تیز روشنیوں میں منعکس ہوتے رنگوں کا ایسا دل فریب کرشمہ اُس نے آج پہلی بار دیکھا تھا۔ غیر محسوس سے انداز میں عمر کے قدموں کی رفتار سست ہونے لگی۔ اِس ایک سرے سے دوسرے سرے تک اُس نے ایک گہری نظر ڈالتے

ہوئے دل کش منظر کو اور بھی قریب سے محسوس کرنا چاہا۔ تب ہی لائن سے بنے کمروں میں سے ایک کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکلی۔

ہاتھوں میں بیلے کی لڑیوں کا ایک ڈھیر تھامے کسی بے حد خوبصورت رنگ کے لباس میں ملبوس' آج شام کے اِس فنکشن کے لیے پوری تیار وہ کچھ کہتی ہوئی باہر آئی۔

عمر بے ساختہ ہی اپنی جگہ رُکا تھا۔

ماحول کی ساری خوبصورتی کو اُس نے جیسے ایک پل میں ماند ہوتے محسوس کیا تھا۔

کسی ایک رنگ کے آگے سارے رنگ بیک وقت پھیکے پڑ چکے تھے' تب ہی شاید خود پر عمر کی جمی ہوئی نگاہوں کو محسوس کر کے اُس نے تھوڑا سا رُخ موڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور اُسے یوں ساکت و جامد دیکھ کر اُس کے چہرے پر وہی ایک فاخرانہ سی مسکراہٹ دوڑی' جو صرف اُسی کو سوٹ بھی کرتی تھی۔ ایک اُچٹتی سی نگاہ سے اُس کو نواز کر وہ چند قدم آگے دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جا چکی تھی۔

''یہاں اِدھر بڑے کمرے میں آجایئے' فیضان بھی یہیں بیٹھے ہیں۔''

عمر نے بڑی مشکل سے میزبان کی بات پر اپنا دھیان دیا' وہ ہاتھ سے دوسری طرف اشارہ کر رہا تھا۔

''ہاں' اچھا۔ ویسے آپ کا گھر بے حد خوبصورت ہے۔'' ایک جھینپی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس نے خود کو کمپوز کرنا چاہا۔

سمیع ہنسنے لگا۔

"ارے کہاں آپ آج پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں' اِسی لیے شاید آپ کو لگ رہا ہو گا۔ ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے' دیکھ دیکھ کر بور ہو چکے ہیں۔ یہ تو بہت پرانا بنا ہوا گھر ہے' ہمارے دادا نے اپنی جوانی کے دنوں میں بنوایا تھا۔"

سمیع عادتاً بے تکلف اور بہت باتیں کرنے والا لڑکا تھا۔ بڑے ہال میں داخل ہوتے ہوئے وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا' مگر عمر ٹھیک سے اُس کی بات سُن نہیں پایا تھا۔ اُس کی ساری توجہ بری طرح منتشر تھی' کمرے کے اندر قدم رکھنے سے پہلے اُس نے ایک بار پھر مڑ کر اُس حصّے کی طرف دیکھا' جہاں سے اُس نے اُسے ایک دروازے کے پیچھے غائب ہوتے دیکھا تھا۔ وہ روشن رنگین برآمدہ اب خالی پڑا تھا اور اُس کی روشنی مدہم۔

دِیا اب وہاں نہیں تھی۔

وہ ہرگز بھی دل پھینک قسم کا انسان نہیں تھا' مگر یکایک ہی کسی بڑے گہرے خالی پن کا احساس جاگتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔

...☆☆☆...

فضاء میں قورمے اور گلاب کی پتیوں کی ملی جُلی سی خوشبو اُڑ رہی تھی۔

دِیا نے سامنے والے برآمدے میں سے گزرتے ہوئے' بڑے ہال میں جھانکا۔

وہاں اب کوئی بھی نہیں تھا۔ بس صبح سے جی جان لگا کر جو آرائش کی گئی تھی' اُس کے مٹے مٹِے سے آثار باقی رہ گئے تھے۔

قالین پر جابجا پڑی پھولوں کی پتیاں' ایک دوسرے میں اُلجھی ہوئی کرسیاں' اِدھر اُدھر بکھرے کشن اور شادی والے گھر کی ایک بہت خاص سی فیلنگ۔

نینی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی فیضان کے ساتھ رخصت ہوئی تھی۔

باہر گیٹ پر سے ابھی بھی کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں' دِیا نے ذرا سا گردن موڑ کر باہر صحن کی طرف دیکھا۔

بشارت صاحب کے کوئی قریبی دوست تھے' جو اپنی بیگم کے ساتھ اس تقریبِ سعید میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ اب واپس جا رہے تھے اور امی اور ابا دونوں ہی انہیں رخصت کرنے کے لئے گیٹ پر کھڑے تھے۔

مہمان تقریباً سب ہی جا چکے تھے' اندر کمروں میں کہیں صرف اسماء پھوپھو ہی موجود تھیں۔ فراز' سمیع کے ساتھ باہر کے انتظامات کو سمیٹوا رہا تھا۔ شاید اِس لئے وہ اب تک رکی ہوئی تھیں۔

کچھ سوچتی ہوئی وہ اندر ہال میں چلی آئی۔

نیچے پڑے ہوئے کشنز اٹھا کر صوفے پر رکھنے لگی تو اندازہ ہوا کہ صوفوں اور کرسیوں کی آڑ میں کولڈ ڈرنکس کی بوتلیں اور گلاس بھی رکھے گئے ہیں۔

دِیا کو بڑی کوفت سی ہوئی۔ تقریبات اور پبلک پلیسز پر روا رکھا جانے والا یہ روّیہ بڑا ہی عام ہے۔

"معلوم نہیں لوگ ذرا سی زحمت اُٹھا کر ان چیزوں کو بجائے اِدھر اُدھر ٹھوکروں میں رکھ دینے کے پراپر جگہ پر کیوں نہیں رکھ دیتے۔"

جھک کر چند بوتلیں اور گلاس اُٹھا کر سامنے رکھی بڑی ساری میز پر رکھتے ہوئے اُس نے بڑی بے زاری کے ساتھ سوچا۔

یہ سب کچھ اُس کے بس سے باہر کی بات تھی اور ویسے بھی اُسے پتہ تھا کہ امی اور نازی ذرا سی فرصت ملتے ہی یہ سب پھیلا واسمیٹنے میں لگ جائیں گی، چاہے صبح کے چار ہی کیوں نہ بج جائیں۔

وہ یوں ہی جیسے سانس لینے کو ایک کُرسی پر بیٹھی رہی، خود بخود ہی اُس کی نگاہ بالکل سامنے والے صوفے پر جمنے لگی، جس کے پیچھے والی دیوار پر سفید اور گلابی پھولوں کی آرائش کی گئی تھی اور ٹھیک صوفوں کے آگے رکھی گئی میز پر تازہ گلابوں سے بھرے ہوئے گل دان بڑے ہی دل فریب لگ رہے تھے۔

ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے نینی یہاں بیٹھی ہوئی تھی۔

فیضان احمد کے پہلو میں۔

دِیا کی نگاہوں کے سامنے کچھ دیر پہلے گزرا منظر، خود کو دُہرانے لگا۔

دلہن بن کر نینی اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ خود دیا نے کئی بار اُسے بہت دھیان سے دیکھا تھا۔

حالانکہ وہ کسی بڑے اور مہنگے پارلر سے تیار ہو کر بھی نہیں آئی تھی، یہیں آگے سڑک پر کسی خاتون نے اپنے گھر کے ایک کمرے میں پارلر کھول رکھا تھا۔ وہی گھر پر آ کر اُس کا میک اپ کر گئی تھیں اور جس وقت وہ اُسے تیار کر رہی تھیں، دیا کا نہیں خیال تھا کہ وہ اِس فن میں کوئی ایسی زیادہ ماہر ہیں۔

مگر جب نکاح کے بعد نینی کو یہاں لا کر بٹھایا گیا۔ تب جیسے اُس کا حسن لمحہ لمحہ کر کے کھلتا گیا۔

جیت کی خوشی۔

من چاہے ساتھ کا احساس۔

تقدیر اُس پر پوری طرح مہربان ہوئی تھی اور خوشیاں جیسے ٹوٹ کر اُس کی جھولی میں برسی تھیں۔ حالانکہ وہ مستقل ہی نگاہیں نیچی کیے بیٹھی رہی تھی، پھر بھی ایک بڑا گہرا احساسِ فخر اُس کی ہر ہر ادا سے چھلکا تھا۔

دیا نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

فیضان کا لایا ہوا بے حد خوبصورت قیمتی سوٹ اور اُس سے بھی بڑھ کر حسین جیولری، ہر ایک نے ہی بڑے رشک کے ساتھ دیکھی تھیں۔ خود امی کو جو فیضان کے گھر والوں کی عدم شرکت کا جو ملال تھا، وہ بھی کسی قدر کم ہو گیا تھا۔ ''جو لڑکا اپنے بل پر اتنا بھاری خرچہ کر سکتا ہے، اُس کے خاندان کی دولت مندی کا کیا عالم ہو گا۔ اچھا ہی ہوا جو ہم لوگوں نے بے کار کی ضد نہیں باندھی، اتنا اچھا رشتہ بھلا ہمیں کہاں سے مل سکتا تھا۔ نینی کے لئے اور فیضان کے گھر والوں کا کیا ہے، آج ناراض ہیں کل کو مان بھی جائیں گے۔ آخر کو اکلوتا بیٹا ہے فیضان ور اکلوتی بہو ہو گی نینی، راج کرے گی انشاءاللہ۔''

آج شام ہی امی نے نینی کا ماتھا چوم کر کہا تھا، تب دیا کو بڑا عجیب سا لگا تھا۔ ایک وہ تھی، جو معلوم نہیں کب سے خود کو تقدیر کی ہر مہربانی کا سب سے زیادہ حقدار سمجھے بیٹھی تھی اور جس نے بارہا اُسے خود پر مہربان ہوتا محسوس بھی کیا تھا۔

خوشیاں اُس پر بھی برسی تھیں، مگر اِس طرح روح کو سیراب سرشار کرنے والی رُت نے کہیں دور سے ہی راستہ بدلا تھا۔

تقدیر نے بڑی سفاکی کے ساتھ پہلو بچا کر اُس سے منہ موڑا اور ہاتھ آئی ساری خوشیاں بند مٹھی میں سے ریت کی مانند پھسلتی چلی گئیں۔

وہ یوں ہی ساکت سی ہوئی، سامنے والے صوفے کو تکے گئی۔

دیا کے اندر بڑا پھیلاوا، بڑی شکستگی، بڑا جھنجھٹ تھا۔

باہر کسی دیگ پر ڈھکن زور سے بجا تھا۔

دیا نے تھوڑا سا چونک کر بڑے ہال کے کُھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ باہر شاید کیٹرنگ والے اپنا ساز و سامان سوزوکی میں رکھنے کے لئے اُٹھا رہے تھے۔

دیا کا دل بھی چاہا کہ وہ یہاں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جائے، مگر پھر بھی نہ اُٹھ سکی۔

نینی کی ہنگامی بنیادوں پر ہونے والی شادی نے اُس کی کیمسٹری پر بڑا عجیب سا اثر ڈالا تھا۔

ہزار بکھیڑوں کے باوجود ایک بالکل ناممکن سی بات بڑے آرام سے اپنے انجام کو پہنچی تھی اور بظاہر کسی بھی رُکاوٹ، کسی بھی اینچ پینچ کے بغیر، رواں دواں، کامیاب، خود اُس کی زندگی کی کہانی ورق ورق ہو کر بکھری تھی۔

اُسے مسعود یاد آنے لگا۔

اُس کی دیوانہ وار محبت، اُس کا وعدہ، اُس کا بھروسہ اور پھر جیسے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

اس تلخ حقیقت کو ماننے میں آج بھی اتنی ہی شدید تکلیف ہوتی تھی، جتنی کہ پہلے دن۔

اپنی آنکھوں کو گیلا ہوتا محسوس کر کے اُس نے ہلکے سے اُنہیں صاف کیا۔

''دیا۔'' دروازے میں نازی کھڑی آواز دے رہی تھی۔

دیا کو خود کو کمپوز کرنے میں تھوڑی دقت کا سامنا تھا، وہ جواباً کچھ نہ بولی تو نازی کو اندر آنا ہی پڑا۔

''کیا بات ہے دیا۔ یہاں اکیلی کیوں بیٹھ گئیں۔''

نرمی سے اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ قریب آ کر پوچھنے لگی۔

معلوم نہیں کیوں دیا اپنی عادت کے مطابق اس وقت روکھائی نہ برت سکی۔

''بس ایسے ہی نازی آپا۔''

بہت ہلکے سے اُس نے کہا۔

نازی نے ذرا غور سے اُس کے چہرے کو دیکھا۔

دیا اُداس تھی۔

اُس کے دل پر آیا ہوا ہلکا سا ملال، یا ہلکی سی خوشی کا عکس اُس کے چہرے پر فوراً ہی دکھائی دینے لگتا تھا۔

نازی کو یاد آیا امی اکثر ہی کہا کرتی تھیں کہ ''دیا کا چہرہ تو آئینہ ہے، اس کے دل میں کیا ہے فوراً ہی نظر آ جاتا ہے۔''

''کیا بات ہے، مجھے بتاؤ۔''

وہ نرمی سے اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔ دیا یوں ہی ساکت سی ہوئی بیٹھی رہی۔ کوئی کوئی گھڑی بڑی بھاری پڑنے لگتی ہے، اپنے اندر پر بھی اور ظاہر پر بھی۔

دیا بھی اُسی گھڑی کی زد میں آئی تھی۔

''کاش وہ یہاں بیٹھی ہی نہیں ہوتی۔ ہمیشہ کی طرح روکھائی اور بے مروتی کا مظاہرہ کر کے ''کمرہ بند'' ہوتی اور اپنا غم منا لیتی۔''

یہی سوچ کر اُس نے ساری ہمت کو اکٹھا کر کے وہاں سے اُٹھنے کی کم از کم ایک کوشش تو کرنی ہی چاہی۔

''کچھ بھی تو نہیں ہے، آپ بھی بس خوامخواہ ہی پیچھے پڑ جاتی.....''

نازی نے بہت چونک کر اُس کی طرف دیکھا الفاظ نئے نہیں تھے، مگر دیا کا لہجہ وہ نہیں تھا۔

بے زاری، بے مروتی، جھنجلاہٹ کا صاف صاف اعلان کرتا ہوا، دیا کا مخصوص لب ولہجہ، جس کے سب گھر والے پوری طرح عادی ہو چکے تھے۔

یہ تو کوئی بہت ہی ٹوٹا ہوا، بھیگا بھیگا سا لہجہ تھا۔ جس میں بات پوری کہی بھی نہیں جا سکتی تھی۔

تب ہی نازی نے دیا کے چہرے پر چمکتی ہوئی آنسوؤں کی لکیر دیکھی۔

اُس کے ضبط کی انتہا بس شاید یہیں کہیں تک تھی۔

''دیا۔''

نازی نے بہت بے اختیار ہی اُسے گلے سے لگایا تو وہ ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی۔

نازی ہکا بکا سی ہوئی اُسے خاموش کرانے کی ہر ممکن کوشش کیے گئی، مگر بے سود۔

دیا سے اِس طرح کے جذباتی مظاہروں کی توقع کسی کو بھی گھر میں نہیں ہوتی تھی۔ اُس کی حسین شخصیت کے پیچھے، جو پتھریلا پن رہ رہ کر نمایاں ہوتا رہتا تھا، سب ہی اُس کے عادی تھے۔

امی، پھوپھو، سمیع اور بشارت صاحب سب ہی ایک ایک کر کے بڑے ہال کے کُھلے ہوئے دروازے میں آ کر کھڑے ہوئے۔

سب ہی کے ہونٹوں اور آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا۔

''کیا ہوا؟''

وجہ خود نازی کو بھی پتہ نہیں تھی، مگر پھر بھی دیا کا اِس طرح رونا، خود اُسے بھی بے حد تکلیف دے رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

''کچھ نہیں، بس نینی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ اُس کے جانے کے بعد گھر کتنا خالی خالی سا لگ رہا ہے۔''

دیا نے نازی کو کہتے سنا۔

وہ اُسے سب کے سوالوں کے جواب سے بچانے کے لئے جو بہانہ گھڑ رہی تھی، وہ بہت آسانی کے ساتھ سب کے لئے قابل قبول ثابت ہو رہا تھا۔

''سچ کہتی ہو تم لوگ، میرا تو دل سا بیٹھا جا رہا ہے۔ جب بھی اُس کے خالی کمرے کو دیکھتی ہوں۔'' امی کی آواز گلوگیر ہونے لگی تھی کہ بشارت صاحب بڑے سرد سے انداز میں بولے۔

''کسی کو ضرورت نہیں ہے نینی کا غم منانے کی۔ اُس جیسی خود غرض اور بے حیا لڑکی کا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہوا ہے۔ جس نے خاندان کی عزّت کو خاک میں ملانے کا پورا پورا انتظام کر لیا تھا۔''

چند لمحوں کے لئے تو سب ہی ایک دوسرے سے نگاہیں چُرا کر خاموش سے کھڑے رہے۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے ختم ہونے والی نینی کے نکاح کی تقریب میں آخری مہمان کے جانے تک وہ جس خندہ پیشانی سے ہر ایک سے پیش آتے رہے تھے، اُسے دیکھ کر امی اور نازی کو بڑا یہ اطمینان حاصل ہوا تھا کہ بشارت صاحب کی نینی سے خفگی ختم ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی، مگر یہ سب کچھ محض وقتی تھا۔

بشارت صاحب اب بھی نینی سے ناراض تھے بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ۔

''اب وہ ہمارے گھر سے جا چکی ہے تو ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے ربط ضبط بڑھانے کی۔ یہ بات تم لوگ بھی سمجھ لو اور اُسے بھی سمجھا دینا، اب وہ آزاد ہے جس طرح چاہے اپنی زندگی گزارے، مگر ہمیں معاف کر دے خدارا۔''

اب جب کہ گھر میں کوئی ایک مہمان باقی نہیں رہ گیا تھا' صرف اسماء پھوپھو اور فراز ہی تھے۔ جنہیں کسی طور پر بھی مہمان قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ وہ بناء کسی مصلحت کو خاطر میں لائے' اپنے دل پر پڑا بھاری بوجھ ہلکا کر رہے تھے۔

امی سے رہا نہ گیا' فیضان کی شان و شوکت کا جو مظاہرہ انہوں نے آج دیکھا تھا' اُس کے بعد تو اُن کے خیال میں ناراضگی کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی تھی۔

''ہم اپنی بچی کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں' اُس نے اپنی پسند ہی تو بتائی تھی اور فیضان کوئی گرا پڑا لڑکا نہیں ہے۔ یہ تو سب ہی نے دیکھ لیا ہے' اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔''

سچی بات تو یہ کہ انہیں اسماء پھوپھو کے سامنے فیضان کی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے' بڑے فخر و غرور کا سا احساس ہو رہا تھا۔

جب سے مسعود کی اور دیا کی منگنی ختم ہوئی تھی' دل میں رہ رہ کر تڑپ اُٹھتی تھی کہ وہ مسعود سے زیادہ اچھا لڑکا ڈھونڈ کر دکھا سکیں۔

چلو دیا کے لئے نہ سہی' نینی کے لئے ہی سہی۔اِس فخر کے اظہار میں چند ایک باتیں اور بھی کہہ گئیں۔

دیا۔اب نازی سے الگ ہو کر اپنے آنسو صاف کر رہی تھی' اُسے نہ امی کی باتیں اچھی لگ رہی تھیں اور نہ ہی بشارت صاحب کی نینی پر خفگی۔

اسماء پھوپھو کی نگاہ بار بار اُس پر پڑ رہی تھی' انہیں دیا سے بے حد محبت تھی اور اس وقت اُس کے رونے کی اصل وجہ اُن کے دل میں بُری طرح چبھ رہی تھی۔ مسعود نے انہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اُس سے اب تک بھی

بات نہیں کر رہی تھیں۔ دیا کی امی کھلے ڈھکے الفاظ میں جو بھی' جتنا بھی کہتیں ایک لفظ کا بھی برا مانے بغیر سنے جاتیں مگر نینی کا معاملہ خالصتاً امی اور بشارت صاحب کے درمیان تھا۔

وہ دونوں ماں باپ تھے اور نینی کے ہر عمل کو اپنی اپنی نگاہ سے دیکھنے کے حقدار بھی۔

''ہمیشہ کے لئے سر جھک گیا ہے میرا' یہ جو کچھ بھی آج میرے ہاتھوں سے ہوا ہے اس سے پہلے میں مر جاتا تو اچھا ہوتا۔''

بشارت صاحب کا غصّہ رنجیدگی میں اور رنجیدگی غصّے میں بار بار بدل جاتی تھی۔

''اللہ نہ کرے' ایسی بری باتیں کیوں منہ سے نکال رہے ہیں۔''

اسماء پھوپھو حالانکہ تہیہ کئے رکھتی تھیں کہ اُن کے کسی معاملے میں ہرگز بھی دخل نہیں دیں گی' مگر بھائی سے بے پناہ محبت' کوئی ایسی ویسی بات سننا گوارا نہیں کر سکی تھی۔

''بات صرف اتنی نہیں ہے اسمائ۔ کہ نینی نے اپنی چلائی ہے۔'' دھیرے سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے اسماء پھوپھو کی طرف دیکھا۔

''یہ اختیار تو اُسے مذہب نے بھی دیا ہے کہ وہ اِس معاملے میں اپنی مرضی کا اظہار کرے' لیکن جس طرح یہ کام سر انجام پایا ہے۔ بناء فیضان کے گھرانے کی شرکت کے وہ ہمارے لئے باعثِ شرم ہے یا نہیں۔''

اپنی بات کہتے ہوئے وہ ایک لمحے کے لئے رُکے' سب ہی بالکل خاموش رہے۔

بات تھی بھی سچ۔

اپنی اپنی جگہ اُن سب نے بھی' آج نہ جانے کتنی بار' دولہا کے گھر سے کسی ایک کے بھی نہ آنے پر' اپنی طرف کے مہمانوں کو صفائیاں پیش کرتے ہوئے' سخت شرمندگی کا سامنا کیا تھا۔

''کیا سوچتے ہوں گے وہ لوگ ہمارے بارے میں کہ دولت مند لڑکا دیکھ کر اُسے ہم نے پھنسالیا ہے۔ ہم کوئی اتنے گھٹیا' مفاد پرست' لالچی' کمینے قسم کے لوگ ہیں۔ جنہوں نے بیٹی کو مہرہ بنا کر استعمال کیا ہے۔''

وہ بے حد تلخ ہوتے جارہے تھے۔

''نازی۔ جاؤ ذرا چائے تو بنا لاؤ تم لوگ' بہت تھکان ہورہی ہے۔''

اسماء پھوپھو نے محض بات بدلنے کے لئے ہی کہا تو نازی اور دیا فوراً ہی ہال سے سے باہر نکل آئیں۔

''اب جو ہوا سو ہوا' فیضان کے گھر والے آج نہیں مانے تو کل کو تو مانیں گے ہی' ہمیں تو اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ ہماری بیٹی کی قسمت میں خدا نے اتنا اچھا لڑکا لکھا تھا۔''

دیا اور نازی دونوں ہی نے نکلتے ہوئے سنا امی' بشارت صاحب کی تلخ باتوں کا اثر زائل کرنے کے لئے کہہ رہی تھیں۔

اگلے دن نینی کو آنا تھا۔

رواج کے مطابق تو یہاں گھر سے کسی کو اُسے لینے جانا چاہیے تھا' مگر یہاں ایسا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔

نینی اور فیضان ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اگلے دن دوپہر تک وہ دونوں خود ہی آگئے۔ قیمتی لباس اور زیورات کے ساتھ سجی بنی نینی۔ توقع کے عین مطابق بے حد خوش تھی۔

اُس کے چہرے پر ایسی چمک پھیل رہی تھی کہ نگاہ جمانی مشکل ہورہی تھی۔

امی نے تو دِل میں نہ جانے کتنی بار اُس کی نظر اُتاری۔

بڑے ہال میں سب لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کے بجائے وہ اپنے اور نازی کے مشترکہ کمرے میں چلی آئی۔

بہنوں کے ساتھ شیئر کرنے کے لئے بہت سی باتیں تھیں۔

فیضان نے اُسے منہ دکھائی میں بڑا قیمتی بریسلیٹ دیا تھا اور ساتھ میں تا زندگی ساتھ نبھانے کا قول بھی....

''اتنا خوبصورت روم ہے نازی آپا۔ کہ بس کیا بتاؤں' اپنے گھر میں رہتے ہوئے تو اندازہ ہی نہیں ہوتا ہے کہ اتنا خوبصورت ماحول بھی کری ایٹ کیا جاسکتا ہے۔''

گزشتہ شب سے وہ خود کو بس خوابوں کی دنیا میں پا رہی تھی' وہ بڑی مسّرت بخش حیرت کا سفر تھا۔

نازی تو بس مسکراہٹ کے ساتھ سنے ہی جارہی تھی' مگر دیا نے ایک حقیقت کو جتانا ضروری سمجھا۔

''وہ ایک بڑے ہوٹل کا کمرہ ہے اور اُس کی سیٹنگ خالص پروفیشنل لیول پر کی جاتی ہے۔ تمہیں وہاں کچھ دن ہی رہنا ہے' خود کو اُس خوبصورتی کے ساتھ اتنا زیادہ انوالومت کرو' ورنہ بعد میں کہیں اور ایڈجسٹ کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔''

بات تھی تو ٹھیک' مگر قبل از وقت۔

نینی خوبصورتی اور سرشاری کی جس روح کو چھو رہی تھی' اُس میں اِس طرح کے اندیشے پالنے کی فی الحال کوئی بھی گنجائش نہیں تھی۔ اُسے دیا کی بات تھوڑی سی بری ہی لگی۔

''فیضان عادی ہے ان سب چیزوں کا' اب ظاہر ہے کہ اپنا گھر بھی لے گا تو اپنی سہولت اور مرضی کے مطابق ہی لے گا۔ کسی ایسی ویسی جگہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

نازی نے بڑے دھیان سے نینی کو دیکھا اور سنا۔ فخر کا بڑا نمایاں سا احساس دونوں ہی جگہ ملا۔

فیضان کی محبت اور پیسہ دونوں ہی اُسے پُراعتماد کیے ہوئے تھے۔

''فیضان کہہ رہا تھا کہ ابھی ہم ایک مہینے کے لئے نادرن ایریا چلے جائیں گے۔ جب تک واپس آئیں گے' اُس کے دوست ہمارے لئے کسی گھر کا بندوبست کرلیں گے۔''

وہ آگے کا پروگرام بتا رہی تھی۔

نازی نے شکر کیا کہ دیا نے پھر کوئی اعتراض نہیں اُٹھایا۔ بس ایک ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ ہی اُس کے چہرے پر سجی رہی۔

مگر جب وہ نینی اور فیضان کی خاطر مدارت کے لئے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف جا رہی تھی تو اتنا خیال خود نازی کو بھی بار بار آئے جا رہا تھا کہ ایک الگ گھر بنانے اور اُسے مستقل بنیادوں پر چلانے کے لئے فیضان نے آخر کیا بندوبست کیا ہوگا۔

سامنے ہال کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

ٹھیک سامنے والے صوفے پر بیٹھا فیضان شاید سمیع کی کسی بات پر ہنس رہا تھا۔

وہ خوش شکل تو تھا ہی' پیسے کی فراوانی اور لاڈ پیار میں ہوئی پرورش کے سہارے اُس میں ایک بے نیازی اور بے فکری کا سا احساس بھی جڑ پکڑے ہوئے تھا۔

کوئی بھی اُسے دیکھ کر ایک منٹ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ اُن خوش قسمت لوگوں میں سے ہے جو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور پھر ساری زندگی اُن کے ہاتھ بس وہی سونے کا چمچہ رہتا ہے۔ اُنہیں نہ تقدیر آزماتی ہے اور نہ زخماتی ہے۔ دنیا کی تکلیفیں' آزمائشیں اُنہیں دور ہی سے سات سلام کرتی ہوئی گزرتی ہیں۔

''میں بھی بس خوامخواہ ہی۔''

''نازی نے خود کو ہلکی سی سرزنش کی۔ ہوتا ہوگا بھئی بڑے لوگوں کا اپنا کچھ حساب کتاب' فیضان کوئی ہماری طرح تھوڑی ہے' جن کا سارا مہینہ ہی خرچوں کے جوڑ توڑ میں ہی لگا رہتا ہے۔''

خود کو مطمئن کرتے ہوئے اُس نے اِس وسوسے سے بھی جان چھڑائی۔

فیضان اور نینی ابھی ناشتہ کر کے آئے تھے' سو دوپہر کے کھانے کا اُن کا کوئی پروگرام نہیں تھا اور رات کو فیضان کے کسی دوست کی دعوت پر جانا تھا۔ اس وقت محض کولڈ ڈرنکس اور اسنیکس ہی رکھے جا سکتے تھے۔

نازی ٹرالی میں یہی کچھ سیٹ کر رہی تھی۔

''معلوم نہیں کیا سوچا ہوا ہے تمہارے ابا نے؟ جب دیکھو ایک نیا فضیتحہ کھڑا کیے رکھتے ہیں۔ انسان آخر کس کس کو کیا سمجھائے۔''

امی تیز تیز بولتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔ نازی کا پھرتی سے چلتا ہوا ہاتھ ذرا سا رُکا اور پھر مصروف ہو گیا۔

''اب دیکھ لو ضد باندھ کر اپنے کمرے میں بیٹھ گئے ہیں کہ نینی اور فیضان کی شکل نہیں دیکھنی ہے۔ بھلا ایسے زندگی گزرتی ہے۔''

امی روہانسی ہوئی جا رہی تھیں۔

ساری زندگی بس یہی ایک جھگڑا کھڑا رہا تھا۔ نہ بشارت صاحب اُن کی سمجھ میں آئے اور نہ وہ بشارت صاحب کی۔

"امی۔"

نازی اُن کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"آپ جا کر نینی کے پاس بیٹھ جائیں' کچھ دنوں میں وہ لوگ گھومنے چلے جائیں گے۔ پھر آپ یاد کیا کریں گی نینی کو۔"

امی نے ایک نگاہ نازی کے دھلے دھلائے ساون سے چہرے پر ڈالی' پھر ہلکے سے بولیں۔

"نینی تو خیر اپنی بچی ہے' مگر فیضان کیا سوچے گا تمہارے ابا کے بارے میں۔ یہی نا کہ سسر صاحب کو اُس کا آنا جانا قطعی پسند نہیں ہے؟"

"آپ فکر مت کریں' میں اسماء پھوپھو سے کہتی ہوں کہ وہ ابا کو سمجھا کر باہر لے آئیں۔"

نازی کو پھوپھو کا خیال آیا۔

وہ کل سے یہیں تھیں۔ بشارت صاحب نے خاص طور پر انہیں روکا ہوا تھا۔

نازی کو یقین تھا کہ پھوپھو ابا کو تھوڑی دیر کے لئے باہر لے ہی آئیں گی۔

"ہمیں کیا فائدہ اگر وہ اسماء کے کہنے سے ہی آئے۔ میرا یا اپنی بیٹی کا مان تو نہیں رکھا نا۔"

امی بگڑے بگڑے سے لہجے میں کہتی ہوئی نازی کے کیے ہوئے انتظامات کا جائزہ لینے لگیں۔

فیضان ان کا امیر و کبیر داماد تھا۔ ہر چیز اُس کے شایانِ شان ہی ہونی چاہیے تھی' حالانکہ وہ لوگ ابھی ناشتہ کر کے آئے تھے اور کسی بھی اہتمام کو آتے ہی منع کر چکے تھے' مگر امی سے جو بھی بن پڑ رہا تھا وہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔

فیضان نے پھر بھی صرف کولڈ رنک ہی پینا پسند کی۔ بھری ہوئی ٹرالی میں سے کسی بھی چیز کو چکھنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ امی کو مایوسی بھی ہوئی' دو چار بار انہوں نے اصرار بھی کیا' مگر پھر نینی کے اشارے پر خاموش ہو گئیں۔

"اب چلیں ہم لوگ۔"

کولڈ رنک ختم کرتے ہی فیضان نے واپسی کا پروگرام بنا لیا۔

"اتنی جلدی کیا ہے' ابھی دیر ہی کتنی ہوئی ہے تم لوگوں کو آئے ہوئے۔" امی کچھ گڑبڑا کر اُنہیں روکنے لگیں۔

اصل میں بشارت صاحب ابھی تک بھی کمرے سے باہر نہیں آئے تھے اور امی کو بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ لوگ اُن سے ملے بغیر چلے جائیں۔

"نہیں امی۔ اب جانے ہی دیں' پھر آجائیں گے کسی وقت ابا سے میرا سلام کہہ دیجئے گا۔"

نینی نے اُن کے قریب آ کر ہلکے سے کہا۔ اُسے اندازہ تھا کہ وہ اُس سے کس قدر ناراض ہیں اور زیادہ دیر یہاں ٹھہر کر وہ فیضان کو بھی یہ اندازہ لگانے دینا نہیں چاہ رہی تھی۔

امی جواباً کچھ بھی نہ کہہ سکیں' بس ہال کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔ وہاں اب بھی کوئی نہیں تھا۔

تب ہی فیضان کے موبائل کی بیل ہونے لگی تو وہ اُسے کان سے لگاتا ہوا باہر برآمدے کی طرف چلا گیا۔

برآمدے کے آخری سرے پر بنے اپنے کمرے میں سے نکل کر بشارت صاحب اسماء پھوپھو کے ساتھ اِسی طرف آتے نظر آئے۔ فیضان نے اُنہیں دیکھ کر ایک رسمی سی مسکراہٹ کا تبادلہ کرنا چاہا' مگر اُن کا چہرہ بالکل بے تاثر رہا۔

فون پر دوسری طرف فیضان کا دوست تھا۔ شام کی دعوت میں کئی اور قریبی دوست بھی مدعو تھے۔ اُس سے متعلق تفصیلات طے کرنی تھیں۔

جب تک بشارت صاحب اُس کے بالکل قریب پہنچے' فیضان مکمل طور پر باتوں میں مصروف ہو چکا تھا۔ اُسے خیال بھی نہ آیا کہ ایک منٹ کے لئے ہی سہی اپنی گفتگو کو منقطع کر کے وہ انہیں سلام ہی کر لیتا وہ اُس کے پاس سے گزرتے ہوئے اندر چلے گئے۔

کھلے ہوئے دروازے سے اندر بالکل سامنے بیٹھی امی اور نینی دونوں ہی نے فیضان کی بے اعتنائی کا یہ منظر دیکھا۔

''السلام علیکم ابا۔''

نینی تیزی سے اُن کی طرف بڑھی۔

''وعلیکم...۔''

وہ بس منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئے۔

نہ کوئی دعا نہ خیریت۔

نینی چند لمحے منتظر سی کھڑی رہی کہ شاید وہ اُس کے سر پر ہاتھ رکھ دیں' مگر انہوں نے اتنی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔

کمرے میں اُن کے آتے ہی خاموشی چھا گئی تھی۔

''ہم نے تمہاری ضد کے سامنے ہار مان لی ہے تو اب تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ کچھ تھوڑی بہت تم بھی ہماری بات کا پاس رکھو۔''

چند لمحوں کے بعد اُن کی سرد آواز کمرے میں گونجی۔

نینی کی فوری طور پر کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

لیکن جس اہم محاذ پر وہ زندگی کی سب سے بڑی کامیابی حاصل کر چکی تھی' اُس کے بعد وہ اُن کی بڑے دل سے احسان مند تھی۔

''جی ابا۔''

ان کی بات کو سننے سے پہلے ہی اب وہ تا زندگی اُن کی ہر بات کو دل وجان سے ماننے کا تہیہ کئے ہوئے تھی۔

امی البتہ یک دم ہی بڑی فکر مند سی دکھائی دینے لگی تھیں۔

''جس طرح یہ شادی ہوئی ہے' وہ ہمارے لیے کوئی باعثِ عزّت بات تو نہیں ہے۔ تم بھی اس بات کو اچھی طرح جانتی ہو۔ اب زندگی بھر بھی ہم لوگوں کو اس بارے میں صفائی دیتے رہیں' تب بھی دنیا ہماری زندگی حرام ہی رکھے گی اور یہ تمہاری دو بہنیں۔''

وہ پل بھر کے لئے رُکے تو کمرے میں چھایا ہوا سکوت اور گہرا ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

''ان دونوں ہی کی زندگی کوئی ایسی پُر مسرّت نہیں گزری ہے اور اب تم نے اُن کی زندگی کو اور بھی کٹھن بنا دیا ہے۔ تم نے اور تمہاری خود غرضی نے وہ کچھ کیا ہے' جسے اب اِس گھر کا ایک ایک فرد بھگتے گا۔''

نینی کا رنگ بالکل زرد پڑتا جارہا تھا۔

وہ خوشی اور شوخی جو کچھ دیر پہلے تک اُس کے ہر انداز سے ظاہر ہورہی تھی، اب اُس کا نام تک نہیں تھا۔

امی سے ضبط نہ ہوسکا۔ آگے بڑھ کر کچھ کہنا ہی چاہ رہی تھیں، مگر بشارت صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔

بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

پچھلے ایک ہفتے میں اُنہوں نے دُکھ اور ضبط کی نہ جانے کتنی منزلوں کو طے کیا تھا۔

''اب میری تم سے ایک ہی التجا ہے کہ ہوسکے تو ہمارے حال پر رحم کرو۔ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا تمہیں حق مل چکا ہے، جیسے چاہو گزارو مگر مہربانی کر کے یہاں بار بار آنے کی کوشش مت کرو۔ ہمارا تمہارا تعلق بس یہیں تک ہی تھا شاید۔''

اُن کا سر خود بخود ہی جھکتا چلا گیا۔ اتنے شکستہ و مایوس وہ شاید ہی پہلے کبھی دکھائی دیتے تھے۔

''ابا...ابا پلیز۔'' نینی نے ایک دم ہی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونا شروع کر چکی تھی۔ معافی تلافی کے سارے الفاظ، اُس کے اندر ہی کہیں شور مچا رہے تھے۔

معلوم نہیں زیادہ قابل رحم کون تھا؟

نازی ایک خاموش سی نگاہ ان دونوں پر ڈالتی ہوئی نینی کی طرف بڑھی۔

تب ہی عقب سے فیضان کی آواز اُبھری۔

''چلو نوین۔ ہم لوگوں کو کافی دیر ہوچکی ہے۔''

ایک سوائے بشارت صاحب اور نینی کے سب ہی نے ہال کے دروازے کی طرف دیکھا۔ فیضان وہاں کھڑا تھا اور جانے کب سے۔

اُس کا چہرہ بے تاثر سا ہورہا تھا، پھر بھی یہاں موجود سب ہی کو یقین ہونے لگا کہ وہ یہاں ہونے والی ساری گفتگو سن چکا ہے۔

''میں باہر گاڑی میں بیٹھا ہوں، تم آجائو'' اس بار بھی وہ نینی سے ہی مخاطب تھا اور بناء کسی کی طرف ایک نگاہ بھی ڈالے وہ اُلٹے قدموں باہر چلا گیا۔

اُس کے انداز میں وقتی سرد مہری تھی کہ کوئی بھی اُس کے پیچھے جانے کی ہمت نہیں کرسکا۔

نینی کے چہرے پر بے آواز آنسو مستقل گرتے رہے۔

''جائو تم نے سنا نہیں تمہارا شوہر کیا کہہ کر گیا ہے۔''

بشارت صاحب ایک بار پھر نینی سے مخاطب تھے۔ فیضان کے سامنے یہ جو کچھ بھی ہوا تھا، اُس پر سب ہی کو بے حد رنج ہورہا تھا۔

نینی کو ایک ہاتھ سے آنسو صاف کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھتا دیکھ کر نازی اور دیا دونوں ہی بڑی تیزی سے اُس کے پیچھے گئیں اور جب وہ لوگ باہر نکل رہی تھیں تو انہوں نے سنا کہ۔

امی بہت مضبوط اور واضح لہجے میں بشارت صاحب سے کہہ رہی تھیں۔

''نینی میری بیٹی ہے اور میری زندگی میں اُسے اس گھر میں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ آئے گی اور بار بار آئے گی' یہ آپ بھی سن لیں۔''

...☆☆☆...

عمر نے بڑی کسلمندی کے ساتھ کھڑکی کی طرف کروٹ لی۔

نانی معلوم نہیں کس وقت آکر پردے شیشوں پر سے ہٹا گئی تھیں۔ دھوپ کی ہلکی سی چمک بھی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی رہی۔ ویسے بھی وہ کون سا سو رہا تھا۔

مگر پھر بھی اس سوتی جاگتی کیفیت سے نکلنا اچھا نہیں لگا۔

باہر سے مستقل ہی فرح کی آواز آئے جا رہی تھی۔

''ثانیہ اتنی اچھی ہے نانی کہ کم ہی لڑکیاں ہوں گی اتنی مخلص' حساس' محبت کرنے والی' بُرے سے بُرے حالات میں بھی صبر اور برداشت کا مظاہرہ کرتی آئی ہے۔ میرا تو کوئی بھائی نہیں ہے اگر ہوتا تو ضرور ہی ثانیہ کو اپنی بھابی...۔''

عمر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ فرح جب بھی آتی' ننانوے فیصد اُس کا موضوعِ گفتگو ثانیہ ہوتی اور باقی ایک فیصد توجہ اُس کی کسی دوسری طرف جا پاتی تھی۔

نانی ثانیہ سے ملنے سے پہلے ہی فرح کے ساتھ پوری طرح متفق تھیں۔ اب جب سے وہ لوگ رحمت منزل ہو کر گئے تھے' تب سے اور بھی زیادہ۔

''بھائی کیوں نہیں ہے تمہارا خیر سے یہ عمر تمہارا ہی بھائی تو ہے۔ میں تو بہت شروع سے کہتی آئی ہوں کہ عمر کی شادی صرف فرح کی پسند سے ہی ہو گی۔''

اس وقت بھی وہ بڑی محبت سے فرح کو یقین دلائے جا رہی تھیں۔

''اللہ اکبر''

عمر کو بیڈ سے اُٹھنا ہی پڑا۔

آج کل اُسے اُن دونوں خواتین سے سخت خدشات لاحق ہوتے جا رہے تھے۔

سہ پہر کی ہلکی سنہری دھوپ' رحمت منزل کی دیواروں پر اب تک پھیلی ہوئی تھی' بجائے کمرے سے باہر جانے کے وہ کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔

احاطے میں لگے ہوئے درختوں کی اوپری شاخیں' سنہری مائل سفید ہو رہی تھیں اور اُن کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی شہر کی بلند و بالا عمارتیں' سب ہی جیسے ایک سے سنہرے منظر میں قید تھیں۔

عمر چند لمحے بڑی محویت سے اِس سنہرے رنگ کے کرشمے کو دیکھے گیا۔

یہ سب شاید روزانہ ہی' اس وقت ایسا ہی لگتا ہو گا۔ مگر اُسے اِس سنہرے رنگ کے عشق میں گرفتار ہوئے ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے۔

''دیا۔''

بناء ہونٹوں کو جنبش دیئے یہ نام کتنی ہی باراُس نے پچھلے کچھ دنوں میں پکارا تھا۔ ''اور اگر وہ اُس دن صرف اور صرف سجاد کے کہنے پر بادل نخواستہ فیضی کے نکاح کی تقریب میں شرکت کے لئے نہ گیا ہوتا تو یہ کتنی بد قسمتی والی بات ہوتی۔''

جتنی بار بھی اُسے یہ خیال آتا' اُس کا دل بے ساختہ ہی سجاد کے قدم چُھو کر شکریہ ادا کرنے کو چاہتا۔

اُس روز وہ جتنی دیر وہاں بیٹھا رہا' دیا کتنی بار ہی نظر آتی رہی۔

آتے جاتے ہوئے' باتیں کرتے ہوئے' مسکراتے ہوئے اور کبھی بالکل خاموش خود میں مگن۔ وقت کے اُس تھوڑے سے وقفے میں اُس کی شخصیت کے کتنے ہی رنگ دیکھنے کو ملے تھے اور ہر رنگ میں وہ بالکل جدا' بالکل مختلف سی دکھائی پڑتی۔ بس صرف ایک چیز تھی' جو ہر رنگ اور ہر انداز میں یکساں تھی اور وہ تھا اُس کی ہر ادا سے چھلکتا ہوا غرور۔ جو پکار پکار کر ہر کسی کو حدِّ ادب ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

عمر نے خود اُسے جتنی بار بھی دیکھا' اُسے وہ کسی ملکہ کی طرح سب سے اونچی مسند پر براجمان ہی نظر آئی' ایک بار بھی عمر کو ایسا نہیں لگا جیسے دیا اُس کی طرف سرسری طور پر بھی متوجہ ہوئی ہو اور شاید وہ لوگوں کو اسی طرح ٹریٹ کرنے کی عادی تھی۔

بہت بے چین سا ہو کر اُس نے سر جھٹک کر اِس ایک خیال کی گرفت سے نکلنا چاہا۔

نیچے کمپاؤنڈ میں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی' آج کل اُس کا آفس سے آ کر باہر نکلنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔

اگر فیضی کی سجاد اور بابا سے ناراضگی کا خیال نہ ہوتا تو وہ نہ جانے اب تک کتنی بار اُس کے پاس کسی نہ کسی بہانے چکر لگا چکا ہوتا۔ مگر اب ایسا کرنے میں جھجک آڑے آ رہی تھی۔

فیضی کی سسرال سے' بابا اور اُن کے خاندان کی جس گہری اور تکلیف دہ رنجش کی بنیاد پڑی تھی' وہ معمولی نہیں تھی اور اُسے ابھی کہاں تک جانا تھا۔ یہ اندازہ بھی فی الوقت لگانا مشکل ہی تھا۔

''کاش کہ دیا نوین کی بہن ہونے کے بجائے اُس تقریب میں آئی کوئی مہمان ہوتی تو اُس تک پہنچنا نسبتاً آسان تو ہوتا۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔ فی الحال اس مسئلے کا حل موجود نہ سہی' مگر جلد از جلد ہی اُس کو کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لینا تھا۔ یہ بھی اب طے ہی تھا۔

باہر سے ابھی بھی فرح کی آواز آ رہی تھی۔ نچلی منزل میں کوئی نئے کرائے دار آئے تھے' جن کی لڑکیوں سے فرح کی حسبِ عادت فوراً ہی دعا سلام شروع ہو چکی تھی۔ سو اب اُن کا بائیو ڈیٹا بھی نانی کے گوش گزار کرنا ضروری تھا۔

عمر نے دل ہی دل میں شکر کیا کہ موضوع گفتگو بدل چکا ہے۔

''شکر ہے جو تم بھی اپنے کمرے سے باہر نکلے۔ ایسے کیا پتھر توڑ رہے ہیں بابا۔ جو تمہاری تھکان ہی دور نہیں ہوتی ہے۔''

عمر کو کمرے سے باہر آتا دیکھ کر فرح نے اپنا قصہ ادھورا چھوڑ کر اُس کی خبر لی۔

وہ جواباً مسکراتا ہوا نانی کی چھوٹی سی چوکی کے برابر بچھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''بات کیا ہے آخر۔''

فرح کچھ مشکوک سی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ عمر کے انداز میں اُسے خود بخود ہی کچھ نیا پن سا محسوس ہوا تھا۔

''ارے کچھ نہیں' کیا ہونا ہے۔ بس ایسے ہی آج کل گرمی بھی تو بہت ہے نا۔ تم تو اپنی گاڑی لے کر نکلتی ہو' بائیک پر بھاگنا پڑے تو مزہ آ جائے۔''

فرح کو ٹالنا مشکل تھا، مگر پھر بھی اُس نے بڑا معقول سا جواز پیش کر ہی دیا۔

"گرمی تو خیر ہر سال ہی اپنے وقت پر پڑتی ہے۔" لاپروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے وہ ذرا جو اُس کی بات کا اثر لیتی ہوئی محسوس ہوئی ہو۔"

"مگر تم پر یہ قنوطیت کا دورہ پہلی بار ہی پڑتا ہوا دیکھ رہی ہوں، جب آئو بس یوں ہی خاموش گُم صُم سے اپنے کمرے میں ہی دکھائی دیتے ہو۔ شام کو نیچے جانا بھی تقریباً چھوڑ دیا ہے۔ ساری بلڈنگ والے حیران اور پریشان ہیں تمہاری حالت پر۔"

خود نانی بھی عمر میں آئی تبدیلی پر فکر مند تھیں۔ فرح کی بات ختم ہوئی تو فوراً ہی وہ بھی بول پڑیں۔

"اللہ اپنا کرم کرے، میرے تو بچے کا ہنسنا، بولنا تک جیسے ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ ضرور کسی کی نظر لگی ہے، ماشاءاللہ ہزاروں میں ایک نظر آتا ہے۔"

کوئی اور وقت ہوتا تو فرح نانی کی بات پر ہنس ہنس کر دہری ہو جاتی، مگر اس وقت وہ مسکرائی تک نہیں۔

ماحول میں آتی ہلکی سی سنجیدگی، کنفیوژن سا پیدا کر رہی تھی۔ عمر تھوڑا سا گڑبڑا ہی گیا۔

"ارے کچھ بھی نہیں ہے، آپ بھی نانی۔ بس اور یہ تم ہو فرح بے کار کے وسوسے ڈالتی ہو نانی کے دل میں، اصل میں تو تمہیں میرا آرام و سکون کبھی بھی ایک آنکھ نہیں بھایا ہے۔"

کوئی بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

پڑوس کی کوئی خاتون نانی سے دروازے پر ہی کوئی بات کہنے آئی تھیں۔

نانی اُٹھ کر وہاں جا کھڑی ہوئیں۔

"آخر مجھے اِس طرح مشکوک نگاہوں سے کیوں دیکھے جا رہی ہو تم۔"

فرح کی معنی خیز خاموشی سے وہ تھوڑا سا گڑبڑایا تو تھا دل ہی دل میں۔

"بات سنو عمر سچ سچ بتائو۔"

فرح نے اُس کی بات کا جواب دینے کے بجائے دل میں ابھی ابھی آئے ایک خیال کو کنفرم کر لینا زیادہ ضروری سمجھا۔

"کیا"

اپنے طور پر پوری لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ فریج میں سے پانی کی بوتل نکالنے لگا، مگر دل میں ایک خدشہ سا پیدا ہو ہی گیا۔

فرح کی بلندی پرواز کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ کہیں تک بھی جا سکتی تھی اور ہوا بھی ایسا ہی۔

"کوئی عشق وشق تو نہیں ہو گیا ہے تمہیں۔ آثار تو سارے یہی بتا رہے ہیں۔"

وہ بڑے پُریقین لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

ایک پل کے لئے تو عمر کو پانی بھی حلق میں پھنستا ہوا سا محسوس ہوا، مگر وہ فوراً ہی خود کو سنبھال گیا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا، ابھی میں اتنا بھی فارغ نہیں ہوا ہوں کہ اِن بے کار کے دھندوں میں اپنی جان پھنسانا شروع کر دوں۔"

اپنے منہ سے نکلے الفاظ اُسے خود ہی بالکل بے وزن سے لگے۔

فرح خاموشی سے اُس کی شکل دیکھے گئی اور پھر جب وہ خاموش ہوا تو ہلکے سے بولی۔

''کون ہے وہ' کم از کم مجھے تو بتا ہی دو۔''

عمر کچھ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

فرح کے ساتھ بڑا ہی گہرا تعلق بندھا ہوا تھا' وہ دوست بھی تھی اور بہن بھی۔

بچپن سے اب تک کتنے ہی کام اُس کے صلاح مشورے سے نمٹاتا چلا آیا تھا۔ آج بھی اُس سے کچھ چھپانا ناممکن تھا۔

''اُس کا نام دیا ہے۔''

سر جُھکائے ہوئے اُس نے جیسے اقرارِ جرم کیا۔

''دیا۔''

فرح کی آنکھوں میں اُلجھن سی اُبھرنے لگی۔ یہ نام اُس کے لئے بالکل نیا تھا' ذہن پر زور دینے پر بھی اُسے بالکل یاد نہیں پڑ رہا تھا کہ آج سے پہلے اُس نے یہ نام کبھی عمر کی زبان سے سُنا ہو۔

''کون ہے' کہاں ملی تم سے؟''

بہت سے سوال تھے' جن کا جواب دینا اب عمر کے لیے سب سے زیادہ ضروری تھا۔

فیضی کے نکاح کی جو مختصر سی رپورٹ اُس نے پچھلے دنوں فرح کو سنائی تھی' اُس میں سے دیا کا ذکر اُس نے بڑی صفائی سے غائب کیے رکھا تھا' مگر آج جب یہ چوری پکڑی ہی گئی تھی تو اِس کہانی کو دوبارہ چھیڑنا ہی پڑا۔

''اور دیکھا جائے تو بات تو کچھ بھی نہیں ہے فرح۔ اُس نے تو سوائے پہلی ایک بار کے میری طرف ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ مجھے تو کچھ بھی اُس کے بارے میں معلوم نہیں۔ نام بھی اِس لئے پتہ چل گیا کہ اُس کی امی اور بہن آواز دے رہی تھیں۔ کیا کرتی ہے' پڑھ رہی ہے یا جاب کر رہی ہے' آگے کیا...۔''

''کیا پتہ عمر کہ اُس کی کہیں منگنی وغیر ہو چکی ہو۔''

تفصیلاً سارا قصّہ سنتے ہوئے' فرح کو یکدم ہی یہ خیال آیا تھا۔

عمر چپ سا ہو کر اُس کی شکل دیکھنے لگا۔

''ایسا ہو تو سکتا ہے نا۔ جب تم بتا رہے ہو کہ وہ کتنی حسین لڑکی ہے اور پھر ہے بھی فیضی کی بیوی سے بڑی تو عین ممکن ہے کہ اُس کی منگنی وغیرہ ہو چکی ہو۔''

''پتہ نہیں' لیکن ضروری تو نہیں کہ ایسا کچھ ہو۔'' وہ ہلکے سے بولا۔

سچی بات تو یہ کہ فرح نے جو یہ امکان ظاہر کیا تھا' اُس سے دل کو بڑی تکلیف پہنچی تھی۔

''خیر اب یہ کوئی ایسی رنجیدہ شکل بنا کر بیٹھنے والی بات بھی نہیں ہے' دیکھتے ہیں اللہ مالک ہے۔''

فرح اُس کی اُتری ہوئی شکل دیکھ کر ہنسنے لگی۔

''ویسے عمر مجھے تم سے کم از کم اِس بے وقوفی کی اُمید نہیں تھی۔''

عمر کو پتہ تھا کہ فرح بہت زیادہ دیر سنجیدہ نہیں رہ سکتی ہے اور اب اپنے جس ویک پوائنٹ کو وہ اُس سے شیئر کر بیٹھا تھا' اُس کو لے کر وہ آئندہ اُس کا مذاق بنائے رکھے گی۔ یہ اندازہ بھی اُسے اچھی طرح تھا۔

''میں کوئی رنجیدہ سنجیدہ نہیں ہوں' بس ایک خیال دل میں آیا تھا' سو تم سے شیئر کر لیا اور سخت احمق ہی ہوں جو کر لیا۔''

ایک جھینپی سی ہنسی کے ساتھ وہ اُٹھ کھڑا ہو گیا۔

نانی پڑوسن کو نمٹا کر واپس اندر آ رہی تھیں۔ عمر کو مسکراتا دیکھ کر' وجہ جانے بغیر ہی خود بھی مسکرانے لگیں۔

''لائیں نانی اگر کچھ منگوانا ہے' میں ذرا نیچے کا چکر تو لگا کر آئوں۔ دیکھیں کیا کچھ ہو رہا ہے' ہماری غیر موجودگی میں۔''

دل پر آیا بوجھ ہلکا کر کے وہ دوبارہ اپنی پرانی جون میں آ رہا تھا۔

نانی بڑی مطمئن سی ہو کر اُسے چیزیں گنوانے لگیں۔

عمر نیچے چلا گیا تو فرح بھی اُٹھنے لگی' مگر نانی نے اُسے روک لیا۔

''تم بس اب جلد ہی عمر سے بات کر لو' پھر باقاعدہ چلے چلتے ہیں ثانیہ کے ماموں کے گھر' عمر کی شادی ہو جائے گی تو میں بھی سکون کا سانس لے سکوں گی۔''

نانی کا دماغ ابھی تک وہیں اُلجھا ہوا تھا۔

مگر فرح جواباً اُس جوش و خروش کا مظاہرہ نہ کر سکی جو ابھی تھوڑی دیر پہلے تھا۔

''ابھی اتنی جلدی نہ کریں نانی۔ تھوڑا سا رک جائیں' کیا خبر ابھی عمر راضی بھی ہو یا نہیں۔''

ایک ہلکی سی افسردگی بھری مسکراہٹ کے ساتھ وہ اُنہیں سمجھانے لگی۔

نانی کچھ سمجھیں کچھ نہ سمجھیں' ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنی دانست میں تو انہوں نے عمر کا رشتہ ثانیہ کے ساتھ کر ہی دیا تھا۔

''عمر پر زور دیں گے تو راضی ہو ہی جائے گا۔ اتنی پیاری بچی ہے ثانیہ۔ اُسے تو ناپسند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

کچھ دیر پہلے تک یہی بھروسہ اور یہی یقین فرح کو بھی تھا' مگر اب صورتِ حال مختلف تھی۔

عمر کی زندگی میں ایک نیا نام شامل ہوا تھا۔ دیا۔

اور اِس دیے کی روشنی اتنی تیز تھی کہ عمر کی آنکھیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں۔

بناء اُسے دیکھے فرح کو یقین تھا کہ وہ لڑکی عمر کی تعریفوں سے بھی زیادہ بڑھ کر حسین ہو گی۔ ''مگر پھر بھی وہ ثانیہ کے پاسنگ تو نہیں ہو گی۔'' یہ بھی اُس کے نزدیک طے تھا۔

آج سچ مچ عمر کی طرف سے مکمل مایوس ہوئی تھی۔

...☆☆☆...

فیضی کی شادی کی خبر برادری میں پر لگا کر اُڑی ے گو گھر والوں نے تو اپنے طور پر پوری کوشش کی تھی کہ یہ بات اتنی جلدی نہ کُھلے' مگر اور بہت سی باتوں کی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہو سکا۔ خیال یہی تھا کہ کچھ عرصہ گزر جائے تو فیضی کو دبائو ڈال کر گھر واپس بلا لیا جائے گا۔

ابھی نہ اُس کی تعلیم مکمل تھی اور نہ ہی کسی دوسرے طور پر وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل تھا۔ گھر میں سب ہی کو یقینِ واثق تھا کہ وہ بہت جلد اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر معافی مانگ کر واپس گھر کی راہ پکڑ لے گا۔

گھر میں صرف سجاد تھے، جنہیں ایسے کسی امکان سے بھی کوئی تسلی کوئی خوشی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ اُنہیں نوین کا خیال ستانے لگتا، اس سارے چکر میں اُس کا کیا بننا تھا۔

اُس روز بابا کے سامنے وہ یہ بات کہہ بھی گئے۔

''فیضی کے لئے تو گھر کا راستہ پھر سے کھل جائے گا بابا۔ مگر وہ لڑکی جو اُس کی بیوی ہے، اُس بے چاری کے ساتھ تو بڑی زیادتی ہو جائے گی، اگر فیضی نے اُسے چھوڑ دیا۔''

''تو کیا مطلب ہے تمہارا، زندگی بھر کے لئے ہم فیضی کو خود سے جُدا کر دیں۔ اُسے اس طرح بھلا دیں جیسے پہلے ایک بار....۔''

وہ ایک دم ہی بے حد ناراض سے دکھائی دینے لگے۔ بلکہ لاؤنج میں موجود سب ہی گھر والوں کو سجاد کی بات بے حد بے تکی سی لگی تھی۔

''اور وہ لڑکی ہمارا مسئلہ نہیں ہے، اُس کے بھی گھر والے ہیں، کریں گے وہ کچھ نہ کچھ اُس کے لئے بھی۔ ہمیں صرف اپنے بچے کی فکر ہے کہ وہ جلد از جلد گھر واپس آ جائے۔''

بابا نے تو پھر بھی ضبط سے کام لے کر نینی کے لئے کوئی مزید تلخ بات کہنے سے خود کو روکا تھا، مگر بلقیس بھابی کو سجاد کی طرف داری بے حد کُھلی تھی۔

ویسے بھی جب سے فیضی نے گھر چھوڑا تھا اُنہیں سجاد سے خوامخواہ کی چڑ ہوتی جا رہی تھی۔

''شاباش ہے سجاد۔ بجائے بھتیجے کی فکر کرنے کے تمہیں ایک غیر لڑکی کی فکر ستا رہی ہے۔ میرے دل سے پوچھو، اصل نقصان تو میرا ہوا ہے نا۔ کتنے دن سے میں نے اُسے دیکھا تک نہیں ہے، پتہ نہیں کہاں، کس حال میں ہو گا۔''

اُنہیں عام سب بات کو بھی جذباتی انداز میں بیان کرنے پر ملکہ حاصل تھا، یہ تو واقعی ایک سخت جذباتی کش مکش تھی جس سے وہ گزر رہی تھیں۔

بابا کی فہمائشی نگاہوں کو خود پر مرکوز دیکھ کر سجاد کو اُٹھ کر بلقیس بھابی سے معذرت کرنی پڑی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا بھابی۔ فیضی سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا کیسے عزیز ہو سکتا ہے بھلا، میرا مطلب تو صرف اتنا ہی تھا کہ....۔''

لاؤنج میں موجود سب ہی لوگوں نے ایک ساتھ بولنا شروع کر دیا۔

وہ ایک دیانتدارانہ رائے، جو سجاد نے محض اپنی حساس طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر دی تھی۔ اُس سے یہاں کوئی بھی متفق نہیں تھا۔

''ایسی شادیوں کا انجام بس ایسا ہی ہوتا ہے۔ کون سے شریف خاندانی لوگ ہوں گے جنہوں نے خالی لڑکے کو اپنی بیٹی تھما دی۔ محض اُس کے خاندان کی دولت دیکھ کر۔''

وقار بھائی کے لہجے میں غرور کی بڑی نمایاں سی کھنک تھی۔

''تو اور کیا، زیادہ کچھ بولیں گے تو دے دلا کر اپنی جان چھڑا دیں گے۔ ایسی شادیاں کون سی زندگی بھر نبھائی جاتی ہیں۔''

سہیل بھی وقار بھائی کی مورل سپورٹ کے لئے حاضر تھے۔

سجاد بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئے۔

دل تو چاہا کہ سب کو یاد دلا دیں کہ اِس خاندان میں ''ایسی'' ہی ایک شادی کو خونِ دل دے کر نبھانے کی مثال بہت پہلے ہی سے قائم ہے۔ مگر یہاں سچائی کو سننا سب سے مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ اپنی اپنی مرضی کے مفروضے امکان کو بنیاد بنا کر ہی بات کہی اور سنی جاتی ہے۔

''ہوں گے گھٹیا سے لوگ' کبھی پیسہ دیکھا نہیں ہوگا۔ بس رال ٹپک پڑی ہوگی۔''

دونوں بھابیاں اظہار خیال کر رہی تھیں۔ جب سے فیضی یہاں سے گیا تھا' اس طرح کی باتیں معمول کا حصّہ بنی ہوئی تھیں۔ سب کے لہجے میں فرعون بولتا تھا۔

سجاد کو یاد آ رہا تھا کہ دونوں بھابیوں کا تعلق برادری کے سب سے کم حیثیت کے گھروں سے تھا اور دونوں بار جب یہ رشتے جوڑے گئے تھے تو اُن کی مرحومہ والدہ نے کہا تھا۔

''شرافت سے بڑھ کر کوئی میراث نہیں' میں نے نیک شریف لوگوں سے ناطہ جڑنے کی دعا کی ہے ہمیشہ۔''

''اور اگر آج وہ زندہ ہوتیں تو کیا اپنے انتخاب پر اتنی ہی نازاں ہوتیں۔''

سجاد اُٹھنا ہی چاہ رہے تھے کہ لائونج کے بیرونی دروازے سے انعم بڑی تیزی سے داخل ہوئی۔

''فرحت پھوپھو اور وحید انکل آئے ہیں۔'' مختصر سی اطلاع دے کر وہ اُسی تیزی سے باہر واپس مڑ بھی گئی۔

وحید کو کمپنی دینا' گھر میں سب کے لئے یکساں کٹھن مرحلہ ہوتا تھا۔ مگر با دل ناخواستہ سب ہی اُن کے استقبال کو لائونج سے باہر نکل آئے۔

ایک صرف بلقیس بھابی نے اپنی جگہ سے اُٹھنے کا تردّد نہیں کیا۔

آج کل سب ہی اُن سے فیضی کے ''چوری چھپے نکاح'' کی تعزیت کرنے آ رہے تھے۔ سو وہ اس طرح کے تکلّفات کو خیر آباد کیے ہوئے تھیں۔ سب لوگ سیدھے لائونج میں ہی آئے۔

فرحت آپا سلام کرتی ہوئی حسبِ معمول دونوں بھابیوں سے گلے ملنے لگیں۔

''فرحت کو تو ایک پل چین نہیں آ رہا تھا' جب سے یہ خبر سنی۔ مگر میں نے کہا کہ جب تک بابا اور وقار بھائی میں سے کوئی اطلاع نہ دے' ہمارا یہاں آنا مناسب نہیں ہے۔ خاندان والوں کا کیا ہے' وہ تو یوں ہی بے پر کی اُڑاتے رہتے ہیں۔''

وحید بھائی بیٹھنے سے پہلے ہی بات کو بڑے بے تکے پن سے چھیڑ چکے تھے۔

بلقیس بھابی کے آنسو آج کل ویسے ہی پلکوں پر رکھے رہتے تھے۔

فرحت شرمندہ سی ہوئی اُنہیں دلاسہ دینے لگیں۔

''مگر آپ لوگوں نے بھی کمال کر دیا' ایسے خاموش ہوئے بیٹھے ہیں کہ منہ سے بھاپ بھی نہیں نکال رہے۔ اتنے بڑے خاندان میں ایسی باتیں کوئی چھپی تھوڑی رہ سکتی ہیں۔ دسیوں فون تو میرے پاس آ گئے تصدیق کرنے کے لئے۔''

اُن کے چہرے پر وہی مخصوص کمینی سی مسکراہٹ تھی' جو کسی کے کمزور پہلو سے مزا لیتے ہوئے خود بخود اُن کے چہرے پر آ کر سج جاتی تھی۔

فیضی کی حرکت نے سب ہی کو اتنا شکستہ دل کر رکھا تھا کہ کوئی بھی اپنے پاس اُن کی کسی بات کا جواب نہیں دے پا رہا تھا' پھر بھی سجاد سے رہا نہ گیا۔

"آپ کے پاس جن جن کے فون آرہے ہیں' آپ انہیں میرا نمبر دے دیجئے تردید تصدیق جو کرنی ہے میں کردوں گا۔"

وحید بھائی کے لبوں کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"بُرا کیوں مانتے ہیں سجاد میاں۔ یہ تو زمانے کا چلن ہے' جس بات کو جتنا چھپایا جاتا ہے اتنا ہی اُس کو جاننے کا اشتیاق بڑھتا ہے اور پھر آپ کے خاندان کو تو برادری میں مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں کوئی بات اُٹھے گی تو سارے میں کھلبلی مچنی لازمی ہے۔"

وہ جس طرح چبا چبا کر بات کرنے کے عادی تھے' وہ سامنے والے کے تن بدن میں آگ لگانے کا کام کرتا تھا اور آج تو وہ بابا کا بھی لحاظ نہیں کر رہے تھے۔

"تم کیا یہی باتیں کرنے آئے ہو وحید۔"

بابا کا لہجہ خود بخود سرد ہوا تھا۔

عموماً وحید بھائی اُن کی موجودگی میں بھیگی بلی بن جایا کرتے تھے' مگر آج اعتماد کا عالم ہی کچھ اور تھا۔

اور یہ بات اس تھوڑی سی دیر میں ہی وہاں سب نوٹ کر چکے تھے۔

"ارے نہیں بابا۔ میں بھلا کوئی گستاخی کیسے کر سکتا ہوں۔ میری مجال کہاں' اتنے دن سے اسی لئے تو یہاں آ بھی نہیں رہا تھا' مگر کیا کروں آنا پڑ ہی گیا۔"

اس انکساری بھرے بیان کے پیچھے بھی اُن کے دل میں چھپے کینے کی جھلک نمایاں تھی۔

فرحت آپا نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر شیشے کی کھڑکی کے اُس پار لان میں کھیلتے ہوئے بچوں کی طرف دھیان لگانا چاہا۔

ایسی ہی صورتِ حال سے بچنے کے لیے وہ کئی دن یہاں آنا ٹالے رکھا کرتی تھیں۔

"ایک بہت ضروری بات تھی۔"

دفعتاً ہی اُن کا لہجہ بدلنے لگا۔

سب ہی کو سنبھل کر بیٹھنا پڑا' پہلا خیال یہی آیا کہ وہ کسی بہانے سے کچھ پیسے اور نکلوانے کی فکر میں آئے ہیں۔

"اب کیا مسئلہ در پیش ہے تمہیں؟" بابا نے براہِ راست پوچھا تو اُن کی مسکراہٹ ہلکی سی ہنسی میں تبدیل ہو گئی۔

"مسئلہ میرا نہیں آپ کا ہے اور مسئلہ بھی کیا' دیکھیں گے تو طبیعت خوش ہو جائے گی۔"

وہ کہتے ہوئے اپنی جیبیں ٹٹولنے لگے۔ شاید اس وقت سب ہی اپنی اپنی جگہ اُلجھن محسوس کر رہے تھے' مگر فرحت آپا نے خود کو در حقیقت بہت بے بس سا محسوس کیا۔ خود اُن کے علم میں نہیں تھا کہ وحید کی مٹھی میں ایسا کون سا راز بند ہے۔

"ہیں ایک ہمارے کرم فرما' جن کی مہربانی سے یہ تصاویر ہم تک پہنچی ہیں اور اب انہیں آپ لوگوں کو نہ دکھانا تو سخت ناانصافی والی بات ہوتی' ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں۔"

بابا کے بالکل سامنے بچھی سینٹر ٹیبل پر لفافے میں سے نکالی ہوئی تصاویر کو وہ بڑے اہتمام سے پھیلا رہے تھے۔

"اصل حق تو آپ لوگوں کا ہی بنتا ہے اِن تصاویر کو دیکھنے کا اور پھر یہ جاننا بھی تو ضروری ہے کہ کون آپ کا وفادار ہے اور کون بس وفاداری کا ناٹک ہی کرتا آیا ہے آج تک۔"

کسی ماہر مجمع لگا کر چیزیں بیچنے والے کی طرح وہ اپنی پروڈکٹ کی ویلیو بڑھا رہے تھے۔

سجاد، سہیل اور وقار تینوں ہی بے ساختہ آگے بڑھے۔

بالکل نئی پرنٹ کی ہوئی تصاویر، فیضی کے نکاح کی تھیں۔

فیضی۔ اُس کی دولہن، دیگر لوگ، جنہیں یہاں کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا۔ سب کی نگاہیں ایک تصویر پر جمی تھیں، جس میں فیضی کے برابر عمر بے حد نمایاں تھا۔

...☆☆☆...

باباکے سامنے رکھی ٹیبل پر پڑی تصویروں میں فیضی اور نینی کے مختلف پوز تھے اور سجاد جو بس یوں ہی تجسّس میں آگے بڑھے تھے کہ آخر وحید بھائی کے پٹارے میں سے کیا برآمد ہوا ہے، ایک نظر ڈالتے ہی بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹے۔

''میں نے تو یہ سوچ کر تصاویر حاصل کی تھیں کہ آپ دیکھ کر صورتِ حال کا بہتر اندازہ لگا سکیں گے، مگر وہاں تو آپ کے مخبر خود بنفسِ نفیس موجود تھے۔ ظاہر ہے انہوں نے تو پوری رپورٹ آپ کو دے ہی دی ہوگی۔''

وحید بھائی۔ براہِ راست باباسے مخاطب تھے۔ عمر سے اُن کی حد سے بڑھی مخالفت کسی سے بھی چھپی نہیں ہوئی تھی اور سجاد کو اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اِس موقع سے فائدہ اٹھا کر کس حد تک گھٹیا پن پر اُتر سکتے ہیں۔

''ویسے اچھا کیا آپ نے عمر کو وہاں بھیج دیا، ظاہر ہے اکلوتا پوتا ہے آپ کا، اُسے اِس طرح تو چھوڑا نہیں جا سکتا ہے۔ برادری والے سمجھتے رہیں گے کہ آپ نے اپنے بھائی کی طرح اُسے بھی اصولوں پر....''

''خاموش ہو جائو وحید۔''

باباکے لئے شاید اب مزید کچھ اور 'اُن کی زبانی سننا' ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔

وحید بھائی کی چلتی ہوئی زبان کو یکدم ہی بریک لگا۔ باباکے سامنے اُن جیسے اوچھے آدمی کی بھی بس ایک حد تک ہی چل پاتی تھی۔

لائونج میں بڑی بوجھل سی خاموشی آٹھہری تھی۔ باباکی نگاہیں تھوڑے ہٹ کر پیچھے کھڑے سجاد کے اوپر مرکوز تھیں۔

''تم نے بھیجا تھا عمر کو وہاں؟'' بڑے کڑے تیوروں کے ساتھ وہ صرف تصدیق چاہ رہے تھے۔

''کیا پوچھ رہا ہوں میں سجاد۔ خاموش کیوں کھڑے ہو۔''

لائونج میں موجود سب ہی وحید بھائی کو بھول کر سجاد کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''وہ بابا اصل میں....''

فوری طور پر کوئی بہانہ بھی نہیں سوجھ رہا تھا اور ایسے ناقابل تردید ثبوت کے سامنے کوئی بہانہ ہوتا بھی تو چلنا مشکل تھا۔

سجاد کو یقین ہو رہا تھا کہ آج اُن کی خلاصی بالکل ہی ناممکن ہے۔ بابا دوبارہ پوچھ رہے تھے۔

''میں تم سے صرف یہ جاننا چاہ رہا ہوں کہ عمر تمہارے اسرار پر وہاں گیا تھا یا خود سے فیضی کے بلانے پر، ہم سے چوری چھپے وہاں گیا تھا۔''

سجاد نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے خود کو اِس ڈرامائی سچویشن کے لئے تیار کیا۔ اُنہیں اندازہ تھا کہ اب ذرا سی بھی ٹال مٹول، عمر کو بُری طرح باباکے زیرِ عتاب لا سکتی ہے۔

"عمر کو میں نے بھیجا تھا بابا۔ وہ بے چارہ تو بالکل بھی جانا نہیں چاہ رہا تھا' مگر میں نے زبردستی اُسے فیضی کے نکاح میں بھیجا تھا۔"

سجاد کی نگاہ خود بخود جھکی۔

سہیل' وقار' فرخت' ثمینہ چاروں ہی نے اپنی جگہ سخت حیرت کا سامنا کیا۔

بابا کی اتنی سخت تنبیہ کے بعد بھی' سجاد ایسی بے وقوفی کر سکتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

بلقیس بھابی بڑی حسرت سے تصویروں کو دیکھے جا رہی تھیں۔ سجاد کا اعترافِ جرم' اُنہوں نے بھی سنا اور جیسے ایک دم ہی تڑپ اُٹھیں۔

"کتنے سنگ دل ہو تم سجاد۔ بجائے فیضی کو روکنے کے تم نے اُسے اور شہ دی' عمر کو بھیج کر....ایک بار بھی خیال نہیں آیا کہ وہ مجھ سے زندگی بھر کے لئے جُدا ہو رہا ہے۔ ارے ہمدرد تھے تو کسی بھی طرح واپس گھر لاتے' اِس منحوس شادی کو رکوا دیتے' مگر تم نے تو جان بوجھ کر....."

دوپٹے کا پلو آنکھوں پر لے کر وہ زور زور سے رونا شروع کر چکی تھیں۔

کمرے میں ایک دم ہی بھنبھناہٹ سی پھیلنے لگی۔ قدرتی طور پر سب کی ہمدردیاں بلقیس بھابی کے ہی ساتھ تھیں۔ ثمینہ اور فرحت تو اُن کی تسلّی کی خاطر قریب آ ہی کھڑی ہوئی تھیں۔ سہیل اور وقار بھی ایک دم ہی خفاد کھائی دینے لگے تھے۔

"یہ سارا کیا دھرا تمہارا ہی ہے سجاد۔ فیضی ہمیشہ تم سے نزدیک رہا ہے' تم اُس کی ہر سرگرمی کو شروع سے جانتے رہے' مگر کبھی اُسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ تمہارا کیا گیا' بھگتنا تو ہمیں پڑا ہے نا۔"

فیضی کے سلسلے میں اپنی ہر کوتاہی کو بھُلا کر وقار بھی اُنہیں ہی موردِ الزام ٹھہرا رہے تھے۔

سجاد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اُن لوگوں کو کس طرح مطمئن کریں۔ "ایسا نہیں ہے وقار بھائی میں نے تو بس تھوڑی سی دیر کے لئے عمر کو وہاں بھیجا تھا' فیضی بہت اپ سیٹ ہو رہا تھا' بس اس لئے...."

وہ جو کچھ بھی کہہ رہے تھے' کوئی بھی سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

دونوں بڑے بھائی جو حقیقتاً اپنے بچوں کی طرح اُن سے محبت کرتے آئے تھے' ایک دم ہی اجنبی بن کر دور جا کھڑے ہوئے تھے۔

"میں بھی حیران تھا کہ آخر فیضی کس برتے پر اتنا بڑا قدم اُٹھا رہا ہے۔ ابھی تو اُس کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی ہے' شادی کر کے گھر بسانا کوئی کھیل تھوڑی ہے بابا۔ سجاد نے یقیناً اُسے فائنینشیل سپورٹ بھی دی ہے بابا۔ کیوں پیسے بھی بھیجے ہوں گے نا۔ تم نے عمر کے ساتھ؟"

سہیل بہت غصّے میں مڑ کر اُن کی طرف دیکھ رہے تھے۔

چند لمحوں کے لئے تو بلقیس بھابی بھی اپنا رونا پیٹنا بھول کر کچھ گڑبڑا گئیں۔

گھر چھوڑنے سے پہلے' اچھی بڑی رقمیں فیضی نے اُن سے بھی وصول کی تھیں' مگر اس وقت اُن کا ذکر کرنا بے وقوفی تھی۔

ساری بُرائی سجاد کے گلے پڑ چکی تھی۔

وہ عمر کے ہاتھوں ایک بڑا چیک فیضی کو بھجوا چکے تھے اور اُنہیں یہ بھی پتہ تھا کہ اب بابا عمر سے ہر بات اُگلوائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لئے کچھ بھی چھپانا فضول تھا۔

اُن کی خاموشی' اعترافِ جُرم کے مترادف تھی۔

''ہیں یہی سوچ رہا تھا کہ اب تک تو اُسے دھکے کھا کر واپس گھر لوٹ آنا چاہیے تھا' مگر ظاہر ہے جب تک اس کی جیب میں پیسے ہیں وہ اُس لڑکی کے پھیلائے جال میں سے نہیں نکل سکتا۔'' بابا کے انداز میں نینی کا ذکر کرتے ہوئے' اسی طرح حقارت جھلکنے لگتی تھی۔

سوائے سجاد کے کسی کو بھی بُرا نہیں لگتا تھا۔ ''ایسی لڑکیاں آسانی سے جان کہاں چھوڑتی ہیں بابا۔ جتنا زیادہ سے زیادہ فیضی سے پیسہ وصول کر سکے گی کرے گی اور فیضی میاں کو ماشاء اللہ پیسے کی کیا کمی ہے۔ آپ نہ سہی چچا تو سر پرست ہیں ہی۔''

وحید بھائی جلتی پر تیل چھڑکنے کا فریضہ برابر انجام دیئے جا رہے تھے۔

سجاد سے ضبط نہ ہو سکا۔

''آپ خاموش رہیں وحید بھائی۔ یہ ہمارا آپ کا معاملہ ہے اور ویسے بھی جو آگ آپ کو لگانا تھی لگا چکے ہیں۔''

پہلی بار وحید بھائی سے بات کرتے ہوئے اُنہیں فرحت آپا کا بھی خیال نہیں آیا اور فرحت آپا جو شرمندہ اور رنجیدہ سی ہوئی بیٹھی تھیں' اُس گھڑی کا افسوس کر رہی تھیں' جب وحید کے کہنے پر وہ یہاں آنے کا پروگرام بنا بیٹھی تھیں۔ اُن کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ وہ یہاں آج کس نیت سے آرہے ہیں۔

جس بھائی کے اُن پر ایک نہیں کئی احسان تھے' اُسے یوں شرمندہ دیکھنا' اُن کے لئے بے حد تکلیف کا باعث بن رہا تھا۔

''وحید کا کیا قصور ہے' یہی کہ اُس نے ہمیں ایک سچائی سے آگاہ کر دیا۔ ورنہ شاید ہم کچھ اور دن بے خبر رہتے۔''

وحید بھائی۔ جس سے سارا خاندان اوّل دن سے نالاں تھا' آج بابا اُن ہی کی حمایت میں بول رہے تھے اور ستم یہ کہ ہر ایک ہی اُن سے متفق تھا۔

''افسوس تو یہ ہے کہ میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے والا کوئی اور نہیں تم ہو سجاد۔ جس پر میں نے ہمیشہ سب سے زیادہ اعتماد کیا اور دوسرا وہ عمر۔'' بات کرتے کرتے بابا ذرا رُکے تو وحید بھائی نے فوراً ہی لقمہ دینا ضروری سمجھا۔

''میں کہتا تھا تو آپ لوگ یقین نہیں کرتے تھے' اُس کی اوقات سے زیادہ سر پر چڑھانے کا نتیجہ ہے یہ سب کہ اب اُسے بابا کی حکم عدولی کا بھی ڈر نہیں رہا۔ اب تک تو وہ بہانے بہانے صرف ہماری ہی بے عزتی کرتا آیا تھا' مگر ہم نے تو بابا کی وجہ سے چپ سادھ رکھی تھی۔''

وحید بھائی کی واحد خصوصیت اُن کی چرب زبانی تھی۔ حالانکہ سب کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ اپنے ''رحمت منزل'' سے بے دخل ہونے کا غبار نکال رہے ہیں' مگر اس وقت سب اُن سے متفق ہو رہے تھے۔

فیضی کے نکاح کی تصاویر لا کر جو کارنامہ اُنہوں نے انجام دیا تھا' اُن کے اگلے پچھلے گناہوں کو بخشوانے کا سبب بن رہا تھا۔

''پوری رحمت منزل'' کا مالک بنا بیٹھا ہے عمر۔ یونین تک اُس کی مرضی کے مطابق چلتی ہے وہاں کی' کھلے عام کہتا پھرتا ہے کہ بابا نے یہاں کے سیاہ سفید کا مالک مجھے بنا دیا ہے۔ ہم تو خیر اب وہاں قدم بھی نہیں رکھ سکتے ہیں۔''

کچھ جھوٹ سچ ملا کر وہ اپنے پرانے زخموں کو رَفو کر رہے تھے۔

سب ہی یک زبان ہو کر عمر کو بھلا برا کہہ رہے تھے۔ جس نے اتنی بڑی جرأت معلوم نہیں کیسے کر ڈالی تھی۔

''ابھی نکال باہر کریں، کمپنی سے بھی اور ''رحمت منزل'' سے بھی، دھکے کھاتا پھرے گا تو پتہ چل جائے گا آٹے دال کا بھاؤ۔''

''میں فون ملاتا ہوں ''رحمت منزل'' کا آپ اُسے یہیں بلوالیں بابا۔ ایک بار تو اُس کی اچھی طرح خبر لینی ہی چاہیے۔''

وحید بھائی بہت جذباتی سے انداز میں، قریب رکھے ٹیلیفون کی طرف بڑھے۔ کسی نے بھی انہیں روکنے کے لئے نہیں کہا تھا، مگر سجاد کی آواز پر اُنہیں بادل نخواستہ رکنا پڑ ہی گیا۔

''کچھ نہیں کہا جائے گا عمر سے، اُس نے وہی کہا جو میں نے اُسے کہا تھا۔ جو بھی غلطی ہے وہ میری ہے، مجھ سے فیضی کا اکیلا پن برداشت نہیں ہو رہا تھا، اِسی لیے عمر کو زبردستی میں نے بھیجا تھا۔ وہ غریب تو کسی صورت جانے کے لئے تیار نہیں تھا۔''

صرف بابا کا لحاظ تھا، جو وہ وحید بھائی کی کھولا دینے والی باتوں کو برداشت کر رہے تھے۔ عمر انہیں بے حد عزیز تھا اور کسی بھی وجہ سے اگر اُس پر کوئی آنچ آرہی تھی تو وہ اُس کے بچاؤ کے لئے کسی بھی حد تک جانے کے لئے بالکل تیار تھے۔

''اور بابا۔''

ہاتھ کے اشارے سے وحید بھائی کو روکتے ہوئے، وہ بالکل بابا کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

''اگر عمر کا قصور اتنا ہی بڑا ہے کہ اُسے معاف نہیں کیا جا سکتا تو اُسے کمپنی اور ''رحمت منزل'' سے نکالنے سے پہلے ایک بار یہ ضرور سوچ لیجئے گا کہ پھر میں بھی یہاں نہیں رہ سکوں گا۔ چلا جاؤں گا میں بھی یہاں سے۔''

حد سے بڑھتا تناؤ، سب کے لیے ہی شاید اعصاب شکن ثابت ہو رہا تھا۔ ایک سوائے وحید بھائی کے، سجاد کی آواز میں بھی ہلکی سی لرزش جھلکی تھی۔

بابا چند لمحے بالکل ساکت سی نگاہوں سے سجاد کو دیکھے گئے۔ تینوں بیٹوں میں آج پہلی بار کوئی ایک اُنہیں اپنا فیصلہ سنا رہا تھا۔ زیادہ دِن نہیں گزرے اس لائونج میں کھڑے ہو کر انہوں نے فیضی کی بدلحاظی دیکھی تھی اور اپنے بیٹوں پر فخر کیا تھا۔

شاید اُس دن اُن کی اپنی ہی نظر لگی تھی، پہلے فیضی اور اب سجاد۔

اُن کے گھرانے کی ہر نسل سے ایک شخص کو شاید اپنی جڑوں سے کٹ کر زندگی گزارنے کی روایت کو آگے بڑھانا تھا۔

دل میں آتے واہمے کو وہ بمشکل ہی جھٹک پائے، سجاد ابھی بھی اُن کے سامنے کھڑے تھے اور لائونج میں موجود سب ہی، بابا کے حتمی فیصلے کے منتظر۔

''ٹھیک ہے، چونکہ یہ پہلی بار تھا، اس لئے میں نظرانداز کئے دیتا ہوں، لیکن آئندہ ایسا نہ ہو۔''

سجاد کی جیسے جان میں جان آئی۔

باقی سب کتنے حیرت زدہ تھے، اس کی اُنہیں ذرا بھی پروا نہیں تھی۔

''اور اگر آئندہ مجھے ایسی کوئی اطلاع ملی کہ تم نے کسی بھی طریقے سے فیضی کو سپورٹ کیا ہے اور خاص طور پر مالی طور پر ... تو یاد رکھنا سجاد۔ تم میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے۔''

بے حد سرد لہجے میں بابا نے اپنی بات پوری کی اور پھر ایک لمحے کا بھی توقف کئے بغیر وہ وہاں سے اُٹھ چکے تھے اور اُن کے پیچھے سجاد بھی۔

بابا کے باہر نکلتے ہی، لائونج میں ایک نہ ختم ہونے والی بحث کا آغاز ہو چکا تھا۔

سب سے زیادہ وحید بھائی مایوس تھے۔

''رحمت منزل'' سے عمر کی چھٹی کروانے کی بھرپور کوشش ناکام ہو رہی تھی۔

وقار بھائی اور سہیل بہر حال سجاد سے خفا ہونے کے باوجود بھی اُن کے لئےاِس ایک تنبیہ کو کافی سمجھ رہے تھے۔

وحید بھائی کچھ بدمزہ سے ہو کر بلقیس بھابی کے پاس جا بیٹھے۔

ثمینہ چائے وغیرہ کے انتظام کے لئے اُٹھ چکی تھیں اور فرحت شاید بابا کے پاس تھیں۔

''آپ کی حالت دیکھ کر دل کٹتا ہے بھابی۔ سجاد کو کچھ تو خیال کرنا چاہیے تھا' میں دعوے سے کہتا ہوں اگر اِس وقت فیضی کے ہاتھ میں کھلا پیسہ نہ ہوتا تو مجال تھی کہ وہ ایسا قدم اُٹھانے کے بارے میں سوچ بھی سکتا' مگر جب اُسے بڑھاوا دینے والے خود آپ کے گھر کے لوگ ہوں گے تو وہ تو ابھی ناسمجھی کی عمر میں ہے' غلطی کر بیٹھا بے چارہ۔''

بلقیس بھابی کے ہاتھ میں فیضی کی تصویر تھی' جس میں وہ نکاح کے فارم پر دستخط کر رہا تھا۔ وہ دن جس کا خواب انہوں نے اُس وقت سے دیکھنا شروع کیا تھا' جب فیضی اُن کی گود میں آیا تھا' وہ دن آیا اور گزر بھی گیا۔

اُن کا ایک ایک ارمان محض حسرت بن کر رہ گیا اور حسرت کی ان ہی ٹوٹی کرچیوں کو سمیٹتے سمے میں انہیں وحید بھائی جیسا غم گُسار میسر آیا۔

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے وہ اُن کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں۔

''چھوٹا منہ بڑی بات ہے بھابھی۔ مگر کہے بغیر دل بھی نہیں مانتا' مجھے تو سوچی سمجھی سازش لگتی ہے۔ سہیل کے بچے تو ابھی چھوٹے ہیں' لیکن اپنا فیضی تو ماشاءاللہ اب برابر کا حصّہ دار تھا ہر شے میں' پیسہ بڑی چیز ہے جتنا بھی ہو کم ہی لگتا ہے۔''

اُن کی گفتگو جس نہج پر جا رہی تھی' بلقیس بھابی کے لئے سوچ کا نیا در کھل رہا تھا۔

فیضی کی من مانیوں' فضول خرچیوں پر وہ خود جس خوبی کے ساتھ پردہ ڈالتی آئی تھیں۔ اُن غلطیوں کا نہ اُنہوں نے کل اعتراف کیا تھا اور نہ ہی آج۔ اتنی بڑی چوٹ کھا لینے کے بعد بھی' اُن کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔

غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے اور ہر غلطی کا احساس' تجربہ کا نیا سبق پڑھاتا ہے۔ مگر صرف اُنہیں جو یہ سبق پڑھنا چاہیں۔

ورنہ کئی ایسے بھی ہوتے ہیں' جن کا حد سے بڑھا ہوا احساسِ برتری اُنہیں اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ وہ پل بھر کے لئے بھی رُک کر اپنے ہی ہاتھوں سمیٹی جانے والی بدنصیبی پر ایک نگاہ ہی ڈال سکیں۔

...☆☆☆...

ثانیہ کو فرح کے انسٹیٹیوٹ میں ملازمت مل گئی تھی۔ آفس میں دو لڑکیوں نے ایک ساتھ ہی ملازمت کو خیر باد کہا تھا۔ فرح کے تعلقات کام آئے' ثانیہ کے حصّے میں نیو ایڈمیشن کے فارم جمع کرنے کے علاوہ پچھلے ریکارڈ کو مین ٹین کرنے کی ذمہ داری آئی تھی۔

کام کافی تھا' مگر فرح کے ساتھ نے آسان کر دیا تھا۔ شروع میں تو کچھ دن ثانیہ کو دِقّت ہوئی مگر جلد ہی اُس نے بہت خوبی سے سب کچھ سنبھال لیا تھا۔

فرح دن میں کئی بار اُس کی ٹیبل کا چکر لگاتی اور اُسے مصروف دیکھ کر مطمئن ہو جاتی۔ خود ثانیہ کو بڑا سکون سا حاصل ہوا تھا' یہ ملازمت جوائن کر لینے کے بعد۔ تنخواہ پانچ ہزار تھی اور یہ پانچ ہزار ثانیہ کی اُمید سے کہیں بڑھ کر تھے۔

اماں اُسے خوش دیکھ کر خوش تھیں۔ ثانیہ کے دفتری اوقات صبح ساڑھے آٹھ سے ساڑھے تین تک کے تھے۔ سیکنڈ شفٹ میں اُس کی سیٹ پر ایک مُعّمر سے شخص آجایا کرتے تھے۔ گھر واپسی تک اُسے ساڑھے چار بلکہ پانچ ہی بج جایا کرتے تھے' مگر وہ بڑی خوش باش سی لگا کرتی تھی۔

ذہن سے ایک بڑی فکر دور ہوئی تھی تو اُس کا اثر روّیہ پر بھی لازماً آنا تھا۔

ممانی کو دیکھ دیکھ کر سخت کوفت ہوتی رہتی۔ کچھ زیادہ اِس لئے بھی کہ ثانیہ کی ملازمت کے بعد لبنیٰ کو اکیڈمی چھوڑنی پڑی تھی۔

اتنا عرصہ وہاں گزارنے کے بعد بھی لبنیٰ سے چند بنیادی کورسز سے آگے پڑھا نہیں جا سکا تھا۔ سو اب بے کاری کی بوریت پھر سے سوار تھی۔

"اکیڈمی میں جو دوستیاں ہوئی تھیں' ٹیلی فون پر نبھنی مشکل ہو رہی تھیں۔ گھر سے نکلنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈنا پڑتا تھا۔

لبنیٰ نے آخر کار ایک ترکیب ڈھونڈ ہی نکالی۔

"مجھے بیس ہزار روپے چاہیے امی ایک کورس کی فیس جمع کرانی ہے۔"

ممانی دوپہر کی نیند لے کر تھوڑی دیر پہلے ہی بیدار ہوئی تھیں' جب وہ اپنا مطالبہ لے کر اُن کے سر پر جا سوار ہوئی۔

"کس چیز کے بیس ہزار؟ میرے پاس کوئی درخت لگا ہوا ہے کیا' جو توڑ توڑ کر تمہاری الٹی سیدھی فرمائش پوری کرتی رہوں۔"

وہ ایک دم ہی جھنجلا گئیں۔

"سب ہوتے ہیں آپ کے پاس مجھے پتہ ہے۔ بس میں نے کہہ دیا ہے' اگر ایک ساتھ نہیں دے سکتی ہیں تو پانچ' پانچ ہزار کر کے چار دفعہ دے دیجئے گا۔ میں نے بات کر لی ہے' بیوٹی پارلر والی باجی سے۔"

وہ اطمینان سے برش اٹھا کر ڈریسنگ ٹیبل کے آگے جا کھڑی ہوئی۔

"کیسے بات کر لی ہے تم نے... مجھ سے پوچھے بغیر اور کون سی باجی ہیں یہ' وہ تیسری گلی والی جو گھر میں ہی پارلر کھول کر...۔"

ممانی کو پتہ نہیں کیوں بیوٹیشن کا کورس کرنا بے کاری کا مشغلہ لگتا تھا' جیسے کوئی بالکل ہی نیم تعلیم یافتہ سا کام۔ اُن کو کمپیوٹر کورس اور لینگویج کے پروگرام بہت متاثر کرتے تھے۔

بیوٹیشن کے بارے میں اُن کا مشاہدہ بے حد محدود تھا۔ محض گلی محلے میں کھلے ہوئے بیوٹی پارلر تک جنہیں زیادہ تر نیم تربیت یافتہ لڑکیاں اور خواتین چلا رہی تھیں اور جہاں صحت اور صفائی کے بارے میں کوئی ایسی خاص پروا بھی نہیں کی جاتی تھی۔

"آپ کو نہیں پتہ دور دور سے لڑکیاں آتی ہیں افشاں باجی کے پاس سیکھنے کے لئے اور وہ خود اتنے بڑے پارلر میں کام کر چکی ہیں' کتنے ہی عرصے۔"

لبنیٰ نے اُنہیں متاثر کرنے کے لئے شہر کے بہت معروف پارلر کا نام لیا' مگر ممانی کو نہ معیار سے غرض تھی اور نہ کام سے' سو متاثر ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔

"ہمارے پاس نہیں ہیں فالتو پیسے' پہلے ہی ہزاروں روپے تمہارے پیچھے برباد ہو چکے ہیں۔ کیا حاصل ہوا' ادھر دیکھ لو ثانیہ کو کیسے کھٹا کھٹ کورس بھی ختم کر لیتی ہے اور اب تو جاب بھی مل گئی ہے۔"

ملال کی ایک لہر رہ رہ کر اُٹھتی تھی۔

لبنیٰ کو خود ثانیہ سے سخت جلن محسوس ہوتی تھی' بڑے ہی غیر محسوس انداز میں وہ اُس سے کہیں آگے بڑھ چکی تھی۔

"ساری غلطی آپ کی ہے امی۔ کتنا کہا اُسے گھر کے کاموں میں اُلجھا دیں' مگر آپ لوگوں نے تو اُسے اتنی سہولت اور آرام سے رکھا ہے کہ اُس کو کوئی ٹینشن ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے پھر کیا چیز اُسے روک سکتی تھی۔"

بالوں کو حسب مرضی سیٹ کرنے کے بعد اب وہ گھوم گھوم کر اپنے آپ کو سامنے آئینے میں دیکھنے میں مصروف تھی۔

ممانی نے ایک نظر اُس کی طرف دیکھا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئیں۔

"کیا ہو گیا' پھر میری کوئی بات بُری لگ گئی ہو گی آپ کو۔"

لبنیٰ نے فوراً ہی مڑ کر اُن کی طرف دیکھا۔ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ اُن کے بولنے سے زیادہ اُن کی خاموشی معنی خیز ہوتی ہے۔

"نہیں کچھ نہیں۔"

وہ ٹال گئیں' آج کل اُنہیں بار بار یہ خیال ستاتا رہتا تھا کہ لبنیٰ کے بارے میں اُن سے کہیں نہ کہیں تو چوک ہو ہی گئی ہے' ورنہ اتنی سہولتوں اور لاڈ پیار کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے' اُسے اب تک تو کہیں کا کہیں پہنچ جانا چاہیے تھا۔

لبنیٰ اُنہیں سوچ میں گم ہوتا دیکھ کر دوبارہ سے شروع ہو چکی تھی۔

"اوپر سے فرح' ہر وقت کی چمچہ گیری میں لگی رہتی ہے اُس کی... 'میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ثانیہ میں ایسا کیا دکھائی دے رہا ہے اُسے' یہ جاب بھی کون سا ثانیہ کو قابلیت پر ملی ہے۔ فرح نے کوشش کر کے دلوائی ہے اور میں شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں امی۔ کہ اُس کا سارا کام بھی وہی کر کے دیتی ہو گی۔"

ممانی کو ثانیہ سے ایسا کون سا حسنِ ظن تھا' فوراً ہی متفق ہو گئیں۔

"ہاں۔ کہہ تو تم ٹھیک ہی رہی ہو۔"

لبنیٰ کی کوتاہیوں پر اُن کی نگاہ بس گھڑی بھر کے لئے ہی ٹِک پاتی تھی۔

تب ہی اماں نے کمرے کے ادھ کھلے دروازے میں سے اندر جھانکا۔

"لبنیٰ ذرا بات سن لینا بیٹا۔"

ممانی اور لبنیٰ کی کاٹ دار نگاہیں' بیک وقت اُن پر اٹھیں۔

وہ بہت کم آ کر کمرے کے دروازے پر کھڑی ہوتی تھیں' سو اس جرأت پر خود ہی شرمندہ سی ہو گئیں۔

"بتا دیں' سن رہی ہوں۔"

لبنیٰ نے لاپروائی سے دوبارہ اپنا رُخ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف موڑا اور ہینڈ لوشن نکال کر ہاتھوں پر ملنے لگی۔

''ثانیہ کہہ کر گئی تھی کہ آج جلدی آجائوں گی' مگر اب تو وہی ٹائم ہو گیا ہے' تم ذرا فون کر کے معلوم کر لیتیں۔''

جھجکتے جھجکتے انہوں نے اپنی بات پوری ہی کی تھی کہ ممانی اور لبنیٰ دونوں ہی کی پیشانی پر بل پڑنا شروع ہو گئے۔

''اپنی مرضی کی مالک ہے اب وہ پھوپھو۔ جب چاہے گی آئے گی۔ آپ پریشان ہونا چھوڑ دیں اب اُس کے لئے' اکیڈمی میں تھوڑی بیٹھی ہوگی اب تک۔''

لبنیٰ کو کہتے ہوئے قطعی یاد نہیں رہا تھا کہ اُسی اکیڈمی سے وہ اکثر اس سے بھی کہیں زیادہ دیر سے آتی تھی۔

''اور پھر اب تو ہاتھ میں کھلا پیسہ بھی آنے لگا ہے۔ ہزار شغل سوجھتے ہیں لڑکیوں کو۔''

آج مہینے کی تین تاریخ تھی اور ممانی کو سب سے زیادہ یہی بات چُبھ رہی تھی کہ ثانیہ کو جو تنخواہ ان کے خیال میں مل چکی تھی' اُس کی اُنہیں اب تک اطلاع کیوں نہیں دی گئی تھی۔ اماں بے چاری کہہ کر شرمندہ ہوئیں۔

جو چھوٹی سی درخواست اُنہوں نے' اُن دونوں کے حضور پیش کی تھی' اُس کا کچھ بھی نہیں بنا۔

پھر بھی انہوں نے ممانی کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کی چھوٹی سی کوشش کرنی چاہی۔

''ثانیہ کو ابھی تنخواہ کہاں ملی ہے' دیکھو۔ شاید آج یا کل میں مل جائے۔''

''ہمیں کیا غرض بھئی۔ آپ جانیں' ثانیہ جانیں یا اُن کے ماموں۔''

بات کنفرم ہو چکی تھی' سو ممانی نے مزید بے نیازی کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا۔

اماں بددل سی ہو کر دوبارہ گیٹ کی طرف چل دیں' اس بار اُنہیں گیٹ کھولتے ہی گلی کے کونے سے ثانیہ آتی دکھائی دے گئی۔

شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے' وہ وہیں کھڑی ہو کر اُس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگیں۔

اندر ممانی لبنیٰ سے کہہ رہی تھیں۔

''بہت دن سے فرح نہیں آئی' کیوں نہ ہم دونوں اِس اتوار کو اُس کے گھر ہو آئیں۔''

لبنیٰ کے چہرے پر خود بخود مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ ممانی کا فرح کے گھر جانے کا مقصد' اُسے اچھی طرح پتہ تھا۔

''اور دیکھو اس بار بہت سنبھل کر اور ہوشیاری سے چلنا عمر کی نانی سے ملنے' وہ بڑی تنقیدی نگاہ سے دیکھتی ہیں سب کو' اپنا بہت اچھا تاثر ڈال کر آنا۔''

لبنیٰ کو نہ تو عمر کی نانی' ایک آنکھ بھائی تھیں اور نہ ہی اُن پر اپنے اچھے برے تاثر کی اُسے پرواہ تھی' مگر مشکل یہ تھی کہ عمر تک پہنچنے کے لئے نانی کی خوشنودی بھی بہر حال ضروری تھی اور شاید نہیں بھی۔

لبنیٰ نے ایک بھرپور نگاہ شیشے میں دکھائی دیتے اپنے عکس پر ڈالی۔

اُس کے خیال میں اُس جیسی اسمارٹ اور شوخ لڑکی کے لیے عمر کو اپنی طرف متوجہ کرنا بہت آسان تھا۔

''اور پھر کیا ضرورت رہ جاتی تھی' نانی کے سامنے بے کار کی سلیقہ مندی جتانے کی۔''

اپنے بارے میں وہ حد سے زیادہ پُراعتماد تھی۔

''ثانیہ اور پھوپھو سے کیا کہہ کر جائیں گے۔''

سرسری سے انداز میں وہ پوچھتی ہوئی کمرے سے باہر جانے لگی۔

''کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے' بعد میں کہہ دیں گے کہ کام سے گئے تھے اُس طرف' سوچا اُن لوگوں سے بھی مل لیں۔''

حیلے بہانے اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھے۔ ممانی کے لہجے میں بلا کا اطمینان تھا۔

لبنیٰ نے تعریفی نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئی۔

سامنے سے ثانیہ' اماں کے ساتھ چلتی ہوئی اندر آرہی تھی۔

اُس کے چہرے پر دن بھر کی مصروفیت کی ہلکی سی تھکان تو ضرور تھی' مگر لہجہ ہمیشہ کی طرح بالکل بشاش۔

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ' وہ اماں کو دیر ہو جانے کی جو وجہ بتا رہی تھی' وہ ہر ایک کی بآسانی سمجھ میں آنے والی تھی۔

یعنی شام کے اوقات کا ٹریفک جام....

مگر کچھ لوگوں کو شاید عادتاً صاف شفاف منظر کو بھی گردآلود کرنے میں ہی لطف آتا ہے۔

لبنیٰ ابھی بڑی معنی خیز سی نگاہوں سے ثانیہ کو دیکھتے ہوئے' جتانے بغیر نہ رہ سکی۔

''رہنے دیں نا پھوپھو۔ کیوں بے چاری کے آتے ہی پوچھ گچھ شروع کر دی ہے آپ نے' اب ہر بات سب کو بتانے والی تھوڑی ہوتی ہے۔ بے کار کا جھوٹ اور گلے پڑتے ہیں۔''

ثانیہ اپنا بیگ تخت کے ساتھ رکھی ہوئی سائیڈ ٹیبل پر رکھ رہی تھی' لبنیٰ کی بات کی تہہ تک پہنچنے میں اُسے کوئی دقت نہیں ہوئی پلٹ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو لبنیٰ۔ ہر شخص اپنے تجربہ کی بنیاد پر ہی بات کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے تمہیں ایسا ہی کرنا پڑتا ہو۔''

''اچھا۔ خوامخواہ ہی۔''

لبنیٰ سے جواب نہ بن پڑا' اس وقت ویسے بھی وہ ''رحمت منزل'' جانے کا پروگرام بننے پر بے حد خوش تھی' ورنہ ثانیہ کو اپنی جان چھڑانا مشکل ہو جاتی۔

''تمہیں تنخواہ کب ملے گی ثانیہ۔'' یہ سوال وہ روزانہ ہی بڑے مصالحانہ موڈ میں کیا کرتی تھی تو آج بھی کیا۔

''مل گئی ہے۔''

ثانیہ بے حد اطمینان سے تخت کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

''کب ملی۔''

''آج ہی'' ثانیہ کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

لبنیٰ کو ایک دم ہی رشک و حسد کے ملے جلے سے جذبات نے آگھیرا۔

ایک نہ دو' اکٹھے پانچ ہزار۔

اور خرچ کرنے کے لئے اکیلی ثانیہ۔

''پہلی تنخواہ لے کر تم یوں ہی چلی آئیں خالی ہاتھ کم از کم میرے لیے ہی کوئی اچھا سا گفٹ لے آتیں۔''

دل کی حالت کو چھپانے کی اُس نے قطعی کوشش نہیں کی تھی۔

ثانیہ بیگ میں سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی، بناء لبنٰی کی طرف دیکھے بڑی لاپرواہی سے بولی۔ ''جب کبھی بازار جانا ہوگا، لادوں گی تمہیں کچھ۔''

اپنی بات ختم کرتے ہی، وہ کپڑے اُٹھا کر واش روم کی طرف چلی گئی۔ لبنٰی کے چہرے پر پھیلی کھسیاہٹ پر ایک نگاہ ڈالنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔

لبنٰی کی نگاہ بے ساختہ ہی تخت کے پاس رکھی چھوٹی میز پر پڑی۔ جہاں ابھی چند منٹ پہلے ثانیہ نے پرس رکھا تھا پر اب وہ جگہ خالی تھی۔

ثانیہ وہ پرس شاید اب اپنے بیگ میں جو اماں کے تخت کے نیچے رکھا تھا، رکھ چکی تھی۔

ثانیہ نہا کر آئی تو اماں تخت پر نہایت متفکر سی ہوئی بیٹھی تھیں۔

''تمہیں لبنٰی کا دل نہیں توڑنا چاہیے تھا، کیا تھا اگر ایک سوٹ اُس کے لئے لیتی ہوئی آجاتی۔''

بچی خوش ہوتی۔

اماں کو لبنٰی سے محبت بھی بے حد تھی، وہ ثانیہ سے بھی ایسی ہی توقع کیے رکھتی تھیں، چند منٹ تک اُسے یہی سمجھائے گئیں۔

ثانیہ سر جھکائے چپ چاپ سنے گئی۔

اماں کی معصومیت پر اُسے رحم آتا تھا، مگر وہ اُنہیں بدلنا بھی نہیں چاہتی تھی، جن مفروضوں کے سہارے وہ چند گھڑی خوش ہو لیتی تھیں، ثانیہ نے اُن کے ہمیشہ برقرار رہنے کی ہی دعا کی تھی۔

''لبنٰی بہن ہے تمہاری، اپنا سمجھتی ہے تو فرمائش کی ہے نا تم سے۔ اب ایسا کرو، جو تنخواہ ملی ہے، وہ ممانی کے ہاتھ پر رکھ دو لے جا کر۔''

اُس کی مستقل خاموشی سے، اماں کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس وقت اُن کی ہر فرمائش کو چوں چراں کیے بغیر پورا کر دے گی۔

مگر اُس کی ایسی کوئی مرضی نہیں تھی۔

''میں پیسے ممانی کو نہیں دوں گی اماں۔ وہ صرف آپ کے لیے ہیں۔ آپ خود خرچ کیجیے گا، جب بھی آپ کا دل چاہے۔''

اُس نے اُن کے قریب بیٹھتے ہوئے، اُن کے کندھے سے سر کو ٹکایا۔

''میرا کیا خرچہ؟ جیسا میں کہہ رہی ہوں، ویسا ہی کرنا۔''

اماں کے اصرار پر بھی اُس نے حامی نہ بھری مستقل بحث کیے گئی۔

''تنخواہ ممانی کے ہاتھ میں پکڑا دینے کا مطلب ہے کہ ہم پھر اُن کا منہ دیکھتے رہیں، اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کو بھی دبانا پڑتا ہے اماں۔ آپ ایسی ضد مت کریں، جو ہمیں مشکلات میں ہی ڈالے رکھے۔

اماں چپ چاپ سی ہو کر اُس کے پاس سے اُٹھنے لگیں۔ ثانیہ نے اُن کے چہرے پر پھیلی اُداسی کو ایک نظر دیکھا اور پھر سر جُھکاتے ہوئے ہلکے سے بولی۔ ''آپ کہہ رہی ہیں تو میں یہ تنخواہ جمیل ماموں کو دے دوں گی لیکن مجھے پتہ ہے کہ وہ ہر گز بھی نہیں لیں گے۔''

اماں تھوڑی سی خفا ہو گئی تھی۔

”جو مرضی آئے کرو‘ میری بات تو نہیں رکھی نا۔ اپنے قابل ہوتی جا رہی ہو‘ ضرورت بھی کیا ہے۔“

”پلیز اماں۔“

وہ اُٹھ کر تیزی سے اُن کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ ”سمجھنے کی کوشش کریں‘ ہم کب تک جمیل ماموں پر بوجھ بنے رہیں گے۔ خود کو سنبھالنا تو ہے اور جب تک ہمارے ہاتھ میں اپنے پیسے نہیں ہوں گے ہم ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔“

”اِسی لئے کہہ رہی ہوں‘ نواب شاہ والا گھر بیچ دیتے ہیں چل کر۔“

اُنہیں پتہ تھا کہ وہ حرف بہ حرف صحیح ہے‘ خود اُن کے پاس کی ساری جمع پونجی‘ بہت احتیاط سے خرچ کرنے کے باوجود اب قریب الختم تھی۔

”ٹھیک ہے۔ میں آج ہی شہزاد کو فون کر دوں گی کہ وہ مکان کے لئے گاہک تلاش کرے اور اُن پیسوں میں سے بے شک آپ جتنے دل چاہے ممانی کو دے دیجیے گا‘ تاکہ جو کچھ بھی اُن کا ہم پر خرچ ہوا ہے‘ وہ حساب برابر ہو جائے۔“

بڑے غیر جذباتی سے انداز میں اُس نے جیسے اِس قصے کو بھی نمٹایا۔

اماں نے بڑی حیرت سے اُس کی طرف دیکھا‘ پہلی بار وہ اس آسانی سے گھر بیچنے پر آمادہ ہوئی تھی۔ ورنہ جب کبھی یہ ذکر چھڑتا‘ وہ بڑی سختی سے اِس کی مخالفت کرتی تھی۔ نواب شاہ والا گھر اُس کے لئے بڑا قیمتی سرمایہ تھا۔

ثانیہ واقعی بدل چکی تھی۔

سال بھر میں وہ تبدیلی کے ایک مسلسل عمل سے گزری تھی۔

انسان کو بدلنا ہی پڑتا ہے۔

تقدیر میں رقم ہوئی آزمائش‘ اُسے بدلنے پر مجبور کرتی ہے اور بعد میں بہت آگے جا کر جب کبھی وہ خود اپنے سامنے آ کر کھڑا ہوتا ہے تو خود اپنی شکل پہچاننا اُس کے لئے آسان نہیں رہتا۔

نواب شاہ والے چھوٹے سے گھر میں رہنے والی وہ بے وقوف سی لڑکی‘ جو بے حد معمولی باتوں پر آنسوئوں کے دریا بہانے کے لئے تیار رہتی تھی‘ بہت دُور رہ گئی تھی۔

ممانی بہت دیر تک تو اسی انتظار میں اپنے کمرے میں ہی بیٹھی رہی کہ ثانیہ اُنہیں‘ اپنی تنخواہ ہاتھ میں لا کر تھمائے گی۔ جسے وہ بے حد بے نیازی کے ساتھ قبولنے کے لئے تیار تھیں۔

مگر بڑی دیر تک بھی ایسا کچھ نہیں ہوا۔ کچن سے برتنوں کی کھٹ پٹ کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ اپنے معمول کے کام نمٹا رہی ہے آخر کار اُن سے مزید ضبط نہ ہو سکا۔

تو کچن کے دروازے پر جا کھڑی ہوئیں۔

سارا کام سمیٹا جا چکا تھا۔

ثانیہ روٹیاں ہاٹ پاٹ میں رکھ رہی تھی اور دوپہر کے برتن دُھلے ہوئے رکھے تھے۔

نقطۂ اعتراض اُٹھانے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اپنی جاب کے ساتھ‘ وہ ساری گھریلو ذمہ داری بھی خوش اسلوبی سے نبھاتی چلی آ رہی تھی اور دن میں اماں بھی لگی رہا کرتی تھیں۔ ثانیہ کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی اتنی آرام دہ زندگی گزارتے ہوئے بھی‘ ممانی اپنی فطرت سے مجبور تھیں۔

"گھر ذرا جلدی آنے کی کوشش کیا کرو، تمہارے ماموں کو بے حد بُرا لگتا ہے۔ لڑکیوں کا باہر پھرنا اور تمہاری نوکری سے تو وہ ویسے ہی بہت ناخوش ہیں۔ کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو....۔"

وہ دانستہ اتنی اونچی آواز میں بڑبڑائی تھیں اور جو کچھ اُنہوں نے کہا ہے، وہ بخوبی سن لیا جائے۔ ثانیہ بہت عرصے سے اُن کی کہی باتوں کو سرسری سے انداز میں لینے کی پریکٹس کر رہی تھی، مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ ایسا ہو ہی جاتا تھا۔ جو سیدھا دل پر لگتا تھا۔

اس وقت بھی۔

"کوئی ایسی ویسی بات....۔"

بے اعتمادی کے جو چھینٹے ممانی اُڑاتی رہتی تھیں، آج وہ اُن پر دل برداشتہ نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ یا کم از کم اُن پر ایسا پوز تو ہر گز بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

جمیل ماموں کے آنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ لبنیٰ عموماً جلدی کھانا کھا لیتی تھی، باقی اماں، ثانیہ اور ممانی اُن ہی کی ساتھ کھایا کرتے تھے۔

ثانیہ کو نواب شاہ فون کرنا تھا۔ گلی کے کونے پر ایک پی سی او تھا، نواب شاہ جب بھی فون کرنا ہوتا، وہ وہیں سے جا کر کرتی تھی یا پھر کالنگ کارڈ کے ذریعے گھر سے ہی کر لیتی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ گھر کا فون مستقل ہی لبنیٰ کے زیرِ استعمال رہتا تھا یا تو وہ خود بیٹھی نمبر ملاتی دکھائی دیتی یا پھر اُس کے لئے فون آتے رہتے تھے۔

ممانی بیٹی کی "مقبولیت" پر نازاں رہتی تھیں۔ ثانیہ کو کبھی کبھی شدید حیرت ہوتی تھی کہ لبنیٰ کے لئے اُنہیں کسی "ایسی ویسی بات" کا اندیشہ کیوں نہیں ستاتا۔

اِس وقت بھی وہ فون پر ہی بڑی دیر سے مصروف تھی۔

"اماں ذرا پی سی او تک چلیں، نواب شاہ بات کر لیتے ہیں۔"

وہ کچن سے نکلی تو پہلی بات اُس نے اماں سے یہی کی۔

"کیوں۔" اُن کے ذہن سے ثانیہ کی شام کی بات اُتر چکی تھی۔

ثانیہ کو یاد دلانا پڑا۔

اماں نے بہت غور سے اُس کی طرف دیکھا۔

"گویا اب وہ نواب شاہ والے گھر کو بیچنے کے لئے بالکل تیار تھی اور نہ صرف تیار تھی، بلکہ جلد سے جلد اِس کام کو نمٹانا بھی چاہتی تھی۔"

خود کو یقین دلاتے ہوئے، انہیں نہ چاہتے ہوئے بھی دُکھ سا ہوا۔

"ایسی کوئی جلدی نہیں، کل آرام سے وہیں سے دن میں کر لینا۔ اِس وقت جائیں گے تو تمہاری ممانی....۔"

وہ کہتے کہتے رُک گئیں۔

ثانیہ ایک ٹھنڈی سی سانس لے کر وہیں اُن کے قریب بیٹھ گئی۔

اِن آدھی، ادھوری، بلکہ بعض بار تو اَن کہی باتوں کا مطلب اب اُسے خوب سمجھ میں آنے لگا تھا۔

''میری بات مان لیں اماں' ''رحمت منزل'' میں ہمیں بہت آسانی کے ساتھ فلیٹ مل جائے گا' میں اور آپ بہت سکون سے رہ سکیں گے وہاں' میری اکیڈمی بھی قریب ہے اور وہ لوگ بھی سب کتنے اچھے ہیں۔ فرح کی امی' عمر' اُس کی نانی۔''

کہتے کہتے وہ خود ہی رُک سی گئی۔

فرح کی حد تک تو خیر سو فیصد ٹھیک تھا' مگر عمر سے کیا لینا دینا تھا' جو وہ اُس پر بھی تکیہ کر رہی تھی۔

''سارا فرح کا قصور تھا' وہی سارا دن جتنی بھی دیر پاس رہتی مستقل بولتی اور اُس کی باتوں میں کوئی ہو نہ ہو' دو لوگ بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ اپناذکر کرواتے تھے' ایک سجاد اور دوسرا عمر۔''

''شاید اِسی لیے وہ بھی اُن لوگوں سے مانوس ہوتی جا رہی ہے۔'' خود اپنے لیے اُس نے ایک جواز ڈھونڈا۔

آج خلافِ توقع' اماں نے بہت سخت ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔

خود اُنہیں وہ جگہ' وہ لوگ بے حد پسند آئے تھے' مگر سرِ دست ایسا کوئی بھی قدم اُٹھانا' اُن کے لئے ناممکن ہی تھا۔

دس واہمے تھے' جو جان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

اُنہیں خود سے فیصلے کرنے کی عادت ہی نہیں تھی۔ پہلے سارے فیصلے ابّا کیا کرتے تھے اور اب آہستہ آہستہ ثانیہ نے اُن کی جگہ لی تھی۔

مگر جمیل ماموں کے گھر کو چھوڑنا یا نہ چھوڑنا' ثانیہ نے سو فیصد اماں کی مرضی کے ساتھ مشروط کیا ہوا تھا۔

اِس وقت اُن کی خاموشی سے' اُسے تھوڑی سی توقع بند ملنے لگی تھی۔

''ممانی کی بھی ساری ٹینشن' ہمارے ہی رہنے سے ہے اماں۔ ہم لوگ چلے جائیں گے تو وہ بھی مطمئن ہو جائیں گی اور پھر ایک بات اور بھی تو ہے۔''

وہ جیسے فیصلہ نہ کر پائی کہ اُسے آگے کچھ کہنا چاہیے یا نہیں۔

اماں کی سوالیہ نگاہیں اُس کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔

''اماں۔ کیا پتہ ہم لوگ وہاں جا کر رہیں تو' ابا کے رشتے داروں کا پتہ بھی چل جائے' آخر اُن کا کوئی تو ہو گا نا۔''

اماں یوں ہی ساکت سی ہوئی اُسے دیکھے گئیں۔ اٹیچی کیس کی تہہ میں سنبھال کر رکھے اُس ایڈریس کے غلط ثابت ہونے کے بعد بھی' وہ پھاڑ کر پھینک نہیں سکی تھیں۔

وہ شاندار محل نما گھر اُن کی نگاہوں میں آج بھی گھومتا تھا' جس کے بارے میں جب بھی سوچتیں ابّا کی شخصیت بے حد پُر اسرار سی محسوس ہونے لگتی تھی۔

...☆☆☆...

ٹی وی پر نہ جانے کون سا پروگرام آ رہا تھا۔

نینی نے چند منٹ تو برداشت کیا۔

پھر کھٹ' کھٹ' کھٹ' تیزی سے کئی چینلز بدل ڈالے۔

چوبیس گھنٹے چلنے والے تفریحی پروگراموں میں اتنی کشش نہیں تھی یا اُس کا خود ہی موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ چند منٹ میں ہی وہ ٹی وی آف کر کے بالکونی میں آ کھڑی ہوئی۔

نیچے سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھا۔ ابھی سہ پہر شام میں تبدیل نہیں ہوئی تھی، سو ہوا ابھی نیم گرم تھی۔

پچھلا پورا مہینہ ناردن ایریا میں گزار لینے کے بعد، اُسے کراچی ویسے بھی بے حد گرم محسوس ہو رہا تھا۔

دل کش نظارے، من چاہا ساتھی۔

پورا مہینہ جیسے ایک خواب کا سفر تھا۔

اِس پُر شور سڑک کو تکتے ہوئے بھی، وہ اُن پُر سکون وادیوں کے تصور میں کھونے لگی۔

کہاں کہاں نہیں وہ لوگ گھومے تھے۔ فیضی ایک ایک جگہ سے واقف تھا، بہت چھوٹی عمر سے وہ اپنی چھٹیاں اُن ہی علاقوں میں گزارتا آ رہا تھا۔ سو وہاں کے بارے میں اُس کی معلومات بے حد کام آتی رہیں۔

نینی کا تو واپس آنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

مگر کب تک....

ابھی تین دن پہلے ہی اُن کی واپسی ہوئی تھی اور اب پھر ایک ہوٹل ہی اُن کا ٹھکانہ بنا ہوا تھا۔ گو یا پہلے ہوٹل کی طرح شاندار تو نہیں تھا، مگر پھر بھی غنیمت تھا اور سستا بھی گھر داری کے ہر جھمیلے سے آزاد زندگی، اب سنجیدگی کا تقاضہ کر رہی تھی۔

فیضی آج اسی سلسلے میں اپنے دوستوں سے مشورہ کرنے کے لئے نکلا ہوا تھا۔

پتہ نہیں کتنی دیر میں اُس کی واپسی ہوتی تھی۔ بوریت بڑھنے لگی تو وہ واپس کمرے میں آ گئی۔

کتنے ہی دن ہو گئے تھے، سب سے ملے ہوئے۔ امی، نازی آپا، دیا باجی۔

یاد تو وہ اُنہیں روز ہی کرتی تھی، مگر جب سے واپس کراچی آئی تھی، اِس یاد میں شدّت آتی جا رہی تھی۔

اِس وقت جب فیضی باہر جا رہا تھا، اُس کا دل بھی چاہا کہ اُسے کہے کہ وہ اُسے امی کے پاس چھوڑتا ہوا چلا جائے، مگر پھر ہمت نہ ہوئی۔

فیضی بشارت صاحب کے روّیہ کا بہت بُرا منائے ہوئے تھا۔

''برائے مہربانی، تمہیں جانا ہو تو خود چلی جایا کرنا اپنے گھر والوں سے ملنے، میرا کوئی ارادہ نہیں ہے اُن لوگوں سے تعلق بڑھانے کا۔''

اِن تھوڑے سے دنوں میں ہی اُس نے ایک نہیں کئی بار اُسے بہت سنجیدگی کے ساتھ باور کرایا تھا۔

نینی جواباً کچھ بھی نہیں کہہ سکی تھی۔

بشارت صاحب نے کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی تھی، رہ رہ کر اُسے یہی رنج ہوتا تھا کہ وہ اُسے تنہائی میں جو چاہتے کہہ لیتے، پر فیضان کے سامنے تھوڑا سا بھرم قائم رہنے دیتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔

''تمہارے والد اصل میں اب تم سے بھی نہیں ملنا چاہتے ہیں، بالکل ایسے ہی جیسے میرے گھر والے، مجھ سے لاتعلق ہو گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم اِس حقیقت کو تسلیم کر لو، رفتہ رفتہ عادی بھی ہو جاؤ گی۔''

اُسے اداس دیکھ کر وہ اُسے گزشتہ شب بھی سمجھاتا رہا تھا۔ بظاہر وہ سمجھ بھی گئی، مگر یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔

دو دن میں اُس نے کئی بار فون کرنے کی بھی کوشش کی، مگر گھر کا فون ڈیڈ تھا یا کیا، دوسری طرف سے کوئی بھی ریسپانس نہیں مل رہا تھا۔

موبائل گھر میں صرف بشارت صاحب کے پاس تھا' جہاں وہ کسی بھی صورت فون نہیں کر سکتی تھی۔

رہا نہ گیا تو وہ ایک بار پھر گھر کا نمبر ملا بیٹھی۔

''خدا کرے اِس وقت تو مل ہی جائے۔''

بڑے صدقِ دل سے کی ہوئی دُعا تھی' تب ہی اُس نے بیل جاتی ہوئی سنی۔

چشمِ وزن میں نینی نے خود کو اُس بڑے سارے ہال میں موجود محسوس کیا' جہاں لکڑی کے پرانے اور معمولی سے صوفوں کے سائیڈ پر رکھی چھوٹی سی میز پر رکھا ٹیلیفون بج رہا تھا۔ بے حد مانوس اور اپنائیت بھرا ماحول۔

تب ہی کسی نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو۔''

نینی چُپ کی چُپ کھڑی رہ گئی۔

دوسری طرف سے بشارت صاحب مستقل ہی ہیلو' ہیلو کہے جا رہے تھے۔

نینی ریسیور تھامے خاموش کھڑی رہی اور پھر آہستگی سے اُس نے اپنا موبائل آف کر دیا۔ چہرے کو گیلا کرتے ہوئے آنسوئوں کو صاف کرتے ہوئے اُس نے گھڑی کی طرف دیکھا تو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

ٹھیک وہی وقت تھا جب بشارت صاحب ٹیوشن پڑھانے کے لئے جانے کے لئے نکلتے تھے۔

اپنی جلد بازی میں اُسے اِس بات کا دھیان ہی نہیں آیا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

آدھ گھنٹہ بعد فون کرنے کا سوچ کر وہ اپنا بیگ کھول کر بیٹھ گئی۔ اِس میں حال ہی کی گئی شاپنگ تھی' جن میں خاص طور پر گھر والوں کے لئے خریدے گئے تحائف تھے۔ امی' نازی' سمیع اُس نے سب ہی کے لئے کچھ نہ کچھ لیا تھا۔

حالانکہ دل ہی دل میں ڈرتی بھی رہی کہ فیضان کوئی اعتراض نہ کرے' مگر حیرت انگیز طور پر اُس نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔

پیسہ خرچ کرنے کے معاملے میں وہ بے حد فیاض تھا۔

یہ اندازہ نینی کو بہت اچھی طرح ہو گیا تھا' بلکہ کبھی کبھی تو ایسا لگتا تھا کہ اُس کے نزدیک پیسے کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔

نینی شاپنگ کرتے ہوئے کسی چیز کی قیمت کم کرانے کی کوشش کرتی تو وہ بے حد اُلجھن محسوس کرتا اور بعد میں اُسے کہتا بھی تھا۔

محض آدھا گھنٹہ گزارنے کے لئے وہ اپنی کی گئی شاپنگ نکال کر دیکھنے گئی۔

اور جب آدھا گھنٹہ ہونے لگا تھا تو فیضان واپس آ گیا۔

ذرا دیر کے لئے تو نینی بجھ کر رہ گئی۔

اُس کی موجودگی میں بھی گھر فون کرنا' آسان نہ تھا۔

بے شک وہ منع نہیں کرتا' مگر اُسے اچھا بھی نہیں لگتا تھا۔ بہانے بہانے وہ اپنا موڈ خراب کرتا رہتا۔ نینی آہستہ آہستہ اُس کی مزاج شناس ہوتی جا رہی تھی' وہ حد درجہ نازک مزاج تھا' بلکہ نخریلہ۔

"بہت دیر لگی تمہیں۔" برابر والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اُس نے پوچھا تو وہ لاپروائی سے سر کو ہلکے سے جھٹکتے ہوئے طنزیہ سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"تمہیں یہ "دیر" لگ رہی ہے' ذرا میری امی سے پوچھو تو تمہیں پتہ چلے کہ میری "دیر" کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ بے چاری آدھی آدھی رات تک انتظار کرتی رہتی تھیں۔"

"مگر تب اور اب یہی تو فرق ہے فیضان۔ پھر تمہاری امی تو اپنے گھر میں ہی تمہارا انتظار کرتی تھیں' میں تو یہاں اکیلی اِس ہوٹل میں۔"

دھیمے سے لہجے میں نینی نے اُسے احساس دلانا چاہا۔

"ہاں تو اسی لیے تو میں اتنی جلدی آ بھی گیا' ورنہ دوست تو میرے ابھی اُٹھنے بھی نہیں دے رہے تھے اور سچ پوچھو تو خود میرا ابھی دل ابھی کہاں بھرا تھا۔ کتنے دن ہو گئے دوستوں کی کمپنی کو انجوائے کیے ہوئے۔

فیضی کے انداز میں تاسف تھا۔

نینی کا دل چاہا کہ وہ اُسے بتائے کہ اکیلا وہی سب کو مِس نہیں کر رہا' وہ بھی خود سے جڑے رشتوں سے الگ ہو کر خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی ہے۔

مگر پھر کچھ سوچ کر موضوع بدل گئی۔

"اُس کام کا کیا ہوا فیضان۔ جس کے لئے تم گئے تھے۔ کسی گھر کا انتظام ہوا؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"ہاں وہ بات۔ وہ کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں گھروں کی کیا کمی ہے' دیکھ لیں گے کوئی مناسب سا گھر۔ میرے ایک دوست کے کزن کی اسٹیٹ ایجنسی ہے' وہ بتائے گا دو ایک دن میں۔"

جتنے سرسری سے انداز میں وہ اِس بات کو کہہ رہا تھا۔ نینی کو صاف لگا کہ اُن لوگوں کے درمیان اِس بات کو سنجیدہ طور پر لیا ہی نہیں گیا ہے۔

"ہمیں جلد ہی کوئی گھر لے لینا چاہیے فیضان۔ بہت پیسے خرچ ہو چکے ہیں اب تک اور پھر ابھی کوئی جاب وغیرہ بھی ہم لوگوں کے پاس نہیں ہے۔"

نینی کو ہلکی سی فکر ہونا شروع ہو چکی تھی۔ حالانکہ پچھلے دنوں جس بُری طرح پیسہ' فیضان خرچ کرتا رہا تھا اُسے دیکھ کر وہ بہت خوش بھی ہوتی رہی تھی اور اپنی اہمیت پر نازاں بھی۔

"کہہ دیا نا لے لیں گے۔ ظاہر ہے ہمیشہ ہوٹلوں میں ہی تو نہیں رہتے رہیں گے' چلو اُٹھو نیچے چل کر چائے پیتے ہیں۔"

وہ جھنجلانے لگا۔

نینی خاموشی سے اُٹھ کھڑے ہوئی "کپڑے چینج کروں کیا؟"

"نہیں۔ تم ویسے ہی بہت اچھی لگ رہی ہو۔" وہ فوراً ہی مسکرانے لگا۔ نینی کی بحث نہ کرنے والی عادت اُس کے موڈ پر بڑا خوش گوار اثر ڈالتی تھی۔

"تم اتنی اچھی ہو نینی کہ تمہیں کسی قسم کی تیاری کی ضرورت ہی نہیں ہے' ایسے ہی تو میں نے سارے خاندان کی مخالفت مول نہیں لی ہے۔ میں کسی کو تمہیں چھین لینے نہیں دے سکتا تھا۔ پتہ نہیں ہم دونوں کے گھر والے ہمارے جذبے کو کیوں نہیں سمجھ سکے۔"

رومینٹک ہوتے ہوئے' وہ اُداس ہونے لگتا تھا۔

''میرے گھر والوں نے تو بہر حال اتنا سخت ردِ عمل نہیں دکھایا' فیضان۔ ہماری شادی اُن لوگوں کے ہاتھوں سے ہی ہوئی ہے' مگر تمہارے والدین تو ہمیں اپنانے کے لئے معلوم نہیں کبھی راضی بھی ہوں گے یا نہیں۔'' نینی فیضان کے گھر والوں کی طرف سے بُری طرح مایوس تھی' پتہ نہیں کیوں نکاح کے وقت تک اُسے بار بار اُمید بندھتی رہی تھی کہ فیضان کے گھر سے کم از کم کوئی ایک شخص ہی آ کر اِس موقع پر شریک ہو جائے گا' مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

''میرے گھر والوں کا زیادہ قصور نہیں ہے نینی۔امی' سجاد چچا' انعم کم از کم یہ تین لوگ تو بہت دل سے آنا چاہتے ہوں گے' مگر بابا کے ڈر سے ایسا نہیں کر سکے۔وہ خاندان برادری کے اصولوں کے بارے میں بہت حساس بھی ہیں اور بے حد سخت بھی۔''

کمرہ باہر سے لاک کرتے ہوئے' وہ وہی ساری باتیں پھر سے سمجھانا شروع ہوا' جو پہلے بھی ڈسکس کی جا چکی تھیں۔

''ہمارا گھرانہ کوئی عام سا نہیں ہے۔سوسائٹی میں ایک مقام رکھتا ہے۔برادری میں بھی لوگ ہر اہم فیصلے کے لئے بابا کی طرف یہ دیکھتے ہیں۔اُن کا کہا حرفِ آخر ہوتا ہے۔ہمارے ہاں' تم شاید ابھی ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں سکو گی' اِن باتوں کو۔''

کوریڈور کے دوسری طرف لفٹ کی جانب جاتے ہوئے فیضی کہتا گیا۔

اور جب کبھی وہ اپنے خاندان کے بارے میں بات کرتا تھا تو ایک احساسِ تفاخر' خود بخود اُس کے لہجے میں چمکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

نینی کو اُس کی بخشی ساری چاہت اور محبت کے باوجود ایسا لگتا تھا' جیسے وہ اُسے اپنے مقابلے میں کہیں نچلی سطح پر دیکھتا ہے۔

نہ چاہتے ہوئے بھی' اُس کا دل بھاری ہونے لگا' لفٹ میں کوئی بھی نہیں تھا۔

''چھوڑو اِن باتوں کو' بے کار کی سوچیں پال کر خوشی کے اِن لمحات کو برباد کرنا' بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے' ہم دونوں خوش ہیں بس یہی کافی ہے۔''

لفٹ کا بٹن دباتے ہوئے وہ نینی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

...☆☆☆...

کمرے میں بڑی گہری خاموشی تھی۔

سجاد نے فائلوں پر سر اُٹھا کر ایک بار پھر اپنے سامنے بیٹھے عمر کی طرف دیکھا وہ ابھی بھی اپنے سابقہ پوز میں تھا۔

سر جھکائے' سوچ میں گُم۔

پچھلے پچیس منٹوں میں اُس نے رسمی سی سلام دُعا سے زیادہ کوئی بات نہیں کی تھی۔

سجاد نے ایک دو بار پوچھا بھی مگر وہ صاف ٹال رہا تھا۔

''بھلا کیا ہو سکتا ہے۔''

سجاد نے اپنے طور پر اندازہ لگانا چاہا۔

بابا کی فرم میں کوئی در پیش پرابلم' یا وحید بھائی کا کھڑا کیا' کوئی نیا فتنہ' انہوں نے اپنے طور پر اندازہ لگانا چاہا۔دوسرا اندیشہ زیادہ قوی تھا۔

وحید بھائی سے گھٹیا سے گھٹیا بات کی توقع کی جا سکتی تھی۔

ابھی حال ہی میں فیضی کے نکاح کی تصویریں لا کر اُنہوں نے جو آگ سُلگائی تھی' اُس کی چنگاریاں اب تک گھر میں اُڑتی محسوس ہوتی تھیں۔

اب یہ عمر کی معنی خیز خاموشی اور تشویش میں مبتلا کرنے والی تھی' گو آنے کے بعد اُس نے بظاہر تو یہی کہا تھا کہ وہ ادھر سے گزر رہا تھا تو ملنے چلا آیا' مگر سجاد چند منٹ میں ہی بھانپ چکے تھے کہ بات کچھ اور ہی ہے۔

بہت صبر کے ساتھ اُنہوں نے اُس کے خود ہی بول پڑنے کا انتظار کیا تھا' مگر اب اور نہیں۔

''عمر۔''

فائل بند کر کے انہوں اپنے آگے سے ہٹائی۔

''جی۔'' وہ جیسے چونک کر بولا تھا۔

سجاد نے بطورِ خاص اُس کی غائب دماغی کو نوٹ کیا۔

''اب مجھے ٹھیک ٹھیک بتائو' اصل بات کیا ہے؟''

''کوئی بات نہیں سجاد بھائی' کہہ تو رہا ہوں۔''

وہ ایک جھینپی سی مسکراہٹ کے ساتھ اِن کی طرف دیکھنے لگا۔

سجاد نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے' اُس کی بات کو رد کیا۔

''بس بہت ہو گیا' کیا تم مجھ سے بھی کچھ کہنے کے لیے تکلّف برتو گے؟ اور اگر ایسا کرو گے تو مجھے بہت سخت تکلیف دو گے۔''

''ایسا نہ کہیں سجاد بھائی پلیز۔ میرے لیے آپ سے بڑھ کر تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

اُن کی بات ختم ہوتے ہی' وہ بڑی تیزی سے بولا۔

''مجھے معلوم ہے تو پھر بتائو۔'' سجاد ہلکے سے مسکرائے ایک گہری سانس' عمر نے اپنے اندر ہی اُتاری۔

اس کشش و پنج کا خاتمہ ضروری تھا۔

جو بات اُسے کئی دن سے اندر ہی اندر چُبھ رہی تھی' اُسے سجاد کے علاوہ کوئی بھی دوسرا شخص نہ تو سمجھ سکتا تھا اور نہ ہی اُس کا حل پیش کر سکتا تھا۔

اور شاید وہ یہاں لاشعوری طور پر آیا ہی اِسی لیے تھا۔

''سجاد بھائی۔ بابا مجھ سے ناراض ہیں۔'' اِس چھوٹے سے جملے کو کہتے ہوئے اُس کے لہجے میں بڑی ندامت سی تھی۔ ''کئی دن ہو گئے وہ مجھ سے بالکل رسمی سی بات چیت کرتے ہیں' حد تو یہ کہ سالوں سے جو کام میں کرتا آرہا تھا' میرا مطلب ہے بابا کے پرسنل کام' بِلیوں کی پے منٹ اور.....''

وہ بات کرتے کرتے ذرا رُکا تو سجاد نے اشارے سے اُسے بات پوری کرنے کو کہا۔

''ہاں تو وہ سارے کام بھی اب اکثر ہی وہ کسی دوسرے سے کروا لیتے ہیں میں تو سچ کہہ رہا ہوں کہ اپنی نگاہوں سے ہی گرتا جا رہا ہوں۔''

جتنی بے چارگی سے اب وہ اُن کی طرف دیکھ رہا تھا' سجاد کو بے حد افسوس ہو رہا تھا۔ کتنی درخواست کی تھی' اُنہوں نے بابا سے' پھر بھی ہوا ایک ایسی غلطی پر عمر کو سزا دے رہے تھے جو اصل میں اُس کی تھی بھی نہیں۔

''تم فکر مت کرو' میں بات کرلوں گا باباسے اور میرے خیال میں تو تمہیں صرف وہم ہی ہو رہا ہو گا' ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔''

فیضی کی شادی کی تصویروں والا قصّہ وہ صاف چھُپا گئے وہ سُن کر اور بھی زیادہ پریشان ہو جاتا۔

''وہم تو نہیں ہے سجاد بھائی۔ یہ تو میں آپ سے سو فیصد یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ بابا کی طبیعت کو جتنا میں سمجھتا ہوں' شاید آپ بھی نہیں۔''

اِس بار وہ بات کرتے ہوئے ہلکے سے مسکرایا۔ سجاد سے بات کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا تھا کہ ذہن پر چھایا دباؤ ہلکے ہلکے کم ہونا شروع ہو جاتا تھا۔

''بالکل بالکل'' سجاد جان بوجھ کر لائٹ موڈ میں آرہے تھے تو یار ناراض بھی تو اپنوں سے ہی ہوا جاتا ہے' اگر ناراض بھی ہیں تو مان جائیں گے' ٹینشن کیوں لے رہے ہو' میں بات کروں گا باباسے' بے فکر رہو۔''

''مگر دیکھئے۔ یہ مت کہیے گا کہ میں نے آپ سے کچھ کہا ہے۔'' عمر نے بے ساختہ سجاد کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

وہ اور زور سے ہنس پڑے۔

''اب تم مجھے بتاؤ گے کہ باباسے بات کس طرح کرنی ہے' چلو کافی پیو' ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

عمر نے مسکراتے ہوئے' کپ اُٹھایا۔

ساری پریشانی ختم سی ہوئی تو وہ کچھ بھی یاد آنے لگا' جو کوشش کے باوجود بھی بھول نہیں پارہا تھا۔ بس پسِ پشت چلا جاتا تھا۔

''فیضی کے کیا حال ہیں سجاد بھائی۔ آپ سے ملاقات ہوئی اُس کی۔''

کچھ جھجکتے ہوئے اُس نے پوچھ ہی لیا' اس اُمید پر کہ شاید سجاد دوبارہ اُسے فیضان سے ملنے کا کہیں اور صرف فیضی ہی تھا' جس کے ہاں دیا کو پھر سے دیکھنے کا موقع مل سکتا تھا۔

''نہیں عمر' فی الحال اُس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ گھر والے اُس سے سخت ناراض ہیں اور دیکھا جائے تو اُس نے کتنی زیادہ سرکشی دکھائی ہے۔ بابا نے بہت سختی سے منع کیا ہے اُس سے کانٹیکٹ کرنے کے لئے' پر میرے پاس فون آیا تھا اُس کا ایک دو بار' مگر میں نے بھی اُسے سختی سے منع کر دیا ہے کہ وہ آئندہ مجھے فون نہ کرے۔''

سجاد ایک دم ہی بے حد سنجیدہ ہو گئے تھے۔ عمر کو تھوڑی سی مایوسی ہونے لگی۔

اُس کے خیال میں فیضی کی گھر والوں سے صلح ہو جانا' خود اُس کے حق میں بڑا نیک شگون ہوتا تھا اور خود بے چارے فیضان کے لئے بھی۔ ''فیضی کی تو زندگی برباد ہو جائے گی سجاد بھائی۔ ابھی تو اُس کی پڑھائی بھی مکمل نہیں ہوئی ہے' اوپر سے اُس کے اوپر اتنی بڑی ذمہ داری بھی پڑ گئی ہے۔ کم از کم آپ تو اُس سے منہ مت موڑیں۔''

سجاد کے بخشے ہوئے بے تکلّفی کے احساس نے ہی اُس سے یہ سب کہہ دینے کی ہمت کی تھی۔

مگر سجاد میں آج بڑا واضح بدلاؤ دکھائی دے رہا تھا۔

''کیا ضرورت تھی فیضی کو اتنی بڑی حماقت کرنے کی اگر وہ لڑکی' کیا نام ہے اُس کا نوین۔ اگر وہ اُسے اتنی پسند بھی آگئی تھی' تب بھی کم از کم اپنے کچھ بن جانے کا انتظار تو کر لینا چاہیے تھا۔ اب جو کیا ہے اُسے خود ہی بھگتنے دو۔''

اُن کا لہجہ بتدریج سخت ہوتا جا رہا تھا۔ ''اور عمر۔'' وہ اُس کی طرف مزید متوجہ ہوئے۔

''میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا' کسی بھی خواہش کو اتنا شدید مت ہونے دینا کہ وہ تمہاری کمزوری بن جائے۔ تمنائوں کو پالنے میں لگے رہے تو کہیں کے نہیں رہو گے۔ یہ عمل کی صلاحیت کو ختم کر دیتی ہیں' کامیاب رہنا چاہتے ہو تو کُھلی آنکھوں سے جینا سیکھو خواہش کو رَد کر دینے میں ہی بہتری ہوتی ہے۔ چاہے خود کو نہ سہی مگر خود سے جُڑے دوسرے بہت سے لوگوں کی یقینا۔''

عمر حیرت سے اُن کی طرف دیکھے گیا۔ آج سے پہلے اُس نے سجاد کو ہمیشہ ہی بڑے نرم ملائم سے جذبوں والا انسان جانا تھا۔ جو ہر ایک کی فکر میں گُھلنے کے لیے تیار رہتا تھا' مگر خود اپنی ذات پر اُنہوں نے چیک اینڈ بیلنس کا جو سخت ترین سسٹم نافذ کیا ہوا تھا' اُسے عمر نے آج ہی جانا تھا۔

دفعتاً ہی اُسے بڑی شدّت سے شیریں یاد آئی۔

وہ بھی شاید صرف ایک لاحاصل تمنّا کو پالنے میں ہی اپنی زندگی کو صرف کیے دے رہی ہیں۔

ہوتے ہیں ایسے بھی بے وقوف لوگ اور اب تو وہ خود بھی ایسے ہی بے وقوفوں کی لِسٹ میں اپنا نام لکھوا چکا تھا۔

''چلتا ہوں سجاد بھائی۔ آپ تو شاید ابھی اور بیٹھیں گے۔''

اُسے احساس تھا کہ اُس نے سجاد کا کافی ٹائم لے لیا ہے' سو اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں۔ مجھے تو ابھی کام ہے اور تم اب بالکل بھی پریشان نہیں ہونا۔ ویسے رحمت منزل میں تو سب خیریت ہے نا؟ میرا مطلب ہے' وحید بھائی اور اُن کے دوستوں کی کوئی نئی مہربانی وغیرہ۔''

''نہیں' وہ تو آپ نے بڑا پکّا بندوبست کر دیا ہے۔ ویسے خان صاحب بتا رہے تھے کہ وحید بھائی ایک دن باہر آئے تھے تو کہہ رہے تھے کہ اب میری بھی یہاں سے چھٹی ہونے ہی والی ہے' واللہ اعلم۔''

حالانکہ اُس نے وحید بھائی کی بات کو بڑی لاپروائی کے ساتھ مُسکراتے ہوئے بتایا تھا' مگر سجاد کے ماتھے پر ہلکی سی شکن نمودار ہونے لگی۔

''کہنے دوُ نہیں' ویسے میں اُنہیں یاد دہانی کروا دوں گا کہ رحمت منزل میں اُن کا داخلہ بند ہے۔''

عمر نے ہلکے سے سر ہلایا۔

یہ فیصلہ بابا اور سجاد کا تھا' اُنہوں نے جو بہتر سمجھا کیا تھا۔

عمر سجاد کو خدا حافظ کہہ کر باہر کوریڈور میں آیا تو دوسرے سرے پر شیریں کے آفس کی طرف نگاہ اُٹھ گئی۔

شیریں ابھی تک آفس میں ہی تھی۔

معلوم نہیں کیا تھا' وہ اُسے جب بھی دیکھتا تھا' اُسے ہمیشہ ہی سجاد اُن کے ساتھ کھڑے دکھائی دیتے تھے۔

''اور کتنا پرفیکٹ میچ۔''

عمر زیرِ لب بڑبڑایا' مگر آج جو اُس نے اُن کے خیالات جانے تھے اور اُن کے کہے الفاظ میں پتھروں کی سی سختی کو محسوس کیا تھا' اُس کے بعد ایسے کسی بھی امکان کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔

ایک نہ نظر آنے والی دیوار جو سجاد کب سے اپنے گردِ تعمیر کیے بیٹھے تھے' اُس کے پار پہنچنا کسی کے بھی بس سے باہر تھا۔

شیریں کے بھی....

عمر کو بہت دل سے افسوس ہو رہا تھا۔

باہر بادلوں بھری شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔

عمر سیدھا گھر ہی چلا آیا۔

نانی منتظر تھیں اور آج جب کہ وہ اپنے حساب سے کافی جلدی گھر آ گیا تھا تو وہ اِس حُسنِ اتفاق پر بے حد خوش تھیں۔

''آج میں نے تمہارے لیے نہاری بنائی ہے اور کھیر بھی' یہی دُعا کر رہی تھی کہ جلدی آ جائو تو کم از کم وقت پر کھانا ہی کھالو گے۔''

''دیکھ لیں پھر میں آ ہی گیا۔'' بازو اُن کے کندھوں کے گرد حمائل کرتا ہوا' وہ بڑی محبت سے کہہ رہا تھا۔ ''ویسے نانی آپ کی دُعائوں کا بھی جواب نہیں ہے' یوں ٹھکا ٹھک قبول ہوتی ہیں' کوئی ڈائیریکٹ مضبوط ذریعہ بندھا ہوا ہے اللہ میاں سے آپ کا۔''

نانی ہنسنے لگیں۔

''اُس کا در تو سب کے لیے یکساں کھلا ہے' جو بھی دل سے مانگے' دیر سویر ملتا تو ضرور ہی ہے۔ بس انسان اپنے یقین کو کمزور نہ پڑنے دے۔''

اُن کے چہرے پر ہمیشہ ہی عمر کو بڑی روشنی سی پھیلی محسوس ہوتی تھی' بہت چھوٹا سا تھا' تب بھی اور آج بھی۔

''ابھی تو کھانا کھائو گے نہیں' میں تمہارے لیے چائے بنا لاتی ہوں' تم کپڑے وغیرہ بدل لو۔'' وہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں۔ عمر چند لمحے کھڑا اُن کی طرف دیکھے گیا۔

اُسے نانی سے بے حد محبت تھی اور وہ انہیں ہمیشہ بہت خوش رکھنا چاہتا تھا۔ بہت برسوں بعد یہ بات اُس کی سمجھ میں آئی تھی کہ نانی کے چہرے پر جو بڑی پاکیزہ سی روشنی اُسے ہمیشہ محسوس ہوئی ہے' وہ اُن کے دل کی گہرائیوں سے منعکس ہوتی ہے۔ جہاں ایک بڑے غم کو انہوں نے ایمان کی استقامت کے ساتھ صبر کے ساتھ برداشت کیا تھا۔

عمر کپڑے تبدیل کر کے آیا تو نگاہ چھوٹی سی کھانے کی میز پر پڑے ایک جگمگاتے ہوئے کارڈ پر جا رُکی۔

''خدایا۔'' کارڈ کا لفافہ کھولتے ہی وہ بے ساختہ بڑبڑایا۔ ایک کارڈ کے ساتھ مختلف سائز کے تین چار دوسرے کارڈ بھی منسلک تھے۔

مایوں' میلاد' ایک مہندی' دوسری مہندی' بارات' ولیمہ۔۔

''معلوم نہیں لوگوں کے پاس پیسہ بہت زیادہ آ گیا ہے' یا فرصت ضرورت سے زیادہ مل گئی ہے۔''

نانی چائے لے کر آئی تھیں اور اُسے کارڈ اُلٹ پلٹ کرتے بھی دیکھ چکی تھیں۔

''صدیقی صاحب کی بیٹی کی شادی کا کارڈ ہے وہی جو چند سال پہلے تک ہمارے نیچے والے فلیٹ میں رہتے تھے۔ اب نارتھ ناظم آباد چلے گئے ہیں' یاد ہیں نا۔''

''یاد ہے نانی۔ ہر سال تو اُن کے ہاں کسی نہ کسی کی شادی ہوتی رہتی ہے اور ہمیں جانا بھی پڑتا ہے۔

''لو بھلا' ہر سال کب ہوتی ہے شادی اُن کے گھر۔'' نانی تھوڑا سا بُرا مان گئیں۔ ''دو سال پہلے اُن کے بیٹے کی ہوئی تھی اور اُس کے چھ مہینے بعد ایک بیٹی کی' ابھی تو اُن کے تین بچے اور بھی باقی ہیں۔''

ماشاءاللہ۔ عمر نے مصنوعی سنجیدگی خود پر طاری کرنا چاہی مگر نانی اُس کے ہر انداز کو سمجھتی تھیں۔

''مذاق نہ اُڑائو بے چارے کتنے محبت کرنے والے لوگ ہیں' کسی موقع پر اپنے پُرانے محلے کو نہیں بھُولتے۔ دونوں میاں بیوی ایک ایک گھر میں کارڈ دے کر گئے ہیں۔''

''تو میں کب منع کر رہا ہوں' چلیں گے انشاءاللہ۔ ابھی تو دس پندرہ دن باقی ہیں۔''

وہ تو شادی میں ہیں' باقی تقریبات تو ہفتہ بھر پہلے سے ہی شروع ہو جائیں گی۔ نانی نے یاد دلایا تو وہ واقعی کچھ حیرت سے اُنہیں دیکھنے لگا۔

''کیا سب تقریبات میں جانے کا ارادہ ہے آپ کا؟ فاصلہ تو دیکھیں نانی۔ پھر جگہ جگہ سگنل بھی بند ہی ملتے ہیں۔''

''تم مت جانا' فرح لے کر جائے گی مجھے تو۔ اُسی نے پروگرام بنایا ہے' اُس کی اُن لڑکیوں سے دوستی بھی تو بہت تھی۔''

''فرح کی کسی سے دوستی نہیں ہے اس شہر میں معلوم نہیں کیا طریق کار ہے اس کا راہ چلتوں سے دوستی ہو جاتی ہے اس کی۔''

عمر نے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔ اس بات سے واقعی اطمینان ہوا تھا کہ روز کے آنے جانے کی ڈیوٹی فرح نے اپنے سر لی ہے۔

''کھانے سے پہلے ذرا تم فرح کے ہاں بھی یہ نہاری اور کھیر دے آنا' میرے لیے بار بار اُترنا مشکل ہوتا ہے' ورنہ خود چلی جاتی۔''

عمر نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی۔

گھٹنوں کے مستقل درد کے باوجود اُسے خبر تھی کی نانی کس شوق سے صدیقی صاحب کے ہاں کی شادی کو اٹینڈ کریں گی۔

''سُن رہے ہو نا' میں کیا کہہ رہی ہوں۔'' نانی واپس کچن میں جا کھڑی ہوئی تھیں اور وہیں سے عمر کے لیے ہدایت جاری کیے جا رہی تھیں۔

''وہ خود ہی آجائے گی کھانے سے پہلے جائزہ لینے کے لئے کہ ہمارے ہاں آج کیا پکا ہے۔ اچھی چیز کی خوشبو تو اُسے میلوں دور سے آجاتی ہے نانی۔ آپ فکر ہی مت کریں۔''

''ہر وقت ہی مت پیچھے پڑے رہا کرو' بہن ہے تمہاری اُس کی محبت کی قدر کیا کرو' بڑی بے لوث بچی ہے۔

نانی کو فرح کے لئے کوئی ایک لفظ سُننا بھی گوارا نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ سمجھتی بھی تھیں کہ عمر محض چھیڑنے کے لئے ہی کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہے' مگر پھر بھی ٹوکے بغیر نہیں رہتی تھیں۔

آج عمر گھر بھی جلدی آگیا تھا اور موڈ بھی پچھلے چند دنوں سے خوشگوار ہی تھا' ورنہ اُس کے گہری ہوتی سنجیدگی اور مستقل خاموشی نے نانی کو کئی دن بڑا ہی پریشان رکھا تھا۔

آج موقع غنیمت تھا۔

حالانکہ اُنہیں فرح نے منع بھی کیا تھا کہ فی الحال اِس ذکر کو رہنے ہی دیں' مگر اپنے دل سے مجبور ہو کر وہ بات شروع کر ہی بیٹھیں۔

''اب میری ہمت بھی جواب دیتی جا رہی ہے۔ جلد سے جلد تمہاری شادی کر دوں تو مجھے بھی کچھ آرام ملے' مگر اب اور دیر نہیں کرنی ہے مجھے۔''

عمر سے بات کرنے کے لئے اُنہیں کسی تمہید کی ضرورت تو تھی نہیں' سو فوراً ہی اصل موضوع پر آگئیں۔

''آپ سے میں نے کتنی بار تو کہا ہے کہ کوئی مستقل کام والی رکھ لیں' ضرورت کیا ہے آپ کو سارا دن لگے رہنے کی۔''

اصل بات کو صفائی سے گول کرتے ہوئے' وہ جو مشورہ دے رہا تھا' نانی کی جھنجلاہٹ میں مبتلا کرنے لگا تھا۔

''کام والی تو رکھ ہی لی ہے کب سے۔ صفائی، برتن، کپڑے تینوں کام پر تو ماسی ہے، مگر کھانا تو میں کسی سے نہیں پکوا سکتی... صاف بات ہے۔''

''مگر میری بیوی سے ضرور پکوائیں گی۔'' وہ اُن سے بھی زیادہ چڑنے لگا۔ ''چاہے اُس غریب کو آتا ہو یا نہ آتا ہو اور ویسے بھی آپ کے معیار کا کھانا کوئی کیسے پکا سکتا ہے، پھر آپ کو روزانہ کوئی نہ کوئی شکایت رہا کرے گی، آج یہ غلط کر دیا، کل وہ...۔''

''اللہ کے واسطے۔''

اُس کے بناءرُکے بولنے سے وہ اسی طرح عاجز آجاتی تھیں۔ ''میں کسی سے کھانا پکوانے کے لئے تمہاری شادی نہیں کرنا چاہتی، بس اپنی خوشی کے لئے کرنا چاہتی ہوں۔ کوئی ایک خوشی تو مجھے دیکھ لینے دے عمر۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے۔''

وہ ایک دم بوکھلا گیا۔ نانی کی جذباتیت اُسے کمزور کرتی تھی، اِس عمر میں اُنہیں دُکھی کرنا تھی بھی بے حد نامناسب بات۔

''پہلے کوئی لڑکی وڑکی تو دیکھیں آپ، لوگ تو سالوں لگا دیتے ہیں اِسی تلاش میں۔''

اُس کے خیال میں وہ اُنہیں ایک بہتر مصروفیت کا مشورہ دے رہا تھا، مگر نانی کے چہرے پر بڑی مطمئن سی مسکراہٹ تھی۔

''لڑکی تو دیکھ رکھی ہے ہم نے، اب تم نے حامی بھر لی ہے تو دیر کس بات کی۔ اِسی اتوار کو میں فرح اور اُس کی امی کو لے کر اُن کے ہاں چلی جاؤں گی۔''

''کون، کون سی لڑکی... کہاں جائیں گی آپ؟'' عمر واقعتاً بوکھلایا، اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ فرح اپنا زریں آئیڈیا نانی کے بھی گوش گزار کر چکی ہے۔

''ثانیہ۔ فرح کی سہیلی، مجھے تو پہلی ہی ملاقات میں ایسی پیاری لگی ہے کہ اُسی دن فیصلہ کر لیا تھا۔ بس تم سے ذکر کرنا باقی تھا، سو آج وہ بھی ہو گیا۔ نیچے جاؤ تو فرح کو بلاتے لانا۔''

نانی جلد سے جلد فرح کو خوشخبری سنانا چاہ رہی تھیں۔ جو بے کاری میں ہی اُنہیں عمر سے بات نہ کرنے کا مشورہ دیے جا رہی تھی۔

''ہے تو آخر بچی۔ خوامخواہ ہی ڈر رہی تھی کہ عمر نہیں مانے گا۔''

اُن کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ عمر نے اُنہیں کم کم ہی اتنا خوش دیکھا تھا، وہ اُن کا دل توڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ سو بے بسی سے چند منٹ یوں ہی اُن کی زبانی ثانیہ کی تعریفیں سُنتے گیا۔

سارا غصّہ فرح پر آ رہا تھا۔

ثانیہ کا خیال نانی کے دل میں ڈالنے والی وہی تھی اور اب جب کہ وہ اُسے دیا کے بارے میں بتا بھی چکا تھا تو اُسے یہ چیپٹر خود ہی بند کر دینا چاہیے تھا۔

''میرا دل کہتا ہے عمر۔ ثانیہ تمہارے اور اِس گھر کے لئے اتنی موزوں رہے گی کہ کوئی حد نہیں۔ تم بے حد خوش رہو گے، اُس کے ساتھ۔'' نانی کا ''ثانیہ نامہ'' جاری تھا۔

عمر کو اُٹھنا ہی پڑا۔

"مجھے کچھ کام ہے' میں نیچے سے ہو کر آتا ہوں نانی۔" کچھ دیر کے لئے ہی سہی' اِس موضوع کو ٹالنا ضروری تھا۔

"ثانیہ... ثانیہ۔"

اُسے وہ بُری تو خیر کبھی نہیں لگی تھی' مگر اس وقت نانی کی زبانی اُس کی اتنی زیادہ تعریف چڑچڑاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔ حالانکہ نانی کو ایک دم ہی ہرٹ کرنا' وہ قطعی نہیں چاہتا تھا' اس لئے اُن کی مخالفت میں ایک لفظ بھی کہے بغیر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ نہاری اور کھیر ذرا فرح کے گھر دیتے چلے جائو۔"

نانی نے پیچھے سے پُکار کر کہا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تھوڑا سا جھنجلا ہی گیا۔

"ابھی میں فرح کے گھر نہیں جا رہا ہوں' آپ کسی بچے کے ہاتھ بھجوا دیں۔"

وہ دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

نانی کو فی الوقت یہ سمجھنا مشکل تھا کہ وہ کسی کے بھی ساتھ خوش نہیں رہ سکتا ہے' چاہے وہ اُن کی اور فرح کی من پسند ثانیہ ہی کیوں نہ ہو۔

سیڑھیاں تیزی سے اُترتے ہوئے اُسے وہ پُرکشش سی لڑکی یاد آئی' جس کی سادہ سی مسکراہٹ پہلی ملاقات میں ہی متاثر کرتی تھی۔

اور بہت ممکن تھا کہ وہ ثانیہ کے بارے میں کچھ وقت گزرتا تو سنجیدگی سے سوچ بھی لیتا' مگر اُس وقت اُس نے دیا کو نہیں دیکھا تھا۔ دیا کے بعد جیسے اُس کی زندگی میں کسی بھی اور کا امکان تک بھی باقی نہیں رہا تھا۔ وہی تھی جس نے پہلی نگاہ میں

خالی متاثر ہی نہیں فتح کیا تھا اور جس تک پہنچنے کی راہ کتنی ہی کٹھن سہی' اُسے یقین تھا کہ وہ عبور کر ہی لے گا۔ بابا اور سجاد کی اُس خاندان سے سخت ترین مخالفت کے باوجود۔

"تم کدھر چلے بھئی' آس پاس کی کچھ خبر ہے یا نہیں۔"

بہت قریب سے اُسے فرح کی آواز سنائی دی تو وہ اپنے خیالوں سے چونکا۔ وہ نیچے کمپاؤنڈ میں ہی تھی اور ابھی باہر سے آ رہی تھی۔

"یہ تم کیا اُلٹی سیدھی پٹی نانی کو پڑھاتی ہو۔ پتہ ہے جو بات اُن کے دماغ میں بیٹھ جائے بس وہ وہیں جم جاتی ہیں۔ لگا دیا اُنہیں میرے پیچھے۔" اُس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے عمر بناء کسی تمہید کے اپنی ٹینشن نکالنا شروع کی۔ "میں نے تمہیں اصل بات بتا بھی دی تھی پھر بھی تم نے ثانیہ کا قصّہ چھیڑا نانی کے سامنے۔"

"وہ بات میں نانی سے پہلے ہی کر چکی تھی عمر۔ دیا کے بارے میں مجھے بعد میں پتہ چلا ہے تم سے۔"

فرح کے لہجے میں ندامت تھی۔

"بہر حال ویری سوری اور تم فکر مت کرو' میں نانی کو خود سمجھا دوں گی۔"

"ہاں تم ہی سمجھا لینا ذرا طریقے سے انہیں۔"

اور مہربانی کر کے دیا کے بارے میں ابھی کچھ مت بتا دینا۔ عمر کو بڑا سکون سا حاصل ہوا اور تھوڑی سی حیرت بھی۔ فرح عموماً بحث کیے بغیر کوئی بات نہیں مانتی تھی۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' تھوڑی سی تشویش کے ساتھ وہ پوچھنے لگا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

''شاید۔ تم ثانیہ جیسی اچھی لڑکی کے قابل ہی نہیں ہو عمر۔'' بہت دُکھ سے اُس نے دل میں کہا۔

...☆☆☆...

''یہ کیا تماشہ ہے۔'' جمیل ماموں نے بے حد خفگی کے ساتھ پہلے ثانیہ اور پھر اماں کی طرف دیکھا۔

''اور آپا' مانا میں آپ کے حقوق ٹھیک طور پر کبھی بھی ادا نہیں کر پایا' مگر آپ مجھے اس طرح شرمندہ کریں گی' ایسا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔''

اُن کی آواز رندھ رہی تھی۔

اماّں کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ وہ اس طرح دل پر لے جائیں گے۔ بوکھلا کر تخت سے اُٹھ کر اُن کے پاس جا بیٹھیں۔

''خدانہ کرے' جو تم شرمندہ ہو اور تم جیسے بھائی کی تو مثال ملنی مشکل ہے' جو بیوہ بہن کا سہارا بن کر کھڑے ہو۔ میرا مطلب تو صرف اتنا تھا کہ اب جب ثانیہ تھوڑا بہت کچھ کام کرنے ہی لگی ہے تو یہ پیسے گھر میں...۔''

''ثانیہ کا نوکری کرنا' اُس کا اپنا شوق ہے اور آج کل کے حالات میں لڑکیوں کا خود کو مضبوط رکھنا ضروری بھی ہے۔ میں خود اُسے کسی اچھے مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں' مگر آپ نے تو مجھے میری ہی نگاہوں میں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔''

جمیل ماموں کا ملال کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا۔ اماّں امداد طلب نگاہوں سے ثانیہ کی طرف دیکھنے لگیں' جو سامنے والی کرسی پر بیٹھی تھی اور تنخواہ میں ملنے والے پیسوں کا لفافہ ابھی تک اُس کے ہاتھ میں ہی تھا۔

اماّں کی نگاہوں کے جواب میں وہ صرف کندھوں کو ہلکی سی جنبش ہی دے سکی۔

اُسے پتہ تھا کہ یہی ہونا ہے۔

کتنا اماّں کو سمجھایا تھا' مگر وہ مصر تھیں کہ اُسے اپنی تنخواہ ممانی کے ہاتھ میں رکھنی چاہیے' مگر یہ زبردستی کی نیکی کرنے کو خود کا دل مان کر نہیں دیا تھا۔ اماّں کی تسلّی کے لئے جمیل ماموں سے کہنا پڑا' سو نتیجہ سامنے تھا۔

اُنہیں یہ سوچ کر بھی سخت شرمندگی ہو رہی تھی کہ اماّں اور ثانیہ خود کو اُن پر بوجھ تصّور کرتی ہیں۔

ممانی کمرے میں بیٹھی' پہلے تو سنتی رہی پھر معاملے کی دلچسپی اُنہیں بھی برآمدے میں کھینچ لائی تھی۔

اور اب وہ بڑے تاسّف سے اس جذباتی ڈرامے کو دیکھ رہی تھی۔

''اُنہیں بھی زندگی نے کس عاقبت نااندیش شخص کے ساتھ باندھا تھا۔''

رہ رہ کر اُنہیں ماموں کی بے وقوفی پر تاؤ آ رہا تھا' اِس ہوش اُڑاتی مہنگائی میں وہ ایک اچھی بھلی آتی رقم کو کس مزے سے ٹھکرا رہے تھے۔

''جب ثانیہ اپنی خوشی سے دے رہی ہے تو لے کر رکھنے میں کیا حرج ہے۔ مت خرچ کیجیے گا جمع کر کے رکھ دیجیے گا اُس کے پیسے' کسی وقت ثانیہ کے ہی کام آ جائیں گے۔''

ایک بے حد کارآمد مشورہ اُنہوں نے ڈھونڈ ہی لیا۔ ''لاؤ ثانیہ مجھے دے دو' میں اپنے پاس رکھ لیا کروں گی تمہارے پیسے۔ جب ضرورت ہو لے لیا کرنا' ٹھیک ہے۔''

بہت اپنائیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے' انہوں نے جمیل ماموں کی حماقت کا ازالہ کرنا چاہا' فوری طور پر ثانیہ کی بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے۔

ممانی کے ہاتھ میں پیسے چلے جانے کا مطلب پھر وہی لاچاری تھی۔

ذرا ذرا سی ضرورت کے لئے شرمندگی سے دوسروں کا مُنہ تکتے رہنا۔

پل سے بھی کم وقفے میں' ثانیہ کو ایسے بہت سے گزرے ہوئے اعصاب شکن لمحے یاد آکر رہ گئے۔

''تمہاری امانت ہے' میں رکھے لیتی ہوں پر دو چار سو تم اپنے کرائے کے لئے ضرور رکھ لینا اِس میں سے۔''

ایک ہاتھ ثانیہ کی طرف بڑھائے ہوئے' وہ اِس وقت اتنی بے ضرر سی محسوس ہو رہی تھیں کہ شاید کسی کو بھی اُن کی بات بُری نہیں لگی ہوگی۔

ثانیہ نے امّاں کی طرف دیکھا' جو مستقل ہی اُسے اُٹھنے کا اشارہ کیے جا رہی تھیں۔

وہ سمجھدار تھی مگر بے ادب یا لالچی نہیں یہ پیسے اُس کی اور امّاں کی زندگی کی لازمی ضرورتوں کو پورا کرنے میں معاون بننے تھے۔

مگر لاچار اُسے وہ لفافہ ممانی کی طرف بڑھانا ہی پڑا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کو بھی کچھ دینے کی'' جمیل ماموں کی آواز میں اتنا تحکم تھا کہ وہ دونوں ہاتھ ہی اپنی اپنی جگہ تھم گئے۔

''اپنے پیسے اپنے پاس رکھنے کی عادت ڈالو' تاکہ ذمہ داری سے خرچ کرنا بھی سیکھ سکھو۔ آج تھوڑے ہیں کل کو زیادہ بھی ہوں گے انشاءاللہ۔ یادرکھنا بیٹا پیسہ کمانا اتنا مشکل نہیں ہے' جتنا اُسے سنبھالنا۔ خرچ اور آمدنی میں توازن رکھنا سیکھ لو گی تو کبھی بھی پریشان نہیں ہو گی۔''

واجبی سے پڑھے جمیل ماموں کا زندگی کے بارے میں اپنا حاصل کیا تجربہ تھا۔

ثانیہ نے بڑی محبت سے اُن کی طرف دیکھا۔

معلوم نہیں کیسے وہ اُس کی پریشانی کو بنا کہے ہی سمجھ جایا کرتے تھے۔اِس وقت بھی اُنہوں نے اُسے ممانی کے ہاتھوں بال بال بچایا تھا۔

خود کو جذباتی ہونے سے بچاتے ہوئے' اُسے ماموں سے کرنے کے لئے ایک ضروری بات یاد آئی۔

''ایم۔اے کے فارم جا رہے ہیں' ماموں میں سوچ رہی تھی کہ میں بھی بھر دوں۔''

''ضرور بھر دو بیٹا۔''

وہ بہت خوش ہو کر بولے۔''جس دن چلنا ہو یونیورسٹی مجھے بتا دینا۔''

''نہیں آپ رہنے دیجیے گا میں فرح سے بات کرلوں گی' اصل میں پہلے آپ سے اجازت لینا چاہ رہی تھی۔''

جمیل ماموں نے بڑی محبت سے اُس کی طرف دیکھا۔ایک شرمیلی سی مسکراہٹ اُس کے چہرے پر ہمیشہ نظر آتی تھی' جب بھی وہ اُن سے کسی نئے کام کی اجازت لیا کرتی تھی۔

''میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں بیٹا۔ جو مناسب سمجھو اپنے لیے' ضرور کرڈالو۔''

اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ممانی پہلے ہی واپس کمرے میں جا چکی تھیں، کمرے میں سے چیزوں کی اُٹھا پٹخ کی آوازیں باہر تک آرہی تھیں۔

ٹینشن دور کرنے کا اپنا اپنا طریقہ۔

معلوم نہیں کیا کہہ دیا تھا، اُنہوں نے جواباً لبنیٰ بھی زور زور سے بولنا شروع ہو گئی تھی۔

جمیل ماموں نے ایک نگاہ کمرے کے آدھ کھلے دروازے پر ڈالی اور تاسّف سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے باہر چلے گئے۔

"اب یہ ایم اے کرنے کی کیا سوجھی ہے تمہیں؟ بس پڑھ لیا جتنا پڑھنا تھا۔ ایم اے کرنا ایسا کون سا ضروری ہے۔"

ثانیہ کی امّاں کے اعتراض پر بڑی حیرت سی ہوئی، پرائیویٹ ایم اے کا امتحان دے لینے میں بھلا کسی کا بھی کیا بگڑ جانا تھا۔

"تمہاری ممانی کو اور بھی بُرا لگے گا، ابھی بھی جمیل نے اُسے ناراض کر دیا ہے۔ یہ ایم اے وی ایم اے رہنے دو بس۔ جب کسی کے گھر میں رہتے ہیں تو اچھا لگے یا بُرا، دس باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

جب سے اُس نے جاب کر لی تھی، امّاں، ممانی کے احسانوں کو اور بھی زیادہ یاد دلانے لگی تھیں۔ یہ اندازہ بہرحال ثانیہ کو بھی ہو رہا تھا اور وہ احسان فراموش تھی بھی کب؟

"پھر جب گھر میں لبنیٰ خالی بیٹھی ہے تو انہیں تمہارا کچھ کرنا اور بھی بُرا لگتا ہے۔ اُنہیں لگتا ہے کہ وہ تم سے پیچھے رہتی جا رہی ہے۔"

امّاں اُسے بڑی لجاجت سے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

وہ نہ بھی کہتیں، تب بھی ثانیہ نے اتنے عرصے میں ممانی کی فطرت کے کتنے ہی رنگ دیکھ لیے تھے۔

"وہ لبنیٰ سے میرا مقابلہ کیوں کرتی ہیں امّاں۔ وہ تو ویسے ہی مجھ سے بہت آگے ہے۔ اُسے تو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کچھ کرے یا نہ کرے۔" کسی سوچ میں گُم وہ دھیمی آواز میں امّاں کی بات کا جواب دے رہی تھی۔ "یہی ایک بات کیا کم ہے کہ لبنیٰ ماشاءاللہ اپنے گھر اپنے ماں باپ کے سائے میں رہ رہی ہے اور میں اور آپ اُن کے گھر محض پناہ لیے ہوئے، ہماری حیثیت کا تعیّن تو خود بخود ہوتا ہے۔ آپ مجھے مت روکیں امّاں۔ کوئی راہ تو ہماری منزل کی طرف بھی جاتی ہو گی۔ اُسے ڈھونڈنے دیں۔"

...☆☆☆...

اُس روز نینی گھر والوں سے ملنے کے لئے چلی ہی آئی۔

جان بوجھ کر ایسے وقت، جب بشارت صاحب گھر پر موجود نہیں تھے۔ دل چاہتے ہوئے بھی، وہ اُن کا سامنا کرنے سے خود بھی خائف تھی اور دوسرے فیضی اُن سے بالکل بھی ملنا نہیں چاہتا تھا۔ اُن کے رویّہ کو وہ بے حد دل سے لگائے بیٹھا تھا اور بُرا منانے میں اُس کا کوئی ثانی نہیں۔ یہ بات نینی نے مختصر سے عرصے میں اچھی طرح جان لی تھی۔

گھر کے پچھلی طرف بنا امی کا کچن گارڈن ہمیشہ کی طرح سرسبز تھا۔

سامنے چبوترے میں امی کے تخت پر نیم دراز وہ جب سے آئی تھی، امی اور بہنوں کو یہی یقین دلانے میں مصروف تھی کہ فیضان کے ساتھ وہ کتنی زیادہ خوش ہے۔

"اتنی کمزور ہو رہی ہو کچھ کھایا پیا کرو۔ گھرداری سنبھالنا آسان نہیں ہے، مجھے تو ہر وقت تمہاری طرف سے فکر ہی لگی رہتی ہے۔"

اُس کی دلائی تمام یقین دہانیوں کے باوجود امی کی تشویش کم نہیں ہو رہی تھی۔

"کیوں کرتی ہیں میری فکر، ایسا کوئی بڑا کام میرے سر پر نہیں پڑا ہوا ہے۔" وہ تھوڑا سا جھنجلا کر اُٹھ بیٹھی۔ "وہ کوئی ہمارے گھر جیسا گھر تھوڑی ہے امی۔ جہاں آدھا دن فرش رگڑنے میں گزر جاتا ہے، وہ تو بے حد خوبصورت انیکسی ہے۔ فل کارپیٹڈ، دروازے کھڑکیاں، فرنیچر، سب اتنی اچھی کوالٹی کا ہے کہ صفائی نہ بھی ہو تو چمکتا ہی رہتا ہے۔ وہاں اِس طرح جان مارنے کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔"

فیضان کے کسی قریبی دوست کے گھر کی انیکسی میں شفٹ ہوئے اُسے ابھی پندرہ بیس دن ہی ہوئے تھے اور اتنی بار اُس کی تعریف کر چکی تھی کہ سب ہی کو اُس کے بارے میں ٹھیک ٹھاک اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ کس پائے کی جگہ ہو گی۔

"دیکھو کسی دن آئوں گی تمہارے ہاں، دیا اور نازی کو لے کر، سمیع بھی کہہ رہا تھا کہ نینی کے گھر کا چکر تو لگا کر آئیں۔" امی کہنے لگیں۔

دیا قریب ہی بیٹھی تھی، امی کے اس اچھے بھلے پروگرام میں ایک یاددہانی کرانی، اُس نے بھی ضروری سمجھی۔

"اور ابّا سے کیا کہیں گی، یہ بھی سوچ لیں وہ تو نہ نینی کو یہاں آنے کی اجازت دینے کے لیے تیار ہیں اور نہ ہی فیضان سے ملنا چاہتے ہیں۔"

نینی کا چہرہ ایک دم ہی بے رنگ سا محسوس ہونے لگا۔

دیا جو کچھ بھی کہہ رہی تھی، سچ تھا مگر جس بے مروّتی سے وہ یہ بات جتا رہی تھی، وہ یقیناً تکلیف دہ تھا اور وہ بھی تب جب وہ اتنے دن بعد اُن لوگوں سے ملنے کے لئے آئی تھی۔

"تمہارے ابّا کو تو عادت ہے بے کار کی باتیں نکالنے کی۔ ابھی نیا نیا غصّہ ہے کچھ دن میں خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔ تم کوئی فکر مت کرو اور کوشش کرو فیضان کا دل بھی تمہارے ابّا کی طرف سے صاف ہو جائے۔"

بُرا تو امی کو بھی لگا تھا مگر دیا کو ٹوکنے کے بجائے اُنہوں نے نینی کو تسلی دینا زیادہ ضروری سمجھا، مگر دیا مستقل اپنی بات پر اَڑی رہی۔

"ابّا کا غصّہ کبھی بھی وقتی نہیں ہوتا ہے۔ وہ ایک بار جسے ناپسند کر لیتے ہیں، پھر وہ کبھی بھی رائے نہیں بدلتے ہیں۔ یہ آپ لوگ دیکھ لیجیے گا، اُنہیں فیضان بالکل بھی پسند نہیں آیا ہے۔"

اُس کا لہجہ حتمی تھا اور شاید اُس کے پیچھے کہیں بشارت صاحب کا مسعود کو ناپسند کرنے کا قصّہ بھی تھا۔

"ٹھیک ہے دیا باجی۔ نہیں آئیں گے فیضان ابّا کے سامنے اور میں بھی کوشش کروں گی کہ...." نینی بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی، اُسے بڑی زور کا رونا آ رہا تھا اور باوجود کوشش ایک آدھ آنسو آنکھوں سے پھسل بھی گیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے دیا۔ اس طرح بہن کو رُلاتے ہیں، کتنے دن بعد تو وہ آئی ہے اور فیضان بھی اب ہمارا ہی بچہ ہے خدا نہ کرے جو ہم اُسے خود سے علیحدہ سمجھیں، یہ تو اُس کے ماں باپ ہی بے حد سخت دل ہیں جو اپنے بیٹے کے ساتھ اتنی سختی کا برتائو کر رہے ہیں۔

بے رحم، سنگدل۔

بات کا رُخ بدلنے لگا۔

"وہ لوگ سخت دل نہیں ہیں امی۔ اصول پسند ہیں۔ اُن کے ہاں خاندان سے باہر شادی کا رواج نہیں ہے۔"

نینی نے فیضی کے مُنہ سے بار بار سُنی جانے والی بات خود بھی دُہرا دی۔

''یہ کون سی انوکھی بات ہے اور آج کل کے زمانے میں کون اِن فرسودہ اصولوں کو گلے لگائے بیٹھا رہتا ہے' پھر فیضان تو ہے بھی اِکلوتا بیٹا۔ مجھے تو پورا یقین ہے کہ بہت جلد وہ لوگ خود آ کر تمہیں اپنے گھر لے جائیں گے۔''

امی ایک بار پھر پُر یقین ہونے لگیں۔

اِس بار نینی خاموش ہی رہی۔

کچھ دن پہلے تک اُسے بھی یہ ایک وقتی مسئلہ ہی لگ رہا تھا' مگر فیضان کے مُنہ سے ''خاندانی روایتوں'' کی جذباتی کہانیوں کے سُن لینے کے بعد وہ اِس طرف سے اچھی خاصی مایوس ہو چکی تھی۔

تب ہی نازی کچن کی طرف سے آتی دکھائی دی۔

''نازی آپا۔ کھانے کی تیاری میں مت لگئے گا' میں کھانے سے پہلے ہی چلی جاؤں گی۔ فیضان آئیں گے لینے۔''

''دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا' اتنے دن بعد آئی ہو' ایسے کیسے چلی جاؤ گی اور پھر فیضان کیا سوچے گا ہمارے متعلق۔''

نازی اُسے حیرت سے دیکھنے لگی خود امی بھی اپنے طور پر یہی سمجھے ہوئے تھیں اب وہ آئی ہے تو رات کا کھانا' وہ اور فیضان یہیں کھائیں گے۔

اُن لوگوں کا اصرار بڑھنے لگا۔

نینی کو پتہ تھا کہ فیضان کسی صورت' کھانے پر رُکنے کے لئے تیار نہیں ہو گا۔ جب وہ اُسے چھوڑنے آیا تھا' تب بھی باہر کے باہر ہی چلا گیا تھا' ایک ضروری کام کا بہانہ کر کے سو وہ مستقل ہی ٹالے جا رہی تھی۔

امی اور نازی بمشکل ہی راضی ہوئیں۔

''اچھا ذرا یہ تو بتا نینی۔ یہ جو گھر کرائے پر لیا ہے' اس کا کرایہ کتنا دینا پڑے گا؟''

امی نے ماؤں والی مخصوص تفتیش شروع کی۔

''پتہ نہیں امی۔ فیضان کے بہت گہرے دوست کے گھر کی انیکسی ہے' مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ اِن سے کرایہ لے گا بھی۔''

''یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔'' امی ویسے تو ساری چھوٹی بڑی بچتوں پر بہت خوش ہوتی تھیں' مگر یہ اتنی بڑی رعایت انہیں تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔

''ایڈوانس دے کر باقاعدہ اگریمنٹ کر لیتا تو اچھا تھا' اُس سے بے فکری ہو جاتی ہے۔ اب تو یہ لوگ کبھی بھی خالی کرا لیں گے اور تم بتا رہی تھیں کہ اُس کے ماں باپ تو کینیڈا میں ہیں کیا پتہ اُن سے چوری چھُپے ہی' اُس لڑکے نے فیضان کو یہاں رکھ لیا ہو۔''

نینی چپ سی ہو کر اُن کی شکل دیکھنے لگی۔ جو کچھ بھی وہ کہہ رہی تھیں' غلط نہیں تھا۔

خود فیضان اُسے گھر کے مرکزی حصّے کی طرف جانے سے سختی سے منع کرتا تھا' بلکہ حد تو یہ کہ وہ لان تک میں نہیں جا سکتی تھی۔ بس اندر ہی اندر' اُن بے حد خوبصورت سجے ہوئے کمروں کو دیکھ کر اپنی قسمت پر ناز کر لیتی تھی۔

''گھر کے ماہانہ اخراجات کے لئے کیا سوچا ہوا ہے فیضان نے؟ ظاہر ہے کہ ابھی اُس کی نوکری تو ہے نہیں اور اب جب گھر کر لیا ہے تو اُس کے سو خرچے بھی ہوں گے۔''

امی، وہ ساری فکریں، نینی کے ساتھ شیئر کر لینا چاہ رہی تھیں، جو اُنہیں نینی اور فیضان کی گرہستی کے بارے میں لاحق ہو رہی تھیں۔اِس بار نینی ہلکے سے ہنس پڑی۔

کم از کم پیسے کا مسئلہ اُس کے ساتھ نہیں تھا، وہ نینی کو شروع شروع میں بہت گھبراہٹ میں مبتلا کر رہا تھا، مگر اب وہ اُس کی عادی ہوتی جا رہی تھی اور سچی بات تو یہ کہ خوشی بھی ہوتی ہی تھی۔

"ابھی تو ایسے کوئی خرچے ہیں ہی نہیں امی اور فیضان بے شک جاب نہیں کر رہے ہیں۔ مگر بہت اچھی طرح سیٹل ہیں۔ پیسوں کا بہرحال اُنہیں کوئی پرابلم نہیں ہے۔"

امی کو بڑی تسلّی سی حاصل ہوئی۔

یہی خیال گزرا تھا کہ، یقیناً فیضی کے گھر والے اُس کی چوری چھپے مالی سپورٹ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اکلوتا بیٹا ہے ایسے تو نہیں چھوڑا ہو گا۔

دل ہی دل میں انہوں نے خود کو مزید یقین دلایا۔

"اچھا اب یہ سنجیدہ باتیں چھوڑو اور سناؤ کہاں کہاں گھومیں اور یہ اتنے سارے تحفے لانے کی کیا ضرورت تھی، سب کے لئے۔" نازی کو نینی سے محبت بھی بے حد تھی اور اب جب وہ اتنے دن دور رہی تھی تو اُسے وہ یاد بھی بے حد آئی تھی۔

"ارے میں آپ کو تصویریں دکھانا تو بھول ہی گئی۔" نینی نے قریب پڑے پرس کو اپنی طرف کھینچا۔

"اتنی ڈھیر ساری تصویریں ہیں، فیضان کو تو کریز ہے فوٹو گرافی کا۔ بلکہ کئی جگہ کی تو مووی بھی بنائی ہے انہوں نے اور کیا بتاؤں نازی آپا۔ اتنی شاندار فوٹو گرافی ہے، آپ دیکھیں گی تو خود کہیں گی۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

اپنے قیمتی بیگ سے موٹے موٹے البم نکالتے ہوئے، وہ مستقل ہی اپنے میاں کی تعریفیں کیے گئی۔

ویسے بھی اب اُس کی ہر دوسری بات میں فیضان کا ذکر لازمی تھا۔

نازی اور امی دونوں ہی تصویریں دیکھنے میں مصروف ہو گئیں، جو واقعی بے حد اچھی تھیں اور اُن سب میں نینی اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ بعض جگہ تو فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ پس منظر میں نظر آتے مناظر زیادہ خوبصورت ہیں یا خود نینی۔

نازی مستقل ہی تعریف کیے گئی، نینی کے چہرے پر پھیلی شرمیلی سی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔

"کیا اثر انگیزی تھی اِس محبت کی، جو وہ ساری ٹینشن بھری باتیں، بار بار بھول کر پھر سے اتنے دل سے مسکرانے لگتی ہے۔"

دیا نے بغور اُسے تکتے ہوئے سوچا، اُسے نہ وہ تصویریں اچھی لگ رہی تھیں اور نہ ہی نینی کی مسکراہٹ، ایک تپش تھی، جو نینی کی شادی کے دن سے دل میں دبی تھی۔ اس وقت بڑے غیر محسوس انداز میں اس تپش میں تیزی آتی جا رہی تھی۔

" ایسا کیا تھا، جو نینی اتنی بخت آور ٹھہری تھی، نہ تو والدین کی فرماں بردار نکلی، نہ ہی گھر کی عزت کا پاس رکھا، وہی کیا جو دل میں ٹھان لیا تھا، پھر بھی اُسے سب کچھ راس آ گیا۔ شاید زندگی میں صرف خود غرض لوگ ہی خوش رہ سکتے ہیں۔" اپنے کیے اِس تجزیہ پر اُسے دن بدن پکا یقین ہوتا جا رہا تھا۔ اُس نے اپنے گھر میں مثالیں بنتی دیکھی تھیں۔

"اور بے چاری نازی آپا۔"

ایک تاسّف بھری نگاہ اُس نے بڑی ذوق و شوق سے تصویریں دیکھتی نازی پر ڈالی۔

"اتنی بے غرض جدوجہد میں جُتی ہوئی، ہمیشہ دوسروں کے لئے ہی تالیاں بجاتی رہیں گی۔"

وہ نہ نازی بننا چاہتی تھی اور نہ ہی بن سکتی تھیں' نینی کالائف اسٹائل آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہا تھا۔

وہ کہاں سے کہاں جا پہنچی تھی۔

پرانے فرنیچر سے بھرے اِس گھر سے جہاں کے شب و روز میں بے زار کن یکسانیت پائی جاتی تھی' اِس ڈیپریسنگ ماحول سے وہ کتنی آسانی سے نکل چکی تھی۔

اور اب آگئے' فیضان کے والدین کا محلوں جیسا گھر بھی کبھی نہ کبھی اُس کے لئے اپنے دروازے کھول ہی دے گا۔

کسی نے بھی نوٹس نہیں لیا کہ دیا کب وہاں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

بڑی دیر بعد نینی کو ہی خیال آیا تو کہنے لگی۔

"دیا باجی تو اور بھی زیادہ تنہائی پسند ہوتی جارہی ہیں امی۔ بھلا بتائیں اتنے دن بعد میں آئی ہوں اور وہ ہیں کہ پھر جا کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی ہیں۔"

امی اور نازی دونوں ہی دیا کی اِس بڑھتی ہوئی تنہائی پسندی کی وجہ کو سمجھتے تھے۔

امی نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کچھ کہنا چاہا ہی تھی' مگر نازی بول پڑی۔

"دیا تو شروع سے ہی تھوڑی تنہائی پسند ہے نینی۔ ورنہ تمہیں تو وہ اکثر ہی یاد کیا کرتی تھی اور اِس وقت بھی اِتنی دیر سے تو یہیں تمہارے پاس ہی بیٹھی تھی۔"

"پتہ نہیں' مگر مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ نازی آپا۔ جیسے صرف ابّا ہی نہیں دیا باجی کو بھی میرا یہاں آنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا ہے۔"

نینی کی آنکھوں میں اُلجھن سی تھی۔

"ارے کچھ نہیں بیٹا۔ بس قسمت کی خرابی کا شکار ہوئی ہے میری دیا۔ خدا ہی سمجھے گا اُن لوگوں سے' میری اچھی بھلی بچی ذہنی مریض بن کر رہ گئی ہے۔ کوئی فیضان جیسا لڑکا دیا کے لئے بھی مل جائے' میری تو اب یہی دُعا ہے۔"

امی کی آنکھوں میں نمی آنے لگی۔

نینی نے ایک نگاہ امی کے رنجیدہ چہرے اور نازی کے جُھکے ہوئے سر کی طرف ڈالی یہاں اِس گھر کے سارے مسئلے جوں کے توں تھے' ایک وہی تھی' جو اِن سب مسائل سے جان چھڑا کر اپنی زندگی بنانے چل پڑی تھی۔

چند لمحوں کے لیے تو اُس نے خود اپنے آپ کو بھی کہیں نہ کہیں غلط محسوس کیا مگر صرف چند لمحوں کے لئے۔

...☆☆☆...

ملازمہ نے تیسری بار آکر کمرے کا دروازہ بجایا تھا۔

شیریں نے بے زاری سے بند دروازے کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔

"شیریں باجی۔" زرینہ باہر سے ہلکے ہلکے آواز دے رہی تھی۔ پہلے دو بار اُس نے محض دستک دینے پر ہی اکتفا کیا تھا' مگر اب جو وہ اُسے آواز بھی دے رہی تھی تو یقیناً یہ ممی کی ہدایت تھی۔

وہ نوکروں سے ہمیشہ نرمی سے بات کرتی تھی' مگر اِس وقت اپنے سخت ہوتے موڈ کو بحال کرنے میں اُسے تھوڑی سی دِقّت ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے زرینہ؟"

حالانکہ ''وجہ'' اُس کے علم میں تھی' مگر مناسب یہی تھا کہ جتنی دیر انجان بنا جاسکتا ہو' بنا جائے۔

''بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں آپ کو ڈرائینگ روم میں۔''

زرینہ کے لہجے میں ندامت سی تھی' شیریں کے آرام میں مداخلت کرنے پر۔

''وہ مسز ہاشمی اور اُن کے بھائی آئے بیٹھے ہیں بڑی دیر سے۔''

''اچھا' ٹھیک ہے میں آتی ہوں۔''

دروازہ بند کرتی ہوئی وہ واپس کمرے کے وسط میں آکھڑی ہوئی۔

مسز ہاشمی کی گاڑی ڈیڑھ گھنٹے پہلے وہ باہر کھڑی دیکھ چکی تھی اور اپنے طور پر کمرہ بند ہو کر اسی اُمید پر بیٹھی رہی تھی کہ شاید اُسے آرام کے موڈ میں پاکر وہ لوگ ممی سے مل کر جلد ہی واپسی کے لئے اُٹھ جائیں گے۔

مگر اُن کی ثابت قدمی یقیناً قابلِ تعریف تھی۔

شیریں نے ایک نگاہ سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سے شیشے پر دکھائی دیتے اپنے عکس پر ڈالی' بالوں پر ہلکا سا بُرش پھیرا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

نہ ہی اِس سے زیادہ اہتمام کرنے کو دل چاہا اور نہ ہی اِس سے زیادہ بداخلاقی برتی جاسکتی تھی۔

بہت نارمل سے انداز میں وہ ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی تھی' مگر بڑے پُرتپاک انداز میں ویلکم کی گئی۔

''شہریار تو آئے ہی خاص طور پر تم سے ہی ملنے کے لئے ہیں' حالانکہ آج تو مجھے ہاشمی صاحب کے ساتھ ایک شادی میں جانا تھا' مگر شہریار کی وجہ سے پہلے یہاں آنا پڑا۔''

مسز ہاشمی' شہریار کی بے تابی کا قصّہ چھیڑے ہوئے تھیں۔ شیریں کو کوفت بھی ہو رہی تھی اور ممی کے چہرے پر پھیلتی مطمئن سی مسکراہٹ کو دیکھ کر شرمندگی بھی۔

''بھلا ممی کو بھی کیا ہوتا جارہا ہے۔''

''تو آپ نے خوامخواہ ہاشمی صاحب کو مایوس کیا۔ شہریار تو یہاں اکیلے بھی آسکتے تھے' اُن کا اپنا گھر ہے۔''

ممی کی محبت بھری نگاہیں مستقل ہی شہریار پر اُٹھ رہی تھیں۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ میں تو خود شہریار سے کہہ رہی تھی کہ بھئی اب تو آنا جانا لگا رہے گا' میں کب تک بیچ میں لازمی ہی موجود رہوں' تم آنٹی کو فون پر اپنے پہنچنے کی اطلاع کر دیا کرو اور بس۔''

مسز ہاشمی اور بھی زیادہ خوش دکھائی دینے لگیں' ممی کا رویّہ صاف صاف منظوری کا اشارہ دے رہا تھا۔

شہریار کے وجود میں اکڑاہٹ اور چہرے پر پھیلے فخر کے احساس میں اور بھی اضافہ ہونے لگا۔ اتنی دیر انتظار کی بے لُطفی جاتی رہی تھی۔

''آپ آرام کر رہی تھیں اس وقت' لگتا ہے ہم لوگ بے وقت آگئے ہیں۔''

اُس کے صرف الفاظ میں رسمی سی معذرت تھی' ورنہ انداز میں وہی رچی بسی مصنوعیت' جس کا احساس' شیریں نے ہر ملاقات میں شدید ہوتا محسوس کیا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں' اصل میں آج چھٹی ہے تو اِس وقت تھوڑی سی فرصت تھی' ورنہ تو آفس سے آتے آتے یہی ٹائم ہو جاتا ہے۔ چائے پئیں گے آپ لوگ اور....''

سامنے رکھی ٹرالی کی حالت بتا رہی تھی کہ اُس سے انصاف کیا جا چُکا ہے' پھر بھی اُس نے اچھے میز بان کی طرح پوچھنا ضروری سمجھا۔

"آپ پئیں گی تو ہم بھی ضرور پی لیں گے۔" شہریار فوراً ہی راضی ہوا۔ آج وہ پچھلی چند ملاقاتوں کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہا تھا اور اِس کی ذمہ دار یقیناً ممی تھیں۔"

شیریں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

زرینہ اشارہ پا کر' چائے کے لئے جا چکی تھی' مگر ممی کا اصرار کھانے پر رُکنے کے لئے تھا۔

مسز ہاشمی نے چند بار تو منع کیا' پھر ایک بہترین حل ڈھونڈ ہی نکالا۔

"ایسا ہے کہ مجھے تو ابھی ہاشمی صاحب کے ساتھ بھی جانا ہے' اچھا ٹائم ہے ابھی شہریار تم تو رُک سکتے ہو' کھانے کے بعد شیریں تمہیں چھوڑ دے گی۔

"اب آنٹی اصرار کر رہی ہیں تو منع بھی تو نہیں کیا جا سکتا۔" شہریار جیسے منتظر ہی تھا۔

چند منٹوں میں ہی سارا پروگرام سیٹ ہو گیا۔ شیریں بے بس سی مسکراہٹ سجائے اُن تینوں کو دیکھے گئی۔

اُس کی رائے کی اہمیت' دن بدن جیسے کم سے کم ہوتی جا رہی تھی۔

شیریں کو بالکل ایسا ہی لگنے لگا تھا۔

مسز ہاشمی جا چکیں تو شہریار اور بھی زیادہ نا قابل برداشت محسوس ہونے لگا۔

اپنی اسلام آباد والی وی آئی پی زندگی کا وہ جس تواتر سے ذکر کیے جا رہا تھا' اُس سے صاف اندازہ ہوتا تھا کہ وہ صرف اور صرف خود کو ہی اہم سمجھنے کے خبط میں مبتلا ہے۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ زندگی میں معیار پر کس طرح سمجھوتہ کر لیتے ہیں' میرے لیے ہر بات میں پرفیکشن کا ہونا لازمی ہے' چاہے وہ پروفشنل لائف ہو' استعمال کی چیزیں ہوں یا رشتے۔"

کھانے کے بعد کافی پیتے ہوئے' معلوم نہیں ممی کی کس بات کے جواب میں وہ کہہ رہا تھا' جب شیریں نے بہت چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

رشتے تو جذبات کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں' شہریار صاحب۔ انسان کو خوشی دیں یا مایوس کریں' اُن میں کاملیت نہ بھی ہو تو بھی' نہ تو وہ اُنہیں بدلنے پر قادر ہے اور نہ ہی بدلنا چاہے گا۔"

"مگر میں ایسا ہی کرتا ہوں۔"

شہریار کے لبوں پر بالکل ویسی مسکراہٹ پھیل رہی تھی جیسی کسی بچے کی احمقانہ سی بات سُن کر کسی کے بھی چہرے پر پھیل سکتی تھی۔

"میں اِس طرح کی سستی جذباتیت پر یقین نہیں رکھتا' رشتے بدلے بھی جا سکتے ہیں اور ختم بھی' کیا ضروری ہے کہ آپ اُن لوگوں کو زبردستی خود پر لادے رہیں' جو محض بے کار کا بوجھ ہو۔ اِسی لئے آپ دیکھ لیں گی کہ میرے اِرد گرد زیادہ لوگ نہیں ہیں۔"

شہریار کے چہرے کی مسکراہٹ اور لہجے میں اُتری ٹھنڈک کا آپس میں ذرا بھی تال میل نہیں محسوس ہو رہا تھا۔

شیریں کو بڑا عجیب سا احساس گرفت میں لینے لگا' نا قابل فہم سا۔ پتہ نہیں خوف تھا یا اُکتاہٹ۔

ہلکے سے سر کو جھٹک کر اُس نے اِس کیفیت سے نکلتے ہوئے شہریار کی طرف دیکھا۔

''ذرا دھیان رکھیے گا شہریار صاحب۔ کہیں آپ کسی دن بالکل اکیلے ہی نہ ہو جائیں۔''

''کم آن۔'' وہ بہت زور سے ہنسا۔

''ضروری چیز صرف ایک ہے اور وہ ہے پیسہ' یہ آپ کو کبھی اکیلا نہیں رہنے دیتا۔ دس لوگ اگر چلے بھی جائیں گے تو آپ کے پیسے کی کشش' بیس کو آپ کی طرف کھینچ لاتی ہے۔''

اُس کے ''اقوالِ زریں'' کی گونج ابھی کمرے میں باقی تھی کہ شیریں اچانک ہی بُری طرح چونکی۔

سامنے بیٹھی ممی کا چہرہ ایک دم ہی بے حد زرد ہو رہا تھا۔

...☆☆☆...

کھڑکی کے شفاف شیشوں سے اُس پار کا منظر دلکش تھا۔ گہری ہری ہوتی ہوئی' ہموار گھاس کے قطعے اور اُن کی حد بندی کرتی ہوئی' پھولوں سے بھری کیاریاں۔

علی الصُبح بھی اچھے خاصے لوگ آتے جاتے نظر آ رہے تھے' پھر بھی ماحول میں سکوت کا احساس نمایاں ہو رہا تھا۔

شیشے سے چہرہ ٹکائے خالی خالی نگاہوں سے باہر دیکھتے ہوئے' اُسے اچھی خاصی دیر تو ہو ہی چکی تھی' مگر نہ تو اُس کی توجہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی ماحول کی خوبصورتی کی طرف گئی تھی اور نہ ہی آتے جاتے لوگوں پر' یہاں ہوتے ہوئے بھی وہ یہاں نہیں تھی۔

تب ہی اپنے پیچھے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونک کر مڑی۔ شہریار اندر داخل ہو رہا تھا۔

اُس کے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی۔

''آجایئے شیریں! تھوڑا سا ناشتہ کر لیں۔''

صوفے کے سامنے رکھی ٹیبل پر ناشتے کی ٹرے رکھ کر اُس نے شیریں کو مخاطب کیا' تو وہ چُپ چاپ آ کر قریبی صوفے پر بیٹھ گئی۔

ایک بڑے ہاسپٹل کا یہ وی آئی پی روم' جس میں گزشتہ رات اُن لوگوں کو بڑی ایمرجنسی میں ممی کو لانا پڑ گیا تھا۔ شہریار کے تعلقات کی بناء پر بہت آسانی سے اُنہیں مل گیا تھا۔

''آپ نے کیوں تکلیف کی' مجھے تو ویسے بھی بھوک نہیں ہے۔''

اُس کی طرف دیکھے بغیر شیریں نے ٹرے کو اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی خود فراموشی کے جس عالم میں وہ ابھی کچھ اور رہ لینا چاہ رہی تھی' اُس سے باہر نکلنا پڑا۔

''ناشتہ تو خیر میں نے یہیں باہر دروازے پر ہی ریسیو کیا تھا۔ سوچا آپ پر امپریشن جمانے کے لئے خود ہی اندر لے چلوں' سو تکلیف کی بات تو جانے ہی دیں۔''

شہریار نے مسکراتے ہوئے اپنی بات پوری کی تو شیریں کو بھی اخلاقاً مُسکرانا پڑا۔

کل رات سے اب تک کی انتہائی پریشان کن اور بوجھل گھڑیوں میں شہریار نے جس بھرپور طریقے سے ساتھ دیا تھا' اُس کے لئے وہ تہہ دل سے مشکور تھی۔

ممی کی طبیعت بگڑنے پراُنہیں فی الفور ہاسپٹل پہنچانا۔ آئی سی یو کے سامنے مستقل کئی گھنٹے بیٹھے رہنا اور جب سے اب تک منٹ منٹ پر وہ شیریں کے ساتھ ساتھ ہی تھا۔

تعلّقات' شیریں کے بھی تھے' مگر ایک خاص حلقے تک۔

شہریار کی ہائی گریڈ آفیسری کا دائرہ اثر اور ہی تھا۔

موبائل پر حرکت کرتی اُس کی انگلیاں' منٹوں سیکنڈوں میں ہر کام کو آسان کرتی تھیں۔

بیوروکریسی کی بالادستی کا رونا آخریوں ہی تو نہیں رویا جاتا۔

''اور اپنی اِس کروفر والی نوکری پر نازاں ہو کر اگر اُس میں کلف لگا ہوا ہے' تو شاید قابل معافی ہے۔''

ایک بار پھر اُسے موبائل پر مصروف دیکھ کر شیریں نے دل ہی دل میں سوچتے ہوئے' اُسے تھوڑی سی رعایت دے ہی دی۔

وہ حد درجہ مصروف شخص تھا' یہ اندازہ بھی صاف ہوتا تھا' مگر کل رات سے اُس نے اپنی ساری مصروفیات ترک کر رکھی تھیں۔

''ابھی میں ڈاکٹر سے بات کر کے آرہا ہوں' ممی کی طبیعت ماشاءاللہ بہت بہتر ہو رہی ہے۔ شاید رات تک اُنہیں کمرے میں شفٹ کر ہی دیں یا ہو سکتا ہے ایک آدھ روز اور آئی سی یو میں رہنا پڑے۔ بہر حال فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔''

وہ ایک بار پھر سے اُس کی تسلّی کا سبب بننے لگا۔

شیریں کو یاد آیا کہ اُس نے رات سے ایک بار بھی اُسے ''شکریہ'' کا چھوٹا سا لفظ بھی نہیں کہا ہے اور کم از کم اتنا تو اُسے کہنا چاہیے ہی تھا۔

ایک گہری سانس اندر اُتارتے ہوئے' اُس نے ہاتھ میں تھاما ہوا چائے کا کپ واپس سامنے میز پر رکھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آرہا' شہریار صاحب! کہ میں آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ رات سے آپ جس طرح ہماری وجہ سے پریشانی اُٹھا رہے ہیں' اُس کے لئے...!''

شہریار کے ہاتھ کے اشارے پر اُسے اپنی بات آدھوری چھوڑنی پڑی۔

''مت کریں ایسی باتیں' مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ میں تو شکر ادا کر رہا ہوں کہ میں اُس وقت جب ممی کو انجائنا پین شروع ہوا تھا' آپ کے گھر پر موجود تھا' ورنہ آپ اِس ساری صورتحال کو نہ جانے ہینڈل کر بھی پاتیں ٹھیک طرح سے یا نہیں۔''

حالانکہ اُس نے بہت خُلوص کے ساتھ سب کچھ کہا تھا' مگر جو یہ ایک جتاتی سی کیفیت بار بار اُس کے لہجے سے چھلک رہی تھی۔ شیریں کو اُس کے کیے احسان کا وزن اور بھی زیادہ بھاری محسوس ہونے لگتا تھا۔

''کاش اگر اُس وقت شہریار کے بجائے' سجاد اُس کے گھر پر ہوتا تو وہ احسان کے اِس بارِ گراں سے بچ سکتی تھی۔''

ذہن پر چھائی گہری پریشانی میں تھوڑی سی کمی واقع ہوتے ہی اُسے بے ساختہ خیال آنے لگا تھا۔

حالانکہ تھی تو بے حد خود غرضی والی بات۔

اُس نے خود کو تنبیہ کی' ''ایک شخص آخر سخت پریشانی میں آپ کے کام آیا ہے۔''

''میں دو دن کے لئے یہاں رُک گیا ہوں' حالانکہ میرے لیے اسلام آباد سے باہر رہنا اور وہ بھی بناء کسی پیشگی پروگرام کے آسان تو نہیں ہوتا' مگر بہر حال میں نے کسی طرح مینیج کر لیا ہے۔''

''مگر اب تو آپ جا سکتے ہیں' یہاں ایسی کوئی...!''

شیریں نے بمشکل ہی خود کو کہنے سے روکا کہ اب یہاں اُس کا کوئی کام نہیں ہے۔ تھوڑی دیر میں اُس کے بہت سارے مُخلص دوست یہاں جمع ہونا شروع ہو جائیں گے۔

تب ہی دروازے پر ہلکا سا ناک کر کے مسز ہاشمی اندر چلی آئیں۔ آج اُن کے ساتھ ہاشمی صاحب بھی تھے۔

اُنہیں اطلاع دینے والا شہریار ہی تھا۔

''میں تو مارے فکر کے باقی ساری رات بیٹھی ہی رہی۔ گھر پر بچیّاں اکیلی تھیں' ورنہ اُسی وقت چلی آتی۔''

ضبط کے باوجود شیریں کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

ایک بے حد کامیاب کیریئر کو حاصل کر لینے کے بعد بھی ممی کے لئے اُس کے محسوسات آج بھی ویسے ہی تھے' جیسے بچپن میں یا پھر اُس سے بھی بڑھ کر۔

''اب تو شکر ہے' کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ اللہ نے بڑا کرم کیا اور دیکھو تو یہ کتنی اچھی بات تھی کہ شہریار تمہارے گھر موجود تھے' ورنہ سوچو اکیلے میں تم کس طرح سے نمٹتیں۔ لاکھ نوکر ہوں گھر میں' مگر اپنوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔''

وہ شیریں کے قریب بیٹھی تسلّی دیتی رہیں۔

شہریار اور مسز ہاشمی کے بے حد اصرار پر بھی شیریں سے چائے کے علاوہ اور کچھ نہ لیا گیا۔

ممی کی حالت ڈاکٹر تسلّی بخش بتا رہے تھے۔ پتہ کرنے کے بعد بھی وہ آئی سی یو وارڈ کے سامنے بیٹھی رہی۔

دل جیسے کٹا جا رہا تھا۔

''خدایا! ممی کو کچھ بھی نہ ہو' اُنہیں مکمل صحت مندی کی طرف لوٹا دے۔ اپنی رحمت کے صدقے سے''

ایک قطار میں بچھی کُرسیوں میں سے سب سے آخری کُرسی پر سر جُھکا کر بیٹھے ہوئے' اُس نے دل کی گہرائیوں کے ساتھ دُعا کی۔

اور یہ دُعا کل رات سے اب تک وہ کتنی ہی بار کر چکی تھی۔

''ممی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے' بُھلا اُس کے پاس اُن کے علاوہ اور ہے بھی کون' ایک لمبی تنہائی اُن دونوں ماں بیٹی نے ایک دوسرے کے سہارے ہی تو کاٹی ہے۔ خدا اُس کے اِس اکلوتے سہارے کو اُس سے کیسے لے سکتا ہے۔''

چُپ چاپ سر جُھکائے نہ جانے کون کون سے کٹھن وقت اُسے یاد آتے رہے۔

آس پاس سے گزرتے ہوئے' چند ایک لوگوں نے اس کی طرف ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی' مگر اِس کا نہ سر اُٹھانے کو جی چاہا اور نہ واپس کمرے میں جانے کو...!

جہاں مسز ہاشمی اور شہریار تھے۔

جن کی وہ بے حد دل سے احسان مند تھی۔

تب ہی ایک مانوس سی چاپ اُبھری اور کوئی اُس کے قریب آ کر رُکا۔

سر اُٹھا کر دیکھنے سے پہلے ہی بہت سارے آنسو اُس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر' گود میں رکھے اُس کے ہاتھوں پر آ کر گرے۔

''شیریں!''

''شیریں پلیز! ہمت رکھتے ہیں اور تم تو بہت بہادر' بہت حوصلے والی ہو۔''

اُس نے سجاد کو کہتے ہوئے سنا۔

مگر وہ بے آواز آنسو اِسی تواتر سے' اُس کی آنکھوں سے گرتے رہے۔

رات سے اُس نے کئی بار اِسی طرح کے جُملے سُنے تھے۔

شہریار' ڈاکٹرز' مسز ہاشمی سب ہی اُس کے سامنے یہی حوصلہ بڑھاتی باتیں کرنے کی کوشش کرتے تھے' مگر پہلی بار اُس کا دل چاہا کہ وہ زور سے چلاّ کر اِسی خیال کی نفی کر ڈالے۔

نہ وہ بہادر تھی اور نہ ہی حوصلہ مند...!

مان بڑھانے اور تحفّظ دینے والے رشتوں سے محروم' دولت اور کیریئر کی اونچی سی دیوار کے پیچھے چھُپی ایک خوفزدہ سی عورت جس کا ظاہر بس دکھاوا ہی دکھاوا تھا۔

یہ تھا شیریں حسین کا اَصل...!

مگر اُس سے کچھ بھی نہ کہا گیا' ہمیشہ کی طرح چند کمزور ترین لمحے دل پر آئے اور گزر بھی گئے۔ خود کو کمپوز کرتے ہوئے چند منٹ بعد وہ اپنے دھیمے مخصوص لہجے میں سجاد کو ممی کی بیماری کی تفصیلات سُنا رہی تھی۔

''مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ اِس پریشانی میں تم اکیلی تھیں' میں کم از کم شہر ہی ہوتا تو...!''

ایک بڑا گہرا ملال سجاد کے لہجے میں مستقل اُترتا محسوس ہو رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں' اب تو تم آ گئے ہو' میری ساری فکر آدھی تو ہو ہی گئی ہے۔''

شیریں کے لبوں پر کل سے اب تک پہلی بار ہلکی سی مسکراہٹ اُبھری۔

سجاد نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

''آدھی نہیں' پوری ختم سمجھو۔ اب میں اِتنا گیا گزرا بھی نہیں ہوں۔''

شیریں ہلکے سے ہنس پڑی۔

مسز ہاشمی اور شہریار' دونوں ہی اُسی وقت کوریڈور میں مڑے تھے۔

مسز ہاشمی کو بڑی کوفت سی ہوئی۔ کن انکھیوں سے اُنہوں نے شہریار کے چہرے پر پھیلتے تناؤ کو بھانپا اور شیریں کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے' تیزی سے آگے بڑھیں۔

''تم یہاں آ کر بیٹھ گئیں اور شہریار بے چارے تمہارا ناشتے پر انتظار کرتے رہے۔''

سجاد کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے' اُنہوں نے شیریں کو مخاطب کیا۔

''کر لوں گی تھوڑی دیر بعد جب دل چاہے گا' آپ فکر مت کریں۔''

اُس نے حالانکہ بہت نرمی سے ہی کہا تھا' مگر وہ نا چاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہونے لگیں۔

''شہریار بے چارے کل سے تمہارے لیے کتنے پریشان ہیں' اُن ہی کی خاطر بیٹھ جاتیں۔ تم کب آئے سجاد؟''

شیریں سے بات کرتے کرتے وہ سجاد کی طرف مڑ کر پوچھنے لگیں۔''میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم رات میں ہی ہاسپٹل پہنچ چکے ہو گے۔''

''میں شہر میں نہیں تھا' مسز ہاشمی! اندرونِ سندھ گیا ہوا تھا ابھی سیدھا وہیں سے آرہا ہوں۔''

اُن کے طنز کا بھی سیدھا سادا ہی جواب تھا' سجاد کے پاس۔ کئی گھنٹے کی مسلسل ڈرائیونگ کی تھکن کا ہلکا احساس' اُس کے چہرے پر بھی تھا۔

مسز ہاشمی کا آج کا ہارٹ فیورٹ موضوع' شہریار کی کل رات والی پرفارمنس تھی۔ شیریں کو یقین تھا کہ آج وہ ہر ایک کو ممی کی طبیعت کی خرابی کا قصّہ پکڑ پکڑ کر سنائیں گی' جس میں شہریار کو ہائی لائٹ کیا جائے گا۔

سجاد کو یہ سب سُنانا اور بھی زیادہ ضروری تھا۔

''ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ اگر ایک منٹ کی بھی دیر ہو جاتی پہنچنے میں تو بہت مشکل ہو سکتی تھی...؟''

شیریں نے بہت دہل کر اُن کی طرف دیکھا۔

ایسا کچھ ڈاکٹر نے' اُس کے سامنے نہیں کہا تھا' اگر ایسی بات تھی تو یہ تھی کتنی ہولناک۔''

سجاد نے ذرا سا مڑتے ہوئے' شیریں کے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ دیکھا اور ہلکے سے اُس کے ہاتھ کو تھپتھپا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں شہریار صاحب سے مل لوں ذرا...!''

تھوڑے فاصلے پر کھڑے شہریار نے ابھی تک ایک بار بھی اُس کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

ہاشمی صاحب کے ساتھ نہ جانے کون سی اہم گفتگو تھی' جو جاری تھی۔

سجاد کے قریب آنے پر وہ اِس طرح چونک کر مڑا کہ خود سجاد کو بھی پورا یقین ہو گیا کہ اُس نے ابھی تک واقعی اُنہیں دیکھا ہی نہیں تھا۔

''اوہ سجاد صاحب ہیں' کیا حال ہیں آپ کے...!''

کس کو کب اہمیت دینی ہے اور کب نظر انداز کرنا ہے' اِس طرح کے کھیل اُس کی پیشہ وارانہ زندگی میں معمول کا حصّہ تھے۔

''شیریں بتا رہی تھی کہ کل صرف آپ ہی تھے' جنہوں نے فوری طور پر آنٹی کو ہاسپٹل پہنچایا۔ ورنہ تھوڑی سی بھی دیر خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔''

وہ بہت دل سے ممنون ہو رہے تھے' مگر قریب کھڑے ہاشمی صاحب! لاپروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے بولے۔

''ارے چھوڑو بھی سجاد! بھلا انسان کی اوقات ہی کتنی ہے۔ ہونا وہی ہوتا ہے' جو اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔ شہریار وہاں نہیں بھی ہوتے تو کوئی اور بہانہ بن جاتا' اللہ کو مسز حسین کی جان بچانی تھی' سو وہ کسی بہانے بھی بچاتا۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ! اِس وقت یہ کام خُدا کو شہریار صاحب سے لینا تھا' سو یہ ثواب ان کے حصّے میں آیا۔''

سجاد بھی اُن سے سو فیصد متفق ہو رہے تھے۔

شہریار کے چہرے پر تناؤ اور بھی بڑھتا جا رہا تھا' خود پسندی کی حد تھی۔ اُنہیں اِس سیدھی سی بات میں بھی کچھ ایسا لگنے لگا تھا' جیسے اُن کی کارکردگی کو صفر قرار دیا جا رہا ہے۔

وہ لوگ چلتے ہوئے باہر کی طرف آ چکے تھے کہ پیچھے سے مسز ہاشمی آتی دکھائی دیں۔

''شیریں کو مسز حسین سے ملنے کی اجازت دی ہے ڈاکٹر نے۔ لیکن فی الحال صرف ایک شخص ہی ملنے جا سکتا ہے۔''

قریب آ کر اُنہوں نے بتایا' تو سب ہی کو اطمینان ہوا۔ ہاشمی صاحب کو آفس پہنچنا تھا' سو وہ اجازت لے کر چلے گئے۔

مسز ہاشمی کا خیال تھا کہ وہ تھوڑی دیر سے دفتر جائیں گی۔ شہریار نے بتایا کہ وہ دو دن مزید رُک گئے ہیں تو وہ اور بھی زیادہ مطمئن ہو گئیں۔

''بہت اچھا کیا' تمہاری وجہ سے شیریں کو بہت ڈھارس رہے گی۔ اُس بے چاری کا یہاں ہے بھی کون۔''

اُن کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا' جو سُن کر بُرا لگا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے' مسز ہاشمی! ہم سب ہیں شیریں کے ساتھ۔ بہت سارے ایسے دوست ہیں' جو کسی بھی وقت کام آنے کے لئے تیار ہیں اور خود آپ اُن میں سے ایک ہی ہیں۔''

مسز ہاشمی کے لبوں پر تمسخرانہ سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ ساری کتابی باتیں ہیں سجاد! ہم لوگوں نے اچھا وقت مل بیٹھ کر بانٹنے کو دوستی کا نام دے لیا ہے۔ آج ہم اکٹھے ہیں تو بہت اچھے دوست ہیں' بچھڑ گئے تو سالوں ایک دوسرے کی خبر بھی نہیں۔ مضبوطی صرف رِشتوں میں ہوتی ہے' دوست کبھی بھی بدلے جا سکتے ہیں' مگر رشتے دار نہیں۔ ہم لاکھ بدلنا چاہیں تب بھی۔''

وہ تو نہ جانے کیا جتانا چاہ رہی تھیں' سجاد کو ایک دم ہی ہنسی آنے لگی۔

اُن کی اپنی برادری اِس قسم کے دسیوں رشتے داروں سے بھری ہوئی تھی۔ جن سے بابا شدید الرجک تھے' مگر اس کے باوجود برداشت کرنے پر مجبور تھے۔

''ٹھیک کہتی ہیں آپ!''

وہ کہتے ہوئے واپس مڑنے لگے ''میں دیکھتا ہوں شیریں آنٹی سے مل کر آ گئی ہو گی۔''

''تم مت جاؤ' شہریار جا کر دیکھ لیں گے' کیوں شہریار!''

مسز ہاشمی نے فوراً ہی اُنہیں روکا۔

''ہاں! میں تو ویسے بھی جا ہی رہا تھا اُدھر' بڑا عجیب سا لگتا ہے' یوں راستے میں کھڑے ہو کر باتیں کرنا۔''

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ رات سے اب تک بے زار ہو چُکا ہے۔

''کیا بات ہے مسز ہاشمی؟'' سجاد کچھ نہ سمجھتے ہوئے' اُن کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ''کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''ہاں!'' بہت چونک کر اُنہوں نے قدم بہ قدم دور ہوتے شہریار پر سے توجہ ہٹائی۔

''بات تو خاص ہی ہے اور تم سے کرنا ضروری بھی' شیریں کی ممی کی کنڈیشن ٹھیک نہیں ہے۔ انجیو گرافی ہو گی تو صحیح صورت سامنے آئے گی۔'' بات کرتے کرتے وہ ذرا خاموش ہوئیں۔

''یہ بات تو وہ خود بھی جانتے ہیں۔'' سجاد نے کچھ اُلجھے ہوئے سوچا' پھر بھلا وہ کیوں دُہرا رہی ہیں۔

''مسز حسین بہت اَپ سیٹ رہ رہی تھیں کافی عرصے سے' شیریں کی وجہ سے' تمہیں تو خود بھی اندازہ ہو گا۔''

مسز ہاشمی کی نگاہیں اُن کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

حالانکہ سجاد کے اور شیریں کے درمیان کبھی اشارۃً بھی ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

کوئی وعدہ، کوئی عہد، کچھ بھی نہیں۔

پھر بھی اُنہیں ہمیشہ ہی بڑی ندامت سی گھیرنے لگتی تھی۔ ہلکے سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ خاموش ہی رہے۔

”سجاد میں ذاتی طور پر تم سے درخواست کر رہی ہوں، پلیز! ہمیں مسز حسین اور شیریں دونوں ہی کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔“

بہت عرصے بعد اُنہوں نے مسز ہاشمی کے لہجے میں وہی پُرانی اپنائیت محسوس کی۔

”سجاد شیریں کو صرف تم راضی کر سکتے ہو، اُسے شہریار سے اچھا شخص ملنا مشکل ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت سوٹ کریں گے۔“

وہ بڑی اُمید بھری نِگاہوں سے سجاد کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

...☆☆☆...

نینی نے ایک ایک کر کے سارے ہی ڈبّے کھول ڈالے، مگر سب ہی کی ایک جیسی صورت حال۔

ہلدی، دھنیا، نمک، مرچ، گرم مصالحہ، سب ہی کے خالی جار مُنہ چڑا رہے تھے۔ اُس کے کچن میں یوں بھی ابھی بنیادی چیزوں کے علاوہ زیادہ کچھ جمع بھی نہیں ہوا تھا۔

فیضی کے ساتھ جا کر ایک بار وہ اپنی عقل کے مطابق ضروری ضروری سامان خرید لائی تھی۔ اُن میں بھی زیادہ زور اُس نے تیار مصالحوں کے پیکٹوں پر دیا تھا، جن کی وجہ سے اُس کی ناتجربہ کاری پر کچھ نہ کچھ پردہ پڑا رہتا تھا، مگر وہ اِس تیزی سے ختم ہوئے تھے کہ کچھ حد نہیں۔ اب رات کا کھانا پکانے کا مسئلہ درپیش تھا۔

نینی نے بے بسی سے فریج سے نکال کر رکھے چکن کے پیکٹ کو دیکھا۔ اِس قسم کی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کا اُسے تجربہ بھی نہیں تھا۔

وہاں گھر میں وہ ہاتھ ضرور بٹالیا کرتی تھی، مگر ساری ذمہ داری امی کی ہی تھی۔ اُسے تو آج تک بھی پتہ نہیں چلا تھا کہ کب کون سی چیز ختم ہوئی اور کب لائی گئی۔

اب روزانہ ہی کوئی نہ کوئی مسئلہ رہنے لگا تھا۔ جتنا بھی یاد رکھنے کی کوشش کرتی، کچھ نہ کچھ بھول ہی جایا کرتی۔

بار بار فیضی کو کہتی تو اُسے بُرا لگتا تھا، اِس قسم کی خریداری کا اُسے اچھا کیا، بُرا بھی تجربہ کبھی نہیں رہا تھا۔ کھانے سے اُس کا تعلق بس اِتنا ہی تھا کہ اچھے سے اچھا کھانا بھوک لگنے پر کھا لیا جائے۔ اُس اچھے کھانے کے پیچھے، کن کن اشیاء کی ضرورت اور کیا کیا جتن ہوتے ہیں، اُس کا تو کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آیا تھا۔

نینی سے زیادہ اُس کی زندگی میں بدلاؤ آیا تھا۔ چیزوں کو کچن میں جوں کا توں چھوڑ کر وہ چھوٹے سے لاؤنج میں چلی آئی۔

فیضان تھوڑی دیر پہلے ہی آیا تھا اور اب انتہائی کاہلی کے موڈ میں، کُشنز کے سہارے نیم دراز تھا۔

”نینی ذرا ایک گلاس میں جوس تو دینا۔“

بناء اُس کی طرف دیکھے، ٹی وی پر نگاہ جمائے جمائے اُس نے فرمائش کی، تو وہ اُلٹے پائوں کچن میں چلی آئی۔ فریج میں سے جُوس نکال کر گلاس میں ڈالتے ہوئے، اُس نے فیضی کے موڈ کا اندازہ لگانا چاہا۔

"پتہ نہیں وہ اِس وقت اُس کے لئے جنرل اِسٹور تک جانے کی زحمت اُٹھائے گا یا نہیں۔"

شادی کے ابتدائی دنوں میں جو ایک بڑا گہرا سا یقین تھا کہ مُنہ سے نکلی ہر بات چاہے کتنی ہی فضول کیوں نہ ہو' فیضی اُسے پورا کرنے کے لئے فی الفور دوڑ پڑے گا۔اب کمزور پڑنے لگا تھا۔

واپس لاؤنج میں آئی تو وہ ابھی تک اُسی سابقہ پوزیشن میں تھا۔

گلاس اُس کے ہاتھ میں تھما کر وہ بھی قریب ہی بیٹھ گئی۔

لاؤنج میں صرف ٹی وی سے آنے والے میوزک پروگرام کی ہلکی سی آواز نے خاموشی کو توڑا ہوا تھا۔

فیضی کو میوزک سے بے حد لگاؤ تھا اور یہ گروپ جو اس وقت سامنے پرَفارم کر رہا تھا' شاید اُس کا پسندیدہ تھا، جو وہ پوری طرح اُس کی طرف متوجہ تھا۔نینی کے یہاں بیٹھے رہنے یا نہ رہنے سے اُسے فی الوقت کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

کبھی کبھی جب وہ اُسے اِس طرح نظرانداز کرتا تھا۔ تو نینی کو لگتا تھا کہ فیضی بدل رہا ہے۔حالانکہ یہ بڑی ناقابلِ یقین سی بات تھی۔

ہلکے سے سر کو جھٹک کر اُس نے خود کو ان واہموں سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔"شاید وہ کچھ زیادہ ہی قنوطی ہوتی جا رہی ہے یا پھر زیادہ ہی ڈیمانڈنگ۔"

اُس نے دوسرے خیال پر ہی ٹکنے میں عافیت سمجھی۔

"آواز تو بڑھاؤ فیضان! اتنا اچھا گانا ہے' مزا بھی نہیں آ رہا سلو سُننے میں۔"

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس نے قریب بیٹھے فیضان کو اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا' مگر اِس وقت وہ یہ چھوٹی سی فرمائش بھی پوری نہیں کر سکا۔

"اچھا بَھلا تو سُنائی دے رہا ہے اور تم بھی اِتنی تیز آواز میں ٹی وی مت چلایا کرو۔ہم لوگ کسی دوسرے کے گھر میں رہ رہے ہیں' خیال رکھنا چاہیے کہ وہ لوگ ڈسٹرب نہ ہوں۔"

نینی خجل سی ہو گئی۔

گھر کا رہائشی حِصّہ' اِس نیکسی سے فاصلے پر تھا' جو کم از کم اتنا تو ضرور تھا کہ ٹی وی کی معمولی سی آواز سے کسی طرح بھی ڈسٹرب نہیں ہو سکتا تھا اور پھر اس اِتنے بڑے گھر میں ملازمین کے علاوہ' اُسے اب تک فیضان کا دوست بابر اور اُس کا چھوٹا بھائی ہی کبھی کبھار دکھائی دیئے تھے۔جن کے والدین اُن دونوں کو یہاں چھوڑ کر خود کچھ عرصے قبل کینیڈا شفٹ ہوئے تھے۔

"ابھی جب تک بابر یہاں ہے ہم لوگ آرام سے یہاں رہ سکتے ہیں۔فائنل ایئر کمپلیٹ ہو جائے گا' تو ظاہر ہے یہ دونوں بھائی بھی وہیں کینیڈا چلے جائیں گے۔جب تک ہم بھی اطمینان سے کوئی اچھا سا گھر اپنے لیے دیکھ لیں گے۔"

اُسے خاموش سا دیکھ کر فیضان کو کچھ احساس ہوا' تو ذرا نرمی سے اُس نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

وہ اتنے میں ہی خوش ہو گئی۔

جب تک تمہاری پڑھائی بھی ختم ہو جائے گی' پھر انشاءاللہ کوئی اچھی سی جاب مل گئی تو...!"

"دیکھو' مِلتی ہے بھی یا نہیں...!"

اُکتاہٹ بھرے لہجے میں اُس نے نینی کی بات کاٹی۔

''اچھی سی جاب کے لئے اب بہت کمپٹیشن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تعلیم ہی کافی نہیں ہے۔ کانٹیکٹس' پیسہ سب ہی کچھ انوالو ہو گیا ہے اب تو۔''

''ابھی سے فکر مت کرو اور پھر تمہارے کانٹیکٹس تو بہت ہیں' کوئی نہ کوئی کام آ ہی جائے گا۔''

نینی اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تھوڑی سی قریب ہوئی' مگر وہ مستقل ہی مایوسی کے ساتھ نفی میں سر ہلائے گیا۔

''مجھے میری حیثیت میں کوئی نہیں جانتا ہے نینی! لوگ مجھے بابا کے حوالے سے جانتے ہیں۔ پاپا اور سجاد چچا کی نِسبت سے پہچانتے ہیں۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ بابا کے تعلقات کہاں کہاں تک ہیں۔ ہمارے ہاں کا بڑے سے بڑا مسئلہ بھی بہت آرام کے ساتھ حل ہو جاتا ہے۔ میری جاب تو کوئی بات ہی نہیں ہے اُن لوگوں کے نزدیک اور ابھی تو میری جاب کا کوئی سوال ہی نہیں تھا' آگے پڑھنے کے لئے باہر جانا تھا۔''

بات کے اِختتام تک اُس کی آواز خُود بخود مدّھم ہوتی چلی گئی۔

نینی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اُس کی تسلّی کے لئے کیا کہے۔

ایک ہلکی سی حسرت' جو فیضی کے لہجے میں اُتری تھی' نینی کو خود اپنی نگاہوں میں شرمندہ کرنے لگی تھی۔

وہی تو تھی' جس کی وجہ سے فیضی عرش سے فرش پر آیا تھا۔

بدلاؤ اُن دونوں کی زندگی میں آیا تھا' مگر بالکل مختلف انداز سے۔

''درحقیقت تو اصل فائدے میں وہی رہی تھی۔''

نینی نے پوری دیانتداری سے یہ اعتراف خود سے پہلے بھی کئی بار کیا تھا۔

''امی کو اِس بات سے بے حد چڑ تھی کہ خاندان میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے شخص سجاد چچا ہی کیوں ہیں اور صرف پڑھے لکھے ہی نہیں بے حد اسمارٹ اور بے حد اچھے انسان۔''

دفعتاً ہی کچھ یاد کر کے وہ مُسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''امی مجھے سجاد چچا کے مقابلے پر لانا چاہتی تھیں' حالانکہ سجاد چچا تو خود مجھے اپنے سے بے حد آگے دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ مجھ سے بے حد پیار کرتے ہیں' شاید پاپا سے بھی زیادہ' مگر ہماری امی کو کون سمجھا سکتا ہے۔ ایک بار جس کے بارے میں ایک رائے قائم کر لی' سو کر لی۔''

اب اُس کا موڈ مکمل طور پر تبدیل ہو چُکا تھا۔ اپنے گھر والوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے' وہ بڑا ریلیکس سا نظر آنے لگتا تھا۔ نینی نے بارہا نوٹ کیا تھا کہ وہ اُن لوگوں کو بہانے بہانے سے یاد کرتا تھا۔

خود اُسے لے دے کر وہی ایک عقیقے والی تقریب یاد آتی تھی' جب وہ فائزہ وغیرہ کے ساتھ فیضی کے گھر تھوڑی سی دیر کے لئے گئی تھی اور فیضی کی والدہ کے رعُونت بھرے انداز پر کانوں کو ہاتھ لگاتی ہوئی واپس آئی تھی۔

آج بھی اُسے سو فیصد یقین تھا کہ اگر فیضان کے گھر کے دروازے کبھی اُس کے لئے کُھلے بھی تو وہ خاتون' جنہیں فیضان کی امی ہونے کا شریف حاصل ہے' اُسے کسی قیمت پر بھی قبول نہیں کریں گی۔

اُسے اُن کے تصّور سے بھی گھبراہٹ ہوتی تھی۔

''تمہارے ہاں اُس دن' جو بہت پیاری سی خاتون ملی تھیں' شیریں نام تھا اُن کا۔''

نینی کو بہت دن پہلے ہوئی وہ ملاقات یاد آنے لگی۔

"شیریں آنٹی کی کیا بات ہے' اُن جیسی خوبصورت عورتیں بہت ہی کم ہوتی ہیں۔ ہاں ایک تمہاری بہن دِیا بھی' اِسی کیٹگری میں آتی ہے۔"

بات کرتے کرتے فیضی کو اچانک ہی دِیا بھی یاد آئی۔

دِیا کی ہر کوئی ہی تعریف کرتا تھا اور وہ بے شک تھی بھی اِس قابل' مگر پھر بھی نینی کو' فیضی کا اُس کی تعریف کرنا اچھا نہیں لگا۔

"بڑے عرصے تک سب لوگ یہ سمجھتے رہے کہ سجاد چچا! اُن ہی سے شادی کریں گے' مگر ایسا ہوا نہیں۔ حالانکہ دونوں کو دیکھ کر ہمیشہ ہی ایسا لگتا ہے کہ وہ لوگ ایک دوسرے کے لئے ہی بنائے گئے ہیں' مگر افسوس شیریں آنٹی کا تعلق ہمارے برادری سے نہیں ہے' ورنہ یہ شادی بہت سال پہلے ہو چکی ہوتی۔" فیضی کو ہمیشہ ہی اُن لوگوں کے بارے میں سُوچ کر افسوس ہوتا تھا۔

"تو یہ کوئی ایسا بڑا پرابلم تو نہیں ہے فیضان! ہم لوگوں نے بھی تو آخر ہمت دکھائی ہے۔ جب کہ ہم تو ٹھیک طرح سے سیٹ بھی نہیں تھے۔ تمہارے سجاد چچا تو بہت آسانی کے ساتھ الگ ہو سکتے تھے خاندان سے۔"

لاپروائی سے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے' نینی نے جس ہلکے سے فخر کا اظہار کیا تھا' فیضان کو اچھا نہیں لگا۔

"ہم لوگ اُن سے کیا مقابلہ کر سکتے ہیں نینی! ہم تو اُن کی اچھائی کا ون پرسنٹ بھی نہیں دِکھا سکے۔ اپنے عمل سے' اُن میں اپنی خوشیاں قُربان کر دینے کا حوصلہ ہے اور ہم...!"

سر جھٹک کر وہ ہلکے سے ہنسا' عجیب سی ہنسی' نینی نے بہت چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

"سجاد چچا' بابا کو ہلکا سا بھی دُکھ دینے کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔ کوئی ہلکی سی چوٹ بھی نہیں' پھر اتنا بڑا دُکھ کیسے دے سکتے ہیں۔ وہ مثالی بیٹے ہیں' مگر جس چوٹ سے سجاد چچا خاندان کو بچاتے رہے' میں نے وہی بڑی آسانی سے اُن سب کو دے ڈالی۔"

بات کرتے کرتے وہ ایک دم بالکل چپ ہو گیا۔ لائونج میں ایک دم ہی بڑی تکلیف دہ سی خاموشی چھا گئی۔

ٹی وی کب کا بند ہو چُکا تھا۔

شاید کبھی بھی کوئی ایک رِشتہ اِتنا طاقتور نہیں ہو سکتا کہ وہ خود سے جُڑے دوسرے رشتوں سے کسی بھی انسان کو بے نیاز کر سکے۔ صرف دور کر سکتا ہے' وہ بھی وقتی طور پر۔

فتح کا جو احساس' نینی کو سرشار کیے رکھتا تھا' وہ بھی کبھی کبھی اُسے ایک مفروضہ ہی لگنے لگتا تھا۔

فیضی کو اپنے فیصلے پر پچھتاوا شروع ہو چکا تھا۔

نئی زندگی کی شروعات کرنے کے محض چند مہینے بعد ہی۔

اس خوفناک حقیقت سے آنکھیں چُرائے رکھنے میں ہی عافیت تھی۔ نینی نے بھی پھیکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ کارپٹ پر پڑے ریموٹ کو اُٹھا کر خود کو ٹی وی کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔

مگر ایک ہلکا سا خوف' جو اُس کی آنکھوں اور چہرے پر چھا رہا تھا' فیضی کی نِگاہوں سے چُھپا ہوا نہیں رہ سکا۔

کچھ بھی تھا' نینی اُس کی اوّلین تمنا کا حاصل تھی' جسے اُس نے ہر قیمت پر حاصل کر لینے کی ٹھانی تھی اور بنا کسی نفع نقصان کا اندازہ کیے حاصل کر کے دکھایا تھا۔

اُس کی دل شکنی کا اَزالہ کرنے میں بھی دیر اُسے گوارا نہیں ہوئی۔

"چلو! تیار ہو جائو' کہیں باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں۔"

اُس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

نینی بوکھلا کر اُس کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑی ہو گئی۔ کچن میں رکھا ہوا گوشت کا پیکٹ اور مصالحوں کے خالی ڈبّے یاد آئے' تو یہ بھی یاد آیا کہ وہ یہاں فیضی کے پاس کسی کام کے لئے آکر بیٹھی تھی۔

"کوئی اچھے سے کپڑے پہننا' دس جاننے والے مل جاتے ہیں' میری بیوی کو بہت شاندار دکھائی دینا چاہیے بھئی! تاکہ سب کو اندازہ ہو جائے کہ میری نافرمانی کی واقعی "کچھ وجہ" تھی۔

بہت موڈ میں آکر وہ اُس کی تعریف میں کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا' مگر نینی ایک منٹ کہہ کر کچن کی طرف تیزی سے چلی گئی۔

تیار ہونے سے پہلے باہر نکال کر رکھا ہوا گوشت فریزر میں رکھنا تھا اور خالی مصالحوں کے سلیب پر پھیلے ہوئے ڈبّے بھی کیبنٹ میں واپس رکھنے تھے۔

"اِس وقت فیضی کی اِس فیاضانہ پیشکش نے دردِ سری سے بچایا ہے۔"

بہت پھرتی سے چیزوں کو اُن کی جگہ پر پہنچاتے ہوئے وہ بہت خوش خوش سی سوچے گئی۔

دِل کو گھیرتے واہمے' سیکنڈوں میں ہی کہیں جا سوئے تھے۔

اُس کی نوعُمری' ایسے ہی رویّہ کی متقاضی تھی۔ گھڑی میں خوش اور گھڑی میں غمگیں۔

یا شاید محبت' یوں ہی بہانے بہانے سے خُوش گمانیوں میں گھیرتی ہے۔ منظر کو اُس وقت تک دُھندلائے رکھتی ہے۔ جب تک آنکھیں کھول کر جینے کی صلاحیت بالکل ہی ختم نہیں ہوتی۔

"نینی! جا کر تیار ہو جائو نا...! کچن میں کیوں آکر کھڑی ہو گئی ہو؟" فیضی دروازے پر کھڑا اُسے کہہ رہا تھا۔

نینی نے مُسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

...☆☆☆...

عمر مُسکراتا ہوا' بابا کے آفس میں سے نکلا تھا۔ آج صبح اُنہوں نے کئی کام اُس کے ذمہ لگائے تھے جن کو پورا کرنے کے بعد وہ اُنہیں رپورٹ دینے کے لئے اُن کے پاس آیا تھا۔

اُس کا اپنا روم بابا کے چیمبر کے بالکل برابر والا تھا۔

ہاتھ میں تھامی فائلوں کے ساتھ وہ کمرے میں داخل ہوا تو اُس کے فون کی گھنٹی مستقل بجے جا رہی تھی۔

تیزی سے آگے بڑھ کر اُس نے میز پر رکھے فون پر سے ریسیور اُٹھایا' تو دوسری طرف فرح تھی۔

"تم ہو کہاں آخر؟ اتنی دیر سے تمہارے موبائل پر فون کر رہی ہوں' مگر وہ بھی تم نے بند کر رکھا ہے۔ آفس کے نمبر پر ملا رہی ہوں' یہاں بھی کوئی نہیں اُٹھا رہا' کچھ اندازہ ہے میں کتنی پریشان رہی ہوں۔"

فرح کی آواز میں ویسی ہی تشویش بھری جھنجلاہٹ تھی' جیسی کہ بہت دیر تک کسی اُلجھن میں گرفتار رہنے کے بعد لہجے میں خود بخود جھلکنے لگتی ہے۔

عمر کو یاد آیا کہ اُس کا موبائل واقعی بہت دیر سے بند ہے۔ باباکے پاس بیٹھنے سے پہلے وہ ہمیشہ ہی اُسے بند کر دیا کرتا تھا۔

اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ کچھ بات کر رہے ہوں، تو فون کی بیل درمیان میں مخل ہو۔

یہی بات فرح کو بتائی تو اُس کی ناراضگی بھی فی الفور دور ہو گئی۔

''اِس بات کا مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا کہ تم باباکے پاس بیٹھے ہو گے۔ آج کل تم جلدی آجاتے ہو نا، تو بس یہی سمجھی کہ آفس سے اُٹھ چکے ہو۔''

عمر ہلکے سے مسکرادیا، جب سے بابا اُس سے ناراض ناراض سے تھے، وہ واقعی آفس سے جلدی آرہا تھا اور جتنی ذہنی اذّیت کا وہ شکار ہو رہا تھا وہ خود ہی جانتا تھا آج بہت دن بعد بابا نے اُس سے اپنی ناراضگی ختم کی تھی۔

اُن کی نگاہوں میں وہی شفقت وہی اعتبار واپس آیا تھا جس کا وہ ہمیشہ سے عادی تھا۔

''اصل میں تمہیں تھوڑی سی تکلیف دینی تھی، فارغ تو ہو گئے ہو نا تم؟''

دوسری طرف سے فرح کہہ رہی تھی۔

''ہاں... بولو! مگر ذرا سوچ سمجھ کر۔''

وہ تھوڑا چوکنّا ہو کر بیٹھا، فرح سے کچھ بعید نہیں تھی۔ وہ کسی بھی وقت کسی بھی امتحان میں ڈال سکتی تھی۔

''ایسا کوئی پہاڑ نہیں اُٹھوانا تم سے، بس ذرا امی اور نانی کو صدّیقی صاحب کے ہاں چھوڑ آئو۔ مجھے آفس میں ابھی دیر لگے گی اور دونوں بے چاری پروگرام بنا کر بیٹھی ہیں پلیز!''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

عمر نے بڑی بے بسی کے ساتھ ہاتھ میں تھامے ریسیور کی طرف دیکھا۔

فرح نے اگر فیصلہ کر لیا تھا کہ اُسے نانی اور اپنی امی کو اُس کے ساتھ صدیقی صاحب کے ہاں بھجوانا ہے تو وہ اُنہیں اب بھیج کر ہی رہے گی۔ یہ طے تھا۔

''آج مایوں کی رسم ہے اُن کے ہاں آج ذرا سی تکلیف اُٹھا لو، بس چھوڑ آئو، واپسی میں، میں خود اُن لوگوں کو لے لوں گی۔ اب پلیز کوئی بہانہ لے کر مت بیٹھ جانا۔''

''مگر آج جانا کون سا اِتنا ضروری ہے۔ ابھی تو ہفتہ پڑا ہوا ہے اُن کے ہاں کی شادی میں۔''

کچھ جھنجلا کر اُس نے ایک کمزور سی مزاحمت کرنا چاہی، مگر ان معاملات میں حتمی فیصلہ فرح کا ہی ہوتا ہے۔

خود نانی کو عمر سے زیادہ فرح کی عقل پر بھروسہ تھا،

''پہلے فرح سے مشورہ کر لو۔''

یہ اُن کا لازمی جُملہ ہوتا تھا۔

عمر کی کیا مجال تھی۔

آفس کی کئی گاڑیاں تھیں۔ بابا نے بہت کہا تھا کہ وہ ایک گاڑی مستقل اپنے پاس رکھا کرے، مگر اُسے ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بائیک سے اُس کا کام بخوبی چل رہا تھا۔ پھر بھی جب کبھی کوئی ایسا کام پڑ جاتا، تو وہ آفس سے گاڑی لے جایا کرتا تھا۔

اِس وقت بھی ایسا ہی کرنا پڑا۔

نانی اور فرح کی امی کے علاوہ پڑوس کی ایک خاتون اور بھی تھیں۔

عمر کو اُمید تھی کہ شاید نانی اُس کی عدم دلچسپی کو سمجھتے ہوئے، آج کے پروگرام کو کینسل کر دیں، مگر اُنہوں نے بھی خیال نہ کیا۔

''اچھا ہے تم ساتھ چلے چلو گے، سب ہی تمہیں پوچھتے ہیں۔ اِس بہانے سب سے مل لو گے ملتے رہنے میں بڑی برکت رہتی ہے بیٹا!''

''میں رُکوں گا نہیں وہاں، بس آپ لوگوں کو چھوڑ کر فوراً ہی واپس آجائوں گا۔ اُن لوگوں سے کہہ دیجیے گا کہ مجھے کوئی ضروری کام تھا۔''

اُس نے نانی کو صاف صاف باوّر کرایا، تو وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر اپنی چادر لینے کے لئے مڑ گئیں۔

فرح کے فون پر فون آئے جا رہے تھے۔

جب تک اُسے اُن لوگوں کے صدّیقی صاحب کی گلی میں مڑنے کی اطلاع نہیں ملی، اُس کی تسلی نہ ہو کر دی۔

''چلو شکر ہے تم نے کوئی کام تو ڈھنگ سے انجام دے لیا۔ بس اب میں واپسی میں اُدھر ہی سے ہوتی ہوئی آئوں گی۔ تم واپس جانا چاہو تو شوق سے چلے جائو۔''

اُس کی ساری سابقہ خدمات سے کمال کی بے اعتنائی برتتے ہوئے اُس نے اجازت مرحمت فرمائی۔

عمر کا دل ہی تو جل کر رہ گیا۔

صدّیقی صاحب کے دروازے پر اہل خانہ بنفسِ نفیس موجود تھے۔ عمر کا واپس آنے کا ارادہ تھوڑی سی دیر کے لئے ملتوی ہوا۔

تھی بھی سخت بد اخلاقی والی بات اور پھر صدّیقی صاحب اور اُن کے بیٹے، اُسے دیکھ کر خوش بھی بے حد ہوئے تھے۔

''کہاں ہوتے ہیں عمر بھائی! ہم تو ''رحمت منزل'' جاتے بھی ہیں تو آپ سے ملاقات نہیں ہو پاتی، بس نانی سے آپ کی خیریت پوچھ کر آجاتے ہیں۔''

وہ سب بڑی محبت سے اُسے گھیر کر کھڑے ہوئے تھے اور وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوا جا رہا تھا۔

بچپن سے نو عُمری کا بہت سا وقت اِن ہی سب کے ساتھ ''رحمت منزل'' میں گزرا تھا۔

نانی نے چند منٹ رُک کر اُس کی ''پذیرائی'' کا یہ منظر دیکھا اور پھر مُنہ ہی مُنہ میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئیں۔

خواتین کا اندر باہر آنا جانا لگا ہوا تھا۔ گھر کے سامنے گیٹ سے ذرا ہٹ کر پیلے رنگ کے شامیانے کے اندر ہوئی، مایوں کی تقریب کی خصوصی آرائش یہاں سے بھی دکھائی دے رہی تھی۔

عمر نے اِن چیزوں سے ذرا بھی دلچسپی نہ ہونے کے باوجود بھی ایک سراہتی ہوئی نگاہ ضرور اُس طرف ڈالی۔

بمُشکل اُن لوگوں سے اجازت لے کر اور بقیہ تمام تقریبات میں شرکت کا وعدہ کرنے کے بعد وہ اپنی گاڑی کی طرف مڑنے لگا تھا کہ صدّیقی صاحب کا بڑا بیٹا اُس کا ہاتھ پکڑ کر بڑے اصرار سے بولا۔

''اچھا ذرا ایک منٹ کے لئے یہاں اندر تو چل کر دیکھو، کتنی خوبصورت ڈیکوریشن کروائی ہے۔''

کسی معروف سروس دینے والے ادارے کا نام لیتے ہوئے، وہ عمر کو لے کر اندر کی طرف مڑا۔

اُس کا دل رکھنے کے لئے، عمر کو جانا ہی پڑا۔

اندر پیلے رنگ کی بہار تھی۔ ایک ہی رنگ اتنے جاندار طریقے سے استعمال کیا گیا تھا کہ کسی اور رنگ کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

پیلے قالین، پیلے کور چڑھی کُرسیاں، خوبصورت محرابیں، اسٹیج، گیندے کے پھولوں کی بھرمار۔

سب کچھ بے حد خوبصورت!

وہ عورتوں کی طرح ایک ایک چیز تو نوٹ نہیں کر سکتا تھا، مگر مجموعی تاثر بہت گہرا تھا۔

ابھی بہت زیادہ تو خواتین نہیں آئی تھیں۔ کچھ بچیاں، اسٹیج کے ٹھیک سامنے قالین پر بیٹھی ڈھول بجا کر اپنا شوق پورا کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔

''بہت زبردست یار، بس میں اپنی شادی کا سارا انتظام تمہارے ہی ہاتھ میں دے دوں گا، آج فیصلہ کر لیا...!''

بڑی شگفتگی سے کہتا ہوا، وہ صدّیقی صاحب کے بیٹے کی طرف مڑا تھا کہ جیسے نگاہ ایک دم ہی ساکت ہوئی۔

گیندے کے پھولوں سے سجے گیٹ سے دِیا اندر داخل ہو رہی تھی۔

پیلا ہی رنگ اُس نے خود پہنا ہوا تھا اور گیٹ کے بالکل درمیان کھڑی، وہ اِن خوبصورت پھولوں کی دلکشی اور بھی زیادہ بڑھا رہی تھی۔

''تم شادی تو کرو، ہم بغیر کہے ہی سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اور یہ تو کچھ بھی نہیں، اُس وقت دیکھنا۔''

صدّیقی صاحب کے بیٹے نے ہنستے ہوئے اُس کے کندھے پر ہاتھ مارا تو وہ کسی خیال سے چونکا۔

''کیا ہوا، کہاں گُم ہو گئے ہو۔''

''کچھ نہیں بس ایسے ہی''

ہلکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ اُس نے کن انکھیوں سے پھر اُس کی طرف دیکھا۔

دِیا ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

کچھ اور بھی لڑکیاں تھیں، جو وہیں گیٹ پر جمع تھیں، مگر وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی بالکل الگ تھی۔

''تم رُک جاتے تو، بہت اچھا لگتا، ایسے موقعے تو کبھی کبھی ہی ملتے ہیں مل بیٹھنے کے، ورنہ کاموں سے تو زندگی بھر جان نہیں چھوٹنے والی۔''

صدّیقی صاحب کے بیٹے نے شاید یوں ہی، یہ بات کہی تھی۔

پر عمر کو لگا، جیسے اس سے اچھی بات آج کے دن اُس نے دوسری کوئی نہیں سُنی ہے۔

''بات تو تمہاری سو فیصد ٹھیک ہے فرہاج! چلو سارے کام کینسل، رُک جاتا ہوں، اب تو خوش۔''

وہ دفعتاً ہی مان گیا۔

فرہاج نے بے یقینی سے اُس کی طرف دیکھا، اِتنی دیر سے جب باری باری سب ہی اُسے رُکنے کے لئے کہہ چُکے تھے تو وہ اپنے ''ضروری کام'' کا جواز پیش کر رہا تھا۔

''چلو شکر ہے، تم نے ہماری بات تو مانی۔ اب دیکھنا کتنا انجوائے کرو گے۔ آئو میرے ساتھ، پہلے کچھ ضروری کام نمٹا لیتے ہیں۔''

وہ بہت خوشی کے ساتھ کہتا ہوا عمر کے ساتھ باہر کی طرف بڑھا۔

دِیا ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

اُس کے ساتھ کھڑی لڑکیاں کسی بات پر ہنس رہی تھیں، مگر اُس کے چہرے پر پھیلی اُکتاہٹ، عمر نے ایک نگاہ میں ہی نوٹ کی۔ یہ دوسری بار تھا، جب اُس نے دِیا کو دیکھا تھا اور دونوں بار ہی وہ اُسے، اِسی ایک موڈ میں دکھائی دی تھی۔

سنجیدہ، اِرد گرد سے لاتعلقی کا اِظہار کرتی ہوئی۔

"معلوم نہیں وہ عادتاً ہی ایسی ہے یا اپنے بے پناہ حُسن کا احساس اُسے خود کو فاصلے رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔"

اُس کے قریب سے گزرتے ہوئے عمر نے دل کو بہت تیزی سے دھڑکتا ہوا محسوس کیا۔

"ارے عمر! تم، کتنے دن بعد دیکھا ہے تمہیں۔"

کسی نے اُس کے بالکل سامنے آکر آواز دی۔

"ارے سلمیٰ آپا! کیسی ہیں آپ!"

بہت شناسا سے چہرے کو دیکھ کر وہ بے ساختہ رُکا۔

"بس سامنا ہو گیا تو کیسی ہیں سلمیٰ آپا؟ ورنہ یہ بھی خبر نہیں لیتے کہ ہم زندہ بھی ہیں یا نہیں۔" اُنہوں نے مصنوعی خفگی جتائی۔

عمر ہنسنے لگا۔

"خدا نہ کرے، جو آپ کو کچھ ہو۔ ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے۔"

سلمیٰ آپا سے بچپن کی بے تکلّفی تھی، صدیقی صاحب کی بھانجی تھیں اور ہمیشہ اپنے گھر کے بجائے اُن ہی کے گھر پائی جاتی تھیں۔

"ابھی اندر گھر میں نانی سے مل کر آ رہی ہوں، اُنہوں نے تمہارا بتایا، تو جلدی سے یہاں بھاگی کہ کہیں تم واپس ہی نہیں چلے گئے ہو۔"

وہ جتنی محبت سے کہہ رہی تھیں، عمر کو ماننا پڑا کہ "رحمت منزل" کے مکین اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی پیار محبت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔

آس پاس کھڑی لڑکیوں میں سے وہ کسی اور کو نہیں پہچانتا تھا، مگر وہ لوگ اب اِسی طرف متوجّہ تھیں۔

تب ہی سلمیٰ آپا کو خیال آیا۔

"اِن لوگوں سے ملو، یہ میری کولیگ ہیں۔"

یہ رعنا ہیں یہ مسز واحدی، یہ مس نازنین اور یہ مس فخر ہم سب ایک ساتھ پڑھا رہے ہیں بہت سال سے۔"

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُن لوگوں کی طرف متوجّہ ہوتے ہوئے، عمر کو یاد آیا کہ دِیا کے قریب کھڑی، وہ مُسکراتی سی شکل والی لڑکی، دِیا کی بہن ہی ہے۔ فیضی کے نکاح والے دن وہ اُسے وہاں کئی مرتبہ دکھائی دی تھی۔ مگر دِیا کی موجودگی کا احساس، اُس دن بھی کسی اور طرف توجّہ مبذول ہونے پر حائل رہا تھا اور آج بھی جیسے بڑی سخت شعوری کوشش اُسے کرنا پڑ رہی تھی۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سب سے مل کر، سلمیٰ آپا کی کمپنی یقیناً آپ لوگوں کو اسکول میں بور نہیں ہونے دیتی ہو گی۔"

اُس کی بات کی معنی خیزی پر وہ سب مسکرائیں مگر دِیا نے جیسے کچھ بھی نہیں سُنا تھا۔

عمر کو ہلکا سا غصّہ سلمیٰ آپا پر بھی آرہا تھا' جنہوں نے دِیا کو اُس سے مُتعارف کرانا ضروری بھی نہیں سمجھا تھا۔

فرہاج اُسے سلمیٰ آپا کے ساتھ چھوڑ کر آگے جا چُکا تھا اور یہ موقع جو بے حد خوش قسمتی سے مل گیا تھا' عمر اُسے کسی طور بھی گنوانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''آپ کے ہاں تو میں آ چُکا ہوں' شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں ہے۔''

وہ خاص طور پر دِیا کی بہن کی طرف متوجّہ ہوا' جس کا نام اُسے ابھی ابھی معلوم ہوا تھا۔

''میں نے پہچان لا ی آپ کو' فیضان کے دوست ہیں یا کزن!'' وہ مُسکراتے ہوئے بولی۔

عمر نے شُکر کیا' کہ وہ کم از کم اپنی بہن کی طرح مُسکرانے میں اَز حد کنجوسی نہیں کرتی ہے۔

''کون فیضان؟''

مس سلمیٰ کی پُر تجسّس طبیعت نے اُن کے کان کھڑے کیے۔

''نازنین کے گھر والوں سے تمہاری کیسے دوستی ہو گئی ہے بھئی؟ اور مس نازنین آپ نے بھی کبھی ذکر نہیں کیا کہ ہماری ''رحمت منزل'' میں آپ کے بھی جاننے والے رہتے ہیں۔''

بہت مشکوک سے انداز میں اُنہوں نے جرح شروع کی۔

نازی ہنسنے لگی' اُن کی عادت سے واقف تھی۔

''آپ کی رحمت منزل'' اُس نے ان چار الفاظ پر بالخصوص زور دیا ''آپ کی رحمت منزل سے ہمارا کچھ لینا دینا نہیں ہے' یہ تو اصل میں نینی کے نکاح کی تقریب میں ہمارے گھر آئے تھے۔ نینی کے ہزبینڈ کا نام فیضان ہے۔''

''اچھا' اچھا! کمال ہے دُنیا کتنی چھوٹی ہو گئی ہے' ہے نا عمر'' اُن کا تجسّس کچھ اور بڑھا۔

نینی کے نکاح کی خبر اُنہیں جب ہی مل چکی تھی اور بڑی جستجو تھی کہ پتہ چل سکے کہ دونوں بڑی بہنوں کی موجودگی میں چھوٹی بہن کی آناً فاناً شادی کیسے ہو گئی۔ اِس وقت موقع اچھا تھا۔

''تمہارے رشتے داروں میں ہوئی ہے مس نازنین کی بہن کی شادی یا رحمت منزل کی فیملی میں؟'' اُن کا دائرہ تفتیش اور بڑھا۔

عمر کو ہلکی سی بوریت شروع ہوئی۔

مس سلمیٰ کے بارے میں شروع سے ہی سب ایک بات پر سو فیصد متفق رہتے تھے کہ اُنہیں خوشی خوشی صرف پانچ منٹ ہی برداشت کیا جا سکتا ہے۔

''فیضان بابا کا پوتا ہے' سلمیٰ آپا' وقار احمد صاحب کا بیٹا!''

سامنے سے فرہاج آواز پر آوازیں دیئے جا رہا تھا' وہ معذرت کرتا ہوا آگے بڑھ گیا' اتنی دیر میں دِیا نے ایک بار بھی اُس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ رُخ موڑ کر کسی اور سے باتیں کرنے لگی تھی۔

پھر بھی وہ بے حد خوش تھا۔

یہی کیا کم تھا کہ وہ ایک بار پھر اُس کے سامنے تھی۔

‘‘اور آج اُسے واقعی تہہِ دل سے فرح کا شکریہ ادا کرنا پڑے گا' جس کی اِس بے وقت کی مصروفیت پر وہ دل ہی دل میں اُسے دس باتیں سُنا کر' نانی وغیرہ کو یہاں لایا تھا۔

‘‘سچ کہہ رہا تھا کیا عمر؟ وہ لوگ تو بہت پیسے والے ہیں مس نازنین' آپ کی فیملی کو کہاں سے مل گئے۔’’

مس سلمیٰ کو سخت شاک پہنچا تھا اور جس حیرت کے عالم میں وہ فیضان کے گھر والوں کی امارت کو اُن کے گھرانے سے کمپیئر کر رہی تھیں' خود نازی کو بھی عجیب سا لگا۔

‘‘بس جو خُدا کو منظور' یہ سب فیصلے تو اللہ کی مرضی سے ہی طے پاتے ہیں نا مس سلمیٰ! نینی کی قسمت وہیں لکھی تھی۔’’

متانت کے ساتھ اُس نے اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی' مگر اُن سے اتنی بڑی خبر ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

‘‘اتنا بڑا خاندان ہے بابا صاحب کا! اتنی خاموشی سے کیسے شادی کر دی اُن لوگوں نے' کسی کو بھی انوائیٹ نہیں کیا۔ اُن کے ہاں تو ہر بات بڑے اہتمام کے ساتھ ہوتی ہے۔ یا آپ ہی ہمیں بُلا لیتی تو...!’’

اِن کی کُریدتی ہوئی نگاہوں سے نازی کو اُلجھن سی ہو رہی تھی۔ رعنا بھی آگے جا کر اسٹیج وغیرہ دیکھنے میں مصروف ہو گئی تھی' ورنہ مس سلمیٰ سے نمٹنا اُسی کی ذمہ داری ہوتی تھی۔

‘‘بہت خوش قسمت ہے آپ کی بہن' اتنے بڑے خاندان کی بہو بنی۔ واقعی سب قسمت کا کھیل ہے' پتہ نہیں کب کسی پر کہاں مہربان ہوتی ہے۔ دیکھو تو ذرا! لوگ کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔’’

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اُنہوں نے قریب کھڑی ایک کولیگ کو بھی اپنے رنج میں شریک کرنا چاہا۔

‘‘آیئے نازی آپا! اُدھر چل کر بیٹھتے ہیں' یہاں تو کھڑے کھڑے ٹانگیں شَل ہو رہی ہیں۔’’

دفعتاً ہی دِیا اُن کی طرف مڑی اور نازی کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر ہی اُس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئی۔

‘‘دیکھ لیا نا آپ نے!’’

مدھم آواز میں وہ بولی ‘‘اب دیتی رہیے ساری زندگی اِن سوالوں کے جواب اور یہ آپ کی مس سلمیٰ' سخت زہر لگتی ہیں مجھے۔ معلوم نہیں کیوں آپ انہیں اتنا سر پر سوار رکھتی ہیں۔’’

حسبِ عادت وہ بُری طرح بگڑی ہوئی تھی۔

‘‘کس طرح ہمیں ہماری اوقات یاد دلا رہی تھیں' جیسے ہم کوئی بالکل ہی مُفلس و قلاش لوگ ہیں۔ جن کا کوئی بمپر پرائز نکلا ہو۔’’

اِس سنجیدہ سی صورتحال میں بھی نازی کو نہ جانے کیوں ہنسی آ گئی۔

اسٹیج سے ذرا ہٹ کر سامنے کُرسیوں کی خالی قطار میں وہ دونوں بیٹھ چکی تھیں۔

‘‘اور اب دیکھ لیجیے گا' تھوڑی سی دیر میں ہی وہ ساری اسٹوری معلوم کریں گی' نینی کی شادی کی۔’’

پورے یقین کے ساتھ اُس نے سامنے اسٹیج پر نگاہ جماتے ہوئے پیشن گوئی کی۔

‘‘خیر اب اتنی بھی کسی کو فرصت نہیں ہے آج کل' کہ دوسروں کے معاملات کی تفتیش میں اپنا وقت گنوائے۔’’

نازی نے ذرا فاصلے پر کھڑی رعنا کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے قریب بُلاتے ہوئے' لاپروائی سے کہا۔

‘‘بس رہنے دیں' ابھی وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھیں۔ اُوپر سے یہ حضرت بھی مل گئے یہاں' انہیں شادی کا آنکھوں دیکھا حال سُنانے کے لئے معلوم نہیں ہر فضول سے فضول شخص' ہمیں ہی کیوں ٹکراتا ہے۔’’

نازی ہنستی چلی گئی۔

دِیا کی جلی کٹی، کبھی کبھی اُسے بڑا لطف دیتی تھی۔

''خیر فضول تو نہیں ہے۔ اچھا بھلا اسمارٹ لڑکا ہے اور خوش اخلاق بھی، پوچھ ہی نہیں سکی کہ فیضان سے کیسے دوستی ہے۔ اُس کا ہم عمر تو خیر نہیں ہے۔'' دِیا سر جھٹک کر خاموش ہو رہی۔

اُسے نہ عمر میں دلچسپی تھی اور نہ ہی اُس کی فیضان سے کسی بھی قسم کی رشتہ داری ہیں۔

بلکہ اُسے تو اُس کی بار بار اپنی طرف اُٹھتی نگاہوں سے اُلجھن ہو رہی تھی۔ حالانکہ لوگوں کا اپنی طرف متوجہ ہونا۔ اُس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی، مگر عمر کے دیکھنے میں کچھ ایسا تھا جو ڈسٹرب کرتا تھا۔

اُس روز نینی کی شادی والے دن بھی، جب رنگین شیشوں کی کھڑکیوں والے برآمدے میں اُن دونوں کا پہلی بار سامنا ہوا تھا اور پھر جتنی بار بھی دِیا کی نگاہ اُس سے ملی، اُس نے پہلے سے زیادہ اُلجھن محسوس کی تھی۔

شاید اُسے دیکھ کر بے ساختہ ہی مسعود یاد آیا تھا۔

بہت، بہت پہلے، اُس کے امریکہ جانے سے بھی پہلے کی بات۔

جب وہ پھوپھا سے اُس کے لئے جنگ کیے بیٹھا تھا، اُس کی نظروں میں دِیا کو کچھ ایسے ہی رنگ دکھائی دیتے تھے۔

وہ اِن ہی رنگوں میں ڈوبی تھی یہ جانے بغیر کہ ایک لاحاصل سے انتظار کے بعد یہی رنگ اُس کی ساری زندگی کو بے رنگ کر دیں گے، کچھ ایسا ہی رنگ عمر کی آنکھوں میں تھا۔

اُس نے پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی۔

کوئی بھی عورت نہیں کرتی، ایک خاص حِس جو قدرت نے عورت کو عطا کی ہے۔ اُسے خود پر اُٹھتی نگاہ کے معنی مطلب سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کرنے دیتی۔

''تم لوگ یہاں کیوں بیٹھ گئی ہو؟ اُدھر آ کر دیکھو قریب سے اسٹیج پر کتنی خوبصورت آرائش ہے۔'' رعنا قریب آ چکی تھی۔

مگر یہاں کوئی بھی اُس جیسا جوش و خروش دِکھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

نظر آ رہی ہے یہاں سے بھی، سارا کھیل پیسے کا ہے۔ رعنا باجی! دل کھول کر خرچ کیا ہے۔ ظاہر ہے کمال تو ہونا ہی ہے۔''

دِیا کا تبصرہ جامع تھا۔

''شش، ہلکے بولا کرو دِیا۔''

نازی نے اُس کی طرف مڑتے ہوئے، گھُورا، تو وہ سر کو خفیف سی حرکت دے کر رہ گئی۔

کوئی سنتا ہے تو سُنے، اُس کی بلا سے۔

تقریب کا آغاز محفلِ میلاد سے ہوا۔

جتنی تعداد میں خواتین مِیلاد کی تقریب میں شریک تھیں، اُس سے دس گنا زیادہ مایوں کی تقریب میں جمع ہو چکی تھیں۔

وہی روایتی سا ہنگامہ،

ڈانس، گانے، رسومات۔

نازی اور رعنا بڑی دلچسپی کے ساتھ اُسی طرف متوجہ رہیں، مگر دِیا کو اِس سارے ہنگامے سے گھبراہٹ ہوتی رہی، سچی بات تو یہ کہ وہ یہاں آکر پچھتائی تھی۔

معلوم نہیں کون سی گھڑی تھی جب وہ نازی اور رعنا کے بھرپور اصرار پر، اِس تقریب میں شرکت کی حامی بھر بیٹھی تھی۔

لمحہ لمحہ اُس کی کوفت بڑھتی جارہی تھی۔

کچھ نہ کچھ ذمہ داری عمر پر بھی عائد ہوتی تھی، سارا وقت وہ اُن کے سر پر سوار تو نہیں رہا تھا، مگر دِیا کو ایسا ہی لگتا رہا تھا۔ اِس وقت بھی وہ تھوڑے فاصلے پر کرسی پر بڑے قاعدے سے بیٹھا مُسکرا مُسکرا کر صدّیقی صاحب کے بیٹوں سے باتیں کر رہا تھا اور وقفے وقفے سے نگاہ اُٹھا کر ڈانس کرنے والے لڑکوں کی طرف بھی دیکھتا جارہا تھا۔اِسی اِدھر اُدھر دیکھنے میں کتنی ہی بار اُس نے دِیا کو بھی دیکھا تھا اور دِیا کو اپنی طرف متوجّہ ہوتے بھی۔

چاہے بے زاری ہی سے سہی، مگر اُس نے کم از کم اُس کا نوٹس تو لیا تھا۔

تب ہی اُس نے فرح کو اندر آتے دیکھا تو وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کی طرف بڑھ گیا۔

''خیریت! تم یہیں ہو ابھی تک۔''

بے حد مشکوک نگاہوں سے وہ اُسے دیکھ رہی تھی۔

''فرہاج وغیرہ بہت اصرار کرنے لگے، تو بس رُکنا پڑ گیا۔''

تھوڑا سا جھینپ کر اُسے وضاحت کرنی پڑی، مگر وہ اِتنی آسانی سے ماننے والوں میں نہیں تھی۔

''سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے یہاں آتے ہوئے تم جتنے بے زار ہو رہے تھے، اُس کے بعد تم یہاں کسی کے بھی کہنے سے رُکنے والے نہیں، میں صرف اتنا جانتی ہوں۔''

اُس کے ساتھ چلتی ہوئی، وہ مستقل ہی بحث کیے گئی۔

عمر کو ہارنا ہی پڑا۔

''دِیا آئی ہوئی ہے یہاں۔''

واپس اپنی جگہ پر آکر بیٹھتے ہوئے اُس نے بتا ہی دیا، ویسے بھی اِس وقت ایک رازدار دوست کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

فرح سخت پُرجوش ہو گئی۔

''کہاں، کون سی ہے۔مجھے بتاؤ تو جلدی سے۔''

فوراً ہی کھڑی ہو کر وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، عمر سر پکڑ کر رہ گیا۔

''بیٹھ تو جاؤ پہلے اور خدا کے واسطے، ایک دم ہی مڑ کر مت دیکھنے لگنا۔اُدھر سلمیٰ آپا کے ساتھ جو اُن کی کولیگز بیٹھی ہیں نا... اُن ہی میں پیلے سُوٹ میں، تم خود ہی پہچان جاؤ گی کہ اُن میں سے دِیا کون سی ہے۔''

اُس کے لہجے میں آیا ہلکا سا فخر، فرح سے چُھپا نہ رہ سکا، مگر وہ صرف مُسکرا دی۔

''وہ سلمیٰ آپا وغیرہ کے اسکول میں خود نہیں پڑھاتی بلکہ اُس کی بہن پڑھاتی ہے۔ نازنین نام ہے اور سلمیٰ آپا سے لگتا ہے بہت دوستی ہے اِن لوگوں کی...! جب ہی تو یہاں آئیں ہیں۔''

جتنی معلومات اُسے حاصل ہوئی تھیں، وہ سب فر فر سُنا دینا چاہ رہا تھا، مگر فرح کی مذاق اُڑاتی نگاہوں کو محسوس کر کے خاموش ہونا پڑا۔

"لڑکی تو واقعی اچھی ہے، بلکہ حسین کہہ لو۔"

اگلے منٹ میں وہ اپنا جائزہ مکمل کر کے، رائے دے رہی تھی۔ بے حد نارمل سے انداز میں، جیسا کہ عمر سمجھ رہا تھا کہ وہ دِیا کو دیکھتے ہی، قصیدہ خوانی شروع کر دے گی، ایسا کچھ نہیں تھا۔ اُسے ہلکی سی مایوسی ہوئی۔

"بے حد مغرور ہے اور شاید بے حس بھی، اپنے لیے نہیں، دوسروں کے لئے زیادہ تر خوبصورت لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ اپنے علاوہ اُنہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ بہر حال یہ تمہاری والی ٹائپ نہیں ہے، تمہارے ساتھ قطعی نہیں چل سکتی، یہ لکھ کر رکھ لو۔"

عمر ہکا بکا سا ہوا اُس کی شکل دیکھے گیا، مگر فرح آخری کیل ٹھونکنے کے بعد بڑی مطمئن سی ہو کر گانے والی لڑکیوں کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"تم... تم نہ ملی ہو، نہ بات کی ہے اور اتنے یقین سے اتنی نیگیٹو باتیں، یہ بالکل غلط ہے" وہ جھنجلانے لگا "میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم آؤ گی تو کوئی اچھی بات، اچھا مشورہ... مگر چھوڑو۔"

فرح نے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھا اور بے حد رنجیدگی سے بولی۔ "میں نے جو سمجھا وہ کہہ دیا ہے۔ تم کہتے ہو تو میں اِن لوگوں سے مل بھی لیتی ہوں، مگر یہ بات میں بار بار کہوں گی کہ یہ لڑکی تمہیں بالکل بھی سُوٹ نہیں کرتی، مل بھی گئی تو تمہاری زندگی عذاب ہو کر رہ جائے گی۔"

"اور اگر وہ نہیں ملی، تو میری زندگی بدتر عذاب بن جائے گی۔ میں صرف اِتنا جانتا ہوں۔"

فرح نے اُسے ہلکے سے کہتے ہوئے سُنا۔

وہ اُس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، بلکہ وہ کسی کی بھی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ ٹھیک سامنے کسی غیر مرئی سے نقطے پر اُس کی نگاہ ساکت تھی۔

"وہ واپس پلٹنا نہیں چاہتا، یا اب واپسی اُس کے لئے ناممکن سی بات بن کر رہ گئی ہے۔"

فرح نے ذرا رُک کر اندازہ لگانا چاہا۔

جو بھی تھا۔

تھا تو بے حد مایوس کن...!

فرح نے عمر کے لئے ویسا ہی دُکھ اندر کہیں پھیلتا ہوا محسوس کیا، جیسا کہ بہت ہی عزیز ترین ہستی کے لیے محسوس ہوتا ہے۔

وہ ہمیشہ اُس کے لئے بہت سے رشتوں کی پہچان بنا رہا تھا، دوست، بھائی...!

گرنے سے اُسے بچایا جا سکتا ہے، جو خود سنبھلنا چاہتا ہو۔

دِیا نے عمر کے ساتھ بیٹھی اُس اسمارٹ سی لڑکی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔

...☆☆☆...

موسم میں ہلکی سی خنکی آتی جا رہی تھی۔

سہ پہر کی نرم دھوپ ذرا ہی دیر کے لئے اپنا رُوپ بکھیرتی کہ شام کا سرمئی غُبار اطراف میں پھیلنے لگتا تھا۔

نینی نے کھڑکیوں پر ڈلے پردے، ذرا اور سرکائے، تو اُترتی دھوپ کی ہلکی سی گرماہٹ اُن کے چھوٹے سے لاؤنج میں پھیلنے لگی۔

اُس نے تھوڑا سا مڑ کر کارپٹ پر لیٹے فیضی کی طرف دیکھا۔

وہ ابھی بھی اپنی سابقہ پوزیشن میں ہی تھا۔ ایک بازو آنکھوں پر رکھے۔

اِرد گرد سے بے نیاز...!

بڑی دیر سے وہ اِسی ایک پوزیشن میں تھا۔ پھر بھی نینی کو یقین تھا کہ وہ ہر گز سو نہیں رہا ہے۔

''فیضان!''

بہت دیر سے چھائی خاموشی اب ناقابل برداشت ہونے لگی، تو وہ اُسے پکار ہی بیٹھی۔

وہ ہنوز ساکت ہی تھا۔

''فیضان!'' اِس بار وہ نسبتاً زور سے پکاری تھی۔

''سُن رہا ہوں، بولو!''

فیضان کو جواب دینا ہی پڑا، آنکھوں پر رکھا بازو البتہ ابھی بھی نہیں ہٹا تھا۔

کبھی کبھی وہ اتنا ناقابل فہم ہونے لگتا تھا کہ نینی کو بالکل ہی اجنبی سا دکھائی دیتا تھا۔

''کوئی بات کرو نا، اتنی دیر سے چُپ کیوں ہو؟''

کوشش کے باوجود بھی اُس کی آواز رندھنے لگی، جسے شاید فیضی نے بھی محسوس کیا تھا۔

''کیا بات کروں، کچھ ہے ہی نہیں۔''

بازو آنکھوں پر سے ہٹا کر، وہ اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کمال ہے۔'' بمشکل ہی ایک پھیکی سی مسکراہٹ وہ چہرے پر لانے میں کامیاب ہو سکی۔ ''ہمارے پاس کیا کوئی بھی بات کرنے کے لئے نہیں رہی، ابھی شادی سے پہلے تک تو ہماری باتیں ہی ختم نہیں ہوتی تھیں۔ گھنٹہ گھنٹہ بھر فون پر باتیں کرنے کے بعد بھی تم کہتے تھے کہ ابھی دل ہی نہیں بھرا۔''

ایک دبا دبا سا شکوہ اُس کے ہونٹوں پر آیا ہی تھا کہ وہ ایک دم ہی جھنجلا گیا۔

''گدھا تھا اُس وقت میں، نہ اپنے وقت کی قدر تھی اور نہ ہی دس فکریں سوار رہتی تھیں ہر وقت۔''

آج کل وہ یوں ہی بات بات میں بگڑنے لگتا تھا۔ نینی اُس کی پریشانیوں کو سمجھتی بھی تھی، اِس لئے پوری کوشش کرتی کہ بات کو نظرانداز کر دے۔

مگر اِس وقت پتہ نہیں کیوں دِل پر بُری طرح چوٹ لگی تھی۔

''میں نے تو نہیں کہا تھا کہ تم مجھے فون کیا کرو، تم خود ہی بہانے بہانے سے کیا کرتے تھے۔''

''گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ ایسے ہی شہر کا رُخ کرتا ہے۔''

اس بار وہ صرف بڑبڑایا تھا، مگر نینی قریب ہی فلور کُشن پر بیٹھی تھی۔

''میں نے تمہیں مجبور تو نہیں کیا تھا، شادی کرنے کا فیصلہ تمہارا اپنا تھا، سب کچھ اتنی جلدی میں...!''

"سب تمہارے ابّا کی پلاننگ تھی۔" بہت کوفت بھرے لہجے میں اُس نے نینی کی بات کاٹی تھی۔ "جان بوجھ کر اُنہوں نے ایسے حالات پیدا کیے تھے کہ میں اِن میں اُلجھ کر رہ جائوں' ورنہ ایسی کوئی ایمرجنسی والی صورتِ حال نہیں تھی۔"

نینی نے اِس ساری بات میں صرف "میں" پر سب سے زیادہ دھیان دیا۔

"صرف 'تم'...!"

ایک دُکھ بھری حیرت نینی کی آنکھوں میں اُتری۔ "میں بھی تو تمہارے ساتھ ہی ہوں فیضان!"

"تم وہ سب فیس نہیں کر رہی ہو' جو مجھے کرنا پڑ رہا ہے۔ نہ ڈھنگ سے پڑھا جا رہا ہے اور نہ ہی رہا' اپنا اچھا بھلا گھر چھوڑ کر کسی دوسرے کے ہاں اِس چھوٹے سے پورشن میں پڑے ہیں اور اُس کا بھی احسان ہے سر پر۔"

آج وہ کچھ زیادہ ہی تلخ ہو رہا تھا۔

"بھلا کیا وجہ ہو سکتی تھی۔"

نینی نے اندازہ لگانا چاہا۔

تب ہی وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"اور یہ سب کچھ تمہارے ابّا کی وجہ سے ہوا ہے۔ اُنہیں تو میں زندگی بھر معاف نہیں کروں گا' انتہائی تنگ دل' تنگ نظر انسان...! میری زندگی اُنہیں برباد کرنی تھی' سو کر دی۔"

اِس بار نینی سے نہیں رہا گیا۔

جو کچھ تلخ و ترش وہ کہہ جاتا تھا' اُسے نظرانداز کرنا اُس کی مجبوری بھی تھی اور اُس محبت کا تقاضہ بھی' جو وہ فیضی سے کرتی تھی' مگر بشارت صاحب کے لئے وہ جس طرح حقارت بھرے لہجے میں بات کیے جا رہا تھا' وہ نینی کے لئے کچھ زیادہ ہی تکلیف دہ ہو رہا تھا۔

"ابّا کے لئے' اِس طرح کے الفاظ مت استعمال کرو فیضی! انہوں نے وہی کیا' جو کوئی بھی باپ...!"

پوری کوشش کر کے اُس نے اپنا لہجہ نرم رکھنا چاہا تھا' مگر فیضی کے لئے "اختلافِ رائے" بڑی ناپسندیدہ سی بات تھی۔

"کیوں نہ کروں اِس طرح کے الفاظ استعمال...وہ ہیں ہی اِسی قابل' وہ کسی صورت تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھمانا نہیں چاہتے تھے اور جب اُنہیں مجبوراً ایسا کرنا پڑ گیا تو اُنہوں نے حالات کو ایسا موڑ دیا کہ میں زندگی بھر ہی اُلجھنوں میں گھرا رہوں۔"

"انہیں میری شادی کرنا ہی تھی فیضان! جب میں نے اُن کی مرضی کے آگے سر نہیں جُھکایا تو پھر وہ اسی طرح ہی ہو کر سکتے تھے' جیسا اُنہوں نے کیا۔"

ایک بڑی دل جلاتی طنزیہ سی مسکراہٹ فیضان کے لبوں پر اُبھرنے لگی۔

"ڈرامہ تھا سب' تمہاری شادی ہنہ!"

اُس نے ہلکے سے سر کو جھٹکا۔ "تم سے بڑی دو بہنیں ابھی تک بیٹھی ہیں' پہلے تو اُن کی فکر کرنی چاہیے تھی بشارت صاحب کو! اگر وہ اتنے ہی ذمہ دار باپ ہیں۔"

"میری بہنوں کو بیچ میں لانے کی ضرورت نہیں ہے فیضان! اُن کا تم سے کوئی لینا دینا نہیں۔" ساری ہمدردی اور محبت فی الحال ایک طرف رکھ کر وہ اُسے صاف صاف جواب دینے پر اُتر آئی۔

"اور جو تم مستقل ہی ابّا کو جو منہ میں آیا کہے جا رہے ہو' تو محض اس لئے کہ انہوں نے میرے اور تمہارے آگے اپنا سر جُھکایا اور چاہے ناخوش ہو کر ہی سہی' ہماری خوشی کو اپنے ہاتھ سے پورا کر دیا' ورنہ تمہارے گھر والوں کی سنگ دلی سے تو کوئی بھی اچھی اُمید نہیں رکھی جاسکتی ہے' جنہوں نے خود تمہیں نکال باہر کیا۔ وہ میرے لیے کیا دل بڑا کر سکتے تھے۔"

"عزت دار گھرانوں کے اُصول قاعدے الگ ہوتے ہیں اِس لیے اُن لوگوں کی بات مت کرو تم' تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔"

وہ جب بھی اپنے خاندان کے بارے میں بات کرتا تھا' اِسی طرح احساسِ فخر ایک ایک لفظ سے چھلکا کرتا تھا۔ دوسرے کو سخت توہین کا احساس دلاتا ہوا۔

"اِس شہر میں کیا صرف تمہارا خاندان ہی عزت دار ہے فیضی! باقی کسی کی کوئی حیثیت کوئی ویلیو نہیں ہے؟"

نینی کو زیادہ دُکھ اُس کی سوچ پر ہونے لگا تھا۔

وہی ایک مخصوص قسم کا احساسِ برتری' جو عموماً دولت مندوں کی اولاد میں خود بخود در آتا ہے۔

"کسی سے بھی پوچھ لو' ہمارے گھرانے کی عزّت و مرتبے کا عالم' ہماری فرمز میں کتنے ہی ملازم تمہارے ابّا سے کہیں زیادہ تنخواہ لے رہے ہیں۔" بے حد ہلکے پن سے' اُس نے نینی کو اُس کی اوقات جتانے کی کوشش کی تھی۔

"چُپ کر جائو فیضان! ایک لفظ نہیں بولنا اب' میرے ابّا بہت مقدّس پیشے سے وابستہ ہیں۔ ایک دو نہیں ہزاروں کی تعداد ہے اُن کے شاگردوں کی۔ تم لوگوں کی طرح دو اور دو پانچ بنانے والے نہیں ہیں وہ۔"

"بکواس بند کرو تم۔"

وہ اتنی اونچی آواز میں بولا' جو نینی نے پہلے نہیں سُنی تھی۔ "ہمت کیسے ہوئی تمہاری اِس طرح کی فضول...!"

تب ہی کوئی باہر کی طرف کھلنے والے دروازے کو پُش کرتا ہوا اندر چلا آیا۔

یہ بابر تھا۔

فیضان کا دوست اور اِس گھر کا مالک۔

"شاید میں غلط وقت پر آگیا ہوں' تم لوگ کچھ ضروری بات کر رہے تھے۔"

وہ رَسمی سے انداز میں معذرت کرنے لگا۔

"شاید اُس نے باہر رُک کر کچھ سُنا ہو' یا اندر کے ماحول سے ہی معاملے کی گرما گرمی کو بھانپا ہو۔"

نینی نے اندازہ لگانا چاہا۔

مگر کچھ بھی تھا اُسے اِس سخت ٹینشن بھرے وقت میں بھی' بابر کا بناء دستک دیئے اندر چلے آنا سخت کھلا تھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں' آئو بیٹھو...! نینی چائے یا ٹھنڈا لے کر آئو۔"

"فیضی نے فوراً ہی خود کو نارمل کیا تھا۔

"میں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا ہوں' سکندر کی طرف جا رہا تھا' سوچا تمہیں بھی پوچھ لوں اگر ساتھ چلو تو۔"

اُس نے اپنا پروگرام بتایا' تو فیضی فوراً ہی تیار ہو گیا۔

"چلو' میں بھی بور ہی ہو رہا تھا۔"

جتنی بے زاری سے اُس نے کہا تھا' نینی کو بابر کے سامنے بڑی توہین کا سا احساس ہوا۔

''بوریت کیسی' نینی جیسی خوبصورت بیوی کے ہوتے ہوئے یہ لفظ بڑا عجیب سا نہیں لگتا ہے۔''

بابر نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا تھا' اپنی بات کے اختتام پر۔

نینی یا فیضان میں سے کوئی بھی مسکرایا تک نہیں۔نینی کو نہ بابر پسند تھا اور نہ ہی اُس کے چھچھورے مذاق' بلکہ اُس کی موجودگی میں عجیب سی گھبراہٹ اُسے گھیرتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ایک آدھ بار اُس نے فیضی کو بتانا بھی چاہا تو وہ مذاق میں اُڑا گیا تھا۔

تمہیں عادت نہیں ہے لوگوں سے ملنے جُلنے کی' ورنہ آپس میں ہنسی مذاق تو چلتا ہی ہے۔''

نینی سے آگے کچھ بھی نہیں کہا گیا تھا۔

زندگی میں سیٹل ہونے کے جس دور سے وہ دونوں آج کل گزر رہے تھے' وہ روز بروز ویسے ہی صبر آزما ہو رہا تھا۔مزید مسئلے اُٹھانے کہاں کی عقلمندی تھی۔

''جلدی آجانا فیضی!''

تھوڑی دیر پہلے ہونے والا جھگڑا بُھول کر وہ بے ساختہ ہی پیچھے پیچھے آئی۔

''فکر مت کرو' تمہارے میاں کو بخیریت واپس لا کر دوں گا۔''

اِس بار بھی بابر ہی نے بے تکلّفی جتائی۔

''یار فیضی!''

نوین پر نگاہیں جماتے ہوئے' وہ فیضی سے مخاسب ہوا۔

''تمہیں اُلجھن نہیں ہوتی' ہر وقت کی انکوائری سے۔پہلے تمہاری ممی منٹ منٹ پر فون کر کے تمہارا اتہ پتہ رکھا کرتی تھیں' اب بیوی نے یہ کام سنبھال لیا ہے۔''

فیضی نے لاپرواہی سے کاندھوں کو ہلکی سی جنبش دی اور اُسے ساتھ لیتا ہوا باہر نکل گیا۔

نینی کو کبھی کبھی ایسا لگنے لگتا تھا' جیسے بابر بڑی ہوشیاری کے ساتھ فیضی کو اُس سے بد دل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

مگر سوال یہ تھا کہ وہ ایسا آخر کرے گا کیوں' بابر جیسے خود مختار اور دولت مند لڑکے کو ایسا کچھ کرنے کی ضرورت کیا تھی؟

نینی نے دروازہ بند کر کے پلٹتے ہوئے' خود کو اِس واہمے سے نکالا۔

ویسے بھی اِس وقت دل فیضی کی طرف سے بہت بُرا ہو رہا تھا' یقین نہیں آرہا تھا کہ جو کچھ ابھی اُس نے فیضی کے مُنہ سے سُنا ہے وہ واقعی اُسی نے کہا ہے۔

وہ بشارت صاحب کو پسند تو خیر اوّل دن سے ہی نہیں کرتا تھا' بلکہ اُن دونوں ہی نے ایک دوسرے کو پہلی نگاہ میں ہی ریجکٹ کر دیا تھا' مگر پھر بھی نینی کو یہ اُمید نہیں تھی کہ وہ اُنہیں اتنی زیادہ حقارت سے دیکھتا ہے اور وہ بھی صرف اِس لئے کہ وہ ظاہری مال دولت میں' اُس کے دادا اور باپ کے ہم پلہ نہیں تھے۔

''چھی!''

اُسے بڑی شرم محسوس ہوئی' فیضی کی سوچ پر....! اور اُس سے بھی زیادہ خود پر۔

اپنے باپ اور اپنے گھرانے کی بے عزّتی کی ذمّہ دار وہ خود تھی' صرف اور صرف وہ خود۔

ایک بڑا چُبھتا ہوا خیال ذہن کے کسی کونے سے اُبھرا اور خاموشی سے دل کی گہرائی میں جا بیٹھا کتنی عجیب بات تھی کہ...!

پسند کی شادیوں کی عموماً ناکامی کی دسیوں کہانیاں سُن لینے کے باوجود بھی وہ اپنے اور فیضی کے رشتے کے بارے میں بڑی پُراُمید تھی۔

وہ اور فیضان! دونوں ہی دوسروں سے مختلف ہیں۔ یہ اُس کا یقین تھا۔

مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

انسان کے جذبات اور احساسات' مختلف حالات میں مختلف ہوسکتے ہیں' مگر فطرت میں قدرت نے چند باتوں میں بڑی یکسانیت رکھی ہے۔ وہ بہت جلد بھُول جاتا ہے اور بہت دیر میں سیکھ پاتا ہے۔

ایک نئی زندگی کو اُس کی تمام کٹھنائیوں سمیت قبول کرنے کا فیصلہ' فیضی نے جس عزم کے ساتھ کیا تھا' وہ بھُلانے میں اُسے بھی دیر نہیں لگی تھی۔

بستر پر لیٹی' نینی بہت دیر تک بے آواز آنسوئوں سے روئے گئی۔

فیضی پر بھروسہ' جو مان تھا' آج اُسے ٹھیس پہنچی تھی اور آج ہی اُسے یہ تجربہ بھی ہوا تھا کہ پیچھے چھوڑ کر آنے والے رشتے بڑی سے بڑی خفگی کے باوجود بھی کتنے عزیز از جان ہوتے ہیں۔

فیضی کی کہی گئی کسی بات نے اُسے اتنی تکلیف نہیں پہنچائی تھی جتنی کہ بشارت صاحب کے بارے میں کہے گئے اُس کے ریمارکس پر۔

اُس کا تکیہ چُپ چاپ بھیگے گیا۔

ایک بار بھی اُسے یاد نہ آیا کہ وہ خود ابّا سے کتنی ناراض ہے اور اُن کے فیضی کے ساتھ روا رکھے جانے والے رویّہ سے کتنی مایوس۔

آج وہ اُسے ہر طرح سے حق بجانب لگ رہے تھے۔ وہ اُس کے باپ تھے' ہر طرح سے اُس پر خفا ہونے کا حق رکھتے تھے۔

جب فیضی کے ''عالی المرتبت'' والدین نے ایک بار بھی ہلکی سی لچک اپنے رویّہ میں جھلکنے نہیں دی تھی تو کیا اُس کے باپ کو اتنا بھی حق حاصل نہیں تھا۔

نینی کو نہ جانے کیا کچھ یاد آتا رہا۔ بشارت صاحب کی شبانہ روز محنت' اپنے پیشے سے اُن کی والہانہ وابستگی' زندگی کے متعلق اُن کے اپنے اُصول قاعدے اُن کی قناعت' اپنی حلال کی آمدنی پر اُن کا فخر۔

اور بھی نہ جانے کیا کیا'

وہ سب جس پر کبھی اُس نے ایک منٹ کے لئے بھی رُک کر غور نہیں کیا تھا' آج وہی سب تمام تر جزیات کے ساتھ ایک ایک کر کے سامنے آرہا تھا۔ آج پہلی بار اُسے لگا کہ وہ کتنے شریف اور خوددار شخص ہیں اور وہ خود کتنی خوش قسمت کہ اُن جیسے قابلِ فخر انسان کی بیٹی ہے۔ اِس احساس کے ساتھ جیسے بڑی تقویت سی بندھی ہوئی تھی۔

نینی نے بھی دل کو ٹھہرتا ہوا محسوس کیا۔

فیضی حسبِ معمول دیر سے ہی آیا' مگر موڈ بہر حال اچھا ہو چکا تھا۔ خود نینی نے بھی پھر سے کوئی بات چھیڑنی مناسب نہیں سمجھی۔

البتہ صبح ناشتے پر جب وہ کسی دوست سے فون پہ یونیورسٹی جانے کا پروگرام کینسل کر کے اُس کی طرف آنے کا وعدہ کر رہا تھا' تو اُس نے بہت نرمی کے ساتھ کچھ یاد دلانا چاہا۔

''تمہاری بہت چھٹیاں ہو رہی ہیں فیضان! اور باقی وقت بھی تم اپنی اسٹڈی کو وقت نہیں دے پا رہے ہو۔''

اپنی بات کہتے ہی اُسے لگا تھا کہ جیسے وہ پھر ایک بار بحث کے لئے نیا عنوان کھول چکی ہے۔

مگر اِس بار ایسا نہیں ہوا۔

فیضی کا موڈ بھی اچھا تھا اور اپنی رات والی باتوں پر بھی شاید کوئی ہلکی سی شرمندگی ہو' وہ فوراً ہی متفق ہو گیا۔

'' ٹھیک کہہ رہی ہو تم' مجھے خود بھی احساس ہو رہا ہے۔ بس اب کل سے بہت سیریس پڑھائی شروع کرنی ہے اور میرے خیال میں تو تم بھی کالج جانا شروع کر دو' سارا دن گھر میں بور ہوتی ہو اور پھر بوریت دور کرنے کے لئے مجھ سے لڑنا شروع کر دیتی ہو۔''

وہ بڑی شگفتگی سے ہنسا۔

مگر نینی خاموشی سے نگاہیں جُھکائے ناشتے کے برتن سمیٹتی رہی۔

اُس کے دل سے فیضی کی کل کی باتوں کا رنج نہیں گیا تھا' حالانکہ اُس نے رات سے ایک بار بھی اُسے کچھ نہیں جتایا تھا' پھر بھی فیضی کا یہ ''گھڑی میں تولہ' گھڑی میں ماشہ'' والا مزاج کتنا تکلیف دہ تھا'

یہ اندازہ اُسے ہو چُکا تھا۔

''تم ناراض ہو ابھی تک۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

اُس نے ہاتھ پکڑ کر اُسے قریبی کرسی پر بیٹھایا حالانکہ وہ فیصلہ کیے ہوئے تھی کہ اب اُس کے سامنے رو دھو کر خود کو کمزور ظاہر کرنے کی غلطی نہیں کرے گی' مگر لہجے کی ہلکی سی نرمی ہی کافی تھی۔

بہت سارے آنسو اُسے حلق میں اٹکتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

''شاید فیضان کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔''

یہی سوچ کر اُسے ایسا لگا' جیسے وہ ابھی پورے خلوص کے ساتھ اُس سے معافی مانگنے والا ہے۔ وہی خلوص جس پر آنکھیں بند کر کے اُس نے یقین کیا تھا۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا' جو غلط ہو۔ بس میں غصّے میں ضرور آ گیا تھا' وہ بھی تمہاری بدتمیزی کی وجہ سے۔''

''میری بدتمیزی!''

نینی نے حیرت کے ساتھ سوچا' رات کا سارا منظر پل بھر میں ذہن میں دُہرا لینے کے باوجود بھی اُسے بالکل سمجھ میں نہیں آیا کہ' اُس کی کون سی بات بدتمیزی کے زمرے میں آتی ہے۔

''تمہارے ابّا اگر اِس وقت شادی کی شرط نہ لگاتے' تو ہم لوگ تھوڑے اچھے وقت کا انتظار کر سکتے تھے' میری تعلیم مکمل ہو سکتی تھی' گھر والوں کو بھی شاید راضی کر ہی لیتا۔ میرے اِس آناً فاناً فیصلے نے اُنہیں زیادہ ہرٹ کیا ہے' ورنہ اور کوئی نہیں' مگر امی اور سجاد چچا مجھے اِس طرح سے نہیں چھوڑ سکتے تھے' یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

نینی کو بڑی مایوسی سی ہوئی۔

بشارت صاحب کے لئے وہ اپنا دل صاف کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا اور اُس کے برعکس اپنے خاندان کو مستقل ہی رعایت دیئے جا رہا تھا۔

بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

اِس بات کا اندازہ اُسے گزشتہ رات ہی ہو چُکا تھا۔

''تم جائو، تمہیں دیر ہو رہی ہے۔''

''ہاں، واقعی''

وہ بھی جیسے کسی خیال سے چونکا۔

''ذرا میری چیک بک تو لانا، میرے پاس پیسے بالکل ختم ہو رہے ہیں۔ بینک سے نِکلواتا ہوا جاؤں گا۔''

نینی اُٹھ کر خاموشی سے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''ابھی جب اُس کے پاس کچھ نہ کچھ پیسے موجود ہیں، تب وہ اِتنا بُو کھلانے لگا ہے، اگر اُس کے پاس خدانخواستہ پیسے بھی ختم ہو گئے اور جو کہ یقیناً ہو سکتے تھے، تب وہ کس طرح کا رویہّ رکھے گا؟''

پچھلے کچھ دِنوں سے یہ خیال بار بار آنے لگا تھا۔ فیضی کو چند ایک بار ذرا ہاتھ روک کر خرچ کرنے کا مشورہ دیا تھا تو اُس نے کھٹ سے اُسے کلاس کا طعنہ دے ڈالا تھا۔

''اب چھوڑو، اِس مڈل کلاس والی سوچ کو، یہ چھوٹے موٹے خرچے ہمارے ہاں خرچ میں نہیں گنے جاتے ہیں۔ زندگی دانتوں میں پیسہ دَبا کر نہیں جی جاتی ہے نینی بیگم! خیر کچھ سالوں میں تم خود ہی سیکھ جاؤ گی۔''

واپس آئی تو وہ منتظر تھا۔

''معلوم نہیں کہاں کھوئی رہتی ہو تم، ایک ذرا سے کام میں بھی دس منٹ لگا کر آتی ہو۔''

نینی نے دیکھا، وہ ایک بڑی رقم کا چیک کاٹ رہا تھا۔

''فیضی! گھر کا سامان بھی خرید لانا اکٹھا ہی، ورنہ پھر بار بار جانا پڑتا ہے تمہیں۔''

سگھڑ بیویوں کی طرح اُس نے نکالے گئے پیسوں کا ایک بہترین مصرف تو فوراً ہی سوچ لیا۔ ''بے کار میں ہی اتنے پیسے سامان پر خرچ ہو جاتے ہیں، اِس سے اچھا یہ نہیں ہے کہ کھانا باہر ہی کھا لیا جایا کرے۔ سارا جھنجٹ ہی ختم۔''

وہ لاپرواہی سے کندھے جھٹک کر بولا۔

''جتنے پیسوں میں مہینے بھر کا سامان آ جائے گا اتنے میں کئی دن باہر کھانا کھایا جا سکتا ہے۔'' نینی یہ تو اُسے جتانے کی ہمت نہیں کر سکی، کیونکہ وہ پھر ''کلاس'' کا طعنہ دینے میں ایک سکینڈ نہیں لگاتا۔

پھر بھی اتنا تو کہنا ہی پڑا۔

''روزانہ باہر کب کھایا جاتا ہے فیضان! گھر کی بات تو دوسری ہی ہوتی ہے۔''

''ہم تو روزانہ ہی کھایا کرتے تھے، بلکہ دونوں وقت۔''

وہ مزاحیہ سے انداز میں اُس کی آنکھوں کے سامنے چیک بک لہراتا ہوا باہر نکل گیا۔

نینی ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

یہ ایک بڑے ہی صبر آزما دور کا آغاز تھا۔ اپنی شادی کے بالکل ابتدائی مہینوں میں اُس نے یہ جان لیا تھا۔

باہر سے اُس کی گاڑی کی آواز آنے لگی تو وہ لائونج کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

شادی کے ابتدائی دِنوں میں جب وہ بے حد جذباتی اور پُرعزم ہو رہا تھا' تب اُس نے یہ گاڑی بھی گھر والوں کو واپس لوٹانا چاہی تھی۔ مگر سجاد نے زبردستی ہی یہ فیضی کو دی تھی۔ نینی نے یہ قصّہ فیضان سے ہی سُن رکھا تھا اور اپنے اِس لاڈلے' اکلوتے کو سہل پسند بنانے والے' اُن سب ہی لوگوں پر نینی کو اب بے حد غصہ آنے لگا تھا۔

ایک بار نوازشات کی بھرمار کر کے منہ پھیرنے ''والوں کی حکمتِ عملی'' اُس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔

''کسی بھی موڑ پر حالات سے تنگ آ کر فیضی نے اگر اُسے چھوڑ ہی دیا۔''

نینی کا دل بہت زور سے کانپا۔

''خدانخواستہ!''

''تو وہ لوگ فیضی کو دوبارہ گلے سے لگانے میں ایک پل بھی نہیں لگائیں گے۔''

فیضی کا سارا خاندان اُسے روایتی سا چالباز کاروباری گھرانہ لگنے لگا تھا' جو اُسے اور فیضان کو چھڑانے کے درپے تھا۔

''ابّا بے چارے تو خوامخواہ ہی موردِالزام ٹھہرے تھے۔''

کل سے رہ رہ کر ملال سا اُٹھ رہا تھا۔

اصل سنگ دل اور سازشی کون تھے۔ یہ فیضی کی سمجھ میں کبھی بھی آنے والا نہیں تھا' وہ بڑی مایوس سی ہوتی ہوئی لائونج کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

اِس سارے معاملے میں جو بے یقینی روز بروز گہری ہو رہی تھی' اُس کا تصّور تک پہلے اُس کے پاس نہیں تھا۔

محض اُس کی خاطر' فیضان نے اپنا خاندان اور آسائشوں بھرا وہ سارا ماحول چھوڑا ہے۔ فخر کا یہ گہرا احساس ہی سرشار کیے رکھنے کے لئے کافی تھا۔

پر بہت سے یقین محض خوش فہمی ہی ہوتے ہیں۔

تب ہی اُسے لگا کوئی چلتا ہوا اُس کے قریب آ کر رُکا ہے۔

یہ بابر تھا۔

بناء سر اُٹھا کر دیکھے ہی' وہ جان چکی تھی۔

''ایسے کیوں بیٹھی ہو نینی! طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

وہ بڑی فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں' آپ فکر مت کریں۔''

وہ جس طرح بیٹھی تھی' اُس طرح سر جُھکائے ہوئے بولی۔

''پتہ ہے نینی!''

وہ اُس کے قریب یہ سیڑھیوں پر آ بیٹھا' نینی بے ساختہ ہی تھوڑا سا سمٹ کر دور ہوئی۔

''تمہیں اِس طرح پریشان دیکھ کر مجھے بڑا ہی افسوس ہوتا ہے۔ اتنی چھوٹی عمر میں اتنی بڑی ذمہ داری پڑ گئی ہے تمہارے اوپر' پھر فیضی کا رویہ' کم از کم اُسے تو تمہارا خیال کرنا ہی چاہیے نا!''

نینی کو بالکل بھی اچھا نہیں لگا کہ کوئی تیسرا شخص اُس کے اور فیضی کے آپس کے تعلقات کے بارے میں بات کرے۔

''فیضان میرا بہت خیال رکھتے ہیں بابر بھائی! مجھے اُن سے کوئی شکایت نہیں ہے۔''

اِس بار اُس نے بہت اعتماد سے سر اُٹھا کر' بابر کی غلط فہمی دور کرنا چاہی تھی' مگر وہ ایسے ہنسا جیسے کوئی لطیفہ سُن لیا ہو۔

'' چھوڑو!'' اُس نے ہلکے سے سر کو جھٹکا۔

''فیضی کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں' نرسری کلاس سے ہم ساتھ پڑھتے آئے ہیں۔ فیضی کی امی میری ممی کی خاص دوستوں میں سے ہیں۔ ابھی تک اُن کے علم میں نہیں ہے کہ فیضی یہاں رہ رہا ہے' ورنہ وہ میری خبر لینے میں ایک سیکنڈ نہیں لگائیں گی۔''

نینی خاموش ہی رہی۔

اُس نے ذرا رُک کر انتظار کیا کہ شاید وہ کچھ کہے پھر اپنی بات جاری رکھی۔

''اصل میں فیضی آنٹی کا بے حد لاڈلا ہے۔ شروع سے ہی وہ اُس کی ہر جائز ناجائز بات کو پورا کرتی آئی ہیں۔ ہمارے دوستوں کے گروپ میں تقریباً سب ہی کی مائیں ایسی ہی ہیں۔ سوائے ایک دو کو چھوڑ کر۔''

''اور ان سب ہی کو خود کو برتر محسوس کرنے کی کیسی بُری لت ہے۔''

نینی نے بہت کوفت سے سوچا۔

اُسے نہ بابر کا یہاں بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا اور نہ ہی اپنے دُکھڑے رونے کا ارادہ رکھتی تھی' مگر یہ گھر جہاں وہ بیٹھی تھی اُس کا تھا۔

سامنے مالی اور گیٹ پر گارڈ کی موجودگی بڑا سہارا تھی' ورنہ اُسے کئی بار یہی سوچ کر وحشت ہوتی تھی کہ فیضی کے جانے کے بعد وہ اِس اتنے بڑے گھر میں اکیلی ہوتی ہے۔

''مجھے کام ہیں بابر بھائی!''

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

بے مروّتی کا یہ مظاہرہ کر لینا ہی شاید بہتر تھا۔ بابر نے ایک گہری نگاہ اُس پر ڈالی اور پھر خاموش ہو گیا۔

...☆☆☆...

صدیقی صاحب کے ہاں کی شادی بڑی مبارک ثابت ہو رہی تھی۔

دِیا روزانہ ہی نازی کے ساتھ آ رہی تھی۔

کہاں تو وہ اُسے ایک نگاہ دیکھنے کی حسرت دل میں دبائے رکھنے پر مجبور تھا اور اب روزانہ ہی اُس کے جلوئوں کی چکا چوند' شب کے اُترتے ہی پھیلنے لگی تھی۔

آفس کی ساری مصروفیات کے باوجود عمر بڑے ذوق وشوق اور باقاعدگی سے ساری تقریبات اٹینڈ کر رہا تھا۔

میلاد، مایوں، ڈھولکی، مہندی، کوئی بھی تقریب چھوڑنے کا اُس کا موڈ نہیں تھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے عمر!''

نانی کچھ تشویش لیے اُس کے کمرے میں آ بیٹھیں۔

عمر اُن کی طرف سے پُشت کیے ہوئے' الماری میں سے کپڑوں کا انتخاب کر رہا تھا۔

"میری طبیعت کو کیا ہونا ہے' بالکل ٹھیک ٹھاک بھلا چنگا' کیوں آپ کا دل چاہ رہا ہے کیا میری تیمارداری کرنے کے لئے؟"

پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر' وہ ہلکے سے ہنسا۔

"خدا نہ کرے' بیمار ہوں تمہارے دشمن۔"

نانی کی اُس کی بے تُکی بات پر غصّہ آنے لگا تھا۔ "میں تو صرف اِس وجہ سے پوچھ رہی ہوں کہ آج بھی چلو گے یا نہیں۔"

وہ دانستہ انجان بنیں۔

"کیوں نہیں جائوں گا' بے چاروں نے اتنی محبت سے بلایا ہے اور پھر ہمارے کتنے پرانے پڑوسی رہے ہیں' بالکل رشتے داروں کی طرح۔"

نانی نے بغور یہ "دیباچہ" سُنا۔

صدیقی صاحب کے گھرانے پر جو اچانک اُسے محبت آنی شروع ہوئی تھی۔ وہ انہیں تھوڑا سا مشکوک کرنے لگی تھی' مگر وہ خوشی خوشی جا رہا تھا' سو یہ بھی غنیمت تھا۔

زیادہ کُرید نامناسب نہیں تھا' ویسے بھی اُن کے پاس ہر خبر کو حاصل کرنے کا سب سے قابلِ اعتماد ذریعہ موجود تھا۔

فرح!

اچھی بُری جو بھی بات ہوگی' اُس کے ذریعے اُن تک پہنچ ہی جاتی تھی۔

"آپ اب تک تیار نہیں ہوئیں' سب کو دیر کروائیں گی جانے میں۔"

"لو خوامخواہ ہی!"

وہ بے حد بُرا مان کر بولیں۔

"مجھے کون سے سنگھار کرنے ہیں' جو میری وجہ سے دیر ہوگی۔ منہ ہاتھ دھویا اور کپڑے بدلے' ہو گئے تیار۔"

"اچھا تو خالی منہ دھو لینے ہی سے آپ میں اتنا فرق پڑ جاتا ہے' پھر روز دھو لیا کریں نا۔"

اُس نے مصنوعی حیرت طاری کی۔

نانی بے ساختہ ہی ہنس پڑیں۔

ایک ہاتھ اُس کی پُشت پر مارتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بہت بدتمیز ہوتے جا رہے ہو دِن بدن' اپنی خبر لو' صبح کا دُھلا منہ' شام تک پانی کو ترستا ہے۔ یہاں تو اللہ کے فضل سے سارا دن وضو میں رہتی ہوں۔"

اُنہیں کمرے سے نکلتا دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔

نانی کے ساتھ یہ چھیڑ چھاڑ' بچپن سے ہی چلی آ رہی تھی۔

شاید اِسی طرح اُس نے اُنہیں زندگی کی طرف موڑے رکھا تھا۔

وہ تیار ہو کر نکلا تو' فرح آئی بیٹھی تھی۔

"اوہ نئی شرٹ خریدی گئی ہے۔"

اُس کی تیاری دیکھ کر وہ شرارت سے مسکرائی'

''اچھا' بس کرو۔''

وہ تھوڑا سا جھینپا' بات تھی تو سچ ہی۔

پہلی تقریب کے بعد ہی وہ اپنی کچھ خریداری بڑے اہتمام سے کر کے لایا تھا۔

''اچھے لگ رہے ہو ماشاءاللہ!'' فرح نے محبت سے سراہا۔

وہ خوش شکل تو تھا ہی' جو چیز اُسے اور بھی زیادہ نمایاں کرتی تھی۔ وہ تھی اُس کے چہرے پر ہمہ وقت پھیلی دلکش سی دوستانہ مسکراہٹ۔

''نانی سے کہوں گا مجھ پر کچھ دم وم کر دیں' آج معلوم نہیں کس کس کی نظر لگنے والی ہے۔''

''تمہیں کس کی نظر لگے گی' ہاں تم خود ضرور دِیا کو نظر لگا کر چھوڑو گے۔ مستقل ہی اُس کی طرف دیکھتے رہتے ہو۔''

''ارے چھوڑو' عاشقوں کی نظر نہیں لگا کرتی' وہ تو بے چارے خود ایک نظرِ کرم کے محتاج ہوتے ہیں۔''

وہ ہلکے سے ہنس دیا' شرم کرو' نانی نے سُن لیا تو اچھی طرح خبر لیں گی۔

آج کل وہ اتنا خوش رہنے لگا تھا کہ خود فرح نے بہت دل سے اُس کی خوشیوں کی تکمیل کی دُعا مانگی تھی۔

''ویسے کیا خیال ہے عمر! آج میں نانی کو دِیا سے ملوانہ دوں' یوں ہی سرسری سے طور پر اُن دونوں بہنوں سے اب میری اچھی خاصی دوستی ہو چلی ہے۔''

شادی کی اِن تقریبات میں فرح نے بطور خاص نازی اور دِیا سے تعلقات بڑھائے تھے۔

جس کا احسان عمر کے سر پر تھا۔

''مرضی ہے تمہاری! ویسے ابھی میرا کوئی ذکر مت کرنا نانی سے' ورنہ اُن کا کچھ پتہ نہیں بھئی۔''

یہ فیصلہ اُس نے فرح پر چھوڑا۔

''ایک بات ہے عمر! دِیا ہے تو بہت خوبصورت اس میں تو خیر کوئی دورائے ہو ہی نہیں سکتی ہیں۔ لیکن اُس کی بڑی بہن کا جواب نہیں ہے۔ وہ بڑی سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ دِیا سے بالکل مختلف' ملنسار اور حساس' ثانیہ کے بعد دوسری لڑکی ہے' جو مجھے اچھی لگی ہے۔''

فرح سنجیدگی سے بتانے لگی تو وہ یوں ہی اَن سُنی کر گیا۔

''ہوگی' پر ہمیں اُس کی بہن سے کیا لینا دینا' لیکن تم نے بھی شاید قسم کھالی ہے کہ دِیا کے علاوہ ہر لڑکی کی تعریف کرو گی۔ اصل میں لڑکیوں کے ساتھ یہی مسئلہ ہوتا ہے' اپنے سے زیادہ خوبصورت لڑکی اُنہیں برداشت نہیں ہوتی ہے۔''

''تب ہی نانی کمرے میں سے چادر سنبھالتی ہوئی باہر نکل آئیں۔

''کن لڑکیوں کی بات کر رہے ہو تم دونوں' مجھے بھی تو بتاؤ۔'' کون سی خوبصورت لڑکی نظر آ گئی؟''

''ارے کوئی نہیں ایسے ہی بس۔''

عمر سٹپٹا کر بولا۔

فرح ہنسنے لگی۔

نانی اور بھی مشکوک ہونے لگیں۔

''میں نے خود سُنا تھا' خوبصورت لڑکی کا ذکر!''

''آپ کا بھی پتہ نہیں چلتا' بعض اوقات قریب بیٹھ کر جو کچھ آپ کے گوش گزار کرتا ہوں' وہ آپ کو سُنائی نہیں دیتا اور کبھی دو میل سے بھی آپ سب سُن لیتی ہیں۔''

نانی کے لئے اُس کی جھنجلاہٹ بے معنی تھی۔

''مت بتاؤ' میں فرح سے پوچھ لوں گی' بعد میں۔''

عمر نے بے اختیار ہی ہاتھ جوڑ دیے۔

نانی اور فرح سے بیک وقت نمٹنا' ناممکن تھا۔

''چلیں دیر ہو رہی ہے۔''

فرح بڑے معنی خیز انداز میں کھنکاری۔

''عمر کو بہت جلدی ہو رہی ہے نانی!''

نانی نے اس کے جملے کی معنی خیزی پر تو غور نہیں کیا' بس یوں ہی ہاں میں ہاں ملا گئیں۔

''شام سے ہی تیاری میں لگا ہوا تھا' ایک کپڑے نکالے' دوسرے نکالے' پھر کہیں جا کر سمجھ میں آئے۔ میں تو کل کہہ رہی تھی' صدیقی کی بیوی سے جتنے شوق سے میرے بچے نے تمہارے گھر کی شادی میں شرکت کی ہے' ایسے تو اُس نے کبھی ہماری ''رحمت منزل'' میں ہونے والی شادیوں میں بھی نہیں کی۔''

فرح کو ایک بار پھر' بڑی زوردار ہنسی آئی۔

''کیا ضرورت تھی آپ کو اس طرح کہنے کی' میں کوئی چھوٹا سا بچہ ہوں اور وہاں کوئی دلچسپ تماشہ دیکھنے جا رہا ہوں۔

آپ بھی نا...نانی بس... کیا کہوں۔''

بعض اوقات وہ یوں ہی شرمندہ کرواتی تھیں۔ عمر بُری طرح جھینپا تھا۔

اچھا بس چلو' آئے بڑے میری زبان کو پکڑنے والے' مجھے تالا لگانا ہے۔''

فلیٹ کو تالا نانی خود لگاتی تھیں اور چابی بحفاظت اپنے پاس رکھا کرتی تھیں۔اِس سلسلے میں اُنہیں عمر پر کبھی بھی ذرا سا بھی بھروسہ نہیں رہا تھا۔

''لگائیے اپنے رحمت محل کو تالا۔''

وہ بڑبڑاتا ہوا تیزی سے سیڑھیاں اُتر گیا ' آج کل وہ آفس کی گاڑی لا رہا تھا' خاص طور پر۔ نئے ماڈل کی کرولا۔ سب لوگ اُسی میں آ جا رہے تھے۔ فرح کی گاڑی یہیں کھڑی رہتی تھی۔ اتنا اہتمام وہ پہلی بار کر رہا تھا۔

فرح صاف کہتی تھی کہ ''یہ ساری کوششیں دِیا کو امپریس کرنے کے لئے ہیں۔''

عمر جھینپ کر اِس خیال کی نفی بھی کرتا'

''ایک تو تم لوگوں کی آسانی کے خیال سے انسان کچھ کرنا بھی چاہے' تو اُلٹا مذاق بنتا ہے۔''

مگر سچی بات یہی تھی۔ محبت میں انسان' اسی طرح چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کوئی بھی حرکت احمقانہ نہیں لگتی۔

ایک تو راستہ بھی اچھا خاصا اوپر سے جگہ جگہ بند ٹریفک سگنل۔

صدیقی صاحب کے ہاں پہنچتے پہنچتے انہیں اچھی خاصی دیر ہو چکی تھی۔

مہندی کی مشترکہ تقریب کا انعقاد اُن کے گھر کے قریب لان میں تھا۔

زیادہ تر لوگ آ چکے تھے۔

میزبان استقبالیہ پر ہی مل گئے تھے' عمر کو دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی کا اظہار کیا جاتا تھا۔

''عمر کا شکریہ ادا کرنے تو ایک دن خصوصی طور پر رحمت منزل آنا پڑے گا۔ اتنی دور سے سب کو لے کر روزانہ آ رہا ہے' ہماری خاطر۔''

فرہاج اُس کے گلے لگتا ہوا بڑی گرمجوشی سے بولا۔

عمر نے کن انکھیوں سے فرح کی طرف دیکھا' مگر شکر ہے کہ اِس وقت وہ خاموش ہی رہی۔

عمر' فرہاج وغیرہ کے ساتھ دوسری طرف آ بیٹھا۔

ابھی تک اُس نے دِیا کو نہیں دیکھا تھا۔ ایک کھوج لگاتی ہوئی نگاہ' اُس سارے ماحول پر ڈال لینے کے باوجود بھی' وہ اُسے کہیں دِکھائی نہیں دی۔

''کیا پتہ آج وہ آئی ہی نہیں ہو۔''

بُرا خیال آنے میں دیر نہیں لگاتا' عمر کو بھی وسوسے گھیرنے لگے۔

سرخوشی کا وہ عالم' جو یہاں آنے تک چھایا ہوا تھا' نااُمیدی میں گھرنے لگا۔

تھوڑے فاصلے پر فرح بیٹھی دکھائی دے رہی تھی' اُس کے لئے کہیں بھی دوستوں کی کمی نہیں تھی۔ اِس وقت بھی نہ جانے کون لڑکیاں تھیں جن کے ساتھ وہ اِس قدر گُھل مل کر باتیں کر رہی تھیں کہ جیسے کوئی بہت پرانی شناسا ہیں۔

باقاعدہ تقریب کا آغاز ابھی ہونا تھا' مگر وہی روایتی سی ہُلڑ بازی جاری تھی۔

اسٹیج کی آرائش میں آج' مہندی کا رنگ غالب تھا۔

فرہاج کسی کام سے اُٹھنے لگا تو اُسے بھی اپنے ساتھ ہی اُٹھا لیا۔

یوں ہی کچھ مایوس سا ہوا' وہ اس سارے ہنگامے سے تھوڑا ہٹ کر اِس طرف آیا تھا۔ اسٹیج کے تقریباً پیچھے دُلہن کے لیے مخصوص کمرے کے آگے لڑکیوں کا ایک گروپ کھڑا تھا۔ عمر نے یوں ہی ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ اُس طرف ڈالی تھی۔

دِیا وہاں موجود تھی اور جہاں وہ موجود ہوتی' وہاں اِرد گرد کی ساری روشنیاں خود ہی مدہم ہوتی محسوس ہوتی تھیں۔ اُس کا حُسن کرشمہ ساز تھا۔

ہر بار پہلے سے بڑھ کر جادو جگاتا ہوا اور ہر بار وہ اُسے دیکھ کر چند لمحے کے لئے یوں گُم صُم سا ہو جاتا تھا۔

''عمر!''

فرہاج نے پیچھے مڑ کر آواز دی' تو وہ اپنے خیال سے چونکا۔

''آتا ہوں ایک منٹ یار' ذرا سلمیٰ آپا سے مل لوں۔''

لبوں پر آئی ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ کو دباتے ہوئے وہ اُن لوگوں کی طرف بڑھ گیا' اتنے سالوں میں اُسے شاذ و نادر ہی سلمیٰ آپا یاد آئی ہوں گی۔

مگر اب وہ اچانک ہی چند دنوں میں اہم ترین ہو گئی تھیں۔

محبت میں شاید ایسے ہی، حیلے بہانے ڈھونڈنے پڑتے ہیں۔

آج کل اُس کی باتوں میں سلمیٰ آپا کا ذکر بہانے بہانے سے آ رہا تھا۔

ایک دو دن پہلے جب وہ بڑی سنجیدگی سے نانی کو سلمیٰ آپا کے گھر چلنے کا مشورہ دے رہا تھا تو، فرح نے بڑی معنی خیز سی مسکراہٹ کے ساتھ ایک شعر پڑھا تھا۔

آہ وہ شخص کہ جس شخص کی نسبت سے ہمیں

ایسے ویسے بھی کئی لوگ ہمیں پیارے کتنے

اُس وقت تو وہ اُسے گھور کر رہ گیا تھا، مگر اِس وقت یاد آیا تو کچھ اتنا غلط بھی نہیں لگا۔

ساتھ کھڑی لڑکیاں گانے بجانے والے حصّے کی طرف جا چکی تھیں اور اب وہاں سلمیٰ آپا کے ساتھ، دِیا، نازی اور رعنا رہ گئی تھیں۔

"کہاں تھیں سلمیٰ آپا، میں تو سمجھ رہا تھا کہ آج آپ ہیں ہی نہیں۔"

ایک خوش اخلاقی بھری دُعا سلام کے بعد وہ کسی کے پردے میں کسی سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے کہاں جانا ہے بھیّا، پچھلے ایک ہفتے سے یہیں ہوں چچا کے گھر، میرے سارے کپڑے وغیرہ یہیں بھیج دیئے ہیں گھر والوں نے۔"

سلمیٰ آپا کے لئے "توجہ" بڑا مسئلہ رہی تھی ہمیشہ سے ہی، اب جو عمر نے اُن کو خاص طور پر اُن کی کولیگز کے سامنے اتنے خیال کے ساتھ پوچھا، تو اُن کی بڑی تسلّی سی ہوئی تھی۔

"اصل میں دِیا کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لئے اندر جا کر بیٹھے تھے۔"

کسی بھی بہانے سے سہی اُس کا ذِکر تو آیا تھا۔ عمر نے فوراً ہی دِیا کی طرف دیکھا۔

"خیریت!"

سلمیٰ آپا کے توسّط سے، وہ اِن لوگوں سے بہت اچھی طرح متعارف ہو چُکا تھا۔ مزید ایک حوالہ فرح بھی بن چکی تھی۔

دِیا نے جواباً ایک چُبھتی ہوئی نگاہ ہی اُس کی طرف ڈالی تھی کہ سلمیٰ آپا نے یہ جواب دینے کی ذمہ داری بھی خود ہی لے لی۔

"ایک دم ہی بہت زیادہ شور ہونے لگا تھا، تو دِیا کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ میں نے کہا چلو تھوڑی دیر اندر چل کر بیٹھ جاؤ، طبیعت سنبھل جائے گی۔"

"آپ کو لگتا ہے، زیادہ لوگوں سے ملنے جُلنے کی عادت نہیں۔"

عمر پھر اُس سے مخاطب تھا۔

دِیا کی سمجھ میں اُس کا ٹائپ نہیں آ کر دے رہا تھا، بظاہر ڈیسنٹ نظر آنے کے باوجود بھی وہ اتنے چیپ ٹائپ عاشق مزاج لڑکوں کی مانند کیوں بی ہیو کر رہا تھا۔

وہ ابھی بھی اُسی کی طرف متوجّہ تھا۔

''مجھے فالتو لوگوں سے ملنے کی عادت ہے اور نہ ہی شوق۔''

ایک چھوٹے سے جُملے سے اُس کی تسلّی یقیناً ہو جانی چاہیے تھی، مگر اُس کے چہرے پر مستقل پھیلی مسکراہٹ اور بھی گہری ہونے لگی۔

''بہت اچھی بات ہے، فالتو لوگوں سے مل کر حاصل بھی کیا ہوتا اور اُلٹا انسان کا قیمتی وقت ہی ضائع ہوتا ہے۔ بہت اچھا کرتی ہیں آپ جو اِس طرح کے...!''

اُس کی ایک اچھی عادت کی تعریف میں وہ بخوشی کتنا بھی وقت صرف کر سکتا تھا، تب ہی دِیا نے بڑی اُکتاہٹ سے اُس کی بات کاٹی۔

''چلو نا، نازی آپا! ہم لوگ یہیں جم کر کیوں کھڑے ہو گئے ہیں۔''

عمر نے دیکھا کہ وہ اُسے قطعی نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بہن سے کہہ رہی تھی۔

''ہاں چلو، اچھا عمر صاحب۔''

عمر کو احساس ہوا، کہ فرح ٹھیک ہی کہہ رہی تھی اُس کی بہن یقیناً عادتاً بہت ہی اچھی تھی۔ جب ہی دِیا کی اُکتاہٹ کے جواب میں ایک معذرت خواہانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس سے مخاطب ہوئی تھی۔

وہ اُس کے قریب سے گزرتی ہوئیں، وہاں سے چلی گئیں۔

فرہاج نہ معلوم کس طرف کو گیا تھا، عمر کا اب ویسے بھی دِل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ کسی اور بے کار کے کام میں جا لگے۔ اُس کے یہاں آنے کا مقصد صرف ایک تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ واپس وہیں آ بیٹھا۔ ایسی جگہ جہاں سے دِیا قریب تھی اور بہانے بہانے ہی صحیح اُسے دیکھا جا سکتا تھا۔

''کاش یہ چھوٹی چھوٹی ملاقاتیں، کسی مضبوط اور باقاعدہ سلسلے میں تبدیل ہو سکیں۔''

دل سے اُٹھتی اِس تمنا کو اُس نے زبردستی دبانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔

زندگی میں پہلی بار وہ کسی لڑکی کے لئے سنجیدہ ہوا تھا اور وہ بھی اتنا زیادہ کہ پیچھے ہٹنے کا خیال بھی دل کے کسی کونے میں نہیں آ رہا تھا۔ بابا کی حکم عدولی کا خوف، سجاد کی، کی گئی نصیحتیں اور اُن لوگوں کے گھرانے سے، بشارت صاحب کی فیملی کے تلخ ترین تعلقات ہر چیز ہی بڑی تیزی سے اپنی اہمیت کھوتی جا رہی تھی۔

دِیا جیسی بے مثال حُسن رکھنے والی لڑکی کے سلسلے میں، انتظار کا رِسک نہیں لیا جا سکتا تھا۔ اُسے دیکھ کر کوئی بھی بآسانی اُس کی تمنا کرنے پر مجبور ہو سکتا تھا۔

بہت بے چین سا ہو کر عمر نے پہلو بدلا کسی اور کے آگے بڑھ کر بازی مار لینے سے پہلے پہلے اُسے دِیا کو حاصل کر لینا تھا۔ بہت جلد کوئی سنجیدہ اور باقاعدہ پیش رفت کرنے کا ارادہ مضبوط سے مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔

نگاہ بار بار اُسی طرف اُٹھ رہی تھی۔

دو ایک بار اتفاقاً دِیا سے نگاہ ملی، تو وہ بے ساختہ ہی ہلکے سے مسکرایا بھی۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کتنا پیچ و تاب کھاتی ہے۔

دِیا نے دانستہ تھوڑا سا رُخ بدلا تھا۔ سامنے بیٹھے شخص کی نگاہیں مسعود کی یاد دلاتی تھیں۔ پہلے دن بھی وہ یہاں سے جا کر بہت ڈسٹرب رہی تھی اور آج یہاں آتے ہوئے اُسے چوتھا دن تھا۔

اوران چار دنوں میں وہ اُس کی اپنی طرف بار بار اُٹھتی نگاہ کے ہر مطلب معنی کو اچھی طرح سمجھی تھی۔

اُسے لوگ سراہتی ہوئی نگاہوں سے ہی دیکھتے تھے' یہاں اس محفل میں بھی اُس کی طرف کتنی ہی نگاہیں بار بار اُٹھ رہی تھیں۔

مگر عمر کی بات دوسری تھی۔ اُسے دیکھ کر مسعود کا خیال آتا تھا۔

''پھر مسعود!''

ہلکے سے سر کو جھٹک کر اُس نے دو انگلیوں سے پیشانی کو مَسلا۔

عمر اُسے بُرا نہیں لگا تھا۔ صورت شکل میں تو وہ مسعود سے بھی کہیں اچھا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ اُسے مسعود سے ہی کمپیئر کر رہی تھی۔

''اور اگر اُس کی یہ بار بار احمقوں کی طرح اِدھر ہی دیکھتے رہنے کی عادت کو نظر انداز کر دیا جائے تو وہ اور بھی زیادہ معقول دِکھائی دے۔''

اُس نے ایک ہلکی سی گنجائش بہر حال اُس کے لئے محسوس کی۔

مگر وہ کون تھا' کیا کر رہا تھا' اُس کی سماجی حیثیت؟ فیضان سے اس کی کیا رشتے داری تھی؟

یہ سب باتیں بے حد اہم تھیں۔

اُس کی زندگی میں آنے والے کسی بھی شخص کو' مسعود سے ہر حال میں بہتر ہونا چاہیے تھا۔

یہ شرط تھی یا ضد...!

بہر حال تھی ضرور...!

پھر سارا وقت وہ تھوڑا سا رخ موڑے ہی بیٹھی رہی۔ فرح بھی اُن کے پاس آکر بیٹھی ہوئی تھی' مگر اُس کی ساری گپ شپ رعنا اور نازی سے ہی ہو رہی تھی۔ دو ایک دفعہ اُس نے دِیا کو بھی مخاطب کیا' مگر اُس کی عدم دلچسپی پر وہ بھی ذرا سی محتاط ہو گئی۔

مِس سلمیٰ کو جب سے پتہ چلا تھا کہ نینی کی شادی فیضی کے ساتھ ہوئی ہے' وہ بے چاری حد سے زیادہ متاثر تھیں۔

''ماشاءاللہ نینی تو بے حد اُونچے خاندان میں گئی ہے۔ آپ تینوں بہنیں تو ہیں ہی اتنی پیاری جو دیکھے گا' ناپسند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

نازی اور دِیا دونوں کو ہی کم از کم یہ احساس ضرور ہو رہا تھا کہ عمر نے اُن کو فیضی اور نوین کی شادی کا قصّہ مفصّل طور پر نہیں سنایا ہے۔

یہ بات بہر حال ایک اچھا تاثر ڈالنے کا سبب بنی تھی۔

دِیا کو واپسی کی جلدی بھی ہوا کرتی تھی۔ وہ لوگ رعنا کے بھائی جان کے ساتھ آ جا رہی تھیں۔ آج بھی وہی چھوڑ کر گئے تھے۔ رسومات کا سلسلہ ختم ہو چُکا تھا' جب اُن کا فون آگیا کہ اُنہیں شاید تھوڑی سی دیر لگ جائے آنے میں۔

دِیا نے سُنا تو فوراً ہی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''بس فوراً اُٹھ جائیں نازی آپا! کوئی ٹیکسی کر لیتے ہیں ہم لوگ۔''

''پاگل ہو گئی ہو' اتنی رات کو اکیلے ٹیکسی میں۔''

سلمیٰ آپا کو اُس کی بوکھلاہٹ اچھی نہیں لگی'

"اتنے لوگ ہیں' کوئی بھی جا کر چھوڑ آئے گا۔"

"ایسا کریں سلمیٰ آپا! عمر کے ساتھ بھجوادیں' ویسے بھی وہ تو فارغ ہی بیٹھا ہے۔"

فرح نے اپنی مُسکراہٹ دباتے ہوئے' عمر کے ساتھ ایک بھلائی کر ہی ڈالی۔

"ہم لوگ چلے جائیں گے' زیادہ دور نہیں ہے گھر یہاں سے۔" دِیا نے ایک کمزور سا احتجاج کرنا چاہا' مگر خود نازی اتنی رات میں اکیلے جانے کے حق میں نہیں تھی۔

دِیا کو خاموش ہونا ہی پڑا۔

"ذرا ایک منٹ رُکنا نازی!" جب وہ لوگ کرسیوں کی قطاروں کے بیچ میں سے گزرتی ہوئی باہر کا رُخ کر رہی تھیں' تو فرح نے بطورِ خاص اُنہیں روکا۔

"یہ نانی ہیں' عمر کی بھی اور میری بھی۔"

نانی کسی سے مصروفِ گفتگو تھیں' مگر فرح کے کرائے گئے اِس تعارف پر اُنہوں نے فوری توجّہ دی تھی۔

نازی' دِیا اور رعنا!

عموماً وہ لڑکیوں کے جمگھٹے سے دور ہی بیٹھا کرتی تھیں اور صدیقی صاحب کے ہاں مہمانوں کی بھی حد تھی نہ شمار اِس سے پہلے اُن کی نگاہ اِن لوگوں پر نہیں پڑی تھی۔

"ماشاءاللہ آئو بیٹھو!"

انہوں نے شاید دِیا کو ہی سراہا ہو' مگر مخاطب اُن تینوں کو ہی بیک وقت کیا تھا۔

"اس وقت تو دیر ہو رہی ہے نانی! تھوڑا سا واپسی کا پرابلم بھی ہو رہا ہے۔ انشاءاللہ کل ضرور بیٹھیں گے۔"

نازی کے انداز میں بڑی فطری سی اپنائیت تھی۔ نانی کا دِل فوراً ہی خوش ہو گیا۔

"پریشانی کیسی بیٹا! فرح عمر سے کہو' ارے یہ کھڑا تو ہے سامنے!" اُنہیں وہ سامنے ہی کھڑا دکھائی دے گیا' تو فوراً ہی آواز بھی دے ڈالی۔

"عمر! پہلے ذرا جا کر بچیوں کو گھر تو چھوڑ آئو' ہم ابھی یہیں بیٹھے ہیں۔"

نانی کی لہجے میں پسندیدگی واضح تھی۔

"میں خود تم سے ہی کہنے آ رہی تھی۔" سلمیٰ آپا نے بھی کہنا ضروری سمجھا۔

"چلیں پھر' آپ کا گھر تو ویسے بھی میرا دیکھا ہوا ہے۔" ایک خوشی بڑے غیر متوقع طور پر ملی تھی' شاید اُسی کے زیرِ اثر وہ نانی کے سامنے کہہ بیٹھا۔

"کیسے! تم کب گئے تھے اِن کے ہاں۔" وہ کچھ چونکی ہو کر اُسے دیکھنے لگیں۔

"میں بتاتی ہوں آپ کو' تم لوگ جائو۔ دیر ہو رہی ہے۔" فرح فوراً ہی بول پڑی' نانی کو اُس سے زیادہ اچھی طرح نہ کوئی سمجھ سکتا تھا اور نہ سمجھا سکتا تھا۔ عمر کو بڑی تسلّی سی رہتی تھی اُسی کی وجہ سے۔

پارکنگ سے گاڑی نکال کر جب وہ اُن کے قریب آیا، تو ایک بڑی احمقانہ سی خواہش دِل میں اُبھرنے لگی۔

"کاش ساتھ والی سیٹ پر دِیا ہی بیٹھ جائے۔"

مگر فی الحال یہ سیٹ سلمیٰ آپا کی قسمت میں تھی۔

''اِن لوگوں کو چھوڑ کر تمہارے ساتھ ہی واپس آجاؤں گی۔'' اصل میں وہ تینوں مہمان بھی خاص اُن ہی کی تھیں۔

''خیر فی الحال اتنا بھی بہت تھا۔''

وہ خوش تھا اور اس شاندار گاڑی کا اثر دِیا نے بھی بہر حال لیا تھا۔

...☆☆☆...

''ممی کی بیماری نے تو اِس بار مجھے ہلا کر ہی رکھ دیا ہے سجاد!''

شیریں لاؤنج کے صوفے پر اوپر پاؤں کیے بڑے عام سے حُلیے میں بیٹھی تھی۔ ''خدا کا جتنا بھی شکر کروں کم ہے کہ اُس نے مجھ پر اتنا بڑا رحم کیا۔''

ممی گھر آچکی تھیں، مگر شیریں کے دل پر ابھی بھی سہم سا طاری ہونے لگتا تھا۔

رات کے وہ قیامت خیز لمحات، جب اچانک ہی ممی کی طبیعت بگڑی تھی اور وہ شہریار کے ساتھ اُنہیں لے کر ہاسپٹل بھاگی تھی۔

ایک بُرے خواب کی طرح وہ وقت آج بھی خیال آنے پر ڈرایا کرتا تھا۔

''خدا بڑا مہربان ہے شیریں! وہ اپنے بندے کی طرف ہر وقت متوجہ رہتا ہے بس انسان اپنے یقین کو کمزور نہ پڑنے دے، ساری پریشانیاں آنی جانی ہیں۔''

سجاد کی باتوں سے بڑی تسلّی ہوتی تھی۔

شیریں! ممی کی دیکھ بھال کی وجہ سے ابھی تک چھٹی پر تھی۔

سجاد خود ہی روزانہ تھوڑی دیر کے لئے ضرور آجاتے تھے۔

بابا، بلقیس بھابی، ثمینہ بھابی، وقار اور سہیل بھائی، سب ہی ایک سے زائد بار آکر شیریں کی ممی کو دیکھ گئے تھے۔

''ایک ڈر تو بہر حال بیٹھ ہی گیا ہے نا ممی کی طرف سے، ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ کچھ عرصے میں اُن کا بائی پاس کروانا پڑ جائے گا۔''

ایک ہلکی سی بے یقینی پھر سے اُس کی باتوں میں جھلکنے لگی تھی۔

ایک بڑی واضح تبدیلی، جو اُس کے رویّہ میں آئی تھی۔ سجاد سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔

اُس کی پُر اعتماد اور کامیاب دِکھائی دیتی شخصیت میں غیر محسوس سے انداز میں دراڑیں پڑنی شروع ہوگئی تھیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بار بار اِسی ایک خوف میں مبتلا ہونے لگتی تھی، شاید اُسے خود بھی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ ممی کی بیماری کے متعلق باتوں کو کتنا زیادہ ریپیٹ کرنے لگی ہے۔

سجاد کو اُس پر بے حد رحم آنے لگا تھا۔

''پتہ ہے سجاد! دِن تو خیر کٹ ہی جاتا ہے جیسے تیسے، کوئی نہ کوئی آتا رہتا ہے، فون پر بھی رابطہ رہتا ہے سب سے۔ تم بھی کتنے ہی فون کر لیتے ہو۔ ایک ڈھارس سی بندھی رہتی ہے، مگر رات کو بڑی وحشت ہوتی ہے۔ آج کل تو میں بالکل بھی سو نہیں پاتی ہوں، بار بار ممی کو چیک کرتی رہتی ہوں کہ وہ ٹھیک تو ہیں۔''

''اِس طرح تو تم اپنی صحت خراب کرلو گی۔ کسی کو سُلا لیا کرو، کہو تو کسی فل ٹائم نرس کا انتظام کردوں۔''

نہیں فی الحال اِس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے پوچھا تھا' ممی کو میں کسی دوسرے پر چھوڑ بھی نہیں سکتی ہوں سجاد! یوں تو گھر میں سب ملازم بھی ہیں۔ پرانے' وفادار' زرینہ تو ہمارے کمرے میں ہی سو جاتی ہے۔ جب سے ممی گھر پر آئی ہیں۔"

سجاد نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"شہریار صاحب کا فون آتا ہے۔" کچھ سوچتے ہوئے اُس نے پوچھا' تو شیریں ہلکے سے ہنس پڑی۔

"بہت پابندی سے اور اتنی بور اور لمبی گفتگو کرتا ہے یہ آدمی! کہ کوئی حد نہیں۔ مسز ہاشمی کے کزن ہیں اور پھر اُس دن بے حد مددگار بھی ثابت ہوئے تھے اسی لئے لحاظ و مروّت میں' اُنہیں برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔"

اُس کے لہجے میں شہریار کے لئے پائی جانے والی اُکتاہٹ کو سجاد نے پوری کوشش کر کے نظر انداز کیا۔

"آدمی تو اچھے ہیں' بے حد لائق اعلیٰ تعلیم یافتہ' مجھے تو اُن سے مل کر اچھا ہی لگا تھا۔"

مسز ہاشمی کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا' سو یہ موضوع اُنہیں چھیڑنا ہی پڑا۔

شیریں نے بہت چونک کر سجاد کی طرف دیکھا۔

...☆☆☆...

"اور میرا خیال ہے کہ تمہیں بہت پسند بھی کرتے ہیں۔"

سجاد نے کچھ رُکتے ہوئے اپنی بات پوری کی۔

ایک گہری سانس اندر اُتارتے ہوئے شیریں نے خود کو کمپوز کرنا چاہا۔ "آخر کبھی نہ کبھی تو اُن دونوں کے درمیان یہ موضوع چھڑنا ہی تھا۔ سو آج ہی کیوں نہیں۔" سجاد کو کوئی جواب دینے سے پہلے اُس نے خود کو سمجھایا۔

"اچھی بات یہ ہے کہ اُنہیں آنٹی بھی بے حد پسند کرتی ہیں اور اب تو وہ خاصے گھُل مل بھی گئے ہیں یہاں گھر میں۔"

اُس کی خاموشی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ اپنی بات کہتے چلے گئے۔ مسز ہاشمی سے کیے گئے وعدے کا پاس تھا یا ایک بہت گہری ندامت' جو شیریں کے حوالے سے ہر وقت گھیرے رکھتی تھی۔ اُس کا ازالہ کرنا ضروری تھا۔

"تو پھر!"

وہ بات کرتے کرتے ذرا رُکے تھے' جب شیریں نے نگاہ اُٹھا کر اُن کی طرف دیکھا۔

"تو پھر سجاد! اِس سے کوئی بڑا فرق پڑتا ہے کیا' بہت سے لوگ مجھے پسند کرتے ہوں اور ممی کو بھی وہ لوگ پسند ہوں تو کیا ضروری ہے کہ میرے لیے بھی وہ بہت اہم ہو جائیں؟" شہریار بھی ایک اچھے ملنے والے ہیں' میں تو اُنہیں دوست کی کیٹگری میں بھی نہیں رکھتی ہوں اور میرے ہی کیا وہ کسی کے بھی دوست نہیں ہو سکتے۔ اُن کی شخصیت پر چڑھا ہوا کلف اُن میں وہ جُھکاؤ پیدا کر ہی نہیں سکتا ہے جو کسی بھی رشتے میں دوستی کی بنیاد بنتا ہے۔"

بہت واضح اور پُر سکون لہجے میں اُس نے ایک بار پھر شہریار کے لئے اپنی ناپسندیدگی کا اِظہار کیا۔

"وقت کے ساتھ ہر انسان تبدیل ہوتا ہے شیریں! شہریار بھی بدل لیں گے' اُن کا یہ ظاہری انداز اُس ماحول کی دین ہے جس میں اُن کی ساری عمر بسر ہوئی ہے۔ تھوڑا سا بھی ماحول میں چینج آ گیا تو...!"

اب جب یہ موضوع چھڑ ہی چُکا تھا تو وہ شہریار کا جتنا بھی دفاع کر سکتے تھے کرنا چاہ رہے تھے' مگر شیریں نے اس بار بہت تیزی سے اُن کی بات کاٹ ڈالی۔

''شہریار تبدیل ہوں یا نہ ہوں' یہ میرا مسئلہ نہیں ہے سجاد! اور تم کیا یہ ممی اور مسز ہاشمی کا رول ادا کرنے بیٹھ گئے ہو' کوئی اور بات نہیں ہے کیا آج تمہارے پاس؟''

ایک لاپرواسی مسکراہٹ کے ساتھ' وہ اُٹھ کر بے ترتیبی کے ساتھ رکھے ہوئے کُشن دورست کرنے لگی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سجاد کو جھنجلاہٹ گھیرنے لگی' شیریں کا یہی پس و پیش اُن کے اندر احساسِ جُرم کو بڑھاوا دیتا تھا۔

''آخر کیوں نہیں وہ اپنی زندگی کے لئے کوئی بہتر فیصلہ کر پاتی ہے' اُن کی طرف سے پوری نااُمیدی کے باوجود۔''

اِس بارے میں اب تک وہ اتنی بار سوچ چکے تھے کہ اب ممی اور مسز ہاشمی دونوں ہی سو فیصد ٹھیک لگنے لگتی تھیں' کبھی کبھی!

یہ لمحات بھی کچھ ایسے ہی تھے۔

''میرے لئے سب سے اہم یہ ہے کہ تم اپنے لیے کوئی اچھا فیصلہ کرلو' شہریار بہت اچھے آدمی ہیں۔''

شیریں کے لب سختی سے جُڑے رہے۔

جو بات نہ کبھی کہی جاسکی اور نہ ہی سُنی جاسکتی وہی ساری زندگی کا حاصل تھی۔ سجاد نے اُس کے زرد ہوتے چہرے کو بھی دیکھا اور جُھکی ہوئی نگاہ کو بھی۔

''شاید وہ شیریں کے لئے خود کو زندگی بھر بھی معاف نہیں کر سکیں گے' مگر بہت سے لوگوں کو اور خود شیریں کو بھی ایک بڑی تکلیف سے اِسی طرح بچایا جاسکتا تھا۔''

''یہ سب تم ممی اور مسز ہاشمی کے کہنے پر کہہ رہے ہو یا تمہارے بھی خیال میں میرے لیے یہی بہتر ہے؟''

سجاد نے بہت ہلکے سے اُسے کہتے ہوئے سُنا۔

''میں صرف تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں' ایک بہت اچھے دوست کی حیثیت سے۔'' وہ بہت نرمی سے کہتے ہوئے اُس کے قریب آکھڑے ہوئے۔

تب ہی شیریں نے سر اُٹھا کر اُن کی طرف دیکھا۔ ''ٹھیک ہے پھر۔'' میں بہت خوش رہوں گی' اُن کے ساتھ۔

نہ کوئی وعدہ' نہ عہد' نہ اُمید' نہ انتظار۔

پھر بھی ایک دم ہی' بہت گہرا سناٹا شیریں نے اپنے چاروں طرف پھیلتا محسوس کیا۔

''بہت خوش رکھیں گے شہریار تمہیں' جیسی زندگی جیسے ماحول کی تم عادی ہو' وہی تمہیں اُن کے ساتھ رہ کر بھی حاصل رہے گا۔ کسی قسم کا کوئی مسئلہ...!''

وہ بہت غیر جانبداری سے حالات کا تجزیہ کر رہے تھے' شیریں کو اُن کی کسی بھی بات سے اختلاف نہیں تھا' مگر صرف ایک بات سے اور وہ یہ کہ شہریار اُسے کبھی بھی خوش نہیں رکھ سکتا تھا' بلکہ اُسے کوئی بھی خوش نہیں رکھ سکتا تھا' سوائے ایک کے...! بہت شدّت سے اُس کا دل چاہا کہ وہ یہ بات سجاد کو بھی بتا سکے۔

مگر کیا فائدہ! جب وہ شخص یہ بات جاننے کے باوجود انجان بن رہا ہو۔

...☆☆☆...

ثانیہ نے ایم اے انگلش میں رجسٹریشن کروالیا تھا۔

صبح جاب اور شام کو گھر کے کام' پھر بھی وہ بڑی پابندی سے رات کو پڑھا کرتی' مگر جلدی ہی اُسے اندازہ ہونے لگا کہ یہ سب کچھ' کوئی اتنا بھی آسان کھیل نہیں ہے۔

ماسٹرز کے لیول کی انگلش پڑھنے کے لئے اُسے کسی مدد کی ضرورت تھی۔

ایک روز شام میں اتفاق سے پڑوس والے ابرار صاحب کی بیٹیاں آگئیں' اُن کے سامنے ذکر آیا تو ثانیہ نے بھی اپنی پریشانی بتادی۔

اُن لوگوں کو یہاں رہتے ہوئے طویل عرصہ بیت چکا تھا' جان پہچان بھی بہت تھی۔ دو' تین گلیاں چھوڑ کر رہنے والی انگلش کی ٹیچر بینا باجی کا پتہ ثانیہ کو اُن ہی کے توسّط سے مِلا تھا۔

صاف ستھرے' دومنزلہ گھر میں' جہاں پہلی بار قدم رکھتے ہوئے' اُسے فطری سی جھجک محسوس ہوئی تھی جو بینا باجی کے سادہ اور پُر خلوص سے انداز کی وجہ سے جلد ہی دور ہوگئی۔

وہ عادتاً کم گو تھیں' لیکن پڑھانے کا انداز بے حد اچھا تھا۔

نہ تو اُنہوں نے کُرید کُرید کر ثانیہ کے ذاتی حالات پوچھنے چاہے اور نہ ہی اُس کے بتانے پر کہ وہ یہاں ماموں ممانی کے ساتھ رہ رہی ہے' اُس پر ترس کھانا ضروری سمجھا۔

ہاں' اُس کی صبح کی جاب کے بارے میں سُن کر اتنا ضرور پوچھا کہ'

''وہ تو بہت اچھی جگہ ہے' تم وہیں شام کی کلاس میں انگلش کی کوچنگ کیوں نہیں لے لیتی ہو' تمہارے لیے زیادہ بہتر رہے گی۔''

اُن کا مشورہ خُلوص پر مبنی تھا' ثانیہ نے خود بھی پہلے اِسی بارے میں سوچا تھا' مگر بہت سی وجوہات آڑے آرہی تھیں' جن میں سب سے اہم وجہ گھر سے بھی غیر حاضری تھی۔

ابھی تو وہ اپنی ڈیوٹی بُھگتا کر تین' سوا تین تک گھر پہنچ جایا کرتی تھی' مگر چار سے سات کی کوچنگ کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد گھر پہنچتے پہنچتے رات کے آٹھ بجنا لازمی تھے۔

ممانی اِسی بات کو لے کر کیا کچھ کہہ سکتی تھیں' اُسے پورا پورا اندازہ تھا' پھر یہ بھی تھا کہ گھر پر امّاں بھی ایک طرح سے اکیلی ہی ہوتی تھیں۔ معلوم نہیں ممانی کی خوشنودی کے لئے وہ سارا دن کتنی جان مارا کرتی تھیں۔ یہ خیال وہاں اکیڈمی میں بھی ثانیہ کو ستاتا رہتا تھا' سو گھر سے اتنی دیر دور رہنے کو خود اُس کا اپنا دل بھی نہیں مانتا تھا۔ یہاں بینا باجی کے پاس آکر گھنٹہ دو گھنٹہ پڑھ لینا نسبتاً بہت آسان تھا۔

''امّاں کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ہے بینا باجی! اس لیے میں اتنی دیر وہاں نہیں رُک سکتی۔'' اُس نے مناسب الفاظ میں اپنی مجبوری بیان کی' تو وہ بھی اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

''بہت اچھی بات ہے کہ تم اپنی امی سے اتنی محبت کرتی ہو' والدین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ پابندی سے آیا کرو' جتنا اچھے سے اچھا میں تمہیں پڑھا سکتی ہوں' انشاءاللہ پڑھایا کروں گی۔''

چند ہی دنوں میں ثانیہ کو اندازہ ہونے لگا تھا کہ بینا باجی کے ہاں آنے کا فیصلہ کتنا درست تھا۔ پڑھائی میں خود بخود ایک تسلسل قائم ہو گیا تھا اور کلاسیکل پوئیٹری اور ڈرامہ پڑھتے وقت اُسے جو بھی مشکلات پیش آرہی تھیں۔ ایک ایک کرکے سہل ہوتی جارہی تھی۔

ممانی نے حسبِ عادت اِس نئی ''سر گرمی'' پر نقطۂ اعتراض اُٹھایا تھا' مگر جمیل ماموں کی وجہ سے کھل کر مخالفت بھی نہیں کر پا رہی تھیں' مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ کہہ ہی جاتی تھیں۔ثانیہ اَن سُنی کرتی رہتی۔ جمیل ماموں کے ہاں رہنے میں اُسے سب سے زیادہ پریکٹس اِس ایک کام کی ہوئی تھی۔

بینا باجی کے ہاں شاگردوں کا ایسا رش نہیں تھا' جیسا عام طور پر ٹیوشن پڑھانے والوں کے ہاں ہوتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر کم ہی لڑکیاں لیتی تھیں۔ثانیہ کے علاوہ اُن کے پاس دو لڑکیاں انٹرلیول کی تھیں اور تین گریجویشن لیول کی تھیں۔

اُن کے بھی اوقات میں تھوڑا سا فرق وہ رکھا کرتی تھیں' تاکہ ہر ایک کو انفرادی توجہ مل سکے۔ صبح کو وہ ایک گورنمنٹ اسکول میں میٹرک کلاس کو پڑھایا کرتی تھیں۔

''بینا باجی! آپ نے لیکچرر شپ کے لئے اپلائی کیوں نہیں کیا۔آپ تو وہاں بہت اچھا پڑھا سکتی تھیں۔''

اُن کی انگریزی پر دسترس دیکھ کر ایک دن وہ جھجکتے ہوئے پوچھ ہی بیٹھی' وہ ہلکے سے مسکرا دیں۔

''یہ جاب تو میں بہت پہلے سے کر رہی ہوں' ایم اے انگلش تو میں نے شادی کے بعد کیا ہے۔بس اپنے شوق کی خاطر' پھر یہ کہ جب آفتاب کی جاب بہت اچھی تھی اور انہیں میرا جاب کرنا کچھ زیادہ پسند بھی نہیں تھا۔''

آفتاب اُن کے شوہر کا نام تھا' یہ تو ثانیہ کو پتہ تھا' مگر اُس کا اُن سے کبھی سامنا نہیں ہوا تھا۔

بینا دوبارہ سامنے کُھلی کتاب کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔ثانیہ کو ایک پل کے لئے خیال بھی آیا کہ بینا باجی کے شوہر اب کیا جاب کرتے ہیں' شاید پہلے جیسی اچھی نہیں۔

گھر میں اور لوگ بھی تھے' مگر یہ کمرہ جہاں وہ پڑھاتی تھیں' باہر کے رُخ کی طرف تھا' کوئی بھی اِس طرف آکر ڈسٹرب نہ کیا کرتا۔

کبھی کبھی اُن کی نندوں یا ساس سے ثانیہ کا سامنا ہوا بھی تو بات سلام سے آگے نہ بڑھی' اوپر کی منزل میں شاید دوسرے بھائی کی فیملی مقیم تھی۔

ثانیہ کے لئے بینا اور اُن کا گھرانہ بڑا ہی سوٹ ایبل ثابت ہو رہا تھا۔

پڑھائی کے لئے بے حد سازگار' پُرسکون ماحول اور اپنے کام سے کام رکھنے والے لوگ' اتنی یکسوئی تو شاید اکیڈمی میں بھی نصیب نہیں ہو سکتی تھی' جہاں فیس کی مد میں ہزاروں روپے بھرنے پڑتے۔

اُس روز اُسے واپسی میں معمولی سے آدھ گھنٹے تاخیر ہو گئی۔

امّاں دروازے پر ہی منتظر تھیں۔

''پریشان نہ ہوا کریں امّاں! بعض اوقات پڑھتے ہوئے ٹائم کا اندازہ ہی نہیں رہتا ہے۔'' وہ انہیں ملائمت سے سمجھانے لگی' مگر اُن کے چہرے پر پھیلی پریشانی ہنوز باقی تھی۔

''گھڑی پر نظر رکھا کرو' تمہاری ممانی بہت بُرا مناتی ہیں' تمہیں تو پتہ ہی ہے۔''

ممانی کے کہے سُنے کو اکثر ہی وہ صاف چُھپا جایا کرتی تھیں' مگر اِس وقت جو تنبیہ کر رہی تھیں' تو اِس کا مطلب تھا کہ بات کچھ زیادہ ہی بڑھی تھی۔

چھوٹے سے صحن کو پار کر کے برآمدے کی طرف جاتے ہوئے ثانیہ سوچ گئی۔

سارا دن کی بھاگ دوڑ کے اختتام پر وہی ٹینشن بھرا ماحول' تھکن کو اور بھی زیادہ بڑھاتا ہوا۔

سامنے ہی کرسی پر لبنیٰ بیٹھی تھی، اُس کو آتا دیکھ کر وہیں بیٹھے بیٹھے پکاری۔ ''ثانیہ آگئی ہے امی آجائیں آپ باورچی خانے سے باہر۔''

کچن میں کوئی برتن زور سے گرا تھا۔

ثانیہ بے ساختہ ہی رُک کر خاموش نگاہوں سے کچن کی طرف دیکھنے لگی۔

یہ ممانی کے غصّہ کے اِظہار کا مخصوص طریقہ تھا۔ چیزوں کی اُٹھا پٹخ کیے بناء انہیں چین ہی نہیں آتا تھا۔

''اصل میں، آج روٹی پکنے میں بھی تو دیر ہوگئی نا، اِسی لیے...!''

امّاں نے ماحول پر چھائے بوجھل پن کو ہلکا کرنے کی کوشش کی، مگر ثانیہ نہ چاہتے ہوئے بھی بات کاٹ گئی۔

''دیر کہاں امّاں! ابھی تو جمیل ماموں بھی نہیں آئے ہیں۔''

رات کا کھانا عموماً ساتھ ہی کھایا جاتا تھا۔

''بس وہ لبنیٰ کو بھوک لگنے لگی تھی، اِسی لیے۔''

امّاں بے چاری ویسے ہی سارا وقت شرمندہ شرمندہ سی رہتی تھیں، اِس وقت اور بھی زیادہ لگ رہی تھیں۔ ''میں نے تو کہاں تھا کہ لاؤ میں پکا دیتی ہوں، مگر کوئی مانا ہی نہیں۔''

''روٹی تو خود لبنیٰ بھی بنا سکتی ہے یہ کون سی بڑی بات تھی۔''

حالانکہ یہاں کسی بات کا بُرا ماننے کا نہ سوال تھا اور نہ حق، پھر بھی جانے کیسے وہ بُرا منا گئی اور چونکہ لبنیٰ کے سامنے ہی اِظہارِ خیال کیا تھا، سو کیسے ممکن تھا کہ وہ بھی خاموش رہ جاتی۔

چیخنے چلانے کے لئے ویسے بھی اُسے اور ممانی دونوں ہی کو کسی بہانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

''تمہارا کام میں کس خوشی میں کیا کروں اور ویسے بھی تمہارے ذمہ اب کام ہی کیا رہ گیا ہے۔ سارا دن باہر پھرنے کے سوا۔''

''میں باہر نہیں پھرتی، جاب کرتی ہوں یا پھر پڑھائی۔''

مضبوط لہجے میں مختصر جواب دے کر وہ اپنی کتابیں اور بیگ رکھنے کے لئے کونے میں رکھی کمپیوٹر ٹیبل کی طرف بڑھ گئی، حالانکہ دل تو چاہا تھا کہ لبنیٰ اُس کی مصروفیات سے بھی ''آگاہ'' کر دیا جائے۔ مگر یہاں اپنی حیثیت کی حقیقت دل کسی بھی وقت بھولتا نہیں تھا، بلکہ شاید بھولنے دیا ہی نہیں جاتا تھا۔

''اپنی نوکری کا رعب کسی اور کو دینا، میری بچی کو دبانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کسی کے گھر پڑی مفت کے ٹکڑے نہیں توڑ رہی ہے۔''

ممانی کچن کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی تھیں اور وہی کہہ رہی تھیں، جو اُن کی فطرت کے عین مطابق تھا۔

امّاں نے ایک آدھ بار اُن کا غصّہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش بھی کی، مگر بُری طرح جِھڑکی گئیں۔

محض چند الفاظ، زبان سے مجبوراً نکلنے پر، وہ امّاں کی بے عزّتی کا بھی سبب بن بیٹھی تھی۔ ثانیہ کو ''اپنی ہی'' غلطی کا احساس ہونے لگا۔ ملگجے سے کپڑے اور چہرے پر پھیلی گہری مایوسی۔

تخت کے ایک کونے پر بہت بے بس سی ہوئی بیٹھی امّاں پر اُس نے ایک دُکھ بھری نگاہ ڈالی، اُن کے سارے بال تیزی سے سفید ہوئے تھے۔ کتنا بدل گئی تھیں وہ۔

خوش رنگ کپڑوں میں ملبوس چہرے پر ایک کبھی نہ مٹنے والی مسکراہٹ لیے۔

کوئی خوش گوار سی یاد' دل پر لمحے بھر کے لئے کسی کرن کی طرح چمکی۔

بناءایک لفظ بھی کہے' اُس نے ممانی کی پوری تقریر سنی اور پھر جب وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں' تو کپڑے بدل کر کچن میں آ کھڑی ہوئی۔

توا چولہے پر رکھا ہوا تھا اور نیچے پوری آنچ تیز ہو رہی تھی' اُس نے آگے بڑھ کر آنچ دھیمی کی۔

سارے سلیب پر آٹا پھیلا ہوا تھا' جو بے ترتیبی' ممانی اور لبنیٰ کی ذات کا حصّہ بن چکی تھی' اُسے وہ اُن کی عادت سمجھ کر قبول بھی کر چکی تھی۔

سو نہ افسوس ہوتا تھا اور نہ حیرت۔

افسوس کرنے کے لئے اُس کے پاس باتوں کی کمی ویسے بھی نہیں تھی۔

خاموشی سے سارا پھیلاوا سمیٹ کر اُس نے روٹی پکائی' دوسرے چولہے پر رکھے آلو گوشت کے سالن کی خوشبو بتا رہی تھی کہ وہ امّاں کے ہاتھ کا پکایا ہوا ہے اور ساتھ میں سفید ماش کی دال۔

امّاں کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانوں کی دھوم نواب شاہ میں سارے ہی ملنے والوں میں تھی' محلے میں قریبی گھر جو بے تکلّف تھے' فرمائش کر کے پکواتے تھے۔

اور شہزاد بہت دن بعد اُسے شہزاد یاد آیا۔ جو اتنا ذمہ دار تھا کہ خود اُسے اور امّاں کو یہاں ماموں کے گھر تک پہنچا کر گیا تھا۔

شہزاد تو باقاعدہ آ کر جو کچھ بھی پکا ہو' نکال کر لے جایا کرتا تھا۔

اُس کی امی بے چاری شرمندہ ہوتی رہتیں' اُسے شہزاد کی امی اور بہنیں بھی یاد آ گئیں۔ محبت کرنے والے بے غرض لوگ۔ اُس وقت اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ جنس دنیا کے بازار میں اب کتنی کم رہ گئی ہے۔

وہ چُپ چاپ روٹی پکائے گئی اور جب باہر نکلی تو جمیل ماموں دُکان بند کر کے آ چکے تھے۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپا! دوا وغیرہ تو کھا رہی ہیں نا۔"

وہ امّاں کے پاس بیٹھے بہت تشویش کے ساتھ پوچھ رہے تھے اور امّاں اُن کا وہم دور کرنے کے لئے نہ جانے کس دل سے مُسکرا رہی تھیں' اُسے دیکھ کر وہ اس طرف متوجّہ ہوئے' مگر نہ جانے آج جمیل ماموں کی محبت بھی دل کی ڈھارس بندھانے کا سبب نہ بنی۔

ایک پھیکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ اُن کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے وہ کھانا لگانے میں مصروف ہو گئی۔

سامنے لبنیٰ کے کمرے کے کُھلے دروازے میں سے ٹی وی نظر آ رہا تھا' کوئی بہت دلچسپ سی نیوز رپورٹ آ رہی تھی' جمیل ماموں کھانا کھاتے ہوئے اُسی طرف متوجّہ رہے۔

سوائے امّاں کے کسی نے بھی نوٹ نہیں کیا کہ ثانیہ نے برائے نام ہی کھایا ہے۔ ایک آدھ بار اُنہوں نے اُس کی طرف ڈونگہ سرکایا بھی' مگر اُس نے پھر بھی کچھ نہ لیا۔ سامنے ہی ممانی بیٹھی تھیں' اُن کے سامنے زبان سے اصرار کر دیتیں تو اگلا سارا دن اور بعد کے بھی کئی دن وہی جلی کٹی سُننی پڑ جاتیں۔

"مفت کی روٹیاں...!"

رات کو جب وہ برتن دھو کر اور کچن کی صفائی سے فارغ ہو کر امّاں کے پاس آ کر لیٹی تو وہ جاگ رہی تھیں۔

''ممانی! بڑی ہیں تمہاری' بُرا نہیں منایا کرتے ہیں بڑوں کی بات کا۔'' اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے' وہ وہی لگی بندھی سی باتیں سمجھانے لگیں' جن کی مدد سے زندگی کی بخشی ہوئی کڑواہٹ' کچھ کم محسوس کی جاسکتی تھی' شاید...!

''میں کسی کی بات کا بُرا نہیں مناتی ہوں اماں!'' وہ ہلکے سے بولی۔

چوبیس گھنٹوں میں یہی ایک واحد وقت ہوتا تھا' جب وہ بے حد پُرسکون ہوا کرتی تھی' اِس وقت کو اِن تلخ باتوں کی نذر کرنا بھی نہیں چاہتی تھی' مگر اماں جو کچھ کہہ رہی ہوتیں' اُس کا سُننا بھی ضروری ہوتا تھا اور کبھی کبھی جواب بھی دینا ہی پڑ جاتا تھا۔

''دل کی بُری نہیں ہے اور دیکھو تو آج کے زمانے میں کون کس کا بھار اُٹھاتا ہے۔ جمیل تو اپنا ہے' مگر وہ تو غیر ہے' پھر بھی ہمیں برداشت تو کر رہی ہے نا۔''

''کہاں برداشت کیا ہے اماں! ممانی نے ہمیں' ایک دن بھی نہیں۔''

اُس نے ایک گہری سانس لی' ''ایک عذاب ہے جو پہلے دن سے ہم جھیل رہے ہیں' نہ وہ ہمیں ٹھوکر مارتے مارتے تھکی ہیں اور نہ ہم مار کھاتے کھاتے۔''

اپنی بات کے اختتام پر وہ ہلکے سے ہنس پڑی۔ عجیب سی ہنسی' جیسے کسی نے درد کے احساس سے چونک کر سسکی لی ہو۔

اماں کے دل میں عجیب سے وہم آنے لگے' وہ اُسے ٹوکنا چاہتی تھیں' مگر ابھی اُس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:

''کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں اماں! کہ ابا نے سب رشتوں سے کٹ کر زندگی گزارنے کا جو فیصلہ کیا تھا' وہ بالکل ٹھیک تھا۔ کیا دیتے ہیں یہ رشتے سوائے ایک نہ ختم ہونے والی تکلیف کے۔ ابا نے بھی شاید ہمیں کسی بڑے عذاب سے بچائے رکھنے کے لئے ہی خود کو اپنے اصل سے الگ کر لیا تھا۔''

''تمہارے ابا کا خاندان بہت اچھا ہے' وہ کچھ اور وجوہات تھیں' جو انہوں نے اُن سب سے...!''

بہت دنوں بعد اُس نے اپنے ددھیال کے حوالے سے کوئی بات کی تھی اور وہ بھی اتنے منفی انداز میں۔ اماں اِسی سلسلے میں کچھ صفائی پیش کرنے لگی تھیں' مگر اُس کا اپنا تجربہ اُسے رشتوں سے بالکل کٹ کر چُکا تھا۔

''ابا کا خاندان بہت سنگ دل اور خود پسند ہے اماں! ایسا کون سا جرم سرزد ہوا تھا' ابا سے یہی ناں کہ اُنہوں نے آپ سے شادی کر لی تھی' مگر اُنہوں نے کیا کیا جواباً۔''

وہ بالکل آہستہ آہستہ بات کر رہی تھی' جیسے کوئی سرگوشی کی جاتی ہے۔

اور جب وہ بات کرتے کرتے رُکی تھی' تو اماں نے اُس کی آنکھوں میں نمی سی پھیلتی دیکھی۔

''اُن لوگوں نے میرے ابا کو بالکل تنہا چھوڑ دیا' اِس اتنی بڑی دنیا میں پلٹ کر کسی نے خبر ہی نہیں لی کہ وہ کیسے جیئے۔ یوں ہی تو اُن کا دل بند نہیں ہوا تھا اماں! بہت سال بہت سال زندہ رہ سکتے تھے' اُنہیں اپنوں کی بے اعتنائی نے مار دیا۔''

اماں نے بے ساختہ ہی کھینچ کر اُسے سینے سے لگا لیا۔

وہ روتی رہی' ہچکیوں کے ساتھ۔

اُنہوں نے اُسے چپ بھی نہیں کرایا' یہ رو لینا اُس کے لیے بہتر ہے...! وہ جانتی تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

معلوم نہیں کس کس مد میں جمع ہوئے' آنسو ایک تواتر سے گرے گئے اور نمکین پانی کا ایک دریا' خود اُن کے اپنے وجود میں بھی لہریں لیے گیا۔

رات چُپ چاپ اپنا سفر طے کرتی رہی۔

''امّاں!'' بہت دیر بعد جب وہ خود کو اتنا پُرسکون محسوس کر رہی تھی کہ خود اپنے آپ حیرت ہو رہی تھی' اُس نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجہ میں کہتے ہوئے' امّاں کے چہرے پر نگاہیں جمائیں۔

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں کبھی بھی ابّا کے خاندان سے نہیں ملوں گی' کبھی بھی نہیں...! زندگی کے کسی موڑ پر اگر وہ سامنے آ بھی گئے' تو میرے لیے اُن کا ہونا نا ہونا برابر ہو گا اور آپ مجھے بالکل بھی مجبور نہیں کریں گی۔''

''پاگل ہوئی ہو کیا' یاد نہیں تمہارے ابّا کی کتنی شدید خواہش تھی کہ تم واپس اپنے خاندان میں پہنچ جائو۔ اُن کی زندگی وفا کرتی تو وہ شاید خود ہی تمہیں اُن تک پہنچا دیتے' ورنہ جیسے بھی ممکن ہوا میں خود یہ فرض نبھائوں گی۔ دن رات دعا کرتی ہوں وہ کہ کسی طرح اُن لوگوں کا پتہ مل جائے۔''

امّاں کو اُس کی بات بالکل بھی اچھی نہیں لگی۔

ممانی کی طرف سے مکمل مایوسی کے بعد تو اُن کی دعائوں میں اور بھی شدّت آتی جا رہی تھی کہ کسی بھی طرح ثانیہ کے ددھیال کا اتا پتا مل جائے تو وہ بھی سکون کا سانس لے سکیں' مگر اصل رُکاوٹ یہ تھی کہ ہر بات کا بے حد خیال رکھنے والے جمیل ماموں اِسی کام میں ذرا بھی دلچسپی نہیں دِکھاتے تھے۔

''چھوڑو بھی آپا! اِتنا وقت گزر گیا اب تو...! اور جب بھائی صاحب ہی نہیں رہے تو ہمیں ضرورت ہی کیا ہے اُن لوگوں سے ملنے کی۔''

امّاں کے اصرار پر ہر بار اُن کا جواب اسی سے ملتا جلتا ہوتا تھا۔ ایک دفعہ بہت ہی زیادہ اصرار کیا تو بے حد سنجیدہ ہو کر بولے تھے۔

''اصل میں' میں آپ کی اور ثانیہ کی طرف سے کوتاہی کر رہا ہوں' اِسی لیے آپ یہاں سے جانا چاہتی ہیں' ورنہ اپنے سگے بھائی کے ہوتے ہوئے' آپ ثانیہ کی بہتری کے لئے کیوں دوسروں کی طرف دیکھتیں۔''

اُس دن کے بعد امّاں نے جمیل ماموں سے اِس بارے میں بات کرنی تقریباً ختم ہی کر دی تھی' مگر ان بے حد محبت کرنے والے جمیل ماموں کے لئے بھی ثانیہ کچھ اور ہی ارادہ باندھے ہوئے تھی۔

''میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا امّاں! کہ ہمیں جمیل ماموں کے گھر سے چلے جانا چاہیے' جتنی بھی جلدی ممکن ہو۔ ان کے ہاں رہنا اب مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔''

''اور میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ کم از کم میری زندگی میں تو نہیں۔''

بے حد جھنجلا کر انہوں نے اُس کی بات کاٹی۔ ''تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آ کر دے رہی ہے کہ میں اور تم اکیلے نہیں رہ سکتے ہیں۔ سر پر کسی مرد کا ہونا بہت ضروری ہے' زمانہ اتنا خراب ہے کہ کسی کا کوئی بھروسہ نہیں۔''

وہ غصّے میں آتے آتے' پھر سے نرم پڑ کر اُسے سمجھانے لگیں' مگر اُس کے پاس وہی ایک حل تھا' جو فرح کا سجھایا ہوا تھا۔

''ہم رحمت منزل'' میں تو بآسانی رہ سکتے ہیں امّاں! وہاں تو سب ہی لوگ اپنے ہیں۔''

''بھاڑ میں گئی تمہاری رحمت منزل۔''

''اور چار دِن کی ملاقاتوں میں کوئی اپنا نہیں بن جاتا ہے۔ مانا سب لوگ وہاں بہت اچھے ہیں' مگر کبھی کبھی ملنا اور بات ہوتی ہے' چوبیس گھنٹے جب کسی سے واسطہ پڑتا ہے تب ہی دوسرے کے ساتھ ساتھ اپنے بھی طرف کی آزمائش ہوتی ہے۔''

''شاید وہ امّاں کو کبھی بھی نہیں سمجھا سکے گی۔''

ثانیہ نے مایوسی کے ساتھ سوچا' معلوم نہیں وہ اتنی زیادہ محتاط کیوں تھیں۔ ''رحمت منزل'' جا کر فرح کی امی اور نانی سے مل کر وہ کتنی بھی خوش ہوئی ہوں' مگر دوبارہ جانے کے ذکر کو ہمیشہ ٹال جاتی تھیں۔

ممانی اور لبنیٰ کے کتنے ہی چکر لگ چکے تھے' اُسے تفصیل فرح سے پتہ چلتی رہتی تھی' مگر وہ دونوں اپنے پروگرام کو چُھپائے رکھا کرتی تھیں۔

''تو پھر یہ آپ کا بالکل پکا فیصلہ ہے کہ ہمیں ماموں کے گھر سے کہیں اور شفٹ نہیں ہونا ہے۔''

اُن کا جواب جانتے ہوئے بھی معلوم نہیں کیوں وہ ایک بار اُن کے منہ سے سننے کی خواہش مند تھی۔

''ہاں!'' اُن کے پاس نظرِ ثانی کی گنجائش نہیں تھی۔ ثانیہ کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ آ ٹھہری۔

''تو پھر اُس دن کا انتظار کریں جب ممانی ہمیں خود دھکا دے کر اپنے گیٹ سے باہر کھڑا کر دیں گی۔''

...☆☆☆...

آج کچھ زیادہ ہی دیر ہو گئی تھی۔ کلاس سے فارغ ہو کر بھی وہ کافی دیر بیٹھا اپنا کام نمٹاتا رہا تھا۔

نئی نئی شادی بھی اب تھوڑی سی پُرانی ہو چُکی تھی اور اُس سے پہلے بھی وہ اِسی چکر میں اپنا جتنا وقت برباد کر چُکا تھا' اُس سے پڑھائی پر اثر پڑنا لازمی تھا۔

فیضی کو آج کل ٹھیک ٹھاک اندازہ ہو رہا تھا کہ اُس کا کتنا کام مِس ہو چُکا ہے۔

پڑھائی میں وہ کبھی بھی بُرا نہیں رہا تھا' بلکہ اپنے دوستوں میں تو نمایاں حیثیت ہی رکھتا آیا تھا۔ پر اب جیسے یک دم ہی اُس کی پوزیشن گری تھی' کل تک جو دوست اُس کی مدد لیتے تھے' آج اُسے اپنا حرج شدہ کام مکمل کرنے کے لئے اُن کی مدد لینی پڑ رہی تھی۔ اُسے آکورڈ تو بہت لگ رہا تھا' اُوپر سے بات ٹھیک طرح سے بن بھی نہیں پا رہی تھی۔ شادی کے لئے اپنی جلد بازی پر اُسے تھوڑا سا افسوس ہونے لگا تھا۔

کیا تھا' جو یہی کام سال' دو سال ٹھہر کر ہو جاتا' مگر بشارت صاحب...!''

سیڑھیاں اُترتے ہوئے' فیضی نے ہلکے سے سر کو جھٹکا' بشارت صاحب کا نام ہی حلق میں کڑواہٹ سی بھرنے لگتا تھا۔

جتنا بُرا ہو اُس کے ساتھ کر سکتے تھے کر چکے تھے۔

بہت سوچ سمجھ کر اُنہوں نے اُس کے کیریئر کو برباد کرنے کی پلاننگ کی تھی اور اُس کے لئے پریشانیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ دراز کیا تھا۔ فیضی کو کسی بھی شخص سے اتنی نفرت محسوس نہیں ہوتی تھی' جتنی اُسے بتدریج نینی کے ابّا سے ہوتی جا رہی تھی۔

ایک ایک کر کے جو بھی مشکلات اُس کے سامنے آ رہی تھیں اور آئندہ آنے والی تھیں' اُس کا ذمہ دار صرف ایک شخص تھا۔

بشارت حسین!

کاش کبھی وہ اُن کے ساتھ اپنا حساب برابر کر سکے۔

اُس نے بہت بار یہ آرزو کی تھی۔

پارکنگ ایریا میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے' اُس نے راستے میں کھڑی اُس فربہ سی عورت پر ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ ہی ڈالی تھی' جس نے چادر اتنی لپیٹ کر اوڑھی ہوئی تھی کہ بمشکل آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔

بہت سے لوگ وہاں آجا رہے تھے' فیضی کو اندازہ بھی نہیں ہوا کہ وہ عورت اُس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی گاڑی تک آئی ہے۔

''فیضی!''

جب وہ گاڑی کا لاک کھول رہا تھا' اُس نے وہ آواز سنی جس سے وہ سب سے زیادہ مانوس تھا۔

''فیضی بیٹا!''

بہت درد بھری سی تڑپ تھی' اُس لہجے میں...! فیضی تیزی سے پیچھے مڑا۔

سامنے کھڑی عورت کا چہرہ ابھی بھی چادر میں چھپا ہوا تھا' مگر وہ پہچاننے میں کیسے غلطی کر سکتا تھا۔

''امی...! آپ یہاں...!''

بناء ایک لفظ بھی کہے بلقیس بھابی نے اُسے آتے جاتے لوگوں کی پروا کیے بغیر گلے لگالیا۔

چند لمحوں کے لئے تو خود فیضی کو بھی یاد نہیں رہا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔

قریب سے گزرتے ہوئے لڑکے لڑکیوں میں سے کچھ تو یقیناً پری انجینئرنگ فائنل ایئر کے فیضان احمد کو پہچانتے ہی تھے۔

''آپ یہاں کیسے آگئیں' اکیلے ہی...!''

فیضان اِس جذباتی جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے' حیرت سے پوچھنے لگا' مگر اُن کے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل پا رہا تھا۔ اُن کے مستقل بہتے ہوئے آنسو' بتا رہے تھے کہ وہ جذباتی طور پر کتنی منتشر ہو چکی ہیں۔

''آئیں گاڑی میں بیٹھ جائیں۔''

فیضی کو مناسب یہی لگا' تو وہ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ چادر اُن کے چہرے سے ہٹ چکی تھی اور تب ہی فیضی نے اُن کے چہرے کی طرف دیکھا۔ زرد رنگت' آنکھوں کے گرد گہرے ہوتے حلقے اور سامنے سے آدھے سے زیادہ سفید ہوئے بال' وہ مخصوص شادابی جو میک اپ اور بے فکری دونوں ہی کی مرہونِ منت تھی' اُس کا اب اُن کے چہرے پر شائبہ بھی نہیں تھا۔

فیضی کے دل کو بہت سخت دھچکا لگا تھا۔ بچپن سے اب تک اُس نے اُن کو اِس حلیے میں نہیں دیکھا تھا' معلوم نہیں انہوں نے کتنے دنوں سے آئینہ نہیں دیکھا تھا۔

''کیا حال بنا لیا ہے آپ نے بیمار رہی ہیں کیا؟'' وہ بے ساختہ پوچھ تو بیٹھا' مگر شرمندگی کے اک گہرے احساس کے ساتھ۔

اُنہیں اِس حالت میں پہنچانے والا' وہ خود ہی تو تھا۔ دُنیا میں اُنہوں نے کسی کو اِتنا نہیں چاہا تھا' جتنا اُسے...! اولاد انعم بھی تھی' مگر فیضان کے ساتھ اُن کی محبت کا عالم بھی کچھ اور تھا۔

اُس کی غلطیوں کو چُھپانے، لاپروائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ ہمیشہ ہر حد سے گزر جاتی تھیں، مگر اس بار ایسا نہیں ہو سکا تھا۔

''ماں پر ذرا رحم نہیں آیا فیضی! ایسا جادو کیا ایک غیر لڑکی نے، کہ تم نے سب کو ہی بُھلا دیا۔ کم از کم مجھے تو...!'' وہ پھر سے رونے لگیں۔

''روئیں تو نہیں، دیکھیں یہاں کتنے لوگ ہیں۔''

حالانکہ اب رش ختم ہو چُکا تھا، مگر اُسے انہیں احساس دلانے کے لئے ایسا ہی کہنا پڑا۔ ''چلیں کسی ہوٹل میں لے چلتا ہوں آپ کو، وہاں آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے۔'' فیضی نے گاڑی اسٹارٹ کرنا چاہی، مگر انہوں نے اُسے فوراً ہی روک دیا۔

''میں زیادہ دیر نہیں رُکوں گی، تم بتاؤ کیسے ہو، پیسے تو ختم ہو رہے ہوں گے اب تمہارے پاس... کیسے گزارہ ہو رہا ہو گا، میری تو سوچ سوچ کر نیندیں حرام ہو چکی ہیں۔''

اُن کی فکر بڑی فطری تھی۔

فیضی کی نگاہ پہلی بار ندامت سے جُھکی۔

پیسہ اُس کے اکاؤنٹ میں بھی کم نہیں تھا اور سجاد بھی اُس کی کافی سے زیادہ مدد کر چکے تھے، مگر جس بُری طرح وہ خرچ کرنے کا عادی تھا، اُس میں کچھ بھی اُس کے پاس نہیں ٹِک پا رہا تھا۔

''یہ لو...!'' انہوں نے بناء کچھ اور کہے، پرس میں سے ایک موٹی سی گڈّی نکال کر اُسے تھمائی۔ ''تمہارے پاپا سے بہانہ کر کے لئے ہیں۔''

فیضی کو معلوم تھا کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں۔ حالانکہ اُن کے اپنے پاس بھی اچھی خاصی رقم گھر کے اور ذاتی خرچ کی مد میں ہوا کرتی تھی۔ مگر اُس کی فرمائش پوری کرنے کے لئے اُنہیں بہانے بہانے سے وقار سے ہی پیسے نکلوانے پڑتے تھے۔

ابھی بھی اُنہوں نے یہی کیا تھا۔

''اور سب لوگ کیسے ہیں بابا، انعم...!''

اُس نے پوچھنا چاہا، مگر اُنہوں نے تیزی سے اُس کی بات کاٹ دی۔

''تمہیں کیا کسی سے، اگر اتنا ہی خیال ہوتا تو یہ حرکت کرتے۔ ایک تھرڈ کلاس لڑکی کے پیچھے سارے خاندان کو رُسوا کر کے رکھ دیا ہے۔''

''وہ میری بیوی ہے امی پلیز!''

ابھی ابھی اُن سے لیے گئے پیسوں ہی کا اثر تھا، جو وہ بہت کمزور لہجے میں نینی کا دفاع کر رہا تھا۔

''کیسی بیوی، ایسی راہ چلتی لڑکیاں بیوی نہیں کہلاتیں، بیویاں وہ ہوتی ہیں، جنہیں اپنے بزرگوں کے ساتھ عزّت سے بیاہ کر گھر لایا جاتا ہے۔ وہ خاندان کا حصّہ بنتی ہیں، یوں مُنہ چُھپا کر نہیں رہتیں۔''

وہ غصّے میں بھری، جو مُنہ میں آیا کہتی گئیں۔ فیضی چپ چاپ سُنتے گیا۔

''سب لوگ تمہیں معاف کر دیں گے، بس تم اُس لڑکی سے اپنا پیچھا چھڑا لو، جتنا پیسہ وہ اور اُس کے گھر والے مانگ رہے ہیں، ہم فوری طور پر دے دیں گے۔ تم اُن سے صاف بات کر لو، یا کہو تو میں آ کر خود بات کر لوں؟''

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ...! نینی ایسی لڑکی نہیں ہے' اُسے پیسے کا لالچ نہیں ہے امی!"

ناچار اُسے ایک بار پھر اُنہیں ٹوکنا پڑا' مگر وہ کچھ بھی سننے کے لئے تیار نہیں تھیں۔

"ایسی لڑکی نہیں ہے تو پھر کیوں تم جیسے لڑکے کو اُس نے اپنے جال میں پھنسایا ہے۔ کر لیتی اپنے جیسے کسی ٹٹ پونجھئے سے شادی...! تم نہیں سمجھو گے' ایسی مکار لڑکیاں یوں ہی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی ہیں۔"

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے فیضی نے اُن کی طرف دیکھا۔

کچھ اور سمجھ میں آئے یا نہ آئے' وہ اتنا ضرور سمجھ چکا تھا کہ نینی کے بارے میں اُن کے خیالات کو بدلنا ناممکن تھا اور وہ چاہے اُس سے کتنی بھی محبت کیوں نہ کرتی ہوں' نینی کو اُس کی بیوی کی حیثیت سے کبھی بھی قبول نہیں کر سکتیں۔

"بابا صاف کہہ چکے ہیں کہ تم اب گھر واپس صرف اُسی صورت میں آ سکتے ہو' جب اُس لڑکی کو طلاق دے دو گے۔ عقل سے کام لو فیضی! ساری زندگی سامنے پڑی ہے' تمہارے باپ کا دادا کا اتنا بڑا بزنس کون سنبھالے گا یہ سب' خاندان سے کٹ کر تم کہیں کے نہیں رہو گے۔"

غصّے سے پیار سے وہ جس جس طریقے سے اُسے سمجھا سکتی تھیں' سمجھا رہی تھیں۔

فیضی خاموشی سے وِنڈ اسکرین پر نگاہیں جمائے باہر کی طرف دیکھے گیا۔ اُن کی ہر بات بجا تھی اور ان ساتھ آٹھ ماہ میں' اُسے بھی اتنا تجربہ تو ہو گیا تھا کہ اُس کی اپنی منتخب کردہ زندگی پھولوں کا ایسا بستر بھی نہیں تھی' جیسی کہ اُس نے سوچی تھی۔

مگر پھر بھی' کبھی نینی کو چھوڑ دینے کا خیال اُسے چھو کر بھی نہیں گزرتا تھا' ایک ایسی پُر آسائش زندگی' جو نینی کے بدلے میں کسی بھی وقت حاصل کی جا سکتی تھی' اُسے کبھی بھی وہ خوشی نہیں دے سکتی تھی' جو نینی کے دم سے وابستہ تھی۔

اُسے کسی گہری ہوتی سوچ میں گُم دیکھ کر' بلقیس بھابی کو کچھ اور ہی گُمان گزرا۔

"تمہاری بیوی کے کوئی بچہ وچہ تو نہیں ہو رہا ہے؟ فیضی!"

"نہیں امی!" وہ جھینپ کر مُسکرا دیا۔

"چلو شکر ہے۔" بلقیس بھابی کو جیسے بڑا گہرا اطمینان حاصل ہوا۔ "بس پھر کیا ڑکاوٹ ہے' تم اُس لڑکی کو چلتا کرو' میں تمہارے پاپا سے بات کرتی ہوں۔"

وہ اپنے طور پر جو فیصلہ کر چکی تھیں' فیضی سے اُس پر عمل درآمد کرنے کی پوری توقع رکھے ہوئے تھیں' مگر وہ سختی سے انکاری تھا۔

"میں نینی کو نہیں چھوڑ سکتا امی! میں نے بہت سوچ سمجھ کر اُسے اپنایا ہے اور اُس نے بھی میری خاطر کم پریشانیاں نہیں اُٹھائی ہیں' اُس کے والد ہم دونوں کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"سب ڈرامہ ہے۔"

وہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئیں۔

"ایسے ہی عزّت دار ہوتے تو خالی خولی لڑکے کو بیٹی نہیں تھما دیتے' سوچا ہو گا پیسے والا گھرانہ ہے' آج نہیں تو کل بیٹے کو معاف کر ہی دیں گے' تم جیسے گدھے کو کیسے ہاتھ سے جانے دیتے۔"

فیضی کو بے ساختہ ہی اپنی "عزّت افزائی" پر ہنسی آ گئی۔

مگر مسئلہ جوں کا توں تھا۔ فیضی کسی طور پر بھی نہ گھر واپس آنے کو تیار تھا اور نہ ہی نینی کو چھوڑنے کے لئے۔

بلقیس بھابھی کو بابا کی سختی سے کی گئی ہدایت' بے ساختہ ہی یاد آنے لگی۔

"گھر میں سے کوئی بھی شخص نہ تو فیضی سے ملنے کی کوشش کرے گا اور نہ ہی اُسے ایک پیسے کی بھی مالی سپورٹ دے گا' جس کسی نے بھی ایسا کیا' اُسے میں قطعی معاف نہیں کروں گا۔"

تب سے وہ اُنہیں کس قدر شقی القلب شخص لگنے لگے تھے۔ بابا کے سامنے کچھ کہنے کی ہمت تو خیر وہ بھی نہیں کر سکی تھیں' مگر وقار بھائی کی زندگی اُنہوں نے اِسی ایک بات کو لے کر حرام کر رکھی تھی۔

"کیا چاہتے ہیں بابا! فیضی سڑکوں پر بھیک مانگتا پھرے' مگر میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔"

وقار بھائی کے لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی وہ اڑی ہوئی تھیں' مگر اِس وقت فیضی کی ضد کو محسوس کر کے اُنہیں اپنی غلطی کا شدّت سے احساس ہونے لگا تھا۔

بابا بہت دور اندیش شخص ہیں۔ اُن کے اصول' صحیح یا غلط' جیسے بھی ہوں' وہ اُن پر اپنی اولاد کو جھکانا بخوبی جانتے ہیں۔

"بابا نے سختی سے منع کر دیا ہے کہ کوئی بھی شخص تمہیں مالی طور پر سپورٹ نہ کرے۔"

انہوں نے اِس اُمید پر اُسے بتانا شروع کیا کہ شاید وہ آنے والے وقت کا احساس کر کے ہی کچھ نرم پڑ جائے۔

"ٹھیک ہے' پھر آپ یہ پیسے واپس لے جائیں' میں کر لوں گا کچھ نہ کچھ۔"

بڑی بے اعتنائی سے کہتے ہوئے اُس نے اُن کے پیسے واپس پکڑانے چاہے۔

بلقیس بھابی کی آنکھوں میں ایک دم ہی پھر سے آنسو جمع ہونے لگے۔ فیضی کے رویّہ پر اپنی قسمت پر یا اُس بے غرض محبت پر' جو وہ اُس سے کرنے پر مجبور تھیں۔

"میں کیا کروں گی یہ پیسے لے کر' میرا سب سے قیمتی سرمایہ تو تم ہو۔"

اُن کی آواز رُندھی ہوئی تھی۔

فیضی یوں ہی بے تاثر سا چہرہ لیے بیٹھا رہا۔

"میں بھی آپ سب سے بہت محبت کرتا ہوں امی! مگر میری اپنی بھی کوئی زندگی ہے' آپ پلیز! مجھے اِس طرح جذباتی طور پر بلیک میل نہ کریں۔"

اُنہوں نے فیضی کو کہتے ہوئے سُنا۔

"اور کتنی عجیب بات ہے کہ ساری عمر' والدین کے لیے اولاد ہی زندگی بنی رہتی ہے' انہیں پتہ ہی نہیں چل پاتا کہ وہ کب اولاد کے لئے زندگی کی دوسری یا تیسری ترجیح بھی نہیں رہے ہیں۔" چادر کے پلو سے چہرہ صاف کرتی ہوئی' بلقیس بھابی نے حیرت کے ساتھ سوچا۔

تب ہی کوئی گاڑی کے پاس آ کر جُھکا۔

"دیر ہو رہی ہے بلقیس بھابھی' اب ہمیں چلنا چاہیے۔ فیضی نے چونک کر کھڑکی پر جُھکے شخص کی طرف دیکھا۔

''ہم غریبوں سے بھی دُعا سلام کر لیا کرو' صاحب زادے۔''

فیضی کو ہمیشہ ہی اِس شخص میں کی مکروہ مسکراہٹ سخت کوفت میں مبتلا کرتی تھی۔

اِس وقت بھی دل میں آئی ناگواری کو وہ بمشکل ہی دبا پایا تھا۔

''میں گاڑی لے کر اِدھر ہی آ جاتا ہوں اور دیر ہو گئی تو آپ کو پتہ ہے' سارے میں ڈھونڈ پڑ جائے گی' آپ کی اور میری۔''

وہ بلقیس بھابی سے مخاطب تھے' مگر فیضی نے اُن کی آنکھوں میں اُس حریص سی چمک کو بخوبی نوٹ کیا تھا' جو اُس کے ہاتھوں میں تھمی ہوئی نوٹوں کی گڈی کو دیکھ کر اُبھری تھی۔

''آپ وحید انکل کے ساتھ کیوں آئیں؟''

اُن کے چلے جانے کے بعد وہ بہت جھنجلاہٹ کے ساتھ' بلقیس بھابی سے پوچھ رہا تھا۔

''پھر کس کے ساتھ آتی' جب میرے تڑپنے پر تمہارے باپ کو رحم نہیں آیا تو کسی دوسرے کا کیا گلہ' وحید بے چارہ تو پھر اچھا ہے۔اُس نے میرا احساس تو کیا۔''

فیضی نے انہیں پہلی بار وحید کا فیور کرتے ہوئے سُنا' اُسے اُن کی عقل پر حیرت ہو رہی تھی۔

''وحید انکل بہت فراڈی آدمی ہیں امی! آپ کو پتہ نہیں ہے کیا' دس دفعہ تو اُن کے کیے کو سارا خاندان بُھگت چُکا ہے اور آپ ہیں کہ اُن جیسے آدمی پر اعتبار کرنے چلی ہیں۔''

کچھ عرصے پہلے تک بلقیس بھابی خود بھی وحید کے لیے کچھ زیادہ الگ سوچ نہیں رکھتی تھیں' مگر یہ آزمائشی دور جس سے وہ گزر رہی تھیں اس میں وحید اپنی چرب زبانی کے سہارے اُن کے دل میں جگہ بنا چکے تھے۔

''وحید اتنا بُرا نہیں ہے' جتنا تمہاری ددھیال نے اُسے بدنام کر دیا ہے۔سارے خاندان میں' میرے لیے تو اِس وقت اُس سے بڑا کوئی دوسرا ہمدرد نہیں ہے۔یہ اُس کی تجویز تھی کہ میں تم سے' یہاں یونیورسٹی میں آ کر مل لوں۔اچھا بس اب میں چلتی ہوں' گھر سے فرحت کے ہاں جانے کا کہہ کر نکلی ہوں۔''

اُنہوں نے چادر کو ٹھیک کرتے ہوئے بحث کو سمیٹا۔

''اور جو اتنی دیر آپ کو یہاں لگی اُس کے بارے میں کیا کہیں گی؟''

فیضی کو فکر ہوئی۔

''کون پوچھے گا'' بلقیس بھابی کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ اُبھری۔تمہارے باپ کو تو کبھی کوئی پرواہ ہی نہیں میری' صبح کے نکلے رات گئے ہی خبر لیتے ہیں۔ہاں فرحت منتظر ہو گی' کہہ دوں گی

راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تھی۔''

فیضی کی آنکھوں میں سادہ دل اور صابر فرحت پھوپھو کا چہرہ گھوما۔

کتنی زیادہ محبت کرتی تھیں وہ اس کے ساتھ...!

''میرا اسلام کہیے گا۔فرحت پھوپھو کو۔'' ذرا دیر کے لئے وہ جیسے حالات کی کشیدگی بھی بھول سا گیا تھا۔بلقیس بھابی نے جواباً کچھ بھی نہیں کہا۔بس ایک دُکھ بھری نگاہ اُس پر ڈال کر رہ گئیں۔

وحید کی گاڑی کا ہارن سنائی دینے لگا تو وہ اُترنے کو ہوئیں۔

"امی!" فیضی نے بے ساختہ ہی ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "میں آپ کو بہت یاد کرتا ہوں۔"

یہ چھوٹا اعتراف کرتا ہوا وہ انہیں بالکل معصوم سا بچہ لگا بمشکل ہی وہ خود پر قابو رکھ پائیں۔ "میں بھی!"

اُسے اپنے سے لگاتے ہوئے اُنہوں نے فیضی کے سر پر پیار کیا۔ "ہو سکے تو اپنی ماں پر رحم کھا کے گھر لوٹ آئو مجھے تو بس یہی کہنا ہے تم سے۔"

فیضی خاموش رہا۔

انکار کر کے وہ اُنہیں اور بھی دُکھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اب جب کہ وہ اُن سے مستقل الگ رہ رہا تھا تو اُسے خود اندازہ ہوا تھا کہ وہ اُن سے کتنی زیادہ محبت کرتا ہے۔

"تم اپنا نیا نمبر دو مجھے اور گھر کا ایڈریس بھی جہاں تم رہ رہے ہو۔" بلقیس بھابی کو سب سے ضروری کام یاد آیا۔

"میں آپ کو فون کر کے بتا دوں گا۔ ابھی آپ جائیں دیر ہو رہی ہے۔"

اس نے انہیں ٹالا۔ اُسے پتہ تھا کہ وہ انہیں نہ تو اپنا نمبر دے سکتا ہے اور نہ ہی گھر کا ایڈریس۔

اُن لوگوں کی طرف سے ایک مستقل دبائو سے بچے رہنے کے لئے یہ اس کی اپنی وضع کردہ احتیاطی تدابیر تھیں۔

بلقیس بھابی نے بے یقینی کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا' مگر وہ اُن کے ساتھ وحید کی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے موضوع کو بدل چکا تھا۔

"اپنا خیال رکھا کریں۔ میری فکر میں مت رہا کریں' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ابھی آپ فرحت پھوپھو کے ہاں سے سیدھی اپنی بیوٹیشن کے پاس جایئے گا۔ کیا حال بنا لیا ہے آپ نے۔"

وہ اتنی سنجیدگی سے انہیں ہدایتیں دے رہا تھا کہ بلقیس بھابی کو ہنسی آنے لگی۔

"اور امی" وحید بھائی کی گاڑی سے ذرا فاصلے پر وہ چلتے چلتے رکا۔ "آئندہ وحید انکل کے ساتھ مت آیئے گا۔ میں خود آپ سے کانٹیکٹ کر لوں گا۔ ان پر تو بالکل بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔"

ابھی تھوڑی دیر پہلے گاڑی میں بلقیس بھابی کی زبانی یہ سن کر کہ وہ اس کے نکاح کی تصاویر بابا تک پہنچا کر عمر اور سجاد کے لئے کتنا بڑا مسئلہ کھڑا کر چکے تھے' اُسے ان سے اور بھی زیادہ چڑ ہو رہی تھی۔

"اس وقت تو وحید ہی میرا سہارا ہے چاہے تمہیں اچھا لگے یا بُرا اور تم بھی اس کی مخالفت اس لئے کرتے ہو کیونکہ سجاد اُسے پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ بے چارہ...!"

انہیں سمجھانے میں وہ ہمیشہ ہی ناکام رہتا تھا۔

"آ جائیں بھابی دیر ہو رہی ہے۔"

وحید بھائی نے دور سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اُن ماں بیٹے کے درمیان بحث جاری ہے۔

"اچھا خدا حافظ' اپنا خیال رکھنا۔" وہ گاڑی میں آ بیٹھیں۔

وحید بھائی نے تھوڑے سے فاصلے پر کھڑے فیضی کی طرف دیکھا اور بہت مسکراتے ہوئے اُس کے پس سے گاڑی نکال لی۔

"بڑی عجیب بات ہے بلقیس بھابھی! آپ کے گھر کے سارے ہی مردوں کو مجھ پر نہ جانے کس بات کا غصّہ ہے۔"

انہوں نے تجاہل کی حد کی۔

فیضی تو بچہ ہے وحید! اصل میں سجاد کے بہت قریب رہا ہے شروع سے اسی لئے جو پٹی وہ اور بابا پڑھاتے رہے وہی اس کے دل میں نقش ہوتی رہی۔"

بلقیس بھابی شرمندہ سی ہو کر فیضی کی طرف سے صفائی پیش کرتی رہیں۔

فیضی نے تو حد ہی کر دی تھی۔ وحید سے سلام دعا تک بھی ضروری نہیں سمجھی تھی۔ رسمی طور پر بھی نہیں۔

"ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں آپ!"

گاڑی کو انجینئرنگ یونیورسٹی کی حدود سے باہر لاتے ہوئے وہ بات جاری رکھے ہوئے تھے۔

"فیضی کو بھی وقت کے ساتھ ساتھ ہی دوست دشمن کی صحیح پہچان ہو گی' اب دیکھ لیں کیسا دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا ہے بچے کو ذرا بھی رحم نہیں آیا۔ چچ چچ!"

"بس دیکھ لو سارے اصول قاعدے ان ہی گھرانے کے لئے تو وہ گئے ہیں۔"

بلقیس بھابی آج کل ویسے بھی شدید خود ترسی کا شکار تھیں۔ "ان میں سے کسی کا کیا بگڑا میرے بچے کی زندگی تباہ ہو رہی ہے تو ہوتی رہے۔"

"اور پھر اتنا بڑا بزنس بھی سیدھا سجاد کے اپنے ہاتھ میں آرہا ہے۔ یہ نوکری وکری صرف دکھاوا ہے۔ بلقیس بھابی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ جی سجاد کو باپ کے پیسے کا لالچ ہے۔ بڑی پلاننگ سے کام ہو رہا ہے۔ سب سے بڑی رکاوٹ فیضی تھا' اُسے نکالنے کے لئے انہیں خود بخود ہی بہانہ مل گیا میں بے چارہ تو پہلے ہی زیرِ عتاب ہوں۔

بلقیس بھابی مستقل ہی اثبات میں سر ہلائے گئیں۔ "روزی کا لگا بندھا سا سلسلہ چل رہا تھا۔ رحمت منزل کے بہانے ان لوگوں نے وہ بھی بند کر دیا۔ اپنی بیٹی اور اس کے بچوں تک کی پروا نہیں کی کہ کیسے گزر بسر ہو رہی ہے۔"

وہ یک دم ہی بڑے مایوس اور دل گرفتہ سے دکھائی دینے لگے۔ بلقیس بھابی کو کچھ خیال آیا پرس میں اب کچھ زیادہ پیسے تو نہیں تھے پھر بھی جو چند ہزار تھے وہ وحید کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ اپنائیت سے بولیں۔ یہ پیسے رکھ لو زیادہ تو نہیں ہیں مگر کچھ تو کام آ ہی جائیں گے۔"

وحید بھائی نے کن انکھیوں سے بلقیس بھابی کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کی طرف دیکھا۔

فیضی کے ہاتھ میں تھمی ہوئی نوٹوں کی موٹی سی گڈّی کے مقابلے میں تو یہ پیسے واقعی کچھ بھی نہیں تھے۔ انہیں اپنی پریشانی کا حال شاید یہاں آنے سے پہلے سُنا دینا چاہیے تھا مگر سچی بات یہ کہ انہیں اندازہ نہیں ہو پایا تھا کہ بلقیس بھابی کو اتنے سارے پیسے تھمانے کے لئے آئی ہیں۔

مگر بہر حال۔

وہ ہر غلطی سے سبق سیکھنے والے انسان تھے۔ اس وقت بھی اپنے مفاد کے لئے ایک لانگ ٹرم پروگرام اُن کے ذہن نے بیٹھے بیٹھے ترتیب دے لیا تھا۔

"اچھا تو نہیں لگتا آپ سے کچھ لینا' مگر آپ کے آگے مجبور ہوں بھابھی۔"

بہت غیر محسوس سے انداز میں وہ روپے بلقیس بھابی کے ہاتھ سے اُن کی جیب میں منتقل ہو چکے تھے۔

''یہ فرض تو بابا اور سجاد کا بنتا ہے کہ وہ بے چاری فرحت کی بھی کچھ خیر خبر لے لیا کریں' مگر توبہ کریں' وہ تو صرف پیسہ بنانے کی مشین بنے ہوئے ہیں' سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے پیسے کا آخر کریں گے کیا؟''

بلقیس بھابی کو وہ آج سے پہلے کبھی اتنے سادہ دل اور بے غرض نہیں لگے تھے اور آج تو جو احسان انہوں نے کیا تھا اُسے تو وہ زندگی بھر بھی نہیں اُتار سکتی تھیں۔ پھر بھی تاکیداً کہہ ہی گئیں۔

''خیال رکھنا وحید کسی کو بھی ہمارے یہاں آنے کی کانوں کان خبر نہ ہو۔''

''آپ فکر نہ کریں اور بالفرض کسی نے اشارۃً بھی کچھ کہا تو میں ساری بات اپنے سر لے لوں گا کہ میں اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے گیا تھا۔

بلقیس بھابی اور بھی زیادہ مشکور ہونے لگیں' بابا اور وقار کی طرف سے جو ایک ڈر تھا وحید کی باتوں سے رفتہ رفتہ بالکل رفع ہو رہا تھا۔

آج بہت دن بعد وہ پُر سکون ہوئی تھیں اپنی خوشی میں وہ وحید کی آنکھوں میں اُبھری چمک کو بھی نوٹ نہیں کر پائیں۔

وہی چمک جو اُن کے دل میں چھپے بھید بھاؤ کی خبر دیتی تھی۔

...☆☆☆...

''میں یہ جاب چھوڑ رہی ہوں ثانیہ! بلکہ چھوڑ دی ہے۔''

فرح کا چہرہ غصّے سے تمتما رہا تھا اور ابھی ابھی جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی تو اس نے یہ ''بریکنگ نیوز'' باآوازِ بلند سنائی تھی۔ ثانیہ کی 'کی بورڈ' پر تیزی سے چلتی ہوئی انگلیاں فوراً ہی ساکت ہوئیں۔

''اب کیا ہوا ہے' پھر کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا؟''

ثانیہ نے تشویش سے اُس کی طرف دیکھا۔ اکیڈمی کی مینجمنٹ سے فرح کے اختلافات بہت تیزی سے بڑھے تھے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی نیا قصّہ۔ مگر پھر بھی ثانیہ کو نہیں لگتا تھا کہ وہ اچھی بھلی جاب

چند باتوں کی وجہ سے چھوڑ دے گی۔

''میرا خیال ہے تم براہِ راست صمدانی صاحب سے بات کرو' وہ ضرور کوئی نہ کوئی حل نکل ہی لیں گے۔''

صمدانی صاحب مالک تھے' اس اکیڈمی کے اور ثانیہ کے خیال میں یہی ایک بہتر حل تھا۔

''رہنے دو اور اب تو ویسے بھی سارا جھگڑا ہی ختم ہوا ہے۔ ابھی ابھی مسز شمشاد کی میز پر اپنا استعفیٰ پھینک کر آئی ہوں۔''

لاپروائی سے سر جھٹک کر اُس نے یہ آخری کیل ٹھوک کر جانے کی خبر بھی سنا دی۔ ''اور پتہ ہے ثانیہ! مس شمشاد کے چہرے کے تاثرات ایسے ہو رہے تھے کہ اب تو یاد کر کے ہنسی آ رہی ہے۔ تم بھی ساتھ ہوتیں تو مزا آ جاتا۔''

اپنی ساری ٹینشن وینشن بھول کر وہ زور سے ہنس پڑی۔ ثانیہ یوں ہی چپ چاپ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھے گئی۔ مسکرائی تک نہیں۔

"اور اب کیا کرو گی؟ اچھی خاصی جاب تھی تمہاری' کتنا سمجھا رہی تھی تمہیں کہ یوں بات بات پر جذباتی ہونا چھوڑ دو۔ ارے تم نے کیا ٹھیکہ لے رکھا ہے یہاں کے سُدھار کا' ہونے دو جو بھی ہو رہا ہے۔ اپنے کام سے کام کیوں نہیں رکھتی ہو تم آخر؟"

ثانیہ کو اس پر بہت زور کا غصّہ آنے لگا تھا' پہلی بار اس نے فرح سے اتنے سخت لہجے میں بات کی تھی۔

معلوم نہیں اُس نے کچھ اثر بھی لیا تھا یا نہیں' البتہ جب وہ خاموش ہوئی تو ایک بڑی طمانیت بھری مُسکراہٹ فرح کے چہرے پر پھیل گئی۔

"شکر ہے' میری تربیت سے تم نے کوئی تو اثر لیا ہے' بولنا تو سیکھا کم از کم۔"

"بولنا آتا ہے مجھے۔ بس تمہاری طرح فضول بولتے رہنے سے پرہیز کرتی ہوں۔"

ثانیہ نے جھنجلا کر اس کی طرف دیکھا۔ "تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ صمدانی صاحب سے بات کر رہی ہو یا نہیں۔"

"نہیں!"

فرح نے مُسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"اور کوئی فائدہ بھی نہیں ہے' مسز شمشاد کزن ہیں صمدانی صاحب کی' جو کچھ بھی وہ یہاں کرتی ہیں ان ہی کی شہ پر کرتی ہیں۔ صمدانی صاحب چیک اینڈ بیلنس کا سلسلہ بالکل غیر جانبداری سے جاری رکھتے تو یہاں ایسی نوبت ہی نہیں آتی' اداروں کو ایسے رویّے ہی ڈبوتے ہیں' ناجائز فیور اور اقرباء پروری' خیر چھوڑو ہمیں کیا لینا دینا۔"

فرح کے اکیڈمی چھوڑے جانے کی اطلاع سارے میں پھیل چکی تھی۔ بہت سے لوگ مزید تصدیق کے لئے اُس کے پاس آنا شروع ہو گئے تھے۔ ثانیہ کو تشویش میں مبتلا چھوڑ کر وہ اُن کی طرف متوجّہ ہوئی تھی۔

سب ہی بے حد افسردہ تھے۔ فرح کی ان تھک کام کرنے کی صلاحیت اور ہمدرد طبیعت نے اُسے یہاں کی ہر دلعزیز شخصیت بنا رکھا تھا۔ کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہاں سے جائے۔

کمرے میں جلدی ہی ایک بے حد اہم میٹنگ کا سا سماں بندھ چُکا تھا۔ ایک جوشیلے سے صاحب بار بار سارے اسٹاف کے غیر معینہ مدّت تک ہڑتال پر چلے جانے کی صلاح دے رہے تھے۔

"چند دنوں میں مزاج درست ہو جائیں گے سب کے' ادارے کارکنوں کے دَم سے چلتے ہیں۔ معمولی ورکر بھی گھر بیٹھ جائے تو سارا کام ٹھپ ہو جاتا ہے۔ ہمیں اپنی یک جہتی کو ثابت کرنے کے لئے یہ ایک بڑا ہی عُمدہ موقع ملا ہے۔"

بہت پُر جوش لہجے میں وہ ہاتھ ہِلا ہِلا کر اپنے دلائل پیش کر رہے تھے۔

ثانیہ نے لبوں پر آتی مسکراہٹ کو بڑے جتن کر کے روکا۔ موصوف کے بارے میں سب کو پتہ تھا کہ زمانہ طالب علمی میں چھوٹے موٹے لیڈر رہ چکے ہیں۔

بہر حال اُن کے خلوص میں کوئی شُبہ نہیں تھا' فرح مُسکرا مُسکرا کر سب کا شکریہ ادا کئے جا رہی تھی' مگر ثانیہ کو اتنی ہی دیر میں ٹھیک ٹھاک اندازہ ہو چُکا تھا کہ اب وہ یہاں کسی بھی قیمت پر رکنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔

"جو فیصلہ ہو گیا سو ہو گیا۔ چھوٹا بڑا کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل بے شک ہزار بار سوچ لو' مگر بعد میں اس پر سے ایک انچ بھی سرکنا' میرے نزدیک صرف اپنی کمزوری کو ظاہر کرنا ہے۔"

سب سے مل مِلا کر جب وہ ثانیہ کے ساتھ اکیڈمی سے باہر نکل رہی تھی تو مین گیٹ پر کھڑے ہو کر اس نے ثانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوری قطعیت کے ساتھ کہا۔

"اور اگر ہمارا فیصلہ ہی غلط ہو۔" ثانیہ کے مُنہ سے بے ساختہ ہی نکلا۔

"تب بھی!" اُسی پُر اعتماد انداز میں فرح نے اپنی بات دُہرائی اور تب بھی ہم میں اتنی ہمت ہونی چاہیے کہ ہم اس غلط فیصلے کو بھی صحیح ثابت کر سکیں۔"

ثانیہ نے کچھ اور بھی کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہو رہی۔

"چلو آج میں تمہیں گھر تک چھوڑ دوں۔" فرح اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

اکیڈمی کی سڑک پیچھے رہ گئی تھی اور ساتھ میں وہاں سے جُڑا قصّہ بھی۔

فرح کے پاس ہمیشہ ہی کرنے کے لئے ڈھیر ساری باتیں ہوتی تھیں، اب وہ بڑی دلچسپی کے ساتھ پچھلے دنوں ہوئی شادی کی تفصیلات سُنا رہی تھی۔

ثانیہ کو اُس پر بلاشبہ رشک آیا کرتا تھا، کاش کبھی وہ بھی اُس جیسی بن سکے۔ زندگی میں پھیلا ہوا یہ ڈھیر سارا کنفیوژن معلوم نہیں کبھی ختم بھی ہوگا یا نہیں۔ اُس نے اُداس کرنے والے اِس خیال کو جھٹک کر فرح کی باتوں میں دل لگانا چاہا۔

"دیا بڑی حسین لڑکی ہے مجھے تو حیرت ہے کہ اُس پر ابھی تک کسی ڈرامہ ڈائریکٹر یا ایڈ ایجنسی کی نِگاہ کیوں نہیں پڑی۔ حالانکہ آج کل تو ہمارے ہاں ہر چینل پر نئے چہروں کی بھرمار ہو رہی ہے۔"

دیا کے حسن کا قصّہ ثانیہ پہلے بھی اُس کی زبانی سُن چکی تھی اور عمر کا اس کے بارے میں سیریس ہونا بھی۔

"پھر تو تم لوگوں کو جلدی کرنی چاہیے، اتنی خوبصورت لڑکیاں زیادہ دن رک نہیں پاتی ہیں، ایسا نہ ہو کہ اُس کا کہیں رشتہ وشتہ طے ہو جائے۔" وہ یوں ہی سرسری سے انداز میں مشورہ دینے لگی۔

"ہاں عمر کو بھی یہی ڈر ہے آج کل ناک میں دَم کر رکھا ہے اُس نے، مگر مسئلہ نانی کا ہے، معلوم نہیں وہ راضی ہوں یا نہیں۔"

فرح نے کن انکھیوں سے ثانیہ کی طرف دیکھا۔

"کیوں نانی کیوں نہیں مانیں گی اتنی پیاری لڑکی کو دیکھ کر تو کوئی بھی منع نہیں کر سکتا اور جب عمر کو اتنی پسند آگئی ہے وہ لڑکی تو پھر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

بالکل سادہ سے لہجے میں جب وہ عمر کا فیور کر رہی تھی تو فرح کو بڑا اطمینان سا ہوا۔

اُس نے ثانیہ اور عمر کے بارے میں جو کچھ بھی سوچ لیا تھا وہ محض اُس کے اپنے دل کی خواہش تھی۔ ثانیہ کے لئے عمر کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی یا شاید یہ اس کے حالات تھے جو اس کی توجّہ کسی اور طرف جانے سے بچائے رکھتے تھے۔

وہ دل ہی دل میں شکر ادا کرتی رہی کہ اُس نے مذاق میں بھی کبھی ثانیہ کے سامنے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا تھا ورنہ اب کس قدر شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا۔

"البتہ تمہاری ممانی کو بڑا دھچکہ لگے گا۔ عمر کی کہیں بھی شادی سے، نانی بتا رہی تھیں کہ اب تو لبنیٰ بہت پابندی سے انہیں فون بھی کرنے لگی ہے، بلکہ وہ بے چاری تو اچھی خاصی تنگ آگئی ہیں اُس کے ہاتھوں۔"

بات مزاح کا رنگ لے رہی تھی مگر ثانیہ اب یک بہ یک سنجیدہ ہوگئی تھی۔

''ممانی اور لبنیٰ اپنے فائدے کے لئے کچھ بھی کرنے کو ہر وقت تیار ہیں۔ فرح شاید تم بھی مجھے امّاں کی طرح ناشکرا سمجھو' مگر مجھے اُن دونوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے' میری سمجھ ہی نہیں آتا کہ مجھے اُن کے در پر لا پھینکنے میں خدا کی کیا مصلحت ہے۔ میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ اُس کی کی ہوئی تقسیم پر دل سے راضی ہو جائوں مگر ایک گِلہ ہے اپنے رب سے جو کسی طور نہیں جاتا۔''

اُس کی آنکھیں خشک تھیں' مگر فرح نے اُس کے ایک ایک لفظ کو درد میں ڈُوبا ہوا محسوس کیا تھا۔

ثانیہ کی قریب ترین دوست ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود شاید وہ بھی صحیح طور پر اندازہ نہیں کر سکتی کہ ممانی اور لبنیٰ کے ساتھ گزارے جانے والا وقت کتنا صبر آزما رہتا ہو گا۔

فرح نے اپنا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر سے ہٹا کر ثانیہ کے ہاتھ پر رکھا' بہت حیرت کی بات تھی کو بعض اوقات اس کے پاس بھی الفاظ جیسے گُم سے ہو جاتے تھے۔

ثانیہ ہلکے سے مُسکرا دی۔

''ویسے میں تھوڑی سی ٹَف تو ہو ہی گئی ہوں اور بدل جائوں گی۔''

''حالات بھی بدل جائیں گے انشاءاللہ۔'' فرح نے بڑے صدقِ دل سے تمنّا کی۔ ''اور ایک بات بتائوں زندگی جب بھی کبھی بہت مشکل ہونے لگتی ہے تو پھر آسانیاں بھی کہیں آس پاس میں آچکی ہوتی ہیں۔ بس ہمیں نظر نہیں آرہی ہوتیں' ڈھونڈنی پڑتی ہیں۔''

ہلکے پُھلکے سے انداز میں اپنی بات کہتے ہوئے وہ سامنے سڑک کی طرف ہی مُتوجّہ تھی۔

''جیسے اب تمہیں نئی جاب ڈھونڈنی پڑے گی' بے کار میں ہی تم نے بات کو اتنا بڑھا دیا۔'' ثانیہ کو پھر سے فرح کا اکیڈمی چھوڑنا یاد آیا۔

فرح کے ساتھ ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا تھا کہ' اُمید کا کوئی ننھا سا چراغ گہرے ہوتے اندھیرے میں پھر سے جلنے لگتا تھا۔'' جاب تو خیر پہلے سے ہاتھ میں ہے۔ بس جوائن کرنی ہے۔''

وہ بدستور مُسکرائے جا رہی تھی۔

''اچھا اُس اخبار میں جس کے لئے تم فری لانسنگ کرتی ہو۔'' ثانیہ کو بڑا اطمینان سا ہوا۔

''نہیں! وہ تو اُسی طرح چلتے رہنا ہے' اب ہم دونوں بابا کی فرم جوائن کریں گے' اگلے ہفتے سے۔''

فرح نے بہت اطمینان سے فیصلہ سُنایا۔

''کیا!''

ثانیہ نے بہت حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

''تمہارا کیا مطلب ہے میں بھی؟''

''ہاں تو تم کو وہاں میں اکیلے کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔'' فرح گاڑی کو جمیل ماموں کی گلی میں موڑ رہی تھی۔

''مگر میں وہاں کیسے جاب کر سکتی ہوں فرح؟'' فرح نے بڑے اُلجھن بھرے لہجے میں اُسے کہتے ہوئے سنا۔

...☆☆☆...

ممانی کو میرا جاب کرنا قطعی پسند نہیں ہے اور یہ تو ایک کوچنگ اکیڈمی ہے' اسی لئے وہ کھل کر مخالفت نہیں کر پا رہی ہیں' کسی بڑے آفس میں تو کام کرنے پر وہ بہت بُرا مانیں گی۔''

فرح کے نزدیک اِس قسم کے جواز ہمیشہ ہی غیر اہم ٹھہرتے تھے۔

''ساری زندگی کا ٹائم ٹیبل تم ممانی سے پوچھ پوچھ کر تو نہیں بناؤ گی نااور اب تک بھی تم نے جو کچھ کر لیا ہے' وہ سب کون سا اُن کی مرضی سے ہوا ہے۔ مہربانی کر کے اِس وقت بے کار کی جذباتیت خود پر طاری نہیں کرو۔''

ثانیہ خاموشی سے سُنے گئی۔ بہت سی باتیں فرح سے تو کیا خود اپنے آپ سے بھی دُہراتے ہوئے شرم محسوس ہوتی تھی۔

ممانی اچھی تو خیر کبھی بھی نہیں تھیں' مگر اب تو اُن کا روّیہ اتنا تحقیر آمیز ہو گیا تھا کہ کبھی کبھی تو دل چاہتا کہ زمین پھٹے اور وہ اُس میں سما جائے۔

خاص طور پر اُس وقت جب وہ امّاں کی بے عزّتی کر رہی ہوتیں۔

''اور معلوم نہیں' دن میں کتنی بار اُس کی غیر موجودگی میں خود امّاں بھی ایسی ہی خواہش کرتی ہوں گی۔''

وہ اِس تکلیف دہ خیال سے' فرح کی آواز پر چونکی وہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔

''جہاں اتنی ہمت سے کام لیا ہے' وہاں ابھی کچھ دن اور ثانیہ گھبرا کر رُک گئیں تو اب تک کے اِس سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا' ہمیشہ آگے کی طرف دیکھو' بابا صاحب کے ہاں کام کرنے سے یقیناً دوسرے آپشنز بھی کُھلیں گے۔''

اُمید کا ننھا سا چراغ جو کبھی کبھی چاروں طرف پھیلی تیرگی کو دور کرنے میں ناکام ہونے لگتا تھا' فرح نے کتنی ہی بار اُس کی لَو کو پھر سے تیز کیا تھا۔

''اور تمہارے اِس روّیے سے کون سا ممانی تمہاری سعادت مندی پر واری جائیں گی' وہ کچھ نہ کچھ اور ڈھونڈ نکالیں گی۔ پہلے سے بھی زیادہ تکلیف دہ۔''

وہ گاڑی کو گلی میں موڑ چکی تھی۔

''اچھا' میں پہلے جمیل ماموں سے بات کر لوں۔''

ثانیہ نے نیم رضامندی ظاہر کی' تو وہ مُسکرانے لگی۔

''جمیل ماموں بڑے کمال کے آدمی ہیں' سب سے بڑا کمال تو یہی ہے کہ وہ ممانی جیسی عورت کے ساتھ اتنے سالوں سے نباہ کر رہے ہیں اور اُن کی مخالفت میں کھڑے ہونے کی ہمت بھی کر ہی لیتے ہیں۔''گھر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے فرح دانستہ بات کا رُخ موڑ چکی تھی' مگر وہ یوں ہی چہرے پر تذبذب کی سی کیفیت لیے بیٹھی رہی۔

''ہمیشہ اُن لوگوں کے بارے میں سوچو' اُن کی فکر کرو' جو تم سے محبت کرتے ہیں' جو تکلیف دیتے ہیں' حسد کرتے ہیں' اُنہیں اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ قدرت اُن کا حساب کتاب خود کرتی ہے ہم تم تو بس اُن کے لئے دعائے خیر ہی کر سکتے ہیں۔''

گیٹ پر لگی بیل پر ہاتھ رکھنے سے پہلے اُس نے ثانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

اندر خلافِ معمول بڑی سر گرمی تھی' ممانی کا بچت کھاتہ کھلا ہوا تھا' صحن میں ٹوٹی چپلوں' خالی کنستروں' بھُوسی ٹکڑے اور بھی نہ جانے کیا کیا' پھیلائے وہ حساب کتاب جوڑنے میں مصروف تھیں۔

"آئو فرح بہت دن بعد آئیں۔"

اس خستہ حالی پر وہ ذرا بھی جو جھینپیں ہوں۔ فرح امّاں سے مل رہی تھی، ممانی کے خیر مقدمی جُملے پر اُن کے پاس صحن میں چلی آئی۔

"کم بخت کباڑی کوڑیوں کے دام سامان لے جاتے ہیں۔ میں تو پہلے اپنے طور پر پورا حساب لگاتی ہوں، اُس کے بعد بھی دو چار سے بات کر کے مطمئن ہوتی ہوں۔"

اُنہیں اپنے طریق کار پر بڑا ناز تھا۔ فالتو ردّی سامان کا ڈھیر اِسی تاخیر کی وجہ سے ہفتوں مہینوں صحن کی رونق بڑھانے کا سبب بنا رہتا تھا۔

"خاصا فائدہ ہوتا ہو گا ممانی! اچھے پیسے بن جاتے ہوں گے آپ کے پاس۔ اِس سارے ڈھیر کے۔"

فرح یوں ہی مزا لیا کرتی تھی، ثانیہ دوسری طرف مُنہ کر کے مُسکرا دی۔

ممانی کو اس طرح کی حوصلہ افزائی یا تو لبنیٰ کی طرف سے ملتی تھی، یا خود اپنے آپ سے بہت خوش ہو کر بولیں۔

"تو اور کیا، بس ذرا سمجھداری سے کام لینا پڑتا ہے۔ بہت سے خریدنے والے آنکھوں میں دُھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ہم نے بھی دُنیا دیکھی ہے۔"

"کیا بات ہے آپ کی بھی!"

فرح ایک ٹوٹی ہوئی کُرسی کے کنارے پر ٹِکی بیٹھی تھی۔ "مجھے تو لگتا ہے کہ کچھ عرصے بعد دُنیا والے سمجھداری کی مثال دینے کے لئے آپ کا نام لیا کریں گے کہ اُنہوں نے "آخر آپ کو دیکھا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

اُنہیں کچھ شُبہ ہوا تھا کہ جیسے اُن کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے، مگر فرح کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی کہ یہ خیال کچھ جم نہیں پایا۔ ویسے بھی وہ فرح کے ساتھ اپنے تعلقات بنائے رکھنے میں ہی لگی ہوئی تھیں۔

"اور یہ تم آج اتنی جلدی کیسے چلی آئی ہو؟"

اُنہوں نے کچن کا رُخ کرتی ثانیہ پر ایک تیز سی نگاہ ڈالی۔

حالانکہ سمجھنے والی بات تھی، روزانہ بسیں بدل کر گھر پہنچتی تھی، سو وقت زیادہ لگ ہی جاتا تھا، آج فرح کے ساتھ آئی تھی، سو وقت سے پہلے پہنچ گئی تھی۔

یہی بات وہ اُنہیں بتانا چاہ رہی تھی، مگر فرح کی موجودگی میں سارے اُلٹے سوالوں کا جواب خود بخود اُس کے ذمہ ہی ہو جاتا تھا۔

"اصل میں، میں اور ثانیہ یہ جاب چھوڑ رہے ہیں، بلکہ سمجھ لیں چھوڑ دی ہے۔"

بناء کسی تمہید کے اُس نے یہ اہم اطلاع آخر کار دے ہی دی۔

ثانیہ نے پریشان ہو کر فرح کی طرف دیکھا اتنی بے وقوفی کی اُسے فرح سے اُمید نہیں تھی۔

ابھی نہ جمیل ماموں سے بات ہوئی تھی اور نہ امّاں کو کچھ اتہ پتہ تھا۔

"اچھا!" ممانی نے بڑی بے یقینی سے فرح اور پھر ثانیہ کی طرف دیکھا۔ "چلو اچھا کیا، تمہاری تو خیر دوسری بات ہے، مگر ثانیہ کے لئے تو بڑی دردِ سری ہی ہے سارا دن گھر سے باہر اور نہ کچھ حاصل نہ وصول۔"

آخری الفاظ ثانیہ کے بجائے اُن کی اپنی حالتِ زار کو بیان کر رہے تھے، اکیڈمی سے ملنے والی تنخواہ میں سے اُنہیں واقعی کچھ نہیں مل رہا تھا۔ سو اِس اطلاع سے اُنہیں واقعی بڑی طمانیت سی ہوئی تھی۔ اچھا تھا امّاں اور ثانیہ پھر ذرا ذرا سی ضرورت کے لئے اُن ہی کا مُنہ تکنے والی پوزیشن میں دوبارہ آجاتیں۔

مگر یہ خوشی اور اطمینان صرف چند لمحوں تک ہی ٹھہر پایا۔

''اصل میں تو اب ہم دونوں، اگلے ہفتے سے زیادہ بہتر جگہ پر جوائن کریں گے۔ سیلری بھی زیادہ بہتر اور آگے ترقی کے اِمکان بھی۔''

فرح کہہ رہی تھی اور خالی کنستروں اور ردّی اخباروں کے ڈھیر سے ممانی کا دل یکدم ہی اُچاٹ ہو گیا۔ اپنے بھاری بھرکم وجود کو سنبھالتی ہوئی۔ وہ اُٹھ کر برآمدے میں آ بیٹھیں۔ فرح دانستہ جانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی، مگر اب اُن کے سوالات کا جواب دیئے بغیر یہاں سے ہلنا ناممکن تھا۔

''کیسی جاب ہے، کیا تنخواہ ہے؟ ایسے کیسے اتنی آسانی سے مل رہی ہے؟ اور کیا ثانیہ وہ آفس جا کر دیکھ بھی آئی ہے؟''

ہر سوال کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی، اُن کی بدگمانی اور بار بار اپنی جانب اُٹھتی مشتبہ نگاہیں۔ ثانیہ کو خود اپنی نگاہوں میں گرنے کا تجربہ، ممانی کے ہاتھوں ہی ہوا تھا۔ فرح کیا جواب دے رہی ہے اُس پر دھیان دیئے بغیر وہ امّاں سے اُن کی دوا کے بارے میں پوچھنے لگی۔

''کیا سچ کہہ رہی ہے فرح!''

وہ بے چاری اب تک سب کی سُنے جا رہی تھیں، ثانیہ کو قریب پا کر دبے الفاظ میں اُس سے پوچھنے لگیں۔

''بتا دوں گی آپ کو، فرح تو بس۔''

اُس نے ادھورا جُملہ چھوڑا۔

حالانکہ اُسے پتہ تھا کہ امّاں اُسے کبھی بھی غلط نہیں سمجھ سکتیں اور نہ ہی اُس کے کسی بھی فیصلے پر وہ اعتراض کرنے والی تھیں، مگر پھر بھی ثانیہ کو شرمندگی سی ہونے لگی۔

فرح اتنی دیر میں، ممانی کو باباصاحب کے لمبے چوڑے بزنس اور وہاں کام کرنے والے لوگوں کی تعداد سُنا کر اچھا خاصا متاثر کر چکی تھی۔

باباصاحب کا نام، اب ممانی کے لئے بھی اجنبی نہیں رہا تھا۔ ''رحمت منزل'' آنے جانے کے اِس عرصے میں کافی کچھ اِس خاندان کے بارے میں جان چکی تھیں اور ان سے عمر کے تعلق کو بھی۔

''کیا عمر بھی اِسی آفس میں کام کرتا ہے، جہاں ثانیہ کرے گی؟''

عمر کا دھیان آتے ہی اُنہیں بڑے عجیب عجیب سے خیال آنے لگے تھے۔

''پتہ نہیں، عمر تو اصل میں بابا کے ساتھ ہوتا ہے، اب ہمیں معلوم نہیں کہاں اپائنٹ کریں گے وہ۔''

اُنہیں ذرا جو یقین آیا ہو۔

''سب معلوم ہوتا ہے اِن لڑکیوں کو، بتانا نہیں چاہ رہی۔ یہ فرح تو ویسے بھی بے حد چالاک ہے۔''

انہوں نے دل ہی دل میں دس باتیں فرح کو بھی سُنا ڈالیں۔ ویسے بھی ثانیہ کو اتنی ہمت دلانے والی تھی بھی وہی اسی لئے اُنہیں زیادہ غصّہ تھا بھی اِسی بات کا۔

"ثانیہ کو تو خیر اِس کے ماموں اجازت نہیں دیں گے' ہمارے ہاں لڑکیاں نوکری نہیں کرتیں۔ یہ تو اِس کی ضد تھی جو وہاں اُنہوں نے کرنے دی تھی۔اب تو قصّہ ختم ہی سمجھو۔"

حتمی سے انداز میں اُنہوں نے فیصلہ سُنایا۔ثانیہ کا دل یک بار گی بہت زور سے دھڑکا۔ ممانی کی ایک "نا" کا مطلب تھا' مزید کوفت مزید پریشانی۔

کچھ بعید نہیں تھی کہ یہ اکیڈمی والی نوکری بھی وہ چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔فرح سے اُسے اِس طرح کی حماقت کی اُمید نہیں تھی۔پہلے جمیل ماموں سے بات ہو جاتی' پھر وہ خود ممانی کو بتا دیتے' جو کچھ کہنا سننا ہوتا وہ بعد میں کہتی رہتیں۔

امّاں کھانا نکال رہی تھیں وہ واپس اُنہی کے پاس کچن میں چلی آئی' باہر برآمدے میں فرح کہہ رہی تھی۔

"جمیل ماموں تو اجازت دے چکے ہیں ثانیہ کو' اصل میں تو اُنہوں نے ہی مجھے کہا تھا کہ ثانیہ کے لئے کوئی اچھی جاب نظر میں رکھوں' کئی بار کہہ چکے تھے۔"

وہ اتنی صفائی سے جھوٹ بول رہی تھی کہ ثانیہ کو ہنسی آنے لگی۔

"اب ممانی تو آتے ہی ماموں کی خبر لیں گی' وہ بے چارے تو پھنسیں گے نا!"

جب وہ کھانے کی پلیٹیں اُٹھانے کے لئے کچن میں آئی تو ثانیہ نے اُسے احساس دلایا۔

"کچھ نہیں ہوتا' میں ابھی یہاں سے نکلتے ہی جمیل ماموں سے خود بات کر لوں گی۔ دیکھنا وہ کتنے خوش ہوں گے۔اِس طرح کے معاملوں کو یوں چٹکی بجا کر ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔"

اُس نے مُسکرا کر ثانیہ کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی۔" اور اب ممانی جو کچھ بھی کہتی سنتی رہیں' کوئی ضرورت نہیں ہے کُڑھنے کی' لوگوں کے گھٹیا پَن پر اپنا دِل جلانا' خود اپنی توہین ہوتی ہے۔"

ثانیہ نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا' یہ ایک مسئلہ جس پر وہ ابھی نہ جانے کتنی دیر اور پریشان رہتی' فرح نے فوری طور پر حل کرنے کی ٹھانی تھی۔

چونکہ ممانی نے خود فرح کو اصرار کر کے کھانے پر روکا تھا' سو آداب مہمانداری بھی خود ہی نبھا رہی تھیں۔

امّاں یا ثانیہ کو تردّد نہیں کرنا پڑا۔

"لبنیٰ کا بیوٹی پارلر کیسا جا رہا ہے؟"

فرح نے اُس بیوٹیشن کورس کے بارے میں پوچھا' جو آج کل لبنیٰ کر رہی تھی' چند گلیاں چھوڑ کر کسی بیوٹی پارلر سے۔

ممانی نے پہلے تو مخالفت کی تھی' مگر اب لبنیٰ کو وہاں خوش دیکھ کر خود بھی خوش تھیں۔"بہت اچھا جا رہا ہے' رات تک ہی واپسی ہوتی ہے۔اتنی ماہر ہوتی جا رہی ہے کہ پارلر والی باجی نے اِسی کے سپرد کر دیا ہے' زیادہ تر کام۔"

"چلیں اچھا ہے' جس کام میں لبنیٰ کا دل لگ رہا ہے' وہی اُس کے لئے سوٹ ایبل ہے۔"

فرح کھانا کھا چکی تھی' سو اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ممانی کو ابھی عمر اور نانی کے بارے میں بھی باتیں کرنی تھیں۔

"نانی کو کوئی لڑکی پسند آئی یا نہیں؟"

اُنہیں اِس بات کی بہت فکر رہا کرتی تھی' فرح نے جان بوجھ کر ابھی تک دِیا والی بات کا تذکرہ اُن کے سامنے نہیں کیا تھا۔ آج کل نانی کو بشارت صاحب کے گھر رشتہ لے جانے کے لئے ہموار کیا جا رہا تھا۔ ممانی کو یہ بات جب تک نہ پتہ چلتی' اچھا ہی تھا۔

فرح اُنہیں یوں ہی ''ہوں ہاں'' کر کے ٹالتی ہوئی باہر نکل آئی۔

''لبنیٰ کے لیے ایک رشتہ آیا بھی ہے' مگر ممانی کو کوئی اور پسند ہی نہیں آ رہا ہے اور نہ ہی لبنیٰ راضی ہے۔ اب وہ صرف عمر کے بارے میں ہی سوچ رہی ہیں۔'' ثانیہ بتانے لگی' تو فرح کو سچ مچ افسوس سا ہوا۔

''کسی وقت موقع دیکھ کر بات کروں گی ممانی سے' مشکل تو یہ ہے کہ وہ صحیح بات کا بھی اُلٹا مطلب نکال لیتی ہیں۔ اِس طرح کے معاملے محض اپنی خواہش کے مطابق نہیں طے کیے جا سکتے ہیں' دوسرے کی رائے بھی اُتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی کہ اپنی۔''

فرح کو یہ بات کہتے ہوئے خود اپنی خواہش یاد آ گئی۔ ثانیہ اُسے کس قدر پسند تھی۔ عمر سے بناء پوچھے' وہ نانی کے ساتھ مل کر اپنے طور پر یہ رشتہ پکا کیے بیٹھی تھی مگر کیا ہوا تھا؟

عمر دِیا کے علاوہ کسی اور کا نام تک سننا گوارا نہیں کر رہا تھا۔

وہ تو اب جب جب ثانیہ کو دیکھتی اِسی بات پر شکر کرتی کہ اپنی حماقت کے ہاتھوں' اُس نے ثانیہ تک اپنی اِس خواہش کو پہنچنے نہیں دیا تھا۔

''ہماری خواہش ہمیں جس طرف کھینچتی ہے' ضروری نہیں قسمت بھی وہی راستہ چُنے' کاش ممانی یہ بات جلد ہی سمجھ جائیں۔''

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے فرح نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ ''بہر حال اب تم تیار ہو جائو' ہم اگلے ہفتے سے ''احمد گروپ آف کمپنیز'' کا حصّہ بننے جا رہے ہیں۔''

وہ مُسکرا کر ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی کو ریورس کر گئی۔ ثانیہ واپس اندر چلی آئی' ممانی حسبِ توقع بڑبڑائے جا رہی تھیں۔

''ہماری کیا حیثیت ہے' لڑکیاں خود اپنے بارے میں فیصلے کرتی ہیں۔ آج نوکری ڈھونڈی ہے' کل کو کوئی لڑکا بھی ڈھونڈ کر سامنے لا کھڑا کریں گی' لو جی ہو گئی چُھٹی۔''

ثانیہ دانستہ نظر انداز کرتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ تخت پر بیٹھی امّاں بھی سب ہی کچھ سُن رہی تھیں اُن کی طرف دیکھنے کی ہمت بھی ایسے موقعوں پر نہیں رہتی تھی۔

بناء ایک لفظ مُنہ سے نکالے' وہ بالکل بُت بنی ممانی سے ملے ہر اعزاز کو وصول کرتی تھیں۔ دن بہ دن وہ زیادہ خاموش ہوتی جا رہی تھیں۔ ''اور اس ساری صورتِ حال سے نکلنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے' آگے اور بس آگے دیکھتے رہنے کا' چاہے منظر کتنا ہی دُھندلا سا کیوں نہ ہو۔''

پلیٹیں صاف کرتے ہوئے' وہ خود کو سمجھاتی رہی' رات کو جمیل ماموں آئے تو ایک مٹھائی کا ڈبّہ بھی ساتھ تھا'

''مبارک ہو' ہماری ثانیہ کو تو ایک اور اچھی جاب مل گئی ہے۔''

امّاں کے مُنہ میں مٹھائی دیتے ہوئے' اُنہوں نے بے حد خوشی سے کہا تھا۔

فرح نے اُنہیں کس طرح کنوینس کیا تھا' ثانیہ کو اندازہ نہیں تھا' مگر ویسی ہی شرمندگی جو اُسے امّاں کے سامنے ہوئی تھی' وہی جمیل ماموں کے سامنے بھی ہو رہی تھی۔

"یہ فرح کا فیصلہ ہے ماموں' آج اُس نے اکیڈمی والی جاب چھوڑی' تو جھٹ پٹ میرے لیے بھی فیصلہ کر لیا' مجھے تو بالکل بھی نہیں پتہ کہ وہ کون سا آفس ہے اور کون لوگ ہیں اور نہ ہی میں آپ سے پوچھے بغیر...!"

رات کو جب برآمدے میں امّاں' جمیل ماموں اور اُس کے سوا کوئی نہیں تھا' وہ صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ تب ہی ماموں نے بڑی شفقت سے اُس کی بات کاٹی۔

"میں بہت خوش ہوں بیٹا! ہر وہ بات جو تمہارے حق میں اچھی ہو' میں اُس پر ہمیشہ خوش رہوں گا۔ فرح نے مجھے فون پر بتادیا تھا سب اور مجھے پتہ ہے کہ وہ تمہارے لئے کس قدر مخلص ہے۔ مجھے سب سے زیادہ بے فکری اس بات سے ہوتی ہے کہ تم جہاں بھی کام کر رہی ہو' وہاں وہ تمہارے ساتھ ہے۔"

ثانیہ کچھ جھینپ کر مُسکرادی۔ سچی بات تو یہ تھی کہ ابھی بھی کسی نئی جگہ اکیلے جانے کا خوف' دل کو سہانے لگتا تھا۔

"اچھی خاصی اکیڈمی میں سیٹ ہو گئی تھی' اب معلوم نہیں یہ دوسرا کام میرے بس کا بھی ہو گا یا نہیں۔"

رات کو وہ بڑی دیر تک سوچ گئی۔

"نئی جگہ' نئے لوگ' نیا ماحول بڑے لوگ ہیں۔اِس حساب سے سخت بھی زیادہ ہوں گے' مگر فرح تو تعریفیں کرتے ہوئے نہیں تھکتی ہے۔ خیر' دیکھا جائے گا۔" اُس نے تھک کر آنکھیں بند کیں۔

...☆☆☆...

نینی نے لائونج کی کھڑکیوں سے پردے سرکا کر کھڑکیاں کھولیں تو' نرم گرم دھوپ اندر تک پھیلنے لگی۔

سامنے بڑا سارا لان تھا۔ ہرا بھرا خوش رنگ کیاریوں میں موسم سرما کے لئے لگائے گئے' سارے ہی پھول پوری طرح کھل چکے تھے۔

نینی کو یہ جگہ بے حد پسند آرہی تھی' اتنی خوبصورت اور پُر سکون کہ آدمی زیادہ دیر کسی بھی پریشانی پر' پریشان نہیں ہو سکتا تھا۔

بابر کی امی یقیناً کوئی بہت ہی باذوق خاتون تھیں۔ فیضی نے بتایا تھا کہ سارے گھر اور لان کی ڈیزائننگ اور ڈیکوریشن' خود اُن کی اپنی کی ہوئی تھی اور وہاں کینیڈا میں بیٹھ کر بھی وہ گھر کی دیکھ بھال پر زور دیئے رکھتی تھیں۔

ایک دو بار جب وہ فیضی کے ساتھ گھر کے مرکزی اندرونی حصّے میں گئی تھی تو اُسے اندازہ ہوا تھا کہ یہ انیکسی جہاں وہ رہی ہے' اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ بیش قیمت فرنیچر اور دبیز قالینوں سے بھرا ہوا یہ گھر اُتنا ہی شاندار تھا جتنا کسی بھی پیسے والے کا ہو سکتا ہے۔

جب فیضی نے اُسے بتایا تھا کہ لائونج اور راہداریوں میں لگے ہوئے فانوس اور پینٹنگز کی قیمت ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں ہے تو وہ کتنی دیر حیرت زدہ سی رہی تھی اور اس شاندار محل کو چھوڑ کر بابر کی فیملی اب کینیڈا میں بھی بہت کامیابی کے ساتھ قدم جما چکی تھی۔ فیضی اور بابر کی باتوں سے یہ اندازہ بھی بہت اچھی طرح ہونے لگتا تھا۔

"بابر کا خاندان بہت زیادہ امیر ہے فیضی؟"

ایک بار وہ فیضان سے سوال کر بیٹھی تھی تو اُس نے بے نیازی سے مُسکراتے ہوئے اُسے دیکھا تھا۔

"بس ٹھیک ہیں' ہمارا گروپ آف کمپنیز ان سے کہیں بڑا ہے۔ بابا' پاپا' سہیل چچا اور سجاد چچا...!"

فیضی کا لہجہ اپنے خاندان کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہمیشہ بے حد فخریہ ہوتا تھا۔ وہ لاکھوں کی نہیں کروڑوں، اربوں کی بات بڑے سرسری سے انداز میں کرتا۔ نینی کو دِیا یاد آئی۔ جو پیسے کی اِسی چکاچوند کو دیکھنے کی متمنّی تھی۔ جسے گھر کی اُجل پوشی پر شرم آتی تھی۔

اُسے بشارت صاحب یاد آئے تھے۔

جو مہینے کے آخر میں تھوڑی سی اضافی رقم کی اُمید میں سہ پہر سے گھر سے نکلتے تھے تو رات گئے گھر میں داخل ہوتے تھے

۔

اپنی پُرانی سی موٹر سائیکل پر اِس ہجوم شہر کی سڑکوں پر، اِس ڈھلی عمر میں وہ ایک سرے سے دوسرے تک موٹر سائیکل پر ٹیوشنز کو نمٹاتے پھرتے تھے۔

اُن کی ساری محنت اور امی کے سارے سلیقے کے باوجود صرف ضروریاتِ زندگی ہی نمٹتی آئی تھیں۔ نینی کو بہت سوچنے پر بھی یاد نہیں آتا تھا کہ وہ لوگ کبھی بھی، بہت دِل کھول کر نہ سہی، مگر تھوڑی سی بے فکری کے ساتھ ہی کبھی بازاروں میں خرچ کر پائے ہوں، کسی اچھے ریسٹورنٹ میں پوری فیملی ایک ساتھ کھانے پر گئی ہو، یا کوئی تفریحی مقامات...!"

لائونج کی کُھلی کھڑکی میں کھڑے ہوئے، زَن زَن کرتے ہوئے کتنے ہی گزرے پَل اُس کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔

تب ہی اُسے لان کی دوسری طرف گاڑی کے پاس کھڑا ہوا بابر دکھائی دیا۔ دوسری طرف مُنہ کیے ہوئے وہ کسی ملازم سے بات کر رہا تھا، مگر نینی کا دل بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

محض لمحہ میں اُس نے کھڑکی بند کر کے پردے گرائے، داخلی دروازے کے لاک کو چیک کیا اور تیزی سے چلتی ہوئی اپنے بیڈروم میں آ گئی۔ اُس کی گھبراہٹ ابھی بھی کم نہیں ہوئی تھی۔

''خدا کرے بابر اِس طرف بالکل بھی نہ آئے۔''

اپنی نم ہوتی ہوئی ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے، اُس نے بڑے دل سے دُعا کی گھر پر اس وقت فیضی بھی نہیں تھا اور اُس کی غیر موجودگی میں وہ بابر سے بالکل بھی ملنا نہیں چاہتی تھی۔ اُسے بابر سے خوف آنے لگا تھا۔

اُس کی آنکھوں میں کچھ ضرور محسوس ہوتا تھا، جو نینی کو بُری طرح چُبھتا تھا۔ اُس کے ذومعنی جملے، فیضی اور اُس کے تعلقات پر بے باک تبصرے، محض وہم سمجھ کر نہیں ٹالے جا سکتے تھے۔ بلکہ نینی کو تو کئی بار ایسا بھی لگا کہ وہ جان بوجھ کر لڑکھڑا کر اُس سے ٹکرایا ہے۔

بہت کوشش کے باوجود بھی، وہ فیضی سے بابر کے بارے میں کوئی بات نہیں کر پا رہی تھی۔

''معلوم نہیں وہ کیا سمجھے؟ کہیں اُسے ہی قصوروار نہ ٹھہرا دے۔''

اُن دونوں کے درمیان پایا جانے والا اعتماد کتنی تیزی سے کمزور ہوا تھا۔ نینی کو یہ خیال بے حد اُداس کرتا تھا۔

دروازے پر کسی نے زور سے دستک دی تھی نینی، نینی!

اُسے بابر کی آواز سُنائی دی، مگر وہ اِسی طرح بالکل ساکت ہوئی اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ چند منٹ اُس نے نینی کے جواب کا انتظار کیا اور پھر شاید مایوس ہو کر واپس پلٹ گیا، نینی پھر بھی اِسی طرح بیٹھی رہی۔

ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ دروازے کھول کر نہ سہی کھڑکی کا پردہ سرکا کر ہی باہر دیکھ سکے۔ کچھ دیر بعد اُسے گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو جیسے جان میں جان آتی محسوس ہوئی۔

لائونج کی کھڑکی کا پردہ بالکل ذرا سا سرکا کر اُس نے دیکھا' تو واقعی بابر کی گاڑی باہر جاتی دِکھائی دی۔

نینی نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے آنکھوں میں آتے ہوئے آنسوئوں کو صاف کیا۔ عجیب بات تھی' اتنی دیر سے جو سہم سا دل پر طاری ہو رہا تھا' اُس میں آنکھیں بالکل خشک رہیں اور اب سکون کا اِحساس میسّر آتے ہی آنکھیں پانی سے بھرنے لگی تھیں۔

باہر اب کوئی نہیں تھا' سوائے مالی کے۔ نینی کی نگاہ ابھی بھی باہر ہی کی طرف جمی ہوئی تھی۔ باہر کا نظارہ ابھی بھی دل کش اور رنگوں سے بھرا ہوا تھا' مگر نینی کا اُسے نظر بھر کر دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''اتنے بڑے گھر میں' اِس طرح اکیلے رہنے کے لیے آجانا' شاید اُس کی بد ترین غلطی تھی۔''

وہ خود کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے واپس کمرے میں چلی آئی۔ کوئی نہ کوئی ایسا طریقہ ڈھونڈنا ضروری تھا کہ فیضی کو یہاں سے شِفٹ ہونے پر راضی کیا جا سکے۔

وہ بہت ٹھنڈے دل سے اِس موضوع پر سوچنا چاہتی تھی۔ اُسے پتہ تھا کہ فیضی کو پیسے کا کوئی پرابلم نہیں ہے اور اگر تھا بھی تو اب ختم ہو چُکا تھا۔ سو اپنی ضرورت کے مطابق وہ کہیں بھی گھر لے سکتے تھے۔ جہاں کم از کم اِس طرح کا کوئی دھڑکا نہیں ہو گا۔ وہ بیٹھی سوچے گئی۔ آج دوپہر کا کھانا بھی نہیں بنا تھا' مگر یہ بڑی فکر جو دل پر آپڑی تھی' چھوٹی موٹی باتوں کی طرف سے بے نیاز کر رہی تھی۔

تب ہی اُس نے ایک بار پھر دروازے پر آہٹ سُنی' کوئی دستک دے رہا تھا۔ حالانکہ اتنی جلدی بابر کے آنے کا کوئی اِمکان نہیں تھا' پھر بھی وہ بہت ڈرتی ڈرتی دروازے تک آئی تھی۔

''شاید فیضی!'' اُس نے اندازہ لگانا چاہا' مگر باہر سے آتی آوازیں' بڑا ہی خوشگوار سرپرائیز لیے ہوئے تھیں۔

''امی!''

ایک جھٹکے کے ساتھ وہ دروازہ کھول چکی تھی۔

''تمہیں تو لگتا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی یاد نہیں آتا بالکل ہی بُھلا دیا ہے سب کو۔''

وہ امی کے گلے لگی' اُن کی پیار بھری ڈانٹ سُن رہی تھی۔ سارا خوف' ٹینشن' گھبراہٹ' جیسے لمحوں میں ہوا میں تحلیل ہوا تھا۔

''کیسی مضبوط پُر سکون اور پیار بھری پناہ گاہ کو وہ پیچھے چھوڑ کر آئی ہے۔''

نینی کے دِل میں ایک پچھتاوا سا بے ساختہ ہی جاگنے لگا۔

''نازی نے اسکول سے آکر بس کھانا ہی کھایا تھا اور یہاں چلی آئی ہے۔ کہنے لگی امی اتنے دِن ہو گئے ہیں نینی کو دیکھا نہیں' تھوڑی دیر کے لئے ہم ہی چلتے چلتے ہیں۔''

امی بتانے لگیں۔ اُنہیں اکیلے کہیں آنے جانے کی عادت نہیں تھی' نینی کو پتہ تھا کہ وہ اُس سے ملنے کے لیے کسی نہ کسی سہارے کی محتاج تھیں اور گھر میں صرف نازی اور سمیع ہی تھے جو اُنہیں اُس سے ملوانے لا سکتے تھے' اُن میں بھی سمیع ایک نمبر کا لاپروا۔

وہ مشکور سی نگاہوں سے نازی کو دیکھنے گئی۔امی اُسے بے حد یاد کرتی تھیں۔نینی کو یہ اندازہ اُن کی باتوں سے شدّت کے ساتھ ہو رہا تھا۔

"فیضی بہت دیر سے آتے ہیں امی' اسی لیے نہیں نکلنا ہوتا ہے۔" وہ شرمندہ سی ہو کر' اپنی صفائی دینے لگی۔تو امی یوں ہی بے ساختہ کہہ بیٹھیں "اتوار کو آجایا کرو' اُس دِن تو چھٹی ہوتی ہے۔"

اُنہیں یاد ہی نہیں رہا تھا کہ اتوار کا دن نینی کے آنے جانے پر سب سے زیادہ پابندی عائد رکھتا ہے' وہاں گھر پر بشارت صاحب موجود ہوتے تھے اور یہاں فیضی!

"ابّا کیسے ہیں' اتنی سردی میں بھی بہت دیر سے گھر آتے ہیں کیا؟" نینی اُن کی بات کو دانستہ نظر انداز کرتی ہوئی پوچھنے لگی۔جب سے سردی زیادہ ہوئی تھی' وہ رات گئے تک یہی سوچ سوچ کر پریشان رہا کرتی تھی۔

"دیر تو ہو ہی جاتی ہے' کیا کیا جائے۔" امی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔"سردی کا کیا ہے' کچھ دن کی مہمان ہی ہوتی ہے کراچی میں تو' اب سردی کی وجہ سے لگے بندھے ٹیوشنز بھی چھوڑے تو نہیں جاسکتے ہیں نا۔"

اُن کے سادہ سے لہجے میں کہی بات بھی نینی کے دل پر چوٹ کی طرح پڑی۔

"ابّا نے ساری زندگی بہت محنت کی ہے امی اور میں نے اُنہیں کتنی بڑی تکلیف پہنچائی ہے' پتہ نہیں وہ مجھے کبھی معاف بھی کریں گے یا نہیں۔"

اُس کی آواز رُندھنے لگی تو' امی نے جلدی سے اُسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"ابّا تم سے ناراض نہیں ہیں نینی! تھوڑا سا وقتی غصّہ ہے بس' وہ بھی اُتر جائے گا' تم اتنا دِل پر مت لو۔"

پاس بیٹھی نازی بھی سمجھانے لگی۔

"یہ سب اُس سے محبت کرنے پر مجبور ہیں' بناء کسی غرض یا لالچ کے اور جواباً وہ اُن کے لیے کیا کر پائی" نینی نے بہت دیانتداری سے اپنا محاسبہ کیا۔

"اُن لوگوں کی پریشانیوں اور جدّوجہد میں حصّے دار بنے کے بجائے' موقع ملتے ہی ہاتھ چھڑا کر اپنے حصّے کی خوشیاں سمیٹنے کے لئے نِکل کھڑی ہوئی۔"

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ اُٹھنے لگی کبھی کبھی نازی آپا سے نگاہ ملانا بھی بہت کٹھن لگنے لگتا تھا۔

"ابھی بیٹھ جائو' تھوڑی دیر بعد بنالینا' میں تم لوگوں کے لئے کچھ پکا کر بھی لائی ہوں۔"

امی کے کہنے پر اُس کی توجہ' بڑی سی باسکٹ میں رکھے ہوئے کھانے کے بند ڈبوّں پر پڑی۔

بروسٹ' اچار گوشت' بریانی' کباب کڑاہی اور شاید کوئی میٹھا بھی...!"

امی کے ہاتھ کا کھانا اُسے تینوں وقت ہی یاد آیا کرتا تھا اور اب جو یہ اتنا کچھ وہ ساتھ لے کر آئی تھیں' وہ تو اُس کے لئے اگلے کئی وقت کی فکر دور کرنے کے لیے کافی تھا۔

"تم نے ابھی کھانا نہیں کھایا ہوگا' پہلے تم کھالو کچھ!" امی کہنے لگیں۔

مائوں کو خود بخود ہی پتہ چلتا رہتا ہے' کس نے کھایا ہے کس نے نہیں۔

نینی مُسکراتے ہوئے سب کچھ اُٹھا کر کچن میں چلی آئی' نازی بھی اُس کے ساتھ تھی۔

"گھر تو ماشاءاللہ بہت اچھا ہے تمہارا۔"

''ہمارا نہیں نازی آپا! فیضان کے دوست کا ہے۔''

وہ پلیٹیں نکالتے ہوئے' اُس کی تصحیح کرنے لگی۔

''اِس وقت تو تم ہی رہ ہی ہو نا۔''

نازی کے ہنسنے پر وہ بھی مُسکرا دی۔

''زندگی میں اپنوں کے ساتھ سے بڑی' کوئی دوسری بھی نعمت ہو گی گیا؟ ساری فکر ساری ٹینشن منٹوں میں دور اور کتنی عجیب سی بات ہے کہ یہ احساس ہمیں تب ہوتا ہے جب یہ ساتھ چھوٹ جاتا ہے۔ اُس سے پہلے بس یوں ہی فار گرانٹڈ ہی لیتے رہتے ہیں۔''

کھانا کھاتے کھاتے اُس نے چائے بھی بنالی تھی اور جب وہ دونوں کچن سے باہر آئیں تو امی لائونج کی کھڑکی کھولے باہر دیکھ رہی تھیں۔ ''کتنا اچھا لان ہے نا امی' سارا گھر ہی بہت خوبصورت بنا ہوا ہے۔''

چائے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے نینی نے محض امی کو خوش کرنے کے لئے کہا تھا' مگر اُنہیں اِس گھر کی خوبصورتی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

''اتنے بڑے گھر میں سارا دن تم اکیلی رہتی ہو؟ میرا تو یہی سوچ سوچ کر گھبراہٹ سے بُرا حال رہتا ہے۔''

وہ کھڑکی کے قریب پڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے تشویش سے بولیں۔

''پریشان مت ہوا کریں' ملازم ہوتے ہیں یہاں۔'' ایک پھیکی سی مُسکراہٹ نینی کے لبوں پر آئی' مگر وہ جیسے اُس کے دل کے بھید تک پہنچ رہی تھیں۔

''کیسے پریشان نہ ہوں' فیضان خود تو سارا دن باہر رہتا ہے اور تمہیں یہاں ڈال دیا ہے۔ اپنے گھر والوں سے بات کر کے تمہیں کیوں نہیں اپنے گھر لے کر جا رہا ہے آخر؟''

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا امی کی پریشانی بڑھ رہی تھی' فیضی کے گھر والوں کی ناراضگی کو اُنہوں نے یہی سوچ کر نظر انداز کیا تھا کہ وہ وقت کے ساتھ زائل ہو جائے گی' مگر اتنے مہینے گزر جانے کے بعد بھی وہ ٹس سے مس ہوتے دکھائی نہیں دیتے تھے۔

''کبھی کوئی ملنے آتا ہے وہاں سے۔'' یہ سوال وہ اکثر ہی پوچھتی رہتی تھیں' مگر آج اِس کا جواب اُنہیں حوصلہ افزاء ملا۔

''فیضان کی امی آئی تھیں یونیورسٹی' پیسے بھی دے کر گئی ہیں اُنہیں۔''

''دیکھا' میں نہ کہتی تھی' ایک دن جُھکنا ہی پڑے گا اُن لوگوں کو پھر کیا کہہ رہا ہے فیضی! کب آ رہے ہیں وہ لوگ تمہیں لینے؟''

وہ بے حد خوش ہو کر پوچھنے لگیں۔

نازی سامنے میز پر پڑا ہوا میگزین اُٹھا کر دیکھنے لگی' اُسے ابھی کچن میں نینی بتا چکی تھی کہ فیضی کی امی' ابھی بھی اُسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اور اب یہی بات وہ مناسب الفاظ میں امی کے بھی گوش گزار کر رہی تھی۔

''ابھی کچھ وقت لگے گا امی! فیضی کا خاندان کافی بڑا ہے۔ دادا' چچا' والد اُن سب کی رضامندی حاصل ہونا ضروری ہے تب ہی کچھ...!''

''اب اور کتنا وقت چاہیے۔'' امی نے کوفت بھرے لہجے میں اُس کی بات کاٹی۔ ''عجیب لوگ ہیں' یہ بھی احساس نہیں کہ بہو کو ہم نے کہاں چھوڑا ہوا ہے' آخر کو اُن کے گھر کی عزّت ہو تم۔''

نینی کی نگاہ خود بخود جُھکنے لگی۔

کیسی بہو اور کیسی عزت۔

جو لڑکیاں اُس کی طرح خود سَری کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ اُنہیں اِس طرح کے مرتبے یوں ہی حاصل نہیں ہو جاتے۔

امی مستقل ہی فیضی کے خاندان کو بُرا بھلا کہے جا رہی تھیں۔ نازی نے اُنہیں ایک آدھ بار ٹوکا تو اُس پر خفا ہونے لگیں۔ وہ چائے کے برتن اُٹھا کر کچن میں رکھنے چلی گئی' تو نینی کو اُن سے ایک ضروری بات کرنے کا موقع مل گیا۔

''امی اب نازی آپا کی شادی ہو جانی چاہیے مجھے اُن کی بہت فکر ہے۔''

بہنوں کے لیے بات کرتے ہوئے' وہ اب شرمندہ ہونے لگی تھی۔

''دیکھو' جو اللہ کی مرضی' دِیا کے لیے تو روز کوئی نہ کوئی چلا آتا ہے' ابھی جس شادی میں جا رہی تھی۔ وہیں کئی لوگوں نے صدیقی صاحب کی بیوی سے کہا ہے' اُن کا فون آیا تھا میرے پاس۔''

امی کے لہجے میں حسبِ معمول دِیا کے لئے بے حد فخر تھا۔

''پھر جلد ہی کوئی فیصلہ کریں' کیا پتہ ساتھ ہی کوئی نازی آپا کا بھی سبب بن جائے۔''

نینی کو جب سے فیضان نے نازی اور دِیا کا شادی نہ ہونا جتایا تھا' وہ اِس معاملے کو لے کر بے حد حساس ہو رہی تھی' مگر مشکل یہ تھی کہ امی پر اِس معاملے میں زور بھی نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔

''ایسے ہی کیسے کر دیں' کوئی بہت اچھا رشتہ ملے' تا کہ اسماء اور مسعود دیکھتے رہ جائیں۔''

''بس کر دیں امی!''

نینی نے بے ساختہ ہی اُن کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے'

''آپ نے کیوں خود پر یہی ایک بات سوار کر لی ہے ہمیں اب کیا لینا دینا ہے' اُن سے' دِیا باجی کے لئے کوئی کمی تھوڑی ہے اور مسعود بھائی کون سے ایسے پہنچے ہوئے شخص تھے جو اُن سے آج تک مقابلے کیا جا رہا ہے۔''

نازی واپس آ کر بیٹھ چکی تھی۔

امی نے نینی کی بات کا کوئی بھی جواب نہیں دیا' صاف ظاہر تھا کہ وہ اِس بحث سے بچنا چاہ رہی ہیں۔ خود نینی بھی نازی سے باتوں میں مصروف ہو گئی' گھر اور بہنوں کی کمپنی کو وہ اب بہت زیادہ مِس کرنے لگی تھی۔

''کچھ دن کے لئے رہنے آ جائو نا نینی! تم نے بالکل ہی آنا جانا چھوڑ دیا ہے' فیضان منع کرتا ہے کیا؟''

جس وقت امی اُٹھ کر باہر کا چکر لگانے گئی تھیں' نازی نے بڑی محبت سے اُسے کہا۔

بات کچھ ایسی ہی تھی۔

نینی نے ٹالنا چاہا مگر نازی سے زیادہ وہ گھر میں کسی سے بھی کلوز نہیں تھی۔

''فیضان کو ابّا کے رویہّ کا افسوس ہے اور اکیلے وہاں آنا مجھے اچھا نہیں لگتا ہے' پھر یہ کہ ابّا بھی فیضان سے ملنا نہیں چاہتے ہیں۔''

"ابّا کی فکر مت کرو، ایک تو وہ بے چارے گھر میں ہوتے ہی کتنی دیر کے لیے ہیں، دوسرے وہ کتنے بھی ناراض سہی، اگر فیضان اُن سے سنجیدگی سے ایک بار بھی جو کچھ ہوا، اُس پر معافی مانگ لیتا، تو وہ شاید اب تک نارمل ہو چکے ہوتے۔ وہ بہت محبت کرنے والے باپ ہیں۔"

نازی ہلکے ہلکے اُسے سمجھائے گی۔

نینی چُپ چاپ لائونج کی کھلی ہوئی کھڑکی میں سے باہر دیکھنے گئی، جہاں اُسے امی کسی ملازم سے بات کرتی ہوئی دِکھائی دے رہی تھیں، فیضی کے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ معلوم نہیں وہ امی کو باہر کے ملازم سے بات کرتا دیکھ کر، کتنا بُرا مناتا۔ یہی سوچ کر وہ اُنہیں بلانے کے لئے لائونج کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی، مگر وہ پھر بھی اپنی بات پوری کر کے ہی آئیں۔

"یہ تو اور بھی بُرا ہوا۔"

وہ واپس آئیں تو پریشان تھیں، نازی اور نینی دونوں اُن کی طرف دیکھنے لگیں۔

"گھر کے مالکوں کو تم دونوں کے یہاں رہنے کی خبر ہی نہیں ہے، چوری چھُپے رکھا ہوا ہے۔ اِس لڑکے نے تم لوگوں کو، کیا نام ہے اُس کا بابر۔"

"کیا واقعی نینی؟"

یہ اطلاع نازی کے لئے بھی نئی تھی۔

"اِس سے کیا پوُچھ رہی ہو، میں خود اچھی طرح پتہ کر کے آئی ہوں، وہ ملازم کہہ رہا تھا کہ ہمیں بابر صاحب نے سختی سے منع کیا ہوا ہے کہ اُن کے امی ابو کا فون آئے تو کوئی بھی یہ بات اُن سے نہ کہے کہ انیکسی میں مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں، ورنہ وہ نوکری سے نکال دیں گے۔"

"امی وہ اصل میں...!" نینی نے تھوڑی سی صفائی پیش کرنا چاہی، مگر اُنہوں نے اُسے بھی جھڑک دیا،

"مجھے تو پہلے ہی شک ہو رہا تھا کہ بغیر کسی ایگریمنٹ اور کرائے کے کون اِتنا اچھا گھر کسی کو اُٹھا کر دے سکتا ہے، مگر یہ سوچ کر دل کو تسلی دے رہی تھی کہ پیسے والے لوگ ہیں، شاید فیضان کے گھرانے سے اتنے قریبی تعلقات ہیں، جو تم سے کرایہ نہیں لے رہے ہیں۔

"تمہیں کم از کم ہم لوگوں کو بتانا تو چاہیے تھا نینی! یہ تو بہت ہی غلط طریقہ ہے، اِس سے تو کہیں اچھا ہے کہ تم کوئی چھوٹا سا، سادہ ہی سہی، اپنا الگ فلیٹ کرائے پر لے لو۔" نازی بھی کہے بنا رہ نہ سکی۔

امی اور نازی غیر نہیں تھیں، پھر بھی نینی نے اُن لوگوں کے سامنے خود کو بے حد ہلکا پڑتا ہوا محسوس کیا۔

"مجھے تو سوچ سوچ کر ہول اُٹھ رہے ہیں، خدانہ کرے کل کوئی اونچ نیچ ہو گئی، سارا گھر ملازموں کے سپرد ہے۔ کوئی چوری چکاری ہو گئی تو پولیس تو سب سے پہلے تم دونوں میاں بیوی سے ہی باز پُرس کرے گی۔ بات کہاں سے کہاں جا سکتی ہے، فیضی کے گھر والے تو اتنے سنگ دل ہیں کہ اُن سے کوئی اچھی اُمید بھی نہیں رکھی جا سکتی۔"

امی کے اندیشوں کی نہ حد تھی اور نہ حساب!

نینی کو سارا ضبط، رُخصت ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ اپنے اور فیضی کے درمیان بڑھتا ہوا کھچاؤ، فیضی کے خاندان میں اپنی جگہ کا تعین اور بابر کی جانب سے ایک نہ ختم ہونے والا سہم اور بھی چھوٹے بڑے مسائل، تب ہی ایک دم، وہ

دونوں ہاتھوں میں مُنہ چُھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔امی اور نازی دونوں ہی سب کچھ بھول بھال کر اُسے خاموش کرانے لگیں۔

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' ہم لوگ ہیں نا' میں خود بات کروں گی فیضان سے۔''

''نہیں امی' آپ کچھ مت کہیے گا اِن سے۔''

وہ آنسو صاف کرتی ہوئی اُنہیں منع کرنے لگی' معلوم تھا کہ' اس طرح معاملات اور بھی خراب ہونے ہیں۔

''مت بولنے دینا کسی بھی بات میں' ہم ہی رہ گئے ہیں گرنے کے لیے' بیٹی دی ہے تو باز پرس کرنے کا بھی حق ہے' جب ایک الگ گھر لے کر رہنے کے بھی قابل نہیں تھے صاحبزادے' تو شادی

کرنے کی کیا مصیبت تھی۔''

امی غصّے میں بڑبڑاتی رہیں۔

اچھی بات تھی کہ آج ابھی تک فیضی بھی نہیں آیا تھا' نینی اِسی پر شکر کرتی رہی' وہ ہوتا تو امی کی باتوں کو لے کر اور بھی کتنا بُرا مناجاتا اور جب وہ دونوں بہت سارے وسوسوں میں گھری ہوئی واپس جا چکی تھیں تو نینی نے بابر اور فیضی کی گاڑیوں کو آگے پیچھے اندر آتے ہوئے دیکھا۔

آج اُسے معمول سے کہیں زیادہ دیر ہوئی تھی۔نینی جانتی تھی کہ آج کل وہ اپنی پڑھائی پر زیادہ وقت صرف کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ یہی سمجھے گئی کہ فیضی اب سیدھا اِدھر ہی آئے گا' مگر خلاف توقع وہ بابر کے ساتھ اندر جا چُکا تھا۔

اب وہ اکثر ہی اِس طرح اُسے نظر انداز کرنے لگا تھا' تھوڑی ہی دیر میں اُس کا موبائل پر فون بھی آگیا کہ کھانا وہ بابر کے ساتھ ہی کھا رہا ہے اور اگر نینی بھی آنا چاہتی ہے تو وہ بھی وہیں آجائے۔

حالانکہ نینی نے اُسے بتانا بھی چاہا کہ امی کئی ایک چیزیں بنا کر لائی ہیں' مگر اُس نے نینی کا آنے سے انکار سُن کر ہی فون بند کر دیا تھا۔

وہ مایوس سی ہوئی سارے کھانے فریج میں رکھ کر اپنے بستر پر چلی آئی۔رات گئے جب فیضی آیا وہ تب تک جاگ ہی رہی تھی۔

''تمہاری امی آئی تھیں آج؟''

جو بات وہ اُسے بتانا چاہ رہی تھی' اُس کے علم میں آچکی تھی۔

''ہاں' بہت دیر تمہارا انتظار کر کے گئی ہیں۔''

شاید اسی طرح اُسے اپنے دیر سے آنے کا احساس ہو' اِسی لیے نینی نے کہا۔

''مجھے فون کر دیتیں۔'' سپاٹ سے لہجے میں کہتا ہوا' وہ الماری کی طرف بڑھ گیا۔

''تم خود ہی تو منع کرتے ہو کہ بار بار فون کر کے ڈسٹرب نہ کیا کروں۔'' وہ ہلکے سے بولی۔

''تو پتھر پر لکیر تو نہیں ہے میرا کہا ہوا۔'' وہ جھٹکے سے الماری بند کر کے اُس کی طرف مڑا۔''تم نے اُن لوگوں پر جتایا ہو گا کہ میں کس قدر غیر ذمہ دار انسان ہوں' جو دِن بھر تمہاری خبر تک نہیں لیتا ہوں۔''

"ایسی کوئی بھی بات نہیں ہوئی ہے۔" وہ بمشکل کہہ سکی، مگر اُس کا موڈ بے حد بگڑا ہوا تھا۔ "یہاں کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا ہوگا بشارت صاحب نے، تاکہ مجھے ذلیل کرنے کے لئے اُنہیں کچھ اور باتیں بھی مل سکیں، مگر اچھی طرح سُن لو، میں اور لحاظ نہیں کروں گا اُن کا...!"

نینی حیران سی ہوئی اُس کی شکل دیکھے گئی۔

معلوم نہیں وہ کس لحاظ کی بات کر رہا تھا، شادی کے بالکل ابتدائی دنوں سے وہ اُن کے لئے بات کرتے ہوئے یہی ٹون استعمال کر رہا تھا۔

اپنی بات کہتا ہوا وہ کپڑے اُٹھا کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا، نینی کمبل اوپر تک کھینچ کر دوبارہ لیٹ گئی۔

ابّا کے بارے میں اُس کی کہی باتوں کا جواب دینا وہ بہت دن ہوئے چھوڑ چکی تھی۔ وہ سخت سے سخت بات بآسانی کہہ جاتا، مگر وہ یوں ہی خاموشی سے درگزر کرنے کی کوشش کیے جاتی۔ کبھی کبھی اُسے خود پر بھی شرم آنے لگتی تھی، مگر جان چکی تھی کہ جواباً کچھ بھی کہنا اُس کے غصّے کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ خاموشی کم از کم بات کو مزید بڑھنے سے روک دیتی تھی۔ دیوار کی طرف مُنہ کیے وہ ایک ہاتھ آنکھوں پر رکھے ساکت لیٹی رہی۔

فیضی کمرے کی لائٹ بند کر کے بیڈ پر آ بیٹھا تھا۔

"آج بابر دروازے پر ناک کرتا رہا مگر تم نے دروازہ تک نہیں کھولا۔"

نینی کو یک دم ہی، اُس وقت کی گھبراہٹ یاد آئی۔

"ہاں، نہیں کھولا تھا۔" فیضی کی طرف پلٹ کر دیکھتے ہوئے، اُس نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں ایسا کیا پرابلم تھا کہ تم دو منٹ کے لئے اُس کی بات نہ سُن سکیں؟"

"مجھے نہیں پسند ہے کہ وہ تمہاری غیر موجودگی میں یہاں آئے۔" اُس نے صاف صاف کہہ دینا ہی مناسب سمجھا۔

"فضول باتیں مت کرو، بابر میرا گہرا دوست ہے کوئی غیر نہیں ہے وہ۔"

"میرے لیے تو غیر ہی ہے" فیضی کی جھنجلاہٹ کو نظرانداز کرتے ہوئے وہ اپنی بات پر اڑی رہی۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ بابر ٹھیک کہتا ہے، مِڈل کلاس کی لڑکیوں کی مینٹلٹی کے ساتھ ایڈجسٹ کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔" اپنا تکیہ ٹھیک کرتا ہوا، وہ لیٹنے ہی لگا تھا کہ نینی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"بابر ہوتا کون ہے، مجھ پر تبصرہ کرنے والا اور تم، تم کیسے سُن لیتے ہو کہ تمہارا دوست تمہاری بیوی کے بارے میں اِس طرح کی باتیں کرے؟" غصّے سے اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔

معلوم نہیں زیادہ غصّہ بابر پر آ رہا تھا یا پاس بیٹھے فیضی پر۔

"قریبی دوستوں میں چلتا ہے یہ سب اور ہم لوگ ان باتوں کا بُرا بھی نہیں منایا کرتے۔"

نینی کے غصّے کی رتی بھر بھی پروا کیے بغیر وہ بہت لاپروائی سے کہتا ہوا لیٹ چکا تھا۔ "زیادہ نہیں مگر ایک بات تم بھی یاد رکھا کرو، ہم لوگ بابر کے گھر میں رہ رہے ہیں اور یہ اُس کا بہت بڑا احسان ہے ہم پر، جسے ہم کبھی بھی نہیں اُتار سکتے ہیں۔"

جو کچھ وہ اُسے سمجھانا چاہ رہا تھا، اُسے کسی طور بھی قبول نہیں تھا۔

"تم کوئی دوسرا گھر لے لو فیضی! میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

"اچھا!" وہ ہلکے سے ہنسا "کہاں جاؤ گی پھر؟ وہیں بشارت صاحب کے گھر' میرا تو نہیں خیال کہ وہ مجھے تو خیر چھوڑو' تمہیں ہی اپنے گھر میں جگہ دے دیں۔" اُس کے لہجے میں تضحیک نمایاں تھی۔

"یہ تم بار بار ابّا کو بیچ میں کیوں لاتے ہو فیضان!" بہت دیر ضبط کرتے کرتے آخر کار اُسے اپنی برداشت ختم ہوتی محسوس ہوئی۔

"بات ہماری آپ کی ہے اور تم سے شادی میں نے واپس وہاں جا کر رہنے کے لئے نہیں کی ہے' جو تم مجھے یہ طعنے دے رہے ہو۔"

"ہاں تو پھر صبر کر کے رہو' جہاں بھی مناسب سمجھتا ہوں' ویسے بھی یہاں تکلیف کیا ہے تمہیں! اِتنا اچھا گھر' ہمیں فی الحال دوسرا مل بھی نہیں سکتا' مگر تم ہو کہ بجائے بابر کے احسان کو ماننے کے...!"

"بس کردو یہ بابر کے احسان کی تسبیح!" نینی کی آواز بے ساختہ ہی اونچی ہوئی تھی۔ "اِس احسان کی آڑ میں چُھپی بدنیتی تمہیں کیوں نظر نہیں آرہی آخر' وہ انتہائی بگڑا ہوا لڑکا ہے فیضان! تم کیوں نہیں سمجھ رہے ہو۔"

مارے بے بسی کے اُس کی آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں' فیضان کے چہرے پر حیرت کے آثار اُبھر آئے تھے۔

"مجھے تمہاری ذہنیت پر بے حد افسوس ہو رہا ہے اور بس۔"

سرد لہجے میں میں کہتے ہوئے اُس نے دوسری طرف کروٹ لے لی تھی۔

...☆☆☆...

سفید کلف لگے شلوار قمیص کے ساتھ' پشاوری چپل پہنے' اپنے طور اپنی شخصیت کو بھاری بھرکم ظاہر کرتے ہوئے' وہ ٹھیک اُس وقت یہاں وارد ہوئے' جب بابا شام کی چائے پینے کے لئے لائونج میں آکر بیٹھے تھے۔

معلوم نہیں' بابا ہی آج کچھ جلدی فارغ ہو گئے تھے' یا وہ ہی وقت کی جمع تفریق صحیح طور پر نہیں کر پائے تھے۔ اندر قدم رکھتے ہوئے وحید بھائی کو حقیقتاً مایوسی ہوئی تھی' بابا کو یہاں دیکھ کر۔

"اکیلے آئے ہو' فرحت اور بچے نہیں آئے ہیں؟"

اُن کے سلام کا جواب دیتے ہوئے' بابا نے بغور اُن کے چہرے کی طرف دیکھا تو' وہ کچھ گڑبڑا سے گئے۔

"جی' جی نہیں میں تو اصل میں یہاں سے گزر رہا تھا' سوچا ملتا ہوا نکل جاؤں۔"

بابا کے سامنے بیٹھنا' اُن کے لئے ہمیشہ کٹھن مرحلہ ثابت ہوتا تھا۔

"ہوں!" بابا کی پُرسوچ نگاہیں ابھی بھی وحید کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ "ابھی دو تین دن پہلے بھی کوئی ذِکر کر رہا تھا کہ تم آئے تھے صبح کے وقت۔"

"جی جی!" وہ مزید بوکھلائے۔

"خیریت تو ہے نا۔"

بابا نے شاید دل ہی دل میں کوئی اندازہ لگانا چاہا تھا۔

وحید بھائی دل ہی دل میں جُزبُز سے ہوتے ہوئے' اس تفتیش کی زَد میں تھے' تب ہی بلقیس بھابی مدد کے لیے آئیں۔

"چائے پیوگے وحید!" بے حد اپنائیت سے پُوچھتی ہوئی' وہ اِس وقت اُن کے لیے بہت بڑا سہارا ثابت ہوئیں۔ سو انہوں نے فوراً ہی اثبات میں سر ہلا دی۔ ملازم کو چائے کا کہہ کر بلقیس بھابی وہیں آ بیٹھیں۔

گھر پر اس وقت تینوں بھائیوں میں سے کوئی نہیں تھا۔ وحید آج کل جان بُوجھ کر آنے کے لئے ایسے ہی وقت کا انتخاب کیا کرتے تھے' جب کسی سے سامنا ہونے کا اتفاق نہ ہو۔

"لگتا ہے آج کل تمہارے پاس فرصت زیادہ ہے وحید!"

مہینوں شکل نہ دکھانے والے وحید کی باقاعدہ آمد بابا کو کھٹک رہی تھی۔

"فرصت نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگا۔ لے دے کر ایک رحمت منزل کا شُغل تھا' وہ بھی جاتا رہا۔" صبر کا کڑوا گھونٹ اُنہوں نے اِسی سوچ کے ساتھ بھرا' مگر بظاہر مُسکراتے ہوئے بولے۔

"آپ اجازت دیں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کروں' کوئی کام میرے لائق ہو تو بتا دیجئے گا۔"

بابا کے چہرے پر خود بخود ایک تناؤ سا اُبھرنے لگا۔ وحید کی نالائقیوں کی فہرست اتنی لمبی تھی کہ کوشش کے باوجود بھی اُن سے خیر کی اُمید نہیں رکھی جا سکتی تھی۔

"خدا کا شکر ہے' میرے پاس بہت اچھا اسٹاف ہے' ویسے بھی ہمارے آفس کے کام تمہارے بس کے نہیں ہیں۔"

"آپ موقع تو دے کر دیکھیں بابا اور کام کا کیا ہے آدمی کچھ دنوں میں مشکل سے مشکل کام سیکھ ہی جاتا ہے۔"

اُن کی طرف سے کھلے انکار کے بعد بھی' وحید بھائی نے کوشش جاری رکھی۔ بابا نے بمشکل ہی اپنے غصّے کو ضبط کیا۔

صرف فرحت اور اُس کے بچے تھے' جن کی وجہ سے وہ وحید کو برداشت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اُس کی منافقانہ باتوں اور چاپلوس مُسکراہٹ کو نظر انداز کرنا بابا جیسے بااُصول آدمی کے لے اِس وقت پہلے سے بھی زیادہ مشکل ہو رہا تھا۔

"میری عُمر اور کاروباری ساکھ' دونوں ہی اِس وقت تجربات کے متحمل نہیں ہو سکتے ہیں وحید! اور ویسے بھی تمہیں کام کی ضرورت ہی کیا ہے' رحمت منزل سے جو کرایہ فرحت کے نام آ رہا ہے تم لوگوں کی اُس میں اچھی خاصی گزر بسر ہو رہی ہے۔"

اُنہوں نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ ملازم نے اُنہیں کسی مہمان کے آنے کی اِطلاع دی۔ شام کے وقت اُن کے پاس آنے جانے والوں کا سلسلہ روز ہی جاری رہتا تھا۔ وہ اُٹھ کر چلے گئے' تو وحید بھائی کی بھی سانس میں سانس آئی۔

"دیکھ لیا نا بھابی' یہ ہے ان کے خاندان میں داماد کی عزت' چار پیسے کیا بیٹی کے نام پر دے رہے ہیں' ہر وقت جتاتے ہیں۔ خدا کسی غریب کو دولت مند سسرال نہ دے' بے چارہ دو کوڑی کا بھی نہیں رہتا۔"

وحید بھائی بہت دِل سوزی سے بلقیس بھابی سے کہہ رہے تھے۔

"ٹھیک کہتے ہو میرے بھائی!" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "اِن لوگوں کی نظر میں کسی کی بھی حیثیت نہیں۔ فیضی کیسا دیوانہ وار ان کے آگے پیچھے گھومتا تھا' مگر ان کی زبان پر اُس کا نام تک نہیں آتا ہے' ہے نا سنگ دلی کی حد۔"

"دکھائے گا خدا اُنہیں بھی۔" وحید بھائی کو وہ کام یاد آیا جس کے لئے وہ یہاں آئے تھے۔

"آپ اب کس دِن چلئے گا فیضی سے ملنے کے لیے؟ میں تو یہی پروگرام پُوچھنے آیا تھا۔"

"ابھی اِس ہفتے تو نہیں؟"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں، اصل میں پچھلے دنوں میں اُنہوں نے فیضی سے کئی ملاقاتیں کرلی تھیں وحید کے ساتھ جا کر اور وہ ہر بار ہی اُن پر وحید کے ساتھ آنے پر خفا ہوتا تھا۔

چلیں پھر جس دِن بھی آپ کا موڈ ہو، بس ایک دن پہلے بتا دیجیے گا۔'' بلقیس بھابی کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر وہ تھوڑے سے مایوس بھی ہوتے تھے۔''کیا کسی کو شک ہو گیا ہے کہ آپ فیضی سے ملنے جاتی ہیں...!''

''شش!''

بلقیس بھابی نے تیزی سے اُن کی بات کاٹی۔''ہلکے بولا کرو وحید اور یہاں بیٹھ کر یہ بات کرنی ضروری ہے کیا، گھر میں بچے ہیں، ملازم ہیں کوئی بھی سُن سکتا ہے۔''

اُنہیں غصّہ میں آتا دیکھ کر وحید بھائی کے لبوں پر دبی دبی سی مُسکراہٹ اُبھری۔

''لیجیے اصل پوزیشن تو میری خراب ہو گی، جب بات کھلے گی۔ سارا عتاب میرے اُوپر ہی آئے گا، آپ کو تھوڑی کوئی کچھ کہے گا۔''

''تمہیں بھی کوئی کچھ نہیں کہے گا، لیکن اللہ کے واسطے اپنی زبان پر قابو رکھا کرو، مجھے تو تمہاری اس بناءاِدھر اُدھر دیکھے، بولنے کی عادت سے خوف آتا ہے۔'' بلقیس بھابی نے جھنجلاتے ہوئے ہدایت دی، تو وہ مُسکرا دیئے۔

''آپ کہتی ہیں تو مانے لیتا ہوں، ویسے خدا آپ کا بھلا کرے، اِس وقت تو بڑی پریشانی کے عالم میں آپ کے پاس آیا ہوں۔''

اُن کا انداز جتنا مسکین قسم کا محسوس ہوا تھا اُس نے بلقیس بھابی کو چوکنا ہو کر بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

''اب کیا مسئلہ درپیش آگیا ہے، ابھی پچھلے ہفتے تو تم مجھ سے اچھی خاصی رقم لے کر ہی گئے ہو۔''

''ٹھیک کہتی ہیں آپ۔''

وہ اور بھی دِل گرفتہ سے دکھائی دینے لگے۔

''معلوم نہیں کیسی قسمت ہے میری پریشانیاں آنی شروع ہو جائیں تو بس چاروں طرف سے ہی آتی چلی جاتی ہیں، وہ پیسے جو آپ سے لے کر گیا تھا، معلوم نہیں بٹوے میں سے کس نے نکال لیے، فرحت سے پوچھ رہا ہوں تو وہ نہیں مان رہی ہے۔ گھر میں کام کرنے والی مُلازمہ سے پوچھ گچھ کی تو وہ بھی قسمیں کھانے لگی۔''

وہ اپنے اُوپر پڑی افتاد کی جتنی دیر تفصیل سُناتے رہے، بلقیس بھابی بڑی بے یقینی سے اُن کی طرف دیکھے گئیں اور جب وہ ذرا سانس لینے کو رُکے تو بڑی تیزی سے بولیں۔

''خیر فرحت بے چاری تو کیا کرے گی تمہارے پیسوں کا، اُس سے تمہیں ایسی بات کہنی بھی نہیں چاہیے تھی۔'' پہلی بار ہی شاید اُنہوں نے فرحت کا کسی بات میں فیور کیا۔

''میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آئے دن آخر تمہارے ہی ساتھ کچھ نہ کچھ مسئلہ کیوں کھڑا رہتا ہے۔ کبھی موبائل چھن گیا، کبھی جیب کٹ گی اور اب گھر میں سے بھی پیسے غائب ہونے لگے۔''

بلقیس بھابی کو وہ سارے پیسے یاد آنے لگے، جو وقتاً فوقتاً پچھلے دنوں میں وحید بھائی اُس سے لے کر جا چکے تھے۔ مگر اُن پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔

''کہہ تو رہا ہوں، قسمت ہی خراب ہے، بہت مہربانی ہو گی آپ کی صرف پچاس ہزار...!''

''پچاس ہزار!''

بلقیس بھابی کو اپنے حلق میں کچھ اٹکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ابھی پچھلے ہفتے بیس ہزار اُس سے پہلے دس اور اُس سے پہلے پینتیس اوراِس کے بعد بھی معلوم نہیں کتنے۔

''میری مدد تو کرنی ہی پڑے گی بھابی! آخر میں بھی تو آپ کی خاطر کتنا بڑا رِسک لیے ہوئے ہوں' سوچ لیجیے بابا کو بھنک بھی پڑ گئی کہ آپ فیضی کی مدد کر رہی ہیں تو۔'' بڑے عجیب سے لہجے میں اپنی بات کہتے ہوئے وہ بولتے بولتے رُکے۔

بلقیس بھابی کو یک دم ہی بڑا خوفناک سا خیال آیا۔

''کہیں' وحید اُنہیں بلیک میل تو نہیں کر رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے اِس بار دے دیتی ہوں مگر آئندہ نہیں'' بمُشکل تمام ہی وہ اُنہیں کہہ پائیں۔

...☆☆☆...

آفتاب کا میڈیکل اسٹور' گھر میں ہی سامنے کے رُخ پر کھلنے والے کمرے کو دُکان کی شکل دے کر قائم کیا گیا تھا۔

سو اُس سے بڑی ہی آسانی رہتی۔

رات کو دیر گئے تک کھولے رکھنے میں بھی کوئی مشکل نہیں تھی اور کھانے پینے کے لئے بھی' وقت بے وقت آیا جا سکتا تھا۔

چلنے پھرنے میں جو اُسے دِقّت کا سامنا کرنا پڑتا تھا' اُس کا بھی کچھ نہ کچھ ازالہ بہر صورت ہو رہا تھا۔

آج رات کے کھانے کے لئے وہ دو بار کہلوانے کے باوجود بھی نہیں آ سکا تھا۔ بینا نے تھوڑا سا پٹ کھلو کر جھانکا تو وہ خاموش سر جھکائے کسی سوچ میں گُم سا محسوس ہوا' گو یا دُکان پر کوئی ایسا رش بھی نہیں تھا' جو اُس کے تھوڑی سی دیر کے لئے اُٹھ کر آنے میں حارج ہو رہا تھا۔

وہ ہلکے سے پُکار ہی بیٹھی۔

''آکر کھانا کھا لیں' بہت دیر ہو رہی ہے۔''

بینا کی آواز پر اُس نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

''آتا ہوں۔'' ملازم لڑکے کو دُکان کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

بینا واپس اندر چلی گئی تھی۔

جب بھی وہ آفتاب کو اِسٹک کی مدد سے ٹانگ کو گھسیٹتے ہوئے چلتے دیکھتی تو' اُسے بہت رنج ہوتا تھا مگر کبھی بھی اُس رنج کو ظاہر نہ ہونے دیتی تھی۔ چند سال پہلے ہونے والے ایکسیڈنٹ نے آفتاب کو یہ معذوری بھی بخشی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اچھی بھلی نوکری بھی جاتی رہی تھی۔ پچھلے چند سال اُن دونوں کی زندگی کے کٹھن ترین سال رہے تھے۔ ناکافی پیسہ ' اسپتالوں کے چکر۔ ذہنی اور مالی دونوں ہی دباؤ جھیلنے پڑے تھے۔

''تھوڑا سا کھلا پیسہ ہوتا تو آفتاب کو کم از کم یہ معذوری نہیں جھیلنی پڑتی۔ اچھے سے اچھا علاج ہو سکتا تھا۔'' بینا کو سب سے زیادہ رنج آج بھی اِسی ایک بات کا ہوتا تھا۔

کھانا گرم کر کے لائی' تو آفتاب کمرے میں آ چُکا تھا۔ ''سب لوگ سو گئے ہیں؟''

"نہیں، بس بچے ہی سوئے ہیں امی تو جاگ رہی ہیں۔ رابعہ وغیرہ بھی پڑھ رہی ہیں، امتحان نزدیک آرہے ہیں۔"

ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ ساس نندوں کے بارے میں بتانے لگی، یوں جیسے دل پر کوئی بوجھ ہی نہ ہو۔

"بچوں کے اسکول کی فیس جمع نہیں ہو پائی ہے ابھی تک۔" نوالہ توڑتے ہوئے وہ فکر مند سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

بینا کو اندازہ تھا پچھلے کچھ مہینوں سے پے در پے کئی زائد خرچ آتے جا رہے تھے۔ خاندان میں کئی شادیاں آئیں، دونوں نندوں کی امتحانی فیس جمع کرائی تھی اور پھر بدلتے ہوئے موسم میں بچے ایک ایک کر کے بیمار ہوتے رہے۔

"میری ٹیوشن والی لڑکیاں ایک دو دن میں فیس لے آئیں گی تو میں جا کر جمع کروا دوں گی، تم فکر مت کرو۔"

بینا نے ملائمت سے اُس کی فکر دور کرنا چاہی، تو وہ ہلکے سے مُسکرا دیا۔

"میری ساری فکریں تو تم نے اپنے ہی سر لے لی ہیں، ویسے آج تو بھائی جان کا فون آیا تھا، تم سب کو پوچھ رہے تھے۔"

"کیا!" بینا کا ہاتھ، گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے وہیں تھم گیا۔

آفتاب کے بڑے بھائی، وہ واحد شخص تھے، جن سے اُسے چِڑ ہی نہیں بلکہ خوف سا محسوس ہوتا تھا۔

☆☆☆...

آفس سے شیریں کی غیر حاضری طویل ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے ممی کی بیماری، پھر اُن کی دیکھ بھال اور پھر بس یوں ہی...

آفس میں سب ہی کو اندازہ ہو چلا تھا کہ وہ اب اپنی اِس ہائی فائی پوسٹ کو برقرار رکھنے میں بالکل بھی دلچسپی نہیں لے رہی ہے۔

اگر اُس کی اتنی بہت ساری چھٹیاں جمع نہیں ہوتیں تو یقیناً "اُوپر" سے اُسے کوئی نہ کوئی نوٹس بھی اب تک مل چُکا ہوتا۔

آفس کے سارے پُرانے ساتھی اُس کی اِس "غیر سنجیدگی" پر قیاس آرائی کرتے، مگر حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ صرف ایک مسز ہاشمی تھیں، جو شیریں کی اس عدم دلچسپی پر بہت خوش اور مطمئن دکھائی دیتی تھیں۔

"اصل میں اب صحیح معنوں میں شیریں نے اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں سوچا ہے۔"

بہت دن بعد آج وہ تھوڑی سی فرصت ملنے پر سجاد کے چیمبر میں آکر بیٹھی تھیں۔

"بہت اچھی بات ہے یہ تو، ہم لوگ بھی تو یہی چاہتے ہیں مسز ہاشمی!"

سجاد بڑے مطمئن سے انداز میں مسکرائے۔

"سچی بات ہے یہ تم ہی ہو، جو اُسے شہریار کے لئے راضی کر پائے ہو، ورنہ ہم تو اُس کے آگے بالکل ہار چکے تھے۔"

مسز ہاشمی بڑی فراخ دلی سے اُس کی تعریف کر رہی تھیں، گو ابھی "باقاعدہ" طور پر تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا، مگر شیریں کا رویّہ شہریار کے ساتھ جس مثبت انداز میں بہتر ہوا تھا، وہ اُن کے لئے بڑا ہی اطمینان بخش تھا اور شاید اسی صدقے میں وہ سجاد کے سارے پچھلے "قصور" معاف کرنے کے موڈ میں تھیں۔

"پچھلے کچھ عرصے میں تمہیں واقعی مس انڈراسٹینڈ کرتی رہی ہوں، مگر اب مجھے اپنی غلطی کا بھی احساس ہو رہا ہے۔ میری جو بھی باتیں تمہیں بُری لگی ہوں، پلیز معاف کر دینا۔"

"حد کرتی ہیں آپ بھی۔"

سجاد کچھ جھینپ سے گئے۔ "مجھے آپ کی کوئی بات کیسے بُری لگ سکتی ہے مسز ہاشمی! ہم سب اتنے پُرانے دوست ہیں کہ ہمارے درمیان اِس طرح کی فارمیلٹیز کی میرے خیال میں تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔"

''یہ تمہاری اپنی اچھائی ہے سجاد!'' وہ اور بھی ممنون ہونے لگیں۔ ''ورنہ بعض اوقات تو میں واقعی زیادتی کر گئی تھی۔''

''چھوڑیں کوئی اور بات کریں۔''

سجاد ہلکے سے ہنس پڑے ''یہ بتائیں اب شہریار صاحب کی برات آنے میں کتنے دن لگیں گے' آخر آپ دولہا والی ہیں۔''

''شہریار پچھلے ہفتے آئے تھے' تب میں نے بھی اُن سے یہی پوچھا تھا۔'' مسز ہاشمی سنبھل کر بیٹھیں۔ ''وہ لوگ شاید ابھی انگیجمنٹ کا پروگرام بنا رہے ہیں' تم نے شیریں سے اِس بارے میں کوئی بات کی ہے کیا؟''

''نہیں!''

سجاد یک دم سنجیدہ ہو گئے۔

''میں نے مناسب نہیں سمجھا۔''

کچھ باتیں کسی سے بھی نہیں کہی جا سکتی تھیں۔ جیسے وہ مسز ہاشمی سے لاکھ بے تکلفی کے باوجود یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ جب سے شیریں نے شہریار کے لئے رضامندی ظاہر کی ہے' خود سجاد کے ساتھ اُس کا رویہ بڑا ہی غیر یقینی سا ہو چکا ہے۔

کبھی تو وہ اُسی اپنائیت بھرے انداز سے ملتی جس کے سجاد عادی تھے اور کبھی وہ اِس قدر سرد مہری اختیار کر لیتی کہ سجاد کو لگتا جیسے کہ وہ کسی بالکل ہی اجنبی ہستی کے سامنے بیٹھے ہیں۔''

''ہے نا بے وقوفی کی بات اچھی خاصی دیر تو پہلے ہی ہو چکی ہے' اب مزید وقت ضائع کرنا کون سی عقلمندی ہے۔''

مسز ہاشمی شہریار اور شیریں کے مسئلے پر مزید روشنی ڈال رہی تھیں۔

سجاد نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

اُن کے لئے یہی بات بہت تھی کہ شیریں نے اُنہیں اُس تکلیف دہ بوجھ سے آزاد کر دیا تھا۔

جو اُنہیں روح پر دھرا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ شہریار سے شادی کے لئے راضی ہو گئی تھی۔ اصل بات بس یہی تھی۔

اُنہیں خوشی تھی کہ وہ ایک مناسب فیصلے تک پہنچی تو سہی' فی الحال تکلیف دہ سہی' مگر آئندہ زندگی میں وہ شیریں کی خوشیوں کی ضمانت بن سکتا تھا۔

آفس ٹائم ختم ہو رہا تھا۔ وہ اور مسز ہاشمی ایک ساتھ ہی اُٹھے تھے۔

گھر پر فرحت آپا آئی بیٹھی تھی۔

''ارے آپ! مجھے فون کر دیتیں' میں آفس سے جلدی اُٹھ جاتا۔''

اُن کا آنا کئی کئی دن میں ہوتا تھا اور سجاد کے لئے اُن کی آمد ہمیشہ بہت خوشی کا سبب بنتی تھی۔

''ابھی آئی ہوں تھوڑی دیر پہلے' مجھے اندازہ تھا کہ اب بس تم آنے ہی والے ہو۔''

وہ بڑی محبت سے بھائی کو دیکھتے ہوئے بولیں' جو اُن کے بچوں سے باری باری مل رہے تھے۔

''وحید بھائی بھی آئے ہیں کیا؟''

''نہیں وہ گھر پر ہی ہیں۔''

فرحت نے ناگواری سے سر کو ہلکے سے جھٹکا'

''اب تو ویسے ہی وہ اتنے چکر یہاں کے لگا لیتے ہیں کہ کوئی حد نہیں۔''

''تو یہ تو اچھی بات ہے نا فرحت آپا! وحید بھائی میں یہ اچھا چینج آیا ہے' میری خود پچھلے دنوں اُن سے یہاں ملاقات ہوتی رہی ہے۔''

سجاد نے تھوڑی حیرت سے بہن کی طرف دیکھا' اُن کی سمجھ میں فوری طور پر یہ آ کر نہیں دے رہا تھا کہ فرحت آپا کو کون سی بات بُری لگی ہے۔

''بے وقوف ہو تم بھی۔''

فرحت آپا جیسے کسی نادان بچے پر مسکرائیں ''وحید جیسے شخص کی طرف سے خوش فہمی کا شکار ہو رہے ہو۔ دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے' وہ شخص کبھی نہیں بدل سکتا اور یہ بات مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔''

لائونج میں کوئی بھی نہیں تھا' پھر بھی وہ دبے دبے سے لہجے میں بات کر رہی تھیں۔

''مگر اب تو بہت دن سے کافی سُدھرے ہوئے ہیں۔ ''رحمت منزل'' جانا بھی تقریباً چھوڑ چکے ہیں۔ فیضی کے نکاح کی تصویر' یہاں پہنچا دینے کے بعد تو انہوں نے میرے خیال میں کوئی اور تکلیف دہ بات نہیں کی ہے۔''

سجاد نے وحید بھائی کی پچھلے کچھ عرصے کی پرفارمنس کو یاد کرتے ہوئے کہا' مگر فرحت کے چہرے پر پھیلے تردّد میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔

''یہ اُن کا مخصوص انداز ہے سجاد! جس وقت وہ سب کو بہت اچھا بن کر دکھا رہے ہوتے ہیں' اُسی وقت وہ درپردہ' کچھ نہ کچھ ایسا کر رہے ہوتے ہیں جس سے ہمارے گھر کو بُری طرح چوٹ پہنچتی ہے۔ وہ اپنا کام بہت خاموشی سے کرتے ہیں' کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔''

اُن کے لہجے میں کچھ ایسا یقین تھا کہ سجاد اس بار اُن کی نفی بھی نہیں کر سکے۔

''کہیں اور بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

فرحت آپا نے اطراف میں نظر ڈالتے ہوئے کہا' لائونج بالکل خالی پڑا تھا۔

''بلقیس بھابی تو جب میں آئی گھر پر نہیں تھیں اور ثمینہ ابھی اُٹھ کر گئی ہے کچن میں۔''

''آج کل بلقیس بھابی بہت مصروف رہنے لگی ہیں' اکثر ہی کہیں نہ کہیں گئی ہوئی ہوتی ہیں۔''

سجاد نے تو بس یوں ہی' بر سبیل تذکرہ کہا تھا' مگر فرحت آپا کی پریشانی اور بڑھنے لگی تھی۔

''میں اِسی بارے میں تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی سجاد! اِدھر ذرا کمرے میں چلو۔''

وہ کہتی ہوئی' خود سامنے والے کمرے کی طرف بڑھ گئیں' یہ کمرہ اُن کی مرحومہ والدہ کا تھا۔ سب ہی بہن بھائیوں کو اِس کمرے سے قدرتی وابستگی تھی۔ فرحت جب بھی یہاں آتیں' اِسی کمرے میں ٹھہرا کرتی تھیں۔

''خیریت تو ہے نا فرحت آپا! اس قدر پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔''

سجاد نے اُن کے ساتھ کمرے میں آتے ہوئے پہلی بار اُن کی پریشانی کو نوٹ کیا تھا۔ '' بھلا زیادہ سے زیادہ بھی وحید بھائی کتنا گر سکتے ہیں۔'' اُنہوں نے دل ہی دل میں اندازہ لگانا چاہا! مگر ناکام رہے۔

بعض لوگوں کے بارے میں سارے اندازے' سارے تجزیے ایک دم فیل ہو جاتے ہیں۔ اُن کے گھٹیا پن کا کوئی بھی لیول نہیں ہوتا' وحید بھی اُن ہی لوگوں میں سے تھے۔

''آج کل وحید اور بلقیس بھابی کی بہت بن رہی ہے' آئے دن یہ اُن ہی سے ملنے آ رہے ہیں اور وہ بھی بہت فون کرتی رہتی ہیں اِنہیں۔''

اپنے اندر اُٹھتی شرمندگی کو دباتے ہوئے فرحت آپا نے کئی دن سے دل میں چُھپے خدشے کو بھائی کے سامنے ظاہر کیا۔

سجاد بے ساختہ ہی زور سے ہنس پڑے۔

"آپ بھی حد کرتی ہیں فرحت آپا! یہ تو بڑا نیک شگون ہے۔ ہمارے خاندان کے لئے بلقیس بھابی اور وحید بھائی کے آپس میں اچھے تعلقات تو گھر میں اُٹھنے والے آدھے سے زیادہ مسائل سرے سے ختم کر سکتے ہیں۔ آپ بے کار میں ہی پریشان ہو رہی ہیں۔"

فرحت نے بہت سکون سے اُن کی پوری بات سُنی اور پھر پہلے سے بھی زیادہ مضبوط لہجے میں بولیں۔

"یہ بات معمولی نہیں ہے سجاد! وحید کیسے انسان ہیں' یہ مجھے تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور بلقیس بھابھی' اِتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی کبھی ہماری نہیں ہو سکیں۔ اُن کے دل میں ہمیشہ ہی ایک بغض پلتا رہا ہے ہمارے لیے' یہ تو مانو گے نا۔"

اُن کی نگاہیں سجاد کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

سجاد نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے ہلکے سے سر کو جُنبش دی۔

"فیضی کے شادی کر لینے کے بعد تو اُن کی ذہنی حالت بہت عجیب سی ہو گئی ہے۔ وہ سارے گھر والوں سے شاکی ہیں' فیضی کے شادی کر لینے کا الزام وہ تم لوگوں پر رکھ رہی ہیں۔"

"کیا!" سجاد بُری طرح چونکے۔

"ہاں' میرے سامنے اُنہوں نے یہ بات دو تین بار دُہرائی ہے کہ فیضی کی تم نے جان بوجھ کر پُشت پناہی کی ہے تاکہ بابا کا بزنس اور پراپرٹی سب تمہارے حصّے میں آ جائے۔"

"لاحول ولا...!" سجاد مُنہ ہی مُنہ میں بڑبڑائے۔

"معلوم نہیں اتنے فضول قسم کے آئیڈیے کہاں سے بلقیس بھابی کے دماغ میں آتے ہیں۔ فیضی کے اِس قدم نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا ہے۔ بابا نہ جانے خود کو کیسے سنبھال پائے ہیں' مگر اِن کی بدگمانیاں کہاں سے کہاں پہنچ رہی ہیں۔"

سجاد کو بہت رنج سا ہوا تھا' یہ بات سُن کر۔

"فیضی کو تو وہ کوئی الزام دیتی ہی نہیں ہیں' وہ تو بچہ ہے اُن کی نگاہ میں۔ حالانکہ جو لڑکا سارے خاندان سے ٹکر لے کر شادی رچا کر بیٹھ گیا ہے' کیا اتنا ہی بھولا اور نادان ہے' مگر بھابی کو اپنی آنکھ کا شہتیر دکھائی تھوڑی دیتا ہے۔"

فرحت بہت جذباتی ہو رہی تھیں' سجاد اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے قریب جا بیٹھے۔

"کہنے دیجیے اُنہیں' جو بھی کہتی ہیں۔ آپ اپنا دل بُرا میں کریں۔ فیضی سے ہم سب کتنی محبت کرتے ہیں یہ ہم خود جانتے ہیں اور اُس کی غلطی کا ازالہ بھی ہمیں ہی کرنا ہے۔"

بہن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر وہ دھیرے دھیرے اُنہیں تسلی آمیز انداز میں سمجھانے لگے۔ فرحت آپا کو بلقیس بھابی کی اور بھی کئی باتیں یاد آ رہی تھیں' مگر سجاد جیسے محبت کرنے والے بھائی کو تکلیف پہنچانا دل کو گوارا نہ ہوا' وہ دوبارہ "اصل" بات کی طرف آ گئیں۔

"میں تو تمہاری توجہ اِس لئے دلوانا چاہ رہی تھی' سجاد! کہ بھابی اور وحید کوئی اور پریشانی نہ کھڑی کر لیں' بابا ویسے ہی بہت کچھ سہہ چکے ہیں اور اب تو اُن کی صحت بھی پہلے جیسی نہیں ہے۔"

"آپ بابا کی فکر مت کریں' وہ اِس عمر میں بھی ہم سب سے زیادہ باہمت ہیں۔ بلکہ آپ کسی کی بھی فکر نہ کریں ہونے دیں جو رہا ہے' میں ہوں نا۔"

"خُدا تمہیں بھی لمبی عُمر دے۔"

فرحت نے بہت محبت سے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا' سجاد سے بات کر کے اُنہیں ہمیشہ ہی بڑا سکون سا حاصل ہو جاتا تھا' وہ ہمیشہ اُن کے لئے بہت بڑا سہارا ثابت ہوتے تھے۔ وحید کے ساتھ گزاری جانے والی زندگی میں کتنی ہی رکاوٹیں اُنہوں نے سجاد کے سہارے عبور کی تھیں۔

موضوع خود بخود یہ بدلتا گیا۔

بلقیس بھابی نے جب کمرے میں آکر جھانکا تو فرحت اور سجاد کسی بات پر بڑے زور سے ہنسے تھے۔

"کس قدر خوش ہیں دونوں بھائی بہن' ظاہر ہے اِن کی پلاننگ جو کامیاب رہی ہے' فیضی کو گھر سے نِکلوانے کی۔"

بے حد کُڑھ کر انہوں نے پہلی بات یہی سوچی تھی۔

"آجائیں بھابی! کہاں تھیں آپ' میں تو کتنی دیر سے آئی ہوئی ہوں۔"

فرحت آپا خوش دلی سے کہتی ہوئی آگے بڑھیں' مگر وہ نہ جانے کیوں طنز سمجھ بیٹھیں۔

"سو ضروری کام ہوتے ہیں' نکلنا پڑتا ہی ہے' تمہارے بھائی تو ہر ذمہ داری سے آزاد ہیں۔ اُنہوں نے تو اپنی دنیا آفس میں بسا رکھی ہے۔"

رسمی سے انداز میں فرحت سے گلے ملتے ہوئے اُنہوں نے تھوڑا سا غُبار نکالا۔

"ماشاءاللہ اتنا بڑا بزنس ہے' وقت تو دینا ہی پڑتا ہے اور وقار بھائی تو ہمیشہ سے ہی بہت دل چسپی لیتے رہے ہیں بزنس میں۔"

فرحت نے اُنہیں تھوڑا سا کنوینس کرنا چاہا۔

"بس بزنس میں ہی دلچسپی لی ہے' اولاد تو اُن کی ذمہ داری تھی ہی نہیں کبھی' اب یہ اتنی بڑی قیامت بھی آپڑی' مگر اِس شخص کو ذرّہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔ کبھی بھولے سے بیٹے کا نام تک نہیں لیتے ہیں۔ میں ہی ہوں جسے کسی پل چین نہیں آرہا' باقی تو سب بہت خوش ہیں۔"

آخری جُملہ انہوں نے کسے مخاطب کر کے کہا تھا یہ فرحت اور سجاد دونوں ہی سمجھتے تھے' مگر کمال ضبط سے بات کو پی گئے۔

ماحول میں تناؤ' مزید نہ بڑھنے لگے' یہی سوچ کر فرحت آپا نے واپسی کی ٹھانی۔

"میں چلتی ہوں اب' سجاد کوئی ڈرائیور ہو تو ہمیں گھر پہنچوا دو۔"

"رُک جائو کھانا کھا کر چلی جانا۔"

بلقیس بھابی نے جس روکھائی سے آدابِ میزبانی نبھانے کی کوشش کی تھی' اُس پر آسانی سے بُرا مانا جا سکتا تھا۔

مگر یہاں ایسا بھی کوئی سلسلہ نہیں تھا۔

"ابھی آپ نہیں جا رہیں' کھانے پر باہر چلتے ہیں' واپسی میں' میں خود آپ کو گھر چھوڑ دوں گا۔"

فرحت منع کرتی رہ گئیں۔ مگر سجاد نے کھڑے کھڑے پروگرام بنالیا۔

اُنہیں بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا کہ وہ ذرا بھی دل برداشتہ ہو کر یہاں سے جائیں۔

"میں وحید سے اتنی دیر کا کہہ کر نہیں آئی ہوں سجاد! وہ خوامخواہ بُرا منائیں گے۔"

فرحت نے نہ رُکنے کا آخری جواز پیش کیا، تو سجاد نے فوراً ہی وحید بھائی کا نمبر بھی ملا لیا۔

وہ نہ معلوم کس نیکی کی گھڑی میں تھے' جو بے حد خوش اخلاقی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

"تمہاری بہن ہیں میاں! ہم سے کیا پوچھتے ہو' جہاں چاہو اپنے بھانجے بھانجی کو گھما کر لائو۔ہاں' ہماری طرف سے معذرت قبول کرو' کچھ دوستوں سے ضروری ملنا ہے آج۔"

بہت قرینے سلیقے سے انہوں نے اپنے مدعو کیے جانے پر معذرت بھی کر لی۔فرحت آپا کو رُکنا ہی پڑا۔آج کل وحید بہت مہربان تھے۔

گھر پر بھی اُن کا رویّہ' بچوں سے اور اُن سے بہت بہتر ہوا تھا۔وہ بدمزاجی' طعنے' تشنے جو اُن کے مزاج کا لازمی حصّہ تھے' آج کل نہ ہونے کے برابر ہی رہ گئے تھے۔بہت عافیت بھرے دِن تھے' مگر پھر بھی دِل پر ایک سہم طاری رہتا تھا۔

"اتنے سالوں میں شاید میں خوش ہونا بھول ہی گئی ہوں۔"

فرحت نے بچوں کو خوشی خوشی گاڑی کی طرف جاتے دیکھتے ہوئے اپنے بارے میں خود ہی فیصلہ دیا۔

بھابیاں دونوں ہی منع کر چکی تھیں۔

بلقیس بھابی کی حسبِ معمول' طبیعت ناساز تھی اور ثمینہ کو سہیل کے ساتھ خاندان میں کسی کی عیادت کو جانا تھا' بچے البتہ سب ہی جا رہے تھے۔ثمینہ کے دونوں بچے بھی بلقیس بھابی کی انعم بھی۔

یہ جھٹ پٹ بننے والا پروگرام اُن سب کو ہی بے حد بھایا تھا اور اب یہاں ڈائننگ ہال کے پُرسکون سی حرارت بھرے ماحول میں سب ہی بُوفے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

تھوڑی دیر کے لیے فرحت بھی جیسے بہل سی گئی تھیں۔سجاد کو اُن کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر دلی خوشی ہوئی تھی۔ ہر بار ایسے کسی بھی موقع پر وہ بہت دل سے عہد کرتے تھے کہ آئندہ ذرا جلدی جلدی وہ اُن کی خوشی کی خاطر اِس طرح کے پروگرام بناتے رہیں گے' مگر کام کی زیادتی پھر سب کچھ بُھلا دیتی۔ہفتوں کیا' مہینے۔نکل جاتے اِس طرح ایک ساتھ مل بیٹھے ہوئے۔

"ہر اتوار کو آنے کا پروگرام بنا لیا کریں فرحت آپا! یا کم از کم مجھے یاد ہی دِلا دیا کریں۔"

وہ کچھ شرمندہ سے ہو کر اُنہیں کہنے لگے' وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہنے جا ہی رہی تھیں کہ سجاد کے پیچھے سے کسی کو آتا دیکھ کر چونک گئیں۔

"ارے شیریں!"

"کیسی ہیں فرحت آپا! بہت دِن بعد ملاقات ہوئی۔" عقب سے شیریں کی آواز سنائی دی' تو سجاد کو مڑ کر دیکھنا پڑا۔

بہت خوبصورت سوٹ میں نسبتاً ڈارک میک اپ میں وہ بہت مختلف دکھائی دے رہی تھی۔اُس کے حُسن میں کوئی شبہ نہیں تھا۔سجاد نے اِس وقت بھی آس پاس کی میزوں پر سے کافی لوگوں کی نگاہ اُس پر اُٹھتی ہوئی محسوس کی تھی۔

ایک دلفریب سی مُسکراہٹ کے ساتھ' وہ فرحت آپا اور بچّوں کے ساتھ مل رہی تھی اور ابھی تک اُس نے سجاد کی طرف ایک نگاہ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

آج شاید پھر وہ اُن کے ساتھ اُسی اجنبی سے موڈ میں تھی۔

''کیسی ہو شیریں!'' سجاد کو خود ہی پوچھنا پڑا۔

''ٹھیک ہوں۔''

بناء اُن کی طرف دیکھے اُس نے مختصر ترین جواب عطا کیا۔ ''آپ بہت کمزور ہو رہی ہیں فرحت آپا! طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی۔''

وہ واقعی فرحت کے لئے متفکّر تھی' یا سجاد کو نظر انداز کرنے کی ایک اور بھرپور کوشش اُس کی طرف سے ہوئی تھی۔

فرحت آپا اُسے کیا جواب دے رہی تھیں' اُس پر توجہ دیئے بغیر اُنہوں نے چند پل بہت دھیان سے شیریں کی طرف دیکھا۔ بیحد عزیز دوست تھی وہ اُن کی' مگر اس کے آگے اُنہوں نے کسی دوسری سوچ کو خود پر غالب نہیں آنے دیا تھا۔

کبھی کبھی ایسا لگا بھی تھا کہ جیسے شیریں ہی وہ ہستی ہے جس کے ساتھ زندگی کا سفر کاٹا جا سکتا ہے مگر پھر ہمیشہ ہی اُنہوں نے اِس خیال کو سختی سے مسترد بھی کیا تھا۔

نہ اُن کے حالات نے اجازت دی تھی اور نہ دل نے۔ جو خوشی دوسروں کو بہت سارا دُکھ دے کر حاصل کی جائے' وہ کبھی بھی پائیدار نہیں ہوتی۔ یہ اُن کا یقین تھا۔

''تم یہاں کھڑی ہو' میں تمہیں اُس طرف دیکھ رہا تھا۔'' کوئی قریب آتے ہوئے' شیریں سے کہہ رہا تھا۔ سجاد نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا۔

وہ شہریار تھا۔

اُنہیں اُٹھ کر ملنا ہی پڑا۔

''آج کل تو آنا جانا لگا رہتا ہے' بہت سی تیاریاں کرنی ہیں' بس اُسی سلسلے میں۔''

سجاد کی کسی بات کے جواب میں' وہ اپنے مخصوص نپے تُلے سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

ہر ملاقات میں اُس کی تمکنت اور غرور پہلے سے بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا اور اب آئندہ زندگی میں شیریں جیسی شاندار عورت کا ساتھ' اُس کی ''بلندیٔ پرواز'' کو کتنا بڑھا دینے والا تھا' اِس کا اندازہ ابھی سے لگایا جا سکتا تھا۔

کھڑے کھڑے اُس کی حد درجہ مصروفیات کی تفصیل سُن لینے کے بعد' سجاد نے بڑے رسان سے مُسکراتے ہوئے اُسے ساتھ بیٹھنے کی دعوت بھی دی' مگر ظاہر ہے یہ بھی اُسے منظور نہیں تھا۔

''میں بہت تھوڑے سے وقت کے لئے کراچی آیا ہوں' اُمید ہے کہ آپ محسوس نہیں کریں گے۔''

وہ صرف شیریں کی کمپنی کو انجوائے کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات اُس نے باقاعدہ نہیں کہی تھی' مگر اُس کا ہر انداز اس بات کا اظہار کر رہا تھا۔

''اچھا فرحت آپا! پھر ملاقات ہو گی انشاءاللہ۔''

فرحت آپا کو ''خدا حافظ'' کہہ کر شیریں شہریار کے ساتھ' دوسری طرف چلی بھی گئیں' مگر سجاد کچھ بے دھیانی کے سے عالم میں ابھی تک اُسی طرف دیکھ رہے تھے۔ جدھر وہ دونوں گئے تھے۔

فرحت چُپ چاپ نوٹ کیے گئیں۔

''تمہارا اور شیریں کا کوئی جھگڑا ہے کیا' آپس میں؟''

''ہاں!'' اُن کے سوال پر سجاد نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا اور ہلکے سے مُسکرا دیئے۔

''نہیں تو۔''

''مجھے تو کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔'' وہ بہت غور سے سجاد کی طرف دیکھ رہی تھیں۔اِس بار اُنہیں مطمئن کرنے کے لئے تھوڑی سی وضاحت کرنا ضروری تھی۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔آپ خوامخواہ وہم کر رہی ہیں' چند دنوں میں اُس کی اور شہریار کی منگنی ہونے جا رہی ہے اور آپ نے دیکھ ہی لیا' شہریار کتنا شاندار شخص ہے۔''

''سب کچھ اتنا ہی اچھا ہے' تو پھر شیریں خوش کیوں نہیں ہے۔'' فرحت آپا کے لہجے میں اُلجھن سی تھی۔

''یہ محض آپ کی غلط فہمی ہے۔'' مختصر سا جواب دیتے ہوئے سجاد بچوں کی طرف متوجّہ ہو گئے۔

...☆☆☆...

عمر کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی' فرح کو نانی کو بشارت صاحب کے ہاں چلنے کے لئے ہموار کرنا پڑ رہا تھا۔وہ کبھی تو نیم رضامند سی ہو جاتیں اور کبھی بالکل ہی صاف انکار۔

کچھ اتہ پتہ نہیں تھا' اُن کا بھی۔

''آخر ثانیہ میں کیا خرابی ہے؟ پہلے تو تم اُسی کے لیے کہا کرتی تھیں اور سچ پوچھو تو مجھے بھی دل سے تو بس وہی پسند آئی ہے۔''

بار بار وہ فرح کو اُس کی پچھلی حماقت یاد دلاتیں اور وہ محض اپنی بے وقوفی پر ہاتھ مل کر رہ جاتی۔اتنا بھی نہیں کہہ پاتی کہ خرابی ثانیہ میں نہیں' عمر کے دماغ میں واقع ہو چکی ہے۔جو دِیا کے علاوہ کوئی اور نام سُننے کے لئے تیار ہی نہیں ہے۔

''وہ لڑکی بہت حسین ہے اور بے حد مغرور بھی۔''

دِیا کے بارے میں کوئی بھی شخص یہی رائے بآسانی دے سکتا تھا۔سو جب نانی کہہ رہی تھیں تو فرح نے اُن کی رائے پر اثر انداز ہونے کی کوشش بھی نہیں کی۔

''تو پھر۔''

وہ مزید ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھی۔

''ایسی لڑکیاں آسانی سے گھر نہیں بساتیں' اُنہیں اپنے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا ہے۔یہ لڑکی دِیا بھی بس ایسے ہی رنگ ڈھنگ کی ہو گی۔''

اُن کے خدشات بے جا نہیں تھے۔

فرح کو اُن سے شرمندگی بھی ہوتی اور کبھی کبھی رحم بھی آنے لگتا تھا۔

دِیا جیسی خود پسند لڑکی کے اِس گھر میں آجانے کے بعد' معلوم نہیں نانی کی پوزیشن کیا ہو جانی تھی۔عمر تو ابھی سے اُس کا غلام ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

مگر کچھ کیا بھی کیسے جاسکتا تھا۔

نانی کو دِیا کے لئے راضی ہونا ہی تھا' سو آخر کار ہو رہی گئیں۔

''عمر کسی اور لڑکی سے شادی کے لئے راضی نہیں ہے نانی! اگر ہم لوگوں نے مخالفت کی تو دیکھ لیجیے گا وہ زندگی بھر شادی نہیں کرے گا۔''

دِیا کی حمایت میں سارے دلائل دے چکنے کے بعد' اُس نے یہ آخری بات کہی تھی جس کے بعد نانی ایک بار بھی انکار نہیں کر سکیں۔

بشارت صاحب کے گھر اُن لوگوں کو ''باقاعدہ'' لے جانے کی ذمہ داری مس سلمیٰ کے کندھوں پر آئی۔

وہ نازی کی کولیگ تھیں اور دِیا اُن ہی کی وساطت سے اُن لوگوں سے متعارف بھی ہوئی تھی۔

''ویسے تم لوگوں کے لئے تو فیضی بھی بہت اچھا نمائندہ ثابت ہو سکتا ہے وہ تو اُن لوگوں کا داماد ہے۔ اُس کی بات تو وہاں ٹالی ہی نہیں جاسکتی ہے۔''

مس سلمیٰ کو تھوڑی سی حیرت تو بہر حال ہوئی تھی' مگر فرح نے جیسے تیسے اُنہیں مطمئن کر ہی دیا۔

''عمر جھنپ رہا ہے سلمیٰ آپا! اُن لوگوں سے کچھ کہتے ہوئے' اگر بات بن جاتی ہے تو پھر بابا صاحب وغیرہ کو بتانا زیادہ بہتر رہے گا۔''

بشارت صاحب کے گھر جانے کا دن مس سلمیٰ نے اسکول میں نازی سے پوچھ کر طے کیا تھا۔ دِیا کے لئے' لوگوں کا رشتے کے لئے آنا کوئی نئی اور خاص بات نہیں تھی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی سوال لیے چلا ہی آتا تھا' مگر عمر کو وہاں بھی بڑی سنجیدگی کے ساتھ لیا گیا تھا۔

اُس کی اچھی شخصیت' اعلیٰ تعلیم اور سب سے بڑھ کر فیضان کے ساتھ نسبت' جو کہ امی کے لئے اُس کی سب سے بڑی خصوصیت تھی' سب ہی کچھ عمر کے حق میں جاتے تھے۔

خلافِ عادت بشارت صاحب نے بھی اعتراض نہیں کیا۔

''لڑکا اچھا لگتا ہے' اور معلومات بھی کرائی جاسکتی ہے۔ بُلالو' میں خود بھی مل لوں گا۔''

اُنہوں نے بڑے رسان سے سُنا اور جواب دیا' تب امی نے اطمینان کا سانس لیا۔ ڈر رہی تھیں کہ کہیں بشارت صاحب فیضی سے عمر کے تعلقات کو ہی وجۂ انکار نہ بنالیں' مگر اُنہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی' البتہ جب اُن کا اچھا موڈ دیکھ کر انہوں نے اُس روز نینی اور فیضی کو بھی بُلا لینے کا ارادہ ظاہر کیا تو بشارت صاحب نے سختی سے منع کر دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے' یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے' اُس لڑکے کو میں اِس قابل نہیں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے گھر کے معاملات میں دخل دے۔''

''فیضان کے بہت قریب ہے عمر' دیکھا نہیں تھا' اُس کے نکاح کی تقریب میں وہی شریک ہونے کے لیے آیا تھا۔''

بمشکل اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے امی نے اُنہیں یاد دلانا چاہا' مگر وہ اتنے بے خبر بھی نہیں تھے جتنا ظاہر کرتے تھے۔

''عمر اُن لوگوں کے آفس میں کام کرتا ہے' ویسے ہی جیسے اور بہت سے لوگ' کوئی رشتے دار نہیں ہے اُن کا اور اگر ہوتا تو میں اُس کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتا' دِیا کے سلسلے میں۔''

ایک بار پھر اُنہوں نے صاف الفاظ میں فیضان کے لیے' اپنی گہری ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔نینی اور فیضان کے لئے اُن کا رویّہ اتنا ہی بے لچک تھا جتنا کہ اوّل دن۔امی اِس سلسلے میں لمبی سے لمبی بحث بھگتا چکی تھیں' سو اِس وقت محض ایک ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو گئیں۔ مصلحت اِسی میں تھی کہ اِس وقت صرف دِیا کے معاملے کو ہی فوقیت دی جائے' دیا کی کسی بہت اچھے گھرانے میں شادی کرنا' اُن کے لئے اب چیلنج کی سی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

عمر انہیں اپنے معیار کے قریب قریب ہی محسوس ہو رہا تھا۔

اُس روز جب وہ اِن لوگوں کو شادی کی تقریب سے واپسی پر چھوڑنے کے لئے آیا تھا تو اُس کی نئی چمچماتی ہوئی گاڑی انہوں نے بھی دیکھی تھی۔

ایسی گاڑی جو اسماء پھپھو کے گھر بھی نہیں تھی' یہ تجزیہ تو اُنہوں نے اُسی روز کر دیا تھا۔ بڑی عجیب سی بات تھی۔

خود ساری زندگی بڑے سلیقے اور جُزرسی سے گزار لینے کے بعد وہ اِس لائف اسٹائل سے بُری طرح اُکتا چکی تھیں۔ بیٹیوں کے لئے اور خاص طور پر دِیا کے لئے تو اُن کے خواب کچھ اور ہی تھے۔ جس میں موجودہ زندگی کی جھلک بھی نہیں تھی۔

کچھ ایسی ہی زندگی جو نینی پا چکی تھی۔

امی کو اُن حالات کا ضرور افسوس تھا' جن میں یہ شادی ہوئی تھی' مگر فیضان کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر اُنہیں بڑی دلی خوشی بھی حاصل ہوئی تھی۔

اور اب دِیا کی باری تھی۔

''فیضان کے خاندان کے برابر نہ سہی' مگر عمر بہر حال کھاتا پیتا لڑکا لگتا ہے۔اچھی بات ہے کہ اکیلا ہے' کوئی ذمہ داری نہیں' جن لڑکوں کے سر ذمہ داریاں نہ ہوں' اُن کی بیویاں حقیقی معنوں میں عیش کرتی ہیں۔''

جس شام نانی اور فرح کو اُن کا ہاں آنا تھا' اُسی کی سہ پہر کو اُنہوں نے بڑے ہال کے گلدانوں میں پھول سجاتے ہوئے' نازی سے کہا تھا۔

اِس طرح کی باتیں نئی نہیں تھیں' مگر پھر بھی نازی کو ہر بار ہی اِن کی سوچ کے اِس زاویے پر افسوس ہوتا تھا' آج ایک خیال اور بھی چپکے سے سر اُٹھانے لگا۔

''خود وہ جو اتنے سالوں سے' ڈھیر ساری ذمہ داریاں ابّا کے شانہ بشانہ بخوشی اُٹھاتی چل رہی ہے۔ تو اُس کے بارے میں امی کی بھلا کیا رائے ہو سکتی ہے؟''

''دِیا سے کہنا' اچھی طرح تیار ہو جائے' ویسے تو وہ لوگ اُسے دیکھ چکی ہیں' مگر اُن پر دِیا کا تاثر اچھے سے اچھا پڑنا چاہیے۔''

وہ اپنے خیال سے تب چونکی' جب امی اگلی ہدایتیں دے رہی تھیں۔

مس سلمیٰ کو کمپنی دینے کے خیال سے' رعنا کو بھی آنے کا کہہ دیا تھا' سو وہ سہ پہر ڈھلتے ہی چلی آئی۔

اتوار کا دن تھا' بشارت صاحب بھی گھر پر ہی موجود تھے۔

برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس کرسی ڈالے وہ صبح کا اخبار' اِس وقت ذرا تفصیل سے پڑھ رہے تھے' جب اُنہوں نے رعنا کو آتے دیکھا۔

''آہا' رعنا بیٹی! بہت اچھا کیا جو چلی آئیں' میں نے خاص طور پر نازی سے کہا تھا کہ تمہیں ضرور بلوائے۔''

نازی کے حوالے سے وہ رعنا کو عزیز بھی رکھتے تھے اور اُس خلوص کے معترف بھی تھے۔امی اور نازی ایک ساتھ ہی بڑے ہال سے نکل کر باہر آ رہی تھیں۔

معلوم نہیں کیوں' امی کو اُن کا یہ پُر تپاک انداز پہلی بار بُری طرح کھلا۔

''ہنہ' اپنی بیٹی کی تو شکل دیکھنے کے روادار نہیں ہیں اور دوسروں کی اولاد پر شفقت لُٹانے کو تیار ہیں۔''

''امی پلیز!'' نازی نے بڑے ملتجی سے انداز میں اُن کی طرف دیکھا۔

تھوڑے ہی فاصلے پر سیڑھیوں پر کھڑی رعنا' ابّا کی بات کے جواب میں مسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی' اگر اُس کے کانوں تک امی کے ریمارک پہنچ جاتے' تو اُس کا دِل کتنا بُرا ہوتا۔

شکر ہوا کہ اُنہوں نے مزید اظہارِ خیال نہیں کیا' مگر پھر بھی جس روکھائی سے انہوں نے' رعنا کے سلام کا جواب دیا تھا' وہ بھی شرمندہ کروانے والا تھا۔

''آنٹی کی طبیعت خراب ہے کیا کچھ؟'' رعنا پوچھنے لگی۔

''نہیں' وہ بس ذرا نینی کی وجہ سے اپ سیٹ ہو رہی ہیں' آئو تم' دیا کے کمرے میں چلتے ہیں۔''

نازی ٹالتے ہوئے اُسے دِیا کے کمرے میں لیے چلی آئی۔

وہ بالکل ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں بیٹھی تھی' نہ ہی کپڑے تبدیل کیے تھے اور نہ ہی کسی دوسری تیاری کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔

''ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو' تیار نہیں ہونا کیا؟''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

رعنا سب کچھ بھول بھال کر اُسے حیرت سے تکنے لگی' تو وہ ہلکے سے مُسکرا دی۔

''بس ٹھیک ہوں رعنا باجی! اب تیار کیا ہونا!''

زرد رنگ کے سادہ سے سوٹ میں بناء کسی تام جھام کے بھی وہ اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ نگاہ ایک پل کے لیے ضرور جم سی جاتی تھی۔

''شاید ٹھیک ہی کہتی ہو۔''

رعنا نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اتفاق کیا' اِس حُلیے میں بھی جا کر' اُن لوگوں کے سامنے بیٹھ جائو گی تو بے چارے' یوں ہی دم بخود سے ہو کر دیکھیں گے۔''

دِیا کے چہرے پر بڑی فاخرانہ سی مُسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔

نازی کو پتہ تھا کسی اور کو ہو نہ ہو' امی کو ضرور دِیا کے حُلیے پر اعتراض ہوگا' سو وہ اُس کی وارڈروب کا رُخ کرتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک طرح سے تیار ہو جائو دِیا! ورنہ امی بہت غصہ کریں گی۔ویسے بھی نینی کے نہ آنے سے اُن کا موڈ بہت خراب ہو رہا ہے۔''

''ہاں' تو بُلا لینا چاہیے تھا نانینی کو بھی' حرج ہی کیا تھا' ویسے بھی تو وہ آتی رہتی ہے۔''

دِیا نے ہلکے سے سر کو جھٹکا۔

خود اُس کا اپنا دل چاہ رہا تھا کہ نینی اور اسماء پھوپھو دونوں ہی اِس موقع پر موجود ہوتیں' تو عمر کی چمکتی ہوئی گاڑی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتیں۔

مگر افسوس' دونوں ہی کو مصلحتاً بُلایا نہیں گیا تھا۔

دِیا کو اپنی تیاری سے زیادہ آنے والوں کے کَروفر کی پروا تھی۔ کسی سوچ سے نکلتے ہوئے بولی۔

''اتنی بڑی گاڑی تھی' تو گھر بھی اُسی کی مناسبت سے بڑا ہی ہوگا۔'' اُسے ابھی تک عمر کے گھر کی لوکیشن کا کچھ خاص اتہ پتہ نہیں تھا۔

نازی' اُس کی الماری میں منہ دیئے ہوئے کھڑی تھی۔ سوال کی گہرائی کی طرف توجہ دیئے بغیر' یوں ہی سرسری سے انداز میں بتاگئی۔

''اُن لوگوں کا گھر نہیں ہے' فلیٹ میں رہتے ہیں۔''

''کیا!''

دِیا کو بڑا صدمہ سا ہوا' معلوم نہیں کیوں' وہ خود سے فرض کیے بیٹھی تھی' کہ وہ چمکتی دمکتی گاڑی کسی ہزار گز کے بنگلے کے پورچ میں کھڑی ہوگی۔

رعنا نے اُس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو بغور دیکھا۔

''سارا کراچی اِن اپارٹمنٹس میں ہی سمایا ہوا ہے' ایک سے ایک شاندار نظر آتے ہیں اب تو اور قیمتیں دیکھو تو آسمان سے باتیں کررہی ہیں۔''

یہ ایک مورل سپورٹ تھی' جو اُس نے بروقت دِیا کو دی تھی۔

شاید اِسی لیے اُس نے' مزید اظہار خیال سے پرہیز کیا۔ تھوڑا سا فیور' عمر کی اچھی شکل بھی دے رہی تھی۔ ایمانداری کی بات تھی' وہ ہزار میں نہ سہی مگر سو میں ضرور اچھا دکھائی دیتا تھا۔

دِیا کے لئے آنے والے اُمیدواروں میں' ابھی تک وہ ہی سب سے خوش شکل دِکھائی دیا تھا اور وہی تھا' جسے دیکھ کر اُسے مسعود کا خیال آیا تھا۔

''آگے زندگی میں شاید' اُسی کا ساتھ مسعود کا نقش تک اُس کے ذہن سے مٹانے کا سبب بن جائے۔''

پہلی بار دِیا نے خود اپنے آپ کو سمجھایا تھا۔ نازی نے اُس کے لیے جوڑا منتخب کر لیا تھا' جسے اُس نے تھوڑے سے رَدو کد کے بعد پہن بھی لیا اور جب تک نانی' فرح وغیرہ بشارت صاحب کے گھر پہنچے وہ ہلکا سا میک اپ کر کے بڑی پُر اعتماد سی تیار بیٹھی تھی۔

فرح کی پُرانی سی سوزوکی کار گیٹ سے باہر ہی رُکی تھی۔ آداب مہمانداری نبھانے کے لئے سارے میزبان گیٹ پر پہنچے ہوئے تھے۔

تب ہی امی نے وفورِ شوق سے باہر ایک نظر ڈال کر اُس نئے ماڈل کی گاڑی کو بھی تلاشنا چاہا جو عمر کا سب سے مضبوط تعارف بنی تھی۔

فرح سہارا دے کر نانی کو اُتار رہی تھی اور اُسی کی امی اور ابّا مٹھائی کے ڈبّے سنبھالنے میں لگے ہوئے تھے۔ امی کی نگاہ اُس چھوٹی سی گرے کلر کی گاڑی پر بڑی مایوسی کے ساتھ پڑی تھی۔

''آیئے' تشریف لایئے' سمیع تم پکڑ لو یہ سامان۔''

ہمہ وقت گہری سنجیدگی میں ڈوبے' بشارت صاحب کی خوش اخلاقی اِس وقت عروج پر تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ انہیں پہلی نگاہ میں اپنے یہ مڈل کلاس مہمان پسند آ گئے ہیں۔ نانی نے اُن کے سلام کے جواب میں عادتاً بہت ساری دعائیں دی تھیں۔

مدُت بعد' بشارت صاحب کو اپنی مرحومہ والدہ یاد آ کر رہ گئیں۔

''بہت دن بعد کسی بزرگ سے دعائیں لی ہیں' امّاں جب تک زندہ تھیں تو دعائیں مل جاتی تھیں' یا پھر آج آپ نے...!''

ناچاہتے ہوئے بھی وہ تھوڑے سے جذباتی ہو گئے' نانی کا دِل دُکھ کر رہ گیا۔

اس ضعیفی میں دِل پر گہرا زخم لے کر بیٹھی ہوئی تھیں' بُردبار' بڑوں کی عزت کرنے والے بے حد شریف سے بشارت صاحب سے اُن کی گفتگو کا آغاز بے حد اپنائیت کے ساتھ ہوا۔

فرح کے والدین' مس سلمیٰ' امی' نازی' رعنا سب ہی تھوڑی سی دیر میں بہت گُھل مل کر باتیں کر رہے تھے۔ مگر جو ایک بات امی کے دل کو چُبھ رہی تھی۔ اُس کی کھٹک دور کرنے کا اُنہیں کوئی موقع نہیں مل پا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد' جب نازی' رعنا کے ساتھ مہمانوں کی خاطر تواضع کا انتظام کرنے کے لئے کچن میں کھڑی تھی' تو وہ بھی کھڑے کھڑے چکر لگانے کے لیے آئیں۔

''یہ گاڑی وہ تو نہیں ہے' جو اُس روز تم لوگوں کو چھوڑنے کے لئے آئی تھی۔''

نازی کو اُن کی طرزِ فکر کا اندازہ تھا۔

''جو بھی ہو' آپ پلیز اُن کے سامنے اِس قسم کی باتیں مت کیجیے گا امی!''

''بس سب لوگ مجھے ہی خاموش کروایا کرو۔''

وہ ناراض ہونے لگیں۔ ''ایک تمہارے ابّا' خود کسی دلچسپی سے نانی سے پُرانے قصّے سننے جا رہے ہیں۔ کام کی کوئی بات کرتے ہی نہیں ہیں' اوپر سے میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں تو تم سب آگے سے نصیحتیں کرنے کھڑے ہو جاتے ہو۔''

وہ چند منٹ میں دل کی بھڑاس نکال کر چلی بھی گئیں' ''تم سب کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔'' بہت دیر سے خاموش رعنا کو نازی کی اُتری ہوئی شکل دیکھ کر کہنا ہی پڑا۔'' ہر شخص کی اپنی سوچ ہوتی ہے اور وہ اُسی کو دُرست سمجھتا بھی ہے اور کیا پتہ آنٹی' دِیا وغیرہ جس طرح سوچتے ہیں' وہی صحیح ہو' تھوڑا سا خود غرض بن جانے میں بہت سارا فائدہ تو بہر حال ہو ہی جاتا ہے۔''

''مگر انسانی رشتوں کی بنیاد تو خود غرضی پر نہیں پڑنی چاہیے نا' ورنہ پھر...!''

دوبارہ ٹرالی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے' نازی نے ایک کمزور سا دفاع کرنا چاہا' مگر رعنا نے ڈھنگ سے پوری بات بھی نہ سنی۔

''خود غرضی پر ہی پڑتی ہے' کم از کم نوے فیصد تو یہی سوچ لے کر لوگ چلتے ہیں' اب اِس عمر کو ہی دیکھ لو' سینکڑوں لڑکیوں میں اِسے دِیا ہی کیوں پسند آئی؟ اس لئے نا کہ وہ غیر معمولی خوبصورت ہے اور کوئی دوسری خوبی تو اُس نے دِیا میں نہیں دیکھی۔''

ایک پھیکی سی مُسکراہٹ نازی کے لبوں پر آئی۔

''یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے رعنا! لڑکیوں کی سب سے زیادہ صورت شکل ہی دیکھی جاتی' باقی خوبیوں پر کس کا دھیان جاتا ہے' لڑکوں کو تو چھوڑو' خود مائیں بہنیں کس بے رحمی سے اچھی خاصی لڑکیوں کو ریجیکٹ کر دیتی ہیں۔''

‘‘یہی تو میں تمہیں سمجھا رہی ہوں‘ جب ہر شخص ہی خود کو دُرست سمجھتا ہے تو کرنے دو آنٹی کو بھی‘ جو بھی وہ سوچ رہی ہیں۔’’

بہت لاپروائی سے کہتے ہوئے رعنا نے کچن کے دروازے کا رُخ کیا‘ اِس وقت اِس بحث کو سمیٹ لینا ہی اچھا تھا۔

‘‘کیا کمی تھی نازی میں؟ صرف یہی نا کہ وہ دِیا کے برابر خوبصورت نہیں تھی‘ ورنہ یہی عمر صاحب دِیا کے بجائے نازی کے خواستگار ہوتے۔’’

رعنا پچھلے چند دنوں میں اِسی ایک خیال کو لے کر کُڑھتی رہی تھی۔ سو اِس وقت بھی بمشکل ہی خود کو تلخ ہونے سے بچا رہی تھی۔

بے غرضی‘ حُسنِ اخلاق‘ محبت‘ مروّت‘ جیسی اعلیٰ صفات بھی‘ کبھی کبھی محض صرف الفاظ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہاں اب لوگ صرف ‘‘ظاہر’’ پر جان دیتے ہیں۔

جب وہ لوگ اندر آئیں تو دِیا بھی ہال میں آ کر بیٹھ چکی تھی اور رُعبِ حُسن کے مارے سب ہی اُسے بہت متاثر ہو کر دیکھ رہے تھے۔

امی نے خاطر تواضع کا زبردست اہتمام کر رکھا تھا‘ مگر اب اس وقت وہ اتنی زیادہ گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کر پا رہی تھیں‘ پر اچھی بات یہ تھی کہ اُن کی جگہ یہ کام بشارت صاحب نے سنبھال رکھا تھا۔

بڑھ بڑھ کر مہمانوں کو ‘‘کچھ اور’’ لینے کا اصرار کرتے ہوئے وہ اتنے اچھے لگ رہے تھے کہ کچھ دیر پہلے کی ٹینشن بھول کر نازی کے لبوں پر بھی مُسکراہٹ آ گئی۔

‘‘تم بھی تو کچھ لو بیٹی’’ نانی نے بالکل ٹھس سی ہو کر بیٹھی دِیا کو کئی بار کہا‘ مگر وہ بس ٹالتی ہی رہی‘ فرح جیسی باتونی لڑکی بھی اُس کے رویّہ سے تھک ہار کر اب نازی اور مس سلمیٰ وغیرہ کی طرف متوجہ تھی۔

‘‘میری چھوٹی بیٹی کی شادی‘ باباصاحب کے پوتے سے ہوئی ہے‘ وہی جن کے ہاں آپ کا نواسا عمر کام کرتا ہے۔’’

امی نے موقع دیکھ کر یہ اہم اِطلاع بھی نانی کے گوش گزار کی۔

وہ بے چاری اِس واقعہ سے ابھی تک لاعلم تھیں‘ ہکابکا سی ہو کر اُن کی شکل دیکھنے لگیں۔

‘‘اتنے بڑے گھر میں۔’’

‘‘رحمت منزل’’ میں اُن کی پوری نہ سہی‘ آدھی زندگی تو گزری ہی تھی۔ بابا کے خاندان کی امارت کا شروع سے اندازہ تھا۔

‘‘میری بیٹی نوین کی شادی فیضان سے ہوئی ہے۔ اُس کے والد کا نام وقار احمد ہے‘ آپ کو پتہ نہیں ہے شاید‘ حالانکہ عمر تو شریک ہوئے تھے اِس تقریب میں۔’’

امی کو بڑا فخر سا ہو رہا تھا یہ سب بتاتے ہوئے اور جان بوجھ کر انہوں نے ایسے وقت پر بتایا تھا جب بشارت صاحب فرح کے والد سے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

نانی اپنی درخواست پیش کر چکی تھیں‘ اب یہ نیا قصّہ سُن کر دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھیں۔ ‘‘معلوم نہیں عمر کے رشتے کو اِن کے ہاں منظور بھی کیا جائے گا یا نہیں‘ کہاں باباصاحب کا گھرانہ اور کہاں ہم؟’’

بار بار یہی ایک خیال آئے جا رہا تھا۔

دِیا کے لئے تو بے حد رشتے آ رہے ہیں‘ مگر کیا کریں ہم لوگوں کا دل کہیں مطمئن نہیں ہو رہا ہے‘ بلکہ یہ کہہ لیں کہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے۔“

امی خاص طور پر یہ بات جتائے جا رہی تھیں۔ فرح کی امی سے آخر کار ضبط نہ ہو سکا تو نرمی سے اُنہیں ٹوکے بنا نہ رہ سکیں۔

”رشتے تو لڑکیوں کے آتے ہی ہیں‘ مگر شادی وہیں ہوتی ہے جہاں قسمت میں لکھا ہو گا۔ آپ بھی اللہ پر بھروسہ کر کے کوئی مناسب فیصلہ کر ہی لیں۔“

”دِیا کے لئے ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔“ امی دانستہ لاپروائی برت رہی تھیں۔ فرح کی والدہ کی چھوٹی سی بات بھی انہیں چبھی تھی۔ بے ساختہ ہی اُن کی نگاہ فرح‘ رعنا اور مس سلمیٰ پر جا رکی تھی۔ عام سی شکل وصورت والی لڑکیاں۔

جن کے لئے کسی اکا دکا رشتہ آنے کا ہی امکان ہوتا ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی‘ بہت سارے سمجھوتے کر لینے پڑتے ہیں۔

”اُن کی دِیا عام لڑکیوں سے بہت الگ تھی۔ سو کہیں زیادہ ڈیزرو بھی کرتی تھی۔“ یہ اُن کا گہرا یقین تھا اور چاہتی تھیں کہ دوسرے بھی اسی ایک بات کو ذہن نشین کئے رکھیں۔

”اپنے منہ سے کہنا اچھا نہیں لگتا‘ مگر میری بیٹی ماشاءاللہ لاکھوں میں ایک ہے‘ اس کے لئے اچھے سے اچھا سوچنا ہمارا حق بھی ہے اور فرض بھی۔ آپ خیال مت کیجئے گا‘ مگر ہم لوگ اچھی طرح سوچ سمجھ کر آپ کو جواب دیں گے۔“

اُنہوں نے نانی کی طرف دیکھتے ہوئے حتمی لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔

...☆☆☆...

شام ڈھل چکی تھی۔

سردی کی شدت پہلے جیسی تو نہیں تھی‘ مگر پھر بھی شام ڈھلے کا یہ وقت ہلکی سی خنکی لئے ہوئے ہوتا تھا۔

آفتاب نے آج اپنے چھوٹے سے میڈیکل اسٹور کی سیٹنگ میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔ ملازم لڑکے کو ساتھ لگائے آج کا سارا دن ہی بڑی مصروفیت میں گزرا تھا۔ اس وقت وہ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ باہر سے اب ان کی دکان کا لک کیسا لگتا ہے اندر سے نکل کر سامنے آ کر کھڑا ہوا تھا۔ جب اس نے گلی کی سمت سے کچھ فاصلے سے آتی ہوئی ثانیہ کو دیکھا۔

اُسے وہ پہلے بھی ایک آدھ بار آتا دیکھ چکا تھا۔ اس کی بیوی کے پاس لڑکیاں انگلش کی ٹیوشن پڑھنے آتی ہی رہتی تھیں۔ سو ثانیہ کا بھی آنا کوئی خاص بات نہیں تھی۔

آفتاب بھی ایک سرسری سی نگاہ اُس کی طرف ڈال کر دوبارہ اپنے شوکیس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا‘ جسے اُس نے تھوڑی دیر پہلے بڑی محنت سے چمکایا تھا۔

ان لوگوں کا گھر کونے کا تھا۔ یہ میڈیکل سٹور جو اس نے گھر میں ہی کھولا تھا‘ سڑک کی طرف کھلتا تھا۔ جبکہ گھر والوں کی آمدورفت کے لئے ایک چھوٹا دروازہ مخصوص تھا‘ جو کہ سائیڈ میں گلی کی طرف تھا۔

گھر میں آنے جانے والوں سے آفتاب کا سامنا بہت کم ہی ہوتا ہے‘ جیسا اس وقت بھی اگر وہ خاص طور پر باہر آ کر نہ کھڑا ہوتا تو وہ ثانیہ کو گھر کے بالکل قریب آ کر بری طرح لڑکھڑاتے ہوئے نہیں دیکھ پاتا۔

تیزی سے آتی ہوئی موٹر سائیکل کے زور سے بریک لگانے کی آواز پر وہ بڑی تیزی سے مڑا تھا۔ ثانیہ نے خود کو اس کی زد میں آنے سے بچانے کے لئے بمشکل ہی گرنے سے بچایا‘ مگر اس کی کوشش میں اس کے ہاتھ میں تھامی ہوئی کتابیں نیچے گر گئیں۔

''شرم تو نہیں آتی تم لوگوں کو' ابھی کوئی حادثہ ہو جاتا تو پھر۔'' وہ اُن لڑکوں پر بُری طرح بگڑا۔

وہ لوگ جو ابھی اپنی اِس ''ایکٹی وٹی'' پر مسکرا ہی رہے تھے' آفتاب کے اس طرح سر پر آ کھڑے ہونے سے تھوڑے سے بد حواس ہوئے۔

آس پاس سے حسبِ روایت کچھ اور لوگ بھی فوراً ہی آ کھڑے ہوئے تھے اور حسبِ توفیق ممکنہ نقصان پر لڑکوں کو سرزنش کر رہے تھے۔''آپ اندر جائیں' میں یہ کتابیں لا رہا ہوں۔''

آفتاب نے نرمی سے بہت گھبرائی ہوئی ثانیہ کو مخاطب کیا۔

''جی اچھا۔'' وہ منہ ہی منہ میں کہتی ہوئی تیزی سے اندر چلی گئی۔

بے شک پچھلے ڈیڑھ دو سالوں میں اس نے اِس بے حد بڑے شہر کی ہنگامہ خیزی میں خود کو ایڈجسٹ کرنے کی پوری پوری کوشش کی تھی مگر پھر بھی اس وقت خود کو خوفزدہ ہونے سے نہیں روک سکی تھی۔

بینا صحن میں ہی کھڑی تھی۔ چھوٹے سے گھر میں سڑک پر ہونے والا ہر چھوٹا سا شور بھی بآسانی اندر تک سنائی دے جاتا تھا۔ آفتاب اُس کی کتابیں لے کر واپس اندر آئے تو ثانیہ بینا کو اپنے بال بال بچنے کا قصہ ہی سنا رہی تھی۔

''یہ لیں آپ کی کتابیں۔''

اس نے ثانیہ کی طرف کتابیں بڑھاتے ہوئے کہا۔ تو اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کتابیں تھام لیں۔ آج جس طرح وہ ثانیہ کی ڈھارس بندھانے کا سبب بنا تھا' اس پر وہ دل سے اُن کی مشکور تھی۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔ ایک ایسا شخص' جسے وہ جانتی تک نہیں تھی۔ اس کی خاطر کیسے ان بے ہودہ لڑکوں پر بگڑا تھا۔

''شکریہ کی کوئی بات نہیں' بس خدا نے بہت خیر کی۔ ورنہ اس طرح کے حادثہ بعض اوقات بڑے سنگین ہو جاتے ہیں۔''

وہ سادہ سے لہجے میں کہتا ہوا واپس مڑ گیا۔ ثانیہ کی نگاہ بے اختیار ہی آفتاب کی بیساکھی سے جا اُلجھی' جس کی ٹک ٹک نے اُسے چونکنے پر مجبور کیا تھا۔

''آفتاب ایسے ہی اتفاقیہ حادثے میں اس عمر بھر کی معذوری کا شکار ہوئے ہیں۔ لمحے بھر کی غفلت کسی کی اچھی بھلی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیتی ہے۔ کاش سب ہی لوگ ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس بات کا احساس رکھا کریں۔'' بینا افسردگی کے ساتھ اُسے بتانے لگی۔

ثانیہ کچھ سمجھی' کچھ نہیں۔

''یہ کون ہیں بینا باجی؟''

''ارے تم نہیں پہچانتیں۔'' وہ ہلکے سے مسکرائی۔''یہ آفتاب ہیں' میرے شوہر' حادثے سے پہلے ایک فارماسوٹیکل کمپنی میں ملازمت کرتے تھے۔ بیماری نے طول کھینچا تو نوکری بھی جاتی رہی سو اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو یہ میڈیکل سٹور ہی کھول لیا۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا نا۔

ثانیہ نے بہت حیرت سے بینا کی طرف دیکھا۔ خوش شکل' خوش مزاج۔ جس کے لبوں پر ہر وقت مسکراہٹ دوڑتی تھی۔ ملازمت' گھر' بچے' ٹیوشنز' شوہر کی معذوری پر پھر بھی کبھی ثانیہ نے اس کے منہ سے کام کے دباؤ کی شکایت نہیں سنی تھی اور نہ ہی تقدیر کا گلہ۔

"آپ بہت باہمت ہیں بینا باجی۔"

"وقت سب سکھا دیتا ہے۔ چند سال پہلے تک تو یہ جاب بھی میں بس یوں ہی شوقیہ ہی کر رہی تھی۔ آفتاب کا تو اصرار تھا کہ جاب واب چھوڑ کر صرف گھر پر توجہ دوں مگر دیکھ لو اب یہ جاب ہی کتنا بڑا سہارا بن گئی ہے۔"

وہ ثانیہ کو اپنے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں لیے چلی آئی۔ جہاں لڑکیاں بیٹھ کر پڑھا کرتی تھیں۔ آج اس وقت صرف ثانیہ ہی تھی۔

"آفتاب بھائی بہت خوش قسمت ہیں جو انہیں آپ جیسی بیوی ملی ہے۔ کتنا ساتھ دے رہی ہیں آپ اُن کا۔"

ثانیہ کے دل میں بینا کی قدر و منزلت آج بہت زیادہ بڑھی تھی۔ ابھی تک وہ اُسے ایک اچھی اور قابل ٹیچر کے طور پر ہی عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ آج اس نے بطور انسان ایک دوسرا ہی پہلو دیکھا تھا۔

"آفتاب بے حد اچھے اور پرُ خلوص انسان ہیں۔ انہیں اپنی ذمہ داریوں کا شدت سے احساس ہے۔ ابھی دو بہنیں ہیں جن کی شادی کرنی ہے۔ اماں ہیں' خدا اُن کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ یہ سب ذمہ داریاں میں نہیں شیئر کروں گی تو کون کرے گا؟" آج پہلی بار بینا نے اپنے گھرانے کے بارے میں اتنی بات کی تھی۔

"آفتاب بھائی کے اور بھی تو بھائی ہوں گے۔" کچھ جھجکتے ہوئے وہ پوچھ بیٹھی۔

"دو ہیں۔" بینا نے سامنے میز پر رکھی کتاب اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "ایک چھوٹا والا تو اُوپر ہی کے پورشن میں رہتا ہے۔ اس کی بس چند ہزار کی نوکری ہے۔ اپنے بیوی بچوں کا پورا کرلیتا ہے۔ یہی بہت ہے۔ ایک بڑے بھائی ہیں۔ وہ بہت امیر کبیر انسان ہیں۔ بہت دولت مند سسرال ہے ان کی' مگر وہ شروع سے ہی الگ تھلگ رہتے ہیں۔ ہم سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے۔"

ثانیہ کو رنج سا ہوا بینا کی بات سن کر۔

اتنے اچھے لوگوں سے بھی بھلا کوئی بے اعتنائی برت سکتا ہے۔ آفتاب کے بڑے بھائی کے بارے میں سوچ کر ہی اسے بڑا عجیب سا لگا۔

"پر اپنی امی اور بہنوں سے تو ملنے کے لئے آتے ہوں گے۔" نہ جانے کیوں وہ اس قصے میں اتنی دلچسپی لے رہی تھی۔

بینا ہلکے سے مسکرائی۔

"ہاں آتے ہیں' چار ماہ پہلے کھڑے کھڑے آئے تھے تو امی کو پانچ سو روپے دے کر گئے تھے۔"

ثانیہ یوں ہی چپ چاپ سی اس کی شکل دیکھے گی۔ لکھ پتی بیٹے کے ہاں سے ماں کے نام پر نکلنے والی حقیر سی رقم۔

حالانکہ وہ اس خاندان کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھی' مگر اسے دلی تکلیف پہنچی تھی۔

بینا باجی نے شاید اُس کی سوچ کو پڑھ لیا تھا۔

"وہ شروع سے ہی ایسے ہیں۔ انہیں کسی سے بھی لگاؤ نہیں سوائے پیسے کے اور اُس پیسے کو وہ سوائے اپنی ذات کے کہیں اور خرچ بھی نہیں کرتے۔ اُن کے بیوی بچوں کا پورا خرچ بھی اُن کی سسرال اٹھاتی ہے ورنہ وہ تو ان لوگوں کی بھی پروا کرنے والے نہیں ہیں۔"

بات سے بات نکلی تھی۔

بینا بمشکل ہی خود کو یہ کہنے سے روک سکیں کہ اگر آفتاب کے بڑے بھائی بروقت مدد کر دیتے تو آج شاید آفتاب معذوری کی زندگی نہ بسر کر رہے ہوتے۔

''چلو پڑھائی شروع کرو لگ رہا ہے آج باتوں میں ہی سارا وقت نکل جائے گا۔''

اس نے دانستہ موضوع بدلا تھا۔

...☆☆☆...

''اتنے سے پیسے۔''

فیضی نے بے زاری سے ہاتھ میں پکڑے ہوئے نوٹوں کو دیکھا۔

''اِن کا میں کیا کروں گا۔ ان سے کہیں زیادہ تو ابھی بھی میرے اکائونٹ میں پڑے ہوں گے۔'' سامنے بیٹھی بلقیس بھابی شرمندہ سی دکھائی دے رہی تھیں۔

''اِس وقت میرے پاس اتنے ہی تھے فیضی بلکہ یہ بھی میں نے بڑی مشکل سے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

اُس نے وہ کچھ سننا بھی گوارا نہیں کیا جو وہ اپنی صفائی میں کہنا چاہ رہی تھیں۔

''مجھے نہیں معلوم کیا کہ آپ کے پاس ہر وقت کتنے پیسے رہتے ہیں؟ پاپا سے آپ جتنی چاہے رقم لے سکتی ہیں۔ گھر کا سارا خرچ آپ کے ہاتھ میں رہتا ہے' مگر یہ کہیے کہ مجھے آپ دینا ہی نہیں چاہتی ہیں' سوری یہ آپ اپنے پاس ہی رکھیں۔''

بہت بدلحاظی کے ساتھ وہ ہزار ہزار کے اُن چند نوٹوں کو واپس اُن کی گود میں ڈال چکا تھا' جو ابھی ابھی انہوں نے اسے دیئے تھے۔

بلقیس بھابی کے چہرے پر سرخی سی پھیل رہی تھی۔

فیضی کا یہ انداز نیا نہیں تھا۔ ہمیشہ ہی وہ اُن سے لڑ جھگڑ کر پیسے وصول کر لیا کرتا تھا' بلکہ اکثر تو وہ اُس کے کہنے سے پہلے ہی اچھی خاصی بھاری رقم اُسے تھماتی رہتی تھیں' مگر پہلے کی بات اور تھی' اب شادی کر لینے کے بعد اُس پر پورے گھر کے خرچ کی ذمہ داری آچکی تھی' سو اسی حساب سے اُسے پیسے بھی زیادہ درکار تھے۔

مگر اس وقت وہ واقعی مجبور تھیں۔

''میرا یقین کرو بیٹا۔ ابھی تم یہ رکھ لو میں جلد ہی کچھ نہ کچھ اور کردوں گی تمہارے لئے۔''

''انہیں رونا سا آنے لگا۔

''کیا کردیں گی' یہی بس دس بیس ہزار۔''

فیضی نے طنزیہ انداز میں سر کو ہلکے سے جھٹکا۔

''تمہیں بھی کم نہیں دیئے جاتے۔ اپنے خرچ کنٹرول کرنا سیکھو۔'' فیضی کی مستقل بدتمیزی پر وہ آنکھیں خشک کرتے ہوئے جھنجلائیں۔ ''اور وہ لڑکی' جس سے تم نے شادی کی ہے' لگتا ہے پہلی بار زندگی میں پیسہ دیکھ رہی ہے' تب ہی تمہارا پیسہ دونوں ہاتھوں سے لٹا رہی ہے۔''

''نینی کو کچھ مت کہیں' وہ بے چاری تو کچھ بھی خرچ نہیں کرتی۔'' اسے بے حد بُرا لگا۔

''ہنہ بے چاری۔''

بلقیس بھابی کو شدید ترین نفرت محسوس ہوتی تھی اُس کے ذکر سے بھی۔ ''یہ چھوٹے گھروں کی لڑکیاں انتہائی مکار ہوتی ہیں تم جیسے بے وقوف امیر زادوں کو پھانستی ہیں اور...''

''نینی کے والد بہر حال آپ کے ابا سے زیادہ صاحب حیثیت ہیں امی۔'' فیضی کا لہجہ بڑا عجیب سا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' بلقیس بھابی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ فیضی کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

''یہی کہ آپ بھی تو بہت چھوٹے سے گھر سے آئی تھیں۔ پاپا کا گھرانہ تو نانا سے اس وقت بھی بہت ہائی اسٹیٹس رکھتا تھا۔ نینی کے والد تو پھر بھی...''

''بکواس مت کرو سمجھے۔''

بلقیس بھابی کو شاید ہی کبھی فیضی پر اتنا غصہ آیا ہو۔

''شرم تو نہیں آتی اپنی ماں کو اس کی اوقات یاد دلاتے ہوئے وہ بھی اس دو ٹکے کی لڑکی کے لئے۔''

''وہ میری بیوی ہے امی۔''

''جہنم میں جائے میری طرف سے۔'' وہ بُری طرح جھنجلا چکی تھیں۔ ''میں ہی بے وقوف ہوں جو تمہاری فکر میں جان کھلا رہی ہوں ورنہ تمہیں تو اس کے علاوہ کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا ہے۔''

کھڑے ہوتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر اپنی آنکھوں کو رگڑ کر خشک کیا۔

''پیسے کب دیں گی آپ مجھے میرے پاس بالکل ختم ہو رہے ہیں۔ ایک دو دن سے زیادہ دیر مت کیجئے گا۔'' ان کے آنسوئوں کا ذرا بھی اثر لئے بغیر وہ واپس اپنے مطلب پر آیا۔

بلقیس بھابی نے دکھ سے اس کی طرف دیکھا۔

یہ بے حسی اور ہٹ دھرمی اس کی ذات کا حصہ شروع سے ہی تھی، مگر ان کی حد سے بڑھی ہوئی محبت یہ بات ماننے کے لئے کبھی تیار ہی نہیں ہوتی تھی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں فی الحال میں تمہیں اس سے زیادہ نہیں دے سکتی۔'' وہ اس وقت واقعی مجبور ہو رہی تھیں۔ مگر فیضی کی سمجھ میں یہ بات آکر نہیں دے رہی تھی۔

''پاپا سے لے لیجئے۔''

''اُن سے بھی لے چکی ہوں۔''

''پھر وہ پیسے کہاں گئے؟''

''وہ!'' ایک تکلیف دہ خیال کو انہوں نے بمشکل زبان پر آنے سے روکا۔ ''وہ پیسے مجھ سے خرچ ہو گئے۔''

فیضی کے سامنے یہ سچ نہیں بیان کیا جا سکتا تھا کہ ایک بے حد بھاری رقم وحید ان سے مستقل کسی نہ کسی بہانے وصول کر رہے ہیں۔ فیاضی سے اُنہیں ملوانے کا جو احسان انہوں نے کیا تھا۔ اُس کی بھاری قیمت بلقیس بھابی کو ادا کرنی پڑ رہی تھی۔

''کسی دشمن نے اگر باباصاحب تک یہ خبر پہنچا دی کہ آپ فیضی سے نہ صرف مل رہی ہیں بلکہ اُس کی چوری چھپے مدد بھی کر رہی ہیں تو وہ گھر میں آپ کی حیثیت کا بھی لحاظ نہیں کریں گے۔ معاف کرنا تو اس خاندان کی سرشت میں ہے ہی نہیں۔'' ابھی کچھ دن پہلے بھی وحید بھائی نے بظاہر بہت ہمدرد بن کر انہیں جتایا تھا، مگر وہ بین السطور مفہوم کو اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔

''مجھے کچھ نہیں پتہ، مجھے کہیں سے بھی لے کر دیں اور جلد ہی۔'' حتمی لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ان کے ہاتھ سے وہ پیسے واپس لئے جو ابھی اس نے انہیں واپس کئے تھے۔

آج فیضی کے کہنے پر وہ اکیلی آئی تھی۔ وحید بھائی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی تھی۔

پہلے آپ چلی جائیں، میں تھوڑی دیر بعد یہاں سے نکلوں گا۔ ڈرائیور نے دیکھ لیا مجھے تو وہ بابا تک خبر پہنچانے میں دیر نہیں کرے گا۔"

سرسری سے انداز میں کہتے ہوئے فیضی باہر کی طرف بڑھا۔

یہ ایک بڑے شاپنگ سینٹر میں اوپری منزل پر واقع ریسٹورنٹ تھا۔ بلقیس بھابی اکثر ہی وہاں شاپنگ کے لئے آتی تھیں سو انہیں فیضی سے ملنے کے لئے یہی جگہ مناسب لگی تھی۔

...☆☆☆...

پارکنگ ایریا سے اس جدید طرز کی خوبصورت عمارت کے داخلی دروازے تک کا سارا حصہ بڑا ہی سرسبز تھا۔

کشادہ راستوں پر بڑی ہی پلاننگ کے ساتھ کی ہوئی پلانٹیشن اور عمارت کا متاثر کن آرکیٹیکچر۔

ثانیہ داخلی سیڑھیوں پر چڑھنے تک حسبِ عادت بے حد متاثر ہو چکی تھی۔ اندر داخل ہونے تک جب وہ مستقبل ہی تعریف کئے گئی تو فرح کو اسے ٹوکنا ہی پڑا۔

"اب بس بھی کرو اور اس طرح بہت غور سے جائزہ لینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آس پاس کے لوگ بے وقوف سمجھتے ہیں۔"

"تو وہ تو میں ہوں نا۔" ثانیہ سادگی سے مسکرائی۔

"ساری زندگی اب تک ایک چھوٹے سے شہر بلکہ چھوٹے سے گھر میں گزاری ہے اور اب تم غور سے کچھ دیکھنے بھی نہیں دیتی ہو۔"

"میں دیکھنے سے منع نہیں کرتی متاثر ہونے سے منع کرتی ہوں۔ یہ بھی ایک گر کی بات ہے۔" وہ دونوں اندر لابی میں آ چکی تھیں۔ "کوئی چیز کتنی ہی متاثر کن کیوں نہ ہو اسے زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ چاہے وہ کوئی شخص ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے خود اپنی ویلیو کم ہوتی ہے۔ یہ میرا قطعی ذاتی فلسفہ ہے۔"

"بالکل احمقانہ فلسفہ ہے۔"

ثانیہ آگے بھی کچھ کہنا چاہ رہی تھی، مگر تب ہی فرح ریسپشن پر موجود لڑکی سے بات چیت شروع کر چکی تھی۔ ثانیہ خاموشی سے اِرد گرد کا جائزہ لینے لگی۔

یہ باباب صاحب کا آفس تھا۔ معلوم نہیں یہاں کتنے لوگ کام کرتے تھے۔ ثانیہ نے پاس سے تیز تیز قدم اٹھا کر جاتے ہوئے کئی لوگوں کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگانا چاہا۔

"آئو۔" فرح اس کی طرف مڑی۔

"کیا ہمیں پہلے عمر سے ملنا ہو گا۔"

"نہیں وہ بابا صاحب کے ساتھ شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔" فرح سامنے والے کاریڈور کی طرف مڑی۔

"چند دن کے لئے سجاد بھائی آفس سنبھال رہے ہیں۔" وہ رکتے ہوئے بولی۔

ثانیہ نے بہت غور سے سامنے لگی نیم پلیٹ کو دیکھا جس پر Carning سے لکھا گیا تھا۔

"ابرار احمد۔"

"یہ نام..." اُس نے کچھ سوچنا چاہا مگر دروازہ کھل چکا تھا۔

سامنے ٹیبل کے ساتھ کھڑا ہوا شخص قریب ہی کھڑے دو افراد کو بہت سنجیدگی سے کچھ سمجھا رہا تھا۔

ان لوگوں کی آہٹ پر وہ فوراً ہی اُس کی طرف مڑا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"آئو فرح میں تم لوگوں کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ عمر نے مجھے بتا دیا تھا تمہارے آنے کا۔"

اتنا مہربان لہجہ ثانیہ نے بہت عرصے بعد سنا تھا اور اتنی روشن اور اُجلی مسکراہٹ۔

اس نے تھوڑا سا سر اٹھا کر سجاد کی طرف دیکھا۔

ثانیہ نے ذرا جھجکتے ہوئے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی طرف ایک بار پھر نگاہ اٹھا کر دیکھا' وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔

"اصل میں میری کچھ چھٹیاں باقی تھیں' مگر بابا تو نہ خود آرام کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو ہی کرنے دیتے ہیں' سوان کے حکم پر اب ہفتے دس دن تک یہیں ہوں۔"

فرح کو اپنی یہاں موجودگی کی وجہ بتاتے ہوئے ایک ہلکی سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر ابھری تھی۔ ثانیہ کو پہلی بار ایسا لگا کہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ بھی اطراف کو جگمگا سکتی ہے۔

"آپ کو تو مستقل ہی یہاں ہونا چاہئے سجاد بھائی' بابا صاحب پر بہت زیادہ ذمہ داریاں ہیں۔" فرح سنجیدگی سے مشورہ دے رہی تھی۔

"بابا کا سٹاف بہت اچھا ہے اور پھر بابا کے ساتھ سب سے بڑھ کر تو عمر ہے' اصل میں تو اس نے مجھے بے فکر کر رکھا ہے۔"

ان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ثانیہ کو عمر کی یہاں پوزیشن کا ٹھیک ٹھاک اندازہ فوراً ہی ہو گیا۔

"عمر کی اپنی جگہ ہے سجاد بھائی' مگر آپ کی بات اور ہے اور آپ کے یہاں آ جانے سے زمین آسمان کا فرق پڑ جائے گا۔"

سجاد اطمینان سے اثبات میں سر ہلائے گئے' فرح کو وہ اس وقت سے جانتے تھے' جب وہ چھوٹی سی تھی اور اس کی محبت کے دل سے معترف بھی۔

"دیکھو' شاید کچھ ایسا کرنا ہی پڑے۔"

دفعتاً ان کی مسکراہٹ' دھیمی پڑی۔ انہیں فیضی یاد آیا تھا' جسے بابا اپنے ساتھ بزنس میں لگانے کیلئے بے تاب تھے اور جس کے گھر چھوڑ کر چلے جانے کے بعد وہ بالکل ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔ کسی اور کو اندازہ ہو نہ ہو' لیکن سجاد کو خبر تھی۔

"مضبوط سے مضبوط عمارت کی بنیاد میں بھی اگر مستقل ہی پانی گرتا رہے تو وہ بھی ڈھے جاتی ہے سجاد تو پھر انسان کیسے کھڑا رہ سکتا ہے' اگر اس کے اندر ایک نہ ختم ہونے والی بارش کا سلسلہ جاری ہو۔"

ابھی چند دن پہلے ہی انہوں نے کوئی بات کرتے ہوئے بس یوں ہی کہا تھا' مگر اس نے بہت بے چینی محسوس کی تھی۔ آخر وہ خود بھی تو اپنے حصے کا سارا پانی خود اپنے اندر ہی اتار رہے تھے' پورے ستائیس سال سے۔

ثانیہ نے بہت دھیان سے' سجاد کے چہرے پر اترتے سائے کو دیکھا۔ "اتنے اچھے اور کامیاب ترین زندگی گزارتے لوگوں کو بھی بھلا کوئی دکھ ستاتے ہیں کیا۔"

ایک ہلکی سی دکھ بھری حیرت کے ساتھ ثانیہ نے کچھ اندازہ لگانا چاہا' مگر فرح کی مستقل چلتی زبان کسی بھی سوچ کو ٹھہرنے نہیں دے سکتی تھی۔

''اکیڈمی کی جاب چھوڑتے ہی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں بابا کے آفس میں ہی جاب کروں گی' اصل میں دوسری جگہوں پر مجھے برداشت کرنا لوگوں کیلئے واقعی مشکل ہو جاتا ہے۔''

سجاد ہنسنے لگے۔

''بابا بہت خوش ہوں گے' وہ تو بہت پہلے سے تمہیں یہاں جوائن کر لینے کا کہتے تھے۔''

''مجھے لگتا تھا' بلکہ ابھی بھی لگتا ہے کہ یہاں شاید میں اتنا اچھا کام شو نہیں کر سکوں گی' دوسری جگہ پر شاید بہت زیادہ دباؤ اچھا کام کروا لیتا ہے۔''

فرح کی ذات آئینہ تھی' جو دل میں' وہی زبان پر اور وہی چہرے پر۔ ثانیہ کو اس کی دوستی پر فخر تھا۔

تب ہی سجاد نے ذرا سا مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''اور آپ ثانیہ' انشاءاللہ یہاں بہت اچھا محسوس کریں گی' یہاں سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ پھر بھی کوئی چھوٹی سی بھی پریشانی ہو تو پلیز آپ مجھ سے ضرور کہیے گا۔''

''جی۔'' وہ ہلکے سے صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

''کوئی فکر' کوئی ٹینشن نہیں' آیا سمجھ میں۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

وہ فطرتاً بہت دوستانہ انداز رکھتے تھے' ثانیہ کو یاد آیا' فرح کہتی تھی' ''سجاد بھائی سے ملنے والا ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ وہ ان کا سب سے خاص دوست ہے۔''

خود اسے بھی کچھ ایسا ہی لگنے لگا تھا۔ بہت دنوں بعد وہ حقیقتاً دل سے مسکرائی۔

''شاباش' یہ ہوئی نا بات۔''

سجاد نے کہتے ہوئے سامنے رکھی اس کی فائل یوں ہی سرسری سے انداز میں کھولی۔

''ثانیہ احمد' فادرز نیم۔ اسرار احمد۔''

ان کی نگاہ چند لمحوں کیلئے ایک ہی مقام پر تھمی رہی۔ اس نام کے ساتھ ایک بہت مانوس سا احساس اور اتنی ہی تلخ یاد جڑی تھی۔a

''معلوم نہیں دنیا میں ایک نام کے کتنے ہی لوگ ہوتے ہوں گے۔'' ایک گہری سانس لیتے ہوئے انہوں نے فائل بند کرتے ہوئے سامنے بیٹھی ثانیہ کو دیکھا۔ جب سے وہ فرح کے ساتھ اندر آئی تھی' پہلی بار مسکرائی تھی' انہیں پتہ تھا کہ اس کے والد انتقال کر چکے ہیں' سو اب کیا ضروری تھا کہ ان کے حوالے سے کوئی بات کر کے اسے پھر سے افسردہ کر دیا جائے۔

''فرح اور آپ کل سے جوائن کر لیں' یہاں آفس وین بھی ہے' اگر آپ چاہیں تو وہ آپ کو بھی پک کر لیا کرے گی۔''

''بہت بہت شکریہ آپ کا۔'' یہ آخری فکر بھی دور ہوئی تو ثانیہ کو ان کا شکریہ ادا کرنا بھی یاد آ گیا۔

''یہ بہت اچھا ہوگا سجاد بھائی' مجھے یہی فکر تھی کہ ثانیہ کے آنے جانے کا کیا ہوگا' ابھی تو اسے اکیڈمی جانے والا روٹ یاد کرایا تھا' اب یہ راستہ تو بالکل ہی الگ ہے۔''

فرح اس سے بھی زیادہ خوش ہوئی۔

سجاد کے سامنے کئی ایک فائلز اس عرصے میں آچکی تھیں اور جو کافی انہوں نے ان دونوں کیلئے منگوائی تھی' وہ بھی پی جا چکی تھی۔ثانیہ کے مستقل اشارے پر فرح کو اٹھنا ہی پڑا۔

''ابھی تو چند دن ویسے بھی میں یہیں ہوں' سو ملاقات ہوتی رہے گی۔''

ان دونوں کو خدا حافظ کہتے ہوئے' وہ اسی مہربان مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہے تھے' جو نہ جانے کس کس کیلئے سہارے کا سبب بن جاتی ہوگی۔

ثانیہ کو تو ایسا ہی لگا تھا۔

''بے حد قابل ہیں سجاد بھائی اور اس سے بھی زیادہ اچھے انسان' کچھ ہی دنوں میں تمہیں اندازہ ہو جائے گا' کہ تم نے ان سے اچھا انسان کبھی دیکھا ہی نہیں ہے۔''

لابی میں سے گزرتے ہوئے فرح کہہ رہی تھی۔

''یہ بات وہ آج' ابھی اسی وقت بھی کہہ سکتی ہے کہ اس نے ان سے بہتر شخص کوئی نہیں دیکھا ہے۔'' اس نے بمشکل ہی یہ بات کہنے سے خود کو روکا۔

''کوئی بہت ہی خوش قسمت لڑکی ہوگی' جس سے وہ شادی کریں گے' اتنا شاندار شخص اگر کسی کو زندگی میں آجائے تو اس سے بڑی کیا بات ہوتی ہے۔'' سجاد کی تعریف میں فرح بخوشی گھنٹوں بول سکتی تھی۔

ثانیہ کو اس ان دیکھی لڑکی پر ٹوٹ کر رشک آیا تھا اور ساتھ ہی ایک عجیب سا خیال بھی۔

''کیا کوئی لڑکی ہے' جس سے سجاد صاحب....۔''

''ہاں ہیں تو ایک۔'' فرح عمارت کے مرکزی حصے سے نکل سامنے کی سیڑھیوں پر اس کے ساتھ نکلتے ہوئے بولی۔

''شیریں حسین' سجاد بھائی کی کالج کے زمانے کی دوست' بے حد حسین ہیں' کسی بھی دن آجائیں گی تو تم بھی دیکھ لینا۔''

''اچھا۔'' ثانیہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

''مگر سچی بات ہے مجھے تو وہ بھی سجاد بھائی کے ساتھ سوٹ ایبل نہیں لگتیں' ہو سکتا ہے میرا خیال غلط ہو۔'' گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے ثانیہ کی طرف بالآخر دیکھ ہی لیا۔

''کیا ہوا اتنی خاموش کیوں ہو رہی ہو' کوئی بات ہے کیا؟'' تھوڑا سا پریشان ہو کر وہ رک گئی۔

''کچھ بھی نہیں' خوامخواہ وہم میں مت پڑ جایا کرو۔'' ثانیہ بمشکل ہی اسے یقین دلا پائی۔

''حد ہے حماقت کی' کیا کبھی اچھی شکل کے لوگ دیکھے ہی نہیں ہیں۔'' ایک سرزش دل میں خود اپنے لئے بھی لازمی ٹھہری تھی۔

...☆☆☆...

ٹیلیفون کی گھنٹی متواتر بج رہی تھی۔

لاؤنج میں کام کرتی ہوئی ملازمہ نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تو بلقیس بھابی نے اشارے سے منع کر دیا۔ بناء سی ایل آئی پر نمبر دیکھے' انہیں یقین تھا کہ یہ وحید کا فون ہے۔

پچھلے دو دن سے وہ مستقبل فون کر رہے تھے' مگر وہ کسی نہ کسی طرح ٹالے جا رہی تھیں۔ اس کے دن بدن بڑھتے مطالبوں کو پورا کرنا اب ان کے بس سے باہر ہو رہا تھا۔

پہلے تو پھر بھی وہ کسی نہ کسی مجبوری کا عذر پیش کر کے' معقول الفاظ میں مالی امداد کی درخواست کیا کرتے تھے' مگر اب تو جیسے انہیں کوئی حجاب ہی نہیں رہا تھا۔ اس طرح تقاضا کرتے' جیسے قرض وصول کر رہے ہوں اور نہ ملنے کی صورت میں دبے الفاظ میں کوئی دل دہلاتی دھمکی۔

بلقیس بھابی کو شدت کے ساتھ اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ وحید جیسے بدنیت شخص کو راز دار بنا کر وہ بڑی سنگین غلطی کر چکی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اب پچھلی چند بار سے وہ فیضی سے ملنے کیلئے اکیلے ہی چلی گئی تھیں۔ حالانکہ تھی تو' بہت رسک کی بات۔

گھر کے سارے ہی ملازمین فیضی کے گھر سے چلے جانے کی وجہ سے بھی واقف تھے اور بابا کی طرف سے لگائی گئی پابندیوں سے بھی اور وہ سب ہی اتنے وفادار تھے کہ بلقیس بھابی کی ساری سنیارٹی کو ایک طرف رکھ کر' ان کی شکایت بابا تک پہنچانے میں دیر نہیں لگاتے۔

سو انہوں نے بڑی احتیاط سے کام لیا تھا' گاڑی کہیں دور کھڑی کروا کر' پر ہجوم فٹ پاتھوں کو طے کر کے' وہ پہلے سے مقرر مقام پر فیضی سے ملی تھیں۔ وحید کے احسان سے چھٹکارا پانے کا' یہی طریقہ ان کی سمجھ میں آیا تھا۔

"کیا بات ہے بلقیس بھابی' فیضی سے ملنے کیلئے نہیں چل رہی ہیں بہت دن ہو گئے ہیں۔"

وہ کئی بار پوچھ چکے تھے' مگر وہ خوبی سے ٹال جاتیں۔ وہ مشکوک اور مایوس سے ہونے لگتے۔ ایک اچھی خاصی لگی بندھی آمدنی تھی' جو انہیں بلقیس بھابی اور فیضی کی ملاقات کے ساتھ ہاتھ لگی تھی۔ جتنے پیسے بلقیس بھابی فیضی کو دیتیں اب تو وہ اس سے بھی زیادہ بلقیس بھابی سے اینٹھ لیتے تھے۔

اب معلوم نہیں ان کی اپنی ہی نظر لگی تھی یا حد سے بڑھا ہوا لالچ رنگ لا رہا تھا۔ بلقیس بھابی کے روّیہ میں بے رخی بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیا پتہ بیٹے کی مدد کا کوئی اور طریقہ ڈھونڈ لیا ہو بلقیس بھابی نے یا وہ برخوردار خود ہی تشریف لے آتے ہوں چوری چھپے۔"

ان جیسے شاطر شخص کیلئے بات کی تہہ تک پہنچنا مشکل نہیں تھا۔ مگر وہ اس طرح سائیڈ لائن ہو کر بیٹھ رہنے کو تیار نہیں تھے' سو فون پر بار بار کی ناکامی کے بعد' انہوں نے آج کئی دن بعد وہاں جانے کا ارادہ کر ہی لیا۔ ویسے بھی کئی دن ہو گئے تھے' "سسرال والوں کی خدمت میں سلام عرض کئے ہوئے۔"

کافی دنوں کا یہ گیپ بھی انہوں نے جان بوجھ کر ہی دیا تھا کہ کہیں بابا اور سجاد کو کسی قسم کا شک نہ ہو جائے۔ عام طور پر وہ اسی طرح ہاتھ پاؤں بچا کر کام انجام دے لیا کرتے تھے' یہ تو بس "رحمت منزل" کے سلسلے میں ہی ان سے "چوک" ہو گئی تھی۔ گاڑی گیٹ سے اندر لے جاتے ہوئے انہوں نے تاسف سے سر ہلایا۔

"دیکھ لوں گا اس عمر کو بھی کبھی نہ کبھی۔"

دل ہی دل میں اپنے "عزم" کو دہراتے ہوئے وہ داخلی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے لاؤنج میں چلے آئے۔

بلقیس بھابی اور ثمینہ دونوں ہی اس وقت عموماً یہیں مل جاتی تھیں۔ اس وقت بھی موجود تھیں۔ بلقیس بھابی کا انہیں دیکھ کر، ایک پل کیلئے تو رنگ اڑا، مگر دوسرے ہی لمحے وہ خود کو سنبھال چکی تھیں۔

''آئو وحید، کیسے ہو، اب کہ تو بہت دن میں آئے۔''

''بس ٹھیک ہی ہوں بلقیس بھابی، کیا کروں فرصت ہی نہیں ملتی، بیروزگار آدمی کیلئے ویسے بھی ہزار الجھنیں ہر وقت تیار رہتی ہیں۔'' ٹھنڈی سی سانس بھر کر وہ سامنے والے صوفے پر براجمان ہوئے۔

ثمینہ نے معنی خیز سی مسکراہٹ کے ساتھ بلقیس بھابی کی طرف دیکھا اور چائے کا کہنے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وحید کی الجھنیں اب اتنی پرانی ہو چکی تھیں کہ گھر والوں کیلئے ان میں کوئی بھی نئی بات نہیں رہی تھی۔

''بیروزگار کیسے، رحمت منزل کے آدھے فلیٹوں کا کرایہ تمہیں ملتا ہے اور بھی کچھ نہ کچھ...۔''

بلقیس بھابی نے انہیں سسرال کی طرف سے کئے جانے والے احسانات یاد دلانے چاہے تو وہ بڑی بے اعتنائی سے بات کاٹ گئے۔

''چھوڑیں بلقیس بھابی، برائے نام کرائے پر اٹھے ہوئے فلیٹ میں وہ، میں تو انہیں بابا کی فلاحی سکیم کہتا ہوں، جو محض وہاں کے رہنے والوں کی بہبود کیلئے ہیں، نہ تو اس کی ملکیت ہی ملتی ہے اور نہ ہی کرائے بڑھانے پر بابا راضی ہوتے ہیں۔''

''وہ تو بہر حال ایک الگ ہی مسئلہ ہے۔''

بلقیس بھابی کو ان کے ناشکرے پن پر غصہ تو بہت آیا، مگر لہجے کو انہوں نے ابھی تک بہت نرم ہی رکھا ہوا تھا۔

''مسئلہ ہے نہیں، بنا رکھا ہے، ورنہ جنہیں خود اپنی زندگی سے نکال پھینکا ہے، ان کا ایک لاحاصل انتظار اب کیا معنی رکھتا ہے، اصل میں تو صرف لالچ ہے، جوان لوگوں کو دوسرے کا حق دینے سے روکتا ہے۔ میں تو فرحت سے صاف کہتا ہوں کہ اس کے باپ اور بھائیوں کا کوئی ارادہ نہیں ہے اس کا حصہ دینے کا، بس ہمارا منہ بند رکھنے کیلئے کرائے کی معمولی سی رقم دیتے رہیں گے زندگی بھر۔

بلقیس بھابی کے سامنے وہ بلا تکلف اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے اور وہ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتی تھیں۔

مگر آج وہ تھوڑا سا برا منا گئیں۔

''ایسا نہیں ہے، بابا فرحت کو اس کے حق سے محروم نہیں کر سکتے۔''

''فیضی کو بھی تو کر چکے ہیں، وہ بھی تو اکلوتا بیٹا تھا وقار بھائی کا، آج کس حال میں پڑا ہے، کسی کو فرصت ہے دیکھنے یا جاننے کی بھی۔''

اس ایک تلخ حقیقت کا حوالہ دینا انہوں نے بے حد ضروری سمجھا۔ بلقیس بھابی نے جیسے بہت تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔

فیضی کے نام کے ساتھ ایک گہرے درد کا احساس تھا، جو دل کے ساتھ مستقل ہی جڑا رہتا تھا۔

''آپ بہت بھولی ہیں بلقیس بھابی، مجھے تو چھوڑیں میں تو باہر کا آدمی ٹھہرا، مگر آپ کے ساتھ ان لوگوں نے کیا کیا، فیضی کی حماقت کا کسی دوسری طرح بھی ازالہ کیا جا سکتا تھا، مگر خیر جب آپ اور وقار بھائی ہی آنکھوں دیکھی مکھی نگل رہے ہیں تو میں کچھ کہہ کر اور بھی برا کیوں بنوں۔''

آج وہ پھر اتنے حلیم اور ہمدرد محسوس ہو رہے تھے کہ تھوڑی دیر کیلئے تو بلقیس بھابی ان کی خصلت بھولنے لگی۔

"میں کیا کروں وحید' وقار میری سنتے ہی کب ہیں' وہ اپنے باپ کے اتنے فرمانبردار ہیں کہ انہیں ان کے آگے کسی کی بھی پروا نہیں' اپنی اولاد کی بھی۔"

وہ رو دینے کو ہونے لگیں' لوہا ایک بار پھر گرم تھا۔

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ ہم آپ مل کر فیضی کیلئے کچھ کریں' اسے سیٹ ہونے میں مدد دیں' بے چارہ بچہ دوہری ذمہ داریوں میں پھنس کر رہ گیا ہے' ہماری غفلت اس کی ساری زندگی کو تباہ...."

تھوڑا سا جھک کر نیچی آواز میں کہتے ہوئے ایک بار پھر ان کا دل جیت رہے تھے۔

بلقیس بھابی بار بار پلو سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے ان کی باتوں پر اثبات میں سر ہلائے گئیں۔

"پیسوں کے معاملے میں تھوڑا سا بدنیت ضرور ہے' مگر دل کا برا نہیں ہے' کم از کم اس گھر میں رہنے والوں سے تو اچھا ہی ہے' میرے دکھ کا احساس تو کرتا ہے۔"

دل ہی دل میں انہوں نے وحید کے بارے میں اپنی رائے پر نظر ثانی کرتے ہوئے انہیں پھر سے رعایت دی۔

"پھر بتائیں کب چل رہی ہیں آپ فیضی سے ملنے؟"

ایک اچھی خاصی طویل تقریر کر لینے کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آئے۔ "معلوم نہیں آج کل کس طرح گزر بسر ہو رہی ہو گی بے چارے کی۔"

انہوں نے کھوجتی ہوئی نگاہوں سے بلقیس بھابی کے چہرے پر کچھ تلاشنا چاہا۔

"کر ہی رہا ہو گا کچھ نہ کچھ۔" بلقیس بھابی نے ٹالنا چاہا۔

اعتماد کا یہ پل جو ابھی ابھی دوبارہ قائم ہوا تھا اتنا مضبوط نہیں تھا کہ وہ انہیں اپنے اکیلے جا کر فیضی سے مل آنے کا قصہ بھی سنا ڈالتیں۔

"میرے پاس بھی کون سے اتنے فالتو پیسے ہوتے ہیں جو میں ہر وقت دیتی رہوں' جب ہوں گے تب دیکھا جائے گا۔"

پچھلے تلخ تجربوں نے بلقیس بھابی کو تھوڑا سا محتاط کیا تھا' وحید کو ان کے سارے بیان پر گو ذرا سا بھی یقین نہیں آیا تھا' مگر اس وقت وہ کھیل کو ذرا دوسری طرح سے کھیل رہے تھے۔

"میں نے بھی تو آپ پر اپنا بوجھ ڈال دیا' بہت شرمندہ ہوں بھابی' مگر کیا کروں' آپ کے علاوہ اور کون میری مصیبت میں مدد کرنے والا ہے' بابا اور سجاد کے سامنے تو منہ نہیں پڑتا ہے کچھ کہنے کا' وہ لوگ تو اتنا حقیر سمجھتے ہیں مجھے کہ بات چھوڑیں۔"

گردن جھکا کر وہ روبرو بیٹھے اپنے قصور پر شرمندہ ہو رہے تھے۔

تھوڑی سی رعایت بلقیس بھابی پہلے دے چکی تھیں' تھوڑی سی اور بھی دے دی۔

"کوئی بات نہیں ہے وحید' میرے لئے تو تم بھائیوں سے بھی بڑھ کر ہو' جو میرا ساتھ دینے کیلئے چلے آتے ہو' تم ذرا بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔"

انہیں تسلی دے کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

وحید نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو شاباش دی۔ بلقیس بھابی جیسی زمانہ شناس عورت بھی ان کے فریب کا آسانی سے شکار بنی تھیں۔

"یہ لو' زیادہ تو نہیں ہیں' مگر رکھ لو۔"

بلقیس بھابی واپس آ چکی تھیں اور یہ پہلا موقع تھا کہ جب وہ بغیر مانگے انہیں خود سے پیسے دے رہی تھیں۔

"ارے نہیں بھابی' میں کوئی آپ سے پیسے لینے تھوڑی آیا تھا۔"

تھوڑا سا جھجک کر وہ پیچھے ہٹے' ڈرامہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا بلقیس بھابی اصرار کرنے لگیں' رہا سہا شک بھی دور ہونے لگا تھا۔

"میں وقار سے کہوں گی' آخر یہ لوگ تمہیں کوئی سی پوسٹ کیوں نہیں دیتے' اتنے آفس ہیں' غیروں کو اتنی بڑی بڑی تنخواہوں پر رکھا ہوا ہے اور اپنے داماد کو آج تک آفس میں گھسنے نہیں دیا۔"

ان کی ہمدردی میں وہ جس روانی سے اظہار خیال کر گئی تھیں' اس میں آخری بات وحید کو خاصی توہین آمیز لگی تھی' مگر اس وقت کسی بات پر بھی برا نہیں منایا جا سکتا تھا' وہ بھی بات کو پی گئے۔

"عمر ہی کو لیجیے' ساری "رحمت منزل" کا کرتا دھرتا بنا ہوا ہے' کوئی پوچھنے والا نہیں ہے اس سے کہ...۔"

بلقیس بھابی کے تھمائے ہوئے پیسے جیب میں رکھتے ہوئے وہ دفعتاً بولا ہی گئے کہ کیا کہنے جا رہے تھے۔

بابا لاؤنج میں داخل ہو چکے تھے۔

"السلام علیکم بابا۔"

اس بار صرف وحید ہی نہیں بلقیس بھابی بھی بری طرح گھبرائی تھیں۔

"وعلیکم السلام' خیریت۔ اس وقت یہاں کیسے نظر آ رہے ہو۔"

ایک گہری نگاہ ان لوگوں پر ڈالتے ہوئے انہوں نے بے تاثر سے لہجے میں وحید سے پوچھا۔

"میں بس ایسے ہی...۔"

"گزر رہے ہو گے یہاں سے' ہے نا۔"

بابا نے بات کاٹ کر ان کا جملہ پورا کیا تو وہ ان کا کیا طنز سمجھ کر مسکرا بھی نہ سکے۔

"اور تم کیوں کھڑی ہو بلقیس' کہیں جا رہے ہو کیا تم لوگ؟" بابا بلقیس بھابی کی طرف مڑے' انہیں یاد آیا تھا کہ پچھلے کچھ عرصے میں انہوں نے چند بار بلقیس بھابی کا وحید کے ساتھ باہر جانے کا ذکر سنا تھا' مگر اس وقت انہوں نے ایسی کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ بلقیس بھابی اپنے کاموں کیلئے' سجاد اور سہیل کے ساتھ بھی آخر جاتی ہی تھیں' اس وقت بات ذرا مختلف تھی۔ بابا کی نگاہوں سے چند لمحے پہلے کا منظر ہٹ کر نہیں دے رہا تھا۔

"بھلا کس سلسلے میں وحید بلقیس سے پیسے لے رہا تھا۔"

انہوں نے وحید کو جیب میں پیسے رکھتے ہوئے صاف دیکھا تھا' دل تو چاہ رہا تھا کہ صاف صاف ہی پوچھ ڈالیں' مگر سامنے کھڑی ہوئی دونوں ہی ہستیوں کی دیانت پر انہیں یقین نہیں تھا۔

"میں چلتا ہوں' بہت ضروری ملنا ہے کسی سے۔" وحید نے مزید رکنا مناسب نہیں سمجھا۔

"بیٹھ جاتے چائے آ رہی ہے۔" بلقیس بھابی نے کمزور سا اصرار کیا' بابا خاموش ہی رہے۔ نہ انہیں وحید کے جانے میں دلچسپی تھی اور نہ ہی یہاں رکے رہنے میں۔ وحید کی فطرت انہیں چوکنا کر رہی تھی۔ ذہن بھٹک بھٹک کر بار بار اسی ایک نکتہ پر اٹک رہا تھا۔ اس کا بے وقت یہاں آنا' بلقیس بھابی سے پیسے لینا اور اب اتفاقاً ان کا سامنا ہو جانے پر' اس طرح گھبرا کر چل دینا۔

''معلوم نہیں کیا چل رہا ہے۔اور اگر اس وقت انہیں اچانک ہی گھر نہیں آنا ہوتا تو شاید وہ کبھی بھی کچھ نہ جان پاتے۔''

گھر کے اندرونی معاملات سے وہ بڑی حد تک علیحدہ ہی رہتے تھے۔

اپنے سارے اصول قاعدے' گھر کے چھوٹے بڑوں کو از بر کرا دینے کے بعد انہوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ اب یہی حرف آخر ہیں۔

حالانکہ انسان کی زندگی میں کوئی بات حتمی نہیں کہ جا سکتی' وہ سب کچھ ہی ہو سکتا ہے' جو کبھی سوچا بھی نہ گیا ہو۔

''بلقیس' یہ وحید کیوں آیا تھا؟''

انہیں یقین تھا کہ صحیح جواب کا ملنا ناممکن سی بات ہے' مگر پھر بھی اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے وہ اچانک رکے۔

''کچھ نہیں بس ایسے ہی بابا' کوئی خاص بات تو نہیں تھی۔'' بلقیس بھابی کا جواب بھی ملتا جلتا تھا۔

''اتنی گہری مماثلت۔''

بابا نے ایک بار پھر حیرت محسوس کی۔

بلقیس بھابی نے ان کی آنکھوں میں پھیلی بے یقینی کو محسوس کر کے نگاہیں جھکا لیں۔یہ بابا تھے جن کی بہو بن کر وہ خاندان میں ایک ممتاز ترین حیثیت کی حامل ٹھہری تھیں' جن کے اصول خاندان میں اب ضرب المثل بن چکے تھے۔

بابا نے ان کی خاموشی سے جواب پا لیا تھا۔اس سارے معاملے کو اب شروع سے دیکھنا ان کیلئے ضروری ہو گیا تھا۔

...☆☆☆...

عمر کے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے۔یہ خوشخبری اسے آفس سے واپسی میں ملی تھی۔

''اور کیا کہہ رہے تھے بشارت صاحب۔'' اس نے ساتویں بار نانی سے پوچھا تو وہ اسے گھور کر رہ گئیں۔

''میرا مطلب ہے نانی کہ کون کون آئے گا ان کے ساتھ' یہ تو بتایا ہو گا نا۔''

تھوڑا سا جھینپ کر اس نے صفائی پیش کی۔

''وہ نپی تلی بات کرنے والے آدمی ہیں' تمہاری طرح ایک بات میں دس باتیں نہیں ملاتے ہیں اور تم بھی ذرا ان کے سامنے اپنی زبان پر قابو رکھا کرو' وہ بہت معقول شخص ہیں' تمہاری بے سروپا باتوں پر جلد ہی برا منا جائیں گے۔''

''میں کوئی فضول بات نہیں کرتا ہوں' میری قدر و قیمت ذرا بابا سے پوچھئے۔''

وہ لاپروائی سے کہتا ہوا فریج سے پانی کی بوتل نکالنے لگا تو نانی ذرا چپ سی ہو گئیں۔

''عمر۔''

''ہوں۔'' پانی کا گلاس واپس میز پر رکھتے ہوئے وہ ان کی طرف مڑا۔

''بابا تو بہت برا منائیں گے نا تمہارے رشتے پر۔'' ان کے لہجے میں بڑی فطری سی تشویش تھی۔

''پہلے یہ بتائیں کہ آپ انہیں بابا کیوں کہتی ہیں' آپ کے تو ہم عمر ہی ہوں گے۔سیدھے سیدھے نام لیا کریں ابرار احمد۔''

''بد تمیزی مت کیا کرو سمجھے۔'' وہ شرمندہ سی ہنسی ہنس دیں' ''جو میں کہہ رہی ہوں ذرا اس پر سنجیدگی سے غور کرو۔''

''آپ بالکل فکر مت کریں۔'' اس نے محبت سے ان کے کاندھوں پر اپنا بازو پھیلایا۔

''میں سجاد بھائی سے بات کروں گا' وہ ضرور کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے' بابا بہت نرم دل ہیں' بس کچھ اصول ہیں جن کی وجہ سے لوگ انہیں سخت دل سمجھ لیتے ہیں' مجھ سے تو بہت محبت کرتے ہیں آپ کو پتہ ہے بچپن سے ہی۔''

عمر بے حد پر یقین تھا۔

''انسان جن سے محبت کرتا ہے توقعات بھی ان ہی سے باندھ لیتا ہے' یہ سوچے بغیر کہ دوسرا ان کی توقعات پر پورا اترنے کے قابل ہے بھی یا نہیں۔''

نانی سرسری سے طور پر کہتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں تو عمر کے چہرے پر ایک ہلکی سی سوچ ابھرنے لگی۔ خوش آمدید کی اس منزل پر کھڑے ہو کر کسی بھی طرح کے وسوسوں کی دل میں جگہ نہیں بن رہی تھی۔ وہ اس وقت بے حد خوش تھا' تب ہی باہر کا دروازہ کھول کر فرح اندر چلی آئی۔

''اتوار کو آرہے ہیں وہ لوگ ہمارے ہاں۔''

اس کی شکل دیکھتے ہی وہ مسکرایا۔

''معلوم ہے مجھے۔'' بشارت صاحب کا فون اس کی موجودگی میں ہی آیا تھا۔

''نانی۔'' وہ کچن کے دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔ ''کیا کر رہی ہیں آپ' لائیں ہٹیں میں روٹی بنا دیتی ہوں۔'' انہیں ہٹا کر وہ روٹی بنانے کیلئے کھڑی ہو گئی' نانی کا رواں رواں اسے دعائیں دیتا تھا' اپنی ڈھیر ساری مصروفیت میں سے کسی بھی طرح وقت نکال کر وہ ان کے کئی کام ہمیشہ سے نمٹاتی آرہی تھی۔ عمر کے برا ماننے کے باوجود نانی صاف صاف کہتی تھیں کہ وہ فرح کو بھی اتنا ہی چاہتی ہیں جتنا کہ اسے۔

''دیا کے گھر والوں کیلئے ریفریشمنٹ ٹھیک رہے گا نانی یا رات کے کھانے پر روک لیں؟''

وہ روٹی پکاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''جیسا تمہیں ٹھیک لگے۔'' نانی ہمیشہ اس کی رائے کو اہمیت دیتی تھیں' اس وقت بھی۔

''کھانے پر بلا لیتے ہیں' میں کسی اچھی کیٹرنگ سروس سے کھانے کا انتظام...۔''

عمر نے جلدی سے پیشکش کی تو فرح ہنسنے لگی۔

''دیا کے ابا اس طرح کی باتوں سے متاثر ہونے والے انسان نہیں ہیں عمر' میرا خیال ہے ان سے پوچھ لینا بہتر رہے گا کہ وہ کس وقت آنا چاہتے ہیں' پھر وقت کے حساب سے ہی ہم بھی ایڈجسٹ کر لیں گے۔''

بات معقول تھی۔

اگلے دن بشارت صاحب نے فون پر بتا بھی دیا کہ وہ لوگ سہ پہر کے وقت آئیں گے' واپسی میں انہیں اپنی بہن کے گھر جانا تھا' جہاں ان کے بہنوئی کچھ علیل تھے۔ رات کے کھانے کا پروگرام خود بخود ہی کینسل ہو گیا۔ فرح اور عمر نے ایک اچھے سے ریفریشمنٹ کا مینو تیار کر لیا۔

نانی کچھ چپ چپ سی تھیں' خود سے کسی بات میں صلاح نہ دیتی اور جو کچھ پوچھا جاتا تو بھی ''جیسی تم لوگوں کی مرضی۔'' کہہ کر خاموش ہی رہتی تھیں۔ بشارت صاحب کے گھرانے کے آنے سے ٹھیک ایک روز پہلے فرح نے خاص طور پر ان کی توجہ اسی طرف دلائی۔ جان بوجھ کر ایسے وقت جب عمر گھر پر نہیں تھا۔

''اس طرح نہ کریں نانی آپ یوں الگ ہو کر بیٹھ گئیں تو ہمیں گائیڈ کون کرے گا۔''

نانی اس کی شکل دیکھنے لگیں تو فرح کی نظر خود بخود جھک گئی۔ اسے نانی کی نگاہوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آتا تھا۔

''عمر کی خوشی کیلئے نانی آپ بھی ہنسی خوشی اس کام کو کر ڈالیں' ورنہ وہ کیا سوچے گا' اس بے چارے نے تو بہت چھوٹی عمر میں ہی بڑے غم دیکھ لئے ہیں۔''

ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر وہ بہت لجاجت سے کہنے لگی۔''اس کی خوشی کیلئے ہی تو رضامند ہو گئی ہوں دل نہ چاہتے ہوئے بھی۔'' نانی کا لہجہ سپاٹ تھا۔''ورنہ نہ تو وہ لڑکی مجھے پسند آئی ہے اور نہ ہی اس کی ماں' عجیب سی خود غرضی ہے ان کی فطرتوں میں' ایسے لوگ کبھی بھی قانع نہیں ہوتے' چاہے انہیں کتنا بھی اللہ کی طرف سے نوازا جائے۔''

نانی کے دل پر بڑا بوجھ تھا۔

''کاش عمر نازی کو پسند کر لیتا تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا' وہ لڑکی ہے اس قابل جو کسی بھی گھر کی خوشیوں کی ضامن بن سکتی ہے۔''

فرح بناء درمیان میں بولے ان کی سنے گئی' اچھا تھا کہ وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیں۔

''آج کل سب ظاہر پر جان دیتے ہیں نانی' خالی عمر کا ہی قصور نہیں ہے یہ تو آپ ایسا سوچ رہی ہیں ورنہ لڑکوں کی ماں بہنیں خود سب سے پہلے ''حسین لڑکی'' کی ڈیمانڈ کرتی ہیں۔''

نانی نے ایک تھکی تھکی سی سانس لی۔

''زمانہ بہت بدل گیا ہے یا پھر میں ہی بہت بوڑھی ہو گئی ہوں' ہمارے وقت کے اصول قاعدے بالکل ہی الگ تھے' اب انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔''

فرح کو ان سے بے حد محبت تھی اور اس ضعیفی میں ان کی ہلکی سی بھی اداسی اس کا بہت زیادہ دل دکھا رہی تھی۔

''آپ کیوں بوڑھی ہونے لگیں' آپ تو ہم سب سے بڑھ کر ہمت والی ہیں' عمر کیلئے نرگسی کوفتے شب دیگ تک پکا ڈالتی ہیں' جس کی اچھے اچھے ہمت نہیں کر پاتے ہیں۔''

نانی ہنسنے لگیں۔

''بس ایسے ہی خوش رہا کریں اور بالکل بھی فکر نہ کیا کریں' آپ کا خیال رکھنے کیلئے میں جو ہوں۔''

فرح کو اطمینان ہوا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔

''صبح تو میں گھر ہی ہوں گی' ان لوگوں کے آنے سے پہلے سارے کام نمٹا دوں گی' آپ مت لگ جایئے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' نانی اب خوش تھیں' دل پر پڑا بوجھ بڑی حد تک کم ہوا تھا۔

بشارت صاحب' نازی اور امی۔

عمر کی متوقع سسرال سے آنے والا وفد ان ہی تین لوگوں پر مشتمل تھا۔ وہ لوگ جب وہاں پہنچے تو عمر نیچے کمپاؤنڈ میں ہی مل گیا۔

''بہت دور ہے بھئی تمہارا گھر' اس پر جگہ جگہ بند ٹریفک سنگل۔ بہت ناگواری کے ساتھ امی نے کہا بشارت صاحب ہلکے سے کھنکھارے بھی' مگر امی کو اظہار خیال سے نہیں روک سکے۔

''بہت شور و غل والا علاقہ ہے' لگتا ہے سارے کراچی کا ٹریفک یہیں جمع ہے' اتنے شور میں تم لوگ رہ کیسے لیتے ہو۔''

''ہم لوگ اصل میں عادی ہو گئے ہیں' شروع سے ہی یہاں رہ رہے ہیں اور پھر اندر گھروں میں اتنا پتہ بھی نہیں چلتا ہے۔''

عمر اتنا خوش تھا کہ اس نے نہ ان کے لہجے پر دھیان دیا اور نہ ہی الفاظ سے جھلکتی اجنبیت پر۔

”ابھی کتنی سیڑھیاں اور چڑھنی ہیں؟“

پہلے ہی فلور پر پہنچ کر وہ تھکن کا اظہار کرنے لگیں' بشارت صاحب عمر سے بات کر رہے تھے۔ اتنا دھیان ان لوگوں کی طرف نہیں تھا' مگر نازی کو دبے لفظوں میں امی کو ٹوکنا پڑ ہی گیا۔

”دو ہی فلور کی تو بات ہے امی' اب ایسا بھی کیا۔“

نازی کی بات کا اثر تھا یا کیا چند منٹ وہ خاموش ہی رہیں' بس ناقدانہ نگاہوں سے ارد گرد کا جائزہ لیتی رہیں۔ عمر کا فلیٹ اچھا خاصا کشادہ تھا۔ تین بیڈ روم' ڈرائنگ روم' لاؤنج' بے حد خوبصورتی کے ساتھ ہر جگہ سیٹ تھی' کسی بھی شے کی کوئی کمی نہیں تھی۔

بشارت صاحب اور نازی دونوں ہی نے تعریفی نگاہوں سے نہ صرف دیکھا بلکہ تھوڑی دیر بعد فراخ دلی سے تعریف بھی کر دی۔

عمر انکساری سے مسکرانے لگا۔

امی البتہ کسی اشتیاق کا اظہار نہیں کر رہی تھیں۔ چائے پر حد سے زیادہ اہتمام کیا گیا تھا' مگر سب کے اصرار پر بھی انہوں نے برائے نام ہی کچھ لیا تھا۔

فرح کے علاوہ اس کے امی بابا بھی موجود تھے' بشارت صاحب' عمر اور فرح کے والد سے باتوں میں مصروف ہوئے تو نازی کو امی کو سنبھالنا اور بھی مشکل ہونے لگا۔

وہ بشارت صاحب کے کہنے پر یہاں آنے پر رضامند ہوئی تھیں اور ان کیلئے اپنے خیالوں میں یہاں آنا محض وقت کا ضیاع تھا۔

”تمہارے باپ کو ساری زندگی' میری مخالف سمت میں چلنا ہی اچھا لگا ہے' میں عمر کے گھر صرف اس لئے جا رہی ہوں تاکہ انہیں کل کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ میں نے بغیر دیکھے بھالے ہی ان کے منتخب کردہ لڑکے کو مسترد کر دیا۔“

یہاں آنے سے قبل وہ نازی کو باور کرا چکی تھیں' سو یہ بات طے تھی کہ وہ یہاں ہرگز ہرگز بھی کسی بات سے متاثر نہیں ہوں گی۔

”یہ ساری بلڈنگ تو فیضان کے دادا کی ہی ملکیت ہے نا۔“ وہ نانی سے خاصے جتانے والے انداز میں پوچھ رہی تھیں' مگر نانی ٹھیک سے سمجھیں نہیں' خوشی خوشی بابا صاحب اور سجاد کی تعریفوں کے پل باندھنے لگیں۔ عمر کے سر پر بچپن سے ہی بابا کا شفقت بھرا ہاتھ رکھا تھا' وہ بھی اور آج تک بھی بابا اور سجاد کیلئے عمر کی جو ایک خاص حیثیت تھی نانی اسے بار بار سنا کر بھی بور نہیں ہوتی تھیں۔

امی یہ سب پہلے بھی سن چکی تھیں' اس وقت جب وہ لوگ انکے گھر آئی تھیں بے زار سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔

فرح بہت خاموشی سے انہیں نوٹ کر رہی تھی' صرف نازی تھی جو بہت دلچسپی سے نانی کی باتیں بھی سن رہی تھیں اور خود بھی بیچ بیچ میں بڑی اپنائیت سے بول اٹھتی تھی۔

فرح جب چائے کے برتن سمیٹ رہی تھی تو وہ اس کے ساتھ منع کرنے کے باوجود بھی لگ گئی۔

”بہت ہی اچھی بیٹی ہے نازی' خدا اس کی قسمت اچھی کرے۔“ نانی جب اسے دعا دے رہی تھیں تو ان کے لہجے میں ہلکی سی حسرت بھی تھی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ' نازنین میری ساری اولاد میں بالکل مختلف ہے' کہنے کو بیٹا میرا اسمیع ہے مگر نازی اصل میں ہمیشہ میرے لئے حوصلے کا سبب رہی ہے۔''

بشارت صاحب نے فخریہ نگاہوں سے نازی کی طرف دیکھتے ہوئے نانی کی بات کی تائید کی۔

''اس گھر میں اگر دیا کے بجائے نازی آرہی ہوتی تو کس قدر خوش قسمتی کی بات ہوتی۔

آج سارا وقت فرح کے دل میں یہ خیال' مستقل ہی جما رہا اور جب نازی اس کے ساتھ کچن میں آکھڑی ہوئی تھی تب وہ کہہ ہی بیٹھی۔

''تم اپنی بہن سے بہت مختلف ہو' دیا کو شاید لوگوں سے ملنا جلنا زیادہ پسند نہیں ہے۔''

فرح کو ہر ملاقات پر دیا کی روکھائی بری طرح محسوس ہوئی تھی۔

''نہیں' ایسی بات نہیں' وہ بس ذرا بولتی کم ہے اسی لئے لوگوں کو ایسا لگا ہے وہ شروع سے ہی تھوڑی شرمیلی ہے۔'' دل ہی دل میں شرمندگی محسوس کرتے ہوئے نازی نے دیا کی خود پسندی پر پردہ ڈالنا چاہا اور ایسا وہ ہمیشہ سے کرتی چلی آرہی تھی۔

فرح کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری' معلوم نہیں اسے نازی کی بات پر یقین آیا بھی تھا یا نہیں۔

''اصل میں نانی کو باتیں کرنے کا بہت شوق ہے' بے حد تنہائی کا شکار ہیں وہ' اوپر سے اتنے بڑے غم بھی سہے ہیں' ان کیلئے سب کچھ عمر ہی ہے۔''

چائے کے کپ ٹرے میں سیٹ کرتے ہوئے وہ ہلکے ہلکے جو کچھ بھی نازی کو سمجھانا چاہ رہی تھی اس کی سمجھ میں آرہا تھا اور ان باتوں کے پیچھے سے جھلکتا ہوا وہ خلوص بھی جو فرح کے دل میں نانی اور عمر کیلئے تھا۔ بظاہر بالکل مختلف نظر آنے کے باوجود وہ اندر سے شاید بالکل اسی کی طرح تھی' دوسروں کی فکر کرنے والی' دوسروں کی خوشی اور غم پر خوش اور رنجیدہ ہونے والی۔ نازی کو بالکل ایسا ہی لگا۔

اندر ایک رسمی ملاقات اب انجام کو پہنچ رہی تھی۔

''مجھے آپ' عمر اور یہ سارا ماحول بے حد اچھا لگا ہے' بڑی مدت بعد کہیں آکر اتنی اپنائیت کا احساس ہوا ہے۔''

بشارت صاحب کسی حتمی فیصلے پر پہنچتے ہوئے نانی سے مخاطب تھے۔ ''یہ میری قسمتی ہوگی جو میری بیٹی کو آپ کے شفقت بھرے سائے میں رہنا نصیب ہوگا۔''

امی کی تنبیہ کرتی نگاہوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے ایک طرح سے وہ اس رشتے پر اپنی منظوری کا اشارہ دے رہے تھے۔ امی کو چھوڑ کر باقی سب ہی کے چہروں پر بڑی گہری مسکراہٹ پھیلی تھی۔ خاص طور پر عمر' جس کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

بشارت صاحب سے ''کلیئرنس سرٹیفکیٹ'' کا حاصل ہو جانا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی تھی۔ اپنی خوشی میں وہ دیا کی امی کے روّیہ کو بھی نظر انداز کئے ہوئے تھا۔

''اب ہمیں اجازت۔''

بشارت صاحب اٹھ کھڑے ہوئے' انہیں ابھی اسماء پھوپھو کے گھر بھی جانا تھا' پھپھا کی عیادت کیلئے' عمر اور نانی انہیں پہلی ملاقات میں ہی بے حد پسند آگئے تھے یہ ایک رسمی کارروائی تھی جو بہر حال انہیں کرنی تھی' سو وہ بھی کر لی۔

''لڑکا، گھر بار، سب کچھ ہماری امید سے بھی بڑھ کر ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اتنے اچھے لوگوں سے ملوا دیا۔''

جب وہ لوگ واپس آرہے تھے تو وہ سارے راستے ان لوگوں کی تعریف کرتے رہے۔ امی بالکل خاموش رہیں۔ ان کے موڈ کا اندازہ ان کے چہرے سے ہو رہا تھا، اسماء پھوپھو کے ہاں بھی بس وہ بالکل اوپری سے انداز میں بیٹھی رہیں۔

جب سے دیا کی منگنی مسعود سے ٹوٹی تھی وہ آج پہلی بار ہی ان کے گھر آئی تھیں۔ گمر اب آکر پچھتا رہی تھیں۔ پھوپھا کوئی ایسے خاص بیمار نہیں تھے بس یوں ہی بخار، نزلہ، کھانسی میں مبتلا تھے۔ ان کا چھ سو گز کا چمکتا دمکتا گھر، پورچ میں کھڑی دو گاڑیاں اور لائونج میں بڑے سے فریم میں لگی مسعود کی تصویر۔

ان کا دل بری طرح سے دکھنے لگا۔ نہ تو یہی سب کچھ دیا کی قسمت تھا اور نہ ہی، وہ ہی اب تک دیا کیلئے کچھ ایسا کر پائی تھیں جو اس قلق کا مداوا کر سکتا۔ ان کا وہاں ذرا بھی جو دل لگا رہا ہو کھوئی کھوئی سی نہ جانے کن خیالوں میں گم رہیں۔ چونکیں اس وقت، جب بشارت صاحب، بڑے فخریہ لہجے میں دیا کیلئے آئے رشتے کی تفصیلات سنا رہے تھے۔

عمر کی ملازمت، اس کا رحمت منزل والا فلیٹ اور نانی۔ عمر کا تعارف، بس ان ہی تین چیزوں کے ذکر کے ساتھ ختم ہو جاتا تھا۔

گو پھوپھا اور اسماء پھوپھو دونوں بہت خوشی کا اظہار کر رہے تھے یہ تفصیل سن کر، مگر امی کو عجیب سا احساس کمتری گھیرنے لگا۔

''دیا کیلئے تو بہت رشتے آرہے ہیں، مگر ابھی یہ کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہے تمہارے بھائی تو یوں ہی جذباتی ہوئے جا رہے ہیں اس رشتے پر۔''

ایک وقت جب صرف وہ، اسماء پھوپھو اور نازی ہی بیٹھے تھے انہوں نے کہنا ضروری سمجھا، اسماء پھوپھو بے چاری کیا کہہ سکتی تھیں۔ مسعود کی نافرمانی کا جتنا دکھ انہیں پہنچا تھا اتنا شاید کسی بھی دوسرے کو نہیں۔ ان سب کے سامنے وہ خود شرمندہ رہی تھیں، اب تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے کسی رائے مشورے کا حق بھی وہ کھو چکی ہیں۔

نازی اس سارے معاملے میں اب تک غیر جانبدار رہی تھی۔ یہ اندازہ بہر حال اس ساری شام میں اسے اچھی طرح ہو گیا تھا کہ امی اور ابا کے زندگی بھر سے چلے آنے والے اختلافات میں، اب ایک اور معرکہ اختلاف کا اضافہ ہو چکا ہے۔

''تم سارا وقت عمر کے ہاں اسی طرح منہ بنائے بیٹھی رہیں، ایک بار جو مسکرا کر کوئی بات کی ہو اتنی بزرگ خاتون ہیں عمر کی نانی، بے چاری کس طرح خاطر مدارت کر رہی تھیں کم از کم اسی کا خیال کر لیا ہوتا۔''

بشارت صاحب نے گھر آکر حسب توقع آڑے ہاتھوں لیا امی کو۔

''مجھے وہاں دیا کی شادی نہیں کرنی، آپ کے اصرار پر چلی گئی تھی ورنہ میں تو جانا بھی نہیں چاہتی تھی۔''

نپا تلا سا جواب دے کر امی وہیں قریب پڑی کرسی پر بیٹھ رہیں۔ اس مسئلے کو شاید وہ آج ہی نمٹا لینا چاہتی تھیں، بشارت صاحب نے بغور ان کی طرف دیکھا۔

''میں پوچھ سکتا ہوں کیوں؟''

''دیا کی شادی کسی اچھے گھر میں کرنی ہے مجھے۔'' ان کا سر خود بخود ذرا سا اونچا ہوا۔

''اچھے گھر سے کیا مراد ہے تمہاری؟'' بشارت صاحب نے جیسے کسوٹی کسوٹی کھیلنا شروع کیا۔

''معاشی طور پر خوشحال گھرانہ ہو، بڑا سا را گھر ہو، کاروبار ہو یا لڑکا باہر سیٹل ہو۔''

انہوں نے جس طرح لاپروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے یہ خوبیاں گنوائیں اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس سے کم پر سمجھوتہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

’’اس طرح کا لڑکا مجھے تو آس پاس کہیں نظر نہیں آتا‘ تم نے کوئی ڈھونڈ رکھا ہے تو بتاؤ۔‘‘

بشارت صاحب ابھی بھی پر سکون تھے‘ گو الفاظ بتدریج طنزیہ ہوتے جا رہے تھے۔

’’لڑکا تو تھا مگر آپ کی ضد اور غصے کی نذر ہو گیا۔‘‘

امی نے مسعود کا نام نہیں لیا تھا مگر سب ہی نے صاف سمجھا تھا۔ نازی نے شکر کیا کہ دیا اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

’’مسعود بھائی کا اب کیا ذکر امی اور انہوں نے تو جو کچھ بھی کیا اپنی مرضی سے کیا‘ آپ دوسروں کو مورد الزام کیوں ٹھہرا رہی ہیں۔‘‘ بشارت صاحب کے کچھ بھی کہنے سے پہلے سمیع بول اٹھا۔

’’تم خاموش ہی رہو‘ اتنا تک تو ہوا نہیں کہ چل کر خود بھی ملاحظہ فرما لیتے آخر تمہاری بھی تو کوئی ذمہ داری ہے۔‘‘
انہیں سمیع کا بیچ میں بولنا بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

نازی کی نگاہ یوں ہی بشارت صاحب کے چہرے پر جا رکی۔ وہ بہت خاموشی سے امی کی طرف دیکھ رہے تھے نہ خفگی نہ غصہ بلکہ عجیب سی اداسی بھری حیرت ان کے دیکھنے کے انداز میں جھلک رہی تھی۔ معلوم نہیں امی نے بھی نوٹ کیا تھا یا نہیں۔

’’میں نے کہہ دیا ہے جب تک حسب مرضی لڑکا نہیں مل جاتا اس گھر میں کوئی دیا کی شادی کا نام نہ لے۔‘‘

کسی کسی بات پر امی یوں ہی جم کر کھڑی ہو جاتی تھیں جیسے پہلے مسعود کی دیا کے ساتھ منگنی کے موقع پر اور پھر اس منگنی کو بلا مقصد پانچ سال سے بھی زیادہ عرصے تک چلائے رکھنے پر‘ اس کے بعد بھی نینی کی شادی میں انہوں نے نینی کا ہی ساتھ دیا تھا۔

نازی کو پچھلے کئی مواقع یاد آ کر رہ گئے۔ ’’شاید امی بہت ہی اچھی ماں ہیں‘ خاص طور پر اپنی بیٹیوں کیلئے۔‘‘ اس نے خود کو مطمئن کرنا چاہا‘ مگر دل میں کوئی چیز جیسے بہت زور سے چبھی تھی۔

’’ایک بات تو بتاؤ زبیدہ۔‘‘

ابا کی ٹھہری اور پر سکون سی آواز پر اسے اپنے خیالوں سے نکلنا ہی پڑا۔ وہ صرف امی کی طرف متوجہ تھے۔

’’اتنی زندگی جو ہم لوگ گزار چکے ہیں کوئی ایسی بری تو نہیں تھی‘ حالانکہ اس میں بہت سی آسائشات سرے سے آج بھی نہیں ہیں اور تم نے بہت صبر سے ہر کمی کو برداشت بھی کیا‘ کوئی شکوہ شکایت نہیں‘ پھر اب تم کیوں اتنا بدلتی جا رہی ہو‘ پیسہ اتنی اہمیت کیوں اختیار کر گیا ہے تمہارے لئے۔‘‘

وہی اداسی‘ وہی حیرت‘ جو ابھی ابھی نازی نے ان کے چہرے پر محسوس کی تھی‘ ان کے الفاظ میں بھی تھی۔

کاش امی‘ ابھی تھوڑا سا ہنس کر ابا کے خیالات کی تردید کر ہی دیں۔‘‘ نازی کے دل نے بہت شدت کے ساتھ تمنا کی‘ شاید....

’’آپ نے مجھے پہچانا ہی نہیں بشارت صاحب‘ میں تو شروع سے ایسی ہی ہوں اور جو کچھ بھی میں نے کیا وہ میرا صبر نہیں مجبوری تھی اور زندگی جب صرف مجبوری بن جائے تو اسے کاٹنے کیلئے انسان کو خود پتھر بن جانا پڑتا ہے‘ میں دیا کو پتھر نہیں بننے دوں گی۔‘‘

بے حد سرد مہری سے وہ بشارت صاحب کی بچی کھچی غلط فہمی بھی دور کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ان کے درمیان پائے جانے والے اختلافات نئے نہیں تھے اور نہ ہی ان اختلافات کی وجہ سے ہونے والے بحث و مباحثے۔ مگر اس کے باوجود گھر اور بچوں کیلئے کی جانے والی بشارت صاحب کی ان تھک محنت' رزق حلال کیلئے ان کی تگ و دو اور سب سے بڑھ کر رزق حلال پر ان کا ایمان۔ نازی کو ہمیشہ ہی ان پر بڑا گہرا فخر محسوس ہوتا تھا۔

''ابا جیسے لوگ کامیاب ہوتے ہیں بے حد سچے کھرے اپنے ایمان پر جینے والے۔'' یہ بات اس نے اپنی زندگی میں امی اور بہن بھائی کے سامنے معلوم نہیں کتنی بار کہی تھی۔

مگر اب اس وقت جب وہ بالکل سامنے بیٹھے اپنے کانوں سے وہ سب سن چکے تھے جس کی انہیں کبھی بھی توقع نہیں رہی ہو گی تو نازی کی بالکل بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ خود اب اپنی ساری خوبیاں' جو معلوم نہیں دنیا کی نگاہ میں خوبیاں ہیں بھی یا نہیں کس کھاتے میں ڈالیں گے۔

''سر ڈھانپو تو پیر ننگے اور پیر کو ڈھکنے کی فکر کرو تو سر ننگا ہوتا ہے' ساری زندگی اسی کھینچ تان میں گزر گئی۔''

امی بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف جانے لگیں تو بشارت صاحب کی آواز پر انہیں کمرے سے نکلتے نکلتے رکنا پڑا' حالانکہ انہوں نے انہیں روکنے کیلئے نہیں کہا تھا۔

''نازی۔'' وہ بہت نارمل سے انداز میں نازی اور سمعی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ''دیا کو بتا دینا کہ میں نے عمر کا رشتہ منظور کر لیا ہے' انشاءاللہ وہ بہت خوش رہے گی اور سمیع تم ذرا کیٹرنگ والوں کے ہاں جا کر معلوم کرنا...'' وہ اتنے عام سے لہجے میں بات کر رہے تھے کہ نازی کو شبہ ہونے لگا کہ انہوں نے ابھی ابھی کچھ سنا بھی ہے یا نہیں۔

...☆☆☆...

فیضی نے ایک منتظر سی نگاہ پھر اس طرف جمائی جس طرف سے بلقیس بھابی کو آنا تھا۔

گاڑیاں آ جا رہی تھیں' مگر کوئی بھی ان میں سے اس کی جانی پہچانی نہیں تھی۔ بہت بے زاری سے اس نے سر کو جھٹکا۔

''امی۔''

موبائل کو کان سے لگاتے ہوئے اس نے ان کے بولنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ ''آپ ابھی تک گھر پر ہی ہیں کیا؟ میں کب سے یہاں انتظار میں کھڑا ہوں۔''

''تمہیں بتایا تو تھا کہ آج ڈرائیور نہیں ہے گھر پر' میں نے وحید کو فون کیا ہے وہ آئے تو اس کے ساتھ ہی آ سکتی ہوں۔''

''وحید انکل اگر شام تک بھی نہ آئے تو کیا میں یہیں بیٹھا رہوں گا کیا' آپ ٹیکسی کر کے کیوں نہیں چلی آتی ہیں؟'' فیضی کی جھنجلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

''تمہارے پاپا گھر پر ہیں' بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے ان کا تھوڑا سا' ٹیکسی کر کے کیسے آ سکتی ہوں' وہ دس سوال جواب کریں گے وحید کو میں نے سمجھا دیا ہے وہ کوئی نہ کوئی بہانہ خود ہی کر کے مجھے یہاں سے پک کریں گے۔'' بلقیس بھابی کے پروگرام پر وہ مطمئن تو نہیں ہوا تھا مگر لمحے بھر کیلئے کچھ سوچنے لگا تھا' بلقیس بھابی کو لگا جیسے شاید وہ باپ کی بیماری کا سن کر تھوڑا سا پریشان ہوا ہے۔

''تمہارے پاپا بہت ٹینشن لے رہے ہیں تم آ کر ان سے معافی کیوں نہیں مانگ لیتے ہو' ساری پریشانی ہی ختم ہو جائے گی۔''

لوہے کو گرم سمجھ کر انہوں نے چوٹ لگانی چاہی' مگر ان کا اندازہ غلط تھا۔ فیضی پریشان ضرور تھا مگر کم از کم وقار احمد کیلئے نہیں۔

''فی الحال اس ٹاپک پر ہم بات نہ ہی کریں تو اچھا ہے امی' جب تک گھر والے نینی کو قبول نہیں کریں گے اس وقت تک ان باتوں کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہے۔''

فون کے دوسرے سرے پر کھڑی بلقیس بھابی کا بے ساختہ ہی دل چاہا کہ چیخ چیخ کر نینی اور اس کے گھرانے کو جتنا بھی برا بھلا کہنا چاہتی ہیں کہہ ہی ڈالیں' اتنی سی لڑکی غضب کی فتنہ گر ثابت ہوئی تھی۔نینی کیلئے ان کی نفرت دن بدن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

''ایسا کرتا ہوں میں وہیں آجاتا ہوں' آپ کسی بہانے گھر سے باہر آجایئے گا پیسے لے کر۔''

فیضی نے اپنے مسئلہ کا ایک اور حل تلاش کر لیا تھا' مگر بلقیس بھابی نے سختی سے منع کر دیا۔

''پاگل ہو رہے ہو' گیٹ پر ہر وقت کا آنا جانا لگا رہتا ہے' بابا کو بھنک بھی پڑ گئی تو وہ اتنا ہنگامہ کریں گے کہ کوئی حد نہیں۔'' وہ بات کرتے کرتے ذرا رکیں۔ باہر سے وحید بھائی کی گاڑی کا ہارن سنائی دے رہا تھا۔اطمینان کی ایک سانس ان کے لبوں سے خارج ہوئی۔

''وحید آگئے ہیں' بس میں نکلتی ہوں چند منٹ میں۔'' فیضی کا جواب سنے بغیر انہوں نے فون کو آف کر دیا۔

''کچھ بھی ہے غریب وقت پر کام تو آ ہی جاتا ہے۔''

دل ہی دل میں وحید بھائی کو خراج تحسین پیش کر کے وہ اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ وقار سو رہے تھے۔ نیند کی گولی لینے کے سبب' ابھی اچھی خاصی دیر انہیں اور سولینا تھا' سو اس طرف سے بے فکری تھی' الماری میں پہلے سے علیحدہ کر کے رکھے پیسوں کو اپنے پرس میں ڈال کر وہ جتنی دیر میں واپس لاؤنج میں آئیں وحید ایک من گھڑت جواز ثمینہ کو سنا ہی چکے تھے۔

''بہت ہی خوبصورت ڈنر سیٹ ہے بھابی' میں نے سوچا لینے سے پہلے آپ کو بھی ایک نظر دکھلا دوں' آپ کو زیادہ پہچان ہے اچھی کراکری کی۔''

ان کا انداز اتنا پرفیکٹ تھا کہ ثمینہ بھی اصرار کرنے لگی' ''چلی جائیں بھابی' اگر اچھا ہو تو ایک سیٹ اپنے گھر کیلئے بھی لے لیجئے گا۔''

''اچھا۔''

انہوں نے بادل نخواستہ اٹھنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی' ثمینہ کو وقار کے کمرے کے آس پاس بچوں کو شور نہ کرنے دینے کی ہدایت دے کر وہ گاڑی میں آ بیٹھیں۔

فیضی نے حسب عادت کھل کر فضول خرچی کی تھی۔ سو پریشانی لازمی تھی۔ بلقیس بھابی اس پریشانی کو رفع کرنے کیلئے جا رہی تھیں' ''میرے بچے نے کبھی تنگی دیکھی ہی نہیں تھی' یہ افتاد تو پہلی بار اس کے سر پر آپڑی ہے اور ان لوگوں کی سنگ دلی دیکھو وحید۔''

فیضی کی پریشانیوں کا حال وحید کو سناتے ہوئے وہ اتنی محو ہوئیں کہ ٹریفک سنگل کے دوسری طرف کھڑی بابا کی گاڑی کو بھی نہ دیکھ سکیں' جو ٹریفک سگنل پر دوسری گاڑیوں کے ہجوم میں رکی ہوئی تھی۔

ان کے پہنچنے تک فیضی کا انتظار عروج پر پہنچ چکا تھا اور وہ انہیں سامنے ہی کھڑا دکھائی دے گیا تھا۔ وحید بھائی' بلقیس بھابی کو اس کے نزدیک اتار کر گاڑی دوسری طرف لے گئے۔

یہ ایک تفریحی پارک کا بیرونی حصہ تھا جہاں وہ لوگ آئے تھے' وحید ہمیشہ گاڑی ذرا دور ہی پارک کرتے تھے یہ احتیاط تھی ان کی۔

"میرا اکاؤنٹ بالکل خالی کے قریب پہنچ چکا ہے آپ اس میں پیسے جمع کروا دیں تاکہ مجھے بار بار آپ سے نہ مانگنے پڑیں' آپ کو بھی بار بار آنا نہیں پڑا کرے گا۔"

پارک کی خوبصورت روش پر چلتے ہوئے فیضی نے بلقیس بھابی کو آئندہ کی تکلیف سے بچنے کا آئیڈیا دیا تو وہ بس اس کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔اسے ان کی ضرورت' صرف پیسوں کیلئے ہی تھی' ان سے ملنے' انہیں دیکھنے کیلئے اس کے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں مچلتی تھی جیسی کہ ان کے دل میں۔

"پیپر کیسے ہو رہے ہیں تمہارے۔وہ ذہن سے اس کی طرف پہنچی تکلیف کو جھٹک کر پوچھنے لگیں تو وہ لاپروائی سے کندھے جھٹک کر بولا۔

"ابھی نہیں شروع ہوئے' اگلے مہینے سے ہوں گے ہر ملاقات پر بتاتا ہوں مگر آپ کو یاد ہی نہیں رہتا۔"

"واقعی۔" وہ کچھ شرمندہ سی ہو کر مسکرا دیں۔

ان کا ذہن در حقیقت بہت غیر حاضر رہنے لگا تھا اور اس کی کتنی فطری سی وجہ تھی۔انہوں نے نچلا ہونٹ دانت سے دبایا۔سامنے قطار میں پتھر کی بنچیں بچھی ہوئی تھیں۔

"بس یہیں بیٹھ جاتے ہیں تھوڑی دیر کیلئے میں اب زیادہ نہیں رکوں گا' پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔"

وہ اسی بے اعتنائی سے کہہ رہا تھا۔

بلقیس بھابی اس کی شکل دیکھے جا رہی تھیں۔

"چلے جانا' بس ذرا چند منٹ تمہیں دیکھ لوں' پھر کئی دن یہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔" وہ ہلکے سے بس اتنا ہی کہہ سکیں' فیضی کی سختی سے ہدایت تھی کہ وہ اس طرح کی عام جگہوں پر جذباتیت سے پرہیز کیا کریں اچھا نہیں لگتا۔

"یہ لو یہ پیسے رکھو اور ذرا دیکھ بھال کر خرچ کیا کرو۔" پرس کھول کر پیسے نکالتے ہوئے انہوں نے اسے دبی دبی سی نصیحت کرنی چاہی' مگر تب ہی عقب سے کسی نے ہاتھ بڑھا کر ان کے ہاتھ سے روپوں کی وہ موٹی سے گڈی اپنے ہاتھ میں لی۔

بلقیس بھابی اور فیضی دونوں ہی نے بیک وقت پلٹ کر دیکھا۔

ان کے ٹھیک پیچھے بابا کھڑے تھے۔

...☆☆☆...

پاؤں تلے زمین کا سرکنا۔انہوں نے سنا ضرور تھا مگر اس کا عملی تجربہ اس وقت اس گھڑی میں ہوا تھا۔

بلقیس بھابی نے صرف ایک پل کیلئے ہی نگاہ اٹھا کر بابا کی طرف دیکھا تھا۔اس کے بعد جیسے ان کی نگاہ زمین پر بچھے سبزے پر گر کر رہ گئی تھی۔

"اسی ہمت پر گھر سے نکلتے تھے کہ چوری چھپے ماں سے پیسے لے کر عیش کرو گے' تف ہے تم پر اپنی عزت نفس کو بالکل ہی بیچ کھایا ہے تم نے تو ارے اگر ایک غلط قدم اٹھا ہی لیا ہے تو عزت سے سر اٹھا کر اسے نبھانا تو سیکھ لیتے۔"

حالانکہ بابا بہت ہلکی آواز میں بولے تھے' مگر ان کی آواز کی دھمک بلقیس بھابی کو اپنے دل پر پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

فیضی بالکل خاموش تھا' ایک لفظ بھی اس کے منہ سے نہیں نکل پایا تھا اور بلقیس بھابی کو پتہ تھا کہ وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکے گا۔اپنی تمام تر خود سری اور بد تمیزیوں کے باوجود وہ بابا کے سامنے صرف اور صرف ایک بار ہی بول پایا تھا' تب جب اس نے نینی کے ساتھ شادی کر لینے کا حتمی فیصلہ سنایا تھا۔

پارک میں اس وقت لوگ کم تھے اور جو تھے وہ بھی کافی فاصلے پر تھے' پھر بھی بلقیس بھابی کو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ایک مجمع انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہنسے ہی چلا جا رہا ہے۔ سر راہ ایسی توہین کا انہوں نے کبھی زندگی میں تصور تک نہیں کیا تھا۔

''میں بھی حیران تھا کہ تم جیسا نااہل اور آرام طلب آخر کیا کر کے دو وقت کی روٹی اپنی بیوی کو کھلا رہا ہے' اب پتہ چلا کہ ہمارے ہی ٹکڑوں پر بیوی کو بھی پال رہے ہو' شرم آتی ہے تمہارے بارے میں سوچ کر بھی۔''

ان کے الفاظ زیادہ زہریلے تھے کہ لہجہ مگر فیضی کیلئے وہ اس وقت سنگ دلی کی انتہا کئے دے رہے تھے۔

''چلو بلقیس۔'' ان کی آواز سنتے ہی بلقیس بھابی کے جمے ہوئے قدم میکانکی انداز میں حرکت میں آئے۔

''بابا' وہ میں....۔''

انہوں نے عقب میں فیضی کی پھنسی پھنسی سی آواز سنی۔ مگر بابا اس کی ایک بھی بات سننے کیلئے تیار نہیں تھے۔

''کسی اور کی نہ سہی کم از کم اپنی عزت کرنا تو سیکھ لو' یوں بھیک مانگ کر گزارا کرنے سے تو بہتر ہے کہ چلو بھر پانی میں ڈوب مرو۔''

ایک بار کو بابا کا سب غصہ جلال بھول کر بلقیس بھابی نے تڑپ کر پیچھے مڑ کر دیکھا' فیضی اکیلا اسی بینچ کے نزدیک کھڑا تھا جہاں ابھی چند منٹ پہلے وہ اس کے ساتھ آ کر بیٹھی تھیں۔

شکست خوردہ' مایوس' خالی ہاتھ۔بے ساختہ ہی ان کا دل چاہا کہ وہ دوڑ کے اسے اپنے گلے سے لگا لیں۔

''بلقیس۔''

بابا چند قدم آگے نکل چکے تھے۔

''ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر انہوں نے تنبیہ کی تھی۔

بلقیس بھابی جلدی سے واپس مڑ گئیں۔ چادر کے پلو سے اپنا بھیگا ہوا چہرہ خشک کرتے ہوئے انہیں بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ فیضی کو بابا نے گھر سے ہی نہیں دل سے بھی نکال دیا ہے۔

امید کی ایک ننھی سی کرن جو فیضی کی واپسی کے سلسلے میں رہ رہ کر انہیں چمکتی ہوئی محسوس ہوتی تھی آج وہ بھی بجھ گئی تھی۔ شل ہوتے دماغ کے ساتھ بابا کے پیچھے چلتے ہوئے انہیں ایک بار بھی وحید بھائی کی یاد نہیں آئی جو بابا کو دیکھتے ہی وہاں سے رفو چکر ہو چکے تھے۔

...☆☆☆...

دیا کا رشتہ عمر سے طے ہونے کی خبر نازی کے سکول میں مس سلمیٰ کے توسط سے پہنچی تھی۔

ابھی دونوں گھرانوں کے مابین کوئی باقاعدہ رسم وغیرہ بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہاں مبارکبادوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا' ساتھی ٹیچرز کی اکثریت دیا سے واقف تھی۔نازی کے ساتھ وہ اور نینی اکثر سکول کے فنکشنز میں آتی تھیں اور دیا کو ایک بار دیکھ لینے کے بعد بھولنا کسی کیلئے بھی آسان نہیں تھا۔

''مبارک ہو مس نازنین۔''

''کون خوش قسمت ہے جسے دیا جیسی لڑکی کا ساتھ نصیب ہو رہا ہے۔''

''دیکھیں شادی میں بلا نامت بھو لئے گا۔''

سٹاف روم میں کاریڈورز میں یوں ہی وقفے وقفے سے نازی کو اس طرح کے جملے سننے کو ملنے لگے۔ گو اس نے اب تک خود یہ خبر یہاں نہیں سنائی تھی مگر مس سلمیٰ جیسی مستند راوی کی موجودگی میں خبر خود بخود کنفرم ہو رہی تھی۔

نازی کو مسکرا مسکرا کر ان سب کا شکریہ بھی ادا کرنا پڑتا اور مختلف سوالات کے جوابات بھی دینا پڑتے۔ سکول میں اس طرح کی نت نئی خبروں کا ہمیشہ ہی بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ یہاں بہت سی ایسی بھی تھیں جو اپنے کسی نہ کسی بھائی بیٹے یا بھتیجے کیلئے دیا کی خواہشمند بھی رہی تھیں' مگر دیا اور امی کے معیار کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے مایوسی کو جھیل چکی تھیں۔

اپنی اپنی خفت مٹانے کیلئے انہوں نے چاہے جو بھی جواز تراشے ہوں نازی کو بلا سبب ہی ان لوگوں کے سامنے خفت کا شکار ہونا پڑا تھا۔ ناکام امیدواروں کی فہرست میں شامل ان سب کی مبارکبادوں میں تجسس کے ساتھ ساتھ طنز کی آمیزش بھی تھی۔

نازی کی غیر موجودگی میں سٹاف روم میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی جاتیں اور پھر تصدیق کیلئے مس سلمیٰ سے رجوع کیا جاتا' آخر کو وہی دیا کی ہونے والی سسرال سے' دور پرے ہی سہی تعلق تو بہر حال رکھتی ہی تھیں۔

''لڑکا یقیناً پیسے والا ہو گا۔ مس نازنین کے والدین کسی ہم جیسے کو تو گھاس ڈالنے والے ہی نہیں۔'' مسز احسان بالترتیب اپنے بیٹے بھتیجے اور بھانجے کیلئے خواستگار رہی تھیں' سو دل کا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے اس وقت سٹاف روم میں وہی پیش پیش

تھیں اور بھئی ایمانداری کی بات ہے کہ دیا جیسی لڑکی کا گزارہ کسی عام گھر میں ہونا بھی مشکل ہے۔ یہ ناز نخرے تو دولت مند گھرانے میں ہی چل سکتے ہیں۔''

اس طرح کی باتوں سے جیسے انہیں خود بھی اپنی ناکامیوں کیلئے ٹھوس وجہ مل رہی تھی۔ جو دو چار اس وقت موجود تھیں ان کی نگاہ خود بخود ہی مس سلمیٰ پر جا ٹکی۔

''لڑکا تو خیر بہت اچھا ہے۔'' انہوں نے ہاتھ میں تھامے چائے کے کپ میں سے گھونٹ بھرتے ہوئے جو بات سچی تھی وہی کہی۔ نازی سے ایک دبی دبی سی چپقلش دل میں رکھنے کے باوجود انہیں عمر کی برائی کرنا اچھا نہیں لگا۔

''بہت امیر اس معنوں میں تو نہیں ہے کہ جیسا عام طور پر سمجھا جاتا ہے' مگر بہت قابل ہے اور اچھی تنخواہ بھی پا رہا ہے۔''

بہت مدت بعد انہوں نے کوئی حقیقت اپنے پاس سے جمع تفریق کئے بغیر جوں کی توں سنائی۔

''مختصر سی فیملی' بس عمر اور اس کی نانی' عمر میرے سامنے ہی چھوٹے سے بڑا ہوا ہے' اتنا ادب کرتا ہے میرا کہ کوئی حد نہیں۔''

جوش تعریف میں وہ یہی بھول گئیں کہ ابھی تک وہ خود بھی بھلا کب ''بڑی'' ہوئی ہیں۔

''پھر تو وہ لڑکا آپ سے بہت چھوٹا ہو گا؟''

ایک جونیئر ٹیچر نے ذرا حیرت سے ان سے پوچھ ہی لیا۔

''نہیں خیر کوئی ایسا چھوٹا بھی نہیں۔''

انہیں فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''اصل میں سب ہی رحمت منزل میں رہا کرتے تھے' دو چار سال کی چھوٹائی بڑائی ہو گی۔'' ذرا سنبھل کر انہوں نے تصحیح کی۔ ایسا سچ بھی کس کام کا جس سے ''دوسرے سچ'' پر آنچ آ رہی ہو۔ سینئرز کی دبی دبی سی مسکراہٹ پر توجہ دیئے بغیر وہ تھوڑی دیر اسی مد میں صفائی دیئے گئیں۔

''چلو اچھا ہے۔ دیا کی شادی ہو جائے گی تو مس نازنین کا نمبر آ ہی جائے گا' دیا کی موجودگی میں کسی کا ان کی طرف متوجہ ہونا ذرا مشکل ہی تھا۔''

ایک اکتائی ہوئی سی شکل والی ٹیچر نے بدتمیزی کے ساتھ تبصرہ کیا اور پھر خود ہی زور سے ہنس پڑیں' چند اور نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ وہی ہمیشہ کی طرح دوسروں پر ہنس لینے کی کمینی سی خوشی سے خود کو محروم نہ رہنے دینے کی انسانی فطرت۔

چھٹی کا گھنٹہ بج رہا تھا۔ سکوت بھرے ماحول میں جیسے یک دم ہی کسی نے اسم پڑھ کر پھونک دیا ہو۔ سیڑھیاں کوریڈوز' سب ہی دوڑتے بھاگتے قدموں سے گونج رہی تھیں۔ رعنا اور نازی ایک ساتھ ہی سٹاف روم میں داخل ہوئی تھیں۔

آج دونوں ہی کو اپنی اپنی کلاس سے نکلنے میں تھوڑی دیر لگی تھی۔ جب تک وہ لوگ نیچے آئیں سٹاف روم میں دو چار ہی ٹیچرز باقی رہ گئی تھیں وہ بھی جانے کی تیاری کر رہی تھیں' چونکہ تھوڑی دیر پہلے تک موضوع گفتگو وہی تھیں اس لئے اسے دیکھ کر ایک کو لیگ جاتے جاتے مشورہ دینے لگیں۔

''ابھی سے اپنی چھٹی کی بات کر لیجئے گا مس نازنین یہ نئی پرنسپل بہت سخت طبیعت کی ہیں ورنہ بہت مسئلہ ہو جائے گا آپ کو بہن کی شادی کے دنوں میں۔''

''جی۔''

نازی نے اثبات میں سر ہلایا' مگر انہیں پھر بھی تسلی نہیں ہوئی۔

''آفس میں آتی جاتی رہا کریں۔ نظروں میں رہنے سے آدمی کے سو کام خود بخود ہی صحیح ہو جاتے ہیں' آپ کی کام سے کام رکھنے والی عادت ٹھیک نہیں ہے۔''

وہ تھوڑی اور فرینک ہوئیں۔ اس بار نازی سے مروتاً بھی نہیں مسکرایا گیا۔

''آفس پہلے ہی سارا وقت بھرا رہتا ہے مسز شاہ' بچے کھچے لوگ بھی اگر وہیں حاضری لگانے پہنچ جائیں گے تو پھر سکول کی بچیوں کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔''

رعنا سے البتہ نہ رہا گیا سو ایک حقیقت جتا ہی دی۔ وہی حقیقت جس کا حصہ خود مسز شاہ بھی تھیں۔

''ہم نے تو ہمدردی میں ایک مشورہ دیا تھا' مانیں نہ مانیں آپ لوگوں کی مرضی اور رہا سکول تو جیسے اب تک چل رہا ہے آگے بھی چلے گا' چند لوگوں کے کام کرنے نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔''

میز پر سے اپنا بڑا سا ارپرس اٹھاتے ہوئے بے حد طنزیہ لہجے میں انہوں نے اپنی بات مکمل کی اور پھر کسی کے بھی کچھ کہنے سے پہلے سٹاف روم سے باہر نکل گئیں۔

''دیکھی ان کی ڈھٹائی۔''

نازی کو سخت کوفت ہونے لگی۔ دن بھر کے تھکا دینے والے شیڈول کے بعد قوت برداشت میں تھوڑی سی کمی واقع ہونا فطری سی بات تھی۔

''اور تم کو بھی کیا ضرورت تھی انہیں جتانے کی کہ وہ سارا دن پرنسپل کی خوشامد میں لگی رہتی ہیں۔''

کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ رعنا پر ناراض ہوئے بغیر نہ رہ سکی‘ مگر اس نے ذرا جو اثر لیا ہو۔

’’ضرورت ہوتی ہے‘ لوگوں کو آئینہ دکھانا پڑتا ہے‘ اس اس میں انہیں اپنی صورت اچھی لگتی ہے یا نہیں یہ ان کی مرضی ہے۔‘‘

’’مس سلمیٰ کو بھی کوئی بات مل جائے اس کو سارے میں پھیلا کر ہی دم لیتی ہیں۔ بھلا دیا کا رشتہ طے ہو جانا کون سی ایسی اہم ترین خبر تھی جس کی اطلاع انہوں نے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر دی ہے‘ میں تو ابھی کسی کو بتانا بھی نہیں چاہ رہی تھی کہ معلوم نہیں ابھی آگے ہونا کیا ہے۔‘‘

سٹاف روم میں اب ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

’’فکر مت کرو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا‘ انکل بہت سمجھدار ہیں انہوں نے جو بھی فیصلہ کیا ہے اچھا ہی کیا ہے۔‘‘ رعنا اپنا ہاتھ نازی کے کندھے پر رکھتے ہوئے تسلی بھرے لہجے میں بولی۔

نازی نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔‘‘

’’امی کی مخالفت نے بڑی بدمزگی پیدا کر رکھی ہے‘ ابا کے فیصلے کے سامنے اختلاف کرنے سے حالانکہ کچھ بھی حاصل نہیں ہے‘ مگر وہ جتنا بھی کر سکتی ہیں کر رہی ہیں۔‘‘

سامنے پھیلے بڑے سارے میدان کو پار کر کے وہ لوگ گیٹ کی طرف جا رہی تھیں تو نازی نے کہا۔

’’تم مت بیچ میں بولنا۔‘‘ رعنا نے وہی نصیحت کی جو وہ اکثر ہی کرنا ضروری سمجھتی تھی۔ نازی ہلکے سے ہنس دی۔

’’بھلا میں کب اتنا بولتی ہوں جو تم مجھے ضرور ہی منع کرتی ہو اور ویسے بھی میں کچھ کہوں یا نہ کہوں امی مجھے ہمیشہ ابا کے کیمپ میں ہی شامل سمجھتی ہیں۔‘‘

رعنا نے ساتھ چلتی نازی پر ایک خاموش سی نگاہ ڈالی۔

’’عمر بہت اچھا ہے۔ خوش مزاج اور ملنسار‘ دیا کی کم گوئی اور تنہائی پسندی کا بہت اچھا علاج ہو جائے گا اس سے شادی کر کے...‘‘

’’اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خود عمر ہی اس کے رنگ میں رنگ جائے‘ اپنی ساری خوش مزاجی بھول بھال کر۔‘‘

رعنا سے نہ رہا گیا تو اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

’’نہیں وہ ایسا نہیں ہے اس کی طبیعت میں بڑی سادگی اور سچائی ہے ایسے لوگ آسانی سے دوسروں کا رنگ قبول نہیں کرتے ہیں‘ مجھے تو سچی بات ہے کہ عمر بہت اچھا لگا ہے‘ معلوم نہیں امی کو کیوں اتنا زیادہ اعتراض ہو رہا ہے۔‘‘

گیٹ تک پہنچنے تک وہ مستقل ہی عمر کی تعریف کئے گئی‘ جب سے دیا کا رشتہ طے ہوا تھا وہ اکثر ہی عمر کی تعریف میں کچھ نہ کچھ کہتی رہتی تھی۔

رعنا کو کبھی کبھی شدت سے یہ خیال آتا تھا کہ کاش عمر نے دیا کے بجائے نازی کو پسند کر لیا ہوتا تو کتنا ہی اچھا ہوتا۔

اس وقت بھی وہ کچھ ایسی ہی خواہش کے زیر اثر آ رہی تھی‘ بمشکل تمام ہی جھٹک کر وہ اس سے دیا کے بارے میں پوچھنے لگی۔

’’دیا تو خوش ہے نا اور جب دیا خوش ہے تو کسی کی بھی ناپسندیدگی سے کچھ نہیں ہونے والا۔‘‘

"خوش تو ہے مگر وہ اپنی خوشی کا زیادہ اتہ پتہ دیتی نہیں ہے، بس چونکہ مخالفت نہیں کی ہے تو اس کا مطلب ہے خوش ہی ہے، نازی نے گیٹ کے باہر نگاہیں دوڑاتے ہوئے چوکیدار کو تلاش کرنا چاہا۔

آج ان دونوں کی ہی وین نہیں آئی تھی، چوکیدار نظر آیا تو اسے رکشہ کیلئے کہہ کر وہ دونوں گیٹ کے پاس ہی رک کر کھڑی ہو گئیں۔

اب تھوڑی سی ہی لڑکیاں دکھائی دے رہی تھیں، اکثریت جا چکی تھی۔

"اس اتوار کو تم آجائو ہمارے ہاں سب ہی لوگ یہاں یاد کرتے ہیں، شاید نینی بھی آجائے۔"

نازی کہنے لگی تو رعنا کو بھی نینی کا خیال آیا اس سے ملے واقعی بہت دن ہو گئے تھے۔ وہ بہت کم ہی اپنے میکے آیا کرتی تھی اور اس کی کچھ نہ کچھ وجوہات بہر حال رعنا کے بھی علم میں تھیں۔

"اس اتوار کو تو مشکل ہے بھابی کی خالہ آرہی ہیں کوئی بہت طویل عرصے بعد پنجاب سے میں گھر پر نہیں رکی تو وہ بہت برا منا جائیں گی ویسے ہی ان کے خیالات میرے بارے میں کچھ زیادہ اچھے نہیں ہیں۔" رعنا نے مسکراتے ہوئے مصروفیت کی تفصیل سنائی۔

"چلو ٹھیک ہے پھر اگلے اتوار کو سہی۔" چوکیدار رکشہ لے آیا تھا۔ وہ دونوں ہی ہاتھ ہلاتی ہوئی اپنے اپنے رکشہ کی طرف بڑھ گئیں۔

جب رکشہ اندر گلی کی طرف مڑ رہا تھا تب نازی نے فیضان کی گاڑی کو دوسری سمت سے آتے ہوئے دیکھا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ شاید وہ نینی کو یہاں گھر چھوڑنے آیا تھا، اسے دیکھ کر پہلا خیال نازی کو یہی آیا فیضان نے اسے نہیں دیکھا تھا وہ برابر سے گاڑی نکالتا ہوا گزر گیا تھا۔

"چلو شکر ہے نینی آئی تو اتنے دن بعد ہی سہی۔"

گھر کے گیٹ پر اترنے تک وہ اسی خیال کے تحت جی بھر کے خوش ہو چکی تھی۔

گھنے درختوں سے گھرے بڑے سے صحن میں قدم رکھتے ہی گرمی کے اس تکلیف دہ احساس سے نجات ملنے لگتی تھی جو سکول سے گھر پہنچنے تک جھیلی جاتی تھی۔

سمیع برآمدے کی سیڑھیوں پر ہی کھڑا تھا اسے دیکھ کر خوشدلی سے مسکرایا۔

"کیسا رہا آج کا دن نازی آپا؟"

"بس روز جیسا ہی ٹھیک ٹھاک۔"

"نینی آئی ہے، ابھی فیضان اسے چھوڑ کر گیا ہے۔ میں نے بہت کہا اسے کہ وہ اندر آئے، مگر وہ باہر سے ہی چلا گیا۔" نازی کے ساتھ اندر آتے ہوئے جب وہ بتا رہا تھا تو فیضی کیلئے اس کے لہجے میں دبا دبا سا شکوہ تھا۔

"کوئی بات نہیں ہو سکتا ہے کوئی کام ہوا سے۔" برآمدے میں ذرا رک کر نازی نے اس کی دل جوئی کرنا چاہی، مگر وہ اس کے اندازے سے زیادہ برا منا چکا تھا۔

"کوئی کام دام نہیں تھا اور اگر تھا تب بھی اس کا فرض بنتا تھا کہ دو منٹ کیلئے ہی سہی اندر آکر امی کو سلام کر لیتا، مگر صاف بات ہے کہ ہم لوگوں کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا ہے ذرا سی فارمیلٹی بھی نبھالے۔"

جو کچھ بھی وہ کہہ رہا تھا اتنے یقین سے کہہ رہا تھا کہ نازی کیلئے اس کی تردید کرنی مشکل ہو رہی تھی۔

''اپنے خاندان پر غرور ہے بہت پیسے والے لوگ ہیں ناہم جیسے معمولی حیثیت کے لوگوں سے ملتے ہوئے اسے شرم آتی ہوگی، بس اسی لئے۔''

سر کو ہلکے سے جھٹکتے ہوئے اس نے اپنا جملہ ادھورا ہی چھوڑا۔

وہ یک دم ہی بہت خفا خفا اور اداس سا لگنے لگا تھا۔

نازی کو رنج سا ہونے لگا۔ وہ عموماً کسی قسم کے شکوے شکایت نہیں کرتا تھا' زیادہ تر اپنے آپ میں ہی مگن رہا کرتا تھا۔ امی کو ہر وقت اس کی لاپروائی سے ہی شکایت رہا کرتی تھی' مگر نازی کو پتہ تھا کہ وہ ایسا نہیں تھا۔

اسے گھر کی متوسط حال کا بھی احساس تھا اور تینوں بہنوں سے بے حد محبت بھی اپنے اخراجات ہمیشہ کم سے کم رکھ کر اس سے کبھی بھی گھر پر بے جا بار بھی نہیں ڈالا تھا اور اب فائنل ایئر کے امتحانوں کے بعد جبکہ اس کا رزلٹ بھی نہیں آیا تھا وہ ایک جز وقتی ملازمت شروع کر چکا تھا۔

''اس طرح نہیں سوچا کرتے' ہمارے لئے تو یہی بہت ہے کہ نینی اس کے ساتھ خوش ہے' نینی کا تو وہ بہت خیال رکھتا ہے۔''

سمیع کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ نرمی سے بولی تو وہ بڑے طنزیہ انداز میں مسکرا دیا۔

''کیا خیال رکھتا ہوگا آج تک وہ اسے اپنے خاندان میں لے کر تک نہیں جا سکا ہے' کیا عزت ہوگی نینی کی ان لوگوں کی نظر میں' خیر چھوڑیئے بہت لمبی بحث ہے آپ تھکی ہوئی آئی ہیں۔''

اپنی بات کہہ کر وہ اندر کمرے میں جانے کے بجائے بیرونی سیڑھیوں کی طرف کھلنے والے دروازے کو کھول کر باہر چلا گیا۔ نازی چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ بائیک سٹارٹ ہونے کی آواز پر اس نے ذرا آگے بڑھ کر کھڑکی کھول کر جھانکا تو سمیع بائیک باہر نکال رہا تھا۔

نازی کا دل چاہا کہ وہ اسے آواز دے کر روک لے' مگر وہ بہت جلدی میں تھا۔ یہ وقت اس کے باہر جانے کا نہیں تھا۔ دوپہر کھانا کھا کر وہ لازمی سوجاتا تھا' جو جاب آج کل وہ کر رہا تھا اس کا ٹائم شام سے رات تک کا تھا۔ آج یہ معمول سے ہٹ کر بات یقیناً اس کے خراب موڈ کی نشان دہی کر رہی تھی۔

''پتہ نہیں' فیضی نے اس سے کس انداز میں بات کی تھی جو وہ اس طرح دل پر لے گیا تھا۔''

امی کے کمرے کی طرف آتے ہوئے نازی نے اندازہ لگانا چاہا' مگر ان کے کمرے سے آتی آوازیں خود بخود ہی اس کی توجہ اپنی طرف لے جا رہی تھیں۔

''یہ تو اچھا موقع تھا فیضان کو چاہیئے تھا کہ وہ وہیں دادا کے پاؤں پکڑ لیتا معافی مانگ لیتا تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا۔''

امی کی کہی بات اس نے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی سن لی تھی۔

''میں نے بھی یہی کہا تھا فیضی سے' مگر وہ کہتے ہیں کہ ان کے خاندان میں...۔''

نازی کو دروازے سے اندر آتا دیکھ کر نینی نے اپنی بات ادھوری چھوڑی اور آگے بڑھ کر نازی کے گلے لگ گئی۔

سلام دعا' خیر عافیت کے چھوٹے سے وقفے کے دوران اصل موضوع کچھ دیر کیلئے پس پشت چلا گیا تھا' مگر جب وہ سکون کا سانس لے کر ذرا اطمینان سے صوفے پر ٹک کر بیٹھی ہی تھی کہ دیا نے فوراً ہی یہ اہم اطلاع اس تک بھی پہنچا دی۔

''فیضان کے دادا کو پتہ چل گیا ہے کہ اس کی امی ان لوگوں سے ملا کرتی ہیں۔''

''اچھا۔''

نازی سے اتنا ہی کہا جا سکا' آگے کی تفصیلات امی کی زبانی تھیں۔

فیضی کا انہیں پارک میں ملنا اور بابا کا عین وقت پر پہنچنا وغیرہ وغیرہ۔ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ یہ سب سن کر فارغ ہوئی۔

''بتائو بھلا' اکلوتا پوتا ہے فیضان اور دادا کا غصہ ہے کہ اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے۔''

امی سخت تائو میں تھیں۔نازی نے ایک نگاہ نینی پر ڈالی' وچپ چاپ بیٹھی تھی اس کا چہرہ اترا ہوا تھا' یہ کوئی بھی ایک نظر میں میں ہی نوٹ کر سکتا تھا۔ سمیع کا اس کے بارے میں تجزیہ اتنا غلط بھی نہیں تھا' نازی کو ماننا پڑا۔

اپنی ایک بہت بڑی خوشی پوری کر کے بھی نینی صحیح معنوں میں خوش نہیں تھی۔اس نے صرف محبت کو پانے کی تگ ودو کی تھی' فیضی کے ساتھ بندھنے والے رشتے سے جڑی عزت کو پانے کی وہ ایسی کوئی خاص آرزومند نہیں رہی تھی۔اس کا خیال بلکہ اسے یقین تھا کہ صرف اور صرف فیضی کا ساتھ مل جانا ہی اس کیلئے زندگی کی سب سے بڑی خوش نصیبی ہو گی' پھر اسے کبھی بھی کوئی کمی نہیں ستانے لگی۔

محبت کی فسوں خیزی میں ایسے ہی ترجیحات بدلتی ہیں' بہت بعد میں جا کر پتہ چلتا ہے کہ یقین کس طرح گمان میں اور گمان پھر سراب میں تبدیل ہوتے ہیں۔

نینی بھی تبدیلی کے اسی سفر سے گزر رہی تھی۔

''اور وہ نامراد پھپھا' جو فیضان کی ماں کو لے کر آتا تھا بیٹے سے ملوانے۔''

امی کی تاسف بھری آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

''سسر کو دیکھ کر ایسا رفو چکر ہوا کہ اب تک بھی پتہ نہیں وہاں آیا ہے یا نہیں۔''

برابر میں بیٹھی دیا کی زبانی وہ یہ قصہ بھی سن چکی تھی مگر امی کی تسلی کی خاطر ایک بار پھر سننا پڑا۔

''چلیں اب چھوڑیں رات گئی بات گئی۔''

ان کی بات ختم ہوئی تو اس نے ہلکے سے کہا۔

''ساری فکریں پریشانیاں ہمارے ہی لئے رہ گئی ہیں شاید' لوگوں کی بے فکری دیکھ کر رشک آتا ہے' ایک بیٹی ٹھیک سے سیٹ نہیں ہو پا رہی ہے' دوسری بھی تمہارے ابا کی وجہ سے مسئلہ بن کر کھڑی ہو گئی ہے۔''

امی اللہ میاں سے بھی شاکی ہو رہی تھیں۔

نازی نے شکر کیا کہ دیا اس کیلئے کھانا گرم کرنے کیلئے کچن میں جا چکی ہے ورنہ معلوم نہیں امی کی بات سن کر وہ کیسا فیل کرتی۔

''ناامیدی کی باتیں مت کریں امی' عمر بہت اچھا ثابت ہو گا دیا کیلئے اور دیا کو بھی تو دیکھیں کہ کتنی خوشگوار تبدیلی آ رہی ہے اس میں' ظاہر ہے وہ خوش ہے تب ہی نا۔''

''اور کیا'' نینی نے بھی فوراً ہی اس کی تائید کی۔

''ورنہ پہلے کبھی مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ وہ اتنی ذمہ داری سے کچن کی طرف چل پڑی ہوں۔''

نینی کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ نازی کو بے ساختہ ہی ہنسی آ گئی' خود نینی بھی اپنی بات ختم کر کے ہنس پڑی تھی۔

امی نے دونوں کو بڑی عجیب سی نگاہوں سے دیکھا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''اڑالو اس غریب کا مذاق' اب ساری عمر اسے یہی کچھ تو کرنا ہے اس چھوٹے سے گھٹے ہوئے فلیٹ میں کون سے اس کے آگے پیچھے ملازم قطار باندھے کھڑے ہوں گے۔''

کمرے سے نکلنے سے پہلے انہوں نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ شرمندہ ہو کر رہ گئیں۔

''گھر میں پہلا اچھا کام ہونے جا رہا ہے' مگر امی بار بار ساری خوشی کو کرکرا کر دیتی ہیں اس سے زیادہ تو وہ میری شادی پر خوش تھیں نازی آپا۔''

نینی کو ان کی بات سے حیرت بھی ہوئی تھی اور تھوڑا سا افسوس بھی۔ وہ یہاں آتی بے شک کم تھی' مگر فون پر ساری تفصیلات سے باخبر رہتی تھی۔

''امی کو عمر پر اعتراض نہیں ہے۔''

نازی اس کی حیرت کو تو کم از کم' کم کر ہی سکتی تھی۔

''تو پھر۔''

اسے امی یہی بتا رہی تھیں کہ انہیں لڑکا پسند آ رہا ہے۔

''انہیں عمر کی رہائش پر اعتراض ہے وہ اس چھوٹے سے فلیٹ میں دیا کو نہیں بھیجنا چاہتی ہیں' وہ اپنی سخت بے عزتی محسوس کر رہی ہیں اسماء پھوپھو کے سامنے حالانکہ وہ بے چاری ایسا کچھ بھی نہیں سوچیں گی تمہیں بھی پتہ ہے۔''

نینی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ بات اب اس کی سمجھ میں آتی جا رہی تھی ''مسعود بھائی جیسا گھر۔''

''ہاں' یا پھر تمہارے جیسا گھر' وہ چاہتی ہیں کہ دیا کا شوہر فیضان کے مقابلے میں کم تر نہ لگے۔''

نینی کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔

''میرا گھر' میرا گھر کہاں ہیں نازی آپا' وہ تو ایک عارضی ٹھکانہ ہے رہنے کیلئے۔''

نازی کپڑے وغیرہ تبدیل کرنے کیلئے اپنے کمرے میں جا رہی تھی نینی کی بات پر کچھ ایسا خاص دھیان دیئے بغیر سادگی سے بولی۔

''امی کا مطلب ہے کہ تمہارے سسرال والوں جیسا خاندان انہیں تو یہ بات ہی اچھی نہیں لگ رہی ہے کہ عمر فیضان کے دادا کے آفس میں کام کر رہا ہے۔''

وہ اپنی بات کہتی ہوئی باہر جا چکی تھی۔

نینی چند لمحے ادھ کھلے دروازے کو خالی خالی نگاہوں سے تکے گئی۔

''بھلا کسی کو بھی کیا سمجھایا جا سکتا ہے۔'' اس نے جیسے بہت بے بس سا ہو کر سوچا۔

''ہر شخص کے اپنے معیار' اپنی ترجیحات' انسان ہمیشہ خود کو عقل کل سمجھتا ہے اور پھر اس خوش فہمی میں بری طرح مارا جاتا ہے۔''

اس نے دھیرے سے آنکھوں میں آتے پانی کو خشک کیا۔

زندگی تب ہی اپنا بھید کھولتی ہے جب وہ بدلے میں آپ سے بہت بڑا اخراج وصول کر چکی ہوتی ہے۔

...☆☆☆...

اماں نے ایک بار پھر نگاہ اٹھا کر ثانیہ کی جانب دیکھا۔

وہ ابھی بھی اخبار سامنے پھیلائے معلوم نہیں کس سوچ میں گم بیٹھی تھی۔ پچھلے پندرہ' بیس منٹ سے وہ اسی ایک کیفیت میں تھی۔

ایسی کون سی گہری سوچ تھی جو ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔اماں کو ہول سا اٹھنے لگا۔

''خدا خیر کرے۔''

ایسی کیا بات ہو سکتی ہے نئی نئی نوکری ہے' نئے نئے لوگ ضرور وہیں کی کوئی پریشانی ہو گی۔''

زیادہ کھٹکا' انہیں ثانیہ کے آفس کی طرف سے ہی ہو رہا تھا۔

''منع بھی کیا تھا بڑے آفسوں میں دس طرح کے لوگ ہوتے ہیں کسی کی نیت کا کیا بھروسہ۔''

انہیں ثانیہ کی سادہ لوحی ڈراتی تھی وہ انہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں۔آج گھر میں سناٹا بھی بہت تھا۔

لبنیٰ اور ممانی سر شام ہی کہیں جا چکی تھیں اور اب ظاہر ہے کہ واپسی دو تین گھنٹوں سے پہلے ممکن نہیں تھی۔

تب ہی گیٹ پر بیل ہونے لگی۔

اماں نے کچن کی کھڑکی سے ثانیہ کو اس کی آواز پر چونکتے اور پھر گیٹ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔

''کون ہو سکتا ہے اس وقت؟''

اتوار کا دن تھا کوئی بھی آ سکتا تھا' شہر میں دور قریب کے کئی عزیز اور رشتے دار رہتے تھے ممانی کی عادت سے خائف رہنے کے باوجود بھی آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔

انہیں سوچنے کیلئے زیادہ تردّد نہیں کرنا پڑا۔

فرح عادتاً زور سے بولتی تھی چھوٹا سا گھر تھا گیٹ میں داخل ہوتے ہی اس کی آواز پچھلے برآمدے اور صحن تک سنائی دے جاتی تھی۔

''آج تو پھر بھی فرصت ہے کل پتہ نہیں آفس سے کتنے بجے تک فارغ ہوں' جا سکیں نہ جا سکیں۔''

فرح کہتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی۔

''اور جواباً ثانیہ اسے یقیناً ممانی وغیرہ کی غیر موجودگی اور اماں کے اکیلے پن کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''جانا کہاں تھا آخر انہیں؟''

ایک پل کیلئے انہوں نے یاد کرنا چاہا' مگر ایسی کوئی بات ذہن میں نہیں آئی جو ثانیہ نے انہیں بتائی ہو۔

''السلام علیکم اماں۔'' فرح انہیں سامنے کھڑا دیکھ کر بات ادھوری چھوڑ کر ان کے گلے آ لگی۔

''جیتی رہو۔''

فرح انہیں دل سے عزیز تھی اور اسے دیکھ کر وہ ہمیشہ ہی بہت خوش ہوتی تھیں۔

''کتنے دن بعد آئی ہو اور وہ بھی کہیں اور جانے کے پروگرام سے۔''

ان کی شکایت پر وہ ہلکے سے ہنس دی۔

"اگلی اتوار کو بہت دیر کیلئے آپ کے پاس آئوں گی' وعدہ۔"

"اماں۔ بابا صاحب ہاسپٹل میں داخل ہیں' فرح کہہ رہی ہے کہ ہم لوگ چل کر انہیں دیکھ آتے ہیں۔"

ثانیہ ان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بتانے لگی تو وہ ذرا دیر کیلئے سوچ میں پڑ گئیں۔

"شام ہو رہی ہے واپس آتے آتے معلوم نہیں کتنی دیر ہو جائے' تمہاری ممانی کو پتہ چلا تو وہ بھی بڑا منائیں گی۔"

جانا نہ جانا الگ بات تھی مگر اماں کا کہا آخری جملہ ثانیہ کو بری طرح چبھا۔

"ممانی کو تو رہنے دیں اماں وہ ہم سے خوش کب ہیں جو خفا ہونے کا ڈر ہو' میں تو بس آپ کے اکیلے پن کی وجہ سے نہیں جانا چاہ رہی ہوں۔"

پچھلے کچھ عرصے سے وہ اسی طرح ممانی کیلئے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کھلے لفظوں میں کبھی کبھی کرنے لگی تھی۔

اماں کو اس کی یہ کبھی کبھی والی جسارت بھی کھل جاتی تھی۔ ان کے خیال میں اس کے پیچھے ثانیہ کی جمیل ماموں کے گھر سے "رحمت منزل" شفٹ ہونے کی خواہش کارفرما تھی۔

"بڑوں کیلئے اس لہجے میں بات کرتے ہیں کیا؟" انہوں نے دانستہ خود کو غصہ کرنے سے باز رکھا۔

"اور اگر جانا چاہ رہی ہو تو چلی جائو' آج جمیل گھر پر ہی ہے' پڑوس میں کسی کی عیادت کیلئے گیا ہوا ہے آتا ہی ہو گا۔"

ثانیہ کو ان سے اتنی آسانی سے اجازت ملنے کی توقع نہیں تھی وہ بھی ممانی کی غیر موجودگی میں۔ فرح کیلئے اماں کا اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا۔

"چلو' اٹھو جلدی سے کپڑے چینج کرو وہاں کوئی ہم زیادہ دیر بیٹھنے کیلئے تھوڑی جا رہے ہیں بس طبیعت پوچھیں گے اور واپس آ جائیں گے۔"

ثانیہ کپڑے چینج کرنے کیلئے گئی تو اماں کو اپنی پریشانی یاد آ گئی۔

"اے فرح۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے قریب تخت پر آنے کیلئے کہا تو وہ تھوڑی سی حیرت لئے ان کے قریب چلی آئی۔

"اس آفس میں سب خیریت تو ہے نا' میرا مطلب ہے کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے ثانیہ کیلئے؟"

"نہیں تو' مگر آپ کو ایسا کیوں لگا اماں۔" فرح کی حیرت برقرار تھی۔

"بس ایسے ہی اصل میں بہت خاموش خاموش رہنے لگی ہے معلوم نہیں کیا سوچتی رہتی ہے۔"

جو بات انہیں پریشان کر رہی تھی فرح کا اس طرف ابھی تک دھیان نہیں گیا تھا' مگر اس وقت ان کو اطمینان دلانا ضروری تھا۔

"آپ فکر نہ کریں ویسے تو ایسی کوئی پریشانی والی بات ہے ہی نہیں' پھر بھی میں دیکھ لوں گی۔"

"کوئی بات ہو تو مجھے ضرور بتانا۔" انہوں نے تاکید ضروری سمجھی' تب ہی ثانیہ بھی آ گئی۔

ہلکے رنگوں کے امتزاج والے سوٹ میں فرح کو آج اس وقت بھی وہ اتنی ہی اچھی لگی جتنی اکیڈمی میں اچانک ہونے والی پہلی ملاقات میں لگی تھی۔ وہ شاید اتنی حسین نہ سہی مگر اس کی دمکتی ہوئی رنگت اور بے حد گھنی پلکیں' دیکھنے والے کو تھوڑا سا ٹھٹکنے پر مجبور تو کرتے تھے۔

''اماں کا اس کیلئے ہر وقت فکر مند رہنا واقعی سو فیصد جائز تھا۔''

جس وقت وہ لوگ گاڑی میں بیٹھ رہی تھیں تو انہوں نے جمیل ماموں کو گھر کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔

ان دونوں کو دیکھ کر انہوں نے مسکرا کر ہاتھ بھی ہلایا۔

''یہ اچھا ہوا کہ ماموں گھر آ گئے ہیں اماں کے ساتھ سب سے زیادہ گپ شپ ان ہی کی ہوتی ہے ورنہ بے چاری سارا دن اکیلی خاموش بیٹھی رہتی ہیں۔'' ثانیہ کو اس طرف سے تھوڑا سا اطمینان ہوا تو وہ بابا کی طبیعت کی تفصیلات پوچھنے لگی۔

''پتہ نہیں، میرے پاس تو عمر کا فون آیا تھا ہاسپٹل سے کہہ رہا تھا کہ خدانخواستہ خطرے والی بات تو نہیں ہے، مگر احتیاطاً انہیں داخل کر لیا ہے ہارٹ پیشنٹ تو ہیں نا۔''

مریضوں سے ملاقات کا مخصوص وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔

وزیٹرز لابی میں لوگوں کا اچھا خاصا رش تھا، مگر سجاد اسے وہاں پہلی نظر میں ہی دکھائی دے گئے تھے۔

ان کے ساتھ اور بھی لوگ ہوں گے، مگر اس نے سختی سے خود کو دوبارہ اس طرف دیکھنے سے باز رکھا، کتنا برا لگتا اگر وہ اسے بار بار اپنی طرف دیکھتے ہوئے پاتے۔

سجاد کے بارے میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کیلئے بھی وہ خود اپنے آپ کو یوں ہی مستقل ٹوکتے رہنے کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ مگر ان کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ لوگ تھوڑا اور نزدیک پہنچیں تو سب سے پہلے ان کی طرف متوجہ ہونے والے سجاد ہی تھے۔

''ارے آپ دونوں۔''

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ساتھ کھڑے لوگوں کو چھوڑ کر ان کی طرف آئے۔

''عمر نے تمہیں بھی پریشان کر دیا، منع بھی کیا تھا اس کو میں نے۔'' وہ فرح سے کہہ رہے تھے تو ثانیہ کو مسکراہٹ کے باوجود وہ بڑے مضطرب سے لگے۔

''شاید بابا کی طبیعت اتنی بھی ٹھیک نہیں ہے جتنی کہ وہ ظاہر کر رہے ہیں۔'' اسے یہی خیال گزرا۔

فرح ان سے تفصیل پوچھ رہی تھی، اپنی تشویش کا اظہار کر رہی تھی، مگر وہ چاہنے کے باوجود بھی کچھ نہ کہہ سکی یوں ہی نگاہیں جھکائے اس بے حد صاف شفاف فرش کو تکنے لگی۔

ڈاکٹرز نے بابا سے ملنے پر پابندی لگا رکھی تھی، مگر سجاد ان دونوں کو لے کر ان کے کمرے تک چلے آئے۔ شیشے کی بڑی ساری دیوار کے پیچھے وہ بیڈ پر لیٹے ہوئے یہاں سے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

''دوائوں کی وجہ سے زیادہ تر وقت سو رہے ہیں، ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ آرام کی سخت ضرورت ہے انہیں اس عمر میں اتنے سخت ذہنی دبائو کو جھیلنا...

اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے کچھ حیران سا ہو کر انہوں نے ثانیہ کی طرف دیکھا۔

وہ بڑی وارفتگی سے آگے بڑھی تھی۔

شیشے کی دیوار سے ماتھا ٹکائے وہ یک ٹک بابا کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر بڑی ہی عجیب سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

ملی جلی سی، کسی گہرے دکھ کے ساتھ کوئی بالکل اچانک مل جانے والی خوشی کی سی کیفیت۔

فرح نے بھی اسے نوٹ کیا تھا اور وہ شاید اسے کچھ کہنا بھی چاہ رہی تھی، مگر سجاد نے اشارے سے اسے روک دیا۔

چند لمحے یوں ہی خاموشی سے آگے کو سرکے۔ تب ہی چند آنسو ٹوٹ کر اس کے چہرے کو بھگونے لگے۔

"ثانیہ پلیز۔"

سجاد بے ساختہ ہی اسے پکار بیٹھے، یہ کیا اتنا چھوٹا دل ہے آپ کا۔"

وہ کچھ چونک کر دو قدم پیچھے ہٹی اور آہستگی سے اپنے آنسو خشک کرنے لگی، مگر اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دل ابھی بھی پوری رفتار کے ساتھ دھڑک رہا ہے۔ یہ کیسا انوکھا درد تھا، جو اس نے ابھی اپنے دل اور روح میں اترتا محسوس کیا تھا۔ اندر ہی اندر حیران ہوتی ہوئی وہ خود کو کمپوز کرنے کی پوری کوشش کئے گئی۔

"یہ اسی طرح پریشان ہو جاتی ہے سجاد بھائی بابا کو بستر پر لیٹا دیکھنا بس اسی لئے۔"

فرح کی سمجھ میں جو وجہ آ رہی تھی اس نے وہی سجاد سے بھی کہی۔

مگر بظاہر اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے بھی وہ دل سے متفق نہیں ہوئے تھے۔

"ایک انجان شخص کیلئے پہلی نگاہ میں اتنی دردمندی کا احساس جبکہ خدانخواستہ وہ ایسی کسی تکلیف دہ حالت میں بھی نہیں تھے کہیں کہیں تو کوئی بات بیچ میں ہو رہی تھی۔"

انہوں نے پرسوچ نگاہوں سے ثانیہ کی طرف دیکھا وہ ابھی بھی بابا کی طرف ہی دیکھ رہی تھی، گو اس نے اپنی آنکھیں بھی خشک کر لی تھیں اور چہرے پر وہ چند منٹ پہلے والی اضطرابی کیفیت بھی نہیں تھی، پھر بھی وہ بری طرح ڈسٹرب تھی۔ یہ بات وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتے تھے۔

"آپ نے تو آج پہلی بار یہ بابا کو دیکھا ہو گا ثانیہ۔"

انہوں نے اپنے خیال کو کنفرم کر لینا چاہا۔

"جی۔"

"اصل میں جب سے ثانیہ نے آفس جوائن کیا ہے تب سے آپ ہی یہاں بیٹھ رہے ہیں۔" فرح کیلئے ضروری تھا کہ وہ بولتی رہے ورنہ ثانیہ کا خیال تھا کہ اسے ڈپریشن شروع ہو جاتی ہے، سو خاموشی کا وہ چھوٹا سا وقفہ جو اس کیلئے کافی تھا گزر چکا تھا۔

"اور سجاد بھائی، اب آگے بھی آپ کو ہی بیٹھنا چاہئے بابا کی صحت اس قابل نہیں ہے کہ وہ اتنا زیادہ کام کریں، میرا تو خیال ہے کہ اب آپ کو مکمل طور پر بابا کی ذمہ داری خود لے لینی چاہئے۔"

سجاد نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

یہ مشورہ آج سے پہلے بھی انہیں کتنی ہی بار کتنے ہی لوگوں نے دیا تھا بلکہ خود بابا بھی کبھی نرمی اور کبھی پیار سے یہی سب کہتے آئے تھے، مگر وہ کبھی ڈھنگ سے سنتے تک نہیں تھے۔

بابا کا بزنس، کبھی بھی ان کی دلچسپی کا محور نہیں بن سکا تھا وہ اپنی جاب میں بے حد خوش تھے، بابا کا ساتھ دینے کیلئے فیضی تھا۔ جسے پڑھائی مکمل کرنے کے بعد ان کا ہاتھ بٹانا تھا، یہ بات وہ اپنے طور پر ہی فرض کئے ہوئے تھے۔ مگر حالات اب تیزی سے بدلے تھے۔

فیضی کے گھر چھوڑ دینے کے بعد سے فرائض اور ذمہ داریاں ایک دم ہی بڑھتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں، حالانکہ ابھی تو وہ نام کو بھی کوئی ذمہ داری شیئر نہیں کر رہا تھا پھر بھی ایک بڑی گہری کمی کا احساس ہمہ وقت رہنے لگا تھا۔

بابا کو پوچھنے بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے وہیں ثانیہ نے سجاد کے دونوں بڑے بھائیوں کو بھی دیکھا' جو آنے والوں سے مل رہے تھے۔تینوں بھائیوں میں کافی مشابہت تھی۔

عمر بھی یہیں تھا اور آفس کے حوالے سے آنے والے لوگوں کو وہی اٹینڈ کر رہا تھا۔وہ لوگ لابی میں پڑے صوفوں پر ایک طرف آ کر بیٹھے ہی تھے کہ عمر کو ایک ضروری بات یاد آئی۔

''رحمت منزل'' کی کوئی رہائشی خاتون بھی پچھلے کئی دن سے یہاں زیر علاج تھیں' سو عمر نے فرح کو ان کی عیادت کی یاد دہانی کرانی ضروری سمجھی۔

''اچھا یاد دلایا کبھی کبھی تم واقعی سمجھداری کی باتیں کرنے لگتے ہو عمر' میں ذرا رفیعہ آنٹی کو دیکھ آئوں سجاد بھائی۔''

اٹھتے اٹھتے فرح نے اجازت طلب نگاہوں نے سجاد کی طرف دیکھا۔

''ضرور' ضرور میں بھی کسی وقت عمر کے ساتھ جا کر ان کی خیریت دریافت کروں گا' عمر پلیز تم مجھے بھی یاد دلانا۔'' وہ جلدی سے بولے۔

بہت سی چھوٹی چھوٹ باتیں تھیں جن سے ثانیہ کو بخوبی احساس ہو رہا تھا کہ ''رحمت منزل'' کے مکینوں سے بابا اور سجاد کا بڑا ہی محبت بھرا گہرا ناطہ ہے۔ثانیہ بھی ساتھ ہی اٹھنے لگی تو فرح نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''تم بیٹھو یہیں' میں ابھی آئی بس دس منٹ میں۔'' وہ ثانیہ کا جواب سنے بغیر فوراً ہی تیز قدموں سے عمر کے ساتھ چل پڑی۔

اب یہاں پہلے جیسا رش نہیں تھا' کافی لوگ رخصت ہو چکے تھے سجاد کے دونوں بڑے بھائی بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ ثانیہ نے پہلو بدلتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ایک ہلکا سا کنفیوژن جو اسے سجاد کی موجودگی میں ہمیشہ گھیرتا ہوا محسوس ہوتا تھا اس وقت پھر آ موجود ہوا۔

''آفس میں آپ کا دل تو لگ گیا ہے نا' کام میں کوئی مشکل تو نہیں ہو رہی۔''

سجاد کا لہجہ نرم اور انداز دوستانہ ہوتا تھا' کوئی بھی ان کے ساتھ جلد ہی خود کو ریلیکس محسوس کرنے لگتا تھا۔ تھوڑی سا فرق ثانیہ کو بھی پڑا۔وہ یوں ہی چند منٹ ادھر ادھر کی باتیں کئے گئے۔

''آفس کی گاڑی تو صحیح وقت پر آ جاتی ہے نا۔''

وہ زیادہ تر باتوں کے جواب میں اثبات میں سر ہلاتی رہی' پھر دفعتاً ہی اسے خیال آیا کہ وہ بے چارے محض فارمیلٹی نبھانے کے چکر میں نہ جانے کتنے ضروری کام چھوڑ بیٹھے ہیں۔

''میں یہاں بیٹھ کر فرح کا انتظار کر لوں گی سر آپ پلیز اپنے دوسرے کام دیکھ لیں۔''

وہ جواباً زور سے ہنس پڑے۔

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ میری کمپنی اتنی بورنگ ہے۔''

''میرا یہ مطلب نہیں ہے۔'' اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیلی' ''میں تو یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ میری وجہ سے آپ کو خوامخواہ ہی....''

''میں ہرگز بھی خوامخواہ نہیں بیٹھا ہوں یہ دوسری بات ہے کہ آپ ہی مجھے ضرور اٹھانا چاہ رہی ہیں۔''

اس بار انہوں نے پوری کوشش کی کہ نہ ہنسیں اور میرا خیال ہے کہ میں اور آپ دونوں ہی اتنے بور تو نہیں کہ چند اچھی اچھی باتیں بھی نہ کر سکیں۔"

"مجھے اچھی باتیں بھی کہاں آتی ہیں وہ تو فرح بولتی رہتی ہے میں بس سنتی ہوں زیادہ تر۔" وہ کچھ شرمندہ سی اپنی خوبی بتانے لگی۔

"کوئی بات نہیں فرح کے ساتھ رہیں گی تو جلد ہی اس سے بھی آگے نکل جائیں گی اس کے ساتھ کوئی بھی زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکتا۔" سجاد اپنی مسکراہٹ بدستور دبائے ہوئے تھے۔

گو وہ لڑکیوں کے بارے میں اتنا زیادہ تو نہیں جانتے تھے' مگر ثانیہ کے بارے میں دو اندازے خود بخود ہوئے تھے۔

ایک تو یہ کہ وہ بالکل ہی سادہ لوح ہے اور دوسرے اس کی پلکیں بے حد گھنی اور آنکھیں نہایت خوبصورت....۔"

انہوں نے کچھ چونک کر سر کو ہلکے سے جھٹکا۔

"کیا بات ہے' بہت زیادہ مصروف ہو۔"

شیریں کی آواز پر انہوں نے تھوڑا سا مڑ کر دیکھا وہ قریب ہی کھڑی تھی۔

"ارے تم۔ کب آئیں۔" سجاد خوش دلی سے مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کافی دیر ہو گئی ہے اب تو جا رہی ہوں تم مصروف تھے اس لئے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

ایک نگاہ ثانیہ پر ڈالتے ہوئے اس نے اپنی بات پوری کی۔

اس کا لہجہ کاٹ دار تھا اور نگاہ اس سے بھی زیادہ۔

ثانیہ جو سخت مرعوب ہوئی اسے تکے جا رہی تھی کچھ گھبرا کر نگاہیں جھکا چکی تھی۔

"اصل میں بابا کو پوچھنے سب ہی لوگ آ رہے ہیں تو ظاہر ہے ملنا ملانا چل ہی رہا ہے۔"

شیریں عام طور پر اس لہجے میں بات نہیں کرتی تھی سو تھوڑا سا حیران سجاد بھی تھے۔ شیریں ان کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے ہلکے سے مسکرائی' "اپنے خاص مہمانوں کو زیادہ وقت دیتے ہو۔"

"میرے لئے میرے سب ہی ملنے والے خاص ہوتے ہیں۔"

سجاد کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ سنجیدگی میں بدلی' انہیں شیریں کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔ اس کی ذہنی حالت ڈسٹرب ہے یہ معلوم ہونے کے باوجود بھی اور جس طرح وہ بار بار ثانیہ کی طرف طنزیہ سے انداز میں دیکھ رہی تھی وہ بھی کتنا آکورڈ سا معلوم دے رہا ہے۔

انہوں نے خاموش بیٹھی ثانیہ سے سخت شرمندگی محسوس کی۔

"میں تو جا ہی رہی تھی سوچا تمہیں کم از کم خدا حافظ تو کہہ ہی دوں۔"

سجاد اس کے ساتھ ہی آگے بڑھے' "ثانیہ میں ابھی آتا ہوں۔" انہوں نے ثانیہ کا تعارف شیریں سے کرانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

وہ یوں ہی اپنی جگہ پر بیٹھی ان دونوں کو جاتا ہوا اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئے۔

"کتنی شاندار خاتون تھیں شاید اس لئے مغرور بھی ہیں' اپنے حسن کا بخوبی اندازہ ہو گا اسی لئے نا۔"

شیریں کے دل دکھاتے برتاؤ پر وہ اسے آسانی سے بری الذمہ قرار دے چکی تھی۔

تب ہی سامنے سے فرح اور عمر آتے دکھائی دیئے تو وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

چلو بس، بہت دیر ہو گئی ہاسپٹل والے اب پکڑ کر باہر نکال دیں گے۔"

"یہ سجاد بھائی کہاں چلے گئے۔" فرح نے اس کی بات کو ان سنا کرتے ہوئے پوچھا تو اسے تفصیل سنانی پڑ گئی۔

"وہ شیریں ہوں گی سجاد بھائی کے حلقے میں ان سے زیادہ خوبصورت کوئی دوسرا نہیں ہے اور میں نے تمہیں پہلے بھی ان کے بارے میں بتایا تھا۔"

"اچھا، وہ۔" ثانیہ کو یاد آیا کہ فرح نے ایک بار اسے بتایا تھا کہ سجاد شیریں کو پسند کرتے ہیں۔

"ویسے واقعی ہیں تو بہت پیاری۔" یہ اعتراف اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی کیا تھا، مگر اس بار تھوڑا سا تکلیف دہ لگا۔

وہ لوگ ہاسپٹل کی عمارت سے باہر آ چکی تھیں گاڑی کی طرف جاتے ہوئے انہیں سجاد بھی دکھائی دے گئے شیریں کی گاڑی کے پاس کھڑے وہ ابھی بھی اس سے محو گفتگو تھے۔

"چلو، ذرا سجاد بھائی کو خدا حافظ کہہ دیں۔"

فرح کو خیال آیا مگر اس کا دل نہ چاہا۔

"رہنے دو، وہ لوگ اپنی بات کر رہے ہیں بے کار میں ڈسٹرب ہوں گے۔"

اس نے فرح کو روکنا چاہا، مگر اس کے خیال میں یہ بڑی نامناسب سی بات تھی۔

"کیا سوچیں گے وہ، میں ابھی آئی ایک منٹ میں تم گاڑی میں جا کر بیٹھو۔" وہ گاڑی کی چابی ثانیہ کو تھما کر تیز قدموں سے ان لوگوں کی طرف چلی گئی۔ ثانیہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"بعض لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں انہیں ہر شے ہی حاصل ہوتی ہے۔

"دولت، عزت، حسن، محبت۔"

اس نے دور نظر آتی شیریں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"بھلا ان بے حد خوش قسمت خاتون نے کبھی بھی زندگی میں کسی آزمائش کا سامنا کیا ہو گا ہرگز بھی نہیں۔"

بے حد یقین کے ساتھ فیصلہ دینے میں اسے پل بھی نہیں لگا۔

بعض لوگ اپنے اوپر پڑنے والی پہلی نگاہ میں ہی اپنی حیثیت مرتبہ آشکار کرتے ہیں۔

تیریں بھی ان ہی میں سے تھی۔ وہ بہت صبر سے سامنے دیکھتے ہوئے بہت کچھ سوچ گئی۔

تب ہی اسے فرح آتی دکھائی دی اس بار اس نے دیر نہیں لگائی تھی وہ اکیلی ہی تھی، عمر شاید جا چکا تھا۔

سجاد دوبارہ شیریں سے گفتگو میں مصروف ہو چکے تھے، ثانیہ کو رنج کا ہلکا سا احساس گھیرنے لگا یوں ہی ایک مدھم سا خیال بار بار آ رہا تھا کہ شاید سجاد اسے بھی خدا حافظ کرنا ضروری خیال کریں۔

مگر ایسا نہیں ہوا، شاید اس لئے کہ وہ فرح نہیں ثانیہ تھی۔

وہ یوں ہی چپ چاپ سی بیٹھی رہی فرح گاڑی باہر روڈ تک لا چکی تھی اطراف میں ٹریفک کا شور بڑھ رہا تھا، کوئی گاڑی زور سے ہارن بجاتی ہوئی گزری تو اسے بھی دفعتاً ہی کچھ یاد آیا۔

"فرح، سجاد صاحب کے والد ہو بہو میرے ابا کی طرح ہیں ذرا بھی فرق نہیں ہے۔"

اس کا لہجہ کچھ عجیب سا تھا۔

فرح نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر ہلکی سی کش مکش کا سا احساس تھا۔

فرح کو اس کی تھوڑی دیر پہلے بابا کو دیکھتے وقت کی کیفیت یاد آئی۔

...☆☆☆...

ثانیہ کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا۔

فرح نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر تذبذب سا پھیلا ہوا تھا۔

''بالکل بالکل ابا کی طرح۔''

''ہوتی ہے بہت سے لوگوں میں مماثلت' بلکہ نانی تو کہتی ہیں کہ دنیا میں ایک جیسی شکلوں کے پانچ لوگ ہوتے ہیں کیا پتہ یہ بات سچ ہی ہو۔'' فرح نے مسکراتے ہوئے اس کی الجھن دور کرنا چاہی مگر وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

''نانی کی تھیوری کا تو پتہ نہیں' مگر بابا کی ابا سے مماثلت خالی شکلوں کا آپس میں ملنا نہیں ہے۔ فرح اس میں ایک عجیب سے فیلنگ بھی ہے میں تمہیں شاید ٹھیک طرح سے سمجھا نہیں پا رہی ہوں۔''

''میں سمجھ رہی ہوں۔ تم زیادہ ذہن پر زور نہ ڈالو' بابا جب ٹھیک ہو جائیں انہیں ضرور یہ بات بتانا وہ سن کر بہت خوش ہوں گے۔''

فرح گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے نرمی سے کہنے لگی' اسے ثانیہ کی کیفیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔

وہ اپنے والد کے ساتھ کتنی زیادہ اٹیچ تھی' یہ بھی اسے خبر تھی اور جس تکلیف دہ صورتحال کا اس نے ان کے بعد سامنا کیا تھا وہ بھی ایسے میں اسے اپنے مرحوم والد کی ذرا سی بھی شبیہ اسی طرح جذباتی کر سکتی تھی۔ ثانیہ کا دھیان بٹانے کیلئے وہ جان بوجھ کر دوسرے قصے چھیڑ نے گئی۔ آج کل اس کے پاس سب سے کرنٹ افیئر عمر کا تھا۔

''دیا کے والد نے تو ''ہاں'' کر دی ہے' بابا صحت یاب ہو جائیں تو شاید منگنی یا پھر شادی ہی کی ڈیٹ فکس کر لی جائے۔''

''اچھا۔''

''عمر تو بہت خوش ہے' مگر نانی کچھ زیادہ مطمئن نہیں ہیں' انہیں دیا سے زیادہ نازی پسند ہے اور وہ لڑکی ہے بھی اس قابل کہ...۔''

فرح نے کن انکھیوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑی۔ مگر شاید وہ سن ہی نہیں رہی تھی جب ہی اسے فرح کی ادھوری بات کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے فرح نے سامنے سڑک پر نگاہیں جمائیں۔

''ثانیہ۔''

محض چند لمحوں میں ہی وہ دوبارہ اسے مخاطب کر رہی تھی۔

''ہوں۔'' اس بار وہ کچھ سنبھل کر بیٹھی۔

''اتنا مت سوچا کرو بہت زیادہ سوچ ہمیں حقیقت سے دور کر دیتی ہے۔''

"نہیں، اتنا تو نہیں سوچتی ہوں میں۔" ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری۔

"اچھا، تم کیا بتا رہی تھیں عمر کی شادی کے بارے میں۔" فرح کو بہت زور سے ہنسی آئی۔ کچھ نہیں اور ویسے بھی اب گھر قریب آگیا ہے۔ ممانی اور لبنیٰ کیلئے یہ اطلاع بہت ڈیپریسنگ ثابت ہو گی جب بھی انہیں ملے گی۔"

"یہ تو ہے۔"

"اور اب زیادہ دن نہیں لگیں گے۔ کیونکہ نانی کو وہ لوگ بہت فون کرتی رہتی ہیں۔ یہ خوشخبری بس پہنچنے ہی والی ہے۔"

فرح کی پیشن گوئی پر وہ تھوڑی سی پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ممانی کا موڈ تو بہت بگڑے گا اور شامت ان کے ہاتھوں میری ہی آئے گی۔"

"اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟" فرح نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔ "اور ضرورت بھی نہیں ہے ان کی الٹی سیدھی سننے کی۔ اب تم اپنے پائوں پر کھڑی ہو چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبرانا چھوڑ دو۔" حسب عادت وہ ایک بار پھر اسے سمجھا رہی تھی۔ "حوصلہ توڑنے والے لوگ قدم قدم پر ملتے ہیں مگر یاد رکھو یہ دنیا تمہیں اسی وقت تک ڈرائے گی جب تک تم اس سے ڈرو گی، جس دن تم نے اس سے ڈرنا چھوڑ دیا یہ تمہیں ڈرانا بھی چھوڑ دے گی۔"

ثانیہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ یقیناً خوش قسمت تھی کہ فرح جیسی مخلص دوست اس کے ساتھ تھی۔

گھر میں اماں منتظر تھیں اور ممانی کے بے تکے سوالات بھی۔

فرح کی تازہ تازہ نصیحتوں کا اثر نہ ہوتا تو وہ عادتاً ان کی باتوں پر اپنا دل برا کرتی، مگر اس وقت بڑی سہولت کے ساتھ نظر انداز کئے گئی۔ البتہ جب رات کو سارے کاموں ساری باتوں سے فارغ ہو کر اماں کے پاس آ کر لیٹی تو انہیں سنانے کیلئے یہی پہلی خبر تھی۔

"ہوتے ہیں بہت سے لوگ ملتے جلتے اس میں حیرت کی کون سی بات ہے۔" اماں کا ردعمل بھی فرح سے مختلف نہیں تھا۔ ثانیہ کو مایوسی سی ہوئی کوئی بھی اس کی ایکسائٹمنٹ کو نہیں سمجھ رہا تھا۔ اماں سارا دن اس کا انتظار کرتی تھیں۔ اس وقت ان کے اپنے پاس بہت ساری باتیں کرنے کیلئے ہوتی تھیں۔

"نواب شاہ سے شہزاد کی امی کا فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھیں کہ لوگ گھر کے اچھے پیسے لگا رہے ہیں۔ میں نے کہا ثانیہ سے پوچھ کر ہی کچھ بتا سکتی ہوں۔"

وہی ایشو ایک بار پھر اٹھا تھا، جس پر بات کرنے سے وہ سب سے زیادہ بچنا چاہتی تھی۔

"گھر تو بیٹا ویسے بھی اتنے عرصے سے بند ہی پڑا ہے وہ تو پڑوسی بھلے لوگ ہیں جو اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں ورنہ اب تک تو اس کا حال بھی خراب ہو چکا ہوتا۔"

اماں ہلکے ہلکے اسے سمجھانے کی غرض سے کہہ رہی تھیں۔ بہت بے چین سی ہو کر ثانیہ نے سر کے نیچے رکھے تکیے کو ٹھیک کیا۔ یادوں میں بسا وہ چھوٹا سا گھر آج بھی ایک بے حد قیمتی اثاثہ محسوس ہوتا تھا۔

خوشی اور بے فکری سے لبریز زندگی کے دن وہیں کٹے تھے۔

"اب رکھا بھی کیا ہے خالی در و دیوار اور بس۔ کون سا تم کو وہاں جا کر رہنا ہے پیسے ہاتھ میں ہوں گے تو کام آئیں گے۔"

"ماموں سے پوچھ لیں جیسے وہ کہیں کر لیجئے۔" اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اماں گھر بیچنے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ بس صرف اس کی وجہ سے رکی ہوئی ہیں۔ جمیل تو وہی کہے گا جو تم کہو گی۔ "اپنے آفس سے کچھ دن کی چھٹی لے کر نواب شاہ چلو یہ کام بھی کر آئیں گے۔"

وہ نہ جانے کتنی بار یہ بات کہہ چکی تھیں ثانیہ کو اب منع کرنا بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ''ٹھیک ہے کچھ دن رک جائیں آفس جوائن کئے ابھی بہت تھوڑے دن ہوئے ہیں اور پھر بابا بھی بیمار ہیں' چھٹی لینا اچھا نہیں لگے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' اماں مطمئن ہو گئیں۔ پہلی بار ثانیہ نے اس سلسلے میں کچھ رضامندی ظاہر کی تھی۔

''اور پتہ نہیں کیوں ایسا لگتا ہے جیسے اس گھر میں وہی سب اسی طرح پھر منتظر ہو گا۔'' دوسری طرف کروٹ لیتے ہوئے ثانیہ نے سوچا۔

...☆☆☆...

بابا کی طبیعت پہلے سے بہتر تھی۔ ایک مخصوص وقت میں انہیں لوگوں سے ملنے کی اجازت بھی دے دی گئی تھی۔

وقار سہیل اور سجاد تینوں کا ہی بیشتر وقت ان کے ساتھ گزر رہا تھا۔ تینوں میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت ہی ان کے ساتھ ہوتا۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز روّیہ وقار کا تھا۔ بہت سالوں سے انہوں نے خود کو اس طرح بزنس کی نذر کیا ہوا تھا کہ خود بابا کو ان سے گھر پر عدم توجہی کی شکایت پیدا ہونے لگی تھی۔

بلقیس بھابی کی شکایتوں کا تو خیر کوئی شمار ہی نہیں تھا۔

''اب دیکھ لو کتنی فرصت ملی ہوئی ہے وقار کو یہاں کہہ کہہ کر زبان گھس گئی' مگر مجال ہے جو کبھی ہمارے لئے وقت ہو۔''

ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ ثمینہ سے کہہ رہی تھیں۔ جس کے جواب میں ثمینہ نے ان کی طرف اتنی عجیب سی نگاہوں سے دیکھا تھا کہ وہ خلاف عادت تھوڑی سے شرمندہ ہو ہی گئی تھیں۔

''باپ ہیں وہ وقار بھائی کے اور اس گھر کے سربراہ بھی اور آج جو کچھ بھی ہمیں میسر ہے وہ سب ان ہی کی محنت کا نتیجہ ہے' ان کا حق تو ادا ہو ہی نہیں سکتا ہے بھابی۔''

ثمینہ میں یہ تبدیلی پچھلے دنوں ہی سے آئی تھی ورنہ پہلے تو جو کچھ بھی وہ کہتیں ثمینہ ذرا بھی توقف کئے بغیر ہاں میں ہاں ملائے جاتی۔

اختلاف رائے کا مزہ انہیں یہاں پہلی بار ہی چکھنے کو ملا تھا۔

''میں ذرا دیکھتی ہوں کچن کو آج ابھی تک کچھ پکانے کا بھی طے نہیں ہوا۔'' سرسری سے انداز میں کہتی ہوئی وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

یہ دوسرا دھچکا تھا۔

گھر کی روٹین کو سیٹ کرنا ان کا کام تھا کیا پکانا ہے' کیا آنا ہے کیا کرنا ہے۔ یہ ساری تفصیل ان کی حسب مرضی طے ہوتی تھی' بہ جز اس کے کہ وہ کبھی کبھار موڈ میں نہ ہوں۔

مگر نہ جانے کیسے یہ سارے مالکانہ حقوق ثمینہ اپنے ہاتھ میں لیتی جا رہی تھی۔

''لگتا ہے کرنا ہی پڑے گا دماغ ٹھیک۔''

ان کا سارا غصہ ثمینہ کی طرف منتقل ہونے لگا تھا' گھر کا ماحول ان کیلئے یکسر تبدیل ہوا تھا۔ محض ایک غلطی کی وجہ سے۔

اور وہ تو اسے غلطی بھی نہیں سمجھتی تھیں، تھوڑی سی اپنی لاپروائی اور زیادہ۔ ''یہ کمبخت وحید۔'' نہ ہی وہ فیضی سے ملنے کیلئے وحید کا سہارا پکڑتیں اور نہ ہی بابا کا شک ان کے اوپر جاتا آخر اتنے عرصے سے ویسے بھی تو وہ جہاں چاہتیں آتی جاتی رہتی تھیں۔ کبھی اشارتاً بھی بابا یا وقار کی طرف سے انہیں کسی پابندی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

سارا شبہ وحید کی وجہ سے ہوا تھا۔ معلوم نہیں وہ یہ بات کیوں بھول گئی تھیں کہ وحید گھر والوں کیلئے ناپسندیدہ ترین ہستی ہیں اور اس ناپسندیدگی کیلئے وہ سو فیصد حق بجانب بھی تھے۔

''مکار کہیں کا۔''

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔

اب اتنے دنوں سے جب وہ سب کی نگاہوں کی زد میں تھیں وحید بھائی نے بھولے سے بھی ایک بار بھی یہاں فون کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ہاسپٹل میں سنا تھا کہ ایک بار آکر اپنی شکل دکھا گئے تھے۔ وہ جتنا بھی سوچتیں اپنی حماقت کا افسوس ہی ہوتا تھا۔

''فیضی نے پہلی بار میں ہی کتنی سختی سے منع کیا تھا۔ انہیں وحید کے ساتھ آنے پر کاش انہوں نے تب ہی اس کی بات مان لی ہوتی۔''

''فیضی۔''

دن میں کتنی ہی بار اسے یاد کر کے ان کی آنکھوں میں آنسو آنے لگتے تھے۔ کتنی مشکل میں تھا وہ۔

اس روز وہ پیسے اگر وہ جیب میں رکھ چکا ہوتا تب بھی کچھ تو سکون انہیں مل جاتا، مگر ایسا بھی نہ ہو سکا اور بغیر پیسوں کے زندگی کتنی مشکل ہونے لگتی ہے وہ بھی فیضی جیسے ناز و نعم میں پلے ہوئے لڑکے کیلئے۔

انہیں سوچ کر بھی وحشت ہونے لگتی، ایک دو بار اس کا فون آیا تھا ان کی خیریت پوچھنے کیلئے اور یہ بتانے کیلئے کہ اس نے فی الحال باہر سے کچھ رقم ادھار لے لی ہے، مگر انہیں اندازہ تھا کہ یہ سلسلہ کچھ زیادہ دن نہیں چل سکے گا۔ لے دے کر ایک ہی طریقہ فیضی کی مدد کرنے کا انہیں سمجھ میں آتا تھا۔

وحید۔

وہی تھا جو فیضی کو جا کر پیسے دے کر آسکتا تھا گو پیسوں کے معاملے میں وہ زیادہ کیا تھوڑا بھی قابل بھروسہ نہیں تھا، مگر مجبوری تھی۔

ان کا سارا دن اسی قسم کی پلاننگز میں گزرتا تھا، اس وقت بھی صوفے کی پشت سے سر ٹکائے کیا کیا سوچے گئیں۔

گھر میں اس وقت سناٹا ہی رہتا تھا۔ انہیں فیضی بے حد یاد آتا تھا، جس روز اس کا فون آیا تھا بابا کی طبیعت کا سن کر خاندان بھر کا تانتا بندھا ہوا تھا، خیریت پوچھنے کیلئے وہ بس سرسری سی ہی بات کر سکی تھیں۔

وقار تیز قدموں سے چلتے ہوئے لاؤنج میں آئے تب ہی وہ اپنے خیالوں سے چونکیں۔

''کہاں جا رہے ہیں آپ؟''

حالانکہ جواب بھی پتہ تھا مگر وہ بڑی تیزی سے اٹھ کر ان کے پیچھے آئیں۔

''ہاسپٹل اور کہاں۔'' بناء ان کی طرف دیکھے وقار بیرونی دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔

''میں بھی چلوں گی اب تو بابا سے ملنے کی اجازت ہے۔''

''تم۔''

انہوں نے ذرا سا مڑ کر حیرت سے بلقیس بھابی کی طرف دیکھا۔ ''تم چلو گی؟''

ہاں میں اب تک ایک بار بھی نہیں گئی ہوں انہیں دیکھنے کیلئے آخر ایسا کیا...۔''

جو کچھ بھی وہ کہنے جا رہی تھیں وقار بھائی کو سننا بھی گوارا نہیں ہوا۔

''اور کیا کسر باقی رہ گئی ہے بلقیس، تم نے انہیں ہاسپٹل تک پہنچا ہی دیا ہے اب اور کہاں تک ....۔''

وہ اتنے خفا تھے کہ ان سے اپنی بات تک پوری نہیں ہوئی اور اتنے دن سے جب سے بابا ہاسپٹلز تھے انہوں نے ایک بار بھی بلقیس بھابی کو از خود مخاطب نہیں کیا تھا۔

''وہ میری وجہ سے بیمار نہیں پڑے ہیں۔''

دل ہی دل میں سخت تاؤ کھانے کے باوجود بھی بلقیس بھابی نے اپنا لہجہ بڑا نارمل رکھا۔

''یہ ایک اتفاق تھا کہ اسی رات انہیں تکلیف شروع ہوئی جس دن میں فیضی سے ملنے کیلئے چلی گئی تھی۔''

''مت نام لو اس کا میرے سامنے بہت اچھا صلہ دے کر گیا ہے وہ ہمیں اور یہ سب تمہاری تربیت کا نتیجہ ہے بلقیس بیگم، جو ذلت جو دکھ آج ہمارا خاندان سہہ رہا ہے ان سب کی ذمہ دار تم ہو۔''

بلقیس بھابی بے نیازی سے سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگیں، یہ سب کچھ اب نیا نہیں رہا تھا۔

وقار اتنی بار یہ باتیں دہرا چکے تھے کہ وہ اب ان کا جواب بھی نہیں دینا چاہتی تھیں۔ انہیں اپنی حرکت پر نہ پشیمانی تھی اور نہ ہی افسوس۔

''انہوں نے وہی کچھ کیا تھا جو کوئی بھی ماں کرتی اور آگے بھی، وہ جو مناسب سمجھیں گی کریں گی، جس کی جو مرضی ہو کہے اور سمجھے۔'' وہ دل ہی دل میں اس عزم کو بار بار دہراتی تھیں۔

''ہاسپٹل کی بات تو چھوڑو میری تو تم سے درخواست ہے کہ بابا جب گھر آ جائیں تب بھی مہربانی کر کے ان کے سامنے آنے سے احتیاط ہی کرنا تمہیں بار بار اپنے سامنے دیکھ کر انہیں چوٹ ہی پہنچتی رہے گی۔''

بلقیس بھابی کے چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھرنے لگی۔

''آپ کو جس طرح بابا کی فکر ہے نا وقار ویسی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ مجھے فیضی کی ہے میں اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی ہوں اور نہ دیکھوں گی چاہے....۔''

''تو پھر جاؤ اپنے بیٹے کے پاس یہاں کیا کر رہی ہو اور پھر واپس آنے کے بارے میں سوچنا بھی مت۔'' بڑے سرد لہجے میں ان کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے وقار نے اپنی بات پوری کی اور پھر بڑی تیزی سے بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

بلقیس بھابی اس بار ان کے پیچھے نہیں گئیں وہیں خاموش کھڑی کچھ سوچ گئیں۔ وقار ان کے تو خیر کبھی بھی نہیں ہوئے تھے، مگر ایک طویل عرصے سے اپنی خوشحالی کو ہی کامیابی کی ضمانت سمجھنے کی جس غلط فہمی میں وہ مبتلا تھیں اس سے وہ بتدریج نکل رہی تھیں۔

اگر خوشی پیسوں کی ہی محتاج ہوتی تو اس سناٹے میں ڈوبے گھر کیلئے وہ کتنی ہی مسکراہٹیں اور قہقہے خرید لاتیں۔

قیمتی اشیاء سے آراستہ یہ گھر وارڈروب میں اوپر سے نیچے تک بھرے خوبصورت کپڑے زیورات سے بھرا لا کر۔

وہ کتنی بڑی بیوقوف تھیں جو ان مادی چیزوں کے حصول کو ہی زندگی کی معراج سمجھ بیٹھی تھیں جبکہ زندگی کا اصل سرمایہ تو بڑی آسانی سے ان کے ہاتھ سے پھسلا تھا۔

پہلے شوہر اور پھر بیٹا۔

دولت کے بڑے سے انبار کے پیچھے ایک احساس ضیاع اور بھی گہرا ہو رہا تھا۔

...☆☆☆...

ہال میں رکھے ٹیلیفون کی گھنٹی مستقل ہی بجے جا رہی تھی۔ دیا کو نہ چاہتے ہوئے بھی کمرے سے باہر جھانکنا پڑا۔

سامنے طویل برآمدہ سنسان پڑا تھا۔ گھر میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ نہ نازی اور ہی سمیع امی تھیں مگر پتہ نہیں کچن میں کس درجہ مصروف تھیں۔

دیا بڑ کسل مندی سے ہال تک آئی' نیم اندھیرے سے کمرے میں قدم رکھتے ہی ٹھنڈک کا احساس ہوتا تھا' اونچی چھتوں والا یہ گھر ساری گرمی ٹھنڈا رہتا اور ساری سردی باہر کے رخ پر کھلنے والی کھڑکیوں کی وجہ سے دھوپ سے بھرا رہتا تھا۔

دیا سیدھی ٹیلیفون تک آئی۔

''ہیلو۔''

''دیا۔''

کسی نے بہت یقین سے اس کا نام لیا تھا۔

چند لمحے وہ یوں ہی چپ چاپ کھڑی رہی' یہ یقیناً عمر تھا۔ بناء کسی کے بتائے اس نے جانا تھا۔

''دیا' میں عمر بات کر رہا ہوں۔'' شاید دوسری طرف اسے لگا تھا کہ ابھی اسے باقاعدہ تعارف کی ضرورت ہے۔

''جی۔'' وہ ہلکے سے بولی۔

''میں نے تم سے ہی بات کرنے کیلئے فون کیا تھا تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔''

وہ کتنا خوش تھا۔ اس کی آواز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

دیا کو ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی۔ ابھی چند دن پہلے ہی ان دونوں کی بات زبانی طور پر طے پائی تھی اور اس کو پانے والا کوئی بھی شخص اتنا ہی خوش ہو سکتا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری قسمت اس طرح ساتھ دے گی میں تمہارا' تمہارے گھر والوں کا ہمیشہ احسان مند رہوں گا...'' دل کی گہرائیوں کے ساتھ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا اس کی سچائی میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا' کوئی اور لڑکی ہوتی تو یقیناً اپنی قسمت پر ناز کرتی' مگر وہ یوں ہی لاتعلق سے انداز میں اس کی بات سن رہی تھی ایسے جیسے وہ اس کے بارے میں یہ سب کسی اور کے بارے میں کہہ رہا ہو نہ ہی ایک بار بھی اسے اپنے دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس ہوئی اور نہ ہی کوئی نرم سا احساس ہی جاگتا محسوس ہوا۔ عمر کو بھی اچانک ہی جیسے کچھ محسوس ہوا۔

''دیا' تم چپ کیوں ہو کچھ تو بات کرو میں ہی بولے جا رہا ہوں اتنی دیر سے۔''

''میں سن رہی ہوں ناں۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے اور کیا جواب دے' عمر بے ساختہ ہی زور سے ہنس پڑا۔

''اچھی بات ہے ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ ہماری آئندہ زندگی میں صرف میں ہی سنا کروں گا۔''

وہ ایک بار پھر خاموش ہی رہی۔

اسے مسعود یاد آنے لگا جس کے ساتھ کرنے کیلئے اتنی باتیں ہوتی تھیں کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔

''کیا بات ہے دیا' تم خوش تو ہو اس رشتے سے؟''

دیا کی مختصر ترین گفتگو سے وہ پہلی بار ہلکی سی پریشانی میں مبتلا ہوا۔ ''مجھے بتاؤ پلیز اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے۔''

کتنی عجیب بات ہے کہ جو بات سب سے پہلے پوچھنے کیلئے ہوتی اسے عموماً بعد میں ہی پوچھا جاتا ہے۔

''تم خوش تو ہو؟''

عمر سے رشتہ طے کرنے کے اگلے دن بشارت صاحب نے بھی اس سے پوچھا تھا اور امی اور نازی نے بھی۔

ہر بار ہی اسے فکر مندی جتاتا یہ فقرہ' ایک بے حد بھونڈا مذاق ہی محسوس ہوا تھا اور اب عمر بھی یہی پوچھ رہا تھا۔

وہ جو اس کے سارے قصے میں کہیں نہیں تھا۔ اب یک دم ہی مرکزی کردار بن گیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں' آپ میری فکر مت کریں۔''

اسے کہنا ہی پڑا اب عمر ہی تھا جس کی کچھ نہ کچھ پروا اسے کرنی ہی تھی اس کی موجودہ زندگی کی سب سے روشن حقیقت۔

''چلو شکر ہے تم کو ''میری فکر'' کی فکر تو ہے۔ آثار اچھے ہیں۔'' وہ فوراً ہی مطمئن ہو کر ہنس دیا۔

جس سرخوشی کے عالم میں وہ آج کل تھا اس میں کوئی ہلکی سی بھی فکر زیادہ دیر اس کے پاس نہیں ٹک سکتی تھی۔

ایک من چاہی زندگی کے روشن مہکتے خواب۔ جن کی تعبیر اب اس کی دسترس میں تھی۔ دیا کو نہیں معلوم تھا کہ وہ اتنی خوبصورت باتیں بھی کر سکتا ہے۔ ایسی باتیں جو کبھی مسعود نے بھی نہیں کی تھیں۔'' مگر پھر بھی کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں تھی جس پر وہ ہلکے سے مسکرا بھی پائی ہو۔

امی نے ادھ کھلے دروازے میں سے ایک بار جھانک کر دیکھا اور پھر اسے بات کرتا دیکھ کر واپس چلی گئیں۔

''عمر آپ پلیز کسی وقت بات کر لیجئے گا اس وقت مجھے کچھ ضروری کام ہیں۔''

چند منٹ بعد وہ اسے کہہ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے میں رات میں فون کر لوں گا' اس وقت تو تم فارغ ہوتی ہو۔'' وہ فوراً اگلا پروگرام طے کرنے لگا۔

دیا کی پیشانی پر ہلکی سی شکن نمودار ہونے لگی۔ کرنے کو تو اسے اس وقت بھی کچھ نہیں کرنا تھا' مگر عمر کے ساتھ یہ ٹیلی فونک سلسلہ جاری رکھنا اسے فی الحال اپنے لئے مشکل لگ رہا تھا سو اسے ٹال دینا ہی بہتر تھا۔

''نہیں رات میں سب لوگ گھر پر ہوتے ہیں۔ اس وقت تو ذرا بھی فرصت نہیں ہوتی۔''

وہ کچھ ایسے کہہ رہی تھی جیسے گھر کی ساری ذمہ داری اسی کے کاندھوں پر دھری ہے۔ عمر کو تو کچھ ایسا ہی لگا۔

(اچھی بات ہے کم از کم نانی کی کچھ تو ذمہ داریاں کم ہو جائیں گی)۔ یہ بات اس نے خاص طور پر نانی اور فرح کو سنانے کیلئے یاد رکھی۔

''اچھا۔ پھر کسی وقت دن میں ہی سہی۔'' وہ فطرتاً خوش امید تھا فوراً ہی مان گیا۔

دیا فون بند کر کے بھی کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی اسے خود اپنے آپ سے مایوسی ہو رہی تھی۔ زندگی کے اس نئے موڑ پر وہ دل سے خوش ہونا چاہتی تھی' عمر اسے ناپسند نہیں تھا۔ اس میں کچھ ایسا تھا جو مسعود کی یاد دلاتا تھا' پہلی ملاقات میں ہی اسے کچھ ایسا لگا تھا۔

عمر کے رشتے پر اس نے شاید اسی لئے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا کہ وہ کسی بہانے ہی سہی مسعود کو یاد رکھنا چاہتی تھی یا پھر وہ اسے بھلا ہی نہیں پائی تھی، نہ وہ اسے بھلانا چاہتی تھی۔

عمر مسعود کی پرچھائیں تھا مگر وہ مسعود نہیں تھا۔ایک تند سی لہر دیا نے اپنے اندر اٹھتی محسوس کی۔

مسعود۔جو ہاتھ چھڑا کر کب کا اپنی زندگی کی رنگینیوں میں گم تھا۔

کاش وہ بھی اسے اسی کی طرح بھول سکتی۔

...☆☆☆...

فرح آج آفس سے جلدی اٹھ گئی تھی۔ثانیہ کو جس وقت سجاد کی طرف سے طلبی کا حکم ملا اس وقت آفس کا کام ختم ہونے میں تھوڑی سی ہی دیر رہ گئی تھی۔

عام طور پر وہ خود ہی ان کے روم میں آکر جو بات کرنا ہوتی، کر لیتے تھے۔ثانیہ نے اب تک انہیں اپنے چیمبر سے زیادہ آفس کے مین ہال میں ہی بیٹھے دیکھا تھا۔پر اس وقت وہ بہت دیر سے اندر تھے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی چند آفس ورکر ان کے پاس ہو کر باہر آئے تھے۔اب ثانیہ ان کے ٹھیک سامنے والی کرسی پر بیٹھی تھی۔

میز پر بہت سی فائلیں کھلی رکھی تھیں ایک ساتھ کئی پروجیکٹس تھے جن پر کام ہو رہا تھا اور ثانیہ کو کام کرتے ہوئے ٹھیک ٹھاک اندازہ ہو رہا تھا کہ دباؤ کافی زیادہ ہے۔ایک وجہ شاید بابا کی بیماری اور سجاد کی مکمل توجہ آفس کی طرف نہ ہونا تھی۔

دل ہی دل میں یوں ہی اندازے لگاتے ہوئے وہ بے دھیانی سے مستقل سجاد کی طرف ہی دیکھے گئی۔

''ثانیہ۔''

دفعتاً ہی انہوں نے فائل پر سے توجہ ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اور شاید اس کا انہماک نوٹ کر کے ہی مسکرائے تھے۔

''جی سر۔''

کچھ ہڑبڑا کر اس نے میز پر رکھی فائلوں پر نگاہ جمائی۔

''کیا بات ہے کچھ کنفیوژن ہے؟''

وہ اسی نرمی سے پوچھ رہے تھے جو ان کی شخصیت کا لازمی حصہ تھی۔

''نہیں سر۔'' اس نے فوراً ہی نفی میں سر ہلایا۔ایک سے زائد بار انہوں نے اس کی چوری کو پکڑا تھا اور ثانیہ نے بڑی خفت سی محسوس کی تھی ہر بار۔

''اوکے۔'' یہ دیکھئے۔'' انہوں نے فائل اس کے آگے کرتے ہوئے کوئی بات پوائنٹ آؤٹ کی۔ان کی اچھی عادتوں میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ عموماً کسی بات کے پیچھے نہیں پڑا کرتے تھے، ثانیہ نے بھی اپنی پوری توجہ اس بات پر لگائی جو وہ بتا رہے تھے۔

ان کا سمجھانے کا انداز سارے سٹاف کیلئے بے حد پسندیدہ تھا، خاص طور پر ثانیہ جیسے نئے آنے والوں کیلئے۔اسے تو بلکہ یہ سوچ سوچ کر بھی تھوڑی سی گھبراہٹ ہونے لگی تھی کہ جب سجاد واپس اپنا آفس جوائن کریں گے تو شاید یہاں کام کرنا اتنا آسان نہ رہے۔یہ بہر حال بعد کی بات تھی۔

''ثانیہ آپ اپنا کام بہت اچھی طرح کر رہی ہیں۔فرح آپ کی اتنی تعریف ایسے ہی نہیں کرتی ہے۔''

نگاہیں بدستور فائل پر جمائے ہوئے وہ اس کے کام کی تعریف کر رہے تھے۔

''مجھے خوشی ہے کہ آپ اور فرح یہاں اس آفس میں کام کر رہی ہیں اور آپ کو اب تک اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہمارے ہاں کتنا دوستانہ ماحول ہے' یہاں سب ایک دوسرے کی مدد کیلئے تیار رہتے ہیں' کوئی پروفیشنل جیلسی ہمارے ہاں ذرہ برابر بھی نہیں دکھائی دے گی۔''

ثانیہ ہلکے ہلکے اثبات میں سر ہلائے گئی۔

سجاد کی کوئی بات غلط نہیں تھی' اس اتنے بڑے کاروباری ادارے کا موازنہ وہ اپنی اکیڈمی والی جاب سے کرتی تو ہمیشہ ہی حیران ہوتی تھی۔

ایک تعلیمی ادارے میں رویوں کی سیاست عروج پر تھی' فرح نے وہاں کی جاب محض اسی وجہ سے چھوڑی تھی۔

''آپ کا بہت شکریہ۔''

اپنی اتنی تعریف کے جواب میں شکریہ تو کہنا ہی چاہئے تھا۔

''ارے نہیں' آپ ڈیزرو کرتی ہیں۔ سجاد نے فائل بند کرتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا ثانیہ نے انہیں اکثر ہی سٹاف ممبرز کی تعریف کرتے حوصلہ بڑھاتے ہوئے سنا تھا' مگر پھر بھی اپنے لئے کہے گئے الفاظ اسے ہمیشہ ہی خاص لگا کرتے۔

''بابا کی طبیعت اب کیسی ہے سر۔'' اٹھنے سے پہلے وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی' اتنے دنوں میں وہ انہیں فرح کے ساتھ جا کر تین چار بار دیکھ آئی تھی۔

''اب تو اللہ کا شکر ہے بہت بہتر ہیں۔''

بس سب کی دعائیں ہیں ان کے ساتھ اللہ نے بڑا ہی کرم کیا۔''

ثانیہ نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ جو ایک بے چینی اسے بابا کو پہلی بار دیکھ کر ہوئی تھی وہی کیفیت اس پر جب بھی ان کے بارے میں سوچتی غالب ہونے لگتی تھی۔

''اب آپ آئیں گی تو ان سے مل بھی سکیں گی۔ ڈاکٹرز نے پابندی ہٹا دی ہے اب۔''

ثانیہ کا دل یک بار گی بہت زور سے دھڑکا۔

''کیسا لگے گا ان سے بات کرنا' ان کی آواز ان کا لہجہ کیا پتہ وہ بھی بالکل ابا جیسا ہی ہو۔''

''وہ بہت اچھے انسان ہیں' اس کی گواہی یہاں ہر شخص دے گا جب آپ ان سے ملیں گی تو خود بھی اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کتنے پیارے شخص ہیں۔''

''مجھے پتہ ہے کہ وہ کتنے اچھے ہیں۔'' سجاد کی بات کاٹتے ہوئے وہ بہت یقین کے ساتھ کہہ اٹھی۔

''آپ کو کیسے پتہ ہے' آپ تو ان سے کبھی ملی بھی نہیں۔'' سجاد ہلکے سے ہنس دیئے۔

''اس لئے سر کہ وہ...۔'' بہت تیزی سے اس نے کہنا چاہا کہ اس لئے کہ وہ بالکل اس کے ابا جیسے ہیں ویسے ہی نرم دل اور دوسروں کا اپنے سے زیادہ خیال رکھنے والے' مگر شاید یہ بات سب کو سنانا غیر ضروری تھی۔ ''اس لئے کہ فرح بہت تعریفیں کرتی ہے ان کی' اسی سے مجھے بھی اندازہ ہوا کہ وہ کیسے ہیں۔''

''اچھی بات ہے اس کا مطلب ہے کہ آپ اندازے کم از کم درست لگا لیتی ہیں۔'' فائلیں سمیٹتے ہوئے سجاد نے یوں ہی ازراہ مذاق ہی کہا تھا سو وہ بھی ان نگاہوں میں نرمی یا مروت کی ہلکی سی بھی رمق نہیں تھی۔

"معلوم نہیں وہ اس سے کس بات پر ناراض ہیں۔" ثانیہ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے خود سے الجھتے ہوئے سوچا۔

"اور اتنے حسین لوگوں کو عام لوگوں سے پرابلم بھی کیا ہو سکتی ہے بھلا۔"

...☆☆☆...

نینی نے لائونج کا دروازہ کھول کر ایسے ہی باہر جھانکا تھا۔

موسم کئی دن بعد خوشگوار ہوا تھا' کئی دن کی گرمی کی شدت کے بعد آج صبح سے ہی گہرے بادل ٹکڑیوں میں آکر آسمان پر جمع ہو رہے تھے۔

فیضی صبح ہی کہیں نکل گیا تھا اور اچھی بات یہ تھی کہ دو روز سے بابر بھی شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔

آزادی کا ہلکا پھلکا سا احساس نینی کو اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ دو روز سے وہ باہر لان کا چکر بھی لگا رہی تھی اور کسی وقت باہر نکل کر سیڑھیوں پر بھی بیٹھی رہتی۔

اس وقت بھی وہ ایسے ہی وقت کاٹنے کیلئے باہر نکل آئی تھی' فیضی کی گھر سے طویل غیر حاضری اسے بڑی بری طرح چبھتی تھی۔ چاروں طرف سے کھڑکی دروازے بند کر کے چپ چاپ ٹی وی کی سکرین کو تکتے رہنا آسان نہیں تھا۔

فیضی سے شکایت کرتی تو وہ الٹا اسے مورد الزام ٹھہراتا۔

"نہ تمہارے ابا اس طرح فوری شادی پر زور دیتے اور نہ ہی ساری مصیبت جھیلنی پڑتی' میرے گھر والوں کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے' کچھ وقت گزرتا تو وہ مان ہی جاتے۔"

ابھی صبح ہی اس نے نینی کے کچھ کہنے پر جھگڑنے کیلئے یہی پوائنٹ نکالا تھا۔

بشارت صاحب سے اس کی چڑ اس رفتار سے بڑھ رہی تھی جس رفتار سے اس کے مسائل بڑھے تھے۔

نینی نے اب احتجاج کرنا بھی چھوڑ دیا تھا' صبر سے وہ سب سنے جاتی جو وہ کہہ رہا ہوتا تھا۔

"کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی یوں بدلے گی کہ ذرا ذرا سی باتوں پر لوگوں کا منہ دیکھنا پڑے گا اور معلوم نہیں ابھی آگے اور کیا ہونا ہے۔"

وہ جب تک گھر سے نکلا مستقل ہی بولے گیا تھا۔ نینی کو اس کی باتوں کا رنج تو ہوتا ہی تھا مگر اسے فیضی پر رحم بھی بے حساب آتا تھا۔

عرش سے فرش پر آنے کا محاورہ شاید اسی کیلئے کہا گیا تھا۔

شادی سے پہلے اور بعد کے ابتدائی دنوں میں وہ اس زندگی کی ایک جھلک دیکھ چکی تھی جو فیضی گزارنے کا عادی تھا۔

روپے کو وہ اس بے دردی سے خرچ کرتا تھا جیسے کوئی کاہل انسان وقت کو۔

اور وہی پیسہ اب اس کیلئے اتنا ناقابل پہنچ ہوتا جا رہا تھا کہ حد نہیں۔

پیسوں میں ہونے والی کمی کا نمایاں احساس اب نینی کو بھی ہو رہا تھا وہ لالچی نہیں تھی۔ مگر فیضی کے شاندار بیک گرائونڈ کی وجہ سے ایک اچھی پر آسائش زندگی کی تمنا خود بخود دل میں گھر کئے ہوئے تھی۔

پر یہ خواہش بھی اب پیچھے کہیں رہ گئی تھی۔ اب تو صرف ایک ہی فکر سوار رہتی تھی کہ یہ جو اتنا بڑا قدم اس نے بہت بے خوفی کے ساتھ اٹھایا تھا اسے تا زندگی نبھا سکے۔ گو وہ فیضی کی طرح اکیلی نہیں تھی' اس کے پیچھے سارے گھر والے تھے' جنہوں نے گھر کے دروازے اس کیلئے کھلے ہوئے بھی رکھے تھے بشارت صاحب کی ناراضی کے باوجود بھی۔

پھر بھی اسے پلٹ کر دیکھنے سے ڈر لگتا تھا۔

خدا نہ کرے جو کبھی ایسا وقت آئے کہ وہ ابا کے سامنے شرمسار کھڑی ہو۔“

لائونج کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے اس نے جیسے چونک کر ایک تکلیف دہ خیال کو ہلکے سے سر کو جھٹک کر خود سے دور کرنا چاہا۔

جیسے جیسے وقت گزرا تھا اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ ان لوگوں کیلئے کتنے بڑے صدمے کا سبب بنی ہے اب اپنی طرف سے وہ انہیں دوسرا دکھ نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔

محض دھیان بٹانے کیلئے اس نے سامنے پھیلے خوبصورت وسیع و عریض لان پر ایک نگاہ ڈالی۔

ہمیشہ کی طرح بے حد حسین اور سرسبز۔

گو اب یہ سب دیکھ کر نینی کے دل پر وہ پہلے والی سرشاری تو طاری نہیں ہوتی تھی، مگر پھر بھی بہت دن بعد اسے یہاں پچھلے دو دن سے بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔

دور لان کے دوسری طرف بابر کی گاڑی کھڑی ہونے کی مخصوص جگہ ابھی بھی خالی تھی جتنی بار بھی نینی کی نگاہ اس جگہ پر پڑتی دل کو بڑا سکون سا حاصل ہوتا۔ بابر کی نگاہوں کا گدلا پن برداشت کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا تھا۔

اس لئے اور بھی کہ فیضی اس قسم کی کسی بھی بات کو سن کر بہت بری طرح بھڑک سکتا تھا۔

خوشگوار موسم دلکش نظارے کی کشش اسے زیادہ دیر نہیں باندھ پا رہی تھی، مگر اچھے خاصے فاصلے پر بنے گھر کے مرکزی رہائشی حصے میں ہونے والی چہل پہل کو نظر انداز کرنا اس کیلئے مشکل تھا۔ معلوم نہیں وہاں کیا ہو رہا تھا۔ چند ملازم بڑی تیزی سے اندر باہر آ جا رہے تھے، کسی قسم کا اہتمام ہو تو رہا تھا۔

پر کیا؟

اس کا اندازہ یہاں بیٹھ کر کرنا آسان نہیں تھا۔ نینی اس طرف جانے سے سختی سے پرہیز کرتی اتنے دن میں ایک بار صرف وہ فیضی کے ساتھ وہاں گئی تھی اس کے بعد نہیں، بابر اور فیضی کے بار بار کہنے کے باوجود بھی نہیں۔

ایک بڑی وجہ تو بابر ہی تھا دوسرے اسے امی نے بھی سختی سے منع کر دیا تھا اس طرف جانے کیلئے ان کا خیال تھا کہ کہیں کوئی چوری وری نہ نینی اور فیضی کے سر لگ جائے۔ ایک بار نینی نے امی کا یہ خیال فیضی کو بتایا تو وہ بڑے طنزیہ انداز میں قہقہہ لگا کر ہنسا اور پھر بڑی بے نیازی سے سر جھٹک کر بولا تھا۔ ”اونھ۔ ساری مڈل کلاس مینٹلٹی۔“ نینی نے اس کے بعد سے فیضی کے سامنے گھر والوں کی کوئی بات کوٹ کرنا سرے سے ختم کر دیا تھا۔

اس وقت کی چہل پہل کی وجہ یہی سمجھ میں آ رہی تھی کہ آج بابر کی واپسی تھی اور اس کی آمد پر سارے دوستوں کا اجتماع کسی چھوٹی موٹی پارٹی کا ہی روپ دھار لیتا تھا۔ نینی کو اپنے اندازے پر اتنا یقین تھا کہ اس نے آس پاس سے گزرنے والے ملازمین کو روک کر اس بارے میں پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ اندر سے فون کی بیل کی آواز سنائی دی تو وہ تیزی سے اٹھ کر اندر آ گئی۔

”کل سے تم سے بات نہیں ہوئی تھی ٹھیک تو ہو نا فیضی گھر ہے یا باہر گیا ہوا ہے۔“ دوسری طرف امی تھیں۔

حسب عادل اس کیلئے فکر مند۔

وہ ایک ایک کر کے ان کے سوالوں کے جواب دیئے گئی' انہیں اب فیضی سے بہت ساری شکایتیں رہنے لگی تھیں۔

''جب خود سارا سارا دن باہر رہتا ہے تو تمہیں یہاں کیوں نہیں چھوڑ دیتا رات کو واپسی میں لے لیا کرے۔''

گو ان کی بات کوئی ایسی نامناسب بھی نہیں تھی۔ مگر فیضی کئی بار بہت صاف لفظوں میں اسے کہہ چکا تھا کہ وہ اس کا وہاں بار بار جانا پسند نہیں کرے گا' ابھی بھی پندرہ بیس دنوں میں جب وہ ادھر جاتی تھی تو فیضی کو تب بھی اندر آنا گوارا نہیں ہوتا تھا۔ وہ اسے گیٹ پر ہی چھوڑتا اور گیٹ سے ہی لے لیتا امی' نازی سمیع اس کی خوشامد ہی کرتے رہ جاتے۔

اسی ایک وقت کی شرمندگی سے بچنے کیلئے وہ اب اپنا جانا اور بھی کم کرتی جا رہی تھی۔ مگر امی کو دینے کیلئے اس نے ذرا دوسری طرح کے جواب تیار کر رکھے تھے۔

''روز کہاں آیا جا سکتا ہے امی گھر کے کام بھی تو دیکھنے ہوتے ہیں اور پھر فیضی کی مصروفیت بھی بہت ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' اس کی آخری بات سے امی کو سب سے زیادہ تسلی ہوئی' چاہے ابھی بے شک کوئی کام نہیں کر رہا تھا مگر آخر تو بہت امیر گھر کا بیٹا ہے مصروفیت تو اس کی ہونی ہی چاہئے تھی۔ ''دیا کیلئے بھی کوئی ایسا ہی لڑکا مل جاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔'' دیا کیلئے ان کے پچھتاوے ابھی بھی کم نہیں ہوئے تھے۔ نینی کیلئے ایسے موقع پر ضبط کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

''عمر بھائی بھی بہت اچھے ہیں اور سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ وہ پوری عزت کے ساتھ دیا باجی کو لے کر جائیں گے۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔

دوسری طرف موجود امی پر چند لمحوں کی گہری خاموشی چھائی رہی' شاید وہ نینی کی بات کی معنویت کو پرکھ رہی تھیں' یا پھر...

''ہاں لے جائیں گے عزت کے ساتھ اس رحمت منزل کے تیسرے فلور والے چھوٹے سے فلیٹ میں' جہاں سیڑھیاں چڑھنے اترنے میں ہی آدھی زندگی گزر جائے گی اس کی۔'' امی کی آواز میں بڑا ہی طنزیہ سا احساس تھا' ان کی اپنی سوچ تھی' جسے بدلنا ناممکن تھا۔

''اور سچی بات تو یہ کہ بدلتا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ خود اس نے کون سی اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی تھی۔ ابا اور نازی آپا اسے کتنا سمجھاتے تھے کہ فیضی کو اس کی کم عمری کی جذباتیت قرار دیتے تھے' مگر اس نے ایک بار بھی ان کی بات پر دھیان دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔'' ایک آئینہ جیسے بار بار اس کے سامنے رکھا ہوتا تھا' وہ نگاہیں چرا جاتی۔ چند منٹ نازی آپا ابا اور سمیع کی خیر خیریت پوچھ لینے اور اس ہفتے ہی ضرور گھر کا چکر لگانے کا وعدہ کر لینے کے بعد وہ فون بند کر کے پلٹی تو سامنے لائونج کا بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔

فون سننے کی جلدی میں وہ شاید خود ہی اسے کھلا چھوڑ گئی تھی' اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کرنے لگی تھی کہ ایک عجیب سے احساس نے اسے مڑ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

پیچھے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بابر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

''آپ۔ آپ کب آئے بابر بھائی۔'' ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے بظاہر تو اس کا خیر مقدم ہی کیا تھا' مگر در حقیقت اس کا دل بہت خوفزدہ ہو کر دھڑکنا شروع ہو چکا تھا۔

''ابھی چند منٹ پہلے ہی' خوش قسمتی سے تمہارا دروازہ کھلا دیکھا تو پہلے سیدھا یہیں آ گیا' اس کے چہرے پر وہی معنی خیز مسکراہٹ جو اس کی خراب ذہنیت کو آشکار کرتی تھی۔

نینی کو اپنی عقل پر افسوس ہو رہا تھا۔ جب اس نے یہ اندازہ لگا بھی لیا تھا کہ وہ آنے والا ہے پھر بھی اتنی لاپروائی۔

''تمہیں دیکھے اتنے دن ہو گئے تھے' سچ پوچھو تو اب کہ میں نے تمہیں بہت مس کیا' کہا بھی تھا فیضی سے کہ وہ تمہیں ساتھ لے کر چلے' مگر مانا ہی نہیں' حالانکہ پیسوں کی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔''

وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''اس اتنے بڑے گھر میں وہ اس وقت بابر کے ساتھ تقریباً اکیلی تھی۔''

یہی خیال اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے کر دینے کیلئے کافی تھا۔

''فیضی ابھی گئے ہوئے ہیں آپ بعد میں آ کر....'' اس نے بابر کو شاید فیضی کا احساس دلانا چاہا تھا۔

''مجھے پتہ ہے کام ہی کیا ہے اب اس کے پاس یوں ہی بے کار پھرنے کے علاوہ اصل میں وہ تم سے منہ چھپاتا ہے ورنہ اتنی پیاری بیوی کو اس طرح اکیلا چھوڑ کر سارا دن غائب نہ رہتا۔'' اس کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔ وہ کچھ اس طرح بیچ میں آ کھڑا ہوا تھا باہر کی طرف کھلنے والے دروازے تک کہ وہ اس کے قریب سے گزرے بناء نہیں پہنچ سکتی تھی۔

''میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ میرے اور فیضی کے معاملے میں آپ کچھ نہ کہیں تو اچھا ہے' ہم دونوں ایک ساتھ بہت خوش ہیں۔''

اپنے اندر کے بڑھتے ہوئے خوف کو چھپانے کی پوری کوشش کے باوجود بھی نینی کو اپنی آواز کی لرزش بخوبی محسوس ہوئی تھی۔

''ارے جانے دو۔'' وہ ایک دم ہی ہنس پڑا۔

''کم از کم مجھ سے ایسی باتیں مت کرو میں تمہارا بھلا چاہتا ہوں' مجھے پتہ ہے کہ فیضی کے ساتھ شادی کر کے تمہیں کتنی مایوسی ہوئی ہے ان کا خاندان ہے ہی ایسا' تمہیں ان لوگوں سے کچھ نہیں ملنا ملانا اور فیضی ان کی سپورٹ کے بغیر ایک دم کنگلا ہے تمہیں خود اندازہ ہو رہا ہو گا اب تو۔''

بہت دوستانہ لہجے میں وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا سخت توہین آمیز تھا۔

''اور کاش وہ یہ ساری باتیں سننے کیلئے مجبور نہیں ہوتی۔'' نینی نے بہت بے بسی کے ساتھ سوچا۔

''تمہارے سامنے پوری زندگی پڑی ہے جان چھڑاؤ اس بے کار آدمی سے میں دوں گا تمہیں سہارا ایک نئی دنیا....''

نینی نے سامنے کھڑے اس شخص سے پہلی بار خوف کے بجائے نفرت محسوس کی' شاید وہ اس وقت اس کا خون بھی کر سکتی تھی۔

''آپ چلے جایئے یہاں سے فوراً آپ جیسے انسان کو تو شرم بھی نہیں دلائی جا سکتی۔'' وہ اس وقت قطعی بھولے ہوئے تھی کہ یہ گھر جہاں وہ کھڑی ہے بابر ہی کی ملکیت ہے۔

تب ہی وہ بڑے جارحانہ انداز میں آگے بڑھا۔

''تم بتاؤ گی مجھے شرافت کا مطلب جس نے خود فیضی کو اس طرح پھنسایا کہ وہ گھر سے بے گھر ہو گیا' تمہارے چکر میں تم جیسی لڑکیوں کو میں اچھی طرح....''

نینی کی کلائی پکڑ کر اس نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے بابر۔''

عقب سے آتی آواز نے جیسے کوئی جادوئی اسم پڑھا تھا۔ بابر ایک لمحے کیلئے تو جیسے بالکل ہی ساکت رہ گیا اور پھر جیسے میکانکی انداز میں وہ پیچھے کی طرف مڑا۔

”چھوڑو لڑکی کا ہاتھ۔“ باہر کی طرف کھلنے والے دروازے میں وہ شاندار سی خاتون بہت کڑے تیوروں کے ساتھ ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ بابر کے ہاتھ سے نینی کا ہاتھ خود بخود ہی چھوٹا تھا۔

”یہ سب کچھ ہوتا ہے میری غیر موجودگی میں اور کیسے سمجھ لیا تم نے کہ مجھے کچھ خبر ہی نہیں ہو گی۔ اس چھوٹے سے لائونج میں ان کی آواز پوری طرح گونج رہی تھی، مگر نینی کی نگاہ ان پر نہیں تھی، اپنی خوف سے پھیلی ہوئی آنکھوں سے وہ ان خاتون کے عقب میں کھڑے فیضی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخی مائل ہو رہا تھا اور لب ایک دوسرے میں بالکل جڑے ہوئے۔ اس بے حد صبر آزما وقت میں وہی تھا سب سے کٹھن موڑ پر۔

نینی نے اپنے چہرے پر آنسوئوں کے چند قطرے پھیلتے ہوئے محسوس کئے تب ہی فیضی تیزی سے بابر کی طرف بڑھا۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم نینی کو....۔“

...☆☆☆...

وہ بہت جنونی انداز میں بابر کی طرف آیا تھا، مگر وہ بہت معزز نظر آتی خاتون ان دونوں کے بیچ آ کھڑی ہوئی تھیں۔

”رک جائو فیضی۔ خبردار جو بابر کو ہاتھ بھی لگایا۔“

ان کی آواز میں اتنی واضح تنبیہہ تھی کہ فیضی کو رکنا ہی پڑا۔ وہ بہت طنزیہ انداز میں فیضی کو دیکھ رہی تھیں۔

بابر کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کا انہیں پرانا تجربہ تھا۔

”آپ مجھے کہہ رہی ہیں آنٹی، آپ نے دیکھا نہیں ابھی یہ کس طرح نینی کے ساتھ...۔“ فیضی کی آواز میں جذباتیت بھری لرزش تھی۔

نینی کو سمجھنے میں اس بار دیر نہیں لگی کہ یہ خاتون بابر کی امی ہیں، شاید وہ پچھلی رات میں کسی وقت یہاں پہنچی تھیں۔

”میں نے کچھ نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی کچھ سنا ہے۔

تم نے یہاں ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تو میں پولیس کو فون کر دوں گی، وہ تم سے اور تمہاری بیوی سے خود ہی پوچھ گچھ کرتی رہے گی۔“

بے حسی کی آخری حدوں کو بھی پار کرتے ہوئے وہ اتنی اجنبی لگ رہی تھیں کہ فیضی سے پہچانی نہیں جا رہی تھیں۔

وہ جو اس کی آمد پر، خاطر تواضع میں بچھی جاتی تھیں۔ علانیہ اسے اپنا بیٹا مانتی تھیں اور اس کے خاندان سے اپنا تعلق جوڑنے میں فخر محسوس کرتی تھیں آج انہیں کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔

لوگوں کی یادداشت کا سب سے بڑا کمال، عام طور پر یہی ہوتا ہے جو یاد رکھنا چاہا یاد رکھا اور جسے بھولنا چاہا آسانی سے بھول گئے۔

بابر کی امی نے بھی بھلا دیا تھا تو کیا غلط کیا تھا۔

مگر فیضی کیلئے کچھ بھی آسان نہیں تھا۔

بابر کی امی کا روّیہ اسے اور بھی مشکل میں ڈال گیا تھا۔ بناء کوئی بھی لفظ کہے وہ ایک بار پھر بابر کی طرف بڑھنا چاہ رہا تھا مگر اس بار بابر کی امی نے بڑی سختی سے اس کا بازو تھاما تھا۔

''لگتا ہے تمہاری سمجھ میں میری بات نہیں آ رہی ہے' کیا کیا ہے میرے بیٹے نے ایک تو تمہیں سر چھپانے کو جگہ دی' اگر میرے ملازم مجھے اطلاع نہیں دیتے تو مجھے تو ابھی سال بھر بھی خبر نہیں ہونی تھی کہ یہاں کیا ڈرامہ ہو رہا ہے۔''

فیضی کیلئے ان کی کوئی بات اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ صرف ایک ہی منظر اس کی آنکھوں کے سامنے ٹھہرا ہوا تھا۔ بابر کا نینی کو ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا۔

''تمہارا تو میں خون پی جاؤں گا بچو گے نہیں بابر تم مجھ سے' میں وہ حال کروں گا تمہارا کہ بھول نہیں پاؤ گے تم۔''

فیضی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر ڈالے' رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والی خجالت میں گھیرا' بابر بے ساختہ ہی خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹا' اس کیلئے آج کا دن بیک وقت برا بھی ثابت ہوا تھا اور اچھا بھی۔

برا اس کی بدنیتی ظاہر ہونے کی وجہ سے اور اچھا ہمیشہ کی طرح اس کی امی کے بر وقت بچا لینے کی وجہ سے۔

''ہاتھ لگا کر دیکھو تم میرے بیٹے کو اور وہ بھی اس لڑکی کی وجہ سے' جسے تمہارے گھر والوں نے گھر میں گھسنے تک نہیں دیا ہے ارے اس جیسی لڑکیوں کا تو کام ہی یہی ہے پہلے تم جیسا بیوقوف پھنس گیا اور اب اس بابر پر....''

ذرا فاصلے پر کھڑی نینی کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ لوگ زمین پھٹ کر اس میں سما جانے کی تمنا کس وجہ سے کرتے ہوں گے۔

ایسا ہی کچھ شاید فیضی کو بھی محسوس ہوا تھا۔

وہ بالکل گنگ سا کھڑا بابر کی امی کو دیکھ رہا تھا۔

''میں تمہیں آدھا گھنٹہ دے رہی ہوں' اپنا سامان اٹھا کر یہاں سے نکل جاؤ' تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اسے پولیس کے حوالے کر دیتی اور یہ جو کارنامہ تم نے انجام دیا ہے اس کو خود بھگتو دوسروں پر کیوں بوجھ بنے ہوئے ہو۔ چلو بابر۔''

فیضی کو بے دخلی کا حکم سنا کر وہ بابر کو اپنے بازو کے حلقے میں لے کر دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

''سن لیا نا تم نے بس آدھا گھنٹہ اس کے بعد میں تمہاری یہاں شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تمہاری ماں کو اگر پتہ چل جاتا کہ تم یہاں ہو تو وہ تو میری جان عذاب میں کر دینے والی تھی اور ویسے بھی یہ شریفوں کا گھر ہے ایسی لڑکیوں کو یہاں نہیں رکھا جا سکتا۔''

دروازے پر پہنچ کر وہ مڑیں۔

فیضی سر جھکا کر کھڑا تھا اور نینی کی طرف انہوں نے دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

اس بار فیضی بالکل خاموش رہا۔

اپنی زندگی میں جس تبدیلی کا واویلا وہ اکثر مچائے رکھتا تھا اس میں آج اس وقت ہونے والا تجربہ بالکل ہی مختلف تھا۔ پہلی بار اسے پتہ چلا تھا کہ ذلت کیا ہوتی ہے اور اس میں مبتلا ہونے والا شخص کیسے اپنا سارا حوصلہ کھو بیٹھتا ہے۔

اس کی زندگی صحیح معنوں میں اب بدلی تھی۔

بابر اور اس کی امی جا چکے تھے لاؤنج میں بس اب وہ نینی تھے۔

دفعتاً ہی وہ تیزی سے مڑا اور نینی سے بنا کچھ کہے بیڈروم میں چلا گیا۔ وہ وہیں کھڑی رہی۔ اندر سے چیزوں کے رکھنے اٹھانے کا شور اٹھ رہا تھا۔ فیضی یقیناً سامان سمیٹ رہا تھا۔ نینی اس کا ہاتھ بٹانے کیلئے اس کے پیچھے جانا چاہتی تھی، مگر اسے لگ رہا تھا جیسے قدم زمین پر جم چکے ہیں۔ زندگی ان بدترین گھڑیوں میں جامد ہوئی تھی اور اب ساری عمر اسے یہیں کھڑے رہنا ہے یہاں سے چلے جانے کے بعد بھی اسے امی یاد آئیں۔

جنہوں نے بخوشی اس کی خواہش پر سر جھکایا تھا۔ جو آج بھی دیا کیلئے فیضی جیسے لڑکے کی حسرت دل میں دبائے بیٹھی تھیں۔ اسے ابا یاد آئے جنہوں نے اس کی نافرمانی کو آج بھی معاف نہیں کیا تھا۔

اس کی سمجھ میں آرہا تھا کہ وہ اس کی شکل بھی دیکھنا کیوں نہیں پسند کرتے۔

وہ تھی ہی اس قابل۔

اپنی خوشی کو پورا کرنے کیلئے جس بے نیازی سے اس نے پہلا قدم گھر کی عزت پر رکھا تھا اس کے بعد یہ لفظ اس کی زندگی سے ہمیشہ کیلئے نکل چکا تھا۔

نینی۔'' اندر فیضی بہت زور سے چلایا تھا۔

آدھ گھنٹے کی مختصر مدت تیزی سے گزر رہی تھی۔

...☆☆☆...

سمیع نے امتحانوں کے فوراً بعد کسی کمپنی میں جز وقتی جاب کرلی تھی۔

آئندہ دنوں میں دیا کی شادی متوقع تھی اور اس بڑے خرچے سے نمٹنے کیلئے اچھی خاصی پلاننگ درکار تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''رزلٹ آنے کے بعد تو انشاء اللہ اچھی جاب مل جائے گی نازی آپا میں نے کئی جگہ اپلائی کرنے کا سوچا ہوا ہے۔''

اس وقت وہ نازی کے اس خاص یہی موضوع لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ ''شام کو بھی مجھے دو تین میتھس کی اچھی ٹیوشن مل گئی ہیں، دیا کی شادی تک جتنا بھی ہو جائے اچھا ہے۔''

نازی نے بہت محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ امی کو ہمیشہ ہی سمیع سے لاپروائی کا گلا رہتا تھا۔ مگر نازی جانتی تھی کہ وہ ایسا نہیں تھا۔

بظاہر لاپروائی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود وہ گھر اور گھر والوں کیلئے بے حد حساس تھا۔ بہت چھوٹی عمر سے اس نے اپنے اخراجات بڑے محدود کر لئے تھے، چند شرٹس اور دو تین گھسی ہوئی جینز میں اس نے اپنی انجینئرنگ کی تعلیم بھی مکمل کر لی تھی۔

اسے اپنی پڑھائی پر ہونے والے خرچوں کا بھی احساس رہتا تھا۔

''کوٹ پرانا پہنا جا سکتا ہے مگر کتاب نئی پڑھی جاتی ہے۔''

نازی کے کپڑے بنانے کے مشورے پر وہ کہیں پڑھی ہوئی یہ کوٹیشن اکثر دہراتا تھا۔ جدوجہد کا وہ دور بہرحال اب اپنے خاتمے پر تھا۔

''نینی کی شادی تو جیسے ہوئی سو ہوئی۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے نازی کی طرف دیکھا تو وہ بے اختیار ہی اپنی نگاہیں جھکا کر رہ گئی۔

''بہت بار کچھ نہ کرتے ہوئے بھی انسان خود کو کتنا شرمندہ محسوس کرتا ہے وہ بھی بار بار۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

پتہ نہیں سمیع نے اس کے چہرے پر لکھی ہوئی اس تحریر کو پڑھا بھی یا نہیں۔

"لیکن دیا کی شادی ہم لوگ بہت اچھی طرح کریں گے سارے فنکشنز اچھی طرح سے سیلیبریٹ کریں گے' خاندان والوں کو نینی کی شادی میں نہ بلانے کا جو گلہ ہے وہ بھی دور ہو جائے گا۔"

وہ دونوں پچھلی طرف بنے امی کے کچن گارڈن کے کنارے کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے۔

تھوڑے ہی فاصلے پر امی بھی بیٹھی تھیں۔

آم کے درختوں سے ایک بار پھر کیریاں اتری تھیں اور انہوں نے آج کیاریاں کو کاٹ کر مصالحے لگا کر سوکھنے کیلئے ہوا میں رکھا ہوا تھا۔ ہوا میں کچی کیاریاں کے ساتھ رائی' ہلدی اور دیگر مصالحوں کی ملی جلی سی مہک اڑتی پھر رہی تھی۔

بظاہر وہ اتنے توجہ طلب کام میں گھری ہوئی تھیں مگر ارد گرد سے اتنی بے خبر بھی نہیں تھیں۔ دیا کی شادی کے پروگرام جب بھی بنتے انہیں ٹینشن سی شروع ہو جاتی۔

"کیا کریں گے خاندان والے آکر' الٹا ہنسیں گے ہی کہ یہ رشتہ ڈھونڈا ہے اتنے رشتے ریجیکٹ کرنے کے بعد۔"

"خدا کے واسطے امی۔" سمیع نے بے ساختہ ہی ان کے آگے ہاتھ جوڑے۔ "یہ باتیں چھوڑ دیں پلیز۔ عمر بھائی اتنے اچھا انسان ہیں مگر آپ ہیں کہ ...."

مارے جھنجلاہٹ کے اس سے اپنی بات بھی پوری نہیں کی جا سکی۔

"تو پھر کیسی باتیں کروں۔" انہوں نے ہاتھ میں تھاما ہوا لکڑی کا چمچہ زور سے سامنے رکھی ہوئی تھالی پر پٹخا۔

"کیا دیکھیں گے خاندان والے وہ چھوٹا سا پرانا فلیٹ ایک ڈھنگ کا گھر تک تو ہے نہیں عمر کے پاس تمہارے ابا نے بہت اچھا رشتہ منتخب کیا ہے بیٹی کیلئے۔"

ان کا ملال کسی طرح کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا اور یہ قصہ اب دیا کی شادی تک اسی طرح چلنا تھا۔

سمیع کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔ مگر نازی کے اشارے پر خاموش ہو گیا۔

امی بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں تو ہلکے سے سر جھٹک کر اس نے جیسے ان کی بات کا اثر زائل کرنا چاہا۔

ابا کہہ رہے تھے کہ وہ زیادہ عرصے کا گیپ نہیں چاہتے ہیں۔ دیا کی شادی میں میرا ابھی یہی خیال ہے مگر پیسوں کا انتظام تو ہمیں کر کے رکھنا ہو گا۔ پہلے سے معلوم نہیں ابا کے اکاؤنٹ میں اب کتنی رقم ہے۔"

آخری جملہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں خود بخود ہلکی سی بے یقینی اتر آئی۔

خود نازی بھی اس طرف سے زیادہ پرامید نہیں تھی ابا کی آمدنی کم و بیش گھر کے خرچوں کی نذر تھی۔

ساری عمر کی محنت کے بعد جو بچت انہوں نے کی تھی اس میں نینی دیا اور نازی کیلئے تھوڑا بہت زیور بنا سکے تھے۔

نینی کی شادی پر کسی قسم کا کوئی رسمی جہیز نہیں دیا گیا تھا' مگر انہوں نے اسے ایک لاکھ روپے کا چیک ضرور دیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ اگر وہ یہ شادی اپنی خوشی سے کرتے تو اس میں ایک متوسط درجہ کا جہیز بنا کر اسے دیتے۔

نازی کو نہیں لگتا تھا کہ اب سال سے بھی کم عرصے میں وہ دوبارہ کوئی بڑی رقم جمع کر سکے ہوں گے مگر ایسی کوئی گھبرانے والی بات نہیں تھی۔

خود اس کی سکول میں کمیٹیاں چلتی رہتی تھیں اور ضرورت پڑنے پر کوئی نئی بھی ڈالی جا سکتی تھی۔ وہاں آپس میں امداد باہمی کا سلسلہ بڑا پرانا تھا۔

آپس کی ساری چپقلشوں اور چھوٹی موٹی تکلیفوں کے باوجود۔

وہ سمیع کو اطمینان دلانے لگی تو وہ تھوڑا سا اداس ہو گیا۔

"آپ کے اوپر بہت بار رہتا ہے' مجھے تو اتنی شرمندگی ہوتی ہے کہ بس۔"

"رہنے دو بس۔" نازی ہلکے سے مسکرائی۔ "کوئی بار وار نہیں' اپنے گھر کے مسئلے ہمیں ہی حل کرنے ہیں۔ کوئی باہر سے ٹھیک کرنے نہیں آئے گا اور اب تو اللہ کا شکر ہے کوئی بڑا مسئلہ رہا بھی نہیں ہے۔"

نازی کے لہجے میں بڑی طمانیت تھی۔ اسے اب واقعی ایسا ہی محسوس ہوتا تھا۔

دیا کا رشتہ اچھی جگہ طے ہو چکا تھا۔

نینی کی شادی ہو چکی تھی اور سمیع فائنل ایئر کے امتحانوں سے فارغ ہو چکا تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے جو ایک دباؤ کی سی کیفیت طاری تھی بہرحال اب خاتمے پر ہی تھی۔

"نینی کے کیا حال ہیں' بہت دن سے دیکھا نہیں اسے۔"

سمیع کو کچھ خیال آیا تو پوچھنے لگا۔

"ٹھیک ہی ہو گی چند دن پہلے امی کی بات ہوئی تھی۔ اصل میں فیضان کی وجہ سے میں خود بھی اسے زیادہ فون نہیں کرتی ہوں' ہم لوگوں کے ساتھ گھلنا ملنا وہ پسند نہیں کرتا ہے یا شاید عادتاً ہی ریزرو ہے۔" وہ ہلکے ہلکے بتانے لگی۔ گھر میں سمیع ہی تھا جس سے ہر بات آرام سے کی جا سکتی تھی۔

"وہ بہت اسٹیٹس کانشس ہے نازی آپا' اس نے نینی سے شادی تو کر لی مگر ہم لوگوں کو وہ برابر کی حیثیت دینے پر تیار نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں اس کے دوستوں کو ان میں سب ہی اونچے پیسے والے گھروں کے لڑکے ہیں جن کی شہرت بھی اچھی نہیں ہے۔"

اس کا تجزیہ تکلیف دہ سہی مگر وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا' اس کا اور فیضی کا ڈیپارٹمنٹ الگ تھا' مگر وہ دونوں ہی انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔

"ہمارے لئے یہی بہت ہے کہ نینی خوش ہے وہ اس کا تو بے حد خیال رکھتا ہے' ہو سکتا ہے رفتہ رفتہ اس کے روّیہ میں بہتری آتی جائے۔"

نازی کی فطری خوش امیدی اسے زیادہ دیر تک کسی بھی منفی بات پر نہیں ٹکنے دیتی تھی۔

"ہاں' بس یہی ایک اچھی بات ہے اس سارے معاملے میں۔"

سمیع نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے خود کو کسی ان دیکھے بوجھ سے آزاد کرنا چاہا۔

نازی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہی ایک نہیں بہت سی باتیں اچھی ہوتی ہیں زندگی میں، مگر ہمیں ان کی قدر نہیں ہوتی آس پاس دیکھو تو قدرت نے کتنی آسانیاں، کتنے پلس پوائنٹ ہماری کسی کوشش کے بغیر ہمیں عطا کئے ہوئے ہیں ان کے مقابلے میں حصے میں آنے والی پریشانیاں تو کم ہی ہوتی ہیں۔"

"بالکل صحیح فرمایا آپ نے۔" سمیع ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

نازی بہن بھی تھی اور دوست بھی اور سب سے بڑھ کر وہی ایک مرکز تھی جہاں سے اس نے ہمیشہ حوصلہ پایا تھا۔

اس وقت بھی وہ تھوڑی دیر پہلے دیا کی شادی کے سلسلے میں ہونے والے اخراجات کو لے کر کتنا فکر مند ہوا بیٹا تھا۔ مگر اب یقین تھا کہ کچھ نہ کچھ اچھا ہو ہی جائے گا۔

اسے اپنی ٹیوشن پر جانا تھا۔

نازی نے سمیع کو تو مطمئن کر دیا تھا مگر "فکر" مٹھی میں دبا کر رکھی تھی۔ اگلے دن سکول میں جب خوش قسمتی سے وہ اور رعنا بیک وقت فری پیریڈ مل جانے کی وجہ سے سٹاف روم میں بیٹھی تھیں اس نے رعنا سے یہی ضروری بات شیئر کی۔

"پاگل تو نہیں ہو۔"

اس نے کچھ اس طرح نازی کی طرف دیکھا جیسے واقعی اس کے ذہنی توازن پر شک ہو۔

"تمہاری آدھی سے زیادہ تنخواہ تو پہلے ہی کٹ رہی ہے اب ایک نئی کمیٹی ڈالنے کا مطلب سمجھتی ہو۔"

"وہ تو اس سال میں ختم ہو جائیں گی پھر آگے تو آسانی ہو جائے گی۔"

"اور یہ سال کس طرح گزرے گا کچھ اندازہ ہے سال میں پورے بارہ مہینے ہوتے ہیں اور وہ پلک جھپکتے میں نہیں گزرتے ہیں۔"

رعنا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے آخر کس طرح سمجھائے۔

"میں شام میں پھر سے ٹیوشن شروع کر دوں گی اور پھر انشاءاللہ کچھ عرصے میں تو سمیع بھی اچھی جاب میں آ جائے گا۔ اتنا پرابلم نہیں رہے گا۔"

نازی کے پاس ہمیشہ کی طرح اچھے آپشنز کی کمی نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے جب سمیع کی جاب شروع ہو جائے تو پھر اس سے کہنا ابھی یہ بیوقوفی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" رعنا کا انداز فیصلہ کن تھا۔ نازی چند لمحے اسے منتظر سی نگاہوں کے ساتھ دیکھتی رہی شاید کہ وہ اپنا فیصلہ بدلے۔

مگر نہیں۔

"دیکھو رعنا، بات کو سمجھو پلیز۔" بعض اوقات اسے رعنا کو ایسی باتوں کیلئے منانا پڑتا تھا جو خود اس کے اپنے خلاف جاتی تھیں۔

"فی الحال سب سے اہم مسئلہ دیا کی شادی کا ہے جو زیادہ سے زیادہ چند مہینوں میں ہو جائے گی انشاءاللہ اس کو حل کرنا ہر بات سے زیادہ ضروری ہے بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔"

رعنا کو پتہ تھا کہ وہ ماننے والوں میں نہیں ہے گھر والوں کیلئے وہ اسی بے غرضی کے ساتھ ہی ہمیشہ چلی تھی۔

"معلوم نہیں کبھی اس کیلئے بھی کچھ اچھا کرنے کا وہ لوگ بھی سوچیں گے یا نہیں۔"

رعنا کو اکثر ہی اس معاملے میں مایوسی گھیرتی نازی اس طرح کی باتوں پر برا منا جاتی تھی سو اب کہنا تقریباً چھوڑ ہی رکھا تھا۔

"کچھ پیسے میرے اکاؤنٹ میں جمع ہیں اور کچھ بھائی جان سے بھی لئے جا سکتے ہیں تم جب کہو گی میں نکلوا کر دے دوں گی۔"

اسے آئندہ کی ٹینشن سے بچانے کیلئے وہ جو کر سکتی تھی یقیناً کرنے کیلئے تیار تھی اور یہ بات خود نازی بھی جانتی تھی۔

"تم سے نہیں کہوں گی تو کس سے کہوں گی۔ مگر جہاں تک میں خود کر سکتی ہوں وہاں تک تو پلیز مجھے کرنے دو۔" بہت ملتجی سے انداز میں اس نے رعنا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ ہمیشہ ہی اس کے آگے ہارتی تھی۔ وہ اس سے دوستی کی کتنی ہی دعویدار سہی مگر ایک بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ نازی اپنے گھر والوں پر کسی کا بھی احسان لینے کیلئے تیار نہیں اس کا بھی نہیں۔

...☆☆☆...

کاؤنٹر پر رکھے دونوں موبائل فونز کو اچھی طرح چیک کر لینے کے بعد اب دوسری طرف کھڑا ہوا شخص اسے سخت مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"ہم اس سے زیادہ نہیں دے سکتے۔ ساری مارکیٹ کھلی پڑی ہے زیادہ چاہیں تو کہیں اور معلوم کر لو۔"

فیضی نے بے بس سی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا۔

جس پہلی دکان پر وہ یہ فون لے کر گیا تھا اس نے بھی اسی طرح کا جملہ کہا تھا۔ تب وہ اس نے یہ دونوں فونز کاؤنٹر پر سے اٹھانے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگایا تھا۔ مگر اب کم و بیش دس بار دکانوں پر خوار ہو لینے کے بعد اس نے کاؤنٹر پر پڑے ان قیمتی موبائلز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

اس ایک جملے کی گردان اب وہ مزید سننا نہیں چاہتا تھا وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ ان سب کے درمیان ایک مضبوط مگر خاموش ایکا ہے۔

"مگر یہ تو ان میں سے ایک کی بھی قیمت نہیں بنتی آپ تو دونوں اسی میں لینا چاہ رہے ہیں۔"

اس کا لہجہ اب بالکل کمزور پڑ چکا تھا۔

"نہیں ہے تو کون ساز بردستی ہے تمہاری چیز ہے واپس لے جائو۔" دکاندار دانستہ مڑ کر اپنے شیلف میں رکھے فونز کو چیک کرنے لگا۔

فیضی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس ڈیل کو کس طرح فائنل کرے اسے زندگی میں صرف چیزیں خریدنے کا اتفاق ہوا تھا وہ بھی منہ مانگے داموں پر کسی مہنگی سے مہنگی چیز کو بھی خریدتے ہوئے اس نے کبھی دوبارہ سوچا بھی نہیں تھا۔

اس کیلئے سب سے اہم چیز کا پسند آ جانا تھا۔ یہ قیمتی موبائلز بھی اس کے اسی شوق کی یادگار تھے۔

اس کیلئے سب سے اہم چیز کا پسند آجانا تھا یہ قیمتی موبائلز بھی اس کے اسی شوق کی یادگار تھے۔

"ایک تو ہم رسک لے کر یہ مشکوک فونز خرید لیتے ہیں آئے دن پولیس چھاپے مارتی رہتی ہے ان کو تو دینا دلانا ہی پڑتا ہے تم لوگ تو کہیں سے بھی اٹھا لیتے ہو اور ہمیں دے کر اپنے پیسے کھرے کر لیتے ہو۔"

دکاندار اپنے رجسٹر میں کچھ اندراج کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

فیضی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اسے ایسا لڑکا سمجھ رہا تھا جو سڑکوں گلیوں سے فون چھین کر اونے پونے بیچنے چلے آتے ہیں۔

اسے برا لگا مگر اتنا نہیں۔

اپنی زندگی کے پچھلے دور میں اگر وہ کسی کو اشارتاً بھی ایسی کوئی بات اپنے بارے میں کہتا ہوا سنتا تو یقیناً اس کا منہ توڑنے میں دیر نہیں لگاتا۔

مگر اب نہیں۔

اس سے کہیں زیادہ ذلت وہ سہہ چکا تھا اور جتنی تکلیف وہ اٹھا چکا تھا اس کے بعد اسے نہیں لگتا تھا کہ کوئی بھی بات اس سے بڑھ کر تکلیف پہنچانے والی ہو گی۔

آپ یقین کیجئے یہ میرے اپنے ذاتی موبائل ہیں اور مجھے پیسوں کی سخت ضرورت نہ ہوتی تو میں انہیں کبھی نہیں بیچتا۔ بناء ذرا بھی جذباتی ہوئے وہ نارمل سے لہجے میں دکاندار کو اپنی صفائی دینے کی کوشش کر رہا تھا ان دونوں موبائلز کے وارنٹی کارڈ اسے پورا یقین تھا کہ ابھی بھی گھر میں اس کے کمرے کی کسی نہ کسی دراز یا خانے میں پڑے ہوں گے۔ کسی بیکار چیز کی طرح۔

اس بار دکاندار نے رجسٹر پر سے ٹراٹھا کر اس پر ایک گہری نگاہ ڈالنے کی تکلیف کی فیضی کی شکل اور حلیہ ابھی بھی اس کے پچھلے اسٹیٹس کا پتہ دیتے تھے۔ اس شخص نے خود بھی دل میں اقرار کیا مگر زبان سے کہہ کر وہ تکنیکی غلطی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

”دیکھو بھائی کسی کے بھی ماتھے پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ کیا کر کے آ رہا ہے یہاں زیادہ تر ایسے ہی فون لائے جاتے ہیں تمہارے پاس بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ تمہارے اپنے ہیں بات ختم اب جاؤ میرا وقت خراب مت کرو۔“ اس نے بے نیازی سے وہ فون فیضی کی طرف سرکائے یہ اس کا آخری حربہ ہوتا تھا۔

جس کے بعد عموماً مخالف ہتھیار ڈال ہی دیتا تھا فیضی بھی ہار چکا تھا۔

”اچھا کچھ تو پیسے بڑھائیں پلیز۔“

اپنی کامیابی پر دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے اس شخص نے ایک بار پھر اپنے ہونے والے منافع کا اندازہ لگایا جس کے بارے میں اسے ذرا سی بھی غلط فہمی نہیں تھی۔

”ٹھیک ہے میں زیادہ سے زیادہ پانچ سو روپے اور دے سکتا ہوں وہ بھی محض تمہارے اتنا کہنے پر ورنہ میں تو چاہ رہا تھا کہ تم انہیں مارکیٹ میں دکھالو تا کہ تمہیں خود ان کی ویلیو کا اندازہ ہو جائے گا۔“

”نہیں بس ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔“ فیضی نے اس کی بات ختم ہوتے ہی تیزی سے کہا وہ اب یہاں مزید پھرنے کی ہمت خود میں نہیں پا رہا تھا اور پہلی بار اسے یہ بھی لگا تھا کہ پانچ سو روپے بھی اچھی خاصی رقم ہوتی ہے۔

دکاندار نے نوٹ گن کر اس کے حوالے کئے اور اس نے بھی گن کر ہی اپنی جیب میں رکھے پیسہ ایک دم ہی اس کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

وہ مارکیٹ سے باہر آیا تو پہلے کی نسبت پر سکون تھا۔

کم از کم کچھ پیسے تو اس کے پاس تھے ورنہ پچھلے دو دن سے اس کے پاس اتنی کم رقم رہ گئی تھی کہ اسے خود سے شرم آ رہی تھی۔ بابر کا گھر چھوڑتے ہوئے وہ اس سے لی ہوئی رقم گیٹ پر کھڑے گارڈ کو دے

آیا تھا کہ وہ بابر کو واپس دے دے۔ اس کے فرشتوں کو بھی نہیں پتا تھا کہ باریش پنج وقت نمازی اصغر حسین نے خاموشی سے وہ پیسے اپنے پاس رکھ چھوڑے ہیں۔

نوکروں کی ادھر ادھر پھرتی فوج نے انیکسی میں ہونے والے اس "لائیو ڈرامہ" کی پوری رپورٹ اسے بھی سنا دی تھی۔

مالکوں کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ بظاہر چپ کر مہر لبوں پر لگائے بالکل لاتعلق کسی روبوٹ کی مانند ادھر سے ادھر پھرتے احکام بجالاتے ملازم اپنے کان اور آنکھیں ہمہ وقت کھلی رکھتے ہیں۔

صرف مالکوں کے احکام سننے کیلئے نہیں بلکہ گردوپیش سے اچھی طرح باخبر رہنے کیلئے بھی۔ گارڈ اصغر حسین بھی اس ذلت سے واقف ہو چکا تھا، جو بابر اور اس کی امی کے ہاتھوں فیضی اور نینی نے سہی تھی۔

تب ہی اسی وقت اس نے وہ پیسے بابر کو نہ لٹوانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسے نہ بابر سے ہی کوئی لگاؤ تھا اور نہ ہی فیضی اور نینی سے ہمدردی۔

"امیر گھرانوں کی بگڑی ہوئی اولاد۔"

اس نے سارا قصہ سن کر یہی کہا تھا اور دل میں شکر ادا کیا تھا کہ وہ اتنا پیسے والا نہیں ہے کہ اس کی اولاد خودسری کے یہ مظاہرے کرتی پھرے۔

فیضی کے دیئے ہوئے پندرہ ہزار روپے اپنے پاس رکھتے ہوئے اسے ذرا سی بھی ندامت نہیں ہوئی اس کے کروڑپتی مالکوں کیلئے یہ رقم صفر کے برابر بھی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

بابر نے زیادہ سے زیادہ ایک دو دن میں یہ پیسے اڑا دینے تھے یا پھر ایک دو گھنٹے میں ہی۔

پیسے کے اسراف کے جو مظاہرے وہ یہاں دیکھتا اور سنتا آیا تھا اس کے بعد ایمانداری کا یہ مظاہرہ کرنا اس کے نزدیک قطعی غیر ضروری تھا۔

یہ خود اس کے اپنے ذمہ پانچ بچوں، بیوی بوڑھے والدین اور دو بہنوں کی کفالت تھی بہن کے سسرال والے شادی پر زور دے رہے تھے یہ پیسے اس نے اسی مد میں خرچ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس غیبی امداد پر صدق دل سے اللہ کا شکر بھی۔

یہ جانے بغیر کہ بابر کی امی کو ان پندرہ ہزار کا کتنا قلق ہے اور وہ مستقبل میں کبھی بھی فیضی کی امی کو یہ پیسے جتانے کا پورا پروگرام بنائے ہوئے تھیں۔

فیضی کی گاڑی مارکیٹ سے باہر کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔

اور کچھ دنوں بعد اسے گاڑی کے بغیر بھی گزارا کرنا تھا۔

یہ فیصلہ وہ کر چکا تھا۔

گاڑی ایک نسبتاً خاموش علاقے میں سے گزر رہی تھی تب اس نے سامنے ڈیش بورڈ پڑی دونوں فونز کی سم اٹھائیں اور گاڑی کی رفتار کو تھوڑا سا کم کرتے ہوئے زور سے ایک طرف اچھال دیں۔

گھر والوں سے رابطے کا یہ سب سے مؤثر ذریعہ تھا جو آج اس نے اپنے ہاتھوں سے ختم کیا تھا اور اب آگے وہ مزید سراغ مٹانے کی ٹھانے ہوئے تھا۔

اب اس کے پاس صرف ایک موبائل تھا۔ معمولی سستا والا جس کا نمبر گھر والوں کے پاس نہیں تھا۔ کیا فائدہ تھا ایسے رابطوں کا جو اسے بابر کے گھرانے کے ہاتھوں ہونے والی ذلت سے نہ بچا سکے۔

وہی تھے جو اس کی اس درجہ خواری کا سب سے بڑا سبب بنے تھے پھر کیوں وہ ان کی طرف سے امیدیں پالتا رہے اور رشتوں کو بھلا دینے کی روایت تو ان کے خاندان میں برسوں پرانی تھی۔

اس نے ان دو دنوں میں بارہا خود کو یہ باور کرایا تھا۔

پہلی بار اس کا دل چاہا تھا کہ وہ بھی اب تا زندگی پلٹ کر نہیں دیکھے۔

ایک متوسط درجہ کے ہوٹل کے باہر اس نے گاڑی روکی اور پھر لاک کر کے اندر چلا آیا۔ یہاں اندر پارکنگ کیلئے بہت تھوڑی جگہ تھی اور اس کے اندازے کے عین مطابق پوری طرح سے پہلے ہی بھری ہوئی تھی۔ پچھلے دو دن سے وہ اپنی گاڑی باہر ہی کھڑی کر رہا تھا۔ سیڑھیوں سے اوپر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اسے نینی کا خیال آیا جو صبح سے کمرہ اندر سے بند کئے بیٹھی تھی۔

''کون۔''

اپنی دستک پر اسے نینی کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کھولو میں ہوں۔'' سپاٹ سے لہجے میں اس نے کہا تو دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوا تو منتظر تھا کہ اب حسب عادت سوالوں کی بوچھاڑ کرے گی۔

''اتنی دیر۔''

''کہاں تھے اب تک۔''

''میں کب سے یہاں اکیلی بیٹھی ہوں۔'' وغیرہ وغیرہ' مگر اس نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا دروازہ بند کر کے واپس بیڈ کے کنارے پر آ بیٹھی گھڑی اور والٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے ایک اچٹتی ہوئی

''کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی یوں بدلے گی کہ ذرا ذرا سی باتوں پر لوگوں کا منہ دیکھنا پڑے گا اور معلوم نہیں ابھی آگے اور کیا ہونا ہے۔''

وہ جب تک گھر سے نکلا مستقل ہی بولے گیا تھا۔ نینی کو اس کی باتوں کا رنج تو ہوتا ہی تھا مگر اسے فیضی پر رحم بھی بے حساب آتا تھا۔

عرش سے فرش پر آنے کا محاورہ شاید اسی کیلئے کہا گیا تھا۔

شادی سے پہلے اور بعد کے ابتدائی دنوں میں وہ اس زندگی کی ایک جھلک دیکھ چکی تھی جو فیضی گزارنے کا عادی تھا۔

روپے کو وہ اس بے دردی سے خرچ کرتا تھا جیسے کوئی کاہل انسان وقت کو۔

اور وہی پیسہ اب اس کیلئے اتنا نا قابل پہنچ ہوتا جا رہا تھا کہ حد نہیں۔

پیسوں میں ہونے والی کمی کا نمایاں احساس اب نینی کو بھی ہو رہا تھا وہ لالچی نہیں تھی۔ مگر فیضی کے شاندار بیک گرائونڈ کی وجہ سے ایک اچھی پر آسائش زندگی کی تمنا خود بخود دل میں گھر کئے ہوئے تھی۔

پر یہ خواہش بھی اب پیچھے کہیں رہ گئی تھی۔ اب تو صرف ایک ہی فکر سوار رہتی تھی کہ یہ جو اتنا بڑا قدم اس نے بہت بے خوفی کے ساتھ اٹھایا تھا اسے تازندگی نبھا سکے۔ گو وہ فیضی کی طرح اکیلی نہیں تھی' اس کے پیچھے سارے گھر والے تھے' جنہوں نے گھر کے دروازے اس کیلئے کھلے ہوئے بھی رکھے تھے بشارت صاحب کی ناراضی کے باوجود بھی۔

پھر بھی اسے پلٹ کر دیکھنے سے ڈر لگتا تھا۔

خدا نہ کرے جو کبھی ایسا وقت آئے کہ وہ ابا کے سامنے شرمسار کھڑی ہو۔''

لائونج کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے اس نے جیسے چونک کر ایک تکلیف دہ خیال کو ہلکے سے سر کو جھٹک کر خود سے دور کرنا چاہا۔

جیسے جیسے وقت گزرا تھا اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ ان لوگوں کیلئے کتنے بڑے صدمے کا سبب بنی ہے اب اپنی طرف سے وہ انہیں دوسرا دکھ نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔

محض دھیان بٹانے کیلئے اس نے سامنے پھیلے خوبصورت وسیع و عریض لان پر ایک نگاہ ڈالی۔

ہمیشہ کی طرح بے حد حسین اور سرسبز۔

گو اب یہ سب دیکھ کر نینی کے دل پر وہ پہلے والی سرشاری تو طاری نہیں ہوتی تھی' مگر پھر بھی بہت دن بعد اسے یہاں پچھلے دو دن سے بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔

دور لان کے دوسری طرف بابر کی گاڑی کھڑی ہونے کی مخصوص جگہ ابھی بھی خالی تھی جتنی بار بھی نینی کی نگاہ اس جگہ پر پڑتی دل کو بڑا سکون سا حاصل ہوتا۔ بابر کی نگاہوں کا گدلا پن برداشت کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا تھا۔

اس لئے اور بھی کہ فیضی اس قسم کی کسی بھی بات کو سن کر بہت بری طرح بھڑک سکتا تھا۔

خوشگوار موسم دلکش نظارے کی کشش اسے زیادہ دیر نہیں باندھ پا رہی تھی' مگر اچھے خاصے فاصلے پر بنے گھر کے مرکزی رہائشی حصے میں ہونے والی چہل پہل کو نظرانداز کرنا اس کیلئے مشکل تھا۔ معلوم نہیں وہاں کیا ہو رہا تھا۔ چند ملازم بڑی تیزی سے اندر باہر آ جا رہے تھے' کسی قسم کا اہتمام ہو تو رہا تھا۔

پر کیا؟

اس کا اندازہ یہاں بیٹھ کر کرنا آسان نہیں تھا۔ نینی اس طرف جانے سے سختی سے پرہیز کرتی اتنے دن میں ایک بار صرف وہ فیضی کے ساتھ وہاں گئی تھی اس کے بعد نہیں' بابر اور فیضی کے بار بار کہنے کے باوجود بھی نہیں۔

ایک بڑی وجہ تو بابر ہی تھا دوسرے اسے امی نے بھی سختی سے منع کر دیا تھا اس طرف جانے کیلئے ان کا خیال تھا کہ کہیں کوئی چوری دوری نہ نینی اور فیضی کے سر لگ جائے۔ ایک بار نینی نے امی کا یہ خیال فیضی کو بتایا تو وہ بڑے طنزیہ انداز میں قہقہہ لگا کر ہنسا اور پھر بڑی بے نیازی سے سر جھٹک کر بولا تھا۔ ''اونہہ۔ ساری مڈل کلاس مینٹلٹی۔'' نینی نے اس کے بعد سے فیضی کے سامنے گھر والوں کی کوئی بات کوٹ کرنا سرے سے ختم کر دیا تھا۔

اس وقت کی چہل پہل کی وجہ یہی سمجھ میں آ رہی تھی کہ آج بابر کی واپسی تھی اور اس کی آمد پر سارے دوستوں کا اجتماع کسی چھوٹی موٹی پارٹی کا ہی روپ دھار لیتا تھا۔ نینی کو اپنے اندازے پر اتنا یقین تھا کہ اس نے آس پاس سے گزرنے والے ملازمین کو روک کر اس بارے میں پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ اندر سے فون کی بیل کی آواز سنائی دی تو وہ تیزی سے اٹھ کر اندر آ گئی۔

''کل سے تم سے بات نہیں ہوئی تھی ٹھیک تو ہو نا فیضی گھر ہے یا باہر گیا ہوا ہے۔'' دوسری طرف امی تھیں۔

حسب عادل اس کیلئے فکر مند۔

وہ ایک ایک کر کے ان کے سوالوں کے جواب دیئے گئی‘ انہیں اب فیضی سے بہت ساری شکایتیں رہنے لگی تھیں۔

”جب خود سارا سارا دن باہر رہتا ہے تو تمہیں یہاں کیوں نہیں چھوڑ دیتا رات کو واپسی میں لے لیا کرے۔“

گو ان کی بات کوئی ایسی نامناسب بھی نہیں تھی۔ مگر فیضی کئی بار بہت صاف لفظوں میں اسے کہہ چکا تھا کہ وہ اس کا وہاں بار بار جانا پسند نہیں کرے گا‘ ابھی بھی پندرہ بیس دنوں میں جب وہ ادھر جاتی تھی تو فیضی کو تب بھی اندر آنا گوارا نہیں ہوتا تھا۔ وہ اسے گیٹ پر ہی چھوڑتا اور گیٹ سے ہی لے لیتا امی‘ نازی سمیع اس کی خوشامد ہی کرتے رہ جاتے۔

اسی ایک وقت کی شرمندگی سے بچنے کیلئے وہ اب اپنا جانا اور بھی کم کرتی جا رہی تھی۔ مگر امی کو دینے کیلئے اس نے ذرا دوسری طرح کے جواب تیار کر رکھے تھے۔

”روز کہاں آیا جا سکتا ہے امی گھر کے کام بھی تو دیکھنے ہوتے ہیں اور پھر فیضی کی مصروفیت بھی بہت ہے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“ اس کی آخری بات سے امی کو سب سے زیادہ تسلی ہوئی‘ چاہے ابھی بے شک کوئی کام نہیں کر رہا تھا مگر آخر تو بہت امیر گھر کا بیٹا ہے مصروفیت تو اس کی ہونی ہی چاہئے تھی۔ ”دیا کیلئے بھی کوئی ایسا ہی لڑکا مل جاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔“ دِیا کیلئے ان کے پچھتاوے ابھی بھی کم نہیں ہوئے تھے۔ نینی کیلئے ایسے موقع پر ضبط کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

”عمر بھائی بھی بہت اچھے ہیں اور سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ وہ پوری عزت کے ساتھ دیا باجی کو لے کر جائیں گے۔“ اس کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔

دوسری طرف موجود امی پر چند لمحوں کی گہری خاموشی چھائی رہی‘ شاید وہ نینی کی بات کی معنویت کو پرکھ رہی تھیں‘ یا پھر....

”ہاں لے جائیں گے عزت کے ساتھ اس رحمت منزل کے تیسرے فلور والے چھوٹے سے فلیٹ میں‘ جہاں سیڑھیاں چڑھنے اترنے میں ہی آدھی زندگی گزر جائے گی اس کی۔“ امی کی آواز میں بڑا ہی طنزیہ سا احساس تھا‘ ان کی اپنی سوچ تھی‘ جسے بدلنا ناممکن تھا۔

”اور سچی بات تو یہ کہ بدلتا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ خود اس نے کون سی اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی تھی۔ ابا اور نازی آپا اسے کتنا سمجھاتے تھے کہ فیضی کو اس کی کم عمری کی جذباتیت قرار دیتے تھے‘ مگر اس نے ایک بار بھی ان کی بات پر دھیان دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔“ ایک آئینہ جیسے بار بار اس کے سامنے رکھا ہوتا تھا‘ وہ نگاہیں چرا جاتی۔ چند منٹ نازی آپا ابا اور سمیع کی خیر خیریت پوچھ لینے اور اس ہفتے ہی ضرور گھر کا چکر لگانے کا وعدہ کر لینے کے بعد وہ فون بند کر کے پلٹی تو سامنے لائونج کا بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔

فون سننے کی جلدی میں وہ شاید خود ہی اسے کھلا چھوڑ گئی تھی‘ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کرنے لگی تھی کہ ایک عجیب سے احساس نے اسے مڑ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

پیچھے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بابر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

”آپ۔ آپ کب آئے بابر بھائی۔“ ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے بظاہر تو اس کا خیر مقدم ہی کیا تھا‘ مگر در حقیقت اس کا دل بہت خوفزدہ ہو کر دھڑکنا شروع ہو چکا تھا۔

”ابھی چند منٹ پہلے ہی‘ خوش قسمتی سے تمہارا دروازہ کھلا دیکھا تو پہلے سیدھا یہیں آ گیا‘ اس کے چہرے پر وہی معنی خیز مسکراہٹ جو اس کی خراب ذہنیت کو آشکار کرتی تھی۔

نینی کو اپنی عقل پر افسوس ہو رہا تھا۔ جب اس نے یہ اندازہ لگا بھی لیا تھا کہ وہ آنے والا ہے پھر بھی اتنی لاپروائی۔

''تمہیں دیکھے اتنے دن ہو گئے تھے' سچ پوچھو تو اب کہ میں نے تمہیں بہت مس کیا' کہا بھی تھا فیضی سے کہ وہ تمہیں ساتھ لے کر چلے' مگر مانا ہی نہیں' حالانکہ پیسوں کی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔''

وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''اس اتنے بڑے گھر میں وہ اس وقت بابر کے ساتھ تقریباً اکیلی تھی۔''

یہی خیال اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے کر دینے کیلئے کافی تھا۔

''فیضی ابھی گئے ہوئے ہیں آپ بعد میں آ کر....'' اس نے بابر کو شاید فیضی کا احساس دلانا چاہا تھا۔

''مجھے پتہ ہے کام ہی کیا ہے اب اس کے پاس یوں ہی بے کار پھرنے کے علاوہ اصل میں وہ تم سے منہ چھپاتا ہے ورنہ اتنی پیاری بیوی کو اس طرح اکیلا چھوڑ کر سارا دن غائب نہ رہتا۔'' اس کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔ وہ کچھ اس طرح بیچ میں آ کھڑا ہوا تھا باہر کی طرف کھلنے والے دروازے تک کہ وہ اس کے قریب سے گزرے بناء نہیں پہنچ سکتی تھی۔

''میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ میرے اور فیضی کے معاملے میں آپ کچھ نہ کہیں تو اچھا ہے' ہم دونوں ایک ساتھ بہت خوش ہیں۔''

اپنے اندر کے بڑھتے ہوئے خوف کو چھپانے کی پوری کوشش کے باوجود بھی نینی کو اپنی آواز کی لرزش بخوبی محسوس ہوئی تھی۔

''ارے جانے دو۔'' وہ ایک دم ہی ہنس پڑا۔

''کم از کم مجھ سے ایسی باتیں مت کرو میں تمہارا بھلا چاہتا ہوں' مجھے پتہ ہے کہ فیضی کے ساتھ شادی کر کے تمہیں کتنی مایوسی ہوئی ہے ان کا خاندان ہے ہی ایسا' تمہیں ان لوگوں سے کچھ نہیں ملنا ملانا اور فیضی ان کی سپورٹ کے بغیر ایک دم کنگلا ہے تمہیں خود اندازہ ہو رہا ہو گا اب تو۔''

بہت دوستانہ لہجے میں وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا سخت توہین آمیز تھا۔

''اور کاش وہ یہ ساری باتیں سننے کیلئے مجبور نہیں ہوتی۔'' نینی نے بہت بے بسی کے ساتھ سوچا۔

''تمہارے سامنے پوری زندگی پڑی ہے جان چھڑاؤ اس بے کار آدمی سے میں دوں گا تمہیں سہارا ایک نئی دنیا....''

نینی نے سامنے کھڑے اس شخص سے پہلی بار خوف کے بجائے نفرت محسوس کی' شاید وہ اس وقت اس کا خون بھی کر سکتی تھی۔

''آپ چلے جایئے یہاں سے فوراً آپ جیسے انسان کو تو شرم بھی نہیں دلائی جا سکتی۔'' وہ اس وقت قطعی بھولے ہوئے تھی کہ یہ گھر جہاں وہ کھڑی ہے بابر ہی کی ملکیت ہے۔

تب ہی وہ بڑے جارحانہ انداز میں آگے بڑھا۔

''تم بتاؤ گی مجھے شرافت کا مطلب جس نے خود فیضی کو اس طرح پھنسایا کہ وہ گھر سے بے گھر ہو گیا' تمہارے چکر میں تم جیسی لڑکیوں کو میں اچھی طرح....''

نینی کی کلائی پکڑ کر اس نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے بابر۔''

عقب سے آتی آواز نے جیسے کوئی جادوئی اسم پڑھا تھا۔ بابر ایک لمحے کیلئے تو جیسے بالکل ہی ساکت رہ گیا اور پھر جیسے میکانکی انداز میں وہ پیچھے کی طرف مڑا۔

''چھوڑو لڑکی کا ہاتھ۔'' باہر کی طرف کھلنے والے دروازے میں وہ شاندار سی خاتون بہت کڑے تیوروں کے ساتھ ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ بابر کے ہاتھ سے نینی کا ہاتھ خود بخود ہی چھوٹا تھا۔

''یہ سب کچھ ہوتا ہے میری غیر موجودگی میں اور کیسے سمجھ لیا تم نے کہ مجھے کچھ خبر ہی نہیں ہوگی۔ اس چھوٹے سے لاؤنج میں ان کی آواز پوری طرح گونج رہی تھی، مگر نینی کی نگاہ ان پر نہیں تھی، اپنی خوف سے پھیلی ہوئی آنکھوں سے وہ ان خاتون کے عقب میں کھڑے فیضی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخی مائل ہو رہا تھا اور لب ایک دوسرے میں بالکل جڑے ہوئے۔ اس بے حد صبر آزما وقت میں وہی تھا سب سے کٹھن موڑ پر۔

نینی نے اپنے چہرے پر آنسوئوں کے چند قطرے پھیلتے ہوئے محسوس کئے تب ہی فیضی تیزی سے بابر کی طرف بڑھا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم نینی کو....''

...☆☆☆...

وہ بہت جنونی انداز میں بابر کی طرف آیا تھا، مگر وہ بہت معزز نظر آتی خاتون ان دونوں کے بیچ آ کھڑی ہوئی تھیں۔

''رک جاؤ فیضی۔ خبردار جو بابر کو ہاتھ بھی لگایا۔''

ان کی آواز میں اتنی واضح تنبیہہ تھی کہ فیضی کو رکنا ہی پڑا۔ وہ بہت طنزیہ انداز میں فیضی کو دیکھ رہی تھیں۔

بابر کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کا انہیں پرانا تجربہ تھا۔

''آپ مجھے کہہ رہی ہیں آنٹی، آپ نے دیکھا نہیں ابھی یہ کس طرح نینی کے ساتھ....'' فیضی کی آواز میں جذباتیت بھری لرزش تھی۔

نینی کو سمجھنے میں اس بار دیر نہیں لگی کہ یہ خاتون بابر کی امی ہیں، شاید وہ پچھلی رات میں کسی وقت یہاں پہنچی تھیں۔

''میں نے کچھ نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی کچھ سنا ہے۔

تم نے یہاں ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تو میں پولیس کو فون کردوں گی، وہ تم سے اور تمہاری بیوی سے خود ہی پوچھ گچھ کرتی رہے گی۔''

بے حسی کی آخری حدوں کو بھی پار کرتے ہوئے وہ اتنی اجنبی لگ رہی تھیں کہ فیضی سے پہچانی نہیں جا رہی تھیں۔

وہ جو اس کی آمد پر، خاطر تواضع میں بچھی جاتی تھیں۔ علانیہ اسے اپنا بیٹا مانتی تھیں اور اس کے خاندان سے اپنا تعلق جوڑنے میں فخر محسوس کرتی تھیں آج انہیں کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔

لوگوں کی یادداشت کا سب سے بڑا کمال، عام طور پر یہی ہوتا ہے جو یاد رکھنا چاہا یاد رکھا اور جسے بھولنا چاہا آسانی سے بھول گئے۔

بابر کی امی نے بھی بھلا دیا تھا تو کیا غلط کیا تھا۔

مگر فیضی کیلئے کچھ بھی آسان نہیں تھا۔

بابر کی امی کا روّیہ اسے اور بھی مشکل میں ڈال گیا تھا۔ بناء کوئی بھی لفظ کہے وہ ایک بار پھر بابر کی طرف بڑھنا چاہ رہا تھا مگر اس بار بابر کی امی نے بڑی سختی سے اس کا بازو تھاما تھا۔

''لگتا ہے تمہاری سمجھ میں میری بات نہیں آ رہی ہے' کیا کیا ہے میرے بیٹے نے ایک تو تمہیں سر چھپانے کو جگہ دی' اگر میرے ملازم مجھے اطلاع نہیں دیتے تو مجھے تو ابھی سال بھر بھی خبر نہیں ہونی تھی کہ یہاں کیا ڈرامہ ہو رہا ہے۔''

فیضی کیلئے ان کی کوئی بات اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ صرف ایک ہی منظر اس کی آنکھوں کے سامنے ٹھہرا ہوا تھا۔ بابر کا نینی کو ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا۔

''تمہارا تو میں خون پی جاؤں گا بچو گے نہیں بابر تم مجھ سے' میں وہ حال کروں گا تمہارا کہ بھول نہیں پاؤ گے تم۔''

فیضی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر ڈالے' رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والی خجالت میں گھیرا' بابر بے ساختہ ہی خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹا' اس کیلئے آج کا دن بیک وقت برا بھی ثابت ہوا تھا اور اچھا بھی۔

برا اس کی بدنیتی ظاہر ہونے کی وجہ سے اور اچھا ہمیشہ کی طرح اس کی امی کے بروقت بچا لینے کی وجہ سے۔

''ہاتھ لگا کر دیکھو تم میرے بیٹے کو اور وہ بھی اس لڑکی کی وجہ سے' جسے تمہارے گھر والوں نے گھر میں گھسنے تک نہیں دیا ہے ارے اس جیسی لڑکیوں کا تو کام ہی یہی ہے پہلے تم جیسا بیوقوف پھنس گیا اور اب اس بابر پر.....''

ذرا فاصلے پر کھڑی نینی کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ لوگ زمین پھٹ کر اس میں سما جانے کی تمنا کس وجہ سے کرتے ہوں گے۔

ایسا ہی کچھ شاید فیضی کو بھی محسوس ہوا تھا۔

وہ بالکل گنگ سا کھڑا بابر کی امی کو دیکھ رہا تھا۔

''میں تمہیں آدھا گھنٹہ دے رہی ہوں' اپنا سامان اٹھا کر یہاں سے نکل جاؤ' تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اسے پولیس کے حوالے کر دیتی اور یہ جو کارنامہ تم نے انجام دیا ہے اس کو خود بھگتو دوسروں پر کیوں بوجھ بنے ہوئے ہو۔ چلو بابر۔''

فیضی کو بے دخلی کا حکم سنا کر وہ بابر کو اپنے بازو کے حلقے میں لے کر دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

''سن لیا نا تم نے بس آدھا گھنٹہ اس کے بعد میں تمہاری یہاں شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تمہاری ماں کو اگر پتہ چل جاتا کہ تم یہاں ہو تو وہ تو میری جان عذاب میں کر دینے والی تھی اور ویسے بھی یہ شریفوں کا گھر ہے ایسی لڑکیوں کو یہاں نہیں رکھا جا سکتا۔''

دروازے پر پہنچ کر وہ مڑیں۔

فیضی سر جھکا کر کھڑا تھا اور نینی کی طرف انہوں نے دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

اس بار فیضی بالکل خاموش رہا۔

اپنی زندگی میں جس تبدیلی کا واویلا وہ اکثر مچائے رکھتا تھا اس میں آج اس وقت ہونے والا تجربہ بالکل ہی مختلف تھا۔ پہلی بار اسے پتہ چلا تھا کہ ذلت کیا ہوتی ہے اور اس میں مبتلا ہونے والا شخص کیسے اپنا سارا حوصلہ کھو بیٹھتا ہے۔

اس کی زندگی صحیح معنوں میں اب بدلی تھی۔

بابر اور اس کی امی جا چکے تھے لاؤنج میں بس اب وہ نینی تھے۔

دفعتاً ہی وہ تیزی سے مڑا اور نینی سے بناء کچھ کہے بیڈ روم میں چلا گیا۔ وہ وہیں کھڑی رہی۔ اندر سے چیزوں کے رکھنے اٹھانے کا شور اٹھ رہا تھا۔ فیضی یقیناً سامان سمیٹ رہا تھا۔ نینی اس کا ہاتھ بٹانے کیلئے اس کے پیچھے جانا چاہتی تھی، مگر اسے لگ رہا تھا جیسے قدم زمین پر جم چکے ہیں۔ زندگی ان بدترین گھڑیوں میں جامد ہوئی تھی اور اب ساری عمر اسے یہیں کھڑے رہنا ہے یہاں سے چلے جانے کے بعد بھی اسے امی یاد آئیں۔

جنہوں نے بخوشی اس کی خواہش پر سر جھکایا تھا۔ جو آج بھی دیا کیلئے فیضی جیسے لڑکے کی حسرت دل میں دبائے بیٹھی تھیں۔ اسے ابا یاد آئے جنہوں نے اس کی نافرمانی کو آج بھی معاف نہیں کیا تھا۔

اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ اس کی شکل بھی دیکھنا کیوں نہیں پسند کرتے۔

وہ تھی ہی اس قابل۔

اپنی خوشی کو پورا کرنے کیلئے جس بے نیازی سے اس نے پہلا قدم گھر کی عزت پر رکھا تھا اس کے بعد یہ لفظ اس کی زندگی سے ہمیشہ کیلئے نکل چکا تھا۔

نینی۔" اندر فیضی بہت زور سے چلایا تھا۔

آدھ گھنٹے کی مختصر مدت تیزی سے گزر رہی تھی۔

...☆☆☆...

سمیع نے امتحانوں کے فوراً بعد کسی کمپنی میں جز وقتی جاب کر لی تھی۔

آئندہ دنوں میں دیا کی شادی متوقع تھی اور اس بڑے خرچے سے نمٹنے کیلئے اچھی خاصی پلاننگ درکار تھی۔

"رزلٹ آنے کے بعد تو انشاءاللہ اچھی جاب مل جائے گی نازی آپا میں نے کئی جگہ اپلائی کرنے کا سوچا ہوا ہے۔"

اس وقت وہ نازی کے اس خاص یہی موضوع لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ "شام کو بھی مجھے دو تین میتھس کی اچھی ٹیوشن مل گئی ہیں، دیا کی شادی تک جتنا بھی ہو جائے اچھا ہے۔"

نازی نے بہت محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ امی کو ہمیشہ ہی سمیع سے لاپروائی کا گلا رہتا تھا۔ مگر نازی جانتی تھی کہ وہ ایسا نہیں تھا۔

بظاہر لاپروائی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود وہ گھر اور گھر والوں کیلئے بے حد حساس تھا۔ بہت چھوٹی عمر سے اس نے اپنے اخراجات بڑے محدود کر لئے تھے، چند شرٹس اور دو تین گھسی ہوئی جینز میں اس نے اپنی انجینئرنگ کی تعلیم بھی مکمل کر لی تھی۔

اسے اپنی پڑھائی پر ہونے والے خرچوں کا بھی احساس رہتا تھا۔

"کوٹ پرانا پہنا جا سکتا ہے مگر کتاب نئی پڑھی جاتی ہے۔"

نازی کے کپڑے بنانے کے مشورے پر وہ کہیں پڑھی ہوئی یہ کوٹیشن اکثر دہراتا تھا۔ جدوجہد کا وہ دور بہرحال اب اپنے خاتمے پر تھا۔

"نینی کی شادی تو جیسے ہوئی سو ہوئی۔"

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے نازی کی طرف دیکھا تو وہ بے اختیار ہی اپنی نگاہیں جھکا کر رہ گئی۔

"بہت بار کچھ نہ کرتے ہوئے بھی انسان خود کو کتنا شرمندہ محسوس کرتا ہے وہ بھی بار بار۔"

پتہ نہیں سمیع نے اس کے چہرے پر لکھی ہوئی اس تحریر کو پڑھا بھی یا نہیں۔

''لیکن دیا کی شادی ہم لوگ بہت اچھی طرح کریں گے سارے فنکشنز اچھی طرح سے سیلیبریٹ کریں گے' خاندان والوں کو نینی کی شادی میں نہ بلانے کا جو گلہ ہے وہ بھی دور ہو جائے گا۔''

وہ دونوں پچھلی طرف بنے امی کے کچن گارڈن کے کنارے کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے۔

تھوڑے ہی فاصلے پر امی بھی بیٹھی تھیں۔

آم کے درختوں سے ایک بار پھر کیریاں اتری تھیں اور انہوں نے آج کیاریاں کو کاٹ کر مصالحے لگا کر سوکھنے کیلئے ہوا میں رکھا ہوا تھا۔ ہوا میں کچی کیاریاں کے ساتھ رائی' ہلدی اور دیگر مصالحوں کی ملی جلی سی مہک اڑتی پھر رہی تھی۔

بظاہر وہ اتنے توجہ طلب کام میں گھری ہوئی تھیں مگر ارد گرد سے اتنی بے خبر بھی نہیں تھیں۔ دیا کی شادی کے پروگرام جب بھی بنتے انہیں ٹینشن سی شروع ہو جاتی۔

''کیا کریں گے خاندان والے آکر' الٹا ہنسیں گے ہی کہ یہ رشتہ ڈھونڈا ہے اتنے رشتے ریجیکٹ کرنے کے بعد۔

''خدا کے واسطے امی۔'' سمیع نے بے ساختہ ہی ان کے آگے ہاتھ جوڑے۔ ''یہ باتیں چھوڑ دیں پلیز۔ عمر بھائی اتنے اچھا انسان ہیں مگر آپ ہیں کہ....''

مارے جھنجلاہٹ کے اس سے اپنی بات بھی پوری نہیں کی جا سکی۔

''تو پھر کیسی باتیں کروں۔'' انہوں نے ہاتھ میں تھاما ہوا لکڑی کا چمچہ زور سے سامنے رکھی ہوئی تھالی پر پٹخا۔

''کیا دیکھیں گے خاندان والے وہ چھوٹا سا پرانا فلیٹ ایک ڈھنگ کا گھر تک تو ہے نہیں عمر کے پاس تمہارے ابا نے بہت اچھا رشتہ منتخب کیا ہے بیٹی کیلئے۔''

ان کا ملال کسی طرح کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا اور یہ قصہ اب دیا کی شادی تک اسی طرح چلنا تھا۔

سمیع کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔ مگر نازی کے اشارے پر خاموش ہو گیا۔

امی بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں تو ہلکے سے سر جھٹک کر اس نے جیسے ان کی بات کا اثر زائل کرنا چاہا۔

ابا کہہ رہے تھے کہ وہ زیادہ عرصے کا گیپ نہیں چاہتے ہیں۔ دیا کی شادی میں میرا ابھی یہی خیال ہے مگر پیسوں کا انتظام تو ہمیں کر کے رکھنا ہو گا۔ پہلے سے معلوم نہیں ابا کے اکاؤنٹ میں اب کتنی رقم ہے۔''

آخری جملہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں خود بخود ہلکی سی بے یقینی اتر آئی۔

خود نازی بھی اس طرف سے زیادہ پر امید نہیں تھی ابا کی آمدنی کم و بیش گھر کے خرچوں کی نذر تھی۔

ساری عمر کی محنت کے بعد جو بچت انہوں نے کی تھی اس میں نینی دیا اور نازی کیلئے تھوڑا بہت زیور بنا سکے تھے۔

نینی کی شادی پر کسی قسم کا کوئی رسمی جہیز نہیں دیا گیا تھا' مگر انہوں نے اسے ایک لاکھ روپے کا چیک ضرور دیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ اگر وہ یہ شادی اپنی خوشی سے کرتے تو اس میں ایک متوسط درجہ کا جہیز بنا کر اسے دیتے۔

نازی کو نہیں لگتا تھا کہ اب سال سے بھی کم عرصے میں وہ دوبارہ کوئی بڑی رقم جمع کر سکے ہوں گے مگر ایسی کوئی گھبرانے والی بات نہیں تھی۔

خود اس کی سکول میں کمیٹیاں چلتی رہتی تھیں اور ضرورت پڑنے پر کوئی نئی بھی ڈالی جاسکتی تھی۔ وہاں آپس میں امداد باہمی کا سلسلہ بڑا پرانا تھا۔

آپس کی ساری چپقلشوں اور چھوٹی موٹی تکلیفوں کے باوجود۔

وہ سمیع کو اطمینان دلانے لگی تو وہ تھوڑا سا اداس ہو گیا۔

''آپ کے اوپر بہت بار رہتا ہے' مجھے تو اتنی شرمندگی ہوتی ہے کہ بس۔''

''رہنے دو بس۔'' نازی ہلکے سے مسکرائی۔ ''کوئی بار وار نہیں' اپنے گھر کے مسئلے ہمیں ہی حل کرنے ہیں۔ کوئی باہر سے ٹھیک کرنے نہیں آئے گا اور اب تو اللہ کا شکر ہے کوئی بڑا مسئلہ رہا بھی نہیں ہے۔''

نازی کے لہجے میں بڑی طمانیت تھی۔ اسے اب واقعی ایسا ہی محسوس ہوتا تھا۔

دیا کا رشتہ اچھی جگہ طے ہو چکا تھا۔

نینی کی شادی ہو چکی تھی اور سمیع فائنل ایئر کے امتحانوں سے فارغ ہو چکا تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے جو ایک دباؤ کی سی کیفیت طاری تھی بہر حال اب خاتمے پر ہی تھی۔

''نینی کے کیا حال ہیں بہت دن سے دیکھا نہیں اسے۔''

سمیع کو کچھ خیال آیا تو پوچھنے لگا۔

''ٹھیک ہی ہو گی چند دن پہلے امی کی بات ہوئی تھی۔ اصل میں فیضان کی وجہ سے میں خود بھی اسے زیادہ فون نہیں کرتی ہوں' ہم لوگوں کے ساتھ گھلنا ملنا وہ پسند نہیں کرتا ہے یا شاید عادتاً ہی ریزرو ہے۔'' وہ ہلکے ہلکے بتانے لگی۔ گھر میں سمیع ہی تھا جس سے ہر بات آرام سے کی جاسکتی تھی۔

''وہ بہت اسٹیٹس کانشس ہے نازی آپا' اس نے نینی سے شادی تو کر لی مگر ہم لوگوں کو وہ برابر کی حیثیت دینے پر تیار نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں اس کے دوستوں کو ان میں سب ہی اونچے پیسے والے گھروں کے لڑکے ہیں جن کی شہرت بھی اچھی نہیں ہے۔''

اس کا تجزیہ تکلیف دہ سہی مگر وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا' اس کا اور فیضی کا ڈیپارٹمنٹ الگ تھا' مگر وہ دونوں ہی انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔

''ہمارے لئے یہی بہت ہے کہ نینی خوش ہے وہ اس کا تو بے حد خیال رکھتا ہے' ہو سکتا ہے رفتہ رفتہ اس کے روّیہ میں بہتری آتی جائے۔''

نازی کی فطری خوش امیدی اسے زیادہ دیر تک کسی بھی منفی بات پر نہیں ٹکنے دیتی تھی۔

''ہاں' بس یہی ایک اچھی بات ہے اس سارے معاملے میں۔''

سمیع نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے خود کو کسی ان دیکھے بوجھ سے آزاد کرنا چاہا۔

نازی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''یہی ایک نہیں بہت سی باتیں اچھی ہوتی ہیں زندگی میں ' مگر ہمیں ان کی قدر نہیں ہوتی آس پاس دیکھو تو قدرت نے کتنی آسانیاں ' کتنے پلس پوائنٹ ہماری کسی کوشش کے بغیر ہمیں عطا کئے ہوئے ہیں ان کے مقابلے میں حصے میں آنے والی پریشانیاں تو کم ہی ہوتی ہیں۔''

''بالکل صحیح فرمایا آپ نے۔'' سمیع ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

نازی بہن بھی تھی اور دوست بھی اور سب سے بڑھ کر وہی ایک مرکز تھی جہاں سے اس نے ہمیشہ حوصلہ پایا تھا۔

اس وقت بھی وہ تھوڑی دیر پہلے دیا کی شادی کے سلسلے میں ہونے والے اخراجات کو لے کر کتنا فکر مند ہوا بیٹھا تھا۔ مگر اب یقین تھا کہ کچھ نہ کچھ اچھا ہو ہی جائے گا۔

اسے اپنی ٹیوشن پر جانا تھا۔

نازی نے سمیع کو تو مطمئن کر دیا تھا مگر ''فکر'' مٹھی میں دبا کر رکھی تھی۔ اگلے دن سکول میں جب خوش قسمتی سے وہ اور رعنا بیک وقت فری پیریڈ مل جانے کی وجہ سے سٹاف روم میں بیٹھی تھیں اس نے رعنا سے یہی ضروری بات شیئر کی۔

''پاگل تو نہیں ہو۔''

اس نے کچھ اس طرح نازی کی طرف دیکھا جیسے واقعی اس کے ذہنی توازن پر شک ہو۔

''تمہاری آدھی سے زیادہ تنخواہ تو پہلے ہی کٹ رہی ہے اب ایک نئی کمیٹی ڈالنے کا مطلب سمجھتی ہو۔''

''وہ تو اس سال میں ختم ہو جائیں گی پھر آگے تو آسانی ہو جائے گی۔''

''اور یہ سال کس طرح گزرے گا کچھ اندازہ ہے سال میں پورے بارہ مہینے ہوتے ہیں اور وہ پلک جھپکتے میں نہیں گزرتے ہیں۔''

رعنا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے آخر کس طرح سمجھائے۔

''میں شام میں پھر سے ٹیوشن شروع کر دوں گی اور پھر انشاءاللہ کچھ عرصے میں تو سمیع بھی اچھی جاب میں آجائے گا۔ اتنا پرابلم نہیں رہے گا۔''

نازی کے پاس ہمیشہ کی طرح اچھے آپشنز کی کمی نہیں تھی۔

''ٹھیک ہے جب سمیع کی جاب شروع ہو جائے تو پھر اس سے کہنا ابھی یہ بیوقوفی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' رعنا کا انداز فیصلہ کن تھا۔ نازی چند لمحے اسے منتظر سی نگاہوں کے ساتھ دیکھتی رہی شاید کہ وہ اپنا فیصلہ بدلے۔

مگر نہیں۔

''دیکھو رعنا' بات کو سمجھو پلیز۔'' بعض اوقات اسے رعنا کو ایسی باتوں کیلئے منانا پڑتا تھا جو خود اس کے اپنے خلاف جاتی تھیں۔

''فی الحال سب سے اہم مسئلہ دیا کی شادی کا ہے جو زیادہ سے زیادہ چند مہینوں میں ہو جائے گی انشاءاللہ اس کو حل کرنا ہر بات سے زیادہ ضروری ہے بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔''

رعنا کو پتہ تھا کہ وہ ماننے والوں میں نہیں ہے گھر والوں کیلئے وہ اسی بے غرضی کے ساتھ ہی ہمیشہ چلی تھی۔

''معلوم نہیں کبھی اس کیلئے بھی کچھ اچھا کرنے کا وہ لوگ بھی سوچیں گے یا نہیں۔''

رعنا کو اکثر ہی اس معاملے میں مایوسی گھیرتی نازی اس طرح کی باتوں پر برا منا جاتی تھی سو اب کہنا تقریباً چھوڑ ہی رکھا تھا۔

''کچھ پیسے میرے اکاؤنٹ میں جمع ہیں اور کچھ بھائی جان سے بھی لئے جا سکتے ہیں تم جب کہو گی میں نکلوا کر دے دوں گی۔''

اسے آئندہ کی ٹینشن سے بچانے کیلئے وہ جو کر سکتی تھی یقیناً کرنے کیلئے تیار تھی اور یہ بات خود نازی بھی جانتی تھی۔

''تم سے نہیں کہوں گی تو کس سے کہوں گی۔ مگر جہاں تک میں خود کر سکتی ہوں وہاں تک تو پلیز مجھے کرنے دو۔'' بہت ملتجی سے انداز میں اس نے رعنا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ ہمیشہ ہی اس کے آگے ہارتی تھی۔ وہ اس سے دوستی کی کتنی ہی دعویدار سہی مگر ایک بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ نازی اپنے گھر والوں پر کسی کا بھی احسان لینے کیلئے تیار نہیں اس کا بھی نہیں۔

...☆☆☆...

کاؤنٹر پر رکھے دونوں موبائل فونز کو اچھی طرح چیک کر لینے کے بعد اب دوسری طرف کھڑا ہوا شخص اسے سخت مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''ہم اس سے زیادہ نہیں دے سکتے۔ ساری مارکیٹ کھلی پڑی ہے زیادہ چاہیں تو کہیں اور معلوم کر لو۔''

فیضی نے بے بس سی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:

جس پہلی دکان پر وہ یہ فون لے کر گیا تھا اس نے بھی اسی طرح کا جملہ کہا تھا۔ تب وہ اس نے یہ دونوں فونز کاؤنٹر پر سے اٹھانے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگایا تھا۔ مگر اب کم و بیش دس بار دکانوں پر خوار ہو لینے کے بعد اس نے کاؤنٹر پر پڑے ان قیمتی موبائلز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

اس ایک جملے کی گردان اب وہ مزید سننا نہیں چاہتا تھا وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ ان سب کے درمیان ایک مضبوط مگر خاموش ایکا ہے۔

''مگر یہ تو ان میں سے ایک کی بھی قیمت نہیں بنتی آپ تو دونوں اسی میں لینا چاہ رہے ہیں۔''

اس کا لہجہ اب بالکل کمزور پڑ چکا تھا۔

''نہیں ہے تو کون سا زبردستی ہے تمہاری چیز ہے واپس لے جاؤ۔'' دکاندار دانستہ مڑ کر اپنے شیلف میں رکھے فونز کو چیک کرنے لگا۔

فیضی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس ڈیل کو کس طرح فائنل کرے اسے زندگی میں صرف چیزیں خریدنے کا اتفاق ہوا تھا وہ بھی منہ مانگے داموں پر کسی مہنگی سے مہنگی چیز کو بھی خریدتے ہوئے اس نے کبھی دوبارہ سوچا بھی نہیں تھا۔

اس کیلئے سب سے اہم چیز کا پسند آ جانا تھا۔ یہ قیمتی موبائلز بھی اس کے اسی شوق کی یادگار تھے۔

اس کیلئے سب سے اہم چیز کا پسند آجانا تھا یہ قیمتی موبائلز بھی اس کے اسی شوق کی یادگار تھے۔

''ایک تو ہم رسک لے کر یہ مشکوک فونز خرید لیتے ہیں آئے دن پولیس چھاپے مارتی رہتی ہے ان کو تو دینا دلانا ہی پڑتا ہے تم لوگ تو کہیں سے بھی اٹھا لیتے ہو اور ہمیں دے کر اپنے پیسے کھرے کر لیتے ہو۔''

دکاندار اپنے رجسٹر میں کچھ اندراج کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

فیضی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اسے ایسا لڑکا سمجھ رہا تھا جو سڑکوں گلیوں سے فون چھین کر اونے پونے بیچنے چلے آتے ہیں۔

اسے برا لگا مگر اتنا نہیں۔

اپنی زندگی کے پچھلے دور میں اگر وہ کسی کو اشارتاً بھی ایسی کوئی بات اپنے بارے میں کہتا ہوا سنتا تو یقیناً اس کا منہ توڑنے میں دیر نہیں لگاتا۔

مگر اب نہیں۔

اس سے کہیں زیادہ ذلت وہ سہہ چکا تھا اور جتنی تکلیف وہ اٹھا چکا تھا اس کے بعد اسے نہیں لگتا تھا کہ کوئی بھی بات اس سے بڑھ کر تکلیف پہنچانے والی ہوگی۔

آپ یقین کیجئے یہ میرے اپنے ذاتی موبائل ہیں اور مجھے پیسوں کی سخت ضرورت نہ ہوتی تو میں انہیں کبھی نہیں بیچتا۔ بناء ذرا بھی جذباتی ہوئے وہ نارمل سے لہجے میں دکاندار کو اپنی صفائی دینے کی کوشش کر رہا تھا ان دونوں موبائلز کے وارنٹی کارڈ اسے پورا یقین تھا کہ ابھی بھی گھر میں اس کے کمرے کی کسی نہ کسی دراز یا خانے میں پڑے ہوں گے۔ کسی بیکار چیز کی طرح۔

اس بار دکاندار نے رجسٹر پر سے ٹراٹھا کر اس پر ایک گہری نگاہ ڈالنے کی تکلیف کی فیضی کی شکل اور حلیہ ابھی بھی اس کے پچھلے اسٹیٹس کا پتہ دیتے تھے۔ اس شخص نے خود بھی دل میں اقرار کیا مگر زبان سے کہہ کر وہ تکنیکی غلطی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

"دیکھو بھائی کسی کے بھی ماتھے پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ کیا کر کے آ رہا ہے یہاں زیادہ تر ایسے ہی فون لائے جاتے ہیں تمہارے پاس بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ تمہارے اپنے ہیں بات ختم اب جاؤ میرا وقت خراب مت کرو۔" اس نے بے نیازی سے وہ فون فیضی کی طرف سرکائے یہ اس کا آخری حربہ ہوتا تھا۔

جس کے بعد عموماً مخالف ہتھیار ڈال ہی دیتا تھا فیضی بھی ہار چکا تھا۔

"اچھا کچھ تو پیسے بڑھائیں پلیز۔"

اپنی کامیابی پر دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے اس شخص نے ایک بار پھر اپنے ہونے والے منافع کا اندازہ لگایا جس کے بارے میں اسے ذرا سی بھی غلط فہمی نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے میں زیادہ سے زیادہ پانچ سو روپے اور دے سکتا ہوں وہ بھی محض تمہارے اتنا کہنے پر ورنہ میں تو چاہ رہا تھا کہ تم انہیں مارکیٹ میں دکھا لو تا کہ تمہیں خود ان کی ویلیو کا اندازہ ہو جائے گا۔"

"نہیں بس ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔" فیضی نے اس کی بات ختم ہوتے ہی تیزی سے کہا وہ اب یہاں مزید پھرنے کی ہمت خود میں نہیں پا رہا تھا اور پہلی بار اسے یہ بھی لگا تھا کہ پانچ سو روپے بھی اچھی خاصی رقم ہوتی ہے۔

دکاندار نے نوٹ گن کر اس کے حوالے کئے اور اس نے بھی گن کر ہی اپنی جیب میں رکھے پیسہ ایک دم ہی اس کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

وہ مارکیٹ سے باہر آیا تو پہلے کی نسبت پر سکون تھا۔

کم از کم کچھ پیسے تو اس کے پاس تھے ورنہ پچھلے دو دن سے اس کے پاس اتنی کم رقم رہ گئی تھی کہ اسے خود سے شرم آ رہی تھی۔ بابر کا گھر چھوڑتے ہوئے وہ اس سے لی ہوئی رقم گیٹ پر کھڑے گارڈ کو دے

آیا تھا کہ وہ بابر کو واپس دے دے۔اس کے فرشتوں کو بھی نہیں پتا تھا کہ باریش پنج وقت نمازی اصغر حسین نے خاموشی سے وہ پیسے اپنے پاس رکھ چھوڑے ہیں۔

نوکروں کی ادھر ادھر پھرتی فوج نے انیکسی میں ہونے والے اس ''لائیو ڈرامہ'' کی پوری رپورٹ اسے بھی سنادی تھی۔

مالکوں کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ بظاہر چپ کر مہر لبوں پر لگائے بالکل لاتعلق کسی روبوٹ کی مانند ادھر سے ادھر پھرتے احکام بجالاتے ملازم اپنے کان اور آنکھیں ہمہ وقت کھلی رکھتے ہیں۔

صرف مالکوں کے احکام سننے کیلئے نہیں بلکہ گرد و پیش سے اچھی طرح باخبر رہنے کیلئے بھی۔گارڈ اصغر حسین بھی اس ذلت سے واقف ہو چکا تھا‘جو بابر اور اس کی امی کے ہاتھوں فیضی اور نینی نے سہی تھی۔

تب ہی اسی وقت اس نے وہ پیسے بابر کو نہ لٹوانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسے نہ بابر سے ہی کوئی لگاؤ تھا اور نہ ہی فیضی اور نینی سے ہمدردی۔

''امیر گھرانوں کی بگڑی ہوئی اولاد۔''

اس نے سارا قصہ سن کر یہی کہا تھا اور دل میں شکر ادا کیا تھا کہ وہ اتنا پیسے والا نہیں ہے کہ اس کی اولاد خود سری کے یہ مظاہرے کرتی پھرے۔

فیضی کے دیئے ہوئے پندرہ ہزار روپے اپنے پاس رکھتے ہوئے اسے ذرا سی بھی ندامت نہیں ہوئی اس کے کروڑ پتی مالکوں کیلئے یہ رقم صفر کے برابر بھی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

بابر نے زیادہ سے زیادہ ایک دو دن میں یہ پیسے اڑا دینے تھے یا پھر ایک دو گھنٹے میں ہی۔

پیسے کے اسراف کے جو مظاہرے وہ یہاں دیکھتا اور سنتا آیا تھا اس کے بعد ایمانداری کا یہ مظاہرہ کرنا اس کے نزدیک قطعی غیر ضروری تھا۔

یہ خود اس کے اپنے ذمہ پانچ بچوں‘ بیوی بوڑھے والدین اور دو بہنوں کی کفالت تھی بہن کے سسرال والے شادی پر زور دے رہے تھے یہ پیسے اس نے اسی مد میں خرچ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس غیبی امداد پر صدق دل سے اللہ کا شکر بھی۔

یہ جانے بغیر کہ بابر کی امی کو ان پندرہ ہزار کا کتنا قلق ہے اور وہ مستقبل میں کبھی بھی فیضی کی امی کو یہ پیسے جتانے کا پورا پروگرام بنائے ہوئے تھیں۔

فیضی کی گاڑی مارکیٹ سے باہر کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔

اور کچھ دنوں بعد اسے گاڑی کے بغیر بھی گزارا کرنا تھا۔

یہ فیصلہ وہ کر چکا تھا۔

گاڑی ایک نسبتاً خاموش علاقے میں سے گزر رہی تھی تب اس نے سامنے ڈیش بورڈ پڑی دونوں فونز کی سم اٹھائیں اور گاڑی کی رفتار کو تھوڑا سا کم کرتے ہوئے زور سے ایک طرف اچھال دیں۔

گھر والوں سے رابطے کا یہ سب سے مؤثر ذریعہ تھا جو آج اس نے اپنے ہاتھوں سے ختم کیا تھا اور اب آگے وہ مزید سراغ مٹانے کی ٹھانے ہوئے تھا۔

اب اس کے پاس صرف ایک موبائل تھا۔ معمولی سستا والا جس کا نمبر گھر والوں کے پاس نہیں تھا۔ کیا فائدہ تھا ایسے رابطوں کا جو اسے بابر کے گھرانے کے ہاتھوں ہونے والی ذلت سے نہ بچا سکے۔

وہی تھے جو اس کی اس درجہ خواری کا سب سے بڑا سبب بنے تھے پھر کیوں وہ ان کی طرف سے امیدیں پالتا رہے اور رشتوں کو بھلا دینے کی روایت تو ان کے خاندان میں برسوں پرانی تھی۔

اس نے ان دو دنوں میں بارہا خود کو یہ باور کرایا تھا۔

پہلی بار اس کا دل چاہا تھا کہ وہ بھی اب تا زندگی پلٹ کر نہیں دیکھے۔

ایک متوسط درجہ کے ہوٹل کے باہر اس نے گاڑی روکی اور پھر لاک کر کے اندر چلا آیا۔ یہاں اندر پارکنگ کیلئے بہت تھوڑی جگہ تھی اور اس کے اندازے کے عین مطابق پوری طرح سے پہلے ہی بھری ہوئی تھی۔ پچھلے دو دن سے وہ اپنی گاڑی باہر ہی کھڑی کر رہا تھا۔ سیڑھیوں سے اوپر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اسے نینی کا خیال آیا جو صبح سے کمرہ اندر سے بند کئے بیٹھی تھی۔

''کون۔''

اپنی دستک پر اسے نینی کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کھولو میں ہوں۔'' سپاٹ سے لہجے میں اس نے کہا تو دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوا تو منتظر تھا کہ اب حسب عادت سوالوں کی بوچھاڑ کرے گی۔

''اتنی دیر۔''

''کہاں تھے اب تک۔''

''میں کب سے یہاں اکیلی بیٹھی ہوں۔'' وغیرہ وغیرہ' مگر اس نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا دروازہ بند کر کے واپس بیڈ کے کنارے پر آ بیٹھی گھڑی اور والٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ نینی پر ڈالی تو وہ اس کی طرف متوجہ بھی نہیں تھی۔

چپ چاپ سر جھائے وہ معلوم نہیں کس سوچ میں گم تھی فیضی نے اسے ڈسٹرب بھی نہیں کیا اپنے کپڑے اٹھا کر وہ خاموشی سے واش روم میں چلا گیا۔ اچھی خاص دیر نہا کر جب وہ باہر نکلا تو نینی ابھی بھی اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔

''کھانا منگوائوں۔'' اس نے خود ہی نینی سے پوچھا۔

''ہوں۔'' وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

فیضی کو اپنی بات دہرانی پڑی۔

''منگوالو۔'' وہ لاتعلق سے انداز میں بولی۔

انٹرکام پر کھانے کا آرڈر کر کے وہ مڑا تو نینی بیڈ کی چادر کو خوامخواہ ہی دوبارہ ٹھیک کر رہی تھی فیضی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

سامنے میز پر رکھے اخبار میں حالانکہ کوئی بھی قابل توجہ بات نہیں تھی مگر جب تک کھانا آنا تھا اسے اپنی توجہ ہٹانے کیلئے اسی کا سہارا لینا تھا۔

''کتنی تیزی سے اس کے اور نینی کے درمیان سے سب کچھ ختم ہوا تھا۔''

اخبار پر نگاہیں جماتے ہوئے اس نے خود سے اعتراف کیا۔

سرخوشی کا وہ عالم جس میں جینے کیلئے اسے کچھ بھی چھوڑ دینا بالکل آسان سی بات لگی تھی محض ایک خواب ہی ٹھہرا تھا جس کی تعبیر وقت کے سفاک ہاتھوں ملنے میں بس ذرا ہی دیر لگی تھی۔

کبھی کبھی تو اسے سوچ کر حیرت ہوتی تھی کہ کیا نینی ہی وہ لڑکی ہے جس سے ایک ملاقات کے فوراً بعد ہی وہ دوسری ملاقات کیلئے گھڑیاں گننا شروع کر دیتا تھا جس کے ساتھ گھنٹوں کے حساب سے باتیں کر لینے کے بعد بھی اس کا دل نہیں بھرتا تھا اور جس کیلئے اس نے بشارت صاحب کی منتخب کی ہوئی آزمائش میں سے گزرنے کیلئے ایک پل بھی آنے والی مشکلات کے بارے میں نہیں سوچا۔

اس نینی کے ساتھ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی سب کچھ بدل گیا تھا کرنے کیلئے جیسے کوئی بات تک نہیں۔

اور اگر یہی سچ ہے تو پھر کیا محبت کوئی ایسی کمزور شے ہے جو وقت اور حالات کی مرہون منت ہے۔

''نینی۔'' خود اپنے اندر اٹھتے سوالوں سے گھبرا کر اس نے بے ساختہ ہی اسے پکارا وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

فوری طور پر تو فیضی کی ہی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا بات کرے۔

''آج میں نے ایک دو اسٹیٹ ایجنسی والوں سے اور کہا ہے کہ کوئی چھوٹا سا فلیٹ ''چھوٹا سا'' کہتے ہوئے اس کی زبان ذرا لڑکھڑائی تھی وہ وسیع و عریض گھر جس کی اوپری منزل میں سجاد کے ساتھ والا کمرہ اس کا تھا گھر میں سب سے زیادہ قیمتی اشیاء سے سیٹ وہی کمرہ تھا۔

اس کا میوزک سسٹم، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، 29 انچ کا کلر ٹی وی، مووی کیمرے اور اور... اور بھی بہت کچھ۔

بہت مشکل سے وہ اس آسائشوں بھرے ماحول کو ذہن سے جھٹک سکا۔

''فلیٹ ہمارے لئے ٹھیک رہے گا وہاں تمہیں اکیلا پن بھی محسوس نہیں ہوگا اور میں بھی زیادہ بے فکری سے باہر آجا سکوں گا۔''

وہ اسے مطمئن کر رہا تھا یا اپنے آپ کو نینی۔ نگاہیں جھکائے سعادت مندی سے سنے گئی نہ کوئی تبصرہ نہ تنقید۔

فیضی سے خود اس کی طرف زیادہ دیر دیکھا نہیں جاتا تھا۔

اس روز بابر کو اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے دیکھ کر وہ آج تک نینی کے آگے شرمندہ تھا۔

''اور اب ساری زندگی ہی اسے وہ منظر کبھی بھی نہیں بھولے گا۔'' یہ بھی اسے یقین تھا۔

نینی کو بھی شاید کوئی گلٹ ہی اندر ہی اندر کھا رہا تھا یا پھر پچھتاوا۔

ایک غلط فیصلہ کر لینے کے بعد ہونے والا پچھتاوا۔

اور یہ کتنی حیرت انگیز بات تھی کہ ہزاروں دعووں قسموں کے ساتھ ہونے والی شادی میں محض دس ماہ بعد ہی وہ سارے منفی پوائنٹ آچکے تھے جن کے بارے میں کبھی اس نے یا نینی نے سوچا بھی نہیں تھا۔

...☆☆☆...

سورج اچھا خاصا اوپر آچکا تھا۔

مگر ''آج کیا پکے گا۔'' والا سوال ہنوز جواب طلب تھا۔

ممانی کمرہ بند تھیں اور اماں بے حد پریشان اچھی بات یہ تھی کہ چھٹی کی وجہ سے آج جمیل ماموں گھر پر ہی تھے سو ثانیہ بہت بے فکری کے ساتھ صبح سے مشین لگائے کپڑے دھونے میں مصروف تھی۔

بہت سے ضروری کاموں کو نمٹانے کیلئے یہی ایک دن ملتا تھا اماں کو ممانی کی خفگی اور ثانیہ کا اطمینان دونوں ہی ٹینشن میں مبتلا کر رہا تھا۔

دروازہ کھٹکا کر پوچھ لو ممانی کو چائے وائے پینی ہو تو اس کو بھی بنا دو۔'' ثانیہ کپڑوں کی دھلائی سے فارغ ہو کر چائے بنا کر لائی تو وہ اس کے ہاتھ سے کپ تھامنے کے بجائے ہدایت دینے لگیں۔

ثانیہ ہلکے سے ہنس دی۔ ''ممانی کو۔ مجھے کیا اپنی شامت بلوانی ہے اماں سب کچھ چھوڑ کر وہ میرے پیچھے پڑ جائیں گی۔''

''وہ تو رکھیں گی ہی سارا الزام ہمارے سر دو گھنٹے بعد سہی یا دو دن بعد سہی۔'' اماں نے مایوسی سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ اسی طرح ڈری ڈری سی رہتی تھیں۔ جب سے وہ لوگ یہاں ماموں کے گھر آئی تھیں اسے نہیں یاد آیا تھا کہ وہ کبھی کھل کر ہنسی ہوں۔

''کہنے دیں جو بھی کہتے ہیں ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق بات کرتا ہے ہمیں اثر لینے کی کیا ضرورت ہے۔'' بہت نرمی سے وہ انہیں سمجھانے لگی۔

اماں کی پریشانی ابھی بھی کم نہیں ہوئی تھی مگر ثانیہ کا اطمینان انہیں تھوڑی سی حیرت میں مبتلا کر رہا تھا۔ ابھی کچھ عرصے پہلے تک وہ ذرا ذرا سی بات پر گھنٹوں آنسو بہانے کا شوق پورا کرتی تھی مگر اب جیسے اس کا اعتماد ایک دم ہی بہت بڑھا تھا۔

''ہمارا دل مطمئن ہے تو ہمیں کیا فکر اور رہیں ممانی تو وہ ویسے بھی کبھی خوش نہیں رہ سکتیں اس لئے کہ انہوں نے مطمئن ہونا سیکھا ہی نہیں انہیں ہر من چاہی چیز زندگی میں ملتی بھی رہے تو وہ خوش نہیں رہ سکتیں' یہ بھی خدا کی طرف سے ایک سزا ہی ہے اگر سمجھی جائے۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے بڑوں کے بارے میں ایسی باتیں کرنے کی' ایک تو اس نے مشکل وقت میں ہمیں سہارا دیا اور بجائے احسان ماننے کے...۔''

اماں اسے ان کے احسانات یاد دلانا کبھی نہیں بھولتی تھیں' حالانکہ وہ یہ سب بھولی ہی کب تھی مگر اب اس نے اس طرح کی باتوں پر ایموشنل ہونا چھوڑ دیا تھا۔

''پہلی بات تو یہ کہ جمیل ماموں بھائی ہیں آپ کے میں مانتی ہوں کہ آج کل کے زمانے میں رشتوں کا پاس بھی کوئی ہی کر رہا ہے مگر جو نہیں کرتے وہ خدا کے آگے جوابدہ تو ہیں اور دوسرے یہ کہ احسانات کا یہ سلسلہ آپ کی خواہش پر ہی دراز ہو رہا ہے ورنہ میں تو آپ سے کب سے کہہ رہی ہوں کہ ہم لوگ یہاں سے...۔''

''اچھا بس کرو۔''

اس کی بات کاٹتے ہوئے انہوں نے چائے کا کپ منہ سے لگایا ثانیہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر باہر صحن میں دیکھنے لگی ابھی کپڑے دھونے کے بعد اس نے صحن بھی دھو ڈالا تھا مگر ساری صفائی ستھرائی پر ممانی کے کاٹھ کباڑ کا ڈھیر آرام سے پانی پھیرتا نظر آتا تھا۔ گھی کے خالی ڈبے' پلاسٹک کا ٹوٹا ہوا سامان' متروک سامان کا ڈھیر کم زیادہ ہوتا ہی رہتا تھا مگر ختم کبھی بھی نہیں ہو پاتا تھا۔

تب ہی باہر سے جمیل ماموں بھی آ گئے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ گھر سے نکلے تھے۔

"یہ لو بیٹا کچن میں رکھ دو۔"

ہاتھ میں تھامے ہوئے دو شاپر انہوں نے ثانیہ کی طرف بڑھائے جن میں سے اڑتی ہوئی خوشبو بتا رہی تھی کہ ان میں کیا ہے۔

"کیا ضرورت تھی اتنے پیسے خرچ کرنے کی ثانیہ گھر پر تھی پکا ہی لیتی کچھ۔" اماں کو خرچ کی فکر ہر وقت رہتی تھی۔

ثانیہ کو کچن میں بھی ان کی آواز آ رہی تھی مگر بات صرف کھانے کی نہیں تھی اسے اندازہ تھا کہ ماموں اسے اور اماں کو ہر ٹینشن سے بچائے رکھنے کی اپنی سی ہر ممکن کوشش کرتے ہی ہیں۔اس وقت بھی وہ یہ سب ممانی کے خراب موڈ کی وجہ سے ہی لائے تھے تاکہ وہ ان لوگوں کو کچھ کہنے سننے سے بچا سکیں۔

ثانیہ کو ان کی محبت پر بڑا ناز سا ہوتا تھا' مگر ممانی کے اس درجہ حاوی ہونے پر ان پر غصہ بھی آنے لگتا تھا۔

ایک بار یہ بات اس نے اماں سے کہہ بھی دی تھی۔"سارا قصور ماموں کا ہے نہ ہی وہ اتنے نرم طبیعت ہوتے اور نہ ممانی اتنی ناقابل برداشت ہوتیں حد ہے اپنی بیوی کو اتنے عرصے میں بھی ٹھیک نہیں کر سکے۔"

اماں نے حسب توقع بے حد برا منایا۔

"کچھ پتہ ہے نہیں بس بولنے سے مطلب۔"

حالانکہ اسے سب پتہ وتہ تھا۔اماں اور ماموں کی یتیمی' ممانی کے والد کا پر شفقت روّیہ اور بدلے میں ماموں کا انہیں تمام عمر جھیلنے کا عہد جسے انہوں نے نبھایا بھی۔

مرتے مرتے وہ بے چارے جمیل سے وعدہ لے کر گئے تھے کہ زبیدہ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔" اماں کی آنکھوں میں اس منظر کا تذکرہ بھی آنسو لانے کا سبب بن جاتا تھا۔

"معلوم نہیں کیسے تھے یہ دونوں بہن بھائی۔"

ثانیہ کو ان کی حد سے بڑھی ہوئی سادہ لوحی پر کبھی بڑی جھنجلاہٹ سی گھیرتی تھی۔

"وہی پٹی پٹائی سچوئشن۔"

"یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مرتے مرتے دوسرے شخص سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لو' اپنی نیکی کو زادراہ بھی تو بنایا جا سکتا ہے' بدلہ اسی دنیا میں لینا ضروری ہے کیا۔"

"اچھا بس چپ۔ ہو گیا جو ہونا تھا یہ تمہاری نسل ہے' جس کی آنکھ میں ذرا بھی مروت نہیں۔"

اماں نے لاجواب ہو کر اسے سختی سے مزید بحث کرنے سے روکا تھا۔

وہ ماموں کیلئے چائے لے کر واپس برآمدے میں آئی تو وہ لبنیٰ کا پوچھنے لگے۔

آج وہ بھی اب تک پارلر نہیں گئی تھی' اس کی دیر سے اٹھنے کی عادت' ویسے بھی صبح سویرے کی سرگرمیوں میں حارج ہوتی تھی' اکیڈمی میں گزرنے والے پونے دو سال میں اس نے محض وہاں کے رنگا رنگ ماحول کس کشش کی وجہ سے صبح سویرے والی مشقت جھیلی تھی۔

اب یہ روزی باجی والا پارلر اس کیلئے بڑی عافیت کی جگہ ثابت ہو رہا تھا۔اکثر ہی وہ دوپہر کا کھانا کھا کر جایا کرتی تھی' وہاں کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔روزی باجی کو اپنی "فیس" سے غرض تھی جو انہیں بڑی پابندی سے مل ہی رہی تھی۔

''میری تو سمجھ میں یہ کام آ نہیں رہا' بھلا اس سے لبنیٰ کو فائدہ کیا ہو گا۔''

ماموں بڑی مایوسی سے کہہ رہے تھے۔''آگے کچھ لکھ پڑھ لیتی تو زندگی کا کچھ تو شعور آتا۔''

ان کی اپنی سوچ تھی۔

حالانکہ یہ بھی کوئی طے شدہ کلیہ نہیں تھا کہ پڑھ لکھ کر انسان واقعی باشعور بھی ہو جائے' مگر پھر بھی ایک امید تو ہوتی ہی ہے۔

ثانیہ کا خیال آیا کہ لبنیٰ کی مستقل ناکامیوں کے باوجود انہوں نے اکیڈمی کی بھاری بھر کم فیسیں کتنی خوشی خوشی ادا کی تھیں۔

وہ لبنیٰ کے بارے میں زیادہ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر ماموں کا مایوسی سے جھکا ہوا سر دیکھ کر اسے اس پر بہت زور کا غصہ آنے لگا تھا۔

''اولاد کو آزمائش یوں ہی تو نہیں کہا گیا ہے۔''

اسے قرآن پاک کی ایک آیت کا حوالہ یاد آیا۔

''بیوٹیشن کا کورس بھی بہت کارآمد ہوتا ہے ماموں اچھی بات یہ ہے کہ لبنیٰ کو اس میں دلچسپی بھی ہے۔'' اس سے ان کی مایوسی دیکھی نہیں گئی' ''پوری ایک انڈسٹری ہے یہ بھی اور انسان لگن سے کام کرے تو بہت زیادہ ترقی کے امکان ہیں اس میں۔''

''اچھا۔'' وہ کچھ پرامید سے ہوئے۔''مگر ساتھ ساتھ پڑھا بھی تو جا سکتا ہے' پڑھائی تو ہر فیلڈ کیلئے بہت ضروری ہے۔''

پیسہ تو ہر ایک ہی کما سکتا ہے' مگر تعلیم انسان میں ایک وقار پیدا کرتی ہے دنیا کی نگاہ میں بھی اور خود اپنی نگاہ میں بھی۔

سامنے ممانی کے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔

ماتھے پر گہری سی شکن ڈالے کسی کی بھی طرف دیکھے بنا وہ سیدھی کچن میں چلی گئیں۔

''لگتا ہے تمہاری ممانی کو کھانے کی خوشبو پہنچ ہی گئی ہے۔'' ماموں نے سرگوشی کی۔

ثانیہ ہلکے سے ہنس پڑی۔ شاید ان کی بات سچی ہی تھی' سب ہی کو پتہ تھا کہ ممانی بھوک کی کچی ہیں اور کھانے پینے کی شوقین۔ کچن سے آتی برتنوں کی کھڑکھڑاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ آئی ہوئی اشیاء کا جائزہ لے رہی ہیں۔ ثانیہ نے اماں کی طرف دیکھا' ان کے چہرے پر پھر سے پریشانی پھیل رہی تھی' ماموں نے بھی شاید یہی نوٹ کیا تھا۔

''آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں ذرا ذرا سی باتوں پر' میں ہوں نا۔''

اماں کے گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بڑی ملائمت سے کہہ رہے تھے۔ ان کے مختصر سے جملے میں بڑی ہی گہری تسلی تھی۔

''ہم پر جو گزرے' سو گزرے' کسی کو بھی کیا فرق پڑتا ہے' یہاں تو بریانی' قورمے کی دعوت تیار ہے جشن منانے کیلئے۔''

ممانی کچن کے دروازے میں کھڑی تھیں۔

''کیسی باتیں کرتی ہو' کیسا جشن اور کسی دعوت' میرا دل چاہ رہا تھا' میں لے کر آیا ہوں۔''

ماموں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی' مگر وہ اور بھی خفا ہو گئیں۔

''اس وقت کیسے دل چاہ گیا ورنہ تو بازار کے کھانے میں دس خرابیاں نظر آجاتی ہیں تمہیں' آج جب یہاں زہر کھانے لینے کو دل چاہ رہا ہے تو تمہیں اس شاہی دعوت کی سوجھی۔''

ثانیہ نے بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ دبائی۔

''خدانہ کرے ایسی کا مصیبت آگئی ہے تم پر۔''

ماموں کی بے خبری کی ادا پر وہ اور بھی کنٹرول کھونے لگیں۔

''میں پوچھتی ہوں لبنیٰ میں کیا برائی ہے' مگر تم نے اس کا راستہ کھوٹا کر کے چھوڑا۔'' دفعتاً ہی وہ ثانیہ کے بالکل سامنے آکھڑی ہوئیں۔''تمہارے حسد نے ہر جگہ اس کا کام خراب کیا ورنہ عمر کی نانی تو پہلی ملاقات میں ہی لبنیٰ کو پسند کر چکی تھیں۔''

''مگر تم نے اور اس لڑکی فرح نے مل کر....''

''چپ ہو جاؤ زبیدہ' یہ کیا بکواس ہے۔'' ماموں کیلئے ان کی یہ ساری تفصیل کو سن لینا ہی ناقابل برداشت تھا۔

''کیوں چپ ہو جاؤں ایسے ہی تو عمر کی نانی نے کوئی دوسری لڑکی نہیں پسند کر لی' یہ سب اس کا اور فرح کا ہی کیا ہوا ہے ورنہ وہ تو لبنیٰ کو پسند کر چکی تھی خود کہا تھا انہوں نے مجھے۔''

نہ ان کی خوش فہمی کی انتہا تھی اور نہ ہی دروغ گوئی کی۔ان سے ہمہ وقت خائف رہنے کے باوجود ثانیہ نے اپنے اندر یہ کہنے کی ہمت مجتمع کرنے کی کوشش کی کہ نانی نے کبھی بھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ مگر وہ کچھ سننے کیلئے تیار نہیں تھیں۔

آج صبح جب انہوں نے عمر کی نانی کو یوں ہی اپنی خوش اخلاقی کی دھاک بٹھانے کیلئے فون کیا تھا تب ہی وہاں سے دیا اور عمر کا رشتہ طے ہو جانے کی خوشخبری موصول ہوئی تھی۔اس وقت سے وہ مستقل ہی اماں اور ثانیہ کو موردالزام ٹھہرائے جا رہی تھیں' انہیں سچ مچ دھچکا پہنچا ہوا تھا ثانیہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر وہ کس بنیاد پر اتنی پراعتماد تھیں۔

''اس میں کسی کا بھی کیا قصور ہے' ہر شخص آزاد ہوتا ہے اپنے بارے میں جو بھی فیصلہ کرے' خبردار جو تم نے ثانیہ کو موردالزام ٹھہرایا اور خدا کیلئے اب یہ رونا پیٹنا بند کرو۔''

ماموں غصے میں آچکے تھے اور جب بھی کبھی وہ غصے میں آجاتے تھے ممانی کو خاموش ہونا پڑتا تھا' مگر آج ان کی حالت نارمل نہیں تھی۔

فرح کی سہیلی ہے وہ لڑکی' نانی نے خود مجھے بتایا ہے' صاف کہا انہوں نے ان کا تو کہیں اور ارادہ تھا۔''

''تو پھر اس میں کون سی ایسی بات ہے زبیدہ اور لبنیٰ میں خدانہ کرے کون سی خرابی ہے' انشاءاللہ بہت اچھی جگہ اس کی شادی ہو جائے گی۔'' اماں کسی بھی صورت ثانیہ کو ان کی ناراضگی سے بچانا چاہ رہی تھیں' مگر جس تنگ دلی کا وہ شکار تھیں اور جس کینے اور حسد کی آگ میں وہ ہمیشہ ہی جلتی رہی تھیں اس کے شعلے اب اتنے بلند ہو چکے تھے کہ اماں اور ماموں دونوں ہی کو اندازہ نہیں تھا ذرا بھی لحاظ کئے بغیر وہ سب کچھ کہے گئیں جو انہیں کسی بھی حالت میں نہیں کہنا چاہئے تھا۔

''چالاک' مکار' مفت کی روٹیاں توڑنے والے بے کار کا بوجھ۔''

''ماموں کا نہ غصہ کام آیا اور نہ ہی ہاتھ جوڑنا انہوں نے جو چاہا سو کہا۔''

''ثانیہ کو نہیں پسند کیا تھا اسی لئے اس نے اور فرح نے مل کر عمر کی کہیں اور شادی کروانے کا پروگرام بنایا۔''

اب تک انہوں نے جو بھی کہا تھا ثانیہ کی توقع کے عین مطابق تھا' مگر جو کچھ بھی انہوں نے اس کے اور عمر کے حوالے سے کہا تھا اس طرف اس کا گمان بھی نہیں گیا تھا۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہا کہ وہ خود عمر سے شادی کرنا چاہتی تھی اور آفس کے بہانے معلوم نہیں کہاں کہاں کی خواری کر کے آتی ہے۔

جواباً اس سے اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہ کہا گیا' بس ساکت نگاہوں سے انہیں دیکھے گئی' بالآخر ماموں نے انہیں دھکا دے کر کمرے کے اندر کیا تب بھی وہ یوں ہی لاتعلق سے انداز سے کھڑی دیکھے گئی۔

''ثانی' ثانیہ۔''

ماموں نے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''بدتمیز جاہل عورت ہے اس کی باتوں کو دل پر نہ لگاؤ' اس کو ہوش ہی نہیں ہے کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔''

اس کی تسلی کیلئے وہ جو کچھ بھی کہہ رہے تھے ناکافی تھا' مگر وہ حیرت انگیز طور پر خود کو کمپوزر کھے ہوئے تھی۔

''کوئی بات نہیں ہے ماموں' آپ پریشان نہیں ہوں۔''

ان کی تسلی کیلئے اس نے مسکرانے کی بھی کوشش کی۔

اماں نے متوحش نگاہوں سے ثانیہ کی طرف دیکھا۔ وہ خود کو نارمل ظاہر کرنے کی اتنی کوشش کر رہی تھی کہ انہیں گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ ممانی کے اتنی ساری باتوں کے جواب میں اگر وہ رو پیٹ ہی لیتی تو وہ دکھی ہونے کے ساتھ تھوڑی سی مطمئن تو ہو ہی جاتیں۔

اندر سے ممانی کے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ انہیں ثانیہ کی کئی دن پہلے کی کہی بات یاد آئی۔

''آپ اس دن کا انتظار کریں جب ہمیں ممانی دھکا دے کر گیٹ سے باہر کھڑا کر دیں گی۔''

انہیں لگا کہ آج انہیں وہی دھکا لگ چکا ہے۔

...☆☆☆...

نینی نے چھوٹے سے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے ذرا رک کر اپنی سانس ہموار کرنے کی کوشش کی۔ چار زینے طے کر کے اس فلیٹ تک پہنچنے میں اس کا سانس بری طرح پھولا تھا۔

''کیا ہوا رک کیوں گئیں' یہاں آ کر دیکھو۔''

فیضی جو اس کے ساتھ ہی اوپر آیا تھا سامنے والے کمرے میں سے واپس نکل کر اس سے پوچھ رہا تھا ''تھک گئی ہو؟'' اس نے خود ہی اندازہ لگایا۔ ''کوئی بات نہیں ہے آہستہ آہستہ عادی ہو جاؤ گی۔''

اس کے نزدیک یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ نینی بناء کوئی جواب دیئے سامنے والے کمرے میں چلی آئی۔

قدرے چھوٹے چھوٹے دو کمرے اس چھوٹے سے لاؤنج کے ساتھ ملحق تھے اور ان میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا جو کہ خاص طور پر دیکھا جا سکے۔ ایک کھڑکی باہر کے رخ پر کھلتی تھی اور رنگ روغن خاصا پرانا ہو چکا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ فیضی سے کہے کہ وہ اس میں کلر کروا لے مگر بہت دن سے جو چپ کی چادر وہ اوڑھے ہوئے تھی اس میں ایسا بھی کچھ کہنے کو دل نہ چاہا۔

ایک کمرے کے آگے تنگ سی بالکونی تھی' جس میں پچھلے رہنے والے اپنا کچھ غیر ضروری سامان چھوڑ گئے تھے۔ نینی نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اس کاٹھ کباڑ پر ڈالی اور تھوڑا سا آگے بڑھ کر نیچے جھک کر دیکھنے لگی۔

یہ سامنے کے رخ پر کھلنے والا فلیٹ نہیں تھا بلکہ بہت پرانے دکھائی دیتے ان چھوٹے چھوٹے تنگ سے فلیٹس والے پروجیکٹ میں پیچھے کی طرف کھلنے والا بلاک تھا۔

یہاں سے دو بلاکس کے بیچ کا تنگ راستہ اور اسی طرح کی مقابل آتی بالکونیاں دکھتی تھیں۔ تمام بالکونیوں میں قطار در قطار سوکھتے کپڑے اور اسی طرح کا فالتو سامان دکھائی دے رہا تھا اور یا پھر مستقل اوپر سے بہتا ہوا پانی۔

نینی نے ایک مایوس سی نگاہ اس سارے منظر پر ڈالی۔ ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک وہ جہاں جہاں بھی رہی تھی ان میں سے یہ جگہ سب سے مختلف تھی۔

شادی کے فوراً بعد فیضی کے ساتھ بہترین ہوٹلز اور خوبصورت ریسٹ ہاؤسز' پھر بابر کی جدید طرز کی انیکسی' یہاں تک کے ابھی جس متوسط درجے کے ہوٹل سے وہ آ رہی تھی اس کے کمروں کی حالت بھی بہر حال یہاں سے سوگنا اچھا تھی اور ان سب سے پیچھے سے جھانکتا ہوا وہ کھلا کھلا آم کے درختوں سے گھرا گھر جس کی رنگین شیشوں والی کھڑکیوں پر سورج کی شعائیں' رنگوں کا مسحور کن کھیل کھیلتی تھیں۔ ایک لمحے کو اسے اپنا دل رکتا ہوا سا محسوس ہوا۔

وہ کہاں سے کہاں پہنچی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں ہر جگہ رک جاتی ہو۔''

فیضی کی جھنجلائی ہوئی آواز پر وہ واپس کمرے میں آ گئی۔

''بیٹھ جائو کھڑی کیوں ہو؟''

پرانے سامان میں سے وہ ایک سادہ سا بیڈ خرید کر کل یہاں بچھا چکا تھا۔ نینی آگے بڑھ کر اسی کے کنارے پر ٹک گئی۔ پورے گھر میں یہی ایک چیز تھی جس پر بیٹھا جا سکتا تھا۔

''کچن میں چولہا لگا ہوا ہے میرا خیال ہے ہم نیچے چل کر ضروری سامان خرید لاتے ہیں تاکہ کھانا پکانے کا مسئلہ تو حل ہو۔'' وہ اس کی طرف سے پشت کئے ہوئے کھڑکیاں کھول رہا تھا۔

نینی کو یاد آیا کہ وہ اسے کچن میں مصروف دیکھ کر کتنا جھنجلایا کرتا تھا۔ ''کیا ضرورت ہے کچن میں گھسے رہنے کی ایک سے ایک فوڈ پوائنٹس ہیں شہر میں قدم قدم پر۔'' آئوٹنگ پر جانا باہر کھانا اس کے روزمرہ معمول میں شامل تھا' کون سی جگہ تھی جو نینی نے اس کے ساتھ گزرے اس سال میں نہیں دیکھی تھی۔

''ابھی تو اوپر چڑھے ہیں فیضان اب پھر نیچے اتریں۔'' دوبارہ اترنا چڑھنا یہ خیال ہی اسے پریشان کرنے لگا تھا' مگر فیضی کو فرق نہیں پڑتا تھا۔

''اترو چڑھو گی تو عادل بھی ہو جائے گی' آخر سینکڑوں ہزاروں لوگ رہتے ہی ہیں یہاں ہم سے اوپر بھی ایک فلور اور ہے' بچے تک سارا دن مزے سے اترتے چڑھتے رہتے ہیں۔''

اپنے طور پر وہ اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔

''تم خود جا کر لے آئو نا' جو بھی سمجھ میں آئے۔''

نینی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر پائوں اوپر کر کے بیٹھتے ہوئے بولی تو وہ ہنس پڑا۔

''مجھے کیا پتہ کچن میں کیا ضروری ہے کیا نہیں میں تو اپنے گھر میں مہینوں کبھی کچن میں قدم تک نہیں رکھتا تھا۔'' نینی نے بار بار نوٹ کیا تھا کہ جب بھی وہ اپنے گھر یا گھر والوں کے بارے میں کوئی بات کرتا اس کی آنکھوں میں بڑی خوبصورت سی روشنی پھیلنے لگتی تھی۔ ایسے میں خود وہ اپنے آپ سے شرمندہ ہونے لگتی تھی۔ وہی تھی جو اسے ان سب پیار کرنے والے رشتوں سے چھڑا کر یہاں تک لے آئی تھی۔ اپنی خوشی پوری کرتے وقت آخر کیوں اس نے ایک بار بھی ان سب

کے بارے میں نہیں سوچا' جو فیضان سے خون کے اٹوٹ رشتوں میں جڑے تھے۔ کیا صرف اسی کی خوشی سب سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی اور دوسروں کو تکلیف دے کر حاصل ہونے والی خوشی کی مدت کیا صرف اتنی ہی ہوتی ہے۔

چھوٹے بڑے، بہت سارے سوالیہ نشان اسے ہر وقت ہی اپنے چاروں طرف منڈلاتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

فیضی کا خاندان اگر اس سے شدید نفرت کرتا تھا تو حق بجانب تھا۔ وہ جتنا بھی اس بارے میں سوچتی اپنا قصور اور بھی زیادہ برا محسوس ہوتا تھا اور کیا خبر کہیں قریب ہی وہ دن بھی ہو جب فیضی خود اس سے نفرت کرنے لگے۔

پہلی بار ہی کہیں دل کی گہرائی میں چھپا یہ خوف اچانک ہی ابھرا۔

بے ساختہ ہی سر جھٹک کر وہ سیدھی ہو کر بیٹھی کمرے میں کوئی نہیں تھا' فیضی بھی اس کی گم صم سی کیفیت دیکھ کر باہر چلا گیا تھا۔

باہر سے آتی کھٹ پٹ اس کی مصروفیت بتا رہی تھی اب وہ اکثر ہی ایسا کرتا تھا جب بھی نینی یوں ہی بناء کسی بات کے خاموشی کے طویل دورانیہ میں ہوتی وہ یکسر نظرانداز کر کے کسی اور کام میں لگ جاتا۔

''ایک بڑا ابدلاؤ تو اس میں آ ہی گیا تھا۔''

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے اس نے اپنی قسمت کے بدلنے کا خود سے اعتراف کیا ورنہ یہی فیضی تھا جو انتہائی خوبصورت تفریحی جگہوں پر بھی بار بار اس کے چہرے کو تکتا تھا۔

''تم بور تو نہیں ہو رہی ہو۔''

''گھر والے یاد تو نہیں آ رہے ہیں۔''

اس طرح کے سوال وہ اتنی بار کرتا کہ وہ خود عاجز آنے لگتی تھی۔

مگر اب سب ہی کچھ بدل چکا تھا۔

وہ چپ چاپ سامنے والی دیوار کو دیکھنے گئی جہاں پچھلے مکینوں نے ایک طرف دیوار میں تختے ٹھونک کر چیزیں رکھنے کی گنجائش پیدا کی تھی۔

''ایک گھر اور اس کے افراد سے جڑا کتنا ہی ضروری سامان ان کمروں میں رہا ہوگا۔''

مگر ان کے پاس تو یہاں رکھنے کیلئے بھی کچھ نہیں تھا۔

بے سروسامانی کی کیفیت عجیب سا احساس محرومی پیدا کر رہی تھی' گھر بار کے نام پر ان کے پاس کپڑوں کے بے تحاشہ بھرے ہوئے بیگ تھے یا بشارت صاحب کا دیا ہوا ایک لاکھ روپیہ' جس میں سے نینی کے بے حد اصرار پر پہلی بار فیضی نے پچاس ہزار روپے نکالے تھے۔ جس میں سے اس فلیٹ کا ایک سال کا ایڈوانس دینے' ایک بیڈ اور چولہا خرید لینے کے بعد بھی اچھے خاصے پیسے بچ رہے تھے۔

یہ چھوٹی گرہستی بھی ابھی بہت کچھ مانگ رہی تھی۔

''فیضی ٹھیک ہی کہہ رہا تھا اب یوں ہمت ہار کر بیٹھ رہنا بھی سمجھداری والی بات نہیں تھی۔''

وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی آئی۔

فیضی اپنا بیگ کھولے کپڑے الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

''کیا دیکھ رہے ہو۔''

"شرٹ ڈھونڈ رہا تھا ایک مل نہیں رہی شاید نیچے دب گئی ہے۔"

"ہٹو میں دیکھتی ہوں۔" بہت دنوں بعد اس نے خود کو نارمل کرنے کی شعوری کوشش کی۔

"نہیں، تمہیں نہیں ملے گی۔" وہ بدستور بیگ پر جھکا ہوا تھا۔ "ویسے بھی نینی اب میں سوچتا ہوں کہ یہ اتنے بے حساب کپڑے میں کس خوشی میں بنا تا تھا بس جیسے کوئی کریز تھا اندھا دھند شاپنگ کر ڈالتا تھا اور ہماری امی مجال ہے جو کبھی مجھے کچھ کہتی ہوں پاپا سے چھپا چھپا کر مجھے پیسے دیئے جاتی تھیں۔"

وہ بڑی ترنگ میں اپنی اور والدہ کی خوبیاں بیان کئے جا رہا تھا۔

"اب معلوم نہیں، انہیں سب کی کتنی ناراضگی، سہنی پڑ رہی ہو گی۔" نینی کے منہ سے ایک دم ہی نکل گیا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ کچھ اداس سا ہونے لگا۔

"بابا نے تو خیر بہت زیادہ انہیں نہیں کہا ہو گا مگر پاپا بہت بگڑ رہے ہوں گے، ان کی اور امی کی ویسے بھی کوئی خاص کبھی بھی نہیں بنی اوپر سے میں نے بھی فون کرنے بند کر دیئے ہیں اور ان کے پاس بھی میرا کوئی نمبر نہیں رہا ہے اس لئے پریشان تو بہت ہوں گی آج کل۔"

"تو، تم فون کر کے انہیں اپنی خیریت بتا دو۔" نینی کے لہجے میں اصرار تھا۔

"پتہ نہیں شاید کروں یا شاید نا کروں اس دن بابا نے مجھے جس طرح شرمندہ کیا تھا اس کے بعد میرا دل نہیں چاہتا کہ گھر والوں سے کوئی رابطہ رکھوں۔" وہ بے دلی سے وجہ بتانے لگا، مگر نینی کے خیال میں یہ کوئی ایسا جواز نہ تھا۔

"انہوں نے جو کچھ بھی کہا فیضی اس سے تمہاری بے عزتی نہیں ہوئی، بڑوں کی بات کا اتنا برا نہیں منایا کرتے ہیں انہیں حق ہوتا ہے کہ وہ ہمیں صحیح اور غلط کی تمیز کرنا سکھائیں۔ ان سے زیادہ ہمارا برا بھلا سوچنے والا اور کون...۔"

"تو پھر بتاؤ کیا کروں۔" فیضی نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "تمہیں چھوڑ کر واپس ان لوگوں کے پاس چلا جاؤں، وہ لوگ تو میری اچھائی اس میں سمجھتے ہیں۔"

بالکل سپاٹ سے لہجے میں وہ جو بات کہہ رہا تھا نینی کیلئے خوفناک ترین تھی اور اس کا جواب دینے کیلئے جو ہمت درکار تھی اس کے پاس تو وہ بھی نہیں تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو۔"

اس کا زرد ہوتا چہرہ دیکھ کر وہ اٹھ کر نینی کے قریب چلا آیا۔ "مذاق کر رہا تھا اتنا بھی نہیں سمجھتی ہو۔" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ ہلکے سے مسکرایا۔ "ایسا ہو سکتا ہے کیا میں نے سارے رشتوں کے بدلے میں تم سے ناطہ جوڑا ہے تم میرے لئے کتنی قیمتی ہو یہ صرف میں ہی جانتا ہوں۔"

وہ بہت نرم سے لہجے میں ہلکے ہلکے اس کا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ مشکل وقت جو ہم لوگوں پر آ پڑا ہے سچی بات ہے کہ ہم دونوں کیلئے ہی سخت غیر متوقع تھا، مگر یہ بھی کٹ ہی جائے گا کبھی نہ کبھی اس کی اتنی پرواہ مت کرو جو گزر گیا سو گزر گیا، سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ اور اس سے زیادہ خوبصورت کوئی اور بات نہیں ہو سکتی۔"

ایک گرم تپش بھرے موسم کے کنارے پر گھنے بادلوں کا جیسے سایہ اترا۔ نینی کو ایک بار پھر ایسا لگنے لگا جیسے اس سے بڑھ کر کوئی اور لڑکی خوش قسمتی کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

...☆☆☆...

ثانیہ کو بینا باجی سے پڑھتے ہوئے اب کافی دن ہو چکے تھے۔ گو اسے اب ان کی مدد کی اتنی ضرورت نہیں رہی تھی، مگر اس کی اور ان کی دوستی اب اتنی پکی ہو چکی تھی کہ ہفتے میں دو تین بار وہ چلی ہی جاتی تھی۔

دو دن بیچ میں اور ایک اتوار۔

جاب کی وجہ سے خود اس کی مصروفیت بڑھی ہوئی تھی، مگر پھر بھی وہ تھوڑا بہت وقت نکال ہی لیتی ایک اتوار کا دن ذرا فرصت کا تھا اس میں سہ پہر تک گھر کے سارے کام نمٹا کر ذرا زیادہ دیر کیلئے ان کے پاس چلی جاتی تھی۔

بینا خود اس کی منتظر رہتیں بلکہ ان کا سارا گھرانہ بھی۔ ثانیہ کو وہ سب ہی لوگ بہت اچھے لگتے تھے۔ خاص طور پر اسے بینا باجی اور آفتاب بھائی کی آپس کی مثالی انڈر اسٹینڈنگ اور نامساعد حالات میں بھی ہمت نہ ہارنا۔

اسے وہ دونوں ہی عام لوگوں سے بہت مختلف لگتے تھے آفتاب بھائی کی والدہ اور بہنیں بھی ان دونوں کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتی تھیں۔

ایک روز بینا باجی اماں سے ملنے کیلئے جمیل ماموں کے گھر بھی آئی تھیں۔

یہ پہلا ہفتہ تھا کہ ثانیہ ان کے گھر پڑھنے کیلئے نہ جا سکتی تھی، بینا باجی نے چند دن تو انتظار کیا پھر فون پر فون کرنے شروع کر دیئے سو دل نہ چاہتے ہوئے بھی ثانیہ کو اتوار کی سہ پہر کو جانا پڑا۔

آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تھے، مگر ہوا ابھی تک نیم گرم ہی تھی۔ وہ جب ان کے گھر پہنچی تو باہر ہی ایک گاڑی کھڑی دیکھ کر لمحے بھر کیلئے ٹھٹکی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

معلوم نہیں کون آیا ہوا تھا یہاں۔

اسے گاڑیوں کی مالیت کے بارے میں کوئی ایسا اندازہ تو نہیں تھا، مگر پھر بھی یہ ایک نئی اور بڑی گاڑی تھی اور ظاہر ہے کہ مہنگی بھی۔

اتوار ہونے کی وجہ سے آج آفتاب بھائی کا میڈیکل سٹور بھی بند تھا۔

چند لمحوں کیلئے وہ اسی شش و پنج میں کھڑی رہی اور بہت ممکن تھا کہ وہ واپس پلٹ جاتی تب ہی گیٹ کھول کر آفتاب بھائی باہر آئے۔

''ارے ثانیہ۔'' باہر کیوں کھڑی ہو اندر آؤ نا۔''

ان کے لہجے میں اتنا تپاک تھا کہ ثانیہ کو اندر آنا ہی پڑا۔

سامنے ڈرائنگ روم خالی پڑا ہوا تھا۔ جو کوئی بھی آیا ہوا تھا غالباً اتنا فری تھا گھر والوں سے کہ اندرونی حصہ میں تھا۔

''تم یہاں بیٹھو میں بینا کو بھیجتا ہوں۔''

انہوں نے ڈرائنگ روم کی لائٹ اور پنکھا کھولتے ہوئے کہا۔

اگرچہ اب وہ اپنی بیساکھی کو صحیح طور پر استعمال کرنے کے عادی ہو چکے تھے، مگر پھر بھی ثانیہ جب وہ چل پھر رہے ہوتے ان کی طرف دیکھنے سے کتراتی تھی۔

اسے بیٹھے ہوئے دو تین ہی منٹ گزرے تھے کہ دروازے پر ہونے والی آہٹ نے بے ساختہ ہی اسے اس طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

"ماشاءاللہ ہمیں تو خبر ہی نہیں تھی کہ آفتاب کے ملنے والوں میں اب اتنے خوبصورت چہرے بھی شامل ہو چکے ہیں۔"

چہرے پر پوری خباثت لئے وہ جو کوئی بھی تھے انتہائی ناقابل برداشت شخص تھے۔

ثانیہ ایک دم ہی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"آں ہاں۔" وہ ایک قدم آگے بڑھے۔ "تشریف رکھیں ابھی تو مجھے آپ سے تعارف کا شرف بھی حاصل نہیں ہوا۔

ثانیہ کا واسطہ پہلی بار اس قسم کے کسی شخص کے ساتھ پڑا تھا۔

یہ کمرہ اندرونی حصہ سے ذرا ہٹ کر تھا' عام دنوں میں بینا باجی یہیں اپنے شاگردوں کو پڑھایا کرتی تھیں۔

مگر آج اتوار ہونے کی وجہ سے یہاں سناٹا تھا۔

"پتہ نہیں آفتاب بھائی اندر جا کر بتانا بھول گئے تھے یا پھر اسے اندر آنا ہی نہیں چاہئے تھا۔" گھبراہٹ میں اسے یہی دو خیال آرہے تھے۔

"آپ بینا باجی کو بلا دیں پلیز۔" اپنے طور پر خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی پوری کوشش کے باوجود بھی اس کی آواز میں لرزش سی آہی گئی۔

"بینا باجی تو بے حد مصروف ہیں مہمانوں میں آنے میں کچھ ٹائم تو لگے گا ہی۔" ثانیہ کی گھبراہٹ نے اسے مزید حوصلہ دیا تھا جب ہی اس کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

باوجود قیمتی کپڑوں کے وہ اس وقت مکروہ ترین شخص لگ رہا تھا اور اس کی نگاہوں کا گدلا پن ثانیہ کو خود اپنی نگاہوں میں گرا رہا تھا۔

یہاں مزید ایک پل بھی رکے رہنا کسی اعتبار سے بھی درست نہیں تھا مگر مشکل یہ تھی کہ دروازے تک جانے کیلئے اسے اسی تھرڈ کلاس شخص کے پاس سے گزر کر جانا پڑتا۔

"آپ ہٹیں بیچ میں سے مجھے باہر جانا ہے۔" اس کی طرف دیکھے بغیر وہ بولی تھی جس کے جواب میں ایک خباثت بھری ہنسی کی آواز اس نے سنی۔

"میں نے راستہ تو نہیں روک رکھا جائیں شوق سے جائیں۔"

ثانیہ نے دیکھا وہ ابھی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔

ثانیہ کو اتنا خوف شاید پہلے کبھی بھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ بینا باجی آفتاب بھائی اسے دونوں پر ہی سخت قسم کا غصہ آنے لگا تھا۔ جو اس طرح کے مہمان گھر پر بلاتے تھے اور پھر انہیں کھلا بھی چھوڑ دیتے تھے۔

"بیٹھ جایئے ہماری کمپنی بھی اتنی بورنگ نہیں ہے بس آزمائش شرط۔۔۔" وہ کہتا ہوا مستقل آگے بڑھ رہا تھا۔

ثانیہ تیزی سے ایک طرف ہوئی تو بے دھیانی میں وہ سینٹر ٹیبل سے ٹکرا گئی۔

"بینا باجی۔" بے ساختہ ہی اس کے منہ سے قدرے تیز آواز نکلی۔

تب ہی کوئی تیزی سے اندر آیا۔

"کیا ہوا چوٹ تو نہیں لگی۔" اسے کندھے سے تھامتے ہوئے وہ بڑی فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں۔ تھوڑا سا مڑ کر ثانیہ نے اس مہربانی چہرے کی طرف دیکھا وہ بینا باجی نہیں تھیں۔

مگر اس وقت اس کیلئے تو فرشتہ ہی ثابت ہوئی تھیں۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ادھر جا کر اماں کے پاس بیٹھے نا وہ آپ کو پوچھ رہی ہیں۔" ان کے لہجے میں جو جتاتی سی کیفیت تھی اسے ثانیہ نے بھی محسوس کیا تھا۔

"معلوم نہیں وہ اس شخص سے کیا رشتہ رکھتی تھیں۔"

ثانیہ کی سمجھ میں نہیں آیا مگر اسے وہ بالکل اجنبی نہیں لگیں۔ بہت ہی مانوس اپنی اپنی سی وہ ابھی تک اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھیں۔

"جا رہا ہوں میں تو بس یوں ہی ادھر آ گیا تھا۔"

کھسیانی سی ہنسی ہنستا ہوا وہ شخص دروازے کا رخ کر رہا تھا ثانیہ کا اس کی طرف ایک نگاہ ڈالنے کا بھی دل نہ ہوا۔

وہ ابھی تک خوفزدہ تھی۔ اپنے طور پر خود کو بہت تبدیل کر لینے کے باوجود بھی وہ اندر سے اب تک بہادر نہیں بن سکی تھی۔

"بیٹھ جاؤ میں تمہارے لئے پانی لے کر آتی ہوں۔"

وہ اسے صوفے پر بٹھاتی ہوئی مڑنے لگیں تو ثانیہ نے بے ساختہ ہی ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں بس میں جا رہی ہوں۔"

وہ اب یہاں اکیلے نہیں بیٹھنا چاہتی تھی، مگر مہربان آنکھوں والی ان خاتون کے چہرے پر بڑی گہری شرمندگی پھیلنے لگی۔

"ان کی طرف سے میں تم سے معافی چاہتی ہوں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" ثانیہ کو ان کا شرمندہ ہونا اچھا نہیں لگا ان کا قصور بھی کیا تھا۔

"معاف کرنا ثانیہ تمہیں تھوڑا انتظار کرنا پڑا۔"

بینا باجی مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔ "یہ اچھا ہوا کہ فرحت بھابی تمہارے پاس بیٹھ گئیں آج یہ لوگ آئے ہوئے ہیں تو..."

ثانیہ نے ڈھنگ سے ان کی تفصیل بھی نہیں سنی بینا باجی کے آتے ہی وہ اس کیلئے پانی لانے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یہ کون ہیں بینا باجی؟"

جو سوال اس کے ذہن میں کھٹک رہا تھا اس نے پوچھنے میں دیر نہیں کی۔

"یہ فرحت بھابی ہیں وحید بھائی کی بیوی میں نے بتایا تھا نا آفتاب کے بڑے بھائی ہیں۔"

"اوہ۔" ثانیہ کو حیرت ہوئی کہ وہ انہیں کیوں نہ پہچان سکی ان سے جڑی اتنی باتیں اب تک وہ سن چکی تھی پھر بھی۔

وہ جو بے حد مالدار ہونے کے باوجود اپنی والدہ اور بہنوں کی کفالت سے بری الذمہ تھے اور جنہوں نے بھائی کی معذوری کے باوجود اپنی کوئی ذرا سی اخلاقی ذمہ داری محسوس نہیں کی تھی۔

"مگر یہ تو بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" اس کا اشارہ فرحت کی طرف تھا معلوم نہیں کیوں دل ان کی طرف کھنچتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"مگر یہ تو بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" اس کا اشارہ فرحت کی طرف تھا معلوم نہیں کیوں دل ان کی طرف کھنچتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''ہاں، فرحت بھابی بہت اچھی عورت ہیں نیک اور صابر، شاید اللہ ایسے ہی لوگوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے جو اس پر پورا اترنے کی سکت رکھتے ہیں۔''

بینا باجی کے لہجے میں ان کیلئے رنج بھی تھا اور احترام بھی۔

فرحت پانی کا گلاس لے آئی تھیں۔ ثانیہ نے تشکر بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ نرم سے نقوش والا یہ چہرہ جس کی مہربان آنکھوں میں اداسی کی دبیز تہہ تھی اپنائیت کی بڑی مانوس سی آنچ دے رہا تھا۔

اسے اپنا دل خود بخود ٹھہرتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

''بیناسے پڑھتی ہو کون سی کلاس میں؟'' وہ بڑی محبت سے پوچھ رہی تھیں۔

اور جب جواب میں ثانیہ نے بتایا کہ وہ اب بس ایک ڈیڑھ مہینے بعد ایم اے پریویس کا امتحان دینے ہی والی ہے تو اسے بڑے خلوص سے کامیابی کی دعا بھی دی۔

ثانیہ کو یہی سوچ کر افسوس ہو رہا تھا کہ وہ وحید جیسے تھرڈ کلاس شخص بیوی ہیں۔ جو شخص چند منٹوں میں اپنی خباثت کا مظاہرہ کر سکتا ہے وہ روزمرہ زندگی میں کس طرح کا روّیہ رکھتا ہوگا۔ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔

''فرحت، فرحت۔''

باہر سے وہی مکروہ آواز پھر سے بلند ہو رہی تھی ثانیہ کو پھر سے اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ انہوں نے ایک تاسف بھری نگاہ جس میں ڈھیر ساری شرمندگی بھی گھلی ہوئی تھی ثانیہ پر ڈالی اور تیزی سے باہر چلی گئیں۔

انہیں خدشہ تھا کہ وحید پھر سے ادھر کا رخ نہ کریں۔

''فرحت بھابی کو تو خود ہمارے گھر لانا پسند نہیں کرتے بلکہ بے چاری خاندان میں کہیں بھی آتی جاتی نہیں ہیں اور یہ وحید بھائی سارے میں ان کے متعلق الٹی سیدھی باتیں پھیلاتے پھرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ذہنی مریضہ ہے کبھی کہتے ہیں کہ اپنے گھرانے کی دولت کا غرور کرتی ہے وہ لوگ ہیں بھی بہت پیسے والے مگر فرحت بھابی بے چاری....''

''میں چلتی ہوں بینا باجی۔''

ثانیہ بد اخلاق نہیں تھی، مگر اس وقت یہاں ٹھہرے رہنا ناممکن سا ہو رہا تھا۔ یہ احساس کہ اسی چھت کے نیچے وحید جیسا بدفطرت شخص بھی موجود ہے خوف کا سبب بن رہا تھا۔

''ٹھیک ہے آج تو ویسے بھی تمہارا یہاں رکنا ٹھیک نہیں ہے۔''

بینا باجی نے بھی اسے روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ جب وہ انہیں گیٹ پر خدا حافظ کہہ کر باہر نکل رہی تھی تب اس کا بے ساختہ ہی دل چاہا کہ وہ فقط ایک بار اور فرحت کو دیکھ سکے، مگر وہ اندر کہیں تھیں جہاں ان کے آس پاس وحید بھی تھے۔

ثانیہ کو اپنے حلق میں تلخی سی محسوس ہونے لگی راستے بھر اسے آج کے واقعہ کے بارے میں سوچ سوچ کر گھبراہٹ ہوتی رہی اماں نے اسے جلدی آتا دیکھا تو تھوڑی سی حیران تو ہوئیں، مگر ممانی کی موجودگی کی وجہ سے مصلحتاً خاموش ہی رہیں خود اس نے بھی گھر میں قدم رکھنے سے پہلے چہرے سے پریشانی صاف رکھنے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔

کتابیں رکھ کر جب وہ کچن میں چائے بنا رہی تھی تو اس نے سنا ممانی جمیل ماموں سے کہہ رہی تھیں۔

''جب ذمہ داری اپنے سر لی ہے تو آنے جانے کا حساب بھی رکھا کریں نہ جلدی کے بارے میں کوئی پوچھتا ہے اور نہ دیر ہو جانے کی ہی کچھ خبر ملتی ہے۔''

جواب میں ماموں نے یقیناً اس کی صفائی میں کچھ کہا ہو گا مگر اسے لگنے لگا تھا کہ اب رفتہ رفتہ وہ ممانی کی ان باتوں کے جواب میں قوت برداشت کھوتی جا رہی ہے۔

"اس دن عمر کا نام لے کر اور آج پھر وہ جس طرح جب دل چاہے اس کے کردار پر چھینٹے اڑانے کا فریضہ انجام دیتی تھیں ان کے جواب میں کچھ کہنا اب ضروری ہوتا جا رہا تھا چاہے اس کا کچھ بھی فائدہ نہ ہو۔"

یہی سوچ کر وہ برآمدے میں چلی آئی۔

"آپ کیا جاننا چاہتی ہیں ممانی مجھ سے پوچھئے نا۔" بہت سکون کے ساتھ وہ ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

انہوں نے ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈالی بڑے ہی غیر محسوس انداز میں وہ انہیں دن بدن بہت مضبوط ہوتی دکھائی دینے لگی تھی۔ پے در پے ہونے والی ناکامیاں اور دل میں جمع کینہ انہیں اچھائی کی ہلکی سی بھی رمق سے محروم کر چکا تھا۔

"میں تم جیسیوں سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی۔"

دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"مجھ جیسی کے بارے میں تو بات کرنا چاہتی ہیں نا۔" ثانیہ عجیب سے انداز میں مسکرائی تو وہ سر جھٹک کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ثانیہ نے گہری سانس لیتے ہوئے اک نگاہ اماں اور جمیل ماموں کے جھکے ہوئے سر کی طرف ڈالی۔

...☆☆☆...

نازی کو رحمت منزل آنا ہمیشہ ہی بہت اچھا لگتا تھا۔ صاف ستھرا ماحول اور پرانی طرز تعمیر کو مد نظر رکھ کر بنائے ہوئے ٹھنڈے اور ہوادار فلیٹ بیچ شہر کے ہوتے ہوئے بھی اندر کی طرف شور و غل اتنا زیادہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ بشارت

صاحب کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے امی کی باتوں کا افسوس ہی ہوتا رہا جو وہ یہاں عمر کی رہائش ہونے پر کیا کرتی تھیں۔

انہیں یہ جگہ پسند نہیں تھی یا شاید دیا کے شایان شان نہیں لگتی تھی آج بھی بشارت صاحب اور نازی کے بہت اصرار کے باوجود بھی وہ یہاں آنے پر راضی نہیں ہوئی تھیں... نانی سے ملنے کیلئے بشارت صاحب اور نازی کو ہی آنا پڑا۔ "اگر تمہاری امی کا یہی روّیہ رہا تو مستقبل میں دیا کیلئے بہت ساری پریشانیاں کھڑی ہو جائیں گی۔"

بشارت صاحب سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس سے کہہ رہے تھے۔

بظاہر وہ امی کی باتوں کو بلکہ ان کے اعتراضات کو اہمیت نہیں دیتے تھے' مگر اصل میں ایسا نہیں تھا وہ ان کے روّیہ پر متفکر تھے۔

ان کی کھردری نظر آتی شخصیت کے پیچھے ایک بے حد حساس اور خوددار دل تھا۔

"آپ فکر مت کریں ابا۔" نازی نے محبت سے ان کی طرف دیکھا۔ "نانی اور عمر بہت اچھے ہیں وہ لوگ دیا سے بہت محبت کرتے ہیں کسی طرح کے مسائل نہیں اٹھنے دیں گے۔"

"مجھے ان کی اچھائی کی وجہ سے اور بھی افسوس ہوتا ہے۔" پہلے زینے کے اختتام پر وہ سانس لینے کیلئے ذرا رکے۔ "یہ کہاں کا انصاف ہے کہ کسی کی اچھائی سے فائدہ اٹھا کر اپنی ناجائز بات بھی منوالی جائے۔ جیسا تمہاری امی چاہ رہی ہیں کہ یہ لوگ اپنی رہائش یہاں سے بدل لیں۔"

اپنی بات پوری کر کے وہ پھر سے سیڑھیاں چڑھنی شروع ہو گئے۔

"میں انہیں سمجھالوں گی ابا۔" وہ ان کے پیچھے چلتے ہوئے ہلکے سے بولی۔

''وہ کسی سے سمجھنے والی نہیں ہیں اور نہ ہی خود کسی کی بھی سمجھ میں آئیں گی' جب میرے ہی نہیں آئیں۔'' بناپلٹ کر اس کی طرف دیکھے وہ بولتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔

نازی نے شکریہ ادا کیا کہ اس وقت سیڑھیوں پر اور کوئی نہیں ہے ورنہ اس خاندانی تجزیہ پر ایک بار مسکراتا تو ضرور ہی۔

وہ کچھ اور بھی کہتے مگر سیڑھیاں ایک دم ہی ختم ہو گئیں۔ عمر کے فلیٹ کا دروازہ بالکل سامنے تھا اور نانی دروازہ کھولے کھڑی مسکرا رہی تھیں۔

''میں نے اوپر سے تم لوگوں کو آتا دیکھ لیا تھا۔''

وہ بشارت صاحب اور نازی دونوں کو دعائیں دے کر فارغ ہوئیں تو بتانے لگیں نازی نے انہیں گھر سے نکلنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی اپنے آنے کی اطلاع دی تھی۔ وہ انہیں لئے اندر آ گئیں۔

بشارت صاحب جب بھی ان کے ہاں آتے تھے ڈرائنگ روم کے بجائے لائونج میں بیٹھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ کین کی کرسیاں نانی کا خوبصورت تخت پوش سے ڈھکا تخت اور اس پہ رکھے دیدہ زیب گائو تکیے۔ یعنی نانی کا طرز رہائش بڑی فطری سی خوبصورتی لئے محسوس ہوتا تھا اور وہ ہمیشہ ہی ان سے اس کی تعریف بھی کرتے تھے۔

شام ہو چکی تھی مگر ابھی تک عمر آفس میں ہی تھا اور شاید فرح بھی ابھی تک نہیں آئی تھی۔ نانی امی کے نہ آنے کا افسوس کر رہی تھیں۔ بشارت صاحب کچھ یوں ہی سا جواز بنا کر پیش کر رہے تھے جسے نانی نے مسکرا کر مان ہی لینا تھا۔

وہ بہت ہی محبت کرنے والی بزرگ خاتون تھیں۔ بشارت صاحب تو صاف کہتے تھے کہ عمر کے حق میں اتنی جلدی فیصلہ کرنے کی واحد وجہ صرف اور صرف نانی ہی تھیں۔

''آپ سے رشتے داری کا قائم ہونا میرے لئے اتنی بڑی خوشی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔'' وہ اس وقت بھی کسی بات کے جواب میں کہہ رہے تھے۔ نانی چائے بنانے کیلئے اٹھنے لگیں تو نازی فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔ بشارت صاحب نے بھی انہیں اٹھنے نہیں دیا۔

''نازی بھی آپ ہی کی بیٹی ہے اس کے سامنے آپ کام کریں کیا اچھا لگتا ہے۔''

نانی کو یاد تھا وہ پہلے بھی جب آئی تھی فرح کے ساتھ اسی طرح بے تکلفی سے کام میں لگی رہی تھی۔

''اللہ اس کی قسمت اچھی کرے نازی کا تو جواب نہیں ہے بشارت میاں اللہ کرے دیا بھی اپنی بہن جیسی عادت لے کر آئے۔''

انہوں نے شاید ایسے ہی کہا ہو مگر بشارت صاحب اور نازی دونوں ہی نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر فوراً ہی نظر چرا بھی لی۔ سامنے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے ہی سے دیا کی بڑی سی فریم شدہ تصویر سائیڈ بورڈ پر رکھی دکھائی دے رہی تھی جو نانی نے بڑے اصرار سے لی تھی۔

''کاش دیا اس محبت بھرے گھر کی دل سے قدر کرے۔'' نازی نے بڑی امید کے ساتھ سوچا۔

...☆☆☆...

ان دونوں کے تعلقات میں خوشگوار ریت کی جو لہر پچھلے دنوں آئی تھی اس میں نہ چاہتے ہوئے بھی پے در پے کئی غلطیاں ہو گئیں۔ جن میں سب سے بڑی غلطی ایک بار پھر فضول خرچی کی تھی۔ آگے کی باقی غلطیاں اس سے تعلق رکھتی تھیں۔ ہر چیز ضرورت سے زیادہ آئی۔

گھر میں سب سے زیادہ ضرورت ایک الماری کی محسوس ہو رہی تھی۔ کپڑے سارے ابھی تک سوٹ کیسز میں رکھے ہوئے تھے گھر ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم کا سا منظر پیش کر رہا تھا نینی کی مرضی الماری خریدنے کی تھی۔

ایک سادہ سی کم قیمت الماری اس نے دیکھ کر پسند بھی کر لی تھی مگر فیضی کا دل اس کے برابر کھڑی دوسری الماری پر آ گیا تھا۔ اچھی ہونے میں تو اس کے کوئی شبہ نہیں تھا پھر اسی حساب سے اس کے پیسے بھی زیادہ تھے وہ سختی سے منع کرنے لگی تو فیضی وہیں اس پر ناراض ہونے لگا۔

''کوئی چیز گھر میں میری پسند کی بھی رکھی جا سکتی ہے یا نہیں' جب میں کہہ رہا ہوں کہ یہ والی الماری زیادہ اچھی ہے تو پھر بحث کس بات کی ہے آخر۔'' نینی کو خاموش ہی ہونا پڑا۔

فیضی نے الماری کے ساتھ چار کرسیاں ایک چھوٹی میز بھی خرید لی تب بھی اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اگر وہ یہاں بھی کسی مہنگے صوفے کو پسند کر لیتا تو وہ اسے کیسے روک سکتی تھی۔ گھر لا کر جب ان چیزوں کو ڈھنگ سے رکھا تو ہو بھی جیسے بہل سی گئی۔

فرنیچر گو سیکنڈ ہینڈ فرنیچر کی دکان سے خریدا گیا تھا مگر نئی پالش کی وجہ سے فی الحال بہت چمک دمک بڑھا رہا تھا۔ گھر کی رنگ اڑی دیواروں کے ساتھ ماحول بڑا ہی عجیب سا تضاد پیش کر رہا تھا۔ کچن کیلئے سامان خریدتے وقت احساس ہی نہیں ہوا کہ کچھ زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔

تھوڑی بہت چیزیں اس نے بابر کی انیکسی کے بہت سیٹ ہوئے چھوٹے سے کچن میں لے کر رکھ چھوڑی تھیں' مگر وہاں سے نکلتے وقت دل و دماغ کی جو مائوف کیفیت تھی اس میں کچھ بھی اٹھانے کا خیال تک نہیں آیا۔

''گلاس بارہ لینے کی کیا ضرورت تھی چھ سے بھی کام چل سکتا تھا' یہ فینسی جار تم نے خوامخواہ لئے پلاسٹک کی سادہ برنیاں جب کہ میں لے چکی تھیں۔''

نینی اگلے دن سامان کو اپنی اپنی جگہ ٹھکانے پر رکھتے ہوئے مستقل ہی بڑبڑائے جا رہی تھی۔ پلاسٹک کی بڑی بالٹی' صابن دانیاں' ڈونگے' چمچے' چاقو' توے' چمٹے' تک ہر چیز ہی گھر کی ضرورت تھی۔ لڑکیوں کو جہیز کی صورت میں واقعی آئندہ کی دردسری سے بچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نینی کو اب بجا طور پر اندازہ ہو رہا تھا۔

جس وقت امی مستقل اس بات پر اصرار کر رہی تھیں کہ نینی کو پیسوں کے بجائے جہیز کا سامان خرید کر دیا جائے تو بشارت صاحب کے ساتھ وہ خود بھی کتنی مخالفت کر رہی تھی۔

دل میں چھپا احساس کمتری کہتا تھا کہ فیضی جیسے لڑکے کی نگاہ میں اس کے اوسط درجے کے جہیز کی ویلیو بھی کیا ہو گی بھلا۔

آج وہی اوسط درجے کی چیزیں کتنی زیادہ اہمیت رکھ رہی تھیں ان دونوں کے نزدیک۔ سامان سیٹ کرتے ہوئے اسے تھوڑی دیر میں ہی اندازہ ہو گیا کہ اگر کچھ چیزیں غیر ضروری طور پر آ گئی تھیں تو بہت سی ضروری اشیاء کی ابھی بھی کمی تھی۔

''سنو۔'' وہ کچن میں سے نکل کر کمرے کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

فیضی الماری میں اپنے کپڑے سیٹ کر رہا تھا خود اس کے اپنے کپڑوں کی تعداد نینی کے کپڑوں سے زیادہ تھی۔

''ہاں بولو۔'' وہ یوں ہی الماری میں منہ دیئے ہوئے کھڑا تھا۔

''اگر تم برا نہ مناؤ تو میں کچھ چیزیں امی سے لے آؤں وہاں گھر پر بہت سی چیزیں یوں ہی فالتو ہی رکھی ہیں۔''

نینی کو کل سے گھر کے قدیمی سائیڈ بورڈ میں رکھے برتنوں کے ڈھیر یاد آرہے تھے جنہیں استعمال کی کبھی بھی نوبت نہیں آئی تھی تھوڑے تھوڑے عرصے بعد بس صفائی کی غرض سے باہر آتے تھے۔

''کیوں وہاں پر فالتو سامان رکھنے کی جگہ نہیں ہے کیا جو تمہیں یہاں لانے کی سوجھ رہی ہے۔'' اس کے لہجے میں پھر سے تلخی آنے لگی۔

''کیسی باتیں کرتے ہو تم میرا یہ مطلب تھوڑی تھا۔'' نینی نے بہت نرمی سے اسے سمجھانا چاہا وہ ماحول کو دوبارہ خراب بالکل بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔''وہ میرے ماں باپ کا گھر ہے اور وہاں سے میں آکر کچھ بھی لینا چاہوں تو اس میں آخر کیا حرج ہے فیضی۔''

''میرے بھی والدین اسی شہر میں رہتے ہیں۔''

ایک جھٹکے سے الماری کا دروازہ بند کرتے ہوئے وہ اس کی طرف مڑا۔'' اور ان کے گھر میں تھوڑا بہت نہیں بلکہ انبار ہیں فالتو اشیاء کے گھر والوں کو خود نہیں پتہ کہ کہاں کہاں کیا رکھا ہوا ہے آج بھی اگر امی کو فون کر کے کہوں تو وہ کیا کیا نہیں یہاں پہنچا دیں' مگر نہیں۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں نفی میں سر ہلایا۔

''اب اور نہیں میری بہت بڑی غلطی تھی جو میں ان لوگوں کے سہارے زندگی گزارنے کی کوشش کر رہا تھا ہم نے جو کچھ بھی کیا اپنی ذمہ داری پر کیا ہے سو یہ ذمہ داری اب ہمیں خود ہی اٹھانی ہے میں نے بھلا دیا ہے کہ میرے پیچھے ایک خاندان ہے بہت صاحب حیثیت اور نامور تم بھی بھلا دو کہ تمہارا میرے علاوہ کوئی اور ہے بات ختم۔''

نینی کا دل بہت زور سے کانپا۔

فیضی اپنی بات کہہ کر اس کے پاس سے گزرتا ہوا باہر چلا گیا۔

''ایسا کیسے ممکن ہو سکتا تھا بھلا؟''

اس نے آزردگی کے ساتھ سوچا۔ کتنے ہی دن سے امی اس سے پوچھ رہی تھیں کہ وہ اپنے نئے گھر کا پتہ بتائے تاکہ وہ اور نازی اس سے ملنے آسکیں مگر وہ مستقل ہی انہیں ٹال رہی تھی۔

ایک تو اس لئے کہ ان کا یہاں آنا فیضی کو اچھا نہیں لگتا اور دوسرے کچھ اس وجہ سے بھی کہ خود امی کو اس کا یہاں رہنا بہت برا لگتا اپنی بیٹیوں کیلیئے ان کی توقعات بہت زیادہ تھیں۔

مگر کم از کم وہ خود تو انہیں ملنے کیلیئے جا ہی سکتی تھی فیضی کے تیور بتا رہے تھے کہ آئندہ شاید یہ بھی ممکن نہیں ہو سکے گا۔

اور اس بات پر وہ سمجھوتہ کرنے کیلیئے بالکل بھی تیار نہیں تھی صرف وقتی طور پر مصلحتاً خاموشی اختیار کی جا سکتی تھی۔ دل ہی دل میں اس بات کو کسی اور وقت پر اٹھا کر وہ کچن میں آگئی بہت سے کام باقی تھے ایک نئے گھر کی سیٹنگ چند گھنٹوں کی نہیں بلکہ دنوں کی مصروفیت تھی۔

دیوار میں لگے سلیب پر مصالحوں اور دالوں کے ڈبے رکھتے ہوئے اس کو بابر کے ہاں والا چھوٹا سا بے حد خوبصورت کچن یاد آیا اور وہ لائونج بھی جس کی کھڑکیاں اس وسیع سبزہ زار پر کھلتی تھیں۔

ایک بے حد پر آسائش ماحول کی جھلک دکھا کر قدرت نے اسے بالکل ہی مختلف صورتحال میں ڈالا تھا فطری طور پر الجھن تو ہو ہی رہی تھی۔

مگر پھر بھی اسے ایک بہت بھاری بوجھ خود پر سے اترتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ خوف وہ دباؤ جو بابر کے اس خوبصورت گھر میں اعصاب کو منجمد کرتا تھا اور وہ اس آخری دن والی ذلت جس کے بعد وہ خود اپنے آپ سے نگاہ ملاتے ہوئے شرمسار ہوتی تھی۔

ان ساری باتوں سے اب وہ خود کو آزاد محسوس کرنے لگی تھی۔ یہ نیچی چھت والے تنگ سے دو کمرے جن میں ذرا بھی کوئی اچھا تاثر نہیں ملتا تھا تحفظ کا بڑا سکون بخش احساس پیدا کرتے تھے۔ پاس کا ماحول سیڑھیوں پر بھاگتے دوڑتے بچے پڑوسیوں کی ایک دوسرے سے شکایتیں۔ سب کچھ اتنا فطری تھا کہ وہ خود بخود پر سکون ہوتی جا رہی تھی۔

''کھانا بن گیا ہو تو لے آئو۔'' فیضی کی آواز پر اس کے تیزی سے چلتے ہوئے ہاتھ رک گئے۔

یہاں کا کام اب ویسے بھی خاتمے پر تھا' ٹرے میں بھنڈی کی بھجیا اور روٹی کا ہاٹ پاٹ رکھ کر وہ کمرے میں آئی تب تک وہ بھی ابھی ہونے والی اس تلخی کو بھلا چکا تھا۔

اب وہ سبزی' دالوں پر اعتراض کرنا بالکل چھوڑ چکا تھا پھر بھی پہلا لقمہ توڑتے وقت اسے وہ وسیع ڈائننگ ٹیبل ضرور یاد آ ہی جاتی تھی جس پر یہاں سے وہاں تک چنے ہوئے کھانوں کو باری باری خاص طور پر اس کے سامنے اٹھا کر پیش کیا جاتا تھا۔

''کیا ہوا کھا کیوں نہیں رہے ہو؟'' اس کی پر سوچ نگاہ کو پلیٹ پر جمے دیکھ کر ثنی پوچھے بغیر نہیں رہ پائی۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے سر کو ہلکے سے جھٹک کر جیسے کسی خیال سے خود کو آزاد کیا۔

''اب تو تم بہت اچھا پکانے لگی ہو۔'' کچھ ہی دیر بعد وہ ثنی سے کہہ رہا تھا۔

...☆☆☆...

ثانیہ بہت خاموش تھی۔

فرح نے محسوس تو یہ بات صبح ہی اس کی شکل دیکھتے ہی کر لی تھی مگر وجہ پوچھنے کی نوبت ابھی تک نہیں آئی تھی۔ آج بہت سارا کام جمع تھا دونوں ہی سر جھکا کر جو مشغول ہوئیں تو اب بارہ ساڑھے بارہ کے بیچ ذرا بریک لیا تھا۔

اسلم ابھی ابھی چائے کے کپ ان کے سامنے رکھ کر گیا تھا۔ فرح نے اصل بات جاننے کیلئے فرصت کے اسی وقفے سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

''چلو اب جلدی سے بتائو بات کیا ہوئی ہے۔''

اس کا انداز اتنا یقینی تھا کہ اس کی نفی بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔

''ویسے تو مجھے اچھا خاصا یہ بھی اندازہ ہے کہ بات کیا ہو سکتی ہے مگر تم خود بتائو گی تو تمہیں بھی تھوڑا سا افاقہ ہو جائے گا۔''

ثانیہ کی پریشانیوں کا حد درجہ احساس ہونے کے باوجود بھی وہ بات کو اسی لئے سرسری سے انداز میں کرنے کی کوشش کرتی تھی تاکہ وہ تھوڑا سا تو ریلیکس ہو ہی جائے۔

اس وقت بھی یہی نسخہ کام آیا۔

''تمہیں کیا غیب کے علم بھی آتے ہیں جو اتنے وثوق سے دعوے کرنے لگی ہو۔'' ثانیہ صبح سے پہلی بار مسکرائی۔

''یہ بڑی معرفت کی باتیں ہیں تم نہیں سمجھو گی چلو بتائو ممانی نے مزید کیا کہا۔''

''کہنے وہنے کی منزل تو اب گزرتی جا رہی ہے فرح اب تو وہ عملی طور پر اتنا برا کر رہی ہیں کہ میرے ہوش اڑے جا رہے ہیں۔''

حالانکہ اب وہ خود کو کمپوز رکھنے میں اچھی خاصی ماہر ہو چکی تھی پھر بھی فرح کو اس کی پریشانی کی گہرائی کا بخوبی اندازہ ہونے لگا۔

’’خیریت تو ہے نامیرا مطلب ہے کہ اماں کو تو کوئی تکلیف نہیں دے رہی ہیں وہ۔‘‘ خود فرح کے چہرے پر مستقل رہتی مسکراہٹ اب غائب ہو چکی تھی۔

’’ہوں۔‘‘ ہونٹوں کو آپس میں دباتے ہوئے ثانیہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

فرح بناء کچھ کہے چند لمحے اسے دیکھے گئی بدترین خدشہ اسے ان کی طرف سے یہی اب رہتا تھا۔

’’کل سارا دن انہوں نے کچن میں پکانے کیلئے کوئی ایک شہ بھی نہیں چھوڑی دوپہر کو انہوں نے اور لبنیٰ نے کیا منگا کر کھایا مجھے نہیں معلوم‘ مگر اماں سارا دن بھوکی رہیں اس عمر میں ایسی بے چارگی‘ ایسی تکلیف سہنا ان کیلئے....‘‘

سجاد کسی کام سے اسی وقت ان کے کیبن تک آئے تھے بے ساختہ ہی ٹھٹکے۔‘‘

’’میں بہت کوشش کرتی ہوں فرح کہ اللہ کی رضا پر راضی رہوں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس اتنی بڑی دنیا میں میرے اور اماں کے تنہا رہ جانے میں اس کی کیا مصلحت ہے۔‘‘

اس کا کہا ہوا اک اک لفظ انہوں نے سنا اور اس دکھ کو جو اس کے لہجے میں تھا اپنے دل پر محسوس بھی کیا۔

اس وقت چاہے جتنی بھی ضروری بات تھی کرنی مشکل تھی وہ اسی سوچ کے ساتھ واپس پلٹے تھے۔

تب ہی انہیں شیریں آتی دکھائی دی۔

اس وقت وہ آفس میں ہوتی تھی اور یہاں آمد بے حد غیر متوقع تھی‘ مگر ابھی ابھی جس تکلیف دہ احساس سے وہ گزرے تھے اس کے بعد اس طرح کی چھوٹی موٹی حیرت کی گنجائش نہیں تھی۔ بالکل غیر ارادی سے انداز میں وہ وہیں کھڑے شیریں کو آتا دیکھتے رہے۔ خیر مقدم کیلئے آگے تک بھی نہ بڑھے۔

شیریں نے ان کے کھوئے کھوئے انداز کو بھی نوٹ کیا اور ان کی اپنے چیمبر کے بجائے یہاں بیٹھ کر کام کرتے ہو کیا۔‘‘ ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اس نے اندر دکھائی دیتی فرح اور ثانیہ پر ڈالی۔

’’ہوں۔‘‘ انہوں نے جیسے ڈھنگ سے اس کی بات سنی بھی نہیں۔ ’’تم اس وقت کیسے آج آفس کی چھٹی کی ہے کیا۔‘‘ شیریں سے بات کرتے ہوئے انہوں نے اپنے چیمبر کا رخ کیا۔

قدم اٹھانے سے پہلے شیریں نے ایک بار پھر اندر نگاہ دوڑائی۔

ثانیہ اب اپنے سامنے رکھے مانیٹر کی طرف متوجہ تھی وہ ہمیشہ بہت سادہ رہتی تھی مگر اس کی دل کشی اثر انگیز تھی۔ شیریں نے جب بھی اسے دیکھا تھا خود کو عجیب سی بے چینی میں مبتلا ہوتے پایا تھا۔ وہ مغرور نہیں تھی مگر اپنے مثالی حسن سے آگاہ بہر حال تھی پھر بھی یہ احساس؟

ذہن بہت سے مفروضے گھڑتا رہتا تھا۔

’’تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا‘ آفس کی چھٹی لے رکھی ہے کیا؟‘‘

اپنے چیمبر میں آتے ہوئے انہوں نے اپنی بات پھر دہرائی۔

’’آفس سے تو اب چھٹی ہی سمجھو‘ اگلے سنڈے کو انگیج منٹ اور پھر دو ماہ میں شادی۔‘‘ وہ بے دلی سے کہتی ہوئی سائیڈ میں بچھے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"اچھا' یہ تو بہت بڑی خوشخبری ہے آخر کار تم لوگوں نے کوئی ڈیٹ تو فکس کی۔" سجاد کیلئے اس وقت خوشی کا اظہار بے حد مشکل ہو رہا تھا' مگر پھر بھی انہوں نے کہا۔

شیریں نے ان کی بجھی بجھی مسکراہٹ سے ایک بار پھر غلط اندازے لگائے۔

(تو اب میں تمہارے لئے اتنی بھی اہمیت نہیں رکھتی کہ تم اس موقع پر رسمی طور پر ہی سہی ڈھنگ سے خوشی کا اظہار بھی نہ کر سکو۔)

دکھ اور نارسائی کے جس طویل احساس سے وہ گزر چکی تھی وہ اب دبے دبے غصہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔اس کی درگزر کرنے والی نرم فطرت میں بڑی غیر محسوس تبدیلی آئی تھی۔

ایک کھوجتی ہوئی نظر اس نے سجاد پر ڈالی وہ پتہ نہیں کس سوچ میں تھا مگر اسے یہ بے دھیانی بھی سخت کھلی۔

"میں یہ کارڈز تم کو دینے آئی تھی۔" اس نے اپنا بیگ کھولتے ہوئے چند کارڈز نکالے۔

"ان میں سے یہ تو تمہارا ہے باقی تم کسی کو بلانا چاہو تو یہ رکھ لو۔" اس نے چند کارڈز سجاد کی طرف بڑھائے تو انہوں نے فوراً ہی نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں مجھے کس کو بلانا ہو گا ہمارے سارے دوست مشترک ہی تو ہیں اور ان سب کو تم بلا ہی رہی ہو۔"

"وقت کے ساتھ دوست بدل بھی جاتے ہیں اور کچھ نئے لوگوں کا اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔" معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے شیریں نے بیگ کی زپ بند کی۔ سجاد ہلکے سے ہنس دیئے۔

چائے آ چکی تھی۔

چائے پیتے ہوئے سجاد اس سے ممی کی اور شہریار کی خیریت دریافت کرتے رہے' مگر شیریں کو صاف لگ رہا تھا کہ وہ ایک پل کیلئے بھی یہاں حاضر نہیں ہیں۔بس ایک فارمیلٹی کی طرح اسے نبھا رہے تھے اور خود وہ بھی کہاں تھی۔

مختصر ترین جواب دینے کے بعد اس طرح خاموش ہو بیٹھتی تھی جیسے کرنے کیلئے کوئی بات ہی نہیں ہے۔

"کتنی عجیب بات ہے ورنہ تو ہمیں ہمیشہ ہی وقت کی تنگی کا ہی گلہ رہا تھا۔" چائے کے خالی کپ کو ٹرے میں رکھتے ہوئے شیریں نے آزردگی سے سوچا۔

"اس آفس میں بہت دل لگ گیا ہے تمہارا اپنی جاب جوائن کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے کیا۔" جو بات کسی پن کی طرح بار بار چبھ رہی تھی اسے نکال دینا ہی بہتر تھا' یہی سوچ کر اس نے یہ موضوع چھیڑا۔

"ہاں' شاید اب ایسا ہی کرنا پڑے۔"

"کیا۔"

ان کی طرف سے بے حد مشکوک ہونے کے باوجود بھی شیریں کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ سجاد کی جاب بے حد اچھی تھی اور وہ اپنے کام سے بے حد کمیٹڈ بھی تھے' بابا اور بھائیوں کے بے حد پریشر کے بعد بھی وہ کبھی جاب چھوڑنے کیلئے حامی نہیں بھر پائے تھے' مگر اس وقت وہ بہت اطمینان سے اسی ارادے کا اظہار کر رہے تھے۔

"مجھے اصل میں یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہاں اتنا کام ہے بابا کی ہمت ہے جو وہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے' مگر اب میں نہیں چاہتا کہ ان پر کام کا پریشر پھر سے پڑ جائے بہت مشکل سے وہ صحت یابی کی طرف آئے ہیں۔"

"اچھا۔" وہ خاموش ہوئے تو شیریں کے چہرے پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ ابھری۔

''ایسے کیوں مسکرا رہی ہو؟'' سجاد کو بڑا عجیب سا لگا۔

''کچھ نہیں۔'' کندھوں کو ہلکی سی جنبش دے کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''بس ایک مشورہ ہے تمہارے لئے مانو یا نہ مانو۔''

سجاد نے سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر جمائیں۔ ''اپنے آپ سے آنکھیں مت چراؤ سجاد' تم دوسروں کے ساتھ ہمیشہ بہت اچھے رہتے ہو مگر خود سے بھی دیانتداری برتنا سیکھو' شاید آس پاس خوشیاں تمہاری منتظر ہوں۔'' شیریں کو لگا جیسے وہ چند منٹ بھی اور یہاں رکی کھڑی رہی تو شاید رو پڑے۔

''چلتی ہوں' مجھے ابھی بہت سارے کارڈز دینے ہیں۔'' اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ سجاد خلاف عادت اس کے پیچھے پھر نہ آئے۔ ثانیہ اور فرح کے کیبن کے آگے سے گزرتے ہوئے شیریں نے ایک بار پھر اس طرف دیکھا۔

وہ ابھی بھی اپنے کام میں مصروف تھی۔

''تمہارے لئے شاید میں کبھی بھی اپنے دل کو بڑا نہ کر سکوں ثانیہ' مگر ساری زندگی تمہاری خوش قسمتی پر رشک کرتی رہوں گی۔''

آفس کے مرکزی دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس نے خود سے کہا۔

''عمر۔'' سجاد نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''تم میرے کمرے میں آؤ۔'' مختصر سی ہدایت دے کر وہ ریسیور نیچے رکھ چکے تھے۔

فرح کی زبانی' ثانیہ کے حالات سے وہ کسی حد تک واقف تو تھے مگر ابھی جو کچھ اس کی زبانی انہوں نے خود سنا تھا وہ بے حد اثر انگیز تھا۔

بہت گہرا دکھ خود انہوں نے اپنے دل میں محسوس کیا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ بڑی سی گلاس ونڈو کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''کاش وہ اس کیلئے کچھ کر سکیں کچھ ایسا جو اس کا زندگی پر اعتماد بڑھا سکے۔'' دل سے اٹھنے والی خواہش کی شدت پر وہ خود حیران تھے۔

''کیا یہ صرف ان کا جذبہ ہمدردی ہی تھا یا پھر کچھ اور؟''

دروازے پر دستک نے بروقت انہیں کسی اور کے بارے میں سوچنے سے بچایا تھا۔

''آ جاؤ عمر۔''

''جی۔ آپ نے بلایا تھا۔''

''ہاں بیٹھو۔'' انہوں نے خود کرسی پر بیٹھتے ہوئے اسے بھی اشارہ کیا تو وہ سامنے بیٹھ گیا۔

''عمر' رحمت منزل میں جو بھی خالی فلیٹس ہیں ان کے بارے میں مجھے ذرا ایک رپورٹ تو بنا کر دو۔'' ایک فوری فیصلہ کرتے ہوئے انہوں نے عمر کو ہدایت دی۔

...☆☆☆...

نئے گھر میں نینی اور فیضی کی گرہستی جیسے تیسے چل پڑی تھی۔

گو سہولیات کی کمی اور آس پاس کا ماحول یہاں ایڈجسٹ ہونے میں تھوڑی سی دشواری پیدا کر رہا تھا' مگر فیضی نے جیسے اب ٹھان ہی لی تھی۔

آج کل وہ بہت سنجیدگی سے جاب کی تلاش میں تھا گو اس کا فائنل ایئر ابھی مکمل نہیں ہوا تھا مگر اسے یقین تھا کہ وہ پھر بھی ایک بہتر جاب اپنے گزشتہ تعلیمی ریکارڈ کی بنا پر لے ہی لے گا۔

آج کل اس کی بڑی مصروفیت اخبارات میں سے ملازمت کے اشتہار دیکھنے اور پھر ان میں سے منتخب شدہ پر اپلائی کرنے پر مبنی تھی۔

نینی کو تو اب صحیح معنوں میں وہ ذمہ دار لگنے لگا تھا' مگر اسے اتنا فکر مند دیکھ کر اندر کہیں ایک گہرا رنج اسے خود بھی گھیرنے لگتا تھا جسے وہ بڑی خوبصورتی سے چھپائے رکھتی۔

فیضی روزانہ ہی صبح جلدی گھر سے نکل جاتا تھا اور پھر شام تک ہی اس کی واپسی ممکن ہوتی' گھر کے مختصر سے کام کو نمٹا کر اس کے پاس کرنے کیلئے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

فیضی کی سختی سے ہدایت تھی کہ آس پاس کسی سے بھی تعلق نہ بڑھائے جائیں۔ ''معلوم نہیں کون کس نیت سے مل رہا ہے ہم دل میں تو نہیں جھانک کر دیکھ سکتے تمہیں بہر حال بہت احتیاط کرنی چاہیے۔''

اس کا اعتماد زمانے پر سے بڑی تیزی سے ختم ہو رہا تھا۔ نینی سنتی اور خاموش رہتی۔ یہ ایک اور بڑا بدلاؤ تھا جو اس میں آیا تھا۔ رشتے ناطے بہت تیزی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹے تھے۔ ماں باپ' خاندان' دوست' سب ہی ایک ساتھ ہی ماضی کا حصہ بن چکے تھے اور ماضی بھی ایسا جس کا حال کے ساتھ تعلق نہ واسطہ۔

نینی اب اس کے منہ سے کسی دوست کا نام بھی نہیں سنتی تھی اور وہ لوگ بھی پتہ نہیں کس طرح اس آسانی سے فیضی کو بھول چکے تھے۔

نینی کو دوستوں کی اس پلٹن کا کبھی کبھی خیال آتا جو فیضی کو لینے کیلئے اکثر ہی بابر کی انیکسی پر آیا کرتی تھی۔ مگر اب یہاں اس پرانی عمارت کے چھوٹے سے فلیٹ میں وہ دونوں ہی اکیلے تھے اور کسی کی بھی یہاں گنجائش نہیں تھی۔

پھر بھی خالہ مہرو کی رسائی ان تک ہو ہی گئی گرمی کی شدت تھی یا کیا۔ نینی کو ایک دم ہی بڑا تیز بخار چڑھ گیا تھا۔ پہلے تو فیضی نے یوں ہی اسپرین وغیرہ دے کر اس کا علاج کرنے کی کوشش کی مگر بخار ذرا دیر کیلئے نیچے آتا اور پھر ایک دم ہی بے حد تیز ہونا شروع ہو جاتا۔

فیضی اب سچ مچ اس کی طرف سے پریشان ہوا جا رہا تھا خود وہ بمشکل صرف چائے بنا سکتا تھا' سو وہی بنا کر اسے بسکٹس کے ساتھ دے رہا تھا مگر اب نینی سے وہ بھی نہیں لی جا رہی تھی۔

اوپر سے اس کے اپنے کام کا بھی حرج ہو رہا تھا آج اسے دو بہت اچھی جگہوں پر انٹرویو کیلئے بلایا تھا۔

کام بنے نا بنے مگر جانا تو ضروری ہی تھا۔ رات سے اس کا ذہن اسی ادھیڑ بن میں تھا ایک دفعہ دل میں آئی تھی کہ ساری انا خودداری ایک طرف رکھ کر آس پاس کسی سے مدد مانگ لے' مگر ابھی تک وہ یوں نظریں بچا کر سیڑھیاں چڑھتا اترتا رہا تھا کہ کسی سے بھی واقفیت نہیں ہو سکی تھی۔ خود پڑوسی اس کی شاندار گاڑی اور بہترین ڈریسنگ سے متاثر تھے وہ یہاں رہنے والوں میں بالکل مختلف دکھائی دیتا تھا۔

مگر اب اس پریشانی کا کچھ حل نکالنا ہی تھا سو وہ دروازہ کھول کر اس امید پر باہر آیا جیسے کوئی شافی حل مل ہی تو جائے گا اور واقعی بالکل سامنے والے دروازے کے آگے مہرو خالہ کھڑی تھیں۔

فیضی کی نگاہیں بے ساختہ ہی ان کی طرف اٹھیں اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی ان کی جہاندیدہ نگاہوں نے ایک نظر میں ہی بھانپی تھی ویسے بھی وہ اسے کل شام سے بار بار اوپر نیچے جاتے آتے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے بیٹا خیریت تو ہے۔" ان سے رہا نہ گیا۔

"جی، وہ۔۔۔" فیضی نے کچھ جھجکتے ہوئے ایک بار پھر ان کی طرف دیکھا۔ سادہ سے صاف ستھرے کپڑوں والی بزرگ سی خاتون جن کے چہرے سے ہی شفقت کا احساس ملتا تھا وہ اب تک بہت زیادہ تھک چکا تھا جسمانی طور پر کم اور ذہنی طور پر بہت زیادہ سو اس اپنائیت بھرے روّیہ پر فوراً ہی اب تک کی اپنی ساری حکمت عملی بھول کر انہیں اپنی پریشانی سنا ہی گیا۔

"حد کرتے ہو دو قدم کا فاصلہ تھا تم نے رات کو ہی مجھے کیوں نہیں بتایا اکیلے ہی پریشان ہوتے رہے۔" وہ ہاتھ سے فیضی کو سامنے سے ہٹاتے ہوئے فوراً ہی اندر چلی آئیں۔

"پڑوس کا بہت حق ہوتا ہے بیٹا اور تم لوگ تو ہو بھی بالکل اکیلے اور یہ بچی تو بے چاری بالکل ہی اکیلی رہتی ہے سارا دن۔"

وہ مستقل ہی بولے جا رہی تھیں اور ساتھ ہی ان کی امدادی کارروائی بھی شروع ہو چکی تھی ایک چھوٹا سا فریج جو فیضی نے خریدا تھا اس میں برف موجود نہ پا کر انہوں نے دو منٹ کیلئے باہر کا دروازہ کھول کر اپنے گھر والوں کو کچھ ہدایت دی اور پھر واپس نینی کے پاس آگئیں وہ بخار کی شدت سے ابھی بھی آنکھیں بند کئے غافل لیٹی تھی۔

فیضی جانے کیلئے اپنے کپڑے نکالے کچھ شش و پنج میں کھڑا تھا مہر و خالہ اس کی پریشانی سمجھ رہی تھیں۔

"تم جاؤ اپنے کام پر میں رہوں گی دن بھر یہیں، پریشان مت ہونا یہاں نیچے ایک بہت اچھے ڈاکٹر بیٹھتے ہیں گیارہ بجے تک آئیں گے میں بچے کو بھیج کر انہیں بلوا کر دکھا بھی دوں گی شام تک دیکھنا انشاءاللہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہو جائے گی۔۔۔"

انہیں نینی کا نام نہیں پتہ تھا سو بیچ میں رک کر فیضی کی طرف دیکھنے لگیں۔

"نینی، نوین نام ہے مگر نینی کہتے ہیں۔"

بہت دیر بعد فیضی مسکرا رہا تھا۔ حالانکہ نینی ابھی تیز بخار میں ہی تھی مگر اسے ایسا لگنے لگا تھا جیسے وہ اسے ٹھیک کر کے ہی چھوڑیں گی۔

"بہت پیارا نام ہے جیسی صورت ویسا ہی نام۔"

فیضی مسکراتا ہوا واش روم چلا گیا۔ واپس آیا تو مہر و خالہ برف کا پانی قریب رکھے نینی کے پٹیاں کر رہی تھیں فیضی برابر والے کمرے میں چلا گیا تیار ہو کر باہر آیا تو سامنے رکھی چھوٹی میز پر ناشتے کی ٹرے رکھی تھی۔ پراٹھے آملیٹ اور چائے کا کپ۔

"آپ نے کیوں تکلیف کی آنٹی میں چائے پی چکا تھا۔" اب اسے واقعی شرمندگی ہوئی۔

"خالی پیٹ گھر سے نہیں نکلتے آرام سے بیٹھ کر ناشتہ کرو پتہ نہیں تمہیں کیا اچھا لگتا ہے میں نے تو بس اندازے سے بنوا لیا۔"

ان کا بات کرنے کا انداز اتنا سادہ اور پر خلوص تھا کہ فیضی کو لگ رہا تھا کہ ان کی کسی بھی بات سے انکار کرنا اب ناممکن ہے۔ اس نے وہ خوشبو اڑاتے پراٹھے اور مزیدار آملیٹ پوری رغبت سے کھائے چائے کا کپ پیا اور جانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

اب تک نینی نے بھی آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا تھا اسے دیکھ کر وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"پریشان مت ہونا یہ آنٹی ہیں تمہارے پاس ٹھیک ہے۔" اسے تسلی بھرے انداز میں صورتحال سمجھا رہا تھا تو مہر و خالہ ڈپٹ کر بولیں۔

"یہ آنٹی آنٹی کیا لگا رکھی ہے سب مجھے مہر و خالہ کہتے ہیں تم بھی یہی کہو۔"

"جی اچھا۔" فیضی اور نینی دونوں ہی مسکرا دیئے۔انہیں خدا حافظ کہہ کر جب وہ باہر نکل رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ مہرو خالہ کے گھر سے ایک بچہ ایک اور ڈھکی ہوئی پلیٹ لے کر اس کے فلیٹ کا رخ کر رہا تھا۔یقیناً اب نینی کیلئے کچھ پک کر آ رہا تھا۔بہت مطمئن ہو کر فیضی نیچے اتر آیا۔

یہاں کمپاؤنڈ میں پارکنگ وغیرہ کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں تھا لوگ یوں ہی اپنی سہولت کے حساب سے اپنی گاڑی یا بائیک کھڑی کر لیتے تھے۔بیچ کا راستہ بچوں کے کھیلوں اور آنے جانے والوں کیلئے تھا۔

گیٹ پر بھی کوئی سکیورٹی سسٹم نہیں دکھائی دیتا تھا سارا دن اور رات گئے تک لوگوں کا آزادانہ آنا جانا لگا رہتا تھا چوکیدار کی ذمہ داری صرف یہ تھی کہ وہ رات گئے گیٹ بند کر دے یا پھر صبح سویرے کھول دے اور بس۔

"بھائی صاحب ذرا رکیے گا۔"

وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ کسی کے آواز دینے پر اسے مڑ کر دیکھنا پڑا۔"میرا نام شریف ہے آپ یہاں نئے آئے ہیں۔سوچا آپ سے تعارف کرا دوں اپنا۔"

فیضی کو اسے پہچاننے میں دقت نہیں ہوئی۔

ملگجے سے کپڑے پہنے یہ شخص اسے اکثر ہی کمپاؤنڈ میں ادھر ادھر گھومتا دکھائی دیتا تھا۔رات کو دیر تک گیٹ کے پاس بھی محفل جمائے بیٹھا رہتا تھا۔

"میرا نام فیضان ہے۔بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر" ہلکی سی مسکراہٹ کیساتھ اس نے شریف کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما۔

"میں یہیں رہتا ہوں C-63 میں۔" اس نے سامنے والے بلاک کی طرف اشارہ کیا۔دن بھر یہیں باہر ہی ہوتا ہوں کبھی بھی کوئی پریشانی یا کوئی شکایت ہو تو بلا تکلف مجھ سے کہیے گا۔"

وہ شاید عادتاً ہی ہر وقت مسکراتا رہتا تھا' فیضان کے شکریہ کہنے پر اس کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی۔

"آپ کی گاڑی بہت اچھی ہے یہاں اتنی اچھی گاڑی کوئی بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔سچ پوچھیے تو ہم لوگوں کو آپ کے یہاں رہنے پر بہت حیرت ہوئی ہے۔"

وہ صاف گو شخص تھا اور جو بات وہ کہہ رہا تھا اس کے جواب میں فوری طور پر تو فیضی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

اس وقت "دیر ہو جانے" کا بہانہ کر کے وہ گاڑی باہر نکال لایا' مگر ذہن شریف کی بات میں اٹکا رہا۔اس کی بات غلط نہیں تھی۔

اگر اسے یہاں رہنا تھا تو اس گاڑی کو یہاں رکھنا ہر طرح سے ہی غلط تھا' سکیورٹی کے نقطہ نظر سے بھی اور اس کی اپنی شناخت کے حوالے سے بھی۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ اسی بارے میں سوچ گیا۔گاڑی کے بارے میں وہ تھوڑا سا جذباتی نامساعد حالات میں بھی تھا اس گاڑی کو بیچنے کے بارے میں سوچ کر ہی اسے دکھ ہونے لگتا تھا حالانکہ اس وہ خود کو بہت کمپوز رکھتا تھا' مگر یہ گاڑی اس کی بے حد پسندیدہ تھی تب ہی وہ اسے اپنے ساتھ لایا تھا اور اسے یقین تھا کہ گھر والوں نے جان بوجھ کر اس سے اس بارے میں باز پرس نہیں کی تھی بابا نے اتنی خفگی کے باوجود کبھی اشارتاً اسے ان ہی کی دلائی ہوئی گاڑی واپس کرنے کیلئے نہیں کہا تھا۔

وہ سب ہمیشہ اس کی خوشی کو مقدم رکھنے کے عادی تھے۔

فیضی کو آج بھی ان کی محبتوں پر یقین تھا' گھر میں اس سے زیادہ کسی کو بھی نہیں چاہا گیا تھا' مگر اس کے باوجود بھی وہ ان سب کو چھوڑ دینے کے فیصلے پر اٹل تھا۔

کبھی تقدیر انسان کو آزماتی ہے اور کبھی انسان خود اپنے آپ کو۔

آج کا دن اس نے زیادہ بے فکری سے گزارا' گھر میں مہرو خالہ کی موجودگی کا احساس بڑا ہی اطمینان بخش تھا بیچ میں چند بار اس نے کال کر کے طبیعت معلوم کر لی تھی اور ہر بار نینی کی حالت پہلے سے بہتر ہی محسوس ہوئی تھی۔

مہرو خالہ کے ساتھ اس کی خاصی جم رہی تھی اور واقعی جب تک وہ گھر واپس پہنچا نینی کی گزشتہ رات اور آج صبح والی کیفیت میں اب تک دن رات کا فرق آچکا تھا۔

چھوٹے سے لاؤنج میں وہ دونوں بیٹھی اسٹار پلس کا انتہائی پٹا ہوا ڈرامہ بے حد دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں اور باآواز بلند تبصرہ بھی جاری تھا۔

فیضی کو بے ساختہ ہی بلقیس بھابی یاد آگئیں۔ سارا گھر ان کے اس شوق کا مذاق اڑاتا تھا' مگر وہ بھی سارے ہی ڈرامے بے حد دلچسپی کے ساتھ دیکھا کرتی تھیں۔

''آ گئے بیٹا۔'' مہرو خالہ نے محبت سے اس کی طرف دیکھا تو وہ سلام کرتے ہوئے ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''دیکھا میں کہہ رہی تھی کہ تم خوامخواہ ہی پریشان ہو رہے ہو ماشاءاللہ بالکل ٹھیک ہے نینی دوپہر سے ایک بار بھی بخار نہیں تیز ہوا۔'' ان کے لہجے میں بڑا معصومانہ سا فخر بھی تھا۔

اتنے گہرے خلوص کا شکریہ ادا کرنے کیلئے بھی الفاظ بھی کم پڑتے تھے' پھر بھی فیضی پوری پوری سچائی سے مہرو خالہ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اس کا بھی موقع نہیں دے رہی تھی۔

چائے کھانا پھر چائے۔

گھر آئینہ کی طرح چمک رہا تھا بیڈ پر بچھی نئی بیڈ شیٹ اور پلو کور۔

سکون' تازگی۔

حصے میں آئی تھوڑی سی مہربانی کس درجہ آسانی فراہم کرتی ہے فیضی کو احساس شرمندگی ہو رہا تھا' خود اس نے تو کبھی کسی کیلئے اس طرح نہیں سوچا تھا۔

اس وقت بھی جب وہ ایک کو نہیں دسیوں کو آسانیاں فراہم کر سکتا تھا' آس پاس کتنے ہی لوگ کتنے پریشان ہوں گے' مگر دل و نگاہ پر بے نیازی کا قفل پڑا ہی رہا۔ احساس کا یہ در تب ہی کھلا جب وہ خود آزمائش سے گزرا۔

رات کو جب وہ اور نینی اپنی اپنی دن بھر کی روداد ایک دوسرے کو سنا رہے تھے تو نینی بہت خوش تھی دو دن کی طبیعت کی خرابی نے اس کے چہرے پر ہلکی سی زردی بکھیر دی تھی' مگر مسکراہٹ بار بار اس کے لبوں کو چھو رہی تھی۔

کتنے ہی دن سے وہ لوگوں کی قربت کو ترس رہی تھی' آج مہرو خالہ کے ساتھ گزرا وقت اس کے حق میں اکسیر ثابت ہوا تھا۔ اس نے صرف فیضی کے خاندان کے مرتبے اور حیثیت کو مہرو خالہ سے چھپایا تھا باقی اپنی شادی پر فیضان کے گھر والوں کی ناراضگی کا حال مناسب لفظوں میں سنا ڈالا تھا۔ دل ہلکا کرنے کی انسانی فطرت سے کسی کو بھی فرار نہیں۔

''فیضی ہم لوگوں سے کٹ کر نہیں رہ سکتے کسی کو تو اپنا بنانا ہی پڑتا ہے ورنہ تو وقت کاٹنا دوبھر ہے۔''

وہ جب کہہ رہی تھی تو فیضی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اور اسے نینی کو اپنے گھر والوں سے ملنے سے روکنا بھی نہیں چاہئے' یہ بھی ایک طرح کا ظلم ہی ہے۔''

حالانکہ اب وہ بالکل بھی ادھر جانے کو نہیں کہتی تھی' مگر اسے بڑی شدت سے خیال آ رہا تھا۔

"مگر بس یہ خیال رکھنا کہ انہیں یہاں انوائٹ نہیں کرنا یہاں کسی کو بھی بلانا مجھے اچھا نہیں لگے گا۔"

اگلے ہی لمحے وہ نینی سے کہہ رہا تھا آج کا دن اس کیلئے واقعی بہت اچھا تھا' نینی کا دل خوشی سے دھڑک اٹھا۔

کتنے ہی دن ہو گئے تھے اسے ان سب سے ملے ہوئے اور فیضی کی شرط تو بہت ہی معمولی سی تھی۔ وہ خود بھی امی کو یہاں نہیں بلوانا چاہتی تھی۔

"نازی آپا کو ساری بات بتا دوں گی وہ خود ہی سنبھال لیں گی امی کو۔"

ہمیشہ کی طرح نازی ہی کے سپرد اس نے یہ الجھن بھی کی۔

...☆☆☆...

آفتاب نے وحید کی گاڑی کو مڑتے ہوئے تو سڑک کے کونے سے ہی دیکھ لیا تھا۔ چند لمحے وہ پرسوچ نگاہوں سے اس طرف دیکھتا رہا' پھر زبردستی خود کو دوسری طرف متوجہ کر لیا۔

فکر کی ایک گہری لکیر اسکے ماتھے پر بہرحال ابھی بھی موجود تھی۔

وحید بھائی کا ان آٹھ دس دنوں میں یہ چوتھا چکر تھا۔ اس سے پہلے تو وہ آٹھ دس ہفتوں میں بھی اتنی بار نہیں آتے تھے اور آتے بھی تو بس کھڑے کھڑے۔

کل ہی بینا ان سے کہہ رہی تھیں۔

"دال میں کچھ کچھ کالا نہیں ہے آفتاب بلکہ دال پوری ہی کالی ہے دیکھ لینا تمہارے بھائی صاحب کچھ ہی دنوں میں کوئی ایسی بات کرنے والے ہیں جو ہمارے ہوش اڑا کر رکھ دے گی۔"

دل ہی دل میں قائل ہونے کے باوجود بھی انہوں نے بظاہر بیوی کی بات کی نفی کی تھی۔

مگر اس وقت انہیں پھر آتا دیکھ کر وہ پھر سے شش و پنج میں پڑ گئے تھے۔

"کیسے ہو آفتاب۔" گاڑی سے اتر کر سیدھے اندر جانے کی بجائے وہ پہلے ان کے پاس آئے۔

"خیریت تو ہے وحید بھائی آپ اتنی جلدی جلدی کیسے یہاں آ رہے ہیں؟"

آفتاب نے اس وقت صاف صاف پوچھ لینا ہی مناسب سمجھا اس وقت ان کی دکان پر کوئی گاہک بھی نہیں تھا۔

"میرا گھر ہے یہ بھی' اماں ہیں' تم ہو' کیا تم لوگوں پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔"

وہ ذرا بھی جھینپے بغیر اپنی محبت کا اظہار کر رہے تھے۔

آفتاب کے ماتھے کی لکیر اور بھی گہری ہوتی رہی' اسے اپنے بڑے بھائی کی کسی بات پر بھی اعتبار نہیں آیا تھا۔

"مصروفیت کی وجہ سے کبھی کبھی جلدی آنا نہیں ہوتا' مگر خیال تو ہر وقت ہی رہتا ہے تم لوگوں کا۔" ان کی ڈھٹائی کی کوئی انتہا نہیں تھی ان ہی کا سابقہ ریکارڈ اگر ان کے سامنے رکھا جاتا تب بھی وہ شرمندہ ہونے والے نہیں تھے۔

"کاروبار کیسا چل رہا ہے تمہارا پیسوں ویسوں کی ضرورت ہو تو مجھ سے بلا تکلف کہنا۔"

حیرت سے آفتاب کے لب وا ہوئے یہ جملہ پہلی بار اس نے وحید بھائی کے منہ سے سنا تھا۔ اس وقت جب وہ موت زندگی کے بیچ جھول رہا تھا تب بھی انہوں نے از راہ ہمدردی بھی ایسی کوئی پیشکش نہیں کی تھی۔

''معلوم نہیں اس وقت وہ ہم لوگوں سے کیا چاہ رہے ہیں؟'' آفتاب کی سمجھ میں اس سوال کا جواب آکر نہیں دے رہا تھا۔

''ذرا جلدی میں ہوں کھڑے کھڑے اماں سے بھی مل لوں۔'' وہ بہت خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے اندر چلے گئے۔ سامنے ڈرائنگ روم کے کھلے ہوئے دروازے میں سے بینا لڑکیوں کو پڑھاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

''کیسی ہو بینا ٹھیک تو ہو؟'' وہ بلا جھجک وہیں دروازے میں جا کھڑے ہوئے۔

''جی وحید بھائی۔''

بینا کا دل بہت زور سے دھڑکا' آفتاب کی نسبت وہ وحید بھائی کی طرف سے بہت زیادہ مشکوک رہ رہی تھی۔

وہ لگاتار عین اس وقت آ رہے تھے جب اس کا پڑھانے کا وقت ہوتا تھا اور اس وقت ان کی نگاہیں ادھر ہی جمی ہوئی تھیں۔

بینا بچی نہیں تھی ان کی اس طرح مستقل آمد کئی خدشے جگا رہی تھی' مگر انکے اور اپنے مابین رشتے کی نزاکت کچھ کہتے ہوئے روک رہی تھی۔

''آپ اندر چلیں سب لوگ وہیں ہیں۔'' ان کا دھیان بٹانے کیلئے اسے کہنا پڑا۔

''ہاں میں اندر ہی جا رہا تھا۔'' وہ بھی کچھ سنبھل گئے ویسے بھی دیکھ چکے تھے کہ یہاں موجود لڑکیوں میں ثانیہ نہیں ہے۔

پہلی دفعہ دکھائی دینے کے بعد وہ انہیں نظر نہیں آئی تھی اپنی فطری ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے انہوں نے بینا سے اس کے بارے میں پوچھا بھی' مگر کوئی خاطر خواہ جواب نہیں مل سکا تھا۔

وہ پابندی سے نہیں آتی تھی کبھی کبھار ہی آتی تھی۔ بینا نے انہیں ٹالنے کیلئے یہی کہا تھا' مگر وہ ہمت ہارنے والوں میں نہیں تھے۔ وہ یہیں آس پاس کی گلیوں میں ہی رہتی تھی اتنا معلوم کرنے میں وہ بہرحال کامیاب ہو ہی گئے تھے۔

خود فرحت آپا نے اس دن ان کا ثانیہ کو ہراساں کرنا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا سو وہ تو ان کے بار بار ذکر کرنے کے باوجود بھی ثانیہ کے بارے میں اپنے لب سی چکی تھیں۔

وحید بھائی کی دل پھینک فطرت کو ان سے بڑھ کر کون جان سکتا تھا۔

تھوڑی دیر وہ اپنی اماں کے پاس بیٹھے یوں ہی بے چینی سے پہلو بدلتے گئے بہن چائے بنا کر لے آئی تھی' مگر ان سے دو ہی گھونٹ پیئے گئے۔

''پھر آئوں گا اماں ایک دو دن میں۔'' کچھ بے زار سے ہو کر وہ کھڑے ہو گئے۔

''فرحت اور بچوں کو بھی لے کر آنا۔'' انہیں واقعتاً بیٹے سے زیادہ اس کی بیوی اور بچوں سے محبت تھی۔

''کمال ہے میں اس سے جان چھڑائے پھرتا ہوں اور آپ ہیں کہ....'' ان کی جھنجلاہٹ اور بڑھی۔

اماں بے چاری ''ہیں ہیں۔'' کرتی رہیں' مگر انہوں نے اب جو ٹھانی تھی وہ خاصی تشویشناک بات تھی۔ ''میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب دوسری شادی کروں گا' کسی شریف غریب لڑکی سے ثواب بھی ہو گا اور مجھے ہر وقت کی جھک جھک سے نجات بھی مل جائے گی۔''

دوسری شادی کیلئے سب سے زیادہ پیش کیا جانے والا جواز ان کے ہاتھ میں یہی تھا۔

اماں کی طرف آتی بینا نے بھی سنا' بات کتنی بھی تکلیف دہ سہی مگر کسی کی بھی حیثیت نہیں تھی کہ وہ انہیں کچھ کہہ سکے بینا ویسے بھی ان سے صرف رسمی بات چیت تک ہی محدود رہتی تھی۔

''اس پیسے والی سسرال سے تو میرا دل کھٹا ہو چکا ہے۔انسان کی کوئی عزت ہی نہیں ہے ان کے پاس۔'' بینا کو ان کی باتوں پر حیرت بھی نہیں ہوئی۔اخلاقی طور پر وہ اتنے گرے ہوئے شخص تھے کہ احسان فراموشی کی حد کو آسانی سے پار کر سکتے تھے۔

''فرحت کے باپ بھائیوں کو اپنے پیسے کا زعم ہے میری تو ان کے نزدیک کوئی اوقات ہی نہیں ہے جو کچھ دیتے ہیں اپنی بیٹی کو دیتے ہیں مگر احسان میرے سر پر رکھتے ہیں' سچ اماں آپ نے تو رشتے داری کے چکر میں میری زندگی برباد کر کے رکھ دی۔''

جو کچھ انہوں نے اب ٹھانی تھی اس کی تاویلات ایسی ہی ہونی تھیں۔

''شکر کریں وحید بھائی آپ کو کتنے شریف لوگ ملے ہیں اتنا اچھا گھر اتنی آرام دہ زندگی' فرحت بھابی کی وجہ سے ہی آپ کو مل سکی ہے۔''

بینا سے رہا نہ گیا تو اتنا تو کہہ ہی گئی حالانکہ دل تو چاہ رہا تھا کہ صاف لفظوں میں انہیں ان کی حیثیت یاد دلا دی جائے۔

سسرال والوں کے بغیر ان کی دو کوڑی کی اوقات بھی نہیں تھی' پر وہ بہت سنبھال کر کہے گئے جملوں کا بھی برا منا گئے۔

''تم لوگوں کو ایسا لگتا ہو گا مجھ سے پوچھو اس عزت آرام کی حقیقت۔'' ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے انہوں نے دروازے کا رخ کیا۔

بینا کی وہ اس وقت اچھی خاصی خبر لے سکتے تھے' مگر مصلحتاً بات کو پی گئے۔

ثانیہ تک پہنچنے کیلئے اس کے ساتھ ''بنا کر رکھنا۔'' ضروری تھا۔

پچھلے دن دنوں میں وہی تھی جس کا چہرہ بار بار ان کی آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔ان کا واسطہ بہت سی لڑکیوں سے پڑا تھا رنگین مزاجی خوب سے خوب تر کی طرف جانے پر ہمیشہ ہی اکساتی تھی۔

مگر اب یہ تلاش ثانیہ پر آ کر رکی تھی نہ انہیں اس کی اور اپنی عمر کا فرق دکھائی دے رہا تھا اور نہ اپنے بیوی بچے۔''

دوسری شادی کا انہوں نے عرصے سے ارادہ باندھا ہوا تھا' مسئلہ اب ثانیہ تک پہنچنے کا تھا۔

...☆☆☆...

شیریں نے بہت دلچسپی کے ساتھ ممی اور مسز ہاشمی کی طرف دیکھا۔

دونوں ہی سخت جھنجلائی ہوئی تھیں۔

''ساری غلطی تمہاری ہی ہے ہاشمی۔''

ممی مسز ہاشمی کو ہمیشہ ہاشمی کہہ کر ہی مخاطب کرتی تھیں۔''اتنا غیر ذمہ دار شخص تمہارا ہی لایا ہوا ہے غضب خدا کا کارڈ بٹ گئے ہال میں بکنگ ہو چکی اور اب دو دن سے کہہ رہا ہے کہ تقریب کو تھوڑا سا آگے کر دیا جائے۔''

ممی کو سخت غصہ آیا ہوا تھا اور بات تھی بھی غصے والی۔کم بختی بے چاری مسز ہاشمی کی آئی ہوئی پچھلے دو گھنٹوں سے وہ ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کئے جا رہی تھیں۔

''آپ یقین کریں وہ بے چارہ خود شرمندہ ہے اصل میں اس کی پہلی بیوی نے کچھ مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔اسی کی وجہ سے...''

''رہنے دو۔'' انہوں نے بے اعتنائی سے ایسے ہاتھ ہلایا جیسے مکھی اڑائی ہو۔ ''پتہ نہیں کتنا سچ اور کتنا جھوٹ مجھے تو اب اس بات پر بھی شبہ ہو رہا ہے کہ اس نے پہلی بیوی کو طلاق بھی دی ہے یا نہیں ورنہ اب اس کا کیا کام۔''

ممی کے شکوک و شبہات اب بڑھتے جا رہے تھے۔ مسز ہاشمی بے چاری اور بھی بوکھلا رہی تھیں۔ شیریں اور شہریار کی منگنی کا محض دو دن پہلے ملتوی ہو جانا خود ان کیلئے بھی ذاتی صدمہ تھا۔ ساری کوشش اس رشتے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ان ہی کی تھی۔

''اگلے ہفتے وہ کسی ڈیلی گیشن کے ساتھ باہر جا رہا ہے اس کے آگے پھر کچھ اور مصروفیت ہے خود اس نے بہت حساب کتاب کر کے یہ دن فکس کیا تھا میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بظاہر اتنا میچور دکھائی دینے والا شخص اتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرے گا اپنے دس ملنے والوں کو مجھے بھی جواب دینا ہو گا۔''

ممی اتنی فکر مند ہو رہی تھیں کہ اس بار شیریں زور سے ہنس پڑی۔

''آپ ٹینشن مت لیں اخبار میں تقریب ملتوی کا ایڈ دے دیں سب کو خبر ہو جائے گی۔''

''تم مت بولو بیچ میں قصور تمہارا بھی ہے۔'' ممی نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

''لیجئے میرا کیا قصور میں نے تو آپ کا پورا پورا کہنا مانا تھا اس دفعہ آدھے شہر کو خود کارڈ دے کر آئی ہوں منگنی کے۔''

شیریں کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔ ممی نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور پھر بڑے عجیب سے لہجے میں بولیں۔

''جب ہی منگنی ہونے کی خبر نے تمہارے چہرے پر اتنی خوشی نہیں پھیلائی تھی جتنی نہ ہونے کی اطلاع پر خوش نظر آ رہی ہو۔''

ان کا طنز اتنا واضح تھا کہ چند لمحوں کیلئے تو شیریں سے واقعی جواب نہیں بن پڑا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ممی اور خوش تو میں ہمیشہ ہی رہتی ہوں۔'' اس نے ان کی بات کو سرسری طور پر اڑانا چاہا۔

''نہیں۔''

انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

''نیت کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے ہر کام کے پیچھے دل سے تو تم ایک بار بھی راضی نہیں تھیں شیریں اگر میں غلط کہہ رہی ہوں تو کہو۔''

شیریں نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ ممی کی تو خیر بات اور ہی تھی مگر مسز ہاشمی بھی اس کی مخلص ترین دوست تھیں دونوں ہی سے کچھ نہیں چھپا تھا۔

''اصل بات تو راضی ہونا ہی ہے ممی اور وہ میں تھی بھی اور ہوں بھی آپ کو شہریار پسند آئے بس اتنا ہی کافی ہے میرے لئے۔''

مسز ہاشمی کا چہرہ کھل سا گیا۔

اصل خطرہ تو انہیں شیریں کی طرف سے ہی ہو رہا تھا کہ وہ اس تھوڑے سے وقفے میں اپنا فیصلہ تبدیل کرنے کے بارے میں نہ سوچنے لگے۔

''ٹھیک تو کہہ رہی ہے شیریں' شہریار بہت ہی اچھا شخص ہے اور ہماری شیریں کیلئے تو بہت ہی سوٹ ایبل بھی۔''

شہریار کی تعریف میں وہ مبالغہ بھی آسانی سے کر لیتی تھیں۔

ممی نے کوئی جواب نہیں دیا بس یوں ہی شیریں کی شکل دیکھے گئیں۔

وہ جو کچھ بھی کہہ رہی تھی نہ تو اس کی شکل اس کے الفاظ کا ساتھ دے رہی تھی اور نہ ہی مسکراہٹ۔

خوش ہونے اور خوش دکھائی دینے میں کتنا بڑا فرق ہے۔

دل سے خوش ہونا اصل زندگی اور خوش نظر آنا محض خود کو زندہ ثابت کرنے کی کوشش۔

وہ آج بھی وثوق سے کہہ سکتی تھیں کہ انہوں نے شیریں کو کب کب خوش دیکھا تھا۔ مگر اب وہ ذکر بھی بیکار تھا۔ دل ہی دل میں اس کی خوشیوں کی دعا کر کے ممی دوبارہ مسز ہاشمی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں کہے گی شہریار سے مگر ہاشمی تم اب اس سے بات کلیئر کرو کہ....''

شیریں نے اکتا کر شیشے کی بڑی سی کھڑکی کے پار سبزہ زار پر نگاہیں جمائیں۔ نہ خوشی نہ ملال نہ کچھ پانے کی جستجو اور نہ ہی کھو جانے کا غم بس ایک کیفیت تھی اور وہ تھی بے حسی کی۔

شہریار کے حوالے سے نہ کچھ اچھا لگ رہا تھا اور نہ ہی برا اور اس کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو بس ایسا ہی لگتا فرق کیا پڑتا تھا۔ شیریں کو یقین تھا اس بات کا۔

یہ کچھ دن جو ملے تھے اسے تو سچی بات ہے غنیمت ہی لگ رہے تھے اور کچھ نہیں تو انسان پورے حق کے ساتھ اپنا غم تو منا ہی سکتا تھا۔ پھر تو یہ غم بھی چھن جانے تھے اور یادیں بھی شہریار ملکیت پسند شخص تھا۔

اب جتنا وہ ایک دوسرے سے مل چکے تھے اس میں شیریں نے اسے بڑی حد تک جان لیا تھا اور ایسے لوگ ذاتی زندگی میں کتنے مشکل ہوتے ہیں یہ بھی اندازہ اسے خوب ہی تھا۔

پھر بھلا جان بوجھ کر وہ خود کو مشکل میں کیوں ڈال رہی ہے۔

یہ سوال بارہا اس کے اندر سے اٹھا تھا اور جواب بھی وہیں سے ملتا تھا۔

ایک بڑے دکھ سے فرار اسی طرح سے ممکن تھی کہ وہ خود کو چھوٹے چھوٹے دکھوں میں بانٹ لے' تکلیف کم ہو گی یا نہیں یہ تو اس کو بعد میں ہی پتہ چلنا تھا پر دھیان بٹانے کا یہ فارمولا خود پر لاگو کرنے کی وہ اب ٹھان ہی چکی تھی۔

''معلوم نہیں خدا کو کیا منظور ہے' کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ شیریں کا نصیب کہیں سجاد کے ہی ساتھ تو نہیں بندھا ہوا ہے۔''

شیریں کی ممی بہت دبی دبی آواز میں مسز ہاشمی سے پھر ایک مفروضے پر بات کرنا چاہ رہی تھیں۔ مگر انہوں نے جلدی سے ممی کا ہاتھ دبا کر انہیں خاموش ہو جانے کا اشارہ دیا۔

''میں ذرا سجاد کو بھی فون کر کے بتا دوں پروگرام کی تبدیلی کا۔'' شیریں ان لوگوں کے پاس سے کہتی ہوئی گزر کر لائونج سے باہر چلی گئی۔

''ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کرتی ہیں آپ شیریں سنے گی تو اس کے ذہن پر بھی اثر پڑے گا ادھر بے چارہ شہریار پریشان ہے شیریں کو تو چاہئے اسے تسلی دے' سجاد کا ذکر کہاں سے بیچ میں آ گیا۔''

مسز ہاشمی ممی کو سمجھانا شروع کر چکی تھیں۔

''بہت تسلی دیتی ہوں خود اپنے آپ کو مگر ہاشمی شیریں کی طرف دیکھتی ہوں تو دل کو بڑی ٹھیس سی لگتی ہے وہ خوش نہیں ہے تم بھی جانتی ہو۔''

ممی کے لہجے میں الجھن بھی تھی اور بے بسی بھی۔

''نہیں ہے تو ہو جائے گی میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ شادی ہو جانے دیں شیریں کی زندگی یکسر بدل جائے گی' رشتوں میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ شیریں بھی ایک بار بندھن میں بندھ جائے تو ایک بالکل مختلف زندگی جیئے گی۔''

مسز ہاشمی کی تسلی سے ممی کو ہر بار ہی اطمینان سا ہونے لگتا تھا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' وہ بڑی امید کے ساتھ بڑبڑائیں۔

...☆☆☆...

بابا کی طبیعت تو اب کافی بہتر تھی مگر آفس ابھی بھی وہ نہیں جا رہے تھے بلکہ انہیں جانے ہی نہیں دیا جا رہا تھا وقار' سہیل' سجاد یہاں تک کہ عمر بھی اس مخالفت میں شریک تھا۔

سب ہی کا خیال تھا کہ انہیں ابھی بھی آرام کی ضرورت ہے۔ نتیجتاً وہ کچھ دن تو ان سب کے اس احساس ذمہ داری پر بے حد خوش ہوئے' مگر اب جھنجلائے ہوئے تھے۔ ''آخر میں یہاں گھر میں پڑا ہوا کر کیا رہا ہوں؟''

انہوں نے چشمے کے اوپر سے عمر کو دیکھا' جو ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے ان کے حسب حکم چند ضروری فائلیں لے کر حاضر ہوا تھا۔

''آپ آفس کا کام دیکھ تو رہے ہیں بابا' وہاں نہ سہی گھر پر سہی فارغ تھوڑی ہیں۔''

''مجھے بچوں کی طرح مت پڑھاؤ۔''

وہ اتنی آسانی سے مطمئن ہونے والے نہیں تھے۔

''یہاں بیٹھ کر دو چار فائلیں دیکھ لینے سے کام بنتا ہے کیا' دوسرا مہینہ ہونے کو آ رہا ہے مجھے گھر بیٹھے معلوم نہیں تم لوگ کیا کر رہے ہو کیا نہیں۔''

انہوں نے چشمہ اتار کر ایک طرف رکھا اور جب وہ اس طرح براہ راست مخاطب کو گھور کر دیکھتے تھے تو وہ اچھی خاصی مشکل میں پڑ جاتا تھا۔ عمر نے بھی سر جھکا کر کان کی لو کو کھجایا۔

بابا بڑے کاملیت پسند انسان تھے اور یہی توقع اپنے سٹاف سے بھی رکھا کرتے تھے ان کا رعب و دبدبہ سٹاف سے ایسے کام بھی کرا لیتا تھا جو بظاہر آسان نہیں ہوتے تھے۔ سجاد ان کے بالکل برعکس ثابت ہو رہے تھے۔

ان کی دوستانہ نرم فطرت کی وجہ سے ماحول پر ایک بڑی مطمئن سی کیفیت طاری رہنے لگی تھی سجاد خود بہترین صلاحیتوں کے مالک تھے اور سٹاف بھی پوری کوشش کرتا تھا کہ انہیں کسی شکایت کا موقع نہ دے۔

''سجاد بھائی بہت اچھی طرح آفس سنبھالے ہوئے ہیں بابا صاحب آپ خود دیکھیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔''

''زیادہ وکالت مت کرو۔ یا تو وہ حضرت اس آفس میں آ کر بیٹھنے سے ہی کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے اور اب بیٹھے ہیں تو اس قدر دل لگا کر کہ حیرت ہی ہو رہی ہے۔'' وہ پرسوچ لہجے میں کہتے کہتے ذرا رکے۔

''کوئی خاص بات ہے کیا جو تم نے نوٹ کی ہو۔''

''جی۔''

اس بار وہ حقیقی طور پر بوکھلایا۔

”میرا مطلب ہے سجاد کا اس طرح یہاں ٹک جانا ورنہ وہ تو میرے بے حد اصرار پر بھی آفس سنبھالنے کیلئے تیار نہیں ہوتا تھا یہ تبدیلی تو اس میں پہلی بار ہی دیکھ رہا ہوں۔“

اتنی دیر میں جب وہ اپنا تجزیہ اسے سنا رہے تھے عمر نے بھی جواباً ایک معقول جواب تیار کر ہی لیا۔

”سجاد بھائی آپ سے بہت محبت کرتے ہیں بابا وہ نہیں چاہتے کہ آپ پر کام کا مسلسل دباؤ رہے' اسی لئے اب آفس سنبھالنے میں بے حد سنجیدہ ہیں۔“

”ہوں۔“ وہ تھوڑا سا متفق ہو ہی گئے۔ ”یہ بات تو کسی حد تک ٹھیک ہی ہے تمہاری سجاد میری طرف سے بہت پریشان رہا ہے بلکہ تم سب بھی۔“ اپنی بات کے اختتام پر وہ ہلکے سے مسکرائے عمر نے اطمینان کی سانس لی۔

”آپ ٹھیک ٹھاک رہیں ہمارے لئے اس سے زیادہ ضروری کوئی بھی بات نہیں ہے بابا کام کی فکر مت کیا کریں میں بھی تو ہوں نا سجاد بھائی کے ساتھ۔“

وہ سر جھکائے بڑے مؤدب انداز میں کہہ رہا تھا بابا کی پر شفقت نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں بہت چھوٹی سی عمر سے وہ ان کے ساتھ تھا اس وقت سے جب اس نے اپنے ماں باپ کو کھویا تھا اسے ان کی بے تحاشہ محبت میسر رہی تھی اتنے سالوں میں وہ ان سے قریب تر ہوتا چلا گیا تھا۔

اور آج بھی وہ اچھی سے اچھی ملازمت اور اچھی سے اچھی رہائش اپنی قابلیت کے بل پر حاصل کر سکتا تھا وہ ان ہی کا ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔

”مجھے تم پر فخر ہے عمر تم میرے چوتھے بیٹے ہو۔“

ان کا ہاتھ اس کے جھکے ہوئے سر پر جا ٹکا۔

”سجاد کہتا ہے ہم میں سے کوئی بھی آپ کے مزاج کو نہیں سمجھا جتنا عمر آپ سے کوئی بات منوانی ہو تو وہ عمر کے ہی سپرد کرنی بہتر ہوتی ہے اور وہ کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔“

اپنی بات کہتے کہتے وہ خود ہی ہنس پڑے' مگر نہ جانے کیوں عمر سے مسکرایا بھی نہ گیا۔

اتنی محبت اور اتنی شفقت کے بدلے میں وہ انہیں کیا دے سکا۔

کل جب انہیں اس کے اور دیا کے رشتے کے بارے میں پتہ چلے گا تو ان کے دل پر کیا گزرے گی اس کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ وہ خاندان جو بابا کے گھرانے میں اتنا بڑا طوفان کھڑا کر چکا ہے اسی سے ناطہ جوڑ کر وہ کس منہ سے بابا سے محبت اور وفاداری کا دعویٰ کر سکے گا۔

اپنی تمام تر سرخوشی کے باوجود یہی ایک خیال آج کل اس کا سکون درہم برہم کیے رکھتا تھا۔

”جو دکھ فیضی نے پہنچایا ہے اس کے بعد....۔“

وہ کچھ اور کہہ رہے تھے مگر عمر کو ابھی سے اپنے پاؤں تلے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”کہیں وہ اس کے چہرے سے کچھ پڑھ تو نہیں چکے تھے۔“

نانی فرح سب ہی نے اسے کہا تھا کہ وہ پہلے بابا کی اجازت لے لے' مگر دیا کو پانے کی آرزو اتنی شدید تھی کہ فی الحال کوئی بھی رسک لینے کی ہمت ہی نہیں پڑی تھی۔

''سجاد بھائی کو موقع دیکھ کر بتادوں گا۔ وہ خود ہی بابا کو منائیں گے۔'' اس نے ان سب کو جواب میں یہی کہا تھا اور اسی لئے کوئی بڑا فنکشن بھی اس نے کرنے سے گریز ہی کیا تھا۔ مگر جب ابھی کچھ دن پہلے فرح کے بہت ہمت دلانے پر اس نے یہ ''خوشخبری'' سجاد کو سنائی تو وہ ایک دم چپ سے ہو گئے تھے۔

''مبارک ہو۔''

وہ بس ہلکے سے کہہ کر رہ گئے تھے۔

عمر نے کچھ معذرتی الفاظ بھی کہے تھے جو اس وقت یاد نہیں آرہے تھے تو بھی انہوں نے صرف ابھی بابا کو مطلع نہ کرنے کی ہدایت دی۔

''ان کی صحت بھی ٹھیک نہیں ہے اور تمہارے لئے تو وہ جذباتی بھی ہو جاتے ہیں۔''

''میں نے بہت مجبور ہو کر یہ سب...۔''

اسے ان کے سامنے بھی کتنی سخت شرمندگی تھی یہ اس کا اپنا دل جانتا تھا' مگر انہوں نے اسے اطمینان دلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

''میں موقع دیکھ کر بات کرلوں گا بابا سے تم ابھی کچھ نہ کہنا ان سے' فکر مت کرو یہ کوئی غلطی نہیں ہے یہ تو قسمت کا لکھا ہے جسے پورا ہونا ہی ہوتا ہے۔''

ان سے بات کر کے وہ کسی حد تک مطمئن بھی ہو گیا تھا' مگر آج اس وقت بابا کے سامنے پھر سے شرمندگی بھرا خوف طاری ہو رہا تھا۔

''وہ سجاد بتا رہا تھا کہ رحمت منزل کے پانچ خالی فلیٹوں میں آج کل کچھ کام کروا رہا ہے۔''

بابا کو کچھ اور یاد آیا تو فیضی نے بھی دل میں شکر کا کلمہ پڑھا۔

''جی وہ تھوڑے بہت کام نکلے ہوئے تھے اور پھر پینٹ بھی ہو رہا ہے وہاں لوگ ہیں دیکھ بھال کرنے کیلئے۔''

''اچھی بات ہے رحمت منزل ویسے بھی ہمارے پاس امانت ہی ہے سو اس کی دیکھ بھال بے حد ضروری ہے۔''

بابا کہتے ہوئے دوبارہ فائلوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

جو چند ایک ضروری باتیں تھیں وہ کر چکے تھے انہیں یہ بھی احساس تھا کہ عمر کے آفس کے کام حرج ہو رہا ہے سو بس تھوڑی ہی دیر میں وہ اسے اجازت دے چکے تھے۔

''کوئی پریشانی کھڑی ہو تو مجھے ضرور بتادینا سجاد کو تو کہنا ہی فضول ہے اکیلا پریشان ہونا اسے منظور ہوتا ہے۔''

جاتے جاتے انہوں نے ایک اور نصیحت اس کے سپرد کی عمر آفس واپس آیا تو سجاد اسی کے منتظر تھے۔

''بابا کا کوئی نیا حکم۔''

''میری کوئی شکایت ہمارے کام میں غلطی...۔''

''کچھ تو گڑبڑ ہو گی ہی۔'' مسکراتے ہوئے وہ اس سے پوچھ گئے۔

عمر مستقل نفی میں سر ہلائے گیا تو انہوں نے ایک گہری سانس لی ''شکر ہے۔''

''آپ ابھی تک بابا سے اتنا ڈرتے ہیں۔''

''تم نہیں ڈرتے۔''

''میں۔'' عمر کو اپنی کچھ دیر پہلے کی حالت یاد آئی۔

''میری تو سچ پوچھیے جان نکلتی ہے ان کی ناراضگی سے اور اب تو اتنی بڑی غلطی کر بیٹھا ہوں کہ پتہ نہیں وہ مجھے معاف بھی کریں گے یا نہیں۔''

وہ یک دم ہی سنجیدہ ہو گیا۔

سجاد کو اس کی پریشانی کا اچھی طرح اندازہ تھا خود ان کی اپنی سمجھ میں ابھی تک نہیں آ کر دے رہا تھا کہ بابا کے سامنے عمر کے کیس کو کس طرح رکھا جائے پھر بھی وہ اسے حوصلہ دیئے ہی جاتے تھے۔

''فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کیسے ٹھیک ہو جائے سجاد بھائی' آپ خود سوچیں۔''

عمر مکمل طور پر مایوس ہو رہا تھا۔

''ہو جائے گا نہ کچھ نہ کچھ۔''

کچھ بھی نہیں ہو گا آپ دیکھ لیجیے گا بابا میری شکل تک نہیں دیکھیں گے جب انہیں خبر ہو گی اور میں نے تو سوچ لیا ہے کہ میں یہ شہر کیا ملک ہی چھوڑ دوں گا اگر وہ مجھ سے خفا ہو گئے۔''

بہت جذباتی ہو کر اس نے ان کے سامنے اپنا آخری کارڈ شو کیا۔

''چلو اچھا ہے ایک کے بعد ایک سب ہی انہیں چھوڑنے پر تلے ہوئے ہیں اس فیصلہ میں وہ تم لوگوں کی طرف سے اسی روّیہ کے حقدار تو ہیں۔''

عمر یک دم ہی خاموش ہو گیا۔

''ایک غلطی کے ازالے کے طور پر دوسری غلطی یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا' ہوں۔'' سجاد کی نگاہ سامنے کھلی فائل پر تھی۔

''پھر کیا ہو گا سجاد بھائی دیا کو بھی اسی گھر میں پیدا ہونا تھا اتنی بڑی دنیا میں ایک مسئلہ کھڑا کر دیا ہے میرے لئے اصل میں تو مجھے سب سے پہلے بابا سے ہی اجازت لینی چاہئے تھی۔''

آج بابا کے پاس بیٹھ کر اسے اپنی غلطی کی سنگینی کا احساس ہو رہا تھا۔

انہوں نے فیضی کے نکاح میں اس کی شرکت پر بھی کتنا ہی برا منایا تھا تب بھی اگر سجاد سارا قصور اپنے سر نہ لیتے تو وہ تو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

اور اب تو وہ خود ''صاحب معاملہ'' بن چکا تھا۔

''تو پھر عشق بھی بابا کی اجازت سے ہی کرتے' ویسے ایک بات تو ماننی پڑے گی کچھ تو ہے اس فیملی میں جو ہمارے اچھے بھلے لڑکوں کی عقل چوپٹ ہوتی جا رہی ہے ورنہ پہلے تمہیں اور فیضی دونوں ہی کو میں عقلمندوں میں شمار کرتا تھا۔''

''اڑائیں مذاق۔''

سامنے بیٹھا عمر بے بسی سے مسکرایا۔

"فیضی سے ملاقات ہوئی تمہاری ان لوگوں کے گھر۔"

سجاد کے چہرے پر ہلکی سی پریشانی کی لہر ابھری، "اصل میں اس نے اب گھر سے اپنا کنٹیکٹ بالکل ختم کر دیا ہے، میرا خیال ہے کہ اس دن بابا نے اسے جو کچھ کہا سنا ہو گا وہ اس کا سخت برا منا گیا ہے، بلقیس بھابی کہہ رہی تھیں کہ اب تو اس کا فون بھی ریسپانس نہیں دے رہا ہے۔"

"پیسے تو ہیں نا اس کے اکاؤنٹ میں سجاد بھائی۔"

عمر کو پہلی فکر اس کے گزارے کی ہی ہوئی۔

"پیسے تو اتنے تھے کہ اگر ڈھنگ سے خرچ کرے اسے چند سال تو ذرا بھی خرچ کی فکر نہ ہو، مگر مجھے یقین ہے کہ اس نے اب تک کچھ بھی نہیں چھوڑا ہو گا وہ بری طرح خرچ کرنے کا عادی ہے۔"

عمر خود گواہ تھا فیضی کی عادتوں کا۔

"اگر آپ کہیں تو میں اس کا پتہ کروں۔"

"نہیں۔" ابھی نہیں میں بابا سے وعدہ کر چکا ہوں اس سلسلے میں ان کا خیال ہے کہ فیضی تب ہی گھر واپس آئے گا جب اس سے پریشانی نہیں جھیلی جا رہی ہو گی وہ مجھے قصوروار ٹھہرا رہے ہیں فیضی کے اب تک واپس نہ آنے پر ہو سکتا ہے وہ ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں۔"

عمر نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

بابا کی حکمت عملی ہمیشہ ہی صحیح ثابت ہوئی تھی، کاروبار میں بھی عمر کے سامنے انہوں نے کئی بار ایسے فیصلے لئے تھے جو کہ بظاہر نقصان دہ تھے، مگر آگے جا کر سود مند ٹھہرے تھے۔

"ان فلیٹس کیلئے لوگ آرہے ہیں سجاد بھائی کام تو اس ہفتے میں ختم ہو جائے گا ان کا پھر آپ کہیں تو ایگریمنٹ کریں۔"

عمر کو اٹھنے سے پہلے انہیں رحمت منزل کی تازہ صورتحال بتانی یاد آئی۔

"نہیں ابھی رک جاؤ کسی سے بھی ایگریمنٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ فوراً ہی بڑی تیزی سے بولے۔

عمر کو تھوڑی سی حیرت ہوئی۔

"کیوں سجاد بھائی وہ تو بڑے اچھے فلیٹ ہیں فرنٹ سائیڈ پر کھلنے والے فوراً ہی نکل جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے دیکھتے ہیں، مگر ان میں سے ایک جو فرح کے فلور پر ہے اسے ابھی بالکل رہنے دینا۔" سجاد کہتے کہتے ذرا رکے، "اسے شاید ثانیہ، لینا پسند کریں۔"

"ثانیہ۔" عمر کو یاد کہ بہت دن پہلے فرح نے بھی اس سے ایسی ہی کوئی بات کی تھی کہ ثانیہ کو رہائش کا پرابلم ہے مگر وہ پھر مسئلہ شاید ختم ہو گیا تھا۔

اس کا کچھ ایسا ہی خیال تھا، مگر اب سجاد پھر ایسا ہی کچھ قصہ چھیڑے ہوئے تھے۔

"اس نے کچھ کہا ہے کیا آپ سے۔"

"نہیں کہا تو نہیں ہے۔" وہ کچھ جھینپ سے گئے۔ "میرا اپنا اندازہ ہے کہ انہیں کچھ پرابلم ہے وہاں جہاں وہ آج کل رہ رہی ہیں۔"

باوجود ضبط کے عمر اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ پا سکا۔ ''ہنس کیوں رہے ہو۔'' انہوں نے مشکوک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''جی نہیں میں خوش ہو رہا ہوں۔'' عمر کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی ''آپ کی یہ خصوصیت تو مجھے آج ہی پتہ چلی کہ آپ بناء کسی کے کچھ کہے لوگوں کے دلوں کا حال جان لیتے ہیں' ویسے یہ معاملہ سب کے ہی لئے ہے یا کوئی کوئی خوش قسمت....''

''عمر تم پٹو گے مجھ سے۔'' سجاد ایک دم ہنس پڑے ''میرے اندازے غلط نہیں ہوتے' تم کسی وقت گھر پر فرح سے اس بارے میں بات کرنا پھر جو مناسب ہو وہ کریں گے۔''

''جی بہتر۔'' وہ کہتا ہوا باہر نکل آیا۔

رات کو جب فرح معمول کے دورے پر نانی کے پاس آئی بیٹھی تھی وہ اپنے کمرے میں فون پر مصروف تھا۔

بشارت صاحب کا نمبر اب اس کی انگلیوں کو بھی ازبر ہو چکا تھا' مگر گوہر مقصود کبھی ہاتھ آتا اور زیادہ تر نہیں۔

دیادس بار فون ملانے کے باوجود بھی نہیں ملتی' کبھی وہ اس طرف سے ہیلو ہیلو کرتا رہ جاتا اور دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آ رہا ہوتا' کبھی گھنٹوں کیلئے فون انگیج ہوا رکھا رہتا۔

کبھی جواب ملتا کہ وہ سو رہی ہے اور کبھی جو قسمت سے وہ فون پر آ بھی جاتی تو اس درجہ بے مروتی کا مظاہرہ کرتی کہ عمر کا دل چاہتا کہ وہ اسی ریسیور سے اپنا سر پھوڑ لے۔

اسی وقت بھی وہ کچھ ایسی ہی کیفیت سے گزر رہا تھا دیا فون پر آئی تھی اور ہمیشہ کی طرح ٹھیک ہوں۔ ''جی' جی نہیں' جی ہاں یا اس وقت میں تھوڑی مصروف ہوں۔'' جیسے رٹے رٹائے فقرے کہہ کر فون بند کر چکی تھی۔

حالانکہ وہ اس سے کتنی ساری باتیں کرنا چاہتا تھا' اس کی پسند ناپسند کے بارے میں جاننا چاہتا تھا' اپنے بارے میں اسے بتانا چاہتا تھا' مگر خود دیا کچھ بھی نہیں چاہتی تھی۔

نہ ہی اسے عمر کے بارے میں کچھ جاننے میں دلچسپی تھی اور نہ ہی وہ اپنے بارے میں بات کرنے کیلئے بھی تیار تھی' حد تو یہ کہ اس نے کبھی نانی کو سلام تک نہیں کہلوایا۔ کبھی کبھی تو صاف لگتا تھا کہ وہ یہ چھوٹے چھوٹے الفاظ بھی انتہائی بے زاری سے ادا کر رہی ہے۔

''شاید وہ بہت زیادہ شرمیلی ہے آج کے دور میں بھی ایسی لڑکیاں ہوتی تو ہیں۔''

نانی نماز میں مصروف ہوئیں تو وہ فرح کے ساتھ اپنا دکھ بانٹنے بیٹھا۔

''پھر بھی اب اتنے دن ہو گئے ہیں تم دونوں کا رشتہ طے ہوئے' اسے کچھ تو دلچسپی تم میں لینی ہی چاہئے عمر۔''

فرح نے دانستہ اسے چھیڑا وہ اور بھی فکرمند ہونے لگا۔

''تم سے بھی اتنا کہتا ہوں کہ ان کے ہاں چکر لگا لیا کرو دیا سے تھوڑی دوستی بڑھا لو' کچھ میرا وہاں اچھا امپریشن جماؤ۔''

''لاحول ولا....'' فرح منہ ہی منہ میں بڑبڑائی' مگر اس نے سن لیا تھا۔

''میں کوئی شیطان ہوں جو تم لاحول پڑھ رہی ہو۔''

''نہیں' شیطان ہوتے تو بھاگ کھڑے ہوتے۔''

''مذاق مت اڑاؤ میرا اتنا سا کام بھی نہیں ہوتا تم سے۔''

''تمہارا کام اچھا بھلا بن چکا ہے' اب اطمینان سے بیٹھ جاؤ شادی تک اور یہ جس طرح کی خدمات تم مجھ سے لینا چاہ رہے ہو اللہ معاف کرے پرانے زمانے میں بڑی مکار قسم کی پروفیشنل خواتین انجام دیا کرتی تھیں۔''

''تو پھر یہ تو بتاؤ کہ آخر وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟''

عمر کو اپنے لئے کوئی تسلی درکار تھی' مگر فرح جیسی دوست کے پاس اس وقت اس کیلئے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔

''صاف بات ہے یا تو وہ فطرتاً ہی سرد مہر ہے یا پھر وہ تمہیں پسند ہی نہیں کرتی۔''

''اللہ نہ کرے۔''

دوسرا مفروضہ سخت دل دہلا دینے والا تھا سو اس نے بات کو بدل دینا ہی مناسب سمجھا۔ آج سجاد نے جو کام اس کے سپرد کیا تھا وہ اسے یاد تھا' فرح سے ذکر کیا تو وہ کچھ خاموش ہو کر سوچنے لگی۔

''مجھے اسی دن لگا تھا کہ سجاد بھائی نے ثانیہ کی بات سن لی تھی اس کے بعد وہ ظاہر ہے ایسا ہی کرتے۔''

فرح نے اس دن اماں کے سارا دن بھوکا رہنے کا قصہ سنتے وقت سجاد کو دروازے پر کھڑا دیکھا تھا' مگر جب شیریں کو دیکھ کر وہ پلٹے تھے تب وہ یہی سمجھی تھی کہ شاید انہوں نے کچھ نہیں سنا۔

مگر اب عمر کی بات سے اس خیال کی نفی ہو رہی تھی۔

''ان حالات میں تو واقعی بے چاری ثانیہ اور اماں کا وہاں رہنا بے حد تکلیف دہ بات ہے۔'' عمر خود تھوڑی دیر کیلئے دیا کی بے اعتنائی کو بھول بھال کر ان لوگوں کیلئے رنجیدہ ہونے لگا۔

''کتنی عجیب بات ہے فرح ہم لوگ ہمیشہ ہی خونی رشتوں کو ترستے رہے ہیں اور کچھ لوگوں کو یہ رشتے ہی خون کے آنسو رلاتے ہیں زیادہ بڑے خسارے میں ہم ہیں یا یہ۔''

''ثانیہ بے چاری کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے عمر' اماں اور جمیل ماموں ان دو کے علاوہ کون ہے اس کا' ددھیال کے نام پر کچھ بھی نہیں۔''

فرح بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی تب ہی عمر کے چہرے پر ایک شرارت بھری مسکراہٹ ابھری۔

''ایک غمگسار آ تو گئے ہیں سامنے اور ان کے ہوتے ہوئے تو ثانیہ کی خوش قسمتی میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔''

''کیا بکواس ہے۔'' فرح نے بڑی بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

''سجاد بھائی' نہیں نہیں' دیا کی بے اعتنائی کا غم لگ رہا ہے' تمہارے ذہن کو متاثر کر گیا ہے۔''

''اڑا لو مذاق۔'' اس نے ذرا بھی برا نہیں منایا۔

''مگر جو بات میں کہہ رہا ہوں سو فیصد درست ثابت ہو گی مستقبل قریب میں' میں نے یہ تحریر آج ہی پڑھی ہے سجاد بھائی کی آنکھوں میں۔''

''میں نہیں مانتی۔''

فرح نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ بھی نہیں مانتے' مگر سب مانیں گے ایک دن۔''

آخری کیل ٹھوکنے کے انداز میں اس نے اپنی بات کہہ کر فرح کی طرف دیکھا۔

☆☆☆...

''تم دیکھ لینا بہت جلد ایسا ہونے والا ہے کہ تمہیں میری بات کی سچائی پر یقین آئے گا۔ سجاد بھائی ثانیہ کیلئے بے حد سنجیدہ ہو چکے ہیں اور ان جیسے شخص کیلئے کسی بھی بات میں سنجیدہ ہو جانا کیا معنی رکھتا ہے تمہیں بھی پتہ ہے۔''

اس بار اس نے عمر کی بات کی فوری تردید نہیں کی بلکہ پر سوچ سی نگاہوں سے اس کی شکل دیکھے گئی۔

''کمال ہے۔''

''اس بات کا تمہیں مجھ سے پہلے کیسے اندازہ ہو گیا جبکہ میں تو سارا وقت ہی ثانیہ کے ساتھ رہتی ہوں اور میں نے ایسا کچھ نوٹ نہیں کیا۔'' حالانکہ شروع میں ایک آدھ بار اسے سجاد پر تو نہیں البتہ ثانیہ پر ایسا شبہ سا گزرا تھا پر اس کی محتاط اور شرمیلی طبیعت نے ایسی کوئی بات ذہن میں ٹکنے نہیں دی تھی۔

''تمہاری اور میری ذہانت میں زمین آسمان کا فرق ہے میں آنکھیں کھول کر جیتا ہوں۔'' وہ فخر سے مسکرایا۔

''شیخی کا کوئی موقع نہ ہاتھ سے جانے دینا۔'' فرح ہلکے سے مسکرائی۔ ''ویسے عمر یہ بات کتنی حیرت انگیز ہے اور کتنی اچھی بھی میرا تو ابھی سے خوشی کے مارے دل دھڑکنا شروع ہو گیا ہے۔''

اسے عمر کے مفروضے نے واقعی دلی خوشی بخشی تھی۔

''دل کا کام ہی دھڑکنا ہوتا ہے چاہے خوشی ہو یا غم تم اتنی فضول مثالیں دیتی ہو کہ ہنسی بھی نہیں آتی۔''

''ایسے ہی محاورتاً کہا تھا۔'' وہ اس قدر خوش تھی کہ عمر کی الٹی سیدھی باتوں کے جواب میں ناراض ہونے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''ثانیہ اتنی اچھی ہے کہ اس کیلئے سجاد بھائی جیسا شخص ہی سوٹ ایبل لگتا ہے' پہلے تو مجھے لگتا تھا کہ وہ شیریں سے ہی شادی کریں گے' مگر اب تو خیر وہ بات ختم ہی ہو گئی ہے۔''

''ختم وتم تو خیر نہیں ہوئی ہے۔''

عمر نے لاپروائی سے سر کو ہلکے سے جھٹکا۔ ''شیریں میڈم کا کچھ بھروسہ نہیں ہے کیا خبر بے چارے شہریار صاحب کو ہری جھنڈی دکھا کر سنیاس لے لیں' یہ دل کے معاملے ہیں تم جیسے عقل کے کوروں کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔''

''تم تو دیا سے منگنی کر کے خود شہید محبت ہو چکے ہو' ظاہر ہے اب تمہاری برابری تو کرنے سے رہے۔''

فرح ہنس پڑی دیا کا صرف نام لینے کی دیر تھی۔

''کیا ذکر چھیڑا ہے۔''

ذرا دیر کیلئے تو وہ سجاد' شیریں' ثانیہ سب کو ہی جیسے بھول بھال گیا۔ ''مجھے تو ابھی تک بھی اپنی خوش قسمتی کا یقین نہیں آتا کہ دیا نے مجھے قبول کر لیا ہے اس کا بڑا احسان ہے مجھ پر۔''

دیا کا ذکر وہ ایسے فدویانہ انداز میں کرتا تھا کہ فرح کو خوامخواہ ہی چڑ ہونے لگتی تھی۔

''خدا کو مانو عمر۔'' اس نے بے ساختہ ہی اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

''جو شادی کے بعد بھی تم نے اس غلامانہ ذہنیت کا اظہار کرنا نہیں چھوڑا تو بہت بری گت بننے والی ہے تمہاری یہ تم لکھ کر رکھ لو۔''

''پتہ ہے مجھے۔'' وہ بڑے اطمینان سے مسکرایا۔

"اور اس میں برائی کیا ہے ذرا سوچو دیا اس گھر میں ہو گی اور اس کے ہونے کے بعد کسی بھی بات کی کیا ویلیو رہ جاتی ہے اور وہ بے چاری ایسی بھی نہیں ہے جیسی تم اسے سمجھتی ہو۔"

"میرے سمجھنے نہ سمجھنے سے کچھ فرق نہیں پڑنے والا' مجھے تو صرف تمہاری فکر ہے یا اپنی نانی کی جو لڑکی غرور کے مارے کسی سے بات کرنا بھی کسر شان سمجھتی ہو وہ کیا اس گھر کو سنبھالے گی اور کیا تمہارا مقام ہو گا اس کی نظر میں۔"

بناء کسی لحاظ و مروت وہ اس قسم کے تبصرے جب سے عمر کی منگنی ہوئی تھی کبھی کبھار کر ہی دیا کرتی تھی۔ عمر کبھی برا منا جاتا اور کبھی ہنس کر اڑا دیتا پر اس وقت وہ کچھ سنجیدہ سنجیدہ سا ہو گیا تھا۔

"وہ جیسی لگتی ہے ایسی ہے نہیں تم یقین کرو میری بات کا کافی ذمہ دار ہے میں نے ایک دو بار فون کیا تو لگا کہ وہ کافی مصروف ہے اور بولتی تو وہ ویسے بھی کم ہے۔اب کوئی میری تمہاری طرح ہر ایک ہی تو نان سٹاپ نہیں ہوتا' تمہاری ثانیہ ہی کتنا کم بولتی ہے' مگر اس پر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔'

دیا کے فیور میں بولتے بولتے اسے کم از کم ایک طعنہ دینا تو یاد ہی رہا۔

"ثانیہ کی مثال دینے کی ضرورت نہیں ہے اور وہ کم بھی نہیں بولتی بس بے وقوفوں سے بات نہیں کرتی ہے۔" فرح نے فوراً برا منایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔"اور تم دیا کے بارے میں یہیں بیٹھ کر قیاس آرائیاں مت کرتے رہا کرو ہو سکتا ہے وہ تم سے بات ہی نہیں کرنا چاہتی ہو کام کا تو بس بہانہ ہی ہو۔"

لائونج میں نانی بڑے انہماک سے ٹی وی پر آتا ہوا کوکنگ پروگرام دیکھ رہی تھیں' فرح اپنی بات کہتی ہوئی ان کے پاس جا بیٹھی۔پر جو بات اس نے محض جھنجلا کر بناء سوچے سمجھے کہی تھی عمر کے ٹھیک دل پر لگی تھی۔

"کیا واقعی ایسا بھی ہو سکتا ہے؟"

ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے سامنے آ ٹھہرا۔کیا دیا اس سے اس حد تک بے زار ہے کہ فون پر دو منٹ بات کرنے کی بھی روادار نہیں ہے۔

یہ بڑا ہی دل توڑنے والا احساس تھا' مگر ایسا تھا تب بھی وہ کر ہی کیا سکتا تھا' سوائے اس سے محبت کرتے رہنے کے۔

تھوڑا سا اداس ہو کر اس نے سوچا۔"وہ لاکھ بار بھی اگر اس کے بارے میں سوچے گا تو خود کو اسے چاہنے سے باز نہیں رکھ سکتا اس بات کی پرواکئے بغیر کہ وہ پسند کرتی ہے یا نہیں اس سے جائے فرار اب ممکن ہی نہیں' یہ ایک بند گلی کا سفر تھا جو اس نے خود بخوشی قبول کیا تھا۔

...☆☆☆...

فیضی نے امید بھری نگاہوں سے میز کی دوسری طرف بیٹھے آدمی کی طرف دیکھا۔

وہ ابھی بھی اس کے ڈاکومنٹس دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر ابھی بھی کوئی ایسا تاثر نہیں ابھرا تھا جس پر وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوتا۔

فیضی کا تعلیمی ریکارڈ خاصا بہتر تھا اور اپنے سابقہ سرٹیفکیٹ نکلوانے کیلئے وہ پچھلے دنوں اچھی خاصی بھاگ دوڑ میں لگا رہا تھا۔

"ہوں۔" وہ آدمی جیسے کسی نتیجے پر پہنچا تھا۔

"دیکھو بھئی میں کرتا ہوں صاف بات۔ڈگری ابھی تمہارے پاس کوئی ہے نہیں بے شک انٹر میں تمہاری بہت اچھی پرسنٹیج بنی ہو گی مگر خالی خولی انٹر کی بیس پر تو کوئی نوکری ملنے سے رہی۔"

وہ اچھا خاصا بھاری بھر کم شخص تھا اور لمبی بات کرنے میں اسے سانس کی تکلیف ہوتی تھی سو وہ اسی لئے ذرا رکا تھا۔

''مگر سر میں انجینئرنگ کا فورتھ ایئر پاس....''

فیضی نے اس وقفے میں فائدہ اٹھا کر جلدی سے اس پر اپنی قابلیت ظاہر کرنا چاہی' مگر اس کی فائل ایک طرف رکھ کر اس نے داہنے ہاتھ سے نفی کا اشارہ کرتے ہوئے اس کی بات رد کی۔

''ابھی تمہارا بی اے کمپلیٹ نہیں ہوا ہے۔ ہم ڈگری کی بات کر رہے ہیں اور ویسے بھی ہمارے پاس کسی انجینئر کی جگہ نہیں ہے۔ ہمیں اکاؤنٹس کیلئے آدمی چاہئے اس کیلئے ہمیں آسانی سے کوئی بی کام یا ایم کام لڑکا مل سکتا ہے۔''

فیضی نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔

اسے کوئی بھی شخص آسانی سے اپنے کام کیلئے مل سکتا تھا' مگر فیضی کیلئے نوکری حاصل کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا تھا آج ہفتے کا آخری دن تھا اور اس پورے ہفتے میں یہ گیارہویں جگہ تھی جہاں اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

دن بدن اس کی مایوسی گہری ہو رہی تھی اسے بالکل بھی امید نہیں تھی کہ زندگی میں اسے یوں بار بار رد ہونے کی تکلیف سہنی پڑے گی۔

''پلیز سر۔ آپ مجھے چانس تو دیں میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ میتھمیٹکس ہی ہمارا مین سبجیکٹ ہوتا ہے آپ کو شاید خبر نہیں....''

پریشانی کے عالم میں جو کچھ کہنا چاہ رہا تھا وہ بد قسمتی سے الٹا اس کے خلاف ہی چلا گیا۔

فربہ' نیم خواندہ شخص کو لگا جیسے فیضی نے اسے اس کی جہالت کا طعنہ دیا ہے۔

''مجھے خبر نہیں ہے تم بتاؤ گے مجھے' تم۔'' وہ انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر کے ناگواری سے چلایا۔

''نہیں سر میرا یہ مطلب نہیں ہے۔'' وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا' مگر کسی بھی صاحب اختیار کی طرح وہ بھی کچھ سننے کیلئے تیار نہیں تھا۔

''ایسے ہی یہ کمپنی نہیں چلا رہا ہوں' تمہارے باپ نے بھی نہیں دیکھا ہو گا ایسا بزنس جو میں کر رہا ہوں سمجھے اور اب چلتے بنو یہاں سے۔''

فیضی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا'' باپ تک پہنچنے کی ضرورت نہیں ہے میں نے آپ کو ایسا کچھ نہیں کہا ہے' جس کا آپ اس قدر برا منا رہے ہیں۔''

بڑی مشکل سے خود پر ضبط کر کے اس نے اپنے اور اس شخص کے بیچ مصالحت کی کوئی راہ نکالنی چاہی جو اس بہت چھوٹی سی کمپنی کے دفتر میں اس وقت فرعون بنا کھڑا تھا۔

''کاش کہ وہ اسے اپنے باپ کے بارے میں بتا سکتا۔'' اب تک جہاں جہاں بھی اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا یہ خیال اسے بار بار آ تا رہا تھا۔

مگر اب وہ لوگوں کو ایک بار پھر ہنسنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

نہ خود پر اور نہ گھر والوں پر۔

''تم نے سنا نہیں میں نے تم سے کیا کہا ہے چلے جاؤ یہاں سے فوراً۔'' اپنے سامنے رکھی فائل کو اس نے میز پر اچھالتے ہوئے اسے باہر کا راستہ دکھایا۔ وہ سخت طیش میں آ چکا تھا اور شکر تھا کہ اس نے وہ فائل فیضی کو کھینچ کر نہیں ماری تھی۔

فیضی نے فائل اٹھانے سے پہلے محض لمحے بھر کیلئے رک کر کچھ یاد کیا۔ یہ منظر نیا نہیں تھا۔

اپنی ماں اور باپ دونوں کو ہی اس نے اس طرح کا رویہ اختیار کرتے ہوئے بار بار دیکھا تھا۔ وقار احمد' اپنے باپ اور بھائیوں سے یکسر الگ طبیعت کے مالک تھے انہیں اپنے ماتحتوں کی بے عزتی کرنے میں بس لمحے کی دیر ہوتی تھی اور امی وہ تو بس...

اس نے آگے بڑھ کر اپنی فائل اٹھائی اور ایک بار بھی اس شخص کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے باہر چلا گیا۔ کمپنی کے مالک کو خود کو کمپوز کرنے میں ابھی بھی دقت کا سامنا تھا وہ ہائی بلڈ پریشر کا مریض تھا اور اس طرح کے آلتو فالتو لوگ اس کیلئے عموماً پریشانی کا سبب بن جاتے تھے۔

''معلوم نہیں کہاں سے آجاتے ہیں' ہونہہ۔'' بہت کوفت کے ساتھ کہتے ہوئے اس نے گردن کو ہلکے سے جھٹکا۔

''فیضان احمد' فادر نیم' وقار احمد۔ اسے باہر نکل کر جانے والے اس لڑکے کا پورا نام ابھی یاد تھا' تب ہی اسے یہ بھی یاد آیا کہ ایک بات جو وہ اس کا پرسنل ریکارڈ دیکھ کر اس نے پوچھنا چاہ رہا تھا اپنے اس فوری آجانے والے غصہ کی لپیٹ میں آکر نہیں پوچھ سکا تھا۔

فائل میں کالج سے ملے چند سرٹیفکیٹ بھی لگے تھے جو اسے بڑے عجیب سے محسوس ہوئے تھے اتنی معمولی سی نوکری کیلئے آنے والا لڑکا شہر کے سب سے بہترین انسٹیٹیوٹ سے پڑھ چکا تھا' تھی نا عجیب بات۔ اس نے کچھ الجھ کر سوچنا چاہا' مگر وہ فطرتاً دماغ پر زیادہ زور دینے والا شخص نہیں تھا۔

ہاں اگر اسے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ شہر کی جن نمایاں ترین کمپنیوں سے تھوڑا سا بھی بزنس حاصل کرنے کیلئے وہ ان کے جوتے چاٹنے تک کیلئے بھی تیار رہتا ہے۔ فیضان احمد کے باپ اور دادا کی ہیں تو وہ اسی وقت سر کے بل دوڑا ہوا باہر سڑک تک جاتا جہاں فیضی ابھی تک موجود تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

سخت گرمی میں بس سٹاپ کی طرف جاتے ہوئے وہ مایوس بھی تھا اور اپنی نااہلی پر حیرت زدہ بھی۔ اپنی پچھلی ساری زندگی میں اسے اتنی توجہ اور اہمیت ملی تھی کہ اسے پتہ ہی نہیں چل سکا تھا کہ زندگی میں ناکامی بھی کوئی چیز ہے۔

گھر سے نکلتے وقت اسے احساس تک نہیں تھا کہ زندگی اس سے اتنا کڑا امتحان لے ڈالے گی۔ تعلیم مکمل ہونے میں صرف دو سال کا وقت باقی رہ گیا تھا اور اکاؤنٹ پیسوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسے نینی کے ساتھ ایک من چاہی زندگی گزارنے میں کیا دقت پیش آنی ہے۔

بے حد لاپروائی سے اس نے اس سارے معاملے پر ایک نگاہ ڈالی تھی۔ نہ خیر خواہوں کی کمی تھی اور نہ ہی جاں نثار دوستوں کی۔

اسے بار بار یاد آ گیا جس کے گھر سے نکلتے ہوئے اس نے پہلی بار حقیقت کا سامنا کھلی آنکھوں کے ساتھ کیا اور جہاں اس نے نینی کو کھویا۔ اس نینی کو جس سے اس نے محبت کی اور جس کی خاطر کسی بھی رشتے کو چھوڑتے ہوئے اسے تکلیف نہیں ہوئی تھی۔

اب جو نینی تھی وہ ایک بدلی ہوئی لڑکی تھی جو کبھی کبھی تو اتنی اجنبی لگنے لگتی کہ وہ اس سے بات کرتے ہوئے بھی گھبراتا تھا۔

بس ابھی آئی نہیں تھی اور لوگوں کا رش اچھا خاصا تھا' فیضی ایک طرف کو پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

اس طرح باہر پیدل گھومتے ہوئے اسے ہمیشہ ہی یہ سوچ کر پریشانی ہوتی تھی کہ کہیں کوئی اسے پہچان نہ لے' شہر میں اس کے خاندان کا حلقہ احباب بے حد وسیع تھا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی خستہ حالی کی خبر سارے اخبارات میں نشر ہوتی پھرے سو جان بوجھ کر لوگوں کی بھیڑ میں خود چھپائے رکھنے کی کوشش میں رہتا' حالانکہ اس پر ہنگام شہر میں اس طرح کے اتفاقات کا ہونا کم سے کم ہی تھا۔

بس آگئی تو گرمی میں تپتا ہوا ہجوم تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

فیضان احمد بھی اسی ہجوم کا حصہ تھا۔ اسے بسوں میں چڑھتے اترتے ابھی بہت کم دن ہوئے تھے سو اس میں وہ پھرتی بھی نہیں تھی جو ایسے موقعوں کیلئے درکار ہوتی ہے۔

پائیدان پر قدم جماتا ہوا جب وہ خود کو بیلنس کرنے کی کوشش کر رہا تھا سامنے سڑک کی دوسری طرف سے ایک بے حد قیمتی نئے ماڈل کی گاڑی گزری تھی۔ گاڑی کے شیشے چڑھائے اندر بیٹھے بابا اپنے ایک ایک منٹ کو کارآمد بنانے کے عادی تھے سو وہ اس وقت بھی ایک فائل دیکھنے میں مصروف تھے۔ چند سیکنڈ میں ہی وہ اس کھچا کھچ بھری ہوئی بس سے دور جا چکے تھے جس میں فیضی بھی بمشکل اپنی جگہ بنا پایا تھا۔

اتفاقات کم سہی مگر ہوتے ضرور ہیں' یہ ضروری نہیں کہ انسان کو ان کی خبر بھی ہو سکے۔

غنیمت تھا کہ اس کا لیا ہوا فلیٹ مین روڈ پر ہی واقع بلڈنگ میں تھا' گو اس کا اپنا فلیٹ اندر کی طرف تھا۔

گیٹ پر اسی افراتفری کا سماں تھا جو یہاں کا خاصہ تھی' بڑا سا زنگ آلود گیٹ پورا کھلا تھا اور آنے جانے والوں میں یہاں کے رہائشیوں سمیت ٹھیلے والے فقیر سب ہی شامل تھے۔ ارد گرد پر ذرا بھی دھیان دیئے بغیر وہ حسب عادت سر جھکائے اندر ذرا ہی آگے گیا تھا کہ کسی نے آواز دے لی۔

''فیضان بھائی۔''

اتنے دن تو یہاں ہو ہی گئے تھے کہ کچھ آوازیں اور چہرے اب مانوس ہوتے جا رہے تھے۔

''جی شریف بھائی۔'' وہ تھوڑے فاصلے پر کھڑے شریف کی طرف بڑھا۔

''خیریت تو ہے نا۔ آج کل آپ نظر ہی نہیں آتے سارا دن باہر ہی گزر جاتا ہے۔''

معمولی سے حلیے والا شریف بڑی اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔ ان فلیٹ میں مہرو خالہ کے بعد شریف ہی دوسرا شخص تھا جو بہت اپنائیت سے خود آگے بڑھ کر ملا تھا۔

''ٹھیک ہوں شریف بھائی بس ایسے ہی تھوڑا مصروف تھا۔'' فیضی کو آہستہ آہستہ لوگوں کے خلوص کی بھی قدر ہوتی جا رہی تھی اور ان کو ان کے بیک گراؤنڈ سے الگ کر کے صرف بطور انسان دیکھنے کی عادت بھی۔

''گاڑی تو آپ کی یہیں کھڑی رہتی ہے لے کر نہیں جاتے ہیں' کیا کہیں قریب ہی جاتے ہیں؟''

فیضی کو اس خالص ذاتی تفتیش سے کوفت تو ہوئی مگر شریف کے خلوص میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

''اصل میں شریف بھائی پٹرول بہت مہنگا ہو گیا ہے نا اسی لئے کوشش کرتا ہوں کہ ایسے ہی کام چل جائے۔'' اس نے اصل بات ہی بتانا مناسب سمجھا جو شریف کی سمجھ میں بھی فوراً ہی آگئی۔

''بات تو صحیح ہے۔ مگر گاڑی کا یہاں مستقل کھڑے رہنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔''

فیضی کو یاد آیا کہ وہ پہلے بھی اس کی توجہ اس طرف دلا چکا ہے۔

''ماحول اچھا نہیں ہے بہت سے مشکوک لوگوں کا اٹھنا بیٹھنا ہے یہاں' پھر جو یہ تھانہ ہے سامنے ان سے بھی ان ہی کی ساز باز ہے سارے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں جی۔'' اس کے پاس یقیناً بہت سی اطلاعات رہتی تھیں مگر فیضی اس وقت اتنا تھک چکا تھا کہ کسی بات میں دلچسپی لینا محال ہو رہا تھا۔

''میرا تو مشورہ ہے فیضان بھائی آپ اس گاڑی کو بیچ کر کوئی چھوٹی سی گاڑی خرید لیں اس کی حفاظت مشکل نہیں ہو گی اس پر توجہ سب ہی کی نگاہ پڑتی ہے میں نے پرانی چادر ڈال دی ہے اس پر آج۔''

اس کی توجہ دلانے پر فیضی نے اس طرف مڑ کر دیکھا ایک بڑی سی پرانی چادر اس کی گاڑی پر پڑی ہوئی تھی۔

''بہت شکریہ شریف بھائی۔''

اسے تھوڑی سی شرمندگی بھی ہوئی کہ وہ اس کے ساتھی اتنی خوش اخلاقی سے نہیں پیش آرہا ہے۔

''غیروں جیسی باتیں مت کریں بھائی کہہ دیا ہے تو پھر شکریہ کی کیا گنجائش' جائیں جا کر آرام کریں تھکے ہوئے آئے ہیں۔''

شریف کو خود ہی اس کی حالت کا احساس ہوا تو وہ اسے خدا حافظ کہتا ہوا اپنی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

آج ذہنی اور جسمانی دونوں تھکان طاری ہو رہی تھیں۔ پچھلے ہفتے میں اس نے اپنے لئے جتنی بھی سوٹ ایبل نوکریاں اخبار کھنگالنے کے بعد چنی تھیں ان سب سے ایک ایک کر کے وہ مسترد کر دیا گیا تھا۔

یہ آخری جگہ جہاں سے وہ آرہا تھا سب سے زیادہ تلخ تجربہ ثابت ہوئی تھی۔ دوسری جگہ کم از کم رسانیت کے ساتھ نرم الفاظ میں سیدھے سیدھے معذرت کر لی گئی تھی' مگر یہاں تو کھلی بے عزتی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

نینی سے بناء کوئی بات کئے وہ سیدھا بستر پر آلیٹا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے آ کر چائے اور پھر کھانے کا پوچھا تھا فیضی نے منع کر دیا تو اس نے اصرار بھی نہیں کیا اور واپس باہر چلی گئی۔

وہ تھوڑی دیر منتظر رہا کہ شاید وہ آ کر اس سے آج کی مصروفیت کے بارے میں پوچھے یا پھر آج اتنی دیر سے آنے پر اپنی تشویش کا اظہار کرے' مگر ایسا کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ فیضی کو رنج سا ہونے لگا۔

نینی کو اب اس کی ذرا بھی پروا نہیں رہی تھی' اگر یہ حقیقت تھی تو کتنی تکلیف دہ۔

اپنائیت اور محبت میں گندھے رشتے ایک ایک کر کے اس کے ہاتھ سے چھوٹے تھے' اس ایک رشتے کے پیچھے جو اس نے نینی کے ساتھ باندھا تھا۔ اسے محبت کی طاقت پر بھی اعتماد تھا اور خود پر بھی۔

نوجوانی کے اس دور کی خوش فہمیاں بڑی زور آور ہوتی ہیں اور وہ تو ایک ہزار خوش فہموں کے برابر تھا۔

اس کی تھکان' جھنجلاہٹ میں اور پھر جھنجلاہٹ غصے میں بدلتی گئی۔

نینی جب اسکے آواز دینے پر کمرے میں آئی تو وہ آدھی الماری کے کپڑے نکال کر زمین پر پھینک چکا تھا۔

''میرا شلوار قمیض کہاں ہے آخر' کب سے ڈھونڈ رہا ہوں؟ تمہیں تو اتنی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ کپڑے نکال کر رکھ دو۔''

اسے دیکھتے ہی وہ زور سے چلایا۔

''تمہارے کپڑے میں نے واش روم میں لٹکا دیئے تھے کھونٹی پر۔''

وہ ہلکے سے بولی اور آگے بڑھ کر زمین پر بیٹھ کر بکھرے ہوئے کپڑے تہہ کرنے لگی۔

''تو بتا نہیں سکتی تھیں' اگر گھر آیا ہوں تو ظاہر ہے کپڑے بھی تبدیل کرنے ہیں۔''

اس کی غلطی نہ ہونے پر بھی نہ جانے کیوں اس کا غصہ اور بھی بڑھنے لگا تھا۔ شاید یہ اس بے عزتی اور بے بسی کا ردعمل تھا جو آج خود اس نے وصول کی تھی۔

''سارے دن کی خواری کے بعد گھر میں گھسو تو یہاں بھی دو پل کا سکون نہیں مجھ سے اتنی ہی پریشان ہو تو میں گھر آنا ہی چھوڑ دوں؟'' سامنے پڑے کپڑوں پر ٹھوکر مارتا ہوا وہ کمرے سے باہر چلا گیا اور جب نہا کر آیا تو چھوٹی سی چار کرسیوں والی میز پر کھانا لگائے وہ اس کی منتظر تھی۔

پلائو تھا سلاد اور رائتہ۔

ایک نگاہ میں ہی وہ یہ مختصر سا اہتمام دیکھ چکا تھا۔ فریج میں گوشت ختم ہو چکا تھا صبح جب نینی نے اسے بتایا تھا تو وہ اسے سبزی بنا لینے کی ہدایت دے کر گھر سے نکل گیا تھا' پھر یہ چکن پلائو کہاں سے آیا تھا؟

کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے پہلا سوال یہی کیا۔

''مہر وخالہ کے ہاں سے آیا ہے آج ان کے ہاں فاتحہ تھی تو اسی لئے۔'' اس کے آگے پلیٹ میں رکھتے ہوئے نینی نے بتایا۔

''بس اب یہی کسر رہ گئی ہے کہ لوگوں کے ہاں سے آیا ہوا کھانا کھایا جائے۔'' سر جھٹک کر وہ بڑبڑایا تھا' پر نینی کون سا دور بیٹھی تھی۔

ایک نگاہ اٹھا کر اس نے فیضی کی طرف دیکھا وہ بناء بات اسی طرح چڑچڑا ہو جاتا تھا' مگر اسے جیسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا تھا۔

فیضی کی طرف سے دل پر چھائی بے حسی پر وہ خود بھی کسی کسی وقت حیران ہوتی تھی' مگر خود کو بے بس پاتی۔

پلائو میں سے اڑتی خوشبو کی تاثیر تھی یا اسے بھوک لگنی شروع ہو چکی تھی مزید کوئی اعتراض کئے بناء فیضی کھانا شروع کر چکا تھا۔

مہر وخالہ کے ہاں سے اکثر ہی کچھ نہ کچھ آتا رہتا تھا اور جو کچھ بھی آتا وہ اتنا ہی لذیذ ہوتا کہ فیضی کو ان کے ہاتھ کے ذائقہ کا قائل ہونا پڑتا' خود اسے تو اب بھولتا ہی جا رہا تھا کہ وہ کھانے کے معاملے میں کتنا نخریلا تھا اور گھر میں کھانے کی میز پر موجود ہر ڈش بار بار اس کے سامنے اس امید پر پیش کی جاتی تھی کہ وہ شاید اسے پسند کرے۔

کھانا ختم ہونے تک اس کی چڑچڑاہٹ بھی ختم ہو چکی تھی اب اسے قریب بیٹھی نینی پر رحم آ رہا تھا۔ اتنی دیر سے جو تھوڑے سے چاول اس نے اپنی پلیٹ میں نکالے تھے وہ تقریباً ویسے ہی رکھے تھے چمچے سے ادھر ادھر کرتے ہوئے ہی اس نے سارا وقت گزار دیا تھا۔

''کھا کیوں نہیں رہی ہو۔'' اتنی دیر میں پہلی بار اس کے لہجے میں نرمی آئی۔ ''صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا میرے سامنے تو۔''

''بعد میں کھا لیا تھا اسی لئے ابھی بھوک نہیں لگ رہی ہے۔'' وہ اسی طرح بے تاثر سے لہجے میں کہہ کر اٹھ گئی۔ برتن سمیٹ کر کچن میں رکھ کر جب وہ واپس آئی تب تک فیضی اسی کے متعلق سوچ گیا۔

زندگی صرف اسی کیلئے تو توقعات کے بالکل برخلاف ثابت نہیں ہوئی تھی' نینی بھی تو اس کے ساتھ ان ہی حالات سے گزر رہی تھی۔ اسے تو خاندان نے خود نکال باہر کیا تھا' مگر نینی نے تو محض اس کی خاطر ہی سارے خونی رشتوں سے تقریباً کنارہ کشی اختیار کر رکھی تھی۔ وہ تو صبح کا نکلا ہوا ہوتا تھا ایک قید تنہائی تو اسی کے حصے میں آئی تھی۔ حالات کی

مستقل ناہمواری اس جیسی کم عمر جذباتی لڑکی پر نہ جانے کس کس انداز سے اثر انداز ہو رہی تھی۔ اسی طرح کی باتیں وہ جب بھی غصہ اترنے کے بعد سوچتا نینی کی ہر خطا کو معاف کرتا چلا جاتا۔

''تم کسی دن اپنی امی کے پاس چلی جاؤ دن بھر رہ لینا وہیں اور چاہو تو کچھ دن رک جانا۔''

ابھی تھوڑی دیر پہلے والے اپنے برتاؤ کا اس نے ازالہ کرنا چاہا۔

''نہیں۔ میرا دل نہیں چاہ رہا فون پر بات ہو جاتی ہے کافی ہے۔'' تکیے ٹھیک کرتے ہوئے اس نے فوراً ہی اس کی پیشکش رد کی۔

وہ اتنی بدل گئی تھی کہ حیران کرتی تھی۔

فیضان کو یاد تھا ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب وہ اپنی امی اور بہنوں سے ملنے کیلئے بے چین رہا کرتی تھی اور اس کی ناراضگی کی پرواکئے بغیر اٹھتے بیٹھتے وہاں جانے کا پروگرام بناتی تھی اور جس دن وہ اسے وہاں لے جانے پر رضامندی ظاہر کرتا وہ خوشی کے مارے بالکل ہی بوکھلائی ہوئی محسوس ہوتی۔

''فون کی اور بات ہے تم خود جاؤ گی تو انہیں اچھا لگے گا' تمہیں یاد بھی کر رہے ہوں گے سب لوگ۔''

اس بار فیضی کا لہجہ پہلے سے زیادہ نرم تھا۔ نینی آکر اس کے قریب بیٹھ چکی تھی فیضی کا اصرار بڑھتا رہا تو وہ بہت سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''تم بھی میرے ساتھ چلو گے؟''

''میں۔'' وہ بہت عرصے سے بشارت صاحب کے گھر جانا چھوڑے ہوئے تھا' مگر اس وقت وہ اس بات کا صاف اظہار کر کے نینی کو پھر سے دکھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''میں پھر کبھی چل چلوں گا ابھی تو تمہیں پتہ ہی ہے کتنی پریشانی ہے دل بھی نہیں چاہ رہا ہے۔''

اس کا لہجہ شکستہ تھا۔

نینی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کا رنگ سنولا گیا تھا اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑ رہے تھے اور جس پریشانی کا وہ ذکر کر رہا تھا وہ اس پر ایک نگاہ ڈال کر ہی جانی جا سکتی تھی۔

''کہیں بھی کوئی بات بن کر نہیں دے رہی ہے شاید اسی لئے تم پر بھی بناء بات کے غصہ کر جاتا ہوں' تمہیں برا تو لگا ہو گا۔'' اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے شرمندگی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

نینی نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

تمام تر بے حسی کے باوجود اسے فیضی اپنے سے کہیں اونچے مقام پر دکھائی دیتا تھا جسے تقدیر نے عرش سے فرش پر لا پھینکا تھا۔ زیادہ کڑا امتحان اس کے حصے میں آیا تھا جو زندگی وہ گزار رہا تھا' یہ وہم و گمان سے بھی آگے کی کوئی چیز تھی۔

''میں تمہیں بہت خوشیاں دینا چاہتا تھا نینی اور مجھے یقین بھی تھا کہ میں ایسا کر لوں گا' مگر پتہ نہیں کس طرح حالات بگڑتے ہی جا رہے ہیں۔'' اس وقت بہت کوشش کر کے اس نے خود کو بشارت صاحب کو موردالزام ٹھہرانے سے بھی روکا' صرف نینی کو تکلیف سے بچانے کیلئے۔

نینی نے بھی اس بات کو نوٹ کیا اور کیا یہ کم بات تھی کہ حالات چاہے جیسے بھی تھے وہ ان سے لڑ بھی رہا تھا اور نینی کیلئے حساس بھی تھا۔

خود وہ تو کچھ بھی نہیں کر رہی تھی بس ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی ہوئی تھی ایک حوصلہ جو وہ فیضی کو دے سکتی تھی وہ بھی نہیں دے پائی تھی۔

کبھی کبھی اسی طرح شرمندگی کی لہر نینی کو لپیٹ میں لیتی تھی، اس وقت بھی دل پر جیسے آنسوؤں کے چند قطرے گرے۔

”تم اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہو حالات سنبھل ہی جائیں گے۔ آخر کار ابھی بھی گزارا تو ہو ہی رہا ہے اور میں بالکل ٹھیک ہوں تم میری فکر مت کرو۔“

ایک زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر لا کر اس نے فیضی کی طرف دیکھا۔ بہت دن بعد اس نے کسی بات کا اتنا تفصیل جواب دیا تھا۔ فیضی کو بڑا اچھا لگا۔

”چلو اسی بات پر میں تمہیں تمہاری امی کے گھر چھوڑ کر آتا ہوں، کپڑے چینج کر لو۔“ باوجود سخت تھکن کے وہ اس کی خوشی پوری کرنے کیلئے مستعد ہو گیا، مگر نینی اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

”میں کہیں نہیں جا رہی اور تم تھکے ہوئے ہو آرام کرو۔ میں چائے بنا لاتی ہوں تمہارے لئے۔“

اس بار فیضی مسکرا کر رہ گیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ان دونوں کے درمیان چھائی رہنے والی تلخی یوں ہی وقفے وقفے سے چھٹ جاتی تھی۔ برداشت کی کمی تھی یا نوعمری کی ناتجربہ کاری یا پھر حالات ہی ضرورت سے زیادہ خراب ہوئے تھے کہ وہ دونوں ہی چاہنے کے باوجود ماحول کو بگڑنے سے نہیں روک پاتے تھے۔

”اچھا ہی ہے جو ابا ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں، ورنہ امی کو یہاں کی خستہ حالی کس قدر دکھ پہنچاتی۔“

چائے کیلئے پانی رکھتی ہوئی نینی نے سوچا۔

...☆☆☆...

ٹیلیفون کی گھنٹی مستقل ہی بجے جا رہی تھی۔

فرحت کو دوسرے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آتے ہوئے چند منٹ تو لگ ہی گئے۔ لاؤنج خالی پڑا تھا۔

انہوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر فون اٹھایا تو بڑی خوشگوار حیرت کا سامنا تھا۔ دوسری طرف بینا تھی اور وہ اتنا کم فون کر پاتی تھی کہ اس کا فون آنا خود بخود ہی تھوڑا سا سرپرائزنگ ہو جاتا تھا۔

”کیسے یاد کر لیا اس وقت اچھی تو ہو۔“

وہ بہت اپنائیت سے پوچھنے لگیں۔ بینا کی قربانیوں اور حوصلے کی انہیں ہمیشہ ہی بڑی قدر ہوتی تھی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں بس آپ یاد آ رہی تھیں۔ اسی لئے سوچا کہ فون ہی کر لوں۔“

”بہت اچھا کیا میرا خود دل چاہ رہا تھا تم سے ملنے کیلئے۔“

"تو پھر آپ آئیں کیوں نہیں وحید بھائی تو آج کل تقریباً روزانہ ہی آ رہے ہیں۔" دوسری طرف موجود بینا نے انہیں وہ اطلاع دینے میں دیر نہیں کی جس کیلئے اس نے فون کیا تھا۔

"اچھا۔" فرحت لمحے بھر کیلئے تو خاموش ہی رہ گئیں۔

بینا "ہیلو ہیلو" کئے جا رہی تھی اسے لگا جیسے لائن کٹ گئی ہو' مگر وہ دوسری طرف موجود تھیں۔

"ہاں' میں سن رہی ہوں۔" ایک گہری سانس اپنے اندر اتارتے ہوئے وہ ہلکے سے بولیں۔

کہیں دور ریسور تھامے کھڑی بینا نے ان کے لہجے میں دکھ کو اپنے دل میں اترتا محسوس کیا۔ اسے پتہ تھا کہ وہ کسی سے بھی کچھ نہیں کہتیں' مگر اب ایسا لگتا تھا جیسے مزید خاموش رہ کر وہ بھی اس نقصان میں حصے دار بن جائے گی جو وحید بھائی کے ہاتھوں انہیں پہنچنے والا تھا۔

"برا مت منائیے گا فرحت بھابی' مگر وحید بھائی کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں پہلے تو وہ کبھی بھی یہاں اتنا نہیں آتے تھے اب جو آ رہے ہیں تو کوئی خاص بات ضرور ہے۔"

اب بھی بینا کا حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ انہیں کھل کر وحید کی "نیک خواہش" کے بارے میں بتا دے۔

"آپ ذرا دھیان رکھیں اور پوچھتی رہا کریں کہ کہاں آ جا رہے ہیں۔"

انہیں بینا کی معصومیت پر ہنسی آنے لگی' اتنے سارے سال گزار لینے کے بعد کوئی بھی ان سے زیادہ وحید کو نہیں جانتا تھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو وہ مجھے بتا دیں گے اگر میں پوچھوں گی۔ مجھے تو وہ یہ تک نہیں بتاتے کہ وہ تمہارے گھر گئے تھے اور کہیں کی تو بات چھوڑو۔"

"آپ انہیں کم از کم یہاں آنے سے تو منع کریں بھابی یا پھر انکے ساتھ خود آ جایا کریں۔"

بینا نے انہیں نہ معلوم کیا سمجھانا چاہا تھا۔

اب کوئی بات نئی نہیں لگتی تھی۔ ایک دل ہی کیا سارا وجود زخم زخم تھا۔ وحید کی طرف سے ملنے والی کوئی بھی اطلاع کسی غیر معمولی تکلیف کا سبب نہیں بنتی تھی' مگر پھر بھی اچانک ہی انہیں ایک بڑا ہی خوفناک سا خیال گزرا۔

"کہیں وحید خدانخواستہ بینا ہی کے چکر میں تو نہیں...؟"

ایک بڑا سا سوالیہ نشان سامنے آ کر خوفزدہ کرنے لگا۔ بینا خوش شکل تھی اور آفتاب کی معذوری اور معاشی ناہمواری کو وجہ بنا کر وحید جیسے آدمی کیلئے اس پر داؤ ڈالنا مشکل نہیں تھا۔

انہیں پیروں سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ "کیا وہ تمہیں پریشان کر رہے ہیں؟" بے حد سپاٹ سے لہجے میں وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکیں۔

"ارے نہیں خدا نہ کرے۔" بینا نے بے ساختہ ہی بڑی تیزی سے کہا۔ "ایسی کوئی بات..."

وہ آگے بھی کچھ کہہ رہی تھی' مگر ان کیلئے اتنا ہی کافی تھا۔

جان میں جیسے جان آئی تھی۔

''وہ اصل میں دوسری شادی کرنے کے چکر میں ہیں بھابی۔'' بینا نے انہی لمحوں میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ انہیں اصل بات بتادینی ہی بہتر ہے ورنہ شاید وہ اور بھی کنفیوژ ہوتی رہیں گی۔

''شوق سے کریں میں تو شکر ہی ادا کروں گی۔''

فرحت آپا کے دل سے جیسے منوں بوجھ اترا تھا۔ بینا کی دی گئی اطلاع پر انہیں ذرہ بھر بھی ٹینشن اگر ہوئی ہو۔

''مگر یہ ٹھیک تو نہیں ہے بھابی' ماشاءاللہ بچیاں بڑی ہو رہی ہیں۔ وہ اتنی بڑی حق تلفی آپ کی کیسے کر سکتے ہیں؟'' جتنے سرسری سے انداز میں وہ اس خبر کو لے رہی تھیں بینا کو ان کی دماغی حالت پر شک سا ہونے لگا۔ ''ہم سب آپ کے ساتھ ہیں آپ تنہا تھوڑی ہیں جو وہ اس طرح آپ کا حق غصب کریں۔ آپ اپنے گھر والوں سے بات کریں وہی ان کا دماغ ٹھیک کر....''

بینا کے لہجے میں دبادبا سا جوش تھا اور ان کی محبت میں اس نے ایک چھوٹی موٹی سی تقریر تو کر ہی ڈالی تھی' پر وہ محض چند الفاظ کے مطلب میں ہی الجھی کھڑی تھیں۔

حق۔

چھوٹا سا محض دو حروف والا لفظ جو خوش قسمتوں کو نعمت بن کر بن مانگے ہی مل جاتا ہے' پھر ان کا اجارہ ہوتا ہے ہر خوشی پر۔ وہ سر اٹھا کر جیتے ہیں اور زندگی میں ملی معمولی سی تکلیف پر بھی واویلا مچانے میں ذرا بھی نہیں تھکتے۔ خود ان کیلئے تو یہ لفظ اتنا اجنبی تھا کہ زبان پر لاتے ہوئے بھی دل کو گھبراہٹ گھیرتی تھی۔

ایک بھرے پرے خاندان کا حصہ ہوتے ہوئے بھی ان کے حصے میں چٹکی بھر بھی حق تو نہ آسکا تھا۔ نہ تو اس شفیق باپ اور محبت کرنے والے بھائیوں پر ہی انہیں کوئی حق محسوس ہوتا تھا جو اسے گلے گلے تک دلدل میں دھنستا دیکھ کر تنکوں

کا سہارا دینے کی کوشش کرتے تھے اور نہ ہی اس آدمی پر جسے اس کے ساتھ باندھتے ہوئے پتہ نہیں کیوں تقدیر کو اس پر ذرا سا بھی رحم نہیں آیا۔ حلق میں بہت سی کڑواہٹ گھل رہی تھی بمشکل ہی بینا کو ٹال کر فون بند کرسکیں۔

لائونج ابھی بھی خالی ہی تھا۔ وحید ابھی تک اپنے کمرے میں تھے اور دونوں بیٹیاں اور بیٹا اپنے کمرے میں۔ بچے ویسے بھی جب تک وحید گھر پر ہوتے کوشش کر کے زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رکے رہتے تھے۔ ایک وہی تھیں جو ٹینس کی بال بنی ادھر سے ادھر لڑھکتی رہتی تھیں۔

کسی کسی وقت صرف اپنے ہی ساتھ رہنے کو دل چاہتا تھا وہ تھکے تھکے سے انداز میں وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''شاید کچھ اور بھی ہوں دنیا میں ان جیسے جن کی تنہائی کٹنے کا نام ہی نہیں لیتی ہوگی۔''

بہت تھک کر انہوں نے کچھ سوچنا چاہا' تب ہی وہ کمرے سے باہر آئے۔

''سنائی نہیں دیتا کب سے آوازیں دے رہا ہوں۔ جان بوجھ کر مجھے نظرانداز کرتی ہے بدبخت عورت۔''

وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہیں نظرانداز کرنے کی جرأت تو وہ خواب میں بھی نہیں کرسکتی تھیں پھر بھی وحید نہ جانے کس درجہ احساس کمتری کا شکار شخص تھا۔

کئی سال ہوئے انہوں نے اس کی باتوں کے جواب میں صفائی دینا بھی بند کردی تھی۔

فائدہ کیا تھا جب اگلا کچھ سننے کیلئے تیار ہی نہ ہو' خاموشی کی صورت میں کم از کم بات ختم ہوجانے کا چانس تو ہوتا تھا۔

اس وقت بھی وہ پانچ دس منٹ بک جھک کر سانس لینے کو رک ہی گئے۔

''کچھ پیسے ہیں تمہارے پاس۔'' وہ پوچھتے بھی تقاضا کرنے کے انداز میں تھے۔ ہر بار ہی اس سوال کے جواب میں فرحت نے ''نہیں'' کہنا چاہا تھا' مگر اتنی ہمت کبھی بھی نہیں ہو پاتی تھی۔

''کس سوچ میں پڑ گئی ہو بڑا دل دکھتا ہے ناجب میں پیسے مانگتا ہوں فوراً رنگ اڑتا ہے چہرے کا۔''

فرحت کی چند سیکنڈ کی دیر سے ہی انہوں نے حسب عادت کئی نتائج اخذ کر لئے تھے۔ فرحت کا ہاتھ بے ساختہ ہی اپنے چہرے کو چھو کر آیا جہاں سے برسوں پہلے ہی سارے رنگ اڑ چکے تھے۔

''دس ہزار دو مجھے جلدی سے ضروری کام ہے۔ اچھی ذلت ہے ذرا سے پیسوں کیلئے ہاتھ پھیلانے پڑتے ہیں۔'' آخری جملہ انہوں نے خود اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

فرحت کے چہرے پر ہچکچاہٹ پھیلی ہوئی تھی' دس ہزار ان کے پاس واقعی نہیں تھے۔ رحمت منزل سے کرائے کی مد میں آنے والی رقم ساری کی ساری وحید خود اپنے پاس رکھتے تھے۔ ماسوا اس گنی چنی رقم کے جو وہ فرحت کو گھر کے خرچ کے نام پر دیتے تھے' پتہ نہیں کیسے شروع میں ہی بابا اور پھر سجاد کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا سو وہ لوگ بڑی خاموشی سے انہیں الگ سے پیسے دینے لگے تھے۔ انہیں بڑی شرمندگی سی ہوتی تھی باپ اور بھائی سے کچھ لیتے ہوئے مگر مجبوری تھی۔ بچے بڑے ہو رہے اور اخراجات روز بروز بڑھ رہے تھے۔

وحید کی نگاہوں سے یہ تھوڑی سی سہولت چھپی نہیں رہ سکتی تھیں سو وہ اس میں سے بھی اپنا حصہ بٹانے سے نہیں چوکے تھے سو آہستہ آہستہ یہ جمع پونجی بھی اب رو بہ زوال تھی۔

''میرے پاس دس ہزار نہیں ہیں' تھوڑے پیسے ہیں بچوں کی فیس جمع کرنی ہے اگلے ہفتے۔'' بہت سادہ سے لہجے میں انہوں نے جو حقیقت تھی وہی کہی۔

''اتنے بڑے خاندان کی بیٹی کے پاس دس ہزار نہیں۔''

وحید بڑی خباثت سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''باپ بھائی نے تمہارا وظیفہ بند کر دیا ہے کیا؟ شرم بھی نہیں آئی خود سب کیسی ٹھاٹھ کی زندگی گزار رہے ہیں اور بہن بے چاری چچ چچ...''

فرحت نے اس سارے طنز کا کوئی بھی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔

اگر ان طنزیہ باتوں پر ہی بات ٹل جاتی تو بہتر تھا۔ وہ دل سے یہی چاہ رہی تھیں کہ اپنے دل کی بھڑاس نکال کر وحید یہاں سے روانہ ہو جائیں' مگر وہ بے حسی کی ہر حد کو پار کر کے بھی اب دور نکل چکے تھے۔

نہ انہیں گھر کی ضرورتوں کا ہی خیال آتا تھا اور بچے تو ان کے خیال میں تھے ہی بابا اور سجاد کی ذمہ داری۔

''سجاد کو فون کر دو کرا دے گا بچوں کی فیس جمع کروڑوں' اربوں روپے کے پروجیکٹس چل رہے ہیں چند ہزار کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔''

انہوں نے فرحت کے سر پر کھڑے ہو کر وہ بچے کھچے پیسے نکلوا کر اپنی جیب میں رکھے اور پھر ان کے مسئلے کا حل بھی تجویز کر دیا۔

''اور اب کے جاؤ تو کہہ دینا اپنے باپ سے ہمارا گزرا نہیں ہوتا اتنے پیسوں میں' جلد ہی کوئی فیصلہ نہیں کیا تو ایسا نہ ہو کہ مجھے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑ جائے۔''

جاتے جاتے ایک اور وارننگ۔

فرحت کو اب ایسی باتوں سے پریشانی نہیں ہوتی تھی۔

انہیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ وحید بابا کے سامنے کھڑے ہونے کی جرأت کر ہی نہیں سکتا ان کی فطری کمینگی کی بنیاد بزدلی پر پڑی تھی۔

بہادری‘ خودداری کے ساتھ میل کھاتی ہے اور وحید کے ساتھ ان اوصاف کا کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

وہ خیر سے سدھارے۔ پیچھے رہ جانے والی پریشانیاں فرحت کیلئے تھیں آئندہ ہفتے کے متوقع اخراجات ابھی سے سر پر سوار ہونے لگے تھے گو بات معمولی ہی تھی۔

بابا یا سجاد کو محض ایک فون کرنے کی ہی دیر تھی‘ مگر انہیں یہ ایک فون ہمیشہ بہت ہی کٹھن لگتا تھا اور دوسرا کوئی راستہ ان کے پاس تھا نہیں۔ وہ واپس لائونج میں آئیں تو بینا کی بات یاد آئی۔

”کاش‘ واقعی ایسا ہو جائے کہ وحید دوسری شادی کر ہی ڈالیں۔“ انہیں سوچ کر بھی جیسے کوئی آزادی کا سا احساس ہو رہا تھا۔

...☆☆☆...

بابا‘ ڈاکٹرز کے منع کرنے کے باوجود کسی کسی دن آفس آنے لگے تھے‘ کبھی موقع ملتا تو کسی نہ کسی پروجیکٹ پر بھی ذرا دیر کیلئے چکر لگا لیتے۔ فائلیں تو وہ یہاں آنے سے پہلے ہی آفس سے گھر پر منگا کر دیکھنے لگے تھے۔ سجاد‘ وقار اور سہیل تینوں ہی ان کی اس زبردستی مول لی ہوئی مصروفیت سے گھبرائے‘ بوکھلائے سے رہتے‘ مگر وہ یہ ماننے کیلئے ہرگز بھی تیار نہیں ہوتے تھے کہ انہیں اب آرام کی ضرورت ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

جس دن وہ اچانک ہی پہلے دن آفس آئے سجاد تو خیر وہاں تھے ہی‘ وقار اور سہیل بھی یہ خبر سن کر اپنے اپنے آفس سے اٹھ کر دوڑے چلے آئے تھے۔ بابا اپنے سٹاف ممبرز میں اس طرح گھرے ہوئے تھے کہ ان سے بات کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

لوگوں کے چہرے انہیں دیکھ کر کھلے جا رہے تھے۔ جو محبت ان سے ان کے لوگ کرتے تھے وہ بڑی سچی تھی۔ ان کی بیماری‘ ان کی غیر موجودگی میں جس طرح ایک معمولی ورکر سے لے کر اعلیٰ عہدیدار تک ان کی سلامتی کیلئے پریشان رہا تھا اور اپنے فرائض کی بجاآوری کیلئے پہلے سے بھی کہیں زیادہ سنجیدگی کا مظاہرہ کرتا رہا تھا اس کے گواہ وہ تینوں بھائی تھے۔ بابا نے صرف پیسہ ہی نہیں محبت بھی کمائی تھی۔

بڑی کامیاب سوداگری کی تھی انہوں نے۔

وہ تینوں بھائی ان پر بجا طور رشک کرتے تھے اور ان پر فخر بھی۔

جتنی بار بھی وہ آفس آئے ثانیہ نے محض انہیں دور سے ہی دیکھا بڑی خاموش سی حسرت کے ساتھ۔

وہ لوگوں میں اتنے زیادہ گھرے رہتے تھے کہ ان تک پہنچنا ناممکن سا دکھتا تھا۔ دوسرے سجاد انہیں زیادہ دیر ٹھہرنے بھی نہیں دیتے تھے۔ انہیں جلد سے جلد واپس لے جانے کی ذمہ داری عمر کے سپرد تھی۔ ثانیہ کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی تھی کہ وہ اپنے بیٹوں سے زیادہ عمر کی سنتے اور مانتے تھے۔ اسے عمر کی حیثیت کا صحیح معنوں میں اندازہ ہی اب ہو رہا تھا ورنہ تو وہ اسے ہمیشہ بالکل نان سیریس سا شخص لگتا تھا جو شاید کسی بھی کام کو سنجیدگی سے نہیں لے سکتا تھا۔

اس روز بابا نہیں آئے تھے۔ انہیں نارمل چیک اپ کیلئے ہاسپٹل جانا تھا اور عمران ہی کے پاس تھا۔

ثانیہ حسب معمول اپنے کام میں مصروف تھی۔ فرح نے ایک آدھ بار کام میں اس کے انہماک کو نوٹ کیا اور پھر کسی خیال کے تحت بڑے سرسری سے انداز میں ایک معنی خیز ذکر چھیڑا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ اب بابا بہت بہتر ہیں۔ میرا خیال ہے ایک آدھ ماہ تک وہ اپنا کام پوری طرح خود سنبھال لیں گے۔"

"واقعی۔"

ثانیہ کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

"کتنا اچھا لگے گا انہیں یہاں ہر وقت دیکھنا۔" اسے واقعی بڑی خوشی ہوئی۔ "میں تو ایک بار بھی ان سے جا کر نہیں مل سکتی، ہمت ہی نہیں ہوئی۔"

"ارے کیوں نہیں ملیں تم۔" فرح نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر خود ہی اسے یاد آیا کہ آج کل بابا بہت مختصر سے وقت کیلئے یہاں آ رہے ہیں اور خود جب وہ ان سے ملنے کیلئے اس بھیڑ بھاڑ میں جگہ بناتی ہوئی گئی تھی تو اس روز ثانیہ آفس سے غیر حاضر تھی۔

"چلو اب جس دن بھی وہ آئیں گے میں تمہیں ملوالاؤں گی۔" فرح کو پتہ تھا کہ وہ بابا کی اپنے مرحوم والد سے شباہت کو لے کر حساس ہو جاتی ہے۔

"ویسے یہ کام تو سجاد بھائی کو خود فوراً سے بیشتر کر دینا چاہئے تھا۔"

اسے یاد آیا کہ وہ اصل میں کیا جاننا چاہ رہی ہے۔

"وہ بے چارے تو سارا وقت بے حد مصروف رہتے ہیں۔ انہیں کیا یاد رہتا ہو گا۔" ثانیہ کا سر اپنے سامنے کھلی فائل پر جھکا ہوا تھا۔

"کام کا تو بہانہ ہے میں نے تو پہلی بار سجاد بھائی کو یہاں اس آفس میں اتنا ٹک کر کام کرتے ہوئے دیکھا ہے ورنہ وہ یہاں کب رکنے والے تھے۔"

"اچھا۔ ہو سکتا ہے اب بابا کی وجہ سے انہیں اس بات کا زیادہ احساس ہو رہا ہو کہ انہیں یہیں کام کرتے رہنا چاہئے۔"

فرح نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے چہرے پر آتی مسکراہٹ دبائی۔

"اب بابا تو ماشاءاللہ خود سنبھال لیں گے آفس، پھر سجاد بھائی واپس اپنی جاب جوائن کریں گے کچھ دن تو بڑا عجیب سا لگے گا ان کا یہاں نہ ہونا۔"

بالکل لاپروائی سے کہتی ہوئی وہ سامنے رکھے مانیٹر کی طرف متوجہ ہو گئی، مگر وہ دیکھ چکی تھی کہ اتنی دیر میں پہلی بار ثانیہ نے اپنے کام پر سے سر اٹھایا ہے۔

"ان کا جانا ضروری ہے کیا؟"

"اس کا جواب تو وہ خود ہی دے سکتے ہیں۔"

"اللہ کرے وہ اپنا ارادہ بدل دیں، یہیں رہیں اسی آفس میں بڑا عجیب سا لگے گا ان کے بغیر۔"

"نہیں۔ کوئی خاص فرق تو نہیں پڑے گا۔

آخر اتنے سالوں سے بھی تو سجاد بھائی کے بغیر ہی سارا کام چل رہا ہے اور ایک دم ٹھیک ٹھاک ہی چل رہا ہے۔'' فرح نے مزید لاپروائی جتائی تو وہ تھوڑا سا برا منا گئی۔

''خیر فرق تو پڑتا ہے اتنے ان تھک محنت کرنے والے شخص ہیں پتہ نہیں کب تک آفس میں رہتے ہیں انہیں تو آرام کا وقت بھی نہیں ملتا ہوگا اور آفس کا ماحول بھی کتنا ریلیکس رکھتے ہیں۔''

فرح کو چند منٹ میں اندازہ ہو رہا تھا کہ ثانیہ کے پاس سجاد کی تعریفوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور اس موضوع پر وہ کافی دیر تک بول بھی سکتی ہے۔ خود وہ بھی اس سے ہزار جان سے متفق تھی۔

مگر اس وقت ساری گڑبڑ عمر کی پیش گوئی نے مچائی ہوئی تھی۔ ثانیہ کی ساری باتوں کو فرح نے اسی سیاق وسباق میں سنا' سمجھا اور ٹھیک ٹھاک اندازے بھی لگائے۔

''مجھے تو لگتا ہے آفس مینجمنٹ سجاد بھائی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ سارے سٹاف کو کھلا چھوڑے رکھتے ہیں بابا سے سب کتنا ہی کلوز سہی مگر ان کے رعب بھی زبردست ہے۔ سناٹا چھایا رہتا ہے جتنی دیر وہ یہاں ہوتے ہیں۔ سجاد بھائی کی موجودگی میں تو لگتا ہے کام ہی نہیں ہو رہا' سب بڑے آرام آرام سے بیٹھے رہتے ہیں۔''

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔ سارے کام پراپر طریقے سے ہو رہے ہیں ان کا بس طریقہ مختلف ہے اور یہ تم مستقل ان پر تنقید کیوں کئے جا رہی ہو؟''

فرح ہنس پڑی۔ جو اعتراضات وہ جان بوجھ کر کے جا رہی تھی اس پر ثانیہ اچھا خاصا برا منا چکی تھی۔ تب ہی اسے سامنے سے سجاد آتے دکھائی دیئے۔

''چلو آ رہے ہیں وہ تمہارے سجاد صاحب۔ نام لیا اور نازل' لگتا ہے ماشاءاللہ بہت عمر پائیں گے۔''

مسکراتے ہوئے ہلکی آواز میں اس نے ثانیہ کی توجہ اس طرف دلوائی۔

''آہستہ۔'' تھوڑا سا گھبرا کر اس نے فرح کو خاموش کرانا چاہا۔ ''معلوم نہیں اسے بولتے ہوئے کچھ خیال رہتا بھی ہے یا نہیں۔''

لفظ ''تمہارے'' پر اسے بڑا عجیب سا لگا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے سب کچھ ٹھیک ٹھاک تو چل رہا ہے نا۔'' وہ سیدھے اسی طرف آئے تھے۔ ''جی ہاں' کچھ زیادہ ہی۔'' فرح نے بہت معتبر سا انداز اپنایا۔ وہ ہلکے سے مسکرا دیئے۔

''اور ثانیہ آپ کیسی ہیں؟'' آج کئی دن بعد وہ خاص طور پر یہاں آئے تھے ورنہ کام کا پریشر اتنی مہلت ہی نہیں دے رہا تھا اور عجیب بات تھی کہ ان بے حد بائو والے دنوں میں بھی وہ اس سے غافل ہر گز بھی نہیں رہے تھے۔ ''میں ٹھیک ہوں سر۔'' ان کے سامنے ابھی بھی وہ چند الفاظ سے زیادہ نہیں کہہ پاتی تھی۔ سجاد نے اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا۔

''کاش وہ بہت جلد اس کیلئے کچھ ایسا کر سکیں کہ وہ ان سارے تکلیف دہ حالات سے باہر آ جائے جو اسے معلوم نہیں کب سے جھیلنے پڑ رہے ہیں۔''

یہ تمنا دل میں شدت پکڑ چکی تھی اور اس شدت پر وہ خود حیران بھی تھے۔

''آپ اب دوبارہ اپنا آفس جوائن کریں گے سجاد بھائی؟''

فرح نے کن انکھیوں سے ثانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے وہی سوال اٹھایا تو وہ بھی کچھ چونک سے گئے۔

''ہاں۔ دیکھوا بھی کیا ہوتا ہے۔'' اصل میں تو خود وہ اس بارے میں کچھ بھی نہیں سوچ پا رہے تھے۔

''کیوں' تم لوگ کیا مجھ سے بے زار ہو گئے ہو؟''

وہ مسکراتے ہوئے بات کو مذاق میں اڑانے لگے۔

''ارے توبہ کریں یہاں تو لوگ یہ سوچ کر پریشان ہو رہے ہیں کہ آپ چلے گئے تو ان کا کیا بنے گا... میرا مطلب ہے آفس کا۔'' ثانیہ کی تنبیہی نگاہ خود پر محسوس کرنے کے باوجود بھی فرح نے مزے سے اپنی بات پوری کی۔

''بہت خوشی ہوئی سن کر تم ذرا میرے خیر خواہوں کی تفصیلی رپورٹ تو بنا کر دو مجھے۔''

ان کی نگاہ ایک بار پھر ثانیہ تک جا کر پلٹی جو اپنا سارا دھیان فرح کی طرف لگائے ہوئے تھی۔

''رپورٹ مختصر ہے آپ کہیں تو میں آپ کو یہیں کھڑے کھڑے سنا دوں۔''

فرح کو بالکل بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ یہاں آفس میں وہ اس کے باس ہیں بچپن سے اب تک وہ اس کیلئے بہت گہرے دوست تھے جن سے صرف اپنائیت اور بے تکلفی کا ناطہ تھا۔

''ہاں ضرور' اس وقت شاید تھوڑی سی فرصت بھی ہے۔'' سجاد ہنس پڑے۔

''سر مجھے آپ کو یہ رپورٹ چیک کرانی ہے ابھی۔'' ثانیہ ایک دم ہی تیزی سے بول پڑی اسے لگا تھا جیسے اگر اب بھی وہ یوں ہی بدھوؤں کی طرح کھڑی فرح کو صرف گھورتی رہے گی تو وہ مزید خطرناک باتیں کئے جائے گی۔

''اچھا ٹھیک ہے پھر آپ دس منٹ بعد لے آیئے گا میرے پاس۔''

انہیں بھی جیسے اس کے پریشان چہرے پر رحم آیا۔

''اور یہ عمرا بھی تک نہیں پہنچا ہے آفس۔''

''وہ آج بابا کے ساتھ گیا ہے نا سجاد بھائی۔''

فرح نے ان کے استفسار پر یاد دلانا چاہا تو انہوں نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

''ہاسپٹل سے تو وہ لوگ آ چکے ہیں میری بات ہو گئی تھی ایک گھنٹہ پہلے' مگر اب عمر کا نمبر ٹریس نہیں ہو رہا ہے۔ تم ذرا کوشش کرنا اور کہنا کہ مجھ سے کنٹیکٹ کرے۔'' وہ فرح کو ہدایت دینے لگے تو اسے کچھ خیال آیا۔

''وہ شاید واپس گھر گیا ہو گا۔ فلیٹس میں کچھ کام چل رہا ہے نا' اسی سلسلے میں کچھ مصروفیت تھی شاید وہاں۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ مجھے بھی بس یہی پوچھنا تھا اس سے وہاں کے کام کے بارے میں۔'' وہ مطمئن ہو کر پلٹ گئے۔

''تمہیں آخر اتنی بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' ثانیہ اس ساری بات چیت میں ذرا بھی دلچسپی لئے بغیر ابھی تک بے حد شرمندہ ہوئی کھڑی تھی۔

''میں نے کیا کیا۔''

وہ بہت انجان سی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی' مگر مسکراہٹ چہرے سے جانے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ کوئی بہت اچھی ایکٹر نہیں تھی۔

''کیا سوچتے ہوں گے سجاد صاحب میرے بارے میں کہ پیچھے بیٹھ کر انہیں اس طرح ڈسکس کیا...۔''

ثانیہ کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

"ایک بات اور فرح...." سجاد کچھ کہتے ہوئے دوبارہ اندر آئے تھے اور ثانیہ کو غصے میں کھڑا دیکھ کر کچھ حیران بھی ہوئے تھے۔ "کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

"جی۔" فرح پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ تھی۔ "جی نہیں ثانیہ کا خیال ہے کہ آپ کے یہاں رک جانے کی خوشی میں کوئی چھوٹی موٹی پارٹی رکھ لی جائے۔" سجاد بہت زور سے ہنس پڑے۔

...☆☆☆...

وحید گھر سے نکلے تو کہیں اور جانے کیلئے تھے' مگر دل کی بے کلی انہیں آج کل رہ رہ کر ایک ہی راہ دکھاتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی اور وہ ایک بار پھر آفتاب کے دروازے پر کھڑے تھے۔ آج آفتاب کا میڈیکل سٹور بند تھا اس لئے باہر کی طرف کچھ سناٹا سا محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی تو آفتاب کی بڑی بیٹی نے دروازہ کھولا تھا۔ "ابو تو گھر پر نہیں ہیں اور امی ثانیہ باجی کو پڑھا رہی ہیں۔" بچی نے سلام کرتے ہی انہیں اطلاع دے ڈالی تھی۔

تب ہی ان کی نگاہ ڈرائنگ روم کے کھلے ہوئے دروازے سے دکھائی دیتی ثانیہ پر جا پڑی۔ آج کا دن ان کیلئے مبارک ثابت ہوا تھا' دل کی مراد کئی دن بعد پوری ہوئی تھی۔

وہ بہت خوشی خوشی ڈرائنگ روم کے دروازے میں جا کھڑے ہوئے۔ "بہت پڑھائیاں ہو رہی ہیں بھئی۔" ان کا انداز بہت ہی بے تکلفی بھرا تھا۔ بینا اور ثانیہ نے ایک ساتھ ہی ان کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ اندر چل کر بیٹھیں اماں کے پاس۔" بینا نے سلام کے ساتھ ہی انہیں ٹالنا چاہا۔ اسے تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی تھی ان کے آنے پر' ابھی تھوڑی دیر پہلے جب وہ فرحت سے فون پر بات کر رہی تھی تو اس وقت وہ گھر پر ہی تھے اور انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی کہ وہ یہاں آنے والے ہیں۔

وہ بجائے جانے کے اور اندر چلے آئے۔

"آفتاب کہاں گیا ہے کچھ بتایا تو ہو گا۔" وہ پوچھ تو بینا سے رہے تھے مگر نگاہیں ثانیہ پر ہی جمی ہوئی تھیں' جس نے نہ ان کی طرف دیکھنا ہی گوارا کیا تھا اور نہ ہی سلام کرنا۔ ان کی اس دن کی بے ہودگی کو وہ بھولی نہیں تھی اور اس کے بعد وہ دانستہ بینا کے گھر آنا بے حد کم کر چکی تھی' مگر آج پھر سامنا ہو گیا تھا۔

"وہ تو دیر سے ہی آئیں گے تین چار گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے۔" بینا نے آفتاب کی واپسی کے ٹائم میں تھوڑے سے مغالطے سے کام لیا وہ چاہتی ہی نہیں تھی کہ وحید وہاں رکے۔

"اماں کی کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ ان کے...." انہیں وہاں سے ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے ہی بینا نے ان کی نگاہوں کو ثانیہ پر جمے ہوئے نوٹ کیا۔ جس ذوق و شوق سے وہ اسے تک رہے تھے اور جس طرح ان کی بدنیتی ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی بینا کے دل کو سہانے کیلئے کافی تھی۔

خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے ایک نگاہ ثانیہ پر ڈالی وہ اپنے سامنے کھلی کتاب پر اتنا زیادہ جھکی ہوئی تھی کہ چہرہ پوری طرح نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔

"اپنی شاگرد سے تعارف تو کروا دو بینا۔" اس قدر مٹھاس انکے لہجے میں اس سے پہلے اس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ بینا کا دل چاہا کہ انہیں دھکا مار کر کمرے سے باہر کر دے' مگر انہیں برداشت کرنا اس کی مجبوری تھی۔ تب ہی اس کی بیٹی' دادی کا پیغام لے کر آ گئی۔

"بہت ضروری بات کرنی ہے دادی کو آپ آ کر سن لیں۔"

"اماں کو بھی بس۔" انہوں نے دل ہی دل میں جھنجلاہٹ اتاری کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ان بے چاری کی بات جا کر سننا بھی گوارا نہیں کرتے، مگر محض ثانیہ پر اپنی اچھائی کو ثابت کرنے کیلئے وہ دل نہ چاہتے ہوئے بھی بڑی فرمانبرداری سے دروازے کی طرف مڑ گئے۔

"ابھی آتا ہوں اماں کی بات سن کر بینا ذرا چائے تو بنائو۔" کمرے سے نکلنے سے پہلے انہوں نے ایک اور گہری نگاہ ثانیہ پر ڈالی۔

بڑی مشکل سے وہ ٹلے تھے اور کچھ بعید نہیں تھا کہ محض چند منٹوں میں ہی وہ دوبارہ پھر یہاں آ جائیں، سو بینا نے اس تھوڑی سی مہلت سے ہی فائدہ اٹھانا چاہا۔

"ایسا کرو آج رہنے دو اس ٹاپک کو ہم پھر کسی وقت پڑھ لیں گے۔" وہ ثانیہ کو اب یہاں ایک منٹ بھی نہیں روکنا چاہتی تھیں اور خود وہ بھی جیسے یہاں سے نکلنے کیلئے تلی بیٹھی تھی۔

فوراً ہی کتابیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے وحید کے انداز خوفزدہ کرتے تھے اس روز جب وہ اس کمرے میں اکیلی تھی تب وہ کتنی ڈھٹائی پر اتر آئے تھے، اگر وہ نہ آتیں تو پتہ نہیں....."

اسے مہربان چہرے والی فرحت کتنی ہی بار یاد آتی تھیں اور ہر بار ہی وہ ان کیلئے دعا بھی کرتی تھی۔ بینا کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکلتے ہوئے اس کی چھٹی حس مزید محتاط رہنے کا اشارہ دے رہی تھی۔

"شاید اسے یہاں آنا مکمل طور پر ہی چھوڑ دینا چاہیئے۔" اسے کچھ ایسا ہی احساس ہو رہا تھا۔ بینا ساس کے کمرے میں جانے کے بجائے سیدھی کچن میں چلی آئی۔ فوری طور پر تو وحید کی شکل دیکھنے کو بھی اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رنج زیادہ ہو رہا تھا یا غصہ۔

اپنی شادی کے بعد کے اتنے سالوں میں اس نے وحید کی گھٹیا ترین فطرت کے کئی روپ دیکھے تھے۔ اس کی اخلاقی گروات کی انتہا نہیں تھی، بینا کو اس سے چڑ ہی نہیں نفرت تھی اور آفتاب کی معذوری کے بعد تو یہ نفرت اور بھی شدید تر ہو چکی تھی۔

حالانکہ اس نے بارہا خود کو سمجھایا کہ جو کچھ بھی اچھا برا ہوا تقدیر میں لکھا گیا ہوگا، مگر پھر بھی جب بھی وہ آفتاب کو بیساکھی کے سہارے چلتا ہوا دیکھتی اس کا دل پکار پکار کر کہتا کہ یہ معذوری تقدیر کی نہیں بلکہ وحید کی بخشی ہوئی ہے۔
اس انتہائی بے بسی کے وقت میں اگر وہ بروقت مدد کر دیتا تو صورتحال بہت بہتر ہو سکتی تھی۔

مگر یہ سارے قصے وہ تھے جن پر صبر کیا جا چکا تھا یا کرنا پڑ رہا تھا لیکن خباثت کا یہ مظاہرہ جو وہ اب اس کے گھر آ کر ٹھیک اس کی نگاہوں کے سامنے کرنے کی کوشش فرما رہے تھے وہ قطعی ناقابل برداشت تھا۔

چائے لے کر وہ ساس کے کمرے میں آئی تو بمشکل ہی خود پر قابو پائے ہوئے تھے۔

وحید دروازے میں ہی کھڑا تھا۔

بے حد کالے رنگ ہوئے بال، دونوں ہاتھوں میں قیمتی انگوٹھیاں، پوری طرح کڑھائی سے مزین شلوار قمیض اور چہرے پر ہمہ وقت پھیلی مکروہ مسکراہٹ۔

اس کا دل بھی نہیں چاہا کہ وہ ان کی طرف دیکھے چائے کی ٹرے وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ ہی رہی تھی کہ وہ سر پر آ سوار ہوئے۔

''تمہاری سٹوڈنٹ چلی گئی ہے کیا اتنی جلدی۔''

وہ ڈرائنگ روم میں شاید جھانک آئے تھے اور سخت مایوس تھے۔

''جی۔''

''ایک دم اتنی جلدی۔'' انہوں نے اس کی روکھائی کی طرف توجہ نہیں دی۔

''اس کا کام ختم ہو چکا تھا ظاہر ہے وہ یہاں بیٹھنے کیلئے تھوڑی آئی تھی۔'' ان کی طرف چائے کا کپ بڑھاتے ہوئے بینا کا لہجہ اور بھی سخت ہو گیا۔

جواباً وہ ایک کھسیائی سی ہنسی ہنسے۔

''اچھی لڑکی ہے یہیں رہتی ہے کیا۔''

بینا انہیں ثانیہ کے متعلق ذرہ بھر بھی معلومات نہیں مہیا کرنا چاہتی تھی، مگر اس کی ساس فوراً ہی بول پڑیں۔

''یتیم بچی ہے یہیں چار گلی آگے رہتی ہے۔ ماموں ممانی کے ساتھ، بڑی پیاری اور نیک لڑکی ہے۔'' آتے جاتے کئی دفعہ گھر کے باقی لوگوں کی ثانیہ سے ملاقات ہوتی رہتی تھی سو انہیں ثانیہ کا بنیادی بایوڈیٹا تو پتہ ہی تھا۔

وحید کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہونے لگی۔

''بیوہ ماں کی ایک ہی اولاد ہے اچھے شریف خاندانی لوگ ہیں ایک بار آئی تھیں ملنے ثانیہ کی امی۔''

بینا کی ساس آج کل بہت خوش تھیں وہ بیٹا جو کل تک انہیں اپنی شکل دکھانے کو ترساتا تھا آج کل روزانہ ان سے ملنے کیلئے آجاتا تھا۔

سو کیسے ممکن تھا کہ وہ ان کی مطلوبہ معلومات ان تک نہیں پہنچاتیں۔

بینا کی بار بار مداخلت کے باوجود انہوں نے ثانیہ کی محروم زندگی کی چھوٹی موٹی داستان وحید کے گوش گزار کر ہی دی۔

ان کی تو جیسے لاٹری نکل آئی تھی۔ بے بس بے سہارا لڑکی، بیوہ ماں جن کے پاس رہنے کیلئے کوئی اپنا ٹھکانہ بھی نہیں تھا۔

انہیں تو ٹوٹ کر اس خاندان پر رحم آنا شروع ہو چکا تھا۔ ''چچ چچ'' کرتے ہوئے انہوں نے سارا قصہ سنا اور جب والدہ کی تفصیل ختم ہوئی تو بڑی دردمندی سے بولے۔

''بے چاری لڑکی، اس طرح کیسے زندگی گزارے گی آج کل تو زمانہ بھی بے حد خراب ہے، پھر سر پر کوئی بھی نہیں ہے۔''

بینا نے بہت جل کر ان کی طرف دیکھا۔ دل تو چاہا کہ کہہ بھی دے کہ زمانہ ان سے زیادہ خراب نہیں ہے، مگر وہ آفتاب کے بڑے بھائی تھے۔ یہی ایک لحاظ مارتا تھا۔

''ثانیہ کے ماموں اس سے بہت محبت کرتے ہیں، پوری سپورٹ حاصل ہے اسے ان کی، ابھی بھی جاب کر رہی ہے اور اگلے سال تک اس کا ایم اے انگلش بھی پورا ہو جائے گا انشاءاللہ۔''

یہ امید بھری باتیں وحید کے فیور میں نہیں جاتی تھیں سو زیادہ دھیان دیئے بغیر وہ پھر سے والدہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پہلی بار انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ اتنی بھی ناکارہ نہیں ہیں جتنی پچھلے بہت برسوں سے

وہ انہیں سمجھنے لگے تھے۔

"آپ بھی جایا آیا کریں سارا دن گھر میں رہ کر اور صحت خراب کر لی ہے چلیں تو میں لے چلوں آپ کو ان کے گھر۔"
بہت فرمانبرداری سے وہ پیشکش کر رہے تھے۔

"کہاں۔" فوری طور پر وہ سمجھ ہی نہیں پائیں کہ یہ کہاں جانے کا ذکر ہے۔ "تمہارے گھر۔ ہاں چلوں گی کسی دن پچھلی سے پچھلی بقر عید پر لے کر گئے تھے تم دو گھنٹے کیلئے اس کے بعد تو جانا ہی نہیں ہوا۔" انہوں نے تو اب کہنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اس وقت جو وہ "اچھے بچے" بنے بیٹھے تھے تو یہی خیال گزرا۔

"ارے میرے گھر بھی چلیے گا بلکہ رہیئے گا بھی وہیں، مگر اس میں نہیں جس میں وہ فرحت رہ رہی ہے بلکہ دوسرے گھر میں دوسری بہو کے ساتھ۔" وہ بڑی موج میں آ چکے تھے۔

دوسری شادی کا ذکر اب وہ اس تواتر کے ساتھ کر رہے تھے کہ سب ہی عادی ہو چکے تھے، مگر اچھا کسی کو بھی نہیں لگتا تھا۔

"کیوں ظلم کرنے پر تلے ہو اس غریب پر، کیا کہتی ہے وہ تمہیں۔" ساس تھیں، مگر انصاف پسندی سے کام لیتی تھیں۔

"کوئی ظلم نہیں ہو رہا فرحت پر، ٹھاٹ سے رہتی ہے۔ باپ بھائیوں کی چہیتی ہے میں تو جوتے کی نوک پر ہوں اس کے۔" جھوٹ جب بار بار بولا جاتا رہے تو بولنے والے کی زبان میں بھی ایسی روانی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ سچ ہی لگنے لگتا ہے۔

"فیصلہ تو میں نے کر ہی لیا ہے اماں، دوسری شادی تو میری لکھی جا چکی ہے، فرحت اسی گھر میں رہے گی۔ دوسری کو میں الگ گھر میں رکھوں گا مجھے بھی اپنی زندگی ہنسی خوشی گزارنے کا پورا حق ہے۔"

بینا ابھی تک خاموش تھی تھوڑی دیر وہ محض اخلاقاً بیٹھی رہی تھی، مگر بالکل لاتعلق جب وہ فرحت کے ساتھ اپنی زندگی برباد ہونے کی دکھ بھری داستان سنا رہے تھے تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "بیٹھو مجھے تم لوگوں سے ضروری بات کرنی ہے۔"

ان کے لہجے میں کچھ خاص سی بات تھی یا شاید بینا کو ہی کچھ اس لئے لگا کہ اس سے پہلے وحید نے کبھی بھی ان میں سے کسی کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی۔ ان کی طرف سے دل بے حد خراب ہو رہا تھا پھر بھی وہ واپس بیٹھ گئی۔

"تم لوگوں کے علاوہ میرا اور کون ہے میری پریشانی میں میرا ساتھ تو تمہیں دینا ہی پڑے گا، صاف بات ہے۔" بات کہنے سے پہلے ہی انہوں نے جیسے وارننگ بھی دے ڈالی۔

بینا نے ایک نگاہ اپنی ساس کے چہرے پر ڈالی وہ بے حد خوش تھیں وحید کی طرف سے اپنائیت کے سا اظہار نے ان کی ساری شکایتوں کو تقریباً ختم کر دیا تھا۔

"ہاں ہاں ضرور کہو تم کوئی الگ تھوڑی ہو بینا اور آفتاب پر تمہارا بڑا حق ہے۔"

بینا سے رسماً بھی ان کی بات کی تصدیق نہیں کی جا سکی۔ اس کا دل نہ معلوم کیوں ایک دم ہی زور زور سے دھڑکنا شروع ہو گیا تھا۔ وحید کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے جنہیں دیکھ کر گھن سی آ رہی تھی اور پتہ نہیں جو بات اب وہ کہنے والے ہیں وہ کتنی گھبراہٹ پیدا کرنے والی ہے۔

"بات کوئی لمبی چوڑی نہیں اور تم لوگ چاہو تو دنوں میں نمٹا سکتے ہو۔"

چند لمحوں کا خاموشی کا وقفہ دے کر انہوں نے اپنی طرف سے سسپنس کا خاتمہ کیا۔

"یہ لڑکی ثانیہ اچھی ہے۔ تم اور اماں جا کر اس کے گھر والوں سے میرے رشتے کی بات کرو۔ حق مہر میں ایک گھر اس کے نام کرنے کیلئے تیار ہوں اور بھی جو وہ لوگ...."

"بس کریں وحید بھائی۔" بینا اچانک ہی بہت زور سے چلائی اس کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا۔

...☆☆☆...

"شرم آنی چاہئے آپ کو اتنی گری ہوئی باتیں کرتے ہوئے اتنا گھٹیا خیال آپ کو گزرا بھی کیسے میری سمجھ میں نہیں آرہا۔"

اس کی آواز کپکپا رہی تھی اور زندگی میں بہت سے صبر آزما مقامات سے گزر جانے کے بعد بھی شاید یہ ایک ایسا وقت تھا جب اسے خود پر قابو رکھنا آسان نہیں رہا تھا۔

"بکواس بند کرو پتہ ہے کس سے بات کر رہی ہو۔" ہکا بکا سے ہوئے وحید کو بالآخر احساس ہوا کہ ان کی اچھی خاصی بے عزتی ہو رہی ہے۔

"کیا غلط کہا ہے میں نے جو تمہیں اتنا برا لگ رہا ہے لوگ دوسری شادی نہیں کرتے کیا اور میں تو ساتھ میں نیکی بھی کمانا چاہتا ہوں کسی بے سہارا کو سہارا دینا ثواب کا کام ہے۔" آخری جملے انہوں نے والدہ کو دیکھ کر کہے جو بے چاری بالکل بھی نہیں سمجھ پا رہی تھیں کہ انہیں کس کا ساتھ دینا چاہئے۔

بینا نے ایک نفرت بھری نگاہ وحید کے چہرے پر ڈالی اس وقت وہ اسے دنیا کے مکروہ ترین شخص لگ رہے تھے جو اپنی غلاظت کو چھپائے رکھنے کی بھونڈی سی کوشش میں مصروف تھے۔

"مت کریں ایسی باتیں جو آپ کے منہ سے اچھی بھی نہیں لگ رہیں۔ نیکی کمانے کا اتنا شوق ہے تو ثانیہ کیوں مل جائیں گی بہت جو بے بس ہیں کوئی نہ کوئی آپ جیسے آدمی کا بھی سہارا لینے پر مجبور ہو ہی

اس کے الفاظ زہر میں بجھے ہوئے تھے اور وحید کو پہلی بار اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ان سے کتنی زیادہ نفرت کرتی ہے۔

"آپ دیکھ رہی ہیں اماں کس طرح بات کر رہی ہے یہ مجھ سے آفتاب کا خیال نہ ہوتا تو دماغ ٹھیک کر دیتا اس کے تو ابھی میں، معلوم نہیں آپ بھی کیسے کیسے گھروں سے بہوئیں اٹھا لائی ہیں۔"

"صحیح کہہ رہے ہیں۔"

بینا تلخی سے مسکرائی، "آپ جیسے گھٹیا آدمی سے رشتہ جوڑنے سے پہلے فرحت بھابی کے والد کو بہت زیادہ سوچ لینا چاہئے تھا۔"

"خدا کیلئے چپ کر جاؤ تم، رشتے میں بڑا ہے تم سے اسی کا لحاظ کر لو۔" بینا کی ساس کو پتہ تھا کہ بینا کو خاموش کروا دینا آسان ہو گا بہ نسبت وحید کے۔

"یہ کیوں چپ ہو گی اس کو تو آفتاب کی شہ ملی ہوئی سر پر بٹھائے گا بیوی کو تو اسی طرح ساری زندگی خود بھی جوتے کھائے گا اور ہمیں بھی کھلائے گا بالکل بھی غیرت نہیں ہے اس میں۔"

بینا جو صرف ساس کا لحاظ کر کے خاموش رہنا چاہ رہی تھی خاموش نہیں رہ سکی۔

"آفتاب کا نام مت لیں اس میں اور آپ میں زمین آسمان کا فرق۔۔۔"

"کیوں نہ لوں اس کا نام، معذور ہو کر بیوی کی کمائی کھا رہا ہے ورنہ تجھ جیسی عورت کو ایک منٹ میں نکال باہر کرتا۔"

وہ پوری طرح اپنی اصلیت میں آچکے تھے اور بینا کو بھی پہلی بار ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ آج تک اس نے انہیں جتنا بھی سمجھا تھا وہ بد فطرتی میں اس سے بھی آگے کی کوئی چیز ہیں اور ان کے ساتھ اگر وہ قیامت تک بھی یہاں کھڑی ان گھٹیا ترین باتوں کے سوال جواب میں الجھی رہی تب بھی کچھ حاصل نہیں ہونے والا۔ سو بہتر یہی تھا کہ آج اس قصہ کو یہیں ختم کر دیا جائے۔ آفتاب کی غیر موجودگی میں بناء اس کی اجازت اس نے ایک بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

''آپ ابھی اسی وقت میرے گھر سے نکل جائیں۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ بڑے فیصلہ کن انداز میں ان کی طرف متوجہ ہوئی۔''اور آئندہ یہاں قدم رکھنے تک کی جرأت مت کیجیے گا۔''

وحید بھائی کا منہ حیرت سے ذرا سا کھلا۔

بینا کی تمام ''بدتمیزیوں'' کے باوجود بھی انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس حد تک چلی آئے گی۔

''ہوتی کون ہے تو مجھے اس گھر سے نکالنے والی' اپنے باپ کے ہاں سے جہیز میں لائی تھی یہ مکان' ابھی دھکا دے کر باہر کر دوں گا یہاں سے۔

تھوڑی دیر کیلئے تو وہ اس بات کو بھی بھول گئے تھے جس کے پیچھے یہ ساری لڑائی شروع ہوتی تھی' فرحت کی خاموشی اور صبر کو آزماتے آزماتے وہ فرعونیت کے درجے پر پہنچ چکے تھے انہیں بھولے سے بھی یہ خیال نہیں گزرتا تھا کہ کون ان کے سامنے اس طرح کھڑا ہونے کی جرأت بھی کر سکتا ہے۔

''میرے باپ تک پہنچنے کی کوشش مت کیجئے گا۔ میں آپ کو وارننگ دے رہی ہوں۔'' بینا نے انگلی اٹھاتے ہوئے سرد لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

''اور یہ گھر میرے شوہر کا ہے بیوی کے جہیز میں لائے گھر میں آپ رہ رہے ہیں آج فرحت بھابی آپ کو نکال باہر کریں تو سڑک پر بیٹھیں ہوں گے۔''

ایک کروڑپتی خاندان کا داماد بن جانے کے بعد وہ اپنی جس اصل او قات کو کب کا بھلا چکے تھے آج انہیں بینا نے وہی یاد دلائی تھی۔

غصے کی شدت سے ان کے چہرے کے نقوش اور بھی بھدے ہو رہے تھے۔ پتہ نہیں وہ کیا کر بیٹھتے' تب ہی بینا کی ساس اٹھ کر بیچ میں آ کھڑی ہوئیں۔

''چلا جا یہاں سے وحید' اللہ کے واسطے دیکھ میں ہاتھ جوڑ رہی ہوں۔''

انہوں نے سچ مچ ہاتھ جوڑے تھے۔''میں تو اتنے سالوں سے تجھ پر صبر کر چکی تھی پھر کیوں میرا صبر آزمانے کیلئے تو یہاں آنے لگا ہے یہی دھڑکا تھا مجھے کہ کوئی نہ کوئی بات ہے جو تجھے اس مری ہوئی ماں کی یاد ستانے لگی ہے۔''

ان کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ناخلف اولاد کے ہاتھوں ملنے والی بدنصیبی کو انہوں نے اس ضعیفی کے دور میں جھیلا تھا۔

ماحول بہت زیادہ گمبھیر ہو رہا تھا۔

وحید کی شاطر فطرت نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس وقت کچھ بھی اس کے فیور میں نہیں ہے سو تھوڑا سا پیچھے ہٹ جانا ہی بہتر تھا۔

''صرف آپ کی بات رکھ رہا ہوں ورنہ اس کو تو میں اچھی طرح مزا چکھا دیتا۔'' انہوں نے ایک قہر آلود نگاہ بینا پر ڈالی جواب اطمینان سے سر اٹھائے کھڑی تھی۔

''جا رہا ہوں مگر یہ مت سمجھنا کہ میں نہیں آؤں گا یہاں یہ میرے بھائی کا گھر ہے کوئی نہیں روک سکتا مجھے ایک اشارہ کروں آفتاب کو تو تجھے یہاں سے نکال باہر کرے گا۔''

انہیں چھوٹے بھائی کی سادگی اور سعادت مندی پر ضرورت سے زیادہ غلط فہمیاں تھیں۔ اپنی بات کہہ کر وہ رکے نہیں تیزی سے واپس پلٹ گئے۔

چند لمحے بعد گیٹ کے زور سے بند ہونے کی آواز پر سب ہی کو پتہ چل گیا کہ وہ واقعی یہاں سے جا چکے ہیں۔

ماحول میں پھر سے پہلے والا سکون لوٹا ہوا محسوس ہوا بینا نے آگے بڑھ کر اپنی ساس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور یوں ہی انہیں لئے ہوئے واپس بیڈ تک لے آئی۔

”مجھے معاف کر دیجئے گا اماں میں آپ کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتی تھی آپ کا دل دکھا ہے مجھے جتنا چاہے برا بھلا کہہ لیجئے۔“ اتنی دیر سے وہ خود کو جتنا مضبوط ظاہر کر رہی تھی وہ ساری مضبوطی محض وحید کے سامنے تک تھی۔ ایک تواتر کے ساتھ اب اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس کی ساس نے ایک نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

انہیں اس کی قربانیوں کا شدت سے احساس تھا اور اس خدمت کا بھی جو اس نے بیٹی بن کر کی تھی۔ وحید جیسے بیٹے کا ایک اور روپ جو انہوں نے آج دیکھا تھا ان کی ممتا کیلئے ایک مزید تازیانہ ثابت ہوا تھا۔ انہوں نے دیوار کے ساتھ لگے کھڑے تینوں بچوں کی طرف دیکھا جو اس سارے ہنگامے سے سہمے کھڑے تھے۔ انہوں نے اشارہ کیا تو وہ تینوں ہی دوڑے چلے آئے۔ ”چلو بس شاباش ہمت کرو دیکھو بچے بھی کتنے پریشان ہو رہے ہیں۔“ انہوں نے بینا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تسلی دی۔

...☆☆☆...

نانی ”عمر کی دلہن“ کے شوق میں بشارت صاحب کے ہاں جانے کیلئے ہر وقت ہی تیار رہتی تھیں۔ اگر انہیں چڑھنے اترنے میں دقت کا سامنا نہ ہوتا تو شاید وہ آئے دن ہی یہاں کا چکر لگا لیا کرتیں۔

مگر اس مجبوری کے ساتھ یہ خوشی کا موقع مہینے میں ایک آدھ بار ہی مل پاتا۔ حالانکہ نہ ہی دیا انہیں کوئی خاص لفٹ کراتی اور نہ ہی امی کی بھی سرد مہری میں فرق آتا تھا ایک نازی تھی جو بڑی خوش دلی سے ان کی مہمان نوازی میں جتی رہتی تھی یا پھر بشارت صاحب اگر اتوار کا دن ہوتا تو ان کے آنے پر بے حد خوش ہوتے تھے۔ نانی کیلئے شاید اتنا بھی بہت تھا۔ شروع شروع میں انہیں جو تھوڑا سا اعتراض اس رشتے پر تھا وہ اب یکسر ختم ہو چکا تھا۔

دیا عمر کی خوشی تھی اور عمران کی زندگی، سو دیا انہیں خود بخود عزیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ جب بھی آتیں اس کیلئے معلوم نہیں کیا کچھ اٹھائے لئے چلی آتیں بشارت صاحب نے انہیں کئی بار منع بھی کیا مگر جواباً وہ بڑا شفقت بھرا غصہ کرتیں۔

آج بھی جب عمر انہیں یہاں چھوڑ کر گیا تو پھل اور مٹھائی کے ساتھ دو بے حد خوبصورت سوٹ بھی تھے، جو انہوں نے فرح سے دیا کیلئے منگوائے تھے۔

”دیا کی بہت خوش قسمتی ہے جو اسے آپ کی محبت ملی ہے خدا آپ کا سایہ ہم پر سلامت رکھے میں اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے کہ دیا کیلئے عمر جیسا لائق اور شریف لڑکا ملا ہے۔“

اتوار کی شام تھی بشارت صاحب نانی کے سامنے ہمیشہ ہی بہت انکساری کے ساتھ اس بات کا اعتراف کیا کرتے تھے اور اس وقت وہ اپنے مخصوص موڈ سے بالکل الگ محسوس ہو رہے تھے۔

امی یہ سب دیکھ کر اور سن کر اور بھی زیادہ کڑھتیں انہیں بشارت صاحب کی انکساری خوشامد لگتی اور نانی کی پر خلوص محبت فریب۔

”میری ہیرے جیسی بیٹی مل رہی ہے اور تمہارے ابا کا یہ حال ہے جیسے پتہ نہیں انہوں نے عمر کا رشتہ دے کر ہم پر کوئی احسان کیا ہے۔“

انہوں نے نہ تو نانی کے لائے ہوئے جوڑوں کو ہی نظر بھر کر دیکھا اور نہ ہی ان کی لائی ہوئی دوسری چیزوں کو ہی ہاتھ لگایا۔

نازی چائے کے انتظامات کیلئے کچن میں آئی تھی تب ہی اس کے پیچھے پیچھے آکر وہ مستقل بولے جا رہی تھیں۔

نانی بڑے ہال میں نہیں بیٹھتی تھیں انہیں امی کا پچھلا کچن گارڈن اچھا لگتا تھا سو اس سے ملحقہ برآمدے میں ہی بیٹھا جاتا تھا۔

کچن سے اس پچھلے برآمدے میں کی ہر بات دیکھی اور سنی جا سکتی تھی۔

''امی پلیز۔ وہ سن لیں گی۔'' کیبنٹ سے پلیٹس نکالتے ہوئے نازی نے انہیں ملتجی نگاہوں سے دیکھا۔

''دس بار سن لیں میں تو خود چاہتی ہوں کہ وہ سن لیں دل بھر کر برا منائیں اور ہماری جان چھوڑ دیں۔''

امی کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ سخت تھا اور اتنی بری بات منہ سے نکالتے ہوئے انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

''اللہ نہ کرے۔'' نازی نے دہل کر ان کی طرف دیکھا۔

''کیوں نہ کرے؟ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو پتہ نہیں کیسے میں تمہارے باپ کے سامنے مجبور ہو گئی اس بار یا ان بڑی بی نے کچھ ایسے وظیفے وظائف پڑھ لئے تھے جو میری زبان ہی نہیں کھل سکی۔''

نانی کیلئے ان کا لہجہ بڑا ہی گستاخانہ ہوتا تھا اپنی اور ان کی عمر کے تفاوت کا ذرا بھی خیال کئے بغیر وہ پیٹھ پیچھے جو منہ میں آتا کہہ دیتیں اور سامنے بھی جتنا ممکن ہوتا ر کھائی سے پیش آتیں۔

نازی کا دل ان کے روّیے پر بے حد دکھتا تھا۔ دیا کیلئے ان کی توقعات کتنی بھی اونچی سہی' مگر بہر حال بہترین تھا۔

پڑھا لکھا' خوش شکل اور بابا کی فرم سے اسے کافی بھاری بھرکم سیلری ملتی تھی اور سب سے بڑھ کر وہ دیا سے بے حد بے حساب محبت کرتا تھا۔

نازی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کسی بھی لڑکی کی خوش قسمتی کیلئے اس سے بھی زیادہ اور کیا درکار ہوتا ہے؟

''امی۔'' ہاتھ سے پلیٹ سلیب پر رکھتے ہوئے وہ بہت سنجیدگی سے بولی۔ ''آپ پلیز اس طرح کی باتیں نہ کریں دیا پر ان باتوں کا بہت برا اثر پڑ رہا ہے وہ بالکل بھی خوش نہیں دکھائی دیتی۔''

نازی کی آواز بہت نیچی تھی۔ تب ہی باہر سے بشارت صاحب کے زوردار قہقہے کی آواز سنائی دی وہ نانی کی کسی بات پر ہی ہنسے تھے۔

''سب سمجھتی ہوں۔ مجھے نیچا دکھا کر تمہارے باپ کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں ہے ورنہ مسعود تو سگا بھتیجا تھا۔ اسماء غریب آتی تھی تو یہ اس سے سیدھے منہ بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے اب جیسے خوشی سے کھلے جا رہے ہیں۔''

''مگر اب تو ابا اور پھوپھو کے تعلقات بہت اچھے ہو گئے ہیں امی۔'' بے ساختہ ہی اس نے انہیں یاد دلایا جس پر انہوں نے بہت ہی کھا جانے والی نگاہوں سے نازی کی طرف دیکھا۔

''ظاہر ہے اب جب وہ بات ہی ختم ہو گئی تو....''

اب بشارت صاحب کے بجائے خود ان کے تعلقات اسماء پھوپھو سے خراب ہو چکے تھے۔

''اور تم کیا سمجھ رہی ہو دیا میری وجہ سے ناخوش ہے؟ اس نے قبول ہی نہیں کیا دل سے اس رشتے کو صرف بشارت صاحب کی ڈکٹیٹر شپ کے آگے جھکی ہے۔''

نازی اس بار خاموش ہی رہی یہ ساری بحث کئی بار دن میں چھڑتی تھی اور نتیجہ لاحاصل۔اس وقت گھر میں مہمان تھے۔ بہتر تھا کہ سارا قصہ کسی اور وقت کیلئے اٹھا رکھا جاتا۔

"آپ کو ابا دو بار آواز دے چکے ہیں۔" اس نے ان کی توجہ دوسری طرف مبذول کرانا چاہی۔"جا رہی ہوں۔ سن لیا ہے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازے تک جا کر واپس پلٹ کر آئیں۔

نازی رولز اور کباب فرائی ہونے کیلئے رکھ چکی تھی اور کیبنٹس میں سے کوکیز جار نکال کر ابھی کچھ اور بھی برآمد کرنے کی فکر میں تھی۔

"اتنا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے سیدھے سیدھے چائے اور بسکٹ رکھ دو کافی ہے۔"

نازی نے بہت دکھ سے ان کی طرف دیکھا۔

اسے وہ وقت یاد تھا جب امی اسماء پھوپھو کی آمد پر پورا دن کچن میں کھڑے ہو کر دس طرح کے کھانے پکا کر بھی مطمئن نہیں ہوتی تھیں۔

تب اسے ان کی مہمان نوازی کی عادت پر بڑا فخر سا محسوس ہوتا تھا۔

مگر اب سمجھ میں آیا تھا کہ وہ مہمان نوازی نہیں تھی بلکہ مصلحت پسندی تھی اس وقت پھوپھو مسعود کی ماں تھیں جو پھوپھا کی بے حساب دولت کا حقدار بھی تھا اور ساتھ ساتھ خود اپنا نصیب چمکانے کیلئے امریکہ میں بیٹھا تھا۔

امی اسماء پھوپھو کی نہیں ان اعزازات کی خاطر تواضع کرتی تھیں جو ان کی ذات میں ٹنکے ہوئے تھے۔

نانی جیسی سادہ لوح اور معصوم فطرت خاتون کیلئے انہیں ایسا کوئی تکلف اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی۔

تب ہی پیچھے سے آہٹ پر اس نے اور امی دونوں ہی نے ایک ساتھ دیکھا۔کچن کے دروازے میں بشارت صاحب کھڑے تھے۔

"نازی بیٹا۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھے نازی کا کیا ہوا اہتمام ان کے سامنے تھے۔"ٹھیک ہے ابھی چائے کے ساتھ تو یہ لے آؤ پھر رات کے کھانے کیلئے مجھے بتا دینا کچھ چیزیں میں بازار سے لے آؤں گا اور جو آسانی سے بن سکے وہ تم بنا لینا۔"

انہوں نے دانستہ صرف نازی کو ہی مخاطب کیا جس کی تھوڑی دیر پہلے والی مایوسی ان کی بات سے ختم ہوئی تھی اور اب وہ بڑی خوشی خوشی "جی جی" کہے جا رہی تھی۔

"تم آ جاؤ نانی بے چاری اکیلی بیٹھی ہیں ہمیں ان کے پاس بیٹھنا چاہئے یہاں نازی دیکھ لے گی۔" امی کو بھی انہوں نے بڑے نرم لہجے میں ہدایت کی۔"اور دیا کو بھی بلا لو تمہارا ہاتھ بٹائے۔" دروازے سے نکلتے نکلتے انہوں نے ایک اور ہدایت جاری کی۔

امی کو وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے سو اب وہ بہت آسانی اور تیزی کے ساتھ کام کو نمٹا سکتی تھی اور اس نے ایسا ہی کیا۔

دیا سے مدد تو کیا لینی تھی البتہ تھوڑی سی خوشامد اور تھوڑا سا بشارت صاحب کا ڈر کام دکھا گیا۔

وہ کچھ دیر کیلئے نانی کے پاس آ کر بیٹھ ہی گئی کمرے سے نکل کر یہاں تک آنے میں ہی اس نے اتنی دیر لگا دی تھی کہ پچھلے برآمدے میں شام کی چائے پی لی گئی تھی۔

"تم بھی کچھ کھا پی لو بیٹی دیکھو کتنی کمزور ہو رہی ہو۔"

نانی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سائیڈ میں رکھی ٹرالی میں سے کھانے پینے کی اشیاء نکال کر اپنے ہاتھوں سے دیا کو کھلا دیں ' مگر اس نے ان کے بے حد اصرار پر بھی چائے کے ایک کپ پر ہی اکتفا کیا۔

وہ بے چاری کچھ مایوس سی ہو گئیں۔

"میری تینوں بیٹیوں میں سے کوئی بھی موٹی نہیں ہے وجہ یہی ہے کہ وقت بے وقت کھانے کی عادی نہیں ہیں یہ لوگ۔" امی نے ان کو مزید اصرار سے باز رکھنے کیلئے کہا۔

نازی نے تو چپکے چپکے کئی بار دیا کو اشارہ کیا اور وہ ان کا دل رکھنے کیلئے ہی سہی کچھ کھا لے ' مگر دیا جان بوجھ کر انجان بنی رہی۔

رات کے کھانے پر عمر کو بھی آجانا تھا سو وہ تیاری کرنے کیلئے تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد کچن میں آ گئی۔ امی کی خوش سلیقگی کی وجہ سے گھر میں کھانے کیلئے اچھا خاصا انتظام رہتا تھا۔

پلاؤ کیلئے یخنی ' کباب اور سٹیم کر کے رکھا ہوا مصالحہ لگا چکن۔ بشارت صاحب جا کر فش فرائی لے آئے۔ حالانکہ انہیں بازار کے کھانے پسند نہیں آتے تھے۔

اور پسند سے زیادہ وہ جا کر لانے کے مخالف تھے ' مگر آج سمیع غیر حاضر تھا۔ کسی کام سے وہ آج حیدر آباد گیا ہوا تھا اور واپسی رات تک متوقع تھی سو اسے کے حصے کا کام آج انہوں نے بڑی ہی ذمہ داری کے ساتھ کیا تھا دیا کی منگنی کے بعد سے وہ بڑے بدلے سے لگتے تھے اور بڑے خوش اور مطمئن بھی۔ جب وہ بازار گئے ہوئے تھے تو امی کو اکیلے ہی نانی کے پاس بیٹھنا پڑا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:

دیا کو وہ پہلے ہی اشارے سے اٹھا چکی تھیں اور خود جتنی سرد مہری کا مظاہرہ کر سکتی تھیں کرتی رہیں۔ نانی اپنی دھن میں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں اور پھر جب احساس ہوا تو خاموش سی ہو کر بیٹھ رہیں۔

نازی نے باہر چھائی خاموشی کو نوٹ کیا تو کچن کے دروازے سے سر نکال کر ذرا سا جھانکا نانی تخت پر گاؤ تکیے سے لگی اب نیم دراز تھیں اور امی ایسی الغرض بیٹھی تھیں ' جیسے وہ نانی کی سمدھن کے بجائے کوئی ناراض پڑوسن ہوں۔

کام کے بیچ میں سب چھوڑ کر جانا بھی مشکل تھا نہ چاہتے ہوئے بھی اسے وہیں رکے رہنا تھا تھوڑی ہی دیر میں اس نے سنا امی کہہ رہی تھیں "دیا کو میں نے بہت لاڈ پیار سے پالا ہے اپنی ساری اولاد میں مجھے وہ سب سے زیادہ عزیز ہے کوئی ہلکی سی بھی ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی وہ ہے بھی اتنی نازک اندام کہ ذرا سی بھی بے احتیاطی اسے تو سچ مچ بیمار کر ڈال دیتی ہے۔"

ایسا لگ رہا تھا کہ وہ نانی کو آگاہ نہیں بلکہ تنبیہ کر رہی ہیں۔ "اس کیلئے تو میں نے ہمیشہ یہی دعا کی ہے کہ اسے ہمیشہ ایسی ہی آرام دہ زندگی ملے جس میں اسے چھوٹے چھوٹے کاموں کے پیچھے جان نہ کھپانی پڑے وہ تو بس راج کرنے کیلئے ہی پیدا ہوئی ہے۔"

نازی کا اپنا سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔

معلوم نہیں امی کو کیا ہوتا جا رہا تھا کبھی کبھی تو وہ اس قسم کی گفتگو فرماتی تھیں کہ وہ در حقیقت چکرا کر رہ جاتی تھی۔

اس وقت بھی کچھ ایسی ہی صورتحال تھی ' امی شاید ابھی کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں ' مگر نانی کو ان کی چند باتوں کی تصحیح کرنا منظور تھی۔

"لڑکیوں کی خوبصورتی ان کے ہنر سے ہوتی ہے۔ بہت دل اور جان پر جبر کرتی ہیں تب کہیں جا کر ایک گھر بنا پاتی ہیں اور ایک کنبے کی پرورش کرتی ہیں۔ پوری ایک نسل کی تربیت اس کی ذمہ داری ہوتی ہے ' اگر وہ خود ہی..."

نانی اس گھسے پٹے ''سکول آف تھاٹ'' سے تعلق رکھتی تھیں جس کا ابھی بھی یہی یقین تھا کہ اگر عورت میں سلیقہ نہیں تو وہ عورت کہلانے کے لائق ہی نہیں ہے۔

''یہ سب پرانی باتیں ہیں ہم نے بہت جان کھپائی ہے' مگر کیا حاصل ہوا۔''

امی کی ہنر مندی اور ان تھک محنت میں کوئی شک نہیں تھا ساری زندگی انہوں نے بڑے طریقے' سلیقے سے گزاری تھی' مگر اب وہ خود اپنی خوبیوں سے نالاں ہوتی جارہی تھیں اور کبھی بھولے سے بھی یہ بات منہ سے نہیں نکالتی تھیں کہ ان کی بیٹیوں کو بھی ان جیسا ہی نظر آنا چاہئے۔

نانی کو ان کی بہت سی باتیں کھل جاتی تھیں' مگر مصلحتاً نظر انداز کر جاتی تھیں پر اس وقت انہیں سب سے برا امی کا ناشکرا پن لگا چھوٹی چھوٹی باتوں کا رونا روتے رہنا انہیں سخت ناپسند تھا۔

اپنی زندگی میں اتنے بڑے دکھ دیکھ کر بھی انہوں نے صبر و شکر کو ہاتھ سے نہ جانے دیا تھا' نازی باہر آئی تو ماحول پر پھر سے خاموشی چھا چکی تھی۔

نانی بالکل چپ بیٹھی تھیں شاید انہیں کوئی بات زیادہ بری لگ گئی تھی' ماحول پر عجیب سا کھنچاؤ محسوس ہو رہا تھا جیسے دور کرنے کی امی بھی کوئی کوشش نہیں کر رہی تھیں خود اسے ہی ادھر ادھر کی باتیں کر کے ماحول کو بہتر کرنے کی کوشش کرنی پڑی۔

فرح کی خیریت پوچھی اس کے ساتھ نہ لانے کا گلہ کیا وغیرہ وغیرہ۔

نانی پھر سے خوش ہو گئیں۔

کھانے کا وقت ہونے تک عمر بھی آ گیا۔

بشارت صاحب کی خوشی دیکھنے والی تھی۔ بہت محبت سے گلے مل کر وہ اسے بڑے ہال میں لے کر چلے گئے دیا معلوم نہیں کہاں تھی۔

عمر کی نگاہیں اس بڑے سے کھلے کھلے گھر میں بار بار اسے ہی ڈھونڈتی رہیں' مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

یہاں تک آنے کے بعد بھی یہ مایوسی' ذرا زیادہ تکلیف دہ تھی۔

''کیا خبر وہ جان بوجھ کر ہی اس کا سامنا نہ کرنا چاہتی ہو۔'' فرح کے بخشے ہوئے شکوک و شبہات بھی ساتھ تھے اور اپنی بے یقینی بھی' مگر یہ منزل وہ محض اپنے جذبہ کے بل بوتے پر کرنے کی ٹھانے ہوئے تھا اسے پکا پکا یقین تھا کہ دیا کو ایک نہ ایک دن ہتھیار پھینکنے ہی پڑیں گے۔

نازی ہال کے ایک طرف کھانے کی میز پر پلیٹیں لگانا شروع کر چکی تھی تب ہی اس نے بشارت صاحب کو اسے پکارتے ہوئے سنا۔

''دیا کہاں ہے اسے بلاؤ کیا کر رہی ہے آخر۔'' بشارت صاحب کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری تھی جو اس وقت عمر کو تو بہت اچھی لگی۔

''دیا کچن میں ہے ابا ذرا کام میں مصروف ہے۔'' نازی جلدی سے کہہ کر واپس پلٹ گئی۔

پتا نہیں کیوں عمر کو ایسا لگا جیسے وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ بہر حال تھوڑی دیر بعد جب کھانا شروع کرنے کیلئے سب بیٹھ چکے تھے وہ آ ہی گئی۔

پنک کلر کے سادہ سے پرنٹڈ سوٹ میں وہ گھر کے روزمرہ کی حلیے میں تھی اور عمر کو اتنی ہی حسین لگ رہی تھی جتنی کہ فیضی کے نکاح والے دن یا شاید اس سے بھی زیادہ۔

"تم کہاں تھیں اتنی دیر سے؟" بشارت صاحب نے اس کے حصے کا سوال خود ہی پوچھ لیا تو اس نے نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

عمران کے بالکل ساتھ بیٹھا تھا اور ٹھیک اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں اپنے کمرے میں تھی ابا۔" عمر سے فوراً نگاہیں چرا کر وہ ہلکے سے بولی۔

تو اس کے خیال کی خود بخود تصدیق ہو گئی۔ کھانے کی میز پر وہ اس کے سامنے ہی بیٹھی تھی اور بار بار اس کی طرف دیکھتے رہنے سے وہ خود کو کوشش کے باوجود باز نہیں رکھ پا رہا تھا۔

دیا نے ایک دو بار اس کی چوری پکڑی تو وہ بڑی دل کشی سے مسکرایا تھا۔

پھر شاید اسی مسکراہٹ سے بچے رہنے کیلئے ہی اس نے خود کو اپنی پلیٹ پر ہی جھکائے رکھا یا پھر نانی کی کسی نہ کسی بات کا اسے جواب دینا پڑتا تو ان کی طرف متوجہ ہو جاتی۔

بشارت صاحب کو پتہ تھا کہ عمر بابا کی کمپنی میں جاب کرتا ہے' مگر وہ کبھی بھی اس بارے میں زیادہ سوال جواب نہیں کرتے تھے ان کے نزدیک یہ نوکری بالکل ایسی ہی تھی جیسی کسی بھی لڑکے کی جاب ہو سکتی ہے۔

نینی کی ان سے رشتے داری کا کوئی ذکر تک وہ اپنے لبوں پر نہیں لاتے تھے بلکہ عمر نے تو ان کے منہ سے فیضی کا نام بھی شاید ایک آدھ بار ہی سنا تھا شاید وہ مکمل طور پر بھلا چکے تھے کہ ان لوگوں سے ان کی کوئی قریبی رشتے دار بن چکی ہے یا کم از کم وہ پوز تو ایسا ہی کرتے تھے۔

عمر کو حالات کا اچھی طرح اندازہ تھا سو نانی کو بھی سمجھا رکھا کہ نینی فیضی یا بابا صاحب کے خاندان کے بارے میں کوئی ذکر نہ ہی کریں۔ وہ بھی یہ بات یاد رکھتی تھیں۔

مگر امی اس بات کو ہی بطور خاص یاد رکھتی تھیں اور اس بات کو جتائے بغیر نہیں رہتی تھیں کہ عمر فیضی کے دادا کے ہاں ملازمت کرتا ہے۔

"اور جہاں عمر جیسے کتنے ہی لوگ ملازمت کر رہے ہوں گے۔"

یہ سوچ کر بھی ان کے دل میں ہوک سی اٹھتی تھی دونوں بہنوں کی قسمت میں کتنا فرق لاکھ ابھی فیضی سے ان کی ناراضگی سہی آخر کو ہے تو وہ اس خاندان کا وارث ایک نہ ایک دن ہر شے اسی کی ملکیت ہو جانی ہے۔

ان کی سوچ یہیں تک آ کر رکی ہوئی تھی۔

عمر کو وہ دانستہ نظر انداز کئے رکھتی تھی ایک خاص طرح کی چڑ تھی' جو انہیں اس سے شروع دن سے ہو چکی تھی۔ اول تو وہ اسے مخاطب ہی کم کیا کرتی تھیں اور جو کرنا پڑتا تب بھی لہجہ طنزیہ ہی رہتا۔

اس کی بار بار دیا کی طرف اٹھتی نگاہ سے انہیں سخت کوفت ہو رہی تھی۔

"عمر تمہیں آج اتوار کو بھی کام پر جانا ہوتا ہے۔" انہوں نے لفظ "کام" پر خصوصی طور پر زور دیا۔

"جی۔" عمر سے وہ اتنا کم مخاطب ہوئی تھیں کہ اسے تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی' مگر اس کی حاضر دماغی اس کے ہمیشہ ہی کام آتی تھی اس وقت بھی وہ اپنی حیرت کو بخوبی چھپا گیا۔

"نہیں' اتوار کو تو ہمارا آفس بند ہوتا ہے مجھے تو سجاد بھائی نے بلوایا تھا گھر پر۔"

یہاں سجاد کا نام بھی اتنا ہی اجنبی تھا جتنا کہ باقی سارا گھرانہ' پھر بھی ناموں کے ذریعہ جو ہلکی سی شناسائی تھی اس کی بناء پر یہ ضرور خبر تھی کہ سجاد فیضی کے چچا کا نام ہے۔

"تم فیضان کے چچا کے پاس کام کرتے ہو نا۔"

اس بار بھی ان کا لہجہ جتاتا ہوا سا تھا۔ بشارت صاحب نے ایک پر سوچ سی نگاہ ان پر ڈالی۔

جو کچھ بھی وہ کہنا چاہ رہی تھیں وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے اور غالباً نازی بھی۔

مگر عمر کو ایسا کوئی کمپلیکس نہیں تھا' سجاد بابا اس کیلئے اتنے اپنے تھے کہ وہ فرم اسے اپنی ذاتی محسوس ہوتی تھی' سو بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"ارے نئی آنٹی سجاد بھائی ہمارے ہاں نہیں ہوتے وہ تو بے چارے مجبوراً یہاں آئے ہیں۔ بابا کی طبیعت ہی اتنی زیادہ خراب رہی ہے کہ اب ہم نہیں چاہتے کہ ان پر کام کا پھر سے بوجھ پڑ جائے۔"

اس کے "ہم" میں بڑا استحقاق تھا اور در حقیقت اس کی شخصیت کی دل کشی میں سب سے نمایاں چیز اس کا اعتماد ہی تھا۔

بہر حال امی کو اس کا یہ مالکانہ انداز بالکل بھی نہ بھایا۔

"خدا سلامت رکھے فیضان کو۔" انہوں نے دل ہی دل میں نینی کی خوشیوں کیلئے دعا کی۔ بابا کی بیماری کی اطلاع ظاہر ہے یہاں نہیں تھی سو وہ تھوڑی سی تفصیل جانے بناء نہیں رہ سکیں۔ "کیا ہوا تھا انہیں زیادہ بیمار تھے کیا؟"

عمر کو ان کی لاعلمی پر حیرت نہیں ہوئی اسے پتہ تھا کہ وہاں سے کسی نے فیضی کو اطلاع نہیں دی ہو گی اور اگر بلقیس بھابی نے کسی طرح دی بھی ہو گی تو فیضی میں اتنی جرأت ہی نہیں ہوئی ہو گی کہ وہ بابا کی عیادت کیلئے جا سکا ہو گا۔

امی کی تسلی کیلئے اس نے تھوڑی سی تفصیل سنا دی عادت سے مجبور ہو کر نانی نے بھی دو چار بار لقمہ دیا کہ "کس طرح بابا موت کے منہ سے نکلے ہیں۔"

بشارت صاحب کو اس خاندان کا ذکر تک ناپسند تھا' مگر نانی اور عمر کا لحاظ کر کے خاموش رہے دوسرے بات بھی دکھ بیماری کی تھی۔

امی کو غلط فہمی سی ہوئی کہ شاید وہ کچھ دلچسپی لے رہے ہیں۔

"ہمیں خبر نہیں ہوئی ورنہ ہم ضرور ان کی عیادت کو جاتے تم نے بھی ذکر تک نہیں کیا۔"

وہ روکھائی سے شکایت کرنے لگیں' تب ہی بشارت صاحب نے بیچ میں سے بات کاٹی۔

"ہمارا ان سے کوئی تعلق کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ وہ بیمار ہیں خدا انہیں صحت دے لیکن ہمارا ان کا کوئی ایسا تعلق نہیں بنتا جو ہم ان کے ہاں اس طرح کا وزٹ کرنے کے بارے میں سوچ بھی سکیں۔"

اس صاف اور قطعی جواب پر ایک منٹ کیلئے تو سناٹا ہی چھا گیا۔

امی کے سیلف کانفیڈنس کو خاصا دھچکہ لگا تھا' مگر وہ پھر بھی سنبھلنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ "تعلق کیوں نہیں نینی ان کی بہو ہے سب سے گہرا رشتہ ہے اس کا۔"

"تو پھر پہلے وہ اس بہو کو تو قبول کر لیں اس کے بعد ہماری ان کی رشتے داری بھی طے ہو جائے گی۔"

بشارت صاحب نے اتنی دیر میں پہلی بار بے حد سرد لہجہ اختیار کیا۔ "اور عمر ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ تمہارا ان لوگوں سے کیا ریلیشن شپ ہے اور نہ ہی ہم کل بھی تمہارے اور انکے بیچ کوئی دخل دیں گے۔ ہمارے لئے وہ رشتہ سب سے اہم ہے جو ہمارا تم سے بن رہا ہے اور یہ انشاءاللہ دونوں خاندانوں کیلئے انتہائی مبارک ثابت ہو گا۔"

''آمین۔'' ان کے رکتے ہی نانی نے بہت زور سے کہا امی کی باتوں سے جو تھوڑی سی کبیدگی انہیں ہوئی تھی وہ بالکل ہی ختم ہو چکی تھی' تب ہی دیا کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ عمر نے بہت ملتجی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور وہی لمحہ تھا جب نہ جانے کیسے اس نے بھی عمر کی طرف دیکھا۔

وہ ایک پل اور بس۔ دوسرے لمحے اس خاموش التجا کو ٹھکرا کر اس نے جانے کیلئے قدم بڑھا دیا تھا' شاید نانی نے بھی اسے رکنے کا کہا تھا جن کے جواب میں وہ حسب عادت ہلکے سے ان سے کچھ کہہ کر باہر چلی گئی۔

عمر چند لمحوں کیلئے تو بالکل چپ چاپ ہی سارہ گیا آج وہ کتنا خوش تھا۔ بشارت صاحب نے جس وقت اسے کھانے پر آنے کیلئے فون کیا تھا اس نے محض کچھ ٹائم دیا کے ساتھ گزر جانے کی امید میں ہی سجاد کے کئی کاموں کو ملتوی کیا تھا۔

کتنے دن بعد آج ایک ایسا موقع آیا تھا۔

وہ خاموش سی نگاہوں سے اس کرسی کو دیکھے گیا جو اب خالی تھی۔

اور صرف کرسی ہی نہیں خالی پن کا احساس تو اسے چاروں طرف ہی پھیلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''کیا واقعی دیا کو اس سے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں ہے۔'' بات تکلیف دہ تھی' مگر بار بار احساس یہی ہوتا تھا۔

میز پر بشارت صاحب اور نازی پوری طرح سے اس کی آؤ بھگت میں مصروف تھے' مگر عمر کی دلچسپی جیسے اب کسی بھی چیز میں نہیں رہی تھی۔ محض ان لوگوں کا دل رکھنے کیلئے اس نے ایک آدھ چیز مزید لی اور بظاہر مسکراتا بھی رہا' مگر درحقیقت اسے دیا کے روّیے سے بہت تکلیف پہنچی تھی۔

کھانے کے بعد جب چائے کا دور چل رہا تھا تب بشارت صاحب کو ایک فون سننے کیلئے اٹھ کر جانا پڑا۔ ہال کے اس کونے میں اب صرف وہ اور نازی بیٹھے رہ گئے تھے۔

''آپ کی بہن گھر آنے والے مہمانوں کو اتنی ہی لفٹ دیتی ہیں؟'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نازی سے پوچھ ہی لیا۔ ''نہیں وہ اصل میں ہے ہی خاموش طبیعت پھر آپ سے تو شرماتی بھی ہے۔'' نازی نے بہت سلیقے سے بہن کی صفائی پیش کرنا چاہی۔

عمر کو اس کی آنکھیں یاد آئیں' جہاں اس نے بے زاری کی واضح جھلک دیکھی تھی وہاں اسے اپنے مابین بندھے خوبصورت رشتے کے حوالے سے کسی بھی خوشگوار احساس کا تاثر نہیں ملا تھا' مگر سامنے بیٹھی نازی کی بات کی تردید کرنے کو اس کا دل نہ چاہا۔

''آپ خیال مت کیجئے گا۔ دیا شروع سے ہی ذرا الگ تھلگ رہنے کی عادی ہے اور کوئی بات نہیں اور آہستہ آہستہ دیکھئے گا بالکل بدل جائے گی۔'' عمر کی دل شکنی کا خیال کر کے شاید وہ اسے تسلی دینا چاہ رہی تھی۔

عمر کو تو ایسا ہی لگ رہا تھا اتنے دنوں میں وہی تھی جو بشارت صاحب کے ساتھ انکے گھر آتی تھی اور یہاں جب بھی وہ لوگ آتے تب بھی سارا وقت بھرپور کمپنی دینے کی کوشش کرتی' مخلص' خوش مزاج' سادہ دل۔

عمر نے اس کو ایسا ہی جانا تھا۔

اس کی صاف شفاف آنکھوں میں سے جیسے اس کا خوبصورت دل جھانکتا تھا ''اور محض اپنی دل لگی کی خاطر اسے بے چاری نازی کو شرمندہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

خود کو تنبیہ کرتے ہوئے اس نے خود کو تھوڑا ہشاش بشاش ظاہر کرنا چاہا۔

''اور وہ ہماری سلمیٰ آپا کے کیا حال ہیں آپ کے تو سر پر سوار رہتی ہوں گی سارا دن۔''

''جی ہاں۔'' نازی ہنسنے لگی۔

''سسرالی رشتے داری جو ہو گئی ہے اب ان سے ہماری' لڑکے والی ہیں آخر۔''

عمر اور نازی دونوں ہی کی ملی جلی ہنسی ہال میں گونجی تھی تھوڑے فاصلے پر نانی کے ساتھ مجبوراً بیٹھی امی نے کچھ چونک کر اس طرف دیکھا۔ معلوم نہیں کیوں انہیں کچھ عجیب سا لگا۔

...☆☆☆...

ثانیہ اس روز جوبینا کے گھر سے واپس آئی تو پھر ہفتہ بھر گزر جانے کے بعد بھی اس کی وہاں جانے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

وحید سے ٹکراؤ ہونے کا سوچ کر ہی گھبراہٹ ہوتی تھی وہ اپنی طرز کے واحد شخص تھے جس سے اس کا واسطہ پڑا تھا۔

وہ در حقیقت ان سے خوفزدہ ہوئی تھی سوچ کر بھی بڑا عجیب سا لگتا تھا کہ وہ آفتاب کے سگے بڑے بھائی ہیں اور پھر وہ ان کی نیک فطرت سی بیوی۔

اسے فرحت یاد آئیں۔

اتنے اچھے لوگوں کے درمیان میں وحید کا وجود کسی بہت بھدے پیوند کی طرح محسوس ہوتا تھا۔اماں نے چند دن تو خیال نہیں کیا' مگر جب وہ اکثر انہیں رات گئے تک کتابوں پر جھکی دکھائی دینے لگی تو وہ پوچھ ہی بیٹھیں۔

''آج کل پڑھنے کیوں نہیں جارہی ہو بینا کے پاس اب تو امتحان قریب ہیں تمہارے۔''

''اب تیاری تو مجھ خود ہی کرنی ہے اماں' بینا باجی نے تقریباً سارا ہی پڑھا دیا ہے۔'' وہ کتاب سے نگاہ ہٹائے بغیر سرسری سے انداز میں انہیں مطمئن کر گئی۔

''اچھا۔''

اماں عادتاً کسی بات کی کرید میں نہیں پڑتی تھیں مگر بینا انہیں اچھی لگتی تھی ایک آدھ بار اس کے گھر جا کر وہ اس کی اور بھی مداح ہو گئی تھیں۔

''ویسے ہی چلی جایا کرو قریب ہی تو ہے گھر میرا تو خود دل چاہ رہا تھا بینا سے ملنے کیلئے۔''

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ یقیناً کہتی کہ ''کل ہی چلئے گا۔'' پر اس وقت خاموشی سے کتاب پر نگاہیں جمائے رہی۔

برآمدے میں وہ اور اماں اکیلی ہی تھیں۔ گو ابھی رات ایسی زیادہ نہیں ہوئی تھی گیارہ ہی بجے تھے مگر آج کل گھر میں جلدی سناٹا چھا جاتا تھا لبنیٰ کے کمرے میں نیا اسپلٹ لگا تھا جس کی خوشی میں ممانی اور لبنیٰ کھانا کھاتے ہی کمرہ بند ہو جاتی تھیں اور اس کے بعد باہر نکلنے سے پرہیز ہی رکھتی تھیں۔

کمرہ خاصا بڑا تھا۔ جمیل ماموں نے کہا بھی کہ اماں اور ثانیہ بھی وہاں آرام سے لیٹ سکتی ہیں' مگر ان لوگوں نے فوراً سے پیشتر ہی منع کر دیا۔ کیا فائدہ تھا بعد میں ممانی اور لبنیٰ کو بھی منع ہی کر دینا تھا۔

''منٹ منٹ پر لائٹ جاتی ہے بند کمرے میں تو اور بھی گھبراہٹ ہوتی ہے' ہمارے لئے یہی جگہ ٹھیک ہے۔'' اماں نے بڑی قطعیت سے کہا تھا۔

ممانی اور لبنیٰ کو تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔

جمیل ماموں ابھی ذرا دیر پہلے ہی اٹھ کر باہر گئے تھے۔ چند پرانے محلے دار تھے جن کے ساتھ اکثر ہی رات گئے کی بیٹھک ہوا کرتی تھی ایک آدھ دن چھوڑ کر وہ بھی وہیں جا بیٹھتے تھے۔ ثانیہ کو یہ وقت بڑا غنیمت لگتا تھا۔

''اماں کسی کام والی کا بندوبست ہوا؟'' اسے یاد آیا تو پوچھنے لگی کئی دن سے وہ انہیں کہہ رہی تھیں کہ صفائی اور برتن دھونے پر کسی کو رکھ لیں اور اس کی تنخواہ اپنے پس دے دیا کریں۔ ایک یہی طریقہ تھا جس سے وہ انہیں ممانی کی بخشی ہوئی مشقت سے نجات دلا سکتی تھی۔

''میں کس سے کہوں لے دے کر ایک ابرار صاحب کی بیوی ہیں ان ہی سے کہا تھا۔ دو تین کام والیاں انہوں نے بھیجی بھی، مگر تمہاری ممانی کو پسند نہیں آئیں۔''

''انہیں پسند کروانے کی کیا ضرورت تھی آپ کو؟ کوئی رشتہ تھوڑی طے ہو رہا تھا بات کر کے رکھ لینی چاہئے تھی، تکلیف بھی آپ اٹھا رہی ہیں ممانی نہیں۔''

غصے سے اس کی آواز ایک دم اونچی ہو گئی۔ گو بند کمرے میں اندر آواز جانا ممکن نہیں تھا۔ جبکہ اندر ٹی وی بھی پوری آواز سے چل رہا ہو، پھر بھی اماں گھبرا گئیں۔

''گھر ان کا ہے میں کون ہوتی ہوں اپنی مرضی سے ملازمہ رکھنے والی، ظاہر ہے ان کی مرضی ہو گی تب ہی کسی کو رکھا جائے گا۔''

''ان کی مرضی تو قیامت تک نہیں ہو گی۔'' ثانیہ نے کتاب بند کرتے ہوئے بے زاری سے کہا۔

''سارے کام ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر انجام پا ہی جاتے ہیں، پھر کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے انہیں تو دو سال سے میں اور آپ ملے ہوئے ہی ہیں خدمت کروانے کیلئے، وہ بھی کل وقتی۔''

''گھر کا کام عورتیں ہی کرتی ہیں میں بھی سارا دن خالی بیٹھے بیٹھے کیا کروں تھوڑا بہت اٹھ کر کام دیکھ لیتی ہوں تو کیا برائی ہے اس میں۔'' اس بار ثانیہ خاموش رہی۔

اسے پتہ تھا کہ اماں کو ممانی کی برائی منظور نہیں ہوتی تھی وہ لاکھ سر پیٹ کر مر بھی جائے مگر وہ انہیں کچھ کہنے سے عموماً گریز ہی کرتی تھیں، تاوقتیکہ کی بات کی زد میں ثانیہ آتی ہو بس وہ مقام ان کیلئے کٹھن ہو جاتا تھا۔

اماں سے اس معاملے میں مزید کچھ کہنے سننے کے بجائے اس نے خود عملی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور اگلے ہی دن آفس سے واپسی پر خود دو گھر چھوڑ کر ابرار صاحب کی بیوی سے بات کر آئی۔

ماسی نوراں صبح ہی آ پہنچی۔

ابھی سوا آٹھ ہی بجے تھے ثانیہ کی آفس والی گاڑی ساڑھے آٹھ بجے تک آتی تھی۔ وہ خود اسے جلدی کا کہہ کر آئی تھی تاکہ یہ بات اس کے سامنے ہی سیٹ ہو جائے۔

جمیل ماموں ناشتہ کر رہے تھے اور ممانی بڑبڑاتے ہوئے اچھے بھلے صاف برتن بھی سنک میں ڈھیر کر رہی تھیں۔ پچھلی رات ان کے بار بار کہنے کے باوجود بھی ثانیہ نے نہ خود برتن دھوئے تھے اور نہ ہی اماں کو دھونے دیئے تھے۔

ممانی رات تو جلد ہی کمرہ بند ہو گئی تھیں، مگر صبح سے حکم عدولی پر چراغ پا تھیں۔

''رات بھر کچن میں گندے برتن پڑے رہیں تو رزق میں برکت نہیں رہتی، مجھے کیا پتہ تھا ورنہ خود دھو کر رکھ دیتی۔''

اماں ناشتہ بنانے کیلئے کھڑی تھیں تب وہ ان سے بہت خفگی کے ساتھ مخاطب تھیں۔ اب وہ ادھر ادھر رکھ کر بات نہیں کیا کرتی تھیں، غصہ، الزام تراشی، جو کچھ بھی کہنا ہوتا صاف صاف کہا کرتیں۔

''بس وہ خیال نہیں رہا۔ اصل میں...۔''

اماں سے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں گیا تھا سو بہانہ بناتے ہوئے بھی زبان لڑکھڑا گئی یہ کہنا بھی آسان نہیں تھا کہ ثانیہ نے انہیں برتن دھونے ہی نہیں دیئے۔

''اب یہ اتنا ڈھیر جمع ہوا ہے کب دھلے گا' کب صفائی ہو گی' جان چھڑانے کا اچھا طریقہ ڈھونڈ ہی لیا ہے کہ سویرے ہی تیار ہو کر سیر سپاٹے کیلئے چل پڑو احسان الگ کہ جی نوکری کرتے ہیں۔''

یہ باتیں ازبر ہو چکی تھیں' مگر دل پر ہر بار ہی اتنی ہی گہری چوٹ پڑتی تھی۔

اماں بالکل خاموش ہوئی پراٹھے کو سینکنے گئیں۔تب ہی وہ کچن کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔''یہ ماسی نوراں ہیں برتن اور صفائی کریں گی آج سے۔'' اس نے انہیں صرف اطلاع دی تھی جو انہوں نے سنی اور ثانیہ کے عقب میں کھڑی ماسی نوراں کو بھی دیکھا۔

یہ عورت پہلے بھی ابرار صاحب کی بیوی نے بھیجی تھی درمیانہ عمر کی صاف ستھری عورت تھی اور اپنے انداز سے ہی بہت چاق و چوبند محسوس ہوتی تھی۔

ممانی نے اسے پہلی نظر میں ہی ناپسند کر دیا تھا' مگر آج پھر وہ ان کے گھر میں نظر آ رہی تھی۔انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اسے کس نے بلوایا ہے۔

''تمہیں پتہ نہیں کہ میں نے منع کر دیا تھا' پھر کیوں لے کر آئی ہو؟'' وہ بری طرح تلملائیں۔

ان کے اختیارات پر بڑی کاری ضرب پڑی تھی۔

''اس لئے کہ میرے پاس اب وقت نہیں ہوتا ہے اور اماں سے اتنی دیر کھڑا نہیں ہوا جا سکتا ہے۔''

ان کی اونچی آواز سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر اس نے بہت اطمینان سے انہیں جواب دیا۔

ممانی کو پہلی بار اس کے چہرے پر بے خوفی دکھائی دی جو انہیں خود کو حیرت زدہ کر گئی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا' تم اور تمہاری اماں ہی کے سر پر ہیں گھر کے سارے کام' تھوڑا سا ہاتھ بٹا لینے کا مطلب یہ تو نہیں کہ...''

چاہنے کے باوجود بھی وہ اس بار نہیں چلا سکیں۔

''آئو ماسی نوراں برتن دھو لو۔'' ایک طرف ہٹتے ہوئے اس نے ماسی نوراں کو جگہ دی جس کیلئے یہ سین کچھ ایسا غیر متوقع بھی نہیں تھا ایک بار آ کر لوٹائی جا چکی تھی اور ممانی کی طبیعت انداز ہ بھی کر چکی تھی اس بار ثانیہ کے کہنے پر ابرار صاحب کی بیوی نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔

باہر میز پر ماموں ناشتہ کر رہے تھے ممانی کو ان کے پکارنے پر کچن سے نکل کر آنا پڑا۔

''دیکھی ثانیہ کی حرکت کیسی خود سری عود آئی ہے' ارے میرا گھر میری مرضی' میں ملازمہ رکھوں یا نہ رکھوں ہوتی کون ہے یہ۔''

وہ ماموں کے سر پر جا سوار ہوئیں' مگر وہ اسی اطمینان سے ناشتہ کئے گئے اور جب وہ رکیں تو اس اطمینان سے بولے۔
''میں نے کہا تھا ثانیہ سے اور تمہیں کس بات پر اعتراض ہے آخر۔''

سارا الزام اپنے سر لے کر انہوں نے ثانیہ کو بری الذمہ کر دیا۔اصولاً بحث کو یہیں تمام ہونا چاہیئے تھا مگر وہ ڈھٹائی پر اتر آئیں۔

''بس ہے اعتراض، نہیں رکھنا مجھے، میری مرضی۔''

''ٹھیک ہے تم اپنے حصے کے برتن خود دھو لیا کرنا اور اپنے کمرے کی صفائی بھی خود ہی کر لینا۔''

ثانیہ نے کچن سے باہر آتے ہوئے یہ بحث سنی اور ہلکے سے مسکرا دی۔

ماحول پر چھایا ہوا بوجھل پن ماموں کے دم سے ہی کچھ دیر کیلئے ہلکا پڑتا تھا، ماسی نوراں کو لانے کی ہمت وہ ان ہی کے بھروسہ پر کر گئی تھی۔

صبح کو وہ گیارہ بجے سے پہلے گھر سے نہیں نکلتے تھے، ماسی نوراں کو اسی لئے انہوں نے صبح کا ٹائم دلوایا تھا تا کہ ممانی کے اعتراضات کو وہ خود سنبھال سکیں۔

اماں واپس آکر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ چکی تھیں۔

انہیں ثانیہ کی جسارت اچھی نہیں لگی تھی، مگر اس بار وہ ان کی نہیں سن رہی تھی۔ باہر اس کی گاڑی کا ہارن سنائی دے رہا تھا۔

''خدا حافظ۔'' کہتے ہوئے اس نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر باہر کا رخ کیا۔

اماں حسب عادت دروازے تک ساتھ آئیں۔

''آپ آرام سے بیٹھئے گا پیروں کی ورم بڑھتی جا رہی ہے اور خدا کے واسطے بھوکی مت رہیے گا، کھانے میں دیر سویر ہو تو کچھ اور ضرور کھا لیجئے گا۔'' وہ دروازے تک انہیں ہدایتیں دیئے گئی۔

ممانی کے روّیے کے پیش نظر اب اس نے پابندی سے بریڈ، بسکٹس اور بٹر جیم وغیرہ لا کر رکھنا شروع کر دیئے تھے۔

ممانی کی گراوٹ کی یہ انتہا اماں کے کہنے پر اس نے ماموں کو نہیں بتائی تھی، بات تھی بھی اتنی گری ہوئی کہ خود اس کا بھی دل نہ چاہا۔

آج آفس میں وہ پہلے کے مقابلے میں بڑی پر سکون رہی، گھر میں اماں کی مستقل بے آرامی کا جو احساس اسے خود اپنے آپ سے بھی شرمندہ کئے رکھتا تھا اس میں بڑی حد تک کمی آئی تھی۔ فرح نے خوش خبری سنی تو وہ بھی بے حد مطمئن ہو گئی۔

''یہ کام تو بہت پہلے کر لینا چاہئے تھا، اماں کی صحت اس قابل نہیں ہے کہ وہ جھاڑو پونچے جیسے کام کر سکیں۔''

ثانیہ کو سامنے سے شیریں آتی ہوئی دکھائی دیں تو اس نے فرح کی توجہ اس طرف دلوائی۔

''آج کل بہت جلدی جلدی نہیں آنے لگی ہیں یہ۔'' وہ یوں یہ فرح سے کہہ بیٹھی تو وہ ہنسنے لگی۔

''آخر اتنے دن سے سجاد بھائی یہاں ٹکے ہوئے ہیں انہیں واپس تو لے کر جانا ہے نا؟''

بات مذاق میں ہی کہی تھی۔

پر ثانیہ سے اس کو انجوائے بھی نہ کیا جا سکا۔

''کیا سجاد صاحب انکے کہنے سے واقعی چلے جائیں گے یہاں سے؟''

''پتہ نہیں شاید چلے بھی جائیں۔'' مسکراہٹ کو دبا کر اس نے لاعلمی ظاہر کی۔

''مگر شیریں تو خود شادی کر کے اسلام آباد جا رہی ہیں، پھر ان کا...'' وہ اپنی بات پورا کرتے ہوئے تھوڑا سا جھجک کر رکی۔

فرح نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے وہ کون سا اپنی جاب کو کنٹی نیو رکھ سکیں گی' پھر سجاد صاحب ادھر رہیں یا واپس جائیں انہیں کیا فرق پڑتا ہے۔"

جس طرح وہ کبھی کبھی اپنی بات کو تفصیل سے سمجھانے کی کوشش کرتی تھی فرح کو پکا پکا شک ہونے لگتا تھا کہ دال میں کچھ نہ کچھ کالا تو ضرور ہی ہے۔

شیریں ابھی تک سامنے کھڑی نظر آ رہی تھیں انہیں عمر مل گیا تھا۔

اور عمر کے ساتھ اگر دو منٹ کی بات کھینچ کر دو گھنٹے تک بھی پہنچ جاتی تو حیرت کی گنجائش نہیں تھی۔

"سجاد بھائی بہت پہنچی ہوئی چیز ہیں ان کیلئے کس کس کو کہاں فرق پڑتا ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

فرح لاپروائی سے کہتے ہوئے بظاہر اپنے کام پر جھک چکی تھی' مگر ثانیہ کے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ اس نے نوٹ کیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"

کچھ نہیں بس ویسے ہی ایک بات کہہ رہی ہوں۔" فرح نے بمشکل سنجیدگی اپنائی۔

اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ مزید اظہار خیال خود اس کے اپنے حق میں اچھا نہیں رہے گا۔ ثانیہ کو اگر شک بھی پڑ جاتا کہ وہ اس کے بارے میں اتنے الٹے سیدھے آئیڈیئے لگا رہی ہے تو وہ بڑی سخت ناراض ہو سکتی تھی۔ ان کی توقع کے بالکل برخلاف شیریں وہیں چلی آئی۔ ثانیہ اور فرح دونوں ہی نے خوش دلی سے اسے مسکرا کر دیکھا۔

"آپ کیسی ہیں آج کل تو ہمارے آفس کی خوش قسمتی عروج پر ہے جو آپ بھی یہاں دکھائی دیتی ہیں اور سجاد بھائی کا تو خیر قیام ہی یہیں ہے' معلوم نہیں عارضی ہے یا مستقل۔"

فرح کو بولنے سے روکا نہیں جا سکتا تھا' ثانیہ جواب شیریں کے سامنے مزید محتاط رہنے کا تہیہ کیے ہوئے تھی اس کی طرف میں دیکھ کر رہ گئی۔

"بس وقت وقت کی بات ہے۔"

شیریں ہلکے سے مسکرائی' اس کے ہر انداز میں ایک احساس تفاخر جھلکتا تھا' وہ مغرور نہیں تھی' مگر اپنے حسن اور اسٹیٹس کا بہر حال اسے خیال رہتا تھا۔

"آپ بیٹھیے نا۔" فرح نے اخلاقاً ہی کہا تھا' مگر وہ کس موڈ میں تھی کہ بیٹھ ہی گئی۔

"اب یہی دیکھ لو سجاد ہمیشہ بزنس سے کتنا بھاگتا تھا مگر بابا کی وجہ سے بزنس سنبھالنا ہی پڑ رہا ہے لیکن وہ یہاں رکے گا نہیں۔ بہت جلد سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس اپنی جاب پر چلا جائے گا' میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔" ایک عجیب سے احساس کے ساتھ ثانیہ نے شیریں کی طرف دیکھا اور نگاہیں جھکا لیں۔ اس کے لہجے میں سجاد کیلئے جو بے تکلفی اور استحقاق تھا وہ ان کے مابین رشتے کی گواہی دیتا تھا۔

"بہت پرانا ساتھ ہے ہمارا اسٹوڈنٹ لائف سے ہی ہم لوگ ساتھ ہیں اتنی کمال کی انڈر اسٹینڈنگ ہے ہماری کہ بہت سی باتیں ہمیں ایک دوسرے کو کہنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی' آج تک ہم دونوں نے اپنی ہر بات کو شیئر کیا ہے۔

ثانیہ کے پھیکے پڑتے ہوئے چہرے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے وہ دو چار ایسی ہی باتیں کیے گئی۔

اس کا انداز اتنا جتانے والا تھا کہ خود فرح کو ایسا احساس ہونے لگا تھا جیسے وہ یہ سب جتانے کیلئے ہی یہاں آ کر بیٹھی ہے سو اسے تھوڑا سا برا لگ ہی گیا۔

"اب تو آپ کی شادی میں بھی تھوڑے سے ہی دن رہ گئے ہوں گے ٹھیک تو ہیں شہریار صاحب۔"

فرح کا خیال تھا کہ شاید یہ ذکر اسے تھوڑا سا پریشان کر دے' مگر اس کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی۔

"ٹھیک ہی ہوں گے میری کئی دن سے بات نہیں ہو سکی ہے اور شادی....۔" اس نے آخری لفظ کو لمبا کھینچا۔

"شادی کا بھی ابھی کچھ اتہ پتہ نہیں ہے۔" وہ کم عمر لڑکیوں کی طرح کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"جلدی ہوتی ہے یا دیر میں یا پھر ہوتی ہی نہیں ہے' میرا مطلب ہے شہریار صاحب سے۔"

وہ ایک دم ہی اپنا بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ "ثانیہ بہت خاموش ہو۔"

ایک معنی خیز سی مسکراتی نگاہ اس نے بالکل خاموش بیٹھی ثانیہ پر ڈالی' "طبیعت خراب ہے... یا۔"

جان بوجھ کر اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔ ثانیہ کو احساس ہوا کہ محتاط رہنے کی کوشش کو بھول بھال کر وہ ٹھیک ٹھاک رنجیدہ شکل بنائے بیٹھی ہے۔

"حد ہے تمہاری بھی ثانیہ بیگم۔" دل ہی دل میں خود کو سخت تنبیہ کر کے ہی وہ ایک دم ہی مسکرا دی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور دوسری بھی کوئی بات ہرگز نہیں ہے۔" پتہ نہیں اسے ثانیہ کی بات پر یقین آیا کہ نہیں بہر حال ایک الوداعی مسکراہٹ کے ساتھ وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ آج فرح کو بھی شیریں پر شاید پہلی بار ہی غصہ آ رہا تھا۔

"کیا عجیب انداز تھا؟" اسے سوچ کر ہی کوفت ہونے لگی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ثانیہ بیوقوف۔

"تمہیں کیا ہو گیا تھا جو ایسی شکل بنا کر بیٹھ گئی تھیں' شرمندہ کرا کر رکھ دیا لے کر۔"

وہ بری طرح جھنجلائی۔

ثانیہ کی شرمندگی اور بھی بڑھ گئی۔

"کیا واقعی فرح میں تو بس خود کو تھوڑا سا الگ تھلگ پوز کرنا چاہ رہی تھی' مگر اس میں کچھ عجیب سی ہو گئی شاید۔"

"ظاہر ہے ایکٹنگ ہی اتنی لاجواب تھی۔" فرح کو غصہ کرتے کرتے ہنسی آ گئی۔

"ویسے عمر ٹھیک ہی کہتا ہے۔"

"کیا۔" ثانیہ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ عمر کی پیش گوئیاں کمال کی ہوتی تھیں اور کبھی کبھی صحیح بھی ہو جاتی تھیں۔

"یہی کہ شیریں میڈم ممکن ہے کہ شہریار صاحب کو ہری جھنڈی دکھا دیں اور عمر بھر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کریں۔"

فرح نے عمر کی کچھ دن بیشتر کہی بات دہرائی' مگر ثانیہ متفق نہ ہو سکی۔

"وہ ایسا کیوں کریں گی۔"

اس بار فرح نے کوئی جواب نہیں دیا محض مسکراتی ہوئی کام میں مصروف ہو گئی۔ ثانیہ کو عجیب سی شرمندگی گھیرنے لگی۔

پہلے شیریں اور اب یہ فرح۔ طریقہ الگ تھا' مگر دونوں ہی اسے کنفیوژ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔

سر جھٹک کر اس نے ان ساری فضول سوچوں کو ایک طرف رکھ کر خود بھی کام میں دل لگانا چاہا' مگر تھوڑی سی دیر بعد ہی اسے لگا جیسے وہ کچھ بھی نہیں کر پا رہی ہے۔ شیریں کی باتوں کی بازگشت ابھی تک باقی تھی اور اس کی خوبصورتی بلکہ بے مثل خوبصورتی کا رعب بھی دل پر چھایا ہوا تھا۔

''کیا وہ اس سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔''

بہت ایمانداری کے ساتھ اس نے اپنا تجزیہ کرنا چاہا تو جواب میں ایک بڑی فوری ''ہاں'' تھی۔ وہ نہ صرف خوفزدہ تھی بلکہ اس پر رشک بھی کر رہی تھی اور سچی بات ہے کہ اچھی خاصی جیلس بھی ہو رہی تھی۔

اپنے اندر اتنے سارے منفی اوصاف کی موجودگی سے متفق ہونا آسان نہیں تھا۔ اس نے بھی فوراً ہی خود اپنے آپ سے نگاہیں چرانے میں ہی عافیت سمجھی۔

''اس کی بلا سے کوئی کچھ بھی کرتا پھرے شیریں کہاں شادی کرتی ہیں اور کہاں نہیں' اس کا لینا دینا ہی کیا' یہ لوگ الگ کلاس سے تعلق رکھنے والے تھے۔'' ان کے آپس کے تعلق کے بارے میں اس کا احساس ہونا کیا معنی رکھتا تھا۔ بہت جلدی جلدی اس نے خود کو بہت ساری باتیں باور کرائیں۔

خود اسے تو ابھی ایک نئی دنیا کھوجنی تھی۔ اپنی بیوہ ماں کے ساتھ ماموں کے گھر پر بن بلائے مہمان جیسا قیام جہاں قدم قدم پر عزت نفس کو کچلنے کا اہتمام تھا۔

اچھا ہے کہ اپنی اوقات کو وقفے وقفے سے یاد کر لیا جائے دماغ خراب ہونے کا چانس کم ہونے لگتا ہے۔

بے حد سنجیدہ ہو کر اس نے پورے دن کام پر سے سر نہیں اٹھایا' شیریں اور سجاد ایک ساتھ لنچ پر گئے تھے یا کہیں اور نہ اس نے جاننے کی کوشش کی اور نہ سجاد کی آنکھوں میں اتری اس حیرت پر ہی ایک نگاہ ڈالی جب وہ یہاں ان دونوں کے پاس کوئی بات کرنے آئے تھے اور اس کی حد درجہ بے مروتی کے اظہار پر حیرت زدہ سے تھے۔

...☆☆☆...

آہستہ آہستہ نینی نے خود کو گھر کے کاموں میں پھر سے مصروف کرنا شروع کر دیا تھا۔ کھانا تو ذرا دیر میں ہی پک جاتا تھا' ایک آدھ چیز ہی بنانا ہوتی تھی' سو وہ بن ہی جاتی تھی لیکن دوسرے بہت سے کام جو توجہ طلب تھے اچھا خاصا ٹائم لینے لگے تھے۔ الماری ٹھیک کر لی کچن تفصیل سے صاف کر لیا' کپڑے دھو لئے۔ وقت جو اب تک صرف گھڑی دیکھ کر گزرتا تھا آسانی سے کٹنے لگا تھا اور دوسرے گھر کی بھی کچھ بہتر شکل نکل آئی تھی۔

مہرو خالہ دن میں کئی چکر لگا لیتی تھیں' خوش بھی ہوتیں اور کچھ نہ کچھ مدد بھی کروا دیتیں انہیں نینی پر بے حد رحم آتا تھا۔ چھوٹی سی عمر میں اس پر جتنی ذمہ داریاں پڑ چکی تھیں انہیں تو وہ خیر اتنی اہمیت نہیں دیتی تھیں۔ رنج انہیں اس کے اکیلے پن کا اور فیضی کی بیروزگاری کا ہوتا تھا' بہت جلد انہیں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ان دونوں کے مالی حالات اچھے خاصے خراب ہیں۔

ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر ماں باپ کی ناراضگی کو ختم کرنے کیلئے کوئی کوشش کیوں نہیں کی جاتی' سو جب بھی آتیں اسی حوالے سے کوئی نہ کوئی نصیحت ضرور کرتیں۔

نینی خاموشی سے سن لیتی اس نے نہ انہیں فیضی کے خاندان کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا اور نہ ہی ناراضگی کی شدت کے بارے میں۔ وہ اسے ایسی ہی ناراضگی سمجھ رہی تھیں جو آج کل کم عمری میں پسند کی شادی کرنے کے بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ سے والدین کو ہوتی ہے۔

''برا نہ منانا غلطی بہر حال تم دونوں کی ہے۔ ماں باپ دشمن نہیں ہوتے ہیں' اگر کچھ سال ٹھہر جاتے تو وہ لوگ خود خوش خوش سب کچھ کرتے اور اس میں لڑکی کیلئے بڑی خوشی اور بڑا تحفظ ہوتا ہے۔''

یہ ساری باتیں وقت اور تجربہ نے اسے بہت اچھی طرح سمجھادی تھیں' مگر ان کی خوشی کی خاطر چپ کر کے سنے جاتی۔

''جا کر پاؤں پکڑ لو گے تو ماں باپ کا دل نرم ہو ہی جائے گا' تم فیضی کو سمجھاؤ' کہو تو میں بات کر لوں۔''

وہ مونگ کی دال کا حلوہ بنا کر لائی تھیں نینی کچن میں دوسری پلیٹ میں نکال کر رکھ رہی تھی۔

''نہیں خالہ آپ کچھ مت کہیے گا یہ بہت ضدی ہیں اور ان کے گھر والے ان سے بھی زیادہ۔''

وہ پلیٹ واپس لا کر میز پر رکھتے ہوئے ان کی بات کا جواب دینے لگی۔

''تم ایسا کرو کسی دن میرے ساتھ چلی چلو فیضی کو مت بتانا ہم جا کر خود سب ٹھیک کر لیں گے۔'' اپنے طور پر وہ خاندان کی خفگیاں اور گنجلک قسم کے معاملات کو ٹھیک کر لیا کرتی تھیں سو اتنی پر اعتماد رکھتی تھیں۔

نینی کو حالات کی ساری خرابی کے باوجود کبھی کبھی ان کے مشوروں پر ہنسی آنے لگتی تھی ایک آدھ بار فیضی کو ان کے مشوروں کے بارے میں بتایا تو وہ ایک دم ہی ناراض ہو گیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے ایسی الٹی سیدھی باتیں سننے کی میں تو ویسے بھی لوگوں سے زیادہ میل جول بڑھانے کا قائل نہیں تھا' مگر کیا کریں یہاں کا ماحول ہی ایسا ہے اور مہرو خالہ تو ویسے بھی بہت کام آتی ہیں۔''

فیضی طبیعتاً ریزرو تھا' مگر اسے اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ یہاں رہنے میں کچھ نہ کچھ لوگوں سے بنا کر رکھنا ضروری ہے اور خالہ مہرو تو واقعی ان لوگوں کیلئے بڑا سہارا ثابت ہوئی تھیں۔

''وہ لوگ اور طرح کے ہیں خالہ اور ان کے ہاں برادری سے باہر شادی پر مکمل قطع تعلق کر لیا جاتا ہے فی الحال تو چند سال تک ان میں کوئی لچک نہیں آنے والی ہے۔''

بہت مشکل سے وہ خالہ کو یہ سب سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی وہ سب سمجھ بھی رہی تھیں' مگر پھر کوئی نہ کوئی نکتہ ڈھونڈ نکال لاتیں۔

''تمہارے گھر والے بھی خوب ہیں لے کر خالی لڑکے کو لڑکی تھمادی۔''

نینی کا سر خود بخود جھک گیا۔

گھر والوں کا کیا رونا تھا' یہ کیا دھرا خود اس کا اپنا تھا۔ ''اور اب خود بھی ایسے الغرض ہوئے بیٹھے ہیں جیسے شادی کر کے تمام فرائض سے سبکدوش ہو گئے ہیں' تم مجھے کسی دن اپنے گھر ضرور لے کر چلنا۔''

''جی اچھا۔''

اس نے فوراً ہی گردن ہلا دی' حالانکہ ایسا کچھ کرنے کا اس کا کوئی بھی ارادہ نہیں تھا۔ فیضی یہاں کے ایڈریس کو کسی خطا کی طرح چھپائے رکھنے کی کوشش کرتا تھا اور مہرو خالہ کو لے جانے کا مطلب تھا ساری تفصیلات کو من و عن نشر کر دینا۔

تب ہی دروازہ بہت زور سے بجا۔

مہرو خالہ اور نینی نے بے ساختہ ہی ایک دوسرے کو دیکھا۔ ''الٰہی خیر۔'' جب وہ دروازہ کھول رہی تھی اس نے پیچھے سے ان کی آواز سنی۔

''فیضان بھائی گھر پر ہیں۔'' اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کسی کو کہتے سنا۔

...☆☆☆...

''الٰہی خیر''

جب وہ دروازہ کھول رہی تھی تو اس نے مہرو خالہ کو اپنے پیچھے کہتے ہوئے سنا۔ ''فیضان بھائی گھر پر ہیں؟'' کوئی سامنے کھڑا گھبرائی ہوئی آواز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔''

نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کم از کم ایک اطمینان تو فوری طور پر ملا کہ فیضان کے بارے میں کوئی بری اطلاع نہیں تھی۔ مگر آگے جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ بھی کم پریشان کن نہیں تھا۔

''فیضان بھائی کی گاڑی چوری ہو گئی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے باہر بچے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے کسی کو لے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔''

نینی کے حقیقتاً پیروں تلے سے زمین کھسکی تھی۔ گاڑی کی ابھی تک موجودگی ایک بڑا سہارا تھی۔ یہ ایک بڑی پونجی تھی جو ان نامساعد حالات میں بھی ابھی تک ان کے پاس باقی تھی۔ فیضی آج کل اس کے بیچنے کی فکر میں تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اسے بیچ کر ایک موٹر سائیکل خرید لے اور باقی پیسوں کو فکس کرا کر تھوڑی بہت ماہانہ آمدنی کی کوئی صورت نکال لے۔

''یہاں رہنا بڑا مشکل ہے میں چاہ رہا ہوں زیادہ نہیں مگر کوئی تھوڑا سا بہتر فلیٹ تو لے لیں۔''

کل رات ہی جب اس نے نینی سے کہا تھا تو نینی نے ذرا بھی مخالفت نہیں کی تھی۔ اول تو وہ خود یہاں سے اکتائی ہوئی تھی اور دوسرے فیضی کیلئے یہاں ایڈجسٹ کرنا کتنا مشکل تھا' یہ بھی اسے اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا۔

مگر اب اس دن دہاڑے ہونے والی چوری کا مطلب تھا کہ برا وقت مزید برا ہونے جا رہا ہے۔

وہ چند لمحے تو چپ چاپ سی اس شخص کی شکل تکے گئی جو یہ خبر لایا تھا۔

''میرا نام شریف ہے بھابی جی۔'' اس کی زبان تھوڑی سی لڑکھڑائی۔ اپنے سے بہت چھوٹی لڑکی کو بھابی کہنا بھی اس کیلئے بڑا مشکل ہوا تھا' اتنی بڑی تو اب اس کی اپنی بیٹی دکھتی تھی۔

''فیضان بھائی اچھی طرح جانتے ہیں مجھے یہیں نیچے رہتا ہوں فلیٹ نمبر....''

نینی کو اس کے تعارف میں دلچسپی نہیں تھی اتنے میں خالہ مہرو بھی اس کے برابر آ کھڑی ہوئی تھیں۔ شریف کی نگاہوں میں انہیں دیکھ کر مانوس سی چمک ابھری۔

''السلام علیکم خالہ۔''

''وعلیکم السلام' شریف ہے' جب ہی مجھے آواز جانی پہچانی محسوس ہو رہی تھی۔'' مہرو خالہ یہاں کی سب سے پرانی رہائشی تھیں اور کوئی نہیں تھا جس سے وہ واقف نہیں تھیں۔

''میں تو خالہ آج صبح سے ہی گیا ہوا تھا صدر کی طرف واپسی میں وہی ٹریفک جام۔ ابھی ابھی تو دیکھا فیضان بھائی کی گاڑی کی جگہ خالی۔ صبح فیضان بھائی میرے سامنے ہی بس میں سوار ہوئے تھے اسی لئے میں نے گھبرا کر ادھر ادھر پوچھ گچھ کی تو کچھ لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے گھنٹہ بھر پہلے کسی کو گاڑی لے جاتے دیکھا ہے۔''

مہرو خالہ کو سامنے پا کر شریف کو مورل سپورٹ حاصل ہوئی تو اس نے بڑی روانی سے تفصیل سنائی۔

''تھے کون' کسی نے شکل بھی نہیں پہچانی کیا...؟''

مہرو خالہ سوال پر سوال کئے جا رہی تھیں اور نینی کی سمجھ میں فوری طور پر کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔

''آپ مجھے فیضان بھائی کا نمبر دے دیں میں ان کو بلاتا ہوں سب سے پہلے پھر ہم جا کر رپورٹ درج کراتے ہیں۔''

پریشانی کے عالم میں کسی کی تھوڑی سی بھی ہمدردی بڑے سہارے کا سبب بنتی ہے' نینی کو اس وقت شریف کا ہونا بھی ایک غیبی مدد ہی لگا۔

اس نے فیضی کا نمبر بتایا تو شریف نے وہیں کھڑے کھڑے فیضی کا نمبر ملا لیا۔ دو منٹ میں اس واقعہ کی تفصیل سنا کر اس نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ اس کے فلیٹ کے باہر کھڑا ہی فون کر رہا ہے۔

''بھابی جی۔ ہاں' وہ بھی یہیں کھڑی ہیں لو بات کرو۔''

''فیضان بھائی بات کریں گے آپ سے۔'' اس نے فون نینی کو تھمایا۔

''ہیلو۔'' وہ ہلکے سے اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ فیضی کی جھنجلاہٹ میں ڈوبی آواز اس کے کانوں سے ٹکرانے لگی۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی باہر نکل کر کھڑے ہونے کی' دس بار منع کرتا ہوں کہ یہاں کا ماحول ٹھیک نہیں ہے لوگوں کو میں ٹھیک طرح سے جانتا بھی نہیں اور تم ہو کہ... بس اب اندر جائو۔''

وہ جھجک کر بے ساختہ ہی ایک قدم پیچھے ہٹی۔

''آ رہا ہوں میں ابھی معلوم نہیں کیا کیا مصیبتیں اور دیکھنی ہیں۔'' بڑبڑانے کے سے انداز میں کہہ کر وہ فون بند کر چکا تھا۔ نینی نے خاموشی سے شریف کا موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ہو گئی بات۔'' وہ خوامخواہ ہی مسکرایا۔ ''آپ فکر مت کریں اللہ مالک ہے' پوری پوری کوشش تو ضرور ہی کریں گے گاڑی کی بازیابی کیلئے ہمارے علاقے کا تھانہ....''

''فیضان آ رہے ہیں آپ نیچے جا کر ان کا انتظار کریں۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ کچھ روکھائی کے سے انداز میں اندر چلی آئی۔

شریف کو رخصت کر کے دروازہ مہرو خالہ نے بند کیا۔

''خدا کرے کہ کسی طرح بھی گاڑی مل جائے۔'' وہ دل سے دعا کر رہی تھی ورنہ یہ بڑا ہی ناقابل تلافی نقصان ثابت ہوتا تھا۔ مہرو خالہ بے چاری بڑی دل سوزی سے اسے تسلیاں دیئے جا رہی تھیں۔ اکیلے پن کے جس دور سے وہ آج کل گزر رہی تھی اس میں ان کا دم بڑا غنیمت تھا' مگر وہ اس وقت اتنی غائب دماغ ہو رہی تھی کہ ان کی کوئی بھی بات ڈھنگ سے نہیں سن پا رہی تھی۔

گاڑی کی چوری دن بہ دن ہاتھ سے پھسلتے ہوئے حالات فیضی کی بڑھتی ہوئی بدمزاجی اور خود وہ۔

وہ کون سی نارمل تھی۔

آئے دن جو اس پر بے حسی کی کیفیت طاری ہوتی تھی وہ فیضی کیلئے کتنی پریشان کن ثابت ہوتی تھی' اس کا اسے اچھی طرح احساس بھی تھا۔ 'کیا یہی وہ زندگی تھی جس کے ان دونوں نے مل کر خواب دیکھے تھے ایک دوسرے پر بڑے گہرے بھروسے اور مان کے ساتھ۔''

اب نہ بھروسہ تھا اور نہ مان' خواب عذاب کی صورت پلکوں پر اترے اور ایسے کہ اب آنکھیں خواب دیکھنا بالکل ہی بھول چکی تھیں۔

اسے فیضی کا تھوڑی دیر پہلے والا لہجہ یاد آیا' وہ اتنا تنگ دل اور شکی مزاج نہیں تھا۔ یہ انداز اسے حالات نے بخشا تھا۔

نینی کو وہ دن یاد آئے جب وہ اسے اپنے دوستوں سے فخریہ ملاتا تھا اور بہت اعتماد سے اسے بابر کے گھر کی خالی انیکسی میں رکھ چھوڑا تھا۔ بداعتمادی' دوستی جیسے رشتے کے ٹوٹنے پر اس کے حصے میں آئی تھی۔

نینی نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ وہ اس کے بالکونی یا کھڑکی میں بھی کھڑے ہونے پر معترض رہتا تھا' اس کے مزاج میں شک کا عنصر بڑھتا جا رہا تھا۔

مہرو خالہ اسے سوچ میں گم دیکھ کر یہ ''تازہ خبر'' جا کر اپنے گھر اور پڑوس کے لیٹ میں سنا آئی تھیں۔

چند منٹ میں دو چار خواتین نینی کے چھوٹے سے لاؤنج میں آ کر جمع ہو گئی تھیں جہاں ان کے بیٹھنے کیلئے کرسیاں بھی ناکافی تھیں' کوئی کرسی کے ہتھے پر ہی ٹک گئی اور کوئی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی' ان سب کا طرز حیات یکساں طور پر سادہ تھا اور ان کے معاشی حالات نے انہیں کسی بھی طرح کے تکلفات سے مبرا رکھا تھا۔

اپنے اپنے طور پر وہ سب اس کی دل جوئی کر رہی تھیں اور پریشانی کو دل پر نہ لینے کی تاکید بھی کر رہی تھیں۔ اس وقت گھروں پر مرد اور بچے عموماً نہیں ہوتے تھے' تھوڑی دیر تک وہ سب ہی جمگھٹا لگائے کھڑی رہیں' پھر ایک ایک کر کے سب ہی چلی گئیں۔ بچوں کے آنے کا وقت ہو رہا تھا اور دوپہر کا کھانا وقت پر تیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اچھی خاصی دیر گزر گئی' مگر فیضی ابھی تک نہیں آیا تھا' شاید نیچے آیا ہو۔

نینی کو کچھ ایسا ہی خیال تھا۔ تھوڑی دیر بعد پڑوس سے آئی ایک خاتون نے تصدیق بھی کر دی۔

''میرا بیٹا ابھی آیا ہے بتا رہا تھا فیضان بھائی رپورٹ لکھوانے پولیس سٹیشن گئے ہیں۔''

پولیس سٹیشن اسی سڑک پر قریب ہی واقع تھا' پھر بھی نینی کو پولیس کا نام سن کر ویسی گھبراہٹ ہوئی جیسی کہ عام طور پر ہر شریف آدمی کو ہوتی ہے۔

''گھبراؤ نہیں' اب رپورٹ لکھوانی تو ضروری ہے ورنہ تو کچھ بھی نہیں ہو پائے گا' امید تو ہو گی اور اللہ نے چاہا تو اچھا ہی ہو گا۔''

''اور اگر اللہ نے نہ چاہا تو۔''

نینی کا دل چاہا کہ پوچھ لے' مگر پھر دل میں خود ہی شرمندہ ہو کر خاموش رہی۔ کسی کسی وقت اسے ایک پرانی بات یاد آ کر آئینہ دکھاتی تھی جب وہ فیضی کے ساتھ اپنی شادی کیلئے دعا کرتے ہوئے سوچا کرتی تھی کہ اگر وہ ایک ہو گئے تو وہ آئندہ زندگی میں صرف اور صرف خدا کا شکر بجا لایا کرے گی اور زندگی میں کسی کمی کا کبھی شکوہ نہیں کرے گی۔

اس وقت نہ تو اسے ''شکر'' کی فضیلت کا ہی احساس تھا اور نہ ہی زندگی کی حقیقت کا۔ معلوم نہیں کتنا عرصہ ہو گیا تھا اسے دل سے نہ سہی زبان سے ہی ''شکر'' کا چھوٹا سا لفظ اللہ سے کہے ہوئے۔

دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کی اگر توفیق ہو بھی جاتی تو صرف اور صرف اپنے مسائل ہی یاد رہتے تھے۔

پڑوس سے آنے والی عورت ایک پلیٹ میں کچھ لے کر آئی تھی جو وہ سیدھی کچن میں جا کر رکھ بھی آئی تھی۔

''آج تم ویسے ہی پریشان ہو کچھ پکانے وکانے کی ضرورت نہیں ہے' میں نے کریلے بنائے تھے قیمہ بھرے' تھوڑے سے تمہارے لئے لے آئی ہوں۔'' وہ ہمدردی سے کہہ کر چلی گئی۔

مگر وہ اکیلی نہیں آئی تھی اس کے بعد مہرو خالہ کی بہو نیچے والی رفی آپا اور شاہینہ آپا' سب ہی کچھ نہ کچھ لے کر آئیں۔ خلوص اور محبت کی اپنی زبان ہوتی ہے' نینی کے اکیلے پن کا مداوا' کچھ نہ کچھ ان ہی سادہ دل عورتوں کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔

☆☆☆...

وحید اس روز جو بینا کو دماغ درست کرنے کی دھمکی دے کر آئے تھے وہ محض دھمکی نہیں تھی۔ ان جیسا کینہ پرور انسان اپنی فطرت کے اظہار کیلئے گھٹیا سے گھٹیا چیز استعمال کر سکتا تھا۔

کئی دن تک بینا کی جرأت پر تلملاتے رہنے کی وجہ سے انہوں نے اس طرف کا رخ بھی نہیں کیا۔ گھر پر فرحت آپا تھیں ہی ان کی بدمزاجی کو سہنے کیلئے سو وہ دل بھر کر اپنا غبار نکال لیتے اور جب دل ٹھنڈا ہو جاتا تو اپنے پرانے دوستوں کے اسی گروپ کا رخ کرتے جس کا سرغنہ شیرا تھا۔

''رحمت منزل'' پر چھاپہ پڑنے کے بعد سال ڈیڑھ سال کی جیل کاٹ کر رہا ہونے کے بعد وہ سدھرا تو نہیں تھا۔ مگر سجاد اور بابا کے ڈر سے ''رحمت منزل'' سے بالکل دور رہنے لگا تھا۔

بہت ہاتھ جوڑنے اور منتیں کرنے کے بعد بابا کی طرف سے اسے معافی اسی شرط پر ملی تھی کہ وہ آئندہ ''رحمت منزل'' کے آس پاس بھی نظر نہ آئے سو وہ اسی میں اپنی عافیت سمجھے ہوئے تھا۔

وحید بھائی کی اور دس ''مصروفیات'' میں بے شک وہ ساتھ دیتا' مگر ان کے اکسانے اور لالچ دینے پر بھی ''رحمت منزل'' کی طرف کا رخ کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔

''میں تو سمجھتا تھا کہ تم باہر آ جاؤ گے تو کم از کم اس عمر سے تو اپنی بے عزتی کا بدلہ لے ہی لوں گا' مگر تم نے تو بالکل ہی ہمت ہار دی شیرا بھائی۔''

اس وقت بھی وہ اس کے ہاں آئے بیٹھے تھے اور اسے اکسانے کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔

شیرا ہلکے سے مسکرا دیا' بولا کچھ بھی نہیں۔

''اب اگر تم جیسا دلیر آدمی بھی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ڈرنا شروع ہو گیا تو پھر ہمارے سارے کام ٹھپ ہی رہیں گے۔''

وہ اسے ''غیرت'' دلانے کی مستقل ہی کوشش کئے جا رہے تھے۔

شیرا بڑا مجرم نہیں تھا' آوارہ لڑکوں کا ایک گروپ بنا کر تھوڑے سے علاقے پر چھوٹے موٹے جرائم کی سرپرستی کیا کرتا تھا۔ چند سال پہلے جب وحید نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تب ہی سے اس کے انداز ذرا شاہانہ قسم کے ہو گئے تھے ورنہ اندر سے وہ بھی ہر بڑے آدمی کی طرح ڈرپوک ہی تھا۔

''ہم نے تو سنا تھا کہ جیل سے نکلنے کے بعد آدمی کا دل اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے' مگر تم تو لگتا ہے کہ پہلے سے بھی....''

وحید نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا۔

شیرا کا چہرہ یک دم سرخ سا ہوا۔ وحید کا طعنہ اس نے ایک کڑوے گھونٹ کی طرح پیا اور پھر ذرا سا توقف کر کے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ کروانا کیا چاہتے ہیں' وحید صاحب۔''

''کچھ زیادہ نہیں بس ایسے ہی دو ایک چھٹے موٹے کام' ایک تو ''رحمت منزل'' میں اپنا ٹھکانہ واپس لینا ہے' کم از کم بیٹھنے کیلئے کوئی عزت کی جگہ تو ہو۔''

ایک اکتائی ہوئی نگاہ' انہوں نے شیرا کے کھولی نما کمرے پر ڈالی' یہاں سچ مچ انہیں بے حد کوفت ہوتی تھی۔

''آپ کیلئے ٹھکانوں کیا کمی ہے سر حکم کریں ایک سے ایک سپیشل قسم کا اپارٹمنٹ چٹکی بجاتے مل جائے گا۔''

وہ پر جوش سا ہو گیا۔

''کیسے مل جائے گا فری میں۔'' وحید بھائی کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا' مگر وہ ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں سکا۔

''فری میں کیوں آپ جیسے بادشاہ آدمی فری میں کیوں لینے لگے کسی کی چیز؟؟''

ان کی مالی حالت کے بارے میں شیرا کی خوش فہمیاں ابھی بھی باقی تھیں' مگر اس وقت یہ عزت افزائی انہیں منہ چڑاتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''کہاں کا بادشاہ' فقیر کر کے رکھ دیا ہے ان دونوں باپ بیٹے نے مجھے' کوڑی ہاتھ میں نہیں رہی ورنہ تھوکتا بھی نہیں ان کی اس قدیمی جائیداد پر جہاں سے ذلیل ہو کر نکالا گیا تھا۔''

''فقیر ہوں آپ کے دشمن ایسی ناامیدی کی باتیں مت کریں وحید صاحب' آپ نے سنا نہیں مرا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا۔''

انہوں نے کھا جانے والی نگاہ شیرا پر ڈالی اس کا محاورہ بر محل سہی' مگر انہیں اپنے لئے ''مرے ہوئے ہاتھی'' کی اصطلاح قبول نہیں تھی۔

''غصہ نہ کریں سر جی' میرا تو صرف یہ مطلب ہے کہ ''رحمت منزل'' کے علاوہ بھی تو کہیں اور ٹھکانہ بنایا جا سکتا ہے نا۔'' شیرا ان کا موڈ دیکھ کر خوشامد پر اترنے لگا۔ ''نہ خریدیں' کرائے پر لے لیں کوئی اچھا فلیٹ' نہ نہ... نہ اب یہ مت کہیے گا کہ کرائے پر لینا بھی آپ کیلئے مشکل ہے تھوڑی بہت رقم تو آپ اس وفادار کو بھی یوں ہی خوش ہو کر عنایت کر دیتے ہیں' کرایہ نکالنا کون سا مشکل ہو گا آپ کیلئے۔''

چاپلوسی سے ان کا گھٹنا دباتے ہوئے شیرا ایک تیر سے دو شکار کر رہا تھا۔ سچ تو یہ کہ وہ خود بھی اس تنگ سے کمرے میں رہتے رہتے تنگ آ چکا تھا جہاں آنے کیلئے گندا نالہ پھلانگنا پڑتا تھا' جیل میں اتنا ''سخت وقت'' گزار لینے کے بعد اس کا جسم اب آرام چاہتا تھا۔

فوم کا گدا' دن رات چلتا اے سی اور زمانے بھر کی نعمتوں سے بھرا ہوا فریج۔

جیل میں گزرے شب و روز میں اسے ''رحمت منزل'' والے فلیٹ کا کمرہ اور اس کی آسائشیں ہر وقت ہی یاد آتی تھیں۔

پولیس والوں کی ٹھکائی کو جھیلنے کے بعد جیل کا فرش اور بھی سخت اور ناقابل برداشت محسوس ہوتا تھا' ان دنوں تو ایسا لگتا تھا کہ زندگی بس اب یہیں گزر جانی ہے' مگر وہ تو خدا بھلا کرے اس کے باپ کا جو اس کی نافرمانی سے سخت نالاں ہونے کے باوجود اس کی گرفتاری کی خبر سن کر دوڑا چلا آیا تھا۔ شیرا کا رواں رواں اپنے باپ کا شکر گزار تھا۔ وہی تھا جس نے بابا اور سجاد سے اسے معافی دلوائی تھی اور اس کی شرافت اور بڑھاپے کو دیکھ کر سجاد نے پہلے اس کی سزا میں تخفیف اور پھر کیس ختم کروایا تھا۔

وہ اب اس تلخ تجربہ کو کسی بھی قیمت پر دہرانا نہیں چاہتا تھا' باہر نکل کر اس نے زمین پر ناک رگڑ کر توبہ کی تھی کہ جو کچھ بھی اب کرنا ہے ''رحمت منزل'' سے دس میل دور رہ کر ہی کرنا ہے۔ شروع میں ایک آدھ بار وحید کے بے حد زور دینے پر وہ اس طرف چلا بھی گیا تھا تو چوکیدار اور عمر کی نظروں میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد تو اس کی جرأت ہی نہیں ہوئی۔

گو وحید سے وہ اپنے اس خوف کو بہت چھپائے رکھنے کی کوشش کرتا تھا' مگر اصل میں اسے بابا کی پہنچ نے خوفزدہ کر رکھا تھا اور اب تو اس کا باپ بھی واپس گاؤں جا چکا تھا۔

''تم بات کو سمجھ نہیں رہے ہو شیرا بھائی۔''

وحید نے ٹھنڈی سانس لی' ''اب حالات پہلے جیسے نہیں رہے ہیں' ''رحمت منزل'' کیا ہاتھ سے نکل گئی سمجھو میرا تو زوال ہی شروع ہو گیا' آمدنی کا اصل ذریعہ تو وہی تھی' کرایہ ایک طرف تھا اور دوسرے آئے دن وہاں کسی نہ کسی سے پیسے اینٹھ لینا بھی معمول کی بات تھی' یوں سمجھ پانچوں انگلیاں گھی میں تھیں' کوئی فکر چھو کر بھی نہیں گزرتی تھی' مگر اب تو جیسے سب ہی کچھ خواب کا حصہ بن کر رہ گیا ہے۔''

بڑی حسرت کے ساتھ وحید نے اپنی بات جاری رکھی۔

''تم سے امید تھی کہ تم آ کر اس علاقے میں کچھ اپنا اثر ورسوخ بڑھا لو گے تو ہمارے لئے وہاں جانا آسان ہو جائے گا مگر تم تو کچھ کرنے سے پہلے ہی مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔''

شیرا وحید کی سرپرستی کھونا نہیں چاہتا تھا سو ضروری تھا کہ اس پر اپنی کچھ نہ کچھ اہمیت ثابت کر کے اور وحید کے مایوس ہو جانے کا مطلب تھا کہ خود شیرا ابھی اس کے کسی کام کا نہیں رہتا۔

''ابھی تھوڑا وقت گزر جانے دیں وحید صاحب ''رحمت منزل'' دوبارہ آپ کے قدموں کے نیچے ہو گی اس بار طاقت سے نہیں دماغ سے کام لیں گے ہم۔ میرے کہنے کا مطلب تو یہ تھا کہ فی الحال بیٹھک کا کچھ مناسب بندوبست کر لیا جائے آپ اس جگہ آتے ہیں تو میں شرمندگی سے مرنے لگتا ہوں' یہاں تو کسی بھی شغل میں مزا نہیں ہے کوئی بہتر سیٹنگ کر لیتے ہیں پہلے پھر اطمینان سے سوچیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' جو مناسب سمجھو کر لو۔''

وحید نے بےزاری سے ہاتھ ہلایا۔ ''بس آپ فکر ہی نہ کریں ہفتے بھر میں آپ کی من پسند سیٹنگ نہ کی تو شیرا نام نہیں۔'' اس نے خود اطمینان کی سانس لی۔

کئی دن کی محنت کے بعد وہ وحید کو لائن پر لانے میں کامیاب ہوا تھا۔ اب کم از کم اس غلیظ جگہ سے اس کی جان تو چھوٹ جانی تھی۔

کئی بڑے موقعے کے فلیٹ اس نے نظر میں رکھے ہوئے تھے' ان میں سے کون بہتر ہے وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے دماغ دوڑانا شروع کر دیا تھا۔

''شیرا۔''

''جی صاحب۔''

اس نے جیسے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''ویسے اس عمر کو تو سبق سکھایا جا سکتا ہے ''رحمت منزل'' میں نہ سہی کہیں بالکل الگ تھلگ جگہ پر ہی سہی' تمہارے پاس تو بڑے ماہر لڑکے ہیں خود سامنے مت آنا پیسے جتنے کہو گے میں دینے کیلئے تیار ہوں۔''

ان کی انتقامی طبیعت انہیں سکون سے نہیں بیٹھنے دے سکتی تھی۔

شیرا کی آنکھوں میں ایک چمک سی ابھری اور پھر بجھی۔ ''پیسے'' کا لفظ ہی اس کیلئے بڑا پر کشش تھا اور اپنے بارے میں اس کا خیال تھا کہ پیسوں کیلئے وہ کچھ بھی آسانی سے کر سکتا ہے' مگر اس وقت اسے اندازہ ہوا کہ اب بغیر کچھ سوچے سمجھے کر گزرنے کا وقت بھی رخصت ہو چکا ہے عمر کو کسی طرف سے بھی نقصان پہنچانا شک سیدھا اسی پر آنا تھا اور اس کے بعد اس کے برے دن شروع ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہنے والی تھی۔ نقصان ہر حال میں اس کا ہونا تھا۔

''ابھی نہیں وحید صاحب میں نے آپ سے کہا نا ابھی کچھ بھی نہیں بڑی مشکل سے میری جان چھٹی ہے جیل سے آپ کو پتہ نہیں کتنی خوفناک جگہ ہے وہ اور اگر آپ سے تفتیش کی جا رہی ہو تو بس....''

بات کو بیچ میں ہی چھوڑتے ہوئے اس نے ایک جھرجھری سی لی۔

اس بار اس کے لہجے میں ہلکی سی روکھائی تھی' ابھی ابھی اس نے سوچا تھا کہ اگر وحید اس پر اسی طرح اصرار کرتے رہے تو وہ بادل ناخواستہ ہی سہی ان کی سرپرستی کو سات سلام کر کے رخصت لے لے گا۔ اپنے ''گزارے'' کیلئے اس کے پاس ایک چھوڑ دس راستے تھے۔

خود وحید نے بھی شیرا کی اکتاہٹ کو محسوس کیا تھا سو تھوڑا سا سنبھلتے ہوئے موضوع کو بدل ڈالا۔ ''چلو ٹھیک ہے نہیں کرتے ابھی یہ بات پہلے تم کسی فلیٹ کا بندوبست کرو' مگر دیکھو کرایہ زیادہ نہ ہو پھر کوئی پارٹی وارٹی رکھتے ہیں ادھر بہت دن ہو گئے ہیں دل تو جیسے بالکل ہی بجھ کر رہ گیا۔''

''پارٹی کیسی جشن کہیں سر آپ دوستوں کی فہرست بنائیں کس کس کو بلانا ہے باقی کے انتظامات میں خود کر لوں گا۔''

شیرا کا چہرہ کھل اٹھا۔

اس کی زندگی میں عیش و عشرت کی گھڑیاں وحید کی بدولت آئی تھیں' ایسے موقعوں پر وہ دل کھول کر پیسہ خرچ کرتے ہیں۔

''بس ٹھیک ہے ایک دو دن میں مجھے بتانا کہ کتنا کام ہو گیا ہے۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے ''یہ لو' کچھ پیسے رکھ لو۔'' انہوں نے بٹوے میں سے پیسے نکالتے ہوئے اسے تھمائے۔

ہاتھ میں لیتے ہی شیرا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کچھ ایسے زیادہ بھی نہیں ہیں جیسے وہ اسے پہلے دیا کرتے تھے' مگر جو بھی تھے غنیمت تھے۔

''اور سنو۔'' انہیں ایک ضروری بات یاد آئی۔

''ایک اور ضروری کام بھی ہے تمہارے لئے گھبراؤ نہیں بابا اور سجاد کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔'' اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے انہوں نے طنزیہ سے انداز میں کہا تو شیرا جھینپ سا گیا۔

''آپ حکم کریں بجالانا میرا فرض ہے۔''

"کسی کا سر جھکوانا ہے اپنے سامنے۔" ان کا لہجہ ایک دم بے حد سرد ہوا تھا اور وہ بھی ایسے کہ آئندہ وہ میرے سامنے سر اٹھانے کی ہمت بھی نہ کرے سمجھے۔" شیرا کا سر خود بخود اثبات میں ہلا۔

وحید کے چہرے کے نقوش بگڑ رہے تھے۔

چہرے دل کا آئینہ ہوتے ہیں اور اس آئینہ میں اس وقت جو کہ یہ شکل دکھائی دے رہی تھی وہی وحید کی اصل شکل تھی۔

...☆☆☆...

موسم روز بروز سرد ہوتا جا رہا تھا۔ دو دن سے چھائے گہرے بادلوں نے خنکی کا احساس اور بھی بڑھا رکھا تھا۔

ثانیہ کو سردی لگتی بھی کچھ زیادہ ہی تھی، رات بھر اماں کے لحاف کی گرمائش میٹھی نیند سلاتی اور سویرے اٹھنے میں بھی حائل ہوتی۔

بار بار آواز دینے پر بھی "جی جی" کئے جاتی، اماں کا دل برا ہوتا۔

اگر جاب کی مجبوری نہ ہوتی تو کیا ضرورت تھی انہیں اس سردی میں اسے اٹھانے کی، سونے دیتیں، جتنی بھی دیر اس کا دل چاہتا۔

مگر کیا کرتیں مجبوری تھی۔

اٹھانے میں دیر بھی کرتیں تو خود ثانیہ ناراض ہو جاتی تھی اور اکثر تو چائے بھی جلدی کی وجہ سے نہیں پی پاتی اور جو تھوڑا بہت ناشتہ وہ ان کا دل رکھنے کی وجہ سے کر لیا کرتی تھی وہ بھی نہیں کر پاتی تھی۔

بھاگم بھاگ تیار ہوتی کہ اتنے میں آفس کی گاڑی بھی سر پر آ کر سوار ہو جاتی۔ بس یہ جا، وہ جا۔

وہ سارا دن دل برا کرتی رہتیں۔ حالانکہ وہ انہیں تقریباً روزانہ ہی یہ سمجھانے کی کوشش کرتی تھی کہ آفس میں فاقہ کشی کا کوئی امکان نہیں ہے اور وہ وہاں آرام سے کچھ کھا پی سکتی ہے، مگر انہیں تسلی دینا آسان نہیں تھا۔

آج کی صبح بھی کچھ ایسی ہی تھی۔

سردی اور پھر بادلوں کی وجہ سے نیم اندھیرا سا تو پہلے ہی تھا اور پھر رات کو دیر تک کمپیوٹر پر بیٹھے رہنے کی وجہ سے اس سے اٹھا ہی نہیں گیا، اماں بھی دو چار آوازیں دینے کے بعد خاموش ہو رہیں۔

دل میں کچھ یہ خیال آیا کہ سردی زیادہ ہے بہتر ہے کہ وہ چھٹی کر لے، مگر تھوڑی دیر بعد ثانیہ کی آنکھ خود ہی کھل گئی۔

"آپ بھی حد کرتی ہیں اٹھایا تک نہیں، گاڑی کے آنے میں بس پندرہ منٹ رہ گئے ہیں اماں۔" وہ بڑی بوکھلاہٹ میں تیار ہو رہی تھی۔

"کتنی تو آوازیں دیں اب نہیں اٹھو تو میرا کیا قصور؟"

اماں کو اس کی بوکھلاہٹ الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔

"اور اب دیر ہو گئی ہے تو جانا کیا ضروری ہے؟ چھٹی کر لو۔"

وہ ویسے ہی مشورہ دیتیں جیسے اس وقت دیتی تھیں، جب وہ نواب شاہ کے گورنمنٹ سکول میں پڑھا کرتی تھی۔ سردی زیادہ ہو تو چھٹی، ذرا سی طبیعت خراب ہو تو چھٹی اور بارش آ جانے پر تو لازمی چھٹی۔ ثانیہ کو اس ٹھیک ٹھاک ہنگامی صورتحال میں بھی کچھ یاد کر کے ہنسی آنے لگی۔

''کمال کرتی ہیں اماں' یہ کوئی سکول تھوڑی ہے جہاں جب دل چاہا چھٹی کر کے گھر بیٹھ گئے' کام کی ذمہ داری ہوتی ہے اور وہ بھی پرائیویٹ نوکری میں۔'' بالوں میں تیزی سے برش کرتے ہوئے اس نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''آج سردی بہت ہے اس لئے کہہ رہی تھی۔''

ان کا اصرار کمزور پڑنے لگا۔ان کی محبت کا کوئی بدل نہیں تھا۔

''گاڑی میں جاتا ہے اماں۔'' ثانیہ نے پیار سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ''آفس میں اندر جا کر تو موسم کا پتہ ہی نہیں چلتا' پھر دوسری بات یہ کہ آج فرح نہیں آئے گی آپ کو بھی پتہ ہے' اگر دونوں ہی چھٹی کر کے بیٹھ جائیں تو کام میں حرج تو پڑے گا نا۔''

''ہاں اتنا بڑا آفس تم دونوں کے کاندھوں پر ہی تو سوار ہے باقی لوگ تو جیسے کسی کام کے ہی نہیں ہیں۔''

اماں کی بات پوری ہی ہوئی تھی کہ باہر آفس کی وین کا ہارن بجنے لگا' ثانیہ نے میز پر رکھی چائے کا ایک لمبا سا گھونٹ لیا اور اماں کو ''خدا حافظ'' کہتی ہوئی بیگ اٹھا کر گیٹ کی طرف دوڑ لگائی' اماں پیچھے پیچھے تھیں۔

ثانیہ کی گاڑی جب تک گلی کا موڑ مڑتی وہ اس وقت تک گیٹ پر کھڑی رہی تھیں۔پہلے وہ انہیں منع کرتی تھی' مگر پھر ان کی عادت سمجھ کر منع کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

آج کا دن تھوڑا سا مختلف تھا۔ثانیہ نے اپنی برابر والی سیٹ کو خالی دیکھا تو اسے ایسا ہی احساس ہوا۔

آج فرح کو نہیں آنا تھا سو یہ برابر والی مخصوص سیٹ خالی تھی وین میں سب ہی لوگ غیر محسوس انداز میں اپنی اپنی جگہ بیٹھنے کے عادی ہو چکے تھے' سو اسے اندازہ تھا کہ اب یہ جگہ آفس پہنچنے تک خالی ہی رہے گی۔

فرح کو آج اپنی امی کو چیک اپ کیلئے لے کر جانا تھا۔گو عمر نے اسے بہت کہا تھا کہ وہ ساتھ چلا چلتا ہے' مگر وہ سختی سے منع کئے گئی۔

اس کے خیال میں ایسی کوئی ہنگامی صورتحال نہیں تھی جس میں بہت سے لوگوں کی ضرورت ہو' یہ کام وہ اکیلی بھی بخیر وخوبی انجام دے سکتی تھی۔

ثانیہ نے بارہا محسوس کیا تھا کہ فرح حتی الامکان کسی سے بھی مدد لینے سے گریز کرتی ہے۔اس کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ جہاں تک ہو سکے کسی کو بھی اپنے ذاتی کام کیلئے تکلیف نہ دے اور شاید اس کی یہی خودداری تھی جس نے اسے بتدریج ایک بہت مضبوط اور متوازن شخصیت کے روپ میں ڈھالا تھا۔

ثانیہ کو لگتا تھا کہ وہ ساری زندگی ہی اس سے کچھ نہ کچھ سیکھتی رہے گی۔آج بھی وہ جہاں تک پہنچی تھی اس میں فرح ہی کی مدد اسے ہر ہر قدم حاصل رہی تھی۔

''اور اگر اس بے تحاشہ پھیلے ہوئے شہر میں ابتداء ہی میں خدا اسے فرح جیسی بے لوث دوست عطا نہ کرتا تو وہ کتنی بڑی محرومی کو جھیلتی۔''

ثانیہ نے سڑک پر دوڑتے ٹریفک پر نگاہیں جماتے ہوئے سوچا آنکھیں ہلکی سی گیلی ہونے لگیں تو اس نے چپکے سے ہتھیلی کی پشت سے رگڑ ڈالیں۔

فرح ساتھ ہوتی تو مجال تھی کہ وہ اتنا بھی سوچ پاتی' اس کی ناختم ہونے والی باتیں اور نت نئے قصے راستے کی طوالت کو مختصر ترین کئے رکھتے تھے۔آج شاید سارا دن وہ اسے یاد کر کے ہی کام کرتی رہے گی' ثانیہ کا یہی خیال تھا۔

گاڑی جب آفس کے پارکنگ ایریا میں رک رہی تھی تو اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے سجاد کی گاڑی کو پہلے سے ہی وہاں کھڑا ہوا دیکھا تھا۔

عام طور پر وہ اسی وقت آتے تھے جب ان کی وین آفس پہنچتی تھی یا پھر دس پندرہ منٹ لیٹ' مگر آج ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں آفس آتے ہوئے تھوڑی سی دیر تو ضرور ہی ہو گئی ہے۔

اس کے ساتھ آفس میں داخل ہوتے جاوید صاحب نے ڈیوٹی پر کھڑے گارڈ سے پوچھا تو اس کے خیال کی تصدیق بھی ہو گئی۔

''سجاد کو آفس آئے تقریباً گھنٹہ ہونے کو آیا تھا۔''

''کوئی ضروری کام تو نہیں آ گیا' اخلاق صاحب ذرا آپ پتہ تو کریں سجاد صاحب سے۔''

ثانیہ نے سنا جب اس کے ساتھ چلتے ہوئے جاوید صاحب کسی اور کولیگ سے کہہ رہے تھے۔

ان کے لہجے میں ہلکی سی تشویش تھی جو اس محبت کا اظہار کر رہی تھی جو بابا اور سجاد سے ان کے سٹاف کا ایک ایک فرد کرتا تھا۔

وہ سیدھی اپنی سیٹ پر چلی آئی۔ معمول کا کام اس کی ٹیبل پر آ چکا تھا وہ بڑی دلجمعی سے اسے نمٹائے گئی۔

یہاں تک کہ اسے سجاد کی طرف سے طلبی کا پیغام ملا۔

چند لمحے تو وہ بالکل خاموش سی ہوئی اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

کسی نہ کسی کام کے سلسلے میں ان سے سامنا ہو ہی جاتا تھا' مگر پھر بھی وہ دن بدن حد درجہ محتاط ہوتی جا رہی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ان سے کم سے کم بات کرنا اور اس بارے میں قطعی نہیں سوچنا' یہ وہ پابندی تھی جو اس نے خود اپنے اوپر عائد کر لی تھی' حالانکہ سجاد کا رویّہ اس کے ساتھ بالکل نارمل تھا اور شاید وہ اس کے اور دوسرے سٹاف ممبرز کے درمیان کوئی فرق بھی نہ رکھتے ہوں' مگر وہ خود اپنے آپ سے خوفزدہ تھی۔

''آ جائیے۔''

اس کی دستک کے جواب میں فوراً ہی اسے ان کی آواز سنائی دی تو وہ اندر چلی آئی۔ اخلاق صاحب پہلے سے ہی موجود تھے اور کوئی فائل سامنے رکھے ہدایتیں وصول کر رہے تھے۔

''بیٹھئے۔'' انہوں نے ایک نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے اپنے ساتھ لائی فائل گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔

ان دونوں کی گفتگو اسی طرح جاری تھی چند منٹ میں ہی ثانیہ کو لگنے لگا جیسے وہ اسے یہاں بلا کر بالکل بھول چکے ہیں۔

نیچی نیچی نگاہوں سے وہ کسی وقت اطراف کا جائزہ لیتی اور پھر نگاہیں اپنی گود میں رکھی فائل پر جما دیتی۔

''اتنی دیر میں کتنا ہی کام نمٹا سکتی تھی۔'' تھوڑا سا الجھ کر اس نے پہلو بدلا تب ہی جیسے فائل پر نگاہیں جمائے سجاد نے اس کی بے چینی کو جانا۔

''کیا بات ہے ثانیہ بور ہو رہی ہیں کیا؟''

''جی نہیں تو سر۔''

اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

سجاد کی توجہ ابھی بھی پوری طرح اپنے سامنے رکھی فائل پر تھی اور انہوں نے ثانیہ سے بات کرتے ہوئے بھی اس کی طرف دیکھنا ضروری نہیں سمجھا تھا' صرف اس کا جواب سن کر ہلکے سے مسکرائے تھے۔

اور وہ اس مسکراہٹ کے سحر سے بھی بچنا ہی چاہتی تھی' سو فوراً ہی نگاہ چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ پلین گلاس کے گل دان میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی سرخ گلابوں کی ٹہنیاں ڈالی گئی تھیں اور ان کی تازگی اور شادابی کسی کی بھی توجہ تھوڑی دیر کیلئے خود پر مرکوز رکھ سکتی تھی' ثانیہ نے بھی اسی رنگ بھرے منظر میں دل لگانا چاہا۔

ایک' دو' تین' گیارہ' پندرہ....''

پوری سترہ' گلاب کے پھولوں سے بھری شاخیں تھیں تب ہی اخلاق صاحب کو فارغ کر کے وہ اس کی طرف متوجہ ہو ہی گئے۔

''لایئے دیجئے۔''

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس سے وہ فائل لی جو انہوں نے منگوائی تھی۔ چند منٹ وہ اسی انہماک سے ہاتھ میں پین لئے اسے چیک کئے گئے۔ اخلاق صاحب واپس جا چکے تھے اور اب کمرے میں بالکل خاموشی تھی۔

''مجھے اندازہ تو نہیں ہو رہا ہے' مگر پھر بھی پورے خلوص دل سے آپ سے معافی چاہتا ہوں۔''

سجاد کی آواز پر اس نے گڑبڑا کر سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

''کس بات پر سر؟'' بے ساختہ ہی اس کی زبان سے نکلا۔

''وہی جسے لے کر آپ پورے دو ہفتوں سے مجھ سے ناراض ہیں۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

آج بدھ تھا اور دو ہفتے پہلے ٹھیک بدھ والے دن ہی شیریں کی آمد کے بعد ہی اس نے اپنے اوپر بڑی سخت قسم کی پابندی عائد کی تھی' ثانیہ کو ان کے اندازے اور حساب دونوں پر ہی حیرت ہوئی۔

''آپ خود بتائیں گی یا چند سوالوں میں مجھے ہی پوچھنا پڑے گا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے سر۔'' وہ ہلکے سے مسکرائی۔

''بات تو خیر ہے۔'' ان کے چہرے پر بڑی یقینی قسم کی مسکراہٹ تھی۔ ''آپ بتانا نہیں چاہتیں تو اور بات ہے' خیر معلوم ہو ہی جائے گی۔''

وہی ٹھوک بجا کر بات کرنے والا انداز جس میں بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

وہ بحث کرنا بھی نہیں چاہتی تھی نہ اس کے پاس دلائل تھے اور نہ جواز اور پہلے ہی قدم پر مات تسلیم کر لینے کے بعد کم ہمتی کے علاوہ اس کے پاس بچا ہی کیا تھا۔

''کچھ بھی نہیں ہے سر یقین کریں۔'' اسے اپنے لہجے کی کمزوری کا بھی پورا احساس تھا' پھر بھی ان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بشاش سے لہجے میں وہی کہنا چاہا جو تھوڑا بہت بھرم برقرار رکھنے کیلئے ضروری تھا۔ میں تو ویسے ہی بہت کم بولتی ہوں' آپ کو پتہ ہی ہے۔''

''ہوں۔'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے شاید رحم کھا کر ہی اس کی دی ہوئی صفائی کو قبول کیا۔ ''ویسے فرح بہت دن تک آپ کو ایسا رہنے نہیں دے گی یہ بات تو طے ہے۔''

فرح کا نام بھی اس کی غیر موجودگی میں بڑی سپورٹ دیتا تھا' ثانیہ ہلکے سے ہنس پڑی۔ سجاد نے دانستہ اس کے چہرے سے نگاہ ہٹائی۔ ''خوش رہا کریں اور کسی بھی پرابلم میں خود کو اکیلا نہ سمجھا کریں یہ بس آپ سے کہہ رہا ہوں۔''

''جی۔''

گہری اپنائیت کا احساس جگاتا یہ انداز آفس میں سب ہی کیلئے یکساں تھا' ان کے سامنے بیٹھ کر یہ بات وہ مستقل ہی خود کو یاد دلائے جا رہی تھی۔

اس کی فائل پر وہ کچھ نوٹ لکھ چکے تھے سو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اور مہربانی کر کے آئندہ ایسا کچھ نہ کیجئے گا جس سے مجھے پھر پریشانی اٹھانی پڑ جائے۔''

وہ دروازے کے قریب پہنچی تھی جب اس نے سجاد کو کہتے سنا اس کا ہاتھ دروازے پر تھا۔ایک لمحے کیلئے وہ ٹھٹکی' مگر پھر بناء مڑ کر دیکھے کمرے سے نکل گئی۔

...☆☆☆...

آفتاب اپنے معمول کے مطابق سٹور پر موجود تھا ابھی دن کے تقریباً ساڑھے گیارہ ہی بجے تھے۔

یہ رش کا وقت نہیں تھا اور اکا دکا آنے والے گاہکوں کو اس کا مددگار لڑکا بخوبی نمٹا رہا تھا' آفتاب کو تھوڑی سی فرصت تھی سو وہ آج کا تازہ اخبار کھولے بیٹھا تھا۔وحید کی گاڑی جب عین اس کی دکان کے سامنے آ کر رکی تب ہی اس نے چونک کر اس طرف دیکھا۔یہ وقت عام طور پر ان کے آنے کا نہیں تھا اسے تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی انہیں دیکھ کر' مگر اظہار نہیں کیا۔آج وہ اندر گھر میں جانے کے بجائے سیدھے آفتاب کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

''کیسے ہو تم' کام تو اچھا چل رہا ہے نا۔'' وہ بڑی فکر کے ساتھ پوچھ رہے تھے۔

آفتاب کی حیرت اور بھی بڑھ گئی' دونوں بھائیوں میں کبھی بھی ایسے مراسم نہیں رہے تھے جس میں اس طرح کی گفتگو کی گنجائش رہی ہو' حالانکہ اس نے تو اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کی تھی کہ جیسے بھی ہو وہ ان کے احترام میں کبھی کمی نہ آنے دے' مگر اپنے ایکسیڈنٹ کے موقع پر ان کی ظالمانہ بے حسی نے اس کے جذبات کو بڑی بری طرح ٹھیس پہنچائی تھی۔

اس کی زندگی پر اس حادثہ نے بڑے گہرے اثرات مرتب کئے تھے۔زندگی کا نقشہ جیسے یکسر ہی بدل چکا تھا' اس کا دل کبھی بھی یہ ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتا تھا کہ حصے میں آئی محرومی کی ذمہ داری صرف

قدرت پر ہی ڈال دی جائے' اگر وحید بھائی بروقت مدد کرتے ایک کوشش تو کی ہی جا سکتی تھی۔بعد میں بینا کے زیور بکنے اور ادھر ادھر سے پیسے اکٹھے کرنے میں جو وقت ضائع ہوا تھا وہ نہ ہوتا تو کیا خبر بہتری کی کوئی صورت نکل ہی آتی' مگر اس رنج بھرے پچھتاوے کو وہ ان کے سامنے کبھی بھی گلہ بنا کر لبوں پر نہیں لاتا تھا۔

''مجھے تمہاری بڑی فکر رہتی ہے' چھوٹا سا کاروبار اور ذمہ داریاں زیادہ کوئی پریشانی ہوا کرے تو مجھ سے کہہ دیا کرو تکلف مت کیا کرو۔''

آج کا دن یقیناً بڑا ہی عجیب تھا۔

''نہیں وحید بھائی اللہ کا شکر ہے کہ اچھی گزر بسر ہو رہی ہے' کرم ہے اس مالک کا۔''

بمشکل ہی آفتاب خود کو تلخ ہونے سے بچا پایا۔

“چلو اچھی بات ہے۔” وہ دل میں مایوس تو ہوئے' مگر ازلی ڈھٹائی ان کے بڑے کام آتی تھی۔ “ویسے یہ بھی ہے کہ تمہیں بیوی کی طرف سے بڑی سپورٹ حاصل ہے سرکاری نوکری ٹیوشن مل ملا کر اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہو گی بینا کی' جب ہی تمہیں بے فکری رہتی ہے۔”

آفتاب کا دل تو چاہا کہ جس طرح وہ بینا کی نوکری کا ذکر طنزیہ انداز میں کر رہے ہیں انہیں ایک بار تو یاد دلا ہی دے کہ وہ تو خود مکمل طور پر فرحت بھابی کے خاندان کے بل پر یہ ساری شان و شوکت بنائے ہوئے ہیں۔

“یہ گاڑی نئی خریدی ہے کیا آپ نے؟” اس نے جان بوجھ کر موضوع بدلنا چاہا۔

“ارے نئی کہاں۔” انہوں نے ایک اکتائی ہوئی نگاہ سامنے کھڑی چمکتی ہوئی گاڑی پر ڈالی۔ “سجاد کے پاس فالتو کھڑی رہتی تھی میں نے کہا اگر ضرورت نہیں ہے تو لاؤ مجھے دے دو' یوں ہی کھڑے کھڑے تو بالکل ہی بے کار ہو جائے گی۔”

آفتاب نے ایک گہری سانس لی۔

سجاد اور ان کے خاندان کی شرافت اور وسیع القلبی کی اس کے دل میں بڑی قدر تھی اور کسی کسی وقت تو وحید بھائی کے گھٹیا پن پر اتنا شدید غصہ آنے لگا تھا' جس کی کوئی حد نہیں۔

“چلیں' فری میں اتنی اچھی گاڑی مل گئی آپ کو۔”

وہ زبردستی مسکرایا' مگر وحید نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی۔

“فری میں کیسے دوں گا تھوڑے تھوڑے کر کے شکر ہے کسی کا ایک روپیہ نہیں ہے میرے اوپر ہم تو حساب صاف ہی رکھتے ہیں۔”

وہ بلا کے جھوٹے تھے اور ناشکرے بھی۔

“سب لوگ خود ہی فرض کر لیتے ہیں کہ جیسے مجھے فرحت کے گھر والوں سے بڑی مدد حاصل ہے' حالانکہ وہ جو دیتے ہیں اپنی بہن کو دیتے ہیں اور اسے بھی کیا دیتے ہیں۔ صرف “رحمت منزل” کے آدھے فلیٹس کا کرایہ تو وہ فرحت جانے' میرا کیا واسطہ میں تو خود ہی ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار کر چار پیسے کما لیتا ہوں' بیوی کے پیسے پر نظر رکھنے والے بے غیرت لوگ ہوتے ہیں ہم نے تو ہمیشہ عزت کو ہی سب کچھ جانا ہے۔”

خود اپنی تعریف کا کام وہ بڑے شوق سے انجام دے لیا کرتے تھے' مگر تھوڑی دیر تک اپنے گن گانے کے بعد انہیں اچانک ہی وہ ضروری بات یاد آ گئی جسے کرنے کیلئے وہ یہاں آئے تھے۔

“اس روز بینا نے میرے ساتھ بہت بدتمیزی کی تمہیں پتہ تو چلا ہو گا۔”

آفتاب نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

“میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی ذلت اٹھانی پڑے گی مجھے تمہاری بیوی کے ہاتھوں' کوئی اور ہوتا تو میں اسے اچھی طرح دیکھ لیتا' مگر کیا کرتا تمہارا خیال آڑے آ گیا۔”

جب سے وہ آئے تھے آفتاب اس وقت سے منتظر تھا کہ وہ اس بات کو کب چھیڑتے ہیں۔ گو بینا نے اسے بہت واضح الفاظ میں کہا تھا کہ نہ تو وہ ان سے معافی مانگے گی اور نہ ہی یہ پسند کرے گی کہ آفتاب اس کی طرف سے ان سے معافی مانگے۔

مگر پھر بھی محض بات ختم کرنے کی خاطر اس نے ان سے معذرت چاہی۔

“بینا کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگ لیتا ہوں۔ اس کا مقصد بھی آپ کی بے عزتی کرنا نہیں تھا۔ بس وہ جذباتی جلدی ہو جاتی ہے اسی لئے شاید....” اسے یاد آیا کہ ثانیہ والی بات کو لے کر بینا ابھی تک کتنی زیادہ ناراض ہے۔

''ارے چھوڑو ایسا میں نے کیا کہا تھا' دوسری شادی کرنا جرم ہے کیا جیسی تلخ زندگی میں نے گزاری ہے اس میں کیا اتنا بھی حق نہیں ہے مجھے۔''

ان کی زندگی کے بارے میں بحث لاحاصل تھی۔

''بینا کو صرف ثانیہ کا نام لینا اچھا نہیں لگا تھا وحید بھائی' ورنہ اور کوئی بات نہیں۔''

اس نے مختصر سی صفائی پیش کی' مگر وہ اور بھی غصے میں آ گئے۔

''کیوں نہیں لے سکتا ثانیہ کا نام' ارے میں نے تو سوچا چلو غریب لڑکی ہے بے ٹھکانہ اسے اور اس کی ماں کو بھی سکون مل جائے گا' مگر تمہاری بیوی انتہائی بدتمیز عورت۔''

آفتاب کے لب بھینچے ہوئے تھے۔ اگر وہ اس کے بڑے بھائی نہ ہوتے تو شاید وہ بینا کیلئے اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے پر انہیں معاف نہیں کر سکتا تھا۔

''پھر یہی نہیں اس نے مجھے گھر سے نکل جانے کو بھی کہا' ایک معمولی سی لڑکی کی خاطر جس سے نہ کوئی رشتے داری اور نہ۔۔۔''

''میں سمجھا دوں گا بینا کو آئندہ آپ کو اس سے شکایت نہیں ہو گی۔'' آفتاب نے بات مختصر کرنا چاہی تو کچھ سوچ کر وہ بھی چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گئے۔ آفتاب ان کیلئے چائے منگوا چکا تھا۔

''غلطی میری تھی مجھے اس کے بجائے تم سے بات کرنی چاہئے تھی' تم بھائی ہو میرے مسئلہ کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو۔''

چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے انہوں نے دوبارہ بات شروع کی تو انداز ایک بار پھر بدل چکا تھا۔ آفتاب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کہنے والے ہیں۔

''اس رشتے میں کوئی برائی نہیں ہے تم جا کر ثانیہ کے گھر والوں سے بات کرو' ان کے ہاں سرپرستوں میں صرف ماموں ہی ہیں کچھ دینے دلانے کی بات کر لینا آسانی سے مان جائیں گے۔''

وہ اتنے پر اعتماد تھے کہ آفتاب سے انہیں ٹوکا تک نہیں گیا۔ ''علیحدہ گھر' خرچہ اور بھی کچھ نہ کچھ شرط رکھیں گے یقیناً مان لینا میری طرف سے اجازت ہے۔''

غلیظ سی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوتی جا رہی تھی' آفتاب کی سمجھ میں اچھی طرح آ رہا تھا کہ بینا اس روز کیوں خود پر ضبط نہیں کر سکی تھی۔

اس روز اس نے انہیں گھر سے نکالا تھا آج اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ وحید کو دکان سے دھکا دے کر سڑک پر کھڑا کر دے' مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ محلہ جہاں اس نے زندگی کا اچھا برا دونوں وقت دیکھا تھا یہاں اس کی بڑی عزت تھی۔ وحید بھائی سے زیادہ وہ خود تماشا بن جاتا' اگر انہیں کچھ بھی کہتا۔ سو اس نے بیناوالی جذباتیت سے بمشکل بچ نکلتے ہوئے آہستہ سے صرف اتنا ہی کہا۔

''یہ ممکن نہیں ہے وحید بھائی' ثانیہ کے ماموں اچھے عزت دار شخص ہیں وہ کبھی اس رشتے پر راضی نہیں ہوں گے' آپ کوئی دوسرا مناسب رشتہ دیکھ لیں۔''

''بند کرو اپنی بکواس۔'' پیالی ٹرے میں پٹخ کر وہ کھڑے ہوتے ہوئے چلائے۔ ''وہی تو بولو گے جو تمہاری بیوی نے سکھایا ہے آئے بڑے مجھے سبق پڑھانے والے۔''

آفتاب نے نوٹ کیا تھا کہ قریب سے گزرتے ہوئے لوگوں نے نگاہ اٹھا کر ان دونوں کی طرف دیکھا تھا۔

''مجھے کسی سے سبق لینے کی ضرورت نہیں ہے وحید بھائی میں ایک صحیح بات آپ سے کہہ رہا ہوں۔'' اس بار بھی اس کا لہجہ نرم ہی تھا' مگر وہ اب ایک سیڑھی اتر کر نیچے جا کھڑے ہوئے تھے۔

''تمہارے نزدیک صرف وہی بات صحیح ہے جو تمہاری بیوی کہتی ہے' اصل میں تم ڈرتے ہو اس سے کہیں وہ تمہاری اس معذوری سے تنگ آ کر تمہیں چھوڑ کر نہ چلی جائے اور دیکھ لینا ایک دن وہ یہی کرنے والی ہے۔''

گو اس بار وہ چلائے نہیں تھے' مگر آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ اگر کوئی آس پاس تھا تو اس نے ضرور ہی سنا ہو گا۔

آفتاب کو کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہونے میں تھوڑی سی دقت ہوئی۔

''اسی دن میں تم سے پوچھوں گا تمہاری اس سمجھدار اور وفادار بیوی کے بارے میں۔''

ان کی نگاہیں اور لہجہ دونوں ہی زہر ہو رہے تھے۔

اپنی بات کہتے ہی وہ گاڑی کی طرف بڑھ چکے تھے۔

رنج اور غصہ کے شدید گہرے احساس میں گھرا آفتاب وہیں کاؤنٹر کا کونہ پکڑے کھڑا تھا۔

اور اگر وہ اس معذوری کا شکار نہ ہوا ہوتا تو یقیناً زندگی میں پہلی بار وحید بھائی کی برائی اور گلی میں تماشا بننے کے خوف سے بالکل بے نیاز ہو کر اس وقت یہیں سڑک پر وحید کو اتنا مارتا' اتنا مارتا کہ وہ ساری زندگی اس سے بات کرنے کے قابل تک نہیں رہتا۔

نظروں سے دور ہوتی وحید کی گاڑی کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں تک جل رہی تھیں۔

''مگر' اگر وہ ٹھیک ٹھاک ہوتا تو وحید کو اتنی گری ہوئی بات کہنے کی ہمت ہی کیسے ہوتی۔''

وہ اپنے اندازے کی درستگی پر خوش ہو گئیں۔

''بھابی' ایک بات کہوں۔'' وہ کچھ جھجک کر بولی۔

''ہاں' ہاں مجھ سے کیسا تکلف۔''

کسی حد تک وہ اس کے حالات سے واقف بھی تھیں' ''ایک آدھ بار امی کے فون کو ٹال دیا کریں پلیز۔ کہہ دیا کریں کہ ہم لوگ گھر پر نہیں ہیں تالا لگا ہوا ہے۔''

مہر و خالہ کی بہو حیرت سے اسے دیکھنے لگی' مگر اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔

''اور بھابی اگر وہ آپ سے یہاں کا ایڈریس سمجھنا چاہیں تو بھی انہیں کسی طرح ٹال دیجئے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ لوگ یہاں آئیں۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو نینی؟'' مارے حیرت کے وہ چولہے کی آنچ بالکل ہلکی کر کے اس کے قریب آ کھڑی ہوئیں۔ ان کی آدھی زندگی اسی عمارت میں گزر چکی تھی اور انکے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ شبہ نہیں گزر سکتا تھا کہ یہاں رہنا کوئی قابل شرم بات ہو سکتی ہے۔

''لاکھ ناراضگی سہی' مگر اپنے ماں باپ سے دور تھوڑی رہا جا سکتا ہے اور دیکھنا وہ یہاں آئیں گی تو کتنی خوش اور مطمئن ہو کر جائیں گی' یہاں کے ماحول میں کتنا خیال اور اپنائیت ہے۔''

نینی ان کی سیلف ریسپیکٹ کو ٹھیس لگانا نہیں چاہتی تھی سو اصل ''وجہ'' کو تھوڑے بدلے ہوئے الفاظ میں سنانا پڑا۔

"فیضی کسی کا آنا پسند نہیں کرتے ان کے رشتے دار نہیں ملتے اس لئے انہیں میرے بھی۔۔۔"

"والدین رشتے دار نہیں ہوتے بلکہ وہ تو ہر رشتے کی بنیاد ہوتے ہیں، تمہیں فیضی کی یہ بات تو بالکل بھی نہیں ماننی چاہئے۔" بھابی سے رہا نہیں گیا تو انہوں نے اس کی بات پوری سنی بھی نہیں۔

"میں چاہتی ہوں ابھی کچھ عرصے جو وہ کہے ویسا ہی کرتی رہوں، گاڑی کی وجہ سے ویسے ہی بہت پریشانی ہے۔"

"اچھا، وہ کچھ متفق ہو گئیں۔" چلو جیسا تم کہہ رہی ہو ویسا ہی کروں گی۔ تمہاری گاڑی کا کچھ پتہ چلا؟"

"نہیں، ابھی تک تو کچھ بھی نہیں ہوا، روز جا رہے ہیں یہ۔"

وہ انہیں بتاتی ہوئی واپس آئی تو فیضی منتظر تھا۔

"تم نے بتایا تو نہیں گاڑی کا۔" بڑی بے تابی سے اس نے سوال کیا تو وہ گڑبڑا سی گئی۔

"نہیں۔"

"بہت اچھا کیا میں نہیں چاہتا کسی بھی بہانے وہاں سے یہاں کوئی آئے، ہاں تم جانا چاہو تو مل کر آ جاؤ، پر اب تو گاڑی بھی۔۔۔"

نینی نے اس کے مایوس سے چہرے کو نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ "مجھے کہیں نہیں جانا، تم فکر مت کرو۔"

...☆☆☆...

آفتاب نے بینا سے وحید بھائی کے متعلق کوئی بات نہیں کی تھی۔ مگر خود اس کے اپنے دل ودماغ کی جو کیفیت تھی وہ، وہ خود ہی سمجھ سکتا تھا، جس جیسے ہر بات سے اچاٹ ہوا جا رہا تھا اور حوصلہ پھر سے بالکل صفر پر آ چکا تھا۔

دو دن جب وہ بستر پکڑے لیٹا رہا تو بینا یہی سمجھے گئی کہ موسمی وائرس کی وجہ سے طبیعت خراب ہے دو ایک دن میں ٹھیک ہو جائے گی، مگر جب دو، تین اور چار دن بھی گزر گئے تو اسے تشویش گھیرنے لگی۔

گلی کے کونے پر جن ڈاکٹر صاحب کا کلینک تھا وہ پابندی سے اسے دیکھنے آ رہے تھے۔ کل انہوں نے علیحدگی میں بینا سے کہا تھا کہ وہ اب بالکل ٹھیک ہے، مگر ذہنی طور پر کسی پریشانی کا شکار ہے۔

"آپ بیوی ہیں، بہتر طور پر جان سکتی ہیں ان کی کنڈیشن کو، ویسے تو آفتاب صاحب نے خود کو بہت سنبھال لیا ہے، مگر اس طرح کی صورتحال میں انسان عدم تحفظ کا شکار عام طور پر ہو ہی جاتا ہے۔"

بینا ان کے جانے کے بعد بھی دیر تک سوچے گئی۔ گھر میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا۔ کام ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا اور خود ان دونوں کے درمیان مثالی انڈرسٹینڈنگ تھی۔ پھر ایسا کیا تھا جو آفتاب کو اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا اور اسے خبر تک نہیں ہوئی۔

سچی بات تو یہ کہ اسے اپنے آپ سے شرمندگی ہو رہی تھی، جاب، گھر، بچے، ٹیوشن۔ صبح سے رات تک گھن چکر بنی وہ ان ہی سب سے نمٹتی رہتی، مانا یہ سب بھی وہ آتاب کو زیادہ سے زیادہ سکون اور سہولت پہنچانے کیلئے ہی کر رہی تھی، مگر شاید اس ساری بھاگ دوڑ میں خود آفتاب کہیں پیچھے ہی رہ گیا تھا۔

کئی کئی دن گزر جاتے، اس کے پاس فرصت سے بیٹھ کر کچھ بات کرنے کا وقت ہی نہیں مل پاتا تھا، وہ خود بھی گھر پر کم ہی دکھائی دیتا تھا، باہر اپنے سٹور پر زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کو ترجیح دیتا۔

بینا کو بھی یہی سوچ کر سکون ہوتا کہ وہ جتنا لوگوں میں گھل مل کر رہے گا اس کی صحت کیلئے بہتر رہے گا۔

مگر اب ساری تھیوری فیل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ اسے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں تھوڑا وقت اور گزر گیا تو آفتاب واپس مایوسی کی اس اتھاہ گہرائی میں نہ چلا جائے جہاں سے وہ بڑی مشکل سے اسے نکال پائی ہے۔

آفتاب کے کمرے میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی، تھوڑا سا چونک کر وہ تیزی سے واپس اس کے کمرے میں آئی تو وہ فون اٹھا چکا تھا۔

''ہیلو، ہیلو۔''

معلوم نہیں لائن میں خرابی تھی یا کیا کہ آفتاب کو دوسری طرف سے کوئی رسپانس نہیں مل رہا تھا۔

''پتہ نہیں کون گدھا ہے جب بات کرنی نہیں ہوتی تو بیٹھے نمبر کیوں ملاتے رہتے ہیں، بہت فرصت ہے لوگوں کے پاس شاید۔'' بہت جھنجلا کر ریسیور کو کریڈل پر پٹخ کر وہ کہہ رہا تھا۔

''ہو جاتا ہے کبھی کبھار اتنا غصہ مت کرو۔'' وہ نرمی سے کہتے ہوئے اس کے قریب آ بیٹھی، مگر وہ اور بھی بھڑک گیا۔

''کس پر غصہ کر رہا ہوں، اپنے آپ پر نا، کسی دوسرے کا گلا تو نہیں دبا رہا ہوں، پھر کیا تکلیف ہے تمہیں۔'' بینا خاموش رہی۔

جب بھی وہ اس طرح کے پریشان کن دور سے گزر رہا ہوتا اسی طرح ہر بات کا الٹا جواب پکڑاتا اور تھوڑی دیر میں جب اسے اپنی زیادتی کا احساس ہوتا تو خود ہی ٹھیک ہو جاتا۔ اس وقت بھی تھوڑی دیر میں اس کا موڈ بحال ہونا شروع ہو گیا تھا۔

''اصل میں ایک جگہ پڑے پڑے بھی تو گھبراہٹ ہونے لگتی ہے، انسان کرے بھی تو کیا کرے۔'' جب وہ شرمندہ سے لہجے میں کہہ رہا تھا تو بینا اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بہت محبت سے بولی۔

''تو کس نے کہا ہے کہ بستر سنبھال لو، ماشاءاللہ اب بالکل ٹھیک ہو، جا کر اپنے سٹور کو دیکھو۔ وہ تمہارا لڑکا بے چارہ دس بار آ کر پوچھتا ہے کہ آفتاب بھائی خود کب آ کر بیٹھیں گے؟'' ایک پھیکی سی مسکراہٹ آفتاب کے چہرے پر پھیل گئی۔

''معلوم نہیں ابھی اور کتنے دن.....''

اس کے لہجے میں مایوسی تھی اور آگے بھی وہ جو کچھ کہتا یقیناً ڈپریسنگ ہی ہونا تھا، بینا نے اسی لئے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔

''ڈاکٹر صاحب کہہ کر گئے ہیں کہ تم جتنی جلدی اپنے معمول کے روٹین میں آ جاؤ گے اتنا ہی تمہارے لئے بہتر ہو گا۔''

اس بار وہ خاموش رہا۔ سٹور پر جانے کے خیال سے ہی اسے وحید کی وہاں آمد یاد آتی تھی اور وہ گھٹیا سے الفاظ بھی، جو وہ بینا کے بارے میں کہہ کر گئے تھے۔

''کیا خبر اس کی معذوری اور حالات سے تنگ آ کر وہ اسے واقعی کبھی چھوڑ ہی جائے۔''

یہ وہ خوفناک وہم تھا جو نہ چاہتے ہوئے بھی آہستہ آہستہ اسکے دل میں پل رہا تھا۔

''تمہیں وحید بھائی کی مخالفت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ ہلکے سے بولا، بینا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اتنے دن سے اس کی پریشانی میں وہ حید سے متعلق ناگوار باتوں کو بھی بھولے ہوئے تھی اس لئے اس وقت اسے یہ ذکر بھی بڑا غیر متعلق سا لگا۔

''وحید بھائی کا اس وقت کیا ذکر آفتاب اور ان کی بات تھی ہی اتنی فضول کہ کوئی بھی سن کر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔''

''میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔''

وہ تکیہ کے سہارے تھوڑا اونچا ہو کر بیٹھا۔ ’’منع ہی کرنا تھا تو طریقے سے کرتیں اتنا ہنگامہ مچانے کی کیا ضرورت تھی‘ پتہ بھی ہے کہ وہ کس طرح کے شخص ہیں۔‘‘

وہ بہت تلخ ہو رہا تھا‘ حالانکہ جس روز اس نے خود آفتاب کو اپنی اور وحید بھائی کی تلخ کلامی کے بارے میں بتایا تھا اس روز تو اس نے بہت پرجوش سے انداز میں اس کی حمایت کی تھی‘ مگر اب جب یہ واقعہ خاصہ پرانا ہوتا جا رہا تھا تو یکا یک اسے کیوں یاد آیا تھا؟

اسی سوالیہ نشان کا جواب اسے ڈھونڈنا تھا‘ مگر وحید جیسے شخص کو تھوڑی سی رعایت دینے کیلئے اس کا دل ابھی بھی ذرا تیار نہیں تھا۔

’’میں نے بالکل ٹھیک کیا تھا ان کے ساتھ وہ ہیں ہی اسی قابل اور آئندہ بھی اگر انہوں نے ایسا کچھ کہا تو وہ مجھ سے سنیں گے۔‘‘

’’خبردار جو تم نے اب اس بات کو آگے بڑھایا۔ وہ کیا کرتے ہیں کیا نہیں؟ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔‘‘ آفتاب کا لہجہ زیادہ ہی سخت تھا اور چہرہ بالکل بے تاثر۔

بینا نے ایک پرسوچ سی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ ’’تم کیوں اس بات کو لے کر پریشان ہو رہے ہو اب تو وہ بہت دن سے ہمارے گھر آ بھی نہیں رہے۔‘‘

’’وہ آئے تھے۔‘‘

آفتاب کی آواز دھیمی تھی۔ ’’گھر پر نہیں میرے سٹور پر مجھے بتانے کہ تم نے کتنی بڑی خطا کی ہے ان کے سامنے کھڑے ہو کر۔‘‘

اس کی آواز میں اتنی شکست خوردگی تھی کہ بینا کو دل پر چوٹ سی پڑتی محسوس ہوئی۔

’’کیا کہا انہوں نے تمہیں؟‘‘

بینا کو خود اپنا سوال بے معنی سا لگا۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ وحید بھائی کس حد تک گر سکتے ہیں اس کے بارے میں انہوں نے جو نہ کہا ہو وہ کم تھا۔ آفتاب نے دانستہ اس سے نگاہ چرا کر سامنے ادھ کھلے دروازے پر جما دی۔ آتی سردی کی نرم سی دھوپ سامنے فرش پر مثلث سا بنا رہی تھی۔

بینا سمجھ گئی کہ وہ اسے نہیں بتانا چاہ رہا ہے جو کچھ بھی اس نے سنا ہے۔

یہ اس کیلئے پھر سے اتنا ہی تکلیف دہ ثابت ہوتا شاید اور وہ ایسا کچھ بھی نہیں چاہتی تھی جو آفتاب کی تکلیف میں اضافے کا سبب بنے۔

’’ان کی باتوں کا تو افسوس بھی مت کرو‘ ایسے لوگوں کی باتیں یاد رکھنے کے قابل نہیں ہوتیں‘ تم بیکار میں دل پر لگا کر بیٹھ گئے ہو۔‘‘

دفعتاً ہی اسے آفتاب کی بیماری کا سبب سمجھ میں آنے لگا تھا۔

’’مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ میں ان کو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکا‘ صرف اپنی معذوری کی وجہ سے بے بس ہو گیا میں ان کے سامنے۔‘‘

وہ اس کھلتی ہوئی دھوپ پر نگاہ جمائے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا بینا کی تسلی دلاسہ اس نے کچھ بھی نہیں سنا تھا۔

اس کے چہرے پر اتنا کرب پھیلا تھا کہ بینا کو لگنے لگا کہ وہ رو دینے کو ہے۔

”میں ابھی فرحت بھابی کو فون کر کے بات کرتی ہوں آج ہی یہاں بلوا کر....“

وہ بڑے فطری سے انداز میں غصہ میں آنے لگی۔ ”تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔“ اس بار اس نے مڑ کر پاس بیٹھی بینا کی طرف دیکھا۔ ”مجھے اور نیا تماشہ نہیں چاہئے‘ بار بار کی ذلت سہنا میرے بس سے باہر ہے۔“ اس کے لہجے میں بڑی سخت سی تنبیہ تھی اور بڑے غیر محسوس سے انداز میں اس نے بینا کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا۔

...☆☆☆...

ثانیہ تھوڑی دیر پہلے ہی آفس سے گھر پہنچی تھی۔ لبنیٰ بیوٹی پارلر سے اس کے آنے کے بعد آتی تھی‘ گھر میں اس وقت اماں اور ممانی ہی ہوا کرتے تھے۔ الگ الگ‘ اپنی اپنی دنیا میں۔

فریش ہو کر وہ باہر آئی تو اماں عصر کی نماز شروع کر چکی تھیں۔ کچن کے دروازے میں کھڑے ہو کر اس نے یوں ہی اندر کا جائزہ لیا۔ ماسی رکھے جانے کے بعد حالات بڑی حد تک قابو میں آچکے تھے برتن دھلے ہوئے اور کچن بالکل صاف تھا۔

ثانیہ کیلئے سب سے بڑا اطمینان یہ تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں اب اماں کو کام میں نہیں لگنا پڑتا تھا اور ممانی نے بھی مصلحتاً اس موضوع پر خاموشی اختیار کر لی تھی۔ پیسے کون سا ان کی جیب سے جا رہے تھے‘ ثانیہ دے رہی تھی اور اپنے ہی آرام کیلئے دے رہی تھی۔

چند دن خفگی جتانے کے بعد وہ اب اطمینان سے اپنے چھوٹے موٹے کام بھی اس سے کروا لیتیں‘ سر میں مالش کروالیں‘ ٹانگیں دبوا لیتیں‘ بڑا آرام ملتا۔

تھوڑا سا رعب محلے والیوں پر بھی پڑ گیا تھا کہ وہ بھی اب ملازم ”افورڈ“ کرنے کے قابل ہو گئی ہیں۔ کھٹک دل میں بس یہی ہوتی تھی کہ ثانیہ کو جس طرح سے وہ رگڑ کر رکھنا چاہتی تھیں وہ ممکن نہیں ہو پا رہا تھا۔

بڑے ٹھاٹھ سے وہ صبح آفس کی گاڑی میں بیٹھ کر جاتی اور آتی کسی نہ کسی موقع پر حساب برابر کرنے کی خواہش دل میں ہر وقت کروٹ لیا کرتی تھی۔

گیٹ کی بیل ہو رہی تھی۔ اماں کی نماز ابھی ختم نہیں ہوئی تھی اور ممانی شاید اٹھ کر دروازہ کھولنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ ثانیہ نے دو ایک منٹ انتظار بھی کیا۔ ممانی کو اس کے گیٹ پر جانے پر شروع دنوں میں بڑا اعتراض رہا کرتا تھا۔

وہ تب ہی سے محتاط رہنے لگی تھی‘ مگر اس وقت کسی کے بھی دستیاب نہ ہونے کی بناء پر اسے ہی گیٹ کھولنے کیلئے جانا پڑا۔ کھلے ہوئے دروازے کی دوسری طرف بڑا ہی خوشگوار ”سرپرائز“ تھا۔

”شہزاد۔“

ثانیہ نے بے حد خوشی کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

”جناب۔“ وہ مسکراتے ہوئے ذرا سا جھکا۔ ”آپ تو یاد کرتی نہیں میں نے کہا میں خود ہی یاد دلا دوں کہ آپ کا ایک چھوٹا بھائی بھی ہے۔“

ہاتھ سے اس کے سر کو چھوتا ہوا وہ اندر چلا آیا‘ یہ بڑی بے لوث سی محبت تھی جس کا وہ اظہار کر رہا تھا۔

”کتنے بدل گئے ہو تم‘ اچھے خاصے سمارٹ نکل آئے ہو۔“ ثانیہ کی آواز خوشی سے لبریز ہو رہی تھی۔ ”آپ کی ذرہ نوازی ہے ورنہ سکول کے زمانے میں تو آپ نے میرے کتنے ہی نام رکھ چھوڑے تھے۔“

”جب تم تھے ہی اسی قابل۔“ وہ زور سے ہنس پڑی۔

”آئو اندر آئو۔“

وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ ''اماں نماز پڑھ رہی ہیں' تم سناؤ کیا حال ہے نواب شاہ میں'' گھر پر محلے میں سب جگہ خیریت تو ہے؟''

شہزاد کی آمد کے ساتھ جیسے سارا پچھلا دور پلٹ کر آ گیا تھا' وہ بے صبری سے ایک ایک کی خیریت پوچھنے کیلئے بے تاب ہو رہی تھی۔

''مت پوچھئے' پوری گلی اداس ہے اور آپ کی بے وفائی پر حیرت زدہ بھی ہے۔ کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ آپ بڑے شہر کی رنگینیوں میں کھو کر اپنے غریب بہن بھائیوں کو بھول جائیں گی۔''

مصنوعی سی سنجیدگی طاری کر کے اس نے بڑی روانی سے منظر کشی کی۔

''بکومت۔'' وہ جھینپ کر مسکرائی۔ شہزاد واقعی اس دو سال کے عرصے میں بہت بدلا' دبلا پتلا لمبا سا لڑکا جو اسے اور اماں کو لے کر بڑی ذمہ داری کے ساتھ نواب شاہ سے چلا تھا بخیر و خوبی جمیل ماموں کے گھر تک پہنچا کر گیا تھا' اب ایک خاصے معقول سے حلیے والا لڑکا دکھائی دے رہا تھا اور یہی نہیں نواب شاہ والے گھر کی دیکھ بھال اور وقتاً فوقتاً اس کی اور اماں کی خیریت پوچھنے کا فریضہ بھی اس کا گھرانہ کر رہا تھا جن سے کوئی خونی رشتہ نہ سہی' مگر دل کا مضبوط ناطہ تھا۔

''یاد ہے آپ نے کہا تھا کہ مہینے دو مہینے میں تو ہم ضروری چکر لگا لیا کریں گے نواب شاہ کا آج آ رہی ہیں آپ۔''

اس کے شکوے میں بھی محبت تھی۔

''تب کچھ اندازہ ہی نہیں تھا شہزاد کہ وقت اس رفتار سے بھاگے گا۔'' وہ ہلکے سے بولی۔

''آپ خوش تو ہیں نا ثانیہ باجی۔''

وہ کچھ فکر مندی سے اس کی طرف دیکھنے لگا تو وہ مسکرا دی۔ دو سالوں سے بھی کچھ زائد عرصے میں زندگی نے کتنے ہی رنگ دکھائے تھے اور ان بدلتے رنگوں کے ساتھ ایڈجسٹ کرتے کرتے وہ خود بھی بالکل بدل چکی تھی۔

مگر یہ روداد' شہزاد کو سنانی کیا ضروری تھی جبکہ وہ بے چارہ اتنے عرصے بعد محض اس کی اور اماں کی محبت میں دوڑا چلا آیا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں تم میری فکر تو اب ذرا بھی نہ کرو۔''

''ہاں وہ آپ کی جاب کیسی جا رہی ہے' آپ نے فون پر بتایا تھا نا۔'' شہزاد کو اس کی طرف سے ابھی مزید اطمینان درکار تھا۔

''ایک دم فرسٹ کلاس جاب بھی اچھی ہے اور کنوینس پرابلم بھی نہیں ہے' صبح آٹھ بجے....''

وہ اسے صرف اچھی اچھی باتیں سنانا چاہتی تھی' سو وہی روانی سے سنائے گئی' ابھی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ کسی نے کمرے کے ادھ کھلے دروازے میں سے اندر جھانکا۔

یہ ممانی تھیں۔

''آ جائیں ممانی یہ شہزاد آیا...۔''

اس نے خوش دلی سے انہیں بتانا چاہا' مگر وہ اس طرح بدک کر پیچھے ہٹیں جیسے نامعلوم کس غلطی کی مرتکب ہو گئی ہوں۔

ثانیہ کو بے حد شرمندگی ہوئی۔

"شاید تم کو پہچانی نہیں۔"

"جی مجھے بھی ایسا ہی لگا۔" شہزاد نے اسے مزید شرمندہ کرنا مناسب نہیں سمجھا' سو وہ اپنے پروگرام کے متعلق بتانے لگا۔ وہ دو ایک دن پہلے یہاں کسی کام سے آیا تھا اور آج رات واپس جا رہا تھا۔

"ایک رات یہیں رک جائو۔ جمیل ماموں آئیں گے تو مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

ثانیہ اصرار کرنے لگی۔

"پھر آئوں گا ثانیہ آپا۔" وہ ملائمت سے منع کئے جا رہا تھا' تب ہی ممانی کے دور سے کچھ کہنے کی آواز آنے لگی اور اماں کے نزدیک آتے قدم بھی سنائی دے گئے۔

"ثانیہ کون آیا ہے۔" وہ باہر سے ہی پوچھتی آ رہی تھیں' ان کے لہجے میں استفسار سے زیادہ تشویش تھی' پتہ نہیں ممانی نے ان سے کیا کہا تھا۔

شہزاد خود ہی اٹھ کر آگے بڑھ گیا۔

"السلام علیکم خالہ۔"

اگلے ہی لمحے وہ ان کے کندھے سے لگا دعائیں لے رہا تھا۔

"میں یہی سوچ رہی تھی کہ ثانیہ کا ایسا کون سا مہمان آ گیا جسے لے کر وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئی ہے۔ تو اماں نے ممانی کی بابت ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا' مگر اسے اندازہ تھا کہ ممانی نے انہیں یہ اطلاع کس طرح دی ہوگی۔ شہزاد کو اماں سے باتیں کرتا چھوڑ کر وہ اس کیلئے چائے بنانے کیلئے اٹھنے لگی تو وہ جلدی سے بولا۔

"بس چائے بنایئے گا ثانیہ آپا' کسی اور تکلف میں مت پڑیئے گا تو آپ لوگوں سے مل کر اب سیدھا بس سٹینڈ جائوں گا۔"

وہ اس کی بات کو ان سنا سا کر کے کچن میں چلی آئی' چائے کا پانی ہلکی آنچ پر رکھ کر وہ ٹرے میں پلیٹیں رکھنے لگی۔

اماں کے بھوکا رہ جانے کے خیال سے اب وہ اتنا کچھ ضرور ہی لا کر رکھ دیتی تھی جو اس وقت شہزاد کی خاطر مدارت کیلئے بھی کم نہیں پڑا' فریزر میں سے کبابوں کا ایک پیکٹ نکال کر تلنے کیلئے رکھ کر وہ دوسری چیزیں ٹرے میں سیٹ کر رہی تھی کہ ممانی کچن میں چلی آئیں۔ اب وہ پہلے کی طرح ان سے نہیں گھبراتی تھی اور یہ عادت اس نے خود کو بہت مشکل سے ہی ڈالی تھی' سو ان کی طرف دیکھے بغیر اپنا کام کئے گئی۔

سب کچھ اس کا اپنا لایا ہوا تھا اور کم از کم وہ اسے ان کی چیزیں اڑانے کا طعنہ نہیں دے سکتی تھیں' مگر ان کے پاس کرنے کیلئے ہمیشہ اعتراضات کی فراوانی ہوتی تھی۔

"غیر لڑکوں کو گھر میں لا کر بٹھانے کا ہمارے ہاں رواج نہیں ہے یہ ملنا ملانا تم اپنے آفس تک ہی محدود رکھو تو بہتر ہے۔"

ایک لمحے کیلئے تو خود پر طاری کئے سکون میں ضرور ہی خلل پڑا' مگر دوسرے ہی لمحے وہ خود کو سمجھا چکی تھی کہ ممانی کو واقعی شہزاد کو پہچاننے میں ناکامی ہوئی ہے' سو اس نے انہیں بتانا چاہا۔

"شہزاد ہے ممانی' نواب شاہ والا آپ کو یاد نہیں...."

"مجھے ضرورت نہیں ہے کسی ایرے غیرے کو یاد کرنے کی' جوان جہان لڑکا اور تم نے اسے اندر بلانے سے پہلے کسی سے پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔"

وہ اس سے جو باز پرس کر رہی تھیں' اس کا جواب بھی سننے کیلئے تیار نہیں تھیں۔

"نوکری کر رہی ہو' خود مختار ہو' کل اسی طرح کسی کو بھی سامنے لا کھڑا کر دینا شادی بیاہ کے واسطے بھی ساری روشن خیالی تو تم ماموں بھانجی پر ہی ختم ہے۔"

کہیں کی بات وہ کہیں پہنچا کر ہی دم لیتی تھیں اور ان کی کہی ہر بات سے زیادہ تکلیف اسے اسی ایک بات سے ہوتی تھی جب وہ اس کے کردار پر انگلی اٹھاتی تھیں۔ وہ واپس جا چکی تھیں اور ایسے ہر موقع پر ثانیہ کا دل چاہتا کہ وہ زور زور سے ان کی بات کی تردید کرے' وہ "ایسی نہیں ہے۔"

مگر پھر کچھ ایسا لگتا کہ جیسے یہ تردید بھی توہین ہی کی ایک دوسری شکل ہے' ممانی کی نہیں خود اس کی اپنی۔

وہ چپ چاپ ٹرے اٹھا کر واپس ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

"گھر کے چند ایک اچھے گاہک آرہے ہیں' آج کل قیمتیں بھی اچھی مل رہیں میری مانیں تو سیل کر ہی ڈالیں گھر کو۔"

شہزاد امی سے کہہ رہا تھا۔

"کیا تم گھبرا چکے ہو شہزاد اس ذمہ داری سے۔"

بہت سنجیدگی سے وہ فوراً ہی پوچھ بیٹھی۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں ثانیہ آپا' آئندہ آپ نے ایسا کچھ کہا تو میں آپ کو ساری زندگی شکل بھی نہیں دکھاؤں گا۔" وہ بے حد خفا ہو گیا' اماں کو اسے منانے کیلئے ثانیہ کو ڈانٹنا پڑا۔

"گھر بیچنا ہو گا تو میں تم سے خود کہوں گی شہزاد' مگر ابھی میری خاطر میرے بھائی تم اس ذمہ داری کو اٹھائے رکھو۔"

جب اماں شہزاد کو منا چکیں تو اس نے بڑی عاجزی سے اسے کہا۔

شہزاد نے غور سے اس کی اتری ہوئی شکل دیکھی اور پھر پوری کوشش کر کے اپنے لہجے کو بشاش بناتے ہوئے بولا۔ "بس اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں' اگر ساری عمر بھی ثانیہ آپا نے نہیں کچھ کہا تو آگے اپنے بچوں کو بھی وصیت کر کے جاؤں گا۔"

ثانیہ ہنستے ہوئے چائے لانے کیلئے اٹھ گئی۔

"خالہ' ثانیہ آپا کچھ زیادہ سنجیدہ نہیں ہو گئیں' اگر یہاں ان کا دل نہیں لگ رہا ہے تو واپس نواب شاہ چلے چلیں۔"

ثانیہ کے جانے کے بعد وہ بہت سادگی سے اماں کو مشورہ دے رہا تھا۔

...☆☆☆...

کسی نے جھٹکے سے اس کے چہرے پر سے اخبار اٹھایا تھا۔

نتیجہ سامنے سے پڑنے والی سورج کی روشنی بری طرح آنکھوں میں چبھنے لگی۔ ایک ہاتھ آنکھوں کے آگے کرتے ہوئے اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

سامنے نانی کھڑی تھیں۔

"خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہی ہے' آپ کے بھی طور طریقے فرح جیسے ہوتے جا رہے ہیں وہ بھی اس عمر میں۔"

"میری عمر کو کیا ہوا ہے' انشاءاللہ تمہارے بچوں کی بھی شادیاں اپنے ہاتھ سے کروں گی۔" عمر کی دبی دبی سی مسکراہٹ کو یکسر نظرانداز کر کے نانی بڑے فخریہ انداز میں مسکرائیں۔

"یہ ہوئی نہ بات۔" وہ زور سے ہنس پڑا۔

"سچ کہہ رہا ہوں' آپ کے منہ سے یہ سن سن کر کہ میری زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں' آنکھ آج بند ہوئی یا کل' میرا تو خود اپنی زندگی پر سے بھی بھروسہ اٹھتا جا رہا تھا۔"

"اللہ نہ کرے۔" نانی نے دہل کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ "کیوں الٹی سیدھی باتیں منہ سے نکالتا ہے۔" ان کا چہرہ ایک دم ہی سفید پڑا تھا۔ عمر کو خود بے حد شرمندگی ہونے لگی' بے سوچے سمجھے بولنے کی عادت کو وہ اکثر ہی کنڑول نہیں کر پاتا تھا' مگر نانی کا دل دکھانے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"مذاق کر رہا ہوں' مذاق بھی نہیں سمجھتیں کیا' بیٹھیں یہاں۔" نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر برابر بچھی کرسی پر انہیں بٹھاتے ہوئے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کا کمزور سا ہاتھ ہلکے ہلکے کپکپا رہا ہے' دل ہی دل میں خود کو لعنت ملامت کر کے وہ واپس اپنے سابقہ موڈ تھا۔

"کیا کہنے آئی تھیں' جلدی سے بتا دیں' مجھ پر غصہ کرنے میں کہیں آپ اصل بات نہ بھول جائیں۔"

آج وہ بالکل فارغ تھا اور بہت اطمینان کے ساتھ ریلیکس کرنے یہاں بالکونی میں بیٹھا ہوا تھا۔

"میرا غصہ بے چارہ کیا کرے گا ہوش تو تم ہی اڑا دیتے ہو۔"

اس کی شرمندگی دور کرنے کیلئے وہ ہلکے سے مسکرا دیں۔ "رہی بات تو وہ کون سی نئی ہے' اٹھتے بیٹھتے تم سے کہہ رہی ہوں۔"

"ایک بار اور تکلیف فرما لیں۔" اس نے پھر سے اخبار سامنے پھیلانا چاہا' مگر انہوں نے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"دیا کے گھر والوں سے تاریخ کی بات اب کر لینی چاہئے دیر کرنے کی ضرورت کیا ہے۔"

عمر مسکرا دیا۔

وہ کب دیر کرنا چاہ رہا تھا' مگر ایک مصلحت تھی جو آڑے آ رہی تھی' نانی کو خبر تھی پھر بھی وہ اسے نظرانداز کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔

"بے کار کا خدشہ پال لیا ہے تم نے' آخر بابا تم پر کیوں ناراض ہوں گے' فیضی کا معاملہ دوسرا تھا وہ تو خاندان کی روایت کے خلاف چلا تھا۔ حالانکہ ایسا کوئی گناہ تو اس نے بھی نہیں کیا تھا' مگر چلو یہ ان کا معاملہ ہے۔"

"میرا معاملہ بھی ان ہی کا ہے نانی۔ بابا بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے' ابھی تک تو انہیں صرف یہ پتہ ہے کہ آپ نے میری کہیں بات طے کر دی ہے' وہ بھی صرف اپنی بیماری کی وجہ سے تفصیل میں نہیں گئے ہیں' مگر جس دن بھی انہیں پتہ چل گیا کہ دیا بشارت صاحب کی بیٹی ہے اس روز....." اس کی آواز بتدریج دھیمی پڑتی گئی۔

"پھر اس بات کو پہلے ہی اچھی طرح سوچ لینا چاہئے تھا۔"

"پہلے کہاں سوچا جاتا ہے نانی؟"

وہ ہنسنے لگا' مگر انہیں اس کے چہرے پر آئی پریشانی دکھائی دے رہی تھی۔ باہر کے دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ نانی نے ذرا گردن موڑ کر اس طرف دیکھا کمرے کے کھلے ہوئے دروازے میں سے لاؤنج کا باہر کی سمت والا دروازہ یہیں سے دکھائی دے جاتا تھا۔

"آ جاؤ۔" انہوں نے بیٹھے بیٹھے آواز لگائی تو فرح اور اس کی امی آتی دکھائی دیں۔

فرح کی امی کی طبیعت آج کل بہتر رہی تھی اور آج وہ بوت دن بعد خود چل کر نانی کے پاس آئی تھیں ' سو وقتی طور پر سب کچھ بھول کر نانی خوش خوش اٹھ کر ان کی طرف بڑھ گئیں۔

سلام دعا کے مختصر سے وقفے کو نمٹا کر فرح اس کے ساتھ بالکونی میں آ بیٹھی۔

عمر کو اس وقت اس کی آمد بڑی بروقت لگی تھی ' فرح مکمل طور پر واقف حال تھی اور تمام تر اختلافات کے باوجود سب سے زیادہ قابل اعتماد ' سو بناء کوئی توقف کئے وہ اپنی اسی پرابلم کو جسے فرح دس بار تو پہلے بھی سن چکی تھی ایک بار پھر سنائے گیا۔

وہ مستقل ہی برے برے منہ بناتی رہی۔

''جب سجاد بھائی نے کہہ دیا ہے کہ فکر کی کوئی بات نہیں وہ خود بابا سے بات کریں گے تو تم نے اسی ایک بات کا پیچھا کیوں پکڑ لیا ہے۔''

وہ خاموش ہوا تو وہ بے زار سی ہوتی یاد دلانے لگی ' مگر پتہ نہیں کیا بات تھی جو وہ مطمئن نہیں کر پا رہا تھا خود کو۔

''بابا کو بہت تکلیف ہو گی یہ سن کر وہ پہلے ہی بیماری سے اٹھے ہیں ' پتہ نہیں اس بات کو کس طرح لیں۔''

فرح نے اس کو بہت کم اتنا سنجیدہ دیکھا تھا۔

''پہلے فیضی نے انہیں دکھ پہنچایا ' میرا مقام اس کے برابر تو نہیں ' مگر تمہیں بھی پتہ ہے کہ وہ مجھ سے کتنی زیادہ محبت کرتے ہیں اور ان کی شفقت کا ہم کیا بدلہ دے رہے ہیں ایک ایک کر کے۔''

اس بار فرح سے بھی کچھ نہ کہا گیا فوری طور پر ' ''نانی کا خیال ہے کہ اگر ہم نے کچھ دن اور لگا دیئے شادی کی تاریخ لینے میں تو دیا کے ابا خود زور دیں گے ایسا کرنے کیلئے۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے معاملے کا دوسرا رخ بھی گوش گزار کیا ' فرح گھر کی ہی فرد تھی اور نانی یہ بات اس سے بھی ڈسکس کر چکی تھیں۔

''ظاہر ہے انہیں مزید ٹالا تو نہیں جا سکتا اور بابا اگر تم پر ناراض ہوں گے بھی تو بس چند دنوں کیلئے ہی ہوں گے ' پھر آہستہ آہستہ ٹھیک ہو ہی جائیں گے۔'' جو منطقی سا انجام اس سارے قصے کا اسے نظر آ رہا تھا وہ یہی تھا۔

''مگر چوٹ تو انہیں بہر حال پہنچے گی ہی نا میری طرف سے۔''

وہ دو انتہاؤں کے بیچ کھڑے ہو کر کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔

''تو ٹھیک ہے پھر ختم کر دو اس رشتے کو۔'' فرح بری طرح چڑ گئی۔

''ایسے کیسے ختم کر دوں۔'' عمر کے دل کو بڑا زور کا دھکا لگا تھا۔

''تو پھر انسان بن جاؤ۔ جو کرنے جا رہے ہو اسے جرأت کے ساتھ کرو اور مسائل کو سر پر سوار کرنے کے بجائے حل کرنے کی کوشش کرو ورنہ زندگی بھر یوں ہی روتی صورت لئے میرے اور نانی کے پاس ہی دوڑتے آؤ گے مشورہ کرنے کیلئے۔'' فرح کبھی کبھی پوری پوری بے مروت دکھائی دینے لگتی ' وہ خفا ہونے لگا۔

''میں ہی گدھا ہوں جو تم سے ہر بات کرنے بیٹھ جاتا ہوں ' آئندہ جو کبھی ایسا ہوا۔''

فرح نے بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ دبائی۔

اس طرح کے عہد آئے دن ہوا کرتے تھے اور ان کی مدت چند منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

"تم سے تو اتنا بھی نہیں ہوتا کہ کبھی کبھار دیا کو فون ہی کر لیا کرو' سارے زمانے سے تمہاری دوستی ہو جاتی ہے اس سے تم کو بھی پرہیز ہے۔"

تھوڑی ہی دیر میں وہ اس کی کوتاہی جتا رہا تھا۔

"میں کیوں نہیں کرتی تمہیں بھی پتہ ہے۔"

فرح اتنی دیر میں چائے بنا لائی تھی' کپ اسے پکڑاتے ہوئے اطمینان سے بولی۔ "اتنی مغرور لڑکی میں نے ساری زندگی نہیں دیکھی اور شہر میں وہ اکیلی تو نہیں' اس کی ٹکر کی کوئی ہوں گی۔"

"نہ تو وہ مغرور ہے اور نہ اس جیسی کوئی اور ہے' شہر میں کیا دنیا بھر میں بھی نہیں۔" اسے دونوں ہی باتیں نامنظور تھیں۔

"یہ ایک عاشق کی زبان ہے' عوام کی رائے نہیں۔"

"ثانیہ بھی تو کم بولتی ہے اسے تو تم نے کبھی مغرور نہیں کہا۔" دیا کے فیور میں وہ سارا دن بحث کر سکتا تھا اور فرح محض چڑانے کیلئے بات کو طول دیئے جاتی۔ "ثانیہ کی مثال مت دو اس کی نرم دلی اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہے اور جس طرح کے حالات سے وہ گزری ہے اور گزر رہی ہے تمہاری دیا بیگم تو تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

اس بار عمر چند لمحوں کیلئے خاموش ہی رہا۔ دیا کیلئے وہ کتنا بھی حساس سہی' مگر ثانیہ کی بھی وہ دل سے عزت کرتا تھا۔

"چلو ثانیہ کی بات چھوڑو' مگر دیا کے ساتھ کچھ تو اچھا تعلق پیدا کرو' آخر اس کو یہاں آنا ہے تم لوگوں کے ساتھ ایڈجسٹ کرنا ہے۔"

دیا کی مستقل روکھائی اسے تشویش میں مبتلا کئے ہوئے تھی اور مشکل یہ تھی کہ فرح جس نے اس رشتے کو طے کرانے میں اس کا پورا پورا ساتھ دیا تھا اب مزید ذرا بھی مدد کرنے سے صاف انکاری تھی۔

"ہماری بات چھوڑو' وہ تمہارے ساتھ ہی ایڈجسٹ کرے تو بہت ہے اور برا مت ماننا عمر۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکی۔

عمر کو اس کی بات بڑی عجیب سی لگی' بھلا وہ کب سے اس کے برا ماننے یا نا ماننے کی فکر کرنے لگی۔

"میں کسی بھی ایسے شخص سے تعلق نہیں بڑھا سکتی جس سے مل کر مجھے توہین کا احساس ہو' نانی' تم' یہ گھر میرے لئے کیا حیثیت رکھتے ہیں مجھے تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور اس معاملے میں مجھے صرف اور صرف نانی کی فکر ہے۔"

اگر وہ بات بات پر آنسو بہانے والی لڑکی ہوتی تو شاید اس کی آنکھیں گیلی بھی ہو جاتیں' مگر اس نے بڑے مضبوط لہجے میں اپنی بات پوری کی۔

عمر کے چہرے پر بے بس سی مسکراہٹ ابھری۔ فرح کے سارے خدشات درست تھے' مگر خود اس کے پاس دوسرا آپشن ہی کیا تھا۔

"کاش وہ اس روز صدیقی صاحب کے ہاں شادی پر نہ ہی گیا ہوتا۔"

...☆☆☆...

فیضی کی گاڑی کے چوری ہو جانے کی خبر بشارت صاحب نے ایسے سنی جیسے ان کا اس سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔

"اتنا بڑا نقصان پہلے ہی کیا کم پریشانی ہے جواب یہ نئی مصیبت سر پر آپڑی ہے' پتہ نہیں میری نینی کی خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی ہے۔"

بڑے کمرے میں سب ہی موجود تھے اور اس سرد موسم میں امی کی ٹھنڈی آہیں ماحول کو اور بھی حرارت سے محروم کئے دے رہی تھیں۔

بشارت صاحب ایک طرف بیٹھے اپنا سارا دھیان ٹی وی پر آتے "ٹاک شو" پر لگائے ہوئے تھے اور دیا کی اپنی مرضی تھی کہ وہ اس افسوسناک واقعہ کی تفصیلات کو سنے یا نہ سنے' لے دے کر ایک سمیع اور دوسری نازی یہی دونوں ان کے سامعین میں تھے۔

امی کا خیال تھا کہ مزید دیر کئے بغیر ان لوگوں کو فیضی کے پاس "افسوس" کرنے کیلئے جانا چاہئے' مگر "کہاں؟"

جو سرسری پتہ نینی بتاتی تھی اس پر سمیع دو بار جا کر اس کا فلیٹ ڈھونڈنے میں ناکام کوشش کر چکا تھا' مگر وہ پھر بھی معر تھیں۔

"تمہیں وہیں سے اسے فون کرنا چاہئے تھا' پتہ سمجھنے کیلئے۔"

"دن میں اس کے پاس فون نہیں ہوتا ہے امی' ایک موبائل ہے وہ فیضی لے کر نکلا ہوا ہوتا ہے۔" سمیع نے یاد دلایا تو وہ کچھ خاموش سی ہو گئیں۔ آج کل جب موبائل فون' گھڑی' چشمے جیسی حیثیت اختیار کر گئے ہیں نینی اس چھوٹی سی سہولت سے بھی محروم تھی۔

"اصل میں وہ لوگ نہیں چاہتے کہ ہم وہاں جائیں تو پھر زبردستی وہاں جانا اچھا نہیں لگتا ہے' نینی خود منع کر چکی ہے مجھے فون پر کہ میں وہاں نہ آئوں۔ وہ تو آپ کی زبردستی پر میں چلا بھی گیا تھا ورنہ تو میں کبھی نہ جاتا۔"

سمیع تھوڑا سا ناراض بھی تھا' اس کا خیال تھا کہ فیضی نہیں چاہتا کہ وہ لوگ اس کے گھر آئیں کیونکہ وہ خود ان کے گھر آنا تقریباً چھوڑ ہی چکا تھا' کئی ماہ سے۔

مگر امی کو ایسا کوئی گمان نہیں تھا' ان کو لے دے کر یہی ایک جواز ملتا تھا کہ نینی نے بشارت صاحب کے روّیہ کی وجہ سے یہاں آنا ترک کیا ہوا ہے اور اسی لئے ناراضگی میں وہ ان لوگوں کو بھی اپنے ہاں آنے نہیں دینا چاہتی۔

"وہ کچھ بھی کہے مجھے تو جانا ہی ہے اس کے پاس' تم لوگوں کی طرح میں تو دل پر پتھر نہیں رکھ سکتی' اپنی اولاد کو اس طرح چھوڑا تو نہیں جا سکتا ہے۔" انہوں نے اونچی آواز میں خاص طور پر اس لئے کہا تا کہ بشارت صاحب بھی سن لیں' مگر وہ اسی طرح گونگے' بہرے ہوئے بیٹھے رہے جیسے کہ وہ نینی کے ذکر پر ہو جاتے تھے۔

"وہ کیوں آئے گی یہاں جب یہاں کوئی اس کے سر پر ہاتھ رکھنے کو بھی تیار نہیں ہے اور نہ ہی اس کے میاں کی کوئی عزت ہے۔"

ان کا غصہ اور بھی بڑھنے لگا' تب ہی بشارت صاحب ایک جھٹکے سے اٹھے اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔ امی کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

"کر دیا نہ آپ نے ابا کو ناراض۔" پتہ بھی ہے کہ وہ چڑتے ہیں اس بات سے۔" سمیع الگ جھنجلا رہا تھا' مگر انہیں نہ سمیع کی پروا تھی اور نہ ہی بشارت صاحب کی خفگی کی۔

"تم لوگوں کو چاہے کتنا بھی برا لگے وہ یہاں ضرور آتی رہے گی' اس کا حق تم لوگوں سے کم نہیں ہے اس گھر پر اور دیکھتی ہوں کون مجھے اس سے ملنے سے روکتا ہے۔"

''آپ شوق سے جائیں اگر وہ آپ کو آنے دیتی ہے تو' مگر ہمیں نہ مجبور کریں اللہ کے واسطے۔'' سمیع ہاتھ جوڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''بہت بڑا کارنامہ انجام دے کر گئی ہے ناجو یہاں اس کی راہ میں پلکیں بچھائی جائیں گی۔

سب نے سنا' جب وہ باہر نکلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''آپ نازی آپا کو لے کر کیوں نہیں چلی جاتیں ہیں نینی سے مل آئیں۔''

دیا بہت دیر بعد کچھ بولی۔

''میں کیوں تم چلی جاؤ نا۔'' نازی نے ہڑبڑا کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں۔''

نازی کو یقین تھا کہ وہ حسب عادت ابھی صاف انکار کر دے گی' مگر اس بار ایسا نہیں ہوا۔

''ٹھیک ہے میں بھی چلتی ہوں' ہم تینوں ہی چلے چلتے ہیں۔''

اتنے دوستانہ موڈ میں وہ بہت کم ہی ہوتی تھی' نازی کو ابا کی خفگی کا ڈر ہو رہا تھا' انہیں اگر نینی کا یہاں آنا جتنا برا لگتا تھا تو یہاں سے کسی کا اس کے ہاں جانا بھی اس سے بھی زیادہ برا لگتا تھا۔

دیا نے اس کے چہرے پر چھائی پریشانی کو غور سے دیکھا۔

''نازی آپا شاید جانا نہیں چاہ رہیں۔''

امی کیلئے یہی بہت تھا کہ دیا جا رہی ہے نازی کو انہوں نے ویسے بھی ہمیشہ ابا کے کیمپ کا فرد سمجھا تھا۔'' جسے محبت ہو گی نینی سے وہ خود چلے گا میں تو کسی کو خوشامد کروں گی نہیں۔''

ان کا چھوٹا سا اعلان کافی تھا۔

''میں چلوں گی آپ کے ساتھ یہ دیا تو بس یوں ہی...'' وہ ایک بار پھر امی اور بہنوں کی خاطر خود کو برا بنانے کیلئے ہمت مجتمع کرنے لگی۔'' آپ اس سے فون پر ایڈریس لے لیں۔''

''نہیں' اس بار میں نینی سے کچھ نہیں پوچھوں گی' جب گھر سے نکلیں گے تب ہی اسکے پڑوس کا جو نمبر اس نے دیا ہوا ہے ان لوگوں سے پتہ سمجھ لوں گی۔'' امی کی آنکھوں میں الجھن سی تھی' اس بار وہ نینی کو لاعلم رکھنا چاہ رہی تھیں۔ کل سہ پہر کا جانا طے پایا تھا۔

اگلا سارا دن نازی مضطرب سی رہی۔

رعنا تین چار دن کی چھٹی منا کر آ کے ہی آئی تھی' اس کی پنجاب والی خالہ کے چکر کچھ زیادہ ہی بڑھتے جا رہے تھے۔ شروع میں تو کوئی ایسا خاص دھیان کسی نے بھی نہیں دیا' مگر اب معاملہ مشکوک تھا۔

''سچ۔''

نازی نے حیرت سے اس کے شرمائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر ہنس پڑی۔

''مجھے تو خود بھی یقین نہیں آ رہا' معلوم نہیں خالہ کے دل میں یہ خیال کیسے آیا۔''

رعنا بڑی حقیقت پسند لڑکی تھی' مگر کبھی کبھی حقیقت ایک خوبصورت خواب کی طرح زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔ رعنا کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہونے جا رہا تھا۔

عبدالعزیز' بہت سالوں سے ملائیشیا میں تھے' پاکستان کم کم آیا کرتے تھے۔ پنجاب والی خالہ نے شاید بیٹے کو وطن سے جوڑے رکھنے کیلئے ہی رعنا جیسی سمجھدار لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔

''بھائی جان تو بہت خوش ہیں ان کو میری بے حد فکر تھی اور بھابی بھی خوش ہی سمجھو' ان کی جان مجھ سے چھوٹ جائے گی' اسنے سال سے بوجھ بنی ہوئی ہوں ان پر۔'' رعنا ہلکا سا اداس ہونے لگی۔

''کوئی منفی بات دل میں مت لائو اب۔''

نازی نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

''اسے کہتے ہیں قسمت' تمہارے مقدر میں لکھی خوشیاں خود چل کر تم تک پہنچ رہی ہیں' انشاءاللہ بہت خوش رہو گی اور خبردار بھول کر بھی پرانی باتوں کو یاد کیا۔''

کل رات سے لی ہوئی ٹینشن کو چند منٹ کیلئے تو وہ بھول ہی گئی۔

رعنا کو پتہ تھا کہ اس کی خوشی میں نازی سے بڑھ کر خوش ہونے والا دوسرا کوئی نہیں ہے اور وہ خود بھی اس کیلئے فکرمندی تھی۔

''دور بہت ہو جائوں گی' ابھی جس دن چھٹی کر لیتی ہوں تمہاری فکر ستاتی رہتی ہے۔''

نازی مسکرا دی۔

''ابھی تو پانچ چھ ماہ ہیں عبدالعزیز صاحب کے آنے میں' ابھی سے فکریں سوار کرنے کی ضرورت نہیں اور نئی خبر سنو آج میں امی اور دیا نینی کے گھر جا رہے ہیں۔''

''اچھا' مگر وہ تو منع کر چکی ہے نا' کسی کو بھی آنے سے۔'' رعنا کو یاد آیا۔

''ہاں' مگر امی بضد ہیں اصل میں نینی خود بھی تو نہیں آ رہی بہت دن سے اس لئے ان کی پریشانی بھی جائز ہے۔''

رعنا نے اثبات میں سر ہلایا' فیضی کی گاڑی کی چوری کی خبر وہ نازی سے فون پر سن چکی تھی سو اسے بھی یہی لگ رہا تھا کہ پریشانی کے ان دنوں میں گھر والوں کو نینی کے پاس جانا چاہئے ہی۔''

''انکل کو اس موقع پر لچک دکھانی چاہئے' نینی ان کی بیٹی ہے میرا تو خیال ہے کہ خود انہیں بھی ساتھ جانا چاہئے' فیضان پر بڑا اچھا اثر پڑے گا۔''

''ابا کبھی نہیں مانیں گے جو بات ایک بار ان کے ذہن میں بیٹھ جائے وہ اس پر جم جاتے ہیں۔ نازی ان کی طرف سے مایوس تھی خود اس نے انہیں کتنی ہی بار نینی کی طرف سے صفائی دی' مگر وہ اس پر بھی بگڑنے لگے تھے۔

''فیضان سے وہ بری طرح چڑتے ہیں' ظاہر ہے وہ بھی ان کے روّیے کو پہچانتا ہے اسی لئے ہمارے ہاں نہیں آتا' اوپر سے ایک نئی مقابلے بازی یہ کہ ابا عمر کے بے حد گرویدہ ہیں اور امی کو ظاہر ہے وہ ناپسند ہے' سمجھ میں نہیں آتا کہ آگے جا کر ان رشتوں کی کیا صورت بنے گی سب آپس میں کبھی مل کر بیٹھ پائیں گے بھی یا نہیں؟''

بات کے اختتام پر اس نے ایک گہری سانس لی۔

''ہو جائے گا سب ٹھیک' آج نینی کے گھر ہو کر آئو وہ بے چاری کتنی پریشان ہو گی تم لوگ جائو گے تو اسے بڑی ڈھارس ہو گی۔''

گھر واپسی تک نازی بڑی حد تک نینی کے گھر جانے کیلئے تیار تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے بشارت صاحب کو ان کے کمرے میں جا کر اپنا پروگرام بتانا ضروری سمجھا' جسے سن کر انہوں نے صرف ایک "ہوں" پر ہی اکتفا کیا تھا۔

ان کی اتنی اجازت کافی تھی۔ وہ پر سکون ہو کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی خیال تھا کچھ نہیں تو آدھا گھنٹہ تو لیٹ ہی جائے گی' مگر امی کا خیال تھا کہ مزید وقت ضائع کئے بغیر ان کو نکل جانا چاہیے۔

"معلوم نہیں گھر ڈھونڈنے میں کتنی دیر لگے اور سردیوں میں تو ویسے بھی شام ایک دم پڑ جاتی ہے۔"

امی اور دیا دونوں ہی تیار ہو چکی تھیں وہ بھی خاموشی سے ایک بار پھر کپڑے تبدیل کر کے آ گئی' آج بہت دن بعد دیا بڑا دل لگا کر تیار ہوئی تھی' پنک کلر کا بہت خوبصورت سوٹ اس نے پہنا ہوا تھا جو کبھی اس کیلئے اسماء پھوپھو لے کر آئی تھیں۔

نازی نے بارہا محسوس کیا تھا کہ اپنی تمام لاپرواہی کے باوجود دیا' اسماء پھوپھو کے لائے ہوئے سوٹ بڑی احتیاط سے رکھے ہوئے تھی' مسعود کے بھیجے ہوئے تحائف اگرچہ اب وہ استعمال میں نہیں لاتی تھی' مگر نازی کو یقین تھا کہ وہ بھی اس نے اپنی الماری کے کسی خانے میں مقفل کر کے رکھے ہوں گے جبکہ عمر کے گھر سے آئی کسی بھی شے کو اس نے آج تک ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

وہ سارا کچھ آج بھی امی کی الماری میں ہی پڑا تھا' دیا نے انہیں اپنے کمرے میں لے جانے تک کی زحمت گوارا نہیں کی تھی اور نہ ہی امی نے اسے ایسا کرنے کیلئے کہا ہی تھا۔

گھر کا ایڈریس امی نے بس نکلتے ہوئے ہی پوچھا تھا وہاں کوئی بچہ ہی تھا گھر پر' مگر بتایا ہوا ایڈریس اتنا واضح اور مکمل تھا کہ ٹیکسی والے نے بہت آرام سے سیدھا پیراڈائز پلازہ کے سامنے ہی جا اتارا۔

تنگ بالکونیوں والے چھوٹے چھوٹے فلیٹس کی یہ بدرنگ سی عمارت اپنے نام کا مذاق اڑاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

یک بارگی تو وہ تینوں ہی ایک جیسی فیلنگ کے زیر اثر آئیں۔

"آپ نے ٹھیک طرح سے سنا بھی تھا ایڈریس یہی جگہ تھی نا۔" دیا امی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی' وہ گردن اٹھائے ابھی تک اس عمارت کو تکے جا رہی تھیں۔

ایک دوسرے کے ساتھ سر جوڑے کھڑے فلیٹس جب بنے ہوں گے تو ضرور دلکش دکھائی دیتے ہوں گے' مگر اب تو ان کی بالکونیوں میں لگے پرانے سامان کے ڈھیر' سوکھتے ہوئے کپڑے عمارت کی خستہ حالی کے ساتھ مل کر وحشت ناک سا تاثر پیش کر رہے تھے۔

"ہو سکتا ہے شاید سننے میں ہی غلطی ہو گئی ہو۔"

امی کو جیسے دِیا کی بات سے تقویت ملی تھی۔ "نازی تم ذرا ایک بار پھر فون کر کے پوچھ لو' کیا خبر ایک نام کی دو بلڈنگز ہوں۔"

ان کیلئے یہ مان لینا کہ نینی اور فیضی ایسی کسی جگہ پر آ کر رہ سکتے ہیں ناممکن تر تھا۔

"دیکھ لیتے ہیں آپ آیئے میرے ساتھ۔"

نازی ٹیکسی والے کو پیسے دے کر فارغ کرنے کے چھوٹے سے دورانیہ میں اپنی حیرت پر قابو پا چکی تھی۔ وہ زنگ خوردہ پورے کھلے بڑے سے گیٹ کی طرف بڑھی تو امی اور دیا بھی جیسے مجبوراً اس کے پیچھے آئیں۔ کمپاؤنڈ اچھا خاصا بڑا تھا اور بچوں کی بڑی تعداد جگہ جگہ اپنا کھیل جمائے ہوئے تھی۔ ایک جگہ بال بالکل قدموں میں آ کر گری تو امی کے ماتھے پر پڑے بل اور بھی گہرے ہونے لگے۔

"بس پیدا کر کے چھوڑ رکھا ہے ادب تمیز سکھانے سے کوئی واسطہ نہیں ہے ماؤں کو' سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ باہر نکال دو زندگی حرام کرتے رہیں دوسروں کی۔"

نازی کو ہنسی آنے لگی۔ "بچے ہیں امی اور اب شام کو گھر میں بند ہو کر تو بیٹھنے سے رہیں۔"

بس بلاک کا پتہ بتایا گیا تھا۔ اس کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے امی کی بے زاری اور بھی بڑھنے لگی۔ تنگ سی سیڑھیاں ان پر جابجا پیپر اور پلاسٹک کی تھیلیاں پڑی تھیں اور پان کی پیک تھوکے جانے کی مکمل آزادی کا نتیجہ بھی سامنے تھا۔

خود نازی کا بھی دل گھبرانے لگا تھا۔ کم از کم ایک عمومی صفائی کی عادت کو وہ معاشی تنگی کے ساتھ کسی صورت بھی مشروط نہیں کر سکتی تھی۔ ہر شخص اگر خود اپنے فعل کا ذمہ دار ہو جائے تو صورتحال خود بخود سنبھل سکتی ہے۔

"بحیثیت قوم چند چھوٹی چھوٹی اچھی عادتیں بھی ہماری پہچان نہیں بن سکیں۔ یہ بدنصیبی نہیں تو پھر اور کیا ہے۔"

دل ہی دل میں وہ کڑھتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"بے کار میں تھک رہے ہیں' یہ جگہ نہیں ہے ایسی کہ فیضان یہاں آکر رہے' یہاں تو میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔" امی پیچھے آ رہی تھیں اور ان کا بلند آواز تبصرہ جاری تھا۔

پاس سے گزرتے ہوئے ایک دو لوگوں نے انہیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔ نازی کو بڑی شرمندگی سی ہوئی۔

وہ وہیں رک کر کھڑی ہو گئی تاکہ وہ اس کے قریب آ جائیں۔

"امی پلیز آہستہ بولیں کوئی سنے گا تو اس کا دل برا ہو گا' گھر چھوٹے بڑے ہر طرح کے ہی ہوتے ہیں' اس میں کون سی...۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ان کے ساتھ چلتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ سمجھائے گئی' وہ اس سے متفق ہوئیں یا نہیں بہرحال باقی راستہ انہوں نے خاموشی سے طے کیا۔ دیا کا موڈ یہاں اترتے ہی آف ہو گیا تھا اور امی کی طرح اسے بھی ذرا امید نہیں تھی کہ وہ لوگ صحیح ایڈریس پر ہی آئے ہیں۔

مطلوبہ فلیٹ سامنے تھا۔

بیل پر انگلی رکھتے ہوئے نازی نے اپنے پیچھے کھڑی دیا کو کہتے سنا۔

"کامن سینس کی بات ہے نازی آپا فیضی جیسا لڑکا یہاں آکر رہ سکتا ہے کیا' وہ تو اچھی سے اچھی جگہ افورڈ...۔"

دیا کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

سامنے کھلے ہوئے دروازے میں نینی کھڑی تھی۔

کاٹن کے سادہ سے سوٹ میں' وہ شاید آٹا گوندھتے ہوئے دروازہ کھولنے کیلئے آئی تھی اور اب ساکت سی نگاہوں سے ان کو تک رہی تھی۔

"آیئے امی۔" نازی نے راستہ بناتے ہوئے امی کے بازو کو ہلکے سے تھاما اسے پورا اندازہ تھا کہ اس وقت وہ کس ناقابل بیان کیفیت سے گزر رہی ہوں گی۔

نینی بنا کوئی لفظ کہے ایک طرف کو ہو گئی۔

سامنے ہی وہ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جنہیں پرانے سامان سے خریدا گیا تھا۔ امی بہت تھک چکی تھیں اور شاید دونوں بھی۔

''حد ہو گئی ہے نینی تم تو فون تک نہیں کرتی ہو' آخر کو ہمیں آنا ہی پڑا خود' امی اتنی پریشان ہو رہی تھیں تمہاری طرف سے۔''

نازی نے ماحول پر حاوی ہوتی بوجھل سی کیفیت کو کم کرنے کی کوشش کرنا چاہی' مگر امی دیا اور نینی تینوں میں سے کسی کے بھی چہرے پر پھیلا تناؤ کم ہوتا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

''فیضان کی گاڑی چوری ہو جانے کی خبر سن کر تو ہم سب اتنے پریشان تھے سمیع بے چارہ تو دو بار تمہارا گھر ڈھونڈنے....''

''آپ کو یہاں کا پتہ کس نے بتایا تھا؟'' نازی کی بات کو تیزی سے کاٹتے ہوئے نینی پوچھ رہی تھی۔

اس بار نازی کو تھوڑا سا برا لگا۔ نہ خیر نہ خیریت اتنی دیر میں اس نے پہلی بات کی بھی تو یہ۔

''تمہارے پڑوس سے پتہ سمجھا تھا میں نے۔''

امی کمزور سے لہجے میں بتانے لگیں تو وہ تیزی سے مڑ کر ادھ کھلے دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔

''مہرو خالہ' مہرو خالہ۔''

وہ کسی کو آوازیں دے رہی تھیں۔

''میں نے منع کیا تھا آپ کو کہ کسی کو میرا پتہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے' پھر بھی آپ لوگوں نے میرا ایڈریس دیا۔''

وہ اونچی آواز میں کسی پر خفگی کا اظہار کر رہی تھی یہ بے حد چھوٹا سا لاؤنج تھا جس کے دروازے سے سامنے والے فلیٹ کا فاصلہ نہ ہونے کے برابر تھا اور وہاں آنے والی بات چیت کو یہیں آرام سے سنا جا سکتا ہے۔

''ہم لوگ تو گھر پر تھے ہی نہیں بیٹا' ابھی تھوڑی دیر پہلے آئے ہیں بچے تھے بس گھر پر پتہ نہیں کس نے دیا۔'' کسی کی آواز انہیں سنائی دے رہی تھی۔

''آیا کون ہے تمہاری ساس آئی ہیں یا امی کے گھر سے کوئی آیا ہے؟''

اب وہی آواز بڑے اشتیاق سے پوچھ رہی تھی اور ساتھ ہی کسی نے نینی کے کندھوں کے اوپر سے جھانک کر اندر دیکھنا چاہا' مگر اس نے بڑی بے مروتی سے منع کر کے دروازہ بند کر دیا۔

''بعد میں بتا دوں گی آپ کو۔''

وہ اتنی بدلی ہوئی لگ رہی تھی کہ خود امی کو بھی احساس ہونے لگا کہ انہوں نے اس کے گھر آ کر سخت غلطی کی ہے۔

''اس کا گھر۔''

ان چند منٹوں میں ہی ان کے دل پر بڑی گہری چوٹ اس گھر کو دیکھ کر پہنچ چکی تھی۔ رنگ اڑی دیواروں کے بیچ میں کھڑی وہ کتنی وحشت زدہ سی لگ رہی تھی اور کتنی کمزور اور خستہ حال۔

ان کی سب سے چھوٹی لاڈلی بیٹی۔

''آپ لوگوں کو کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی جب میں نے منع بھی کر دیا تھا آپ لوگوں کو' مگر میرا تماشہ دیکھنا ضروری تھا آپ کیلئے۔''

وہ بہت تلخی سے اب ان لوگوں سے مخاطب تھی' امی بے بس سی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہیں اور پھر یک بار گی ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

دیا اور نازی دونوں ہی انہیں سنبھالنے کی کوشش کرنے لگیں' مگر وہ جیسے سارا حوصلہ' ہمت کھو رہی تھیں۔

سامنے کچن میں کولر رکھا دکھائی دے رہا تھا' نازی جلدی سے پانی لے کر آئی۔ چند گھونٹ پی کر جیسے انہیں تھوڑا سا قرار آیا۔ نینی اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں تھی اور نہ ہی اس نے امی کو کوئی تسلی دینے تک کی کوشش کی تھی۔

''یہ سب کیا ہے آخر نینی۔'' اب وہ خود کو کمپوز کر چکی تھیں۔

''کیا'' وہ یوں ہی بے تاثر سے انداز میں ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا؟'' امی نے حیرت سے اسے اور پھر اطراف میں دیکھا جہاں کی خستہ حالی اور بے سروسامانی پہلی نگاہ میں ہی دل دکھائی محسوس ہوئی تھی۔

''یہاں ایسی حالت میں پڑی ہو تم' گھر والوں سے منہ چھپا کر ہماری پریشانی کا کچھ اندازہ ہے تمہیں یا تم نے طے کر لیا ہے کہ ساری زندگی ہمیں سکون کا سانس لینے نہیں دو گی۔'' امی کا لہجہ بتدریج سخت ہوا تھا' مگر وہ ذرا بھی متاثر نہیں تھی۔

''کس نے کہا ہے آپ کو میری فکر کریں؟ مجھے کچھ نہیں ہو رہا میں بہت آرام سے ہوں۔''

''نظر آ رہا ہے سارا عیش و آرام' ہے کہاں وہ امیر زادہ جو بڑے دعوے سے شادی کر کے لے گیا تھا' غرور کے مارے گردن سیدھی نہیں ہوتی تھی اپنے باپ دادا کے نام پر' یہ تھی اس کی اصلیت' کم بخت فراڈیا کہیں کا۔''

امی کا پارہ ایک دم ہی آخری حدوں کو چھونے لگا' اگر فیضی اس وقت گھر پر موجود ہوتا تو وہ اس کا ذرا بھی لحاظ کئے بغیر اس کا وہ حشر کرنے والی تھیں کہ وہ زندگی بھر کانوں کو ہاتھ لگاتا رہتا۔

''فیضی کا کوئی قصور نہیں ہے' امی شادی کا فیصلہ میرا اپنا تھا اور میں جس حال میں ہوں خوش ہوں' آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے اسے طعنے دینے کی۔'' وہ اتنی روکھائی سے بات کر رہی تھی کہ پہچانی نہیں جا رہی تھی۔

نازی سے رہا نہ گیا' اٹھ کر اس کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ ''نینی کس طرح بات کر رہی ہو' حالات اتنے تکلیف دہ ہو گئے اور تم نے ہمیں خبر بھی نہیں کی' یہ غلط بات نہیں ہے کیا' تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ امی تمہارے لئے کتنی پریشان رہی ہیں ان دنوں۔''

اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نازی نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا تو لمحے بھر کیلئے اس کی آنکھوں میں جمی کہر میں نرمی کی کرن چمکی' مگر صرف لمحے بھر کیلئے۔

''حالات خراب کرنے والے بھی ابا ہی ہیں نازی آپا' اگر وہ ضد پر نہ اڑتے فیضی کو اتنی مہلت دے دیتے کہ وہ سکون سے اپنی پڑھائی پوری کر لیتا تو کیا حرج تھا' مگر انہوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا جس سے ہم دونوں ہی تباہ ہو رہے ہیں۔''

اس کے لہجے میں دکھ بھی تھا اور غصہ بھی۔

اور شاید اس کی بات اتنی غلط بھی نہیں تھی۔ زندگی کی جس بدصورتی کو وہ آج کل جھیل رہی تھی اس کے بعد اس کا روّیہ ایسا ہی ہونا تھا۔

نازی نے اس کی تسلی کیلئے کچھ کہنا چاہا' مگر دیا نے حمایت کرنے میں بڑی جلدی کی۔

''ابا کو اور آتا ہی کیا ہے اپنی ضد اور انا کے پیچھے انہوں نے ہمیشہ ہی دوسروں کی زندگیوں کو تباہ کیا ہے' دیکھ لینا ایک ایک کر کے سب ان کی ضد کی بھینٹ چڑھیں گے۔''

''دیا۔'' نازی نے تنبیہی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔" اس نے ذرا جو اثر لیا ہو۔ "اب لا کر دکھا دیں انہیں نینی کا گھر' میں دعوے سے کہتی ہوں کہ وہ بہت خوش ہوں گے نینی کا گھر دیکھ کر کہ آخر کار جیت تو ان ہی کی ہوئی۔"

اس کے لہجے میں ایسا کیا تھا جو اب تک پتھر بنی نینی کی آنکھوں میں پانی اترنے لگا۔

"امی پلیز' آپ لوگ چلے جائیں یہاں سے فیضی آ گیا تو اسے آپ کو یہاں دیکھ کر اچھا نہیں لگے گا' میں نہیں چاہتی کہ کوئی اور بات اٹھ کھڑی ہو۔"

اس بار وہ بڑی لجاجت سے کہہ رہی تھی۔

اداس' شکستہ' آنکھوں میں گہرے ہوتے حلقوں کے ساتھ وہ بڑی قابل رحم لگ رہی تھی۔

"میں فیضان سے بات کر کے جاؤں گی بلکہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی' اگر کوئی سامان رکھنا ہے تو رکھ لو۔"

امی نے تھوڑی ہی دیر میں کچھ فیصلے کئے تھے اور نینی کی حالت دیکھ کر خود نازی کو بھی ایسا ہی لگا کہ امی جو بھی کہہ رہی ہیں ٹھیک ہی ہے۔

"نہیں امی۔ میں اس طرح نہیں جاؤں گی' میں نہیں چاہتی کہ فیضی کو ابا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے' اگر غلطی کی سزا میں نے بھگتی ہے تو اس نے مجھ سے کئی گنا زیادہ کاٹی ہے' میں اسے اب بیچ میں نہیں چھوڑ سکتی۔"

اس کے لہجے میں بڑی قطعیت تھی' اس کی خودداری نازی کو بہت اچھی لگی۔ باوجود اس کے کہ وہ دل سے چاہتی تھی کہ نینی اس تکلیف دہ ماحول سے نکل کر گھر چلی جائے' مگر امی اس بات کو اس کی ایک اور بیوقوفانہ ضد سمجھ رہی تھیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

"بہت کر لی تم نے من مانی' سیدھی طرح سے میرے ساتھ چلو فیضی کوئی ڈھنگ کی جگہ لے پھر آ کر تمہیں اپنے ساتھ لے جائے' ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ابھی وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں امی' ان کی مجبوری تو دیکھیں۔"

کسی کو بھی سمجھنے میں دیر نہیں لگ رہی تھی کہ نینی ایک مکمل مشرقی بیوی کا رول نبھانے پر تل چکی ہے۔

اس کی سمجھ میں امی کی اتنی سی بات نہیں آ رہی تھی کہ ایسا کرنے سے فیضی اپنے والدین پر زور ڈال کر اس کیلئے کچھ فیور حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔

دیا اس وقفے میں اس کی مختصر سی گرہستی کا پورا جائزہ لے چکی تھی یہ سب کچھ اس کیلئے بھی اوروں کی طرح خلاف توقع تو تھا مسعود سے منگنی ختم ہونے کے بعد نینی اور فیضان کی شادی اسے ایک مستقل کمپلیکس میں رکھے ہوئے تھے۔ بلکہ سچی بات تو یہ کہ وہ اس سے اچھا خاصا حسد کرنے لگی تھی۔

"چلیں امی اب کب تک اور رکنا ہے۔" آدھ گھنٹے میں ہی وہ یہاں سے پوری طرح مایوس ہو چکی تھی۔

امی نے اسے گھور کر دیکھا' نینی اگر ان کے ساتھ جانے کیلئے تیار نہیں ہو رہی تھی تو وہ خود فیضی کے آنے تک رکنا چاہ رہی تھی۔

یہیں بات انہوں نے کہہ بھی دی تو نینی گھبرا کر سیدھی ہو کر بیٹھی۔ "کوئی ضرورت نہیں آپ کو فیضی سے ملنے کی' دیا ٹھیک کہہ رہی ہے' آپ لوگوں کو اب چلے جانا چاہئے' فیضی نے خود منع کر رکھا ہے کہ یہاں کسی کو مت بلاؤ۔"

امی کو پھر سے جلال آنے لگا۔

"وہ تو لگائے گا پابندیاں' منہ چھپا کر جو بیٹھا ہے سب سے' تم بیکار میں ڈر ڈر کر اسے سر پر مت چڑھاؤ' ہمیں پورا حق ہے کہ ہم اس سے تمہارے بارے میں باز پرس کریں کہ وہ ڈھنگ سے تمہاری کفالت بھی کر رہا ہے یا نہیں؟"

"اف۔"

نینی نے بے ساختہ ہی دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ "نازی آپا۔" اس نے امی سے الجھنے کے بجائے نازی کی طرف دیکھا۔ "اللہ کے واسطے آپ انہیں لے جائیں یہاں سے میں خود کسی دن آجاؤں گی' مگر اس وقت اگر فیضی آ گئے تو یقیناً یہی سمجھیں گے کہ میں نے ان سے پوچھے بغیر آپ لوگوں کو یہاں بلا لیا ہے۔"

نازی نے اس کی دروازے کی طرف بار بار اٹھتی نگاہ کو بطور خاص نوٹ کیا اور پھر فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلیں امی' ہمیں نینی کیلئے اور پریشانی نہیں کھڑی کرنی چاہئے' پھر کسی مناسب وقت پر فیضی سے بات کر لیجئے گا' اس وقت واقعی اسے برا لگے گا۔"

دیانے عجیب سی نگاہوں سے نازی کو دیکھا۔ "آپ کیا سمجھ رہی ہیں۔ یوں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے نینی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ آپ لوگ سیدھے سیدھے اس کے گھر والوں سے بات کریں ورنہ دیکھ لیجئے گا نینی کا حال اس سے بھی برا ہو گا۔"

اس کا مشورہ شاید اچھا تھا' مگر انداز میں ایسی لاپروائی تھی جیسے وہ کسی بالکل غیر متعلق شخص کیلئے بات کر رہی ہو' اس کی یہ بے حسی نئی نہیں تھی' مگر اس وقت نازی کو بہت برا لگا۔

"سوچ سمجھ کر بولا کرو دیا' خدانہ کرے کہ کچھ ایسا ہو۔"

"اب تک برا ہی ہو رہا ہے ہمارے ساتھ' آپ کی اب تک شادی نہیں ہو سکی۔ مسعود وہاں شادی کر کے بیٹھ گیا اور یہ۔"

اس نے نینی کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ "اس کا حشر تو سامنے آ ہی گیا ہے۔" اس کا لہجہ سرد تھا اور اپنی بات کہہ کر وہ دروازے میں جا کھڑی ہوئی تھی۔ کسی نے بھی اس کے کئے گئے تجزیئے کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔

امی کھڑی ہو چکی تھیں۔

"یہ کچھ پیسے تم اپنے پاس رکھ لو۔" انہوں نے پرس میں سے چند نوٹ نکال کر نینی کو دینے چاہے تو وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔ "نہیں امی' ابھی ہمارے پاس پیسے ہیں۔"

"رکھ لو' جب تک فیضی کی جاب ہوتی ہے کوئی میں تمہیں سمیع سے پیسے بھجواتی رہوں گی۔" امی زور دے رہی تھیں' مگر اس نے ان کے دیئے پیسوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

"اور ابا یا سمیع کو زیادہ تفصیل بھی مت بتایئے گا میرے بارے میں۔" رخصت ہوتے ہوئے اس نے امی کے گلے لگتے ہوئے کہا۔

جس بازی میں اسے مات در مات ہو رہی تھی اس شکست کو وہ اچھے کھلاڑیوں کی طرح قبول بھی نہیں کر پائی تھی۔ نازی اور امی نے ایک بار پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

شام کی دھندلی ہوئی روشنی میں نینی کھلے ہوئے دروازے میں کھڑی کسی فریم میں بند تصویر کا حصہ لگ رہی تھی۔

رنگ اڑے در و دیوار کے بیچ وہ خود بھی جیسے اسی ماحول کا حصہ بن چکی تھی۔ "اس نے یقیناً زندگی میں آئی اس بڑی گڑبڑ کو بھی دل سے قبول کر لیا تھا اور اس ماحول کو بھی۔"

نازی کو یقین سا ہونے لگا۔ایک زبردستی کی مسکراہٹ بھی ہونٹوں پر لانے میں وہ ناکام رہی تھی۔

امی کو سہارا دے کر اتارتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ کتنی نڈھال اور مایوس ہو چکی ہیں۔

دیا آگے جا چکی تھی اور نینی کی پڑوسن فلیٹس کی درمیانی جگہ میں کھڑی ابھی تک نیچے جھانک کر انہیں سیڑھیوں سے اترتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

سیڑھیوں کے اختتام پر دیا ان کی منتظر تھی۔بناء ایک دوسرے سے کوئی بات کئے وہ لوگ کمپاؤنڈ سے گزر رہی تھیں۔

تب ہی اچانک فیضی سامنے آگیا۔

وہ اکیلا نہیں تھا ملگجے سے کپڑوں والا ایک درمیانی عمر کا شخص اس کے ساتھ تھا اور ان لوگوں کو دیکھ کر وہ جس بری طرح چونکا تھا۔اسے امی' دیا اور نازی نے بخوبی محسوس کیا تھا' مگر بات جیسے پل بھر کی ہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے وہ مکمل اجنبیت کا اظہار کرتا ہوا ان کے قریب سے گزر چکا تھا۔اس نے امی تک کو سلام کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

نازی کو ملال سے زیادہ شرمندگی گھیرنے لگی۔

''اور واقعی' انہوں نے یہاں آکر نینی کو مزید پریشانی میں ڈال دیا ہے اور یہ کوئی وہم نہیں تھا۔

...☆☆☆...

آج پھر ناشتہ یوں ہی رکھا رہ گیا تھا۔

ابھی ابھی میز پر رکھ کر' وہ کمرہ ٹھیک کرنے کے ارادے سے اندر آئی تھی' پر دو منٹ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز پر اسے باہر آنا پڑا۔

ناشتہ جوں کا توں دھرا تھا اور فیضی نیچے جا چکا تھا۔

بے چین سی ہو کر' وہ دروازہ کھول کر سیڑھیوں تک جھانک بھی آئی' مگر وہ بہت تیزی کے ساتھ اترا کرتا تھا۔

نینی مایوس سی ہو کر واپس اندر چلی آئی۔

بناء کچھ کھائے پیئے' فیضی کا گھر سے نکل جانا اسے بے حد کھلتا تھا۔''سارے دن کی بھاگ دوڑ اور ٹینشن لینے سے پہلے اگر صبح کو کچھ تھوڑا بہت کھا لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔''ابھی یہی بات اس نے فیضی کو بھی سمجھائی تھی جو اس نے چپ کر کے سن بھی لی تھی' مگر کیا وہی' جو اس نے دل نے کہا۔

کیا ناشتہ' کیا دوپہر اور رات کا کھانا۔

فیضی نے گھر پر سب ہی کچھ موقوف سا کر رکھا تھا۔

کسی کسی وقت' دو چار نوالے لیتا تو لے لیتا' ورنہ وہ اسی طرح سے ٹرے آگے سے سرکا دیتا۔

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کی ناراضگی ابھی تک ختم نہیں ہوئی ہے' نینی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس کے دل سے اس غلط فہمی کو کیسے دور کرے کہ اس روز امی اور اس کی بہنوں کا یہاں آنا محض ایک اتفاق تھا' جس میں خود اس کی مرضی' ہرگز ہرگز بھی شامل نہیں تھی' امی بے چاری خود اس کی محبت میں دوڑی چلی آئی تھیں۔

کیا ہنگامہ مچایا تھا اس روز فیضی نے گھر آکر۔

پہلی بار نینی کو لگا تھا' جیسے وہ کھڑے کھڑے اسے گھر سے بھی نکال سکتا ہے۔

پھر کہاں جاتی وہ؟

بشارت صاحب کے گھر تو ہر گز بھی نہیں۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا' وہ کم از کم فیضی کی اس ایک بات سے تو متفق ہو ہی رہی تھی کہ ان کی مصیبتوں کے دن لانے میں' بشارت صاحب پوری طرح ذمہ دار ہیں۔ ''میں نے اتنے دنوں میں تم سے صرف ایک بات کہی اور تم نے وہ بھی نہیں مانی۔'' ابھی پچھلی رات ہی بہت مایوسی کے ساتھ' ایک بار پھر اس کی کوتاہی کو جتایا تھا۔

''اس اتنے بڑے شہر میں' جہاں ایڈریس ہاتھ میں ہو تب بھی آدمی' ڈھونڈنے میں پوری طرح چکرا سکتا ہے تمہاری امی اور بہنیں' بناء کسی گائیڈ لائن کے' سیدھی اس بوسیدہ غلیظ عمارت تک پہنچ گئیں۔''

وہ خاموشی سے سنے گئی' کتنی ہی بار اس نے فیضی کو یقین دلانے کی کوشش کر لی تھی کہ وہ لوگ مہرو خالہ کے پوتے سے ایڈریس سمجھ کر یہاں تک آئی تھیں' مگر وہ یقین کر لینے کو تیار نہیں تھا۔

''بہت مشہور لگژری اپارٹمنٹس ہیں' جو ٹیکسی ڈرائیور سیدھا یہاں لے آیا نہیں۔''

یہ کہتے ہوئے اسے ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ عام سی تنگ و تاریک عمارتیں' بہت شاندار دکھنے والی عمارتوں سے زیادہ جانی پہچانی جاتی ہیں' عام آدمیوں کی اکثریت ان ہی میں رہتی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں' جو پبلک ٹرانسپورٹ سب سے زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

''کچھ عرصے بھی تم سے چھپایا نہ جاسکا اپنا حال' کیا سوچتی ہوں گے وہ لوگ کہ یہ ہے میری اوقات۔'' اپنی بے عزتی کا احساس اسے کھائے جا رہا تھا' نینی کی امی نے اسے جس حقارت سے دیکھا تھا' وہ شاید' زندگی بھر بھولنے والا نہیں تھا۔

''اور وہ بشارت صاحب۔''

''ان کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا ہو گا' جب انہوں نے یہاں کی تفصیل سنی ہو گی' جو انہوں نے چاہا' آخر کو حاصل کر ہی لیا' مجھے پوری طرح برباد کر کے ہی چھوڑا۔''

وہ دل جلانے والے سارے ہی اندازے لگاتا اور نتیجہ' اس کا غصہ اور بھی بڑھتا رہا۔

حالانکہ نینی کو پورا یقین تھا کہ ابا اس کے بارے میں پوچھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے ہوں گے' ان کی بلا سے وہ جیئے یا مرے' اب انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہو گا۔

یہ بات وہ ایک بار کہہ چکے تھے اور اپنی کہی بات کو وہ ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔

فیضی کا چھوڑا ہوا ناشتہ' یوں ہی رکھا رکھا ٹھنڈا ہو رہا تھا' خود اس کا بھی دل کچھ کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا' سو اس نے ایسے ہی کچن میں لے جا کر ڈھک کر رکھ دیا۔ چھوٹے چھوٹے کئی کام' روزانہ ہی اس کی توجہ کا مرکز ہوتے' مگر اب رفتہ رفتہ جیسے ان سب سے دل اچاٹ ہوتا جا رہا تھا۔

فیضی کے اور اس کے کئی کپڑے دھلنے کیلئے جمع ہو رہے تھے' کل کے برتن اب تک ڈھلنے کے منتظر تھے اور صفائی کا تو تھا ہی روز کا کام' پر اب اس چھوٹے سے گھر کی صفائی بھی وہ ایک دن چھوڑ کر کرنے لگی

تھی۔

کسل مندی سے یوں ہی ادھر ادھر بیٹھ کر وقت گزار دیتی' سردی کا چھوٹا سا دن بھی طویل ہی محسوس ہوتا۔

وہ بیٹھی اپنے ہی مسائل کی ادھیڑبن میں لگی رہتی' ابھی پتہ نہیں کیا کچھ اور ہونا باقی تھا۔

تھوڑی سی ہی دیر گزری تھی کہ دروازے پر مخصوص سا کھٹکا ہوا۔

یہ مہر وخالہ کے آنے کا وقت تھا' ویسے تو وہ سارا دن ہی وقفے وقفے سے آتی رہتی تھیں' مگر صبح کا یہ وقت خاص طور پر ان ہی کا تھا۔

''السلام علیکم خالہ۔''اس نے دروازہ کھولا تو وہ دعائیں دیتی ہوئی اندر چلی آئیں۔

نینی دروازہ بند کر کے واپس پلٹنے لگی تو ایک دم ہی لڑکھڑا سی گئی۔

''سنبھل کر۔''مہر وخالہ اسے بروقت نہ سنبھالتیں تو شاید وہ گر ہی پڑتی۔

''کب سے طبیعت خراب ہے تمہاری؟'' وہ بڑی تشویش سے پوچھنے لگیں۔

''طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے خالہ' بس ایسے ہی۔''

نینی کو ہنسی آگئی۔پریشانیوں کے اس نہ ختم ہونے والے سلسلے میں پھنس کر اسے تو کبھی کسی بیماری کا دھیان تک نہ آتا جب تک وہ زور نہ پکڑتی۔

مہر وخالہ اسے سہارا دیئے دیئے اندر بیڈ تک لے آئیں۔

''آرام کرو تھوڑی دیر' پھر میں تمہیں خود ڈاکٹر کے پاس لے کر چلوں گی' مجھے تو چند دن سے ویسے بھی شک سا پڑ رہا تھا۔''

نینی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

مہر وخالہ کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔''خدا کرے کہ پوتے پوتی کی آمد ہی فیضی کے ماں باپ کا دل موم کر دے۔''

''جی۔''اس بار نینی حقیقتاً گڑبڑائی تھی۔

...☆☆☆...

برآمدے میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔

انہوں نے اپنے کمرے کے دروازے میں سے جھانک کر دیکھا اور پھر تیزی سے برآمدے کے تخت کی طرف آئیں۔وہ بڑا سارا شاپر' جو ثانیہ تھوڑی دیر پہلے لے کر آئی تھی' ابھی تک وہیں رکھا تھا۔بہت بے تابی سے انہوں نے اس شاپر میں رکھا سامان چیک کرنا چاہا۔

ایک' دو' تین' چار خوبصورت رنگوں والے' اکٹھے چار سوٹ اور وہ بھی بے حد اچھی کوالٹی کے' شیمپو' ہینڈ لوشنز' پرفیوم اور ضرورت کا دوسرا چھوٹا موٹا سامان سب ہی کچھ ان کیلئے تو نیا ہی تھا۔

حالانکہ یہ سب چیزیں ان کے ہاں بھی آتی تھیں' لبنیٰ کی ہر ماہ کی خریداری کا بڑا حصہ ان ہی سب پر مشتمل ہوتا تھا' مگر برانڈ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔یہ سب جو' ثانیہ کے شاپر میں رکھا تھا اپنی کوالٹی اور قیمت خود اپنے منہ سے بتا رہا تھا' لبنیٰ کو شاید ان کا نام بھی نہیں پتہ تھا۔

''معلوم نہیں کیسا بیوٹیشن کا کورس کر رہی ہے بے وقوف۔''منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر انہوں نے بیٹی کی عقل پر افسوس کیا۔

تب ہی کچھ آہٹ سی ہوئی تو وہ جلدی سے' شاپر کو واپس رکھ کر' خود قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

ثانیہ باہر آرہی تھی' اس وقت بھی' وہ سادہ مگر اسٹائلش سا سوٹ پہنے ہوئے تھی اور ہلکی ہلکی دل فریب سی مہک کا احساس تھا' جو اس کے قریب آتے ہی ماحول پر چھانے لگا تھا۔

ان سے کچھ کہنے بغیر، وہ تخت کے نیچے سے اپنا سوٹ کیس نکال رہی تھی، تب وہ پھر اس کی طرف دیکھے بغیر نہیں رہ سکیں۔

اس کے چمکدار ریشمی بال، اس کی پشت کو ڈھکے ہوئے تھے، وہ یوں ہی نظر جمائے اسے گھورے گئیں۔

اس کے بال شروع سے ہی اچھے تھے، پر انہیں اب سارا کمال ان شیمپو اور کنڈیشنز وغیرہ کا ہی لگ رہا تھا، جو ابھی تھوڑی سی ہی دیر پہلے انہوں نے اس کے سامان میں دیکھے تھے۔ثانیہ کی شخصیت میں دن بہ دن جو بڑا نمایاں سا نکھار آتا جا رہا تھا، انہیں چونکانے کے ساتھ ساتھ، تکلیف دینے کا سبب بن رہا تھا۔ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح، وہ اسے لبنیٰ کے مقابلے میں نیچا دکھانے میں کامیاب ہوں گی۔

''تم کیا اپنی ساری تنخواہ یوں ہی اڑا دیتی ہو؟'' رہا نہ گیا تو ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے وہ کہہ ہی گئیں۔

''جی۔'' اس نے کچھ چونک کر مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور پھر بڑے اطمینان سے ہلکے سے مسکرا دی۔

'' نہیں، تھوڑا بہت بچا لیتی ہوں۔''

''ظاہر ہے، تم پر کوئی دوسری ذمہ داری تو ہے نہیں، ساری فکریں ماموں کے سر پر ہیں، وہ غریب کولہو کے بیل کی طرح لگے ہوئے ہیں۔'' ان کے لہجے میں گہری کاٹ تھی، ثانیہ کا ہاتھ ہلکے سے کانپا، مگر وہ خوبی سے اپنی کیفیت چھپا گئی۔

ممانی چند لمحے منتظر رہیں کہ شاید وہ ان کے جواب میں کچھ کہے، مگر وہ بدستور ان کی طرف سے رخ موڑے اپنے کام میں مصروف رہی۔ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ باہر سے آئی تھی، درزی سے لائے ہوئے کپڑے اور بقیہ سامان وہ اپنے

ساتھ لائی تھی اور اب تخت کے نیچے رکھے سوٹ کیس میں وہ اپنے کپڑے اور یہی چیزیں رکھ رہی تھی۔یہاں اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی، اس کے پاس اپنی چیزیں رکھنے کا یہی ایک ٹھکانہ تھا۔

''مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے، یہاں صرف ایک چھوٹی سی برتنوں کی دکان، جس کی آمدنی اب نہ ہونے کے برابر ہی ہے، آگے کوئی بیٹا بھی نہیں ہے، جو سہارا بنے، مگر انہیں تو بھیک کا کٹورہ ہاتھ میں تھامنا منظور ہے۔''

''خدا نہ کرے۔'' اس نے جیسے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔

''کیسی باتیں کرتی ہیں ممانی، ماموں جیسے پیارے انسان کو تو ان کی نیکیوں کا پتہ نہیں کتنا اجر ملے گا۔'' بے نیازی کی ساری ایکٹنگ بالکل ہی فلاپ گئی اور وہ جو ممانی سے کم سے کم بات کرنے کی پالیسی پر گامزن رہتی تھی، جمیل ماموں کے حوالے سے کوئی ایسی ویسی بات نہیں سن سکتی تھی۔

ممانی نے ایک زہر آلود نگاہ، ثانیہ کے چہرے پر ڈالی، بڑی تیزی سے ان کی اماں اور ثانیہ سے چڑ، نفرت میں اور نفرت بے حد گہری نفرت میں بدلتی جا رہی تھی۔اپنے اس گھناؤنے جذبے کو وہ کبھی چھپانے کی کوشش بھی نہیں کرتی تھیں۔آج اتفاق سے اماں پڑوس والے ابرار صاحب کے ہاں گئی ہوئی تھیں اور اس وقت گھر پر ثانیہ اور ممانی ہی تھے، سو انہیں کچھ بھی کہہ دینے میں کوئی امر مانع نہیں تھا۔

''میں تو کرتی ہوں صاف بات، چاہے کسی کو بری کیوں نہ لگے۔'' یہ ان کا بہت مخصوص سا جملہ تھا، جسے وہ ٹھیک اس وقت کہتیں، جب وہ کوئی بے حد دل دکھانے والی بات کہنے کی تیاری کر رہی ہوتیں۔

ثانیہ نے اس وقت کئی دن بعد یہ جملہ سنا تھا۔

"مجھے اگر کہیں یہ خبر ہوتی کہ تمہارے ماموں تم لوگوں کو اتنی لمبی ذمہ داری لینے والے ہیں تو کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دیتی' میں تو سمجھی تھی کہ وہ ایک مہینے رہ کر تم لوگ خود ہی یہاں سے اکتا کر چلے جاؤ گے' مگر نہ بھئی۔" انہوں نے مایوسی سے سر ہلایا۔

ثانیہ خاموشی سے ان کے ارشادات سنے گئی' وہ اس سے بھی زیادہ کہہ سکتی تھیں' یہ گھر ان کا تھا اور یہاں جو کوئی رہتا' ان کی سننے پر مجبور تھا' اس نے بھی کبھی اس گھر کو ممانی سے بڑھ کر' جمیل ماموں کا نہیں سمجھا تھا۔

"اور اب تو تم اپنا کما رہی ہو' اچھا گزر بسر کر سکتی ہو' کہیں بھی گھر لے سکتی ہو کرائے پر۔"

انہوں نے دل میں چھپا' ایک اور تیر بھی نکال باہر کیا۔ ثانیہ نے ایک گہری سانس اپنے اندر اتاری۔

"بھلا وہ کیوں' اس بات کا انتظار کر رہی ہے کہ ممانی اسے دھکے دے کر ہی باہر کریں۔" جو کچھ بھی انہوں نے کہا اس کے دوران' ثانیہ نے خود کو ہی مورد الزام ٹھہرایا۔

"میں خود بھی یہی چاہتی ہوں ممانی۔" ایک لمحے کے لئے وہ خاموش ہوئیں تو ثانیہ نے آہستہ سے کہا۔

"جمیل ماموں کی ناراضگی کا ڈر نہیں ہوتا تو ہم یہاں سے کب کے جا چکے ہوتے' مگر وہ۔۔۔" جملہ بیچ میں چھوڑ کر وہ پل بھر کے لئے خاموش ہو گئی۔ "مگر خیر' آپ اس بات کا ضرور یقین کریں کہ میں بہت جلد اماں کو لے کر کہیں اور شفٹ ہو جاؤں گی۔" ثانیہ نے نوٹ کیا کہ ممانی بہت بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں' انہیں اندازہ لگانے میں مشکل ہو رہی تھی۔

"آیا جو ثانیہ نے کہا ہے' وہ اس کو کر بھی پائے گی یا نہیں۔"

☆☆☆...

نینی کے گھر سے واپسی پر' سب ہی ایک گہرے صدمے کی کیفیت میں تھے۔

سب سے زیادہ برا حال امی کا تھا' انہوں نے ٹیکسی میں بیٹھ کر جو رونا شروع کیا تو انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا اور گھر آ کر تو جیسے انہوں نے مستقل ہی بستر سنبھال لیا۔

کھانا پینا' ہنسنا بولنا سب ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

بس خالی خالی نگاہوں سے چھت کو تکے جاتیں' سب کچھ بھول کر نازی کو ان کی صحت کی فکر پڑ گئی اگر یہی حالت رہی تو کوئی شک نہیں کہ جلد ہی وہ کوئی مستقل روگ خود کو لگا بیٹھیں۔

بشارت صاحب سے کچھ بھی کہنے سے انہوں نے اول دن ہی منع کر دیا تھا۔

"کیا فائدہ' انہیں کون سا رنج ہو گا نینی کی حالت کا' الٹا طعنے دینے بیٹھ جائیں گے اور مجھ میں اب ان کی باتیں سہنے کی ذرا بھی ہمت نہیں رہی ہے۔"

اپنی بات کہہ کر وہ رونے لگی تھیں' ان کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی' دیا تو خیر بہت رسمی سی بات چیت کرتی تھی' مگر نازی کو باقاعدہ انہیں یقین دلانا پڑا تھا کہ وہ ابا سے کچھ بھی نہیں کہے گی۔

پر خود امی کی اپنی حالت زار' ان پر بیتے دکھ کی کہانی بیان کر رہی تھی۔

بشارت صاحب بھی دو چار دن تو گھر کی بدلی ہوئی فضاء کو امی کی بیماری سے تعبیر کرتے رہے۔

مگر ان کی دن بدن زرد پڑتی رنگت' سوجی ہوئی آنکھیں اور چوبیس گھنٹے منہ لپیٹے پڑے رہنا' ان کی سمجھ میں آنے لگا۔

دیا زیادہ تر خود میں ہی مگن رہتی تھی اور نازی اسکول سے آنے کے بعد امی کی خدمت گزاری میں لگ جاتی' آج کل وہ ٹیوشن سنٹر بھی نہیں جا رہی تھی' گھر میں ایک گہری خاموشی چھائی رہتی۔

سمیع کا زیادہ وقت گھر سے باہر ہی گزرا کرتا تھا' مگر ایسا گہرا سناٹا' پہلے کبھی گھر پر چھاتا ہوا محسوس نہیں ہوتا تھا۔ان دنوں بھی نہیں' جب دیا کی مسعود سے منگنی ٹوٹی تھی۔

تب کم از کم امی اور ابا کی ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرانے کیلئے لمبی لمبی بحثیں تو ہوا ہی کرتی تھیں' مگر اب تو جیسے دم سا الٹا جاتا تھا۔

بشارت صاحب نے دو چار بار' نازی سے کچھ پوچھنا بھی چاہا تو' وہ ایسے بوکھلائی کہ ان کا شک' یقین میں بدلنے لگا۔

''کوئی بات ہے ضرور' جو تم لوگ مجھ سے چھپا رہے ہو' دیا نے پھر کوئی مسئلہ کھڑا کر دیا ہے کیا؟ اگر ایسا ہے تو اسے کہہ دینا کہ مجھ سے کوئی امید نہ رکھے' میں نے نینی کو آج تک معاف نہیں کیا' وہ بھی میری طرف سے.....''

نمکین سا پانی' نازی کو اپنے دل پر گرتا ہوا محسوس ہوا۔

''اپنی تمام تر اصول پسندی اور اچھائی کے باوجود کہیں نہ کہیں تو وہ بھی قصوروار تھے ہی' کیا تھا جو وہ تھوڑی سی نرمی' تھوڑی سی رعایت نینی کے سلسلے میں برت لیتے' شاید اس کے حالات اتنے زیادہ خراب نہ ہونے پاتے۔''

وہ محض سوچ ہی سکی' رات کے کھانے کے بعد کی چائے کا کپ جو وہ ان کے کمرے میں رکھنے آئی تھی' ان کے سرہانے رکھی' میز پر رکھتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

''دیا کا کوئی مسئلہ نہیں ہے ابا آپ بے فکر رہیں۔''اس کے لہجے میں بڑی شکستگی سی تھی۔

بشارت صاحب نے جیسے چونک کر اس کی طرف دیکھا' یہ لہجہ نازی کا نہیں تھا۔

وہ کبھی اس طرح ہارے ہوئے انداز میں بات نہیں کرتی تھی' پریشان سے پریشان کن صورتحال میں بھی وہی تھی' جو سب کا حوصلہ بڑھائے رکھنے میں پیش پیش ہوتی' پریشانیوں کو خود پر سوار کرنے کے بجائے' ان کا حل نکالنے کیلئے جت جاتی' گھر والوں کے لئے اس نے اتنا کچھ کر ڈالا تھا کہ جس کا صلہ دینا بھی ناممکن تھا۔

''میں جاؤں ابا۔''

اپنی سوچ سے نکل کر انہوں نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا' وہ کھڑی پوچھ رہی تھی۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے' بشارت صاحب نے اسے غور سے دیکھا وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی' اس کی نگاہیں' پرانے گھسے ہوئے قالین پر جمی ہوئی تھیں' کا ڈیزائن بھی اب مٹتا جا رہا تھا۔

''جاؤ اور جب تمہاری امی اجازت دیں کہ ایسا کیا ہوا ہے' جس نے انہیں برسوں کا مریض بنا دیا ہے تو مجھے ضرور آ کر بتا دینا اور کیا خبر میں خود ہی معلوم کر لوں۔''

صاف لگ رہا تھا کہ وہ خفا ہو گئے ہیں۔

کچھ کہنے کیلئے نازی کے لب تھوڑے سے کھلے' مگر پھر وہ تیزی سے پلٹ کر' کمرے سے باہر چلی گئی۔

بشارت صاحب خاموشی سے' دروازے پر نگاہیں جمائے کچھ سوچ گئے۔

اتنے سالوں سے اپنے اور گھر والوں کے درمیان انہوں نے جو فاصلہ مقرر کر رکھا تھا' وہ اب خلیج کی صورت اختیار کر چکا تھا اور کسی نے بھی اس خلیج کو پر کرنے کی کوشش ضروری نہیں سمجھی تھی' ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی سب الگ الگ۔

کیا گھر میں سب ہی نے انا پرستی ان ہی سے لی ہے' ایک سوائے نازی کے۔

کبھی کبھی تو بشارت صاحب کو ایسا ہی لگتا تھا' صرف نازی تھی' جو ان کے اور گھر والوں کے درمیان پل کا کام دیتی تھی' پر اس بار' وہ بھی گریزاں سی تھی۔

ایک بار کو تو ان کا دل چاہا کہ اٹھ کر سیدھے جائیں اور زبیدہ بیگم سے صاف صاف پوچھ ڈالیں کہ آخر کیا معاملہ ہے' مگر یہی خیال روکے جا رہا تھا کہ جب گھر والے انہیں' اس قابل نہیں سمجھتے تو' انہیں بھی خود سے ایسا کوئی اشتیاق ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے۔

خود کو مطمئن کرنے کیلئے جواز ڈھونڈ کر بھی وہ بے چین ہی رہے

کبھی کبھی خود پر چڑھایا ہوا' سخت گیری کا خول' انہیں خود کوفت میں مبتلا کرتا تھا' مگر اب یہ شخصیت کا ایسا حصہ بن چکا تھا' جسے وہ خود سے کسی طرح بھی علیحدہ نہیں کر سکتے تھے۔

سو وہ ایک بے چینی' جو اب دل کو لاحق ہو چکی تھی' اپنی جگہ جوں کی توں تھی۔ چائے اپنی جگہ رکھے رکھے ٹھنڈی ہونے لگی تو انہوں نے اس کی طرف دھیان دیا۔ ٹھنڈی ہو کر جیسے چائے' اپنا سارا مزہ ہی کھو بیٹھتی ہے' ان سے بھی دو گھونٹ سے زیادہ نہ پیئے گئے۔

کمرے میں سردی کا احساس بڑھ رہا تھا' نازی نے شاید دروازہ اچھی طرح بند نہیں کیا تھا' تھوڑا سا کھلا رہ گیا تھا' وہ بند کرنے کیلئے اٹھے تو سامنے برآمدے کی ایک کھڑکی کھلی دکھائی دی۔ تیز سرد ہوا ادھر سے آ رہی تھی۔

وہ آگے بڑھ کر اسے بند کرنے لگے تو باہر سے سمیع اندر آتا دکھائی دیا۔

اس کا رزلٹ بس آنے ہی والا تھا' مگر وہ دو جگہ جز وقتی ملازمتیں کر رہا تھا۔

اس کی واپسی روزانہ تقریباً اسی وقت ہوتی۔ اس کا لاابالی پن' حیرت انگیز طور پر' سنجیدگی میں بدلتا جا رہا تھا اور بشارت صاحب کو مجبوراً اپنی اس پیش گوئی پر نظر ثانی کرنی پڑ رہی تھی کہ ''سمیع کبھی بھی ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کر سکتا ہے۔''

ایک نرم سے احساس کے ساتھ' وہ خاموشی سے اسے کھڑے دیکھے گئے اور جب وہ اپنی موٹر سائیکل کھڑی کر کے اندرونی سیڑھیوں کا رخ کر رہا تھا' تب انہیں الجھن کو سلجھانے کیلئے بھی سرا مل گیا۔

''سمیع۔''

یقیناً وہی تھا' جو بتا سکتا تھا کہ اب کیا مسئلہ درپیش ہے' گھر میں بہت کم ٹکنے کے باوجود بھی اسے ہر بات کی خبر رہتی تھی۔

''سمیع۔ کھانا کھا کر میرے کمرے میں آئو۔''

جب وہ برآمدے میں آیا تو مختصر سا حکم جاری کر کے وہ واپس اپنے کمرے میں چلے آئے۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ اسے سیدھا ہی اپنے کمرے میں لے آتے' مگر تھوڑی سی رعایت دینی ہی پڑی' ایک تو نازی بے چاری کو اس کے انتظار میں دیر تک کچن کھولے رکھنا پڑتا تھا اور دوسرے خود سمیع بھی ابھی تک بھوکا رہتا تھا' سو اس خیال کو بھی آنا ہی تھا۔ پتہ نہیں ان کے لہجے میں کچھ نیا تھا یا پھر سمیع ہی بچپن کی طرح آج بھی ان کی طلبی پر گھبراتا تھا۔ تھوڑی سی ہی دیر لگائی' اس نے ان کے پاس آنے میں۔

''جی ابا۔'' وہ بڑا مؤدب سا ہو کر' ان کے سامنے والی کرسی پر آ بیٹھا۔

گھڑی تقریباً گیارہ بجا رہی تھی۔

صبح کالج میں انہیں پہلے دو پیریڈ لازمی لینے ہوتے تھے، فجر میں اٹھ جانا پرانی عادت تھی، سو ذرا بھی وقت ضائع کئے بغیر انہوں نے اس سے بھی وہی کچھ جاننا چاہا، جو کئی دن سے ڈسٹرب کر رہا تھا۔

''تمہاری امی کا تو مجھے پتہ ہے کہ کتنی ضدی عورت ہیں، سارے زمانے سے بات شیئر کریں گی مگر مجھ سے نہیں، خیر مجھے ضرورت نہیں ہے ان سے کچھ پوچھنے کی۔'' انہوں نے بے زاری سے سر کو ہلکے سے جھٹکا۔

سمیع جواباً خاموش ہی رہا، والدین کی ناچاقی کے وہ سب بہن بھائی اب اتنے عادی ہو چکے تھے کہ ان دونوں کے روّیے اب بالکل معمول کی سی بات لگتے تھے۔

''اس بار انہوں نے نازی کو بھی یقیناً سختی سے منع کر دیا ہے، ورنہ وہ مجھ سے کچھ نہ چھپاتی، بہر حال گھر کا سربراہ ہونے کے ناطے میں صرف اس لئے جاننا چاہ رہا ہوں کہ کہیں لاعلمی میں کوئی اور پریشانی نہ مول لے بیٹھیں یہ لوگ، اصل فکر مجھے اب دیا کی طرف سے ہے، اس کی منگنی ہو چکی ہے، لیکن اس کی جذباتیت اور بے وقوفیوں میں مجھے کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی۔''

ان کے لہجے میں تشویش بھی تھی اور تحکم بھی۔

''دیا کا کوئی پرابلم نہیں ہے ابا۔'' سمیع نے وہی کہا، جو ابھی تھوڑی دیر پہلے نازی نے کہا تھا۔

بشارت صاحب کو ''اصل مسئلہ'' جاننے سے پہلے ہی بڑی طمانیت سی حاصل ہوئی، اصل میں پریشانی بھی انہیں دیا کی طرف سے ہی تھی، وہ اب اکیلی نہیں تھی۔

نانی اور عمر جیسے شریف النفس لوگ اس کے ساتھ جڑ چکے تھے، بشارت صاحب کو وہ دونوں ہی بے حد عزیز تھے۔

''تو پھر۔'' اس بار ان کی پریشانی حقیقتاً گم تھی۔

''نینی کے حالات بہت بگڑ گئے ہیں ابا۔''

''اچھا۔''

ان کے اس ایک لفظ میں، کوئی تعجب یا رنج نہیں تھا، بالکل ایسے جیسے سب کچھ عین توقع کے مطابق ہو۔

''کیا وہ لڑکا اسے چھوڑ کر بھاگ گیا ہے؟''

''جی نہیں تو۔'' سمیع اس بے حد بے مروتی کے ساتھ کئے گئے اندازے پر گڑبڑا سا گیا۔

''اس کے مالی حالات بگڑ چکے ہیں ابا، فیضی سخت پریشان ہے، کوئی ڈھنگ کی جاب بھی نہیں مل رہی ہے اسے، بہت کوشش کر رہا ہے بے چارہ۔''

سمیع کے پاس فیضی کیلئے بڑی رعایت تھی، مگر وہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے۔

''ڈھنگ کی جاب تعلیم مکمل ہونے کے بعد ملتی ہے اور ایسے رئیس زادے، اگر یہ چوٹی سر کریں تو بڑا کارنامہ جانو۔''

''ایک سال کی ہی بات تھی ابا، فیضی کا فائنل ایئر کمپلیٹ ہو جانے میں، اس کے بعد تو....'' وہ جو کچھ بھی آگے کہنا چاہ رہا تھا، بشارت صاحب کے چہرے پر آئی طنزیہ مسکراہٹ نے بھلا ہی دیا۔

''پچھلے دو سمسٹر سے لگاتار فیل ہو رہے ہیں صاحبزادے، مجھے تو یقین ہے کہ اتنے سال سے، باپ دادا کے تعلقات سے ہی کام چل رہا تھا۔''

سمیع چپ چاپ سا انہیں دیکھے گیا۔

وہ اتنے بے خبر نہیں تھے، مدت سے درس و تدریس سے وابستہ تھے، جہاں ان کا اپنا وسیع حلقہ احباب تھا۔

ان تک اس طرح کی خبریں' مصدقہ ذرائع سے پہنچتی تھیں۔

''وہ لوگ بہت برے حال میں رہ رہے ہیں' فیضی کے خاندان نے اس کا سختی سے بائیکاٹ کر رکھا ہے' کوئی بہت معمولی سال' گھٹا ہوا فلیٹ ہے' امی کہہ رہی تھیں کہ وہاں ہوا تک کا گزر نہیں ہے۔''سادگی سے اس نے امی کا کہا جملہ دہرایا۔

''اس اتنے بڑے گھر میں بھی تو نینی کا دم گھٹتا تھا۔'' وہ ہلکے سے بولے' کتنے ہی دن بعد ان کے ہونٹوں پر نینی کا نام آیا تھا۔

''وہ اپنی بے وقوفی کی کافی سزا بھگت چکی ہے ابا۔ اگر ہم ان دونوں کو یہیں اسی گھر میں رکھ لیں' میرا مطلب ہے ہمارے ہاں تو کافی کمرے خالی پڑے ہیں۔'' ان کے چہرے پر پھیلتی سرخی سے نگاہ بچا کر' وہ کہہ ہی گیا۔

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور یہ بات میں نے اس کے نکاح سے پہلے واضح کر دی تھی کہ بعد میں' مجھ سے کوئی امید نہ رکھی جائے اور اس نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔''

ایک بیتا ہوا تکلیف دہ منظر' ان کی آنکھوں کے سامنے آ ٹھہرا۔

''تم سمیت گھر کے کسی بھی فرد کے ذہن میں اگر یہ بات ہے کہ میں اس کی درد بھری داستان سن کر موم ہو جاؤں گا تو وہ اپنی غلط فہمی دور کرے' دنیا فٹ پاتھ پر بھی زندگی بسر کر رہی ہے' وہ دونوں اگر اس لیول پر بھی آ گئے تو مجھے پروا نہیں۔''

پل بھر کے لئے وہ ذرا رکے۔''تم جا کر آرام کرو' مجھے بھی صبح اٹھنا ہے' ہو سکے تو امی اور نازی کو بھی سمجھاؤ کہ اس طرح' اس کے پیچھے اپنی جان نہ گھلائیں' یہ مکافات عمل ہے' انسان کو اپنا کیا بھگتنا ہی پڑتا ہے۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

انہوں نے اپنا چشمہ اتار کر رکھا اور مڑ کر تکیہ ٹھیک کرنے لگے۔

سمیع اٹھ کھڑا ہوا۔

''دروازہ ٹھیک طرح سے بند کر جانا۔'' کمبل کھینچ کر لیٹتے ہوئے انہوں نے آخری ہدایت جاری کی۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ اب وہ اس موضوع پر کوئی ایک لفظ بھی سننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

خاموشی سے لائٹ بند کر کے وہ باہر نکل آیا۔

لمبا سا برآمدہ خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا اور ایک دو مدھم سی روشنیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ نازی آج کل امی کے ساتھ سوتی تھی' وہاں اب اندھیرا تھا' البتہ دیا کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔

دل پر نینی کے حوالے سے بڑا بوجھ تھا' امی نے سختی سے اس کے ہاں جانے سے منع نہ کیا ہوتا تو وہ ضرور ہی اس سے مل کر آتا۔

''پہلے دیا اور اب نینی۔''معلوم نہیں کیا تھا اس کی بہنوں کی قسمت میں۔ جو بھی خوشیوں کی طرف قدم بڑھاتی' اس کے ہاتھ میں مایوسی کے سوا کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔

دیا نے مسعود کی بے وفائی کا غم جھیلا اور نینی نے حالات کا۔ پریشانی اور تکلیف دونوں ہی کا مقدر بنی۔

''اور بے چاری نازی آپا۔''

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے' وہ سوچ گیا۔

''اپنے تمام تر خلوص اور سادہ دلی کے باوجود' اپنی ذات کیلئے کیا کر پائیں۔''

سمیع کی ظاہری لاپرواسی شخصیت کے پیچھے' ایک بہت حساس بھائی کا دل دھڑک رہا تھا۔

اپنے اور بشارت صاحب کے درمیان ہونے والی بات چیت کا اس نے جان بوجھ کر' کسی سے بھی ذکر نہیں کیا تھا' فائدہ کچھ بھی نہیں تھا۔

صرف گھر میں چھائی ٹینشن ہی بڑھنی تھی۔

اپنے طور اس نے فیضی سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کئی بار کی' مگر رابطہ ممکن نہ ہو سکا' معلوم نہیں اس نے سم بدلی تھی یا پھر وہ جان بوجھ کر ہی اپنا موبائل بند رکھ رہا تھا' وہ اپنے طور پر ہی اندازے لگاتا رہا۔امی نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہاں جانے کے لئے' وہ نہیں چاہتی تھیں کہ نینی کی روکھائی کا اسے بھی سامنا کرنا پڑے اور دوسرا بڑا خدشہ انہیں فیضی کی طرف سے بھی تھا۔

اس روز جب واپسی پر وہ انہیں ملا تھا۔

اس وقت' جو توہین آمیز روّیہ اس نے اختیار کیا تھا' وہ بھی بھلانے والا نہیں تھا۔

کئی دن تک وہ اسی فکر میں مبتلا رہی تھیں کہ نہ جانے اس نے نینی سے کیا کچھ' کہا سنا ہو گا' ان لوگوں کے وہاں آنے پر۔

نینی کو فون کیا تو وہ کئی بار بلانے کے بعد ہی مل سکی' ورنہ مہرو خالہ کے ہاں سے یہی جواب ملتا رہتا کہ اس کا فلیٹ بند ہے یا وہ لوگ تھوڑی دیر پہلے ہی کہیں گئے ہیں اور جب وہ فون پر آئی تب بھی صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ مجبوراً ہی اسے آنا پڑا ہے۔

''بار بار فون نہ کیا کریں' پڑوسیوں کو تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا ہے' میں بالکل ٹھیک ہوں اور کوئی ضرورت ہو گی خود آپ کو فون کر لوں گی۔''

امی کے پریشانی میں ڈوبے سوال کے جواب میں ہی کل لب لباب تھا۔

''اور تمہارے میاں نے تو زیادہ ہنگامہ نہیں کیا اس روز ہم لوگوں کے آنے پر' ہمیں دیکھ کر تو ایسی آنکھیں بدلیں' جیسے کوئی تعلق یا واسطہ ہی نہ ہو دھوکے باز' بہروپیا' نکما کہیں کا۔''

فون کے دوسرے سرے پر کھڑی' نینی نے ان کے لہجے سے چھلکتی تذلیل کو بمشکل ہی برداشت کیا۔

''ان کیلئے اس طرح بات مت کریں امی ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''کیسے نہیں کہوں' میری آنکھوں کے سامنے تمہاری زندگی برباد ہو رہی ہے' جس روز سے ہو کر آئی ہوں' سارا سکون چین برباد ہو کر رہ گیا ہے۔اس سے کہو اپنے ماں باپ سے صلح کرے' ورنہ میں خود عمر کے ساتھ ان کے گھر جا کر بات کرتی ہوں کہ وہ تمہیں اپنے گھر لے کر جائیں۔''

امی کا رنج پریشانی میں اور پریشانی' شدید ناراضگی ہیں بدل رہی تھی' نینی کو صاف لگ رہا تھا کہ جیسے اب وہ کچھ بھی کر گزر سکتی ہیں۔

''امی پلیز۔میری پریشانیوں کو مت بڑھائیں' فیضی کوشش کر رہے ہیں' اگر کوئی حل نہیں نکلا تو میں خود آپ سے کہہ دوں گی تب جو مرضی آئیے' کر لیجئے گا' پر ابھی نہیں۔'' بہت لجاجت سے اس نے انہیں باز رکھنے کی کوشش کی' اسے فیضی کی حد سے بڑھی جذباتیت سے خوف آتا تھا' اگر امی کسی طرح بھی' اس کے گھر والوں سے کوئی رابطہ کرنے میں کامیاب ہو تیں تو شاید یہ آخری کیل ہوتی' جو اس کی بدنصیبی میں ٹھوکی جاتی۔

امی نے بد دل سا ہو کر فون بند کر دیا۔

"امی چلا چلا کر ہی اس حال میں پہنچی ہے' اب نہ جانے اور کیا قسمت میں لکھا ہے۔"

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر وہ نازی کی طرف دیکھنے لگیں' جو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اسکول سے واپس آئی تھی۔

سردیوں کی نرم سی دھوپ اندر تک آ رہی تھی اور اس بڑے کمرے میں' سکون بھری گرمائش پھیل رہی تھی۔

"معلوم نہیں ہماری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے' جو اکیلے لڑکے کو بیٹی تھمادی' کوئی سرپرست ہوتا اس کے ساتھ تو کم از کم آج ہم کسی کو ذمہ دار تو ٹھہرا سکتے تھے۔"

نازی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

آج پہلی بار انہوں نے نینی کے سلسلے میں ہونے والی کوتاہی کا اعتراف کیا تھا۔

اس بے ساختہ ہی وہ دن یاد آنے لگے' جب نینی نے بشارت صاحب کے طے کردہ رشتے سے انکار کیا تھا۔ مہربان چہروں اور دوستانہ رویوں والے وہ لوگ اور ان کا بڑا سارا شاندار گھر۔

نازی کو خود بڑے عرصے تک نینی کی شادی وہاں نہ ہونے کا افسوس ہوتا رہا تھا۔

"اور یہ لڑکا اتنی سی عمر میں اتنا بڑا فراڈ کر گیا۔"

مارے غصے کہ اب وہ فیضی کا نام تک لینے سے پرہیز کرنے لگی تھیں۔ "کس دعوے سے آیا تھا' جیسے ساری دنیا اس کے پیر کے نیچے ہی تو ہے' میں نے بھی یہی سوچا کہ مرا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے اور پھر اکلوتا لڑکا ہے' وہ چار دن میں ماں باپ سب راضی ہو جائیں گے۔"۔

ان کے انداز میں تاسف تھا' پچھتاوا تھا' جھنجلاہٹ تھی' نہیں تھی تو بس شرمندگی نہیں تھی۔

وہ فیضی کو برا بھلا کہتیں' اس کے خاندان کو کوستیں اور آج پہلی بار انہوں نے یہ بھی مان لیا تھا کہ فیضی کے خاندان کو شادی میں نہ شریک کر کے' ان سے غلطی ہوئی ہے' پر اس شادی کو کروانے میں انہوں نے کس طرح نینی کو سپورٹ کیا اور بشارت صاحب سے کھلم کھلا مخالفت مول لی' اس پر شاید وہ آج بھی شرمندہ نہیں تھیں۔

اپنی بیٹیوں کے لئے' جو اعلیٰ ترین معیار ان کے ذہن میں تھا' فیضی اس وقت' اس سے بھی کہیں اوپر تھا۔

اور انہوں نے صرف یہی دیکھا تھا۔

میڈیا کی مہربانی سے اچھے برے جو بھی اثرات معاشرے میں در آئے ہیں' نو عمری کے نازک دور میں ہونے والی طوفانی فلمی محبتیں' تباہ کن انجام سے عام طور پر ہمکنار ہوتی ہیں' مگر انہوں نے اس وقت ایک بار بھی کسی سمجھدار ماں کی طرح' نینی کو اس انتہائی قدم اٹھانے سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کی۔

فیضی کے چکا چوند بیک گراونڈ نے ان کی بھی آنکھیں خیرہ کی تھیں' دل میں کہیں یہ یقین بھی محکم تھا کہ اتنا امیر کبیر لڑکا' وہ یا بشارت صاحب' کسی بھی صورت میں نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔

فیضی کے گھر والوں کی عدم موجودگی کو ایک طرح سے تو' اس وقت انہوں نے غنیمت ہی سمجھا تھا' یہ سوچ کر کہ وہ لوگ ہوں گے تو یقیناً کوئی نہ کوئی بات نکال کر کہیں نینی کو رد نہ کر دیں۔

اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے' وہ خود غرض ہو گئی تھیں' یہاں تک کہ نینی اس گھر سے فیضی کے ساتھ رخصت نہ ہو گئی۔

فون کی گھنٹی دوبارہ بج رہی تھی' امی حالانکہ قریب ہی بیٹھی تھیں' مگر ان کا دل اتنا خراب ہو رہا تھا کہ پاس بیٹھے ہوئے بھی' انہوں نے فون اٹھانے کی زحمت نہیں کی' مجبوراً نازی کو ہی آگے بڑھ کر ریسیو کرنا پڑا۔

"ہیلو۔"

دوسری طرف نانی تھیں۔

نازی کی آواز پہچان کر، بہت خوش ہو کر، انہوں نے ڈھیر ساری دعائیں دیں اور پھر امی کا پوچھا۔

"کیسی طبیعت ہے اب زبیدہ کی، ٹھنڈ میں میرا چڑھنا اترنا محال ہو رہا ہے، ورنہ ضرور آتی پوچھنے۔"

جب سے امی نینی کی پریشانی کے زیر اثر آئی تھیں، نانی سے جو تھوڑی بہت رسمی سی بات چیت کر لیتی تھیں، وہ بھی یکسر موقوف کر دی تھی۔

نازی کو ہر بار ان سے فون پر یہی کہنا پڑتا تھا کہ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان دنوں۔

مگر اس وقت امی بالکل قریب بیٹھی تھیں اور تھوڑی سی بات چیت کر بھی سکتی تھیں۔

ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر، اس نے یہی بات امی سے بھی کہہ دی، مگر وہ ابھی بھی بے زار تھیں۔

"میرا دماغ مت خراب کرو، مجھ سے نہیں ہوتیں یہ بے کار کی باتیں، انہیں تو فرصت ہے سارا دن، کرنے کیلئے کام ہی کیا ہے۔" وہ بے زاری سے ہاتھ چلا کر اٹھ کھڑی ہو گئیں۔ نانی دوسری طرف سے مستقل ہیلو، ہیلو کہے جا رہی تھیں۔

نازی کی خاموشی سے انہیں یہ شبہ ہو رہا تھا کہ وہ ان کی آواز نہیں سن پا رہی ہے۔ اس نے ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

"نانی، آپ کی آواز ٹھیک طرح سے نہیں آ رہی ہے، شاید فون میں کوئی خرابی ہو رہی ہے، میں آپ کو پھر فون کر لوں گی۔"

"اچھا۔"

ان کی آواز میں ہلکی سی مایوسی تھی، کئی دن سے وہ اس فکر میں تھیں کہ اب عمر اور دیا کی شادی کی حتمی تاریخ طے کر لینے کے بارے میں بات چیت کا آغاز کریں، مگر یہ معاملہ ٹلتے ہی جا رہا تھا۔

نازی فون بند کر کے امی کے پاس چلی آئی۔

وہ ٹیلی فون کے قریب والی کرسی سے اٹھ کر، ذرا فاصلے پر بچھے صوفے پر جا بیٹھی تھیں۔

"امی۔"

"ہوں۔"

"نانی بے چاری آپ کو اتنی محبت سے پوچھتی ہیں اور آپ ان سے رسماً بھی نہیں ملتی ہیں۔"

"دیا کے لئے وہ لوگ مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہے ہیں، مگر میں تمہارے ابا کی وجہ سے خاموش رہی ہوں، اس لئے کہ مجھے خبر ہے کہ اگر وہ کوئی فیصلہ کریں تو پھر اس سے انہیں کوئی ہلا نہیں سکتا، نینی کی دفعہ میں وہ میرے نہیں بلکہ نینی کے آگے مجبور ہوئے تھے اور دیا اور مسعود کی منگنی کے وقت بھی یہی ہوا تھا۔"

نازی کی سمجھ میں ٹھیک طرح سے نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔

"اس بار دیا نے بس معمولی سا ہی پس و پیش کیا، ورنہ شاید اس بار بھی....."

''امی پلیز۔''

نازی نے بے ساختہ ہی ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''دیا کے سامنے ایسا کچھ بھی نہیں کہیے گا' ابا بہت خوش ہیں اس رشتے سے اور وہ لوگ ہیں بھی اچھے' خیریت کے ساتھ یہ شادی ہو جائے' نینی کی وجہ سے پہلے ہی بہت پریشانی ہے۔''

نازی کے لہجے میں بڑی فطری سی گھبراہٹ تھی۔

''جو اللہ کو منظور۔''

ان کا چہرہ بے تاثر سا ہو رہا تھا۔

...☆☆☆...

آج آفس سے ذرا جلدی فراغت ہو گئی تھی۔

پہلے تو اس کا خیال تھا کہ تھوڑی دیر کیلئے سجاد کے پاس ہو تی جائے مگر کانٹیکٹ کرنے پر پتہ چلا کہ وہ آفس میں نہیں ہیں۔

آج صبح سے ہی وہ کسی سائیڈ کے پروجیکٹ پر تھے اور کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہاں سے واپسی کب تک ممکن ہو گی۔ یہ جواب اسے خود ان ہی سے ملا تھا' جب اس نے ان کے موبائل پر فون کیا تھا۔ کرنے کو کچھ اور بھی کیا جا سکتا تھا اور کچھ نہیں تو شاپنگ ہی اس کا سب سے پسندیدہ'' پاس ٹائم'' تھا جو بہت دیر تک بہلائے بھی رکھتی' مگر آہستہ آہستہ جیسے بہت سی چیزوں سے دل اٹھتا جا رہا تھا۔

گاڑی کو گھر کے راستے پر ڈالتے ہوئے' اسے یاد آیا کہ کتنے ہی عرصے سے اس نے کوئی فنکشن اٹینڈ نہیں کیا۔ بعض بالکل قریبی لوگوں کے ہاں ہونے والی تقریب کو بھی وہ بہت لاتعلقی سے ٹال گئی تھی' کسی کی ناراضگی کی پروا کئے بغیر۔ سجاد اور مسز ہاشمی دونوں کے بے حد اصرار کے باوجود بھی' اس کا بالکل موڈ نہیں بنا تھا۔ ایک طویل عرصے' کی بے حد مصروف اور ہنگامہ خیز زندگی کے بعد دل اچانک ہی تنہائی کی طرف مائل ہو چکا تھا۔

ایسی جگہوں پر اسے وحشت سی ہونے لگی تھی جہاں لوگوں کا ہجوم ہو' باتیں ہوں' قہقہے ہوں۔

''معلوم نہیں لوگوں کے پاس ایسی کون سی باتیں ہوتی ہیں' جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔'' اکثر اسے حیرت سی ہوتی۔

ایک بار بھی یہ خیال نہیں آتا کہ کچھ عرصے پہلے تک وہ بھی بہت نان اسٹاپ بولنے والوں میں سے تھی۔

ابھی ایک دن جب مسز ہاشمی' اس کے گھر آئی بیٹھی تھیں تو اس کے اس بدلے ہوئے برتاؤ پر ایک لمبی تقریر کر کے' دبے دبے لفظوں میں ایک بڑے چھپتے ہوئے امکان کی طرف بھی اشارہ کر گئی تھیں۔

''خود کو بدلو شیریں۔ لوگ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے ہیں' مجھ سے خود دو ایک نے کہا کہ لگتا ہے شیریں نے اپنی منگنی کی منسوخی کا بہت اثر لیا ہے۔''

اور جوابا وہ کتنی دیر ہنسے گئی تھی۔

''بہت دن بعد کوئی اچھا لطیفہ سنا ہے مسز ہاشمی۔''

مسز ہاشمی کو بڑی مایوسی سی ہوئی تھی۔ ''تمہارے لئے کیا ذرا بھی اہمیت نہیں ہے شہریار کی۔''

''اس بات کو چھوڑیں' آپ کے اور ممی کے اصرار پر میں اس منگنی پر راضی ہو گئی' یہ بات کافی نہیں ہے کیا۔''

''ہم لوگ تمہارا اچھا ہی چاہتے ہیں' شیریں زندگی اس طرح ضائع کرنے والی چیز نہیں ہے۔''

''پتہ نہیں یہ ضائع ہوئی ہے' جو گزر گئی یا پھر آگے جو آنے والی ہے' وہ ضائع ہو گی۔''

بظاہر وہ مسکراتی تھی' مگر مسز ہاشمی اس کے حال سے بے خبر نہیں تھیں۔

''جو آنے والی ہے' انشاءاللہ بہت اچھی ہو گی' تم فکر مت کرو بالکل' شہریار بہت جلد....''

اس وقت بھی اس نے ان کی بات کاٹی تھی اور اب اس وقت گھر کی طرف جاتے ہوئے بھی' اس نے اس نام کو جھٹک کر پرے کیا تھا۔

بات اتنی بڑھ جانے کے بعد بھی' اسے شہریار کے بارے میں سوچ کر ہی وحشت ہونے لگتی تھی اور یہ جو عارضی طور پر تعطل سا آیا تھا' بڑا ہی غنیمت اور عافیت بھرا لگ رہا تھا۔ ممی کی مایوسی البتہ بے حد بڑھ رہی تھی' ان کا سارا دن فون پر کبھی شہریار اور کبھی مسز ہاشمی سے باتیں کرتے گزرتا۔

شیریں کو لگتا تھا کہ انہیں اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ شہریار ہی دنیا کا وہ آخری شخص ہے' جس کے ساتھ اس کی شادی ممکن ہو سکتی ہے۔

آج جب وہ وقت سے خاصا پہلے گھر پہنچ رہی ہے تو وہ ضرور ہی شہریار کا ہی قصہ لے بیٹھیں گی کہ اس کی سابقہ بیوی نے کیا جھگڑے کھڑے کئے ہوئے ہیں۔ شیریں کو سوچ کر ہی کوفت ہو رہی تھیں۔

مسز ہاشمی اور ممی کیلئے آج کل شہریار کی پہلی بیوی سب سے ہاٹ موضوع تھی۔

بدمزاج' خود غرض' لالچی' طلاق میں سو فیصد اس کا ہاتھ تھا اور ابھی بھی وہ شہریار کا پیچھا چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تھی' کسی نہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ پیسہ اس سے نکلوانے کی فکر میں رہتی تھی۔

شیریں کے سامنے ان لوگوں نے کچھ اسی قسم کا نقشہ کھینچا تھا' جس پر شاید وہ ایک بار بھی یقین نہیں کر سکی تھی۔ اس عورت کے متعلق وہ ایک بار بھی یقین نہیں کر سکتی تھی۔ اس عورت کے متعلق وہ جب بھی سوچتی تو اسے وہ خود سے زیادہ جرأت مند محسوس ہوتی۔

جو ایک ناپسندیدہ زندگی سے اپنی جان چھڑا چکی تھی' جب کہ وہ تو جانتے بوجھتے' خود کو اس آزمائش کی نذر کرنے چلی تھی۔ صرف اور صرف ممی کی خاطر۔

زندگی جب اپنی نہ رہے تو کسی اپنے کی خاطر قربان کر دینے میں کیا خرج ہے۔

اس کی آنکھوں میں کہر سی اترنے لگی۔

خواہشوں کی تتلیاں' چپکے سے مٹھی میں سے نکل کر ہوا میں گم ہوئی تھیں۔

گھر کا گیٹ اس کے پہلے ہارن کے ساتھ کھلا تھا اور کھلے ہوئے گیٹ کے دوسری طرف جو چیز اسے سب سے پہلے دکھائی دے گئی تھی۔

وہ شہریار کی سرکاری گاڑی ہی تھی۔

بہت ساری تھکن جیسے ایک دم ہی اس کے کندھوں پر آ کر گری۔ معلوم نہیں وہ کب سے آیا بیٹھا تھا اور شیریں کو پورا یقین ہو رہا تھا اس نے یا ممی اور مسز ہاشمی میں سے کسی نے بھی اسے جان بوجھ کر مطلع نہیں کیا تھا۔

مبادا وہ کام کا بہانہ لے کر آفس میں ہی دیر تک نہ بیٹھی رہ جائے۔

''اور کاش کہ ایسا ہی ہوا ہوتا۔''

گھر کے مین دروازے سے جانے میں' لامحالہ لائونج سامنے پڑتا' سو وہ سائیڈ کے کوریڈور یں کھلنے والے دروازے سے اندر چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے لئے تنہائی ضروری تھی تاکہ دبائو میں آئے دل و دماغ کو تھوڑا سا سکون حاصل ہو' مگر یہ بھی اس کی خام خیالی ہی تھی۔

''بیگم صاحب نے آپ کو لائونج میں آنے کیلئے کہا ہے۔''

ممی کی سی آئی ڈی' غضب کی تھی۔

محض چند منٹ بعد ہی اس کی طلبی کا فرمان' ان کی طرف سے جاری ہو چکا تھا۔

''آ رہی ہوں تھوڑی دیر میں۔'' خود کو بشکل ہی کمپوز کر کے' اس نے ملازمہ کو رخصت کیا۔

کبھی کبھی ممی سے بڑا گلہ سا ہونے لگتا تھا۔

چند منٹ وہ یوں ہی چپ چاپ آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ چائے کی طلب شدت سے ہو رہی تھی' مگر اسے پتہ تھا کہ اگر چائے منگوائی تو' ممی خود ہی یہاں پہنچ جائیں گی۔

''شہریار صاحب کب سے آئے ہوئے ہیں۔''

دوسری بار بلاوے پر اس نے پوچھ ہی لیا۔

''کافی دیر سے جی' گھنٹہ تو ہو ہی گیا ہے' مسز ہاشمی بھی ساتھ۔''

''اچھا'' اس نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کم از کم یہ بات تو کنفرم ہوئی کہ یہ ایک طے شدہ پروگرام تھا' پر نہ ہی صبح اسے ممی نے آگاہ کرنا ضرور سمجھا اور نہ مسز ہاشمی نے۔ وہ آج آفس بھی نہیں آئی تھیں اور جب اس نے خیریت پوچھنے کیلئے انہیں فون کیا تو انہوں نے صرف اتنا ہی کہا کہ وہ آج کچھ زیادہ تھکن محسوس کر رہی ہیں۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ شیریں کے لبوں تک آئی۔

''معلوم نہیں یہاں کس طرح کی حکمت عملی چل رہی تھی۔''

وہ لوگ اس کی طرف سے یقیناً ابھی تک شک و شبہ کا شکار تھیں۔

ایک نظر بھی خود پر ڈالے بغیر' وہ دونوں ہاتھوں سے بالوں کو ربربینڈ میں سمیٹ کر باہر نکل آئی۔

کوریڈور سے اسے لائونج میں آتا دیکھ کر' شہریار فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ وہ کتنی ہی سادہ رہتی' اس کی دل کشی ہمیشہ پہلے سے بھی بڑھتی ہوئی محسوس ہوتی۔ اس کی گلابی رنگت اور خوبصورت نقوش' کسی اہتمام کے بغیر بھی دیکھنے والے کی نظر کو چند لمحوں کیلئے تو ضرور ہی ساکت کر دیا کرتے تھے۔

شہریار جیسے خود پسند اور بناوٹی شخص کو بھی ''رعب حسن'' کی اصطلاح کا مطلب سمجھ میں آنے لگا تھا۔

''آئو شیریں' ہم لوگ کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں' شہریار آج اچانک ہی یہاں پہنچے تو ہم...۔''

مسز ہاشمی نے آگے بڑھ کر ''وکیل صفائی'' کا کردار ادا کرنا شروع ہی کیا تھا کہ اس نے ان کی بات کاٹ دی۔

''آپ کی تو طبیعت ٹھیک نہیں تھی' اب کیسی ہیں۔''

"میں۔ہاں وہ' خراب تو تھی مگر۔"

مسز ہاشمی سچ مچ گڑبڑائیں' وجہ شیریں کا سوال نہیں تھا' بلکہ اس کا شہریار کو یکسر نظرانداز کرنا تھا۔ شہریار کے قریب سے گزرتی ہوئی' وہ دوسرے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

"ممی میرے لئے چائے منگوائیے۔" اس کی بے نیازی بدستور قائم تھی' مسز ہاشمی نے بہت ہمت کر کے شہریار کی طرف دیکھا۔

وہ ابھی تک کھڑا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات اتنے عجیب سے ہو رہے تھے کہ کسی بھی شخص کو بآسانی ہنسی آسکتی تھی' سوائے وہاں موجود لوگوں کے۔ مسز ہاشمی نے بے ساختہ ہی' ممی کی طرف مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔

"بیٹھ جاؤ شہریار تم کیوں کھڑے ہو گئے ہو' اب کھانے کے بعد جانا' میں ذرا دیکھتی ہوں کہ یہ لوگ کچن میں کچھ کر بھی رہے ہیں یا نہیں۔" ممی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ مسز ہاشمی نے ان کی بروقت حاضر دماغی کی دل ہی دل میں داد دی اور جتنی دیر میں چائے بن کر آئی دو چار سرسری سی باتیں کر کے' وہ بھی اپنے کلف زدہ کزن سے نگاہ چرا کر کھڑی ہو چکی تھیں۔

ان کی کوشش کے باوجود ان چند منٹوں میں شہریار اور شیریں کی آپس میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

"شیریں ناراض ہے شہریار سے۔"

مسز حسین کے بیڈ روم میں بیٹھ کر انہوں نے تسلی آمیز لہجے میں اپنا انداز بیان کیا۔ "اور دیکھا جائے تو وہ حق بجانب ہے' کتنی کوفت کا سامنا کرنا پڑا ہے اسے عین وقت پر منگنی کی منسوخی سے' آپ پریشان مت ہوں یہ تو بہت اچھا سائن ہے

مسز حسین۔ شیریں کے دل میں شہریار کا خیال جڑ پکڑ چکا ہے' آپ یقین کر لیں۔" ان کے لہجے کا یقین' ممی کے اطمینان کا سبب بننے لگا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" ذہنی طور پر وہ وہیں لاؤنج میں تھیں۔

"کہیں شہریار زیادہ برا نہ منا لے۔"

اتنے عرصے کی پہچان میں' وہ اسے اتنا تو سمجھ ہی چکی تھیں' بہر حال مسز ہاشمی کا ڈھونڈ کر نکالا ہوا نکتہ کافی خوش آئند تھا۔

لاؤنج میں بیٹھا ہوا شہریار بھی اسی خوش فہمی کا شکار تھا۔

"مجھے مجبوراً ڈیٹ آگے کرنی پڑی شیریں جس کا مجھے خود سخت افسوس ہے' مگر اس وقت کوئی اور راستہ نہیں تھا۔"

لاؤنج میں وہ شیریں کو ہموار کرنے کیلئے اپنی کوششوں کا آغاز کر چکا تھا۔

"معلوم نہیں اسے کہاں سے خبر ہو گئی تھی کہ میں اب شادی کرنے والا ہوں' اس نے وہ ہنگامہ مچایا کہ خدا کی پناہ۔"

شیریں کی نظریں' گلاس وال کے دوسری طرف والے منظر پر تھیں' جہاں دور مصنوعی چٹان سے پانی ایک چھوٹی سی آبشار کی صورت میں گر رہا تھا۔

"اصل میں ہماری طلاق ابھی رجسٹرڈ نہیں ہوئی تھی' اسی کا اس نے فائدہ اٹھانا چاہا تھا' بہر حال اب معاملات پوری طرح سیٹل ہیں۔"

بولتے بولتے اسے پہلی بار احساس ہوا کہ شیریں نے اس کی ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا ہے اور معلوم نہیں یہ سب اس نے سنا بھی یا نہیں۔

''آپ بہت ناراض ہیں مجھ سے؟''

اپنی جگہ سے اٹھ کر' وہ اس کے قریب جا بیٹھا۔

''کاش وہ اس سے صاف کہہ سکتی کہ وہ اس سے ناراض نہیں بلکہ بے زار ہے اور شاید ساری زندگی ہی بے زار ہی رہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔

''میں نے جو بھی کیا' آپ کی خاطر ہی کیا شیریں۔ وہ عورت بلیک میلنگ پر اتری ہوئی تھی' اس نے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ وہ ٹھیک ہمارے فنکشن میں آ کر وہ ہنگامہ کرے گی کہ ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے' اس نے تھوڑا سا مڑ کر شہریار کی طرف دیکھا۔ ان چند مہینوں میں وہ تھوڑا سا کمزور ہو گیا تھا اور شاید واقعی وہ کافی پریشان رہا تھا۔

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں شہریار۔'' اس نے دھیمے' مگر واضح لہجے میں کہا۔

''چلیں شکر ہے' یہ بوجھ تو میرے اوپر سے اترا۔''

اس کے چہرے پر مسکراہٹ بس ایک پل کیلئے ہی آئی۔ ''مجھے آپ سے ایسے بچکانہ روّیے کی امید بھی نہیں تھی' ہم دونوں ہی میچور ہیں اور یہ بات ہمیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے یہ ناراضگیاں' شکوے شکایت' بڑی سستی سی جذباتیت ہیں۔''

اس کے لہجے میں بتدریج وہی مخصوص سختی آتی جا رہی تھی اور یہ اطمینان پا کر وہ اس سے ناراض نہیں ہے' شہریار واپس اپنے اسی بے حد فارمل سے روپ میں آ چکا تھا' جس سے الگ ہو کر رہنا اب اس کے لئے تھا بھی ناممکن۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اسے سجاد کا خیال آ ہی گیا۔

آج بھی چھوٹے سے اختلاف پر' وہ دونوں گھنٹوں کیا دنوں بحث کر سکتے تھے' بے حد میچور ہونے کے باوجود بھی۔

''بھلا اپنائیت کی ایسی مانوس سی آنچ' وہ اس شخص کے ساتھ کبھی محسوس کر پائے گی۔''

''اب میں اس کام میں دیر نہیں کرنا چاہتا ہوں' انگیج منٹ تو آپ کی ممی کی خواہش ہے' ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن اب میں جلد ہی شادی کرنا چاہوں گا۔'' شیریں یوں ہی بناء پلک جھپکائے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

بالکل ایسے جیسے کسی غیر متعلق شخص کی شادی کے بارے میں بات ہو رہی ہو۔ نہ تو اس کے دل کی دھڑکن ہی تیز ہوئی اور نہ ہی' خوشی کا کوئی ہلکا سا بھی احساس اس کے دل میں جاگا۔

''اور یہ سب ''سستی جذباتیت'' کے سوا ہیں ہی کیا۔'' اس نے خود کو' شہریار کی ابھی ابھی کہی بات یاد دلائی۔

...☆☆☆...

فون کی گھنٹی وقفے وقفے سے مستقل ہی بجے جا رہی تھی۔ بینا کے پاس ٹیوشن والی بچیاں آئی ہوئی تھیں' میٹرک اور نائنتھ کے امتحان قریب تھے' سو آج کل پڑھائی پر ہمیشہ سے زیادہ دھیان تھا۔

بار بار بجتی فون کی گھنٹی سے' بڑا نامناسب سا خلل پڑ رہا تھا۔ چھوٹا سا گھر تھا' بیچ کے کمرے میں سے آتا یہ شور ڈرائنگ روم میں بخوبی سنائی دیتا تھا۔ پتہ نہیں کون تھا' دوپہر سے نمبر گھمانے بیٹھتا تو رات تک کا یہی سلسلہ جاری رہتا' آج چوتھا پانچواں دن تھا' اس نامعقول سلسلے کو جاری ہوئے۔

فون اٹھایا جاتا تو' دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملتا' یہاں سی ایل آئی بھی کب کی خراب پڑی تھی' ورنہ نمبر ہی ٹریس کر لیا جاتا۔

اس بار' بینا سے رہا نہ گیا' پڑھنے والی بچیوں سے تھوڑا سا انتظار کرنے کا کہہ کر وہ تیزی سے' بیچ والے کمرے کی طرف آئی۔

فون اب بھی بج رہا تھا اور سامنے بیڈ پر بیٹھی اس کی ساس' شش و پنج کی سی کیفیت میں اسے گھورے جا رہی تھیں۔ اس سے پہلے وہ یقیناً کئی بار اٹھا چکی ہوں گی۔ سخت کوفت میں بھی' انکے چہرے کے تاثرات دیکھ کر بینا کو اپنی مسکراہٹ دبانی پڑی۔

''کون' بولتے کیوں نہیں آخر۔'' دوسری طرف کی خاموشی پر اس نے دو تین بار پوچھا بھی' مگر جواب ندارد۔

''اماں آپ مت اٹھایا کریں' بجنے دیا کریں' بلکہ میں اسے انگیج کر دیتی ہوں' جتنی دیر پڑھا رہی ہوں۔''

اس نے فون سائیڈ پر رکھتے ہوئے مڑ کر ان کی طرف دیکھا' اسے احساس تھا کہ اس ضعیفی میں ان کیلئے بار بار اٹھ کر یہاں تک آنا بھی آسان نہیں ہوتا ہے۔

''بس رہا ہی نہیں جاتا' میں سوچتی ہوں کہ کیا پتہ وحید کا فون ہو' میری خیریت پوچھنے کیلئے۔'' اس کی ساس بڑے سادہ سے لہجے میں کہہ رہی تھیں' مگر اس چھوٹی سی بات کے پیچھے' بڑی دل دکھاتی کیفیت تھی۔

مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی' بینا نے خود کو بڑی گہری شرمندگی میں گھرتا ہوا محسوس کیا۔

جس دن سے اس کی وحید سے لڑائی ہوئی تھی' انہوں نے یہاں آنا یکسر ختم کر دیا تھا' رہی سہی کسر' آفتاب کے ساتھ جھگڑے نے پوری کی تھی۔

انہوں نے اماں سے بھی قطع تعلق کر لیا تھا۔

وہ بیچاری کتنی بھی ان سے نالاں سہی' بہرحال ماں تھیں۔ بینا دیکھتی تھی کہ وہ کتنی ہی بار جا کر گیٹ پر کھڑی ہوتیں' آس پاس کوئی گاڑی رکتی محسوس ہوتی تو بے ساختہ ہی بچوں سے کہتیں کہ ''دیکھو تمہارے تایا ابا تو نہیں آ گئے۔''

اس وقت پھر۔

بینا سے رہا نہ گیا تو نکلتے نکلتے' واپس پلٹ آئی۔

''اماں۔'' ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے بہت نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ وحید بھائی بہت یاد آ رہے ہیں تو خود جا کر مل آیئے' میں آپ کو ٹیکسی میں لے چلوں گی۔''

''نہیں۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اگر وہ مجھے اپنے گھر بلانا چاہتا تو خود بھی بلوا سکتا تھا۔ گھر میں دو گاڑیاں ہیں۔''

کبھی کبھی' بینا کو وحید بھائی سے سخت نفرت کے باوجود بھی ان کی بدنصیبی پر رنج ہوتا تھا' معلوم نہیں انہیں کون سا وقت دیکھنا باقی تھا۔

''اماں' میں وحید بھائی سے معافی مانگ لیتی ہوں' پر آپ اپنا دل برا نہ کریں۔'' ایک لمحے کے لئے وہ بالکل بھول گئی کہ وہ پورے دعوے سے کہہ چکی ہے کہ وحید کو کبھی زندگی بھر اپنے گھر میں قدم نہیں رکھنے دے گی۔

''نہیں بیٹا' تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے' پھر تم کیوں معافی مانگو گی' خدا اسے توفیق دے کہ وہ تم سے معافی مانگے۔''

اماں کو بینا کی نرم دلی کی بہت قدر تھی' ہمیشہ اس نے ایک بیٹی کی مانند ان سے محبت اور ان کی خدمت کی تھی' انہیں اسے وحید کے سامنے جھکتے دیکھنا بھی ہرگز منظور نہیں تھا۔

"تم جا کر اپنا پڑھاؤ' بچیاں انتظار کر رہی ہوں گی۔ میری فکر مت کیا کرو اتنی' کون سا اس نے میرا دل خوش کر کے رکھا ہے' جو میں اسے یاد کرتی رہوں' بس ایسے ہی منہ سے نکل گیا۔"

وہ اس کی تسلی کرنا چاہ رہی تھی اور بینا کو احتراماً ماننا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہیں' وہی حقیقت ہے۔ ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر وہ واپس ڈرائنگ روم میں آگئی' جہاں بچیاں اس کی منتظر تھیں۔

پڑھاتے وقت' آج سارا وقت اسے اپنی ساس کا ہی خیال آئے گیا۔

اس کے اور وحید کے درمیان ہونے والی گہری چپقلش ایک ضعیف اور بے بس دل کو تکلیف پہنچانے کا سبب بن رہی تھی۔

یہ حقیقت دل پر بوجھ کی طرح آ گری تھی۔ سارا وقت وہ مضمحل سی رہی اور رات کو کھانے کے بعد سارا کام نمٹانے کے بعد جب وہ اور آفتاب اپنے کمرے میں تھے تو اسے سب سے پہلے یہی بات یاد آئی۔

"اماں کی وجہ سے دل بہت دکھ رہا ہے آفتاب' وہ وحید بھائی کو یاد کرتی ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ فرحت بھابی سے کہوں' وہ خود کسی دن اماں کو اپنے گھر بلوالیں' ان کا دل خوش ہو جائے گا۔"

ہمیشہ وہ ہر چھوٹی بڑی بات اسی سے شیئر کرنے کی عادی رہی تھی اور اسی کے مشورے پر عمل بھی کرتی۔

آج خلاف معمول' آفتاب نے اس کی بات پر کسی بھی رد عمل کا اظہار نہیں کیا' چپ چاپ سنے گیا اور پھر صبح کا اخبار سامنے کھول کر بیٹھ گیا۔

بینا کو برا تو لگا' مگر جب سے وہ معذوری کی زد میں آیا تھا' وہ اس سے بات چیت میں بے حد محتاط ہو گئی تھی' بھلے سے بھی کبھی جھنجلاہٹ یا خفگی کا اظہار نہ کرتی۔

"آفتاب۔" اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ہلکے سے پکارا' مگر وہ پھر بھی خاموش رہا۔

آج جس بات کو لے کر' وہ پریشان رہی' اس کے نزدیک اتنی بھی اہم نہیں تھی کہ وہ ڈھنگ سے جواب بھی دے دے' اسے ہلکی سے جھنجلاہٹ ہونے لگی۔

"یہ کیا اخبار لے کر بیٹھ گئے ہو' میری بات کا جواب تو دو پلیز۔" بڑے فطری سے حق کے ساتھ اس نے اخبار آفتاب کے سامنے سے کھینچ کر ہٹایا تو وہ ایک دم ہی غصے میں آگیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ' اگر میں کچھ پڑھ رہا ہوں تو تمہیں یہ بھی برداشت نہیں ہے' انسان کچھ وقت اپنی مرضی سے گزار سکتا ہے یا نہیں۔"

اس کی آواز اونچی تھی اور لہجہ بے حد تلخ۔

"میں نے ایسا کیا کہا ہے' میں تو صرف اماں کی وجہ سے ہی....." احساس توہین سے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے' مگر آفتاب ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے اخبار چھین چکا تھا۔

"ہر وقت اپنی اچھائی کا ڈھنڈورا بھی مت پیٹا کرو' خوامخواہ کی چڑ ہونے لگتی ہے' اماں کا اتنا خیال تھا تو وحید بھائی سے جھگڑا کھڑا کرنے کی ضرورت کیا تھی' انہیں کسی اور طرح بھی ٹالا جا سکتا تھا۔"

بینا کو لگا' جیسے اس کے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے

"مگر تم نے تو سارے زمانے کا ٹھیکا لے رکھا ہے' وہ ثانیہ کیا لگتی تھی تمہاری' ابھی چند مہینے سے پڑھنے ہی تو آئی ہے تمہارے پاس لیکن تم نے ایک ہنگامہ کر دیا ذرا سی بات پر' جب اماں کا خیال نہیں آیا۔"

ایک سانس میں ہی وہ جو کچھ دل میں آیا، کہتا چلا گیا اور اب جب وہ چپ تھا تو بینا کی بالکل بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس کے جواب میں کیا کہے۔

مدت ہوئی اس نے، آفتاب سے لڑنا تو کیا، چھوٹی موٹی بحث میں الجھنا بھی چھوڑ دیا تھا، ایسا کوئی موقع زندگی میں آنے ہی نہیں دیتی تھی۔

ایک گہرا یقین تھا کہ اس کے اور آفتاب کے درمیان اتنی گہری ذہنی ہم آہنگی ہے کہ انہیں ایک دوسرے سے کسی بھی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اس وقت یہی یقین ٹوٹا تھا۔

دو آنسو، اس کی آنکھوں سے پھسل کر چہرے پر آگرے تو اس نے چونک کر انہیں جلدی سے صاف کیا۔

”میں نے وحید بھائی کے ساتھ جو بھی کیا، وہ بالکل ٹھیک تھا اور رہی بات اماں کے خیال کی تو مجھے صفائی دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے، خدا جانتا ہے کہ میں نے ان کا خیال کیا یا نہیں کیا۔“

اپنے اندر کی کیفیت پر قابو پا کر، وہ بہت سکون سے بولی۔اس بار آفتاب خاموش ہی رہا۔

اپنے دل کی بھڑاس نکال کر، بات کو مزید بڑھانے سے اس نے گریز ہی کیا۔

بینا کروٹ بدل کر لیٹ چکی تھی، دل میں یوں ہی ایک مدھم سی امید تھی کہ شاید آفتاب اپنے روّیہ کی معذرت کرے، مگر وہ اس بے نیازی سے اخبار کھولے بیٹھا تھا، جیسے کرنے کیلئے زیادہ ضروری کام یہی تو ہے۔

پچھلے چند ہفتوں میں اس کا روّیہ بتدریج بدلا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

دیوار کی طرف منہ کیئے لیٹی بینا نے اس میں آئی تبدیلی کا سرا پکڑنا چاہا۔

معلوم نہیں بات کہاں سے بگڑی تھی۔

اس طرح بگڑا تو وہ آج تھا، مگر، بات چیت تو وہ پچھلے کئی دنوں سے ہی اس کے ساتھ کم کر چکا تھا۔

وہ ہی اپنی جان توڑ مصروفیت میں گھر کر دھیان نہیں دے پا رہی تھی۔

اسکول، گھر، بچے، ٹیوشن اور خود آفتاب۔

”کولہو کے بیل کی طرح، وہ ان ذمہ داریوں کو بخوبی پورا کرنے کیلئے بس جتی رہی، کم از کم آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دھیان تو دیتی۔“

اسے خود اپنی غلطی ہی دکھائی دے رہی تھی۔

اگر وہ کھل کر آفتاب سے بات کرتی تو وہ ایسا نہیں تھا کہ اس سے کچھ چھپا لیتا، یقیناً وہ پریشان تھا۔بہت بے چین سا ہو کر اس نے چاہا کہ ابھی اسی وقت وہ آفتاب سے سب کچھ ہی کہہ سن لے۔

جتنی گہری محبت وہ اس سے کرتی ہے، اس طرح کی ناراضگیوں کی تاب بھلا کب کر سکتی ہے۔

”مگر تھوڑا سا ہی سہی، وہ بھی تو جھک سکتا ہے۔“

ایک دبے دبے سے احساس نے ہلکے سے سر اٹھایا۔عزت نفس جو ابھی ابھی مجروح ہوئی تھی، اتنی جلدی بحال ہونے کیلئے تیار نہیں تھی۔

بینا سے مڑ کر آفتاب کی طرف نہ دیکھا گیا۔

وہ ابھی تک اخبار ہی کھولے ہوئے تھا‘ پیپرز کی سرسراہٹ سے اتنا تو وہ سمجھ ہی چکی تھی‘ آج اسے یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ بینا کو علی الصبح اٹھ کر اسکول کی تیاری بھی کرتی ہے اور لائٹ بند ہوئے بغیر اسے نیند نہیں آتی ہے۔

تب ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ آفتاب کی نظر بے ساختہ ہی سامنے دیوار پر لگے کلاک پر گئی۔

بارہ بجنے میں ٹھیک پندرہ منٹ باقی تھے۔

آج پانچواں دن تھا‘ یہ فون اسی وقت آتا تھا۔

”ہیلو۔“

فون اٹھاتے ہوئے وہ کچھ بھی بولنا نہیں چاہتا تھا‘ مگر پھر بھی منہ سے عادتاً ہی نکل گیا۔

”آداب عرض ہے آفتاب صاحب‘ کہیے کیسے مزاج ہیں۔“ دوسری طرف سے آنے والی آواز اب اس کیلئے اتنی بھی نامانوس نہیں رہی تھی۔

”سیدھی طرح سے بات کرو‘ کیا چاہتے ہو۔“ وہ بہت دھیمی سی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

جواباً دوسری طرف سے ایک زوردار ہنسی گونجی‘ ”جسے چاہتے تھے‘ اسے تو تم لے اڑے‘ ہم تو بس منہ دیکھتے رہ گئے۔“

”بکواس بند کرو‘ سامنے آکر بات....“ آفتاب کو اپنے اعصاب سخت تناؤ میں محسوس ہو رہے تھے‘ مگر اس کی بات پوری سنی بھی نہیں گئی۔

”چلاؤ مت‘ اس بے چاری کی نیند خراب ہو گی‘ جو تمہارے جیسے ناکارہ آدمی کا بوجھ ڈھو رہی ہے۔ اگر ذرا بھی اخلاقی جرأت ہوتی تو اس کو آزاد کر دیتے‘ مگر تم تو۔“

آفتاب نے ایک جھٹکے سے فون بند کر دیا۔

”کون تھا یہ اور ان باتوں سے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا؟“ پچھلے پانچ دن سے سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہوا جا رہا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟ کس کا فون تھا۔“ بینا ذرا دیر پہلے کی ساری کڑواہٹ بھول کر‘ بڑی فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”کچھ نہیں‘ ایسے ہی رانگ نمبر تھا۔“ آفتاب کے لہجے کی روکھائی بدستور تھی‘ بینا سے اس کے چہرے پر پھیلی فکرمندی چھپی نہیں تھی‘ مگر اصرار کرنے کے بجائے‘ وہ خاموشی سے اٹھ کر‘ اس کیلئے پانی لینے چلی گئی۔

آفتاب نے ایک گہری سانس لی۔

چند منٹ کی یہ تنہائی بڑی غنیمت تھی‘ عجیب بات تھی کہ اب اس وہ وقت زیادہ پرسکون لگتا تھا‘ جب بینا اس کے قریب نہ ہوتی۔

احساس جرم سا بڑھتا تھا اس کو دیکھ کر اور پھر وہی احساس‘ سخت قسم کی جھنجلاہٹ میں تبدیل ہوتا رہتا‘ اس کی ذہنی کیفیت آہستہ آہستہ بگڑ رہی تھی۔

معذوری کی جس اذیت ناک صورتحال کو وہ خدا کے بعد‘ صرف بینا کے ہی سہارے جھیل پایا تھا‘ اس میں وہ اب خود کو بالکل تنہا پاتا تھا۔

وحید بھائی نے گلی میں کھڑے ہو کر کہا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ اسے چھوڑ کر چلی جائے گی۔

بہت جھٹکنے کے بعد بھی' یہ بات اسے پن کی طرح مستقل ہی چبھتی آ رہی تھی۔

ہر دل میں ایک چور خانہ چھپا ہوتا ہے' جس میں وہ کچھ جمع ہوتا رہتا ہے جس سے قریب ترین رہنے والے بھی' کبھی کبھی تو زندگی بھر بھی آگاہ نہیں ہو پاتے۔

آفتاب کے اس چور خانے میں بھی بینا کے نام پر ایک وسوسہ' اپنی معذوری کے آغاز کے ساتھ ہی آ بسا تھا۔

اس کی تمام تر وفاداری اور خلوص کے باوجود' اسے یہ سب ایک مجبوری کا سودا ہی لگتا تھا۔

ایک خوش شکل' جوان عورت جو اپنے پیروں پر بخوبی کھڑی ہے' اس جیسے معذور آدمی کے ساتھ زندگی کی آزمائش کو جھیل رہی ہے۔ اگر وہ خود اس کی جگہ ہوتا تو اپنی فطرت کی لاکھ اچھائی کے باوجود' کب کا اپنی خوشیوں کیلئے کوئی دوسرا راستہ نکال چکا ہوتا۔

وہ ایمانداری سے تجزیہ کرتا تھا' مگر بینا کی بے لوث خدمت' موقع ہی نہیں دیتی تھی کہ وہ ان خدشات کو زبان دے' ایک لحاظ سا آڑے آ جاتا تھا' پر اب جیسے بہت کچھ زبان کی ٹوک پر ہی دھرا تھا۔ صرف ادا ہونے کی دیر تھی۔

''کیا خبر جو کچھ بھی وہ کہتا ہے اس میں تھوڑی سی سچائی ہو ہی۔''

آج پانچویں رات وہ یہ بات دل سے نکالنے میں ناکام تھا' اس کے اعصاب پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

''شاید اسے بینا سے صاف بات کر لینی چاہیے اور کیا پتہ وہ اتنی بے خبر بھی نہ ہو اس ٹیلی فونک سلسلے سے' یوں ہی پوز کر رہی ہو۔'' بدگمانی کی اس حد کو پار کرتے ہوئے اس نے لمحہ بھی نہیں لگایا۔

معذوری کے اس دور میں اس نے اپنا صبر و تحمل' بار بار کھویا تھا' مگر بس یوں ہی معمولی سی باتوں پر' جنہیں بینا نے بڑی خوش اسلوبی سے سنبھالا تھا۔

پر اس بار صبر تحمل کھو کر' وہ خود بینا کو کھونے والا تھا اور یہ نقصان کتنا ناقابل تلافی تھا' اس کا اندازہ اسے آئندہ زندگی میں ہونا تھا۔

تھوڑا سنبھل کر' وہ سامنے ادھ کھلے دروازے پر نگاہیں جما کر بیٹھ گیا' جہاں سے بینا اندر داخل ہو رہی تھی۔

...☆☆☆...

''میں کل ہی ڈاکٹر سے ٹائم لوں گی' بہت دن سے تم نے اپنا چیک اپ بھی نہیں کرایا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آج کل۔''

پانی کا گلاس اس طرف بڑھاتے ہوئے' وہ فکرمندی سے اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

''اتنی دیر تک اسٹور بھی مت کھولے رکھا کرو' سردی بڑھ گئی ہے اور وہاں سیدھی ہوا مستقل آتی ہے۔''

اپنی تھوڑی دیر پہلے ہونے والی ''عزت افزائی'' وہ یکسر بھولے ہوئے تھی۔ آفتاب نے اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر بناء ایک گھونٹ پیئے' سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ نا آفتاب' مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے کیا؟''

اس کا ہاتھ تھام کر وہ اسی لجاجت سے پوچھ رہی تھی' جو صرف اور صرف اس محبت کی دین تھی' جو وہ آفتاب سے کرتی تھی۔

"پتہ نہیں غلطی کس سے ہوئی ہے، تم سے یا مجھ سے۔"

"تم سے کیا غلطی ہوئی ہو گی، میں نے ہی کوئی شکایت کا موقع دیا ہو گا تمہیں۔"

وہ عورتوں کی اس قسم میں سے تھی، جو شوہر کو صحیح بات پر بھی ٹوکنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھیں۔

"ہنہ۔" ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سر کو ہلکے سے جھٹکا۔ "تم وہ بات کیوں نہیں کرتی ہو بینا، جو تمہارے دل میں ہے، اس طرح محض دکھاوا کرتے کرتے تمہارا دل نہیں گھبراتا کبھی۔"

اس نے ایک پل میں بینا کے چہرے کا رنگ اڑتا ہوا محسوس کیا اور خود کو اپنے اندازے کی درستگی پر داد دی۔ "اگر تم مجھ پر رحم کھا کر، یہ سب کچھ کر رہی ہو تو خدا کیلئے ایسا مت کرو، میں اتنا بھی لاچار اور بے بس ہوں کہ زندگی گزارنے کیلئے تمہارا سہارا میرے لئے ضروری ہو۔"

وہ کسی دور پرے کے جاننے والے کے سے انداز میں بات کر رہا تھا، جیسے لاتعلقی کا اظہار کرنے میں کسی مروت یا رعایت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کوئی چیخ پکار نہیں، کوئی جھگڑا نہیں، پھر بھی بینا کو لگا، جیسے اس کی ساری طاقت، ساری ہمت گھٹتی جا رہی ہے۔

"مگر مجھے تو تمہارے سہارے کی ہمیشہ ضرورت رہے گی آفتاب، اپنی زندگی کی آخری سانس تک۔"

اس کی آواز رندھ رہی تھی اور اپنا "عزت نفس" والا فارمولا بھول کر وہ اس کے پاؤں پکڑ کر بھی اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگنے کیلئے تیار تھی۔

"یہ باتیں کہانیوں اور فلموں میں اچھی لگتی ہیں، میرے سامنے اس قسم کے ڈائیلاگ نہ بولو مہربانی کر کے۔"

بہت بیزار سا ہو کر اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

بینا کے لب، اس کے حکم پر، بات ادھوری چھوڑ کر آپس میں پیوست تھے، وہ تو اسے یہ بھی نہیں بتا پائی تھی کہ کتنی ہی مدت سے اس نے نہ تو کوئی فلم دیکھی تھی اور نہ ہی کوئی کہانی پڑھی تھی۔

اس کی زندگی میں ان چھوٹی چھوٹی تفریحات کی بھی قطعی گنجائش نہیں تھی، علی الصبح سے رات گئے تک، مصروفیت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔

"مجھے وحشت ہونے لگی ہے اس جھوٹی زندگی سے، تم اپنی مرضی کی مالک ہو، اپنا کما رہی ہو، کس چیز نے تمہیں باندھ رکھا ہے، اگر تمہیں دنیا کا ڈر ہے تو میں خود تمہیں...۔"

فون کی گھنٹی نے جیسے بروقت مداخلت کی۔

بینا اور آفتاب، دونوں ہی اس تکلیف دہ دورانیہ سے ایک ساتھ ہی نکلے۔

آفتاب بناء مزید کچھ کہے، فون اٹھا چکا تھا۔

"فون بند کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا، آفتاب صاحب، اس بے چاری پر رحم کرو، کیوں اسے زبردستی اپنے ساتھ باندھ رکھا ہے...۔" آفتاب نے خاموشی سے ریسیور بینا کے کان کے ساتھ لگا دیا۔

"وہ شروع سے ہی تمہاری نہیں ہے، زبردستی تمہاری بنائی گئی تھی، ورنہ بینا کے دل میں آج بھی میں ہوں اور ہمیشہ میں رہوں گا، تم ہمیں ایک ہونے سے نہیں روک سکتے۔"

بینا کی حیرت سے کھلی آنکھوں میں' خوف سا منجمد ہونے لگا' اس کا سر آہستہ سے نفی میں ہلا تھا' مگر وہ کچھ بھی بولنے سے قاصر رہی تھی۔

آفتاب نے فون اس کے کان سے ہٹایا اور دوبارہ خود سننے کے بجائے' انگیج کر کے رکھ دیا۔

''کون ہے یہ؟'' اس کی آواز بے حد سرد تھی۔

''مجھے نہیں پتہ' میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' بینا کو لگ رہا تھا جیسے وہ بری طرح کانپ رہی ہے۔

ایک ایسی صورت حال' جس کا اس نے کبھی تصور تک نہیں کیا تھا' زندگی میں ایک دم ہی پیش آئی تھی۔

''چوری کھلنے پر' ہر ایک یہی کہتا ہے' اپنا گناہ بول کرنا آسان بات تھوڑی ہے۔''

ایک تیر تھا' جو زن سے آکر اس کے دل میں پیوست ہوا تھا۔

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا آفتاب اور اس طرح کی الزام تراشی میں سنوں گی بھی نہیں۔''

معلوم نہیں کہاں سے اس میں اتنی ہمت آئی کہ وہ گیلے ہوتے چہرے کو ہتھیلی کی پشت سے خشک کرتے ہوئے بہت مضبوط لہجے میں کہہ اٹھی۔

''کیسے نہیں سنو گی' میں بھی تو آخر سن رہا ہوں اتنے دن سے' اس ساری بکواس کو۔''

''اور بجائے اس کے کہ اس آدمی کا گلا دبا دیتے' تم آج یہ سب مجھے سنوا رہے ہو' شرم بھی نہیں آئی تمہیں آفتاب۔''

ایک گہرا یقین تھا' جو ٹوٹ رہا تھا' بینا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے رنج زیادہ ہوا ہے یا درد۔''کوئی شخص تمہیں فون کر کے میرے بارے میں کچھ بھی الٹی سیدھی بکواس کرتا ہے تو وہ تمہارے لئے زیادہ قابل اعتماد ہے اور میں جو اتنے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:

سالوں سے تمہاری زندگی کا حصہ بن کر رہ رہی ہوں' اس پر تمہیں اتنا سا بھی بھروسہ نہیں ہے۔''اس کی بے گناہی اسے سخت جذباتی کئے دے رہی تھی' چند لمحوں کیلئے تو آفتاب کو بھی لگا کہ جیسے وہ ہی غلطی پر ہے' مگر شک کا ہلکا سا احساس بھی' یقین کے آئینہ کو دھندلانے کیلئے بہت کافی ہوتا ہے۔

آفتاب کے معاملے میں بھی یہی ہوا تھا۔

''میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دینا چاہتا' جو کچھ کہا ہے' بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے' تم اپنا فیصلہ کرو' کیا چاہتی ہو۔''

وہ اتنے غصے میں تھی کہ شاید کوئی اور سخت سا جواب دے ڈالتی' مگر زندگی کی آزمائشوں نے اسے خود پر قابو پانا بھی بخوبی سکھایا تھا۔خود کو بمشکل کمپوز کرتے ہوئے' اس نے اس درد بھری گھڑی سے کنارا کرنا ہی بہتر سمجھا' جہاں' بھروسہ' یقین' خلوص' سب کچھ ٹوٹ کر ٹکڑوں میں بکھرا تھا۔

اس کی کسی بھی بات کا جواب دیئے بغیر' وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

بچے برابر والے کمرے میں دادی کے پاس سویا کرتے تھے۔بیٹی' دادی کے پاس مسہری پر جب کہ دونوں بیٹوں کیلئے وہ وہیں قریب کارپٹ پر گدا بچھا دیا کرتی تھی۔

کرسی پر کشن اٹھا کر وہ خود بھی وہیں بچوں کے پاس لیٹ گئی۔دل دماغ دونوں ہی ماؤف ہوئے جا رہے تھے۔وہ تسلی سے' آفتاب میں آئی ایک ناقابل یقین تبدیلی کے بارے میں سوچنا چاہتی تھی' مگر کم از کم یہ آج' ابھی تو ناممکن ہی تھا۔

چوٹ تازہ تھی اور زخم کاری۔

آنسو آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں سے گرتے گئے۔ بھلا وہ یہ کیوں بھول گئی تھی کہ کسی بھی یقین کے ٹوٹنے کا' سب سے زیادہ خطرہ بھی اسی وقت ہوتا ہے' جب انسان اس کے بارے میں سب سے زیادہ پر اعتماد ہوتا ہے۔

شادی کے ابتدائی سالوں والی بے یقینی اور پھر آفتاب کے ایکسیڈنٹ کے بعد کا بڑا اعصاب شکن دور گزارنے کے بعد' وہ ذمہ داریوں سے پر دنوں میں خوش اور مطمئن تھی۔

اور اس خوشی کا مرکز آفتاب کی ذات تھی۔

کروٹ لے کر اس نے اپنے سب سے چھوٹے بچے کو خود سے قریب کر لیا۔

کیا کوئی بھی تعلق اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ محبتوں کا بوجھ برداشت کر سکے' وہ اس سے کسی نہ کسی صورت رشتہ تڑاتا ہی ہے' کہیں نہ کہیں آ کر اس کی میعاد ختم ہوتی ہے۔

وحید بھائی اماں کی بے لوث محبت سے آزاد ہوئے اور آفتاب اس کی۔ کتنی ہی دیر وہ سوچے گئی۔

صبح اٹھنے میں گو تاخیر تو نہیں ہوئی' مگر اماں آج اس سے پہلے اٹھ گئی تھیں۔ بینا کچن میں آئی تو وہ کپ میں چائے نکال رہی تھیں' عام طور پر وہ انہیں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد بستر میں ہی چائے پہنچا دیا کرتی تھی' سو تھوڑی سی شرمندہ ہوئی۔

''میں چائے بنا لیتی اماں' آپ کیوں اٹھ گئیں سردی میں۔''

''بس آنکھ تو کھل چکی تھی' میں نے سوچا لاؤ چائے ہی بنا لوں' تھوڑے بہت ہاتھ پاؤں تو چلنے رہنا چاہئیں' یہ لو تم۔'' انہوں نے کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بہت غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

بینا کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور چہرے سے وہ ایک رات میں ہی مریض دکھائی دینے لگی تھی۔ ان کے دل کو دکھ سا لگا۔

صبح جب انہوں نے اسے اپنے کمرے میں سوتا ہوا پایا تھا' تب ہی سے وہ پریشان تھیں۔

آفتاب کی بیماری کے بعد' یہ پہلی رات تھی جو اس نے اپنے کمرے سے باہر گزاری تھی' ان سالوں میں وہ کبھی اپنی ماں کے گھر تک ایک رات کیلئے نہیں رکی تھی۔

ایسا کیا ہوا تھا ان دونوں کے بیچ؟

ان کی تجربہ کار نگاہیں اسی سوال کا جواب ڈھونڈ رہی تھیں۔

''آپ بچوں کو اٹھا دیں' میں ناشتہ بنا لیتی ہوں۔'' چائے کا ایک گھونٹ لے کر' وہ تیزی سے اپنا کام شروع کر چکی تھی' اس وقت کوئی بات آرام سے نہیں کی جا سکتی تھی' وین کے آنے سے پہلے اسے سارے کام نمٹانے ہوتے تھے' دل بے حد چاہنے کے باوجود بھی انہوں نے اس وقت کوئی سوال نہیں کیا۔

یہ باتیں فرصت سے کرنے کی تھیں۔ بھاری دل کے ساتھ وہ بچوں کو اٹھانے کمرے میں چلی آئیں۔

کبھی کبھی انہیں خود اپنی تہی دستی کا شدت سے احساس ہوتا تھا۔

تین بیٹوں کی ماں ہو کر' بھی انہیں کہیں سے بھی سکھ حاصل نہیں تھا۔

وحید سب سے بڑے تھے' سو سب سے زیادہ دکھ پہنچانے کا ذمہ بھی انہوں نے ہی اٹھا رکھا تھا' آفتاب انہیں اپنی ساری اولاد میں سب سے زیادہ محبت والا اور ذمہ دار لگتا تھا' مگر اس کی معذوری دل کو چیرے ڈالتی تھی دن میں جتنی بار اس کی بیساکھی کی کھٹ کھٹ انہیں سنائی دیتی' خود پر قابو پانے کیلئے انہیں کتنی ہی جدوجہد کرنی پڑ جاتی اور تیسرا سب سے چھوٹا وہاب' جو کب کا اپنے بیوی بچے سمیٹ کر' اوپری منزل کو تالا لگا کر' کینیڈا جا بسا تھا۔

کسی کی آمد کا انتظار اور کسی کے فون کا۔

اس زندگی کی اب تو عادی ہو چکی تھیں۔ مگر جو یہ کھٹکا دل کو لگا تھا' یہ انہیں سب سے زیادہ خوفزدہ کر رہا تھا۔

''خدا کرے یوں ہی میاں بیوی کی چھوٹی موٹی کھٹ پٹ ہو۔''

انہوں نے اسکول سے واپسی پر بینا سے پوچھنے کا پکا فیصلہ کر لیا۔

...☆☆☆...

اسٹاف روم میں بڑی خوشگوار سی گرمجوشی پھیلی ہوئی تھی۔

وجہ تسمیہ' رعنا کی اسکول سے رخصتی تھی۔

عبدالعزیز ملائشیا سے تشریف لانے ہی والے تھے اور رعنا اب بغرض تیاری' اسکول کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔

ایک لمبے ساتھ کی بعد' سب ہی کو اس کمی کا احساس ہو رہا تھا' جو رعنا کے جانے کے بعد محسوس ہونے والی تھی۔ گو شادی کے بعد بھی اسے کچھ عرصے یہیں رہنا تھا اور سب کا اصرار تھا کہ وہ ان دنوں میں اسکول واپس جوائن ضرور کرے' چاہے کچھ عرصے کیلئے ہی سہی' پر بہر صورت' یہ ساتھ اب اپنے خاتمے پر تھا۔

اسکول میں مڈل اسٹینڈرڈ کے امتحان ختم ہو چکے تھے اور رزلٹ کی تیاری کا کام چل رہا تھا۔ سب ہی اسٹاف روم میں موجود تھے اور رعنا کے شادی کی تیاریوں کے ساتھ' اپنی تیاری بھی زیر بحث تھی۔

مایوں سے ولیمے تک کیا پہنچا جائے گا۔ سب ہی مشورے جاری تھے' کوئی بھی کسی سے پیچھے رہنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ بہت عرصے بعد اس قسم کی تقریبات کا چانس مل رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''پہلے رعنا کی شادی اور بعد میں مس نازنین کی پھر دیا کی' اچھے خاصے کپڑے بنانے پڑیں گے۔''

ایک ساتھی ٹیچر نہ جانے کس سے کہہ رہی تھیں' مس سلمیٰ نے زور سے نازی کا کندھا ہلا کر' تصدیق چاہی۔

''کیا دیا کی شادی بھی عنقریب ہو رہی ہے؟''

وہ رعنا سے کچھ بات کر رہی تھی' چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پھر خوش دلی سے مسکرا دی۔ ''جی مس سلمیٰ' اگلے ہفتے وہ لوگ تاریخ لینے آ رہے ہیں' میرا خیال ہے کہ مہینے کا ہی گیپ ہو گا دونوں شادیوں میں۔''

''اچھا۔ اور اس عمر کو دیکھو' ذکر تک نہیں کیا' جب رشتہ نہیں ہوا تھا تو دن میں دس بار فون کرتا تھا اور اب کام نکل گیا تو جیسے آنکھیں ہی پھیر لیں۔'' وہ خفا ہونے لگیں تو نازی ہنس پڑی۔ ''چلیں آپ میری طرف سے تو مدعو ہیں نا' بلکہ اب آپ بارات میں آئیں تو اچھی بات نہیں ہے' ہمارے ساتھ بارات کا استقبال کیجئے گا۔''

''ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ لیکن خبر تو ضرور ہی لوں گی اس کی اچھی طرح۔'' وہ مطمئن ہو کر دوسری طرف متوجہ ہو گئیں۔ نازی چند لمحے ان کی طرف دیکھے گئی۔

گہرے رنگ کے ملبوسات اور میک اپ کا ان کا اپنا مخصوص انداز۔ سالوں سے ان کی پہچان بن چکے تھے۔

''یاد ہے رعنا۔'' ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے قریب بیٹھی رعنا کی طرف دیکھا۔ ''ایک زمانے میں ہم لوگ مس سلمیٰ سے کتنا تنگ آ گئے تھے' اسکول کی سیاست اور ان کی ہر بات میں دخل اندازی' مگر اب کچھ بھی برا نہیں لگتا' پتہ نہیں وہ بدل گئی ہیں یا ہم نے ہی برا ماننا چھوڑ دیا ہے۔''

"ہماری قوت برداشت بڑھ گئی ہے' زندگی کے اس دور میں ہم نے جتنا کچھ سیکھا ہے نازی' وہ زندگی بھر ہمارے کام آئے گا اور جہاں تک مس سلمیٰ کی بات ہے تو ہم نے اصل میں اپنوں سے اتنی تکلیف اٹھالی ہے کہ اب ہمیں دوسروں کی تکلیف دہ باتیں بھی مذاق ہی لگنے لگی ہیں۔"

بڑی صاف گوئی سے اس نے حقیقت حال بیان کی تو نازی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

رعنا جیسی دوست سے کوئی پردہ نہیں تھا۔

"بھابی کا موڈ آج کل کیسا ہے۔" اس نے ایسے ہی موضوع بدلا۔

"کل آئو گی نا تم' خود سن لینا اپنے کانوں سے' آج کل ہر ملنے والے سے بات کرنے کیلئے ان کے پاس دو ہی موضوع ہیں' ایک تو مجھ جیسی کم شکل اور زیادہ عمر کی لڑکی کو کیسے ایک معقول سا رشتہ مل گیا اور دوسرے بھائی صاحب کی ساری جمع پونجی میری شادی میں خرچ ہو جانے والی ہے' بہت ڈیپریسڈ ہیں بے چاری۔"

"کچھ دنوں کی بات ہے اب تو' تم زیادہ اثر مت لو' کہنے دو جو بھی کہتی ہیں۔" وہ ہلکے سے رعنا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہوئے سمجھانے لگی۔

"ان کی باتوں کا اثر لینے والی ہوتی تو اب تک مر چکی ہوتی نازی' معلوم نہیں کتنا کینہ ہے' ان کے دل میں' بچوں تک کو ایساٹرینڈ کر رہی ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کا کیا بنے گا۔"

ایک ساتھی ٹیچر میز پر رکھی کاپیاں اٹھانے کیلئے قریب آئیں تو وہ ذرا سی خاموش ہو گئی۔

"ابھی پرسوں' وہ دوسرے نمبر والی بچی' ٹینا۔" رعنا نے سلسلہ کلام دوبارہ جوڑا۔ "کوئی بہت چھوٹی سی بھی نہیں ہے۔ تیرہ سال کی ہے ماشاءاللہ' مجھ سے کہنے لگی' رعنا پھوپھو رنگ گورا کرنے والی کریم پابندی سے استعمال کریں اور وزن بھی بہت کم کریں' کہیں شادی والے دن دولہا آپ کو دیکھ کر ہی نہ بھاگ جائے کہ اتنی موٹی اور کالی دلہن۔"

بتاتے ہوئے بھی رعنا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے' حالانکہ اس سے پہلے وہ اس سے کہیں بڑی باتیں' ہنس کر اڑاتی چلی آئی تھی' مگر جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے' اس کی کیمسٹری بدل رہی تھی۔

مضبوط اور حوصلہ مند رعنا کے پیچھے سے وہی روایتی سی گھبرائی ہوئی لڑکی نکل آئی تھی' پر یہ ایک عارضی دور تھا۔

"بھابی نے ڈانٹا نہیں ٹینا کو' بچے کیا اس طرح بات کرتے ہیں' بڑوں سے۔" نازی کو بھی بے حد برا لگا تھا۔

"وہ تو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئیں' آج کل ہر آنے جانے والے کو یہ لطیفہ سنایا جاتا ہے کہ' ان کی بیٹی کا "سینس آف ہیومر" کتنا اعلیٰ ہے۔"

"جانے دو انہیں' خود اپنی بچیوں کی عادتیں خراب کر رہی ہیں' عبدالعزیز صاحب نے تمہیں دیکھ کر' تم سے مل کر تمہیں پسند کیا ہے' وہ کزن ہیں تمہارے بہت سالوں میں سہی' تم سے ملتے تو رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں نازی' دل ڈر تو رہا ہے' اچھی شکل کا بڑا چارم ہوتا ہے' آدھی لڑائی تو اسی صورت کے جادو پر جیت لی جاتی ہے' کوئی ان کے دوسرے اوصاف نہیں دیکھتا' مجھ جیسی معمولی شکل کی لڑکیوں کو تو کتنی بھی صفت اپنے اندر پیدا کریں' ویسا مقام نہیں مل سکتا۔"

گو نازی اس کے خیال کی تردید ہی کئے گئی' مگر وہ اپنی رائے کے بارے میں بہت پر یقین تھی۔

"تمہارے تو اپنے گھر میں مثال موجود ہے' عمر کو دیا کی شکل ہی تو بھائی ہے' ورنہ اس میں دوسری کون سی خوبی بتائو۔"

نازی ہنس پڑی۔ ''میری بہن کی برائی مت کرو۔''

''تمہیں خود بھی پتہ ہے کہ وہ وہاں جا کر بے چاری نانی کو کتنی ٹینشن دینے والی ہے' مگر وہ عمر' پھر بھی ساری زندگی اسے سر آنکھوں پر بٹھائے رکھے گا۔'' رعنا نے ہلکے سے سر جھٹک کر پیشن گوئی کی تو نازی کی آنکھوں میں بے ساختہ ہی بڑی پیاری سی چمک ابھری۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو' دیا بہت خوش رہے عمر کے ساتھ' میں بہت دعا کرتی ہوں اس کیلئے رعنا' وہ اندر ہی اندر گھٹنے والی لڑکی ہے' کسی پر بھی اپنی دلی کیفیت ظاہر نہیں ہونے دیتی' پتہ نہیں کیسے وہ ابا کے کہنے پر اس رشتے کیلئے راضی ہوئی ہے۔''

''اس لئے کہ اس سے بہتر کوئی دوسری چوائس نہیں تھی اس کے پاس اور پھر عمر شکل کا بھی بہت اچھا ہے' وہ اسے واقعی پسند آ گیا تھا۔'' رعنا کا ذہن آج صرف اچھی شکل کے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔

نازی کو لگا' جیسے وہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔

مگر ایسا تھا' تب بھی دیا خوش کیوں نہیں دکھتی تھی' وہ عمر کے نام پر اس طرح نہیں کھل اٹھتی تھی' جیسی مسعود کے فون پر۔

نازی کو لمحے کے چھوٹے سے پل میں مسعود یاد آیا' اسماء پھوپھو یاد آئیں' جو دیا کے ہر پل واری صدقے ہوتی تھیں اور مسعود کی نافرمانی کا انہوں نے اتنا اثر لیا تھا کہ خود کو دل کا مرض لگا بیٹھی تھیں اور دیا۔

اس کا چہرہ ہر پل خوشی سے دمکتا تھا۔

...☆☆☆...

لیڈی ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کیلئے وہ مہرو خالہ کے ساتھ ہی گئی تھی' اس کے بعد پریگننسی ٹیسٹ تک کے مختصر سے وقفے میں بھی' ایک وہی راز دار تھیں۔

فیضی ویسے ہی رات گئے تک گھر لوٹتا تھا' اس کا موڈ بتدریج بہتر تو ہوا تھا' مگر اس کی پریشانیاں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ اس سے بات کرنے سے پہلے نینی کو دس بار سوچنا پڑتا تھا' مگر یہ خوشخبری ایسی نہیں تھی جو اس کے موڈ اور حالات کو دیکھ کر سنائی جاتی۔ بڑی شرماہٹ کے ساتھ اس نے' فیضی سے ذکر کر ہی دیا۔

آج اس کا موڈ نسبتاً بہتر تھا اور ابھی رات کا کھانا کھا کر' وہ ٹی وی کے آگے بیٹھا تھا۔

''کیوں مذاق کر رہی ہو۔'' چند لمحے نینی کے چہرے کو بے یقینی کے ساتھ دیکھ کر' وہ ہلکے سے بولا۔

''مذاق کب ہے' رپورٹ پازیٹیو آ گئی ہے۔'' نینی کی مسکراہٹ میں اطمینان تھا۔

''کیا بکواس ہے' یہ سب بھی ابھی ہونا تھا' ایک کے بعد ایک مصیبت۔'' وہ بری طرح جھنجلایا تھا۔

''ایسے نہیں کہتے فیضی' یہ تو بہت بڑی خوشخبری ہے' لوگ اولاد کیلئے تو تمنا کرتے ہیں اور تم ایسے ری ایکٹ کر رہے ہو۔'' نینی کو اس کے روّیہ سے بڑی مایوسی ہوئی تھی' مگر پھر بھی بہت نارمل سے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کئے گئی۔

''یہ حالات دیکھ رہی ہو تم' ان میں ایسی گنجائش نکلتی ہے' اپنا تو پورا نہیں کر پا رہے ہیں ہم اور ذمہ داری کیسے اٹھائیں گے۔ یہاں' اس ماحول میں ہماری اولاد پرورش پائے گی۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ نینی کو کس طرح اپنا پوائنٹ آف ویو سمجھائے۔

''لوگ ہم سے برے حالات میں بھی رہتے ہیں اور اولاد ان کی بھی ہوتی ہے' کیا پریشانیوں کے ڈر سے اولاد کی خوشی سے منہ موڑ لیا جاتا ہے۔''

''مجھے اس جاہلانہ ذہنیت کی مثال مت دو پلیز۔'' وہ کسی طرح رعایت دینے کو تیار نہیں تھا۔ ''جب تک ہم اپنی لائف میں ٹھیک طرح سے سیٹل نہیں ہو جاتے' ایسی حماقت نہیں کر سکتے ہیں' یہ بات تم اچھی طرح سمجھ لو۔'' وہ اتنا بے زار دکھ رہا تھا کہ نینی کو اپنی ساری خوشی بھی مدھم ہوتی محسوس ہونے لگی تھی۔

مہرو خالہ تو کہہ رہی تھیں کہ دیکھنا فیضی کتنا خوش ہوگا' اس کی ساری پریشانی پلک جھپکتے ہی ختم ہو جائے گی اور اس کی طرف سے جو لاپروائی وہ برت رہا ہے' اس کا تو اب سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

وہ ان کی پیشنگوئی پر آنکھ بند کر کے یقین کئے بیٹھی تھی اور بہت عرصے سے جھیلی جانے والی مایوسی کے ختم ہونے کی منتظر تھی' پر یہاں ایسے کوئی بھی آثار نہیں تھے۔

''تم مہرو خالہ کے ساتھ جا کر' ڈاکٹر سے بات کرو' ابھی ہمیں بچہ نہیں چاہئے' وہ ضرور کچھ ٹریٹمنٹ کر دیں گی۔''

لاپروائی سے کہہ کر' وہ پھر سے چینل بدلنے میں مصروف ہو گیا۔

نینی کے دل کو جیسے دھکا سا لگا۔

اتنی بے حسی۔

پہلی بار اسے ایسا لگا کہ فیضی بھی اپنے دولت مند مغرور خاندان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے اور آج تک اگر وہ ان لوگوں کی اپنی اولاد سے لاتعلقی پر حیرت کرتی آئی ہے تو یہ حیرت شاید اس کی زندگی میں ہمیشہ کیلئے رقم ہو چکی ہے۔

''یہ گھٹے ہوئے کمرے' جن میں ایک بھی ڈھنگ کی سہولت نہیں اور پھر باہر کا ماحول' جیسے لوگوں کو صفائی ستھرائی سے خاص پرہیز ہے' یہاں کسی بچے کی پرورش کے بارے میں سوچنا بھی نہیں۔'' نینی کی خاموشی سے متاثر ہو کر' وہ اسے سمجھانا چاہ رہا تھا' اسے یقین تھا کہ اگر نینی نے وہ گھر دیکھا ہوتا' جہاں اس نے پرورش پائی تھی تو وہ اس کی بات بہتر طور پر سمجھ سکتی تھی۔

اس کا کمرہ' انعم کا بیڈ روم اور سہیل چچا کے بچوں کی نرسری۔

''ابھی ہم بڑے مشکل وقت سے گزر رہے ہیں نینی' تم بھی ذرا سمجھداری کا ثبوت دو' اپنی مشکلات کو بڑھانے کی بے وقوفی ہم افورڈ نہیں کر سکتے ہیں۔''

وہ چپ چاپ اٹھی اور اس کیلئے چائے بنانے چلی گئی' چائے لے کر واپس آئی تو' فیضی اپنی گاڑی کا قصہ لے بیٹھا۔

''روزانہ جا رہا ہوں' مگر کوئی امید بندھتی نظر نہیں آ رہی یہاں تو سارے کام کانٹیکٹس سے ہوتے ہیں' بابا کی تو بات ہی الگ ہے' اگر محض پاپا یا سجاد چچا بھی ایک فون کر دیتے کسی ہائی گریڈ آفیسر کو تو گاڑی اسی روز شام تک مل جانی تھی۔''

مایوسی کے اس عالم میں بھی' وہ جب اپنے گھرانے سے متعلق کوئی بات کرتا تھا تو لہجے میں فخر آپ ہی آپ اترنے لگتا۔

ایسا فخر' جو سامنے والے کو خوامخواہ کے احساس کمتری میں مبتلا کرتا۔

نینی کبھی اسے ٹوکتی اور کبھی خاموش ہی رہتی' پر برا اسے ہمیشہ ہی لگتا تھا۔

آج اس نے ایسا کوئی اظہار نہیں کیا' فیضی کو چائے دے کر وہ سیدھی بستر پر چلی گئی' گاڑی کی بازیابی کے جس قصے میں وہ سب سے زیادہ دلچسپی لیتی تھی' اس کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہا۔

فیضی کو احساس تھا کہ وہ اس کی بات کا برا منا چکی ہے‘ سو بہتر تھا کہ اسے اس کے حال پر ہی کچھ دیر کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ ٹھنڈے دل سے جب وہ اس ساری صورتحال کا جائزہ لے گی تو خود ہی سمجھ جائے گی کہ وہ غلطی پر ہے۔ وہ کسی حد تک مطمئن تھا۔

اگلی صبح جب نینی روزمرہ کے کاموں میں مشغول ہو چکی تھی اور وہ ناشتہ کر کے گھر سے نکل رہا تھا تو اس نے ایک بار اور نینی کو یاد دلایا کہ آج ہی وہ مہرو خالہ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلی جائے۔

”میں ایسا کچھ نہیں کروں گی فیضی اور تمہیں بھی یہ بات ماننی پڑے گی۔“

دروازہ کھولنے سے پہلے‘ اسے اپنے پیچھے نینی کہتی سنائی دی‘ اس کا لہجہ مضبوط اور انداز حتمی تھا۔

فیضی نے بمشکل ہی خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا‘ آج اسے کسی سے ضروری ملنا تھا‘ وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نینی اس ایک ایشو کو لے کر کتنا وقت ضائع کرنے والی تھی‘ اسے اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا۔

بنا اس کی طرف‘ مڑ کر دیکھے‘ وہ دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

نینی نے بڑی پرسکون نگاہوں سے کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا۔

دل جیسے ایک دم ہی ہلکا ہوا تھا۔

...☆☆☆...

فرح کو شیریں اور شہریار کی منگنی کا دعوت نامہ آفس ریسیپشن پر سے ملا تھا‘ ریسپشنسٹ نے بتایا تھا کہ شیریں کا ڈرائیور چند کارڈز دے کر گیا تھا‘ جس میں ایک اس کے نام کا بھی تھا۔

فرح نے وہیں کھڑے کھڑے وہ سارے کارڈز دیکھ ڈالے۔ آفس کے مختلف لوگوں کے نام تھے‘ مگر ثانیہ کے نام کا کارڈ موجود نہیں تھا۔

اسے بڑی مایوسی ہوئی۔

جب وہ اسے بلا رہی تھیں تو اصولاً ثانیہ کو بھی بلا لینا چاہئے تھا‘ ورنہ وہ کون سی ان کے خاص دوستوں کی فہرست میں تھی‘ صاف لگ رہا تھا کہ وہ ثانیہ کو جان بوجھ کر اگنور کر رہی ہیں۔

کارڈ لئے جب وہ اپنی ٹیبل پر آئی تو یہی بات اس نے ثانیہ سے بھی کہی‘ پر وہ متفق نہیں تھی۔

”بے کار کی بدگمانی مت پالو‘ تمہیں ظاہر ہے کہ وہ بہت عرصے سے جانتی ہیں‘ اسی لئے بلانا ضروری سمجھا میرا اور ان کا تو کوئی تعلق بھی نہیں بنتا‘ جو وہ مجھے یاد رکھتیں۔“

”تعلق تو خیر گہرا ہے اور ہے بھی رقابت کا۔“ فرح کے چہرے پر معنی خیز سی مسکراہٹ آئی۔

”کچھ شرم کر لیا کرو‘ تم دن بہ دن زیادہ آئوٹ نہیں ہوتی جا رہی ہو۔“

فرح نے دلچسپی سے اس کے گلابی پڑتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ ”مانو یا نہ مانو‘ حقیقت یہی ہے‘ شیریں تم سے سخت جیلس ہیں اور اسی وجہ سے انہوں نے تمہیں اپنے فنکشن میں بھی نہیں بلایا ہے اور مجھے بلانے کی وجہ بھی یہی ہے تاکہ تم مزید برا فیل کرو۔“ چند جملوں میں اس نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

”مجھے کیا برا منانا ہے‘ میری زندگی میں تو دل دکھانے والی باتیں دوسری ہی بہت ساری ہیں‘ آج تک ان ہی پر ڈھنگ سے برا نہیں منا پائی۔“

اس کا سر فائل پر جھکا ہوا تھا اور جو کچھ وہ کہہ رہی تھی، بڑی تلخ حقیقت تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا انشاءاللہ، بس دو چار دن کی بات ہے، اتنے شاندار غمگسار آ چکے ہیں تمہاری زندگی میں، راستے کی رکاوٹیں ایک ایک کر کے ہٹتی جا رہی ہیں، آگے تو راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔''

فرح نے وہ جگمگاتا سا کارڈ، اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو ثانیہ کو سر اٹھا کر، اس کی طرف دیکھنا ہی پڑا۔

''فرح پلیز۔ مذاق کی بھئی کوئی حد ہوتی ہے۔''

''میں نے کوئی مذاق نہیں کیا ہے۔''

وہ ایک دم سنجیدہ دکھائی دینے لگی۔

ثانیہ نے چند لمحے یوں ہی ساکت سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھے گئی۔ ''دیکھو، بڑی مشکل سے زندگی میں تھوڑی سی سہولت آئی ہے، تم سے تو کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ پہلی بار ایک ڈھنگ کی جاب ملی ہے، میرا ماسٹرز پورا ہو جائے تو میں خود ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔''

''کیسے چلی جاؤ گی۔'' فرح پھر سے ہنس پڑی۔ ''تمہیں کوئی جانے دے گا تب نا، لوگ اپنا کام کاج چھوڑ کر، تمہاری خاطر یہاں آ پڑے ہیں۔''

اس بار ثانیہ نے اس کے آگے صرف ہاتھ جوڑے تھے، فرح سے بحث لاحاصل تھی اور ایسی بحث جس میں خود اپنے دل کا چور بھی پکڑے جانے کا خدشہ پوری طرح ہو، اسے لگا کہ خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

''میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ شیریں کو فون کر کے کہوں کہ وہ شاید تمہیں بلانا بھول گئی ہیں۔''

''ایسی بے وقوفی مت کرنا پلیز۔'' ثانیہ کا ہاتھ اب سامنے رکھی فائل پر تھا۔

''ٹھیک ہے تو پھر، سجاد بھائی کو تو ضرور بتاؤں گی کہ انہوں نے تمہیں انوائیٹ نہیں کیا۔''

''تم ایسا بھی نہیں کرو گی سمجھیں اور مہربانی کر کے اس ٹاپک کو اب بند کر دو، وہ کس کو بلاتی ہیں، کس کو نہیں نہ یہ میرا مسئلہ ہے اور نہ تمہارا اور نہ ہی کسی سے یہ ذکر کرنے کی ضرورت ہے کہ مجھے نہیں پوچھا جا رہا ہے، میرے لئے یہ بڑا توہین آمیز ہے فرح۔''

اس کے لہجے میں بڑی لجاجت سی آ گئی تھی، اپنی بات ختم کرتے ہوئے، فرح کو اس کی بات ماننی ہی پڑی۔

''مجھے اپنی حیثیت کا اچھی طرح اندازہ ہے فرح، مگر سیلف ریسپکٹ تو ہر شخص کی ہوتی ہے، شیریں، سجاد صاحب، یہ لوگ اور ہی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، ہمیں ان کی خفگی یا غصے کو کچھ اور مطلب معنی نہیں پہنانے چاہئیں، ہمارا ان سے لینا دینا ہی کیا ہے۔''

ثانیہ اداس ہو رہی تھی، فرح کو ایسا ہی لگا، سو دانستہ خاموش ہو رہی۔

ورنہ جو پیشنگوئی، عمر کئی مہینے پہلے کر چکا تھا، اس پر اب اسے بھی سو فیصد یقین آ چکا تھا۔

سجاد ثانیہ کو پسند کرتے تھے اور ان جیسے شخص کے لئے یہ پسند، محض ایک وقتی کشش ہرگز بھی نہیں ہو سکتی تھی یہ بات ہر وہ شخص سمجھ سکتا تھا جو انہیں تھوڑا سا بھی جانتا تھا اور خود ثانیہ۔

فرح نے اس کی طرف دیکھا۔ اب وہ اپنے کام میں مصروف ہو چکی تھی، مگر اس کا چہرہ کھلی کتاب کی مانند تھا۔

فرح نے خاموش نگاہوں سے کچھ پڑھا اور ہلکے سے مسکرا دی۔

...☆☆☆...

عمر بڑی دیر سے خاموش بیٹھا تھا۔

نہ کوئی بحث' نہ تکرار کسی سوچ میں گم' کبھی کبھی شبہ سا پڑتا کہ وہ مسکرایا بھی ہے۔

نانی سے باتیں کرتے کرتے' فرح نے کئی بار اس کی اس کیفیت کو نوٹ کیا اور پھر جب مزید ضبط نہ ہو سکا تو ٹوکنا ہی پڑا۔

''تمہاری دیوانگی میں' روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ شادی کا دن آتے آتے تو سخت ناقابل برداشت ہو جاؤ گے۔ کہیں دیا کے ابا کو شک پڑ گیا تو منع ہی نہ کر دیں عین وقت پر۔''

''خدا نہ کرے۔'' وہ بے ساختہ فوراً ہی بولا۔ ''اچھی بات منہ سے نکالا کرو' کوئی کوئی گھڑی قبولیت کی بھی ہوتی ہے۔''

فرح مسکرا دی۔

دیا کے معاملے میں' وہ روز بروز وہمی ہوتا جا رہا تھا۔

تمام مراحل' ایک کے بعد ایک بخیر و خوبی انجام پاتے جا رہے تھے' پھر بھی وہ خود کو بیچ میں لٹکا ہوا ہی محسوس کرتا تھا۔

''معلوم نہیں دیا خوش بھی ہے نہیں؟'' اس ایک سب سے اہم سوال کا جواب اب تک تشنہ تھا۔ جب بھی وہ بہت ایمانداری سے جائزہ لیتا تو اسے وہ خوش تو کبھی بھی نہیں محسوس ہوتی تھی' مگر ایک بات طے تھی کہ شادی ہو جانے کے بعد وہ اسے اتنا خوش رکھے گا کہ اس سے زیادہ خوش قسمت لڑکی کوئی دوسری لڑکی شاید ہی کوئی ہو۔

یہ اس کا یقین تھا۔

''بات ہوئی تمہاری دیا سے۔''

''نہیں' کہاں۔'' وہ اپنے خیال سے چونکا۔ ''آتی ہی نہیں ہے فون پر وہ' دو ایک بار نازی سے بات ہوئی تھی۔ وہ بے چاری مجھے ہولڈ کروا کر اسے بلانے بھی گئی' پھر آکر کہنے لگی کہ دیا سو رہی ہے' صاف بہانہ لگ رہا تھا' مگر اس بے چاری کو کیا شرمندہ کرتا۔''

''یہ تو ہے' نازی بالکل مختلف ہے' کاش دیا بھی تھوڑی بہت اس جیسی ہو جاتی۔''

ایک پھیکی سی مسکراہٹ' عمر کے چہرے پر آکر رہ گئی' دیا کی عادتوں کے بارے میں اس نے اب بحث کرنا چھوڑ دی تھی' وہ جیسی تھی' اب سب جان چکے تھے۔ ''بات کرواؤں تمہاری دیا سے۔'' فرح کو اس پر کچھ رحم سا آیا۔

''واقعی۔'' وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''ہاں' پہلے میں بات کر کے' اسے بلواتی ہوں' خدا کرے کہ وہ آ جائے' پھر تم بات کر لینا۔'' وہ بے حد نیکی کے موڈ میں تھی اور عمر سخت متاثر۔

''مجھے بالکل نہیں پتہ تھا کہ تم کتنے اچھے دل کی ہو' آج سے میرے اور تمہاری سارے اختلافات ختم۔''

فرح مسکراتی ہوئی فون کی طرف بڑھ گئی' اس ہفتے عمر کی شادی کی تاریخ مقرر ہونی تھی اور وہ دل سے چاہتی تھی کہ اس غریب کا کنفیوژن کچھ تو کم ہو۔

فون دوسری طرف نازی نے اٹھایا تو فرح کو بے حد اچھا لگا' نازی سے مل کر اسے ہمیشہ ہی بڑی اپنائیت کا سا احساس ہوتا تھا۔

تھوڑی سی دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے' اس نے صاف صاف بتانا ہی مناسب سمجھا۔

''عمر دیا سے بات کرنا چاہ رہا ہے' اگر تم کرواسکو تو بہت اچھا ہے' جو کچھ بھی کنفیوژن ہے ان دونوں کے بیچ' بہتر ہے کہ آپس میں بات کر کے دور کریں۔''

''تفصیل کیوں بتا رہی ہو' بس سیدھے بلوالو۔''

عمر کو معلوم نہیں' کس بات پر اعتراض ہوا' مگر فرح نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی۔

''میں بلاتی ہوں دیا کو' مگر پہلے تم بات کر لینا۔''

دوسری طرف موجود نازی نے پل بھر کا بھی توقف نہیں کیا تھا' جواب دینے میں۔ دیا کا روّیہ خود اسے بھی الجھن میں ڈالتا تھا اور اتفاق سے امی بھی ایک جگہ عیادت کیلئے سمیع کے ساتھ گئی تھیں۔ گھر پر بس وہ دونوں ہی تھیں' فرح کو ہولڈ کرا کر' وہ دیا کو بلانے کیلئے اس کے کمرے میں چلی آئی۔

وہ سامنے ہی اپنی الماری کھولے کھڑی تھی اور اس ایک نظر آتے خانے میں' مسعود کے بھیجے کتنے ہی تحائف رکھے تھے' دیا بڑی محویت سے انہیں ہی تک رہی تھی۔

ایک پل کے لئے تو نازی کو بڑی رنج بھری کیفیت نے گھیرا' ''دیا'' جان بوجھ کر وہ تھوڑا سا پیچھے ہوئی۔

''فرح کا فون ہے' تمہیں پوچھ رہی ہے۔''

''کیا مشکل ہے۔'' الماری کو تیزی سے بند کر کے' وہ حسب عادت جھنجلائی۔''ان لوگوں کو بھی چین نہیں ہے۔ روزانہ تو نانی کا ہی فون آجاتا ہے' انسان کتنا ہی بچے مگر بات کرنی ہی پڑ جاتی ہے اور خود وہ عمر صاحب....''

نازی نے سکون کا سانس لیا۔

دیا جھنجلائی ضرور تھی' مگر بولتی ہوئی کمرے سے نکل کر' ٹیلی فون کی طرف ہی گئی تھی' وہ اس کے پیچھے جانے کے بجائے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

فرح کو یقین تو نہیں تھا کہ دیا اس کے بلانے پر چلی آئے گی' مگر عمر کی امید بھری نگاہیں' خود پر مرکوز دیکھ کر اس پر تھوڑا سا رحم آ ہی رہا تھا' تب ہی اس نے دوسری طرف سے دیا کو بولتے سنا۔

''ہاں دیا' کیسی ہو بھئی۔'' اپنے طور پر بڑے تپاک سے اس نے بات کا آغاز۔

عمر کے چہرے پر جیسے روشنی سی پھیلی' بے ساختہ ہی وہ آگے بڑھا' مگر فرح نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔

''کئی دن سے دل چاہ رہا تھا تم سے بات کرنے کیلئے' آج شکر ہے تم مل بھی گئیں۔'' وہ چاہ رہی تھی کہ اس کے اور دیا کے درمیان تھوڑی سی بے تکلفی ہو ہی جائے' تا کہ عمر کی شکایات میں مزید کمی آجائے' مگر دو منٹ میں ہی اسے لگنے لگا تھا کہ ایسی توقع رکھنا بالکل ہی بے وقوفی ہے۔

دیا کی طرف سے ایسے کسی بھی اشتیاق کا اظہار نہیں تھا۔ اس کے چار چھ جملوں کے جواب میں بھی' وہ ''جی' اچھا اور ٹھیک ہے۔'' سے آگے نہیں بڑھی تھی' فرح جیسی باتونی کو بھی جلد ہی احساس ہونے لگا تھا کہ اس کا ذخیرہ الفاظ ختم ہونے کو ہے۔

محض خود سے انسان کتنی دیر بات کر سکتا ہے' تنگ آکر اس نے بڑی سنجیدگی سے صاف صاف بات کر ڈالی۔

''یہ عمر بات کرنا چاہتا ہے تم سے' کوئی ضروری بات ہے' پلیز سن لینا۔'' اس کا جواب سنے بغیر' اس نے ریسیور عمر کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''دیا فون مت رکھنا' پہلے میری بات سن لو۔'' آج نہ جانے کیسے' اس کے لہجے میں ہلکا سا تحکم جھلکا تھا' ورنہ عموماً وہ اس سے بڑے فدویانہ انداز میں ایک دو منٹ والی گفتگو کیا کرتا تھا۔

لہجے کی اس تبدیلی کو' شاید دیا نے بھی محسوس کیا تھا۔''بات سن رہی ہو نا میری۔''

''جی۔''

فون کے دوسرے سرے پر عمر کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیلی۔قریب کھڑی فرح نے بڑی مایوسی سے اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔''اس عشق کی بیماری سے اللہ ہر شریف شخص کو بچائے۔'' وہ کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

''کتنا پریشان کر رکھا ہے تم نے مجھے کچھ اس کا اندازہ ہے' نہ ہی فون پر بات کرتی ہو' گھر جاؤں تو سامنے تک نہیں آتیں۔''

بڑا اپنائیت بھرا شکوہ تھا اور ایک ایک لفظ محبت میں بھیگتا ہوا' پھر بھی کوئی نرم سا احساس نہیں جاگتا تھا۔

''اور ایک میں ہوں' جو ہر پل تمہیں ہی سوچتا ہوں' تم سے ہی باتیں کرتا ہوں' اپنی ہر فیلنگ کو تم سے ہی شیئر کرتا ہوں' تم بھی ایسا ہی کرتی ہو کیا؟''

دیا نے ایسی لاتعلقی سے یہ سب سنا' جیسے وہ یہ سب کسی اور سے کہہ رہا ہے۔

''کچھ تو کہو' کیا تمہارا بالکل بھی دل نہیں چاہتا مجھ سے بات کرنے کو' سچ بتاؤ۔'' وہ ایک بار پھر مایوس سا ہونے لگا تھا۔

ایک بار تو دیا کا دل چاہا بھی کہ وہ یوں ہی جھوٹ موٹ ہی' اس کا دل رکھنے کیلئے ہی کچھ کہہ دے' مگر وہ اس طرح کر ہی نہیں سکتی تھی۔

''مجھے زیادہ باتیں کرنی نہیں آتی ہیں۔'' وہ ہلکے سے اتنا ہی کہہ سکی۔

''کوئی بات نہیں' تھوڑی سی ہی کر لیا کرو' میں تو اسی میں بہت خوش ہو جاؤں گا اور اب تو ویسے بھی تھوڑے سے دن کی ہی بات ہے' میرے سارے وسوسے' خود بخود دور ہو جائیں گے' جب تم میرے پاس ہو گی۔''

وہ آہستہ آہستہ کہتا چلا گیا' حال دل سنانے کا یہ موقع' بڑے انتظار کے بعد' اس کے ہاتھ آیا تھا اور اس کے لئے یہی کافی تھا کہ جو کچھ بھی وہ کہہ رہا ہے' کم از کم دیا سن تو رہی ہے۔''تم کسی بات کی بھی فکر مت کرو' تم جیسی ہو' ویسی ہی رہنا' میں تمہیں بدلنا چاہتا بھی نہیں ہوں' نہ اپنے لئے اور نہ زمانے کیلئے میرے لئے تو یہی ایک یقین زندگی بھر کیلئے بہت ہے کہ تم میرے ساتھ ہو اور بس یہی میری پہلی اور آخری خوشی ہو گی۔''

وہ ایک جذب کے عالم میں جو کچھ بھی کہہ رہا تھا' دیا بشارت حسین کیلئے اسے سننا' سوائے کوفت کے کچھ بھی نہیں تھا۔

پرانی فلموں کے گھسے پٹے ڈائیلاگ۔

ایسی گڑگڑاتی' خیرات مانگتی محبت۔

ہر بار جب وہ اس طرح بات کرتا' دیا کو بے ساختہ مسعود یاد آتا' اس کی جذباتیت سے لبریز ہوتی' حاکمیت یاد آتی' ہزاروں میل دور بیٹھ کر بھی وہ اس طرح حکم چلاتا تھا کہ وہ ہر وقت اس کی ناراضگی کے خوف میں مبتلا رہتی تھی' جب تک وہ خود اجازت نہ دیتا' دیا کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ وہ فون بند کر سکے۔

"یہاں کچھ بھی تمہاری مرضی کے خلاف نہیں ہوگا' جو تم چاہو گی' وہی ہوگا' میں نے سنا ہے کہ تمہیں یہ گھر' یہ جگہ پسند نہیں ہے تو ہم بدل لیں گے گھر بھی' یہ کون سا بڑا مسئلہ ہے' جب تم آ جاؤ گی تو خود اپنی پسند کے مطابق گھر منتخب کر لینا' ہم لوگ وہاں...۔"

دیا کی برداشت جواب دینے لگی تھی۔

"ابا کا کوئی ضروری فون آنا ہے' میں بند کر رہی ہوں۔"

عمر کا جواب سنے بغیر' اس نے اپنی بات کہہ کر فون بند کر دیا۔

بڑا ہال خالی تھا اور ابھی جو کوفت اس نے جھیلی تھی اسے زائل کرنے کیلئے ضروری تھا کہ چند منٹ یہیں رک جایا جائے' ایک گہری سانس لیتے ہوئے' وہ وہیں قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

عمر کا شہد ٹپکاتا لہجہ اور اس کے محبت میں ڈوب کر کیے ہوئے دعوے' کچھ بھی اس قابل نہیں تھا کہ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ہی بکھیر سکے' وہ یوں ہی ساکت سی نگاہوں کے ساتھ فرش پر ڈلے کارپٹ کو دیکھے گئی۔

شروع شروع میں اسے عمر ضرور تھوڑا بہتر لگا تھا۔ جب ہی اس نے اس رشتے کے لئے حامی بھری تھی۔ اس کی نگاہیں مسعود کی یاد دلاتی تھی اور جس شاندار گاڑی میں وہ کمال جرأت کے ساتھ ان کے گھر تک آ پہنچا تھا' اس سے وہ ایسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی تھی کہ شاید عمر ہی ہے' جو کسی حد تک مسعود کی جگہ کو اس کی زندگی میں پر کر سکتا ہے۔

تھوڑی سی نرم وہ پڑی تھی اور بہت زیادہ جلدی بشارت صاحب نے دکھائی تھی' پتہ نہیں کیا خوبی دکھائی دے رہی تھی انہیں عمر میں کہ اس کے خلاف کوئی بھی بات سننے کیلئے نہ وہ کل تیار تھے اور نہ آج۔

"ساری کتابی باتیں اور شیخ چلی والے ارادے۔"

وہ ہلکے سے بڑبڑائی۔ "جو تم پسند کرو گی وہی گھر...۔"

جیسے "بابا گروپ آف کمپنیز" کے اصل جانشین تو یہی ہیں۔ اس نے عمر کی اوقات یاد کرنی چاہی۔

"وہ جو اصل جانشین ہے' وہ کس محل سرا میں مقیم ہے۔" اندر سے ایک آواز ابھری۔

نینی کی خستہ حالی' وہ تنگ' رنگ اڑے دو کمرے اور تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا فیضی۔ پل سے بھی کم وقفے میں اس کی نگاہوں کے سامنے گھومے۔

کتنا رشک آیا تھا اسے نینی کی قسمت پر' جب فیضی اپنے تخت وتاج کو لات مار کر اسے اپنی زندگی شامل کرنے کیلئے آیا تھا' تب وہ' امی اور خود نینی بھی کتنے پر یقین تھے کہ جلد ہی فیضی کی اپنے گھر والوں سے صلح ہو جائے گی اور وہ نینی کو اسی عالی شان گھر میں لے جائے گا' جہاں سے وہ عارضی طور پر چلا آیا ہے۔

مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا' نینی کے حالات بد سے بدتر کی طرف آئے تھے اور اب بھی خوش امیدی کی کوئی ہلکی سی کرن بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی ایک خوفناک سا خیال آتا تھا کہ "کیا نینی کی زندگی اب اسی طرح کسی عبرت ناک انجام تک پہنچے گی؟"

خود پر طاری رکھی' تمام تر لاتعلقی کے باوجود' وہ ایسے کسی امکان کے بارے میں سوچ کر ہی لرز جاتی تھی' نینی کی زندگی سے جڑا یہی خوف' اسے عمر کے ساتھ اس رشتے کو بنائے رکھنے پر مجبور کئے ہوئے تھا۔

محض سمجھوتا۔

ساری زندگی یہ لفظ اس کیلئے اجنبی رہا تھا اور اب آئندہ ساری زندگی وہ اسی لفظ کے مطلب معنی سمجھتے گزارے گی۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔ اپنے بے پناہ حسن کا احساس تھا یا لوگوں کی طرف سے ملنے والا احساس پذیرائی۔ ایک یقین سا ہمیشہ اس کے ساتھ رہا تھا کہ وہ زندگی میں بہترین سے بھی بڑھ کر بہترین مقام پر پہنچنے کی اہل بھی ہے اور وہ سب اس کا حق بھی ہے۔

سیڑھی اس کے قدموں تلے سے جب سرکی، جب وہ چاند کو چھونے ہی والی تھی۔

باہر گیٹ پر بیل ہو رہی تھی، شاید امی اور سمیع واپس آئے تھے، دیا نے نازی کو اپنے کمرے سے نکل کر برآمد کی سیڑھیوں کی طرف جاتا دیکھا۔ ''نازی آپا۔''

''ہاں۔'' وہ سیڑھیوں سے اترتے، رک کر دیا کی طرف دیکھنے لگی۔

''یہ الٹے سیدھے فون مجھے مت سنوایا کریں، نہ ہی مجھے ان فرح صاحبہ کی خوش اخلاقی متاثر کرتی ہے اور نہ ہی وہ آدھے پاگل عمر صاحب۔''

اس کی بات کے بے تکے پن کے باوجود، نازی کو بہت زور سے ہنسی آئی۔ ''بہت بری بات ہے، اپنے منگیتر اور ہونے والی سسرال کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں کیا۔''

''خوامخواہ ہی چپکنے کی عادت ہے ہر شخص کو، سخت گھبراہٹ ہوتی ہے ایسے لوگوں سے مجھے، اوپر سے یہ بھی اصرار کہ ان کو رسپانس بھی دیا جائے، پتہ نہیں کہاں سے ٹپک پڑے۔'' اس کے لہجے میں بے زاری تھی اور چہرے پر غرور کی وہی مخصوص سی چمک، نازی نے بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ دیا کی نازک مزاجی پر کبھی کبھی بڑا پیار آتا تھا اور

اب جب کہ وہ یہاں محض چند مہینوں کی مہمان تھی تو اسے دیا کی کوئی بات بھی بری نہیں لگتی تھی، بلکہ الٹا، اس کی جدائی کا خیال دل دکھاتا تھا۔

''جب ان لوگوں کے ساتھ رہو گی تو تمہیں ان سے خود ہی لگاؤ ہو جائے گا، وہ سب بہت محبت کرنے والے ہیں، اصل میں ابھی تمہیں اندازہ نہیں ہے۔''

باہر دوبارہ بیل ہو رہی تھی، نازی اپنی بات کہتے ہوئے ہی سیڑھیاں اتر کر، تیز قدموں سے گیٹ کی طرف چلی گئی۔

دیا جھنجلائی ہوئی، باہر سیڑھیوں پر آ کر کھڑی ہو گئی، کوئی بھی اس کی پرابلم نہیں سمجھ رہا تھا یا جان بوجھ کر انجان بنا ہوا تھا۔

رحمت منزل کے مکینوں کی، جس جذباتیت میں لتھڑی محبت کو، ابا اور نازی آپا اس کی خوش قسمتی قرار دیتے ہیں، کیا وہ کوئی ایسی کم یاب چیز ہے، جو دنیا میں صرف چند ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔

ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے گیٹ کھولتی نازی کی طرف دیکھا۔

''بے چاری نازی آپا۔'' اسے نازی پر رحم سا آیا۔ ''آخر کیوں نہیں سمجھتیں کہ وہ سارا گھرانہ، اس کی خوشامد نہیں کرے گا تو کیا کرے گا، قسمت دیا کی نہیں، ان کی چمکی ہے، یہ بات وہ سب اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔''

''کاش مسعود نے ایسا نہ کیا ہوتا۔'' وہی ہزار بار کا دہرایا ہوا پچھتاوا۔

...☆☆☆...

آج کل بینا لڑکیوں کو پڑھا کر جلدی فارغ ہو رہی تھی، چند کلاسوں کے امتحان ختم ہو چکے تھے، سو وہ لڑکیاں تو خود ہی کچھ عرصے کیلئے، منع کر گئی تھیں، جو دو چار آ رہی تھیں، انہیں وہ مقررہ وقت سے پہلے بلا رہی تھی۔

اسکول سے ان دنوں وہ چھٹی پر تھی، بڑے عرصے بعد، اس نے محض اپنی خاطر، چھٹی لی تھی، ورنہ چاہے بخار چڑھا ہوتا یا سر درد سے پھٹا جا رہا ہوتا، وہ ایک کے اوپر ایک کتنی ہی گولیاں دن بھر میں کھا لیتی، پر چھٹی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

چھٹیاں زیادہ اہم کاموں کیلئے مخصوص تھیں اور انہیں وہ اس لئے سینت سینت کر رکھتی تھی تاکہ ان اوقات میں کام آئیں۔

اس کی زندگی میں اشد ضروری کام، ہمیشہ دوسروں کی ذات سے متعلق رہے تھے۔

آفتاب کی بیماری، اماں کو ڈاکٹر کے پاس پابندی سے لے کر جانا، اچانک مہمانوں کی آمد، گھر سے متعلق کوئی مسئلہ وغیرہ وغیرہ، آفتاب کی معذوری کے بعد سے تو جیسے، اس کی مصروفیت میں ہزار گنا، اضافہ ہوا تھا اور وہ اس خلا کو پورا کرنے کے چکر میں، اس طرح خود اپنے آپ کو بھولنے لگی کہ پتہ ہی نہیں چلا کہ کب وہ خود، اس خلا میں ہی معلق رہ گئی۔

مگر اب پہلی بار۔

پہلی بار، تھوڑا سا بریک، تھوڑا سا آرام اسے خود اپنے لئے درکار تھا، زندگی میں جھیلی گئی اب تک کی ساری آزمائشوں میں سے، کسی نے بھی اسے اس طرح نہیں تھکایا تھا جیسے کہ اس بار۔

اور تھکنے کا لفظ تو، اس کی کیفیت کے اظہار کیلئے بہت معمولی تھا، اسے تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ اندر سے بالکل ختم ہو چکی ہے۔

اس روز آفتاب کے کمرے سے نکلتے ہوئے، درد کے اس کاری وار کو سہہ لینے کے بعد بھی کہیں ایک مدھم سی امید تو تھی کہ شاید، یہ ساری غلط فہمی وقتی ہی ثابت ہوا اور وہ اس غلطی کا احساس کر کے، اس سے بڑے کھلے دل سے معافی چاہے گا۔

اور شاید وہ اس ساری تذلیل کو بھولنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگانے والی تھی، مگر وہ منتظر ہی رہی کہ ایسا کچھ ہو۔

آفتاب نے جو کچھ سمجھا اور کہا تھا، اس پر وہ نہ کل شرمندہ تھا اور نہ آج، الٹا اس کا روّیہ اب اتنا سرد اور تحقیر آمیز ہو چکا تھا جو کہ بینا کو خود اپنی نگاہوں میں گرائے دے رہا تھا۔

اس کا غصہ رنج میں اور رنج شرمندگی میں بتدریج بدلا تھا، ساس کہتی تھیں کہ وہ آفتاب کو اپنی بے گناہی کا مستقل احساس دلاتی رہے، کسی طرح بھی اس کا دل نرم کرنے کی کوشش جاری رکھے، مگر ایسا کرنے کو خود اس کا اپنا دل نہیں مانتا تھا۔

صفائی بھی نری شرمندگی ہی تھی۔

اور جو رشتہ، خود اپنی ذات کا حصہ ہو کر بھی، بے اعتباری کے بھنور میں پھنس سکتا ہو، اسے ڈوبنے سے بچانے کیلئے تنکے کا سہارا ناکافی تھا۔

آج کتنے ہی دن ہو چکے تھے، اسے اپنا کمرہ چھوڑے ہوئے، مگر آفتاب نے ایک بار بھی اسے واپس آنے کیلئے کہنا تو درکنار، اپنے چھوٹے موٹے کاموں سے بھی بری الذمہ کر دیا تھا۔

اپنے کام یا تو وہ خود کرنے کی کوشش کرتا یا پھر اماں سے کہتا‘ بینا نے دو ایک بار آگے بڑھ کر‘ خود کرنا چاہے تو اس نے اتنی بری طرح جھڑکا کہ اب اس کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی۔

اماں کہتی تھیں۔

”صبر سے کام لو‘ مرد کے دل میں پڑا شک کا بال ذرا مشکل سے ہی جاتا ہے‘ اللہ نے چاہا تو وہ خود آفتاب کو آئینہ دکھائے گا‘ پھر وہ دوبارہ سے پہلے والا آفتاب ہی بن جائے گا۔“

”اور جو اللہ نے کبھی نہ چاہا تو۔“ روز بروز گہری ہوتی مایوسی‘ اسے سخت وہمی بنا رہی تھی۔ ساس خفا ہونے لگتیں۔

”اچھی بات منہ سے نکالتے ہیں‘ اللہ سے بدگمانی رکھنا تو گناہ میں شامل ہے۔ وہ تو اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہے‘ پڑھی لکھی ہو سب پتہ ہے۔“

وہ آگے اگر کچھ اور کہنا چاہ بھی رہی ہوتی تو خاموش رہتی‘ الٹی سیدھی بات منہ سے نکال کر اپنی عاقبت خراب کرانے کا فائدہ؟

زندگی تو پہلے ہی بری طرح بگڑ رہی تھی‘ وہ ان دنوں اتنی ہراساں ہو رہی تھی کہ گھر سے باہر جھانکنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا‘ بچے اسکول چلے جاتے تو کسی روبوت کی طرح روزمرہ کے کام نمٹائے جاتی۔

آفتاب اب کھانا دکان پر ہی منگوانے لگا تھا۔ رات کو دیر سے بند کرتا‘ اماں اور بچوں سے سرسری سی بات چیت کر کے‘ اپنے کمرے میں چلا جاتا‘ اس مختصر سے وقت میں‘ اگر غلطی سے اس کی نگاہ بینا سے مل بھی جاتی تو ان میں ایسا ذلت بھرا احساس جھلکتا دکھائی دیتا کہ اس دل یہی چاہتا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے تو اب اپنے بچوں سے بھی نگاہ ملاتے ہوئے شرم آنے لگی تھی‘ معلوم نہیں وہ لوگ کیا اندازے لگاتے ہوں گے اپنے ماں باپ کے بارے میں۔

اس کی بیٹی اب گیارہویں سال میں لگنے والی تھی اور اس بے حد حساس عمر میں‘ اس کے معصوم ذہن پر ماں کا کیا امیج بننے والا تھا۔

بینا کے دل سے رہ رہ کر اس شخص کے لئے بددعائیں نکلتیں‘ جس نے اسے‘ اس درد میں تماشا بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی تھی۔

گھر کا فون ریسیو کرنا اس نے بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔ بیل ہوتی تو اس کا دل اتنی زور زور سے دھڑکتا جیسے باہر ہی نکل آئے گا۔

جب تک یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ فون اسی بدبخت شخص کا نہیں ہے‘ وہ سہمی سہمی نگاہوں سے اسی کی طرف دیکھتی رہتی۔

خود اعتمادی‘ بڑے غیر محسوس انداز میں‘ اس کی ذات سے رخصت ہوتی جا رہی تھی۔ ایسے میں صرف اس کی ساس تھیں‘ جو کسی نہ کسی طرح اس کی دل جوئی کی کوشش میں لگی ہی رہتی تھیں‘ ان ہی سے بینا کو پتہ چلا تھا کہ اب اس آدمی کے موبائل فون‘ آفتاب کے فون پر بھی آنے لگے ہیں۔

”میں تو بیٹا‘ اس کم عقل کو یہی سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ ہوش سے کام لے‘ یہ کوئی آستین کا سانپ ہے بھلا بتاؤ آفتاب کے موبائل نمبر پر کسی ایرے غیرے کے فون کیوں آنے لگے‘ ضرور یہ کسی جاننے والے کا ہی کام ہے‘ جو ہمارے گھر سے حسد کرتا ہے۔“

بینا آنسو بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھے گئی' آفتاب کی سمجھ میں یہ سیدھی سی بات کبھی بھی نہیں آکر دینی تھی اور نہ ہی وہ کچھ بھی سننے کیلئے تیار تھا۔

بینا کے لئے بہر حال اماں کا دم غنیمت تھا' سخت ذہنی دباؤ میں گزرتے یہ دن ان ہی کے سہارے کٹ رہے تھے کہ انہیں بھی وحید بھائی' اچانک بعد اصرار اپنے ساتھ لے گئے۔

بینا اور پھر آفتاب سے لڑائی مول لینے کے بعد سے ان کا یہاں آنا جانا بند ہی تھا' اماں بے چاری فطری محبت سے مجبور ہو کر کسی کسی وقت فون کر لیتی تھیں۔

دو دن پہلے وہ اچانک ہی چلے آئے۔

صبح کے تقریباً ساڑھے گیارہ' بارہ کا وقت ہو گا' جب ان کی نئی پجیرو باہر آکر رکی تھی' میڈیکل اسٹور پر بیٹھے' آفتاب سے انہوں نے رسمی سی علیک سلیک کی اور سیدھے اماں کے کمرے میں چلے گئے۔

بینا کچن میں تھی' انہیں آتا دیکھ کر اس نے سلام ضرور کیا مگر انہوں نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔

وہ اماں کو اپنے ساتھ لے جانے کیلئے آئے تھے' بقول ان کے فرحت بھابی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور ان کے گھر کا سارا نظام بالکل چوپٹ پڑا ہوا تھا۔

''میں بھی آپ ہی کی اولاد ہوں' میری پریشانی آپ کیلئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی' ہمیشہ سے آپ کو آفتاب سے ہی محبت رہی ہے' اسی کے بیوی بچے آپ کو عزیز ہیں' میرے بچوں کو تو آپ کبھی یاد بھی نہیں کرتیں۔''

چھوٹے سے گھر میں فاصلہ ہی کتنا تھا۔

کچن میں کھڑی بینا کو ان کی آواز صاف سنائی دے ہی تھی' چند لمحوں کیلئے تو وہ سچ مچ اپنی ساری ٹینشن بھول کر' ان کے اس یکسر بدلے ہوئے روپ پر حیرت زدہ سی کھڑی رہ گئی۔

اماں کیلئے' یہ محبت پہلی بار امڈتی ہوئی دکھائی دی تھی اور جن بچوں کا وہ حوالہ دے رہے تھے' انہیں ایک نگاہ دیکھنے کیلئے بھی' اماں مہینوں ترستی تھیں' مگر وہ انہیں ملوانے سے گریز ہی کرتے تھے۔

جواباً اماں نے کیا کہا' وہ سن نہیں سکی تھی' اماں عادتاً ہلکے بولتی تھیں اور دوسرے یوں کان لگا کر کھڑے ہونا تھی بھی نامناسب سی بات۔

بینا نے دانستہ اپنا دھیان چولہے پر رکھی ہنڈیا پر لگا لیا' پھر بھی وحید کی پاٹ دار آواز بناء کسی کوشش کے بھی سنائی دیتی رہی۔

ان کا اصرار اب شدت پکڑ رہا تھا۔ ''زیادہ نہیں ایک ہفتے کیلئے چلی چلیں' ورنہ سمجھ لیجئے گا' میں اپنی شکل بھی نہیں دکھاؤں گا آپ کو۔''

کچھ اسی قسم کی باتیں وہ کئے جا رہے تھے۔

اماں ان کی باتوں سے گھبرا کر ہی' بینا کے پاس کچن میں چلی آئیں۔ ''معلوم نہیں کیا سوجھی ہے آج اسے' سر پر سوار ہو گیا ہے' سن بھی تو نہیں رہا ہے میری بات' تم ہی بتاؤ۔'' وہ بوکھلا رہی تھیں' آفتاب اور بینا کے مابین چپقلش بھی انہیں پریشان کئے ہوئے تھیں۔ دل تو بینا کا بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ جائیں' مگر وحید بھائی جو بار بار فرحت بھابی کی بیماری

کا حوالہ دے رہے تھے' اسے نظر انداز کرنا بھی مشکل تھا۔ کیا خبر وہ بے چاری کب سے بیمار تھیں اور نہ جانے کتنی بیمار تھیں۔

بینا کو یہی مناسب لگا کہ اماں چند دن کیلئے ان کے گھر ہو آئیں۔ سو اس نے یہی مشورہ انہیں دیا۔

اماں نیم دلی کے ساتھ تیار ہو گئیں۔

وحید نے جلدی جلدی کا شور مچا رکھا تھا۔ بینا نے بمشکل ان کے چند کپڑے ہی بیگ میں ڈالے۔

"پریشان مت ہونا اور اس آفتاب سے تو کسی بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں آجاؤں گی بس انشاءاللہ دو چار دن میں ہی۔"

بینا کو تسلی تشفی دے کر وہ وحید بھائی کے ساتھ روانہ ہوئیں تو بینا کو چند ہی گھنٹے میں احساس ہونے لگا تھا کہ ان کا ضعیف او ربے ضرر سا وجود کتنا بڑا سہارا ہے۔ سارا وقت وہ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کئے جاتیں' تسلی' نصیحت' سب ہی کچھ ہوتی تھی۔

وہ ہمیشہ ہی اس کیلئے بڑی مورل سپورٹ رہی تھیں اور اب تو حقیقتاً وہ اللہ کے بعد ان ہی کے سہارے پر تھی۔

گھر جیسے کاٹ کھانے کو دوڑنے لگا تھا۔ روزہ مرہ کے کاموں سے فارغ ہو کر اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ دو گھنٹے ٹیوشن کی لڑکیوں کی مصروفیت میں کٹ جاتے۔ بچے جلدی سونے کے عادی تھے اور آفتاب تو جیسے بھول ہی چکا تھا کہ گھر میں اس کی بیوی بھی رہتی ہے۔ بینا کا ڈپریشن تیزی سے بڑھ رہا تھا۔

ادھر اماں تھیں کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ وہ روزانہ ہی فون کرتی تو یہی پتہ چلتا کہ وحید بھائی آنے نہیں دے رہے ہیں' حالانکہ فرحت بھابی ایسی کوئی بیمار بھی نہیں تھیں' جتنا واویلا وحید نے یہاں آکر مچایا تھا۔

وہ کہہ بھی کیا سکتی تھیں' بہر حال وہ ان کے بیٹے تھے اور اماں کو جتنے دن چاہے اپنے پاس رکھ سکتے تھے' آج اتوار تھا۔

بچے تینوں ہی کل شام سے نانی کے گھر گئے ہوئے تھے' بینا کا چھوٹا بھائی خاص طور پر انہیں لینے کیلئے آیا تھا۔ آج شام تک وہ انہیں چھوڑ جانے والا تھا۔

بچے نانی کے ہاں بہت خوش رہتے تھے' بینا نے بھی اس خیال سے منع نہیں کیا کہ بہت دن سے انہیں کوئی تفریح نہیں مل سکی تھی' تھوڑی سی آؤٹنگ ہو جائے گی' آفتاب مختصر سا ناشتہ کر کے اپنے اسٹور پر جا چکا تھا۔ اس نے مشین لگالی۔

جان بوجھ کر وہ کوئی نہ کوئی کام نکالے رکھتی تھی' مگر وہ ساری تکلیف دہ سوچیں ایک پل کے لئے بھی علیحدہ نہیں ہوتی تھیں' مشین کی گھر گھر میں پہلی بار تو اسے سنائی نہیں دیا تھا دوسری بار کسی نے بیل بجانے کے بعد ساتھ دروازہ پر بھی دستک دی۔

اپنے گیلے ہاتھوں کو دوپٹے سے خشک کرتی ہوئی وہ گیٹ تک چلی آئی۔

"بینا صاحبہ آپ ہی ہیں۔" سامنے کھڑا شخص کسی کوریئر سروس کا نمائندہ تھا' یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"جی۔"

"یہاں سائن کر دیجئے۔" اس نے پرچہ آگے بڑھایا تو اچانک ہی کسی خدشے سے اس کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

"میرا پورا نام بینا آفتاب ہے' آپ کو کوئی غلط فہمی تو نہیں ہو رہی ہے۔" اس کی حالت اتنی مخدوش ہو رہی تھی کہ اسے کسی گھڑی پر بھی اعتبار نہیں رہا تھا۔

"یہ آپ ہی کے نام ہے۔ گھر کے ایڈریس کو ہم کنفرم کرنے کے بعد ہی آپ کو زحمت دیتے ہیں۔"

اس شخص کے چہرے پر پروفیشنل مسکراہٹ آئی۔

"مگر' میری تو کوئی ڈاک نہیں آتی تھی۔ یہ کسی کی طرف سے آیا ہے آپ بتائیں گے۔"

ایک مخصوص سی ٹک ٹک کی آواز پر اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

"ابھی پتہ چل جائے گا' تم سائن تو کرو۔" آفتاب اپنے اسٹور سے اتر کر قریب آ کھڑا ہوا تھا اور اس کے تحکم بھرے انداز پر اب انکار کی کوئی صورت ہی نہیں تھی۔

بینا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے سائن کئے اور پھر فوراً ہی واپس اندر مڑ گئی۔

"ارے آپ یہ تو لیجئے۔" اس نے اپنے پیچھے کوریئر سروس والے کو کہتے ہوئے سنا اور گہرے سرخ گلابوں کی ایک جھلک بھی دکھائی دی۔

"کیوں ہمت نہیں تھی' اپنے دیرینہ عاشق کا تحفہ وصول کرنے کی یا پھر میرے سامنے تمہیں کچھ شرم آ ہی گئی۔" آفتاب گیٹ بند کر کے اندر آ چکا تھا اور وہ بڑا سا رابوکے اس کے ہاتھ میں تھا۔

بینا نے بے بس سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "مجھے نہیں پتہ آفتاب یہ سب کیا ہو رہا ہے تم میرا یقین تو کرو ایک بار پلیز۔" وہ گڑگڑائی۔

"تمہارا اعتبار" بیساکھی کی کھٹ کھٹ اس کے بالکل قریب چلی آئی۔ "تم جیسی فریبی اور بے وفا عورت پر جس نے اتنے سال میری آنکھوں پر پٹی باندھے رکھی اور میں کتنا بڑا بے وقوف۔" باوجود اپنی تمام سختی کے' آفتاب کی آواز میں لرزش سی جھلکی۔

بینا کو لگا جیسے شاید وہ نرم پڑ جائے گا' شاید اس کی بدنصیبی کا یہ آخری ہی وار ہو۔

"جتنا چاہو مجھے برا بھلا کہہ لو آفتاب' مگر میں قسم کھاتی ہوں کہ یہ سب الزام ہے۔ میں اپنے بچوں کی قسم کھا کر...."

آفتاب کا ہاتھ اٹھا اور پوری قوت سے اس کے گال پر پڑا۔

وہ بری طرح لڑکھڑا کر پیچھے کی طرف ہٹی' خود آفتاب نے بیساکھی پر اپنا کنٹرول کھویا تھا۔

"سنبھل کر۔" اسے لڑکھڑاتا پا کر' وہ جیسے خود کو بھی بھول کر اس کی طرف بڑھی۔

"قریب مت آنا میرے۔" آفتاب کے ہاتھ کے اشارے پر وہ چند انچ کے فاصلے پر ہی رکی۔ "گھن آتی ہے مجھے تم سے' حیرت ہوتی ہے اپنے آپ پر کہ میں تم جیسی عورت کو سمجھ کیوں نہ پایا' ایک معذور شخص کے ساتھ تمہاری یہ محبت' ہمدردی' محض اپنی اصلیت کو چھپانے کی گھٹیا کوشش۔"

بینا کو لگا جیسے وہ ابھی اس کے منہ پر تھوک دے گا۔ مگر شاید تھوک دینا' اس کے نزدیک بہت چھوٹی سی سزا ہوتی' جو وہ اسے دے سکتا تھا۔

بینا اس سے کہیں زیادہ ذلت کی حقدار تھی۔

"ابھی اسی وقت میرے گھر سے نکل جاؤ۔ جو کچھ یہاں سے لے کر جانا چاہتی ہو' اماں کو فون کر کے بتا دینا' تمہارے پاس پہنچ جائے گا' مگر اس وقت ایک پل مزید نہیں۔" اس کا لہجہ اتنا حتمی تھا کہ بس پوری آنکھیں کھولے آفتاب کی شکل دیکھے گئی "یہ کون تھا بھلا؟"

اس کا لہجہ ہی نہیں' خدوخال بھی بدلے بدلے سے تھے۔ اس کے سامنے سے گزرتا ہوا' وہ سامنے کمرے میں گیا تھا اور وہ ایسے اپنی جگہ جمی کھڑی تھی' جیسے اگر اس کا حکم نہ ہو تو قیامت تک وہیں جمی کھڑی رہے۔

''یہ لو۔'' اس کے ہاتھ میں بینا کا پرس اور چادر تھی۔

بینا کے لب ہلکے سے کانپے۔

''ایک لفظ نہیں۔'' آفتاب کی شہادت کی انگلی اٹھی۔

''یہ پکڑو اور دفع ہو جائو' ورنہ جو فیصلہ کچھ دن بعد ہونا ہے' وہ اسی وقت ہو جائے گا۔''

بینا کا ہاتھ بے ساختہ ہی لبوں پر آکر رکا' اسے یقین تھا کہ جو کچھ بھی وہ کہہ رہا ہے۔ اسے کرنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگائے گا۔

کانپتے ہاتھوں سے اس نے چادر کا پلو سر پر ڈالا۔ واشنگ مشین اپنا چکر پورا کر کے' وسل دے رہی تھی اور اسے یاد آیا کہ پچھلے صحن میں وہ بالٹی میں نل کھلا چھوڑ آئی ہے۔ مگر اب وہ بھاگ کر جا کر وہ نل بھی نہیں بند کر سکتی تھی۔ جسے اب پتہ نہیں دیر تک بہتے رہنا تھا۔

اور وہ استری کے اسٹینڈ پر رکھے بچوں کے یونیفارم' چولہے پر رکھا آلو گوشت کا سالن' آفتاب کی قمیض کا ٹوٹا ہوا بٹن' کتنے ہی کام تھے۔ جن میں اس کا وجود بٹا ہوا تھا اور اس ٹکڑے ٹکڑے وجود کو سمیٹنے کیلئے چند منٹوں کی بھی مہلت نہیں تھی اس کے پاس۔

''کھڑی کیوں ہو' دفع کیوں نہیں ہوتی ہو۔'' اس بار وہ چلانے کے انداز میں بولا تھا' اگر وہ کچھ دیر اور کھڑی رہتی تو شاید وہ اسے دھکے دے کر باہر کر دیتا۔

بینا نے بے جان سے قدموں کیساتھ اپنے وجود کو گیٹ کی جانب گھسیٹا۔

سرخ گلاب کا وہ بڑا سا رابو کے وہیں زمین پر پڑا تھا۔

''To My Love'' منسلک کارڈ پر الفاظ بڑے نمایاں تھے' بینا کی نگاہ ایک لمحے کیلئے ان پر ٹھہری۔

کتنا توہین آمیز تھا یہ سارا سلسلہ اور یہ سرخ گلاب جیسے دہکتے ہوئے انگار سے اٹھا کر' پیچھے کھڑے آفتاب کے منہ پر بہت زور سے دے مارے۔ مگر وہ ایسا بھی نہ کر سکی۔

گلی میں قدم رکھتے ہی اسے لگا جیسے آج وہ پہلی بار گھر سے نکلی ہے اور سامنے جاتے یہ راستے قطعی انجان تھے۔

...☆☆☆...

ذرا دیر کیلئے تو کمرے میں بڑی گہری خاموشی چھا گئی تھی۔

آفتاب بے تاثر سا چہرہ لیے یوں ہی ایک سمت پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا اور اس کی اماں ہکا بکا سی ہوئی اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

صرف وحید تھے' جو اس سخت ٹینشن بھری صورتحال میں بھی اپنے چہرے پر آئی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش نہیں کر رہے تھے۔

''تمہیں کچھ ہوش ہے کہ کیا کر کے بیٹھے ہو' غضب خدا کا بالکل ہی اندھے ہو رہے تھے کیا' کچھ نہیں تو اپنے معصوم بچوں کا ہی خیال کر لیتے۔''

اماں بے چاری تو اب باقاعدہ رونے لگی تھیں۔

''میں نے بچوں کا ہی خیال کر کے، اتنے دن برداشت کیا، ورنہ بہت دن پہلے یہ فیصلہ ہو چکا ہوتا۔'' آفتاب کے لہجے میں ذرا بھی رعایت نہیں تھی۔

اماں کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی واپس گھر پہنچی تھیں اور گھر کی ابتر حالت دیکھ کر، انہیں یہاں گزری قیامت کا فوراً ہی اندازہ ہو گیا تھا۔ آفتاب نے ان کے بدترین خدشات کی تصدیق کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی تھی۔

بینا کو گھر سے گئے آج پانچواں دن تھا۔

ان پانچ دنوں میں اس نے یا اس کے گھر والوں نے آفتاب، وحید یا اماں سے کوئی بھی رابطہ نہیں کیا تھا۔

''مجھے یہی دھڑکا لگا ہوا تھا تمہاری طرف سے، بدقسمت ہو تم جو اتنی نیک، خدمت گزار بیوی کی قدر نہ کر سکے، اپنے پائوں پر خود کلہاڑی ماری ہے تم نے، خدا کیلئے ہوش سے کام لے۔''

وہ ساس تھیں، مگر بینا سے بیٹیوں جیسی محبت کرتی تھیں اور اب جس طرح وہ آفتاب کو پریشرائز کر رہی تھیں، اس سے ان کے دلی رنج کا صاف اندازہ ہو رہا تھا۔

''وہ خود بھی جانا ہی چاہتی تھی، اتنے عرصے بھی یہاں مجبوری میں رہنا پڑا ہے اسے۔''

آفتاب کے پاس یہی ایک واحد دلیل تھی، انہیں مطمئن کرنے کیلئے، مگر ان پر اور بھی رقت طاری ہونے لگی۔

''مت کرو ایسی باتیں، جن پر تمہیں خود بھی یقین نہیں ہے، ارے ذرا بھی شرم نہیں آئی اسے گھر سے باہر کرتے ہوئے۔ اس طرح تو پالتو جانور کو بھی نہیں نکالا جاتا۔ وہ تو بیوی تھی۔ بچوں کی ماں تھی۔''

''اب آپ اپنی طبیعت خراب کریں گی رو رو کر، ان دونوں میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ آفتاب بچہ تو نہیں ہے۔ جو بھی کیا ہے۔ سوچ کر ہی کیا ہو گا۔''

وحید صاحب سے اماں کو لے کر آئے تھے۔ اس سارے قصے کو سنتے ہوئے۔ اب تک بالکل غیر جانبدار رہے تھے۔ مگر سچی بات تو یہ کہ ان کے دل میں تو بڑی ٹھنڈک پڑی تھی۔

بینا کے ہاتھوں ہونے والی اپنی بے عزتی کو وہ بھولے نہیں تھے اور نہ نارسائی کے اس احساس کو، جو ثانیہ کو نہ پانے کی وجہ سے، ایک مستقل تکلیف کا سبب بنا ہوا تھا۔

''کوئی تو بات ہو گی جو آفتاب نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا۔ ورنہ اب تک اس نے کس عیش و آرام سے بینا کو رکھا تھا۔ اپنی معذوری کے باوجود بھی کتنی ہمت سے ساری ذمہ داریاں پوری کر رہا ہے۔ آپ بجائے اسے حوصلہ دینے کے اسے اور پریشان کر رہی ہیں۔''

وہ ایک دم ہی بڑے شفیق بھائی کا روپ دھارنے لگے۔ آفتاب کو لگا جیسے اس کو بری طرح گرفت میں لیتا ہوا تناؤ کچھ کم ہوا ہے۔

کوئی تو تھا۔ جو اس کے نقطہ نظر کو سمجھ رہا تھا۔

اس نے شکر گزار نگاہوں سے وحید بھائی کی طرف دیکھا۔ مگر اماں کا رنج، غصے اور جھنجلاہٹ میں بدلنے لگا۔

''تم تو بیچ میں نہ ہی بولو تو بہتر ہے۔ اس غریب کے پیچھے پڑنے میں تم نے کون سی کسر چھوڑ رکھی تھی۔ خدا ایسی اولاد بھی کسی کو نہ دے۔ جو اس بڑھاپے میں ذلیل و خوار کروا کر رکھ دیں۔''

وہ وحید بھائی پر بری طرح برس پڑیں۔

''بیٹی نے کیا کر دیا جو مجھ پر غصے ہو رہی ہیں۔ میری اور بینا کی تلخی والی بات تو اب پرانی بھی ہو گئی تھی۔ میں نے بڑا ہونے کے باوجود اپنی بے عزتی کو بھلا دیا تھا۔ وہی ناراض رہتی تھی مجھ سے' سلام تک نہیں کرتی تھی۔''

اماں نے ان کی صفائی پر نہ ہی یقین کیا اور نہ ہی جواب دینا ضروری سمجھا۔ وہ آفتاب کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''جو ہوا سو ہوا۔ اب مزید بے وقوفیاں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو میرے ساتھ ابھی اسی وقت' ہم بینا اور بچوں کو گھر لے آتے ہیں۔ اگر تمہیں معافی مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تو میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔ وہ ایسی نہیں ہے جو برا مان کر وہاں بیٹھی رہے۔''

اپنے طور پر انہوں نے فیصلہ سنایا۔

وحید بھائی کو بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ جو وہ مستقل بینا کا فیور کئے جا رہی تھیں۔ مگر بار بار بیچ میں بولنا' خود ان کی اپنی پوزیشن کو خراب کر رہا تھا۔

''میں اسے نہیں لاؤں گا واپس' وہیں رہنے دیں اسے اور آپ کو بھی رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے کون سا آپ کو فون کر کے بتانے کی زحمت کی ہے۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی' آفتاب کے لہجے سے گلہ جھلکا تھا۔ بینا کی اس خاموشی نے بڑی عجیب سی کیفیت سے دوچار کیا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ وہ بار بار رو رو کر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کرے گی۔ بچوں کا واسطہ دے گی۔ اس کے گھر والے آ کر اپنی عزت کا واسطہ دیں گے۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

نہ ہی بینا نے اور نہ اس کے والدین یا بھائیوں میں سے کسی نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ حد تو یہ کہ بچے جو اس کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ ان تینوں میں سے بھی کسی کا فون نہیں آیا تھا۔

''بینا چاہتی تو بچوں کے بہانے ہی رابطہ کر سکتی تھی۔ مگر وہ ایسا چاہے گی ہی کیوں؟ اسے جو چاہیئے تھا۔ وہ اسے مل رہا تھا۔ پھر اسے کیا ضرورت تھی جو وہ...۔''

وہ پہلے بھی زیادہ تلخ ہونے لگا۔

وحید نے بہت غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور ایک صحیح اندازہ لگاتے ہوئے ہلکے سے مسکرائے۔ وہی مسکراہٹ' جو کسی کی تباہ حالی پر ان کے دل کو اطمینان پہنچا کر ظاہر کرتی تھی۔

''اچھا' میں تو چلتا ہوں کچھ ضروری کام ہیں' کل پھر آؤں گا۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''اور آپ پریشان مت ہوں' کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔''

یہ تسلی تھی۔ جو انہوں نے والدہ کو دینا ضروری سمجھی تھی۔

وہ ان کی طرف سے ہلکا سا رخ پھیرے بیٹھی تھیں۔ اسی طرح بیٹھی رہیں۔ بنا پر کوئی جواب دیئے۔

''اسلام علیکم۔''

وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔ آفتاب بھی ان کے ساتھ گیٹ کے باہر تک آیا۔

''تم فکر مت کرو اور اماں کی باتیں زیادہ سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں تو کچھ اندازہ ہی نہیں ہے زمانے کا۔ بیٹھا رہنے دو اسے کچھ عرصے وہاں' دماغ صحیح ہو جائے گا بالکل' اصل میں تم نے اسے سر پر ہی بہت چڑھا لیا تھا۔ ایسے رکھا جاتا ہے کیا بیویوں کو؟ ہمیں دیکھو فرحت کے باپ بھائیوں کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں۔ ہوں گے کروڑ پتی' ارب پتی اپنے گھر کے' ہنہ۔''

گلی میں کھڑے ہو کر انہوں نے، چند ضروری نصیحتیں آفتاب کو کیں اور ساتھ ہی اپنے طرز عمل پر فخر کا اظہار بھی۔

وہ خاموش کھڑا سنتے گیا۔

آج وحید بھائی کتنا بڑا، ذہنی سہارا محسوس ہو رہے تھے۔

شاید دل سے وہ یہی چاہتا تھا کہ کوئی اسے، اس کے طرز عمل پر حق بجانب قرار دے تا کہ اندر کہیں جو ایک چبھن سی مسلسل محسوس ہو رہی تھی۔ اس میں کمی واقع ہو سکے۔

وحید بھائی کے پیٹھ ٹھوکنے پر اسے حقیقتاً تھوڑی سی راحت محسوس ہوئی۔

''اور اگر وہ لوگ تمہیں پریشان کریں۔ کوئی لڑائی جھگڑا اٹھانے کی کوشش کریں تو دبنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے فون کر دینا۔ ٹھیک کر دونگا ایک ایک کو۔''

وہ مزید دلاسہ دے کر گاڑی میں بیٹھنے لگے۔ تو آفتاب کو حقیقتاً ایسا ہی لگ رہا تھا۔ جیسے اس وقت وہی اس کے سب سے بڑے ہمدرد ہیں۔

''مجھے بس بچوں کی فکر ہے بھائی جان، وہ بے چارے بیچ میں پریشان رہیں گے۔ پتہ نہیں اسکول بھی جا رہے یا نہیں؟''
آفتاب کو خالص باپ والی فکر ستا رہی تھی۔

''بچوں کی فکر مت کرو۔ تھوڑے دن اور گزر جانے دو، میں خود جا کر بچوں کو وہاں سے لے آئوں گا۔ ہمیں اپنے بچے وہاں چھوڑنے تھوڑی ہیں۔ تم اتنے عرصے میں خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لینا کہ آگے کیا کرنا ہے۔''

وہ جیسے اس کی ہر پریشانی کو چٹکی میں اڑانے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔

اس وقت جب وہ بیچ گلی میں، اس سے سر جوڑے کھڑے تھے۔ آفتاب کو ایک بار بھی یاد نہیں آیا کہ وہ یہیں کھڑے ہو کر، بینا اور خود اس کے بارے میں کتنے گرے ہوئے الفاظ کہہ کر گئے ہیں۔

اور اگر وہ یہ جان لیتے کہ وہ بینا کو اپنی زندگی سے مکمل طور پر الگ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے تو شاید خوشی کے مارے یہیں رقص شروع کر دیتے۔

''جائو بس آرام کرو، پیسوں ویسوں کی بھی ضرورت ہو تو میں ہوں، کوئی مسئلہ نہیں۔'' ان کی دریادلی عروج پر تھی۔
آفتاب خاموش کھڑا ان کی گاڑی کو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ ''شاید آج تک وہ وحید بھائی کو سمجھنے میں غلطی کرتا آ رہا تھا۔''

اسے پہلی بار کچھ ایسا ہی لگا۔

...☆☆☆...

فرح کا دل تو قطعی نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر ثانیہ نے اصرار کر کر کے اسے بھجوا کر ہی دم لیا۔

شیریں اور شہریار کی منگنی پر وہ عمر کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔

ایک بڑے ہوٹل میں ہونے والی تقریب میں، وہ ساری شان و شوکت نمایاں تھی جو کہ متوقع تھی۔ وہ دونوں جب وہاں پہنچے تو اچھے خاصے مہمان آ چکے تھے۔

فرح نے آج پہلی بار شہریار کو دیکھا۔ وہ اور شیریں دونوں اپنے مہمانوں کو ریسیو کر رہے تھے اور ان دونوں کے علاوہ شیریں کی ممی اور مسز ہاشمی بھی وہاں موجود تھیں۔

دو چار دوسرے لوگ بھی تھے۔ مگر فرح انہیں پہچانتی نہیں تھی۔

گرے کلر کا سوٹ، جو یقیناً بہت قیمتی ہوگا۔ مخصوص رکھ رکھاؤ اور چہرے پر چھائی ہلکی سی کرختگی، جو اس کے مزاج کی آئینہ دار تھی۔

جب وہ ان لوگوں سے مل رہے تھے، فرح نے ایک نگاہ میں شہر یار کا "ٹائپ" بھانپا۔ شیریں جیسی حسین عورت کی قربت اس کیلئے خوشی سے زیادہ فخر کا سبب بنی تھی۔

اور زندگی میں اس نے اسی ایک روّیے کو خود اپنے آپ پر لاگو کئے رکھا تھا۔ ساری عمر وہ پوزیشن، وہ چیزیں جمع کرتے گزری تھی۔ جس پر وہ فخر اور فخر کرتا رہے۔ سو تا حال یہی سلسلہ جاری تھا۔

شیریں بھی اس کے قابل فخر سرمائے میں ایک گراں قدر اضافہ تھی۔

فرح اور عمر کو اس نے محض چند سیکنڈ کی توجہ سے نوازا اور دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ شیریں البتہ بہت تپاک سے ملی۔

وہ خوش تھی یا نہیں، یہاں کسی کو اس کا اندازہ لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی خوبصورت چہرے پر ایک مستقل مسکراہٹ تھی، لیکن تھوڑا سا غور سے دیکھنے پر اس کی آنکھوں میں پھیلتی تپش بھی نظر آتی تھی۔ فرح نے وہی نوٹ کی۔

"شیریں بالکل بھی خوش نہیں ہیں اور ان جیسی خاتون کوئی سمجھوتہ بھی کر سکتی ہیں۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔"

اندر کی طرف بڑھتے ہوئے، فرح نے کچھ الجھے ہوئے سے انداز میں عمر کی طرف دیکھا۔

"ہلکے بولو۔"

"اتنے شور میں کون میری آواز سن رہا ہے؟ مگر تم خود بتاؤ، وہ تمہیں خوش لگیں، نہیں نا۔"

عمر کی تنبیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے، وہ اپنی بات جاری رکھے گئی۔

"تمہیں کیوں افسوس ہو رہا ہے۔ تم آج یہاں آنے کیلئے بھی تیار نہیں تھیں۔" عمر نے اسے، اس کی خفگی یاد دلائی۔

"مجھے افسوس نہیں، حیرت ہو رہی ہے اور میری ناراضگی ابھی قائم ہے۔ میں انہیں اتنے چھوٹے دل کا نہیں سمجھتی تھی۔"

وہ دونوں ایک میز پر بیٹھ چکے تھے۔ جو ابھی خالی تھی۔

"ہارا ہوا دشمن، کم از کم اتنا حق تو رکھتا ہی ہے۔"

"ثانیہ کا کوئی قصور نہیں، شیریں خوامخواہ اس کے ساتھ مس بی ہیو کر رہی ہیں۔ کسی کسی وقت تو انہوں نے آفس میں ایسے موڈ کا مظاہرہ کیا ہے کہ میں حیران رہ گئی ہوں۔"

"انسان دل کے ہاتھوں بڑا مجبور ہے بھائی۔"

عمر نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "شیریں بھی بے چاری ایسی خاتون نہیں تھیں۔ سجاد بھائی نے اچھا نہیں کیا۔ ان کے ساتھ، لیکن ہیں کہاں یہ؟"

بات کرتے کرتے اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی، لوگ مستقل آ رہے تھے اور اس بہت بڑے ہال میں اس وقت اتنے لوگ تھے کہ ایک نظر میں کسی کو ڈھونڈ لینا بھی آسان نہیں تھا۔

یہاں سے کافی فاصلے پر اپنے دوستوں کے ساتھ بڑی دلچسپ سی گفتگو میں گھرے سجاد نے بے چینی کے ساتھ پہلو بدلا تھا۔

نگاہ لمحے میں داخلی حصے کا نظارہ کر کے واپس آئی۔

وہاں ابھی بھی وہی سب کھڑے مہمانوں کو ریسیو کر رہے تھے۔ جن سے دانستہ بچ کر وہ یہاں آ بیٹھے تھے۔

''کیا ہوا' کسی کا انتظار ہے کیا؟''

ایک قریبی دوست نے' ان کی بار بار اٹھتی نگاہ کو محسوس کر لیا تھا۔

''نہیں' کس کا انتظار کرنا ہے۔'' وہ کچھ جھینپ کر مسکرائے۔

''نگاہ تو خیر تمہاری وہیں جمی ہوئی ہے اور بڑی دیر سے جمی ہوئی ہے۔ مانو نہ یہ دوسری بات ہے۔''

وہ اپنی بات پر اصرار کئے گیا۔

قریبی دوستوں میں ایسی بے تکلفی' نارمل سا سلسلہ تھی۔

''آج کل بہت بدلے بدلے سے محسوس ہوتے ہو۔ بات کرتے کرتے ایک دم خاموش ہو جاتے ہو اور کبھی بناء بات کے ہی مسکراتے ہو۔ یہ سارے آثار اچھے نہیں ہیں۔''

سجاد نے کسی بھی بات کی مزید تردید نہیں کی۔

سچی بات تو یہ کہ انہیں تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی تھی۔ لوگ اتنے بھی بے خبر نہیں رہتے تھے۔

ان کی ٹیبل پر کچھ اور لوگ بھی آ گئے۔ تو موضوع خود بخود ہی بدل گیا۔

وہ دوستوں سے چند منٹ کی اجازت لے کر وہاں سے اٹھے تھے۔

ریسیپشن والے حصے میں' شیریں کے اصرار کے باوجود وہ ان لوگوں کے ساتھ نہیں رکے تھے۔

وہ شاید برا بھی منا گئی تھی مگر سجاد کو خود ایسا کرنا مناسب نہیں لگا تھا۔

آج شیریں کی زندگی کا اہم ترین دن تھا اور آج کا اہم ترین شخص صرف شہریار تھا۔ شیریں کو آج صرف اس کے ساتھ ہی دکھائی دینا چاہئے تھا۔ ان کی حیثیت' آج کی تقریب میں صرف مہمان کی سی تھی۔ اس بات کا انہوں نے خاص خیال رکھا تھا۔

مہمانوں کی آمد کا سلسلہ اب رکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ انہیں مایوسی سی گھیرنے لگی۔

''السلام علیکم سجاد بھائی۔''

عمر کی مانوس سی آواز پر وہ' فوراً ہی مڑے۔ ''کسے تلاش کر رہے ہیں۔ مجھے بتا دیں' میں ڈھونڈ دیتا ہوں۔''

''کسی کو بھی نہیں' بس ایسے ہی' تم لوگ کب آئے؟'' انہوں نے بات بدلی۔

''بھلا سارے زمانے پر' کیسے ان کی بے چینی کھل رہی تھی۔'' اپنی محتاط فطرت کے ہاتھوں' وہ کچھ شرمندہ ہو کر سوچنے پر مجبور ہوئے۔

''تھوڑی دیر ہو گئی ہے۔ یہ دیکھیں فرح بھی موجود ہے۔'' اس نے قریبی میز کی طرف اشارہ کیا۔

وہاں صرف فرح تھی۔

اس کا مطلب ہے کہ وہ یہاں آئی نہیں تھی۔

اور وہ اس کی آمد کا کتنا گہرا یقین لئے بیٹھے تھے۔

''تھوڑی دیر بیٹھیں ہمارے ساتھ سجاد بھائی۔''

''ہاں ضرور۔'' ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ ان لوگوں کے ساتھ وہاں جابیٹھے۔

''آج کے پورے فنکشن میں آپ سے زیادہ کوئی بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ جا کر اپنی نظر ضرور اتروا لیجیے گا۔''

فرح ان کی مستقل تعریف کر رہی تھی۔ ''اور یہ جو ہلکا سا گرے کلر بالوں میں آیا ہے۔ یقین کریں آپ پر بے حد سوٹ کرتا ہے۔''

''آج کی تقریب کے دولہا شہریار ہیں۔ سن لیں گے تو سخت جیلس ہوں گے۔ ویسے ہی بے چارے بڑی مشکل سے تو یہاں تک پہنچے ہیں۔''

عمر مسکراتے ہوئے اسے ٹوک گیا۔

سجاد کو اس گہری محبت کا دل سے احساس تھا۔ جو وہ دونوں اس سے کرتے تھے اور خود وہ بھی انہیں بے حد عزیز رکھتے تھے۔

سو صبر سے ان دونوں کے خاموش ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔

''وہ آج تم اکیلی کیسے نظر آ رہی ہو۔ تمہاری دوست نہیں ہیں ساتھ۔''

جو سوال وہ فرح کو دیکھتے ہی پوچھنا چاہتے تھے۔ اچھے خاصے منٹ گزار لینے کے بعد پوچھا۔ مگر پھر بھی پکڑ ہو ہی گئی۔

عمر بڑے معنی خیز انداز میں کھنکھارا تھا۔

''شیریں نے اسے انوائیٹ نہیں کیا سجاد بھائی۔''

فرح کو اس بات کو لے کر اتنا گلہ تھا کہ بلاتوقف یہ اطلاع گوش گزار کی۔

''اچھا۔''

انہیں بڑی سخت حیرت ہوئی۔ ''شاید بھول گئی ہو گی۔''

ایک جواز جو انہوں نے فرح سے زیادہ خود کو مطمئن کرنے کیلئے ڈھونڈا تھا۔

''جی نہیں۔ جان بوجھ کر انہوں نے اسے نظرانداز کیا ہے۔ وہ ثانیہ کو بالکل پسند نہیں کرتی ہیں۔ کئی بار اس کے ساتھ مس بی ہیو کر چکی ہیں۔''

عمر کے مستقل گھورنے کے باوجود فرح نے ایک چھوٹا سا شکایت نامہ تو ضرور ہی جاری کیا۔

اور اس کی بات اتنی غلط بھی نہیں تھی۔

سجاد کو بھی ایک آدھ بار ایسا تجربہ ہوا تھا۔

مگر اب جب وہ شہریار کے ساتھ اپنی نئی زندگی کا آغاز کرنے جا رہی تھی۔ تو پھر یہ ڈھکی چھپی کسی خفگیاں کیا معنی رکھتی تھیں۔

انہیں یہ سوچ کر ہی تکلیف کا احساس ہوا تھا کہ ایسے ہر موقعے پر خود ثانیہ نے کیسا محسوس کیا ہو گا۔

''میں تو سچی بات یہ کہ آ بھی نہیں رہی تھی۔ مگر ثانیہ نے ہی اصرار کر کے مجھے بھیجا ہے۔''

''تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔''

''وہ بھی اسی نے منع کیا تھا۔''

فرح اس وقت ثانیہ کی ساری ہدایتیں بھول کر بیٹھی ہوئی تھی اور اپنے دل میں دبا غصہ اتارنے کا' اسے کئی دن میں موقع ملا تھا۔

عمر نے خاموشی سے صرف سجاد کے چہرے کے تاثرات کو پڑھا تھا۔

اسے اپنے اندازے کی درستگی پر سو فیصد بھروسہ تھا۔ سجاد' ثانیہ میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔

''جو خول انہوں نے برسوں اپنے گرد رکھا تھا۔ اس میں دراڑ پڑ چکی تھی اور ان جیسا حساس اور اعلیٰ کردار شخص اگر ثانیہ کی قسمت میں لکھا گیا تھا۔ تو اس کی خوش قسمتی میں کیا کلام تھا؟''

پتہ نہیں کیوں' خوشی کے بجائے' اسے ہلکی ہلکی اداسی گھیرنے لگی۔

زندگی میں ایک مقام ہے جہاں چین و آرام رخصت ہوتا ہے۔ انسان ناامیدی کے بھنور میں بار بار پھنستا ہے۔ پھر بھی امید کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

یہ ایک ایسی تکلیف ہے۔ جسے خود سے الگ کرنے کو بھی دل نہیں مانتا۔ یہ خود اس کا اپنا ذاتی تجربہ تھا۔

اس کی راہ میں تو کوئی ایسی رکاوٹ آئی بھی نہیں تھی۔ اس کے سفر کا آغاز بڑی کامیابی کے ساتھ ہوا تھا۔ پھر بھی کون کہہ سکتا تھا۔ وہ خوش ہے۔

پل کے سب سے چھوٹے حصے میں اسے دیا یاد آئی۔ اس کی روکھائی' اس کے لہجے سے ٹپکتی سرد مہری۔ اگر یہ سب ایسے ہی تھا۔

تو وہ بھلا کیسے جیئے گا...

اس بار رونق محفل سے' وہ کہیں کا کہیں پہنچنے لگا۔

''آج کوئی خاص بات ہے یقیناً جو عمر بہت چپ چپ ہے۔''

سجاد وہاں سے اٹھتے ہوئے' اس کی غائب دماغی کو جتا رہے تھے۔

عمر ہلکے سے ہنس پڑا۔

''حالانکہ چپ چپ تو آپ کو ہونا چاہئے۔'' باوجود سارے احترام کے' وہ ان سے مذاق کرنے سے بھی نہیں چوکتا تھا۔

''اتنی اچھی تیاری یوں ہی بے کار جا رہی ہے۔''

''اچھا بس' زیادہ نہیں۔'' وہ واقعی آج بہت اہتمام سے تیار ہوئے تھے۔

سوٹ' شرٹ' ٹائی' شوز سب کا انتخاب بڑا سوچ کر کیا تھا۔ کپڑے حالانکہ ہمیشہ ہی اچھے پہنتے تھے۔ مگر خاص طور پر کسی کو اچھا دکھنے کیلئے انسان' شاید خود ہی کونشیئس ہونے لگتا ہے۔

سجاد بھی اسی کیفیت سے گزر رہے تھے۔

وہ وہاں سے اٹھے تو اپ سیٹ تھے۔

سامنے اسٹیج پر لوگ جمع ہونا شروع ہوئے تھے مگر ان کا جیسے اب دل اچاٹ ہو رہا تھا۔

گھنٹہ' پون گھنٹہ میں یہاں سے اٹھنے کا فیصلہ' انہوں نے واپس اپنے دوستوں کی طرف جاتے ہوئے کر لیا تھا۔

''سجاد۔''

وہ اسٹیج کے قریب سے گزرے تو انہیں شیریں کی آواز پر رکنا پڑا۔

"کہاں ہو تم، میں تمہیں کب سے ڈھونڈ رہی ہوں، یہاں اسٹیج پر آئو۔" اپنا بھاری لباس سنبھالتے ہوئے، وہ سیڑھیوں سے اترتی ان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"میں اسٹیج پر کیا کروں گا اور ویسے بھی وہاں بہت لوگ ہیں۔"

"تمہاری جگہ تو کوئی بھی نہیں لے سکتا۔ چاہے کتنے بھی لوگ آ جائیں۔" اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

اس طویل عرصے میں، جب سے وہ ایک دوسرے کو جاننا شروع ہوئے تھے۔ سجاد نے کبھی شیریں کو، اس طرح تنگ دل اور مغرور ہوتا نہیں محسوس کیا تھا۔ جتنا کہ پچھلے کچھ عرصے سے اس نے ثانیہ کے ساتھ برتائو روا رکھا ہوا تھا۔

جسے وہ جانتے تھے۔ وہ شیریں کوئی اور تھی۔

"زندگی ہر آن بدلتی ہے۔ شیریں اور کوئی بھی شخص اتنا اہم نہیں ہو سکتا کہ اس کی جگہ پر نہ ہو سکے۔" بڑی فطری سی روکھائی وہ برتنے پر مجبور ہوئے۔

شیریں نے کچھ کہنا چاہا، مگر تب ہی شہریار نے پیچھے سے آ کر، اس کا بازو تھاما۔ "کیا کرتی ہیں شیریں، سب لوگ آپ کو پوچھ رہے ہیں۔"

"ایکسکیوزمی۔" یہ اس نے سجاد کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ وہ واپس اپنے دوستوں کے ساتھ آ بیٹھے تھے۔

"اور شاید ساری زندگی ہی انہیں اس بات کا افسوس رہے گا کہ شیریں نے ان سے وہ خواہشات وابستہ کیں، جنہیں وہ کسی صورت پورا نہیں کر سکتے تھے۔"

اسٹیج پر ہوتی منگنی کی رسم پر نگاہ جمائے، وہ یہی سوچے گئے۔

کہیں بھولے سے بھی، کوئی چھوٹا سا کمزور لمحہ ان کی گرفت میں نہیں آتا تھا۔ جب خود میں ہلکا سا بھی جھکائو انہیں شیریں کی طرف محسوس ہوا ہو۔

یہ سب ایک گہری اور پر خلوص دوستی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

انہوں نے ایک بار پھر خود کو بری الذمہ قرار دینا چاہا۔ ایک بے حد روایت پسند خاندان کا فرد ہوتے ہوئے۔ ان کی زندگی میں اس طرح کی بے احتیاطی کی گنجائش کبھی بھی نہیں رہی تھی۔

اور انہوں نے خود کو ہمیشہ بے حد حقیقت پسند مانا تھا۔ دفعتاً ہی کہیں اندر کوئی ہلکے سے ہنسا۔

"اب یہ سارے اصول قاعدے۔"

"آداب عرض ہے۔"

کھنکتی مذاق اڑاتی سی آواز نے ایک یاددہانی کرائی اور غائب۔

چند لمحوں کے لئے تو وہ بالکل ہی گم صم سے رہ گئے۔ اس بار انکار ناممکن تھا۔ اپنی جس حقیقت پسندی پر وہ بجا طور ناز کرتے تھے۔ کبھی کبھی بڑی شرمندہ کرنے والی تکلیف میں مبتلا کرتی تھی۔

ثانیہ کو نہ بلائے جانے پر آخر وہ کیوں برا منا رہے تھے؟ اپنے اندر کی کشمکش سے ہی تنگ آ کر، وہ وہاں سے اٹھنے والے ابتدائی مہمانوں میں شامل تھے۔

اسٹیج پر انتشار تھا کہ شیریں اور شہریار کو خدا حافظ کہنا مشکل تھا۔ سامنے صوفے پر بیٹھی۔ شیریں کی ممی اور مسز ہاشمی سے الوداعیہ کلمات کہہ کر وہ وہاں سے نکل آئے۔

مہمانوں میں کئی ایسے تھے۔ جو عرصے سے یوں ہی ایک عمومی سا انداز' سجاد اور شیریں کی شادی کے بارے میں لگائے بیٹھے تھے۔

سجاد کو اس طرح وقت سے پہلے جاتا دیکھ کر' انہیں بڑی تسلی ہوئی تھی۔

''بے چارہ سجاد۔''

''شہریار صاحب بڑی اونچی آسامی ہیں' اب تو شیریں نے ہری جھنڈی دکھانی ہی تھی۔''

سجاد اگر سن لیتے تو انہیں صرف ہنسی ہی آتی۔

وہ گھر پہنچے تو بابا سو چکے تھے۔ جب سے وہ بیماری سے اٹھے تھے۔ تب سے سونے کیلئے جلدی لیٹنے لگے تھے۔

وقار بھائی اور سہیل بھائی کی گاڑیاں بھی وہ باہر دیکھ چکے تھے اور خیال یہی تھا کہ سب لوگ اپنے کمروں میں جا چکے ہوں گے مگر بلقیس بھابی انہیں لائونج میں ہی بیٹھی مل گئیں۔

''آپ جاگ رہی ہیں۔ سو جائیے کافی رات ہو گئی ہے۔''

اوپر اپنے کمرے کی طرف جانے سے پہلے' انہوں نے نرمی سے یاد دلایا۔

''مجھے نیند نہیں آتی سجاد۔'' ایک ٹھنڈی سانس بھر کر وہ صرف اتنا ہی بولیں۔

''لیٹیں گی تو نیند بھی آئے گی۔ اس طرح جاگ جاگ کر تو آپ اپنی طبیعت خراب کریں گی۔''

''مجھے کچھ نہیں ہوتا۔ جب فیضی کی جدائی جھیل کر زندہ ہوں تو اور کسی بات سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

ان کا لہجہ بڑا بے تاثر سا ہو رہا تھا۔

ان ڈیڑھ پونے دو سالوں میں' وہ اتنا بدل چکی تھیں کہ جس حد تک کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ساری خوش لباسی اور خاندانی مصروفیات کب کی ترک ہو چکی تھیں۔ سر کے آدھے سے زیادہ بال سفید دکھتے تھے۔ شاپنگ' ملنا ملانا' گھر کا کلی انتظام۔

رفتہ رفتہ انہوں نے ہر بات سے ہاتھ کھینچا تھا۔ غنیمت تھا کہ ان کی حالت کا اندازہ کر کے' ثمینہ نے ساری ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔

سجاد کا دل نہ چاہا کہ انہیں اس ڈپریسنگ حالت میں چھوڑ کر' اوپر چلا جائے' سو وہ چند منٹ کیلئے ان کے پاس آ بیٹھے۔

''سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ انشاءاللہ' بس تھوڑے عرصے کی بات ہے۔''

''کچھ ٹھیک نہیں ہو گا۔'' وہ بڑے عجیب سے انداز میں ہنسیں۔

''چار ماہ سے تو میں نے اس کی آواز تک نہیں سنی اور اسے دیکھے ہوئے تو... کہاں میں اسے تھوڑی دیر نہیں دیکھ پاتی تھی۔ تو لگتا تھا۔ مجھے کچھ ہو جائے گا۔ انعم کی طرف تو میں نے کبھی توجہ ہی نہیں دی۔ میری ساری محبت تو ہمیشہ فیضی کے لئے وقف رہی۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ میں نے صرف ایک ہی اولاد پالی ہے۔''

ان کی آواز میں نمی سے گھلنے لگی۔

''روئیں مت بھابی' فیضی انشاءاللہ بہت جلد واپس آ جائے گا۔ بابا کا غصہ ختم ہو جائے گا ایک نہ ایک دن۔'' ان کی تسلی کیلئے وہ کچھ اپنی زبان سے کہہ رہے تھے۔ اس کی سچائی کے بارے میں خود بھی پر یقین نہیں تھے۔

''اس گھر میں تاریخ بار بار دہرائی جاتی رہے گی۔''

بلقیس بھابی نے ان کی بات شاید سنی بھی نہیں تھی اور سجاد کو صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی دوسرے دھیان میں ہیں۔

”یہاں نہ ماؤں کی آزمائش ہی ختم ہوتی ہے اور نہ ہی بیٹوں کی خودسری ہی ختم ہونے کا نام لیتی ہے۔ تمہاری دادی آدھی عمر روتی رہیں اور اس غم کو لے کر قبر میں اتر گئیں۔ اب میری باری ہے۔ پھر ثمینہ کی آئے گی اور پھر... “

ایک ٹھٹھراتی سی کیفیت ان کے لہجے میں اتر رہی تھی۔ قالین پر نگاہ جمائے۔ وہ خود سے باتیں کر رہی تھیں۔ ایک گہرے ذہنی دباؤ کو جھیلتے ہوئے' وہ ذہنی مریض بن رہی تھیں یا بن چکی تھیں۔

سجاد نے بڑے رنج سے ان کی طرف دیکھا۔

خود وہ لوگ بھی ان کی طرف سے غفلت برت کر' مجرم ثابت ہو رہے ہیں۔ ”کاش وہ فیضی کو جلد سے جلد لا کر بلقیس بھابی کے سامنے کھڑا کر سکیں۔ بعد میں چاہے بابا کتنے بھی خفا ہوں۔“

فیضی کی طرف سے وہ خود بھی سخت پریشان تھے۔

کوشش کے باوجود اس کا صحیح ایڈریس ٹریس نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کے پرانے نمبروں پر فون ریسیو نہیں کیا جاتا تھا اور خود وہ جو انہیں اکثر ہی فون کرتا تھا۔ اب یکسر ختم کر چکا تھا۔

صاف لگ رہا تھا کہ وہ رابطے کا ہر ذریعہ' مٹا دینے کے درپے ہے۔

امید کی صرف ایک ہی کرن تھی۔ عمر کی ہونے والی سسرال۔

بابا کی سخت ترین دھمکیوں کے باوجود' انہوں نے عمر کو ایک بار پھر ان لوگوں سے فیضی کا پتہ لینے کو کہا تھا۔ مگر وہ بھی ناکام رہا تھا۔

گھر والوں نے قطعی لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور یہ کہ فیضی ان کے گھر پچھلے پورے ایک سال میں ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔

بس اتنا پتہ چلا تھا کہ وہ لوگ ابھی کراچی میں ہی رہ رہے ہیں۔

”فیضی کراچی میں ہی ہے بھابی' بس وہ ہم سے ملنا نہیں چاہ رہا ہے۔“ انہیں ان کی تسلی کیلئے نہ چاہتے ہوئے بھی بتانا پڑا۔

”کس نے بتایا تمہیں' خود دیکھا ہے تم نے اسے' سچ بتاؤ سجاد تمہیں پتہ ہے وہ کہاں ہے مجھے بتا دو۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے' مجھے ابھی لے چلو اس کے پاس۔“

ان پر ہذیانی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔

سجاد کو اپنی غلطی کا فوراً ہی احساس ہوا۔

بلقیس بھابی اس وقت جس کیفیت سے گزر رہی تھیں۔ اس میں منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی' ان کی حالت کو اور ردی کر سکتا تھا۔

اور اب وہ کسی طرح بھی یقین کرنے کو تیار نہیں تھیں کہ سجاد' فیضی کے پتے سے ناواقف ہے۔

”تمہیں پتہ ہے وہ کہاں ہے۔ جان بوجھ کر چھپا رہے ہو۔ تم سب مجھ سے بدلہ لے رہے ہو۔ میں بری ہوں اسی لئے کسی کو مجھ سے ہمدردی نہیں ہے۔“ ان کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

”آپ یقین مانیں مجھے نہیں خبر کہ وہ کہاں ہے۔ لیکن میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جلد ہی اس کا پتہ مل جائے گا۔ انشاءاللہ۔“

سجاد چاہ رہے تھے کہ وہ کس طرح بھی تھوڑی سی پر سکون ہو جائیں مگر ایسا ممکن نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ طبیعتاً دل اور ناشکری تھیں۔ دوسروں کی طرف سے ہمیشہ بد گمان۔

نہ ہی وہ کسی کو اپنا بنا سکی تھیں اور نہ ہی خود کسی کی ہو سکی تھیں۔ قسمت نے انہیں قدم قدم پر نوازا تھا اور ایک طویل ترین مدت' بناء کسی آزمائش کے گزری تھی۔

کسی بھی تکلیف کا ہلکا سا بھی تجربہ انہیں نہیں ہوا تھا۔ سو یہ اچانک ہی ٹوٹ پڑنے والی قیامت' انہیں زندہ در گو کئے دے رہی تھی۔

''تم سب جھوٹ بولتے ہو۔ وحید ٹھیک کہتا ہے کہ فیضی کو ایک سازش کے تحت یہاں سے نکالا گیا ہے تاکہ سارے کاروبار کے مالک تم اکیلے کہلاؤ۔ بابا کا بھی' وقار کا بھی اور....۔''

''بکواس بند کرو بلقیس۔''

وقار بھائی کے زور سے بولنے پر' وہ چونک کر مڑیں۔ ''کیا تماشہ ہے۔ یہ تم اگر پاگل ہو چکی ہو تو اپنا علاج کرواؤ' ہمارا سکون کیوں حرام کرنے پر تلی ہو؟''

وہ ان کی آواز پر ہی سوتے میں سے اٹھ کر باہر آئے تھے۔ ''دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ چلو اندر کمرے میں۔''

بلقیس بھابی کا بازو پکڑ کر انہوں نے انہیں وہاں سے ہٹانا چاہا' مگر وہ بمشکل ہی ہل پائیں۔

''میں کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ میرے فیضی کے پیسے پر کوئی دوسرا عیش نہیں کر سکتا۔ دیکھ لوں گی ایک ایک کو....۔''

ایک ایک کر کے کمروں کے دروازے کھلنے لگے۔ پہلے سہیل اور ثمینہ اور پھر انعم۔

بابا کا کمرہ فاصلے پر تھا اور پھر وہ لیٹتے بھی نیند کی ٹیبلیٹ لے کر تھے۔

ان تینوں بھائیوں نے ہی دل میں اس بات پر شکر کیا تھا۔

''معلوم نہیں کیا گناہ تھے میرے' جو یہ ماں' بیٹا میری قسمت میں لکھے گئے۔ اس سے تو مر جاتے' صبر آ جاتا۔''

بے دردی سے بلقیس بھابی کو کمرے میں دھکیلتے ہوئے وقار بھائی کا اپنا رونا تھا۔

''آپ تو ایسی باتیں نہ کریں وقار بھائی۔''

''عاجز آ گیا ہوں میں اپنی زندگی سے' یہ عورت ہمدردی کے قابل نہیں ہے۔ یہی حالت رہی تو اسے کسی مینٹل ہسپتال میں داخل کروانا پڑے گا۔''

اپنے کمرے میں جانے سے پہلے' وقار نے دونوں بھائیوں کی طرف سے بڑی بے بسی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اندر سے بلقیس بھابی کے چیخنے کی آوازیں ابھی بھی آ رہی تھیں۔ وہ سب لائونج میں اس طرح کھڑے تھے۔ جیسے کوئی اجتماعی جرم سرزد ہوا ہو۔

انعم کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی۔

بے آواز آنسوئوں نے اس کا سارا چہرہ گیلا کر رکھا تھا۔ گھر کا تیزی سے بگڑتا ماحول' اس سے نوعمری کی ساری بے فکری چھین رہا تھا۔

سجاد نے آگے بڑھ کر اسے اپنے کندھے سے لگایا۔ تو وہ اور بھی زیادہ رونے لگی۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بیٹا ہم سب ہیں نا' یہ وقت بھی نکل ہی جائے گا۔ تھوڑے دن صبر سے کام لو۔ انشاء اللہ اچھا ہی ہو گا۔''

سہیل' ثمینہ سب ہی اس کے رنج کو کسی بھی صورت کم کرنا چاہ رہے تھے۔

انعم کے دل کو بھی سکون سا آنے لگا تو وہ آنسو صاف کر کے ہلکے سے مسکرا دی۔

اللہ کا شکر تھا کہ بلقیس بھابی کے بچے ان سے یکسر مختلف تھے۔

خود سے بندھے رشتوں کی محبت اور قدر کرنے والے' فیضی بھی چاہے کتنی خود سری دکھا گیا تھا مگر ان سب سے آج بھی وہ اتنی ہی گہری محبت کرتا ہو گا۔

سجاد کو پورا یقین تھا۔

سہیل کے اشارے پر ثمینہ' انعم کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

''تم بھی جا کر آرام کرو۔ بلقیس بھابی کی باتوں کا اثر مت لیا کرو۔ ہمیں وقار بھائی کی خاطر یہ سب برداشت کرنا ہے۔''

نرمی سے سجاد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے۔ سہیل نے کہا تو وہ بھی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

اپنے کمرے کی طرف مڑنے سے پہلے سجاد نے نیچے لاؤنج میں دیکھا تو سہیل ابھی بھی وہیں کھڑے تھے۔ کسی گہری سوچ میں گم۔

سجاد کو اب اکثر ہی اس بات کا احساس ہوتا تھا کہ اس کے دونوں بڑے بھائی' رفتہ رفتہ بابا جیسے ہوتے جا رہے ہیں۔

بالکل ان جیسے نہ سہی' مگر ایک دوسرے کی محبت اور خاندان کو جوڑے رکھنے کی خواہش ان کو بابا سے ہی ملی تھی اور آج کے نفسا نفسی والے دور میں' یہ کیسی خوش کن بات تھی۔

اس پریشانی بھرے وقت میں بھی' سجاد کو یہ سوچ کر طمانیت کا گہرا احساس ہوا۔

...☆☆☆...

امی کے کچن گارڈن میں سردیوں کی سبزی اب اپنے خاتمے پر تھی۔

دیا کا اصرار تھا کہ اس سال گرمی میں لوکی' توری کی فصل ہر گز بھی نہیں اگنی چاہئے۔

کھانے پینے سے اسے کوئی خاص شغف تو نہیں تھا۔ مگر پھر بھی ایک چھ ماہی تکرار کا سلسلہ' وہ کئی سال سے جاری رکھے ہوئے تھی۔

کبھی کبھی امی اس کی بات مان کر' موسمی پھولوں کیلئے زیادہ جگہ مخصوص کر دیتی تھیں۔ مگر سبزیوں کی فصل میں وہ برکت تھی کہ آہستہ آہستہ وہ خود ہی ہر جگہ قابض ہوتی چلی جاتی۔ خاص طور پر پالک اور توری اتنی وافر مقدار میں ہوتے کہ بار بار پڑوس میں بھجوانے پڑتے۔

خیر سگالی کا یہ ''ہرا بھرا'' مظاہرہ بھی دیا کو بڑا توہین آمیز لگتا۔

''کیا کہتے ہوں گے محلے والے کہ ان بے چاروں کو اور کچھ توفیق نہیں ہے تو گھر میں لگی سبزیاں ہی بھجوا دیتے ہیں۔''

امی اور نازی' مٹر چھیل رہی تھیں۔ جب وہ پاس بیٹھی مستقل تنقید کئے جا رہی تھی۔

نازی کو اس کی ان باتوں پر' اب برا نہیں لگتا تھا دیا سخت تضاد کا شکار تھی۔

ایک طرف خود اپنے آپ پر مغرور۔

اور دوسری طرف اپنے مڈل کلاس رہن سہن پر شرمندہ۔

اس کی شخصیت میں ایک عجیب سا کنفیوژن بس گیا تھا۔ جو اس کی باتوں سے بھی صاف ظاہر ہوتا تھا۔ سو جتنا نظر انداز کیا جاسکتا' بہتر تھا۔ امی کے ساتھ ذرا مختلف معاملہ تھا۔

اپنی سب سے لاڈلی' راج دلاری بیٹی کے ساتھ ان کا اختلاف' اسی ایک پوائنٹ پر آکر ہوتا تھا۔ انہیں اپنے اس دیرینہ شوق کی توہین کسی طرح بھی منظور نہیں ہوتی تھی۔ جس نے شوق کے ساتھ دس ضرورتوں کو بھی پورا کیا تھا۔

''سبزی کتنی مہنگی ہے آج کل' تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے جتنی باسکٹ بھر کر ہم پڑوس میں بھیج دیتے ہیں۔ بازار سے خریدیں تو تین چار سو سے کسی طرح بھی کم کی نہیں ہو گی۔''

''تو اتنی سبزیاں کھاتا ہی کون ہے اور آپ کیا سمجھتی ہیں۔ لوگ بڑے شوق سے وہ سبزیاں پکا کر کھاتے ہوں گے۔ ساری اٹھا کر کام والیوں کو پکڑا دیتے ہوں گے۔ آپ بے کار میں ہی یہ سارا بکھیڑا پھیلائے رکھتی ہیں۔''

امی کا چہرہ بجھ سا گیا۔

''چلو کسی کے بھی کام آجائے۔ چیز بے کار تو نہیں گئی۔''

''بہر حال اب اس سلسلے کو اسٹاپ کر دیں۔ اس روز وہ جو آئی تھیں ہمارے ابا کی فیورٹ۔''

دیا معمول سے زیادہ جلی بھنی تھی۔

نازی کی اس کے اندر پر بے ساختہ ہی ہنسی نکل گئی۔

دیا کا اشارہ عمر کی نانی کی طرف تھا۔

''اصل قدر دان تو وہ ہیں ان سب کی' کبھی مجھے دیکھ کر بھی اتنا خوش نہیں ہوتیں۔ جتنا گاجر مولی دیکھ کر ہو رہی تھیں۔ مجال ہے جو کوئی اور بات کی ہو سوائے اس کے۔''

''تم ان کے پاس بیٹھتی ہی کتنی دیر ہو جو ان کی باتیں سنو' ورنہ ان کی باتیں تو بڑی دلچسپ ہوتی ہیں۔'' نازی نے موقعہ پا کر اسے سمجھانا چاہا۔

''مجھ سے تو خیر کوئی توقع نہ کرے کہ میں ان کی جی حضوری کروں گی۔ مجھے تو سوچ سوچ کر وحشت ہو رہی ہے۔''

آگے زیر لب اس نے کیا کہا۔

امی اور نازی دونوں ہی نہیں سن سکیں۔

دیا کی شادی اب بالکل قریب آرہی تھی۔ نانی کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے رسمی طور پر تاریخ رکھنے کی گیدرنگ نہیں ہو پا رہی تھی۔ مگر باہمی طور پر یہ طے ہو چکا تھا۔ اگلے تین ماہ بعد شادی کی یہ تقریب سعید انشاءاللہ انجام پا جائے گی۔

''ان لوگوں کا اب کس دن آنے کا پروگرام ہے امی؟'' نازی نے دانستہ دیا کی بات کو نظر انداز کر کے موضوع کو بدلا۔

''اسی اتوار کو آئیں گے۔'' امی نے ایک گہری سانس لی۔ اب ایک' دو دن سے انہوں نے عمر اور نانی پر تنقید کم کر دی تھی۔

لگتا تھا جیسے وہ ذہنی طور پر اب اس رشتے کیلئے تیار ہوتی جا رہی ہیں۔ نینی کی تباہ حالی نے انہیں اندر سے بہت کمزور کر دیا تھا اور نئے محاذ کھولنے کی ہمت اب وہ خود میں شاید نہیں پا رہی تھیں۔ جو بھی تھا اچھا ہی تھا۔

نازی کو پورا یقین تھا کہ ایک بار یہ رشتہ بخیریت انجام کو پہنچ جائے تو اس کے بعد کئی اچھی باتیں خود بخود زندگی میں وقوع پذیر ہو جائیں گی۔

اسے پورا یقین تھا کہ عمر کی محبت دیا کو سرتاپا بدل دے گی۔ پھر شاید وہ اپنی اس موجودہ کیفیت پر صرف شرمندہ ہی ہو گی۔

''ایک تو میری یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس طرح جلدی کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ ابا بھی لے کر میرے ہی پیچھے پڑ گئے ہیں۔'' دیا جتنی دیر اپنے کمرے سے باہر ہوتی۔ کوئی نہ کوئی بات لے کر بڑبڑ کرنا اس کی عادت تھی۔ پہلے نینی تھی۔ جو اس کی ہر بات کا جواب دینا اور بات بات پر ٹوکنا' اپنا فرض سمجھتی۔

اب امی اور نازی ہی ہوتے تھے۔

سو بحث تکرار کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

دیا کو بڑی کوفت ہوتی تھی۔ دل کی بھڑاس پوری طرح نکلنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ اس موقع پر نینی اور فیضان بھی ہوں تو اچھا رہے گا۔'' امی نازی سے مشورہ کر رہی تھیں مگر اس کے کچھ بھی کہنے سے پہلے' دیا بری طرح بگڑ گئی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔ عمر ملازم ہے فیضان کے دادا کے پاس اب جناب یہ رشتے داری قائم ہو رہی ہے۔ کتنا برا سا لگے گا۔ مجھے تو سوچ کر بھی شرمندگی ہوتی ہے۔''

اس کی اپنی منطق تھی۔

نازی کا ہاتھ بے ساختہ ہی پیشانی کی طرف گیا۔

''خاطر جمع رکھو' وہ لوگ آئیں گے بھی نہیں۔ اس روز بات تک کرنے کیلئے تو وہ رکا نہیں ہم سے' نینی کو دس بار فون کرو۔ تو وہ ایک بار بات کرنے کے لئے آتی ہے۔ پھر یہاں تک آنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا ہے۔''

اندر فون بج رہا تھا۔

نازی کو اپنی بات روکنی پڑی۔ ''جا کر دیکھ لو۔ کس کا فون ہے۔'' اس نے سیڑھیوں پر بیٹھی دیا سے کہا۔

''میں نہیں جا رہی' نانی ہوئیں تو گھنٹہ بھر بھی جان نہیں چھوڑیں گی'' اس نے بے اعتنائی سے کورا جواب دیا اور قریب رکھے پودے میں پتیاں توڑنے کا عمل جاری رکھا۔

''وہیں ہوں گی۔ میں خود دیکھ لیتی ہوں۔'' حیرت انگیز طور امی خود اٹھ کھڑی ہوئیں اور تیز تیز قدموں سے اندر کی طرف چلی گئیں۔

نازی کو بڑا اچھا سا لگا۔

امی کے روّیہ کی ہلکی سی تبدیلی بھی' اس ساری گمبھیر تا کو کم کرنے میں بڑی معاون ثابت ہو رہی تھی۔

دیا کی شادی کو لے کر اب وہ بہت خوش نا سہی' ایسی ناخوشی کا اظہار بھی نہیں کر رہی تھیں۔ جیسے کہ پچھلے کئی ماہ سے ان کا روّیہ تھا۔

تھوڑی سی ہی مٹر چھلنے سے باقی رہ گئی تھی۔ نازی کے ہاتھ تیز تیز چلنے لگے۔

تھوڑی سی کاپیاں چیک ہونے کیلئے رکھی تھیں۔ خیال تھا کہ مغرب سے پہلے انہیں بھی نمٹادے۔ اس کے بعد رات کے کھانے کی تیاری اور دوسرے چھوٹے چھوٹے کام منتظر رہتے تھے۔

سر جھکائے اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ کب دیا اس کے پاس آکر بیٹھی ہے۔

''نازی آپا۔''

''ہوں۔'' کچھ چونک کر اس نے سر اٹھا کر دیا کی طرف دیکھا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ میں وہاں خوش رہ سکوں گی۔ یہ شادی نہیں چل سکے گی۔''

بناء کسی تمہید کے اس کی وہی کسی بھی رعایت سے عاری بات کرنے کی عادت۔ نازی کا ہاتھ کام کرتے کرتے رکا۔

''میں آپ سے بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ بعد میں خرابی پڑنے سے بہتر ہے کہ یہ ابھی ختم...''

''چپ رہو' خاموش بس۔''

نازی کے قدرے زور سے بولنے پر وہ خاموش تو ہو گئی۔ مگر چہرے پر پھیلی ناگواری باقی تھی۔

''اندازہ ہے تمہیں کہ سب لوگ کتنے پریشان ہیں۔ پچھلے دو سالوں سے' ایک کے بعد ایک مسئلہ کھڑا ہے۔ اب ایک خوشی کا موقع اللہ دے رہا ہے تو اسے بھی تم ملیامیٹ کرنے پر تل رہی ہو۔''

''میں مسئلہ کھڑا نہیں کر رہی' مسئلہ کھڑا ہونے سے پہلے ہی ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میری شادی عمر سے ہو گئی تو میرا حال نینی سے بھی زیادہ خراب ہونے والا ہے۔''

''خدا نہ کرے۔''

اس کی پیشنگوئی دل ہلا دینے والی تھی۔

''دیکھ لیجئے گا ایسا ہی ہو گا۔ نینی تو اپنے حالات کی خرابی اس لئے برداشت کر رہی ہے کہ بہر حال اسے فیضان سے محبت ہے۔ لیکن میرے ساتھ تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ جو مجھے وہاں روک سکے گا۔ مجھے عمر سے کوئی ہلکا سا بھی لگاؤ محسوس نہیں ہوتا ہے نازی آپا' میں کیا کروں۔''

وہ بڑی بے بس سی ہو کر' نازی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی اچھی اور بری عادت' حیرت انگیز طور پر ایک ہی تھی۔

جو کچھ بھی اس کے دل میں ہوتا۔ وہ اسے زبان پر لانے سے کبھی بھی نہیں ہچکچاتی تھی۔ کسی کے بھی جذبات واحساسات کی پرواکئے بغیر۔

''اور اگر یہ عادت بعد میں بھی برقرار رہی اور جس کا پورا پورا امکان موجود تھا۔ تو پھر کیا بننا تھا۔''

نازی کو لگا کہ دیا کا خود اپنے بارے میں تجزیہ بڑی حد تک ٹھیک ہی ہے۔ اس کی زبان اور روّیہ کسی اچھے سے اچھے معاملے کو بھی' بہت آسانی سے بگاڑ سکتے تھے۔

''اپنے آپ کو سمجھاؤ دیا۔ جیسے بھی ممکن ہو تمہیں ایک بہت اچھا شخص مل رہا ہے۔ اگر تم اس سے محبت نہیں کر سکتیں تو کم از کم اس کی عزت ہی کر لینا۔ تمہاری زندگی بہت آرام سے گزر جائے گی۔''

نازی نے بہت سنجیدگی سے دیا کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ یوں ہی بے تاثر سا چہرہ لیے بیٹھی رہی۔

''آرام سے تو میں یہاں بھی رہ رہی ہوں نازی آپا۔ مگر شادی شدہ زندگی اس طرح کے تکلیف دہ سمجھوتوں سے نہیں چل سکتی اور جو لوگ چلاتے ہیں۔ وہ بڑی بے ایمانی کرتے ہیں۔ زمانے کے ساتھ بھی اور اس سے کہیں زیادہ خود اپنے

ساتھ۔ اس رشتے میں تھوڑا سا محبت کا عنصر ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ اس سے زیادہ بدشکل اور تکلیف دہ رشتہ کوئی بھی نہیں ہے۔"

نازی کو پہلی بار ایسا لگا کہ جیسے دیا کو سمجھنے میں اب تک کہیں نہ کہیں بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔

وہ محض خودسر' مغرور اور سرد مہر نہیں ہے۔

زندگی سے جڑی اس کی اپنی ایک واضح سوچ ہے اور جو ایمانداری کی بات ہے۔ اتنی غلط بھی نہیں۔

اگر وہ تھوڑی سی رعایت دے کر سامنے والے کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرے گی تو یقیناً اس مولڈ ہونے کی صلاحیت بھی ہو گی۔ یہی سوچ کر وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

"تو محبت تو ہے نا' تم نہ سہی عمر تو کرتا ہے تم سے' دیکھنا کتنا خوش رہو گی اس کے ساتھ' وہ تمہیں بہت چاہتا ہے دیا' اس بات کو تو تم مانو گی نا۔"

اس بار وہ خاموش رہی۔

عمر کی دیوانگی سے انکار ممکن نہیں تھا۔

"اور اتنی محبت جب تم پاؤ گی تو خود بخود اس کی محبت میں گرفتار ہو جاؤ گی۔ میرا یقین کرو۔"

چند لمحوں کیلئے بڑی بوجھل سی خاموشی ان دونوں کے درمیان آئی۔

دیا کا سر جھکا ہوا تھا۔

نازی کو اس کے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آرہے تھے۔

"نازی آپا۔" آخر اس نے دھیرے سے سر اٹھایا۔

"میں اپنے حصے کی محبت کر چکی ہوں اور اب چاہوں بھی تو کسی اور سے..." اس کی آواز ڈوب رہی تھی۔

اور یہ آدھی ادھوری بات جتنی تکلیف پہنچا سکتی تھی۔ پہنچا چکی تھی۔

"ایسے نہیں سوچتے دیا' زندگی میں لوگ آتے جاتے ہیں' اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم خود پر کسی ایک کے نہ ہونے سے ساری خوشیاں حرام کریں۔ تمہارے سامنے اپنی زندگی ہے۔ جس میں ڈھیر ساری خوشیاں تمہاری منتظر ہیں۔"

نازی نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔

دیا کا ہاتھ بالکل سرد تھا۔

اس کی خاموشی سے نازی کو یہ گمان گزرا کہ وہ اس کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"اور تمہیں تو ویسے بھی مسعود پر ثابت کر دینا چاہئے کہ تم ایسی گری پڑی نہیں ہو۔ ایک خوش باش زندگی گزار رہی ہو۔"

"میں اس پر کچھ ثابت نہیں کر سکتی اور نہ ہی کرنا چاہتی ہوں۔" دیا نے ہلکے سے اپنا ہاتھ نازی کے ہاتھ سے نکالا۔

نازی کی چھوٹی موٹی تقریر کے جواب میں اس کے الفاظ اور لہجے دونوں کی ہٹ دھرمی برقرار تھی۔

نازی جیسی ٹھنڈے مزاج کی لڑکی بھی ایک بار تو اپنا ضبط کھونے ہی لگی۔

''نہیں کر سکتیں تو نہ کرو۔ مگر ہمارے لئے اور پریشانیاں مت کھڑی کرو اور ایک بات اچھی طرح سمجھ لو دیا' اب کوئی الٹی سیدھی بات تم نے منہ سے نکالی تو ابا برداشت نہیں کر سکیں گے۔ نینی پہلے ہی بہت تکلیف پہنچا چکی ہے۔ انہیں اور خدانہ کرے کچھ ہو گیا تو...۔''

دیا ایک جھٹکے سے اٹھی اور بنا کچھ مزید کہے تیز قدموں سے اندر چلی گئی۔ یہ اس کا مخصوص انداز تھا۔ جب کبھی اس پر کسی بات کیلئے زور دیا جاتا دوسرے سے واک آئوٹ کر جاتی۔

امی فون سن کر واپس آ رہی تھیں۔ انہوں نے بھی دیا کو جاتے ہوئے دیکھا۔

''کیا ہوا۔ کچھ زیادہ غصے میں تھی دیا۔'' انہوں نے پاس آتے ہوئے نازی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں امی' بس ایسے ہی۔''

اس نے دانستہ انہیں ٹالا۔ مٹر ساری چھل چکی تھی۔ ادھر ادھر گرے چھلکوں کو بھی اس نے واپس سبزی کی ٹوکری میں ڈالا۔

انہوں نے اپنی بات پر اصرار بھی نہیں کیا۔ بلکہ فون کی بابت بتانے لگیں۔

''عمر کی نانی تھیں۔ ابھی تمہارے ابا ہوتے تو گھنٹہ بھر خوشی خوشی باتیں کئے جاتے۔ میں نے تو دس پندرہ منٹ میں انہیں نمٹا دیا۔''

''ان کی خوشی کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ بے چاری وہی شیئر کرنے کیلئے بار بار فون کرتی ہیں۔'' نازی ہلکے سے مسکرائی۔

''میں نے تو عمر سے صاف بات کی ہے۔ شادی بے شک اس گھر سے کرے۔ لیکن فوراً بعد اسے کوئی اچھا سا گھر لینا ہو گا۔ میری دیا کے شایان شان چاہے فلیٹ ہی ہو۔ مگر بہت اچھا سا۔''

''آپ۔ آپ نے کب یہ بات کی عمر سے؟'' نازی کو بڑی فطری سی حیرت ہوئی۔

''ابھی دو دن پہلے صبح کے وقت' جب کوئی بھی گھر پر نہیں تھا۔ میں نے تفصیل سے اسے اپنی ڈیمانڈ سمجھا دی۔ کم از کم اتنا حق تو ہم رکھتے ہیں کہ اپنی کوئی ایک بات تو منوالیں۔'' امی بہت اطمینان کے ساتھ تفصیل بتا رہی تھیں۔ ''اور دیکھ لو' ایک لفظ جو اس نے آگے سے کہا ہو۔ الٹا میرا شکریہ ادا کرنے لگا کہ میں نے اسے اپنا سمجھ کر اپنے دل کی بات کر لی۔ اب وہ گھر تو شادی سے پہلے ہی لے لے گا اور بعد میں ایک مہینہ اس ''رحمت منزل'' میں رہنے کے بعد' وہ وہاں شفٹ ہو جائے گا۔ کہہ رہا تھا کہ وہاں سب پرانے ملنے والے ہیں۔ شادی وہاں سے نہ کی تو سب کا دل برا ہو گا۔ میں نے بھی کہہ دیا کوئی بات نہیں۔ اب ہم ایسے کوئی سخت دل تو ہیں نہیں۔''

نازی چپ چاپ یہ ساری تفصیل سنے گئی۔ ایک بار بھی بیچ میں نہیں بولی۔

''اب جو قسمت میں لکھا تھا۔ ہونے ہی جا رہا ہے تو اتنی سی بات ہماری بھی پوری ہو جائے۔''

''آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا امی۔'' ایک گہری سانس لیتے ہوئے۔ نازی نے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑنا چاہا۔

امی میں آئی ہلکی سی تبدیلی کی ''بنیادی وجہ'' اس کے علم میں آ چکی تھی۔

''ابا کو پتہ چلا تو بہت برا منائیں گے۔ انہوں نے میرے سامنے خود نانی سے کہا تھا کہ ان لوگوں کو گھر بدلنے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔ دیا وہاں ہنسی خوشی رہ سکتی ہے۔''

"کہنے دو انہیں۔ عمر نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ سب کچھ خود اپنے اوپر لے لے گا۔ سب کو یہی تاثر ملے گا کہ گھر کی تبدیلی خود عمر کا اپنا فیصلہ ہے۔ بلکہ وہ تو یہ تک کہہ رہا تھا کہ مجھے ساتھ لے جا کر گھر پسند کروادے گا۔ مگر مجھ کچھ مناسب نہیں لگا تو میں نے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔"

"شکر ہے۔" نازی زیر لب بڑبڑائی۔ امی نے اس کی طرف دیکھا نہیں تھا۔ ورنہ ضرور ہی پوچھتیں کہ اس نے کیا کہا ہے۔

"عمر پر اچھا امپریشن نہیں پڑا ہوا امی' آپ کو ابھی اس سے ایسی بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔" نازی کو حقیقتاً افسوس ہوا تھا۔ سوچ کر ہی شرمندگی ہو رہی تھی۔ "میں نے جو بھی کیا۔ سوچ کر کیا ہے اور بس اب تم کسی سے بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا۔" انہوں نے اٹھنے سے پہلے تاکید کی۔

ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر وہ بھی ان کے ساتھ ہی اٹھ گئی۔

اب کیا بھی کیا جا سکتا تھا۔

جو کچھ بھی امی نے عمر سے کہا تھا۔ اب واپس نہیں لوٹایا جا سکتا تھا۔ پھر بھی بعد میں وہ کبھی ضرور اس بات پر معذرت کرنا چاہے گی۔

اپنے بچے ہوئے کام نمٹاتے ہوئے اس کا ذہن وہیں الجھا رہا۔

"اور کیا پتہ' امی کا اسی بہانے بہتر ہوا موڈ ہی دیا کی شادی بخیر وخوبی انجام پانے کا سبب بن جائے۔"

اس سارے کنفیوژن میں یہی ایک اچھی امید بندھ رہی تھی۔

...☆☆☆...

ثانیہ نے جب سے ممانی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اماں کو لے کر یہاں سے شفٹ کر جائے گی۔ مستقل اسی فکر میں تھی۔

پہلا مرحلہ جمیل ماموں کو منانے کا تھا اور دوسرا گھر کی دستیابی کا۔

"رحمت منزل" میں ابھی بھی فلیٹ خالی تھے اور خود سجاد بھی اسے ایک سے زائد بار کہہ چکے تھے کہ وہ بخوشی یہاں شفٹ ہو سکتی ہے۔

ایک وقت تھا۔ جب وہ ایسا کرنے کیلئے آرزومند بھی تھی۔ مگر اب نہیں۔

"کیوں' اپنے دل کے چور سے ڈرتی ہو؟" فرح نے بہت سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"بے کار کی باتیں مت کرو فرح۔ ضروری نہیں کہ ہر بات کی وجہ بھی ہو۔" اسے اپنے چہرے پر تپش سی پھیلتی محسوس ہوئی۔

"جو بات اس وقت ہم کر رہے ہیں۔ اس کی ایک سے زائد وجوہات ہیں اور ان میں سب سے اہم یہ کہ اس اتنے بڑے شہر میں فی الحال "رحمت منزل" کے علاوہ دوسری کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ہے۔ جہاں تم اور اماں اکیلی رہ سکو۔ البتہ مستقبل میں تم کسی محل سرا میں بھی مقیم ہو سکتی ہو۔ مستقل طور پر۔"

"تم بس۔"

ثانیہ نے جھنجلا کر تھوڑا سا رخ بدلا۔ کبھی کبھی فرح زِچ کرنے پر تل جاتی تھی۔ تو اس پر کوئی بات اثر کرنے والی نہیں تھی۔

''میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔اس روز شیریں کی انگیجمنٹ پر سجاد بھائی جس طرح تمہارے منتظر تھے۔'وہ نظر انداز کرنے والی بات نہیں تھی۔''

''بہت ہو گیا فرح۔''ثانیہ نے بے ساختہ ہی ایک ہاتھ ماتھے پر رکھا۔

جب سے وہ شیریں کی تقریب اٹینڈ کر کے واپس آئی تھی۔یہ قصہ کتنی ہی بار سنا چکی تھی۔ثانیہ کو پہلے شرمندگی ہوئی۔ پھر حیرت نے گھیرا اور اب اسے اس بات کو سن کر غصہ آرہا تھا۔

اگلا اسٹیج یقیناً رنج کا تھا۔

مگر وہ اس سے پہلے ہی' اس ڈسٹرب کرنے والے موضوع کو بند کر دینا چاہتی تھی۔

''کسی بات کی بھی حد ہوتی ہے۔میرا مذاق اڑانے کے لئے تم نے اس ایک بات کو پکڑ لیا ہے۔''

فرح کو لگا کہ وہ بہت سخت ناراض ہونے جا رہی ہے۔

''کون بدبخت تمہارا مذاق اڑا سکتا ہے۔میں نے وہی کہا جو سچ ہے اور تم کتنا بھی برا مانو' مانتی رہو۔''

فرح نے لاپروائی سے کندھوں کو ہلکی سے جنبش دی۔وہ دونوں اپنا کام ختم کر کے' فارغ ہو چکی تھیں اور اب باہر ویٹنگ ایریا میں بچھی کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔

''میرا تمہارے علاوہ ہے ہی کون فرح۔اب تک تمہارا ہاتھ پکڑ کر ہی چل رہی ہوں۔فرح یہ جاب بھی محض تمہاری مہربانی سے ہی ملی ہے۔میرے اوپر کتنے احسان ہیں تمہارے۔''

ثانیہ نے بمشکل خود کو کمپوز کیا۔

فرح جیسی دوست کے احسانوں کی فہرست طویل تھی اور اس کی محبت ان تمام احسانوں سے بھی کئی گنا بھاری' اس سے خفا ہونا بھی آسان نہیں تھا۔

ثانیہ نے خاموشی سے باہر کی طرف دکھتے منظر پر نگاہ جمائے رکھی۔

''فضول باتیں تم سے جتنی چاہو کرالو۔'' فرح کو احسانات کی گردان ہمیشہ تکلیف پہنچاتی تھی۔''لیکن خود سوچو' تم اکیلی اور کہاں رہ سکتی ہو۔وہاں تو ہم سب ہیں۔بالکل بے فکری ہوگی۔چلو اگر تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگتی تو میں یہ ذکر کوشش کروں گی کہ کم سے کم کروں۔''

''میں سوچ رہی ہوں کہ وہیں ماموں کے قریب ہی کوئی دو کمرے کا پورشن مل جائے تو۔''ثانیہ نے جو کچھ اس کے دل میں تھا۔ڈسکس کرنا چاہا۔''بینا باجی کے گھر میں بھی اوپر کا پورشن خالی ہے۔ان سے بات کر کے دیکھتی ہوں۔''

حالانکہ اس پروگرام پر عمل کرنے کا سوچ کر ہی وحید کا خیال خوفزدہ کرتا تھا۔پر اب اس طرح ڈر ڈر کر خود کو مسلسل پریشانی میں مبتلا رکھنے کی عادت کو بھی وہ یکسر ختم کرنا چاہتی تھی اور شکر تھا کہ اس نے بینا کے ہاں ہونے والے اس چھوٹے سے ٹکراؤ کا فرح سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

اس وقت اسے سکون سا ہوا۔

''جیسے تمہاری مرضی' لیکن مجھے صرف کوئی ایک وجہ بتا دو جو تم ''رحمت منزل''آنے سے گریزاں ہو۔'' فرح بے حد سنجیدہ ہو چکی تھی اور جب وہ سنجیدہ ہوتی تو اس سے بات کرنی اور بھی زیادہ مشکل ہونے لگتی۔

ثانیہ خاموش ہی رہی۔بودے اور فضول جواز کی آڑ لے کر فرح کو نہیں ٹالا جا سکتا تھا۔

''پھر مجھے وہی بات کہنی پڑ رہی ہے جو تمہیں سب سے زیادہ بری لگ رہی ہے آج کل۔'' فرح کی سنجیدگی برقرار تھی۔

''میں کسی کا احسان لینا نہیں چاہتی ہوں فرح' تمہاری بات دوسری ہے اور اگر تمہاری بات میں تھوڑی سی بھی سچائی ہے تو پھر مجھے یہاں کی جاب بھی چھوڑنی پڑے گی۔''

اس بار ثانیہ کا لہجہ مضبوط تھا۔

سامنے اسٹاف کو لے جانے والی گاڑی میں لوگ بیٹھنا شروع ہو چکے تھے۔ثانیہ بھی اسی سے گھر جاتی تھی۔سو اپنی بات کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''خدا حافظ۔''

فرح کو آج' ابھی تھوڑی دیر اور رکنا تھا۔اس کی گاڑی میں کچھ خرابی ہو رہی تھی۔سو اسے عمر کے فارغ ہونے کا انتظار کرنا تھا۔

وہ اپنی جگہ پر بیٹھی چپ چاپ ثانیہ کو دیکھے گئی۔تب ہی اس نے پارکنگ ایریا سے نکلتے ہوئے سجاد کو اس کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔

...☆☆☆...

مانوس سی آواز پر وہ بے ساختہ ہی چونکی' تھوڑے سے ہی فاصلے پر سجاد موجود تھے

''معاف کیجئے گا' آپ کو رکنا پڑا''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''کوئی بات نہیں سر۔'' ان کی شائستگی اسے اچھی لگتی تھی۔مگر کبھی کبھی دل چاہتا تھا کہ وہ جس طرح فرح سے بے تکلفی سے ''تم'' کہہ کر بات کرتے ہیں۔ویسے ہی اس سے بھی کیا کریں۔

اس وقت جب کہ آفس کے تقریباً سب لوگ فارغ ہو کر جانے کی تیاریوں میں تھے۔وہ کہیں سے دوبارہ واپس آئے تھے۔فرح ساتھ ہوتی تو فوراً ہی پوچھ لیتی۔

''مجھے کچھ بات کرنی تھی۔اگر آپ کو دیر نہ ہو رہی ہو تو....''

ثانیہ نے مڑ کر اسٹاف وین کی طرف دیکھا۔

وہ ابھی خالی ہی تھی۔لوگ فارغ ہو کر یہاں تک آنے میں' آدھا گھنٹہ تو لگا ہی دیا کرتے تھے۔

''نہیں سر آپ کہیے۔''

ویسے بھی وہ ان کے ہاں ملازمت کر رہی تھی اور ان کی بات سننے کیلیئے رکنا اس کا فرض بنتا تھا۔اس نے خود کو یاد دہانی کرانا بھی ضروری سمجھا۔

''اصل میں مجھے آپ سے معذرت کرنا تھی۔'' وہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اندر ہی اندر چاہے وہ ان کے سامنے کتنی بھی کنفیوژ کیوں نہ ہو۔بظاہر تھوڑی سی پر اعتماد ضرور نظر آتی تھی۔یہ مالک اور ملازم والی تھیوری اس سلسلے میں بڑی کام آتی تھی۔

''کیسی معذرت سر؟'' وہ واقعی حیران ہوئی تھی۔

''اصل میں غلطی میری ہی ہے۔'' غیر محسوس سے انداز میں وہ لوگ چلتے ہوئے چند قدم آگے جا چکے تھے۔

''شیریں نے تو مجھے کہا بھی تھا کہ میں خود سب دوستوں کو کارڈ دے دوں مگر میں نے کوئی ایسی ضرورت نہیں سمجھی۔ مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ وہ آپ کو مدعو کرنا بھول جائے گی۔''

وہ بڑے معذرت خواہانہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

''سوری سر۔''۔

بائل پام کے ہرے بھرے جھنڈ کے پاس وہ بے ساختہ ہی رکی۔ ''آپ کو اس سلسلے میں کسی قسم کی معذرت کی ضرورت نہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔''

سجاد نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ جہاں ہلکی سی سرخی چھا رہی تھی۔

''میرے لئے تو ہے۔ میں تو جب سے یہی سوچ کر شرمندہ ہو رہا ہوں کہ شیریں کی ایسی غلطی سے آپ ہرٹ ہوئیں۔''

سجاد کے لہجے میں وہی نرمی' وہی پروا تھی۔ جو خوش فہمی میں مبتلا کرتی تھی اور جس کے بارے میں وہ بمشکل خود کو باور کرا پائی تھی کہ ان کا یہ انداز ہر اس شخص کیلئے یکساں ہے۔ جس سے ان کا تھوڑا سا تعلق بنتا ہے۔

''مس شیریں کیسے غلطی کر سکتی ہیں۔ ظاہر ہے میں کسی طرح بھی ان کے دوستوں کیا' ملنے والوں کی لسٹ میں بھی شامل نہیں ہوں۔ تو پھر تو بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔''

اس کا لہجہ بالکل سادہ تھا۔

خاموشی کا ایک پل ان دونوں کے بیچ آپڑا۔ وہ تھوڑا سا مڑ کر پام کے گہرے ہرے پتوں پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔

''لیکن میں تو آپ کو اپنے دوستوں میں شامل سمجھتا ہوں اور مجھے آپ کے وہاں نہ ہونے سے تکلیف بھی ہوئی ہے۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

''آپ تو سب ہی کے دوست ہیں۔'' مسکراتے ہوئے پلٹ کر اس نے ان کی طرف دیکھا۔ ''سارا اسٹاف آپ کے گن گاتا ہے۔''

''اور آپ؟''

انہوں نے کچھ جاننا چاہا۔ مگر وہ کسی بات میں معنی خیز تلاش نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ابھی اس نے فرح سے بھی یہی کہا تھا۔

''میں بھی سب کے ساتھ ہی ہوں۔ اب یہی آپ کی اچھائی نہیں تو کیا ہے کہ آپ مجھ سے ایک ایسی بات کے لئے معذرت کر رہے ہیں۔ جس کی ذرا بھی تو اہمیت نہیں ہے۔''

اس بار وہ بڑی خوش دلی سے ہنسی تھی۔ اگر انسان خود کو خوش فہمیوں کے جال سے پرے ہی رکھے تو پھر کسی کے بھی ساتھ بات کرنا آسان ہونے لگتا ہے۔ وہ آج کل بڑی سمجھداری سے سوچنے کی پریکٹس کر رہی تھی۔

''چلیں مجھے یہ تو تسلی ملی کہ میرے بارے میں آپ کی رائے بری نہیں۔''

''اپنے بارے میں آپ' لوگوں کی رائے کی اتنی فکر کرتے ہیں؟'' ان کے ساتھ واپس وین کی طرف آتے ہوئے وہ یکدم ہی پوچھ بیٹھی۔

''کچھ لوگوں کی فکر تو کرنی پڑتی ہے۔'' سجاد ہلکے سے ہنسے۔

اس بار وہ بالکل خاموش ہو رہی۔

کچھ تو ایسا تھا۔ جو اس کی ساری مزاحمت کو بے اثر کر کے رکھ دیتا تھا۔

سامنے وین میں لوگ آکر بیٹھ رہے تھے۔ بالکل سامنے دیکھتے ہوئے اس کی رفتار شاید دانستہ تیز ہونے لگی تھی۔

”گاڑی کہیں جا نہیں رہی۔ آپ کے پہنچنے تک وہیں کھڑی رہے گی۔“ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے اطمینان سے کہہ رہے تھے۔

”خدا حافظ۔“

بناء ان کی طرف دیکھے اس نے کہا۔

فرح ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ اس نے ثانیہ کو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا اور جس لاتعلقی سے وہ دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس سے وہ ثانیہ کے اضطراب کا اندازہ بھی لگا پائی۔

”ان دونوں کے بیچ ایسی کیا بات ہو سکتی ہے؟“

اس نے اندازہ لگانا چاہا۔

سجاد اب وہاں موجود کسی اور شخص سے بات کر رہے تھے۔ پتہ نہیں کیوں' مگر فرح کو صاف لگ رہا تھا جیسے وہ وہاں صرف ثانیہ کی موجودگی کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں۔

اور جیسے ہی گاڑی اسٹاف کو لے کر روانہ ہوئی۔ سجاد اسے اندر آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ کو یہیں سے صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ پر سکون تو وہ ہمیشہ ہی نظر آتے تھے مگر آج کل یقیناً بہت خوش تھے۔

فرح دانستہ ان کے وہاں تک آنے سے پہلے ہی ہٹ گئی۔

کچھ لمحات' کچھ فیلنگز یقیناً بہت اسپیشل ہوتی ہیں اور ان میں دخل اندازی جرم۔

راستہ یوں ہی کسی دھیان میں ڈوبتے' ابھرتے کٹا۔

ساتھ بیٹھی مس اقصیٰ نے دو' چار بار بات بھی شروع کی مگر اس کی بے دھیانی کو محسوس کر کے وہ دوسری طرف متوجہ ہو گئیں۔

”کیا ہر بار ہی وہ محض وہم کا شکار ہوتی ہے؟“

ایک بڑا سا سوالیہ نشان' سارے راستے اس کی نگاہوں کے سامنے ٹھہرا رہا۔

ثانیہ نے سیٹ کی پشت سے سر ٹیکتے ہوئے پوری غیر جانبداری سے جواب تلاشنا چاہا۔

مگر جلد ہی اسے اندازہ ہونے لگا کہ اب وہ یکسوئی سے سوچنے کی صلاحیت بھی کھوتی جا رہی ہے۔ بے حد نرمی اور خیال سے اس کی طرف اٹھنے والی نگاہیں' وہ مہربان لہجہ اور مسکراہٹ میں چھپی معنی خیزی۔

جس سے لاکھ دھیان ہٹانے کے باوجود بھی دل خوش فہمیوں میں گھرنے لگتا تھا۔

مگر خوش فہمی کیا' ہمیشہ خوش قسمتی کی دلیل ہو سکتی ہے۔ جمیل ماموں کے پچھلے برآمدے میں گزرنے والی زندگی اور ممانی اور لبنیٰ کی آنکھوں میں جمی ہمہ وقت تحقیر' نہ اپنی اوقات بھولنے دیتی تھی اور نہ ہی خوش قسمتی کے بارے میں اس کی رائے بدلنے دیتی تھی۔ یہاں کراچی میں گزرنے والی زندگی میں اس نے ہمیشہ ایک ہی بات سوچی تھی۔

”اگر وہ تھوڑی سی بھی خوش قسمت ہوتی تو ابا اسے یوں بے یار و مددگار چھوڑ کر چپ چاپ رخصت نہ ہوئے ہوتے۔“

گاڑی جمیل ماموں والی گلی میں مڑ رہی تھی۔ آج وہ بہت خاموش رہی تھی۔ یہ سب نے ہی نوٹ کیا تھا مگر کسی نے ذرا بھی جوجتایا ہو۔ وہ ان خوش مزاج ساتھیوں کو خدا حافظ کہہ کر اتر چکی تھی۔

اماں دروازے پر ہی مل گئیں۔

اسے یہ سوچ کر بھی تکلیف ہی ہوتی تھی کہ اس کے انتظار میں ' انہیں کتنی ہی دیر یہاں کھڑا رہنا پڑتا ہوگا۔ منع بھی کرتی تھی۔ مگر وہ پھر بھی اپنا معمول نہ چھوڑتیں۔ آج وہ خالی منتظر ہی نہیں تھیں بلکہ فکر مند بھی تھیں۔ ان نگاہ پڑتے ہی ثانیہ سمجھ چکی تھی۔

"جمیل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دکان بند کر کے آ گیا تھا۔ بلڈ پریشر پھر بڑھ گیا ہے۔" اماں کی آواز میں گہری تشویش تھی۔

خود ثانیہ کو فوری پریشانی گھیرنے لگی۔

جمیل ماموں کا بی پی اکثر بڑھ جاتا تھا۔ نہ تو دوا پابندی سے کھاتے تھے اور نہ ہی پرہیز کا ایسا کوئی دھیان رکھتے۔ سو اب طبیعت کی خرابی کا سلسلہ بڑھنے ہی لگا تھا۔ "میرا تو فکر کے مارے برا حال ہو رہا ہے۔ اللہ سے ہر گھڑی اپنے بھائی کی عمر اور سلامتی مانگتی ہوں۔"

اماں کی فکر بڑی فطری تھی۔

ثانیہ کو اندازہ تھا کہ انہیں جمیل ماموں سے کس درجہ والہانہ محبت ہے۔ بس وہ اور جمیل ماموں ' اماں کی زندگی کا محور یہی دو افراد تھے انہیں تسلی دیتی ہوئی وہ پچھلے حصے میں چلی آئی۔

سامنے کمرے میں جمیل ماموں سو رہے تھے۔ چند لمحے چپ چاپ کھڑی وہ ان کی شکل دیکھے گئی۔ ان چند مہینوں میں کافی کمزور ہو گئے تھے۔ ورنہ ان کی صحت ہمیشہ قابل رشک رہی تھی۔ چھوٹی موٹی بیماریوں کو تو کیا۔ اس بڑھتے گھٹتے بی پی کو بھی انہوں نے کبھی لفٹ نہیں کرائی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

وہ محبت سے ان کے شفیق چہرے کو دیکھے گئی اور پھر آہستگی سے باہر نکل آئی۔ گھر میں بڑی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ اماں سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ لبنیٰ اپنے پارلر جا چکی ہے اور ممانی۔

تب ہی وہ اسے کچن میں آتی دکھائی دیں۔ اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر وہ سیدھی کمرے میں چلی گئیں۔

ان کی بے اعتنائی کا عادی ہو جانے کے باوجود بھی دل دکھنے لگتا تھا۔

"میں ذرا وضو کر لوں۔" اماں کہتی ہوئی واش روم کی طرف چلی گئیں۔ انہوں نے اپنی عبادت کا وقت اب بہت بڑھا دیا تھا۔ لمبی لمبی نمازوں ' تسبیح اور تلاوت کے سہارے انہوں نے اپنا وقت کاٹنا معمول کر رکھا تھا اور درحقیقت اس سے بڑی عافیت کہیں اور تھی بھی نہیں۔

"وہ تمہارے گھر لینے کے پروگرام کا کیا بنا؟"

ممانی کمرے کے دروازے پر کھڑی براہ راست پوچھ رہی تھیں۔ "صاف بات ہے اب ہم ' تم لوگوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ تمہارے ماموں تو اب ڈھنگ سے کام کاج کے قابل رہے نہیں اور ایسے میں

فالتو خرچے۔"

صاف لگ رہا تھا کہ اب وہ انہیں ایک دن بھی برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

...☆☆☆...

بشارت صاحب نے خوشی اور فخر کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سامنے کھڑے سمیع کو دیکھا۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ جو اس نے تمہیں کسی قابل کیا۔ تمہیں تمہاری محنت کا صلہ مل گیا اور یہ تو اس کا وعدہ ہے کہ وہ کسی کے بھی عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔"

ان کے عقب میں کھڑی نازی کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"خالی میری محنت نہیں ابا' یہ سب کریڈٹ تو آپ لوگوں کو جاتا ہے۔ امی' آپ اور..." سمیع کی نظر نازی پر جا کر ٹھہر گئی۔ "سب سے زیادہ نازی آپا۔"

"میں نے کیا' کیا خوامخواہ ہی" وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

"میری نازی تو خیر بے مثال ہے۔ اس پر تو میں جتنا بھی فخر کروں' کم ہے۔" بشارت صاحب نے مڑ کر نازی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "بے غرض اور انتہائی محبت کرنے والی' کاش ہم لوگ کبھی ان احسانوں کو اتارنے کے قابل ہو سکیں۔ جو اس نے اس گھر پر کئے ہیں۔" بشارت صاحب عموماً غیر جذباتی انداز میں بات کرتے تھے مگر آج وہ بار بار جذباتی ہو رہے تھے۔

"ابا آپ بھی ناں" نازی نے ہلکے سے ہنس کر انہیں نارمل کرنا چاہا۔

سامنے کرسی پر امی بیٹھی تھیں۔

کاش۔ جو کچھ ابا اور سمیع نے کہا ہے۔ اس جیسی کوئی آدھی ادھوری بات' امی کہتیں تو وہ حقیقتاً خود پر ناز کر سکتی تھی۔ مدت ہوئی' وہ خواہشیں پالنا ترک کر چکی تھی۔ پھر بھی دل میں یہ تمنا ابھری۔ اس نے سر کو ہلکے سے جھٹک کر اس اداس کرنے والے لمحے سے خود کو نکالا۔

آج ہلکی سی اداسی بھی طاری کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ آج وہ خوشی ملی تھی جس کا ان سب نے برسوں انتظار کیا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

آج سمیع کا B.E شاندار نمبروں کے ساتھ پورا ہوا تھا۔

دیا کی شادی کی تاریخ رکھے جانے کے چند دن بعد ہی' یہ دوسری بڑی خوشی گھر میں آئی تھی۔

طویل عرصے تک ایک کے بعد ایک آتی پریشانیوں کے بعد' خوشیوں کا یہ تسلسل انوکھا سا احساس پیدا کر رہا تھا۔

"کوئی میری نینی کو بھی خبر دے' اس غریب کو تو سب نے ایسے بھلا دیا ہے جیسے اس سے کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔ پڑی ہے الگ تھلگ اس قید خانے میں۔"

امی کو فطری طور پر ہر وقت نینی یاد آنے لگی تھی۔ نازی اور سمیع نے بیک وقت ان کی طرف دیکھا۔

"وہ قید خانہ اپنے لئے اس نے خود بخوشی منتخب کیا ہے۔ یہ مت بھولا کرو تم۔" بشارت صاحب کا لہجہ قطعی بے تاثر تھا اور آج بہت دن بعد انہوں نے نینی کے حوالے سے کوئی بات کی تھی۔

نازی کو یاد آیا کہ وہ نینی کی پڑھائی کیلئے سب سے زیادہ فکر مند رہتے تھے۔ فرسٹ ایئر میں اس کی ہائی پرسنٹیج لینے کے بعد وہ انٹر میں اس کیلئے بے حد پر امید تھے۔

"نینی کا میڈیکل میں داخلہ ہونا' میرا خواب ہے۔ جو میری بیٹی ضرور پورا کرے گی۔"

ان دنوں وہ اس طرح کی باتیں بڑے تسلسل کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

لیکن اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا۔ وہ ان کیلئے ایک بڑا ہی گہرا صدمہ ٹھہرا تھا۔

"بچوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کا ازالہ کرنا والدین کا فرض ہوتا ہے بشارت صاحب۔ انہیں سزا بھگتنے کیلئے اکیلا نہیں چھوڑا جاتا۔"

نا ممکن تھا کہ امی، نینی کے حوالے سے بحث کو طول نہ دیں۔

''وہ اکیلی کب ہے، جس کیلئے اس نے اس گھر کو چھوڑا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ہے پھر تمہیں کس بات کی فکر ہے۔ ہم لوگوں کو چھوڑنا اس کا اپنا فیصلہ ہے تم بار بار یہ بات بھولتی ہو کہ ہم نے اسے نہیں چھوڑا ہے بلکہ ہمیں اس نے خود بخوشی چھوڑا ہے۔''

بشارت صاحب پر نینی کی خستہ حالی کی داستان نے لگتا تھا کہ جیسے ذرہ بھر بھی اثر نہ ڈالا ہو۔ سارا کچھ انہوں نے کمال درجہ کی لاتعلقی کے ساتھ سنا تھا۔ انہیں بے حد جاننے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود، کبھی کبھی تو نازی کو بھی وہ بے حد سخت دل سے لگنے لگتے تھے۔

''مگر اب اسے، اس کے حال پر تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اولاد ہے آخر، اگر اس کے سسرال والے اسے لے جاتے تو فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔ مگر اب سارے جہاں سے کٹ کر وہ لوگ بالکل اکیلے پڑے ہیں۔ فیضی کی نہ تعلیم مکمل ہے اور نہ ہی کوئی ڈھنگ کی ملازمت کا آسرا۔ میرے تو پیروں کے نیچے سے زمین نکلی ہوئی ہے۔'' نازی دانستہ وہاں سے اٹھ رہی تھی۔

اس موضوع پر جب بھی بحث ہوتی خاتمہ ایک لاحاصل تلخی پر ہی ہوتا تھا اور کم از کم آج کے دن وہ بے حد خوش رہنا چاہتی تھی۔

''بہت ہمت ہے تمہاری، ورنہ تو یہ زمین اس دن پیروں تلے سے نکلنی چاہئے تھی جس دن نینی نے اس لڑکے کو ہمارے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔''

وہ بڑے ہال سے باہر نکل رہی تھی۔ جب اسے اپنے پیچھے بشارت صاحب کی طنز میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

کیا کبھی وہ اپنے ماں، باپ کو بخوشی باہمی رضامندی کے ساتھ گھر کے کسی معاملے پر حل نکالتے ہوئے دیکھ سکے گی؟

نہ چاہتے ہوئے بھی مایوسی اسے گھیرنے لگی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی کہ زندگی کے اتنے سال ایک ساتھ گزار لینے کے بعد بھی وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے مشکل ترین تھے۔

وہ ایک گھر میں رہتے تھے مگر ایک ساتھ نہیں۔ نازی برآمدے کی کھلی ہوئی کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

ہلکی ہلکی دھوپ، کھڑکیوں کے رنگین شیشوں پر منعکس ہو کر فرش اور دیوار پر بڑے دلچسپ سے ڈیزائن بنا رہی تھی۔

چند منٹ بعد ہی اس نے سمیع کو گیٹ کے پاس کھڑی بائیک کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ یقیناً اپنے دوستوں کے ساتھ اس کامیابی کو شیئر کرنے جا رہا تھا۔

اندر سے امی اور ابا دونوں ہی کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''کاش اس وقت، نینی کے گئے گزرے قصے کو دہرانے کے بجائے وہ لوگ سمیع کی خوشی کو دوبالا کرنے کی باتیں کرتے تو کتنا اچھا لگتا۔ شکرانے کے طور پر میلاد شریف منعقد کرنے کا پروگرام بنتا۔ خاندان اور محلے ییں مٹھائی کی تقسیم پر بحث ہوتی۔''

وہ سوچے بغیر نہیں رہ پا رہی تھی۔

کون صحیح تھا یا کون غلط؟ اس بات کو ایک طرف رکھ کر کبھی ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ان کے روّیے گھر آتی خوشیوں کو بھی بجھا، بجھا سا کر دیتے ہیں۔

کہنے کو ایک ننھی سی کرن بھی' تیرگی کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور کہیں پورا سورج بھی اتر آئے تو وہ بھی گہن زدہ۔

ان سب گھر والوں میں جہاں اولاد والدین کی نااتفاقی کے مظاہرے دیکھتے ہوئے پلتی ہے۔ شاید ایسی ہی کبھی کنفیوژ اور کبھی خود غرض اور ہٹ دھرم سی ثابت ہوتی ہے۔ والدین کی غلطیوں کا شمار کرنا تو ٹھیک ٹھاک بے ادبی والی بات' مگر کبھی کبھی تو دیا اور نینی کی غلطیوں کے بھی جواز سمجھ میں آنے لگتے تھے۔ نازی نے پرسوچ سی نگاہوں کے ساتھ' دیا کے کمرے کی طرف دیکھا۔

...☆☆☆...

نینی کو دیا کی شادی کی تاریخ طے ہونے کی اطلاع ملی تھی اور پھر سمیع کی شاندار کامیابی کی بھی۔

دیا کی تاریخ والے دن تو' امی نے اسے بہت اصرار کے ساتھ مدعو کیا تھا۔ اس کے سختی سے منع کر دینے پر' سمیع یہاں ان کے فلیٹ پر تو نہیں آیا تھا مگر نینی سے نمبر لے کر اس نے اور امی نے فیضی کو اس کے موبائل پر جان بوجھ کر ایسے وقت فون کیا تھا جب وہ گھر پر تھا۔ گو نینی کو فون کی دوسری طرف لے جانے والی بات تو نہیں سنائی دے رہی تھی مگر فیضی جتنی روکھائی سے ان لوگوں سے بات کر رہا تھا۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ لوگ کتنی خوشامد اور اصرار کر رہے ہیں۔

''بہت ہی چپکنے والا خاندان ہے تمہارا' سمجھدار شخص کے لئے تو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے قطع تعلق کیلئے' مگر ان لوگوں کو تو صاف صاف بات بھی سمجھ میں نہیں آتی ہے۔''

فون بند کر دینے کے بعد اس نے نینی سے بڑے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

''وہ میری ماں ہیں اور بڑا بھائی ہے۔ ان کیلئے اس طرح بات مت کیا کرو تم۔'' نینی کو اس کے الفاظ برے لگے تھے۔ سو اس نے اپنی فیلنگ چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ ایک دم بھڑکا۔ ''اگر میں کسی کو پسند نہیں کرتا تو کیا اس لئے انہیں برداشت کروں کہ وہ بدقسمتی سے تمہارے کچھ لگتے ہیں۔ اس خوش فہمی میں مت رہنا تم۔''

''میں بہت عرصہ ہوا۔ ہر قسم کی خوش فہمی دل سے نکال چکی ہوں' تم بے فکر رہو۔''

اس بار اس کے لہجے میں' ایسی جتاتی ہوئی بے نیازی تھی کہ چند لمحوں کیلئے تو وہ بھی خاموش ہی رہا۔

''بہر حال میں تو نہیں جاؤں گا۔ تم اگر جانا چاہو تو چلی جاؤ۔''

''میں بھی نہیں جاؤں گی۔ جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں۔ اس میں بہتر ہے کہ الگ تھلگ رہ کر ہی وقت کاٹ لیا جائے۔''

اس کا مفاہمتی انداز فیضی کو بار بار حیران کر رہا تھا۔

''ابھی تو تم ناراض ہو رہی تھیں کہ میں تمہارے خاندان کی بے عزتی کر رہا ہوں۔''

''وہ ایک اصولی بات ہے۔ میرا وہاں نہ جانا میرا اپنا فیصلہ ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم جب چاہو میرے کسی بھی گھر والے کی بے عزتی کرنا شروع کر دو۔ جو کہ تم اکثر کرتے ہو۔''

بیڈ پر دھلے ہوئے کپڑے' اس نے لا کر ابھی رکھے تھے' تھوڑا سا رخ موڑ کر وہ انہیں تہہ کرنے لگی' فیضی کو لگا جیسے وہ اتنی پرسکون نہیں ہے جتنی کہ پوز کر رہی ہے۔

''نینی۔'' اس نے دھیمی سی آواز میں اسے پکارا۔

''ہوں''وہ بدستور اپنے کام میں مصروف تھی۔

''میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا مگر میں اپنی مرضی کے برخلاف کوئی کام نہیں کر سکتا۔ تمہارے گھر والے' خاص طور پر تمہارے ابا' میں انہیں کبھی بھی معاف نہیں کر سکتا۔ یہ بدترین وقت جو ہم لوگ دیکھ رہے ہیں۔ وہ صرف ان ہی کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔''

وہ بالکل بھول گیا کہ ابھی ابھی وہ نینی کو ہرٹ نہ کرنے کی خواہش کا اظہار کر رہا تھا۔ وقت نے جس بیدردی سے تبدیلی کے عمل سے اسے گزارا تھا۔ وہ اس پر بری طرح اثرانداز ہوا تھا۔ قول و عمل' ہر بات' ایک گہرے تضاد کا شکار ہو چکی تھی۔

''وہ بہت سخت دل شخص ہیں۔ میں تو چلو ایک غیر لڑکا تھا۔ تم تو ان کی اولاد ہو۔ وہ تمہارے لئے بھی اس بے رحمی کا مظاہرہ کریں گے۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''

ہیر پھیر کر وہ ہی ایک موضوع' ان دونوں کے بیچ آجاتا تھا۔ جس سے وہ سب سے زیادہ بچنا چاہتی تھی۔

دل ہی دل میں وہ بشارت صاحب سے جتنی بھی خفا سہی۔ فیضی کے منہ سے ان کیلئے کچھ بھی سننا اس کیلئے ایک اور آزمائش ٹھہرتا تھا۔

''اس طرح تو جانور بھی اپنی اولاد کو خود سے الگ نہیں کرتا۔ جس بیدردی سے انہوں نے تمہیں' اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو نکال باہر کیا۔''

اس کے الفاظ بتدریج اتنے توہین آمیز ہونے لگتے تھے کہ نینی سے کوشش کے باوجود خاموش نہیں رہا جاتا تھا۔ اس وقت بھی اس کی خاموشی بات ختم نہیں کر پا رہی تھی۔

''فیضی۔'' ایک گہری سانس لیتے ہوئے۔ اس نے خود کو کمپوز کرنا چاہا۔

''ابا نے واقعی ہمارے ساتھ بہت برا کیا ہے لیکن تم بار بار یہ کیوں بھولتے ہو کہ تمہارے اپنے خاندان نے تو ہمارے ساتھ اور بھی برا کیا ہے۔ ابا نے کم از کم اپنے ہاتھ سے ہماری شادی تو.....''

''میرے گھر والوں کی مثال مت دیا کرو۔''

اس نے جھنجلا کر بات کاٹی۔

''ہزار بار پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ انہوں نے وہی کیا جو ہمارے ہاں کا دستور ہے۔ برادری سے باہر شادی کا مطلب ہی قطع تعلق ہے۔ سب ہی کے ساتھ ایسا ہی ہونا ہے۔ کوئی مجھے انوکھی سزا تو نہیں ملی ہے۔ مجھے پتہ تھا کہ یہ سب ہونا ہے۔''

''مجھے بھی پہلے سے ابا کے برتاؤ کا پتہ تھا۔ وہ بے حد اصول پسند شخص ہیں اور جو بات کہہ دیتے ہیں اس سے پھر نہیں ہٹتے۔''

نینی کے لہجے میں بشارت صاحب کیلئے بات کرتے ہوئے خود بخود ہی فخر جھلکتا' جو فیضی کیلئے اپنے خاندان کے بارے میں بات کرتے ہوئے جھلکتا تھا۔

''اصول پسندی' ہنہ۔''

فیضی بے نیازی سے سر کو جھٹک کر زیر لب بڑبڑایا۔

نینی نے نہیں سنا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات سے جو کچھ سمجھ میں آرہا تھا وہ اس کے کہے الفاظ سے مختلف نہیں تھا۔

ہمارا خاندان' ہماری روایات' ہمارے اصول' فیضی کے پاس فخر کرنے کیلئے سب کچھ تھا۔

اپنے اس ذی مرتبہ خاندان سے دھتکارے جانے کو وہ اپنی اعلیٰ خاندانی روایت قرار دیتا تھا اور اس کے باپ کی فطری خفگی کو ان کا ناقابل معافی جرم اور اپنے گھرانے کی اس توہین کی ذمہ دار اکیلی وہ خود ہی تھی اپنی زبوں خالی' احساس ندامت اور بھی نہ جانے کیا کیا۔ نینی کے پاس بہت سارے کمپلیکسز ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوتے رہتے تھے۔

دیا کی تاریخ رکھے جانے میں' وہ نہیں شریک ہوئی۔

امی' نازی' سمیع' حد تو یہ کہ دیا کا بھی فون آیا۔ مگر اس کے پروگرام میں ذرا بھر بھی تبدیلی نہیں آئی۔

ان لوگوں نے اپنے طور پر فرض کر لیا کہ وہ شاید اپنے گھر آنے پر' اب تک ناراض ہے۔ نینی نے اس بات کی تردید بھی نہیں کی۔

''اچھا ہے۔ جو بھی جواز ہو۔''

اس نے یہی سوچا۔

سمیع کی کامیابی کا فون' برابر میں مہرو خالہ کے ہاں آیا تھا۔

نازی کی زبانی یہ خوش خبری اس کیلئے بھی اتنی ہی بڑی تھی۔ جتنی وہاں گھر میں سب لوگوں کیلئے تھی۔

دن بھر میں کتنی ہی بار' خوشی کے آنسو اس نے اپنی آنکھوں میں اترتے ہوئے محسوس کئے۔ سمیع سے سارے گھرانے کی بڑی امید وابستہ تھی۔

اس روز وہ سارا گزرا ہوا وقت' اسے شدت سے یاد آتا جا رہا تھا جو کہ بھائی' بہنوں کے ساتھ گزرا تھا۔

ہر فکر سے آزاد' لاپروا اور مگن۔

جب جو سوچو۔ تو کتنی ہی حیرت گھیرتی تھی کہ کبھی زندگی ان آسانیوں سے بھرپور تھی۔

شام ڈھلے جب فیضی آیا تو وہ یہ خوش خبری سنائے بغیر نہیں رہ سکی۔

''سمیع بھائی ہمیشہ سے بے حد پڑھنے والے رہے ہیں۔ پورا اکیڈمک دوران کا شاندار رہا ہے اور اب بھی دیکھو تو انہوں نے کتنے زبردست مارکس۔''

''گھر میں ساری سہولتوں کے ساتھ رہ رہا ہے۔ سمیع اور پھر تمہارے ابا' پروفیسر بشارت حسین' اس کی رہنمائی کیلئے ہر وقت موجود ایجوکیشن کے محکمے میں جان پہچان الگ' کون سا کمال کر دکھایا سمیع نے؟''

لاپروائی سے' نینی کی بات کاٹ کر وہ کہتا چلا گیا۔ حسب معمول وہ ان سب سے نالاں تھا اور سمیع کی انتھک محنت کو کوئی کریڈٹ دینے کیلئے بھی تیار نہیں تھا۔

اس کی تنگ دلی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ کیا تھا جو وہ سمیع کیلئے خوش ہو کر کوئی اچھی سی بات کہہ دیتا۔

نینی خاموش ہو رہی۔ فیضی کو یہ بتانا کہ ابا کی ساری عمر اپنے بچوں کو پڑھانے کے بجائے دوسروں کے بچوں کو پڑھانے میں گزری ہے اور ان کے محکمہ تعلیم میں چاہے جتنے بھی تعلقات ہوں' ان بہن' بھائیوں کو کبھی ذرہ بھر بھی فیور حاصل ہوا ہی' فضول ہی تھا۔ اسے جواباً پھر کچھ ایسا ہی کہنا تھا کہ وہ ہفتوں کڑھتی رہتی۔

فیضی کپڑے لے کر واش روم میں جا چکا تھا۔ واپس آیا تب تک وہ کھانا گرم کر کے لائونج میں رکھی چھوٹی سی میز پر لگا چکی تھی۔

سبزی کی بھجیا اور روٹی۔

کھانے کے معاملے میں وہ اب بہت صابر ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ لمبی چوڑی ڈائننگ ٹیبل' جو انواع اقسام کے کھانوں سے بھری رہتی تھی۔ نگاہوں میں گھوم ہی جاتی تھی اور اس کے ساتھ بیٹھے لوگ بھی۔

''تمہاری گاڑی کا کچھ پتہ چلا؟'' نینی پوچھ رہی تھی۔

''ہاں۔'' وہ جیسے کسی دھیان سے واپس پلٹا۔ نینی کو اپنا سوال دہرانا پڑا۔

''کیا پتہ چلنا ہے۔'' اس کے ماتھے کی شکنیں گہری ہونے لگیں۔ ''نہ کوئی تعلقات' نہ کھلانے کیلئے پیسہ اور اوپر سے ان پولیس والوں کا رویہ' اس حقارت سے بات کرتے ہیں عام آدمی سے کہ حد نہیں۔ وہ تو شریف بھائی ساتھ ہوتے ہیں۔ ورنہ میری تو ضرور ہی لڑائی ہو جانی ہے ان کے ساتھ۔''

''اللہ کے واسطے فیضی اب کوئی نیا جھگڑا مت کھڑا کر لینا۔ ہم لوگ ویسے ہی بہت ساری مشکلوں میں گھرے ہوئے ہیں۔'' نینی نے بے ساختہ ہی اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''مجھے پتہ ہے۔ اسی لئے تو۔'' وہ ہلکے سے بولا۔ ''تم سوچ نہیں سکتیں کتنے الٹے سیدھے سوال کرتے ہیں۔ ان کا بس چلے تو وہ خود مجھے ہی چور بنا دیں۔ کہتے ہیں اتنے معمولی فلیٹ میں رہتے ہو۔ ایسی شاندار گاڑی کیسے رکھی ہوئی تھی۔ کوئی سائیڈ کا دھندا کیا ہوا ہے یا گاڑی چوری کی ہے؟ وہ تو شکر ہے کہ میرے پاس کاغذات اصل تھے ورنہ تو مجھے اپنی جان چھڑانی مشکل ہو جاتی۔''

یہاں سسٹم کا وہی گھسا پٹا رونا تھا۔

نینی کو اندازہ ہو رہا تھا کہ فیضی کو کس طرح کی مشکلات کو فیس کرنا پڑ رہا ہو گا۔

''تم بس چھوڑ دو گاڑی کا پیچھا۔ قسمت میں ہو گی تو مل جائے گی۔ بار بار ان پولیس والوں کے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ اندر سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔

''قسمت اتنی اچھی کہاں۔'' اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا۔

نینی چپ چاپ اس کی طرف دیکھے گئی۔

گاڑی کی چوری' حقیقتاً ایک بڑا دھچکا تھا۔ ان نامساعد حالات میں' وہی آخری سہارا تھی۔ جسے بیچ کر زندگی میں سہولت لانے کی امید تھی۔ ''غلطی میری ہی ہے۔ جو پہلا گاہک مل رہا تھا مجھے اسی کو بیچ دینی چاہئے تھی۔ شریف بھائی بے چارے نے تو مجھے شروع میں ہی کہا تھا کہ یہاں ان فلیٹوں میں چوریاں بہت ہوتی ہیں۔ یہ گاڑی یہاں نہ رکھوں۔ مگر میرا اپنا دل اسے خود سے الگ کرنے کو نہیں چاہتا تھا۔'' اس کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا۔

بہت کچھ کھو دینے کے بعد' تعلق کے کسی ایک سرے کو تھامے رکھنا' ایک فطری سی خواہش تھی۔

نینی کو کبھی کبھی اس پر اتنا رحم آتا تھا کہ وہ اس کی ہر دل دکھانے والی بات یکسر بھولنے لگتی تھی۔

''اچھا بس۔اب زیادہ افسردہ مت ہو۔میں چائے لاتی ہوں۔تم تھوڑا سا آرام کر لو۔'' وہ کہتی ہوئی کچن میں چلی آئی مگر اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ اس کے پیچھے وہیں چلا آیا۔

نینی چائے کا پانی رکھ کر کھانے کے برتن دھونے لگی تھی۔آج کل وہ کافی کمزور ہو رہی تھی۔کھانا' پینا برائے نام رہ گیا تھا۔ہلکے پیلے سوٹ میں اس کی رنگت اور بھی زردی مائل لگ رہی تھی۔

''ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں؟'' وہ کچھ شرمندہ سا ہو کر پوچھنے لگا۔

''ہوں۔''اس نے اثبات میں سر ہلایا۔''کہہ رہی تھیں کہ سب ٹھیک ہے۔'' اس نے ڈاکٹر کی تشویش اور ہدایتیں' بڑی صفائی کے ساتھ چھپائیں۔

''کیا ٹھیک ہے' نظر نہیں آرہا کہ کتنی ویک ہو رہی ہو۔اصل میں یہاں سرکاری ہاسپٹلز میں ڈاکٹر توجہ سے دیکھتے ہی کب ہیں؟'' وہ تشویش کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔جس دن بھی نینی کو چیک اپ کے لئے جانا ہوتا۔وہ سارا دن یہی سوچ کر کڑھتا کہ سرکاری ہاسپٹل کی انتظار گاہ کے بے پناہ رش میں نینی بھی دھکے کھا رہی ہو گی۔

''میں نے ایڈوانس کی بات کی ہے۔تھوڑے سے پیسے شاید ابھی بینک میں بھی پڑے ہوں۔تم کسی اچھی گائنا کالوجسٹ کو دکھانے لگو میں خود بھی چلوں گا تمہارے ساتھ۔''

وہ بڑی فکر مندی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔نینی کے چہرے پر بڑی طمانیت بھری مسکراہٹ پھیلنے لگی۔وقت کے اس بوجھل ترین دورانیہ میں چپکے سے چلے آنے والے یہی لمحات زندگی کو آسان بناتے تھے۔فیضی اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔

دل میں اس بات کا یقین اور گہرا ہوتا تھا اور وہ اسی یقین کے صدقے اسے سات خون معاف کرنے کو تیار ہوتی تھی۔

''ابھی ضرورت نہیں ہے۔مہرو خالہ کہہ رہی تھیں کہ یہ کار کے چونچلے ہوتے ہیں ورنہ سب ہی...''

''کہنے دو مہرو خالہ کو' میری بات زیادہ اہم ہے یا ان کی؟''نینی کی مسکراہٹ پر وہ جھنجلا کر کہہ رہا تھا۔

''مہرو خالہ بزرگ ہیں۔ایسے موقعوں پر بزرگوں کی بات ہی مان لینی چاہئے اور پیسے ابھی پڑے رہنے دو' آگے بھی تو ضرورت پڑ سکتی ہے نا۔'' وہ بہت آرام آرام سے اسے سمجھا رہی تھی۔مگر اس کے چہرے پر پھیلا تردد باقی تھا۔

''میں نے کب سوچا تھا کہ میں تمہیں اتنی مشکلات بھری زندگی دوں گا۔میں تو تمہیں کسی اور ہی دنیا میں لے جانا چاہتا تھا۔آسانیوں اور آسائشوں سے بھرے بہت خواب دیکھے تھے میں نے تمہارے لئے مگر...''

''ہم ایک ساتھ ہیں فیضی' یہ خوش قسمتی کم ہے کیا؟''

دوپٹے سے اپنے ہاتھ خشک کرتے ہوئے۔وہ اس کی طرف مڑی۔''اور اگر اس کی قیمت یہی پریشانیاں ہیں تو کوئی بات نہیں' گزر جائے گا یہ وقت بھی' تم کام تو کر رہے ہو۔فائنل ایئر پاس ہو جائے پھر اچھی سے اچھی جاب مل جائے گی۔''

''فائنل ایئر۔فیضی کے دل کو دھکا سا لگا۔تھرڈ ایئر کے دو پیپرز باقی رہتے تھے کلیئر کرنے کیلئے۔''

برا اسٹوڈنٹ وہ بھی کبھی نہیں رہا تھا مگر اب تو پڑھائی کا گراف جیسے نیچے سے نیچے آتا جا رہا تھا۔کب ہو گا یہ فائنل ایئر اور خدا جانے ہو گا بھی یا نہیں۔پڑھائی اور کیریئر کے معاملے میں وہ سخت واہموں کا شکار ہوتا تھا۔

بابا کہتے تھے کہ پڑھائی مکمل کرتے ہی اسے' ان کا آفس سنبھالنا ہے اور سجاد چچا ہمیشہ ہی مخالفت کرتے تھے۔ان کا اصرار تھا کہ B.E کرنے کے بعد' یہاں وہاں وقت ضائع کرنے کے بجائے اسے M.S کرنے کیلئے باہر جانا چاہئے۔

اور پاپا...

اسے اچانک ہی وقار یاد آئے۔جو بڑی خاموشی سے اس ساری بحث کو سنا کرتے تھے۔بزنس کے بارے میں ان کی معلومات وسیع تھیں مگر تعلیم اور وہ بھی اعلیٰ تعلیم کے بارے میں وہ سجاد سے بڑھ کر کسی کی رائے کو مستند نہ جانتے تھے۔ وہ محبت بھرے سارے پر خلوص رشتے۔

اپنی یادوں کے ساتھ' نہ جانے کیا کیا اور لئے چلے آئے تھے۔

''اندر چلو۔یہاں بہت گرمی ہو رہی ہے۔''وہ نینی کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آیا۔''حالانکہ کمرہ بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں' مگر کھڑکی کھول لو۔تو کچھ تو غنیمت ہو جاتا ہے۔''وہ بڑی نرمی سے بات کر رہا تھا۔

نینی کو بڑے سکون کا سا احساس ہونے لگا۔ورنہ تو پڑھائی کے ذکر کے ساتھ ہی اسے خطرہ ہونے لگا تھا کہ کہیں پھر فیضی' سمیع کے حوالے سے کوئی چبھتی ہوئی بات نہ کہہ ڈالے۔

تکیے پر سر رکھے۔وہ آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔امی' انعم' سجاد چچا' بابا۔کتنے ہی چہرے اسی طرح نگاہوں میں پھرتے تھے۔جن سے ملنا اتنا ناممکن بھی نہیں تھا مگر وہ پلٹنا نہیں چاہتا تھا۔پلٹ کر دیکھنا ان کے خاندان کی سرشت میں نہیں تھا۔

...☆☆☆...

شادی کے سلسلے میں ہونے والے سارے اقدام ابھی تک بہت سادگی کے ساتھ ہو رہے تھے۔رشتہ جانا' رشتہ طے ہونا اور اب یہ تاریخ کا مقرر ہونا۔ایک تو بشارت صاحب' خود ظاہری نمود و نمائش کے قائل نہیں تھے اور دوسرے عمر بھی بابا کی خفگی کے ڈر سے ہچکچاہٹ ہی محسوس کرتا آیا تھا۔

ایک بڑا بہانہ بابا کی بیماری بھی بنا تھا۔ابھی بھی وہ مکمل طور پر صحت مند نہیں کہلائے جا سکتے تھے آفس کبھی کبھار ہی آتے۔ساری فائلیں ان کے معائنہ کے لئے گھر ہی جاتی تھیں اور عمر کی تاریخ رکھے جانے میں تو وہ اس کے سسرال جانے کیلئے تیار بھی تھے۔سجاد نے بمشکل انہیں ایک اہم میٹنگ میں الجھا لیا تھا پر اب اور دیر کرنا معاملے کو مزید الجھا سکتا تھا۔

''میں ان کے قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگ لوں گا سجاد بھائی۔مگر اب اور دیر نہیں۔''آج چھٹی کا دن تھا اور عمر اسی مسئلے کو حل کرنے کیلئے بابا کی اسٹڈی میں آیا ہوا تھا۔''آپ سوچ نہیں سکتے ان چھ مہینوں میں میرے دل کا بوجھ کتنا بڑھا ہے۔مجھے تو ٹھیک سے نیند بھی نہیں آتی۔ساری رات جاگتا رہتا ہوں۔''

وہ اتنی بے چارگی سے کہہ رہا تھا' پھر بھی سجاد کو بڑے زور سے ہنسی آئی۔

'' راتوں کو جاگنے کا تو خیر کوئی اور ہی سبب ہے یہاں بابا کا غصہ کام نہیں کر رہا ہے۔''

''آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں' اڑا لیجئے''

''اچھا اب یہ لڑکیوں کی طرح مت ری ایکٹ کرو۔جو کچھ وہ کہیں خاموشی سے سن لینا۔اول تو وہ کوئی ایسا غصہ کریں گے بھی نہیں۔بس انہیں تھوڑا سا افسوس ہوگا۔فیضی کے حوالے سے' میرا خیال ہے کہ وہ تمہاری شادی میں شرکت نہیں کریں گے تاکہ فیضی سے ان کا سامنا نہ ہو۔''

اس بار سجاد نے کافی ٹھیک ٹھاک تجزیہ کیا اس معاملے کا۔ ''یہ تو اور بھی بری بات ہوگی' ان کے علاوہ میرا اور کون سرپرست ہے؟'' عمر کو حالات کی سنگینی کا احساس' صحیح طور پر اب ہو رہا تھا اور اس کی پریشانی اس کے چہرے سے پڑھی جا رہی تھی۔ تب ہی اپنے بیڈ روم سے اسٹڈی میں کھلنے والے درمیانی دروازے سے وہ اندر چلے آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک کھلی ہوئی فائل تھی اور نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔

''یہاں آئو عمر' ذرا یہ ڈاکومنٹس دیکھو۔'' وہ بناء اس کی طرف دیکھے' کہتے ہوئے دوسری طرف صوفے پر جا کر بیٹھ چکے تھے۔

''جی بابا۔'' وہ سعادت مندی سے ان کے قریب تو جا کر بیٹھ گیا۔ مگر ذہن ذرا بھی حاضر نہیں تھا۔

کسی نئی ہائوسنگ اسکیم کی پلاننگ کا سلسلہ تھا۔ بابا اب اس کی رائے پر بھی انحصار کرنے لگے تھے۔ وہ شروع سے ان ہی کے زیر تربیت رہا تھا۔ سو ان کے سب سے زیادہ قریب تھا۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کی غائب دماغی کو نہ نوٹ کر پاتے۔

ایک آدھ بار وہ چونکے پھر انہوں نے نظر انداز کرنا چاہا اور آخر کار فائل بند کر کے سامنے میز پر رکھ دی۔

''بات کیا ہے؟ کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتائو؟'' ان کی نظر عمر کے چہرے پر جمی تھی اور جب وہ اس طرح براہ راست کچھ پوچھا کرتے تھے۔ اس وقت ٹال مٹول بڑی ناممکن سی بات ہوتی تھی۔

''جی وہ'' اس نے امداد طلب نگاہوں سے سجاد کی طرف دیکھا جو اس کی خاص درخواست پر ساتھ تھے۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بات کیا ہے آخر؟''

عمر کو اپنی ساری ہمت جواب دیتی محسوس ہو رہی تھی۔ جس گھڑی کو اس نے مہینوں ٹالا تھا اب وہ سر پر آ چکی تھی۔

''اب عمر کی شادی قریب آ رہی ہے بابا' اسی لئے اب بے چارے کی فکریں بڑھ رہی ہیں۔'' سجاد بر وقت اس کی مدد کو آئے۔ ان کا ہلکا پھلکا سا انداز ماحول کو گھمبیر ہونے سے بچا رہا تھا۔

بابا بھی مسکرانے لگے۔ ''عمر کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے میرے ہوتے ہوئے۔ دیکھنا کس دھوم دھام سے اس کی شادی ہوتی ہے۔''

عمر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

بابا کی محبت اسے خود اپنی نگاہوں میں گرانے لگتی تھی۔ ابھی پرسوں ہی انہوں نے اسے ایک بڑی رقم کا چیک کاٹ کر دیا تھا۔ شادی کے اخراجات کے سلسلے میں' جو اس نے ''پھر لے لوں گا'' کہہ کر ان کی میز پر ہی چھوڑ دیا تھا۔

''کوئی اور بات ہے کیا عمر؟'' ان کا شفقت بھرا ہاتھ اسے اپنے سر پر محسوس ہوا۔

''بابا۔'' سجاد' ان کے قریب آ بیٹھے تھے۔ ''عمر کے معاملے میں ایک چھوٹی سی گڑبڑ ہو گئی ہے' آپ پلیز ناراض مت ہوئیے گا۔'' وکیل صفائی کے طور پر ان کی تمہید بڑی مناسب تھی۔

''ایسی کیا بات ہے' تم لوگ مجھ سے کچھ کہتے ہوئے اتنا ڈرتے کیوں ہو' کیا میں بوڑھا ہو کر اتنا خوفناک ہو گیا ہوں؟'' وہ خوش دلی سے ہنسے' مگر عمر کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہ ابھری۔ ''ابھی جب انہیں پتہ چلے گا کہ...''

''بابا... عمر کی شادی بشارت صاحب کی بیٹی سے ہو رہی ہے۔'' سجاد کی اطلاع پر' وہ یوں ہی بے خیالی سے انہیں دیکھے گئے۔ ''کون بشارت صاحب؟'' انہیں واقعی یاد نہیں آیا تھا۔

''وہی' فیضی کے سسر۔'' اس بار خود سجاد کو بھی کہنے کیلئے اپنی ہمت کو جمع کرنا پڑا تھا۔

کمرے میں کچھ دیر کے لئے بڑی بوجھل سی خاموشی اتر آئی۔ عمر کی بالکل ہمت نہیں تھی کہ وہ سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھ سکے۔ ''اور تم نے مجھے یہ بات بتانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی عمر؟'' وہ ناراض ہوئے تھے یا نہیں' لیکن ان کے لہجے میں' وہی گلہ تھا۔ جو کسی گہرے مان کے ٹوٹنے پر ہوتا تھا۔

عمر نے دل میں معافی کے بہت سارے جملے ترتیت دیئے تھے مگر اس وقت کوئی ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہ ہو سکا۔ اس کے گلے میں بہت سا نمکین پانی اٹک رہا تھا۔

''خیر۔'' انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''جیسی تمہاری خوشی' بس ہو سکے تو فیضی کے ساتھ اپنا ربطہ نہ بڑھانا اور اگر یہ ناممکن ہو تو پھر مجھ سے اپنے تعلق میں کمی کر لینا۔ تمہارے لئے جس طرح آسان ہو۔'' عمر کے کندھے کو نرمی سے تھپکتے ہوئے وہ بڑے مایوس سے دکھ رہے تھے۔

...☆☆☆

جب سے بینا گھر چھوڑ کر گئی تھی۔ وحید روزانہ ہی وہاں آنے لگے تھے۔ بلکہ بعض اوقات دن میں دو بار بھی چکر لگا لیا کرتے تھے۔ کراچی جیسے شہر میں ان کی یہ باقاعدگی' بڑی معنی خیز تھی۔ ان کی اماں تو صاف صاف کہہ بھی دیا کرتی تھیں۔ ''جو بھی دل میں ہے۔ بتا دو تو اچھا ہے۔ ورنہ مجھے تو سوچ سوچ کر ہول اٹھتا ہے کہ معلوم نہیں کیا ٹھان لیا ہے اب۔''

جواباً کبھی تو وہ کھسیانی سی ہنسی ہنس لیتے اور کبھی کبھی برا منا جاتے۔

''اپنے بھائی کی محبت میں آتا ہوں۔ بے چارہ اکیلا رہ گیا ہے۔ بیوی تو اس کی اتنی سنگ دل ہے کہ پلٹ کر پوچھا بھی نہیں۔ بچوں تک سے فون بھی نہیں کراتی مگر میں تو اپنے بھائی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا اس نازک موقع پر۔''

وہ آفتاب سے اظہار ہمدردی کرتے اور بینا کو دل بھر کے برا بھلا کہتے۔

اماں کبھی تو بینا کی سائیڈ لیتیں اور کبھی خاموشی سے پرسوچ نگاہوں سے وحید کی شکل دیکھتی رہتیں۔

ان کا سابقہ تجربہ' وحید سے کوئی اچھی امید بندھنے ہی نہیں دیتا تھا۔

وہ بھی ان سے تو زیادہ بات کرنے سے گریز ہی کرتے تھے۔ زیادہ وقت آفتاب کے پاس' اس کے اسٹور پر ہی بیٹھا کرتے۔

وہاں کیا باتیں ہوتی تھیں۔ یہ ان کے علم میں نہیں تھا۔ بینا کے جانے کا سن کر' ایک بار فرحت بھی آئیں۔ اماں کی زبانی سارا قصہ سن کر اور گھر کی ویرانی دیکھ کر بہت دیر بیٹھی دل برا کرتی رہیں۔

ان کی رائے تھی کہ سب کو مل کر' آفتاب اور بینا کے درمیان پیدا ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مگر آفتاب کسی کی سننے کیلئے تیار نہیں تھا۔

''ان عورتوں کی باتوں میں آنے کی ضرورت نہیں ہے' مردوں کی طرح جو فیصلہ کیا ہے اس پر قائم رہو۔'' شہ دینے کیلئے وحید بھائی تھے ہی۔

فرحت' مایوس ہو کر واپس لوٹی تھیں۔ وحید نے دوبارہ انہیں وہاں لانے سے بھی گریز کیا اور جو کچھ برا بھلا انہیں گھر جا کر کہا وہ الگ' وہ بے چاری آج تک اپنے مسائل نہیں حل کر سکی تھیں۔ بینا کیلئے کیا کر سکتی تھیں۔

آفتاب نے اماں کی آسانی کیلئے محلے میں آنے والی ایک ملازمہ کا بندوبست کر دیا تھا۔

گھر کے جملہ کاموں کے ساتھ' وہ روٹی اور سالن بھی بنا جایا کرتی مگر ذائقہ نہ اماں کو پسند آ رہا تھا اور آفتاب پر تو بڑی مدت بعد اس بات کا انکشاف ہوا تھا کہ بینا نے انہیں کس غضب کے ذائقے کا عادی بنا ڈالا تھا اور صرف کھانا ہی کیا۔ اس کی خدمت' محبت' گھر کیلئے انتھک محنت آفتاب نے بمشکل اپنا دھیان سامنے بیٹھے وحید کی باتوں کی طرف لگایا۔

''ہم دونوں بھائی' بیویوں کے سلسلے میں بد قسمت ہی رہے۔'' وہ بڑی دل سوزی کے ساتھ کہہ رہے تھے۔ ''بینا نے تمہارے ساتھ وفا نہ کی اور میں' میں تو فرحت کے گھرانے کی امارات اور غرور کے بوجھ کے نیچے پس کر رہ گیا۔ دو کوڑی کی بھی اوقات نہیں ہے۔ میری فرحت کی نظر میں' ہر وقت اپنے باپ اور بھائی کے احسان جتاتی ہے' میں کیا کہہ سکتا ہوں جواب میں' ظاہر ہے ان ہی کا دیا کھا رہا ہوں۔''

اپنی حالت زار کا نقشہ کھینچتے ہوئے انہوں نے شاید پہلی بار اپنی سسرال کا بھی احسان مان لیا۔

عجیب بات تھی کہ آج آفتاب کو بھی ان کی بات اتنی غلط نہیں لگی۔

ورنہ پہلے ہمیشہ انہیں فرحت بھابی سے ہی ہمدردی محسوس ہوا کرتی تھی اور وحید بھائی تو تھے ہی ہمیشہ کے ناشکرے۔ فریبی' تنگ دل۔

''اوپر سے ہمیشہ خاندان بھر میں ذلیل بھی میں ہی ہوتا رہا۔ فرحت اور اس کے گھر والوں نے ہر جگہ میری بدنامی کی ہے۔ پیسے والے ہیں۔ ہمدردی میں دیتے لیتے بھی خوب ہیں۔ لوگ ان کی کہی بات پر جی جان سے بھروسہ کرتے ہیں۔ مجھ غریب کی کون سنے گا کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔''

آفتاب بڑی ہمدردی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ آج وہ اندر والدہ کے پاس بھی نہیں گئے تھے یہاں اس کے میڈیکل اسٹور پر ہی براجمان تھے۔

''زندگی کی خوشیوں پر شاید میرا حق تھا ہی نہیں۔''

''اللہ بہتر کرے گا۔ آپ حوصلہ رکھیں۔''

آفتاب نے ہلکے سے ان کے ہاتھ کو تھپتھپایا۔

آج کل شاید وہ انہیں قریب سے جان رہا تھا۔ اسے ایسا ہی لگنے لگا تھا۔

اتنے سالوں سے وہ یقیناً بینا کی آنکھوں سے دیکھنے اور اسی کے دل سے محسوس کرنے کا عادی بن گیا تھا۔ کیونکہ وہ' وحید بھائی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ یوں وہ اس کی بھی گڈ بک میں جگہ نہیں بنا سکے تھے۔ اب وہ نہیں تھی۔ تو اسے سامنے کا منظر صاف دکھائی دینا شروع ہوا تھا۔

''ان ہی حالات سے گھبرا سوچا تھا کہ دوسری شادی کر لوں۔ بے شک کوئی غریب یتیم لڑکی مل جائے۔ گھر کا سکھ تو نصیب ہو گا مگر تم نے دیکھا کہ بینا نے کیسا ہنگامہ کھڑا کیا۔''

وہ اپنی بات کہتے کہتے ذرا رکے۔

''اس کا نام مت لیں وحید بھائی۔''

آفتاب کے لہجے میں بڑی واضح سختی تھی۔

وحید نے بہت غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہاں بینا کیلئے بہت گہری بیزاری تھی۔

''آپ اپنے لئے کوئی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کسی بھی اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ مجھے تو خود آپ سے شرمندگی ہے۔''

اس کی آواز دھیمی تھی۔

وحید کو کہیں اندر سکون سا اترتا محسوس ہوا۔

''تم میرے بھائی ہو۔ میرے دکھ کو محسوس کر سکتے ہو۔ باقی مجھے کسی سے بھی کوئی گلہ نہیں۔''

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

آفتاب نے ان کے ساتھ کھڑا ہونا چاہا تو انہوں نے اسے اٹھنے بھی نہیں دیا۔

''بار بار تکلیف مت کیا کرو۔ میرا دل کٹتا ہے جب تمہیں اس بیساکھی کے سہارے کھڑا ہوتا دیکھتا ہوں۔''

وہ دل سوزی کے ساتھ کہتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

آفتاب نے بمشکل خود پر ضبط کیا۔

اتنے عرصے اس نے وحید بھائی کی بے اعتنائی کو جھیلا تھا مگر وہ اس طرح دل دکھانے کا سبب نہیں بنی تھی جیسے کہ اس وقت ان کی محبت۔

اس نے دیکھا وہ سامنے گاڑی میں بیٹھے ہاتھ ہلا کر اسے خدا حافظ کہہ رہے تھے۔

آفتاب نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا تو وہ گاڑی کو آگے بڑھا لے گئے۔ آگے جا کر وہ دوسری سڑک پکڑتے تھے۔ مگر آج مین روڈ پر جانے سے پہلے ہی گاڑی کی رفتار دھیمی کرنی پڑی۔

راتوں رات کوئی تعمیراتی کام شروع ہو چکا تھا شاید۔ انہوں نے بڑی کوفت محسوس کرتے ہوئے گاڑی کو سائیڈ کی گلی میں موڑ لیا۔ یہ سارا علاقہ ان کیلئے جانا پہچانا تھا۔ ہوش سنبھالنے سے لے کر شادی کے بعد فرحت کو ملے گھر میں شفت ہونے تک وہ ان ہی گلیوں میں پھرا کرتے تھے۔ سو سارا علاقہ از بر تھا۔

ایک گلی سے شارٹ کٹ لیتے ہوئے۔ دوسری گلی' انہیں پتہ تھا کہ اس طرف سے جاتے ہوئے وہ سیدھے اپنی مطلوبہ سڑک پر جا نکلیں گے۔ گلیاں زیادہ چوڑی نہیں تھیں آج اتوار تھا اور دن کا وقت تھا لوگوں کی آمد و رفت بھی اس وقت زیادہ ہوتی تھی۔ سو انہیں گاڑی کی رفتار ہلکی رکھنا پڑ رہی تھی۔

تب ہی اچانک وہ بری طرح چونک اٹھے۔

سامنے ایک گلی سے انہیں وہ نکلتی دکھائی دی تھی۔

''ثانیہ۔''

وہ زیر لب بڑبڑائے۔

یہاں ان گلیوں' سڑکوں سے گزرتے ہوئے وہ ہمیشہ اسے دیکھنے کے منتظر رہتے تھے۔

بار بار وہ اسی ایک جستجو کو لے کر یہاں چلے آتے تھے اور ہر بار کی ناکامی' اندر کی جھنجلاہٹ کر بڑھاوا دیتی تھی۔

''تف ہے ان پر' جو ایک معمولی سی لڑکی کے حصول میں بھی ناکام رہے۔''

خواہش' ضد اور جھنجلاہٹ میں تبدیل ہو چکی تھی اور اندر کا یہی غصہ ان کی کوششوں کو تیز تر کئے دے رہا تھا۔

اپنی پلاننگ کے حساب سے وہ ابھی چند اور قدم کے فاصلے پر تھے کہ اچانک ہی فاصلے سمٹے تھے۔

انہوں نے گاڑی کی رفتار اور دھیمی کر لی۔ ثانیہ کے ساتھ چلنے والی دوسری عورت کوئی گھریلو ملازمہ تھی۔ اس کے حلیے سے انہوں نے بالکل صحیح اندازہ لگایا۔

وہ یہاں قریبی دکانوں سے گھر کی ضرورت کی اشیاء خرید کر پلٹ رہی تھی۔ شاپرز میں سے جھانکتے سامان سے پتہ چل رہا تھا۔

انہوں نے دانستہ ان لوگوں کو آگے جانے دیا، ہی ایک لمبی سی گلی تھی۔ وہ مستقل اس پر نظر جمائے ہوئے تھے اپنے ساتھ چلنے والی عورت کی کسی بات پر وہ مسکرائی تھی۔

وحید نے اس مسکراہٹ کی دل کشی کو قدرے فاصلے پر بھی محسوس کیا۔

سامنے ڈیش بورڈ پر سے اپنا سن گلاس اٹھا کر لگاتے ہوئے انہوں نے گاڑی کی رفتار کو تھوڑا دھیما کیا۔

وہ دونوں اب ایک گھر پر رک چکی تھیں۔ گیٹ شاید پہلے سے ہی کھلا ہوا تھا۔ اسے دھکیلتے ہوئے پہلے ثانیہ اور پھر وہ دوسری عورت بھی اندر چلی گئی تو وہ گاڑی کو آگے بڑھا لے آئے۔

گیٹ دوبارہ بند ہو چکا تھا۔

چند لمحے وہیں رک کر انہوں نے اس چھوٹے سے گھر کو اچھی طرح ذہن نشین کیا اور پھر گاڑی واپس موڑ لی۔

ہونٹ خود بخود مسکرا رہے تھے۔ ایک بڑی کامیابی تھی جو انہیں محض اتفاقاً ہی ہاتھ آئی تھی۔ نہ وہ مین روڈ بند ہوتا اور نہ وہ اس طرف گلیوں میں آنکلتے۔ ہر کام میں مصلحت والی بات آج اچھی طرح ان کی سمجھ میں آرہی تھی۔

اتنے دن سے جو وہ ثانیہ کا پتہ ٹھکانہ ڈھونڈنے کی تگ و دو کر رہے تھے بالآخر کامیاب ہوئے۔

بینا کے جانے کے بعد انہیں جو جھٹکا لگا تھا وہ یہی تھا کہ ثانیہ کا گھر اس کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا تھا۔

اماں کا تو خیر کہیں آنا جانا تھا ہی نہیں اور آفتاب کو ظاہر ہے نہ کوئی دلچسپی تھی اور نہ ضرورت۔

میڈیکل اسٹور پر بیٹھے آفتاب نے وحید بھائی کی گاڑی کو دوبارہ اتنی جلدی آتے ہوئے حیرت سے دیکھا۔ اس بار وہ اس کی طرف آنے کے بجائے تیز قدموں سے سیدھے اندر کی طرف گئے۔

''خدا کرے سب خیریت ہو۔''

پتہ نہیں کیوں اس نے پریشانی سی محسوس کی۔ جب سے بچے گئے تھے دل بار بار ان کیلئے متفکر ہونے لگتا تھا۔

چھوٹے دونوں تو تھے بھی بے حد شرارتی، بینا کے کب کنٹرول میں آتے تھے۔ وہ تو وہ اور اماں اتنی دیکھ بھال رکھتے تھے کہ کہیں باہر سڑک پر نکلنے نہیں دیتے تھے۔

تھوڑی اور دیر وحید بھائی نہیں واپس آئے تو وہ ملازم لڑکے کو خیال رکھنے کا کہہ کر خود گھر کی طرف بڑھ گیا۔

''جیسے میں کہہ رہا ہوں اماں آپ کو ویسے ہی کرنا ہے۔ پریشان ہونے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ ہر ایک کو جواب میں خود دے لوں گا۔''

بہت ٹھنڈے اور نرم لہجے میں وہ اسے لاؤنج میں ہی کہتے سنائی دیے گئے۔

''اس کے بچوں کے بارے میں کم از کم کوئی بات نہیں تھی۔'' آفتاب کو ایک فوری اطمینان تو نصیب ہوا تھا۔

''اللہ کو مان وحید۔ کیوں اس بڑھاپے میں میری عاقبت خراب کرنے کے درپے ہو رہا ہے۔ جو کرنا ہے خود کر، مجھ سے مت توقع کر کہ میں ان الٹی سیدھی حرکتوں میں، تیرا ساتھ دوں گی۔''

اماں خفگی کے ساتھ منع کر رہی تھیں۔

وہ چلتا ہوا کمرے کے دروازے میں آکھڑا ہوا۔

''تم ہی سمجھاؤ نہیں کیا برائی ہے اس میں' اگر میں اس لڑکی ثانیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ایک جائز شرعی کام' یتیم لڑکی ہے' اسے اور اس کی بوڑھی ماں کو سہارا بھی مل جائے گا۔''آفتاب کو دیکھ کر وہ امداد طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''تو کرلو جو کرنا ہے مگر مجھ سے کوئی امید مت رکھو۔غضب خدا کا' اب تو بچیاں بھی بڑی ہو رہی ہیں تمہاری' کسی کا نہیں' ان ہی کا پاس کرلو۔''اماں کسی طرح نظر ثانی کے موڈ میں نہیں آ رہی تھیں۔

''رشتہ تو خیر آپ کو لے کر جانا ہی پڑے گا۔وہ بھی آج یا کل۔بس اس سے زیاد نہیں۔''

وحید بھائی کے چہرے کے نقوش پر چھائی کر خنگی اور بھی گہری ہونے لگی۔

''وحید بھائی کوئی ایسی غلط بات تو نہیں کہہ رہے ہیں اماں۔آپ کو جانے میں کیا اعتراض ہے۔اگر وہ لوگ مناسب سمجھیں گے تو ہامی بھریں گے ورنہ نہیں۔''

اس بار اماں کے کچھ کہنے سے پہلے آفتاب تیزی سے بول اٹھا۔اماں نے حیرت سے اور وحید بھائی نے تعریفی نگاہوں سے بیک وقت اس کی طرف دیکھا۔

''ان کی زندگی ہے' جو چاہے اپنے لئے کر سکتے ہیں۔وہ بے چارے کب تک خوشیوں سے محروم زندگی جیئے جائیں۔''

آج کل جو سبق وہ لے رہا تھا۔اس کا اثر وہ اچھی طرح قبول کر چکا تھا۔

''دیکھا۔آفتاب نے کتنی سمجھداری کی بات کی ہے۔رشتہ لے جانے میں تو کوئی برائی نہیں اور پھر ہم کوئی زور زبردستی تو نہیں کر رہے ہیں۔''

وحید بھائی کا لہجہ اور بھی ممنونیت بھرا ہونے لگا۔گھی جب سیدھی انگلیوں سے ہی نکل رہا تھا تو پھر انگلیاں ٹیڑھی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔اماں اس بار بالکل خاموش رہیں۔

قرآن پاک میں مال اور اولاد کو ایسے ہی تو آزمائش نہیں کہا گیا ہے۔انہیں اپنے بیٹوں کے ساتھ کتنی ہی بار اس بات کا تجربہ ہو چکا تھا۔

''بس تو پھر تیار رہیئے گا' کل شام آپ اور آفتاب دونوں جائیں گے ثانیہ کے گھر' ٹھیک ہے۔''انہوں نے کن انکھیوں سے آفتاب کی طرف دیکھا۔

وہ خاموش تھا۔

یقیناً اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

ان کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ گہری ہی ہوتی جا رہی تھی...

...☆☆☆...

ممانی خوش کم اور حیران زیادہ تھیں۔

آنے والے مہمانوں کا کروفر بڑا ہی اثر انگیز تھا۔

مٹھائی اور پھلوں کے خوبصورتی سے آراستہ ٹوکرے' بڑا سا رابو کے حلیے سے معزز نظر آنے والے مہمان اور دروازے پر کھڑی بڑی ساری گاڑی۔

انہوں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں ایک بار پھر ساتھ آئے اس سارے سامان کی مالیت کا اندازہ لگانا چاہا۔

اور جواباً پھر سے بوکھلاہٹ میں گھرنے لگیں۔

''بھلا پہلی پہلی بار' رشتے کیلئے آنے والے' کب اتنا خرچ کر ڈالتے ہیں۔ مگر دیکھو تو اس لڑکی کی قسمت''

وہ عادتاً حسد میں مبتلا ہو رہی تھیں۔

''میرے بھائی بہت سلجھے ہوئے اور صاحب حیثیت شخص ہیں۔ آپ لوگ جس طرح کی ضمانت چاہیں گے وہ دینے کیلئے تیار ہیں۔ اور ویسے بھی ان کے متعلق آپ جو بھی معلومات کروانا چاہیں۔ شوق سے کروا سکتے ہیں۔''

سامنے بیٹھا آفتاب بہت متانت سے وحید بھائی کا کیس پیش کر رہا تھا۔

اس کے چہرے پر پھیلی شرافت' نرم گفتاری اور قریب رکھی بیساکھی' خود بخود اس کیلئے دل میں نرم گوشہ پیدا کر رہی تھی۔

ممانی کو کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ' ثانیہ کیلئے آنے والے لوگ بہت ہی بھلے اور شریف النفس ہیں۔

گو آفتاب نے بینا کا حوالہ' جان بوجھ کر بڑے سرسری سے انداز میں دیا تھا مگر پھر بھی وہی آفتاب کی شناخت کا سبب بنی تھی۔

''ثانیہ کی استانی کے شوہر اور والدہ ہیں۔ رشتے کی بات کرنے آئے ہیں اس کیلئے۔''

جمیل ماموں کو وہ یہی کہہ کر ڈرائنگ روم میں لا چکی تھیں۔

آج ثانیہ کو آفس میں دیر ہوئی تھی۔ سو وہ موجود نہیں تھی۔

ان کی طبیعت ابھی بھی ٹھیک نہیں تھی۔ مین مارکیٹ والی' ان کی کراکری کی چھوٹی سی دکان پچھلے کئی دنوں سے بند تھی۔ پھر بھی ثانیہ کے حوالے سے کسی خوشخبری کی توقع لئے وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے۔ ڈرائنگ روم میں آبیٹھے تھے۔

زیادہ تر آفتاب ہی بول رہا تھا۔ اس کے ساتھ آئی والدہ خاموش ہی بیٹھی تھیں۔ ممانی نے دو چار بار انہیں مخاطب بھی کیا تو وہ مختصر سا جواب دے کر دوبارہ خاموش ہو گئیں۔

''بڑی بی یقیناً مغرور ہیں' پیسے والی ہیں۔ اسی لئے ہم جیسوں کو منہ لگانا پسند نہیں کر رہی ہیں۔''

اپنی فطرت کے عین مطابق انہوں نے ایک بدگمانی بھرا اندازہ لگایا اور پھر اس پر فوراً ہی دل سے یقین بھی کر لیا۔

ماموں کے چہرے سے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کیلئے کیا تاثر لے رہے ہیں مگر وحید کی دوسری شادی کے ذکر پر انہوں نے پہلو بدلا تھا۔

''میرے بھائی دوسری شادی بوجوہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ ان کی پہلی شادی بالکل ناکام رہی ہے۔ بیوی کے ساتھ ان کی ہم آہنگی بالکل بھی نہیں ہو سکی اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جب ساتھ رہنے والے دو انسانوں کے مزاج آپس میں بالکل بھی نہیں ملتے ہوں تو زندگی گزارنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

آفتاب نے اپنے طور پر بہت مناسب الفاظ میں وحید کی پہلی شادی کا قصہ گوش گزار کرنے کی کوشش تھی۔ مگر جمیل ماموں کے چہرے پر پھیلتی پھیکی سی مسکراہٹ پر اسے تھوڑی سی شرمندگی تو ضرور رہی ہوئی۔

''بہت سی شادیاں ناکام ہوتی ہیں مگر ہر ایک یہی حل تو نہیں نکالات۔ لوگ گزارا کر ہی لیتے ہیں۔ بچوں کی خاطر، خاندان کے دبائو کے تحت، زندگی گزر ہی جاتی ہے، چاہے جیسی بھی ہو۔''

جمیل ماموں کی بات میں زندگی سے بڑا ان کا اپنا تجربہ تھا۔

انہوں نے نوٹ کیا کہ، آفتاب کی والدہ کے چہرے پر ان کی بات سن کر ہلکا سا اطمینان ابھرا تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

آفتاب سنبھل کر بیٹھا۔ ''مگر زندگی کی خوشیوں پر حق تو سب ہی کا بنتا ہے نا اور دوسری شادی کوئی گناہ بھی نہیں ہے جو اس پر اعتراض کیا جائے۔''

''خدا نہ کرے جو میں ایک شرعی کام پر اعتراض کروں۔''

جمیل ماموں نے اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

''میں تو محض ایک تجربہ میں آئی بات عرض کر رہا تھا کہ مرد اور عورت دونوں ہی معاشرے میں، قدم قدم پر بے حد دبائو کا شکار ہوتے ہیں اور برداشت کرتے ہیں۔''

''میرے بھائی بہت اچھے ہیں اور انہوں نے اب تک بے حد برداشت سے کام کیا ہے۔''

وحید سے فی الوقت استوار ہوئے بے حد خوشگوار تعلقات کے باوجود بھی، ایک پل کیلئے تو آفتاب کو خود بھی ایسے لگا جیسے وہ صریحاً جھوٹ بول رہا ہوں۔

ممانی نے ذرا ناگواری سے جمیل ماموں کی طرف دیکھا جو مستقل نکتہ چینی کا محاذ کھولے بیٹھے تھے۔

''ہوتی ہیں بہت سی بدذات عورتیں، جو شوہروں کو چین نہیں لینے دیتیں۔''

گفتگو کی ذمہ داری انہوں نے مہارت سے اپنے ہاتھ میں لی۔ اس وقت کی خوشگواریت کو وہ اب آسانی سے زائل نہیں ہونے دینا چاہ رہی تھیں۔ ''گھر میں سارے سکھ آرام کے باوجود ان کا جینا حرام کئے رکھتی ہیں۔''

ان کا انداز گفتگو ان کی فطرت کا عکاس تھا۔

بہت دیر سے خاموش بیٹھی آفتاب کی والدہ نے ذرا برا منا کر ان کی طرف دیکھا۔

''میری بہو ایسی نہیں ہے اس کی اور وحید کی آپس میں نہیں بنی، وہ الگ بات مگر فرحت بے حد سمجھدار اور صابر ہے۔''

ماموں نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔

یہ یقیناً ایک ایماندارانہ تجزیہ تھا۔

''وہ تو آپ کہہ رہی ہیں۔ اصل صورتحال تو آپ کے بیٹے کو ہی پتہ ہوگی۔'' ممانی، وحید کو سپورٹ کرنے فیصلہ ابتدائی چند منٹوں میں کر چکی تھیں۔ سو اب پیچھے ہٹنا ناممکن تھا۔

اسی اثناء میں اماں اپنا عصر و مغرب کے درمیان پڑھا جانے والا وظیفہ ختم کر کے، ممانی کے بلانے پر خاموشی سے آکر ایک طرف بیٹھ چکی تھیں اور معاملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''کتنے بچے ہیں آپ کے بھائی کے؟''

جمیل ماموں نے بڑے تحمل سے انکوائری شروع کی۔

''جی تین۔''

"ان کی عمریں۔"

آفتاب بڑا سنبھل سنبھل کر ان کے سوالات کا جواب دے رہے تھے۔

وحید بھائی نے سختی سے ہدایات کی تھی کہ بچوں کی عمروں کو دو چار سال گھٹا کر بتایا جائے تاکہ خود ان کی اپنی عمر بھی کم لگے۔

مگر ماموں نے محض دو چار سوال کر کے ہی جو نکتہ اعتراض اٹھایا وہ یہی تھا۔

"میری بھانجی چھوٹی ہے اور آپ کے بھائی صاحب کا اس سے عمر میں دوگنے کا فرق ہے۔"

آفتاب کے چہرے پر نگاہ جما کر کہتے ہوئے وہ ذرا رکے۔

خاموشی کے اس چھوٹے سے پل میں آفتاب نے خود کو بہت ان کمفرٹیبل سا محسوس کیا۔

"اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اس طرح کے رشتوں میں محض سمجھوتہ رہ جاتا ہے۔ خوشی نہیں"

آفتاب کے چہرے پر ناگواری سی ابھری۔

بینا کے ساتھ' اس کے روّیے سے قطع نظر وہ اچھا خاصا معقول شخص تھا اور غرور یا خود نمائی جیسی کوئی علت اس نے کبھی نہیں پالی تھی۔

پھر بھی' نیچی چھت والے' اس پرانے سے اسی گز کے گھر میں بیٹھے جمیل ماموں کی بات اسے بری لگی تھی۔

قطعی لوئر مڈل کلاس زندگی گزارنے کے باوجود انہوں نے وحید بھائی کو تقریباً مسترد کر دہی دیا تھا۔

ثانیہ کے نام گھر' انتہائی معقول خرچہ۔

"اور جو کچھ بھی وہ لوگ لکھوانا چاہیں۔" کی پیش کش بھی ان کے منہ میں پانی لانے کا سبب نہیں بن سکی تھی۔

ذرا دیر کیلئے تو وہ اسے خاصے ناشکرے شخص لگنے لگے تھے اور غیر حقیقت پسند بھی۔

"سمجھنے کی کوشش کریں آپ کی بھانجی کا آپ کے علاوہ کوئی سرپرست نہیں ہے ایسے میں اگر اسے ایک تحفظ بھری زندگی مل جاتی ہے تو اس سے بھی بڑی کوئی بات ہو سکتی ہے۔"

"ہر بات سے بڑی بات' میرے لئے صرف ثانیہ کی خوشی ہے آفتاب صاحب وہ میری ذمہ داری ہے بوجھ نہیں' جسے کہیں بھی پھینک کر میں اپنے آپ کو مطمئن کر لوں' آگے خدا کے سامنے بھی بڑی سخت

جواب دہی ہے" بیمار' کمزور جمیل ماموں۔ جن کا سانس' اتنی دیر بات کرنے کے بعد پھول رہا تھا اور جنہیں دیکھ کر' ان کی صحت کے بارے میں کوئی خوش امیدی نہیں جاگتی تھی۔

آفتاب کی سمجھ میں وہ بالکل بھی نہیں آ رہے تھے۔ ثانیہ کے ساتھ' وہ خود اپنے لئے بھی بہت کچھ اچھا کر سکتے تھے مگر نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ماحول پر چھائی ہوئی ساری گرمجوشی اب ماند پڑ رہی تھی۔

اماں ساری ذمہ داری جمیل ماموں کے سپرد کر کے ویسے بھی لاتعلق سی بیٹھی تھیں اور ممانی کا دل صرف ماموں کی کم عقلی پر ماتم کرنے کو چاہ رہا تھا۔

"آپ جلدی نہ کریں۔ ایک بار وحید بھائی سے مل لیں گے تو مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور مطمئن ہو جائیں گے"

حالاں کہ یقین تو کیا' اسے اب اس بارے میں شبہ بھی نہیں رہ گیا تھا پھر بھی آفتاب' بھائی کے ساتھ اپنی وفاداری ممکنہ حد تک نبھانا چاہ رہا تھا۔

''میں اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا' میرا جواب قطعی ہے۔''

آخری کیل ٹھوکنے کے سے انداز میں' جمیل ماموں نے اس ساری بحث کو نقطہ اختتام تک پہنچانا چاہا تب ہی۔

ممانی جیسے تڑپ کر آگے بڑھیں۔

''ایسے صاف منع نہیں کیا جاتا لڑکیوں کے رشتوں کو' ان کی بات کا برا نہ مانیے گا' بیماری کی وجہ سے چڑچڑے ہو رہے ہیں اور جذباتی بھی۔ثانیہ سے محبت بھی تو بہت کرتے ہیں ایسا ہے کہ ابھی ہمیں کچھ دن سوچنے دیں' یہ فیصلے اس طرح ایک دم تو ہو بھی نہیں سکتے۔''

آفتاب کو ان سے بڑی مورل سپورٹ حاصل ہوئی۔

''ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے آپ بے شک اچھی طرح سوچ لیں۔''

''کیوں ان کا وقت ضائع کر رہی...۔''

جمیل ماموں سے اپنی بات پوری نہ ہو سکی' بار بار اٹھتی کھانسی' انہیں اب زیادہ بولنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔

''آپ یہاں آئے' ہماری عزت افزائی کی' مشکور ہوں' مگر...۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلا کر بات ایک بار پھر ادھوری چھوڑ دی۔

ان کی طبیعت ایسی نہیں تھی کہ وہ یہاں زیادہ دیر تک بیٹھے رہتے۔اماں انہیں سہارا دے کر اٹھانے لگیں تو آفتاب کو بھی اٹھنا پڑا۔

یہاں موجود سب لوگوں میں صرف آفتاب کی والدہ تھیں۔جواب پہلے کی نسبت' خاص مطمئن دکھائی دے رہی تھیں اتنی دیر میں انہوں نے ایک بار بھی نہ تو اپنے بیٹے کی ہی وکالت میں ایک لفظ بھی کہا اور نہ ہی اس رشتے کے حصول کیلئے کسی قسم کے اشتیاق کا اظہار کیا تھا۔

آفتاب کے اٹھتے ہی' وہ جس طرح فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔اس سے بھی ان کی لاتعلقی پوری طرح ظاہر ہو رہی تھی۔

ممانی نے انہیں یکسر ناپسند کیا تھا۔

''اور مہربانی کر کے آپ یہ سب...۔''

جمیل ماموں نے اس سارے تام جھام کی طرف' جو ان لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔اشارہ کیا اور اندر کے کمرے کی طرف مڑ گئے۔

ان کی کھانسی بڑھ رہی تھی۔

''میں نے کہا نا' بیماری کی وجہ سے ایسے ہو رہے ہیں۔ورنہ تو بہت خوش مزاج شخص ہیں۔آپ فکر مت کریں۔میں سنبھالوں گی۔''

ممانی بڑی پر یقین تھیں۔

آفتاب کو تھوڑی سی امید ان ہی سے بندھ رہی تھی۔

''ہم یہ سب واپس لے کر جائیں گے تو وحید بھائی کو بہت رنج ہو گا۔''

''آپ اتنی محبت سے لائے ہیں' میں کیسے واپس کر سکتی ہوں یہ تو بس یوں ہی۔'' ممانی کا ہرگز بھی دل نہیں چاہ رہا تھا کہ ان میں سے کچھ بھی واپس جائے' بھلے ماموں بعد میں شور کرتے رہیں۔

ان کا ذہن بڑی تیزی سے چل رہا تھا۔

آفتاب نے جتنی پرکشش باتیں یہاں بیٹھ کر کی تھیں وہ ساری زندگی بدلنے والی تھیں۔ اتنا سنہرا موقعہ پھر کب ملنے والا تھا۔

وہ لوگ اب گھر سے نکل کر گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ آفتاب کی والدہ بیٹھ چکی تھیں اور ڈرائیور آفتاب کو بیٹھنے میں مدد دے رہا تھا۔

'' ایک منٹ بھائی۔''

آفتاب نے ممانی کی آواز پر چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ گیٹ سے نکل کر وہ اس کی طرف آ رہی تھیں اور چہرے پر پھیلا دبا دبا سا جوش بتا رہا تھا کہ انہیں کوئی ترکیب سوجھ ہی گئی ہے۔

...☆☆☆...

شیریں نے جاب سے ریزائین کر دیا تھا۔

خبر اہم ضرور تھی مگر غیر متوقع نہیں۔

جن جن لوگوں نے اس کی منگنی کا شاندار فنکشن اٹینڈ کیا تھا انہیں اسی دن اندازہ ہو گیا تھا کہ اب شیریں کی پروفیشنل لائف مشکل ہی ہے۔ جو اس ہائی فائی بیوروکریٹ کے ساتھ چل سکے۔

''شہریار صاحب کب برداشت کریں گے کہ ان کی بیوی' شام ڈھلے تک کسی آفس میں بیٹھ کر کام میں جتی رہے۔''

''وہ جس پوسٹ کے آدمی ہیں ان کی اپنی بیوی سے یکسر مختلف توقعات ہوں گی۔ شیریں کو اب اپنے پرسنل کیریئر کی قربانی تو دینی پڑے گی۔''

''قربانی کیسی' یہ تو ایک اور بھی زیادہ شاندار دور کا آغاز ہے۔''

اس طرح کی باتیں سرکل میں باقاعدگی سے کی جاتی رہی تھیں۔ سو اس خبر پر نہ ہی حیرت ہوئی تھی اور نہ ہی افسوس بلکہ قریب ترین دوستوں نے تو مبارکباد ہی دی تھی۔

ذمہ داریوں کے ایک طویل سلسلے کے خاتمے پر سجاد کو یہ اطلاع کسی مشترکہ دوست کے ذریعے ہی پہنچی تھی۔

شیریں' جاب چھوڑنے یا نہ چھوڑنے کے بارے میں ان کے سامنے اپنے کنفیوژن کا اظہار کئی بار کر چکی تھی' پھر بھی۔

سجاد کو یقین نہیں تھا کہ وہ اس شاندار کیریئر کا اختتام اتنے روایتی انداز میں کرے گی۔

اب اس کے ساتھ فون پر بات چیت میں بھی وقفہ بڑھنے لگا تھا مگر اس روز وہ اپنے آفس کے بے پناہ کام کے دباؤ سے وقت نکال کر خاص طور پر مسز حسین کے وسیع و عریض گھر کے لائونج میں آ بیٹھا تھا۔

''فی الحال تو ایک لانگ لیو بھی لی جا سکتی تھی۔ اس دوران آرام سے کوئی فیصلہ کرتیں۔ یہ کیا ایک دم ہی ریزائین کر دیا۔''

''وہ شیریں کی ''بیوقوفی'' پر جھنجلائے ہوئے تھے۔

"اتنی قابلیت' اتنا تجربہ اور ایک منٹ میں سارا کھیل ختم۔"

"ایک منٹ میں ہی ختم ہونا اچھا ہے ورنہ بعض کھیل تو ساری زندگی چلتے ہیں اور ختم نہیں ہوتے انسان ان کے پیچھے ختم ہو جاتا ہے۔"

وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"میں یہاں تمہارا فلسفہ سننے نہیں آیا ہوں بلکہ تمہیں اس بے وقوفی سے روکنے کیلئے آیا ہوں جو تم کرنے جا رہی ہو۔"

سجاد کو اس کی ہر بات بے تکی لگ رہی تھی۔

"میں اس سے بڑی بے وقوفی کر چکی ہوں۔ اس وقت تو تم نے مجھے نہیں روکا۔" اس بار وہ مسکرائی بھی نہیں۔

سجاد نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

شیریں بے حد سنجیدہ تھی اور یقیناً خفا بھی۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے انہوں نے شرمندگی کے اس احساس سے بچ کر نکلنا چاہا جو بناء کوئی غلطی کئے ان کے حصے میں آ چکا تھا۔

"وہ بے وقوفی نہیں' ایک صحیح فیصلہ ہے۔ شہریار تمہارے لئے ایک بہترین شخص ہے۔"

"وہ میرے لئے بدترین ثابت ہو گا یہ مجھے پہلے دن سے معلوم ہے۔ پھر بھی اس نے اس کا انتخاب کیا ہے۔"

بڑی اضطرابی سی کیفیت میں وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ کسی کسی وقت اندر کی کڑواہٹ اتنی بڑھنے لگتی تھی کہ خوش مزاجی کا مروتاً بھی مظاہرہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سجاد سے فوری کچھ بھی نہیں کہا گیا۔

شیریں جیسی سمجھدار عورت سے یہ توقع رکھنی بھی فضول تھی کہ اسے' اسلام آباد والی لگژری لائف کے پیچھے ملنے والی گھٹن کا اندازہ نہیں ہو گا۔

"ہو سکتا ہے تمہارا اندازہ غلط ہو۔ بعض اوقات ہم تصویر کا صحیح رخ نہیں دیکھ پاتے۔"

ایک کمزور سی تسلی اور...

"تم میری فکر چھوڑ دو۔"

وہ مسکراتے ہوئے واپس بیٹھ گئی۔ "میں نے یہ جاب چھوڑنی ہی تھی۔ تم اگر وہاں رہتے تو شاید رکنے کے بارے میں سوچ ہی لیتی مگر اب تو وہاں میرا بالکل بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ سو چھوڑ دی تمہارا ابھی تو دل اچاٹ ہو گیا تھا وہاں سے۔"

حالانکہ وہ مسکرا رہی تھی مگر اس کے لہجے اور نگاہوں میں ایک ہلکی سی چبھن کا احساس ضرور ملتا تھا۔

سجاد کو اس وقت وہ خاصی مشکل لگ رہی تھی۔

"مجھے تو مجبوراً چھوڑنی پڑی تھی۔ بابا کی کنڈیشن تمہیں پتہ ہے آفس سنبھالنے کیلئے کوئی تو ہونا چاہئے تھا اوپر سے فیضی بھی۔"

"میں نے تم سے صفائی تو نہیں مانگی۔" وہ پھر سے ہنسنے لگی۔ "راستہ کہیں نہ کہیں جا کر تو الگ ہوتا ہے ہم تو پھر بہت دیر ساتھ چل لئے۔"

''میں تو صرف یہ چاہ رہا تھا کہ تم کسی طرح اپنے کیریئر کو جاری رکھ سکو تم کام کی عادی ہو چکی ہو' بے کاری برداشت نہیں کر سکو گی۔''

''میری برداشت کے بارے میں تمہارا اندازہ بالکل غلط ہے سجاد۔ ارے اب تو بیگم صاحبہ بننے جاری ہوں ساری عمر کام کر لیا۔ اب ذرا بے مقصد زندگی گزارنے کا مزا بھی اٹھانے دو یہ لو۔''

اس نے چکن سینڈوچز سے بھری پلیٹ سجاد کے آگے کی۔

''شہریار بہت خوش ہے۔ میرے اس فیصلے سے' چلو کوئی تو ہے جو مطمئن ہے ویسے بھی اگر میں نہ چھوڑتی ہو تو اس نے تو بعد ہیں چھڑا ہی دینی تھی خود سے فیصلہ کر لینے میں' تھوڑی بہت سیلف ریسپکیٹ تو باقی رہ جاتی ہے۔''

سجاد کی پلیٹ میں مختلف چیزیں ڈالتے ہوئے وہ اب کھل کر مسکرا رہی تھی۔

''یہ دیکھو تصویریں'' وہ سائیڈ بورڈ پر رکھا البم اٹھا کر سجاد کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اب اپنے ریزائن کے بارے میں مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہ رہی ہے۔

سجاد بھی خاموش ہو رہے۔

ہر رشتے' ہر تعلق کی ایک حد ہوتی ہے۔

سجاد نے ہمیشہ اس حد کا احترام کیا تھا۔ سو وہ بھی پوری طرح' اس بڑے سے البم میں بہت خوبصورتی کے ساتھ لگی تصاویر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

شیریں کی خوبصورتی کے بارے ہیں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں۔

ہر جگہ' ہر رخ سے' وہ پورے البم پر چھائی ہوئی تھی اور ہر تصویر میں ساتھ دکھائی دیتا شہریار' محض ایک خالی جگہ کو پر کرتا ہوا۔

تصویروں میں' سب ہی چہرے جانے پہچانے تھے۔ کولیگز' پرانے دوست' ایک تصویر میں عمر اور فرح بھی تھے۔

ان دونوں کو دیکھتے ہی' وہ شکوہ بھی یاد آیا۔ جو کئی بار شیریں سے کرنے کو دل چاہا تھا۔

پر اب۔ رات گئی بات گئی۔

شیریں کی جذباتی کیفیت' وہ بڑی حد تک سمجھتے تھے سو کیا ضروری تھا کہ یہ ذکر چھیڑا جائے۔

فرح اور عمر کی تصویر دیکھتے ہوئے وہ اسی خیال میں تھے۔

جب شیریں نے ان کی سوچ کو چہرے سے پڑھا۔

''میں نے ثانیہ کو انوائیٹ نہیں کیا تھا۔''

مختصر سا جملہ کہہ کر' وہ سجاد کے تاثرات کا اندازہ لگانے کیلئے ذرا سا رکی' مگر وہ خاموش ہی رہے۔

''تمہیں برا لگا ہو گا؟'' اس کے لہجے میں کچھ عجیب سا تھا۔

''مجھے حیرت ہوئی تھی کہ تم اسے کیسے بھول گئیں۔''

انہوں نے وہی کہا جو ان کا اپنا اندازہ تھا۔

''میں بھولی نہیں تھی' میں نے جان بوجھ کر اسے نہیں بلایا تھا۔''

سجاد نے بہت حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ نہ کلاس کانشس تھی اور نہ ہی سخت دل اور مغرور۔

کم از کم انہوں نے اسے ایسا ہی جانا تھا۔

''کیوں؟'' وہ بے ساختہ ہی پوچھنے پر مجبور ہوئے۔

''اس لئے کہ میں اسے بالکل پسند نہیں کرتی۔ اس کی موجودگی' میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہے۔''

یہ وہ شیریں نہیں تھی۔ جسے وہ جانتے تھے۔

''وہ لڑکی ہمیشہ مجھے اپنا مذاق اڑاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ایسے جیسے دل ہی دل میں مجھ پر ہنستی ہو۔ اس کی اوقات دیکھو اور اس کی ہمت۔''

''ثانیہ ایسی نہیں ہے''

بمشکل ہی توہین کے اس احساس پر قابو پا کر انہوں نے اس کا دفاع کرنا چاہا۔ ''وہ بہت سادہ لڑکی ہے اور تمہیں بھی اس کے متعلق اس طرح بات نہیں کرنی چاہئے۔''

پہلی بار انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں شیریں پر بہت سخت غصہ آرہا ہے۔

''کیوں نہ بات کروں' اس لئے کہ تم اسے پسند کرنے لگے ہو اس لئے اسے برا کہنا تم سے برداشت نہیں ہو رہا ہے'' اس کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہو رہے تھے۔

نفرت' کدورت' سارے منفی جذبات' انسان کی شخصیت کو جس طرح مسخ کرتے ہیں' شیریں بھی ان سے نہیں بچ پائی تھی۔

اس کا حسن چہرہ اپنی دل کشی کھونے لگا تھا۔

''سجاد نے دانستہ نگاہیں چرائیں۔''

''ایسی باتیں مت کرو جو تمہیں سوٹ بھی نہیں کرتی ہیں۔''

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

بات کیا سے کیا رخ لے گی۔ ان کے ہم و گمان میں نہیں تھا۔

''اس وقت تم بہت جذباتی ہو رہی ہو میں پھر کسی وقت آئوں گا۔'' انہوں نے قدم آگے بڑھانا چاہا مگر وہ تیزی سے سامنے آگئی۔

''میری بات کا جواب دے کر جائو سجاد۔''

''کیا بے وقوفی ہے یہ۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جھنجلائے مگر شیریں کی سوالیہ نظریں ان کے چہرے پر جم رہی تھیں۔

''تم ثانیہ کیلئے بہت سنجیدہ ہو' چاہتے ہو اسے''

''شیریں پلیز۔''

جو بات انہوں نے خود سے بھی شیئر نہیں کی تھی کب ایک کھلا راز بن چکی تھی۔

پہلے عمر' پھر فرح

وہ ان کے ڈھکے چھپے، محبت بھرے اشاروں کو بھی سمجھ رہے تھے۔

اور اب یہ شیریں کے، بے حد اضطراب اور حسد میں ڈوبے، براہ راست سوال۔

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ تمہارا معیار یہ ہوگا خود سے آدھی عمر کی لڑکی اور بالکل نچلے درجے کا بیک گراؤنڈ، پتہ نہیں کیا چکر چلا کر اس نے تمہیں پھنسایا ہے، ایسی لڑکیوں کا کام ہی یہی ہوتا ہے، پیسے والے مردوں پر نظر.....''

''بس ایک لفظ اور نہیں''

ہاتھ سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے، سجاد کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ ''بہت برداشت کیا ہے میں نے'' کیا جاننا چاہ رہی ہو تم، یہی کہ میں ثانیہ کو پسند کرتا ہوں۔ تو ہاں، میں اسے پسند کرتا ہوں اور بہت پسند کرتا ہوں، بس مل گیا تمہیں جواب۔''

محض ایک پل رک کر وہ تیز قدموں سے لاؤنج سے باہر جا چکے تھے اور شیریں وہیں ساکت کھڑی تھی۔

☆☆☆...

گھر میں شادی کی تیاریاں زور پکڑ چکی تھیں۔

شام ڈھلتے ہی فرح بھی آجاتی، نانی کی رحمت منزل میں دوستیاں، رشتے داریوں سے بھی کہیں بڑھ کر مضبوط ہو چکی تھیں۔

سوان کا ہاتھ بٹانے والوں کی کمی نہیں تھی۔ کپڑوں کی خریداری، سلائی، کام بنوانا، ہر کام بڑے تسلسل سے ہو رہا تھا۔

سب ہی کو ایک مشترکہ دلچسپی بڑے دنوں بعد حاصل ہوئی تھی۔

عمر جب آفس سے آتا تو گھر پر مینا بازار کا سماں ہوتا۔ نانی تخت پر سارے رنگ برنگے کپڑے پھیلائے ہوئے بیٹھی ہوتیں اور ارد گرد محلے کے وہ سب ہی جانے پہچانے چہرے جن کو وہ بچپن سے ہی دیکھتا آرہا تھا۔

خوشگوار ہنگامے میں ڈوبا ہوا گھر، ابھی سے شادی والے گھر کی تصویر پیش کرنے لگا تھا۔

کبھی کبھی تو عمر کو شک گزرتا کہ یہیں اس کی بارات اب دروازے میں ہی کھڑی ہے۔ پھر بھی کچھ ایسا تھا جو نہ کھل کر خوش ہونے دیتا تھا اور نہ ہی بے فکر کرتا تھا۔

بظاہر وہ سب کاموں میں دلچسپی کا اظہار کرتا ہنستا بولتا، مگر ایسے جیسے سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی الگ تھلگ۔

فرح نے پہلے تو اپنا وہم سمجھ کر ٹالنا چاہا مگر پھر ضبط نہ ہوا تو اس دن خاص طور پر اس نے عمر کو پکڑا۔

وہ اپنے کمرے میں ہی تھا اور محلے کی خواتین کے ساتھ آئے بچے۔ اس کے کمرے میں بے تکلفی کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

''اب تو تم بابا کو بھی ساری بات بتا چکے ہو اور وہ تمہیں اجازت بھی دے چکے ہیں پھر کیا پرابلم باقی رہ گئی؟''

چائے کا کپ اسے پکڑا کر وہ بناء تمہید کے موضوع پر آچکی تھی۔

عمر ہلکے سے مسکرایا۔

''تم کوئی خدائی فوجدار لگی ہوئی ہو۔ نہ اطلاع نہ وارننگ، ڈائریکٹ گردن سے پکڑتی ہو۔''

''ہاں، ایک تو اس طرح تمہارے بچ نکلنے کا امکان باقی نہیں رہتا اور دوسرے میرا اپنا وقت بے حد قیمتی ہے۔''

وہ بہت اطمینان سے سامنے والی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ ''اب تو تمہاری آخری پریشانی بھی ختم ہوگئی ہے۔ بابا کی خفگی ختم نہ سہی، کم تو ضرور ہوگئی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بھی نہیں رہے گی۔ پھر یوں کیوں منہ لٹکائے پھرتے ہو۔ ساری رحمت منزل میں لوگوں کو تم پر شک سا پڑنے لگا ہے۔''

''کیسا شک۔''

وہ اپنی پریشانی بھول کر ذرا سنبھل کر بیٹھا۔

''یہی کہ تم اپنی شادی پر خوش نہیں ہو اور نانی اپنی مرضی سے تمہاری شادی کر رہی ہیں۔ اب اس عمر میں ان کا امیج خراب کرنے کا فائدہ؟''

فرح نے نوٹ کیا کہ وہ اس لائیٹ سے مذاق پر مسکرایا تک نہیں۔

''تمہیں تو مجھ پر اعتراض کا موقع چاہئے ہر وقت اب اور کچھ نہیں تو یہی سہی، شادی ہو رہی ہے تو کیا اب سارا وقت قہقہے لگاتا پھروں۔ جیسے سب کی ہوتی ہے میری بھی ہو جائے گی۔''

اس کا انداز اتنا سرسری سا تھا کہ جو فرح کو مزید چونکا گیا۔

''تمہاری اور دوسروں کی شادی میں بڑا فرق ہے۔ شادی تو سب ہی کی ہوتی ہے مگر تمہیں تو عشق میں بھی کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔ یہ کم بات ہے۔''

''پتہ نہیں، کامیابی ہو بھی رہی ہے یا بس یوں ہی دل کی تسلی ہے۔''

دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگایا۔

''دل کی تسلی بھی خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی ہے شکر کرو تم۔'' فرح کو پتہ تھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔ دیا اور اپنے تعلق کے بارے میں وہ ابھی بھی شکوک میں گرفتار تھا۔

''ابھی تک تو میں بھی یہی سمجھتا تھا مگر اب پتہ نہیں کیوں وہم سا ہو رہا ہے کہ جیسے یہ سب ایک بڑی غلط فہمی نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں نا کہ آدھی خوشی سے پورا غم زیادہ بہتر ہوتا ہے۔''

''اللہ رحم کرے تمہارے حال پر، اب تو خیر سے فلسفہ بھی بولنے لگے ہو۔'' فرح کو اس کے قنوطی سے انداز پر جھنجلاہٹ ہوتی تھی۔ ''اتنے عرصے ایک ہی رٹ دیا، دیا، دیا چلو جی ہاتھ پیر جوڑ کر تمہارا رشتہ بھی منظور کروایا۔ اس نک چڑھی لڑکی کو بھی تاحیات برداشت کرنے کا خود میں حوصلہ پیدا کر رہے ہیں اور پھر بھی تمہارے مسائل ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے۔ اب یہ الٹی سیدھی باتیں جاری رکھیں تو سچ کہہ رہی ہوں کہ سب مل کر تمہاری پٹائی کر ڈالیں گے۔''

عمر بے ساختہ ہنس پڑا۔

فرح سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔

یہاں ایسے قریبی سرکل میں، سب سے زیاد فرح کی ہی سنی اور مانی جاتی تھی۔ وہ جتنی مخلص اور سب کے کام آنے والی تھی۔ اس کا یہاں سب ہی کو بڑا پاس تھا۔ اور پھر جو سب سے بڑی سپورٹ اسے حاصل تھی وہ نانی تھیں۔

یہاں تک کہ دیا کیلئے انہیں راضی کرنا بھی صرف اور صرف فرح کا ہی کمال تھا۔

عمر منہ سے چاہے نہیں کہتا تھا مگر دل سے ضرور اس کا احسان مند رہتا تھا وہ بیک وقت دوست بھی تھی اور بہن بھی۔

ہوش سنبھالنے سے اب تک وہ جتنا ساتھ رہے تھے۔اس میں ساری خوشیاں' ساری تکلیفیں شیئر کی تھیں۔ہر بات اس سے کہنا۔ہر مشورہ اسی سے کرنا۔

پر اب یہ ساری محبتیں بہت تھوڑے عرصے کیلئے اور ساتھ تھیں۔

فرح کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے وہ نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچنے لگا۔

''کیا دیکھ رہے ہو۔اتنے مشکوک انداز سے۔''فرح نے اندر کہیں اس کی پریشانی کو محسوس کر لیا تھا مگر عادتاً سنجیدگی اختیار نہیں کر پائی۔''ایسے دیکھ رہے ہو کہ لگ رہا ہے مجھے کوئی خطرناک بیماری ہو چکی ہے جو صرف تمہیں ہی پتہ ہے۔''

''خدا نہ کرے۔''وہ بے ساختہ ہی بولا۔''ہر وقت بے وقوفی کی باتیں مت کیا کرو۔''

''چلو شکر ہے کہ تمہیں ابھی بھی ہمارا کچھ خیال تو ہے دیا کے آنے کے بعد دیکھیں گے۔''فرح نے چائے کا کپ خالی کر کے سائیڈ کی میز پر رکھا۔

''بعد میں۔''

عمر کو یہ دو لفظ غیر محسوس سے انداز میں چبھے تھے۔

''بھلا بعد میں وہ یہاں کہاں ہو گا۔دیا کی امی اس سے وعدہ لے چکی ہیں۔یہاں سے فوری طور پر شفٹ کر جانے کا۔''

کتنے ہی دن سے وہ اس بات کو لے کر عجیب سی الجھن میں گرفتار تھا۔اس روز ان سے فون پر بات کرتے ہوئے اس نے ان سے وعدہ کرنے میں تو چند سیکنڈ ہی لگائے تھے مگر اب جیسے جیسے سوچتا تھا تو یہ کر گزرنا اتنا آسان بھی نہیں لگ رہا تھا۔

اپنائیت سے بھرا یہ بے حد مانوس ماحول اور محبتوں میں گندھے رشتے' قدموں میں بڑی بھاری زنجیر ڈالتے تھے۔

دیا کی خاطر وہ سب کچھ چھوڑنے کا مصمم ارادہ رکھتے ہوئے بھی' کہیں اندر سے کمزور پڑ رہا تھا۔

''ہمیشہ ایسے ہی رہنا عمر اور خاص طور پر نانی کا تو ہمیشہ بہت خیال رکھنا ہم سب دیا سے بہت محبت کریں گے تو جواباً وہ بھی ہم سے محبت کرنے لگے گی۔''

فرح بڑے خلوص سے کہہ رہی تھی۔

''کیا بہتر نہیں ہو گا کہ وہ شادی کے فوراً بعد کے بجائے ابھی سے ان سب کو' اس دوری کیلئے تیار کرنا شروع کر دے جواب زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔''

آج کل اسے یہ خیال بار بار آ رہا تھا۔شاید اس طرح وہ خود بھی تھوڑا سا مطمئن ہو جائے گا اور یہاں صرف فرح تھی۔جسے اگر وہ کنوینس کر سکا تو باقی سب کو وہ خود سنبھال سکتی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ بعد میں میرا یہاں رہنا شاید مشکل ہو۔''بہت سنبھل کر عمر نے اس بارے میں پہلا اشارہ دینا چاہا۔

فرح اٹھ چکی تھی اور کمرے میں بچوں کی پھیلائی ہوئی بے ترتیبی کو درست کر رہی تھی۔بناء اس کی طرف دیکھے بڑی لاپروائی سے بولی۔''کیوں دیا کے والد تمہیں کوئی گھر ور دے رہے ہیں کیا۔یا تم کوئی ڈیمانڈ ان سے کر رہے ہو۔''

''خوامخواہ ہی۔''

فرح بدستور مصروف تھی۔عمر نے چند لمحے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کیا۔

''میں خود ایسا کرنے کا سوچ رہا ہوں۔اب ساری زندگی کیا ایک ہی جگہ گزارنی ضروری ہے میں تو کہتا ہوں کہ تم بھی آنٹی سے مشورہ کر لو۔تو ہم لوگ ایک ساتھ ہی...''

''دیا نے تم سے ایسی کوئی ڈیمانڈ کی ہے کیا۔''

فرح نے یک دم ہی اس کی بات کاٹی اور اتنی دیر میں پہلی بار وہ اتنی سنجیدگی سے کسی بات کو لے رہی تھی۔

''نہیں وہ بے چاری تو مجھ سے بات بھی نہیں کرتی تمہیں پتہ ہی ہے۔'' وہ دیا کا دفاع کرنے کیلئے مجبور تھا۔

''وہ بے چاری' اپنی والدہ کے ذریعے تو اپنی خواہش پہنچا سکتی ہے۔'' فرح کے لہجے میں بڑی چبھتی ہوئی سی کیفیت تھی۔

عمر کو اپنی غلطی کا فی الفور اندازہ ہونے لگا تھا۔فرح کو اتنا جاننے کے بعد بھی' اس نے کیسے یہ سوچا تھا کہ وہ اصل بات تک نہیں پہنچ جائے گی۔

''اصل میں دیا کو رحمت منزل میں رہنا منظور نہیں ہے اسی لئے بس...''

''منظور تو اسے تم بھی نہیں ہو عمر۔'' وہ بہت تلخی سے کر باہر نکل گئی تھی۔

...☆☆☆...

سجاد بہت خاموش رہنے لگے تھے۔صبح آفس کے لئے نکلنا اور شام ڈھلے بلکہ اکثر تو واپسی رات میں ہی ہوتی تھی۔کھانا بھی' زیادہ تر اوپر کمرے میں ہی منگوا لیتے۔

وقار اور سہیل خود مصروف رہتے تھے۔سو انہوں نے تو ایسا کوئی دھیان نہیں دیا مگر بابا کو یہ بھید بھری سی خاموشی بڑی کھل رہی تھی۔

اس روز انہوں نے جان بوجھ کر سجاد کو آفس کے کام کے بہانے اپنے بیڈ روم میں بلا رکھا تھا۔

کسی پروجیکٹ کے بارے میں بات کرتے ہوئے بھی' بابا مستقل ہی بڑی گہری نگاہ سے' بار بار سجاد کے چہرے کو دیکھتے گئے

وہاں گہری سنجیدگی تھی۔اور یہی سنجیدگی ان کے لہجے میں بھی نمایاں ہو رہی تھی۔

وہ پریشان تھے یا اداس' یا پھر دونوں ہی کیفیتوں میں گھرے ہوئے۔

بابا نے از خود اندازے لگائے اور پھر ان کی تصدیق بھی چاہی۔

''کیا بات ہے سجاد' پریشان ہو۔''

''نہیں بابا پریشانی کیسی۔'' وہ ہلکے سے مسکرائے۔

مگر وہ اس پھیکی سی مسکراہٹ سے نہیں بہلائے جا سکتے تھے۔

''کوئی بات تو ضرور ہے تم اگر مجھے نہیں بتانا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے۔''

''میں آپ سے کوئی بات چھپاتا ہوں کبھی؟''

سجاد اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب آ بیٹھے۔

''اب چھپانے لگے ہو' میں بہت بوڑھا ہوتا جا رہا ہوں اور بیمار بھی رہتا ہوں' شاید اس لئے۔''

بابا نے اپنا ہاتھ محبت سے ان کے کندھے پر پھیلایا۔

''آپ نے کیسے یہ فرض کر لیا کہ ' آپ بوڑھے ہو رہے ہیں ہم تینوں بھائیوں سے زیادہ ایکٹیو اور اسمارٹ ہیں ابھی بھی۔''

''جب ہی تم لوگوں نے میرا آفس آنا بند کروا دیا ہے۔''

بابا ہلکے سے ہنسے۔

''ہم آپ کو آرام دینا چاہتے ہیں اور آپ خود ہی تو کہتے تھے کہ ' میں آفس کیوں نہیں سنبھالتا' اب سنبھالا ہے تو....''

سجاد نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی۔

''اچھا خیر ' پہلے تو میری بات کا جواب دو ' کیا پریشانی ہے آخر ' آفس کا تو میرے خیال ہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کوئی ذاتی نوعیت کی بات۔'' انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے سجاد کی طرف دیکھا۔

''میری ذاتی نوعیت کی کیا بات ہونی ہے بابا؟''

وہ ابھی بھی مسکرائے تھے۔

پر بابا کو اس چھوٹی سی بات نے بڑی تکلیف پہنچائی۔

سجاد کی قابلیت ' گھر اور خاندان کے ساتھ ان کا گہرا خلوص ' اگر دل کو فخر کے احساس سے بھرتا تو دوسری طرف ان کی طویل تنہائی کا احساس ' دل کو ایک گہرے دکھ کے احساس میں بھی جکڑتا تھا۔

بابا ان کی طرف سے اچھے خاصے احساس جرم کا شکار تھے۔

''مگر میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تمہارے بھی ذاتی مسائل سنوں ' مجھے اس خوشی سے کیوں محروم رکھ رہے ہو تم''

بہت دن بعد ' وہ اس موضوع پر آ رہے تھے۔

''کئی اچھی لڑکیاں میری نظر میں ہیں۔ پڑھی لکھی باشعور ' برادری میں وہ اب پہلے جیسا حال نہیں رہا ہے۔ لڑکیاں اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہیں ' تمہاری ہم مزاج لڑکی ملنا مشکل ہے۔''

سجاد نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

''فرحت جب آتی ہے مجھ پر خفا ہوتی ہے کہ میں تم پر شادی کیلئے زور کیوں نہیں ڈال رہا۔ اس طرح تو تم اس کام کو ٹالتے ہی رہو گے۔''

بابا کا اصرار بڑھنے لگا۔

انہیں سجاد پر چھائی بے نام سی خاموشی کی وجہ اس کی تنہائی اور تنہائی کا شافی علاج اس کی شادی میں ہی نظر آ رہا تھا۔

''فرحت آپا کا بس چلتا تو میری شادی کب کی کرا چکی ہوتیں مگر آپ بھی ان کی باتوں میں آ گئے یہ حیرت کی بات ہے۔''

صاف لگ رہا تھا کہ وہ بات کو ایک بار پھر مذاق میں اڑانا چاہ رہے ہیں۔

''چلو تو تم میری خاطر ہی یہ فیصلہ کر ڈالو۔ بہت عرصہ ہو گیا ہم لوگوں نے کوئی خوشی نہیں دیکھی ' کچھ تو یہاں پھیلی اداسی میں کمی ہو گی۔''

ان کے لہجے ہیں ایسی حسرت تھی جو دل توڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ ''فیضی کے جانے کے بعد تو ایسے لگتا ہے جیسے کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ بس ایک دوسرے کو دیکھ کر ' ہم اپنے مضبوط ہونے کا ڈرامہ کئے جا رہے ہیں۔''

بہت دن بعد سجاد نے ان کے منہ سے فیضی کا ذکر سنا۔

ان کے چہرے پر شکستگی تھی اور بیماری سے اٹھنے کے بعد وہ اب تک بھی پوری طرح صحت نہیں پکڑ پا رہے تھے۔

سجاد نے ایک لمحے کیلئے بارعب، صحت منداور بے حد اٹل ارادوں والے بابا کا تصور کیا تھا۔

ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک انہوں نے بابا کو ایسا ہی دیکھا تھا۔

اور اب جو وہ اتنے بدلے بدلے سے لگتے تھے تو بناء بتائے ہر شخص جانتا تھا کہ اس کی وجہ صرف اور صرف فیضی کا گھر چھوڑ کر چلا جانا ہے۔اپنی ساری اولاد میں انہوں نے سب سے زیادہ محبت ان ہی دونوں سے کی تھی۔

سجاد اور فیضی۔

''کتنی آسانی سے اس نے ہم سب کو چھوڑ دیا۔کسی کی بھی تو پروا نہیں کی۔وہ بھی صرف ایک لڑکی کی خاطر''

وہ جیسے سرگوشی سے انداز میں بول رہے تھے۔

بابا ایسی مایوسی کی باتیں کب کرتے تھے۔

''تم شادی کرلو سجاد، میری خاطر، میں تمہیں ایک خوش و خرم زندگی بسر کرتا دیکھنا چاہتا ہوں۔تنہائی کے اس خول سے نکل آئو بیٹا۔''

سجاد کو لگا جیسے آج وہ کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے کا فیصلہ کئے ہوئے ہیں اور ان کے لئے بابا کو کوئی نہ کوئی جواب دینا اب لازمی ہوتا جا رہا ہے۔

''تو پھر ایک اور ناکام زندگی کا آغاز۔''

وقار بھائی۔

بلقیس بھابی۔

فرحت آپا، وحید...

سجاد نے جیسے گھبرا کر نفی میں سر ہلایا۔

''ہمارے گھرانے کو شادیاں راس نہیں آتیں بابا اور میں تو بہت اچھی بھلی زندگی گزار رہا ہوں، اب ضروری ہے کیا۔ خوامخواہ کی پریشانیاں مول لی جائیں۔''

اپنے اندر کی بے چینی کو چھپاتے ہوئے وہ بابا کی تسلی کی خاطر دانستہ مسکرائے۔

''اب کہ ایسا نہیں ہوگا تم ہاں تو کرو۔انشاءاللہ میں اور فرحت تمہارے لئے بہترین لڑکی کا انتخاب کریں گے دیکھنا کیسی خوشگوار زندگی گزارو گے۔''

بابا اب پرجوش تھے۔

سجاد کی ذرا سی مسکراہٹ نے ان کے وسوسے ختم نہ سہی، کم تو ضرور ہی کر دیئے تھے۔

''مجھے پورا یقین ہے کہ تمہاری شادی ہمارے گھرانے کیلئے بڑی نیک فال ثابت ہوگی یہ ایک خوشی بہت ساری دوسری خوشیوں کی نوید ہوگی اللہ نے چاہا تو۔''

ان کے چہرے پر ہلکی سی جگمگاہٹ جاگ رہی تھی۔سجاد کا دل نہ چاہا کہ وہ ایک بار پھر صاف منع کر کے ان کی خوشی کو مدہم کر دیں۔

''ابھی تو آپ سو جائیں' رات بہت ہو گئی ہے۔ یہ فائلیں میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں ورنہ آپ پھر سے انہیں کھول کر بیٹھ جائیں گے۔''

وہ باری فائلیں سمیٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اب پرانی عادتیں اس عمر میں کیسے چھوٹ سکتی ہیں۔''

بابا ان کی احتیاط پر مسکرا دیئے۔

آج سجاد نے کم از کم شادی کیلئے ان کی بات کو یکسر مسترد نہیں کیا تھا انہیں یقین ہونے لگا تھا کہ اب وہ جلد ہی راضی ہو جائیں گے۔

ان کا دل تو چاہ رہا تھا کہ اس موضوع پر ابھی بہت ساری باتیں چلتی رہیں مگر

آج کیلئے شاید اتنا ہی کافی تھا۔

سجاد باہر آئے تو سارے گھر پر خاموشی چھا چکی تھی۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبے اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھے گئے

اوپر کے سارے کمرے ایک ان کے بیڈ روم کو چھوڑ کر اب خالی ہی رہتے تھے جب سے فیضی گیا تھا یہاں عجب سی ویرانی محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ تھا تو جیسے زندگی دوڑتی تھی۔

تیز آواز میں چلتا میوزک اور ٹی وی' اس کی چلا کر بولنے کی عادت' بار بار اٹھتے تیز قدموں کی چاپ' اس کے دوستوں کا آنا جانا مستقل بجتا موبائل۔

ایک ہنگامہ تھا۔

وہ جب بھی اوپر آتے۔ نگاہ سب سے پہلے فیضی کے کمرے کی طرف ہی اٹھتی تھی۔

اور دل ہمیشہ اس کی خیریت کیلئے بے چین ہوتا تھا۔

بابا نے اگر اتنی بڑی بات نہ کہی ہوتی تو ناممکن تھا کہ وہ اس کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھاتے اور پھر اب تو وہ خود ہی کوئی رابطہ کرنے پر راضی نہیں تھا۔

بہانے بہانے سے وہ کتنی ہی بار عمر سے اس کے بارے میں پوچھتے تھے مگر وہ ہمیشہ لاعلمی کا اظہار کرتا۔

چند لمحے کھڑے ہو اس کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھے گئے۔

''کیسے چلا گیا فیضی سب رشتہ توڑ کر' محض ایک لڑکی کی خاطر...''

بابا کی آواز کی گونج ابھی تازہ تھی۔

جس وقت فیضی یہاں سے گیا تھا انہیں بھی اس کے بے وقوفی پر حیرت بھی ہوئی تھی اور غصہ بھی بہت آیا تھا۔

مگر اب نہیں' صحیح یا غلط پر اب۔

انہیں سمجھ میں آ رہا تھا کہ فیضی کیسے اتنی آسانی سے یہ بہت بڑا فیصلہ کر گزرا تھا۔

...☆☆☆...

آفتاب کے لائے ہوئے پھل اور مٹھائی' رکھ لینے پر جمیل ماموں نے جتنا بھی غصہ کیا۔ ممانی نے خلاف عادت بڑے تحمل سے برداشت کیا تھا۔

''وہ بے چارے عزت دار لوگ ہیں' چیزیں واپس کرنا' ان کی بھی بے عزتی تھی۔رشتہ نہیں دینا مت دو' کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔''

انہوں نے خود اپنی واضح داری ثابت کرنے کیلئے ماموں کے سامنے یہ جواز رکھا تھا۔

''تم نہیں بدلو گی زبیدہ۔اپنے مطلب کیلئے گدھے کو باپ بنانا تمہیں خوب آتا ہے۔''

جمیل ماموں کا لہجہ' ایک لمبی ناراضگی کے بعد' اب ہتھیار ڈالنے والوں جیسا ہو چکا تھا یا شاید الجھن یہ اطمینان تھا کہ وہ اس رشتے سے صاف جواب دے چکے ہیں۔

انہوں نے اماں کو خاص طور پر تاکید کی تھی کہ ثانیہ سے اس سارے واقعہ کا تفصیلی تذکرہ نہ کریں اور اگر ہو سکے تو بالکل ہی نہ کریں۔

مگر اس چھوٹے سے گھر میں رنگ برنگی پنیوں سے سجے یہ ٹوکرے کہیں بھی نہیں چھپائے جا سکتے تھے اماں کو بھی ثانیہ کے سوال کا جواب دینا پڑا تھا اور ماموں کے صاف انکار کا بھی۔

بینا باجی کے شوہر اور ان کی والدہ کی آمد کا سن کر وہ بڑی دیر ہراساں بیٹھی رہی تھی۔

وحید کی مکروہ مسکراہٹ اور پیش قدمی اسے ابھی تک نہیں بھولی تھی۔

بینا سے تعلق محض ان کی وجہ سے ختم ہوا تھا اسے ان کے ہاں جانے کا سوچ کر بھی خوف محسوس ہوتا تھا اور اب جو وہ یہاں تک پہنچ رہے تھے تو اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس کا پیچھا چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہیں اگلے کئی دن ہی ذکر چلتا رہا۔

''جمیل نے تو اسی وقت صاف منع کر دیا رسمی طور پر بھی سوچنے کیلئے کچھ وقت نہیں مانگا' تمہاری ممانی کو البتہ بہت پسند آ رہے تھے وہ لوگ۔''

''انہیں تو پسند آنے ہی تھے اماں۔''ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے دیوار سے ٹیک لگائی۔

وہ اماں کے پاس برآمدے میں تخت پر بیٹھی تھی اور کرید کرید کر اماں سے ان لوگوں کی اس دن والی آمد کے بارے میں ایک بار پھر سوال پر سوال کر رہی تھی۔

اندر ہی اندر ایک الجھن تھی جو بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

''انہیں ہر وہ چیز پسند آ جائے گی جس سے انہیں میری بربادی کا یقین آ رہا ہو گا۔''

اماں نے ایک ہاتھ بے ساختہ ہی پیشانی پر رکھا۔

''کر لو بات''

''اس بے چاری نے کون سا ہامی بھر لی وہ تو اس لئے خوش ہو رہی تھی کہ ایک اتنے بڑے گھر سے تمہارے لئے رشتہ آیا ہے ورنہ اس کا کیا فائدہ...''

ثانیہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

اماں کی سادہ لوحی پر اب اسے حیرت بھی نہیں ہوتی تھی وہ جیسی تھیں انہیں ویسا ہی رہنا تھا۔

ان کی زندگی اور زندگی سے جڑے رشتے اتنے محدود تھے کہ انہیں لوگوں کو پرکھنے اور ان کے متعلق قطعی رائے رکھنا بھی نہ آ سکا تھا۔

دوسرے کی گری سے گری بات پر دکھی ہوتیں بھی تو ان کی برائی کو جلد ہی بھلا دیتیں۔

''مومن کے دل میں ایمان اور کینہ ایک ساتھ نہیں رہ سکتا۔''انہوں نے بہت پہلے کہیں پڑھا تھا اور پھر زندگی بھر کیلئے ذہن نشین کر لیا تھا۔

''تم کیوں پریشان ہوتی ہو' ماموں نے منع تو کر دیا صاف اور اب تو اس بات کو بھی کتنے دن ہو گئے وہ لوگ دوبارہ نہ آئے اور فون کیا پیسے والے لوگ ہیں دوسرا رشتہ مل گیا ہو گا۔''

وہ اپنے مخصوص سادہ لہجے میں کہہ رہی تھیں تب ہی ممانی اپنے کمرے سے نکل کر ان لوگوں کی طرف آئیں۔

''یہاں کیوں بیٹھی ہو ثانیہ جاؤ اندر جا کر ڈرامہ دیکھ لو بہت اچھا آرہا ہے اسٹار پلس سے۔''

ان کی اتنی سی بات بھی حیرت زدہ کرنے کیلئے بہت کافی تھی پر آج کل وہ اسی طرح حیرت میں ڈال رہی تھیں۔

ثانیہ کی سمجھ میں تو فوری طور پر کچھ آیا اور کچھ نہیں بھی۔

ممانی کو اپنی بات دہرانی پڑی۔

''آفس سے آکر یہاں بیٹھی رہتی ہو' دل بھی گھبرا جاتا ہو گا تھوڑی بہت تفریح تو ضروری ہوتی ہے انسان کیلئے ورنہ تو یوں ہی مشین بن کر رہ جاتا ہے۔''

وہ بڑے خلوص سے کہہ رہی تھیں مگر یہ خیال انہیں آیا بھی تو کب؟

ثانیہ کے لبوں پر ہلکی سے مسکراہٹ ابھرنے لگی۔

ڈھائی تین سال ہونے کو آئے تھے یہاں ان کے گھر زبردستی کا مہمان بن کر رہتے ہوئے بھی اور اپنی اوقات پہچانتے ہوئے بھی۔

''نہیں ممانی' میں روٹی بنا کر پڑھنے بیٹھوں گی' امتحانوں میں دس پندرہ دن ہی باقی رہ گئے ہیں۔''

ان کا اصرار بڑھنے لگا تو اس نے انہیں نرمی سے منع کر دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا فائدہ بے کار میں خود کو تھکانے کا جو کر رہی ہو وہ بھی بہت ہے۔آگے انشاءاللہ راج کرو گی تو پھر یہ ڈگریاں تو بے کار ہی رہیں گی۔''

ثانیہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

یہ لہجہ' یہ الفاظ ان کے نہیں تھے۔

تو پھر کس کے؟

ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے دل کو خوف سے بھرنے لگا تھا۔

وہ چپ چاپ کچن میں چلی آئی۔

رات کیلئے روٹی پکانے کا وقت ہو رہا تھا۔

مگر روٹی بناتے ہوئے بھی اس کا سارا دھیان برآمدے سے آتی ممانی کی باتوں پر ہی لگا رہا۔

آج کل وہ اتنی بدلی بدلی سی لگ رہی تھیں کہ پہچانی نہیں جاتی تھی۔

اماں کا اور اس کا بائیکاٹ ختم کر کے وہ انہیں شرف گفتگو میں بخش رہی تھیں اور اپنے اس خلوص کا اظہار بھی کرتی تھیں۔

اماں کا خیال تھا کہ ان میں یہ تبدیلی' جمیل ماموں کی بیماری کی وجہ سے آئی ہے اور انہیں رشتوں کی قدر بالآخر ہونے ہی لگی ہے

وہ ان کی دل آزاری کے خیال سے اس خوش فہمی کی تردید تو نہ کرتی مگر متفق بھی نہ ہوتی۔

''وقت پر موقع سے فائدہ اٹھا لینا ہی عقلمندی ہے اور ہمارے پاس کون سے خزانے دبے ہوئے ہیں جو ہم یوں مستقبل کی طرف سے بے فکر ہو کر بیٹھ جائیں کل کا سوچنا بھی تو ضروی ہے۔''

وہ جس سیاق و سباق کے حوالے سے گفتگو فرما رہی تھیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔

''میں تو سچ کہتی ہوں اگر یہی رشتہ میری لبنیٰ کے لئے آیا ہوتا تو میں سوچنے میں ایک منٹ نہیں لگاتی فوراً ہامی بھر لیتی' بعد میں چاہے آپ کے بھائی کتنے بھی خفا ہو لیتے۔''

جواباً اماں بھی کچھ کہہ رہی تھیں مگر وہ اتنی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

صاف لگتا تھا کہ ممانی نے ابھی ہار نہیں مانی ہے۔

''اور اگر وہ اسی طرح کی باتیں کر کے کہیں جمیل ماموں کو بھی رضامند کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو بھی کچھ بعید نہ تھا۔''

وہ سارے منفی پہلو عادتاً سامنے رکھ رہی تھی۔

جمیل ماموں کی صحت دن بہ دن گر رہی تھی اور جتنے مایوس سے آج کل وہ دکھائی دیتے تھے اس میں ان پر اثر انداز ہونا شاید اتنا مشکل بھی نہیں رہا تھا۔

''امی' امی۔''

اندر سے لبنیٰ کو آوازیں دے رہی تھی۔

ممانی خود زیادہ اہم کام میں مصروف تھیں سو دھیان نہ دے سکیں۔

''آپ کو اتنی آوازیں دے رہی ہوں سن تو لیں۔'' وہ خود کمرے کے دروازے میں آکھڑی ہوئی اس کا لہجہ بگڑا ہوا تھا۔

''کیا سن لوں یہاں آ کر بھی تو بتا سکتی ہو۔''

وہ لبنیٰ کو اس طرح نو لفٹ کم ہی کراتی تھیں۔

''مجھے اکیلے میں بات کرنی ہے آپ سے یہاں بیٹھ کر ہر ایرے غیرے کے سامنے نہیں۔'' وہ بد تمیزی سے کہہ رہی تھی۔

آج کل وہ ہمیشہ سے زیادہ بد لحاظ اور چڑچڑی ہو رہی تھی۔

اس کے سابقہ دیگر منصوبوں کی طرح بیوٹیشن بننے کا خواب بھی ادھورا ہی رہ گیا تھا۔ چھوٹے سے غیر معیاری پارلر پر کام سیکھتے ہوئے اس نے جتنے تجربے خود اپنے آپ پر کئے تھے۔ ان کی گواہی اس کی اپنے ہاتھوں خراب ہوئی اسکن اور بال دیتے تھے۔ خود ممانی نے تنقید کر کر کے اسے اچھا خاصا بد دل کر دیا تھا۔ سو وہ اس سارے ایڈونچر پر دو حرف بھیج کر ایک بار پھر گھر بیٹھ کر سب کا جینا حرام کئے ہوئے تھی۔

''آپ کو آخر کیوں اتنا درد اٹھ رہا ہے اس ثانیہ کا' ویسے تو آپ کو اس سے بڑا کوئی دشمن نہیں دکھائی دیتا تھا اور اب ہیں کہ ہر وقت اس کے غم میں بے حال ہو رہی ہیں۔''

لبنٰی کی خود پسند طبیعت کسی طور گوارا نہیں کر رہی تھی کہ گھر یں ثانیہ اتنی رعایت اور اہمیت حاصل ہونے لگی۔

اسے تو یہ سوچ کر بھی حسد ہوتا تھا کہ ثانیہ کیلئے اتنے بڑے گھر سے رشتہ خود چل کر یہاں تک آیا ہے۔

''بچوں سے کیا ہوتا ہے۔ وہ کون سا ثانیہ کے سر پر ہوں گے۔ یہ نواب زادی تو اکیلے گھر میں ٹھاٹھ سے رہیں گی۔ بڑی سی گاڑی یں گھومیں گی اور یہ سب کروانے والی آپ خود ہیں۔''

اس وقت بھی جب ممانی اس سے درخواست کر رہی تھیں کہ وہ ذرا تو چپ رہے وہ مستقل ہی بڑبڑ کئے جا رہی تھی۔

''اچھی ماں ہیں اپنی اولاد سے زیادہ دوسرے کی فکر ضرور کچھ پڑھ کر کھلا دیا ہے ان لوگوں نے جوان کا غم کھا رہا ہے۔''

مستقل ناکامیاں' فراغت اور دل میں پلتا ہوا کینہ۔

لبنٰی کی بدلحاظی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

ممانی کی محتاط طبیعت اس جیسی بے وقوف کو ابھی راز دار حال بنانے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ پھر بھی اس کی خفگی بڑھتی رہی تو وہ بھی برداشت کھونے لگیں۔

''اب چپ بھی ہو جا اللہ کے واسطے' جو کچھ بھی کر رہی ہوں تیری بھلائی کے واسطے ہی کر رہی ہوں ذرا صبر کر۔''

''میں صبر ہی کرتی رہوں اور وہ ثانیہ جا کر عیش کرے جس کی وہ ٹکے کی اوقات نہیں۔''

وہ ہو بہو ممانی تھی بلکہ ان سے بھی دو ہاتھ آگے۔

''میں صاف کہے دیتی ہوں اگر ثانیہ کا رشتہ یہاں ہوا تو بہت برا ہو گا اتنا کہ آپ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔''

اب اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آتے جا رہے تھے جنہیں وہ ایک ہاتھ کی پشت سے صاف کر رہی تھی۔

ممانی نے ایک گہری نگاہ اس کے تپتے ہوئے چہرے اور سرخ ہو رہی آنکھوں پر ڈالی۔

''اور اگر ثانیہ کی شادی' اس وقت یہاں نہیں ہوئی تو اتنا ضرور سمجھ لے کہ تو ساری زندگی یہیں اسی گھر میں بیٹھی رہ جائے گی یا پھر بہت ہوا تو کسی ایسے ہی دوسرے گھر میں جہاں روز کا خرچہ اور روز کی آمدنی ہی سر پر سوار رہے گی ساری عمر یہ ناز نخرے سارے مٹی میں ملیں گے۔''

ان کی آواز میں بڑا عجیب سا تاثر ابھر رہا تھا۔

''کیا بھید تھا آخر۔''

لبنٰی نے تجسس بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

''ثانیہ کو جانے دے اس گھر میں' پھر میں نے تجھے اس سے کہیں شاندار گھر میں نہ پہنچایا تو زبیدہ بیگم نام نہیں۔'' ان کے لبوں پر کینہ توز مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں بڑی چبھن بھری چمک۔

...☆☆☆...

زندگی ایک دم ہی سہل ہونے لگی تھی۔

نہ صبح سویرے' چائے کے ایک کپ کے لئے' ممانی کی خفگی بھری نگاہیں اور تلخ جملے سننے کو مل رہے تھے اور نہ ہی شام واپسی میں ذرا بھی دیر سویر ہونے پر' ان کی سخت مشکوک انداز والی تفتیش کا ہی سامنا کرنا پڑ رہا تھا' بلکہ اب تو وہ بڑی اپنائیت سے اسے سویرے خالی پیٹ گھر سے نکلنے کے نقصانات سے بھی آگاہ کرنے لگی تھیں۔ شام کو بھی جب وہ گھر آ کر حسب معمول' شام سے رات تک کے سارے کام نمٹانے کی فکر کرتی' تب بھی وہ اسے مستقل ہی ٹوکے جاتیں۔

"سارے دن کی تھکی ہاری آئی ہو۔ تھوڑی دیر آرام کر لو۔ کوئی ضرورت نہیں آتے ہی کام میں لگنے کی۔"

لبنیٰ سامنے پڑ جاتی تو اسے بھی ضرور ہی ٹوک دیتیں۔ "کچھ تو تم بھی کر لیا کرو۔ دیکھتی نہیں ہو بہن تھکی ہوئی آئی ہے۔ کچھ نہیں تو اس کے لیے چائے ہی بنا دو۔"

ثانیہ کی سمجھ میں کچھ آتا اور کچھ نہیں۔ بے وقوفوں کی طرح کبھی ممانی اور کبھی لبنیٰ کی شکل دیکھے جاتی۔

اماں کو بڑا اطمینان حاصل ہو رہا تھا۔ اگر انہیں جمیل ماموں کی طبیعت کی طرف سے اتنی تشویش نہیں ہوتی تو یقیناً اس "کایا پلٹ" کی اچھی خاصی خوشی بھی منا لیتیں۔

پھر بھی گاہے گاہے، ثانیہ کے سامنے ممانی کی تعریفوں کے پل باندھتی رہتیں۔

"زبان کی خراب سہی، مگر دل کی بری نہیں ہے۔ اب دیکھ لو کتنا احساس کرنے لگی ہے ہم لوگوں کا۔"

اس وقت بھی وہ ثانیہ کو جتائے بغیر نہیں رہ سکیں۔ ممانی ابھی ابھی، اماں کو گرم دودھ کا گلاس تھما کر گئی تھیں۔ ثانیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ ساکت نگاہوں سے اس دودھ بھرے گلاس کو تک رہی تھی، جو اب اماں کے ہاتھ میں تھا۔

عجیب بات تھی کہ ان کا کرم، ان کے ستم سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا۔

ان کی نفرت، غصہ جیسا بھی تھا، جانا بوجھا تھا، مگر یہ جو کچھ بھی تھا بڑا ہی اجنبی اور ڈرانے والا لگتا تھا۔ اس کا دل نہ چاہتے ہوئے بھی، واہموں میں گھرتا رہتا۔

اب یہ دودھ کا گلاس ہی جو اماں کو اب تک پی جانا چاہیے تھا۔ پتہ نہیں کس کس خیال کا سرا جوڑ رہا تھا۔

"کوئی تعویذ وغیرہ گھول کر..."

"یا پھر خدا نہ کرے، خدا نہ کرے کوئی سلو پوائزننگ جیسی شے..." وہ خود ہی بری طرح دہل گئی۔

"اماں۔" اس نے اتنا بے ساختہ کہا کہ اماں کا لبوں تک جاتا ہوا ہاتھ، وہیں کا وہیں تھم گیا۔

"یہ دودھ مت پئیں آپ۔"

"توبہ ہے۔"

انہیں اس کی ہدایت سے زیادہ، اس کے انداز پر غصہ آنے لگا۔ "دل ہلا کر رکھ دیا، یہ کوئی طریقہ ہے بات کرنے کا، اتنی بڑی ہو گئی اور تمیز اب بھی نام کو نہیں۔"

بہت دنوں بعد انہوں نے اس کو ویسے ہی ڈانٹا، جیسے نواب شاہ والے گھر میں ڈانٹا کرتی تھیں، مگر اس کی توجہ ان کی خفگی پر نہیں تھی۔

"آپ یہ دیں مجھے، میں کچن میں رکھ آتی ہوں۔"

اس نے ان سے گلاس لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو وہ اور بھی جھنجلانے لگیں۔

"کیوں نہ پیئوں، ویسے تو تمہیں ہر وقت میرے کھانے پینے کی فکر رہتی ہے۔ بھوک ہو نہ ہو، ہر وقت زبردستی کرتی ہو کھانے کی تو اب اس دودھ میں کیا مل گیا ہے؟"

انہوں نے تو سرسری سے انداز میں ہی کہا تھا، مگر وہ تھوڑا سا کنفیوژ ہو گئی۔

ایسا لگا، جیسے اماں نے اس کی سوچ پڑھ لی ہے اور اگر واقعی ایسا تھا تو یقیناً اس کی خیر نہیں تھی۔

" ایسے ہی کہہ رہی تھیں اماں، میرا مطلب تھا کہ رات کو سوتے میں پی لیتیں۔"

وہ گڑبڑا کر اپنی ہی بات کی نفی کر گئی۔

اماں کے غصے سے اسے آج بھی ڈر لگتا تھا۔ گو اب تو وہ اسے کچھ بھی نہیں کہتی تھیں، پھر بھی نواب شاہ والے گھر کی یادیں ابھی مدھم نہیں ہوئی تھیں۔ اماں نے اس بار، کوئی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔

جتنی دیر میں انہوں نے گلاس خالی کیا، وہ سہمی سہمی سی نگاہوں سے انہیں دیکھے گئی۔

" سچ کہوں تو، میرا آج کل کچھ بھی کھانے پینے کو دل نہیں چاہتا، جمیل کو دیکھتی ہوں تو بتا نہیں سکتی کہ کیا حالت ہوتی ہے، مگر زبیدہ میں جواب تبدیلی آئی ہے۔ اس کی بڑی قدر ہے میرے دل میں، تم بھی اس کی محبت پر شک مت کیا کرو۔ میں دیکھ رہی ہوں تم اس کی کسی بھی بات پر خوش نہیں ہوتیں۔"

ثانیہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ وہ شاید خوش رہنا بھول ہی چکی تھی۔

بہت سی باتیں، جو زندگی میں سے یکسر غائب ہو چکی ہوں، اپنا احساس بھی مٹا جاتی ہیں۔

اس کے لیے بھی " خوشی " ایسی ہی چیز بن چکی تھی۔

" آپ نے پیسے ممانی کو دے دیئے تھے؟"

آہستہ سے پوچھنے لگی تو اماں نے اثبات میں سر ہلایا۔

" آپ خیال رکھا کریں، کسی بھی چیز کی گھر میں کمی نہ ہونے دیا کریں۔" وہ ہلکے ہلکے باتیں کیے گئی۔

پچھلے چند مہینوں سے، جب سے جمیل ماموں بیمار ہوئے تھے۔ ان کی مین بازار والی دکان زیادہ تر بند ہی رہ رہی تھی۔

ممانی نے ان ہی دنوں میں اس پر گھر چھوڑنے کا زور ڈالا تھا۔

خود وہ بھی یہاں سے جانے میں بے حد سنجیدہ تھی، مگر اب جیسے سب ہی کچھ بدل رہا تھا۔

جمیل ماموں کو اس حالت میں چھوڑ کر اماں کسی صورت بھی کہیں اور جانے پر تیار نہیں ہو سکی تھیں۔ چاہے خود ممانی انہیں دھکے دے کر باہر نکالتیں۔

اور اب تو یہ دھڑکا بھی ختم ہی تھا۔

ممانی کو اماں کی قدر ہونے لگی تھی۔

ثانیہ اپنے خرچ کے لیے تھوڑے پیسے رکھ کر، سارے کے سارے اماں کے ہاتھ میں دیتی اور وہ ویسے کے ویسے ہی ممانی کے ہاتھ میں، جسے وہ ذرا بھی ہچکچاہٹ کے بغیر فوراً ہی لے لیتیں۔

جمیل ماموں تک اس سلسلے کی کوئی خبر نہیں پہنچی تھی۔

کچھ پیسے اب تک اماں کے پاس محفوظ تھے۔ نواب شاہ سے ساتھ لائے ہوئے، وہ بھی انہوں نے ممانی کے حوالے کر دیئے تھے۔ اس وقت ثانیہ کو بتایا تو وہ کچھ دیر کے لیے بالکل خاموش ہو گئی۔

اماں کو لگا جیسے اسے افسوس ہوا ہے۔ حالانکہ وہ ایسی بالکل بھی نہیں تھی اور جمیل ماموں سے وہ جس قدر محبت کرتی تھی۔ اس کے آگے پیسوں کی کچھ حقیقت بھی نہیں تھی، پھر بھی کیا پتہ۔" غلط کیا میں نے؟"

ان سے رہا نہ گیا تو پوچھ ہی لیا۔" کیا کرتی' اپنے اکلوتے بھائی کو بستر پر پڑے دیکھنا آسان بات نہیں۔ دوائیں علاج اتنا مہنگا ہو گیا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ پریشان ہو کر اپنا علاج ادھورا چھوڑ دے۔ تم سے پوچھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔"

اس کا جواب سنے بغیر' وہ کہے چلی گئیں۔

یہ وہ پیسے تھے' جو آڑے وقت کے لیے رکھے گئے تھے۔ ثانیہ ہمیشہ ذہنی طور پر تیار رہتی تھی کہ ممانی کبھی بھی انہیں باہر کا راستہ دکھا سکتی ہیں۔ سوایسے کسی بھی موقع پر جو چیز سب سے زیادہ کام آسکتی تھی' وہ پیسے ہی تھے۔

جب سے وہ جاب میں آئی تھی۔ ہر ماہ کچھ نہ کچھ رقم بچا کر اس جمع پونجی میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

یہ پیسے بہت بڑا سہارا تھے درحقیقت۔

اس کی گہری خاموشی' اماں کے خیال کو یقین میں بدل رہی تھی۔

اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک ہی تھی۔

اتنے نامساعد حالات میں' پیروں تلے بچھی زمین پر قدم جمانے کی جو جان توڑ کوشش اس نے پچھلے سالوں سے شروع کر رکھی تھی۔ وہاں کوئی بھی گنجائش خود بخود ختم ہو جاتی تھی۔

" اللہ کرے جمیل جلدی اچھا ہو جائے۔ میں تمہارے پیسے تھوڑے تھوڑے لے کر جمع..." وہ شکستہ سے لہجے میں اسے تسلی دینا چاہ رہی تھیں کہ ثانیہ نے بے ساختہ ہی ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔" بس کریں نا اماں۔"

اس کی آواز اور آنکھیں' دونوں نم ہو رہی تھیں۔

" اتنے سے پیسوں کی حقیقت کیا ہے' ماموں کی زندگی کے آگے اور یہ پیسے بھی میں نے ان ہی کے کہنے پر جمع کیے تھے' ورنہ مجھے..." گلے میں اٹکتے ہوئے آنسوؤں نے اسے بات بھی مکمل نہیں کرنے دی۔

اماں کے دل پر سے بھاری بوجھ سا سرکا۔ ان کی بیٹی ویسی ہی تھی' جیسا انہوں نے ہمیشہ چاہا تھا۔ سادہ دل اور محبت کرنے والی۔

معلوم نہیں کیسے وہ چند منٹوں کے لیے ہی سہی' اس کے لیے ایک بدگمانی کا شکار ہونے لگی تھیں۔

" اور آپ کو کچھ بھی کرنے سے پہلے' کیا مجھ سے پوچھنے کی ضرورت ہے۔ اگر میں جاب کر رہی ہوں تو کیا اتنی بڑی ہو گئی ہوں کہ..." اس کی آواز بار بار بھرانے لگی۔

اماں نے پیار سے اس کا سر اپنے کندھے سے لگایا۔ چند منٹ اسے خود پر قابو پانے میں لگ گئے۔

" میں تو آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنا چاہ رہی تھی اماں۔" ان سے الگ ہوتے ہوئے' وہ سنجیدگی سے بولی۔" اگر گھر میں پیسوں کی کمی محسوس ہو یا کیا خبر ماموں کے علاج میں ہمیں اور پیسوں کی ضرورت پڑ جائے تو کیوں نہ ہم اپنا نواب شاہ والا گھر بیچ دیں۔"

اماں حیرت سے منہ کھولے' اس کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

وہ اور کچھ بھی کہتی تو شاید انہیں اتنی حیرت نہیں ہوتی۔

" میں نہیں چاہتی اماں کہ ماموں کے علاج میں کوئی بھی کمی رہے یا انہیں پیسوں کی ذرا بھی کمی کا احساس ہو۔ وہ گھر تو ویسے بھی بند ہی پڑا ہے اتنے عرصے سے' شہزاد جب آیا تھا تو کہہ رہا تھا کہ اس کے اچھے پیسے لگ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے اسے فون کر کے کہہ ہی دوں۔"

اماں کی حیرت سے بالکل بے نیاز' وہ کہتی چلی گئی۔اماں نے اسے ایک بار بھی یاد دلانے کی کوشش نہیں کی کہ آج سے پہلے' وہ اس گھر کے بارے میں مذاق میں بھی سننے کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی۔

" جمیل کبھی راضی نہیں ہو گا کہ وہ گھر اس کی خاطر بیچا جائے۔" جب وہ بات کرتے ہوئے رکی تو اماں نے یاد دلایا۔

" انہیں بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔پہلے سودا ہو جائے' پھر رفتہ رفتہ بتا دیں گے اور کیا خبر ماموں کو مزید علاج کی ضرورت ہی نہ پڑے' پہلے ہی اچھے ہو جائیں۔لیکن ہم احتیاطاً رقم کا بندوبست کر ہی لیں تو بہتر ہے۔"

وہ بہت ذمہ داری سے بات کر رہی تھی اور ایک بار بھی اس گھر کا ذکر کرتے ہوئے' وہ ذرا بھی جذباتی نہیں ہوئی۔

نہ ہی وہاں سے جڑی یادوں کا ذکر اور نہ ہی ابا کی نشانی کو کھونے کا غم۔

" چیزیں انسانوں سے زیادہ اہم نہیں ہوتیں اماں' جو گزر گیا وہ ماضی ہے' اس کی یاد ساری زندگی دل میں رہے گی۔ بے جان چیزوں کو اپنے جذبات کا سمبل بنا لینا بے وقوفی ہے۔میں نے خود سے محبت کرنے والی سب سے عزیز ہستی کو کھو دیا ہے' مگر اب دوسری کو نہیں کھو سکتی۔"

اماں کے دل میں اٹھتے سوالوں کو شاید اس نے بھی پڑھ لیا تھا۔تب ہی رات گئے جب' وہ اور اماں سونے کے لیے لیٹ چکی تھیں۔اس نے بڑے مضبوط لہجے میں ان سے کہا۔

گھر کی ساری لائٹیں بند ہو چکی تھیں۔صرف صحن میں روشنی ہو رہی تھی' جس کی وجہ سے برآمدے میں بھی ہلکی سی روشنی تھی۔

اماں نے پاس بیٹھی ثانیہ کی طرف دیکھا۔اس کے سادہ سے چہرے پر سکوت سا چھایا لگتا تھا۔انہیں پہلی بار ایسا لگا کہ اب وہ واقعی بدلتی جا رہی ہے۔بات بات پر آنسو بہانے والی ثانیہ سے بالکل مختلف۔

عجب سی بات تھی کہ اس کی مضبوطی' دل کو اطمینان دلانے کے بجائے' دل کو دکھانے لگی تھی۔

انہوں نے دھیرے سے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔

" جو تم چاہو گی' وہی ہو گا۔بس اب سو جاؤ۔صبح پھر جلدی اٹھنا ہو گا۔"

اس نے پوری فرمانبرداری سے اثبات میں سر ہلایا اور ان کی طرف کروٹ لے لی۔

اگلی صبح معمول کے مطابق ہی تھی۔وہ ہمیشہ کی طرح جلدی میں تھی۔

جمیل ماموں سویرے ہی اٹھ کر' برآمدے میں اس کے پاس آ بیٹھے تھے۔

اپنے طور پر وہ بڑے ہمت والے انسان تھے اور اپنی بیماری کو زیادہ لفٹ کروانے کے موڈ میں بھی قطعی نہیں رہتے تھے۔

آج بھی جب اماں انہیں اپنا خیال رکھنے اور باقاعدگی سے چیک اپ کا مشورہ دے رہی تھیں تو وہ بس یوں ہی مروتاً سن رہے تھے اور جیسے ہی اماں ذرا سانس لینے کو رکیں تو بڑی لاپروائی سے بولے۔" ٹھیک ٹھاک ہوں میں' بس ذرا کمزوری دور ہو جائے تو اپنی دکان بھی کھولوں جا کر' کتنے دن سے بند پڑی ہے۔"

ثانیہ کے لبوں کو جاتا ہوا کپ ذرا سا تھما۔

" کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو دکان کی فکر میں پڑنے کی۔ابھی مکمل آرام کریں۔میں تو سوچ رہی ہوں کسی دوسرے اسپیشلسٹ کو دکھا کر سیکنڈ اوپینین بھی لے لیں۔"

وہ ہلکے سے ہنس پڑے۔

"کیوں میری بیماری کو اتنی اہمیت دی جارہی ہے۔ دوا کھاتو رہا ہوں' ٹھیک بھی ہوہی جاؤں گا۔"

" انشاءاللہ۔" اماں بے ساختہ بولیں۔

باہر ثانیہ کی گاڑی کا ہارن بج رہا تھا۔

اماں کو خداحافظ کہتی ہوئی' وہ جمیل ماموں کے پاس ذرا سا رکی۔" آپ کسی بات کی بھی ٹینشن مت لیجئے۔ میں ہوں نا آپ کے لیے۔"

اس چھوٹے سے جملے میں بڑی گہری محبت اور تسلی تھی۔ ماموں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے' اس کے کندھے کو ہلکے سے تھپتھپایا۔

ان کے شفیق چہرے پر بڑی مطمئن سی مسکراہٹ تھی۔

" ثانیہ نے اب مضبوطی کے ساتھ کھڑا ہونا سیکھ لیا ہے آپا۔" جب وہ جاچکی تھی' تب انہوں نے اماں سے کہا۔" کتنی خوشی کی بات ہے' کل میں اس کی ڈھارس بندھاتا تھا اور آج وہ مجھے ہمت دلاتی ہے۔"

ان کے چہرے پر خوشی کی تمتماہٹ تھی۔

انہیں بے ساختہ ہی وہ دن یاد آیا۔ جب وہ پہلی بار اسے لینگویج کورس میں ایڈمیشن دلانے اس مشہور و معروف اکیڈمی میں گئے تھے۔

اس دن وہ کتنی گھبرائی ہوئی تھی اور مستقل ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔

" اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے صحیح راستہ پالیا ہے۔ منزل اب خود بخود سامنے آئے گی۔ نیک نیتی سے کی جانے والی محنت کو اللہ کبھی رائیگاں نہیں جانے دیتا ہے۔"

جمیل ماموں خود کو بے حد پرسکون محسوس کررہے تھے۔

اماں نے کچھ بے چین ہو کر پہلو بدلا' پتہ نہیں کیوں وہ دن بدن زیادہ وہمی ہوتی جارہی تھیں۔

...☆☆☆...

رعنا کی شادی اب گویا سر پر ہی آپہنچی تھی۔

نازی کا بیشتر وقت اسی کے ساتھ گزر رہا تھا۔ کبھی تو سکول سے ہی اس کے گھر چلی جاتی' ورنہ سہ پہر کے وقت سمیع چھوڑ آتا۔

چھوٹے چھوٹے کام نکلتے ہی چلے آرہے تھے۔

گو عبدالعزیز اور ان کی والدہ سختی سے کسی بھی سامان کے لیے منع کرچکے تھے' پھر بھی شادی تو بہرحال شادی ہی تھی۔

رعنا اتنے سال سے جاب کررہی تھی۔ اکاؤنٹ میں اچھے خاصے پیسے جمع ہوچکے تھے۔ اس کے بڑے بھائی کا اصرار تو یہی تھا کہ وہ اپنے پیسے بالکل خرچ نہ کرے تاکہ وہ آئندہ زندگی میں اس کے کام آسکیں' مگر رعنا اس پر بہت زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ سو بہت کچھ وہ خود ہی کرنا چاہ رہی تھی۔

" کپڑے تو بن ہی چکے ہیں اور زیور امی کی زندگی میں ہی تیار تھا۔ میں چاہ رہی تھی کہ کھانے کے پیسے بھی بھائی جان میرے اکاؤنٹ میں سے لے لیں' ان پر بوجھ کم ہو جائے گا۔" نازی اس وقت رعنا کے کمرے میں بیٹھی' اس کی چھوٹی چھوٹی چیزیں چیک کر رہی تھی۔ تھوڑا سا جھنجلا ہی گئی۔

" کوئی بوجھ نہیں پڑ رہا ہے ان پر' ماشاءاللہ صاحب حیثیت ہیں اور کون سے ان کے دس بہن بھائی ہیں۔ جن کے فرائض ادا کر کے بیٹھے ہیں' کرنے دو جو بھی وہ کرنا چاہ رہے ہیں۔"

رعنا افسردگی سے مسکرا دی۔

" بھابی ان کی زندگی حرام کر کے رکھ دیں گی میرے بعد' یہ پیسے انہیں ساری عمر کھلتے رہیں گے۔ میرے بھائی بے حد شریف انسان ہیں نازی' بھابی کی گھٹیا فطرت کا مقابلہ وہ کبھی کر ہی نہیں سکے۔ بچے ہیں تو وہ بھی پوری طرح اماں کے رنگ میں رنگے ہوئے۔ باپ ان کے لیے صرف ایک ذریعہ ہے' جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔"

نازی چپ چاپ سنے گئی۔

رعنا کے گھرانے کا نقشہ اس سے چھپا ہوا نہیں تھا۔ کبھی کبھی اسے حیرت بھی ہوتی تھی۔ مضبوط' بااختیار' انا پرست مرد' جن کا درجہ اللہ نے بھی بلند رکھا ہے' کس طرح اتنے مجبور ہو جاتے ہیں کہ خونی رشتوں میں حسن توازن برقرار رکھنے سے بھی قاصر ہو جاتے ہیں۔

اسے ان سے ہمدردی کے بجائے' ان پر غصہ آنے لگتا تھا۔

" عورتوں کے ہاتھ میں اپنی لگام دینے کا یہی حال ہوتا ہے۔ شروع سے ہی بھابی کی روک تھام کی جاتی تو آج ان کا دماغ بالکل ٹھیک ہو چکا ہوتا۔"

" تم نہیں سمجھ سکتیں' ہر شخص ایک جیسا نہیں ہوتا۔ جہالت اور بدزبانی کے آگے' شریف آدمی نہیں ٹھہر پاتا۔ بھائی جان نے بھی ہتھیار ڈال دینے میں ہی عافیت سمجھ لی ہے۔" رعنا کو بھائی سے بے حد محبت تھی اور اس گھر میں بہت سی محرومیاں جھیلنے کے باوجود بھی' وہ انہیں مورد الزام نہیں ٹھہراتی تھی۔

" اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ شرافت انسان کی خوبی نہیں' بلکہ کمزوری ہے اور وہ بھی ٹھیک ٹھاک ذلیل کروانے والی۔"

اس بار رعنا زور سے ہنس پڑی۔

" اب ایسا بھی نہیں ہے' اگر ہر شخص ہی ڈنڈا لے کر دوسرے کے پیچھے پڑ جائے تو سوسائٹی کا کیا نقشہ بنے گا' سوچ لو۔ لوگوں کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ تب ہی یہ سارے سلسلے چل رہے ہیں۔"

حالانکہ وہ اب بھی اس سے متفق نہیں تھی' مگر اس لاحاصل بحث کا فائدہ۔

" تمہارے دو تین کام والے سوٹ باقی رہ گئے ہیں آنے سے' پھر یہ کام تو سمجھو ختم۔"

بیڈ پر پھیلی چیزیں سمیٹتے ہوئے' اس نے بچے ہوئے کاموں کو دہرانا چاہا۔" چند دوپٹے ہیں جو ڈائی کے لیے گئے ہوئے ہیں اور کچھ چوڑیوں کا ڈیزائن تمہیں تبدیل کروانا ہے۔"

" وہ ارادہ میں نے ترک کر دیا۔" رعنا بیڈ پر سے چیزیں اٹھا کر' الماری کی طرف بڑھ گئی۔

" کیوں؟"

" بس ایسے ہی' اللہ کا شکر ہے بہت زیور ہو گیا ہے۔ وہ چوڑیاں میں سونیا کو دے رہی ہوں۔"

" کیوں' کس خوشی میں؟"

نازی کو ایک جھٹکا سا لگا۔" بھابی تمہیں ایک پائی دینے کی روادار نہیں ہیں اور تم وہ چھ کی چھ چوڑیاں سونیا کو دے رہی ہو۔ وہ بدتمیز لڑکی' جو تمہارا کھلے عام مذاق اڑاتی ہے' جسے اپنے رشتے تک کا احترام نہیں ہے۔"

" نہ سہی' مگر ہے تو میرے اکلوتے بھائی کی بیٹی' میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسے کچھ دے کر جاؤں۔"

وہ ابھی تک نازی کی طرف سے پشت کیے' الماری میں سے کچھ الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

" تمہارا کیا خیال ہے اس " کار خیر " سے تمہاری بھابی بہت خوش ہو جائیں گی۔ تمہارے اگلے پچھلے سارے قصور معاف کر کے۔" نازی نہ چاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہونے لگی۔

" نہیں۔" وہ الماری بند کر کے واپس بیڈ پر آ بیٹھی۔

" مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں' مگر شاید دنیا دکھاوے کے لیے ہی سہی' وہ میرے لیے اس گھر کو کھلا رہنے دیں' کبھی کبھی اگر میں پلٹ کر گھڑی بھر کے لیے پیچھے مڑ کر دیکھوں تو مجھے کچھ تو نظر آئے گا۔"

نازی نے بغور رعنا کی طرف دیکھا' وہ جذباتی نہیں تھی اور کوفت سے بھرا یہ دور اس نے بڑی ہمت کے ساتھ گزار ہی لیا تھا۔

اس وقت بھی اس کی آنکھیں خشک تھیں' مگر جو آرزو وہ لیے بیٹھی تھی۔ اس کے اندر کی اسی روایتی کمزور سی لڑکی کی جھلک دکھاتی تھی۔ زندگی کے نئے دور کی شروعات سے پہلے' اس کی کیمسٹری بھی تبدیل ہو رہی تھی۔

خوف' اندیشے اور سب سے بڑھ کر اپنے اکیلے ہونے کا احساس۔

نازی نے اس کی کیفیت کو بہت اچھی طرح سمجھا تھا۔

" سب تمہارے ہیں' ایسے کیوں سوچتی ہو۔ اتنا اچھا شخص تمہاری زندگی میں آ رہا ہے کہ ساری تلخ باتیں بھول جاؤ گی۔" محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نازی ہلکے سے مسکرائی۔

اس کی روشن سی مسکراہٹ میں بڑی تسلی بخش یقین دہانی تھی۔

رعنا کے دل کو پھر سے ڈھارس بندھنی شروع ہو گئی۔

...☆☆☆...

کمرے کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔

بیڈ شیٹ' تکیوں کے کور' سب ہی میلے ہو رہے تھے۔ فرنیچر پر الگ گرد کی تہہ جم رہی تھی۔ معلوم نہیں کب سے کمرے کی ڈھنگ سے صفائی نہیں ہو رہی تھی۔ آفتاب کی صفائی پسند طبیعت' کئی دن کی برداشت کے بعد' اب بری طرح الجھ رہی تھی۔

بینا کے سامنے یہ کمرہ' ہر وقت چمکتا رہتا تھا۔ سکول کی جاب' گھر اور بچوں کی دیکھ بھال' ٹیوشن والی لڑکیوں کو پڑھانا' اتنا سب کچھ کرنے کے باوجود بھی وہ اپنے بیڈ روم کو بڑے قرینے اور سلیقے سے رکھا کرتی تھی۔

آفتاب اتنے برسوں سے' غیر محسوس طور ضرا سی سیٹ اپ کا عادی ہو چکا تھا۔

صاف ستھرا سادہ سا گھر' اب بالکل مختلف نقشہ پیش کر رہا تھا۔ گو کام والی آتی تھی' مگر یوں ہی خانہ پری والا کام کیا کرتی۔

بینا کے ہنر مند ہاتھ' جس توجہ سے گھر کے کونے کونے کو سنوارتے تھے' اس کا اندازہ اب صحیح طور پر ہو رہا تھا۔

نہ ہی گھر ڈھنگ سے چل رہا تھا اور نہ وہ خود اپنے آپ کو سنبھال پا رہا تھا۔

چھوٹی چھوٹی ذاتی اشیاء اور ذاتی کام' جو پہلے بناء کہے بھی ہو جاتے تھے۔اب ایک بڑا دقت بھرا مرحلہ بن گئے تھے۔

سارے عزم وہمت کے باوجود' کبھی کبھی تو آفتاب کو دانتوں تلے پسینہ آنے لگتا تھا۔

کبھی کبھی وہ اس بات پر بھی' چپکے سے شکر ادا کر لیا کرتا تھا کہ بچے بینا کے ساتھ چلے گئے تھے' ورنہ یہاں انہیں سنبھالنا بھی ایک الگ مسئلہ بنا ہوا ہوتا۔

" اماں۔" وہ ان کے کمرے کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔

جب سے بینا اور بچے گئے تھے' آفتاب کی امی زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی لیٹی رہتیں۔نہ بات کرنے کے لیے بینا ہی رہی تھی اور نہ دل بہلانے کے لیے بچے' آفتاب کا دن تو پھر بھی اپنے سٹور پر کٹ جاتا تھا' مگر ان کے لیے اس ضعیفی میں تنہائی کاٹنا بڑا کٹھن ثابت ہو رہا تھا۔

" یہ کیسا کام کر کے جاتی ہے ماسی' آپ ذرا میرے کمرے کی صفائی تو کروائیں اچھی طرح سے۔"

" اب جیسا بھی کر جاتی ہے' اس کی مہربانی ہے۔مجھ میں تو ہمت نہیں ہے کہ اس کے سر پر کھڑی ہو کر صفائیاں کرواتی پھروں' نہ میری عمر اجازت دیتی ہے اور نہ صحت۔"

آفتاب کے گھمبیر مسئلہ کو انہوں نے بڑی بے اعتنائی سے سنا تھا۔

ایک طرح سے وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہی تھیں اور ان کے پاس اپنی شکائتیں بھی جمع تھیں۔

" نہ پرہیزی کھانا ہے اور نہ ہی کوئی وقت پر دوا دینے والا' جو الٹا سیدھا' کام والی پکا جاتی ہے۔اسی سے پیٹ بھر لیتی ہوں۔کل اتنی جلن تھی معدے میں کہ رات بھر نیند نہیں آئی۔پھر کوئی پاس بھی نہیں جو اٹھ کر پانی کا گلاس ہی لا دے۔"

آفتاب کو ندامت گھیرنے لگی۔

انہیں اس عمر میں خدمت اور توجہ کی ضرورت تھی۔وہ اپنی الجھنوں میں اس طرح گرفتار رہتا تھا کہ ان کی طرف توجہ دینے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

انہیں بینا کی خدمت اور محبت نے اپنا عادی بنا رکھا تھا۔وہ سچ مچ کسی بیٹی کی طرح ان کی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کا خیال رکھا کرتی تھی۔

رات کو بچے' دادی کے پاس ہی سویا کرتے تھے۔پھر بھی وہ کسی وقت اٹھ کر ان کی خبر گیری کرتی۔

" نہ گھر رہا اور نہ گھر کی صورت۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔" کسی کسی وقت تو رات کو ایسا خوف آتا ہے کہ اگر دم نکلنے لگے تو کوئی پانی پلانے والا بھی نہیں ہے پاس۔"

" اماں۔" آفتاب تڑپ کر آگے بڑھا۔

" خدانہ کرے' ایسی مایوسی کی باتیں کیوں سوچتی ہیں آپ؟"

" اس عمر میں امیدیں نہیں بندھتیں۔" انہوں نے روکھائی سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے پر سے ہٹایا۔

’’ میرے پاس کون سے اگلے دس بیس برس بچے ہیں‘ جو میں تمہاری اس ظالمانہ ضد کے ختم ہونے کے انتظار میں گزار لوں۔ میرا تو ایک پل کا بھی بھروسہ نہیں۔ پتہ نہیں اپنے بچوں کو اب دوبارہ دیکھ بھی سکوں گی یا نہیں۔‘‘

مایوسی اور خوف میں ڈوبا ضعیفی کا دور‘ ان سے ایسی ہی باتیں کروا سکتا تھا۔ آفتاب الجھا الجھا سا وہیں ان کے پاس بیٹھا رہا۔ پتہ نہیں کیوں انہیں ایسا لگا جیسے‘ وہ اس وقت ان کی بات مان ہی لے گا۔

’’ آفتاب۔ بچوں اور بینا کو لے آؤ‘ اپنا گھر مت برباد کرو۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں...‘‘

ملتجی سے لہجے میں انہوں نے دل کی بات‘ ایک بار پھر کہنا شروع کی تھی کہ اس نے تیزی سے ان کی بات کاٹ ڈالی۔

’’ گھر تو برباد ہو ہی چکا ہے امی۔‘‘ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

’’ میری زندگی کا وہ باب اب ختم ہی سمجھیں‘ مجھے پتہ ہے کہ آپ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے‘ مگر پلیز۔‘‘

اس نے بے اختیار ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ انہوں نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ ان کی اولاد میں سب سے زیادہ فرماں بردار اور حساس بیٹا تھا۔ اچھے برے ہر حال کو اس نے ہمیشہ بڑے صبر و شکر سے کاٹا تھا۔ معذوری کے اس ناقابل برداشت دور میں بھی‘ کبھی شکایت کا کوئی لفظ اس کے منہ سے نہیں نکلتا تھا۔

وحید اور آفتاب میں سگا بھائی ہونے کے باوجود کوئی مماثلت نہیں تھی۔

انہیں آفتاب سے سب سے زیادہ محبت تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ اسی کے ساتھ رہی تھیں اور شاید ان ہی کی دعائیں تھیں کہ اسے بینا جیسی محبت کرنے والی اور سادہ دل بیوی نصیب ہوئی تھی اور اب۔

ان کا وہی عزیز از جان بیٹا‘ سب سے زیادہ تباہ حال نظر آرہا تھا۔ انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

’’ آپ‘ وحید بھائی کے ہاں چلی جائیں۔ وہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ فرحت بھابی آپ کا بہت خیال رکھیں گی۔‘‘ ان کی پریشانی دور کرنے کا آفتاب کو یہی ایک طریقہ نظر آرہا تھا‘ مگر اس بارے میں بھی کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

’’ مجھے فرحت سے کوئی شکایت نہیں اور اس بے چاری سے شکوہ بھی کیا‘ الٹی ندامت ہی ہوتی ہے۔ وحید کی بدنیتی اور لالچ کو ابرار احمد کے گھرانے نے بڑے ظرف کے ساتھ برداشت کیا ہے۔‘‘

وہ بڑی انصاف پسند خاتون تھیں اور اتنی ناواقف حال بھی نہیں تھیں‘ مگر آفتاب کے پاس اب وحید بھائی کے لیے بڑی گنجائش نکلتی آرہی تھی۔

’’ وحید بھائی اتنے برے نہیں ہیں۔‘‘

’’ اس کی اچھائی کی کوئی ایک مثال ہو تو بتادو۔‘‘

اماں بے زاری سے کہتے ہوئے بیڈ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

’’ ہم انہیں ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں سکے۔ ورنہ وہ بے چارے تو خود پریشان ہیں۔‘‘

’’ اب تم نے ٹھیکہ تو اٹھالیا ہے ان کی پریشانی دور کرنے کا‘ اپنی تو نہ کر سکے‘ چلو ان کی دور کر دو۔‘‘

وہ تلخی سے کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

انہیں وحید کا ساتھ دینے پر آفتاب پر بھی غصہ آیا ہوا تھا۔

’’ آپ کیوں مخالفت کر رہی ہیں وحید بھائی کی؟‘‘

وہ ان کے پیچھے باہر آیا۔" اگر اپنی خوشی کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو کرنے دیں۔ ثانیہ کے گھر والوں کو مجبور تو نہیں کیا ہے۔ اگر وہ اپنی مرضی سے راضی ہو رہے ہیں تو ہمارے لیے تو یہ خوشی کی بات ہے۔"

وہ فریج میں سے گوشت نکال کر باہر رکھ رہی تھیں۔ آفتاب کی طرف سے دی جانے والی صفائی' ان کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

" سارا کھیل وحید کا سیٹ کیا ہوا ہے۔ تم اس کی مٹھی میں ہو ہی' اب وہ دوسری جادو گرنی جیسی شکل والی ثانیہ کی ممانی مل گئی ہے اس کے ساتھ' خدا ہی رحم کرے اس بچی کے حال پر۔"

پریشان ہونے کے باوجود' آفتاب کو ہنسی آ گئی وہ اور بھی چڑنے لگیں۔

" ہنسنے کی بات نہیں' پتہ نہیں کیا کھچڑی پک رہی ہے تم لوگوں کے درمیان' مجھے تو بہت ہی خوف آ رہا ہے۔ کل وہ یہاں دو گھنٹے بیٹھ کر آخر کیا باتیں کر کے گئی ہے' مجھے سچ سچ بتا دو۔"

وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہی تھیں۔

" وہ وحید بھائی سے ملنے آئی تھیں۔ میں تو دعا سلام کر کے سٹور پر بیٹھ گیا تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں کر کے واپس چلی گئی ہوں گی۔ آپ کیوں نہیں ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھیں؟"

آفتاب کے پاس' کوئی ٹھوس معلومات تو تھی نہیں' الٹا ان ہی کی بے رخی یاد آ گئی۔

' مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی وہاں بیٹھنے کی اور دوسرے وحید خود بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ میں وہاں آؤں۔ مجھے خاص طور پر کہہ کر گیا تھا کہ میں یہاں آرام کروں تو کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھ سکتی تھی۔"

آفتاب کی آنکھوں میں الجھن سی اترنے لگی۔

" وحید بھائی نے خود منع کیا تھا آپ کو؟"

" ہاں تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔" وہ باہر کرسی پر آ بیٹھیں۔" ضرور کوئی ایسی بات کی ہے ان دونوں نے' جو رازداری کی تھی۔"

وہ پر یقین تھیں۔

اس بار آفتاب ان کی تردید بھی نہیں کر سکا۔

اماں لاکھ الغرض اور اکتائی ہوئی محسوس ہوتیں' مگر تجربہ کار نگاہ رکھتی تھیں۔

اگر انہیں وحید بھائی اور ثانیہ کی ممانی کی ملاقات مشکوک لگ رہی تھی تو شاید...

" وحید بھائی آئیں گے تو پوچھ لوں گا۔ آپ کو کوئی صاف بیڈ شیٹ پتہ ہو تو دے دیجئے۔"

اس مسئلہ کو فی الحال ایک طرف کر کے' اس نے اپنی پریشانی کو یاد کیا۔

اماں کو گھر کی چیزوں کی کوئی ایسی خاص خیر خبر نہیں رہتی تھی۔ ان کے اپنے کپڑے تک' بینا ہی کے سپرد تھے۔ خریداری' سلائی' دھلائی' استری انہیں اس طرح کی فکریں چھوڑے ہوئے بھی سالوں گزر چکے تھے۔

آفتاب نے خود ہی وارڈروب کے ایک خانے سے استری شدہ بیڈ شیٹ ڈھونڈ نکالی۔ اس کی معذوری' اسے جھکنے اور تیزی سے کام نہیں کرنے دیتی تھی۔

تھوڑی سی ہی دیر میں' اس کا سانس پھولنے لگتا تھا۔ اوپر سے کمرے کی دھول مٹی۔

وہ تھوڑی دیر تو دیکھے گئیں۔ دل بہت برا ہو رہا تھا' مگر مصلحتاً ضبط کیے رہیں۔

جب وہ خود ہی تھک کر چند لمحوں کے لیے کرسی پر سانس لینے کے لیے بیٹھا تو بہت نرمی سے' وہ اسی بات کو لے بیٹھیں' جس سے اس نے ابھی منع کیا تھا۔

" بیٹا سے ایک بار مل کر تو دیکھو' کیا خبر ساری غلط فہمی دور ہو جائے تم دونوں کے درمیان سے۔"

" ہمارے درمیان کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔"

اس بار وہ غصہ میں نہیں آیا تھا۔" بلکہ ہمارے بیچ ایک بڑی کڑوی حقیقت ہے اماں اور میں اس تلخی کو بار بار فیس نہیں کر سکتا۔ آپ بھول جائیں بس اب یہ سب باتیں۔"

اپنی بات کہتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

" میں سٹور پر جا رہا ہوں' آپ کو کوئی بھی کام ہو تو بتا دیجئے گا۔"

اس کی بیساکھی کی کھٹ کھٹ گھر کے سناٹے کو اور بھی بوجھل بنا رہی تھی۔

خوشگوار ہنگامے میں ڈوبا ہوا' وہ ماحول جیسے اب کسی خواب کا حصہ بنتا جا رہا تھا۔

...☆☆☆...

فرحت آپا نے آتے ہی جس گرم جوشی سے سجاد کو گلے لگایا تھا۔ وہی کافی چونکا دینے والا تھا۔ اوپر سے اب وہ جس معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ انہیں بار بار دیکھ رہی تھی۔ وہ رہا سہا شک بھی دور کر چکی تھی۔

سجاد کو بابا سے اس جلد بازی کی امید نہیں تھی۔

محض ان کی تسلی کے لیے دیا گیا بیان' اب صاف گلے پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

" مجھے تو جیسے ہی بابا نے فون پر تمہارے مان جانے کا بتایا' پوچھو مت کیسی خوشی ہوئی ہے۔ رات بھر جاگتی رہی' خاندان کی ساری اچھی لڑکیوں کے بارے میں سوچا کہ کون تمہارے لیے سب سے بہتر رہے گی۔"

فرحت آپا کا لہجہ خوشی سے بھرپور تھا اور یہ اندازہ لگانا بالکل آسان تھا کہ وہ کتنی زیادہ ایکسائیٹڈ ہو رہی ہیں۔

" اللہ اکبر۔" وہ زیر لب بڑبڑائے۔

" کیا کہہ رہے ہو۔" انہوں نے ٹھیک سے سنا نہیں۔ سو سوالیہ نگاہوں سے سجاد کی طرف دیکھنے لگیں۔

" کچھ نہیں' مگر اس نیک کام کے لیے آپ نے اپنی رات کیوں کالی کی۔ پورا دن پڑا رہتا ہے' آرام سے سوچتی رہتیں۔"

وہ پھر سے ہنس پڑیں۔ ان کا چہرہ سرخی مائل ہو رہا تھا۔ سجاد بہت محبت سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کتنے عرصے بعد' وہ اتنی خوش دکھائی دی تھیں۔ اب انہوں نے یہاں آنا کافی کم کر دیا تھا۔ سجاد اور بابا خود ہی جا کر مل آتے تھے۔

" بہت اچھا فیصلہ کیا تم نے سجاد' بس اب تو ذرا بھی دیر نہیں کرنی۔ پہلے ہی تم نے بہت وقت گنوا دیا ہے۔ اب جلدی سے کوئی لڑکی منتخب کر لو۔ ہمارے خاندان میں چند ایک تو واقعی بہت اچھی لڑکیاں ہیں۔ میں نے اور بابا نے بہت اچھی طرح جائزہ لیا ہے۔"

جس وقت صرف وہ دونوں بہن بھائی ہی تھے۔ فرحت آپا نے بہت سنجیدگی سے' اسے مبارک سلسلے کو شروع کیا۔

سجاد کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ وہ نادانستگی میں اس معاملے کو خود بڑھاوا دے چکے ہیں۔

"تمہیں نہیں پتہ خاندان میں چھ لوگ تو باقاعدہ زور لگا رہے ہیں کہ ہم ان کے ہاں سے رشتہ لیں۔ ہم ہی کسی نہ کسی بہانے ٹال رہے ہیں۔"

وہ انہیں ان ساری تفصیلات سے مطلع کرنے کے لیے بے چین تھیں، جنہیں سننے میں سجاد ذرا بھی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔

خاندان، برادری، رشتے داریاں، وہ اس روایتی، رسم و رواج میں جکڑے خاندان میں ذرا برابر بھی تبدیلی، آج بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔ چپ چاپ سنے گئے۔

فرحت آپا نے ان کی خاموشی سے معلوم نہیں کیا اندازہ لگایا۔ بڑے تسلی آمیز انداز میں بولیں۔

"اب وہ پہلے جیسی بات نہیں رہی ہے۔ لڑکیاں پڑھ لکھ گئی ہیں۔ تمہیں مایوسی نہیں ہو گی۔ ہم مزاج لڑکی ضرور مل جائے گی۔"

سجاد ہلکے سے مسکرا دیئے۔

فرحت آپا کو پتہ نہیں کتنی مدت بعد، اس طرح خوش باش دیکھ رہے تھے۔ ورنہ پچھلے کچھ سالوں سے تو وہ جتنی گم صم اور ہراساں رہنے لگی تھیں۔ وہ بہت دل دکھانے والی بات تھی۔

کم از کم اس وقت وہ ان کا دل توڑنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ ٹھیک اسی طرح، جیسے اس روز بابا کی دل شکنی نہیں کر پائے تھے۔

"اب اس موضوع کو تھوڑی دیر ایک طرف رکھ دیں۔ اتنے دنوں بعد آئیں ہیں۔ کچھ اچھی اچھی باتیں کریں۔"

آج چھٹی تھی اور وہ پورا دن بہن کے ساتھ گزارنا چاہ رہے تھے۔

"اس سے اچھی کوئی دوسری بات نہیں ہے آج، تم نہیں سمجھ سکتے سجاد، تمہارا اکیلا پن میرے لیے کتنا تکلیف دہ ہے۔ میں اور بابا دونوں ہی اس احساس جرم کا شکار ہیں کہ ہم تمہاری خوشی کے لیے کچھ بھی نہیں کر پائے۔"

بالآخر ان کی آنکھوں میں آنسو آنے ہی لگے۔

ان کی محبت اور فکر دونوں ہی بڑی فطری تھی۔ اپنے بے حد نامساعد حالات میں بھی، یہاں اس گھر کی ہر فکر کو وہ اپنے سے لگائے رکھتی تھیں۔

"آپ کا بھی جواب نہیں۔" سجاد نے بے ساختہ ہی ان کا سر اپنے کندھے سے لگایا۔ "میں ایسی کون سی قابل رحم زندگی گزار رہا ہوں، جو آپ میری فکر میں گھل رہی ہیں۔ شادی اگر نہیں کی تو اپنی مرضی سے نہیں کی ہے۔ بہت سے لوگ نہیں کرتے، بلکہ اب تو لڑکیاں بھی خاصا سوچ سمجھ کر شادی کا فیصلہ کرنے لگی ہیں تو کیا یہ کوئی بہت انوکھی بات ہے۔"

وہ بڑے خوش باش سے انداز میں انہیں سمجھائے گئے۔ فرحت آپا اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے ہلکے سے مسکرا دیں۔ "میں نے یہ کب کہا، اللہ تمہیں اور بہت ترقی دے۔ میرا مطلب تو صرف اتنا..."

سجاد نے بلقیس بھابی اور ثمینہ کو لائونج میں آتا دیکھ کر شکر ادا کیا۔

وقتی طور پر ہی ہی موضوع اب بدل جاتا تھا۔ بلقیس بھابی کے سامنے بات چیت کرنے میں اب بڑی احتیاط برتی جاتی تھی۔

گھر کے سب ہی افراد اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ بے خیالی میں بھی کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکلے، جس سے وہ ہرٹ ہوں۔

شہر کے بہترین سائیکالوجسٹ کے پاس ان کا علاج جاری تھا۔ تھراپی اور دوائوں کے زیر اثر وہ پر سکون محسوس ہوتی تھیں، مگر وقفے وقفے سے پھر ذہنی ابتری کا شکار ہونے لگتیں۔

فطری طور پر جو کینہ اور بدگمانیاں وہ لوگوں کی طرف سے اپنے دل میں جمع رکھتی تھیں۔ وہی ان کی مکمل صحت یابی میں سب سے بڑی رکاوٹ بن رہا تھا۔

فیضی کی جدائی ایک بڑا المیہ سہی، مگر اس کی غلطی کو ماننے کے بجائے، وہ اسے گھر والوں کی سازش قرار دیتی تھیں۔ خاص طور پر سجاد کی۔

پسند تو وہ انہیں خیر کبھی بھی نہیں کر سکی تھیں، مگر اب تو برملا نفرت کا اظہار کرتی تھیں۔ سجاد اس بے حد تکلیف دہ احساس کو بڑی ہمت کے ساتھ سہہ رہے تھے۔ کوشش یہی ہوتی کہ ان سے زیادہ سامنا ہی نہ ہو۔

اس وقت بھی جب وہ یہاں لائونج میں آکر بیٹھ رہی تھیں۔ وہ فرحت آپا کے ساتھ مزید وقت گزارنے کی خواہش کو دبا کر، اٹھ کھڑے ہوئے۔

لائونج کے شیشے کی بڑی سی دیوار کے دوسری طرف، لان میں بچوں کا کھیل جما ہوا تھا۔ سہیل اور ثمینہ کے بچوں کے ساتھ، فرحت آپا کے بچے اور حد تو یہ کہ انعم بھی شامل تھی۔ بچوں میں آپس میں بڑی محبت تھی۔ سجاد کو یہ دیکھ کر بہت اچھا لگتا تھا۔

امید بندھتی تھی کہ وہ سب محبت کے اس سلسلے کو خوبی سے آگے بڑھائیں گے۔

" وحید نے ہمارے گھر آنا جانا کیوں چھوڑ رکھا ہے فرحت، کسی کی بات کا برا منا گیا ہے کیا؟" وہ لائونج سے اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف جا رہے تھے۔ جب انہوں نے اپنے پیچھے بلقیس بھابی کو کہتے ہوئے سنا۔

" مجھے نہیں خبر بھابی، نہ ہی وہ مجھے بتا کر کہیں آتے جاتے ہیں۔"

" کون سی انوکھی بات ہے۔ تمہارے بھائی تو صبح سے رات تک غائب رہتے ہیں اور کبھی نہیں بتاتے کہ کہاں ہیں۔ اب سولہ سترہ گھنٹے آفس میں تو نہیں بیٹھے رہیں گے، مگر مجال ہے جو کسی کو اپنے پروگرام کی ہوا تک لگنے دیں۔ وحید غریب تو پھر آدھے سے زیادہ وقت گھر پر ہی گزار دیتا ہے۔"

تھی تو سخت ناانصافی والی بات کہ بلقیس بھابی وقار بھائی جیسے کامیاب اور بے حد محنتی شخص کا موازنہ وحید جیسے کاہل اور آرام طلب شخص کے ساتھ کر رہی تھیں۔

سجاد کا بہت دل چاہا کہ واپس پلٹ کر ان کی کریکشن تو کر ہی دیں، مگر فائدہ۔

الٹا وہ ہی ذرا سی بات پر ہنگامہ کھڑا کر سکتی تھیں۔ سجاد ضبط کر کے، تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئے۔ اوپر کی منزل ہمہ وقت سناٹے میں ڈوبی رہتی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے لائونج میں ہی ٹی وی کھول کر بیٹھ گئے۔

آج تھوڑی فرصت تھی۔

خیال یہی تھا کہ فرحت آپا کی آمد کی خوشی میں سب کو جیپ پر کہیں باہر لے جایا جائے۔ سو یہ تھوڑا سا وقت جو ابھی باقی رہتا تھا۔ ٹی وی دیکھ کر کاٹا جا سکتا تھا۔

ریموٹ ہاتھ میں لے کر وہ یوں ہی ایک کے بعد ایک چینل بدلتے چلے گئے۔ آج کل آنے والے پروگرام ہی اتنے دلچسپ نہیں رہے تھے یا پھر وہ خود ہی عدم دلچسپی کا شکار ہو رہے تھے۔ ذہن بار بار اسی طرف جا رہا تھا۔ بابا اور فرحت آپا کو کس طرح ٹالا جائے' جوان دو بہت محبت کرنے والی ہستیوں کو برا بھی نہ لگے؟ ایک بڑا سا سوالیہ نشان ان کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دونوں' اس سلسلے میں کافی " ہوم ورک" کر چکے تھے۔

بابا جب سے بیماری سے اٹھے تھے۔ پہلے سے زیادہ حساس رہنے لگے تھے۔ اوپر سے ایک بڑا صدمہ انہیں فیضی کے چلے جانے کا تھا۔

بلکہ ایک بلقیس بھابی کو چھوڑ کر باقی سب کا یہی خیال تھا کہ بابا کی دن بدن گرتی ہوئی صحت کی وجہ ہی فیضی کی جدائی ہے۔

خاندان اور ملنے جلنے والے' سب انہیں یہی مشورہ دیتے تھے کہ وہ جلد سے جلد سجاد کی شادی کر ڈالیں۔ اپنے اپنے طور پر سب ہی یہ فرض ادا کر چکے تھے کہ بابا کی مکمل صحت یابی کا شافی علاج' اب صرف اور صرف سجاد کی شادی ہی ہے۔

وہ یہ سب باتیں کب سے سن رہے تھے اور ان سنا کیے دیتے تھے۔

صوفے کی پشت سے سر ٹکائے ہوئے' سجاد نے آنکھیں بند کیں۔

دور تک پھیلی ہوئی تنہائی' کسی کسی وقت دل پر بھاری بھی پڑتی تھی۔

کاش وہ بابا کی اس سب سے گہری خواہش کا احترام کر سکتے' مگر اب ایسا ہوتا' پہلے سے بھی کہیں زیادہ مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ سجاد کے لبوں پر ایک بے بسی بھری مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔

ایک خواب تھا' جو اب ہمہ وقت جاگتا تھا۔

کھلی آنکھوں میں بھی اور بند آنکھوں میں بھی۔

...☆☆☆...

نواب شاہ والے گھر کی فروخت کا ارادہ صرف ارادہ ہی نہیں تھا۔ سب سے پہلے اس نے شہزاد کو فون کر کے اپنے ارادے کی اطلاع دی۔ وہ' جو ہمیشہ فون کرنے پر' اسے گھر کی دیکھ بھال سے مکمل طور پر بے فکر رہنے کی تلقین کرتا تھا۔ بیچنے کا سن کر' ذرا دیر کے لیے تو خاموش ہی ہو گیا۔

" تو اس کا مطلب ہے کہ اپنے اس پرانے شہر سے آپ یہ رشتہ بھی ختم کر رہی ہیں' ثانیہ باجی۔"

خاموشی کے وقفے کے بعد وہ آہستہ سے بولا۔

" رشتے ختم نہیں ہوتے شہزاد۔ اور جو ختم ہو جائیں' وہ رشتے ہی نہیں ہوتے' میرے لئے وہاں سب سے گہرا رشتہ تم لوگ ہو۔ یہ گھر بک جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہارا گھر بھی تو میرا گھر ہے۔" وہ ہلکے ہلکے اسے سمجھائے گی۔

" بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" وہ ایک دم ہی خوش ہو گیا۔ پچھلی بار جب وہ کراچی ان لوگوں سے ملنے آیا تھا' تب ثانیہ نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا کہ گھر کی فروخت کے بارے میں وہ ایک بار بھی نہیں سوچنا چاہتی۔ اب جب وہ یہ ارادہ کر چکی تھی تو شہزاد اپنی حیرانگی کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ ثانیہ نے یوں ہی گول مول سے دو چار جواز تراش لیے' جمیل ماموں کی طبیعت کا خاص طور پر ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

شہزاد طبیعتاً بھی کسی بات کو کریدنے والا نہیں تھا۔ جلد ہی اس بارے میں کوئی بات بتانے کے وعدے کے ساتھ اس نے فون بند کر دیا۔

ثانیہ نے اپنا سیل فون بند کر کے میز پر رکھا۔ فرح نے سامنے کھلے مانیٹر سے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

آج کل وہ جیسے ہر وقت ہی کسی سوچ میں گم محسوس ہوتی تھی۔

فرح مکمل طور پر واقف حال رہتی تھی۔

ماموں کی بیماری، ممانی کی کرم نوازی، کچھ بھی اس سے چھپا نہیں رہتا تھا۔

ثانیہ کو لگتا تھا کہ وہ اس سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتی۔ اگر چھپانا چاہے تب بھی، فرح اس کی شکل دیکھ کر جان جاتی کہ کوئی بات تو ضرور ہی ہے۔

" اب زیادہ سوچ میں مت پڑو، ایک فیصلہ کر لیا ہے تو ٹھیک ہی ہو گا۔"

فرح کو پتہ تھا کہ وہ گھر کے بارے میں کتنی جذباتی رہی ہے۔ سو اسے ایسا ہی لگا۔

ثانیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

" میں گھر کے بارے میں نہیں سوچ رہی فرح، گھر آج نہیں تو کل تو بکنا ہی تھا۔ مجھے تو ممانی کا روّیہ پریشان کیے ہوئے ہے۔ وہ جیسا خود کو پوز کر رہی ہیں، ویسی بالکل بھی نہیں ہیں اور یہ بڑی پریشان کن بات ہے۔"

فرح ہنستی ہی چلی گئی۔

" جواب نہیں تمہارا، بجائے اس کے کہ اللہ کا شکر ادا کرو، تم نے نئی پریشانی ڈھونڈلی اپنے لیے۔ اصل بات یہ ہے، تمہیں پریشان رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ سازگار حالات سوٹ نہیں کر رہے ہیں۔"

ثانیہ نے ذرا خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔

" میں بہت سنجیدہ ہوں فرح، وہ ضرور کوئی کھیل کھیل رہی ہیں۔ ان کی سرگرمیاں بڑی پراسرار ہوتی جا رہی ہیں۔"

" مثلاً۔" فرح کے لبوں پر ابھی بھی دبی دبی سی مسکراہٹ تھی۔

" بڑی رازداری سے فون پر بات کرنے لگی ہیں، ورنہ اس سے پہلے تو جب وہ کسی سے بات کرتی تھیں تو آواز سارے گھر میں گونجتی تھی۔"

اس بات کی گواہ تو خود فرح بھی تھی، سو ماننا پڑا۔

" اور کچھ۔"

" روزانہ بہت تیار ہو کر کہیں جاتی ہیں۔"

"ہیں۔" فرح بری طرح بوکھلائی۔" اللہ کے واسطے۔ اب اس عمر میں ان پر اس قسم کے شک تو مت کرو تم۔"

" میرا یہ مطلب تھوڑی ہے۔" وہ جھینپ سی گئی۔

" تم بھی نا بس... اصل میں وہ تو کچھ بتاتی ہی نہیں ہیں، پر کل لبنیٰ کہہ رہی تھی کہ وہ بینا باجی کے گھر جاتی ہیں۔ تب سے مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

" تم نے یا اماں نے پوچھا نہیں، ان سے کہ وہ وہاں کیوں جا رہی ہیں۔" فرح کو معاملے کی نزاکت کا اندازہ ہونے لگا۔

" نہیں، اصل میں اس وقت میں اور لبنیٰ ہی تھے۔ میں نے اماں کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا، وہ پہلے ہی جمیل ماموں کی وجہ سے...."

" پھر ایسا کرو کہ بینا باجی سے پوچھ لو، وہ تو ٹھیک بات بتا دیں گی۔" فرح کو اس اطلاع سے خود بھی کچھ تشویش ہوئی۔

" بینا باجی یہاں نہیں ہیں شاید، لبنیٰ کہہ رہی تھی کہ وہ اپنی امی کے ہاں ہیں آج کل۔"

" اچھا۔" ان دونوں کے لیے ہی بیٹا کا گھر پر نہ ہونا' کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی۔ سب ہی عورتیں کم یا زیادہ' ماں باپ کے گھر جاتی ہی ہیں۔

" کیا خبر دو ایک دن میں آنے والی ہوں۔"

" تھوڑا انتظار کرلو' صحیح بات پتہ چل جائے گی۔"

فرح نے اس کی پریشانی کو کم کرنا چاہا۔ اسے ثانیہ کے لیے آئے رشتے کے بارے میں پوری معلومات تھیں' پچھلے ہفتے جب وہ اماں سے ملنے اور جمیل ماموں کی عیادت کے لیے وہاں گئی تھی تو اماں سے ساری تفصیل سن کر آئی تھی۔

" پریشان مت ہو' وہ کچھ بھی نہیں کرسکتیں۔ تم ریلیکس رہو۔" فرح کو خود ان کی طرف سے خدشات ستا رہے تھے' مگر وہ ثانیہ کی پریشانی کو کم کرنا چاہ رہی تھی فی الوقت۔

ثانیہ کے لئے اس کی مورل سپورٹ ہمیشہ بڑی تقویت کا سبب بنتی تھی۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ تھوڑی دیر کے لیے دونوں ہی اپنے اپنے کام کی طرف متوجہ رہیں کہ فرح کو کوئی بات یاد آئی۔

" نانی تمہیں بہت یاد کررہی ہیں' وہاں عمر کی شادی کی تیاریاں زور پکڑ رہی ہیں۔ اس ویک اینڈ پر چلو ایک دن کے لیے وہاں۔"

" نہیں' ابھی نہیں' پھر کسی دن آئوں گی۔" وہ ہلکے سے مسکرائی' سچ بات تو یہ کہ ماموں کی بیماری کی وجہ سے دل چاہتا ہی نہیں تھا کسی بھی بات کو۔

تب ہی انہیں سامنے لابی میں سے شیریں آتی دکھائی دی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

" انہیں بھی چین نہیں ہے' اچھی بھلی منگنی کروالی ہے پھر بھی۔"

" خدا کرے اس طرف نہ آئیں۔" ثانیہ کو شیریں کی موجودگی سے نہ چاہتے ہوئے بھی الجھن ہونے لگی تھی۔ اس کی کاٹ دار نگاہیں اور طنزیہ باتیں برداشت کرنا کبھی کبھی بڑا مشکل ثابت ہونے لگتا تھا۔ فرح کو اس کی یہی بزدلی غصہ دلاتی تھی۔

" کوئی ضرورت نہیں ہے زیادہ دب کر بات کرنے کی اور خبردار جو تم نے انہیں منگنی کی مبارکباد دی۔ تمہیں کون سا بلایا تھا۔ تم بھی بالکل اگنور کروانہیں۔"

اس کا ہدایت نامہ جاری ہی تھا' جو وہ ٹھیک اسی طرف آرہی تھی۔

" کیا ہورہا ہے۔"

" ظاہر ہے کام۔" فرح نے صرف ایک بار اس کی طرف دیکھا اور دوبارہ سامنے رکھے مانیٹر کی طرف متوجہ ہوگئی۔" سجاد بھائی اپنے چیمبر میں ہیں۔"

بین السطور یہی پیغام تھا کہ وہ یہاں سے جاسکتی ہیں۔

"مجھے پتہ ہے' سجاد کے بارے میں مجھے ہر وقت خبر رہتی ہے کہ وہ کہاں ہے اور کیا کررہا ہے۔"

سجاد کے بارے میں وہ ہمیشہ اسی طرح استحقاق سے بات کرتی تھی۔

" اچھی بات ہے' آپ کے دوست ہیں' آپ کو ان کی خیر خبر رکھنی بھی چاہیے۔"

" آپ کو بلایا ہے۔"

ایک آفس اسٹنٹ نے کمرے میں جھانکتے ہوئے فرح کو اطلاع دی تو وہ فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔اس کا خیال تھا کہ شیریں بھی اس رسمی سی ملاقات کو ختم کر کے اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئیں گی' مگر ایسا نہیں تھا۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم میری بات کا اتنا برا مناؤ گی کہ سجاد تک شکایت پہنچاؤ گی۔"

ثانیہ کی پوری توجہ اپنے کام کی طرف تھی۔جب اس نے انہیں سرد لہجے میں کہتے ہوئے سنا۔

"میں۔"

اس نے ذہن پر تھوڑا سا زور ڈال کر سوچنا چاہا کہ ان کا اشارہ کس طرف ہے۔

"ایکٹنگ اچھی کرتی ہو۔" وہ تلخی سے ہنسی۔

ثانیہ ابھی بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ جو اتنا لمبا شکایت نامہ لے کر' وہ میرے پاس آیا تھا۔اس کے پیچھے تمہارا ہی ہاتھ تھا۔کیا سمجھتی ہو تم' ان گھٹیا طریقوں سے ہمارے درمیان تلخی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گی۔" اپنی بات کہتے کہتے وہ ذرا رکی۔

ثانیہ ساکت نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

شیریں کی آنکھوں میں بڑی ناقابل برداشت سی چمک تھی۔ایسی چمک جو سامنے والے کو کہیں اندر تک گھائل کر سکتی تھی۔

"اپنی اوقات میں رہو ثانیہ' جو خواب تم دیکھ رہی ہو۔وہ بس خواب ہی رہے گا۔سجاد ناقابل رسائی ہے' اسے مجھ جیسی بااختیار عورت نہیں پا سکی۔تمہاری تو حیثیت ہی کیا۔اس کی مہربانیوں سے غلط فہمی کا شکار مت ہو۔وہ ہمیشہ سے بڑا غریب پرور ہے۔لوگوں پر رحم کھانے کا عادی۔"

وہ ثانیہ کے بالکل قریب کھڑی ہوئی تھی۔

اس کی آواز بہت نیچی تھی اور لہجہ بے سرد' توہین کے احساس میں بے حد شدت تھی۔بہت جتن کر کے جمع کی ہوئی ساری ہمت' ثانیہ کو بالکل ہی زائل ہوتی محسوس ہوئی۔

"اور کیا وہ ہمیشہ' اس عورت کے ہاتھوں' جسے خدا نے بے پناہ نوازا تھا' محض اس لیے ذلیل ہوتی رہے گی کہ وہ اس سے شدید اور بے جا حسد میں مبتلا ہے۔"

ڈوبتے دل کے ساتھ' اس نے صرف یہی سوچا۔شیریں جا چکی تھی۔

فرح آئی تو اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہی' ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔

"تم... تم اتنی احمق کیوں ہو ثانیہ' ویسے تو بڑی باہمت ہونے کا دعویٰ کرتی ہو اور یہ شیریں' ان کے گھٹیا رویے کا کوئی جواب نہیں ہے تمہارے پاس۔"

وہ بناء کوئی تفصیل پوچھے' الٹا اسی پر خفا ہوتی رہی اور جب وہ خاموش ہوئی تو ثانیہ نے بہت دیر سے جھکا ہوا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"غلطی شیریں سے زیادہ سجاد صاحب کی ہے فرح' غلط ان کا رویہ ہے۔وہ کیوں شیریں کو اس طرح تاثر دیتے ہیں جیسے وہ..."

شرمندہ سی ہو کر اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

" انہوں نے ایسا کوئی تاثر نہیں دیا۔ شیریں خود ناکام رہی ہیں۔ اس لیے اپنا غصہ تم پر نکالتی ہیں۔ تمہیں ہرٹ کرنے کے لیے ہی انہوں نے تمہیں اپنی منگنی پر بھی...۔"

" بھاڑ میں گئی ان کی منگنی..." وہ اپنا ضبط کھونے لگی۔

" ہر ایک کو کیوں یہ غم ستا رہا ہے کہ میں اس سعادت سے محروم رہ گئی ہوں۔ کیا ضرورت تھی سجاد صاحب کو شیریں کے پاس جا کر یہ شکایت کرنے کی۔ حالانکہ اس روز میں نے انہیں سختی سے منع بھی کیا تھا۔"

اس کی افسردگی، غصے میں بدل رہی تھی۔

فرح کے لبوں پر، اس ٹینشن بھرے ماحول میں بھی ایک بڑی پیاری سی مسکراہٹ ابھری۔

" اچھا یہ کب کا واقعہ ہے، تم نے بتایا ہی نہیں تھا کہ تمہارے اور سجاد بھائی کے درمیان ذاتی معاملات پر بھی گفتگو ہوتی ہے۔"

خلاف توقع نہ وہ جھینپی، نہ جھنجلائی، چند لمحے خاموش سی نگاہوں سے فرح کو دیکھے گئی اور پھر بڑے پرسکون لہجے میں بولی۔

" ان کے اور میرے درمیان جو کچھ بھی ہے۔ اس پر میں سخت شرمندہ ہوں اور اب آج کے بعد تم میں سے کسی کو بھی اس بارے میں کچھ بھی کہنے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔"

اس کے لہجے میں کچھ تو خاص تھا۔ فرح نے پریشان سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا، مگر وہ سامنے رکھے کاغذوں پر اس طرح نگاہ جما کر بیٹھی تھی، جیسے پتھر کی ہو چکی ہو۔

...☆☆☆...

سجاد کو آفس آنے میں، آج خلاف معمول تھوڑی دیر ہوئی تھی۔ بابا نے صبح ناشتے پر اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ انہیں کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔ سجاد، سہیل، وقار، تینوں ہی بھائی آج ذرا تاخیر سے اپنے اپنے آفس روانہ ہوئے تھے۔

گاڑی پارکنگ ایریا میں کھڑی کر کے، جب وہ تیز قدموں سے آفس میں داخل ہوئے، تب تک سب ہی لوگ آ چکے تھے۔

ایک خوشگوار سی مسکراہٹ کے ساتھ، وہ ارد گرد کے سلاموں کا جواب دیتے اپنے چیمبر کی طرف بڑھ رہے تھے، تب ہی کھلے ہوئے دروازے سے ان کی نگاہ اس کمرے کے اندر پڑی۔ جہاں فرح اور ثانیہ بیٹھا کرتی تھیں۔

آج فرح کے ساتھ والی سیٹ خالی پڑی تھی۔

" خیریت تو ہے، آج تمہاری دوست نہیں آئیں؟" وہ دروازے میں رک کر فرح سے پوچھ رہے تھے۔

" معلوم نہیں سجاد بھائی، کتنی بار فون کر چکی ہوں، مگر اس کا موبائل بند ہے اور گھر کا فون تو کئی دن سے خراب پڑا ہے۔"

فرح خود جب سے آئی تھی۔ ثانیہ کی فکر میں بیٹھی تھی۔

" اچھا۔" وہ کچھ فکر مند سے ہوئے۔" کوئی اور نمبر نہیں ہے تمہارے پاس، ان کے ہاں کانٹیکٹ کرنے کے لیے؟"

" نہیں دوسرا تو کوئی نمبر نہیں ہے۔" فرح نے سجاد کو جواب دیتے ہوئے' ان کے پیچھے کھڑے عمر کو گھور کر دیکھا' جس کی معنی خیز سی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔

" ان کے ماموں بھی تو بیمار تھے۔ کہیں ان کی طبیعت تو زیادہ خراب نہیں ہو گئی؟" ان کا دھیان قریب ترین وجہ پر گیا۔

" جمیل ماموں۔" فرح نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔" بیمار تو ہیں لیکن پہلے سے بہتر ہیں' میری کل ہی ان سے فون پر بات ہوئی تھی۔"

" ہم لوگ خود ہی چلے چلیں' ماموں کی عیادت بھی ہو جائے گی اور مس ثانیہ کے نہ آنے کی وجہ بھی پتہ چل جائے گی۔" عمر بڑی سنجیدگی کے ساتھ مشورہ دے رہا تھا۔ سجاد چونک کر اس کی طرف مڑے۔ وہ اس کی فنکارانہ صلاحیتوں سے واقف تھے' مگر وہ اتنی بھرپور تابعداری کا مظاہرہ کر رہا تھا کہ اس کی نیت پر شک بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

" بہر حال۔ جس وقت بھی تمہارا کانٹیکٹ ہو' مجھے بتا دینا۔" وہ عمر کے مشورے کو نظر انداز کر کے' فرح سے کہتے ہوئے آگے چلے گئے۔

عمر دانستہ رکا رہا۔

" کر دیا نا بے چارے کو پریشان صبح ہی صبح' ایک تو آج ویسے ہی دیر ہو گئی تھی۔ اب معلوم نہیں سارے دن کے کاموں کا کیا بننا ہے۔"

وہ فرح کی ٹیبل کے پاس آ کھڑا ہوا۔ ثانیہ کے حوالے سے وہ مذاق کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ پر اس وقت فرح کو یہ سب بہت بے موقع لگا۔

" عمر پلیز۔ میں پہلے ہی پریشان ہوں۔ اوپر سے تم...۔"

" یہی تو کہہ رہا ہوں کہ تم کیوں بے کار میں پریشان ہو رہی ہو۔ وہ ہیں نا پریشان ہونے کے لئے' تم سے زیادہ اچھے طریقے سے پریشان ہو سکتے ہیں' بلکہ پریشانی کا حل بھی نکال سکتے ہیں۔" فرح کی بات کاٹ کر وہ تیزی سے کہتا چلا گیا۔

" تمہیں کیا واقعی کسی کی بھی پریشانی کا اندازہ نہیں ہوتا ہے؟" اس نے بہت سنجیدگی سے عمر کی طرف دیکھا تو وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

" مجھ سے زیادہ کسے اندازہ ہوگا۔ پریشانیوں کی جتنی ورائٹی میں جھیل رہا ہوں۔ اس حساب سے تم اور سجاد بھائی دونوں سے زیادہ تجربہ کار ہوں۔"

" تمہاری پریشانیاں تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہیں۔"

جس دن سے فرح کو پتہ چلا تھا کہ وہ" رحمت منزل" چھوڑنے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ وہ اس کے ساتھ سخت بے مروتی کے ساتھ پیش آ رہی تھی۔ عمر کی اسے منانے کی' ساری کوششیں ناکام ہو رہی تھیں۔

" پریشانیاں تو ہوتی ہی اپنی لائی ہوئی ہیں۔ یہ تو خوشیاں ہوتی ہیں' جو قدرت خاموشی سے ہمیں عطا کر دیتی ہے۔"

وہ ہلکے سے بولا' اس کے لہجے میں کچھ الگ سا تاثر تھا۔ کبھی کبھی' ساری ناراضگی کے باوجود' فرح کو عمر بڑا مظلوم سا محسوس ہونے لگتا تھا۔

" آپ کو سر بلا رہے ہیں۔" ایک آفس اٹنڈنٹ سجاد کا پیغام لئے کھڑا تھا۔

عمر مزید کچھ کہے بنا ئ' تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

فرح نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے' ایک بار پھر ثانیہ کا نمبر ٹرائی کیا' مگر بے سود۔ دھیان جمیل ماموں کی بیماری کی طرف جاتا تو تھا' مگر فرح کو یقین ہو رہا تھا کہ گزشتہ روز شیریں کے ساتھ ہونے والی تلخی ہی' ثانیہ کے آج غائب ہونے کا سبب ہے۔

کل جس طرح شیریں سے ملنے کے بعد وہ اپ سیٹ نظر آئی تھی۔ وہ غیر معمولی بات تھی۔ عام طور پر' وہ بڑے متوازن روّیے کا مظاہرہ کرتی تھی۔ کسی بات سے تکلیف پہنچتی تو کچھ دیر کے لئے رنجیدہ دکھائی دیتی اور بس' لیکن کل وہ شدید غصے میں محسوس ہو رہی تھی۔ فرح تک سے اس نے زیادہ بات نہیں کی تھی اور پھر وہ کسی ضروری کام کا کہہ کر آفس ٹائم سے پہلے ہی چلی بھی گئی تھی۔

شیریں اس وقت تک سجاد کے آفس میں ہی تھیں اور وہ جب ایک بار کسی کام سے' سجاد کے پاس گئی تھی تو' اس نے شیریں کو کسی بات پر معذرت کرتے بھی سنا تھا۔

" جو بھی ہوا' مجھے اس پر افسوس ہے سجاد' میں آج کل بہت زیادہ چڑچڑی ہو رہی ہوں' شاید اور ناقابل برداشت بھی۔"

بات کیا تھی فرح کو اندازہ نہیں ہوا۔ وہ ثانیہ کی وجہ سے پریشان تھی۔ کام کی بات کر کے فوراً ہی واپس آگئی تھی مگر اب' دھیان رہ رہ کر شیریں کی طرف ہی جا رہا تھا۔

ثانیہ کے آج یوں اچانک غائب ہو جانے میں کہیں نہ کہیں' اس کی کل والی ملاقات کا ہاتھ ضرور تھا۔ فرح کا یقین وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرا ہوتا رہا۔ دن بھر میں نہ جانے کتنی بار اس نے نمبر ٹرائی کیا اور جب آفس ٹائم ختم ہونے کے بعد' وہ پہلے ثانیہ کی طرف جانے کے خیال سے اٹھ ہی رہی تھی تو گھر سے امی کا فون آگیا۔

وہاں غیر متوقع طور پر مہمان آئے ہوئے تھے' سوان کی تاکید تھی کہ وہ جلد سے جلد گھر پہنچے' نہ چاہتے ہوئے بھی اسے حامی بھرنی پڑی۔ جمیل ماموں کا گھر اور " رحمت منزل" دونوں ہی اتنی مخالف سمت میں واقع تھے کہ آفس ٹائم کے ان شدید رش والے اوقات میں وہ ثانیہ کی خیر خبر لے کر' جلد گھر واپس نہیں پہنچ سکتی تھی۔ عمر سے کہا تو وہ بھی گریز سا کرنے لگا۔

" ثانیہ کی ممانی' ویسے ہی مجھ سے شدید ناراض ہیں۔ اس کے گھر جاؤں گا تو پتہ نہیں کس طرح پیش آئیں گی؟"

دیا سے منگنی کر لینے کے بعد' وہ ممانی کی " گڈ بک" میں سے بری طرح خارج ہو چکا تھا۔ فرح کو بھی اس کا جانا ٹھیک نہ لگا۔

" ٹھیک ہے' کیا پتہ کل ثانیہ آفس آ ہی جائے۔"

گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے' جب وہ عمر سے کہہ رہی تھی' قریب کسی سے باتیں کرتے ہوئے' سجاد نے بے ساختہ ہی فرح کی طرف دیکھا۔

...☆☆☆...

" آپ نے بلایا نازی آپا۔" دیا نے امی کے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھولتے ہوئے اندر جھانکا۔

" ادھر آئو' باہر کیوں رک گئیں؟"

نازی ایک دم ہی خوش ہو گئی۔ توقع نہیں تھی کہ وہ سمیع سے بلوانے پر' اتنی سعادت مندی کا مظاہرہ کرے گی کہ اپنے گوشۂ عافیت سے نکل کر یہاں تک آنے کی زحمت اٹھائے گی۔

شاید آج وہ اسے اور امی کو حیران کرنے کے موڈ میں تھی۔ سو نہ صرف اندر آگئی' بلکہ بیڈ پر پھیلے رنگ برنگے کپڑوں کو ایک طرف کرتے ہوئے بیٹھ بھی گئی۔

" تمہارے کپڑے' جو بھی سل چکے تھے۔ وہ میں ٹیلر سے لیتی آئی ہوں۔ پہن کر دیکھ لینا اور اس کے علاوہ یہ بھی آج ہی...۔" نازی' امی کے ساتھ ابھی ذرا دیر پہلے ہی بازار سے واپس آئی تھی۔

مصروفیت کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ دیا کے کپڑوں کا ڈھیر تھا' جو سل رہا تھا یا کام بننے کے آخری مراحل میں تھا۔

امی نے تو بہت چاہا تھا کہ سلائی کا زیادہ سے زیادہ کام وہ خود ہی نمٹا دیں' مگر نازی نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ ایک تو وہ نہیں چاہتی تھی کہ امی پر کاموں کا بوجھ مزید بڑھے اور دوسرے دیا جس طرح اچھے سے اچھے سلے کپڑوں میں بھی نقص نکالا کرتی تھی۔ اس کی زد سے وہ امی کو بچائے رکھنا چاہتی تھی۔

" اتنا پیسہ سلائی میں ضائع ہو رہا ہے' میں سی دیتی تو کیا حرج تھا۔"

امی کمرے میں آ رہی تھیں۔ دیا کو پہلے سے ہی دیکھ کر' خوش بھی ہوئیں اور اسے کپڑوں کو چیک کرتے دیکھ کر' انہیں پھر سے پیسوں کا ملال ستانے لگا۔ ایک طویل عرصے بعد' نازی کو وہ پھر سے پہلے جیسی لگنے لگی تھیں۔

ساری خفگیاں' سارے پچھتاوے بھلا کر دل و جان سے' دیا کی شادی کی تیاریوں میں مصروف' کوئی کسر باقی نہ رہنے دینے کے ارادے کے باوجود' وہ کوشش کرتی تھیں کہ ان کے ہاتھ سے پیسہ فالتو طور پر ضائع نہ ہو۔

بشارت صاحب کے طے کردہ اس رشتے پر اب بظاہر انہیں کوئی اعتراض باقی نہیں رہا تھا۔ عمر کے شادی کے فورات بعد " رحمت منزل" چھوڑنے کے وعدے نے انہیں بے حد مطمئن کیا ہوا تھا۔

اب تو نازی کو بھی لگنے لگا تھا کہ جو بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔ ورنہ دیا کی شادی کے لئے یہ پر مسرت اور اطمینان بھرا ماحول کہاں میسر آنا تھا۔

" ٹھیک ہیں بس' اتنے کپڑے کیوں بنائے جا رہی ہیں؟ مجھے کہاں پہن کر جانے ہیں۔ بے کار ہی پڑے رہیں گے۔" ہاتھ میں پکڑی شرٹ کو واپس بیڈ پر ڈالتے ہوئے دیا بے زاری کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

" اللہ نہ کرے' جو بے کار پڑے رہیں۔ شروع کے دنوں میں سارے پہن لینا' آنا جانا لگا ہی رہتا ہے۔" امی کو اس کی بات اچھی نہ لگی۔

" کہاں آنا جانا ہوگا' وہیں اسی " رحمت منزل" میں' دو فلور نیچے اتر گئے یا ایک فلور اوپر چڑھ گئے۔ ان لوگوں کا تو سارا حلقۂ احباب وہیں ہے۔"

نازی بکھرے ہوئے کپڑوں کو تہہ کر کے الماری میں رکھ رہی تھی۔ دیا کے بے تکے اعتراضات پر اب تو ہنسی آنے لگی تھی' مگر مصیبت تو یہ تھی کہ ہنسا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ وہ اور برا منا جاتی۔

" عمر نے وعدہ کیا ہے نا کہ وہ بہت جلد کوئی بڑا گھر لے گا۔ پھر کیوں بے کار کی ٹینشن لے رہی ہو۔"

امی اب اس کی ہاں میں ہاں ملانے سے گریز کرنے لگی تھیں۔ صاف محسوس ہوتا تھا کہ انہیں عمر کے وعدے پر اعتبار آ چکا ہے۔

"سب بعد کی باتیں ہیں۔ آپ کو ان ہوائی وعدوں پر یقین آ سکتا ہے' مجھے نہیں۔ فیضان جیسا لڑکا تو نینی کو ڈھنگ کے گھر میں رکھ نہ سکا۔ یہ جو اس کے خاندانی ملازم ہیں' ضرور ہی ایسا کچھ کر دکھائیں گے۔"

اس کے لہجے میں عمر کے لئے بات کرتے ہوئے ایسی ہی چبھتی ہوئی تحقیر ہوتی تھی' جسے ہمیشہ نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔

"" معلوم نہیں یہ روّیہ خود دیا کے لئے مستقبل میں کتنی الجھنیں پیدا کرنے والا تھا۔"" نازی نے بے اختیار ہی سوچا۔

"" فیضان کے بارے میں ہم دھوکہ کھا گئے' غلطی اس کی نہیں ہماری ہے۔مزید کام تمہارے ابا کی جلد بازی نے بگاڑا۔ اگر پہلے ہی لڑکی کے نام کوئی مکان وغیرہ کروا لیتے تو نینی کو پریشانیاں نہیں اٹھانی پڑتیں۔

دوسرے فیضان کے خاندان والے بھی اتنے سخت دل ہوں گے' مجھے یہ امید نہیں تھی۔""

بیٹیوں کے بارے میں ان کی خود غرضی ابھی بھی جھلکتی تھی' پھر بھی پہلے کے مقابلے میں وہ متوازن تجزیہ ضرور کر رہی تھیں۔نازی کو تو یہی اچھا لگا کہ وہ عمر پر اعتماد تو کر رہی ہیں۔

"" ایک غلطی آپ لوگوں نے بن سوچے سمجھے اس کی شادی کر کے کی۔دوسری اب اسے اس کے حال پر چھوڑ کر کر رہے ہیں۔وہ دونوں تو منہ چھپا کر بیٹھ گئے ہیں سب سے' مگر آپ کو تو فیضان سے صاف صاف بات کرنی چاہیے۔شو آف تو بہت تھی اس کی پہلے سال میں' چلا آتا تھا گاڑی گھماتا ہوا اور اب....۔""

دیانے بے زاری سے سر کو ہلکے سے جھٹکا۔فیضی سے جو دبا دبا سا بغض اسے اول دن سے تھا۔وہ سب پر ہی ظاہر تھا۔خود کو زندگی میں آگے اور آگے دیکھنے کی جو خواہش بہت شدت کے ساتھ ہمیشہ اس کے ساتھ رہی تھی۔وہ مسعود سے منگنی کے خاتمے پر بری طرح کچلی گئی تھی۔اپنے ہی حصار میں قید وہ اندر ہی اندر راکھ ہو رہی تھی اور اس کی خوبصورت آنکھوں میں تپش کا تاثر جیسے جم سا گیا تھا۔

اس کے روّیے سے حد درجہ کوفت اٹھانے کے باوجود بھی' اس پر رحم آتا تھا۔نازی نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"" نینی کے حالات تو انشاءاللہ وقت کے ساتھ سنبھل جائیں گے۔تم بس خوش رہا کرو۔اب تو یہاں تھوڑے دن کی مہمان ہو۔کمرے میں بند رہنا بالکل چھوڑ دو۔ہنسا بولا کرو۔آج رعنا کی مہندی میں ضرور چلنا' وہ روزانہ تمہیں پوچھتی ہے۔""

دیا کے لبوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی' مگر پھر خاموش ہی ہو رہی۔

"" چلو تو پھر پروگرام پکا۔"" نازی ہلکے سے ہنس پڑی' دیا کی خاموشی ہی رضامندی سمجھی جاتی تھی۔

"" رعنا باجی نے نینی کو انوائیٹ نہیں کیا؟"" وہ پوچھ رہی تھی۔

"" میں نے خود منع کر دیا۔رعنا کا کارڈ یا خود اسے ہی لے کر نینی کے گھر جاتی تو وہ اور بھی برا مناجاتی۔فیضی الگ موڈ خراب کرتا' سو میں نے رعنا کو ہی منع کر دیا۔""

امی انہیں باتیں کرتا چھوڑ کر' واپس باہر چلی گئی تھیں۔چند لمحوں کے لئے ان دونوں کے بیچ خاموشی آٹھہری۔

"" نازی آپا۔""

"" ہوں۔""

"" کیا نینی میری شادی میں بھی نہیں آئے گی؟""

"" کیسے نہیں آئے گی۔میں کان سے پکڑ کر لے کر آئوں گی اسے' رعنا کی شادی سے فارغ ہو جائیں' پھر نینی کو لے کر آتے ہیں۔کم از کم ایک ہفتہ تو اسے یہاں رکنا ہی پڑے گا۔""

نازی بڑی خوش دلی سے پروگرام سیٹ کرنے لگی۔نینی اور فیضی کی دل توڑتی سرد مہری کے باوجود' اسے یقین تھا کہ وہ دیا کی شادی میں شریک ہونے کے لئے ضرور ہی آجائے گی۔

امی نے شادی کی شاپنگ کے ساتھ ہی' فیضی اور نینی کے لئے بھی کئی سوٹ خرید ڈالے تھے' حالانکہ ہر خریداری کے بعد' وہ نازی سے اس خدشے کا بھی ضرور ہی اظہار کرتیں کہ کیا پتہ فیضی اس بار بھی یہاں آنے سے انکار کردے۔

" اب تو بہت تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں۔"

ایک گہری سانس لیتے ہوئے دیا نے بیڈ کی پشت سے سر ٹکایا۔

" بہت تھوڑے۔" نازی اٹھ کر چوڑیوں کے ڈبے الماری کے خانے میں رکھ رہی تھی۔اس کی نگاہ دیا کے چہرے پر نہیں پڑی۔جہاں بڑا عجیب سا تاثر ابھر رہا تھا۔" جب ہی تو کہہ رہی ہوں کہ بس اب اداسی کو قریب بھی نہیں پھٹکنے دو' بعد میں تو خیر عمر تمہیں....۔"

وہ بڑی لاپروائی سے کہہ رہی تھی۔جب ہی دیا نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

" بار بار یہ نام مت لیا کریں میرے سامنے' سخت وحشت ہوتی ہے مجھے اس شخص کے بارے میں سوچ کر بھی' معلوم نہیں کیا بننا ہے آگے۔" اس کے لہجے میں' چہرے میں' ایسا کچھ تھا کہ نازی کی نگاہیں اس پر جم سی گئیں۔

" میں سچ کہتی ہوں' بہت تیار کرنے کی کوشش کر چکی ہوں اپنے آپ کو' مگر ذرا بھی تو کامیابی نہیں ہوتی۔"

وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔اس کی سچائی' خود بخود اپنا احساس دلا رہی تھی اور یہ کتنی خوفزدہ کرنے والی بات تھی۔

ساری دعائیں' ساری تگ ودو' ساری بھاگ دوڑ۔سب ہی بے کار۔

" میں نے تو بار بار آپ سے کہا کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا ہے' مگر آپ سن ہی نہیں رہیں۔خود ہی فرض کر لیا ہے کہ سب کچھ بعد میں خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔کوئی جادو کی چھڑی گھوم جائے گی میرے اوپر سے یا میرا عقل و شعور رخصت ہونے والا ہے' جو میں ایک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ... اوہ خدایا۔"

اس نے انگلیوں سے ماتھے کو چھوا۔ایک ٹھٹھراتی سی کیفیت کمرے میں یک دم ہی پھیلنے لگی۔

نازی نے بڑی مایوسی سے دیا کی طرف دیکھا۔

کتنی ہی بار' اس نے خوش امیدی کا سرا دیا کے ہاتھ میں تھمانا چاہا تھا اور پھر اس کی خاموشی سے خود اپنی تسلی بھی پائی تھی۔

مگر یہ سب شاید ایک کھلا دھوکہ ہی تھا۔" آج کل ابا تمہاری شادی کے کارڈز پر نام لکھتے ہیں' رات کو بیٹھ کر' اگلے کچھ دنوں بعد وہ ملنے والوں میں تقسیم بھی کرنا شروع کر دیں گے۔اب کسی نئی مصیبت کو کھڑا مت کر نادیا' میں تمہاری منت کرتی ہوں۔کسی نئی آزمائش کو ہم لوگ اب نہیں سہار سکیں گے۔" نازی کے لہجے میں لجاجت تھی اور خوف تھا۔

اس بار نہ عمر کی دل کش شخصیت کا ذکر اور نہ اس کے ساتھ ممکنہ خوشگوار ترین مستقبل کی جھلک' پہلی بار اسے خود اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

سب سے بڑی بے وقوف وہ خود تھی جو دیا کے گریز اور ہر انکار کو اس کی فطری بے زاری سے تعبیر کرتی رہی۔ہر بار اسے سمجھا بجھا کر خود اپنے آپ کو بھی مطمئن کرتی رہی کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔وہ آگے دیا کی خوشیوں کی ضمانت ہے۔

" بھلا ایک بار بھی اس نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ خوشی کا مفہوم اس سے دیا تک جاتے جاتے' یکسر بدل جاتا ہے۔"

دیا کھڑی ہو چکی تھی۔ تھکی تھکی، اداس، وقت نے اس کے ساتھ بھی کچھ اچھا نہیں کیا تھا اور خالی ہاتھ یہ جنگ لڑتے رہنا، اس کے بس سے بھی باہر تھا۔ پھر بھی اپنا حوصلہ آزمانے کی خواہش، اسے آواز اٹھانے پر مجبور کرتی تھی۔

"مزید جو کچھ بھی برا ہو گا۔ اس کی ذمہ داری آپ کو لینی پڑے گی اور اس کا کفارہ بھی آپ ہی کے سر ہو گا۔ کس طور، کس صورت یہ مجھے نہیں پتہ۔"

سرگوشی کے سے عالم میں اس نے اپنی بات ختم کی اور ہوا کے جھونکے کی طرح دروازے سے باہر نکل گئی۔ نازی اپنی جگہ ہی بیٹھی رہ گئی۔ امی واپس آئیں تو اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہی چونکیں۔

"نازی۔" قریب آ کر انہوں نے اس کے سر پر ہلکے سے ہاتھ پھیرا۔ "کیا ہوا، طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

جواباً وہ انہیں بس خالی خالی نگاہوں سے دیکھے گئی۔

"تھک گئی ہو، دل گھبرا رہا ہے۔ کوئی اور بات ہے۔"

نازی کے اجنبی سے انداز پر گھبرا کر وہ پے در پے سوال کرتی چلی گئیں۔ معلوم نہیں کتنی مدت بعد، وہ اس کے لئے پریشان ہوئیں۔

نازی کو اب اپنے لئے اس توجہ کی عادت بھی نہیں رہی تھی۔ سو اس وقت جب وہ اس کے قریب بیٹھی، بہت محبت سے اس کے لئے تشویش کا اظہار کر رہی تھیں تو توجہ کا یہی پل اس کے صبر کے پیمانے کو چھلکا گیا۔

یک طویل، قطعی بے غرض جدوجہد، جس کی اس نے کبھی خواب میں بھی صلے کی توقع نہیں باندھی تھی۔ یک دم ہی کسی بھاری بوجھ کی طرح شانوں پر آ پڑی تھی۔

وہ بے ساختہ ہی امی کے گلے سے لگی اور پھر آگے جیسے سارا اختیار ہی ختم۔

"کیا ہوا، بتاؤ تو سہی۔ دیا نے کچھ کہہ دیا ہے۔ ارے اس کی بات کا کیا رنج کرنا؟" اس کے آنسوؤں سے پریشان ہو کر امی سوال، جواب کا کھیل کھیلنے لگیں۔ مگر اس نے کسی بھی بات کا جواب نہیں دیا۔ بس امی کے گلے سے لگی رونے لگی۔ "بہن کے چلے جانے کے خیال سے رنجیدہ ہے۔" انہوں نے خود ہی فرض کر لیا۔

"مجھے دیکھو، میں نے بھی تو سمجھوتہ کر ہی لیا نا، ورنہ دیا کی شادی میرے لئے سب سے مشکل مرحلہ ہے اور تم تو میری سب سے سمجھدار بیٹی ہو۔ ہمیشہ مجھے سمجھاتی ہو۔" نازی کو سمجھاتے ہوئے، امی کی آنکھیں خود نم ہونے لگیں۔

"تھوڑی سی دیر آرام کر لو۔ ایک تو ویسے ہی گھر کی شادی کا بوجھ، دوسرے رعنا کے بھی دس کام تم نے خود پر سوار کر رکھے ہیں۔ اس طرح تو ٹینشن ہی بڑھے گی۔"

امی نے اس کے پیچھے تکیہ درست کرتے ہوئے اسے لٹایا تو وہ چپ چاپ ان کی بات مان گئی۔ ہمت جیسے بالکل ہی جواب دیتی جا رہی تھی۔ آرام دہ بستر، امی کا شفقت بھرا قرب۔ دکھتے ہوئے ذہن و دل کے ساتھ، اس نے سوچنا چاہا کہ وہ کتنے عرصے بعد اس طرح ان کے پاس لیٹی ہوئی ہے تو اسے بالکل ہی نہیں یاد آیا۔

اس سے زیادہ بوجھ، وہ ذہن پر ڈالنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اعصاب شل کرنے کے لئے دیا ہی کافی تھی۔

"آخر وہ اس بار امی سے اپنی بات کیوں نہیں منوا سکی۔ جن سے وہ ہمیشہ سب سے زیادہ کلوز رہی ہے۔"

آنکھیں بند کئے، وہ ابھی بھی دیا کی باتوں کی بازگشت میں ہی گھری تھی۔ یہ خیال آیا تو اس نے آنکھیں کھول کر امی کی طرف دیکھا۔

"امی۔"

"ہاں بیٹا۔" وہ بالکل قریب ہی بیٹھی تھیں۔

"کیا دیا نے آپ سے بھی' اس رشتے کے لئے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے؟"

"دس بار۔" ان کے لہجے میں بے فکری سی تھی۔

"لیکن اس ناپسندیدگی کے پیچھے کوئی ٹھوس وجہ بھی تو ہو۔ محض تمہارے ابا کی مخالفت میں' پہلے نینی کا ساتھ دے کر بھی مجھ سے غلطی ہوئی۔ اس بار بھی مجھے ان کا فیصلہ پسند نہیں تھا۔ عمر میں کوئی برائی نہیں تھی' لیکن اس کا رہن سہن' خاص طور پر وہ چھوٹا سا فلیٹ مجھے اپنی دیا کے قابل نہیں لگتا ہے۔"

اپنی بات کرتے کرتے' وہ ذرا رکیں۔ نازی اب بھی خاموش رہی۔

"لیکن اب جب عمر گھر بھی بدل رہا ہے تو پھر انکار کی کیا وجہ' وہ ایک بڑی فرم میں ملازمت کر رہا ہے۔ خوش شکل ہے۔ شادی ہو جائے' دیا آرام سے سیٹ ہو جائے گی۔" ان کے لہجے میں گہرا اطمینان تھا۔

نازی کو بڑا سکون کا سا احساس ہوا۔ امی واقف حال تھیں اور حیرت انگیز طور پر اس بار ان کی "لائن آف تھاٹ" بھی تقریباً وہی تھی جو اس کی تھی۔

عمر سے گھر کے بارے میں بات کر لینے کے بعد' ان کی سوچ میں واضح تبدیلی آچکی تھی۔ اس کے علاوہ نینی کے دگرگوں حالات نے بھی ان کے اندر بڑی توڑ پھوڑ مچائی تھی۔

کچھ بھی تھا' نازی کا احساس جرم' اس وقت امی سے بات کر کے واضح طور پر کم ہوا تھا۔

"ویسے بھی وہ گھر کے معاملات میں کبھی بھی فیصلہ کن پوزیشن میں نہیں رہی ہے۔" اپنی اوقات اسے ہمیشہ یاد رہتی تھی۔

"نینی اور دیا' میں نے دونوں ہی کا ساتھ دیا اور دونوں ہی کو ناکامی دیکھنی پڑی۔ اب تو ایسا لگتا ہے کہ تمہارے ابا بھی کہیں نہ کہیں تو ٹھیک تھے۔ میں ہی شاید نہیں سمجھ.....۔"

نازی نے ہلکے سے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ جو کچھ بھی امی کہہ رہی تھیں۔ دل کو ناقابل بیان خوشی بخش رہا تھا۔ ایسے جیسے تیز جلتی دھوپ میں چلتے چلتے' کوئی گھنا ٹھنڈا سایہ اچانک ہی میسر ہو جائے۔

دیا کی باتوں کا دم گھوٹتا غبار فضا میں تحلیل ہو رہا تھا اور اس کے پیچھے شفاف' اجلا دکھائی دے رہا تھا۔

امی کی سوچ میں آئی تھوڑی سی مثبت تبدیلی' ایک خوشگوار آغاز کا پتہ دے رہی تھی۔ حالانکہ آج کا دن بے حد مصروفیت بھرا تھا۔ پھر بھی نازی کو آنکھیں نیند سے بوجھل ہوتی محسوس ہونے لگیں۔ ذرا ہی دیر میں وہ بے خبر سو رہی تھی۔

امی پھر بھی بڑی دیر' اس کے پاس ہی بیٹھی رہیں۔ دیا اور نینی کو ساری زندگی' رعایت دیئے رکھنے میں انہوں نے کبھی کوئی کسر نہیں باقی رکھتی تھی۔

بشارت صاحب کی ناراضگی کے باوجود' دیا کی مسعود سے منگنی' اسماء پھوپھو کی شاندار دعوتیں' نینی کے لئے بہت گر کر فیضی کا انتخاب' اپنی زندگی میں آسائشوں کی کمی کو انہوں نے ان دونوں کو ہر آسانی میسر

آنے کی کوششوں میں ہی پورا کرنا چاہا۔ عام گھرانوں میں مائیں جس حد تک جانے کا سوچ بھی نہیں سکتیں' وہ اپنی دونوں بیٹیوں کے لئے اس حد کو بھی پار کر گئیں' حاصل کچھ بھی نہیں۔ اور اس دوڑ دھوپ میں نازی بیچاری کہیں پیچھے ہی رہ گئی۔

کچھ ایسا تھا جو پچھلے کچھ عرصے سے پن کی طرح چبھتا تھا۔ امی یک ٹک نازی کے سادہ سے چہرے کو دیکھے گئیں۔ وہ جو گھر کی معاشی جنگ' بڑی کم عمری سے خاموشی سے لڑے جا رہی تھی۔ اس کی حق تلفی کی ذمہ دار بھی تو وہی تھیں۔

باہر کچھ آہٹ ہوئی تو وہ اپنی آنکھیں خشک کرتی ہوئی باہر چلی گئیں۔

باہر اتری دوپہر' سہ پہر اور پھر شام میں بدل رہی تھی۔ جس وقت نازی کی وہ سکھ بھری نیند ٹوٹی۔ رعنا کی مہندی کا فنکشن آج رات ہی تھا۔ پچھلے کئی دن سے وہ چھٹی لئے سارا سارا دن اسی کے ساتھ گزار رہی تھی۔ اب جب کہ رعنا کا گھر قریب اور دور کے رشتے داروں سے بھر چکا تھا تو وہ مہلت پا کر تیاری کے لئے گھر آ گئی تھی۔

وہ بڑی تیزی سے اٹھ کر باہر آئی۔ برآمدے کی رنگین شیشوں والی ساری کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور باہر سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بلا روک ٹوک اندر آ رہے تھے۔

نازی نے وہاں سے گزرتے ہوئے' لائٹ جلائی تو سارے ہال میں جگمگاہٹ پھیل گئی۔ سامنے ہال میں سمیع بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''آجائیں نازی آپا' بہت اچھا ٹاک شو آ رہا ہے۔'' وہ وہیں سے پکارا۔

پچھلے دنوں وہ ایک اچھی فرم میں جاب کا آغاز کر چکا تھا۔ سو شام کی وہ جاب جو وہ اپنے تعلیمی دور میں کرتا رہا تھا' چھوڑنی پڑی تھی۔

اسے شام کو گھر پر دیکھ کر بڑا اچھا لگتا تھا۔ البتہ ابا' سمیع کے بے حد اصرار پر بھی' اپنی روٹین بدلنے کو تیار نہیں تھے۔ ان کے سٹوڈنٹس کے لئے مسئلہ کھڑا ہو سکتا تھا۔

اور گھر میں سب ہی کو اندازہ تھا کہ پڑھانا' اب ان کے لئے صرف معاشی ضرورت نہیں' بلکہ ایک کاذ تھا۔ جس سے وہ خود کو کسی صورت بھی الگ نہیں کر سکتے تھے۔

''جب دور جانے کی ہمت نہیں رہے گی تو پھر گھر میں ہی کوچنگ کلاسز شروع کر دوں گا۔ لیکن خالی نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ تو ایک فرض ہے' جو ہر استاد کو ادا کرنا چاہیے۔'' وہ اکثر اپنے ارادے کا ذکر کرتے۔

''آج تم' گھر پر ہی رہنا ہم لوگوں کو رعنا کے گھر سے واپسی پر دیر بھی ہو سکتی ہے۔'' امی وہیں موجود تھیں۔ سمیع سے کہنے لگیں۔

''دیا چل رہی ہے۔''

نازی کو ذرا حیرت ہوئی۔

عام طور پر جب دیا کا موڈ خراب ہوتا تھا تو وہ دنوں کسی کو لفٹ نہیں کراتی تھی۔

''اس نے تو کپڑے بھی استری کر لئے' تم بھی چائے پی لو' پھر اپنی تیاری شروع کر دو۔ اچھا ہے تھوڑا پہلے پہنچ جائیں' رعنا خوش ہو جائے گی۔''

نازی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا اور کچن کی طرف چلی گئی۔ آج کے دن کی شروعات پر اس نے کب سوچا تھا کہ شام ڈھلنے تک' وہ کتنے اچھے احساسات سے دوچار ہو گی۔ گہرے ذہنی دباؤ سے آزادی کے بعد' رعنا کی مہندی کا فنکشن' بڑی مزے کی چیز لگ رہا تھا۔

چائے' مغرب کی نماز' سمیع اور ابا کے لئے رات کے کھانے کا انتظام' سب کچھ ایک کے بعد ایک بڑی سہولت سے ہوتا چلا گیا۔

دیا جب تیار ہو کر باہر آئی تو نازی کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔

امی نے اسے دیکھا تو دل ہی دل میں اس پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف مڑ گئیں۔ دیا کا حسن انہیں مغرور کرتا تھا' مگر شاید یہ ضروری نہیں تھا کہ اس بات کا اعلان بھی کیا جائے' ان کی سوچ کا انداز بدل رہا تھا۔

وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر آ کھڑی ہوئی۔ سامنے کے احاطے میں سکوت چھایا ہوا تھا اور بیرونی دیوار کے ساتھ' سمیع اور اس کا دوست سر جوڑ کر کھڑے تھے۔

" دیا میں ابھی آ رہا ہوں دس منٹ میں' گیٹ بند کر لو۔" سمیع کہتا ہوا' اس کے پاس سے تیزی سے گزرا۔

" بات تو سنو۔" وہ اسے روکنا چاہ رہی تھی' مگر وہ " ابھی آیا" کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس کی بائیک یہیں سامنے کھڑی تھی' جس کا مطلب تھا کہ وہ کہیں قریب ہی گیا تھا۔

گلی کے آگے' مین روڈ والے جنرل سٹور تک یا پھر لانڈری پر۔

دیا نے کچھ ایسا ہی خیال کیا۔ ماحول پر بڑی سکون بھری ٹھنڈک چھائی ہوئی تھی' دیا کا اندر جانے کو دل نہ چاہا۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے' اس نے اطراف میں رکھے پام کے گہرے سبز چوڑے پتوں والے پودوں کی طرف دیکھا۔

امی کی مستقل توجہ سے' پچھلا کچن گارڈن اور اگلا احاطہ' سب ہی ہرا بھرا رہتا تھا۔ گھر والے منہ سے کہیں نہ کہیں لیکن اس سدابہار تازگی کو ہر ایک ہی انجوائے کرتا تھا۔ دیا بھی کسی فرحت بخش سے احساس میں گھری' اس خوبصورتی کو دیکھے گئی۔ دھیان' پتہ نہیں کہاں سے کہاں پہنچ رہا تھا۔ ایسی بے خبری کے عالم میں اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ ادھر کھلے گیٹ کو عبور کرتا ہوا' کون قریب آ کھڑا ہوا ہے۔

عمر نے بڑی وارفتگی سے کاسنی پھولوں والی بیل کے نیچے کھڑی دیا کو دیکھا۔

ساکت' کسی خوبصورت خیال میں گم' وہ کسی شاہکار مجسمے کے مانند' برآمدے کی سب سے اوپری سیڑھی پر کھڑی تھی۔ اس کی دل کشی کسی آرائش کی محتاج نہیں تھی' مگر اس وقت کی خصوصی توجہ نے اس کی اثر پذیری کو کئی گنا بڑھا رکھا تھا۔

دوڑتے بھاگتے وقت کے یہ پل اپنی جگہ منجمد تھے۔ عمر نے بجا طور اپنی خوش بختی پر رشک کیا۔ بھلا ان پریشانیوں اور کنفیوژن کی حیثیت ہی کیا تھی' جن کو وہ سر پر سوار رکھ رہا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر مسکرایا۔

"آپ۔" دیا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر پھیلا خوبصورت سا تاثر' ایک دم ہی غائب ہوا۔

" جناب۔" وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔

" میں امی کو بھیجتی ہوں۔" بے تاثر سے لہجے میں کہتی ہوئی' وہ پلٹ ہی رہی تھی' تب ہی... " دیا پلیز۔ دو منٹ تو رکو' آج کتنے دن بعد میں نے تمہیں دیکھا ہے۔ ورنہ تم تو سامنے بھی نہیں آتی ہو۔ چاہے میں کتنی ہی دیر بیٹھا رہوں۔" ایک اپنائیت بھرا شکوہ عمر کے لبوں پر تھا۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا ایسا کرنا۔" دیا اپنی بے زاری کو چھپانے کی کبھی کوشش نہیں کرتی تھی، مگر وہ دل کے ہاتھوں مجبور اس کے روّیے کو شرم وحیا سے ہی تعبیر کرتا تھا۔

"کوئی بات نہیں، اب تو ویسے بھی بہت تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں۔ محض چند ہفتے، روز جب ایک پہاڑ سا دن اپنے اختتام تک پہنچتا ہے تو میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ہمارے درمیان کا فاصلہ...."

عمر کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

بنا کچھ کہے، دیا تیز قدموں سے اندر جا چکی تھی۔

عمر کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔

...☆☆☆...

ایک نہ دو پوری تین چھٹیاں، وہ بھی ایک ساتھ۔ جمیل ماموں نے بڑی تشویش سے اماں کی طرف دیکھا۔ "پچھلے دنوں جب اس کے ایم اے کے امتحان چل رہے تھے۔ اتنی چھٹیاں تو اس نے تب بھی نہیں لیں۔" جمیل ماموں بہت تشویش سے امی سے کہہ رہے تھے۔ وہ بے چاری اس طرح شرمندہ ہو رہی تھیں جیسے ثانیہ کے ہر قول و فعل کی ساری ذمہ داری خود ان ہی پر ہے۔

"آپ کو کم از کم پوچھنا تو چاہیے تھا کہ وہ اتنی غیر حاضری کیوں کر رہی ہے آفس سے، کہیں کسی سے لڑائی وغیرہ تو نہیں ہو گئی؟"

جمیل ماموں ثانیہ کی جاب کے معاملے میں بڑے حساس تھے۔ ممانی جو کمرے میں یوں ہی چیزیں ادھر سے ادھر رکھ رہی تھیں۔ ماموں کے سوالات سے جھنجلائی ہوئی تھیں۔

ثانیہ کی جاب انہیں پسند تو خیر کبھی بھی نہیں تھی اور اب جو وہ اچانک ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھر میں دکھائی دے رہی تھی تو ان کے لئے تو یہ ایک بڑی نیک فال تھی۔

"ضرورت کیا ہے ثانیہ کو نوکری کی، سارا رنگ روپ خراب ہو رہا ہے باہر رہنے سے، یاد ہے جب نواب شاہ سے آئی تھی، کیسی گلابی رنگت تھی اس کی۔"

آج کل وہ جس طرح ثانیہ سے محبت کا اظہار کرتی تھیں تو یہ بات بھی ان کے پیار کی ادا ہی محسوس ہوئی۔ اماں تو مسکرا کر خاموش ہی رہیں، پر جمیل ماموں کے لئے یہ سب اطمینان بخش نہیں تھا۔

"بے کار کی باتیں مت کرو۔ سب سے اہم چیز انسان کا اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے۔ لڑکیوں کے لئے تو یہ اور بھی ضروری ہے تاکہ وہ اپنے کل کو محفوظ کر سکیں۔"

"گھر داری بھی تو اتنی ہی ضروری، وہ بھی تو اسے ساری زندگی کرنی ہی ہوتی ہے۔ پھر خوامخواہ ہی دہری مشقت میں جان پھنسائے رکھے۔" ان کا اپنا نقطہ نظر تھا۔

"گھر داری زندگی کا حصہ ہے، زندگی نہیں۔ عورت کو اللہ نے بڑی صلاحیت دی ہے۔ وہ بیک وقت کئی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھانا جانتی ہے اور ثانیہ تو بے حد ہمت والی ہے۔ دیکھنا وہ اپنا مقام کتنی جلدی بنا لے گی۔" جمیل ماموں بہت یقین سے کہہ رہے تھے۔

"اگر جو اچھا رشتہ مل جائے تو اسے لوٹانا دانشمندی تو نہیں، بعد میں خوشی سے جو چاہے کرے۔ اچھا ہے اس فرض سے بھی فارغ ہوں۔" اچھے خاصے دن کا گیپ دے لینے کے بعد انہوں نے اس حوالے سے بات چھیڑی تھی، مگر ماموں

کی چھٹی حس بستر علالت پر بھی پوری طرح بیدار تھی۔" کون سا اچھا رشتہ۔" ان کے ماتھے پر ہلکا سا بل پڑنا شروع ہوا۔" وہی مس بینا کے جیٹھ کا' جو ثانیہ سے دوگنی کیا تگنی عمر کا ہو گا۔"

" اتنا بوڑھا نہیں ہے' بلکہ بوڑھا تو ہے نہیں' ٹھیک ٹھاک جوان آدمی ہے۔" ممانی نے بڑی بے ساختہ تردید کی تو وہ بہت غور سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔

" تم اس سے ملی ہو۔ گھر پر بلایا تھا یا خود ان کے گھر ہو آئی ہو۔ بناء ہم لوگوں کو بتائے۔"

انہوں نے پلک تک نہیں جھپکائی تھی اور جب وہ اسے ایکسرے کرتی نگاہوں سے دیکھتے تھے تو جھوٹ سچ میں تمیز کرنا مشکل نہیں رہتا تھا۔

ممانی کو اپنی ساری تجربہ کاری کے باوجود آدھا سچ تو اگلنا ہی پڑا۔

" ملی تو تھی' مگر گھر ور نہیں' بس ایسے ہی اتفاقاً بازار میں مل گئے تھے۔ دونوں بھائی' تب ہی کھڑے کھڑے ملاقات ہو گئی تھی۔ اتنا خوش مزاج اور نفیس شخص کہ پہلی بار مل کر ہی دل خوش ہو گیا۔ دیکھنے میں بھی برا نہیں۔ اپنے چھوٹے بھائی سے زیادہ ہی اچھا لگتا ہے۔"

مبالغے کی حد تھی نہ انتہا' ان کے پاس سے جا ہی کیا رہا تھا' مگر جمیل ماموں' دل کو خوش کرنے والے اس بے ضرر سے قصے سے بھی متاثر نہیں ہوئے۔

" اچھے ہوں گے' لیکن ثانیہ کے لئے وہ موزوں شخص نہیں ہیں' بات ختم۔ تم نے انہیں پھر سے کوئی امید تو نہیں دلا دی؟" جمیل ماموں اپنی بیوی کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہیں ممانی کے آفتاب کے گھر جانے کا بھی علم نہیں تھا۔

ممانی نے اماں کو خاص طور پر منع کر دیا تھا۔ سو وہ بے چاری کہاں بتانے والی تھیں۔

" ضرور دلاتی امید' اگر انہوں نے لبنیٰ کا رشتہ مانگا ہوتا۔ آنکھیں بند کر کے کر دیتی' مگر ثانیہ پر میرا کیا حق اور اختیار۔" وہ بہت جل کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

" لبنیٰ کے لئے تو تم نے سدا آنکھیں بند ہی رکھی ہیں' آگے بھی یہی کرو گی۔" ایک گہری سانس اپنے اندر اتارتے ہوئے جمیل ماموں نے ان کی طرف دیکھا۔" مگر ثانیہ کے لئے ایسا کچھ مت سوچنا۔ بن باپ کی بچی ہے' آگے بہت سخت جواب دہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

ان کے لہجے میں عجیب سا تاثر تا مگر وہ اسے بھی نہ پا سکیں۔ بیزاری سے" ہنہ" کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

دل پر مدت ہوئی مہر لگ چکی تھی' حضور قلب عطا بھی ہوتی تو کیسے۔

اماں بڑی دیر سے چپ بیٹھی سنے جا رہی تھیں' ثانیہ کے بارے میں جب بھی کوئی بات ممانی اور ماموں کے بیچ ہوتی' وہ ایسے سنا کرتیں' جیسے کسی دور پار کے عزیز کی بیٹی کا ذکر ہو رہا ہے۔

اللہ کے بعد انہیں اپنے بھائی کا ہی آسرا تھا اور ان ہی کے سپرد ثانیہ کی ہر ذمہ داری کر کے وہ حقیقتاً الغرض تھیں۔

" تم اپنا دل میلا مت کرو اور وہ بے چاری بھی جو کہہ رہی ہے۔ محبت میں ہی کہہ رہی ہے۔ کون سا زبردستی کر رہی ہے۔" انہوں نے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے' ممانی کو بھی بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کی۔

ماموں کچھ بھی نہ بولے۔ان کی آنکھیں سوچ میں ڈوبتی محسوس ہو رہی تھیں۔ کسی کسی وقت بیماری کے سبب بڑی مایوسی سی ہونے لگتی تھی۔ معلوم نہیں کیا بننا تھا؟

"آج آپ کے ساتھ میں چلوں گی ڈاکٹر کے ہاں۔" ثانیہ کہتی ہوئی اندر آ رہی تھی۔ "ابھی سے بتا رہی ہوں' عین وقت پر منع مت کر دیجئے گا۔"

ان کے ساتھ ممانی خود جاتی تھیں اور ہر گز بھی کسی دوسرے کو یہ اعزاز بخشنے کو تیار نہیں ہوتی تھیں۔اماں اس کی ضد پر پریشان ہونے لگیں۔

"تمہاری ممانی خفا ہو جائیں گی۔ان کے سامنے بے کار کی ضد لے کر مت بیٹھا کرو۔"

شروع شروع میں' جب جمیل ماموں کی تکلیف نے اتنا زور نہیں پکڑا تھا۔تب ضد کر کے ثانیہ چلی بھی گئی تھی تو وہ کئی دن ناراض رہی تھیں۔انہیں ذاتیات میں دخل اندازی گوارا نہیں ہوتی تھی' مگر صرف اپنی' دوسروں کے لئے اصول قاعدے یکسر بدل جاتے تھے۔

"ممانی ناراض ہوتی ہیں تو ہوتی رہیں' لیکن میں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی اور آج ہی نہیں ہر بار میں ہی آپ کے ساتھ اب چلا کروں گی' سن لیجئے۔"

"اچھا اچھا' غصہ تو مت کرو۔" ماموں اس کی پیار بھری قطعیت پر ہنس پڑے' مگر وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

جمیل ماموں کی طرف سے دل' مستقل وہموں میں گھرا رہتا تھا۔وہ جیسے اندر ہی اندر گھلتے جا رہے تھے۔ان چند مہینوں میں ان کی صحت آدھی بھی نہیں رہی تھی۔ ممانی جس طرح کسی کو ساتھ نہ لے جانے پر مصر رہتی تھیں۔اس سے بڑا واضح شبہ ہوتا تھا کہ وہ ان کے علاج کو چھپائے رکھنا چاہتی ہیں۔

پیسے کے معاملے میں ممانی کی نیت کا حال' کھلا سچ تھا۔ماموں کو سارا دن' گولیاں پھانکتے دیکھ کر' ثانیہ کو بڑی وحشت ہوتی تھی۔ شہزاد کو گھر بھیجنے کا کہنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ ان کے علاج میں کوئی کسر نہیں رہنے دینا چاہ رہی تھی۔

اماں سارا جمع جتھا ممانی کے حوالے کر چکی تھیں اور یہ خیال بد قسمتی سے اسے بعد میں آیا کہ وہ انہیں پیسے دینے کے بجائے' خود ماموں کے علاج کی ذمہ داری اٹھائے۔ خیر' جو ہوا سو ہوا۔اب آگے تو وہ سمجھداری سے کام لے سکتی تھی۔

"تمہاری چھٹی ابھی کتنے دن کی باقی ہے؟" جمیل ماموں نے پوچھ ہی لیا۔

"چھٹیاں تو باقی ہیں اور شاید میں اب جاب ہی چینج کر لوں۔"

"کیوں؟ یہ تو بہت اچھی جگہ ہے' ماحول اچھا ہے اور پھر فرح بھی تو یہاں ہے۔" ماموں نے اس کے لہجے کی احتیاط کو بخوبی نوٹ کیا تھا۔

"اب ساری عمر فرح کی انگلی پکڑ کر تو نہیں چلوں گی ماموں' خود بھی تو ہمت رکھنی چاہیے نا۔" حالانکہ اس نے بہت ہنستے ہوئے کہا' مگر انہیں صاف لگا کہ وہ انہیں ٹال رہی ہے۔

"ہمت' حوصلہ بڑی قیمتی متاع ہوتی ہے بیٹا' انہیں یوں ہی ضد بحث یا بے وقوفی میں آزمانے کی غلطی مت کرنا۔ انہیں کسی دوسرے وقت کے لئے بچا کے رکھو' جب واقعی ان کی ضرورت ہو۔"

"آں ہاں۔" کچھ الجھ کر ثانیہ نے ان کی طرف دیکھا' کیا کوئی اور مشکل وقت بھی ابھی آنا باقی تھا؟ وہ تو ابا کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد سے' خود کو مشکل ترین وقت میں ہی گھرا پاتی تھی۔

"فرح سے بات ہوئی؟"

"نہیں، میرا موبائل کچھ گڑبڑ کر رہا ہے۔" ایک چھوٹا سا جھوٹ، اس نے روانی سے بولا۔

"پھر تو وہ آج کل میں ضرور آئے گی۔ میں اس سے خود پوچھ لوں گا۔"

"کوئی بھی بات نہیں ہے، میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

وہ انہیں یقین دلائے بغیر نہیں اٹھنا چاہتی تھی، مگر کوئی پرانے دوست، ماموں کی عیادت کے لئے اندر آنے کے منتظر تھے۔ ثانیہ کو اٹھ کر باہر آنا ہی پڑا۔

اس سے پہلے اپنے ہر کام میں اسے جمیل ماموں کی پوری پوری سپورٹ حاصل رہی تھی، مگر اس بار ایسی کوئی امید نہیں تھی۔

ابھی تو اس نے انہیں یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ اب وہاں نہ جانے کا فیصلہ کر چکی ہے، مگر وہ صرف ارادہ بھانپ کر ہی بھرپور مخالفت پر اترے ہوئے تھے۔

بس فرح کے آنے کی دیر تھی۔ اس کے بعد وہ دونوں اسے کس حد تک مجبور کر سکتے ہیں، یہ وہ بآسانی سمجھ سکتی تھی۔

ماموں کا اندازہ درست نکلا، فرح شام ڈھلنے سے پہلے ہی آموجود ہوئی۔

گزشتہ دو دن بھی اس نے نہ جانے کیسے نکالے تھے اور اب آتے ہی اس نے جو ہنگامی عدالت لگائی تھی۔ اس کی پیشی ثانیہ پر خاصی بھاری پڑ رہی تھی۔

"کم از کم مجھ سے تو کہا ہوتا کہ میں گھر بیٹھنے کا فیصلہ کر چکی ہوں اور کسی ادارے میں کام کرتے ہوئے انسان کسی ضابطہ کا پابند بھی ہوتا ہے۔ اس طرح بناء کوئی وجہ بتائے، غائب ہونا کتنی غلط حرکت ہے، یہ سوچا تم نے۔"

وہ جب سے آئی تھی۔ گھر کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھی مستقل ہی اسے شرمندہ کرنے کا فریضہ انجام دے رہی تھی۔

ثانیہ اسے دانستہ وہاں لے کر بیٹھی تھی۔ برآمدے میں بیٹھ کر یہ قصہ کہانی دہرائی جا رہی ہوتی تو بناء کسی روک ٹوک کے سب ہی مستفید ہو رہے ہوتے۔

"پہلا دن تو خیر جیسے گزرا سو گزرا، اگلے دن میں نے خود ہی تمہاری طرف سے بیماری کی چھٹی کی درخواست دے دی، کسی نے یقین کیا ہو یا نہیں، میں نے بہر حال اپنا فرض ادا کیا۔"

"تم نے ناحق زحمت کی فرح۔" جب وہ اپنی تشویش اور کارگزاری سے آگاہ کر چکی، تب ثانیہ کی خاموشی ٹوٹی۔ "میں اب وہاں کام نہیں کروں گی۔"

"کیا۔"

اس کی خفگی کا اندازہ ہونے کے باوجود بھی فرح کو سخت حیرت ہوئی۔ اب تک وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ شیریں کے برتاؤ کی وجہ سے وہ رنجیدہ ہو کر، آفس کا ایک دو دن کا بائیکاٹ کئے ہوئے ہے اور اس سے زیادہ ردعمل اس کے حالات کو سوٹ بھی نہیں کرتا تھا۔

"پاگل ہوئی ہو۔ اتنی اچھی جاب، دس آسانیاں ہیں، کوئی سختی نہیں۔ آفسوں کا حال دیکھو، لوگ سارا سارا دن کام میں جتے رہتے ہیں، پھر بھی ٹینشن ہے کہ ختم نہیں ہوتی۔"

" میں بھی کرلوں گی کسی ایسے ہی آفس میں کام' آخراور لوگ بھی تو کرتے ہیں۔" اس نے فرح کو بات بھی ڈھنگ سے پوری نہیں کرنے دی۔" اور یہ جن آسانیوں کا تم ذکر کر رہی ہو' انہیں تم تو ڈیزرو کرتی ہو' لیکن میرے لئے یہ بھی شرم کا ہی باعث ہیں۔"

فرح نے دیکھا' ثانیہ کے چہرے پر سرخی سی چھا رہی تھی۔

" میں اپنی نظروں میں گر چکی ہوں اور یہ سب ان ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔"

" کن کی؟" اس نے کمال کا تغافل برتا۔

" تمہیں پتہ ہے کہ کس کی بات کر رہی ہوں۔" وہ اس کی طرف دیکھ تک نہیں رہی تھی۔

فرح نے بمشکل ہی خود کو ایک بے تکے فقرے سے روکا۔" مجھے نہیں پتہ کہ تم شیریں یا سجاد بھائی میں سے کس کو موردالزام ٹھہرا رہی ہو' حالانکہ وہ دونوں ہی اتنی بڑی وجہ نہیں ہیں کہ اپنی اچھی بھلی جاب کو ایک دم چھوڑ دیا جائے۔"

" سارا قصور سجاد صاحب کا ہے۔کوئی بات تو ہے جو شیریں میری بے عزتی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں اور اب... اب تو انہوں نے حد ہی کر دی۔اتنے کھلے الفاظ میں...." اس کی آواز میں نمی سی اترنے لگی تو وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

" شیریں صرف اپنی ناکامی کی جھلاہٹ اتارتی ہیں تم پر اور کچھ بھی نہیں۔" فرح نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔" انہوں نے ایک طویل انتظار سجاد بھائی کا کیا' لیکن پھر بھی وہ انہیں نہ پا سکیں' حالانکہ یہ صرف قسمت کا

کھیل ہے۔لیکن کچھ لوگوں کے لیے ہار ماننا' مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے۔شیریں بھی اس مرحلے سے گزر رہی ہیں اور ایسے میں وہ کبھی بھی یہ برداشت نہیں کر سکتیں کہ کوئی اور سجاد بھائی کی زندگی میں آ جائے۔"

" یہ محض ان کی غلط فہمی ہے۔" وہ بہت آہستہ سے بولی۔

" تو پھر کسی کی غلط فہمی کو اتنا سیریس کیوں لے رہی ہو؟" فرح ہر صورت اسے کنوینس کرنے پر تلی تھی اور بہت عرصے تک اس حوالے سے' خود بھی کوئی مذاق نہ کرنے کا ارادہ بھی باندھ لیا تھا۔

بات مذاق مذاق میں ہی بڑھی تھی۔

شیریں کے ٹائپ کا فرح کو خاصا ٹھیک ٹھاک اندازہ ہو رہا تھا۔ایسے لوگ ناکامی کی صورت میں بڑے بے رحم روّیے اپنا لیتے ہیں۔

" سجاد بھائی کی طرف سے بھی اگر کوئی کھٹک ہے تو اسے سر پر سوار مت کرو۔وہ بے چارے تو بڑے بے بس شخص ہیں' اپنے لئے وہ کیا کر پائے ہیں آج تک؟ تنہائی کی زندگی گزاری ہے انہوں نے' صرف اس لئے کہ وہ اپنے خاندان کو کسی آزمائش میں نہیں ڈال سکتے تھے۔" بات کرتے کرتے اس نے ذرا رک کر ثانیہ کی طرف دیکھا۔

اس کا چہرہ بے تاثر ہو رہا تھا' لیکن فرح اسے سمجھانا چاہتی تھی' جس حد تک بھی ممکن ہو سکتا تھا۔

" ان کے دل میں اگر کوئی ایسا خیال ہو گا بھی تو وہ کیا کر سکتے ہیں؟ ان کے ہاں' آج کے دور میں بھی وہی پرانے قاعدے رائج ہیں' فیضان کے بارے میں تو تمہیں بتایا بھی تھا نا۔"

ثانیہ نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

" وہ خاندان ایک بڑے کرائسس سے گزر رہا ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں سجاد بھائی کتنے پریشر جھیلتے آئے ہیں۔ پھر بھی دیکھو ان کے روّیے سے کبھی کچھ ظاہر ہوتا ہے۔"

غیر ارادی طور پر وہ ایک بار پھر سجاد کے لئے وکیل صفائی کا کردار ادا کرنے لگی۔

" پیسے والے لوگوں کے لئے مسائل اتنے گھمبیر نہیں ہوتے ہیں فرح' ان کی سب سے بڑی طاقت دولت ہوتی ہے۔ وہ اس کے سہارے بڑی آسانی سے سنبھل جاتے ہیں' ورنہ خود سوچو ہمارے جیسے گھر میں اگر کوئی لڑکا یا لڑکی اپنی پسند کی شادی کرنا چاہیے گا تو ساری بحث تکرار کے بعد عام طور پر اسے اجازت مل ہی جاتی ہے یا پھر ماں باپ بے چارے دل کا مرض لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔"

فرح نے شکر کیا کہ اب وہ اپنی جذباتی کیفیت سے نکل کر' بڑے نارمل سے انداز میں تجزیہ کر رہی تھی اور فی الحال اس کی کسی بھی بات سے اختلاف کرنا دانش مندی نہیں تھی۔

" مان لی تمہاری بات' اب چھوٹی سی عرض تم بھی سن لو۔ ایک دم جاب مت چھوڑو پلیز اور سجاد بھائی کی وجہ سے تو بالکل بھی مت چھوڑو۔ وہ بہت اچھے انسان ہیں' یہ تم پر کبھی نہ کبھی ضرور ثابت ہوگا۔"

ثانیہ خاموشی سے سننے لگی۔ فرح کی بات سے اختلاف کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ وہ خود کب ان کی اچھائی سے منکر تھی۔" مگر کبھی کبھی ان ہی اچھے انسانوں سے خوف بھی آنے لگتا ہے' وہ بھی خوفزدہ تھی۔

" میں اب وہاں کام نہیں کروں گی بس۔" فرح کی باتوں کو اتنے دھیان سے سننے اور ان کے جوابات ڈھونڈنے میں' کمزور پڑنے کا خطرہ تھا۔ بہتر تھا کہ بحث کے اس سلسلے کو ختم کر دیا جائے۔" ماموں تم سے پوچھیں گے تو تم فی الحال ان سے یہی کہنا کہ میں نے چھٹی لی ہوئی ہے' بعد میں' میں خود سنبھال لوں گی۔"

" تم چھٹی پر ہی ہو اور واپس آ کر اپنا کام تمہیں سنبھالنا ہی ہے' سمجھیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جھنجلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔" میں ماموں سے مل لوں' بہت دن ہو گئے ہیں۔" وہ کہتی ہوئی باہر چلی گئی۔

" آخر وہ کسی کو بھی اپنی بات سمجھانے سے کیوں قاصر رہتی ہے؟" ثانیہ نے ملتے ہوئے پردے پر نگاہیں جماتے ہوئے' بے بسی سے سوچا۔

...☆☆☆...

شیریں میں آئی تبدیلی بے حد خوشگوار تھی۔

پچھلے ہفتے وہ نہ صرف آفس ملنے آئی' بلکہ تقریباً روزانہ ہی فون بھی کر رہی تھی۔ اس کی باتوں میں ناگواری کا شائبہ تک نہیں تھا۔

سجاد کو تو لگ رہا تھا جیسے پر خلوص دوستی کا وہی زمانہ لوٹ رہا ہے' جس میں کسی غرض اور دکھاوے کا کبھی دخل نہیں رہا تھا۔

اس روز ج تلخی شیریں کے گھر پیش آئی تھی۔ اس کا بھولے سے بھی کوئی ذکر ان دونوں ہی نے نہیں کیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی بات ہوئی نہ ہو' مگر پھر بھی ایک شرمندگی تھی' جو اپنی جگہ باقی تھی اور ذرا سی بھی فرصت ملتے ہی' سامنے آ کھڑی ہوتی تھی۔

" کاش وہ اس روز اتنے کھلے الفاظ میں ثانیہ کے لئے پسندیدگی کا اظہار نہ کرتے۔"

جس احساس کو خود سے بھی چھپائے رکھنے میں عافیت تھی' وہ ایک کمزور لمحے میں الفاظ کا روپ لے کر پورے ثبوت کے ساتھ ظاہر ہوا تھا اور وہ بھی کس کے سامنے۔ سب سے زیادہ فکر انہیں ثانیہ کی ہوئی تھی۔

شیریں کی جذباتی کیفیت کوئی اچھی توقع نہیں بندھنے دے رہی تھی' معلوم نہیں وہ ثانیہ کے ساتھ کیسا برتاؤ کر جاتی' مگر جب چند روز بعد ہی اس نے آفس آکر' اپنے روّیے کی معذرت کی اور ایک بار بھی ثانیہ کے حوالے سے کچھ نہ جتایا' تب انہیں لگا کہ وہ شیریں کے بارے میں اندازہ لگانے میں تھوڑی ناانصافی کر رہے ہیں' سو آج کل وہ اسی کا ازالہ کر رہے تھے۔ آفس کی فائل جلدی جلدی نمٹاتے ہوئے' انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھا' دو بجنے والے تھے۔

شیریں بس پہنچنے والی تھی اور اس نے فون کر کے کہا تھا کہ وہ لنچ ان کے ساتھ ہی کرے گی۔

کام کے بیچ میں سے نکلنا آسان تو نہیں ہوتا تھا' مگر وہ اس کی خوشی کی خاطر' ایسا بھی کر لیتے تھے۔ اب' جبکہ وہ بہت جلد شہریار کے ساتھ اسلام آباد جانے والی تھی تو کم از کم اس تھوڑے سے عرصے کو اسی کی خواہش کے مطابق گزار لیا جاتا۔

شیریں سوا دو تک آفس آچکی تھی' سجاد کا خیال تھا کہ اس کے آتے ہی وہ لوگ یہاں سے نکل جائیں گے' مگر شیریں تھوڑی دیر یہیں بیٹھنا چاہ رہی تھی۔

"میں نے بہت دیر سے ناشتہ کیا ہے' اگر تمہیں بھوک نہ لگ رہی ہو تو ہم لنچ تھوڑی دیر بعد لیں۔"

اس نے آتے ہی کہا اور پھر انٹر کام پر چائے کے لئے بھی کہہ دیا۔

سجاد نے خاموشی سے یہ کارروائی دیکھی اور مسکرا دیئے' ایک پرانے دوست کو ایسی بے تکلفی کی اجازت تھی۔

"شہریار کیسے ہیں؟ تمہاری انگیجمنٹ کے بعد وہ کراچی نہیں آئے۔" وہ دانستہ بار بار شہریار کا ذکر ضرور چھیڑتے تھے۔ یہ ایک شعوری کوشش تھی' جو وہ شیریں کو اس رشتے کا احساس دلانے کے لئے کرتے تھے' جس میں اب وہ بندھ چکی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"ٹھیک ہیں' کبھی کبھار بات ہو جاتی ہے۔ مصروف آدمی ہیں' کراچی تو کیا اپنے گھر آنے کا وقت بھی نہیں ملتا ہے ان کو۔" بڑی لاپروائی سے کہتی ہوئی وہ اپنی بات کے اختتام پر ہنس پڑی۔

"جب تم ان کے ساتھ رہو گی تو تم بھی اتنی ہی مصروف ہو جاؤ گی' فکر مت کرو۔" اپنے سامنے رکھے کاغذات کو سمیٹتے ہوئے سجاد مسکرا دیئے۔

"ہاں' اچھا ہے' مصروفیت بڑی کارآمد چیز ہے۔ انسان خود اپنے آپ سے بھی بچا رہتا ہے۔"

سجاد نے ذرا غور سے اس کی طرف دیکھا۔ شیریں بالکل سنجیدہ ہو چکی تھی۔

"کیا خیال ہے' مسز ہاشمی کو بھی ساتھ لے لیں' فون کر کے پوچھو' اگر وہ فارغ ہوں۔" انہوں نے بڑی خوبی سے موضوع کو بدلا۔

"خدا کے لئے۔" شیریں نے بے ساختہ ہی ہاتھ جوڑ دیئے۔ "تمہیں پتہ ہے سجاد کبھی کبھی میں یہ سوچتی ہوں کہ اگر مسز ہاشمی میری دوست نہ ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا یا پھر شہریار ان کے کزن نہ ہوتے۔" جب وہ چائے پی رہے تھے' تب شیریں اچانک ہی کوئی دوسری بات کرتے کرتے' پھر سے اسی موضوع پر آرکی۔

سجاد نے ایک گہری سانس لی۔

متنازع موضوعات سے بچ نکلنا ہی اچھا تھا۔ پھر بھی کچھ سوالوں کے جواب میں رائے دینی بھی پڑ جاتی تھی۔ "ہم سب کے ساتھ ہی ایسا ہوتا ہے شریں' بہت سے ایسے لوگ زندگی سے جڑے ہوتے ہیں' جو اگر نہ ہوتے تو شاید ہم زیادہ سکون محسوس کرتے۔ ہمارے گھر کی مثال تمہارے سامنے ہے' وحید بھائی اگر فرحت آپا کے شوہر نہ بنتے تو ہم سب کی زندگیاں سہل ہوتیں۔"

وحید حقیقتاً خاندان کے لئے ناسور تھے‘ مگران کے ساتھ بھی جس طرح سمجھوتہ کیا جاتا تھا‘ وہ شیریں کے سامنے تھا۔

چند منٹ‘ کے لئے وہ سب کچھ بھول بھال کر فرحت آپا کی خیریت پوچھ گئی۔ چائے ختم ہو چکی تھی۔ سجاد نے اب اٹھنے میں دیر نہیں کی۔

” ایک منٹ۔“ اپنے چیمبر سے نکل کر جب وہ دونوں لابی کی طرف جارہے تھے۔ شیریں نے فرح کے کمرے کے قریب رکتے ہوئے کہا۔” ذرا فرح سے مل لوں جب بھی آتی ہوں‘ اس سے ملے بغیر نہیں جاتی۔“

” ضرور۔“ سجاد کو اس کی بات اچھی لگی۔

” شاید شیریں آس پاس کے لوگوں کے بارے میں حساس ہوتی جارہی ہے۔“ انہیں کچھ ایسا ہی لگا۔

” کیا حال ہے فرح‘ مزے میں ہو۔“

ایک گہری نظر‘ ثانیہ کی خالی سیٹ پر ڈالتے ہوئے‘ وہ بڑی خوش اخلاقی سے پوچھ رہی تھی۔

” بہت زیادہ مزے میں‘ آپ سنائیں۔“ احتراماً کھڑے ہوتے ہوئے فرح نے پوری بشاشت سے جواب دیا۔

” دیکھ رہی ہوں۔“ شیریں کے لہجے میں ایک دم ہی تازگی کا سا احساس جاگنے لگا۔” اور وہ تمہاری دوست‘ چھوڑ دی جاب یہاں سے؟“

تھوڑا پیچھے کھڑے سجاد کو‘ بے ساختہ ہی حیرت نے گھیرا۔” بھلا وہ اتنی پریقین کیسے تھی‘ ثانیہ کی سیٹ کو خالی دیکھ کر؟“

” جی نہیں۔ جاب وہ کیوں چھوڑے گی۔ آج کل ذرا لمبی چھٹی پر ہے‘ آرام کر رہی ہے۔ پھر اس کے ماموں بیمار ہیں ان کی دیکھ بھال بھی کرنی...“ فرح مسکراتے ہوئے تفصیل بتا رہی تھی اور اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ سے ذرا بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ ثانیہ کی چھٹی کے پیچھے ذرہ بھر بھی ٹینشن ہے۔

” پرابلمز تو سب کے ساتھ ہیں‘ مگر آفس سے یوں ہی چھٹی لے کر تو کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔“ فرح نے اس کی جھنجھلاہٹ کو بخوبی نوٹ کیا اور بظاہر نظر انداز بھی۔

” ہمارے ہاں کا حساب کتاب دوسرا ہے‘ سجاد بھائی جیسے باس ہوں تو ہر رعایت خود بخود مل جاتی ہے۔“

” اچھا بہت فیورٹ ہو چکے ہیں سجاد یہاں‘ اتنے سے عرصے میں۔“

” وہ تو ہمیشہ سے فیورٹ ہیں‘ بس اضافہ سمجھ لیجئے اور ہو گیا ہے۔“

” میرا خیال ہے کافی دیر ہو گئی ہے۔“ وہ یک دم فرح کو نظر انداز کر کے‘ سجاد سے کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔ فرح نے بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ کو دبایا۔

” تم نے اپنے سٹاف کو کچھ زیادہ ہی ڈھیل دے رکھی ہے‘ بابا کے سامنے ایسا نہیں تھا۔“ خاموشی کے ایک وقفے کے بعد‘ وہ گاڑی میں بیٹھی سجاد سے کہہ رہی تھی۔” اور یہ لڑکیاں‘ معاف کرنا شاید تمہیں برا لگے‘ اپنی لمٹس بڑی جلدی کراس کرنے لگتی ہیں۔ سر چڑھاؤ گے تو آفس کا ماحول بہت متاثر ہو گا۔“

وہ ابھی بھی اسی بے نام الجھن میں تھے‘ جو فرح کے آفس سے ساتھ آئی تھی۔” ایسا کچھ نہیں ہے‘ فرح بہت بچپن سے مجھ سے‘ بابا سے کلوز ہے‘ تھوڑا زیادہ بولتی ہے‘ ورنہ بہت باادب لڑکی ہے۔“ سجاد کی آواز نیچی تھی۔

شیریں نے سر کے خفیف سے اشارے سے ان کے جواز کو رد کیا۔" تمہاری غلط فہمی ہے' میں جو بھی کہتی ہوں ایک مخلص دوست ہونے کے ناطے کہتی ہوں اور مجھ سے زیادہ اس دنیا میں تم سے کوئی بھی سنسیئر نہیں ہو سکتا سجاد' یہ بات تم ہمیشہ یاد رکھنا۔" اس کی آواز میں عجیب سا تاثر تھا اور الفاظ جو کچھ جتا رہے تھے وہ انہیں سمجھ میں بخوبی آ رہا تھا۔

" بے شک تم ثانیہ کو پسند کرو۔ اس کی مالی امداد بھی بخوشی کرو۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ہم جنہیں پسند کرتے ہیں' ان کے لئے آسانیاں فراہم کر کے خود اپنی خوشی پوری کرتے ہیں۔ لیکن اسے اپنی زندگی میں شامل کرنے کی غلطی مت کرنا۔ ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔" ٹریفک کے شور سے گونجتی سڑک' جیسے پل بھر کے لئے خاموشی میں ڈوبی اور آس پاس کے سارے منظر یک دم ہی غائب۔

" بہت چھوٹی ہے تم سے' ایک مضبوط سہارے کی خواہش میں وہ تمہارے قریب تو آ سکتی ہے' مگر تمہیں دل سے نہیں اپنا سکے گی۔ کبھی بھی نہیں۔"

" میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا ہے۔ میرے حالات ایسی کسی بے وقوفی کی اجازت بھی نہیں دیتے ہیں۔"

سجاد کو اپنی ہی آواز اجنبی لگی' ان کی نگاہ سامنے سڑک پر تھی اور شیریں کی گہری ہوتی مسکراہٹ کی طرف' ان کی ذرا بھی توجہ نہیں تھی۔

...☆☆☆...

ثانیہ نے ممانی کے ڈاکٹر اور ان کے طریقہ علاج دونوں ہی کو یکسر مسترد کر دیا تھا۔

رنگ برنگی گولیوں اور گہرے گلابی رنگ کا جو مکسچر' جمیل ماموں مہینوں سے اپنے معدے میں اتار رہے تھے' اس سے کوئی بھی افاقہ نہ تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

کمزوری دن بہ دن بڑھ رہی تھی' لگتا تھا جیسے کسی نے جسم میں سے خون ہی نچوڑ لیا ہو۔ کسی کسی وقت وہ تھوڑے سے بہتر محسوس ہوتے' گھر میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے مگر پھر ایسے بے سدھ ہو کر بستر پر جا گرتے کہ دیکھ دیکھ کر وہم آتا۔

ممانی کو اپنے دیرینہ ڈاکٹر پر ضرورت سے زیادہ اعتماد تھا۔ دوسرے انہیں اپنے ذاتی معاملات میں کسی کی بھی دخل اندازی برداشت نہیں تھی اور جمیل ماموں ان ہی کا" ذاتی معاملہ" تھے۔ یہ وہ بارہا جتا چکی تھیں' مگر اب اس" ذاتیات" کے سلسلے میں دخل اندازی ضروری ہو چکی تھی۔

ممانی کی خفگی کی پروا کیے بغیر' وہ فرح کے ساتھ جا کر انہیں ایک اچھی شہرت والے فزیشن کو دکھا آئی تھی۔

کتنے ہی ٹیسٹ' الٹرا ساؤنڈ' رپورٹس' پورا ہفتہ اسی چکر میں نکل گیا۔

" ہماری تو جو حیثیت ہے' ہم ویسا ہی علاج کروا سکتے ہیں۔ جنہیں زیادہ شوق آ رہا ہے' وہ اپنے پلے سے خرچ کریں۔"

ممانی نے تلملا کر صاف صاف کہہ دیا تھا۔ ثانیہ ان کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔

دکھ بیماری میں انسان کیا نہیں کر لیتا؟

قرض' ادھار' گھر کا سامان' زیور تک بک جاتا ہے مگر وہ ایسے کسی موڈ میں نہیں تھیں۔

ثانیہ کو لگا جیسے انہیں جمیل ماموں کی حالت کا سچ مچ اندازہ ہی نہیں ہے۔ جب ہی وہ کوئی پیسہ خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

کراچی آئے' ان تین چار سالوں میں' یہ پہلا موقع تھا۔ جب وہ پیسوں کے حقیقتاً پریشان ہوئی تھی۔ اگر پچھلے چند ماہ سے وہ اپنی ساری تنخواہ ممانی کے ہاتھ پر نہ رکھ رہی ہوتی یا اماں بھی سارا جمع جتھا ممانی کے حوالے نہ کر چکی ہوتیں تو حالات یقیناً اتنے پریشان کن نہ ہوتے۔

اماں کے پاس ایسا کوئی زیور بھی نہیں تھا' ابا کی کبھی ایسی حیثیت ہی نہیں ہو پائی کہ وہ انہیں کوئی ڈھنگ کی چیز بنوا دیتے۔

لے دے کر سونے کی دو باریک سی چوڑیاں تھیں جو اماں یا ثانیہ کسی کے بھی استعمال میں نہیں تھیں' بلکہ اماں کے سوٹ کیس کی تہہ میں بچھے اخبار تلے حفاظت سے رکھی ہوئی تھیں۔

ثانیہ نے انہیں ہی کام میں لینے کا فیصلہ کیا۔

اماں سے بات کی' انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ خود ساتھ چل کر جیولر کو دے آئیں۔

چوڑیاں ہلکی تھیں' مگر سونے کا ہوش اڑاتا بھاؤ' بہرحال اتنی رقم تو دلا ہی گیا کہ وہ وقتی طور پر بے فکر ہو گئی۔

"اپنے گھر کا بھی جلد سے جلد سودا ہو جائے تو اچھا ہے۔ اماں' شہزاد بتا رہا تھا کہ دو ایک گاہک لگے تو ہیں۔" بازار سے واپسی پر وہ اماں سے کہنے لگی۔

"جو بھی ہو' بس میرا جمیل اچھا ہو جائے' اللہ کی رحمت کے صدقے سے' دن رات ایک ہی دعا کرتی رہتی ہوں۔" اماں کے دل کا حال ان کے چہرے سے عیاں ہو رہا تھا اور وہ کتنی پریشان تھیں۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔

"ماموں ٹھیک ہو جائیں گے اماں۔" اس نے انہیں تسلی دینا چاہی' مگر اپنے الفاظ پر جیسے خود اپنا یقین اٹھتا ہوا سا محسوس ہوا۔

"خدا نہ کرے جو ماموں ٹھیک نہ ہو سکے تو اماں کا کیا بنے گا۔" وحشت میں مبتلا کرتا' بڑا ہی برا خیال ثانیہ کے دل میں آیا۔

"توبہ' توبہ' اللہ نہ کرے۔" اس نے کتنی ہی بار توبہ کرتے ہوئے لاحول پڑھ ڈالا۔ لوگ بیمار پڑ جاتے ہیں اور پھر ٹھیک بھی ہو جاتے ہیں۔ سارا قصور اس کے قنوطی پن کا ہے' جس میں وہ گھر بیٹھے بیٹھے مبتلا ہو رہی ہے۔"

اس نے اپنے بارے میں کچھ ایسا ہی اندازہ لگایا۔ گھر میں اس دو چوڑیوں کے بکنے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی' لیکن سارے بھاری بھرکم اخراجات بخیر و خوبی پورے ہوتے دیکھ کر ممانی کو اتنا یقین ضرور ہو گیا کہ اماں اور ثانیہ کے پاس بہت کچھ جمع جتھا ہے' جو وہ ان سے چھپائے ہوئے ہیں۔

"پتہ نہیں کون سا خزانہ ماں' بیٹی کے پاس چھپا رکھا ہوا ہے جس میں سے نکال نکال کر خرچ کر رہی ہیں۔"

"میں تو پہلے ہی کہتی تھی آپ سے' ثانیہ کے پاس کتنے کپڑے ہیں' ایک سے ایک ایسے ہی فری میں تو نہیں بن جاتے نا۔"

لبنیٰ شیشے کے آگے کھڑی' ہونٹوں کی آئوٹ لائن ٹھیک کر رہی تھی۔" ویسا ایک بھی سوٹ نہیں ہے میرے پاس' کب سے کہہ رہی ہوں' لیکن مجال ہے جو میری یہاں کوئی سن لے۔" اس کے پاس اتنا ہی رونا تھا۔

"خیر کپڑے تو تمہارے پاس' اس سے کہیں زیادہ ہیں لیکن سچی بات کہ ثانیہ کی چوائس اچھی ہے۔"

وہ کچھ چڑ کر کہہ گئیں۔

لبنیٰ کے لائے رنگ برنگے کپڑوں سے ان کا دل جلتا بھی بہت تھا۔

"" چھوٹے سے شہر میں پلی ہے ثانیہ' شروع میں تو اسے یہاں کی سڑکیں پار کرنا بھی نہیں آتی تھیں۔ شاپنگ تو کیا' بات کرنے کی بھی تمیز نہیں تھی۔ ساری عقل اسے یہیں آکر آئی ہے۔""

لبنیٰ کے سیدھی دل پر جا کر لگی تھی۔

ممانی کو اچھی طرح یاد تھا کہ جب وہ نواب شاہ سے آئی تھی۔ تب بھی اس کے پاس جتنے کپڑے تھے۔ سارے ہی سادے مگر بے حد خوبصورت رنگوں اور پرنٹ والے تھے' مگر یہ بات لبنیٰ کو یاد دلائی جاتی تو وہ اور بھی زیادہ ناراض ہو جاتی۔

"" میک اپ کے نام پر تو اسے لپ اسٹک تک نہیں لگانی آتی تھی' مجھے دیکھ دیکھ کر سیکھ گئی ہے۔"" لبنیٰ ابھی بھی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے تھی اور اپنے بیوٹیشن کے آدھے ادھورے کورس پر بھی اسے اتنا ہی فخر تھا جتنا کہ اکیڈمی کے کبھی نہ پورے ہونے والے کمپیوٹر کورس پر۔

لبنیٰ کی احمقانہ خود اعتمادی کی نہ حد تھی اور نہ حساب' اپنی بے حد گوری رنگت پر وہ دل بھر کر نازاں رہتی' گہرے سے گہرا میک اپ کر ڈالتی اور خود کو فیشن کی دنیا میں پورا پورا "" ان"" سمجھتی۔

منفی خیالات کی بھرمار اور تیزی سے بڑھتے وزن نے جو قیامت ڈھائی تھی۔ اس کی طرف' اس کا ذہن جاتا ہی نہیں تھا۔

ممانی نیم وا آنکھوں سے بیڈ پر لیٹے لیٹے اس کی طرف دیکھے گئیں۔

اتنی دیر میں وہ لپ اسٹک' لائنر وغیرہ لگا چکی تھی' مگر ابھی بھی فارغ نہیں تھی۔ سامنے آئینے میں جو عکس نظر آرہا تھا۔ وہ کسی زمانہ ساز' پختہ العمر عورت کا سا تھا۔

"" بھلا کون کہہ سکتا تھا کہ وہ ثانیہ سے چند ماہ چھوٹی ہی ہے۔"" انہیں یک دم ہی عجیب سی گھبراہٹ نے گھیرا۔

"" اب اس آئینہ کا پیچھا چھوڑ بھی دو' کہاں جانا ہے آخر' جو اتنی تیاری ہے۔"" انہیں اسے ٹوکنا ہی پڑا۔

"" کہیں نہیں' انسان گھر میں بھی تو تیار رہ سکتا ہے اور رہنا بھی چاہیے' ایسے ہی برے حلیے میں رہنا کون سی اچھی بات ہے۔""

لبنیٰ نے مجال ہے جو ذرا بھی اثر لیا ہو۔

"" تیاری کا یہ مطلب کہاں کہ اپنی جلد پر تجربے کیے جاؤ' اس بیوٹی پارلر والی نے تو لگتا ہے کہ سارے تجربے تم پر ہی کر ڈالے ہیں' جلد دیکھو کیسی پھٹی' پھٹی سی لگنے لگی ہے اور بال اللہ جانے ان کا اصلی رنگ تو کہاں کھو کر رہ گیا ہے۔""

ابھی ابھی جو تاثر' لبنیٰ کے عکس سے انہوں نے حاصل کیا تھا۔ بڑا ڈیپریشن میں مبتلا کر رہا تھا۔

لبنیٰ سے توصیف کا یہ انداز سہا نہ گیا' بری طرح تلملائی۔

"" آپ کو تو اب ساری برائیاں مجھ میں یہ نظر آنے لگی ہیں۔ پارلر والی باجی کہتی تھیں کہ تمہاری رنگت بہت گوری ہے۔ ہر وقت لپ اسٹک لگا کر رکھا کرو' ورنہ چہرہ پھیکا پھیکا لگتا ہے۔ اب اس کا مشورہ تو غلط ہونے سے رہا۔""

بے زاری سے دوسری طرف کروٹ لیتے ہوئے' ممانی نے زیر لب "" پارلر والی باجی"" کی شان میں کچھ کہا۔

"" ساری محبت آج کل تو ثانیہ کے لیے ہی ہے۔ تعریفیں بھی اس کی ہیں۔ رشتہ بھی اس کے لیے ڈھونڈ نکالا ہے۔ کل کو دھوم دھام سے شادی بھی اسی کی کریں گی۔""

وحید کا سارا حدود اربعہ سمجھ جانے کے باوجود بھی لبنیٰ کے دل میں ایک کانٹا سا ضرور چبھا رہ گیا تھا۔ بڑا سارا گھر' بڑی ساری گاڑی۔

جو یہ بیڑہ پار لگتا تو' ثانیہ کی ہی ملکیت کہلاتی تھیں۔

" کیسے جا بحث' میرے پاس تو اتنا فالتو دماغ نہیں۔ سب سمجھا دیا ہے' مگر یہ نہیں ذرا میرا ساتھ دے اور کچھ نہیں تو اللہ سے دعا ہی مانگ لے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔ بڑی منتیں مانگ رکھی ہیں میں نے تو۔"

بات ختم کرتے کرتے' ان کے لہجے میں بڑے جذب کی سی کیفیت ابھرنے لگی۔

" لو جی' شادی ثانیہ کی ہو اور دعائیں میں مانگو' بھلا کس حساب میں' ہنہ۔"

لپ اسٹک کو ایک بار پھر ذرا سا گہرا کرتی ہوئی' وہ پیر پٹختی' کمرے سے باہر چلی گئی۔ ممانی نے آواز بھی نہ دی۔

" یہ تو ثانیہ کا معاملہ سیٹ ہو جائے تو پھر اس بیوقوف کو بھی لگام ڈالوں' اس وقت گھلنا شروع ہوئی تھیں' جب وہ پختہ ہو چکی تھیں۔

" خیر' ہے تو ابھی بچی ہی۔"

انہوں نے ایک طفل تسلی خود کو دے کر' اس کی بدتمیزیوں کا جواز نکالا۔

تھوڑی دیر پہلے ان کی وحید سے بات ہو چکی تھی۔ معلوم نہیں' انہیں ثانیہ واقعی اتنی پسند آگئی تھی یا پھر انہوں نے کوئی ضد سی پکڑلی تھی' جو پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

ملنے والی ممکنہ مراعات بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔ ممانی کے منہ میں سن سن کر پانی آئے جا رہا تھا۔ ان کا بس چلتا تو' ایک دن نہ لگاتیں۔ وحید کے رشتے کو شرف قبولیت بخشنے میں' مگر مصلحت کا تقاضہ کچھ اور ہی تھا۔

سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچی رہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

دو شاطر دماغوں کا ایک جا ہونا' کسی کی بھی اچھی بھلی زندگی میں زہر گھولنے کے لیے کافی تھا۔

باہر بڑی خاموشی تھی۔

وہ تھوڑی دیر کروٹیں بدل کر باہر نکل آئیں۔

برآمدہ اور صحن' خالی پڑا تھا۔ اماں' جمیل ماموں کے کمرے میں ہوتی تھیں زیادہ تر' وہ جاگتے ہوتے تو دونوں بہن بھائی' جانے کب کب کے قصے کہتے سنتے رہتے اور جو سو جاتے تو خاموش ان کے سرہانے بیٹھی ان کی شکل دیکھتی رہتیں۔ ممانی کا موڈ خراب محسوس ہوتا تو اٹھ کر باہر اپنے تخت پر آ بیٹھتیں۔

وہ ان کی طرف جانے کے بجائے صحن میں نکل آئیں۔

صحن کی دیوار کے ساتھ' ان کا جمع کیا کاٹھ کباڑ پھر آدھی سے زیادہ دیوار گھیر چکا تھا۔

" کوئی ڈھنگ کا کباڑی مل جائے تو یہ سب پھنکوا دوں۔" اپنے دیرینہ شغل سے انہوں نے پہلی بار اکتاہٹ محسوس کی۔

وحید انہیں لاکھوں کے خواب دکھا رہے تھے۔ چند سو کے لیے کی جانے والی بچت' انہیں بالکل ہی حقیر محسوس ہونے لگی تھی۔

ساری زندگی ترس ترس کر گزار دی' اب جو اللہ نے موقع دیا ہے تو گنوانا تو نہیں ہے۔ وہ گھی کے خالی ڈبوں کو پلاسٹک کے ٹوٹے ہوئے ٹب میں جماتے ہوئے سوچ گئیں' چھت کے اوپر جاتا ہوا سایہ اسی دیوار کے ساتھ اٹھ رہا تھا۔

بے دھیانی میں ان کی نگاہ اس طرف اٹھی تو لبنیٰ کی جھلک سی دکھائی دی۔

آج کل سر شام وہ چھت پر چلی جاتی تھی۔

بیوٹی پارلر جس سے چھوڑا تھا۔ فرصت بے حساب تھی۔ دل بہلانے کے لیے کوئی شغل تو چاہیے تھا آخر۔ آس پاس کے گھر دو اور تین منزلہ بھی بنے ہوئے تھے، خوب رونق لگی رہتی تھی۔

وہ یوں ہی سرسری سی نگاہ ڈال کر واپس اندر چلی آئیں۔ انہیں لبنیٰ سے زیادہ ثانیہ کی فکر رہتی تھی۔

حالانکہ اب تو وہ گھر میں ہی رہتی تھی۔ پھر بھی اس کی طرف سے انہیں کسی ایسی ویسی بات کا خطرہ لاحق ہی رہتا تھا۔

معلوم نہیں اب کہاں گئی ہے، نہ ماں کو فکر اور نہ ماموں کو، علاج کے بہانے گھومنے پھرنے کو مل رہا ہے۔ پیسے کی کمی نہیں، جب ہی تو کھٹ سے نوکری بھی چھوڑ دی۔ ورنہ پہلے میرے کتنا منع کرنے کے باوجود بھی، مستقل کیے گئی۔"

تب ہی ایک اور خیال بھی بالکل اچانک ہی آیا۔

ثانیہ نے مہینے کے شروع ہفتے میں ہی جاب چھوڑی تھی، آج پھر دو تاریخ تھی۔

گویا پچھلا پورا مہینہ گزر چکا تھا اور اس بار تنخواہ کا بھی کوئی آسرا نہیں تھا۔

یہ ذرا دل توڑتی سی بات تھی۔

اچھی خاصی رقم، جو پچھلے چند ماہ سے اماں ان کے ہاتھ میں خاموشی سے تھما رہی تھیں۔ اس کا سلسلہ اس ماہ منقطع تھا۔

انہیں تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ ثانیہ کو اتنی اچھی پے مل رہی ہے۔ جمیل ماموں نے انہیں کانوں کان خبر نہیں ہونے دی تھی۔ لیکن ان کی بیماری نے ثانیہ کے پیسے چھپانے کا موقع انہیں خود بخود فراہم کیا تھا۔

"چلو، اس بار اپنے پیسے ہی سہی۔" جمیل ماموں کے کمرے سے نظر بچاتی ہوئی وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئیں۔ آگے جو سارے دلدر دور ہونے کی امید بندھی تھی وہ ثانیہ کے صدقے ہی تھی۔

گیٹ کھول کر وہ عادتاً باہر جھانکنے لگیں، گلی کی چہل پہل دیکھنے میں ان کا دل بے حد لگتا تھا۔

تب ہی انہیں سامنے سے ثانیہ آتی دکھائی دی۔ ہاتھ میں دوائوں کا شاپر لیے، وہ تیز قدموں سے گیٹ تک آئی۔

"تم کہاں چلی گئی تھیں، کسی کو بھی بتائے بغیر۔" وہ ٹھیک سے اندر بھی نہ آپائی تھی کہ ان کے سوال جواب شروع ہوئے۔

"میں اماں سے کہہ کر گئی تھی۔" مختصر سا جواب دے کر وہ آگے بڑھنے لگی، مگر ان کی تیز نگاہوں نے دوائوں کے ساتھ لائے دوسرے لوازمات کا بھی نوٹس لے لیا تھا۔ امپورٹڈ سیریلز، شہد، کئی طرح کے جوسز، ثانیہ کی "خوشحالی" انہیں بری طرح چبھی۔

"اتنی فالتو خریداری کی تھی تو کچھ سامان گھر کا بھی لے آتیں، کئی چیزیں ختم ہو رہی ہیں۔"

"بتا دیجئے گا، میں لا دوں گی۔" اس نے بڑے تحمل سے کہا اور ماموں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ممانی جب تک وہاں پہنچیں، ثانیہ جمیل ماموں کے سرہانے رکھی چھوٹی سی میز پر تمام اشیاء رکھ چکی تھی اور وہ لیٹے لیٹے اس پر اتنے پیسے خرچ کرنے پر خفا ہو رہے تھے۔

ممانی کو آتا دیکھا تو ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

" تمہیں جو میں نے گھر کے خرچ کا چیک دیا تھا' نکلوایا یا نہیں۔ اگر نکلوا لیا ہے تو ثانیہ کو ان سب چیزوں کے پیسے دے دو ابھی' ورنہ صبح جا کر ضرور نکلوا لینا۔"

" آپ پیسوں کی بالکل فکر چھوڑ دیں' ورنہ میں آپ سے سخت ناراض ہو جاؤں گی۔" ثانیہ نے ان کے جواب دینے سے پہلے ہی بڑی سنجیدگی سے ماموں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مگر بیٹا' یہ سب اتنا خرچ' ابھی اسی ہفتے ہزاروں روپے...

" میں نے کہا نا' آپ کو بالکل بھی ضرورت نہیں اس بارے میں سوچنے کی اور اگر اب آپ نے ایک بار بھی ایسا کہا تو میں اماں کو لے کر واپس نواب شاہ..." گیٹ پر لگی بیل بج رہی تھی۔

ثانیہ بات ادھوری چھوڑ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ ماموں نے دیکھا' اپنی بات کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

" بے وقوف ہے بالکل۔"

وہ اماں کی طرف دیکھتے ہوئے' بڑی محبت سے مسکرائے۔

" ٹھیک تو کہتی ہے اور اب تو میں بھی اس کے ساتھ ناراض ہو جاؤں گی۔"

اماں کرسی سے اٹھ کر ماموں کے پاس آ بیٹھیں۔ جمیل ماموں کے چہرے پر بڑی طمانیت بھری مسکراہٹ تھی۔

ممانی نے دل میں شکر ہی کیا کہ ان کے پاس سے خرچے کا ذکر ٹلا تو سہی۔

ثانیہ گیٹ تک' ماموں کی باتوں کے زیر اثر ہی آئی تھی۔ آنکھوں میں ابھی بھی ہلکی سی نمی تھی۔

چھوٹا سا گیٹ یوں ہی بے دھیانی میں کھولا تھا' پر دوسرا ہی لمحہ بڑا حیران کن تھا۔

سامنے سجاد کھڑے تھے۔

وہ جو اس پریشان کن دور میں' تمام تر خفگی کے باوجود یہیں کہیں ہمہ وقت ہی موجود رہتے تھے۔ اس وقت حقیقت میں روبرو تھے۔

" السلام علیکم۔" وہ ہلکے سے مسکرائے۔

جواباً اس نے شاید " وعلیکم" کہا تھا' یا نہیں۔

" اندر آنے دیں گی' یا آپ کی طرف سے اس پر بھی پابندی ہے۔"

وہ بنا کچھ کہے ایک طرف ہٹی۔

" شکریہ۔"

ثانیہ کی نگاہوں نے ان کے پیچھے کسی کو تلاش کیا۔

" آپ اکیلے آئے ہیں؟" یہ پہلا سوال تھا جو اس کی طرف سے آیا۔

" کیا مطلب' میں کوئی بچہ ہوں' جو کسی کی انگلی پکڑ کر آپ کے گھر تک پہنچوں گا۔" وہ ہلکے سے ہنس پڑے۔

" میرا مطلب تھا کہ شاید فرح آپ کو یہاں لائی ہو گی۔"

خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے صفائی پیش کی۔ اس کے دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پیوست تھے اور ان میں اچانک اتری ٹھنڈک اندر ہی اندر ابھی بھی کہیں بے حد کنفیوژ کر رہی تھی۔

" مجھے آپ تک آنے کے لیے کسی کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس آپ کا ایڈریس تھا۔"

ان کا لہجہ سادہ ہی تھا۔ پھر بھی اس کے دل میں چھپے چور نے اس میں معنی خیزی تلاش کرنا چاہی۔

" دھت۔"

اپنی کمزوری پر اس نے خود ہی کو شرمندہ کیا۔

" آپ نے کیسے تکلیف کی۔"

" یہیں کھڑے کھڑے نمٹانے کا ارادہ ہے آپ کا۔"

" آیئے۔" ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے' اس بار وہ مسکرا ہی دی۔

" باتیں تو بہت سی ہیں جو سنی اور کہی جا سکتی ہیں لیکن فی الوقت میں صرف' آپ کے ماموں کی خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔ وہ گھر پر ہی ہیں نا۔"

ثانیہ کے ساتھ چلتے ہوئے' اس چھوٹے سے صحن اور ملحقہ برآمدے کو پار کرتے ہوئے' انہوں نے اپنی چھوٹی سی بات کو ختم ہی کیا تھا کہ جو وہ ماموں کے کمرے کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے۔

جمیل ماموں' ممانی اور اماں' تینوں ہی نے دروازے پر کھڑے اس بے حد شاندار شخص کو رشک بھری حیرت سے دیکھا۔

" آیئے نا' باہر کیوں رک گئے۔" جمیل ماموں نے سب سے پہلے جانا کہ' یہ ثانیہ کے مہربان مالکوں میں سے ایک ہے۔

بناء اجازت اور اطلاع کے آنے پر معذرت چاہتا ہوں لیکن کوشش کے باوجود کوئی کانٹیکٹ نہیں ہو پا رہا تھا اور آپ کی طبیعت پوچھنے میں' میں ویسے ہی خاصا لیٹ ہو چکا تھا۔"

سجاد کے لہجے میں فطری نرمی تھی اور انداز بے حد دوستانہ' ہر ایک ان کے ساتھ خود کو بے حد پرسکون محسوس کرتا تھا۔

" وہ فرح تو روز ہی آ جاتی ہے۔ اس سے تو پتہ کروا سکتے تھے۔" ممانی سے رہا نہ گیا تو بڑے بے تکے پن سے مداخلت کی۔

سجاد نے ایک لمحے میں ہی ان کی " ٹائپ" کو جانا۔

" ثانیہ کی ممانی۔" جمیل ماموں نے ایک ملامت بھری نگاہ ممانی پر ڈالتے ہوئے تعارف کا مختصر سا مرحلہ نمٹایا۔

ثانیہ کو بہت اچھا لگا' جب وہ اماں سے قریب جا کر ملے۔

" آپ نے بہت تکلیف کی' جو یہاں مجھے پوچھنے کے لیے آئے۔ اتنی مصروفیت میں سے وقت نکالا۔" جمیل ماموں بے حد خوش تھے اور مارے انکساری کے بار بار کچھ ایسے ہی جملے کہہ رہے تھے۔ سجاد کو انہیں ٹوکنا پڑا۔

" ایسے نہ کہیں' مجھے تو پہلے ہی آ جانا چاہیے تھا' مگر بس کوتاہی ہو گئی۔ اب ثانیہ اتنے دن سے نہیں آ رہی ہیں تو اس کا مطلب تھا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ورنہ یہ تو بڑی ذمہ دار فرد ہیں ہمارے آفس کی۔"

انہوں نے ثانیہ کی طرف دیکھا تو وہ اس بات کی تردید بھی نہیں کر سکی۔

جمیل ماموں کے دل میں ثانیہ کے جاب چھوڑ دینے کا جو وہم یقین میں بدل رہا تھا۔ سجاد کی بات سن کر فوراً ہی نکل گیا۔

" میں تو خود اس کے گھر بیٹھنے سے پریشان ہو رہا تھا۔ مجھے تو ایسا لگ رہا تھا کہ' یہ جاب چھوڑ بیٹھی ہے۔ اصل میں حساس بہت ہے' پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیا بات دل پر لگا بیٹھی ہے۔ اب آپ آئے ہیں تو اطمینان ہوا ہے۔"

ارے نہیں' جاب کیسے چھوڑ سکتی ہیں ثانیہ' چھٹی بے شک جتنی بھی کریں۔ ان کی جگہ تو ان ہی کی ہے۔"

وہ اتنے یقین سے کہہ رہے تھے اور جمیل ماموں اس اطلاع سے جتنے خوش دکھائی دے رہے تھے۔

ثانیہ پر دونوں ہی باتوں کا ردعمل مختلف صورتوں میں ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے کی گھبراہٹ' اب بتدریج غائب ہو رہی تھی۔ ماموں کی بیماری کا احساس نہ ہوتا تو شاید وہ اس وقت سجاد سے کہہ ہی دیتی کہ اب وہ ان کے ہاں کام جاری رکھنے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں رکھتی۔

شیریں کا بے حد ہتک آمیز رویہ' جو سجاد کو یہاں دیکھ کر' گڑبڑاہٹ میں کچھ بھول سا گیا تھا۔ دوبارہ پوری شدت کے ساتھ یاد آرہا تھا۔

ممانی اب کمرے میں نہیں تھیں۔

گیٹ پر کھڑی سجاد کی گاڑی کا یقین کر لینے کے بعد وہ پچھلے صحن میں کھڑی' اوپر چھت پر چڑھی لبنیٰ کو آوازیں دے رہی تھیں' تاکہ ایک نئے مہمان کی آمد کی اطلاع اس کو بھی دی جا سکے۔

سجاد اب پوری طرح ماموں کی طرف متوجہ تھے۔ ان کی بیماری کی تفصیل اور علاج کے بارے میں جانتے ہوئے وہ اماں اور جمیل ماموں دونوں ہی کو بے حد اپنے اپنے سے لگ رہے تھے۔

ذرا دیر کے لیے تو ثانیہ کو لگا کہ یہاں صرف وہی ہے جو اس منظر میں لاتعلق دکھائی دے رہی ہے۔

جمیل ماموں نے اسے چائے بنانے کا کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔

سجاد نے تکلفاً بھی چائے بنانے سے منع نہیں کیا۔

" ایسی اچھی شکل اور ایسا ہی اسمارٹ کہ دیکھو تو آنکھیں روشن ہونے لگتی ہیں۔ یہ ہے ثانیہ کی کمپنی کا مالک۔"

ممانی لبنیٰ کو کھڑی بتا رہی تھیں۔

الفاظ میں تعریف اور لہجے میں گھبراہٹ تھی۔ ثانیہ کو آتا دیکھا تو جلدی سے چپ ہو گئیں۔ دل مارے ہول کے بیٹھا جا رہا تھا۔

" اتنا امیر آدمی' خود چل کر اس کے پیچھے یہاں تک آ گیا۔ ضرور کوئی بات ہے۔ اسی وجہ سے شادی پر بھی راضی نہیں ہے۔" وحید کے دکھائے گئے سبز باغات پر ایک دم ہی خزاں کا راج ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ " سمجھداری اسی میں تھی کہ ذرا بھی دیر نہ کی جائے۔" وہ اندر جانے کے بجائے وہیں برآمدے میں اپنی ادھیڑ بن میں لگی رہیں۔

ثانیہ چائے لے کر واپس آتی تو لبنیٰ باہر سے اندر جھانکنے میں مصروف دکھائی دی۔

" باہر کیوں کھڑی ہو' اندر آ جاؤ۔"

"نہیں بس ٹھیک ہے' دیکھ لیا۔" وہ واپس پلٹ گئی۔

آج ممانی اور لبنیٰ دونوں ہی کا روّیہ کچھ الگ تھا' ورنہ کسی آنے والے کو وہ ایک منٹ بھی اکیلا چھوڑنے والوں میں نہیں تھیں۔ ثانیہ اندر آئی تو جمیل ماموں بڑے خوشگوار موڈ میں ہنس رہے تھے۔ انہیں بہت دن بعد اس طرح خوش دیکھ کر اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ وہ بھی وقتی طور پر تلخی بھلا کر مسکرانے لگی۔

جمیل ماموں کو صرف " چائے" لانے پر اعتراض تھا' مگر سجاد فوراً ہی بول پڑے۔

" اس وقت تو میں جلدی میں ہوں 'اگلی بار ضرور۔"

اور چائے پی کر وہ واقعی اٹھ کھڑے ہوئے' اماں اور جمیل ماموں سے دعائیں لیتے ہوئے' ان کے چہرے پر بڑی پیاری سی چمک ابھری تھی۔

" ثانیہ جمیل ماموں کے علاج کے لیے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو میں..." گھر سے باہر نکلنے سے پہلے انہوں نے ثانیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا چاہا تو اس نے فوراً ہی ان کی بات کاٹ دی۔

" بہت شکریہ سر' لیکن ابھی اللہ کا شکر ہے کہ ایسی کوئی پرابلم نہیں ہے۔" وہ بڑی پر اعتماد سی محسوس ہو رہی تھی۔ سجاد نے اس کے چہرے پر سے کچھ تلاشنا چاہا۔

" ٹھیک ہے۔ لیکن پلیز کسی بھی وقت' کوئی مشکل ہو تو مجھے ضرور کہیے گا۔ ورنہ مجھے بے حد افسوس ہو گا۔"

بہت ساری شکایتوں کے بعد بھی' اسے ان کے خلوص پر اعتبار آنے ہی لگتا تھا۔

مجھے پتہ ہے آپ مجھ سے سخت ناراض ہیں' میری غلطی یقیناً بڑی ہو گی' لیکن ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔" دھیمی آواز میں کہے وہ نرمی اور خیال میں بھیگتے الفاظ وہیں اسی چھوٹے سے صحن میں رہ گئے۔

" ثانیہ۔" اندر سے ماموں آواز دے رہے تھے۔ اس نے چونک کر گیٹ بند کیا اور ان کے پاس چلی بھی آئی۔

" یہ تمہاری اس ماہ کی سیلری۔" ایک مانوس سا سفید لفافہ انہوں نے اس کی طرف بڑھایا۔" تم نے شاید کل چیک فرح کو واپس کر دیا تھا۔ سجاد بتا رہے تھے کہ ان کے ادارے میں ملازمین کو چھٹیوں کی تنخواہ کبھی نہیں کاٹی گئی۔ اب تم منع نہیں کرنا' کسی کے خلوص کو ٹھکرانا بھی گناہ ہی ہے۔"

ثانیہ نے بے بس سا ہو کر جمیل ماموں کی طرف دیکھا۔ گلی میں سے گاڑی نکالتے' سجاد کی آنکھوں میں گہری افسردگی اتر رہی تھی۔

...☆☆☆...

وحید کے چکر بڑھتے ہی جا رہے تھے۔

ایک دو دن کا وقفہ دے کر' وہ ضرور ہی آفتاب کے گھر آ موجود ہوتے' بہانہ اماں کی خبر گیری کا تھا' جو بقول ان کی' آفتاب کے خالی گھر میں کس کسمپرسی کے عالم میں پڑی تھیں' مگر وہ ان کی آمد پر اتنی ہی بے زار دکھائی دیتی تھیں۔

" مجھے بالکل سچ سچ بتا دے وحید تو نے دل میں کیا ٹھانی ہوئی ہے۔" اس روز رہا نہ گیا تو انہوں نے صاف صاف پوچھ لیا۔

ایک تو آپ کی فکر میں دوڑا چلا آتا ہوں' اوپر سے آپ ہی کو مجھ پر شبہ رہتا ہے۔ بھلا میرا کیا مقصد ہو گا یہاں آنے میں۔ وہ تھوڑا سا برا مانے۔

اماں بہت غور سے ان کا چہرہ تکنے گئیں۔

" ایسے کیا دیکھ رہی ہیں۔"

" کچھ نہیں۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

" اس بینا کو تو نہ میاں کی کوئی فکر ہے نہ آپ کی۔ صاف لگتا ہے کہ اب وہ اس گھر سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھنا چاہتی ہے۔ ورنہ کیسے ممکن تھا کہ اس طرح ماں باپ کے گھر بیٹھی رہتی۔"

" اسے بیچ میں مت لائو' جو سلوک آفتاب نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے بعد کوئی بھی خوددار عورت ایسے ہی کرتی' جیسے وہ کر رہی ہے۔" اماں بینا کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

" انا' خودداری' غرور' عزت۔" وحید عجیب سے انداز میں مسکرائے۔" یہ الفاظ مردوں پر سوٹ کرتے ہیں اماں اور وہی ان کے اہل بھی ہیں' عورتیں انا' خودداری کا ڈھول پیٹنے لگیں تو نوے فیصد گھر تو لمحہ نہ لگائیں ٹوٹنے میں۔" ان کا لہجہ اتنا ہتک آمیز تھا کہ مارے رنج کے ان سے فوری طور پر کچھ کہا بھی نہ گیا۔

قصور وحید کی فطرت کا تھا' یا ان کی تربیت میں ہی کسر رہ گئی تھی۔ ٹھیک سے فیصلہ ہی نہیں ہو پاتا تھا۔

اصل بات تو یہ ہے کہ بینا آفتاب کی معذوری کے ساتھ اب مزید گزارہ نہیں کر پا رہی تھی۔ آفتاب کی خفگی سے اسے جان چھڑانے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ ورنہ ایسی وفا پرست ہوتی تو دس بار ہاتھ جوڑتی' قدموں میں گرتی' وہ دھکے مار کر بھی نکالتا تو گھر سے قدم باہر نہ رکھتی۔"

گیٹ کی طرف سے آتی' آفتاب کی بیساکھی کی ٹک ٹک وہ سن چکے تھے اور اب جو کچھ بھی کہہ رہے تھے بہت سوچا سمجھا تھا۔

آفتاب لائونج سے ملحقہ چھوٹے سے کاریڈور میں ہی ٹھٹک گیا۔

" جو عورت خود نہ رہنا چاہے' پھر اس کی تمنا رکھنا فضول ہی ہے۔ میں تو کہتا ہوں اس سے پہلے کہ وہ خلع کی درخواست دے۔ آفتاب کو اس کی چھٹی کر دینی چاہیے۔ ورنہ عدالت میں ذلت جھیلنا' اس کے لیے اور بھی مشکل ثابت ہو گا۔"

سن' سن' سن۔

الفاظ' وحید کے منہ سے نکلے اور ٹھیک آ کر اس کے دل پر لگے تھے۔ وہ جو انہیں اندر آتا دیکھ کر' اپنے سٹور سے اتر کر اندر آ رہا تھا' وہیں کھڑا رہ گیا۔

اپنے اور اس کے تعلق کے بارے میں کچھ سننا' آج بھی اتنا ہی جان لیوا ثابت ہوا' جتنا اس دن جب وہ چنگاریاں اڑاتا ہوا' فون پہلی بار آیا تھا۔

غم و غصے کی شدت کا ان لمحوں میں بھی کوئی حساب نہیں تھا اور آج اس وقت بھی اسے خود کو کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

" کاش وہ کہنے والے کا منہ توڑ سکتا۔" یہ وہی خواہش تھی' جو اس نے ہر بار' اس واہیات شخص کے لیے کی' جو بینا کی کردار کشی کا فون کرتا تھا اور پھر اس دن جب وحید نے سڑک پر کھڑے ہو کر پیشنگوئی کی تھی کہ بینا اسے چھوڑ کر چلی جائے گی۔

اور آج پھر جب وہ اس کے گھر میں ہی کھڑے ہو کر بینا کی بے وفائی پر مہر لگا رہے تھے۔

تب بھی آفتاب کا یہی دل چاہا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کو' جس کی وہ اچھی خاصی عزت کرتا ہے۔ اتنا مارے اتنا مارے کہ اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔

اندر اماں غصے میں اونچا اونچا بول رہی تھیں۔

بناء ان کے الفاظ پر دھیان دیئے۔ وہ جانتا تھا کہ اماں وحید کو برا بھلا کہہ رہی ہیں۔ انہیں بینا کی برائی میں کچھ سننا گوارا نہیں تھا۔ وہ اس سے آج تک سخت ناراض تھیں۔ صرف بے حد ضروری باتیں کرتیں

یا پھر خاموش رہتیں۔

کبھی کبھی تو' آفتاب کو سخت حیرت ہوتی تھی کہ انہیں بینا پر اتنا اعتماد کس طرح ہے۔ جب کہ قریب ترین تعلق تو اس کا تھا۔ بینا کی محبت اور خدمت کا سب سے زیادہ فیض تو اس نے اٹھایا تھا' مگر جب وقت آیا تو تعلق کی وہ بنیاد جس کی مضبوطی پر دونوں ہی کو ناز تھا۔ ایک ہی جھٹکے میں ہل کر رہ گئی۔

" ارے آفتاب۔" وحید نے جیسے اتفاقاً ہی لاؤنج سے کوریڈور میں جھانکا۔" آؤ بھئی تمہارا ہی مسئلہ ڈسکس ہو رہا ہے۔ یہ اماں تو بے کار میں ہی غصے میں آجاتی ہیں۔ سیدھی سادی ہیں۔ سب کو اپنے ہی جیسا سمجھتی ہیں۔"

آفتاب نے نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور اپنے شل ہوتے جسم کو آگے کی طرف دھکیلا۔

" تم میرے بھائی ہو اور تمہارا اچھا برا سوچنا میرا فرض ہے۔ میں کیسے تمہیں ذلت اور پریشانیوں کی نذر ہوتے دیکھ سکتا ہوں۔ خدا ہی جانتا ہے' اندر ہی اندر تمہارے لیے گھل رہا ہوں۔ ایک ایک پیسہ اگر فرحت کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو میں کب کا تمہیں باہر لے جا چکا ہوتا علاج کے لیے۔"

اپنی بات کے خاتمے تک' ان کی آواز میں رقت کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔

آفتاب نے ایک خاموش سی نگاہ ان پر ڈالی۔

وہ اب جیب سے رومال نکال کر اپنی آنکھیں خشک کر رہے تھے۔

کیا صحیح' کیا غلط۔

وہ پھر سے کنفیوژن میں گھرنے لگا۔" بس رہنے دو' اپنی ہمدردی' دیکھ رکھا ہے تمہیں اچھی طرح۔" اماں کی جھنجلاہٹ اور بھی بڑھ رہی تھی۔

" دیکھ رہے ہو نا آفتاب" وہ اس کی طرف دیکھ کر ادا سی سے مسکرائے۔" اماں اور تمہاری بیوی' دونوں ہی کو مجھ سے ہمیشہ چڑھ رہی ہے۔ بس میری قسمت۔ ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر وہ اس طرح سر جھکا کر بیٹھے' جیسے ان جیسا بدنصیب کوئی اور نہیں۔"

" ایسی بات نہیں ہے' وحید بھائی۔" وہ پھر سے کسی فیصلے پر پہنچا۔" آپ اپنا دل برا نہ کریں۔ مجھے پتہ ہے' آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔"

چاروں اطراف' شک کا گہرا کہرا تھا۔

بینا کی بے غرض' خاموش محبت' کبھی کبھی ہلکی ہلکی سی کرن کی مانند لمحے بھر کو چمکتی اور پھر کہیں دور جا چھپتی۔

وحید بھائی' غصے یا طنز میں جو کچھ بھی کہتے ہیں اسی کی محبت میں کہتے ہیں۔ وہ بالآخر اسی خیال پر جمنے میں عافیت سمجھتا تھا۔ اس میں' وحید بھائی کو رعایت دینے سے زیادہ' خود اپنے آپ کو معاف رکھنے کی خود غرضی شامل تھی۔" آپ بے کار میں بینا کی سائیڈ مت لیا کریں اماں' اگر وہ اچھی عورت ہوتی تو یہ نوبت ہی نہیں آتی۔" وہ بڑی سرد مہری سے اس کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ وحید کے چہرے پر اب اطمینان تھا۔

اماں احتجاجاً اٹھ کر' اپنے کمرے کی طرف جانے لگیں' تب ہی گیٹ پر لگی بیل بج اٹھی۔

" کون آگیا اس وقت؟"

وہ ان دونوں سے ہی بات کرنا نہیں چاہ رہی تھیں' مگر بے ساختہ ہی منہ سے نکلا۔

'' میں دیکھتا ہوں، تم رہنے دو۔'' وحید تیزی سے آفتاب کو منع کرتے ہوئے اٹھے اور گیٹ کی طرف چلے گئے۔اماں تجسس میں وہیں کھڑی رہیں۔

کسی کے اندر آنے اور ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو ان کے چہرے کے تاثرات اور بھی بگڑتے سے محسوس ہونے لگے۔

'' وہی ہو گی، ثانیہ کی ممانی، اللہ جانے یہ وحید ہی اسے بلا بھیجتا ہے، یا پھر اسے ہی الہام ہو جاتا ہے کہ یہ یہاں آیا بیٹھا ہے۔''

ان کا اندازہ سو فیصد درست اور انداز ایسا تھا کہ، آفتاب کو مایوسی اور دکھ سے بھرے ان لمحات میں بھی ہنسی آنے لگی۔

ثانیہ کی ممانی ہیں، مجھے ان سے کچھ ضروری بات کرنی ہے، اسی لئے....''

آفتاب ان کی بات پوری ہونے سے قبل ہی سر اثبات میں ہلا رہا تھا۔

ممانی اور وحید کے رابطے، اب کوئی ڈھکے چھپے نہیں تھے۔اپنی بگڑی زندگی کو سنوارنے کے لیے وہ جس طرح کی تگ و دو کر رہے تھے۔آفتاب کے خیال میں یہ ان کا حق تھا۔سو وہ کبھی بھی یہ جاننے کی

کوشش نہیں کرتا تھا کہ یہاں بیٹھ کر، وہ دونوں کس قسم کی پلاننگ کر رہے ہیں۔اماں اپنے کمرے میں جا چکی تھیں اور اپنی لاتعلقی کو ظاہر کرنے کے لیے انہوں نے کمرے کا دروازہ بھی بند کر لیا تھا۔

آفتاب واپس اپنے سٹور پر جا بیٹھا۔

یہاں سے گھر کے دروازے سے آتے جاتے لوگ صاف نظر آتے تھے۔ابھی اسے تھوڑی سی دیر ہی ہوئی تھی کہ اسے وہ جاتی دکھائی دے گئیں۔پچھلے جتنے دنوں سے وہ آ رہی تھیں۔آج ان سب میں یہ مختصر ترین دورہ تھا۔

فاصلہ زیادہ نہیں تھا اور آفتاب نے، ممانی کے چہرے پر پھیلی خوشی کو صاف دیکھا تھا۔

شاید بات کچھ بن ہی رہی تھی۔آفتاب کو یہ سوچ کر بھی اچھا لگا، مگر جب وحید بھائی اسے '' خدا حافظ'' کہنے اس کے پاس آئے تو اس نے ان سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔

'' وہ لوگ اب تقریباً تیار ہی ہیں، مجھے پہلے ہی خبر تھی کہ ایسا ہی ہو گا۔دنیا میں ہر شخص کی کچھ نہ کچھ قیمت ہوتی ہے اور صحیح قیمت مل جانے پر وہ بکنے میں دیر نہیں لگاتا۔میں نے تو انہیں قیمت سے زیادہ کی آفر کی تھی۔''

ان کے چہرے پر بڑی پراسرار سی مسکراہٹ تھی۔پتہ نہیں کیوں۔

مگر آفتاب کو پھر سے ایسا لگا جیسے وہ انہیں سمجھنے میں ایک بار پھر غلطی کر رہا ہے۔

...☆☆☆...

'' مس نازنین۔''

کسی کی آواز پر اس نے سامنے پھیلے رجسٹر پر سے نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا۔

مس سلمیٰ صدیقی میز کے پاس کھڑی تھیں۔

'' آیئے مس سلمیٰ، آج فارغ ہیں آپ؟'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ پوچھنے لگی۔

"ہم تو جب چاہتے ہیں، فرصت حاصل کر ہی لیتے ہیں، پرنسپل صاحبہ کی مہربانی سے۔" اس کی نزدیکی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے، وہ لاپروائی سے بولیں۔

نازی بدستور مسکرائے گئی۔

ان کے بیان میں سو فیصد سچائی تھی۔ سکول میں گزارے اتنے برسوں میں کتنی ہی پرنسپل آئیں اور گئیں، مگر مس سلمیٰ اور گروپ کے تعلقات، ہر ایک کے ساتھ ہی مثالی رہے۔

"آپ کو تو میں سمجھا سمجھا کر تھک گئی کہ اوپر والوں سے بنا کر رکھا کریں۔ بڑی مراعات حاصل رہتی ہیں۔"

اس بار نازی ہنس پڑی۔

"میرے تعلقات، خراب تو کسی کے بھی ساتھ نہیں رہے مس سلمیٰ اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے یہاں کسی پریشانی کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا۔"

اپنی بات کے رد کئے جانے پر وہ شاید تھوڑا سا برا منا گئیں۔"آپ کیا سمجھ رہی ہیں کہ اس طرح سارا دن سر جھکائے، کام میں لگے رہنے پر آپ کو سراہا جائے گا۔ ذرا بتایئے تو آپ کو کوئی چھوٹا سا بھی فائدہ حاصل ہوا، سکول یا محکمے کی طرف سے، یہاں تک کہ کارکردگی کی رپورٹ بھی آپ کی ایوریج ہی جا رہی ہے اتنے سال سے۔"

"کیا فرق پڑتا ہے، میں اپنا کام دیانتداری سے کر رہی ہوں، کافی ہے یہی۔"

ان کے کھلے کھلے طنز کا برا منائے بغیر، وہ اسی طرح خوش دلی سے کہہ گئی اور پھر فوراً ہی پچھتائی بھی۔ یہاں "دیانتداری" کا لفظ خاصا چبھن پیدا کر سکتا تھا مگر بات منہ سے نکل چکی تھی۔

"تو ہم لوگ کیا بدنیتی سے کام کر رہے ہیں۔" ان کی خوش اخلاقی کو ایک دم دھکا لگا۔

"میرا بالکل بھی یہ مطلب نہیں، پلیز آپ خیال مت کیجئے گا۔" نازی نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے ملائمت سے کہا اور شاید اس کے لہجے میں ہی کچھ ایسا تھا جو خفگی کا پروگرام ملتوی کر گئیں۔

"اتنے عرصے سے تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہاری عادت نہیں جانتی کیا۔" انہوں نے مسکرا کر نازی کا ہاتھ تھپتھپایا۔

"لیکن میں تمہاری بھلائی کے لیے ہی کہہ رہی ہو۔ اب رعنا تو یہاں رہی نہیں، جو تمہارا خیال رکھے۔"

نازی کے چہرے کی مسکراہٹ مدھم پڑنے لگی۔

رعنا کی کمی، واقعی قدم قدم پر محسوس ہوتی تھی۔ گھر پر تو پھر بھی اتنا محسوس نہیں ہوتا تھا، مگر سکول میں تو وہ بڑی شدت سے یاد آتی رہتی تھی۔ اس کی محبت، اس کا خیال، اس کا غصہ۔

چھوٹے سے چھوٹے کام کے لئے بھی اس کا مشورہ۔

"سچ پوچھو تو میں نے تم دونوں کی دوستی پر ہمیشہ ہی رشک کیا، اتنا خلوص قسمت سے ملتا ہے۔ ورنہ یہاں تو جو خود کو دوست ظاہر کرتا ہے۔ پیٹھ پیچھے وہی دھجیاں بکھیرنے بیٹھ جاتا ہے۔" مس سلمیٰ کہہ رہی تھیں، نازی کو وہ تھوڑی اداس لگیں۔ ان کی دوستوں کا حلقہ وسیع تھا اور ابھی ابھی وہ اپنے تعلقات کی مضبوطی پر خاصے فخر کا اظہار بھی کر چکی تھیں۔

"رعنا کو میں سکول میں بہت مس کرتی ہوں لیکن ہماری دوستی، اس سے بہت آگے ہے۔ ہم لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں۔ ابھی وہ پنجاب گئی ہوئی ہے، مگر کوئی دن نہیں ہوتا جب ہماری فون پر بات نہ ہوتی ہو۔" وہ ایسے ہی انہیں رعنا کے بارے میں بتانے لگی۔ اس کے شوہر ابھی پاکستان میں ہی تھے اور ان کے واپس ملائشیا جانے کے بعد شاید رعنا کچھ دن کے لیے یہاں کراچی اپنے بھائی کے ہاں رہنے آتی۔

" رعنا خوش تو ہے نا۔" وہ نہ جانے کیوں پوچھ رہی تھیں۔

" بہت خوش، ماشاءاللہ، عبدالعزیز بہت ہی اچھے شخص ہیں۔" نازی کے لہجے میں رعنا کے لئے بات کرتے ہوئے، اب بڑی خوشی، بڑا اطمینان ظاہر ہوتا تھا۔

" چلو اس نے اپنے گھر کا سکھ تو پایا کم از کم، ورنہ چند سال اور گزر جاتے تو پھر تو امید بھی باقی نہیں رہتی۔ عورت کے پاس بہت کم وقت ہوتا ہے مس نازی خود کو سٹیل کرنے کے لیے۔"

ان کی بات میں چھپی حسرت، سمجھ میں آتی تھی۔ سکول کی سیاست، چھوٹی بڑی، بے شمار کمیٹیوں کی درجہ بندی، روزانہ نئے سوٹ کا انتخاب اور بھی دس جھمیلوں سے نمٹتی، اپنے طور پر بڑی پر ہنگم زندگی گزارتے ہوئے بھی وہ مطمئن نہیں تھیں۔

اور وہ یہاں اکیلی نہیں تھیں۔ ان جیسی کتنی ہی ٹیچرز تھیں۔ جنہوں نے زندگی کے ماہ و سال ایسی روزمرہ کے معمول کے ساتھ بسر کئے تھے۔ اپنے اپنے گھروں کی مالی اعانت، کرتے کرتے یا پھر صورت شکل کی کمی کو بھاری جہیز کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کرنے میں، وقت تیزی سے ان کے ہاتھوں سے پھسلا تھا۔

" آپ بھی اپنے بارے میں سنجیدگی سے فیصلہ کر ڈالیں۔ مس نازنین، ورنہ عمر بھر کے پچھتاوے مول لے لیں گے۔"

نازی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

ان کی گول گول ہمہ وقت چمکتی آنکھوں میں اس وقت بڑی نم نم سی کیفیت تھی اور ان کے لہجے میں کسی ہلکے سے طنز کا بھی شائبہ نہیں تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

" اور ان کی بات اتنی غلط بھی نہیں تھی۔ وہ بھی تو آخر ان سب میں سے ہی ایک تھی۔" ذرا بھی برا مانے بغیر اس نے حقیقت پسندی سے دل میں تسلیم کیا۔

ابھی تو دیا کی شادی سر پر ہے، مس سلمیٰ، اس سے فارغ ہو جائیں تو پھر اپنے بارے میں بھی سوچتے ہیں۔" ایک ہلکے سے سر اٹھاتے کمپلیکس سے بچتے ہوئے وہ خوش دلی سے بولی۔

" پہلے نینی، پھر دیا، تمہاری امی کو سب سے پہلے تمہاری فکر کرنی چاہیے تھی۔ لیکن المیہ یہی ہے کہ جو سب سے بے غرض ہوتا ہے۔ اسی کی طرف سے سب سے زیادہ لاپروائی برتی جاتی ہے۔" آپ "سے" تم، نازی کو لگا جیسے وہ زیادہ ہی پرسنل ہوتی جا رہی ہیں۔

پیریڈ اوور ہونے کا گھنٹہ بج رہا تھا اور اب چند منٹوں میں ہی سٹاف روم بھر جانا تھا۔

" آپ دیا کی شادی میں ہماری طرف سے شریک ہو رہی ہیں، یہ یاد رکھیئے گا۔" اس کی فطری مروت انہیں ٹوکنے کی بھی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ سو بہتر یہی تھا کہ موضوع بدل دیا جائے۔

نازی نے پین بند کر کے، سامنے رکھے رجسٹر کو بھی بند کیا۔ آج اس کے پاس تھوڑا سا ٹائم فارغ تھا۔ سوچا تھا کہ کچھ کام نمٹا لیا جائے، مگر مس سلمیٰ کی آمد سے یہ بھی ممکن نہیں ہو سکا۔

" ہاں ضرور، وہ عمر بے مروت تو منگنی کروا کر ہمارے گھر کا راستہ ہی بھول چکا ہے۔ پہلے تو بہت سلمیٰ آپا، سلمیٰ آپا کرتا تھا۔ ظاہر ہے اب کام جو نکل گیا۔

وہی تھیں، جن کے ذریعے عمر نے کامیابی کی اس ابتدائی مہم کو سر کیا تھا۔ سو وہ اپنے اس احسان کو نہ بھولنے پر تیار تھیں اور نہ کسی کو بھولنے دیتی تھیں۔

نازی مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسٹاف روم میں ٹیچرز آنا شروع ہو گئی تھیں۔

" اب تو بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ میں نے چھٹی کی درخواست بھی دے دی ہے۔ گھر میں کام بہت بڑھ گیا ہے۔" سرسری سے انداز میں انہیں بتاتی ہوئی وہ باہر چلی آئی۔

نویں کلاس میں اب اسی کے لگاتار دو پیریڈ تھے۔

" مس سلمیٰ کی نصیحتیں اور ان کے تجزیہ۔" ٹھنڈے اور روشن برآمدے طے کر کے سیڑھیوں کی طرف مڑتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں ہنسنا چاہا۔

کچھ تھا' جو دل میں چبھا رہ گیا تھا۔

بات محض زندگی کی دوڑ میں' کہیں پیچھے رہ جانے کی نہیں تھی۔" اصل میں تو لوگ اب اس کو رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔"

ان کی بات سے اہانت کا احساس جاگا تھا۔ رعنا نے ابھی پچھلے سال شروع ہونے والی کمیٹیوں کے شروع ہونے پر صاف لفظوں میں کہا تھا کہ یہ سارا پیسہ جو وہ دیا کی شادی پر خرچ کرے گی۔ اسے اتارنے میں اگلے تین چار سال درکار ہوں گے۔

مگر وہ یوں ہی ہنسی میں اڑا گئی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔"

" اور واقعی ابھی بھی کیا فرق پڑتا ہے۔" اس نے پوری شدت سے خود کو اسی خیال پر ٹھہرایا۔

" شادی کا نہ ہونا' یا دیر سے ہونا' ایک بڑی کمی سہی' مگر اسے کسی روگ کی طرح دل سے لگا لینا بھی بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔ تھوڑی مثبت سوچ رکھ کر' زندگی کو بہتر طریقے سے گزارا بھی جاسکتا ہے۔"

سیڑھیوں کو طے کرتے ہوئے' وہ اپنی فطری خوش امیدی کے بل پر' اس چبھن کو دل سے نکال چکی تھی۔

چھٹی تک لگاتار پیریڈ لینے پڑے اور جب وہ گھر پہنچی تو ایک بڑا سرپرائز موجود تھا۔

وہاں نینی آئی ہوئی تھی۔

امی کے کمرے کی بڑی مسہری کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی' وہ اتنی مختلف اور اجنبی سی لگ رہی تھی کہ ایک بار تو' نازی بھی اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

زردی مائل رنگت' آنکھوں کے گرد گہرے ہوتے حلقے' کمزوری اس کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔

نازی کو دیکھتے ہی' وہ ملنے کے لئے بے ساختہ کھڑی ہونے لگی تو نازی کو اس کی بے ہنگم جسامت کا اندازہ ہوا۔

"کیا حال بنا لیا ہے اپنا اور ہم کیا بالکل بھی یاد نہیں آتے جو ہر رابطہ ختم کر رکھا ہے۔"

نازی کا دل بھر رہا تھا۔ نینی سے کوئی بھی گلہ شکوہ نہ کرنے کا' جو ارادہ وہ ہمیشہ کرتی تھی۔ اس وقت اسے دیکھ کر یاد بھی نہ رہا تھا۔

سمیع کی شاندار کامیابی' پھر اس کی جاب اور دیا کی تاریخ کا رکھا جانا۔

گھر میں خوشی کے کتنے ہی موقع آئے' مگر وہ کسی میں بھی تو شریک نہیں ہوئی تھی۔

" تھوڑی پریشانیاں ہیں نازی آپا" پھر طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے' اس لئے بس۔" پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ گول مول سی صفائی پیش کررہی تھی' جو یہاں کسی کے لئے بھی قابل قبول نہیں تھی۔" پریشانیاں انسان اپنوں کے ساتھ ہی شیئر کرتا ہے' آنہیں سکتی تھیں تو کم از کم فون تو کر سکتی تھیں۔ہم تو جتنے بھی فون کرتے ہیں۔تمہارے پڑوسی بلانے سے صاف منع کر دیتے ہیں۔شاید تم نے ہی انہیں منع کرر کھا ہے۔"

امی جو اس کی طویل غیر حاضری سے سب سے زیادہ پریشان تھیں۔اس کی آمد سے اطمینان پاکر' اب خفا ہونے کی تیاری میں تھیں۔سب سے زیادہ غصہ انہیں' فیضی کے روّیے پر تھا۔

" اور وہ تمہارا میاں' جو بڑے دعوئوں سے لے کر گیا تھا۔اب کیوں منہ چھپائے پھرتا ہے۔اس روز سلام کرنے تک کی زحمت گوارا نہیں کی اس نے' اتنی شرم والا ہے تو وہاں کیوں ڈال رکھا ہے تمہیں' اپنے ماں باپ کے گھر لے کر کیوں نہیں جاتا۔"

نازی کے منع کرنے کے باوجود بھی' وہ مستقل ہی بولے گئیں۔" دیکھ لیجئے۔"نینی نے نازی کی طرف دیکھا۔" اسی لئے فیضان کو نہیں لاتی کہ امی ان کے سامنے بھی یہی باتیں لے بیٹھیں گی۔"

" جھوٹ مت بولو نینی' فیضان ہم لوگوں سے ملنا ہی نہیں چاہتا ہے۔اس کے خاندان والوں نے تو خود اسے چھوڑا ہے' لیکن تم سے تمہارا خاندان وہ چھڑوانے پر تلا ہوا ہے۔"

نینی کی زبوں حالی پر ان کا دل چاہے جتنا بھی دکھ رہا تھا لیکن بظاہر انہوں نے اب تک ایک بھی آنسو آنکھ میں آنے نہیں دیا تھا۔

نینی کے لئے یہ سب متوقع تھا۔سو وہ سر جھکائے سنے گئی۔وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئی تھی اور جلد ہی واپس جانا چاہ رہی تھی۔

اتنی جلدی واپسی کا سن کر امی بھی خاموش سی ہو گئیں۔نازی کھانا گرم کرنے کے لئے کچن میں آئی تو وہ اس کے پیچھے آئیں۔

" نینی کی حالت بہت خستہ ہو رہی ہے۔میرا دل چاہ رہا ہے کہ اسے کچھ پیسے دے دوں تم بتائو۔"

سالن ڈونگے میں نکالتے ہوئے' نازی نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

" جیسا آپ کا دل چاہتا ہے کریں اور نینی کوئی ہم سے الگ تھوڑی ہے امی۔" وہ ان سے کہہ کر دوبارہ سالن کی طرف متوجہ ہو گئی۔

چند لمحوں کے لئے تو وہ یوں ہی خاموش سی ہو گئیں' جس طرح نازی نے اپنی ساری آمدنی کا کل اختیار انہیں ہمیشہ دیئے رکھا تھا۔ایسا تو انہیں کبھی بشارت صاحب سے بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔

" اور پلیز اسے اتنا مت ڈانٹیں' میں تو شکر کر رہی ہوں کہ وہ آئی تو سہی' ورنہ تو اس کو دیکھنے کے لئے بھی ہم ترس کر رہ گئے تھے۔" ان کی طرف سے پشت کیے نازی سمجھائے گئی۔

" جو اپنی من مانیاں کرتے ہیں بیٹا' انہیں ایسے ہی حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔جن کی توقع بھی نہیں ہوتی۔نینی اپنا بویا ہوا ہی کاٹ رہی ہے۔ہم کیا کر سکتے ہیں' اب اس کے لئے۔"

وہ ہلکے سے بولیں' بشارت صاحب کو نینی کے لیے موردالزام ٹھہرانا' انہوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا۔فیضی کے روّیے نے ان کا دل بری طرح توڑا تھا۔

" امی۔" نازی مڑ کر ان کے قریب چلی آئی۔" ہم نینی کی پریشانی کو کچھ تو کم کر ہی سکتے ہیں۔ فیضی بے روزگار ہے۔ چھوٹی موٹی نوکری سے گزارا کرنا آسان نہیں ہے۔ آپ اسے ضرور پیسے دیجئے' حالانکہ وہ بڑی مشکل سے لے گی۔

" اتنی گرمی میں' وہ جارجٹ کا سوٹ پہنے ہوئے ہے۔ اس کے پاس موسم کے لحاظ سے کپڑے بھی نہیں ہیں۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ عمر کو لے کر' فیضان کے باپ کے گھر جائوں' آخر کیسے بے حس لوگ ہیں وہ۔"

امی کو نازی سے بڑی مورل سپورٹ ملی تھی۔

" ایسا غضب مت کیجئے گا۔ وہ دونوں بے چارے پہلے ہی کم پریشان ہیں؟" دیا کی شادی خیریت سے ہو جائے' اس کے بعد نینی کے مسئلہ کو چھیڑیئے گا۔"

ملائمت سے وہ انہیں سمجھائے گئی۔

نینی بمشکل کھانے کے لئے رکی تھی۔

فیضان کے آنے سے پہلے وہ واپس گھر پہنچنا چاہ رہی تھی۔

" یہاں ابا اور وہاں فیضی' دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں نازی آپا اور میں ان دونوں کے بیچ پس رہی ہوں۔ فیضی کو یقین ہے کہ ابا نے پوری پلاننگ کے ساتھ' ہماری زندگی برباد کی ہے۔" جو کچھ وہ فیضی کے منہ سے صبح شام سن رہی تھی۔ وہی نازی سے کہہ ڈالا۔

کمرے میں اس وقت وہ تینوں بہنیں ہی تھیں۔" غلط نہیں کہتا' ابا ہی ہیں' جو الٹا سیدھا فیصلہ کسی کے لئے بھی..." دیا نے تیزی سے اپنی بات پوری کرنی چاہی تھی' مگر نازی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

" تم خود کیا سمجھتی ہو نینی' کیا واقعی ابا ہی تمہاری پریشانیوں کی وجہ ہیں۔ سچ سچ بتائو پلیز۔" اس کی نگاہ نینی کے چہرے پر جمی تھی۔

کمرے میں چند لمحوں کے لئے بڑی بوجھل خاموشی اتری۔ نینی کا سر ہلکے سے نفی میں ہلا اور جھک گیا۔ نازی نے ایک گہری سانس اندر اتاری۔

" لیکن میں یہ بات نہیں کہہ سکتی ہوں۔ مجھے فیضی کی بات کا پاس رکھنا ہے نازی آپا۔ اسی نے میرے لئے بہت کڑی پریشانیاں اٹھائی ہیں۔ اب وہ صحیح کہے یا غلط' مجھے تو ماننا ہی ہے۔"

نازی نے محبت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

" یہ وقت بھی نکل جائے گا نینی' تمہیں جو بہتر لگتا ہے وہی کرو۔ لیکن خود کو کبھی اکیلا مت سمجھنا۔ ہم سب تمہارے ہیں اور تمہارے لئے بے حد فکر مند رہتے ہیں۔"

نینی کا دل بڑے زور سے کانپا۔

ان محبت بھرے رشتوں سے محرومی' سب سے بڑی قیمت تھی جو اس نے فیضی کو پانے کے لئے ادا کی تھی۔

" ان فکر مندوں" میں سے آپ ابا کا نام تو کاٹ ہی دیں نازی آپا' انہوں نے کم از کم کبھی اپنی کسی بھی اولاد کی فکر نہیں پالی ہے۔"

نینی اور نازی نے بیک وقت ہی دیا کی طرف دیکھا۔" ٹھیک تو کہہ رہی ہوں' کبھی انہوں نے نینی کی خیریت تک دریافت کی کسی سے' اس کا نام تک لینا وہ بھول گئے ہیں۔ شادی کیا ہوئی' ان سے ہر ایک رشتہ اس کا ختم ہو گیا۔"

دیا کی صاف گوئی کے وہ سب عادی تھی، مگر اس وقت وہ تکلیف دہ حد تک بڑھ رہی تھی۔

نینی کے زردی مائل چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔

نازی کو لگا کہیں وہ رونے نہ لگے، وہ جس شدید دباؤ سے گزر رہی تھی۔ اس میں حوصلہ ختم ہو جانا عام سی بات تھی۔

مگر وہ ساکت سی نگاہوں سے دیا کو دیکھے گئی۔

فیضی جس طرح کے الفاظ استعمال کرتا تھا۔ ان کے مقابلے میں تو دیا کی بات کچھ بھی نہیں تھی۔

نازی دیا پر ناراض ہونے لگی تو نینی کو مداخلت کرنی پڑی۔ " چھوڑیں نازی آپا، مجھے کیا پتہ نہیں کہ ابا اپنے بچوں میں سب سے زیادہ مجھ سے ہی محبت کرتے ہیں۔ میری ضد کو پورا کرنے کے لیے، وہ جس تکلیف سے گزرے ہیں۔ اس کے بعد ان کی خفگی جتنی بھی ہو کم ہے۔ بس دعا کریں۔ میں کبھی نہ کبھی ان کی محبت دوبارہ حاصل کر لوں۔"

نازی نے بہت حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

اتنا تو ہوا کہ اسے فیضان کی آندھی کی طرح اڑاتی محبت کے علاوہ بھی کچھ اور نظر آنے لگا تھا۔

ابا کی محبت تمہیں ہمیشہ حاصل رہے گی نینی، وہ صرف وقتی طور پر ناراض ہیں، تم الٹا سیدھا کچھ مت سوچو، بس خوش رہا کرو۔"

" اس ماحول میں جہاں یہ رہ رہی ہے، وہاں کون خوش رہ سکتا ہے نازی آپا، یہ تو خود کو دھوکا دینے والی بات ہوگی۔ دیا کی بات رد ہوئی تھی، سو جھنجلائی ہوئی تھی۔

نینی ہلکے سے ہنس پڑی۔

" مجھے چھوڑیں، اب تو آپ اپنی بات کریں۔ تھوڑے سے ہی دن رہ گئے ہیں آپ کے " رحمت منزل " سدھارنے میں، فیضی بہت تعریف کرتے ہیں عمر بھائی کی، کہتے ہیں تمہاری بہن بہت لکی ہے، جو اسے اتنا اچھا لڑکا مل رہا ہے۔"

" اچھا " " رحمت منزل " خوش قسمتی کی دلیل ہے۔

" فیضان کے لیے، اس لیے کہ وہ ان کے خاندان کی جائیداد ہے۔"

دیا بات کو کہاں سے کہاں لے جانے لگی۔

" رحمت منزل کا یہ کیا ذکر، بات تو عمر بھائی کی ہو رہی ہے۔ شادی آپ کی ان سے ہو رہی ہے یا ان کے گھر سے۔"

اس کی عادت سے واقف ہوتے ہوئے بھی نینی نے اسے سمجھانا چاہا۔

" گھر بھی دیکھا جاتا ہے اور عمر نے دوسرا گھر لے لیا ہے۔ ایک مہینے بعد، وہاں شفٹ ہو جائیں گے یہ لوگ۔"

امی کمرے میں آتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے نینی کی بات سن لی تھی۔ " میں نے تمہارا حال دیکھ کر ہی نیت پکڑی، خود کہا عمر سے گھر کا انتظام کرنے کو۔"

" آپ نے خود۔" نینی نے پریشان ہوتی نگاہوں سے پہلے امی اور پھر نازی کی طرف دیکھا۔

نازی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اطمینان دلایا۔ اگر ایسا کر لینے سے ان میں اتنی مثبت تبدیلیاں آ رہی تھیں تو فی الحال اسے نظر انداز ہی رکھنا چاہیے تھا۔

امی نینی کو دیا کے لیے ہونے والی تیاریاں دکھانا چاہ رہی تھیں، مگر اسے پہلے ہی دیر ہو چکی تھی۔ پھر بھی کھڑے کھڑے اس نے کئی سوٹ دیکھ لیے۔

"دیا وہ پنک اور اورنج سوٹ لا کر دکھانا' جو تمہاری الماری میں رکھے ہیں۔" امی مڑ کر دیا سے کہنے لگیں۔ دیا نے ایک نظر' اٹھتے ہوئے' بیڈ پر پھیلے ان خوش رنگ جگمگاتے ہوئے کپڑوں پر ڈالی۔

اس کے سارے ہی کپڑے' ایک سے بڑھ کر ایک تھے بلکہ کپڑے ہی کیا' ہر شے میں ایک خاص اسٹینڈرڈ کا خیال رکھا گیا تھا۔ امی اور نازی دونوں ہی اس کی نکتہ چین طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی۔ سو کوئی کسر باقی نہیں رکھی جا رہی تھی۔ گھر میں' شادی کے گھر کی مخصوص فضاء پوری طرح محسوس ہونے لگی تھی۔

"تمہارے ابا نے تو سارے کارڈ لکھ کر بھی رکھ لیے ہیں۔ شاید کچھ بانٹ بھی دیئے ہوں۔"

دیا نے کمرے سے نکلتے ہوئے امی کو کہتے سنا۔

کبھی کبھی تو بالکل ایسے لگتا جیسے' یہ سب کسی اور کے لیے کہا اور سنا جا رہا ہو اور دھوم دھام سے ہونے والی اس شادی سے خود اس کا کوئی بھی تعلق نہ ہو۔

بے حسی کی کیسی گہری کہر تھی جو ٹوٹتی ہی نہیں تھی۔ کسی کسی وقت تو اسے خود اپنے آپ سے خوف آنے لگتا تھا۔

دونوں سوٹ سامنے ہینگر میں لگے ہوئے تھے۔ یہ چند بے حد خاص سوٹوں میں سے تھے اور ان کی خوبصورتی منہ سے بول رہی تھی۔ الماری سے نکالتے ہوئے دیا کی نگاہیں بے ساختہ ہی ان پر جم کر رہ گئیں۔

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ان کو دیکھ کر خوشی سے بے حال ہو رہی ہوتی' مگر اب تو ہر اچھی چیز' نہ جانے کیا کیا یاد دلا رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ چند لمحے کھوئی کھوئی نگاہوں سے دیکھے گئی اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لیتی ہوئی باہر برآمدے میں نکل آئی۔

رنگین شیشوں والی ساری کھڑکیاں' دوپہر کی وجہ سے بند تھیں' تب ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

فون کی ایک ایکسٹینشن برآمدے میں رکھی ہوئی تھی۔

جب سے اس کی منگنی عمر کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ فون اٹھانے سے بڑی سختی کے ساتھ پرہیز کرنے لگی تھی۔ اس کو جھیلنا ہمیشہ ہی مشکل ہوتا تھا۔

مگر اس وقت وہ بالکل فون کے قریب کھڑی تھی اور باقی سب امی کے کمرے کا دروازہ بند کیے بیٹھی تھیں۔

"شاید سمیع کا فون ہو۔" وہ یہی سوچ کر قریب آئی۔ جس سے سمیع کی جاب شروع ہوئی تھی۔ وہ دن میں ایک آدھ بار آفس سے گھر ضرور فون کر لیتا تھا۔

"ہیلو۔" دیا نے یہی دعا کرتے ہوئے فون اٹھایا تھا کہ دوسری طرف وہی ہو۔

لیکن وہاں وہ تھا' جس کی امید اب وہ خواب میں بھی چھوڑ چکی تھی۔

"ہیلو' دیا' مسعود بات کر رہا ہوں۔"

وہ آج بھی محض "ہیلو" پر اس کی آواز پہچان چکا تھا۔

ایک لمحے کے لیے تو اسے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا۔

ہاتھ میں تھامے' وہ جھلملاتے قیمتی لباس اس کے ہاتھ سے پھسلے اور فرش پر آ گرے۔

"ہیلو' دیا' تمہیں میری آواز آ رہی ہے نا' ہیلو... ہیلو۔" مسعود کے لہجے کی بے تابی واضح تھی۔

دیا کے لب سختی سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے' آنکھ سے گرتی آنسو کی ایک لمبی سی لکیر اس کے چہرے کو بھگوتی ہوئی پھسل رہی تھی۔ کتنے ہی لمحے گزرے' دوسری طرف وہ شاید اس طویل خاموشی سے ہی مایوس ہو کر فون بند کر چکا تھا۔

وہ پھر بھی ریسیور کان سے لگائے کھڑی تھی۔

" دیا" امی کے کمرے کے دروازے میں سے نازی نے جھانک کر اسے پکارا۔ " کہاں رہ گئی ہو' نینی کو دیر ہو رہی ہے۔" اپنی بات کہتے ہوئے' اس کی نگاہ زمین پر ڈھیر کی صورت پڑے کپڑوں پر گئی تھی۔

...☆☆☆...

نازی نے اٹھ کر' کھڑکی کے پردے برابر کیے اور پھر واپس دیا کے پاس آ بیٹھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر بخار کے بعد کی نقاہت نمایاں ہو رہی تھی۔

نازی نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اطمینان کرنا چاہا' چار' پانچ دن کے تیز بخار کے بعد' آج اس کی طبیعت کچھ بہتر تھی۔

" دیا۔" اس نے تھوڑا سا جھک کر پکارا' مگر اس کی پلکوں میں جنبش بھی نہیں ہوئی۔ دوائوں کے زیر اثر وہ اب تک گہری نیند میں تھی۔

نازی آہستہ قدموں سے کمرے سے باہر چلی آئی۔

سامنے امی کھڑی کسی سے فون پر بات کر رہی تھیں۔

جب تک وہ ان کے قریب پہنچی' وہ فون بند کر چکی تھیں۔

" نینی کا فون تھا' دیا کی طبیعت پوچھ رہی تھی۔" وہ اسے بتانے لگیں۔ اس روز نینی کے سامنے ہی' اس کی طبیعت خراب ہونی شروع ہوئی تھی' جو بعد میں رات تک تیز بخار میں بدلتی چلی گئی تھی۔

" ویسے کہاں کرتی تھی نینی فون' مگر اب دیکھ لو بہن کی طبیعت خراب ہے تو روزانہ ہی پوچھ رہی ہے۔ یہ رشتے ختم ہونے والے تھوڑی ہیں۔"

وہ امی کے ساتھ ہی ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ یہاں عجیب سی بے ترتیبی پھیلی ہوئی تھی۔ دیا کی بیماری کے ساتھ ہی' شادی کی تیاریاں یک دم منقطع ہو چکی تھیں۔

بیمار کی تیمار داری کے ساتھ ساتھ' عیادت کے لیے آنے والوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ امی اور نازی دونوں ہی کو سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملی تھی۔

عمر' نانی' فرح' اسماء پھوپھو اور تو اور سلمیٰ صدیقی بھی اس اچانک بیماری کی اصل وجہ جاننے کے لیے چلی آئی تھیں۔

" اصل میں آج کل' گھر میں کام کا پریشر بھی بہت ہو رہا ہے اور پھر دیا کچھ کھاتی' پیتی بھی نہیں ہے۔ کمزوری بڑھ گئی ہے۔ اسی لیے بس بخار' سر میں درد' چکر' نازی نے سب کو ایک سانپا تلا جواب دیا تھا۔

امی کا خیال قدرے مختلف تھا۔ ان کے خیال میں یہ سارا " نظر" کا چکر تھا۔

دیا کے حسن میں تو کیا کلام تھا۔ اس پر کافی عرصے سے خود پر طاری کی ہوئی اداسی نے اس کے حسن میں سوز کا جو سلگتا ہوا رنگ پیدا کیا تھا۔ وہ الگ جادو جگاتا سا محسوس ہوتا تھا۔ وہ خاموش بھی بیٹھی ہوتی تو نگاہ بار بار اسی کی طرف اٹھتی تھی۔ ایسے میں اگر امی کو یقین ہو رہا تھا کہ اسے سو فیصد کسی کی نظر لگی ہے تو کیا غلط تھا۔ سب ہی متفق ہو رہے تھے۔

نانی بے چاری تو اس کی نظر بھی اتار کر گئی تھیں۔ عمر بھی دو بار آیا تھا۔ شادی میں تھوڑا ہی وقفہ رہ جانے کی بناء پر' اس کی دیا تک رسائی تو ممکن نہیں ہو سکی۔ سو وہ ڈائننگ ہال میں ہی گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر چلا گیا تھا۔ فون البتہ روزانہ دو' تین بار کرتا' بہت کوشش کے باوجود بھی نازی اس کی دیا سے بات نہیں کروا سکی تھی' جس پر وہ خاصا مایوس بھی ہوا تھا۔

'' سارا کام بیچ میں رک گیا' اب شکر ہے دیا کی طبیعت سنبھلنا شروع ہوئی ہے۔ ورنہ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ اتنا تیز بخار تو اسے کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔'' امی چیزیں سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

'' لیکن وہ تو اب تک ڈری ہوئی ہے۔'' نازی نے بمشکل ہی خود کو یہ کہنے سے روکا' حقیقت یہی تھی۔

اس دوپہر' دیا کے ہاتھ سے گرا فون کا ریسیور' اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ اور زمین پر ڈھیر کی صورت گرے وہ جھلملاتے کپڑے۔

کچھ بھی تو اس کے ذہن سے محو نہیں ہو سکا تھا۔ جب وہ بھاگ کر دیا کے پاس پہنچی تھی اور جواب میں اس نے صرف یہ کہا تھا کہ اس کے سر میں بہت زور کا درد اچانک ہی شروع ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں امی اور نینی نے اس کی بات پر کتنا یقین کیا تھا' مگر اسے تو نہ جب یقین آیا تھا اور نہ اب دل ماننے کے لیے تیار تھا کہ یہ سارا سلسلہ صرف ایک سر کے درد سے شروع ہوا تھا۔

'' تھوڑی دیر پہلے تمہاری پھوپھو کا بھی فون آیا تھا۔'' امی کو یاد آیا۔ جب سے مسعود اور دیا کی منگنی ختم ہوئی تھی۔ اسماء پھوپھو کے ساتھ امی کی دیرینہ محبت بھی اختتام پذیر ہوئی تھی۔ اب تو وہ ان کا نام لینے سے بھی گریز ہی کرتی تھیں۔ '' تمہاری پھوپھو یا آپ کی بہن'' کہہ کر ہی کام نکالنے کی کوشش کرتی تھیں۔

'' آج پھر آنے کا کہہ رہی تھیں۔ میں نے تو بہت ٹالنے کی کوشش کی' مگر انہیں تو محبت جتانے کا کوئی موقع چاہیے۔ خوامخواہ کا دکھاوا' جیسے ہم سمجھتے ہی نہیں۔'' امی اس کے قریب آ کر بیٹھ چکی تھیں۔

اسماء پھوپھو سے ان کی خفگی' بدگمانیوں کی انتہا کا سبب بن چکی تھی۔ نازی خاموشی سے سنتی رہی اور جب وہ ذرا خاموش ہوئیں تو بڑی ملائمت سے بولی۔

'' آنے دیں امی' اب تو ویسے بھی وہ کم ہی آتی ہیں اور محبت تو خیر وہ ہم سب سے بہت کرتی ہیں' ہمیشہ سے۔'' اپنی صاف گوئی کی عادت سے مجبور ہو کر وہ اسماء پھوپھو کی حمایت کر رہی گئی۔ امی کو ظاہر ہے برا لگنا ہی تھا۔

'' محبت کا اتنا بڑا ثبوت پیش کر تو دیا انہوں نے' اپنے بھائی کی عزت کا خیال تک نہیں کیا۔ کتنے سال پرانی منگنی توڑ ڈالی۔ اب اسی لیے تو آتی بھی نہیں کہ اب ان کا ہم سے کوئی کام نہیں آٹکا ہوا۔'' ان کا نقطۂ نظر وہی تھا جو اس دن قائم ہوا تھا جس دن دیا اور مسعود کی منگنی ٹوٹنے کا وہ افسوسناک واقعہ پیش آیا تھا۔ امی میں مثبت بدلاؤ آیا تھا' مگر ہر ایک کے لیے نہیں۔

'' آپ ہر وقت ٹینشن مت لیا کریں' جو ہونا تھا ہو گیا' بار بار ان ہی تکلیف دہ باتوں کو دہرانے کا فائدہ بھی کیا ہے۔ کبھی کبھی جو چیز ہمیں سخت تکلیف پہنچانے کا سبب بنتی ہے۔ آگے کہیں آ کر' اسی سے کوئی ہمیشہ قائم رہنے والی خوشی پھوٹتی ہے۔ اب اگر مسعود نے منگنی توڑی تو ہمیں عمر جیسا اچھا لڑکا ملا ناں۔ آپ سچ بتائیں' ہر لحاظ سے وہ مسعود سے اچھا ہے یا نہیں۔''

وہ انہیں دھیرے دھیرے سمجھائے گئی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن دل کو ملال تو ہوتا ہی ہے۔ اچھا یہ تم عمر کا نام کیوں لیتی ہو۔ تم سے تو اچھا خاصا بڑا ہے۔" نازی ہنس پڑی۔

"میں کون سی بچی ہوں' اچھی خاصی عمر ہو گئی ہے میری اور دیا اور نینی کی بڑی بہن ہوں۔ ان کے شوہروں سے تو رشتے میں بڑی ہوئی نا۔"

سرسری انداز میں بات کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ "میں ذرا دیا کو دیکھ لوں' شاید وہ اٹھ گئی ہو۔" کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے مڑ کر امی سے کہا۔

نہ وہ ایج کمپلیکس میں گرفتار لڑکی تھی اور نہ ہی اب تک شادی نہ ہونے کا غم' اس نے دل سے لگا کر رکھا ہوا تھا۔ پھر بھی امی آج کل اس کی طرف سے جتنی حساس ہو رہی تھیں۔ سرسری سے انداز میں کہی' اس بات پر ایک بار پھر گہرے احساس جرم کا شکار ہونے لگیں۔

"کیسی غفلت کا شکار رہی تھیں وہ' لاکھ تقدیر کا لکھا کہہ دیں' مگر جواب دہ تو خود بھی تھیں۔"

انہوں نے چپکے سے گیلی ہوتی آنکھیں خشک کیں۔

باہر کے روشن منظر سے اندر نیم تاریک کمرے میں آکر چند لمحوں کے لیے تو جیسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ نازی سے سوئچ بورڈ کی طرف اندازے سے ہاتھ بڑھا کر سوئچ آن کیا تو کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔ دیا جاگ رہی تھی۔ پوری آنکھیں کھولے وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب' آج تو بہت سوئی ہو صبح سے۔" نازی محبت سے کہتی ہوئی اس کے قریب آ بیٹھی۔

"مجھے تو لگ رہا ہے' میں سو ہی نہیں پا رہی ہوں۔" بیڈ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے' وہ تھوڑا سا اٹھ کر بیٹھنے لگی تو نازی نے سہارا دیا۔

"جتنی دیر آنکھیں بند کیے رہتی ہوں' ذہن میں جیسے کوئی فلم سی چلتی رہتی ہے۔ پتہ نہیں کیا کیا دکھائی دیتا ہے' کتنے چہرے کتنے واقعے۔"

اپنے سامنے کسی نہ دکھائی دینے والے نقطے پر نگاہ جمائے' وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"کبھی کبھی ایسا ہونے لگتا ہے اور خود مجھے بھی کسی دن تو صبح اٹھ کر ایسا لگتا ہے جیسے میں رات کو سوئی ہی نہیں ہوں ساری رات' ایک کے بعد ایک خواب دکھائی دیتا ہے اور تیز بخار میں تو انسان ویسے ہی' پتہ نہیں کیسی عجیب سی کیفیت میں گم رہتا ہے۔" نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے نازی اسے سمجھائے گئی۔

دیا خاموش رہی۔ چہرے پر وہی بے تاثر سی کیفیت برقرار تھی' جس سے سامنے والے کو خواہ مخواہ ہی ایسا لگتا تھا جیسے اس نے ایک لفظ بھی نہ سنا' نہ سمجھا۔

"تم اپنے آپ کو ریلیکس رکھا کرو۔ نئی زندگی کی شروعات ہونے والی ہیں۔ کتنے کام کرنے سے رہ گئے۔"

"آپ کو یقین ہے نازی آپا کہ یہ میری زندگی کی نئی شروعات ہیں۔" عجیب سی نگاہوں سے اس نے نازی کی طرف دیکھا۔

"ہاں' وہ تو ظاہر ہی ہے۔" نازی کچھ گڑبڑا سی گئی۔

"اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ سب تیاریاں مکمل ہیں۔ ابا نے تو شاید کارڈ بانٹنے شروع بھی کر دیئے ہیں۔ پھر کیوں ایسی الٹی سیدھی باتیں۔۔۔"

"کسی بھی یقین کے ٹوٹنے کا سب سے زیادہ امکان اسی وقت ہوتا ہے جب انسان اس کے بارے میں سب سے زیادہ پر امید ہوتا ہے۔"

وہ جیسے کسی اور دھیان میں ڈوبی کہہ رہی تھی۔ نازی نے بہت چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کچھ تھا جس نے دل پر ہلکا سا سہم طاری کیا تھا۔ "مطلب کیا ہے تمہارا دیا' کھل کر بات کیوں نہیں کرتی ہو۔"

نازی کے لہجے میں ہلکی سی سختی خود بخود آنے لگی۔ چند لمحوں کے لیے وہ بھولنے لگی کہ دیا ابھی مکمل طور پر ٹھیک بھی نہیں ہوئی ہے۔

"کیا ہے تمہارے دل میں کیوں تم پہیلیوں میں بات کرتی ہو۔" بہت کم ہی وہ اسے طرح غصے میں آتی تھی۔

"میں نے ایسے ہی کہا ہے کوئی خاص مطلب نہیں ہے۔"

"مطلب ہے' بار بار اس طرح کی باتیں..." نازی کو لگ رہا تھا جیسے اب اس کے اعصاب جواب دے رہے ہیں۔ دیا نے اس کے اس اچانک آنے والی غصے کو خاموشی سے جھیلا اور جب وہ چپ ہوئے تو ہلکے سے بولی۔

"مسعود نے اس وقت امریکہ میں شادی کر لی تھی۔ جب میں پورے یقین کے ساتھ اس کی آمد کے دن گن رہی تھی۔ ایک بار بھی' بھولے سے بھی مجھے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ سکتا ہے۔ یقین کی اس سے گہری صورت کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی نازی آپا' لیکن وہ ٹوٹا ناں۔ نازی کا سانس سا رکنے لگا۔ مسعود کا نام گھر میں کب کا ممنوع قرار دیا جا چکا تھا۔ دیا کے سامنے تو خاص طور پر احتیاط رکھی جاتی تھی اور اس طرح فرض کر لیا گیا کہ مسعود کا قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے' مگر ایسا نہیں تھا۔ دیا کی آنکھوں میں یہ غم روز اول کی طرح تازہ تھا۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ بہت اچانک ہی نازی کو ایک انتہائی تکلیف دہ وہم نے ستایا۔ اتنا ناقابل یقین کہ وہ خود حیرت زدہ سی رہ گئی۔

"دیا۔"

اندر ہی اندر خود کو کمپوز کرتے ہوئے' اس نے بہت دھیان سے دیا کے چہرے پر نگاہیں جمائیں۔

"اس روز کس کا فون آیا تھا۔"

خود کو نارمل رکھنے کی پوری کوشش کے باوجود' نازی کو لگا جیسے اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تو آ ہی گئی تھی۔ لمحے سے بھی کم وقفے میں' اس نے دیا کے چہرے کا رنگ بھی بدلتے دیکھا اور اس کی نگاہ کو جھکتے ہوئے بھی۔ ایک بہت بڑا خدشہ' یقین میں بدلا تھا' لیکن وہ اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

"بتاؤ مجھے کون تھا اس دن کیا وہ واقعی رانگ نمبر تھا۔ جیسا کہ تم نے اس وقت کہا تھا؟"

کاش وہ اس کے ہر خدشے کی تردید کر دے۔ چڑ کر ہی سہی' غصے سے ہی' خاموشی کے اس وقفے میں جو دیا کی طرف سے تھا۔ نازی نے دل کی گہرائی سے خواہش کی تھی۔ اس کے چھوٹے سے جواب کے پیچھے' ایک بڑا طوفان تھا جو ٹل بھی سکتا تھا اور آتا تو بہت کچھ تہ و بالا ہو سکتا تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں نا۔"

اسے دیا کی پراسرار خاموشی سے وحشت سی ہونے لگی۔

"مسعود کا۔" دیا کی آواز بہت نیچی تھی۔ دو لفظوں کے ساتھ ہی جیسے ساری کشمکش ختم ہوئی۔ سو فیصد یقین ہونے کے باوجود بھی کہ دیا یہی نام لے گی۔ نازی بری طرح شاکڈ تھی۔ بناء کوئی لفظ کہے' وہ دیا کے جھکے ہوئے سر کو دیکھے گئی۔ کمرے میں بڑی بوجھل سی خاموشی ابھرنے لگی۔

"کیا کہہ رہا تھا وہ۔" نازی کو خود اپنی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"پتہ نہیں، میں ٹھیک سے کچھ بھی نہیں سن پائی، میں سچ کہتی ہوں نازی آپا' اس کی آواز سن کر مجھے ایسا لگا جیسے میرا دل بند ہو جائے گا۔ یہ میرے لیے اتنا اچانک تھا...."

"خیر چھوڑو، اب زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت اچھا کیا جو تم نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔" نازی نے خود کو سنبھالتے ہوئے ماحول پر چھائے بوجھل پن کو زائل کرنا چاہا۔

"نہیں نازی آپا۔" دیا نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے کم از کم اس کی بات تو سن لینی چاہیے تھی، وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اس کی آواز سے لگ رہا تھا۔"

"دفع کرو اسے، ہمارا اس سے اب لینا دینا ہی کیا ہے۔"

نازی کو دیا کی بات سن کر بڑے زور کا غصہ آنا شروع ہوا۔" اور جتنی بڑی زیادتی وہ تمہارے ساتھ کر چکا ہے اس کے بعد تو اسے یہاں فون کرنے کی ہمت بھی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ آئندہ اس کا فون آئے بھی تو ضرورت نہیں ہے، ایک بھی بات کرنے کی۔"

"شاید اس نے کیا بھی ہو فون دوبارہ۔" نازی نے اس کے لہجے میں ملال محسوس کیا۔ بے ساختہ ہی اس نے اپنے ماتھے کو انگلیوں سے چھوا۔

"دیکھو دیا، مسعود ایک بار تمہیں ٹھکرا چکا ہے۔ اس بات کو مت بھولو۔ اب قدرت تمہیں اس سے کہیں اچھا شخص عطا کر رہی ہے تو اس وقت تم بھی اس پر ثابت کر سکتی ہو، کہ تمہیں بھی اس کی کوئی پروا نہیں ہے اور تمہیں ایسا ہی کرنا بھی چاہیے۔"

جذباتی سے انداز میں کہتے ہوئے، نازی اس امید پر اسے دیکھے گئی کہ اور کچھ نہیں تو، وہ اپنی بری طرح مجروح کی گئی انا کا حساب برابر رکھنے کی خواہش تو ضرور ہی رکھتی ہو گی، مگر وہ یوں لاتعلق سے انداز میں سن رہی تھی، جیسے نازی کسی اور کا قصہ سنا رہی ہو۔

"انسان سے غلطی بھی تو ہو جاتی ہے نازی آپا' اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے برا ہو گیا۔"

"لیکن وہ برا ہے دیا۔"

نازی کو ضبط کی حد ختم ہوتی محسوس ہوئی۔" وہ برا ہی ہے، جتنی تکلیف تم اس کے ہاتھوں اٹھا چکی ہو، اس کے بعد...."

امی، دروازہ کھولتے ہوئے اچانک ہی اندر چلی آئی تھیں۔

"کیا ہوا نازی، خیر تو ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھ رہی تھیں۔ تب اسے اپنی قدرے بلند آواز کا احساس ہوا۔

"کچھ نہیں امی، بس ایسے ہی دیا کے ساتھ بحث ہونے لگی تھی۔" وہ شرمندہ سی ہو کر، کہتی ہوئی باہر نکل آئی۔ معلوم نہیں کیا ہونا تھا؟ ایک بڑا سا سوالیہ نشان، اس کے ساتھ ساتھ باہر آیا تھا اور اب نگاہوں کے سامنے کھڑا، دل پر سہم سا طاری کر رہا تھا۔ اب دن ہی کتنے باقی رہ گئے تھے۔ ستائیس یا اٹھائیس۔ اس نے انگلیوں پر حساب لگایا۔ مہینے سے بھی کم مدت۔

"کاش، یہ شادی پچھلے ماہ ہو چکی ہوتی۔ مسعود کا فون آنا ہی تھا تو دیا کی شادی کے بعد آتا۔"

کچن میں خود کو مصروف کر لینے کے باوجود، وہ اسی ادھیڑ بن میں تھی۔ خود کو لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی وہ خود کو اس صاف دکھائی دیتے اندیشے سے آزاد نہیں رکھ پا رہی تھی۔ ابھی ابھی جتنا کچھ اس نے دیا کو سمجھایا تھا۔ اس کی اثر پذیری کا

خود اسے ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا۔ دیا گھر میں ہمیشہ ہی سب سے زیادہ نہ سمجھ میں آنے والی ہستی رہی تھی۔ ناقابل بھروسہ۔ اس سے کسی بھی وقت، کچھ بھی توقع کی جاسکتی تھی۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا، ورنہ "کچھ ہو جائے گا۔" یہ دھڑکا ان تھوڑے سے دنوں میں مستقل ہی سر پر سوار رہنا تھا۔"

آٹا گوندھتے ہوئے نازی یہی سوچ گئی۔ آج اسماء پھوپھو کو آنا تھا۔

پریشانی کے ان لمحات میں، اس نے ان ہی سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسعود کو یہاں فون کرنے سے ان ہی کے ذریعے منع کروایا جاسکتا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ وہ ان کی بات مان لیتا۔

حسب توقع، وہ شام ڈھلنے سے پہلے ہی آگئیں۔ ابا نے شادی کی مصروفیات کی وجہ سے ٹیوشنز میں کمی کر دی تھی۔ سو وہ اس وقت گھر پر ہی تھے۔ اسماء پھوپھو، ابا اور سمیع کے ساتھ بڑے ہال میں بیٹھی تھیں اور باری باری وہ سب ان کے پاس حاضری لگا چکے تھے۔

امی بڑی حد تک اب بھی ان سے ناراض ہی تھیں، مگر پھر بھی رسمی سے انداز میں بات چیت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھیں۔ ان کی اور اسماء پھوپھو کی، برسوں پرانی دوستی، کب کی خواب و خیال ہو چکی تھی۔

اتنے لوگوں کی موجودگی میں نازی کا ان سے بات کرنا تقریباً ناممکن ہی نظر آرہا تھا۔ قریب بیٹھی وہ مستقل ہی بے چینی سے پہلو بدلے گئی۔ اسماء پھوپھو نے ایک آدھ بار چونک کر، اس کی طرف دیکھا۔ مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے، وہ اس کے کمرے میں ہی آئیں اور جب نماز پڑھ کر فارغ ہوئیں تو اسے اپنا منتظر پا کر خود ہی پوچھ بیٹھیں۔

"کیا بات ہے نازی، کچھ کہنا چاہ رہی ہو بیٹا؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:

ان کا شفیق لہجہ، ہمیشہ بڑے حوصلے کا سبب بنتا تھا۔ نازی کو بھی لگنے لگا، جیسے وہ سب کچھ سنبھال لیں گی۔

"پھوپھو، مسعود نے دیا کو فون کیا تھا پچھلے ہفتے۔" بلا کسی تمہید، اس نے انہیں اطلاع دی۔ "مجھے آج ہی اس نے بتایا ہے اور میں یہ بات صرف آپ کو بتا رہی ہوں۔"

اس کا خیال تھا کہ وہ ایک بار تو ضرور ہی چونک اٹھیں گی، مگر ان کے تاثرات میں، کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ نازی کو تو ایسے لگا، جیسے انہیں اس بات کی خبر تھی۔

"اس کی بیوی چھوڑ کر چلی گئی ہے اسے، بہت پریشان ہے آج کل وہ۔" وہ آہستہ سے بولیں۔

"تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ یہاں فون کر کے دیا کو پریشان کرے۔ اب اس کا کیا حق بنتا ہے پھوپھو۔" نازی کو ان کا مسعود کی طرف سے صفائی پیش کرنا اچھا نہیں لگا۔

"میں اس کی حمایت نہیں کر رہی ہوں، جو حرکت وہ کر بیٹھا ہے۔ اس کے بعد تو وہ دیا کا نام لینے کا بھی حقدار نہیں رہا ہے۔ میں اسے یہ بات ہر طرح سے سمجھا چکی ہوں مگر پھر بھی....." ان کی آدھی ادھوری بات، بھی معنی خیز تھی۔

نازی کو اپنی پریشانی اور بھی بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"مسعود کو پتہ ہے کہ دیا کی شادی ہونے والی ہے۔ پھر کیوں وہ اس کی زندگی میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ دوبارہ کل کو عمر تک ایسی کوئی بات پہنچی تو آپ خود سوچیں کہ بات کہاں تک جاسکتی ہے۔"

"میں ہر پہلو پر سوچ چکی ہوں بیٹا۔" انہوں نے ایک تھکی تھکی سی سانس لی۔ "پچھلا پورا مہینہ اس پریشانی میں گزرا ہے، مگر اس کی وہی رٹ ہے کہ ایک بار وہ دیا سے ضرور بات کرے گا، چاہے کچھ بھی ہو۔"

وہ واقعی بے بس تھیں۔

مسعود ضدی اور ہٹ دھرم تھا۔ کسی کے بھی کنٹرول سے باہر اور اب اتنے سال سے وہاں امریکہ میں قطعی آزادانہ زندگی گزارتے ہوئے' اس کی صلاحیتوں میں کتنا اضافہ ہوا ہو گا۔ اس کا اندازہ یہاں بیٹھ کر بھی بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

'' اس کی بیوی اچھی نہیں نکلی' گھر پیسہ سب ہی کچھ پر قابض ہو گئی ہے۔ مسعود کو اس کے چال چلن پر بھی شک رہنے لگا تھا۔ بات بگڑتی ہی چلی گئی۔'' نازی نے بے زاری سے سر کو ہلکے سے جھٹکا۔

'' وہی پٹی پٹائی فرسودہ کہانی' جو بیرون ملک شادی کرنے والا ہر نوجوان' آخر کار صفائی کے طور پر سناتا ہے۔'' مسعود کی داستان الم الٹا کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔

'' اس کے مسائل وہ خود جانے' لیکن ہم بڑی مشکل سے دیا کے مسئلے کے حل کے قریب پہنچے ہیں' ابا کو میں نے پہلے کبھی اتنا خوش اور مطمئن نہیں دیکھا ہے پھوپھو' عمر انہیں بے حد پسند ہے اور اب اگر مسعود کی وجہ سے کوئی تھوڑی سی بھی بدمزگی ہوتی ہے تو وہ اسے برداشت نہیں کر پائیں گے۔ بہت ٹینشن جھیل چکے ہیں وہ۔''

کوشش کے باوجود بھی وہ اپنی آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو نہیں روک سکی۔ اسماء پھوپھو نے بے اختیار ہی اسے اپنے کندھے سے لگا لیا۔

'' گھبراؤ نہیں' میں آج اسے تمہارے پھوپھا سے فون کرواؤں گی۔ ان سے ہی وہ تھوڑا سا گھبراتا ہے۔ وہ اسے روک سکتے ہیں کہ ابھی دیا کی شادی تک' وہ پاکستان نہ آئے۔'' نازی ایک جھٹکے سے ان سے علیحدہ ہوئی۔

'' کیا وہ پاکستان آرہا ہے۔'' اس کے لہجے میں اتنی گھبراہٹ تھی کہ وہ ان سے نظر بھی نہیں ملا پا رہی تھیں۔

'' ہاں شاید اگلے ہفتے...۔''

'' اوہ خدا۔''

اس نے اپنے ہاتھ پاؤں یک دم ٹھنڈے ہوتے محسوس کیے۔ اس کے سارے اندازے غلط تھے۔ حالات خراب ہونے نہیں جا رہے تھے' بلکہ خراب ہو چکے تھے۔

'' میں نے کہا نا تمہارے پھوپھا اس سے بات...۔''

اسماء پھوپھو نے ایک بار پھر اسے تسلی دینا چاہی' مگر نازی کو یقین ہو چلا تھا کہ اس سلسلے میں اب کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

...☆☆☆...

ہوا میں صبح کی خوشگوار سی ٹھنڈک تھی۔ سجاد نے گاڑی سے نکل کر' آفس کے اندرونی حصے کی طرف جاتے ہوئے' باہر کے سرسبز منظر پر نگاہ ڈالی۔

بڑا ہی سکون آمیز سا احساس تھا۔ جو قدرت نے قربت کے ہر منتظر سے لازمی طور پر جڑا ہوتا ہے' سبزہ' پھول' سمندر... پہاڑ...

چاندنی' بارش' ہلکے گہرے ہوتے بادل' ہر رنگ میں چھپے' ہزار ہا رنگ اور ان کی پراسرار دلکشی۔

ریسپشن پر موجود اسمارٹ سے لڑکے کے خوش اخلاقی سے کیے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ آفس میں ابھی تھوڑے ہی لوگ آئے تھے۔ آج وہ خود کسی ضروری کام کی وجہ سے گھر سے ذرا جلد ہی نکلے تھے۔ اپنے چیمبر کی طرف جاتے ہوئے' سجاد کی نگاہ حسب معمول' اس مخصوص کیبن کی طرف اٹھی تو قدم خود بخود ہی تھم گئے۔ کتنے دن بعد آج وہ اپنی سیٹ پر موجود تھی۔

سجاد کی آمد سے بے خبر، وہ سامنے رکھے کمپیوٹر کی سکرین پر نگاہ جمائے محو تھی۔ ان کے قریب آنے پر، وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی تھی۔

'' بیٹھئے پلیز۔ کیسی طبیعت ہے جمیل ماموں کی اب۔''

ایک بے نام سی خوشی تھی، جو ثانیہ کی یہاں موجودگی سے حاصل ہوئی تھی۔

'' ٹھیک ہے سر۔'' اس نے محض ایک بار ان کی طرف دیکھ کر نگاہ جھکالی تھی۔ یہ ایک بے ضرر سا فرار تھا جو اس کے خیال میں کچھ نہ کچھ عافیت مہیا کر سکتا تھا۔

'' واپس آنے کا بے حد شکریہ، ویسے مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گی اور میرا ہر یقین سو فیصد صحیح ہوتا ہے۔''

وہ میز کی سطح کو دیکھے گئی۔ وہ آئی نہیں، بلکہ بھیجی گئی ہے، یہ کہنا بھی، کہاں آسان تھا۔

'' اور آپ ابھی بھی خود کو پابند مت سمجھئے گا ثانیہ، جب تک جمیل ماموں کی طبیعت پوری طرح سے ٹھیک نہ ہو۔ آپ جب چاہیں، چھٹی پر جا سکتی ہیں۔'' وہی نرم اور رعایت بھرا لہجہ، جس کے لیے وہ بار بار خود کو یقین دلاتی تھی کہ محض اس کے لیے مخصوص نہیں بلکہ، وہ سب ہی کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ رکھتے ہیں۔

'' شکریہ سر۔'' رسمی طور ہی سہی، اسے کہنا پڑا۔

'' اس کی بھی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات شاید مجھے ہر بار کہنی پڑتی ہے۔'' وہ ہلکے سے ہنسے اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئے۔

فرح اب تک نہیں آئی تھی اور جب آئی تو اسے بلا اطلاع دیکھ کر، خوشی بھری حیرت میں گھرنے لگی۔ '' رات تو تم سے بات ہوئی تھی۔ جب تک تو تمہارا کوئی پروگرام نہیں تھا آنے کا۔'' ثانیہ کو دیکھ کر اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا تھا۔

'' میرا واقعی کوئی ارادہ نہیں تھا دوبارہ آنے کا، مگر ماموں کے آگے مجبور ہونا پڑا۔ ضد سی پکڑلی تھی کہ مجھے آفس ضرور ہی جانا ہے اور کمزور اتنے ہو رہے ہیں کہ آدمی ان کا دل توڑنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔'' جو بات تھی، اس نے سچ سچ بتا دی۔

جس دن سے سجاد، ماموں کو دیکھ کر آئے تھے۔ ماموں ان کے اتنے قائل ہو رہے تھے کہ ثانیہ کے جاب چھوڑ کر بیٹھنے کو کفران نعمت قرار دے رہے تھے، رہی سہی کسر، اس تنخواہ نے پوری کی تھی، جو آفس کی طرف سے ثانیہ کو پوری ادا ہوئی تھی۔ فرح کو باقی باتوں سے دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ واپس آگئی۔

'' ذرا بھی دل نہیں لگ رہا تھا میرا، آفس میں چار سو ویرانی چھائی ہوئی تھی اور لوگ اداس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے تھے۔''

فرح سے زیادہ دیر سنجیدہ رہا ہی نہیں جا سکتا تھا اور اس وقت وہ اتنی خوش تھی کہ ثانیہ کی یہاں سے خفگی کی اصل وجہ بھی بھولے ہوئے تھی۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے، ثانیہ نے اس کی بات کو ان سنا کیا اور سامنے رکھے کاغذات کو دیکھنے لگی۔ جتنے بھی دن یہاں گزارنے تھے، بڑی خاموشی اور درگزر کی پالیسی اپنا کر ہی گزارنے تھے۔ یہ بات وہ خود کو اچھی طرح باور کرا چکی تھی، کیا فائدہ تھا، اپنی خودداری اور انا کے ڈھول کو پیٹنے کا جب اتنی اوقات ہی نہ ہو کہ کسی فیصلے پر ٹکا جا سکے۔ رکھنے دیجئے پیر، جو بھی سیلف رسپیکٹ پر رکھنا چاہے۔

'' ویسے خوش تو بہت ہوئے ہوں گے تمہیں دیکھ کر سجاد بھائی؟''

اس کی اندرونی کیفیت سے بے نیاز' فرح اسی موڈ میں پوچھ رہی تھی۔ثانیہ نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

" تم خود ان سے پوچھ لو۔اس بات کا جواب تو وہی دے سکتے ہیں۔ویسے میں صرف اس پے کو حلال کرنے کے لیے آئی ہوں' جو مجھے یہاں سے مل رہی ہے۔ماموں کے سامنے اس آفس کو چھوڑنے کا نام لینا مشکل ہو رہا ہے اور دوسری صورت میں یہ گھر بیٹھنے کا ماہانہ وظیفہ مجھے لینا پڑے گا تو بہتر ہے کہ کام ہی کر لوں یہاں آکر۔"

فرح کو اس کی سنجیدگی نے کچھ یاد دلایا۔

" اچھا سوری' اب کوئی مذاق نہیں۔میری توبہ۔اور تم بھی ریلیکس ہو جائو۔تمہارے نواب شاہ جانے کا کیا بنا۔" اس نے موضوع یکسر بدلا۔

" دیکھو' شہزاد کب فون کرتا ہے' گھر کا سودا تو تقریباً فائنل ہو چکا ہے۔رجسٹری کے وقت وہ ہمیں بلائے گا۔دو تین دن تو رکنا ہی پڑے گا وہاں۔" ثانیہ بتا رہی تھی۔تب فرح نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

وہاں اس عزیز از جان گھر کے بکنے کا کوئی غم نہیں تھا۔وہاں بس جمیل ماموں کی طویل ہوتی بیماری کی فکر رقم تھی۔فرح کو معلوم تھا کہ ان کی بیماری روز بروز پیچیدہ ہوتی جا رہی تھی۔فرح انہیں دیکھنے پابندی کے ساتھ جاتی تھی۔

" اتنی احتیاط کے باوجود بھی ماموں کا بلڈ شوگر ہائی رہ رہا ہے' جگر ان کا پہلے ہی بہت خراب ہو چکا ہے۔قوت مدافعت بہت کمزور پڑ چکی ہے۔" محض دو یا تین دن پہلے ہی ثانیہ نے اسے بتایا تھا۔جب وہ اپنی امی اور نانی کو لے کر اس کے ہاں گئی تھی۔

" اب تم نے ممانی کے ڈاکٹر کو چینج کیا ہے۔انشاءاللہ جلد ہی مثبت نتیجہ نکلنے لگے گا۔" فرح نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہمت بندھانی چاہی' مگر وہ یوں ہی تشویش بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

" مجھ سے بڑی غلطی ہوئی فرح' جو میں ماموں کے علاج کے لیے ممانی پر بھروسہ کرتی رہی' مہینہ بھر پہلے بھی اگر میں انہیں دوسرے اسپیشلسٹ کو دکھا دیتی تو شاید کچھ بہتری آجاتی۔" اس کی آواز بتدریج نیچی ہوتی چلی گئی۔یہ بات آج کل وہ تواتر کے ساتھ کہہ رہی تھی۔فرح کو اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جمیل ماموں کے بارے میں احساس جرم کا شکار ہو رہی تھی۔

" ایسا مت سوچو ثانیہ' تم نے تو اپنی ہمت سے بڑھ کر سب کچھ کیا ہے۔جب سے ماموں گھر پر ہیں۔ممانی کو ساری تنخواہ دے رہی ہو' جو کچھ بھی اماں کے پاس جمع تھا وہ سب بھی۔۔۔"

" پلیز فرح۔" اس نے بات بھی پوری نہیں ہونے دی۔" یہ سب مت کہو' ان باتوں کی حیثیت ہی کیا ہے' ماموں نے جو کچھ میرے لیے کیا ہے اور میرے لیے وہ کیا ہیں۔اس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔میری زندگی میں محبت کے دو ہی رشتے باقی ہیں۔اماں اور ماموں' اللہ انہیں سلامت رکھے مجھے اور کچھ بھی نہیں چاہیے۔"

"اچھا اور اس مختصر لسٹ میں میرا نام بھی نہیں ہے' بہت افسوس ہوا ہے مجھے۔" اسے اس جذباتی کیفیت سے نکالنے کے لیے وہ مصنوعی ناراضگی طاری کر چکی تھی۔

ثانیہ ہلکے سے مسکرا دی۔" بس تیسرا نام تمہارا ہی تھا' لینا بھول گئی تھی۔"

وہ آہستہ آہستہ اپنے کام میں مصروف ہوتی جا رہی تھی اور اس کے لئے یہی بہتر تھا کہ اس کا دھیان بٹا رہے۔چند گھنٹے' اسی مصروفیت میں کٹے۔ایک آفس اٹنڈنٹ کا ایک کارڈ فرح کے اور دوسرا ثانیہ کے سامنے رکھا۔" شیریں میڈم نے بھیجے ہیں۔" مختصر سی اطلاع دے کر وہ باہر جا چکا تھا۔

سادہ اسٹائلش سا کارڈ' ثانیہ نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں' مگر فرح نے کھولنے میں دیر نہیں کی تھی اور نہ ہی سنانے میں۔ مختصر سی عبارت کے ساتھ پروگرام سے مطلع کیا گیا تھا اور یہ شادی عمر کی شادی کے آس پاس ہی کی تاریخ میں منعقد ہو رہی تھی۔

" ایک ایک کر کے سب ہی نمٹ رہے ہیں' دیکھو ہماری باری کب آتی ہے۔" کارڈ کو واپس رکھتے ہوئے' فرح نے ٹھنڈی آہ بھری' ثانیہ مسکراتے ہوئے اپنا کام کئے گئی۔ اس نے اس کارڈ کو چھونے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

اسے تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی تھی۔ اپنے مدعو کئے جانے پر لیکن شیریں سے متعلق ہر موضوع سے وہ بچ کر ہی رہنا چاہ رہی تھی۔

" کیا خیال ہے۔" فرح سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ثانیہ نے خاموشی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

" فرصت تو ان دنوں مجھے بھی نہیں ہو گی۔ نانی سے اکیلے کہاں کچھ ہوتا ہے اور عمر کے تو آج کل پاؤں زمین پر نہیں ہیں۔ ہواؤں میں اڑتا پھر رہا ہے۔ سو زمین پر پھیلے کام اسے دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔

" ظاہر ہے خوش تو ہوں گے' اپنی پسند سے جو کر رہے ہیں۔" کمپیوٹر پر نگاہ جمائے ثانیہ کہہ اٹھی۔

" ہاں' شاید۔"

" کیوں' شاید کیوں۔" اس بار ثانیہ نے الجھن سی محسوس کی تو مڑ کر فرح کی طرف دیکھنے لگی۔

"اس لئے کہ مجھے ایسا لگتا نہیں ہے۔ عمر بہت بڑی غلطی کر رہا ہے۔ دیا وہ لڑکی نہیں جس کے ساتھ وہ کبھی بھی خوش رہ سکے گا اور یہ بات میں اسے بار بار کہہ چکی ہوں۔" ثانیہ نے جیسے تھک کر نفی میں سر ہلا دیا۔

" یہ بات تم اسے ہی نہیں' مجھ سے بھی بار بار کہہ چکی ہوں اور پلیز' اب اس موضوع کو جانے دو۔ تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں' پھر دیا اور عمر خوش و خرم زندگی گزار رہے ہوں گے۔ انشاءاللہ۔"

" خوش امید ہونا اچھی بات ہے' مگر خوش فہمی پالنا قطعی دوسری' خیر۔" فرح اپنی رائے پر نظر ثانی کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ سامنے رکھے کاغذات سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔" میں ذرا سجاد بھائی کے پاس ہو کر آ رہی ہوں۔ بہت سارا کام جمع ہو رہا ہے۔ تم نہیں تھیں تو دل ہی نہیں چاہتا تھا کام کرنے کو' کسی کا بھی۔"

اس کا جواب سنے بغیر' وہ کہتی ہوئی باہر چلی گئی۔ ثانیہ نے محض ایک نگاہ اٹھا کر' اس طرف دیکھا' جدھر وہ گئی تھی۔ فرح عادت سے مجبور تھی اور اس کی باتوں کی معنی خیزی میں الجھنا' محض اپنا ہی دماغ خراب کرنے والی بات تھی اور اس کے پاس پریشان ہونے کے لئے پہلے ہی کافی کچھ تھا۔

...☆☆☆...

فرحت آپا نے حیرت سے ان بڑے سارے شاپرز کو دیکھا' جو وحید نے ابھی ابھی لا کر لاؤنج کی ٹیبل پر رکھے تھے۔

" پتہ نہیں کیا اٹھا لائے تھے اور کس کے لیے؟"

دل میں اٹھتے سوالات کو دبائے ہوئے وہ یکسر نظر انداز کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر کچن میں جانے لگیں تھی کہ وہ یک دم ہی سامنے آ گئے۔

" کبھی تو میرے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔ ایسی بھی کیا لاتعلقی' شوہر ہوں تمہارا' کوئی غیر تو نہیں۔"

محبت بھرا بے تکلفانہ انداز۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو' ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔ سچ تم سے بات کرنے کے لئے تو ترستا ہوں' لیکن تم نے تو میری ذرا بھی پرواکرنی چھوڑ دی ہے فرحت۔" آنکھوں میں خمار بھرے' وہ شکوہ کناں تھے۔ فرحت کو یقین کرنا پڑا کہ وہ کم از کم خواب تو نہیں دیکھ رہی ہیں۔

"بات کیا ہے' وہ بتادیں؟" براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے' وہ سیدھے سپاٹ لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

آزمائش بھرا طویل راستہ طے کرتے ہوئے' سارے خواب راکھ ہوئے تھے' نہ ہی اب لفظ خوشبو اڑاتا تھا اور نہ ہی نگاہ جادو جگاتی تھی۔

ان کی زندگی میں محبت کا کوئی استعارہ نہیں تھا۔ وحید نے سامنے کھڑی اس روکھی پھیکی عورت کو دیکھا جس کی آنکھوں میں دھول سی اڑاتی محسوس ہوتی تھی اور جو عمر سے بہت پہلے ڈھل چکی تھی۔

ان جیسے رنگین مزاج شخص کے لئے اس میں کبھی کوئی دل کشی نہ ملی تھی اور نہ آج' سمجھوتے کا سفر پھر بھی جاری تھا۔

"آج دل چاہا' تمہارے اور بچوں کے لئے کچھ شاپنگ کروں تو بس اس میں اتنی دیر ہو گئی۔ دیکھو کھول کر میری پسند کیسی ہے؟" انہوں نے ہاتھ سے اس طرف اشارہ کیا۔ جہاں وہ سامان سے بھرے شاپرز کھلنے کے منتظر تھے۔

"اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی۔ اپنی اور بچوں کی خریداری تو میں خود کر ہی لیتی ہوں۔" ان کی سخاوت پر خوش ہونے کے بجائے فرحت آپا مڑ کر صوفے پر رکھے کشن ٹھیک کرنے لگیں۔ ان کا رد عمل بڑا مایوس کن تھا۔ وحید دل ہی دل میں سلگ کر رہ گئے۔

"بڑی ہی ناشکری عورت ہے۔" دل تو چاہا کہ ابھی دماغ ٹھیک کر کے رکھ دیں' مگر مصلحت کا تقاضہ کچھ اور ہی تھا۔

"تکلیف کی کیا بات ہے۔ اپنے بیوی بچوں کے لئے کچھ لے کر تو انسان کو دلی خوشی ملتی ہے' لیکن میری مالی حالت اجازت نہیں دیتی' اس لئے دل پر جبر کر کے رہ جاتا ہوں۔" لہجے میں زبردستی کا پیدا کیا ہوا' تاسف اتنا مضحکہ خیز تھا کہ زندگی کی اس بدترین مشکل کو جھیلتے ہوئے بھی' فرحت بے ساختہ ہنستی چلی گئیں۔

"کمال ہے ایسا کیا لطیفہ سنادیا میں نے۔" وہ بے وقوفوں کی طرح منہ کھولے کہہ رہے تھے۔

"ہنسنے کے لئے لطیفے کا ہونا ضروری نہیں ہے وحید صاحب؟" فرحت نے اپنی مسکراہٹ پر قابو کیا۔" خیر آپ کو جو بات کرنی ہے۔ وہ صاف کہیے' کھانے کے بعد مجھے بابا کی طرف جانا ہے۔"

"ضرور جائو' میری طرف سے بھی سلام کہنا' ایک جگہ ضروری جانا نہ ہوتا تو میں بھی ضرور ہی ساتھ چلتا' بہت دن ہو گئے سب سے ملے ہوئے۔" حیرت انگیز طور پر وہ کسی بات کا برا نہیں مان رہے تھے اور اس قدر انسان بنے ہوئے تھے کہ فرحت آپا کا ہر اندازہ غلط ہوتا جارہا تھا۔

ان کی الجھن بڑھنے لگی۔ ان کا تجربہ تھا کہ اپنی کسی بھی فرمائش کو پورا کرنے کے لئے وحید نے اتنا انتظار نہیں کیا تھا' اتنی دیر میں تو وہ بابا کو فون تک کروادیتے اور انکار کی صورت میں ایک قیامت برپا کر سکتے تھے۔

"کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" وہ پرسوچ سی نگاہوں سے ان کو دیکھے گئیں۔ جواب بچوں کو آوازیں دے کر بلانے کے بعد' خود ان شاپرز میں سے چیزیں نکال کر ان میں تقسیم کر رہے تھے' کپڑے' کھلونے' چاکلیٹس۔

بچے بھی حیران پریشان تھے۔ ان نوازشات کے عادی نہیں تھے۔ سوان کے زبردستی پکڑانے پر اس طرح جھجک کر چیزیں لے رہے تھے' جیسے کسی دور دراز کے رشتے دار سے کچھ لے رہے ہوں۔ چند منٹوں میں شاپر خالی ہو چکا تھا۔ اب نہ ہی بچوں کے پاس ان سے کرنے کے لئے کوئی بات تھی اور نہ ہی ان کے پاس' دونوں بیٹیاں اور چھوٹا بیٹا ایک ایک کر

کے وہاں سے جا چکے تھے۔اسی اثناء میں وہ ایک نہ دو' پورے چار سوٹ' فرحت کی نذر بھی کر چکے تھے۔ بہت سوچنے کے باوجود بھی انہیں یاد نہیں آیا کہ کبھی شادی کے اولین دنوں میں ہی سہی' وہ ان نوازشات کی حقدار رہی تھیں۔ یاد سے جڑا' درد کا تسلسل تھا اور بس۔

دل نہ چاہنے کے باوجود بھی' انہوں نے وہ سب کپڑے ہاتھ میں لئے اور کمرے کی طرف جانے لگیں۔ وحید ان کے پیچھے پیچھے آئے۔

" ایک ضروری بات کرنی تھی تم سے۔"

فرحت الماری کھول رہی تھیں' وہیں تھم سی گئیں۔اس ضروری بات کی وہ کب سے منتظر تھیں۔

" ایسے مت دیکھو۔" وہ شاید کچھ کنفیوژ ہو رہے تھے اور یہ بھی عجیب سی بات تھی۔

" جو کچھ بھی کہتا ہوں یا کرتا ہوں' تم لوگوں کی بھلائی کے لئے ہی کرتا ہوں۔ کتنے ہی بزنس کئے' ہاتھ پائوں مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی' مگر اب قسمت ہی ساتھ نہ دے تو کیا کیا جائے۔"

یہ محض تمہید تھی۔ فرحت کو پتہ چل چکا تھا کہ اب آگے وہ کیا کہنے جا رہے ہیں۔ الماری کھول کر کپڑے رکھے اور بیڈ پر آ بیٹھیں۔" میرے اکائونٹ میں اب بہت تھوڑے پیسے رہ گئے ہیں۔ان سے کوئی نیا بزنس نہیں شروع کیا جا سکتا ہے۔" ان کی ڈیمانڈ سننے سے پہلے ہی' وہ بات صاف کر رہی تھیں۔

" پتہ ہے مجھے' ظاہر ہے گھر کے سارے خرچ پورے کرتی ہو۔ پیسے کہاں سے بچیں گے اور وہ رحمت منزل کا قصہ تو ساری زندگی یوں ہی لٹکا رہے گا شاید' پتہ نہیں بابا اس کو ایک طرف کیوں نہیں کر رہے ہیں۔" بہت کوشش کے باوجود بھی' وہ ہلکا سا گلہ کر ہی گئے۔

" آپ اپنی بات کریں۔ رحمت منزل سے آپ کا کیا لینا دینا۔" کبھی کبھی تو وحید کو لگتا جیسے' وہ انہیں ٹھیک ٹھاک طریقے سے ان کی حیثیت یاد دلا رہی ہیں' مگر اس وقت کسی بھی بات کا برا نہیں منایا جا سکتا تھا۔

" نہیں کرتا رحمت منزل کی بات' وہ جو ایک پلاٹ سجاد نے تمہیں دلایا تھا۔اس کو بیچ کر بھی تو کچھ پیسوں کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ آج کل بہت گاہک آ رہے ہیں' میرے پاس اس کے لئے۔" بڑے طریقے سے' وہ اصل موضوع پر آ رہے تھے۔ فرحت نے کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

" لوگوں کو کیا الہام ہونے لگا ہے کہ آپ کے پاس کوئی پلاٹ ہے' جسے آپ بیچنے کے خواہشمند ہیں۔" وہ جھینپ کر ہنس پڑے۔

" ایک دوست ہے' اسٹیٹ ایجنسی چلا رہا ہے۔ یوں ہی باتوں باتوں میں اس کے ساتھ ذکر آ گیا تھا۔ میں نے کہہ دیا کہ کوئی اچھا گاہک ملے تو بتانا۔ اب اس نے تو لائن لگا دی ہے۔ آج کل قیمتیں بڑھ رہی ہیں۔ کل کو پتہ نہیں اتنے پیسے ملیں بھی یا نہیں اور اس علاقے میں تو اتنی قیمت بڑھی بھی نہیں ہے۔"

ان کے انداز سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ اس پلاٹ کو بیچنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ یہ ایک رسمی کارروائی ہے' جسے وہ اس وقت پورا کر رہے ہیں۔ فرحت نے خود کو کمپوز رکھنے کی اندر ہی اندر پوری کوشش کر ڈالی۔

" میرا کوئی ارادہ نہیں ہے' اس پلاٹ کو بیچنے کا' آپ ان سے معذرت کر لیں۔ وہ میں بچوں کے لئے سنبھال کر رکھنا چاہتی ہوں۔ کل کو کام آ جائے گا۔"

" ارے کل کس نے دیکھی ہے۔" وہ تیزی سے بولے اور جو جگہ آج کام نہیں آ رہی۔ وہ کل کیا کرتی ہے۔ اصل تو فوری مسئلے کا حل ضروری ہوتا ہے۔ یہ کیا کہ آج تو ہم فقیروں کی طرح گزارا کر رہے ہیں اور کل کے لئے کنجوسی کی پالیسی اختیار کر لی جائے' نہیں صاحب نہیں۔ وحیدالدین کا یہ چلن کبھی نہیں رہا' زمانہ گواہ ہے۔"

فرحت آپا نے ایک گہری نگاہ ان پر ڈالی' بہترین لباس' انگلیوں میں دبا امپورٹڈ سگار' باہر کھڑی دو قیمتی گاڑیاں اور چہرے پر پھیلی فارغ البالی' آنکھوں کے نیچے سوجن بڑھ رہی تھی' مدت سے پینے پلانے کے شوقین تھے اور اس میں وقت کے ساتھ زیادتی ہی ہوتی آ رہی تھی۔

" دو چار لاکھ کی بات ہوتی تو سجاد کو تکلیف دے لیتا لیکن اس بار تھوڑے پیسوں سے کام نہیں چلے گا۔ ہاں اگر تمہیں اس پلاٹ پر اعتراض ہے تو پھر رحمت منزل پر دعوے کا کیس ہی کرنا پڑے گا' بابا صاحب پر۔" ان کی مخصوص کمینگی آخر کار ظاہر ہو کر رہی۔ پتہ نہیں کون خوش قسمت ہوتے ہیں' جو صبر کے میٹھے پھل کو چکھتے ہوں گے۔ یہاں تو نہ ہی زنجیر کٹتی تھی اور نہ ہی گھاؤ بھرتا تھا۔ انہیں یوں گم صم سا دیکھ کر' وہ شیر ہوتے جا رہے تھے۔

" قانونی طور پر آدھے کی ملکیت ہے تمہاری' وہی تو مانگ رہے ہیں ہم کب سے' باقی آدھا رکھیں اپنے پاس' مال غنیمت ہے' کون آ رہا ہے اس کا دعوے دار' لیکن پوری تو ہڑپ کرنے نہیں دوں گا انہیں' یہ میرا فیصلہ ہے۔" ان کی بات پوری بھی نہیں ہو پائی تھی کہ باہر کسی کے آنے کی اطلاع آ گئی۔

" کون آ مرا' اس وقت۔" یہ بے وقت مداخلت انہیں بری طرح کھلی۔

" تم آج کل میں مجھے فائنل جواب دے دو۔ پیسے تو مجھے ہر حال میں چاہئیں' شہر کا نمبر ون وکیل کھڑا کروں گا۔ کوئی ہیرا پھیری' جعلسازی تو ہے نہیں' اپنا جائز حق مانگ رہے ہیں۔ تمام ثبوتوں کے ساتھ' آرام سے کیس جیتیں

گے۔" جانے سے پہلے انہوں نے اپنی بات مکمل کی اور پھر ان کے کچھ کہنے کا انتظار کئے بغیر ہی باہر نکل گئے۔ لاؤنج سے ڈرائنگ روم کی طرف جاتے ہوئے' ان کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

آج رات تک' ورنہ کل دن میں کسی وقت پلاٹ کے کاغذات۔ ان کے ہاتھ میں آ جانے تھے۔ یہ ان کو پکا پتہ تھا۔ ساری عمر' وہ رحمت منزل کے نام پر بلیک میلنگ کرتے آئے تھے۔ فرحت کو کسی صورت ان کی سجاد یا بابا کے ساتھ مقابلہ آرائی منظور نہیں ہوتی تھی۔ سو وہ آرام سے اپنی منوا ہی لیتے تھے۔ بیوی کتنی بھی دل سے اتری ہوئی سہی۔ زندگی کے سارے مزے' انہوں نے اس کے بل بوتے پر لوٹے تھے۔

" جیو اماں' اپنے اس ناکارہ' آوارہ کے لئے تم نے بیوی تو بہت چن کر منتخب کی تھی۔"

بڑے موڈ میں انہوں نے اپنی اماں کو دعا دی اور ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ اندر کا منظر اتنا خوشگوار نہ تھا۔ وحید کی مسکراہٹ' پل سے بھی کم وقفے میں غائب ہوئی تھی۔" تم یہاں کیوں آئے ہو۔ میں نے منع بھی کیا تھا کہ گھر پر مت آنا۔"

بہت سرد لہجے میں وہ آنے والے سے مخاطب تھے۔

" کیا کرتا' نہ تو آپ میرا فون اٹینڈ کر رہے ہیں اور نہ ہی خود کوئی رابطہ کرتے ہیں۔ پریشان ہو کر مجھے یہیں آنا پڑا۔"

" اب کیا پریشانی لاحق ہے تمہیں' کتنا پیسہ دے چکا ہوں تمہیں' پھر بھی تمہاری نیت نہیں بھر رہی ہے شیرا۔"

ان کا لہجہ بے حد سخت تھا اور وہ اسے کوئی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔

" جانے دیں صاحب۔" شیرا نے ایسے ہاتھ ہلایا' جیسے مکھی اڑائی ہو۔" پیسے سے کس کا دل بھرتا ہے۔ آپ کے پاس ماشاءاللہ اتنی ریل پیل ہے۔ آپ کا دل نہیں بھرا تو میں غریب ایک کرائے کے کمرے میں پڑا' جس سے تین ماہ کا کرایہ

بھی ادا نہیں ہوا ہے۔ کیسے پیسے سے لاتعلق رہ سکتا ہوں۔ دیں مجھے کچھ تاکہ میرا کام دھندہ بھی چل سکے۔'' بات کے اختتام تک اس کا لہجہ بتدریج بدلا تھا۔ لیکن وہ اپنے زعم میں اس کے موڈ کا اندازہ نہیں لگا سکے۔

'' ایک پیسہ نہیں دوں گا اب' پہلے ہی تمہیں' تمہاری اوقات سے زیادہ دے چکا ہوں۔ اٹھو اپنے ہاتھ پاؤں ہلاؤ' میں نے کوئی ساری زندگی کا ٹھیکہ تو نہیں لے لیا تمہارا۔''

'' پیسہ تو دینا ہی پڑے گا وحید صاحب۔'' شیرا کا رنگ سرخ پڑنے لگا تھا۔ ''مجھے نہیں دو گے تو خود بھی ہاتھ دھو لو گے اس سب سے' یہ سمجھ لو۔'' ایک سانپ کی سی پھنکار تھی اس کے لہجے میں۔

'' کیا کر لو گے تم' یہ بلیک میلنگ کہیں اور جا کر کرو۔ میں ان دھمکیوں سے گھبرانے والا نہیں ہوں۔ دو ٹکے کا موالی اور میرے منہ آتا ہے۔ تیری حیثیت ہی کیا ہے۔'' ان کا دماغ گھوم ہی تو گیا۔ شیرا ان ہی کا پروردہ تھا۔ سڑک چھاپ حیثیت سے اسے اوپر کے گریڈ میں ترقی دینے والے وہی تھے اور جتنے احسانات وہ اس پر کرتے تھے۔ ان کے حساب سے وہ اس سے ہمیشہ تابعداری کی ہی توقع رکھتے تھے۔

'' ٹھیک کہا آپ نے' میری تو کوئی حیثیت نہیں۔ یہاں سے دھکے دے کر بھی نکالا جاؤں تو کچھ فرق نہیں پڑتا ہے مجھے' لیکن آپ تو عزت دار ہیں۔ خود سوچ لیں' کس کس کو جواب دیں گے۔ اگر میرا منہ کھل گیا۔ بڑی لمبی لسٹ ہے میرے پاس۔'' شیرا ہاتھ جھاڑتا ہوا کھڑا ہو چکا تھا۔

'' کوئی تمہاری باتوں پر یقین نہیں کرے گا۔ تم کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتے ہو۔ بہتر ہو گا شرافت سے یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر تمہیں بہت ضرورت ہے تو بس کسی وقت تمہاری پھر کچھ مدد کر دوں گا۔ لیکن ابھی میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

وہ اس کے آگے دبنا نہیں چاہتے تھے۔ پر اس کے تیور دیکھ کر تھوڑی سی مفاہمت پر اترے۔

''میں تو خود آپ کی سرپرستی میں ہی رہنا چاہتا ہوں ہمیشہ۔'' شیرا کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔'' شاید آپ کو پتہ نہیں' بڑا آدمی اپنا تعلق سب سے اچھی طرح نبھاتا ہے اور ہمارا آپ کا تعلق تو بہت پرانا ہے۔''

اب وہ نارمل انداز میں بات کر رہا تھا۔ لیکن انہیں اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اب ان کے لئے کتنا پریشان کن ثابت ہو سکتا ہے۔

'' پیسے تو مجھے کہیں سے بھی مل جاتے اوروں کو چھوڑیں خود آپ کے بھائی منہ مانگی رقم دینے میں ایک منٹ نہیں لگائیں گے۔ مجھے انہیں صرف ایک فون ہی تو کرنا ہو گا۔ میری آواز تو وہ اچھی طرح پہچان...''

'' خبردار جو آفتاب کے ہاں اب دوبارہ فون کیا۔ وہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور میں تمہیں اس کی ادائیگی بھی کر چکا ہوں۔'' انہوں نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

'' سلسلہ ابھی ختم کہاں ہوا ہے وحید صاحب۔'' شیرا نے گردن کو خفیف سی حرکت دی۔'' ابھی تو ٹھیک درمیان میں ہے۔ ویسے بھی میرے دل پر بڑا بوجھ ہے۔ آفتاب کو فون کروں گا تو یہ بوجھ بھی کم ہو گا۔ اس غریب سے میری دشمنی کیا تھی جو میں نے اس کا گھر... چچ چچ۔''

وحید نے کھا جانے والی نگاہ سے شیرا کی طرف دیکھا' کام نکال لینے کے بعد' اسے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال دینے کا خیال خام ہی ثابت ہوا تھا۔ آگے جس پر مسرت زندگی کی وہ پلاننگ کر رہے تھے۔ اس میں اب شیرا جیسے جھمیلوں کی گنجائش نہیں تھی' لیکن اس نازک موقع پر وہی تھا' جو اب اس دو چار قدم دور رہ جانے والی منزل کو ناقابل رسائی بھی بنا سکتا تھا۔ وہی تھا' جس کے ہاتھ بس ان کی تمام کمزوریاں ہمیشہ رہی تھیں۔

'' تم اس وقت جاؤ' کل کسی وقت میں تمہیں پیسے دینے آؤں گا۔''

" ٹھیک ہے، لیکن کل کو پرسوں میں مت بدل دیجئے گا۔ ورنہ میں تو ضرورت مند ہوں اور ضرورت آدمی سے کچھ بھی کروا دیتی ہے۔" شیرا نے دروازے کی طرف جاتے ہوئے، ان کے قریب رک کر اپنی بات پوری کی اور تیز قدموں سے باہر نکلتا چلا گیا۔

وحید وہیں کھڑے رہے۔

شیرا پچھلے کچھ ماہ سے زیادہ ہی پریشان کن ثابت ہو رہا تھا، لیکن آج پہلی بار وہ خطرناک بھی محسوس ہوا۔ انہیں بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ فطرتاً بزدل تھے، لیکن اپنے سے کم حیثیت کو چیونٹی کی طرح مسلنے سے خاص لطف اٹھاتے تھے۔ آج اسی چیونٹی نے بڑے زور سے کاٹا تھا۔ یہ اعتراف کرنے میں خود سے بھی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ سیل فون بج رہا تھا۔ انہوں نے یوں ہی سوچ میں ڈوبے ڈوبے سکرین پر نگاہ ڈالی تو نمبر جانا پہچانا تھا۔

" السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟" ثانیہ کی ممانی سے بات کرتے ہوئے، ان کی خوش اخلاقی، عروج پر پہنچنے لگتی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے کی ساری کوفت کا ازالہ ہونے لگا۔

" بہت اچھا، بی بی، یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے، نہیں آپ فکر ہی نہ کریں۔" دوسری طرف سے وہ جو کچھ بھی کہہ رہی تھیں۔ یقیناً بہت خوش کن تھا۔ وہ مستقل ہی مسکرائے گئے۔

☆☆☆...

گھٹے ہوئے چھوٹے سے فلیٹ کا وہ کمرہ، دن بھر چاہے تندور بنا رہتا ہو، رات کو کھڑکی سے بڑی اچھی ہوا آیا کرتی تھی۔ فیضی بڑی دیر سے کھڑکی کے نزدیک کھڑا تھا۔ نینی کچن کا تمام کام سمیٹ کر اس کے لئے چائے بنا کر لائی۔ تب تک وہ وہیں کھڑا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

" کیا بات ہے۔ آج ٹی وی نہیں دیکھ رہے ہو۔"

چائے کا کپ کھڑکی کی سلیب پر رکھتے ہوئے، وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

" بس ایسے ہی، اچھا لگ رہا ہے۔ سارا دن کی گرمی جھیلنے کے بعد یہ ہوائیں بھی نعمت ہی ہیں۔" اس نے تو بس یوں ہی کہا تھا، لیکن نینی کے دل کو دھکا سا لگا۔ ایک خاموش سی نگاہ اس نے فیضی پر ڈال دی۔ وہ ابھی بھی بدستور باہر ہی دیکھ رہا تھا۔ اب ان خستہ حال فلیٹوں کے بدرنگ مناظر کی شکایت کرنا وہ چھوڑ چکا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ زندگی کے اس دور کا عادی ہوتا جا رہا تھا، لیکن کتنی بڑی قیمت ادا کر کے۔ دن رات کی فکر، اس کی صحت کو برباد کر رہی تھی۔ عرش سے فرش پر آنے کے اس عمل میں اس کی ظاہری اور اندرونی، دونوں ہی طور کا یاپلٹ ہوئی تھی۔ جھلستی ہوئی گہری ہوتی رنگت، آنکھوں کے گرد حلقے وہ اب کمزور دکھائی دیتا تھا۔ اس کے بال روکھے رہتے تھے اور وہ سٹائلش ہیئر اسٹائل جس پر اس کے دوست رشک کرتے تھے، پتہ نہیں کہاں کھو چکا تھا۔ اب تو وہ شریف بھائی کی بتائی اس ہیئر کٹنگ شاپ سے بال کٹوانے لگا تھا جو یہیں نیچے کونے پر تھی۔ وہ دکھی دل کے ساتھ اسے دیکھے گئی۔ تب ہی اسے وہ ضروری بات یاد آئی جو آج ضرور ہی کر لینی تھی۔

" فیضی، میں کچھ دن کے لئے امی کے گھر جانا چاہتی ہوں، اگر تم پرمیشن دو۔" اس کی بات غیر متوقع نہیں تھی۔ دیا کی شادی جیسے جیسے قریب آ رہی تھی۔ اسے پتہ تھا کہ نینی اپنا سارا گریز بھلا کر وہاں جانے کے لیے تیار ہو جائے گی۔ ابھی پچھلے دنوں بھی، وہ بڑے لمبے گیپ کے بعد وہاں ملنے چلی گئی تھی اور واپسی پر بڑی پرسکون سی محسوس ہوئی تھی۔

" امی اور نازی آپا پر بہت کام کا دباؤ ہے۔ تھوڑا بہت ہاتھ تو مجھے بھی بٹانا چاہیے۔ اس موقع پر اگر میں وہاں نہ موجود رہی تو انہیں بہت افسوس ہو گا۔" اسے خاموش دیکھ کر، اس نے اپنے جانے کے حق میں مزید دلیل دینا چاہی۔

" تم کیا کام کرو گی وہاں جا کر' تمہاری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔ زیادہ ہی ہے تو ایک دن پہلے چلی جانا۔" فیضی کا خشک لہجہ صاف ظاہر کر رہا تھا کہ یہ ایک دن کی اجازت بھی وہ بحالت مجبوری دے رہا ہے۔ نینی کا دبا دبا سا جوش و خروش اور بھی ماند پڑنے لگا۔

" وہاں امی ہیں میرا خیال رکھنے کے لئے' پھر تھوڑے سے دن کی تو بات ہے فیضی۔" فیضی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی' کہ وہ کتنی خواہشمند ہے' وہاں جانے کی۔

" پھر سے یہ سلسلہ مت شروع کرو نینی' اتنے عرصے سے بھی تو تم ان لوگوں کو چھوڑ کر رہ ہی رہی تھیں تو کیا کمی آ رہی تھی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر جھنجلاہٹ طاری ہونا شروع ہوئی۔ نینی خاموشی سے واپس آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

" اس کی خوشی کی خاطر' چاہے وہ ساری زندگی بھی ادھر کا رخ نہ کرے' لیکن ایک پل کے لئے بھی وہ مہربان' محبت بھرے رشتے' اس کے دل سے محو نہیں ہوتے اور نہ ہی کبھی ہوں گے۔" یہ بات وہ فیضی سے کبھی نہیں کہہ پائی۔ وہ شاید اس کی خاموشی سے ہی' کچھ نرم پڑا۔

" تمہارا بہت دل چاہ رہا ہے تو چلی جانا کچھ دن کے لئے بس اپنا خیال رکھنا' بہت کمزور ہو رہی ہو۔" اس کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ یہ اجازت نامہ دے ہی گیا۔

" سچ۔"

" ہوں۔" فیضی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

" بہت بہت شکریہ فیضی' امی بہت خوش ہو جائیں گی۔ میں کل ہی سے تیاری شروع کر لیتی ہوں' اپنے وہاں جانے کی۔" نینی کا چہرہ جگمگا اٹھا' دل تو چاہ رہا تھا کہ ابھی فون کر کے نازی آپا کو یہ خوش خبری سنا ڈالے' مگر فیضی کے موڈ کا خیال کر کے باز رہی۔ کیا پتہ وہ پھر سے برا منا جاتا۔

" کیا تیاری کرو گی۔ کتنی مدت سے تم نے کوئی نیا سوٹ نہیں بنوایا' بلکہ سوٹ کیا' کوئی چھوٹی سی بھی شاپنگ نہیں کی ہے۔ کیا سوچیں گے وہاں سب لوگ کہ ہم کتنے گئے گزرے حال میں زندگی گزار رہے ہیں' بلکہ ہمارا گھر دیکھ کر ہی وہ یہ اندازہ کر چکے ہیں۔" وہ شدید تضاد کا شکار ہو رہا تھا۔ کم تری کا احساس' خود ترسی کو جنم دیتا تھا اور پیچھے چھوڑ کر آیا شاندار تر' بیک گراؤنڈ' سر جھکا کر جینے کی تکلیف کو ناقابل برداشت بناتا تھا۔

" کپڑوں کی کیا کمی ہے میرے پاس' شادی کے سارے ہی کپڑے یوں ہی پڑے ہیں اور شروع شروع میں تو ہم کتنی بری طرح خریداری کرتے تھے' یاد ہے تمہیں۔" اس کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ سو بڑی فطری سی خوشی طاری تھی۔ ان چھوٹی موٹی باتوں کی اب کسے پروا تھی۔

" ہاں' اب تو سب خواب سا لگتا ہے۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے' فیضی نے اس خوشگوار دور کو چند لمحوں کے لئے یاد کیا' جس کو بیتے ابھی کچھ زیادہ عرصہ بھی نہیں بیتا تھا' مگر لگتا تھا' جیسے صدیاں گزر چکی ہوں اور اس وقت تو ایسا کچھ ہو جانے کا گمان تک نہیں تھا۔ پھر تو جیسے حالات بگڑتے ہی چلے گئے۔ کتنی کوشش کر رہا ہوں' لیکن قابو میں کچھ بھی نہیں آ رہا ہے۔" یادیں ایک سی تھیں' مگر محسوس کرنے میں فرق تھا۔ کسی بہانے سہی' وہ خوش تو ہو لیتی تھی' مگر فیضی کو تو وہ بھی نصیب نہیں تھا۔

" اچھا یہ بتاؤ۔۔۔" نینی نے جان بوجھ کر موضوع بدلا۔ عمر بھائی اور دیا باجی کی جوڑی کیسی لگے گی؟"

"بہت اچھی۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔" اور یہ میں تمہیں خوش کرنے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں۔ عمر بھائی بہترین شخص ہیں' بے حد مخلص' سادہ اور انتہائی خوش مزاج' دیا کی جگہ کوئی بھی لڑکی ہو۔ عمر بھائی کا ساتھ ملنا اس کی خوش قسمتی ہوگی۔" بہت محبت کے ساتھ' وہ ان سب کو یاد کرتا تھا۔ جن کو پیچھے چھوڑ کر آیا تھا اور عمر بھی ان ہی میں سے تھا۔

"کوئی بھی لڑکی کیوں' خدانخواستہ۔" نینی بے ساختہ ہی کہہ اٹھی۔

عجیب سا وہم ہوا تھا' اسے فیضی کی بات سن کر۔" اتنے سے دن رہ گئے ہیں' ان لوگوں کی شادی میں' اب ایسی باتیں مت کرو۔"

"میں نے تو یوں ہی ایک بات کہی ہے۔ مثال دینے کے لئے۔"

اپنے پیچھے رکھے تکیوں کو ٹھیک کرتا ہوا وہ نیم دراز ہوا۔" معلوم نہیں بابا اور سجاد چچا کا کیا پروگرام ہے۔ عمر بھائی کی شادی میں آئیں گے یا پھر میری وجہ سے انہیں رکنا پڑے گا۔"

"کیوں رکنا پڑے گا؟ اب اگر تم سے وہ لوگ نہیں مل رہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تمہاری وجہ سے وہ دوسروں سے بھی اپنے تعلقات ڈسٹرب کریں۔" نینی کی پیشانی پر ہلکا سا بل آنے لگا۔" اور کیا پتہ فیضی' اس بہانے ان کا تم سے سامنا بھی ہو جائے' ساری خفگیاں دور ہو سکتی ہیں۔ تم آگے بڑھ کر گلے لگ جاؤ گے تو وہ لوگ تمہیں دھکا تو نہیں دے سکتے۔" ناراض ہوتے ہوتے وہ پھر سے پرامید ہونے لگی' مگر وہ یک دم ہی اٹھ بیٹھا۔

"یہ الٹے سیدھے مشورے مت دیا کرو تم' ساری دنیا کے سامنے تو ذلیل ہو ہی رہا ہوں۔ اب انہیں بھی اس پھٹیچر حالت کی خبر کرنی ضروری ہے۔ جن کو ٹھکرانے میں میں نے ایک لمحہ نہیں لگایا۔ کان کھول کر سن لو تم' میں مر بھی رہا

ہوں گا تو ان کے پاس جانے میں پہل نہیں کروں گا۔ مجھے ساری عمر اس دم گھٹتے ماحول میں گزار لینی منظور ہے نینی' مگر ہار ماننا نہیں۔" اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔" اور تم بھی اگر یہ سوچتی ہو کہ آج نہیں تو کل اس پر آسائش زندگی کو حاصل کر لو گی تو خوش فہمی ہے تمہاری' ہمارے خاندان میں خود کو ہمیشہ کے لئے گم کر لینے کی روایت تو ضرور ہے لیکن ہار مان لینے کی نہیں۔"

وہ جذباتی ضرور ہو رہا تھا' مگر اس کی آواز میں ہلکی سی بھی لرزش نہیں تھی۔ ایک کھلنڈرے لڑکے سے وہ ایک پرعزم اور ضدی انسان میں بدل رہا تھا۔ آگے جا کر' وہ کتنا مشکل پسند ہوتا چلا جائے گا۔ اس کا ثبوت وہ ابھی سے فراہم کر رہا تھا۔

"تمہیں میں روک نہیں رہا ہوں' لیکن کوشش کرنا کہ میرے گھر والوں سے تمہارا سامنا نہ ہو۔ یہ میری عزت کا سوال ہے۔"

"اور تم۔" نینی کے لبوں سے بمشکل نکلا۔

فیضی کا سر بڑی قطعیت کے ساتھ نفی میں ہلا تھا۔

...☆☆☆...

فیضی نے نینی کو تو' دیا کی شادی میں جا کر رہنے کی اجازت دے دی تھی' مگر خود اس کا قطعی کوئی پروگرام نہیں تھا' وہاں شرکت کا۔ نینی کا ہر اصرار بے کار ہی رہا' اس کی ایک "نہ" "ہاں" میں نہ بدلنا تھی' نہ بدلی۔ تھک ہار کر' وہ اس موضوع کو چھوڑ چکی تھی' مگر اب ایک نئی فکر سر پر سوار تھی۔

دیا کی شادی میں یا تحفہ دینا مناسب رہے گا۔ فیضی سے ذکر کیا تو وہ متفکر سا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا دے سکتے ہیں' تنخواہ اتنی کم ہے کہ کرایہ نکال کر صرف ضروری اخراجات ہی پورے ہو رہے ہیں' جہاں ٹیوشن پڑھا رہا ہوں' وہاں سے پہلے ایڈوانس لے چکا ہوں۔ اگلے مہینے پھر بھی لے لیتا ہوں تو دو ہزار میں کیا آئے گا۔"

"پھر۔" نینی جواب طلب نگاہوں سے اب بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گھر میں پہلی شادی تھی جو پورے روایتی انداز میں ہو رہی تھی۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ کوئی بہت اچھی سی چیز دیا کے لیے خریدے۔

خود فیضی بھی ایسا ہی چاہتا تھا۔

بشارت صاحب اور ان کے گھرانے سے علی الاعلان لاتعلقی کے باوجود' اپنی بالادستی کا تاثر دینے کا یہی ایک موقع تھا۔ اسے آج کل بار بار امی (بلقیس بھابی) یاد آ رہی تھیں۔ اس طرح کے مسائل کو نمٹانا ان ہی کا فیورٹ مشغلہ تھا۔ خاندان میں ہر وقت' ہر طرح کی تقریبات ہوتی رہتی تھیں اور ان میں بڑھ چڑھ کر تحائف دینے کے لیے' وہ اور بابا ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ کتنی ہی بار' زبردستی ہی سہی خود فیضی کو بھی ان کے ساتھ جانا پڑا تھا۔

الیکٹرک کی اشیائ' زیورات' فرنیچر' اس سے کم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ دیا کے لیے فیضی بھی ایسا ہی کچھ چاہ رہا تھا۔ جو بشارت صاحب کو چونکا کر رکھ دے۔

"سنو' تمہارا زیور کہاں ہے۔" نینی جب اس کی طرف سے مایوس ہو کر اٹھنے لگی تھی۔ تب وہ بے دھیانی سے پوچھ بیٹھا۔

"مہرو خالہ کے پاس' پتہ تو ہے تمہیں۔"

نینی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

فیضی کے ہی کہنے پر اس نے بہت منت سماجت کر کے اپنے دونوں سیٹ مہرو خالہ کے پاس رکھے تھے۔" میرا خیال ہے ہم ان میں سے کچھ بیچ دیتے ہیں۔"

دیا کے لیے کوئی ڈھنگ کی چیز بھی آجائے گی اور پھر ہمیں خود بھی تو پیسوں کی ضرورت اب پڑے گی ہی' اچھا ہے تھوڑے فالتو پیسے گھر میں رہیں گے۔ ایک مناسب ترین حل جو وہ ان حالات میں نکال سکتا تھا' نکال رہا تھا۔

نینی کچھ تذبذب کا شکار تھی۔ فیضی نے نکاح کے موقع پر جو سیٹ اور چوڑیاں دی تھیں وہ خاصی مالیت کی تھیں اور خود اسے جو دو سیٹ امی نے دیئے تھے' ان میں سے ایک جو چین اور لاکٹ پر مشتمل تھا' وہ ہر وقت پہننے کے کام آ رہا تھا۔

"کون سا سیٹ بیچا جائے۔" نینی کو یہ پوچھتے ہوئے بھی تکلیف کا احساس ہوا' زیورات سے عورت کی وہی فطری دلچسپی۔

"وہی جو تمہاری امی نے دیا تھا' میں نے جو خریدا تھا' وہ تو بہت مہنگا ہے۔ اسے رہنے دو۔" لاپروائی سے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے۔ اس نے فوراً ہی اس مسئلے کو سلجھایا۔

میں' میرا خاندان' میری چوائس اور وہ کچھ بھی نہیں۔ اس کے اس روّیے کی عادی ہو جانے کے باوجود بھی نینی کو برا لگا۔

کچھ چیزوں کی مالیت اتنی اہم نہیں ہوتی۔ جتنا ان سے جڑا لگاؤ ہوتا ہے۔

نینی کو ملا سیٹ امی کے زیورات کا سب سے خوبصورت سیٹ تھا' جو انہوں نے بڑی محبت سے نینی کو دیا تھا۔

"تم مہرو خالہ کے ساتھ جا کر جیولر کو دے آنا' کل ہی پیسے ہاتھ میں آئیں گے تو پھر جو مناسب ہو گا اپنی بہن کے لیے خرید لینا۔"

اسے کہیں جانا تھا۔ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے پروگرام بھی سیٹ کرنا چاہا۔ تب ہی وہ بول پڑی۔

" وہ سیٹ تو فیضی بہت خوب صورت ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ ...."

" خوبصورت۔" فیضی کی پیشانی پر ہلکا سا بل آیا۔

" مجھے تو اس کا ڈیزائن تک یاد نہیں۔ تم نے اصل میں اچھے جیولرز کی شاپس نہیں دیکھی ہیں۔ میری امی کے پاس جو کلیکشن ہے، سارا وہیں کا خریدا ہوا ہے۔ کبھی دیکھو گی تو آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔"

اوقات یاد دلاتا وہی مخصوص انداز۔

" میں بھلا کب دیکھ پاؤں گی تمہاری امی کا کلیکشن۔" نہ چاہتے ہوئے بھی نینی کے لہجے میں طنز جھلکنے لگا۔

" جیسی تمہاری مرضی، نہیں بیچنا چاہتیں، مت بیچو۔ میں تو ویسے بھی حق میں نہیں ہوں کہ تم وہاں جا کر شادی میں شرکت کرو۔" تلخی سے کہتا ہوا وہ اس کا جواب سنے بغیر باہر نکل گیا۔ دروازہ بہت زور سے بند ہوا تھا۔ نینی چند لمحوں کے لیے تو وہیں ساکت کھڑی رہ گئی۔ اپنی غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی، وہی قصوروار ٹھہری۔

" کیا ضرورت تھی، بھلا اعتراض اٹھانے کی۔ جہاں اور بہت کچھ ہوا ہے، یہ بھی سہی۔" اچھا بھلا پروگرام سیٹ ہوتے ہوئے پھر گڑبڑ ہونے والا تھا۔ آخر شادی تو اس کی بہن کی ہے پھر وہ کیوں اپنے زیور کے معاملے میں حساس ہو رہی ہے؟ خود ہی کو نصیحت فضیحت کرتے ہوئے، اس نے سارے قصور پھر اپنے ہی کھاتے میں درج کیے تھے۔

مگر پھر بھی ایک چبھن سی تھی، جو باقی تھی۔

...☆☆☆...

مہرو خالہ معترض تو ہوئیں لیکن پھر ان کی سمجھ میں نینی کا پرابلم آ ہی گیا۔ اپنے اعتماد والے پرانے جیولر کے ہاتھ نینی کا سیٹ بکوانے میں انہوں نے پوری ذمہ داری سے ساتھ دیا تھا۔ بس دو ایک بار اتنا ضرور کہا کہ بہتر ہو گا، وہ پہلے اپنی امی سے بھی پوچھ لے۔" ماں سے ذکر ضرور کر دو، ورنہ کل کو جب بھی وہ پوچھیں گی، کیا جواب دو گی؟"

بعد میں بتادوں گی خالہ، ابھی کہا تو وہ بالکل بھی نہیں تیار ہوں گی اور آپ کو پتہ ہے۔"

اب جب ایک بار وہ فیصلہ کر چکی تھی تو کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی اور وہ کون سا روزانہ امی کے گھر بعد میں بھی کبھی جا سکے گی، جو وہ اس سے ایسے سوال کریں گی۔ زندگی کا آگے کا جو منظر نامہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اتنا مایوس کن تھا کہ اس میں بہت سی باتیں غیر اہم ہوتی جا رہی تھیں۔" میرے پاس اتنے پیسے ہوتے تو میں تمہیں کبھی بھی ایسا کرنے نہیں دیتی۔" مہرو خالہ نے آزردگی سے کہا تھا۔

نینی چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اسے یقین تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہیں، محض رسمی الفاظ نہیں ہیں۔ وہ یقیناً ایسا ہی کر جاتیں۔ اپنے انتہائی متوسط حال کے باوجود، کتنی عجیب سی بات تھی۔ وہ جو اس کی کچھ نہیں تھیں، سچی ہمدرد اور غمگسار تھیں اور یہیں اسی شہر میں کتنے قریب ترین رشتے تھے جو اس کے وجود تک سے نالاں تھے۔

کون یقین کر سکتا تھا کہ وہ باباصاحب کے سب سے چہیتے پوتے کی بیوی ہے۔

فیضان احمد۔

وقار احمد کے لمبے چوڑے بزنس کا اکلوتا وارث، ایک پھٹیچر سی نوکری اور ٹیوشنز پڑھا کر گھر کی گاڑی کو جیسے تیسے کھینچ رہا تھا۔ فیضی کے خاندان کی سخت دلی پر اسے رنج زیادہ ہوتا تھا یا حیرت۔

" پتہ نہیں۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے خود کو کمپوز کرنا چاہا۔

" کل کو تمہارے سسرال والے آنے جانے لگے تو کیا بتا سکو گی کہ تمہاری امی نے تمہیں کیا زیور دیا تھا۔ پھر شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔"

مہر و خالہ کی نوے فیصد فکریں' آنے والے کل سے جڑی رہتی تھیں۔ آج کا دن چاہے کتنی سختی سے گزر رہا ہوتا۔ اس پر وہ صابر اور قانع تھیں۔ دوسروں سے بھی یہی امید رکھتیں۔ ایک ہلکی سی تلخ مسکراہٹ نینی کے لبوں کو چھو کر گزری۔" وہ لوگ کبھی نہیں آئیں گے خالہ' یہ آپ مجھ سے لکھوا لیں۔"

" اللہ نہ کرے' کیوں نہیں آئیں گے۔ لاکھ ناراض ہوں تم دونوں سے' لیکن جب اپنے پوتے' پوتی کی خوشخبری سنیں گے تو دیکھنا کیسے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ تم یہ فالتو باتیں مت سوچا کرو۔" وہ خفا ہونے لگیں۔

" کون پہنچائے گا ان تک خبر' فیضی نے تو اپنی امی کو فون تک کرنا چھوڑ دیا ہے۔ آٹھ دس ماہ سے نام بھی لیتی ہوں' ان لوگوں کا تو خفا ہوتے ہیں۔" وہ اتنی مایوس تھی کہ آنے والی خوشی بھی امید نہیں جگاتی تھی۔

" میں خود جائوں گی' تمہارے سسرال' فیضی منع کرتا ہے تو کرتا رہے اور ہاتھ پکڑ کر لائوں گی تمہارے ساس' سسر کو یہاں اس فلیٹ میں دیکھنا تو تم۔" وہ بڑی دبنگ خاتون تھیں۔ کیا خبر ایسا کچھ کر بھی بیٹھیں۔

اور پھر فیضی اس پر جتنا بھی غصہ کرتا کم ہوتا۔ ابھی تک تو اسے دیا' نازی وغیرہ کے یہاں آنے کا ہی رنج ستا رہا تھا۔ اگر اس کے اپنے گھر والے....

اپنی اس خستہ حالی کو وہ کسی گناہ کی طرح چھپائے رکھنا چاہتا تھا۔

" خدا کے لیے خالہ۔" نینی نے بے ساختہ ہی ہاتھ جوڑے۔

" ایسا کچھ مت کیجئے گا' فیضی مجھے گھر سے نکال دیں گے۔"

کیسے نکال دیں گے۔ شادی کر لی لیکن بیوی کو اسکا حق دلوانا نہیں آیا اور مجھے تو تمہارے اماں ابا پر بھی حیرت ہے۔ جنہوں نے اکیلے لڑکے سے تمہاری شادی پر حامی بھر لی۔"

ان کی صاف گوئی کسی وقت بڑا دل دکھاتی تھی' لیکن یہاں یہی مہر و خالہ اس کا سب سے بڑا سہارا تھیں۔ نینی کا سیٹ فروخت کروا کر' جو پیسے حاصل ہوئے تھے۔ وہ انہوں نے گن کر تسلی کروا کر نینی کے حوالے کیے تھے۔ میکے سے ملا زیور' جو بقول فیضی کے زیادہ مالیت کا تھا بھی نہیں' سونے کے فی زمانہ ہوش اڑاتے بھائو کے صدقے' اچھے خاصے پیسے دے گیا تھا۔ رات کو جب فیضی یہ پیسے گن رہا تھا' تب نینی کو اس کے چہرے پر اطمینان سا پھیلا محسوس ہوا تھا۔

" بہت اچھا کیا تم نے جو یہ کام کر ڈالا' یوں ہی فضول بے کار پڑا تھا۔ اچھا ہے کام ہی آ گیا۔" نینی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ کام آنے کی امید تو گاڑی سے بھی تھی۔ وہ فروخت ہو جاتی تو کتنے ہی مسائل کا حل ممکن تھا' مگر اس کی نوبت ہی نہیں آ سکی۔ وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ روٹی پکانے کے لیے توا چولہے پر رکھا اور دوپہر کو پکا کر رکھی توری کی بھجیا ہلکی آنچ پر دوسرے چولہے پر رکھی۔

تب ہی فیضی کمرے میں سے نکلتا دکھائی دیا۔

" روٹی مت بنائو نینی' آج ہم کھانا باہر کھائیں گے۔ بہت دن سے کوئی اچھی چیز نہیں کھائی۔" فیضی کے لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا' نینی کو سمجھنے میں ذرا دیر نہیں لگی کہ وہ ان زائد پیسوں کی وجہ سے اپنے پرانے موڈ میں آ چکا ہے۔

" کھانا پکا ہوا ہے فیضی' بے کار میں ضائع ہو گا۔ کچھ کھانے کو دل چاہ رہا ہے تو کل لے آنا گوشت میں خود پکا دوں گی۔" بہت نرمی سے اس نے اس فضول خرچی سے باز رکھنے کی کوشش کی' مگر بے سود وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ سو اب وہی ہونا تھا'

جو اس نے چاہا تھا۔ ”کون سا فائیو سٹار جانے کی بات کر رہا ہوں میں، کسی قریبی باربی کیو تک ہی تو جانا ہے۔ اتنے عرصے کے صبر شکر کے بعد کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں ہے۔“

اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا، جو الٹا نینی کو شرمندہ کر گیا۔ پچھلے سال ڈیڑھ سال سے وہ واقعی، اپنے سارے نخرے بھلا چکا تھا۔ دال، سبزی جو بھی اور جیسی بھی پک جاتی، سر جھکا کر کھا لیتا تھا۔ شادی کے ابتدائی زمانے میں نینی نے اگر اس کی اصل زندگی کے رنگ ڈھنگ نہ دیکھے ہوتے تو یقیناً وہ اسے ایسا کرتے دیکھ کر، حیرت بھرے دکھ میں نہ مبتلا ہوتی۔ آخر تو لاکھوں لوگ اسی شہر میں اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ صورت حال میں زندگی بسر کرتے ہی ہوں گے مگر فیضی تو جیسے یک دم ہی عرش سے فرش پر آیا تھا۔ وہ اسے کبھی کبھار ملنے والی اس چھوٹی سی خوشی سے محروم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سامنے سڑک پر چلتے فوڈ اسپاٹ میں سے کسی ایک پر جانے کا خواہش مند ہے، مگر جب نیچے اترتے ہی فیضی نے ٹیکسی روکی، تب وہ بمشکل ہی خود کو دوسرے اعتراض سے بچا سکی۔ فائیو سٹار نہ سہی، لیکن ایک خاصے معروف ریسٹورنٹ کا بوفے، کنوینس کے لیے ہوش اڑاتے کرائے۔

فیضی کی خوشی کی خاطر ایک زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے رکھنے کے باوجود، نینی مستقل ہی اس تھوڑی سی دیر کی تفریح میں ہونے والے اخراجات کے جمع جوڑ میں مصروف رہی۔

”شاید وہ کچھ زیادہ ہی زود رنج ہوتی جا رہی ہے جو دل کسی وقت بھی خوش ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔“ واپسی پر فیضان کے ساتھ، ان نیم تاریک اور جگہ جگہ سے پلستر اکھڑتی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے وہ سوچ گئی۔

”آج بہت مزا آیا نا۔ کتنے دن بعد ہم نے اس طرح ہوٹلنگ کی۔ بس اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو کم از کم مہینے میں دو بار تو ہم باہر چلا ہی کریں گے۔ اب ایسی بھی کیا غربت کہ بندہ کسی وقت بھی ریلیکس نہ ہو سکے۔“ اوپر پہنچ کر بھی، وہ مستقل ایسی ہی باتیں کیے گیا۔

”مہینے میں دو بار ایسی ہی تفریح کا مطلب فلیٹ کے کرائے میں ایک آدھا بل۔“ نینی نے بمشکل ہی خود کو ایسا کہنے سے روکا۔ وہ بہت خوش تھا اور کم از کم اس وقت وہ اس خوشی کو ماند نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”تھوڑے سے پیسے گھر میں رکھ کر، باقی تم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروا دو، ضرورت کے وقت نکال لیں گے۔“

”کروا دوں گا۔“ اس نے بے فکری سے ہاتھ ہلایا، اس جگہ میں ایک یہی بات اچھی ہے، کہ چوری چکاری کا ڈر نہیں ہے۔ سب پرانے رہنے والے ہیں تو بڑی سیفٹی سی رہتی ہے۔“ آج اس کا موڈ اچھا تھا تو اسے یہاں پہلی بار کوئی خوبی بھی دکھائی دی۔ نینی بیڈ شیٹ ٹھیک کر رہی تھی۔ دبی دبی سی سانس لیتے ہوئے بنا اس کی طرف دیکھے بول اٹھی۔ ”گاڑی، اسی کمپاؤنڈ سے چوری ہوئی تھی۔“

”وہ دوسری بات ہے۔ باہر سے کون کب آتا ہے، کوئی کیسے خبر رکھ سکتا ہے۔ قسمت میں یہ نقصان لکھا تھا، سو پورا ہوا۔“ حیرت انگیز طور پر وہ اتنے بڑے نقصان پر جلد ہی صبر کر چکا تھا۔

پتہ نہیں کیوں، مگر نینی کو غصہ آنے لگا۔

”لاکھوں روپے کا سوال تھا فیضی، مگر تم تو بس دو چار دن میں ہی بھاگ دوڑ کر کے بیٹھ گئے۔ اگر اپنے سجاد چچا کو ہی فون کر دیتے تو وہ برآمد کروا ہی دیتے گاڑی۔“

”کیسے کر سکتا تھا انہیں فون۔“

فیضی کے ماتھے پر بل پڑنے لگا۔ ”کتنے دعوے سے نکلا تھا۔ اس گھر کو چھوڑ کر، اصولاً تو مجھے یہ گاڑی لے کر بھی نہیں آنی چاہیے تھی۔ کوئی میں نے اپنی کمائی سے تو نہیں خریدی تھی، جس طرح آئی تھی۔ اسی طرح چلی بھی گئی۔“

'' ہمیں پیسوں کی ضرورت تھی اور ہے' اس گاڑی سے ایسے کیسے دستبردار ہو سکتے ہیں۔ تمہاری نہ سہی' تمہارے والد کی' دادا کی کمائی کی تو تھی' مگر تم نے ذرا بھی پروا نہیں کی۔'' غیر محسوس انداز میں وہ چڑچڑی ہوتی جا رہی تھی۔

'' ان لوگوں کی اصل کمائی' میں تھا۔ جب میں ہی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر باقی کسی بھی چیز کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی' چاہے تمہیں وہ کتنی بھی قیمتی لگتی ہو۔'' بہت سنجیدگی سے فیضی نے اپنی بات پوری کی۔ نینی نے دیکھا' اس کے چہرے کی مسکراہٹ اب غائب ہو چکی تھی۔

'' خوش فہمی ہے تمہاری یہ بھی۔'' کسی کسی وقت فیضی کو آئینہ دکھانے کو بھی دل چاہتا تھا۔'' اگر تم ان کے لیے اہم ہوتے تو ہم یہاں نہ پڑے ہوتے' کب کا وہ تمہیں لے جا چکے ہوتے۔ کیسے لوگ ہیں' زمانے بھر کے عیش و آرام حاصل ہیں اور اولاد کو یوں خواری کی نظر کر رکھا ہے۔'' وہ سنگ دلی سے تجزیہ کیے گئی۔

حالانکہ فیضی سے ہزار بار ''خاندانی روایات اور '' اصول پسندی'' کے قصیدے سن چکی تھی' پھر بھی۔

فیضی ساکت نگاہوں سے اسے دیکھے گئے' نہ بھڑکا' نہ ہی چلایا اور جب وہ اپنی بات مکمل کر چکی تو بڑے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

'' اگر تم ان حالات سے تھک چکی ہو۔ تو اسی وقت واپس جا سکتی ہو۔ تمہارے گھر کے دروازے تو ویسے بھی تم پر کھلے ہوئے ہی ہیں۔'' بے مروتی کا یہ مظاہرہ نیا نہیں تھا۔

نینی نے اس سے پہلے بھی' اس سے ملتے جلتے الفاظ اس کے منہ سے سنے تھے۔ سو اب نہ حیرت ہوئی تھی اور نہ ایسا ہی جان لیوا دکھ گھیرتا تھا۔

'' دروازے تو تم پر بھی کھلے ہوئے ہیں فیضی' کہیں مجھے واپسی کا راستہ دکھا کر تم خود بھی تو لوٹنا نہیں چاہ رہے ہو۔''

ایک سایہ سا اس نے فیضی کے چہرے پر سے گزرتا ہوا دیکھا۔

'' بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔'' وہ نظر چرا کر باہر لائونج میں چلا گیا۔

نینی نے دیکھا وہ فریج سے پانی کی بوتل نکال رہا تھا۔ وہ خاموشی سے الماری کی طرف بڑھ گئی۔ فیضی کے کپڑوں کے خانے میں سامنے ہی سارے پیسے بے ترتیبی کے ساتھ پڑے تھے۔ بڑی آہستگی سے اس نے انہیں اکٹھا کر کے کپڑوں کی آخری تہہ کے نیچے رکھا۔ شاید یہ سارے پیسے فیضی کے ہاتھ میں تھما کر وہ ایک بار پھر غلطی کر چکی ہے' نہ چاہتے ہوئے بھی نینی کو بار بار یہ خیال آئے جا رہا تھا۔

...☆☆☆...

وحید' آفتاب کے گھر اب کم کم ہی آ رہے تھے۔

دھول اڑاتے' اس وحشت بھرے گھر سے اب ان کی صرف اتنی ہی دلچسپی رہ گئی تھی کہ ثانیہ کی ممانی ان سے وہیں مل سکتی تھیں۔ وہاں گھر میں بیماری کی وجہ سے اب جمیل ماموں ہمہ وقت رہتے تھے' سو مصلحتاً وہاں جانا ٹھیک نہیں تھا۔ پارک یا ہوٹل میں ملنا ممانی کے مسلک کے خلاف تھا۔

'' اس عمر میں غیر مرد سے ایسی جگہوں پر ملنا توبہ توبہ۔'' تنہائی میں انہوں نے وحید کی آفر پر باقاعدہ توبہ بھی کی تھی' لیکن آفتاب کے گھر میں بیٹھ کر ساز باز کر لینے میں ان کے نزدیک کوئی قباحت نہیں تھی۔

زندگی بھر گناہ اور ثواب کا ان کا اپنا ہی معیار رہا تھا۔ وحید کوشش کر کے زیادہ بات فون پر ہی نمٹا رہے تھے' مگر اس وقت معاملہ رقم کے لین دین کا تھا۔ سو انہیں آفتاب کے ہاں آنا ہی پڑا۔ آج چھوٹے بیٹے کی طبیعت خراب تھی' فرحت اسے

ہسپتال لے کر گئی ہوئی تھیں۔ وہاں دیر ہو گئی تھی۔ گاڑی آج کل ایک ہی تھی۔ انتظار کی زحمت اٹھانے کے بعد ان کا موڈ قدرتی طور پر خراب تھا۔

"پتہ بھی تھا کہ مجھے جانا ہے' مگر تم جان بوجھ کر وہ حرکتیں کرتی ہو کہ مجھے پریشان رکھو۔ بخار ہی تو تھا' مر تو نہیں رہا تھا بچہ' جو ایسی ایمرجنسی مچا کر رکھ دی۔"

نکلنے سے پہلے وہ بے رحمی سے' انہیں جو منہ میں آیا کہہ گئے۔ فرحت نے اسی پر تشکر کیا کہ آس پاس تینوں بچوں میں سے کوئی نہیں تھا۔

خود انہیں اب وحید کی کسی بھی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وحید سے اپنے اور بچوں کے رشتے پر وہ کب کی صبر کر چکی تھیں' جو کچھ بھی کہتے' ایک کان سے سنتیں اور پوری کوشش کرتی کہ دوسرے کان سے نکال بھی دیں۔ اس شعوری کوشش میں جس تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا۔ وہ ایک الگ قصہ تھا۔ اس لمبی چوڑی تقریر کے جواب میں وہ ایک خودساختہ اطمینان کے ساتھ کمرے سے باہر جا چکی تھیں۔ ایک خاموش تبدیلی تھی' جو ان میں آتی جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بک جھک کرتے وہ نکلے تو رخ آفتاب کے گھر کی طرف ہی تھا۔ ممانی کے کئی فون آ چکے تھے۔ اپنی ساری چڑچڑاہٹ بھلا کر' وہ ان سے معمول کی خوش اخلاقی ہی برتتے گئے۔ وہ کب کی آ کر آفتاب کے گھر بیٹھ چکی تھیں اور وحید کو پورا اندازہ تھا کہ ان کی والدہ ممانی سے کس قسم کا برتاؤ رکھے ہوئے ہوں گی۔ کئی مس کالز شیرا کی بھی تھیں۔ وحید کا موڈ خراب ہونے لگا۔ شیرا دن میں کئی کئی بار فون کرتا۔ کسی کسی وقت وہ بات کر لیتے' ورنہ یوں ہی فون بج بج کر بند ہو جاتا' پتہ تھا کہ وہ کیا کہے گا۔ "پیسہ' پیسہ اور مزید پیسہ۔"

اس کی رٹ صرف یہی ایک تھی۔ معلوم نہیں وہ اسے کتنا نواز چکے تھے' مگر وہ تو جیسے مفت کی کھانے کا عادی ہو چکا تھا۔ اپنے سارے پرانے دھندے چھوڑ کر آرام سے بیٹھا تھا۔ موج اڑاتا اور جب ہاتھ خالی ہونے لگتا' انہیں فون کھڑکاتا' وہ اس سے سخت بے زار ہوتے جا رہے تھے۔ جب تک وہ ان کے کام کا تھا۔ تب تک تو اسے پیسے دینا انہیں نہیں کھل رہا تھا' مگر اب تو جیسے ایک فالتو کا بوجھ تھا' جو سر پر اور جیب پر دونوں پر دھرا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ انہیں اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا' جو کام شیرا سے لیا تھا۔ وہ کسی بالکل اجنبی کرائے پر کام کرنے والے سے لینا چاہیے تھا۔ کام ختم' تعلق بھی ختم۔ شیرا جیسے آدمی کے ہاتھ' اپنی کمزوری پکڑانا' اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے برابر تھا' مگر اب مجبوراً ہی سہی کچھ عرصے اسے برداشت کرنا ہی تھا۔ آفتاب کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے' انہوں نے اپنا موبائل آف کیا' تاکہ ان کی بات چیت میں کوئی خلل نہ پڑے اور اپنا والٹ تھپتھپا کر پیسوں کی موجودگی کا یقین کیا۔ آفتاب اپنے سٹور پر بیٹھا دکھائی دے رہا تھا' مگر وہ اس کی طرف جانے کے بجائے' دور سے ہی ہاتھ ہلا کر گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔ دروازہ پہلے ہی کھلا ہوا تھا اور اندر دھول بھرے ڈرائنگ روم میں ثانیہ کی ممانی اور ان کی والدہ دونوں بالکل خاموش بیٹھی تھیں۔ ماحول پر چھایا ایک ان دیکھا تناؤ' انہیں وہاں قدم رکھتے ہی نظر آ گیا تھا۔

"السلام علیکم" انہوں نے بڑے خوشگوار انداز میں شروعات کی تھیں۔ ممانی نے تو پھر بھی جواباً دعائیں دی تھیں' مگر والدہ ایسے کسی موڈ میں نہیں تھیں۔

"وہ تو ان کی شکل دیکھتے ہی میں سمجھ چکی تھی کہ اب تم بھی کہیں سے نازل ہونے والے ہو۔"

"ایسا تو نہ کہیں اماں۔" وہ جھینپ کر ہنس پڑے۔

ممانی ذہنی طور پر انہیں داماد والا پروٹوکول دے چکی تھیں' سو انہیں والدہ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں۔

" اتنی دیر سے بیٹھی بھی مستقل طنزیہ گفتگو جاری رکھی۔ بے چارہ بیٹا آیا تو اسے کے پیچھے پڑ گئیں۔ غریب کو کہیں سکون نہیں ہے۔"

دل ہی دل میں انہوں نے وحید کی قسمت پر خاصا رنج بھی کیا۔ ہوا کے تیز جھونکوں سے سوکھے پتے اڑ اڑ کر اندر آ رہے تھے۔ گھر کی فضاء میں جیسے مٹی بس گئی تھی۔ سانس لیتے تو اندر جاتی ہوئی محسوس ہوتی۔

" گھر کی صفائی تو کروالیا کریں' اماں کیا حال ہو رہا ہے۔ کام والی نہیں آ رہی کیا۔" وحید کہہ ہی گئے' اماں اٹھ رہی تھیں' ذرا اسار کیں۔

" جب گھر والی نہ ہو تو گھر' گھر نہیں رہتا ہے۔ آفتاب کی بیوی کو تو اس کے گھر بیٹھا چکے ہو۔ اب اپنے گھر کا کیا حشر کرو گے' یہ اللہ کو خبر ہے۔"

اپنی بات کہہ کر وہ ہلکے ہلکے چلتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ ممانی اور وحید کے درمیان بڑی چبھتی ہوئی شرمندگی رہ گئی تھی۔

" بڑھاپا ہے' اسی طرح بولتی ہیں' بناء سوچے سمجھے۔"

انہوں نے ایک بودی سی دلیل دی۔" خیر' اب آپ بتائیں' نیک کام میں کتنی دیر اور ہے۔ میں بھی اس بے سکونی سے نکلوں تو کاروبار پر پوری طرح توجہ دوں۔ بہت پریشان رہتا ہوں اب تو۔"

وہ جیسے معلوم نہیں کتنا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ ممانی تڑپ ہی تو گئیں۔

" بس کچھ دن کی بات ہے۔ ہم ہیں نا تمہارے اپنے' دیکھنا کتنا سکھ ملے گا تمہیں ثانیہ کے ساتھ' ذرا بھی اس نے بے توجہی کی اور میں نے اس کی خبر لی۔" وہ ایک مشفق ساس کے روپ میں پوری طرح ڈھل رہی تھیں۔ وحید متاثر تو نہیں ہوتے تھے لیکن مصلحتاً ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔

" میں نے گھر کے کاغذات بننے کے لئے دے دیئے ہیں لیکن رجسٹری نکاح کے بعد ہی ہوگی۔"

" ایک بات کہنی تھی بیٹا' اگر تم غلط نہ سمجھو۔"

دل میں دبی خواہش کو آج وہ ہمت کر کے زبان پر لا رہی تھیں۔ وحید جیسے شاطر شخص کے لئے ان کی ٹائپ سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ زبان سے کچھ کہے بناء انہوں نے سوالیہ نگاہیں ان کے چہرے پر جمائیں۔

" ہمیں تم پر پورا اعتبار ہے' لیکن ایسی صورت میں بیٹی دینا' وہم میں مبتلا تو کرتا ہے نا۔"

"میں نے گھر ثانیہ کے نام پر خریدنے کی سکیورٹی دی ہے اور پھر آپ کو الگ سے دو لاکھ روپیہ' نکاح سے پہلے دے رہا ہوں۔ باقی شادی کا سارا خرچہ میں آپ کے ہی ہاتھ میں دے رہا ہوں۔" انہوں نے ایک سانس میں اپنے سارے احسانات گنوائے۔

" اب تو آپ مجھے صرف تاریخ دیں۔ میں اس دن چار دوستوں کو لے کر آ جاؤں گا۔ بات ختم۔" پہلی بار ان کے لہجے میں ناگواری سی آئی۔

" تیاری کے نام پر ہر ملاقات میں یہ عورت دس بیس ہزار کر کے ان سے کتنے ہی پیسے نکلوا چکی ہے۔" یہ بات انہیں فوراً ہی یاد آئی تھی۔

ایسے جلد بازی میں کام نہیں ہوتے میاں' ثانیہ کے ماموں کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ آج کل میں وہ نوابشاہ بھی جانے والی ہے...."

" نواب شاہ کیوں؟" وہ کچھ چونکنے سے ہو کر بیٹھے۔

"عزیزوں میں کوئی شادی ہے، وہاں شرکت کے لئے جانا ہے۔" ممانی کو اپنی غلطی کا فوراً ہی احساس ہوا تو بات بنا گئیں۔ نواب شاہ والے گھر کی بھنک بھی وہ وحید کو نہیں دینا چاہتی تھیں۔

"اتنی جلدی تو بہت مشکل ہے۔ ہمارا بھی خاندان ہے۔ ان سب کو بتانا ہو گا۔ کئی جگہ سے ثانیہ کے رشتے آئے ہوئے ہیں۔ بعض تو بہت ہی اچھے ہیں۔ اس کی ماں اور ماموں کو راضی کرنا کوئی کھیل تھوڑی ہے۔" ممانی کے لہجے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔ وحید کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اب بھاؤ بڑھانا چاہتی ہیں۔

"ساری دنیا ان ہی کی گردن کاٹنے پر کیوں تلی ہوئی ہے۔" دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے وہ زبردستی مسکرائے۔ "پھر کوئی راستہ تو ہو گا آپ کے پاس۔"

"راستہ تو تمہارے ہی پاس ہے۔ ہمارے مسئلے تمہارے سامنے ہیں۔ ان سے نجات ممکن ہو تو کیا ماموں کیا ماں سب ہی تم سے راضی ہونے میں دیر نہیں لگائیں گے۔" ان کا خیال صحیح تھا۔

"میں نے دو لاکھ روپے آپ کی مدد کے خیال سے ہی دیئے تھے۔" انہیں یاد آیا۔ اس وقت دو لاکھ کا سن کر ممانی کا چہرہ کس طرح کھلا تھا، مگر اس وقت وہ اتنی بے زار سی محسوس ہو رہی تھیں کہ حد نہیں۔

"دو لاکھ میں آج کل کیا بنتا ہے۔ کسی فٹ پاتھ پر کیبن بھی نہیں لگ سکتا۔ ہماری تو روزی روٹی بھی بند ہو چکی ہے۔ دو لاکھ میں کیا کیا کریں گے۔"

"لیکن اب اس طرح بات بدلنا تو ٹھیک نہیں ہے۔" وحید کو لگا کہ وہ ثانیہ کی ممانی کو اب تک ٹھیک سے سمجھے ہی نہیں ہیں۔

"میری مانو پانچ لاکھ کا انتظام کر لو۔ جلد سے جلد شادی کروانا میرا ذمہ۔" وہ بے اعتنائی سے کہتی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔

"پانچ لاکھ۔"

ایک بار تو انہیں جھٹکا سا ہی لگا۔

"خوب صورت، کم عمر لڑکی مل رہی ہے۔ سسرال والے الگ تمہارے ساری عمر احسان مند رہیں گے اور کیا چاہیے آگے سوچ لو، تمہاری مرضی۔"

"مجھے منظور ہے۔" پل کے چھوٹے سے حصے میں انہوں نے فیصلہ کیا اور پوری قطعیت کے ساتھ سنا بھی دیا۔

"ہاں۔" ممانی جاتے جاتے پلٹیں۔ "جیتے رہو، مجھے پوری امید تھی کہ تم مان جاؤ گے۔ اللہ نے کانچ جیسا دل دیا ہے تمہیں، بس اب تو فکر ہی نہ کرو۔ میں جانوں میرا کام۔"

خوشی سے ان کا چہرہ دمک رہا تھا اور دل لبنیٰ کی سمجھداری پر عش عش کر رہا تھا، جس نے انہیں یہ راہ سمجھائی تھی۔

"پانچ کے دس بھی کہہ دیتی تو شاید مان جاتا۔" انسانی فطرت کے عین مطابق، اس خیال سے بھی باز نہ رہ پائیں۔ جب وحید بٹوہ سے نکال رہے تھے، پانچ پانچ ہزار کے دس نوٹ۔

"اب جو تیاری باقی ہے جھٹ پٹ کر ڈالیں، زیورات میں خود لاؤں گا۔" ممانی کے منہ سے کچھ نہ نکل سکا۔ انہیں رخصت کر کے وہ کچھ دیر وہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہے، پھر باہر آفتاب کے سٹور پر چلے آئے۔

"بہت دن لگا دیئے اب کے تو۔" وہ پوچھ رہا تھا۔

"فرصت ہی نہیں ملتی، ہزار کام ہیں۔"

آفتاب نے ان کی دن بدن بڑھتی رکھائی کو محسوس کرنے کے باوجود نظرانداز کیا۔ بینا سے اس کے جھگڑوں کے زمانے میں انہوں نے جیسے یہیں قیام کر لیا تھا۔ آفتاب کو پوری سپورٹ اور محبت دینے میں کوئی کمی نہیں رکھی تھی۔

"چلتا ہوں' دیر ہو رہی ہے۔" مختصر سی بات کر کے وہ سیڑھیوں سے اترنے لگے تھے کہ آفتاب کو کچھ یاد آیا۔"

وحید بھائی' آپ کے کسی دوست کا فون آیا تھا۔ سلام کہہ رہے تھے آپ کو۔"

"میرا دوست۔" بہت حیرت سے انہوں نے آفتاب کو دیکھا۔

"کوئی شیر اصاحب تھے' کہہ رہے تھے' دوبارہ فون کروں گا۔" خطرے کی گھنٹی تھی جو بہت قریب سنائی دی تھی۔

...☆☆☆...

دیا کا مایوں میں پہننے والا سوٹ امی نے خود اپنے ہاتھوں سے سیا تھا۔ باقی سارے درزی کے ہاں سلے تھے۔

گو اب بوتیک کے لئے سلائی کا کام بھی وہ چھوڑ چکی تھیں' مگر اتنے طویل عرصے سے' اس کام سے جکڑے رہنے کے بعد ڈیزائننگ ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن چکی تھی۔

دیا کے سارے سوٹ ایک سے بڑھ کر ایک تھے اور جس جس نے بھی دیکھے تھے' بے حد تعریف کی تھی۔

مایوں کے سوٹ کے ایک ایک ٹانکے میں' ان کی گہری محبت اور دعائیں شامل تھیں۔ جن کا کوئی نعم البدل نہیں تھا۔

"یہ سوٹ بہت مبارک ہے امی اور بہت انمول' دیا کے سارے کپڑوں سے زیادہ قیمتی۔" جس وقت وہ سوٹ تیار کر کے امی نے ہینگر میں لگا کر نازی کو دکھایا تو اس نے بے ساختہ ہی کہا۔

"اللہ کرے گا بہت جلد ایسا ہی سوٹ میں تمہارے لئے بھی تیار کروں گی۔" اس کے قریب آ کر' انہوں نے بے ساختہ ہی اس کی پیشانی چومی۔

ٹھنڈا پر سکون لمس۔ اتنا گہرا سکون' جیسے ساری تھکن کہیں دور اڑتی جا رہی ہو اور وہ اس احساس کے لئے کتنا ترسی تھی۔ خود ہی جانتی تھی۔

کمرے میں اس وقت ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ نازی نے دیکھا' امی کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"امی۔" وہ بے اختیار ہی ان کے گلے سے لگ کر رو پڑی۔

یہ کیا بے وقوفی۔ میں تو ہمیشہ کہتی ہوں کہ میری اولاد میں سب سے زیادہ بہادر نازی ہے اور سب سے زیادہ سمجھدار بھی۔"

اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے' وہ رندھی ہوئی آواز میں اسے سمجھائے گئیں۔ آج کل جب وہ وقفے وقفے سے' اس کے ساتھ محبت کا اظہار کرتی تھیں تو نازی کو اپنی گزشتہ سوچ پر شرمندگی گھیرنے لگتی تھی۔ بھلا اس نے کیسے سوچ لیا تھا کہ وہ اس کی طرف سے بے توجہی برت رہی ہیں۔

"تم نے جتنا کچھ اس گھر کے لئے کیا ہے۔ اس کا اجر تو خدا ہی تمہیں دے گا۔ سمیع ٹھیک کہتا ہے کہ نازی آپا کے ساتھ' ہم سب نے بہت خود غرضی سے کام لیا ہے۔" اسے خود سے لگائے ہوئے' وہ ہلکے ہلکے کہہ رہی تھیں۔ "کیا۔" وہ دھیرے سے پیچھے ہٹی۔

"سمیع بھی ایسا ہی سوچتا ہے۔" اسے یہ جان کر ہی عجیب سا لگا۔

سمیع جو گھر پر نہ ٹکنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا۔ پہلے پڑھائی کے نام پر اور اب جاب کی مصروفیت تو تھیں ہی۔" دماغ خراب ہے سمیع کا' میں نے ایسا کیا کر دیا ہے اور یہ جو سب کی محبت....۔"

اس کی نگاہ اور لہجہ دونوں ہی کاٹ دار تھے۔ ماحول پر چھائی جذباتیت کو اس نے لمحے میں جانا تھا۔" کچھ نہیں' بس ایسے ہی۔" نازی نے مسکراتے ہوئے بات ٹالی' مگر وہ پھر بھی مشکوک سی نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھے گئی۔

" یہ سوٹ دیکھا تم نے' نازی کو تو بہت ہی پسند آیا ہے۔ ابھی کہہ رہی تھی کہ دیا کے سوٹوں میں اس سے زیادہ پیارا کوئی اور سوٹ نہیں ہے۔"

اپنی کارکردگی پر امی کے لہجے میں معصوم سا فخر تھا' جس پر دیا نے ذرا سا بھی دھیان نہیں دیا تھا۔

" اگر نازی آپا کو یہ سوٹ اتنا ہی اچھا لگ رہا ہے تو وہی پہن لیں اس جوڑے کو۔" ذرا سا بھی لحاظ کیے بغیر اس نے مشورہ دے ڈالا تھا۔ نازی تو اس کی بدتمیزی پر گنگ ہو کر رہ گئی' لیکن امی برس ہی تو پڑیں۔

" بولنے سے پہلے کچھ تو سوچ لیا کرو دیا' بڑی بہن سے بات کرنے کی کچھ تمیز ہے کہ نہیں۔ مایوں کا جوڑا تمہارا ہے۔ اس کے لئے مذاق میں ایسا کہا جاتا ہے کیا؟"

" میں مذاق کب کر رہی ہوں۔" بے تاثر سے لہجے میں کہتی ہوئی وہ کمرے کے وسط میں آ کھڑی ہوئی۔

" ضروری تو نہیں جس کے لئے سلے وہی پہن لے۔"

امی کا چہرہ سرخ پڑنے لگا تھا' آج کل دباؤ کی وجہ سے ان کا بلڈ پریشر بار بار شوٹ اپ کر جاتا تھا۔ نازی کو لگا کہ کہیں دیا کی فضول سی بات پر' وہ خوامخواہ ہی اپنی طبیعت نہ خراب کر بیٹھیں۔

" آپ کیوں خفا ہو رہی ہیں' دیا کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اگر مجھے یہ سوٹ اچھا لگا ہے تو میں پہن لوں' اس کے لئے آپ دوسرا تیار کر دیں اور بس۔" وہ خود کو نارمل کرتی ہوئی۔ امی کے ہاتھ سے ہینگر لیتی ہوئی الماری کی طرف بڑھ گئی۔ شکر تھا کہ دیا نے اس بات کی تردید نہیں کی۔

" بہن کا خیال کیا کرو۔ وہ ہمیشہ تم سب کا خیال رکھتی آئی ہے۔ اس کی محبت کا بہت قرض ہے تم لوگوں پر۔"

امی نے ساری عمر دیا کے ناز نخرے ہی اٹھائے تھے۔ نصیحت اسے اب کرنا چاہی۔ جب وہ سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں تھی اور یہاں سے اس کے جانے میں محض چند دن ہی باقی رہ گئے تھے۔

" مجھے کوئی کچھ نہ کہے' میں تو سارے قرض سود سمیت اتار کر جا رہی ہوں۔" دیا وہیں مسہری پر بیٹھ چکی تھی۔ آج کل وہ تواتر سے جلی کٹی باتیں کرتی تھی۔ اس میں یہ بھی کوئی نئی بات نہیں تھی۔

" سنو' تم نے آخر ٹھانا کیا ہے' جا کر عزت سے اس گھر کو بساؤ' یہی باتیں وہاں بھی کیں تو کوئی چار دن بھی برداشت نہیں کرے گا تمہیں۔"

امی کی سوچ کے ساتھ ہی' ان کا لہجہ بھی بتدریج بدلا تھا۔ بہت سوچنے کے بعد بھی' نازی کو یاد نہیں آتا تھا کہ وہ کبھی دیا سے اس ٹون میں مخاطب ہوئی ہوں۔

" آپ کو ان کے برداشت کرنے کی فکر ہے۔ میں انہیں برداشت نہیں کر سکوں گی' کبھی یہ نہیں سوچا ہے آپ نے۔" امی نے بہت مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

" کیا بنے گا دیا' اگر اپنے آپ کو نہیں بدلو گی اور یہ بار بار ناپسندیدگی کے اظہار کا اب مطلب کیا ہے۔ منگنی سے پہلے تم سے پوچھا گیا تھا' عمر کو تم دیکھ چکی تھیں۔ ایک گھر پر اعتراض تھا' تمہارا بھی اور میرا بھی' اب تو وہ بھی ختم ہو گیا ہے۔

کل میری بات ہوئی تھی اس سے' ایک گھر کرائے پر لے چکا ہے وہ' شادی کے ایک مہینے بعد' اس میں شفٹ ہو جاؤ گے۔ پھر کیا مسئلہ باقی رہ جائے گا۔" امی کہتی چلی گئیں۔ کچھ فاصلے پر بیٹھی نازی نے بے اختیار ہی اپنا ماتھا انگلیوں سے چھوا۔

"مجھ سے پوچھا کب تھا' بس ابا نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ خود آپ کتنا ابا سے لڑی تھیں اس رشتے پر' آپ کو کہاں پسند تھا۔ یہ تبدیلی تو اب آئی ہے آپ میں۔"

"بے وقوفی تھی میری' آنکھوں پر پردہ پڑ گیا تھا' مگر شکر ہے عقل آ گئی۔ اس سے پہلے کہ وقت ہاتھ سے نکل جاتا۔ ورنہ اسی طرح پچھتاوا ہوتا جیسے اب نینی کے لئے ہے۔ اس کی بے وقوفی کا ساتھ دینے والی بھی میں ہی تھی۔ ورنہ تمہارے ابا تو....."

نازی کو ایسا لگنے لگا تھا جیسے امی میں آئی تبدیلی روز بہ روز اور بھی گہری ہوتی جا رہی ہے۔ عمر سے نیا گھر لینے کے علاوہ' انہوں نے کوئی بھی دوسری ایسی بات نہیں کی تھی' جو متنازعہ بنتی۔

"نینی کا ساتھ تو آپ سب نے ہی دیا تھا' لیکن میرے لئے سب ہی خاموش رہے۔" دیا کا اشارہ واضح نازی کی طرف تھا' لیکن وہ کسی قسم کی صفائی یا وضاحت دانستہ نہیں دینا چاہتی تھی۔

چند دن رہ گئے تھے' دیا کی رسم مایوں میں' ایک بار خیریت کے ساتھ شادی ہو جاتی۔ یہ سارے گلے شکوے خود ہی دم توڑ جانے تھے' مگر امی اب ان تھوڑے سے ہی دنوں میں' دیا کو سدھارنے کی ناممکن سی کوشش میں جتی ہوئی تھیں۔

"سب لوگ اس لئے خاموش رہے کیونکہ عمر ایک بہتر انتخاب تھا تمہارے لئے' اچھے لڑکے ملتے کہاں ہیں۔ لوگوں کے دماغ خراب ہو رہے ہیں۔ ہم کون سے ایسے کروڑ پتی ہیں جو ہمارے ہاں لوگ کسی لالچ میں آ جائیں گے۔" ایک لاحاصل سی بحث تھی جو امی اور دیا میں اب زور پکڑتی ہی جا رہی تھی۔

"میں چائے بنا لاتی ہوں۔" نازی کو یہاں سے اٹھنے کا ایک ہی بہانہ سوجھا۔ ان دونوں میں کسی نے بھی اس کی بات پر دھیان نہیں دیا۔

نازی باہر برآمدے میں نکل آئی۔ اندر کے گرما گرم ماحول کے مقابلے میں باہر سکون کا احساس تھا۔

رنگین شیشوں والی تمام کھڑکیاں بند تھیں اور سہ پہر کی سوتی جاگتی نرم سی دھوپ' ان شیشوں پر بکھری ہوئی تھی۔

نازی کو اس پرانے اولڈ فیشن گھر سے گہری وابستگی کا احساس ہوتا تھا۔ زمانے کے سرد و گرم سے بچاتا ہوا' جس کے قدیم طرز تعمیر میں ان دیکھی سی رومانیت جھلکتی تھی۔ چند ہی دنوں میں یہاں شادی کا ہنگامہ پوری طرح سے چھانے والا تھا۔ رشتے دار زیادہ تر یہیں کراچی میں ہی مقیم تھے' لیکن دو چار لوگوں کی بیرون شہر سے بھی آمد متوقع تھی۔ دو دن بعد رعنا کی پنجاب سے واپسی تھی۔ اس کے شوہر واپس ملائیشیا جا چکے تھے اور اب وہ دیا کی شادی کے لئے کراچی آ رہی تھی۔ نازی بڑی شدت سے اس کی منتظر تھی۔ وہ آ جاتی تو پھر ساری فکریں' اڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ دیا کے بارے میں وہ بہت سی باتیں رعنا سے کرنا چاہتی تھی۔ وہ یقیناً کوئی ایسی راہ نکال دیتی جو دل کو ڈھارس دینے کا سبب بن جاتی۔ طویل برآمدے سے گزرتی ہوئی وہ کچن کی طرف مڑے کوریڈور کی طرف بڑھی ہی تھی کہ ڈور بیل بجنے کی آواز سنائی دی۔

"کون ہو سکتا ہے اس وقت۔" اس نے ذرا رک کر اندازہ لگانا چاہا۔ سمیع کے واپس آنے میں ابھی وقت تھا اور ابا ٹیوشنز کے لئے گھر سے نکل چکے تھے۔ بیل ایک چھوٹے سے وقفے کے بعد دوبارہ بج رہی تھی۔ آنے والا شاید بہت جلدی میں

تھا۔ نازی بیرونی دروازہ کھول کر باہر کے احاطے سے گزرتی ہوئی' جب تک گیٹ تک پہنچی تو آنے والا مزید دو بار کال بیل کا بٹن دبا چکا تھا۔

" کیا مصیبت ہے' ذرا بھی تو صبر نہیں ہے۔"

زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اس نے گیٹ کھولا تو جیسے قدم' نظر' احساسات سب ہی منجمد ہونے لگے۔

" کیسی ہو نازی۔" وہ پوچھ رہا تھا۔

" تم۔"

" تم یہاں کیوں چلے آئے' میں نے منع بھی کیا تھا پھوپھو کو' کہ تمہیں یہاں آنے سے روک دیں۔" جب بمشکل تمام وہ اسے یہ کہہ رہی تھی۔ تب اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا دل اچھل کر حلق میں آرہا ہے۔

" مجھے دیا سے ملنا ہے' تم پلیز ہٹو بیچ میں سے۔"

نازی کی بات جیسے اس نے سنی ہی نہیں تھی۔

" تم نہیں مل سکتے دیا سے' تمہیں پتہ ہے کہ اس کی شادی میں اب چند دن رہ گئے ہیں۔ پھر بھی تمہیں یہاں آتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی۔ شدت جذبات سے نازی کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ آ رہی تھی اور وہ دانستہ گیٹ میں اس طرح اڑ کر کھڑی تھی کہ مسعود کو اندر جانے کا کوئی راستہ نہ مل سکے۔

" یہ باتیں اندر بیٹھ کر آرام سے بھی ہو سکتی ہیں۔ مجھے اپنی ساری غلطیوں کا احساس ہے نازی اور میں سخت شرمندہ بھی ہوں' لیکن میرا اس وقت دیا سے ملنا بہت ضروری ہے' نازی پلیز۔" وہ منت سماجت پر اتر رہا تھا۔ امریکہ میں چند

سال کے قیام نے اس کی صحت پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ اس کا رنگ پہلے سے زیادہ صاف ہو چکا تھا اور چہرے پر بڑا تازگی بھرا احساس تھا۔

وہ پہلے سے کہیں زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔

" میں نے دیا سے کانٹیکٹ کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ ایک آدھ بار میری بات ہو بھی گئی ہے' لیکن وہ اتنا روتی رہی کہ کچھ بھی سمجھ میں نہ آسکا۔ مجھے لگا اس طرح فون پر ہم ایک دوسرے کو کچھ بھی نہیں سمجھا سکتے۔ اسی لئے مجھے فوراً یہاں آنا پڑا۔" وہ اپنی وضاحت دے رہا تھا۔

اور جو کچھ بھی بین السطور مطلب نکلتا تھا' وہ بڑا ہی خوفناک تھا۔

" اب ان باتوں کا مطلب کیا ہے مسعود۔" سب کچھ سمجھ میں آنے کے باوجود' نازی نے انجان بنے رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔ دیا کسی کی ہونے جا رہی ہے۔ اپنی خوشی اور رضامندی کے ساتھ' تم کیوں پھر اس کے راستے میں..."

" وہ صرف میری ہے اور میری رہے گی۔ کوئی دوسرا نہیں آسکتا اس کی زندگی میں۔" وہ صرف ظاہراً ہی نہیں بدلا تھا۔ اس کے لہجے کی سرد مہری اور بے باکی بھی شاید وہیں کی دین تھی۔ جتنی ہٹ دھرمی کے ساتھ وہ اس کے سر پر کھڑا تھا' صاف لگ رہا تھا کہ دیا سے ملے بغیر واپس نہیں جائے گا اور اگر اس وقت وہ اسے روک بھی دے تو دوسری' تیسری نہ جانے کتنی بار آسکتا ہے۔ اس وقت تک جب تک وہ دیا سے مل نہیں لے گا اور اس کے بعد جو ہوگا۔ اس کا اندازہ ہی رگوں میں ٹھنڈک سی جماتا تھا۔

" دیا گھر پر نہیں ہے۔ وہ امی کے ساتھ بازار گئی ہوئی ہے اپنی شادی کی شاپنگ کے سلسلے میں۔" مجبوری کی حالت میں بولا گیا جھوٹ اسے خود سے شرمندہ کر رہا تھا' مگر فی الحال اس کی سمجھ میں بس یہی آسکا۔

" شادی۔ ہنہ۔"

مسعود نے زیرلب بڑی حقارت سے کہا تھا' مگر اس نے صاف سنا تھا۔ یکایک ہی نازی کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا بھلا کیوں وہ اس گھٹیا ترین شخص کے منہ لگ رہی ہے جس نے اس کے گھرانے کو بے سکون اور بے عزت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اور جو آج پھر اسی غرض سے ان کی دہلیز پر آ کھڑا ہوا ہے۔

" بس بہت ہو چکا۔" اس نے جیسے خود اپنے آپ سے کہتے ہوئے' اس ساری کنفیوژن' ساری گھبراہٹ کو رخصت کیا جو اسے گھبرائے ہوئے تھی۔

" تم لوگ کیسے کہیں بھی دیا کی شادی کر سکتے ہو' جبکہ ہم دونوں ایک دوسرے سے...." نازی کی بدلتی ہوئی کیفیت سے بے خبر وہ' جو کچھ بھی کہنے جا رہا تھا۔ اسے پورا نہ کر سکا۔" اپنی بکواس بند کرو مسعود اور دفع ہو جاؤ یہاں سے' تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم ہمارے گھر تک آ پہنچے۔ تمہاری بیوی نے تمہیں دھکا دیا ہے' یا پھر کوئی نیا کھیل تمہارے دماغ میں آ چکا ہے' لیکن کان کھول کر سن لو۔ اب تمہارے لئے یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے' سمجھے۔" ایک سانس میں جو دل میں آیا وہ اسے کہتی چلی گئی اور جب اس کا جواب سنے بغیر' وہ گیٹ بند کر رہی تھی۔ تب اس نے مسعود کے چہرے کا رنگ اڑتا ہوا محسوس کیا۔ نازی جیسی صلح جو' نرم طبیعت کزن سے یقیناً اسے اتنے سخت رد عمل کی امید نہیں تھی۔

گیٹ بند کرنے کے بعد بھی' وہ چند منٹ برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑی رہی۔ اسے لگا تھا جیسے مسعود جھنجلا کر دوبارہ بیل بجائے گا' مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔

" کچھ لوگوں کی سمجھ میں شاید دوسری زبان ہی آتی ہے۔" جو کچھ بھی اس نے مسعود سے کہا تھا۔ اس پر وہ قطعی شرمندہ نہیں تھی' مگر اس کی آمد کے ساتھ جو خطرہ اب بالکل ہی سر پر آ پہنچا تھا۔ وہ بڑی سخت تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ اپنی منتشر حالت کو کمپوز کرنے میں اسے چند منٹ تو لگ ہی گئے۔ واپس کمرے میں آئی تو امی اکیلی بیٹھی تھی۔

" کیا ہوا چائے نہیں بنائی کیا؟" تب اسے یاد آیا کہ وہ کچن کی طرف جانے کے لئے نکلی تھی۔

" ابھی بناتی ہوں امی۔" ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے خود کو تھوڑا سا پرسکون محسوس کیا۔

" طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔" انہیں کچھ الگ سا احساس ہوا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر۔" جی۔" وہ محض اتنا ہی کہہ سکی۔

" اور یہ گیٹ پر کون آیا تھا؟" وہ سرسری سے انداز میں پوچھ رہی تھیں۔ چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

مسعود کے پاکستان آنے کی خبر آج نہیں تو کل امی تک پہنچ ہی جانی تھی۔ ان کی طبیعت کے پیش نظر ٹینشن والی کوئی بھی بات وہ ان سے نہیں کرنا چاہتی تھی' مگر پھر بھی کہنا ہی پڑا۔

" مسعود تھا امی۔" اس کی آواز اتنی نیچی تھی کہ انہیں لگا کہ شاید وہ ٹھیک سے سن بھی نہیں پائی ہیں۔

" کیا۔"

" مسعود واپس آ گیا ہے امی' اس وقت دیا سے ملنے آیا تھا۔" نازی ان کے بالکل قریب آ بیٹھی اور جب وہ یہ کہہ رہی تھی۔ اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس اطلاع کو کیسے دے گی۔

"کیا پتہ دیا سے ان کی گہری محبت' مسعود کو کچھ رعایت دلوا ہی دے۔" بڑا ہی دل توڑتا خیال تھا' جو نازی کو آیا تھا۔

ایک گہرا سکوت تھا' جو چند لمحوں کے لئے ان دونوں ماں بیٹی کے بیچ اترا تھا۔

"تم نے کیا کہا اسے؟" نازی کو ان کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"میں نے کہہ دیا کہ وہ گھر پر نہیں ہے' بازار گئی ہے۔"

"اور کچھ نہیں کہا۔" ان کے لہجے سے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ مسعود کے آنے پر خوش ہیں یا ناراض۔

"میں نے اسے بہت برا بھلا کہا امی اور یہ کہ اس کا اب دیا سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی دیا کی زندگی میں کوئی دخل دینے کا حق۔" نازی کی آواز بتدریج نیچی ہوتی جا رہی تھی۔

"تم نے بہت غلط کیا نازی۔"

"امی۔" بہت گھبرا کر اس نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ شاید وہ کوئی بڑی غلطی کر بیٹھی ہے۔ امی اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"تمہیں مسعود سے ایک لفظ بھی نہیں کہنا چاہیے تھا' بلکہ اس کے منہ پر تھوکتیں اور گیٹ بند کر لیتیں۔" نازی نے ایک گہری سانس ان کی بات کے اختتام پر لی۔ شکر ہے۔ اس بار امی نے اسے غلط نہیں سمجھا تھا۔ ان ٹینشن بھرے لمحات میں بھی اسے بڑا سکون سا حاصل ہوا۔

"اس کی مجال کہ وہ یہاں ہمارے گھر تک چلا آئے۔ ہمت کیسے ہوئی' اس کی ماں نے نہیں روکا اسے' ابھی خبر لیتی ہوں۔ فون پر راستہ نہ بھلا دوں یہاں کا دونوں ماں بیٹے کو' جس وقت وہاں شادی رچا کر بیٹھا تھا۔ اس وقت دیا یاد نہیں

آئی اور اب جب اس کی زندگی کسی کنارے لگ رہی ہے تو آ گئے پھر سے بربادی کا پروگرام بنا کر' وہ حشر کروں گی ماں بیٹے کا کہ یاد رکھیں گے...۔" وہ بولتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

نازی کو پتہ تھا کہ وہ پھوپھو کو فون کرنے گئی ہیں اور اس وقت وہ انہیں' اتنا کہیں گی جو آئندہ سارے رہے سہے تعلقات کو بھی یکسر ختم کر سکتا ہے۔ اسماء پھوپھو کا سارے قصے میں یکسر کوئی قصور نہیں تھا۔ نازی انہیں روکنا چاہتی تھی' مگر وہ ایک بار پھر انہیں روک نہیں سکی' جو طوفان مسعود کی شکل میں سر پر کھڑا تھا۔ اس کو روکنے کے لئے صحیح یا غلط ہر طریقہ استعمال کرنا جائز تھا۔ نازی کا دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اپنی تمام ہمت جمع کر کے وہ کمرے کے دروازے تک آئی۔ کوریڈور خالی پڑا تھا۔ امی یقیناً' اسماء پھوپھو کے ہاں فون کرنے کیلئے ہال میں گئی تھیں۔ کوریڈور کا فون استعمال کرنا انہیں اس جذباتی کیفیت میں بھی مناسب نہیں لگا تھا۔ کیونکہ یہاں سامنے ہی دیا کا کمرہ تھا۔ امی کی احتیاط بتا رہی تھی کہ وہ اب اس معاملے میں ڈھیل دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کون سوچ سکتا تھا کہ مسعود ایک بار دیا کی زندگی سے نکل جانے کے بعد پھر دوبارہ ایسے موقع پر واپس آئے گا۔ جب وہ ایک نئی شروعات کی طرف قدم بڑھا رہی ہو گی۔ نازی کو ایک گہرا کنفیوژن اور بھی گہرا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

...☆☆☆...

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے' تم اس ہفتے نواب شاہ جانے کا پروگرام بنا رہی ہو' جب عمر کی شادی میں صرف چند دن رہ گئے ہیں۔

فرح پریشان سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ اسے ابھی بھی اُمید تھی کہ ثانیہ اپنا پروگرام مزید ایک ہفتے کے لئے ملتوی کر سکتی ہے۔ مگر وہ تھی کہ ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں تھی۔ "میری بات کو سمجھو فرح' پلیز تم تو سمجھو کم از کم' ورنہ نانی اور عمر کو کون سمجھا سکے گا۔ مجھے تو ان کے سامنے اتنی شرمندگی ہے کہ بس۔"

ثانیہ کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔ صبح جب سے وہ آفس آئی تھی۔اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر یہ پہلا اتفاق جب وہ لوگ ایک دوسرے سے متفق نہیں ہو پا رہی تھیں۔

''کل شہزاد کا فون آیا اور تم نے فوراً ہی پروگرام بھی فائنل کر لیا جانے کا اور جو تین ماہ پہلے سے عمر کی تاریخ رکھی ہوئی ہے' اُسے تم بہت آرام سے نظرانداز کر رہی ہو۔نانی کتنی محبت کرتی ہیں تم سے کل تو وہ تمہیں اور اماں کو لینے کے لئے خود آ رہی ہیں تمہارے گھر۔ان بے چاری کا ہم سب کے علاوہ ہے ہی کون اور عمر کی شادی کی خوشی' وہ کتنے بڑے دکھ جھیلنے کے بعد دیکھ رہی ہیں۔ تمہیں کسی بھی بات کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔''

''فرح' مستقل ہی بول رہی تھی۔ثانیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کس طرح سمجھائے کہ وہ نانی سے اتنی ہی محبت کرتی ہے اور عمر کی شادی پر وہ بھی اتنی ہی خوش ہے' جتنی کہ فرح۔ مگر ان باتوں کا' اُس کے نواب شاہ جانے سے کوئی تعلق نہیں بنتا فی الوقت۔''

''گھر کے بہت اچھے پیسے مل رہے ہیں فرح۔ وہ صاحب واپس ریاض چلے جائیں گے تین چار دن میں' بات یہیں رُک جائے گی۔اگر میں اس وقت اماں کو لے کر نواب شاہ نہیں گئی۔''

وہ بہت نرمی سے ایک بار پھر فرح کو کام کی نزاکت کا احساس دلانے لگی۔اس بار فرح خاموش رہی۔''شہزاد بے چارے کی مہربانی ہے کہ اُس نے ایک مناسب قیمت لگوا دی گھر کی' ورنہ وہاں کون فکر کرنے والا بیٹھا تھا۔ہم لوگ ابھی چلے جائیں گے تو گھر کی رجسٹری وغیرہ سب کا کام' اُن صاحب کے سامنے ہی ہو جائے گا' جو گھر خرید رہے ہیں۔''

ثانیہ کو لگا کہ اب وہ اس کی بات کو سمجھ رہی ہے اور فی الوقت ایسا ہی تھا۔فرح نے ایک گہری سانس لی۔''میں منع نہیں کر رہی ثانیہ۔ میرا مطلب صرف اتنا تھا کہ ابھی کچھ دن رُک جائیں پھر بے شک...''

''جمیل ماموں کی حالت ٹھیک نہیں ہے فرح۔'' وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ گئی۔''میرے دل میں بہت برے وہم آ رہے ہیں اُن کی طرف ہے۔خدانہ کرے کسی وقت زیادہ طبیعت بگڑ گئی تو گھر میں اب اتنے پیسے بھی نہیں ہیں کہ کسی اچھے ہاسپٹل میں انہیں داخل کیا جا سکے۔''

اُس کے لہجے میں بڑی دکھتی ہوئی سی کیفیت تھی۔ سجاد دروازے پر ہی ٹھٹکے۔''پیسے تو کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہیں ثانیہ ہم سب کیا غیر ہیں تمہارے لئے' جو بن پڑے گا ہم سب کریں گے' میں نے عمر اور پھر سب سے بڑھ کر سجاد بھائی...'' انہوں نے فرح کو کہتے سنا۔

وہ دونوں اس رُخ سے بیٹھی تھیں کہ وہ ثانیہ کے تاثرات تو نہیں دیکھ سکے۔ مگر انہیں صاف لگا جیسے اُسے فرح کی بات اچھی نہیں لگی ہے۔''تمہاری محبت کی مجھے دل سے قدر ہے' مگر ماموں میری ذمہ داری ہیں اور میں یہ ذمہ داری خود ہی اٹھانا بھی چاہتی ہوں۔اُن پر کسی کا احسان ہو' میرا دل گوارا نہیں کرتا...''

اندر جانے کا ارادہ ترک کر کے وہ بڑے غیر محسوس سے انداز میں واپس پلٹ آئے۔اندر فرح شاید اُس کو اُس کے طرزِ فکر پر ڈانٹ رہی تھی۔اُس کی محبت ایسی کسی بات کو تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔ مگر وہ بڑے بوجھل دِل کے ساتھ واپس اپنے چیمبر میں آئے تھے۔

کتنی عجیب بات تھی کہ وہ اُس کے لئے کبھی بھی کچھ نہیں کر پاتے' نہ وہ مہلت دیتی اور نہ اجازت۔ کوئی کرے بھی تو کیا۔ایک پھیکی سی مسکراہٹ اُن کے لبوں پر آئی اور معدوم ہوئی۔

یہ شاندار بزنس جس کا گراف اُوپر سے اوپر ہی جا رہا تھا۔اُن کے خاندان کا شہر کے معززین میں نمایاں مقام اور خود اُن کی اپنی وہ قابلیت جس پر لوگ رشک کرتے ہیں' کچھ بھی تو اس باب میں کام نہیں آ رہا تھا۔

کاش وہ بابا انٹرپرائزز کے مالکان میں سے ہونے کے بجائے' یہاں کے ایک عام ملازم ہوتے تو شاید ثانیہ ایک کولیگ ہونے کے ناطے اُن پر تھوڑا سا اعتبار تو کرتی بالکل ایسا اعتبار' جیسا وہ فرح اور عمر پر کرتی ہے۔

''دل عجیب سی خواہشوں میں گھر رہا تھا اور جو واقعی ایسا ہی ہوتا تو نارسائی کی یہ داستان اتنی لمبی بھی کہاں ہوتی۔ کب کی کسی خوشگوار انجام تک پہنچ جاتی۔''

ایک بے زار سی نگاہ انہوں نے اس آرام دہ اور قیمتی فرنیچر سے سجے آفس پر ڈالی۔ کبھی کبھی تو سب کچھ ہی بالکل بے معنی ہونے لگتا تھا۔ ایسا لگتا جیسے اب تک کی زندگی کسی بے مصرف سی بھاگ دوڑ میں گزار دی ہو۔ خود اپنے آپ سے نگاہیں چُراتے ہوئے' محض باہر کی دنیا پر اپنا آپ ثابت کرنے کی دُھن میں۔

پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب ترجیحات کی لسٹ میں سے خود اپنا آپ سب سے نیچے چلا جاتا ہے اور اُوپر رہ جاتی ہے۔ کامیابی' کیریئر' دولت' اُوپر اور اُوپر اور پھر بلندی کے اس من چاہے معیار کو پا لینے کے بعد ہاتھ آئے خسارے کا کھاتہ کھلتا ہے۔

اُن کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

یقیناً کوئی آفس سے متعلق ہی شخص تھا۔ باہر سے آنے والوں کے لئے انہیں انٹرکام پر مطلع کیا جاتا تھا۔ چند لمحے اُنہیں ضرور خود کو کمپوز کرنے میں لگے۔ اندر آنے والی ثانیہ تھی۔

جتنی سنجیدہ گفتگو وہ اُسے کرتا ہوا چھوڑ کر آئے تھے۔ اُس کے بعد اُمید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی اُن کے آفس میں آسکے گی۔ مگر وہ واقعی جلدی میں تھی۔ ''آیئے ثانیہ بیٹھئے۔'' انہوں نے یوں ہی ایک سامنے رکھی فائل پر نگاہیں جمائیں۔

''معاف کیجئے گا سر! میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔''

وہ اس اختیاری راہِ فرار کو سمجھے بغیر شرمندہ سی ہوئی۔ ''دھت۔'' انہوں نے دل ہی دل میں خود کو سرزنش کرتے ہوئے فائل پرے سرکائی۔

''میں بالکل بھی ڈسٹرب نہیں ہوا ہوں' آپ بے فکر رہیں۔''

''سر مجھے چھٹی چاہئے۔''

وہ بڑی تیزی سے بولی' بناء کسی تمہید کے۔ ایسے جیسے خدشہ ہو کہ ابھی نہیں کہا تو بھول جائے گی۔ ''حالانکہ میں ابھی خاصی لمبی چھٹی کے بعد آئی ہوں۔ مگر مجھے ضروری کام ہے' اس لئے...''

اپنی بات ختم کر کے' وہ نگاہیں جھکا چکی تھی۔

سجاد چند لمحے منتظر رہے کہ وہ انہیں' اُس ''ضروری'' کام کی بابت بھی کچھ بتائے' مگر وہ فرح جتنے خوش نصیب نہیں تھے۔

''آپ بے فکر رہیں' جتنے دن کے لئے بھی جانا چاہتی ہیں چلی جائیں۔''

''آپ کو کیسے پتہ کہ مجھے کہیں جانا ہے۔'' ثانیہ حیرت سے اُنہیں دیکھنے لگی۔

''میرا مطلب چھٹی پر جانے سے ہے۔'' وہ بات سنبھال ہی گئے۔ ''ویسے کیا کہیں جانے کا پروگرام ہے؟''

''جی وہ نواب شاہ...'' کہتے کہتے وہ ذرا رُکی۔ ''اصل میں' میں اور اماں نواب شاہ والے گھر کی فروخت کے سلسلے میں جا رہے ہیں' میں نے شاید آپ کو بتایا تھا اُس گھر کے بارے میں۔''

''ہوں۔'' سجاد نے یوں ہی سر ہلا دیا۔

اُنہیں اچھی طرح یقین تھا کہ اُس نے اُن سے کبھی بھی یہ بات شیئر نہیں کی ہو گی۔ وہ اُن سے ذاتی گفتگو کرتی ہی کب تھی۔''

''کب تک جانا ہے؟''

''بس یہی کل پرسوں میں چلے جائیں گے۔ جتنی جلدی جائیں گے، اتنا ہی اچھا ہے''

''آپ آفس کی ایک گاڑی لے جائیں۔ میرا مطلب ہے اماں ٹرین اور بسوں کی مشقت سے بچ جائیں گی اور تھوڑا وقت بھی بچ جائے گا۔''

دل کی وہی اُس کے لئے کچھ کرنے کی آرزو، وہ کہے بغیر نہیں رہ سکے۔ وہ بالکل خاموش سی ہو گئی۔ معلوم نہیں اُسے بُرا لگا تھا یا کیا، سجاد اندازہ نہیں لگا سکے۔

''آپ کا بہت شکریہ سر! مگر اس کی ضرورت نہیں۔'' ثانیہ کی آواز نیچی تھی۔

''میں اماں کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔ انہیں چڑھنے اترنے میں دقت نہ ہو، اسی لئے۔'' سجاد کا اصرار بڑھنے لگا۔

''نہیں سر! ہم لوگ عادی ہیں اور پھر نواب شاہ اتنا دور نہیں ہے۔ دن دِن میں پہنچ جاتے ہیں۔''

اماں کے جوڑوں پر بڑھتی ہوئی سوجن سے نگاہیں چرا کر، وہ اپنی بات پر جمی رہی۔

اُن کا تھوڑا سا تکلیف اُٹھا لینا، جھیلا جا سکتا تھا۔ مگر آفس سے آئی گاڑی کو دیکھ کر جو ''طعنہ'' ممانی نے تراشنا تھا، وہ سننا از حد تکلیف کا سبب بن جاتا۔ ''آپ میری چھٹی اپروو کر دیں پلیز، مجھے اندازہ ہے بار بار کی ان چھٹیوں سے کام متاثر ہو رہا ہے، لیکن یہ میرے بس میں نہیں ہے۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

پچھلی بار وہ اس کے گھر بیٹھ جانے پر جتنے گریس کا مظاہرہ کر چکے تھے۔ اس کے بعد، وہ خاصی شرمندہ رہی تھی۔ شیریں کے روّیہ پر اپنا ردِعمل بھی اب خاصا بچگانہ سا محسوس ہوتا تھا۔ زندگی میں اور بہت کچھ اتنا تکلیف دہ گزر چکا تھا کہ سوچو تو اپنی ہمت پر حیرت ہوتی تھی۔

ابا کی اچانک موت، اکیلے رہ جانے کا سہم طاری کرتا خوف، نواب شاہ سے کراچی تک کا خدشات سے بھرا سفر، ممانی کے گھر میں بِن بلائے مہمان والی ہتک آمیز حیثیت اور اُن کا تکلیف کی ہر حد کو پار کرتا ہوا رویہ، کراچی جیسے اجنبی شہر میں، ٹریفک کے اژدھام میں گھبرا گھبرا کر بار بار جمیل ماموں کے ہاتھ تھامنا اور اور...

ابھی بہت کچھ باقی تھا، مگر وہ جیسے اس شفیق ہاتھ کی یاد کے ساتھ ہی وہیں رُکی۔

وہ ہاتھ اب بھی اُس کے ہاتھوں میں تھا اور اس کے چھوٹنے کا خوف، اعصاب کو منجمد کئے رہتا تھا۔ ''کیا ہوا ثانیہ؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی۔''

انہوں نے اُس کی پل پل بدلتی رنگت، سے گھبرا کر بے ساختہ ہی پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں سر۔'' وہ جیسے واپس آئی۔

''ماموں جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے انشاءاللہ، آپ اُن کے لئے دعا کیا کریں۔ سب کچھ اُسی کے ہاتھ ہے۔'' انہوں نے انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کیا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''جائیں بے فکر ہو کر جانے کی تیاری کریں۔ چاہیں تو آفس کی گاڑی سے ابھی چلی جائیں۔''

اتنی دیر میں انہوں نے پہلی بار اُس کے چہرے پر اطمینان اترتے ہوئے دیکھا۔

''آں ہاں۔''

وہ دروازے کی طرف جاتے ہوئے کچھ کہنے کے لئے مڑی تھی تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔ ''شکریہ کی ضرورت نہیں پلیز۔''

''میں شُکریہ نہیں کہہ رہی سر!'' وہ ہلکے سے مسکرائی۔

''پھر۔''

''میں یہ پوچھ رہی تھی کہ وہ...'' ہلکا سا تذبذب اُس کے انداز میں جھلکا۔ ''بابا صاحب اب بالکل بھی آفس نہیں آرہے ہیں' اُن کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' بہت سنبھل کر اُس نے اپنی اُس بے چینی کو چھپایا' جو وہ بابا کے لئے محسوس کرتی تھی۔

''وہ تو آفس آنے کے لئے بے چین رہتے ہیں' بس ہم لوگوں نے ہی اُن پر پابندی لگا رکھی ہے۔ یہاں آئیں گے تو پھر سے کام میں جُت جائیں گے۔ وہ بے انتہا محنتی شخص ہیں۔ آپ نے اگر کچھ سال پہلے انہیں دیکھا ہوتا تو اندازہ ہوتا آپ کو۔'' سجاد مسکراتے ہوئے بتانے لگے۔

''میرے سامنے تو وہ صرف چند بار ہی آئے' وہ بھی تھوڑی سی دیر کے لئے۔''

''ارے تو آپ اُن سے ملنے کے لئے گھر کیوں نہیں جاتیں۔ وہ بہت خوش ہوں گے کہ آفس سے کوئی خاص طور پر اُن سے ملنے کے لئے آیا ہے۔ جب بھی چلنا ہو مجھے بتایئے گا۔''

''آپ کے گھر...؟؟'' ثانیہ کو بڑا عجیب سا لگا۔

''بھلا وہ مالکوں کے گھر جاتی کیا اچھی لگے گی۔ ایک بالکل جونیئر آفس ورکر' اپنا خیال اُس نے خود تک ہی محدود رکھا۔

''ہاں تو اور کیا' اچھا ہے بابا سے بھی ملاقات ہو جائے گی اور گھر کے دوسرے لوگوں سے بھی۔ پھر بتائیں کب چل رہی ہیں؟''

وہ اتنے یقین سے کہہ رہے تھے' جیسے ثانیہ اُن کے ساتھ چل ہی تو پڑے گی۔ چاہتے ہوئے بھی وہ صاف منع نہیں کر سکی۔

''پہلے میں نواب شاہ سے ہو آئوں سر! پھر کسی دن فرح کے ساتھ آئوں گی۔'' اُس نے بات کو طریقے سے ٹالا اور پھر فوراً ہی باہر نکل گئیں۔ سجاد کا موبائل بج رہا تھا۔

''ہاں شیریں کیا حال ہیں۔'' وہ اُس کا نمبر دیکھ چکے تھے۔

اُن کے لہجے میں کچھ تھا' جو شیریں نے دوسری طرف محسوس کیا تھا۔

''کیا بات ہے سجاد' بہت خوش ہو۔'' وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔ اتنا درست اندازہ۔ سجاد دل ہی دل میں تھوڑا سا جھینپ گئے تھے۔

''میں تو زیادہ تر خوش ہی رہتا ہوں۔ تم سنائو کیسے فون کیا؟''

''گویا تمہیں یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے آج تمہیں کیسے فون کیا ہے۔ تمہارے پاس کون بیٹھا ہے' سچ بتانا۔'' شیریں کو یقیناً دکھ پہنچا تھا۔

''ویری سوری شیریں کی شادی کے سلسلے میں ہونے والی تقریبات کا آغاز تھا۔'' مجھے یاد تو تھا' بس ابھی فوری طور پر ذہن میں نہیں آیا اصل میں کام کا پریشر...''

''تم نے بتایا نہیں' تمہارے پاس کون بیٹھا ہے۔'' وہ اپنا سوال بھولی نہیں تھی۔

''میرے پاس کوئی نہیں ہے۔''

معلوم نہیں یہ سچ یا جھوٹ' وہ خود بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتے تھے۔''تم کہہ رہے ہو تو یقین کر لیتی ہوں۔'' شیریں نے خلافِ عادت بحث ختم کی۔اُسے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ آیا سجاد' ان تمام فنکشنز میں حصہ لے گا' جو مسز ہاشمی اور اس کی ممی کی خواہش پر ارینج کئے جا رہے ہیں یا نہیں۔

مجھے تمہاری بڑی فکر ہے' سچ پوچھو تو مجھے ذرا بھروسہ نہیں کہ تم آرام کے ساتھ' مجھے نظر انداز کر کے کہیں عمر کی شادی نہ اٹینڈ کر رہے ہو۔''

یکساں تاریخیں' یکساں اوقات وہ جواب تک یہ سمجھ رہے تھے کہ تھوڑا سا وقت کو ادھر اُدھر کر کے' دونوں تقریبات نمٹاتے رہیں گے' اب جا کر احساس کر پائے تھے کہ یہ سب اتنا بھی آسان نہیں ہے۔

''میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہیں شکایت کا موقع نہ ملے' لیکن عمر کے بھی نکاح اور ولیمہ دونوں ہی میرے لئے ضروری ہیں۔''

وہ ملائمت سے شیریں کو اپنی بات سمجھانا چاہ رہے تھے۔''ویسے تو ہمارا سارا گھر ہی جائے گا اُس کی شادی میں لیکن...''

اپنی بات کہتے ہی سجاد کو غلطی کا احساس ہوا' شاید وہ کچھ غلط کہہ گئے تھے۔

سب لوگ کہاں؟

بلقیس بھابی اور وقار بھائی تو ہرگز بھی نہیں۔وہاں فیضی کے ہونے کے 99 پرسنٹ چانس تھے۔بلقیس بھابی کو تو اب تک اس بات سے لاعلم رکھا گیا تھا کہ دِیا' نینی کی سگی بہن ہے۔

بابا کے گو اب علم میں یہ بات آ چکی تھی' مگر بہتر یہی تھا کہ فیضی سے اُن کا بھی سامنا نہ ہونے پائے۔' اس ضعیفی اور بیماری کی حالت میں' بابا کے لئے اتنی بڑی جذباتی کیفیت سے گزرنا مشکلات کھڑی کر سکتا تھا... ''ہیلو' سجاد' ہیلو۔'' دوسری طرف سے شیریں' خاموشی کے اس چھوٹے سے وقفے سے گھبرا کر' مستقل کہے جا رہی تھی۔

''ہاں میں سُن رہا ہوں۔''

''تم بھی نا بس۔'' وہ جھنجلانے لگی تھی۔''میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ عمر کی شادی کو تمہارے آفس والوں نے اتنی اہمیت کیوں دے رکھی ہے۔ہر شخص اسی کی شادی کی تیاری میں لگا ہوا ہے اور کم از کم تم

تو...''

''چلو خیال کرنا ٹھیک ہے' وہ اچھا ہے' تم سے اور بابا سے قریب ہے' لیکن ہے تو وہ تمہارا ملازم ہی نا اور اس سب کے لئے جو وہ تمہارے لئے کرتا ہے' خاصی بھاری پے دے رہے ہو اُسے۔''

کہیں کچھ بہت زور سے ٹوٹا تھا۔

شیریں کی آواز' اس کا لہجہ' اُس کے الفاظ کچھ بھی تو اس کے نہیں تھے۔

یہ تو کوئی اور ہی تھا' بالکل اجنبی۔

''میری مانو' جو کچھ بھی دینا دلانا ہے' پہلے ہی سے دے کر فارغ کر دو اُسے میں بہر حال تمہاری غیر حاضری برداشت نہیں کر سکتی اپنے ہاں۔''

سجاد کو یقین ہونے لگا کہ وہ شہریار کے رنگ میں رنگتی جا رہی ہے۔ کسی اور کے نہ سہی' خود اُس کے حق میں شاید یہی اچھا تھا۔

اُنہوں نے اس تکلیف دہ گھڑی میں بھی ایک اچھا امکان ڈھونڈنا چاہا' لیکن دل پر پڑا بوجھ ذرا جو کم ہوا ہو۔

بڑی خاموش تبدیلی تھی جو شیریں میں آئی تھی۔ وہ نرم طبیعت' خوش مزاج اور حساس لڑکی' جسے وہ اتنے سالوں سے جانتے تھے' کہیں کھو چکی تھی۔ ''عمر مجھے بہت عزیز ہے شیریں' میرے لئے تو وہ فیضی کی طرح ہی ہے۔'' گو وہ جان چکے تھے کہ اس طرح کی باتوں سے شیریں کو فرق نہیں پڑتا' پھر بھی وہ کہے بغیر نہیں رہ سکے۔

جواباً دوسری طرف وہ یک دم ہی ہنس پڑی تھی۔ ''فیضی بے چارے کی تو کچھ بھی قدر نہیں کی تم لوگوں نے' سب اُسے بھول بھال کر بیٹھ گئے۔''

''یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔''

اِس وقت وہ کسی بھی بحث سے بچنا چاہ رہے تھے' بلکہ شاید شیریں سے بھی۔

غنیمت تھا کہ خود شیریں کو بھی آج جلدی تھی۔ فون بند کرنے کے بعد بھی' سجاد ان باتوں پر یقین کرنے کی کوشش کئے گئے' جو شیریں نے ابھی کی تھیں۔ وہ ہمیشہ ہی سے ایسی تھی یا ذات میں آئی یہ بڑی تبدیلی' سٹیبلشمنٹ سے جُڑے شہریار احمد کی وین تھی' جو بھی تھا۔

آج پہلی بار سجاد نے وہ وجہ تلاشنی چاہی' جو ان کی اور شیریں کی اس پُر خلوص اور گہری دوستی کی بنیاد بنی تھی۔

اُنہیں نہیں پتہ تھا کہ ایک اچھے دوست سے محرومی صرف اُن ہی کا المیہ نہیں تھا' خود شیریں بھی نوحہ کناں تھی اپنی تمام اعلیٰ صفات کو کھو کر' وہی لگا بندھا راستہ اپنانے پر' جو صرف خواص کے لئے مخصوص تھا۔

اپنی نارسائی کی چبھن دور کرنے کے لئے اپنی ہار سے نظریں چرا کے رکھنے کے لئے' اُسے یہی سمجھ میں آتا تھا۔

''شیریں حسین کو کون ٹھکرا سکتا ہے' بھلا؟'' وہ خود سے بار بار سوال کرتی تھی۔

کوئی نہیں۔

ہر بار اس جواب کے ساتھ' اُس کے دِل پر ایک جلتا ہوا داغ اور پڑتا تھا۔

...☆☆☆...

شیرا کا آفتاب کے پاس آنا' وحید کے لئے گویا خطرے کی گھنٹی تھا۔

ایک کھلا پیغام تھا' جو اُس نے بالواسطہ اُنہیں دیا تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

اُن کی ساحل کے قریب پہنچتی کشتی کنارے پر بھی ڈوب سکتی تھی۔ بہت بے چین سا ہو کر' اُنہوں نے گاڑی کی رفتار تیز کی جب سے آفتاب کے پاس سے اُٹھے تھے' شیرا کے نمبر کو کئی بار ٹرائی کر چکے تھے' مگر وہ مستقل ہی بند تھا۔ تھک ہار کر انہیں اُس کے گھر کا ہی رُخ کرنا پڑ رہا تھا۔

گنجان سی پرانی آبادی میں' ڈربے نما کمرے جس سے وہ سخت نالاں تھا۔ گاڑی سڑک کے کنارے روک کر' وہ خود سڑک کی دوسری طرف چلے آئے۔ یہ ایک کچی آبادی تھی' جو اندر ہی اندر گھومتی ہوئی نہ جانے کہاں نکلتی تھی۔

غنیمت تھا کہ شیرا کا ''ٹھکانہ'' شروع میں ہی تھا۔ اطراف سے گزرتے' نالے میں کیچڑ اب پہلے سے بھی زیادہ محسوس

ہو رہی تھی۔ پچھلے دنوں تھوڑی سی بارش ہو گئی تھی۔اِس کا اثر اور کہیں ہوا ہو یا نہیں' یہاں سے کچی پکی گلی میں بہر حال اس کا اثر ضرور ہوا تھا۔ پھسلن کے ڈر سے بمشکل قدم جماتے ہوئے وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔کافی دن بعد آئے تھے۔ٹھیک طرح سے گھر یاد بھی نہیں تھا' گلی میں سے گزرتے ہوئے ایک بچے سے معلوم کرنا چاہا تو وہ بے ساختہ ہی کہہ اٹھا۔

وہی بڑی بڑی مونچھوں والا خطرناک آدمی' اس سے تو کوئی بھی نہیں ملتا۔ سب کہتے ہیں وہ بُرا آدمی ہے۔ محلے والے اس کے خلاف پولیس کو درخواست دینے والے ہیں۔ آپ کو اُس سے کیا کام ہے

نکل۔"

"کام' ہاں کام ہی ہے۔"

وہ کچھ اور بے چین ہوئے۔ شیرا کی شہرت اور اب اُس کے خلاف دی جانے والی درخواست کی اطلاع' یہ سب کچھ تشویشناک تو تھا۔ کہیں نہ کہیں اِس کی زد میں اُنہیں بھی آنا تھا۔

شیرا جیسے آدمی سے وفا کی امید بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں تھی۔ پولیس کے ہتھے چڑھتے ہی وہ سب سے پہلے اُن ہی کا نام لینے والا تھا۔

جیل سے واپس آنے کے بعد سے' اس بار وہ بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ پچھلی بار بڑی مشکل سے جان چھوٹی تھی۔ وہ بھی سجاد کی مہربانی سے۔

"وہ رہا اُس آدمی کا گھر۔"

بچہ شاید زیادہ ہی خوفزدہ تھا۔ دور ہی سے اشارہ کر کے واپس بھاگ لیا تھا۔

دروازہ بند تھا اور قریب پہنچ کر وہ اس میں لگا چھوٹا سا تالا بھی دیکھ چکے تھے۔

"کہیں وہ اب چھپ کر انہیں پریشر میں لانے کی کوشش تو نہیں کر رہا۔"

دل کو گھبراہٹ میں مبتلا کرتا پہلا خیال اُن کے دل میں یہی آیا تھا۔ شیرا سے ہر بات کی توقع کی جاسکتی تھی۔ وہ ان کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا۔

اُس کے ہاتھ میں اپنا راز تھما کر جو غلطی وہ کر چکے تھے۔ اس پر ہزار بار پچھتا بھی چکے تھے۔ معلوم نہیں عقل کہاں رخصت ہوئی تھی جب وہ ایسا کر بیٹھے۔

"کم بخت کہیں کا۔" زیر لب بڑبڑاتے ہوئے وہ واپسی کے لئے گھوم گئے۔ وہ چکنی مٹی والا راستہ' جو پہلے ہی کوفت کا سبب بنا تھا۔

بچتے بچتے سڑک پر آئے ہی تھے کہ وہ سامنے ہی کھڑا نظر آ گیا۔

اُن کی گاڑی سے ٹیک لگائے۔ کلف لگا سوٹ پہنے' آنکھوں پر سن گلاسز اور سگریٹ پینے کا بالکل اُن جیسے سٹائل' وہ ہو بہو اُن ہی کا سٹائل اپنا چکا تھا۔ وحید کا دل تو بے حد جلا' مگر یہ وقت غصہ دکھانے کا نہیں تھا۔

"آیئے وحید صاحب مجھے پتہ تھا کہ اب تو آپ کچے دھاگے سے بندھے آئیں گے۔ ورنہ تو بس وعدہ ہی وعدہ تھا ہر ملاقات پر..." شیرا کا لہجہ اب خاصا مہذب ہو چکا تھا۔ اُس نے بڑی تیزی سے خود کو امپروو کیا تھا۔ ظاہری طور پر بھی اور اندرونی طور پر بھی اور یہی تبدیلی وحید کے لئے خطرناک ثابت ہو رہی تھی۔ وہ جاہل گنوار شیرا اُن کے لئے زیادہ کام کا ثابت ہوا تھا۔ بہ نسبت اس کے جو بڑی شان سے اُن کے سامنے کھڑا تھا۔

''میں بہت مصروف تھا۔ دس الجھنیں ہوتی ہیں انسان کے ساتھ کوشش کر کے بھی وقت نہیں نکل پاتا' لیکن اِس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم آفتاب تک پہنچ جائو۔''

''اُن کے لہجے میں فطری رعونت خود بخود آنے لگی۔

''آفتاب صاحب کے پاس تو آپ پہلے ہی مجھے پہنچا چکے ہیں۔ حیرت ہے کہ وہ میری آواز نہیں پہچانے' شاید میں بہت اچھا اداکار بن چکا ہوں۔'' اپنی بات کہہ کر وہ فخریہ انداز میں ہنسا۔

پچھلے کچھ عرصے سے وہ ایسی ہی بے تکلفی برت رہا تھا' جو وحید کے لئے بڑی ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔

''شیرا میں نے تمہارے لئے کیا نہیں کیا۔اِس کا یہ صلہ دے رہے ہو کہ مجھے ہی بلیک میل کرنے پر اتر آئے ہو۔'' اُن کے پاس وقت نہیں تھا اور وہ شیرا جیسے شخص کے زیادہ منہ لگنا بھی نہیں چاہتے تھے۔

''میری کیا اوقات ہے وحید صاحب! صلہ تو آپ کے ذمے ہے۔ میں بھلا کیا دے سکتا ہوں آپ کو' ہمارا ہاتھ تو لینے کے لئے ہی پھیلا ہے سدا آپ کے سامنے۔'' وہ بے شرمی سے اُن کے سامنے پھر ہاتھ پھیلا چکا تھا۔ وحید نے ایک گہری نگاہ اُس پر ڈالی۔ شیرا کی آنکھوں کی شاطرانہ چمک اور عیار مسکراہٹ' اُس کے دل کا حال بتا رہی تھی۔

'' جو رقم طے ہوئی تھی' اِس سے زیادہ پہلے ہی دے چکا ہوں۔''

'' بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔'' وہ ذرا جو شرمندہ ہوا ہو۔'' یہ پیسے میں اس کام کے کب مانگ رہا ہوں' یہ تو آفتاب کے سامنے زبان بند رکھنے کی قیمت ہے۔الگ کام' الگ پیسے۔''

''کاش وہ اسی سڑک پر' اس شیرا کے منہ پر ایک تھپٹر رسید کر سکتے۔'' دل میں اُٹھتے اُبال کو زبردستی ہی انہوں نے برداشت کیا۔

''چلو جیسے تم خوش' میں نے پہلے بھی تمہارا کیا نہیں ٹالا ہے' جو مانگو گے دے دوں گا۔ ذرا صبر کرو۔''

''پیسے اِسی مہینے میں مجھے چاہئیں پورے تین لاکھ اور...''

''اور کیا گارنٹی ہے کہ تم اس کے بعد بھی منہ بند رکھ سکو گے' پہلے پانچ لاکھ لے کر بھی تم کہاں باز آئے ہو۔''

اُن کا اسے مزید پیسے دینے کا قطعی ارادہ نہیں تھا' لیکن اُس کی فطرت کو سمجھتے ہوئے' وہ اُسے باتوں میں الجھا رہے تھے۔

''شیرا کو یقین آنے لگا کہ وہ اُسے اور پیسے دینے کا ارادہ کر چکے ہیں۔'' میں یقین دلاتا ہوں' آپ میری صورت بھی نہیں دیکھیں گے کبھی۔''

''کاش ایسا ہی ہو۔'' وہ اُسے الجھانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ ٹھیک ہے پھر اِس مہینے کی آخری تاریخ کو دے دوں گا میں تمہیں دو لاکھ اور' لیکن اب یہ گھٹیا حرکتیں میں دوبارہ نہ دیکھوں' نہ سنوں۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اُنہوں نے اس سے آخری بات کی۔

شیرا کا چہرہ سرخ ہوا جا رہا تھا۔ خلاف توقع وہ کسی بڑی بحث و تمحیص سے بچا تھا۔ جتنی دیر میں وحید کی گاڑی سٹارٹ ہوئی' وہ وہیں کھڑا انہیں یقین دلائے گیا کہ وہ آئندہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔

یہ وعدے وہ پہلے بھی کر چکا تھا' جو ہر بار بڑی آسانی سے اس نے توڑ بھی ڈالے تھے۔ وحید یوں ہی بے تاثر سا چہرہ لئے سنتے رہے اور پھر گاڑی آگے بڑھالی۔

''ایک سے ایک لالچی اور مفت خور۔'' انہیں شیرا اور ثانیہ کی ممانی' دونوں ہی دفعتاً ایک جیسے ہی لگنے لگے۔
''دوسروں کا مال سمیٹنے کے لئے تیار' جیسے میرے پاس حرام کا پیسہ ہی تو آ رہا ہے۔''

اُن لوگوں کو برا بھلا کہتے ہوئے وحید کو ایک بار بھی یاد نہیں آیا کہ ماضی میں جو کچھ بھی وہ کرتے آئے ہیں اُن کے مقابلے میں تو یہ کچھ بھی نہیں۔

ساری عمر بیوی کو ڈھال بنا کر، وہ بابا اور سجاد سے پیسے وصولنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکے تھے۔ آج بھی اُن کا سارا ٹھاٹھ باٹھ، فرحت کو میکے سے ملنے والے پیسے کی وجہ سے ہی تھا۔

"ایک پیسہ نہیں دوں گا کسی کو بھی، ایک بار شادی ہو جائے ثانیہ سے، پھر دیکھ لوں گا اس شیرا کو بھی اور اُس بوڑھی جادوگرنی کو بھی۔"

ان کی بد فطرتی عروج پر تھی۔

شیرا کو محض چند دن اور روکنا تھا۔ ثانیہ کی ممانی نے وعدہ کر لیا تھا کہ اگلے چند دنوں میں وہ، اماں اور ماموں کو رضامند کر لینے والی ہیں اور پھر ایک دن کی بھی تاخیر نہیں۔ سادگی سے نکاح ہی تو کرنا تھا۔ بعد میں شیرا، آفتاب کو چاہے دس فون کرے، انہیں ذرا بھی پروا نہیں تھی، آفتاب سے تعلقات بحال رکھنے میں انہیں کون سی دلچسپی تھی۔

"بے کار کا جنجال۔"

"وحید الدین نے ایسے پھٹیچر رشتے داروں کی ساری زندگی پروا نہیں کی۔ کرتا تو آج وہیں آفتاب کی بیساکھی کی ٹِک ٹِک بیٹھا سُن رہا ہوتا، اُس کے ذرا سے میڈیکل سٹور پر۔"

وہ اپنی خوشحالی پر بڑی سفاکی سے ہنسے۔ نہ تو آسمان شق ہوا اور نہ ہی زمین پھٹی لیکن غرور میں ڈوبے اِن الفاظ کا حساب کہیں اور یقیناً درج ہو رہا تھا۔

...☆☆☆...

نینی کے چھوٹے سے کچن میں کھانوں کی اشتہاء انگیز خوشبو پھیل رہی تھی۔ مختلف فوڈ پوائنٹس سے پارسل کرائے گئے کھانے اور ان کے خالی کئے ہوئے ڈبے اور شاپر۔ چھوٹا سا سلیب، پوری طرح بھرا ہوا تھا۔

نینی نے پریشان نگاہوں سے اُس سب کو دیکھا اور واپس کمرے میں آئی۔

فیضی ٹی وی آن کر چکا تھا اور بہت ریلیکس انداز میں ٹی وی پر آنے والے کسی ٹاک شو کو سننے میں مصروف تھا۔

"کیا ہوا کھانا نہیں لائیں، بڑی سخت بھوک لگ رہی ہے۔" اُسے خالی ہاتھ دیکھ کر وہ فوراً ہی بولا تھا۔

"یہ اتنا کچھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟ کون بیٹھا ہے یہاں اتنی چیزیں کھانے والا۔" وہ بد مزگی نہیں چاہ رہی تھی مگر اس وقت ٹوکے بغیر نہیں رہ سکی۔

"ہم دونوں کھائیں گے، اس وقت بھی اور اگلے دو دن میں، تم کو ویسے بھی آرام کی ضرورت ہے۔ اچھا ہے کچن سے دور رہو گی۔" وہ بے حد خوشگوار موڈ میں تھا اور یہ خوشگواریت پچھلے کئی دن سے برقرار تھی۔

نینی نے بے اختیار ہی ماتھے کو چھوا۔ فیضی کی عاقبت نااندیشی پر اب تو اسے حیرت بھی نہیں ہوتی تھی۔

"اِس بری طرح پیسے خرچ کرنے کا مطلب سمجھ رہے ہو تم۔" وہ اُس کے سامنے آ بیٹھی۔

"ارے کون سے پیسے خرچ کر دیئے ہیں۔ ذرا ڈھنگ کا کھانا ہی تو لایا ہوں۔ وہ بھی تمہارے خیال سے کہ تم کو آرام..."

وہ اطمینان سے چینل بدلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مگر نینی نے بیچ میں ہی اُس کی بات کاٹ ڈالی۔ "نہیں چاہئے مجھے ایسا آرام اور یہ ڈھنگ کا کھانا۔ کتنے دن سے مستقل ہی کھا رہے ہیں ہم، ہزاروں روپے خرچ ہو چکے ہیں فیضی، تمہارا ہاتھ اتنا کھلا ہوا ہے کہ تمہیں کچھ بھی اندازہ نہیں ہوتا خرچ کرتے ہوئے۔"

نینی کے بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ فیضی کو کیسے احساس دلائے کہ وہ غلط کر رہا ہے۔

"مجھے سب اندازہ ہے نینی، لیکن تم اتنی تنگ دل ہوتی جا رہی ہو کہ چھوٹی سی خوشی بھی تمہیں نہیں برداشت ہوتی۔ ہماری زندگی میں کون سی آسائش ہے، ہر طرح سے سمجھوتہ کر چکا ہوں میں اس سب سے۔"

خلاف عادت وہ بھڑکا نہیں تھا بلکہ اُس کے لہجے میں کچھ ایسی ٹوٹتی ہوئی سی کیفیت تھی، جو نینی کو پن کی طرح چبھی تھی۔

"ٹیبل پر کھانے کی دس چیزیں بھی ہوتی تھیں تو امی کو پریشانی ہی ہوتی تھی کہ مجھے اُن میں سے کچھ پسند آئے گا بھی یا نہیں۔ ذرا سی خلافِ مزاج بات ہوئی اور میں نے ہنگامہ کھڑا کیا، میں سچ کہتا ہوں نینی..."

وہ مزید کچھ کہتے کہتے رُکا۔

نینی ساکت نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "میں سچ کہتا ہوں نینی اگر امی مجھے یہاں اس گھر میں اور جو کچھ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں کھاتے ہیں، وہ بناء منہ بنائے کھاتے ہوئے دیکھ لیں تو یقیناً صدمے سے مر ہی جائیں گی۔"

"خُدا نہ کرے۔" وہ بے ساختہ ہی کہہ اُٹھی۔

"ہاں خُدا نہ کرے جو وہ یہ سب دیکھیں، میں اب جس بات سے سب سے زیادہ گھبراتا ہوں، وہ یہی ہے کہ میرا اپنے گھر والوں سے کہیں سامنا نہ ہو جائے۔ وہ مجھے یہاں اس حال میں رہتا ہوا نہ دیکھ لیں۔ میں تو شرم سے آنکھ بھی نہیں اُٹھا سکتا ہوں اُن لوگوں کے سامنے بہت دعوے کے ساتھ نکلا تھا گھر سے اس وقت تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے دنیا آسانیوں سے بھری پڑی ہے۔ بہت آرام سے اپنے سارے خواب پورے کر سکتا ہوں۔ مگر دیکھ لو، آج یہاں پڑا ہوا ہوں۔"

اپنی بات کے اختتام پر وہ ایسی ہنسی ہنسا، جو تضحیک کا احساس دلاتی تھی۔ وہ اپنے کمپلیکسز سے آج بھی باہر نہیں نکلا تھا اور شاید ساری زندگی نہیں نکلنے والا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

نینی کو اس بات کا احساس رہتا تھا۔ پر اس وقت تو اسے فیضی کی ہنسی بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ "تم ہر وقت ایسے مت کہا کرو فیضی۔ یہاں بھی آخر انسان ہی رہتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ ہزاروں سے بہتر ہیں۔ ورنہ کتنوں کو تو اپنے سر پر چھت بھی نصیب نہیں ہے۔ اللہ کی ناشکری ہے یہ بھی کہ ہم ہر قوت اپنے حالات کا رونا ہی روتے رہیں۔" بہت نرمی سے وہ جب فیضی سے کہہ رہی تھی تو اُسے خود پر بھی تھوڑی سی حیرت ہوئی۔ شروع شروع میں تو جب وہ یہاں آئے تھے تو خود بھی کتنی ڈیپریسڈ رہنے لگی تھی، لیکن اب ایک ٹھہراؤ آتا جا رہا تھا۔

"جو لوگ یہاں رہتے ہیں اس کے عادی ہیں۔ انہوں نے ایسے ہی گھروں محلوں میں آنکھ کھولی ہے وہ ماحول نہیں دیکھا ہے، جو میں چھوڑ کر آرہا ہوں۔ تم اگر ایک نظر وہ سب دیکھ لیتیں تو ایسا کچھ بھی نہیں کہتیں۔"

اُسے اپنی بات پر ذرا بھی جو شرمندگی ہو۔ "انسان کے لئے اپنا ماحول بڑا اہم ہوتا ہے۔ وہاں سے وہ صرف کھانا پینا یا رہنا ہی Adopt نہیں کرتا، اُس کے اُصول قاعدے، جینے کا انداز سب ہی کچھ وہیں کی دین ہوتی ہے، ہم انسان تو سخت جان ہیں، جو اس تبدیلی کو جیسے تیسے جھیلنے کی کوشش کرتے ہیں، کسی کھارے پانی کی مچھلی کو نکال کر میٹھے پانی میں ڈال دو، تڑپ کر جان دیتی ہے یا نہیں۔"

کھوئے کھوئے سے انداز میں وہ کہتا ہی چلا گیا۔

"اور تم مجھے اس تھوڑے سے من پسند کھانے لے آنے پر الزام دے رہی ہو، کون سا میں نے اپنے زمین آسمان بدل لئے ہیں یار۔"

وہ خاموش ہوا تو نینی تیزی سے اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ شاید اس وقت اسے فیضی کی یہ چھوٹی سی خوشی غارت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ کھانا نکالتے ہوئے وہ خود سے اُلجھتی رہی۔

مگر اس نے ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا۔

دِیا کی شادی ایک بہانہ ثابت ہوئی تھی۔ زیور بیچنے کے لئے اور وہ بکتے ہی بہت دن بعد فیضی کے ہاتھ میں فالتو پیسے آچکے تھے۔

پیسے خرچ کرنے میں وہ خطرناک حد تک لاپرواتھا۔نینی کو شادی کے ابتدائی مہینوں کے وہ سارے شاہانہ انداز' کسی خوشگوار خواب کی طرح یاد تھے۔جب فیضی نے اسے حقیقتاً ملکہ بنا کر ہی رکھا تھا۔

اعلیٰ رہائش' اعلیٰ لباس' بہترین خوراک اور پھر نوٹوں سے بھرے والٹ کے ساتھ یوں ہی فضول شاپنگ' جو بس محض خوش ہونے یا ٹائم پاس کرنے کے لئے کی جاتی تھی۔اب پے در پے دھکوں کے بعد سب کچھ ممکن تو نہیں رہا تھا' لیکن اندر سے فیضی آج بھی ان سب باتوں کا خواہشمند تھا۔

اِن دنوں میں اُس نے ایک دن بھی گھر میں کھانا نہیں پکنے دیا تھا۔ایک اچھی گائناکالوجسٹ سے نینی کا چیک اپ کروایا تھا۔سارے ٹیسٹ مہنگی ترین لیبارٹری سے کروائے اور پھلوں' جوسز اور وٹامنز سے فریج بھر دیا تھا۔

گو یہ سب اِس محبت کا اظہار تھا' جو وہ اس سے کرتا تھا۔پھر بھی وہ اندر ہی اندر کڑھتی رہی۔ہزاروں روپے ان تھوڑے سے دنوں میں ٹھکانے لگ چکے تھے اور دِیا کی شادی میں دیا جانے والا تحفہ ابھی خریدنا باقی تھا۔

کھانا نکالے ہوئے بھی' جو حساب اُس نے لگایا تھا۔اُس کی رو سے بھی' اب صرف تحفہ ہی خریدا جاسکتا تھا۔'' کوئی جیولری کی چیز لے لو' یا پھر ٹی وی' واشنگ مشین وغیرہ میں سے کچھ لیا جاسکتا ہے۔''

تھوڑی دیر بعد کھانا کھاتے ہوئے فیضی خود ہی اس موضوع پر آچکا تھا۔نینی ہلکے سے مسکرادی۔

تھوڑی دیر پہلے ہونے والی تلخی کو اُس نے مٹانے کی یہ شعوری کوشش کی تھی۔

''تمہارے بعد تمہارے گھر میں یہ پہلی شادی ہو رہی ہے کوئی اچھی چیز دینا تو بہت ضروری ہے۔''

اُس کے ہاتھ کے ساتھ دل بھی کھلا ہوا تھا اور اچھی بات یہ کہ دوسروں کے لئے بھی' وہ قطعی کنجوسی سے نہیں سوچتا تھا۔

''میں پرسوں تک امی کے ہاں رہنے کے لئے چلی جاؤں گی اُن ہی سے پوچھ لوں گی کہ کیا دینا ٹھیک رہے گا۔''

نینی نے اس کی بات کو فی الوقت ٹالنا ہی مناسب سمجھا۔اس کا دِیا کو کوئی بڑی چیز دینے کا ارادہ اب نہیں رہا تھا۔اسے پتہ تھا کہ اس کے حالات اس بے حد ضروری خرچ کی بھی اجازت نہیں دے رہے' جو وہ بہت دل سے کرنا بھی چاہتی تھی۔

فیضی اس بار خاموش رہا۔

''نہ ہاں' نہ نا۔''

نینی کو لگا جیسے اُس نے اِس کی بات پر کوئی ایسا خاص دھیان بھی نہیں دیا ہے۔اس کی توجہ اپنے من پسند کھانے کی طرف ہی ہے۔

مگر یہ ایک خیال ہی تو تھا۔

''یہ زیور وغیرہ خرید لینا خاصی عقلمندی کی بات ہے۔کم از کم ضرورت کے وقت کام تو آجاتا ہے۔کمال ہے اس پورے سال میرا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا کہ یہ بھی بیچ کر ہم اپنی پریشانیاں کچھ تو کم کر سکتے ہیں۔تولئے سے ہاتھ خشک کرتا ہوا' جب وہ اندر واپس آیا تو پہلی بات یہی کی۔

نینی بیڈ کی چادر وغیرہ ٹھیک کر رہی تھی۔ فیضی کی طرف اُس کی پشت تھی۔ سو اُس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکی' جہاں ایک گہری سوچ ابھرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''تم یہ دوسرا سیٹ بھی مہر و خالہ کے ساتھ جا کر جیولرز کو دے آئو' آج کل گولڈ کی قیمت بڑھی ہوئی ہے بہت اچھے پیسے مل جائیں گے اس کے۔''

نینی کو اس کی بات سے دھکا سا لگا۔ ''وہ سیٹ' وہ تو بہت قیمتی ہے۔''

اس نے فیضی کو اِسی کی بات یاد دلائی۔

''ہاں تو اسی لئے کہہ رہا ہوں۔ وہ زیادہ پیسے دے جائے گا۔ تم زیور وغیرہ پہنتی بھی کب ہو اور سچی بات تو یہ کہ تمہیں اُس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' وہ اس کے قریب آتے ہوئے بڑی محبت سے کہہ رہا تھا۔

''نینی نے دھیرے سے اس کا ہاتھ پرے ہٹایا۔''

کیا ضرورت ہے اُسے بیچنے کی' پڑا ہے پڑا رہنے دو۔''

''پیسے تو یوں ہی ختم ہو جاتے ہیں' چاہے کتنے بھی کیوں نہ ہوں۔''

''سمجھا کرو یار' وہ سیٹ یوں ہی پڑا ہے پچھلے ایک سال سے تو تم نے اسے ایک بار بھی نہیں پہنا ہے۔ پیسے کم از کم کام تو آئیں گے اور اس بار تو ہم خرچ بھی سوچ سمجھ کر کریں گے۔''

نینی نے بمشکل ہی خود کو کوئی سخت بات کہنے سے باز رکھا۔

''ہم کسی اچھی جگہ اچھا فلیٹ کرائے پر لے سکتے ہیں۔ ایڈوانس اور ایک سال کا کرایہ تو نکل ہی آئے گا۔ مجھے پوری امید ہے اس جگہ سے تو جان چھٹے گی۔'' وہ آگے پھر اسی انداز میں سوچ رہا تھا' جو اس کی شخصیت کا خاصا تھا۔

''اور ایک سال بعد کیا ہو گا' اتنا کرایہ کہاں سے دیا جائے گا۔ ابھی تو تمہارے پیپرز بھی رہتے ہیں کلیئر ہونے کے لئے۔''

نینی کے یاد دلانے پر وہ تھوڑا سا برا منا گیا۔

''ہو جائیں گے کلیئر' کوئی ہمیشہ ایک سا رزلٹ تھوڑی آتا ہے اور یہ میرے فکر کرنے کی باتیں ہیں۔ تم اِس چکر میں مت پڑو' ویسے ہی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

بہت نرمی سے اِس نے نینی کے بالوں کو چھوا۔ ''ناراض مت ہونا' اتنے دنوں کے لئے جا رہی ہو' میں کتنا مس کروں گا' تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے۔''

وہ بالکل خاموش تھی۔ کبھی اس انداز پر وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی تھی۔ مگر اب لگ رہا تھا جیسے فیضی نے یہ سب کسی اور کے لئے کہا ہو۔

''اور میں کون سا ابھی کل ہی تمہیں زیور بیچنے کا کہہ رہا ہوں۔ پہلے شادی اٹینڈ کر لو آرام سے۔' یہ کام اِس سے اگلے ہفتے میں کر لینا۔''

''مجھے نیند آ رہی ہے فیضی۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔''

وہ مڑ کر تکیہ ٹھیک کرنے لگی۔

"آرام کرو بس، کل بھی کچھ ضرورت نہیں ہے پکانے و کھانے کی۔ بہت سی چیزیں بچی رکھی ہیں۔ آرام سے کام چل جائے گا۔"

وہ اسے اپنا خیال رکھنے کے لئے اور بھی بہت سی ہدایتیں دے رہا تھا۔

نینی نے آہستگی سے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ فیضی کی بات تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔ اُسے پتہ تھا وہ جو کہہ دیتا ہے، پھر اُس سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ وہ خوبصورت سیٹ، جو فیضی کی پہلی خوبصورت نشانی تھا۔ اب محض چند دن کے لئے ہی اس کی ملکیت رہ گیا تھا۔ سچی بات تو یہ کہ اُسے ابھی سے سوچ کر بے حد رنج ہونے لگا تھا۔

...☆☆☆...

نواب شاہ جانے کا پروگرام جیسے آناً فاناً بنا تھا۔ ماموں کو تو خیر ایک دن پہلے سے خبر تھی، لیکن ممانی کو ثانیہ نے اِس وقت بتایا جب وہ سجاد سے چھٹی منظور کروا کر واپس آچکی تھی۔

"کمال ہے ایسی کیا ایمرجنسی نافذ ہو رہی ہے، جو یک دم منہ اٹھا کر چلنے کی تیاری کر لی۔"

اپنی بوکھلاہٹ میں وہ لہجے الفاظ کسی پر بھی توجہ نہیں دے پائیں۔ ثانیہ منہ نیچے کر کے مسکرا دی۔

"اتنا لمبا راستہ، آپا کی صحت بھی ٹھیک نہیں ہے، مگر یہ ثانیہ ہے کہ اِنہیں زبردستی لئے جا رہی ہے۔" وہ اندر ماموں سے شکایت کرنے پہنچ چکی تھیں اور آواز کا والیوم ہلکا کرنے کی انہوں نے ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی۔ اچھا تھا کہ سارے ایک بار ہی سن لیں۔ جواباً ماموں نے انہیں کیا کہا، یہ تو باہر سنائی نہیں دیا، لیکن وہ مستقل ہی بحث کئے گئیں۔

ثانیہ سر جھکائے خاموشی سے تخت پر اپنا سفری بیگ رکھنے، اپنے اور اماں کے کپڑے اور ضرورت کا دوسرا سامان رکھے گئی۔

اماں قریب ہی بیٹھی تھیں۔ بات کی نزاکت اور اہمیت دونوں ہی کو سمجھ رہی تھی۔ سو جانے کے لئے بالکل تیار تھیں۔ پھر وہاں سے ساری خوشگوار یادیں وابستہ تھیں، کچھ اور نہیں تو ان کا اعادہ بھی ہو جاتا۔

جمیل ماموں کی طبیعت بھی بظاہر آج کل اچھی چل رہی تھی۔ سو ثانیہ نے انہیں یہ بہانہ بھی نہیں بنانے دیا تھا۔

ممانی اندر سے مایوس ہو کر سیدھی اماں کے پاس ہی آئیں۔ "ثانیہ تو بے وقوف ہے، جذباتی ہے۔ آپ کیوں اِس کی باتوں میں آ رہی ہیں۔ گھر کا کیا ہے جب بِکنا ہو گا بِک جائے گا۔ اللہ نے چاہا تو ثانیہ کو ایسا شاندار گھر ملے گا کہ دنیا دیکھے گی۔"

بیگ بند کر کے وہ وضو کرنے جا رہی تھی۔ تب اُس نے ممانی کو کہتے ہوئے سنا۔

"اللہ مالک ہے۔" اماں کا وہی راضی بہ رضا رہنے والا انداز۔

وہ واش روم میں جا چکی تھی۔

واپس آئی تب بھی ممانی وہیں موجود تھیں۔ اُسے دیکھتے ہی یک دم اُن کی آواز نیچی ہو گئی تھی۔

اماں سے بالکل نزدیک ہو کر، وہ سرگوشیوں میں نہ جانے کیا کہہ رہی تھیں۔ ثانیہ کو اماں کے چہرے پر تذبذب کے سے آثار دکھائی دیئے۔

جائے نماز اٹھاتی ہوئی وہ ڈرائنگ روم کی طرف چلی گئی۔ پر دھیان وہیں اٹکا رہا۔

عجیب بات تھی کہ جب ممانی کا رویّہ ناقابلِ برداشت تھا اس وقت تو تکلیف جھیلنا شاید اتنا مشکل نہیں تھا۔ مگر اب جب وہ اس سے اور اماں سے بہت اپنائیت کے ساتھ پیش آنے کی کوشش کر رہی تھیں، تو ثانیہ کو اُن سے بے حد گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ پہلے سے کہیں زیادہ، وہ جب بھی ان کی طرف دیکھتی، دل پر عجیب سا وہم طاری ہونے لگتا۔

نماز پڑھ کر وہ بڑی دیر تک دعائیں مانگتی گئی۔ جمیل ماموں کے بالکل صحتیاب ہو جانے کی۔ اُن کی اور اماں کی درازیٔ عمر کی، سب کے لئے آسانیوں کی اور سب کچھ اچھا ہو جانے کی۔

دل کو اطمینان سا حاصل ہونے لگا تو وہ اُٹھ کر ماموں کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ اس وقت اکیلے ہی تھے۔ نیم دراز، کسی سوچ میں گم۔

اُن کے کمرے سے برآمدے میں کھلتی کھڑکی سے ممانی اب بھی اماں کے پاس ہی بیٹھی دکھائی دے رہی تھیں۔ ''کیا سوچ رہے ہیں ماموں۔'' اُن کی طرف سے دھیان ہٹا کر وہ بہت پیار سے جمیل ماموں سے پوچھ رہی تھیں۔

''کچھ بھی نہیں، بس یوں ہی۔'' وہ تھوڑا سا چونک گئے۔

''اچھی باتیں سوچا کریں مثبت سوچ انسان پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ بے کار کے الٹے سیدھے خیال دل میں نہ آنے دیا کریں۔ دل خواہ مخواہ ہی پریشان ہونے لگتا ہے۔'' قریب بیٹھ کر اس نے بھی محبت سے اُن کا ہاتھ تھاما۔

جمیل ماموں مسکرانے لگے۔

اُن کے شفیق چہرے پر زردی سی پھیلی رہتی تھی۔ مگر پچھلے دنوں کی نسبت آج کل وہ خاصے بہتر محسوس ہوتے تھے۔ اب درد کی شکایت بھی نہیں تھی اور خوراک بھی وقت پر لے رہے تھے۔ ورنہ پچھلے مہینوں میں تو کھانے سے اُن کی رغبت تقریباً ختم ہی ہو چکی تھی۔

''آپ کی کوئی دوا ختم تو نہیں ہو رہی۔'' ثانیہ ذرا سا مڑ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی دوائوں کو چیک کرنے لگی۔ اپنی یہاں سے چند دن کی غیر حاضری میں، وہ اُن کی کسی دوا کا ناغہ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

''دوائیں بہت باقاعدگی سے لیجئے گا۔ ذرا سی بھی سستی نہیں کیجئے گا۔ اگلے ہفتے ڈاکٹر نے بلایا ہے۔'' انہیں تاکید کرتے ہوئے اُس نے انگلیوں پر حساب لگایا۔ ''ابھی نو دس دن باقی تھے اور وہ اس سے کہیں پہلے لوٹ آنے کا پکا ارادہ کئے ہوئے تھی۔

''بے فکر ہو کر جائو، آئو گی تو پہلے سے اچھی حالت میں ملوں گا۔'' اس کی مستقل ہدایتوں پر وہ ہلکے سے ہنس پڑے۔ ''یہ بتائو روانگی کس وقت کی ہے؟''

''کل صبح سویرے ماموں، اچھا ہے دن دن میں پہنچ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے مطمئن سا ہو کر اثبات میں سر ہلایا۔ ''ویسے میں ذرا بھی چلنے پھرنے کے قابل ہوتا تو کبھی بھی تمہیں اور آپا کو اکیلے نہ جانے دیتا خود لے کر چلتا۔''

''جب آپ کی طبیعت ٹھیک ہو گی، تم ہم پھر دوبارہ چلیں گے، گھومنے پھرنے کے لئے۔ ابھی تو بس یہ کام نمٹانا ہے۔ یوں گئے اور یوں آئے۔''

اس نے ہلکے سے چٹکی بجائی، جمیل ماموں اس بار کوشش کے باوجود بھی نہ مسکرا سکے۔ ثانیہ کی طرف ایک بار دیکھا اور پھر نگاہ چرا گئے۔ تب ہی اماں اور ممانی اندر چلی آئیں۔

''بس دو چار دن کی بات ہے۔ اس سے زیادہ نہ ہو۔''

''ممانی اندر آتے ہی براہِ راست اسی سے مخاطب ہوئیں۔'' اس کے فوراً بعد میں تمہارے اور لبنیٰ کے فرض سے فارغ ہوں گی، یہ ابھی بتائے دیتی ہوں۔''

وہ بڑی حق جتاتی اپنائیت سے کہہ رہی تھیں۔ اماں اور ماموں دونوں ہی نے اُن کی طرف تعریفی نگاہ سے دیکھا۔

پچھلے دو تین ماہ وہ جتنی محبت سے پیش آ رہی تھیں' اس کے بعد بہت سے خدشات اپنی موت مر چکے تھے۔اماں اور ماموں دونوں ہی نے اِسے ان کے پیار کی ادا سمجھا تھا۔

صرف وہی تھی' جو دل کو گھبراہٹ میں مبتلا ہونے سے نہیں روک پاتی تھی۔''مرد کی کمائی دیکھی جاتی ہے اور شرافت' باقی سب تو بس یوں ہی ہے اور ہمارے تو حالات اجازت بھی نہیں دیتے کہ ہم آنے والے رشتوں میں کیڑے نکالتے رہیں۔'' ثانیہ کو صاف لگا جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچ چکی ہیں اور اماں؟؟؟

اُس نے ایک کھوجتی نگاہ اماں پر ڈالی' وہ خوش نہ سہی مگر ناخوش بھی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

شاید وہ انہیں قائل کر چکی تھیں۔ثانیہ کو ایسا ہی لگا اب جب کہ صبح سویرے نکلنا تھا' بے کار کی بحث پھیلا کر بدمزگی پیدا کرنا بے وقوفی ہی تھی۔

وہ سب کچھ نظر انداز کر کے اس رات بہت دیر تک ماموں کے پاس بیٹھی رہی۔اماں' ممانی سب ہی موجود تھے وہ آج بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔کتنی ہی یادیں شیئر کرتے رہے۔

اپنے بچپن کی' اپنے والدین کی' اماں کی شادی اور پھر ثانیہ کے ابا کی بے حد پیاری شخصیت' اپنے سے قریب سب ہی لوگوں کو انہوں نے جی بھر کر یاد کیا۔

رات دیر گئے سونے کے باوجود ثانیہ کو بڑی اطمینان بھری نیند آئی۔

صبح سویرے جب وہ انہیں خدا حافظ کہنے کے لئے ان کے کمرے میں گئی تو اُس کا خیال تھا کہ وہ ابھی سو رہے ہوں گے' لیکن وہ جاگ چکے تھے۔''اچھا ماموں' اپنا خیال رکھیئے گا' دعا کیجئے گا کہ سارے کام ٹھیک ٹھاک ہو جائیں۔''

''میری دعائیں تو ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں بیٹا۔''

انہوں نے اُس کا ہاتھ اپنے کمزور ہاتھوں میں تھاما۔

اب ان ہاتھوں میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی' پھر بھی یہ ہاتھ نرمی اور تحفظ کا گہرا احساس دلاتے تھے۔ثانیہ کا دل بڑی شدت سے چاہا کہ وہ یہ ہاتھ تھام کر اِسی طرح بڑی دیر تک بیٹھی رہے۔اماں ابھی ابھی باہر گئی تھی اور وہ دونوں اس وقت یہاں اکیلے تھے۔

''مجھے تمہاری فکر رہے گی۔اپنا بہت خیال رکھنا میری بچی۔''

جمیل ماموں یک ٹک اُس کا چہرہ تکے جا رہے تھے۔اُن کی نگاہوں میں ایسا کیا تھا' جو اسے اپنا دل پانی ہوتا محسوس ہونے لگا۔بے اختیار ہی وہ جھک کر اُن کے گلے لگ گئی۔ جمیل ماموں نے دھیرے سے اس کے سر پر پیار کیا باہر سے ممانی مستقل ہی آوازیں دیئے جا رہی تھیں۔ بمشکل خود پر قابو پا کر وہ اُن سے الگ ہوئی۔

''جائو دیر ہو رہی ہے۔تمہیں اللہ کی امان میں دیا۔'' ثانیہ اُن کے پاس سے اُٹھ کر دروازے کی طرف دیکھا۔وہ اسی کی طرف متوجہ تھے' اُسے مڑتا دیکھا تو وہی شفیق مسکراہٹ پھر سے اُبھری' جو اُسے ہمیشہ حوصلہ دیتی تھی۔

دل سے سارے وہم جھٹک کر ثانیہ نے بھی مسکرانے کی کوشش کی' پتہ نہیں کامیابی ہوئی بھی یا نہیں۔

...☆☆☆...

نینی اپنے گھر سے اور رعنا پنجاب سے ایک دن کے وقفے سے آگے پیچھے ہی آئی تھیں۔اِن دونوں کے آتے ہی گھر میں شادی والا ماحول پوری طرح چھا چکا تھا۔

کل کا سارا دن بے تحاشا مصروفیت میں گھرا۔چند جوڑے اب بھی پیکنگ کے منتظر تھے۔رعنا نے آتے ہی سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔سو وہ بھی پیک ہو کر دیا' دِیا کے بقیہ کپڑوں کے ساتھ رکھ دیئے گئے تھے۔

کچن سے لے کر آنے والے اور ٹھہرنے والے مہمانوں کے سونے سلانے ' بٹھانے ' سب کی ہی فکر اُس نے اپنے سر لے لی تھی۔ سچی بات تو یہ کہ امی اور نازی دونوں ہی کو بڑا اطمینان حاصل ہوا تھا۔نینی بھی ساتھ دینے کی کوشش کر رہی تھی ' لیکن اس کی اپنی حالت ایسی تھی کہ فطری طور پر وہ سست ہو رہی تھی۔آس پاس کی بچیاں دن میں بھی آکر ڈھول بجانے کا شوق پورا کر رہی تھیں۔

امی کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ذرا بھی منع نہیں کر رہی تھیں۔آج مایوں کی رسم تھی۔رات دیر تک سب کاموں میں مصروف رہے تھے۔سو صبح بڑا سناٹا تھا۔نازی اُٹھ کر چائے بنا کر لائی تو صرف امی ہی جاگ رہی تھیں۔

''ابھی کوئی نہیں اُٹھا۔'' اِسے دیکھ کر وہ پوچھنے لگیں تو اُس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔''شکر ہے خدا کا ' جو یہ دن آیا ' ورنہ دل کو عجیب عجیب وسوسے گھیرتے تھے۔'' چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے وہ نازی سے کہنے لگیں۔

''ٹھیک کہتی ہیں ' میں تو خود بڑی فکر مند رہی ہوں اِن سارے دنوں میں۔'' اِسے وہ سارے خدشات یاد آئے ' جو دِیا کی طرف سے کسی وقت کم نہ ہوتے تھے۔مگر اب امی کے پاس بیٹھ کر اُن سے شیئر کر کے کتنے بے وقت سے لگ رہے تھے۔''جہیز کا سامان آج یا کل تو ضرور ہی چلا جائے گا ' پھر یہ سارا پھیلاؤ بھی سمٹے گا۔'' امی اپنے کمرے کی بے ترتیبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

''ہر چیز میں خامیاں نکالتی ہے یہ لڑکی ' مجھے تو بڑی فکر ہے کہ یہ وہاں آرام سے سیٹ ہو جائے ویسے تو عمر نے بڑا اچھا گھر لیا ہے۔دِیا دیکھے گی تو خوش ہو جائے گی۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

تشویش ' اُمید ' فکر اور پھر بے فکری ' سب مائیں ' ایسی ہی ملی جلی کیفیت سے گزرتی ہیں۔نازی انہیں تسلی دینے لگی۔

دِیا کی طرف سے نہ سہی ' عمر اور نانی کی طرف سے بڑا گہرا اطمینان تھا۔دِیا کی نادانیوں سے وہ ہی تھے جو ہزار بار بھی در گزر کر سکتے تھے۔

''سمیع کو اُٹھاؤ باہر گلی میں شام کے لئے قناتیں ' شامیانے لگانے والے کس وقت آئیں گے ' پھر کھانے کا انتظام بھی دیکھنا ہے۔''

شادی کے کاموں کی وہی روایتی سی ہڑبڑ ' آج سارا دن اور اگلے تین چار دن تک رہنی تھی۔نازی مسکرانے لگی۔

''اب آپ خود پر گھبراہٹ طاری نہ کریں۔ہو جائے گا سب کچھ۔سمیع بہت ذمہ دار ہے اور اُس کے دوست بھی بہت مدد کرنے والے ہیں۔سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ابھی تو سارا دن پڑا ہے امی فنکشن تو اب کہیں جا کر رات میں شروع ہو پاتے ہیں۔''

''واقعی ' ویسے یہ کیسا برا رواج پڑ گیا ہے۔دیر سے تقریبات شروع ہونے کا۔آنے والوں کو بھی دقّت ہوتی ہے اور گھر والے بھی تھک کر چور ہو رہے ہوتے ہیں۔'' امی مطمئن سی ہی کر ایک عمومی برائی پر بات کرنے لگیں تب ہی باہر گیٹ کی طرف سے آہٹ سنائی دی۔''کون آگیا اس وقت۔'' امی چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگی تو نازی چائے کا کپ ایک طرف رکھ کر باہر برآمدے میں چلی آئی ہے۔

سامنے والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔سمیع گیٹ کھول چکا تھا اور اندر آنے والی کوئی اور نہیں اسماء پھوپھو تھیں۔ایک طویل مدت بعد نازی نے اُن کے شوہر کو بھی اُن کے ساتھ اپنے گھر آتے دیکھا۔

پل کے سب سے چھوٹے حصے میں اُسے کچھ بہت ہی غیر معمولی ہونے کا احساس ہوا تھا۔

یخ ہوتے ہاتھ پاؤں اور بے تحاشا دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ' وہ اُن لوگوں کو سامنے کا احاطہ پار کرتے ہوئے دیکھے گئی۔

وہ لوگ اتنے بے وقت آئے تھے۔اس سے زیادہ یہ بات اہم تھی کہ وہ یہاں کیوں آئے تھے؟دِیا کی مسعود سے منگنی ٹوٹنے کے بعد ایک گہری سرد مہری جو دونوں گھروں کے بیچ کا چکی تھی۔وہ اس طرح کا آنا جانا' تقریباً منقطع کئے ہوئے تھے۔پھر آج اِس وقت' وہ لوگ اب اندر آنے والی سیڑھیوں کے قریب تھے اور اُن کے چہروں پر پھیلی گہری سنجیدگی' صاف صاف جھلک رہی تھی۔

نازی نے اُن کے پیچھے تیز قدموں سے آتے سمیع کو دیکھا۔یقیناً انہیں یہاں دیکھ کر وہ بھی الجھا ہوا تھا۔نازی کھڑکی سے ہٹ کر اندرونی راستے کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ دونوں اندر آچکے تھے اور سیدھے اسی کی طرف اُن کا رخ تھا۔

''السلام علیکم۔'' بمشکل ہی اس کے منہ سے نکلا تھا۔پھوپھا نے تو جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔مگر اسماء پھوپھو کے چہرے پر اُن سے بے حد بوجھل لمحوں میں بھی شفقت کی ایک ہلکی سی چمک ابھری تھی۔

''بشارت بھائی نے بلوایا ہے ابھی فون کر کے۔''

اس کے پاس سے گزرتے ہوئے' وہ سرسری طور پر ہی بتا سکیں۔

ابا کا کمرہ' اس طویل برآمدے کے آخری سرے پر تھا نا' نازی خود کو اُن دونوں کے پیچھے جانے سے نہ روک سکی۔اُس کے اپنے پیچھے امی کی آواز سنائی دی۔وہ پوچھ رہی تھیں کہ کون آیا ہے؟لیکن امی کو جواب دینے کے بجائے وہ اُن سب

کے پیچھے کھنچتی چلی گئی۔سمیع نے ابا کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور نازی نے باہر سے ہی دیکھ لیا تھا کہ دِیا اُن کے کمرے میں موجود ہے۔

پتہ نہیں وہ کتنی دیر سے وہاں تھی۔اُس کے کمرے کا بند دروازہ اسی غلط فہمی میں مبتلا کئے ہوئے تھا کہ وہ سو رہی ہے۔

بہت خاموشی سے اندر جا کر وہ دروازے کے قریب ہی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ابا یا دِیا کسی نے بھی اُس کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ابا کمرے کے وسط میں کھڑے تھے اور انہوں نے آنے والے سے رسمی سی دعا سلام بھی کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔صرف سمیع تھا جو دبی زبان میں' اسماء پھوپھو اور پھوپھا کو بیٹھنے کے لئے کہہ رہا تھا۔مگر وہ لوگ ابھی کھڑے ہی رہے۔

''بہت جلدی کی تم نے آنے میں اسمائ۔میری عزت کا تماشا بنانے میں تمہارا گھرانہ ہمیشہ جلدی ہی کرتا آیا ہے' ہے نا۔'' بشارت صاحب کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اُن کے لہجے میں اتنی تپش پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔

''صاف بات کریں بشارت بھائی' یوں گھر بلا کر بے عزتی کرنے کی ضرورت نہیں۔میں تو آ بھی نہیں رہا تھا۔مگر یہ زبردستی لے کر...'' پھوپھا کا وہی اکھڑ اور مغرور انداز جس نے اتنے سالوں کی رشتہ داری میں بھی قربت کا احساس پیدا نہیں ہونے دیا تھا۔

''اتنی سی بات سے تمہاری بے عزتی ہوتی ہے اور میری عزت کو بڑی آسانی سے کھلونا بنا لیتے ہو۔تب کوئی احساس نہیں ہوتا تمہیں۔'' وہ یک دم بہت زور سے چلائے سمیع نے آگے بڑھ کر انہیں تھامنا چاہا اور نازی سہم کر اور بھی دیوار سے لگ گئی۔

"یہ میری بیٹی۔" تھوڑا سا گھوم کر انہوں نے دِیا کی طرف اشارہ کیا۔ "جس کی میں تین دن بعد شادی کرنے جا رہا تھا۔ آج مجھے اپنا فیصلہ سنا رہی ہے کہ وہ مسعود کے سوا کسی دوسرے سے شادی نہیں کرے گی۔ ایک بار اُس کے ہاتھوں ذلت اٹھانے کے باوجود' اسے کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔"

نازی نے ایک ہاتھ بے اختیار ہی اپنے لبوں پر رکھا۔ کمرے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔ نازی نے باری باری اُن کی طرف دیکھا۔ صرف وہ اور سمیع ہی ہکا بکا تھے۔ باقی سب کے لئے یہ خبر متوقع تھی اور دِیا تو پوری جرأت کے ساتھ سر اُٹھائے بیٹھی تھی۔ "میں شرمندہ ہوں بھائی صاحب' یقین کریں مسعود کو اتنا سمجھایا مگر..." اسماء پھوپھو کی آواز بھرّائی ہوئی تھی اور اس معاملے یں وہ آج بھی اتنی ہی بے بس تھیں' جتنی کہ پہلے۔

"مسعود کتنے دن سے آیا ہوا ہے پاکستان؟" بشارت صاحب نے اُن کی معذرت کو سننا بھی گوارا نہیں کیا۔ "آج صرف تیسرا دن ہے۔"

اور صرف دو دن میں۔ نازی نے حیرت سے سوچا۔

وقت نے ایک بڑی گہری چال چلی تھی۔

"جھوٹ مت بولو اسمائ' مسعود یہاں پہلے سے آیا ہوا ہے۔ تین چار بار تو یہ اس سے مل چکی ہے۔" بشارت صاحب کے ہاتھ کا اشارہ دِیا کی طرف تھا۔ نازی کو لگا جیسے اِس کا دل بند ہونے کو ہے۔ مسعود کو پچھلے ہفتے یہاں تک آنا' ابا سے چھپا کر وہ بہت بڑی غلطی کر چکی تھی۔

"لیکن امی نے تو فون پر اسماء پھوپھو کو بتا ہی دیا تھا پھر بھی۔" لیکن وہ ایسی بھی نہ تھیں کہ غلط بیانی کرتیں۔

"آپ میرا یقین کریں' ہمارے گھر وہ دو دن پہلے ہی آیا ہے۔ اس سے پہلے کہاں تھا؟ ہمیں خبر نہیں۔ پاکستان میں یا امریکہ' جہاں بھی تھا' ہم سے کوئی کانٹیکٹ نہیں تھا۔"

اسماء پھوپھو بے بسی سے ابا کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ نازی کو اپنے بہت قریب آہٹ محسوس ہوئی' امی اندر آ چکی تھیں۔

نازی کو یقین تھا کہ ابھی اسی وقت' وہ اسماء پھوپھو کی غلط بیانی کا بھانڈا پھوڑ دیں گی۔ پچھلے ہفتے جب اُس نے مسعود کو گیٹ سے بے عزت کر کے رخصت کر دیا تھا۔ تب امی نے اُس سے یہی کہا تھا کہ

نہوں نے اسماء پھوپھو سے بات کر لی ہے۔ وہ اگلی فلائٹ سے اُسے واپس امریکہ بھجوا رہی ہیں۔ تب اُس نے شکر کی سانس لی تھی کہ وہ دِیا سے ملے بغیر واپس جا چکا ہے۔ مگر وہ یہیں تھا' یا پھر دوبارہ آیا تھا۔ وہ منتظر نگاہوں سے امی کو دیکھے گئی۔ مگر اُن کے لب آپس میں سختی سے بند تھے۔

"اپنے بیٹے کی حرکتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اور کتنے جھوٹ بولو گی اسمائ' مجھے کم از کم تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم بیٹے کی محبت میں بھائی کی رسوائی کی بھی پرواہ نہیں کرو گی۔" ان کا لہجہ رنج سے بوجھل تھا۔

"نہیں بھائی صاحب!" اسماء پھوپھو بے ساختہ ہی آگے بڑھیں' مگر بشارت صاحب تیزی سے پیچھے ہٹ چکے تھے۔

"خدا گواہ ہے جو میں نے ایک لفظ جھوٹ کہا ہو بھائی صاحب! اس دن سے پہلے اِس اسماء کی موت آ جائے جو وہ اپنے بھائی کی رسوائی کا سبب بنے۔" اپنی بات کہتے ہوئے وہ ہچکیوں سے رونے لگی تھیں۔ "غارت ہو مسعود تو' جس نے مجھے اپنے بھائی کے سامنے آنکھ اُٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا' تو مر جاتا تو میں صبر کر لیتی..." وہ پوری کی پوری کانپ رہی تھی اور اُن کی سچائی کو کسی گواہی کی ضرورت نہیں تھی۔

ایک بار کو تو وہاں ہر شخص کا ہی دل لرز اٹھا تھا۔ نازی نے تیزی سے آگے بڑھ کر انہیں کرسی پر بٹھایا۔ اِسے لگ رہا تھا کہ وہ یقیناً اب گرنے ہی والی ہے۔

''میرے بیٹے کو بد دعائیں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بے وقوف عورت' اللہ اسے سلامت رکھے۔'' پھوپھا بری طرح تلملائے ہوئے تھے۔ ''تمہارے بھائی کو پہلے کوئی بات سمجھ میں آئی ہے' جو یہ آجائے گی۔ چلو جی چلو' بہت ہو گئی عزت افزائی میں تو پہلے ہی نہیں آرہا تھا۔ پتہ تھا کہ کوئی اچھی بات تو ہونی نہیں ہے۔ بے کار میں ہی صبح صبح...'' چار باتیں سناتے ہوئے وہ واپسی کے لئے پلٹے۔

''رُک جائو واحدی۔'' بشارت صاحب کے لہجے میں تحکم سا جھلکا۔ ''اس بات کو ختم کرنے سے پہلے تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔ تمہارا یہاں ہونا ضروری ہے۔ اس لئے نہیں کہ تم اسماء کے شوہر ہو' بلکہ اس لئے کہ تم مسعود کے باپ ہو۔'' بناء کسی جذباتیت کے انہوں نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔ پھوپھا کے چہرے پر ایک رنگ سا اُڑا تھا۔ اپنی ساری بدلحاظی کے باوجود وہ اُن کے سامنے ہمیشہ زیرِ اثر آنے لگتے تھے۔

زیرِ لب بُڑبُڑاتے ہوئے وہ اسماء پھوپھو کے برابر والی کرسی پر آبیٹھے۔ ''مقدمہ چلانا ہے مجھ پر' پھانسی لگانی ہے اس جرم میں کہ مسعود میرا بیٹا ہے۔'' اپنی جھینپ مٹانے کے لئے وہ دانستہ اونچا بولنے کی کوشش کر رہے تھے۔

نازی بار بار امی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آخر وہ کیوں نہیں کہہ رہیں کہ مسعود پہلے بھی یہاں تھا اور انہوں نے تب ہی فون کر کے اسماء پھوپھو سے اُسے واپس جانے کو کہا تھا۔''

مگر وہ بالکل خاموش تھیں۔ کمرے میں چھائی چند لمحوں کی خاموشی میں ماحول کا تنائو اور بھی بڑھتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

''اگر میں یہ مان لوں کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو تو پھر یہ کیسے مسعود سے ملنے کا دعویٰ کر رہی ہے۔ بتائو دِیا تم مسعود سے ملی ہونا۔'' دیا کا سر جھکا ہوا تھا۔

''بتائو جب تم نے مجھ سے کہنے میں شرم نہیں کی تو پھر اوروں سے کیا۔'' الفاظ میں چبھن کا احساس بڑے رہا تھا۔

''ہم تین بار ملے ہیں۔'' ایک جھٹکے سے دِیا نے سر اُٹھایا۔ اُس نے بڑی بے خوفی سے ان سب کی طرف دیکھا۔ اتنی دیر سے جو وہ سر جھکائے ہوئے تھی۔ اس کی وجہ کم از کم ندامت نہیں تھی۔

نازی کو یاد آیا پچھلے دنوں وہ اپنی ایک سکول کی دوست' جو اتفاق سے اِن ہی کی گلی کے آخر میں رہتی تھی' سے ملنے کے لئے جاتی رہی تھی۔ تب اِسے اور امی کو یہی سوچ کر اچھا لگتا رہا کہ وہ اپنے ارد گرد میں دلچسپی لینا چاہ رہی ہے۔

' 'اور اِس چوری چھپے ملاقات کی خبر تمہاری ماں بہن کسی کو بھی نہیں ہوئی' ہوں؟''

نازی نے پہلی بار انہیں اپنی اور امی کی طرف دیکھتا ہوا پایا۔ اس کی نگاہ خود بخود جھکی۔

''اچھی ماں ہوں۔''

وہ تھوڑا سا چلتے ہوئے اُن کی طرف بڑھے۔ ''بہت اچھی ماں ہو' تمہاری بیٹیاں کچھ بھی کرتی رہیں تمہیں خبر ہی نہیں ہوتی۔ میں نے بڑی بھاری غلطی کی جو تم جیسی غیر ذمہ دار عورت پر اولاد کی تربیت کی ذمہ داری ڈالی۔'' نازی نے انہیں کہتے سُنا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر ابا کے منہ پر ہاتھ رکھ دے۔

''انہیں اگر امی کو ہی الزام دینا ہے تو اکیلے میں دے دیتے۔ یوں سب کے بیچ کھڑے ہو کر' ان کی ساری قربانیوں اور ساری محنت کو بھلا کر' جو انہوں نے اس گھر اور گھر والوں کے لئے دیں... یہ کوئی انصاف تھا؟''

امی چپ تھیں۔ ایک لفظ بھی انہوں نے اپنی صفائی میں نہیں کہا تھا۔

پہلی بار اُسے ان کی خاموشی کھلی اور پہلی بار ہی اسے بابا بھی غلطی پر محسوس ہوئے۔

''مسعود یہاں آیا تھا ابا' آٹھ نو دن پہلے۔'' وہ کبھی نہ کہتی' لیکن امی کو مزید شرمندہ ہوتے دیکھنا اِس کے بس سے باہر ہو رہا تھا۔

''یہاں ہمارے گھر۔''

اس نے ابا اور سمیع دونوں کی نگاہوں میں گہری حیرت دیکھی۔ مسعود کے یہاں آنے پر بھی اور شاید اس پر بھی کہ وہ یہ سب جانتی تھی۔

''وہ پہلے ہی دن یہاں آیا تھا' لیکن انہوں نے اُسے گھر میں آنے نہیں دیا اور نہ ہی مجھے اس سے ملنے دیا۔ کون ہوتی ہیں یہ میرے معاملے میں دخل دینے والی؟'' دِیا بڑی بدلحاظی سے کہہ رہی تھی۔ مگر کسی کو بھی اس کے لہجے پر غور کرنے کی فرصت نہ تھی۔

''تم' نازی تم؟'' وہ اُس کے بالکل سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''تم نے مجھ سے ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی یا پھر تم نے جان بوجھ کر دِیا کو موقع فراہم کیا کہ وہ اور مسعود ایک دوسرے سے...'' ابا کی آواز نیچی پڑتی چلی گئی۔ اپنی بیٹی کے بارے میں بات کرنا آسان نہیں تھا۔

''نہیں ابا میں نے ایسا نہیں... میں تو یہ سمجھی کہ...'' سارا الزام خود پر آتا دیکھ کر اُس نے گھبراہٹ بھری نگاہوں سے امی کی طرف دیکھا۔ مگر وہ اسی طرح خاموش کھڑی تھیں۔ ''تم نے بہت برا کیا' کاش تم مجھ سے یا اپنی ماں سے ہی ذکر کرتیں' شاید ہم کسی ذلت بھرے فیصلے سے بچ جاتے۔ میں مسعود کے پائوں پکڑ لیتا۔ ہاتھ جوڑتا کہ وہ ہم پر رحم کرے۔''

وہ جیسے ایک دم ہی ٹوٹتے جا رہے تھے۔ اِن کی آنکھوں میں پانی سا اتر رہا تھا۔ نینی کی شادی پر وہ کتنے رنجیدہ تھے' مگر روئے تب بھی نہیں تھے۔

''ابا پلیز۔'' نازی تڑپ کر آگے بڑھی مگر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''ایک ایک کر کے تم سب نے مجھے مایوس کر دیا ہے اور تم اسمائ۔'' وہ اسماء پھوپھو کی طرف مڑے۔ ''تم اس لڑکی کو نکاح پڑھوا کر یہاں سے لے جائو۔ میں اپنی قسمت میں لکھی ذلت کو جھیلنے کے لئے تیار ہوں۔''

الفاظ اُن کے منہ سے نکلے اور اس اعصاب شکن ماحول میں منجمد ہو گئے۔

...☆☆☆...

عمر نے بڑی بے یقینی سے بشارت صاحب' اُن کی بیوی اور پھر نانی کی طرف دیکھا۔

اُن میں سے کوئی بھی اُس سے نگاہ ملانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ورنہ شاید وہ کسی آنکھ میں ہلکی سی بھی چمک پا کر' امید کا کوئی کمزور سا سرا پکڑ ہی لیتا۔

اپنے اندر ایک گہری سانس اُتارتے ہوئے اُس نے وقت کے ان انتہائی درد بھرے لمحات سے گزرنا چاہا' مگر یہ اتنی جلدی کہاں ممکن تھا۔

کاش یہ سب' جو اُس نے ابھی سنا ہے۔ محض کسی بڑی غلط فہمی کا نتیجہ ہو۔ کہیں کوئی امکان' کہیں کوئی راستہ کوئی تدبیر...

بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ رحم کی اپیل کی گنجائش بھی نہ چھوڑی جائے اور سزائے موت صادر ہو۔

''یہ تو بڑا ظلم ہے بھائی۔'' اُس نے خود اپنے آپ پر ہنسنا چاہا' لیکن دل پر نمکین سا پانی پھیلتا ہی جا رہا تھا۔ عمر نے شکر ادا کیا کہ اس کی آنکھیں بہرحال خشک تھیں۔

''جو سزا آپ مجھے دینا چاہیں مجھے منظور ہے' ساری غلطی میری ہے۔ میں ہی اولاد کی طرف سے غافل رہا ساری عمر' سو چالڑکیاں ہیں' اُن کے لئے ماں کی نگرانی کافی رہے گی۔ دوسروں کی اولاد کو سنوارتا رہا' یہی سوچ کر اور ہاتھ کیا آیا۔''

بشارت صاحب نیچی آواز میں نانی سے کہہ رہے تھے اور اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی بے بسی کو واضح کیا تھا۔

عمر نے دیکھا بشارت صاحب کے برابر میں بیٹھی اُن کی بیوی کا سر اور بھی جھک گیا تھا۔ دل پر بوجھ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

''اور اب اِس سارے قصے میں خود اُس کے کرنے کے لئے بچا ہی کیا ہے۔ سوائے سائیڈ لائن پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے کے۔''

اُس نے یکایک ہی خود کو اِس سارے منظر سے لاتعلق محسوس کیا۔

وہ ابھی ذرا دیر پہلے ہی باہر سے آیا تھا اور دِیا کے والدین کو گھر میں پا کر' اُسے بڑی خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ اب جب کہ شادی میں گنتی کے دو چار دن ہی رہ گئے تھے۔ اُسے یہی گمان گزرا تھا کہ وہ لوگ تقریبات کے سلسلے میں کوئی بات چیت

کرنے آئے ہیں۔ اپنی خوشی میں اُس نے نانی کا اُترا ہوا چہرہ اور بشارت صاحب کے چہرے پر پھیلی شرمندگی کو فوری طور پر تو نوٹ بھی نہیں کیا تھا۔

لیکن اگلے چند منٹوں میں وہ اپنی زندگی کی سب سے زیادہ تکلیف دہ خبر سُن چکا تھا۔

دِیا اُس سے شادی کے لئے راضی نہیں تھی۔ وہ اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتی تھی اور اب اُس کے ماں باپ بھی یہی چاہتے تھے۔

اُن لوگوں کے یہاں انکار کے لئے آنے پر وہ اب تک یہ سمجھ چکا تھا۔

''آپ اپنے ملنے والوں سے جو چاہیں کہہ سکتی ہیں۔ یہ کہہ دیں کہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔ اسی لئے عمر نے رشتہ ختم کر دیا ہے یا پھر اُس بدقسمت دِیا کو ہی موردِ الزام...'' بشارت صاحب کی آواز میں نمی گھل رہی تھی۔ اُن کا رنگ زرد پڑ رہا تھا اور محض چند گھنٹوں میں ہی وہ برسوں کے بیمار محسوس ہونے لگے تھے۔

عمر کو اپنی سوچ پر تھوڑا سا افسوس ہونے لگا۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا۔ اُس میں کم از کم دِیا کے گھر والے بے قصور تھے۔

''خدا کو یہی منظور تھا شاید' تم اپنے آپ کو سنبھالو بشارت میاں۔'' نانی کی خاموشی خاصی دیر بعد ٹوٹی تھی۔ اُن کا ہاتھ بشارت صاحب کے کندھے پر تھا اور لہجے میں وہی دل کو چھوتی ہوئی شفقت۔

وہ یکدم ہی بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔

عمر بے ساختہ ہی آگے بڑھا' مگر نانی نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے پانی لانے کو کہا۔

گھر میں اِس وقت ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ عمر لائونج میں آیا تھا۔ ارد گرد پھیلا سناٹا اور بھی بڑھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

اُن کے چھوٹے سے فلیٹ میں شادی کی روایتی افراتفری پوری طرح پھیلی ہوئی تھی۔

بڑے بڑے سوٹ کیسز، جن میں دِیا کے لئے کپڑے اب تیار رکھے تھے۔ فضا میں اُڑتی خوشبوئیں اور کونے میں رکھی ڈھولکی، جس پر فرح پچھلے پورے چودہ دنوں سے رحمت منزل کی لڑکیوں کو اکٹھا کر کے بڑے جوش و خروش سے گیت گا رہی تھی۔

وہ خالی خالی نگاہوں سے، اس سارے منظر کو دیکھے گیا، اندر سے نانی نے غالباً دیر ہو جانے کی وجہ سے اُسے پکارا تھا۔

''عمر۔''

اُسے یاد آیا کہ وہ بشارت صاحب کے لئے پانی لینے باہر آیا تھا۔ سو تیزی سے فریج کی طرف بڑھ گیا۔

''میں آج رات ہی دِیا کا نکاح کر رہا ہوں اور اس کے بعد، میرا اُس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا۔''

پانی کا گھونٹ لینے کے بعد، وہ اب قدرے سکون میں تھے۔

''ایسا نہیں کہتے بیٹا'' اپنی اولاد کے سر پر سے کبھی ہاتھ نہ ہٹانا۔ ماں باپ کی دعائیں ساتھ نہ ہوں تو زندگی دشوار تر ہوتی چلی جاتی ہے بچوں کے لئے اور یہ تو بیٹی ہے، خدا اُسے اپنے گھر میں ہمیشہ خوش رکھے۔'' نانی محبت سے سمجھا رہی تھیں۔

امی نے بہت مشکور نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھا۔ نہ کوئی لعنت ملامت، نہ غصہ نہ لڑائی۔

نانی اور عمر چاہے کتنے بھی رنجیدہ تھے۔ انہوں نے اس صدمے کو بڑے وقار کے ساتھ جھیلا تھا۔ بشارت صاحب جانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

چلتا ہوں اماں بہت سے کام کرنے ہیں۔ شادی کے التواء کا اشتہار اخبار میں دینا ہے اور عزیز رشتے داروں کو ٹیلی فون پر مطلع کروں گا، پھر سوال جواب کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ...''

اُن کے ایک ایک لفظ میں دکھ بھری بے بسی تھی۔

''کسی سے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا۔'' نانی بڑی قطعیت سے منع کر رہی تھیں۔

بشارت صاحب اور امی کے علاوہ عمر نے بھی انہیں بہت چونک کر دیکھا تھا۔

نانی کے چہرے پر اب گہرا اطمینان جھلک رہا تھا۔

''کہیں اس بڑے صدمے نے اُن کے ذہن کو تو متاثر نہیں کر دیا۔'' عمر کو بے ساختہ یہی خیال آیا۔

ایک طویل عرصے کے دکھ اور مشقت کو جھیلنے کے بعد وہ اُس کی شادی کر دینے کو ہی زندگی کا حاصل سمجھنے لگی تھی۔ عمر کی منگنی سے لے کر اب تک کے وقفے میں وہ جتنی خوش دکھائی دیتی تھیں اور جس لگن سے اُس کی تیاریوں میں مگن رہی تھیں اُس کے بعد یہ اعصاب شکن مرحلہ اُن کے لئے، اِس ضعیفی میں ایسے خطرے لا سکتا تھا۔

''ضرورت کیا ہے، کسی سے بھی کچھ کہنے کی۔ خبردار جو تم نے اب اخباروں کے آفس کی طرف دوڑ لگائی۔''

وہ اتنی نارمل دکھائی دے رہی تھیں کہ عمر کو اور بھی زیادہ خدشہ پیدا ہونے لگا۔

''نانی کیا ہو رہا ہے آپ کو، طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔''

وہ بڑی بے قراری سے اُن کی طرف بڑھا۔ ''بی پی تو نہیں ہائی ہو رہا' چلیں میں آپ کو ڈاکٹر کے ہاں لے چلتا ہوں۔'' اُس نے گھبرا کر اُن کی پلس ریٹ چیک کرنا چاہی' مگر انہوں نے جھنجلا کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''پاگل مت بنو' کچھ نہیں ہو رہا مجھے' صدمہ ضرور ہے۔ مگر اپنے ہوش و حواس میں ہوں۔''

وہ عمر کے ذہن میں اٹھے خدشے تک بھی پہنچ چکی تھیں۔

بشارت صاحب اور امی دونوں ہی دل ہی دل میں نانی کی بلند ہمتی کے قائل ہوتے جا رہے تھے۔ یہاں موجود چاروں لوگوں میں سب سے زیادہ حوصلے والی وہی تھیں۔

''اور بشارت میاں۔'' وہ ایک بار پھر اُن ہی سے مخاطب ہوئیں۔ ''نہ تو یہ شادی ملتوی ہو گی اور نہ ہی ہمیں لوگوں کو وضاحتیں دینے کی ضرورت ہے۔''

کسی کے کچھ بھی جو سمجھ میں آیا ہو۔ وہ تینوں ہی ان کی شکل دیکھ رہے تھے۔

''دِیانہ سہی' نازی تو ہے۔ میں تم سے عمر کے لئے نازی کو مانگتی ہوں' انکار مت کرنا بیٹا۔''

عمر کی طرف ایک نگاہ بھی ڈالے بغیر' وہ بشارت صاحب سے کہہ رہی تھیں۔

گھپ اندھیرے میں' ایک کرن سی جگمگائی تھی۔

بشارت صاحب اور امی دونوں ہی نے بڑی بے یقینی سے نانی کی طرف دیکھا۔

وہ مسکرا رہی تھیں۔

''مجھے تو ویسے بھی نازی سب سے زیادہ پسند ہے۔ خدا نے شاید اُسی کی جوڑی' عمر کے ساتھ لکھی ہے۔ تب ہی یہ سب اس طرح ہو رہا ہے اور اللہ نے چاہا تو سب بہت اچھا ہی ہو جائے گا۔'' نانی کے لہجے میں گہرا اطمینان تھا۔

''لیکن عمر...'' شادیٔ مرگ کی سی کیفیت میں مبتلا ہوتے' بشارت صاحب کو ہی اُس کا خیال آیا۔ وہ اِس سارے قصے کا مرکزی کردار تھا اور اب تک ایک گہرے شاک میں تھا۔

آج کا دن شاید اِسی لئے طلوع ہوا تھا کہ وہ ہر وہ بات سنے' جس کی اُس نے کبھی توقع بھی نہیں کی ہو گی۔

کیسی ناقابل قبول بات کہی تھی نانی نے' دِیانہ سہی نازی سہی۔

ناموں کے الٹ پھیر سے اُنہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

عمر کو یاد آیا کہ اُنہیں شروع ہی سے دِیا پسند نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ نازی کے ہی گن گاتی رہی تھیں۔ کئی بار انہوں نے صاف لفظوں میں اس سے کہا بھی تھا۔ اگر وہ نازی کو پسند کرتا تو زیادہ خوش قسمت ٹھہرتا۔

نانی نے ہمیشہ ہی نازی کو دِیا کی جگہ پر دیکھنا چاہا اور آج اُن کی یہی خواہش پوری ہو رہی تھی۔ عمر نے اُن کی مسکراہٹ کو غور سے دیکھا اور پھر اُن کے چہرے پر پھیلے اطمینان کو...

زندگی میں پہلی بار اُسے وہ خود غرض لگیں۔

اپنی خوشی کی خاطر اُس کے دل کی پروانہ کرنے والی' لمحے بھر کے لئے تو اُس کے ذہن سے یہ بھی نکل گیا کہ دِیا نے خود اُس سے شادی سے عین وقت پر انکار کیا ہے۔

غصے کی ایک تند لہر اس کے اندر اُٹھ رہی تھی۔

"نانی آپ میری ایک بات..." بمشکل ہی خود پر قابو پاتے ہوئے اُس نے اُن سے کچھ کہنا چاہا۔

لیکن وہ اتنی خوش تھیں کہ عمر کی بات پر دھیان دیئے بغیر' اُن ہی دونوں سے باتیں کئے جا رہی تھیں۔

"عمر کو میں نے اپنے دل سے لگا کر پالا ہے۔ اپنی بیٹی کے غم کو بھلا دیا۔ میری زندگی میں اِس کے علاوہ اور ہے کیا' اسی کو دیکھ کر جی رہی ہوں۔" نانی حسب عادت کہیں سے کہیں پہنچ رہی تھیں۔

عمر چاہنے کے باوجود بھی انہیں نہیں ٹوک پایا۔

"اور شکر ہے کہ اُس نے بھی میری تربیت کو شرمندہ نہیں کیا۔ ہر ایک اُس کے گن گاتا ہے اور میرے تو منہ سے نکلا لفظ بھی اِس کے لئے حکم کا درجہ بن جاتا ہے۔"

عمر کو لگا جیسے اُس کے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔

...☆☆☆...

لبنٰی نے پنجوں کے بل اُچک کر چھت کی منڈیر سے دوسری طرف جھانکا۔

وہ حسب توقع موجود تھا۔

"آج بہت دیر کر دی۔ کب سے راہ دیکھ رہا ہوں۔"

معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اُس نے کچھ ایسی بے قراری سے پوچھا کہ لبنٰی کو اپنی خوش قسمتی کا یقین آنے لگا۔

"کام کر رہی تھی گھر کا۔"

"وہ ثانیہ کہاں چلی گئی۔ میرا مطلب تمہارے کام تو وہی کرتی ہے یا پھر اُس کی اماں۔"

برابر والی چھت پر کھڑے اُس دُبلے پتلے لمبے سے لڑکے نے ذرا حیرت سے پوچھا۔

"وہ گئی ہے نواب شاہ۔" لبنٰی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"لیکن تمہیں کیا مطلب ثانیہ سے' تم کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"میں تو ایسے ہی پوچھ رہا تھا' تمہیں کام جو کرنا پڑا۔"

لبنٰی کے بُرا منا جانے کے ڈر سے وہ جلدی سے صفائی پیش کرنے لگا۔

"کام تو خیر میں کسی طرح کر ہی لوں گی' لیکن یہ مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا کہ تم ثانیہ یا کسی بھی لڑکی کے بارے میں کوئی بھی بات کرو۔" لبنٰی نے اسے صاف صاف جتانا ضروری سمجھا۔

"توبہ میری۔"

فوراً ہی کان پکڑتے ہوئے' اُس نے دِل میں شکر کیا کہ وہ اُس کے درجن بھر سابقہ چکروں سے ناواقف تھی۔

لبنٰی بڑے ناز سے مسکرا دی۔ آخر کار اُسے ایک من پسند عاشق مل ہی گیا تھا۔ گو اُس میں ممانی کی عائد کردہ خوبیوں کا مکمل فقدان تھا۔ مگر یہ بھی کیا کم تھا کہ اس بے وفا زمانے میں وہ اُس کا پکا اور سچا قدردان تھا۔

وہ یہی سوچ سوچ کر مسرور تھی۔

"یہ لو۔" ہاتھ میں تھاما ہوا چھوٹا سا شاپر اُسے تھماتے ہوئے' وہ مستقل مسکرائے جا رہی تھی۔

"کیا ہے اِس میں؟"

"خود ہی دیکھ لو۔"

"یہ تم بڑی زیادہ کرتی ہو لبنیٰ۔" اِس چھوٹے سے پل میں حالانکہ وہ ہاتھ سے ٹٹول کر، تحفے کی ٹائپ کا اندازہ کر چکا تھا۔ لیکن لبنیٰ کو خوش کرنے کے لئے اُس کا سرپرائز برقرار رکھا ہے۔

"موبائل فون اور وہ بھی اتنا مہنگا۔" وہ اتنی حیرت سے چلایا کہ لبنیٰ کو اُس کے منہ پر ہاتھ رکھنے کے لئے اور بھی لٹکنے کی کوشش کرنا پڑی۔

"آہستہ، امی گھر پر ہیں، ابھی آجائیں گی جو تالے کر سیدھی چھت پر۔"

"ارے تمہاری امی سے ڈرتا کون ہے؟" اُس نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔ "بڑا ہی اچھا اور مہنگا سیٹ ہے، تم نے کافی پیسے خرچ کر دیئے اس پر۔" وہ بے حد خوش تھا۔

موبائل فون اُس کی شدید خواہش اور اب کمپلیکس بن چکا تھا۔ کتنی بے عزتی کی بات تھی کہ گلی میں چھوٹے چھوٹے لڑکے موبائل ہاتھوں میں لے کر گھومتے تھے اور ایک وہ تھا جو کسی جاننے والی لڑکی کو اپنا نمبر تک نہیں دے سکتا تھا۔ محض ایک موبائل سیٹ نہ ہونے کی وجہ سے، چند لڑکیاں تو اُس کے پھکڑ پن کا اندازہ لگا کر اُس سے قطع تعلق کر چکی تھیں۔ مگر وہ اس سلسلے میں کچھ بھی ہیں کر پاتا تھا۔

انٹر فیل، نکما، آوارہ، توصیف۔

روڈ ماسٹری میں زندگی گزارتے ہوئے وہ صرف لڑکیوں کو پٹانے کا ہی ہنر سیکھ سکا تھا۔ مگر بے کار سے بے کار لڑکی بھی اُس کے جھانسے میں آنے کے بعد، تھوڑے ہی عرصے میں اُس کی اصلیت کو سمجھ کر پیچھے ہٹ جاتی تھی۔

لبنیٰ اِس مفلوک الحالی میں اس کی زندگی میں بمپر پرائز کی طرح آئی تھی۔

وہ لوگ کچھ ہی عرصہ پہلے اس برابر والے گھر میں شفٹ ہوئے تھے۔ اپنے کثیر العیال والدین کی اولاد میں وہ پانچویں نمبر تھا۔ گھر میں بھابیوں، بھتیجے، بھتیجیوں کی نفری، بہن بھائیوں کے علاوہ تھی اور اِس بھیڑ بھاڑ میں اُس کی بے کاری والدین کے لئے دردِ سر تو تھی لیکن، اپنی مصروفیت میں وہ اُس پر توجہ دینے سے بہر حال قاصر تھے۔

اُس کے لئے یہی بے توجہی، نعمت تھی۔

اپنی مرضی کے سارے کھیل وہ ٹھیک والدین کی ناک کے نیچے ہی کھیلتا آ رہا تھا۔ اس نئے محلے میں لبنیٰ اُس کا پہلا "کرش" تھی۔

"اتنے پیسے آئے کہاں سے تمہارے پاس، چُرائے ہیں کیا اپنی امی کے؟" اُس نے ٹھیک اپنی فطرت کے مطابق ہی سوال کیا۔

لبنیٰ کا موڈ اچھا ہو رہا تھا، اسی لئے کھکھلا کر ہنس پڑی۔

"چرانے کی کیا ضرورت ہے، مجھ پر کوئی پابندی تھوڑی ہے پیسے لینے کی۔ کچھ تو میرے پاس پہلے سے ہی تھے۔ چند ہزار امی کی دراز میں سے نکال لئے ابھی تو انہیں خبر بھی نہیں ہے، جس وقت پوچھیں گی، بتا دوں گی کہ ضرورت تھی۔ اسی لئے لے لئے تھے۔"

"کتنی اچھی ہیں تمہاری امی۔" اُس کی تعریف میں حسرت بھی ساتھ تھی۔ "میری امی کے بٹوے سے تو دس روپے بھی نکل جائیں تو سیدھی چپل لے کر میری طرف ہی آتی ہیں۔"

"اچھا اتنی سخت مزاج ہیں۔" لبنیٰ کے دل کو دھچکا سا لگا۔ متوقع ساس سے اپنے تعلقات ابھی سے اندازہ ہونے لگا تھا۔
"خیر مجھے کیا ہم تو الگ ہی رہیں گے۔" اُس کے پاس اپنے مستقبل کی ساری پلاننگ تھی، منگنی، شادی کا کہیں دور دور

بھی پتہ نہیں تھا' لیکن والدہ نے یہ بات بہت پہلے سے ذہن نشین کرادی تھی کہ سسرال والے منہ لگانے کے قابل نہیں ہوتے ہیں۔

لبنیٰ عین ممانی کی ہی کاپی تھی۔

"تم فکر مت کرو' پیسوں کی ضرورت ہوا کرے تو مجھ سے کہہ دیا کرو' اپنی بے عزتی کروانے کی کیا ضرورت ہے۔"
اُسے ابھی سے توصیف سے اتنی ہمدردی محسوس ہونے لگی کہ دِل میں آرہا تھا۔ ابھی نیچے جا کر امی کے پرس سے سارے پیسے گنے بنا لا کر اُسے تھمادے۔

"اچھا تو نہیں لگتا لیکن..." لبنیٰ کے منہ پر رکھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے' اُس نے فلمی ہیرو والے انداز میں آہ بھری۔

"آج تم اسے چارج کر کے رکھ لینا۔ پھر کل فوٹوز کھینچنا' میں اچھا سا تیار ہو کر آئوں گی۔"

نہیں' نہیں اور تیار نہیں' بس اتنا ہی کافی ہے۔"

لبنیٰ کا میک اپ اِس وقت بھی اتنا تھا کہ اپنے تمام تر چھچھورے پن کے باوجود' توصیف کو اُسے ٹوکنا پڑا' "سمجھا کرو' تم ایسے ہی اتنی اچھی لگتی ہو' پھر کیا ضرورت ہے۔"

وہ لبنیٰ کی ٹائپ کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔

"لیکن اور بھی تیار ہو کر زیادہ اچھی لگتی ہوں' تم دیکھو گے تو پہچاننا بھی مشکل ہوگا۔" لبنیٰ کا چہرہ خوشی سے کھلا پڑ رہا تھا۔
وہ عادتاً زور سے بولی تھی اور اس وقت جتنی خوش تھی' اُس میں اور بھی بے فکر ہو رہی تھی' نیچے صحن میں سے گزرتی ہوئی ممانی کو اس کی آواز نے ہی چونکایا تھا۔

"لبنیٰ لبنیٰ۔"

اُن کی کراری آواز' لبنیٰ اور توصیف دونوں ہی کے لئے بڑی بے وقت کی مداخلت ثابت ہوئی۔

ایک تو امی کو بھی چین نہیں ہے' اچھی بھلا سوتا ہوا چھوڑ کر آئی تھی' اتنی سی دیر میں اٹھ بھی گئیں۔"

لبنیٰ بری طرح جھنجلائی۔

"یہ بڑے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہماری ذرا سی خوشی بھی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ ہر وقت روک ٹوک ہر وقت پہرہ داری۔"

توصیف اپنے بڑوں کا ہی "ستایا" ہوا تھا۔

"خیر میں تو کسی کی پروا نہیں کرتی۔ امی بھی اگر میری خوشیوں کے آڑے آنے کی کوشش کریں گی تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

اُس کے لہجے میں کمال کی بے نیازی تھی۔

لبنیٰ' لبنیٰ نیچے آرہی ہے یا میں ہی اُوپر آئوں۔"

ممانی کی آواز میں اب بڑی واضح دھمکی تھی اور کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اپنے جوڑوں کے درد کے واویلے کے باوجود اوپر چلی آتیں۔

لبنیٰ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس پیار بھری ملاقات کو مختصر کرنا پڑا۔

''اِن کو بھی چین نہیں' دو منٹ میں سر پر آجائیں گی۔ تم کل ضرور آجانا اسی وقت' میں تیار ہو کر آئوں گی۔'' وہ یاد دہانی کراتی ہوئی تیزی سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔

ممانی ٹھیک سیڑھیوں کے اختتام پر ہی موجود تھیں۔'' کس سے بات کر رہی تھیں؟'' بنا کسی تمہید کے انہوں نے بڑی سرد مہری سے سیدھا سیدھا سوال کیا۔

اپنی تمام خود سری کے باوجود' لبنیٰ ایک لمحے کے لئے تو گڑ بڑا ہی گئی۔''کس سے بات کروں گی' اُوپر ہے ہی کون' آپ کو بھی بس یوں ہی وہم ستاتے ہیں۔''

اُس نے کہتے ہوئے اُن کے قریب سے گزر جانا چاہا لیکن وہ اُس کا بازو تھام چکی تھیں۔

''جھوٹ مت بول لبنیٰ سچ سچ بتادے۔ میں نے خود سُنا ہے۔ تجھے ہنستے ہوئے اور کسی لڑکے کی آواز بھی آرہی تھی۔'' اُن کی نگاہیں لبنیٰ کے چہرے پر اس طرح گڑی ہوئی تھیں' جیسے سچی بات وہیں تحریر ہو۔

''کہاناکوئی نہیں تھا' مجھے کیا پاگل سمجھا ہے' جو اکیلے میں ہنستی رہوں گی۔'' لبنیٰ نے بے ساختہ نگاہ چرائی۔

''برابر میں جو نئے لوگ آئے ہیں۔ اُن ہی کا لڑکا تھا نا چھت پر۔'' ممانی کے لہجے میں بڑا گہرا یقین تھا اور لبنیٰ کی بات تو انہوں نے جیسے سنی ہی نہیں تھی۔''دُبلا پتلا سا' بانس کی طرح لمبا' شکل سے ہی منحوس لگتا ہے کمبخت۔''

لبنیٰ کو اُن کے شک سے زیادہ بڑی توصیف کی''توصیف'' لگی۔

محبت کے اِن اولین دنوں میں' اُسے بھی سب کی طرح محبوب کی کوئی برائی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

''کیوں خوامخواہ کسی کی برائی کر رہی ہیں۔ گناہ ہوتا ہے۔ اُس بیچارے نے کیا بگاڑا ہے آپ کا' جو اُس کے پیچھے پڑ رہی ہیں۔''

ممانی کا شک یقین میں بدلا۔

''بڑی ہمدردی ہو رہی ہے اُس بے چارے سے' تیری عقل کو ہو کیا گیا ہے لبنیٰ۔ وہی نکما آوارہ ہی بچا ہے کیا ساری دنیا میں تیرے لئے۔'' ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی وہ اُسے کمرے تک لائیں اور اندر آکر سب سے پہلے دروازہ بند کیا۔

''باہر کون بیٹھا ہے؟ جو دروازہ بند کر رہی ہیں' جن کے سن لینے کا ڈر رہتا ہے آپ کو' وہ تو نواب شاہ گئی ہوئی ہیں۔''

اس نے برا سا منہ بنا کر انہیں یاد دلایا۔

''وہ نہیں ہیں لیکن باپ تو پڑا ہے تیرے بستر پر۔

اُٹھ نہیں سکتا تو کیا' کان تو کھلے ہیں۔ اِس بیماری میں بھی آفت مچا کر رکھ دے گا' جو کوئی الٹی سیدھی بات سن لی۔'' انہوں نے جان بوجھ کر اُسے جمیل ماموں کا حوالہ دیا تھا۔

لبنیٰ ممانی سے تو ذرا بھی نہیں دبتی تھی' لیکن باپ سے بہر حال ڈرتی تھی۔ کوشش کرتی تھی کہ اُن سے کم سے کم ہی سامنا ہو تو اچھا ہے' لیکن اب حالات بدلے ہوئے تھے۔

کئی ماہ سے بستر پکڑے جمیل ماموں کا رعب و دبدبہ غیر محسوس انداز میں ختم ہو رہا تھا۔ ممانی کی بات کے جواب میں' اُس نے صرف بے نیازی سے سر جھٹک کر''ہنہ'' ہی کیا تھا۔ اُس کے ہر ہر انداز سے خود سری جھلک رہی تھی۔

ممانی کا یک بار گی دل سا بیٹھنے لگا۔

"خود کو سنبھال لبنیٰ توصیف اچھالڑکا نہیں ہے۔ اُس کی ماں تک اُس کے نکمے پن سے نالاں ہے۔ اُس نے خود' مجھ سے برائی کی ہے اپنے بیٹے کی۔ نہ تعلیم نہ ہنر بوجھ بنا بیٹھا ہے اپنے گھر والوں پر اور تو بیوقوف..." انہوں نے مارے رنج کی بات بھی ادھوری چھوڑ دی۔

لبنیٰ اس بار خاموش ہی رہی۔

بار بار تردید کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ مگر اسے یہ حیرت ضرور تھی کہ وہ اتنی جلدی اس ساری گڑ بڑ کو بھانپ کیسے گئی تھیں۔

"چلو خیر ہے آج نہیں تو کل انہیں پتہ تو چلنا ہی تھا۔ اچھا ہے ذہنی طور پر تھوڑا سا تیار ہو جائیں گی' لیکن کل کی تصویروں کا پروگرام اب ذرا مشکل سے ہی پورا ہو گا۔"

خود کو تسلی دیتے ہوئے وہ دل میں تھوڑی سی رنجیدہ بھی ہوئی۔

"میں تجھے کہاں پہنچانا چاہ رہی ہوں لبنیٰ اور تو ہے کہ خود اپنی بربادی پر تل رہی ہے۔ ذرا سا صبر کر لے۔ ثانیہ کی شادی ہو جائے اس وحید سے تو ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ بڑے سے بنگلے میں جا کر رہیں گے۔ میں نے کر لی ہے وحید سے بات ہم لوگ ثانیہ کے ساتھ رہیں گے اور سارا خرچہ اسی کے ذمہ ہو گا۔"

ممانی کے چہرے پر آنے والے دنوں کا خیال ہی روشنی سی پھیلا دیتا تھا۔

"لیکن اُس بڑے سارے گھر کی مالکن تو ثانیہ ہو گی اور معلوم نہیں وہ ہمیں اپنے ساتھ رکھے بھی یا نہیں۔ ہم نے کون سے اچھے سلوک کئے ہیں' جو اُس سے اچھائی کی امید رکھیں۔ آپ بھی اتنے زیادہ خیالی پلاؤ مت پکائیں' بعد میں زیادہ افسوس ہوتا ہے۔"

لبنیٰ شاید ان سے زیادہ حقیقت پسند ہوتی جا رہی تھی۔

"رہنے دو بن گئی ثانیہ مالکن۔"

بہت دیر بعد اُن کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑی۔ ایسی مسکراہٹ جس میں طنز بھی تھا اور اسرار بھی۔

"میں نے وحید کے دل میں پوری طرح شک بٹھا دیا ہے ثانیہ کی طرف سے۔ بیوی کم عمر ہو اور خوبصورت بھی تو مرد آسانی سے وسوسوں میں گھرنے لگتے ہیں۔ وحید تو ویسے بھی عیار آدمی ہے۔ ثانیہ کی چوکیداری کے لئے اسے مجھ سے زیادہ موزوں اور کون مل سکتا ہے بس اب نواب شاہ سے واپس آنے دو اگلے ہفتے ہی سارا کام جھٹ پٹ نمٹا لینا ہے۔"

اُن کا لہجہ بتدریج اور بھی سنگین ہو رہا تھا۔

"اتنی جلدی۔" اپنا سارا معاملہ بھول کر' لبنیٰ کی آنکھوں میں حیرت سی پھیلی۔

"جلدی کہاں' دو مہینوں سے ٹال رہی ہوں وحید کو میرا بس چلتا تو کب کا اس معاملے کو نمٹا دیتی۔ آپا اور ثانیہ کو دبا لینا مشکل نہیں ہے۔ بڑی رکاوٹ تو تمہارے ابا ہیں۔ بستر پر پڑے ہیں' لیکن مجال ہے جو ایک لفظ سن لیں اس بارے میں۔ جان اٹکی ہوئی ہے ثانیہ میں۔ ساری زندگی ہمارا کوئی بھلا نہ ہونے دیا اب اس آخری وقت میں بھی..."

جمیل ماموں دھیمی آواز میں پکار رہے تھے۔

اب اُن کی آواز میں بھی بڑی گہری نقاہت محسوس ہونے لگی تھی۔ آج کل اماں نہیں تھیں تو کوئی اُن کی آواز پر فوری دھیان دینے والا بھی نہیں رہا تھا۔

کافی کافی دیر آوازیں دیئے جاتے۔

ممانی تھوڑی دیر تو جان بوجھ کر نظرانداز کرتی رہیں، پھر جھنجلا کر پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئیں۔ لبنیٰ نے ایک گہری سانس لی۔

اسے ماں کی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ تھا۔

اور جو کچھ بھی وہ کرنے جارہی تھیں، اُس کی کامیابی کا سو فیصد نہ سہی نوے، پچانوے فیصد تو یقین اسے ابھی سے ہونے لگا تھا۔

لیکن اس بارے معاملے میں اس کے اور توصیف کے چکر کا کیا بننا تھا۔ یہ زیادہ بڑی فکر تھی۔ یہاں سے چلے جانے کے بعد اُس سے ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا تھا۔

لبنیٰ کو سوچ کر ہی بے سکونی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ توصیف سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اُس کی میٹھی میٹھی باتیں اپنا سحر پوری طرح پھیلا چکی تھیں۔

سامنے ممانی کی الماری کا پٹ تھوڑا سا کھلا رہ گیا تھا۔ آج کل وہ اپنی الماری بڑی سختی سے لاک رکھتی تھیں۔ کوئی چیز نکالنی یا رکھنی ہوئی تو خود کھول کر نکالتی رکھتیں۔ اِس وقت شاید لبنیٰ کو اوپر سے بلانے کی ٹینشن میں وہ الماری کھلی چھوڑ گئی تھیں۔

لبنیٰ الماری بند کرنے کے لئے ہی آگے بڑھی تھی۔ سامنے کپڑوں کے ساتھ ممانی کا پرس رکھا تھا۔

روز مرہ کے خرچ کے پیسے تو وہ ایک دوسرے بٹوے میں باہر ہی رکھا کرتی تھیں، مگر اُن کا جمع جتھا یہیں الماری میں ہوتا تھا۔

اپنی ضرورت کے لئے، ایکسٹرا پیسے وہ یہیں سے اڑاتی چلی آرہی تھی۔ اِس وقت بھی موقع اچھا تھا توصیف کی حالت پر دل ویسے بھی کڑھتا رہتا تھا اور کچھ نہیں تو اُسے کوئی ڈھنگ کا سوٹ ہی لے کر دیا جا سکتا تھا۔

پرس میں سے پانچ سو کے دو نوٹ اُس کی جگہ پر رکھنے لگی تو کپڑوں کے نیچے کوئی سخت سی چیز محسوس ہوئی۔

معلوم نہیں کیا تھا۔

الجھن سی محسوس کرتے ہوئے لبنیٰ نے کپڑوں کی تہہ کو الٹ پلٹ کیا اور پھر حیرت زدہ سی ہو کر بے ساختہ ہی ایک قدم پیچھے ہٹی۔

ہزار اور پانچ سو کے نوٹوں کی دو گڈیاں سامنے رکھی تھیں۔

...☆☆☆...

رعنا نے آخری پیلی چوڑی بھی اس کی کلائی میں پہنائی اور پھر بڑی محبت سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

”کتنی پیاری لگ رہی ہیں یہ تمہارے ہاتھ میں۔“

مایوں کے زرد جوڑے میں ملبوس نازی کے چہرے پر اس محبت بھری تعریف سے بھی کوئی تاثر نہیں ابھرا۔ بس یوں ہی خالی خالی نگاہوں سے وہ رعنا کی طرف دیکھے گئی۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہو، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تمہاری زندگی میں ایک بہت اچھا شخص آرہا ہے، تم بہت خوش رہو گی عمر کے ساتھ انشاءاللہ۔“

رعنا کو اس کی خاموشی سے ہول سا اٹھ رہا تھا۔

"کتنا خوبصورت سوٹ ہے' آنٹی نے کتنی پیاری ڈیزائننگ کی ہے اس کی آج ہر ایک کی نگاہ اسی پر ہو گی دیکھنا۔"

"میں نے بھی یہی کہا تھا دِیا سے۔" وہ اتنی نیچی آواز میں بولی تھی کہ اگر رعنا اُس کے قریب نہ بیٹھتی ہوتی تو سُن بھی نہیں پاتی۔

"کیا کہا تھا تم نے۔"

"یہی کہ کتنا پیارا سوٹ ہے اور امی نے کتنی محبت سے اُس کے لئے سیا ہے۔"

رعنا نے شکر کیا کہ وہ کچھ بات کرنے پر آمادہ تو ہوئی۔" ہاں تو ٹھیک ہی تو کہا تھا تم نے' لگتا ہے آنٹی نے پانا سارا تجربہ اس ایک سوٹ پر ہی لگا دیا۔"

محض اُسے بولنے پر آمادہ رکھنے کے لئے وہ اُس کی بات کی فوری تائید کر رہی تھی۔

"دِیا نے اُس کے جواب میں کہا کہ اتنا ہی اچھا ہے تو میں خد ہی اس سوٹ کو پہن لوں اور دیکھو اُس کی بات پوری ہوئی' یہ سوٹ مجھے ہی پہننا پڑا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔ رعنا کے لئے اُس کی کیفیت کو سمجھنا مشکل نہیں تھا۔

رشتوں میں اچانک آنے والی اس غیر یقینی تبدیلی کو شاید کسی کے بھی لئے اتنی جلدی قبول کرنا آسان نہیں تھا۔

"ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔ عمر تمہاری قسمت میں لکھا گیا تھا۔ سو تمہیں ہی ملنا تھا۔ دِیا بے چاری تو یوں ہی بیچ میں آ گئی۔"

رعنا کی بات کے اختتام تک' نازی کی پیشانی پر ایک شکن سی اُبھر آئی۔

"بیچ میں تو میں آئی ہوں' اس کے اور عمر کے۔ وہ تو نکل گئی بہت آرام سے' آخر کار اُس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی پوری کر ہی لی نا۔ اس کے پیچھے کون کیا بھگتے گا وہ ایک بار بھی یہ نہیں سوچے گی۔"

نازی کے اندر تپش سی پھیل رہی تھی۔ جس کا احساس اس کے لہجے سے بھی بخوبی ہو رہا تھا۔ ابھی ابھی اُس نے دِیا کے بارے میں جو کہا تھا وہ سو فیصد حقیقت تھی۔

رعنا سے تردید کا ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ کل رات دِیا مسعود کے ساتھ نکاح ہو جانے کے بعد یہاں سے جا چکی تھی اور آج نازی کی رسم مایوں تھی۔

بشارت صاحب نے عمر کے گھر سے واپسی کے بعد جب یہ فیصلہ سنایا تو یہ ہر ایک کے لئے ہی حیرت انگیز تھا۔

کسی کو گمان بھی نہیں گزرا تھا کہ نانی اس طرح فوری طور پر دِیا کی جگہ نازی کا نام تجویز کر دیں گی۔

ایک بے حد ٹینشن بھری صورتحال سے گزرتے ہوئے یہ مشترکہ فیصلہ اب آہستہ آہستہ ایک گہری خوشی کا احساس جگا رہا تھا۔

امی' نینی' سمیع' رعنا اور سب سے بڑھ کر خود بشارت صاحب۔

سب ہی کسی بہت اچانک ملنے والی خوشی کے زیر اثر آتے جا رہے تھے۔ صرف نازی ہی تھی جس پر ایک نگاہ ڈالتے ہی احساس ہوتا تھا کہ وہ کتنی اپ سیٹ ہے۔

"یہاں خود غرضی کا ہی سکہ چلتا ہے۔ اصل خوشی اسے ہی ملتی ہے' جو صرف اور صرف اپنے بارے میں سوچتے اور اپنے لئے جیتے ہیں۔ بے غرضی سے جینے والے بڑی آسانی سے دوسروں کی مرضی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ کسی کو ان پر رحم نہیں آتا ہے۔"

رعنا کو پہلی بار یہ احساس ہوا کہ وہ ٹوٹ رہی ہے۔ اور یہ کتنی عجیب بات تھی' ناقابل یقین۔

''اور یہ میں صرف اپنے لئے نہیں کہہ رہی رعنا۔''

اُس نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا تھا۔ ''مجھ سے زیادہ بے چارے عمر پر ضرب پڑی ہے' کتنی گہری محبت کرتا ہے وہ دِیا سے' اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ پتہ نہیں کیسے اُس نے اس ٹھکرائے جانے کی اذیت کو برداشت کیا ہوگا اوپری سے ایک ان چاہا شخص اس پر مسلط کیا جا رہا ہے' بے حسی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔''

وہ غلط نہیں تھی۔

رعنا نے ایک بار بھی اُسے بیچ میں نہیں ٹوکا' مگر مایوسی کے جس اندھیرے میں وہ گھر رہی تھی اُسے کم کرنا بھی اشد ضروری تھا۔

''کہیں نہ کہیں ہر ایک کسی نہ کسی کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ فطری کشش ہے نازی۔ محبت زور آور بھی ہوتی ہے اور خود بخود دم بھی توڑتی ہے۔ وقت اور حالات کے ساتھ ہماری فیلنگ بھی بدلتی ہیں۔ اچھی اچھی محبتیں مٹی کا ڈھیر ثابت ہوتی ہیں اور کہیں گہری نفرت میں سے بھی محبت کی کونپل سر اٹھاتی ہے۔ آج جو ہے' وہ کل نہیں اور جو کل تھا' وہ آج نہیں بھی ہو سکتا ہے۔''

اُس کے ہاتھ کو پیار سے تھپکتے ہوئے رعنا ہلکے ہلکے کہہ گئی۔ اس طویل اور گہری دوستی میں دونوں کی اَن گِنت بحثیں ہوئی تھیں اور زیادہ تر رعنا ہی اسے قائل کر لیتی تھی' سو آج بھی وہ ایک ایسی ہی کوشش کر رہی تھی۔

''اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہے' ۔ مگر تمہاری نیکی تمہاری قربانیوں کا انعام بھی تو ہو سکتا ہے۔''

''لیکن ابا تو ایسا نہیں سمجھے۔'' نازی نے تیزی سے اُس کی بات کاٹی۔ ''انہوں نے پتہ ہے کیا کہا مجھ سے۔'' وہ کچھ بتاتے بتاتے ایک لمحے کے لئے رُکی۔

رعنا منتظر نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کل رات بند کمرے میں ابا اور نازی کے درمیان کیا بات ہوئی تھی' اُس سے وہ واقعی ناواقف تھی۔

''انہوں نے میرے منع کرنے پر کہا کہ اگر میں انہیں پہلے ہی مسعود کے یہاں آنے کا بتا دیتی تو وہ اُس کا فوری بندوبست کر سکتے تھے اور ہر قیمت پر دِیا کو عمر کے ساتھ ہی رخصت کر دیتے لیکن چونکہ محض میری غلطی کی وجہ سے یہ بات اتنی بڑھی ہے' سو اس کا ازالہ بھی مجھے ہی کرنا پڑے گا ورنہ...'' بات ختم کرتے کرتے اِس کی آواز میں نمی سے گھلنے لگی تھی' سو وہ خاموش ہو رہی۔

''انکل بہت زیادہ دباؤ میں ہیں نازی' تم ان کی بات کا اثر مت لو اتنا۔ ورنہ یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے' اس میں انہوں نے تمہاری ہی بہتری دیکھی ہے۔ اپنے بچوں میں وہ سب سے زیادہ تم سے ہی محبت کرتے ہیں۔ تم ہی ان کے سب سے قریب ہو۔''

''نہیں۔''

اُسے رعنا کی کسی ایک بات کا بھی یقین نہیں آیا تھا۔'' ایسا ہوتا تو وہ ایک بار تو یہ بھی پوچھتے کہ میں نے انہیں مسعود کے آنے کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا۔ انہوں نے خود ہی اس میں میری بدنیتی ڈھونڈی اور خود ہی سزا بھی تجویز کر لی اور اور...'' آنسو نازی کی آنکھوں سے گرتے جا رہے تھے' کل سے وہ ایک بار بھی نہیں روئی تھی۔ مگر اب اس کا ضبط جواب دے رہا تھا۔

رعنا نے جان بوجھ کر اُسے چپ کروانے کی کوشش نہیں کی۔ اچھا تھا کہ وہ تھوڑا سا رو لیتی۔ دل پر پڑا بوجھ اسی طرح کم ہو سکتا تھا تو بھی غنیمت تھا۔

"اور امی کیسی خاموش تماشائی بنی رہیں، کیوں نہیں انہوں نے ابا سے کہا کہ انہوں نے منع کیا تھا مجھے مسعود کے بارے میں بتانے سے، لیکن وہ تو اس سارے معاملے سے خود کو مکمل لاتعلق ہی ظاہر کرتی رہیں۔ کیا اس گھر کی ہر بات کی میں ہی ذمہ دار ہوں۔ دیا نینی ہر ایک اپنی من مانی کرتی رہیں اور میں بنا کسی قصور..." وہ بولتے بولتے خاموش ہوئی تھی رعنا نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔

وہاں امی کھڑی تھیں۔

وہ شاید ابھی ابھی اندر آئی تھیں، لیکن یہ سوچنا کہ انہوں نے کچھ سنا نہیں بے وقوفی تھی۔

آہستہ آہستہ چلتی ہوئی، وہ بالکل نازی کے پاس آکر رکیں۔

"میں ہی تمہاری قصوروار ہوں بیٹا، جو چاہو کہہ ڈالو میں نہیں کہہ سکی تمہارے ابا کے سامنے کہ مسعود کی آمد کے بارے میں بتانے سے میں نے ہی تمہیں منع کیا تھا۔"

اُن کا ہاتھ، نازی کے سر پر تھا۔

"میں ڈر گئی تھی نازی، پہلی بار زندگی میں، میں تمہارے باپ سے خوفزدہ ہوئی۔ وہ شخص جس کی میں مخالفت کرتی آئی..."

رعنا کو لگا کہ اس کا اس وقت یہاں موجود رہنا قطعی ضروری نہیں۔ بڑے غیر محسوس انداز میں وہ باہر نکل آئی۔

"نینی کی خودسری کا ساتھ دے کر جو بھیانک غلطی مجھ سے ہوئی۔ اس کے اعتراف کی تو تمہارے ابا کے سامنے میری ہمت نہیں ہوئی، لیکن اب دیا کی بے وقوفی میں بھی اگر وہ مجھے ساتھ دیتا دیکھتے تو میرا وہ حال کرتے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔"

نازی نے ایک ہاتھ سے چہرے پر پھیلتے آنسو خشک کرتے ہوئے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اگر میں کہہ دیتی کہ مسعود کا آنا میرے علم میں تھا، وہ اور جو کچھ کرتے بعد میں کرتے، سب سے پہلے مجھے اس گھر سے نکال باہر کر دیتے۔ میری وہ بے عزتی ہوتی کہ سب دیکھتے

اور اس بڑھاپے میں، میں یہ ذلت جھیلنے کیلیئے بالکل بھی تیار نہیں تھی۔"

اُن کے لہجے میں ایسی بے بسی تھی، جو دل توڑتی سی محسوس ہو رہی تھی۔ نازی بے چین سی ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایسے مت سوچیں امی، خدا نہ کرے کہ زندگی میں کبھی بھی ایسی کوئی نوبت آئے۔"

"میں تمہاری قصوروار ہوں، میں نے تمہیں آگے کر دیا اور خود پیچھے ہٹ گئی۔ ساری عمر تم پر بار ڈالا اور اب بھی، خود کو بچانے کے لئے میں نے تمہیں..."

نازی جس طرح اُن کے گلے لگی تھی، وہ اپنی بات پوری بھی نہ کر سکیں۔

آنسو آنکھوں سے ٹوٹتے رہے۔

نازی کو لگا جیسے اُس کی ہر شکایت، ہر گلہ، مٹتا جا رہا ہے۔

"بس اب بالکل مت رونا۔" امی نے محبت سے اس کے آنسو صاف کئے۔ "عمر بہت اچھا ہے اور شاید اسی لئے وہ دِیا کے نصیب میں نہیں تھا۔ قدرت نے اُسے تمہیں انعام کے طور پر عطا کیا ہے۔ تمہیں ساری زندگی اس بات کا بار بار احساس ہوتا رہے گا انشاءاللہ۔" وہ خود بھی اب پر سکون دکھائی دے رہی تھیں۔

"وہ اتنا اچھا نہیں بھی ہوگا' تب بھی وہ ساری زندگی' امی یا ابا سے کسی بھی بات کا گلہ نہیں کرے گی ایک گہری سانس کو اندر ہی اندر دباتے ہوئے' اس نے خود سے عہد کیا تھا۔

"دِیا سے بات ہوئی امی؟" واپس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے وہ پوچھنے لگی تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں' اسماء کا فون آیا تھا' لیکن میں نے اُسے سختی سے منع کر دیا ہے کہ وہ تمہاری شادی تک دِیا کو یہاں قطعاً نہ بھیجے۔ میں نہیں چاہتی کہ عمر یا نانی میں سے کوئی بھی اُسے یہاں دیکھے' اسماء کہہ رہی تھی کہ وہ اُن دونوں کو کل ہی کہیں گھومنے پھرنے کے لئے بھجوا دیتی ہے تاکہ خاندان والے کچھ پوچھیں تو انہیں مناسب سا جواب دیا جا سکے۔ بہر حال یہ اُن لوگوں کا اپنا مسئلہ ہے۔" امی جس بے نیازی سے بات کر رہی تھیں۔ یہ باور کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ اسی دِیا کے بارے میں بات کر رہی ہیں جس کی جگہ اُن کے پاس کوئی بھی نہیں لے سکا تھا۔

"اسماء پھوپھو بے چاری ہمیشہ کو آپریٹ کرتی ہیں' اب بھی دیکھیں کس طرح سارے معاملے کو سنبھال رہی ہیں۔"

"ہنہ۔" انہیں نازی کی یہ چھوٹی سی تعریف بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ "ساری آگ بھی اُن ہی کی لگائی ہوئی ہے' میں تو ساری زندگی ان تینوں کو معاف نہیں کر سکتی' نہ اسماء کو نہ دِیا کو اور نہ مسعود کو اور بہتر ہوگا کہ وہ لوگ بھی ہم سے واسطہ نہ ہی رکھیں۔" بنا کسی جذباتیت کے وہ کہتی ہوئی دروازے کی طرف مڑ رہی تھیں۔ تب ہی انہیں ایک اور بات یاد آئی۔

"فیضی تمہاری شادی کے کسی بھی فنکشن میں شریک نہیں ہو رہا ہے۔ اُسے اپنے گھر والوں کی آمد کا ڈر ہے' لیکن میرا خیال ہے کہ میں نینی کو پکڑ کر فیضی کے باپ دادا کے سامنے تو ضرور ہی کھڑا کر دوں' عزت دار ہوں گے تو اپنی بہو کو ساتھ لے کر جائیں گے۔"

"اللہ کے واسطے امی۔" نازی نے گھبرا کر اُن کی طرف دیکھا۔

نینی اُسے سنا چکی تھی کہ فیضی کسی انتہائی حد تک جذباتی اور ضدی ہے۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ ایسی کسی بھی صورت حال کے بعد نینی کو اُس کی کس طرح کی ناراضگی کو فیس کرنا پڑ سکتا تھا۔

"بے کار کا ڈر بٹھا لیا ہے نینی نے' فیضان کو باپ سے معافی مانگتے شرم آتی ہے اور اس مفلوک الحال پر نہیں جس میں خود بھی پڑا ہے اور بیوی کو بھی مبتلا کر رکھا ہے۔ آگے بچے ہوں گے وہ بھی..." وہ خفگی سے کہتی ہوئی باہر چلی گئیں۔

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔

نازی نے تھکے تھکے سے انداز میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"معلوم نہیں وہ اس سب کو کس طرح محسوس کر رہا ہوگا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے عمر کا خیال آنے لگا۔

...☆☆☆...

دن اچھا خاصا چڑھ آیا تھا۔

لاؤنج میں بیٹھے شہریار نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا' بارہ بج کر پچیس منٹ۔"

"اتنی دیر میں کتنے سارے کام نمٹائے جا سکتے تھے۔ فائلیں دیکھ لی جاتیں' ملاقاتی نمٹا لئے جاتے اور کچھ نہیں تو اپنی اُن ای میلز کو ہی چیک کر لیتا' جو کتنے ہی دِن سے کھولے جانے کی منتظر ہوں گی۔" اس نے ٹھیک اپنی اسلام آباد والی مصروفیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے' قریبی صوفے پر بیٹھی مسز ہاشمی سے شکایتاً کہا' مگر وہ ذرا جو متاثر ہوئی ہوں۔

"شادی کرنے جا رہے ہو' وہ بھی شیریں حسین سے' کچھ ایڈجسٹمنٹ کرنا پڑے گا' اس طرح چھوٹے چھوٹے کھاتے کھولے تو مشکل میں پڑنے لگو گے۔"

لائونج میں وہ دونوں اکیلے ہی تھے' پھر بھی چونکہ گھر شیریں کا ہی تھا' اس لئے مسز ہاشمی نیچی آواز میں ہی بات کر رہی تھیں۔

"میرے خیال میں یہ بات آپ اُسے ہی سمجھائیں تو بہتر ہو گا۔ ایڈجسٹمنٹ کا مرحلہ عورتوں کو ہی طے کرنا پڑتا ہے۔ مرد خود کو نہیں بدل سکتے ہیں۔" وہ فطری رعونت جو شہریار کی شخصیت کا جزو تھی' اب وہ بھی عروج پکڑ رہی تھی۔ شیریں کو خود میں بہت سے بدلائو کی ضرورت ہے۔ مجھے اُس کے طرزِ زندگی پر خاصے اعتراضات ہیں۔ وہ جتنی جلدی خود کو میری مرضی کے مطابق اور زیادہ ضروری یہ کہ میری مصروفیات کے مطابق ڈھال لے گی' اُس کے لئے بہتر ہو گا۔"

مسز ہاشمی نے فکر مندی سے شہریار کی طرف دیکھا۔

"شیریں پلیز۔"

"یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو مستقل' میں نے تمہیں رات بھی دبے لفظوں میں سمجھانا چاہا تھا۔ جب تم نے اپنا موڈ خراب کر لیا تھا۔ وہ سب شیریں کے عزیز تھے جو اسٹیج پر رسم کرنے کیلئے آئے تھے اور تم بیچ میں سے اُٹھ کر نیچے صوفے

پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ لوگ تمہارے بارے میں۔ مسز حسین بے چاری ویسے ہی ہارٹ پیشنٹ ہیں' میں نہیں چاہتی کہ وہ اس شادی میں کوئی ٹینشن لیں۔"

"تو اس کا احساس آپ سے یا مجھ سے زیادہ اُن کی بیٹی کو ہونا چاہئے۔ مگر اُسے تو جیسے کسی کی بھی پروا نہیں' سوائے اُس سجاد کے۔" شہریار کے منہ میں جیسے کوئی کڑوی چیز آ گئی تھی۔" آپ نے نوٹ کیا تھا۔ وہ مستقل سجاد کو فون کئے جا رہی تھی۔ اُسے سب سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ سجاد فنکشن میں کب تک پہنچے گا۔ ایک بار بھی اس نے نہ تو مجھے خود سے مخاطب کیا اور نہ ہی اس سارے فضول ڈرامے میں' جو رسموں کے نام پر ہو رہا تھا' ذرا بھی دلچسپی لی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اور کی شادی میں زبردستی آئی ہو۔"

"آہستہ بولو۔" مسز ہاشمی نے تھوڑا سا گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔ کسی کے گھر میں بیٹھ کر' اُسی کو ڈسکس کرنا کہاں کی تہذیب ہے۔"

"میں 'کسی' کے گھر نہیں بلکہ اپنی ہونے والی بیوی کے گھر میں بیٹھا ہوں اور کسی اور کو نہیں' شیریں کو ہی ڈسکس کر رہا ہوں' جس کا مجھے پورا حق ہے۔"

شہریار کو معلوم نہیں کتنی مدت بعد کسی نے ٹوکنے کی جرأت کی تھی۔ سو وہ اب تک خاصا برا منا چکا تھا۔ مسز ہاشمی اس کی قریبی کزن نہ ہوتیں اور شیریں سے شادی کروانے میں انہوں نے اہم کردار ادا نہ کیا ہوتا تو وہ اور بھی زیادہ سخت لہجہ استعمال کر سکتا تھا۔ "مجھے ڈر ہے بلکہ یقین ہے کہ سجاد ہماری آئندہ زندگی میں زہر گھول کر رہے گا۔ وہ شخص میرے اعصاب پر سوار ہو چکا ہے۔"

"آرام سے بات کرو شیری۔" مسز ہاشمی بات کو اب اس اسٹیج تک لانے کے بعد خراب نہیں ہونے دے سکتی تھی۔

انہیں پورا یقین تھا کہ بعد میں ''خود بخود'' ہی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ ''تم نے سجاد کے بارے یوں غلط مفروضے قائم کر لئے ہیں۔ وہ صرف ایک اچھا دوست ہے اور وہ تو رات اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے آ بھی نہیں پایا' اُس کی اور شیریں کی ملاقات اب کئی کئی دن نہیں ہو پاتی' پھر بھی تم اُس سے جیلس ہو رہے ہو۔''

''مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کسی سے بھی جیلس ہونے کی اور مجھے اُس کے آنے جانے سے بھی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے صرف شیریں کے روّیے پر اعتراض ہے۔ کسی وقت بھی وہ سجاد کے خیال سے باہر نہیں ہوتی۔ ابھی جو اُسے باہر آنے میں دیر ہو رہی ہے' وہ یقیناً سجاد کا ہی نمبر ملا رہی ہو گی۔''

''خدایا۔'' مسز ہاشمی نے بے ساختہ ہی اپنے ماتھے کو چھوا۔ ''تم بالکل نہیں بدلے' یہی شک اور وہم تمہاری پہلی شادی کو ختم کر چکا ہے۔ اب ایک تلخ تجربے کو تم پھر سے دہرانے کیلئے تیار ہو گیا؟ خود کو بدلو شہریار پلیز۔''

''میں شک نہیں کر رہا ہوں اور میری پہلی شادی کی ناکامی میں بھی میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ آپ یہ بات کیوں بھول جاتی ہیں سارا قصور اُس عورت کا تھا۔ میری زندگی حرام کر رکھی تھی اُس نے...'' شہریار آواز جھنجلاہٹ میں اونچی ہو رہی تھی' مسز ہاشمی کو اُسے ٹوکنا پڑا۔

''آہستہ بولو اب اُس پرانے قصے کو یہاں دہرانے کی کیا ضرورت ہے' لیکن خدا کے واسطے شیریں پر اپنے خیالات ظاہر مت کرو۔ یہ دو چار دن خیریت کے ساتھ گزر جانے دو' شیریں اگر ناراض ہو گئی تو ابھی بھی کوئی مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے۔''

''آپ بھول جاتی ہیں کہ میں بھی کوئی معمولی انسان نہیں ہوں شیریں کو میری پسند ناپسند کی پرواکرنی پڑے گی اور یہ سجاد کا کانٹا میں اپنی زندگی میں اب مزید برداشت نہیں کر سکتا بات ختم۔''

اندر سے آتی شیریں کو دیکھ کر مسز ہاشمی اس بحث کو مزید جاری نہیں رکھ سکیں۔

اپنے بالوں کو سمیٹ کر بینڈ لگاتی ہوئی وہ سیدھی اُن ہی کی طرف آئی۔ وہ رات کا پہلا سوٹ اتار کر کاٹن کا سادہ سوٹ پہن چکی تھی۔ اُس کی خوبصورتی کسی بھی رنگ میں مدہم نہیں پڑتی تھی۔

''تم نے پیلا سوٹ کیوں اُتار دیا شیریں؟ ابھی تو تمہیں وہی پہنے رہنا چاہئے تھا۔'' مسز ہاشمی کو بدشگونی سی لگی تھی سو وہ کہے بغیر نہیں رہ سکیں۔

شیریں لاپروائی سے ہنس پڑی۔ ''کیسی باتیں کرتی ہیں' میں بھلا اس طرح کے کپڑوں کی کب عادی ہوں۔ رات کو چینج کئے' تب سے سو سکی۔ ورنہ شاید رات بھر کروٹیں ہی بدلتی رہتی۔''

مسز ہاشمی نے بہت غور سے اُس کے ایک ایک انداز کو نوٹ کیا۔

اُس نے ایک بار پھر شہریار کی طرف اب تک نہیں دیکھا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ وہاں اُس کی موجودگی سے ناواقف تھی' لیکن جس طرح کا جانتا بوجھتا تغافل وہ ظاہر کر رہی تھی' بتا رہا تھا کہ اب بھی شہریار اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

انہوں نے شیریں اور شہریار دونوں ہی کی طرف سے مایوسی حاصل ہو رہی تھی۔ یہ دو بہت مضبوط' میچور اور خود پسند لوگوں کا ٹکراؤ تھا' جو اپنی اپنی مصلحت کے تحت ایک نیا رشتہ بنانے جا رہے تھے۔

''میں بہت دیر سے انتظار کر رہا ہوں' آج ڈیزائنر کے پاس جانا تھا۔ فائنل ٹرائل کے لئے' میں نے بڑی مشکل سے وقت نکالا تھا۔ آج شام ایک ضروری میٹنگ کے لئے منع بھی کرنا پڑا۔'' شہریار بنا کسی تمہیں کے بڑی روکھائی سے شیریں کو اُس کی لاپروائی جتا رہے تھے۔

مسز ہاشمی اُن دونوں کو اُن کے حال پر چھوڑ کر شیریں کی ممی کے کمرے کی طرف جا چکی تھیں۔

"تم چلے جاتے اپنے میٹنگ میں، میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے سات چلو، وہاں ویسے بھی تمہاری کوئی ضرورت نہیں، کپڑے کے میٹریل، کٹ، تمہیں ان کے بارے میں کیا علم ہے۔"

شیریں نے نہ اُس کے انتظار کو اہمیت دی تھی اور نہ اُس کے بے حد قیمتی وقت کے ضائع ہونے کو۔ شہریار کے چہرے پر سرخی سی پھیلنے لگی۔

یہ مسز ہاشمی تھیں جنہوں نے اُسے زور دے کر کہا تھا کہ اُسے اب ان موقعوں پر شیریں کے ساتھ ہی ہونا چاہئے۔ چند لمحے یوں ہی بوجھل سی خاموشی لئے گزرے۔

"معلوم نہیں وہ اس شخص کے ساتھ کس طرح کی زندگی گزارے گی، جس کے ساتھ بات کرنے کے لئے اُس کے پاس کوئی موضوع بھی نہیں ہوتا۔" کسی کسی وقت شیریں کو بڑی سخت سی گھبراہٹ ہونے لگتی تھی۔ لیکن اب وہ ان سب پر ایک بار بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

"آج رات میں واپس جا رہا ہوں اور اب ہفتے کو آئوں گا، جس دن ہماری شادی ہے، یہاں ویسے بھی میرے لئے کوئی کام تو ہے نہیں، بے کار میں وقت ضائع ہو رہا ہے۔"

کل سے اب تک وہ بے حد بے زار ہو چکا تھا۔ شیریں نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ "کیا مطلب ہے، یہ جو بیچ میں دو دن کے فنکشنز ہیں ان میں تم شریک نہیں ہو گے؟"

شہریار کی پیشانی پر ایک گہری شکن مستقل ڈیرہ جما چکی تھی۔

موڈ خراب نہیں بھی ہوتا، تب بھی ایسا ہی لگتا تھا۔

شیریں اسی وجہ سے بار بار غلط فہمی کا شکار ہوتی تھی۔ اس وقت بھی اُسے یہی لگا تھا۔ سو خود بھی تلخ ہونے لگی۔

"کل بھی تم اتنے اکتائے ہوئے تھے کہ مجھ سے کئی لوگوں نے اس بارے میں پوچھا۔"

"کمال ہے لوگوں نے اس بارے میں اندازے لگا لئے لیکن خود تمہیں تو ایک بار بھی، یہ خیال نہیں آیا کہ میرا موڈ کیوں خراب ہے۔"

"مجھے عادت ہوتی جا رہی ہے، اس لئے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ بڑی سرد مہری سی شیریں کے روّیے میں آتی جا رہی تھی۔ شہریار کو اپنا ہر شُبہ ایک سو دس فیصد درست لگنے لگا۔

ٹھیک کہا تم نے تمہیں صرف سجاد کے ہونے یا نہ ہونے سے فرق پڑتا ہے، باقی کوئی بھی اتنا اہم نہیں۔"

"بات مت بڑھائو شہریار اور اس وقت تو سجاد کا کوئی ذکر بھی نہیں ہے، لیکن تم ہر بات میں اُسے ضرور کھینچ کر لاتے ہو۔" پچھلے کچھ عرصہ سے وہ سجاد کا اتنا ذکر کرنے لگا تھا کہ اب شیریں کو ذرا بھی افسوس یا حیرت نہیں ہوتی تھی۔

میں اُسے بیچ میں نہیں لاتا، وہ ہمیشہ پہلے سے ہی موجود ہوتا ہے اور اسے اب ہٹنا پڑے گا۔ یہی ہم دونوں کے لئے بہتر ہو گا۔"

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

شیریں اس بات پر خاموش رہی، بمشکل ہی اس نے خود کو یہ کہنے سے روکا کہ سجاد کا بیچ میں سے ہٹنا ناممکنات میں سے ہے۔

کچھ بھی تھا، یہ چھوٹی سی خاموشی ایک بڑی تلخی کو پھیلنے سے فی الوقت بچا لے گئی تھی۔

"میں چلتا ہوں، میری بات پر ہو سکے تو غور کرنا۔"

وہ اُس کے جواب کا انتظار کئے بغیر جا چکا تھا۔ شیریں وہیں اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

آج پہلی بار اُس نے سجاد کے موضوع پر بحث کرنے سے پرہیز کیا تھا۔ ایک لاحاصل تعاقب جو وہ ساری زندگی کرتی آئی تھی اور کرتی رہے گی۔ کیا ضروری تھا کہ اُس سے دوسروں کو بھی باعلم رکھا جائے

اور وہ بھی ایسے لوگوں کو جن کے مفادات پر اُس ایک نام سے ضرب پڑتی تھی۔

صوفے کی پشت سے ایک ٹیک لگائے ہوئے شیریں نے آنکھیں بند کیں۔

...☆☆☆...

چھوٹا سا فلیٹ مہمانوں سے بھرا پڑا تھا اور مہمان بھی ایسے جو میزبانی کے سارے فرائض خود ہی انجام دینے کے لئے بے چین تھے۔ گھر، کچن، بازار سب بخوبی سنبھال رہے تھے۔ نانی اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھی حکم صادر کرتیں اور بس۔

رحمت منزل کے سارے مکین نانی کی خوشی میں پورے خلوص دل کے ساتھ شریک تھے۔ گو نانی نے دُلہن کی تبدیلی کا بطور خاص ایک ایک سے ذکر تو نہیں کیا تھا لیکن، بے حد قریبی لوگوں کو بتانا ضروری تھا۔ سب سے قریبی فرح تھی اور وہ اس بات پر اتنی خوش تھی کہ جتنی خود نانی، مارے خوشی کے وہ بار بار نانی سے لپٹ جاتی۔ ثانیہ کے بعد نازی ہی تھی جو اُسے بے حد پسند آئی تھی۔ یہ بات وہ کئی بار عمر کو جتا بھی چکی تھی کہ وہ دِیا کا انتخاب کر کے بہت بڑی غلطی کر بیٹھا ہے۔ اب اُس کے نزدیک اپنی غلطی کا بروقت ازالہ ہوا تھا۔

نانی کو فرح سے بڑی حد تک سپورٹ حاصل ہو گئی تھی۔ ورنہ عمر کی اترتی ہوئی چکی تھیں، یہ فرح ہی تھی، جو اس وقت اُن کے اور عمر کے بیچ پُل کا کام انجام دے رہی تھی۔

وہ بے حد خاموش تھا اور صاف لفظوں میں کہہ چکا تھا۔ وہ اس شادی پر صرف اور صرف نانی کی وجہ سے تیار ہوا ہے۔

آگے اُس سے زیادہ توقعات وابستہ نہ کی جائیں۔

سب لڑکے ایسے ہی کہتے ہیں، محبت میں ناکامی کے بعد اور عمر غریب تو منزل کے اتنے قریب آ کر مایوس ہوا ہے۔ وہ تو ایسے ہی ری ایکٹ کرے گا۔ آپ بے کار کی ٹینشن مت لیں نانی۔ جو ہو رہا ہے اچھے کے لئے ہی ہو رہا ہے۔'' آج رات میں عمر کی بارات تھی، سب ہی اپنے اپنے کام نمٹانے کیلئے مختلف سمتوں میں نکلے ہوئے تھے۔

فرح تنہائی کے اس وقفے میں بڑے سکون سے نانی کو سمجھا رہی تھی۔

عمر ذرا بھی خوش نہیں ہے۔ کل بھی ساری رات جاگتا رہا۔ میری تو اُسے تسلی دینے کی بھی ہمت نہیں الٹا نگاہ چرائے رکھتی ہوں اُس سے بڑھاپے میں شاید سب ہی اتنے خود غرض ہو جاتے ہیں۔'' نانی آبدیدہ ہونے لگیں۔ انہیں اپنی مرحومہ بیٹی اور داماد کی یاد اتنی شدت سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی جتنی کہ آج۔ ''صبح سے کہاں غائب ہے کچھ پتہ نہیں، حالانکہ آفس سے چھٹی بھی لے رکھی ہے۔'' تب ہی وہ باہر سے آتا دکھائی دیا۔

''دیکھا کتنی بڑی عمر ہے، آپ نے یاد کیا اور وہ آ گیا۔'' فرح مسکرا دی۔

''عمر!'' وہ بے ساختہ ہی پکار اٹھیں۔ اُن کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ پل بھر کے لئے ٹھٹکا اور پھر یک دم ہی اُن کے گلے سے آ لگا۔

...☆☆☆...

کمرے میں خوشبوؤں کا مہکتا ہوا تال میلا پھیلا ہوا تھا۔

صبح ہو رہی تھی، لیکن باہر پھیلی خاموشی ابھی گہری تھی۔

عمر نے ایک نگاہ' نازی کے چہرے پر ڈالی خود پر توجہ پاتے ہی' وہ بے ساختہ نظر چُرا گئی۔ عمر ہلکے سے مسکرا دیا۔ یہ ایک نئے آغاز کی شروعات تھی۔

''نازی۔'' وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھا۔

''یہ سب کچھ جس طرح بھی ہوا' تمہارے لئے بھی یقیناً اتنا ہی غیر متوقع ہوگا' جتنا کہ میرے لئے لیکن تم اتنی خوش قسمت تو ضرور ہو کہ درد کے اُس شدید احتساب سے بچی رہیں جو' میں نے سہا ہے۔ نارسائی' ٹھکرائے جانے کی ذلت اور...'' عمر کی بات پوری نہیں ہو سکی۔ ''اور ایک زبردستی مسلط کئے جانے والا فیصلہ۔'' نازی اُس کی بات کاٹ گئی تھی۔

فوری طور پر وہ کوئی جواب نہ دے سکا' بس چُپ چاپ اُس کی طرف دیکھے گیا' جو اپنی بات کہہ کر اتنا سر جھکائے ہوئے تھی کہ اُس کے چہرے کے تاثرات دیکھنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

''اس فیصلے میں میری رضامندی شامل تھی اپنے لہجے کا کھوکھلا پن اُسے خود بھی محسوس ہوا تھا۔

''سمجھوتہ تو رضامندی کا ہی دوسرا نام ہے۔ آپ اچھے انسان ہیں' جو دوسروں کی خوشی کا اِتنا پاس کر رہے ہیں' لیکن سب ہی کچھ تو انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ آپ کا رویہ' آپ کا چہرہ بتاتا ہے کہ...'' نازی کا چہرہ ابھی بھی جھکا ہوا تھا اور دھیمی آواز میں بات کرتے ہوئے اُس نے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

عمر کے لبوں سے ایک دبی دبی سانس نکلی تھی۔

''گویا وہ ایک بالکل ہی فلاپ ایکٹر ہے۔ کل شام سے اب تک' خوش دکھائی دینے کی جو شعوری کوشش اُس نے کی تھی' وہ بس یوں ہی تھی۔''

اُسے خود سے گِلا سا ہونے لگا۔

''میں تو خود آپ سے بے حد شرمندہ ہوں' یقین مانئے اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ایسا کبھی نہیں ہونے دیتی۔ اس طرح کسی پر زبردستی مسلط ہونا' بڑا ہی توہین آمیز سا لگتا ہے' لیکن میں ابا کے آگے مجبور ہو گئی۔'' سر جھکائے وہ ہلکے ہلکے کہہ رہی تھی۔

اُس کے کسی ایک لفظ پر بھی شُبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اور خود وہ بھی تو نانی کے آگے مجبور ہوا تھا۔ جب کہ وہ تو لڑکا تھا۔ کسی بھی جذباتی منطق سے منہ موڑ کر بآسانی آگے بڑھ سکتا تھا' مگر نانی کو اِس ضعیفی میں تکلیف دینا گوارا ہی نہیں ہوا۔

''آپ سے تو کچھ چھپا ہوا نہیں ہے۔ ابا نے اولاد کی نافرمانی کا دکھ دوسری بار اُٹھایا ہے' میں بھی اگر انہیں مایوس کر دیتی تو وہ نینی اور دِیا کی طرح مجھے بھی کبھی معاف نہ کرنے کا عہد کر لیتے...''

''دِیا...'' عمر کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

نازی نے آگے کیا کہا' وہ ایک لفظ پر بھی دھیان نہ دے سکا۔

دِیا کی طرف سے ٹھکرائے جانے کا خیال درد کے جس احساس کو جگاتا تھا اُس کی گہرائی وہ خود بھی ناپنے سے قاصر تھا' لیکن عجیب بات تھی کہ وہ پھر بھی پل بھر کے لئے نہ تو اُس کو بھول پا رہا تھا اور نہ ہی وہ اُس سے نفرت کر پا رہا تھا۔

"So What!" شانوں کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے اُس نے خود کو مطمئن کرنا چاہا۔ ''آخر کسی بھی حادثے کے آثار کو مٹتے مٹتے بھی عرصہ لگ ہی جاتا ہے۔''

دل نے چپکے سے کہا۔ ''اور شاید کبھی کبھی ساری عمر بھی۔''

''دِیا نے آپ جیسے اچھے انسان کا دل توڑ کر بہت بُرا کیا ہے' بہت پچھتائے گی اور ایک نہ ایک دن دیکھ لیجئے گا۔'' وہ اُسے تسلی دینا چاہتی تھی' لیکن رفوگری ہر جگہ کارگر نہیں ثابت ہو پاتی۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو نازی' وہ چیپٹر اب بند ہو چکا ہے۔ مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ کون پچھتاتا ہے اور کون نہیں۔''

جھنجلاہٹ کے باوجود اُس کے لہجے کی شکستگی چھپی ہوئی نہیں تھی۔ ''ہمیں ایک دوسرے کو وقت دینا چاہئے۔'' تاکہ اپنی اپنی جگہ ایڈجسٹ کر سکیں ''اور میرا خیال ہے کہ تم یہ کام مجھ سے زیادہ بہتر کر لو گی۔'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''معلوم نہیں لوگ ہمیشہ ہی اُسی سے کیوں ساری توقعات وابستہ کر لیتے ہیں۔'' عمر کی پشت پر نگاہ جماتے ہوئے نازی نے سوچا۔ کل سے اب تک عمر کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے' اُس نے بار بار اُس کی سرد مہری کو محسوس کیا تھا اور ہر بار خود کو شرمندگی میں گھیرتا ہوا پایا۔

''پتہ نہیں یہ رشتہ کبھی رشتہ بن بھی پائے گا' یا بس یوں ہی رسمی سی کارروائی ٹھہرے گا۔''

یہاں اب سوچنے کا بھی وقت نہیں تھا۔ دِن کا آغاز تھا اور عمر باہر جا چکا تھا۔

نانی کی آواز قریب آتی سُن کر وہ اپنا دوپٹہ ٹھیک کر کے بیٹھی تھی۔ تب ہی وہ اور فرح اندر چلی آئیں۔

''جیتی رہو' اللہ ہزار خوشیوں سے نوازے۔''

اُس کے سلام کے جواب میں' انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے محبت سے دعا دی۔ نازی نے اپنی آنکھیں بھیگتی ہوئی محسوس کیں۔ کتنی عجیب بات تھی' لوگوں کی بے حسی' دل کو توڑتے رویئے' ساری عمر جھیلتے ہوئے' وہ اتنی جذباتی نہیں ہو پائی تھی' لیکن خلوص دل سے کی ہوئی چھوٹی سی بات بھی دل کو جیسے پانی پانی کرنے لگتی تھی۔

''ابھی تمہاری امی کا فون آیا تھا۔ وہاں سے رعنا آرہی ہے تمہیں لینے کے لئے۔ میں نے تو منع بھی کیا کہ عمر خود تمہیں لے کر چلا جائے گا' مگر خیر اُن کی خوشی۔'' نانی اپنی مخصوص سادہ لوحی سے بات کر رہی تھیں۔

نازی ہلکے سے مسکرا دی۔

چائے اندر آچکی تھی اور پہلا گھونٹ پیتے ہی نازی نے خود کو خاصا بہتر محسوس کیا تھا۔ اُس کی تھوڑی بہت پھیلی ہوئی چیزوں کو ترتیب سے رکھتے ہوئے' فرح کو خیال آیا تو پوچھنے لگی۔ ''عمر نے تمہیں منہ دِکھائی میں کیا دیا' ہمیں تو اُس نے ہوا تک نہیں لگنے دی کہ وہ کیا خرید رہا ہے۔''

''وہ۔'' نازی نے گڑبڑا کر اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا' مگر وہاں کل ہی کی پہنی ہوئی چوڑیاں تھیں عمر نے اُسے کچھ دیا تو تھا۔

''یہ میری طرف سے ہے۔'' کہتے ہوئے اُس نے چھوٹا سا بند ڈبہ اُس کی طرف بڑھایا تھا۔ جسے اُس نے بغیر کھولے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ وہ اب بھی وہیں جوں کا توں پڑا ہوا تھا بنا کچھ کہئے نازی نے اسے وہاں سے اٹھا کر فرح کے ہاتھوں میں تھمایا۔

''کیا ہے اس میں۔'' فرح نے کھولنے سے پہلے ایک گہری نگاہ نازی کے چہرے پر ڈالی۔

مگر وہاں ایسا کچھ نہ تھا' جس کے کوئی خوشگوار معنی اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

فرح کو رنج سا ہوا۔ مگر بظاہر مسکراتے ہوئے' دوسرے ہی لمحے وہ چھوٹا سا ڈبہ کھول رہی تھی۔

''زبردست' کتنا پیارا الگ رہا ہے۔''

''اِسے بند کر کے کیوں رکھا ہے' پہن لو' یہی دن ہیں' جب جتنی چیزیں چاہے لاد لو برا نہیں لگتا۔''

فرح نے اُس کی طرف بریسلیٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ تو نازی نے ہلکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''ابھی رہنے دو' پھر سہی۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' فرح کے لہجے کی خوشگواری برقرار تھی۔ وہ نازی کی فیلنگز کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی اور ابھی اُن دونوں کے درمیان اتنی بے تکلفی بھی نہیں تھی کہ وہ اُس سے کھل کر بات کر سکتی۔

مگر رعنا کے لئے ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی۔ وہ ناشتے کے سامان کے ساتھ لدی پھندی آئی اور اُس کے آتے ہی اِس چھوٹے سے فلیٹ میں ہنگامہ سا اُٹھ کھڑا ہوا۔

''سب ایک ساتھ ناشتہ کریں گے' نانی آپ نازی کے برابر بیٹھیں اور دوسری طرف عمر بھائی آپ۔'' اُس کی ہدایتیں جاری تھیں۔ عمر جھینپ رہا تھا' مگر وہ اُسے بخشنے کے لئے تیار نہیں تھی۔

''پہلا پہلا دن ہے اور دولہا دلہن ایسے کٹے کٹے تھوڑی رہتے ہیں۔ فرح تم اپنے بھائی کو کچھ کہتی کیوں نہیں ہو؟'' وہ فرح کی طرف مڑی تو فرح بے ساختہ ہی ہنس پڑی۔ اُسے رعنا اچھی لگی تھی۔ اُس کے یہاں آتے ہی ماحول کو بوجھل کرتی ساری ٹینشن جیسے کہیں تحلیل ہو گئی تھی۔ ناشتہ ختم ہوا تو اُس نے واپسی کی ٹھانی۔ عمر نے ساتھ چلنے سے معذرت کر لی تھی۔ آج شام کو ولیمہ تھا اور وہ اُس کے انتظام میں مصروف تھا۔ رعنا نے حیرت انگیز طور پر اصرار بھی نہیں کیا۔ خود

نازی کو بھی حیرت ہوئی ورنہ جس طرح وہ بات بات پر عمر کی خبر لے رہی تھی' اُس کے بعد آسانی سے چھوڑنے والی نہیں تھی۔

نازی کو شام میں پارلر جانا تھا۔ سواس تھوڑی سی دیر کے لئے وہ کوئی سامان ساتھ لے کر نہیں جا رہی تھی' پھر بھی جب وہ اپنا پرس اُٹھانے کے لئے اپنے کمرے میں آئی تو رعنا اُس کے پیچھے ہی چلی آئی۔

''میں خود یہی چاہ رہی تھی کہ عمر ہمارے ساتھ نہ ہیں چلے۔ اُس کی موجودگی میں نہ تم سے کھل کر بات ہو سکتی تھی اور نہ ہی میری تسلی ہو پاتی۔''

بنا کسی تمہید کے وہ اندر آتے ہی اپنے دل کی بات کہہ رہی تھی۔ نازی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ خود بھی کچھ دیر کے لئے تنہائی چاہ رہی تھی۔

''یہ تمہیں عمر نے خود نہیں پہنایا؟''

بریسلیٹ کا باکس جب وہ سائیڈ ٹیبل پر اٹھا کر اندر سیف میں رکھ رہی تھی۔ تب رعنا نے اچانک ہی وہ سوال پوچھا' جس کا جواب دینے سے وہ اس وقت سب سے زیادہ کترا رہی تھی اور مصیبت یہ تھی کہ رعنا کے آگے جھوٹ بھی نہیں بولا جا سکتا تھا۔

''نہیں اُسے تو شاید پتہ بھی نہیں تھا کہ اِس میں ہے کیا۔''

اس کا لہجہ بے تاثر تھا اور چند لمحے وہ یوں ہی' رعنا کی طرف سے پُشت کئے' الماری میں زیورات کے ڈبوں کو الٹ پلٹ کرتی رہی۔

''تمہیں اُسے کہنا تو چاہئے تھا۔''

"کیا فائدہ۔"

"اُسے اُس کی غلطی کا احساس تو دلانا چاہئے تھا' اپنے حق کے لئے اب تو بولنا سیکھو کم از کم۔"

"یہ اُن کی غلطی نہیں ہے۔" الماری بند کر کے وہ واپس اُس کے قریب بیڈ پر آ بیٹھی۔ "بہت سی باتوں کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ اُن کی ساری خوبصورتی کسی احساس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے' بہر حال۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔ "عمر اچھے شخص ہیں' کسی بھی طور نبھا ہی لیں گے۔"

اُس کی مسکراہٹ کا پھیکا پن بڑا واضح تھا۔ رعنا نے خود کو اندر سے کمزور پڑتا ہوا محسوس کیا۔

"اور وہاں گھر میں اتنے رشتے دار بھرے ہوئے ہیں' سب ہی پوچھیں گے' عمر نے تمہیں کیا دیا۔"

"کوئی مسئلہ نہیں' یہ اتنی ساری چیزیں ہیں اِن میں سے کوئی سی بھی بتا دوں گی۔" وہ لاپرواہی سے بولی۔

باہر سے رعنا کے ساتھ آیا سمیع آواز دے رہا تھا۔

رعنا کے لبوں سے ایک دبی دبی سی سانس ابھری۔

"اچھا جیسی تمہاری مرضی۔" وہ اُس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ باہر لائونج میں نانی' عمر' فرح اور سمیع چاروں منتظر تھے۔ سمیع نے چند روز کے لئے کسی دوست کی گاڑی لے رکھی تھی۔ نانی سے بہت ساری دعائیں لے کر جب وہ نیچے آئے تو عمر اور فرح ساتھ تھے۔

"اپنی بیگم کو لینے آپ خود آئیں گے یا ہمیں ہی تکلیف اُٹھانی پڑے گی۔" گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے رعنا مڑ کر عمر سے پوچھنے لگی۔

"میں خود ہی آ جائوں گا۔" وہ مسکرا دیا اور جب وہ مسکراتا تھا تو اُس کی شفاف آنکھوں میں نرمی اور بھلائی کا تاثر اور بھی بڑھ جاتا تھا۔

"رعنا نے اپنا کمزور پڑتا اعتماد تھوڑا سا تو بحال ہوتا محسوس کیا ہی' کچھ بھی ہو یہ شخص خود غرض اور بے ایمان تو ہر گز نہیں۔" لوگوں کے بارے میں اپنے اندازوں پر اُسے بڑا بھروسہ تھا۔

گھر پر سب ہی اُن لوگوں کے منتظر تھے۔ دوسرے شہروں سے آئے ہوئے کئی رشتے دار آج ولیمے میں شرکت کی وجہ سے رکے ہوئے تھے۔ نازی کا استقبال بڑے پر جوش انداز میں ہوا تھا۔ عین وقت پر دولہا' دلہنوں میں ہونے والی تبدیلی' خاندان بھر کے لئے بڑی سنسنی خیز ٹھہری تھی۔ جتنے منہ اُتنی باتیں۔

کچھ لوگ واقعی' مخلص اور بے ضرر تھے' مگر اکثریت محض کھوج و جستجو میں بین السطور اصل کہانی جاننے کی کوشش میں سر گرداں تھی۔ کچھ تو بازار جانے کے بہانے' اسماء پھوپھو کے ہاں کا چکر بھی لگا آئے تھے۔ یہ جاننے کے لئے' اصل میں یہ سارا واقعہ کس طرح ظہور پذیر ہوا تھا' لیکن اُن کی خاموشی اور معاملہ فہمی کی وجہ سے' اُن سب کو ہی بڑی مایوسی ہوئی تھی۔

نازی کو بھی تجسس بھری نگاہیں اور سوال گھیر رہے تھے۔ ایک دن کی اور بات تھی' پھر مہینوں بھر کسی سے ملاقات نہیں ہونی تھی۔ امی اِس وقت کو خوش اسلوبی سے ٹالنا چاہ رہی تھی' سو تھوڑی سی ہی دیر میں ابن کے اشارے پر رعنا' نازی کو اُٹھا کر اُس کے کمرے میں لے آئی' نینی اُس کے ساتھ تھی۔

"اب تم یہاں کچھ دیر بیٹھو' میں ذرا آنٹی کے پاس جا کر گھر کے کام دیکھتی ہوں۔" نینی کو نازی کے پاس چھوڑ کر وہ باہر چلی گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر سکون کا بڑا ہی فرحت بخش سا احساس ہو رہا تھا۔ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ بڑی ریلیکس ہو کر بیٹھی تھی۔

''خوش تو ہیں ناں' نازی آپا۔'' نینی نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا۔ وہ اُس کے بالکل قریب ہی بیٹھی تھی۔ نازی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس کا کیا جواب دے۔ یہ سوال ابھی قبل از وقت تھا۔ خوشی اور ناخوشی کے درمیان کھڑی ابھی وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ مگر سامنے بیٹھی نینی کو مطمئن کرنا ضروری تھا۔ وہ پہلے ہی ڈپریشن کا شکار تھی۔ اُس کی موجودہ حالت' حد سے بڑھتی کمزوری' سب ہی کچھ اُسے قابل رحم بنائے ہوئے تھی۔ سو اگر اُس غریب کو تھوڑی سی خوشی مل سکتی تھی تو کیا حرج تھا۔

''میں بہت خوش ہوں' عمر بہت اچھے ہیں۔''

اور اِس دوسری بات میں تو کوئی شک بھی نہیں تھا۔ نازی کھل کر مسکرائی تھی۔ نینی کے چہرے پر روشنی سی پھیلی۔

''شکر ہے اللہ کا' میں نے آپ کے لئے بہت بہت دعائیں مانگی تھیں نازی آپا' اللہ کرے آپ زندگی بھر اتنی خوشیاں دیکھیں کہ...'' اُس کی آواز نم ہونے لگی تھی۔ نازی نے بے اختیار ہی اُسے گلے سے لگا لیا۔

''تمہاری پریشانیاں بھی جلد ہی ختم ہوں گی انشاء اللہ اتنی ٹینشن مت لیا کرو' اب تو تمہاری حالت بھی اس قابل نہیں ہے۔'' وہ محبت سے اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔ ''فیضی تو ٹھیک ہے نا' بات ہوئی تھی تمہاری اُس سے۔''

''ہوئی تھی۔'' نینی نے اثبات میں سر ہلایا۔ '' مجھے بہت شرمندگی ہے نازی آپا کہ وہ آپ کی شادی میں شریک نہیں ہوا۔ میں اُس پر بہت ناراض بھی ہوئی ہوں' لیکن وہ کسی طرح بھی نہ تو ابا کو فیس کرنا چاہتا ہے اور نہ ہی اپنے خاندان والوں کو۔''

''کل شادی میں اُس کے گھر والے آئے تھے کیا؟'' نازی کو تجسس سا ہونے لگا۔

''سمیع بھائی بتا رہے تھے کہ فیضی کے ایک چچا آئے تھے۔ سجاد چچا' بہت تعریف کر رہے تھے سمیع بھائی اُن کی' کہہ رہے تھے بہت خوش مزاج اور ملنسار شخصیت لگ رہے تھے۔ سنا ہے شکل کے بھی بہت اچھے ہیں۔ آج شاید ولیمے میں اور بھی لوگ آئیں اُن کی فیملی سے' آپ ضرور عمر بھائی سے پوچھئے گا۔''

نازی نے نوٹ کیا کہ فیضی کے خاندان کے بارے میں بات کرتے ہوئے نینی کے لہجے میں امید سی جھلکنے لگی تھی۔

خدا کرے کہ وہ اور عمر' فیضی اور اُس کے خاندان کے درمیان پُل کا کام انجام دے سکیں بے ساختہ ہی دل کی گہرائیوں سے نازی نے خواہش کی۔

''فیضی بہت بدل گیا ہے نازی آپا' یا تو بہت خوش رہتا ہے یا پھر اتنا چڑچڑا ہونے لگتا ہے کہ میری برداشت سے باہر ہونے لگتا ہے۔ کمزور بھی بہت ہو گیا ہے۔ سارے دن کی بھاگ دوڑ کے بعد بھی گھر کے خرچے پورے کرنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ کسی کسی وقت تو مجھے اُس پر بڑا رحم آتا ہے۔ زندگی برباد ہو گئی' اُس کا تو کیریئر بھی داؤ پر لگا ہوا ہے اور گھر والے بھی جدا' اُس نے یہ زندگی کب دیکھی تھی؟''

وہ جذباتی ہونے لگی تھی' مگر کچھ خیال آنے پر خوبصورتی سے خود کو سنبھال گئی۔ ''میں بھی کیا باتیں لے بیٹھی ہوں' چائے لاؤں آپ کے لئے یا کچھ کھائیں گی۔''

وہ اٹھنے لگی تھی' مگر نازی نے اُس کا ہاتھ تھام کر اُسے واپس بٹھا لیا۔ ''ابھی کچھ بھی نہیں دل چاہ رہا' تم بیٹھو میرے پاس...'' وہ اُس سے دِیا کے متعلق پوچھنا چاہ رہی تھی' مگر اب تک اِس کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

''نینی' دِیا کا کوئی فون وون آیا تمہارے پاس یا امی کے پاس۔''

"تم نے کر لیا ہوتا' اُس کی خیریت تو معلوم کرنا چاہئے تھی' کسی نہ کسی کو۔" نازی نے بے چین سا ہو کر اس کی طرف دیکھا' مگر وہ یوں ہی بے تاثر سا چہرہ لئے بیٹھی تھی۔

"وہ بالکل خیریت سے ہو گی' آپ اُن کی فکر مت کریں اور انہیں ہم میں سے کسی کی بھی خیریت مطلوب نہیں ہو گی۔ یہ بھی میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں۔ اپنی مرضی پوری کر لینے کے بعد انسان کا دماغ یوں ہی ساتویں آسمان پر پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ یہ میں بھی جانتی ہوں۔" اُس کے لہجے کی تلخی میں' اُس کا اپنا تجربہ بول رہا تھا۔ نازی فوری طور پر کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

"تھوڑا وقت گزر جائے پھر انہیں خود ہی پتہ چل جائے گا کہ غلطی کہاں ہوئی ہے' مگر اس وقت تک پیروں تلے سے زمین کھسک چکی ہو گی۔" نازی نے بے ساختہ ہی' ہاتھ کے اشارے سے اُسے مزید کچھ کہنے سے روکا۔ "اللہ نے چاہا تو دِیا کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ اُس کے ساتھ صرف مسعود ہی نہیں' اسماء پھوپھو بھی ہیں۔ وہ بہت پیار کرتی ہیں دِیا سے' اُسے کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دیں گی۔" نازی کو مسعود کی طرف سے نہ سہی' اسماء پھوپھو کی طرف سے بہت اطمینان تھا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" نینی ہلکی سے بولی۔ "لیکن..." وہ کچھ کہتے کہتے پل بھر کے لئے رُکی۔

"لیکن مجھے تو اب یقین ہو چکا ہے نازی آپا کے اتنے سارے دلوں کو توڑ کر حاصل کی جانے والی خوشی انسان کو کبھی راس نہیں آتی' جس آغاز پر ماں باپ کا دستِ شفقت ہی سر پر سے اٹھ جائے' وہ کیسے بابرکت ثابت ہو سکتا ہے۔ میری مثال آپ کے سامنے ہے۔ کیا شان تھی فیضی کی جب وہ نکاح کے لئے آیا تھا۔ غرور اُس کے ایک ایک انداز سے چھلکتا تھا اور اب' اب..." اُس نے بات ادھوری چھوڑ کر' اپنا نچلا لب دانتوں میں دبایا۔ اُس کے چہرے پر مستقل پریشانیوں نے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

بڑی واضح چھاپ چھوڑی تھی اور پچھلے دو اڑھائی سالوں میں وہ اپنی عمر سے کہیں بڑی دکھائی دینے لگی تھی۔ نازی نے بڑی ملائمت سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دینا چاہی' مگر ابھی اُس کی بات جاری تھی۔

"آپ کو پتہ ہے' ایک بار بھی ابا نے مجھے مخاطب نہیں کیا ہے۔ کتنے دِن سے میں یہاں آئی ہوئی ہوں' لیکن وہ تو مجھے دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔ میں دکھائی دیتی ہوں تو فوراً کترا کر گزر جاتے ہیں۔ کاش کسی طرح وہ مجھے معاف کر دیں تو شاید میری زندگی کچھ آسان ہو جائے۔" نازی نے اُسے بولنے دیا۔ وہ جتنی حساس ہو رہی تھی اچھا تھا' اُس کے دل کا بوجھ کم ہو جاتا۔

"تم اپنا اور فیضی کا خیال رکھو۔ باقی باتیں چھوڑ دو' اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ اُسی پر بھروسہ رکھو' دیکھنا بہت جلد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم ابھی تو رُکو گی نا یہاں۔ نازی تسلی دیتے ہوئے پوچھنے لگی تو نینی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں میں شاید آج رات ہی واپس چلی جاؤں۔ آپ کے ولیمے میں شرکت کر کے' میں نے سمیع بھائی سے بات کر لی ہے۔ وہ مجھے چھوڑ آئیں گے۔"

"اتنی جلدی۔" نازی کو اُس کے پروگرام پر حیرت ہوئی تھی۔

"ایک ہفتہ ہو رہا ہے نازی آپا' میں نے فیضی سے ایک ہفتے کا ہی کہا تھا۔ اتنے دن میں معلوم نہیں اُس نے وقت پر کھانا بھی کھایا ہے یا نہیں' ویسے تو برابر والی مہرو خالہ نے کہا تھا کہ وہ فیضی کا خیال رکھیں گی' لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ وہ گھر آتا ہی بڑی دیر سے ہو گا۔" اُس کی تشویش بجا تھی۔ نازی نے مزید رکنے پر اصرار بھی نہیں کیا۔

"اچھا اب آپ بتائیں عمر بھائی نے تعریف تو بہت کی ہو گی آپ کی' آپ لگ ہی اتنی پیاری رہی تھیں کہ وہاں سب ہی کہہ رہے تھے کہ اتنی پیاری تو دِیا بھی نہیں لگتی۔"

نینی اپنی محبت میں، دل کو دکھاتا ہوا یہ تجزیہ نادانستگی میں کر رہی تھی۔

”دِیا کا اور میرا کیا مقابلہ نینی، وہ تو ماشاءاللہ ہزاروں میں ایک ہے۔“

”اور آپ لاکھوں میں۔“ نینی اب مسکرا رہی تھی۔

”دِیا باجی کی خوبصورتی گہرا اثر ڈالتی ہے مگر وقتی اور آپ کا تاثر دیرپا ہے۔ دھیرے دھیرے دل کو چھوتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لئے رہ جاتا ہے۔“

مگر جس دل کو وہ چھونا چاہتی ہے، وہاں تو پہلے ہی کسی کا نقش ثبت ہے۔ گہرا پکا نہ چھوٹنے والا۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی دل کو مایوسی نے پھر سے گھیرنا چاہا۔

معلوم نہیں یہ کنفیوژن کب تک چلنا ہے اور جو ساری زندگی یہی رونا رہا۔ اُس نے گھبرا کر مزید سوچنے کا پروگرام فی الوقت ملتوی کیا۔

...☆☆☆...

شام گہری ہو رہی تھی۔ کمرے میں اُجالا بہت کم رہ گیا تھا یا پھر ان کی نگاہ کی کمزوری آڑے آ رہی تھی۔ جمیل ماموں نے آنکھیں پھاڑ کر اس نیم اندھیرے کمرے میں کسی کو تلاشنا چاہا۔ ”زبیدہ، لبنیٰ۔“ نقاہت انہیں اب زور سے بولنے کی اجازت نہیں دیتی تھی، مگر اس وقت انہیں بہت زور کی سردی لگ رہی تھی۔

”زبیدہ، لبنیٰ۔“ وہ ایک بار پھر پکارے۔

”کوئی ہو جو انہیں ایک اور کمبل لا کر اُڑھا دے۔“ انہیں سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی، لیکن اُن کی آواز کمرے کی حد سے باہر نہیں جا سکی۔ معلوم نہیں، کوئی یہاں روشنی کیوں نہیں کرتا۔

انہیں اس اندھیرے سے بڑی وحشت کا احساس ہو رہا تھا۔ ”زبیدہ...“

تب ہی انہیں یاد آیا کہ ممانی گھر پر نہیں ہیں، وہ باہر کہیں گئی تھیں۔

”کہاں...؟“

یہ بتانے کی اب وہ زحمت نہیں کیا کرتی تھی اور اپنی بیماری اور مجبوری کا احساس، خود انہیں اختیار جتاتے سارے سوالوں سے کنارہ کش کرتا جا رہا تھا۔

”لیکن لبنیٰ کو تو گھر پر ہونا ہی چاہئے۔“

”وہ آخر کہاں تھی...؟“ انہوں نے اس بار پاس رکھی چھوٹی سی میز کو ہاتھ سے تھپتھپایا کہ شاید وہ متوجہ ہو سکے، مگر اس بار بھی جواباً خاموشی ہی چھائی رہی۔ اپنی ٹانگیں سکیڑ کر انہوں نے اس اکلوتے کمبل کو اور بھی کس کر لپیٹ لیا، مگر کپکپی تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ابھی آپا اور ثانیہ ہوتیں تو تنہائی اور بے چارگی کے اس احساس کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ انہوں نے ان دو مہربان چہروں کو بڑی شدت سے یاد کیا، جن کی دو تین دن کی عدم موجودگی ہی میں، وہ اپنی بیماری کو کئی گنا بڑھتا ہوا محسوس کرنے لگے تھے۔

”ابھی نہ جانے کتنے دن اور لگیں گے۔ شہزاد کہہ رہا تھا کہ آٹھ دس دن تو ضرور ہی رکنا پڑے گا۔ آٹھ، دس دن... آٹھ دس راتیں۔ کتنی بہت ساری ہو جاتی ہیں۔“

دنوں کا یہ چھوٹا سا وقفہ انہیں بے حد طویل محسوس ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کیسے کٹے گا اتنا سارا وقت' کٹے گا بھی یا...'' ان کی کپکپی یک دم ہی بے حد بڑھ گئی۔

''خدارا' کوئی تو آئے۔'' کمبل میں منہ چھپائے ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ انہوں نے بڑی شدت کے ساتھ خواہش کی۔ سامنے دیوار پر لگی گھڑی کی سوئیاں اسی مخصوص رفتار سے ٹِک ٹِک کرتی آگے بڑھتی رہیں۔ ممانی آج کل جب بھی باہر جاتیں گھر لاک کر کے جاتیں۔ انہیں گھر کی حفاظت سے زیادہ لبنیٰ کا خیال رہتا تھا' جو موقع دیکھتے ہی گیٹ میں آ کھڑی ہوتی تھیں۔

آج کچھ زیادہ ہی دیر ہو گئی تھی۔ وحید جیسے شاطر آدمی سے اپنی منوا لینا کوئی آسان کام تھوڑی تھا' مگر اچھی بات یہ ہوئی کہ وہ واپسی میں انہیں خود گلی کے کونے تک چھوڑ کر گیا تھا۔ ورنہ بس اور رکشا کے چکر میں اور بھی دیر ہوتی۔

''کیا شان ہے تیری میرے مولا' بس اب جوان ہی گاڑیوں میں آگے کی ساری عمر کٹے تو یہ بندی عمر بھر تیرا شکر بجا لاتی رہے۔'' وحید کی بڑی سی آرام دہ گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے شکر کو بھی اپنی آسائش کے ساتھ مشروط کیا تھا۔

''میں نے آپ کی ہر بات کو مانا ہے' بس اب زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ نکاح سے پہلے بات کھلے' ورنہ فرحت اور اس کے باپ بھائی' میری جان کو آ جائیں گے' میں اس شادی کو جہاں تک ہو سکا' راز میں ہی رکھوں گا۔''

جب وہ لوگ گھر کی طرف آ رہے تھے تو وحید نے انہی ایک بار پھر یاد دہانی کرائی تھی۔ ممانی نے دل ہی دل میں تو اس آدمی کی مردانگی پر تین حرف بھیجے جو پہلی بیوی اور سسرال کے ٹکڑوں پر خود عیش کر رہا تھا' مگر بظاہر وہ وحید سے سو فیصد متفق تھیں۔

''تم تو فکر ہی مت کرو۔ یہاں سے کون بتانے جا رہا ہے انہیں' کانوں کان خبر نہیں ہو گی ساری زندگی دیکھ لینا۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' وحید کو کافی اطمینان حاصل ہوا تھا' اس جیسے بودے شخص کو' ممانی جیسی عورت سے بڑی مورل سپورٹ حاصل تھی۔

''یہ جمعہ چھوڑ کر اگلا جمعہ رکھ لو بعد نماز عصر بس گواہ اپنے ساتھ لے آنا' کیونکہ میں تو کسی کو بلاؤں گی نہیں۔ بے کار میں ہی لوگ دس باتیں نکالتے ہیں۔''

''اس کی آپ فکر مت کریں ویسے ثانیہ مان تو جائے گی نا' کہیں عین وقت پر کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کر دے۔ بڑی مشکل ہو جائے گی ورنہ۔''

وحید کی تشویش بجا تھی۔ ممانی کے چہرے پر ان کی وہی مخصوص مسکراہٹ ابھری جو ان کی فطرت کی عکاس تھی۔

''اس کی فکر چھوڑ دو' یہ میری ذمہ داری ہے کہ اسے کیسے راضی کیا جائے گا اور وہ میں یوں کروں گی۔'' انہوں نے چٹکی بجائی۔ وحید کے دل میں ڈھیروں اطمینان اترنے لگا تھا۔ اسی خوشی میں اُس نے ممانی کو چھوڑنے سے پہلے' راستے میں گاڑی روک کر ایک بڑا سارا مٹھائی کا ڈبہ خرید کر انہیں پیش خدمت بھی کیا تھا۔

بڑے تمکنت بھرے انداز میں گاڑی سے اتر کر گلی میں سے گزرتی اپنے گھر تک آئیں۔

گیٹ کھولتے ہی فوری طور پر تو کچھ بھی نہیں دکھائی دیا۔ ''یہی قیاس کر کے' وہ لائٹ کول کر جھنجلا کر آگے بڑھیں۔ مگر سامنے ماموں کا کمرہ بھی تاریک تھا۔

''اللہ ہی سمجھے اس لبنیٰ کی لاپروائی سے۔'' منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر' انہوں نے وہاں بھی روشنی کی۔

جمیل ماموں، منہ کمبل میں لپیٹے، گٹھڑی کی صورت پڑے تھے۔ وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل آئیں۔

"اچھا ہے جو سو رہے ہیں۔ ورنہ تو آوازیں دے دے کر ناک میں دم کئے رکھتے۔"

انہوں نے اپنے اور لبنیٰ کے کمرے میں جھانکا۔ وہاں روشنی تو ہو رہی تھی، مگر دونوں ہی کمروں میں کوئی نہیں تھا۔ ممانی کی پیشانی پر پڑا بل گہرا ہونے لگا۔ پوری گلی پیدل چل کر آنے کی وجہ سے اُن کا سانس پھول رہا تھا، لیکن وہ بیٹھی نہیں۔ اس بار اُن کا رخ اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف تھا۔

بنا لبنیٰ کو ایک بھی آواز دیئے، وہ ہمت کر کے پوری سیڑھیاں چڑھ ہی گئیں۔ چھت پر باہر سے آتی روشنیوں کا اُجالا تھا۔

دونوں گھروں کے بیچ کی دیوار کی منڈیر پر بیٹھا ہوا وہ دبلا پتلا لمبے بالوں والا لڑکا، انہیں آخری سیڑھی سے ہی دکھائی دے گیا تھا، جس کی شکل پر انہیں زمانے بھر کی پھٹکار دکھائی دیتی تھی۔

دیوار کے ساتھ ایک چھوٹی سی میز رکھ کر لبنیٰ اس پر چڑھی کھڑی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ اسی لڑکے کے ہاتھ میں تھا اور وہ دونوں اتنے قریب تھے کہ...

ممانی کو اپنا دم سا رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

"لبنیٰ۔" ساری احتیاط اور مصلحت بھلا کر وہ بہت زور سے چیخی تھیں۔

منڈیر پر بیٹھا ہوا وہ لڑکا دوسرے ہی پل کسی چھلاوے کی طرح دوسری طرف کود چکا تھا۔ خود لبنیٰ بھی اپنی ساری خودسری کے باوجود، بوکھلائی تھی مگر ممانی کی طرف آتے ہوئے وہ خود کو تھوڑا سا سنبھال چکی تھی۔ ممانی ابھی تک آخری سیڑھی پر ہی کھڑی تھیں بالکل ایسے جیسے زمین نے اُن کے پیر پکڑ لئے ہوں۔

"کیا ہے امی، کیوں اتنی زور سے..." اُس نے پوری ڈھٹائی کا مظاہرہ کرنا چاہا تب ہی ممانی کا ہاتھ پوری قوت سے لبنیٰ کے منہ پر پڑا تھا۔

ان کا رد عمل لبنیٰ کے لئے اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ خود کو لڑکھڑانے سے نہ بچا سکی۔

زندگی میں پہلی بار آج اس نے ماں کے ہاتھوں مار کھائی تھی۔ منہ سے ایک بھی لفظ کہے بنا، وہ اس کا ہاتھ کھینچتی ہوئی، سیڑھیوں سے نیچے اُتریں۔ وہی سیڑھیاں جن پر چڑھنے اُترنے میں وہ بے حد احتیاط سے کام لیتی تھیں۔ آج جیسے خود فراموشی کے عالم میں طے ہوتی چلی گئیں۔ "کیا قیامت آگئی ہے، چھوڑیں میرا ہاتھ۔" لبنیٰ نے نیچے پہنچتے ہی ایک جھٹکے سے ان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"آگے سے زبان چلاتی ہے۔ بے شرم، زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" ممانی کا دل تو چاہ رہا تھا کہ وہ لبنیٰ کو اچھی طرح کوٹ کر رکھ دیں، مگر اب وہ جتنے کڑے تیور کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی، ایسا کرنا ناممکن تھا۔

"یہی زمانے بھر کا ناکارہ ملا ہے تجھے عشق لڑانے کے لئے جو خود ماں باپ کے ٹکڑوں پر پڑا ہوا ہے۔ آج گھر والے باہر نکال دیں تو کوئی اسے بھیک بھی نہ دے۔" شدت جذبات سے ان کی آواز کانپ رہی تھی۔ مگر اس بار ان کی آواز قدرے نیچی تھی، باہر آواز سُنے جانے کا احساس انہیں ہو گیا تھا۔

"ہاں یہی ملا ہے مجھے، آپ کو تو ثانیہ کے لئے رشتے ڈھونڈنے سے ہی فرصت نہیں ہے۔ میری فکر کب ہو گی؟ میں صاف کہہ رہی ہوں، میری شادی، میری اپنی مرضی سے ہو گی بس۔"

اس بار لبنیٰ کی آواز ممانی سے اونچی تھی اور جس طرح وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہی تھی۔ اس سے سدھار کی رہی سہی امید بھی جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر بھی ممانی اسے برا بھلا کہے گئیں اور پھر تھک ہار کر برآمدے

میں پڑی کرسی پر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ لبنیٰ نے ان کی ہر بات کا دو بدو جواب دیا تھا اور اب بھی جارحانہ سے انداز میں صحن میں کھڑی تھی۔

"باپ بیمار پڑا ہے' ایک بار بھی نہیں دیکھا ہوگا جا کر اتنی دیر میں۔" انہیں آخر کار جمیل ماموں کا خیال آ ہی گیا۔ لبنیٰ اس بار جواب دینے کے بجائے فرش پر لڑھکتے پلاسٹک کے مگ کو پاؤں سے زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اپنے پیچھے اس نے دروازہ بھی پورے دھماکے کے ساتھ بند کیا تھا۔

"خدا ہی سمجھے ایسی اولاد سے۔ ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ گرے گی۔ تب ہی عقل آئے گی۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھیں تو یکایک ہی شدید کمزوری اور تھکن کا احساس جاگنے لگا۔ یہ تھکن اتنی دیر باہر پھر کر آنے کی نہیں تھی۔ یہ لبنیٰ کی بخشی ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک نگاہ لبنیٰ کے کمرے کے بعد دروازے پر اور دوسری میز پر رکھے مٹھائی کے بند ڈبے پر ڈالی۔

"اور جو لبنیٰ نے اپنے دل میں ٹھانی ہی پوری کرنی ہے تو اُس کی اس ساری بھاگ دوڑ کا کیا فائدہ رہ جائے گا' جو وہ وحید کے ساتھ کر رہی ہیں۔" ان پر مایوسی چھانے لگی تھی۔ جمیل ماموں ابھی تک اسی پوزیشن میں لیٹے ہوئے تھے۔

"پتہ نہیں لبنیٰ نے انہیں چائے بھی دی تھی یا نہیں۔" امید کم ہی تھی۔

"سنو کھانا لے آؤں' کھا کر پھر سو جانا جب تک دل چاہے۔" بے زاری سے کہتی ہوئی وہ چند لمحے ان کے جواب کی منتظر رہیں' مگر جواب نہ آیا۔

تھوڑا سا جھنجلا کر انہوں نے اس بار آواز دینے کے ساتھ ان کا کندھا بھی زور سے ہلا دیا مگر وہ تو جیسے لڑھک کر ایک کونے میں سمٹ گئی وحشت زدہ سی ہو کر ممانی نے تیزی سے ان پر سے کمبل کھینچا' جمیل ماموں کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ اتنے

بے سدھ دکھائی دے رہے تھے کہ پہلی نگاہ میں تو ممانی کو لگا جیسے وہ ختم ہو چکے ہیں۔ بڑا ہی وحشت بھرا احساس تھا' جس نے پل سے بھی کم وقفے میں ان کے دکھ کو چھوا۔

"لبنیٰ۔" ان کی چیخ میں ایسی شدید گھبراہٹ تھی کہ' لبنیٰ کو آپس میں چھڑی علانیہ جنگ کو چھوڑ کر کمرے سے دوڑتے ہوئے یہاں تک آنا پڑا۔

"کیا مصیبت ہے۔" وہ اپنی ابھی ابھی ہونے والی بے عزتی کو بھولی نہیں تھی۔

"یہ... یہ۔" ممانی درحقیقت بے حد گھبرائی ہوئی تھیں' بس ہاتھ کا اشاہ کر کے رہ گئیں۔

"انہیں کیا ہو گیا' اچھے بھلے تو تھے۔" لبنیٰ کہتی ہوئی آگے بڑھی۔

اسے جمیل ماموں سے باپ ہونے کے ناطے کوئی ایسا لگاؤ یا انسیت رہی بھی نہیں تھی' جو کہ اس رشتے کا خاصہ ہے۔ بچپن ہی سے ممانی نے اس کے ذہن میں باپ کا جو نقش اُبھارا تھا' وہ ایک ضدی' بے حس اور بیوقوف شخص کا تھا' جو اپنے گھرانے کو پر تعیش زندگی دینے میں ہمیشہ ناکام رہا تھا۔ پچھلے چند سالوں میں ثانیہ اور اماں کے یہاں آمد نے اسے ان سے اور بھی زیادہ بدگمان کر دیا تھا۔ وہ ان کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اس طرح گھبراہٹ کا شکار نہیں ہوئی تھی' جیسے کہ ممانی۔

"ٹھیک ٹھاک سانس لے رہے ہیں' آپ تو یوں ہی شور مچا دیتی ہیں ذرا ذرا سی بات پر۔" انہیں ہلا جلا کر تسلی کر کے' وہ پیچھے ہٹتے ہوئے ناگواری سے کہہ رہی تھی۔ "سارا دن نا جانے کون کون سی دوائیں کھاتے ہیں' ان ہی کے اثر میں سو رہے ہیں۔" وہ نکل کر واپس اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

ممانی وہیں کھڑی پریشان نگاہوں سے جمیل ماموں کو دیکھے جا رہی تھیں۔

"کیسی نیند تھی یہ' جو آدمی بالکل مردوں کی مانند دکھائی دینے لگے۔" ان کا دل نہیں مان رہا تھا' آگے گلی کے کونے پر ایک ڈاکٹر کلینک کرتے تھے' وقت ضرورت ماموں کو کئی بار گھر پر بھی آ کے دیکھ چکے تھے۔ ممانی نے گلی میں کھڑے لڑکوں میں سے ایک کو ان ہی کو بلوا بھیجا۔

جتنی دیر انہوں نے ماموں کا معائنہ کیا۔ ممانی ان کے چہرے کے تاثرات سے اندازے لگائے گئیں جو یقیناً امید افزا نہیں تھی۔

"یہ نمونیہ کا شکار ہوئے ہیں۔ جگر پہلے ہی کام کرنا چھوڑ رہا ہے۔ اس وقت یہ حالت بہر حال سیریس ہے' میں تو آپ کو فوری طور پر انہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروانے کا مشورہ دوں گا۔"

"ایک اور خرچہ۔" ممانی کے دل میں پہلا خیال یہی آیا۔

"انجکشن لگا دیا ہے میں نے' ان کی حالت کے پیش نظر ایک بار پھر کہوں گا کہ دیر نہ کریں۔" ان کا صحیح ٹریٹمنٹ وہیں شروع ہو سکے گا' ویسے آپ کو اس کمرے کو گرم رکھنا چاہئے تھا یا کم از کم انہیں ایک اور کمبل ہی اوڑھا کر رکھیں۔" جاتے جاتے وہ ہدایتیں دیتے گئے۔

"آپ ضروری چیزیں لے لیں' میں ٹیکسی لے آتا ہوں انکل کو ابھی ہاسپٹل لئے چلتے ہیں۔ رات جس میں' میں ہی رک جاؤں گا وہاں۔" ابھی جو لڑکا ڈاکٹر کو لایا تھا' وہی اپنی خدمات پیش کر رہا تھا۔

"اس وقت تو نہیں' کل تک دیکھتے ہیں کیا خبر ایسے ہی طبیعت ٹھیک ہو جائے۔" دوسرے کمرے سے لا کے کمبل کو جمیل ماموں پر ڈالتے ہوئے' وہ بے اعتنائی سے بولیں۔

"مگر آنٹی' انکل کی حالت تو..." وہ لڑکا پریشانی سے ان کی شکل دیکھنے لگا۔

"میں نے کہا نا ضرورت ہو گی تو لے چلیں گے۔ تم اب جاؤ' بہت مہربانی۔" وہ' غریب چپ چاپ سر جھکائے باہر نکل گیا۔ "آسان ہے ہاسپٹل لے جانا' صرف خرچہ ہی خرچہ' ڈوبتی ہوئی ناؤ میں سے چلو بھر پانی نکال دینے سے کیا فرق پڑ جائے گا بھلا۔" انہوں نے ماموں کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے سوچا۔

وہاں اب زندگی کی آخری رمق بھی جیسے بجھنے کو تھی۔

وہی تھے جو اس ناتوانی کے عالم میں بھی' ثانیہ اور اماں کے آگے' پوری ہمت اور جذبے کے ساتھ کھڑے تھے۔ یہ آخری پناہ گاہ چھن گئی تو ماں بیٹی کے پاس کس کا آسرا جانا تھا۔

اُن کے دل میں ایک بڑا ہی خوفناک خیال آیا تھا۔ "شاید ان کا کام اب بہت آسان ہونے کو تھا۔"

...☆☆☆...

عمر کے ولیمے پہ سجاد جان بوجھ کر دیر تک بیٹھے رہے۔ حالانکہ اس دوران میں شیریں کے کتنے ہی فون آئے جو اپنے ہاں اب تک بھی نہ پہنچنے پر ناراض ہو رہی تھی' لیکن انہیں عمر کی خوشی زیادہ عزیز تھی یا پھر
دل میں چھپی ایک خواہش جو عمر کی شادی کے دنوں میں شدت سے بار بار اُبھر رہی تھی۔ ایک بے تابانہ نگاہ' انہوں نے ایک بار پھر پورے پنڈال پر ڈالی' مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ نہ آج اور نہ گزشتہ کل' ایک ایک چہرے کو کھوج کر دیکھا' مگر وہ کہیں نظر نہیں آیا تھا۔

"وہ یقیناً یہاں اس لئے نہیں آیا تھا کیوں کہ جانتا تھا کہ بابا اور وہ یہاں ضرور ہی آئیں گے۔ اپنے خاندان سے اُس نے اور کچھ لیا ہو یا نہیں ضد اور خودداری تو ضرور ہی لی تھی۔" ایک تھکی تھکی سی سانس لیتے ہوئے سجاد اُٹھ کھڑے ہوئے فیضی کو یہاں نہ پا کر انہیں سخت مایوسی ہوئی تھی۔ بابا کی دی ہوئی قسم کا پاس نہ ہوتا تو وہ اُسے با آسانی ڈھونڈ سکتے تھے لیکن اب

انہیں کسی خوش قسمتی بھرے اتفاق کا انتظار کرنا پڑ رہا تھا جو معلوم نہیں ہونا بھی تھا یا نہیں۔ کوئی دن نہیں گزرا تھا جو انہوں نے اسے یاد نہ کیا ہو اُن تمام جگہوں اور ان تمام راستوں پر جہاں کہیں وہ جایا کرتا تھا' وہ جان بوجھ کر دس بار گزرتے تھے کہ شاید وہ کبھی دکھائی دے جائے' اس کی گاڑی جو بابا نے ناراضگی کے باوجود اس سے واپس نہیں منگائی تھی' کہیں بھی تو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ کئی بار چوری چوری وہ اس کے کالج ہو آئے تھے مگر پتہ چلا کے وہ کلاسز بے حد کم اٹینڈ کرتا رہا ہے پھر اس بات کی تصدیق اُس کے رزلٹ سے بھی ہو گئی جس میں وہ دو پیپر میں فیل تھا۔ وہ کتنے ہی دن بے حد رنجیدہ رہے۔ فیضی کی زندگی' کیریئر سب ہی کچھ تباہی کے دہانے پر آ کھڑا ہوا تھا' یہ احساس اتنا تکلیف دہ تھا کہ...''

''آپ جا رہے ہیں سجاد بھائی۔'' انہیں اُٹھتا دیکھ کر' عمر تیزی سے اُن کے قریب آیا تھا۔ سجاد ہلکے سے مسکرا دیئے

''تمہیں تو پتہ ہے کہ آج وہاں شیریں کی شادی ہے یں بھی شرکت ضروری ہے۔''

''میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں سجاد بھائی کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا کہ۔'' سجاد نے صاف محسوس کیا کی آواز میں نمی سی غالب آ رہی تھی۔ انہوں نے بے اختیار ہی اُسے گلے لگایا۔'' بھائیوں میں شکریہ نہیں ہوتا' آئندہ ایسی بات مت کرنا' مجھے تکلیف ہوتی ہے۔'' حالانکہ سٹیج پر تصویریں بنائی جا رہی تھیں پھر بھی اُن کے منع کرنے کے باوجود وہ انہیں گاڑی تک چھوڑنے کے لئے ساتھ تھا۔

طبیعت کی خرابی کے باوجود آج بابا بھی تھوڑی دیر کے لئے آئے تھے۔ بلقیس بھابی کو البتہ جان بوجھ کر نہیں لایا گیا تھا۔ ایک تو ان کی ذہنی حالت اتنی ابتر ہو رہی تھی کہ کسی وقت بھی اُن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور دوسرے یہاں فیضی کی موجودگی کا خدشہ بھی بہر حال موجود تھا۔ عمر کے ساتھ چلتے ہوئے وہ یہی بات اُس سے بھی کہہ رہے تھے' تب ہی میزوں اور کرسیوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی ایک لڑکی' اُن سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

''سنبھل کر۔'' سجاد نے ایک دم ہی اُس کا بازو تھام کر گرنے سے بچا لیا۔

''معاف کیجئے گا وہ میں...'' وہ ایک خوش شکل لڑکی تھی' مگر اُس کے چہرے کی زردی میک اپ اور زیورات سے بھی نہیں چھپ سکی تھی۔

''کوئی بات نہیں' مگر دیکھ کر چلا کریں' ابھی آپ کو بہت زور سے چوٹ لگ جاتی۔'' بہت نرمی سے کہتے ہوئے انہوں نے اس کا بازو چھوڑا۔

''جی۔'' بہت ہلکے سے کہتے ہوئے اُس نے اپنا دوپٹہ درست کیا۔ اُس کی حالت ٹھیک نہیں تھی اور اُس کی آنکھوں کی اُداسی ایک نظر میں محسوس ہوئی تھی۔ نہ جانتے ہوئے بھی سجاد کو اس کے لئے رنج سا ہوا۔ وہ آگے جا چکی تھی' مگر سجاد کچھ خاموش سے تھے۔

عمر نے ساتھ چلتے ہوئے ایک نگاہ اُن کے چہرے پر ڈالی۔ ''آپ کو پتہ ہے سر یہ لڑکی کون تھی؟'' کچھ جھجکتے ہوئے وہ ہلکے سے بولا۔

''نہیں۔'' سجاد نے اس کے سوال پر الجھن سی محسوس کی۔

''یہ نینی تھی' فیضی کی بیوی۔''

اُن کے قدم جیسے تھم سے گئے' بنا کوئی اگلے سوال کئے انہوں نے مڑ کر دیکھا مگر اب وہ مہمانوں کے ہجوم میں کھو چکی تھی۔

''فیضی کی وائف۔'' دل کو کسی اپنائیت بھرے احساس نے نرمی سے چھوا۔

اور وہ یقیناً انہیں پہچانتی تھی، تب ہی اُس نے انہیں دیکھ کر اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا تھا۔ایک ہلکی سی مسکراہٹ سجاد کے لبوں پر پھیل رہی تھی۔

...☆☆☆...

شہر ویسا ہی پر ہنگام تھا۔جیسا وہ ہفتے بھر پہلے چھوڑ کر گئی تھی، مگر اُسے سارے راستے یہی لگتا رہا جیسے چار سو گہرا سناٹا پھیلا ہوا ہے۔

ثانیہ نے برابر میں بیٹھی اماں کی طرف دیکھا اُن کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔پورے راستے انہوں نے ایک بات بھی اُس سے یا شہزاد سے نہیں کی تھی۔بس تسبیح پر تسبیح پڑھے گئی۔اپنے یخ ہوتے ہاتھ کو آپس میں رگڑتے ہوئے ثانیہ نے کچھ ہمت جمع کرنے کی کوشش کی۔

ماموں کی حالت بگڑنے کی خبر انہیں آج صبح نواب شاہ میں ملی تھی۔خود اُس نے ہی معمول کے مطابق ماموں کی طبیعت کا پوچھنے کے لئے فون کیا تھا، جو بڑی مشکل سے مل سکا تھا۔پچھلے دو دن سے جمیل ماموں خود کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔وہ جب بھی فون کرتی ممانی ایک ہی جواب دیتیں کہ ''سو رہے ہیں'' وہ اپنی بے چینی کو چھپا کر خیریت پوچھ کر بھاری دل کے ساتھ فون بند کر رہی تھی، مگر آج صبح ممانی کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ اس کا دل ایک دم ہی بیٹھنے لگا تھا۔

تب ہی وہ ہر کام ادھورا چھوڑ کر فوراً ہی وہاں سے چل پڑی تھی۔اماں نے اس ہنگامی روانگی کے بارے میں ایک سوال بھی نہیں کیا تھا مگر سارے راستے جس طرح وہ بار بار امید بھری نگاہوں سے ثانیہ کے چہرے کو تکنے لگتی تھی تو اس کے اپنے آنسو ضبط کرنے مشکل ہونے لگتے تھے۔

وہ مہربان چہرہ وہ شفقت بھرا ہاتھ۔

اس اتنی بڑی دنیا میں وہی تو تھے جو اس کے تھے۔باقی چاروں طرف محبت بھرے رشتوں کا سخت قحط پڑا تھا، وہی تھے جو اُس کی انگلی تھامے اس بے اندازہ پھیلے شہر سے اُسے روشناس کرانے نکلے تھے۔زندگی کے سب سے سخت دور کو اس نے اور اماں نے اُن کے سہارے ہی کاٹا تھا۔

ثانیہ کی ساکت نگاہوں میں پل پل کتنے ہی منظر بدلے۔سامنے ماموں کے گھر کا گیٹ پورا کھلا ہوا تھا۔ثانیہ کا ہاتھ بے ساختہ ہی دل پر جا کر ٹھہرا۔

شہزاد کے سہارے اماں کو اتار کر اندر صحن میں لانے تک اس کا سہارا وجود، جیسے پتھر کا ہو چکا تھا۔صحن کا فرش ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی دُھلا تھا اور فضاء میں اگربتی اور پھولوں کی خوشبو کے ساتھ کچھ اور بھی دل کو بھری کرتی خوشبوئوں کا تال میل تھا۔

پل کے چھوٹے سے وقفے میں ثانیہ کی نگاہ نے برآمدے اور ڈرائنگ روم میں گٹھلیوں کے ڈھیر کے آگے حلقہ بنائے بیٹھی عورتوں کو دیکھا اور پھر جمیل ماموں کے کمرے کے کھلے دروازے کے سامنے بچھے ان کے پلنگ کو جواب خالی تھا۔

...☆☆☆...

سفید چاندنی پر یہاں سے وہاں تک دستر خوان بچھے ہوئے تھے۔

اگلا صحن، ڈرائنگ روم، جمیل ماموں کا کمرہ، ہر جگہ ہی کھانے کا سلسلہ چل رہا تھا۔عورتیں، بچے گروپ در گروپ آ کر بیٹھتے، بریانی، قورمے، شیر مال سے دستر خوان بھرا ہوا تھا۔کسی چیز کی کوئی کمی نہیں اور

''کھانا اتنا لذیذ کہ دل چاہ رہا کھاتے ہی چلے جائو۔معلوم نہیں کہاں سے پکوایا ہے جمیل بھائی کی بیوی نے۔''

کسی نے بڑی فراخ دلی سے ممانی کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

خاموشی سے پلیٹیں اُٹھاتی ثانیہ نے چونک کر اُس طرف دیکھا۔

''سچی بات ہے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا ہے' گیارہ دیگیں میں نے خود گنی ہیں گلی میں کھڑے ہو کر۔''

''لوگ بھی تو کتنے ہیں آنے والے' ویسے لگتا نہیں تھا کہ اتنا پیسہ کمار کھا ہے جمیل بھائی نے' اب تو اتنے مہینے سے دکان بھی بند ہی پڑی تھی۔''

''کوئی تو ذریعہ ہو گا ہی' ساتھ جو بڑی بہن رہتی ہیں' اُن کے پاس بھی اچھا خاصا جمع جتھا ہو گا...''

ثانیہ کے ہاتھ بے ساختہ ہی کانپے تو فضاء میں شیشے کی پلیٹوں کا چھناکا سا گونجا۔

بے حسی کے ساتھ' سارے تجزیئے یہیں مکمل کرتی عورتوں کے گروپ نے بھی اس دخل اندازی پر اس طرف دیکھا تو ثانیہ کو پاس پا کر تھوڑی سی شرمندگی محسوس کی۔

''اللہ جنت نصیب کرے جمیل بھائی کو بہت ہی نیک و شریف انسان تھے۔ اتنے سال پڑوس میں رہے مجال ہے جو کسی سے ذرا سی بھی رنجش ہوئی ہو' اُلٹا ہر ایک کے کام آنے کی کوشش میں ہی رہتے تھے۔''

وہی جسے ابھی جمیل ماموں کی زندگی بھر کی کمائی کے بارے میں شبے ستا رہے تھے' بڑی رقیق القلبی سے اُن کے لئے دعائے مغفرت کر رہی تھی۔

''بس اللہ اب گھر والوں کو صبر عطا کرے' اکلوتے مرد تھے خاندان کے پیچھے تو اب عورتیں ہی رہ گئیں بے چاری اکیلی۔'' کسی اور نے ٹھنڈی آہ بھری۔

ثانیہ گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسے لگا جیسے وہ کچھ دیر اور اُن لوگوں کی باتیں سنتی رہی تو اُس کا دل بند ہو جائے گا۔ ہاتھ میں تھامی' پلیٹوں کو بغیر دھلے برتنوں کے ساتھ ساتھ رکھ کر اُس نے کچن سے نکلتے ہوئے' ایک گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی۔

اپنے میکے والوں کے ساتھ وہ مستقل اندر ہی بیٹھی تھی۔ جس کسی کو اُن سے تعزیت کرنی ہوتی وہ اندر ہی جا کر کرتا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی' اگلے صحن میں آئی اگربتیوں اور مصالحوں کی ملی جلی' بڑی تیز سی خوشبو فضاء میں چکراتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا تھا مگر عجیب متلی کی سی کیفیت ہو رہی تھی۔

''ثانیہ آپا۔'' کھلے ہوئے گیٹ میں سے اُسے شہزاد پکارتا ہوا دکھائی دیا تو وہ وہیں رُک کر کھڑی ہو گئی۔

باہر گلی میں لگے ٹینٹ یہیں سے نظر آرہے تھے۔ وہاں مردوں کا کھانا جاری تھا۔ دیگوں کے اُوپر بجتے ہوئے ڈھکن' اونچی آواز میں مستقل بولتے ہوئے لوگ' رکھتے اٹھاتے برتنوں کی آوازیں' ایک مستقل شور تھا جو اعصاب کو ماؤف کئے دے رہا تھا۔

''معلوم نہیں شہزاد اُس سے کیا کہہ رہا تھا۔''

ثانیہ نے پورا دھیان لگا کر اُس کی بات سننا چاہی مگر نظر چوپٹ کھلے گیٹ سے پار ہوتی ہوئی شامیانے کے قریب کھڑے شخص پر جیسے جم سی گئی تھی۔ خباثت کا اظہار کرتی وہی آنکھیں اور وہی مکروہ مسکراہٹ' جسے کئی مہینوں بعد بھی وہ نہیں بھلا سکی تھی۔

بینا کے گھر ہونے والے اُس ٹکراؤ کے بعد ہونے والی پیش رفت نے اُسے کتنے ہی دِن دہشت زدہ کر رکھا تھا۔

''مگر یہ... یہ یہاں کیسے۔'' سراسیمہ سا ہو کر اُسے پہلا خیال یہی آیا تھا۔

"کیا ہوا ثانیہ آپا۔" شہزاد نے اُس کی آنکھوں میں چھُپے خوف کو نوٹ کرتے ہوئے' فوراً ہی پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

وحید ابھی بھی وہیں کھڑا تھا۔ پورے حق اور دبدبے کے ساتھ۔ اُن دونوں کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر بھی اُس نے نہ تو اپنی نگاہ کا زاویہ بدلا تھا اور نہ ہی اِس دکھ بھرے ماحول میں اس نے اپنے چہرے سے چھلکتی خوشی کو ہی کم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"کون ہے یہ آدمی۔" شہزاد اُس سے پوچھ رہا تھا۔

"کوئی نہیں' تم یہاں آؤ۔" ثانیہ اُسے لے کر تھوڑا سائیڈ میں ہو گئی۔

یہاں سے براہِ راست سامنا نہیں ہو رہا تھا۔

"آپ اُس سے ڈر کیوں رہی ہیں' کوئی بات ہے تو مجھے بتائیں۔ ایسا ٹھیک کروں گا کہ یاد رکھے گا' شکل سے ہی شریف آدمی نہیں لگ رہا ہے۔"

جو بات کہنے آیا تھا' وہ بھول کر اس نئی فکر میں پڑا۔

"کچھ نہیں بس' تم کسی کے منہ مت لگنا یہاں۔"

تیزی کے ساتھ دھڑکتے ہوئے دل پر قابو پاتے ہوئے اُس نے شہزاد کو ٹالنا چاہا' مگر وہ مصر رہا۔

"مجھ سے مت چھپایئے گا اور میرے ہوتے ہوئے کوئی فکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے تو دو چار کو میں اکیلا ہی ٹھیک کر سکتا ہوں' بلیک بیلٹ ہولڈر ہوں آخر۔"

اُس کے لہجے میں جوش تھا اور اُس سے بھی گہری محبت۔

ثانیہ کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

کیا رشتہ تھا شہزاد سے؟

اور ابا کے چلے جانے کے بعد سے' وہ کس طرح سے ہمیشہ ساتھ دیتا چلا آ رہا تھا۔ پہلی بار کراچی آنے سے لے کر اب تک' ہر اہم موقع پر' وہ نہ جانے کہاں سے آ کر ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا۔

"کوئی بات ہو گی تو تم سے ہی کہوں گی' لیکن ابھی کچھ نہیں' میں ذرا اماں کو دیکھ لوں' کہاں ہیں۔"

موضوع بدلتے ہوئے' وہ اندر چلی آئی۔

"بھلا یہ شخص اب یہاں کیوں آیا تھا۔ جمیل ماموں نے تو بہت سختی سے منع کر دیا تھا ممانی کو۔"

سچی بات تو یہ کہ اندر سے وہ خوفزدہ ہو چکی تھی۔

جمیل ماموں کے کمرے میں بچھی چاندنی پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنے ٹھنڈے ہوتے ہاتھ کو ہلکے سے رگڑتے ہوئے اس طرف دیکھا۔ جہاں اُن کا پلنگ بچھا رہتا تھا۔

اب یہ جگہ کتنی خالی خالی دکھ رہی تھی۔ اکیلے پن کے احساس کو اور بھی بڑھاوا دیتی ہوئی۔

ساکت نگاہوں سے وہ اُسی ایک گوشہ کو تکنے گئی۔

وہ مسکراتی مہربان آنکھیں' وہ شفیق چہرہ۔

ایک مضبوط سائبان تھا' جو سر سے ہٹا تھا اور اب جلتی ہوئی ریت پیروں تلے تھی۔

اِس اتنی بڑی دنیا میں وہی تھے' جو اُس کے لئے تحفظ کی علامت تھے' آگے تو کوئی سرا تک نہ تھا۔

ثانیہ کو لگا جیسے اُس کا سارا جسم کانپ رہا ہے' ایک غبار ہے' جو تیز و تند ہوا کے ساتھ اُسے اپنی لپیٹ میں لیتا جا رہا ہے' دونوں گھٹنوں کو بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے اُس نے اپنا چہرہ ٹکایا' نہ آنسوؤں پر اختیار اور نہ کانپتے ہوئے وجود پر' جانے کتنے ہی لمحے گزرے۔

''ثانیہ' ثانیہ۔'' ایک مانوس سی آواز اُسے بے تابی سے پکار رہی تھی۔

وہ سر اُٹھا کر دیکھنا چاہ رہی تھی' مگر جیسے یہ چھوٹا سا عمل بھی اپنے اختیار سے باہر تھا۔

اُس سے ہلا تک نہ گیا۔

''ثانیہ' ثانی' اِدھر دیکھو میری طرف۔''

کسی نے ذرا سختی سے' اُس کے کندھے کو پیچھے دھکیلا آنسوؤں میں دھندلاتے منظر میں' سامنے فرح کا پریشان چہرہ تھا۔

...☆☆☆...

''انجوائے تو بہت کیا ہوگا تم نے۔''

نینی نے اِس بار کچھ چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

آج شام ہی وہ گھر واپس آئی تھی اور اتنی دیر میں فیضی نے یہ سوال چوتھی' پانچویں بار کر لیا تھا۔

بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹ کر جس طرح ریموٹ تھامے چینل پر چینل بدل رہا تھا' اُس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ٹی وی دیکھنا محض ایک بہانہ ہی ہے۔

''ظاہر ہے میری بہن کی شادی تھی' خوشی کی بات تو تھی ہی...''

''بہن کی نہیں بہنوں کی۔'' اُس نے تیزی سے نینی کی بات کاٹی۔ ''شادی تو دِیا کی بھی ہوئی' جیسے بھی ہوئی۔''

اُس کی طنزیہ مسکراہٹ بڑی دل جلانے والی تھی' لیکن نینی کسی بھی طرح جھگڑا نہیں کھڑا کرنا چاہ رہی تھی۔

ٹھیک کہہ رہے ہو' لیکن مجھے آپا کی شادی کی بہت خوشی ہے' انہیں بہت اچھے لوگ ملے ہیں۔''

بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ اُس کے قریب ہی بیٹھی تھی۔

''عمر بھائی کا واقعی جواب نہیں' تمہاری بہن خوش قسمت ہے لیکن مجھے دِیا کی شادی کی اُس سے بھی زیادہ خوشی ہوئی ہے۔ تمہارے ابا کے سارے اصول قاعدے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ کیا بگاڑ پائے وہ مسعود کا' جب کہ اُس نے اُن کی بے عزتی کروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''

اپنی بات کے اختتام پر وہ زور سے ہنسا۔ نینی نے ایک گہری سانس لی۔

بڑی تکلیف ہوتی تھی جب وہ ابا کے بارے میں اس طرح کی چبھتی ہوئی باتیں کیا کرتا تھا' مگر اُسے شاید اسی طرح تسکین ملتی تھی۔

چند لمحے تو وہ خاموش رہا' منتظر تھا کہ چڑ کر ہی سہی' وہ کچھ تو کہے گی لیکن نینی بڑی لاتعلقی کے ساتھ ٹی وی سکرین پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔

''تمہارے رشتے داروں میں باتیں تو بہت بنی ہوں گی۔ دِیا کے شادی سے انکار پر۔'' ضبط نہ ہو سکا تو وہ پھر سے اپنے من پسند ٹاپک پر آیا۔

''پتہ نہیں ہمارے سامنے تو لوگوں نے کچھ نہیں کہا' پیچھے کوئی کچھ بھی کہے اُس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

وہ دانستہ اِس سارے معاملے کو گہری سنجیدگی کا شکار ہونے سے بچا رہی تھی۔

''ویسے مسعود کا کیاری ایکشن تھا' تمہارے ابا کے سامنے' بڑی زبردست شکست دی اُس نے انہیں' عین وقت پر اپنی محبوبہ کو نکال کر لے گیا' اُس کے چنگل سے۔''

اُس کا طنزیہ لہجہ اب ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔

''فیضی پلیز۔'' نینی کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی سخت ہوا'۔

''تم میری بہن اور باپ کے بارے میں بات کر رہے ہو اور تمہیں اُن سے کتنی بھی نفرت سہی' یہ مت بھولا کرو کہ میرے لئے بھی وہ لوگ اُتنے ہی اہم ہیں جتنے تمہارے لئے تمہارے گھر والے۔''

''سوری۔''

محض نینی کی حالت کے پیشِ نظر اُسے یہ چھوٹا سا لفظ کہنا پڑا۔

''میں تمہارے ابا کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔ آج ہماری اس حالت کے وہی ذمہ دار ہیں۔''

''صرف وہ نہیں' تمہارے اپنے گھر والے بھی۔''

''اُن کا اِتنا قصور نہیں ہے۔'' ہمیشہ کی طرح اپنے خاندان پر الزام آتا دیکھ کر وہ صفائی دینے پر اُتر آیا۔

''اگر تمہاری ابا' اِس طرح کی ہنگامی صورتحال نہ کری ایٹ کرتے تو شاید کوئی راہ نکل ہی آتی۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:

''کبھی بھی نہیں۔'' نینی کے چہرے پر تلخ سی مسکراہٹ اُبھری۔ ''ہماری شادی جب بھی ہوتی ایسے ہی ہوتی۔ وہ لوگ کبھی بھی راضی نہیں ہوتے' کیونکہ تمہارے ہاں خاندانی روایتوں کا بڑا طویل سلسلہ ہے' یہ تمہارے اپنے الفاظ ہیں۔''

فیضی کو سمجھنے میں کوئی دقّت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اُس پر طنز کر رہی ہے۔

''اگر کچھ وقت مل جاتا' میں اپنی پڑھائی پوری کر لیتا تو اپنی بات منوانے کی بہتر پوزیشن میں آجاتا۔ یہ سب بہت قبل از وقت ہوا ہے۔ ابھی تو گھر میں سجاد چچا کی شادی ہونا باقی تھی' میرا نمبر تو بہت دور تھا۔''

بات بشارت صاحب سے ہٹ کر اب دوسری طرف جا رہی تھی۔

''صرف تمہارا نہیں میرا بھی۔''

پھر جیسے اُسے کوئی ضروری بات یاد آئی۔ ''فیضی'' وہ کچھ کہتے کہتے رُکی۔

''ہوں۔'' اپنے دل کی بھڑاس نکال کر' وہ پھر اسی طرح پرسکون تھا۔

''تمہارے سجاد چچا آئے تھے شادی میں۔'' نینی نے اتنی سی اطلاع دے کر اُس کے رد عمل کو دیکھنا چاہا۔

''اچھا۔'' اُس کا ریموٹ پر تیزی سے چلتا ہوا ہاتھ ساکت ہوا تھا۔ ''اور بابا۔''

''سنا ہے وہ بھی آئے تھے بس تھوڑی دیر کے لئے لیکن سجاد چچا تو بہت دیر تک ولیمے میں رہے تھے۔'' نینی کو اطمینان ہوا کہ وہ کم از کم غصے میں نہیں آیا۔

"باباوہاں اِس لئے نہیں رُکے ہوں گے کہ کہیں میں انہیں نہ دکھائی دے جائوں' بہت مشکل میں پڑ جاتے وہ بھی اور میں بھی۔" فیضی کی آواز اس بار قدرے ہلکی تھی۔ چند پل یوں ہی خاموشی کی نظر ہوئے۔

"تم نے سجاد چچا کو پہچانا؟" وہ اب اُس سے پوچھ رہا تھا۔

نینی ہلکے سے مسکرا دی۔

"مجھے سمیع بھائی نے دکھایا تھا۔ اُس وقت جب وہ شرکت کے لئے آرہے تھے۔ ویسے وہ نہ بھی بتاتے تو میں انہیں پہچان سکتی تھی' وہ تم سے بہت ملتے ہیں۔ اُن کی ایج میں آکر' تم بھی ویسے ہی لگنے لگو گے' لیکن سچی بات یہ ہے کہ وہ تو بہت ہی شاندار ہیں بھئی۔"

"یہ تو ہے' سجاد چچا جیسے لوگ کم ہی ہوں گے۔ وہ جتنے اچھے دکھتے ہیں' اُس سے کہیں اچھا ان کا دل ہے ہمارے خاندان میں سب سے مختلف۔" فیضی کے چہرے پر چمک سی دوڑ رہی تھی۔

نینی کا دل چاہا کہ وہ اُسے جتائے کہ جب بھی وہ اپنے گھر والوں کا ذکر کرتا ہے۔ اُس کا لب ولہجہ کتنا مختلف ہو جاتا ہے۔ مگر مصلحتاً خاموش رہی۔

ماحول جو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اچھا ہوا تھا پھر سے بگڑنے لگتا' سو فائدہ۔ بہتر تھا کہ اُس کے اچھے موڈ کا فائدہ اٹھا کر کوئی کام کی بات کر لی جاتی۔

"میرا اُن سے اتفاقاً ٹکراؤ بھی ہوا تھا شاید عمر بھائی نے انہیں میرے بارے میں بتایا بھی ہو' وہ ساتھ تھے سجاد چچا کے۔"

فیضی بے چین سا ہو کر اُٹھ بیٹھا۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی اُن کے سامنے جانے کی۔"

"وہ محض اتفاق تھا' میں نے بتایا نا تمہیں۔"

"سجاد چچا یہ نہ سمجھیں کہ میں نے تمہیں جان بوجھ کر اُن کے سامنے بھیجا تھا۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو' وہ ایسا کیوں سمجھیں گے۔" نینی نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ کسی کسی وقت تو اُسے فیضی کی بالکل بھی سمجھ نہیں آتی تھی' کسی بھی بات سے وہ کچھ بھی معنی نکال لیتا تھا' جیسے کہ اس وقت۔

"میں اسی لئے نہیں بھیجنا چاہ رہا تھا' مگر تم ضد کر کے..."

نینی کو لگا تھا کہ اُس کی زندگی کا کنفیوژن کبھی ختم نہیں ہو گا۔

...☆☆☆...

آج اتوار تھا۔

وہ اُٹھے تو حسب عادت سویرے ہی تھے' لیکن صبح کی چائے اپنے کمرے میں ہی منگوالی تھی۔ چھٹی کا ایک دن معمول سے تھوڑا ہٹ کر گزارنا انہیں بھی اچھا لگتا تھا۔

رات عمر کے ولیمے سے واپسی خاصی دیر میں ہوئی تھی اور آج فلائٹ سے انہیں اسلام آباد جانا تھا' جہاں شیریں اور شہریار نے ریسپشن کا انتظام کیا تھا۔

جانا ضروری تھا۔ اخبار اور چائے کا کپ لے کر وہ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آبیٹھے۔

سامنے فیضی کا کمرہ تھا۔ کب سے سناٹے میں ڈوبا ہوا۔

دن میں جتنی بار میں وہ یہاں اوپری منزل میں آتے فیضی کا کمرہ بری طرح دل دکھاتا۔اس کے سامنے یہاں کیسی رونق ہمہ وقت رہتی تھی۔

اونچی آواز میں بجتا ہوا میوزک' اس کے دوستوں کے اونچے قہقہے اور پھر وہ خود عادتاً ذرا ذرا سی بات پر کتنا شور مچائے رکھتا تھا۔کوئی بات مرضی کے خلاف ہوئی اور اُس نے خفگی کا اظہار کیا۔ایک پل میں کتنی ہی یادیں' دل کو چھوتی ہوئی گزریں۔

''معلوم نہیں وہ اب بھی ایسا ہی ہو گا' یا اِن دو' اڑھائی سالوں میں اُسے میں تبدیلیاں آچکی ہوں گی۔''

لیکن ایک بات تو ثابت تھی کم از کم۔ضدی وہ آج بھی تھا۔

جب ہی تو بابا کے ایک بار منع کر دینے کے بعد' اُس نے پھر مڑ کر نہیں دیکھا' جیسے تیسے خود اپنے سہارے اُس نے اتنا وقت گزارا ہی تھا۔

سجاد کو پچھلی رات نینی سے ہونے والی ملاقات یاد آئی اور ملاقات بھی کیا محض ایک ٹکراؤ۔سجاد کی نگاہ میں وہ خوش شکل چھوٹی سی لڑکی اُبھری۔جس کی آنکھوں میں گہرے ہوتے ہوئے حلقے نمایاں تھے اور وہ بے حد کمزور دکھ رہی تھی۔وہ بے چین سے ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

فیضی کی مالی حالت کے بارے میں انہیں کوئی خوش فہمی نہیں تھی اور اس کے اکاؤنٹ میں اب کتنی رقم بچی ہو گی یا سب ہی اس کی شاہ خرچیوں کی نذر ہو چکی ہو گی' یہ اندیشہ بھی یقین میں بدلتا تھا۔

بابا نے اتنی بڑی قسم نہ دی ہوتی تو وہ یقیناً کسی نہ کسی طرح اُس کی مالی مدد کر رہے ہوتے' یہ پھر وہ خود ہی اُن سے رابطہ کرتا تو...

سیڑھیوں سے اُترتے ہوئے وہ نیچے آئے تو ناشتے کی میز پر دونوں بھابیاں اور بچے بیٹھے دکھائی دیئے۔

سہیل بھائی کے بچے شور مچائے ہوئے تھے۔ثمینہ بھابی انہیں ڈانٹ رہی تھیں' لیکن اوپر کی ویرانی کی بہ نسبت یہ چہل پہل بڑی غنیمت تھی۔

''چچا آیئے آپ بھی۔'' انعم نے انہیں دیکھ کر وہیں سے آواز لگائی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے بابا کے کمرے کی طرف اِشارہ کیا' تب ہی اُن کی نظر' انعم کے برابر بیٹھی ہوئی بلقیس بھابی پر پڑی۔

الجھے روکھے بال' چہرے پر پھیلی بے رونقی اور عام سے پھیکے رنگوں والے کپڑے۔

اُن کی شخصیت میں بڑی تیزی سے بدلاؤ آیا تھا۔وہ خوش لباس' زیورات سے لدی پھُندی مغرور عورت جانے کہاں چلی گئی تھی۔اب تو یہ ایک معمر اور زمانے بھر سے بے زار عورت موجود تھی جسے شاید آئینہ دیکھے بھی کئی مہینے گزر چکے تھے۔

سجاد کا دل بے اختیار ہی چاہا کہ وہ اُنہیں بتائے کہ فیضی یہیں اِسی شہر میں ہے۔کل انہوں نے اُس کی بیوی کو دیکھا ہے' مگر خود پر ضبط رکھنا ضروری تھا۔

فیض کا نام سنتے ہی وہ اتنی بری جذباتی کیفیت طاری کر لیتی تھیں کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔

وہ اب مستقل ہی سکون بخش دوائوں کے سہارے رہتی تھیں۔زیادہ تر خاموش رہتیں اور جس وقت بولنا شروع کرتیں تو اگلا پچھلا سارا حساب بے باق کر دیتیں۔

سجاد اُن ہی کے بارے میں سوچتے ہوئے بابا کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔یہاں وقار بھائی پہلے سے ہی موجود تھے اور حسب توقع ''آفس'' کھلا ہوا تھا۔

”ذرا تم بھی دیکھو‘ وقار کا نیا پروجیکٹ‘ آج ساری تفصیلات ڈسکس ہو جائیں تو بہتر ہے۔“ انہیں دیکھتے ہی بابا نے سامنے پھیلے کاغذات کی طرف اشارہ کیا۔

بزنس سب کے الگ تھے‘ لیکن وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح بندھے ہوئے تھے کہ مشورے کئے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کرتا تھا۔

سجاد کو اپنے گھرانے کی اِس خوبی پر بڑا فخر تھا مگر کبھی کبھی دل ہر وقت کے کام سے بے زار ہونے لگتا تھا۔

وقار بھائی کے پروجیکٹ کو انہوں نے محض اُن کا دل رکھنے کے لئے دیکھا اور پھر جیسے ہی فارغ ہوئے تو ہمت کر کے انہوں نے وہی ممنوعہ ذکر‘ بہت ماہ بعد چھیڑا۔

”فیضی یہیں اِسی شہر میں ہے بابا۔“

اپنی بات کے خاتمے پر سجاد نے وقار بھائی کو کاغذات پر اور بھی جھکتے ہوئے دیکھا اور بابا اتنی دیر خاموش رہے کہ سجاد کو ایسا لگنے لگا جیسے انہوں نے اس کی بات سنی ہی نہیں ہے۔

”بابا پلیز‘ ہمیں اسے کچھ رعایت دینی ہو گی۔ بہت سزا بھگت لی ہے اُس نے۔“

”تم ملتے ہو اُس سے‘ میرے منع کرنے کے باوجود۔“

بابا کی نگاہیں سجاد کے چہرے پر جم گئیں اور جتنے سرد لہجے میں وہ یہ سوال پوچھ رہے تھے۔ سجاد کو ہلکی سی گھبراہٹ لاحق ہونے لگی۔

”میں اُس سے نہیں ملا ہوں بابا۔ وہ تو عمر کی شادی تک میں نہیں آیا۔ اپنے آپ کو بالکل الگ کر لیا ہے اُس نے۔“

”کرنا بھی چاہئے جو حرکت اُس نے کی ہے‘ اُس کے بعد وہ ہمیں اپنی شکل نہ ہی دکھائے‘ یہی اُس کے حق میں بہتر ہے۔“ بابا کے لہجے میں آج بھی ذرا اسی رعایت نہیں تھی۔

سجاد نے ایک گہری سانس اپنے اندر اُتاری۔

”آپ ایک اور پچھتاوا کیوں مول لے رہے ہیں۔ ابھی تو حالات پھر بھی قابو میں لائے جا سکتے ہیں۔ وقت گزر گیا تو پھر ہم فیضی کا بھی سراغ ہی ڈھونڈتے رہیں گے۔“

سجاد کا خیال تھا کہ وہ اب اور بھی زیادہ خفا ہوں گے‘ لیکن وہ کچھ خاموش سے ہو گئے۔

”تقدیر سے لڑا نہیں جا سکتا۔ اب اگر پچھتاوے لکھے گئے ہیں تو اُنہیں جھیلنا ہی پڑتا ہے‘ بہر حال۔“

کچھ کہنے سے پہلے انہوں نے شاید خود کو تیار کیا۔

”تم بتاؤ‘ تم کیا چاہتے ہو؟“

”بابا مجھے ایک ضروری کام ہے۔“ اُن کی بات پوری ہوتے ہی وقار بھائی نے اٹھتے ہوئے اتنا ہی کہا اور پھر تیزی سے باہر چلے گئے۔

کبھی کبھی تو سجاد کو اُن پر اتنا رحم آتا تھا کہ حد نہیں۔

بلقیس بھابی جیسی بیوی اور فیضی جیسا عاقبت نااندیش بیٹا‘ اُن کی آزمائش تھے یا سزا۔

”وقار بھائی کا خیال کریں بابا‘ وہ بے چارے۔“

''میرے باپ نے میری ماں کا خیال نہیں کیا تھا' آخری عمر میں اُن کی رو رو کر بینائی ختم ہونے کو آگئی تھی' مگر اصول اور روایات کو جذبات کی نذر نہیں کیا جا سکتا۔''

تو آپ کے خیال میں انہوں نے اچھا کیا تھا۔'' وہ ہلکے سے بولے۔

''میں اِس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا' لیکن آج جو اِس اتنی بڑی برادری میں' ہماری سر کردہ پوزیشن ہے' میں اُسے کسی احمقانہ جذباتیت کی نذر نہیں کر سکتا۔''

''خونی رشتے بھی پوزیشن سے کہیں آگے کی چیز ہوتے ہیں بابا۔ انہیں آپ دنیاوی کسوٹی پہ پرکھنا۔'' بابا کو سمجھنا' شاید دنیا کا مشکل ترین کام تھا' لیکن اب جب بات شروع ہو چکی تھی تو سجاد اپنے پوری کوشش کر لینا چاہتے تھے۔

مگر وہ تو ڈھنگ سے سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔

''انسان جب کسی مرتبے پر پہنچا ہوا ہوتا ہے تو اُس کی ترجیحات عام انسانوں سے الگ ہو جاتی ہیں سجاد' تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ اس اتنی بڑی برادری کی سپورٹ کتنی اہم چیز ہے' اگلے الیکشن میں وقار' کو ایم این اے کی سیٹ آفر ہوئی ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ ہمارے گھرانے کی عزت اور مرتبے یہ الیکشن کہیں سے کہیں پہنچا دیں گے۔''

سجاد نے مایوسی سے سر جھٹکا لیا۔

ہر بات میں نفع نقصان کا تخمینہ لگانا پچھلی کئی نسلوں سے کاروبار کرتے رہنے کی بنا پر ہی اس خاندان کی سرشت میں شامل ہو چکا تھا۔

بابا کی زیرک نگاہ نے جیسے ان کی مایوسی کو پڑھا تھا۔

''صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے' اگر فیضی اُس لڑکی کو طلاق دے دے اور مجھے یقین ہے کہ وہ بہت زیادہ عرصے اپنے حالات کی خرابی سے نہیں لڑ سکے گا۔''

اُن کا لہجہ بے تاثر تھا' طلاق کی بات انہوں نے بالکل ایسے کی جیسے کوئی روزمرہ کی بات ہو۔ سجاد کی نگاہ میں وہ چھوٹی سی دلکش کمزور سی لڑکی گھومی۔

''وہ اُسے طلاق نہیں دے گا بابا۔ وہ ماں بننے والی ہے۔ میں نے کل رات اُس لڑکی کو دیکھا تھا وہاں۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے انہوں' اِس آخری اچھے امکان کا سرا پکڑنا چاہا' مگر بے سود۔

''ٹھیک ہے پھر وہ بھگتے اپنی حماقت کو ساری عمر' ہمیں اُس سے کوئی سروکار نہیں اور تم بھی اُس کی ہمدردی سے پرہیز ہی رکھو تو اچھا ہے' تم سے کہیں زیادہ سمجھدار تو وقار ثابت ہوا ہے اِس معاملے میں اکلوتا بیٹا ہے فیضی اُس کا لیکن...''

چند منٹ انہوں نے وقار بھائی کی تعریف ہی میں صرف کئے۔ سجاد بالکل خاموش رہے۔

کسی کسی وقت تو لگتا تھا کہ اتنی عمر گزار لینے کے بعد بھی وہ اپنے باپ کو بالکل بھی نہیں جان سکے' سب ہی کو پتہ تھا کہ وہ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ قریب سجاد کے ہی ہیں' وہ تو کوئی اور ہی شخص تھے۔

بابا گروپ آف کمپنیز کے بانی ایک بڑی برادری کے سربراہ' جنہوں نے اتنی کامیاب زندگی گزاری تھی کہ لوگ رشک کرتے تھے مثالیں دیتے تھے۔

ابرار احمد المعروف بابا صاحب۔

''ایک بات پوچھوں اگر آپ غصہ نہ کریں۔''

سجاد نے اٹھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

''پوچھو' ویسے بھی اب تک تم نے جو بھی باتیں کی ہیں اُن میں سے کوئی سی غصہ دلانے والی نہیں تھی۔''

وہ بے حد سنجیدہ تھے اور لہجہ بالکل سپاٹ۔

''اگر ہمارے ہاں رعایت کا ذرا بھی تصور نہیں ہے تو پھر اس رحمت منزل کے معاملے کو کیوں لٹکا رکھا ہے بیچ میں' دے دیں فرحت آپا کو تا کہ وحید بھائی کی بھی تسلی ہو جائے' برسوں سے ایک لا حاصل انتظار چل رہا ہے۔''

''رحمت منزل اماں کی پراپرٹی تھی۔انہوں نے جو چاہا اُس کے بارے میں فیصلہ کیا۔ہم میں سے کسی کو بھی اُس معاملے میں پڑنے کا حق نہ کل تھا' نہ آج ہے' جو خدا کو منظور ہوگا' وہ ہو جائے گا۔'' بابا دوبارہ اپنے سامنے پھیلے کاغذات کو دیکھ رہے تھے۔

دادی نے یہ وصیت کیوں کی تھی بابا' اس لئے کہ وہ بے دردی سے پھاڑی گئی اِس تصویر کو مکمل کرنا چاہتی تھیں۔کوئی امید' کوئی آسرا نہ ہونے کے باوجود اپنے حصے کا کام کر گئیں بخوبی' ضعیفی میں اتنا گہرا صدمہ اٹھانے کے بعد بھی انہوں نے امید نہیں چھوڑی تھی جب نہ سہی' اب سہی کبھی تو یہ ادھورا خاندان مکمل ہوگا۔''

''تم جاؤ سجاد' مجھے بہت ضروری کام ہیں۔'' بابا نے اپنی ریوالونگ کرسی کا رُخ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

''جی اچھا۔'' وہ ہلکے سے کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔کل سے ذہن فیضی کی طرح ہی الجھا ہوا تھا۔کھوکھلی فرسودہ روایتوں کا بے رحم سلسلہ کہیں جا کر رکتا بھی تھا یا نہیں۔

بدلے کی شادی' کاروکاری' ونی' حق بخشوانا' ذات برادری کی سختی سے کی جانے والی پابندی' آخر کب تک؟

''درد کے اس سلسلے کو اب رکنا ہی ہوگا۔'' سجاد کا موبائل بج رہا تھا۔

انہوں نے دیکھا' فرح کا نمبر آ رہا تھا۔

''ہاں فرح' سناؤ خیریت۔''

''کیا۔'' سجاد بری طرح چونکے تھے۔

دوسری طرف سے فرح جو خبر سنا رہی تھی' وہ حد سے بڑھ کر تکلیف دہ تھی۔

...☆☆☆...

فرح نے انہیں کمبل اُوڑھایا اور پھر خاموشی سے چند لمحے ان کے چہرے کو دیکھے گئی۔

صدمہ اتنا بڑا تھا کہ اُن کی ضعیفی اسے جھیلنے کی متحمل نہیں تھی۔دو دن میں ایسا لگنے لگا تھا' جیسے ان کے جسم کا سارا خون نچڑ کر رہ گیا ہے' مگر منہ سے کوئی واویلا کوئی فریاد نہیں' مستقل قرآن پاک یا تسبیح پڑھتے جاتیں اور آنسو ایک تواُتر کر ساتھ اُن کی آنکھوں سے گرتے رہتے۔

وہ کل سے یہیں رُکی ہوئی تھی اور پوری رات اُس نے اُن کو ایک ہی جگہ بیٹھا ہوا پایا تھا۔اصرار کے باوجود بھی نہیں لیٹی تھیں' صبح تک اُنہیں خاصا تیز بخار بھی ہو چکا تھا۔سو وہ اب دن چڑھے' آگے مین روڈ پر رہنے والے ڈاکٹر کو ثانیہ کے ساتھ جا کر لائی تھی۔اُن ہی کی دی ہوئی' دوائوں کے زیر اثر آ کر اماں پر یہ تھوڑی سی غفلت طاری ہوئی تھی۔

پہلے شوہر اور اب اکلوتا بھائی۔

اُن کی بے بسی کا احساس کرتی تو فرح کو دل کٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"ڈرائنگ روم میں کون آیا بیٹھا ہے اتنی دیر سے ثانیہ کے پاس۔" لبنیٰ ذرا فاصلے پر کھڑے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"شش۔" ہونٹوں پر انگلی رکھ کر فرح نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو لبنیٰ کے چہرے پر ناگواری ظاہر ہونے لگی۔

"میں ایک بات پوچھ..."

"سجاد بھائی آئے ہوئے ہیں اور تمہاری امی بھی وہیں بیٹھی ہوئی ہیں' بے فکر رہو۔" قریب آتے ہوئے فرح نے دھیمی آواز مگر سخت لہجہ اختیار کیا۔

"مجھے کیا پڑی ہے فکر کرنے کی' تم جو ہو۔"

لبنیٰ کو فرح سے خاصی چڑ تھی۔ وہ اور ممانی دونوں ہی نے خود بخود یہ فرض کر رکھا تھا کہ عمر سے لبنیٰ کی شادی نہ ہونے میں فرح نے ہی روڑے اٹکائے ہیں۔ گو وہ بات اب کافی پرانی ہو چکی تھی' پھر بھی فرح کا سامنا ہونے پر زخم تازہ ہوتے تھے۔ ایک ٹکڑا توڑ جواب فرح کو پکڑا کر وہ سیڑھیوں کی طرف چلی گئی۔

فرح نے دانستہ بحث کرنے سے گریز کیا تھا۔ اس انتہائی صدمے کے وقت' اُسے حیرت تھی کہ لبنیٰ ایسی باتیں بھی کر سکتی تھی۔ ڈرائنگ روم میں ممانی مستقل براجمان تھیں۔

سجاد نے پہلو بدلتے ہوئے ثانیہ کی طرف دیکھا۔ نچلا لب' دانتوں تلے دبائے' وہ بار بار اپنے آنسو خشک کر رہی تھی۔

انہیں اب تک اس سے ایک بات کرنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

"ساری عمر شرافت اور دیانتداری سے کام کئے گئے۔ چھوٹی سی دکان تھی۔ بس اتنی ہی آمدنی ہوتی کہ گھر کا خرچہ پانی چلتا رہا۔ اوپر سے اب ثانیہ اور آپا کی بھی ذمہ داری آپڑی' دو لڑکیوں کی فکر نے کمر توڑ کر رکھ دی تھی' یہی نتیجہ نکلنا تھا آخر۔"

اپنی عادت سے مجبور ممانی' مستقل بولے جا رہی تھیں۔ "اللہ مالک ہے' اِسی پر بھروسہ رکھیں۔" سجاد نے انہیں ایک بار پھر تسلی دینا چاہی۔

"اب خود تو چلے گئے۔ میرے لئے ساری فکریں چھوڑ گئے۔ نہ کوئی جمع تھا' نہ کوئی آمدنی کا ذریعہ' پتہ نہیں آگے کیا بنتا ہے۔ میرے پاس تو جو کچھ بھی تھا' ان کے علاج پر خرچ ہو گیا..."

ثانیہ نے تڑپ کر ممانی کی طرف دیکھا۔

"خدایا' کوئی ممانی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں چپ کیوں نہیں کرا رہا۔"

"میں نے تو نہ علاج میں کسر چھوڑی اور نہ ہی خدمت میں' پھر بھی خدا کو ان کی اتنی ہی زندگی منظور تھی تو کیا کیا جا سکتا ہے۔"

مہینوں جو وہ رنگ گھلا پانی' مکسچر کے نام پر ماموں کو پلاتی آ رہی تھیں اور اپنی بے آرامی کا خیال کر کے' ان کی بیماری کے آخری دنوں میں بھی خود لبنیٰ کے ساتھ دوسرے کمرے میں سوتی رہی تھیں۔

یہ سب بھلانے کے لئے' ساری عمر بھی ناکافی تھی۔ سجاد نے دل میں اٹھتی ناگواری کے احساس کو بمشکل ہی دبایا۔ سامنے بیٹھی عورت کی اصلیت سے وہ بخوبی واقف تھے۔

ثانیہ کب سے پوری تنخواہ اُن کے ہاتھ پر رکھ رہی تھی۔اماں نے اپنے پاس سے ایک ایک پیسہ خرچ کر دیا تھااور زیور کے نام پر جو دو باریک سونے کی چوڑیاں تھیں' وہ بھی ان آخری دنوں میں بک چکی تھیں۔یہ سب انہیں فرح سے پتہ چلا تھا اور سب سے بڑھ کر ممانی کی فطرت ان کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتی تھی۔

وہ اندازہ کر سکتے تھے کہ اماں اور ثانیہ نے یہاں کتنا کٹھن وقت گزارا ہوگا اور اب آگے...؟

اس پریشان کن سوالیہ نشانہ کا تسلی بخش جواب دینا ان کی ذمہ داری بھی تھا اور وہ دینا بھی چاہتے تھے۔

''ثانیہ۔'' ممانی کی پرواکئے بغیر وہ اب ثانیہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو چکے تھے۔

فرح ابھی ابھی باہر سے آکر' اس کے قریب بیٹھی تھی۔

''جو ہوا اس کا ازالہ تو انسان کے بس سے باہر ہے' لیکن آگے ساری زندگی ہے اور آپ کو اپنے لئے نہ سہی اماں کے لئے تو خود کو سنبھالنا ہے۔ان کا غم آپ سے کہیں بڑا ہے اور اب ان کے لئے تو صرف

آپ ہی ہیں۔''

اپنی بات کہتے کہتے' وہ ذرا رُکے۔

ثانیہ کی نظریں اُن کی طرف اُٹھیں اور پھر جھک گئیں چند پل یوں ہی خاموشی میں گزرے۔

ایک مخصوص احساس تھا جو اس کی موجودگی میں ہمیشہ ہی سجاد کو گھیرتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔اس وقت بھی۔

''کسی بات کی فکر مت کریں۔میں آپ کے... میرا مطلب ہے کہ ہم سب ہی آپ کے ساتھ ہیں۔''

صرف فرح تھی' جس نے ان کی بات میں معنی خیزی ڈھونڈی۔

''کچھ دنوں میں آفس آنا شروع کر دیں۔آپ نارمل روٹین میں آئیں گی تو اماں پر بڑا اچھا اثر پڑے گا۔''

پہلی بار ممانی نے سجاد کی کوئی بات رَد کرنا چاہی آفس اب کیا جانا ہے' میں تو کسی اور ہی فکر میں ہوں' ویسے بھی بچی اتنی غمزدہ اور نڈھال ہو رہی ہے' کہیں بیمار ہی نہ پڑ جائے۔''

''میں ٹھیک ہوں ممانی' آپ فکر مت کریں۔'' ثانیہ نے ہلکے سے کہا اور پھر سجاد کی طرف مڑ گئی۔

''میں آجائوں گی آفس دو چار دن میں' ذرا اماں کی طبیعت سنبھل جائے۔''

ممانی نے بمشکل ہی خود کو مزید کچھ کہنے سے روکا' اپنی لگائی ہوئی بازی کے آخری پتے وہ بڑے سنبھال کر کھیلنا چاہ رہی تھیں۔سجاد جانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

ممانی چائے کے لئے اصرار کر رہی تھیں' لیکن انہیں یہ وقت اس طرح کی فارمیلٹیز کے لئے سخت نامناسب لگا سو وہ معذرت کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔

ممانی بار بار ثانیہ کے لئے اپنی محبت اور فکر مندی کا اظہار کر رہی تھیں اور ان کے اس عمل میں چاہے کتنا بھی دکھاوا تھا' سجاد اور فرح دونوں کو بہت غنیمت محسوس ہو رہا تھا۔

جس وقت سجاد گیٹ سے باہر نکل رہے تھے' ممانی کو لبنیٰ یاد آئی۔

''یہ لبنیٰ کہاں ہے آخر' اتنی بھی تمیز نہیں کہ گھر آئے مہمان کو خداحافظ بھی کہہ دے۔''

''وہ تو چھت پر گئی تھی میرے سامنے' تھوڑی دیر پہلے'' فرح نے اسے جاتے دیکھا تھا' سو بتا دیا۔

''چھت پر۔''

اُن کے چہرے کا رنگ اُڑتے سب ہی نے محسوس کیا تھا۔ ”میں ابھی آئی۔“ وہ اُلٹے پیروں واپس مڑ گئیں۔

”مجھے ہمیشہ اس بات کا افسوس رہے گا کہ آخری دنوں میں میں ان کی خبر گیری نہ کر سکا‘ عمر اور شیریں کی شادی آفس کی مصروفیت‘ لیکن ان میں سے کوئی بھی جواز میری شرمندگی دور نہیں کر پارہا۔“ انہوں نے بالآخر وہ بات کہی‘ جس کا انہیں دل سے رنج تھا۔

”مجھے بھی تو دیکھئے عمر کی شادی میں اتنی گم ثانیہ سے نواب شاہ جانے کے بعد تو بات بھی ایک دو بار ہی ہوئی‘ وہ تو کل جب میری دس بارہ کالز پر بھی اس نے فون نہیں ریسیو کیا تو میں گھبرا کر یہاں پتہ کرنے آئی تو یہاں جمیل ماموں کا سوئم....۔“ فرح خود بے حد رنجیدہ تھی۔

ثانیہ کی آنکھوں سے پھر سے آنسو گرنے لگے۔

”کتنا عجیب سا لگتا ہے ماموں کے حوالے سے ایسی باتیں سننا‘ جمیل ماموں کا سوئم‘ جمیل ماموں کا دسواں...“ خیال سے نکلتے ہوئے‘ اس نے اپنے آنسو صاف کئے۔ ”کوئی بات نہیں ہے پھر یہ سب اسی طرح ہونا تھا‘ مگر انہوں نے انتظار ہی نہیں کیا۔“ وہ دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی۔ اس کی ذہنی حالت کو سمجھنا کسی کے لئے بھی مشکل نہیں تھا۔

سجاد اور فرح دونوں ہی اپنے طور پر اسے تسلی دینا چاہتے تھے‘ مگر کبھی کبھی الفاظ کا بھی کال سا پڑنے لگتا ہے۔

تب ہی گھر کے پچھلے حصے میں کوئی ہنگامہ سا جاگتا سنائی دینے لگا۔

بدبخت خدا کی مار ہو تجھ پر...“

”کیا ورنہ‘ کیا کرے گی...“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ممانی اور لبنٰی کی ملی جلی سی آوازیں تھیں۔ گھر اتنا چھوٹا تھا کہ یہاں کھڑے ہو کر ایک ایک لفظ سنا جا سکتا تھا۔

اس سوگوار خاموش سی فضا میں یہ سب بڑا ہی بے جوڑ سا محسوس ہوا تھا اور اس میں شرمندگی کا ہی پلو تھا شاید‘ سجاد نے ثانیہ کے چہرے پر آتی شرمندگی کو محسوس کر لیا تھا۔ ”اچھا پھر خدا حافظ۔“ ایک منٹ کی بھی دیر کئے بغیر وہ گاڑی میں جا بیٹھے تھے۔

”یہ کیا سلسلہ ہے۔“ گیٹ بند کرتے ہوئے فرح نے ثانیہ کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”ہم لوگ ادھر ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھتے ہیں ابھی اُدھر مت جائو۔“ ثانیہ اس کا ہاتھ تھامے واپس ڈرائنگ روم میں آ گئی‘ مگر آوازیں اتنی صاف تھیں کہ شاید پڑوس میں بھی جا رہی تھیں۔

”باپ کو مرے چار دن بھی نہیں ہوئے اور بیٹی کے بدکارنامے ہیں‘ ڈوب مرو۔“

”کیوں ڈوب مروں‘ ابا مر گئے تو میرا کیا قصور بیمار تھے‘ مرنا ہی تھا نہیں تو...“

”اور پیچھے چھوڑ گئے تجھ جیسی اولاد‘ اس روز تیرے ہی آسرے پر چھوڑ کر گئی تھی نا‘ جس دن مرے تھے‘ معلوم نہیں آخری وقت میں کتنی آوازیں دی ہوں گی تجھے‘ مگر تو تو وہیں چھت پر اس لفنگے کے ساتھ...“ غصے کی شدت میں ممانی نے لبنٰی کی وہ کوتاہی جتائی جسے انہوں نے اب تک بھی کسی سے نہیں کہا تھا۔

ثانیہ نے ایک ہاتھ بے ساختہ ہی اپنے دل پر رکھا۔

...☆☆☆...

WWW.PAKSOCIETY.COM

نازی کی کچن میں عمل داری' ولیمے کے اگلے دن سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ گو نانی کی مرضی نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی کام شروع کرے' مگر وہ انہیں کچن میں کھڑا دیکھ کر اتنی شرمندہ ہوئی کہ اُس سے رہا ہی نہیں گیا۔

''ساری عمر سے پکار ہی ہوں' اب کیا چار دن بھی تمہیں نہ آرام کرائوں۔'' وہ بہت محبت سے نازی کو دیکھ رہی تھیں' جو اُن کے ہاتھ سے گوشت کا پیکٹ لے کر پلیٹ میں رکھ رہی تھی۔

''میں نے تو کب کا سوچا ہوا تھا کہ اپنے عمر کی دلہن کو زیادہ کام کرنے ہی نہیں دوں گی اور پہلے چھ ماہ تو بالکل بھی نہیں ہاتھ لگانے دوں گی' مگر بیٹا تم نے تو چھ دن بھی آرام نہیں کیا۔''

''اور جو دِیا یہاں آتی تو نانی کی یہ خواہش پوری ہونے میں کیا کسر باقی رہ پاتی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اسے دِیا کا خیال بار بار آئے جاتا۔ ''اب آپ آرام کیا کریں نانی' اتنا کام کر لیا ہے آپ نے اور میرا تو فرض بنتا ہے' بس جہاں غلطی کروں' بتا دیجئے گا۔''

دِیا کو ذہن سے جھٹک کر وہ اپنے حال میں واپس آئی۔

نانی نے بڑھ کر اُس کی پیشانی چومی۔ ''اللہ تمہیں ہمیشہ بہت خوش رکھے' عمر بہت خوش قسمت ہے جو تم اس کی زندگی میں آئیں اور تم دیکھنا وہ تمہاری بہت قدر کرے گا ہمیشہ۔'' نانی کی محبت اجلی اور خالص تھی' مگر پھر بھی کسی وقت نازی کو لگتا' جیسے وہ اس کا دل رکھ رہی ہیں' عمر کی بے توجہی کا ازالہ کرنے کی معصومانہ سی کوشش کرتی ہیں۔

''مجھے تو اس گھر میں آپ لائی ہیں نانی' خدا کرے میں آپ کی توقعات پر پوری اُتر پائوں۔'' وہ بے ساختہ ہی کہہ گئی۔

نانی نے کچھ چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے پردے میں نازی نے خود کو چھپانا چاہا' لیکن وہ سمجھ سکتی تھیں۔

''صرف میری ہی نہیں' ہم دونوں کی خواہش تھی۔ بس میری کچھ زیادہ سمجھ لو۔''

اس بار وہ ہنس پڑی۔ ''توبس' اب آپ کو تو میری بات ماننی ہی ہو گی' چلیں باہر میں نے چائے بنائی ہے۔ باہر بیٹھ کر پیئیں گے۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتی لائونج میں اپنے تخت پر آبیٹھیں۔ عمر کی طرف سے انہیں سچی بات بہت فکر تھی۔ دِیا کے لئے اس کی دیوانگی سے بھی واقف تھیں اور اب شادی سے پہلے اور بعد میں بھی وہ جتنا کھویا کھویا خاموش دکھائی دے رہا تھا' وہ بھی اُن سے چھپا ہوا نہیں تھا۔

دل کو بڑی فکر سی لگی تھی۔

''آج وقت نکال کر اپنی امی کی طرف ہو آئو اور دل چاہ رہا ہو تو کچھ دن کے لئے رہ آئو اُن کے پاس۔'' وہ چائے لے کر اُن کے پاس آکر بیٹھی تھیں۔

''آپ بھی چلیں' صبح سے شام تک کے لئے' صبح یہ چھوڑ دیں گے۔ شام کو آفس سے واپسی میں لے لیں گے۔''

''نہیں تم چلی جائو' ٹھنڈ ہو رہی ہے۔ میرے گھٹنوں کی تکلیف پھر سے بڑھ جائے گی چڑھنے' اُترنے میں۔''

نازی کے چہرے پر پھیلی خوشی کو دیکھتے ہوئے' وہ شفقت سے کہنے لگیں۔

اس کا دل تو بہت چاہ رہا تھا' لیکن نانی کو اکیلا چھوڑ کر جانا بھی مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ سو فوراً ہی خود بھی منع کرنے لگی۔

''ٹھیک ہے تو پھر ٹھنڈ کم ہو جائے' تب چلے چلیں گے۔''

''ارے چند گھنٹے کی تو بات ہے' جاؤ خوشی خوشی ہو کر آؤ۔ بشارت تمہیں بہت یاد کرتے ہوں گے' انہیں تم سے بہت محبت ہے۔''

''جی۔'' ایک فخریہ چمک نازی کے چہرے پر دوڑی۔

عمر کی بے اعتنائی کے باوجود' وہ جب جب بھی یہ سوچتی تھی کہ اس سارے سلسلے میں' اس نے ابا کی توقعات پر سو فیصد اُترنے کی کوشش کی ہے تو دل میں بڑا اطمینان سا اترنے لگتا تھا۔

ایسا لگتا جیسے نینی اور دِیا کی طرف سے ملنے والی تکلیف کا کچھ نہ کچھ ازالہ ہوا ہے۔

رات کو عمر سے' صبح کے پروگرام کا ذکر ہوا تو وہ کچھ چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کوئی خاص بات ہے کیا' میرا مطلب ہے کہ نینی وغیرہ بھی...'' اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی اور اس خالی جگہ کو پُر کرنے کے لئے نازی کو دماغ لڑانے کی ضرورت نہیں تھی۔

''نہیں کسی اور کا تو کوئی پروگرام نہیں۔ وہ تو نانی نے کہا ہے اور میرا خود بھی دل چاہ رہا تھا۔'' اُس نے سادگی سے جو بات تھی وہی کہی' لیکن اب چہرے سے وہ چمک مدھم تھی' جو پروگرام بتاتے ہوئے نمایاں ہو رہی تھی۔

''ٹھیک ہے' میں چھوڑ دوں گا۔'' وہ مڑ کر الماری سے کچھ نکالنے لگا۔ نازی منتظر تھی کہ شاید وہ کچھ اور بات کرے' لیکن وہ موبائل اٹھاتا ہوا بالکونی کی طرف چلا گیا۔

رات خاصی ہو رہی تھی اور نانی کب کی سو چکی تھیں وہ کچھ دیر تو عمر کا انتظار کرتی رہی' پھر خاموشی سے نائٹ بلب جلا کر لیٹ گئیں۔

عمر بہت دیر لگا کر اندر آیا تھا۔

نازی جاگ رہی تھی' مگر جان بوجھ کر کروٹ لئے خود کو سوتا ہوا ظاہر کئے گئی۔

عمر نائٹ بلب بند کر کے خود بھی لیٹ چکا تھا اور جلد ہی نازی کو اندازہ بھی ہو گیا کہ وہ سو چکا ہے۔ لیکن خود اُس کی نیند جیسے اڑی ہی رہتی تھی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خود کو اندھیرے سے مانوس کرنے کی کوشش میں روزانہ اسے کتنی ہی دیر لگ جاتی تھی۔ عمر کو اندھیرا کر کے سونے کی عادت تھی' اُس نے ایک آدھ بار ہلکا سا احتجاج کرنا بھی چاہا' لیکن عمر نے کوئی توجہ ہی نہیں دی۔ نتیجہ وہی خاموش ہو رہی۔

''اگر اس کی جگہ دِیا ہوتی تو کیا عمر اسی طرح اُس کی بات کو ٹال دیا کرتا...''

بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی بات پر دِیا ہی یاد آتی۔ کبھی کبھی تو نازی کو لگتا کہ جیسے کہ وہ کہیں نہیں گئی اس کے ساتھ ہی اس گھر میں آ گئی ہے۔

صبح وہ چھوٹے موٹے سارے کام نمٹا کر' عمر کے ساتھ جانے کے لئے تیار تھی۔ چمکیلے بھڑکیلے کپڑے خود اُسے فطری طور پر پسند نہیں تھے اور یہ شادی جتنی ایمرجنسی میں ہوئی تھی' اس میں خود اس کی اپنی پسند سے کوئی ایک سوٹ بھی بنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ تو غنیمت تھا کہ اس کا اور دِیا کا ناپ تقریباً ایک ہی تھا سو وہ یہی کپڑے پہن رہی تھی' جو کسی اور کے لئے خریدے اور سلوائے گئے تھے۔

امی اور نانی دونوں ہی نے دل بھر کر کپڑوں پر اپنا اپنا شوق پورا کیا تھا۔ دِیا کو مہنگے سے مہنگے اور بھاری سے بھاری سوٹ بہت پسند تھے۔ نازی کے منع کرنے کے باوجود امی نے تیار ہوئے کپڑوں میں منصفانہ تقسیم کی تھی اس وقت نازی نے بہت

سوچ کر لائٹ پرپل کلر کا ایک سوٹ نکالا تھا۔ جس کی سب سے بڑی خوبصورتی اس کے نزدیک یہی تھی کہ وہ اوروں کی نسبت سادہ تھا' سوفٹ لگ رہا تھا۔

عمر کے لئے ناشتہ لگا کر وہ کمرے میں آکر جھٹ پٹ تیار ہوئی تھی۔

''جلدی کرو نازی' آج بابا کے ساتھ مجھے...'' عمر کہتا ہوا تیزی سے اندر داخل ہوا تھا' مگر بات جیسے ادھوری ہی رہ گئی۔

بہت دھیان سے وہ اسے نگاہ جمائے دیکھے گیا۔

''چلیں میں تو تیار ہی ہوں۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے ہلکے سے بولی۔

''اچھی لگ رہی ہو۔''

نازی کا دل بڑے خوشگوار انداز میں دھڑکا۔ وہ اتنا ہی کہہ کر واپس مڑ گیا تھا۔ نازی' نانی کو خدا حافظ کہہ کر آئی تو وہ سیڑھیوں پر تھا۔

نازی مسکراتی ہوئی اُس کے پیچھے تھی۔ ایک چھوٹی سی تعریف جو بے ساختگی میں عمر نے کی تھی' بڑی گہری خوشی کا باعث بن رہی تھی۔

دوسرے فلور پر فرح مل گئی۔

وہ آفس کے لئے ہی نکل رہی تھی' پچھلے دنوں وہ زیادہ وقت ثانیہ کے ساتھ گزارتی رہی تھی' اس لئے ملاقات کم کم ہی رہ گئی تھی۔

عمر آگے جا چکا تھا۔ وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی نسبتاً ہلکے ہلکے اُتر رہی تھیں۔ صبح کے اس وقت میں' ویسے بھی چڑھنے اُترنے والوں کا رش رہتا تھا۔

نازی اس سے ثانیہ کے بارے میں ہی پوچھ رہی تھی۔ عمر اسے اور نانی کو لے کر تعزیت کے لئے اسی دن گیا تھا' جس دن اطلاع ملی تھی۔

''اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اسی لئے ثانیہ آفس جوائن نہیں کر پا رہی ہے۔ آنے لگے گی تو اُس پر بڑا مثبت اثر پڑے گا۔''

''اللہ کرے جلد ہی وہ ٹھیک ہو جائیں' میرا تو بہت دل چاہ رہا ہے دوبارہ وہاں ہو کر آئوں۔''

''میرے ساتھ چلنا کسی دن' ویسے یہ سوٹ تم پر بہت اچھا لگ رہا ہے' عمر نے خاص اپنی پسند سے خریدا تھا۔ میں نے تو توبہ کی اُس کے ساتھ بازار جانے سے' کوئی چیز آسانی سے پسند نہیں آتی اور جو آتی ہے' اس پر آنکھیں بند کر کے لٹو ہو جاتے ہیں حضرت جیسے یہ...''

''جیسے دِیا۔'' اس کے دل نے ایک بار پھر یاد دہانی کرائی۔

''یہ سوٹ بھی اس طرح پسند آیا تھا اس کو پھر اچھے سے اچھا بھی نہیں جچا۔ فرح نے اس کی خاموشی سے بے نیاز' پورا قصہ سنا کر ہی چھوڑا اور پھر ہاتھ ہلاتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی نازی ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں کے ساتھ عمر کی گاڑی میں آبیٹھی۔

''تم بھی کہاں اس کے ساتھ باتوں میں الجھ گئی تھیں وہ تو ایک بار شروع ہو جائے' بس پھر چپ ہونا مشکل ہوتا ہے۔'' گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے عمر لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔

وہ جواباً کچھ بھی نہیں بولی۔

''کاش اُسے پہلے پتہ ہوتا کہ یہ سوٹ خود عمر نے خریدا تھا تو وہ اسے کبھی بھی نہ پہنتی۔''

عمر کا ٹھٹکنا اب سمجھ میں آ رہا تھا' جو کپڑے دِیا کے تصور کے ساتھ خریدے گئے تھے۔ان میں کسی اور کو دیکھنا' اُسے کتنا عجیب اور تکلیف دہ لگا ہوگا' پھر بھی اُس نے دل رکھنا چاہا تھا۔

نازی نے چور نگاہوں سے عمر کی طرف دیکھا۔اس کی نگاہ سامنے سڑک پر تھی اور چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

سب کو خوش رکھنے کے چکر میں سارا خسارہ شاید ان دونوں کے ہی ہاتھ آیا ہے۔منہ موڑے' دوڑتے بھاگتے ٹریفک پر نگاہ جمائے وہ یہی سوچ گئی۔

...☆☆☆...

''بس اس بار اور پھر میرا وعدہ ہے جو تمہیں پریشان کروں اور کوئی ویسے ہی تو نہیں مانگ رہا' قرض لے رہا ہوں ایک ایک پائی لوٹا دوں گا۔'' خلاف فطرت وحید کا انداز آج اُن کے سامنے خوشامدانہ تھا۔

فرحت کی الجھن بڑھ رہی تھی۔

شک تو انہیں کافی دن سے ہو رہا تھا' مگر اب تو یقین ہو چکا تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی بڑی گڑبڑ ضرور ہے۔

''بابا اور سجاد کے لئے بیس لاکھ کی حیثیت کیا ہے' رحمت منزل کا ایک فلیٹ بھی اس سے زیادہ مالیت کا ہے۔ان ہی میں سے ایک کی قیمت سمجھ کر دے دیں۔آخر کو تم مالک ہو آدھی بلڈنگ کی۔'' کئی دن سے وہ مستقل ایک وہی رٹ لگائے ہوئے تھے۔

''ہاں میں ہوں لیکن' آپ نہیں اور پیسے آپ کو چاہئیں تو فلیٹوں کی بات تو رہنے دیں۔اپنا سوچیں کہ اتنا بڑا قرض کہاں سے واپس کریں گے۔''

وحید کا منہ حیرت سے ہلکا سا کھلا اور پھر بند ہو گیا ان کی بے زبان مظلوم بیوی کی نگاہوں میں سرد مہری تھی اور لہجہ اتنا اجنبی' ایسے جیسے دور کی بھی جان پہچان نہ ہو۔

''کہیں سے بھی واپس کروں اور یہ میرا تیرا کیا لگایا ہے تم نے' جو کچھ بھی ہے ہم دونوں کا ہے' ان بچوں کا ہے' پہلے تو تم نے کبھی اس طرح نہیں سوچا تھا۔''

ان کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ خوشامدانہ تھا۔پچھلے چند ماہ سے وہ جتنا ان کے آگے پیچھے پھر رہے تھے اور اندھا دھند جوائنٹ اکاؤنٹ سے پیسہ نکال رہے تھے' بڑا معنی خیز تھا۔

بہت دن تک تو انہیں پیسوں کے بارے میں پتہ ہی نہیں چلا' وہ تو اتفاقاً کچھ ضرورت پڑنے پر وہ خود بنک چلی گئی تھیں۔ تب باقی شدہ بیلنس دیکھ کر ششدر رہ گئی تھیں۔

''خود اپنے آپ کو مضبوط کریں فرحت آپا۔آپ کی کمزوری بچوں کے مستقبل پر اثر انداز ہو رہی ہے۔وحید بھائی جیسے آدمی پر ذرہ برابر بھی بھروسہ نہ رکھیں۔'' سجاد نے کتنی ہی بار انہیں بڑی محبت سے سمجھایا تھا' حالانکہ بھروسہ وروسہ تو کیا' بس ایک بھرم ہی تھا دنیا والوں کے لئے جسے وہ بنائے رکھے چلتی رہی تھیں تمام عمر۔

مگر اب تو ہمت بھی جواب دے رہی تھی۔

''بابا کی طرف سے ملنے والا پیسہ اب تک آپ دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتے آئے ہیں وحید' رحمت منزل کا کرایہ' بابا اور سجاد سے لی جانے والی بھاری رقوم الگ' آخر کیا خرچے ہیں آپ کے اور کون سا سورس آف انکم ہے' جس میں جو

بھی پیسہ لگاتے ہیں' ڈوب جاتا ہے۔" کسی سخت گیر استانی کی طرح وہ اُن کی پچھلی کوتاہیاں گنواتے ہوئے پہلی بار جواب طلبی کر رہی تھیں۔ غصے کی ایک تند لہر نے وحید کو لمحے بھر کے لئے اپنی لپیٹ میں لیا۔ "ایک تھپڑ لگاؤں تو سالی کا دماغ درست ہو جائے۔" اِن کی فطرت نے انہیں اکسانا چاہا' مگر سامنے کھڑی عورت شاید اب ان کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ سکتی تھی۔

"خفا کیوں ہوتی ہو' میں تو خود مانتا ہوں کہ تمہارے مجھ پر اتنے بھاری احسان ہیں کہ ساری عمر بھی نہیں اتار سکتا۔ ایک تم ہی تو ہو' جو ہر حال میں میرا ساتھ دیتی آئی ہو۔ بس اس بار اور انتظار کر دو پیسوں کا پھر ساری عمر جو تمہیں پریشان کروں' پلیز' پلیز فرحت۔" وہ اُن کے قریب چلے آئے۔

وہ بالکل ایسے لگ رہے تھے جیسے کوئی فقیر بار بار کے جھڑکنے کے باوجود بھی پیچھا چھوڑنے پر راضی نہ ہو۔ فرحت آپا' کراہیت کے شدید احساس کے ساتھ پیچھے ہٹیں۔

"میں کچھ نہیں کر سکتی وحید' تمہاری جو مرضی ہو کر لو۔" بے نیازی سے کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اس چھوٹے سے جملے میں سے بڑا مستحکم ارادہ جھانک رہا تھا۔

"دھت۔" مارے کوفت کے انہوں نے پاس رکھا کشن سامنے دیوار پر اٹھا کر مارا۔

"معلوم نہیں کیسا وقت چل رہا تھا۔ کام بنتے بنتے بگڑ جاتا تھا۔ بینا کا پتا صاف کیا' وہ بڈھا راستے سے ہٹا تو اس عورت کا دماغ معلوم نہیں کہاں سے خراب ہوا ہے۔"

شدید غصے کے باوجود بھی' ایک فکر سی لاحق ہو رہی تھی۔ پچھلے پندرہ سولہ سال سے' زندگی پر چھائی خوشحالی' فرحت اوران کے خاندان کی ہی بخشی ہوئی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے چھوٹی فرم میں معمولی سی نوکری' جہاں سارا دن جھڑکیاں کھاتے گزرتا تھا' یاد کرنا تو نہیں چاہتے تھے' مگر خود بخود یاد آ کر ان کی کوفت کو اور بھی بڑھاوا دے رہا تھا۔

"اور جو فرحت نے اپنا کہا' واقعی کر دکھایا تو ساری فارغ البالی' سات سلام کر کے پھر سے دور جا کھڑی ہو گی۔" ان کا سوچ کر ہی دل بیٹھنے لگا تھا۔ ابھی تو ثانیہ کے ساتھ زندگی کا خوشگوار ترین دور شروع ہونے والا تھا۔ اس کے آغاز پر یہ بد شگونی۔"

اُن کے بجتے ہوئے موبائل پر کوئی اُن کا جانا پہچانا نمبر آ رہا تھا۔

"شیرا عرض کر رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آتی آواز سن کر' اُن کا دل چاہا کہ وہ اپنا سر پیٹ لیں۔

"نہ نہ' فون مت بند کرنا۔ بڑی مشکل سے تو کانٹیکٹ ہوا ہے' ورنہ میرا نمبر آپ اٹھاتے ہی نہیں ہو وحید صاحب۔"

"کام کی بات کرو' کیوں فون کیا ہے۔" ساری جھنجلاہٹ سارے غصے کا رخ شیرا کی طرف مڑنے لگا۔

"آپ سے کیا کام ہو گا جی' وہی ایک پرانا رونا۔" دوسری طرف سے اس کی طنزیہ ہنسی گونجی۔

"ایک پیسہ نہیں دوں گا اب' میں نے پچھلی بار صاف کہہ دیا تھا کہ یہ آخری بار ہے۔" ان کا بس چلتا تو وہ دوسرے فون پر موجود شیرا کو جان سے مارنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔

"جب تک ہم اور آپ زندہ ہیں' یہ سلسلہ تو جاری رہے گا وحید صاحب' پھر آپ کون سے اتنے پیسے دے رہے ہیں' جو بہت عرصے تک چل جائیں۔ جب جب ضرورت پڑے گی' ہم آپ کو ہی تکلیف دیں گے۔ مجھے آج ہی شام تک پیسے مل جانے چاہئیں۔" آخری جملہ کہتے ہوئے شیرا کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔

وحید کی اب تک کی ساری مصلحت کوشش اور ضبط رخصت ہوئی۔ "بکواس بند کر شیرا۔" وہ حلق کے بل چلائے۔

"جو کرنا ہے کر مگر آئندہ مجھے فون کیا تو پولیس میں پکڑوا دوں گا یہ سمجھ لے۔" انہوں نے اس کا جواب سننے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور لائن ڈسکنکٹ کر دی۔ "سب نے مجھ کو بے وقوف سمجھ رکھا ہے' جو ہر ایک مفت کا مال کھانے کی فکر میں ہے۔"

ابھی ابھی فرحت کی طرف سے وصولی ہوئی ساری تشویش اور کوفت شیرا کے فون سے اور بھی زیادہ بڑھی تھی۔

"بس جی بہت ہو گیا' جس کا جو دل چاہتا ہے وہ کرے۔" منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے اپنا موبائل دوبارہ اُٹھایا۔

اُن کی انگلیاں تیزی سے ثانیہ کی ممانی کا نمبر سرچ کر رہی تھیں۔

مزید چند دن کی مہلت دینا بھی' اب اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا اور وہ ایسا کرنے کی غلطی کسی قیمت پر نہیں کرنے والے تھے۔

وحید نے ممانی کو دی جانے والی ڈیڈ لائن سوچ لی تھی۔

...☆☆☆...

صبح جب وہ آفس کے لئے تیار ہو رہی تھی تو ممانی کمرے سے نکل کر باہر برآمدے میں ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھی تھی۔

اتنی صبح اُٹھنا اُن کی عادت کے قطعی بر خلاف تھا۔ ثانیہ نے کچن کے دروازے میں سے جھانک کر اُن کی موجودگی کی تصدیق کی۔

اور پھر اپنے اور اماں کے ساتھ' وہ اُن کے لئے بھی چائے لے آئی۔ چائے کا کپ اُن کے آگے رکھتے ہوئے اُس نے نوٹ کیا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہیں' وہ غالباً پریشان تھی۔

ثانیہ کی لائی ہوئی چائے بھی اُنہوں نے بنا کسی اعتراض کے قبول کر لی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ اُس کے آفس جانے پر تو کچھ نہ کچھ تبصرہ ضرور ہی کریں گی' لیکن آج پہلی بار وہ اختلافی مسائل سے کچھ گریز کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

ثانیہ نے تو دل میں شکر ہی کیا۔ آفس کی گاڑی جس وقت ہارن دے رہی تھی وہ تیزی سے اپنا بیگ اُٹھانے کے لئے ڈائننگ ٹیبل پر آئی۔

"جا رہی ہو۔" تب انہوں نے نگاہ اٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔ جمیل ماموں کے انتقال کے بعد آج پہلا دن تھا جب وہ آفس جا رہی تھی۔

"جاؤ' چلو اب جتنے دن باقی ہیں' یہ خوشی بھی پوری کر لو۔" اِس چھوٹی سی بات کا سیاق و سباق کیا تھا۔

وہ حیران سی ہوتی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

"کون کون سی خوشیاں تھیں' جو وہ پوری کئے جا رہی تھی۔" اُس کا دل چاہا تھا کہ وہ اُن سے پوچھ تو لے' لیکن گاڑی چل چکی تھی اور نہ بھی چلی ہوتی تو وہ کب اُن سے اُن کی کہی باتوں کی وضاحت مانگ سکتی تھی۔

آفس میں سب ہی نے اُسے دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا۔ سب ہی کا یہی خیال تھا کہ ایک بڑے جذباتی صدمے سے باہر آنے کے لئے، اُسے ایسی ہی مصروفیت درکار ہے۔ ''مجھے یقین تھا کہ آپ آفس آجائیں گی اور یہی بہتر بھی تھا۔'' سجاد اُس کے اور فرح کے کمرے میں آئے تھے۔ ثانیہ کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ جھلک دکھا کر غائب ہوئی۔

صدمہ اتنا اعصاب شکن تھا کہ، وہ سوچ رہی تھی کہ آ تو گئی ہے مگر پتہ نہیں کچھ کام بھی ہو سکے گا یا نہیں۔

''پتہ نہیں مجھے آنا چاہئے تھا ابھی یا نہیں۔''

''پھر وہی بات۔'' فرح نے ماتھے پر ہلکے سے ہاتھ رکھا۔ ''کرنا کیا تھا گھر بیٹھ کر، فضول باتیں سوچتے رہنا اور کیا، ممانی کا تو یہ بہانہ ہے سجاد بھائی، اصل میں تو یہ خود گھر بیٹھنے کے موقع ڈھونڈتی ہے، یہ تو آپ ہی کی ہمت ہے جو اتنے نااہل ورکر کو چلائے جا رہے ہیں۔''

یہ فرح ہی تھی، جو ماحول سے چھائے بوجھل پن کو نارمل کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

اتنے دن وہ اُس کے ساتھ رہی تھی، قدم قدم پر ہمت بندھاتی، ورنہ اُسے تو ایسا لگنے لگا تھا، جیسے ماموں کے ساتھ دنیا ہی ختم ہو گئی ہے۔

''ہم سب آپ کے ہیں ثانیہ، کبھی بھی خود کو تنہا مت سمجھے گا۔'' سجاد کہہ رہے تھے۔ ثانیہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ ایسے الفاظ کتنی بار، کسی نہ کسی تسلی کی خاطر کہے اور سنے جاتے ہوں گے، لیکن اس جیسی تنہائی جھیلنے والوں کے لئے یہ الفاظ نہیں، بلکہ حوصلہ ثابت ہوتے ہیں تب ہی بہت اچانک کوئی کمرے میں آیا تھا۔

سجاد سمیت وہ دونوں بھی بڑے مؤدبانہ انداز میں ایک ساتھ ہی کھڑی ہوئی تھی۔ یہ بابا تھے اور اُن کے پیچھے عمر۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''مجھے تم سے ضروری کام تھا، لیکن تم چیمبر میں نہیں ملے تو...'' فرح اور ثانیہ کے سلام کا شفقت سے جواب دے کر، وہ سجاد سے مخاطب تھے۔ اُن کے لہجے میں جو کیفیت تھی، اُسے صرف سجاد ہی سمجھ سکے۔

بابا آج کل اُن سے ناراض تھے، فیضی کی حمایت کرنے کا جو جرم اُن سے سرزد ہوا تھا۔ اُسے آسانی سے معاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''میں بس آ ہی رہا تھا بابا، اصل میں آج یہ ثانیہ آفس آئی ہیں، میں نے بتایا تھا نا آپ کو اُن کے ماموں کے بارے میں۔''

اُن کے یاد دلانے پر بابا نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ بہت پہلے جب وہ بیماری سے اُٹھ کر ایک بار آفس آئے تھے، تب وہ فرح کے ساتھ آ کر اُن سے ملی تھی۔ اُس کے بعد وہ کم ہی یہاں آ رہے تھے۔ کبھی سرسری طور پر دیکھا ہو تو دیکھا ہو، ورنہ سچی بات تو یہ کہ انہیں اُس کی شکل تک یاد نہیں تھی۔

''سجاد نے مجھے بتایا تھا۔ میں خود تمہارے گھر آتا تعزیت کے لئے، مگر شرمندہ ہوں نہ آ سکا۔'' بابا ثانیہ سے کہہ رہے تھے۔ سب ہی کو پتہ تھا کہ وہ اپنی بیماری سے پہلے تو بڑی باقاعدگی سے آفس میں کام کرنے والوں کے دُکھ درد میں شرکت کے لئے ذاتی طور پر پہنچتے تھے۔ ثانیہ کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

''بالکل وہی، بالکل وہی۔''

اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر ہلکے سے زبان پھیرتے ہوئے اُس نے کچھ کہنا چاہا، لیکن ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکل سکا۔

''اللہ کی رضا پر راضی ہونا ہی پڑتا ہے بیٹا۔ ورنہ بچھڑنے والوں کا دُکھ جھیلنا آسان نہیں، میں تمہاری دلی کیفیت سمجھتا ہوں، اللہ تمہیں صبر عطا کرے۔''

اُنہوں نے اپنا ہاتھ اُس کے سر پر رکھا۔

تپتی ہوئی دھوپ میں جیسے کوئی گھنا سایہ میسر آیا تھا۔ یہ لمس اُس کے لئے اجنبی تھا' یہ اتنا ہی مانوس تھا۔

جیسے جمیل ماموں کا ہاتھ اور جیسے جیسے... اُس کے ابا کا... وہ احساس جو بابا کو پہلی بار آئی سی یو میں دیکھ کر جاگا تھا' آج پہلے سے زیادہ قوی تھا' اِس چھوٹے سے پل کو یہیں روک لینے کی دعا ثانیہ کے دل نے شدت سے کی تھی۔

لیکن...

''عمر۔'' بابا عمر کی طرف مڑ چکے تھے۔ ''ثانیہ کے ماموں کے لے آفس میں فاتحہ خوانی کا پروگرام رکھ لو اس ہفتے میں کسی دن اور جو کچھ بھی اس سلسلے میں کرنا ہو وہ...'' فرح اور ثانیہ کو خدا حافظ کہتے ہوئے' وہ باہر جاتے ہوئے عمر کو ہدایت دیتے ہوئے باہر نکل گئے۔

سجاد اُن کے ساتھ تھے۔

وہ دونوں ابھی تک کھڑی تھیں۔

''ثانیہ ثانیہ۔''

فرح کو لگا جیسے وہ اُس کی آواز سن ہی نہیں رہی ہے۔

''ثانیہ۔'' ہلکی سی تشویش کے ساتھ اُس نے قریب آکر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم چونک پڑی۔

''ہاں۔'' فرح نے دیکھا' اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو رہی تھیں۔

''یہ کیا طریقہ ہے تم تو بہت بہادر ہو ثانیہ۔'' وہ بڑی محبت سے اُسے تسلی دے رہی تھی۔ ''چلو بیٹھو کرسی پر۔''

سہارا دے کر جب وہ اُسے بیٹھا رہی تھی' ثانیہ کو لگ رہا تھا کہ اب اُس کا رہا سہا صبر رخصت ہو چکا ہے' میز کی سطح سے سر ٹکا کر وہ دھیرے دھیرے رو رہی تھی۔

...☆☆☆...

سارے گھر میں خاک اُڑ رہی تھی۔

ہفتے بھر پہلے کام والی ماسی بھی پنجاب چلی گئی تھی' سو جو تھوڑا بہت سسٹم اُس کے دم سے قائم تھا وہ بھی ختم ہوا تھا۔

اماں نے دو تین دن تو جیسے تیسے گاڑی گھسیٹنے کی کوشش کی' لیکن اب ضعیفی میں یہ سب اُن کے بس سے باہر تھا۔ بہت سالوں سے بینا کی خدمت گزاری کی عادی ہو چکی تھیں۔ اُس کے جانے کے بعد' یہ آٹھ دس مہینے انہوں نے کیسے گزارے تھے' یہ وہی جانتی تھیں لیکن کوئی تھا جو اُن سے بھی زیادہ تکلیف اٹھا رہا تھا۔

جس کی تکلیف ظاہری بھی تھی اور باطنی بھی۔ جو قدم قدم پر بینا کے مہربان وجود کا عادی تھا۔ خوشیوں بھرے سنہری دنوں سے لے کر معذوری اور مجبوری کی طویل تاریک راتوں تک' وہی تھی' جس کی مسکراہٹ' جینے کا حوصلہ برقرار رکھتی آئی تھی۔

''معذوری' بے روزگاری' مجبوری۔''

آفتاب اُس ویران گھر کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر زیرِ لب بڑبڑایا تو آج بھی دل بڑے زور سے کانپا۔

کیسی تکلیف دہ بے بسی کا احساس جگانے والے الفاظ تھے۔

''اور ان کی اثر پذیری کا اُس سے زیادہ کون اندازہ کر سکتا ہے' جس کے لئے یہ محض الفاظ نہیں تھے' بلکہ اُس نے اِن کو خود اپنی ذات پر جھیلا تھا۔''

وہ خود کو بار بار یاد دلانے پر مجبور پا رہا تھا۔

شاید وہ دن بہ دن زیادہ اذیت پسند ہوتا جا رہا تھا۔ ''یا پھر... یا پھر یہ بینا کو یاد کرنے اور کرتے ہی رہنے کا ایک بہانا تھا۔ وہ چپ چاپ بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اندر چلا آیا۔

یہاں سے وہاں تک خاموشی کا راج تھا۔

چند دن پہلے اماں بھی پریشان ہو کر وحید کے گھر جا چکی تھیں۔

اماں کا کمرہ' ڈرائنگ روم' چھوٹا سا لائونج' کچن اور پھر اُن کا اپنا کمرہ۔

اُسے پتا بھی تھا کہ وہاں کہیں بھی کوئی نہیں ہے' پھر بھی باری باری اُس نے اِس سب جگہوں کو دیکھ ڈالا۔ کچن میں چائے کے مگوں میں بچی چائے سوکھ کر برائون اور پھر کالی بھی ہو چکی تھی۔ کھلے ہاٹ پاٹ سے جھانکتے' بازار سے لائی گئی روٹیوں کے سخت ٹکڑے جھانک رہے تھے اور فرائی پین میں بازار سے لایا ہوا کل کا سالن' اب تک یقیناً خراب ہو چکا تھا۔

وہ خاموش نگاہوں سے سب کچھ دیکھتا ہوا اپنے کمرے تک چلا آیا' فرش پر جمی مٹی پر اُس کے قدموں کے اب تک ان گنت نشانات ثبت ہو چکے تھے۔ اُسے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے سانس لینے میں بھی مٹی اندر آ رہی ہے اُس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور پھر پوری رفتار سے پنکھا چلا دیا' مگر مٹی کا جیسے طوفان سا اُٹھ کھڑا ہوا' پنکھا بند کر کے' وہ بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔

خیال یہی تھا کہ تھوڑی سی دیر آرام کر کے' واپس اپنے سٹور پر جا بیٹھے گا۔ مگر اس گرد آلود ماحول اور میلی شکنوں سے پر بیڈ شیٹ پر آرام کہاں؟ وہ آنکھیں بند کرتا تو' وہی چم چماتا' نکھرا ہوا گھر تصور میں آتا تھا' جس میں کچن سے اٹھتی خوشبوئیں تھیں اور صاف ستھرے صحت مند بچوں کے قہقہے گونجتے تھے۔ کہاں گئی وہ گمشدہ جنت...؟ بے چین سا ہو کر آفتاب نے پہلو بدلا تھا۔

ایک بینا کے منظر سے غائب ہونے کے ساتھ ہی وہ سب کچھ بھی بڑی تیزی کے ساتھ فضاء میں تحلیل ہوا تھا۔ ''سو ثابت ہوا کہ وہی تھی' جو اُس کے سکھ' آرام خوشی اعتماد کا استعارہ تھی۔'' یہ اُس کی اپنی ہی آواز تھی' جس کی گونج میں اب شدت آ چکی تھی وہ اسے سننا نہیں چاہتا تھا۔ مگر پھر بھی احساس جرم کا احساس اندر کہیں جاگتا ضرور تھا۔

خود کو لاکھ حق بجانب قرار دینے کے باوجود بھی اُسے اپنا گھٹیا پن شرمندہ کرتا تھا۔

بینا کی گھر پر وہ آخری نگاہ۔ وہ گھر سے کوئی ایک چیز بھی لئے بغیر نکل جانا اور اتنے ڈھیر سارے دنوں میں' کبھی بچوں کے خرچ کے نام پر ایک پیسہ بھی نہ طلب کرنا۔ کبھی جو اس بات کا اظہار اُس نے وحید بھائی کے سامنے کیا تو انہوں نے الٹا ہی مطلب نکالا۔

''ضدی' مغرور عورت ہے بینا' تم پر یہ تاثر ڈال رہی ہے کہ اُسے تمہارے پیسے کی رتی بھر بھی ضرورت نہیں ہے' خود اپنا بچوں کا گزارا کر سکتی ہے اور وہ تو شروع سے ایسا ہی کر رہی ہے۔ خاص طور پر جب سے تم معذور ہوئے ہو' تب سے تو مکمل طور پر اُس کا روّیہ ایسا ہی ہے' جیسے تم اُس کے زیر دست ہو۔''

آفتاب کو یاد تھا کہ وحید بھائی کا تجزیہ سن کر وہ کتنا تپا تھا۔

حالانکہ اماں نے اُن کی بات سُن کر کتنا ہی بڑا بھلا کہہ ڈالا تھا وحید بھائی کو۔ ''سازشی' مکار' بے ایمان۔''

وہ برملا بینا کے چلے جانے کو وحید کے کھاتے میں ڈالا کرتی تھیں اور اُس کے خلاف آج بھی ایک لفظ سننے کے لئے تیار نہیں تھیں۔

''دل تو نہیں چاہ رہا تمہیں اکیلا چھوڑ کر جانے کو' لیکن یہ تنہائی تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔''

ابھی جس دن وہ یہاں سے جا رہی تھیں بے حد افسردہ تھیں۔ ''تم نے خود پر اور بینا پر ہی ظلم نہیں کیا ہے' اُن معصوم بچوں کو بھی باپ کی شفقت سے محروم کیا ہے اور ساتھ میں مجھے بھی اِس بڑھاپے میں دربدر کر دیا ہے' کبھی جو خدا تمہیں توفیق دے اور تم بیوی بچوں کو لے آئے تو میں یقیناً واپس آجاؤں گی ورنہ اس گھر سے تو میرا دانہ پانی رخصت ہوا سمجھو۔''

جاتے ہوئے یہ آخری بات تھی' جو انہوں نے آفتاب سے کی تھی۔

اور جواباً وہ یوں ہی سخت سا چہرہ لئے خاموش کھڑا رہا۔ گھر میں زندگی کی جو ہلکی سی رمق بھی اماں کے دم سے محسوس ہوتی تھی' اُن کے ساتھ ہی رخصت ہوئی۔ تنہائی کے پر ہیبت دنوں میں ہی' وہ خود اپنی ذات کے دوسرے رُخ سے آشنا ہو رہا تھا۔ اپنی سخت دِلی' اپنی بے حسی' اپنی خود غرضی خود اُس کو بھی ایک بد نما عکس دکھاتی تھی۔ جسے وہ جھٹلانا بھی چاہتا تو' آسان نہ ہو پاتا۔

...☆☆☆...

نینی نے اپنا پرس کھول کر ہزار روپے کا آخری نوٹ فیضان کو تھمایا۔

''اب بالکل پیسے نہیں ہیں میرے پاس' اِس لئے انہیں ایک دم خرچ کر کے مت بیٹھ جانا پلیز۔''

''اللہ مالک ہے۔''

وہ لاپروائی سے نوٹ اپنے والٹ میں رکھ رہا تھا۔

''کچھ پیسے ٹیوشنز کے مل جائیں گے' باقی ہم کچھ زیور بیچ کر کام چلا لیں گے' نکل ہی جائیں گے یہ دن بھی۔''

''یہ تو نکل جائیں گے' لیکن آگے کا کیا ہو گا یہ تو سوچو' زیور بھی اب تھوڑا بہت ہی باقی رہ گیا ہے' سچ مجھے تو مہرو خالہ سے بھی شرم آتی ہے' کیا سوچتی ہوں گی کہ ایک ایک کر کے میں ساری ہی چیزیں بیچتی جا رہی ہوں۔''

اُسے زیور کے بکنے سے زیادہ فیضی کی لاپروائی دکھ دے رہی تھی۔ جب سے پیسے کے حصول کا یہ نسخہ اُس کی سمجھ میں آیا تھا' اُس کی لاپروائی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ جیب بھری ہوتی تو پہلے جیسی شاہ خرچی کی جھلک اُس کی شخصیت میں نمایاں دکھتی تھی۔ نینی کو یاد تھا' جب اُس نے پہلی بار اپنا زیور بیچا تھا تو مہرو خالہ نے کہا تھا۔

''میں تمہیں بیچنے سے منع نہیں کرتی۔ زیور ایک طرح سے ہوتا ہی اسی لئے ہے کہ آڑے وقت میں کام آ سکے' لیکن بیٹا فیضی کم عمر ہے اور ذمہ داریوں سے گھبرایا ہوا بھی' مجھے ڈر ہے کہ وہ اس طرح پیسہ آتا دیکھ کر تن آسان نہ ہو جائے۔''

جو کچھ انہوں نے اُس کے بھلے کے لئے کہا تھا' حرف بہ حرف صحیح ثابت ہو رہا تھا۔

وہ جو کبھی اُسے صبح سے گھر سے نکلتا دیکھ کر رات کو واپس آتا ہوا پا کر' اُس کی حالت پر بے اندازہ دکھی ہوتی تھی' اب اُسے دن چڑھے تک سوتا ہوا پا کر بیزار ہوتی تھی۔

صبح کی جاب تو وہ چھوڑ ہی چکا تھا۔ لے دے کر شام کے ٹیوشنز رہ گئے تھے۔ اُن میں سے بھی دو ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ صرف اور صرف اُس کی لاپراوئی سے' نینی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسے کیسے اور کب تک چلے گا۔

''مہرو خالہ کے گھر زیور رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اپنے گھر پر لا کر رکھو۔ ہماری چیز ہے۔ بیچیں یا پھینکیں، کسی کو مطلب۔'' نصیحت سے ملتی جلتی کوئی بھی بات اسے ایسے ہی چڑاتی تھی۔

''لے آؤں گی، ویسے بھی اب اتنا زیادہ تو ہے نہیں جس کی کوئی خاص فکر کی جائے، لیکن یاد کرو یہ تمہارا ہی مشورہ تھا۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی نینی کی ٹون طنزیہ ہونے لگتی تھی۔

''ہاں تو اُس وقت پتہ تھا کہ گاڑی اس طرح چوری ہو جائے گی، وہ بک جاتی تو ہمارے لئے پیسوں کا مسئلہ ہی کیا تھا۔'' وہ اب شیشے کے آگے کھڑا بال بنا رہا تھا۔

نینی خاموش سی ہو گئی۔ گاڑی کے ذکر پر آج بھی دل میں ہوک سی اٹھتی تھی، کتنی شاندار گاڑی اور اُس سے زیادہ شان سے وہ اُس میں فیضی کے پہلو میں بیٹھا کرتی تھی۔ مسرت بھرے وہ دن کتنے تھوڑے تھے، جب پاؤں زمین پر ٹکتے ہی نہیں تھے۔

''کیا سوچ رہی ہو۔'' فیضی نے اُس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

نینی نے دیکھا، وہ مسکرا رہا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ سب پریشانیاں وقتی ہیں۔ اتنا سوچو گی تو طبیعت خراب ہو جائے گی۔ میں تو کہتا ہوں کہ بس آج کی فکر کرو، آج کے دن کے لئے ہمارے پاس کوئی پرابلم نہیں، سو یہی بہت ہے۔ کھاؤ پیو مزے کرو۔'' مزاحیہ سے انداز میں وہ تیز تیز کہتا چلا گیا۔

نینی اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ پا سکی۔

جیسا بھی تھا، وہ اُس سے بے حد محبت کرتا تھا اور یہ کیا کم بات تھی۔

''ہمارے گھر میں ہر شخص کا ہاتھ کھلا ہوا ہے ہم لوگوں نے کبھی حساب کتاب رکھا ہی نہیں ہے اور خاص طور پر میں تو جنون کی حد تک خرچیلا تھا۔ لوگ اپنی پوری زندگی میں اتنا خرچ نہیں کر پاتے، جتنا میں نے اس عمر تک کر لیا ہے۔''

اُس کی وہی اپنے خاندان پر فخر کرنے کی عادت جو نینی کو شیخی کی حد میں داخل ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی، اکثر وہ اُسے ٹوکتی بھی تھی لیکن اس وقت وہ اتنا خوش دکھائی دے رہا تھا کہ اُس کا موڈ خراب کرنا اچھا نہیں لگا۔

وہ اُسی موڈ میں پرانی باتیں دُہرائے گیا۔ یہ تو طے تھا کہ اگر حالات موافق رہتے تو فیضی سے اچھا کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ فراخ دل تھا، محبت کرنے والا تھا اور کسی حد تک باہمت بھی۔

آسمان سے زمین پر گرنے کے اس عمل میں وہ اُس سے زیادہ تکلیف اُٹھا چکا تھا اور پھر بھی اُس کے ساتھ تھا۔

''خیر تو ہے، آج بڑے دن بعد تم نے مجھے اتنی محبت سے دیکھا ہے۔'' وہ شرارت سے مسکرایا۔

نینی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''ہم لوگ کتنا بدل گئے ہیں فیضی، اب تو سوچ کر بھی حیرت ہوتی ہے کہ ہم لوگ ایک دوسرے کے کتنے دیوانے ہوتے تھے۔ اب تو گھر میں ہوتے بھی ہیں تو سارا سارا دن ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے، ذرا ذرا سی بات پر لڑتے ہیں اور اُس لڑائی کو کھینچتے ہی رہتے ہیں۔''

فیضی نے نرمی سے اُس کا سر اپنے کندھے سے لگایا۔

''فیضی۔''

''ہوں۔''

''ہم تو یہ سب جھیل ہی لیں گے لیکن ہمارا بچہ، کیا وہ بھی اسی ماحول میں پلے گا۔''

فیضی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

...☆☆☆...

''بس اب اور نہیں، میں بالکل تھک چکی ہوں فرح۔'' ثانیہ کا لہجہ حتمی تھا۔

''یہ تھرڈ فلور کی کچھ شاپس رہ گئی ہیں، ان پر بھی دیکھ لیتے ہیں۔'' فرح اب بھی اُسے راضی کرنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن

''اب اور نہیں پلیز۔''

فرح کو لگا کہ وہ واقعی تھک چکی ہے۔

آج بہت دن بعد وہ اسے بازار لانے میں کامیاب ہوئی تھی، گھر، آفس، گھر۔ یہی اُس کی روٹین تھی۔

''زندگی میں تھوڑی سی دلچسپی لینا ضروری ہے ثانیہ ورنہ انسان بہت جلد تھک جاتا ہے، محض ایک سمت تکتے رہنے سے، آس پاس کے سب ہی منظر دھندلا جاتے ہیں۔''

ثانیہ کی تھکان دور کرنے کے لئے، وہ یہیں شاپنگ مال میں واقع ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں اُسے لے آئی تھی۔

''آس پاس کوئی منظر بھی تو ہو دیکھنے لائق۔'' ایک تلخ سی مسکراہٹ اُس کے چہرے پر آئی۔

''منظر ہمیں خود ڈھونڈنے پڑتے ہیں، کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھو تو خود پر منحصر ہے کہ نگاہ سامنے گلی میں پڑی کیچڑ پر رکھنی ہے یا آسمان پر پھیلے بادلوں پر۔''

فرح نے نرمی سے اُس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''کھڑکی کھولنا ضروری ہے کیا، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' اُس کا انداز ضدی بچوں والا تھا جو خود کو بدلنے کے لئے تیار نہیں تھی۔

''روشنی کی کرن کو آنے کے لئے راستہ خود دینا پڑتا ہے، ورنہ وہ باہر سے ہی لوٹ جاتی ہے۔''

فرح کی بات کے جواب میں اُس نے بڑی بے نیازی سے شانوں کو ہلکی سی جنبش دی۔

ایسے جیسے کہہ رہی ہو کہ "Whocare"

چند لمحے یوں ہی خاموشی سے گزرے۔

فرخ نے دیکھا، کہ وہ کچھ کھانے پینے میں بھی دلچسپی نہیں لے رہی ہے۔

پچھلے دو ماہ میں وہ بڑی حد تک کمزور ہو چکی تھی اس کی خوبصورت آنکھوں میں حلقے پڑ چکے تھے اور رنگت زردی مائل سفید پڑ رہی تھی۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں وہ کتنے بڑے دکھ دیکھ چکی تھی۔

فرح نے اپنا دل رنج سے بھرتا ہوا محسوس کیا۔'' یہ اپنا بر گر پورا کرو، پیسے خرچ ہوتے ہیں یار اور بڑی محنت کی کمائی ہے ہماری۔'' دلی کیفیت کو چھپاتے ہوئے، وہ اُسی لائٹ سے موڈ میں تھی، جو بڑا مخصوص تھا۔ ثانیہ نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے، کولڈ ڈرنک کا سپ لیا۔

ریسٹورنٹ میں خاصے لوگ تھے اور آنے جانے والوں کا سلسلہ مستقل ہی جاری تھا۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے یوں ہی آنے جانے والوں پر نگاہ دوڑا رہی تھیں۔ تب ہی فرح کسی کو دیکھ کر بری طرح چونکی۔

"ثانیہ وہ دیکھو اُدھر' بچوں کی رائیڈز کے قریب۔"

اُس نے ثانیہ کو متوجہ کیا۔

"کہاں' وہ اُدھر۔"

"ارے نہیں' وہ۔" فرح نے اِس بار باقاعدہ ہاتھ سے اشارہ کیا تو ثانیہ کو فوراً ہی دکھائی دے گیا۔

"اچھا پلیز۔" اِشارہ مت کرو۔" اُس نے فرح کی ایکسائٹمنٹ کو نظرانداز کر کے' پہلے اُسے تنبیہ ضروری سمجھی۔

"ارے نہیں' وہ۔" فرح نے اس بار باقاعدہ ہاتھ سے اشارہ کیا تو ثانیہ کو فوراً ہی دکھائی دے گیا۔اچھا پلیز۔" اشارہ مت کرو۔" اُس نے فرح کی ایکسائٹمنٹ کو نظرانداز کر کے' پہلے اُسے تنبیہ ضروری سمجھی۔

"ارے تمہیں حیرت نہیں ہو رہی' اس طرح دھڑلے سے یہ لبنیٰ صاحبہ نہ جانے کس کو لے کر یہاں تشریف فرما ہیں۔"

فرح کی نگاہ بری طرح لبنیٰ اور اس دبلے پتلے لڑکے پر جمی ہوئی تھی' جو اپنی ڈریسنگ اور انداز سے ہی سخت چھچھورا دکھائی دے رہا تھا۔

"ہمارا محلے کا ہی لڑکا ہے' توصیف نام ہے۔"

ممانی نے لبنیٰ میں اس نام کو لے کر' گھر میں جتنے معرکے ہو رہے تھے' سو یہ نام اب اُس کے لئے بھی اجنبی نہیں رہا تھا۔

"تم نے مجھے بتایا بھی نہیں کہ یہ سب...۔" فرح نے خالص دوستوں والا شکوہ کرنا چاہا۔

"بتانے والی بات ہی کیا ہے اور اُس روز جب تمہارے سامنے ممانی نے ہنگامہ کیا تھا' لبنیٰ کے چھت پر جانے پر۔" وہ بڑے اطمینان سے فرح کو یاد دلا رہی تھی۔

"کتنے افسوس کی بات ہے' لبنیٰ کو کچھ تو خیال رکھنا چاہئے تھا۔" وہ یہاں سے بخوبی' لبنیٰ کا شوخ میک اپ اور اُس سے بھی زیادہ شوخ ادائیں دیکھ سکتی تھی۔

"مجھے تو نہ افسوس ہے اور نہ حیرت' وہ تباہی کے کس گڑھے میں گرتی ہے مجھے اس کی بھی پروا نہیں اور مہربانی کر کے تم بھی مستقل اُس کی طرف مت دیکھو۔" یہ لب ولہجہ نیا تھا۔

فرح نے پہلے کبھی اُسے کسی کے لئے' اتنے سخت الفاظ استعمال کرتے نہیں سنا تھا۔

"تم بہت بدل گئی ہو ثانیہ۔" بڑی بے ساختگی سے فرح کے منہ سے نکلا تھا۔

ثانیہ نے اطمینان سے اپنا گلاس خالی کیا۔

"حالات بہت کچھ بدل دیتے ہیں فرح' میں نے زندگی میں کسی سے نفرت نہیں کی' لیکن لبنیٰ سے مجھے نفرت ہو چکی ہے' میں جب بھی اسے دیکھتی ہوں' جمیل ماموں کے آخری وقت کی اذیت کو یاد کرتی ہوں۔" اُس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے لیکن درد کا ایسا احساس تھا جو آنسوؤں سے کئی گنا زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔

"اُس اندھیرے سرد کمرے میں انہوں نے کس بے بسی کے ساتھ اپنی جان دی ہو گی اور یہ چھت پر اپنے عاشق کے ساتھ...۔" وہ پرس اُٹھا کر یکدم ہی کھڑی ہو گئی۔

"اب چلو دیر ہو رہی ہے۔" فرح کو اٹھنا پڑا۔

...☆☆☆...

ہوا نیم گرم تھی اور آج معمول سے کچھ زیادہ تیز چل رہی تھی۔

آفتاب نے ایک نگاہ آسمان پر ڈالی' جس کی رنگت بدلی ہوئی تھی صبح سے چھائے سرمئی بادلوں کے غبار کی جگہ' اب عجیب سی پیلاہٹ آسمان پر پھیل رہی تھی' آہستہ آہستہ اپنا عکس سارے ماحول پر پھیلاتی ہوئی۔

''اُس نے دل پر بوجھ کچھ اور بھی بڑھتا ہوا محسوس کیا۔

آج کل وہ دوپہر میں بھی اندر گھر میں آرام کے لئے جانا چھوڑے ہوئے تھا' سارا دن یہیں گزارتا اُس کے پاس کام کرنے والا لڑکا' ہوٹل سے دونوں وقت کھانا لے آتا اور اس بات پر ذرا بھی توجہ دیئے بغیر کہ' وہ کیسا ہے' خاموشی سے اپنا پیٹ بھر لیتا۔ رات گئے تک' جب تک گلی میں آخری آدمی بھی نظر آرہا ہوتا' وہ یہیں بیٹھا رہتا' گھر کے اندر پھیلی تنہائی سے بچنے کا یہی ایک نسخہ اُس کے ہاتھ آیا تھا' دکان پر بیٹھے رہنے میں' صرف اپنے اندر ہوتی مستقل جنگ کو ہی جھیلنا پڑتا تھا۔

کام کرنے والے لڑکے کو اُس نے ابھی ابھی چائے لانے کے لئے بھیجا تھا اور وہ اس گرم وقت میں چائے کی فرمائش پر کچھ حیرت زدہ سا ہو کر ہوٹل کی طرف گیا تھا' تب ہی۔

اِس زردی بھری دوپہر میں آفتاب نے اس موٹر سائیکل کو اپنے میڈیکل سٹور کے سامنے رکتے ہوئے دیکھا۔

کرخت چہرہ اور مضبوط جسم والے اُس شخص کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اُس نے یہی گمان کیا تھا کہ وہ کوئی دوا لینے آیا ہے' سوا ایک پیشہ ورانہ سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر وہ اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

''فرمایئے۔''

''آپ آفتاب صاحب ہیں۔'' حلیئے اور چہرے مہرے کے بر خلاف اُس کا لہجہ خاصا مہذب تھا۔

''جی ہاں۔'' آفتاب کو اُس کے سوال پر تھوڑی سی حیرت ہوئی' دوا لینے کے لئے آنے والے اُس کا نام نہیں پوچھا کرتے تھے۔

''میں اصل میں یہاں آنا تو نہیں چاہتا تھا' لیکن آپ کا فون مل کر ہی نہیں دیتا' کتنے دن سے ٹرائی کر رہا ہوں۔''

آفتاب نے بے اختیار ہی نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا۔

''وہ منحوس نمبر تو اُس نے کب کا بلاک کروا دیا تھا۔''

مگر ایک اجنبی کو جس کا وہ نام تک نہیں جانتا تھا' یہ بتانا کیا ضروری تھا۔

''وہ اُس سیٹ میں کچھ خرابی ہے۔ آپ فرمایئے کچھ کام تھا مجھ سے۔''

اتنی بات کہتے ہوئے' اُس نے صاف محسوس کیا کہ سامنے کھڑا شخص اُسے بہت ہمدردی سے دیکھ رہا ہے۔

''شکر ہے کہ وحید صاحب نے مجھے اِس واقعے سے پہلے' ایک بار آپ کا گھر دکھایا تھا' میں اُن کے ساتھ یہاں آیا تھا' باہر گاڑی میں ہی بیٹھا...''

''بات کیا ہے' آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔''

آفتاب نے اپنی چھٹی حس کو بیدار ہتا محسوس کیا' فون' گھر' وحید کا حوالہ کوئی خاص بات تو ضرور ہی تھی۔ اُس کی نگاہیں سامنے کھڑے شخص پر جم سی گئی تھیں اور اُس بے حد کھردرے دکھائی دیتے شخص کو' بھی اپنی ہمت مجتمع رکھنے کے لئے' تھوڑی سی دقت کا تو سامنا تھا ہی۔

"میری بات سن کر غصے میں مت آیئے گا' میں جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ کی بھلائی کے لئے ہی کہہ رہا ہوں۔" اُس کی آواز نسبتاً دھیمی ہوئی۔

آفتاب بناء کچھ کہے مستقل اُسے دیکھے گیا۔

"مجھے آپ کی بیوی کے بارے میں کچھ کہنا تھا۔"

آفتاب نے خود کو سخت دباؤ میں آتا محسوس کیا۔

گو وہ بینا سے اپنے طور پر مکمل لاتعلقی اختیار کر چکا تھا' لیکن رشتہ نام کا ہی سہی' اب بھی موجود تو تھا ہی۔ "مجھے معلوم ہے کہ وہ یہاں سے جا چکی ہیں اور اُس کی وجہ' وہ گمنام مشکوک فون کالز تھیں جو آپ کے گھر...."

"بکواس بند کرو' تم ہوتے کون ہو میرے پرسنل معاملے پر بات کرنے والے۔" اُس نے بے اختیار ہی سامنے کھڑے شخص کا گریبان تھاما۔ آج بھی بینا کے لئے کسی کے منہ سے الٹا سیدھا سننا ناقابل برداشت تھا۔

"میں اِس پرسنل معاملے کو ہی سلجھانا چاہتا ہوں آفتاب بائو۔" اُس شخص نے بڑے اطمینان سے آفتاب کی گرفت سے اپنا گریبان آزاد کیا۔

"بات خراب مت کریں' میں آپ کے فائدے کے لئے ہی یہاں تک آیا ہوں' حالانکہ آپ کے بھائی نے مجھے آپ کو کچھ نہ بتانے کے لئے اچھی خاصی رقم بھی دی تھی' لیکن میرا دل نہ مانا' کہ آپ زندگی بھر اندھیرے میں رہیں۔"

وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا' صحیح تھا یا نہیں' لیکن آفتاب کو اِتنا ضرور احساس ہو رہا تھا کہ اُسے' اُس شخص کی بات سن لینی چاہئے۔

"آپ کی بیوی معصوم ہیں' بے گناہ ہیں' وہ کالز وحید نے کروائی تھیں' تاکہ آپ کی بیوی یہاں سے چلی جائے۔"

"میرے بھائی پر الزام لگاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے۔" آفتاب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"تمہیں اُن سے اگر..."

سامنے کھڑا شخص اب اور بھی زیادہ پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ "مجھ سے زیادہ آپ کے بھائی کو شرم آنی چاہئے تھی۔"

ایک ہاتھ سے' آفتاب کو رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے اُس نے بات کاٹی۔ "تمہاری بیوی پر الزام لگاتے ہوئے' مگر وہ تو نہیں شرمایا' کیونکہ وہ بے حد گھٹیا شخص ہے مجھ سے بھی زیادہ۔"

اپنی بات کہتے ہی وہ اُس کی دکان سے ایک سٹیپ نیچے اتر چکا تھا۔

آفتاب بے قرار سا ہو کر آگے بڑھا۔ "تم اِس طرح نہیں جا سکتے' ادھوری بات چھوڑ کر۔"

"بات پوری ہو گئی ہے آفتاب صاحب' میں نیاپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا' آگے آپ جانیں آپ کا کام۔"

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے' اپنی سچائی کا۔' اپنی معذوری کی بناء پر وہ تیزی سے اُس کے پیچھے نہیں اُتر سکا تھا۔ "مجھے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ وحید نے وہ فون مجھ سے ہی کروائے تھے۔" مڑ کر موٹر سائیکل سٹارٹ کرنے سے پہلے' اُس نے پوری بے نیازی سے کہا تھا۔

دکان کی سیڑھیوں پر آفتاب ایسے کھڑا تھا' جیسے اُس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا ہو۔

...☆☆☆...

کمرے میں بڑی پرسکون سی ٹھنڈک پھیلی ہوئی تھی۔

سجاد نے پورے دھیان کے ساتھ سامنے بیٹھی ثانیہ کی بات سننا چاہی' جو وہ ایک فائل کھولے انہیں پڑھ کر سنا رہی تھی۔

لیکن نگاہ بار بار اُسی پر کشش چہرے پر بھٹکتی تھی' جہاں بڑی ملائم سی روشنی پھیلی ہوئی

دکھائی دے رہی تھی۔

اُسے بھی شاید کسی بے ادبی کا احساس ہوا تھا جو چند منٹ بعد' اُس نے الجھن سی محسوس کرتے ہوئے اُن کی طرف دیکھا۔

''کوئی غلطی ہوئی سر۔''

''اوں ہنہ۔'' مسکراہٹ کو چباتے ہوئے سجاد نے نفی میں سر ہلایا۔ عجیب بات تھی کہ رفتہ رفتہ وہ خود کو ہوشیار باش کی تنبیہ کرنا بھی بھولتے جا رہے تھے۔

ثانیہ گڑبڑا کر دوبارہ فائل کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

اِس بار وہ سنبھل کر بیٹھے تھے' لیکن دھیان تھا کہ بھٹکا ہی تھا' اُس چہرے کے نقوش میں نہ سہی' اپنے حالات کی ستم ظریفی پر ہی سہی۔

''اور وہ کیسے آزاد کر سکتے ہیں اس احساس سے خود کو جو کسی حکم کی طرح ذات پر نافذ ہوا تھا۔ آگے تو بس اُس کی تعمیل ہی کرنی تھی۔

نفع نقصان کا گوشوارہ تو بہت بعد میں درج ہوتا ہے۔

اُن کی سمجھ میں آتا تھا کہ فیضی کیسے سب رشتے توڑ کر' بڑی آسانی کے ساتھ اُن سب کو چھوڑ گیا تھا اور پہلے بھی...

اُن کے خاندان میں وفا پرستی کی مثالیں تو کئی تھیں۔

ایک دھیمی دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ کیا کیا سوچ گئے۔

''ثانیہ۔''

جب وہ اپنا کام ختم کر کے اُٹھ رہی تھی تو وہ اُس کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''جی۔'' وہ منتظر نگاہوں سے اُن ہی کو دیکھ رہی تھی۔

''اصل میں وہ...۔''

کیسا کنفیوژن سا پھیلا تھا اُن کی زندگی میں' کسی کسی وقت تو یہ سٹیٹس' یہ نام' یہ خاندان سب ہی بڑی مصیبت سی ثابت ہونے لگتا ہے۔

اندر ہی اندر جھنجلا کر' سجاد نے ایک بار پھر وہ نہیں کہا' جو کہنا چاہا تھا۔

''میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب اماں اور آپ کے لئے وہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے تو اگر آپ میرا مطلب ہے کہ اماں چاہیں تو رحمت منزل میں شفٹ ہو جائیں یا وہاں نہیں تو' جہاں کہیں بھی آپ چاہیں۔ رہائش کا بندوبست کروا دیا جائے۔''

اُس نے پورے تحمل سے اُن کی بات سنی تھی وہ بچی نہیں تھی۔

یہ فکر' یہ اپنائیت' یہ خیال۔

سب سمجھ میں آتا تھا۔ ''مگر یہ تو سب ہی کے لئے تھا' اُن کے ساتھ کام کرنے والا ہر شخص اُن کی ہمدرد طبیعت کے گن گاتا تھا۔''

جب بھی وہ تھوڑا سا خوش فہم ہونے لگتی' یہی ایک خیال' زمین پر پیر ٹکائے رکھنے میں مدد دیتا۔

''آپ ہماری فکر مت کریں سر' ابھی تو ممانی ویسے بھی اماں کو کہیں نہیں جانے دیں گی' وہ کافی بدل گئی ہیں' اماں کا بہت خیال رکھ رہی ہیں آج کل۔''

اپنی بات کے اختتام پر وہ ہلکے سے مسکرائی' شاید انہیں اطمینان دلانے کے لئے۔ ''خدا کرے ایسا ہی ہو' لیکن ایک بات یاد رکھئے گا ثانیہ' لوگ اپنی فطرت نہیں بدلتے' بلکہ اُن کی فطرت انہیں بدلنے ہی نہیں دیتی' بہر حال آپ کو کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے' میں آپ سے صرف یہی کہنا چاہ رہا تھا۔'' وہ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر آ کھڑے ہوئے تھے۔

''کیا یہ سب واقعی ایسا ہے' جیسا دوسروں کے ساتھ تھا۔'' وہ پلکیں جھکائے بالکل خاموش کھڑی تھی۔

''کیسی عجیب بات ہے کہ وہ خود اپنی خوش قسمتی کا نہ یقین' چاہتی ہے اور نہ آسرا۔''

چند لمحے بڑی نرم روی سے' اُن دونوں کے درمیان سے گزرے۔ پھر جیسے وہ کسی دھیان سے چونکی تھی۔

سجاد نے اُسے بناء کچھ کہے مڑ کر جاتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اس بار اسے پکارا نہیں تھا۔ لیکن بڑی گہری خوشی کا' سکون بھرا احساس تھا' جواب بھی باقی تھا۔

انہیں یقین تھا کہ آج' ثانیہ نے' وہ بخوبی سُنا ہے جو کبھی کہا بھی نہیں گیا تھا۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے' سجاد نے پہلی بار صرف اور صرف اس کے اور اپنے بارے میں سوچا۔

گھر' خاندان' برادری اور برادری سے جڑے اصول قاعدے' سب کہیں دور بہت دور رہ گئے تھے۔

''یہ پیسہ' یہ جدوجہد' محض آسائشوں کا حصول نہیں تو اور کیا ہے۔'' اندر سے اُبھرتی ایک طنزیہ آواز سے انکار ممکن نہیں تھا۔

سو پس ثابت ہوا کہ زندگی ساری عمر بس آسائشیں اکٹھی کرنے کی تگ و دو کا ہی نام ہے' اس سے آدھی تہائی بھاگ دوڑ اگر اپنے لئے خوشیاں اکٹھی کرنے میں کر لی جائے تو اپنے ساتھ شاید دوسروں کا بھلا بھی ممکن ہو پائے۔''

فرح نے جب انہیں آ کر کہا کہ ثانیہ آج جلدی گھر جانا چاہ رہی ہے تو سجاد کو ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی۔

''آج بہت دیر سے خاموش ہے ثانیہ' پوچھنے پر بھی کچھ نہیں بتایا' آپ سے تو کچھ نہیں کہا اُس نے...''

اُن کا اجازت نامہ لینے کے بعد' وہ رکتے رکتے پوچھ ہی بیٹھی۔

''نہیں مجھ سے تو کوئی خاص بات نہیں کی' میرا خیال ہے۔'' وہ دانستہ اپنے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

فرح کے اندازوں کی درستگی پر سب ہی کو اکثر حیرت ہوتی تھی۔

اس وقت بھی' وہ ان کی طرف سے کچھ الجھن لئے باہر آئی تھی۔

''جایئے حضور۔''

ثانیہ اُس کی واپسی کی منتظر تھی' مگر فرح تھوڑی سی خفا اور بہت زیادہ ایکسائیڈ۔

''آج تو اس ساری دوستی پر تین حرف بھیجنے کو دل چاہ رہا ہے' جہاں میری اوقات اتنی گئی گزری ہے کہ تم کسی راز داری کے بھی قابل نہیں سمجھتیں۔''

ثانیہ کے ساتھ آفس کی عمارت سے باہر آتے ہوئے وہ مستقل ہی اسی طرح کی باتیں کئے جا رہی تھی۔

ثانیہ کچھ دیر تو سنتی گئی اور پھر ضبط نہ ہوا تو ایک دم ہنس پڑی۔ ''تو گویا میرا اشک بالکل ٹھیک تھا' کوئی بات ہے ضرور۔'' ثانیہ کو ہنستا دیکھ کر' فرح کو بہت ہی اچھا لگا تھا' لیکن بظاہر وہ اب بھی ناراض تھی۔

"پتہ نہیں بات ہے یا نہیں ہے' لیکن خوش تو ہوں میں۔" ایک چھوٹا سا اقرار تو ثانیہ کو کرنا ہی پڑا۔

فرح نے بہت محبت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ بہت زیادہ خوش رکھے۔"

اُس کے خلوص کا کیا بدل تھا؟

"کچھ بھی نہیں۔" ثانیہ نے دل پر پانی سا گرتا محسوس کیا۔"اور بات کا کیا ہے' میں خود معلوم کر لوں گی یوں۔"

لاپروائی سے کہتے ہوئے فرح نے اُس کی نگاہوں کے سامنے چٹکی بجائی۔

آفس کی گاڑی اُسے لینے کے لئے سامنے کھڑی ہوئی تھی' ثانیہ ہاتھ ہلاتی ہوئی' اُس کی طرف جا چکی تھی۔

آج وہ وقت سے پہلے جا رہی تھی' سو گاڑی بالکل خالی تھی' باہر بھاگتے دوڑتے ٹریفک سے بے نیاز وہ اس فرصت بھری خاموشی میں' سجاد کی کتنی ہی باتوں کو دل میں دہرائے گئی۔

"سجاد" جنہیں اُس نے جب پہلی بار دیکھا تھا' تب بے اختیار یہ سوچا تھا کہ "وہ لڑکی کتنی خوش قسمت ہو گی' جو اُن کی بیوی بنے گی۔"

اور پھر اس خالی جگہ کو پر کرتی شیریں کو وہ ہمیشہ ہی کتنے رشک سے دیکھتی تھی۔

ایک اُس کا کیا' سب ہی کا خیال بلکہ یقین تھا کہ وہ جب بھی شادی کریں گے' شیریں کے ساتھ ہی کریں گے'لیکن وقت کے ساتھ' یہ مفروضہ بھی ماضی کی دھول بنا۔

اس سارے عرصے میں سجاد کے کتنے ہی روپ اُس نے دیکھے تھے' ہر ایک مہربان اور اُن کی دلکشی کو بڑھاتا ہوا۔ اُس کا واسطہ اب تک بہت زیادہ لوگوں سے نہیں پڑا تھا۔ پھر بھی اُسے پورا یقین تھا کہ دنیا میں سجاد سے زیادہ شاندار شخص کوئی اور نہیں۔

"کیا اللہ اُس پر اتنا مہربان تھا کہ اُس کے دامن کی تنگی کو بھی نظرانداز کر رہا تھا۔" ثانیہ کا دل بڑے خوشگوار انداز میں دھڑک رہا تھا۔

گاڑی ایک دھچکے سے گھر کے سامنے آ کر رکی تھی۔

وہی گھر جسے وہ آج بھی جمیل ماموں کا گھر کہتی تھی اور ہمیشہ کہتی رہے گی۔ اُترنے سے پہلے' ثانیہ نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا' سوا بارہ بجے رہے تھے۔

جب وہ صحت مند تھے تو عموماً اس وقت گھر سے دکان جانے کے لئے نکلتے تھے' "اگر ٹھیک ہوتے تو شاید آج بھی وہ اسے دروازے پر مل ہی جاتے۔"

وہ خالی خالی نگاہوں سے گھر کے بند گیٹ کو دیکھے گئی۔

ایک ناقابلِ تلافی نقصان' جسے اللہ کی رضا جان کر' صبر کے سوا کوئی دوسرا چارہ بھی کہاں تھا۔

ڈرائیور نے اسے گم صم سا دیکھ کر ہی' ہلکے سے ہارن دیا تھا' تب وہ چونک کر اُس کا شکریہ ادا کرتی ہوئی اتر آئی۔

گیٹ جو بند نظر آ رہا تھا ہلکے سے دھکے پر ہی کھلا ہوا ملا' یہاں اس طرح کی بے احتیاطی معمول کا حصہ تھی۔ پلٹ کر گیٹ بند کر کے' وہ بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی اندر آئی تو سامنے تخت پر ممانی اماں کے ساتھ سر جوڑے بیٹھی ہوئی تھیں۔

بالکل خاموش بیٹھی اماں سے، وہ آہستہ آہستہ جو بھی کہہ رہی تھیں، خاصا اہم تھا، ثانیہ نے محض ایک نظر میں اتنا تو محسوس کر ہی لیا تھا۔

''ارے آج اتنی جلدی، خیریت تو ہے بیٹا۔''

آہٹ پر وہ دونوں ایک ساتھ ہی چونکی تھیں اور ممانی کا لہجہ آجکل اتنا شہد ٹپکاتا تھا کہ گھبراہٹ ہونے لگتی تھی۔

''آج کام کم تھا، فرصت ہوگئی تھی، بس اسی لئے آگئی۔'' مختصر سا جواب دیتے ہوئے وہ مستقل اماں کی طرف دیکھے گئی۔

جہاں اداسی کے ساتھ پریشانی بھی رقم تھی۔

''شاید وہ اُس کے جلدی آجانے کی وجہ سے پریشان تھی۔''

لیکن نہیں۔

اُس کا اندازہ غلط تھا۔

ایک بار بھی انہوں نے اس سے جلدی آنے کی وضاحت نہیں طلب کی تھی، بس یوں ہی گم صم سی بیٹھی رہیں۔ بالکل ایسے جیسے ابا اور جمیل ماموں کی بیماری کے دنوں میں رہا کرتی تھیں۔

ثانیہ متفکر نگاہوں سے انہیں دیکھے گئی، ذرا دیر پہلے کا چھایا ہوا اطمینان اب رخصت ہو رہا تھا۔

''ممانی نے اُس سے ایسا کیا کہا ہے، ذرا ہٹیں یہاں سے تو پتہ بھی چلے۔'' وہ بے چین سی ہوتی ہوئی کپڑے بدلنے چلی گئی۔

واپس آئی، تب بھی وہ وہیں موجود تھیں۔ سامنے لبنیٰ کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

''لبنیٰ کہیں گئی ہوئی ہے ممانی۔'' وہ اس کے بارے میں پوچھنا تو نہیں چاہتی تھی، لیکن محض ممانی کا دھیان دوسری طرف کرنے کے لئے ایسا کرنا پڑا۔

اس بار وہ واقعی بوکھلا کر کھڑی ہو گئیں۔

''صبح دس بجے کی نکلی ہوئی ہے، سہیلی کے گھر کا کہہ کر، معلوم نہیں کم بخت کن چکروں میں پھرتی ہے، یہ لڑکی میرے ہاتھ سے بالکل نکل چکی ہے آپا، ثانیہ کی شادی ہو جائے تو اس کا بھی کوئی فوری بندوبست کر دوں۔''

وہ چادر لپیٹ کر گھر سے نکلنے تک مستقل بولے ہی گئیں۔

لبنیٰ سے آجکل وہ سچ مچ عاجز آچکی تھیں، ثانیہ کو اُن سے ذرا بھی ہمدردی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

''جو بویا ہے وہی کاٹیں گی اور کاٹ ہی رہی ہیں۔''

اُن کے جانے کے بعد اُس نے کہا تھا۔

''توبہ کرو، کسی کی آزمائش پر اس طرح کہتے ہیں کیا۔

کتنی پریشان ہے بے چاری اور اب تو شوہر بھی سر پر نہیں ہے، ساری ذمہ داری اُس اکیلی جان پر پڑ گئی ہے، اللہ مشکلیں آسان کرے، اُس کی بھی اور ہماری بھی۔''

اماں اپنی جگہ ٹھیک تھیں۔

"اور وہ کیوں بار بار بھول جاتی ہے کہ ممانی بہر حال پہلے کی نسبت بہت بدل چکی ہیں' باقی جو کچھ بھی ہو رہا ہے' وہ خدا کا انصاف ہے' جس پر رائے زنی اُسے بری بھی لگ سکتی ہے۔" بے حد شرمندہ ہو کر ثانیہ نے سوچا۔

"اچھا بات کیا ہے جو آپ اِس طرح پریشان بیٹھی ہیں کیا کہہ رہی تھیں ممانی پیسوں کا پرابلم ہے تو میں شہزاد سے کہہ دیتی ہوں کہ وہ گھر کا ایڈوانس لے کر بھیج دے۔"

مڈل کلاس کی آدھی سے زیادہ پریشانیاں پیسے سے ہی جڑی رہتی ہیں' سفید پوشی کو برقرار رکھنا مشکل سے مشکل تر ثابت ہوتا ہے۔

اور یہاں تو پچھلے دنوں ماموں کی آخری رسومات پر جس طرح دل کھول کر پیسہ خرچ ہوا تھا اس کے بعد ایسی پریشانیاں لازم تھیں۔

لیکن اماں کا سر غیر متوقع طور پر نفی میں ہلا تھا۔

"پیسوں کا تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے' اصل فکر تو اب تمہاری اور لبنیٰ کی ہے' جتنی جلدی یہ ذمہ داری ادا ہو اُتنا ہی اچھا ہے۔"

"میری تو فکر مت کریں' ہاں لبنیٰ جہاں چاہ رہی ہے اُس کی وہیں شادی کر دیں' ورنہ وہ ضرور پریشانی کھڑی کرے گی ممانی کے لئے' پریشانی کی وجہ جان کر اُس کی فکر کم ہوئی تھی۔

"ویسے اماں۔"

ایک بات جو بہت دن سے کرتی تھی' اس وقت اچانک یاد آئی تھی۔

"یہ جو اتنا پیسہ ممانی نے خرچ کیا ہے' یہ کچھ عجیب سا نہیں لگ رہا' میرا مطلب ہے ہمیشہ تو وہ پیسوں کی تنگی کا ہی رونا روتی ہیں' پھر یہ اتنی بڑی بڑی دعوتیں' جو اتنے بڑے غم کے موقع پر کچھ اچھی بھی نہیں لگ رہی تھیں' پر اتنے پیسے آئے کہاں سے ان کے پاس۔" گو اِس ذکر کے ساتھ اُسے خود بھی بڑی ناقابل بیان تکلیف ہوتی تھی' لیکن یہ الجھن وہ اس وقت دور کر لینا چاہ رہی تھی۔

"ممانی کے پاس اتنے پیسے کہاں' یہ تو کسی نے دوستی کا پاس کرتے ہوئے اتنا خرچہ کیا ہے' آج بھی دنیا میں ایسے لوگ ہیں جو....۔"

"کیوں کرنے دیا ممانی نے کسی اور کو یہ سب۔"

ثانیہ کے چہرے پر ایک دم ہی ناگواری پھیلی تھی اور اُسے اتنا زیادہ برا لگا تھا کہ وہ مروتاً بھی اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔

خدا نہ کرے ماموں کوئی لاوارث تھے' اُن کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا' یا ہم پر ایسی کسمپرسی چھائی ہوئی تھی جو اُن کے یہ آخری کام کسی غیر کے مرہون منت ہوئے۔"

اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آواز میں ہلکی سی لرزش آ رہی تھی۔

اماں کو لگا' جیسے وہ ابھی ابھی رو دے گی۔

خود اُن کو بھی کب اچھا لگا تھا' یہ جان کر' مگر وہ ممانی کے سامنے اتنا سختی سے ری ایکٹ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

"میں نے کہا تھا زبیدہ سے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن اس وقت ہوش کسے تھا' جمیل کے کون سے بھائی بیٹے موجود تھے' جو از خود سب سنبھال لیتے۔"

اماں کی دل توڑتی بات بھی' اُس نے پورے صبر سے سنی اور پھر جب وہ خاموش ہوئیں تو...

''میں تھی' اُن کا سب کچھ' میرے ماموں کوئی لاچار بے بس شخص نہیں تھے اماں اور اُس ہوش اڑا دینے والے وقت میں بھی' میں نے ممانی اس بارے میں پوچھا تھا لیکن انہوں نے کہا کہ سب کچھ ماموں کے اپنے پیسوں سے ہو رہا ہے اور ہر ایک سے وہ یہی کہہ رہی تھیں۔''

اماں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''جو ہوا سو ہوا۔

''انہوں نے ہمیں ان کی شکل تک نہیں دیکھنے دی۔

چند گھنٹوں کا انتظار تک نہیں کیا' لیکن ہم نے ایک بار بھی ان سے کوئی شکوہ نہیں کیا' لیکن یہ... یہ تو نا قابل برداشت ہے اماں۔''

آنسو اس کے چہرے کو بھگونے لگے تھے۔

''اور ابھی جب وہ آفس سے واپس آئی تھی تو کتنے عرصے بعد' بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔'' اماں کو بے اختیار ہی خیال آیا۔

''جنہوں نے خرچ کیا' وہ بھی بہت بھلا آدمی تھا' اس نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ اس کا نام نہ آنے پائے' بس اسی لئے زبیدہ بے چاری نام نہ لے سکی۔'' اماں کے پاس ابھی بھی ممانی کے لئے رعایت تھی۔

پتہ نہیں کیوں ثانیہ کا دھیان سجاد کی طرف گیا۔

''اور اگر یہ احسان انہوں نے ہی اس پر کیا ہے تو وہ انہیں زندگی بھر معاف نہیں کر سکے گی۔'' دماغ بڑی قطعیت کے ساتھ اپنا فیصلہ سنا رہا تھا' جذبات کی شدت میں وہ یہ بھی بھول رہی تھی کہ سجاد کو تو جمیل ماموں کے انتقال کی خبر بھی' ان کے سوئم والے دن ملی تھی۔

''سجاد صاحب تو نہیں ہیں اماں۔''

''پاگل ہوئی ہو' وہ غریب تو آیا ہی سوئم والے روز تھا۔''

''پھر کون ہے وہ' بتائیں مجھے پلیز۔'' اس کے اصرار میں شدت بڑھتی جا رہی تھی' اماں کے لئے اسے مزید ٹالنا ناممکن تھا۔

وہ وحید صاحب ہیں' زبیدہ بتا رہی تھی' آخری دنوں میں وہ جمیل کے پاس بڑی پابندی سے آتے رہے تھے۔''

''کون وحید صاحب۔'' وہ اس تازہ انکشاف سے اتنی افسردہ تھی کہ اسے قطعی یاد نہیں آیا۔

''وہ جو ایک بار پہلے بھی آئے تھے' تمہارے سلسلے میں۔'' اماں جھجک کر نگاہ چرا گئیں' بیٹی کے ساتھ اس حوالے سے بات کرتے ہوئے انہیں جھجک ہوتی تھی۔

''وہ۔''

پل سے بھی کم وقت میں' اُسے وہ خباثت بھرا چہرہ یاد آیا۔

"وہ، وہ آدمی، اُس کی جرأت کیسے ہوئی، کہ وہ یہاں آیا اور ممانی کو شرم نہیں آئی اس گھٹیا شخص کا احسان لیتے ہوئے، میرے خدا۔" تب ہی وہ اس روز شامیانے کے پاس کھڑا دکھائی دیا تھا مجھے۔" اسے انتقال کے اگلے دن کا واقعہ یاد آیا۔ جب وہ وحید کو باہر گلی میں دیکھ کر بے حد خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"زبیدہ کہہ رہی تھی کہ وہ برے شخص نہیں ہیں، بہت پیسے والے ہیں، زمین جائیداد، بہت کچھ اللہ نے دیا ہے۔" اماں معلوم کیا باور کرانا چاہ رہی تھیں۔ ثانیہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"وہ بہت برا آدمی ہے، میں اچھی طرح جانتی ہوں، آپ ممانی کی باتوں میں مت آیا کریں، کوئی رشتہ نہیں کوئی تعلق نہیں، پھر کس ناطے ممانی نے اُس سے اتنا بڑا احسان لیا۔"

"کوئی احسان نہیں، وحید کوئی غیر نہیں ہے، میں نے اسے بیٹا کہا ہے اور بیماری کے ان سارے مہینوں میں اس نے جتنی مدد کی ہے ہماری، وہ میں ہی جانتی ہوں۔"

ممانی گیٹ سے کب اندر آچکی تھیں، اسے خبر ہی نہیں ہوئی، لبنیٰ ان کے ساتھ تھی اور وہ وہاں رکنے کے بجائے کھٹ کھٹ کرتی سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

ثانیہ نے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ بے حد شاکڈ تھی۔

انکشاف در انکشاف، "یہاں کیا چل رہا تھا آخر؟"

"آپ کو کیا ضرورت کسی کی مدد لینے کی، میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ ....."

پچھلے کتنے ہی ماہ سے وہ پوری تنخواہ ممانی کے ہاتھ پر رکھ رہی تھی، اماں کے پاس جمع بقیہ ساری رقم، یہاں تک کہ جو تھوڑا بہت زیور تھا، وہ بھی سارا بیچ کر اُس نے ان مصیبت بھرے دنوں میں انہیں دیا تھا۔

مگر یہ باتیں منہ سے کبھی بھی جتائی نہیں گئی تھیں۔

ممانی نے ایک ایک روپیہ حق سمجھ کر وصول کیا تھا اور اب پوری بے مروتی سے وہ اس سب کیے کرائے پر پانی پھیر رہی تھیں۔

"وہ تھوڑے سے روپے جو تم گھر میں دیتی ہو، کیا سارے خرچ پورے کرنے کے لئے کافی تھے، وہ بھی جب کہ گھر میں ایک مریض بھی پڑا ہو، خدا بھلا کرے وحید کا اس بے چارے نے بڑی بے غرضی سے سہارا دیا، میں نے تو اس وجہ سے کبھی تمہیں نہیں کہا کہ تمہیں پریشانی نہ ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ احسان فراموشی پر اتر آئوں۔"

اُن کی کون تردید کر سکتا تھا۔

اور جب وہ ایسا کہہ رہی تھیں تو یقیناً ایسا ہی ہوا ہو گا۔ ثانیہ نے خود کو کمپوز رکھنا چاہا تھا۔

"جتنے بھی پیسے اُن سے لئے ہیں، وہ ہم اُتار دیں گے، آپ مجھے رقم بتائیں۔"

اُس نے لینے کے لئے نہیں دیئے تھے پیسے اور ویسے بھی اب تعلق جتنا قریبی ہو رہا ہے، اُس میں لین دین کی اہمیت بھی کیا رہ جاتی ہے۔"

ممانی کے لہجے میں ایسی لاپروائی تھی، جو کسی معاملے میں قطعی صورتحال کا اعتراف کرنے کے بعد آتی ہے۔ "کیسا تعلق ممانی۔" ثانیہ کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔

"یہی کہ منہ بولا رشتہ اب اصلی رشتے میں بدل رہا ہے۔" وہ اپنی چادر تہہ کرتے ہوئے اطمینان سے کہہ رہی تھیں۔
"کیا آپ لبنیٰ کا رشتہ طے کر رہی ہیں اُس شخص سے۔" اُن کی لالچی فطرت سے یہی توقع کی جا سکتی تھی۔

اُن کا تیزی سے حرکت کرتا ہوا ہاتھ رکا۔

"لبنیٰ کا نہیں تمہارا اور یہ تمہارے ماموں خود کر کے گئے ہیں، زبان دے چکے ہیں وہ وحید کو سمجھیں۔"

اپنی بات کہہ کر وہ سامنے والے کمرے کی طرف جا چکی تھیں۔

پیچھے ایک مہیب سناٹا باقی رہ گیا تھا۔

ثانیہ میں اتنی بھی ہمت باقی نہیں تھی کہ وہ مڑ کر پیچھے تخت پر بیٹھی اماں کی طرف بھی دیکھ سکے۔

...☆☆☆...

بیڈ پر ایک ساتھ کئی جھلملاتے ہوئے سوٹ پڑے تھے میچنگ کی چوڑیاں، پرس، میک اپ کا سامان اور ساتھ میں مزید بہت کچھ ملنے کو خوشخبری بھی۔"اتنا بھاری زیور بن کر آ رہا ہے ثانیہ کا کہ سارے خاندان میں آج سے پہلے کسی کو پہننا نصیب نہیں ہوا ہے پیسے میں کھیلے گی ساری عمر عیش کرے گی عیش۔"

اماں نے بہت ہمت کر کے ثانیہ کی طرف دیکھا۔ کوئی ایک بات بھی اس کے چہرے پر زندگی کی رمق جگانے میں ناکام رہی تھی۔ اس کا چہرہ اتنا سفید پڑ رہا تھا جیسے...

کوئی بہت بری مثال تھی جسے اماں نے گھبرا کر ذہن سے جھٹکا تھا۔

"ثانیہ۔" وہ گھبرا کر اسے پکار بیٹھیں۔

اس نے جواباً صرف نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا بولی ایک لفظ نہیں۔

کل سے اس نے بمشکل ایک آدھ بات ہی کی تھی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا بیٹا۔" وہ یہی پوچھ پائیں۔

"مجھے یہ سب نہیں چاہئے اماں۔"

ممانی کو یکسر نظر انداز کر کے وہ اماں سے مخاطب تھی۔ یہ پہلی بات تھی جو اس نے اس سارے تام جھام کو دیکھ لینے کے بعد کی تھی۔

"سن لی بات اس کی؟" ممانی نے طنزیہ نگاہوں سے اماں کو دیکھا۔"گھر گھر لڑکیاں بیٹھی ہیں لاکھوں کا جہیز ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، یہاں خوش قسمتی دستک دے رہی ہے تو مزاج نہیں مل رہے ہیں، مجھے پتہ تھا کہ یہ اس ساری خوشی کو کرکرا ضرور ہی کرے گی۔" وہ ایک سانس میں بولتی چلی گئیں۔

"میں اسے سمجھا لوں گی۔" اماں کی آواز نیچی تھی۔

"کیا سمجھائیں گی ارے اتنا کچھ اسے خود نظر نہیں آ رہا ہے یا پھر نگاہ اور بھی اونچی آسامی پر جمی ہوئی ہے۔"

وہ ایسی ماہر نشانہ باز تھیں کہ جو بھی تیر چلاتیں، سیدھا ہدف تک ہی پہنچتا۔

"مت کریں ایسی گری ہوئی باتیں۔" وہ تڑپ ہی تو گئی۔

"بہت برا لگا؟" وہ زہریلے انداز میں مسکرائیں۔

"تو پھر اعتراض کس بات کا ہے؟ لوگ ترستے ہیں اچھے رشتوں کو یہاں نہ کوئی والی، نہ وارث، ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دوں تو سڑک پر کھڑی ہو گی اور دماغ عرش پر ہیں۔"

"ہمیں وہ سڑک منظور ہے چلیں اماں ہم یہ گھر چھوڑ دیتے ہیں' آج ابھی اسی وقت۔" اپنی بچی کھچی توانائی کو کام میں لاتے ہوئے وہ ایک آخری فیصلہ کن جنگ کیلئے تیار ہوئی۔

"کہاں؟" اماں غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹی تھیں' ان کی نگاہ مستقل ثانیہ کے چہرے پر تھی اور ابھی ابھی جو چمک سی انہیں اس کے چہرے پر دکھائی دی تھی بڑی عجیب لگی تھی۔

"کہیں بھی اور کچھ نہیں تو واپس نواب شاہ تو جا ہی سکتے ہیں نا' وہیں چلے جائیں گے' آپ سامان سمیٹیں۔" سارا ڈر خوف فضاء میں تحلیل ہونے لگا تھا۔

اسے ابھی ابھی اندازہ ہوا تھا کہ مرنے سے پہلے زندہ رہنے کی ایک آخری کوشش اتنی بھرپور کیوں ہوتی ہے؟ اپنی بات کہتی ہوئی وہ ممانی اور لبنیٰ کے کمرے سے نکلتی ہوئی سیدھی پچھلے برآمدے میں آئی تھی۔ اس کا اور اماں کا سامان آج بھی تخت کے نیچے رکھے ہوئے سوٹ کیسوں میں تھا۔ ریلوے پلیٹ فارم پر گزرنے والی زندگی جس کا آغاز چند سال پہلے ہوا تھا' شاید اس کا خاتمہ کسی ایسی ہی گھڑی میں چھپا ہوا تھا۔

بے درد اور کٹھور لمحے۔

تخت کے نیچے سے کھینچ کر اپنے بیگ نکالتے ہوئے اسے وہ سارا وقت یاد آیا' جو ماضی کی دھند میں چھپا تھا۔

شرمندگی' بے بسی' خوف میں گھر کر بھی جب اس نے حوصلہ پکڑا تھا کچھ کر دکھانے کا عزم زندگی بدل ڈالنے کی جستجو' اتنی ساری بھاگ دوڑ کہ بھاگتے بھاگتے سانس بھی پھول گئی۔

"دھت۔"

کھینچ کھینچ کر سامان نکالتے ہوئے اسے احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ ممانی اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی ہیں۔ "بے کار تماشہ مت کھڑا کرو ثانیہ۔"

اسے وہ کہتی سنائی دیں لیکن اس بار اس نے مڑ کر دیکھنا بھی ضروری نہیں سمجھا' یوں ہی بے ترتیبی سے اپنے کپڑے بیگ میں ڈالے گی۔

"شریفوں میں ایسا نہیں ہوتا تمہارے ماموں زبان دے چکے ہیں ان کی روح کو تکلیف مت دو۔"

جانے کہاں سے وہ اپنی آنکھوں میں چند آنسو جمع کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

"ماموں کبھی ایسا نہیں کر سکتے' مجھے یقین ہے انہوں نے تب ہی صاف لفظوں میں منع کر دیا تھا' جب وہ لوگ پہلی بار یہاں آئے تھے۔" ان کی طرف سے پشت کئے وہ مستقل اپنا کام کئے گئی۔

"وہ جب کی بات تھی بعد میں تو انہوں نے اپنا خیال بدل دیا تھا' وحید سے اچھا خاصا پیسہ ادھار بھی لیا تھا۔ آخر میں خود جا کر لائی ہوئیں کتنی بار جو شخص اتنا ہمدرد ہو اس کو کب تک کوئی ناپسند کر سکتا ہے۔"

مصلحتاً اپنا لہجہ پھر سے نرم کر کے وہ اسے جو کچھ بھی سمجھانا چاہ رہی تھیں ثانیہ سمجھنے کیلئے تیار نہیں تھی۔

"میں ناپسند کرتی ہوں بلکہ نفرت کرتی ہوں اس آدمی سے آپ اتنی احسان مند ہیں تو لبنیٰ کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں اس سے' کیوں اس ناکارہ لڑکے کے ساتھ پھرتی ہے وہ سارے شہر میں؟"

بیگ بند کر کے وہ ٹھیک ان کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ ممانی نے لبنیٰ کے بارے میں دیا گیا اس کا ریمارک کسی کڑوے گھونٹ کی طرح حلق سے اتارا۔

"ضرور کر دیتی لیکن وحید لبنیٰ کا نہیں تمہارا طلبگار ہے۔" اندر ہی اندر وہ تھوڑا سا تو ہل ہی گئی تھیں۔ثانیہ کو وہ اچھی طرح سمجھتی تھیں۔لبنیٰ کے بارے میں وہ کوئی بات اس طرح نہیں کہہ سکتی تھی یقیناً لبنیٰ کو اس نے کہیں دیکھا تھا۔

پر کہاں؟

لبنیٰ بد بخت اس وقت بھی گھر پر نہیں تھیں کہ جا کر اس کی گردن پکڑی جاتی اور فی الوقت ثانیہ سے بڑا کوئی دوسرا مسئلہ نہیں تھا۔وہی تھی جس کے بل پر آئندہ کے سنہرے خواب وہ پورے اعتماد سے دیکھ رہی تھیں۔

ثانیہ کے ہاتھ بجلی کی سی رفتار سے چل رہے تھے۔

ایک بیگ کے بعد اب دوسرا تیار ہو رہا تھا۔ایک بار کو تو ایسا لگا جیسے اگلے پندرہ بیس منٹ میں وہ یہاں سے نکل ہی جائے گی۔

اپنی تمام پلاننگ اور یقین کے باوجود ممانی کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ثانیہ اگر ہاتھ سے نکل گئی تو وحید ان کا جو حشر کر سکتا تھا اس سے بھی برا کرتا۔اندر سیف میں سنبھال رکھا ہوا پیسہ کسی شاندار گھر میں گزرنے والی آئندہ زندگی اور پھر ساری عمر حکومت وہ تو یہ تک طے کر چکی تھیں کہ ثانیہ کو ملنے والا گھر' کسی نہ کسی طریقے سے کچھ عرصے بعد لبنیٰ کے نام کروا کر چھوڑیں گی اتنے سارے خواب۔

اور بدلے میں کرنا ہی کیا تھا۔

"اس ذرا سی لڑکی کا نکاح ہی تو پڑھوانا تھا وحید کے ساتھ۔" انہوں نے بڑی حقارت سے ثانیہ کے بندھتے ہوئے سامان کو دیکھا۔

"اب یہ ڈرامہ بند کرو' ماموں تو مر گیا تمہارا اب ماں کو بھی قبر میں پہنچانے کا ارادہ ہے کیا؟"

ثانیہ کا تیزی سے حرکت کرتا ہوا ہاتھ ذرا تھما تھا۔

"کیا سمجھ رہی ہو اس طرح چلے جانے سے یہ شادی رک جائے گی' کبھی نہیں' وحید کی پہنچ کا اندازہ نہیں ہے تمہیں' وہ جو ٹھان لیتا ہے کر کے چھوڑتا ہے' کہیں بھی چلی جاؤ اس کے آدمی ڈھونڈ نکالیں گے تمہیں اور اس کے بعد جو حشر ہو گا اس کے بارے میں ہم میں سے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔"

ان کا لہجہ کٹھور اور الفاظ بے رحم تھے۔ثانیہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"شادی تو ایک باعزت طریقہ ہے اسے ضد دلاؤ گی تو وہ تمہیں ایسی جگہ پہنچا دے گا جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ بھی نہیں ملے گا' دے سکتی ہو ماں کو اتنا بڑا دکھ؟"

ثانیہ کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

جو کچھ بھی وہ کہہ رہی تھیں اس پر یقین نہ کرنے کی کوئی ایک وجہ بھی نہیں تھی۔

وحید جیسا شخص واقعی کچھ بھی کر سکتا تھا۔اسے پہلی ملاقات کی جسارت بھی یاد تھی اور بعد کا ہونے والا سامنا بھی۔ہر بار اس پر نگاہ ڈالتے ہی وہ جس گہرے خوف کا شکار ہوئی تھی وہ بھولنے والا نہیں تھا۔

"ارے کیوں اپنی عزت کی دشمن ہو رہی ہے ثانیہ' شکر کر جو زندگی بدلنے کا ایک سنہری موقع مل رہا ہے ورنہ وحید جیسے آدمی کیلئے پیسے کی کمی ہے نہ عورتوں کی۔"

گرگٹ سے بھی زیادہ تیزی سے ان کا رنگ بدلتا تھا' ثانیہ کے چہرے پر جما خوف' ان کی تسلی کروا چکا تھا' پھر بھی تاثر گہرا کئے جا رہی تھیں اور وہ جس کا نہ کوئی والی نہ وارث اس پر ہجوم دنیا میں صرف دو لوگ تھے جو تحفظ کی علامت تھے' اس کیلئے وہ دو شفیق چہرے اس کی نگاہوں میں مسکراتے ہوئے چلے آئے۔

مہربان نور کے ہالے میں گھرے ہوئے قریب بہت قریب۔ حوصلے اور ہمت کا درس دینے والے۔ سچائی کی طاقت سے دنیا کو بدل ڈالنے کا یقین دلانے والے۔ ابا اور جمیل ماموں۔ دونوں ہی نے اس وقت ہاتھ چھڑایا' جب اسے سب سے زیادہ ضرورت تھی ان کی۔

''کیا سوچ رہی ہو وحید سے ٹکر لینے کی ہمت ہے کر لو گی اس کا مقابلہ۔''

ممانی کی طنز میں ڈوبی آواز کانوں میں گونجی تو اس نے خالی' خالی نگاہوں سے ان کو دیکھا۔ اس کا سارا حوصلہ تو پتھر کی دو بھاری سلوں تلے ابدی نیند سو رہا تھا' اب کیا تھا جو بچا ہوا تھا۔

سجاد یاد آئے۔

اور پھر بابا۔

ان میں سے کسی پر بھی اس کا اتنا حق کہاں ہے جو وہ انہیں اپنے لئے کسی آزمائش میں ڈالے' جب بھی پوری غیر جانبداری کے ساتھ اس نے ان سب کے ساتھ اپنے تعلق کی حیثیت کا تعین کرنا چاہا بس ایک ہی بات ''وہ ان سب سے پہلے ہی حق سے زیادہ وصول کر چکی ایک کے بعد ایک احسان وہ لوگ اس پر کرتے ہی جا رہے ہیں' ہمدردی میں' محبت میں یا پھر... ترس کھا کر۔''

کوشش کے باوجود بھی وہ اس خیال سے خود کو کبھی آزاد نہیں کر پائی۔ ممانی اس کی مستقل خاموشی سے الجھ کر فی الوقت اندر کمرے میں جا چکی تھیں۔

''کہیں نہ کہیں ان رشتوں میں صرف احسان ہی باقی رہ جانا تھا باقی کچھ نہیں۔'' اس کی ذہنی رو بہک رہی تھی ایک آخری کوشش یا پھر...؟

اسے یقین آ رہا تھا کہ وہ زندگی یا پھر موت کی انتہائی صورتحال کے بیچ آ کھڑی ہوئی ہے۔

...☆☆☆...

صحن میں لگے بڑے سارے درخت پر شام ڈھلے واپس آنے والی چڑیوں کا شور مچا ہوا تھا۔

دن لمبے تھے اور وہ اس وقت تک کرسی ڈالے یہاں بیٹھی رہتی جب تک اس کے پاس آنے والا آخری بچہ بھی اپنا سارا کام ختم نہ کر لیتا آج بھی یہی سلسلہ تھا۔

صحن رفتہ رفتہ خالی ہوتا جا رہا تھا' مگر اس کے انہماک میں کوئی کمی واقع نہیں ہو رہی تھی۔

بڑی بھابی نے کچن میں سے جھانک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر چائے کی پیالی لئے چلی آئیں۔

''کتنا کہتی ہوں تھوڑا سا آرام بھی کر لیا کرو' مگر خود کو بالکل مشین ہی بنا لیا ہے۔'' چائے کی پیالی ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے وہ خفا ہوئیں۔

بینا سامنے کھلی کاپی پر سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دی۔ بھلا وہ اتنی خوش قسمت کہاں تھی جو مشین ہی بن پاتی' یہاں تو ناامیدی کی آخری حد کو پار کر لینے کے بعد حسرتوں سے بھرا وہی دل تھا جو اپنی بربادی پر ماتم کناں تھا۔

''میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں' آخر ایسے کہاں کھو جاتی ہو؟''

بڑی بھابی بار بار اس کی کھوئی کھوئی کیفیت اور لبوں پر پھیلی مسکراہٹ کے بیچ کا تضاد محسوس کرتیں اور جان بوجھ کر انجان بنتیں۔

اور ایک وہ ہی کیا بینا کے میکے میں سب ہی ایسا ہی کر رہے تھے' اسے ٹوک کر یا جتا کر اس کی تکلیف کو بڑھایا ہی جا سکتا تھا' کم نہیں کیا جا سکتا تھا اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں چاہتا تھا وہ سب اس سے بے حد محبت کرتے تھے۔

''صبح سے سارا دن سکول کی نذر ہوتا ہے اور پھر ساری شام بچوں کو پڑھاتی رہتی ہو' آرام کا بھی کوئی وقت ہے یا نہیں۔''

ہلکے سے انہوں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا' ''آرام ہی تو کر رہی ہوں بھابی' کتنے مہینے ہو گئے' کسی کام کو آپ اور چھوٹی بھابی نے ہاتھ نہیں لگانے دیا میرے بچوں تک کو تو آپ نے سنبھال لیا ہے ورنہ میرا تو پتہ نہیں کیا بننا تھا۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس موضوع پر آنے لگی جس سے یہاں سب بچتے تھے۔

''پھر وہی بیوقوفی کی باتیں۔'' بڑی بھابی نے خفگی سے بینا کی طرف دیکھا۔ ''یہ تمہارا اپنا گھر ہے اور ہم سب پر تمہارا پورا پورا حق ہے۔ ایسی غیریت کی باتیں کر کے تم ہمیں کتنی تکلیف دیتی ہو تمہیں اندازہ ہی نہیں اور تمہارے بڑے بھیا نے تو ایسی کوئی بات سن لی تو وہ تو سب سے زیادہ رنجیدہ ہوں گے وہ تو اولاد کی طرح پیار کرتے ہیں تم سے۔'' دھیرے دھیرے سمجھا کر وہ واپس کچن میں چلی گئیں۔

بینا نے ٹھنڈی سانس لے کر سامنے بیٹھے تینوں بچوں کی طرف دیکھا۔ اب بس یہی باقی رہ گئے تھے اور ان کا کام بھی تقریباً ختم ہی ہونے والا تھا۔ مایوسی اور تنہائی سے بھرے ان کٹھن دنوں کو اس نے کام اور صرف کام ہی کی نذر کر رکھا تھا۔ آس پاس کے گھر سے آئے بچوں کی تعداد خاصی ہو چکی تھی اور ان کو پڑھاتے ہوئے چند گھنٹوں کیلئے تو ذہن ہر پریشان کن خیال سے عاری ہو ہی جاتا تھا۔

''بینا آنٹی یہ چیک کر لیں۔'' معصوم سے چہرے اس کے روبرو تھے۔

جتنی دیر میں اس نے کاپیاں چیک کیں بچے اپنے بیگ بند کر چکے تھے۔ خدا حافظ کہتے ہوئے جب وہ تینوں باہر نکل رہے تھے گیٹ پر کب سے منتظر کسی نے بازیابی کی اجازت چاہی۔

''بینا آنٹی آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔'' ایک بچے نے گیٹ سے ہی اطلاع دینی ضروری سمجھی۔ ''بھیج دو بیٹا۔'' بے دھیانی سے کہتے ہوئے وہ پاس رکھی سکول کی کاپیوں میں سے ایک کو اٹھا کر اپنے آگے کھول چکی تھی۔

پڑھنے آنے والے بچوں کے والدین میں سے کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا تھا سو یہ کوئی معمول سے ہٹی ہوئی بات بھی نہیں تھی۔

تب ہی کسی مانوس سے احساس نے دل کو بے اختیار ہی چھوا' بینا کی نگاہ سیدھی گیٹ پر جا کر رکی' وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ آنے والے کو سامنا کرنے کیلئے بہت ساری ہمت درکار تھی۔

اپنا وہم سمجھ کر بینا نے دوبارہ دھیان سامنے پھیلے کام پر لگانا چاہا تھا لیکن۔

دل جیسے اچھل کر حلق میں آیا تھا۔

''ٹک ٹک ٹک۔''

وہی آواز جسے سن کر اس کا دل بھی کٹتا تھا اور وہ حوصلہ بھی پکڑتی تھی۔

وہ اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور بینا میں اتنی ہمت بھی باقی نہیں تھی کہ وہ نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھ بھی لیتی۔

اندر کے کمرے سے نکل کر باہر آتے بڑے بھیا اوپر چھت پر سے کپڑے اتار کر لاتی چھوٹی بھابی' کچن سے بوکھلا کر نکلتی ہوئی بڑی بھابی' ٹی وی کے آگے جمے ہوئے بچے۔۔

منظر جیسے پل میں ہی بدل گیا تھا۔

آفتاب کو پورے عزت و احترام سے لے جا کر بڑے کمرے میں بٹھایا گیا تھا اور وہ سارا گھرانہ اس کی خاطر تواضع میں اس طرف مصروف تھا جیسے وہ کوئی بہت من چاہا داماد ہے جو اس گھر کی بیٹی کو سر آنکھوں پر رکھے ہوئے ہے۔

کوئی حرف شکایت، کوئی گلہ، کچھ بھی تو نہیں۔ وہ اندر ہی اندر کٹ رہا تھا۔

نگاہ بار بار باہر کی طرف کھلے دروازے پر اٹھ رہی تھی شاید بینا اب تک وہیں بیٹھی تھی جہاں صحن میں وہ اسے چھوڑ کر آیا تھا۔

اس کی دونوں بھابیاں وقفے وقفے سے اٹھ کر باہر گئی تھیں، وہ بینا کو اندر لانا چاہتی تھیں لیکن وہ نہیں آئی۔

''شاید وہ اتنی خفا تھی کہ اسے ایک نظر دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔'' گود میں بیٹھے اپنے چھوٹے بیٹے کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آفتاب نے مایوسی سے سوچا۔

''آخر وہ کس منہ سے اسے یہاں لینے آیا ہے، یہ تو ان لوگوں کی شرافت ہے جو اسے پوری عزت اور تکریم دے رہے ہیں ورنہ اگر اسے دھکے دے کر نکال باہر کرتے تب بھی حق بجانب تھے۔''

تب ہی کسی نے ہلکے سے اس کا کندھا تھپتھپایا، آفتاب نے سر اٹھا کر دیکھا وہ بینا کے بڑے بھائی تھے۔

''ہو جاتا ہے زندگی میں کبھی کبھی، خوشی اس بات کی ہے کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔'' ایک حوصلہ افزا سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ کہہ رہے تھے۔

''میں ان لوگوں کو لے جانے کیلئے آیا...'' وہ بمشکل ہی کہہ پایا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہاں، ہاں ضرور، اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے بھئی تمہارے بیوی بچے ہیں۔'' بینا کے بڑے بھائی گرمجوشی کے ساتھ کہہ رہے تھے کمرے میں موجود سب ہی لوگ اس ایک جملے کے منتظر تھے ان سب کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔

تینوں بچے جب سے وہ آیا تھا اس سے لپٹے ہوئے تھے، وہ یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتا تھا، سو ان سب کے اصرار کے باوجود اٹھ کھڑا ہوا۔

باہر صحن میں بینا اب تک وہیں بیٹھی تھی، اس کا سر جھکا ہوا تھا اور معلوم نہیں اس کا فیصلہ کیا تھا؟

آفتاب کو سب سے مشکل مرحلہ درپیش آ رہا تھا۔ بچوں کا ہاتھ تھامے ہوئے وہ صحن میں آنکلا تو اس کے پیچھے آتے ہوئے وہ سارے لوگ مصلحتاً پیچھے رک گئے۔

''وہ اس سے جتنی بھی خفا ہو جتنا چاہے برا بھلا کہہ لے، مگر ایک بار صرف ایک بار اسے ازالے کا موقع تو دے۔''

دل کی پوری گہرائیوں سے اس نے یہ دعا کل سے اب تک کتنی ہی بار مانگ لی تھی۔

ٹک ٹک کی وہی چین اڑاتی آواز ایک بار پھر اس کے روبرو تھی۔

''گھر چلو بینا۔''

وہ جو معافی کیلئے کتنے ہی جملے اب تک دل میں ترتیب دے چکا تھا، وقت آیا تو محض، اتنا ہی کہہ سکا۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ اگلے ہی لمحے اٹھ رہی تھی بالکل ایسے ہی جیسے کچھ مہینوں پہلے ایک جملے پر گھر سے نکل گئی تھی۔

کوئی انا، کوئی خودداری آڑے نہیں آ رہی تھی۔ محبت کی قسمت میں شاید ازل سے غلامی ہی لکھی گئی ہے۔

...☆☆☆...

سجاد کی اسلام آباد روانگی اتنی اچانک تھی کہ خود وہ بھی چند گھنٹے تک نہیں جانتے تھے کہ انہیں جانا ہے۔

وہ تو آفس سے معمول کے مطابق ہی واپس آئے تھے کہ بابا کی طرف سے حکم ملا۔

''ارادہ تو میرا اپنا تھا جانے کا لیکن یہاں عمر پر آج کل بہت کام ہے اور اس کے بغیر میں جا نہیں سکتا' اس لئے بہتر ہو گا کہ تم خود جا کر دونوں پروجیکٹس کو چیک کرو' یہ بہت ضروری ہے۔''

اطلاع دے کر وہ تھوڑی دیر انتظامی امور پر بات کرتے رہے اور پھر انہیں اپنا سامان پیک کرنے کی ہدایت دے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

سجاد جز بز سے ہوئے سنے گئے۔ تین گھنٹے بعد کی فلائٹ تھی اور آگے ہوٹل میں بکنگ بھی ہو چکی تھی سو اعتراض کی گنجائش بھی کہاں تھی؟ نہ رائے نہ مشورہ۔ بابا آج بھی جس کام کو ضروری سمجھتے اسی طرح بس حکم سناتے تھے۔

''کام تو یہاں بھی بہت سے ہیں بابا' اگر آپ مناسب سمجھیں تو کچھ ٹھہر کر اسلام آباد کا چکر لگا لوں۔''

سجاد نے ایک کوشش کرنی چاہی لیکن جوابا آنہوں نے ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ وہ اندر ہی اندر شرمندہ ہو کر رہ گئے۔ بابا آج کل ویسے ہی ناراض سے رہتے تھے۔ جب سے سجاد نے انہیں فیضی کے معاملے میں کنوینس کرنا چاہا تھا' وہ ان سے بگڑے ہوئے تھے۔ محض کام سے متعلق کوئی بات کرنی ہوتی تو کرتے ورنہ خاموشی اختیار کئے رکھتے۔ سجاد سمجھ سب رہے تھے لیکن فیضی کیلئے بابا سے نرمی حاصل کرنے کا فیصلہ روز بروز پختہ ہو رہا تھا۔ کوئی ایسا کمزور لمحہ جب فطری محبت' مصلحتوں پر غالب آتی' جب ناموری اور ترجیحات کا احساس مٹتا ایسے کسی پل میں فیضی کیلئے بھی معافی نامہ جاری ہونا تھا۔

یہ سجاد کا یقین تھا۔

اسلام آباد سے واپسی میں ہفتہ بھر تو لگنا ہی تھا کئی دن بعد جا رہے تھے یوں ہی دو ایک دن میں واپسی مشکل تھی' وہاں اچھا خاصا کام نکل آنا تھا۔ اپنا بیگ لے کر جب وہ واپس نیچے آئے تو اس وقت تک دونوں بھائی بھی آفس سے آ چکے تھے۔ سجاد کے پروگرام پر دونوں ہی کو بڑی تسلی ہوئی تھی۔

''اچھا ہی ہے تم جا رہے ہو' بابا چلے جاتے تو بڑی فکر رہتی' بڑی مشکل سے تو ان کی صحت سنبھلی ہے۔''

دونوں بھائیوں کا ملا جلا ساری ایکشن تھا۔ وہ یہ بھی نہ کہہ سکے کہ جا نہیں رہے بلکہ بھیجے جا رہے ہیں' ثمینہ بھابی کھانا لگوا رہی تھیں۔

دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن ان سب کے کہنے پر وہ میز پر آ بیٹھے' وقار' سہیل' ثمینہ' انعم اور سہیل بھائی کے دونوں چھوٹے بچے سب ہی موجود تھے' پھر بھی کمی کا بڑا واضح احساس تھا۔ تب ہی سجاد نے ملازمہ کو کھانے کی ٹرے بلقیس بھابی کے کمرے کی طرف لے جاتے ہوئے دیکھا۔

''وہ یہاں کیوں نہیں آ رہی ہیں کھانے پر؟'' وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔

سوال نہ معلوم کسی سے کیا تھا' مگر جوابا پوچھا جانے والی خاموشی بڑی معنی خیز تھی۔ سجاد نے ایک نظر ان لوگوں پر دوڑائی۔ سامنے بیٹھے وقار بھائی کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ اپنے سامنے رکھی بریانی کی پلیٹ پر' مزید رائتہ اور سلاد ڈالتے ہوئے وہ اتنے الغرض دکھائی دے رہے تھے جیسے اندر کمرے میں موجود اس عورت سے ان کا کوئی ناطہ ہی نہ ہو۔

''وہ اصل میں اپنے کمرے میں زیادہ کمفرٹیبل رہتی ہیں' پھر نصیبہ ہے بھی ان کی پرانی ملازمہ' اس سے وہ مانوس ہیں اس لئے اچھی طرح کھانا بھی کھا لیتی ہیں۔'' ثمینہ نے بات سنبھالنا چاہی۔

''یہ تو صحیح نہیں ہے وقار بھائی' اس طرح تو وہ اور بھی زیادہ تنہائی پسند ہو جائیں گی' ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ انہیں اکیلا نہ چھوڑا جائے سب کے درمیان رہیں گی تو ان کا دل بھی بہلتا رہے گا' مجھے تو اب وہ کئی کئی دن باہر دکھائی بھی نہیں دیتیں۔'' سجاد اب خاص طور پر وقار بھائی سے مخاطب تھے۔

جن کی بے نیازی میں ذرا سا بھی فرق نہیں پڑا تھا ایک پورا بھرا ہوا چمچہ منہ میں رکھتے ہوئے انہوں نے سجاد کو ذرا رکنے کا اشارہ کیا اور پھر جب پورے اطمینان سے وہ نوالہ حلق سے اتار چکے تو کہا۔

''ڈاکٹر' بلقیس کی بیماری کو نہیں سمجھ سکے ہیں' وہ بڑی پیچیدہ شخصیت ہے خود چھٹی کلاس کے آگے سکول کی شکل نہیں دیکھی لیکن اچھے اچھوں کو گھما کر رکھ دیتی ہے۔''

''وہ بیمار ہیں وقار بھائی اس وقت انہیں ہمدردی کی ضرورت ہے۔'' سجاد کو بھائی کا یہ بے رحمانہ تجزیہ اچھا تو نہیں لگا تھا' مگر ناگواری کا اظہار کرنے کے بجائے بڑی نرمی سے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

'وہ سدا کی بیمار ہے' ذہنی مریضہ ہے شروع سے اور اس کی جس حالت کو تم صحت یابی سمجھتے ہو وہ اور بھی زیادہ خطرناک تھی وہ اس گھر میں بیٹھ کر اپنے دل میں گھر والوں سے کینہ پالتی رہی ساری عمر اپنے سوا اس کے نزدیک کبھی بھی کسی کی اہمیت نہیں رہی ہے' میرے ماں' باپ' بھائی' بہن حتیٰ کہ یہ....''

وقار بھائی کا اشارہ انعم کی طرف تھا۔

''یہ بھی اسے کبھی دکھائی نہیں دی اس گھر میں رہتے ہوئے وہ وحید جیسے شخص کے ساتھ مل کر ہم لوگوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہی ہے ساری زندگی۔''

''پاپا ٹھیک کہتے ہیں سجاد چچا' امی کو مجھ پر اس لئے غصہ آتا ہے کہ ان کے منع کرنے کے باوجود میں آپ سب سے کیوں محبت کرتی ہوں ہمیشہ انہوں نے مجھے اور فیضی بھائی کو سب کے خلاف ورغلایا ہی ہے۔'' انعم کے چہرے پر ماں کیلئے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔''ان سے کہیں زیادہ تو میرا خیال ثمینہ چچی نے رکھا ہے ابھی تک بھی رات کو جب تک میں سو نہ جائوں میرے کمرے میں رہتی ہیں' امی نے تو کبھی جھانکا تک نہیں۔''

معمولی شکل وصورت اور برادری کے ایک غریب گھر سے آنے والی ثمینہ جسے بلقیس بھابی نے کبھی ذرا سی بھی اہمیت کے قابل نہیں سمجھا تھا بڑے غیر محسوس انداز میں پس منظر سے نکل کر پیش منظر تک آچکی تھی۔اس کے دل کی اچھائی' چہرے پر نرمی بن کر جھلکتی تھی اور گھر کا یہ سارا پر سکون اور سلیقے سے چلتا ہوا سیٹ اپ اس کا مرہون منت تھا' سجاد کو دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا۔ لیکن بلقیس بھابی... کچھ رعایت کی تو مستحق تھیں ہی۔

''فیضی کے جانے کے بعد سے وہ بہت زیادہ اپ سیٹ ہیں وقار بھائی' ہمیں ان کے دکھ کو سمجھنا تو چاہئے' دو اڑھائی سال گزر چکے ہیں انہیں اسے دیکھے ہوئے بھی شاید۔''

بابا اس وقت نہیں تھے سو یہ ممنوعہ ذکر چھیڑنے میں انہیں کوئی دقت نہیں تھی' وقار بھائی نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

''بلقیس اپنا بویا ہوا کاٹ رہی ہے' کیکٹس پر گلاب نہیں اگتے سجاد' فیضی کو جس طرح اس نے بگاڑا تھا اس کے بعد کوئی اچھی توقع باقی ہی نہیں تھی۔ یہ عورت ہمدردی کے قابل نہیں' میں نے ایک عذاب کی طرح اسے بھگتا ہے' لیکن میں تو کبھی اپنی بربادی کا واویلا تک نہ مچا سکا۔'' اپنی بات کہتے ہوئے ان کی آواز بتدریج ہلکی ہوتی گئی۔

سجاد کا سر خود بخود جھکتا چلا گیا۔

"کون کہتا ہے کہ یہاں صرف عورت ہی مظلوم ہے؟" ان کی فلائٹ کا ٹائم ہو رہا تھا اور پہلی بار وہ دل نہ چاہنے کے باوجود شوہر سے باہر جانے پر مجبور ہوئے تھے۔

☆☆☆...

عمر یا نانی کی طرف سے کوئی پابندی تو نہیں تھی لیکن نازی نے خود ہی سکول سے طویل رخصت لے رکھی تھی۔ ملازمت کو جاری رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ وہ اپنے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت اطمینان کے ساتھ کرنا چاہتی تھی' خیال یہی تھا کہ اولیت عمر اور نانی کے مشورے کو ہی دی جائے۔ لیکن عمر کے ساتھ اپنائیت اور بے تکلفی کا ایسا احساس پنپتا ہوا نظر ہی نہیں آرہا تھا جو آپس میں کھل کر بات چیت کا سبب بنتا۔ ویسے وہ اس کے ساتھ بہت نارمل سے انداز میں پیش آتا تھا' اس کا خیال رکھنا' پابندی سے اسے اس کی امی کے گھر لے کر جانا خود ان لوگوں کے ساتھ بڑی اچھی طرح ملنا' آفس سے آنے کے بعد کوشش کرتا کہ بقیہ وقت گھر میں ہی گزارے' پھر بھی ایک ان دیکھا سا احساس تھا جو نازی پر ہمہ وقت "حد ادب" کا تعین کرتا تھا۔

منہ دکھائی دینے والی ایک گہری لکیر عمر اس کے اور اپنے بیچ بڑی مہارت سے کھینچ چکا تھا اور وہ اس لکیر کے دوسری طرف کھڑی اپنی حیثیت' اپنے مقام کے بارے میں روز بروز مزید کنفیوژن کا شکار ہو رہی تھی۔

"تعلق کی مثال بھی زمین میں لگے درخت کی سی ہے جسے سورج کی روشنی' ہوا اور پانی نہ ملے تو وہ آخر کار سوکھ ہی جاتا ہے' ویسے انسانی تعلق بھی' محبت' توجہ اور احترام مانگتے ہیں ان میں سے کسی بھی ایک عنصر کی غیر موجودگی اسے کھوکھلا کر دیتی ہے بظاہر لوگوں کی تسلی کیلئے مضبوط دکھائی دیتا رہتا ہے لیکن اندر سے دیمک کھائی لکڑی۔"

رعنا اس کے چہرے پر نگاہ جمائے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ "تم اپنے اور عمر کے بیچ یہ نوبت نہ آنے دینا نازی۔"

تاکید تھی' تنبیہ تھی یا صرف ایک بے حد قریبی دوست کا خلوص۔

نازی کو تیسری بات پر یقین تھا۔

ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے رعنا کو مطمئن کرنا چاہا' لیکن یہ سکول کی سیاست سے جڑا کوئی ایشو یا مس سلمیٰ کا چھوڑا ہوا کوئی طنزیہ تیر نہیں تھا جس کا حساب وہ فوراً ہی جا کر برابر کر سکتی' یہ عزیز از جان دوست کی زندگی بھر کی خوشی اور ناخوشی کے بیچ کا سوال تھا۔ جس کا جواب نہ اس کے پاس تھا اور نہ نازی کے بلکہ صرف آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔

"تم بہت خاص ہو نازی' اللہ نے تمہیں بہت خوبصورت دل دیا ہے۔"

"مگر بہت خوبصورت چہرہ نہیں۔" رعنا کی بات کاٹ کر وہ تیزی سے بولی۔

رعنا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ یہ پہلی بار تھا جو اس نے نازی کو صورت شکل کے کمپلیکس میں مبتلا ہوتا محسوس کیا۔ اتنا پرانا ساتھ۔

ایک دوسرے کے دل کی رتی رتی خبر رکھنے کا دعویٰ' پھر بھی اس نے کبھی اشارتاً بھی ایسا تاثر نہیں دیا تھا کہ وہ اپنی خوبصورت بہنوں سے کسی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا ہے۔

"خوبصورت چہرہ ہی تو خوشیوں کا ضامن نہیں ہوتا نازی۔"

"ہوتا ہے رعنا' سو فیصد نہ سہی نوے' پچانوے فیصد سہی۔"

نازی مایوسی میں گھر رہی تھی۔ رعنا کو اچھا نہیں لگا۔

''میں تو بالکل بھی خوبصورت نہیں' لیکن عزیز مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں تو کیا ان کی محبت جھوٹی ہے۔''

''تمہاری قسمت اچھی ہے لیکن ہر ایک کی نہیں ہوتی۔'' وہ ہلکے سے مسکرائی لیکن یہ مسکراہٹ ایسی کوئی تسلی بخش نہیں تھی۔

''تمہاری بھی ہے ورنہ دیکھو عمر جیسا اچھا شخص کیسے تمہاری زندگی میں آتا' ابھی سے مایوس مت ہو نا نازی' وقت کو اپنا کام کرنے دو خاموشی سے عمر کو جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہونے لگے گا۔''

''محبت غلطی نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو انسان اسے بخوشی گلے کا ہار بنائے رکھتا ہے عمر نے بھی دیا سے محبت کی ہے تو پھر کیسے....''

دروازے پر ہوئی آہٹ نے اسے بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ سامنے نانی کھڑی تھیں۔ رعنا جب یہاں آئی تھی تب وہ سو رہی تھیں' اب اٹھ کر باہر آئیں تو نازی کے کمرے کے کھلے دروازے میں سے رعنا کو بیٹھا دیکھ کر سیدھی ادھر ہی آ گئیں۔

''میں تو تمہیں یاد ہی کر رہی تھی پوچھو نازی سے کہ کل بھی عمر سے کہا تھا تمہارے گھر لے کر چلے۔''

نانی ہر ایک کیلئے بڑی شفیق تھیں اور نازی کی اکلوتی گہری سہیلی تو انہیں ویسے بھی بے حد پسند آئی تھی۔ خود رعنا کو وہ نازی کیلئے ایک بہت بڑی سپورٹر محسوس ہوتی تھیں۔

''نانی جیسی سمجھدار اور شفیق بزرگ کے ہوتے ہوئے تمہیں کسی فکر کی ضرورت نہیں' انہوں نے اگر تمہیں عمر کیلئے منتخب کیا ہے تو یقیناً آنے والا وقت عمر پر بھی ثابت کرے گا کہ ان کا فیصلہ کتنا درست تھا۔''

اس نے ایک بار نازی سے کہا تھا اور آج بھی اسے کچھ ایسا ہی یقین تھا۔ رعنا کی کمپنی کیلئے اب یہاں نانی تھیں تو نازی چائے کے اہتمام کیلئے اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ چند منٹ تو نانی ادھر ادھر کی باتیں کئے گئیں' لیکن رعنا کو مستقل ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ اور کہنا چاہ رہی ہیں جو کہہ نہیں پا رہیں۔ ان کی نگاہ بات کرتے ہوئے مستقل لائونج کی طرف اٹھ رہی تھی جہاں سے مستقل کچن میں نازی کام کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

''کیا بات ہے نانی' آپ کچھ کہنا چاہ رہی ہیں۔'' وہ ضبط نہ کر سکی تو خود ہی ان کی مشکل آسان کر دی۔

نانی نے متفکر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے ان دونوں کی بڑی فکر لگی ہے رعنا۔''

ان کے چھوٹے سے جملے میں وہی ساری کہانی تھی جو رعنا کو خود پریشان کئے دے رہی تھی۔

''عمر اور نازی اپنی اپنی جگہ دونوں ہی بے مثال ہیں لیکن پھر بھی ایک ساتھ خوش نہیں دکھائی دیتے' عمر کو سمجھنا چاہوں بھی تو وہ ایسی صفائی سے بات کاٹتا ہے کہ میں اس کی شکل دیکھتی رہ جاتی ہوں اور نازی غریب اتنی فرمانبردار اور بے زبان ہے کہ میری ہمت ہی نہیں پڑتی کھل کر کچھ کہنے کی۔''

نانی سچ مچ بہت رنجیدہ ہو رہی تھیں' ان دونوں کی شادی کے ابتدائی دن وہ اس خوش فہمی میں کاٹ گئیں کہ معاملات بتدریج بہتر ہو جائیں گے۔ مگر یہاں تو ان دونوں کے بیچ حائل دیوار اونچی ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

''انجانے میں نازی کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کر بیٹھے شاید' لیکن میرا خدا جانتا ہے کہ میں نے یہ فیصلہ ان دونوں کی بھلائی کیلئے ہی کیا تھا۔''

ان کے لہجے کی مایوسی رعنا کے دل کو دکھا رہی تھی۔ ساری زندگی چھوٹے بڑے دکھ کاٹ لینے کے بعد اس ضعیفی میں ان کی قوت برداشت سے زیادہ کی توقع رکھی بھی نہیں جاسکتی تھی۔

''آپ پریشان مت ہوں جو کچھ بھی ہوا بہت اچھا ہوا ہے یہ دونوں بھی آہستہ آہستہ سیٹ ہو جائیں گے۔ اصل میں سب کچھ اتنا غیر متوقع تھا کہ اسے قبول کرنے میں اب کچھ وقت تو لگے گا نا۔''

رعنا آہستہ آہستہ نانی کو سمجھائے گئی' نازی لوازمات سے بھری ٹرے لے کر واپس آئی تب تک نانی خاصی ریلیکس ہو چکی تھیں۔ لائونج میں فون کی بیل ہو رہی تھیں۔

''شاید عمر کا ہو جائو تم دیکھو۔''

نانی کے کہنے پر وہ خاموشی سے اٹھ کر لائونج میں آئی۔ عمر آفس جا کر گھر فون مشکل سے ہی کرتا تھا' حالانکہ نانی بتاتی تھیں کہ پہلے تو وہ تھوڑی تھوڑی دیر میں ان کی خیریت پوچھتا رہتا تھا لیکن اب نازی کے آجانے کے بعد یہ سلسلہ جاری نہیں تھا۔ وہ کم از کم نانی کی طرف سے اب بالکل مطمئن تھا۔

''شاید اس بار وہی ہو۔ محض ایک فیصد امید لے کر نازی نے ریسیور کان سے لگایا تھا۔

''عمر صاحب ہیں۔'' دوسری طرف سے ایک اجنبی آواز میں پوچھے جانے والا سوال بڑی آسانی سے اس ''ایک فیصد'' کو بہاتا ہوا لے گیا۔

''جی نہیں' وہ اس وقت آفس میں ہیں۔''

جواب دیتے ہوئے وہ فون رکھنے ہی والی تھی پر دوسری طرف موجود شخص کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔

''میں زمان اسٹیٹ ایجنسی'' سے بات کر رہا ہوں عمر صاحب نے جو گھر لیا تھا کرائے پر اس کی چابی معلوم نہیں کیوں انہوں نے اب تک مجھ سے نہیں لی ہے' حالانکہ گھر کا ایڈوانس تو وہ دو ماہ پہلے ہی دے چکے ہیں۔''

بڑی تیزی کے ساتھ وہ اپنی بات کہتا چلا گیا اور آخر میں اپنی بات عمر تک پہنچانے کی تاکید کر کے فون بھی بند کر دیا لیکن وہ چند لمحے فون کان سے لگائے یوں ہی ساکت کھڑی رہی۔

یہ اطلاع جو ابھی ملی تھی نئی نہیں تھی۔

دیا کی عمر سے منگنی کے بعد امی اسے بتا چکی تھیں کہ انہوں نے عمر کو دوسرا گھر لینے کیلئے کہا ہے۔

''چاہے کرائے پر ہی سہی' مگر ہو بڑا اور شاندار۔''

اسے امی کے یہ الفاظ آج بھی اچھی طرح یاد تھے۔

پھر وہ کسی کے بھی علم میں لائے بغیر خود عمر کے ساتھ گھر دیکھ بھی آئیں تھیں' یہ بات نازی جانتی تھی اور اس وقت اسے امی کا روّیہ بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا' مگر بات دیا کی خوشی کی تھی۔

امی اور دیا دونوں ہی اگر اس طرح مطمئن ہو رہی تھیں تو یہ بھی گوارا کیا جاسکتا تھا اور ایک گھر ہی کیا عمر دیا کی خاطر کچھ بھی کر گزرنے کیلئے تیار تھا کچھ بھی۔ اس کی محبت' اس کا جنون کسی سے بھی چھپا نہیں تھا۔ پل کے ایک چھوٹے سے حصے میں نازی کے دل کو کتنی ہی باتوں نے چھوا۔ عمر کے لگاتار آتے فون اس کی طرف سے بھیجے گئے تحائف دیا کو محض ایک نگاہ دیکھ لینے کی اس کی جستجو۔

کچھ بھی تو چھپا نہیں تھا۔

مگر سارے پتے شو کرانے کے بعد پوری بازی ہی الٹی تھی۔

اور اس سارے قصے میں جس کا ایک اہم کردار اب وہ خود بھی تھی جب بھی سوچتی عمر سے زیادہ قابل رحم کوئی نہ لگتا سب سے بڑا گھاٹا اسی کے کھاتے میں ڈالا گیا تھا۔ ''وہ بہت ارمانوں سے لئے گئے اس گھر میں شاید اب قدم بھی نہ رکھنا چاہے گا۔'' نانی کے آواز دینے پر تھوڑا سا چونک کر اس نے فون کریڈل پر رکھا اور واپس اندر چلی آئی۔

''کیا کہہ رہا تھا۔'' نانی پوچھ رہی تھیں۔

''کون؟''

رعنا نے اس کی غائب دماغی کو بطور خاص نوٹ کیا۔

''عمر اور کون؟''

''وہ نہیں تھے اسٹیٹ ایجنسی والا تھا' پوچھ رہا تھا کہ جو گھر کرائے پر لیا گیا تھا اس کی چابی لینے کب آئیں گے۔'' سپاٹ لہجے میں وہ کہتی چلی گئی۔

گھر کا قصہ سب ہی کے علم میں تھا۔ نانی کتنے ہی دن اسی بات کو لے کر عمر سے سخت ناراض رہی تھیں اور پھر فرح کے سمجھانے پر بمشکل ہی راضی ہوئی تھیں لیکن اس وقت نازی کے لہجے میں ایسا کیا تھا جو بری طرح چبھا تھا۔ رعنا نے نانی کے چہرے پر سایہ سا اترتا ہوا صاف محسوس کیا۔ وہ شرمندہ ہو رہی تھیں ایک ایسی بات پر جس میں وہ کہیں سے بھی قصور وار نہیں تھیں۔ ذرا دیر کیلئے کمرے میں بڑی تکلیف دہ خاموشی پھیلی تھی۔ پہلی بار رعنا کو نازی پر غصہ سا آنے لگا۔ کیا وہ اتنی کم ہمت تھی کہ زندگی میں آئی اس الجھن کو سلجھانے کے بجائے پہلے ہی مرحلے پر ہتھیار پھینک چکی ہے اور اگر ایسا ہی تھا تو وہ بہت جلد اپنے ہمدردوں کو بھی کھو دینے والی تھی۔ رعنا نے چور نگاہوں سے ایک بار پھر نانی کی طرف دیکھا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

...☆☆☆...

گھر صاف ستھرا اور روشن تھا۔ اتنا روشن جیسے ہزار وولٹ کے کتنے ہی بلب جگمگا رہے ہوں۔ آفتاب نے بڑی محبت سے اماں کے کمرے میں کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھا اور پھر ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''اللہ کا جتنا بھی شکر کروں کم ہے اس نے مجھ گنہگار کی سن لی جو یہ گھر برباد ہونے سے بچ گیا۔''

اماں بار بار ہاتھ اٹھا کر شکر کرتیں اور آنکھوں میں آتے آنسو خشک کرتیں۔

''یہ یقیناً ان ہی کی دعائیں تھیں ورنہ خود اس نے تو اپنی تباہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' آفتاب کو اب تک بھی حصے میں آئی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اماں کو وہ اسی دن بینا کو ساتھ لاتے ہوئے لے آیا تھا۔ ذرا دیر کیلئے ٹیکسی وحید کے گھر پر رکوا کر اس نے اماں کو بھی لے لیا تھا۔ بینا کو اس کے ساتھ دیکھتے ہی ان میں جیسے جان آ گئی تھی' گھر پر اس وقت صرف فرحت آپا تھیں آفتاب نے تو دل میں شکر ہی کیا تھا کہ وحید سے سامنا نہیں ہوا اور نہ معلوم نہیں کیا ہو جاتا؟ جتنی ذلیل حرکت وہ کر چکے تھے اس کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں تھی' مگر اس بار آفتاب نے خود کو جذباتی ہونے سے بچایا تھا۔ ایک بار اسی جذباتی رو میں بہہ کر وہ جتنا بڑا نقصان اٹھا چکا تھا اس کا اعادہ کسی بھی صورت نہیں کر سکتا تھا۔ وحید کے ساتھ اپنا حساب کتاب وہ سوچ سمجھ کر صاف کرے گا اور اس کے بعد پوری عمر اس کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہے گا۔ یہ بات اس نے گزشتہ رات بینا سے کہہ بھی دی تھی۔

''میں نہ کہتی تھی کہ یہ آگ وحید کی لگائی ہوئی ہے' مگر تمہیں یقین نہیں آتا تھا وہ کسی کا سگا نہیں ہے جو اپنی ماں کا نہیں ہے تم اس پر اعتبار کرنے چلے تھے۔''

اماں کو وہ گھر لا کر سارا واقعہ سنا چکا تھا اور انہیں یہ سب جان کر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی تھی۔

''میں نے کیا بگاڑا تھا وحید بھائی کا۔''

آفتاب کو ''بھائی'' کا لفظ حلق میں اٹکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ''کیوں کیا انہوں نے بینا کے ساتھ ایسا۔''

محرومیوں کے وہ سارے دن جو خدا کے بعد بینا کے سہارے کٹے تھے یاد آتے تو وہ شرم سے زمین پر گڑنے لگتا تھا۔

''اب بھی نہیں سمجھے۔'' اماں نے کچھ حیرت سے آفتاب کی طرف دیکھا۔

''اس بدبخت عورت کے ساتھ جو یہاں بیٹھ بیٹھ کر میٹنگ کرتا تھا مٹھیاں گرم کرتا تھا وہ سب بینا کی موجودگی میں ممکن تھا؟ بھلا یہی تو تھی جو اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گئی تھی ورنہ وہ ثانیہ کی ممانی اور وحید دونوں ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔''

''اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں آفتاب۔'' چائے کی ٹرے لاتی ہوئی بینا کو ان سے پورا اتفاق تھا' اماں اس کی غیر موجودگی میں ہونے والی ممانی اور وحید کی یہاں تسلسل سے ہونے والی ملاقاتوں کا حال سنا چکی تھیں۔

''مجھے تو تم پر حیرت ہے آفتاب کہ تم کیسے ان کا ساتھ دے رہے تھے ایک یتیم لڑکی جس کا ماں کے سوا کوئی بھی نہیں اس کے مقابلے میں وحید کا ساتھ دے رہے تھے۔'' ان لوگوں کو چائے دیتے ہوئے وہ وہیں قریب بیٹھ گئی۔ اپنے لئے چاہے اس نے ایک لفظ کی بھی جنگ نہیں لڑی تھی' مگر ثانیہ کیلئے وہ آفتاب کو معاف نہیں کر پا رہی تھی۔

''اللہ ہی جانے بات کتنی آگے بڑھ گئی ہے مجھے تو مہینوں سے ثانیہ کی کچھ خبر نہیں' ممانی تو اس کی بربادی میں ایک سیکنڈ لگانے والی نہیں وہ تو اس کے ماموں ہیں جو اس کا ساتھ....۔''

''ان کا انتقال ہو گیا ہے پچھلے دنوں۔'' آفتاب ہلکے سے بولا۔

''کیا۔'' بینا نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ یہ خبر اتنی افسوسناک تھی کہ چند لمحے تو اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

''اسی لئے یہ شادی اتنی جلد ممکن نہیں ہو سکی۔ ورنہ ان لوگوں کے درمیان سب کچھ طے ہو چکا ہے کافی بڑی رقوم وصول کی ہے اس عورت نے اس رشتے کے عوض اور شاید یہ حضرت کچھ گھر ور بھی لڑکی کے نام کرنے کا اشارہ دے چکے ہیں۔''

آفتاب کے پاس وحید سے ملی ہی معلومات تھیں جو وہ آہستہ آہستہ بتا رہا تھا۔

''اتنی اوقات کہاں ہے اس کی خود تو فرحت کے لائے ہوئے گھر میں رہ رہا ہے اس کے دم سے گھر چل رہا ہے اتنے سالوں سے' آج وہ نکال باہر کر دے تو کوئی ٹھکانہ نہیں ہے بدبخت کے پاس۔''

آفتاب کی اماں کا دل بہت دکھا ہوا تھا۔ ان کی قسمت میں اولاد کی آزمائش آئی تھی' وحید کا غم انہیں اپنے ساتھ قبر میں جاتا محسوس ہوتا تھا۔

''اور تم یہ سب چپ چاپ دیکھتے رہے' سچ بتاؤ آفتاب تمہارا کبھی بھی دل نہ چاہا کہ تم ثانیہ کیلئے کچھ کرو' کم از کم ایک انسانیت کا رشتہ تو تھا تمہارے بیچ۔''

بینا کو یقین نہیں آتا تھا کہ اس کا اتنا نیک نفس اور ہمدرد شوہر کسی معاملے میں اتنی زیادہ بے حسی کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ آفتاب اس کے چہرے پر پھیلی بے یقینی کو پڑھ رہا تھا۔

''میں کیا کرتا میرا تو ذہن اتنا ماؤف ہو چکا تھا کہ کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا تم پوچھ لو اماں سے یہاں کیا ٹھکانے پر رہ گیا تھا' تمہارے جانے کے بعد۔''

بینا کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔اتنے مہینوں میں آفتاب کی معذوری اور تنہائی کا سوچ کر وہ خود کس ناقابل بیان اذیت سے گزری تھی۔

''میں تو ساری عمر دعا دوں گی اس شخص کو وہ جیسا بھی سہی ہمارے میں تو فرشتہ ہی ثابت ہوا۔''

آفتاب کی نگاہ میں بھاری جسامت والا وہ شخص گھوما' جو حلیے سے بھی بڑا مشکوک سا لگ رہا تھا۔اس نے ازالہ کیا تھا یا وحید سے کسی قسم کا بدلہ لیا تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔

''بس اب خدا کا شکر ادا کرو اور وحید سے ہمیشہ کا قطع تعلق تو خود بخود ہو ہی گیا ہے' شرم والا ہوا تو آئندہ یہاں قدم بھی نہیں رکھے گا۔''

''وہ شرم دار ہوتے تو ایسی حرکت ہی کیوں کرتے اماں اتنی گندی ذہنیت' کسی رشتے کا تو پاس کر لیتے۔''

آفتاب اب تک ایک شاک میں تھا' لیکن بینا...

''کچھ بھی ہو مجھے ثانیہ کے گھر تو جانا ہی ہو گا' پتہ نہیں وہ کس صورتحال کو فیس کر رہی ہو گی۔'' اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔آفتاب اور اماں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''اب بھی۔''

''ہاں' یہی تو وقت ہے آفتاب ہمیں ثانیہ کی خیر خبر تو لینی چاہئے۔''

بینا کی بے تابی بڑی واضح تھی۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

''تم وہاں جا کر کیا کرو گی وحید جانے اور ثانیہ کے گھر والے جانیں' ان دونوں کے بیچ مت پڑو' وحید بہت کینہ پرور شخص ہے اور تم سے تو ویسے ہی دشمنی باندھے بیٹھا ہے۔''

اماں بینا کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں' مگر وہ کچھ سمجھنے کیلئے تیار ہی نہیں تھی۔

''مجھے اب ان سے کوئی خوف نہیں اماں وہ کتنے گھٹیا پن کا مظاہرہ کریں اللہ تو ہے نا حساب کرنے والا جب تک اس کی مرضی ہے وہ وحید کی رسی دراز کر رہا ہے جس وقت مہلت ختم ہو گی کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔''

اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جو اس کے ارادے کی مضبوطی کو ظاہر کر رہا تھا۔آفتاب نے خود کو بہت بے چین سا محسوس کیا شاید وہ خوفزدہ تھا۔وجہ اس کی اپنی معذوری تھی یا بینا کو کوئی اور نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ۔

''تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے' کوئی زور زبردستی نہیں ہو رہی ہے ثانیہ کے ماموں اور والدہ کی پوری رضامندی شامل ہے اس رشتے میں' ہر شخص اپنا فائدہ چاہتا ہے وہ لوگ بھی اگر ایسا کر رہے ہیں تو کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔''

''تمہیں اتنی تفصیل کیسے پتہ ہے؟تمہارے سامنے حامی بھری ہے ان لوگوں نے۔'' بینا کی طنزیہ نگاہیں آفتاب کے چہرے پر تھیں۔''تم ایک بار پھر وحید بھائی کی زبان میں ہی گفتگو کر رہے ہو آفتاب' اس بار تو یہ غلطی مت کرو پلیز۔''

وہ کمرے کے وسط میں سر اٹھائے کھڑی تھی اور سوچ چکی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔

...☆☆☆...

آج وہ بڑی دیر سے مصروف تھے۔لائونج میں رکھی ٹیبل پر نئی پرانی کتنی ہی فائلوں کا ڈھیر لگائے وہ پچھلے تین چار گھنٹوں سے کیا کر رہے تھے فرحت نے جاننے کی بالکل بھی کوشش نہیں کی بچے سکول گئے ہوئے تھے' اپنے کاموں سے اندر

آتی جاتی فرحت نے ایک آدھ سرسری سی نگاہ کاغذات پر جھکے وحید پر ضرور ڈالی' لیکن وہ کس چیز کے متلاشی ہیں انہوں نے مروتاً بھی نہیں پوچھا تھا۔ وحید سے ان کی بات چیت اب رسمی سی رہ گئی تھی اور پہلی بار فرحت کو اندازہ ہو رہا تھا کہ بات بات پر خوفزدہ ہونے اور منت منت پر ناکردہ گناہوں کی صفائی دینے کے مقابلے میں یہ خاموش بڑی عافیت بھری ہے۔

''سنو۔''

وہ اپنی لاحاصل محنت اور فرحت کی مستقل بے نیازی سے پوری طرح چڑ چکے تو پکار ہی بیٹھے فرحت ابھی ابھی لاؤنج میں پھر آئی تھیں بنا کوئی لفظ کہے قریب آ کھڑی ہوئیں۔

''وہ ایک براؤن فائل تھی گھر میں۔'' غرض ان کی تھی سو اپنا لہجہ پوری کوشش کر کے نارمل کرنا چاہا تھا' مگر جو ایک فطری کرختگی تھی' رہ رہ کر جھلک رہی تھی۔

''براؤن فائلیں تو یہاں کئی ہیں۔'' فرحت نے سامنے پڑے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ ڈارک براؤن جس پر سفید بارڈر سا بنا ہوا ہے۔'' دل ہی دل میں جلتے ہوئے انہوں نے نشانی بتائی' مگر وہ پھر بھی انجان بنی رہیں۔

''مجھے نہیں یاد آ رہی ہو گی یہیں کہیں۔''

''نہیں ہے تب ہی تو پوچھ رہا ہوں ساری الماریاں چھان لیں ساری درازیں دیکھ لیں' ایسے کہاں غائب ہو گئی آخر جو مل کر نہیں دے رہی ہے۔''

وحید کا لہجہ بتدریج تلخ ہو رہا تھا زیادہ دیر وہ خود کو نارمل رکھنے والے شخص تھے ہی نہیں فرحت خاموش رہیں۔

''یہاں میرے سر پر کیوں کھڑی ہو دیکھو ذرا اچھی طرح سب جگہ' سارے کام کے کاغذات اسی فائل میں ہیں۔''

''میں مصروف ہوں اس وقت آپ خود ہی دوبارہ دیکھ لیں۔'' وہ کہتی ہوئی مڑنے لگی تھی کہ وحید نے بڑی سختی سے ان کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

''بکواس کرنی بہت آ گئی ہے سیدھی طرح سنتی ہے یا نہیں۔''

''ہاتھ چھوڑیں میرا۔'' وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑانے میں کامیاب رہی تھیں۔ وحید کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔ ایک بڑی واضح تبدیلی جوان کی دبی دبائی ستم رسیدہ ٹائپ بیوی میں آتی جا رہی تھی اب سنگین صورت اختیار کر چکی تھی۔

''تو گویا تمہیں معلوم ہے میں بے کار ہی اتنی دیر سے پریشان ہو رہا تھا۔'' ان کا شاطر دماغ چند لمحوں میں صحیح صورتحال کو بھانپ چکا تھا۔

''کہاں ہیں وہ سارے کاغذات' جائیداد' شیئرز سب کچھ اسی فائل میں تھے۔''

بہت دن بعد ان کے لہجے میں وہی ٹھنڈک اتر رہی تھی جسے فرحت آپا نے ہمیشہ اپنی رگوں میں جمتا ہوا محسوس کیا تھا آج بھی دل بڑے زور سے کانپا تھا۔

''تو نے جان بوجھ کر چھپا دی ہیں ساری چیزیں' بیوقوف سمجھتی ہے مجھے وہ حشر کروں گا کہ پناہ مانگے گی مجھ سے ہوشیاری برتنے چلی ہے۔''

بھلائی اور مہربانی کا جو ماسک انہوں نے کچھ دن سے پہنا ہوا تھا ایک جھٹکے سے خود سے علیحدہ کر کے پھینکا تھا۔

''اصل میں تو یہ عورت ذات اس قابل ہی نہیں کہ اس کے ساتھ ذرا سی بھی نرمی برتی جائے' پیروں کی جوتی' پیروں میں ہی بجتی ہے۔''

دل ہی دل میں انہوں نے اپنے اس یقین کو ایک بار پھر دہرایا۔

''ان کاغذات سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں ہے وہ میری ملکیت ہیں اور میرے ہی پاس ہیں' کوئی بھی انہیں مجھ سے نہیں لے سکتا ہے۔''

اپنے اندرونی خوف کو بڑی بہادری سے چھپاتے ہوئے فرحت ان کے سامنے ڈٹی کھڑی تھیں۔

''مجھے وہ سارے کاغذات دے دو فرحت اور کل میرے ساتھ چل کر اس پلاٹ کی رجسٹری کروالو سمجھ میں آگئی بات۔'' وحید کے تاثرات بہت خونخوار ہو رہے تھے' دل تو چاہ رہا تھا کہ کھڑے کھڑے اس عورت کا گلہ ہی دبادیں جس پر وہ برسوں سے کسی مطلق العنان آمر کی طرح حکمرانی کر رہے تھے' مگر اب ہوائیں رخ بدل رہی تھیں۔

''ورنہ کیا کریں گے آپ؟''

فرحت اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

''میں۔'' ایک مکروہ مسکراہٹ وحید کے چہرے پر پھیلی۔

''میں وہ کروں گا فرحت بیگم کہ تم منہ دکھانے کے لائق نہیں رہو گی۔'' برسوں کی ریاضت' برسوں کا صبر' کیا کچھ بھی اس قابل نہیں تھا کہ رنگ لاتا۔

دل پر مستقل گرتے نمکین پانی کی رفتار میں کچھ اور اضافہ ہوا' مگر وہ پھر بھی بہادری سے سر اٹھائے کھڑی تھیں۔''تم جیسے شخص سے اور امید بھی کیا کی جا سکتی ہے۔ بہر حال جو کرنا ہے کر لینا۔'' اپنی بات کہہ کر وہ واپس مڑی تھیں۔

''میں تمہیں طلاق دے دوں گا فرحت' اچھی طرح سوچ لو اور اس طلاق کی بنیاد کس طرح کے الزامات پر ہو سکتی ہے اتنا تو تم مجھے جان ہی چکی ہو۔'' اپنی بات کے اختتام پر وہ پوری خباثت کے ساتھ ہنسے۔

فرحت اسی طرح کھڑی رہیں۔ انہوں نے مڑ کر وحید کے چہرے پر پھیلی خوشی کو ایک نظر دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔

نہ حیرت' نہ رنج۔ ان سے زیادہ وحید کو واقعی اور کوئی نہیں جان سکتا تھا۔

''مجھے اب کوئی فرق نہیں پڑتا وحید' جو کرنا چاہو کر لینا۔''

اس بار وہ ان کا جواب سننے کیلئے رکی بھی نہیں۔

...☆☆☆...

عمر صبح آفس کیلئے تیار ہو رہا تھا۔ نانی بھی اس کے ساتھ ناشتہ کر لیتی تھیں سو وہ وہیں ان کے تخت پر ہی چھوٹا سا دستر خوان بچھا لیتی تھی۔

عمر کے کھانے پینے میں نازک مزاجی کا بڑا دخل تھا' گرم پراٹھا' ہری مرچوں والا آملیٹ' دودھ' کارن فلیکس' دلیہ' آلو کی بھجیا' نازی کو روزانہ مینو بدلنا پڑتا تھا' مستقل دو دن ایک سی چیز ناشتے پر ہو نا سخت ممنوع تھا' اوپر سے نانی کے لذت بھرے ذائقے کی بھی لت تھی۔

وہ اس معیار کو چھونے کی دھن میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی' نانی بے چاری تو بہت چاہتیں کہ وہ اس کا ہاتھ بٹا دیں' مگر نازی کو خود اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ اس ضعیفی میں اب بھی سارے کام کرتی رہیں سو وہ انہیں اٹھنے نہیں دیتی تھی۔ نانی کو مجبوراً خاموش رہنا پڑتا۔ دل ہی دل میں خود کو قصوار وار ٹھہراتیں کہ عمر کو یہاں تک لانے والی وہ خود ہی ہیں۔

انہیں نازی سے شرمندگی ہوتی تھی' اس لئے بھی کیونکہ عمر کی اس کی طرف اب بھی ایسی کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔ وہ ایک ساتھ رہ ضرور رہے تھے' مگر انداز دونوں کا ہی بڑا رسمی سا تھا' عمر گھر میں ہوتا تب بھی زیادہ وقت لائونج میں ٹی وی دیکھتے ہوئے گزارتا اور نازی ان کے ساتھ یا کبھی فرح آجاتی تو اس کے ساتھ باتیں کرتی رہتی۔

نانی اکثر عمر کو کہتیں کہ وہ نازی کو کہیں باہر لے جائے لیکن وہ تھکن یا کام کا بہانہ کر کے ٹال دیتا' نازی خود سے کبھی نہ کہتی تھی۔ دونوں کے انداز میں کہیں سے بھی فطری خوشی نہیں جھلکتی تھی نانی کو سارا قصور عمر کا ہی محسوس ہوتا تھا' جب بھی موقع ملتا اسے دو چار نصیحتیں ضرور ہی کر ڈالتیں۔

اس وقت بھی جب عمر کے اعتراض پر وہ دوسرا پراٹھا بنانے کیلئے کچن میں جا چکی تھی وہ ٹوکے بغیر نہیں رہ سکیں۔ ''کیوں اس کے ہر کام میں خامیاں نکالتے ہو اچھا بھلا تو تھا۔''

''آپ جیسا نہیں تھا اور آپ نے سپیشل پراٹھے کھلا کھلا کر عادت خراب کی ہے۔'' اتنی بات کہتے ہوئے وہ مسکرایا' لیکن نانی بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

''کس بات کا غصہ اتار رہے ہو اس پر اس کا جس میں اس کا کوئی قصور ہی نہیں ہے۔''

عمر کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ ایک پل میں غائب ہوئی۔ ''میں کسی پر غصہ نہیں اتار رہا اور نہ مجھے کسی بات کا افسوس ہے۔''

''نہیں ہے تو پھر کیوں کر رہے ہو اس کے ساتھ اس طرح مجھے وہ خوش کیوں نہیں دکھائی دیتی۔''

''آپ کی ساری توجہ اس پر ہے۔'' وہ طنزیہ بولنے لگا۔

نانی کے دل کو دھکا سا لگا۔

''ہوں۔ اس لئے کہ میں اسے یہاں لائی ہوں اور اس کی خوشی' اس کے حق کی مجھے سب سے زیادہ فکر ہے۔''

''اللہ سب لڑکیوں کو آپ جیسی ہی ساس دے۔'' وہ دانستہ واپس اپنی مخصوص ٹون میں آیا۔

نانی کیلئے فکر' غصہ اچھا نہیں تھا۔ اسے اس بات کا ہر وقت احساس رہتا تھا۔

''ہماری فکر مت کریں آ' مجھے نازی سے کوئی شکایت نہیں میں اس کا اتنا خیال نہیں رکھتا ہوں یہ بات مانتا ہوں لیکن وقت کے ساتھ آپ کی یہ شکایت بھی ختم ہو جائے گی' بس تھوڑا سا وقت۔'' ان کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے عمر بڑی محبت سے کہہ رہا تھا۔ ''آخر آپ کے کہنے پر میں اس سے شادی پر بھی تو راضی ہوا تھا نا۔''

آخری جملہ اس نے بہت دھیمے سے کہا۔ وہ ان ہی کی طرف دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں بڑی پیاری سی جھلملاہٹ تھی۔ جو کچھ بھی اس نے کہا تھا اس میں ایک فیصد بھی جھوٹ نہیں تھا۔

نانی جانتی تھیں کہ دل کا کتنا اچھا ہے جان بوجھ کر وہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ دیا وہ پہلی لڑکی تھی جس کی اس نے بڑی شدت کے ساتھ آرزو کی تھی اور نازی صرف خود ان کی اپنی چوائس تھی۔ آرزو سے سمجھوتے کے پیچ کا سفر اس کیلئے بھی نہ آسان تھا اور نہ ہی خوشگوار۔

''مگر نازی غریب تو یوں ہی بیچ میں ماری گئی۔'' عمر کو رعایت دیتے دیتے بھی ان کے دل نے کہا۔ نازی دوسرا پراٹھا بنا کر لے آئی تھی۔ وہ کچھ چپ چپ سی تھی۔ نانی کو لگا جیسے اس نے ان لوگوں کی باتیں سن لی ہیں فاصلہ تھا بھی تھوڑا سا ہی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے نا بیٹا۔'' ان سے ضبط نہ ہوا تو پوچھ ہی لیا۔

''جی۔'' وہ ہلکے سے مسکرا دی۔

عمر نے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ صبح کے اس پرسکون اور سہانے وقت میں انکے اس چھوٹے سے گھر میں وہ بہت ٹھیک ٹھاک میچ کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ بالکل ایسے جیسے کوئی مکمل تصویر۔ وہ ایک لمحہ بڑی خاموشی سے آگے کو سرکا۔

''سنیئے۔'' تب ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''اس پراپرٹی ڈیلر کا کئی بار فون آ چکا ہے' کہتا ہے کہ آپ کے نمبر پر کنٹیکٹ نہیں ہو پا رہا ہے۔

''ہاں' وہ...۔'' تھوڑا سا گڑبڑا کر وہ ایک کمزور لمحے کی گرفت سے نکلا۔

''تم نے اب تک وہ گھر منع کیوں نہیں کیا' خوامخواہ میں کرایہ جا رہا ہے ہزاروں روپے تمہیں تو اپنی شادی کے فوراً بعد ہی اسے منع کر دینا چاہئے تھا۔'' نانی عمر کی طرف سے تھوڑی سی مطمئن ہو چکی تھیں سو بلا توقف اس نئے موضوع پر آ گئیں۔ اپنی تمام تر حاضر جوابی کے باوجود عمر سے فوری طور پر کچھ نہ کہا گیا۔

وہ گھر جو دیا کی پسند پر لیا گیا تھا' کیونکہ اسے رحمت منزل کے اس چھوٹے سے گھر میں آنا منظور نہیں تھا وہ گھر اس کی آمد کا منتظر ہی رہ گیا' بالکل خود اس کی طرح۔

لیکن اس وقت نازی کے سامنے اسے یہ ذکر بڑا عجیب سا لگا۔

کیا سوچتی ہو گی وہ کہ صرف دیا ہی اس قابل تھی جو اس کیلئے اتنا اہتمام کیا گیا تھا' آخر اس کا بھی تو دل چاہ سکتا ہے کہ وہ کسی کھلے کھلے خوبصورت گھر میں رہے۔ اس کے دل کی فطری اچھائی اسے ایسا ہی سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ یہ سب نازی کیلئے یقیناً ''توہین آمیز تھا۔''

چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اس نے ایک بار پھر نازی کی طرف دیکھا' اب اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

''تم چل کر دیکھ لو' اگر تمہیں اچھا لگتا ہے تو ہم وہاں شفٹ ہو جائیں گے۔'' وہ کچھ تو ازالہ کرنا چاہ رہا تھا۔

نازی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ بات اس سے کہہ رہا ہے۔

''بہت خوبصورت گھر ہے' آج شام کو تیار رہنا میں جلدی آ جاؤں گا' ٹھیک ہے نانی۔'' اس نے ان کی طرف تائیدی نگاہوں سے دیکھا۔

نانی مسکرا دیں۔ رحمت منزل کے اس فلیٹ سے ان کی آدھی سے زیادہ زندگی جڑی تھی' یہاں سے شفٹ ہونے کی اطلاع جب عمر نے انہیں دی تھی تو وہ اسے بمشکل ہی اجازت دے پائی تھیں۔ مگر آج جب وہ یہ بات نازی سے کہہ رہا تھا تو انہیں بے حد اچھا لگا۔ وہ نازی کیلئے عمر کے اس خیال اور اپنائیت کی دعائیں کر لی تھیں۔

شاید آج ابتداء تھی۔

''اچھا بھلا گھر ہے کیا ضرورت ہے شفٹ ہونے کی کہیں اور' آس پاس سب لوگ بھی بے حد اچھے ہیں۔''

ناشتے کے خالی ہوتے برتن سمیٹتے ہوئے وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔ ''میرا تو بہت دل لگ گیا ہے یہاں اور اگر ہم کہیں گئے تو فرح کو تو بہت ہی رنج ہو گا۔''

نانی نے فخر سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایسی ہی تھی جیسی انہوں نے اس سے توقع کی تھی۔ خود عمر کو بھی اس کے جواب سے فوری سکون حاصل ہوا تھا۔ یہ تو دیا تھی جس کی خاطر وہ محبت کے ان سارے بندھنوں کو توڑ کر کچھ بھی کرنے کیلئے تیار تھا۔ اب جب وہ نہیں تو کسی بات سے بھی کیا فرق پڑتا تھا۔

اندر پھیلی تپش جو اس طرح وقفے وقفے سے مدہم پڑتی تھی پھر سے تیز ہونے لگی۔

''میں چلتا ہوں نانی دیر ہو رہی ہے۔'' وہ جیسے اپنے آپ سے گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

نازی کچن میں جا چکی تھی اور نانی فی الحال اس سے اتنی خوش تھیں کہ انہوں نے عمر کے بدلتے ہوئے موڈ پر دھیان بھی نہیں دیا۔

''نازی عمر جا رہا ہے۔'' انہوں نے بجائے اس کی بات کا جواب دینے کے آواز دے کر نازی کو مطلع کرنا زیادہ ضروری سمجھا۔

''پتہ ہے اسے آخر روز ہی جاتا ہوں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جھنجلا گیا۔

''خیر سے جاؤ اور وہ بیوی ہے تمہاری اس کو تو پتہ ہونا بھی چاہئے۔'' نانی نے اطمینان سے اس کا اعتراض رد کیا۔

بیوی کا مطلب یہ کہاں ہے کہ ہر وقت ہی سر پر سوار....'' آخری الفاظ اس نے زیر لب ہی کہے تھے۔ تب ہی باہر کھلتے دروازے سے فرح اندر آتی دکھائی دی۔

''کیوں اپنی سہیلی کی طرح تم پر بھی چھٹیاں منانے کا شوق سوار ہو گیا ہے کیا؟'' اس کا عام سا حلیہ دیکھ کر وہ جان چکا تھا کہ آج وہ آفس نہیں جانے والی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

''ثانیہ بے چاری ماموں کے بعد سے بہت اپ سیٹ ہے۔ اوپر سے اماں کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہیں وہ غریب چھٹی نہ کرے تو کیا کرے' میری تو دو دن سے اس سے بات بھی نہیں ہوئی ہے۔ اس کا نمبر مستقل ہی بند مل رہا ہے۔'' ثانیہ کی حمایت میں وہ کسی وقت بھی پوری مفصل تقریر کر سکتی تھی اور یہ بات عمر بھی جانتا تھا۔

''تم فی الحال اپنی سناؤ کس خوشی میں چھٹی ہو رہی ہے۔''

خوشی میں نہیں عمر پریشانی میں' امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور انہیں چھوڑ کر جانے کو میرا آج بالکل دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ واقعی فکر مند تھی۔

''کب سے خراب ہے اور تم نے رات ہی کو کیوں نہیں بتایا' جب ہی چل کر ڈاکٹر کو دکھا دیتے۔'' عمر ناراض ہونے لگا۔

فرح کی امی اکثر ہی بیمار رہتی تھیں' نانی' نازی' عمر سب ہی فکر مند ہو رہے تھے' حالانکہ فرح یقین بھی دلا رہی تھی کہ کوئی ایسی بہت زیادہ فکر کی بات نہیں ہے۔

''ایک تو جب تم اتنی غیریت برتتی ہو تو قسم سے مر جانے کو دل چاہتا ہے۔'' عمر کا دل اس کی پریشانی کا سوچ کر برا ہو رہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ میں بھی رک جاتا ہوں اور سجاد بھائی کو فون کر دیتا ہوں۔''

''اف۔'' فرح نے بے اختیار ہی ماتھے پر ہاتھ رکھا تاکہ وہ بھی یہاں پہنچ جائیں تمہیں سمجھ کیوں نہیں آرہا عمر' میں صرف امی کے پاس رکنا چاہ رہی ہوں تاکہ ان کی تھوڑی دیکھ بھال رہے ورنہ خدانہ کرے کوئی ایسی بات... نازی۔''

بات ادھوری چھوڑ کر وہ قریب کھڑی نازی سے مخاطب ہوئی۔ ''تم نے وہ کوٹیشن سنی ہے کہ ''مجھے مارنے کیلئے دشمنوں کی ضرورت نہیں اس کیلئے میرے دوست ہی کافی ہیں۔''

نازی ہلکے سے ہنس پڑی۔ اسے فرح بہت پسند تھی' پر خلوص اور مضبوط پریشانی کے وقت میں بھی اس کی حس مزاح برقرار تھی۔

''کسی وقت بھی ضرورت ہو تو مجھے فون ضرور کر لینا۔'' عمر نے جاتے جاتے یاد دہانی کروائی۔

اچھا ٹھیک لیکن اگر آج بھی ثانیہ نہیں آئی ہو تو پلیز ذرا اس سے کنٹیکٹ کرنے کی کوشش ضرور کر لینا' پتہ نہیں اس کی طرف سے دل بہت گھبرا رہا ہے۔'' وہ عمر کے پیچھے آئی۔ ''کسی کسی وقت صرف اپنی فکر بھی کر لیا کرو ثانیہ بالکل ٹھیک ہو گی۔'' بناء اس کی طرف مڑ کر دیکھے کہتا ہوا وہ سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' فرح نے زیر لب کہا۔

...☆☆☆...

ثانیہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی پچھلے برآمدے میں آئی۔

ممانی نیچی آواز میں فون پر بات کر رہی تھیں۔ اسے دیکھا تو اور بھی محتاط ہو گئیں۔ یہ مشکوک فون سارا دن آتے اور جاتے تھے وہ سب کچھ دیکھتی اور رہی سہی ہمت بھی ہاتھ سے جاتی ہوئی محسوس کرتی' اس وقت بھی ٹھنڈے ہوتے ہاتھ پائوں کے ساتھ وہ تخت کے کنارے پر ٹک گئی۔ اماں قریب ہی سو رہی تھیں۔ ان کا بی پی بیشتر وقت بڑھا ہوا رہنے لگا تھا' ٹیبلٹ لیتی تھیں تو گھنٹوں غفلت میں رہتیں' کسی کسی وقت تو ثانیہ کو شبہ ہوتا کہ یہ ان کی اپنی منتخب کردہ راہ فرار ہے'

جب کچھ بن نہ پڑے تو یہی اچھا تھا کہ منظر سے یکسر غائب رہو۔ کچھ بھی تھا اس نے خود کو اتنا اکیلا پہلے کبھی بھی نہیں محسوس کیا تھا' ابا کی موت کے بعد بھی نہیں۔ زندگی میں چند ایک ہی تو بڑی خالص محبتیں باقی تھیں۔

''اماں' جمیل ماموں' فرح اور اور...''

اس مختصر سی فہرست میں سجاد کا نام بے حد روشن تھا' کتنی خوش اور مطمئن تھی وہ ابھی چند دن پہلے تک' نہ کوئی وعدہ نہ یقین دہانی' پھر بھی کچھ بہت اچھا ہو جانے کی بھرپور امید۔

اتنا گہرا اندھیرا پہلے کبھی نہیں چھایا تھا۔

''کیا ہے یہاں کیوں بیٹھی ہو' میری باتیں سننے کیلئے نا۔'' ممانی فون بند کر کے اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔

ثانیہ نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

''اور یہ چہرے پر بارہ کیوں بجا رکھے ہیں ایسی روتی صورتوں کو کوئی بھی برداشت نہیں کرتا' یہ جو اتنی چاہ سے لے کر جا رہا ہے دو دن میں نکال باہر کر دے گا۔''

''میرا موبائل آپ نے کہاں رکھا ہے؟'' ان کی کسی بھی بات کا جواب دینا ضروری نہیں تھا۔

''رکھ دیا جہاں میری مرضی اب جب گھر پر ہی رہنا ہے تو فون کا کرنا کیا ہے۔''

وہ ڈھٹائی میں حرف آخر تھیں اور ایسے شخص سے کوئی بھی بحث بالکل لاحاصل۔ ثانیہ کے ہونٹ کچھ کہنے کیلئے کھلے اور پھر بند ہو گئے' کل صبح سے اس کا موبائل فون غائب تھا۔ یوں تو اس کا کسی سے بھی رابطہ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر آفس میں ایک رسمی سی اطلاع دینے کی خواہش دل میں اٹھ رہی تھی۔

"کیا پتہ' اس کی خیریت معلوم کرنے کی خاطر وہ آہی جائیں۔"

اندر سے اٹھتی ایک مدھم سی آواز نے دل پر دستک دی تو وہ چونک اٹھی۔

"کیا وہ اب بھی منتظر تھی؟ اب جبکہ سب کچھ بہت تیزی سے طے پا رہا ہے وہ کسی اردو سوشل فلم جیسے کلائمکس کی منتظر ہے۔

خود پر اسے بڑے زور کی ہنسی آئی۔

"میرا فون دیجیے ممانی' مجھے آفس فون کرنا ہے۔"

"کیوں' وہاں سے اپنے ہمدرد بلانے ہیں کیا؟"

وہ سیدھی نتیجے پر پہنچی۔

"اطلاع تو کرنی ہے نا۔" پہلے ہی میری کتنی چھٹیاں ہو چکی ہیں اور ویسے بھی میرا فون ہے آپ مجھے واپس کریں۔"

ممانی اس کی جھنجلاہٹ پر خلاف توقع غصہ ہونے کے بجائے ہنستی چلی گئیں۔

"میں قربان۔" ایک ادا کے ساتھ انہوں نے ثانیہ کا گال چھوا۔ "ایسی دس نوکریاں تو اب تمہارے جوتے کی نوک پر ہیں' نوکری کریں تیرے دشمن تو تو راج کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہے اور تیرے بہانے ہم بھی چار دن عیش میں گزاریں گے۔"

اونہہ' ہنہ۔" ثانیہ نے کراہت سے خود کو تھوڑا پیچھے کیا' ممانی کی محبت بالکل کسی نائیکہ کی مانند تھی۔

وہی عیار مسکراہٹ اور چہرے پر پھیلی خباثت۔

"آپ مجھے دیں گی یا نہیں۔"

"نہیں۔' کرلو جو کرنا ہے۔" انہوں نے مڑ کر لینڈ لائن والے فون کا تار نکال کر اسے بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"وحید نے مجھے کہا ہے کہ تمہیں اب کسی سے ملنے نہ دیا جائے' چند دن کی بات ہے شادی ہو جائے پھر جہاں چاہے گھومنا پھرنا۔"

اس بار وہ بنا کچھ کہے اٹھ کھڑی ہوئی' اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں لیکن وہ پھر بھی اگلے صحن کی طرف جاتے ہوئے کاریڈور کی طرف بڑی ہمت سے چلتی چلی گئی۔

ممانی کے لبوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ تھی' انہیں پتہ تھا کہ وہ ابھی الٹے پاؤں واپس آئے گی اور ہوا بھی یہی۔

"آپ نے گیٹ میں تالا کیوں لگایا ہے۔"

"مرضی میری' میرا گھر ہے تالے لگاؤں یا زنجیریں ڈالوں' یہاں میرا حکم چلتا ہے۔" وہ اس کی بے بسی سے مزا لیتے ہوئے مسکرائیں۔

"پلیز ممانی' آپ کیوں کر رہی ہیں ایسا' ہمیں جانے دیں یہاں سے' ہم واپس نواب شاہ چلے جائیں گے پھر کبھی آپ کو شکل تک نہیں دکھائیں گے' لیکن ایسا مت کریں خدا کیلئے۔"

ساری انا' خودداری چھوڑ کر وہ پہلی بار ان کے قدموں میں بیٹھتی چلی گئی۔

"کیوں؟؟ تمہیں تو بہت شوق تھا لبنیٰ کو نیچا دکھانے کا اب تو وہ امیر زادہ بھی مل گیا تھا' کیا سمجھ رہی تھی یہ سب کچھ بہت آسانی سے مل جائے گا" انہوں نے سختی سے اس کا بازو کھینچتے ہوئے اسے اوپر اٹھایا۔ انکے لہجے میں ایسی پھنکار تھی کہ

دہشت سی طاری ہوتی تھی۔ثانیہ نے بہت ہمت کر کے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔وہ نفرت اور غصے کی آخری حد کو بھی کب کا پار کر چکی تھیں دل کی ساری برائی چہرے پر ثبت تھی' ان کے چہرے کے نقوش اتنے عجیب سے ہو رہے تھے کہ ثانیہ سے ان کی طرف نگاہ جما کر دیکھا بھی نہیں گیا۔

''میں نے بتایا تھا کہ یہاں سے اگر کسی طرح نکل بھی گئی تو وحید زمین کی تہہ سے بھی نکال لائے گا اور پھر جو حشر ہو گا...'' وہ بات کرتے کرتے دانستہ رکیں۔

ثانیہ نے پورے وجود میں کپکپی سی دوڑتی ہوئی محسوس کی۔

''ویسے تمہارے بھلے کیلئے بتا رہی ہوں کہ یہاں دروازے کے سامنے اس کے دو آدمی بیٹھے ہیں پچھلے ہفتے سے' بڑا شکی مزاج آدمی ہے۔تم سے زیادہ تو اسے میری فکر ہے کہ کہیں میں اس کا پیسہ لے کر غائب ہی نہ ہو جاؤں۔''

اپنی بات انہوں نے بڑی شگفتہ انداز میں ختم کی۔

''خود پر نہیں تو اپنی ماں پر ہی رحم کرو۔''

اسے خاموش کھڑا دیکھ کر انہوں نے اماں کی طرف اشارہ کیا' جواب بھی ارد گرد سے بے خبر سو رہی تھیں۔

''دو پہاڑ سے غم ٹوٹے ہیں اس'راب کوئی ہلکی سی بھی ٹھیس لگی تو زندہ بھی نہیں بچے گی اور کچھ نہیں تو ماں کی بقیہ زندگی ہی سکون سے گزر جانے دو۔''

اوپر چھت پر کسی چیز کے گرنے کی آواز پر وہ چونکیں۔

''پھر وہی کم بخت کودا ہے ہماری چھت پر دیکھنا کسی دن ٹانگیں نہ توڑ دوں اس کی میں ذرا ہاتھ لگ جائے۔''

ثانیہ کو چھوڑ کر وہ صحن میں نکل کر چیخنے لگیں۔

''بدبخت' منحوس' موت آئے تجھے۔''

''کیا ہے اماں کیوں شور مچا رکھا ہے۔''

لبنیٰ کمرے سے نکل کر بہت غصے سے کہہ رہی تھی۔

تم یہاں ہو' نیچے میں سمجھی...'' انہیں ایک جھٹکا سا لگا ان کے حساب سے تو لبنیٰ کو اس وقت چھت پر ہی ہونا چاہئے تھا۔

ہر وقت یوں ہی الٹے سیدھے فرض مت کر لیا کرو' بلی کودی ہو گی چھت پر لیکن تمہیں تو وہی ملتا ہے بددعائیں دینے کیلئے' لبنیٰ ان ہی کی بیٹی تھی نہ کوئی شرم' نہ لحاظ۔جھک جھک بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

ثانیہ ذرا بھی دھیان دیئے بغیر اماں کے پاس آ بیٹھی تھی۔کتنی کمزور ہو گئی تھیں وہ اور سر کے آدھے سے بھی زیادہ سفید بال۔

ان دو تین سالوں میں جیسے دس پندرہ سال ان پر سے ہو گزرے تھے۔

کتنی امیدیں' کتنے خواب تھے اس کے' اماں کو ایک اطمینان بھری زندگی دینے کے لیکن کچھ بھی نہ ہو سکا۔

کون کہتا ہے کہ خواب ضرور دیکھنے چاہئیں' یہ خواب ہی آگے بڑھنے کی لگن کی بنیاد بنتے ہیں۔یہاں تو ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں تھیں جو آنکھوں میں پیوست ہوئی جاتی تھیں' ثانیہ کا چہرہ بھیگ رہا تھا۔

...☆☆☆...

اندر کمرے میں موبائل بج رہا تھا۔

نینی نے چولہا بند کیا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی حالت اب اسے دن بدن سست کرتی جا رہی تھی، اڑھائی کمروں والے اس فلیٹ میں چلنے پھرنے کی ویسے بھی گنجائش نہیں تھی، سو وہ زیادہ وقت ایک ہی جگہ بیٹھ کر گزار دیتی۔ مہرو خالہ روزانہ کئی چکر لگا لیتیں جب بھی آتیں اسے چلنے پھرنے اور کام کاج کرتے رہنے کی تلقین کیا کرتیں۔ مگر وہ چاہنے کے باوجود بھی ان کی باتوں پر عمل نہیں کر پا رہی تھی، چند منٹ کھڑے رہنے سے ہی سانس پھولنی شروع ہو جاتی تھی۔ اس کی حالت فون پر بات کرتے ہوئے بھی دوسرے شخص کے نوٹس میں آنے لگی تھی۔

"آواز کیسی ہو رہی ہے نینی، طبیعت زیادہ خراب ہے کیا؟" دوسری طرف سے نازی بڑی فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں نازی آپا، بس ویسے ہی تھکن زیادہ ہونے لگی ہے نا، آپ بتائیں کیسی ہیں، عمر بھائی نانی سب لوگ خیریت سے ہیں؟"

نازی کی آواز سنتے ہی وہ اتنی خوش تھی کہ اپنی بیماری کا ذکر بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہیں۔"

اپنی خوشی میں اس نے نازی کے مختصر اور بے تاثر سے جواب پر بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ "عمر بھائی بہت خیال رکھتے ہوں گے آپ کا، وہ بہت اچھے انسان ہیں نازی آپا، فیضی تو اتنی تعریف کرتا ہے ان کی کہ کیا بتاؤں، کہتا ہے تمہاری بہن بہت خوش قسمت ہیں جو انہیں عمر بھائی جیسا ساتھی ملا ہے، لیکن میں کہتی ہوں کہ عمر بھائی خوش قسمت ہیں جو انہیں میری بہن جیسی بیوی..." اپنی دھن میں وہ کہتی چلی گئی۔

دوسرے سرے پر کھڑی نازی نے پورے تحمل سے اسے سنا اور جب وہ خاموش ہوئی تو،

"دیا کیسی ہے نینی تمہاری بات ہوئی اس سے۔"

اپنی خوش قسمتی پر نہ کوئی تبصرہ، نہ تنقید۔

نینی کو تھوڑا عجیب سا لگا۔

جب بھی بات ہوتی تھی وہ اپنے بارے میں بات کرنے سے یوں ہی گریز کرتی تھی۔

"خوش تو ہے نا وہ، میرا بہت دل چاہ رہا ہے اس سے ملنے کیلئے معلوم نہیں آ گئی ہے یا نہیں۔"

"آ گئی ہیں ہنی مون منا کر واپس امی کے پاس اسماء پھوپھو کا فون آیا تھا، وہ چاہ رہی تھی کہ ابا دیا اور مسعود کو معاف کر دیں، لیکن آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ ابا... اور ویسے دیا باجی کو اب کسی بات سے فرق پڑتا بھی نہیں ہے، کون ملتا ہے کون نہیں، وہ تو ہمیں بھولے سے بھی یاد نہیں کرتی ہوں گی نازی آپا۔" گلہ، طنز، خفگی۔ نینی کے لہجے میں سب کچھ ہی گھلا ملا سا تھا۔

"مجھے تو وہ بہت یاد آتی ہے، قدم قدم پر۔" نازی کی آواز دھیمی پڑی۔

"مت یاد کیا کریں وہ خوش ہیں اپنی زندگی میں بس اتنا کافی ہے۔"

"خدا کرے کہ وہ ہمیشہ خوش ہی رہے۔"

نینی نے بمشکل ہی خود کو کچھ کہنے سے روکا۔

بہت سارے محبت بھرے دلوں کو دکھا کر حاصل ہونے والی خوشی کے دائمی ہونے پر سے اس کا یقین کب کا ختم ہو چکا تھا۔

"ابا کو اپنی خفگی ختم کر دینی چاہئے اب' اس نے شادی ہی تو کی ہے اور سب جانتے ہیں کہ وہ مسعود کو کتنا چاہتی آئی ہے اب جب وہ واپس آیا تھا تو وہ کیسے اسے کسی پر بھی ترجیح دے سکتی تھی' میں جا کر بات کروں گی کسی دن ابا سے۔"

بے کار ہے وہ نہیں مانیں گے اور وہ حق بجانب ہیں' میں اور دیا دونوں ہی انہیں دکھ دینے کا سبب بنے ہیں۔"

اچھا بس' اب جو ہوا سو ہوا' ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے طبیعت پہلے ہی خراب ہے تمہاری تم ان دنوں امی کے پاس آ کر رہ جاؤ یہاں تمہاری دیکھ بھال بھی اچھی طرح ہو جائے گی' فیضی سے پوچھ کر دیکھو' اگر وہ تمہیں وہاں چھوڑ دے۔" نازی نے موضوع بدلا۔

"نہیں نازی آپا میں یہیں ٹھیک ہوں' پڑوس میں مہر و خالہ ہیں' بے چاری سارا دن میرے خیال سے آتی جاتی رہتی ہیں' ڈاکٹر کے یہاں بھی وہی ساتھ جاتی ہیں۔"

اسے پتہ تھا کہ فیضی کسی طرح بھی نہیں مانے گا سو پہلے ہی منع کر دینا اچھا تھا۔ نازی کچھ خاموش سی ہو گئی۔

"نینی۔"

"جی۔"

"وہ میں... میرا مطلب ہے کہ میں تمہیں دیکھنے کیلئے آنا چاہ رہی تھی عمر کے ساتھ۔" کچھ جھجکتے ہوئے وہ کہہ ہی گئی۔

نہیں نازی آپا پلیز۔ فیضی بہت برا منائے گا اور خود مجھے بھی اچھا نہیں لگے گا یہاں کسی کو ڈھنگ سے بٹھانے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے' عمر بھائی کیا تاثر لیں گے ہمارے بارے میں۔"

نینی بری طرح بوکھلا رہی تھی۔

بیوقوفی کی باتیں مت کرو' عمر کو کیا پتہ نہیں ہے کہ فیضی کس خاندان کا بیٹا ہے' ان ہی کے آفس میں جاب کرتے ہیں بہت قریب ہیں ان لوگوں سے' میں تو یہ چاہ رہی ہوں کہ ہم لوگ مل کر کوئی راہ نکالیں جو فیضی کی گھر والوں سے صلح صفائی ہو جائے۔"

نازی کئی دن سے اسے سمجھانا چاہ رہی تھی۔

نینی کی حالت کے پیش نظر اچھا یہی تھا کہ وہ یہ وقت اپنی سسرال میں گزارتی۔ مگر وہ تو بہت سختی کے ساتھ منع کر رہی تھی۔

"یہ بہت ضدی لوگ ہیں نازی آپا' فیضی کو تو نام سننا گوارا نہیں' اشارتاً بھی بات چھیڑتی ہوں تو اس بری طرح غصے میں آتا ہے کہ آپ سوچ نہیں سکتیں ابھی رہنے دیں آپ پلیز' میری مشکلات اور بھی بڑھ جائیں گی۔"

وہ اتنی بے بسی سے بات کر رہی تھی کہ نازی سے ایک بار بھی مزید اصرار نہیں کیا گیا۔

"اچھا' پھر اپنا بہت خیال رکھا کرو اور...۔" کچھ کہنے سے پہلے وہ پھر جھجکی تھی۔

"کیسی عجیب سی بات ہے کہ ان لوگوں کو آپس میں بات کرنے سے پہلے سوچنا پڑنے لگا ہے۔"

نینی نے اس کے ہر بار رکنے پر ایسا ہی سوچا تھا۔

"تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو کوئی چھوٹی سی بھی پریشانی ہو تو مجھ سے مت چھپانا' میں اوپر نہیں آؤں گی بس نیچے ہی خاموشی سے...۔"

نینی کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

''آپ سے نہیں کہوں گی تو کس سے کہوں گی۔'' ہلکے سے وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

نازی کے فون بند کر دینے کے بعد بھی وہ کافی دیر اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔ کیسی بے بدل محبت تھی' نہ کوئی غرض' نہ امید۔ دور بیٹھ کر بھی اس کیلئے فکر مند۔

''کاش وہ انہیں اپنی ایک ایک تکلیف بتا سکے۔'' اس کا دل شدت سے چاہا۔

اس تنگ اور گھٹے ہوئے فلیٹ میں جہاں سے دھوپ اور ہوا کا گزر نہ ہونے کے برابر تھا' گزرنے والی زندگی میں اس کے اعصاب اب جواب دیتے جا رہے تھے۔

آنکھیں بند کر کے اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

وہ درختوں سے گھرا اونچی چھت والا روشن مکان' رنگین کھڑکیوں والا لمبا سا برآمدہ جہاں رنگ بھری دھوپ اترتی تھی پچھلے کچے احاطے میں امی کا کچن گارڈن' جہاں آج بھی اس موسم میں کچے آم کی مہک اڑ رہی ہو گی۔ ایک گہرا سانس لے کر نینی نے اس دل سے قریب مانوس مہک کو اپنے اندر اتارا۔

کیا کیا چھوڑا تھا اس نے۔ کیا یہ سب کم قیمتی تھا' جو فیضی صرف اپنے اعلیٰ نسب خاندان کے پیچھے رہ جانے کا غم مناتا تھا۔ ایسی گری پڑی تو وہ بھی نہیں تھی۔

پروفیسر بشارت حسین بے حد مصروف استاد' جن کے شاگردوں سے آدھا شہر بھرا ہوا تھا اور جن کی عزت محض پیسے کی مرہون منت نہیں تھی۔

ایک گہرے فخر کا احساس اسکے اندر جاگنے لگا تھا۔ پیسہ نہ سہی' مگر پیسے سے بھی کئی درجہ اوپر علم کی روشنی ضو جگمگاتی تھی اور یہی اسکے گھرانے کا سرمایہ افتخار تھی۔

ایک دیا کو چھوڑ کر وہ تینوں بہن بھائی پڑھائی میں ہمیشہ بہت اچھے رہے تھے۔ نازی آپا' سمیع بھائی اور وہ خود۔

فرسٹ ایئر میں آیا اے ون گریڈ' گواہی دیتا تھا کہ وہ مستقبل میں جو کچھ بھی بننا چاہے گی بن ہی جائے گی' مگر وہ خود ہی ایسی جلد باز نکلی کہ اس یادوں سے بھرے گھر سے...

باہر کا دروازہ کھول کر فیضی اندر آرہا تھا۔

''کس قدر لاپرواہو تم' دروازہ کھول کر بیٹھی ہو کوئی اندر آجائے تو؟'' وہ خفا ہو رہا تھا۔

''یہاں رکھا کیا ہے لے جانے کیلئے اور چور بھی کچھ دیکھ کر ہی رخ کرتے ہیں' یہ عمارت تو دور سے ہی چوروں کو بھی ہوشیار کر دیتی ہے۔''

اس کے لہجے میں بڑی واضح بے زاری تھی۔

فیضی ٹھٹک سا گیا۔

حالات کیسے بھی تھے نینی کم مائیگی کا اظہار کبھی نہیں کرتی تھی بلکہ وہی ان سب محرومیوں پر کڑھتا رہتا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' بہت غور سے اس نے نینی کی طرف دیکھا۔ ''اور فون کس کا آیا تھا؟''

نینی نے ہاتھ میں تھاما ہوا موبائل بیڈ پر ڈالا اور سر کو ہلکے سے جھٹکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں کیا پوچھ رہا ہوں؟''

''نازی آپا کا۔'' مختصر سا جواب دیتے ہوئے وہ باہر کا رخ کرنے لگی۔

''کیوں؟'' وہ اس کے پیچھے باہر نکل آیا۔

''کیوں' کیا مطلب' میرے گھر والے کیا مجھے فون بھی نہیں کر سکتے' ان کے یہاں آنے پر تو تم پابندی لگا چکے ہو اب بات کرنا بھی جرم ہو گیا ہے کیا؟''

''میں نے فون کرنے پر کبھی منع نہیں کیا اور یہ فون میں نے تمہیں لا کر ہی اسی لئے دیا کہ تم بور نہیں ہو۔'' فیضی کو نینی کا انداز برا تو لگا' لیکن آج کل اس کی حالت کے پیش نظر وہ لڑائی جھگڑا کرنے سے پرہیز کر رہا تھا۔

''فون کے سہارے زندگی نہیں کٹتی ہے فیضی اور تم یہ کیوں بھولتے ہو کہ تمہارے گھر والوں نے تمہیں چھوڑ دیا ہے لیکن میرے گھر والوں نے نہیں' انہوں نے اپنے ہاتھ سے ہماری شادی کی ہے اور ابا کتنے بھی ناراض سہی انہوں نے اس طرح کا قطع تعلق نہیں کیا جس طرح تمہارے گھر والوں نے سنگدلی کا مظاہرہ کیا ہے۔''

''میرے گھر والوں کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے' میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ہمارے ہاں کوئی بھی برادری سے باہر.....'' اپنے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے وہ حسب عادت مغرور ہونے ہی لگا تھا' مگر آج وہ اتنی چڑچڑی ہو رہی تھی کہ اس کا بھی موقع نہیں مل سکا۔

نینی نے بہت جھنجلا کر اس کی بات کاٹی تھی۔

''بس رہنے دو' تمہارا خاندان' تمہاری برادری' بہت سن لیا یہ سپاس نامہ' کیا پورے شہر میں ایک تم ہی لوگ عزت دار ہو باقی سب گھاس بیچ رہے ہیں' ارے ہر شخص کی اپنی خودداری' اپنی عزت ہے۔ جو اسے بھی اتنی ہی عزیز ہے' جتنی تمہیں' دوسروں کی بھی حیثیت اور مقام کو پہچانو۔''

فیضی ہکا بکا سا یہ ساری تقریر سنے گیا' نینی کے انداز میں بڑی واضح تبدیلی تھی۔

''لوگ ہمیں ہماری اصل شکل میں پہچانتے ہیں' ہماری ظاہری حالت سے حیثیت کا اندازہ آسانی سے لگاتے ہیں' یہاں اس گھر میں بیٹھ کر اگر میں اپنی سسرال کی دولت و ثروت کا ذکر کروں گی تو لوگ یا تو اسے شیخی سمجھیں گے یا پھر میرے دماغ کا خلل۔''

اس سے زیادہ دیر کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا تھا' سو وہ ایک بار پھر بیٹھ چکی تھی۔

''کیا چاہ رہی ہو تم۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے ایک ایک لفظ سے متفق ہوا تھا۔

''اپنے گھر والوں کو کسی طرح بھی مناؤ۔''

''وہ نہیں مانیں گے' کسی قیمت پر بھی اور کتنی بار میں تمہیں یہ سمجھا چکا ہوں۔'' آج فیضی کا لہجہ دھیما تھا۔

''کوشش تو کی جا سکتی ہے' تم کہو تو میں.....''

نینی نے پرامید نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ تمہاری نازی آپا کا آئیڈیا ہی ہے نا۔''

اس کا اندازہ بالکل درست تھا' نینی نے صفائی میں کچھ کہنا چاہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''مجھے پتا تھا کہ عمر بھائی سے شادی کے بعد ایسی باتیں ضرور اٹھیں گی تمہاری بہن کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میرے گھر والوں پر زور ڈالنے کیلئے' عمر بھائی بہترین ذریعہ ہیں جسے اب وہ استعمال کرنے کیلئے بے چین ہیں۔''

''نازی آپا کی نیت پر شک مت کرو فیضی۔''

''مجھے شک نہیں یقین ہے عمر بھائی کے ساتھ رہتے ہوئے وہ اب اچھی طرح جان چکی ہیں کہ بابا در حقیقت کسی حیثیت کے حامل ہیں اور اب وہ اس مرتبے میں اپنی بہن کو شریک دیکھنا چاہتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو بھی کیا برا ہے۔'' نینی نے اس بار کوئی صفائی بھی دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

فیضی ساکت سی نگاہوں سے نینی کے چہرے کو دیکھے گیا۔

تم اگر حالات سے ہار مان چکی ہو تو ضرور کوشش کر دیکھو' لیکن ایک بات یاد رکھنا نینی۔ فیضی کا لہجہ اس کے تاثرات بہت عجیب سے ہو رہے تھے۔

''میں خود سے وہاں کبھی نہیں جاؤں گا اور شاید پھر میں تمہیں یہاں بھی نہیں ملوں' دنیا بہت بڑی ہے اور ایک آدمی کا کھو جانا معمولی سی بات ہوتی ہے۔''

اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں دروازہ کھول کر تیزی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

...☆☆☆...

''اور ایک آدمی کا کھو جانا...'' بابا نے جیسے خود اپنے آپ سے کہا۔ ''ایک آدمی کا کھو جانا کتنا تکلیف دہ' کتنا ناقابل تلافی نقصان بنتا ہے زندگی میں' یہ مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے سجاد۔''

انہوں نے ذرا سا مڑ کر سجاد کی طرف دیکھا۔

''وہ اس لئے بابا کہ آپ نے ایک نہیں دو لوگوں کو کھویا ہے۔'' تیز ہوا سے چہرے پر آتے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے وہ ان کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

''ٹھیک کہتے ہو تم۔ اور کون کہتا ہے کہ انسان اپنی غلطیوں سے سیکھتا ہے' مجھے تو لگتا ہے کہ ہم وہی غلطی بار بار دہراتے ہیں اور ہر بار ایک سے تکلیف دہ تجربہ سے گزرتے ہیں' مجھے لگتا تھا کہ میرا خاندان ایک بڑی آزمائش کو جھیل چکا ہے سو اب ایسا کچھ نہیں ہونے والا' اسی لئے شاید لاپروائی برت گیا۔'' وہ بدستور چل رہے تھے' سجاد خاص طور پر آج انہیں ساحل سمندر پر لائے تھے۔ ساحل کے روایتی رش اور ہنگاموں سے دور یہ ایک پرسکون مقام تھا۔

''ہمیں فیضی کی مخالفت میں اتنی شدت پسندی سے کام نہیں لینا چاہئے تھا' وہ اس وقت بہت جذباتی ہو رہا تھا لیکن ہم اس وقت کو ٹال سکتے تھے' مگر پھر بھی ہم نے ایسا نہیں کیا' یہ جانتے ہوئے بھی کہ ضد اور انا کی جنگ میں کوئی اور نہیں اپنا خون ہی مد مقابل ہے' ایک بار پھر بھول گئے کہ یہی لڑائی ساری عمر خون کے آنسو رلاتی آئی ہے' مگر یہاں تو غلطی در غلطی۔''

ان کی رفتار دھیمی پڑ رہی تھی۔

''غلطی کا ازالہ بھی تو ممکن ہے بابا۔'' سجاد کو لگا کہ بابا اس وقت کمزور پڑ سکتے ہیں۔

''ازالہ۔'' وہ کچھ رکے۔ ''ازالہ اب ہمارے ہاتھ میں نہیں' یہاں تو ایک بار ہی ہمیشہ فیصلہ ہوا ہے' آر یا پار' اس کے بعد تو گیند ہمیشہ کیلئے دوسرے کورٹ میں رہتی ہے' فیضی بھی چاہے تو آ سکتا ہے واپس'

اس لڑکی کو طلاق دے کر۔''

ان کے لہجے میں کمال کی لاتعلقی تھی' ایک لڑکی کی طلاق انکے آگے شاید کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ سجاد کی نگاہوں میں نینی سے اس روز کی مختصر سی ملاقات گھومی۔ وہ نوعمر' کمزور سی لڑکی' جس کی زرد رنگت اور آنکھوں کے گرد گھرے ہوتے حلقے صاف بتا رہے تھے کہ وہ کتنی مشکل زندگی گزار رہی ہے۔

"انسان سے غلطی ہو ہی جاتی ہے، ہم بھی فیضی کو معاف کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے، اس لڑکی کو بھی اتنا پیسہ دے دیں گے کہ وہ اپنی زندگی بہت آرام سے گزار سکے، ہم کسی کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں کر سکتے سجاد۔"

سجاد کے لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ ابھرنے لگی، اپنے بے حد قابل فخر باپ کی شخصیت کا یہ پہلوان کیلئے نیا نہیں تھا، پھر بھی ابھی امید سی بندھنے لگی تھی کہ شاید آج وہ ان سے فیضی کیلئے کچھ رعایت لے سکیں۔

"مگر نہیں۔"

"بلقیس کی حالت دیکھی نہیں جاتی، مجھے تو ڈر ہے کہ وہ کہیں اپنے حواس بالکل ہی نہیں کھو دے، سارے گھر کا ماحول اپ سیٹ ہو چکا ہے اس سارے عرصے میں...۔"

وہ چلتے چلتے اب اپنی گاڑی تک آ چکے تھے۔

ٹیک لگاتے ہوئے انہوں نے سامنے پھیلے بیکراں سمندر پر نگاہ جمائی۔

سجاد کو اب یقین ہو رہا تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی خاص بات کرنے کیلئے ہی یہاں تک آئے ہیں۔

"آپ کچھ کہنا چاہ رہے ہیں بابا۔"

"ہوں۔" وہ کسی خیال سے نکل کر چونک پڑے۔

"ہاں، میں فیضی کو واپس بلانا چاہتا ہوں اب تک وہ خاصا سبق سیکھ چکا ہو گا اور گھر سے نکل کر اسے گھر اور گھر والوں کی اہمیت کا اندازہ بھی اچھی طرح ہو گیا ہو گا میں تو یہ سوچ کر حیران ہوتا ہوں کہ وہ آخر ان دو اڑھائی سالوں میں اپنی گزر بسر کس طرح کرتا رہا ہے، وہ بری طرح پیسہ خرچ کرنے کا عادی ہے اکاؤنٹ تو کب کا ٹھکانے لگ چکا ہو گا اس کا۔"

"میرا کہنا مناسب نہیں ہے لیکن تم عمر سے کہہ سکتے ہو کہ وہ اس سے رابطہ کر کے واپس آنے کو کہے۔"

"آپ اسے معاف کر رہے ہیں بابا۔" سجاد نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں، وہ اس لڑکی کو چھوڑ دے بس پھر ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے، گھر کا دروازہ اس کیلئے کھلا ہوا ہے۔"

ایک ٹھنڈی سانس سجاد کے لبوں سے آزاد ہوئی۔

"وہ لڑکی اب ماں بننے والی ہے بابا۔"

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے سجاد اتنا ہی کہہ سکے، تب ہی ان کا سیل فون بج اٹھا۔

سکرین پر شیریں کا نمبر آ رہا تھا۔

"ایک منٹ۔" وہ بابا سے معذرت کرتے ہوئے تھوڑے فاصلے پر چلے گئے۔

"جیسے بھی ممکن ہو سجاد تم پلیز اسلام آباد آ جاؤ، مجھے بہت سخت ضرورت ہے تمہاری۔" ہچکیوں کے ساتھ روتی ہوئی شیریں کا مسئلہ فوری طور پر تو ان کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا۔

ابھی چند دن پہلے ہی وہ وقت نکال کر ہفتے بھر کیلئے اسلام آباد ہو کر آئے تھے، ثانیہ کے ماموں کے انتقال کی وجہ سے وہ ان کے اسلام آباد والے ریسپشن میں شریک نہیں ہو سکے تھے، سو اس کی تلافی ضروری تھی اور اسلام آباد والے پروجیکٹ کی دیکھ بھال بھی ضروری تھی تب ہی شہریار اور شیریں کے عالیشان گھر اور مسکراتے ہوئے چہرے دیکھ کر وہ خاصے مطمئن ہو کر لوٹے تھے۔ دل پر شیریں کی طرف سے جو احساس جرم عائد ہونے لگا تھا اس سے بھی نجات حاصل ہو رہی تھی۔ بہت دل سے انہوں نے شیریں کیلئے بہت ساری خوشیوں کی دعا کی تھی۔

"میں مر جاؤں گی سجاد یہ شخص مجھے اتنی ذہنی اذیت دے رہا ہے کہ لگتا ہے میں کسی دن خودکشی کر لوں گی' یہ دکھاوے کی زندگی میری برداشت سے باہر ہے میں شہریار کے گھر کا شو پیس بن کر نہیں رہ سکتی ہوں سجاد۔"

جو کچھ وہ اب کہہ رہی تھی اتنا غیر متوقع تھا کہ چند لمحے تو وہ کچھ بول ہی نہیں سکے۔

"میں نے بہت بڑی غلطی کی شہریار سے شادی کر کے' میں پہلے ہی سمجھ چکی تھی کہ میں اس کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکوں گی' پھر بھی میں نے ایک بڑا ایکپرومائز کرنے کی کوشش کی۔"

"اب اسے نبھانے کی بھی کوشش کرو شیریں ہر شادی شروع میں مشکل ہوتی ہے اسے آسان بنانا پڑتا ہے۔" وہ بہت سنبھل کر اسے تسلی دے رہے تھے۔ "آپس کے لڑائی جھگڑے کو اتنی اہمیت مت دو شیریں یہ تو سب کے ساتھ ہی چلتا ہے۔"

"ہمارے درمیان لڑائی جھگڑا تک نہیں ہے سجاد' شہریار کو اتنی فرصت ہی نہیں ہے کہ وہ جھگڑا کریں' اس کے نزدیک صرف ایک چیز اہم ہے اور وہ ہے اس کا خود اپنا آپ' اسے اپنی پروجیکشن سے ہی فرصت نہیں ہے' کوئی بھی اس کے ساتھ رہ کر اپنا دماغی توازن کھو سکتا ہے اس کی پہلی بیوی نے بھی اسے اسی لئے چھوڑا...." وہ بے حد غصے میں تھی۔ سجاد کی نگاہ بار بار بابا کی طرف اٹھ رہی تھی' تھوڑے فاصلے پر کھڑے وہ کسی گہری سوچ میں محسوس ہو رہے تھے۔

"اچھا میں گھر پہنچ کر تم سے بات کرتا ہوں' تم سنبھالو خود کو پلیز۔"

"نہیں تم آج رات ہی اسلام آباد آ رہے ہو' مجھے تم سے بہت ساری باتیں ڈسکس کرنی ہیں۔ میں خود آ جاتی لیکن میں ممی کو ایک فوری شاک نہیں دینا چاہ رہی۔"

سجاد نے شکر کیا کہ اسے کسی کا تو خیال ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

"ٹھیک ہے' میں آ جاؤں گا لیکن آج نہیں چند دن بعد ضرور...."

"نہیں آج ہی' یا پھر کل صبح تمہیں آنا ہو گا سجاد' یہ سب کچھ جو میرے ساتھ ہو رہا ہے اس میں کچھ نہ کچھ ذمہ داری تمہاری بھی ہے سجاد۔"

اس کی ہچکیاں رک چکی تھیں۔

سجاد کو اس کا لہجہ بڑا اجنبی سا لگا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"اگر تم مجھ سے شادی کرنے کو نہ کہتے تو میں کبھی بھی نہیں کرتی' خوشی بن کر نہ سہی بوجھ بن کر ہی تمہارے دل میں رہ جاتی لیکن میں نے تمہاری زندگی آسان کی سجاد۔"

بات کے خاتمے کے ساتھ ہی دوسری طرف سے لائن ڈسکنکٹ ہوئی تھی۔

سجاد نے بے بسی سے ہاتھ میں تھامے ہوئے فون کی طرف دیکھا۔

یہ ایک دوست کا حق ملکیت نہیں تھا یہ کچھ اور ہی تھا۔ انہوں نے شیریں کا لب و لہجہ یاد کیا۔ وہ احسان جتا رہی تھی یا ایک جذباتی بلیک میلنگ تھی جو بھی تھا۔ سخت کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔

"اب وہ کیا اس کی اور شہریار کی ناراضگی پر اسلام آباد کی دوڑ لگاتے رہیں گے۔ یہاں کے سارے کام کاج اور ذمہ داریاں چھوڑ کر۔"

بابا ہاتھ کے اشارے سے انہیں بلا رہے تھے۔

"اتنی دیر۔"

شیریں کے فون کے بارے میں مختصر بتاتے ہوئے سجاد نے ان کیلئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

"اچھا۔" انہوں نے خلاف توقع کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔

آج وہ قدرے مختلف موڈ میں تھے۔ فیضی کے حوالے سے ماضی کے حوالے سے مثبت' منفی کتنی ہی باتیں کر ڈالی تھیں۔

وہ اتنے لاتعلق نہیں تھے جتنا پوز کرتے تھے۔

"تم اس لڑکی سے ملے ہو کیا؟" چند منٹ کی خاموشی کے بعد وہ پوچھ رہے تھے۔

"اس کا نام نینی ہے' پورا نام شاید کچھ اور ہے لیکن میں نے یہی...."

"مجھے اس کے نام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" برہمی سے بابا نے بات کاٹی تھی۔ "میں پوچھ رہا ہوں کہ تم اس لڑکی سے ملے ہو کیا؟"

"عمر کے ولیمے میں دیکھا تھا' بہت چھوٹی سی لڑکی ہے بابا اور بہت کمزور بھی۔" ان کی طرف سے نینی کیلئے کسی رعایت کی امید نہ ہونے کے باوجود بھی وہ مستقل اپنی سی کوشش کر رہے تھے۔ "اس کی شکل سے لگ رہا تھا کہ وہ کچھ اچھے حالات سے نہیں گزر رہی۔"

کن انکھیوں سے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے سجاد نے بات جاری رکھی۔

"انسان اپنا بویا ہوا ہی کاٹتا ہے اور فیضی خود کو نہیں سنبھال سکتا بیوی کو کیسے رکھ رہا ہو گا۔ یہ میں اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں لگتا ہے اب اس کے پاس پیسے بالکل ختم ہو چکے ہیں تب ہی سب سے منہ چھپا رہا ہے ورنہ نکلا تو بہت دعوے کے ساتھ تھا۔"

"اس کی پڑھائی بھی تو بری طرح ڈسٹرب ہوئی ہے بابا' پچھلے سال وہ فیل ہوا ہے اب آگے معلوم نہیں اس کے پاس جمع کروانے کیلئے فیس بھی ہے یا نہیں' اگر کچھ وقت اور نکل گیا تو اس کی زندگی تو ہمیشہ کیلئے ہی برباد ہو جائے گی بابا' ہمیں کیا اچھے لگے گا؟"

سجاد گاڑی کی رفتار دانستہ ہلکی رکھے ہوئے تھے۔

"اسے اگر اس بات کی پرواہ ہوتی کہ ہمیں کیا اچھا لگے گا اور کیا نہیں تو وہ ہمیں کبھی چھوڑ کر نہ جاتا۔" ان کی آواز دھیمی تھی۔

"بابا پلیز' کوئی تو راہ نکالیں۔" سجاد کے لہجے میں اصرار اب بڑھتا ہی جا رہا تھا' ان کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر وہ مستقل ہی فیضی کا کیس لڑ رہے تھے۔

"ہم سب نے آپ کے اصولوں کا ہمیشہ احترام بھی کیا ہے اور انہیں قائم رکھنے کی پوری کوشش بھی کی ہے' وقار بھائی تو باپ ہیں فیضی کے لیکن ایسا لگتا ہے جیسے وہ اس کا نام تک بھول چکے ہیں' پر حقیقت میں کیا ایسا ممکن ہے؟" چند لمحے وہ ان کے جواب کے منتظر رہے۔

"فیصلہ اب فیضی کے ہاتھ میں ہی ہے سجاد' اگر وہ اپنی غلطی تسلیم کرے تو آسکتا ہے واپس' لیکن اس لڑکی کو طلاق دینے کے بعد۔"

سجاد نے ایک گہری سانس لی۔

کسی کسی وقت تو ایسا لگا تھا کہ جیسے وہ کسی بڑی مضبوط چٹان سے اپنا سر پھوڑ رہے ہیں۔

''ہم اتنی ہی رعایت دے سکتے ہیں کہ اس بچے کو اپنا لیں' اس طرح وہ لڑکی بھی آزاد ہو جائے گی اپنے لئے مستقبل میں کوئی بھی فیصلہ کرنے کیلئے بس اس سے زیادہ کی توقع ہم سے مت رکھنا۔''

ان کا وہی آخری کیل ٹھوکنے والا انداز۔ بڑی شدید قسم کی مایوسی گھیرنے لگی تھی۔ یہاں کچھ بھی بدلنے والا نہیں تھا۔ نہ انسان' نہ ان کے اصول' قاعدے۔

یہاں ایک ہی چیز آسان تھی رشتوں کی اور جذبات کی موت۔

''اگلے الیکشن میں وقار کو ایم این اے کیلئے ٹکٹ مل رہا ہے۔ برادری کی سپورٹ کو اس بے وقوفانہ عاشقی کی نذر نہیں کیا جا سکتا۔''

اپنی بات کا اثر اور بھی گہرا کرنے کیلئے جو دلیل وہ دے رہے تھے پہلے بھی سنی جا چکی تھی۔

سجاد نے نہ جب اسے قابل توجہ سمجھا تھا نہ اب۔ ''کوئی ماں اپنا بچہ کیسے دے سکتی ہے بابا اور فیضی نے بھی اس لڑکی سے محبت کی ہے آپ اسے بے وقوفی سمجھتے ہیں لیکن فیضی کیلئے وہ ایک رشتہ ہم سب سے بڑھ کر ہے وہ کبھی نہیں مانے گا۔''

''ٹھیک ہے پھر جیسے اس کی مرضی۔'' وہ لاتعلقی سے باہر دیکھنے لگے۔

شیریں کا پھر سے فون آ رہا تھا۔ وہ اتنے بددل ہو رہے تھے کہ اٹینڈ کرنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ معلوم تھا کہ اب وہ بار بار اسی طرح فون کرتی رہے گی' جب تک وہ اسلام آباد نہیں پہنچیں گے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''کیا ان کا جانا ٹھیک رہے گا۔ شہریار کیا سوچے گا اور خود شیریں کو اب کس قسم کی ہمدردی یا سپورٹ درکار ہے ان سے؟''

سوالات در سوالات اور جواب بے حد کنفیوژ کرنے والے۔

...☆☆☆...

''تو یہ ہے سارا قصہ فرحت آپا۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے بینا نے سامنے بیٹھی فرحت کو دیکھا' جن کے چہرے پر اس کا سارا سنسنی خیز قصہ سن کر بھی حیرت کا کوئی تاثر نہیں تھا۔

فرحت کو لگا جیسے وہ اپنے شوہر نامدار کی حرکتوں پر کسی شاک میں ہیں' مگر ایسا نہیں تھا۔

''وحید اس سے بھی کچھ زیادہ کر جائیں تو وہ بھی میری توقع کے عین مطابق ہی ہوگا بینا' جو تکلیف تم نے سہی اس کا ضرور رنج ہے لیکن حیرت نہیں۔'' وہ بینا کے بلانے پر آج اس کے گھر آئی تھیں۔ ''میرے اوپر تو اللہ نے بڑا کرم کیا ہے فرحت بھابی لیکن اب جو وہ کرنے جا رہے ہیں اس کی تو تلافی بھی نہیں ہو سکے گی' میں نے اس لئے آپ کو یہاں بلایا ہے کہ کوئی نہ کوئی راہ نکالیں۔'' بینا بڑی امید بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ بہت سوچ کر اس نے فرحت سے مدد لینے کا ارادہ کیا تھا۔ ''میں کیا کر سکتی ہوں' یہ کوئی پہلی بار تھوڑی ہے وحید کی زندگی میں ہمیشہ ایک سے زیادہ عورتیں رہی ہیں' وہ شروع سے بدکردار شخص ہے شکر ہے کہ وہ اس لڑکی سے شادی کر رہا ہے ورنہ اس کے پاس تو ہمیشہ دوسرے ہی طریقے ہوتے ہیں۔'' وہ ذرا بھی جذباتی نہیں ہو رہی تھیں اور بینا کو تو لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے شوہر کے نہیں کسی غیر متعلق شخص کے کرتوت بیان کر رہی ہوں۔

"وہ بہت چھوٹی اور معصوم لڑکی ہے فرحت بھابی۔"

"کیا فرق پڑتا ہے پیسے سے مجبوریاں خریدنے کی روایت تو بہت پرانی ہے۔" ان کے لہجے میں بڑی دل دکھاتی لاتعلقی تھی۔

"آپ بہت بدل گئی ہیں فرحت بھابی۔" بینا کو ان کے روّیے پر رنج ہو رہا تھا۔

"ٹھیک کہتی ہو' ساری عمر میں اپنے حالات بدلنے کا انتظار کرتی رہی وہ تو نہ بدلے آخر کار میں خود ہی بدل گئی' کاش یہ کام پہلے ہی ہو گیا ہوتا۔" بینا کے سادے سے ڈرائنگ روم میں نیم گرم سہ پہر اتر رہی تھی۔

مجھے نہ کسی پر رحم آتا ہے اور نہ ہی اب کسی کا بھی دکھ اپنے سے بڑا لگتا ہے' ڈر' سہم اور اس سے بھی بڑھ کر خود اپنی نگاہوں میں مستقل گرتے رہنے کا عمل اس تکلیف کو بیان کرنے کیلئے تو الفاظ بھی نہیں ملتے ہیں بینا۔" وہ اس کے چہرے پر نگاہ جمائے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

بینا سے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں گیا' اس تکلیف کی چھوٹی سی جھلک اس نے بھی دیکھی تھی جو تا عمر نہیں بھلائی جا سکتی۔

کوئی اور نہ سہی کم از کم وہ تو سمجھ ہی سکتی تھی کہ فرحت میں تبدیلی کے اس عمل کو۔ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بینا نے بمشکل ہی اپنے آنسوئوں کو روکا۔"جو ہو رہا ہے ہونے دو ایک اجنبی لڑکی کی خاطر..."

"وہ اجنبی نہیں ہے فرحت بھابی۔" بینا نے تڑپ کر ان کی بات کاٹی۔"آپ ثانیہ سے مل چکی ہیں اور میں نے بہت پہلے بھی آپ سے اس خدشے کا اظہار...."

"ثانیہ۔" فرحت کو وہ معصوم سی لڑکی بے اختیار یاد آئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

"ایک آپ ہی کچھ کر سکتی ہیں ثانیہ کیلئے' مجھے اور آفتاب کو تو ثانیہ کی ممانی اچھی طرح پہچانتی ہیں کسی صورت بھی وہ ہمیں ثانیہ سے ملنے نہیں دیں گی' مگر آپ وہاں جا سکتی ہیں کسی بھی بہانے۔" ان کے چہرے کے تاثرات بدلنے کے ساتھ ہی بینا کی امید پھر سے بندھی تھی۔

آپ کے ساتھ تو پھر بھی اللہ کا شکر ہے اپنے خاندان کی سپورٹ ہے فرحت بھابی' اس غریب کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے صرف ایک بیمار ماں کے علاوہ۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں بینا' وحید سے میرا رشتہ اب تو دکھاوے کا بھی نہیں محسوس ہوتا' اس رشتے کو بچانے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔" فرحت کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

"میں کب کہہ رہی ہوں آپ اس رشتے کو بچا لیں میں تو ثانیہ کو بچانے کی درخواست کر رہی ہوں آپ سے' کون آئے گا اسے بچانے کوئی بھی تو نہیں ہے۔" بینا کے لہجے میں اصرار بڑھ رہا تھا۔

"مجھے کرنا کیا ہو گا۔" انہیں لگا وہ مزید انکار نہیں کر سکیں گی۔

آپ بس کسی بھی بہانے ثانیہ اور اماں کو یہاں میرے ہاں... بینا بہت پر جوش ہو رہی تھی۔

وہ میرے ساتھ آنے پر کیسے رضامند ہو گی بینا' وہ تو مجھے اچھی طرح جانتی بھی نہیں' بس ایک بار ہی تو ملاقات ہوئی ہے ہماری شاید۔"

فرحت نے ذہن پر زور ڈالا۔

"وہ آپ کے ساتھ ضرور آجائے گی بس آپ کسی طرح اس کی ممانی کو اعتماد میں لے سکیں تو پھر سب آسان ہے۔"

"شاید میں ایسا کر سکوں۔" فرحت ذہنی طور پر تیار ہو رہی تھی۔ "ہر شخص کی کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے اور لالچی' خود غرض انسان تو کمزوریوں کا مجموعہ ہوتا ہے' ثانیہ کی ممانی کی ٹائپ میری سمجھ میں آ رہی ہے۔"

"میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی' ایک بار ثانیہ یہاں آ جائے تو میں اسے فوراً اپنی امی کے ہاں چھوڑ آئوں گی وہاں وہ محفوظ رہ سکے گی۔"

"نہیں بیٹا اس شہر میں ایک ہی جگہ ہے جہاں وہ سب سے زیادہ محفوظ رہے گی' کیونکہ وہاں وحید قدم بھی نہیں رکھ سکتے۔" وہ بڑی پر یقین دکھائی دینے لگیں۔

☆☆☆...

ایک بار' دو بار' تیسری بار بیل بجی تو بس بجتی ہی چلی گئی۔

ثانیہ جانا تو نہیں چاہتی تھی' مگر پھر بھی صحن سے ملحقہ کوریڈور میں آ کھڑی ہوئی۔ گیٹ پر اندر کی طرف لگا تالا منہ چڑا رہا تھا۔ یہ اسی کی "حفاظت" کے خیال سے لگایا گیا تھا' باہر نکلنے کا تو کیا سوال گیٹ تک جانے پر بھی پابندی ممانی لگا چکی تھیں۔ تالا خود ان کے اپنے دل کی تسلی کیلئے تھا' ورنہ وہ کہاں بھاگی جا رہی تھی۔ ان کی دی ہوئی دھمکیاں اتنی اثر انگیز تھیں کہ اگر گیٹ کھلا بھی پڑا رہتا تو وہ اماں کے ساتھ لگی ان کے تخت پر ہی بیٹھی رہ جاتی' مگر سوال اس وقت اس کے کہیں جانے کے بجائے باہر کھڑے شخص کے اندر آنے کا تھا' جو گیٹ کی بیل سے مایوس ہو کر اب دروازہ پیٹنے پر اتر آیا تھا۔

ممانی اور لبنیٰ کی میٹھی نیند اسی ہنگامے کے سبب ٹوٹی۔

"جا کر دیکھ ذرا گیٹ پر' چابی میرے پلو سے بندھی ہوئی ہے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

انہوں نے ایک ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش کی۔

"میں؟" لبنیٰ نے ایسی حیرت سے انہیں دیکھا۔ "اس دھوپ میں صحن میں جائوں؟ رنگ خراب ہو جائے گا میرا۔"

"اور اس منحوس توصیف سے ملنے جلتی دوپہر میں کہاں کہاں خوار ہوتی پھرتی ہے تب رنگ کو کچھ نہیں ہوتا' یہاں دو قدم چلتے ہوئے موت آ رہی ہے۔" وہ اسے دس سناتے ہوئے خود ہی اٹھ گئیں' پتہ تھا کہ اس پر کچھ اثر نہیں ہونے والا۔

"ہنہ۔" انہیں تو بس توصیف کا ہی رونا رہ گیا ہے' پیار کرنا کوئی جرم تھوڑی ہے۔" لبنیٰ نے اپنے فلمی عشق کے فیور میں گھسا پٹا سا جواز ڈھونڈا ممانی کی آنکھوں کی رہی سہی نیند کوریڈور میں کھڑی ثانیہ کو دیکھ کر دور ہو گئی۔

"منع کیا ہے نہ میں نے پھر بھی باز نہیں آئی' چلی آتی ہے فوراً جیسے کسی کو ٹائم دے رکھا ہو ملنے کا' بہت ہو گئیں آوارہ گردیاں وہ تو شکر ہے کہ ایک عزت کا ٹھکانہ مل رہا ہے ورنہ تم جیسی تو سینکڑوں رلتی پھرتی ہیں۔"

ان کی بے رحمی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

ثانیہ نے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا' مگر وہ اب گیٹ کی طرف بڑھ چکی تھیں۔ اپنے پلو سے بندھی چابی سے گیٹ کھولتے ہوئے انہوں نے آنے والے پر پہلی نگاہ تو بہت غصے سے ڈالی تھی' مگر دوسری معذرت خواہانہ بھی تھی اور خوشامدانہ بھی۔

"اتنی دیر سے بجا رہا ہوں' اس گھر میں کیا سب بے ہوش پڑے ہیں' جو کوئی سننے والا نہیں۔" کرخت لہجے میں کہتا ہوا وحید اندر داخل ہوا۔ "گرمی سے برا حال ہو گیا کھڑے کھڑے۔" اس کی سیاہ رنگت' غصے اور دھوپ کی تپش اور دہکتی ہوئی لگ رہی تھیں۔

''بس آنکھ لگ گئی تھی' اسی لئے آتے آتے دیر لگی' آیئے یہاں ڈرائنگ روم میں آ جائیں۔'' شرمندہ سے لہجے میں کہتی ہوئی ممانی اسے لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھیں۔ سامنے والا کوریڈور اب خالی تھا۔ وحید کا آنا جانا بڑھ رہا تھا اور ممانی کو یہ بات تشویش میں ڈال رہی تھی۔

''آواز تو چیخنے کی باہر تک آ رہی تھی' کس پر غصہ اتر رہا تھا۔''

''ثانیہ کو کہہ رہی تھی'' مجال ہے جو گھر کے کسی کام کو دیکھے اب گیٹ کھولنا بھی کیا صرف میری ذمہ داری ہے۔'' ناگواری سے کہتے ہوئے وہ بھول گئیں کہ وحید ثانیہ کیلئے۔ اس وقت کتنے جذباتی ہیں۔

''وہ کوئی نوکر ہے تمہاری' جو دروازے کھولتی پھرے' اتنا پیسہ تم لوگوں کو کس کیلئے ثانیہ ہی کیلئے نا' اب تو تمہیں اس کی غلامی کرنی چاہئے' اپنی لڑکی کو لگاؤ کام پر وہ کسی کام کی نہیں ہے کیا؟''

مارے غصے کے وحید بولتے ہی چلے گئے۔ ممانی دل میں تو کھول کر رہ گئی تھیں' لیکن بنی بنائی بازی کو بگاڑنا بڑی بے وقوفی تھی' سو فوراً ہی موڈ بدل گئیں۔

''اپنی بچی سمجھ کر کہتی ہوں اور ہمارے لئے تو وہ بچی ہی رہے گی' شان تو اس کی آپ کے گھر جا کر بڑھے گی۔''

''ٹھیک ہے۔''

ممانی کے ساتھ اس کا رویّہ بتدریج بدل رہا تھا۔

''لیکن خیال رہے لڑکی کو خوش رکھنے کی کوشش کرو' بددل ہو گئی تو عین موقع پر بھی کوئی ہنگامہ کھڑا کر سکتی ہے۔''

''مجال ہے اس کی' گلا نہیں دبا...'' وفاداری کا جوش ایک بار پھر غلط بات کہلوا رہا تھا۔ ''میرا مطلب ہے کہ میں نے اسے اتنی اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہ گیا ہے۔''

خوبی سے کوئی بھی بات بدل لینا ان کیلئے آسان تھا۔ اتنی دیر میں وہ پہلی بار خوش نظر آئے۔ دل کی ساری برائی چہرے پر ثبت تھی۔ خود ممانی کو فیصلہ کرنا مشکل ہوا کہ وحید غصے کی حالت میں زیادہ ناقابل برداشت محسوس ہوتے ہیں یا پھر خوشی کی حالت میں۔

''خیر ان کا کون سا داماد بننے جا رہا ہے جو وہ فکر پالیں۔''

''کسی بہانے بلواؤ تو سہی۔'' وحید کی بات پر وہ اپنے خیال سے چونکیں۔ گھٹیا سی مسکراہٹ لئے وہ جو اشارہ کر رہے تھے اسے وہ فوراً ہی سمجھ گئیں۔

''ہاں نا' اتنا آتا ہوں لیکن کبھی جھلک تک نہیں دکھائی دیتی' ذرا درشن تو کرواؤ۔'' وہ جس انداز میں فرمائش کر رہے تھے یہ جرأت ممانی کی ہی بخشی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں تھاما ہوا ہزار کا نوٹ جب وحید بڑھا رہے تھے تو ممانی کو فلموں میں دیکھے گئے دو ٹکے والی نائیکہ کے رول یاد آ کر رہ گئے۔

''دھت۔''

خود کو کسی اخلاقی سبق کے پڑھنے سے انہوں نے فوراً ہی روک لیا۔

''اب جاؤ نا نخرے کیوں کر رہی ہو اور چاہئیں کیا۔'' آج وہ مکمل فراخ دلی کے موڈ میں تھے۔ لیکن موقع فائدہ اٹھانے کا نہیں تھا۔ ثانیہ کو یہاں لانا ہر طرح سے مصلحت کے خلاف تھا' ڈرا دھمکا کر لے بھی آتیں تو وحید جیسے شاطر آدمی کیلئے یہ

جاننا مشکل نہیں تھا کہ وہ اس رشتے سے کتنی ناخوش ہے۔اس کی زور پڑتی رنگت اور آنکھوں کے گرد گہرے ہوتے حلقے' اصل کہانی' ایک نظر میں بیان کرتے تھے۔

''میں نے جو پیسے شاپنگ کیلئے دیئے تھے وہ تو اس نے خود خرچ کئے ہیں نا' پہلی بار اتنا پیسہ اپنے ہاتھ سے خرچ کیا ہے خوش تو بہت ہو گی۔وہی میں دیکھنا چاہ رہا ہوں۔''

ان کا اصرار بڑھنے لگا تو ممانی کو اٹھ کر باہر آنا ہی پڑا۔

جو جھوٹ وحید کو خوش کرنے کیلئے ایسے ہی کہہ دیا تھا اب گلے پڑ رہا تھا۔کیسی شاپنگ' کہاں کی شاپنگ نہ تو ثانیہ ہی جانے والی تھی اور نہ ہی وہ لے جانے والی۔ساری شاپنگ لبنیٰ کو لے جا کر کی تھی۔زیادہ پیسے اپنے اوپر خرچ کرنے کے بعد ثانیہ کیلئے بھی مجبوراً شاپنگ کی تھی۔ثانیہ کچن میں دوپہر کے برتن دھو رہی تھی۔

انہوں نے ایک نگاہ اس کے ملگجے کپڑوں پر ڈالی' وہ سارے خوش رنگ سوٹ جو وہ پہنا کرتی تھی معلوم نہیں کہاں رکھ دیئے تھے' جو وہ یہ بدرنگ سے کپڑے پہنے گھر میں پھر رہی تھی۔

''سنو' ذرا چائے لے کر ڈرائنگ روم میں آ جاؤ' میری ملنے والی ہیں اور حلیہ ٹھیک کر کے۔'' بات کہہ کر وہ فوراً ہی مڑ گئیں۔

برتن رکھ کر چائے کا پانی رکھتے ہوئے ثانیہ تذبذب کے عالم میں تھی۔

اسے یوں ہی کچھ شک پڑا تھا... جیسے....

دل کے گہرے ہوتے خوف کو جھٹک کر اس نے چائے کی طرف دھیان لگانا چاہا' تب ہی خیال آیا کہ ممانی یہ بتا کر نہیں گئیں کہ کتنے کپ چائے لے کر آنی ہے' زیادہ بن جاتی تو وہ بے کار میں ہی غصے میں آ جاتیں۔وہ برآمدے میں سے

گزرتے ہوئے جانے ہی لگی تھی کہ نگاہ لبنیٰ کے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے ہوتی ہوئی اندر تک گئی۔تکیے پر لبنیٰ کا فون پڑا ہوا تھا۔ثانیہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔شاید اب بھی وہ اپنے بچاؤ کیلئے کچھ کر سکتی ہے۔امید کی ایک ننھی سی کرن کہیں پاس ہی جگمگائی' ممانی' مہمان' چائے' سب بھول کر وہ دبے پاؤں اندر چلی آئی۔لبنیٰ گہری نیند سو رہی تھی۔

کانپتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ اس نے جو نمبر ملایا وہ فرح کا تھا۔وہی تھی جو اس کیلئے کچھ کر سکتی تھی' بہت امید کے ساتھ اس نے فرح کی اپنائیت بھری آواز کو سننے کی تمنا کی تھی۔

مگر' دوسری طرف سے کوئی رسپانس نہیں تھا۔شاید نمبر ٹھیک سے نہیں ملا تھا۔جلدی جلدی اس نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ نمبر ملا کر دیکھا لیکن نتیجہ وہی ایک۔

''اس کا موبائل چارج نہیں تھا؟'' بالآخر اب تک ٹھیک سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

سخت مایوسی کے عالم میں وہ فون واپس رکھنے لگی تھی کہ ایک آخری کوشش اور...

سوئی ہوئی لبنیٰ کے اٹھنے کے ابھی کوئی آثار نہیں تھے۔آفس میں اس کا فون فوراً ہی اٹینڈ کر لیا گیا' فرح وہاں بھی نہیں تھی۔

آفس اٹینڈنٹ نے بتایا کہ اس کی والدہ کی طبیعت خراب ہے اور وہ ہاسپٹل میں ان کے ساتھ ہے۔فون اٹینڈ نہ ہونے کی وجہ فوراً ہی ثانیہ کی سمجھ میں آنے لگی۔''اور وہ جو ہر وقت' ہر گھڑی اور اس کی چھوٹی بڑی تکلیف میں ساتھ دیتی چلی آئی تھی اس کی پریشانی میں وہ خود اس تک پہنچ بھی نہیں سکتی۔'' رنج اور شرمندگی دونوں ہی کا ملا جلا ردعمل تھا۔

''اور کوئی بات تو نہیں؟'' آفس اٹینڈنٹ فون بند کرنے لگا تھا' تب ہی وہ جلدی سے سجاد کو پوچھ بیٹھی۔

"سر تو آج اسلام آباد چلے گئے ہیں' تھوڑی دیر پہلے ایک آدم دن تک آجائیں گے۔"

"اسلام آباد۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔ مگر وہ اب بھی موبائل ہاتھ میں تھامے ہوئے کھڑی تھی۔ ابھی پچھلے دنوں بھی سجاد اسلام آباد گئے تھے۔ فرح نے بتایا تھا کہ شیریں سے ملنے گئے ہیں اور اب بھی وہ یقیناً وہیں گئے تھے۔

شیریں سے ان کا تعلق بہت گہرا تھا' کوئی بھی اس کی حد متعین نہیں کر سکتا تھا۔ "ایک کلاس' ایک سا اسٹیٹس۔" سجاد کیلئے شیریں اہم تھیں اور رہیں گی۔ وہ خود اتنے دن سے گھر بیٹھی ہے تو کون سا انہوں نے اس کی خیریت جاننے کی کوشش کی۔

چند میٹھی میٹھی باتوں سے وہ خود ہی خوش فہمی کا شکار ہوتی ہے تو یہ صرف اس کی اپنی غلطی ہے۔ لبنیٰ نے کروٹ لی تو اس نے چونک کر موبائل کو واپس اس کی جگہ پر رکھا اور پلٹ کر کچن میں آ گئی۔

اندازے سے دو چار کپ چائے لے کر جب وہ ڈرائنگ روم کی طرف جا رہی تھی تو اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ واضح تھی۔ تنہا ہونے کا احساس ہمیشہ سے کہیں زیادہ تھا۔ اگلے برآمدے میں سے ہی اس نے اندر بیٹھے وحید کی ایک جھلک دیکھی۔ "قسمت میں شاید سب اسی طرح لکھا گیا ہے۔"

حقیقت پسندی کے ساتھ ثانیہ نے خود کو کنٹرول کرنا چاہا' مگر چائے کی ٹرے یک دم ہی اس کے ہاتھوں سے پھسلی تھی۔

وحید اور ممانی نے اندر ایک زوردار چھناکے کی آواز سنی تھی۔

☆☆☆...

الماری میں بچھے کاغذ کے نیچے اچھی طرح دیکھ لیا تھا' مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔

نینی نے بوکھلاہٹ میں سارے کپڑے الماری میں سے نکال کر ڈھیر کر دیئے۔ ایک ایک کپڑا جھٹک کر دیکھ لیا' مگر پیسے ہوتے تو ملتے۔ نینی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر گئے تو کہاں گئے؟ پیسے اس نے خود کاغذ کے نیچے رکھے تھے' تھوڑے سے اس مہینے گھر کا خرچ چلانے کیلئے تھے اور باقی زیادہ پیسے ہاسپٹل کے آنے والے خرچ کیلئے تھے۔ مگر اب تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا' کوئی ایک آدھا نوٹ بھی نہیں رہ گیا تھا' جو دل کی ذرا بھی تسلی کا سبب بنتا۔ نینی نے ایک نگاہ خالی پڑی الماری اور زمین پر پڑے کپڑوں کے ڈھیر پر ڈالی اور پھر گرنے کے سے انداز میں سر پکڑ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

فی الحال تو اتنی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ الماری سے نکلے کپڑوں کے اس انبار کو دوبارہ الماری میں ہی رکھ دیا جائے۔ لگ رہا تھا پیسوں کے ساتھ ہی ساری ہمت بھی رخصت ہو گئی ہو۔

"شاید میں نے کہیں اور رکھے ہوں۔"

گو اسے اپنی یادداشت پر پورا بھروسہ تھا۔ پھر بھی اس نے اپنے ذہن پر زور ڈالا' مگر کوئی شبہ تک نہیں ہوا۔ چار دن پہلے زیور کے آخری سیٹ کو بیچ کر ملنے والی رقم میں سے کچھ تو بقول فیضی کے ادھار کی ادائیگی کی نذر ہوئے تھے' کچھ اس نے خرچ کیلئے رکھے تھے اور باقی نینی کے حوالے کر دیئے جو اس نے الماری میں بچھے کاغذ کے نیچے رکھ دیئے تھے۔ ضرورت کی کتنی ہی چیزیں تھیں جن کیلئے نینی کا دل مچلا تھا۔ "شیمپو' پاؤڈر' پرفیوم' فیضی کیلئے موسم کے حساب سے کرتا شلوار اور خود اپنے لئے زیادہ نہ سہی دو لان کے سوٹ۔"

بازار بھرے پڑے تھے کپڑوں سے مگر وہ لان کے ان ہی چار سوٹوں میں گزارا کر رہی تھی جو امی اور نازی آپا کے دلوائے ہوئے تھے' دھل دھل کر ان کے رنگ مدہم پڑ چکے تھے۔ مگر وہ ان ہی کو پہن رہی تھی۔

موسم کی شدت اور خود اس کی اپنی حالت ریشمی کپڑوں کے بارے میں سوچنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔اس نے بہ وقت ہر ضرورت سے منہ پھیرا تھا اور ہر تمنا سے دستبردار ہوئی تھی۔آنے والی ذمہ داریوں کا تقاضا بھی یہی تھا۔مگر بڑی سلیقہ شعاری سے رکھے گئے یہ پیسے دن دہاڑے گھر سے غائب ہوئے تھے۔

اور چور بھی کون؟گھر کا ہی فرد۔

”فیضی۔“ نینی نے زیر لب کہا۔

اسے یقین تھا کہ پیسے وہی نکال کر لے گیا ہے‘ یہاں تیسرا تھا ہی کون؟

اسے ابھی یاد آیا تھا کہ کافی دن پہلے جب انہوں نے پہلا زیور بیچا تھا تب بھی فیضی نے یہی حرکت کی تھی۔چپ چاپ اسی طرح بناء بتائے وہ الماری میں سے پیسے لے گیا تھا اور پھر اس کے رونے دھونے پر شرمندہ ہونے کے بجائے مزید اڑھائی پر اتر آیا تھا۔اس کے بعد جتنے بھی زیورات بکے ان سے ملنے والی رقم کا بڑا حصہ فیضی کی فضول خرچیوں ہی کی نذر ہوا تھا۔باقی بچے کھچے وہ اپنے پہلے تلخ تجربہ کے بعد ادھر ادھر چھپانے لگی تھی۔کبھی کبھی تو پڑوس والی خالہ مہرو کے یہاں ہی رکھوا دیتی۔اس بار چوک ہی گئی تھی۔سو سزا بھی ملنی تھی۔اور سزا بھی ایسی جس کا اب ازالہ بھی ممکن نہیں تھا۔”کہاں سے لائے گی وہ اتنے سارے پیسے؟“ بڑا سارا سوالیہ نشان بے رحمی سے آگے آ کھڑا ہوا تھا۔بستر پر آڑھی ترچھی لیٹی وہ ان سارے خرچوں کو جمع تفریق کرتی رہی جو اشد ضروری تھے‘ مگر کوئی بھی گرفت میں نہیں آرہا تھا۔بغیر پیسے کے ایک دن بھی گزارنا مشکل تھا۔اپنی بے بسی پر اس کی آنکھوں کے گوشے گیلے ہوئے جارہے تھے۔کیا فیضی اتنا ہی بے حس تھا کہ اسے وقت کی نزاکت کا بھی احساس نہیں اور اگر یہی تھا تو پھر قربانی اور جدوجہد کا یہ دور کچھ بھی معنی نہیں رکھتا اور جس محبت کے نام پر وہ دونوں آج بھی یک جا تھے۔وہ دماغ کے خلل کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھی۔“

پچھلے سارے وقت کو دیکھتی تو صورتحال اور بھی ڈپریسنگ محسوس ہوتی۔شروع میں ضرور وہ جاب اور ٹیوشن کیلئے بے قرار تھا‘ مگر جب سے زیورات کی فروخت کا آسان راستہ ملا تھا اس نے خود کو زیادہ تکلیف دینا بھی چھوڑ دیا تھا۔

”تم بھی ریلیکس رہا کرو جب تک یہ زیورات ختم ہوں گے تب تک میں خود کو اچھی طرح سیٹ کرلوں گا پھر ہماری ساری مشکلیں آسان ہو جائیں گی یوں۔“

نینی کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر اس نے چٹکی بجائی تھی۔اس سے تب بھی مسکرایا نہیں گیا تھا اور اب بھی نہیں۔حالات جوں کے توں ہی تھے۔وہ خاموشی سے اپنا خون جلائے گئی۔معلوم نہیں کتنی ہی

دیر گزری جب اسے پیٹ میں اینٹھن کا سا احساس ہوا۔اسے یاد آیا کہ اسے کچھ بھی کھائے ہوئے گھنٹوں گزر چکے ہیں اور بھوک کے اس احساس پر وہ قابو بھی پالے تو تب بھی ایک دوسرا وجود بھی تھا۔جو اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے بے قرار تھا۔ہمت کر کے اسے اٹھنا ہی تھا‘ سو وہ اٹھ کھڑی ہوئی الماری کے کھلے ہوئے پاٹ ابھی بھی اس کا منہ چڑا رہے تھے۔وہ نظر چراتی ہوئی نکل کر باہر آگئی۔سامنے گھڑی میں اڑھائی بج رہے تھے۔ابھی تک کچھ بھی نہیں پکا ہوا تھا وہ اس وقت کچھ سامان لینے کی غرض سے پیسے نکالنے کیلئے الماری کی طرف گئی تھی۔

پکانے کا سامان تقریباً ختم تھا اور اب پیسے بھی نہ رہے تھے۔

وہ یوں ہی گم صم سی کھڑی اس پہیلی کو سلجھانے کی کوشش کر رہی تھی تب ہی دروازے پر بڑی مانوس سی دستک ہوئی۔

اسے پتہ تھا کہ یہ مہرو خالہ ہیں۔وہی تھیں جو اس کی خیر خبر رکھنے کا فریضہ باقاعدگی سے اور محبت سے انجام دیئے جارہی تھیں۔نینی کی نگاہ ان کے چہرے پر پڑنے کے بجائے ہاتھ میں تھمی ٹرے پر تھی جہاں سے بڑی مزیدار خوشبو اڑ رہی تھی۔

"بریانی ہے' زردہ ہے اور شامی کباب بھی۔ گرم گرم ہیں بیٹھ کر آرام سے کھالو' دونوں وقت چل جائے گا تم دونوں کیلئے۔" تیزی سے کہتی ہوئی وہ سیدھی اندر چلی آئیں۔

نینی کے دل سے تشکر کی ایک گہری لہر اٹھی۔

"آپ نے بڑی تکلیف کی خالہ' میں بنا..."

"پاگل ہوئی ہو کیا؟"

اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ باقاعدہ خفا ہوئیں۔ "اپنے بچوں کے کام سے بھی تکلیف ہوتی ہے کیا' پکانے کی فکر مت کیا کرو' آج کل گرمی بھی بہت ہے زیادہ دیر چولہے پر رہنا بھی عذاب...۔"

وہ آگے بھی کچھ کہے جا رہی تھیں لیکن نینی سن کب رہی تھی' وہ تو پلیٹ میں نکال کر کھانا شروع کر چکی تھی۔ ایک بھوکے پیٹ کیلئے روٹی سے بڑی کوئی بھی دوسری شے نہیں۔ وہ بھی اس وقت سب کچھ بھولے ہوئے تھی۔

یہاں تک کے فیضی کو بھی اور جو پیسے وہ لے کر گیا تھا ان کو بھی۔

...☆☆☆...

رنگین شیشوں والی کھڑکیاں ساری کھلی ہوئی تھیں اور سبزے اور پھولوں کی خوشبو سے بوجھل ہوا کے جھونکے لمبے سے برآمدے میں سے گزرتے ہوئے کمروں میں پہنچ رہے تھے۔ آج چھٹی کا دن تھا اور گھر میں بڑی غیر فطری سی خاموشی طاری تھی۔ امی کمرے سے نکل کر برآمدے کی کھلی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئیں۔ سامنے احاطے میں سناٹا تھا۔ سمیع دوپہر کے کھانے کے بعد یہ کہہ کر نکلا تھا کہ رات کو دیر سے آئے گا کچھ کام تھے' کچھ دوستوں سے ملنا ملانا۔ وہ چاہنے کے باوجود بھی منع نہیں کر سکیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

جب سے وہ جاب میں آیا تھا اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ ذاتی کاموں کیلئے اسے محض یہی ایک دن ملا کرتا تھا۔ کئی دن سے ان کا دل چاہ رہا تھا کہ خاموشی سے کسی دن سمیع کے ساتھ جا کر نینی کو دیکھ آئیں۔ فون پر حالانکہ وہ انہیں اپنی طرف سے مطمئن کرتی تھی مگر انہیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ ٹھیک نہیں ہے اور اس وقت اسے سب سے زیادہ ان کی ضرورت ہے۔

فیضی کے سخت ردعمل کا سامنا نہ ہوتا تو وہ اسے کچھ عرصے کیلئے یہاں ضرور ہی لے آتیں۔ انہیں اندازہ تھا کہ بشارت صاحب کتنا بھی خفا ہوں لیکن وہ نینی کیلئے دل اتنا سخت نہیں کر سکتے۔ بے شک وہ اس سے بات نہیں کرتے تھے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں تھے' مگر ابھی کچھ عرصے پہلے جب نازی کی شادی پر وہ ہفتے بھر یہاں رکی ہوئی تھی تو انہوں نے اسے گھر سے تھوڑی نکال دیا تھا۔

مگر یہ فیضی...۔

"ضدی' سخت دل خاندان کا ان جیسا ہی بیٹا۔"

ان کی حتمی رائے یہی تھی۔ رہ رہ کر اپنی بے وقوفیوں کا احساس ستاتا تھا' اگر وہ ہی نینی کو سپورٹ کرنے کی غلطی نہ کرتیں تو اس کی زندگی برباد ہونے سے شاید بچ جاتی۔ مگر اس وقت تو ان پر صرف بشارت صاحب کی مخالفت کا خیال حکومت کر رہا تھا۔ سامنے احاطے پر نگاہ جمائے وہ جانے کہاں کہاں تک پہنچیں۔ زندگی میں سکون اور خوشی کیلئے ان کا طے کردہ معیار ایک دم ہی فلاپ ثابت ہوا تھا۔ "پہلے دیا اور پھر نینی۔"

دونوں ہی کیلئے انہوں نے ہر حد پار کی۔ "مگر ہاتھ آئی دیا کی نافرمانی اور نینی کی مفلوک الحالی۔"

فیضی کے خاندان کی جو چکا چوند اس وقت آنکھیں خیرہ کئے دیتی تھی اب اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو بھی دل نہیں کرتا تھا۔

رہی سہی کسر فیضی کی بدمزاجی اور بدلحاظی نے پوری کر دی تھی۔انہیں وہ تنگ وتاریک عمارت جہاں نہ ہوا کا گزر تھا نہ سورج کی روشنی کا بھولتی نہیں تھی اور نہ ہی فیضی کا تحقیر بھرا رویہ۔

مدت سے وہ ان کے گھر نہیں آیا تھا نہ ہی نازی کی شادی میں۔

نہ ہی سمیع کی جاب کی مبارکباد کیلئے اور نہ ہی باری' باری جب وہ اور بشارت صاحب بیمار رہے اس نے کرٹسی کی خاطر فون ہی کرنا گوارا کیا تھا۔

''ایک عمر تھا جو اس وقت بھی اگر وہ فون کرتیں تو فوراً ہی چلا آتا۔اپنے دس ضروری کام چھوڑ کر۔''

''کیسا اطمینان بھرا احساس تھا جو انہیں نازی کی طرف سے ہوتا تھا۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے انہوں نے خوشی کے اس احساس کو اپنے اندر اتارا جو روپے پیسے سے نہیں جڑا تھا بلکہ انسانی رشتوں اور رویوں میں بندھی خوبصورتی کا مرہون منت تھا۔

تب ہی اچانک فون کی بیل بجنی شروع ہوئی تو وہ بھی اپنے خیالات سے باہر آئیں۔آج کل باہر برآمدے میں رکھے فون سیٹ میں کچھ خرابی ہو گئی تھیں۔سو انہیں فون سننے کیلئے بڑے ہال تک جانا پڑا۔خالی گھر میں فون کی بیل بھی جیسے ایک بڑے شور کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔انہیں ہال میں داخل ہوتے ہی عجیب سا احساس ہوا چھٹی کی سہ پہر یہاں کیسا پر رونق ہنگامہ جاگا رہتا تھا۔نازی' سمیع' نینی تو مستقل ہی براجمان رہتے تھے۔دیا کو بھی زبردستی لا کر بیٹھا لیا جاتا تھا۔کھانا پینا' منٹ منٹ پر بنتی چائے' بہن بھائی کی آپس میں نوک جھوک' ایک ہی منظر میں کتنے سارے رنگ اکٹھے رہتے تھے۔اب تو جیسے تنہائی' گھر کے کونے کونے پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔

''ہیلو....''

صرف نازی تھی جو دن میں کئی بار بھی فون کر کے ان کی تنہائی کو بانٹنے کی کوشش کرتی تھی سو اس وقت بھی انہیں اسی کے دوسری طرف ہونے کا یقین تھا۔

''ہاں نازی خیریت ہے نا سب۔'' وہ روانی سے پوچھ رہی تھیں۔دوسری طرف بڑی گہری خاموشی تھی۔

''نازی' ہیلو' ہیلو۔'' انہیں لگا جیسے وہ ان کی آواز نہیں سن رہی شاید فون میں کوئی گڑبڑ...

''میں دیا ہوں امی۔'' دوسری طرف موجود دیا کی آواز میں خوشی کی کھنک تھی۔

وہ اس سے لاکھ ناراض سہی لیکن آواز سن کر بڑا ہی سکون حاصل ہوا تھا۔

''کیسی ہو۔''

''میں بالکل ٹھیک' آپ لوگ تو مجھے فون تک نہیں کرتے۔لگتا ہے سب ہی نے بھلا دیا ہے۔''

وہ ایسے شکایت کر رہی تھی جیسے اس گھر سے بہت خوشی اور دعائوں کے ساتھ رخصت ہوئی ہو۔ان کا دل بھی چاہا کہ وہ اسے یاد دلائیں لیکن پھر پتہ نہیں کیوں....

''تم ماشاءاللہ خوش باش ہو' ہمارے لئے یہ اطمینان کافی ہے' پھر وہاں اسماء ہے جو ہم سے زیادہ تمہارا خیال رکھ رہی ہو گی۔''

اور یہ وہ یوں ہی نہیں کہہ رہی تھیں انہیں پتہ تھا کہ اسماء پھوپھو کو دیا سے کتنی زیادہ محبت ہے۔

''خیر میرا خیال رکھنے کیلئے تو مسعود ہی بہت ہیں اور کوئی رکھے نہ رکھے کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس کا وہی پر غرور انداز۔جو کبھی انہیں بہت اچھا لگتا تھا اس وقت کچھ خوفزدہ کر گیا۔

"ایسے نہیں کہتے ہر رشتے کی اپنی اہمیت ہے' اسماء کی بھی اپنی جگہ ہے۔ وہ اسے نصیحت کئے بغیر نہیں رہ پا رہی تھیں لیکن وہ بے زار ہونے لگی تھی۔

"میں کب کہہ رہی ہوں کہ ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے' ظاہر ہے مسعود کی امی ہیں اور پھر میری ساس جوان کی جگہ ہے سو ہے۔"

محبت میں حاصل کی گئی یہ سو فیصد کامیابی اسے بہت زیادہ خود اعتماد کئے دے رہی تھی۔ امی کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔

"آپ میری فکر چھوڑیں اور سچی بات تو یہ کہ آپ لوگ مجھے چھوڑ ہی چکے ہیں۔ جب یہ تو کسی نے بھی پلٹ کر مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی' نینی اور نازی آپا تک نے بھی نہیں' ایسا کوئی بڑا قصور تو نہیں ہوا تھا مجھ سے۔" وہ ذرا بھی نہیں بدلی تھی بلکہ اتنے دنوں میں اس کی ٹون اور بھی طنزیہ ہو چکی تھی۔

"نہیں کوئی قصور نہیں صرف ہماری عزت ہی تو اچھالی تھی مایوں والے دن شادی سے انکار کیا' پتہ ہے اب تک بھی لوگوں کے سوال ختم نہیں ہوئے ہیں ہر ایک جاننا چاہتا ہے کہ آخری وقت میں یہ ردوبدل....۔"

وہ ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں تھیں۔

"کوئی ردوبدل نہیں امی' مسعود میرے منگیتر تھے وقتی طور پر ہمارے درمیان دوری آنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم ہمیشہ کیلئے الگ ہو گئے ہیں وہ صرف میری خاطر پاکستان واپس آئے ہیں۔"

"ہاں' جب اس کی پہلی بیوی نے اسے نکال باہر کیا تو اسے تم یاد آ گئیں۔ اچھی محبت ہے اس کی' اس سے پہلے جب وہاں رنگ رلیاں منا رہا تھا تب کوئی خیال نہیں آیا اسے۔" امی شدید طیش میں تھیں۔ کوئی بھی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کبھی مسعود کی سب سے بڑی سپورٹر تھیں اس گھر میں' خود دیا کو بھی نہیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

"آپ لوگ یوں ہی بات بڑھاتے ہیں' حالانکہ شکر کرنا چاہئے تھا سب کو اس طرح کم از کم نازی آپا کی شادی تو ممکن ہو سکی ورنہ بیٹھی رہتیں وہ ساری زندگی ایسے ہی۔" بڑی دل توڑتی سی حقارت کے ساتھ دیا نے بات پوری کی۔

امی کو ایسا لگا جیسے انہوں نے کچھ غلط سنا ہو۔ "وہ اتنا کیسے گر سکتی تھی بھلا۔" ایک مبہم سی تسلی انہوں نے خود کو دینا چاہی' مگر دوسری طرف سے وہ ان کی خاموشی سے ہی شہ پا کر پھر بولنا شروع ہو چکی تھی۔

"نازی آپ کیلئے تو عمر سے شادی ہو جانا اتنی بڑی خوش قسمتی ہے جس کا انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا' آپ خود بتائیں کبھی کوئی ایک بھی ڈھنگ کا رشتہ ان کیلئے آیا ہو' یوں ہی فضول فضول سے لوگ آتے تھے اور انہیں ناپسند کر کے چلے جاتے تھے میں نے انکار کیا تب ان کی قسمت کھلی ورنہ تو...."

"بکواس بند کر دو دیا۔" وہ بہت زور سے چیخیں۔

"اور خبردار جو نازی کا نام بھی لیا' عمر اسے تمہاری دی گئی خیرات میں نہیں ملا ہے وہ اس کی نیکیوں کا انعام ہے اللہ نے اسے وہاں پہنچا دیا جو اس کا حق تھا۔"

دوسری طرف دیا دم بخود تھی۔ امی نے ہمیشہ اس کی ناز برداری کی تھی' وہی تھی جوان کا غرور تھی' نینی چھوٹی تھی اور نازی...؟

ڈھیر ساری ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے بھی اتنی ہی غیر اہم۔

مگر اب وہی نازی راتوں رات ایسی اہم قرار پائی تھی کہ امی کو اس کے بارے میں بولا گیا کھلا سچ بھی سننا گوارا نہیں تھا۔"

دیا کو نازی سے سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ وہی تھی جو امی کو اس سے دور لے جانے کا سبب بن رہی تھی' ورنہ ابا سمیع اور نینی تو پہلے ہی سے نازی کے احسان مند رہے تھے۔

"ساری عمر مظلوم بنی رہیں' اب بھی دل نہیں بھرا۔" فون بند کردینے کے بعد بھی وہ دیر تک کڑھتے گئی۔

...☆☆☆...

اسلام آباد جانے کی اطلاع کوئی اتنی اہم تو نہیں تھی' مگر بابا معلوم نہیں کیوں اسے بہت سیریس لے رہے تھے۔

"مجھے نہیں لگتا کہ اس وقت تمہارا جانا بہت ضروری ہے' شیریں کے ساتھ اگر کوئی مسئلہ ہے تو اسے فون پر بات کر کے بھی سلجھایا جاسکتا ہے۔"

"میں نے کوشش کی تھی بابا لیکن شیریں کوئی بات سننے کیلئے تیار نہیں ہے' اسے لگتا ہے کہ میں یہاں بیٹھ کر اس کی پریشانی کو نہیں سمجھ پا رہا ہوں۔"

سجاد خود بھی الجھے ہوئے تھے' شیریں کے پے در پے فون' سکون نہیں لینے دے رہے تھے' دو دن میں اس نے اتنا واویلا مچایا تھا کہ انہیں یقین ہو رہا تھا کہ وہ اچھی خاصی نفسیاتی مریض بن چکی ہے' یا پھر جلد ہی بن جائے گی۔ایک اچھے دوست کی حیثیت سے ان کا اتنا فرض تو بنتا ہی تھا کہ وہ اس کی پریشانی دور کرنے کیلئے کچھ تو کریں۔نہ چاہتے ہوئے بھی اسلام آباد روانگی اسی ایک خیال کی وجہ تھی۔

"تمہارے کچھ سمجھانے کے بجائے اسے خود اپنے حالات کو سمجھنا چاہئے اور ان کے مطابق خود کو ایڈجسٹ بھی کرنا چاہئے۔"

بابا کی ایک فیصد بھی مرضی نہیں تھی کہ سجاد اس وقت اسلام آباد کیلئے روانہ ہوں۔

"وہ کوئی بچی نہیں ہے زندگی کا اتنا تجربہ تو ہے ہی اسکے پاس کہ اپنے معاملات کو نمٹا سکے۔"

"اب تو جانا ہی پڑے گا بابا' میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں بس ایک دن کی بات ہے کل انشاءاللہ واپسی۔" بابا نے بہت غور سے سجاد کا چہرہ دیکھا۔

شیریں اور سجاد کی دوستی کے حوالے سے وہ ہمیشہ تحفظات کا شکار رہے تھے' ایک زمانے میں تو سب ہی کو یقین تھا کہ وہ دونوں شادی کرنے ہی والے ہیں اور یہ اتنا پرفیکٹ میچ محسوس ہوتا تھا کہ سوائے ان کے فرسودہ رسم و رواج کے کوئی بھی چیز درمیان میں حائل ہوتی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ بابا کو آج بھی لگتا تھا کہ اگر فیضی اپنی بے وقت شادی کر کے خاندان سے جدا نہ ہوا ہوتا تو شاید سجاد شیریں سے شادی کر ہی لیتے' لیکن فیضی کی جدائی کے کرب سے گزرتے ہوئے خاندان کو مزید کسی صدمے سے بچانے کیلئے انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔ پھر بھی ایک تلوار تھی جو شیریں کی صورت لٹک رہی تھی۔"عورت کی ذات میں بڑی طاقت' بڑی کشش ہے اور ایسی عورت جو چاہے جانے کے بھی قابل ہو۔"

یہ خطرہ شیریں کی شادی کے ساتھ ہی ٹلا تھا۔ لیکن اب ان کی چھٹی حس پھر سے بیدار تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہیں۔" وہ ہلکے سے مسکرائے۔

"کچھ نہیں۔" بابا نے نفی میں سر ہلایا۔"اب تک نے پروگرام بنا ہی لیا ہے تو کیا کہہ سکتا ہوں لیکن پھر بھی شیریں کے معاملات سے دور رہو تمہاری مداخلت انہیں اور الجھائے گی' اس کا شوہر کبھی بھی برداشت نہیں کرے گا کہ کوئی باہر سے آکر ان کی زندگیوں میں مداخلت کرے۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہیں ملنے جانا تھا ضروری اور پہلے ہی خاصی دیر ہو چکی تھی۔ سجاد ان کے ساتھ چلتے ہوئے

باہر تک آئے۔

"کوشش کرنا کہ ان دونوں میاں بیوی کے درمیان غلط فہمی کی وجہ نہ بنو' وہ دونوں اپنی اپنی جگہ مضبوط شخصیت کے مالک ہیں اور جب ایسے افراد ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو نتیجہ کچھ اچھا نہیں نکلتا عموماً۔"

گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے بابا نے کہا تھا اس بار سجاد خاموش رہے۔

مسز ہاشمی کی ایک پرانی بات بے ساختہ ہی یاد آئی تھی۔ جب وہ شیریں اور شہریار کا رشتہ طے کروانے میں سرگرداں تھیں تب انہوں نے شیریں کے مستقل گریز پر صاف لفظوں میں کہا تھا۔

"شیریں کے انکار کی وجہ صرف تم ہو سجاد' اگر تم اس کی زندگی سے نکل جاؤ تو وہ بخوبی کسی بھی بھلے شخص کے ساتھ ایڈجسٹ ہو سکتی ہے۔"

تب بھی وہ انہیں نہیں سمجھا سکے تھے کہ وہ شیریں کے منتظر ہرگز بھی نہیں ہیں۔

نوعمری کے دور سے بندھی اس دوستی میں کبھی کسی نرم سے احساس نے سر اٹھانا بھی چاہا تھا تو انہوں نے دوسرے ہی لمحے اسے سختی سے رد کیا تھا۔ بابا کی خاندان اور برادری سے گہری کمٹ منٹ کی سو فیصد حمایت نہ سہی مگر اس کی عزت انہوں نے ہمیشہ ہی رکھی تھی۔ اپنی جگہ کھڑے چپ چاپ وہ بابا کی گاڑی کو اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ لمبا سا ڈرائیو وے طے کرتی ہوئی گیٹ سے باہر نہیں نکل گئی۔ تھوڑی دیر میں ہی ان کی فلائٹ کا وقت تھا' یہ پہلی بار تھا جو انہیں خود کو کہیں جانے کیلئے باقاعدہ منانا پڑ رہا تھا اور اندر ایک احساس تھا جو یہیں پڑے رہنے پر اصرار کر رہا تھا۔ کسی بڑے نقصان کا سا احساس تھا' مستقل جھٹکتے رہنے کی کوشش کے باوجود وہ اس کے جمے رہنے پر حیران تھے۔

حالانکہ بظاہر سب کچھ بہت اچھا نہ سہی معمول کے مطابق تو چل ہی رہا تھا۔ آفس میں بھی' گھر میں بھی' ثانیہ چند دنوں سے چھٹی پر تھی سو وہ اسے خود کہہ چکے تھے کہ وہ جب چاہے چھٹی پر جا سکتی ہے۔ انہیں اس کے دکھ کا اندازہ تھا' جمیل

ماموں کے بعد سے وہ اتنی اپ سیٹ دکھائی دے رہی تھی کہ آفس میں ہر کوئی اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ٹھیک نہیں ہے۔

انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے اس کا نمبر ملایا۔ جانے سے پہلے ایک چھوٹی سی خیریت تو پوچھی جا سکتی تھی۔ دوسری طرف سے کوئی رسپانس نہیں تھا۔

"شاید بیٹری لو تھی۔"

چند بار کی ناکام کوشش کے بعد سجاد نے کچھ ایسا ہی سوچا تھا ہلکی سی مایوسی کے ساتھ وہ اپنا بیگ لینے کیلئے اندر جا چکے تھے۔

...☆☆☆...

گاڑی جمیل ماموں کے گیٹ پر آکر رکی تھی۔

ممانی گیٹ پر ہی کھڑی تھیں۔

تانک جھانک پرانا مشغلہ تھا۔ آج کل وحید کا ایک آدھ آدمی بھی گلی میں ہوتا تھا۔ سو اپنی اہمیت کا احساس انہیں اور بھی زیادہ وقت باہر دیکھتے رہنے پر مجبور کرتا۔

"یہ سفید شلوار قمیض والا۔"

"نہیں' یہ جینز والا لڑکا ایسے کام لڑکے ہی کیا کرتے ہوں گے بڑی عمر کے آدمی کو کیا فرصت جو وہ سارا دن کسی کے دروازے کے آگے گزار سکے۔"

آتے جاتے لوگوں کو دیکھ کر وہ ان پر وحید کے آدمی ہونے کا شبہ کرتی رہتیں۔ گلی میں سامنے ایک دو دکانیں تھیں، لوگوں کے آنے جانے کا سلسلہ چلتا ہی رہتا تھا۔ دو آئے تو چار گئے۔ کسی کسی وقت تو ممانی کو شبہ سا پڑتا کہ پہرے داری والی بات وحید نے صرف انہیں ڈرانے کیلئے ہی کہی ہے ورنہ چوبیس گھنٹے کسی کا بھی موجود رہنا بڑا مشکل ہی تھا۔

انہیں وحید پکا چار سو بیس لگتا، مگر نظریہ ضرورت گدھے کو باپ بنائے رکھنے پر مجبور کئے ہوئے تھا۔

''بس ایک بار یہ کام خیریت سے ہو جائے کچھ اور پیسہ ہاتھ آجائے تو دیکھ لوں گی ایک ایک کو۔'' وہ گیٹ سے ہٹ ہی رہی تھیں تب انہوں شاندار سی گاڑی کو گلی میں مڑتے دیکھا تھا۔

''یہاں اس گلی میں کس کے ہاں ایسی گاڑی آنے لگی۔'' اپنی فطرت کے عین مطابق انہیں حسد سا ہوا سو وہ یہی کنفرم کرنے کیلئے رک رہیں۔

مگر وہ گاڑی تو ٹھیک ان ہی کے گیٹ پر آکر ٹھہری۔

اور وہ خوبصورت بے حد پر وقار عورت گاڑی سے اتر کر سیدھی ان ہی کی طرف بڑھ رہی تھی، ممانی پہلی ہی نگاہ میں فرحت سے شدید متاثر ہوئیں۔

''یہ جمیل احمد صاحب کا ہی گھر ہے۔'' ان کے قریب رک کر وہ متانت سے پوچھ رہی تھیں۔

''جی جی ہاں تشریف لائیے۔'' بوکھلاہٹ میں بھی انہوں نے بڑی شائستگی کا مظاہرہ کیا۔ فرحت ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اندر آچکی تھیں۔ ڈرائنگ روم گیٹ کے نزدیک ہی تھا اور ممانی سیدھی انہیں وہیں لائی تھیں۔ ایک سرسری سی نگاہ فرحت نے ارد گرد ڈالی تھی۔ عجیب سی بے رونقی انہیں اس گھر پر چھائی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ ممانی نے چار جملوں میں انہیں اپنے شوہر کے انتقال اور اس کے بعد اپنی غمزدہ زندگی کے بارے میں بتانا

ضروری سمجھا تھا، وحید سے ملاقات کے تجربے نے انہیں اتنی سمجھ دے دی تھی کہ اپنی پریشانیوں کا مستقل اظہار ہی دوسرے کی جیب سے پیسے نکلوانے کا بہترین نسخہ ہے۔

''اور یہ پیسے والے بھی سارے برے کہاں بعض تو خود ضرورت مندوں کو ڈھونڈتے ہیں، کیا خبر یہ بھی میرے بارے میں کچھ سن کر ہی آئی ہوں، بیوہ عورت اولاد میں صرف ایک لڑکی، اوپر سے دو لوگوں کا بوجھ...''

اپنی گئی گزری حالت کا انہوں نے دل ہی دل میں اعادہ کیا اور شکل پر مسکینیت سی طاری کر کے پر امید نگاہوں سے فرحت کے ہاتھ میں تھمے پرس کو دیکھے گئیں۔

''مجھے کسی نے آپ کے بارے میں بتایا تھا بہت افسوس ہوا آپ کے شوہر کا سن کر۔'' فرحت کہہ رہی تھیں ممانی کو اپنا اندازہ سو فیصد درست ہونے پر بے اندازہ خوشی ہوئی یہ خاتون جن کا وہ ابھی تک نام بھی نہیں پوچھ پائی تھیں یقیناً ان کی مالی مدد کیلئے ہی آئی تھیں۔

''گھر کے اندر سے کوئی آہٹ تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔

کیا خبر وحید ان لوگوں کو پہلے ہی یہاں سے نکال کرلے جا چکا ہو اس جیسے شاطر شخص سے کچھ بھی امید کی جا سکتی تھی۔

فرحت کو اچانک ہی یہ پریشان کن خیال ستانے لگا تھا۔

''اصل میں میری نند بیمار رہتی ہیں۔ آج کل کچھ زیادہ ہی طبیعت خراب ہے۔ انہوں نے اپنے بھائی کی جدائی کا بہت اثر لیا ہے اندر ہی اندر گھل رہی ہیں۔'' ممانی نے سوچی سمجھی رقت خود پر طاری کی۔

''میں تو بہت خیال رکھنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن وہ بے چاری بے حد غمزدہ ہیں۔''

ان کے زیادہ بولنے کی عادت اس وقت فرحت کے کام آئی۔

''بہت اچھا کرتی ہیں آپ' ورنہ آج کل کون کس کے کام آتا ہے۔'' فرحت کو رسماً کہنا پڑا۔

''بس جی ہماری تو کچھ عادت ہی ایسی ہے۔''

اس ٹینشن بھری صورتحال میں بھی فرحت نے لبوں پر آنے والی بے ساختہ مسکراہٹ کو بمشکل دبایا۔

یہاں زیادہ دیر رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا وحید کسی وقت بھی یہاں آ سکتے تھے۔ اپنا ابتدائی کام کر کے فرحت کو جلد سے جلد یہاں سے نکلنا تھا۔

''مجھے کسی نے آپ کی بیٹی کے بارے میں بتایا تھا۔''

اپنی بات کہتے ہوئے انہوں نے ذرا رک کر ممانی کی طرف دیکھا۔

''میری بیٹی۔''

وہ سچ مچ کنفیوز ہوئیں۔

معلوم نہیں کیا کر ڈالا اس بدبخت لبنیٰ نے بالکل ہی ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ ایک چھوٹے سے پل میں ممانی نے بیٹی کو دل میں دس سنائیں۔

فرحت نے ان کے بدلے ہوئے رنگ کو بخوبی نوٹ کیا تھا۔

''بہت تعریف سنی ہے میں نے اس کی بہت اچھی سلیقہ شعار' میں ایسی ہی لڑکی چاہ رہی ہوں اپنے بیٹے کیلئے۔''

''بینا کا بنایا ہوا چارہ ان کے آگے ڈالنے میں اس بار انہوں نے دیر نہیں کی۔ سخت حیرت بھری مسرت میں گھر کر ممانی نے فرحت کو دیکھا۔

''لبنیٰ' آپ لبنیٰ کی بات کر رہی ہیں۔''

یقین تھا کہ آ کر نہیں دے رہا تھا۔

''جی یہی نام بتایا تھا مجھے وہ گھر پر ہی ہے نا۔''

فرحت کی نگاہ ایک بار پھر ڈرائنگ روم کے کھلے ہوئے دروازے سے ہوتی ہوئی سامنے کے خالی کمرے تک گئی۔ ثانیہ ابھی تک دکھائی نہیں دی تھی۔

''کیا کرتا ہے آپ کا بیٹا یہیں کراچی میں ہے یا کہیں ملک سے باہر ہے۔'' ممانی لبنیٰ کی موجودگی کے بارے میں کئے گئے سوال کو گول کر کے بہت اشتیاق سے پوچھ رہی تھیں انہیں بڑا ارمان تھا کہ لبنیٰ کی شادی کسی امریکہ' کینیڈا میں رہنے والے لڑکے سے ہو جائے۔

لائی تھیں۔ ایک سرسری سی نگاہ فرحت نے ارد گرد ڈالی تھی۔ عجیب سی بے رونقی انہیں اس گھر پر چھائی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ ممانی نے چار جملوں میں انہیں اپنے شوہر کے انتقال اور اس کے بعد اپنی غمزدہ زندگی کے بارے میں بتانا ضروری سمجھا تھا' وحید سے ملاقات کے تجربے نے انہیں اتنی سمجھ دے دی تھی کہ اپنی پریشانیوں کا مستقل اظہار ہی دوسرے کی جیب سے پیسے نکلوانے کا بہترین نسخہ ہے۔

''اور یہ پیسے والے بھی سارے برے کہاں بعض تو خود ضرورت مندوں کو ڈھونڈتے ہیں' کیا خبر یہ بھی میرے بارے میں کچھ سن کر ہی آئی ہوں' بیوہ عورت اولاد میں صرف ایک لڑکی' اوپر سے دو لوگوں کا بوجھ....''

اپنی گئی گزری حالت کا انہوں نے دل ہی دل میں اعادہ کیا اور شکل پر مسکینیت سی طاری کر کے پر امید نگاہوں سے فرحت کے ہاتھ میں تھمے پرس کو دیکھے گئیں۔

''مجھے کسی نے آپ کے بارے میں بتایا تھا بہت افسوس ہوا آپ کے شوہر کا سن کر۔'' فرحت کہہ رہی تھیں ممانی کو اپنا اندازہ سو فیصد درست ہونے پر بے اندازہ خوشی ہوئی یہ خاتون جن کا وہ ابھی تک نام بھی نہیں پوچھ پائی تھیں یقیناً ان کی مالی مدد کیلئے ہی آئی تھیں۔

''گھر کے اندر سے کوئی آہٹ تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔

کیا خبر وحید ان لوگوں کو پہلے ہی یہاں سے نکال کر لے جا چکا ہو اس جیسے شاطر شخص سے کچھ بھی امید کی جا سکتی تھی۔

فرحت کو اچانک ہی یہ پریشان کن خیال ستانے لگا تھا۔

''اصل میں میری نند بیمار رہتی ہیں۔ آج کل کچھ زیادہ ہی طبیعت خراب ہے۔ انہوں نے اپنے بھائی کی جدائی کا بہت اثر لیا ہے اندر ہی اندر گھل رہی ہیں۔'' ممانی نے سوچی سمجھی رقت خود پر طاری کی۔

''میں تو بہت خیال رکھنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن وہ بے چاری بے حد غم زدہ ہیں۔''

ان کے زیادہ بولنے کی عادت اس وقت فرحت کے کام آئی۔

''بہت اچھا کرتی ہیں آپ' ورنہ آج کل کون کس کے کام آتا ہے۔'' فرحت کو رسماً کہنا پڑا۔

''بس جی ہماری تو کچھ عادت ہی ایسی ہے۔''

اس ٹینشن بھری صورتحال میں بھی فرحت نے لبوں پر آنے والی بے ساختہ مسکراہٹ کو بمشکل دبایا۔

یہاں زیادہ دیر رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا وحید کسی وقت بھی یہاں آ سکتے تھے۔ اپنا ابتدائی کام کر کے فرحت کو جلد سے جلد یہاں سے نکلنا تھا۔

''مجھے کسی نے آپ کی بیٹی کے بارے میں بتایا تھا۔''

اپنی بات کہتے ہوئے انہوں نے ذرا رک کر ممانی کی طرف دیکھا۔

''میری بیٹی۔''

وہ سچ مچ کنفیوز ہوئیں۔

معلوم نہیں کیا کر ڈالا اس بدبخت لبنیٰ نے بالکل ہی ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ ایک چھوٹے سے پل میں ممانی نے بیٹی کو دل میں دس سنائیں۔

فرحت نے ان کے بدلے ہوئے رنگ کو بخوبی نوٹ کیا تھا۔

''بہت تعریف سنی ہے میں نے اس کی بہت اچھی سلیقہ شعار' میں ایسی ہی لڑکی چاہ رہی ہوں اپنے بیٹے کیلئے۔''

''بینا کا بنایا ہوا چارہ ان کے آگے ڈالنے میں اس بار انہوں نے دیر نہیں کی۔ سخت حیرت بھری مسرت میں گھر کر ممانی نے فرحت کو دیکھا۔

''لبنیٰ' آپ لبنیٰ کی بات کر رہی ہیں۔''

یقین تھا کہ آ کر نہیں دے رہا تھا۔

''جی یہی نام بتایا تھا مجھے وہ گھر پر ہی ہے نا۔''

فرحت کی نگاہ ایک بار پھر ڈرائنگ روم کے کھلے ہوئے دروازے سے ہوتی ہوئی سامنے کے خالی کمرے تک گئی۔ ثانیہ ابھی تک دکھائی نہیں دی تھی۔

"کیا کرتا ہے آپ کا بیٹا یہیں کراچی میں ہے یا کہیں ملک سے باہر ہے۔" ممانی لبنیٰ کی موجودگی کے بارے میں کئے گئے سوال کو گول کر کے بہت اشتیاق سے پوچھ رہی تھیں انہیں بڑا ارمان تھا کہ لبنیٰ کی شادی کسی امریکہ' کینیڈا میں رہنے والے لڑکے سے ہو جائے۔

"وہ کینیڈا میں ہے آج کل آیا ہوا ہے پڑھائی کا آخری سال ہے میں چاہ رہی ہوں کہ اس بار اسے نکاح کر کے بھیجوں۔" روانی کے ساتھ جھوٹ بولتے ہوئے فرحت کو کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔

جو کچھ ہونے سے وہ روکنا چاہتی تھیں اس لئے اس سے بڑھ کر بھی کچھ اور کیا جا سکتا تھا۔

"ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے یہاں بڑا بزنس ہے لیکن میرا بیٹا یہاں نہیں آنا چاہتا وہ وہیں سیٹل ہو گا اپنی فیملی کے ساتھ۔"

"بہت ہی اچھی بات ہے یہاں ویسے بھی کیا رکھا ہے۔"

خوشی سے بری طرح دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ انہوں نے ان تمام ناشکرے لوگوں کی طرح اس ملک کی برائی کرنے کی رسم نبھائی۔ فرحت کو بے حد برا لگا۔

"اپنا ملک اپنا ہے جو تکلیفیں' مصیبتیں یہاں ہیں اللہ نے چاہا تو ضرور دور ہوں گی اور آخر اتنے لوگ جو یہاں رہ رہے ہیں وہ سب بھی تو برداشت کر رہے ہیں۔"

ان کا جذبہ حب الوطنی ابھر رہا تھا۔ مگر یہ وقت ان باتوں کیلئے بھی نہیں تھا۔ ممانی متفق نہ ہونے کے باوجود اثبات میں سر ہلا رہی تھیں۔

"وہ آپ کی بیٹی۔" فرحت آپا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اتنی دیر میں بھی وہ اب تک ثانیہ کو پانے میں ناکام تھیں۔

"ہاں شاید پڑوس میں گئی ہے میں دیکھتی ہوں۔" ناچارا نہیں اٹھنا ہی پڑا۔

"کم نصیب آج بھی گھر پر نہیں' ایسے ہی ہوتے ہیں جن کے دروازے سے آتی خوشی بھی لوٹ جاتی ہو گی۔"

ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لبنیٰ کو کہاں سے برآمد کر ڈالیں۔ برآمدے میں ثانیہ اماں کو چائے کے ساتھ پاپے کھلا رہی تھی۔

"اے ثانیہ۔" انہوں نے حتی الامکان اپنی آواز نیچی رکھی ذرا جا کر پڑوس میں اس کم بخت توصیف کے گھر ہی سے پتہ کر نا لبنیٰ کا۔ اس کی بہنوں سے آج کل بڑا گٹھ جوڑ ہو رہا ہے۔"

اس نے خالی خالی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ محلے پڑوس میں کہیں نہیں جاتی تھی۔ لیکن اب اعصاب اتنے شل تھے کہ سوال جواب کی ہمت بھی ختم ہو چکی تھی۔ سو بنا کچھ کہے پچھلے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"رکو۔"

وہ دروازہ کھولنے ہی لگی تھی کہ ان کی آواز پر رکنا پڑا۔

"کوئی ضرورت نہیں باہر جانے کی۔"

انہیں فوراً ہی اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ وہ کسی کے بھی گھر سے جا کر فون کر سکتی تھی ثانیہ کو واپس بھیج کر وہ خود دروازے میں جا کھڑی ہوئیں۔

گلی میں کوئی بچہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اگلا ہی دروازہ تھا۔

لیکن جانا پھر پوچھنا اور اگر وہاں نہ ہوئی تو اگلے گھر تک جانا۔

تھوڑی دیر پہلے لبنیٰ ان کے منع کرنے کے باوجود ابھی آئی کہہ کر گھر سے نکلی تھی۔ وہ اس سے سخت عاجز آ رہی تھیں۔ کیا کیا سوچ رکھا تھا اس کیلئے لیکن وہ علانیہ کہتی تھی کہ اس نکھٹو توصیف کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ خیر اس کے کہنے سے کیا ہوتا تھا ہونا تو وہی تھا جو انہوں نے چاہا تھا۔ فرحت کی آمد کو وہ بڑا نیک شگون سمجھ رہی تھیں لبنیٰ کیلئے' اتنے لوگوں کو اتنی رشتے والیوں سے کہہ رکھا تھا کہ آئے دن کوئی نہ کوئی چلا آتا تھا سو انہیں ایک بار بھی کوئی شک نہیں پڑا تھا۔ اوپر سے فرحت کا رکھ رکھاؤ اسٹیٹس خود منہ سے بول رہا تھا۔ ایک خوشی بھری بوکھلاہٹ ان پر طاری تھی۔ وہ اس رشتے کو بہت سیریس لینے والی تھیں۔

''میں ابھی آئی یہیں بیٹھی رہنا ڈرائنگ روم میں جانے کی ضرورت نہیں ہے وہاں مہمان بیٹھے ہیں۔'' وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

ثانیہ اماں کے پاس سے چائے کے برتن اٹھانے لگی تو اماں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس سے کچھ کہنا چاہا۔

''آپ آرام کریں اماں آج کئی دن بعد تو بخار اترا ہے۔'' نرمی سے کہتے ہوئی وہ پھر سے کھڑی ہونے لگی۔ اماں سے وہ مستقل ہی نگاہ چرائے ہوئے تھی۔

''اور جب قربانی ہی مقدر ٹھہری تو سوال جواب کا سلسلہ بھی کیا۔''

بے حسی تھی یا بہادری لیکن سوچتے ہوئے اس کا ہاتھ بڑی زور سے کانپا۔ چائے کا کپ ٹرے سے پھسل کر دوسرے ہی لمحے فرش پر گر چکا تھا۔ ایک چھناکا سا گھر کے سناٹے میں گونجا۔ فرحت کو یہ آواز ہی ڈرائنگ روم سے باہر لائی تھی۔ مختصر سا گھر۔ سامنے والے کمرے اور ملحقہ چھوٹے سے کوریڈور کو عبور کرتی ہوئی وہ محض چند لمحوں میں برآمدے میں آ کھڑی ہوئیں۔

ثانیہ فرش پر سے کپ کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے اٹھانے کیلئے جھکی تھی کہ قدموں کی آہٹ نے اسے چونکا دیا۔

''آپ۔'' وہ ششدر سی انہیں دیکھے گئی۔

''شش۔'' ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے انہوں نے اشارے سے ممانی کے بارے میں پوچھا۔

ثانیہ نے محض ہاتھ کے اشارے سے باہر کی طرف والے ادھ کھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ اتنی حیران تھی کہ اب تک اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل پایا تھا۔

وہ اتنی کمزور اور کنفیوژ نظر آ رہی تھی کہ فرحت کو خدشہ ہونے لگا کہ وہ کہیں گر ہی نہ جائے۔ بالکل سفید پڑتا چہرہ جیسے خون کی ایک بوند بھی نہیں۔''

یہ وہ ثانیہ تو نہیں جسے انہوں نے بینا کے گھر پہلی بار دیکھا تھا اور۔

جس کی سنہری رنگت' سادگی میں بھی دمکتی تھی' وقت اتنا کم تھا کہ ڈھنگ سے حالات کی اس ستم ظریفی پر رنج بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

''میری بات غور سے سنو ثانیہ۔''

آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے وہ فوراً ہی کام کی بات پر آئیں۔ ''کل میں اسی وقت پھر آؤں گی تمہیں لینے کیلئے تم اپنی امی کے ساتھ تیار رہنا' ہم فوراً ہی نکل چلیں گے یہاں سے۔''

جلدی جلدی انہوں نے بات مکمل کی تھی۔

''آپ کو یہ سب کچھ کیسے...'' بے ربط سے جملوں میں وہ ان سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی بہت کچھ بتانا چاہتی تھی مگر کوئی بات بھی مکمل کرنا مشکل تھا۔

''مجھے وحید کے بارے میں پتہ ہے ثانیہ۔'' دھیمی آواز میں کہتے ہوئے فرحت نے اس کی مشکل آسان کی۔

ثانیہ کی نگاہ خود بخود ہی جھکتی چلی گئی۔ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی وہ فرحت کے سامنے خود کو زمین میں گرتا محسوس کر رہی تھی۔

''کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔'' کچھ ایسی ہی دعا بڑی شدت سے اس کے دل نے کی تھی۔

''تم کیوں شرمندہ ہوتی ہو ثانیہ' شرم سے تو مجھے ڈوب مرنا چاہیئے جو میں اس شخص کی بیوی کہلاتی ہوں جو خود انسان کہلانے کے لائق نہیں ہے۔''

ان کا لہجہ بھاری ہو رہا تھا اور آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔ ان کا دکھ اس سے کہیں بڑا تھا۔ ثانیہ کو پہلی بار ایسا لگا کہ وہ اس دکھ کی گہرائی کو بخوبی جان سکتی ہے جو فرحت آپا نے بناء کسی قصور کے عمر بھر جھیلا تھا۔

اور ان کیلئے تو اس کے پاس کوئی حرف تسلی بھی نہیں تھا۔

''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے بس جو میں نے کہا ہے وہ یاد رکھنا' سب ٹھیک ہو جائے گا انشاءاللہ ہاتھ کے اشارے سے اسے کچھ بھی کہنے سے روکتے ہوئے وہ یاد دہانی کروا رہی تھیں۔

اماں ابھی تک خاموش تھیں۔ ٹینشن' دکھ' بیماری' خوف سب ہی نے مل ملا کر ان کے اعصاب کو اتنا شل کر دیا تھا کہ حالات کو جیسے ہی وہ اسی صورت قبول کرنے کی عادی ہو رہی تھیں۔ امید کی یہ کرن جو ابھی جگمگائی تھی ان کے گرد جمے کہرے کو توڑنے میں ناکام تھی۔ فرحت جب بڑی محبت سے ان سے مل رہی تھیں ممانی واپس اندر داخل ہوئیں۔

وہ اکیلی ہی تھیں اور ناکامی کی خجالت ان کے چہرے پر دکھائی دے رہی تھی۔ فرحت کو یہاں کھڑے دیکھ کر وہ پہلے تو بری طرح چونکیں اور پھر ایک کڑی نگاہ ثانیہ پر ڈالی۔

''آپ کہاں چلی گئی تھیں' میں تو آپ کو بلانے اندر آئی تھی برا لگا ہو تو معافی چاہتی ہوں۔'' فرحت کی شخصیت پر وقار تھی ہی مگر وہ بات بھی بے حد متانت سے کرتی تھیں کہ ممانی اور بھی زیادہ متاثر ہو رہی تھیں۔

''آپ کا اپنا گھر ہے اور اب تو آنا جانا لگا ہی رہے گا۔ جہاں دل چاہے بیٹھیں۔''

''مجھے کہیں اور بھی جانا ہے آپ کی بیٹی سے تو ملاقات ہو نہ سکی دیکھیں شاید پھر کبھی وقت ہوا تو۔''

فرحت نے اب دانستہ بے نیازی کا اظہار کیا تھا۔

''ممانی کا دل جیسے ڈوبتے ڈوبتے بچا۔''

انہیں یقین ہونے لگا کہ یہاں سے مایوس ہو کر فرحت کہیں اور لڑکی دیکھنے روانہ ہو رہی ہیں۔

''ایسے کیسے جائیں گی آپ نہ چائے نہ ٹھنڈا' ثانیہ۔''

وہ ثانیہ کی طرف مڑ کر چائے کا کہنے لگی تھیں، مگر فرحت نے سختی سے منع کر دیا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے پھر کبھی سہی۔" ایک الوداعی نگاہ ثانیہ پر ڈالتے ہوئے انہوں نے اسے یاددہانی سی کروائی اور پھر واپس مڑ گئیں، ممانی ان کے پیچھے پیچھے اگلے صحن تک آئیں۔

"تھوڑی دیر اور رک جائیں تو لبنیٰ آنے ہی والی تھی۔" انہیں بے حد افسوس ہو رہا تھا۔

فرحت کچھ سوچ کر صحن میں رکیں۔اور یہ بچی آپ کی نند کی بیٹی ہے نا۔" ان کی نگاہ ممانی کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔

"ہاں، وہ...۔" پل بھر کیلئے وہ گڑبڑائیں۔

"اصل میں اس کا تو رشتہ طے ہے دو دن بعد نکاح ہے اس کا پہلے تو میں نے اسی کا کرنے کا سوچا، یتیم بچی ہے اس کیلئے اچھا سوچوں گی تو ضرور لبنیٰ کیلئے بھی بہت اچھا ہو گا۔"

فرحت کا دل چاہا کہ وہ ایک کس کر تھپڑ اس سامنے کھڑی عورت کے لگائے، جس کے دل سے خوف خدا بالکل ہی رخصت ہو چکا تھا۔ بناء مزید کچھ کہے وہ گیٹ کی طرف بڑھیں تھیں کہ ممانی بے تابانہ آگے آئیں۔"مجھے تو بہت ہی رنج ہو رہا ہے کہ آپ کی ملاقات لبنیٰ سے نہ ہو سکی، آپ کو تکلیف تو ہو گی لیکن میری خاطر ایک بار پھر آ جائیں۔"

ان کا اصرار بڑھتا رہا فرحت یہی چاہ رہی تھیں۔

"بس ایک کل ہی کا دن ہے میرے پاس اگلا پورا ہفتہ مصروف ہے۔"

وہ بات کرتے ہوئے ذرا رکیں۔

ممانی نے بناء کچھ سمجھے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں نہیں ملتی ہو گی فرصت۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

انہوں نے فرحت کو پورے نمبر دے ڈالے، میں کوشش کروں گی کہ آسکوں کل اسی وقت پر، آپ اپنی بیٹی کو گھر پہ ہی رکھئے گا۔"

یہ آخری جملہ انہوں نے جان بوجھ کر کہا تھا۔

ممانی نے بناء سوچے سمجھے پر جوش ہامی بھر لی تھی۔ کل انہیں ثانیہ کے نکاح کی تیاری کے کئی کام نمٹانے تھے۔ خاصا ہنگامی دن تھا۔ لیکن کسی اچھے امکان کی امید نے ہر فکر کو بھلا دیا تھا ان کے سارے کام توقع سے بڑھ کر اچھے ہو رہے تھے۔ بڑی پر غرور نگاہوں سے انہوں نے گیٹ پر کھڑی اس قیمتی گاڑی کو دیکھا۔ جو وحید کی گاڑی سے بھی زیادہ اچھی دکھتی تھی۔ لبنیٰ کی قسمت، ثانیہ سے کہیں زیادہ زور آور تھی۔ یہ خیال ہی پاؤں زمین پر نہیں ٹکنے دے رہا تھا۔

آگے جاتی گاڑی میں فرحت ابھی بھی مضطرب تھیں، پرس میں سے موبائل نکالتے ہوئے اور بینا کا نمبر ملاتے ہوئے ان کا ارد گرد پر ذرا بھی دھیان نہیں تھا۔ سڑک کے دوسری طرف تیزی سے گزرتی ہوئی گاڑی میں سے وحید اس جانی پہچانی سی گاڑی پر ایک نگاہ ہی ڈال سکے۔

...☆☆☆...

سجاد اور بابا دونوں ہی کو وہ یہ گاڑی استعمال کرتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔

"مگر وہ لوگ اور یہاں؟"

انہوں نے سڑک کے ساتھ مڑتی ہوئی گلیوں کی طرف دیکھا۔

سب سے قریب وہی گلی تھی جو ثانیہ کے ماموں کے گھر کی طرف مڑتی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''کون آسکتا تھا یہاں بھلا اور کس کام سے ؟''

انہوں نے اندازہ لگانا چاہا۔

سجاد اسلام آباد گئے ہوئے تھے اور بابا کا تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

پوری قطعیت کے ساتھ انہوں نے یہ دو امکان فوراً ہی رد کئے۔

''ممکن ہے آفس کا کوئی ڈرائیور وغیرہ اپنے کسی ذات کام سے اس طرف آیا ہو۔''

دوسری بات یہی ہو سکتی تھی، پھر بھی مزید اطمینان کیلئے انہوں نے اس شخص سے کنٹیکٹ کرنا ضروری سمجھا، جسے انہوں نے خاص طور پر اس گلی کی نگرانی پر مقرر کیا تھا۔

یوں ہی چھوٹا موٹا اٹھائی گیرا ٹائپ شخص تھا اس طرح کے لوگ ان کے سرکل میں کئی تھے جو تھوڑے سے پیسوں پر یہ خدمت انجام دینے کیلئے یونہی تیار ہو جاتے تھے۔ بدلے میں ممانی پر ان کی اور بھی دھاک بیٹھ رہی تھی۔

بیل جا رہی تھی مگر دوسری طرف سے کوئی ریسپانس نہیں تھا۔ ''معلوم نہیں کہاں مر گیا ہے۔''

ان کی جھنجلاہٹ غصے میں بدل رہی تھی۔

''کام کا آدمی صرف شیرا تھا پیسے لیتا تو حلال بھی کرتا تھا۔'' انہیں بے ساختہ ہی شیرا یاد آگیا۔

بینا والے جھگڑے کے بعد ایسا غائب ہوا تھا کہ کچھ اتہ پتہ نہیں تھا۔

انہوں نے کئی بار اس سے کنٹیکٹ کرنے کی کوشش بھی کی، مگر اس نے اپنی سم بدل لی تھی اور جس جگہ وہ رہتا تھا وہاں کسی نے بتایا تھا کہ وہ یہ شہر بھی چھوڑ کر جا چکا ہے۔

''ہوتا تو اس بینا کو بھی وہ اور سبق سکھا سکتے تھے... خیر یہ معاملہ نمٹ جائے پھر دیکھتے ہیں۔''

ان کے شیطانی ذہن میں منصوبوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ نکلے تو کسی اور کام سے تھے، مگر اب وسوسے گھیر رہے تھے تو ضروری تھا کہ ایک چکر لگا کر وہم دور کر ہی لیا جائے۔

وہ گاڑی کو گھما کر گلی میں لے آئے، اپنا مقرر کردہ شخص انہیں کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ان کا پارہ اور بھی ہائی ہونے لگا، دل ہی دل میں کتنی ہی اسے سنا ڈالیں۔

اب جب یہاں تک آئے تھے تو نا ممکن تھا کہ وہ ممانی سے ملے بغیر واپس مڑ جاتے۔

سارے معاملات بخوبی طے پا جانے کے بعد بھی سچی بات تو یہ تھی کہ انہیں ممانی پر رتی بھر بھی اعتبار نہیں تھا۔

''بس یہ دو دن اور خیریت سے نکل جائیں اس کے بعد کوئی فکر کی بات نہیں۔''

آنے والے خوبصورت لمحات کا احساس وحید جیسے پتھر دل کو بھی دھڑکاتا تھا۔

زندگی میں کتنی ہی عورتیں آئیں اپنی امیر و کبیر سسرال کے طفیل جو مالی فراغت انہیں حاصل رہی تھی وہی ان کی عیش و عشرت بھری زندگی کا سبب بنی تھی۔ جائز، ناجائز کی ہر حد کو پھلانگتی ہوئی لامحدود خواہشات۔ خوف خدا سے کب کا عاری ہوا دل اور آگے بچا ہی کیا تھا؟

حرص و ہوس کا آخری سرا کسی ان دیکھے دھندلکے میں گم۔ جس کے متلاشی اس راہ میں آگے اور آگے اور آگے... بڑھے ہی چلے جاتے ہیں۔

ممانی اور وحید دونوں ہی ایک جیتی جاگتی زندگی کی قربانی دے کر اپنے اپنے مفاد کو حاصل کرنے کی خوشی میں چور تھے۔

"آنے کی تکلیف کیوں کی، فون کر دیتے ہیں میں خود حاضر ہو جاتی۔" خوشامد سے بھی گرتی ہوئی سطح کی طرف جاتا ہوا یہ لہجہ۔

ثانیہ، جمیل ماموں کے کمرے میں تھی جب اس نے انہیں کہتے ہوئے سنا جواب میں وحید کیا کہہ رہے تھے اس کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں گیا۔

اسے ممانی کی کایا پلٹ، گہرے خوف میں مبتلا رکھتی تھی۔ وہ سخت دل تھیں مغرور تھیں اس کے اور اماں کیلئے سخت بے حس بھی تھیں۔

مگر یہ سارے روپ جانے پہچانے تھے، بچپن سے اب تک ان کا یہی تاثر تھا۔

مگر یہ "گراوٹ" جو بتدریج ان میں آئی یہ بڑی اجنبی تھی۔

کسی حقیر، فقیر سے بھی زیادہ گری ہوئی۔

"بس۔ سب آپ کے دم قدم کی بہار ہے، آپ ہی کی مہربانی ہے جو ہم جیسے بھی جی رہے ہیں۔"

کسی کسی وقت تو ثانیہ کو یقین ہونے لگتا تھا کہ اس کے بعد وہ لبنیٰ کی بھی بولی لگانے سے دریغ نہیں کریں گی۔

ان کا دین دھرم صرف اور صرف پیسہ ہے۔

نہ اچھی انسان

نہ اچھی ماں

اور نہ ہی اچھی بیوی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

جمیل ماموں جیسے شریف النفس انسان کے ساتھ گزاری زندگی ایک اذیت بھرے ڈرامے سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھی۔

نہ ہی ان کی اچھائی ممانی کا کچھ بگاڑ سکی تھی اور نہ ہی وہ خود ان کے رنگ میں رنگ سکیں۔

ہر شخص اپنی فطرت لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے مطابق جیتا اور اسی پر مر جاتا ہے۔

کوئی اگر کہتا ہے کہ وہ بدل گیا ہے تو وہ صرف جھوٹ بولتا ہے۔

جمیل ماموں کے ساتھ گزری دکھاوے کی زندگی کے بعد ممانی اب اپنے اصل رنگ میں تھیں۔ وہ ان لوگوں کی باتیں نہیں سننا چاہتی تھی تھوڑی دیر پہلے امید کی جو کرن فرحت آپا کی صورت میں چمکی تھی۔

ارد گرد کی تیرگی کو کم تو ضرور ہی کر رہی تھی وہ اسے اور اماں کو کیسے اور کہاں لے جانے والی تھیں

یہ جاننے کی اسے ذرا بھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس کیلئے یہ ہی بہت تھا کہ وہ اسے یہاں سے نکال لے جائیں گی۔

"کل، تقریباً اسی وقت۔ اور وہ پوری ہمت اور حوصلے کے ساتھ اس موقع سے فائدہ اٹھا لینا چاہتی تھی۔ ممانی کی دھمکیاں وحید کی دہشت، اماں کی ناتوانائی، سب کچھ ویسا ہی تھا پھر بھی یہ ہی ایک قدم تھا جو موت سے زندگی کی طرف واپس لے جا سکتا تھا۔

برآمدے کے تخت کے قریب نیچے بیٹھ کر ثانیہ نے اپنا اور اماں کا مشترکہ بیگ نکال کر نیچے تہہ میں کچھ تلاش کرنا چاہا۔
ایک پتلی سی فائل میں اس کے سارے ڈاکومنٹس محفوظ تھے۔

ممانی اندر وحید کے ساتھ مصروف تھیں اور ابھی کچھ دیر وہ یہاں نہیں آنے والی تھیں' اس نے سارے کاغذات فائل سے نکال کر اپنے اس ہینڈ بیگ میں منتقل کئے جو وہ عموماً آفس جاتے ہوئے استعمال کرتی تھی۔

یہ ہی ایک چھوٹا سا کام تھا جو ضروری تھا۔ زیور جو بھی تھوڑا سا تھا وہ جمیل ماموں کی بیماری میں بک چکا تھا اور کچھ وہ یہاں سے لے جانا بھی نہیں چاہتی تھی۔

''گیٹ پر ابھی کون تھا' جمیل آیا ہے کیا؟''

اماں سلام پھیر کر اس سے پوچھ رہی تھیں۔

دل کو چیرتا ہوا یہ سوال وہ دن میں کئی بار کر لیا کرتی تھیں۔ عجیب حاضر غائب کی سی کیفیت تھی' جس میں وہ مبتلا رہنے لگی تھیں۔

ثانیہ کو اور تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا بس وہ خود کو ان ہی کے موڈ کے مطابق ڈھال لیتی۔ اس وقت بھی بڑی ہمت سے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں اماں ماموں ابھی نہیں آئے دکان سے۔''

''اچھا۔'' انہوں نے دوبارہ نیت باندھ لی' ثانیہ بہت دکھ سے انہیں دیکھتی رہی۔

کچھ پتہ نہیں تھا کہ اب سلام پھیرنے تک انہیں یاد بھی آ جائے کہ جمیل ماموں اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ اکثر ایسا ہی ہوتا تھا۔

اماں کو باقاعدہ علاج کی ضرورت تھی' کسی اچھے ڈاکٹر سے ایک مکمل چیک اپ جو ان کے معطل ہوتے اعصاب کو بہتری کی طرف لا سکے۔

''جو زندگی کو سکون میسر ہوا تو وہ سب سے پہلے یہ ہی کام کرے گی۔''

بے یقینی تھی کہ کسی بھی پل دل کا ساتھ چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تھی۔

کل کیا ہونا تھا کس کو خبر تھی؟

وحید نے اس چھوٹے سے ڈرائنگ روم کا ایک ہی نگاہ میں جائزہ لیا۔ یہاں کسی مہمانداری کے آثار نہیں تھے' پھر بھی انہوں نے ممانی سے پوچھنا ضروری سمجھا۔

''کوئی آیا تھا۔''

''نہیں تو' یہاں کون آتا جاتا ہے میں نے تو خود ہی محلے والوں کو منہ لگانا چھوڑ دیا ہے۔''

ممانی کی حاضر دماغی ان کے سب سے زیادہ کام آتی تھی۔

''ہوں۔''

آگے کچھ پوچھنا فضول ہی سا لگا۔

''یہاں ایسے چھوٹے سے گھر میں ایسی شاندار گاڑیاں کہاں آنے لگیں۔''

''اور کیا ضروری ہے کہ اس آدمی کو گھر کی ہر بات ہی بتائی جائے لڑکی کا رشتہ دے رہے ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ سر پر ہی سوار کر لیں۔''

ممانی اور وحید دونوں نے بیک وقت اپنی اپنی جگہ سوچا تھا۔

"گواہ میں اپنے ساتھ ہی لائوں گا' یہاں سے کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں' یہ میں ایک بار پھر منع کر رہا ہوں۔"

اسی ایک بات پر ممانی تذبذب کا شکار تھیں محلے والوں کو منہ نہ لگانے کا دعویٰ کتنا بھی مضبوط سہی لیکن بہر حال یہاں تقریباً ساری ہی زندگی گزری تھی' زیادہ نہیں دو تین گھر تو ایسے تھے جن کو اگر اس اہم موقع پر نہ مدعو کیا جاتا تو آگے آنکھ ملانا مشکل ہو جاتا' یہ بات وہ پہلے بھی کہہ چکی تھیں' ایک بار پھر کہنا چاہی لیکن وحید نے بری طرح جھڑک دیا۔

"بار بار ایک ہی بات مت بھولو اس رشتے کیلئے تم نے پیسہ وصول کیا ہے اور جو پیسہ خرچ کرتا ہے مرضی بھی اسی کی چلتی ہے' پھر کون سا تم لوگوں کو یہاں رہنا ہے' کہا تو ہے میں نے کہ تم لوگوں کو بھی وہیں شفٹ کر دوں گا جہاں ثانیہ رہے گی۔"

وحید کا لہجہ حتمی تھا اور اتنا کرخت کہ وہ بس پہلو بدل کر رہ گئیں۔ آگے ثانیہ اور وحید کے گھر میں ان کی حیثیت کا یقین ابھی سے ہی ہو رہا تھا۔

لیکن وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔

"بدبخت کہیں کا۔"

"ایک بار قدم جمالوں پھر اس ثانیہ کو بھی دیکھتی ہوں اور تجھے بھی۔" دل ہی دل میں انہوں نے وحید کو جی بھر کر سنا ڈالیں۔

...☆☆☆...

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

فیضی رات گئے واپس آیا۔

اوپر تک بھرے ہوئے دو تین بڑے شاپر تھامے ہوئے۔ جن پر نگاہ پڑتے ہی نینی کو تو اپنا دل ہی بیٹھتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ الماری سے نکالے گئے کتنے ہی پیسوں پر پانی پھر چکا تھا۔ چھوٹے بچے کی ضرورت کی اشیائ' کپڑے جن کا برانڈا' اپنی قیمت خود بتا رہا تھا۔

"یہ سب... کیا ضرورت تھی ان سب کی؟"

نینی کے منہ سے الفاظ بھی جیسے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

"کیوں ضرورت نہیں یہ سب تو بہت ضروری شاپنگ تھی' اب ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں کہ اپنے بچے کیلئے چند معمولی سی چیزیں بھی نہ خرید سکیں۔"

لاپروائی سے سر جھٹکتے ہوئے فیضی نے اپنا لایا ہوا سامان نکال کر بیڈ پر ڈھیر کرنا جاری رکھا۔

نینی نے بہت حیرت سے اس کی طرف دیکھا' اپنی عاقبت نااندیشی کا اسے احساس تک نہیں تھا' تھکا ماندہ سویا ہوا امیر زادہ جو اس کی ذات کا حصہ تھا پوری طرح بیدار تھا۔

"ان سب سے زیادہ اہم خرچہ ابھی ہمارے سر پر ہے فیضی۔"

"پتہ ہے مجھے ہاسپٹل کے خرچ کی بات کر رہی ہو نا' ہو جائے گا وہ بھی' آئو دیکھو تو میں نے کتنی اچھی شاپنگ کی ہے۔"

وہ اس کی فکر میں ذرا سا بھی حصے دار نہیں تھا اور وہ اس کی ہزاروں روپے خرچ کر کے لائی گئی خوشی میں۔

"کیا رکھا ہے ان سب چیزوں میں' اتنا پیسہ برباد کر کے رکھ دیا تم نے' مجھ سے پوچھے بغیر سارے پیسے نکال کر لے گئے تم' کم از کم...."

ضبط کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹتا جا رہا تھا اور فیضی کیلئے یہ آج بھی مشکل تھا کہ وہ خود پر کسی کی تنقید برداشت کر سکے۔ چاہے وہ نینی ہی کیوں نہ ہو' جس کیلئے وہ اپنے خاندان اور آسائشوں سے بھری زندگی تک کو ٹھکرا چکا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا میں چوری کر کے لے گیا تھا یہ پیسے' میرا ہی خریدا ہوا زیور تھا' جس کے پیسے تھے یہ سارے' جہاں چاہوں خرچ کر سکتا ہوں تم ہوتی کون ہو اعتراض کرنے والی؟"

"میں' میں کون ہوتی ہوں؟ ہوش میں تو ہو فیضی' بجائے اپنی غلطی کو ماننے کے تم الٹا مجھے کہتے ہو کہ میں کون ہوں۔"

مارے صدمے کے نینی بے اختیار ہی بیڈ پر بیٹھ چکی تھی اس کی حالت قابل رحم دکھائی دے رہی تھی۔

"کہاں سے آئیں گے اب اتنے پیسے جو ہم اس وقت خرچ کر پائیں گے' اندازہ بھی نہیں ہے ہمیں کہ ہاسپٹل کا بل کتنا بن سکتا ہے' لیکن تم نے تو کچھ بھی نہیں سوچا۔

یہ آخری پونجی تھی جو آڑے وقت کا سہارا تھی۔"

نینی کا رنج تشویش سب بجا تھی۔

دل ہی دل میں وہ بھی تھوڑا سا قائل ہوا تھا لیکن پھر بھی اس کے خیال میں یہ کوئی اتنا واویلا مچانے والی بات بھی نہیں تھی۔

"اسی لئے تمہیں ساتھ لے کر نہیں گیا تھا' حالانکہ اگر یہ سب چیزیں ہم دونوں مل کر خریدتے تو بہت زیادہ خوشی ہوتی' مگر مجھے پتہ تھا کہ تمہیں میری چھوٹی سی بھی خوشی برداشت نہیں ہے۔"

فیضی کا لہجہ اس بار دھیما تھا اور وہ ساری چیزیں بے زاری سے ایک طرف کرتا ہوا نینی کے قریب ہی بیٹھ چکا تھا۔ سر جھکائے افسردہ۔

ابھی چند منٹ پہلے جب وہ گھر میں داخل ہوا تھا تو اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

"تھوڑی سی غلطی شاید خود اس کی بھی ہے۔"

ایک خاموش سی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے وہ شرمندہ سی ہوئی۔ "اب جب وہ یہ سب لا ہی چکا تھا تو فوری ہنگامہ کھڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی' اس طرح وہ سب پیسے واپس تو نہیں آجاتے جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا تھا۔"

چند لمحے یوں ہی بوجھل سی خاموشی کی نذر ہوئے۔

"میں کھانا لاتی ہوں' تم فریش ہو جاؤ۔"

"نہیں مجھے بھوک نہیں۔" وہ سر جھکائے فرش کو دیکھے گیا۔

"کیسے بھوک نہیں ہے' سارا دن گزر گیا ہے باہر تم نے کچھ بھی نہیں کھایا ہو گا' مجھے پتہ ہے۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ نرمی سے بولی۔

"تمہیں کیا فکر تمہارے لئے تو سب کچھ پیسے ہیں' میری چھوٹی سی خوشی بھی برداشت نہیں ہے تمہیں اب۔"

ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے نینی کی طرف دیکھا۔

”ایسا نہیں ہے فیضی تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو پلیز۔“

بہت مشکل سے اس نے اپنے آنسو ضبط کئے۔

”سب سمجھ رہا ہوں بچہ نہیں ہوں، ہر بات میں پیسے کا رونا، ہر وقت یہی ایک ٹینشن، صاف لفظوں میں مجھے بے کاری کا طعنہ نہیں دیتی ہو لیکن دوسرے لفظوں میں جو چاہے کہہ دیتی ہو۔“

وہ روکھائی سے کہتا ہوا کھڑا ہونے لگا تھا، تب ہی نینی نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ فیضی نے دیکھا اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔

”اچھا بس۔“ وہ فوراً ہی موم ہوا۔

”جاؤ کھانا لاؤ، بھوک لگ رہی ہے۔“

ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ مسکرا دی۔ مہرو خالہ کے ہاں سے آیا ہوا مزیدار کھانا اس نے خاص طور پر فیضی کیلئے بچا کر رکھا تھا۔

”تکلیف سے بھری اس زندگی میں بس ایک ہی بات ہے جو سہارا دیتی ہے اور وہ ہے ان کی محبت جو اس حال میں بھی زندہ ہے۔“

یہ خیال بڑا ہی سکون بخش تھا۔

جتنی دیر میں نینی کھانا گرم کر کے لائی وہ اس سے مزید متفق ہو چکا تھا۔

اپنی شاہ خرچی کی عادت پر وہ قابو پانے میں آج بھی ناکام تھا، یہ صرف حالات تھے جو اسے مجبور رکھتے تھے، پھر بھی جہاں ذرا سی گنجائش ہوتی وہ پھر سے اپنی پرانی عادت کا اسیر ہونے لگتا تھا۔

جیب میں پڑا والٹ نکال کر اس نے بقیہ پیسوں کی موجودگی کو کنفرم کیا۔

اب زیادہ باقی نہیں رہ گئے تھے، پھر بھی جتنے بھی تھے ان کو سنبھال کر رکھنا ضروری تھا۔

”شاید واقعی یہ سب اتنا ضروری نہیں تھا۔“

بے ترتیبی کے ساتھ بیڈ پر بکھرے اس خوبصورت رنگ برنگے ڈھیر کو دیکھتے ہوئے فیضی نے سوچا جو اس رنگ اڑے معمولی سے کمرے میں ذرا بھی میچ نہیں کر رہا تھا۔

...☆☆☆...

نازی کے پاس جس وقت اسماء پھوپھو کا فون آیا تو وہ گھر میں اکیلی ہی تھی۔ فرح کی امی ہاسپٹل تھیں اور نانی ان ہی کے پاس رکی تھیں۔ نازی کی ذمہ داریوں میں تھوڑا سا اور اضافہ ہو رہا تھا۔

ان لوگوں کا کھانا بنا کر بھیجنا اور پھر خود بھی خاصا وقت ان کی دیکھ بھال کیلئے ہاسپٹل میں گزارنا سب ہی کچھ پوری خوش اسلوبی کے ساتھ کرنے کی کوشش کر رہی تھی، سو ان دو دنوں میں امی سے اس کی بات نہ ہونے کے برابر ہی ہوئی تھی۔

اسماء پھوپھو کا فون آیا تو وہ کچن سے فارغ ہو کر ہاسپٹل جانے کیلئے کپڑے نکال رہی تھی۔

”دیا اور مسعود آ گئے ہیں بیٹا۔“ اس کی خیریت پوچھنے کے بعد انہوں نے فوری اطلاع یہ ہی دی۔

"اچھا۔" اسے خوشی تو ہوئی لیکن تھوڑی سی حیرت بھی۔ "امی نے ذکر ہی نہیں کیا۔"

"کیا ذکر کرتیں دیا کو وہاں جانے کی کون سی اجازت ہے ایک بار بھی بشارت بھائی نے اس کے بارے میں کسی سے کوئی بات کی وہ اور مسعود یہاں نہیں تھے تب بھی انہوں نے کوئی فون تک نہ کیا۔"

ان کی شکایت بجا تھی۔

دیا اور مسعود نے جو کیا سو کیا' مگر وہ تو بہر حال بشارت صاحب کی بہن تھیں' وہ بھی اکلوتی' بناء بیچ میں ایک بار بھی ٹوکے نازی نے ان کا شکایت نامہ سنا اور جب وہ فارغ ہوئیں تو بڑے تحمل سے بولی۔

"ابا کی عادت کو آپ سے زیادہ کون جانتا ہے' پھوپھو وہ آپ کے بھائی ہیں اور آپ کو پتہ ہے کہ آپ سے وہ کتنی زیادہ محبت کرتے ہیں لیکن دیا نے انہیں بہت تکلیف دی ہے یہ سب اس کا اثر ہے' رفتہ رفتہ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی چھائی۔

"ٹھیک کہتی ہو میرے بھائی کے دل کو بہت گہری چوٹ پہنچی ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں بھی قصور وار تو ہوں نا' میں نے بھی کہاں ان کا ساتھ دیا بیٹا۔"

نازی کیلئے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ کتنی شرمندہ ہیں۔

"آپ ٹینشن نہ لیں پھوپھو' آپ کیا کر سکتی تھیں اس صورتحال میں تقدیر میں شاید یہ سب اسی طرح ہونا تھا' ابا بھی غصے میں ہیں آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"تم بات کرو نا بشارت بھائی سے' تمہاری تو بہت سنتے ہیں' دیا بہت اپ سیٹ ہے اور اس کی وجہ سے مسعود بھی۔"

"ابھی اتنی جلدی۔" وہ ان کی فرمائش پر کچھ ہکابکا سی ہوئی۔

"بہن ہے تمہاری' اس کی خوشی کا خیال رکھنا تو پڑے گا ہی' جس روز سے شادی ہو کر آئی ہے ایک بار بھی واپس نہیں گئی ہے' عجیب سا لگتا ہے نا' تمہارے پھپھا الگ باتیں سناتے ہیں مجھے' وہ تو ویسے بھی اس رشتے کے خلاف تھے' اب تو کھل کر کہنے لگے ہیں کہ بشارت بھائی کی لڑکیاں اچھے لڑکے پھنسانے میں....۔"

سن' سن' سن

الفاظ ان کے منہ سے نکل کر جیسے اسے دل پہ گرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

کیوں سنا رہی تھیں اسے وہ یہ سب کچھ؟

جو کچھ بھی ہوا اس میں دیا سے زیادہ مسعود قصور وار تھا' کیوں آچکا تھا وہ سات سمندر پار سے' عین اس وقت جب عمر سے اس کی شادی میں بس دو چار دن ہی رہ گئے تھے۔

"انہیں پھپھا کی خفگی کی فکر ابا کی بے عزتی سے زیادہ ہے۔" وہ لوگوں سے بدگمانی نہیں پالتی تھی' مگر اس وقت پہلی بار اسے اسماء پھوپھو خود غرض لگیں۔

"پہلے اپنے بیٹے کی خوشی پورا کرنے میں اس کا ساتھ دیا اور اب اپنے شوہر کا موڈ ٹھیک رکھنے کی فکر ہے۔"

بیک وقت اسے ان سب پر ہی غصہ آنے لگا۔

"دیا کچھ نہیں کہتی پھپھا کی باتیں سن کر کم از کم اب تو اسے ابا کی عزت کا خیال کر لینا چاہئے۔"

"اوں ہنہ۔"

اسماء پھوپھو نے اس کے لہجے کی تپش کا نوٹس نہیں لیا تھا۔

"اس طرح تو بات اور خراب ہو جائے گی' تم بس کوشش کر کے یہ آپس کے اختلافات ختم کروا دو' ایک بار دیا کا وہاں آنا جانا شروع ہو گیا تو سب کچھ ٹھیک ہوتا چلا جائے گا' سمجھ رہی ہو نا میری بات۔" انہوں نے پل بھر کا وقفہ لیا نازی بالکل خاموش رہی۔

"بس آج ہی شام کو چکر لگا لو اور موقع ملتے ہی بشارت بھائی کو منانے کی کوشش کرنا' تمہاری بات نہیں ٹالیں گے وہ' اچھا اب میں فون رکھ رہی ہوں۔"

"خدا حافظ' کہتے ہوئے انہوں نے بات ختم کی' اگلے چند منٹ وہ وہیں صوفے پر بیٹھی رہی۔

سچی بات یہ کہ اسے بہت شدید قسم کا غصہ آ رہا تھا۔

ہر شخص بس اپنا بھلا اپنی آسانی ہی چاہتا تھا' اسماء پھوپھو نے شاید ایک بار بھی نہیں سوچا تھا کہ اس سارے قصے میں وہ بھی ایک ان ہونی کا شکار ہوئی ہے۔

کسی کی زندگی میں زبردستی شامل ہونا اس جیسی خودداری لڑکی کیلئے آج بھی اتنا ہی توہین آمیز احساس تھا جیسا اس روز جب پہلی بار اسے مقدر میں آئی اس تبدیلی کی اطلاع دی گئی تھی۔

عمر کی دیا کیلئے وہ گہری چاہت' اس کو حاصل کرنے کی وہ ساری کوششیں' امی کی ہر جائز ناجائز شرط پر آمادگی۔

کیا تھا جو اس کے علم میں نہیں تھا۔

ایسے میں کہاں اس کی جگہ بنتی تھی۔

پھر بھی' پھر بھی۔

اس نے اپنی زندگی میں ہمیشہ رہ جانے والی بے یقینی کو بہ ہوش و حواس قبول کیا تھا۔

اسے پتہ تھا کہ اب وہ ساری زندگی بھی عمر کیلئے پیچھے بھاگتی رہے گی تب بھی وہ اسے نہیں پا سکے گی۔

عمر اس کا خیال رکھنے کی کوشش کرتا تو اسے احسان لگتا اور جب وہ اس کے قریب آتا تو ایسا لگتا جیسے اس میں دیا کی پرچھائی تلاش کر رہا ہے۔

ایسے میں خود اس کے دل پر کیا گزرتی ہے یہ بات شاید کسی کیلئے بھی اہمیت نہیں رکھتی تھی' لیکن اب بھی سب کو دیا کی فکر تھی۔

ایک ٹھوکر سے ساری مصلحتوں کو دھول میں نہلا کر اپنی خوشی حاصل کر لینے والی "دیا۔"

جس نے ایک بار بھی اس سے یہ پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ وہ خانہ پری والی یہ زندگی کیسے گزار رہی ہے؟

کسی کو بھی اس کی فکر نہیں اور شاید کبھی بھی نہیں تھی' وہ ایک ضرورت کی چیز کی طرح استعمال کی گئی۔

ایک کے بعد ایک خیال اس کی سائیکی بدل رہا تھا۔

"اور اگر وہ اس طرح سوچے گی تو شاید خود اپنی نگاہوں میں سب سے پہلے گرے گی۔"

سر کو ہلکے سے جھٹک کر اس نے خود کو کمپوز کیا۔

وہ اپنی بہن کی خوشی سے جل رہی ہے اور نہ ہی وہ اسماء پھوپھو کی پریشانی کو نظر انداز کر سکتی ہے۔

"اگر انہوں نے اس سے کہا تو اپنا سمجھ کر کہا۔"

نازی کی فطری اچھائی ہی شاید اس کی سب سے بڑی طاقت تھی۔

عمر جب آفس سے آیا تو وہ کھانا پیک کر کے خود بھی تیار تھی۔

"آپ کھانا کھالیں پہلے پھر چلتے ہیں۔"

عمر کو بھوک نہیں تھی لیکن اسے کچن کا رخ کرتے دیکھ کر منع نہ کر سکا۔

"تم نے کھالیا؟" پلیٹ اپنے آگے سرکاتے ہوئے عمر نے اس کی طرف دیکھا۔ نازی کا دھیان کہیں اور تھا۔

"جی۔"

"میں نے پوچھا کہ تم نے کھانا کھالیا۔"

اس کے چونکنے پر وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے ناشتہ دیر سے ہی کیا تھا۔"

"مجھے پتہ ہے کہ تم کتنا ناشتہ کرتی ہو چلو آئو۔"

وہ چپ چاپ صوفے سے اٹھ کر کھانے کی میز پر آبیٹھی۔

وہ عموماً لائٹ کلر پہنا کرتی تھی بال سیدھے سادے انداز میں بندھے ہوئے اور میک اپ کے نام پر محض ہلکی سی لپ اسٹک۔

لیکن کسی کسی وقت عمر کو اپنی نگاہ اس پر جمتی ہوئی محسوس ہوتی۔ اس وقت بھی جب وہ اپنے لئے پلیٹ میں تھوڑے سے چاول نکال رہی تھی وہ یوں ہی اسے دیکھے گیا۔ شاید نازی کو ہی احساس ہوا تھا جب ہی اس نے سر اٹھایا۔

"کچھ چاہئے کیا۔"

"نہیں۔" اس بار وہ ہلکی سی بوکھلاہٹ میں مبتلا ہوا۔

"ویسے یہ اچھی بات ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی بات توماننے لگے ہیں۔"

نازی ہلکے سے مسکرادی۔

وہ اس سے زیادہ بات تو نہیں کرتی تھی' مگر عمر کو آج کچھ غیر معمولی خاموش محسوس ہو رہی تھی۔

"وہ پریشان تھی یا پھر اداس۔"

دل ہی دل میں اس نے اندازہ لگانا چاہا جو بھی تھا سبب شاید وہ خود ہی تھا' نازی کی طرف سے ایک احساس جرم اس پر بھی خود بخود عائد ہو چکا تھا۔

اور جس طرح وہ اس سے اور اس سے منسلک سب ہی لوگوں کے ساتھ نرمی اور خدمت گزاری کے ساتھ پیش آتی تھی اس کی شرمندگی اور بھی بڑھتی تھی۔

"نہ تھی دیا قسمت میں نہ سہی لیکن کاش نازی دیا کی بہن نہ ہوتی' پھر شاید ان دونوں کے بیچ یہ تنائو اتنا گہرا نہ ہوتا۔"

کسی کسی وقت تو اسے بڑی شدت سے یہی خواہش گھیرتی تھی۔

"لاعلمی بھی بڑی نعمت ہے۔"

"کتنا اچھا ہوتا جو نازی اس کے حال دل سے ناواقف ہوتی۔"

گاڑی ہاسپٹل کے راستے پر لاتے ہوئے اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

نازی اس سے قطعی لاتعلقی سے سڑک پر بھاگتے دوڑتے ٹریفک کی طرف متوجہ تھی یا پھر ایسا ہی پوز کر رہی تھی۔

"کوئی پریشانی ہے کیا' مجھے بتاؤ۔" اس سے رہا نہ گیا تو پوچھ ہی لیا۔

"نہیں کوئی پریشانی نہیں۔" نازی نے بہت سنبھل کر کہا تھا لیکن چہرے کے تاثرات چھپانے میں وہ عموماً ناکام ہی رہتی تھی۔

"کوئی بات ہے ضرور آج تم بہت ڈسٹرب ہو۔"

عمر کا اصرار بڑھنے لگا۔ "ہم ایک دوسرے کی پریشانیاں تو شیئر کر سکتے ہیں نازی' بتاؤ تو مجھے میں کوئی حل ضرور نکال لوں گا۔"

نازی کو یاد آیا کہ پہلے دن بھی اس نے یہ بات کی تھی کہ وہ "سب سے پہلے اس کا ایک اچھا دوست بننے کی کوشش کرے گا۔"

"آپ مجھے واپسی میں امی کے ہاں تھوڑی دیر کیلئے چھوڑ سکتے ہیں۔"

کچھ سوچ کر اس نے ایک درمیانی راہ نکالنی چاہی' امی سے اسماء پھوپھو کے فون کے بارے میں بات کر کے ہی کوئی نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا۔

امی کو دیا سے بے حد محبت تھی یہ بات کسی سے بھی چھپی نہ تھی' فی الوقت ناراض سہی لیکن نازی کو یقین تھا کہ وہ جلد ہی اس کے گھر آنے جانے کی راہ ہموار کر دیں گی۔

"واپسی میں کیوں میں ابھی تمہیں وہاں چھوڑ دوں گا' کھانا تم بنا ہی چکی ہو ہاسپٹل میں تمہارے بجائے میں رک جاؤں گا' رات کو واپسی میں پک کر لوں گا ٹھیک۔"

نازی نے شکر گزار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

عمر واقعی بے حد تعاون کرنے والا تھا۔ چھوٹے موٹے نخرے جو وہ کرتا تھا نانی کے لاڈ پیار کی دین تھے۔

"نانی اور فرح کچھ خیال تو نہیں کریں گی۔"

"پاگل ہو تم۔"

وہ ہلکے سے ہنسا۔ "کوئی کچھ نہیں کہتا ہے اور ویسے بھی میں جاؤں یا تم بات تو ایک ہی ہے۔"

سرسری سے انداز میں کہی اس کی بات نے دل کو بے اختیار ہی چھوا۔

"وہ دونوں ایک دوسرے کیلئے کچھ تو اہمیت اختیار کرتے ہی جا رہے ہیں۔"

چہرے پر پھیلتی سرخی کو چھپانے کیلئے نازی نے تھوڑا سا رخ موڑتے ہوئے سوچا تھا۔

عمر اب ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ نازی کا جو بھی پرابلم ہے وہ اس کے اپنے گھر اور بہن بھائیوں سے متعلق ہے جس میں اس کی دخل اندازی قطعی غیر معقول ہے۔

"اندر آئیں گے۔"

بشارت صاحب کے گھر پر اترتے ہوئے اس نے پلٹ کر عمر کی طرف دیکھا۔

"ہوں' میرا خیال ہے چند منٹ کیلئے دعا سلام تو ضرور کر لینی چاہئے۔" وہ اس کے ساتھ ہی اندر آیا تھا۔ نازی کو اچھا لگا کہ وہ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔

گھر میں امی' سمیع اور ابا تینوں ہی بیک وقت موجود تھے۔ عمر سب کا فیورٹ تھا۔

نازی کو سب سے زیادہ حیرت امی کے روّیے پر ہوتی تھی' اسے وہ وقت یاد تھا جب ابا نے دیا کیلئے عمر کا رشتہ قبول کیا تھا اس وقت وہ اس کا نام سن کر بھی کس درجہ ناگواری کا مظاہرہ کرتی تھیں' مگر اب تو جیسے کایا پلٹی تھی۔ رات کا کھانا واپسی میں یہیں کھانا میں تمہاری پسند کی۔۔۔"

نازی کو چھوڑ کر جب وہ جا رہا تھا تو امی محبت کے ساتھ اسے کہہ رہی تھیں۔ نازی نے بہت طمانیت کے ساتھ اس منظر کو دیکھا۔ ایسے ہی لمحات ہوتے تھے جب دل سے زندگی میں آئی اس ساری گڑبڑ کا احساس مٹنے لگتا تھا۔

"امی' ابا' نانی' سمیع کم از کم یہ لوگ تو بہت خوش اور پر سکون تھے۔ اور اپنوں کی خوشی کی فکر تو اس نے بہت چھوٹی عمر سے کی تھی۔

اس وقت بھی کسی اپنے ہی کی فکر یہاں لائی تھی۔

"ابا' ایک ضروری بات کرنی تھی آپ سے۔"

عمر کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ اصل موضوع پر آ رکی تھی' ابھی تک سب بڑے ریلیکس موڈ میں باتیں کر رہے تھے' سمیع کی جاب کے بعد گھر کے ماحول میں بدلاؤ آ چکا تھا' لیکن نازی کے لہجے میں ایسا کچھ نہ کچھ تو ضرور تھا کہ ان سب کو ہی کچھ عجیب سا لگا۔

"شاید وہ اپنی شادی سے خوش نہیں۔"

ایک پہلا برا ممکنہ خیال ان تینوں کو یہی گزرا تھا۔

"کہو' اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے۔" بشارت صاحب ذرا سنبھل کر بیٹھے۔

"آج اسماء پھوپھو کا فون آیا تھا ابا۔" ان کے تاثرات دیکھنے کیلئے وہ محض اتنا ہی کہہ کر پل بھر کیلئے رکی۔

"کیوں' وہاں کیا ضرورت تھی اسماء کو فون کرنے کی اور اسے وہاں کا نمبر دیا کس نے؟"

ابا سے پہلے امی کا رد عمل سامنے آیا اور ان کے لہجے کی ناگواری بھی' نازی نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ "میں نے ہی ایک بار دیا کی خیریت پوچھنے کیلئے ان کے ہاں فون کیا تھا' مگر جب تک وہ اور مسعود واپس نہیں آئے تھے۔"

"تمہیں کب عقل آئے گی نازی جب ہمیں کوئی تعلق ہی نہیں رکھنا اس سے تو بات تو وہیں ختم ہو چکی۔"

امی نے بے اختیار ہی پیشانی کو چھوا' وہ سخت برہم تھیں۔ "اپنے گھر کی فکر کرو دیا نے جو چاہا کر لیا' تمہیں کوئی ضرورت نہیں ان لوگوں سے رابطہ رکھنے کی' میں خود اسماء کو فون کر کے منع کروں گی کہ آئندہ اسے تم سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

نازی نے ایک ٹھنڈی سانس اپنے اندر اتاری۔

"زبیدہ۔"

اس نے دیکھا ابا ہاتھ کے اشارے سے امی کو خاموش کرا رہے تھے۔ "اسے بتانے تو دو کہ اسماء نے کیا کہا ہے۔"

"مجھے سب معلوم ہے کہ اس نے۔۔۔"

امی نے تلملا کر اپنی بات ادھوری چھوڑی۔

''ابا'' نازی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب جا بیٹھی۔ ''دیا گھر آنا چاہتی ہے' آپ اسے اور مسعود کو معاف کر دیں پلیز۔'' ان کے چہرے پر نگاہ جمائے وہ بہت ملتجی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

بشارت صاحب بالکل خاموش تھے۔

''پھوپھو کہہ رہی تھیں کہ وہ بہت اپ سیٹ ہے اور اس کی وجہ سے ان کے گھر کا ماحول بھی خراب ہو رہا ہے۔''

''یہ ان کا مسئلہ ہے' ہمارا نہیں۔''

''ابا ٹھیک کہہ رہے ہیں اور نازی آپا پلیز تم اس معاملے سے الگ ہی رہو' وہ لوگ جانیں اور دیا جانے بس۔'' سمیع بھی ان ہی کا ہم نوا تھا اور ان تینوں کا لہجہ حتمی تھا کہ ذرا سی بھی رعایت کی گنجائش نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ ''وہ خود سب سے رشتے توڑ کر گئی ہے' ہر بات اسی وقت صاف ہو چکی ہے اب کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ....''

نازی کیلئے سب سے حیرت انگیز امی کا روّیہ تھا' وہ دیا سے سب سے زیادہ ناراض تھیں اور کسی صورت کوئی بات سننے کیلئے تیار نہیں تھیں۔

جب کہ اس کا خیال تھا کہ تھوڑی سی خفگی کے بعد وہ ہی ہیں جو ابا کو منانے میں اس کا ساتھ دیں گی۔

''میری خاطر ابا' میں نے تو کبھی آپ سے کچھ نہیں مانگا ویسے بھی کچھ دنوں کی تو بات ہے مسعود اسے لے کر واپس امریکہ چلا جائے گا وہ یہاں سے آپ کی دعائیں لے کر جائیں گی تو اس کی زندگی خوشیوں سے بھری رہے گی۔''

امی کی طرف سے مایوس ہو کر وہ خود سے بشارت صاحب کو منانے کی کوشش کر رہی تھی۔

ساری زندگی انہوں نے اپنے وضع کردہ اصولوں کے ساتھ گزاری تھی' لیکن وہ اولاد کی طرف سے آزمائش کا شکار ہوئے۔

اندر ہی اندر جو بیتی سو بیتی لیکن اوپر سے وہ آج بھی ویسے ہی تھے سخت اور بے لچک' کوئی ان سے بدلنے کی جھکنے کی توقع بھی نہیں کرتا تھا' مگر آج معاملہ نازی کا تھا وہ ان کے دل سے سب سے زیادہ قریب تھی۔

سب سے زیادہ فرمانبردار' سب سے زیادہ صابر گھر کیلئے دی گئی اس کی ایک ایک قربانی ان کے دل پر تحریر تھی۔

''ابا پلیز۔ میری خاطر۔''

انہوں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں پانی سا اتر رہا تھا۔ بشارت صاحب کے دل کو کچھ ہوا ہمیشہ اس نے ان کا کہا مانا' آج ایک بات وہ بھی مان لیتے تو کیا جاتا۔ مگر کیا یہ اتنا آسان تھا؟

انہوں نے تو آج تک نینی کو معاف نہیں کیا تھا جو دیا سے کہیں کم قصوار وار تھی۔ خود سری اس نے بھی دکھائی تھی لیکن اس کی سزا بھی وہ خاموشی سے بھگت رہی تھی' دیا نے تو حد ہی پار کر لی تھی۔

عین وقت پر عزت کی دھجیاں اڑانے میں کسر نہیں اٹھا رکھی تھی' اگر عمر اور نازی کی شادی نہ ہوتی اس وقت تو....؟

وہ اس کے آگے نہیں سوچنا چاہتے تھے۔

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر نازی کا سر اپنے کندھے سے لگایا' ہر ایک ہی زندگی کے کسی نہ کسی لمحے میں کمزور پڑتا ہے وہ بھی انسان ہی تھے۔ مگر اس بار فیصلے کا اختیار کوئی اور اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا۔

''دیا نہیں آئے گی اس گھر میں اور نازی تم کوئی رابطہ نہیں رکھو گی اس سے سمجھ میں آیا تمہاری۔''

امی کے لہجے میں اتنی سختی شاید ہی پہلے کبھی اس نے محسوس کی تھی۔

''اور دیا کو اب یہاں کیا لینے آنا ہے میں نہیں چاہتی کہ اب اس کا اور عمر کا سامنا ہو اور اتنی عقل تمہیں بھی ہونی چاہئے۔''

وہ نازی سے مخاطب تھیں۔ ''میں تو ہزار بار شکر کرتی ہوں کہ تمہیں عمر جیسا شوہر ملا اور اب کسی کو اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ تمہاری زندگی میں تلخی پیدا کرنے کا سبب بنے' بہت حق تلفیاں ہو چکیں اس گھر میں' مگر اب اور نہیں۔''

آج وہ صرف نازی کی ماں تھیں۔ بشارت صاحب اور سمیع دونوں ہی نے خود کو مسرت بھرے احساس میں گھرتا ہوا محسوس کیا۔

''جو تمہاری امی کی مرضی' آج سے میں نے سارے فیصلے ان ہی کے ہاتھ میں دے دیئے ہیں۔''

برسوں پرانے ایک بوجھ سے بشارت صاحب آزاد ہوئے تھے۔

''مجھے عمر کیلئے کوئی خاص ڈش بنانی ہے۔'' امی جھینپی سی مسکراہٹ کے ساتھ باہر نکل گئیں۔

☆☆☆...

شیریں بضد تھی کہ وہ ان کے ساتھ ہی کراچی واپس جائے گی۔

سجاد کی اسے سمجھانے کی ہر کوشش ناکام جا رہی تھی۔ ''میں فیصلہ کر چکی ہوں مجھے شہریار کے ساتھ نہیں رہنا ہے' ہم دونوں کی آپس میں ساری زندگی بھی انڈرسٹینڈنگ نہیں ہو سکتی۔'' گھما پھرا کر وہی ایک بات۔

سجاد کا دل چاہا کہ وہ سامنے والی دیوار سے ایک بار تو اپنا سر پھوڑ ہی لیں۔

''اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا تھا تو مجھے وہاں سے بلوانے کی کیا ضرورت تھی' آجاتیں اگلی فلائٹ پکڑ کر۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

چڑ کر اس بار انہوں نے یہی کہا تھا جس پر شیریں نے طنزیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ ''بہت کھلا ہے تمہیں یہاں آنا سجاد' ظاہر ہے میرے مسئلوں میں تمہیں دلچسپی بھی کیا ہو سکتی ہے؟ تمہارے دل نے دوسرے مشغلے جو ڈھونڈ لئے ہیں۔''

اس کا اشارہ جس طرف تھا وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے' مگر ایک بار پھر انہوں نے نظر انداز کیا۔

''میں صرف تمہیں مزید الجھنوں سے بچانا چاہ رہا ہوں' جو تمہاری ضد کے ہاتھوں پیدا ہو رہی ہیں۔''

''یہ الجھنیں میری ضد نے نہیں تم نے بخشی ہیں سجاد اور اس بات سے تم انکار نہیں کر سکتے۔''

ان کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے وہ بڑے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

''میں نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا ہے۔''

''لیکن اچھا بھی نہیں کیا میرے ساتھ۔''

''شہریار تمہاری اپنی خواہش تھے شیریں اور شادی سے پہلے تم لوگ ایک دوسرے سے کئی بار ملتے رہے ہو' یہ کوئی زبردستی کا سودا نہیں تھا۔''

سجاد نے شکر کیا تھا کہ آس پاس کی ٹیبلز پر اس وقت بہت کم لوگ تھے۔ وہ آج ہی یہاں پہنچے تھے اور اسی ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔

''یہ زبردستی کا ہی سودا تھا' ظاہر ہے جب تم صاف لفظوں میں کہہ چکے تھے کہ تم ثانیہ کو پسند کرتے ہو تو میرے پاس دوسرا کون سا راستہ رہ جاتا تھا۔''

ایک پرانی بات شیریں نے بروقت دہرائی۔

''پھراب اسی راستے کو کیوں کھوناچاہ رہی ہو' کم از کم کچھ تو ہے تمہاری زندگی میں' شوہر' گھر...''

شیریں بناء پلک جھپکے سجاد کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''جو چاہنے کے بعد بھی نہ مل سکے' اس کی تکلیف ساری عمر رہتی ہے سجاد' لیکن ان چاہی چیز کے ساتھ ساری عمر رہنا' اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے یہ بات میں نے اب جانی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ ہلکے سے محض اتناہی کہہ سکے۔شیریں کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوئی۔

''تمہیں نہیں معلوم ہوگا تو کسے معلوم ہوگا' اسی لئے تو تم نے بہت آسانی سے مجھے ٹھکرادیا۔''

''سنو شیریں۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے سجاد کسی حتمی نتیجے پر پہنچے تھے اب تک سارے گلے شکووں کو مستقل نظرانداز کرتے رہنا شاید ایک بڑی غلطی ہی تھی۔

''تم میرے لئے ہمیشہ بہت اچھی دوست رہیں' میرا خیال ہے آج تک کوئی بھی اس درجے تک نہیں پہنچا جس پر تم آج بھی ہو لیکن اس کے آگے میں نے کچھ نہیں سوچا تھا' تم بہت اچھی ہو کسی کیلئے بھی قابل فخر ساتھی لیکن...''

''اگر ثانیہ تمہاری زندگی میں نہ آتی تب تو تم میرے ہی بارے میں سوچتے' یہ تو مانوگے۔''

پورے یقین کے ساتھ وہ ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔''نہیں۔''

سجاد کا سر دھیرے سے نفی میں ہلا۔

''میرے حالات تب بھی اس کی اجازت نہیں دیتے شیریں' اگر مجھے تم سے شادی کرنی ہوتی تو میں کئی سال پہلے بھی کر سکتا تھا' لیکن میں بابا کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاسکتا تھا' نہ کل اور نہ آج' ہمارا خاندان آج کے دور میں بھی سو سال پہلے کی اقدار سینے سے لگا کر جینے میں ہی فخر سمجھتا ہے تم سے تو کچھ چھپا ہوا نہیں ہے شیریں' پھر بھی تم...''

اب ادھوری چھوڑ کر سجاد نے گلاس وال کے دوسری طرف دکھائی دیتے سبزہ زار پر نگاہ جمائی۔

اس بار شیریں سے کچھ بھی نہ کہا گیا۔

''تم مجھے بہت عزیز ہو اور میں نے ہمیشہ بہت دل سے تمہارے لئے سچی خوشیوں کی دعا کی ہے' مگر قسمت کا چکر دیکھو میں ہی تمہارے لئے تکلیف کا سبب بنا۔''

وہ اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے' لیکن اس دل توڑتی سچائی سے کسے انکار تھا' پہلی بار شیریں نے خود کو بہت چھوٹا پڑتا ہوا محسوس کیا۔

''کیسا جذبہ تھا جو اپنی ذات کے آگے کچھ بھی نہیں دیکھنے نہیں دیتا تھا' محض خود غرضی' جس کے ہاتھوں وہ اپنے سب سے اچھے دوست کو کھو چکی ہے' یا کھونے والی ہے۔''

ایک بے ساختہ سی گھبراہٹ کے ساتھ' اس نے سجاد کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''کیا ہوا؟شیریں کی حرکت اتنی اچانک تھی کہ سجاد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

شیریں نے اپنا ہاتھ ابھی بھی ان کے ہاتھ پر سے نہیں ہٹایا تھا۔وہ بہت غور سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جس نے ایک عمر کی تنہائی جھیلی تھی اور ایک عمر کی تنہائی جھیلنے کیلئے تیار تھا' بنا کسی سے شکوہ شکایت کئے۔

دوسروں کی خوشی پر اپنی زندگی نذر کر دینے والا اور اس کی خوشی کے بارے میں سوچنے کیلئے کوئی بھی تیار ہیں۔ ارد گرد سب ہی اپنی اپنی مصلحتوں کے شکار اپنے اپنے تحفظات۔

''سجاد کے بھائی بابا اور وہ خود۔''

''شیریں حسین۔''

کس منہ سے وہ خود کو سجاد کیلئے سب سے زیادہ پر خلوص ہونے کا دعویٰ چلی آئی ہے۔

اصل میں تو وہ بھی صرف اور صرف اسے پانے کی آرزو مند رہی ہے اور اس میں ناکامی کے بعد نہ وہ اسے معاف کر پائی اور نہ ہی ایک بار بھی اس نے سجاد کی زندگی آسان کی' کیا حق پہنچتا تھا اسے بھی یا کسی کو بھی کہ وہ سجاد کی زندگی کو اپنی خواہشات کے ساتھ نتھی کرے۔

کیوں نہیں' اسے اس کی زندگی جینے کیلئے آزاد کیا جاتا؟

کوئی اور نہیں' مگر کم از کم وہ خود تو... اس بار شیریں کی آنکھ شرمندگی کے بوجھ سے جھکی تھی۔ سجاد اس کی طویل خاموشی سے ہی پریشان ہو چکے تھے۔

''چلو اگر تم اصرار کرتی ہو تو میرے ساتھ ہی واپس چلو' مگر وہاں جا کر ٹھنڈے دل کے ساتھ اس مسئلے پر غور کرنا' شہریار برا نہیں ہے اس کا لائف سٹائل مختلف ہے' تم اتنی سمجھدار ہو کہ آہستہ آہستہ تھوڑا سا بدلاؤ تو لا ہی سکتی ہو۔ شیریں کی خاموشی سے ہی فائدہ اٹھا کر وہ اسے پھر سے سمجھا رہے تھے' مگر جب اپنی بات کہتے کہتے وہ ذرا سا رکے تو شیریں نے آہستہ سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

''تم ثانیہ سے شادی کر لو سجاد بہت کر لیا سب کا خیال' اب صرف اپنے بارے میں سوچو۔''

آج اس کے لبوں پر وہی مسکراہٹ تھی جو دور کہیں پیچھے رہ جانے والے زمانے کی یاد دلاتی تھی۔

مارے حیرت کے وہ مزید ایک لفظ بھی نہ بول پائے۔

''بابا' خاندان سب کو ایک طرف رکھ کر صرف اپنے دل کی سنو اور جو وہ کہے اس پر عمل کرنے میں اب مزید دیر نہیں کرو ورنہ خدا نہ کرے کہیں صرف پچھتاوا ہی رہ جائے۔''

اپنی بات کہتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

جو کچھ بھی وہ کہہ رہی تھی اس پر عمل کتنا بھی ناممکن سہی' مگر اتنا تو تھا کہ وہ اپنی سب سے اچھی دوست کو واپس لانے میں کامیاب ہو سکے تھے۔

ایک بھاری بوجھ' سجاد نے خود پر سے ہٹتا ہوا محسوس کیا تھا' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے بہت فخر سے شیریں کی طرف دیکھا۔

''میری فکر مت کرو میرے لئے تو یہ ہی بہت بڑی بات ہے کہ میں نے اپنی سب سے اچھی دوست کو واپس پا لیا ہے۔'' وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے لابی میں سے گزر رہے تھے۔

''کیسے فکر نہ کروں' ساری زندگی کیا یوں ہی اکیلے کاٹو گے' تم سے اچھا تو فیضی ہی رہا حالانکہ وہ اپنے قابل تک نہیں ہوا تھا' مگر دیکھو اس آج کل کی نسل کو اس کی خود غرضی ان کے اپنے لئے کتنی فائدہ مند ہے۔'' گاڑی تک پہنچنے تک وہ انہیں بولنے کا بالکل بھی موقع نہیں دے پائی تھی' سجاد مسکراتے ہوئے سننے لگے۔

''پھر اب چلنے کا پروگرام ہے یا نہیں؟''

”نہیں ابھی نہیں؟“

ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے شیریں نے پورے اعتماد سے سجاد کی طرف دیکھا۔ ”لیکن تم اب اگلی فلائٹ سے واپس جا رہے ہو اور میں کچھ دن بعد آئوں گی‘ تمہاری شادی کی تیاریوں میں حصہ لینے کیلئے۔“

”بے وقوفی کی باتیں مت کرو‘ سب کچھ اتنا آسان کہاں ہے؟“ وہ کچھ جھینپ سے گئے۔

”مشکل بھی نہیں ہے سجاد‘ بہت ہو گیا اب اپنا حق لو زندگی سے‘ میں خود بابا سے بات کروں گی‘ اگر تم نہیں کرتے۔ گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے شیریں نے کسی کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

سجاد نے پلٹ کر دیکھا۔

شہریار اپنی گاڑی سے اتر رہا تھا اور ایک شخص ان کے ساتھ بھی تھا‘ اتنی دور سے وہ اس کے تاثرات تو نہیں دیکھ سکے‘ مگر انہیں بابا کی بات یاد تھی۔ ”تم ان دونوں کے بیچ اختلاف کی وجہ مت بننا۔“

”اور شکر ہے کہ اب ایسا نہیں ہونے جا رہا تھا۔“ سجاد نے بہت اطمینان کے ساتھ سوچا۔

”جائو شہریار سے مل لو اور ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔“ گاڑی بڑھاتے ہوئے شیریں نے کہا تھا‘ وہ ان کا جواب سننے کیلئے نہیں رکی تھی اور یقیناً اب اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ بہت مطمئن ہو کر وہ شہریار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

...☆☆☆...

آج کی رات شاید اس گھر میں آخری رات تھی۔ باوجود کوشش کہ بھی وہ خود کو یقین دلانے میں ناکام تھی۔ پھر بھی رہ رہ کر خود کو ہمت دلاتی رہی۔

اماں کے پاس تخت پر لیٹے اس نے کتنی ہی کروٹیں بدل ڈالیں۔

اگر ایسا ہو گیا تو وہ پھر کبھی ان در و دیوار کو نہیں دیکھ سکے گی جہاں کی بیشتر یادیں تلخ سہی لیکن جمیل ماموں کا شفیق سایہ آج بھی آس پاس محسوس ہوتا تھا۔

آج اس نے ان کے کمرے کے کتنے ہی چکر لگائے تھے‘ ان کے پلنگ اور کرسی پر کتنی ہی بار بیٹھی اور کتنی ہی بار ان کی چیزوں کو چھوا۔

ماموں کے پڑھنے کا چشمہ ممانی سے نگاہ بچا کر اس نے آج ہی اپنے بیگ میں رکھا تھا۔

آج اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ یوں خاموشی سے اس گھر سے نکل جائے گی۔

”اور اگر وہ زندہ ہوتے تو ایسی نوبت ہی کیوں آتی۔“ کروٹ لے کر ثانیہ نے آسمان کی طرف دیکھا۔

ستاروں بھرا آسمان مسکرا رہا تھا۔ گہری ہوتی رات میں ستاروں کی روشنی اور بھی بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر اس کے گرد پھیلے اندھیرے دور کرنے میں ناکام۔“ کیا اس کے علاوہ بھی لوگ ہوں گے جو اتنے اکیلے ہوں گے؟“

اسے وہ سب یاد آئے جن کے ساتھ اپنائیت کا احساس بندھا تھا۔

”بینا باجی‘ فرح‘ نازی‘ بابا اور سجاد۔“

”دھت۔“

اس آخری نام پر اس نے سختی سے اپنی آنکھیں رگڑ کر خود کو سرزنش کی۔

کتنے ہی دن سے وہ آفس چھوڑے بیٹھی تھی دس گیارہ دن تو ہو ہی گئے تھے۔

مگر انہوں نے پلٹ کر پوچھا تک نہیں‘ آخر اسی مصروفیات میں سے وقت نکال کر اسلام آباد بھی تو چلے گئے۔ ذہنی رو کہ پھر سے بھٹکنا شروع ہونے سے پہلے ہی اس نے خود کو روک لیا۔

”ہاں‘ فرح ضرور کسی پریشانی میں تھی اور وہی ہے جو یہاں اس کا پتہ کرنے ضرور آئے گی۔“

یہ اسے یقین تھا۔ جہاں اسے فرحت آپا لے کر جانے والی تھیں‘ معلوم نہیں وہاں سے فرح سے رابطہ ممکن بھی ہو گا اور ہو گا بھی تو کتنے دن میں۔

ایک کے بعد ایک خیال۔

ان ہی سے بچنے کیلئے اس نے قریب رکھا چھوٹا کشن اٹھا کر اپنا چہرہ چھپایا‘ آنکھیں بند کر کے وہ سونے کی پوری کوشش کر رہی تھی تب ہی اسے ایسا لگا جیسے کوئی قریب سے گزرا ہے۔

خوف سے اس کا دل ہلکے سے کانپا۔

ذرا سا کشن ہٹا کر اس نے سامنے صحن میں دیکھا‘ لبنیٰ دبے قدموں سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھی۔

”کیا کرے وہ‘ کیا لبنیٰ کو خود روک لے یا ممانی کو اٹھائے۔“

وہ ٹھیک سے سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ لبنیٰ سیڑھیاں پار کر چکی تھی‘ تب ہی چھت پر کسی چیز کے گرنے کی آواز رات کے سناٹے میں بہت زور سے گونجی‘ ثانیہ کے منہ سے بے ساختہ ہی چیخ نکل گئی۔

...☆☆☆...

”کیا ہوا‘ کیا ہوا بیٹا؟“

اماں سے نقاہت کی وجہ سے فوری طور پر اٹھا تو نہیں گیا لیکن ان کی آنکھ فوراً ہی کھلی تھی تب ہی دوسرے لمحے ممانی کے کمرے کا دروازہ ایک آواز کے ساتھ کھلا۔

”کیا ہوا‘ کیسی آواز تھی۔“

گہری نیند میں سے اٹھنے کی وجہ سے ان کی آنکھیں پوری طرح نہیں کھل پا رہی تھیں۔

”وہ... وہ لبنیٰ۔“

ثانیہ نے اٹکتے ہوئے صاف ہاتھ سے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا تھا کہ وہ حیرت انگیز تیزی کے ساتھ اس طرف لپکیں۔

ثانیہ نے شاید ہی کبھی انہیں اتنی پھرتی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔

خود اس کی تو یہ حالت تھی کہ اب تک خوف کے مارے وہ کھڑی تک نہیں ہو سکی تھی۔

اوپر کوئی اور شخص بھی تھا۔

کوئی چور یا پھر...

”کہیں کسی نے لبنیٰ کو مار تو نہیں ڈالا۔“

پے درپے آتے خیالات۔

چند لمحوں کیلئے تو وہ اپنے سر پر آئی مصیبت کو بھی بھول سی گئی' ساری ہمت اکٹھی کر کے جب وہ برآمدے میں کھڑی ممانی کے پیچھے اوپر جانے کا ارادہ کر رہی تھی تب ہی وہ اسے نیچے آتی دکھائی دیں۔

لبنٰی کو تقریباً گھسیٹتی ہوئی وہ اسے سیڑھیوں سے نیچے لا رہی تھیں۔ جب تک وہ صحن میں آئیں ثانیہ برآمدے کی لائٹ جلا چکی تھی۔

لبنٰی کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ بکھرے ہوئے بال دوپٹہ ندارد اور لباس قدرے مسلا ہوا۔

''بند کرو یہ لائٹ۔''

ممانی اب تک ایک لفظ نہیں بولی تھیں' مگر لائٹ جلتے ہی ثانیہ کی طرف دیکھ کر غرائیں' وہ گھبرا کر جلدی سے لائٹ بجھا چکی تھی۔ لبنٰی کو اسی طرح کھینچتے ہوئے وہ بعد میں اپنے کمرے میں چلی گئیں اور پیچھے دروازہ کھٹاک سے بند۔

وہ ہر دم چیختی چلاتی ان دونوں عورتوں کی یہ خاموشی حیرت انگیز تھی۔

''کیا دیکھا تھا ممانی نے چھت پر۔''

نہ توصیف سے لبنٰی کی ملاقاتیں چھپی ہوئی تھیں اور نہ ہی لبنٰی کی ڈھٹائی ہی۔ دونوں ماں بیٹی میں اس بات کو لے کر کتنی ہی جنگیں ہو چکی تھیں۔

مگر آج بات معمول سے ہٹ کر تھی۔

ممانی نے ''رننگ کمنٹری'' کے بجائے خاموشی کو ترجیح دی تھی۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے ثانیہ واپس اماں کے پاس آ بیٹھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ کچھ پوچھنا چاہ رہی تھیں۔

''کوئی خاص بات نہیں اماں' اوپر کچھ گر گیا تھا' اسی کی آواز تھی۔'' نرمی سے کہتے ہوئے اس نے اماں کو واپس لٹایا اور پھر خود بھی ان کے برابر ہی لیٹ گئی۔

ابھی آدھی رات باقی تھی۔ آنے والا سویرا اسے یہاں سے بہت دور لے جانے والا تھا۔

وہ جیسے واپس حال میں آئی۔

کیسی عجیب بات تھی کہ وہ فرحت آپا کو ٹھیک سے جانتی بھی نہیں تھی لیکن اس وقت وہی تھیں جو نجات دہندہ تھیں اور وہ جو اپنائیت کا سب سے بڑا استعارہ تھے کسی اور کا دکھ بٹانے میں مگن۔

ثانیہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

''وہ کہیں بھی چلی جائے اور وقت کتنا ہی گزر جائے اس ایک نام کو وہ تا زندگی نہیں بھلا سکے گی۔

یہ قطعی طے شدہ بات تھی۔

...☆☆☆...

نازی کچھ خاموش سی تھی۔

عمر نے اس کی خاموشی تو وہیں بشارت صاحب کے گھر ہی پر کر لی نوٹ تھی لیکن وہاں پر جان بوجھ کر نظر انداز کیا تھا' واپسی پر البتہ اس نے ضرور وجہ جاننے کی کوشش کی' مگر وہ صاف صاف ٹال گئی۔

''کچھ بھی نہیں' بس یوں ہی تھکان سی ہے۔''

اب تک یہ دوسری بار تھا جب وہ اس کی بات کا کوئی واضح جواب دینے سے ہچکچائی تھی' عمر کو تھوڑا سا برا تو لگا۔

سہ پہر کو جب وہ لوگ گھر سے نکلے تھے تب بھی اسے نازی کچھ فکر مند سی محسوس ہوئی تھی اور اس وقت اور بھی زیادہ۔

وہاں بشارت صاحب کے ہاں کا ماحول اتنا نارمل اور خوشگوار تھا کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ نازی کی ٹینشن کا تعلق وہاں سے ہے۔

امی' ابا' سمیع' عمر کو صحیح معنوں میں تو ابھی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ سب اس سے کتنی محبت کرتے ہیں خاص طور پر نازی کی امی' جن کے بارے میں اس کی پچھلی رائے کچھ اتنی خوشگوار بھی نہیں تھی اب ایک بالکل ہی مختلف شخصیت محسوس ہوتی تھیں۔

جس طرح وہ اس کی آئو بھگت کی فکر کرتی تھیں عمر کو خود پر کسی VVIP شخصیت کا شبہ خود بخود ہونے لگا تھا۔

''پھر کیا تھا جو نازی جیسی نرم خو اور صلح پسند لڑکی کو مضطرب کئے ہوئے تھا۔''

کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر اپنے شبے کو یقین میں بدلتے ہوئے پایا' وہ اب بھی کسی گہری سوچ میں تھی' عمر بمشکل ہی خود کو ایک بار پھر کچھ پوچھنے سے روک پایا۔

''کیا فائدہ وہ پھر سے تردید کر دیتی۔''

کسی کسی وقت تو ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس کے اور اپنے بیچ کے فاصلے کو خود ہی کم کرنا نہیں چاہتی۔

وہ اس کی ہر ضرورت کا دھیان رکھتی۔

نانی کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی۔

کوئی گھر آتا تو اس کی خوش اخلاقی اور مہمان نوازی کی تعریف کئے بناء نہیں رہ پاتا۔

لیکن پھر بھی ایک ان دیکھی دیوار تھی جو بیچ میں سے گرنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''بنیاد اٹھانے والا بے شک وہ خود تھا لیکن اسے برقرار رکھنے میں نازی بھی شریک تھی۔''

تھوڑا سا خفا خفا' وہ اس حتمی نتیجے پر پہنچ رہا تھا بقیہ رستہ خاموشی سے کٹا۔

آج نانی وہیں فرح کے ساتھ تھیں' اس سے گھر کا سناٹا اور بھی گہرا لگ رہا تھا وہ ہوتی تھیں تو سوال جواب کا ایک سلسلہ تو چلتا ہی رہتا تھا۔

نازی آتے ہی سیدھے کپڑے بدلنے چلی گئی تھی' بے دلی کے ساتھ ٹی وی کھول کر عمر صوفے پر نیم دراز ہوا ہی تھا کہ فون بجنا شروع ہوا۔

''نازی سے بات کروا دیں۔''

نہ دعا نہ سلام' دوسری طرف سے فوری فرمائش تھی عمر نے ہولڈ کروا کر نازی کو آواز دی تو وہ تھوڑی حیران سی ہوئی' کمرے سے باہر آئی۔

''اس وقت کس کا فون آگیا' ہاسپٹل سے تو نہیں ہے۔'' فوری طور پر اس کا ذہن فرح کی امی کی طرف ہی گیا۔

''نہیں' وہاں سے نہیں ہے' کوئی تمہاری جاننے والی ہیں۔'' عمر نفی میں سر ہلاتا ہوا دوبارہ اپنی جا بیٹھا۔

نازی فون اٹھا چکی تھی۔

''سوئیں تو نہیں تھیں ابھی۔''

دوسری طرف سے اسماء پھوپھو پوچھ رہی تھیں۔

ایک دبی دبی سی سانس نازی کے ہونٹوں سے آزاد ہوئی۔

''ابھی ابھی گھر پہنچی ہوں پھوپھو۔'' اس نے آواز دانستہ نیچی کی تھی۔

''کھانے پر روکا ہو گا بھابی نے۔''

''جی۔''

''ہمیں تو مدتیں گزر گئیں ان کے ہاتھ کا کھانا کھائے ہوئے اب تو وہ شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں ہیں ہماری۔''

دوسری طرف موجود اسماء پھوپھو کو بے اختیار ہی وہ سنہرے دن یاد آئے جب دیا اور مسعود کی دھوم دھام سے کی جانے والی منگنی برقرار تھی اور بشارت صاحب کے ہاں انہیں بڑا خصوصی پروٹوکول حاصل رہتا تھا۔

پہلے جیسا وقت ہوتا تو نازی بھی شاید انہیں فوراً ہی پرجوش دعوت دے ڈالتی' مگر اب بہت کچھ بدل چکا تھا۔

''فون عمر نے اٹھایا تھا؟'' یادِ ماضی سے پیچھا چھڑا کر وہ حال میں آئیں۔

''جی۔''

''اسے مت بتانا میرے بارے میں معلوم نہیں کیا سوچے گا۔''

گو وہ خود عمر سے ہر بات کہنا مناسب نہیں سمجھتی تھی' مگر پھر بھی اسماء پھوپھو کی بات اسے عجیب سی لگی۔

''اچھا' پھر تم نے بات تو کر لی نا بشارت بھائی اور بھابی سے دیا کے بارے میں؟''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

ان کے لہجے کی بے قراری نازی نے بخوبی محسوس کی' آج سارا دن شاید انہوں نے اس کا جواب سننے کیلئے بے تابی سے انتظار کیا تھا۔

''میں نے کہا تھا ان سے....۔''

''مجھے پتہ تھا کہ تم ضرور دیا کی سفارش کرو گی ان کے سامنے' کرن بھی چاہے' بڑی بہن ہو اس کی اور وہاں گھر میں تمہاری چلتی بھی ہے' بشارت بھائی تو ہمیشہ سے ہی وہ کرتے ہیں جو تم کہتی ہو اور اب تو سنا ہے بھابی بھی تمہارے ہی گن گاتی ہیں۔''

نازی کو ان کا انداز عجیب سا تو اس وقت بھی لگا تھا جب ان کا پہلا فون آیا تھا اب اور بھی تصدیق ہو رہی تھی۔

اسماء پھوپھو واقعی بدل گئی تھیں۔

ان کا شفیق اور معاملہ فہم انداز کھو سا رہا تھا' معلوم نہیں اس بدلاؤ کے پیچھے کون...؟

''آپ کو کیسے پتہ کہ امی بھی میری ہی بات ماننے لگی ہیں؟'' عمر کی طرف ایک نگاہ ڈالتے ہوئے وہ کارڈلیس لے کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

''دیا کہہ رہی تھی کہ امی اب نازی آپا کے علاوہ کسی کا نام سنا بھی گوارا نہیں کرتیں' خیر اس سے مجھے کیا لینا دینا۔'' اپنی بات کہہ کے وہ پل بھر کیلئے رکیں۔

نازی کو لگا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہیں۔ دیا اس کے بارے میں ایسی الٹی سیدھی بات کیوں کرے گی' وہ بھی جبکہ وہ اپنی سب سے بڑی خوشی کو پانے میں کامیاب ہو رہی تھی۔

''بتائو پھر' میں دیا اور مسعود کو لے کر وہاں کب جائوں۔ اسماء پھوپھو اتنی پر یقین تھیں کہ نازی کو صاف جواب دینے میں دقت کا سامنا ہو رہا تھا۔

''وہ نہیں مان رہے ہیں' ابھی تھوڑی دیر تو اور لگے گی ہی پھوپھو' اصل میں....۔''

''کتنی دیر اور مسعود کوئی یہاں بیٹھا تھوڑی رہے گا' واپس امریکہ چلا جائے گا ایک آدھ مہینے میں' عجیب ماں باپ ہیں بجائے بیٹی کی خوشی میں خوش ہونے کے الٹا اس کیلئے مصیبتیں کھڑی کرنے پر تلے ہیں۔''

وہ طیش میں آچکی تھیں۔

نازی کو ان کے غصے سے زیادہ ان کا آخری جملہ کھٹکا۔ ''کیسی مصیبت پھوپھو' دیا ٹھیک تو ہے نا۔''

''کیا ٹھیک ہے جس لڑکی کو کوئی آگے پیچھے پوچھنے والا ہی نہ ہو اس کی کیا عزت رہ جاتی ہے شوہر یا سسرال کی نگاہ میں اب تو تمہیں بھی اندازہ ہو گیا ہو گا۔''

''آپ کا گھر صرف سسرال نہیں ہے دیا کیلئے اور مسعود تو اس سے بہت محبت کرتا ہے پھوپھو۔''

وہ اپنے کمرے میں اکیلی تھی' سو اب آسانی سے بات کر رہی تھی۔

'' ہر رشتہ وقت کے ساتھ بدلتا ہے' جب ماں باپ' بہن بھائی بدل سکتے ہیں تو پھر کسی اور کا کیا اعتبار' برا مت ماننا نازی تمہارے ہاں بیٹیوں کو بوجھ کی طرح اتار پھینکنے کا رواج پڑ چکا ہے' پہلے نینی اور اب دیا رہ گئیں تم تو تمہاری قسمت اچھی تھی جو دیا کے انکار پر عمر تمہارے حصے....۔''

ساری مروت بالائے طاق رکھ کر اسماء پھوپھو بولتی ہی چلی جا رہی تھیں۔

پر اس کیلئے مزید سنتے رہنا مشکل تر ہو رہا تھا' بناء کوئی لفظ کہے اس نے فون آف کیا۔

دل اتنا برا ہو رہا تھا کہ اب باہر لائونج میں جانے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی' لائٹ آف کر کے وہ چپ چاپ بستر پر آلیٹی۔

عمر خاصی دیر بعد کمرے میں آیا تھا' اس کا خیال تھا کہ نازی سو چکی ہے' مگر جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ وہ غلط ہے۔

نیم اندھیرے کمرے میں جب آنکھیں ماحول سے مانوس ہوئیں تو اسے نازی کے وجود میں ہوتی خفیف سی لرزش صاف دکھائی دی تھی' دوسری طرف کروٹ لئے وہ بے آواز انداز میں یقیناً رو رہی تھی۔

عمر کی ساری خفگی پل بھر میں ہوا ہوئی۔

''کیا ضروری ہے کہ وہ اس سے پریشانی کی وجہ جاننے پر اصرار کرے' بناء کچھ جانے بھی تو وہ اس کی تکلیف کو شیئر کر سکتا ہے۔''

اس کا ہاتھ دھیرے سے نازی کے بالوں پر جا ٹھہرا....۔''

صبح حسب معمول وہ عمر سے پہلے اٹھی تھی' ہر شے نکھری نکھری' شاداب۔

اور خود دل پر گزشتہ رات والی اسماء پھوپھو کی ناگوار باتوں کا ہلکا سا بھی ملال نہیں۔

عمر چاہے دیا کی مہربانی سے اس کی زندگی میں آیا تھا یا پھر قسمت کے کسی خوبصورت اتفاق سے' آج اس وقت وہ کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی' یاد رکھنا تھا تو بس اس کی نرمی اور خلوص کو' عمر کو اٹھاتی ہوئی وہ کچن میں ناشتہ بنانے کیلئے چلی آئی۔

عمر جب تیار ہو کر باہر آیا تو وہ لاؤنج کی چھوٹی سی میز پر اس کی منتظر تھی۔

''السلام علیکم۔''

بلند آواز میں کہتے ہوئے عمر نے دلچسپی سے نازی کے چہرے پر پھیلتے خوبصورت رنگوں کو دیکھا۔

وہ کچھ شرما سی گئی۔

''ناشتہ کریں۔'' پلیٹ آگے سرکاتے ہوئے اس نے عمر کی توجہ دوسری طرف کرنا چاہی تو وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔

''کبھی تو کام کی بات کے علاوہ بھی کوئی اور بات کیا کرو۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً یہ کہ آج اس نئی شرٹ میں میں کتنا سمارٹ دکھ رہا ہوں یا پھر تمہیں کہیں شاپنگ پر چلنا ہے یا میں آفس سے جلدی گھر آیا کروں یا پھر....''

اس کی گردان لمبی ہونے لگی تو نازی نے بے ساختہ ہی ہاتھ جوڑے۔

''بس بھی کر دیں اب۔''

عمر نے بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھا اس کی ہر ہر ادا میں سادگی تھی اور اس سادگی میں بڑی انوکھی دلکشی تھی۔

''میں گرم چائے لے کر آتی ہوں۔''

شاید وہ اس کی نگاہوں سے ہی بوکھلا کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور عمر کو مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر تیزی سے کچن کی طرف چلی گئی۔

عمر کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔

اسے خوش اور ریلیکس دیکھنا بہت ہی اچھا لگ رہا تھا۔ اتنا کہ اسے خود بھی حیرت ہو رہی تھی۔

''کیا وہ دیا کو بھول رہا تھا؟''

اپنے آگے کھڑے ایک بڑے سارے سوالیہ نشان کا جواب اس نے بہت اطمینان سے ڈھونڈنا چاہا اور عجیب سی بات تھی کہ پہلی بار نہ دیا کے نام سے اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی اور نہ ہی نارسائی کی تکلیف کا وہ احساس پیدا ہوا جو کسی طور پر چین نہیں لینے دیتا تھا۔

وقت کی رفوگری' بڑے غیر محسوس انداز میں اپنا کام کر رہی تھی۔

نازی آئی تو وہ اسی پوزیشن میں بیٹھا ہوا ملا۔

''سارا ناشتہ ٹھنڈا کر دیا آپ نے' میں گرم کر کے...''

''کوئی ضرورت نہیں۔'' عمر نے نازی کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما۔ ''بیٹھ کر آرام سے ناشتہ کرو' ہر وقت میری فکر میں مت رہا کرو' نانی کیا کم ہیں میری عادتیں بگاڑنے کیلئے کہ تم نے بھی ان ہی کی لائنیں پکڑ لی ہے۔''

وہ اسے اپنے ساتھ والی کرسی پر بٹھا چکا تھا۔

''آپ ہی تو کہتے ہیں کہ میرے سامنے ٹھنڈا کھانا مت رکھا کرو۔''

بے اختیار ہی وہ اسے یاد دلا گئی' جب نانی کے ٹوکنے کے باوجود وہ اسے دس بار کچھ نہ کچھ گرم کرنے کیلئے میز پر سے اٹھاتا تھا۔

''ہاں کہہ تو رہا ہوں کہ بگڑی ہوئی عادت ہے میری' کم از کم تمہیں تو مجھے ٹھیک کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔''

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نازی نے اپنی کلائی اس کے ہاتھ سے چھڑائی۔ ''بگڑے ہوئے آسانی سے کہاں ٹھیک ہوتے ہیں۔''

''سب ہو جاتے ہیں' بس خلوص سے کوشش شرط ہے۔''

لاپروائی سے کہتے ہوئے وہ اسی ٹھنڈے ناشتے کو بہت آرام سے کھا رہا تھا۔

تب ہی نازی کو کچھ یاد آیا۔

''سوری' کل میں تھوڑی پریشان تھی' اسی لئے...

شاید آپ کو برا بھی لگا ہو۔''

آج صبح سے کئی بار اسے اپنے روّیے کی خرابی کا احساس ہوا تھا' جب عمر کے بار بار پوچھنے پر بھی وہ ٹھیک سے بات بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

''کوئی برا ورا نہیں لگا مجھے' لیکن میں تمہیں پریشان نہیں دیکھنا چاہتا ہوں بس اصل بات اتنی سی ہے۔''

اس سادہ سے جملے میں چھپے گہرے خلوص نے نازی کے دل کو کہیں اندر اتر کر چھوا تھا۔

چند لمحوں کیلئے تو وہ بالکل خاموش سی ہوئی' عمر نے کل رات سے ایک بار بھی اپنا سوال نہیں دہرایا تھا' یہاں تک کہ اس نے اس فون کی بابت پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔

لیکن نازی کو اپنی شرمندگی دور کرنے کیلئے ایسا ہی کرنا بہتر لگا۔ ''کل دن میں اسماء پھوپھو کا فون آیا تھا اور رات میں بھی ان ہی کا تھا۔''

''ہوں۔'' وہ فوراً ہی سمجھ چکا تھا کہ نازی اسے کچھ بتانے سے کیوں گریزاں تھی۔ ''کوئی خاص بات۔''

پوری کوشش کے ساتھ اس نے اپنے لہجے کو سرسری سا ہی رکھا تھا۔

''وہ چاہتی ہیں کہ دیا کو امی ابا معاف کر دیں' اس کا گھر میں آنا جانا شروع ہو جائے۔''

معلوم نہیں دیا کا عمر کے سامنے ذکر چھیڑ کر وہ صحیح کر رہی تھی یا غلط۔

بہت ڈرتے ڈرتے اس نے عمر کے تاثرات میں کسی تبدیلی کو نوٹ کرنا چاہا' مگر حیرت انگیز طور پر وہاں ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔

''تم سے کیا چاہتی ہیں وہ اس سلسلے میں۔''

''وہ چاہ رہی تھیں کہ میں ان لوگوں کو مناؤں' ان کا خیال ہے کہ گھر والے میری بات مانتے ہیں تو...''

دھیرے دھیرے وہ حوصلہ پاتی جا رہی تھی۔

عمر نے ایک بار بھی بیچ میں نہیں ٹوکا اور جب وہ خاموش ہوئی تو بہت نرمی کے ساتھ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''تم جو بہتر سمجھو کرو لیکن ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے' خاص طور پر میری وجہ سے۔'' وہ ذرا سا رکا۔

نازی نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنے اور دیا کے حوالے سے کچھ کہے لیکن شاید عمر کیلئے ایسا کرنا ضروری تھا۔

"ہماری شادی کے اگلے دن بھی میں نے تم سے کہا تھا کہ دیا کیلئے میری خواہش کتنی بھی شدید سہی لیکن مجھے حقیقت کا سامنا کرنا آتا ہے' بس مجھے تھوڑا سا وقت چاہئے تھا' حالات سے خود کو مانوس کرنے کیلئے اور میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے وہ وقت مجھے دیا ورنہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید کب کی یہ گھر چھوڑ کر جا چکی ہوتی۔"

وہ اعتراف کر رہا تھا۔

"کوئی اظہار محبت نہیں' کوئی بلند و بانگ دعویٰ بھی نہیں' لیکن نازی کو لگا کہ جیسے وہ دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہے۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ سب سے پہلے ہمیں ایک دوسرے کا سب سے اچھا دوست بننا ہے اور آج میں بہت خوش ہوں کہ تم نے اپنے دوست کے ساتھ پریشانی کو شیئر کیا۔"

شکر گزاری کا ایک آنسو جو نازی کی آنکھ کے کونے پر ٹکا تھا عمر نے انگلی کی پور سے صاف کیا تو وہ مسکرا دی۔

"اور جب وہ مسکراتی ہوئی تو اس کے چہرے کا ہر نقش مسکراتا ہے۔" یہ احساس عمر کو اس وقت بھی ہوتا تھا جب وہ دیا کا غم منانے میں مصروف تھا اب اور بھی زیادہ۔

"آج بہت دیر کرا دی ہے تم نے' سجاد بھائی کی تو خیر ہے لیکن مجھے بابا کے پاس جانا ہے پہلے اور وہ میری ضرور ہی خبر لے ڈالیں گے۔" تھوڑا سا ہڑبڑا کر اس نے والٹ فون اور چابیاں اٹھائیں اور خدا حافظ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ پیچھے نازی کیلئے سکون کا گہرا احساس رہ گیا تھا۔

...☆☆☆...

صبح سے یہ چھٹی بار تھا جو وہ پھر آئینے کے سامنے کھڑے تھے۔

وارڈ روب میں سے کچھ نکالتی ہوئی فرحت نے ایک گہری نگاہ وحید پر ڈالی۔

ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑے وہ بڑے اشتیاق سے خود میں مصروف تھے۔

جمائے بالوں میں پھر سے برش' پرفیوم کا خود پر بار بار سپرے اور چہرے پر خوشی کا گہرا ہوتا رنگ لیکن کچھ بھی تو ان کے رعونت بھرے کرخت چہرے کو ذرا سی بھی نرمی بخشنے میں مددگار ثابت نہیں ہو رہا تھا۔

آنکھوں میں وہی دل ہلا دینے والی وحشت اور تیور میں سے جھانکتی ازلی مکاری۔

فرحت کو اب تو یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اسے ان سے نفرت کرتے ہوئے کتنا طویل عرصہ گزر چکا تھا' اسے آلۂ کار بنا کر وہ لالچ اور خود غرضی کے کتنے کھیل کھیل چکے تھے۔

بابا اور سجاد سے مستقل پیسے کی وصولی۔ "رحمت منزل اور دوسری جائیداد پر زبردستی کے قبضے اور ایک نہ ختم ہونے والی بدمزاجی اور بدسلوکی۔

اس کے علاوہ بھی ایک بہت لمبی لسٹ تھی ان کے پاس وحید کے کارناموں کی' جن کا شکار وہ اور ان کا خاندان آج تک ہوتا رہا اور شاید آگے بھی ہوتا رہے گا' کیونکہ وہ سب وحید کے آگے کسی نہ کسی صورت مجبور ہیں۔" کیا دیکھ رہی ہو بہت اچھا لگ رہا ہوں کیا؟"

"ہاں۔" فرحت نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"تمہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم میری بیوی ہو سکتی ہو' بہت جلد تم نے اپنا سارا رنگ روپ کھو دیا' حالانکہ چھوٹی ہو مجھ سے لیکن ایمانداری سے بتاؤ اب مجھ سے کہیں بڑی لگتی ہو یا نہیں۔"

آج ان کا موڈ اچھا تھا اسی لئے یہ کڑوی باتیں بھی بہت مسکراتے ہوئے اور سہولت کے ساتھ کر رہے تھے' ورنہ یہ ہی فقرے وہ غصے بھری اونچی آواز میں دہرایا کرتے تھے چاہے سامعین میں' خود فرحت کے علاوہ اور بھی کتنے لوگ موجود ہیں۔

ان کی بلا سے۔

وہ اتنی عادی ہو چکی تھیں کہ اب تبصرے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی تھیں۔

''کہیں جا رہی ہو کیا۔''

''ہوں ذرا بازار تک۔''

''ضرور جاؤ اچھی بات ہے دل بھی بہلتا ہے اور آج کل تو لگ رہا ہے کہ بابا اور سجاد نے کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی تمہیں پیسے دینے میں۔''

وہ دل سے یہی چاہتے تھے کہ فرحت کسی دوسری طرف ہی مصروف رہیں' لیکن طنز کئے بغیر وہ شاید رہ ہی نہیں سکتے تھے۔

فرحت نے کمرے سے نکلتے ہوئے ذرا رک کر مڑ کر وحید کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو بابا اور سجاد نے واقعی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے' کیونکہ انہیں پتہ ہے کہ میری قسمت میں شوہر کی کمائی تو ہے ہی نہیں۔''

اپنی بات کہہ کر وہ ان کا جواب سننے کیلئے رکی بھی نہیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

وحید پیچ و تاب کھا کر کچھ کہنے کیلئے آگے بڑھ ہی رہے تھے کہ ان کے موبائل کی بیل ہوئی۔

''کہاں مرا ہوا ہے بدبخت' کل سے کوئی اتہ پتہ نہیں سب کے سب نمک حرام' پیسہ دیئے جاؤ بس۔' کام کے وقت موت آتی ہے سب کو۔''

فون اٹھاتے ہی وہ بری طرح دھاڑے۔

دوسری طرف وہی شخص تھا جسے انہوں نے جمیل ماموں کے گھر کی نگرانی پر مقرر کیا تھا۔

معلوم نہیں وہ اپنی صفائی میں کیا جواز پیش کر رہا تھا لیکن وحید کی دلچسپی کسی اور بات میں تھی۔

''پتہ کیا' کوئی آیا تو نہیں تھا وہاں گاڑی میں دن کے وقت' تمہاری غیر موجودگی میں۔''

''آیا تھا وحید صاحب بلکہ آئی تھی سامنے والے دکاندار کو پابند کر کے گیا تھا میں اس کی رپورٹ ہے کل تقریباً بارہ اور ایک بجے کے درمیان ایک خاتون آئی تھی بڑی سی گاڑی میں' وہ تھوڑی دیر رکی بھی تھی اس گھر میں۔''

''کیا؟''

وہ ہرگز بھی اتنے شاکڈ نہ ہوتے اگر ممانی نے کل فوری طور پر وہاں کسی کی بھی آمد سے صاف انکار نہ کیا ہوتا۔

''یہاں کون آئے گا گاڑیوں میں ہمارے ہاں تو سب سے بڑھ کر آپ ہی....''

وحید کے کانوں میں وہ خوشامد بھرے فقرے گونج رہے تھے جو ممانی کے لبوں سے وقتاً فوقتاً ادا ہوتے رہے تھے۔

گاڑی کا ماڈل' کلر' سب کچھ وہی تھا اور بابا کے آس کی یہ گاڑی استعمال کرنے والی خاتون کو پہچاننے میں انہیں کسی بھی دقت کا سامنا نہیں تھا۔

پلک جھپکتے میں سارا منظر واضح ہو کر سامنے آ چکا تھا۔

مگر بے حد ناقابل یقین۔

فون بند کرنے کے بعد بھی وحید چند منٹ وہیں کھڑے رہ گئے تھے۔

کیسی عجیب بات تھی۔

اتنی سمجھداری سے سیٹ کئے اس سارے کھیل میں وہ بینا کو فراموش کرنے کی غلطی کر چکے تھے۔

حالانکہ وہی تھی، جسے انہوں نے سب سے پہلے اپنی راہ سے ہٹایا تھا، سب سے بڑا خطرہ سمجھ کر مگر اب وہ واپس آ چکی تھی اور کیسے ممکن تھا کہ وہ فرحت کو سارے حالات سے آگاہ نہ کرتی۔

''اور یہ بے وقوف عورت۔'' انہوں نے نفرت بھری نگاہ سے اس طرف دیکھا، جس طرف فرحت گئی تھیں۔

''ہوشیاری کرنے چلی ہے مجھ سے، پتہ نہیں کیا پلاننگ ہے اس کی، معلوم تو کرنا پڑے گا کہیں اس عورت کو زیادہ پیسے تو نہیں پکڑا دیئے تاکہ وہ عین وقت پر لڑکی کو لے کر غائب ہو جائے۔''

ان کی مجرمانہ ذہنیت ملے جلے امکانات سامنے لا رہی تھی اور اب اتنا آگے آ کر وہ کسی کو بھی اجازت نہیں دے سکتے تھے کہ وہ اس بنے بنائے کھیل کو بگاڑے۔

''ثانیہ۔''

وہ دل کش چہرہ نگاہوں سے ہٹتا ہی نہیں تھا۔''

پہلی بار بینا اور آفتاب کے گھر جب اسے دیکھا تھا ان کی بدنیتی تب ہی سے مجبور کئے ہوئے تھی۔

اتنا مجبور کہ وہ پوری پلاننگ کے ساتھ یہ گھناؤنا کھیل کھیلے تھے۔

راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنے میں نچلی سے بھی نچلی سطح پر اترنا ان کے بائیں ہاتھ کا کام تھا اور ثانیہ کی بے بسی اور بے وارثی ان کیلئے خوش قسمتی کا استعارہ ٹھہری تھی۔ زیادہ تردد بھی نہیں کرنا پڑا۔

محض کچھ پیسے خرچ کر کے وہ ثانیہ کی صورت ایک من پسند کھلونا خریدنے میں کامیاب ہو رہے تھے۔

گھر سے باہر نکلنے سے پہلے انہوں نے کھڑے کھڑے کچھ فوری فیصلے کئے۔

فرحت آپا نے ان کی گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز سنی تو وہ چونک کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئیں۔

''یہ اچانک وہ کہاں چل پڑے تھے؟''

انہوں نے آواز دے کر روکنا چاہا تھا، مگر وہ گاڑی کو گھر سے نکالتے ہی چلے گئے۔

فرحت نے بے اختیار ہی گھڑی کی طرف دیکھا سوا گیارہ بجے تھے۔ ثانیہ کو انہوں نے جو وقت دیا تھا اب دور نہیں رہ گیا تھا۔ بچے سکول سے اڑھائی، تین کے درمیان آتے تھے۔

حالات ایسے ہی سازگار رہتے جیسے انہوں نے سوچے تھے تو اتنی دیر میں وہ ثانیہ کو وہاں سے بخیر و خوبی جب تک نکال کر لا سکتی تھیں۔

فرحت کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

پہلی بار وہ پوری جرأت کے ساتھ وحید کے آگے کھڑی تھیں اور یہاں بھی اہمیت اسے نیچا دکھانے کے بجائے ثانیہ کو بچانے کی تھی۔

وہ ہر قیمت پر اسے وحید جیسے شیطان سے بچانے کا تہیہ کر چکی تھیں۔

"برائی کی طاقت بظاہر کتنی بھی ناقابل شکست کیوں نہ نظر آتی ہو ایک چھوٹی سی نیکی کے آگے بھی ٹھہرنے کی تاب نہیں لاسکتی' یاد رکھنا بہت گھنے گہرے اندھیرے کو روشنی کی چھوٹی سی کرن ختم کر دیتی ہے' اصل چیز وہ حوصلہ ہے جو یہ کرن روشن کرنے کا سبب بنتا ہے۔"

محض چند دن پہلے جب وہ بابا سے ملنے گئی تھیں تو انہوں نے کسی بات پر انہیں کہتے سنا تھا۔

تب ہی انہوں نے یہ جنگ خود لڑنے کا فیصلہ کیا تھا' ثانیہ اور اماں کو یہاں سے نکال کر سیدھا رحمت منزل لے جانے کا پروگرام تھا' وہاں کسی بھی خالی فلیٹ میں بآسانی وہ لوگ رہ سکتی تھیں' پورے شہر میں ایک ہی جگہ تھی جہاں وحید کا داخلہ قطعی ممنوع تھا۔

"غصہ' معافی' دھمکی۔۔

وحید نے ہر حربہ آزمایا اور ناکام رہے۔"

بابا اور سجاد انہیں اس معاملے میں کوئی رعایت دینے کیلئے تیار نہیں تھے۔ جواباً فرحت نے وحید کی بخشی ساری کڑواہٹ اور جھنجلاہٹ اپنے اندر اتاری تھی۔

آج انہوں نے گاڑی نہیں منگائی تھی آنے جانے کیلئے ٹیکسی کر لینے کا ارادہ تھا' اس روز بھی اگر ممانی کو متاثر کرنا ضروری نہیں ہوتا تو وہ سجاد کے آفس سے گاڑی منگوانے والی نہیں تھیں۔

ٹیکسی کا نوٹس لینا آسان نہیں ہوتا ہے' ٹریفک کے سیلاب میں وہ آسانی سے کھو سکتی ہے۔

اور اسی خیال کو لے کر وہ ثانیہ کو انسانوں سے بھرے اس جنگل میں گم کر دینے چلی تھیں' جہاں دوبارہ کبھی وحید جیسے گھٹیا ترین شخص کو اس کی جھلک بھی نہ دکھائی دے سکے۔

آنکھوں میں آئی نمی کو فرحت آپا نے دوپٹے کے کونے سے صاف کیا۔

"آنسو کمزوری کی نشانی ہیں۔"

ساری عمر انہوں نے اتنے آنسو بہالئے تھے پھر بھی اندر جل تھل کا وہی سماں تھا۔

زبردستی ہی سہی' مگر اس موڑ پر وہ اپنی اس فطری کمزوری کو ساتھ لے کر نہیں چلنا چاہتی تھیں' چادر سر پر جماتے ہوئے وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھیں۔

"ایک بار' دوبار۔"

معلوم نہیں کیا چیز اٹکی تھی جو کمرے کا دروازہ کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

دروازے پر ہاتھ مارتے ہوئے انہوں نے باہر سے کسی کو متوجہ کرنا چاہا' مگر وہاں تھا ہی کون؟

بچے سکول اور وحید باہر۔

ملازمہ کو وہ خود ہی آج چھٹی دے چکی تھیں' ایک بار پھر انہوں نے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی' مگر وہ پوری طرح لاک ہی تھا۔

"خدایا۔"

وقت کے چھوٹے سے پل میں انہوں نے کتنی ہی دعائیں مانگ ڈالیں۔ ایک بالکل ہی غیر متوقع رکاوٹ درمیان میں آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ گھبرا کر دوبارہ کھڑکی میں آکھڑی ہوئیں، سامنے کا احاطہ سنسان پڑا تھا۔

چوکیدار گیٹ بند کر کے باہر بیٹھا تھا۔

امید تو نہیں تھی کہ وہ آواز سن لے گا پھر بھی پوری قوت سے انہوں نے اسے ایک کے بعد ایک کتنی ہی آوازیں دے ڈالیں، پر بے سود۔

جن آنسوؤں کا وہ اب تک بڑی بہادری سے مقابلہ کر رہی تھیں پوری دیدہ دلیری کے ساتھ آنکھوں میں جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔

"انہیں کسی کو بھی فون کر لینا چاہئے، سجاد کو یا پھر بینا۔" خود کو کمپوز رکھتے ہوئے وہ اب بھی حل نکالنے کی کوشش میں تھیں۔

"بینا ٹھیک رہے گی۔" اس کا گھر بھی قریب تھا اور وہ سارے معاملے کی چشم دید گواہ ہے بلکہ پورا پورا حصہ بھی لے رہی تھی۔

اور اس کی ہمت و حوصلے کے بارے میں تو کوئی دو راستے ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔

بابا اور سجاد سے وہ کسی دوسرے مناسب موقع پر یہ بات کرنا چاہتی تھیں، اندر کہیں اب بھی اس ٹوٹے پھوٹے گھر کو بچائے رکھنے کی خواہش کارفرما تھی جو شاید ان کا تھا ہی نہیں، نگاہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر جا کر رکی، جہاں تھوڑی دیر پہلے موبائل نظر آ رہا تھا۔

مگر وہ جگہ بھی اب خالی تھی۔

فرحت کی نگاہ اسی ایک مقام پر ساکت تھی۔

باہر جانے سے ذرا دیر پہلے وحید اس کمرے میں آئے تھے اور اسی سائیڈ ٹیبل سے انہوں نے کچھ نکالا بھی تھا۔

تب تو انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی، مگر اب کوئی شک باقی نہیں رہا تھا کہ وہ ہی ان کا سیل فون اٹھا کر لے جا چکے تھے اور وہی کمرے کو باہر سے لاک کر گئے تھے۔

ایک کڑی خود بخود دوسری کڑی سے مل رہی تھی فرحت کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

...☆☆☆...

گزشتہ رات کے ناگوار واقعہ سے چاہے وہ کتنی بھی ڈسٹرب ہوئی ہوں لیکن صبح کو انہیں یہ بخوبی یاد تھا کہ آج فرحت کو انکے گھر آنا ہے۔

"اتنی بڑی گاڑی کہ تو دیکھتی تو آنکھیں پھٹ جاتیں میں تیرے لئے اس فکر میں ہوں کہ کسی اونچی جگہ پر بات بن جائے اور تو بدبخت...۔"

لبنیٰ کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے وہ اسے اچھی طرح سے اپنا نقطہ نظر سمجھا دینا چاہتی تھیں پر کوئی سمجھنے کیلئے تیار بھی تو ہو۔

"مجھے نہیں چاہئے کوئی اونچا نیچا گھر، شادی میں صرف اپنی مرضی سے کروں گی اور اس کیلئے کوئی بھی مجھے مجبور نہیں کرے، میں صاف کہہ رہی ہوں امی۔"

"بدبخت۔" ممانی نے بڑی مشکل سے اپنا ہاتھ لبنیٰ پر اٹھنے سے روکا۔"اور تیری پسند وہی پھٹیچر' کنگلا' ہیرو نیچی جس سے دیوار بھی نہ پھلانگی گئی ڈھنگ سے' اللہ کرے ٹانگ ہی ٹوٹی ہو رات۔"

رات کا حوالہ دینا اس وقت عقلمندی تو نہیں تھی' مگر ممانی سے رہا نہ گیا۔

"جیسا بھی ہے شادی تو اسی سے کروں گی۔"

لبنیٰ کی کمال درجے کی ڈھٹائی کا مقابلہ بھی آسان نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے کر لینا' لیکن اس وقت میری بات مان لے بیٹی' دیکھ میری عزت کا سوال ہے میں اس عورت کو مدعو کر چکی ہوں اس کے سامنے میری بے عزتی مت کروا' آگے جو کہے گی۔" ممانی نے اب کھل کر دوسری طرح سے کھیل کھیلنا چاہا۔

"اچھی طرح تیار ہو کر مل لینے میں تو کوئی حرج نہیں' اگر اس نے پسند کر بھی لیا تو بھی ہمیں حق ہے انکار کا۔" حرج واقعی کچھ نہیں تھا۔

لبنیٰ نے ایک منٹ رک کر سوچا' تیار ہونے کا اسے ویسے ہی شوق تھا یوں ہی اکٹی ویٹی ہی سہی۔"

اثبات میں سر ہلا کر وہ کپڑوں کا انتخاب کرنے کیلئے الماری کی طرف بڑھ گئی۔

"تیار ہو کر چند منٹ کیلئے توصیف کے پاس بھی چکر لگایا جا سکتا تھا۔" اس نے کچھ ایسا ہی ارادہ باندھا تھا۔

ثانیہ نے ممانی کو بہت خوش خوش لبنیٰ کے کمرے سے باہر آتے دیکھا تھا۔ اپنے ہینڈ بیگ میں ضروری کاغذات' اماں کی دوائیں اور تھوڑے بہت پیسے رکھ کر وہ خود فرحت آپا کی منتظر تھی۔

ان کی طرف سے بے حد اطمینان دلانے کے باوجود بھی وہ امیدی اور ناامیدی کے بیچ بار بار آ کھڑی ہوتی۔

"اگر ویسا ہی نہ ہوا جیسا کہ فرحت آپا نے کہا ہے تو اس کیلئے کیا راستہ رہ جاتا ہے؟"

ممانی کی دی گئی ساری دھمکیاں وہ آنکھیں بند کر کے دہرا سکتی تھی۔

یوں مہمانوں کی طرح کیوں بیٹھی ہو یہ برتن ہی صاف کر کے رکھ لو' پتہ تو ہے کہ لبنیٰ کے رشتے کیلئے کچھ لوگ آنے والے ہیں' ممانی کے کہنے پر وہ چپ چاپ کچن میں چلی آئی اور خود ممانی گیٹ پر جا کھڑی ہوئیں' ان کی بے تابی سمجھ میں آتی تھی لیکن وہ اپنے اندر مچی ہل چل کو چھپائے رکھنے پر مجبور تھی۔

کچن کے کام سمیٹتے ہوئے اس کی نگاہ کتنی ہی بار وہاں لگے چھوٹے سے وال کلاک پر پڑتی رہی' بارہ' ساڑھے بارہ' پونے ایک' سوا ایک۔ گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ ثانیہ کے دل کی دھڑکن گھٹتی اور بڑھتی تھی اور اب دو بجنے کو آئے تھے۔

"معلوم نہیں کس کی نظر لگی ہے' میری لبنیٰ پر۔" ممانی مایوس سی گیٹ سے واپس آ رہی تھیں۔"اے لڑکی تو نے تو کچھ نہیں کہا تھا ان سے۔" بہت کڑک کر وہ ثانیہ سے پوچھ رہی تھیں۔"

"میں نے کچھ بھی نہیں..." لڑکھڑاتی زبان میں وہ اپنی صفائی دے بھی نہیں پائی تھی کہ گیٹ پوری آواز کے ساتھ کھلا تھا۔

ان دونوں نے بیک وقت اس طرف دیکھا تھا۔

نہ دستک' نہ آواز' وحید سیدھے اندر آ رہے تھے۔

"نکاح آج ہی ہو گا عصر کے بعد' گواہ اور مولوی میں خود لے کر آؤں گا سمجھیں۔" وہ صرف اطلاع دے رہے تھے۔

...☆☆☆...

موسم خوشگوار تھا اور موڈ اس سے بھی زیادہ‘ کندھوں سے کوئی بھاری بوجھ سرکا تھا۔

بڑی مدت بعد انہوں نے خود کو اتنا ریلیکس محسوس کیا تھا اور اس کیلئے بہت دل سے شیریں کے شکر گزار تھے۔ کم از کم اس نے ایک ناکردہ خطا کی سزا سے تو انہیں بری کیا تھا۔

”آفس سے آتے ہوئے وہ اسی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔“ تب ہی اس کا فون بھی آگیا۔

”فون اس لئے کیا تھا تاکہ تمہارا وعدہ یاد دلا سکوں۔“ بناء کسی تمہید کے وہ اصل موضوع پر تھی۔

”کون سا وعدہ؟“

ابھی کل ہی تو وہ واپس آئے تھے۔

”بادام کھایا کرو سجاد‘ تمہاری یادداشت کا ابھی سے یہ عالم ہوتا جارہا ہے۔“

دوسری طرف شیریں کی ہنسی گونجی۔

”یادداشت کا قصور نہیں سب عمر کا تقاضا ہے۔“ وہ ہلکے سے ہنس پڑے۔

”اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ اب مزید دیر کی گنجائش نہیں ہے‘ بابا سے بات کی تم نے ثانیہ کے بارے میں۔“

مذاق سے شروع ہو کر وہ اب سنجیدہ ہو رہی تھی سجاد اس بار خاموش رہے۔

”میں تم سے بات کر رہی ہوں سجاد؟“

”ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے شیریں۔“

”جھوٹ مت بولو۔“ شیریں کی آواز میں خفگی جھلکی۔

”فیصلہ تو کب کا ہو چکا ہے‘ بات صرف عملدرآمد کی ہے۔ تم اپنے خاندان کو کسی آزمائش میں نہیں ڈال سکتے اسی لئے بابا سے بات کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہو‘ مگر ایسا کیسے چلے گا۔“

”وہ پہلے ہی بہت تکلیف میں ہیں شیریں۔“

یہ جانتے ہوئے بھی کہ شیریں کیلئے کوئی جواز قابل قبول نہیں وہ بابا کی طرف سے صفائی دینے پر خود کو مجبور پاتے تھے۔

ان کی تکلیف ان کی اپنی پیدا کردہ ہے‘ فیضی نے غلطی ضرور کی ہے لیکن گناہ نہیں اس کے معاملے کو سمجھداری کے ساتھ بھی ہینڈل کیا جاسکتا تھا لیکن تمہارے ہاں تو عزت اور بے عزتی کے عجیب ظالمانہ معیار قائم ہیں‘ معاف کرنا۔“

مارے غصے کے وہ بولتی ہی چلی گئی۔

سجاد کے چہرے پر اداس سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی‘ انہیں شیریں کی بات بری نہیں لگ رہی تھی‘ یہ ایک بے حد مخلص دوست کی رائے تھی‘ سراسر خود ان کے مفاد میں۔

”تمہیں برادری سسٹم کا ٹھیک سے اندازہ نہیں ہے۔

شیریں یہاں کسی کا ایک غلط قدم دس دوسری زندگیوں پر اثر انداز ہوتا ہے‘ سو تدارک تو کرنا پڑتا ہے۔“ ایک ہاتھ سٹیئرنگ پر رکھے وہ سامنے پھیلے ٹریفک پر نگاہ جمائے ہوئے تھے۔

"اور دو زندگیاں یہ بھی تو ہیں سجاد' جو بربادی پر تلی ہوئی ہیں' تمہاری اور ثانیہ کی ان کی فکر کیوں نہیں کرتے ہو۔"

"کر رہا ہوں جتنا ممکن ہے۔"

رشتوں اور ترجیحات کے اس گڑبڑ گھوٹالے میں کوئی ایک سرا بھی تو ہاتھ میں نہیں تھا۔

"کچھ نہیں کر رہے تم اور نہ کرو گے' اسی دن وہ شادی کر کے چلی جائے گی یہاں سے اور تم بیٹھ کر اپنی حماقتیں گننا ساری عمر۔"

اس بار وہ اتنی غصے میں آئی کہ سجاد کا جواب سننے کیلئے رکی بھی نہیں اور فون رکھ دیا۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے سجاد نے فون ڈیش بورڈ پر رکھا' موضوع تکلیف دہ سہی لیکن شیریں کی یہ بے لوثی بڑی غنیمت تھی' بہت عرصے بعد اس کا وہی روپ سامنے آ رہا تھا جو کھویا ہوا تھا۔

گارڈ انہیں دیکھ کر بڑا گیٹ کھول رہا تھا سجاد نے گاڑی اندر لاتے ہوئے ہی لان میں فرحت آپا کے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"کب آئے تم لوگ۔" انہیں خود سے لگاتے ہوئے وہ بڑی محبت سے پوچھ رہے تھے۔

اپنے سب بہن بھائیوں میں انہیں سب سے زیادہ محبت فرحت آپا سے ہی تھی۔

"کیا سکول سے سیدھے یہیں آ رہے ہو۔" ان لوگوں کو یونیفارم میں دیکھ کر سجاد کو تھوڑی سی حیرت ہوئی تھی۔

ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ سب لائونج میں آ چکے تھے' ثمینہ بھابی کھانا لگوا رہی تھیں سجاد کو آتا دیکھ کر مسکرا دیں۔

"آج جلدی آ گئے سجاد۔"

"کام کم تھا تو بس فرحت آپا کب آئیں' مجھے فون ہی کر دیتیں تو میں اور جلدی آ جاتا۔"

بات کرتے ہوئے بھی سجاد کی نگاہ نے اس وسیع لائونج میں بہن کو ڈھونڈا۔

"وہ نہیں آئی ہیں' بس بچے ہی سکول سے آ گئے تھے ابھی تھوڑی دیر پہلے۔"

ثمینہ سرسری سے لہجے میں بتا رہی تھیں۔ "تھوڑی دیر پہلے وحید بھائی کا فون آیا تھا کہ گاڑی بھیج کر بچوں کو یہاں بلوا لیں سو میں نے بلوا لیا۔"

"اور فرحت آپا۔" ثمینہ کے جواب سے معلوم نہیں کیوں ان کی تسلی نہیں ہوئی۔

"وہ وحید بھائی کے ساتھ کہیں جا رہی تھیں' گھر پر وہاں کوئی بھی نہیں تھا اسی لئے بچوں کو یہاں...."

"فرحت آپا وحید بھائی کے ساتھ۔" وہ یکدم ہی اپنی جگہ ٹھٹکے۔ "کہاں جا رہے تھے وہ لوگ' آپ نے پوچھا نہیں۔"

"پوچھا تو نہیں لیکن وحید بھائی بڑے خوشگوار موڈ میں تھے' مجھے تو یہ سن کر ہی اچھا لگا کہ انہیں فرحت آپا کا خیال تو آیا۔" ثمینہ بھابی مسکراتے ہوئے بچوں کی طرف مڑ گئیں' جو سب کھانے کی میز پر بیٹھ رہے تھے۔

"کہاں لے جا سکتے ہیں وحید بھائی فرحت آپا کو۔" لائونج کے وسط میں کھڑے سجاد نے اندازہ لگانا چاہا۔

بینک سے ان کے اکائونٹ میں سے پیسے نکلوانے کیلئے یا پھر ان کے زیورات میں سے مزید کچھ بکوانے کیلئے یا پھر زور زبردستی کورٹ میں کسی الٹے سیدھے کاغذ پر دستخط کرانے یا کچھ اور ہی بات۔

ایک کے بعد ایک جتنے بھی خیال آئے سب ہی پریشان کن' وحید کے حوالے سے کوئی اچھا امکان جمتا ہی نہیں تھا۔

وہیں کھڑے کھڑے سجاد نے فرحت آپا کا نمبر ملایا دوسری طرف بیل جا رہی تھی لیکن ریسیو نہیں کیا جا رہا تھا۔

موبائل، گھر، دونوں ہی نمبر انہوں نے ایک سے زائد بار چیک کر لئے، مگر لگ رہا تھا کہ آس پاس کوئی موجود نہیں ہے۔

بہت مضبوط اعصاب رکھنے کے باوجود انہیں پریشانی گھیر رہی تھی۔ ''کچھ تو مسئلہ ہے۔''

''تم بھی آجاؤ سجاد، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' ثمینہ بھابی انہیں آواز دے رہی تھیں۔

''مجھے بھوک نہیں ہے ابھی، آتا ہوں تھوڑی دیر میں۔'' تیزی سے کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئے۔

ثمینہ حیران سی ہو کر پیچھے آواز ہی دیئے گئیں۔

گو ثمینہ نے انہیں کہا تھا کہ وہ لوگ کہیں گئے ہوئے ہیں، پھر بھی سجاد کا رخ فرحت آپا کے گھر کی طرف ہی تھا۔

وحید کا اعتبار مدت ہوئی اٹھ چکا تھا اور جب سے رحمت منزل میں ان کا عمل دخل ختم ہوا تھا یہاں بابا کے گھر سے بھی ان کی ایک غیر علانیہ لاتعلقی عمل میں آچکی تھی، صرف فرحت آپا اور بچے ہی گھر آتے تھے، خود سجاد کو بھی یاد نہیں آرہا تھا کہ وہ کتنے عرصے بعد فرحت آپا کے گھر جا رہے تھے، سو گھبراہٹ میں تھوڑی سی شرمندگی بھی گھل مل رہی تھی۔

''وقار اور سہیل بھائی کا کچھ بھی مسئلہ ہو، مگر کم از کم انہیں تو بہن سے محبت کا گہرا دعویٰ ہے۔''

وہاں تک پہنچتے پہنچتے انہوں نے خود کو کئی بار سرزنش کی تھی۔ چوکیدار وحید کا کتنا بھی وفادار سہی بابا اور سجاد وغیرہ کے آگے بے حد دبتا تھا۔

''گھر پر کوئی بھی نہیں ہے صاحب۔'' وحید کا پڑھایا ہوا سبق دہراتے ہوئے اس کی آواز واضح طور پر لڑکھڑا گئی تھی۔

سجاد نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

''تم گیٹ کھولو میں انتظار کروں گا۔''

''وہ جی پتہ نہیں کتنی دیر لگ جائے۔'' ایک کمزور سی مزاحمت دوسری طرف سے آئی لیکن ان کا ایک دفعہ دیکھنا ہی کافی تھا۔

سامنے اندر گھر کا داخلی دروازہ بظاہر پوری طرح لاک ہی محسوس ہو رہا تھا، پھر بھی سجاد کا ہاتھ ہارن پر جم چکا تھا۔ فرحت اسی کی آواز پر بڑی بے تابی سے کھڑکی میں آکھڑی ہوئی تھیں۔

''سجاد۔''

گاڑی کے شیشے بند تھے، پھر بھی وہ پوری قوت کے ساتھ چلائیں۔

تب ہی انہوں نے سجاد کو دروازہ کھول کر اترتے ہوئے دیکھا۔

''سجاد میں ادھر ہوں۔'' ان کا دل بہت تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا، یہ کمرہ قدرے سائیڈ میں تھا اور شاید وہ اس سے زیادہ زور سے چلا بھی نہیں سکتی تھیں۔

وہ دیکھ سکتی تھیں کہ سجاد کی ساری توجہ گھر کے داخلی دروازے کی طرف ہے اور وہ اسی کی طرف جا رہے تھے۔

اور اگر ایک بار وہ بڑا دروازہ بند دیکھ کر یہاں سے واپس چلے جائیں گے تو وہ ثانیہ کو کسی طرح بھی نہیں بچا پائیں گی، بقیہ ساری زندگی کیلئے ایک خون ناحق ان کی گردن پر ٹھہر جائے گا۔

بے چارگی اور خوف کی اس دم گھوٹتی کیفیت میں آنے والا یہ آخری خیال تھا جس نے ان سے ایک فوری فیصلہ کرایا۔

فضا میں ایک بھاری شیشہ ٹوٹنے کی آواز دھماکے کی طرح گونجی تھی، سجاد بری طرح چونک کر اس طرف دوڑے تھے۔ سامنے کھڑکی میں فرحت آپا کھڑی تھیں۔

ان کے ہاتھوں میں میٹل کا وہ بھاری شو پیس اب بھی تھا جو انہوں نے کھڑکی کے شیشے پر مارا تھا۔

سجاد کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اور جب آیا تو... آگے کے سارے مراحل بناء کسی دقت کے کھٹا کھٹ طے ہوتے چلے گئے۔

''اتنی ذلیل حرکت اس شخص کی جرأت کیسے ہوئی کہ وہ آپ کو اس طرح گھر میں قید کر کے رکھے، میں اس کا وہ حشر کروں گا کہ یاد رکھے گا اب۔'' سجاد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور اندر جو تپش پھیلی تھی اس کا اندازہ فرحت آپا کو بخوبی ہو رہا تھا، آج سے پہلے انہوں نے سجاد کو کبھی اتنے شدید غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

''جانے دو بس، وحید سدھرنے والا آدمی نہیں ہے اور نہ ہی انہیں اپنی کسی بھی حرکت پر کبھی بھی شرمندگی ہو گی اور اس سب میں نیا بھی کیا ہے سجاد۔''

فرحت اتنا کچھ سہہ چکی تھیں کہ اپنی ذات سے جڑی کوئی تکلیف اب اہم بھی نہیں لگتی تھی، ان کی فکر کا سرا کہیں اور ہی جڑ رہا تھا۔

''اب تک جو بھی ہوا وہ نیا نہ سہی، مگر اب جو ہو گا وہ نیا ہو گا۔'' ان چند ہی منٹوں میں وہ ایک فوری اور حتمی فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔ ''آپ اٹھیں اور چلیں میرے ساتھ، اب آپ یہاں نہیں رہیں گی، مزید ایک دن بھی۔''

''پاگل مت بنو سجاد، اب کیا تماشہ دکھانا ہے دنیا کو گزر گئی زندگی، باقی جو ہے وہ بھی گزر جائے گی۔''

فرحت کی آواز مدھم سی تھی۔

''ایسے نہیں گزرے گی فرحت آپا۔'' سجاد بے ساختہ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''اور اب تک بھی جو گزری اس کیلئے ہم سب آپ کے گنہگار ہیں، جان بوجھ کر آنکھیں بند رکھی ہیں سب نے، وحید جیسے شخص کے ساتھ اس جہنم میں آپ کو تنہا چھوڑے رکھا میں تو خود کو معافی مانگنے کے بھی قابل نہیں پا رہا آپ سے۔''

باوجود ضبط کہ سجاد کی آواز میں نمی سی اترنے لگی تھی۔ فرحت بمشکل ہی خود کو کمپوزر کھ پائیں۔

انہیں پتہ تھا کہ اگر اس وقت پلٹ کر انہوں نے اپنے دکھوں پر نگاہ ڈالی تو یہیں پتھر کی ہو جائیں گی۔

''میری مدد کرو سجاد اس لڑکی کو بچانے میں وحید برباد کر دیں گے اسے، کم از کم کسی اور کی زندگی تو...''

''کرنے دیں جو بھی وہ کر رہے ہیں ہمیں ان سے کوئی تعلق نہیں رکھنا ہے اب یہ بات بالکل کلیئر ہے۔ فرحت آپا میں بس یہاں سے۔'' اس بار کہتے ہوئے سجاد نے فرحت کا ہاتھ پکڑتے ہوئے قدم بھی بڑھایا تھا، مگر وہ اپنی جگہ سے ہلیں تک نہیں۔

''نہیں سجاد میں اسے ہر قیمت پر بچاؤں گی وعدہ کر چکی ہوں تم نہ چلنا چاہو نہ چلو میں کوئی ٹیکسی لے کر خود...''

''فرحت آپا پلیز۔''

سجاد ان کے ارادے کی مضبوطی کو دیکھ کر ہی نرم پڑے تھے۔ ''پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے میں نے اسے بارہ ایک بجے کا کہا تھا اور اب شام ہونے کو ہے بس خدا کرے وحید اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو چکے ہوں۔''

سجاد سے ہاتھ چھڑا کر وہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔

''میں لے کر چلتا ہوں آپ کو، ناراض مت ہوں۔'' وہ ان کے پیچھے ہی گاڑی تک آئے۔

”میں تم سے کیسے ناراض ہو سکتی ہوں بھلا لیکن میں تمہیں مجبور بھی نہیں کرنا چاہتی۔“

”فرحت ذرا سی بھی بحث کئے بغیر گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔ سامنے گارڈ مین گیٹ کھول رہا تھا۔ ان دونوں میں سے کسی نے بھی گھر کے اندرونی حصے کو بند کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

”میں برداشت نہیں کر پا رہا ہوں فرحت آپا' وحید آپ کے ساتھ اتنا گرا ہوا سلوک کر گیا اور ہمیں خبر نہیں' میں اسی لئے... ورنہ اس بیچاری لڑکی کیلئے کچھ کرنے سے آپ کو کیسے روک سکتا ہوں۔“

گاڑی مین روڈ تک لاتے ہوئے سجاد خود کو تھوڑا سا نارمل کر چکے تھے' اسی لئے لہجے میں شرمساری بھی تھی' فرحت نے محبت سے ان کی طرف دیکھا۔

اپنے بھائی کی نرم دلی اور دوسروں کی خاطر کچھ بھی کر گزر جانے کی ادا پر انہیں ہمیشہ فخر رہا تھا۔ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہونے سے بڑی گہری مورل سپورٹ حاصل ہوئی تھی۔

”وہ بہت چھوٹی لڑکی ہے سجاد' بہت پیاری اور معصوم اور بدقسمتی دیکھو کہ اس کا سوائے ماں کے کوئی بھی نہیں۔“ وہ دھیرے دھیرے تفصیل بتانا شروع ہوئیں۔

سجاد کو بے ساختہ ہی ثانیہ کا خیال آیا۔ وہ بھی تو اتنی ہی اکیلی تھی دنیا کے رحم و کرم پر ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا اس کو آفس چھوڑے ہوئے اور باوجود کوشش کہ بھی وہ اس سے رابطہ کرنے میں ناکام تھے۔

وہ اسلام آباد آنے جانے میں اور فرح اپنی امی کے ساتھ ہاسپٹل میں مصروف۔

”آج چاہے پانچ منٹ کیلئے ہی سہی وہ ضرور ثانیہ کی طرف چکر لگائیں گے۔“ اس ٹینشن سے بھرے وقت میں یہ چھوٹا سا فیصلہ تھوڑا سا اطمینان دے ہی گیا۔

”ان لوگوں کو جس طرح کی بھی مدد کی ضرورت ہو آپ مجھے بتایئے گا' انشاءاللہ کچھ نہ کچھ اچھا ہی ہو گا بس آپ ریلیکس رہیں۔“

سچی بات تو یہ کہ وہ اس وقت جو کچھ بھی کرنے جا رہے تھے اس کا سبب فرحت آپا ہی تھیں۔

”دعا کرو وحید ان لوگوں کو وہاں سے لے نہ گئے ہوں ورنہ میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی ثانیہ کیلئے۔“

”ثانیہ۔“

وہ بہت اچھی ڈرائیونگ کرتے تھے' مگر اس وقت ہاتھ کانپ ہی گیا۔

”سنبھل کر۔“ فرحت کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”ایسی بھی کیا دیوانگی' شہر میں ایک نام کی سینکڑوں لڑکیاں پائی جاتی ہوں گی۔“ خود کو بروقت سنبھالتے ہوئے سجاد نے خود پر ہنسنا چاہا' مگر فرحت آپا کے بتائے ہوئے روٹ پر چلتے ہوئے اب یہ بھی ناممکن سی بات تھی۔

گاڑی کے پہیوں کے نیچے سڑک تیزی سے پیچھے کی طرف بھاگ رہی تھی اور ایک جانا پہچانا راستہ نمایاں ہو چکا تھا۔

”غریب کے ایک ماموں ہی تھے وہ کچھ عرصہ قبل انتقال کر گئے۔ وہ بے چارے بڑی سپورٹ تھے اس کیلئے۔“ فرحت کے پاس اس وقت دوسرا کوئی موضوع نہیں تھا۔ ”جمیل ماموں نا۔“ اپنی آواز میں لرزش انہوں نے محسوس تک نہیں کی تھی۔

ایک بدترین خدشے کی تصدیق ہو رہی تھی۔

...☆☆☆...

بناء پلک جھپکائے وہ کب سے سامنے والی دیوار کو تک رہی تھی۔

نہ کوئی امید' نہ انتظار' مگر نگاہ جیسے وہیں کسی نقطے پر جمی تھی۔

''کیا دکھائی دے رہا ہے وہاں آخر' وحید بھائی کو تو سیدھے سیدھے گیٹ سے آنا ہے دیوار کے پیچھے سے تو برآمد ہونے سے رہے۔''

اس کے ہاتھوں پر نیل پالش لگاتے ہوئے ابھی تھوڑی دیر پہلے لبنیٰ نے کہا تھا اور پھر اپنے اس بھدے مذاق پر خود ہی دل کھول کر ہنس بھی لی تھی۔

ثانیہ یوں ہی مجسمے کی طرح ساکت تھی۔

آج از راہ مہربانی لبنیٰ نے اسے اپنے کمرے کا اے سی کھول کر یہاں اندر بٹھایا تھا اور اپنا سارا میک اپ کا سامان نکالے وہ اس کے چہرے پر اپنا سارا تجربہ آزمانے کے موڈ میں تھی۔

''ابھی جتنا دل چاہے رو لو لیکن میک اپ کے بعد خبردار جو ایک آنسو بھی بہایا ورنہ میری ساری محنت پر پانی پھر جائے گا۔''

ثانیہ کی مستقل بے حسی سے اکتا کر اس بار اس نے باقاعدہ اسے جھنجھوڑا تھا تب وہ جیسے کہیں دور سے واپس آئی۔

اس کی خالی خالی نگاہیں بتا رہی تھیں کہ وہ لبنیٰ کی کہی بات کا ایک لفظ بھی نہیں سن سکی ہے۔

لبنیٰ کو اپنی ہدایت پھر سے دہرانی پڑی۔

ثانیہ نے ایک گہری سانس لی۔

''آج میں نہیں روؤں گی بے فکر رہو' کیونکہ آج کے بعد باقی ساری زندگی پھر یہی ایک کام کرنا ہے نا۔''

اس کے لہجے میں بڑی عجیب سی ٹھنڈک اتر رہی تھی۔

لبنیٰ جیسی بے حس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ بھی پھیکی پڑنے لگی۔

''بہت ناشکری ہو تم اتنی ساری چیزیں مل رہی ہیں تمہیں بیگم صاحبہ کہلاؤ گی اب ساری عمر' احسان مانو میری امی کا' کہاں سے کہاں پہنچا رہی ہیں تمہیں ورنہ ساری عمر دھکے کھاتی پھرتیں یہی اسی سہر میں تمہارے آگے پیچھے ہے ہی کون۔''

لہجہ اور الفاظ دونوں ہی بے رحم۔ لبنیٰ کی دونوں صفات ممانی سے مستعار لی ہوئی تھیں۔

''چند ہزار کی نوکری میں تو ڈھنگ سے پیٹ بھی نہیں پالا جاتا' وہ تو ہمارے ابا ہی تھے جنھوں نے تم لوگوں کو سہارا دے دیا ورنہ پڑے رہتے وہیں نواب شاہ والیاس دو کمروں والے گھر میں۔''

''کاش وہ ساری زندگی اس دو کمروں والے گھر میں گزار دیتی کبھی رخ نہیں کرتی اس لامحدود پھیلے ہوئے شہر کا' بھول جاتیں اماں کے اس دنیا میں ان کا کوئی سگا بھائی بھی ہے...''

دروازہ ذرا سا کھول کر اماں نے اندر جھانکا ثانیہ سے پہلے ان کی نگاہ بیڈ پر پھیلے سرخ جگمگاتے جوڑے پر پڑی تھی۔ ایک بڑی مطمئن سی مسکراہٹ ان کے کمزور سے چہرے پر پھیلی تھی۔

ثانیہ نے دانستہ نگاہ چرا لی۔

امّاں پر پڑتے یہ بے خبری کے دورے ان کے حق میں اس وقت نعمت ہی تھے کم از کم وہ اس قیامت کے دور سے تو بچی ہوئی تھیں جسے وہ جھیل رہی تھی۔

''ان کی ثانیہ کی شادی ہو رہی ہے۔'' بس یہی بہت تھا۔

''پھوپھو بے چاری کتنی خوش ہیں ویسے شروع شروع میں تمہیں بڑا عجیب سا لگے گا' آخر اتنے عرصے سے دوسروں کے ہاں پڑی ہو' اگر ہم رحم کھا....''

ثانیہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

''یہ کسی دوسرے کا نہیں اس کے جمیل ماموں کا گھر تھا' وہ جمیل ماموں جو ابا کے بعد اس بھری دنیا میں محبت اور شفقت کا دوسرا استعارہ تھے مگر اس بار بھی یہ جب اس کے دل نے کہا اب لب اب بھی خاموش تھے۔

اس گھر میں گزرنے والی یہ آخری سہ پہر اسی لبنیٰ کے منہ سے اپنا یہ ''اوقات نامہ'' سننا ہی تھا۔

''ایسا تو کہانیوں میں ہی ہوتا ہے ناں کہ سب سے غریب سب سے قابل رحم لڑکی کو کوئی امیر زادہ پسند کر لیتا ہے اور اس کی قسمت بدل جاتی ہے تمہارے ساتھ بھی کہانیوں جیسا اتفاق....''

''امیر زادہ۔'' اندر کہیں ایک سسکی سی ابھری۔

''امیر زادہ تو ایک اور بھی تھا۔''

وہ سجاد کو یاد بھی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن وہ مہربان کچھ کہتی نگاہیں جیسے ہر وقت حصار کرتی تھیں۔ ''بہت دل کھول کر پیسہ خرچ کر رہے ہیں وحید بھائی' امی کہہ رہی تھیں کہ اب ہم بھی وہیں رہیں گے تمہارے ساتھ لیکن میں نے توصاف

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کہہ دیا ہے کہ میں توصیف کو چھوڑ کر اتنی دور نہیں جاؤں گی انہیں اتنا ہی شوق ہے بڑے گھر میں رہنے کا تو پہلے میری شادی کر دیں توصیف سے' اتنا سارا پیسہ وحید بھائی سے تمہارے نام پر لیا ہے اس سے توصیف کو بزنس کروا کر نہ دیا تو میرا بھی نام لبنیٰ نہیں' ان ہی کی بیٹی ہوں میں بھی۔''

لبنیٰ کی بدزبانی کوئی راز راز نہیں رہنے دیتی تھی۔

مگر اس کیلئے اب چونکنے لائق رہ بھی کیا گیا تھا۔

باہر سے ممانی نے لبنیٰ کو آواز دی تو وہ اپنا خبر نامہ بیچ میں روک کر کمرے سے نکل گئی۔

تھکے تھکے انداز میں ثانیہ نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

کمرے میں مہندی اور کاسمیٹکس کی دل فریب مہک پھیل رہی تھی۔

سامنے صوفے اور میز پر بڑے بڑے شاپرز کا انبار لگا ہوا تھا ممانی اور لبنیٰ نے دل کھول کر شاپنگ کی تھی۔

''کیا وہ اتنی اہم تھی کہ کوئی شخص اس کیلئے اتنے ڈھیر سارے پیسے خرچ کرنے پر تیار ہو جائے۔''

زندگی میں شاید یہی ایک مقام تھا جہاں اپنی اہمیت احساس ذلت سے دوچار کرتی تھی جس کے آگے اب وہ ساری زندگی سر تو کیا نگاہ اٹھانے کے بھی قابل نہیں رہی تھی۔

بازار میں رکھی کسی چیز کی طرح وہ بیچی اور خریدی گئی۔ سودا بیچنے والے کی مرضی اور خریدنے والے کے حوصلے کے مطابق انجام پایا اور بس بالکل ویسے ہی جیسے کوئی بھی سودا طے پایا جاتا ہوگا۔

تھوڑی کمی تھوڑی بیشی کی تکرار۔

اپنے مال کی خصوصیات کا گنوایا جانا اور پھر پریشر کے طور پر سودا ختم کرنے کی مصنوعی دھمکی۔

چشم تصور میں اس نے دو مکروہ ترین لوگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا۔

''آخ۔'' حلق میں کوئی زہریلی کڑوی شے آ کر اٹکی تھی۔

سائیڈ میں رکھی بوتل میں پانی اب تک بہت ٹھنڈا تو نہیں رہ گیا تھا مگر پھر بھی وہ دو گلاس پی گئی۔

زہر حلق سے اتر کر جیسے رگوں میں دوڑتے خون کا حصہ بننے لگا بہت غور سے سامنے ہاتھ پھیلائے ہتھیلی پر لگی مہندی کو اس نے دیکھا۔

ٹھنڈے سرد ہاتھوں پر مہندی کا رنگ پھیکا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے جب ممانی اندر آئی تھیں تو انہوں نے بے ساختہ ہی ماتھا پیٹا تھا۔

''آخری وقت میں بھی یہ بدشگونی، معلوم نہیں اب اس کی نحوست بے چارے وحید پر کس طرح پڑے گی۔'' ممانی کی بات یاد کر کے وہ بڑے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ تب ہی بیڈ پر سامنے ہی پڑا لبنیٰ کا موبائل بجنے لگا۔

''میں صدقے جاواں، عشق پر یار میں صدقے....'' اس کی رنگ ٹون پر عموماً اسی قسم کے گانے ادلتے بدلتے رہتے تھے۔

کمرہ بند تھا اور پھر شاید وہ اس وقت اتنی دور تھی جو فوراً ہی دوڑی نہیں چلی آئی تھی۔

فون بند ہو چکا تھا۔

آج پتہ نہیں کیسے ممانی نے ساری احتیاط اٹھا دی تھی۔ اپنی گرفت مضبوط ہونے کا اعتماد تھا یا پھر ثانیہ کے مکمل ہتھیار ڈال دینے کی بے فکری تھی، اب ان بالکل آخری گھڑیوں میں وہ اس کی چوکیداری کو تھوڑی سی ڈھیل دیئے ہوئے تھیں۔

یہاں اس وقت لینڈ لائن کا فون بھی رکھا تھا۔

ایک بار صرف ایک بار وہ کسی ہمدرد کو آواز دینے کی کوشش تو کر ہی سکتی تھی۔''

اب دم شخص کی مانند زندگی کی خواہش میں بلا کی شدت تھی پر وہ کان بھی نہیں دھرنا چاہتی تھی۔

وہ جسے اس کی اتنی بھی پروا نہیں تھی جتنی اپنے آفس میں کام کرنے والے کسی بھی عام ورکر کی۔

آج اس لمحے بھی دل یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھا لیکن دل کی تلخی سے کون بچا ہے۔

وہ کیوں بھول رہی تھی کہ کسی بھی امید کے ٹوٹنے کا سب سے زیادہ امکان بھی تب ہوتا ہے جب دل کو اس کے پورا ہونے کی خوش فہمی گھیرتی ہے۔ وہ یوں ہی خالی خالی نگاہوں سے فون کو تکے گئی۔

ممانی ایک جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئیں۔

''یہ لبنیٰ باہر ہی رہ گئی ہے کیا' کہا بھی ہے کہ آج تمہارے پاس ہی رہے دلہن کو زیادہ دیر اکیلے بٹھانا ٹھیک نہیں۔''

انہوں نے چیل کی طرح جھپٹ کر سب سے پہلے موبائل اٹھایا تھا۔

''کسی کو کیا تو نہیں فون؟''

اس کا اندازہ غلط تھا۔

ممانی کی مشکوک فطرت اس وقت بھی اسے بخشنے کیلئے تیار نہیں تھی۔

''کس کو کرتی؟'' وہ اتنی دیر بعد کچھ بولی تھی کہ خود اپنی آواز میں اجنبی لگی۔

''ہیں تو تمہارے ہوتے سوتے سارے شہر میں رلتی پھرتی فرح اور وہ کمپنی کا مالک بڑی جلدی دل بھر گیا اس کا ورنہ ایک اس کا ڈر آ رہا تھا مجھے کہیں بیچ میں رنگ میں بھنگ ملانے نہ کھڑا ہو جائے۔''

''اب وہ جو بھی کہیں اسے کیا فرق پڑتا ہے۔''

بہت دن سے ثانیہ کو کچھ ایسا ہی لگنے لگا تھا۔

''اور اب وہاں ڈھنگ سے رہنا یہ آوار گیاں وحید کے علم میں آئیں تو بہت برا حشر کرے گا وہ یہ یاد رکھنا۔''

منہ مانگی رقم لی تھی سو وہ اب کچھ عرصے تو وحید سے پوری وفادار رہنے والی تھیں۔

باہر گیٹ پر ایک ہنگامہ سا جاگا تھا۔

گاڑیوں کے رکنے اور ہارن کی آواز بھاری قدم اور کچھ گھسیٹے جانے کی آوازیں۔

''آ گئے وہ لوگ۔'' پر جوش سی کیفیت کے زیر اثر ممانی بات ادھوری چھوڑ کر فوراً ہی باہر نکل گئیں۔

ثانیہ کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آیا تھا۔

وحید کا مکروہ چہرہ اور غلاظت بھری مسکراہٹ اب اتنے قریب جیسے.....

بے ساختہ ہی اس نے اپنے وجود کو سمیٹا۔

''آخر سب کچھ کیلئے وہ خود ہی تو راضی ہوئی ہے۔ ورنہ ممانی کی لاکھ پابندی کے باوجود کہیں بھاگ جانے کی کوشش تو کر ہی سکتی تھی چھوڑ جاتی اماں کو یہاں ممانی کے رحم و کرم پر۔''

خود ساختہ بے حسی کے خول میں دراڑ پڑ رہی تھی اور دل پر نمکین پانی کا قطرہ بڑی تیزی سے گر رہا تھا۔

باہر کا شور اندر سے زیادہ نہیں تھا۔

''بڑا خرچہ کیا ہے بھئی' ابھی بھی اتنا سامان لائے ہیں وحید بھائی دیکھو گی تو آنکھیں پھٹ جائیں گی' یہ سب تو میں رکھوں گی تم تو اور لے سکتی ہو۔'' اندر آتی لبنیٰ کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

''کیا کوئی جائے امان نہیں اب۔'' ڈوبتے دل کے ساتھ اس نے خود سے کہا۔''کاش اس وقت اسی لمحے وہ مر سکتی۔''

...☆☆☆...

سہ پہر کی سنہری دھوپ شام کی نیلاہٹ میں بدل رہی تھی۔

وحید نے پہلو بدلتے ہوئے ایک نگاہ گھڑی پر ڈالی اور دوسری قریب ہی مؤدب بیٹھے اپنے ساتھ آئے شخص پر۔

''کہاں مر گیا ہے تمہارا آدمی اب تک پہنچا کیوں نہیں ہے مولوی کو لے کر' گھنٹے سے اوپر ہو رہا ہے اب تو۔''

یہاں کمرے میں صرف وہی چند لوگ تھے جو ان کے اپنے زرخرید تھے سو بناء کسی لحاظ کے انہوں نے اونچی آواز میں ہی جھاڑا تھا۔''کہا بھی تھا کہ مجھ سے پہلے اسے یہاں موجود ہونا چاہئے لیکن کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا ہے تم لوگوں سے آج کوئی گڑبڑ ہوئی تو دیکھنا کیا حشر کرتا ہوں۔''

''ٹریفک جام ہے صاحب وہ لوگ تو دو گھنٹے سے پھنسے ہوئے ہیں وہاں' اب یہ تو پتہ نہیں تھا کہ...''

ان میں سے ایک نے گھگھیا کر صفائی دینے کی کوشش کرنا چاہی' مگر وہ اس تھوڑی سی دیر میں ہی اس وجہ کو سن کر سخت طیش میں آ چکے تھے۔

"شہر کے سارے مولوی قاضی مر گئے تھے جو اتنی دور سے لے کر آ رہے تھے کہا تھا میں نے کہ وقت نہیں..."

ڈرائنگ روم کے کھلے دروازے میں ممانی آ کھڑی ہوئیں' اس تھوڑی سی تاخیر نے انہیں بھی اپ سیٹ کیا تھا۔

"کیا ہے۔" ممانی کے ساتھ بات کرتے ہوئے وحید کے لہجے میں رعونت اور بھی بڑھتی تھی۔

وہ دل ہی دل میں کھولتیں لیکن مصلحتاً نظر انداز رکھتیں۔ "اب کتنی دیر اور ہے آخر؟"

وہی سوال جواب چڑ بن چکا تھا۔

"میں دیر کر رہا ہوں جان بوجھ کر نہیں پہنچا مولوی تو میرا قصور ہے۔"

"چلانے کی کیا بات ہے ایک نہیں آیا تو کوئی دوسرا بلوا لو' کمی تھوڑی ہے نکاح پڑھانے والوں کی محلے پڑوس میں سے کوئی یوں ہی چلا آیا تو میں کیا جواب دوں گی کہ اس طرح چھپ چھپاتے شادی کر رہی ہو ثانیہ کی۔ میں تو خود چاہ رہی ہوں کہ جلد سے جلد یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچے۔"

اس بار وہ بھی برا منا کر واپس مڑیں تھیں۔

"ٹھہرو۔ وحید نے فوراً ہی انہیں روکا۔

ممانی کا آئیڈیا اسے پسند آیا تھا۔

ایک آدمی فوراً ہی اشارہ پا کر نکل چکا تھا اور وحید کا موڈ خود بخود بحال ہو رہا تھا۔

"بے کار میں یہ گھنٹہ ضائع کر دیا کبھی کبھی تو سامنے کی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔"

مٹھائیوں کے ٹوکرے کھلنے شروع ہوئے اور خود وحید ہی کا لایا ہوا بڑا سا ہار ممانی نے ان کے گلے میں ڈالا۔ گلابوں کی مستی بھری خوشبو ماحول کو کچھ سے کچھ کئے دینے لگی۔

وحید نے سرشار سی نگاہوں سے اس طرف دیکھا جہاں کوریڈور کے اختتام پر کسی کمرے میں ثانیہ تھی۔

جس کی کشش نے انہیں مہینوں سے دیوانہ کیا ہوا تھا اور جس کو پانے میں وہ آج کامیاب تھے۔

کتنی ہی لڑکیاں زندگی میں آئیں اور گئیں مگر ثانیہ...." خوشی کی سنسنی خیزیاں لمحہ لمحہ بڑھتی اور بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔

گیٹ پر کسی گاڑی کے بریک پوری قوت کے ساتھ چرچرائے تھے۔

ناگوار سی آواز کے ساتھ بے ہنگم سا شور۔

نکاح کا فارم بھرواتے ہوئے وحید نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"ذرا دیکھو کہیں ہماری گاڑی سے تو نہیں ٹکرایا ہے دماغ ٹھیک کر دینا اگر ایسا کچھ...."

"ثانیہ۔"

کسی کے دھکے سے گیٹ پورا کھلتا چلا گیا۔

"ثانیہ۔"

پورے حق اور اختیار کے ساتھ پکارا ہوا یہ نام اس چھوٹے سے گھر میں یہاں سے وہاں تک گونجتا چلا گیا۔

ہر ایک پل بھر کیلئے اپنی جگہ ساکت ہوا تھا۔

وحید نے وحشت بھری نگاہوں سے سجاد اور پھر فرحت کو اندر آتے دیکھا۔

''ثانیہ۔''

پکار تھی یا ایک بھید بھرا اسم۔

پورا سویا ہوا منظر ایک بار پھر سے جاگا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں۔''

چھوٹے سے صحن کو پار کر کے وحید تک پہنچنے میں سجاد کو دو منٹ بھی نہیں لگے تھے۔

نکاح خواں کے سامنے رکھا فارم وحید کے گلے میں ڈالا ہوا گلاب کا مہکتا ہوا ہار' ماتھے سے پسینہ صاف کرتی ہوئی ممانی کا چمکیلا بھڑکیلا میک اپ سب ہی کچھ بڑی دردناک سچائی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

سجاد نے بے تابی سے فارم اٹھاتے ہوئے محض ایک نگاہ ندرجات پر ڈالی۔

ابھی ابتدائی کارروائی بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔

وہ جیسے درد کی کسی انتہا کو چھو کر واپس پلٹے تھے وحید کا حلق خشک تھا۔

سجاد کی نگاہ ان کے چہرے پر جمی تھی اور اس نگاہ میں وہ قہر تھا جس سے پہلے کبھی وحید کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔''

سجاد کی آواز عجیب ٹھنڈک بھری سرسراہٹ لئے ہوئے تھی۔

رگوں میں خون سا جماتی ہوئی۔

سجاد کے اٹھانے پر وہ بمشکل کھڑا تو ہوا لیکن قدموں تلے بچھی زمین آج جگہ دینے کو تیار نہیں تھی۔

''وہ' میں.....''

اپنے پالے ہوئے کرائے کے غنڈوں کے بل پر وحید جیسے بزدل شخص نے ایک آخری کوشش کے طور پر نگاہ دوڑائی تو سامنے خالی کمرہ چڑا رہا تھا۔

وہ سب اسی پل یہاں سے کھسک چلے تھے جب سجاد کو اندر آتے دیکھا تھا' پیسے سے خریدی گئی وفاداری کی عمر اتنی ہی ہوتی ہے۔

سجاد کا ہاتھ پوری قوت کے ساتھ وحید کے چہرے پر پڑا تھا۔

ایک دو تین' چار۔

زندگی میں پہلی بار سجاد کا ہاتھ کسی پر اٹھا تھا اور وہ بھی اس طرح جیسے زندگی ختم کرنے کے درپے ہوں۔

کونے میں دبکی ممانی پھٹی پھٹی آنکھوں سے وحید کی درگت بنتے دیکھے گئیں۔

''سجاد' سجاد' سجاد۔''

فرحت آپا نے بمشکل ہی سجاد کو کھینچ کر الگ کیا تھا۔

''پاگل ہو گئے ہو چھوڑ دو اس' دفع کرو بس اب۔''

ان کا آنسوؤں سے تر ہوتا چہرہ ہی سجاد کے حواس بحال کر سکا تھا۔

''یہ اس قابل بھی نہیں ہے تم کیوں ایک گندے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا چاہ رہے ہو میرے بھائی۔''

وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔

سجاد نے بے ساختہ ہی انہیں اپنے کندھے سے لگایا۔

''بھلا وہ کیوں بھول رہے تھے کہ فرحت آپا کا غم ان کی تکلیف سے کہیں بڑا ہے اور ناقابل تلافی بھی۔

''چلو یہاں سے۔''

فرحت نے سجاد کا ہاتھ کھینچتے ہوئے باہر کا رخ کرنا چاہا مگر۔

''وہ ثانیہ اور اماں۔'' سجاد کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا تھا۔

''میں نے انہیں گاڑی میں بٹھا دیا ہے بس اب نکلو یہاں سے۔'' فرحت ایک منٹ بھی یہاں رکنا نہیں چاہ رہی تھیں۔

سجاد نے بہت مشکور نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

ایک منٹ فرحت آپا'' باہر جاتے ہوئے وہ پل بھر کیلئے ممانی کے پاس رکے۔

''کوئی بھی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو میں وہ حال کروں گا کہ ساری عمر پناہ مانگتی رہو گی۔''

وہ ابھی تک سکتے کے عالم میں تھیں۔

''فرحت فرحت۔''

گھر کے گیٹ سے نکلتے ہوئے انہوں نے پیچھے وحید کو بے تابانہ پکارتے ہوئے سنا۔

آج ہر لحاظ ہر رشتہ ختم ہوا تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے سجاد نے پچھلی سیٹ پر بیٹھی ثانیہ پر محض ایک نگاہ ہی ڈالی تھی، مگر وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھی اس کی نگاہ کھلے ہوئے گیٹ پر جمی تھی۔

وہاں جہاں جمیل ماموں کھڑے مسکرا رہے تھے۔

سجاد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے سامنے لگے شیشے میں ثانیہ کے چہرے پر ایک کھوئی کھوئی سی مسکراہٹ کو ابھرتے دیکھا تھا۔

''وہ کسے دیکھ کر مسکرائی تھی وہ بھی اس اعصاب کو توڑتی صورتحال میں۔''

بہت حیرت سے انہوں نے بھی کھلے ہوئے گیٹ کے پار اسی طرف دیکھا جہاں ثانیہ کی نگاہ جمی تھی۔

مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

کچھ نہ سمجھتے ہوئے وہ گاڑی سٹارٹ کر چکے تھے۔

ثانیہ نے تھکے تھکے انداز میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں بند کیں۔

جمیل ماموں کا گھر رفتہ رفتہ دور ہوتا جا رہا تھا۔

''سو آج وہ اس گھر سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوئی۔

...☆☆☆...

سارے راستے وہ آنکھیں بند کئے رہی تھی۔

سجاد کی نگاہ بار بار اس کے زرد چہرے پر پڑ رہی تھی اور ہر بار ایک شدید قسم کا احساس جرم انہیں گھیر رہا تھا۔

کس سنگ دلی کے ساتھ وہ آج تک اس سے بے خبری کا مظاہرہ کرتے چلے آئے۔

اپنی مصلحتیں، اپنے تحفظات۔

کیسے فرض کئے رکھا کہ وہ ایک چھوٹی سی لڑکی اس اتنی بڑی دنیا میں محفوظ و مامون ہے تنخواہ کے نام پر چند ہزار دے کر اس کی ہر تکلیف کے خاتمے کا یقین کئے بیٹھے رہے۔

اور وہ اکیلی بناء کسی سہارے...

کیا بنتا اگر آج وہ وہاں نہ پہنچتے، تھوڑی سی دیر بھی کسی قیامت کو زندگی میں در لاتی۔

صرف اور صرف قدرت کی مہربانی کا نزول تھا، مگر شاید وہ خود کو ساری عمر معاف نہ کر سکیں۔

برادری، رواج، خاندان، اپنی جگہ سب محترم لیکن جہاں جیتی جاگتی زندگیوں سے جینے کا حق چھینا جاتا ہے کیا وہاں بھی...؟

ایک بڑا سا سوالیہ نشان آج بھی جواب طلب تھا مگر آج ہمیشہ کی طرح اس سے نگاہ چرانا بس سے باہر تھا۔

''جمیل کو لینے جا رہے ہیں نا ہم۔'' عقب سے اماں کی آواز ابھری تو وہ اور فرحت آپا دونوں ہی اپنے اپنے دھیان سے باہر آئے۔

ایک چھوٹا سا بیگ سینے سے لگائے وہ بڑی معصومیت سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''بہت دن سے نہیں آیا ہے گھر، میں تو اس کی بیوی کو منع بھی کر رہی تھی کہ پہلے جمیل کو آنے دو پھر ثانیہ کی شادی کرنا، مگر وہ مانی ہی نہیں، وہ کسی کی مانتی ہی نہیں ہے جو دل میں آتا ہے کرتی ہے۔''

ان کی سوچ کا دائرہ محض دو ناموں تک گھومتا تھا، ثانیہ اور جمیل۔

''آپ فکر مت کریں اماں ابھی کوئی ثانیہ کی شادی نہیں کر رہا ہے۔''

اماں کی تسلی کیلئے وہ بدقت ہلکے سے مسکرائے۔

''تم نے اچھا کیا جو ہمیں وہاں سے لے آئے، ثانیہ بہت پریشان رہی تھی جمیل کی بیوی نے بہت برا سلوک کیا ہمیشہ اس کے ساتھ، مگر وہ صبر سے سہتی رہی اور صبر نہ کرتی تو بیٹا جاتی بھی کہاں، ہم دونوں کا کوئی اور سہارا...۔''

''میں ہوں نا۔''

آگے کچھ بھی سننا سجاد کی برداشت سے باہر ہوا تھا۔

''میں ہوں نا اماں، پھر کیوں آپ نے ایسا سوچا اور آئندہ کبھی خود کو اکیلا مت سمجھئے گا اور نہ ہی کہیئے گا۔''

فرحت آپا نے چونک کر سجاد کی طرف دیکھا۔

یہ محض ہمدردی ہی تھی یا اس سے آگے کا کوئی رشتہ۔ انہوں نے آج سجاد کا ایک بالکل مختلف روپ دیکھا تھا۔ وہ شدید گھبراہٹ اور جنون کو پار کرتا ہوا غصہ، محض وحید کی بدفطرتی کا ردعمل نہیں تھا۔

کہیں کوئی اور کہانی بھی رقم تھی۔

''شاید کسی اور وقت وہ اس بارے میں زیادہ بہتر طریقے سے سوچ سکیں گی۔''

شل ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ انہوں نے آگے مڑتی ہوئی سڑک کو دیکھا تو جیسے چونک سی گئیں۔

"کہاں جا رہے ہو سجاد؟"

"گھر؟"

ان کا انداز صحیح تھا' مگر یہ کسی عجیب سی بات تھی۔

"وہاں کیسے ایڈجسٹ کرو گے تم گھر میں اتنے لوگ ہیں وہاں تو کتنے سوال اٹھیں گے؟"

نیچی آواز میں وہ اندیشے میں ڈوبے سوال کرنے پر مجبور ہوئیں۔

"میں دے لوں گا سب کو جواب۔"

فرحت آپا کی پریشانی پھر بھی کم نہیں ہوئی۔

"سمجھا کرو سجاد' بلقیس بھابی' بابا کم از کم یہ دونوں تو اعتراض اٹھائے بغیر نہیں رہیں گے اور بلقیس بھابی تو اتنی چڑچڑی ہو چکی ہیں کہ ...۔"

"میں اب ان لوگوں کو کہیں اور نہیں چھوڑ سکتا ہوں فرحت آپا اور بابا سے میں خود بات کر لوں گا۔"

نگاہ سامنے سڑک پر جمائے سجاد کا لہجہ حتمی تھا۔

"میرا خیال تھا کہ وہاں رحمت منزل میں انتظام کر دیتے' فلیٹ تو وہاں بھی خالی ہیں اور پھر وہاں فرح کی اور عمر کی فیملیز بھی ہیں زیادہ اچھی دیکھ بھال ہو سکتی تھی۔" اپنے طور پر بہترین حل فرحت آپا کے بھی پاس تھا لیکن سجاد کا سر دھیرے سے نفی میں ہلا تھا۔

"اب نہیں پہلے تو شاید میں وہاں چھوڑ دیتا لیکن اب کوئی بھی رسک نہیں لیا جا سکتا ثانیہ کی ممانی اور وحید دونوں ہی گھٹیا ترین لوگ ہیں کچھ بھی کر سکتے ہیں لیکن یہاں آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہوئے وہ گھر تک پہنچ چکے تھے۔

مین گیٹ سے فاصلے پر اس وسیع و عریض گھر میں ایک چھوٹا گیٹ اور بھی تھا۔

سجاد نے گاڑی وہیں روکی تھی۔

فرحت آپا نے قدرے اطمینان کی سانس لی تھی۔

یہاں انیکسی تھی گھر کا حصہ ہوتے ہوئے بھی بالکل الگ تھلگ چھوٹا سا یہ پورشن کسی کو ٹھہرائے جانے کے کام آتا رہتا تھا۔

گارڈ انہیں دیکھ کر دروازہ کھول رہا تھا۔

سامنے ڈرائیووے کے آخری سرے پر آبنوسی پھولوں سے ڈھکی انیکسی تھی۔

اماں نے بہت دلچسپی سے اس کرسمس کارڈ جیسے منظر کو دیکھا اور بے خبر ثانیہ کا کندھا ہلایا۔

"ثانیہ اٹھ جا بیٹا' دیکھ تو کتنا پیارا گھر ہے کیا اب ہم یہاں رہیں گے؟"

فرحت اور سجاد دونوں ہی مسکرا دیئے تھے۔

گاڑی ٹھیک چھوٹے سے برآمدے تک جاتی سیڑھیوں کے آگے لگی تھی جہاں ساتھ کیاری میں سرخ جنگلی گلابوں کی بہتات تھی۔

سجاد نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

پہلے اماں اتریں اور پھر۔

فرحت آپا نے بڑھ کر اسے سہارا دینا چاہا' مگر وہ خود ہی اتر آئی اماں کے جھنجھوڑنے نے اس پر مثبت اثر ڈالا تھا۔

سجاد کا خیال تھا کہ وہ یہاں لائے جانے پر کوئی نہ کوئی سوال تو ضرور کرے گی لیکن وہ اب تک ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔

''یا تو وہ اعصابی طور پر بالکل ٹوٹی ہوئی تھی یا پھر وہ ان سے اتنی ناراض کہ بات تو کیا نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کر رہی تھی۔''

دونوں ہی باتوں میں وہ حق بجانب تھی۔

بیڈ روم کشادہ اور آرام دہ تھا ضرورت کی ہر شے سے آراستہ۔ سجاد دانستہ باہر ہی رک گئے تھے۔ فرحت آپا کچھ دیر بعد باہر نکلیں تو خاصی مطمئن تھیں۔

''تھوڑی دیر آرام کریں گی تو زیادہ اچھا محسوس کریں گی' میں جا کر کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتی ہوں تم چاہو تو ابھی یہاں رکے رہو۔''

سجاد نے بڑی محبت سے ان کی طرف دیکھا۔

اپنے سر پڑی قیامت سے نگاہ چرائے وہ اتنی دیر سے ساتھ دیئے جا رہی تھیں۔

''میں نے تہمینہ بھابی کو فون کر دیا ہے کھانے کیلئے آپ بھی تھوڑا سا آرام کریں اب۔''

''اب تو آرام ہی ہے۔'' وہ اداسی سے مسکرائیں' کسی کسی وقت تو سجاد کیلئے ان سے آنکھ ملانا بھی مشکل ہونے لگتا تھا۔

کون ذمہ دار تھا فرحت آپا کے حصہ میں آئی آزمائش کا باباوہ تینوں بھائی یا پھر برادری کے فرسودہ اور ظالمانہ اصول و قاعدے۔

ان کے کندھے پر اپنا بازو پھیلاتے ہوئے وہ برآمدے میں رکھے صوفے پر آبیٹھے۔

''ایک بات بتاؤ گے سچ سچ۔''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے سجاد نے ان کی طرف دیکھا۔ ''پوچھئے۔''

''تم کیسے جانتے ہو ثانیہ کو؟''

''میرے آفس میں کام کرتی ہے فرح کی دوست ہے۔'' انہیں پتہ تھا کہ تھوڑی سی تنہائی ملتے ہی فرحت آپا کی طرف سے یہی تجسس بھری انکوائری شروع ہو جاتی ہے۔

''اور...'' وہ سجاد کے چہرے کو بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔

''اور کیا جاننا چاہ رہی ہیں آپ۔'' اب شاید مزاحمت بے کار ہی تھی۔

''ثانیہ کو پسند کرتے ہو تم' بہت زیادہ پسند۔''

فرحت کی نگاہ ایک لمحے کیلئے بھی سجاد کے چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔

چند لمحے بہت سست رفتاری سے اس خنک اور خاموش برآمدے میں سے گزرے تھے' سامنے سبزے پر سرمئی اندھیرا پھیل رہا تھا اور خوشبو سے بوجھل ہوتے ہوا کے جھونکے سارے خدشے اڑا لے جانے پر مصر۔

"جی۔" سجاد کی آواز دھیمی مگر بڑی واضح تھی۔

فرحت نے اس چھوٹے سے لفظ کے ساتھ سجاد کے چہرے پر روشنی سی چمکتی دیکھی تھی۔

...☆☆☆...

فیضی نے ہاسپٹل کے اندر واقع میڈیکل سٹور سے ہی دوائیں پانی کی بوتل اور چند اور ضروری چیزیں لے کر پیسے ادا کئے اور پھر ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر پاس بچی ہوئی رقم کو گننے لگا۔

اس کے اندازے سے بھی وہ اڑھائی سو روپے کم ہی تھے' پیسے جیسے ہاتھوں سے پھسلے ہی جا رہے تھے۔

ایک کی جگہ سو خرچ ہو رہے تھے۔

چیزوں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں اور سرکاری ہسپتال کے اندر بنے اس میڈیکل کم جنرل سٹور نے یہاں آنے والوں کو کھلے عام لوٹنے کا دھندا پوری ڈھٹائی کے ساتھ جاری رکھا ہوا تھا۔

ایک چھوٹا سا سرکاری ہسپتال ناکافی سہولیات اور صحت و صفائی کی پریشان کن صورتحال۔

نینی کے ہاں یہیں کل شام بچی کی ولادت ہوئی تھی' کل طبیعت خراب ہونے پر فیضی کو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے یہیں لانا پڑا تھا' پاس بچی محدود رقم اجازت ہی نہیں دے رہی تھی کہ وہ نینی کو کسی اچھے میڈیکل سینٹر میں لے جانے کی ہمت کر سکے۔ ناچار اسے وہی کرنا پڑا جو نہ کرنے کا وہ تہیہ کئے ہوئے تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" والا اس کا دیرینہ یقین بڑے آڑے وقت پر ٹوٹا تھا۔

"کاش' زیادہ نہیں تو ایک آدھ بار ہی وہ نینی کے خدشات پر بھی کان دھر دیتا جو وہ اس کی فضول خرچیوں پر بہت خراب موڈ کے ساتھ اسے سنایا کرتی تھی۔"

کل سے اب تک وہ کتنی ہی بار اس بات پر پچھتا لیا تھا' مگر نتیجہ کچھ بھی نہیں۔

مہرو خالہ اسے وارڈ کے آگے پر ہجوم کاریڈور میں ہی مل گئی تھیں۔

"کہاں رہ گئے تھے تم' کب سے انتظار کر رہی ہوں؟"

"رش بہت تھا خالہ وہاں بس اسی لئے... تھکے تھکے سے انداز میں اس نے چیزیں مہرو خالہ کو پکڑائیں تو انہوں نے اس کی بے دلی کو بخوبی نوٹ کیا۔

"ماشاءاللہ بیٹی کے باپ بن گئے ہو اللہ کی خصوصی رحمت ہوتی ہے بیٹیوں والے گھروں میں اور بے چاری کہتی کیا ہیں' اپنی قسمت لے کر آتی ہیں تم کیوں دل بھاری کر رہے ہو۔"

شفقت سے فیضی کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے جو سمجھا تھا اس کے مطابق تسلی بھی دے ڈالی۔

فیضی بری طرح جھینپا تھا۔

"نہیں خالہ ایسی کوئی بات نہیں' میں تو بہت خوش ہوں آپ بھی بس...۔"

"کیا بس' کل سے دیکھ رہی ہوں منہ لٹکا ہوا ہے تمہارا۔"

اپنا خیال رد ہونے پر وہ تھوڑی سی خفا بھی ہوئیں۔

''وہ تو میں ویسے ہی پریشان ہوں' حالت دیکھ رہی ہیں آپ یہاں کی خدا نہ کرے جو نینی کو کچھ ہو جاتا تو... پھر۔ میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاتا۔''

لوگوں سے بہت کم گھلنے ملنے کی عادت کے باوجود وہ مہرو خالہ جیسی شفیق بزرگ سے تھوڑا سا قریب ہو ہی گیا تھا۔

''اللہ نے بڑی خیر کی جو آپریشن کی نوبت نہیں آئی ایک آدھ دن میں گھر واپس چلے جائیں گے انشاءاللہ اب بے کار کی الجھن دل پر مت سوار رکھو۔''

''پریشانی۔'' کی وجہ جان کر وہ فی الفور مطمئن بھی ہو چکی تھیں۔ ''اور ہاں۔'' انہیں جیسے کوئی اور خیال بھی آیا۔

''تھوڑے سے پیسے ہیں میرے پاس کئی دن سے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے نینی کے خیال سے' ان میں آرام سے ہاسپٹل کا بل بھی نکل جائے گا۔

تم پیسوں کے خیال سے پریشان مت ہونا۔''

فیضی کے سر سے جیسے بڑا بھاری بوجھ سرکا تھا۔

کہنے کو سرکاری ہاسپٹل تھا لیکن انجکشن ٹیسٹ الٹرا ساؤنڈ ہر ایک مد میں پیسے چارج کئے جا رہے تھے' جو مل ملا کر اتنے تو بن ہی جاتے جو اس کی جیب میں رکھے پیسوں سے کہیں زیادہ ہوتے تھے۔

''میرے پاس تو شکریہ کے الفاظ بھی نہیں ہیں خالہ' اگر آپ نہ ہوتیں تو معلوم نہیں کیا بنتا تھا ہمارا ہر قدم پر آپ نے...''

تشکر میں ڈوبے یہ چند الفاظ بھی سننا انہیں گوارا نہ ہوئے۔ ''اپنے بچوں پر بھی کوئی احسان ہوتا ہے کیا' بیٹی کہا ہے نینی کو میں نے پہلے دن سے' مجھے فکر نہ ہوتی تو اور کس کو ہوتی اور میں نے اس بے چاری کیلئے کیا ہی کیا' رکھا ہی کیا تھا میرے پاس یہ تو دونوں بیٹے جو ماہانہ رقم مجھے پان چھالیہ کے دیتے تھے اتنے مہینوں سے وہی جوڑ رہی تھی۔''

بڑی سادگی سے وہ کہتی چلی گئیں۔

فیضی سن سا ہوا ان کی شکل دیکھے گیا۔

''اور کتنا اچھا ہوا جو یہ پان چھالیہ کی لت چھوٹ گئی اسی بہانے' بری بیماری کی جڑ۔'' وہ اسے چند منٹ رکنے کا کہہ کر لاپروائی سے کہتی ہوئی وارڈ کی طرف مڑ گئیں۔

فیضی کا بے ساختہ ہی دل چاہا کہ وہ اس گندے فرش پر بیٹھ کر یہیں اپنے سارے آنسو بہا دے۔

اتنی گہری محبت' اتنا پیار۔

''بھلا بناء کسی رشتے کے بھی کوئی کسی کیلئے اس حد تک جا سکتا ہے کیا لگتے تھے وہ اور نینی مہرو خالہ کے محض سال بھر پہلے آئے ہوئے پڑوسی۔''

آنکھ کے گوشے پر آ ٹکے ایک قطرے کو اس نے انگلی کی پور سے جھٹکتے ہوئے حیرت سے سوچا۔

نینی کی تو چلو خیر تھی' لیکن خود وہ تو عام طور پر مہرو خالہ سے تھوڑا الرجک ہی رہتا تھا' ان کی وقت بے وقت آمد' ان کے مشورے سب ہی اسے کھلتے تھے وہ ان کے پکائے ہوئے مزیدار کھانے ضرور کھاتا تھا لیکن کبھی جو رسماً بھی اس نے ان کا شکریہ ادا کیا ہو' سوائے آج کے جب واقعی اس کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔

"یہ لو' دیکھو کیسے آنکھیں کھول کھول کر دیکھ رہی ہے' بالکل نینی کی شکل۔"

بوتل کے جن کی طرح مہرو خالہ فوراً ہی آموجود ہوئیں اور اس بار اکیلی بھی نہیں گود میں گلابی کمبل میں لپٹی بچی بھی ساتھ تھی۔

خوشی کے گھنے گہرے احساس کے تحت وہ کچھ دیر کیلئے تو جیسے سب ہی کچھ بھولا۔

گلابی رنگ' سیاہ بال۔

وہ ننھی پری اپنی کالی کالی آنکھیں کھول کر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

فیضی نے ذرا جھک کر اس کے ماتھے پر پیار کیا مہرو خالو مسکرانے لگیں۔

"نام کیا سوچا ہے بیٹی کا۔"

"نام" وہ کچھ کہتے کہتے رکا۔ "نام تو آپ کو رکھنا ہے خالہ آپ بڑی ہیں ہماری جو دل چاہے رکھیں۔"

"میں' مجھے کہاں آتے ہیں بیٹا آج کل کے فیشن والے نام۔" وہ زور سے ہنس پڑیں۔ "ایک بات کہوں بیٹا برا نہ منانا۔"

انہوں نے دفعتاً بات بدلی تھی۔

"آپ کی بھی بات کا برا مانوں گا تو کہیں کا نہیں رہوں گا۔" بچی ابھی فیضی کی گود میں ہی تھی اور وہ لوگ رش سے بچنے کیلئے قدرے الگ آکھڑے ہوئے تھے۔

"اپنے دادا کو والدین کو بچی ہونے کی اطلاع ضرور دے دو' ساری خفگی دیکھنا کیسے ایک پل میں ختم ہوتی ہے۔ دوڑے چلے آئیں گے ابھی۔"

مہرو خالہ اتنی امید سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں کہ اپنا طے شدہ جواب دینا بھی کٹھن ہونے لگا تھا۔

"یہ بہت مشکل ہے خالہ۔"

"ناممکن تو نہیں۔" وہ جلدی سے بولیں۔

"ناممکن ہی سمجھ لیجئے۔" فیضی ان سے نگاہ نہیں ملا رہا تھا۔ "آپ ان لوگوں کو نہیں جانتیں خالہ' وہاں بڑے سخت اصول قاعدے ہیں۔"

"ہوں گے اصول قاعدے لیکن میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ ماں باپ کا دل کسی اصول قاعدے کو نہیں مانتا۔

اب تمہیں کیسی محبت آئی ہے اس بچی پر تو تمہارے ماں باپ کو اپنا ماشاءاللہ جوان بیٹا کیسے نہیں یاد آتا ہوگا۔"

ان کیلئے شاید فیضی کی بات سمجھنا مشکل تھا۔

وہ ایک الگ مائنڈ سیٹ اپ والی خاتون تھیں۔

سادہ دل' سادہ مزاج' ان کا متوسط درجہ والا بیک گراؤنڈ رشتوں کی روایتی محبتوں سے عبارت تھا' جہاں رنجشیں جنم بھی لیتی تھیں تو انہیں مٹایا جاتا تھا۔ کسی خزانے کی طرح انہیں سینے سے لگا کر نہیں رکھا جاتا تھا۔ کتنا محفوظ و مامون ماحول تھا یہ۔

فیضی کو بے حد رشک آیا تھا۔

مہروخالہ کا اصرار بڑھ رہا تھا‘ مگر جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ اس معاملے میں وہ کسی کی ایک نہیں سننے والا۔

’’جیسی تمہاری مرضی بیٹا لاؤ اسے مجھے دو۔‘‘

ہار مانتے ہوئے انہوں نے بچی کو لینے کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا۔

’’آپ ناراض مت ہو جایئے گا پلیز۔‘‘ وہ واقعی شرمندہ تھا۔

’’نہیں جب تم اتنی سختی سے منع کر رہے ہو تو پھر شاید تم ہی ٹھیک سوچ رہے ہو‘ میں نے تو بیٹا بس تمہاری نینی اور اس بچی کی بھلائی کیلئے ایسا کہا ہے‘ ٹھیک سے تو نہیں جانتی تمہارے خاندان کو لیکن اتنا تو سمجھتی ہوں کے بڑے گھر کے بیٹے ہو تقدیر کا بھید ہے جو ہم غریبوں کے محلے میں آبسے ہو۔‘‘

بچی کو سنبھالتے ہوئے وہ سنجیدگی سے کہے گئیں۔

ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ فیضی نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

’’بڑے گھر اندر سے بہت تنگ ہوتے ہیں مہروخالہ‘ وہاں اکثر اپنوں کیلئے ہی جگہ نہیں نکلتی۔بس رہنے دیں اس موضوع کو اور کہیں آپ تنگ تو نہیں آگئیں ہمارے یہاں رہنے سے؟‘‘

آخری جملہ اس نے دانستہ ان کا موڈ بدلنے کیلئے ہی کہا تھا اور یہی ہوا بھی۔

’’خدا نہ کرے۔‘‘ مجھے تو تمہارے جانے کا سوچ کر بھی وحشت ہوتی ہے‘ وہ تو بس میں... خیر چھوڑو۔‘‘

وہ جانے کو مڑنے لگیں تو پھر انہیں کچھ یاد آیا۔

’’نینی اپنی ماں کو یاد کر رہی ہے‘ ایسے وقت میں ماں کا بڑا سہارا ہوتا ہے بیٹا۔‘‘

اس بار انہوں نے کسی کو بلوانے کی سفارش تو نہیں کی لیکن فیضی کیلئے سمجھنا مشکل نہیں تھا۔

’’نینی کی طبیعت سنبھل جانے دیں چار روز میں‘ پھر میں اسے کچن دن کیلئے وہاں بھیج دوں گا لیکن ابھی یہاں اکٹھا نہ کریں لوگوں کو جنرل وارڈ ہے خالہ‘ بیٹھنے کی جگہ تو ہے نہیں پھر رش لگانے سے فائدہ۔‘‘

’’چلو ٹھیک ہے ویسے بھی کل تک انشاءاللہ چھٹی مل ہی جائے گی۔‘‘

فیضی نے شکر کیا کہ اس بار بات جلد ان کی سمجھ میں آگئی۔وہ بچی کو لے کر واپس چلی گئیں تو وہ خود بھی سامنے پڑی لکڑی کی بینچ پر آ بیٹھا۔

یہ ملاقات کا وقت نہیں تھا‘ پھر بھی لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔مہنگائی‘ معاشی مجبوریاں‘ ضرورت‘ لوگوں کی اکثریت یہاں آنے پر کیوں مجبور ہوتی ہے اب اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔

اسے لوگوں کے دکھ‘ رنج میں مبتلا کرنے لگے تھے اور خلوص وایثار جیسی صفات کا مطلب سمجھ میں آنے لگا تھا۔اس گئی گزری اوقات میں شاید اس نے ایک بڑا فائدہ تو حاصل کر ہی لیا تھا کہ وہ ایک بہتر انسان بنتا جا رہا تھا‘ ورنہ وہاں اس محل کی دیواروں کے پیچھے تو آج بھی شاید اس بے حسی‘ سنگ دلی اور غرور کے مظاہرے ہوتے ہوں گے۔

نہ چاہتے ہوئے بھی کسی اور سے نہ سہی لیکن اپنے آپ سے اس نے سچ بولنا شروع کیا تھا۔

نینی ٹھیک ہی کہتی ہے وہاں کسی کو بھی اس کی اتنی سی پروا نہیں ہے‘ انہیں اس کا خیال تک نہیں آتا ہوگا‘ وہ سب پیسہ کمانے میں اور اسے خرچ کرنے میں محو رہتے ہوں گے‘ پیسہ ہے ہی ایسی چیز ہاتھ میں ہو تو نشے کی مانند دماغ پر چڑھتا ہے وہ خود اس کا گواہ ہے۔

کوریڈور میں آتے جاتے لوگوں کے قدموں پر نگاہ جماتے ایک تکلیف وہ تجزیہ کئے گیا۔

''اور اسے یہاں بیٹھا دیکھ کر کون یقین کر سکتا ہے کہ وہ۔'' بابا گروپ آف کمپنیز کے خاندان کا بیٹا ہے۔''

ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری ہی تھی کہ اسے چونکنا پڑا۔

عمر ٹھیک اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

...☆☆☆...

آج فرح کی امی کو گھر آنا تھا۔

کئی دن کی ٹینشن کا خاتمہ ہوا تھا۔ سو نازی آج ٹھیک ٹھاک اہتمام کرنا چاہ رہی تھی صبح کام والی کو ساتھ لے جا کر وہ فرح کے فلیٹ کی اچھی سی صفائی کروا چکی تھی اور اب کھانے میں دو چار بڑی سپیشل ڈشز پر کام جاری تھا۔

آج نہ معلوم کیوں عمر نے آفس سے چھٹی لی ہوئی تھی وہ بھی بناء کسی خاص وجہ کے۔

پہلے تو نازی کو شبہ سا ہوا اس کی کہیں طبیعت نہ خراب ہو، مگر جب اسے صبح سے ٹی وی کے آگے جما بیٹھا دیکھتی رہی تو اسے اپنا یہ خیال بدلنا پڑا۔

آج خلاف معمول وہ خاموش تھا۔

''نازی نے ایک آدھ بات کرنا چاہی تب بھی مختصر سا جواب دے کر ٹال گیا۔

''کوئی تو بات ہے؟'' کچن میں کام کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر عمر کی طرف دیکھا۔

بظاہر ٹی وی پر نگاہ جمائے وہ اس وقت بھی غیر حاضر ہی تھا۔

اس بار رہا نہ گیا تو وہ چولہے کی آنچ ہلکی کر کے اس کے قریب آ بیٹھی۔

وہ کچھ چونک کر ہلکے سے مسکرایا اور پھر ٹی وی میں گم۔

اس کی پریشانی کی وجہ کم از کم وہ تو نہیں ہے۔'' ایک چھوٹا سا اطمینان نازی کو حاصل ہوا تھا۔

''آفس کا کوئی مسئلہ۔''

مگر یہ خیال بھی کچھ جما نہیں بابا اور سجاد کیلئے عمر کی حیثیت سے تھوڑے عرصے میں ہی واقف ہو چکی تھی، اتنے اچھے لوگوں کے سر پر ہوتے ہوئے عمر کی خوش قسمتی پر رشک ہی کیا جا سکتا تھا۔

تب ہی کھل کر کچھ پوچھنے سے پہلے اسے دیا کا خیال آیا۔

''عمر کی پریشانی وجہ کہیں وہی تو نہیں تھی۔''

گو عمر کھل کر اسے یقین دلا چکا تھا کہ وہ دیا کیلئے کتنا بھی سیریس سہی لیکن وہ اس کا گزرا ہوا کل تھی، جس کا اب اس کی زندگی سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے پھر بھی نازی کو اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوتے محسوس ہونے لگے تھے۔

پہلی محبت کی مضبوطی کی روایتی تھیوری پر اس کا بھی اچھا خاصا یقین تھا۔

اور اگر وہ محبت دیا ہو تو یہ یقین اور بھی پختہ ہوتا تھا۔ دیا کے حسن کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا۔

مسعود جیسا فراڈ آدمی بھی اس کی خاطر واپس پلٹ آیا تھا تو عمر ایسا کون سا فرشتہ تھا۔

جو وہ اس کے کہنے پر آنکھ بند کر کے یقین لے آئی تھی اور اپنے لئے عقلمندی کا دعویٰ تو اسے ویسے بھی نہیں رہا تھا۔

بجائے کسی سوال جواب کے وہ دل گرفتہ سی ہو کر یوں ہی کڑیوں سے کڑیاں ملائے گئی۔

''تمہاری امی کی طرف تو سب خیریت ہے نا۔''

عمر کی آواز پر اس نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بہت نرمی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''میرا مطلب ہے کوئی خاص خیر خبر۔''

نازی نے ہلکے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

اصل میں تو ابھی ابھی آیا خیال اتنا زور آور تھا کہ اسے عمر کا سوال ہی بے تکا لگا تھا۔

''پھر تمہیں کیا ہوا ہے جو اس طرح منہ لٹکا کر بیٹھ گئی ہو۔'' عمر نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

یہ بڑا بروقت سہارا تھا۔

پل بھر میں سارے وہم و گمان غائب۔

''شاید وہ سخت عدم تحفظ کا شکار رہی ہے اب بھی اپنے بارے میں اس نے سو فیصد درست تجزیہ کیا اور ساتھ ہی ہنس پڑی۔ کیسی متضاد سی بات تھی۔

''بتائو نا کیا ہوا؟'' وہ اب بھی منتظر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''کچھ بھی نہیں میں تو صرف آپ کو دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔''

''اللہ اکبر۔ تم نے بھی آخر نانی کا رنگ پکڑ لیا' پہلے صرف وہ مجھے دیکھ کر پریشان ہوتی تھیں اب تم بھی شامل ہو گئیں۔''

وہ اپنے مخصوص رنگ میں آ رہا تھا۔

''نانی کیوں پریشان ہوتی تھیں۔''

''آج کل تو پتہ نہیں لیکن ہوش سنبھالنے کے بعد سے تو میں نے انہیں صرف اپنی شادی کی فکر میں گھلتا ہوا دیکھا۔ بالکل ایسے جیسے کسی لڑکی کی عمر نکلتی جا رہی ہو۔'' نازی ہنستی چلی گئی۔

''کبھی کبھی تو مجھے دیکھ کر اس طرح ٹھنڈی آہیں بھرتی تھیں کہ مجھے خود شرمندگی ہونے لگتی تھیں' اصل میں نانی کے دل میں وہم بیٹھ گیا تھا کہ کہیں کسی نے کچھ کروا نہ دیا ہو میری شادی کے سلسلے...۔''

چند منٹ وہ وہی اوٹ پٹانگ باتیں کئے گیا جن سے اور کچھ نہ سہی لیکن ماحول ضرور ریلیکس ہوتا تھا۔

''آپ بھی بس... میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' نازی مسکراتی ہوئی اٹھنے لگی تھی کہ اس نے رکنے کا اشارہ کیا۔

''بیٹھو' مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''

اس بار وہ سنجیدہ تھا' مگر یہ سنجیدگی خوفزدہ کرنے والی نہیں تھی۔

نازی اطمینان سے اس کی طرف دیکھے گئی۔

فیضی سے کوئی رابطہ ہے امی' ابا کا اب؟ کچھ بتانے کے بجائے وہ سوال کر رہا تھا۔

''نینی خود فون کر لیتی ہے کبھی کبھار' میں نے بھی اسے چند بار فون کیا لیکن اب اس نے شاید پھر سے سم بدل لی ہے اصل میں فیضی کی سختی ہے اس پر وہ نہیں چاہتا کہ نینی ہم لوگوں سے کوئی رابطہ رکھے۔ اسی لئے نینی نہیں چاہتی کہ کوئی بھی اس کے گھر آئے جائے' ورنہ کتنا دل چاہتا ہے کہ...''

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔

''ملنا تو خیر وہ کسی سے بھی نہیں چاہتا ہے اور جس بات کی ضد پکڑ لیتا ہے اس سے ہٹانا بھی بڑا مشکل ہے اسے میں بچپن سے دیکھ رہا ہوں' بہت لاڈ پیار اور آسائشوں میں پلا ہے وہ۔''

نازی کی نگاہوں میں نیم اندھیری سیڑھیوں والا گھٹن اور گرمی میں گھرا چھوٹا سا فلیٹ گھوما۔

تقدیر نے بڑا عجیب کھیل کھیلا ہے اس کے ساتھ آسمان سے زمین پر گرا ہے وہ لیکن ہار ماننے کیلئے تیار نہیں' میں تو سوچ نہیں سکتا کہ کوئی شخص اس حد تک بدل سکتا ہے' جتنا فیضی بدلا ہے کیریئر اس کا الگ برباد ہو رہا ہے' وہ دونوں بڑا مشکل وقت دیکھ رہے ہیں نازی لیکن جیسے تیسے اپنے کیئے کو نبھاتے جا رہے ہیں۔''

''فیضی کو تو میں اتنا نہیں جانتی لیکن نینی ضرور اس رشتے کو آخری حد تک نبھائے گی' بہت محبت کرتی ہے وہ فیضی سے ہم میں سے کوئی ایک لفظ نہیں کہہ سکتا ہے فیضی کے خلاف اس کے سامنے۔''

نینی سے اسے سب بہن بھائی میں ہمیشہ سب سے زیادہ لگاؤ رہا تھا اور اس کی پریشانیوں پر بات کرنا نازی کیلئے آسان بھی نہیں تھا۔ کوئی راستہ کوئی سبیل' یوں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔

''آپ سجاد بھائی سے بات کریں شاید وہ کوئی سمجھوتہ کروا سکیں' گھر والوں کے ساتھ بڑی بڑی خفگیاں بھی دور ہو جاتی ہیں کبھی نہ کبھی آخر۔'' امید بھری نگاہوں سے اس نے عمر کی طرف دیکھا' مگر اس کے پاس وہی جواب تھا جو پہلے بھی دیا جا چکا تھا۔

''یہ فیصلے بابا کے ہوتے ہیں تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ وہ کتنے دبنگ اور اصولوں کے سخت آدمی ہیں' سجاد بھائی کو چھوڑو وقار بھائی کا تو بیٹا ہے فیضی' وہ نہیں ہمت کر سکتے بابا کے آگے بولنے کی اور اب تو...'' وہ کچھ کہتے کہتے رکا۔

نازی منتظر تھی۔

''اور اب تو خود فیضی بھی نہیں چاہتا کہ اس کی حالت کے بارے میں ان لوگوں کو کچھ علم ہو وہ ان سے کسی بھی قیمت پر رحم کی بھیک نہیں چاہتا ہے بہت سختی سے منع کیا ہے اس نے مجھے کہ میں اس کے بارے میں سجاد بھائی یا بابا سے بات کروں۔''

''کہاں ملا تھا وہ آپ کو۔'' ایک نہ معلوم سی گھبراہٹ نے نازی کو گھیرا۔

عمر خاموش تھا ایسے جیسے فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ اسے بتانا بھی چاہئے یا نہیں۔

''بتائیں نا' کہاں ملا آپ کو وہ۔''

نینی کے حوالے سے ہمہ وقت اندیشے گھیرتے تھے عمر نے ایک نگاہ اس کے فکر مند چہرے پر ڈالی۔

''سرکاری ہسپتال میں۔''

''نینی' نینی تو ٹھیک ہے نا۔'' نازی کو خود اپنی آواز دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''وہ ٹھیک ہے بیٹی ہوئی ہے اس کے ہاں۔''

''کیا۔'' ایک اجلی سی مسکراہٹ نے سارا ماحول روشن کیا۔

''اور جب یہ لڑکی مسکراتی ہے تو اس کی دلکشی کتنی بڑھ جاتی ہے۔'' عمر نے بے اختیار ہی سوچا۔

''نینی کے یہاں بیٹی ہوئی ہے اور آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں' میں امی کو تو بتا دوں وہ اتنی فکر مند ہیں۔ آپ نے روم نمبر وغیرہ تو پوچھ لیا فیضی سے...'' مارے خوشی کے وہ ایک سانس میں بولتی چلی گئی۔

نینی پرائیویٹ روم میں نہیں جنرل وارڈ میں ہے۔ عمر نے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا۔

''میں کل اتفاق سے ہاسپٹل گیا تھا کوئی داخل تھا وہاں جسے سجاد بھائی نے پیسے بھجوائے تھے' تب ہی مجھے فیضی وہاں بینچ پر بیٹھا دکھائی دے گیا' میں بالکل دبے پاؤں اس کے قریب پہنچا ورنہ اگر وہ پہلے کہیں مجھے دیکھ لیتا تو ممکن ہے خاموشی سے ادھر ادھر ہو جاتا وہ تو کسی سے نہیں ملنا چاہتا ہے اب۔''

نازی کی تسلی کیلئے تفصیل ضروری تھی لیکن عمر کے آخری جملے پر اس کے ماتھے پر ناگواری کی شکن ابھر آئی تھی۔

''وہ نہیں ملنا چاہتا تو نا ملے' لیکن ہم نے نینی کو چھوڑ تو نہیں دیا ہے میں امی کو فون کر کے یہ خوشخبری سنا دوں ذرا' پھر شام ہی میں ہم سب چلیں گے بیٹی کو دیکھنے۔'' ایک جھٹکے سے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر فون کی طرف بڑھی تھی' لیکن عمر نے فوراً ہی اسے روکا تھا۔

''ابھی کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں فیضی نے سختی سے منع کیا ہے۔''

نازی نے جھنجلا کر اس کی طرف دیکھا تب ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

...☆☆☆...

عمر نے اسے فوراً روکا تھا۔

''ابھی کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے فیضی نے سختی سے منع کیا ہے۔''

نازی نے جھنجلا کر اس کی طرف دیکھا۔''وہ ماں ہیں نینی کی یہ خوشخبری سننا ان کا حق ہے' فیضی کیسے اس وقت بھی اپنی ضد پر اترا ہوا ہے۔''

''یہ ضد نہیں ہے وہ شرمندگی میں مبتلا ہو رہا ہے' اسی لئے کسی کو فیس نہیں کرنا چاہ رہا' اس بے چارے کی پرابلم کو سمجھنے کی کوشش کرو تم۔'' عمر نے خود جب سے فیضی کو وہاں سرکاری ہسپتال میں دیکھا تھا اس کے حال پر دل گرفتہ تھا۔

''آپ کو تو فیضی کی سائیڈ لینی ہی ہے ظاہر ہے وہ آپ کے...۔''

ٹیلیفون کی گھنٹی تین چار بار بج چکی تھی۔

نازی جھنجلا کر اپنی بات ادھوری چھوڑ کر فون کی طرف بڑھ گئی۔

عمر کے چہرے پر ایک اداس سی مسکراہٹ پھیل گئی وہ اسے مالکوں سے وفاداری کا طعنہ دینے والی تھی ایک طرح سے اس کی بات تھی بھی ٹھیک۔

بابا اور ان کے خاندان کے کسی فرد کیلئے بھی وہ وفاداری کی ہر حد کو پار کر سکتا تھا' شاید لیکن یہاں معاملہ وفاداری سے بھی بڑھ چکا تھا۔

اب بات وفاداری نبھانے کے بجائے انسانیت کے تقاضوں پر آ چکی تھی۔

عمر کی نگاہوں سے ہجوم سے اٹے اس معمولی احاطے کے بینچ پر بیٹھا فیضی ہٹتا نہیں تھا۔

روکھے بال چہرے پر پھیلا تفکر اور دھل دھل کر اصل رنگت کھوتے ہوئے کپڑے۔

ایک نگاہ میں تواسے یقین ہی نہیں آیا تھا کہ وہ فیضی ہے اور جب یقین آیا تو وہ اس سے ملنے سے باز نہ رہ سکا‘ اسے بابا کا خیال بھی نہیں آیا‘ جو اسے سختی سے فیضی کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھنے کی ہدایت کر چکے تھے‘ وہ اس کی پہلی غلطی کو معاف تو کر چکے تھے لیکن دوسری غلطی ان کیلئے ناقابل معافی ہونی تھی۔

مگر اس وقت وہ بابا کی خفگی کے خیال کو بھی یکسر بھولا تھا‘ تھی نا عجیب بات۔

”کاش اس نے فیضی کو وہاں نہ دیکھا ہوتا کم از کم اس بے چینی سے تو بچا ہوتا‘ جواب کسی طرح پیچھا چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تھی۔“

صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے عمر نے اس طرف دیکھا‘ جہاں نازی فون پر بات کر رہی تھی تو چونک سا گیا۔

”کیا بات تھی جس کی وہ اتنی لجاجت سے صفائی پیش کر رہی تھی۔“

”میں نے بہت کوشش کی تھی‘ مگر آپ یقین کریں وہ کچھ سننے کیلئے تیار ہی نہیں ہیں۔“

لائونج چھوٹا سا تھا اور جو بھی بات ہو رہی تھی وہ بڑآسانی سے سنی جا سکتی تھی۔

”میں کیوں ایسا کروں گی کیا حاصل ہوگا مجھے ایسا کرنے سے کم از کم آپ تو مجھے اچھی طرح سمجھتی ہیں پھوپھو‘ میری عادت سے واقف ہیں پھر کیسے آپ کے دل میں بھی یہ خیال آیا کہ میں نے دیا کیلئے امی کے گھر کے دروازے بند کئے ہیں۔“

عمر نے ایک گہری سانس لی۔ بات سمجھ میں آ رہی تھی۔

نازی کی پھوپھی پہلے بھی فون کر کے اس کو مورد الزام ٹھہرا چکی تھیں اور یہی سلسلہ اب تک جاری تھا۔ عمر کو بہت ناگوار سا گزرا لیکن بہتر تھا کہ اس معاملے کو نازی خود ہی ہینڈل کرے سو وہ اٹھ کر اندر کمرے میں چلا گیا۔

نازی کی ساری توجہ فون کے دوسری طرف موجود اسماء پھوپھو کی طرف تھی۔

”بھولی مت بنو نازی‘ ٹھیک ہے تم نے طویل عرصے جاب کی‘ بشارت بھائی کی معاشی حالت کمزور تھی انہیں تمہاری جاب اور تمہارے ٹیوشنز سے بہت سہارا ملا‘ تب ہی تو وہ ہمیشہ تمہارے پریشر میں رہے آدمی جس کا کھاتا ہے اسی کا گاتا بھی ہے۔“

وہ بڑی بے اعتنائی سے کہہ رہی تھیں۔

نازی نے ان کے لہجے سے جھلکتی توہین کو دل پر سے ہوتے ہوئے محسوس کیا تھا اور توہین بھی کس کی؟

باپ کی جگہ کھڑے بڑے بھائی کی۔

جن سے محبت کا دعویٰ اسماء پھوپھو سے زیادہ کسی اور کا نہیں تھا۔

”بشارت بھائی نے ہمیشہ وہی کیا جو تم نے انہیں سکھایا پڑھایا اس نینی غریب کی شادی کر کے اسے گھر سے نکالا‘ حالانکہ ابھی اس کی عمر بھی نہیں تھی ان جھمیلوں میں پڑنے کی‘ بچی تھی‘ سمجھایا بجھایا جا سکتا تھا لیکن آناً فاناً نکال باہر کیا‘ یہی پھر دیا کے ساتھ ہو رہا ہے۔ مسعود اس کا منگیتر تھا سب کو پتہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کتنا پسند کرتے ہیں سو اس سے اچھی کیا بات تھی کہ ان کی شادی بخیر و خوبی ہو ہی گئی۔“

”بخیر و خوبی۔“ نازی ان کی بات کاٹے بغیر نہیں رہ سکی۔

''آپ اسے بخیر وخوبی کہتی ہیں پھوپھو' مایوں کی رسم ہونے والی تھی چند گھنٹوں بعد دیا کی جس وقت اس نے شادی سے انکار کیا تھا' گھر بھرا ہوا تھا مہمانوں سے کیا کسر چھوڑی تھی اس نے گھر کی عزت برباد کرنے میں۔''

وہ بمشکل ہی غصے میں آتی تھی لیکن اس وقت بڑا فطری رد عمل تھا۔

''شادی ہی تو کر رہی تھی مسعود سے گھر سے تو نہیں بھاگ گئی تھی دیا' اس بے چاری نے صرف اپنی مرضی ہی تو چلائی تھی' جس کی اتنی بڑی سزا' پتہ ہے دو دفعہ ہو کر آئی ہے وہ گھر لیکن تمہاری ماں نے اندر تک نہیں آنے دیا' اسے کہا کہ وہ اب اس کی شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کرتیں۔''

''امی نے ایسا کہا؟'' نازی غصہ بھول کر حیرت میں مبتلا ہوئی۔

''اچھا تمہیں نہیں پتہ' کمال ہے۔''

اس نے بات کے اختتام پر ان کی طنزیہ ہنسی سنی بھی اور نظرانداز بھی کی۔ ''مسعود بھی ساتھ گیا تھا کیا؟''

''وہ کیوں جاتا اپنی بے عزتی کروانے' اس کو تو اتنی سی بھی اہمیت نہیں دی گئی ہے سسرال میں جتنی کسی ملازم کی بھی ہوتی ہے۔''

''ہمارے گھر میں ملازم نہیں ہیں پھوپھو' آپ کو پتہ ہے۔'' نازی کا لہجہ اب سرد ہو چکا تھا' مگر شاید وہ نوٹ بھی نہیں کر رہی تھیں۔

''بشارت بھائی اچھا نہیں کر رہے' اپنے سگے بھانجے پر انہوں نے باہر کے لڑکے کو فوقیت دے رکھی ہے' عمر کی تعریفیں تو سارا خاندان کر رہا ہے ظاہر ہے بشارت بھائی اور بھابی نے ہی لوگوں کو اس کے بارے میں اچھا تاثر دیا ہے نا' حیرت کی بات ہے عام سی نوکری معمولی سا کرائے کا فلیٹ' زیادہ سے زیادہ بھی کیا تنخواہ...''

''آپ میری دیا سے بات کروائیں۔'' اسے احساس ہو رہا تھا کہ اسماء پھوپھو سے بات کرنا فضول ہے انہیں اپنے بیٹے کا رد کیا جانا زیادہ برا لگ رہا تھا یا عمر کی قدر و منزلت' فی الحال تو اس کا بھی اندازہ کرنا مشکل تھا۔

''وہ تو تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تمہاری وجہ سے اس کی پریشانیاں بڑھیں' تمہاری گھر پر حکمرانی کی وجہ سے وہ غریب گوشہ نشین ہو کر رہ گئی' یہی قصور تھا نا اس کا کہ وہ نینی کی طرح تمہاری خوشامد میں نہیں لگی رہتی تھی تب ہی تم ساری زندگی اسے ناپسند کرتی رہیں' نفسیاتی مریض بنا کر رکھ دیا اس بے چاری...''

اتنا زہر' اتنی کڑواہٹ۔''

''سب لوگ کیا اس کے بارے میں اسی طرح سوچتے ہیں خود غرض' مکار' دوسروں پر حکومت کرنے والی۔''

سن ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ بالکل ساکت کھڑی تھی۔

عمر باہر چھائی مکمل خاموشی کو محسوس کر کے ہی کمرے سے واپس نکلا تھا۔

نازی ابھی بھی ریسیور کان سے لگائے ساکت کھڑی تھی اور اس کا رنگ اتنا اڑا ہوا تھا کہ فوراً ہی کسی غیر معمولی بات کا احساس ہو رہا تھا۔

بناء کچھ کہے عمر نے تیزی سے بڑھ کر ریسیور اس کے ہاتھ سے لیا' دوسری طرف نہ جانے کب سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

ریسیور کریڈل پر ڈال کر اس نے فکر مندی سے نازی کو دیکھا۔ ''نازی' نازی۔''

اگر وہ اسے کندھے سے نہیں تھامے ہوئے ہوتا تو وہ چونکتے ہوئے ضرور ہی لڑکھڑا جاتی۔

''کیا ہوا ہے مجھے بتاؤ' کیا کہا ہے انہوں نے تمہیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ غصے میں آ رہا تھا۔

''کچھ نہیں کوئی بات نہیں۔'' اس نے خود کو بروقت سنبھالنے کی کوشش کی۔

''جھوٹ مت بولو۔'' وہ بہت غور سے نازی کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے چہرے کی رنگت اب تک بحال نہیں ہوئی تھی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔''

محض ایک کمزور سی مدافعت۔

''اور وہ اسے کیا بتائے کس کی شکایت کرے' اپنوں کی جو اس کیلئے اپنے دل میں زمانے بھر کا کینہ رکھے ہوئے ہیں۔''

بہت بے بس سا ہو کر نازی نے سوچا تھا دل پر گھٹن کا احساس بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

''میں کسی کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ میری بیوی کو ایک لفظ بھی کہے' میں آج ہی انکل اور آنٹی سے بات کروں گا تاکہ وہ خود ہی تمہاری پھوپھی اور بہن سے بات کریں لیکن یہاں فون کر کے تمہیں ٹینشن دینے کا انہیں کوئی حق نہیں ہے۔''

عمر کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آواز بتدریج اونچی۔

نازی نے آج پہلی بار اسے اس موڈ میں دیکھا تھا۔

''اور تم اتنی بیوقوف سن کیسے لیتی ہو لوگوں کی باتیں' ٹھیک ٹھاک جواب نہیں دیا جاتا تم سے ایسے لوگوں کو' ایسے ہی چلتا رہا تو ساری عمر دوسروں سے دبتی رہنا' لوگ پاؤں رکھ کر گزرتے رہیں گے تم پر۔''

اب وہ اس پر خفا ہو رہا تھا اور اچھا خاصا خفا' نازی نے ایک بار بھی اس کی بات کاٹنے کی کوشش نہیں کی تھی' چپ چاپ سنے گئی۔

دل کی ڈوبتی لرزتی حالت کیلئے اس وقت عمر کی ناراضگی ہی نسخہ شفا ثابت ہو رہی تھی۔

تحفظ اپنائیت' سکون' سب ہی کچھ جیسے ان ملامت کرتے الفاظ کے ساتھ جڑے تھے۔

اسماء پھوپھو کی طنزیہ دل دکھائی باتیں۔

دیا کے اقوال زریں۔

نشتر کا کام کرتے سارے ہی الفاظ کہیں فضاء میں تحلیل ہو رہے تھے اور دل جیسے بڑے ہی سکون آمیز انداز میں دھڑک رہا تھا۔

وہ جو آج سارا دن رونے دھونے کیلئے اچھا خاصا میٹریل جمع کر چکی تھی' خود اپنی حالت پر حیرت میں گم تھی۔

''کسی کے ساتھ کا بھرپور یقین کیا ایسے ہی اثر پذیر ہوتا ہے۔'' اس نے ذرا رک کر سوچنا چاہا' لیکن سامنے بیٹھا وہ ناراض شخص اس کی بھی مہلت دینے کیلئے تیار نہیں تھا۔

''اور آئندہ نہ دیکھوں میں تمہیں یہ الٹے سیدھے فون اٹینڈ کرتے ہوئے نانی فون ریسیو کریں گی یا پھر میں خبردار جو تم نے ہاتھ بھی لگایا' سن رہی ہو نا میری بات۔''

اس کی مستقل خاموشی پر عمر اور بھی جھنجلایا تھا' لیکن اس بار نازی بے ساختہ ہنستی چلی گئی تھی۔

...☆☆☆...

سجاد نے دور سے ہی اسے دیکھ لیا تھا۔

آئیوی کے پھولوں سے ڈھکے انیکسی کے داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر وہ اکیلی بیٹھی تھی۔

فاصلہ بھی خاصا تھا اور وہ کسی خیال میں مکمل گم' سو وہ چند لمحوں کیلئے تو بہت دھیان سے اس مکمل منظر کو دیکھے گئے۔

گھر کے اس حصے میں صبح' سب سے زیادہ خوبصورت انداز میں اتر رہی تھی۔

بے آواز قدموں سے چلتے ہوئے وہ اس کے قریب آ پہنچے تھے لیکن وہ یوں ہی آخری سیڑھی پر نگاہ جمائے کہیں اور ہی پہنچی ہوئی تھی۔

ایک ہلکی سی آہٹ سجاد نے دانستہ کی تھی۔

''آپ۔''

اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور ہلکے سے مسکرادی انہیں بڑا اچھا لگا کہ وہ اجلی شفاف مسکراہٹ اب واپس آ رہی ہے ورنہ پچھلے دو دن سے تو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مسکرانا تو قطعی بھول چکی ہے۔

''اور اس میں وہ حق بجانب بھی تھی۔'' ہر بار ایسا سوچ کر دل دکھ سے بھرنے لگتا تھا۔

''کیسی ہو۔''

''ٹھیک۔''

''اماں نہیں اٹھیں کیا ابھی۔''

پیچھے برآمدہ خالی دکھائی دے رہا تھا۔

''اٹھی تھیں لیکن نماز پڑھ کر پھر سو گئیں' چائے پئیں گے آپ۔''

صبح کی ان اولین گھڑیوں کے ساتھ چائے کا تصور خود بخود ہی بندھتا تھا' سو وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

''ضرور۔''

وہ ان کے کہتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

برآمدے کے دائیں کونے میں اوپن کچن تھا' ثانیہ کاؤنٹر کے دوسری طرف جا کر چائے کا پانی رکھنے لگی اور وہ وہیں قریب رکھے اونچے سٹول پر بیٹھ گئے انیکسی کا یہ چھوٹا سا کچن' مہمانداری کیلئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔

''فرحت آپا بتا رہی تھیں کہ تم نے کک کیلئے منع کر دیا ہے۔''

سجاد کو یاد آیا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے ہم دو ہی تو لوگ ہیں اور پھر یہاں ہر چیز ہے میں خود ہی بنالوں گی۔'' وہ مڑ کر کیبنٹ سے چائے کے مگ نکالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''کیوں آفس کو مکمل خیر باد کہنے کا ارادہ ہے کیا؟''

''نہیں تو۔''

اس کی فوری تردید پر سجاد بے ساختہ ہنس دیئے وہ کچھ جھینپ سی گئی۔

''اصل میں میں تو آج سے ہی جا رہی ہوں بہت چھٹیاں ہو گئی ہیں' پتہ نہیں وہاں سب کیا سوچ رہے ہوں گے۔''

''کوئی کچھ نہیں سوچ رہا اور جو سوچ سکتا ہے وہ تمہارے سامنے بیٹھا ہے باس ہوں تمہارا بھئی' اپنی چھٹیوں کی صفائی تمہیں مجھے ہی تو دینی ہے۔'' انہوں نے دلچسپی سے ثانیہ کے چہرے پر پھیلا دلکش رنگ دیکھا۔

اور وہ کتنے خوش قسمت ہیں جو اس رنگ کو دوبارہ واپس لا سکے۔''

''پھر بھی اب آفس تو جانا ہی ہے آپ ہی بتا دیں کب سے۔''

''شاباش۔ یہ ہوئی فرمانبرداری والی بات' ورنہ تمہاری طرف سے سو میں بالکل ہی مایوس ہوتا جا رہا تھا کوئی بات ماننے کیلئے تیار نہیں۔''

گو ان کا لہجہ مذاق کا رنگ لئے ہوئے تھا' لیکن ثانیہ کو کئی باتیں یاد آ کر رہ گئیں۔

جمیل ماموں کے علاج کیلئے سجاد کی مدد کو ٹھکرانا۔

رحمت منزل اور کسی بھی دوسری جگہ شفٹ ہونے سے انکار۔

''خودداری بڑھی اچھی ہے لیکن کسی کے گہرے خلوص کو ٹھکرانا بھی شاید گناہ کے زمرے میں آتا ہو گا۔'' چائے کا کپ سجاد کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے یہی سوچا تھا۔

''پھر گم۔''

اڑتی ہوئی بھاپ کی دھندلاہٹ میں وہ مہربان مسکراہٹ پھر چمکی۔

''اوں ہنہ۔'' ثانیہ نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

خاموشی کوئی خوبصورت سا بھید لئے اس چھوٹے سے برآمدے میں سے گزرتی رہی۔

پل پل قطرہ قطرہ۔

سکون کا نرمی بھرا احساس دل کی کسی انتہائی گہرائی کو چھو رہا تھا اور اپنی اپنی جگہ ان دونوں ہی نے ان حیات بخش گھڑیوں میں زندگی کو جیتا ہوا محسوس کیا تھا۔

کاش یہی ایک منظر ساری زندگی پر محیط ہو سکتا۔

تکلیف کی جس آخری حد کو انہوں نے ثانیہ کی خاطر جھیلا تھا اس کے بعد خود سے پوری دیانتداری کے علاوہ کوئی اور چارہ بھی تو باقی نہیں رہا تھا۔

وہ جیسے خود پر مسکرائے تھے۔

ثانیہ نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

'ہاتنی مزیدار چائے کا شکریہ' چلو ایک کام تو تمہارے ذمہ ہوا صبح کا اب میں روزانہ اسی وقت آئوں گا۔''

دل کے گرد خوش امیدی کا گھیرا پھر سے تنگ ہونے لگا تھا۔

ثانیہ نے خود کو بروقت سنبھالا۔

''میں تو چند دن کیلئے یہاں ہوں' سر وہ بھی آپ کی انتہائی مہربانی کی وجہ سے۔''

سجاد کے ہاتھ کے اشارے نے اسے رکنے پر مجبور کیا۔

''ہر بار کوئی ایسی بات کرنا ضروری ہے جس سے مجھے تکلیف پہنچے؟''

وہ بہت سنجیدگی سے اس سے پوچھ رہے تھے۔

''نہیں۔'' ثانیہ کا سر ہلکے سے نفی میں ہلا۔

''لیکن جو کچھ آپ نے میرے لئے کیا اس کیلئے تو شکریہ کا لفظ بھی چھوٹا ہے نئی زندگی دی ہے آپ نے مجھے۔''

وہ اس کے محسن تھے اور اسے اب ساری عمر یہ ایک بات یاد رکھنی تھی۔

سیڑھیوں پر کھڑے سجاد نے ایک گہری نگاہ ثانیہ کے چہرے پر ڈالی۔ ''میں نے تمہیں نہیں خود اپنے آپ کو نئی زندگی دی ہے۔''

مختصر سی بات بہت صاف اور واضح لہجے میں کہہ کر سجاد برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر واپس گھر کے مرکزی حصے کی طرف تیز قدموں سے بڑھ گئے تھے۔

وہ چپ چاپ واپس صوفے پر آبیٹھی۔

''کیسی خوش نصیبی تھی جسے وہ ہر بار اپنی خوش فہمی سمجھ کر ٹالتی تھی۔''

اپنے یخ ہوتے ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے اس نے خود کو سنبھالنا چاہا۔ ''کیسی ناممکن سی بات' فلموں اور ڈراموں جیسی۔''

مگر یہ جیتی جاگتی زندگی تھی جہاں ایک مختصر سے ٹائم پیریڈ کے بعد ''اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔ والا ہیپی اینڈ خود اپنی مرضی سے نہیں کیا جاسکتا تھا۔

یہاں خواب دیکھتے ہوئے ان کی ٹوٹی ہوئی کرچیوں کی چبھن کیلئے بھی آنکھوں کو تیار رہنا پڑتا ہے۔

''اور اس کے تو پورے وجود میں پہلے ہی کانچ ٹوٹ ٹوٹ کر بھرا ہے' یہاں مزید گنجائش کہاں۔''

اس کی حقیقت پسندی کی عادت کتنی بھی تکلیف دہ سہی شاید آنے والے کسی بڑے غم سے تو بچا ہی سکتی تھی۔

یہاں زیادہ عرصے رہنا ٹھیک نہیں تھا۔

سجاد سے ہر وقت کا سامنا تھا اور یہاں وہ آفس کی طرح کام کے انبار میں بھی نہیں دبے ہوتے تھے۔

اپنے حالات کو سامنے رکھ کر اگلا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔

نواب شاہ میں مکان کا ادھورا سودا منتظر تھا اس کو کینسل کروا کر واپس وہیں جا کر بھی رہا جاسکتا تھا۔

فائنل کا رزلٹ آنے والا تھا' وہاں کسی بھی سکول میں جاب کر کے سکون سے زندگی کاٹی جاسکتی تھی یا پھر رحمت منزل میں رہ کر کسی اور جگہ جاب...۔''

اعصاب اتنے تھک چکے تھے کہ کچھ سوچنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

اپنی کمزوری پر اسے خود بھی حیرت ہو رہی تھی۔

اندر سے اماں آواز دے رہی تھیں۔

کل ڈاکٹر انہیں دیکھ کر گیا تھا اور واضح طور پر بتایا تھا کہ انہیں مکمل ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے ورنہ ان کی حالت خرابی کی طرف جاسکتی ہے۔

احتیاط دوائیں' علاج۔

''اماں کی صحت یابی تک تو دنیا سے الگ تھلگ اس گوشہ عافیت میں چھپ کر وقت گزارا جاسکتا تھا۔''

بہت عرصے بعد میسر آیا سکون مصلحتیں لیکن کچھ فیصلے یقیناً وقت کو کرنے تھے۔

ثانیہ اٹھ کر تیزی سے اندر چلی گئی۔

بابا سٹڈی کی کھڑکی میں کھڑے تھے۔

سجاد کو آتا دیکھ کر انہوں نے اپنے کمرے میں آنے کا اشارہ کیا اور خود اپنی مخصوص کرسی پر براجمان ہوئے۔

"آؤ بیٹھو آفس میں تو غالباً ابھی دیر ہے۔"

"جی۔"

"کیسی طبیعت ہے اب ثانیہ کی والدہ کی؟"

"کل سے ٹریٹمنٹ شروع ہوا ہے بابا وقت تو لگے گا ہی سنبھلنے میں۔"

بابا کے چہرے پر تشویش پھیل رہی تھی۔

"ایک بے چاری کمزور بے سہارا خاتون' بھلا کہاں تک زمانے کا مقابلہ کرتیں' شوہر سر پر نہیں صرف ایک بچی کا ساتھ۔"

ان کا لہجہ دکھ سے لبریز تھا۔

بابا کی سخت اصول پسند شخصیت کے پیچھے انسان دوستی اور نرم دلی کی وہی اعلیٰ صفات تھیں جن کے بل پر آج بھی مثالیں قائم ہوتی ہیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

"ان کے علاج میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دینا۔ بہت اچھا کیا تم نے جو انہیں یہاں لے آئے' میرا تو سوچ کر بھی دماغ کھولتا ہے وحید کی جرأت پر' خدا نہ کرے جو وہ اپنا شیطانی منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچا لیتا تو کوئی ازالہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

سجاد نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

"سارا کریڈٹ فرحت آپا کا ہے بابا' کس ہمت سے انہوں نے وحید کا مقابلہ کیا' میں اگر نہ بھی جاتا ان کے ساتھ تو وہ اکیلی ہی جانے کیلئے تیار تھیں۔"

بہت سے محبت تو انہیں بے شک بہت تھی لیکن اب تو ایسا لگتا تھا کہ تاحیات وہ ان کے مشکور رہیں گے۔ ہار گلے میں ڈالے بیٹھا وحید گواہ نکاح نامے کا فارم کچھ بھی تو ذہن سے محو نہیں ہو رہا تھا۔

"فرحت آپا بے مثال ہیں بابا۔" سجاد نے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے دل کی گہرائی سے کہا۔

"ہاں مجھے اس پر فخر ہے لیکن۔" آگے کچھ کہنے سے پہلے انہوں نے اپنی آواز میں آتی نمی کو کنٹرول کرنا چاہا۔ "مجھے اس پر فخر ہے لیکن افسوس وہ مجھ پر ایسا کوئی فخر نہیں کر سکتی۔"

سجاد کی نگاہ خود بخود جھکی تھی۔

"اور وہ بھی اور وقار' سہیل بھائی بھی۔"

ان کا دل چاہا کہ وہ زور زور سے بتائیں کہ شرمساروں کی اس قطار میں وہ بھی شامل ہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اور اس شخص کی بے حیائی دیکھو مجھ پر برادری کا پریشر ڈلوا رہا ہے کہ فرحت اور بچوں کو واپس بھیجا جائے روزانہ کوئی نہ کوئی اس کا سفارشی بنا چلا آ رہا ہے۔"

برادری سے جڑے مسائل کو بابا ہی فیس کرتے تھے۔

سجاد کا کچھ لینا دینا نہیں تھا' مگر اس وقت وہ بڑی بری طرح بگڑے۔

"گھسنے مت دیں ایسے کسی بھی شخص کو' آپ سن کیوں رہے ہیں ان کی باتیں' میں آج ہی گارڈز کو منع کر دوں گا کہ وہ کسی کو بھی اندر بھیجنے سے پہلے صرف مجھ سے پوچھے۔"

"برادری میں ایسا نہیں چلتا اور دوسرے کئی جھگڑے شروع ہو جائیں گے' اس معاملے کو بہت سمجھداری کے ساتھ سلجھانا ہو گا' ہم برادری کی مخالفت مول نہیں لے سکتے۔ اگلے الیکشن میں وقار کا ایم پی اے کا ٹکٹ پکا ہے تو اس کی وجہ برادری کی سپورٹ ہی ہے نا۔"

بابا اپنی جذباتی کیفیت کے باوجود معاملے کو ہر طرف سے دیکھ رہے تھے۔

"یہاں آج بھی سیاست' برادریوں اور جاگیروں کے بل پر چمکائی جا رہی ہے کیا بنے گا اس قوم کا جس کی تین تہائی آبادی اپنے ذہنوں سے سوچنے کے بھی قابل نہیں۔"

یہاں برادری تو کیا سارا سسٹم ہی اتنا بے زار کن تھا کہ بات کرو تو سوائے کوفت کے کچھ حاصل نہیں۔

"کچھ بھی ہو اب سب سے الگ ہو کر بھی تو نہیں رہا جا سکتا' ہمیشہ اصولوں کی پاسداری کی ہے ہم نے' تب آج ساری برادری ہماری طرف دیکھ رہی ہے۔"

بابا کے لہجے میں بڑا مانوس سا فخر تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہے' یہی کہ کیا فرحت آپا کو زبردستی واپس بھجوایا جائے گا' وحید کے بقیہ ظلم و ستم کو سہنے کیلئے اور کتنا عرصہ لیں گی وہ ذہنی مریض بننے میں یا۔" آگے کچھ کہنے سے پہلے سجاد کو اپنی ہمت جمع کرنی پڑی۔ "یا پھر اس دنیا سے رخصت ہونے میں۔"

"خدا نہ کرے۔" بابا کے چہرے کا رنگ یک دم اڑا۔

"کم از کم میرے سامنے تو ایسی بد فال منہ سے نہ نکالو سجاد' یا تم سب فیصلہ کر چکے ہو کہ باری باری ہر ایک ہی مجھے چوٹ پہنچائے گا۔"

"آپ کے سامنے اور بھی تو بہت کچھ ہو رہا ہے بابا' جو تکلیف آپ اب تک اٹھا چکے ہیں وہ کیا کم ہے جب وہ جھیل لی تو یہ بھی....." بات ادھوری چھوڑ کر سجاد خاموش ہوئے۔

"میں چاہ رہا ہوں کچھ وقت یوں ہی خاموشی سے گزار لیا جائے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بابا نے اپنا ترتیب دیا ہوا حل بتانا ضروری سمجھا۔ "برادری میں طلاق کا تصور نہیں ہے لیکن اگر فرحت یہیں رکی رہی تو علیحدگی تو خود بخود عمل میں آ جائے گی نا' کچھ عرصہ گزرے گا تو سب لوگ اس صورتحال کو قبول بھی کر لیں گے۔"

"طلاق کی اجازت مذہب نے دی ہے بابا' برادری سے لینے کی ضرورت نہیں ہے۔" سجاد کی فون طنزیہ ہو رہی تھی۔

مصلحتیں' جواز۔

آخر کب تک؟

''اس بار فیصلہ خود فرحت آپا کو کرنے دیں' ان کے سامنے برادری کا آئین رکھے بغیر پلیز' یہ میری آپ سے درخواست ہے بابا۔'' اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ بابا کے گھٹنوں پر جھکے۔ ''میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں وہ جو بھی فیصل کریں گی اس پر ایک لفظ اعتراض کا نہیں کہوں گا' لیکن فیصلہ انہیں ہی کرنے دیں' ہم خوشی تو نہیں دے سکے لیکن اپنے دکھ کا حساب کتاب کرنے کا حق تو انہیں دے دیں شاید اوپر کہیں ہماری بھی خطا معاف ہونے کا امکان پیدا ہو جائے۔''

بابا نے سجاد کی آنکھوں سے گرتے آنسو دیکھے۔

ان کا دل بہت زور سے کانپا۔

یہ ایک بہن کا مرثیہ تھا جو اس کے بھائی نے پڑھا تھا۔

''ٹھیک ہے فرحت کو بلائو۔''

گھر کے سناٹے میں ان کی آواز گونجی۔

سجاد نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور آنکھیں خشک کرتے ہوئے دروازے کی طرف گئے۔ کوریڈور میں کھڑے ہو کر انہوں نے کسی ملازم کو پیغام دیا اور واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھے۔

کمرے میں مقدمہ چلنے کے بعد سے فیصلہ سنائے جانے کے درمیان والی خاموشی گزرتی رہی۔

تب ہی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی فرحت آپا کمرے میں داخل ہوئیں۔

سجاد' بہن کے احترام میں کھڑے ہوئے تھے اور ان کے بیٹھنے کے بعد خود بیٹھے۔

فرحت آپا نے بڑی محبت سے بھائی کے روّیے میں چھپی محبت اور احترام کو دیکھا۔

''ضروری بات تھی فرحت آپا' آپ چاہیں تو کچھ عرصہ سوچ لیں اور۔'' سجاد نے پاس بیٹھی فرحت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے انہیں مورل سپورٹ دینا چاہی تھی۔

''اس بار ہم چاہتے ہیں کہ تم خود فیصلہ کرو بیٹا۔'' بابا اٹھ کر قریب آئے۔

''جو غلطیاں ہو گئیں ان کا ازالہ تو ممکن نہیں ہے' لیکن اب آئندہ جو کچھ بھی ہونا ہے اس میں تمہاری اور صرف تمہاری مرضی ہی درکار ہے۔''

ایک پل کیلئے فرحت کے سر کو چھو کر وہ واپس اپنی کرسی پر جا بیٹھے تھے۔

''وحید کی بد فطرتی' برادری' سماج' سب تمہارے سامنے ہے بیٹا' میری طرف سے تم پر کوئی زور نہیں ہے۔''

فرحت آپا سے کہتے ہوئے انہوں نے رک کر سجاد کی طرف دیکھا۔

''اور تم اسی بات کے گواہ ہو سجاد۔''

سجاد نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

خدا کرے کے فرحت آپا ایک بار بھی ان سب چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن کا حوالہ بابا نے دیا ہے بلکہ صرف اور صرف اپنی طرف دیکھیں۔ ان آخری گھڑیوں میں سجاد نے دل کی گہرائی سے دعا کی۔

فرحت نے اپنے ہاتھ پر سجاد کے ہاتھ کا دبائو محسوس کیا تھا' ایک درد بھری مسکراہٹ نے پل بھر کیلئے اپنی چمک دکھائی اور چھپ گئی۔

''میں وحید سے خلع کی درخواست کورٹ میں دینا چاہتی ہوں بابا۔'' بہت پر سکون انداز میں فرحت نے فیصلہ سنایا۔

☆☆☆...

''کیامطلب' فرح کے گھر جاکر تم ان کے کام کرتی ہو کیا۔''

امی کو سن کر ہی عجیب سالگا۔

''کام والی آتی ہے ان کے ہاں لیکن دیکھنا تو پڑتا ہے۔امی پھر فرح کی امی کو بھی دیکھ بھال کی ضرورت ہے ہم خیال نہیں رکھیں گے تو کون رکھے گا ان کا۔''

وہ اپنی مخصوص نرمی کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

امی ہلکے سے مسکرادیں۔

''تعجب کی ایسی کون سی بات تھی وہ تھی ہی ایسی' خدمت گزار اور شاکر ہر ایک کے کام آنے کیلئے ہمہ وقت تیار اپنی ضرورتوں تک سے منہ موڑ لینے والی۔ذہن پر بہت زور دینے کے باوجود بھی انہیں نہیں یاد آتا تھا کہ نازی نے کبھی بھی انہیں کسی چھوٹی سی بات کیلئے بھی پریشان کیا ہو۔

اور اب کیسی خوشی کی بات تھی کہ وہ اتنی جلدی اپنی سسرال میں بھی مکس اپ ہو چکی ہے۔''

انہوں نے بڑا بے ساختہ فخر محسوس کیا۔

''کیادیکھ رہی ہیں۔'' نازی ان کے مسلسل اپنی طرف دیکھنے سے کچھ جھینپ سی گئی۔

''کچھ نہیں' بس شکر کرتی ہوں اللہ کا کہ اس نے تمہیں عمر جیسا بے مثال ساتھی عطا کیا۔'' ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولیں۔

اچھا ہوا تم آگئیں اکیلے میں بہت دل گھبراتا ہے اور اب دو چار دن سے تو نینی کی فکر میں جان گھلی جارہی ہے۔''

نازی نے بے چین سا ہو کر پہلا بدلا۔

نینی کی بیٹی کی خبر امی کو اب تک نہیں ہوئی تھی اور خود وہ اس ڈر سے خاموش تھی کہ اطلاع ملتے ہی وہ اسے دیکھنے کیلئے روانہ ہو جائیں۔

''رات تو مجھے وہ خواب میں بھی دکھائی دی کہیں اس کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو' بہت دل پریشان ہے سمجھ نہیں آرہا کروں تو کیا کروں۔''

نازی کو بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کتنی پریشان ہیں اور اس طرح کی ٹینشن ان کے بڑھے ہوئے بی پی کیلئے اور بھی مضر تھی۔

نازی کی بے چینی بڑھنے لگی۔

اتنی پیاری سی خوشخبری انہیں سنا کر وہ اس ساری فکر کا فی الفور خاتمہ تو کر ہی سکتی تھی۔

عمر کا منع کرنا اسے یوں ہی فالتو سی بات محسوس ہونے لگا' امی کی خوشی سے بڑھ کر شاید کچھ اور تھا بھی نہیں اس کے نزدیک۔

''نازی ٹھیک ہے امی بالکل خیریت سے آپ فکر مت کریں۔''

''تمہیں ملی تھی کیا گئی تھیں تم اس کے گھر؟'' وہ بری طرح چونکیں اور بیتابی سے سوال بہ سوال۔

نازی سرک کر ان کے قریب بیٹھ چکی تھی۔

"ماشاءاللہ بیٹی ہوئی ہے نینی کے ہاں عمر کو فیضی ملا تھا سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا' اللہ کا شکر ہے۔"

چند لمحوں کیلئے تو امی بالکل ہی ساکت سی اسے دیکھے گئیں۔

پھر ان کے لب ہلکے سے ہلے۔

غالباً انہوں نے شکر ادا کیا تھا۔

"عمر نے دیکھا بچی کو کیسی ہے وہ۔" اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں دوپٹے سے خشک کرتے ہوئے امی پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں امی' اتفاق سے مل گیا تھا ہاسپٹل میں' عمر کسی کو دیکھنے گئے تھے وہاں تب اس نے انہیں بتایا تھا نینی کے پاس اکیلے جا کر وہ کیا کرتے عجیب سا لگتا نا۔"

ان کے ہاتھ تھام کر وہ ہلکے ہلکے اس طرح کہہ رہی تھی جیسے کسی چھوٹے بچے کو سمجھایا جاتا ہو۔

سرکاری ہاسپٹل جنرل وارڈ فیضی کی ردی ہوئی حالت جس کا ذکر اس نے عمر کی زبانی سن کر بے حد تکلیف محسوس کی تھی' امی کو بتانی مناسب نہیں سمجھی۔

پھر بھی وہ اسی ضمن میں سوال کئے گئیں۔

"کون سا ہاسپٹل تھا۔"

"معلوم نہیں شاید وہیں کہیں قریب میں ہی ہو گا۔"

"گرمی بہت ہو رہی ہے خدا کرے کہ اتنے پیسے ہوں فیضی کے پاس کہ اے سی والا کمرہ لے لیا ہو۔"

نازی مروتاً بھی ہاں میں ہاں نہ ملا سکی۔

"چلو میں اور تم دیکھ آتے ہیں چل کر۔" امی نے اگلے چند منٹوں میں وہی پروگرام بنایا جس سے وہ گھبرا رہی تھی۔

"فون کر کے عمر سے جگہ اور ہاسپٹل کا نام پوچھ لو۔"

"وہ اب گھر جا چکی ہے امی فیضی نے بتاتا تھا کہ وہ جانے والے ہیں بس۔"

"تو پھر گھر چلتے ہیں اس کے' نکال تھوڑی دے گی' زیادہ سے زیادہ غصہ کرے گی تو کرنے دو اس کی بیٹی تو دیکھ لیں گے۔"

ان کی تڑپ اور اشتیاق دونوں ہی دل دکھانے کا سبب بن رہی تھی۔

"فیضی نے سختی سے منع کیا ہے امی وہ تو عمر سے بھی نہیں ملنا چاہ رہا تھا' یہ خود ہی اسے دیکھ کر پہنچے تھے لیکن اس نے منع کیا تھا کہ اس کی بچی کی اطلاع کسی کو نہ دی جائے' میں نے تو آپ کی پریشانی دیکھ کر صرف آپ کو ہی بتایا ہے۔"

"یہ کیسی زیادتی ہے اس لڑکے کی۔" ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے انہوں نے مایوسی سے نازی کی طرف دیکھا۔

"صرف نینی کا خیال روکتا ہے کہ اللہ جانے وہ اس کے ساتھ پھر کس طرح پیش آئے گا ورنہ دل تو جائے بغیر نہیں مان رہا۔"

"چند دن میں نینی کا فون ضرور آ جائے گا اس کی طبیعت تھوڑی سنبھل جائے پھر اسے رہنے کیلئے بلا لیجئے گا۔"

نازی نے دل میں شکر کیا کہ انہوں نے جانے کیلئے ضد نہیں پکڑی تھی بلکہ موقع کی نزاکت سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

"بھیج دے گا وہ نینی کو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" نازی نے پرامید لہجے میں کہا۔ "میری شادی پر بھی اس نے نینی کو اتنے دن رہنے دیا ہی تھا۔"

انہوں نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ وقت بھی نکل ہی جائے گا آپ بس دعا کیا کریں نینی کے حق میں' ساری مشکل...۔"

"دوسروں کیلئے صرف دعائیں اور خود آپ کیلئے...۔"

اس کی بات بڑے زہریلے انداز میں کاٹی گئی تھی۔

امی اور نازی دونوں ہی نے بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا۔

چوکھٹ کے فریم میں دیا کسی تصویر کی مانند جڑی تھی۔

"تم' تم آئیں کیسے یہاں منع بھی کیا تھا سختی سے باز کیوں نہیں آرہی ہو تم۔" امی کو بہت زور کا غصہ آیا تھا مگر وہ مزے سے ان سنا کرتی ہوئی بیڈ کے بالکل قریب آکھڑی ہوئی۔

قیمتی لباس اور گہرے میک اپ سے لتھڑا ہوا چہرہ وہ اتنی عجیب سی لگ رہی تھی کہ نازی سے اس کی طرف زیادہ دیکھا بھی نہیں گیا۔

"گیٹ سے آئی ہوں جو آپ بند کرنا بھول گئی تھیں اپنی لاڈلی بیٹی کی آمد کی خوشی میں اور مجھے یہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا آپ بھی نہیں اور یہ بھی نہیں جو سب کو نکال کر اب خوش خوش بیٹھی ہیں۔"

ایک نفرت بھری نگاہ اس نے نازی پر ڈالی۔

"تو گویا جو کچھ بھی اسماء پھوپھو نے کہا تھا سچ ہی تھا۔

وہ واقعی اس سے اتنی ہی نفرت کرتی ہے۔" نازی کے دل پر سہم سا طاری ہونے لگا۔

"نازی کو بیچ میں لانے کی ضرورت نہیں ہے دیا۔"

امی کو اندازہ تھا کہ دیا اپنی بدزبانی سے یہاں کس قسم کی صورتحال پیدا کر سکتی ہے۔

"بیچ میں تو وہ ہمیشہ سے ہیں ہماری خوشیوں کے ہمیشہ آڑے آتی رہیں یہ تو میری ہمت تھی جو میں ان کی پلاننگ کا شکار ہونے سے بچ گئی تھی' ورنہ پوچھ لیں مسعود کو گیٹ سے ہی کیوں رخصت کیا تھا انہوں نے' اسی لئے نا کہ برداشت نہیں کر سکتی تھیں میری خوشی اس سے پہلے نینی کی مخالفت میں آگے رہیں' ابا کو مجبور کر دیا کہ وہ ہم دونوں سے قطع تعلق کریں۔"

وہ آج بھی اس کا قصور معاف کرنے کو تیار نہیں تھی اپنے دل کی ہر مراد پوری کر لینے کے باوجود بھی۔

خود کو سنبھالتے ہوئے نازی نے دیا کی خود غرضی پر بڑی سخت حیرت محسوس کی' حالانکہ وہ شروع سے ہی ایسی تھی لیکن کم از کم اب تو نہیں۔"

"کیسے منع نہیں کرتی مسعود کو چار دن بھی نہیں رہ گئے تھے شادی میں تمہاری گھر کی عزت کا سوال آپڑا تھا کس کس کو کیا جواب دیا جاتا۔"

امی کا بس چلتا تو وہ شاید اسے دھکہ دے کر باہر کر دیتیں۔

کیا فرق پڑتا آخر ان کی شادی بھی تو عمر سے ہوئی' اس پر کیا جواب دیئے آپ نے لوگوں کو' اب تک سب کو حیرت ہے کہ اچھی خاصی عمر کی معمولی شکل والی لڑکی کو اتنا اچھا لڑکا اچانک ہی کیسے...۔" اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی۔

امی کا ہاتھ پہلی بار اپنی کسی اولاد پر اٹھا تھا۔

دفع ہو جا یہاں سے' شکل مت دکھانا مجھے اپنی آئندہ' ارے اتنا کینہ ہے تیرے دل میں اپنی سگی بہن کیلئے اور بہن بھی کون یہ۔''

انہوں نے سر جھکائے بیٹھی نازی کی طرف اشارہ کیا۔

''جس نے اپنی زندگی مٹائے رکھی تم بہن بھائی کی خاطر۔ چھوٹی سے چھوٹی خواہش بھی تم لوگوں کی اس کیلئے حرف آخر بنی رہی' اسے طعنے دینے کھڑی ہوئی ہے کچھ شرم باقی ہے یا نہیں۔''

دیا نے ایک لفظ جو سنا ہو۔

وہ اس تھپڑ کے شاک میں تھی جو اسے امی کے ہاتھوں وصول ہوا تھا۔

ساری اہمیت اس کی سارے اعزاز اس کے پاس ایک اونچی سنگھاسن پر بٹھا کر ہمیشہ اس کی پوجا کی گئی۔

بہن بھائی ملنے جلنے والے' رشتے دار اور خود امی رعب حسن سے سب ہی مرعوب امی تمغہ امتیاز کی طرح اسے لوگوں کے سامنے پیش کرتیں اور بجا طور نازاں ہوتیں' خود بخود فرض کر لیا گیا تھا کہ ہر اچھی شہ پر صرف اور صرف اسی کا حق ہے۔ اپنی دانست میں تو وہ خود پر سات خون معاف کئے ہوئے تھی۔

مسعود سے شادی کے وقت بھی اسے گھر والوں کا غصہ محض ایک وقتی کیفیت ہی محسوس ہوا تھا لیکن اس بار وہ حیرت انگیز طور پر ٹریٹ کی جا رہی تھی۔

''اتنا غصہ مت کریں امی بات کو آرام سے بھی تو کیا جا سکتا ہے' دیا تم بیٹھو تو سہی۔'' اپنی ساری بے عزتی بھول کر نازی نے مصالحت کی ایک اور کوشش کرنی چاہی۔

''آپ تو بیچ میں نہ ہی بولیں بخش دیں مجھے۔'' دیا نے نازی کا بڑھا ہوا ہاتھ بری طرح جھٹکا اور امی کی طرف مڑی۔ ''مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کے گھر آنے کا لیکن میں اپنا حصہ لینا چاہتی ہوں' میری شادی پر بھی سارا خرچہ بچ گیا ہے آپ کا' اب کم از کم جو حق بنتا ہے میرا وہ میں نہیں چھوڑوں گی۔''

امی اور نازی دونوں ہی کیلئے اس کی بات از حد غیر متوقع تھی' امی تو ٹھیک سے سمجھ بھی نہیں پائی تھیں۔

کیسا خرچہ بچا لیا ہم نے' تمہارے حصے کا سارا زیور بلکہ حصے سے بھی زیادہ دیا گیا ہے اور باقی سامان کا چیک خود سمیع دے کر آیا تھا تمہاری ساس کو۔''

''شادی' مایوں' مہندی کے فنکشن تو نہیں ہوئے تھے۔''

امی نے بے ساختہ ہی اپنا ماتھا چھوا۔

''شرم کر دیا بہت ارمانوں اور خوشی کے ساتھ ہو رہی تھی تیری شادی جو یہ چونچلے بھی ضروری تھے' باپ نے اجازت دے دی اسی پر شکر کر۔''

اس نے ہاتھ کے اشارے سے مکھی اڑائی۔

''ان کی اجازت سے کیا فرق پڑتا ہونا تو یہی تھا نا' خیر اب میں اور لمبی بات نہیں کرنا چاہتی' گولی ماریں اس شادی کو بھی لیکن۔'' لاپروائی سے کہتے کہتے وہ پھر سے سنجیدہ ہوئی۔ ''اس گھر میں میرا جو حصہ بنتا ہے وہ آپ مجھے دے دیجئے بات ختم' نہیں دیکھنا چاہتی نا آپ مجھے یہاں نہیں آئوں گی ویسے بھی مسعود جلد واپس جانے والے ہیں اور ظاہر ہے میں بھی میرے پیسے مجھے مل جائیں یہی کافی ہے۔''

وہ سر پر کھڑی اس طرح تقاضا کر رہی تھی جیسے کوئی قرض دے کر بھولی ہوئی تھی۔

''اس سے زیادہ وہ اور کیا تکلیف پہنچا سکتی ہے بھلا۔'' نازی نے دیا اور پھر امی کو دیکھا۔

''ایک پیسہ نہیں ملے گا تمہیں جو کرنا ہے کر لینا۔''

ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے امی واپس بیٹھ چکی تھیں۔

''ٹھیک ہے اگر ابا کو کورٹ کی سیڑھیاں چڑھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو وہ بھی پورا ہو جائے گا۔''

پھوپھو اور مسعود دونوں میرا ساتھ دینے کیلئے موجود ہیں۔

آخری کیل ٹھونکنے کے سے انداز میں اس نے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور ایک جھٹکے سے باہر نکل گئی۔

امی اور نازی میں سے کوئی بھی اس کے پیچھے نہیں گیا تھا' شاید ہمت ہی باقی نہیں رہی تھی۔

ذرا دیر کیلئے تو کمرے میں بالکل ہی سناٹا سا پھیل گیا۔ اپنی جگہ نازی اور امی دونوں ہی ایک سی کیفیت سے گزرے۔

''اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ اسماء کیوں دیا کا اتنا فیور کر رہی ہے میں یہی سوچتی تھی کہ وہ کیوں اس کی بے وقوفی میں مددگار بنی' اپنے بھائی کی عزت کا بھی خیال نہیں کیا کھڑے کھڑے شادی کر لی اپنے بیٹے سے۔''

نازی نے چونک کر امی کی طرف دیکھا۔

''نہیں امی' اسماء پھوپھو اب بدلی ہیں ورنہ پہلے تو ابا سے بہت محبت کرتی آئی ہیں' انہوں نے ہمیشہ مسعود کی غلطی کو مانا تھا فرق تو اب پڑا ہے ان میں۔'' اس کی انصاف پسند طبیعت اس وقت بھی باز نہ رہ سکی۔

امی نے ہلکے سے نفی میں سر ہلا کر اس کی بات رد کی۔

''فرق ایک دن میں نہیں پڑتا ہے بیٹا' یہ بہت پہلے سے اپنا رنگ جمانا شروع کر دیتا ہے نظر بس اچانک آتا ہے یہ گھر پرانا سہی لیکن اس کی مالیت کسی کے بھی منہ میں پانی لا سکتی ہے اور اسماء کو اس کی قیمت کا اچھی طرح اندازہ ہے پیسہ آتا کسی کو بھی برا نہیں لگ سکتا' چاہے اس کے پاس پہلے ہی کتنا ہو۔'' دھیرے دھیرے وہ کہتی چلی گئیں۔

نازی کو ماننا ہی پڑا۔

''لیکن اب یہ پیسے جو وہ مانگ رہی ہے اس کا کیا کرنا ہو گا امی۔''

''کچھ نہیں ابھی ہم زندہ بیٹھے ہیں اور ناخلف اولاد کو تو ماں باپ عاق کرتے ہی آئے ہیں زمانے میں' زیادہ پریشان کرے گی دیا تو ایک اشتہار ہم بھی دے دیں گے۔''

ان کے پاس دیا کیلئے ہر رعایت ختم ہو رہی تھی لیکن نازی تذبذب کا شکار تھی۔

''اب جب وہ مانگ ہی رہی ہے تو پھر کچھ تو اسے دینا ہی چاہئے امی۔'' جھجکتے ہوئے وہ کہہ ہی گئی۔

''اور اگر ہم لوگ کوشش کریں تو کچھ رقم جمع ہو ہی جائے گی۔''

امی نے نازی کی طرف ایسے دیکھا جیسے انہیں اس کی بے وقوفی میں کوئی شبہ باقی نہ رہا ہو۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں امی' دیا جو کہہ رہی ہے مان لیں شاید کبھی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو ہی جائے۔''

نازی نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

امی نے صبر سے سنا اور جب وہ بات پوری کر چکی تو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''محض مفروضہ ہے تمہارا یہ اس پر کوئی اثر نہیں ہونے والا میں اس کی آنکھوں میں گہری بے حسی دیکھ چکی ہوں نازی اور ڈر رہی ہوں کہ اس کا یہ روّیہ خود اس کیلئے کوئی بڑی مصیبت نہ کھڑی کر دے۔ مسعود بھی طبیعتاً اسی جیسا ہے خود غرض اور دو ایک جیسے لوگ...۔''

اپنی بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے نفی میں سر ہلایا اور باہر نکل آئیں۔

نازی ان کے ساتھ ہی تھی۔

''جو بھی ہے لیکن وعدہ کریں کہ پیسوں کے بارے میں ابا سے ضرور بات کریں گی کچھ نہ کچھ تو ہو ہی جائے گا انشاءاللہ'' برآمدے میں سے گزرتے ہوئے وہ امی پر مستقل ہی زور دیئے گئی۔

...☆☆☆...

شروع شروع میں تو انہوں نے دھیان نہیں دیا لیکن جب مستقل ہی انیکسی کی تمام لائٹیں جلتی ہوئی دیکھیں تو عادت سے مجبور ہو کر نوٹس لے رہی تھیں۔

''کون ٹھہرا ہوا ہے آج کل انیکسی میں۔''

وہ خاص طور پر یہی پوچھنے کیلئے لائونج میں سہیل کی بیوی کے پاس آ کر بیٹھیں۔

''سجاد کے مہمان ہیں بلقیس بھابی۔'' وہ سرسری سا جواب دے کر پھر سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کب تک رہیں گے، کسی دوسرے شہر سے آئے ہیں کیا؟''

ان کی دلچسپی برقرار تھی۔

اس بار ثمینہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

فیضی کے جانے کے بعد گھریلو معاملات سے قطعی لاتعلق ہو کر وہ بہت ایب نارمل انداز کی زندگی گزار رہی تھیں آج کل۔

ثمینہ کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے پھر سے اپنا سوال دہرایا تھا۔

''ابھی کچھ عرصے وہ یہیں رہیں گی، سجاد کے آفس میں کام کرتی ہے ثانیہ، وہ اور اس کی والدہ ہیں۔''

''لڑکی۔''

''بری طرح چونکیں۔''

''تم نے دیکھا اس لڑکی کو۔''

''میں گئی تھی ایک بار ملنے کیلئے اس کی والدہ بہت بیمار ہیں بیچاری۔'' ثمینہ کی سادگی سے بتائی بات میں انہوں نے ایک ساتھ کئی سوال ڈھونڈ نکالے۔

''کیسی شکل ہے؟ عمر کتنی ہو گی اندازاً؟''

کپڑے زیور سے مالی حالت کا کیا اندازہ ہو رہا تھا؟

لڑکی تیز لگ رہی تھی یا پھر وغیرہ وغیرہ۔

ثمینہ نے بہت سنبھل سنبھل کر اس بار انہیں جواب دیئے۔

اتنے عرصے ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ ان کی عادت سے بخوبی واقف ہو چکی تھی اور طبیعتاً بھی وہ صلح جو عورت تھی۔

بیمار ہیں تو اپنے گھر میں رہیں یہاں دوسروں کے ہاں آکر پڑ جانے کا کیا مقصد ہے آخر۔"

ثمینہ نے دانستہ انہیں یہ نہیں بتایا کہ ان لوگوں کے پاس فی الحال کوئی گھر نہیں ہے۔اسے پورے معاملے کے بارے میں تو نہیں پتہ تھا لیکن فرحت آپا جو اسے وہاں ملوانے بھی بعد میں لے کر گئیں۔

انہوں نے یہ ضرور بتادیا تھا کہ ثانیہ اور اس کی والدہ یہاں اس شہر میں اکیلے ہیں اور ان کا کوئی رشتے دار بھی نہیں ہے۔

"بابا نے کوئی اعتراض نہیں کیا' ان لوگوں کے رہنے پر۔"

وہ اٹھ کر پھر سے کھڑکی میں جا کھڑی ہوئیں۔

"نہیں۔"

"کمال ہے کوئی جوان لڑکی جس کا ہم سے کوئی رشتہ اور تعلق بھی نہیں اسے کیسے گھر میں لے آئے سجاد اور کسی کو پرواہ تک نہیں۔"

ثمینہ نے کوئی تبصرہ ضروری نہیں سمجھا۔

بلقیس بھابی کی خود پر طاری کی ہوئی بے حسی کا خول چٹخا بھی تو اپنی فطرت کے عین مطابق۔

"بات اتنی بھی سیدھی نہیں ہے جو سجاد نے کہا وہ سب نے مان لیا' آج سے پہلے تو کوئی لڑکی آکر گھر میں نہیں رہی۔" وہ بھی بمعہ فیملی۔ قصہ ضرور کوئی دوسرا ہی ہے ثمینہ' میری بات لکھ کر رکھ لو۔"

"کچھ بھی نہیں بھابی۔" ثمینہ نے اکتا کر ٹی وی بند کیا۔

"بابا یا سجاد ایسے غیر ذمہ دار کیسے ہو سکتے ہیں بھابی۔"

"آنکھوں میں دھول تو جھونک سکتا ہے سجاد' کہنے سننے والا ہے ہی کون اور اب تو ویسے بھی اس گھر کے سارے اصول قاعدے ٹوٹ ہی رہے ہیں' فرحت میاں کو چھوڑنے پر تلی بیٹھی ہیں اور یہ بھائی نہ جانے کس کو سیدھا گھر ہی لے آئے ہیں نہ اجازت نہ اعلان کون ہے جو اعتراض کرے۔"

"آپ اور کون۔" ثمینہ نے چڑ کر کہا اور ان کی ذہنیت پر توبہ کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

...☆☆☆...

نینی ہاسپٹل سے گھر آچکی تھی۔

ایک بچی کے ساتھ ہی گھر کا ماحول بالکل بدل چکا تھا۔ وہ جب چاہتی سو جاتی اور جب چاہے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتی۔
نینی اور فیضی دونوں ہی اس کو چپ کروانے میں کبھی کبھی تو بالکل ہی ناکام رہتے تھے۔

فیضی کا دن تو پھر بھی باہر گزرتا تھا لیکن نینی کیلئے تو وہ فل ٹائم مصروفیت تھی' وہ خود بھی کمزور ہو رہی تھی' گھر اور اضافی ذمہ داریاں سنبھالنے میں اس کی حالت اور بھی ردی ہو جاتی' اگر مہرو خالہ کا مہربان ساتھ نہ ہوتا۔ وہ دن بھر تقریباً اس کے ساتھ رہتیں۔ بچی کو نہلانا دھلانا' مالش۔ سب وہی کرتیں' کھانا بناتیں اور ان کی بہوئیں بھی آکر ہاتھ بٹا جاتیں۔

نینی شکریہ کا ایک لفظ بھی کہنا چاہتی تو اس طرح خفا ہوتیں کہ الٹا اسے معافی مانگنی پڑ جاتی۔ محبت' مہربانی کی ایسی اعلیٰ مثالوں میں شکریہ کا لفظ شاید جائز بھی نہیں تھا۔

"ایسا کون سا نیک عمل اس سے سرزد ہوا تھا جو اسے اس مشکل ترین دور میں ایسی آسانی دستیاب تھی۔"

وہ حیران ہو کر سوچتی' مگر پیچھے غلطیوں اور نافرمانیوں کی طویل فہرست کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

پاس پڑوس کے جن گھروں سے اس کی دعا سلام تھی وہ آکر بچی کی مبارکباد دے گئے تھے، نینی کو فطری طور پر امی، اباب، نازی آپا، دیا، سب ہی یاد آئے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ان سب کو خود سختی سے یہاں آنے سے منع کر چکی ہے، مگر پھر بھی وہ لاشعوری طور پر سب ہی کی منتظر رہتی۔

دل چاہتا تھا کہ اس کی بچی کو محبت بھرے سارے ہی رشتوں کا قرب حاصل ہو اور وہ خود وہ بھی اس گھنی گہری چھائوں میں کچھ دیر کیلئے تو ستا ہی لے، مگر یہاں دور دور تک ایسے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

بچی گیارہ دن کی ہو چکی تھی۔

اس کے بال اتروائے جا چکے تھے اور مہرو خالہ ہی کے مشورے سے اس کا نام بھی تجویز ہو چکا تھا۔

"عائشہ فیضان احمد۔"

"دیکھنا بہت قسمت والی بچی ہو گی انشاءاللہ، یہی اپنے ماں باپ کو خاندان سے ملوائے گی اور بڑے ناز و نعم سے اس کی پرورش ہو گی۔" مہرو خالہ نے بڑی محبت سے گود میں لی ہوئی بچی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نینی کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔ لیکن وہ بڑی ہمت کر کے ضبط کر گئی۔ دل سے جیسے ہر خوش امیدی رخصت ہو چکی تھی، اب تو ایسا لگنے لگا تھا کہ ساری زندگی یہیں اس تنگ اور گھٹے ہوئے بے رنگ ماحول میں گزر جائے گی جہاں اپنائیت کا ایک ہی اشارہ مہرو خالہ تھیں۔

"دل چھوٹا نہیں کرتے فیضی نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ تمہیں کچھ دن کیلئے تمہاری امی کے پاس بھجوا دے گا، کچھ دن ان کے پاس رہ لو گی تو بہت اچھا لگے گا تمہیں۔"

اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ تسلی دیئے بغیر نہیں رہ سکیں۔

نینی اداسی سے مسکرا دی۔

"کیا فائدہ ہے خالہ۔ وہاں بھی ایک تنائو کی سی کیفیت تو رہتی ہے۔ فیضی خود میرے ساتھ کبھی بھی نہیں جائیں گے، یہاں سے مجھے ٹیکسی میں بٹھا کر روانہ کر دیں گے اور ایک بار بھی آکر وہاں نہیں جھانکیں گے۔ بڑا عجیب سا لگتا ہے نازی آپا کی شادی پر تو مجبوری تھی لیکن اب میں اس طرح نہیں جائوں گی۔"

مہرو خالہ سے فوری طور پر کوئی جواب بھی نہیں بن پڑا، کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہی تھی اس کے احساسات کو سمجھنا ان کیلئے مشکل نہیں تھا۔

"اللہ بہتر کرے گا خود کو ہلکان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے بچی کو اس کی گود میں دیا محض اس کا دھیان بٹانے کیلئے۔

"اب تم ماں ہو اس طرح کڑھ کڑھ کر اپنی صحت برباد کر لو گی تو اسے کس طرح پالو گی؟ سب کچھ بھول کر اس کی پرواکرو باقی اللہ پر چھوڑ دو وہ بڑا مسبب الاسباب ہے، وہاں سے راہ کھولتا ہے جہاں انسان کا گمان بھی نہیں پہنچتا ہے۔"

نینی کی زبانی اب تک وہ اس کی ساری کہانی سن چکی تھیں اور والدین کی خفگی کو کسی حد تک جائز بھی سمجھی تھیں، پر زیادہ گلا انہیں فیضی کے خاندان سے تھا۔

ضدی، مغرور، سخت دل۔

"چلو ہو گئی غلطی، لیکن غلطیاں معاف بھی تو ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ساری عمر کیلئے گلے میں پھندے کی طرح فٹ تو نہیں کر دی جاتیں۔"

اس وقت بھی وہ اظہار خیال کئے گئیں۔ ”لکھ کر رکھ لو میری بات‘ خوش اور مطمئن تو وہ بھی نہیں ہوں گے۔ آرام چین سب حرام ہو گا ان کا بھی۔“

ان کی پیش گوئی بھی نینی کا دل خوش نہ کر سکی‘ اگر ایسا تھا بھی تو بھی اس کیلئے کیا فرق پڑتا تھا۔

”ایسا کرو اپنی امی سے فون پر بات کر لو‘ فیضی کون سا سارے دن گھر میں بیٹھا رہتا ہے تم بات کر لو گی تو انہیں بھی تسلی ہو جائے گی اور تمہیں بھی۔“

اس کی دل جوئی کیلئے مہرو خالہ کے پاس بہت سی عملی تجاویز تھیں وہ تو خود اس کو اپنے ساتھ لے جا کر ملوانے تک پر تیار تھیں‘ مگر ساری ہچکچاہٹ نینی کی اپنی تھی۔

فیضی کے غصے سے وہ اب ڈرنے لگی تھی اور آج کل تو وہ اتنا مایوس دکھائی دے رہا تھا کہ اس پر رحم بھی آتا تھا۔

مہرو خالہ کے گھر کوئی مہمان آ گئے تھے سو نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں اٹھ کر جانا پڑا۔

”کھانا تیار ہے تم وقت پر کھا لینا‘ فیضی کے انتظار میں بھوکی مت بیٹھی رہنا اور یخنی ضرور پی لینا میں تھوڑی دیر میں پھر آئوں گی۔“

ایک ساتھ کئی نصیحتیں تھما کر وہ رخصت ہوئیں‘ گھر میں ایک دم ہی سناٹا پھیل گیا۔

”سر پر کسی بزرگ کا وجود کسی خاص رحمت سے کم نہیں‘ ساری تپش ان کے گھنے سائے میں کم ہوتی محسوس ہوتی ہے۔“

نینی اور فیضی دونوں ہی نے اس خوبصورت حقیقت کو بڑے دل سے جانا تھا۔

بچی سو چکی تھی نینی نے اٹھ کر اسے اندر لے جا کر بیڈ پر لٹایا اور چند منٹ بڑی محبت سے اسے دیکھے گئی۔

اس کی گلابی رنگت لمبی لمبی سیاہ پلکیں اور گول مٹول سا وجود۔

شاید وہ دنیا کی سب سے حسین بچی کی ماں بنی ہے۔

ایک فطری سا فخر نینی کے حصے میں بھی آ رہا تھا‘ جھک کر دھیرے سے اس نے بچی کے ماتھے پر پیار کیا اور پھر اس کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے باہر چلی آئی۔ شب و روز کی ساری تلخی‘ ایک طمانیت بھرے احساس سے کم ہونے لگی۔

گھر صاف ستھرا تھا اور آج کل اس کے کرنے کیلئے کوئی بھی کام نہیں بچتا تھا۔ مجبوری اور تنہائی کے اس دور میں وہ نہ مجبور تھی اور نہ تنہا۔

”خدا کسی کو بھی اکیلا نہیں چھوڑتا۔“ نینی کا ایمان اس بات پر پہلے سے بڑھ کر پختہ ہو رہا تھا۔

ابھی کچھ کھانے پینے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن مہرو خالہ کی ہدایت پر عمل کرنا ضروری تھا۔ سوپ کا گرم کپ لے کر وہ سائیڈ میں کھلتی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔

ایک جیسے بے رنگ اور خستہ حال سے نظر آتے فلیٹس جن کی بالکونیوں میں پرانا متروک شدہ سامان اوپر تک اٹا اٹ بھرا ہوا تھا کسی نے یوں ہی ڈوری میں کوئی پرانی چادر پرو کر پردہ داری کی ضرورت پوری کرنی چاہی بھی تھی تو وقت اور گھر والو ں کے ہاتھوں‘ وہ بھی لٹک کر نیچے آ رہی تھی یا پھر نیچے آتے جاتے تقریباً ایک سے ہی حلیے کے لوگ تھکے تھکے پژمردہ ملگجے سے کپڑے پہنے ہوئے جیسے سارے زمانے کی تھکن کندھوں پر لئے زندگی کی تہمت کو سہتے ہوں۔

عجیب سی بے لطفی تھی اس سارے منظر میں‘ سارے ماحول میں۔

یہ عجیب ساماحول تھا۔

نہ تو یہ پوری طرح غربت تھی اور نہ ہی آسودہ حالی۔ کوئی بیچ بیچ کی صورتحال جو آنکھوں کے ساتھ دل پر بھی بوجھ بڑھاتی تھی۔

اس نے فیضی کے محل جیسے گھر کی تو خیر جھلک تک نہیں دیکھی تھی۔ لیکن اپنا ''رنگ محل'' ساری دل کشی لئے ذہن کے پردے پر سے ہٹنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ رنگین شیشوں والی کھڑکیاں جن سے چھن کر آتی دھوپ برآمدے منور کرتی تھی اونچی چھتوں والے بڑے بڑے کمرے پیچھے احاطے میں امی کا کچن گارڈن اور سب سے بڑھ کر وہ محفوظ و پرسکون ماحول۔

ایک پل میں ہی وہ کہاں سے کہاں جا پہنچی۔

تب ہی ان خوشگوار یادوں میں سے ایک منظر سامنے اچانک ہی جاگا' ان بہت سارے اجنبی چہروں میں دو مہربان چہرے چپکے سے شامل ہوئے تھے۔

امی اور نازی آپا۔

پہلے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا لیکن ہر اٹھتے قدم کے ساتھ وہ اور بھی نزدیک ہوتی جا رہی تھیں۔ خوشی کی ایک بے ساختہ لہر نینی کے وجود میں دوڑتی چلی گئی۔

''امی۔'' بچوں کی مانند وہ زور سے چلائی۔

فاصلہ زیادہ نہیں تھا وہ لوگ ٹھیک اس کی سیڑھیوں کے آگے کھڑی تھیں اور ان دونوں نے ایک ساتھ ہی اوپر دیکھا تھا۔

بہت گرمجوشی سے ان دونوں نے بھی ہاتھ ہلایا تھا۔ نینی تیزی سے پلٹی' کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے ایک نگاہ سوئی ہوئی بچی پر ڈالی' دروازہ ٹھیک سے برابر کیا اور دوڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''آرام سے... ہوا کیا ہے آخر؟''

سامنے مہر و خالہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ناممکن تھا کہ وہ اسے دیکھتیں اور ٹوکے بغیر رہ جاتیں۔

''امی اور نازی آپا آ رہی ہیں خالہ۔'' خوشی سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''شکر ہے خدا کا۔ لیکن تمہیں نیچے دوڑ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اوپر ہی آ رہی ہیں ناں۔ یہاں رکو۔''

وہ اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر ان دونوں کا سواگت کرنے کیلئے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئیں۔

سیڑھیاں تنگ تھیں اور امی کیلئے اتنے اوپر تک آنا آسان بھی نہیں تھا۔

انتظار کے ان ہی چند منٹوں میں اسے فیضی کے ردعمل کا خیال آیا۔ وہ کسی حد تک غصے میں آ سکتا تھا یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا۔

مہر و خالہ نے اس کی مسکراہٹ کو مدھم پڑتے دیکھا۔

''کیا ہوا' فیضی کی وجہ سے پریشان ہو؟''

نینی نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔

"کوئی ضرورت نہیں پریشان ہونے کی' میں خود سمجھادوں گی اس کو' خوشی خوشی اپنی امی اور بہن سے ملو وہ بے چاری اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئی ہیں' فیضی ہوتا کون ہے ان پر پابندی لگانے والا؟ خبردار جو ان کے سامنے منہ بنایا۔"

ان کے انداز میں کمال کی بے نیازی تھی۔نینی کو اسی سے ڈھارس ہوئی تھی۔

امی اور نازی آپا دونوں اوپر آچکی تھیں۔نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے گلے لگتے ہوئے نینی کا چہرہ آنسوئوں سے بھیگا تھا۔

خود امی کے دل کا حال بھی مختلف نہیں تھا۔

"کر دیا ناماں کو پریشان؟ سمجھایا بھی تھا" مہرو خالہ کی خفگی مصنوعی تھی۔"جائو بیٹا اندر آرام سے جا کر بیٹھو اتنا اوپر چڑھ کر آئی ہو میں ابھی تھوڑی دیر میں آتی ہوں ذرا مہمانوں سے فارغ ہولوں۔"

مہرو خالہ کے اشارے پر نازی انہیں لئے اندر چلی آئی۔نینی کے گھر کا حال اب بھی مختلف نہیں تھا۔

وہی بدحالی۔

پر اس طرف ذرا سا بھی دھیان دیئے بغیر امی اور نازی دونوں ہی اس ننھی پری پر نثار تھیں جو ان کی گود میں آکر جاگ چکی تھی۔

"بالکل نینی کی شکل ہے اس کے بچپن کے فوٹوز دیکھو تو کوئی پہچان نہیں سکے گا کہ ماں ہے کہ بیٹی ہے۔" امی کی مسرت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔

پچھلے سالوں دنوں میں وہ نینی کیلئے جتنی پریشان رہی تھیں نازی کو فکر سی ہونے لگی تھی کہ کہیں وہ اپنی طبیعت نہ خراب کر لیں اور اسی ڈر سے وہ انہیں یہاں لانے پر مجبور ہوئی تھی۔کسی نہ کسی طرح عمر کو راضی کیا' بشارت صاحب کو منایا تب کہیں جا کر یہ مرحلے طے ہوا تھا۔

"سچ بتا نینی۔تجھے ماں کا بالکل بھی خیال نہیں آتا؟ کوئی فون تک نہیں اتنی بڑی خوشی اور ہمیں اطلاع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا؟ اگر عمر کو فیضی نہ ملتا تو ہمیں تو خبر بھی نہ ہوتی۔"

امی کے کندھے سے لگی نینی نے شرمندہ سی ہو کر نگاہیں جھکائیں۔

"ایک رشتہ اتنا مضبوط اور ماں باپ' بہن بھائی جیسے تمہاری زندگی سے بالکل ہی خارج ہو گئے؟"

امی کی ساری شکایات بجا تھیں۔نازی سمجھا کر بھی لائی تھی کہ نینی کی مجبوریوں کا خیال کر کے اسے ایسا کچھ نہ کہیں لیکن وہ اس کی شکل دیکھ کر سب ہی کچھ بھول رہی تھیں۔

"اب تو تم خود ماں بن گئی ہو دل پر ہاتھ رکھ کر کبھی میرے بارے میں بھی سوچ لینا۔"

نینی بے ساختہ ہی پھر سے رو پڑی۔

نازی نے امی کو یاددہانی کا اشارہ کیا اور بڑی مشکل سے نینی کو چپ کیا۔

مہرو خالہ کے گھر سے چائے بن کر آگئی تھی۔

نازی کپ دھو کر رکھنے کیلئے کچن میں آئی تو اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔نینی بتا چکی تھی کہ کھانا وغیرہ ابھی تک مہرو خالہ کے گھر سے ہی آرہا ہے لیکن پھر بھی کچن میں ایسے خالی پن کا احساس۔ تھی تو غلط حرکت لیکن سامنے رکھے دو چار جار میں

مٹھی بھر دال اور محض دو تین بنیادی مصالحے اسے اپنی طرف متوجہ کر چکے تھے' سو اس نے دو چار چیزیں اور چیک کیں سب ہی خالی' حتیٰ کہ آٹے کے ڈرم میں موجود آٹے کی مقدار بھی ایک آدھ دن سے زیادہ ضرورت پوری کرنے والی نہیں تھی۔

چند لمحوں کیلئے تو نازی کے ہوش و حواس ہی گم ہونے لگے۔

اتنی تنگی' اتنی سختی۔

انہیں نینی کی معاشی پریشانیوں کا اندازہ تو تھا لیکن یہ تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی سختی جھیل رہی ہو گی۔ یہ سارا کٹھن عرصہ اس نے کس طرح گزارا ہو گا؟

اب اس کی سمجھ میں نینی کی زرد رنگت اور کمزور وجود کا سبب اور بھی اچھی طرح آ رہا تھا۔

شرمندگی سی شرمندگی۔

کم از کم یہاں تو نینی غلط نہیں تھی' اپنے سارے دکھ اس نے وقار سے جھیلے تھے نہ کوئی شکوہ' نہ شکایت۔ اچھا' برا ہر وقت اس نے پوری ذمہ داری سے گزارا اور نبھایا اور وہ سب دور بیٹھ کر محض اندازے لگاتے رہے اور ایک طرح سے بری الذمہ رہے۔

اسے خود پر شرم آئی' امی' ابا اور سمیع پر شرم آئی۔

فیضی کتنا بھی بدمزاج' جھگڑالو' بے مروت سہی یہاں سے کس نے اسے اپنانے کی کوشش کی' کس نے اس کے مسائل کو حل کرنے کی کوئی چھوٹی سی بھی کوشش کی یا اس کی تنہائی کو بانٹنا چاہا؟

عمر کی اور اس کی شادی میں اگر وہ نہیں آیا تو کسی نے جا کر اسے منانے کی کوشش کی؟ سب نے نینی کے آنے کو ہی کافی سمجھ لیا۔

ان رنگ و نور بھرے فنکشنز میں جب وہ سب ڈھیروں مہمانوں کے ساتھ انجوائے کر رہے تھے فیضی یہاں اس تنگ و تاریک گھر میں اکیلا بیٹھا رہا ہو گا اور مہرو خالہ کے گھر سے آیا ہوا کھانا کھایا ہو گا۔

نازی کا دل سوچ کر ہی کانپا تھا۔

پہلی بار اسے صرف نینی کا ہی رنج نہیں گھیر رہا تھا آج وہ فیضی کیلئے زیادہ دکھی تھی' آسمان سے زمین پر گرا تھا وہ اور کوئی اس کے زخم پر مرہم رکھنے کا روادار بھی نہیں تھا۔

وہ جو چپ چاپ اپنا نصیب سہہ رہے تھے انہیں حالات کے دھارے پر چھوڑ کر وہ سب دیا کی بخشی ہوئی ٹینشن کو زائل کرنے میں مصروف تھے۔ جو زندگی میں ہر آسائش' ہر من پسند چیز کو اپنا حق سمجھ کر چھینتی چلی آ رہی تھی' چاہے بدلے میں کسی کو بھی عمر بھر کا خراج ادا کرنا پڑے اور آج بھی کامیاب تھی۔ کوئی اور تو کیا خود وہ بھی تو دیا کو پیسہ دلوانے کیلئے ہر ممکن کوشش میں مصروف تھی۔

چند لمحوں میں حقیقت کے کتنے ہی در کھلے۔

نازی کو لگا جیسے آج وہ خود اپنے ہی آپ سے نگاہ ملانے کے بھی قابل نہیں رہی۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے چند فیصلے اس نے فوری طور پر کئے تھے۔

مہرو خالہ اپنے مہمانوں کو رخصت کر کے آ چکی تھیں۔

عام طور پر پڑوسیوں کی زیادہ دخل اندازی تھوڑی سی کوفت میں مبتلا کرتی ہے، مگر یہ دوسرا ہی سلسلہ تھا۔

"وہ لوگ مہر و خالہ کا احسان زندگی بھر نہیں اتار سکتے تھے۔" نازی نے پوری دیانتداری سے خود سے کہا تھا۔

اندر مہر و خالہ، امی اور نازی کے بچی کیلئے لائے ہوئے تحائف دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔

"کیا کر رہی تھیں باہر نازی آپا؟" نینی نے اسے اندر آتا دیکھ کر سادگی سے پوچھا۔

"ایک لمبا چوڑا حساب کتاب۔" نازی نے بمشکل ہی خود کو جواباً کہنے سے روکا تھا۔

"اپنوں کی محبت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے نہیں رہا گیا ناماں سے، اولاد لاکھ بے وقوفی کرے مگر چھوڑی تھوڑی جاتی ہے، کوئی جگہ نہیں لے سکتا اس رشتے کی۔"

مہر و خالہ نینی کو ہی تنبیہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ تب ہی امی نے بہت اپنائیت سے ان کا ہاتھ تھاما۔

"آپ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا میری محبت تو میری مجبوری سمجھ لیں، پر آپ کا نعم البدل کوئی بھی نہیں، ساری عمر کیلئے خرید لیا ہے آپ نے ہمیں۔"

"کر دیں شروع بے کار کی باتیں؟ یہ دونوں میاں بیوی بھی بس....." وہ سیدھی سادی خاتون تھیں اور بلا کی منکسر المزاج، تھوڑی سی دیر بیٹھ کر خوش خوش واپس چلی گئیں، بہت اصرار تھا کہ رات کا کھانا ان کی طرف ہو لیکن امی اور نازی دونوں ہی نے آئندہ کے وعدے پر معذرت کی۔

شام ڈھل رہی تھی۔

نینی کی نگاہ بار بار گھڑی کی طرف جا رہی تھی۔

"معلوم نہیں فیضی کس وقت چلا آئے۔"

"یہ اتنی ساری چیزیں نہیں لانی چاہئے تھیں آپ کو فیضی خفا ہوں گے۔"

"کیوں خفا ہو گا، ہمارا کوئی حق نہیں ہے کیا، خرید لیا ہے اس نے تمہیں؟" امی فیضی کا نام سنتے ہی غصے میں آنے لگیں۔ نینی بے بسی سے انہیں دیکھے گئی۔

"وہ ایسے نہیں ہیں امی۔ اپنے حالات سے پریشان ہیں۔ ان کی خودداری پر چوٹ پڑتی ہے تو وہ اسے غصے کے پردے میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

امی چپ ہوئیں تو وہ فیضی کی طرف سے صفائی دیئے بغیر نہیں رہ سکی۔

نازی نے تعریفی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ یقیناً بہت سمجھدار ہو گئی تھی۔ لیکن اس حقیقت کو امی نے ابھی تک بھی نہیں جانا تھا۔

"میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ فیضی انتہائی بداخلاق اور مغرور لڑکا ہے، تمہارے ابا اس سے ایسے ہی تو ناراض نہیں ہیں، پہلے میں انہیں غلط سمجھتی تھی لیکن اب تو سو فیصد متفق ہوں۔"

نازی پورے تحمل سے ان کی بات سننے لگی۔

"فیضی بھی تو ابا سے ناراض ہیں امی۔ کبھی اس کا بھی تو پوائنٹ آف ویو سمجھنا چاہئے ہمیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" امی نے چونک کر نازی کی طرف دیکھا۔ "کیا ہم اس کے قدموں میں سر رکھ کر اپنی ان غلطیوں کی معافی مانگیں جو ہم نے کی بھی نہیں؟"

"میں نے ایسے نہیں کہا ہے۔"

"مطلب تو یہی ہے نا۔" بہت دنوں بعد وہ اس سے بھی خفا ہوئیں۔

"چلو بس چلتے ہیں اب ہم دونوں' وہ حضرت تشریف لے آئے تو پھر کہیں بے عزتی کرنے نہ کھڑے ہو جائیں۔" اپنی بات کہتی ہوئی وہ خفگی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

نازی اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں' امی نے اپنی بات پھر سے دہرائی تو وہ ہلکے سے مسکرا دی۔

"میں یہیں بیٹھ کر فیضی کا انتظار کروں گی امی۔ آج مجھے اسے منانا ہے اپنے اس بدصورت روّیے کی معافی مانگنی ہے جو ہم نے اس سے روا رکھا ہے' غلطیاں تو ہماری بھی بہت ہیں۔"

امی کا منہ حیرت سے تھوڑا سا کھلا۔

"وہ چھوٹا ہے لیکن کسی کی عزت کی اس نے؟ تمہارے ابا خفا تھے تو اس نے کون سا نہیں منانے کی کوشش کی' الٹا ہم سب کی بے عزتی میں کسر نہیں چھوڑی اس نے' یاد ہے جب ہم پچھلی بار یہاں آئے تھے تو وہ کس طرح پیش آیا تھا؟"

"دیا اس سے کہیں زیادہ دل دکھا چکی ہے ہمارا' پھر بھی ہم اس کے آگے سر جھکاتے آرہے ہیں نا؟ فیضی کی خطا اس سے زیادہ بڑی نہیں ہے امی۔" نازی جتانا تو نہیں چاہتی تھی لیکن شاید ضروری تھا۔

امی اس بار کچھ نہیں کہہ سکیں۔

"کئی بار ہم غلطی پر ہوتے ہوئے بھی خود کو غلط کہتے ہوئے ڈرتے ہیں امی۔ فیضی نے برا ضرور کیا لیکن حالات میں بہتری کی کوشش تو ہم سے بھی نہیں ہوئی' اس بار مجھے یہ کوشش کر لینے دیجئے نینی کی خاطر ہی سہی۔" اپنی بات کہتے ہوئے وہ آزردہ سی تھی۔

نینی یک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر نازی کے گلے آ کر لگی۔ ہچکیوں سے اس کا پورا جسم ہل رہا تھا۔ اس کی کمزور حالت کے پیش نظر یہ شدید جذباتیت اچھی نہیں تھی' پھر بھی نازی نے اسے رونے دیا۔

بہت سے دکھوں کا مداوا یوں ہی سہی۔

☆☆☆...

فرح نے آج ہی آفس جوائن کیا تھا۔ برابر والی خالی سیٹ اب بھی خالی ہی تھی۔

سیٹ دیکھ کر ہی دل پر چوٹ سی پڑی تھی۔

"کہاں غائب ہو گئی تھی ثانیہ۔"

پچھلے بیس بائیس دن' وہ اپنی امی کی بیماری میں جس پریشانی سے دوچار رہی تھی اس میں بھی وہ اسے بھولی نہیں تھی۔ فون پر فون کئے تھے' مگر دوسری طرف کوئی رسپانس نہیں تھا۔ اگر فون خراب تھا تب بھی رابطے کی دس صورتیں اور بھی ممکن تھیں' مگر وہ تو ایسی گم ہوئی تھی کہ نہ پتہ' نہ نشان۔

کل پہلی فرصت ملتے ہی وہ جمیل ماموں کے گھر کا بھی چکر لگا آئی تھی لیکن وہاں بھی بڑا سا تالا منہ چڑا رہا تھا۔ پڑوس سے پوچھنے پر پتہ چلا تھا کہ ممانی اور لبنیٰ دونوں کسی رشتے دار کے ہاں پنجاب گئی ہیں۔

"اور ثانیہ اور اماں؟" فرح نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پڑوس کے ان مہربان صورت بزرگ سے پوچھا تو وہ بے چارے کچھ چپ سے ہو گئے۔

"وہ تو ساتھ نہیں تھیں۔ اصل میں میں نے ٹیکسی میں سامان رکھواتے ہوئے دیکھا تھا جمیل کی بیوی کو' یہاں سے تو وہ دونوں ماں بیٹی ہی روانہ ہوئی تھیں' ثانیہ اور اس کی والدہ تو کئی دن سے نظر نہیں آئیں' وہ لوگ پہلے ہی جا چکی ہیں شاید۔"

"کچھ تو اندازہ ہوگا انکل۔ پلیز۔"

وہ شاید اس کے ملتجی انداز اور بے تابی سے ہی مجبور ہوئے۔

"بڑی عجیب سی باتیں سننے میں آئی تھیں' اصل میں کہنا تو نہیں چاہئے لیکن جمیل صاحب کے انتقال کے بعد محلے والوں سے ان کا ربط تقریباً ختم ہو چکا تھا' بڑی بدمزاج عورت ہیں ان کی بیگم' لوگ ملتے ہوئے گھبراتے ہیں ان سے' کسی کے بھی گلے پڑ جاتی ہیں۔"

فرح کو ان کی کسی ایک بات سے بھی اختلاف نہیں تھا۔

"لیکن ثانیہ...؟"

"وہی بتا رہا ہوں اس کا کہیں رشتہ وشتہ کر دیا تھا جمیل صاحب کی بیگم نے' شادی سادگی سے ہونی تھی لیکن پھر پتہ نہیں کیا ہوا؟ شادی ہوئی یا نہیں ہوئی اس کے بارے میں کچھ خبر نہیں ملی' اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"

فرح کی پریشانی اور بھی بڑھی تھی۔ سب سے زیادہ غصہ اسے سجاد پر آ رہا تھا۔ کوئی اور نہ سہی وہ تو تھے' اتنا سا خیال بھی نہ رکھ سکے۔ اگر کوئی بڑا نقصان ثانیہ کے حصے میں آیا تو شاید وہ انہیں زندگی بھر معاف کرنے والی نہیں تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

میز پر جمع شدہ کام کی طرف اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ نگاہ مستقل داخلی گیٹ کی طرف ہی جمی تھی' جہاں سے سجاد کو آنا تھا۔ آفس میں لوگوں نے بتایا تھا کہ وہ آج کل تھوڑی دیر سے ہی آ رہے ہیں' سو آج بھی ایسا ہی ہوا۔

ہمیشہ کی طرح ویل ڈریسڈ۔

اور ہمیشہ سے کہیں زیادہ خوش باش۔

فرح کو پہلی بار ان کی مسکراہٹ بھی زہر لگی تھی' بمشکل ہی اس نے ان کے اپنے چیمبر تک آنے کا انتظار کیا۔

سب سے پہلے سرفراز صاحب کی میٹنگ ہوتی تھی لیکن آج وہ باہر ہی کھڑی مل گئی۔

"بہت ضروری بات کرنی ہے سجاد بھائی۔"

"ہاں' اچھا۔ امی کیسی ہیں اب؟" وہ بالکل بے فکری سے پوچھ رہے تھے۔

"ٹھیک ہیں' لیکن مجھے آپ سے ضروری..." وہ جیسے اب ایک منٹ بھی دینے کیلئے تیار نہیں تھی۔

سجاد نے ذرا غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"آ جائو" دبی دبی سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر آئی۔

"ثانیہ کہاں ہے سجاد بھائی؟ میں اتنی پریشان ہوں کہ آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔" بنائی کسی تمہید کے فرح اندر قدم رکھتے ہوئے شروع ہوئی۔

"میں لگا سکتا ہوں۔" وہ بہت اطمینان سے مسکرائے۔

فرح کو ان کی سنگ دلی پر حیرت ہوئی تھی۔ ’’جھوٹ بولتے ہیں آپ۔‘‘ وہ ان کا رتبہ اور خود سے لگاؤ بھی بھول گئی۔

’’کیسے اس تکلیف کو سمجھ سکتے ہیں جس سے میں گزر رہی ہوں؟‘‘

’’میں نے اس سے کہیں زیادہ تکلیف اٹھالی ہے فرح۔ وہ انتہا دیکھی جس کا تم نے تو کیا میں نے خود بھی کبھی تصور نہیں کیا تھا۔‘‘ وہ ایک دم ہی بہت سنجیدہ محسوس ہوئے تھے۔

فرح نے حیرت سے سجاد کی طرف دیکھا۔

’’کیا ہوا تھا سجاد بھائی؟‘‘ انجانے خوف کے گہرے احساس نے اس کے دل کی دھڑکن بہت تیز کی۔

’’کچھ نہیں ہوا‘ یہی اللہ کا شکر ہے ورنہ شاید...‘‘ وہ رخ پھیر گئے۔

فرح کو لگا کہ وہ اپنی کیفیت چھپانے میں ناکام ثابت ہو رہے ہیں۔

’’ثانیہ کہاں ہے سجاد بھائی؟‘‘ اپنی آواز اسے خود کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

’’میرے گھر۔‘‘ اس بار وہ پلٹ کر مسکرائے۔

’’آپ کے؟‘‘ اسے لگا کہ جیسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے بھلا؟ ایک ہی مقام ہو سکتا تھا جہاں وہ اسے تلاشنے کی کبھی کوشش نہیں کر سکتی تھی۔

’’ہاں‘ اس میں اتنی حیرت کی بات تو نہیں اور جو حالات تھے اس میں کہیں اور وہ رہ بھی نہیں سکتی تھی اور نہ ہی میں اسے چھوڑ سکتا تھا۔‘‘

بات پوری طرح سمجھ میں آئی بھی نہیں تھی‘ پھر بھی وہ اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ پا سکی۔ شکر تھا کہ ثانیہ کیلئے‘ اس سے کہیں زیادہ فکر کرنے کیلئے کوئی تو موجود تھا۔

فرح کی ساری تشویش‘ سارے وسوسے سیکنڈوں میں زائل ہوئے۔

’’مجھے کچھ تو بتاتے‘ میں کتنی فکر مند تھی کل ساری رات سو بھی نہیں سکی‘ حد کر دی آپ نے بھی۔‘‘ وہ اب بھی ان سے تھوڑی سی خفا تھی لیکن اس بار خفگی میں اپنائیت تھی۔

سجاد نے مسکراتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

’’اصل میں موقع ہی نہیں مل سکا‘ سب کچھ اتنی تیزی سے پیش آیا کہ میں خود اب تک شاک میں ہوں‘ کوئی حقیقت میں فرشتہ ثابت ہوا ثانیہ کے حق میں تو وہ فرحت آپا ہیں‘ بہت ہمت کی انہوں نے ورنہ اس روز کیا کسر باقی رہ گئی تھی محض چند منٹوں کے فرق سے دنیا بدلی...۔‘‘

فرح نے اس بے حد غیر متوقع صورتحال کی تفصیل سنتے ہوئے خدا کا ہزار ہا شکر ادا کیا تھا۔

...☆☆☆...

انیکسی میں ٹھہرے مہمان بلقیس بھابی کیلئے مستقل دلچسپی کا سبب بنے ہوئے تھے۔

کب تک رہیں گے؟

خرچہ کون اٹھا رہا ہے؟

کھانا یہاں سے کیوں نہیں جا رہا؟

مہمان ہیں تو اپنا کھانا پکانا الگ کیوں کر رکھا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

سوالات کی نوعیت روزانہ ایک جیسی ہی ہوتی تھی محض الفاظ کا الٹ پھیر۔

بابا نے صاف لفظوں میں کھانے کی میز پر کہہ دیا تھا کہ سوائے فرحت کے کسی کو وہاں جا کر ان لوگوں کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

''وہ یہاں جتنا عرصہ بھی رہیں کسی کو نہ اعتراض کی ضرورت ہے اور نہ سوال کی۔ وہ میرے مہمان ہیں یہ بات سب کو یاد رکھنی ہے۔''

سیدھے ہاتھ کی انگلی اٹھاتے ہوئے جب وہ تنبیہ کر رہے تھے تو بلقیس بھابی نے بڑا برا سامنہ بنایا تھا۔ ثمینہ' فرحت' سب ہی کو اپنی مسکراہٹ دبانی پڑی تھی' پتہ تھا کہ یہ ہدایت ہے بھی صرف بلقیس بھابی کیلئے۔

''اور یہ جو آئے دن مہمان آتے رہتے ہیں دوسرے شہروں سے ان کی ٹھہرنے کا بندوبست کیا ہوگا؟'' وہ نکتہ اعتراض اٹھائے بغیر کہاں رہ سکتی تھیں۔

برابر میں بیٹھے وقار بھائی نے انہیں ''ہوں'' کہہ کر ٹوکا بھی' پر وہ صاف نظر انداز کر گئیں۔

بابا کے چہرے پر ہلکی سی ناگواری جھلکی۔

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے بلقیس۔ شہر میں ہوٹلوں' ریسٹ ہاؤسز کی کمی نہیں ہے ہم جہاں مناسب سمجھیں گے ایڈجسٹ کر دیں گے۔ کوئی اور بات؟''

جب وہ مخاطب کے چہرے پر نگاہ جما کر بات کرتے تھے تو عموماً لوگوں کا ان کے سامنے ٹکنا محال ہونے لگا تھا۔ اپنی تمام تر ڈھٹائی کے باوجود بلقیس بھابی کے بھی ماتھے پر پسینہ آنے لگا۔

فی الحال عافیت خاموشی میں ہی تھی' مگر آگے وہ خود مختار تھیں۔

بابا اور ان کے تینوں بیٹے کون سے ہر وقت گھر پر رہتے تھے' فرحت اپنے مسائل میں گرفتار تھیں' باقی رہ جاتی تھی ثمینہ تو وہ ان سے الجھنے سے جتنا ممکن ہوتا گریز کرتیں۔

انیکسی اور مہمانوں پر نگاہ رکھنا بلقیس بھابی کا من پسند مشغلہ ٹھہرا۔

ایک آدھ بار ٹہلتے ٹہلتے وہ اس طرف جا بھی نکلی تھیں لیکن برآمدہ اور سیڑھیاں بالکل خالی پڑی تھیں۔ انہیں بڑی مایوسی ہوئی تھی۔

چند ایک بار دور سے انہوں نے ثانیہ کو دیکھا تھا اور اتنا اندازہ نہیں ہوا تھا سو قریب سے دیکھنے کیلئے بے تاب تھیں اور موقع انہیں مل ہی گیا۔

سہ پہر کا سویا سویا سا وقت گھر میں عموماً سناٹے کا راج ہوتا تھا۔

سجاد اور دونوں بڑے بھائی شام ڈھلے اور کبھی رات تک واپس ہوتے تھے' بابا گھر پر ہوتے تب بھی عصر کے وقت تک وہ کسی سے نہیں ملتے تھے۔ بچے سکول' کالج سے واپسی پر اپنے کمروں میں ہوتے۔ بلقیس بھابی صبح بہت دیر سے اٹھا کرتی تھیں سو دوپہر کو آرام کرنا ان کیلئے مشکل ہوتا تھا' سارے گھر میں ادھر ادھر پھرا کرتیں۔

آج سناٹا روز سے زیادہ تھا۔

وہ گھر کے سامنے والے لان میں آ کھڑی ہوئیں۔ آتی سردیوں کی نرم دھوپ بڑی ہی سکون آمیز تھی، مگر ان کے اندر کی بے چینی، لطف بھی نہیں لینے دیتی تھی کہ ساری توجہ انیکسی کی طرف تھی۔

ثانیہ کسی کو رخصت کرنے کیلئے برآمدے میں کھڑی تھی۔ کوئی درمیانہ قدوقامت کا شخص تھا جس کی سفید گاڑی سیڑھیوں کے قریب کھڑی تھی۔

چند منٹ وہ دونوں وہیں کھڑے بات کرتے رہے۔ اپنے پر تجسس طبیعت کے ہاتھوں وہ خود بخود ہی آگے بڑھتی چلی گئیں۔

منظر یہاں سے خاصا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس کے اور ثانیہ دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔

انہوں نے بہت غور سے اس مسکراہٹ کو بھی دیکھا اور ان دونوں کو بھی۔

آج انہیں پہلی بار ثانیہ کو قدرے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔

اس کی سنہری رنگت اور دل کشی۔

عرصہ ہوا خوبصورتی انہیں متاثر کرنا چھوڑ چکی تھی، خاص طور پر لڑکیوں کی۔

''حسین لڑکیاں، کسی بلا سے کم نہیں ہوتیں۔'' وہ اکثر بہت نفرت سے یہ فقرہ دہراتی تھیں، انہیں ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ ایسی ہی حسین صورت فیضی کو ان سے چھین کر لے جا چکی ہے۔

فیضی۔ جس سے دنیا میں انہوں نے سب سے زیادہ محبت کی، اتنی کہ اسکے جانے کے بعد ان کے مرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی، پر وہ نہ جانے کس مہ رخ کا اسیر تھا کہ پلٹ کر ماں کو دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔

ثانیہ پر نگاہ جمائے وہ جذبات کے ایک تکلیف دہ تسلسل سے گزریں۔

یہ خوبصورت چہرے، یہ دھیمی دھیمی مسکراہٹیں۔

کسی بھی مرد کو بربادی کی آخری حد تک پہنچاتی ہیں۔

انہیں ثانیہ کے چہرے پر کوئی اور عکس نظر آیا تھا۔

''وہ بھی ایسی ہی ہو گی جو فیضی کو ان سے چھین کر لے گئی۔''

ایک نفرت بھری نگاہ انہوں نے ثانیہ پر ڈالی اور ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس کے آگے جا کھڑی ہوئیں۔

سفید گاڑی کب کی جا چکی تھی۔

ثانیہ نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

''تم ہی ثانیہ ہو؟'' یہ نام فرحت اور ثمینہ دونوں اتنی بار لے چکی تھیں کہ سب ہی کو رٹ چکا تھا، پھر بھی انہوں نے تصدیق چاہی۔

''جی۔''

''کہاں سے آئے ہو تم لوگ، اتنے دن سے یہاں رہ رہے ہو معاملہ کیا ہے آخر؟'' انہوں نے ٹھک سے وہی پوچھا جو اتنے دن سے کھٹک رہا تھا۔

ثانیہ کے پاس ان کے کسی بھی سوال کا شافی جواب موجود نہیں تھا۔ ذہن میں کوئی موزوں جملہ ترتیب ہی نہیں پا کر دے رہا تھا۔ وہ کسی اور کے گھر سے یہاں آئے تھے' کب تک رہنا تھا یہ خدا ہی بہتر جانتا تھا اور معاملہ اتنا شرمناک تھا کہ وہ خود سے کہتے ہوئے بھی پانی پانی ہوتی تھی۔

بلقیس بھابی کو اس کی خاموشی ہی اعتراف جرم محسوس ہوئی۔ ''میں اس گھر کی سب سے بڑی بہو ہوں اور جو کچھ میں پوچھ رہی ہوں وہ جاننا میرا حق ہے۔''

انہوں نے اپنی حیثیت اور اس کی اوقات بیک وقت جتائی۔

ثانیہ کو بے اختیار ہی ممانی یاد آئیں۔

''شاید لوگ روپ بدل بدل کر یوں ہی ساری زندگی سامنے آتے رہتے ہیں۔''

بلقیس بھابی اور بھی چبھتے ہوئے لہجے میں اپنا سوال دہرا رہی تھیں۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے ثانیہ نے پہلے پیچھے مڑ کر اماں کے یہاں نہ ہونے کا یقین کیا۔ ذلت بھری یہ انکوائری ان کی غیر موجودگی میں ہی ہو لیتی تو بہتر تھا۔

''میں بابا کے آفس میں کام کرتی ہوں اور فی الحال ہمارے پاس رہنے کیلئے کوئی جگہ نہیں تھی اسی لئے سجاد صاحب نے ہمیں یہاں جگہ دی ہے رہنے کیلئے۔'' اپنی زبوں حالی کو وہ مختصراً بتاتے ہوئے دانستہ نگاہ نیچی کئے رہی' ان کے مغرور چہرے پر اپنی بات کا عکس دیکھنا ہمت سے باہر تھا۔

''ہوں۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

معلوم نہیں انہوں نے اس کی بات کا یقین بھی کیا یا نہیں۔ ذرا دیر کیلئے تو اس نے خود کو بالکل کسی روایتی سے چندہ مانگنے والوں کو مانند ہی محسوس کیا' جن کے مستقل کھٹکے پر لوگ دروازہ کھول کر ان کی رٹی رٹائی تقریر سنتے ہیں اور پھر بے یقینی کے ساتھ نفی میں سر ہلا کر دروازہ بند کر لیتے ہیں۔

وہ بھی دروازہ بند کئے جانے کی منتظر تھی۔

''اس سے پہلے بھی تو کہیں رہتی ہوں گی تم؟ یوں راتوں رات تو لوگ نہیں اگتے ہیں پیڑوں پر' رشتوں کے دس حوالے ہوتے ہیں' دس ٹھکانے ہوتے ہیں۔''

اس بار انہوں نے صاف صاف جھڑکنے کے انداز میں کہا' سو ثابت ہوا کہ وہ جھٹلائی گئی تھی۔

''ہمارا کوئی نہیں ہے' آپ یقین کریں۔''

''میں کیسے یقین کر سکتی ہوں ایسے جھوٹ مردوں پر اچھا اثر ڈالتے ہیں بے بس عورت سے انہیں بڑی ہمدردی ہوتی ہے' لیکن سمجھدار عورت کو یہ بہانے بازیاں کوفت میں مبتلا کرتی ہیں۔'' وہ اپنی بات کہتے کہتے ذرا رکیں۔

بابا کی تنبیہ سجاد کا منہ کیا جانا' سب ہی کچھ یاد آیا تھا' مگر آج کل وہ اپنی بیماری کا فائدہ اٹھا ہی لیتی تھیں۔

''سچ بتاؤ مجھے اصل قصہ کیا ہے۔ اور یہ آدمی جو ابھی مل کر گیا ہے پہلے تو کبھی نہیں میں نے اسے یہاں دیکھا ہے تمہارا ہی جاننے والا ہے کیا؟''

بلقیس بھابی کی نگاہ ایک پل کیلئے بھی ثانیہ کے چہرے سے نہیں ہٹ رہی تھی۔ ایک بار پھر انہیں گھر کے دروازے پر طوفان کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''آپ ایسے مت سمجھیں پلیز....'' وہ خود کو ڈھنگ سے اپنی صفائی بھی پیش کرنے کے قابل نہیں پا رہی تھی۔

تب ہی انیکسی کی طرف گیٹ سے ایک بہت مانوس سی گاڑی تیزی سے اندر آئی۔ بلقیس بھابی گڑبڑا کر پیچھے ہوئی تھیں۔

''السلام علیکم۔'' فرح نے گاڑی میں سے ہی گرمجوشی سے ہاتھ ہلایا۔

وہ اسے اچھی طرح پہچانتی تھیں' مگر اس وقت بڑی بے مروتی سے نظرانداز کر کے واپس پلٹ گئیں۔

''جسے دیکھو منہ اٹھائے چلا آ رہا ہے سب ہی سر چڑھے ہیں۔ کچھ نہ کچھ بندوبست تو کرنا ہی پڑے گا۔'' ان کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

فیضی کی جدائی کے بعد پہنچنے والے شاک کو جھیل لینے کے بعد وہ جیسے جیسے صحت یابی کی طرف پلٹ رہی تھیں پہلے سے زیادہ سخت دل اور تنگ نظر ثابت ہو رہی تھیں۔

ثانیہ کیلئے فرح کی آمد ہمیشہ نسخہ شفا ثابت ہوتی تھی' آج بھی وہ بروقت آئی تھی۔

''میرے پاس تو معافی کے الفاظ بھی نہیں ہیں ثانیہ۔ میں اس وقت تم سے بے خبر رہی' جب تمہیں میری سب سے زیادہ ضرورت تھی۔''

وہ بمشکل ہی جذباتی ہوتی تھی لیکن آج سجاد کی زبانی سارا قصہ سن لینے کے بعد۔ کتنی ہی بار آنسو بہا چکی تھی۔ ثانیہ نے اتنی لمبی دوستی میں آج شاید دوسری بار اسے روتے ہوئے دیکھا تھا۔

پہلی بار جب وہ جمیل ماموں کے انتقال پر آئی تھی اور آج دوسری بار۔

''تمہاری کہاں سے غلطی نکلتی ہے فرح۔ یہ سب دھکے میرے حصے میں آنے تھے' سو آئے۔ دعا کرو آگے کچھ بہتری ہو۔'' وہ اسے لئے برآمدے کے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

فرح نے محسوس کیا کہ وہ اتنے بڑے حادثے کے بعد خود کو حیرت انگیز طور پر سنبھال چکی ہے۔

''وقت بڑا مرہم ہے۔'' فرح نے سوچا تھا۔

جو کچھ سجاد کی زبانی سن چکی تھی اس کو دہرانا غیر ضروری تھا' لیکن ثانیہ کے پاس شیئر کرنے کیلئے کچھ اور بھی تلخیاں تھیں۔

ممانی کی کاروباری ڈیل' لبنیٰ کا آخری حد کو عبور کر جانا' اماں کی بگڑی ہوئی ذہنی حالت اور ممانی کی سخت ترین پہرہ داری۔

''مجھے خود ہی سمجھ لینا چاہئے تھا کہ فون پر تم سے رابطہ کیوں ممکن نہیں ہو پا رہا' بڑی بھول ہوئی مجھ سے ثانیہ۔ لیکن امی کی طبیعت اتنی غیر یقینی تھی کہ میں ان کے پاس سے ایک لمحے کیلئے بھی ہل نہیں سکتی تھی۔ عمر اور نانی بھی بے چارے مستقل ساتھ لگے ہوئے تھے اس ضعیفی میں نانی مستقل ہاسپٹل میں ساتھ رہیں اور نازی تو اب تک کھانے کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہے۔'' فرح کی آواز بار بار بھر رہی تھی۔

''اللہ سب اچھا کرے گا فرح۔ یہ وقت بھی تو آخر کٹ ہی گیا نا خیریت سے' وہ ہے ہم سب کی فکر کرنے والا' میرا تو ایمان بہت مضبوط ہوا ہے اس حادثے کے بعد' کون تھا اس آخری لمحے میں فرحت آپا اور سجاد صاحب کو وہاں بھیجنے والا' وہی نا۔''

نرمی سے دھیرے دھیرے ثانیہ کہتی چلی گئی۔

وہ رنجیدہ ضرور تھی لیکن پہلی بار اتنی مضبوط بھی۔

فرح نے اس مثبت تبدیلی کو بڑی سراہتی ہوئی نگاہ سے دیکھا۔

''اور یہ خاتون کیا فرما رہی تھیں جو مجھے دیکھتے ہی بھاگ لیں؟'' اس کا اشارہ بلقیس بھابی کی طرف تھا۔

''کچھ خاص نہیں ایسے موقعوں پر جو انکوائری انہیں پہلے ہی دن آکر کر لینی چاہئے تھی آج کرنے آئی تھیں۔''

''کیا مطلب؟''

جواباً ثانیہ نے بے زاری سے ہلکے سے سر کو جھٹکا۔

''پہلے اتنی باتیں مجھ سے چھپائیں تم نے' اب پھر وہی حرکت؟ کیا کہہ کر گئی ہیں بلقیس بھابی؟'' فرح خفگی سے زور دینے لگی تو وہ ہلکے سے ہنس پڑی۔

''کیا کہیں گی تمہارے خیال میں؟ ظاہر ہے کسی کے گھر زبردستی کے مہمان بن کر بیٹھ گئے ہیں تو اسے برا تو لگ ہی رہا ہوگا نا۔ بس وہی بتانے آئی تھیں مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ میں ان کے سامنے اتنی ہونق کیوں ہوئی تھی' کوئی تسلی بخش جواب دینا چاہئے تھا نا مجھے بھی۔''

''مثلاً' کیا جواب دینا چاہئے تھا؟''

''یہی کہ ہم بہت جلد یہاں سے چلے جائیں گے وہ بالکل فکر نہ کریں۔''

وہ کہتی ہوئی اٹھ کر کمرے کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی۔ اماں سو چکی تھیں۔ ثانیہ مطمئن سی ہو کر واپس صوفے پر آ بیٹھی۔

''رحمت منزل والے فلیٹ میں شفٹ کر رہے ہیں کیا سجاد بھائی؟ لیکن صبح جب میں نے کہا تب تو انہوں نے فوراً ہی منع کر دیا تھا۔''

''نہیں' وہاں کیا کرنا ہے جا کر؟ اماں کی مہینے بھر کی ٹریٹمنٹ رہ گئی ہے کیا خبر کچھ پہلے ہی ڈاکٹر سفر کی اجازت دے دیں بعد میں ہر مہینے آکر ہم آسانی سے چیک اپ کروا سکتے ہیں۔''

فرح کی سمجھ میں ذرا جو اس کی بات آئی ہو۔

''یہ سفر کہاں کا درپیش ہو گیا ہے؟''

''نواب شاہ کا۔'' ایک مختصر سا جواب' فیصلہ کن انداز میں آیا۔

''کیا۔ نواب شاہ وہاں کیا کرو گی جا کر؟''

''کیوں' اپنے گھر جانے کیلئے کسی وجہ کی ضرورت ہوتی ہے کیا؟ شکر ہے گھر کا سودا رک گیا تھا۔ میں نے شہزاد کو فون کر کے کہہ دیا ہے کہ وہ گھر کھول کر جو بھی کام ضروری سمجھے کروا دے۔ وہ بے چارہ تو سن کر ہی اتنا خوش ہوا کہ بس کہہ رہا تھا' آپ فکر ہی نہیں کریں ثانیہ آپا' ذرا سی بھی پریشانی نہیں ہونے دیں گے آپ کو۔''

وہ پرسکون اور مطمئن تھی۔

''کوئی نہیں جانے دے گا تمہیں یہاں سے اور تم نے یہ بات سجاد بھائی سے تو کہی بھی نہیں ہے شاید۔ کیا سوچیں گے وہ بے چارے۔ بہت عجیب بات کی ہے تم نے یہ ثانیہ۔ ایک بار پھر بے وقوفی کرنے چلی ہو؟''

فرح بگڑ رہی تھی۔ ثانیہ کے چہرے کا تاثر ذرا بھی نہیں بدلا۔

''اب سب بے وقوفیاں ختم ہو چکی ہیں فرح اور کم از کم تم تو ایسے کچھ نہ کہو جو میری ہمت توڑ دے پلیز۔''

ماحول کو غیر محسوس طریقے سے بوجھل ہونے لگا۔

''کب کیا تم نے واپسی کا فیصلہ؟''

''یہاں آنے کے اگلے روز ہی لیکن اماں کا علاج فوری واپس سے زیادہ ضروری تھا ان کی حالت بہت خراب تھی اس ہفتے میں۔''

''سجاد بھائی نہیں جانے دیں گے تم لوگوں کو' انہوں نے خود مجھ سے آج صبح بھی کہا ہے کہ وہ تمہیں اور کہیں بھی نہیں چھوڑ سکتے۔''

فرح نے اس کے چہرے پر پل کے وقفے میں رنگ سا اترتے اور غائب ہوتے دیکھا۔

''وہ ہمیں نہیں روک سکتے' کیونکہ ایسا کوئی اختیار ان کے پاس ہے ہی نہیں وہ ہمارے محسن ہیں انہوں نے ہمارے لئے وہ کچھ کیا جو کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ میں اور اماں ساری عمر ان کے احسان مند رہیں گے۔''

ثانیہ نے اس بار سارے فیصلے خود کئے تھے' کسی کی بھی رائے لینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ فرح کو کم از کم اتنا یقین تو ضرور آ رہا تھا۔

...☆☆☆...

بڑے ہال میں بہت دنوں بعد اتنے قہقہے گونجے تھے۔ امی نے بڑے ہی سکون آمیز انداز میں اندر آتے ہوئے ایک نگاہ ان سب پر ڈالی۔

عمر' نازی' نینی' سمیع' نانی' بشارت صاحب اور فیضی بھی۔

کتنا ناقابل یقین منظر تھا اور کتنا حیات بخش۔

گھر میں خوشی اور سرشاری کے اس ماحول کی واپسی کی تو وہ امید بھی ختم کر چکی تھیں۔ مگر اللہ نے کیسا کرم کیا تھا۔ ان کا دل بار بار تشکر سے بھرتا اور ہر بار دل کی گہرائی سے نازی کی ہزار ہا خوشیوں کیلئے دعا نکلتی۔ وہی تھی جو اس منظر کی تکمیل کیلئے پورے خلوص اور انتہائی محبت سے اپنی ساری انا اور خودداری ایک طرف رکھ کر فیضی کو منانے میں کامیاب ہوئی تھی اور بشارت صاحب کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں بھی۔

انہیں اس دن نینی کے گھر کا منظر بھلائے نہیں بھولتا تھا جب نازی نے فیضی کی خفگی اور رکھائی کو قطعی نظرانداز کر کے معافی مانگنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ رشتے اور عمر دونوں میں بڑی ہونے کے باوجود وہ اس وقت تک وہاں رکی جب تک فیضی کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی اور اس نے یہاں گھر آنے کا وعدہ نہیں کیا اور اس کے بعد بشارت صاحب کو اس نے کس طرح منایا' نینی اور فیضی کی مشکلات کو کس طرح ان کے سامنے پیش کیا اس سے وہ قطعی ناواقف رہیں کیونکہ وہ جان بوجھ کر کمرے سے باہر ہی رہیں اپنے بارے میں انہیں اندیشہ ہونے لگا تھا کہ کہیں وہ نازی کی ساری محنت پر پانی ہی نہ پھیر دیں۔

آج کی یہ پر رونق دعوت تجدید تعلق کی خوشی میں ہی تھی۔

بشارت صاحب نے بڑھ کر فیضی کو گلے لگایا تھا اور فیضی نے حیرت انگیز طور پر ان سے معافی مانگی تھی۔ تنہائی اور بے بسی کے اس طویل دور نے اسے توڑا بھی تھا اور بدل بھی دیا تھا۔

کچھ باتوں کو نظرانداز کر دینا ہی بہتر تھا اور کچھ کو قبول کر لینے میں ہی سب کی بھلائی تھی۔

"امی۔ادھر کیوں بیٹھی ہیں؟ یہاں آجائیں نا۔"

نازی انہیں ایک طرف خاموش بیٹھا دیکھ کر قریب چلی آئی۔

"کوئی بات ہے کیا؟" وہ کچھ فکر مند ہو کر ان سے جھک کر پوچھنے لگی۔

"اب کیا ہو گا؟ خدا نہ کرے اور تم جیسی بیٹی کے ہوتے ہوئے کوئی بھی فکر کیسے ٹک سکتی ہے بھلا۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ چھوا تو اس نے جیسے اطمینان کی سانس لی۔

"آپ خوش رہا کریں بس میرے لئے تو سب سے اہم یہی بات ہے امی۔"

"آج کتنا اچھا لگ رہا ہے، ماشاءاللہ سب لوگ جمع ہیں اور سب ہی ہنسی خوشی..."

نازی کو کتنی ہی بار دیا یاد آ چکی تھی، اگر وہ بھی ہوتی تو خوشی کے مکمل ہونے میں کیا کمی رہ جاتی لیکن جان بوجھ کر دل میں آئی اس خلش کو وہ زبان پر لانے سے گریز ہی کر رہی تھی اور شاید سب ہی کر رہے تھے۔

اس وقت سب سے زیادہ اہم نینی اور فیضی تھے اور ان سے بھی زیادہ وہ پیاری سی بچی جو اپنی آمد کے ساتھ ہی خوشی کا سبب بنی تھی۔

امی اٹھ کر نانی اور بشارت صاحب کے پاس جا بیٹھی تھیں۔ عمر، سمیع اور فیضی کے درمیان نہ جانے کون سی بحث چھڑی ہوئی تھی آوازیں بلند ہونے لگتیں تو نانی کو اپنی جگہ سے زور سے تنبیہ کرنی پڑتی۔

"اوں، ہوں۔ خدا نہ کرے کم سنائی دیتا ہے کیا تم لوگوں کو؟ اتنا شور کہ ٹھیک سے بات بھی نہیں سنائی دے رہی۔"

اس بار وہ کچھ زیادہ ہی بگڑ کر بولی تھیں۔ ابا اور امی نے فوراً ہی تائید بھی کی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

عمر، سمیع اور فیضی تینوں ہی جھینپ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیئے۔

"چلو یار، میرے کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

سمیع نے انتہائی معقول تجویز پیش کی تھی، مگر نازی نے روک دیا۔

"اب کھانا لگ رہا ہے اس کے بعد جہاں دل چاہے بیٹھ جانا۔" وہ کہتی ہوئی ہال سے باہر نکل گئی۔ بچی کو نانی کے پاس لٹا کر نینی بھی اس کی مدد کے خیال سے پیچھے ہی چلی گئی تھی۔

"کتنا مکمل گھریلو ماحول ہے۔ تحفظ اور اپنائیت سے بھرا ہوا۔"

فیضی نے اسے جاتا دیکھ کر بڑی طمانیت سے سوچا تھا۔ اپنوں کا ساتھ مشکلات کا بھی مفہوم بدل دیتا ہے وہ بجا طور جانا تھا۔

...☆☆☆...

تب ہی فون کی بیل نے خیالات اور باتوں کا تسلسل ایک ساتھ ہی درہم برہم کیا تھا۔

سمیع نے پتہ نہیں کیوں اس آواز کو "ہوشیار باش!"

کہتا ہوا محسوس کیا۔

جان بوجھ کر وہیں ہال میں فون ریسیو کرنے کے بجائے وہ سامنے والے برآمدے کی طرف آیا۔ یہاں ساری کھڑکیاں بند تھیں اور پردے آگے سرکائے ہوئے تھے۔ باہر کی خنکی کا ذرا سا بھی اثر یہاں تک نہیں آ رہا تھا۔ اندر ہال میں ہوتے شور کے بجائے یہاں بات آرام سے کہی اور سنی جا سکتی تھی۔

وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا یہاں تک آیا تھا پھر بھی کئی بار بیل بج چکی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کون ہو سکتا تھا ہے بھلا؟" وہ کسی بھی اندازے پر پہنچنے سے پہلے فون اُٹھا چکا تھا۔

"کیا گھر کے باقی لوگ بھی رخصت ہو گئے ہیں، جو فون اُٹھانے کے لئے بھی کوئی دستیاب نہیں رہا ہے؟" وہی مخصوص کٹیلا اور بے رحم انداز ا۔

سمیع نے ایک گہری سانس لی۔

"تمہاری غلط فہمی ہے۔ گھر پر خدا نے چاہا تو ایسا وقت کچھ بھی نہیں آئے گا اور اس وقت تو ماشاء اللہ سب ہی لوگ موجود ہیں، بہت رونق ہے۔" اُس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ تحمل سے کہہ رہا تھا، لیکن دوسری طرف سے اُس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی ایک مذاق اُڑاتی ہنسی اُبھری تھی۔

"مختصر لفظوں میں یہ کہیں کہ آپ کی نازی آپا کی تشریف آوری ہوئی ہے۔ مع فیملی!"

"صرف وہی نہیں، نینی اور فیضی بھی آئے ہوئے ہیں، بہت پیاری بیٹی ہے نینی کی ماشاء اللہ!"

اُس کا سچ مچ دل نہیں چاہا تھا کہ وہ دِیا کو یہ مبارک اطلاع دے۔ مگر اُس کے جتاتے ہوئے انداز سے تھوڑا سا چڑ ا ہی گیا تھا۔

دوسری طرف خاطر خواہ اثر بھی ہوا تھا۔ دِیا کے ایک دم چپ ہو جانے میں بڑی معنی خیزی تھی۔

"تم بتاؤ کیسے فون کر لیا؟"

"نینی کے بیٹی کب ہوئی ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔ سمیع کے چہرے پر ناخوشگواری سی چھانے لگی۔

"ڈیڑھ مہینے کی ہے وہ۔ تم اپنی بات کرو، ایسے ہی تو فون نہیں کیا ہے تم نے، کوئی مطلب تو ہو گا نا۔"

"ہمارے درمیان کیا صرف مطلب کا رشتہ رہ گیا ہے سمیع بھائی!" دِیا کا لہجہ بے تاثر تھا۔ پھر بھی وہ تھوڑا سا جذباتی ہونے لگا تھا۔

"یہ نوبت تم خود لائی ہو دِیا!"

"نہیں یہ سب ابا اور نازی آپا کا کیا دھرا ہے۔ جان بوجھ کر اُن دونوں نے ایسے حالات رکھے کہ مجھے سٹینڈ لینا پڑا۔ میں کیوں اپنی خوشی سے دستبردار ہوتی؟ میری زندگی میری اپنی ہے اور اُس کے متعلق ہر فیصلہ کرنا صرف اور صرف میرا اپنا..."

یہ باتیں اتنی بار کہی اور سنی جا چکی تھیں کہ اب اِن میں کچھ بھی نیا نہیں تھا۔

"اب ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے دِیا! تم نے جو چاہا، وہ تو آخر پا ہی لیا، پھر اب بار بار دوسروں کو موردِ الزام ٹھہرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر سب ہی غلط ہیں، تب بھی تمہیں تو کوئی فرق نہیں پڑنا چاہئے یا اب تمہیں فرق پڑنے لگا ہے؟" اکتاہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے، وہ بے ساختہ ہی یہ آخری بات کہہ گیا۔

دور بیٹھی دِیا کو طعنے کی مانند چبھی تھی، سمیع کی بات۔

"مجھے کیا فرق پڑے گا؟ میں تو شکر کرتی ہوں کہ آج مسعود میرے ساتھ ہیں، مجھے اسماء پھوپھو کی سپورٹ حاصل ہے اور اُن کی بھی نہ ہوتی، تب بھی مسعود صرف میرے لئے واپس پاکستان آئے ہیں۔ قابلِ رشک زندگی گزار رہی ہوں میں۔" وہ بُری طرح بھڑک اٹھی۔

"اپنی خوش قسمتی کا ترانہ تم پھر کسی وقت سنانا۔ اس وقت بہت مصروفیت ہے۔ کوئی ضروری بات ہے تو کہو، ورنہ میں فون بند کرنے لگا ہوں..."

''ایک منٹ!'' اُس نے بڑی تیزی سے سمیع کو روکا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے اس گھر میں فون کرنے کا، لیکن جب تک مجھے میرا حق نہیں ملے گا، مجھے یہاں کانٹیکٹ کرنا پڑے گا۔ مجھے میرے حصے کے پیسے دے دیں۔ بات ختم۔''

کوئی رسمی سی بھی رعایت نہیں۔

سمیع جیسے لااُبالی لڑکے کے دِل کو بھی کچھ ہوا۔

''ابھی ہمارے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے دِیا تمہیں پتہ ہے۔''

''گھر کیوں نہیں بیچ دیتے ہیں ابا؟'' اُس کا وہی ایک پسندیدہ حل تھا۔

''ابا گھر نہیں بیچیں گے، وہ صاف منع کر چکے ہیں۔ تم کچھ عرصے صبر کر لو، ہم تمہیں تمہارے حصے کا پیسہ دے دیں گے۔''

وہ بہت تحمل سے بات کر رہا تھا، لیکن دِیا ذرا بھی رعایت دینے کی لئے تیار نہیں تھی۔

''میرے پاس وقت نہیں ہے، ہم لوگ امریکہ جا رہے ہیں۔ شاید اس ماہ میں، آپ اُس سے پہلے میرا کام کر دیں، ورنہ مجبوراً ہمیں اپنا جانا آگے بڑھانا پڑے گا۔''

ایک ڈھکی چھپی سی دھمکی جو وہ اپنے مطالبے کے ساتھ دے رہی تھی فضول ہی تھی۔

امی اور ابا کی زندگی میں وہ کورٹ کچہری کے چکروں سے سوائے وقت ضائع کرنے کے اور کچھ بھی نہیں پا سکتی تھی۔

سمیع کا دل تو چاہا کہ اُسے صاف لفظوں میں آئینہ دکھا ہی دے، لیکن نازی کی سختی سے ہدایت تھی کہ کوئی بھی دِیا سے الجھنے کی کوشش نہ کرے۔

''وہ ہم سے اور بھی بدگمان ہو جائے گی۔ پیسے دے دینے کی صورت میں اِتنا تو ہو گا کہ بہتری کی کوئی راہ نکل ہی آئے شاید۔''

سمیع کو اُس کی آج ہی کہی ہوئی بات یاد آئی۔

''بے چاری نازی آپا!'' اُس نے دل میں کہا۔

''اُن جیسے خوش فہم اور بھی ہوں گے زمانے میں یا نہیں۔''

دِیا کا حوصلہ، سمیع کی اس خاموشی سے ہی بڑھ رہا تھا۔

''پھوپھو کے ہاں سارے خاندان والوں کا آنا جانا ہے۔ ہر شخص تم ہی لوگوں کو لعن طعن کرتا ہے کہ میری شادی پر سارا خرچہ بچایا ہے تم لوگوں نے، ورنہ وہ چار لاکھ کی کیا حیثیت تھی؟ غریب سے غریب بھی کسی نہ کسی طرح قرض اُدھار کر کے خرچ کرتا ہی ہے۔''

سراسر ایموشنل بلیک میلنگ۔

سمیع اب بھی خاموش تھا۔

گھر میں کسی کو بھی اب اِس بات میں شبہ نہیں رہا تھا کہ دِیا کی اس خواہش کے پیچھے، اسماء پھوپھو اور خود مسعود کے دل کا لالچ بھی کارفرما ہے۔

پیار بھرے سارے خونی رشتوں کو ٹھوکر سے اُڑاتا ہوا، گھناؤنا لالچ۔

"دھت!" اُس کے پاس پیسے ہوتے تو ایک منٹ کی بھی دیر کئے بغیر وہ اُن سب کے منہ پر مارتا۔

"سنو دِیا! تم صاف لفظوں میں بتاؤ کہ تم ہم سے کتنے پیسوں کی توقع کر رہی ہو؟" ایک نگاہ ہال کی طرف ڈالتے ہوئے، سمیع نے ایک آخری بات جاننا چاہی۔

"صرف پانچ لاکھ!" وہ فوراً ہی تیزی سے بولی۔ "بنتے تو کافی زیادہ ہیں لیکن فی الحال آپ مجھے صرف پانچ لاکھ دے دیں۔ باقی کے لئے میں آپ کو وقت دیتی ہوں۔ گھر کی مالیت کے حساب سے جو بھی میرے حصے میں آئیں، آپ مجھے دے دیجئے گا، لیکن یہ پانچ لاکھ مجھے ابھی چاہئیں، صاف بات ہے۔"

"اندازاً کتنے دِن میں؟"

"جتنی جلد ممکن ہو، ہفتے میں یا زیادہ سے زیادہ دس، پندرہ دن۔" دوسری طرف دِیا کے لہجے میں خود بخود ہی اطمینان اُترنے لگا۔ سمیع کے لہجے سے پہلی بار اُسے یہ یقین حاصل ہوا تھا کہ اُس کا کام اب ہو ہی جائے گا۔

"ٹھیک ہے، تمہیں پیسے مل جائیں گے، لیکن ایک بات..." وہ آگے کچھ کہنے سے پہلے ذرا رُکا۔ "نازی آپا یا امی کو بار بار فون کر کے پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جو کچھ بھی کہنا ہے، مجھ سے کہو۔ میرا سیل نمبر تمہارے پاس ہے نا؟"

"ہاں۔"

"بس ٹھیک ہے، میں کچھ دن میں تم سے بات کرتا ہوں اور میں نے جو کہا ہے، اُس کا دھیان رکھنا۔" تیزی سے بات ختم کر کے وہ بنا اُسے خدا حافظ کہے فون بند کر کے پلٹا، تو سامنے سے نازی آتی دکھائی دی۔

"کہاں رہ گئے تھے تم، کس کا فون تھا اِس وقت؟"

"دوست تھا ایک" وہ نگاہ چرا کر آگے بڑھا۔

"کھانا لگ گیا کیا؟"

"ہاں لگ گیا، تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں سب۔"

نازی نے کچھ اُلجھن سی محسوس کی تھی اُس کے انداز پر، وہ کچھ پوچھنا بھی چاہ رہی تھی، لیکن سمیع نے اُس کا موقع ہی نہیں دیا۔

"یا تو اتنی فرصت سے فون پر بات ہو رہی تھی یا پھر اتنی جلدی؟"

اُسے تیزی سے اندر ہال میں داخل ہوتا دیکھ کر نازی نے حیرت سے سوچا۔

...☆☆☆...

بڑی مدت بعد گھر پر وہی مخصوص بوکھلاہٹ طاری تھی، جو اُن کے دور اقتدار کا خاصا تھی۔

چیخ پکار، اٹھا پٹخ، ہر بات میں کیڑے۔

سب سے زیادہ شامت ملازمین کی آئی ہوئی تھی۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے سہانے خواب سے کسی نے بے دردی سے جھنجھوڑ کر اُٹھا دیا ہو اور واپس وہی تلخ اور عذاب جاں ہوتی حقیقت منتظر۔

گھر کے خاموش اور بڑی حد تک ڈیپریسڈ منظر ہیں بلقیس بھابی کی واپسی اسی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔

فیضی کے گھر سے جانے کے بعد اُس کی ذہنی ابتری اور گھر کے معاملات سے قطعی بے تعلق کا دورانیہ اب اختتام پذیر ہوا تھا۔

"کوئی شے ٹھکانے پر نہیں، فریج، ڈیپ فریزر میں کیا رکھا جارہا ہے اور کیا نکالا جارہا ہے، کوئی حساب نہیں۔ سارا کچن ملازموں کے سپرد ہے۔ اُن کی مرضی جو چاہیں سو کریں، کوئی نگرانی نہیں ہے۔"

وہ لاؤنج کے بیچوں بیچ بیٹھ کر ساری کوتاہیاں گنوانے میں مصروف تھیں اور ثمینہ بھابی چور بنی سننے پر مجبور۔

یہ مجرمانہ غفلت اُن ہی کے کھاتے میں لکھی جارہی تھی۔ بلقیس بھابی کی بیماری اور فیضی کے جانے کے بعد جس بڑی جذباتی کشمکش سے سارا گھر گزرا تھا، اُس میں وہی اپنی ساری ہمت مجتمع کر کے گھر والوں کو سنبھالنے کا فرض انجام دیتی رہی تھیں۔ اپنے طور پر تو کوئی کمی نہیں رہنے دی تھی، مگر ہاتھ آئی پھر بھی صرف تنقید اور وہ بھی کوئی ایسی ویسی۔

سجاد گھر پر ہی تھے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی نیچے آکر لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ بلقیس بھابی کے فرمودات انہوں نے بھی سنے اور عادت کے مطابق اُن سنا بھی کرنا چاہا، لیکن ثمینہ کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر زیادہ کا احساس خوب ہو رہا تھا۔

ثمینہ بے چاری ہمیشہ سے ہی بڑی بے غرض تھی۔ گھر میں جس بے لوثی کے ساتھ، وہ بڑی خاموش رہ کر سب کی خدمت میں سر گرداں رہتی تھی، اُس کی قدر بابا اور سجاد دونوں ہی کو تھی۔

وہ ہمیشہ سے پیچھے رہ کر کام کرنے کی عادی تھی۔ بلقیس بھابی کی طرح ایک کام کر کے شور کرنا اُس کی سرشت میں نہیں تھا۔ ورنہ اب بھی انعم اور وقار بھائی کا خیال وہ بلقیس بھابی سے زیادہ رکھتی تھیں اور اب تو فرحت آپا بھی یہیں تھیں۔ ثمینہ کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھی ہوئی تھیں۔

سجاد جتنی دیر گھر میں رہتے، اُسے مستقل ہی کسی نہ کسی کام میں مصروف دیکھتے تھے۔

"تمہیں ملازموں سے کام لینا ہی نہیں آیا اب تک ثمینہ! اصل میں قصور تمہارا بھی نہیں ہے۔ تم نے اپنے میکے میں ہمیشہ خود کام کیا تھا۔ وہی عادت تمہاری آج بھی ہے۔ ملازموں کو اس سے بڑی چھوٹ مل جاتی ہے، تمہیں اندازہ ہی نہیں ہوتا۔"

"بلقیس بھابی!" سجاد نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ چونک سی گئیں۔

گھر میں وہی تھیں جن سے سجاد، سب سے کم بات کرتے تھے۔ پر اس وقت موضوع بدلنا ضروری تھا۔

"آج لگ رہا ہے ماشاءاللہ آپ بالکل ٹھیک ہوگئی ہیں۔ صحت یابی کا کوئی فنکشن کر ڈالئے اسی بہانے۔"

"کوئی نہیں یوں ہی ذرا اُٹھ کر کھڑی ہو گئی ہوں، ورنہ طبیعت کہاں ٹھیک ہے۔ ذرا دیر میں ہی چکر آنے لگتے ہیں۔"
انہیں بیماری ہمیشہ ہی مرغوب رہتی تھی اور صحت مندی کا ذکر سخت ناپسند۔

وقار بھائی کہتے تھے۔ "سب اپنی طرف متوجہ رکھنے کے بہانے ہیں۔"

سو سجاد کو اُن کی طرف سے سو فیصد ایسے ہی جواب کی اُمید بھی تھی۔ وہ بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ دبا سکے۔

"پھر یہ ادھوری صحت یابی تو سخت تشویش والی بات ہے۔ جب ہی آپ کا بی پی شوٹ اپ ہو رہا ہے، احتیاط کیجئے۔"

"کیا احتیاط کروں؟ چار دن میں گھر کا حال چوپٹ ہو گیا، میرے نہ دیکھنے سے۔" اُن کے ماتھے کی شکن اور بھی گہری ہوئی۔

"کیوں نہ خدانہ کرے۔" وہ جان بوجھ کر انجان بنے۔ "اچھا بھلا تو چل رہا ہے گھر، ہر چیز پرفیکٹ۔ بابا تو کل کہہ رہے تھے مجھ سے کہ ثمینہ بھابی نے اتنے مزیدار کھانے کھلا کھلا کر انہیں بالکل چٹورا بنا دیا ہے۔"

ثمینہ بھابی کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ پھیلی۔

''وہ تو ثمینہ کو عادت ہے خود پکانے کی، ورنہ تو اچھا بھلا کک موجود ہے گھر میں۔ میں تو یہی شکر کرتی ہوں کہ یہ صفائی والی کو ہٹا کر خود ہی جھاڑو لگانا شروع نہیں کر دیتی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، جب پہلی بار ہم لوگ سہیل کے رشتے کے لئے ان کے ہاں بغیر اطلاع دیئے گئے تھے تو یہ تو گھر میں جھاڑو لگا رہی تھی اور چھوٹی بہن برتنوں کا ڈھیر دھونے میں مصروف تھی۔ میری تو دیکھتے ہی ہنسی...''

''کیوں... اس میں ہنسنے کی کیا بات تھی؟''

''ہمارے ہاں یہ کام ملازم کرتے ہیں نا، شاید اسی لئے عجیب سا لگتا ہے۔''

شان بے نیازی سے انہوں نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔

سجاد چند لمحوں کے لئے غور سے اُن کے چہرے کو دیکھے گئے۔

دل تو چاہا کہ خود انہیں بھی اُن کی حقیقت یاد کروائی جائے، لیکن اِتنا گر کر بات کرنے کے لئے خود دل ہی رضامند نہیں ہوتا تھا۔

ایک گہری سانس لے کر اُنہوں نے اُس چبھن کے احساس کو زائل کرنا چاہا، جس میں بلقیس بھابی عادتاً سامنے والے کو مبتلا کرتی تھیں۔ وہ واقعی ذہنی مریضہ تھیں۔

''آپ جو دل چاہے سمجھیں، لیکن میں صرف یہ کہوں گا کہ ثمینہ بھابی ہمارے گھر کے لئے قدرت کا انعام ہیں۔ یہی ہیں، جو گھر کو مضبوطی کے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں اور ہم سب کو کتنی ہی فکروں سے آزاد کر رکھا ہے۔ کم از کم میں آپ کا بے حد احسان مند ہوں بھابی۔''

اپنی بات کہتے کہتے سجاد، ثمینہ کی طرف مڑے تو وہ آنسو پیتے پیتے ہنس پڑی۔

''کیسی غیروں کی سی بات کرتے ہو سجاد! اچھا وہ یاد آیا۔ فرحت اُدھر انیکسی کی طرف گئی تھیں، کہہ رہی تھیں تمہیں بھی بھیج دوں۔''

ثمینہ بھابی کے چہرے پر بڑی اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔ خلوص دِل سی کہی گئی چھوٹی سی بات بھی، بڑے سے بڑے زخم کی تلافی کر دیتی ہے۔

ثمینہ کے دل سے بھی بلقیس بھابی کی زہریلی باتوں کا مداوا بقیہ گھر والوں کی محبت کرتی تھی۔

سجاد اپنا کام کر کے لائونج سے نکل چکے تھے اور بلقیس بھابی کی تلملاہٹ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

''میں تو بڑی سہی، لیکن یہ جو کچھ ہو رہا ہے، اس پر جان بوجھ کر آنکھیں تو تم نے بھی بند کر رکھی ہیں۔ خدا کی پناہ! گھر میں کھلے عام ایسی بے شرمی کے کھیل کھیلے جا رہے ہیں اور کوئی آواز اُٹھانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ توبہ استغفار!''

اپنے گال، ناک چھوتے ہوئے انہوں نے باقاعدہ ہاتھ بھی جوڑے۔

ثمینہ نے بہت کوفت سے اُن کی طرف دیکھا اور بناء ایک لفظ کہے لائونج سے باہر چلی گئی۔

کئی بار وہ بحث کی غلطی کر چکی تھی، لیکن بات اور بھی بگڑتی تھی۔ بلقیس بھابی کی ذہنیت نے گھر میں مستقل ہی ایک زہریلا پراپیگنڈا جاری رکھا ہوا تھا۔

ثمینہ کو یہ سوچ کر ہی خوف آ رہا تھا کہ اُن کا پھیلایا ہوا زہر بابا یا سجاد کے کانوں تک پہنچا تو کس زور کا ہنگامہ کھڑا ہو سکتا ہے۔

"جب میرے فیضی کو اس گھر سے نکالا جا سکتا ہے تو میں یہاں کسی کو بھی چین سے نہیں رہنے دوں گی۔ تمہیں بُرا لگتا ہے تو لگتا رہے۔"

ثمینہ فریزر میں سے گوشت نکال رہی تھی۔ اُن کی آواز پر مڑ کر اس طرف دیکھا۔

کچن کے دروازے سے بلقیس بھابی اندر آ رہی تھیں۔

گھر میں وہی اُن کی واحد سامع تھی، جو اُن کی صحیح غلط باتوں کو بناء چوں چراں کئے سُن لیتی تھی۔

"شادی ہی تو کی تھی اُس نے، نوعمری میں ایسی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ وہ لڑکی یہاں رہتی تو میں چند دن میں اُسے خود طلاق دلوا دیتی، لیکن بابا نے تو ایک منٹ میں اُسے نکال باہر کیا۔"

"فیضی خود گھر چھوڑ کر گیا تھا۔" ثمینہ کو کہنا پڑا۔

"خوشی سے گھر نہیں چھوڑا تھا اُس نے۔" ایک چھوٹی سی یاددہانی بھی انہیں بری لگی۔ "دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا اس کے پاس۔ اگر سجاد کی طرح وہ بھی انیکسی میں اُس لڑکی کو لا کر رکھ سکتا تو کیا ضرورت تھی اُسے دھکے کھانے کی؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ثانیہ یہاں مجبوراً رہ رہی ہے اور سجاد اتنا گرا ہوا بھی ہرگز نہیں ہے، جیسا آپ سمجھ رہی ہیں۔ وہ اگر چھپا کر بھی شادی کرنا چاہتا تو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی تھی۔"

ثمینہ نے اپنا پورا دھیان کھانے کی طرف لگانا چاہا، لیکن کسی کسی وقت خاموش رہنا بھی مشکل ہونے لگتا تھا۔

اپنے عقب میں اُسے اُن کی زہریلی سی ہنسی سنائی دی۔

"پیسے والے مردوں کا کام ویسے بھی چل جاتا ہے۔ سجاد، فیضی کی طرح بے قوف نہیں ہے۔ دیکھا نہیں کس دھڑلے سے لا کر رکھا ہے ماں بیٹی کو؟ بابا کی بھی آنکھیں بند ہیں اِس سارے تماشے پر، ہمت ہے تو کیوں نہیں سجاد سے اُس کا نکاح نامہ طلب کرتے ہیں؟"

جوشِ جذبات میں اُن کی آواز معمول سے بلند تھی۔

گھر میں ملازمین بھی تھے۔ ثمینہ انہیں یہی احساس دلانے کے لئے مڑی تھی کہ الفاظ ہی نہیں، احساس بھی منجمد ہو گئے تھے۔ بلقیس بھابی کے ٹھیک پیچھے کچن سے باہر بابا کھڑے تھے۔

اُن کا پورا وجود ساکت تھا اور چہرے پر وہ جلال کہ...

ثمینہ کی نگاہیں دوسرے ہی پل جھکی تھیں اور دل تھا کہ شدتِ خوف سے بیٹھا جا رہا تھا۔

...☆☆☆...

آفتاب کے میڈیکل سٹور پر جب وہ پرانی سی موٹر سائیکل آ کر رُکی تو وہ اُسے کوئی معمول کا گاہک سمجھ کر ہی توجہ سے دیکھ نہیں پایا تھا۔

دو چار گاہک پہلے سے ہی موجود تھے۔ اُن کو نمٹا کر جب وہ فارغ ہوا، تب تک وحید سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر کاؤنٹر پر آ چکا تھا۔

"آپ!" دل میں اُٹھتی ناگواری کی لہر کو اُس نے بمشکل ہی دبایا۔

''تم لوگ تو میری خبر ہی نہیں لیتے' زندہ بھی ہوں یا مر گیا۔ خود ہی ڈھیٹ بن کر چلا آتا ہوں۔'' شکوے تو اُن کے حسب سابق ہی تھے، لیکن لہجے کی شکستگی نئی تھی۔

آفتاب اتنی دیر میں اطراف کا جائزہ لے چکا تھا۔ وہ بڑی بڑی گاڑیاں جو اُن کے جاہ وجلال کا سمبل بن چکی تھیں، آج غائب تھیں۔ محض ایک موٹر سائیکل بن چکی تھیں، آج غائب تھیں۔ محض ایک موٹر سائیکل دکان کے آگے والے چبوترے کے ساتھ کھڑی تھی، سو وہ تو ظاہر ہے کہ اُن کی نہیں ہو سکتی تھی۔

''آپ آئے کیسے ہیں، میرا مطلب ہے گاڑی وغیرہ...؟''

حالانکہ وہ اُس سے کوئی ایک بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا، پھر بھی تھوڑی سی حیرت کے ساتھ پوچھ بیٹھا۔

''گئیں سب گاڑیاں! اب تو فٹ پاتھ پر آنے والا ہوں کچھ دنوں میں۔'' جوابًا وہ تلخی سے ہنسا۔

بات مبہم تھی، پر سمجھ میں آتی تھی۔

فرحت کے گھر چھوڑ جانے کی خبر، خاندان بھر میں گردش کر چکی تھی اور آفتاب اور بینا سے زیادہ کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وحید اب کتنے برے دور سے گزرنے والا ہے بلکہ یہ دور اب شروع ہو ہی چکا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فرحت جیسی دبی دبائی عورت اس طرح میرے مقابلے پر آ کھڑی ہو گی۔ برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے مجھے۔''

''وہ آپ کو برباد کر چکی ہیں۔'' آفتاب کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیلی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ بری طرح بگڑ اُٹھے۔

''وہی جو صاف دکھائی دے رہا ہے۔'' بے اعتنائی سے اُس نے سامنے کھڑی بائیک کی طرف اشارہ کیا۔ ''اتنی جلدی آپ کر ولا سے اِس بائیک پر آ گئے ہیں تو میں ہی کیا، ہر ایک بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے۔''

وحید کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھا۔ ''یہی تو سارا رونا ہے...''

کسی گاہک کے آجانے سے اُن کی بات ادھوری رہ گئی۔

''سجاد کے آفس سے آدمی آکر دونوں گاڑیاں لے گئے۔ خریدی ہوئی تو اُن ہی لوگوں کی تھیں، لیکن واپس بھی لی جا سکتی ہیں، مجھے تو کبھی خیال ہی نہیں آیا تھا۔ ورنہ کبھی کی بیچ باچ کر پیسے کھرے کر لیتا۔''

اُن کی مجرمانہ ذہنیت ابھی بھی اس سے آگے نہ جا سکی تھی۔

''گھٹیا، بیچ لوگ، ایک ذرا سی بات کا تماشہ بنا رہے ہیں۔ نہ اپنی عزت کا خیال ہے نہ دوسروں کی، بنتے ہیں بڑے پیسے والے۔''

''بات ذرا سی نہیں تھی۔ آپ نے بھی ہر حد پار کر لی ہے۔ اب ایسا تو ہونا ہی تھا۔ فرحت بھابی نے تو بہت کوشش کی کہ یہ گھر بسا رہے، لیکن آپ ہی سے قدر نہ ہو سکی۔''

آفتاب کا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس شخص کی شکل بھی دیکھے۔ وہی تھا جو اُس کی زندگی کو تقریباً برباد کر چکا تھا۔ خدا کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو وہ اور اُس کے بیوی بچے رُل ہی چکے تھے۔ لیکن اب وقت بدلا تھا۔

دوسروں کی زندگیوں سے ظالمانہ طریقے سے کھیلنے والا، آج اپنے سر پر پڑی ابتلا پر واویلا کر رہا تھا تو خدا کے انصاف پر یقین اور بھی گہرا ہو رہا تھا۔

"اور وہ لوگ جنہیں آپ بیچ اور گھٹیا کہہ رہے ہیں، آپ کی زندگی بدل کر رکھ دی انہوں نے، ورنہ سوچیں کوئی نوکری تک نہیں تھی آپ کے پاس، شادی وادی تو بہت دور کی بات تھی۔"

پہلی بار وہ اتنے مضبوط لہجے میں اپنے بڑے بھائی کو آئینہ دِکھا رہا تھا۔ ایک دبی دبی سی تپش تھی، جو آفتاب کے لہجے میں بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"کرو اور ذلیل کرو، تم سب ہی کی نظر لگی ہے مجھے، ہر ایک کو میری خوش حالی کھلتی تھی، تم لوگوں سے خود تو ترقی کی نہ جا سکی زندگی میں۔ اگر میں نے ہاتھ پاؤں مارنا چاہے تو اُس سے بھی تکلیف ہوتی ہے تمہیں۔"

"آپ کے ہاتھ پاؤں کی زد میں جو لوگ آئیں گے تو انہیں ظاہر ہے کہ تکلیف ہی ہو گی..."

اپنی بات کہتے ہوئے آفتاب ذرا رُکا۔ "یہ بتائیں آپ یہاں آئے کیسے ہیں؟"

وہ انہیں جلد سے جلد رُخصت کر دینا چاہتا تھا۔ بینا اندر گھر میں ہی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کا اور وحید کا سامنا ہو۔

لیکن اِس وقت ایسا ہی ہونا تھا۔

"اندر چلو گھر میں، مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

"یہیں کریں۔" وہ مڑ کر شیلف میں چیزیں ٹھیک کرنے لگا۔

"ضروری بات ہے، اماں کے سامنے ہو تو بہتر ہے۔"

"اُن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آپ کی باتوں سے اور بھی ٹینشن لیں گی تو کہیں زیادہ نہ بگڑ جائے۔"

وہ رُکھائی سے مستقل ہی انکار کیئے گیا مگر اُن کی ڈھٹائی بھی کمال کی تھی۔

"اماں پر صرف تمہارا ہی حق ہی کیا؟ اگر وہ تمہارے ساتھ رہتی ہیں تو کیا اُن سے ملنے کے لئے مجھے تمہاری اجازت درکار ہو گی؟ میں آج اِسی وقت انہیں اپنے گھر لے جا سکتا ہوں، سمجھے!"

آفتاب ہلکے سے ہنس پڑا۔

"پہلے آپ اپنے رہنے کا تو انتظام کریں۔ سارے خاندان میں اُڑی ہوئی ہے کہ سجاد بھائی وغیرہ آپ سے یہ گھر خالی کروانے والے ہیں۔"

اُس نے بڑی کنفرم اطلاع ان ہی کے بارے میں اُن ہی کو دی۔

وحید کے چہرے کا رنگ بڑا واضح طور پر اُڑا تھا۔

"کس نے کہا تم سے؟"

"جس نے بھی کہا، غلط ہو تو کہیئے۔"

"بکتے ہیں سب سجاد منہ کی کھائے گا اِس بار، اگر گاڑیاں اُس کے آدمی لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر بھی وہ مجھ سے اتنی آسانی سے خالی کرا لے گا۔"

وہ خود کو مضبوط ظاہر کرنا چاہ رہا تھا، لیکن الفاظ اور لہجہ دونوں ہی خالی پن کا شکار تھے۔

"گویا آپ کو نوٹس مل چکا ہے۔" آفتاب نے اُن کی بات سے بآسانی آخری نتیجہ اخذ کیا۔

اس بار وہ خاموش رہے۔ چند لمحے آفتاب کی طرف یوں ہی دیکھتے گئے جو بڑے اطمینان سے اپنے پاس کام کرنے والے لڑکے کو کچھ ہدایت دے رہا تھا۔

''تم اندر چل رہے ہو میرے ساتھ یا نہیں؟''

وہ سیڑھیاں اُتر کر گیٹ کی طرف خود ہی جانے لگے۔

آفتاب نے ایک منٹ کے لئے رُک کر کچھ سوچا۔

''بینا کو بعد میں سمجھایا جا سکتا تھا، لیکن اس وقت وحید کو روک کر ایک بے کار کا تماشا ہی کھڑا کرنا تھا، سو کیا فائدہ۔

''چلیں، میں بھی آرہا ہوں۔''

مددگار لڑکے کو ہدایت دے کر وہ جب تک اپنی بیساکھی کے سہارے اُتر کر گھر میں داخل ہوا، وحید گھر کا چھوٹا سا صحن اور لائونج پار کر کے اماں کے کمرے میں جا چکا تھا۔

بینا نے اسے گھر میں گھستے ہی دیکھ لیا تھا۔

''کیوں آیا ہے یہ شخص ہمارے گھر، اب اور کون سی آفت ڈھانی ہے اسے۔ آپ نے گھر میں کیوں گھسنے دیا ہے اسے؟''

توقع کے عین مطابق وہ سخت برہم تھی اور اس برہمی پر سو فیصد حق بجانب تھی۔

''ابھی نکالیں اسے آفتاب! میں بالکل بھی برداشت نہیں کر سکتی اِسے اور اگر آپ کو اپنے بھائی کا اتنا ہی لحاظ ہے تو میں خود اِسے دھکے دے کر باہر کر سکتی ہوں۔'' وہ اتنی بپھری ہوئی تھی کہ یقیناً ایسا کر بھی سکتی تھی۔

''پلیز بینا! وہ ابھی چلے جائیں گے۔ میری خاطر نہ سہی، اماں کی خاطر ہی برداشت کر لو، انہیں تو تم اپنی ماں کا درجہ دیتی ہو، پلیز!''

آفتاب کو اسے سنبھالنا مشکل ہونے لگا۔

''ہاں تو اس شخص اُن سے کیا رشتہ ہے؟ خون کے آنسو اس عمر میں، وہ اس ذلیل آدمی کی وجہ سے ہی تو روتی ہیں۔ بدبخت، جہنمی! اور اماں کی طبیعت خراب ہو گی اس کے آنے سے۔''

اُس کا غصہ تو کم نہیں ہوا تھا، لیکن آفتاب نے محسوس کیا کہ اماں کے حوالے پر وہ تھوڑی سی دھیمی پڑی تھی، پھر بھی اس کی آنکھوں سے بے ساختہ ہی بہہ جانے والے آنسو، اس بے حد تکلیف دہ دور کی ہی دین تھے، جو ان دونوں نے وحید کی وجہ سے جھیلا تھا۔

''ذلیل و خوار ہو رہے ہیں ہر طرف سے، قدرت نے تمہارا بدلہ خود ان سے لے لیا ہے، بہت بری حالت میں آئے ہیں آج۔'' بینا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر وہ اسے کمرے میں لے آیا۔

''ابھی تو دنیا کے لئے عبرت کا نشان بننا ہے اس شخص کو، کتنے لوگوں کا صبر پڑے گا اس پر۔''

''سب سے زیادہ فرحت بھابی اور ان کے بچوں کا۔'' آفتاب ہلکے سے بولا۔

بینا نے اس کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔

''اور کتنی بہادر ہیں وہ وحید کو اس کے مکروہ ارادوں میں ناکام کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی آفتاب! مگر وہ کر گزریں۔''

باہر سے اماں کے زور زور سے بولنے کی آواز پر وہ دونوں ہی اس طرف متوجہ ہوئے۔

''آپ جا کر دیکھیں، اماں بے چاری پھر سے ٹینشن لے رہی ہیں، طبیعت نہ خراب ہو جائے۔''

''اور تم!'' آفتاب جاتے جاتے مڑا۔

"میں اس آدمی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی ہوں آفتاب! میرے لئے وہ نا قابل برداشت ہے۔ آپ اسے رخصت کریں یہاں سے، جیسے بھی ممکن ہو۔"

بینا تھکے تھکے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

آفتاب سیدھا اماں کے کمرے میں آیا، جہاں وحید اور اماں میں کسی بات کی بحث، جھگڑے کی صورت میں جاری تھی۔

"دفع ہو جاؤ وحید! میں تیری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ آفتاب تو نے اِسے گھر میں آنے کیوں دیا، باہر سے ہی کیوں نہیں رخصت کر دیا؟" اماں، آفتاب کو دیکھ کر اس پر بھی برسیں۔

"آپ غصہ مت کریں اماں! جو کچھ یہ کہہ رہی ہیں، وہ آپ نے سن لیا نا؟" وہ نرمی سے انہیں سمجھاتا ہوا، وحید کی طرف مڑا۔

"میرا خیال ہے اب آپ کو چلے جانا چاہئے۔ کیا فائدہ ہے اب بے کار کی ضد بحث کا؟ ہم کبھی آپ کے عیش و آرام میں مخل نہیں ہوئے، اب آپ کی باری ہے۔ کم از کم آپ اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔"

"مجھے تم لوگوں سے کوئی غرض نہیں، بس صرف اماں کو یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں۔"

"کیا!" آفتاب کو اس بار واقعی حیرت ہوئی۔

اماں کو انہوں نے کبھی اچھے وقتوں میں پوچھنا تک گوارا نہیں کیا تھا۔ یہاں بھی جب آئے اپنے مطلب سے آئے، سو اب یہ کایا پلٹ کیسی!

"فرحت چلی ہی گئی ہے گھر چھوڑ کر، اب معلوم نہیں کب تک اس کا وہاں رکنے کا ارادہ ہے۔ تب تک اماں کو وہاں میرے پاس ہی رہنا چاہئے، اتنی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

اماں نے بے زاری سے، سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

"سب ڈھکوسلا ہے۔ فرحت نہیں آنے والی اب، خلع کا دعویٰ کر چکی ہے وہ۔ سارے خاندان کو خبر ہے۔"

"وہ تو ایسے ہی مجھ پر دباؤ بڑھانے کے لئے، اس سجاد کمینے نے چکر چلایا ہے۔ ورنہ فرحت کو تو ایک بار آنکھیں دکھاؤں تو اس کی مجال نہیں۔" وہ ایک بار پھر اپنی شیخی کی عادت کے زیر اثر آنے لگا۔

"خاندان کے سب لوگ لعنت ملامت کر رہے ہیں فرحت کے باپ اور بھائیوں کو، ساری برادری میں ان کی عزت خاک میں مل چکی ہے برادری میں آج سے پہلے کسی نے یہ ہمت نہیں کی۔ وہ حشر کروں گی کہ یاد رکھے گی، بہت ملے ہیں کرائے کے غنڈے، گولی مارنے کے لئے تیزاب پھینکنے کے لئے، چند سیکنڈ کا کام...!"

"آفتاب! خدا کے لئے اس کو گھر سے نکال، ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔"

اماں اپنی بات کہتے ہوئے زار و قطار روئیں۔

بینا جو وحید کا سامنا نہ کرنے کا عہد کئے ہوئے تھی، اس چیخ پکار پر، گھبرا کر لائونج میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

وحید پر جنون سا سوار ہو رہا تھا۔

"میں سب سمجھ رہی ہوں، کس لئے مجھے لے کر جانا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ میرے لحاظ میں ابرار بھائی اور سجاد تجھ سے گھر خالی نہ کروائیں، لیکن اب تو تجھے اپنا کیا ہوا بھگتنا ہی ہے وحید! برا وقت تیرے سر پر آ کھڑا ہے۔"

آفتاب نے انہیں کندھوں سے تھام رکھا تھا، مگر پھر بھی وہ پوری کانپ رہی تھی۔

بینا دوڑ کر کچن میں سے پانی کا گلاس بھر لائی۔

”تیرے جیسی اولاد خدا کسی دشمن کو بھی نہ دے۔ میں بہت پہلے صبر کر چکی ہوں تجھ پر۔ دفع ہو جا ہمیشہ کے لئے، ورنہ میں خود سجاد کو فون کر کے تیرا کوئی بندوبست کرواتی ہوں۔“

ماں، بھائی!

کسی کے پاس بھی آج اُس کے لئے، ذرا بھر بھی رعایت نہیں تھی، اپنائیت اور خلوص تو دور کی بات۔

سارے رشتے کب کے وہ خود اپنے ہاتھ سے مٹی میں ملا چکا تھا، مگر دل پر جمی گناہوں کی سیاہی، آج بھی اتنی گہری تھی کہ شرمندگی یا ملال جیسا کوئی احساس، ہلکا سا عکس بھی نہ ڈال سکا۔

”مرے رہو تم سب یہیں، مجھے بھی کسی کی ضرورت نہیں۔ خود نمٹ سکتا ہوں۔ دیکھ لینا تم، کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا میرا۔ کسی کی ہمت ہے جو وحید جیسے شخص کو اپنے آگے جھکا...“

غصے کی شدت سے اس کی آواز پھٹی جا رہی تھی۔ سامنے آتی ہر چیز کو وہ ٹھوکر سے اڑاتا ہوا، ان کے گھر سے باہر نکل گیا۔

آفتاب نے پیچھے آتے ہوئے گھر کا گیٹ اندر سے بند کیا۔

آج اُسے پورا یقین ہو چکا تھا کہ وحید ان کے گھر سے ہی نہیں، زندگیوں سے بھی ہمیشہ کے لئے نکل گیا ہے۔

”سو یہ کریہہ اور دل شکن باب، اب ہمیشہ کے لئے بند ہوا۔“ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے اس ساری کڑواہٹ کو یاد کیا جو اب کم تو ہو رہی تھی، لیکن یادوں میں ہمیشہ رہنے والی تھی۔

...☆☆☆...

فرح نے ایک کے بعد ایک، کئی چکر لگا لئے تھے۔

آفس سے جلدی فارغ ہو جاتی تو لازماً ثانیہ کے پاس ہو کر جاتی اور چھٹی کے دن تو وہ سارا دن رہ کر گئی تھی۔ ثانیہ کو اس کا ہمیشہ ہی بڑا سہارا رہا تھا، سو آج بھی تھا۔

لیکن ایک بڑا خاموش، اُن دیکھا سا انقلاب جو اس کی اپنی ذات میں آ رہا تھا، اب واضح ہوتا جا رہا تھا۔

فرح نے ایک گہری نگاہ اُس پر ڈالی۔

چائے کے کپ سے اٹھتی بھاپ کے عقب میں ثانیہ کا دل کش چہرہ، ہلکا سا دھندلا رہا تھا۔

”سو تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے؟“

”ہوں۔“

”کوئی گنجائش، کوئی اور راستہ؟“

بنا کچھ کہنے اس نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

”آرام سے سوچو ثانیہ! آخر اتنی جلدی کس بات کی ہے؟“

فرح کو لگ رہا تھا کہ پہلی بار وہ اسے کنوینس کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی۔

”جلدی!“ اس نے کچھ حیرت سے فرح کو دیکھا۔

''پانچواں سال ہے مجھے یہاں آئے ہوئے اور کتنی مدت درکار ہوتی ہے انسان کو کسی نتیجے پر پہنچنے میں ؟اب بس!''

ان آخری دو الفاظ میں،اس کے سفر کی ساری کہانی تھی۔

جلتی دھوپ میں ننگے پائوں طے کئے جانے والے سفر کی کہانی! جس میں پیروں کے بجائے دل پر آبلے پڑے تھے۔

سامنے سبزے پر جمی اس کی آنکھوں میں،ان بے حد پر سکون لمحوں میں بھی تپش جھانکتی تھی۔

اور بھلا اب ثانیہ کو قائل کرنے کے لئے اس کے پاس کون سی دلیل باقی رہ گئی ہے؟

فرح نے پوری ایمانداری کے ساتھ خود سے کہا، مگر دوستی کا تقاضا اب بھی جواز تراش رہا تھا۔

''تم اپنی جگہ بالکل درست ہو ثانیہ! لیکن اب تو حالات بہتری کی طرف آرہے ہیں، تمہارا فائنل مکمل ہو چکا ہے۔اماں کی صحت اللہ کا شکر ہے کہ اب پہلے سے بہت بہتر ہو چکی ہے۔تم آرام سے یہاں رہ سکتی ہو۔اپنی جاب کو اب پوری سنجیدگی کے ساتھ وقت دے سکتی ہو۔''

اس نے شاید فرح کا ایک ہی جملہ سنا تھا۔

''یہاں اس گھر میں رہیں گے ہم،اندازہ بھی ہے کہ کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''ہاں تو کیا برائی ہے!'' فرح تھوڑا سا گڑبڑائی، لیکن پھر بھی اپنی بات پر جمی رہی۔

''یہ اتنا ہزاروں گز پر پھیلا ہوا گھر ہے۔اس ایک چھوٹی سی انیکسی میں تمہارے رہنے سے کیا پرابلم ہے کسی کو؟اور پھر سجاد بھائی کتنا خیال رکھتے ہیں تمہارا اور اماں کا۔''

ثانیہ نے پورے تحمل سے اس کی بات سنی اور جب وہ رکی تو...

''تمہاری محبت تم سے ایسی باتیں کرواتی ہے فرح! ورنہ تمہیں خود پتہ ہے کہ یہاں مستقل ڈیرہ جمانا کتنی نامناسب سی بات ہے۔وہ تو وقت اور حالات ایسے تھے کہ ہم یہاں کے علاوہ اور کہاں جاتے، سجاد صاحب کی مہربانی کیا احسانِ عظیم ہے مجھ پر، لیکن اپنی وجہ سے کسی کو مستقل پریشانی میں ڈالے رکھنا بھی تو انصاف نہیں ہے۔''اس نے پوری سنجیدگی سے بات مکمل کی۔

''لیکن اگر کوئی بہت خوشی سے یہ پریشانی جھیل رہا ہو تب تو رعایت دینی چاہئے۔'' دبی دبی سی مسکراہٹ کے ساتھ، فرح نے بہت دن بعد یہ موضوع چھیڑا تھا۔

مگر آج ثانیہ کے چہرے کا نہ رنگ بدلا اور نہ ہی وہ خفا ہوئی۔

''پریشانی کبھی بھی خوشی خوشی نہیں اٹھائی جاتی اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو شاید خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہوتا ہے۔''

''سجاد بھائی خوش فہمی پالنے والے شخص نہیں ہیں ثانیہ! وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں تمہارے لئے، وہ یوں ہی نہیں ہے۔تم خود جانتی ہو۔'' فرح نے بہت آہستہ سے کہا۔

اس بار وہ خاموش رہی۔

چند لمحے یوں ہی آگے کو سرکے۔

سامنے سبزے پر سردیوں کی دھوپ سمٹ رہی تھی۔''انسان دو ہی چیزوں کے آگے مجبور ہوتا ہے، قسمت کے یا پھر دل کے۔!'' ان دونوں کے بیچ چھائی خاموشی کو ایک بار پھر فرح نے ہی توڑا۔

''سجاد بھائی دل کے ہاتھوں مجبور ہیں۔''

''اور میں قسمت کے!'' ثانیہ کی آواز کسی سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

''قسمت کو آزمایا بھی تو جا سکتا ہے نا۔''

''میں آزما چکی ہوں فرح! اماں کا ہاتھ پکڑا کر یہاں اس شہر میں چلے آنا، مذاق نہیں تھا۔ میری جیسی بے وقوف لڑکی، جو اپنے چھوٹے سے شہر میں بھی راستوں سے واقف نہیں تھی، یہاں اس شہر میں، جس کا کوئی سرا بھی نہیں ملتا، کس امید پر آئی تھی؟ اب تو سوچ کر دل بیٹھتا ہے۔''

دو شاید اب بالکل مایوس ہو چکی تھی۔ فرح کو ایسا ہی لگا۔

''چلو یہاں مت رہو، لیکن وہاں رحمت منزل میں بھی تو رہا جا سکتا ہے، وہاں تو ذرا سی بھی کوئی الجھن نہیں ہو گی۔ یہ نواب شاہ واپس جانے کی ضد تو چھوڑ دو۔ ''پلیز!''

خود بخود ہی وہ پھر اسی لاحاصل بحث میں الجھنے لگی، جسے ثانیہ اپنی طرف سے ختم کر چکی تھی۔

''آتی رہا کروں گی ملنے، تم تو اس طرح گھبرا رہی ہو، جیسے پتہ نہیں سات سمندر پار کا فاصلہ ہے اور تم بھی آیا کرنا سب کو لے کر۔ بہت اچھا لگے گا تمہیں، وہاں ہمارے چھوٹے سے گھر میں۔''

''تم جہاں بھی ہو گی میرے لئے وہ جگہ سب سے اچھی ہو گی، ہمیشہ۔''

فرح نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ثانیہ بات مان جائے گی۔ یہ امید اب تقریباً ختم ہو رہی تھی، لیکن وہ عادتاً اس کے لئے فکر مند ہو رہی تھی۔

وہاں فوری طور پر کوئی جاب نہ ملی۔

گھر کے روزمرہ کے اخراجات۔

اماں کی خدانہ کرے، دوبارہ طبیعت کی خرابی کا اندیشہ۔

مگر ثانیہ بہت مطمئن انداز میں فرح کے ہر تفکر بھرے سوال کا جواب دیئے گئی۔

وہاں کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں تھا، اس کے نزدیک۔

اتنے سالوں یں پہلی بار، وہ اتنی مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔

''غلطی میری تھی مجھے ممانی کا رویہ دیکھ کر، دو چار مہینے میں ہی واپس چلے جانا چاہئے تھا اماں کو لے کر، لیکن شاید جمیل ماموں ہی ایسا نہ کرنے دیتے اور پھر ان کے بعد تو اتنی جلدی سب کچھ بگڑا کہ سانس لینے کی بھی مہلت نہیں ملی۔''

''چھوڑو بس اب جو ہوا گزر گیا۔ یہ بتاؤ ابھی تک سجاد بھائی کو تمہارے پروگرام کی خبر ہے یا نہیں؟''

''آج کل میں بتا دوں گی۔''

''تم نے سختی سے منع کر دیا تھا، اس لئے میں نے بھی کوئی ذکر نہیں کیا، لیکن ایک بات تو ہے ثانیہ!'' فرح کچھ کہتے کہتے رُکی۔

ثانیہ نے منتظر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ تمہارے اس فیصلے سے ہرٹ تو ہوں گے۔''

''لیکن پھر بھی وہ میرے فیصلے کا احترام کریں گے، یہ مجھے یقین ہے۔''

اس کی اس بات کی تردید بھی نہیں کہ جا سکتی تھی، مگر...

"تم بہت زیادہ کر رہی ہو، بہر حال وہ بہت سنجیدہ ہیں تمہارے لئے۔ پتہ نہیں بے چارے مستقل کا کیا خاکہ بنا کر بیٹھے ہوں گے دل میں۔ بڑی تنہائی زندگی گزاری ہے سجاد بھائی نے۔ تمہیں ان کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے ثانی!"

فرح کے دل میں سجاد کے لئے بڑی محبت، بڑی ہمدردی تھی اور اب جب وہ ثانیہ کو یہاں لے آئے تھے، تب سے تو اسے یہ بھی یقین ہونے لگا تھا کہ وہ بہت جلد کوئی راستہ نکالنے والے ہیں، جو ان کے اور ثانیہ کے بیچ ناہمواری کو ختم کر دے گا۔

مگر ثانیہ کا رویہ کچھ اور ہی کہتا دکھائی دے رہا تھا۔

"سجاد صاحب بہت اچھے انسان ہیں اور انہیں زندگی گزارنی آتی ہے۔ وہ دوسروں کے ساتھ اتنا اچھا کرتے ہیں تو اللہ ان کے ساتھ بہت اچھا کیوں نہیں کرے گا فرح! تم ان کی فکر بھی مت کرو۔ نازی، عمرو غیرہ کیسے ہیں؟ جانے سے پہلے ان لوگوں سے ملنے ایک بار ضرور آئوں گی۔" اس نے جان بوجھ کر موضوع بدلا۔

"ٹھیک ہیں سب، یہاں آنے کو کہہ بھی رہی تھیں نانی، لیکن میں نے ہی منع کر دیا۔ اب وہاں تمہاری دعوت کا پروگرام بن رہا ہے آج کل۔"

ثانیہ ہلکے سے مسکرا دی۔

"یہاں تو اچھا ہی کیا تم نے لانے سے منع کر دیا۔ بلقیس بھابی بے چاری ویسے ہی ہماری وجہ سے ٹینشن میں ہیں۔ مہمانوں کو آتا دیکھیں گی تو معلوم نہیں کیا گزرے گی ان پر۔"

"یہ گھر بابا کا ہے، بلقیس بابی کا نہیں، تم ان کی پرواتو مت کرو بہر حال۔"

"کرنی پڑتی ہے اور ایسے میں تو اور بھی، جب آپ خود بناء کسی تعلق کے دوسرے کے گھر میں آگھسیں۔ ہیں تو بس اب یہی دعا کرتی ہوں کہ کسی بڑی بدمزگی سے پہلے ہی ہم لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ وہاں نواب شاہ میں زندگی بڑی آسان

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو جائے گی فرح! کم از کم وہاں وہ گھر تو ہے جو صرف ہمارا ہے، سوچ کر ہی اتنا سکون ملتا ہے کہ وہاں یہ ہر وقت کی شرمندگی تو نہیں ہو گی، جسے ہم کب سے جھیل رہے ہیں۔

فرح نے ہلکے سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

"کہیں نہ کہیں میری سوچ بھی غلط تھی فرح! ضروری نہیں ہے کہ انسان کوئی غیر معمولی کار کر دکھا کر ہی خود کو ثابت کرے۔ ایک عام سی زندگی پورے وقار کے ساتھ جی لینا ہی اصل کامیابی ہے۔ اپنے بل بوتے پر، اپنے وسائل میں رہ کر۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

زندگی سے جڑے تجربات، اس کی سوچ کو واضح سمت دے رہے تھے اور شخصیت کو مضبوطی بھی، فرح کو اس کا یہ بدلا ہوا انداز بہر حال بے حد مطمئن بھی کر رہا تھا۔

ایک بار صحیح سمت کا تعین ہو جائے، مشکل سے مشکل سفر بھی کٹ جاتا ہے۔ "میں چلتی ہوں اب، خاصی دیر ہو رہی ہے۔"

وہ اٹھ کر اندر اماں کو خدا حافظ کہنے چلی گئی۔ واپس آئی تو ثانیہ ابھی بھی برآمدے کی سیڑھیوں پر ہی بیٹھی تھی۔

"آفس کیسا چل رہا ہے؟" اس کے ساتھ گاڑی کی طرف جاتے ہوئے، ثانیہ نے پوچھا تو وہ اداس ہونے لگی۔

"سب کچھ ہے، ایک سوائے میرے کیونکہ میں تمہیں بے حد مس کرتی ہوں۔ سچ پوچھو تو مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا کہ مجھے وہاں اب تمہارے بغیر رہنا ہے۔"

"آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی، میں بھی تو تمہارے بغیر جینا سیکھوں گی، ورنہ ابھی تک تو یہ حال تھا کہ لگتا تھا، تمہاری انگلی چھوٹی تو لازمی گم ہو جائوں گی۔"

فرح ہلکے سے ہنس پڑی۔

''خیر یہاں مجھ سے بھی بڑے تمہارے خیر خواہ موجود ہیں گم وم تو وہ تمہیں نہیں ہونے دیتے، ڈھونڈ ہی نکالتے ہیں کہیں نہ کہیں سے۔''

''خدا کے لئے فرح!'' ثانیہ نے بے ساختہ ہی اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''اب اس موضوع کو بھی بند کر دو، گھوم پھر کر یہی ایک بات، جس کا نہ کوئی سر نہ پیر۔''

''خیر بات تو ہے اور وہ بھی اتنی...''

''وقت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ ختم ہو جاتا ہے، یہ بات بھی ختم ہو جائے گی۔''

فرح نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

ثانیہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اپنے اندر کی ٹوٹ پھوٹ کو وہ اب خود پر طاری کرنا چھوڑ چکی تھی۔ ان دنوں فرح جتنی بار بھی اس سے ملنے آئی، اسے وہ ہمیشہ پہلے سے زیادہ مختلف اور کہیں زیادہ مضبوط ہوتی محسوس ہوئی۔

''وقت بڑا استاد ہے۔''

فرح کے جانے کے بعد وہ واپس چلتی ہوئی انیکسی کے برآمدے تک آئی۔ سامنے کمرے میں اماں اپنی تسبیح شروع کر چکی تھیں۔ وہ خاموشی سے واپس وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

گھر سے الگ تھلگ یہ پر سکون سا گوشہ، واقعی اس قابل تھا کہ زندگی خاموشی سے بسر کی جاسکتی تھی۔

فرح کی بات یاد کر کے، وہ ہلکے سے مسکرائی۔

اس کے سامنے جان بوجھ کر نہیں کہا تھا، پر در حقیقت یہ جگہ اب بے حد پسندیدہ بن چکی تھی۔ شاید اس لئے بھی کہ زندگی میں بہت عرصے بعد، یہی ایک مقام ملا تھا، جہاں سکون کا دور دورہ تھا۔

''شاید وہ بہت عرصے اس جگہ کو یاد کرتی رہے گی۔''

گود میں رکھے ہاتھوں پر نگاہ جمائے، وہ سوچ گئی۔

تب ہی کوئی بے آواز قدموں سے چلتا ہوا، اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''آپ!'' وہ سجاد کو دیکھ کر ہلکے سے مسکرائی۔

''کیا سوچا جا رہا تھا، اتنی فرصت سے اور وہ بھی یہاں اتنی ٹھنڈ میں بیٹھ کر؟''

''کچھ خاص نہیں۔''

''عام ہی سہی، شیئر کرو گی تو خوشی ہو گی۔ بیٹھ سکتا ہوں؟''

''آپ کا گھر ہے، مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''یہ گھر تمہارا بھی ہے ثانیہ! میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اس پورشن کی تو تم ہی مالک ہو، جس کو چاہئے آنے دو، جس کو چاہے نہیں۔''

تھوڑا سا ہٹ کر وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

ثانیہ کو تھوڑا عجیب سا لگا۔ ''اندر چلئے نا، یہاں تو میں بس ایسے ہی...''

"نہیں، یہیں ٹھیک ہے۔ مجھے بھی تو پتہ چلے کہ تمہیں یہاں بیٹھنا کیوں اچھا لگتا ہے تاکہ میں بھی خوشی خوشی ساتھ دے سکوں۔"

وہ شاید یوں ہی روانی میں کہہ رہے تھے، مگر ثانیہ کچھ چُپ سی ہو گئی۔

"کیا وہ واقعی اس بے حد اچھے انسان کو، ایک نہ ختم ہونے والی تکلیف دینے کا سبب بننے والی ہے؟"

"سچ بتاؤں مجھے تو کبھی اندازہ ہی نہیں ہوا تھا کہ یہ حصہ اتنا دل کش اور پُر سکون ہے، بہت ہی کم آتا تھا میں اس طرف، بس اگر کوئی مہمان ٹھہرا ہوا ہو تو۔"

مخصوص سادہ سے انداز میں وہ اسی طرح دل میں آئی باتیں کئے گئے۔ "اب ہم اسے کچھ خاص توجہ دیں گے، اماں کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو یہاں کا کچھ فرنیچر وغیرہ چینج کیا جائے، کیا خیال ہے تمہارا؟"

وہ بات کرتے کرتے رک کر اس سے پوچھنے لگے تو ثانیہ پہلے سے زیادہ گڑبڑائی۔

"آپ کی مرضی ہے۔"

"کیوں، تمہاری کیوں نہیں؟ یہ گھر، ڈیکوریشن تو خواتین کا شعبہ ہے۔ تم زیادہ اچھا مشورہ دے سکتی ہو۔"

"شاید اسے اس وقت بتا ہی دینا چاہئے کہ وہ اب محض چند دنوں کی ہی مہمان ہے یہاں۔" اپنی ساری ہمت جمع کرتے ہوئے ثانیہ نے سوچا۔

"امی کو ہمارا گھر سجانے کا بہت شوق تھا، ایک ایک چیز پر کی نگاہ رہتی تھی۔ وقار بھائی کو ناخوش دیکھنا بھی ان کی تکلیف کو بڑھاوا دیتا رہا، سب کچھ ہونے کے باوجود اپنی اولاد کو خوش دیکھنا، ان کی حسرت...!"

آج پہلی بار سجاد نے اپنی والدہ کا ذکر۔ اتنی تفصیل کے ساتھ اس سے کیا تھا۔

بات کہیں سے کہیں نکلتی جا رہی تھی۔

اس نے بیچ میں جب بھی اپنے جانے کے بارے میں کہنا چاہا، کامیاب نہ ہو پائی۔ آج سجاد کے پاس اس سے کرنے کے لئے بہت ساری باتیں تھیں۔

"فرحت آپا، وقار بھائی، دونوں ہی برادری کے فرسودہ سسٹم کی نذر ہو گئے۔ محض مصلحت کے تحت کئے گئے رشتے، جن میں دل کی خوشی کا شائبہ بھی نہیں اور اب فیضی کو دیکھو..."

"آپ اس کے لئے کچھ کرتے کیوں نہیں ہیں؟"

وہ فرح کی زبانی، فیضی کی ہر پرانی اور تازہ خبر سن چکی تھی اور سجاد سمیت پورے خاندان کی بے حسی پر حیران تھی۔

"جو خاندان ایک ذرا سی بات پر اپنے بیٹے کو اس طرح دھکے کھانے کے لئے چھوڑ دے، اس کی سخت دلی کی اور دوسری کیا مثال ہو گی؟"

ایک سے زائد بار اس نے فرح کے سامنے یہ بات کہی تھی۔

"مجھے احساس ہے کہ میں اس کے لئے کچھ نہ کر سکا، اصل میں شروع میں تو اتنے پرابلم نہیں تھے۔ وہ میرے ساتھ مستقل کانٹیکٹ میں رہتا تھا۔ پیسوں کی اسے کوئی کمی نہیں ہونے دی تھی میں نے، سال، ڈیڑھ سال تو آرام سے گزر گیا، مگر پھر بابا کو علم ہوا تو مت پوچھو کیا ہوا۔ فیضی کے جانے کے بعد وہ سخت بیمار پڑ گئے تھے۔ اب بھی ڈاکٹر سختی سے منع کرتے ہیں کہ ان کے سامنے کوئی ٹینشن والی بات نہ کی جائے۔"

کوئی اُمید، کوئی خوش فہمی نہیں باندھتی تھی وہ اور یہ بات صرف فرح سے ہی نہیں، خود اپنے آپ سے بھی بار ہا دُہرائی تھی، پھر بھی...

دل پر بہت سارا بوجھ ایک ساتھ گرا تھا۔

''اتنے سخت ہیں بابا؟''

''اس سے بھی زیادہ، جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ میرے لئے ان کے پاس بہت سپیشل جگہ ہے۔ اسی لئے میری معافی ہو گئی ورنہ بلقیس بھابی تک کی انہوں نے بری طرح خبر لے لی تھی۔ برادری میں انہیں سر کردہ حیثیت حاصل ہے، اس لئے سب سے زیادہ اصولوں کی پاسداری بھی وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔''

''اور انسانی رشتوں کی اہمیت؟''

بے ساختہ ہی ثانیہ کے منہ سے نکلا، آج پہلی بار ثانیہ نے بابا کے طرزِ عمل پر نکتہ اعتراض اٹھایا تھا اور اپنی بے ادبی کی اس نے فوراً ہی تلافی بھی کرنا چاہی۔

''میرا مطلب ہے کہ انہیں فیضی کا ذرا بھی خیال نہیں آیا کہ وہ کتنی مشکل زندگی گزار رہا ہو گا؟ اکیلے پن کا احساس بہت تکلیف دیتا ہے انسان کو، بابا تو بہت محبت کرنے والے انسان ہیں پھر!''

اس کا حساس دل بنا دیکھے بھی فیضی کی پریشانیوں کو محسوس کر سکتا تھا۔

''کئی مقام پر انسان مجبور ہو جاتا ہے ثانیہ! بابا بھی بے حد کامیاب، بے حد مضبوط ہونے کے باوجود، اندر سے بے حد زخم خوردہ ہیں۔ انہوں نے بہت بڑے غم اٹھائے ہیں، صرف فیضی ہی نہیں، وہ تو اپنا...!''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

پیچھے سے اماں نے آ کر برآمدے کی لائٹ روشن کی تو وہ دونوں ہی کچھ چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''کیسے ہو بیٹا! آج تو سارا دن نظر ہی نہیں آئے؟''

اماں کو نارمل ہوتے دیکھنا بے حد خوشی کی بات تھی۔ سجاد کو بڑا اطمینان حاصل ہوتا تھا۔

''جاؤ ثانیہ! چائے تو بنا لاؤ سجاد بیٹے کے لئے اتنی دیر سے ٹھنڈی ہوا میں بیٹھے تھے تم لوگ۔''

ثانیہ ابھی سیڑھیوں پر ہی کھڑی تھی۔ اس نے اماں کی بات ٹھیک سے سنی بھی نہیں تھی، ساری توجہ سامنے سے آتے ملازم کی طرف تھی، جو تقریباً دوڑا چلا آ رہا تھا۔

''شاید آپ کو کوئی بلانے آ رہا ہے۔'' اس نے مڑ کر سجاد سے کہا تو وہ بھی رُک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

خیال ٹھیک ہی تھا۔ بلاوا بابا کی طرف سے تھا اور فوری!

''پھر کسی وقت آؤں گا اماں! ابھی تو بابا کی عدالت میں حاضری لگانی ضروری ہے۔'' خوش دلی سے معذرت کرتے ہوئے وہ تیز قدموں سے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ تب بھی ثانیہ سیڑھیوں پر کھڑی انہیں دیکھے گئی۔

کوئی نامعلوم سا خدشہ تھا، جو اچانک ہی دل میں جاگ اُٹھا تھا۔

''کوئی ایسی بات، جو خود اس کی ذات سے متعلق ہو۔ کہیں بابا بھی اس کے یہاں رہنے سے خفا تو نہیں ہو گئے؟''

نہ چاہتے ہوئے بھی ایک کے بعد ایک خیال اور سارے ہی سہا دینے والے۔

حالانکہ بابا کئی بار خود اس سے ملنے یہاں تک آئے تھے۔ اماں سے ان کا سامنا نہیں ہوا تھا، مگر اس کے ساتھ وہ جتنی شفقت سے پیش آئے تھے اور کسی بھی بات کے لئے پریشان نہ ہونے کی تلقین کرتے تھے۔ وہ بے ساختہ ہی ابا کی یاد دلاتا تھا۔

"مگر وہ ابا تو نہیں تھے۔"

وہ کہاں سے کہاں پہنچی۔

اندر سے اماں آواز پر آواز دے رہی تھیں۔

ثانیہ کو مڑ کر اندر جانا ہی پڑا۔

باہر کی یخ بستگی سے نکل کر بابا کی سٹڈی میں داخل ہوتے ہی، بڑا سکون بخش احساس حاصل ہوا تھا۔

"بڑا زبردست ہو رہا ہے آپ کا کمرہ بابا! ورنہ باہر تو آج اچھی خاصی ٹھنڈک ہے۔"

سرسری سے انداز میں کہتے ہوئے سجاد نے بابا کی طرف دیکھا اور مسکرا دیئے۔

وہ اکیلے تھے اور خلافِ معمول ان کے سامنے کوئی آفس فائل یا کتاب وغیرہ نہیں کھلی ہوئی تھی۔

"آج آپ فارغ کیسے ہیں؟ ورنہ کوئی نہ کوئی مصروفیت تو ڈھونڈ ہی لیتے ہیں آپ اپنے لئے۔" بہت محبت سے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر، وہ بابا کے پاس رکھے فلور کشن پر بیٹھے۔

"ثانیہ کے متعلق تم نے کیا سوچا ہے سجاد!"

انہوں نے بنا کسی تمہید کے جو سوال کیا تھا، وہ بالکل ہی غیر متوقع تھا۔

سجاد کو لگا جیسے وہ شاید ٹھیک سے کچھ سن نہیں سکے، لیکن انہوں نے اپنی بات دوبارہ کہی اور پہلے سے زیادہ سرد لہجے میں۔

سجاد نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے، اس فیصلہ کن لمحے کی اثر انگیزی کو اپنے اندر اُترتے محسوس کیا۔

"میں ثانیہ اور اماں کو یہاں رکھنا چاہتا ہوں بابا!"

ان کا لہجہ پُرسکون اور قطعی تھا۔

بابا نے پُرسوچ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"کب تک! ظاہر ہے وہ دونوں ہمیشہ تو یہاں نہیں رہ سکتی ہیں!"

"رہ بھی سکتی ہیں اور اگر کسی کو پرابلم ہے، تو میں انہیں کسی دوسری جگہ شفٹ کر دوں گا۔"

"کیوں تم ان لوگوں کی ساری عمر کے لئے ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہو، یہ ہمدردی کچھ اور معنی تو نہیں رکھتی ہے؟"

ان کی نگاہ جیسے وجود میں اتری جا رہی تھی۔ سجاد کو ساری عمر یہ اندازہ بخوبی ہوا تھا کہ بابا جب کسی خاص موڈ میں ہوتے تو اُن کے آگے کھڑا ہونا بڑے دل گردے کا کام ہوتا۔

"میں تمہارا جواب سننا چاہتا ہوں سجاد۔"

...☆☆☆...

اُنہیں قطعی حیرت نہیں ہوئی۔

جلد یا بدیر یہ سوال پوچھا جانا ہی تھا اور وہ اُس کے لئے خود کو بالکل تیار رکھے ہوئے تھے۔ تردد صرف بابا کی صحت کو دیکھ کر ہوتا تھا حتیٰ جواب سُن کر اُن کا جو ردعمل سامنے آنا تھا، وہ ظاہر تھا۔

اور وہ آج بھی بابا کو چوٹ پہنچانے کا تصور نہیں کر پاتے تھے۔ مگر یہ ایک بے ادبی شاید اُن کے مقدر میں لکھی گئی تھی۔

''تم نے میرے بات کا جواب نہیں دیا سجاد کی طویل خاموشی کچھ کہنے سے قبل ہی اعترافِ جرم کر رہی تھی۔

''آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں کسی کو ساری عمر کے لئے اپنی ذمہ داری بنا لینا یقیناً معنی رکھتا ہے بابا۔'' وہ اُسی نرمی اور سکون سے اپنی بات کہنا شروع ہوئے، جو اُن کے لئے مخصوص تھی، پھر بھی بابا نے سخت بے چینی محسوس کی تھی۔

''تو آج ان کی سب سے قیمتی پونجی بھی ہاتھ سے نکلنے کو ہوئی۔''

اپنی آرام دہ کرسی پر، بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتے ہوئے انہوں نے سوچا تھا۔

''کاش وہ یہ سوال نہ ہی کرتے۔'' اِس بالکل آخری لمحے میں ایک اور پچھتاوا۔

''میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا بابا، میں ثانیہ سے...''

کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھولتے ہوئے فرحت آپا اندر آئیں۔ اُن کا انداز غیر معمولی تھا۔

بابا اور سجاد دونوں ہی ایک ساتھ چونکے تھے۔

''کیا ہوا فرحت آپا، پریشان کیوں ہیں؟'' سجاد نے تیزی سے کھڑے ہو کر، انہیں کندھوں سے تھاما تو اُن کی غیر ہوتی حالت کا بخوبی اندازہ ہوا۔ فرحت کی آنکھوں میں آنسو تھے، اور وہ واضح طور پر کانپ رہی تھی۔

''ریلیکس فرحت آپا، میں ہوں نا کیوں پریشان ہوتی ہیں پھر؟'' انہیں خود سے لگائے ہوئے وہ صوفے تک آئے اور خود بھی اُن کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

''بتائیں مجھے کیا بات ہوئی ہے؟'' سجاد کا بازو ابھی بھی فرحت آپا کے کندھوں پر پھیلا ہوا تھا۔

اور اِس محبت بھرے لمس میں غضب کی اثر انگیزی تھی!

دھیرے سے آنسو صاف کرتی ہوئی فرحت آپا نے دل کو ٹھہرتا ہوا محسوس کیا۔

''وحید بہت خوفناک دھمکیاں دے رہا ہے سجاد۔''

''کہاں ملا ہے وہ آپ کو؟'' بابا اور سجاد دونوں ہی کی پیشانی شکن آلود ہوئی تھی۔ ملا نہیں فون آ رہے ہیں مستقل اُس کے، موبائل بند کر دیا ہے میں نے تو گھر کے نمبر پر آج چھ سات بار فون کر چکا ہے وہ۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے فون اُٹھانے کی اور دِن بھر میں مجھے بتایا کیوں نہیں، حد کرتی ہیں آپ بھی ساری ٹینشن بس اکیلے ہی سہہ لیا کریں۔''

سجاد نے محبت بھری خفگی سے انہیں دیکھا۔

''کہہ کیا رہا ہے وہ بدبخت!'' بابا پوچھ رہے تھے۔ ''بہت ہی بُری باتیں ہیں بابا، بچوں کو اُٹھانے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ خدا نہ کرے آپ کو اور سجاد کو نقصان پہنچانے کے دعوے کرتا ہے کبھی، بہت خطرناک ارادے ہیں اُس کے۔''

فرحت کا لہجہ سہما ہوا تھا، لیکن سجاد بے ساختہ ہی ہنس پڑے۔

''اُس نے کہا اور آپ نے یقین کر لیا، کمال کرتی ہیں آپ بھی بزدل اور ہارے ہوئے لوگوں کے یہی حربے ہوتے ہیں۔ فون اُٹھاتی کیوں ہیں آپ کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اُس کا فون اٹینڈ کرنے کی۔''

''میں کب اُٹھاتی ہوں، مگر وہ جو کوئی بھی اُٹھائے اُس سے مجھے ہی بلواتا ہے۔'' وہ خود کو بہت بے بس سا محسوس کر رہی تھیں۔ اتنی ہمت بھی نہیں پا رہی تھیں کہ بھائی اور باپ کے سامنے حرف بہ حرف وحید کی باتوں کو دُہرا سکیں۔

”میں منع کر دوں گا سب کو، چند دن میں کورٹ سے فیصلہ آنے والا ہے میں نے تو بہت مشکل سے خود پر قابو رکھا تھا کہ اِس سے پہلے وحید کو کچھ نہ کہوں لیکن اب اِسے سبق سکھانا ضروری ہے۔“

”تم اُس کے منہ نہ لگنا سجاد، وحید بہت خطرناک آدمی ہے، بہت خراب لوگ ہیں اُس کے سرکل میں، جن سے وہ اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتا ہے۔“ وہ بدستور ڈری ہوئی تھیں۔

”معلوم ہے اُس کا سارا سرکل۔“ لاپروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے سجاد نے جیسے مکھی اُڑائی۔

”سارے دو دو ٹکے پر بکنے والے لوگ ہیں، وہ شیر اغریب تو کب سے تائب ہو کر ہمارے ہاں کام کر رہا ہے وحید جیسے آدمی کے لئے تو وہی کافی ہے۔“

فرحت آپا نے بڑے رشک سے بھائی کی بے فکری کو دیکھا اور پھر مڑ کر بابا کی طرف۔

اُن کی خاموشی ہی سجاد کی تائید کر رہی تھی۔

”اور آپ یوں ہی فارغ مت بیٹھا کریں، کل سے میرے ساتھ آفس چلا کریں۔ بہت کام ہے وہاں پر کرنے کے لئے جو آپ کے انٹرسٹ کا ہو، آپ سنبھال لیں۔“

ایک فوری حل جو فرحت آپا کی پریشانیوں کے لئے بہترین ثابت ہو سکتا تھا سجاد نے نکالا تھا۔

”بابا۔“

”کہو!“ وہ اب بڑی حد تک مطمئن تھے۔

”کیوں نہ آپ ایک کمپنی کا ڈائریکٹر، فرحت آپا کو مقرر کر دیں۔ ماسٹرز کئے ہوئے ہیں اور ہم سب بہن بھائیوں میں، میرے خیال میں ذہین بھی ہیں اور باہمت بھی۔“

”اس میں کوئی دورائے نہیں۔“ بابا مسکرا دیئے۔

”چلیں بس پھر آج ایک نئے ڈائریکٹر کی تقرری پکی۔“

سجاد نے گرمجوشی سے فرحت آپا سے ہاتھ ملایا۔

”آپ کس کی باتوں میں آرہے ہیں بابا، یہ سجاد تو بس یوں ہی، جو منہ میں آیا کہہ دیا۔“ وہ بوکھلا کر بابا سے کہہ رہی تھیں، مگر اُن کی مسکراہٹ فرحت کے سارے اعتراض رَد کر رہی تھی۔

”چلیں اب باہر چل کر سب کو آپ کی تقرری کی خوشخبری سناتے ہیں۔“ فرحت کا ہاتھ پکڑ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور مزید کوئی ایک بات سنے بغیر انہیں باہر لے گئے، بابا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ باقی تھی۔

”سجاد کا بہن سے گہرا لگاؤ، انہیں بڑا مطمئن کرتا تھا، لیکن بحیثیت برادری کے سب سے سرکردہ شخص کے جو کچھ وہ فرحت کے لئے کر سکتے تھے شاید سجاد بھی نہیں کر پاتے، کچھ سوچتے ہوئے اُنہوں نے سائیڈ میں رکھا ہوا، اپنا موبائل اُٹھا کر کوئی نمبر سرچ کیا۔ انداز میں ہلکی سی برہمی ابھی سے جھلکنے لگی تھی۔

باہر لاؤنج میں بچوں کی دھاچوکڑی مچی تھی۔

”آج کل بلقیس بھابی دِکھائی نہیں دے رہیں۔“ سجاد نے تو سرسری سے انداز میں ہی پوچھا تھا لیکن فرحت آپا کچھ خاموش سی ہو گئیں۔

ثمینہ کی زبانی انہیں بلقیس بھابی کے لگائے گئے تازہ الزامات کی فہرست مل چکی تھی۔

غصہ تو بہت آیا تھا، لیکن جب بابا چپ تھے تو مصلحتاً وہ بھی خاموش ہی تھیں۔

''کوئی اور خاص بات۔'' سجاد نے بغور اُن کا چہرہ دیکھا۔

''نہیں، بات کیا ہونی ہے، بلقیس بھابی کے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔ زمانہ گزر گیا لیکن وہ نہ بدلیں، اب یہی دیکھ لو کم دکھائی دیتی ہیں تو کیسا سکون لگتا ہے ابھی آکر باہر بیٹھ جائیں گی، تو خود ہی چند منہ میں سارا ماحول ناقابل برداشت بنا کر رکھ دیں گی۔''

''کوئی بھی جاندار اپنی فطرت سے نہیں ہٹ سکتا فرحت آپا، سانپ کو دیکھ لیجئے اُس کی فطرت میں ڈسنا ہے تو وہ ضرور ایسا ہی کرتا ہے۔''

فرحت کو لگا جیسے، وہ بلقیس بھابی کی تکلیف دہ ساری باتیں کسی ذریعے سے سُن چکا ہے۔

شاید بابا کی زبانی ہی۔ انہیں پہلا خیال یہی آیا۔

''تم سے بابا نے کوئی بات کی سجاد؟''

''بابا نے!'' کچھ چونک کر سجاد نے اُن کی طرف دیکھا، تب ہی یاد آیا کہ وہ فیصلہ کن لمحہ، فرحت آپا کی مہربانی سے ٹل چکا تھا۔ وقتی طور پر ہی سہی۔

''ہاں۔''

فرحت آپا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''انہوں نے مجھ سے ثانیہ کے بارے میں حتمی جواب مانگا ہے فرحت آپا۔'' صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے، سجاد نے بہتر سمجھا کہ وہ کم از کم انہیں تو یہ اہم اطلاع دے ہی دیں۔

''پھر کیا کہا تم نے جواباً؟'' اُن کے لئے سجاد کی بات غیر متوقع تو نہیں تھی پھر بھی یہ موضوع اتنا حساس تھا کہ وہ جب بھی سوچتیں گھر کی ساری سالمیت اس کے مناسب حل پر ٹکی نظر آتی۔

''بات ادھوری رہ گئی، آپ آگئی تھیں نا، لیکن مجھے پتہ ہے بابا رات تک مجھ سے اس سوال کا جواب ضرور دوبارہ لیں گے۔''

''کیا جواب دو گے انہیں تم؟''

وہ ایسی نگاہوں سے سجاد کو دیکھ رہی تھیں، جیسے کوئی چھوٹا بچہ کلاس میں رزلٹ سننے کے لئے ٹیچر کو۔ سجاد ہلکے سے مسکرا دیئے۔

''میرا جواب پتہ ہے آپ کو۔''

''بابا سے صاف صاف مت کہنا سجاد، وہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ پہلے ہی بہت صدمے اُٹھا کر بیٹھے ہیں۔''

بہت تیزی سے فرحت نے اُن کی بات کاٹی تھی۔

سجاد کے چہرے کی مسکراہٹ، غیر محسوس سے انداز میں غائب ہوئی۔ ''نہ کہوں تو کیا کروں، اب وہ ٹلنے والے نہیں ہیں فرحت آپا۔ میرے بارے میں وہ مشکوک ہو چکے ہیں اور اب تہہ تک پہنچے بغیر وہ نہیں رہ سکتے۔''

"کسی طرح بھی ٹال دو، کوئی طریقہ تو ہوگا۔" گو لائونج میں بچوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا، پھر بھی فرحت آپا کی آواز بتدریج نیچی ہو چکی تھی۔

"اتنے عرصے سے یہی تو کر رہا ہوں فرحت آپا!"

کوئی شکوہ، کوئی شکایت نہیں تھی۔

پھر بھی اس چھوٹی سی بات نے فرحت کو سخت شرمندگی میں گھیرا۔

یہاں کس کو حق تھا کہ وہ اُس کی زندگی پر طویل تنہائی جھیل لینے کے بعد بھی اپنے اصول قاعدے لاگو کرے۔

یہ دنیا جہاں ایک سے ایک کمینہ اور خود غرض، پورے ٹھاٹھ کے ساتھ اپنی من پسند زندگی جیتا ہے، مظلوم کی گردن پر پیر رکھ کر پوری بے حسی کے ساتھ اپنی فتح کا جشن مناتا ہے وہاں سونے کی مانند دمکتے ہوئے سادہ دلوں کے حصے میں محض قربانیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہی کیوں؟

یہ تقدیر کا لکھا کب تھا؟

یہ تو اپنے جیسے انسانوں کے ہاتھوں ہونے والی کرم فرمائی ہے، جو تقدیر کا نام لے کر، اپنے ظلم پر حجت پیش کرتے ہیں۔

فرحت آپا کے گلے میں، بہت سا نمکین پانی اٹکنے لگا تھا۔

"آپ فکر مت کریں بس دُعا کریں کہ میں بابا کو تکلیف دینے کا سبب نہ بنوں، اور..." چند لمحوں کی بوجھل خاموشی کے بعد سجاد کہہ رہے تھے۔ "اور کسی اور کو بھی۔"

فرحت آپا نے اپنا ہاتھ سجاد کے ہاتھ پر رکھا۔

"تم ثانیہ سے شادی کر لو سجاد اب اور دیر مت کرو۔

ہو سکے تو کوئی الگ گھر لے کر، اُسے اور اماں کو رکھو، ہم کوشش کرتے رہیں گے، کبھی نہ کبھی تو بابا مان ہی جائیں گے۔"

پوری سچائی کے ساتھ، وہ سجاد کے ہر عمل میں ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار تھیں۔

"اور اگر وہ کبھی بھی نہیں مانے۔"

"تب بھی، یہ شادی تو تمہیں کرنی ہی ہے۔" اب یہ رائے نہیں فیصلہ تھا۔

...☆☆☆...

نازی نے حیرت سے امی کی طرف دیکھا۔

"اتنا کچھ ہوا اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔ روزانہ تو میری آپ سے فون پر بات ہوتی ہے امی۔"

وہ شکوہ کئے بغیر نہیں رہ سکی۔

"سمیع نے سختی سے منع کر دیا تھا کسی سے بھی ذکر کرنے کے لئے تم سے کہتی تو وہ ناراض ہو جاتا۔ ورنہ دل میں تو کئی بار آیا کہ..." ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے امی نے بات ادھوری چھوڑی۔

"ہاں بہت بڑا ہو گیا ہے نا اب وہ، اکیلے فیس کرے گا اب ساری پریشانیاں اور پریشانیاں بھی اپنی سگی بہنوں کی بخشی ہوئی۔"

نازی کی آواز بھرانے لگی۔

چند لمحوں کے لئے کمرے میں بوجھل سی خاموشی اُتر آئی۔ امی اُس کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔

آج وہ پورے دس دن بعد یہاں آئی تھی اور ان دس دنوں میں ایک اہم پیش رفت، سمیع نے محض اپنے بل پر کی تھی۔

"پانچ لاکھ!" نازی نے دھیرے سے کہا۔

"یہ کوئی چھوٹی رقم تو نہیں ہے امی ہم جیسے مڈل کلاس لوگوں کے لئے۔ سمیع نے کس طرح انتظام کیا ہو گا اتنے تھوڑے سے دنوں میں اکیلے۔"

"قرضہ لیا ہے دو چار دوستوں سے پھر جو تھوڑا سا زیور رکھا تھا۔ میں نے اُس کی شادی کی نیت سے، وہ ضد کر کے مجھ سے لے کر بیچا ہے کسی نہ کسی طرح کر کے پانچ لاکھ پورے کر ہی دیئے۔ بس اب جا کر دینے ہیں دِیا کو کم از کم اس وقت تو یہ مشکل ٹلے۔" امی جو پہلے بہت حتمی انداز میں کہتی تھیں کہ دِیا کو کوئی ایک روپیہ نہیں دیا جائے گا، بے شک کورٹ کچہری تک کرے، اب خاندان میں مستقل بنتی باتوں سے گھبرا چکی تھیں۔

"روزانہ ہی کوئی نہ کوئی نئی بات سنائی دے جاتی ہے۔ دِیا اور اسماء نے تو حد ہی کر دی۔ معلوم نہیں کیا کیا کس انداز میں کہا ہے خاندان میں جو بھی آتا ہے یہی مشورہ ہوتا ہے کہ دِیا کے ساتھ ناانصافی نہ کریں، جو اُس کا حق بنتا ہے، اُسے دینا چاہیئے خدا خوفی کے حوالے دیتے ہیں میری تو شرم سے آنکھوں نہیں اٹھتی اب لوگوں کے سامنے۔"

امی رنجیدہ ہونے لگیں۔

انہیں دِیا سے جتنی گہری محبت تھی، اس سے کہیں زیادہ تکلیف انہیں اُس کی طرف سے اُٹھانی پڑ رہی تھی۔

نازی کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ اندر ہی اندر بری طرح ٹوٹ رہی ہیں۔

اپنی جگہ سے اُٹھ کر وہ اُن کے بالکل قریب آ بیٹھی۔

"دِیا کی بے وقوفیوں کو دل پر مت لیں۔ کبھی نہ کبھی اُسے ضرور احساس ہو گا۔" بڑی محبت سے اس نے اپنا بازو ان کے کندھے پر پھیلایا۔ "ابھی نئی نئی شادی ہے اُسے مسعود کے علاوہ کچھ نہیں دکھائی دے رہا ہے، لیکن آپ لکھ کر رکھ لیں میری بات، بہت جلد اُسے آپ کی، ہم سب کی کمی ضرور ستائے گی۔"

امی کے ڈوبتے دل کو نازی کی محبت سے حوصلہ تو ضرور ملا، مگر کچھ زیادہ پُراُمید وہ اب بھی نہیں تھیں۔

"دِیا میرے بچوں میں سب سے مختلف ہے، پتہ نہیں وہ کس پر گئی ہے۔ ہمیشہ سے ہی خود غرض، بے حس، شاید میری تربیت کی ہی کوتاہی ہے، اب تو رہ رہ کر یہی خیال ستاتا ہے۔"

وہ دیر تک دِیا کا افسوس کئے گئیں، نازی کا دھیان بار بار سمیع کی طرف جا رہا تھا۔

"اتنے پیسوں کا اکیلے انتظام پتہ نہیں کس طرح اُس نے کیا تھا۔"

جتنی بار یہ خیال اس کے دل میں آیا، اُسے فکر کے ساتھ ساتھ، سمیع پر بڑا گہرا فخر بھی ہوا۔

آج پہلی بار اُسے لگا کہ گھر کی ساری فکریں، اب وہ اپنے اوپر لے چکا ہے۔

"دِیا کو پیسے دینے سمیع کے ساتھ کون جائے گا امی، اکیلے تو مت بھیجئے گا، کہیں کوئی دوسری بدمزگی نہ ہو جائے۔" اُسے کچھ خیال آیا تو کہنے لگی۔

"میں نے بھی کہا تھا، مگر وہ منع کر رہا ہے۔ خود ہی جائے گا دیکھو آج اُسے چیک دینے۔" دِیا کو بڑی جلدی ہے پیسوں کی، ایک بار بھی تو اُس نے یہ نہیں سوچا کہ بھائی اتنی بڑی رقم کا کیسے انتظام کرے گا، ایسی ہوتی ہیں بہنیں ظالم، حریص" امی کی ہر بات کا سرا آج اُسی ایک ملال کے ساتھ جا کر ملتا تھا۔

نازی نے ایک گہری سانس لی۔

''مجھے تو بہر حال ہمیشہ یہی افسوس رہے گا کہ سمیع نے مجھے بھی اس قابل نہیں سمجھا کہ اس پریشانی میں شریک کرتا، کچھ تو میں بھی کر ہی سکتی تھی امی۔''

سمیع اندر داخل ہو رہا تھا۔ نازی کا گلہ اُس نے بھی بخوبی سُنا تھا سو مسکراتا ہوا وہ سیدھا امی کی طرف آیا۔

''حد کرتی ہو نازی آپا۔ اگر واقعی پریشانی ہوتی تو تم سے ہی کہتا، لیکن سچ کہہ رہا ہوں، ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہوا پیسے ارینج کرنے میں۔ اب تو میری تنخواہ بھی بہت اچھی ہے جو تھوڑا بہت قرضہ ہو گیا ہے کچھ عرصے میں ہی خدا نے چاہا تو اتر بھی جائے گا، بالکل فکر مت کرو۔''

نازی خاموش نگاہوں سے اُس کی شکل دیکھے گئی۔

سمیع بہت مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

''سمیع ایک بات مانو گے۔''

''ضرور، لیکن الٹی سیدھی نہ ہو۔'' وہ ہلکے سے ہنسا۔

''کوئی الٹی سیدھی نہیں، میں اپنے زیور بیچ دیتی ہوں، تم وہ پیسے اپنے دوستوں کو واپس کر دو۔''

''پلیز نازی آپا!'' سمیع کے چہرے پر سرخی سی چھانے لگی۔

''مجھے پتہ تھا کہ تم ایسی ہی کوئی بات کہو گی۔ ہمیشہ پریشانی اپنے اُوپر لیتی رہی ہو، اتنا کچھ کیا ہم سب کے لئے کہ ہم ساری عمر بھی تمہارا...''

وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

نازی کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

کبھی ایک بار بھی اس ساری تگ و دو کے دوران اس کے دل میں یہ خواہش نہیں اُبھری تھی کہ گھر میں کوئی دو لفظوں سے بھی اس کے خلوص کو سراہے۔ گھر میں ہمیشہ دِیا کی بالا دستی رہی تھی۔

اُس کا حسن سب سے بڑی سفارش تھا، سو وہ خود بخود ہی ''بہترین'' کی حقدار ٹھہری۔

حقوق و فرائض کی تقسیم میں، وہ تو محض اپنے ہاتھ آئے فرائض کو پورا کرنے کی فکر میں ہی لگی رہی۔

اپنے آپ سے پوری طرح نظر چراتے ہوئے مگر اب فضائیں بدل رہی تھی۔

پہلے امی اور اب سمیع۔ نازی آپا، اب ہماری باری آنے دو پلیز!''

وہ نہ بے خبر تھا اور نہ احسان فراموش۔

نازی بے ساختہ ہی سمیع کے گلے سے جا لگی۔

''دل سے جڑے رشتوں کی بے لوث محبت، اُس کی خوش قسمت کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟''

''میں تمہارے ساتھ چلوں سمیع!'' آنکھیں خشک کرتی ہوئی وہ سمیع سے علیحدہ ہوتے ہوئے پوچھنے لگی تو اُس نے فوراً ہی نفی میں سر ہلایا۔

''میں نہیں چاہتا کہ آپ کا سامنا اُن لوگوں سے ہو۔ دِیا بہت بدلحاظ ہو چکی ہے نازی آپا، جو کچھ بھی مسعود اُسے پٹی پڑھا رہا ہے۔ وہ اُسی کے مطابق چل رہی ہے، ورنہ پیسوں کے لئے اِتنا شور وہ اکیلے نہیں مچا سکتی تھی۔''

"کاش وہ اُس کے ساتھ ہمیشہ خوش رہے۔"

"مشکل ہے۔" سمیع کا لہجہ بے تاثر تھا۔

"خود غرض شخص کبھی خوش نہیں رہ سکتا نازی آپا، اُس کی خود غرضی اُسے چین نہیں لینے دیتی۔ آپ کیا سمجھتی ہیں، یہ پانچ لاکھ لے کر بھی وہ مطمئن ہو جائے گی، کبھی بھی نہیں کچھ اور درکار ہوگا پھر اور اُس وقت ہم بھی اُس کے لئے کچھ نہیں کر سکیں گے۔ رہنے دیں بس اس موضوع کو۔"

اُس نے سنجیدگی کے ساتھ اپنی بات ختم کی۔

عجیب سی بات تھی کہ دِیا کے حق میں دینے کے لئے اب کوئی دلیل باقی نہیں رہی تھی۔

...☆☆☆...

دن نسبتاً سہولت سے کٹ رہے تھے۔

معاشی پریشانیوں کا وہ اعصاب شکن دباؤ ختم نہ سہی کم ضرور ہوا تھا۔

نینی دل سے نازی کی شکر گزار تھی، جو فیضی کے روّیے میں بڑی مثبت تبدیلی لانے کا سبب بنی تھی اور گھر والوں سے تعلقات میں استواری کا بھی۔

پہلی بار اُسے یقین حاصل ہوا تھا کہ ابا نے اُسے آخر کار اُس غلطی پر معاف کر دیا ہے جو نوعمری کی جذباتیت کے ہاتھوں اُس سے سرزد ہوئی تھی۔

"ہم سے بہت بڑی بھول ہوئی تھی فیضی، آج سوچتی ہوں تو شرم سے سر جھکتا ہے میں نے ابا کے اعتماد کو بڑی گہری چوٹ پہنچائی تھی، وہ مجھ سے جتنا بھی خفا ہوتے کم تھا۔"

گزشتہ رات اُس نے فیضی سے کہا تھا۔

اور خلاف عادت وہ اُس پر خاموش رہا۔ ورنہ اس سے پہلے وہ بشارت صاحب کے حق میں ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتا تھا۔

اُس روز بشارت صاحب کے گلے لگانے پر، شاید وہ اپنے سارے گلے دور کر چکا تھا۔

کچھ بھی تھا، نینی خوش تھی، بہت خوش۔

روزانہ نہ سہی، پندرہ دن میں، مہینے میں، وہ اپنے گھر والوں سے ملنے کے لئے جا سکتی تھی، فیضی کے ساتھ بھی اور اس کے بغیر بھی، بنا اُس کی ناراضگی کے خوف کے لیکن یہاں اپنے گھر پر بلانے میں اُسے اب بھی تعرض تھا۔

تھوڑی دیر پہلے نازی کا فون آیا تھا۔

وہ اور عمر دونوں اُس کے گھر آنا چاہ رہے تھے۔

اُس نے فیضی کو بتایا تو وہ کچھ خاموش سا ہو گیا۔

"میں نے ابھی کوئی وقت نہیں دیا ہے انہیں، سوچا پہلے تم سے پوچھ لوں کس وقت گھر پر ہو گے، پھر اُسی حساب سے..." بچی کو تیار کرتے ہوئے، وہ اپنی دھن میں مگن کہتی چلی گئی۔

"میں عمر بھائی کو اِس گھر میں نہیں بلا سکتا نینی، پلیز، تم کوئی بہانہ کر کے ٹال دو نازی آپا کو۔"

نینی خاموش ہوئی تو وہ دھیرے سے بولا۔

''نازی آپا سے ہمارا کیا پردہ ہے فیضی؟'' بے ساختہ ہی نینی نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔

وہ اداسی سے مسکرا دیا۔

''پردہ تو اپنے آپ سے بھی ہوتا ہے،بہت سے اعتراف خود اپنے آگے بھی نہیں کئے جاتے ساری زندگی بھی،بہر حال۔''

اُس نے جھک کر پیار سے بچی کے گال کو چھوا۔

''کتنی پیاری ہوتی جا رہی ہے یہ۔''

''ہوں!'' نینی کا سارا دھیان،اُس ادھوری چھوڑی بات کی طرف ہی تھا۔''بُرا لگے گا نازی آپا کو منع کرنا فیضی سمجھو تو تم۔''

''تم کیوں نہیں میرا پرابلم سمجھ رہی ہو،میں اِس بد حالی میں عمر بھائی کو فیس نہیں کر سکتا۔ذرا سوچو میرا گھر،میرا خاندان میری حیثیت،وہ ہر چیز سے بہت اچھی طرح واقف ہیں،کیا سوچیں گے مجھے یہاں اس حال میں دیکھ کر،بس رحم ہی کھائیں گے نا مجھ پر اور پھر کیا پتہ وہ بابا نہ سہی،سجاد چچا کو یہ سب سنا بھی دیں۔اُس روز ہاسپٹل میں بھی میں نے بہت قسمیں دے کر انہیں منع کیا تھا کہ وہاں کچھ نہ بتائیں،لیکن

کبھی نہ کبھی تو وہ ضرور ہی ایسا کچھ کر بیٹھیں گے،جو میری مشکلوں کو بڑھائے گا اور شرمندگی کو بھی۔''

''شاید اِس طرح کوئی راستہ نکل آئے فیضی!''

''کیا مطلب ہے تمہارا!'' وہ یکدم ہی خفا دِکھائی دینے لگا۔

''یہ چاہتی ہو کہ وہ لوگ رحم کھا کر مجھے معاف کر دیں،گھر واپس آنے دیں،لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔وہ میرا حال دیکھ کر دکھی ضرور ہوں گے لیکن معافی کا وہاں کوئی تصور نہیں اور نہ میں معافی مانگنا چاہتا ہوں،جو میں نے ٹھیک سمجھا،وہ کیا اور زندگی بھر اپنے کئے کو نبھاؤں گا،مجھے ہمدردی کی بھیک درکار نہیں نہ اپنے والدین سے اور نہ تمہارے والدین سے۔''

فیضی کے لہجے میں بے نیازی بھرا فخر تھا۔

نینی کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

پتہ نہیں وہ اُس سے ناراض ہونے میں حق بجانب ہے یا اُس پر فخر کرنے میں۔

''تمہارے گھر والوں کی اور بات ہے نینی،تمہارے ابا کے لئے میں نے جو بھی سخت الفاظ کہے اُن پر مجھے سخت شرمندگی ہے۔اپنی عزت کی خاطر انہوں نے ہماری شادی اپنے ہاتھ سے کرنی ضروری سمجھی،اِس کے بعد وہ ہم سے جتنا بھی ناراض ہوئے،وہ اُن کا حق تھا۔''

اب وہ حالات کا بہتر تجزیہ کرنے کے قابل ہوتا جا رہا تھا۔لیکن بہت سے معاملات ابھی بھی شدید کنفیوژن کا شکار تھے۔

''میں نازی آپ کی بہت قدر کرتا ہوں۔نینی لیکن یہاں اُنہیں مت بلاؤ،میرے لئے سامنا کرنا مشکل ہوتا ہے۔عمر بھائی بے حد اچھے انسان ہیں،یہاں مجھے دیکھ کر اُنہیں تکلیف کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔''

نینی اس بار خاموش رہی۔

فیضی کے کمپلیکسز کی جڑیں بہت گہری تھیں۔

''مشکل ہی تھا جو وہ کبھی ان سے آزاد ہو پاتا۔''

نینی کو اس وقت ایسا ہی لگا تھا۔

...☆☆☆...

سمیع دِیا کو پیسے دے کر آئے ہوئے بھی ہفتے سے اُوپر ہو رہا تھا۔ اُس حساب سے اُن لوگوں کے جانے میں اب دو چار دن ہی باقی رہ گئے تھے، امی سمیت سب ہی کا خیال تھا کہ وہ جانے سے پہلے شاید ایک بار ملنے چلی آئے، یا پھر ایک جلا کٹا سا فون تو ضروری متوقع تھا مگر دوسری طرف بڑا گہرا سناٹا تھا۔

کوئی اطلاع، کوئی آہٹ تک نہیں۔

نینی اور نازی سے بات ہوئی تو اُن دونوں کا پہلا سوال بھی اِس بارے میں ہوتا۔

سمیع گھر پر ہوتا تو امی کی سوالیہ نگاہ بار بار اُس پر پڑتی، کئی بار دل چاہتا کہ بشارت صاحب کو کہیں کہ وہ اپنی بہن سے اس بارے میں پوچھیں لیکن پھر ہمت نہیں پڑتی۔

فیضی اور نینی کے ساتھ اُس کے تعلق کی بحالی کے بعد گھر میں جو خوشگوار سا ماحول جاگ اُٹھا تھا۔ دِیا کے از حد تکلیف دہ روّیے کا ذکر، اُسے بھی متاثر کرتا۔ پتہ نہیں کبھی وہ خود قسمت گھڑی بھی زندگی میں آئے گی یا نہیں کہ میں ان تینوں کی طرف سے بالکل مطمئن ہو جاؤں گی۔''

اُس شام وہ بڑی حسرت سے کہہ رہی تھیں۔

سمیع اُن کے قریب ہی صوفے پر نیم دراز، بڑی فرصت سے چینل پر چینل بدل رہا تھا، ہلکے سے مسکرا دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''اتنا مت سوچا کریں، اب تو حالات خاصے بہتر ہیں۔ نینی بے چاری بہت تکلیف میں تھی اور اب بھی ہے لیکن اب کم از کم ہم اُس کی خیر خبر تو لے رہے ہیں، پھر فیضی میں بھی دیکھیں، کتنی اچھی تبدیلی آئی ہے۔ اُس کے گھر والوں سے اُس کی صلح ہو جائے تو سمجھ لیں سارا مسئلہ ہی حل۔''

بات ختم کرتے ہوئے اُس نے ٹی وی پر زور و شور سے چلتے ہوئے ایک ٹاک شو پر دھیان دینا چاہا، پر اس وقت امی کی موجودگی میں یہ بھی ممکن نہیں تھا۔

''دِیا کی کوئی خیر خبر نہیں ہے اتنے دن سے!''

''وہ بالکل خیریت سے ہوگی، پیسے اُسے مل چکے ہیں اب اُسے کیا ضرورت ہے ہم سے رابطہ کرنے کی۔ ہاں چیک باؤنس ہو جاتا، پھر دیکھتیں آپ، ایک کے بعد ایک فون آتا، یا پھر خود ہی چلی آتی اپنی ساس کے ساتھ!''

اپنی بات کہہ کر وہ ہنس پڑا تھا۔

لیکن امی کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہیں اُبھری۔

''پتہ تو کر سمیع اور چلی گئی ہے یا ابھی یہیں ہے۔''

''آپ کو ابھی بھی اُس کی فکر ہے؟'' سمیع نے ٹی وی کی آواز ہلکی کرتے ہوئے اُن کی طرف دیکھا۔

''ماں ہوں، اتنی فکر تو بجا ہے۔''

اُن کے لہجے میں اعترافِ جرم کی سی کیفیت تھی۔

''مت کیا کریں فکر کبھی کبھی اولاد بھی اِس قابل نہیں ہوتی کے اُس کے پیچھے خوامخواہ ہی...''

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیزاری سے سر جھٹکتے ہوئے جب وہ یہ کہہ رہا تھا۔ تب ہی ہال کا دروازہ کھول کر بشارت صاحب اندر آئے۔

ہوا کا یخ بستہ جھونکا، کھلے دروازے سے گزرتا ہوا اپنی موجودگی کا احساس دلانے لگا۔

''آج بہت سردی ہے روز کی نسبت تو کچھ زیادہ ہے۔''

اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے بشارت صاحب نے موسم پر تبصرہ کیا اور پھر بھی طمانیت کے ساتھ سمیع کے پاس آ بیٹھے۔

آج کل وہ شام کا وقت گھر پر گزارتے تھے۔ سمیع نے اُن کی ٹیوشنز تقریباً ختم ہی کروادی تھی سو بہت سالوں بعد، وہ سردیوں کا یہ چبھتا ہوا موسم گھر کے گرمائش بھرے پر سکون ماحول میں گزار رہے تھے۔

''تمہیں کیا ہوا ہے طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

بیٹھتے ہی اُنہوں نے امی کے چہرے پر پھیلی پریشانی کو بھانپا تھا۔

''ابھی تک تو ٹھیک ہی ہیں ابا، مگر خراب کرنے کی تیاری ضرور ہے امی کی!'' ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سمیع نے اطلاع دینی ضروری سمجھی۔

امی نے شاکی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

گھر کے اس سب سے متنازع موضوع پر، وہ بشارت صاحب کے ساتھ بات کرنے میں، اب تک بڑی احتیاط سے کام لے رہی تھیں۔

کچھ غلطیوں کا ازالہ شاید اس طرح سہی۔

''کوئی نئی بات ہو گئی کیا، مجھے تو بتاؤ کم از کم۔'' وہ کچھ چونکنے سے ہو کر امی اور سمیع کو دیکھنے لگے۔

''نئی بات کیا ہونی ہے ابا، وہی سب پرانی۔'' امی کے اشارے کے باوجود سمیع بتانے سے باز نہیں آیا تھا۔'' دِیا کی فکر میں ہیں امی، اب بتائیں کوئی حل ہے اس کا۔''

''اچھا بھی نہیں، اب تو واقعی کوئی حل بھی نہیں رہا۔ ہمارے پاس، اُس کے مسائل حل کرنے کا۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ یکدم ہی بڑے مایوس سے دکھائی دینے لگے۔ امی اور سمیع دونوں ہی نے بیک وقت چونک کر اُن کی طرف دیکھا۔

''مسعود واپس چلا گیا ہے امریکہ، دو دن پہلے، دِیا کو یہیں چھوڑ گیا ہے وہ۔''

اُن دونوں کے کسی سوال سے پہلے ہی، بشارت صاحب نے بات جاری رکھی تھی۔

''واپس چلا گیا۔''

خود سمیع کو بھی یقین نہیں آیا تھا۔

ایک نگاہ اُس نے امی کے گم صم چہرے پر ڈالی۔

''ہاں! اُسے تو جانا ہی تھا۔ ویزا ختم ہو رہا تھا اُس کا کیسے رُک سکتا تھا اب مزید یہاں۔'' بشارت صاحب نے تھکے تھکے سے انداز میں صوفے سے ٹیک لگائی۔

''لیکن دِیا کو تو اُس کے ساتھ ہی جانا تھا۔ اسی لئے تو اُسے پیسوں کی جلدی تھی تا کہ وہ اُس کے ساتھ ہی...''

''پتہ نہیں کس کو جلدی تھی۔'' بشارت صاحب نے سمیع کی بات کاٹی۔ ''دِیا کو یا مسعود کو۔''

سمیع کا منہ پھر کچھ کہنے کے لئے کھلا اور پھر بناء کچھ کہے بند ہوا۔

بشارت صاحب کی بات کا مفہوم اُس نے بہت اچھی طرح سے سمجھا تھا۔

''آپ کو کس نے بتایا کہ مسعود جا چکا ہے، تب ہی فون کر کے اسماء سے پوچھنا چاہئے تھا کہ وہ دِیا کو کیوں چھوڑ گیا ہے، اگر اس کے پیپرز بننے میں دیر تھی تو مسعود کو اپنا ویزہ بڑھوا لینا چاہئے تھا، اس طرح اکیلے چھوڑ کر جانا...''

ایک کے بعد ایک وہی سارے روایتی سوال، وہی خدشے تمام ماؤں کے ہاتھ میں شدید ایک جیسا ہی پرچہ امتحان تھمایا جاتا ہے۔

''مجھے کیا پتہ جو سنا وہ بتا دیا۔'' بشارت صاحب جھنجلا کر بولے۔'' وہ رکھا ہے فون کر کے پوچھ لو اُس سے، جس نے ہمیں کسی قابل نہ سمجھا، نہ چھوڑا۔ مجھ سے کیوں سوال کرتی ہو۔ ایک بار کہہ چکا ہوں دِیا کے معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں، میں تو اُسے پیسے دینے کا بھی مخالف تھا، مگر تم سب لوگوں نے جو ٹھانا سو کیا۔ اب دیکھو تماشا کچھ سوچ کر ہی منع کر رہا تھا نا، اندازہ تھا مجھے کہ پیسوں پیسوں کے اس شور کے پیچھے کوئی نہ کوئی دوسرا ہی مطلب ہے، اب تو مل گیا ثبوت۔''

''آپ کا خیال ہے پیسے مسعود لے گیا ہے۔''

''خیال نہیں یقین ہے اور صرف یہ پیسے نہیں اور بھی جو کچھ دِیا کو ہم لوگوں نے گفٹ کیا ہے، وہ بھی رہ گیا ہو تو غنیمت ہے مجھے تو ایک فیصد بھی امید نہیں ہے کوئی اچھی اس طرف سے۔''

بشارت صاحب کی کھینچی ہوئی تصویر، بڑی حقیقی تھی۔ سوال بھی زیادہ ہی دُکھا رہی تھی۔

امی کو زیادہ قلق دِیا کے ساتھ نہ جانے کا تھا پر بشارت صاحب کے توجہ دلانے پر اُس کو دِیا جانے والا کیش اور زیورات کی فکر بھی گھیرنے لگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''نازی اور نینی سے زیادہ زیور دِیا کو ملا ہے۔'' ایک کھلا سچ بڑے بے وقت اُن کے منہ سے نکلا۔

بشارت صاحب نے ایک کڑی نگاہ اُن پر ڈالی۔

''ہمیشہ ناانصافی سے ہی کام لیتی آئیں، آپ کے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔ ایسا کرتے ہوئے زبیدہ بیگم۔''

میں نے منع کیا تھا نازی کو، مگر وہ بضد رہی۔'' امی کے لہجے میں شرمساری تھی۔ اب وہ پہلے کی طرح ہر چھوٹی سے چھوٹی بات پر، بشارت صاحب سے ایک لمبی بحث نہیں کرتی تھیں۔

''امی کی غلطی نہیں ہے ابا، دِیا اتنی بدلحاظ ہے کہ اگر وہ اُسے ذرا بھی دینے میں کمی کرتیں تو وہ اس پر بھی کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیتی۔''

سمیع اُن کی طرف سے بول رہا تھا۔

''میرا خیال ہے میں فون کر کے دِیا سے بات کرتا ہوں۔

کم از کم اتنا تو پوچھنا ہی چاہئے کہ جب اُس نے جانے جانے کا اتنا شور مچا رکھا تھا تو وہ مسعود کے ساتھ گئی کیوں نہیں؟''

فون کی طرف بڑھتے ہوئے اُس نے بشارت صاحب کی طرف دیکھا۔ خلاف توقع وہ منع نہیں کر رہے تھے۔ ایک گہری سانس اندر اُتارتے ہوئے سمیع نے ریسیور کان سے لگایا۔

دوسری طرف کافی لمبی رنگ جاتی رہی تھی سات، آٹھ، نو۔

اور جب وہ تھک کر ریسیور واپس رکھنے لگا تھا تب ہی اُسے دوسری طرف سے دِیا کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''سمیع بول رہا ہوں دِیا۔''

"فون کیوں کیا ہے؟"

وہ جواباً اتنی بے اعتنائی سے پوچھ رہی تھی کہ ایک لمحے کی لئے تو سمیع کو لگا کہ وہ سب جو اتنی دیر سے اُس کے لئے اب بھی فکر مند ہو رہے ہیں، دُنیا کے سب سے بڑے احمق ہیں۔

"صرف یہ پوچھنے کے لئے کہ تم مسعود کے ساتھ کیوں نہیں گئیں؟"

"آپ لوگوں کو اس سے مطلب نہیں ہونا چاہئے، یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے، مجھے کب جانا ہے، کب نہیں میں اور مسعود بہتر سمجھتے ہیں۔"

"بکواس بند کرو دِیا!"

شاید پہلی بار وہ اپنی کسی بہن پر اتنی زور سے چیخا۔ بشارت صاحب اور امی تو چونکے ہی تھے، ساتھ ہی فون کے دوسرے سرے پر موجود دِیا بھی۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ کتنی مشکل سے یہ پیسے ہم نے اکٹھے کر کے تمہیں دیئے۔ صرف اِس لئے کہ تمہارے جانے میں کوئی پریشانی نہیں ہو۔ تمہارا اُس کے ساتھ جانا ضروری تھا۔ ورنہ ابھی اُسے یہیں روکے رکھنا تھا اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی ہے۔"

وہ ابھی تک شاید اُس کے چیخنے پر بوکھلائی ہوئی تھی تب ہی چپ اپ سنے گئی۔

"مسعود کا ویزا بڑھ نہیں رہا تھا، بہت کوشش کی اُس نے سمیع خاموش ہوا تو ایک کمزوری صفائی دوسری طرف سے پیش ہونے لگی۔

"جھوٹ بولتا ہے وہ، ایک لفظ کا بھی مجھے اعتبار نہیں ہے اس کا۔"

"آپ کو نہ سہی، مجھے تو ہے۔" ایک کمزور لمحے سے گزر جانے کے بعد وہ پھر سے اپنی ہٹ دھرمی پر اُترنے لگی۔

"جس دن ٹوٹے گا، اُس دِن پوچھوں گا تم سے۔" سمیع کے لہجے کی کڑواہٹ بڑھنے لگی۔

"آپ کی یہ تمنا پوری نہیں ہو سکتی، زیادہ سے زیادہ ایک ماہ لگے گا، مجھے مسعود کے پاس جانے میں۔"

سمیع کو وہ کہتی سنائی دے رہی تھی۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ اُس کے چہرے پر پھیلتی گئی۔

"خدا کرے، ویسے ٹکٹ کے پیسے وہ تمہارے لئے چھوڑ کر گیا ہے یا سب ہی کچھ سمیٹ کر چلتا بنا ہے۔ سچ بولنے کی ہمت ہے تو یہ ضرور بتا دو۔"

دوسری طرف اچانک چھائی خاموشی معنی خیز تھی۔

سارے خدشات کی تصدیق کرتی ہوئی۔

"ہیلو! ہیلو! سمیع کو لگا کہ جیسے رابطہ منقطع ہوا ہو، مگر وہ دوسرے سرے پر موجود تھی۔

"اصل میں آپ سب اپنے دل کا کینہ چھپا ہی نہیں پا رہے ہیں سمیع بھائی، خواہش سب ہی کی ایک ہے مجھے نیچا دکھانے کی، مجھ پر ہنسنے کی لیکن یہ خواہش آسانی سے پوری ہونے والی نہیں، مسعود کچھ نہیں لے کر گیا ہے، سب کچھ میرے پاس ہے، بے فکر رہیں۔"

بہت سنبھل سنبھل کر دِیا نے اپنی بات پوری کی، لیکن دوسری طرف سے سمیع کی وہی مذاق اُڑاتی ہنسی۔

"جھوٹ بول رہی ہو تم سراسر جھوٹ!"

ایک جھٹکے سے دِیا نے فون بند کیا تھا۔ اُس کے ضبط کی حد بس یہیں تک تھی۔ دل و دماغ جیسے اُڑا جا رہا تھا۔

...☆☆☆...

بابا کے دیدے کا ہی اثر تھا، جو بلقیس بھابی اگلے پورے ہفتے جھینپی جھینپی سی اپنے کمرے تک ہی محدود رہیں کھانا تک کمرے میں منگوانے لگیں۔

"میں صاف کہہ رہی ہوں اگر اس لڑکی کے معاملے اس طرح ٹالا جاتا رہا تو میں چپ نہیں بیٹھوں گی۔"

اپنی خود ساختہ قید تنہائی سے عاجز آکر، وہ اُس روز اندر اپنے کمرے میں ہی میاں کے سامنے صدائے احتجاج بلند کر رہی تھیں۔

اپنے سامنے اخبار پھیلائے وقار نے ذرا چونک کر اُن کی طرف دیکھا۔ "کچھ مجھ سے کہہ رہی تھیں۔"

"نہیں دیواروں سے۔"

"تمہاری فطرت بہت جلد یہ وقت بھی دِکھا دے گی، ابھی تو شکر کرو کہ سننے والے موجود ہیں۔"

بے تاثر سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ دوبارہ اخبار کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے کہ بلقیس بھابی نے زور سے جھپٹ کر اخبار اُن کے ہاتھ سے چھینا۔

"کیا بدتمیزی ہے بلقیس!"" اخبار کا بچا ہوا ایک کونا ہاتھ میں تھامے وہ بری طرح جھنجلائے۔

"ایک میں اور میرا بیٹا ہی بُرے ہیں تمہارے خاندان میں باقی سب کا قصور معاف ہے، جس کا جو دل چاہتا ہے کرتا پھر رہا ہے۔"

ذرا بھی خائف ہوئے بغیر وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فردِ جرم عائد کر رہی تھیں۔

"وقار بھائی کے لبوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"جو تم اور تمہارا بیٹا کرتا رہا ہے، ویسا تو خیر کسی نے بھی نہیں کیا۔"

"ویسا کرتے تو کس بات کا رونا تھا وقار تمہارے گھرانے میں تو بہت اونچے کھیل کھیلے جا رہے ہیں، پھر بھی تمہاری آنکھیں بالکل بند ہیں۔"

بابا کی غیر موجودگی میں، وہ پھر سے بے خوف ہونے لگیں۔ اِس پورے ہفتے میں یہ اطمینان حاصل ہو چکا تھا کہ کسی نے بھی، اُن کی شکایت وقار تک نہیں پہنچائی تھی، پھر ڈر کیسا۔

اُن کی منتقم مزاج شخصیت، شکر گزاری کے نرم احساس سے قطعی عاری تھی، سو پھر کیسی شرم اور کیسا لحاظ۔

"تم کھول دو میری آنکھیں اپنی تو خیری ساری عمر بند ہی رکھو گی۔"

اخبار کے بقیہ ٹکڑے کو وہیں صوفے پر ڈالتے ہوئے وہ بے زار سے ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

بلقیس بھابی کے لئے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اب وہ اگلے لمحے ہی باہر کا رُخ کریں گے۔ فیضی کے چلے جانے کے بعد اُن دونوں کے بیچ مستقل بڑھتا کھچاؤ اب محض ایک رسمی تعلق کی صورت اختیار کر چکا تھا۔

"بند کر رکھی ہیں، تب ہی تو یہاں گزارا ہو رہا ہے ورنہ تم جیسے بے حس انسان کے ساتھ ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتی تھی۔"

"مت کرو احسان جاؤ چلی جاؤ، آج اور ابھی، بہت مہربانی ہو گی تمہاری۔" دروازے تک مڑتے مڑے، وہ بے ساختہ ہی رک گئے۔ "عذاب کی طرح مسلط ہوا اِس گھر پر تم کوئی ایک خوشی کا پل جو مجھے نصیب ہوا ہو، بابا کا خیال نہیں ہوتا تو..."

"تو کیا...؟" وہ بے خوفی کے ساتھ ٹھیک اُن کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ "جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر گزرو، تم بہن بھائی نے کب سے دوسروں کا خیال کرنا شروع کر دیا ہے، جس کا جو دل چاہا وہ کر گزرا، بہن کورٹ کی سیڑھیاں چڑھ گئی طلاق لینے کے لئے اور بھائی نے یوں ہی ایک غیر لڑکی کو گھر میں..."

"بکواس بند کرو بلقیس!"

وقار بھائی کے صبر وضبط کی ہر حد آج ختم ہوئی۔

آج پہلی بار اُن کا ہاتھ اُٹھا تھا۔

بلقیس بھابی گال پر ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُن کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اتنے سخت ری ایکشن کی انہیں امید نہیں تھی۔

"خبردار جو فرحت یا سجاد کے لئے ایک لفظ بھی منہ پر لائیں تم، دوبارہ ایسی کوئی بات میں نے سنی تو وہ دن تمہارے لئے آخری دن ہو گا اس گھر میں، یہ یاد رکھنا بلقیس!"

بہت سرد لہجے انہوں نے اپنی بات پوری کی اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

بلقیس بھابی ابھی تک اپنی جگہ ساکت کھڑی تھیں۔

باہر لاؤنج میں خاموشی تھی۔

چند لمحوں بعد بیرونی دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی اور اُس کے کچھ منٹ بعد گاڑی سٹارٹ ہونے کی وقار گھر سے جا چکے تھے۔

خالی خالی نگاہوں سے، بلقیس بھابی نے اپنے سجے سجائے عالیشان بیڈروم کو دیکھا۔

ہر آسائش، ہر نعمت سے آراستہ۔

سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سارے شیشے میں اُن کا اپنا عکس نمایاں ہو رہا تھا۔ گرم پشمینہ میں ملبوس سونے کے زیورات سے لدی ہوئی معزز عورت، جس کے سوشل اسٹیٹس کا اندازہ اس پر پڑنے والی پہلی نگاہ کے ساتھ ہی خود بخود ہوتا تھا۔

پھر بھی دل میں ایک الاؤ بھڑکتا تھا، جس کی تپش بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

جلا کر خاکستر کئے دے رہی تھی۔

خود انہیں بھی اور اُن کے اطراف کو بھی، پھر بھلا بھڑکتے شعلوں کی بیچ کھڑے ہو کر، ساری دنیا کو پھونک دینے کی خواہش کیوں نہ ابھرتی۔

حد سے بڑھتی ہوئی نفرت اُن کے چہرے کے نقوش کو بگاڑ دے رہی تھی۔ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر وہ باہر لاؤنج میں آئیں۔

یہاں خلاف معمول کوئی نہیں تھا۔

سجاد رات کسی کام سے اسلام آباد کے لئے روانہ ہوئے تھے فرحت اور ثمینہ بچوں کو لے کر بابا کے فارم ہائوس پر دن گزارنے کے لئے گئی تھیں جو شہر سے کچھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا، بلقیس بھابی سے بھی بہت کہا گیا تھا، لیکن انہیں اِس طرح کی تفریحات میں فیضی اور بھی زیادہ یاد آتا تھا۔

خود بخود ہی اپنا آپ اور بھی قصور وار لگتا، دل پر پڑا گھائو اور بھی گہرا ہوتا۔

شام ڈھل رہی تھی۔

کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی وہ لائونج سے باہر آئیں اور پھر کوریڈوز میں سے نکلتی ہوئی باہر کی سیڑھیوں پر آکھڑی ہوئیں۔

یخ بستہ ہوا کے جھونکے نے نکلتے ہی استقبال کیا تو انہوں نے اپنی گرم قیمتی شال کو اپنے گرد اور بھی کس کر لپیٹ لیا۔

ایک ملازم باہر کی لائٹیں روشن کر رہا تھا اس سردی میں انہیں باہر آتا دیکھ کر اس نے کچھ حیرت سے اُن کی طرف دیکھا۔

ایک خفیف سا اِشارہ اپنے پیچھے آنے کا کرتی ہوئی وہ سیڑھیاں اُتر کر آگے بڑھتی چلی گئیں۔

آج ٹھنڈ معمول سے زیادہ تھی۔

گھنے گہرے بادل، شام کو وقت سے پہلے سمیٹ رہے تھے اور ہوا میں سردی کی کاٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

ثانیہ کو انہوں نے دور سے ہی انیکسی کی سیڑھیوں پر بلب جلاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اُس نے شاید اُن کی طرف دھیان نہیں دِیا تھا، اسی لئے وہ لائٹ جلاتے ہی واپس مڑ کر اندر چلی گئی۔

بلقیس بھابی قدم بہ قدم آگے بڑھتی چلی گئیں۔

ملازم اُن کی دی ہوئی ہدایت پر گیٹ کی طرف جا چکا تھا اطمینان سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی، وہ برآمدے میں آکھڑی ہوئیں۔

فرش صاف اور چمکدار تھا۔

یہاں رہنے والے صفائی اور سلیقے کے عادی تھے۔ یہ بات وہ اپنی ساری تنگ دلی کے باوجود، پچھلی بار بھی جب یہاں آئی تھی، ماننے پر مجبور ہوئی تھیں۔

مگر یہ وقت کسی کی خوبیوں کو سراہنے کا ہرگز نہیں تھا۔

بلکہ غور سے اِدھر اُدھر دیکھنے کا بھی نہیں۔

"ثانیہ!"

بلند آواز میں پکارے جانے والے اِس نام کی گونج برآمدے سے کمروں میں بخوبی سنی گئی۔

"آپ!" انہیں یہاں ایک بار پھر دیکھنا، تھوڑی سی حیرت کا سبب بنا تھا، پھر بھی وہ خود کو سنبھالتے ہوئے انہیں سلام کرنا نہیں بھولی۔

"سنو لڑکی!"

اُس کے سلام کا جواب دینا غیر ضروری تھا اور اب جب وہ سامنے تھی اُس کا نام لینا اور بھی غیر ضروری۔

''میں تم سے ملنے نہیں آئی ہوں، صرف اتنا کہنے آئی ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے اپنا سامان سمیٹ لو۔ میرا ملازم ٹیکسی لینے کے لئے جا چکا ہے ہمیں یہ انیکسی خالی کروانی ہے آج۔''

فرعونیت بھرے لہجے میں بنا تمہید، جب اُسے ایک بار پھر بے سروسامانی کے سپرد کرنے کی اطلاع دے رہی تھیں اپنی نگاہ، ایک پل کے لئے بھی اُس کے چہرے پر سے نہیں ہٹائی تھی۔

''آج ہی!''

ثانیہ کو ایک طرف کرتے ہوئے اماں آگے آئیں۔

''مگر اس وقت ہم کہاں جائیں گے بیٹا۔''

بہت فکر مند سی ہو کر وہ بلقیس بھابی سے پوچھ رہی تھیں۔

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے آج یہ جگہ خالی چاہئے بہت خیر خواہ ہیں تمہاری بیٹی کے اس شہر میں کوئی نہ کوئی دوسری جگہ...

اماں کے چہرے پر پھیلی بے بسی کو دیکھ کر انہیں بڑی گھٹیا سی خوشی حاصل ہوئی تھی۔

''سجاد کو آجانے دو، پھر وہ جیسا کہے... اُن کی بدلحاظی اور کرختگی نے کوئی گنجائش تو نہیں چھوڑی تھی پھر بھی اماں امید بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''سجاد نے ساری عمر کا ٹھیکہ نہیں اٹھالیا ہے تم لوگوں کا اور نہ ہی یہ کوئی فلاحی ادارہ ہے۔ بہت عزت دار آدمی ہیں میرے سسر، سیکڑوں لوگ ملازم ہیں ہماری کمپنیوں میں، جیسے تمہاری یہ بیٹی۔'' اپنی بات کہتے ہوئے وہ تھوڑا سا چونکیں۔

ثانیہ اپنی جگہ پر نہیں تھی۔

اس سارے وقفے میں وہ اندر جا چکی تھی۔

''شاید سجاد کو فون کر کے وہ اُن کے حکم کی اطلاع دے رہی ہو۔''

انہیں خیال تو آیا، لیکن اُن کی بلا سے۔

غم وغصے کی شدت انہیں اسی طرح ہر دوسرے احساس سے بے گانہ کر دیتی تھی اور اب تو ایک کھلی شہ بابا کی خاموشی سے ملی تھی۔

''یہاں تو سب ہی غریب اور مستحق ہیں تو کیا یہ عالیشان گھر مسکینوں کے لئے وقف کر دیا جائے گا۔''

''بالکل نہیں، آپ کیوں فکر مند ہو رہی ہیں بھلا!'' ثانیہ بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے کمرے سے باہر آ رہی تھی۔

''ہم تو ویسے بھی آج کل میں یہاں سے جانے ہی والے تھے کل نہ سہی آج ہی سہی۔''

نہ کوئی خوف، نہ پریشانی۔

وہ بالکل سکون کے ساتھ اُن کے سامنے کھڑی ہوئی تھی، بلقیس بھابی بڑی حیرت بھری جھنجلاہٹ میں مبتلا ہوئیں۔ اماں کے برعکس وہ نہ خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی اور نہ ہی وہ اُن سے اس ڈھلتی شام کے بعد سر پر کھڑی رات کے ہی گزر جانے کی درخواست کرنے کے موڈ میں محسوس ہو رہی تھی۔

وہ تو جیسے منتظر ہی تھی۔

چند منٹ میں زادِراہ باندھ کر تیار۔

اتنی جلدی تو گھر سے نکل کر کونے والی دکان تک بھی جانے کا موڈ نہیں بنتا۔ تو وہ کہاں..."

"اِس وقت کہاں جائیں گے بیٹا، صبح چلے جائیں گے۔"

اماں پریشانی کے عالم میں اُس سے وہی سوال کر رہی تھیں۔ جس کا جواب جاننے میں بلقیس بھابی کو بھی دلچسپی تھی۔

"آپ چلیں بس!"

اماں کا ہاتھ تھام کر وہ سیڑھیاں اُتر گئی۔

بلقیس بھابی کا ملازم ٹیکسی لا کر کھڑی کر چکا تھا۔

گو اُس نے انہیں خدا حافظ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی پھر بھی آخری سیڑھی پر رک کر اُس نے مڑ کر بلقیس بھابی کی طرف دیکھا۔

"آپ کا شکریہ اس لئے کہ آپ نے مجھے صحیح فیصلے پر پہنچنے میں مدد دی۔"

مضبوط لہجے میں اپنی بات کہہ کر وہ بے نیازی سے اماں کو سہارا دیتی ہوئی ٹیکسی کی طرف بڑھ گئی۔

بلقیس بھابی کا منہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔

وہ اب تک ثانیہ کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"کیا بھلائی کر گئی تھیں وہ نادانستگی میں اُس کے ساتھ۔"

تازہ ملی کامیابی کی خوشی منانے کے بجائے وہ رنج میں مبتلا ہونے لگیں۔ ساری عمر بھولے سے بھی کسی کے ساتھ نیکی نہیں کی تھی، غلطی سرزد ہوئی تو کیسے؟

ٹیکسی سٹارٹ ہونے کی آواز پر انہوں نے چونک کر اُس طرف دیکھا۔

مان سمان کو ایک اور ٹھیس!

وہ تو اتنے مزے سے ٹیکسی میں بیٹھی جا رہی تھی کہ جیسا کا سارا مزا ہی کرکرا ہو گیا۔

اُنہوں نے مڑ کر انیکسی کے خالی کمروں کو دیکھا۔

ابھی چند منٹ پہلے یہاں لوگوں کی موجودگی کا احساس رونق جگا رہا تھا اور اب محض وحشت بھرا سناٹا۔

ٹیکسی گیٹ سے نکل چکی تھی۔

اماں نے مڑ کر بہت فکر مندی سے اُس بڑے سارے گھر کو دیکھا، جہاں حیرت انگیز طور پر جگہ تنگ تھی۔

"ثانیہ!"

اُن کی آواز میں ایک نئی الجھن تھی۔

"جی اماں!"

گو اِس وقت بات کرنے کی بھی ہمت نہیں باقی تھی، پھر بھی وہ پوری طرح اماں کی طرف متوجہ ہوئی۔

اماں بہت غور سے اُس گھر کو دیکھ رہی تھیں جواب دور ہونے لگا تھا۔

"ہم یہاں اِس گھر میں پہلے بھی آ چکے ہیں ثانیہ یاد ہے تمہیں۔"

عجیب سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ خود بھی ذہن پر زور ڈالے گئیں۔

"یہ گھر، یہ سڑک، راستہ..."

"جب ہم سجاد صاحب کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ آپ نے اُسی وقت یہ جگہ دیکھی تھی اماں وہی ذہن میں ہو گی آپ کے" نرمی سے اُس نے اُن کی الجھن کو دور کرنا چاہا لیکن وہ دھیرے دھیرے نفی میں سر ہلاتی رہیں۔

"اُس وقت نہیں، تب تو میری طبیعت ہی اتنی خراب تھی کہ..."

"آپ کی طبیعت ابھی بھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہے۔"

تھی تو یہ بدتہذیبی لیکن ثانیہ کو اُن کی بات کاٹنی پڑی۔

اُن کے لئے اِس طرح ذہن پر زور ڈالنا، اچھا نہیں تھا۔ وہ پہلے سے بہتر ضرور تھیں۔ لیکن ڈاکٹر کی سختی سے ہدایت تھی کہ انہیں پُرسکون رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔

"ذہن پر زور مت ڈالیں یاد آنا ہوا تو خود ہی آجائے گا۔"

محبت سے اُن کا ہاتھ تھامتے ہوئے، وہ انہیں سمجھائے گئی، تب ہی اُس کا چہرہ دیکھ کر وہ خاموش سی ہو گئیں۔

"سجاد کیا سوچے گا، ہم اِس طرح اُسے بنا بتائے چلے آئے۔" انہوں نے جان بوجھ کر چند منٹ بعد موضوع بدلا۔

"جانا تو تھا ہی اماں اچھا ہوا اُن کی غیر موجودگی میں یہ کام ہو گیا، وہ ہوتے تو شاید...!" اُن کی آواز میں نمی سی اُترنے لگی تو وہ بات ادھوری چھوڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ اماں چند لمحے منتظر رہیں کہ وہ اپنی بات پوری کرے لیکن وہ خاموش ہی رہی۔

"تم فون کر کے بتا دو نا اُسے کم از کم شکریہ تو ادا کرنا ہی چاہئے اتنے دن اس نے ہمیں رکھا' ساری ضرورتیں پوری کیں۔"

ہمارا واسطہ تو سجاد سے تھا تم خوامخواہ اُس بے ہودہ عورت کی باتوں میں آ کر نکل کھڑی ہوئیں۔ وہ کوئی مالک تھوڑی ہے اُس گھر کی۔" پہلی بار وہ خفا محسوس ہوئیں۔

آنکھ کے کونے پر ٹکے آنسو کو انگلی کی پوری جھٹک کر گراتے ہوئے، وہ اماں کی طرف مڑ کر مسکرا دی۔

"آپ بہت بھولی ہیں اماں، بلقیس بھابی بڑی ہیں اُس گھر کی اور انہیں پورا حق ہے کہ وہ اپنے گھر میں جسے چاہیں رکھیں اور جسے چاہیں چلتا کریں وہاں سے۔"

"تو تم فون نہیں کرو گی سجاد کو!"

"نہیں اِس کی ضرورت نہیں ہے اب!" اُس کی پختگی بتا رہی تھی کہ نظرثانی کی کوئی گنجائش نہیں۔"

وہ کچھ مایوس سی ہو کر تیزی سے پیچھے بھاگتی ہوئی روشنیوں کو دیکھنے لگیں، مگر ذہن ابھی بھی اُسی ایک مقام پر ٹکا ہوا تھا۔

"کہاں، کب...؟"

ایک بڑا سارا سوالیہ نشان مستقل سامنے کھڑا تھا۔

"ثانیہ نے منع کیا تھا ذہن پر زور ڈالنے سے، اگر پھر سے طبیعت خراب ہو گئی تو اب تو وہ دونوں پھر سے اکیلی ہیں۔"

ثانیہ کی ہدایت یاد آئی اور ساتھ میں اکیلے پن کا پھر سے گھیرتا ہوا خوف تازہ ہوا۔ تمام پریشانیوں کو بھلانے پر مجبور کرنے والا، سہارا دور ہوا۔

"سجاد!"

انہوں نے بہت دل سے انہیں یاد کیا، لیکن بڑی خاموشی سے۔ اتنے سال رہ کر کراچی کی سڑکیں اُن کے لئے اجنبی ہی تھیں۔ اُن کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو ثانیہ سے ایک جھوٹی تصدیق چاہی۔

"ہم رحمت منزل جا رہے ہیں نا بیٹا؟"

"نہیں!" ثانیہ کا جواب مختصر تھا اور چہرہ قطعی بے تاثر!

اماں کو لگا جیسے انہیں سننے میں مغالطہ ہوا ہے۔

یہاں اس شہر میں اور کون تھا؟

انہوں نے تو دو ہی نام جانے تھے، ایک سجاد اور دوسری فرح۔

"اِس وقت فرح کے ہاں نہیں جائیں گے تو پھر کہاں؟"

تھی تو بہت ناممکن سی بات، لیکن اُن کے دل میں لمحے بھر کے لئے تو یہ بھی خیال آیا کہ کہیں وہ پھر سے ممانی کو ہی تو آزمانے نہیں جا رہی اور بے ساختہ وہ یہی بات اُسے کہہ بھی گئیں۔

ثانیہ ہلکے سے ہنس پڑی۔

"ساری دنیا میں کوئی بھی جائے پناہ نہ ہو اماں، تب بھی ہم سڑک پر تو بیٹھ ہی سکتے ہیں، لیکن ممانی...!"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر؟" اُن کی اُلجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"ہم اپنے گھر جا رہے ہیں اماں، اپنے گھر جہاں سے نہ کوئی ہمیں نکال سکتا ہے اور نہ ہی اپنا احسان رکھ سکتا ہے اور اُس سے بڑھ کر کوئی دوسرا مقام دنیا میں خوبصورت بھی نہیں ہے۔"

اماں نے ثانیہ کے چہرے پر پھیلتے اطمینان کو بہت واضح طور پر دیکھا۔

"ابھی اِسی وقت!" حیرت انگیز طور پر انہوں نے خود اپنے اندر بھی سکون سا اترتا ہوا محسوس کیا تھا۔ "وہ آخر کیوں بھول رہی تھیں کہ کم از کم ایک مقام تو ایسا بھی ہے جو صرف اور صرف اُن کا ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ بس کا سفر بہت تکلیف دہ ہو گا آپ کے لئے لیکن چند گھنٹوں میں ہم گھر پہنچ سکتے ہیں اماں۔"

"میری فکر مت کرو بیٹا، یہ بتاؤ ہم کون سی والی بس سے جائیں گے۔" ٹیکسی سہراب گوٹھ پر جا کر رُکی تھی اور اماں پوری دلچسپی کے ساتھ چلتی رکتی بسوں کا نظارہ کر رہی تھیں۔

...☆☆☆...

سب سے نچلی سیڑھی پر کھڑے ہو کر سجاد نے ایک خاموش سی نگاہ، اُس چھوٹے سے سنسان برآمدے پر ڈالی، کسی کرسمس کارڈ کی مانند دکھائی دیتا، سارا منظر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔

کوئی آہٹ کوئی سایہ کوئی وہم و گمان تک نہیں۔

آنکھ میں اُترے اِک آخری خواب نے بھی رُخصت لی۔

بے آواز قدموں سے چڑھتے ہوئے وہ اُوپر آئے جہاں اُترتے ہوئے نئے روشن دِن کی دھوپ نے ابھی ابھی قدم جمانے شروع کئے تھے۔

سامنے کمرے کا دروازہ اُن کے ہاتھ لگاتے ہی کھلتا چلا گیا۔

صاف ستھرا، ہر شے اپنی جگہ موجود بالکل ایسے جیسے کوئی ابھی ابھی اُٹھ کر گیا ہو۔

وہ اندر قدم بھی نہ رکھ سکے۔

''بھلا ایسا بھی ہوتا ہو گا کسی کے ساتھ۔'' انہوں نے پوری ہمت کے ساتھ خود پر ہنسنا چاہا، مگر اب یہ بھی بڑی ناممکن سی بات تھی۔

انیکسی کی سیڑھیوں پر آج وہ اکیلے ہی بیٹھے تھے سامنے سبزے پر دھوپ پھیلتی جا رہی تھی۔

اور دور رہائشی حصے میں ملازمین کی چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔

بابا، وقار، سہیل اور وہ خود بھی۔

سب ہی کے آفس کی تیاریاں اس وقت شروع ہو چکی ہوتی تھیں۔ مگر آج کا دن مختلف تھا۔

ہر شے اتنی غیر ضروری ٹھہری اور ہر معمول بالکل ہی غیر اہم!

''کیوں کیا اُس نے ایسا کہ کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رکھی؟''

اِس بھید بھرے سوالیہ نشان کے آگے مکمل خاموشی تھی۔ سجاد کی نگاہ ایک بار پھر اپنے موبائل سیٹ پر جمی۔

''میں جا رہی ہوں، ایک آخری درخواست میرے بارے میں جاننے کی کوشش مت کیجئے گا۔''

ثانیہ کی طرف سے آیا ہوا، ایک مختصر پیغام۔

وہ رات کسی وقت کراچی واپس آئے تھے اور علی الصبح یہ پیغام ان کو مل چکا تھا۔

ایک مختصر سی غیر حاضری زندگی پر کاری وار کا سبب بنی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''کیسے اور کیوں ہوا؟''

جواب مانگتے سارے سوالوں کی اہمیت کو اس ایک چھوٹے سے پیغام نے نفی کیا تھا۔

''ثانیہ چلی گئی تھی، اس ایک حقیقت کے آگے اب باقی کیا رہا تھا۔

بہت سارا خالی پن ایک دم ہی ہر سو پھیلا۔

سامنے ملازم ناشتے کے لئے فرحت آپا کا پیغام لئے کھڑا تھا۔

وہ کچھ چونک کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اور ناشتے کی میز پر جملہ اہل خانہ کی حاضری پوری تھی اور گرما گرم اُٹھتی خوشبوئوں سے لبریز ہوتے لائونج میں بڑا دلاویز ماحول چھایا ہوا تھا۔

سہیل بھائی کے بچوں کی خوشگوار تکرار۔

فرحت آپا، ثمینہ بھابی کی ملی جلی سی آوازیں، صبح کی خبروں پر دھیان دیتے ہوئے وقار بھائی، بابا کے سامنے پھیلا ہوا اخبار۔

یہاں کسی کو بے آسرا ہو کر زمانے میں تن تنہا نکلنے کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ دکھ یہاں بھی آتے تھے، لیکن خوشحالی کے صدقے ملی آسائشات اُن کی تکلیف کو مٹاتی بھی تھیں، یہاں وہ زندگی تھی، جو محض خوش نصیبی کے بل پر حاصل ہوتی ہے۔

سجاد کو وہ دو کمزور اور بے بس وجود یاد آئے اور دور کہیں یخ بستہ ہواؤں میں سے گزرتے ہوئے ثانیہ نے ہاتھ پکڑ کر اماں کو سڑک پار کرائی تھی۔

''سجاد!'' فرحت آپا نے دھیرے سے اُن کے ہاتھ کو تھپتھپایا۔

''چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' وہ پریشان نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ''دوسری بنوا دوں گرم...''

''نہیں ٹھیک ہے یہ۔''

بنا اُن کی طرف دیکھے سجاد نے اپنے سامنے رکھا ہوا کپ ایک سانس میں خالی کیا۔

''کچھ پریشانی ہے کیا، کوئی بات ہوئی ہے، مجھے تو بتاؤ!''

فرحت آپا کی وہی ممتا بھری شفقت۔

ایک پل کے لئے بھی اُن کا دھیان سجاد کی طرف سے نہیں ہٹا تھا۔

بابا نے اخبار پر سے نگاہ ہٹا کر خود بھی اُس طرف دیکھا۔ ''یہ لوگ جا چکے آفس کیا!''

اُنہیں نے سجاد کو پوچھتے ہوئے سنا۔

ناشتے کی میز پر، اب محض وہی تینوں رہ گئے تھے۔

''مگر اتنی بے خبری!''

چھوٹی موٹی باتیں اُن کا کچھ بگاڑتی تو نہیں تھی۔

پھر بھی سجاد کے انداز اندر کہیں اُنہیں ڈرا رہے تھے۔

ناشتہ جوں کا توں رکھا تھا اور سجاد نے اُسے چھوا تک نہیں تھا۔

فرحت آپا اپنا سوال دہرا رہی تھیں۔

''کچھ بھی نہیں فرحت آپا دیر ہو رہی آفس کو چلتا ہوں۔''

کرسی پیچھے کرتے ہوئے جب وہ کھڑے ہو رہے تھے تو بابا نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے بے چینی سے پہلو بدلا، اُس دن کا سوال ہنوز جواب طلب تھا۔

''مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے سجاد، اُدھر میرے کمرے میں چلو۔''

''آفس کے بارے میں کوئی بات ہے تو گاڑی میں ہی کر لیجئے گا۔''

''نہیں بات آفس کی نہیں ہے۔ ہمارے گھر کی ہے۔''

بابا کی نگاہ سجاد کے چہرے پر جمی تھی۔

فرحت آپا اپنا سوال دہرا رہی تھیں۔

فرحت آپا نے بہت دل سے اس لمحے کے ٹل جانے کی دعا کی تھی جو انہیں کب سے ڈرا رہا تھا۔

"ابھی جانے دیں سجاد کو بابا، اُسے آفس کو دیر ہو رہی ہے آرام سے شام میں بات کر لیجئے گا۔"

بھائی کی محبت سے مجبور ہو کر، وہ اُس کے لئے آڑ بنیں۔

سجاد کے چہرے پر بے رنگ سی مسکراہٹ ابھری۔

"رہنے دیں فرحت آپا بابا کو کہنے دیں کیا کہہ رہے ہیں۔"

عجیب بھید بھری بے نیازی تھی۔

ہر ڈر اور خوف سے نجات دلاتی ہوئی۔

بابا کو لگا جیسے سجاد اِس آخری داؤ پر سب کچھ لگا دینے کے لئے اب بالکل تیار ہے۔

"میں نے اُس روز تم سے پوچھا تھا کہ تم نے ثانیہ کے بارے کیا سوچا ہے، اِس طرح وہ کب تک یہاں رہے گی۔ لوگوں کے دل میں سوال اُٹھتے ہیں اور وہ پھر جو بھی کہیں حق بجانب ہوتے ہیں۔"

بابا کے لہجے کی سختی برقرار تھی۔

"اُن سے نمی کی توقع رکھنا بھی بے وقوفی ہی تھی۔"

فرحت آپا کو تو وہ اس وقت بہت ہی ظالم اور بے حس لگے تھے۔

"ابھی تو گھر والوں کے ہی دل میں سوال اُٹھ رہے ہیں کل کو برادری کے لوگ بھی پوچھ سکتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں اِن ماں بیٹی کو کس رشتے کے ناطے ٹھہرا رکھا ہے۔ ویسے بھی وحید کے معاملے کو لے کر کچھ لوگ ہماری مخالفت پر اُترے ہوئے ہیں۔"

سجاد نے ایک بار بھی اُن کی بات کاٹنے کی کوشش نہیں کی اور جب وہ سب کچھ کہہ کر فارغ ہوئے تو... "کچھ اور بھی؟"

"نہیں، لیکن اس مسئلے کا حل جلد سے جلد نکالو میں اپنے گھر کی نیک نامی پر کوئی چھینٹا قبول نہیں کر سکتا۔"

رعایت کی ہلکی سی بھی گنجائش نہیں۔

وہ کیوں صحرا میں گلاب کھلنے کے منتظر رہے آخر۔

اِس ایک آخری لمحے میں محض اپنی بے وقوفی کا پچھتاوا باقی رہا۔

"بابا اور فرحت دونوں ہی نے اُن نرم مہربان آنکھوں کی چمک کو مانند ہوتے دیکھا تھا۔

"آپ کا مسئلہ تو حل ہو چکا ہے بابا۔ ثانیہ جا چکی ہے یہاں سے کمال ہے آپ لوگوں کو خبر بھی نہیں۔" وہ دونوں ہی بیک وقت چونکے تھے۔

یہ ایک جواب تھا جسے سننے کی ایک فیصد بھی توقع نہیں تھی۔

نہ ضد، نہ بحث نہ تکرار

بریکنگ نیوز دے کر وہ میز پر سے گاڑی کی چابی اُٹھاتے ہوئے جانے کو مڑے تب ہی فرحت آپا تیزی سے سامنے آئیں۔

"کب گئیں وہ لوگ، یہاں کسی کو بھی خبر نہیں ہوئی کمال ہے، کیا تم کو پتہ تھا اُن کے جانے کا؟"

سوال در سوال

ایک گہری سانس لے کر سجاد نے خود کو کمپوز رکھنا چاہا۔

''مجھے کیسے خبر ہو سکتی تھی فرحت آپا، جب یہاں گھر والے ہی بے خبر تھے۔ میں تو گھر میں کیا، شہر میں بھی نہیں تھا۔ پھر کیسے...'' اپنی بات کہتے ہوئے وہ ذرا رُکے۔ ''چلیں جو بھی ہوا اچھا ہی ہوا گھر کی نیک نامی برقرار رہی اور اُٹھتے ہوئے سوالوں کے جواب بھی تسلی بخش ملے۔''

بمشکل ہی چند لمحے وہ رُکے تھے۔

فرحت آپا گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز تک وہیں خاموش کھڑی رہیں۔

آج پہلی بار اُنہیں لگا تھا کہ سجاد بالکل خفا ہیں گھر والوں سے بھی اور خود اپنے آپ سے بھی۔

مڑ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ بابا کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔

''آپ نے کچھ کہا تھا ثانیہ سے یا اُس کی والدہ سے۔''

''مطلب!'' بابا نے خفگی سے فرحت کو دیکھا۔

''ظاہر ہے ایسے تو کوئی چپ چاپ نہیں چلا جاتا۔ خاص طور پر جب وہ بالکل تن تنہا ہو، کوئی ٹھکانہ نہ ہو اُس کا، سر پر کوئی محرم رشتہ تک نہ ہو، پھر کیسے نکل سکتی تھی وہ اپنی ماں کو لے کر اس اتنی بڑی دنیا میں؟''

''میں نے اُسے یہاں سے جانے کے لئے نہیں کہا تھا!''

وہ بے ساختہ فرحت سے نگاہیں چرا گئے۔

''پھر کس نے کہا؟ کسے تکلیف تھی اُس کے یہاں رہنے سے یہاں اِس اتنے بڑے گھر کے ایک کونے میں دو بے بس وجود کسی کا کیا بگاڑ رہے تھے؟''

''بات اُن کے رہنے کی نہیں تھی فرحت مسئلہ اُس تعلق کا تھا جس پر سجاد بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ مدد کسی اور طرح بھی کی جا سکتی تھی رحمت منزل کا ایک فلیٹ اُنہیں مستقل طور پر دِیا جا سکتا تھا تنخواہ بڑھائی جا سکتی تھی، یہاں رکھنا کیا ضروری تھا۔''

اندر جس شرمندگی نے سر اُٹھانا شروع کیا تھا۔ اُس کو دبا کر وہ پھر سے دلیل اور جواز پر اُترے۔

''رہنے دیں آپ بابا۔''

سر کو ہلکی سی جنبش دے کر فرحت تلخی سے مسکرائیں۔

''اصل بات پر تو آپ بھی نہیں آتے ہیں، سجاد کا یہی قصور ہے نا کہ وہ فیضی جیسا نہیں ہے۔ اپنی خوشی کو ہم سب پر قربان کرتا آیا ہے ورنہ اُسے کیا چیز روک سکتی تھی، وہ اس جائیداد یا آپ کے بزنس کا بھی محتاج نہیں ہے، ہم سب اچھی طرح...''

بلقیس بھابی جس بے تابی سے اندر آئیں بات خود بخود ہی ادھوری رہی۔

''ملازم بتا رہا ہے کہ انیکسی خالی پڑی ہے وہ لوگ تو چپ چاپ نکل گئیں یہاں سے، معلوم نہیں کیا چکر ہے اتنا سامان ہے وہاں پتہ نہیں کیا کچھ اُٹھا کر لے گئی ہوں۔''

خود پر بناوٹی تشویش طاری کئے وہ بے تکان بولے جا رہی تھیں۔

''مثلاً وہاں کا بھاری بھرکم فرنیچر، یا وہاں کچن میں رکھے ہوئے کھانے کے برتن یا سامان یہی کچھ ہے نا انیکسی میں بلقیس بھابی!''

"ہاں تو کیا ان میں سے کچھ بھی نہیں لے جایا جا سکتا ہے چھپا کر، ارے لوگوں کی نیت تو دس دس روپے پر خراب ہو سکتی ہے یہ تو پھر سیکڑوں ہزاروں کی چیزیں ہیں۔"

اپنے ٹوکے جانے پر وہ تھوڑی سی بدمزہ ہوئیں۔

"میں تو سوچ رہی ہوں، جا کر ایک ایک چیز چیک کر کے لسٹ بنا کر سجاد کو دوں، آخر وہی تو لایا تھا انہیں یہاں پر۔"

"کسی کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" بابا اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑے ہوئے۔ "اور خبردار جو اس سلسلے میں کوئی بھی بات سجاد سے کی، میں نہیں چاہتا کہ گھر کے ماحول میں کوئی تلخی پیدا ہو سُن لی نا میری بات دھیان سے تم نے۔"

وہ بطور خاص بلقیس بھابی سے مخاطب تھے۔

"مگر کم از کم اتنا تو دیکھنا ہی چاہئے نا کہ..."

بابا کے ماتھے پر گہری ہوتی شکن نے بلقیس بھابی کے جوش و خروش کے لئے بریک کا کام دیا تھا۔

فرحت جا چکی تھیں۔

بابا خاموشی سے چلتے ہوئے اپنی سٹڈی تک آئے۔

دور سامنے انیکسی کی سیڑھیاں خالی پڑی تھیں۔

"کہاں گئی ہو گی یہاں سے نکل کر وہ!" وہ اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے لیکن ایک دل دکھاتا سوالیہ نشان سامنے جما کھڑا تھا۔

"وہ دو بے بس وجود بنا کسی محرم رشتے کے..." فرحت کی کہی بات کہیں اندر دل میں چبھن بن کر باقی رہ گئی تھی۔

وہ معصوم سا چہرہ جسے بارہا انہوں نے خود کو چپکے چپکے بڑی محبت سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تھا۔

جسے خود کبھی وہ خاطر خواہ توجہ بھی نہ دے سکے۔

بنا کوئی گلہ شکوہ کئے بنا اُنہیں کسی آزمائش میں ڈالے یہاں سے رخصت ہوئی۔

کسی اور کے لئے نہ سہی، خود اس گھر اور خاندان کے لئے تو اس کا جانا بہر حال نیک فال ہی تھا۔

یہ گھر اب کسی اور طوفان کو سہنے کا متحمل نہیں تھا۔

سو گھر کی سلامتی برقرار رہنے پر ہی سہی، ایک سکون بھری سانس تو لی ہی جا سکتی تھے۔

ایک بڑا مسئلہ خود بخود حل ہوا تھا پھر یہ حلق میں اٹکتا ہوا نمکین پانی...!

ان کا دل کسی بھاری بوجھ تلے آیا۔

آنسو تو اُنہوں نے فیضی کے جانے پر بھی نہیں بہائے تھے تو پھر!

...☆☆☆...

وقت جیسے جیسے گزر رہا تھا

گھر کے ہر فرد کی تشویش بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

دِیا سے لاتعلقی کے دعوے اپنی جگہ لیکن سچی بات تو یہ کہ ہر ایک ہی اُس کے بارے میں فکر مند تھی۔

بشارت صاحب سے لے کر نینی تک بہانے بہانے سے اُس کا ذکر چھیڑا جاتا۔ خاندان کے اُن سب گھروں سے جن کے اسماء پھوپھو کی فیملی سے نسبتاً گہرے تعلقات تھے اُن سے ملنا جلنا اسی امید پر بڑھنے لگا تھا کہ شاید دِیا کے بارے میں کوئی خبر سننے کو مل جائے۔

"وہ آج کل میں جانے والی ہے۔"

"اس کا ویزہ آ چکا ہے۔" یا محض اِتنا ہی کہ "مسعود اُسے بلانے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔"

مگر ایسا کچھ بھی کہیں سے سننے کو نہ ملتا، اُلٹا یہ افسوس کیا جاتا کہ۔ "دِیا بے چاری کا دیکھو کب تک جانا ہوتا ہے؟ مسعود کا کیا بھروسہ وہ تو خود ایک بار جا کر سالوں بعد آتا ہے پتہ نہیں بیوی کا کیا بنے گا۔"

وہی سب جو مشورے پر مشورہ دیئے جاتے تھی کہ دِیا "بے چاری" کو اُس کے حصے کی رقم دینے میں دیر نہ کی جائے، اب دبی زبان میں پیسہ دینے کی غلطی کو بھی اُن ہی کے کھاتے میں ڈالنے لگے تھے۔

زندگی میں پہلی بار امی کا بلڈ پریشر بڑھنے لگا تھا۔

"مسعود کی غرض پیسے سے تھی اور وہ اُسے مل گیا مجھے نہیں لگتا کہ وہ دِیا کو بلائے گا کبھی بھی۔"

اُس روز جب نینی اور نازی دونوں ہی بیک وقت آئی ہوئی تھیں انہوں نے بہت پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اِن کاموں میں وقت تو لگ جاتا ہے امی ابھی سے نااُمید مت ہوں۔ نکل آئے گی کوئی نہ کوئی راہ ہو سکتا ہے مسعود کو سمجھنے میں ہم ہی سے غلطی ہو رہی ہو۔"

نازی کی فطری خوش امیدی بڑے کام کی چیز ثابت ہوتی تھی عموماً لیکن اِس وقت تو امی نے جیسے اُس کی بات ہی نہیں سنی تھی۔

"نکاح کے بعد چھ سات ماہ تو وہ رہا ہے یہاں پر اور اب گئے ہوئے بھی کتنے ہی دن ہوئے کچھ تو بات بڑھتی ہوئی نظر آئی ورنہ دِیا تو اتنی ہلکی طبیعت کی ہے کہ منٹ منٹ پر ہمیں فون کر کے خوش خبریاں سناتی مگر دیکھ لو بالکل خاموش ہے اب۔"

اُن کا کیا گیا تجزیہ سو فیصد درست تھا۔

نازی، نینی، سمیع، تینوں ہی نے دل میں مکمل اتفاق کیا تھا۔

"میں سوچتی ہوں کہ تمہارے ابا کے آگے ہاتھ جوڑ لوں کہ وہ جا کر اپنی بہن اور بھانجے سے بات کریں شاید کوئی بات بن جائے۔"

کسی کو بھی اُن کی حالت کو سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی تھی۔

دِیا کی نافرمانی پر وہ کتنی بھی خفا سہی لیکن اُس کی فکر بھی اُن سے زیادہ کسی کو نہ ہو سکتی تھی۔

مگر ہر کوئی اُن کی طرح نہیں سوچتا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے امی آپ پلیز اپنے دل کو مضبوط کریں۔

دِیا سے کچھ اور نہیں کہ جو کچھ آپ اُس کی بھلائی کے لئے کرنا چاہیں گی، وہ اُسی کو آپ کا قصور بنا دے کیا کیا کر چکی ہے وہ ہمارے ساتھ پھر بھی اگر ہم عقل نہیں پکڑتے تو کمال ہے۔"

سمیع سخت اکتایا ہوا تھا۔

قرضے کا بھاری بوجھ ابھی کندھوں پر ویسے کا ویسا ہی رکھا تھا اور مسئلہ پھر بھی جوں کا توں صاف ظاہر تھا کہ وہ اب اِس معاملے سے خود کو اور گھر والوں کو بالکل الگ رکھنا چاہتا تھا۔

امی بے بس سی نگاہوں سے اُسے دیکھے جا رہی تھیں۔ پتہ نہیں کس اُمید پر نازی کو اُن پر بے حد رحم آ رہا تھا۔

اولاد سے بے لوث محبت آزمائش بن کر بار بار اُن کے سامنے آ کھڑی ہوتی تھی۔

"آپ فکر کیوں کر رہی ہیں دِیا بہت سمجھدار ہے اور جلدی دیکھ لیجئے گا، وہ اپنا یہ مسئلہ بھی حل کر لے گی اور اسماء پھوپھو بہر حال اُس کے ساتھ ہیں!

گو اپنی بات پر اُسے خود بھی پورا یقین نہیں تھا لیکن امی کی تسلی کے لئے ایسا ہی کچھ کہا جا سکتا تھا۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہوا!" انہوں نے ایک گہری ٹھنڈی سانس بھری۔ "کبھی کبھی تو بڑا وہم سا ہوتا ہے کہ دِیا نے بہت دل دکھائے ہیں کہیں اُس کی سزا...

اپنی بات اُن سے خود ہی پوری نہیں کی گئی۔

نینی کی بیٹی رونے لگی تھی، سب ہی کی توجہ اُس کی طرف ہو گئی۔

سمیع اُٹھ کر کمرے سے نکلنے لگا تھا تب ہی اُس کی نگاہ برآمدے کی کھلی کھڑکی سے باہر گئی۔

عمر اور فیضی دونوں ابھی بھی وہیں کیاری کے ساتھ ڈالی گئی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ خود بھی وہاں اُن دونوں کے ساتھ موجود تھا، پھر کچھ سوچ کر دانستہ اُٹھ کر اندر چلا آیا تھا۔ دور سے ہی اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ عمر اُس سے اب بھی کچھ بات کر رہا ہے۔

فیضی کا سر جھکا ہوا تھا۔ سمیع اُس کے تاثرات تو نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن یہ پورا یقین تھا کہ عمر یقیناً اُسے سمجھانے کی ہی کوشش کر رہا ہو گا۔

ایک وہی تھا جو فیضی اور اُس کے خاندان کے بیچ کی کڑی تھا۔

"وہاں آج بھی سب تمہارے منتظر ہیں، منہ سے کہیں نہ کہیں لیکن ایک ایک شخص تمہاری کمی کو بہت دل سے محسوس کرتا ہے فیضی۔"

جاتی سردیوں کی نیم گرم سی دھوپ میں بیٹھے عمر کا آج یہاں آنے کا یہی مقصد تھا۔

گو وہ کچھ ایسا زیادہ پر امید بھی نہیں تھا اور اتنی دیر سے اپنی پوری لمبی چوڑی تقریر کے جواب میں فیضی کی مستقل خاموشی اس کی الجھن کو اور بھی بڑھا چکی تھی۔

"آخر، ابھی فائنل ایئر کے پیپر رہتے ہیں تمہارے پورے کیریئر کا دار و مدار ہے اُن پر کچھ اور عرصہ اس طرح نکل گیا تو تمہارے لئے کتنا نقصان دہ ہو گا اندازہ ہے نا!"

شاید وہ ٹھیک سے سُن بھی نہیں رہا تھا۔

عمر کی مایوسی بڑھنے لگی تب ہی اُس نے سر اُٹھا کر عمر کی طرف دیکھا۔

''میں کیا کروں عمر بھائی۔''

ایک لمحے کے لئے تو وہ اُسے بالکل ہی کسی چھوٹے بچے کی مانندِ دکھائی دیا، جو اپنا جرم قبول کر کے کسی نسبتاً کم سزا کی درخواست کر رہا ہو۔

''سیدھے سیدھے معافی مانگ لو بابا سے اور کسی سے کچھ بھی کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ بابا معاف کر دیں گے تمہیں۔ تم ایک بار اُن کے پاس جائو تو سہی بزرگوں کے سامنے جھکنے میں کیسی شرم یار!''

''میں اُن سے ہزار بار معافی مانگ سکتا ہوں عمر بھائی لیکن معاف کرنے سے پہلے جو شرائط نامہ وہ سامنے رکھیں گے۔ اُسے ماننا میرے بس سے باہر ہے۔'' اُس کے چہرے پر اُداسی بھری مسکراہٹ تھی۔ ''یہ ایک ایسی سی جنگ ہے عمر بھائی، جسے شروع کرنے سے پہلے ہی ہتھیار پھینکنے پڑے تھے اب کوئی گنجائش نہیں ہے اور ہمارے خاندان میں ایسے واقعات ہوتے چلے آئے ہیں، قطع تعلقی نئی بات نہیں ہے ہم لوگوں کے لئے پہلے بھی لوگ جیتے جی، مردہ تصور کئے گئے ہیں، اس بار میری باری آگئی۔''

عمر نے اُس کے لہجے کی ٹھنڈک کو اطراف تک میں پھیلتا ہوا محسوس کیا تھا۔

''اتنا مایوس مت ہو فیضی، ضروری تو نہیں کہ ہر بار وہی ایک کہانی دہرائی جاتی رہے وقت بدل چکا ہے اور لوگ بھی...''

''نہیں! اُس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔ کہیں نہ وقت بدلتا ہے اور نہ لوگ، صرف ٹائم پیریڈ اور چہرے بدل جاتے ہیں باقی سب کچھ وہی...''

...☆☆☆...

گھر کے چھوٹے سے صحن میں آج بھی گلاب مہکتا تھا۔

دیسی گلاب کی خوشبو سے ہوا کے جھونکے لبریز تھے۔ ثانیہ نے ایک گہری سانس لے کر اس مہک کو اپنے اندر اُتارا اور ہلکے سے مسکرا دی۔

اس مانوس خوشبو کے ساتھ بہت کچھ ساتھ چلا آتا تھا۔

کیاری کے ساتھ بچھی ابا کی کرسی، چائے کی پیالی، تازہ اخبار، ان کی شفیق آواز اور وہ کھنکتی ہوئی بے فکر ہنسی۔

جو کبھی اس کی اپنی تھی۔

''خوشبوئوں کا یادوں کے ساتھ بڑا ہی عجیب تال میل ہے۔''

وہ جب سے واپس یہاں آئی تھی، بارہا اس تجربہ سے گزر رہی تھی اور ہر بار حیران رہ جاتی، مٹی سے اٹھتی مہک سے لے کر، گلی کی نکڑ پر بیٹھے حلوائی کے کڑھائو میں تلتی ہوئی پوریوں کی خوشبو تک جیسے سالوں کا فاصلہ پل سے بھی کم وقت میں طے ہوتا تھا۔

ابا کا ہاتھ تھام کر تیز تیز قدموں سے گلی پار کرتی ہوئی وہ چھوٹی سی بچی۔

ایسے جیسے کل ہی کی بات ہو۔ مگر وقت تو جیسے پر لگا کر اڑا تھا۔

کتنی ہی دیر وہ چپ چاپ ایک جگہ بیٹھی رہتی، یادوں میں کھوئے رہنا بھی شاید حقیقت سے فرار کی ہی ایک پسندیدہ شکل ہے اور اس کے لئے تو اشد ضروری بھی مگر سلسلہ اور بھی دراز ہونے لگتا تھا۔

زندگی سے جڑا، وہ تلخ ترین دورانیہ جس کی مدت محض چند سال ہی بنتی تھی، ابھی بالکل پاس ہی سانس لے رہا تھا۔

ذلت خوف اور بے بسی کے اس تسلسل میں، سب ہی کچھ برا ہی تو نہیں تھا، وہیں اس نے جانا تھا کہ محبت، خلوص، ہمدردی، جیسے لفظ محض الفاظ نہیں، بلکہ بہت قیمتی صفات ہیں۔

اس نے ان ہی انمول لوگوں کو کھو دیا تھا، جو اس کی راہ میں روشن چراغ رکھنے کا سبب بنے تھے۔

جمیل ماموں کا جانا، قدرت کی مرضی سہی، لیکن فرح...؟

''کیا سوچتی ہو گی وہ اس کے بارے میں کہ بناء کچھ کہے اور بتائے...؟''

شاید اُسے ایک فون تو فرح کو کرنا ہی چاہئے تھا اور کچھ نہیں تو وہ اس کی پریشانی تو کم کر ہی سکتی تھی، جو اس کے چلے آنے پر وہ جھیل رہی ہو گی۔

عجیب بات تھی کہ شرمندگی صرف فرح کا سوچ کر ہی ہوتی تھی، مگر واپسی کا وہ راستہ، جس کے سارے نشان اس نے خود اپنے ہاتھوں سے مٹائے تھے، فرح کو کئے جانے والے ایک فون سے ہی پھر سے نمایاں ہو سکتے تھے اور ایسا اب ناممکن تھا نہ پلٹ کر جانا، نہ دیکھنا یہی ایک طریقہ تھا، آزمائشوں کے اس تسلسل کو ختم کرنے کا، جس کی وہاں رہتے ہوئے کوئی حد بھی نظر نہیں آتی تھی۔

قسمت میں محبتوں کا خسارہ رقم ہو، تو پھر جھیل لینے میں ہی عافیت ہے۔

کیسا جھگڑا اور کیسی اکڑ۔

خود کو مطمئن کرنے کے لئے بھی جواز اور دلیل درکار ہوتی تھی، سو وہ بھی بڑے خلوص سے خود کو سمجھا رہی تھی پچھلے پانچ دن سے۔

ساری گڑ بڑ بس ان مہربان آنکھوں کی دین تھی، جواب بھی اُسے دیکھ کر مسکراتی تھی، اور نگرانی کرتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔

آنکھ کے گوشے پر ٹکا ایک آنسو، ثانیہ نے انگلی کی پورے سے جھٹکا،

آج اس انتہائی قدم اٹھا لینے کے بعد بھی دل کو یقین کامل تھا کہ وہ اس کے لئے کتنے بھی پریشان ہوں، پر کوئی جواب طلبی کوئی خفگی نہیں!

ایک اداس سی مسکراہٹ، اس کے چہرے پر پھیلی، اور بیٹھے بیٹھے، وہی گم شدہ سی کیفیت،

''ثانیہ آپا، ثانیہ آپا!''

شہزاد نے دروازہ کھولتے ہی پکارا۔

''آجائو!''

وہ وہیں سے کاہلی سے بولی۔

''کیا ٹھاٹھ ہیں، لگ رہا ہے آج کوئی خاص کام نہیں ہے آپ کو۔''

وہ چلتا ہوا برآمدے میں آیا۔ جہاں آتی دھوپ میں وہ ابا کی پرانی آرام کرسی پر بیٹھی تھی۔

''جہاں تم جیسا بھائی ہو، وہاں میرے کرنے کے لئے کیا رہ جاتا ہے۔'' پورے خلوص دل سے اس نے اعتراف کیا، لیکن وہ جھینپ سا گیا تھا۔

''اور شرمندہ کریں اس کے سوا آتا ہی کیا ہے آپ کو، بھائی بھی کہتی ہیں، اور پھر...!''

پاس پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے، اس نے گوشت اور سبزی کا شاپر میز پر رکھا۔

گھر کے چھوٹے بڑے سارے ہی کام بڑی سہولت کے ساتھ انجام پارہے تھے، کوئی دبائو، کوئی جھنجٹ نہیں، زندگی ایک دم ہی آسان لگی تھی۔

سامنے دیوار کے ساتھ بچھے ہوئے پلنگ پر اماں کی شاید ابھی آنکھ لگی تھی۔

تھوڑی دیر پہلے ہی شہزاد کی امی اُٹھ کر گئی تھیں۔

دن میں وہ بھی کتنے ہی چکر لگالیتیں، اماں کے سر میں تیل لگاتیں، پیروں کا مساج کرتیں اور باتوں باتوں میں کتنی ہی یادیں تازہ کئے جاتیں۔

اماں کے پاس خوشگوار یادوں کا خزانہ تھا اور مدت بعد واپس اپنے اسی بے حد مانوس ماحول میں خوش اور مطمئن تھیں۔

آج یہاں پہنچے ہوئے پانچواں دن تھا۔

''سو ثابت ہوا کہ دنیا گول ہے، گھوم پھر کر آدمی اسی مقام پر پہنچ جاتا ہے، جہاں سے چلا تھا۔'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے شہزاد کو دیکھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں!''

وہ اب ساتھ لائی ہوئی ساری اشیاء بہت سلیقے سے فریج میں رکھ رہا تھا۔ ''لیکن یاد رکھیں کہ سفر یہاں ختم نہیں ہوا کسی اور سمت آگے بڑھنا ہی ہے۔''

دیکھیں گے ابھی تو بہت ساری تھکن اتارنی ہے۔''

''اچھا پھر آتے ہیں آپ نے جاب کی تلاش بھی شروع کیوں کر دی ہے۔''

وہ واپس اس کے سامنے آبیٹھا۔

ثانیہ نے ایک گہری سانس لی۔

''آپ کیوں بھول رہی تھی کہ اب وہ کراچی میں نہیں ہے، جہاں کسی کو دوسرے کی خبر اتنی آسانی سے نہیں ہوتی۔'' اس نے خود کو یاد دلایا۔

''وہ میری پرانی کلاس فیلو ہے، پچھلے چند سالوں سے پڑھا رہی ہے، میں نے سوچا کہ وہ ضرور مدد کرے گی اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ بہت جلد!''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے ثانیہ آپا، کیوں فکر کر رہی ہیں آپ میں ہوں نا، ہم لوگ کیا الگ الگ ہیں، وہ اپنا کام مکمل کر کے واپس اس کے سامنے آبیٹھا تھا اور بے حد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ ''مجھے ہمیشہ اس بات کا افسوس رہا کہ میں نے آپ کو اور اماں کو کیوں کراچی جانے دیا۔ شاید اس وقت میں کسی قابل نہیں تھا اور گھر کے حالات بھی جیسے تھے آپ کو پتہ ہے، لیکن اب ویسا نہیں ہے۔ میں اب سب کچھ سنبھال لوں گا ثانیہ آپا آپ، اماں...!''

اس نے ثانیہ کا جھکا ہوا سر اٹھتے ہوئے دیکھا۔

''مجھے پتہ ہے میرا بھائی اب بڑا ہو گیا ہے، اور مجھے اس پر بہت فخر بھی ہے۔''

اس کی آنکھوں میں پانی سا چمکا۔

''لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ وہ مجھے، میری خوشی کے لئے وہ کچھ کرنے دے گا، جو میں چاہتی ہوں۔''

اپنی بات مکمل کرتے ہوئے، وہ پورے اعتماد کے ساتھ مسکرائی۔

''آپ بھی بس!'' فوری طور پر تو وہ واقعی کچھ نہ کہہ سکا۔

☆☆☆...

دن ایک سے بے رنگ اور معمول میں بندھی بے زاری جو خوفناک حد تک بڑھ چکی تھی۔ کسی کسی وقت تو سانس بھی لینا محال لگتا اور کبھی وحشت زدہ سی ہوتی، اندر باہر کے کتنے ہی چکر لگا لیتی، قرار پھر بھی نہیں۔

آج اس ملٹی سٹوری شاپنگ مال کی باری تھی۔ اوپر نیچے، اس دکان سے اُس دکان تک، کتنی ہی چیزیں نکلوا کر ڈھیر لگوائیں اور پھر بنا سوچے سمجھے خرید ڈالیں، پرس میں کتنے پیسے باقی ہیں، ایک بار پھر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی، دھچکا کاسمیٹک شاپ پر لگا۔

پورا ڈیڑھ گھنٹہ سیلز مین کو لگا تھا، اُس کی من پسند پروڈکٹس کو نکالنے میں، یہ نہیں وہ وہ نہیں یہ، دس بار چیزیں نکلوائی اور واپس کی گئی تھیں اور وہ بہت صبر سے اس کی ساری فرمائشیں، محض اس لئے پوری کرتا چلا گیا کیونکہ وہ بے حد پروفیشنل آدمی تھا۔

''چار ہزار، نو سو ستر!''

بل اس نے آگے کیا اور ایک اکتائی ہوئی نگاہ ان سب پروڈکٹس پر ڈالی، جو بالآخر فائنل ہوئی تھیں، یہ وہی سب برانڈز تھیں جو اس نے سب سے پہلے نکلوائی تھیں اور پھر ڈیڑھ گھنٹے کی دردسری کے بعد واپس یہی منتخب کی گئی تھیں۔

کاؤنٹر پر رکھا بل، ادائیگی کا منتظر تھا اور وہ ابھی بھی اپنے پرس پر جھکی ہوئی تھی۔

وہ اپنے ساتھ دوسروں کے وقت کو بھی بری طرح ضائع کرنے کی عادی تھی۔ سیلز مین نے اسی یقین کے ساتھ سامنے رکھا ہوا سامان شاپر میں رکھنا شروع کیا تھا۔ سب ہی اس نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ابھی رہنے دیں۔'' وہ ہاتھ کے اشارے سے سیلز مین کو منع کر رہی تھی۔

وہ قطعی نہیں سمجھ پایا تھا۔

''مجھے کچھ ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ ابھی میں یہ نہیں لے سکتی۔'' ساری فطری روکھائی کے باوجود اس کے چہرے پر خجالت پھیلی تھی۔ وہ جیسے پل میں معاملے کی تہہ تک پہنچا۔

''پیسے کم ہیں تو چند چیزیں کم کر دیں باقی پھر آ کر لے جایئے گا، جو ضروری ہیں، وہ ابھی لے لیں۔''

اپنی اتنی دیر کی محنت کا وہ کچھ تو صلہ چاہ ہی رہا تھا اور ادھار دینا، دکان کی پالیسی کے سخت خلاف تھا۔ ''نہیں، میں ابھی یہ نہیں لے سکتی۔ آپ رہنے دیں بس'' تیزی سے منع کرتی ہوئی وہ دکان سے باہر جانے والے دروازے کی طرف مڑ گئی۔

''کمال ہے، شو تو ایسا کرتے ہیں جیسے پوری دکان ہی خرید کر لے جائیں گے اور ہم جیسے لوگ بھی ان کے ہاتھوں اچھے بے وقوف بنتے ہیں۔''

چیزوں کو واپس اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے، وہ بری طرح جھنجلایا۔

''کیا کریں مجبوری ہے، ہمارا تو کام ہی یہ ہے بھائی!''

ساتھ کام کرتے ہوئے دوسرے شخص نے دلاسہ دیا تھا شاید، دونوں کی نگاہ شیشے کے دروازے سے دوسری طرف ابھی بھی دکھائی دیتی، بے ہنگم سے حلیئے والی لڑکی پر تھی۔ جس کا حسن اُس کی سب سے بڑی سفارش تھا۔

"پانچ سو باسٹھ روپے صرف!"

پرس میں باقی بچے سکہ رائج الوقت کی تعداد کو اس نے زیر لب دہرایا اور کسی ان دیکھی سی شے پر ٹھوکر مارتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

پیچھے کاؤنٹر پر چھوڑ کر آئے سامان سے ملی شرمندگی ابھی بھی کندھوں پر دھری تھی۔ "لے دے کر پھر وہی اوقات، ضرورتوں کو ایک محدود دائرے میں مقید رکھنا اور وہ دائرے بھی روز بہ روز تنگ!"

اس جدید خوبصورت ماحول میں بھی اُسے دم سا گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ بالکل ایسے، جیسے کوئی دونوں ہاتھ گلے پر رکھ کر دبا رہا ہو۔

"اور اگر ایسے ہی کہیں، وہ دم گھٹ کر مر جائے تو کیا دیر لگتی ہے، یا پھر بے ہوش ہو کر گر ہی پڑے۔"

اس کی ذہنی رو اکثر بہتی تھی اور واہموں کی کوئی حد نہیں۔"

"ہا...ہا" سیڑھیوں سے نیچے جاتی ریلنگ کو پکڑ کر اس نے بے تکے طریقے سے دو تین گہرے گہرے سانس لئے، مگر یہ بے نام سا خوف اب اسے مستقل ہی گھیرنے لگا تھا۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ، وہ ذہنی مریض بنتی جاری ہے۔ اسے لفٹ سے اسکیلویٹر کے استعمال سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ اسی لئے ہمت نہ ہونے کے باوجود بھی، وہ ریلنگ کو تھام کر آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے اتری تھی۔

تنہائی، بے بسی، خجالت، کتنے ہی کمپلیکسز تھے اور سب ہی جڑ میں بیٹھے، اس سب سے بڑے خوف کی پیداوار جو لمحہ بہ لمحہ حقیقت کا روپ دھارتا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایسا کیسے ہو سکتا ہے، کس کی مجال ہے جو اسے رد کر سکے، یہ حسن تو صرف اور صرف اس کا اپنا ہے۔

سامنے لگے بڑے سارے شیشے میں اس کے روپ کی جگمگاہٹ نے مورل سپورٹ دینے کی کوشش کی تھی۔

تین دن سے پہنے ہوئے وہی کپڑے جو کئی بار دھل چکے تھے ہیر بینڈ کی قید سے آزاد ہوتی بالوں کی لٹیں اور چہرے پر پھیلی گہری اداسی، اتنے سارے منفی پوائنٹ بھی اس کی خوبصورتی کو گہنانے میں ناکام تھے۔

"پھر کیا تھا، جو اس مثالی حُسن کے بل پر حاصل ہوا غرور چکنا چور ہوتا محسوس ہوتا تھا!" ایک لمحے کے اس نے خود کو بہت غور سے دیکھا۔

"ایکسکیوز می!" پیچھے سے آتی ہوئی لڑکیوں کا ایک گروپ قریب سے گزرا تو اسے بھی آگے بڑھنا پڑا ہاتھ میں تھامے ہوئے شاپرز اٹھائے وسیع کوریڈور طے کر کے، وہ باہر کی طرف سیڑھیوں پر آ کر کھڑی ہوئی۔ سڑک پر حسب معمول ٹریفک کا اژدھام تھا۔ کسی خالی ٹیکسی کی تلاش میں اس کی نگاہ یہاں سے وہاں تک دوڑی اور پھر کسی ایک مرکز پر منجمد ہوئی۔

سڑک کی دوسری طرف نازی اور عمر گاڑی سے اتر رہے تھے۔ مسرور اور مطمئن، نازی کے چہرے پر پھیلی چمک بتا رہی تھی کہ وہ ایک پر سکون زندگی گزار رہی ہے اور عمر!

آج بھی اُسے وہ نازی کے مقابلے میں کہیں زیادہ اچھا لگا بلکہ مسعود سے بھی بڑھا ہوا۔

سیڑھیوں پر کھڑی دِیا، آج بالکل اکیلی تھی۔

...☆☆☆...

فرح نے فائل سجاد کے سامنے رکھی اور بڑے جھجکتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

پر ان کا سارا دھیان سامنے لیپ ٹاپ پر تھا۔

"کوئی اور کام سجاد بھائی!" اسے خود ہی پوچھنا پڑا۔

"یہیں بس ٹھیک ہے۔" انہوں نے اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ "تم جاؤ فرح!"

اسے لگا کہ شاید وہ اس سے بھی ناراض ہیں۔ اتنے دن سے انہوں نے ایک بار بھی خود سے، اس موضوع کو نہیں چھیڑا تھا، جو بلاشبہ ہلا دینے والا تھا۔

"ثانیہ کا کچھ پتہ چلا سجاد بھائی!"

آج پھر وہی سوال اس کے لبوں پر تھا جو سجاد کی تمام بے رخی کے باوجود وہ روزانہ کر رہی تھی۔

"نہیں!" وہ اب بھی اُس کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔

"کسی کو بھی مستقل نظر انداز کرتے رہنا ہی، جان چھڑانے کا مہذب ترین طریقہ ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی وہ ڈھٹائی پر مجبور تھی۔"

"وہ صرف نواب شاہ ہی جا سکی ہے سجاد بھائی، اس نے خود مجھ سے کہا تھا کہ وہ واپس چلی جائے گی کچھ دن میں، اسی لئے تو وہ آفس بھی نہیں جوائن کر رہی تھی۔"

یہ بات بھی ان دنوں میں بارہا دہرائی جا چکی تھی۔ سجاد دراز کھول کر پتہ نہیں کیا تلاش کرنے لگے تھے۔ فرح کو ان کا رویہ بے حد مایوس کن لگنے لگا تھا۔

ایک بار بھی جو کوئی، کوشش، کوئی امید افزا بات ان کی طرف سے محسوس ہوتی ہو۔

ایک چپ اور بس!

"اگر ہمیں نواب شاہ والا ایڈریس مل جائے تو ہم جا کر...!"

سجاد نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے مزید کچھ بھی کہنے سے روکا تھا۔

"ہر شخص کو حق ہے کہ وہ اپنے لئے جو چاہے کرے۔ کہاں جانا ہے؟ کہاں رکنا ہے؟ یہ قطعی اُس کا اپنا فیصلہ ہے اور کسی کو بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے پر اثر انداز ہو، ثانیہ نے جو کیا، ٹھیک ہی کیا ہوگا، بات ختم!"

انہوں نے پوری کوشش کی تھی کہ لہجے میں ذرا سی بھی جذباتیت نہ جھلکے، مگر فرح کے لئے اس بے اعتنائی کے پیچھے چھپی تکلیف کو سمجھا مشکل نہیں تھا۔

"کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے سجاد بھائی، ثانیہ آپ کو بتائے بغیر نہیں جا سکتی تھی، کچھ تو ایسا ہوا ہے جو..."

"یہ بھی غلط فہمی ہے تمہاری!"

کچھ کہنے سے پہلے وہ ذرا رُکے۔ "اُس نے آج تک جو بھی کیا، مجھے بتائے بغیر ہی کیا ہے۔ کتنے کٹھن مرحلوں سے وہ گزرتی رہی لیکن مجھے کب اس قابل سمجھا کہ میں اس کی پریشانی میں ساتھ دے سکوں، اس روز بھی اگر میں فرحت آپا کے ساتھ نہ ہوتا تو مجھے کیا پتہ چلنا تھا کہ وہ کس قیامت سے گزرنے والی ہے۔" بولتے بولتے وہ یکدم خاموش ہوئے۔

فرح چند لمحے منتظر رہی کہ شاید وہ مزید کچھ کہیں۔

"ایسی بات نہیں ہے سجاد بھائی، کچھ لوگ اپنی تکلیف کو شیئر نہیں کر پاتے ہیں، انہیں ایسا کرنا نہیں آتا ہے۔ ثانیہ بھی کسی کو اپنی وجہ سے پریشان کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"بہر حال!" انہوں نے نفی میں اس طرح سر کو جنبش دی تھی۔ جیسے اس کی بات سے ایک فیصد بھی متفق نہیں ہوں۔" اب یہ موضوع بند ہو جانا چاہئے۔ خاص طور پر اس لئے کیوں کہ وہ ایسا ہی چاہتی ہے۔"

"ٹھیک ہے، نا کریں آپ کوشش، میں خود ہی کچھ تو کر ہی لوں گی۔ آپ چھوڑ سکتے ہیں اسے اکیلا، لیکن میں نہیں، کہیں سے کوئی تو سراغ ملے گا نا!"

وہ جذباتی سے ہوتی کمرہ چھوڑ کر جا چکی تھی۔

سجاد نے اسے روکنا بھی نہیں چاہا تھا، انہیں پتہ تھا کہ وہ یہاں سے نکل کر آفس میں بھی رکی ہو گی۔

ثانیہ کی تلاش، سب سے پہلے اسے جہاں لے کر جانے والی تھی وہ اس سے بھی واقف تھے۔

بے چین سے ہو کر وہ شیشے کی اس کا بڑی سی کھڑکی کے نزدیک آ کھڑے ہوئے، جہاں سے نیچے پارکنگ کا ایریا دکھائی دیتا تھا،

تب ہی انہیں فرح اپنی گاڑی کی طرف جاتی دکھائی دی۔ آج اس نے ان سے آفس چھوڑنے سے پہلے اجازت لینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔

لیکن انہیں ذرا بھی برا نہیں لگا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

خاموش نگاہوں سے وہ اس کی گاڑی کو باہر جاتا دیکھتے رہے۔

"ایک لاحاصل کوشش!" انہوں نے خود سے کہا اور تلخی سے مسکرا دیئے۔

فرح کی گاڑی جانے پہچانے راستے پر بڑھ رہی تھی، جہاں خود سجاد، بلاناغہ جا رہے تھے۔

گیٹ کے آگے خشک پتوں اور خالی اُڑتے ہوئے شاپرز کا ڈھیر بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

گیٹ پر لگا تالا انہوں نے دیکھ لیا تھا، پھر بھی محض اپنی تسلی کے لئے سجاد روز چل کر قریب آتے تھے۔

اندر سے صحن اور برآمدے میں کھلتے ہوئے کمروں کے دروازے، یہیں سے نظر آتے تھے۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا، شاید ٹھیک سے بند نہیں ہوا تھا۔

"معلوم نہیں، یہاں رہنے والوں کو کس افرا تفری میں یہاں سے نکلنا پڑا ہو گا۔"

اس ادھ کھلے دروازے کو دیکھ کر بے ساختہ روز ہی یہ خیال آتا تھا۔

"وہ اب نہیں آنے والی یہاں، آپ بے کار میں روز آ کر اپنا ٹائم خراب کر رہے ہیں۔"

پیچھے سے آتی آواز پر، وہ کچھ چوک کر مڑے۔

"روز آتا دیکھتا ہوں آپ کو، بے کار میں اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں۔"

اجنبی شکل والا وہ لڑکا، اپنی بات کو دہرا رہا تھا۔

"کبھی تو آئیں گے ہی گھر والے، اس میں تب تک آتا رہوں گا۔ جب تک یہاں کوئی ملے گا نہیں۔" وہ ہلکے سے مسکرائے۔

"مرضی ہے آپ کی۔" اس کی سمجھ میں اس التفات کی وجہ آنی ناممکن تھی۔ "ویسے کام کیا ہے آپ کو ان سے، پیسے ویسے لے کر کھا گئی ہوں گی، دونوں ماں بیٹی کا یہی کام تھا۔ ہر ایک سے پیسہ نکلوا لیتی تھیں آرام سے، وہ لبنیٰ کتنے ہی تحفے لے چکی تھی مجھ سے۔"

"مطلب!" سجاد کے ماتھے پر شکن ابھری۔

"یہی تو سمجھانا چاہ رہا ہوں آپ کو" بہت فراڈی فیملی ہے، وہ لبنیٰ، چکر مجھ سے چلاتی رہی اور بھاگ گئی اس سوزوکی والے کے ساتھ، ماں پاگلوں کی طرح ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔ یہاں کوئی بتا رہا تھا کہ اس نے پنجاب جانے والی ٹرین میں بیٹھتے ہوئے دیکھا تھا اُسے!"

وہ گم سم کھڑے اُس کی شکل دیکھے گئے۔

"میں نے تو پھر بھی عزت سے رشتہ مانگا تھا، مگر اس عورت نے وہ بے عزتی کی کہ توبہ!" ذرا رک کر اس نے اپنے کان کی لو کو چھوا۔ "اب دیکھ لیا کیا کالک ملی ہے بیٹی نے کہ منہ چھپاتی پھر رہی ہے سب سے۔"

"کاش ثانیہ اتنا ہی رک جاتی کہ مکافاتِ عمل کے اس لمحے کو دیکھ لیتی۔" سجاد نے ایک گہری سانس لی تھی۔

"پنجاب کا کوئی اتہ پتہ، یہاں کسی کو ان کے رشتے داروں کے بارے میں کچھ معلوم ہو تو..."

"کسی سے بھی نہیں ملتی تھیں لبنیٰ کی امی، بہت لڑاکا عورت تھیں، وہ تو جب تک ان کے شوہر زندہ تھے، تب تک ہی لوگ انہیں برداشت کر رہے تھے، وہ بے چارے بہت شریف شخص تھے۔"

لڑکا باتونی تھا، مگر کسی بھی عملی مدد سے قاصر۔

سجاد اس کا شکریہ ادا کر کے مڑنے لگے تھے تو اسے جیسے کچھ یاد آیا۔

آپ تو وہی ہیں نا، جہاں وہ لبنیٰ کی کزن جاب کرتی تھی۔ میں نے آپ کی گاڑی پہچان لی۔ پہلے آپ کبھی کبھی آتے رہے ہیں یہاں۔"

انہوں نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا، جمیل ماموں کی بیماری اور اس کے بعد بھی ان کے یہاں کے چکر لگے ہی تھے۔

لڑکا اب ان کی گاڑی کی تعریف کر رہا تھا۔ ذرا بھی دلچسپی نہ ہونے کے باوجود سجاد نے مروتاً اس کی تعریف کو چند لمحوں کے لئے سنا، اور پھر گاڑی سٹارٹ کرنے لگے۔

"ایک بات کہوں، برا مت مانیئے گا۔"

وہ کچھ جھجکتا ہوا بات جاری رکھے ہوئے تھا۔

"کہو!"

اسے سجاد کی مسکراہٹ سے ہی حوصلہ ہوا۔

"سنا ہے لبنیٰ کی امی نے یہاں کچھ لوگوں سے یہ بھی کہا کہ آپ نے ثانیہ کو یہاں سے بھگایا... میرا مطلب ہے کہ آپ دونوں نے شادی کر لی ہے۔"

سجاد کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات نے اس کی زبان کو لڑکھڑایا۔

"بکواس کرتی ہیں وہ، اپنے ظلم پر انہیں شرم بھی نہیں آتی ہے شاید۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔" وہ فوراً ہی متفق ہوا۔

”وہ بہت خراب عورت ہے۔اس بے چاری لڑکی اور اس کی اماں کے ساتھ بہت بُرا سلوک تھا۔ ہمارا تو ان کے ہاں آنا جانا نہیں تھا لیکن جو یہاں کے پرانے رہنے والے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ ...“

”مجھے دیر ہو رہی ہے، پلیز!“

گاڑی پہلے ہی سٹارٹ تھی اور یہاں گلی میں ثانیہ کو موضوع گفتگو بنانا آج بھی منظور نہیں تھا۔

وہ بنا اس کی اگلی بات سنے گاڑی کو آگے بڑھاتے لے گئے۔

”توصیف او توصیف!“

اس لڑکے کو کسی نے بہت غصے سے پکارا تو وہ چونک کر اس طرف چل پڑا۔

”کیوں اس دروازے پر جا کر کھڑا ہوتا ہے اور کتنا ذلیل ہو گا اس لڑکی کے پیچھے، اب وہاں کوئی نہیں ہے۔ سمجھ میں کیوں نہیں آتا تیرے۔

اس کے باپ کا غصہ فطری تھا۔

سڑکوں پر وہی معمول کا رش تھا اور ڈھلتی ہوئی شام میں منعکس ہوتی روشنیوں کا دلچسپ کھیل جاری تھا۔

سجاد نے گھر کے مین گیٹ کے آگے غیر معمولی سرگرمی کو گاڑی رُکنے سے پہلے ہی نوٹ کر لیا تھا۔

دو تین گاڑیاں اور کئی موٹر سائیکلیں، گھر کی دیوار کے ساتھ ساتھ خاصا بڑا حصہ کور ہو رہا تھا۔

”شاید پھر کوئی خاص بات!“

گیٹ کیپر نے انہیں دیکھتے ہی مین گیٹ کھول دیا تھا اور اندر آتے ہی انہیں بابا کی سٹڈی اور اس سے ملحقہ برآمدے میں لوگوں کا رش دکھائی دے گیا تھا۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے انہوں نے معاملے کی نوعیت کو فوری طور پر سمجھا تھا۔

بابا شاید ان ہی کی آمد کے منتظر تھے۔ سو گاڑی سے اترتے ہی بلاوا وصول ہوا تھا۔

برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے۔ان سب جانے پہچانے چہروں سے سرسری سی دعا سلام کرنی پڑی، جو رشتہ داری اور برادری کے بندھن میں بندھے ہوئے تھے۔

برادری میں ایسا نہیں چل سکتا بھائی صاحب اچھا برا سب خود ہی سمیٹنا پڑتا ہے۔ ورنہ تو کب کے تتر بتر ہو چکے ہوتے سب کے سب۔“

سجاد نے سٹڈی میں داخل ہوتے ہوئے کسی کو کہتے سنا تھا۔

”اور کیا، ورنہ اس سے پہلے کیا لڑکیاں ستائی نہیں گئیں، آوارہ بدمعاش شوہروں کے ظلم نہیں سہے، مگر پھر بھی گزارا کیا، طلاق کا تو لفظ بھی منہ سے نکالنا حرام ہے اپنی برادری میں۔“

پُرزور دلائل کا سلسلہ شاید کافی دیر سے جاری تھا۔

سجاد سے ضبط نہ ہو سکا۔

”آپ کی برادری میں حرام ہو گا، پر مذہب میں نہیں، حلال کاموں میں سب سے ناپسندیدہ ضرور ہے، لیکن گنجائش دی ہی اسی لئے گئی ہے کہ...!“

"یہ آپ کی برادری سے کیا مراد ہے تمہاری، سن رہے ہیں نا آپ" بابا کے سب سے قریب بیٹھے صاحب نے تڑپ کر باری باری پہلے سجاد اور پھر بابا کی طرف دیکھا۔

"بیٹھ جائو سجاد۔" بابا بہت تھکے ہوئے لگ رہے تھے لیکن آئے ہوئے مہمانوں کو، ان کی تھکن یا بیماری کا کچھ ایسا خاص خیال نہیں تھا۔

بہت سے لوگ ایک ساتھ ہی بول رہے تھے۔

یہ سب وحید کے حمایتی تھے۔

"تین دن سے اِسے پولیس نے گرفتار کیا ہوا ہے۔ غریب کی ضمانت تک نہیں ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے یہ سب سجاد کے ایما پر ہی ہوا ہے، ورنہ وحید کوئی خونی قاتل تو نہیں ہے۔"

"کیا پتہ!" وہ زیرِ لب بڑبڑائے۔

بابا نے تنبیہی نگاہ سجاد پر ڈالی۔

مگر وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔

"بحث لمبی ہی ہوتی جا رہی تھی۔ برادری کے اصول قاعدے، رشتے داریوں کے حوالے اور ان سب سے بڑھتا ہوا، وقار بھائی کو اگلی الیکشن میں بہت ممکنہ طور پر ملنے والا، ایم پی اے کا ٹکٹ جس کی کامیابی، صرف اور صرف برادری کی سپورٹ سے ہی ممکن تھی۔

آنے والے اپنے سارے ہی کارڈز، ایک ایک کر کے شو کر رہے تھے۔

بابا آج بڑی حد تک خاموش تھے اور ان کی خاموشی ہی دوسروں کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔

یہاں آج بھی کسی جیتے جاگتے انسان کی قربانی ہی درکار تھی فرسودہ اور ظالمانہ روایت کے تسلسل کو جاری رکھنے کے لئے۔

سجاد کو آج بہتر طور پر اندازہ ہوا تھا بابا کی مجبوریوں کا۔

برادری میں اپنے گھرانے کی مثالی پوزیشن برقرار رکھنے کے لئے ساری عمر وہ سرگرداں ہی رہے، پھر بھی یہاں اس ایک مقام پر آ کر سارا کیا دھرا زائل ہوا جا رہا تھا۔

"وحید کی ضمانت کروائی جائے، دوم' خلع کا مقدمہ واپس لیا جائے، سوم' فرحت کو فوری طور پر واپس وحید کے گھر بھیج دیا جائے۔"

بابا کے سب سے قریب بیٹھی بزرگ صورت نے آخری کیل ٹھوکنے کے انداز میں، سفارشات پیش کیں تو سجاد تلخی سے مسکرائے۔

"وحید خود فرحت آپا کے گھر میں رہتا ہے۔ شاید یہ بات سب لوگ بھول گئے ہیں۔"

پورے کمرے میں بھنبھناہٹ سی پھیلی۔

"میاں بیوی کی ہر شے مشترکہ ہوتی ہے گھر کس کا ہے، یہ بات اہم نہیں ہے۔" وہی صاحب خود کو سنبھال چکے تھے۔
"تم نے تو اس گھر پر بھی تالا ڈال دیا ہے۔"

"وہ گھر فرحت آپا کی ملکیت ہے، میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں اور وحید کا اس گھر سے اب کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"سجاد!" بابا اس بات کو بگڑنے سے روکنا چاہ رہے تھے، جو مکمل طور پر پہلے ہی بگڑ چکی تھی۔

"مجھے کہنے دیں بابا۔ جو کچھ بھی ہے پوری طرح کلیئر کر دیں سب پر، آگے جو سب کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔"

"ابھی ہم سب بات کر رہے ہیں۔ کوئی بیچ کی راہ نکل سکتی ہے۔ یہ سب اپنے ہی ہیں۔" فیصلے کی اس آخری گھڑی میں بابا، ایک بار پھر شاید پریشر میں آنے والے تھے۔

"ابھی یا پھر کبھی نہیں!" ایک لمحے کے لئے کوئی ہچکچاہٹ سجاد نے محسوس نہیں کی تھی۔

اور خلع کا مقدمہ واپس نہیں لیا جائے گا۔ یہ بات آخری ہے ان کے کہے الفاظ کمرے میں موجود ہر شخص نے سنے تھے۔

...☆☆☆...

فیصلہ دو چار دن میں آنے والا ہے۔ آپ میں سے جس کو بھی اعتراض ہو اس فیصلے پر ہم اُسے بالکل مجبور نہیں کریں گے کہ وہ ہم سے تعلق رکھے یا چھوڑے۔"

چند لمحوں کے لئے تو کمرے میں بڑا ہی گہرا سناٹا اُتر آیا سجاد کسی کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔

نہ ہی بابا کی طرف اور نہ ہی اُن سب کی طرف، جو اپنے اپنے طور پر برادری کے اصول قاعدے کو ظالم ڈکٹیٹر کی مانند نافذ کرنے کے علاوہ کسی دوسری بات میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔

"آپ نے سُن لیا نا بھائی صاحب۔"

آپس میں آنکھوں ہی آنکھوں کے اشاروں کے بعد اُن میں سے ایک نے بابا کو مخاطب کیا۔

"آپ کے صاحبزادے خود ہی قطع تعلق کا مشورہ دے رہے ہیں۔ اب کل کو ہمیں کوئی الزام مت دیجئے گا۔ ہم تو وہی کریں گے، جو باپ دادا کے زمانے سے ہوتا آرہا ہے۔" نئے نئے اصول چل پڑے تو برادری کا ایکا ختم ہی سمجھیں اور ہم تو اِس گناہ میں شریک ہونے والے نہیں!"

دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھاتے ہوئے وہ جیسے ہر فرض سے بری الذمہ ہوئے اور ساتھ میں اُن جیسے کئی اور بھی۔

"چلو اُٹھو بھئی، یہاں آکر ٹائم ہی خراب کیا اب یہاں فیصلہ بابا صاحب نہیں، اُن کی اولاد کرتی ہے۔ برادری روایتوں کو اِن کل کے چھوکروں کے ہاتھوں ذلیل کروانے کے لئے یہاں نہیں آئے تھے۔"

سب ہی ایک ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے، سو ہجوم کا احساس ہونے لگا تھا۔ بابا کی اتنی بڑی سٹڈی بھی تنگ پڑنے لگی۔

سجاد نے دیکھا بابا بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ انہوں نے اُن میں سے کسی ایک کو بھی روکنے تک کی کوشش نہیں کی تھی۔

"گویا وہ اِس بار ایک صحیح فیصلے کے لئے اپنی خاموش رضامندی دے چکے ہیں۔"

سجاد نے اُن کے چہرے پر پھیلی شکستگی کے باوجود دل میں اطمینان اُترتا محسوس کیا تھا۔

"اور ایک بات اور بہت ضروری ہے۔ وہ سُن کر پھر ایک بار سوچ لینا۔"

وہ حضرت جو اس وقت قائم مقام امیر بنے ہوئے تھے ٹھیک سجاد کے سامنے آکر کھڑے ہوئے۔

"فرمائیے!" بہت پُرسکون انداز میں سجاد نے اُن کی طرف دیکھا۔

"ایم پی اے کے الیکشن کے لئے اب برادری کی سپورٹ مل جانے کا خیال دل سے نکال دینا، کوئی ایک ووٹ پڑ جائے وقار کے حق میں تو میں دیکھ لوں گا، سمجھے!"

بہت پُر جوش سا ہو کر انہوں نے وہ ہتھیار استعمال کیا جو آج کل بابا اور وقار بھائی دونوں ہی کو سب سے زیادہ خوفزدہ کرتا تھا۔

ایم پی اے کی سیٹ۔

اختیار اور اقتدار کی ایک اور سیڑھی۔

کیا اتنی ہی ضروری تھی کہ کسی کے مدفن پر بھی رکھی جا سکتی تھی۔

یہ سوال خاص بابا اور وقار بھائی کے لئے جواب طلب تھا۔ تب ہی سجاد نے وقار کو ٹھیک اُن صاحب کے پیچھے کھڑا دیکھا۔

وہ کس وقت میں یہاں اندر آئے تھے لوگوں کے ہجوم اور چاں چاں ہوتے شور میں، وہ توجہ نہیں دے سکتے تھے۔

''پتہ نہیں اپنے اِس دیرینہ خواب کی تعبیر کے لئے وہ کس حد تک جانے کو تیار تھے۔''

''سیدھی صاف بات کرتے ہیں ہم، تم لوگ وحید کے خلاف مقدمہ واپس لو، ہم وقار کے الیکشن میں کامیابی کی ضمانت لیتے ہیں، جان لڑا دیں گے، اُس کے لئے سمجھنے کی کوشش کرو، فرحت ہماری بھی بیٹی ہے اور بیٹی ذات تو قربانیاں دیتی آئی ہے پھر وحید اب تو معافیاں بھی مانگ رہا ہے جھگڑا ختم کرو۔''

اپنی کھلی بلیک میلنگ پر جذباتیت کا پردہ ڈالنے کی جو بھونڈی کوشش وہ کر رہے تھے بے کار ہی ثابت ہوئی۔

''یہ جھگڑا اب ختم ہونے ہی والا ہے بزرگوار۔''

وقار بھائی نے عقب سے اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ چونک کر مڑے۔

''آپ کی بہت مہربانی جو آپ نے ہمارے بھلے کا سوچتے ہوئے اپنا قیمتی مشورہ دیا۔ مگر افسوس ہم اِس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے یہ سیاست ویاست تو ویسے بھی ہمارے بس کا روگ نہیں، سیدھے سادے کاروباری لوگ ہیں ہم یہ تو بس یوں ہی ایک دماغ کا خلل سمجھ لیجئے۔''

اُن کے لہجے کی نرمی برقرار تھی لیکن بات کے اختتام تک مفہوم معنی پوری طرح واضح کر چکے تھے۔

سامنے کھڑے وہ دو چار حضرات جو وقار کو دیکھ کر پھر سے پُر امید ہونے لگے تھے، بری طرح تلملا کر کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

بڑی دیر سے برپا ہوا شور کم ہوا اور کمرے میں صرف وہ تینوں ہی رہ گئے۔

بابا، وقار، اور وہ خود۔

تب ہی بابا نے نگاہ اٹھا کر اُن دونوں کو دیکھا۔

''سب کچھ ختم ہوا، ساری زندگی جو تگ و دو اِس مقام کو بنانے میں کی تھی، بس یوں ہی رائیگاں گئی اِس آخر عمر میں۔''

اُن کے لہجے میں بڑی ٹوٹی سی کیفیت تھی۔

اب وہ بہت کمزور دِکھنے لگے تھے۔ ورنہ چند سال پہلے تک اُن کی صحت قابل رشک تھی۔

وہ جذبات کے ہاتھوں شکست کھانے والے شخص نہیں تھے۔ بڑے بڑے صدمات پورے حوصلے کے ساتھ برداشت کر کے مثال قائم کر چکے تھے۔ مگر اب یہ آخری دُکھ اُن کی ضعیف العمری کے لئے بڑی آزمائش ثابت ہو رہا تھا۔

''اپنوں سے جدائی، جیتے جی مار دیتی ہے انسان کو اور میں نے دوبارہ اس موت کا مزا چکھا ہے۔'' وہ کہتے کہتے ذرا رُکے۔

اور کس کی مجال تھی جو بیچ میں بول سکے۔ وہ دونوں بھائی، خاموشی سے اُن کے قریب سرک آئے۔

''پہلی باراُس وقت، جب ستائیس سال پہلے میرا عزیز ترین بھائی گھر چھوڑ کر گیا اور دوسری بار جب فیضی نے اپنا فیصلہ سنایا، وہ دونوں چلے گئے، مجھے اِس برادری کے اصولوں کی پہرہ داری پر تنہا چھوڑ کر۔''

اُن کی آواز میں لرزش آرہی تھی۔

سجاد اور وقار دونوں ہی اپنی اپنی جگہ دم بخود تھے۔

''ساری عمر وہ جس دُکھ سے بابا کو بچانے کی کوشش کرتے رہے، وہ آخر کار جھلسنا ہی پڑا انہیں۔'' سجاد نے بے بسی کے احساس کے ساتھ سوچا۔

''قربان کر دیئے میں نے وہ خود سے جُڑے عزیز ترین رشتے دل پر صبر کا بھاری پتھر رکھا یہی سوچ کر کہ وہ دونوں مرد ہیں۔ دنیا کی صعوبتوں کو جیسے تیسے برداشت کر ہی لیں گے، مگر فرحت کے لئے اِس دلیری کا مظاہرہ نہیں کر سکا کہ اُسے زندگی بھر کے لئے وحید کے رحم وکرم پر....!''

اتنی دیر بولتے رہنے سے اُن کی آواز بار ہا کانپی جارہی تھی۔ اُن دونوں ہی کو اندیشہ گھیرنے لگا کہ کہیں وہ پھر سے اپنی طبیعت خراب نہ کرلیں۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا بابا۔ جو کچھ اِس وقت فیصلہ ہم نے لیا ہے، وہ بالکل دُرست ہے ہم فرحت کو کسی قیمت پر اب اُس وحید کے ساتھ نہیں بھیج سکتے اور یہ لوگ ہوتے کون ہیں، ہمیں مجبور کرنے والے گھٹیا بلیک میلر!''

وقار خود کو سنبھال چکے تھے اور جس طرح زور زور سے وہ بولنا شروع ہوئے تھے لگ رہا تھا کہ بابا کو جلد ہی اِس بے حد جذباتی کیفیت سے نکال لیں گے۔

سجاد نے شکر گزار نگاہوں سے بھائی کی طرف دیکھا۔

اس وقت تو وہ یقیناً بہت بڑا سہارا بنے تھے۔

برادری کی ساری مخالفت کی پہلی زد کا شکار ہونے کے باوجود اُن کی پیشانی پر تردد کی کوئی شکن تک نہیں آئی تھی۔ سجاد کو ایسا لگتا تھا، جیسے وہ آہستہ آہستہ بالکل بابا کا روپ دھارتے جارہے ہیں۔

باحوصلہ، باہمت۔

انہوں نے ایک بار بھی، وقار بھائی کو فیضی کو یاد کرتے نہیں دیکھا تھا۔

''ہم نے ایک صحیح بات پر سٹینڈ لیا ہے، جلد ہی دوسروں کو بھی اپنی غلطیوں کا احساس ہونا شروع ہو گا۔

''اصول زندگیوں کو آسان رکھنے کے لئے بنائے جاتے ہیں بابا اور یہ تب ہی ممکن ہے جب اِن میں لچک ہو، جو کچھ اِس برادری میں رائج ہے وہ تو ظالمانہ حکم اور اُن سے جڑی اُس سے بھی زیادہ ظالمانہ سزائیں ہیں۔

دروازے پر ہوئی آہٹ پر اُن لوگوں نے ایک ساتھ ہی اُس طرف دیکھا۔

کچھ لوگ دروازے میں کھڑے تھے۔

یہ وہ تھے جو یہاں اندر نہیں بیٹھے تھے بلکہ باہر برآمدے میں اور لان میں اِدھر اُدھر بٹھائے گئے تھے۔

فیصلہ کن پوزیشن کے بجائے محض حاضری لگوانے کی خاطر آئے بلکہ ساتھ لائے گئے تھے۔

برادری کے عام سے شریف، سیدھے سادے لوگ، جن کی اکثریت غم روزگار میں مبتلا تھی۔

''ہم آپ سے کچھ کہنے کے لئے رُکے تھے۔'' وہ بہت جھجکتے ہوئے اندر آئے تھے۔

سجاد نے بہت احترام سے انہیں صوفے پر بیٹھنے کے لئے کہا تو وہ کچھ سکڑ سمٹ کر بیٹھے تھے۔

''شاید ان کے ذریعے ابھی کچھ اور کہلوانا باقی ہے۔''

سجاد نے یہی سوچا تھا۔

''ہم سننے کے لئے تیار ہیں بھائی اور جو کچھ بھی رہ گیا ہو کہہ دو۔'' بابا اب قدرے پُر سکون تھے یہ سب سے اچھی بات تھی۔

''شرمندہ مت کریں بابا صاحب۔'' اُن میں سے ایک نے بے ساختہ ہی کہا۔ ''اور جو کچھ بھی آپ نے آج تک اِس برادری کے لئے کیا، آج اُن سب سے بڑا کام کیا ہے۔ ہم تو کب سے منتظر تھے کہ آپ جیسے سرکردہ شخص آگے بڑھ کر ہم جیسے مجبوروں کے آگے کھڑے ہوں۔''

''ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں بابا صاحب کہ...''

سجاد نے فخریہ مسکراہٹ کے ساتھ بابا کو دیکھا۔

بنجر پتھریلی زمین کب سے سیرابی کی منتظر تھی، وہ بارش کا پہلا قطرہ بنے تھے۔ پیچھے برسات کے امکان ابھی سے واضح ہو رہے تھے۔

...☆☆☆...

کتنے ہی دن یکساں بہاؤ کی سی کیفیت میں گزرے' اس چھوٹے سے شہر میں زندگی، چکاچوند کے ساتھ بے شک نہیں، لیکن پُرسکون انداز میں ضرور رواں تھی۔ ''اور یہ بھی کیا کم غنیمت ہے!''

ثانیہ نے برآمدے کی نیم گرم دھوپ میں بیٹھ کر چیک کرتی ہوئی کاپیوں پر اسے سر اُٹھا کر سوچا تھا۔

پچھلے ہفتے سے وہ ایک پرائیویٹ سکول جوائن کر چکی تھی۔ ایک معروف سکول چین تھی، جن کی برانچ ابھی چند سال پہلے ہی یہاں بھی کھل چکی تھی۔

ثانیہ کو یہاں جاب اپنی پرانی کلاس فیلو کے توسط سے ملی تھی اور تنخواہ بھی ٹھیک ہی تھی۔

''اور انسان کو چاہئے بھی کیا، سر چھپانے کو ایک ٹھکانہ، روزگار کا آسرا اور محبت کرنے والے چند رشتے!''

''شکر ہے جو اُسے یہ سب میسر ہیں!'' خود کو پُرسکون رکھنے کے لئے یاددہانی دِن میں کتنی ہی بار کرانی پڑتی تھی، پھر بھی اُداسی گھات لگا کر گھیرتی تھی، گردوپیش کو پل سے بھی کم وقت میں گم کرتی تھی۔

جو کچھ چھوڑا تھا وہ کم بیش قیمت نہیں تھا۔

''پتہ نہیں اس طرح چلے آنا ٹھیک بھی تھا یا نہیں، کوئی سراغ کوئی پتہ نشان بتائے بغیر۔''

جس وقت یہ فیصلہ ہوا تھا، اُس وقت تو خیر کچھ اور ہی کیفیت تھی، لیکن آنے کے بعد وہ بڑے سخت احساس جرم میں مبتلا رہی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہیں؟''

شہزاد نے شاید طے کر رکھا تھا کہ وہ اُسے سوچنے کی بھی فرصت نہیں دے گا۔

''بس ایسے ہی...'' وہ ہلکے سے مسکرادی۔

"اِتنی اُداسی سے نہ مسکرائیں، جو بات دل دُکھا رہی ہے۔ اُسے کہہ دیں بہت افاقہ ہوگا۔" بڑے معتبر انداز میں مشورہ دیتے ہوئے وہ قریب پڑی کرسی پر بیٹھا۔

کسی کسی وقت وہ اِتنا بڑا لگنے لگتا تھا کہ حیرت ہوتی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہیں۔" اُس نے خود بھی شاید ثانیہ کی سوچ کو پڑھا تھا۔

"یہی کہ وقت واقعی بہت آگے نکل آیا ہے۔ یاد ہے خالہ کیسے کان سے پکڑ کر لاتی تھیں تمہیں ابا کے پاس پڑھوانے کے لئے، پوری گلی تمہارا رونا پیٹنا سن لیتی تھی۔"

"اور پھر خالو کس محبت سے مجھے اماں سے چھڑا کر اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔ پیار کرتے، چیز دلا کر لاتے اور پھر پڑھاتے چاہے کتنی بھی دیر، میں اُٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔" کھوئی کھوئی سی کیفیت تھی وہ خود بھی اُس کے ساتھ دور تک نکلا۔

"میں تو جیسے سایہ بن گیا تھا اُن کا، ہر وقت ساتھ ساتھ، وہی تھے جو مجھے کسی قابل بنا گئے ثانیہ آپا۔

ورنہ ہمارے گھر کون پڑھا لکھا تھا، لگا رہتا میں بھی اپنے ابا کی دکان میں ٹائروں میں پنکچر، مگر خالو کا احسان دیکھیں..."

اُس سے اپنی بات پوری نہیں کی جا سکی۔

"پاگل ہوئے ہو، اِتنے بڑے ہو کر رونے بیٹھ گئے۔ ابا کی روح کو بھی تکلیف پہنچے گی تمہاری بات سے۔" ثانیہ نے جھک کر بہت نرمی سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ شہزاد نے سر جھکاتے ہوئے اپنی آنکھیں خشک کیں۔

"خالو بہت بڑے انسان تھے ثانیہ آپا، انتہائی نیک نفس اور دردمند ہر ایک کا بھلا چاہنے والے اُن جیسا تو دنیا میں کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد جب وہ اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا، تو ثانیہ نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

"دنیا میں اُن جیسے کم از کم ایک شخص تو تھے ہی، ہو بہو اُن ہی کی طرح ویسی ہی شکل، وہی انداز!"

"پھر کچھ سوچنے لگیں، یہ تو حد ہے کہ میں سامنے بیٹھا ہوں اور بجائے میری بات سننے کہ..."

شہزاد نے ایک بار پھر اُس کی گمشدگی پر اعتراض کرنا چاہا، مگر کم از کم یہ ایک الجھن تو وہ اُس کے ساتھ شیئر کر ہی سکتی تھی۔

"باباصاحب کی شکل ابا سے بے حد ملتی ہے شہزاد تم بھی اگر انہیں دیکھتے تو چونک جاتے۔"

"اچھا!"

وہ واقعی حیران ہوا تھا۔

"آپ نے اگر پہلی کبھی بتایا ہوتا تو میں ضرور انہیں دیکھنے کی کوشش کرتا۔ ویسے اس میں کوئی تعجب والی بات شاید نہ ہو کیوں کہ دنیا میں بہت سے لوگ ملتی جلتی شکلوں والے ہوتے ہیں۔ اسی لئے ہمیں شباہت محسوس ہوتی ہے۔ ویسے میں شرط لگا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ چاہے شکل میں کتنے ہی ملتے ہوں عادت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا، اُن میں اور خالو میں۔"

ثانیہ مسکرانے لگی۔

شہزاد، ابا پر کسی کو بھی فوقیت نہیں دے سکتا تھا، چاہے کوئی بھی ہو۔

باباکی بارعب شخصیت، ابا کی نرم مزاجی اور انکساری سے ذرا سا بھی میچ نہیں کرتی تھی، اس میں کوئی شک نہیں تھا، پھر بھی ایک عجیب سے کشش تھی جو اُس نے بارہا محسوس کی تھی، اُن دونوں کی مماثلت میں۔

اتنے عرصے میں صرف ایک بار اُس کی اُن سے قدرے تفصیل سے بات ہوئی تھی، جب وہ انیکسی میں اماں کے ساتھ رہ رہی تھی۔

باہر کھڑے کھڑے انہوں نے اماں کی طبیعت پوچھی تھی اور اُسے کسی بھی بات کی فکر نہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

مگر وہ چند منٹ، آج بھی یاد آتے، تو بڑی ہی تسلی کا سبب بنتے۔

''معلوم نہیں خود بابا نے ہمارے چلے جانے کا سُن کر کیا سوچا ہوگا، افسوس کیا ہوگا یا پھر سر آئی ذمہ داری کے ہٹنے پر اطمینان کا سانس لیا ہوگا۔''

یہاں آنے کے بعد اُس نے کئی بار ایسا ہی سوچا تھا۔

''اُن لوگوں کا گھر کہاں ہے ثانیہ آپا۔'' شہزاد نے اُٹھتے ہوئے، یوں ہی سرسری سے انداز میں پوچھ لیا تھا۔

ثانیہ کو تھوڑی سی حیرت ہوئی، تو وہ ہنسنے لگا۔

''ایسے ہی کبھی کراچی جاؤں گا تو باباصاحب کو ایک نظر دیکھ کر تو ضرور آؤں گا، دیکھوں تو آپ کی بات کتنی صحیح ہے، بتائیں نا!''

''نمبر وغیرہ تو مجھے پتہ نہیں لیکن، علاقہ شاید...'' ثانیہ مسکراتے ہوئے بتانے لگی، تو وہ کچھ چونک سا گیا۔

''یہ وہی جگہ نہیں ہے ثانیہ آپا۔'' جہاں ہم لوگ سب سے پہلے گئے تھے، کراچی پہنچ کر۔''

فوری طور پر ثانیہ کی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

''وہی ایڈریس جو خالو نے دیا تھا، یاد نہیں آپ کو وہ جاتے جاتے رُک گیا تھا۔

''میں اور اماں اُتر کر گئے تھے گیٹ تک، آپ تو ٹیکسی میں ہی بیٹھی رہی تھیں، مگر وہاں جا کر پتہ چلا کہ اب کوئی اور رہتا ہے اُس گھر میں۔''

''ہاں تو چلے گئے ہوں گے نا وہ لوگ، ابا بے چارے کون سا پھر کراچی گئے تھے، میری پیدائش کے بعد اِتنے سالوں میں تو دنیا بدل جاتی ہے، گھر بدل جانا کوئی سی بڑی بات ہے۔

لاپروائی سے کہتے ہوئے اُس نے کاپیوں کے ڈھیر کو سمیٹا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''وہ ایڈریس ابھی بھی لکھا ہوا ہے آپ کے پاس۔''

''اوہ ہنہ!'' ثانیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کرنا بھی کیا تھا اُس کا، اب تو سوچ کر بھی ہنسی آتی ہے کہ ہم لوگ گئے ہی کیوں تھے وہاں، ابا واقعی، بے حد سادہ لوح انسان تھے شہزاد!''

''شاید میرے پاس رکھا ہو، کہیں لکھا ہوا، اُس وقت میں نے کسی ڈائری میں نوٹ تو کیا تھا۔''

وہ اب تک کسی الجھن میں تھا۔

''جب وہاں وہ لوگ تھے ہی نہیں، جن کے بارے میں ابا نے کہا تھا تو اب اُس ایڈریس کا ہمیں کرنا ہی کیا ہے۔'' ثانیہ ٹھیک اُس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ ''اور ویسے بھی اب ہمارا اُس شہر سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔'' آخری جملہ کہتے ہوئے اُسے خود بھی لگا جیسے وہ جھوٹ ہو۔

''اگر ایسا ہے بھی تو یہی سہی!'' تھوڑی سی ڈھٹائی میں ہی اُس نے عافیت ڈھونڈی۔

"پتہ نہیں وہ کون ہوں گے جن کے بارے میں خالو نے اتنے اصرار سے کہا تھا کہ اُن کے پاس چلے جانا۔ خالو کے کوئی دوست یار شتے دار ہمیں تو یہ بھی آئیڈیا نہیں ہے۔"

"وہ ابھی اُسی گمشدہ سرے کو تلاش کر رہا تھا۔

"تم بھی بس..." ثانیہ نے بے اختیار ہی انگلیوں سے ماتھے کو چھوا تھا۔

...☆☆☆...

پچھلی کئی راتوں سے وہ بہت کم سو پائی تھی۔

ساری ساری رات آنکھوں میں کٹتی محسوس ہوتی اور جو ذرا سی نیند آتی بھی تو وہی ایک منظر سامنے رہتا، جو اتنے دن سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

نازی کا مسکراتا ہوا چہرہ اور اُس کے ساتھ کھڑا ہوا مطمئن اور خوش باش دکھائی دیتا عمر۔

محض ایک نظر میں دِیا نے اُن کی زندگی میں پوری طرح جھانک لیا تھا۔

وہ دونوں خوش تھے، بے حد خوش۔ اور اِس بارے میں کوئی دورائے نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ وہ زندگی تھی جو وہ آج بھی گزارنے کی آرزومند تھی۔ مگر آج بھی وہ اُس سے اُتنی ہی دور تھی جتنی اُس وقت جب وہ مسعود سے، پہلی منگنی ٹوٹنے کے بعد سخت دباؤ اور ڈپریشن کے عالم سے گزر رہی تھی۔

معلوم نہیں رات کا کون سا پہر تھا؟

اُس نے سامنے لگی، وال کلاک میں وقت دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی، اور دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل آئی لاؤنج میں اِکا دُکا جلتی اسپاٹ لائٹ کی وجہ سے مدھم سی روشنی تھی اور گہرا ہوتا سناٹا۔

سامنے والا کمرہ اسماء پھوپھو کا تھا۔ دِیا اسی طرح چلتی ہوئی اُن کے کمرے کے آگے سے گزری اور پھر لاؤنج سے سے ملحقہ کوریڈور سے ہوتی ہوئی بیرونی سیڑھیوں کی طرف کھلنے والے دروازے کو کھول کر باہر۔

اندر، باہر، آدھی رات والا سکوت پھیلا ہوا تھا اور ہوا میں خنکی کا بڑھتا ہوا احساس ایک گہری سانس لیتے ہوئے، اُس نے شاید اندر کی گھٹن کو کم کرنا چاہا، مگر لاحاصل!

پیروں کے نیچے ٹھنڈا فرش جل رہا تھا۔

کچھ دیر کے لئے وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ رہی!

"کیسی عجیب بات تھی کہ نازی اور عمر خوش تھے!"

معمولی شکل اور بڑھتی ہوئی عمر کے باوجود بھی نازی ایک بار پھر اُس سے آگے نکلی تھی۔

ایک بار پھر اُسی کا ڈنکا بجا تھا۔

کتنی بھی تلخ سہی، حقیقت تو یہی تھی۔

تعلیم، فرمانبرداری، بے غرضی، ایثار، احسان!

نازی کے کھاتے میں چُن چُن کر سارے انمول الفاظ درج تھے۔

سارا گھرانہ اُس کا احسان مند تھا۔

اُس نے حق سمجھ کر کبھی کچھ نہ مانگا، عمر اُس کے حصہ میں آیا بھی تو محض ایک مجبوری کا سودا بن کر۔

''اور اگر خود اُس نے عمر کو نہ ٹھکرایا ہوتا تو کیسے یہ سب ممکن ہو پاتا، کر رہی ہوتیں آج بھی نازی آپا، اُسی گورنمنٹ سکول کی ٹیچری!''

غرور کی جس انتہا پر پہنچ کر دِیا لوگوں کو دیکھنے کی عادی تھی، وہ عزت اور احترام کے ہر احساس کو مٹاتا تھا، کسی کو بھی خود سے آگے پانا اُس کی برداشت سے باہر تھا۔

حسد اور جلن کی تند لہر اپنا گھیرا تنگ کرتی ہی جا رہی تھی۔ من مانی ہر شے حاصل کر لینے کے بعد وہ آج اکیلی ہی تھی۔ کاش مسعود نے اُسے یہاں اکیلا نہ چھوڑا ہوتا، یا، یا پھر وہ واپس آیا ہی نہ ہوتا!''

دل میں آیا یہ دوسرا خیال بڑا ہی حیرت انگیز تھا، اِتنا کہ وہ خود ساکت سی تھی۔

''شاید وہ مسعود کے انتظار سے تھک گئی ہے۔'' اس نے سادہ سا جواب خود اپنے لئے تراشا۔

مگر حاصل جمع میں اب صرف پچھتاوے منتظر تھے۔ عمر کی وہ بھولی بسری دیوانگی، جس کے بل پر وہ اُن کے گھر تک چل کر آیا تھا، ہر الٹی سیدھی شرط کو بخوشی تسلیم کیا تھا۔

دِیا کو بڑے ہی ناوقت یاد آنی شروع ہوئی تھی اور وہ بھی اِس شدت سے!

''دِیا!''

کتنی دیر گزری تھی جو اُسے پیچھے سے اسماء پھوپھو کی پریشان آواز سنائی دی۔

''کیا کر رہی ہو یہاں اس وقت۔''

اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

''حد ہوتی ہے غیر ذمہ داری کی یہ کوئی وقت ہے بڑا دروازہ کھول کر بیٹھنے کا، گھر میں ہم دو بوڑھے اور ایک تم، خدانہ کرے کوئی اندر گھس آئے تو کیا...!''

اُس کی بے حسی سے چڑ کر ہی انہوں نے اُس کا کندھا ہلایا، تو وہ اُن کا ہاتھ جھٹک کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''رکھا کیا ہے اب یہاں سب کچھ سمیٹ کر تو لے گیا وہ گھٹیا شخص یہاں سے اب کوئی کیا لے جا سکتا ہے۔

یہ در و دیوار پردے صوفے میز، گھر کا سامان بس۔

زور سے بولتے ہوئے وہ ہانپ سی گئی مگر خاموش نہیں ہوئی، ''اُس بڑے چور کو تو آپ روک نہیں سکیں، اب حفاظت کا خیال آیا ہے۔''

''شوہر ہے وہ تمہارا۔''

وہ اُس کی تردید نہیں کر سکتیں تھیں لیکن یاد دہانی کروائے بغیر نہیں رہ سکیں۔

''دِیا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''شوہر، اب بھی آپ کو لگتا ہے کہ مسعود میرا شوہر ہے، وہ چور لٹیرا، کمینہ انسان...!''

''دِیا۔''

اُس کی بدزبانی کو برداشت کرنا آسان نہیں تھا لیکن وہ اب اِسی طرح سب کی آزمائش بنتی جا رہی تھی اور خود اپنی بھی۔

''کیوں تماشا بناتی ہو بلوالے گا وہ تمہیں بہت جلد۔''

اسماء پھوپھو دروازہ بند کرکے دِیا کے پیچھے لاؤنج میں آئیں۔ ''اِن کاموں میں دیر ہو ہی جاتی ہے سب کو پتہ ہے۔''

''لیکن سب کو یہ نہیں پتہ کہ مسعود یہاں سے ایک ایک پیسہ سمیٹ کر لے گیا ہے وہ بھی جو پھوپھا کے اکاؤنٹ میں تھا اور وہ بھی جو مجھے ملا تھا، یہاں تک کہ میرا ایک ایک زیور تک بیچ کر گیا ہے وہ یہ کیوں نہیں بتاتیں آپ سب کو جب لوگ پوچھتے ہیں اُس کے بارے میں!''

''اُسے ضرورت تھی پیسوں کی پریشان تھا، واپس کردے گا کچھ دنوں میں۔''

وہ ماں تھیں اور اِسی لئے انہیں مسعود کی طرف سے مکمل مایوس ہونے میں ابھی کچھ اور وقت لگنا تھا۔

لیکن اُسے اپنی بربادی کی اطلاع مل چکی تھی۔

''کبھی بھی نہیں بلوائے گا وہ مجھے، ایک بار پھر میں اُس کے ہاتھوں بے وقوف بنی ہوں، وہ تو پھر کامیاب رہا۔ اِس بار تو بہت لمبا ہاتھ مارا ہے اُس نے میں تو کیا آپ بھی اُس کی شکل کو ترسیں گی اب!''

''کیوں اتنی منحوس باتیں منہ سے نکل رہی ہے دِیا۔'' اُس کی عجیب سی مسکراہٹ، اسماء پھوپھو کو خوفزدہ کررہی تھی۔

''وہاں اُس کی بیوی آج بھی موجود ہے، جھوٹ بولا ہے اُس نے کہ وہ اُسے طلاق دے چکا ہے۔''

اب وہ اُن کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

...☆☆☆...

خلع کا فیصلہ آئے ابھی کتنے ہی دِن گزرے تھے۔ پر جو ایک بڑا ہنگامہ متوقع تھا، ویسا کچھ بھی نہیں ہوا۔

''بہت بار ہم کچھ ہو جانے کے خوف میں شدت سے مبتلا ہوتے ہیں، لیکن ویسا ہوتا نہیں ہے، یہ کتنی عجیب بات ہے نا۔''

لاؤنج میں وہ دونوں اکیلے ہی تھے، جب فرحت نے سجاد سے کہا تھا۔

''ٹھیک کہتی ہیں۔' انہوں نے غور سے فرحت آپا کے چہرے کو دیکھا، جہاں اب بڑی واضح تبدیلی محسوس ہونے لگی تھی۔

بے یقینی کے اُس اذیت بھرے دور کا خاتمہ، خوشگوار سی کیفیت کو جگانے لگا تھا۔

''اور سوچیں تو ہم اپنی کتنی مثبت انرجی، ان انجانے واہموں کی نذر کرتے ہیں، ہم اپنے جیسے لوگوں سے ڈرتے ہیں اور وہ لوگ جو اِس قابل بھی نہیں ہوتے کہ اُنہیں ایک پل کے لئے بھی برداشت کیا جائے ہم اُنہیں سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں دل سے نہیں بلکہ مجبوری اور خوف سے۔'' ملائمت سے کہتے ہوئے سجاد ذرا رُکے۔

فرحت ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ایک قول ہے کہ ''دنیا رہنے کے قابل جگہ نہیں رہی، لیکن بُرے لوگوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اچھے لوگوں کی خاموشی کی وجہ سے۔''

فرحت آپا نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو ظلم اور زیادتی کے خلاف آواز بھی نہ اُٹھانا تو گناہ ہی کے زمرے میں آتا ہے، اور وہ بھی محض فرسودہ اصول قاعدوں کی وجہ سے آخر دوسرے لوگ کون ہوتے ہیں جو وہ ہماری قسمتوں کا فیصلہ کریں۔

وہ جو بہت دھیان سے اُن کی باتیں سُن رہی تھیں اِس آخری جملے پر انہوں نے بے ساختہ ہی پہلو بدلا۔

''اپنی طرف کیوں نہیں دیکھتے ہو پھر ایک جنگ میرے لئے لڑی ہے تو خود اپنے لئے آواز اُٹھاتے ہوئے کیوں ڈرتے ہو؟''

''فیضی کے چلے جانے کے بعد یہ ممکن تھا فرحت آپا؟'' ایک پھیکی سی مسکراہٹ سجاد کے لبوں پر اُبھری اور دوسرے ہی پل غائب بھی ہوئی۔ ''یاد ہے آپ کو بابا کتنی بُری طرح بیمار ہوئے تھے اُس کے جانے کے بعد کتنے ہی دن تو آئی سی یو میں رہے تھے اور اُس کے بعد بھی آج تک کہاں سنبھل پائے ہیں۔''

کوئی غرض، کوئی احسان نہیں۔

حد تو یہ کہ اُن کے لہجے میں کوئی سی کیفیت بھی نہیں تھی۔ پھر بھی لگتا تھا جیسے وہ سب ہی سجاد کے بے حد مقروض ہو چکے ہیں۔

''فیضی کے بعد، وہ میری نافرمانی تو بالکل بھی برداشت نہیں کر پاتے، میں اُنہیں اپنی ذات سے تکلیف نہیں دے سکتا۔''

''اور اگر وہ نہ جاتا تو پھر کر لیتے تم ثانیہ سے شادی۔''

''میں اب بھی کر لیتا اگر وہ خود نہ جاتی یہاں سے۔''

''پھر اُسے ڈھونڈتے کیوں نہیں ہو۔''

اُمید کی اِس ایک کرن کو اب تک مٹھی میں دبائے ہوئے تھیں۔ ''ڈھونڈ ہی تو رہا ہوں فرحت آپا! لیکن ملے تو سہی۔''

وہ اُٹھے تو فرحت بھی ساتھ ہی کھڑی ہوئیں۔

''اخبار میں اشتہار دو اور ٹی وی پر بھی تصویر تو ہو گی نا کوئی...!''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''ایسا کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا ہے منع کیا تھا اُس نے اور میں اتنا تو کر سکتا ہوں کہ اُس کے لئے اور پرابلم نہ بڑھاؤں۔''

''پھر کیسے ڈھونڈو گے کوئی جادوئی چراغ ہے تمہارے پاس' گھس دیا اور کام بن گیا۔''

وہ ایک دم ہی بُری طرح چڑ گئیں، ایسا لگا جیسے سنجیدگی سے وہ کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے ہیں۔

''وہ ایک چھوٹی سی لڑکی اپنی بے سہارا اماں کو لے کر اچانک چلی گئی یہاں سے لیکن کسی کو بھی پرواتک نہیں، سب نے جیسے شکر کا کلمہ پڑھ لیا، سمجھ میں نہیں آتا تمہاری بے حسی کا رنج کروں یا پھر بابا کی خود غرضی کا۔''

سٹڈی سے نکل کر لائونج میں آتے ہوئے وہ فرحت کی آواز پر کوریڈور میں ہی ٹھٹک کر رُک گئے تھے۔

''نہ ہونے دیتے وہ ثانیہ کے ساتھ تمہاری شادی لیکن اُن لوگوں کے لئے کوئی مستقل انتظام ہی کر دیتے کوئی تحفظ کوئی اطمینان تو اُسے حاصل ہوتا مگر انہیں تو تمہاری زندگی کا اکیلا پن نہیں دکھائی دیا آج تک ثانیہ پر کیا رحم کھاتے۔''

مستقل بولتے ہوئے اُن کا سانس پھولنے لگا تھا۔

''فرحت آپا پلیز!'' سجاد نے اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی کے لئے کچھ کہنا چاہا مگر انہوں نے رکھائی سے سجاد کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''رہنے دو میں بھی کیا رونا لے بیٹھی ہوں، یہاں تو اطمینان سے بیٹھ کر مکمل تباہی کا انتظار کیا جاتا ہے۔ وقار بھائی میں، فیضی، تم سب ہی باری باری اپنے انجام کو پہنچ رہے ہیں، پھر ثانیہ غریب کا تو ذکر ہی کیا اُس سے کون سا ہمارا کوئی قریبی رشتہ ہے۔''

اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ مڑ کر تیز قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

بابا اب بھی کوریڈور میں تنہا کھڑے تھے۔

چند لمحوں بعد انہوں نے باہر کی طرف کھلتے ہوئے بھاری دروازے کی چرچراہٹ سنی اور پھر سجاد کی گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز۔ وہ کیا ضروری بات کرنے آئے تھے قطعی بھولے تھے۔

کتنی عجیب بات تھی کہ ہر خوش فہمی آہستہ آہستہ دور ہو رہی تھی۔

برادری، رشتے، اولاد سب کو ساتھ لے کر چلنے کی ہر جستجو کا حاصل محض درد کو بڑھاتا ہوا احساس!

☆☆☆...

چھٹی کا دن تھا۔

فرح آئی بیٹھی تھی اور موضوع گفتگو وہی جواب نازی کے لئے بھی بے حد مانوس ہو چکا تھا۔

"آفس ریکارڈ میں ثانیہ کا پرانا ایڈریس تو ہونا چاہئے عمر آپ اچھی طرح چیک کیوں نہیں کرتے۔"

"ثانیہ کا آئی ٹی کارڈ، یہیں آ کر بنا تھا، اُس میں جمیل ماموں کے گھر کا ہی ایڈریس لکھا جاتا ہے تمہیں تو پتہ ہونا چاہئے اتنے سال پڑھا چکی ہو سکول میں۔"

فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

اور وہ نازی کے بار بار ٹوکنے سے، تھوڑا سا چڑ رہا تھا۔ فرح کے زور دینے پر وہ شہر کے کتنے ہی ہاسپٹل اور ادارے چیک کر چکا تھا اور کتنے ہی باقی تھے۔

مگر کچھ اتہ پتہ نہیں۔

نازی اُٹھ کر فون سننے چلی گئی تھی، اس بار عمر دانستہ نہیں اٹھا تھا۔

"جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے میری پریشانی بڑھ رہی ہے فرح خدا کرے کہ وہ لوگ خیریت سے نواب شاہ پہنچ گئے ہوں، یہاں کسی حادثے کا شکار نہ ہوئے ہوں۔"

وہ حقیقتاً بہت فکر مند تھا اور فکر ہمیشہ وسوسوں اور واہموں سے ہی جڑی ہوتی ہے۔

فرح نے خاموشی سے اپنی آنکھیں خشک کیں۔

"مجھے تو اس بات پر سخت حیرت ہے کہ ثانیہ نے تمہیں بھی کچھ نہیں بتایا کہ وہ کہاں جا رہی ہے تم سے زیادہ تو کوئی بھی اُس کے قریب نہیں تھا پھر بھی وہ..."

"مجھے حیرت نہیں ہے عمر، اُس نے جو کچھ کیا، اُس وقت وہی بہتر ہو گا کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو اُس نے مجھ سے بھی کہنی ضروری نہیں سمجھی۔"

"مثلاً۔"

"کچھ بھی۔"

"تمہارے خیال میں سجاد بھائی کوئی ایسی بات کہہ سکتے ہیں جو اُسے یہاں سے لے گئی۔"

"ضروری نہیں ہے کہ سجاد بھائی نے ہی کچھ ایسا کہا ہو کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔"

"پھر تو اُسے اس طرح نہیں جانا چاہئے تھا کم از کم وہ ان کے آنے کا انتظار تو کر لیتی۔"

''کیوں کرتی وہ اُن کا انتظار کب تک وہ ان کی طرف امداد طلب نگاہوں سے دیکھتی رہتی عمر، انسان کی سیلف ریسپیکٹ بھی کوئی چیز ہوتی ہے، جو احسانات کا بدلہ ایک حد تک ہی اُٹھا سکتی ہے اور سجاد بھائی اُس پر آج تک بس احسانات ہی تو کرتے آرہے ہیں۔''

فرح آج بھی ثانیہ کی مدافعت کے لئے اُس کے آگے کھڑی تھی۔

عمر خاموش رہا۔

اندر سے نازی باہر آرہی تھی۔

''معلوم نہیں کس کا فون ہے، صبح سے کتنی بار آچکا ہے اٹھاتی ہوں تو کوئی بولتا ہی نہیں ہے۔''

فرح اُس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

نازی ٹھیک ہی کہہ رہی تھی، جب سے خود وہ اُن کے گھر آئی تھی فون کی گھنٹی کتنی ہی بار بج چکی تھی۔

''کوئی ایسی بات نہیں، مل جاتے ہیں غلط نمبر اکثر!''

عمر لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔

''ہاں مگر اتنی بار...'' نازی تھوڑی سی الجھی ہوئی تھی۔

''ہو جاتا ہے نا، ایسی کون سی بڑی بات ہے۔'' عمر نے بے زاری سے بات کاٹی تو وہ بنا کچھ کہے کچن میں چلی گئی۔

''تم آج کچھ زیادہ چڑچڑے نہیں ہو رہے ہو عمر۔''

فرح نے غور سے اُس کی طرف دیکھا تو وہ بے ساختہ ہی نگاہ چُرا گیا۔

''ایسے ہی بس کبھی کبھی یہ بے کار کی بحث اچھی نہیں لگی۔''

''نازی نے کوئی بحث تو نہیں کی تم سے۔'' ''محض ایک بات ہی تو کہی تھی۔'' فرح کو اُس کا رویہ تھوڑا سا کھٹکا تھا۔

''تو میں نے کہا کہا سیدھا سادا جواب ہی تو دیا تھا۔''

''بہر حال۔'' میں تو صرف اِتنا ہی کہوں گی کہ نازی بہت بہت اچھی ہے، ایسے محبت کرنے والے دل بہت کم ہوتے ہیں، اُس کی قدر میں کمی مت کرنا تم۔''

اپنا چائے کا کپ وہ ختم کر چکی تھی اور اب اُٹھنا ہی چاہ رہی تھی کہ عمر نے ہاتھ کے اِشارے سے اسے روکا۔

''میں ذرا کپڑے چینج کر لوں، پھر ایک چکر جمیل ماموں کے گھر لگا آتے ہیں کیا خبر، ثانیہ کی ممانی آہی گئی ہوں واپس!''

ٹھیک ہے میں تھوڑی دیر نانی کے پاس بیٹھی ہوں۔''

وہ اُٹھ کر اُن کے کمرے کی طرف جانے لگی تھی، تب ہی فون ایک بار پھر بجا تھا۔

اِس بار عمر جس تیزی سے اُٹھ کر اندر گیا تھا فرح نے وہ انداز بخوبی نوٹ کیا تھا۔

پتہ نہیں کیوں، لیکن اُسے برا لگا۔

نانی سویرے اُٹھتی تھیں، سو اِس وقت تھوڑا سا سو جاتی تھیں۔ فرح نے کمرے کے دروازے میں ہی سے انہیں سوتے دیکھ لیا تھا۔

وہ بڑے اطمینان سے سوئی ہوئی تھیں۔

عمر کی شادی کے بعد اُن کی صحت بہت بہتر رہنے لگی تھی، نازی بڑی محبت سے اُن کی خدمت کر رہی تھی اور اگر وہ کچھ اور نہیں بھی کرتی تب بھی فرح کے دل میں یہی ایک بات، اُس کا مقام بنانے کے لئے کافی تھی۔

اُن کے پاس جانے کا ارادہ ترک کر کے، وہ کچن میں نازی کے پاس چلی آئی۔

عمر اب بھی ہلکے ہلکے کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔

''واپس یہیں آنا، میں بریانی بنا رہی ہوں تم اور آنٹی دونوں کھانا یہیں کھانا۔''

اُن لوگوں کے جانے کا پروگرام سن کر وہ خوش دلی سے کہہ رہی تھی۔

ابھی ناشتے کی میز سمیٹی گئی تھی اور اب پھر...!''

فرح ہنسنے لگی۔

''تمہارے آنے کے بعد ہم لوگ تو مزید آرام طلب اور مزید بدنیت ہوتے جا رہے ہیں۔ سب کو بگاڑ رہی ہو تم۔''

نازی ہلکے سے مسکرا دی۔

فرح یوں ہی اُس کی مدد کے خیال سے دھلے ہوئے برتن خشک کر کے ریک میں لگانے لگی۔

عمر ابھی بھی شاید بات کر رہا تھا فون پر۔

''اُدھر تمہاری امی کی طرف سب خیریت ہے نا۔'' فرح نے ایک اور موضوع کی جیسے تمہیں باندھی۔

''ہاں شکر ہے اللہ کا۔''

''اور وہ چھوٹی والی نینی!''

''وہ بھی ٹھیک ہے اُس کی بیٹی بہت پیاری ہوتی جا رہی ہے کبھی آئے گی تو تمہیں ضرور دِکھاؤں گی۔'' نازی کے لبوں پر ابھی بھی مطمئن سی مسکراہٹ تھی۔

فرح نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

جو بات وہ پوچھنا چاہ رہی تھی، وہ ابھی بھی باقی تھی۔

''اور وہ کیسی ہے دِیا؟''

نازی نے بہت حیرت سے فرح کی طرف دیکھا۔

یہاں دِیا کا کبھی ذکر نہیں آتا تھا۔

وہ حالات جن میں عمر، کے ساتھ اُس کی منگنی ٹوٹی تھی اور پھر ایک نئے رشتے کی بنیاد پڑی، وہ ابھی بھی زیادہ پرانا قصہ نہیں ہے۔

سوا ایک غیر علانیہ سی پابندی، اِس نام کو لینے پر عائد تھی اور وہ سب ہی اُس کی پاسداری کرتے تھے۔

مگر آج فرح دِیا کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

''ٹھیک ہو گی وہ بھی، اصل میں ملنا جلنا تو ہے نہیں کسی کا بھی اُس سے لیکن خاندان والوں سے خبر ملتی رہتی ہے۔'' ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے نازی نے جو حقیقت تھی وہی کہی۔

''گئی نہیں ہے کیا ابھی تک وہ۔''

"اوہ ہنہ۔"

"نازی نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"مسعود کو گئے تو کافی دن ہو گئے ہیں لیکن دِیا ابھی بھی یہیں ہے اپنی سسرال میں۔" پیاز کاٹتے ہوئے نازی دھیرے دھیرے بتانے لگی، فرح جیسی مخلص ہستی کے آگے، یہ بے حد ذاتی گفتگو بھی آسانی سے کی جا سکتی تھی۔ یہ تو اچھا نہیں ہوا نازی!" فرح کو افسوس بھی ہوا تھا اور تھوڑی سی پریشانی بھی۔

اُس کے لئے یہ اطلاع بالکل نئی تھی۔

"کیا کیا جا سکتا ہے فرح۔" نازی کی آواز دھیمی تھی۔

"گھر میں سب ہی اُس کی طرف سے بہت پریشان ہیں لیکن جو کچھ اُس نے کیا ہے وہ تو تمہیں پتہ ہی ہے۔" کہتے کہتے وہ ذرا رکی۔

فرح کو ہلکی سی شرمندگی گھیرنے لگی۔

محض ایک بے بنیاد سے واہمے میں گھر کر اتفاقاً ہی وہ یہ موضوع چھیڑ بیٹھی تھی۔

"فکر مت کرو ہو جائے گا ٹھیک سب کچھ!" نازی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بہت نرمی سے بولی۔

"خدا کرے لیکن پتہ نہیں کیوں آثار اچھے دکھائی نہیں دے رہے اور میری اپنی پوزیشن تو ایسی ہو چکی ہے کہ میں تو اُس کے لئے چاہنے کے باوجود بھی کچھ نہیں کر سکتی عمر کے سامنے تو اُن کا نام بھی لیتے ہوئے کنفیوز رہتی ہوں حالانکہ وہ مجھے کئی بار کہہ چکے ہیں کہ اب گئی گزری باتوں سے اُن کا کوئی تعلق نہیں پھر بھی..."

اُس کے اندر کی گھٹن بڑھ رہی تھی۔

فرح کو چند منٹوں میں ہی اندازہ ہونے لگا تھا کہ وہ دِیا سے کتنی زیادہ محبت کرتی ہے اور اُس کے لئے کتنی زیادہ پریشان ہے۔

"اچھا کر رہی ہو جو تم اِس معاملے سے الگ رہ رہی ہو اور عمر سے تو کوئی بھی بات اس بارے میں کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بے کار میں ہی کوئی اور ایشو کھڑا ہو، وہ تو بہر حال چلی ہی جائے گی۔"

فرح کے انداز میں بڑی دوستانہ تنبیہ تھی۔

نازی کو بے ساختہ ہی ملائشیا میں بیٹھی رعنا یاد آئی۔ وہ بھی اسی طرح کی ٹون میں بات کرتی تھی۔

سامنے سے عمر آ رہا تھا۔

"چلو فرح!"

"جائو، دیر ہو رہی ہے تمہیں۔" نازی کے چہرے پر پھر سے ہلکی سی مسکراہٹ آ چکی تھی۔

آج فرح پہلے سے زیادہ اُسے اپنے قریب محسوس ہوئی تھی۔ سیڑھیاں اتر کر نیچے آنے تک اور پھر عمر کو گاڑی کمپائونڈ سے باہر مین روڈ تک لاتے ہوئے، اس نے جان بوجھ کر کوئی بات نہیں کی تھی۔ سیڑھیاں اتر کر نیچے آنے تک اور پھر عمر کو گاڑی کمپائونڈ سے باہر مین روڈ تک لاتے ہوئے، اُس نے جان بوجھ کر کوئی بات نہیں کی تھی۔

عمر نے دو ایک بار کچھ کہنا بھی چاہا، تو جواباً اُس کی "ہوں ہاں، سُن کر خاموش رہا۔

وہ یوں ہی خود میں گم ہاتھ آئے جگہ ساپزل لئے خالی خانے میں صحیح بلاک فٹ کرنے کی کوشش کئے گئی۔

''تھی تو ناممکن سی بات، مگر یہاں سب کچھ ممکن ہے۔'' تمام غور وخوض کے بعد بھی وہ واپس اُسی ایک خیال پر آکر رُکی
،جو سب سے پہلے ایک واہمے کی صورت دل میں اُترا تھا۔

سو اتنا وقت یوں ہی برباد ہی کیا۔

''کیا کوئی وظیفہ شروع کرر کھا ہے جمیل ماموں کے گھر تک۔''

''اُس کی مستقل خاموشی سے اُلجھ کر عمر کو کچھ ایسا ہی شبہ ہوا تھا۔

''کچھ سوچ رہی تھی۔'' بہت سنجیدگی سے فرح نے عمر کی طرف دیکھا۔

''کیا؟''

''پہلے میری ایک بات کا جواب وہ بالکل ٹھیک!''

''پوچھو تو سہی۔'' وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔

''تم نازی کے ساتھ خوش تو ہو نا۔''

عمر کے لئے اُس کا سوال بڑا غیر متوقع تھا۔

''اس وقت میری فکر کیوں ہوئی تمہیں، ہم ثانیہ کی تلاش میں جا رہے ہیں۔''

''مجھے یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے، میں جو پوچھ رہی ہوں اُس کا جواب دو۔''

اس بار وہ سامنے چلتے ہوئے ٹریفک سے نگاہ ہٹا کر لمحے بھر کے لئے فرح کو دیکھنے پر مجبور ہوا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟''

''مجھے لگتا ہے کہ تم اب بھی کہیں نہ کہیں کچھ چھپا رہے ہو۔''

''خدا کی پناہ!'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

''کوئی مؤکل تو نہیں قبضے میں تمہارے جو اتنی صحیح خبریں پہنچانے لگے ہیں تمہیں۔'' ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ
گمان سے یقین تک پہنچی۔

''دِیا کا فون کب سے آنے لگا ہے تمہارے ہاں!''

لمحے بھر کے لئے تو اسٹیئرنگ بھی، عمر کے ہاتھ تلے کانپا تھا۔''کیا مصیبت ہے ایکسیڈنٹ کرواؤ گی کیا۔''

فرح نے جیسے اُس کی بات سنی ہی نہیں۔

''اور تم نے اس کے بارے میں نازی کو بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا، آرام سے چھپ چھپ کر ملاقاتیں کر رہے ہو۔

''میں نے کوئی ملاقات نہیں کی ہے اُس سے۔'' وہ بڑی تیزی سے فرح کی بات کاٹ گیا۔''اور یہ فون وہ خود کر رہی ہے
ابھی دو چار دن سے میں نے تو منع بھی کیا سختی سے، لیکن وہ پھر بھی نہیں مان رہی ہے اب میرا کیا قصور اُس میں۔''

جب وہ اپنی صفائی دے رہا تھا فرح نے ایک پل کے لئے بھی اُس کے چہرے سے اپنی نگاہ نہیں ہٹائی۔

''تم نے نازی کو اس بارے میں کیوں نہیں بتایا؟''

''صرف اس لئے کہ اُسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔دِیا کا سن کر وہ اپ سیٹ ہو جاتی ظاہر ہے۔''

شاید وہ ٹھیک کہہ رہا ہو لیکن اُسے بہت جلد لوگوں پر اعتبار کر لینے کی عادت نہیں تھی سو جرح جاری رہی۔

"اس وقت وہی کر رہی تھی نا بار بار فون۔"

عمر سے اِس بار اُس کے درست اندازے پر حیران بھی نہیں ہوا گیا۔ سو محض سر اثبات میں ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔

"اتنی دیر تم اُس سے باتیں کرتے رہے، اگر اتنے بے زار تھے تو فون بند کیوں نہیں کر دیا فوراً گیا ضرورت تھی لمبی بات کرنے کی۔" وہ آہستہ آہستہ غصے میں آتی جا رہی تھی۔ "اصل میں تم خود اُس کی حوصلہ افزائی کر رہے ہو مان لو یہ بات۔"

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے اور اسی لئے میں نے تمہیں بھی کچھ نہیں بتایا تھا پتہ وتہ کچھ ہوتا نہیں اور سیدھے نتیجے پر چھلانگ تم بھی کون سی کم ہو فرح۔"

عمر کی جھنجلاہٹ بڑی فطری تھی فرح کے ساتھ بحث مباحثہ نئی چیز نہیں تھی۔

چھوٹے بڑے کتنے ہی مسائل بچپن سے اب تک اِسی تکرار کے ساتھ اپنے حل تک پہنچے تھے اور جب وہ دِیا کے ساتھ منگنی کروانے پر تلا تھا تب سب سے بڑی مخالفت فرح کی طرف سے ہی آئی تھی۔

وہ اسے شروع ہی سے ناپسند کرتی چلی آئی تھی، سو اب اُس کے لئے کسی نرم گوشے کا سوال ہی نہیں تھا۔

عمر کو یقین تھا۔ پھر بھی فرح کو مطمئن کرنے کے لئے اسے وہ سب کہنا پڑا۔

"وہ بہت پریشان ہے اُس کا شوہر چھوڑ کر جا چکا ہے۔

اُس کے، گھر والے پہلے ہی نہیں ملتے اُس سے وہ بے چاری خود کو بہت اکیلا سمجھنے لگی ہے۔"

"تو تم اُس کی تنہائی کا مداوا کر رہے ہو آجکل اپنی بیوی سے چھپ چھپ کر!" اگر وہ ٹھیک بھی کہہ رہا تھا تب بھی ہمدردی کیسی!

عمر نے بے چارگی سے اُس کی طرف دیکھا۔

"تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔"

"میرے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ تم جو کر رہے ہو خود فیصلہ کر لو، صحیح اور غلط کا!"

"مجھے خود نہیں پتہ کہ وہ اب مجھے کیوں فون کر رہی ہے لیکن وہ چاہتی ہے کہ میں اُس سے ملوں، کہتی ہے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہے مجھ سے' بڑی مشکل سے ٹالا ہے میں نے' اُسے اب تم ہی بتاؤ کیا کر سکتا ہوں میں اگر کوئی خود فون کرتا ہو۔"

وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا، یہ فرح کو پتہ تھا۔

پھر بھی کچھ تو غلط ہونے ہی جا رہا تھا۔

"تم نہیں ملنا اُس سے نازی کو پتہ چلا تو اُسے بہت بڑا لگے گا۔ دِیا کو ایسا کرنا بھی نہیں چاہئے تھا اب یہ مسئلہ اُس کے گھر والوں کو حل کرنا چاہئے، تمہارا کیا تعلق ہے۔" غصہ بھلا کر اب وہ اُسے سمجھانا چاہ رہی تھی۔

عمر چپ چاپ ڈرائیو کئے گیا۔

غنیمت تھا کہ اُس نے بات کو کسی طور سمجھا تو سہی مزید تفصیل بتا کر، وہ پھر سے اس موضوع کو چھیڑنے کی غلطی نہیں کرنے والا تھا۔

جمیل ماموں کا گھر قریب آچکا تھا بس اگلی سڑک پر مڑنا تھا اور پھر وہ داہنے ہاتھ والے گلی۔ تب ہی ان دونوں کی سجاد کی گاڑی اُس کٹ میں سے باہر آتی دکھائی دی۔ وہ دونوں ہی انہیں دیکھ کر چونکے

تھے۔

''یہ یہاں کیا کرنے آئے تھے؟'' دوسری طرف مڑتی سجاد کی گاڑی کو دیکھتے ہوئے فرح کے ماتھے پر خفگی کی شکن اُبھری۔

''شرم کو۔'' کسی کی پریشانی کا بھی خیال نہیں تمہیں؟'' عمر کو اُس کا انداز پہلے سے بھی زیادہ برا لگا تھا۔

''نہیں کیا پریشانی ہو سکتی ہے، سب کچھ معمول کے مطابق ہے اُن کے لئے آفس آتے ہیں سارے کام نمٹاتے ہیں گاڑی لئے گھوم رہے ہیں شہر بھر میں اور...!''

''وہ ایسے نہیں ہیں، میں جانتا ہوں وہ کتنے پریشان ہیں ثانیہ کے اِس طرح چلے جانے سے۔'' آج اُس کے لئے۔

''یوم صفائی تھا۔'' پہلے اپنے لئے اور اب سجاد کے لئے۔

''میں انہیں کبھی معاف نہیں کر سکتی، ثانیہ ان کے گھر سے گئی ہے کچھ تو وہاں ایسا ہوا جو...!'' اُس کی آواز میں نمی آرہی تھی تب ہی عمر نے گاڑی روکی تھی۔

جمیل ماموں کے گھر پر آج بھی تالا لگا ہوا تھا۔

...☆☆☆...

سہ پہر کا سوتا جاگتا پر سکون سا وقت تھا، جب وہ سٹڈی سے نکل کر کوریڈور اور پھر گھر کے داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر آکھڑے ہوئے، دور سامنے گیٹ پر کھڑے ملازمین میں سے ایک دوڑ کر اُن تک آیا بھی، لیکن اُن کے منع کر دینے پر واپس لوٹ گیا۔

وہ چند لمحے یوں ہی ساکت اپنی جگہ کھڑے رہے دن نیم گرم تھا۔

دھوپ میں ابھی بھرپور گرمیوں والی تیزی نہیں آئی تھی اسی لئے سامنے پھیلا ہوا سبزہ ابھی بھی گہرا ہرا ہو رہا تھا اور جا بجا کھلے موسم بہار کے سارے پھول ابھی بھی خوش رنگ تھے۔

بابا کی نگاہ اِس دل فریب منظر سے دور پرے کونے میں بنی انیکسی پر جمی تھی۔

دِن میں کتنی ہی بار وہ اس طرف دیکھتے اور اور دل پر گہرے بوجھ کو اور بھی بڑھتا ہوا پاتے۔

''جو کچھ بھی ہوا، کاش نہ ہوا ہوتا۔''

اولادِ آدم کی قسمت سے جڑا، وہی ازلی پچھتاوا!

لمحہ لمحہ کر کے ترتیب سے گزرتی زندگی کے آغاز سے لے کر اب تک بڑے ہی کنفیوژن پھیلے ہوئے تھے اور ساری تگ و دو، ساری قربانیوں کے باوجود آخری میں ہاتھ آئی بے بسی، ناکامی۔

کاش وہ اتنی بڑی انڈسٹری کے مالک ہونے کے بجائے صبح آٹھ سے چار بجے تک کام کرنے والے کوئی عام سے شخص ہوتے، کسی برادری کسی مصلحت کے پابند ہونے کے بجائے، ایک مڈل کلاس زندگی گزارتے اور آج اپنی اولاد کی آنکھوں میں سرخرو ٹھہرتے۔

ان کے تمام حقوق و فرائض سے بری الذمہ ہو کر۔

اب تو پتہ نہیں کس کس کی جواب دہی اُن کے حصے میں آتی ہی جا رہی تھی۔

''وہ جن سے خون کا رشتہ تھا اور وہ جس سے کوئی رشتہ بھی نہیں...'' وہ بے چین سے ہو کر سیڑھیاں اُترے۔

کتنی عجیب سی بات تھی کہ فہرست میں لکھا سب سے آخری نام، سب سے زیادہ انصاف طلب تھا!

سر کو ہلکے سے جھٹک کر وہ آگے بڑھے۔

''مجھ پر بھلا کیا فرض بنتا تھا کرنی تھی سجاد کو شادی تو کر لیتا میں کون سا روک سکتا تھا کسی کو فیضی بھی تو آخر چلا ہی گیا یہاں سے۔''

پر خود کو مطمئن کرنے کے لئے کوئی ایک جواز کوئی ایک دلیل بھی ناکافی تھی۔

''اور یہ سارا کیا دھرا فرحت کا ہی ہے شروع سے ہی نرم دل ار واب تو خود اتناد کھ، اتنے قریب سے دیکھ چکی ہے کہ فوراً جذباتی ہونے لگتی ہے۔'' زیر لب خود سے باتیں کرنے کی عادت بھی انہیں پچھلے چند سالوں میں کچھ کچھ پڑ چکی تھی، سو یوں ہی اپنے آپ میں گم سود وزیاں حساب کا کھاتہ کھولے وہ غیر ارادی طور پر اسی طرف بڑھتے چلے آئے، جس طرف دور سے بھی دیکھ کر دل گھبرانے لگتا تھا۔

دس قدم، چھ قدم اور بس دو چار اور! یکبار گی تو اُن کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

وہ ٹھیک انیکسی کی سیڑھیوں پر کھڑے تھے اور صاف چمکتی ہوئی سیڑھیوں کے اوپر چھوٹے سے برآمدے کے پیچھے بنے ہوئے وہ چھوٹے سے رہائشی کمرے جیسے اپنی طرف آنے کی دعوت دے رہے تھے۔

پتہ نہیں کب سے وہ یہاں اندر نہیں گئے تھے۔

ثانیہ کے آنے کے بعد ایک دو بار یہاں اُس کی خیریت پوچھنے کے لئے آئے، تب بھی اُس کے اصرار کے باوجود اندر نہیں گئے تھے، یہیں کھڑے کھڑے دو چار باتیں کر لی تھیں اور واپس پلٹ آئے تھے۔

اور آج جب یہاں کوئی بھی نہیں تھا کس انجانی کشش نے انہیں اوپر آنے پر مجبور کیا۔

کمرے کا دروازہ لاک نہیں تھا ان کے ہلکے سے پش کرنے سے ہی کھلتا چلا گیا۔

کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے اور کمرے میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔

بابا نے دروازے کے پاس لگے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی۔

سادہ صاف ستھرا کمرہ۔ ''ابھی کچھ عرصے پہلے تک جب یہاں وہ لوگ رہ رہی تھیں، تب کیسی رونق جگاتا ہو گا۔'' پہلا خیال یہی آیا تھا۔

آہستہ آہستہ چلتے ہوئے، وہ بیڈ پر آ بیٹھے۔

''کہاں گئی ہو گی وہ بچی یہاں سے نکل کر، اس طرح بناء کسی سہارے کے۔''

تاسف تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

فرحت نے کچھ غلط تو نہیں کہا تھا اُن کے بارے میں پوری سچائی کے ساتھ، انہیں حق بجانب قرار دے کر بھی، وہ سب الفاظ یاد کر کے پیشانی بھیگنے لگی تھی۔

مصلحت، تحفظات، اصول، کچھ بھی، کیا کسی انسانی زندگی کی پامالی کے آگے ذرا سی بھی حقیقت رکھتے تھے۔

احساس جرم میں گھرے کتنے ہی لمحے خاموشی سے گزرتے رہتے۔

تب ہی اُن کی نگاہ، بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کے اُوپر والی دراز پر جمی۔

بند دروازے کو کونے سے ایک کاغذ پر جھانک رہا تھا۔

جانے والے پتہ نہیں کتنی عجلت میں تھے، جو وہ یہ دراز ٹھیک سے بند بھی نہیں کر سکے تھے۔

انہوں نے یہی سوچتے ہوئے دراز کو اپنی طرف کھینچا تا کہ اسے ٹھیک سے بند کر سکیں، تو کھلی ہوئی دراز میں استعمال کی دو چار معمولی سی نوعیت کی اشیاء اور وہ ادھ کھلا سا لفافہ ہی دکھائی دیا، جس کا رنگ پیلا پڑ رہا تھا۔

غیر ارادی طور پر وہ لفافہ اُن کے ہاتھ میں کھلا، اور وہ تین تصویریں پھسل کر اُن کے قدموں میں آ کر گریں!

جھک کر اُٹھاتے ہوئے، وہ واپس سیدھے ہو کر بیٹھے تو نگاہ جیسے ایک ہی مرکز پر جامد ہوئی۔

آس پاس کے پورے ماحول سے ناطہ ختم۔

اور اِس اتنی بڑی کائنات میں صرف وہ اور تصویر میں دکھائی دیتا وہی عزیز از جان چہرہ۔

جو برسوں بعد تھی، ایک مستقل درد کی صورت دل کے ساتھ۔

''اسرار!'' دل کی گہرائی سے نکلی صدا پر بھی وہاں کوئی جواب دینے والا نہیں تھا۔

بے تابی سے ایک کے بعد ایک انہوں نے اُن تصویروں کو کتنی ہی بار دیکھا۔ گود میں چھوٹی سی بچی کو اُٹھائے، اپنی معمولی وضع قطع سے بے نیاز، وہ اسی طرح مسکرا رہا تھا جیسے اُس وقت مسکراتا تھا، جب وہ دونوں بھائی ایک ساتھ ہوتے تھے۔

''اسرار، اسرار، اسرار!'' وہ بچوں کی طرح پھوٹ کر روئے۔'' اُس ہر تکلیف پر جو کوئی ساری عمر سہہ لینے کے بعد اِس جہاں سے بھی رخصت ہوا تھا۔ اتنی ناداری، اپنی خودداری کو بحفاظت بچا کر!

''ثانیہ!''

آنسوؤں میں بھیگی اُس تصویر کو انہوں نے پیار سے چوما۔

کل تک وہ اپنے بھائی کے آگے شرمندہ تھے۔

مگر آج ناقابل معافی مجرم ٹھہرے۔

سارا صبر، سارا حوصلہ، گمشدہ سامان بنا اور وجود اس طرح شل کہ قدم اٹھانے کی بھی ہمت نہیں۔

''کوئی تو آئے، جو تنکے کا ہی سہارا بنے!''

ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ، انہوں نے ادھ کھلے دروازے کی طرف دیکھا۔

...☆☆☆...

پہلے پہل تو وہ انہیں اماں کی کوئی پرانی ملنے والیاں سمجھی، لیکن جب خواتین کا وہ مخصوص گروپ ایک ہی ہفتے میں تیسری بار، گھر میں آ تا دکھائی دیا تو معاملے کی پراسراریت پر اسے چونکنا ہی پڑا۔

''بھلا آج کے زمانے میں کسی کو اتنی فرصت۔''

اماں کے سامنے ہی نقطۂ اعتراض اٹھایا تھا جس پر وہ الٹا خفا ہونے لگیں۔

”شکر ہے جو یہاں دلوں میں تھوڑی سی محبت باقی رہ گئی ہے، بڑے شہروں والی گھبراہٹ نہیں طاری ہے۔ جہاں کسی کے لئے تو کیا خود اپنے لئے بھی وقت نہیں ہے، یہاں تو اسی طرح سب ملتے ملاتے ہیں ایک دوسرے سے۔“

”اس کی الجھن ابھی بھی باقی تھی۔“

”روز روز کسی کے گھر چلے آنا، وہ بھی بیک وقت اتنے سارے لوگ، محبت کے اظہار کی یہ کون سی صورت تھی بھلا!“

بات گو حلق سے نہیں اترتی تھی، لیکن اماں کے ساتھ وہ عموماً بحث نہیں کیا کرتی تھی، ان کی بیماری کے بعد اور بھی محتاط ہو چکی تھی، سو خاموشی ہی اختیار کی۔

لیکن چھٹی حس نے ایک بار پھر اپنی موجودگی کو ثابت کر دکھایا۔

معاملہ یوں ہی سیدھا سادا سا نہیں تھا۔

”لڑکا بینک میں ہے، تین بہنوں کا اکلوتا بھائی اور تینوں کی شادی کر چکا ہے خوش شکل، خوش مزاج اور خاندان تو بہت ہی اچھا اور تعلیم یافتہ۔“

اماں جب یہ چھوٹا موٹا قصیدہ پڑھ رہی تھیں تو ثانیہ منہ کھولے محض انہیں دیکھے گئی۔

”تمہارے ابا کے پرانے مراسم تھے ان لوگوں سے، کہیں سے پتہ چلا تھا کہ ہم لوگ واپس آ گئے ہیں۔ بے چاری اپنی بیٹیوں کو لے کر ملنے کے لئے آ گئیں، اب یہ تو آگے قسمت کی بات ہے کہ تم انہیں اپنی پسند آ گئی ہو کہ پیچھا ہی پکڑ لیا ہے۔ بہر حال میں نے ابھی تو ان سے کچھ وقت مانگ لیا ہے جواب دینے کے لئے۔“

آخر میں جو یہ چھوٹی سی تسلی بندی تھی۔ ٹینشن کو اور بھی بڑھاوا دے رہی تھی۔

”آپ کو فوراً ہی منع کر دینا چاہئے تھا، خوامخواہ کسی کو آسرا دینا، مجھے نہیں کرنی کوئی شادی وادی۔“

وہ بری طرح پزل ہوئی۔

”سب لڑکیاں ایسے ہی کہتی ہیں، بعد میں جب اپنے گھر میں خوش باش زندگی گزارتی ہیں، تب اپنی حماقت پر ہنسی آتی ہے۔“

اماں نے اس کے اعتراض کو چٹکی میں اڑایا۔

”سب لڑکیاں گزار سکتی ہوں گی، لیکن میں نہیں گزار سکتی، آپ صاف منع کر دیں ان لوگوں کو۔“

”تم بھی خوش رہو گی انشاءاللہ، اللہ بہت مہربان ہے، وہ بندے پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا ہے، کیا پتہ ہم واپس یہاں اسی لئے آئے ہوں کہ یہ سلسلہ بننا تھا۔“

اماں نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

وہ اداس تھی اور یقیناً مایوس بھی۔

”ہم یہاں واپس اس لئے آئے ہیں اماں کیونکہ دنیا میں کہیں اور ہمیں کوئی ٹھکانہ میسر نہیں تھا۔“

”چلو یہی سہی، تو پھر اس آشیانے کو مضبوط کرنا اب ہماری ذمہ داری ہے، ایک طرح سے کتنی اچھی بات ہے کہ تم یہاں اسی شہر میں رہو گی، میرے قریب ہی۔“

اماں کے پاس اس رشتے کے، کئی پلس پوائنٹ تھے، اور ثانیہ کو صاف سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ اس کے بارے میں اپنا ذہن پوری طرح بنا چکی ہیں۔

"خود شہزاد اور اس کے ابا لڑکے سے مل چکے ہیں، انہیں بھی وہ بہت پسند آیا ہے، سب باتیں اچھی ہیں، بس ایک تمہاری رضامندی درکار ہے۔"

"مجھے نہیں کرنی ہے شادی اماں، چاہے کوئی کتنا بھی اچھا ہو۔"

ثانیہ کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی اور اگر اس کا چہرہ جھکا ہوا نہ ہوتا، تو اماں یقیناً اس کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو بھی دیکھ لیتیں۔

"بے وقوفی کی اب گنجائش نہیں، جو فیصلہ کرنا ہو سوچ سمجھ کر کرنا، ان لوگوں کو جلدی نہیں ہے ورنہ کوئی اور ہوتا تو اب تک جواب کے لئے روزانہ اصرار کر رہا ہوتا۔"

"تو یہ کون سا کم ہے، روز ہی چلے آ رہے ہیں۔" اس نے جھنجلا کر چہرہ اوپر اٹھایا، تو اس کے بہتے ہوئے آنسو دیکھ کر ان کے دل کو دھکا سا لگا۔

"اچھا رومت، پھر کسی وقت بات کریں گے، اس طرح جذباتی نہیں ہو ذرا سی بات پر۔"

"ذرا سی بات نہیں ہے اماں۔" اس نے ہتھیلی سے بہتے ہوئے آنسوئوں کو خشک کیا۔ "میں شادی نہیں کروں گی یہ میرا فیصلہ ہے۔"

"کیوں نہیں کرو گی، کس کے سہارے گزرے گی یہ زندگی، میں کیا ہمیشہ بیٹھی رہوں گی، کیا بنے گا میرے بعد سوچا ہے کبھی۔" وہ جو ابھی ابھی نرم پڑنے لگی تھیں، اس کی ایک ہی رٹ پر غصے میں آنے لگیں۔ "رحم کرو میرے حال پر۔" یہ ایک خوشی مجھے دیکھ لینے دو، ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے آگے۔"

ثانیہ نے تڑپ کر ان کے بندھے ہوئے ہاتھوں کی طرف دیکھا پچھلے چند سالوں میں ان کی صحت اتنی گر چکی تھی کہ کسی وقت ان کی طرف سے بڑے بڑے واہمے گھیرنے لگے تھے۔

کوئی ذہنی دباؤ، کوئی فکر جھیلنے کے قابل نہیں تھیں اب وہ! ثانیہ کو ڈاکٹر کی تنبیہ یاد آئی۔

"ایسا نہیں کریں اماں پلیز!" آگے بڑھ کر اس نے ان کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو دھیرے سے چوما، تو انہوں نے بے ساختہ ہی اسے گلے لگا لیا۔

ثانیہ نے بمشکل ہی کب سے رکے ہوئے آنسوئوں کو اس وقت بھی سختی سے اندر ہی کہیں روکا، حلق میں نمکین پانی کی کڑواہٹ سی گھلتی رہی۔

"آئندہ ایسا سوچئے گا بھی نہیں، کون ہے آپ کے علاوہ میرا" خود کو کمپوز کرتی ہوئی وہ ان سے الگ ہوئی۔

"یہی تو فکر ہے مجھے، اسی لئے چاہتی ہوں کہ تمہاری فکر کرنے والے محبت کرنے والے بہت سارے رشتے ہوں ارد گرد۔"

اس بار وہ خاموش ہی رہی۔

اماں خوفزدہ تھیں، پچھلے سالوں میں جو کچھ بھی جھیلا گیا تھا، وہ اعصاب شکن تھا۔

"بہت اکیلا پن رہا ہے ہماری زندگیوں میں۔ لیکن تمہارے ابا کے ہوتے ہوئے اس بات کا کبھی احساس ہی نہیں ہوا، پورے دس سال بعد ہوئی تھیں تم پیدا، کمی کا احساس ضرور ہوتا تھا، لیکن معمولی سا، تمہارے ابا بڑے صابر و شاکر تھے۔ اللہ پر بھروسہ رکھنا میں نے ان ہی سے سیکھا تھا۔"

بہت دن بعد انہوں نے ابا کے بارے میں کوئی بات کی تھی،ثانیہ نے شکر کیا کہ کچھ دیر کے لئے ہی سہی،وہ اس کی شادی کے موضوع سے تو الگ ہوئیں۔

"ابا سے کبھی کوئی ملنے آیا تھا یہاں اماں؟"

"کون آتا، کسی کو پتہ دیا ہوتا تو آتا نا۔"

ایک ٹھنڈی سانس اماں کے لبوں تک آئی، تمہاری پیدائش کے بعد تو میں نے سر توڑ کوشش کرلی کہ وہ مجھے نہ سہی، تمہیں لے کر تو واپس اپنے گھر جائیں، وہاں سب انہیں اپنا لیتے، خون کے رشتے میں بڑی طاقت ہوتی ہے، کیسے وہ لوگ ان سے منہ موڑے رکھتے، آخر کو اپنا ہی لیتے نا۔"

ضروری نہیں اماں، کہیں کہیں ضد بحث، رشتوں پر بھی حاوی آجاتی ہے، اصولوں پر زندہ انسان کی قربانی دے دی جاتی ہے۔"

ثانیہ کو پتہ نہیں کیوں، فیضی اور نینی کا خیال آیا، کتنا ذکر کرتی تھی فرح ان دونوں کا،اور پرنازی سے ملاقات کے بعد تو،اس کی نینی کے ساتھ ہمدردی اور بھی بڑھ گئی تھی۔

ایک شاندار وراثت رکھتے ہوئے بھی، فیضی بے چارہ، بڑی مشقت بھری زندگی گزار رہا تھا۔

"ابا کا خاندان بھی ویسا ہی ہوگا۔"

نو عمری میں ابا کے پیچھے نظر آتا خلاء الجھن میں ڈالتا تھا۔

نہ ختم ہونے والے سوالوں کا تسلسل بندھتا تھا،پر اب وقت کے ساتھ،یہ ساری مسٹری کم ہوئی تھی۔

سارے نہ سہی، آدھے پونے جواب بھی ہاتھ آچکے تھے۔

زندگی سے جڑے ان رشتوں میں، حاضر غائب کا یہ کھیل ازل سے چلا ہے۔

ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوتا اور نہ ہوتے ہوئے بھی، موجودگی کا بھرپور احساس دلائے رکھنا۔

زندگی کے اس مسلسل چلتے ڈرامے، اس کے اماں ابا ہی محض مرکزی کردار نہیں تھے۔

"گیوں نہیں گئے وہ واپس، شاید کوئی قریبی رشتہ باقی ہی نہ بچا ہو ان کا۔"

جو دیکھا نہیں، برتا نہیں، سو اس کا لگاؤ بھی کیا، وہ یوں ہی سرسری سے انداز میں کہہ گئی پر اماں نے بڑی خفگی کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

"خدانہ کرے، خیر سے سب تھے،اور تھے کیا،ماشاءاللہ اب بھی ہوں گے،اللہ انہیں خیر وعافیت سے رکھے ہمیشہ، تمہاری ددھیال ہے، سوچ سمجھ کر بولا کرو۔"

"ددھیال۔"

یہ لفظ اتنا اجنبی لگتا تھا، جیسے کسی نامانوس زبان سے لیا گیا ہو۔

"بہت ضدی تھے تمہارے باپ، بظاہر اتنی نرم طبیعت کہ ملنے والا کبھی یقین ہی نہ کرے کہ یہ شخص کسی بات پر اس طرح اڑ سکتا ہے، مگر یہ تو میں جانتی ہوں، یا وہ جوان کے تھے۔"

اماں کا لہجہ نم اور آنکھوں میں یادوں کا سنہرا پن جھلکا۔

کسی کسی وقت تو ثانیہ کی نگاہ ان پر سے ہٹنے کو بھی نہیں چاہتی تھی۔

سمجھ میں آتا تھا کہ ابا نے کیوں ان کی خاطر، ایک زمانے کو چھوڑا تھا۔

”آپ بہت خوش قسمت ہیں اماں، ورنہ کون کسی کے لئے اس حد تک جاتا ہے۔“ اسے ان کی قسمت پر رشک آیا۔

”پتہ نہیں، اگر تمہاری بات مان بھی لوں، تب بھی خلش تو نہیں مٹتی کہ میں تمہارے ابا کے لئے اس ساری تکلیف کا سبب بنی، جو انہوں نے عمر بھر جھیلی، اور اب کہیں زیادہ تمہارے حصے میں آئی۔“

وہ بولتے بولتے ایک دم چپ ہو گئیں۔

”مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے، میرے لئے سب کچھ آپ ہیں اماں، بے کار کی باتیں مت سوچا کریں، ان لوگوں کو اگر محبت ہوتی تو وہ خود ابا کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے، دنیا اتنی چھوٹی ہے کہ کوئی کھونا بھی چاہے، تو نہیں کھو سکتا، کہیں نہ کہیں سامنا ہوتا ہی ہے۔“

بڑی سنجیدگی سے وہ انہیں جو کچھ سمجھا رہی تھی سب بعد از وقت ہی تھا۔

اماں بیٹھے بیٹھے تھک چکی تھیں، سو گاؤ تکیہ کا سہارا لیتے ہوئے نیم دراز ہوئیں۔ ان کی طبیعت ابھی بھی پوری طرح ٹھیک نہیں تھی، لیکن ذہنی طور پر وہ پوری طرح نارمل ہو چکی تھیں یہ بات خوش آئند تھی۔

”دوا کھا لیں!“ وہ اٹھ کر ان کی دوا لے آئی تھی۔ اب ان کی دوائیں بہت کم رہ گئی تھیں، جو ڈاکٹر وہاں ٹریٹمنٹ کے لئے آ رہے تھے، انہوں نے تین ماہ بعد چیک اپ کرانے کو کہا تھا، اس حساب سے اگلا ماہ بنتا تھا۔

”اگر شہزاد ہی اماں کو لے جا کر دکھلا لائے۔“ آج کل سوچ اسی ایک نقطہ پر اٹکتی تھی۔ رات شہزاد سے کہا تھا تو وہ حیرت سے دیکھنے لگا تھا۔

”میں اور آپ دونوں چلیں گے، آپ زیادہ اچھی طرح ڈاکٹر سے بات کر سکتی ہیں، مسئلہ کیا ہے؟“

جواباً اسے خاموش ہی رہنا پڑا تھا۔

”ایک شدید قسم کی گھبراہٹ جو کراچی جانے کا سوچ کر ہو رہی تھی، اس کا ذکر فضول ہی تھا۔

”خیر اللہ مالک ہے، ابھی تو ہے مہینہ!“

اماں کی شاید آنکھ لگ گئی تھی۔

ثانیہ بہت غور سے انہیں دیکھے گئی۔

اپنے پرانے گھر، پرانے مانوس ماحول میں رہنا ان کے لئے بڑا اکسیر ثابت ہو رہا تھا، ورنہ وہ وقت بھی تھا جب...“

پل کے چھوٹے سے وقفے میں، وہ سب چلا آیا جو بھولتا تو کسی لمحے بھی نہیں تھا۔

اماں کا علاج وہ آخری احساس تھا، جو سجاد نے اس پر کیا تھا۔

پوری دیانتداری کے ساتھ وہ خود سے اعتراف کرتی تھی۔

”اور احسانات کے اس طویل سلسلے کے اختتام پر، بدلے میں اس نے انہیں کیا دیا؟“ اماں کے قریب یوں ہی آڑے ترچھے انداز میں لیٹے ہوئے، اس نے قریب پڑا کشن چہرے پر رکھا، مگر وہ مہربان چہرہ کس آڑ کو خاطر میں لاتا تھا۔

...☆☆☆...

صوفے پر وہ کب سے ایک ہی پوزیشن میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔

آس پاس سے دبے پاؤں گزرتے قدموں سے بے نیاز، خدشات سے بھرے دل کے ساتھ۔

ہاسپٹل کی روشن اور ٹھنڈی لابی میں گزرتے دن رات کے کسی بھی پہر کا اندازہ نہیں ہوتا تھا، جب تک کہ گھڑی نہ دیکھی جائے۔

سجاد پچھلے ایک ہفتے سے یہیں تھے۔

بابا کو ہاسپٹل لے جانے کی اطلاع انہیں آفس میں ملی تھی۔ اس کے بعد ایمرجنسی سے لے کر آئی سی یو تک کا اعصاب شکن مرحلہ، جواب تک بھی اختتام پذیر نہیں ہوا تھا۔

بابا ابھی بھی آئی سی یو میں ہی تھے۔

چند منٹ کی جو ملاقات کل ہی ان سے ممکن ہو پائی تھی۔ اس میں بھی وہ غنودگی میں تھے اور ڈاکٹر کی طرف سے ویسے بھی بات چیت کرنے کی پابندی عائد تھی۔

ان کی طبیعت کی اچانک خرابی ایک معمہ تھی۔

ڈاکٹر کا خیال تھا کہ کوئی اچانک شاک اس کا سبب بنا تھا اور وہ سب اتنے پریشان تھے کہ کسی کو بھی اس وجہ کے ڈھونڈنے کا خیال تک نہیں آیا تھا۔

مگر اب پچھلے دو دن سے کم از کم سجاد، اس ایک بات کو لے کر سرا ڈھونڈنے میں بار بار گم ہوئے تھے۔ فیضی کی جدائی، فرحت آپا کا خلع لیا جانا۔

بڑے دھچکے سہی، لیکن انہیں سہا جا چکا تھا۔

بابا بے حد مضبوط اعصاب کے شخص تھے، ساری عمر محض اپنے اصول، قاعدے اور ترتیب کے ساتھ رہے۔

کہا ہوا ہر لفظ، حرف آخر ٹھہرا۔

ان کی سلطنت میں آج بھی ان ہی کے حکم کا سکہ چلتا تھا۔

تو اب کیا ہوا، جو ان جیسے شخص کو ہلا گیا؟

کوئی بہت خاموشی سے ان کے قریب آ کر کھڑا ہوا۔

''بیٹھ جائو عمر!''

دھیرے سے سر اٹھا کر انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

''کیسے ہیں اب؟''

''ویسے ہی ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کچھ سنبھل جائیں گے، تو روم میں شفٹ کر دیں گے۔'' پیچھے ہوتے ہوئے انہوں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔

''آفس میں کوئی خاص بات؟''

''وہاں سب ٹھیک ہے، آپ فکر مت کریں، آپ کا سٹاف بہت ذمہ دار ہے؟''

''مجھے معلوم ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہاں تم ہو، پھر مجھے کوئی فکر نہیں رہتی۔''

عمر محض نگاہ جھکا کر رہ گیا۔

"آپ تھوڑی دیر کے لئے گھر چلے جائیں سجاد بھائی، تھوڑا سا ریسٹ کریں۔"

"میں ٹھیک ہوں، خالی ہی تو بیٹھا ہوں، تم تو آفس بھی دیکھ رہے ہو اور بھر رات کو یہاں بھی...!"

"پلیز سجاد بھائی!"

اس نے تیزی سے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بات کاٹی۔

سجاد نے ایک نظر عمر کے سرخ پڑتے چہرے پر ڈالی۔اس پورے ہفتے میں وہ کسی ایک پل کے لئے بھی انہیں خود سے الگ محسوس نہیں ہوا تھا۔

سجاد نے کتنی بار اسے بہانے بہانے سے آنکھیں خشک کرتے دیکھا تھا۔

بابا سے اس کی محبت آگے، کبھی کبھی تو ان تینوں بھائیوں کو اپنی محبت ہلکی پڑتی محسوس ہوتی تھی۔ سجاد نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ابھی آتا ہوں۔" وہ ان کا جواب سنے بغیر تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

بابا کے معاملے میں اس کی حساسیت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔

"وہ چپ چاپ اسے جاتا ہوا دیکھتے رہے۔

محبت بھرے یہ سارے رشتے، بیک وقت طاقت بھی ٹھہرے اور کمزوری بھی، سو اضطراب تو لازمی ٹھہرا۔

انہوں نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

داہنے ہاتھ پر I.C.U کی طرف جاتا ہوا کوریڈور اور اس یونٹ کے ایک بیڈ پر زمانے بھر سے بے نیاز لیٹے ہوئے بابا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

سجاد اٹھ کر خاموشی سے اس شیشے کے دروازے کے قریب آ کھڑے ہوئے، جہاں سے وہ نظر آئے تھے۔

"اور ان کو اس حالت میں دیکھنا، کس حد تک تکلیف دہ!"

اپنی اندرونی کیفیت کو چھپائے رکھنے میں وہ بھی کچھ کچھ تو بابا جیسے تھے ہی۔

"سجاد بھائی!"

اپنے پیچھے انہوں نے عمر کی سرگوشی سی سنی۔

وہ انہیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر رہا تھا، سو وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے واپس لابی تک آئے۔

"وہ آئی ہیں آپ سے ملنے۔" شیشے کی دیوار کے اس طرف جہاں وہ اشارہ کر رہا تھا، سجاد دیکھ سکتے تھے۔

"میں مل کر آتا ہوں، تم چاہو تو...!"

"نہیں میں یہیں بیٹھا ہوں، آپ جائیں!"

تیز قدموں سے چلتے ہوئے، سجاد باہر کی سیڑھیوں سے اترے تھے۔

شیریں بالکل سامنے کھڑی تھی۔

آج کتنے مہینے بعد وہ لوگ مل رہے ہیں، سجاد کو بالکل یاد نہیں آیا۔

"بابا کیسے ہیں سجاد، تمہارا نمبر نہیں مل رہا تھا، میں نے وہاں تمہارے گھر فون کیا تو پتہ چلا کہ..."

تیز تیز بولنے کی اس کی وہی مانوس عادت۔

سجاد تحمل سے اس کی ایک ایک بات کا جواب دیئے گئے، اور جب وہ ذرا خاموش ہوئی تو...

"تم کیسی ہو!"

"کیسی لگ رہی ہوں۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔

اور یہ مسکراہٹ، زبردستی لائی گئی مسکراہٹ نہیں تھی۔

سجاد کو اس کے چہرے پر پھیلی تازگی اور اطمینان دیکھ کر بڑی دلی خوشی حاصل تھی۔

ہاسپٹل، وزیٹنگ آور جاری تھا، سورش بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، وہ لوگ ذرا ہٹ کر، ایک طرف پڑے بنچ پر بیٹھے۔

"تم نے مجھے بابا کی بیماری تک کی اطلاع نہیں دی، بھول کر فون تک نہیں کرتے ہو۔ لیکن فون تو میں بھی نہیں کرتی، سو چھوڑو اس شکایت کو بھی!"

پرانے دوستوں کی وہی فطری سی دریادلی۔

"شہریار کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہے وہ بھی، اگلے ہفتے آئے گا تو ملاقات بھی ہو جائے گی تمہاری!" وہ بڑی نارمل تھی، اور شہریار کے لئے بات کرتے ہوئے ابھی ابھی جو چمک اس کے چہرے پر ابھری تھی، سجاد نے بخوبی نوٹ کی تھی۔

بہت سے سوالوں کا جواب بنا پوچھے ملا تھا، وہ بڑی طمانیت سے مسکرائے۔

"بعض اوقات منظر سے ہٹ کر رہنا، بھی فائدہ دے جاتا ہے۔ اتنے دن سے اگر وہ بھی شیریں کی زندگی سے الگ تھلگ تھے تو یہ بھی بڑی نیک فال تھی۔

"تم سنائو کہاں تک پہنچے ہو۔ ممی سے جب بھی بات ہوتی تھی، ضرور پوچھتی تھی کہ سجاد کی شادی کا کارڈ آیا یا نہیں، یا پھر اس کی منگنی کی کوئی اطلاع مگر تم نے تو جیسے قسم کھا رکھی تھی، پھر سوچا کیا خبر چپ چاپ ہی سب کچھ سب کچھ مگر نہیں..." اس نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا بابا اسی بات کو لے کر شاک میں ہیں۔"

شیریں نے اپنے طور پر ایک درست اندازہ لگانا چاہا تھا۔ "میں تو ان کی بیماری کا سنتے ہی سمجھ گئی تھی کہ تم نے ان سے ثانیہ کے بارے میں ضرور بات کر لی ہے، اسی کا اثر لیا ہے انہوں نے، تم پریشان مت ہو، وہ ذرا سنبھل جائیں تو میں خود بھی بات کروں گی ان سے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ثانیہ چلی گئی ہے شیریں، بابا سے تو اس کے بارے میں بات کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی، وہ تو اس سے پہلے ہی..." جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے، سجاد نے پیشانی کو ہلکے سے ملا۔

وہ اتنی حیرت زدہ تھی کہ فوری طور پر تو کچھ کہہ بھی نہیں پائی۔

"شاید اسی میں بہتری تھی، اس کی بھی اور میری بھی۔"

"مت کرو ایسی باتیں۔" بہت برہمی سے شیریں نے ان کی بات کاٹی تھی۔ "کہا تھا میں نے تم سے کہ اب دیر مت کرنا، لیکن تم تو عادی ہو، کسی کو بھی مایوسی کی حد سے گزار سکتے ہو، چاہے وہ ثانیہ ہی کیوں نہ ہو۔"

پھر وہ کیوں رُکتی، اچھا کیا جو چلی گئی اور پہلے ہی چلی جاتی تو اچھا تھا، اس تکلیف سے تو بچ جاتی، جو وہ آج بھی اٹھا رہی ہو گی۔" اس کا خوب صورت چہرہ گلابی پڑ رہا تھا اور وہ اتنی خفا تھی کہ اس کا سجاد کی طرف دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہا۔

"وہ خود گئی ہے شیریں، واپسی کا راستہ اس کی خواہش پر ہی بند ہوا ہے۔"

”اس نے بند کیا اور تم قفل لگا کر فارغ ہوئے، کیا شخص ہو تم بھی سجاد۔“

یہ توہین آمیز سا ریمارکس بھی برا منانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

”تم کسی آزمائش سے گزرنا ہی نہیں چاہتے ہو، ظاہر ہے، اتنے بڑے کاروبار سے دستبرداری آسان تھوڑی ہے اور پھر فیضی کے چلے جانے کے بعد تو تمہارا حصہ تو اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

”سب کچھ تمہارے ہی قبضے میں آنا ہے۔“

وہ ایسی ہی باتیں کر رہی تھی جیسی کہ بلقیس بھابی دہراتی تھیں۔ مگر فرض نیت کا تھا۔

یہ ایک بے حد پرُخلوص دوست کا ان کے غم پر ردعمل تھا۔

سجاد نے پہلو بدلتے ہوئے شیریں کی طرف دیکھا، وہ اب خاموش تھی اور سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ وہ اس کے تاثرات بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ایک ہی تکلیف سے وہ دوسری بار گزری تھی۔

”شیریں!“

”شیریں بات سنو پلیز!“

اس کا جھکا ہوا سر ابھی نہیں اٹھا تھا۔

سجاد کو لگا جیسے وہ رو رہی ہے۔

”اور کتنی عجیب بات ہے کہ وہ ہر بار ہی اس کے لئے دکھ کا سبب بنتے ہیں۔ اس کے اپنے حوالے سے بھی اور اب ثانیہ!“

نچلے لب کو دانتوں تلے دباتے ہوئے، وہ خود کو کمپوز کر پائے۔

”تمہیں کچھ بھی پتہ نہیں ہے شیریں، ہم اتنے عرصے بعد ملے ہیں کہ بیچ میں بہت کچھ مس ہوا ہے، حالات اتنی تیزی سے بدلے کہ سانس لینے کی بھی مہلت نہیں ملی، کتنے طوفان آئے، جن کے آگے تنہا کھڑا رہنا آسان نہیں...“

وحید کے سیاہ کرتوت۔

اس کا ثانیہ تک پہنچنا اور پھر وہ اعصاب شکن مرحلہ، جب انہوں نے وحید کو نکاح نامے کا فارم تھامے ہوئے دیکھا تھا۔

اماں کی ابتر حالت ان کا اور ثانیہ کا لایا جانا۔

ایک طویل تکلیف دہ تسلسل، جس میں فرحت آپا کے خلع لئے جانے کی افسردہ کرتی اطلاع بھی تھی۔

سجاد نے محض چند جملوں میں قصہ مختصر کیا تھا۔ پھر بھی سامنے لگی پکچر، کچھ کچھ صاف ضرور ہوئی تھی۔

کم از کم اتنا تو ہوا کہ وہ اس کی طرف دیکھنے کی روادار ہوئی۔

”اتنا کچھ ہوا اور مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا تم نے۔“

”میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا شیریں اور ویسے بھی اس سارے معاملے میں تمہارے کرنے کے لئے کچھ تھا بھی نہیں۔“

”کیوں نہیں تھا، میں ثانیہ اور اس کی امی کو اپنے ساتھ تو لے جا ہی سکتی تھی اسلام آباد، کوئی تکلیف نہیں ہوتی انہیں وہاں۔ اب تو معلوم نہیں کہاں...“

شیریں کی آنکھوں میں ان دو کی بے بسی پر، پانی سا چمکا۔

”وہ نواب شاہ گئی ہے، اتنا مجھے ضرور یقین ہے۔“

سجاد اتنے دن کی مسلسل ناکامی کے باوجود بھی ثانیہ کا جانا، اسی ایک مقام سے منسلک کرتے تھے۔

''ہو سکتا ہے تم غلط ہو، وہ یہیں اسی شہر میں ہوں، نواب شاہ جا کر، کیا کر سکتی جب کہ وہاں تو اب ان لوگوں کا کوئی ہے بھی نہیں۔''

''چھوٹے شہروں میں، بہت وسعت ہوتی ہے شیریں، گھروں میں بھی اور دلوں میں بھی، پھر وہ لوگ تو وہاں اپنا گھر چھوڑ کر آئے تھے، جو ابھی بند پڑا تھا۔''

''تمہارے پاس ایڈریس ہے!'' کچھ امید اسے بھی بندھی۔ ایڈریس ہی ملتا ہے اور ان کے گھر پر تالا ہے، ہاں اگر نواب شاہ جا کر اس کے کالج سے ریکارڈ نکلوایا جائے تو پھر شاید صحیح ایڈریس مل بھی جائے۔''

''پھر ایسا ہی کرو نا۔'' شیریں نے بے تابی سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ نہیں چاہتی کہ اس کا پیچھا کیا جائے، ورنہ ڈھونڈنے سے کیا نہیں...!''

عمر بھاگتا ہوا، اس کی طرف آ رہا تھا۔

گہرے خوف نے سجاد کے لبوں پر بات ادھوری چھوڑی۔

''سجاد بھائی!''

عمر کا سانس پھول رہا تھا۔

شیریں اور سجاد بے ساختہ ہی کھڑے ہوئے تھے۔

''کوئی اور بھی بری خبر متوقع ہے کیا؟''

ذہن میں یہی آخری بات، عمر کے کچھ کہنے سے پہلے آئی تھی۔

''سجاد بھائی ڈاکٹر سے میری ابھی بات ہوئی ہے، وہ آج بابا کو روم میں شفٹ کرنے کا کہہ رہے ہیں۔ اس کے لہجے میں خوشی سے بھری بوکھلاہٹ تھی۔ ایک سکون بھری سانس سجاد کے لبوں سے آزاد ہوئی اور اعصاب کو شل کرتا ہوا، وہ خوف بھرا احساس، فضاء میں تحلیل ہوا۔

''بشارت صاحب نے برآمدے میں سے گزرتے ہوئے بڑے ہال کے کھلے ہوئے دروازے میں سے اندر دیکھا۔

وہ اِس وقت بھی فون پر جھکی ہوئی تھی۔

''یہ گئی ہی نہیں ہے واپس ابھی تک، میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ اسے واپس بھجوا دو سمیع کے ساتھ!''

''انہوں نے پلٹ کر اپنے پیچھے آتی ہوئی امی سے کہا۔

''نہیں جا رہی ہے کہتی ہے میرا گھر ہے، جب تک دل چاہے گا یہیں رہوں گی، اسماء تو آئی بھی تھی لینے اسے جب آپ سو رہے تھے۔''

''تم مجھے اُٹھا دیتیں، تو میں اِسے واپس بھجوا ہی دیتا۔ بہر حال اُسے کہہ دو میری طرف سے کہ اُس کے لئے اب یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔'' وہ بیرونی دروازے کی سیڑھیوں تک چلتے ہوئے آئے۔

''میں نے بہت بُرا بھلا کہا ہے اُسے لیکن وہ تو جیسے کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہے!'' امی دیا کی حرکتوں پر اتنی شرمسار تھیں کہ اُس پر رحم سا آنے لگتا تھا۔

بشارت صاحب کو بھی شاید اُس ہی کی وجہ سے اپنا لہجہ نرم کرنا پڑا تھا۔

''اول درجے کی ڈھیٹ ہے ہمیشہ سے' میں کل خود جا کر اسماء سے بات کروں گا، تم ذرا اس بات کا خیال رکھنا کہ اس کے سامنے، نازی اور عمر کا یہاں آنا ہو میں نہیں چاہتا کہ اُن لوگوں سے اس کا سامنا ہو۔''

''میں خود اِس بات کے حق میں نہیں، آپ فکر مت کریں گے، نازی کو میں سختی سے منع کر دوں گی۔

وہ بے چاری تو جیسا کہیں، ویسا ہی کر لیتی ہے بناء کوئی سوال جواب کئے۔

ایک گہری سانس، جیسے دعا بن کر امی کے لبوں سے نکلی تھی۔

''بہت نیک، بچی ہے میری۔''

''بشارت صاحب، احاطے میں کھڑی اپنی موٹر سائیکل کی طرف بڑھ گئے تو وہ واپس اندر چلی آئیں۔

''تمہیں اس سے کیا مطلب کہ میں کہاں ہوں، گھر کی نمبرداری آج بھی تمہارے ہی پاس ہے کیا؟ تم اپنی حدود بڑی جلدی کراس کر لیتی ہو؟! ابھی بھی۔''

''دِیا کی آواز ہال سے باہر انہیں سنائی دی اور یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ کس سے بات کر رہی ہے۔

''چھوڑو یہ خیر سگالی کی باتیں، دعا دو مجھے جو میری وجہ سے آج تم اتنے ٹھاٹھ سے بیگم صاحبہ بنی بیٹھی ہو۔''

امی نے بہت تیزی سے آگے آکر اُس کے ہاتھ سے فون چھینا۔

''نازی میں تم سے پھر بات کروں گی۔'' محض اتنا ہی کہہ کر انہوں نے فون بند کیا تھا۔

''یہ کیا طریقہ ہے کیوں فون کیا تھا نازی کے گھر۔''

''بات کرنی تھی مجھے عمر سے، وہ بہانے بنا رہی ہے کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔''

امی کا منہ حیرت سے کھلا۔

''کیا کام ہے تمہیں عمر سے واسطہ کیا ہے تمہارا! اُس سے اب، اور کیوں ملنے دے نازی تمہیں اپنے شوہر سے۔''

''اُس کا شوہر میرا منگیتر تھا اور وہ منگنی میں نے توڑی تھی، اُس نے نہیں سب کو پتہ ہے کہ یہ رستہ اُس کی خواہش پر...''

پہلی بار امی کا ہاتھ دِیا پر اٹھا تھا۔

''بے شرم، کچھ احساس بھی ہے کہ کیا کہہ رہی ہے، مسعود سے اپنی مرضی کی شادی کر لینے کے بعد عمر کا نام لیتے ہوئے بھی تجھے شرم آنی چاہئے تھی، عین وقت پر انکار کیا تھا اسی عمر کے لئے تو نے۔''

اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''اسی کا افسوس ہے اور شاید اس کی سزا بھی پا رہی ہوں۔''

یہ احساس ندامت، بہت بعد از وقت تھا۔

''سزا ہم نے بھگتی ہے تمہاری حرکتوں پر، آج بھی لوگ پوچھتے ہیں کہ جب شادی کی تھی تو مسعود لے کر کیوں ہیں جاتا ہے، تم اس پر زور کیوں نہیں دیتیں کہ وہ تمہیں بلوالے، دوسروں کی زندگیوں میں

کیوں مداخلت کر رہی ہو، نازی نے کیا بگاڑا ہے آخر!''

وہ لاکھ اُداس سہی، لیکن آج بھی اُس کے تیور خوفزدہ کرنے والے تھے۔ امی کا دل اب تک کانپ رہا تھا۔

''میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا،اور نازی آپا کی تو حیثیت ہی کیا ہے لیکن آپ نے اُن کی شادی عمر سے کرنے میں بہت جلدی کی اچھی بھلی نوکری کر رہی تھیں کرنے دیتیں، وہ تو عادی تھیں اس زندگی کی۔'' بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اُس نے آرام کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

...☆☆☆...

سجاد کو تو بالکل ایسا ہی لگا، جیسے وہ ذہنی طور پر ابھی نارمل نہیں ہوئے ہیں۔

''آپ آرام کریں بابا،ڈاکٹر نے زیادہ بات چیت سے بھی منع کیا ہے آپ کو۔''

''ٹھیک ہوں میں تم وہ کیوں نہیں سُن رہے ہو جو میں کہہ رہا ہوں ثانیہ کو ڈھونڈو خدا کے لئے جیسے جہاں بھی ممکن ہو، کسی طرح اس کا پتہ چلاؤ۔''

کمرے میں شفٹ ہونے کے بعد پہلی بات انہوں نے ثانیہ کے متعلق ہی کی تھی۔

اِس وقت صرف عمر اور سجاد ہی اُس کے پاس تھے اور دونوں ہی کو اُن کا یہ اصرار بے تکا سا لگا تھا۔ بابا ابھی بھی دوائوں کے زیر اثر تھے اور تھوڑی دیر بعد اُن پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

''کہیں وہ ثانیہ کے جانے سے کسی احساس جرم کا شکار تو نہیں ہوئے ہیں۔'' سجاد کو کچھ ایسا ہی شبہ گزرا تھا۔

''وہ آجائے گی۔ پتہ چل جائے گا اس کا آپ ذہن کو مت تھکائیں، آپ کی طبیعت سنبھل جائے پھر میں خود جا کر...''

اُن کے مستقل بڑھتے ہوئے اصرار پر سجاد کو تسلی کے لئے کہنا پڑا۔

''میں ٹھیک ہوں گھر لے چلو مجھے تم لوگ، عمر تم جا کر ڈاکٹر سے بات کرو میں گھر جانا چاہتا ہوں، ابھی اسی وقت۔''

انہوں نے کمال ہمت سے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

عمر تیزی سے سجاد کی مدد کے لئے آگے آیا۔

''کیا کرتے ہیں آپ چند دن میں چھٹی مل جائے گی آپ کو۔''

اُن دونوں نے واپس انہیں تکیہ پر لٹا دیا۔

''ایک لمحے کی بھی گنجائش نہیں ہے، سجاد پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے میرا وہ میرا جان سے عزیز بھائی جا چکا ہے اور اب وہ بھی چلی گئی۔''

آنسو کی باریک سی لکیر چہرے کی جھریوں میں جذب ہو رہی تھی۔

سجاد نے عمر کو ہلکے سے ڈاکٹر کو لانے کا اشارہ کیا۔

یہ شدید جذباتیت ان کے لئے سخت نقصان دہ تھی۔

بہت سے ایسے صدمات جنہیں گزرے ہوئے طویل عرصہ بھی بیت چکا ہوتا ہے۔انسان ذہن پر کسی وقت اس طرح وارد ہوتے ہیں جیسے کہ کوئی تازہ پیش آیا حادثہ۔''

پچھلے دنوں جب وہ اماں کے علاج کے سلسلے میں ذہنی امراض کے ماہرین سے ملے تھے، تب اُن سے کسی ملاقات میں، کسی نے ایسا ہی کچھ کہا تھا۔

''تم رکو عمر!'' دروازے کا رُخ کرتے ہوئے عمر کو آواز دے کر بابا نے ہی روکا تھا۔ ''وقار اور سہیل کو بھی بلوالو، اب اِس کام میں ذرا سی بھی دیر نہیں کی جاسکتی کسی بھی قیمت پر ثانیہ کو ڈھونڈنا ہے۔ اِس شہر میں یا کسی اور شہر میں، وہ جہاں بھی ہے، اُسے واپس لے کر آئو۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھے۔

عمر اور سجاد نے بے ساختہ ہی ایک دوسرے کو دیکھا اُن کی ذہنی حالت پر شبہ کرنا، اب خود اُن دونوں کو اپنی حماقت محسوس ہوئی تھی۔

''بات کیا ہے بابا؟''

ایک لمحے کے لئے تو کمرے میں بڑی بھید بھری خاموشی اُتری تھی اور عمر واپس اُن کے بیڈ کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

بابا نے نظریں سجاد کے چہرے پر جمائیں۔

''ثانیہ اسرار کی بیٹی ہے سجاد۔'' اُن کی آواز اونچی نہیں تھی لیکن ایک ایک لفظ صاف اور واضح۔

سجاد کے لب ہلکے سے کھلے اور پھر بند ہوئے۔

''میرے پیارے بھائی کی اکلوتی اولاد، اتنے سال سے وہ میرے ہوتے ہوئے بھی، اس دنیا میں اکیلی دھکے کھا رہی ہے۔ قدرت اُسے میرے گھر تک لائی بھی تو میری خود غرضی اور سنگ دلی نے اُسے یہاں ٹکنے نہیں دیا۔'' وہ ذرا رکے۔

''چلی گئی وہ معصوم یہاں سے آکر اتنے خود دار باپ کی بیٹی ہے جس نے اپنی جان دے دی مگر پلٹ کر اس مال و دولت کی طرف نہیں دیکھا تو پھر وہ کیوں نہیں جاتی...''

لمبی بات کرنے سے سانس غیر متوازن ہو رہا تھا۔

عمر تیزی سے باہر نکل گیا۔

''بڑا گناہ سرزد ہوا مجھ سے سجاد کیا منہ دکھائوں گا میں روز قیامت اپنے بھائی کو۔''

آنسوئوں سے اُن کا لہجہ بوجھل ہو رہا تھا۔

''خود کو سنبھالئے بابا۔''

سجاد نے نرمی سے اُن کے کندھے کو تھپتھپایا۔

''ثانیہ کا پتہ چل جائے گا فکر مت کریں آپ۔''

عمر کمرے میں ڈاکٹر کو لے کر داخل ہو رہا تھا۔

سجاد کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

''یہ دنیا اور اس کے بھید بھائو۔''

برسوں پرانی ایک گمشدہ کڑی کے ملنے پر اُن کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔

حالات اور واقعات کی ترتیب اتنی گنجلک کہ خوشی اپنے مطلب اور معنی کھو بیٹھے اور دیرا تنی کہ ازالے کی کوئی صورت بھی نہیں! انہیں وہ نرم مہربان آنکھوں والے اسرار چچا یاد آئے۔

''اپنی زندگی کے آخری پل میں انہوں نے پیچھے رہ جانے والوں کو بھلا کس طرح یاد کیا ہوگا!''

...☆☆☆...

"بے خبری اصل میں نعمت ہے۔"

وقار بھائی نے ہاسپٹل کی سیڑھیوں سے اُترتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہیں آپ، جب تک وہ لاعلم تھے۔ محض ایک ہی دکھ کے زیر اثر تھے، مگر اب تو لگتا ہے کہ جیسے وہ ہزار دکھ اور پچھتاؤں میں گھرے ہوئے ہیں بابا کا اس طرح ٹوٹ کر بکھرنا، معمولی بات نہیں ہے وقار بھائی، ہمیں جلد ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ ورنہ خدانخواستہ!"

سہیل نے کسی بدترین خدشے کی طرف محض اشارہ ہی دیا تھا۔

وہ تینوں بھائی ایک ساتھ پارکنگ ایریا کی طرف بڑھے تھے۔

بابا کو ہاسپٹل میں پندرھواں دن تھا۔

"اُن کی حالت سنبھلے تو اسرار چچا کی فیملی کو ڈھونڈنے کی طرف بھی توجہ دی جاسکے گی۔ ورنہ ابھی تو کچھ اور کرنا بھی ازحد مشکل ہو رہا ہے۔ انہیں اس حالت میں چھوڑ کر ہم لوگ کسی بھی دوسرے کام کی طرف دھیان دینے کے قابل نہیں رہے ہیں۔"

وہ تینوں بھائی ازحد پریشان تھے۔

"ویسے تم نے اسے دیکھا تھا۔ جب وہ ہمارے گھر میں انیکسی میں رہ رہی تھی۔" وقار بھائی نے سہیل کی طرف دیکھا تو اُس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں اتنے کم وقت گھر میں رہتا ہوں کہ ادھر ادھر توجہ دینے کا تو خیال ہی نہیں آتا، لیکن ثمینہ ملی تھی اُس سے دو تین بار اور فرحت بھی جاتی رہی تھی لیکن اتفاق دیکھیں کہ کبھی کوئی ذکر ہی نہیں آیا۔ اُن لوگوں کے درمیان ورنہ اُن کے جانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔"

"مجھے تو خود بے حد رنج ہے سہیل ہمارا اپنا خون اور اس طرح دربدر!"

"بے حد تکلیف کی بات ہے، یہ تو سجاد منع کر رہا ہے ورنہ اب تک ٹی وی اور اخبار میں اشتہار تو دِیا جاسکتا تھا، کچھ رزلٹ تو سامنے آتا۔"

سہیل کی شکایت بجا تھی۔

وقار بھائی نے سجاد کی طرف دیکھا۔

اُن کی خاموشی روز بہ روز گہری ہو رہی تھی اور ساتھ ہی بے حد معنی خیز۔

"سجاد! بابا جب بھی دواؤں کے اثر سے آزاد ہوتے ہیں، وہ صرف ثانیہ کے بارے میں ہی پوچھتے ہیں، وہ صرف ثانیہ کے بارے میں ہی پوچھتے ہیں۔ ان کی مایوسی بڑھ رہی ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں اس سلسلے میں پارکنگ ایریا کے قریب جا کر وہ تینوں ہی رکے۔

"تو اس میں غلط ہی کیا ہے۔" سہیل واقعی تھوڑے سے خفا تھے۔ "برا نہیں ماننا سجاد، نہ تو تم خود کچھ کر رہے ہو اور نہ ہی تم ہمیں ہی وہ کرنے دے رہے ہو، جو ہم کر سکتے ہیں۔"

"بس چند دن سہیل بھائی میں بہت جلد ہی کچھ نہ کچھ...!" وہ اپنے دھیان سے نکلے۔

”باباکی حالت پر غور کرو۔اُن کازیادہ اِن ٹینشن میں رہناٹھیک نہیں۔“ سہیل بات کرتے کرتے وقار کی طرف مڑے۔”آپ گھر چل رہے ہیں کیا۔“

”نہیں میں یہیں ٹھہروں گا۔سجاد کو کہیں جانا ہے۔“

”میں بس جاہی رہاہوں وقار بھائی، عمر کے دوفون آچکے ہیں کچھ کام ہے۔“

وہ جلدی میں تھے سواطلاع دے کر رکے نہیں۔

عمر کے ذمے کچھ کام لگایا تھا، جو کسی حد تک کامیابی کے قریب پہنچا تھا۔

”جمیل ماموں کاگھر کل کھلا ہوا تھا، تھوڑی دیر کے لئے مجھے سامنے والے دکاندار نے بتایا ہے۔“

وہ راستے میں ہی تھے، جب عمر کا فون دوبارہ آیا تھا۔

”تمہیں فوراًہی جاناچاہئے تھا یا پھر مجھے اطلاع کر دیتے۔“ وہ ذرا مضطرب ہوئے۔

”میں خود گیا تھا، لیکن وہاں پھر سے تالا لگ گیا تھا سجاد بھائی لیکن اس کا مطلب ہے کہ وہاں کوئی تو آچکا ہے، میں نے پڑوس سے بھی پتہ کیا تھا۔مگر وہ لوگ اتنے خفا تھے کہ کوئی بات کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوئے۔“

ٹھیک ہے میں اُس طرف ہی جارہاہوں دیکھ لیتا ہوں۔“

وہ اب جمیل ماموں کے گھر سے قریب یہ تھے اور آج کم از کم تھوڑی سی امید تو تھی ہی وہ گلی میں مڑ رہے تھے۔تب انہوں نے کسی کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے، محض ایک جھلک ہی دیکھی۔

محض گمان تھا یا دل سے نکلی کسی دعا کا اثر۔

موبائل پر سہیل کا فون آرہا تھا۔

”میں نے تمہارے آفس ریکارڈ سے ثانیہ کی آئی ٹی کارڈ والی تصویر نکلوانے کو کہہ دیا ہے۔

آج ہی وہ تصویر اخبار میں دے دوں گا، بہت نمایاں کر کے لگے گی اخبار میں تو ضرور ہی کچھ نہ کچھ پتہ چلے گا۔“

”پلیز! میں نے آپ کو منع کیا ہے نا۔“ کچھ فائدہ نہیں ہونا ابھی وہ کھوئی ہی نہیں ہے، صرف گئی ہے مگر پھر وہ جہاں ہے وہاں سے بھی چلی جائے گی سہیل بھائی۔“

سجاد کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح سمجھائیں۔

”تم بس!“ دوسری طرف سے جھنجلا کر فون بند ہوا تھا۔

گاڑی ٹھیک جمیل ماموں کے گھر آگے جا کر رُکی تھی گیٹ ادھ کھلا تھا۔

ایسے جیسے کوئی اپنے پیچھے بند کرنا بھولا ہو۔

اُن کا ہاتھ کال بیل کی طرف بڑھا لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ گیٹ کو پش کرتے ہوئے اندر صحن میں آکھڑے ہوئے۔

تھی تو غیر اخلاقی بات لیکن اب مزید دیر کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔

”کوئی ہے!“

سامنے چھوٹا سا برآمدہ اور اُس کے آگے جمیل ماموں کا کمرہ جس میں وہ کتنی ہی بار اُنہیں دیکھنے آئے، اور وہ چھوٹا سا کوریڈور جس میں سے گزر کر ہمیشہ ثانیہ آتی ہوئی دکھائی دی تھی۔

”کیا کچھ یاد آیا تھا۔“

"ناممکن تھا کہ اُن چھوٹے سے گھر میں اُس کی آواز نہ سنی گئی ہو، پھر بھی وہ ابھی تک جواب کے منتظر تھے۔

"شاید کال بیل زیادہ اثر انگیز ثابت ہو سکتی تھی۔"

سجاد یہی سوچ کر مڑنے لگے تھے کہ وہ انہیں کوریڈور میں سے آتی دکھائی دیں۔

وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھیں اور اتنی کمزور دکھائی دے رہی تھیں کہ سجاد نے پہلی نگاہ میں تو انہیں پہچانا بھی نہیں تھا۔

"تم! تم یہاں کیوں آئے ہو، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہی کرخت لب و لہجہ اور فطرت میں رچی ہوئی نفرت اور حسد کی چہرے پر گہرے ہوتی چھاپ۔

"ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی برباد کر کے رکھ دی ہماری زندگیاں ابھی بھی چین نہیں آیا۔"

غصے کی شدت سے اُن کے چہرے کے نقوش اور بھی بگڑتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

سجاد نے بہت تحمل سے اُن کے خاموش ہونے کا انتظار کیا۔

"وحید نے زندگی حرام کر دی ہمارے گھر کا سامان تک اس کے آدمی اٹھا کر لے گئے، اگر اُس دن تم نہ آئے تو...!"

ایک ایک کر کے، سب ہی اپنے انجام کو پہنچ رہے تھے۔

سجاد کو یقین تھا کہ جو کچھ بھی وہ کہہ رہی ہیں۔ وحید اس سے زیادہ بُری طرح پیش آیا ہو گا۔ وہ اب اُس کھسیانی بلی کی مانند تھا' جسے نوچنے کے لئے محض کھمبا ہی میسر تھا۔

عدالت کے ذریعے وہ اُس گھر سے بھی نکالا جا چکا تھا، جس میں فرحت آپا کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔

"رحمت منزل" سے ملنے والا کرایہ اُس کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ بھی موقوف ہوا تھا۔

"اور وہ بدبخت بیٹھ کر راج کر رہی ہو گی تمہاری حویلیوں میں، جس کا باپ، بھی بے نشان تھا، نہ کوئی آگے نہ پیچھے، معلوم نہیں کہاں سے آیا تھا!"

"بس، آگے ایک لفظ بھی نہیں۔"

سجاد کے ہاتھ کے اشارے نے انہیں رکنے پر مجبور کیا ایسا لگا تھا، جیسے کوئی سر عام بابا کی ہی تذلیل کر رہا ہو، وہ بمشکل ہی خود پر کنٹرول رکھ پائے تھے۔

"مجھے نواب شاہ کا ایڈریس چاہئے اُن لوگوں کا اُس کے بدلے میں، آپ کو پیسہ دیا جا سکتا ہے، جو آپ چاہیں۔"

وہ جلدی میں تھے، سو ممانی کی فطرت کے عین مطابق ہی پیشکش کرنے میں دیر نہیں کی۔

معاملہ جتنی جلد نمٹتا بہتر تھا۔

"چیک یا کیش جو بھی آپ چاہیں۔"

پہلی بار وہ حیرت زدہ دکھائی دیں۔

"کیا وہ تمہارے پاس نہیں ہے، واپس چلی گئی۔"

"سجاد کے چہرے پر اُترتی مایوسی سوال کا جواب دے رہی تھی پھر بھی وہ اُن کے منہ سے سننے کی خواہش مند تھیں۔

"ظاہر ہے جب ہی تو آپ سے پوچھنے مجھے آنا پڑا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے میں تمہیں بتا دوں گی۔" وہ بڑی عجیب سی ہنسی ہنسیں۔

''اگر آپ ایسا کریں گی تو شاید تھوڑی سی خدا کے آگے سرخرو ہو سکیں گی۔''

کوئی دھیمے قدموں سے چلتا ہوا، ممانی کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''یہ لبنیٰ تھی! سجاد نے اُسے بخوبی پہچانا۔''

زرد رنگت اور آنکھوں کے گرد گھیرے ہوتے ہوئے حلقے، وہ ماں بننے والی تھی۔

وہ اُس سے نگاہ چرا چکے تھے۔

''بھول ہے تمہاری جو تم یہاں تک آئے۔'' کیسے بتا سکتی ہوں میں تمہیں اُن کا نام پتہ، اس لئے کہ تم انہیں وہ سب کچھ دو، جو میری لبنیٰ کا مقدر نہیں بن سکا۔ وہ ثانیہ راج کرے، جس کی وجہ سے آج ہم برباد ہوئے بیٹھے ہیں۔ بھول ہے تمہاری۔''

ممانی کی آواز غم و غصے سے پھٹی جا رہی تھی۔

وہ بے رحم بھی تھیں اور ضدی بھی۔

سجاد کو چند منٹوں میں ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اُن کا تعاقب کر کے، وہ محض اپنا وقت ہی ضائع کر رہے تھے۔

''ڈھونڈ تو میں اُنہیں لوں گا ہی، آپ نہ بتائیں تب بھی۔''

وہ واپسی کے لئے مڑنے لگے تو وہ بڑے بے ہنگم سے انداز میں ہنسیں۔

کسے ڈھونڈ لو گے، اُس اینٹ گارے کے بنے ہوئے دو کمروں کے گھر کو تو سنتے جاؤ کہ وہ بھی بک چکا ہے۔ سودا ہو گیا تھا اُس کا کہاں گئی ہیں ماں بیٹی، زندہ بھی ہیں یا مر کھپ گئیں کہیں...''

وہ ہسٹیریکل ہو رہی تھیں۔

حرص و ہوس کے بل پر جو سلطنت وہ قائم کرنے چلی تھیں، اُس کے کھنڈرات پر کھڑی آج وہ ایک بدروح کی مانند تھیں۔

''کچھ نہیں ہاتھ آئے گا کسی کے بھی یوں ہی سر پٹخ کر مر جاؤ گے تم سب کچھ نہیں ملنے والا یہاں۔''

وہ اِس قابل تو نہیں تھیں لیکن پھر بھی سجاد کو اُن پر تھوڑا سا رحم آیا تھا۔

تب ہی خود کو سنبھالتی ہوئی لبنیٰ، اُن کے بالکل قریب آ کر رکی۔

''یہ اس کاغذ پر پتہ لکھا ہے نواب شاہ والے گھر کا۔''

''خدا کرے کہ وہ دونوں آپ کو وہیں مل جائیں دیر مت کیجئے گا۔''

اُس کی آواز بھرا رہی تھی اور نگاہ جھکی ہوئی تھی۔

''جائیں پلیز! اور ہو سکے تو میرے لئے دعا کیجئے گا۔''

وہ دونوں بالکل دروازے کے ساتھ ہی کھڑے تھے اور لبنیٰ کا ہاتھ گیٹ پر اِس طرح رکھا ہوا تھا، جیسے اُسے واپس بند کرنے کی جلدی ہو وہ محض اُس پر ایک تشکر بھری نگاہ ہی ڈال سکے۔

گیٹ اُن کے پیچھے تیزی سے بند ہوا تھا۔

ممانی کے چیخنے کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔

وہ لبنیٰ پر بری طرح چیخ رہی تھیں۔

سجاد گاڑی کو گلی کے کونے تک بھی نہیں لائے تھے کہ کسی نے ہاتھ دے کر گاڑی کو روکا۔

یہ وہی لڑکا تھا جو اُنہیں پہلے بھی ملا تھا۔

''توصیف!'' شیشہ اتارتے ہوئے انہوں نے جیسے تصدیق چاہی تو وہ بہت خوش ہو کر مسکرایا۔

''پہچان گئے نا آپ یہی تو بات ہے جو کوئی بھی ایک بار مل لے بھول نہیں پاتا...''

وہ اُس کی لن ترانی سننے کے موڈ میں نہیں تھے۔

''کوئی کام تھا تمہیں مجھ سے۔''

''نہیں، میں تو بتا رہا تھا آپ کو کہ وہ ماں بیٹیاں کیسے خوار ہو کر واپس آئی ہیں۔''

''بھاگ گیا لبنیٰ کا عاشق اُسے چھوڑ کر، اب پالے گی ساری عمر اُس کی نشانی محنت مزدوری کر کے یا پھر بھیک مانگ کر، ایسی لڑکیوں کا ایک سا ہی انجام ہوتا ہے!''

''بکواس بند کرو سمجھے!'' گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے بہت سرد مہری سے اُسے تنبیہ کی۔

مکافات عمل کا وہی عبرتناک سلسلہ، جسے اپنی آنکھوں سے سامنے ہوتا دیکھ کر بھی، کوئی سبق لینے کو تیار نہیں۔

''عمر'' سڑک پر آتے ہوئے وہ سیل فون اُٹھا چکے تھے۔

''جمیل ماموں کے گھر کا ایڈریس آفس کے ریکارڈ میں سے لے کر، وہاں پانچ لاکھ کا چیک بھجوا دو، لبنیٰ کو فراہم کر ہی سکتے تھے۔

سجاد کے دل کو تھوڑا سا سکون حاصل ہوا تھا۔

ڈیش بورڈ پر لبنیٰ کے ہاتھ کا لکھا ہوا، وہ کاغذ بحفاظت رکھا ہوا تھا۔

...☆☆☆...

بعد عصر آئے مہمان گھنٹہ دیر بیٹھ کر ابھی ابھی رخصت ہوئے تھے۔

اماں نے ذرا خفگی سے صحن میں کیاری کے پاس بیٹھی ثانیہ کی طرف دیکھا اور وہیں سے چلائیں۔

''اب ختم بھی کر دو یہ مراقبہ' وہ بے چارے تو چلے بھی گئے۔''

ان کی آواز پر وہ کچھ چونک کر اُٹھی اور بناء کچھ کہے سیدھی اندر کمرے میں چلی گئی۔

میز پر ابھی تھوڑی دیر پہلے نمٹائی گئی مہمان داری کے سارے ہی لوازمات رکھے تھے۔

وہ آگے بڑھ کر چپ چاپ ساری چیزیں سمیٹ کر ٹرے میں رکھنے لگی تب اماں دروازے میں آ کھڑی ہوئیں۔

''کتنے شوق سے وہ لوگ آ رہی ہیں۔ ہم نے کوئی آس بھی نہیں دلائی تب بھی ان کے خلوص میں فرق نہیں آ رہا اور تم سے اتنا بھی نہیں ہوا کہ دو چار منٹ کے لئے ان کے پاس خوش اخلاقی کے ساتھ بیٹھ ہی جاتیں۔

''بیٹھی تو تھی اماں۔''

بنا ان کی طرف دیکھے وہ اپنا کام کئے گئی۔

''بیٹھی تھیں مٹی کے بت کی طرح' نہ ہوں نہ ہاں۔ ان کی کسی بھی بات کا جو تم نے ٹھیک سے جواب دیا ہو۔ میری تو شرم کے مارے آنکھ نہیں اٹھ رہی تھی' ایسی غائب دماغی۔''

وہ برتن سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہوا کیا ہے آخر دو دن سے چپ لگی ہوئی ہے۔"

اب کوئی اور مسئلہ ہے تو خدا کے لئے مجھ سے مت چھپا ثانیہ۔ وہم آرہے ہیں مجھے اس خاموشی سے۔

اماں کی فکر مندی بڑھ رہی تھی۔

ثانیہ نے چھوٹے سے برآمدے میں سے گزرتے ہوئے مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

"کہہ تو رہی ہوں کوئی بات نہیں، آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں کوئی بات نہیں۔"

ان کی تسلی کراتے ہوئے وہ کچن میں برتن رکھ کر واپسی پلٹی۔

"ایسے ہی دل نہیں چاہتا کسی سے زیادہ بات کرنے کو، اب یہ کوئی بری بات تو نہیں ہے اماں۔"

وہ ان کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

انہیں پتہ نہیں یقین آیا یا نہیں بس غور سے اس کی شکل دیکھے گئیں۔

ثانیہ بمشکل دھیرے سے مسکرا پائی۔

"میں بہت ڈر گئی ہوں ثانی۔ بہت جھیل لیا، اب دل بڑا سکون اور اطمینان چاہتا ہے۔"

"اب کوئی فکر کی بات نہیں ہے اماں۔ اللہ نے چاہا تو سب اچھا ہی ہوگا، آپ بے کار کی سوچوں میں مت الجھا کریں۔" بڑی ملائمت سے کہتے ہوئے وہ میز پر رکھی بوتل سے پانی گلاس میں ڈالنے لگی۔

"آپ دوا کھا لیں ٹائم ہو گیا ہے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksitanipoint.com

"کراچی کب جانا ہے ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے۔" پانی کا گلاس واپس اسے پکڑاتے ہوئے وہ پوچھنے لگیں۔

"اگلے ہفتے۔" اس کا دل زور سے دھڑکا۔

"تم بھی چلو گی ناں۔"

"نہیں، وہ شہزاد چلا جائے گا آپ کے پاس، بس دکھانا ہی تو ہے۔" اپنی غیر ہوتی حالت کو چھپانے کے لئے وہ گلاس لے کر فوراً ہی میز کی طرف مڑ گئی۔ اماں کو حیرت سی ہوئی تھی اس کے جواب پر۔

"تم تو کہہ رہی تھیں کہ تم بھی چلو گی پھر اب کیوں پروگرام بدل دیا۔"

"وہ سکول کا مسئلہ ہے اماں، بچوں کے ٹیسٹ چل رہے ہیں، چھٹی نہیں ملے گی۔"

فوری طور پر یہی بہانہ کیا جا سکتا تھا جو وہ کر رہی تھی۔

اماں نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔ "تو پھر ابھی اگلے ہفتے کا رہنے دو جب تمہارے ٹیسٹ ختم ہو جائیں گے تب اکٹھے چلے جائیں گے، کوئی خدا نہ کرے ایمرجنسی تھوڑی ہے۔"

"لیکن اس طرح ہم اپنی مرضی سے آپ کی دوا کو ختم بھی تو نہیں کر سکتے، جتنے دن ڈاکٹر نے بلایا ہے جانا تو اسی دن ضروری ہے۔"

"اللہ مالک ہے۔"

وہ گاؤ تکیہ کے نیچے دبی اپنی چادر نکالنے لگیں۔

"اب اس وقت کہاں جا رہی ہیں۔"

ثانیہ کو نئی تشویش نے گھیرا۔

''کہیں نہیں، یہیں برابر میں شہزاد کی امی کے پاس بیٹھیں گی جا کر تھوڑی دیر۔ تم نے تو اس معاملے میں ضد پکڑ لی ہے ان سے ہی جا کر کچھ صلاح مشورہ کر لوں۔ جواب کے لئے تھوڑا اور وقت لے لیتے ہیں۔''

جھنجلاہٹ بات بھی پوری نہیں ہونے دیتی تھی اور اس موضوع پر اتنا کہنا اور سنا جا چکا تھا کہ اب کچھ بھی مزید کہنے کے لئے نہیں رہ گیا تھا۔

''دروازہ بند کر لو۔''

وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

صاف ظاہر تھا کہ جو تھوڑی سی اہمیت وہ اس کے انکار کو دے رہی تھیں اب اس سے بھی ہٹ چکی تھیں۔ ثانیہ چلتی ہوئی صحن تک آئی۔

شام گہری نیلی ہو رہی تھی۔ خوشگوار انداز میں چلتی ہوئی ہوا میں رات کی رانی اور بیلے کے پھولوں کی دل فریب مہک تیز تر ہوتی۔

اور اندر باہر جیسے بھید بھرا سناٹا پھیلنا شروع ہوا۔

وہ یوں ہی گمشدہ سی کیفیت میں اسی کرسی پر آ کر بیٹھی، جہاں سے اماں کے بلانے پر اٹھی تھی۔

ماحول میں پھیلتی سیاہی مائل نیلاہٹ میں پتوں کا رنگ گہرا ہو رہا تھا اور بیلے کے سفید پھول شوخی سے مسکرا رہے تھے۔

وہ یوں ہی بے تاثر سی نگاہوں سے اس دل کو چھوتی ہوئی خوبصورتی کو تکنے گئی۔ اس سارے ماحول میں بالکل الگ تھلگ قطعی لاتعلق۔

یہ زندگی اور اس سے جڑے بھید بھاؤ۔

تنہائی پر اسرار سی سرگوشی کرتے ہوئے پاس سے گزرتی رہی اور پاس پھیلا سناٹا اور بھی مہیب۔

کتنے ہی لمحے گزرے

تب ہی کوئی دروازہ کھول کر اندر چلا آیا۔

''حد ہے لاپروائی کی بھی، اس طرح دروازہ کھلا چھوڑ کر بیٹھتے ہیں کیا، تمہیں آخر کب عقل...۔''

نہ سلام نہ دعا۔

بناء کسی تمہید کے آنے والے نے اندر آتے ہی اس کی خبر لی تھی۔

وہ پوری آنکھیں کھولے اس طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ پلک جھپکی اور منظر ہوا میں تحلیل۔

''تم سے ہی کہہ رہا ہوں ایسے کیا دیکھ رہی ہو یہ میں ہوں۔''

ٹھیک اس کے سامنے آ کر انہوں نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ ہلایا تو وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

''آپ کیوں آئے ہیں، میں نے منع کیا تھا نا۔''

حیرت انگیز طور پر وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔

اور لہجے میں اتنی سرد مہری کہ مقابل کے پیر پہلے ہی پل میں اکھڑ جائیں۔

مگر یہاں مقابل خاصی تیاری کے ساتھ آیا تھا سو بے حد پر اعتماد تھا۔

''تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ تمہاری ہر بات لازمی ہی مان لی جائے گی۔''

ثانیہ نے نگاہ اٹھا کر سجاد کے چہرے کو دیکھا۔

وہ خوش تھے اور پر اعتماد بھی۔ چہرے پر اتری ہلکی سی تھکن پر وہ سکون بھری مسکراہٹ غالب آ رہی تھی جو کسی بڑی تکلیف کے خاتمے پر ہی ممکن ہو سکتی تھی۔

گہرے نیلے خاموش آسمان کے نیچے ایک مکمل منظر جو کسی بہت با برکت اور خوشیوں سے بھرے دور کا نقطہ آغاز بھی بن سکتا تھا۔

''کراچی سے جو گاڑی بھگائی ہے تو راستے میں پٹرول بھروانے کے لئے ہی رکا۔ بس سارے راستے یہی دعا کرتا رہا کہ تم مجھے یہاں مل جاؤ۔''

یہ نہ ہو کہ تم یہاں سے بھی چل پڑیں کہیں اور آگے کسی کو بھی بتانا تو خیر ضروری ہے تمہارے لئے۔''

برآمدے میں جلتی ٹیوب لائٹ کی روشنی چھوٹے سے صحن کو بھی نیم روشن کر رہی تھی۔

''آپ کو یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ میں نے منع بھی کیا تھا نا۔ کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی۔''

وہ ان کے سفر نامہ کے ایک لفظ پر بھی دھیان نہیں دے سکی۔

''میں جواب دے چکا ہوں۔'' لاپروائی سے کہتے ہوئے سجاد برآمدے میں آ کھڑے ہوئے۔

''اماں کہاں ہیں؟ کیا اندر کمرے میں۔''

''وہ پڑوس میں گئی ہیں۔''

''طبیعت کیسی ہے ان کی۔'' برآمدے سے ایک کرسی اٹھا کر لاتے ہوئے۔ وہ یہاں اس چھوٹے سے گھر میں بالکل بھی اجنبی نہیں لگ رہے تھے۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اسی خوشبو بھری کیاری کے پاس کرسی بچھا کر بیٹھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے بیٹھنا پڑا۔

''ہاں۔'' ایک گہری سانس سجاد کے لبوں سے آزاد ہوئی۔

''تو ثابت ہوا کہ راستہ کتنا بھی دشوار گزار ہو اور منزل کتنی بھی دھندلی' ایک روشن امکان کہیں نہ کہیں ضرور موجود رہتا ہے' بس اس کے سامنے آنے تک حوصلہ بچائے رکھنا لازمی ہے۔''

ثانیہ نے محض ایک پل کے لئے نگاہ اٹھائی تھی۔

''معلوم نہیں آپ کس کی بات کر رہے ہیں یہاں بہر حال کچھ ایسا نہیں۔ سیدھی سادی صاف شفاف زندگی ہے۔ سارے مسئلے مسائل وہاں تک تھے جہاں ہم اپنی غلطی سے جا نکلے تھے۔''

''غلطی نہیں ثانیہ وہ قدرت کی طے کردہ راہ تھی۔ تقدیر کو بہت سے زخموں کا ازالہ کرنا تھا۔''

بہت نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے وہ بات کو اس طرف لے جا رہے تھے جہاں ان کے خیال میں اسی کے لئے ایک بڑا گہرا انکشاف چھپا تھا۔

ہم بہت خوش قسمت ہیں جو ہمیں بروقت آگہی تو ملی ورنہ کتنے ہیں جو محض بے خبری میں ہی مارے جاتے ہیں۔ کسی کو بھی ان کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔

”جیسے میرے ابا۔“

اس کی آواز بہت نیچی تھی لیکن سجاد نے واضح طور پر سنا تھا۔

بڑی عجیب سی کیفیت تھی اس کے لہجے میں بھی اور چہرے پر بھی۔

پہلی بار سجاد کو احساس ہوا کہ انہیں دیکھ کر خوشی کا معمولی سا احساس بھی اسے چھوتا ہوا نہیں گزرا ہے۔ وہ کسی اور ہی عالم میں تھی۔

”ساری زندگی تنہا گزار کر وہ چپ چاپ چلے بھی گئے نہ کچھ کہا نہ سنا اور تھا بھی کون۔ ان کے ایک ایک لفظ میں درد کی پوری داستان رقم۔

اور بات کے اختتام پر وہ جس بے بسی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی اس کے آگے تسلی کا ہر حرف چھوٹا پڑتا تھا۔

”یہ جانے والوں سے زیادہ پیچھے رہ جانے والوں کی بدقسمتی ہے ثانیہ کہ ان کے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ بھی باقی نہ رہے لیکن یہ بھی کیا کم ہے کہ سارے نہ سہی زندگی میں سے کچھ غم تو دور کر ہی سکتے ہیں۔“

بہت سنبھال کر، دھیمے دھیمے انہوں نے اس داستان حیات کی رفوگری شروع کرنی چاہی جو اب تار تار ہوئی جا رہی تھی۔

ایک درد بھری مسکراہٹ ثانیہ کے چہرے پر جھلک دکھا کر غائب ہوئی۔

”اسی لئے بابا نے آپ کو بھیجا ہے کہ آپ ان کے مرحوم بھائی کی بے آسرا بیوہ اور بیٹی کو جا کر واپس لے آئیں۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

وہ اتنے عام سے لہجے میں ان سے پوچھ رہی تھی جیسے یہ کوئی معمول کا قصہ ہو اور خود اس کا اس سارے سلسلے سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔

”تمہیں پتہ تھا۔“ وہ صرف اتنا ہی کہہ سکے۔

”جب تو نہیں مگر اب...“ ثانیہ کا سر ہلکے سے اثبات میں ہلا۔

”اور اب جب اماں نے بتایا کہ وہ اپنی چند یادگار تصویریں وہیں بیڈ کی دراز میں چھوڑ آئی ہیں اس کے بعد تو مجھے یقین تھا کہ کبھی نہ کبھی کوئی ضرور آئے گا یہاں مگر آپ میرے اندازے سے کافی پہلے ہی آ گئے۔“

”تمہیں پتہ بھی تھا پھر بھی تم نے مجھے بتانا تک ضروری نہیں سمجھا، اتنی بڑی بات چھپا لی اور خاموشی سے یہاں چلی آئیں۔“ غصہ اور حیرت دونوں ہی بڑی تیزی سے وارد ہوئے تھے۔

وہ چپ چاپ کرسی سے اٹھ کر برآمدے میں رکھی میز تک گئی۔ سجاد اس کے پیچھے ہی آئے تھے۔

سکول سے لائی گئی کتابوں کے ساتھ ہی رکھی ہوئی وہ کالی ڈائری محض چند سال پرانی تھی جس کا ایک صفحہ یاددہانی کے لئے موڑا گیا تھا۔

”یہی ہے نا آپ کے گھر کا پتہ۔“

کھلا ہوا صفحہ اس نے سجاد کے سامنے کیا۔

صاف ستھری تحریر میں لکھا ہوا پتہ اس گھر کا تھا جس میں آج بھی وہ سارا خاندان پوری شان و شوکت کے ساتھ رہ رہا تھا۔

”یہ کس کی ڈائری ہے۔“

سجاد کو اپنی آواز بھی اجنبی سی لگی۔

''شہزاد کی۔'' وہ ذرا اسار کی۔

سجاد اس کے ہاتھوں سے ڈائری لے چکے تھے۔

''شہزاد۔'' آج قدم قدم پر حیرت منتظر تھی۔

''اس نے ابا کے دیئے ہوئے اس ایڈریس کو احتیاطاً اپنے پاس بھی اتار کر رکھا تھا۔ جب ہم نواب شاہ سے یہاں پہنچے تھے ابا کی خواہش بلکہ وصیت تھی کہ میں اور اماں سیدھے یہاں چلے جائیں اس ایڈریس پر' ان کے... ان کے بعد۔''

ثانیہ نے بمشکل ہی جملہ پورا کیا۔

ابا کے لئے آج بھی مرنے کا لفظ ادا کرنا انتہائی تکلیف دہ تھا۔

''اور... اور کیا کہا تھا انہوں نے۔''

سجاد نے بڑی بے تابی سے ثانیہ کی طرف دیکھا۔

کچھ زیادہ نہیں' انہوں نے کبھی میرے سامنے اپنے خاندان کے بارے میں بات نہیں کی۔ میں نے پوچھا بھی تو ہنس کر ٹال گئے۔ ان کی یہ خواہش بھی مجھے بعد میں ہی پتہ چلی تھی اماں کے ذریعے کہ وہ چاہتے تھے کہ ہم ان کے اپنوں کے پاس چلے جائیں۔ پتہ نہیں کیوں انہوں نے ایسا چاہا تھا۔

سجاد نے اس کی آنکھوں میں الجھن سی اترتی دیکھی۔

''شاید وہ میری اور اماں کی تنہائی سے خوفزدہ تھے۔

''اس لئے انہوں نے مجبوراً اس کی طرف دیکھا تھا۔''

یہ بھول کر کہ وہاں جب ان کے لئے جگہ نہیں تھی تو ہمارے لئے کیسے نکل سکتی ہے۔

''ایسے مت کہو پلیز۔''

دل پر پڑے ایک پرانے زخم کو جیسے کسی نے ناخن سے کھرچا۔

''بابا کا دکھ تم اندازہ نہیں کر سکتی ہو۔ بے اندازہ محبت کرتے ہیں وہ اپنے بھائی سے۔ میں نے انہیں بچوں کی طرح روتے دیکھا ہے تنہائی میں۔ بہت ڈھونڈا انہوں نے اسرار چچا کو لیکن کھل کر نہیں وہ برادری کے آگے ہمیشہ مجبور رہے اور آج بھی ہیں لیکن تم اور اماں پہنچے کیوں نہیں وہاں۔ کوئی رابطہ تک نہیں کیا بابا سے۔''

مرکزی مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی سجاد نے خود کو شدید احساس جرم میں گھرا ہوا پایا۔

''آج اگر وہ یہاں نہ آتے تو شاید کبھی بھی صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکتے تھے کہ اسرار چچا نے کیسی محرومیوں بھری زندگی گزاری ہو گی۔''

بے حد شرمندگی کے ساتھ انہوں نے سوچا۔

''ہم آئے تھے مگر گیٹ پر ہی کسی نے کہہ دیا کہ یہاں اب کوئی اور رہتا ہے۔ کسی نے اندر تک نہیں آنے دیا پھر کہاں جاتے بے چارے جمیل ماموں کا ہی گھر تھا آگے تو پھر....''

اس نے ہاتھ کو ہلکی سی جنبش دی۔

ایسے جیسے باقی ساری تفصیلات قطعی غیر ضروری ہوں۔ کسی نے کہا تھا وہاں کہ یہاں اب کوئی نہیں رہتا۔

سجاد کے ماتھے پر ایک گہری شکن آ رہی تھی۔

''کون تھا ثانیہ' مجھے یاد کر کے بتاؤ۔''

انہیں لگا جیسے وہ اس شخص کو قتل ہی کر دیں گے۔

جو درد کے اس سلسلے کو نا قابل معافی حد تک بڑھاوا دینے کا سبب بنا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم' میں ٹیکسی میں بیٹھی ہوئی تھی۔''

ڈائری سجاد کے ہاتھ سے لیتی ہوئی وہ میز پر واپس رکھ کر مڑی ''بس ایک لمبی سی گاڑی اور اس میں بیٹھی ایک خاتون' مجھے تو سچی بات ہے ان کی شکل بھی یاد نہیں۔''

''بلقیس بھابی۔''

سجاد پل کے ہزارویں حصے میں قطعی نتیجے پر پہنچے۔

''وہ یقینا بلقیس بھابی ہی تھیں' ان کے علاوہ کوئی بھی گھر میں اتنی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتا۔''

''وہ جو کوئی بھی تھا کیا فرق پڑتا ہے' تھا تو وہ اسی گھر کا ہی رہنے والا اور گھر والوں کو پورا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جب چاہیں اور جسے چاہیں گھر میں آنے دیں اور جب چاہیں کھڑے کھڑے بے عزت کر کے گھر سے نکال دیں' محض دس منٹ کے نوٹس پر۔''

اس کے چلے آنے کی مسٹری'' بھی چند لفظوں میں حل ہوئی۔

''کیا ان میں سے کوئی بھی اب اماں اور ثانیہ سے نگاہ ملانے کی ہمت کر سکتا ہے۔''

دل میں اٹھتے اس بے ساختہ سوال سے سجاد نے جان بوجھ کر آنکھ چرائی۔

''تم اماں کو بلا کر لاؤ ہم لوگ ابھی واپس چل رہے ہیں' بابا انتظار کر رہے ہیں بے چینی سے۔''

وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر پائی۔

سجاد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''میں تم سے کہہ رہا ہوں ثانیہ۔''

''ہم کہیں نہیں جائیں گے۔''

''کیا۔'' انہیں لگا جیسے وہ ایک بچکانہ سی ہٹ دھری پر اتری ہے مگر ایسا نہیں تھا۔

''اور آپ بھی چلے جائیں یہاں سے کافی دیر ہو گئی ہے۔ بس نہیں چاہتی کہ اماں آپ کو یہاں دیکھیں۔''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو ثانیہ۔ یہاں اکیلے کیسے رہو گے تم لوگ۔''

''جیسے ابا رہے ساری عمر اور ہم یہاں اکیلے بھی نہیں ہیں' بہت سے لوگ ہیں محبت کرنے والے اور ان کا کوئی احسان بھی نہیں ہے ہم پر''

آنکھوں میں تیزی سے جمع ہوتے ہوئے آنسوؤں کو اس نے انگلیوں سے رگڑا تھا۔

سجاد نے بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

ایک ایک نقش سے جھلکتی ہوئی وہ دلکشی۔

اپنائیت کا وہ گہرا احساس جسے بیان کرنے کے لئے الفاظ بھی گم ہوتے تھے۔

وہ جو زندگی سے جڑے' سب سے مہربان احساس کا عنوان بھی تھی۔

''شہزادا گر یہ ایڈریس مجھے نہ دکھاتا تو شاید میں کبھی جان ہی نہیں پاتی کہ میں وہاں تک ہو کر آئی ہوں حالانکہ کتنی ہی باتیں وہاں بار بار چونکاتی تھیں۔''

باباکی ابا میں گہری مشابہت۔

فیضی کا گھر چھوڑ کر چلے جانا' برادری کی فرسودہ روایتیں' ایک ہی کہانی کتنی بار ریپیٹ ہوئی ہے آپ کے ہاں۔''

''ہم یہ سارا ڈسکشن گھر چل کر کر سکتے ہیں' بابا سخت ٹینشن میں ہیں یہ جاننے کے بعد' انتظار کر رہے ہیں وہ تمہارا۔ جاؤ شاباش' اماں کو بلا کر لاؤ یا پھر مجھے بتاؤ میں خود...''

''میں نے آپ سے کہا نا کہ ہم نہیں جائیں گے۔''

لہجے کی سختی اور بھی بڑھی تھی۔

''بابا بیمار ہیں ثانیہ' انتظار کر رہے ہیں وہ۔''

ایک جذباتی بلیک میلنگ باباکے نام پر انہوں نے پورے اعتماد کے ساتھ کی تھی۔

باباسے اس کی گہری محبت' اس ساری کڑواہٹ میں بھی خوش امیدی کو جگائے ہوئے تھی۔

ثانیہ کے چہرے پر فکرمندی سی پھیلی۔

''وہ بہت مایوس ہوں گے' اگر تم...''

''ابا بھی کتنی بار مایوس ہوئے ہوں گے۔ انہوں نے بھی کتنا انتظار کیا ہوگا کہ کوئی تو آئے مگر وہ خود ہی چلے گئے باباکے ساتھ تو پھر سب لوگ ہیں ساری آسانیاں ہیں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا انہیں۔''

خود کو سنبھالتے ہوئے وہ پھر اسی روکھائی کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ ''آپ چلے جائیں یہاں سے اگر کوئی بھلائی آپ اب ہم پر کر سکتے ہیں تو وہ یہی ہے کہ ہماری زندگی کو ڈسٹرب نہ کریں۔ ہم جیسے ہیں' جہاں ہیں بہت اچھے ہیں۔''

وہ ٹھیک ان کے سامنے کھڑی تھی اور یہ سب کہتے ہوئے اس نے ایک بار بھی نگاہ چرانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

''اور یہی تو انہوں نے خود بھی چاہا تھا کہ وہ بے حد مضبوط اور فیصلہ کن پوزیشن میں آئے' سو اب شاید وہی وقت تھا۔''

''مگر کیسا غلط وقت۔'' وہ اس ستم ظریفی پر مسکرا بھی نہیں سکے۔

''ذلت کی جس آخری حد کو پار کر کے میں اور اماں وہاں سے نکلے تھے اس کے بعد میں شاید سڑک پر رہنا منظور کر لوں گی سجاد صاحب لیکن وہ گھر' وہ خاندان کسی بھی قیمت پر نہیں۔''

''اور میں' میری کون سی جگہ ہے تمہاری زندگی میں۔''

بالکل ہی اچانک وہ سوال سجاد کے لبوں پر آیا تھا جو کب سے جواب طلب تھا۔

''کہیں بھی نہیں۔''

اندر کہیں سے اٹھی صدائے احتجاج کو سختی سے نظر انداز کر کے اس نے فوری طور پر کہا تھا۔

سجاد نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

''جھوٹ بول رہی ہو تم۔''

''آپ جائیں پلیز۔'' ثانیہ کے انداز میں شدت آرہی تھی۔

''ٹھیک ہے لیکن میں پھر آؤں گا ثانیہ ان سب چیزوں سے الگ ہو کر جن پر تمہیں اعتراض ہے۔''

وہ کہتے ہوئے فوراً ہی مڑے۔

''میرا یہ مطلب نہیں ہے' بات سنیں'' وہ پہلی بار تھوڑا سا بوکھلائی۔

لیکن چھوٹے سے صحن کو پار کر کے سجاد باہر جا چکے تھے۔

گلی میں دوسری طرف سے آتا ہوا شہزاد انہیں باہر نکلتا دیکھ کر بری طرح چونکا تھا۔

...☆☆☆...

کمرے میں گمبھیر خاموشی تھی۔

بشارت صاحب نے ایک نگاہ سامنے بیٹھی دیا پر ڈالی۔

وہ اب بھی ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

سر اٹھائے اپنے اسی پُرغرور انداز میں اس کی نظر ڈرائنگ ہال کے کھلے دروازے پر تھی۔

اس طرح جیسے جان بوجھ کر وہ ان سب کو' جو وہاں موجود ہیں نظر انداز ہی رکھنا چاہتی ہو۔

''دیا۔''

سخت لہجے میں انہیں اسے متوجہ کرنا ہی پڑا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہم سب لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ تم ایسا کیوں کر رہی ہو' تم نے وہی کیا جو تم چاہتی تھیں پھر بھی اگر وہ نہ ہو سکا جو تمہارے حسب مرضی ہوتا تو اس میں ہم میں سے کسی کا بھی دوش نہیں ہے۔''

ان کا لہجہ حیرت انگیز طور پر پر سکون تھا۔

دیا کی سرکشی' اب خوفزدہ کر رہی تھی۔

کہیں اندر چاہے کسی بھی وجہ سے سہی ان پر بھی سہم طاری ہوا تھا۔

''جو کچھ بھی تمہارے ساتھ ہو رہا ہے اس کی سزا تم کسی اور کو کیوں دے سکتی ہو۔ یہ سخت ناانصافی والی بات ہے۔''

''میں اپنے لئے جو مناسب سمجھوں گی کروں گی۔ اگر کسی کو اس سے فرق پڑتا ہے تو پڑتا رہے۔ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔''

''پھر کیا مسئلہ ہے تمہارا' ایک بار پھر ہم جو تم کہو کرنے کے لئے تیار ہیں۔''

اس بار بڑی دیر سے خاموش بیٹھی اسماء پھوپھو تیزی سے بولی تھیں۔ ''دیکھو ہم سب آج اسی لئے اکٹھے ہوئے ہیں مسعود سے بات کر رہے ہیں' وہ کچھ پریشان ہے اس لئے...''

''اس کی بیوی نے مقدمہ کر رکھا ہے اس پر اس لئے پریشان ہے۔'' کسی کا بھی لحاظ کئے بغیر وہ بہت زور سے چلائی۔

''پوری کوشش کر رہا ہے وہ اس سے صلح کی کیونکہ پائی پائی کو محتاج ہو جائے گا وہ اس سے قانونی علیحدگی کے بعد اسی لئے یہاں سے سب کچھ سمیٹ کر لے گیا ہے وہ تاکہ وہاں کے اخراجات پورے کر سکے۔''

دیا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"یہ بھی تمہاری غلطی کی وجہ سے ہوا۔ کیا ضرورت تھی تمہیں اسے سب کچھ تھما دینے کی۔ سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ زندگی حرام کر کے رکھ دی تھی تم نے پیسوں کا تقاضا کر کر کے۔ اب کیا رونا لے کر بیٹھی ہو یہاں۔"

سمیع بری طرح بگڑ اٹھا۔

کس طرح اسی نے ان پیسوں کا انتظام کیا تھا اور ابھی کتنے عرصے اسے وہ سارا اماؤنٹ اپنی تنخواہ میں سے کٹوانا تھا یہ وہی جانتا تھا۔

سب ہی کو اس کے سخت لہجے پر کچھ عجیب سا لگا تھا۔ وہ بڑا صلح جو لڑکا تھا اور عموماً اونچی آواز میں بات تک نہیں کرتا تھا۔

"مجھے کیا پتہ تھا کہ مسعود اس طرح کرے گا' وہ تو کہتا تھا کہ اسے ٹکٹ اور دوسرے انتظامات کرنے کے لئے پیسے چاہئیں۔"

پہلی بار وہ تھوڑی خائف سی محسوس ہوئی۔

"وہ تم لوگوں کا آپس کا معاملہ ہے' میاں بیوی کا حق ہوتا ہے ایک دوسرے کے پیسے پر بھی'

تم نے اپنے شوہر کو دیئے' اچھا کیا لیکن اب صبر سے اس کے حالات سنبھلنے کا انتظار کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

بشارت صاحب آج طے کر کے بیٹھے تھے کہ وہ کسی بھی بات پر نہ ہی جذباتی ہوں گے اور نہ ہی بھڑک کر بات کو بڑھاوا دینے کا سبب بنیں گے۔

وہ صرف اور صرف دیا کو یہاں سے دور رکھنا چاہتے تھے' ہر حال ہر قیمت پر۔

"کب تک۔" دیا اب ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہی تھی۔

"جب تک حالات تمہارے حق میں ہوں۔"

"اور اگر کبھی بھی نہ ہوئے۔"

"یہ محض مفروضہ ہے۔"

"آپ بھی تو مفروضے پر ہی بات کر رہے ہیں۔"

امی اور اسماء پھوپھو نے بے اختیار ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

دونوں ہی کی نگاہوں میں شرمساری تھی۔

ایک وقت تھا' جب وہ دونوں ہی اس کی سب سے بڑی سپورٹر تھیں۔

اور آج ایک سی شرمساری دونوں ہی کے حصے میں آ رہی تھیں۔

"میں چاہتی ہوں جب تک مسعود تمہیں اپنے پاس بلوائے تم وہیں ہمارے پاس رہو' وہی تمہارا اصل گھر ہے اب۔"

ایک بار پھر اسماء پھوپھو سے ان باپ بیٹی کے درمیان دخل دیئے بغیر نہیں رہا گیا۔

دیا نے بڑی ناگواری سے ان کی طرف دیکھا۔

"مجھ سے اس طرح کی گھسی پٹی باتیں مت کریں' میں آپ کے بیٹے کی زر خرید نہیں ہوں' گھر شوہر سے ہوتا ہے اور جب شوہر یہاں نہیں ہے تو میں محض آپ لوگوں کی خدمت کے لئے تو وہاں نہیں رہ سکتی۔ اسماء پھوپھو کا منہ حیرت سے کھلا۔

"تم خدمت کرو گی' ایک چائے کا کپ تک تو بنایا نہیں گیا تم سے وہاں آج تک۔"

"ہاں تو کیوں بناؤں ملازمہ نہیں ہوں میں..."

امی نے بے ساختہ ہی ماتھے کو چھوا۔

یہ ایک نہ ختم ہونے والی بحث تھی۔

کوئی کچھ بھی کہہ لیتا' دیا نے اسی طرح منہ در منہ ڈھٹائی کا مظاہرہ ہی کرتے رہنا تھا۔

"چاہتی کیا ہے پھر یہی بتا دے صاف صاف' کیوں ہمارے لئے آزمائش بنی ہوئی ہے آخر؟"

امی کا دل تو چاہا تھا کہ اس کے کس کر دو تھپڑ تو لگا ہی دیں۔

کہاں کہاں وہ ان کے لئے شرمندگی کا سبب بنی رہی اور اب جب سب کچھ اس کے حسبِ منشا کر دیا گیا تب بھی وہ کسی کو بخشنے کے لئے تیار نہیں تھی۔

"آپ نے گنجائش ہی کیا چھوڑی ہے' سارے راستے بند کر دیئے ہیں میرے لئے۔"

سر کو بے زاری سے ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے اس نے ان کی طرف دیکھا۔

امی نے اس کے الفاظ میں چھپی شکایت اور آنکھوں سے جھانکتی ہوئی وارننگ کو بخوبی جانا تھا۔

جسم و جان جیسے شل ہوئے تھے کئی دن سے وہ جس خدشے کو مستقل ٹال رہی تھیں وہ حقیقت میں ڈھل کر سر پر کھڑا تھا۔

"ایک لفظ اور آگے نہیں۔"

انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے دیا سے التجا کی۔ وہ چند لمحے ساکت نگاہوں سے انہیں دیکھے گئی۔

پتہ نہیں ان پر رحم آیا تھا یا پھر ابھی وقت نہیں آیا تھا۔

"میں فی الحال یہیں رہوں گی اور کوئی مجھے یہاں سے جانے کو نہیں کہے گا اور آپ۔"

وہ جیسے محض فیصلہ سنانے کے لئے یہاں بیٹھی تھی۔

"آپ اپنے بیٹے سے کہہ دیں کہ وہ جلد سے جلد میرا فیصلہ کر دے جو بھی اس کی نیت ہو گی سامنے آ جائے گی۔ میں تو خیر پہلے ہی سے جانتی ہوں آپ کو بھی پتہ چل جائے گا۔"

اس نے اسماء پھوپھو کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات پوری کی اور تیزی سے اٹھ کر باہر چلی گئی' پیچھے وہی مکمل کنفیوژن۔

...☆☆☆...

وقار اور سہیل دونوں ہی نے بہت مایوسی کے ساتھ سامنے بیٹھے سجاد کو دیکھا۔

"وہاں تک پہنچے بھی اور خالی ہاتھ واپس آ گئے۔"

"تم سے اس بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔ اب بابا کو کیا جواب دیں گے۔ سجاد کسی بھی طرح انہیں لے کر آنا چاہئے تھا۔"

وہ سب صبح ناشتے کی میز پر تھے۔

سجاد رات کے کسی پہر واپس آئے تھے اور اب صبح ناشتے کی میز پر دونوں بھائیوں کے سامنے حاضری تھی۔

"وہ بار بار پوچھتے ہیں اور اب جب سے انہیں پتہ چلا ہے کہ تم نواب شاہ گئے ہو تو ان کی بے قراری اور بھی بڑھ رہی ہے۔ تمہیں ثانیہ کی والدہ سے مل کر انہیں راضی کرنا چاہئے تھا' وہ ضرور مان جائیں گی۔"

دونوں بھائی ایک کے بعد ایک بولتے ہی جا رہے تھے۔ سجاد خاموشی سے باری باری انہیں دیکھتے رہے۔ کاش ایسا ہی ہوتا جیسے وہ دونوں کہہ رہے تھے بلقیس بھابی دو بار کچھ رکھنے اٹھانے میز تک آئیں۔

سجاد نے نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا' ماتھے پر ان گنت شکنیں لئے' قیمتی لباس اور زیورات میں لدی ہوئی۔

ان کے دل کی سختی کا عالم پہلی نگاہ میں ہی کیا جا سکتا تھا۔

"اس ڈھلتی ہوئی سرد ترین شام میں جب انہوں نے ایک معصوم لڑکی اور ایک ضعیف کمزور ماں کو گھر سے نکالا ہوگا تو ان کے دل کو ذرا کچھ بھی نہیں ہوا ہوگا کیا؟" دل پر رکھا بوجھ اس سوالیہ نشان کے سامنے اور بھی ناقابل برداشت ہونے لگا تھا۔

دوسری بار وہ لوگ یہاں ٹھکرائی گئی تھیں۔

چشم تصور میں وہ منظر بھی دیکھتی تھی جب گیٹ پر کھڑے ہو کر اماں نے اندر جانے کی اجازت طلب کی تھی اور رد ہو کر واپس مڑی تھیں۔

درد کے اس دل خراش سفر پر جو پھر انہوں نے جھیلا۔ ثانیہ نے سہا اور محروم وہ بھی نہیں رہے۔

"لانا تو انہیں پڑے گا ہی چاہے تم سب کو جانا پڑے کسی طرح بھی منانا ہے ان لوگوں کو۔" پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے اب بھی اگر ہم نے کچھ نہ کیا تو خدا ہی جانتا ہے کہ بخشش بھی ہوگی یا نہیں۔

وقار بہت سنجیدہ تھے۔

بظاہر بالکل غیر جذباتی اور روایتی سے بزنس مین لیکن اندر سے وہ کتنے پیارے اور مضبوط شخص تھے۔

سجاد کو یہ تجربہ ان ہی چند سالوں میں ہوا تھا۔

بلقیس بھابی کی شکل میں انہوں نے بھی اپنی بدقسمتی کو جھیلا تھا۔

برادری کے فرسودہ نظام کا شکار بنے تھے وہ بھی۔

"اگر کوئی نہیں آنا چاہتا تو زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے خوامخواہ گھر میں رش لگانا۔"

وہ جو کچھ نکال کر واپس جا رہی تھیں رک کر کہے بغیر نہ رہ سکیں۔

"یہ گھر ہم میں سے کسی سے بھی زیادہ ان کا ہے۔ وہ اسرار چچا کی بیوی ہیں اور ان کا درجہ ہمارے لئے ماں کے برابر ہی ہے۔ یہ بات تم بھی ابھی سے سمجھ لو بلقیس۔"

وقار کی آواز میں دبا دبا غصہ تھا۔

ناشتے کی میز پر بالکل ہی خاموشی چھانے لگی۔

"معلوم نہیں کس کس کا حق ہے اس گھر پر' منہ اٹھائے کوئی بھی چلا آتا ہے۔ ایسا کرو اس گھر کو تم وقف کر دو بے سہاروں' بیواؤں' یتیموں کے نام۔ بہت ثواب کماؤ گے۔"

سجاد نے شکر کیا کہ فرحت آپا اور ان کی بچیاں اس وقت یہاں موجود نہیں تھیں۔

"کمال ہے اگر کوئی اعتراض نہیں کر رہا تو تم لوگ جس کو دل چاہے یہاں لا کر بسانے کی فکر میں ہو۔ ویسے ہی چار لوگوں کا اضافہ ہو چکا ہے گھر میں۔"

''فرحت کے بارے میں ایک لفظ بھی کہنے سے پہلے ہزار بار سوچ لینا بلقیس' ایسا نہ ہو کہ یہ جو بھرم اب تک چل رہا ہے جیسے تیسے یہ بھی نہ رہے۔''

وقار بھائی کی انگلی وارننگ دینے والے انداز میں ان کی طرف اٹھی۔

وہ بلا کی ڈھیٹ تھیں مگر کچھ خائف سی ضرور ہوئیں۔

''میری تو زبان سے نکلی بات پکڑی جاتی ہے' فرحت کا تو چلو حق ہے اس گھر پر مگر وہ لوگ جن سے پتہ نہیں رشتہ ہے بھی یا نہیں انہیں لا کر سر پر بٹھا لینا۔''

بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے بڑے تکبر سے سر کو ہلکے سے جھٹکا۔

''آپ فکر مت کریں وہ لوگ اس گھر میں نہیں آئیں گی ہم سب ہاتھ جوڑ کر ان کے حضور کھڑے ہو جائیں تب بھی وہ یہاں قدم رکھنے کے لئے شاید ہی تیار ہوں۔''

سجاد کو لگا جیسے وہ اس سے زیادہ ضبط نہیں کر سکیں گے۔ وقار اور سہیل اور ثمینہ تینوں ہی نے کچھ چونک کر سجاد کی طرف دیکھا۔

وہ بلقیس بھابی سے براہ راست بات بے حد کم کرتے تھے۔

''کسے پڑی ہے ہاتھ پاؤں جوڑنے کی ہزار بار نہ آئیں۔''

''بلقیس تم۔۔۔''

وقار بھائی کوئی سخت سی بات کہنے والے تھے لیکن سجاد کے ہاتھ کے اشارے نے خاموش کیا۔

''اپنانہ چاہنا تو آپ بار بار ثابت کر چکی ہیں۔ بلقیس بھابی' آپ کی بخشی ہوئی ذلت نے تو ہمیں آنکھ ملانے کے بھی قابل ہیں چھوڑا ہے' کس منہ سے ثانیہ اور اماں کو یہاں لایا جا سکتا ہے لیکن کوئی اتنا بھی بے رحم ہو سکتا ہے' کچھ بھی نہیں ہوا آپ کے دل کو اس سرد رات میں ان دونوں کو گھر سے نکالتے ہوئے' وہ دو کمزور... وجود...'' اپنی تمام مضبوطی کے باوجود سجاد کو بولنے میں دقت کا سامنا ہوا۔

ڈائننگ ہال میں پھیلی خاموشی اور بھی گہری ہوئی۔ فرحت جو ابھی ابھی اندر آئی تھیں کرسی پر بیٹھنا بھول کر سجاد کے بالکل قریب ہی کھڑی تھیں۔

''اور ان کی بے زبانی تو دیکھئے کس طرح وہ دونوں یہاں سے۔۔۔''

وقار بھائی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

معافی اور در گزر کا سلسلہ آخر کہاں تک دراز ہو سکتا تھا۔

''لگتا ہے پورا شکایت نامہ لے کر آئے ہو تم وہاں سے۔'' وہ پوری ڈھٹائی سے مسکرائیں۔

''نہیں۔'' سجاد نے نفی میں سر ہلایا۔

''کچھ جرائم کی شکایت بندوں کے پاس نہیں درج کرائی جاتی یہ براہ راست کہیں اور ہی جاتی ہے' آپ وہاں کے فیصلے سے ڈرنا شروع کر دیں اگر ہو سکے ورنہ بچت کی کوئی صورت نہیں۔''

کرسی کو پیچھے کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں ہاسپٹل جا رہا ہوں وقار بھائی اور بابا کو میں خود سمجھا لوں گا آپ فکر نہ کریں۔''

وقار کی قہر آلود نگاہ بلقیس بھابی پر جمی تھی' یہاں آگے کیا ہونا تھا۔

سجاد کو اب اس کے بارے میں ذرا بھی پروا نہیں تھی۔فرحت آپا ان کے پیچھے چلتی ہوئی باہر تک آئیں۔

''سجاد۔''

''جی۔'' وہ بیرونی سیڑھیوں پر رکے۔

''تم مجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے کر گئے تھے۔''

''لے جاؤں گا فکر مت کریں۔'' وہ ہلکے سے مسکرائے۔

فرحت آپا کو جیسے بڑی تسلی حاصل ہوئی۔

''بڑا لمبا حساب کتاب ہے فرحت آپا' کچھ وقت تو لے گا' بس دعا کریں اب کوئی اور خسارہ نہ ہمارے حصے میں آئے' بہت ہو گیا۔''

''ہاں۔'' انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔اور یہاں خالی بلقیس بھابی کا رونا کب ہے اپنی ظالمانہ بے خبری پر بھی شرم آتی ہے۔''

''کاش اس روز بلقیس بھابی اماں کو گیٹ پر نہ ملتیں تو بہت کچھ ہونے سے بچ جاتا۔''

وہ کسی خیال میں گم ہوئے۔

فرحت نے چونک کر سجاد کی طرف دیکھا۔

''یہ کس دن کی بات کر رہے ہو تم؟''

''ہوں۔''

سجاد نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''یہ کہانی خاصی پیچھے سے شروع کرنی پڑے گی۔

فرحت آپا اور ابھی بابا کے پاس جانے میں دیر ہو رہی ہے' شام میں بات کریں گے۔

گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے انہیں وقت کا مزید احساس ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے جاؤ اللہ حافظ۔'' وہ ہلکے سے بولیں۔

تب ہی اندر سے ہوتے ہنگامے کی آوازیں باہر تک آنا شروع ہوئیں۔

''آپ فکر مت کریں۔'' سجاد نے مڑ کر بڑی ملائمت سے ان سے کہا' کچھ لوگ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہوتے اور یہ محض ہماری بے وقوفی ہوتی ہے جو ہم ان کے ظلم کی پردہ پوشی کرتے ہیں' اسی سے ان کی ہمت اور بڑھتی ہے۔ پہنچنے دیجئے بلقیس بھابی کو بھی ان کے منطقی انجام پر۔''

سجاد کے لہجے کی کڑواہٹ بتا رہی تھی کہ اب ان کے پاس ہر گنجائش ختم ہو چکی ہے۔

فرحت آپا کو کچھ تو عجیب سا لگا ہی تھا۔

''بلقیس بھابی بھی فیضی کا غم لے کر بیٹھی ہیں سجاد' شاید اسی لئے وہ اتنی...۔''

''کوئی بھی وجہ ان کے کئے گئے کا جواز نہیں بن سکتی فرحت آپا اور فیضی کو تو بہت سپورٹ ملی ہے اسرار چچا کی زندگی دیکھیں تو اپنے جینے پر شرم آتی ہے۔''

دھیمی آواز میں کہتے ہوئے انہوں نے بات پوری کی اور اللہ حافظ کہتے ہوئے سیڑھیاں اتر گئے۔

سجاد کی ہمدردی فیضی اور بلقیس بھابی دونوں ہی سے ختم ہوئی۔

...☆☆☆...

دروازے پر کوئی انگلی رکھ کر بولا تھا۔

نازی عمر کے کپڑے ہینگر کر رہی تھی' سب کام چھوڑ کر تیزی سے دوازے کی طرف آئی۔

''آ رہی ہوں بھئی... سانس تو لو۔''

اندر کمرے سے لاؤنج اور لاؤنج سے باہر کے دروازے تک آتے آتے وہ تھوڑی سی جھنجلائی بھی۔

یقیناً کسی شرارتی بچے کی حرکت تھی۔

''بری بات ہے ایسے کرتے ہیں۔''

دروازہ کھولتے ہوئے وہ جو کچھ کہنے جا رہی تھی بیچ میں سے ہی بولی۔

''کیا ہوا' کوئی بھوت دیکھ لیا ہے کیا۔''

سامنے کھڑی دیا کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

''خدا نہ کرے' کیسی باتیں کرتی ہو آؤ اندر۔''

خود کو سنبھالتے ہوئے وہ خوش دلی سے کہتے ہوئے ایک طرف ہٹی۔

''اصل میں تم کبھی آئی نہیں ہو اسی لئے تھوڑی سی حیرت ہوئی' ٹھیک تو ہو نا۔''

دروازہ بند کر کے اس نے محبت سے دیا کو گلے لگانا چاہا۔ وہ بڑی سرد مہری سے الگ ہوئی تھی۔

''میں نہیں آئی یا تم نے بلانا ہی نہیں چاہا۔ میرے ڈر سے تو تم نے امی کے ہاں آنا بھی چھوڑ دیا ہے' فون تک چھپ چھپا کر ہوتے ہیں۔''

اس کی وہی طنزیہ ٹون جس کا عادی ہو جانے کے باوجود بھی دل دکھنے سے باز نہیں آتا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے دیا' اصل میں مصروفیت ہی اتنی بڑھ گئی ہے کہ نکلنے کا وقت نہیں ملتا۔ تم نے اچھا کیا جو خود چلی آئیں۔''

اس نے شاید نازی کی بات سنی بھی نہیں تھی۔ کھوجتی نگاہوں سے اس چھوٹے سے گھر کا معائنہ کرتے ہوئے دیا کی ساری توجہ اس کی طرف تھی۔

یہاں اب نازی کا سلیقہ منہ سے بولتا تھا۔

''بڑی جان مار رہی ہو گھر میں۔''

یہ تعریف تھی یا تنقید جو اس نے اپنی بہن کی طرف سے وصول کی۔

نازی بمشکل ہی مسکرا پائی۔

''ہر عورت مارتی ہے اور مارنی بھی چاہئے۔''

''یہ کیوں نہیں کہتیں کہ سب عمر کو قابو میں رکھنے کے طریقے ہیں' اسے متاثر کرنے کے بہانے۔''

دیا کو اس کا پرسکون انداز بری طرح جھنجلاہٹ میں مبتلا کرتا تھا اور اب تو کچھ زیادہ ہی...

''چلو یہی سہی۔'' نازی ہلکے سے مسکرائی۔

''تمہیں عجیب سا نہیں لگتا نازی آپا کہ تم اپنی بہن کے سابقہ منگیتر کی بیوی ہو' اس آدمی سے شادی کرلی جو میرے عشق میں ڈوبا ہوا تھا' کیسے رہ رہی ہو تم عمر کے ساتھ۔''

بڑی بے رحمی سے نازی کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے اس نے ایک بھولے بسرے قصے کی یاددہانی ضروری سمجھی۔

''وہ بات ماضی کا قصہ تھی' پیچھے رہ گئی ہے۔''

نازی کے لئے اس کی بات غیر متوقع نہیں تھی۔

دیا سے ہمیشہ کچھ ایسا ہی ملتا تھا جس سے دل کو رنج لازمی ہی گھیرتا تھا۔

اور اب تو خیر اس کا غصہ سمجھ میں بھی آرہا تھا۔

''پھر بھی جو کچھ تم مجھے یاددلا رہی ہو اس کے لئے شکریہ۔ چائے پیو گی یا ٹھنڈا۔''

بڑے پرسکون سے انداز میں کہتی ہوئی وہ دیا کی طرف دیکھ رہی تھی جواب تک بیٹھی بھی نہیں تھی۔

''بتاتی ہوں' پہلے ذرا تمہارا گھر دیکھ لوں۔''

سامنے نانی کا کمرہ اور اس کا بیڈروم دونوں ہی کھلے ہوئے تھے۔ نانی نیچے فرح کے گھر گئی ہوئی تھیں اور گھر پر اس وقت نازی اکیلی ہی تھی۔

نانی کے کمرے میں اس نے محض دروازے سے ہی جھانکا تھا۔

البتہ اس کے کمرے میں' وہ بلاجھجک اندر داخل ہوئی۔ نازی کو اس کے پیچھے آنا پڑا۔

دھیمے رنگوں کے تسلسل والا پرسکون کمرہ جہاں بڑی دل قریب سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

سامنے الماری کا پٹ کھلا ہوا تھا اور بیڈ پر رکھے عمر کے کچھ اور کپڑے ہینگر ہونے کے منتظر تھے۔

دیا کے دل میں بڑا عجیب سا احساس جاگا۔

''اصل فائدے میں تو تم رہیں نازی آپا۔ سکون بھری زندگی اور بہترین شوہر وہ بھی اس وقت جب تمہاری شادی کی طرف سے سب بالکل مایوس ہوچکے تھے۔''

سائیڈ ٹیبل پر رکھی عمر کی تصویر کو اٹھاتے ہوئے دیا نے اس پر نگاہ جمائی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ دیکھنے میں بھی مسعود سے لاکھ درجے اچھا تھا خاص طور پر اس کی دلکش مسکراہٹ۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو دیا' مجھے تو خود کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے کہ عمر جیسا اچھا شخص میرے حصے میں آیا۔''

اسے نازی اپنے عقب میں کہتی سنائی دی تو وہ تصویر واپس اپنی جگہ پر رکھ کر اس کی طرف مڑی۔

''اور وہ محض میری بے وقوفی کی وجہ سے ممکن ہوا یہ کہو گی۔''

''نہیں۔'' پورے اعتماد سے نازی نے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ میری قسمت تھی اور اللہ کی مہربانی' تم اگر مسعود سے شادی کی ضد نہ بھی کرتیں تب بھی عمر کی شادی مجھ سے ہی ہونی تھی۔''

نہ چہرے پر پریشانی یا کمتری کے کسی احساس کی جھلک اور نہ ہی آواز میں ہلکی سی بھی لرزش۔

دیا نے حیرت سے نازی کے اس بدلے ہوئے روپ کو دیکھا۔

''بہت بدل گئی ہو۔''

''ہوں' بدلنا پڑتا ہے اگر اس دنیا میں زندہ رہنا ہے تو پھر یہاں کے اصول قاعدے سیکھ لینے میں ہی عافیت ہے۔''

نازی کے انداز میں غضب کی بے نیازی تھی۔

دیا نے جھینپ کر نگاہ چرائی۔

وہ ڈری سہمی ہر ایک کے لئے کچھ بھی کر جانے کو تیار جس کے حصے میں صرف فرائض ہی آئے تھے۔

آج اپنے حق کی بات کر رہی تھی تو کتنا عجیب سا لگ رہا تھا۔

''لگتا ہے کچھ زیادہ ہی خوش ہوا۔''

''شکر ہے۔'' اسے لاؤنج میں بیٹھا چھوڑ کر وہ سامنے کچن میں اس کے لئے کولڈ ڈرنک نکال رہی تھی۔

دیا نے دانستہ چند لمحوں کی خاموشی اختیار کی۔

''تم سناؤ مسعود کی کوئی خیر خبر' کب تک بلا رہا ہے وہ تمہیں۔'' واپس آکر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے نازی نے بالکل نارمل سے انداز میں پوچھا تھا مگر وہ سخت برا مناگئی۔

''تم سب لوگوں نے کیا میری چڑ بنا دی جس کو دیکھو اسے یہی فکر کھاتی ہے کہ مسعود مجھے بلاتا کیوں نہیں ہے۔''

گلاس سائیڈ ٹیبل پر اس نے اتنی زور سے پٹخا تھا کہ چھلک کر ساری میز بھگو گیا۔

''کوئی ایسا کیوں کرے گا' ہم میں سے کوئی تمہاری خوشی کے آڑے آیا ہے دیا' پھر بھی تمہاری بدگمانیاں ختم نہیں ہوتیں۔''

نازی کے لہجے میں بھی ٹھہراؤ تھا۔

''میری بدگمانیاں نہیں میری بے وقوفیاں' تم سب اب مل کر میرا تماشا دیکھ رہے ہو۔ وہ کمینہ مسعود مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا اور تم سب کو بہانہ مل گیا مجھ پر ہنسنے کا اس لئے کہ تم سیٹ ہو اپنی زندگی میں اور میں نہیں ہو سکی لیکن میں....''

وہ بری طرح چلائی تھی۔

پہلی بار نازی کے چہرے پر پریشانی پھیلی تھی۔ چھوٹے چھوٹے فلیٹ تھے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے نانی بھی کسی بھی وقت آسکتی تھیں۔

اور دیا کا کچھ بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

کسی بھی قوت اور کہیں بھی تماشا کھڑا کر دینا اس کے لئے مشکل نہیں تھا۔

''پلیز دیا۔'' کوئی سنے گا تو... اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نازی نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا مگر وہ بے رخی سے اس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

''کیا فرق پڑتا ہے' اچھا ہے کچھ لوگوں کو یہاں بھی پتہ چل جائے کہ تم اپنی بہن کے حق پر قبضہ کر کے بیٹھی ہو۔''

''کیسا حق۔ دماغ تو ٹھیک ہے نا تمہارا'' پہلی بار نازی کو واقعی غصہ آیا۔''اپنی مرضی سے تم نے مسعود سے شادی کی' عمر کو تم نے خود ٹھکرایا پھر اس کے بعد کون سے حق کی بات کرتی ہو' شرم آنی چاہئے تمہیں ایسی بات کرتے ہوئے بھی۔''

دیا کے چہرے پر بڑا ہی عجیب سا تاثر پھیلا تھا۔

اس کی نگاہ نازی کے چہرے پر جمی تھی اور وہ ٹھیک اس کے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔

"عمر تمہارا کبھی بھی نہیں بن سکتا تھا نازی آپا۔"

اس اتفاقی شادی پر کچھ زیادہ بھروسہ مت رکھو' عمر نے دیوانہ وار صرف مجھ سے محبت کی ہے' میرے منہ سے نکلا ہر لفظ اس کے لئے حکم تھا' پتہ ہے یا نہیں۔"

ایک پل کے لئے وہ رک کر مسکرائی۔

"اور اس فاتحانہ انداز کے سامنے کھڑا ہونا کتنا مشکل ہے جس میں ایک بات بھی قابل تردید نہیں۔"

نازی نے بے بسی کے ساتھ سوچا۔

"آج بھی ایک اشارہ کروں تو... عمر۔" دیا نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی اور پھر مزید کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی۔

...☆☆☆...

دیا کیا آئی تھی واپس' نینی اور نازی دونوں ہی کا آنا ختم ہوا تھا۔

نازی کے پاس تو خیر بڑی معقول وجوہات تھیں' نینی غریب' فیضی کے موڈ کی تابع تھی۔

مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں اس کا موڈ خاصا بہتر ہوتا تھا۔ گھر میں جتنی دیر رہتا نینی اور بچی پر ساری توجہ نچھاور کرتا۔ ہنستا' باتیں کرتا' ماحول خود بخود ہی خوشگوار رہتا۔

ایسے میں اسے کہیں آنا جانا اچھا نہیں لگتا سو نینی بھی نام نہ لیتی۔

جبکہ مہینے کے آخری پندرہ دنوں میں رفتہ رفتہ وہ اتنا چڑچڑا اور بدمزاج ہونے لگتا کہ گھر کی معمول کی بات بھی کرنی اور سننی دشوار ہونے لگتی۔ کہیں جانا تو دور کی بات۔

نینی گھبراہٹ میں مبتلا رہی۔ نہ جانے کب کیا بات اسے ناگوار گزرے۔ سو پوری کوشش کرتی کہ کچھ بھی ایسا نہ ہو جو بات بڑھنے کا موجب بنے' بات پھر بھی بڑھ کر ہی رہتی۔

پیسے کی کمی فیضی کے اعصاب پر خوفناک حد تک سوار رہتی تھی۔

وہ اس نچلی متوسط زندگی کا ہدف تو بن چکا تھا۔

لیکن اسے قبول کنا بس سے بالکل باہر آج بھی تھا۔

"وہی دال سبزی' چٹنی' سوچ کر بھی یاد نہیں آتا کہ اپنے گھر میں کوئی اچھی چیز کب پکی تھی۔"

سامنے رکھی کھانے کی ٹرے پر اس کا پہلا اعتراض اس دن حسب معمول ہی تھا لیکن پتہ نہیں کیوں نینی سے ضبط نہ ہو سکا۔

"شکر کیا کرو' پتہ نہیں کتنوں کو یہ نصیب نہیں ہے۔"

"اچھا۔ بس اب یہی کسر رہ گئی وہ بھی پوری ہو جائے گی اگر یہی حالات رہے۔"

اس نے ہاتھ سے ٹرے کو پرے سرکایا۔ دال پلیٹ میں سے چھلک کر ٹرے میں گری اور برتنوں کے آپس میں ٹکرانے کا چھناکا سا ہوا۔

"خدا کے واسطے فیضی۔ اس طرح کرتے ہیں کیا۔ گناہ ہوتا ہے کچھ تو احساس کرو۔"

نینی کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ فیضی کو رزق کی بے حرمتی کا احساس دلانے میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتی تھی۔

کبھی کبھی تو سوچ کر بھی عجیب سا ہی لگتا تھا کہ اس کی تربیت میں یہ ساری اخلاقی اقدار کیوں نہیں حصہ دار بنی تھیں۔

آزمائش کے شروع کے زمانے میں وہ تھوڑا بہتر روّیہ رکھنے کی ضرور کوشش کرتا تھا مگر اب ضبط کا دامن بار بار ہاتھ سے چھوٹنے لگا تھا۔

''کیا احساس کروں' پیسے پیسے کو ترس کر رہ گیا ہوں' زندگی سزا بنی ہوئی ہے' یہ تپتا ہوا فلیٹ' سارا دن اس سٹور کا حساب کتاب لکھتا ہوں تو ہاتھ آتے ہیں ساڑھے چھ ہزار روپے۔ اس میں سے بھی آدھے اس فلیٹ کا کرایہ دینے میں چلے جاتے ہیں۔ ڈھنگ سے پیٹ نہیں بھر سکتے ہم دوسری چیزیں تو بہت دور کی بات ہے۔ شکر ہے جو بیماری ہمارا رخ نہیں کرتی۔ اسے پتہ ہے کہ ہم افورڈ نہیں کر سکیں گے۔''

ایک سانس میں وہ زور زور سے بولتا چلا گیا۔

بچی شاید اس کے چلانے سے ہی اٹھی۔

ایک دم ہی زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ نینی' فیضی کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''بہت ہو گیا ہے نینی یہ سب اس طرح نہیں چلے گا ہمیشہ۔''

وہ بیڈ پر بیٹھی تھی جب وہ اس کے عقب میں آ کر کھڑا ہوا۔

''ہمیں اب کوئی فیصلہ کر ہی لینا چاہئے دل کڑا کر کے۔''

نینی چونک کر پیچھے مڑی تھی۔

فیضی کا چہرہ بے تاثر تھا لیکن

خوف کا ان دیکھا احساس' نینی نے پوری شدت کے ساتھ محسوس کیا۔

...☆☆☆...

اعصاب کو منجمد کرتا ہوا وہ لمحہ بڑا ہی اجنبی تھا۔

خوشی' پریشانی' لڑائی جھگڑے۔

کتنی ہی کیفیت سے وہ دونوں گزرتے رہے مگر نینی کو سوچنے پر بھی یاد نہیں آیا کہ ایسا خوفزدہ کرتا ہوا احساس اس نے پہلے کبھی جھیلا ہو۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔''

اسے خود اپنی آواز دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''اب بھی نہیں سمجھیں۔'' وہ تلخی سے مسکرایا۔

نینی کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

''نینی پلیز' کوئی الٹی سیدھی بات منہ سے نہ نکالنا۔''

بچی کو دوبارہ نیند آنے لگی تھی۔ اس کو واپس بیڈ پر لٹاتے ہوئے اس نے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی۔

''مانا پریشانی کا یہ دور لمبا ہو گیا ہے مگر کبھی تو گزرے گا ہی۔ اچھا وقت آئے گا تو پھر ہمیں پریشانیاں یاد بھی نہیں رہیں گی۔''

جواباً وہ بڑے عجیب سے انداز میں ہنسا تھا۔

تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ یہ پریشانیاں کبھی کم ہوں گی۔ میری اس ادھوری رہ جانے والی تعلیم کے ساتھ کوئی معجزہ رونما ہوگا۔B.A کی ڈگری مل جائے گی مجھے کسی اچھے ادارے میں نوکری کرلوں گا۔ گھر گاڑی مل جائے گی اور یہ۔

اس نے رک کر بچی کی طرف اشارہ کیا۔

''اس تپتے ہوئے کمرے کے بجائے کسی آرام دہ پرسکون نرسری میں پلے گی۔ دھت۔''

اس کے ایک ایک لفظ میں پھوٹ پڑنے کو بے تاب غصہ تھا۔

''کچھ بھی نہیں ہوگا میں اسی طرح یہ دو ٹکے کی نوکری کرتا رہوں گا۔''

ساری عمر نہ ہم خود پیٹ بھر کر کھا سکیں گے اور نہ ہی اس غریب کی بنیادی ضرورتیں پوری کر پائیں گے۔ یہ یوں ہی روتی، پیٹتی، بیماریوں میں مبتلا ہوتی چلے گی۔ نہ اچھی خوراک نہ اچھا علاج پھر ایک دن اسی بے بسی کے ساتھ یہ ہمیں چھوڑ....''

''فیضی۔''

نینی بہت زور سے چلائی۔

اس کا رنگ زرد پڑ رہا تھا اور آنکھوں میں سہم سا طاری ہو رہا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا کہ کوئی بری بات منہ سے مت نکالو، اتنی سی بات بھی تم سے نہیں مانی جاتی۔''

''جو کچھ کہنا ہے مجھے کہو، اس معصوم بچی کو بیچ میں لانے کی ضرورت کیا ہے۔''

''ضرورت ہے۔'' وہ بہت تیزی سے نینی کی بات کاٹ گیا۔'' جب یہ ہمارے بیچ آ ہی گئی ہے تو اس کی بات کرنا بھی ضروری ہے، میں اندھا نہیں۔''

''اس کا یہ حال میری برداشت سے باہر ہے۔ چہرہ، جسم، گرمی دانوں سے بھرا ہوا ہے، دن رات ٹھیک سے سو بھی نہیں پاتی، وزن تیزی سے کم ہو رہا ہے اور ہم محض اس کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے اولاد پالی جاتی ہے۔''

ایک چھوٹے سے پل میں وہ سارے عیش و آرام اس کے دل پر سے ہوتے گزرے جو خود اس نے ساری زندگی اٹھائے تھے۔

''سب بچے اسی طرح پلتے ہیں اور گرمی صرف ہمارے لئے نہیں ہے، لاکھوں لوگ رہتے ہیں ان ہی چھوٹے فلیٹس میں۔''

''لوگ تو جھونپڑیوں میں بھی رہ لیتے ہیں اور فٹ پاتھ پر بھی۔ تمہاری تھیوری کو مانتا رہا تو بہت جلد وہاں بھی پہنچ جاؤں گا۔ یہاں تک تو تم لے آئی ہو۔'' اس طویل عرصے میں پہلی بے زاری کے ساتھ وہ سارا الزام اس پر رکھ رہا تھا۔

نینی کی صاف سمجھ میں آنے لگا تھا کہ وہ اب اس زندگی سے بالکل بے زار ہو چکا ہے اور یقیناً خود اس سے بھی۔

کیسی ناقابل یقین بات تھی۔

وہ سفر جو بہت دعوؤں کے ساتھ شروع ہوا تھا اس طرح بیچ راہ میں اختتام پذیر ہونے کو تھا۔

''جو مجھ سے ہو سکا میں نے کرنے کی کوشش کی۔ تمہارے ابا کی بے تکی ضد کو نبھایا، اپنے حالات کو سنبھالنے کی جدوجہد کر سکتا تھا، کی۔ میں عرش سے فرش پر آ گیا لیکن بات نہیں بنی، کسی طرح نہ بنی، اب میری ہمت جواب دے چکی ہے نینی۔''

فیضی کی آواز نیچی ہو رہی تھی۔

الفاظ' لہجہ' سب ٹوٹتا ہوا لیکن اس سارے پیراگراف میں ایک بار پھر اس کا اپنا ہی قصیدہ تھا۔

خود اس کا ذکر کہیں نہیں تھا' نینی کا رنج اور بڑھا۔

''مانتی ہوں لیکن ان ساری تکلیفوں میں میں تمہارے ساتھ رہی ہوں۔ فیضی میں نے بھی تو یہ سب کچھ جھیلا ہے۔ محض تمہاری خاطر نا کبھی کوئی شکوہ' گلہ کیا تم سے' وقت کی سختی کا رونا رہا کبھی نہیں نا۔''

''میری آزمائش زیادہ کڑی تھی تم اس زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتیں جو میں چھوڑ کر آیا ہوں۔''

بے نیازی سے کہتا ہوا وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھا۔

''ہمارے گھر کے ملازم بھی اس حال میں کبھی نہیں رہے۔''

وہی حد سے باہر جاتا ہوا احساس برتری۔

''یہ اس کی غلط فہمی تھی جو وہ یہ سمجھنے لگی تھی کہ فیضی بدل چکا ہے۔''

اس کی ساری تگ ودو' خاموشی' تنہائی پسندی' حالات سے ایڈجسٹمنٹ کی کوشش ضرور تھی۔

مگر وہ ساری عمر کے لئے اس چکی میں پسنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''تم اپنے گھر واپس لوٹنا چاہتے ہو؟'' اتنی دیر میں وہ اس قابل تو ہو ہی چکی تھی کہ اس سے بہتر طور پر بات کر سکے۔

پتہ نہیں' شاید ہاں یا پھر ہو سکتا ہے نہ ہی جاؤں۔

''میرا وہاں بھی جانے کے لئے دل تیار نہیں ہوتا۔ بے عزتی سی محسوس ہوتی ہے۔''

فیضی کے چہرے پر کش مکش نمایاں ہو رہی تھی۔

''لیکن ایک بات طے ہے کہ میں اب تمہیں اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا' تم اپنے والدین کے ہاں واپس چلی جاؤ' ہو سکے تو اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کر لینا' تمہارے گھر والے تمہیں سنبھال لیں گے بہر حال۔''

''اور اسے۔'' نینی نے بچی کی طرف اشارہ کیا۔

اسے لگا جیسے وہ تینوں ہی کسی ڈوبتے جہاز پر کھڑے آخری تین فرد ہیں۔

''یہ' یہ فی الحال تمہارے ہی پاس رہے گی' میں اسے کہاں رکھوں گا۔''

فالتو سامان پھینکنے کا سلسلہ شروع ہوا۔

''اس کا کچھ نہ کچھ خرچ میں تمہیں دینے کا پابند ہوں گا اور جب کبھی یہ تمہیں بوجھ لگنے لگے تو میں کسی بھی حال میں ہوں اس کی ذمہ داری خود اٹھاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

وہ پوری تفصیل سے جذبات کو طے کر رہا تھا۔

''ویسے تو گھر میں کوئی خاص شے نہیں ہے پھر بھی جو بھی ہے تم اسے بیچ کر رقم لے سکتی ہو' یہاں سے جانے کے بعد کسی دن سمیع کو لا کر یہ سب اٹھوا دینا'' نینی تلخی سے مسکرائی۔

''لگ رہا ہے بہت دن پہلے تم طے کر چکے تھے ہم سے پیچھا چھڑانا۔''

''جو بھی تم سمجھو۔'' وہ ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوا۔

''رابعہ کے پیدا ہونے کے بعد یہ زندگی مجھ سے نہیں گزاری جا رہی۔ بہر حال اور اسی لئے میں نے تمہارے گھر والوں سے بھی اپنے تعلقات بہتر کئے تاکہ تم وہاں واپس جا سکو۔''

''میں اب بھی وہاں نہیں جاتی ہوں فیضی۔''

''لیکن پھر بھی ہمارے تعلقات کافی حد تک نارمل ہیں۔ تمہارے گھر والوں کے ساتھ تمہیں کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔''

معلوم نہیں' رنج زیادہ تھا یا حیرت۔

نینی کو لگا جیسے وہ اسے ٹھیک سے سن بھی نہیں پا رہی ہے۔

کیا وہ محض وقتی کشش کے تحت آپس میں بندھے تھے' جو حالات کا شکار ہو کر ختم ہو چکی ہے۔

اپنی ردی ہوتی حالت میں بھی اس نے ایک ٹوٹا پھوٹا سا تجزیہ دل میں کرنا چاہا۔

''جب تم وہاں رہنے لگو گی تو بہت جلد تمہیں احساس ہوگا کہ ہم نے کتنا بہتر فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ہم سوائے ذہنی اذیت کے ایک دوسرے کو کیا دے رہے ہیں' بہتر ہے اپنی غلطی کو تسلیم کریں۔''

''میں تمہارے لئے ذہنی اذیت کا سبب بنی رہی ہوں فیضی۔''

اتنا کچھ سن لینے کے بعد بھی اسے حیرت ہوئی تھی۔

''ہاں' میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ تمہارا یہ صبر خدمت گزاری مجھے منہ چڑاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ صاف لگتا ہے کہ تم خود کو عظیم ثابت کرتی ہو میرے آگے۔ سخت زہر لگتا ہے مجھے یہ روّیہ۔ خیر اب تو بات ہی ختم ہو گئی ہے۔''

ہاتھ جھاڑتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

جو کچھ اس نے نینی کے کھاتے میں درج کیا تھا سب ناقابل معافی تھا سو اب اپیل بھی کیسی؟

''میں کہیں نہیں جاؤں گی' یہیں رہوں گی اسی گھر میں۔''

اپنے الفاظ پر اسے خود بھی یقین نہیں تھا لیکن اپنی سیلف ریسپیکٹ کو تھوڑا سا سہارا دینے کے لئے آخر میں عورت کے پاس کمزور ترین دعوے ہی باقی رہ جاتے ہیں۔

فیضی جیسے محبوب شوہر کی نگاہ میں گرنا کتنا بھی تکلیف دہ سہی پر...

خود اپنی نگاہ میں گرنا جان لیوا تھا۔

نینی نے خود کو اس تکلیف سے بچانا چاہا تھا۔

''میں اس رشتے کو نبھاؤں گی فیضی' ساری زندگی اور تمہیں بھی احساس...''

''میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا' آگے تمہاری جو مرضی ہو کرو۔ یہاں سے تمہیں ہر قیمت پر جانا ہے' میں یہ بوجھ اور زیادہ نہیں اٹھا سکتا' سمجھ میں آ گئی بات۔''

تیزی سے نینی کی بات کاٹ کر وہ کہتا ہوا باہر نکلا تھا۔

نینی نے باہر کا دروازہ بند ہونے کی زوردار آواز سنی۔

آج اس کی اٹھ کر دروازہ بند کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

...☆☆☆...

ہاسپٹل کی سیڑھیوں سے وہ تینوں ایک ساتھ ہی اترے تھے۔

"سمجھ میں نہیں آرہا بابا کی حالت سنبھل کیوں نہیں رہی' اچھا خاصا بہتر محسوس ہونے لگے ہیں کہ پھر سے ساری تکلیفیں بڑھنے لگی ہیں۔ڈاکٹر کہتے ہیں کہ وہ اب تک اپنی قوت ارادی کے بل پر بیماری کو شکست دیتے آئے ہیں مگر اب لگتا ہے انہیں اپنی صحت یابی سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی ہے اور یہ کتنا عجیب سا لگ رہا ہے۔" تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے وقار نے اپنے دونوں بھائیوں کی طرف دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ان جیسے مضبوط ترین شخص کا اس طرح ٹوٹنا... نہیں دل نہیں مانتا' بابا کو ٹھیک ہونا چاہیئے۔"

سہیل اور سجاد دونوں ہی متفق تھے اور آج کل معمول کی گفتگو یہی تھی۔

بابا کی حالت کا گھٹنا بڑھنا تشویش بڑھا رہا تھا۔ باہر لے جایا جائے' یہ سوال بھی اٹھتا تھا۔

لیکن ڈاکٹر اس کے حق میں نہیں تھے۔

یہاں اپنے ملک میں بہترین ٹریٹمنٹ کیا جا رہا تھا اور بابا کو کوئی لاعلاج مرض بھی نہیں لاحق تھا۔

"انہیں سب سے بڑا دکھ اپنے بھائی کی وفات کا لگا ہے' بے حد محبت کرتے تھے وہ ان سے اور بدقسمتی دیکھو کہ وہ انہیں مل بھی نہیں پائے۔ایک ایسا دکھ جس کا کوئی ازالہ بھی نہیں۔کاش تم ثانیہ اور اماں کو کسی طرح بھی لے آتے۔"

وقار بھائی دن میں کتنی ہی بار سجاد کو ان کی اس غلطی کا احساس دلاتے جو درحقیقت ان کی تھی بھی نہیں۔

"بات اتنی آسان نہیں ہے وقار بھائی' بہت کچھ کہا اور سہا جا چکا ہے اور سوچیں اب اسرار چچا جا چکے ہیں اس دنیا سے' ان کی محرومی کو ثانیہ کیسے معاف کر سکے گی آسانی سے پھر بلقیس بھابی' انہوں نے تو جو کیا اس کے بعد تو بس ڈوب مرنے کی کسر رہ گئی ہے ہم لوگوں کے لئے۔"

سب محسوس کر رہے تھے کہ سجاد کی کڑواہٹ بڑھتی جا رہی ہے۔انہوں نے بلقیس بھابی سے بات کرنا بالکل چھوڑ دی تھی۔اگر وہ ناشتے یا کھانے کی میز پر ہوتیں تو وہ کسی بھی بہانے سے وہاں سے اٹھ جاتے۔

وہ لحاظ وہ رعایت سب ماضی کا قصہ بنتے جا رہے تھے۔

"میں تو صاف کہہ چکا ہوں اسے یہاں سے جانے کے لئے لیکن اتنی ڈھیٹ عورت ہے کہ جانے کے لئے تیار بھی نہیں۔ پتہ ہے اسے کہ اب کہیں اور اس کا گزارا بھی نہیں۔سگے ماں باپ گھبراتے ہیں اس کی باتوں سے۔دل تو چاہتا ہے کہ طلاق دے کر رخصت کر دوں اسے۔"

وہ بے حد دل گرفتہ تھے۔

سجاد اور سہیل دونوں ہی کو ان پر رحم آتا تھا۔

انتہائی کامیاب اور بے حد ناکام بھی۔

ان کی زندگی میں بڑا ہی خوفناک تضاد تھا۔

"معلوم نہیں وہ یہ زندگی بناء کسی ذاتی خوشی کے کیسے کاٹ رہے تھے۔نہ کوئی امید نہ توقع کوئی گمان تک نہیں۔"

"فی الحال تو سب سے زیادہ ضروری بابا کا صحت یاب ہونا ہے باقی معاملات کو ہم بعد میں بھی نمٹا سکتے ہیں۔" ان کی افسردگی کو محسوس کر کے ہی سہیل واپس اصل مسئلے کی طرف آئے تھے۔

"بابا کو غم کی اس شدت سے نکالنا بے حد ضروری ہو گیا ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ اگر وہ کسی طرح کی کیفیت میں گھرے رہے تو خدانہ کرے اور زیادہ خرابی کی طرف نہ چلے جائیں۔ ہمیں کچھ تو ایسا کرنا ہی ہو گا سجاد جوان کے دل میں زندگی کی امنگ کو جگا سکے۔"

وہ تینوں بھائی گاڑی کے پاس آکر رکے تھے۔

دنیا سے رخصت ہوئے لوگوں کے لئے تو اب صرف صبر ہی کیا جا سکتا ہے مگر بابا نے تو آدھی سے زیادہ زندگی اپنے زندہ سلامت بھائی کے لئے صبر کیا ہے۔ ہم لوگ بڑی مجرمانہ غفلت کا شکار رہے ہیں سجاد، خدا ہمیں معاف کرے۔"

"اور وہ بھی جو اس ظلم کا شکار ہوئے ہیں۔"

سہیل نے تیزی سے بات کاٹی۔ "کاش بلقیس بھابی اسی دن ان لوگوں کو باہر سے واپس نہ کرتیں جب وہ پہلی بار یہاں آئیں تھیں۔ اسرار چچا نے کتنی امید کے ساتھ اپنی بیوی اور بیٹی کو وصیت کی ہو گی۔

پورا یقین ہو گا انہیں ہم پر وہ دونوں دکھی تھے۔

"سو حاصل جمع، صرف پچھتاوے۔" سجاد نے سوچا۔

...☆☆☆...

ثانیہ کو لگا جیسے انہوں نے ان کی بات ہی نہیں سنی۔

"میں نے آپ سے کچھ کہا ہے اماں؟"

"ہاں تو سن تو لیا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ اسی اطمینان سے بھنڈی کاٹنے لگیں، مجال ہے جو ایک لمحے کے لئے بھی ہاتھ روکا ہو۔

"پھر کوئی خوشی نہیں ہوئی آپ کی۔"

ان کا ردعمل اسے سخت حیرت میں ڈال رہا تھا۔

"ہوئی، کیوں نہ ہوتی۔"

"کمال ہے، یا تو آپ کو ہر وقت ایک ہی فکر تھی اور اب جب میں مان گئی ہوں تو آپ..."

کچھ جھنجلا کر اس نے سبزی کی باسکٹ اماں کے سامنے سے اٹھائی۔

"لائیں مجھے دیں، میں کاٹ لوں گی۔"

اماں نے بناء کسی ہچکچاہٹ کے چاقو اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

آج چھٹی تھی وہ بھی اختیاری۔

دو دن کی درخواست بھیج کر وہ گھر میں چھپ کر بیٹھی تھی بچوں کے ٹیسٹ کی وجہ سے آگے بڑھ گئے تھے۔

پچھلے تین دن سکول چلی تو گئی مگر ہر وقت عجیب سے واہمے گھیرتے۔

کلاس میں میڈم کا بلاوا آتا تو پہلا خیال سجاد کی طرف ہی جاتا۔

"ہو نہ ہو وہ اب سکول آئے ہیں اور کیا خبر بابا بھی لے آئے ہوں۔"

سڑک پر سے کوئی گاڑی قریب سے گزرتی تو ایسا لگتا ہے جیسے ابھی کسی نے ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچا۔

گو اتنی غیر اخلاقی حرکت کی امید تو نہیں تھی مگر غصے میں کوئی بھی شخص کچھ بھی کر سکتا تھا۔

اور وہ صاف لفظوں میں دوبارہ آنے کا کہہ کر گئے تھے۔

دروازے پر دستک ہوئی تو اس کے ہاتھ سے چھری چھٹتے چھٹتے بچی۔

''کیا وحشت ہے' ایک کھٹکے پر ایسے گھبراتے ہیں۔''

اماں نے جھنجلاہٹ سے اسے دیکھا اور اٹھ کر دروازے کی طرف چلی گئیں۔

ثانیہ کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔ جتنی دیر اماں دروازے پر کھڑی رہیں وہ ساکت اسی طرح دیکھے گئی۔

''پڑوس کی بچی تھی' میلاد کا کہنے آئی تھی۔''

وہ واپس آتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

ثانیہ نے ایک سکون بھرا سانس لیا۔

''مگر یہ تم کیوں اس طرح گھبرا رہی ہو۔ چند دن سے دیکھ رہی ہوں دروازے پر ذرا بھی کھٹکا ہو تو ایسے ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں جیسے خدانہ کرے...'' واپس تخت پر بیٹھتے ہوئے۔

وہ اس کی حالت پر بڑا درست تبصرہ کئے گئیں۔

''سچ بتانا کسی سے لڑائی تو نہیں ہو گئی سکول وغیرہ میں۔''

''وہ جھینپ کر مسکرا دی۔''

''میں کب کسی سے لڑتی ہوں۔''

''ہمیں کیا خبر کون سا ہمیں بتاؤ گی۔''

ثانیہ نے کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

اماں کا چہرہ بے تاثر تھا پھر بھی ثانیہ کو لگا جیسے وہ جو دل میں ہے چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں۔

''کہیں انہیں پتہ تو نہیں چل گیا...''

اس نے انہیں سجاد کے آنے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ بہت کم وہ ان سے کچھ بھی چھپاتی تھی۔

مگر صرف وہ جو انہیں تکلیف دے۔

سجاد کا آنا اماں کے لئے خوشخبری ٹھہرتی لیکن اس بار وہ خود غرضی کا مظاہرہ کر چکی تھی۔

''پھر آپ ان لوگوں کے ہاں' کب کہلوائیں گی۔'' وہ واپس وہیں آئی جہاں زندگی کی طرف کھلنے والا ہر دروازہ بند ہوتا تھا۔

''ہاں دیکھو۔''

اماں کی بے نیازی بدستور تھی۔

''کیا مطلب'' پہلے تو آپ صبح شام یہی اصرار کر رہی تھیں کہ جلد سے جلد جواب دو اور اب جب میں خود حامی بھر رہی ہوں تو آپ۔''

سچی بات تو یہ ہے کہ اسے ان کے روّیہ سے خفت ہو رہی تھی۔ ایسے لگا تھا جیسے وہ خود کوئی شادی کے لئے مری جا رہی ہے۔

"ٹھیک ہے اگر آپ کا ارادہ بدل گیا ہے تو جانے دیجئے۔"

بھنڈیاں کٹ چکی تھیں، وہ سبزی کی ٹوکری کو آگے سرکا کر اٹھنے لگی۔

"ارادہ کیوں بدلے گا، شادی تو کرنی ہے تمہاری۔ وہ بھی جلد سے جلد۔ اگلی بار جب وہ لوگ آئیں گے تو ہاں بھی کر دیں گے۔" اماں کی بات پر اس نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

اب وہ مسکرا رہی تھی۔

"اس کے بعد وہ چاہیں گے تو پہلے منگنی کریں یا پھر کچھ مہینوں کے بعد شادی کی تاریخ ہی رکھ لیں گے۔ جیسے مناسب ہو۔"

وہ تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی کچن میں آ گئی۔

یہی کچھ تو وہ سننا چاہ رہی تھی، پھر تکلیف کیسی۔

خود کو سنبھالتے ہوئے وہ کام میں مصروف ہوئی۔

بھنڈی فرائی کی، دال چاول بنائے، سلاد کاٹ کر رکھا، آٹا گوندھا۔

ایک کے بعد ایک کام اور کچھ نہیں تو مصروف تو بہر حال رکھ رہے تھے۔

مگر جیسے ہی ہاتھ دھو کر وہ باہر نکلی تو احساس ہوا کہ ایک پل کے لئے بھی خیال کا وہ تسلسل نہیں ٹوٹا جس سے بچنے کے لئے ہر ممکن تگ ودو جاری تھی۔

کیا تھا جو ایک ہاتھ بڑھا کر اس کی من پسند زندگی کو جی لیا جاتا جو تقدیر نے تھال میں رکھ کر تحفتاً پیش کی تھی۔

دل اس دن سے ہی بار بار اپنی خستہ حالی پر شکوہ کناں تھا۔

وہ ابھی اتنی ہی کمزور تھی جتنا کوئی عام انسان ہو سکتا تھا اور اتنی بڑی دنیا میں جہاں ایک سے ایک مکار، خود غرض کسی نہ کسی بے بس، سادہ دل کی گردن پر پیر رکھ کر اپنی خوشی کا سامان کرنے میں ذرا نہیں ہچکچاتا وہاں خوشی اس کے لئے بھی کوئی ممنوعہ تو نہیں تھی۔

وہ بیلے کی اس مہکتی ہوئی کیاری کے پاس گم صم سی کھڑی رہ گئی۔

مگر یہ محض اپنی ذات کا ہی رونا کب تھا؟

خوابوں، خوشیوں کی تکمیل سے پرے درد کا پورا شہر آباد تھا۔

کاش اس نے بابا اور ان کے خاندان کی شاہانہ زندگی کی جھلک بھی نہ دیکھی ہوتی یا پھر۔

ابا ہی کا تعلق ان کے خاندان سے نہ ہوتا۔

اس کے نرم مہربان آنکھوں اور شفیق مسکراہٹ والے ابا۔

کیسی محرومی اور کس بلا کا صبر۔

بہت سوچ کر بھی یاد نہیں آتا تھا کہ انہوں نے کبھی کسی آسائش کا بھولے سے بھی ذکر کیا ہو۔

اپنے حلال رزق پر قانع۔

ساری عمر اس نے انہیں شکر کا کلمہ پڑھتے ہی سنا۔

اپنی چٹنی روٹی پر اپنے دھل دھل کر بے رنگ ہوئے کپڑوں پر' اپنے اس چھوٹے سے نیم پختہ گھر پر۔

اور محض چند سو میل پر وہ تنگ دل' مغرور اور بے حس خاندان پوری ڈھٹائی سے پوری شان و شوکت سے جیتا رہا۔

کوئی احساس جرم' کوئی تکلیف وہ احساس تک نہیں۔

پتہ نہیں کیوں لیکن اس بات پر ایک بار بھی یقین نہیں آتا تھا کہ ان لوگوں نے واقعی ابا کو ڈھونڈنا چاہا ہو گا۔

وہ جن کی فرعونیت' ایک کمزور عورت کو دروازے سے مایوس لوٹاتی ہے۔

سرد اندھیری شام میں بے رحمی کے ساتھ سڑک پر کھڑا کرتی ہے۔

''دھت۔'' حلق تک کڑواہٹ سے بھرا۔

ساری اداسی' ساری خواہش' بے معنی ہوئی۔

''اچھا وہی تھا جو وہ کرنے جا رہی تھی۔''

اس بار وہ خاصے اطمینان سے واپس برآمدے میں آئی۔

''اماں' یہ شہزاد کہاں ہے' آج کل دکھائی نہیں دے رہا۔''

''کراچی گیا ہوا ہے کل کا۔'' ان کے پاس کنفرم اطلاع تھی۔

''اچھا۔'' ثانیہ کو حیرت ہوئی۔ ''بتایا بھی نہیں' کوئی کام تھا کیا۔''

''کہہ تو یہی رہا تھا کہ ضروری کام ہے' ڈاکٹر سے میرے لئے ٹائم بھی لائے گا اسی ہفتے کا۔''

''حیرت ہے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔ ابھی اتنی جلدی مجھے کہاں چھٹی ملے گی۔'' اسے واقعی اپنی بے وقوفی پر افسوس ہوا تھا۔

بے کار میں ہی چھٹیاں لے کر ضائع کئیں۔ ''کوئی مسئلہ نہیں ہے' میرے ساتھ تو شہزاد ہی جائے گا۔ تم دو دن کے لئے ان کے ہاں چلی جانا یا پھر وہی یہاں آ جائیں گے۔''

اماں کا اطمینان بتا رہا تھا کہ سب ہی کچھ طے ہے۔ اور پہلی بار تھا کہ وہ اس کے بغیر جانے کے لئے بخوشی تیار تھیں ورنہ کچھ دن پہلے تو انہوں نے صاف منع کر دیا تھا۔

اسے یاد آیا۔

چیزیں آہستہ آہستہ بدل رہی ہیں آخر۔

''ایک مکمل تبدیلی آنے کا پروسس شاید اسی طرح شروع ہوتا ہو گا۔''

ٹھنڈے نیم تاریک کمرے میں قدم رکھتے ہوئے ثانیہ نے سوچا۔

...☆☆☆...

نازی نے دیا کا آنا سب سے ہی چھپایا تھا۔

اپنے گھر والوں سے بھی اور عمر اور نانی سے بھی۔

امی کا تشویش میں ڈوبا ہوا فون روزانہ ہی آتا تھا۔

مسعود نے بالکل لاتعلقی اختیار کر لی ہے۔ کسی سے بات نہیں کرتا اور یہ دیا اس نے تو طے کر لیا ہے کہ ہمیں سب کو پاگل کر کے چھوڑے گی۔

"اور مجھے شاید برباد کر کے۔"

امی کی بات پر اسے ایسا ہی خیال آیا تھا۔

وہ بدگمان نہیں تھی لیکن دیا کا کہا ایک ایک لفظ اور ہر ہر انداز آنکھیں کھولنے پر مجبور کرتا تھا۔

"کیا ہوا اتنی خاموش کیوں ہو۔" امی کو اپنی بات کرتے ہوئے کچھ محسوس ہوا تو پوچھنے لگیں۔

نازی اپنی دھیان سے باہر آئی۔

"کچھ بھی نہیں امی۔"

"ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی۔" ان کے پاس آج کل پھر سے دیا کے علاوہ کوئی دوسرا موضوع نہیں تھا۔

دیا نے گھر میں جو طوفان اٹھا رکھا تھا سب ہی از حد پریشان تھے۔

"تمہارے ابا کہہ رہے ہیں کہ مسعود کی طرف بھی حتمی جواب لیا جائے۔ اگر وہ اسے واقعی بلانا نہیں چاہتا تو پھر خلع کی درخواست دی جائے۔"

امی کی آواز بتدریج نیچی ہوتی گئی۔

"کیسی بدقسمتی نے گھیرا ہے اسے۔ کوئی دعا رنگ نہیں لا رہی۔ اپنی خوشی کے لئے جو قدم بھی اٹھایا اوندھے منہ کی گری ہے خود سر ہے بری ہے مگر ہے تو اولاد' جتنا برا بھلا کہتی ہوں اپنا ہی دل دکھتا ہے۔"

نازی کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ رو رہی ہیں۔

دیا کی حالت پر ان سے زیادہ کس کو تکلیف ہو سکتی تھی۔

"اللہ کوئی بہتر راہ نکالے گا امی۔ دیا خود کیا کہہ رہی ہے ابا اسے بٹھا کر صاف پوچھیں نا۔"

"دس بار پوچھ لیا۔ روز ہی یہ موضوع چھڑتا ہے مگر وہ ہم پر ہی الٹے سیدھے الزامات لگانے لگتی ہے۔ جن باتوں کا اس کے مسئلے سے تعلق بھی نہیں وہ اٹھاتی ہے۔"

ان کے الفاظ میں ابہام تھا۔

"کیسے الزامات' یہاں کسی نے کیا کہا۔" نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے اس نے خود کو ان کا جواب سننے کے لئے تیار کیا۔

کچھ نہیں' بس یوں ہی اوندھی سیدھی باتیں ہیں۔

اصل میں تو اب پچھتا رہی ہے پر اپنے کئے کا کیا علاج' جب ہم اچھی بھلی شادی کر رہے تھے تو ذلیل کروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اب ہوش آیا ہے تو..."

"میری شادی' عمر سے ہونے پر غصہ ہے نادیا کو۔"

بہت ٹھنڈے لہجے میں اس نے ان کی بات کاٹی۔

وہ چند لمحوں کے لئے تو بالکل خاموش ہی رہ گئیں۔

"میں نے کہا نا دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔ اب عمر میں اچھائیاں نظر آ رہی ہیں جب وہ مسعود سارا پیسہ سمیٹ کر بھاگ کھڑا ہوا اس بے وقوف نے تو یہ بھی پتہ نہیں رکھا تھا کہ اس کی پہلی بیوی سے ابھی تک علیحدگی بھی نہیں ہوئی' وہ آیا اور یہ چل پڑی بے وقوفوں کی طرح پیچھے پیچھے۔"

امی شاید بات کا اثر زائل کرنے کے لئے وہی موضوع کو دوسری طرف لے جا رہی تھیں۔

مگر وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ انہیں دیا کے کس قسم کے روّیے کو جھیلنا پڑ رہا ہوگا۔

دیا کا دباؤ' گھر پر ہمیشہ بری طرح اثر انداز ہوا تھا۔

"اب پتہ نہیں...۔"

سچی بات یہ کہ وہ خوفزدہ تھی۔

اسی دن سے جب سے دیا یہاں سے ہو کر گئی تھی۔

"تم پریشان نہ ہو بیٹا' بس دعا کرو بہن کے حق میں اور ابھی ادھر کا چکر نہ ہی لگانا۔ دیا کا تو تمہیں پتہ ہے کتنی بدلحاظ ہونے لگتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ عمر کے سامنے بھی وہ کوئی نیا تماشا کھڑا کرے۔"

"جی۔" نازی نے بہ دقت اتنا ہی کہا تھا۔

دو چار منٹ اور دیا کا ہی قصہ رہا۔

امی کا فون بند ہونے کے بعد بھی وہ کتنی دیر وہیں صوفے پر بیٹھی رہی۔

تماشا کھڑا کرنے کے لئے دیا کو اس کی وہاں آمد کا انتظار کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ پہلے ہی وہ بذاتِ خود یہاں آ کر ایسا ہی کچھ کر چکی تھی اور ایسا ہی کچھ وہ عمر کے آفس جا کر بھی یا یہاں گھر پر اس کی موجودگی میں کر سکتی تھی۔

نازی کا دل بڑے خوفزدہ انداز میں دھڑک رہا تھا۔

دیا کے احساس برتری کو زبردست چوٹ پہنچی تھی اور اس کی قوت برداشت کے بارے میں کبھی بھی کوئی خوش فہمی نہیں رہی تھی۔

مسعود کی طرف سے ٹھکرایا جانا اس پر کتنا خوفناک طریقے سے اثر انداز ہوا ہوگا سوچ کر بھی تکلیف ہوتی تھی۔

مگر ردعمل کے طور پر وہ جس طرح حسد اور نفرت اطراف میں بانٹ رہی تھی وہ اور بھی زیادہ ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔

اس کا سب سے نمایاں ہدف نازی ہی تھی۔

اور اگر وہ اس کو اتنا قریب سے نہ جانتی تو شاید اتنی خوفزدہ بھی نہ ہوتی۔

"پتہ نہیں اس نے عمر سے اور امی سے دیا کا یہاں آنا چھپا کر غلطی تو نہیں کی۔"

داخلی دروازے پر بیل ہو رہی تھی۔

نازی یوں ہی الجھی الجھی سی وہاں تک گئی۔

سامنے فرح کھڑی تھی۔

"ارے تم۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔ "آؤ۔"

"کیوں کسی کا انتظار کر رہی تھیں کیا' عمر کے آنے میں تو ابھی خاصا وقت پڑا ہے۔"

''ان کا تو کوئی بھی وقت نہیں' تم سناؤ بہت دن بعد چکر لگا۔''

فرح اسے بہت پسند تھی اور اس وقت تو اس کا آنا ایک بہت ہی خوشگوار سا احساس جگا رہا تھا۔

دل و دماغ پر رکھا بوجھ' سب ہی کچھ کم کم۔

ہاں' بس آفس اور گھر' بابا بیمار ہیں' سجاد بھائی آفس نہیں آ رہے' عمر بھی کسی وقت ہوتا ہے کسی وقت نہیں پھر دوسرے اس برانچ کی ہیڈ فرحت آپا ہو گئی ہیں' ان کی ہیلپ کے لئے رکنا پڑ گیا ہے ورنہ میں نے تو یہ جاب تقریباً چھوڑ ہی دی تھی۔

لاؤنج کے صوفے پر بیٹھنے تک وہ خلاف عادت بڑے دھیمے لہجے میں کہے گئی۔

نازی کو پتہ تھا کہ وہ آج کل ٹھیک نہیں ہے۔

اس کی سب کا خیال رکھنے والی عادت' محبت' خلوص اسے لوگوں سے الگ تھلگ نہیں ہونے دیتا تھا اور نہ...

''ثانیہ کا کچھ پتہ چلا فرح۔'' نازی نے اپنائیت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

''کئی دن سے میں اس کے ماموں کے گھر نہیں جا سکی ہوں' فرصت ہی نہیں مل رہی' کام بہت ہے نا۔''

''فکر نہیں کرو آج نہیں تو کل ضرور پتہ چل جائے گا۔'' اللہ نے چاہا تو سب خیریت ہی ہو گی۔

''ہاں خدا کرے۔''

ایک ٹھنڈی سانس فرح کے لبوں پر آئی۔

''کاش میں اسے یہاں لے آئی ہوتی کسی بھی طرح مجبور کر کے۔ وہاں بابا کے ہاں اسے نہ چھوڑتی۔''

کچھ نہ کچھ ضرور ایسا ہوا ہے جو ثانیہ نے مجھ سے بھی کہنا نہیں چاہا' کوئی بہت گہری چوٹ اسے لگی تھی نازی اور اس کے ذمہ دار سجاد بھائی ہیں۔

''میں انہیں کبھی معاف نہیں کر سکتی۔''

''ان کی بھی کوئی مجبوری ہو گی فرح۔''

''مردوں کی مجبوریاں نہیں ہوتیں' ان کے بہانے ہوتے ہیں۔'' فرح کی تلخی سمجھ میں آئی تھی۔

''خیر' بس اس وقت کچھ اور بات کرنے آئی تھی تم سے۔'' وہ فوراً ہی خود کو کمپوز کر گئی تھی۔

نازی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اس روز میں نے دیا کو یہاں سے واپس جاتے دیکھا تھا۔''

صیغہ راز میں رکھی بات اتنی راز بھی نہیں تھی گویا۔ فوری طور پر وہ کچھ کہہ بھی نہیں پائی۔

''کوئی پریشانی ہے کیا نازی' مناسب سمجھو تو مجھے بتاؤ پلیز۔''

فرح کے خلوص پر ذرا سا بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نازی کو اسے دیکھ کر ملائیشیا بیٹھی رعنا یاد آتی تھی۔

ایسی ہی پرجوش' حساس اور کھری' جس کے کندھے پر کسی بھی وقت سر رکھ کر بلا جھجک رویا جا سکتا تھا۔

''اصل میں میں اسے یہاں دیکھ کر پریشان ہو گئی۔''

"وہ کچھ عجیب سے موڈ میں محسوس ہوئی' مجھے ایسا لگا جیسے تم دونوں کے بیچ...."

نازی نے بے حد شدت کے ساتھ ایک مخلص دوست کی ضرورت محسوس کی۔

اور اس کی خوش قسمتی کہ وہ اسے میسر بھی تھا۔

"دیا بہت ہنگامہ کر کے گئی ہے فرح' مجھ پر اسے بے حد غصہ ہے' مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے اسے میری عمر سے شادی ہونا بھی بہت برا لگا ہے۔"

"مجھے پتہ ہے۔" فرح نے آہستہ سے کہا تو وہ کچھ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"وہ تمہارے گھر کے نمبر پر بار بار عمر کو فون کرتی رہی ہے' کیا خبر آفس بھی آئی ہو لیکن اس کا یہاں فون آنا' میں نے ضرور عمر سے کنفرم کیا تھا۔"

آگے کچھ کہنے سے قبل فرح نے نازی کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ نازی کے چہرے کا رنگ اڑ رہا تھا۔

"میں تمہیں ڈرانا نہیں چاہتی نازی لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ تمہارا بے خبر رہنا بھی اچھا نہیں ہے۔ عمر نے اس کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ دیا اس سے کہیں باہر ملنا چاہتی ہے لیکن وہ سختی سے منع کر چکا ہے اور وہ یہ سب تمہیں محض اس لئے نہیں بتا رہا کہ تمہیں تکلیف نہ پہنچے۔"

نازی کے چہرے پر تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔ "اگر کوئی چوٹ تقدیر میں لکھی گئی ہے تو وہ کیسے رک سکتی ہے فرح۔"

"تمہیں کیسے پتہ کہ تمہاری تقدیر میں چوٹ کھانا لکھا ہے۔ انسان کو اچھی امید رکھنی چاہئے اور یہ وقتی پریشانیاں محض زندگی کا حصہ ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ چلتی ہیں کسی نہ کسی صورت میں۔"

نازی کا سر ہلکے سے نفی میں ہلا۔

"عمر دیا سے محبت کرتا تھا فرح بے پناہ' تم بھی گواہ ہو اس بات کی اور اب کیسے ممکن ہے کہ وہ پھر سے اسے...."

نمی سے بوجھل ہوتا ہوا اس کا لہجہ بات پوری کرنے کی بھی اجازت نہیں دے رہا تھا۔

فرح اٹھ کر اس کے لئے پانی کا گلاس لے کر آئی۔

"ریلیکس۔"

نازی نے شکر گزار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یوں ہی الٹی سیدھی باتوں میں دماغ مت لڑاؤ۔

ٹھیک ہے عمر نے اپنی پسند سے منگنی کی تھی دیا سے۔

مگر اب تم اس کی بیوی ہو' بے حد محبت کرتا ہے وہ تم سے۔ تمہارے پیچھے تمہاری تعریفیں کرتا نہیں تھکتا غریب' آفس میں تو اس کے لطیفے مشہور ہوتے جا رہے ہیں۔ کل میں نے چائے والے لڑکے سے چائے کی تعریف کی تو پتہ ہے وہ کیا بولا..."

ایک شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ ذرا رک کر فرح نے نازی کو دیکھا تو اس نے جھینپ کر نفی میں سر ہلایا۔

"کہنے لگا نہیں باجی چائے تو بس عمر بھائی کی بیگم ہی بناتی ہیں' کسی دن مجھے لے کر جائیں گے ان کے پاس سکھوانے کے لئے' کوئی خاص ریسیپی ہے ان کی۔"

نازی ہلکے سے ہنس پڑی۔

اس کے سادہ سے چہرے پر خوشی کا بڑا پیارا سا رنگ ابھرا تھا۔

"ایسے ہی خوش رہا کرو' کتنی خوبصورت مسکراہٹ ہے تمہاری' عمر نے بتایا تو ہوگا۔"

"تم بھی نا... میں لاتی ہوں تمہارے لئے کچھ وہ اٹھنے لگی مگر فرح نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔"

"میں کھانا کھا کر جاؤں گی بے فکر رہو اور وہ بھی بہت اچھا سا۔ یہ مت سمجھنا جو پکا ہو' وہ کھلا کر جان چھڑا لو گی۔"

وہ موڈ میں آتی جا رہی تھی۔

ایک بار بولنا شروع ہوتی تو دوسرے کی باری آنا مشکل ہی ہوتا تھا۔

مگر اس وقت یہی بے تکی باتیں نازی کے لئے نسخہ شفا ثابت ہو رہی تھیں۔

کتنی ہی دیر وہ ہنسے گئی۔

وہ چبھن بھرا موضوع پھر سے شروع ہوا تب تک نازی کافی سنبھل چکی تھی۔

"تمہیں ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے تم دونوں اپنے بیچ اعتماد کو مضبوط رکھو' تم نے عمر کو بتایا تھا دیا کے یہاں آنے کے بارے میں۔"

بہت ساری نصیحتوں کے بیچ فرح کو ایک سوال بھی یاد آیا۔

"نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ بتا دینا چاہئے تھا عمر کو لگتا کہ تم اس پر اعتماد کرتی ہو۔"

"میں ڈر گئی تھی فرح اور پھر اس بات میں سوائے ڈر اور شرمندگی کے لئے ہے کیا۔ دیا کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اتنا فرق نہیں پڑتا مگر وہ بری نہیں ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ عمر سے کیا کچھ کہتی ہوں۔"

"مگر میری تو ہر طرح سے ہی ذلت..." اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

دروازہ کھول کر عمر تیزی سے اندر آیا تھا۔

"فرح۔" اس کے چہرے پر دبا دبا سا جوش تھا۔

وہ دونوں ہی بری طرح چونکی تھیں۔

"فرح' ثانیہ کا پتہ چل گیا' سجاد بھائی نواب شاہ جا کر مل آئے ہیں ان لوگوں سے' انہوں نے خود مجھے بتایا وہ اور اماں دونوں خیریت سے ہیں۔"

خوشی کی ایک لہر جیسے عمر کے ساتھ اندر آئی تھی۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا سجاد بھائی نے' ساتھ ہی لے چلتے پتہ بھی تھا کہ میں کتنی پریشان ہوں۔"

"اور کوئی فون نمبر لیا تم نے ان سے۔"

"خالی مل کر آ گئے' ساتھ لے کر کیوں نہیں آئے۔"

بے صبری سے ایک کے بعد ایک فرح کی طرف سے کتنے ہی سوال آئے۔

"کیوں بتاتے وہ تمہیں' ساری الزام تراشیاں تو تم ان پر کر چکی ہو' ذرا اپنا رویہ تو یاد کرو۔"

عمر نے بروقت یاددہانی کرائی مگر وہ مجال ہے جو ذرا بھی شرمندہ ہوئی ہو۔

''خیر وہ تو میں ابھی بھی کہتی ہوں ثانیہ کے اس طرح جانے کے ذمہ دار وہی ہیں۔ تکلیف کا بے شک انہوں نے تھوڑا بہت ازالہ کر دیا ہے۔''

بہت فیاضی سے اس نے انہیں تقریباً معاف کیا۔

''ہم لوگ کل صبح ہی چلیں گے نواب شاہ' کیوں نازی۔''

ابھی کوئی نہیں جائے گا' سجاد بھائی نے تو مجھے تمہیں بتانے سے بھی منع کیا تھا مگر تمہاری پریشانی پر مجھے رحم آرہا تھا۔''

نازی کے کچھ بھی کہنے سے پہلے عمر نے سنجیدگی سے کہا۔

''منع کیا تھا۔''

اتنی دیر میں پہلی بار فرح کو لگا کہ اس سیدھی سادی خوشخبری کے پیچھے کچھ اور بھی ہے۔

''سجاد بھائی کو پہلے سارا معاملہ سلجھانے دو' ایک زبردست ٹوسٹ آیا ہے ان کی سٹوری میں عمر سنجیدہ تھا۔

''ان کے خاندان کی ایک پرانی مسٹری کا سراغ ملا ہے اور پتہ ہے اس کے لئے ہمیں کتنا پیچھے جانا پڑے گا۔''

کسی ماہر قصہ گو کی طرح اس نے لہجہ کو پراسرار بنایا۔ فرح اور نازی دونوں ہی بریکنگ نیوز سننے کے لئے بے تاب تھیں۔

...☆☆☆...

اس کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔

بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ ایک ہی پوزیشن میں کتنے گھنٹے سے بیٹھی رہی اور رات گہرے سناٹے میں ڈوبی اس بے رنگ اور حبس زدہ فلیٹ میں سے گزرتی رہی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

کوئی آہٹ' کوئی دستک نہیں۔

صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹا تھا۔

آج تیسری رات گزری تھی جو فیضی گھر نہیں آیا تھا اور اب اسے پورا یقین آچکا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر جا چکا ہے۔

کسی ناقابل یقین بات تھی یہ۔

ایسی ہی ناممکن جیسے سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے نکل آنا۔

پچھلے دس دنوں میں اس نے بار بار راستہ علیحدہ کرنے کی بات کی' پورا پورا زور ڈالا کہ وہ بچی کو لے کر واپس اپنے والدین کے گھر چلی جائے۔

لیکن نینی نے ایک بار بھی اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کی تھی۔

اسے یقین تھا کہ یہ مسئلہ یوں ہی وقت کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ فیضی جو کچھ بھی کہہ رہا ہے وہ اپنے اوپر بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے کہنے پر مجبور ہوا ہے۔

''ورنہ وہ بھلا کیسے رہ سکتا ہے اس کے اور ربیعہ کے بغیر۔''

ایک بڑا گہرا یقین جواب تک وجود کا حصہ تھا محض خوش فہمی ثابت ہوا۔

اپنے یقین کی موت پر وہ جتنا رو سکتی تھی۔

آج صبح رولی تھی مگر اب آنسو بھی ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

چکراتے ہوئے دماغ اور ڈوبتے ہوئے دل کے باوجود آخر اسے اٹھنا ہی تھا' سو اٹھ کھڑی ہوئی۔

بچی ابھی سو ہی رہی تھی، اس کی سائیڈ میں ایک تکیہ لگا کر نیکی باہر نکل آئی۔

زردی مائل دن پھیل رہا تھا۔

وہ سیدھی کچن میں آئی۔

پچھلے دو دنوں میں وہ محض چند بار ہی کچن میں آئی تھی، وہ بھی جب بھوک ناقابل برداشت ہوئی۔

بچی کی ذمہ داری جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے پر مجبور کرتی تھی۔

سنک میں کچھ برتن پڑے رہ گئے تھے۔

بے اختیار ہی آگے بڑھ کر وہ دھونے کھڑی ہو گئی۔

خشک کر کے ریک میں رکھے، آگے بڑھ کر گیس کا لیور بند کیا اور باہر نکل آئی۔

دو دن سے گھر میں صفائی نہیں ہوئی تھی۔ ایک بار تو اس کا دل چاہا کہ بڑھ کر صفائی کر ہی لے مگر اب گنجائش کہاں تھی۔

تیزی سے کمرے میں آ کر اس نے الماری کھولی، بچی کے کپڑے اور ضروری چیزیں اکٹھی کیں۔

اپنے ہینڈ بیگ کی زپ کھول کر ایک نگاہ اپنی جمع پونجی پر ڈالی۔

باون روپے اور کچھ ریزگاری۔

اس مختصر اثاثے کے ساتھ فیضی کے انتظار کا اب ایک دن بھی نہیں کاٹا جا سکتا تھا بلکہ یہ تو اتنے بھی نہیں تھے کہ ایک طرف کا رکشہ کا کرایہ بھی ادا کیا جا سکتا۔

وہ پھر سے سوچ میں پڑ گئی۔

"کاش مہرو خالہ ہی لاہور نہیں گئی ہوتیں۔"

اسے وہی محبت بھرا سایہ یاد آیا جس نے کتنے ہی کٹھن وقت آسان کئے تھے۔ آج بھی اگر وہ ہوتیں تو کچھ نہ کچھ تو اس کے لئے ضرور کرتیں۔"

ایک تھکی تھکی سی سانس لیتے ہوئے اس نے بچی کو احتیاط سے اٹھاتے ہوئے کندھے سے لگایا۔ بے بی بیگ اٹھایا اور کمرے سے نکلی۔ دروازے بند کرتے ہوئے ایک نگاہ اس نے اس چھوٹے سے کمرے پر ڈالی۔

جہاں زندگی کا سنہرا پن بتدریج دھندلایا تھا۔

ایک چھوٹے سے پل میں بہت کچھ بندھا ہوا تھا۔

اس نے آہستگی سے کمرہ بند کیا اور پھر لاؤنج سے گزرتی ہوئی بیرونی دروازے سے باہر نکل آئی۔

دروازہ لاک کر کے پلٹی تو ساتھ والے فلیٹ کے دروازے پر مہرو خالہ کی بہو کھڑی تھی۔

"فیضی رات بھی نہیں آیا۔"

"نہیں۔" جواباً ایک چھوٹا سا لفظ کہتے ہوئے بھی وہ بے حد شرمندہ ہوئی تھی۔

یوں ہی دماغ خراب ہو جاتا ہے ان مردوں کا۔ تم اچھا کر رہی ہو، اپنی امی کے ہاں جا رہی ہو، میں ابھی تمہارے ہی پاس آنے کے لئے نکلی تھی، چلو خیر اب تو تم جا ہی رہی ہو۔"

وہ قریب آ کر کھڑی ہوئی۔

''کتنے دن میں واپس آ جاؤ گی نینی۔''

''دیکھیں بھابی۔'' اس نے زبردست مسکرانے کی کوشش کی۔ ''یہ چابی رکھ لیں' فیضی آئے تو دے دیجئے گا۔'' چابی اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اسے خود ذرا بھی یقین نہیں تھا کہ وہ واپس بھی آئے گا۔

''ایک بات اور...'' آگے کچھ کہتے ہوئے وہ جھجکی۔

''کیا ہوا' کہو نا۔'' وہ سارا گھرانہ ہی بے حد پر خلوص تھا۔ ''آپ مجھے سو روپے دے دیں گی پلیز۔''

''ہاں کیوں نہیں' کمال کرتی ہو۔'' وہ تیزی سے اندر گئی اور سو کا نوٹ لا کر نینی کے ہاتھ پر رکھا۔

''اب وہاں ریلیکس ہو کر رہنا کچھ دن' یہ لینے بھی آئے تو مت آنا فوراً سمجھیں۔ جب ہی دماغ ٹھکانے پر آئے گا۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نینی نے اس کی پر خلوص نصیحت سنی اور پھر خدا حافظ کہہ کر سیڑھیوں سے اتر گئی۔

...☆☆☆...

شہزاد کراچی سے آیا تو بڑا خاموش خاموش تھا۔

ثانیہ سے تو بس رسمی سی ہی بات کی' سارا وقت اماں سے بیٹھا کھسر پھسر کئے گیا۔

''وہ تجسس کے مارے جا کر بیٹھی تو فوراً ہی موضوع بدل دیا۔''

''کراچی میں آم بہت مہنگے ہو رہے ہیں یہاں ادھر ہمارے نواب شاہ میں بہر حال سستے ہیں ابھی تک البتہ موسم بہت اچھا ہو رہا ہے وہاں ایسی گرمی نہیں ہے جیسی یہ ہمارے سندھ کے میدانی علاقوں میں پڑتی ہے کہ بس خدا یاد آتا ہے۔''

وہ جیسے کراچی یہی تقابلی جائزہ لینے کے لئے گیا تھا۔

کوفت کے باوجود بھی ثانیہ کو ہنسی آ گئی۔

''میں چلی جاتی ہوں' تم اور اماں جو بات کرنا چاہتے ہو کر لو۔''

''اچھی بات ہے انسان کو اتنا سمجھدار ہونا بھی چاہیئے۔''

شہزاد نے فوراً ہی ثانیہ کی تائید کی تو وہ جل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اماں نے بھی رکنے کے لئے نہیں کہا۔

اندر سکول سے لائی کچھ کاپیاں چیک ہونے کے لئے رکھی تھیں۔ بہتر تھا کہ انہیں ہی نمٹا لیا جاتا۔

مگر پھر بھی اس کا سارا دھیان اس طرف لگا رہا۔ ایسی کیا بات ہو سکتی ہے آخر جس کے لئے اس سے راز داری برتی جا رہی ہے۔

''سنو' تم ڈاکٹر سے ٹائم تو لے آئے ہو نا۔'' صبر نہ ہوا تو وہ پھر دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

''وہ ملک سے باہر گئے ہیں' پندرہ دن میں لوٹیں گے۔'' سرسری سے انداز میں جواب دے کر وہ پھر سے اماں کی طرف متوجہ تھا۔

''کیا بات ہوئی ہے' مجھے بھی تو بتا دو' اتنی دیر سے پریشان ہو رہی ہوں۔'' وہ پھر سے آ کر تخت پر براجمان ہوئی۔

''آپ کے مطلب کی بات نہیں' خوامخواہ ذہن کو مت تھکائیں۔''

شہزاد نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''زیادہ بڑے مت بنو تم' آپ بتائیں اماں کیا ہوا ہے۔'' اسے تھوڑا سا غصہ آنا شروع ہوا۔

"کچھ نہیں تمہاری سسرال والوں کی بات کر رہے تھے کہ۔"

انہیں کس تاریخ کو بلایا جائے' کیا انتظام ہو۔

"کیا مطلب۔" وہ چونک سی گئی۔

"اس روز تو آپ کہہ رہی تھیں کہ کوئی ایسی جلدی نہیں ہے' جس دن وہ آئیں گے تب ہی جواب دیں گی۔ اب یہ باقاعدہ...۔"

"نیک کام میں دیر کیسی' جب تم حامی بھر ہی چکی ہو تو میں نے بھی انہیں ہاں کہلوا دی۔ اب تو بس رسم کرنی ہے انشاء اللہ۔" اماں مطمئن بھی تھیں اور مسرور بھی۔

سب کچھ حسب منشا ہی ہو رہا تھا پھر بھی وہ بالکل خاموش ہو رہی۔

طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی' کاپیاں زیادہ ہیں تو لائیں میں چیک کروا دوں۔" شہزاد نے تو بظاہر ہمدردی سے ہی کہا تھا مگر وہ ایک دم ہی چڑ گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کر لوں گی میں خود ہی۔" تیزی سے کہتے ہوئے وہ واپس اندر چلی آئی۔

دل پر بڑھتا ہوا بوجھ اور آنکھوں میں چمکتے پانی کے قطرے۔

جو کچھ ہونے جا رہا تھا اس کے اپنے کہنے پر ہی عمل میں آ رہا تھا پھر بھی ہوش و حواس گم سے ہوئے۔

"کون سا کوئی ہاتھ پکڑ کر واقعی لے جاتا' بے وقوفی کی بھی کوئی حد تھی۔ فرار کا ایک یہی طریقہ تو نہیں تھا۔"

"چپ چاپ بیٹھی وہ اندر کے ملامتی سلسلے کو سننے گئی۔"

پہلی بار اسے احساس ہوا کہ صرف کہہ دینا ہی آسان تھا' آگے انجام پانے والے یہ سارے ہی رسوم قاعدے... کچھ چونک کر اس نے سر کو ہلکے سے جھٹکا اور چہرے پر گرتے آنسوؤں کو انگلیوں سے رگڑ ڈالا۔

ایک محفوظ مامون راستہ پکڑ لینے کے بعد وہ کیوں خود کو پھر سے بھٹکانے پر تلی ہے۔ اتنا کچھ ہونے کے بعد پھر اسے اپنی کمزوری پر حیرت ہوئی اور افسوس بھی۔

"کچھ منگوانا تو نہیں ہے۔" شہزاد دروازے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی اور اماں کی پرائیویٹ گفتگو اختتام کو پہنچی تھی یا وہ اس کی حالت کا جائزہ لینے آیا تھا۔

ثانیہ کو دوسرا خیال ہی صحیح لگا۔

"اور اب کم از کم یہ تو طے تھا کہ وہ کسی بھی کمزوری کے ہاتھوں میں اپنی باگ ڈور نہیں تھمانے والی۔"

مڑنے سے پہلے اس نے خود کو یاد دلایا۔

"کچھ چیزیں منگوانی ہیں' تم رکو میں لکھ کر دیتی ہوں۔"

ایک سادی' روزمرہ کی بات کہتے ہوئے اس کے انداز میں انوکھی سی تمکنت اور وقار نمایاں ہو رہا تھا۔

شہزاد کو وہ بڑی اجنبی سی محسوس ہوئی تھی۔

...☆☆☆...

لاؤنج میں معلوم نہیں کس بات کا شور تھا۔

اوپر کمرے میں سے آتے ہوئے سجاد نے محض ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ہی ان سب پر ڈالی تھی۔

بچوں کی چھٹیاں شروع ہو چکی تھیں سو گھر پر ہی دکھائی دے رہے تھے۔ وقار بھائی اور بلقیس بھابی کا کوئی معمول کا جھگڑا جاری تھا۔

فرحت آپا موجود نہیں تھیں سو یقیناً آفس جا چکی تھیں۔ ان کے لئے سب سے تسلی بخش یہی بات تھی کہ وہ بہت تیزی سے آفس اور کام میں ایڈجسٹ ہوئی تھیں اور جس خوبی سے وہ کام کو سنبھالتی جا رہی تھیں وہ بڑی حیرت انگیز خوشی کا سبب بن رہا تھا۔

”سب من گھڑت کہانیاں ہیں اور جو مر کھپ چکے اب ان کا واویلا مچانے چلے ہو تم لوگ لیکن میں صاف کہہ دیتی ہوں کہ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے وقار زندگی حرام کر کے رکھ دوں گی ایک ایک کی۔“

سجاد ان کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہ رہے تھے لیکن بلقیس بھابی کی چبھتی ہوئی نفرت میں ڈوبی آواز کانوں تک بخوبی آئی۔

”ساری عمر تم نے اس کے علاوہ کیا بھی کیا ہے لیکن اب تمہارا وقت پورا ہوا بلقیس...“ وقار بھائی جواباً ایسا ہی کچھ کہہ رہے تھے۔

سجاد نے تیز قدموں سے اس وسیع لاؤنج میں سے گزرنا چاہا لیکن وقار بھائی نے انہیں دیکھ لیا تھا۔

”میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں سجاد‘ ذرا دو منٹ رکنا۔“

”میں گاڑی نکال رہا ہوں آپ باہر آ جائیں۔“

ذرا رک کر انہیں پلٹ کر اس طرف دیکھنا ہی پڑا۔

بلقیس بھابی کے چہرے پر نفرت جیسے ثبت ہو کر رہ گئی تھی۔ سجاد کے لئے تو وہ اتنی ناقابل برداشت ہو رہی تھیں کہ حد نہیں۔

”خدا ہی جانے پستی کی انتہا کی بھی انتہا کو چھو لینا کیسے ممکن ہوتا ہے کچھ لوگوں کے لئے۔“

کبھی کبھی تو بڑی ہی حیرت گھیرتی تھی۔

”کسی کو بھی سڑک سے اٹھا کر گھر میں لے آؤ۔ یہ میری زندگی میں تو ممکن نہیں اچھی طرح سمجھ لو۔“

وہ ان سے کہہ رہی تھیں یا وقار بھائی سے‘ یہ جاننے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

وقار بھائی پیچھے ہی آئے تھے۔

”مجھے لگتا ہے یہ عورت اب پھر ان ہی دماغی دوروں کی طرف جا رہی ہے جو فیضی کے جانے کے بعد پڑنے شروع ہوئے تھے اور اس بار اس کا واپس سنبھلنا بھی مشکل ہو چکا سجاد۔“

ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے وقار کا لہجہ بے تاثر تھا۔ گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے سجاد نے گردن موڑتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

”اور اس بار میں اسے گھر میں رکھنے کی غلطی نہیں کروں گا‘ کسی مینٹل وارڈ میں داخل کروا دوں گا۔“

”بڑی مشکل سے بابا کی طبیعت سنبھلی ہے میں نہیں چاہتا کہ گھر واپسی پر ان کے لئے اس طرح کی ٹینشن ہو۔“

وہ بلقیس بھابی سے مکمل طور پر بے زار ہو چکے تھے اور اس کے لئے کوئی ایک شخص بھی انہیں موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔

سجاد نے ایک گہری سانس لی۔

سامنے واچ مین گیٹ کھول رہا تھا' انہوں نے گاڑی گیٹ سے نکالی ہی تھی کہ کوئی سائیڈ کی طرف سے تیزی سے گاڑی کے سامنے آیا۔

بڑی مہارت سے سجاد نے بریک لگایا۔

''یہ فقیر بھی کم بخت بس تاک میں رہتے ہیں' ابھی آتی گاڑی کے نیچے تو مصیبت ہمارے گلے پڑی تھی۔''

وقار بھائی بری طرح غصہ میں آئے تھے لیکن دروازہ کھول کر گاڑی سے اترتے ہوئے سجاد کی آنکھوں میں حیرت جمی تھی۔

''کہاں دیکھا تھا۔''

وہ خوبصورت چہرہ' پہلی نگاہ میں مانوس لگا تھا۔

اپنے کمزور وجود کے ساتھ چھوٹی سی بچی کو سنبھالتے ہوئے وہ بمشکل ہی اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔

آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو اور کانپتا ہوا وجود۔

''نینی۔''

ذہن نے ایک بھولا ہوا نام یاد دلایا تو وہ تیزی سے آگے بڑھے۔

وہ جیسے بس سہارے کی ہی منتظر تھی۔

''وقار بھائی' اسے اندر لے کر جانا ہوگا۔'' انہوں نے پچھلی سیٹ پر نینی کو بٹھایا تو وہ ایک طرف کو گرنے لگی تھی۔

سجاد نے بہت تشویش سے اسے دیکھا۔

نینی کی آنکھیں بند تھیں اور چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ رہا تھا۔

بچی مستقل رو رہی تھی۔

''وقار بھائی اسے آپ پکڑ لیں۔'' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے انہوں نے بچی وقار کو تھمائی۔

''کیا کر رہے ہو سجاد' ایسے ہی کسی کو بھی گھر میں لے آتے ہیں کیا' تم ہمیشہ ہی بہت آگے نکل جاتے ہو کسی کے لئے بھی۔'' وہ جھنجلا رہے تھے مگر بچی کو مجبوراً ہی سہی انہیں تھامنا پڑا تھا۔

سجاد نے بناء کچھ کہے گاڑی ریورس کی تھی۔

''آج واقعی کسی کو روڈ سے اٹھا کر ہی گھر میں لانا پڑا۔''

انہیں بلقیس بھابی کی کہی بات یاد آئی۔

'' سو اس حالت میں وہ ان دونوں کو کیسے باہر چھوڑ سکتے تھے۔'' سجاد نے ایک نگاہ بچی کے معصوم چہرے پر ڈالی۔

''کیا ہوا ہوگا نینی کے ساتھ بھلا؟''

...☆☆☆...

شام گہری ہو کر رات میں بدل رہی تھی۔ اگلے صحن میں ٹھنڈی نرم روشنی پھیلی اور لان سے لگے گھنے اونچے سارے ہی درخت خاموشی میں ڈوبے۔

وہ برآمدے سے ہوتی ہوئی سیڑھیوں پر آ کھڑی ہوئیں۔

ہوائیں دھیمی تھیں لیکن ماحول میں سہ پہر میں ہو جانے والی بارش کے باعث خشکی کا احساس نمایاں تھا۔ سبزے اور مٹی کی ملی جلی سی خوشبو سارے میں اڑتی پھر رہی تھی اور باہر وقفے وقفے سے کسی گاڑی یا بائیک کے گزرنے کی آواز خاموشی کے اس عالم کو توڑ دیتی۔

ان کی نگاہ بیرونی گیٹ پر جمی تھی جہاں کوئی آہٹ' کوئی دستک ابھرنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''معلوم نہیں کہاں رہ گئی۔''

ہاتھ میں تھامے سیل فون پر انہوں نے ایک بار پھر دیا کا نمبر ٹرائی کیا مگر اس بار بھی رابطہ ممکن نہ ہو سکا۔

سہ پہر میں بارش ہلکی ہوتے ہی وہ نکل پڑی تھی حالانکہ وہ اسے منع کرتی ہوئی باہر تک آئیں بھی مگر لاحاصل۔

''سمیرا کے بھائی بھابی امریکہ سے آئے ہوئے ہیں' ان سے مسعود کے بارے میں معلومات کرنی ہیں' کل وہ لاہور چلے جائیں گے۔''

خلافِ عادت اس نے اپنے ''ضروری کام'' کی تھوڑی سی تفصیل بھی انہیں تھمائی پھر بھی انہیں موسم کی خرابی پریشان کر رہی تھی۔

''فون پر بات کر لو یا پھر ان لوگوں کی لاہور سے واپسی پر چلی جانا۔''

''میں اب انتظار نہیں کر سکتی اور جو بات سامنے بیٹھ کر ممکن ہوتی ہے اس طرح فون پر نہیں ہو پاتی۔''

ناممکن تھا کہ وہ جو ٹھان لے پھر اس سے ہٹ جائے' سو وہ گئی سو گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:

WWW.PAKSOCIETY.COM

بشارت صاحب اور سمیع دونوں آج کی شادی میں حیدر آباد گئے تھے۔ رات گئے تک واپسی تھی۔ پیچھے اکیلی امی ہی تھیں پریشان ہونے کے لئے اور اب تو اسے گئے ہوئے بھی تین ساڑھے تین گھنٹے ہو رہے تھے۔

سمیرا کا گھر بھی بہت زیادہ دور نہیں تھا اسی بلاک کی آخری گلی تھی۔ عام دن ہوتے تو وہ وہاں تک جانے کی ہمت بھی کر لیتیں لیکن تھوڑی سی بارش کے بعد گلیوں میں جس طرح جگہ جگہ پانی کھڑا ہوتا ہے اس کو عبور کرنا ان کے اکیلے بس کی بات نہیں تھی۔

''سمیع ہوتا تو ابھی بائیک پر جا کر دیکھ آتا بلکہ ساتھ ہی لے آتا یا پھر نینی یا نازی ہی ہوتیں۔''

ان کی پریشانی میں اداسی بھی شامل تھی۔

کوئی وقت تھا جب گھر میں سب ہی ہوتے تھے' ہر گوشہ آباد' تنہائی کا وہم و گمان بھی نہیں۔

''کیسی کیسی پر رونق برساتیں گزری تھیں۔''

وہیں کھڑے کھڑے وہ کہاں سے کہاں پہنچیں۔

کوئی گاڑی زور سے ہارن دیتی ہوئی گزری تھی۔ ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے وہ اپنے دھیان سے باہر آتے ہوئے مڑنے لگی تھیں تب ہی گیٹ پر لگی بیل بج اٹھی۔

یقیناً دیا ہی تھی۔

صحن پار کر کے گیٹ تک پہنچنے تک ان کی پریشانی بڑی حد تک رفع ہو چکی تھی اور اب اس کی جگہ جھنجلاہٹ کا پیدا ہونا لازمی تھا۔

"کہاں رہ گئی تھیں تم' اندازہ ہے کہ میں کتنی پریشان تھی۔ خراب موسم پھر اتنا وقت ہونے کو آیا۔"

اوپر سے فون بھی نہیں ملتا تمہارا۔

اندر کمرے میں آنے تک وہ اس کے پیچھے پیچھے مستقل بولتی ہوئی آئیں۔

مگر مجال ہے جو وہ جواباً ایک لفظ بھی بولی ہو' اس کی یہی بے حسی جو انہیں اس کی ڈھٹائی محسوس ہوتی تھی' صبر کے لئے امتحان بنتی تھی۔

"کچھ کہہ رہی ہوں تم سے؟"

بیڈ پر بیٹھتے ہوئے امی کی آواز بجا طور تھوڑی سی اونچی ہوئی۔

"سن رہی ہوں نا۔"

عموماً اس کا موڈ بگڑا ہی رہتا تھا سو اسی لہجے کے سب عادی تھے مگر وہ خاصی دیر ٹینشن جھیل چکی تھیں سو انہیں اور بھی غصہ آیا۔

"کیا کر رہی تھیں اتنی دیر سے سمیرا کے گھر' پتہ بھی تھا کہ میں پریشان اکیلی بیٹھی ہوں گی۔ کسی کا تو خیال کر لو تم۔

صرف اپنے ساتھ زندگی نہیں گزرتی ہے سب کے ساتھ مل کر چلنا پڑتا ہے دیا۔"

سمجھنے سمجھانے کا وقت کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اسی بے نیازی سے قالین کے مدھم پڑتے رنگ کو دیکھے گئی۔

"کیا ہوا' پھر ملے وہ لوگ۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہیں ہی پوچھنا پڑا۔

"ہاں مل گئے۔"

"کیا بتایا' مسعود کے بارے میں' کیا ارادے ہیں اس کے۔" ساری خفگی بھلا کر وہ قریب آ کر بیٹھیں۔ دیا نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"بیوی سے اس کی صلح ہو گئی ہے' ہنسی خوشی رہ رہا ہے اس کے ساتھ پچھلے دو مہینوں سے۔"

"ایک غیر متوقع خبر' اس نے تو بالکل بے تاثر لہجے اور چہرے کے ساتھ سنائی تھی مگر امی کو بڑا ہی صدمہ پہنچا تھا۔"

"بدبخت' فراڈیا' برباد ہو گا اللہ نے چاہا تو' اسماء کو خبر ہے اس بات کی۔"

"کیا فرق پڑتا ہے' کون سا وہ جا کر اسے پکڑ کر لے آئیں گی' آج تک ویسے بھی وہ اس کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔"

"میں اور تمہارے ابا بات کریں گے ان لوگوں سے' مسعود کو تمہارا حق دینا ہوا' وہ اس طرح تمہیں دھوکہ دے کر کیسے خود اپنی زندگی سیٹ کر سکتا ہے' اگر تمہیں نہیں بلا سکتا تو خود واپس آئے یہاں' لوگ کیا یہاں نہیں رہ رہے ہیں۔"

امی اچانک ہی بے حد دکھی ہونے لگیں۔

دیا کے سارے قصور ایک طرف لیکن جو مسعود نے کیا تھا وہ صرف ظلم تھا۔

ان کی دو بیٹیوں کو محبت نے خون کے آنسو رلائے تھے' نینی میں حوصلہ تھا' صبر تھا۔

دیا کے لئے یہ دونوں لفظ محض الفاظ تھے' صفت نہیں۔

""سو آزمائش اس کے لئے زیادہ کٹھن ٹھہری' کوئی ضرورت نہیں ہے کسی سے بھی میرے لئے رحم کی بھیک مانگنے کی' نفرت ہو چکی ہے مجھے مسعود سے' وہ اس قابل نہیں کہ اس کے ساتھ زندگی برباد کی جائے۔""

اپنی بات کہتے کہتے وہ ذرا رکی۔

امی کی نگاہ ایک پل کے لئے بھی اس کے چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔

وہاں مسعود کو کھونے کا ذرا سا بھی غم نہیں جھلکا تھا۔

آنکھوں میں ہلکی سی تپش اور سرخی اور انداز میں وہی فطری سی ہٹ دھرمی۔

امی کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

""کیا کرو گی پھر۔"" انہیں خود اپنی آواز اجنبی لگی۔

""میں۔"" وہ بڑے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

""طلاق لوں گی مسعود سے اور اپنی مرضی کی زندگی گزاروں گی ایک بار پھر۔""

سارے وہم یقین بن کر دل پر بوجھ کی طرح آ گرے آزمائش محض دیا کی کب تھی یہاں۔

...☆☆☆...

بچی کے رونے کی آواز یہاں تک آ رہی تھی' لاؤنج میں بیٹھی بلقیس بھابی نے بڑی ناگواری سے اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف دیکھا اور وہیں سے چلائیں۔

""چپ کراؤ اس ریں ریں کو' سارے گھر کا سکون غارت کر کے رکھ دیا ہے ورنہ اوپر آ کر گلا دبا دوں گی۔""

اوپر سیڑھیوں کے بالکل پاس کھڑی نینی نے ان کی دھاڑ سنی اور سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

اوپر کی منزل میں اس وقت وہ اکیلی تھی۔

یہاں آئے اسے آج چوتھا دن تھا اور اب جیسے جیسے اس کی طبیعت سنبھل رہی تھی اس کو یہ گھر اور اس کے لوگ سمجھ میں آنے لگے تھے۔

خاموشی سے چلتی ہوئی وہ واپس کمرے میں آئی اور زور سے لاک دبایا۔

بچی ابھی تک رو رہی تھی اور بلقیس بھابی جیسی خونخوار خاتون سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔

کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر کے وہ اسے پھر سے چپ کرانے میں مصروف ہوئی۔

فرحت آپا کل بہت سارے کھلونے لائی تھیں اور کپڑے بھی' ضرورت کا اور بھی بہت سا سامان۔

سب چیزیں انہوں نے خاموشی سے لا کر رکھیں۔ اسے اور بچی کو پیار کیا اور رسمی سی ایک آدھ بات کر کے باہر چلی گئیں۔

ایک بار بھی انہوں نے اس سے اس کے یا فیضی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی۔

گھر کے باقی لوگوں سے اس کا تعارف بھی آوازوں کی حد تک ہو رہا تھا۔

یا پھر کوئی ایک آدھی جھلک۔

اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اوپر کی منزل محض چند ہی لوگوں کے استعمال میں ہے۔ ایک کمرے میں فرحت آپا اور ان کی بیٹیاں' دوسرے میں سجاد اور تیسرے میں وہ خود ٹھہرائی گئی تھی۔

پہلا ایک دن نیچے گیسٹ روم میں گزرا تھا اور جب اس کی حالت سنبھلی تو وہ اوپر شفٹ کر دی گئی دو ملازماؤں کی مدد سے۔

تب ذہنی طور پر اس کی حالت اتنی بہتر ہو رہی تھی کہ وہ دھیان ہی نہیں دے سکی کہ لاؤنج میں کون ہے یا کوئی ہے بھی یا نہیں۔

ایک شدید ذہنی دباؤ کے بعد اب وہ کم از کم اس قابل تو تھی کہ اپنا اور بچی کا خیال رکھ سکے اور گھر والوں کے "پراسرار" روّیے کا تجزیہ کر سکے۔

یہاں گرمجوشی تو کیا اس سے ملنا تک گوارا نہیں کیا گیا تھا۔

"معلوم نہیں وہ یہاں کیا کہہ کر متعارف کرائی گئی ہے لیکن فیضی کی بیوی کی حیثیت سے تو ہرگز نہیں۔ اس ایک بات پر اسے پورا یقین آچکا تھا سو اب وہ یہاں کسی بن بلائے مہمان کی حیثیت سے مقیم تھی اور ٹھیک اسی طرح ٹریٹ کی جا رہی تھی؟"

سائیڈ ٹیبل پر پڑا اس کا سیل فون بج رہا تھا تو وہ بچی کو اٹھائے اٹھائے اس طرف آئی' یہ بھی اسے دو دن پہلے سجاد نے دیا تھا۔

"تم اپنے گھر والوں کو اطمینان دلا دو' وہ لوگ پریشان ہو رہے ہوں گے تم سے کانٹیکٹ نہ ہونے پر۔"

انہوں نے محض اتنا ہی کہا تھا۔

مگر وہ جیسے اور بھی ان کے احسانوں تلے آئی تھی' فیضی کے منہ سے سنی اور ان کی ہر تعریف سچی تھی بلکہ وہ اس سے بھی کہیں کہیں آگے تھے۔

"میں تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر کرتی ہوں کہ تم جیسے بھی سہی اپنی سسرال پہنچ گئیں' یہاں سب ہی کو بڑا اطمینان ہوا ہے تمہاری طرف سے خاص طور پر تمہارے ابا سے حد خوش ہیں' کہہ رہے تھے فیضی آئے یا نہ آئے نینی سے کہنا کہ وہ اب

وہاں سے نکلنے کی غلطی نہ کرے' حالات جیسے بھی ہوں انہیں اپنے حق میں بہتر بنانے کی کوشش کرے وہیں رہ کر میں اس کے لئے بے حد دعائیں کر رہا ہوں۔"

امی ابا کا پیغام پہنچا رہی تھیں۔

نینی کا دل بھر آنے لگا۔

ابا کا دل دکھانے کا جو گناہ اس نے خود اپنے ہاتھوں اپنے کھاتے میں درج کیا تھا اس پر وہ خود کو کبھی معاف نہ کر سکے گی۔

اس ساری سزا کو کاٹ لینے کے باوجود بھی۔

"اور وہ تمہاری ساس' کچھ نرم پڑیں۔"

دوسری طرف سے امی پوچھ رہی تھیں۔ "بچی کو آکر دیکھا دادا' دادی میں سے کسی نے۔"

"ابھی تک تو نہیں۔" وہ کہتے ہوئے بھی شرمندہ ہوئی تھی۔

امی چپ سی ہو گئیں۔

"چلو کوئی بات نہیں' کب تک انجان بنے گی۔ خون کی کشش میں بڑی طاقت ہوتی ہے' تم اپنا دل برا نہ کرو' سب ٹھیک ہو جائے گا آہستہ آہستہ' ہمیں تو سجاد کی طرف سے بڑی بے فکری ہے۔"

وہ اس کی تسلی کے لئے کہے گئیں۔

یہاں خود اپنی حالت زار پر بھی حاوی ہوتی ایک دوسری ہی فکر تھی۔

"فیضی کا کوئی فون آیا امی؟"

"نہیں' اسے فکر بھی کیا ہے بیوی بیٹی کی' اگر ہوتی تو یوں منہ چھپا کر بھاگتا کیا۔"

ان کے پاس اب فیضی کے لئے ذرا بھی رعایت نہیں تھی۔ "اور اب تو فون کرے گا بھی تو اچھی طرح سنے گا۔" سمیع تو بہت زور دے رہا ہے کہ تم سے اس سٹور کا پتہ لوں جہاں وہ نوکری کر رہا ہے' کہہ رہا ہے کہ ایک بار تو اس کی ایسی خبر لوں گا کہ یاد ہی رکھے گا۔"

"کوئی فائدہ نہیں وہاں جانے کا۔"

وہ ایک دم ہی اور بھی زیادہ مایوس ہوئی تھی۔ "سجاد انکل پتہ کروا چکے ہیں وہ وہاں سے بھی کہیں اور جا چکا ہے۔"

"وہ لوگ ڈھونڈنا چاہیں تو شوق سے ڈھونڈیں' تمہارا شوہر ہے اس لئے بد دعا بھی نہیں دے سکتی ورنہ ان سارے حالات کا ذمہ دار صرف اور صرف فیضان ہی ہے۔ شادی کر کے تو بہت دعوے سے لے کر گیا تھا تمہیں اور ایسے بے آسرا چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا...."

مارے غصے کے وہ جو کچھ بھی کہہ رہی تھیں نینی کو سننا ہی تھا۔

نہ تردید' نہ تصدیق۔

کون ذمہ دار تھا اور جواب دہی کس کے حصے میں آئی تھی۔ یہ سب اب خارج از بحث تھا۔

اب اہمیت تھی تو موجودہ حالات کی جواب بھی امید افزاء نہیں تھے۔

آج یہاں وہ اس پر آسائش کمرے میں بیٹھی تھی تو اس لئے کہ سجاد کی فطری رحم دلی آڑے آئی تھی' کل جب اس کی حقیقت کھلے گی تو وہ یہاں سے نکال باہر کی جا سکتی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

یا پھر کسی بہتر طریقے سے سجاد اسے واپس اس کے والدین کے گھر بھجوا دیں گے جہاں وہ خود سے ساری عمر شرمسار اس بچی کو پالے گی۔

فون کب کا بند ہو چکا تھا۔

بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی نینی کے لئے آگے کا منظر نامہ یہی کچھ تھا۔

ساری کوشش' ساری ہمت کے باوجود وہ بھی اس روایتی سے انجام سے بچ نہیں سکتی تھی جو عموماً نافرمانیوں کے عوض حصے میں آتا ہے۔ دروازے پر مخصوص سی دستک...

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے گود میں سوئی ہوئی بچی کو بیڈ پر لٹایا اور دروازے تک چلتی ہوئی آئی۔

یہ اس کے تنگ و تاریک فلیٹ کا کمرہ نہیں تھا جہاں دروازے کے ساتھ ہی بیڈ ملا ہوا تھا اور اس گھر اور کمرے کو دیکھ کر ہی وہ ٹھیک طور پر جانی تھی کہ فیضی نے ایڈجسٹمنٹ کے نام پر کیسا زمین آسمان جیسا فرق عبور کیا تھا۔

اپنی جگہ وہ بھی قابل رحم تھا اور شاید قابل معافی بھی۔ باہر سجاد کھڑے تھے۔

انہیں راستہ دینے کے لئے وہ ایک طرف ہوئی لیکن وہ باہر ہی رکے رہے۔

"کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔"

آتے جاتے یہ سوال معمول بنتا جا رہا تھا۔

ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نینی نے نفی میں سر ہلایا۔

"بچی تو ٹھیک ہے نا۔"

"جی سو رہی ہے۔"

"تم یہاں..." وہ کچھ کہتے ہوئے رکے تو نینی نے خائف سی ہو کر ان کی شکل دیکھی۔

"میرا مطلب ہے کہ تم سارا دن اکیلی بور ہوتی ہو گی' کوئی بات کرنے والا بھی نہیں ہے یہاں تم سے۔"

"میں عادی ہوں' فیضی تو رات گئے تک ہی واپس آتے تھے' دن میں اکیلی ہی ہوتی تھی۔"

اس نے نوٹ کیا تھا کہ فیضی کے نام پر سجاد کے چہرے کا تاثر بدلتا تھا۔

"خدا کرے کہ جلد سے جلد کوئی رابطہ کرے' میں تو سمجھ رہا تھا کہ شاید اب وہ گھر واپس آنا چاہ رہا ہے۔"

اسی لئے... لیکن ابھی تک تو ایسا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا' وہاں فلیٹ پر بھی میں نے پتہ کروایا تھا مگر وہ وہاں بھی نہیں آیا ہے۔ خیر اللہ مالک ہے' وہ یقیناً اب یہیں آئے گا۔

"اور ہم۔"

بے ساختہ ہی نینی کے منہ سے نکلا۔

"ہم کہاں جائیں گے' میرا مطلب ہے کہ میں اور رابعہ...."

"تم آرام سے یہاں رہو' اپنا اور بچی کا خیال رکھو' فی الحال کچھ زیادہ سوچنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"

ان چند الفاظ میں بڑا ہی اپنائیت بھرا احساس تھا مگر شاید وہی کچھ زیادہ زود رنج ہوتی جا رہی تھی۔

"آپ ہماری وجہ سے مشکل میں نہ پڑیں' میں نے غلطی کی یہاں آ کر' آپ ہمیں میرے ابا کے گھر بھیج دیں۔ وہاں شاید زیادہ بہتر...."

گو پورا اندازہ تھا کہ ابا اور امی بھی اسے یہیں دیکھنا پسند کرتے ہیں پھر بھی اس نے ایک اچھے انسان کی مشکل آسان کرنا چاہی۔

سجاد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

نینی کی آواز میں نمی تھی۔

"تم یہیں رہو گی کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر ملنے کو دل چاہے تو مجھے بتانا میں لے جاؤں گا لیکن ابھی کچھ دن صرف مکمل آرام۔"

انہیں اس پر بے حد رحم آیا تھا۔

"لیکن یہاں جب سب کو پتہ چلے گا کہ میں..."

"وہ میرا مسئلہ ہے۔"

اس متنازعہ موضوع سے بچنے کے لئے ہی سجاد آگے بڑھنے لگے تھے مگر وہ کمرے سے نکل کر ٹھیک پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

"مگر وہ ابھی بھی بہت غصے میں ہیں' آپ نے سنا نہیں ابھی وہ کہہ رہی تھیں کہ...."

نینی کی آواز سے جھانکتا خوف نیا نہیں تھا اور نہ ہی سجاد کو اس پر حیرت ہوئی۔

"تمہیں ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور کسی وقت اگر وہ تمہارے ساتھ کسی بحث میں الجھیں یا تمہیں ان سے پریشانی ہو تو فوراً مجھے کال کر لینا' ٹھیک۔"

وہ اس کی تسلی کے لئے مسکرائے۔

"آپ کہیں جا رہے ہیں۔"

"ہاں بابا کے پاس۔ اب ایک آدھ دن میں وہ بھی گھر آ رہے ہیں' شکر ہے طبیعت سنبھل رہی ہے۔"

ایک اچھی خبر لیکن نینی کی پریشانی اور بھی بڑھی۔

"انہیں کیا بتائیں گے میرے بارے میں آپ۔"

فیضی کی زبانی' بابا کے خاندانی جلال کے بارے میں اتنا کچھ سن رکھا تھا کہ ان کا سامنا کرنے کے تصور سے ہی دل بیٹھنے لگا تھا۔

میں نے کہا نا تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں' کیا کہنا سننا ہے مجھ پر چھوڑ دو اور اب مجھے اچھی خاصی دیر ہو رہی ہے' شام واپسی میں باقی سوال جواب' اوکے۔" نینی مسکرائی۔

سجاد خدا حافظ کہہ کر سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔ نیچے لاؤنج کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ غیر ارادی طور پر وہ چند لمحے رکی کھڑی رہی' چھٹیوں کی وجہ سے بچے گھر پر ہی تھے اسی لئے کھانے کی میز پر رونق زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔

تیزی سے ادھر سے ادھر گھومتی خاتون۔

شاید ثمینہ چچی۔ اس نے اندازے لگانے چاہے مگر تب ہی کمرے سے نکل کر باہر آتی بلقیس بھابی کو دیکھ کر وہ تیزی سے پیچھے ہٹی۔

"شکر ہے ان کی نگاہ اس پر نہیں پڑی۔"

ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرتے ہوئے اس نے شکریہ ادا کیا۔

...☆☆☆...

آفس سے وہ ابھی آدھ پون گھنٹے پہلے ہی لوٹا تھا لیکن فریش ہو کر پھر نکلنے کے لئے تیار کھڑا تھا۔

نازی کی لائی گئی چائے بھی اس نے محض دو گھونٹ ہی پی اور گاڑی کی چابی اٹھا کر تیزی سے باہر کا رخ کیا۔

وہ کوشش کے باوجود بھی کچھ پوچھ تو نہیں سکی لیکن اس کے پیچھے چلتی ہوئی لاؤنج تک ضرور آئی۔ نانی سامنے ہی بیٹھی اپنا پسندیدہ کوکنگ شو دیکھ رہی تھیں اور ان کی توجہ کتنی بھی دوسری طرف ہوتی ناممکن تھا کہ عمران سے بچ کر نکل سکے۔

"اب کہاں چلی تمہاری سواری۔"

"بہت سارے کام ہیں نانی' گنوانے بیٹھا تو ابھی رات ہو جائے گی۔" صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت جلدی میں ہے۔

"رات تو پہلے ہی ہونے کو ہے اور اب تو بازار بھی جلدی بند ہو جاتے ہیں' کون سا کام نمٹاؤ گے اس وقت۔"

"اللہ اکبر۔" نانی کی بات پر وہ بے ساختہ ہنستا چلا گیا۔

"آپ خواتین کو کام کے نام پر صرف شاپنگ ہی یاد کیوں آتی ہے' مردوں کے کام دوسری طرح کے ہوتے ہیں نانی۔"

"کام پر سے تو تم آ چکے ہو اب تو تفریح یا ملنا ملانا ہی ہو گا کسی سے۔ یہی بات ہے نا۔"

نانی کو اس سے بحث کی عادت بھی تھی اور اپنے اندازے پر بھروسہ بھی۔

"آپ ایسا کریں ٹی وی پر کوئی پیشگوئیوں کا پروگرام شروع کر دیں' بڑا ہٹ ہو گا۔"

بات یوں ہی مذاق برائے مذاق ہی تھی پھر بھی نازی کو وہ کچھ جھینپا ہوا سا لگا۔

"مجھے دیر ہو جائے گی شاید۔"

کون سی نئی بات ہے۔بس پہلے میں اکیلی تمہارا انتظار کرتی تھی اب ہم دونوں مل کر کرتے ہیں۔"

نانی کی بات پر عمر کی نگاہ خود بخود ہی نازی پر پڑی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"شاید وہ اسے رکنے کے لئے کہے گی یا کم از کم جلدی آنے کے لئے ہی۔"

مگر اسے حق ملکیت جتانے کی عادت نہیں تھی یا پھر احساس ہی نہیں تھا۔

وہ خدا حافظ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

"اچھی بیوی ہو' ایک لفظ جو کہا ہوا سے تب ہی تو وہ لاپرواہ ہونا چاہ رہا ہے دن بہ دن۔"

نانی اس پر خفا ہونے لگیں' وہ وہیں خاموشی سے ان کے پاس تخت کے کونے پر بیٹھی سنے گئی۔

جو بھی کہہ رہی تھیں سو برا منانے کا بھی کیا سوال لیکن اپنی صفائی میں کہنے کے لئے بھی کچھ نہیں تھا۔

"تمہیں چپ چپ دیکھ کر بھی دل دکھتا ہے کبھی کبھی تو لگتا ہے میں نے بڑا ظلم کیا تم پر اپنی خواہش' اپنی خوشی پوری کرنے کے لئے اس گھر میں لے آئی۔

یہ بھی نہیں سوچا کہ اب میری کتنے دن کی زندگی باقی رہ گئی ہے۔ جنہیں زندگی گزارنی ہے ان کی خوشی کو دیکھنا چاہئے تھا۔"

نازی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

بنا کچھ کہے سنے وہ کیسے جان رہی تھی کہ اس کے اور عمر کے بیچ ناخوشی آٹھہری ہے۔

"میں خوش ہوں نانی' آپ بے کار میں اتنی فکر کر رہی ہیں عمر کو عادت ہے باہر رہنے کی اور پھر میں اکیلی بھی نہیں ہوتی آپ ہیں نا۔"

"میرا کیا ہے۔" وہ اس کی بے نیازی پر جھنجلائیں۔

"اپنے شوہر کے ساتھ خوش باش نظر آؤ' گھومو پھرو اس کے آنے جانے کا حساب رکھو' مجال نہ ہو اس کی کہ تمہاری اجازت کے بغیر قدم بھی باہر رکھے۔"

" لہجے میں اتنی کنفیوژن بھری اداسی میں وہ بھی ہنس پڑی۔"

نانی نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا مگر بس خاموش ہی ہو رہیں۔

...☆☆☆...

کل سے رونق کا وہ عالم کہ اللہ کی پناہ۔

نینی اوپر کھڑکی سے جب بھی جھانک کر دیکھتی باہر کا وسیع لان لوگوں سے بھرا ہوا ہی دکھائی دیتا اور بڑے سارے کھلے ہوئے گیٹ سے لوگوں کی مستقل آمد بھی نظر میں آتی۔

ان میں لوگوں کی سہولت کے لئے شامیانے لگا دیئے گئے تھے جہاں خاطر تواضع کا بھرپور سلسلہ جاری تھا۔

کھانا شاید گھر کے پچھلی طرف پک رہا تھا۔نینی نے یہ اندازہ اس طرف سے آتی بریانی اور قورمے کو دیکھ کر لگایا تھا۔

ایک مستقل تقریب کا سماں۔

یہ سب لوگ بابا کی صحت یابی کی مبارکباد دینے کے لئے آرہے تھے۔ گو وہ ابھی اتنے لوگوں سے نہیں مل سکتے تھے لیکن گھر میں ان کے نمائندے تو موجود ہی تھے' نینی کو وہ تینوں بھائی بھی زیادہ وقت وہیں باہر لوگوں سے ملتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے اور پہلی بار اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ لوگ کتنی بڑے برادری سسٹم کا حصہ ہیں۔

شاید اسی لئے انہیں خود پر اتنا ناز ہے جو دوسروں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔'' اس نے جل کر کچھ ایسا ہی سوچا تھا۔

آج صبح سے اس نے عمر کو بھی وہیں دیکھا تھا اور پھر جان بوجھ کر دوبارہ نہیں کھڑی ہوئی۔

''معلوم نہیں اسے یہاں موجودگی کی خبر بھی تھی یا نہیں' نازی آپا کو تو امی نے ضروری بتادیا ہوگا۔'' وہ یوں ہی کمرے میں بیٹھی قیاس آرائی کئے گئی اور پھر اکتا کر بچی کو گود میں لئے باہر نکل آئی نیچے کے لاؤنج میں مہمان خواتین کا شور تھا۔ باہر جھانک لینا اور بات تھی لیکن یہاں نیچے دیکھنے کی اس میں ذرا بھی ہمت نہیں ہوئی۔

عورتوں کی فطری تجسس کو وہ اچھی طرح سمجھتی تھی۔

کسی ایک کی بھی اس پر نگاہ پڑتی تو پتہ نہیں کیا نیا قصہ کھڑا ہوتا۔

اور ابھی اس کے مستقبل کا فیصلہ ہونا باقی تھا۔

''بے چارے سجاد انکل' پتہ نہیں کس طرح بابا کو مطمئن کریں گے۔''

وہ اندر کمرے میں جانے کے بجائے لاؤنج میں ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ جب ہی سیڑھیوں پر اس نے دو معصوم سے چہرے ابھرتے ہوئے دیکھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

یہ فرحت آپا کی بیٹیاں تھیں' انہیں آتے جاتے دیکھ کر وہ پہچاننے لگی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ تھوڑا سا جھجکیں۔

نینی بے ساختہ ہی مسکرادی۔

''یہاں آؤ' ادھر میرے پاس۔'' اس کی دوستانہ مسکراہٹ ہی نے ان دونوں بچیوں کو قریب آنے پر مجبور کیا۔

دونوں شرمائی شرمائی سی اس کے پاس وہیں صوفے پر بیٹھی تھیں اور ابتدائی تعارف کے بعد ان کی ساری توجہ نینی کی گود میں بیٹھی رابعہ پر تھی۔

''کتنی پیاری ہے۔''

''کیا نام ہے' گود میں لے لوں اسے۔''

ان کی محبت کا معصومانہ انداز بڑا ہی بے ساختہ تھا۔

نینی مسکرا مسکرا کر ساری فرمائشیں پوری کئے گئی۔ چند ہی منٹوں میں پکی دوستی۔

''بچوں جیسی صاف دلی اور سچائی' بڑے ہوتے ہوئے کہاں گم ہوتی ہے بھلا۔''

وہ ان کے چہرے پر کھلتی خوشی دیکھ کر خوش تھی' ننھی رابعہ اور کتنی خوش ہے۔

''میں اسے نیچے لے جاؤں آنٹی۔'' بچی نے اتنے اشتیاق سے کہا تھا کہ منع کرنا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن مجبوری تھی۔

بچیاں شاید مایوس ہوئی ہوں لیکن انہوں نے ضد نہیں کی' بڑے آرام سے کھیلنے گئیں۔

''بابا کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' نینی کا دل چاہا سو پوچھ لیا۔

''ٹھیک ہے۔'' بڑی والی نے اطمینان سے سر ہلایا۔

''وہ ادھر اپنے کمرے میں ہیں۔'' ہاتھ گھما کر اس نے اپنے طور پر دور اشارہ کیا تھا۔

''سب کو ادھر جانا منع ہے' وقار ماموں امی سے کہہ رہے تھے کہ اتنے سارے لوگوں کا آنا بھی بس مصیبت ہی بن گیا ہے' بابا کو شور سے دور رکھنا ہے۔''

چھوٹی نے زیادہ معتبر انداز اختیار کیا تو نینی ہنستی چلی گئی۔

''آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں ہنستے ہوئے۔''

ان دونوں میں سے ایک نے بے ساختہ کہا۔

نینی نے محبت سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

نیچے سیڑھیوں پر سے فرحت آپا کی آواز آ رہی تھی۔

شاید وہ ان دونوں کو ہی ڈھونڈنے کے لئے اوپر آ رہی تھیں۔

''جاؤ' تمہاری امی بلا رہی ہیں۔''

رابعہ کو گود میں لیتے ہوئے وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئیں' بچیاں بھی گھر میں اس کی پوزیشن سے واقف تھیں' فوراً ہی نیچے دوڑ گئیں۔

نینی بچی کو لے کر واپس کمرے میں آ گئی' مہمانوں سے بھرا گھر تھا کسی وقت بھی کوئی اوپر آ سکتا تھا۔

سیل فون پر امی کی کئی مس کالز تھیں۔

نینی کو فطری سی پریشانی نے گھیرا۔

''خدایا خیر' دل اب کسی بری بات کے امکان سے بھی بہت خوفزدہ ہونے لگتا تھا۔

بہت کچھ جھیلا جا چکا تھا' اب ہمت جواب دے چکی تھی۔

''خیریت تو ہے امی''

''ہاں' خیریت ہی ابھی تک تو۔'' ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے انہوں نے جس طرح مبہم سی بات کی' نینی کی گھبراہٹ میں اضافہ ہی ہوا۔

''آج فیضی کا فون آیا تھا' تمہیں پوچھنے کے لئے' لاعلمی ظاہر کی تو بحث پر اتر آیا' کہہ رہا تھا کہ ہم اس سے چھپا رہے ہیں ورنہ تم اور بچی یہیں ہمارے پاس ہو۔''

ان کی دی ہوئی خبر کی سنسنی خیزی اپنی جگہ لیکن پہلا احساس سکون بھرا تھا۔

کم از کم اس کی خیریت کی اطلاع تو ملی ورنہ تو اتنے الٹے الٹے وہم آتے تھے کہ حد نہیں۔

''اور کیا کہہ رہا تھا وہ۔'' چند لمحوں میں ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر چکی تھیں۔

کیا کہے گا' ایسا ہی فکر کرنے والا ہوتا تو اس طرح منہ چھپا کر بھاگتا بیوی بچی کو اکیلا چھوڑ کر' میں نے تو خوب سنائیں' الٹا اسی کو کہا کہ تم لوگوں کا پتہ کر کے ہمیں بتائے ورنہ ہم تمہاری گمشدگی کی اطلاع پولیس میں کر دیں گے۔ آخر میں تو صاف لگ رہا تھا کہ گھبرا گیا ہے۔''

''وہ ویسے ہی بہت پریشان ہے امی' پتہ نہیں کہاں وقت گزار رہا ہو گا۔'' وہ بمشکل ہی اتنا کہہ پائی مگر امی کے پاس سب کے لئے رعایت ختم تھی۔

''ایک جیسے دھوکے باز فریبی' وہ مسعود بھی اور یہ ہے فیضان' معلوم نہیں میری بیٹیوں کے نصیب میں کیا لکھا ہے۔ بہر حال تمہیں میری یہی نصیحت ہے کہ اب جیسے بھی حالات ہوں اپنے سسرال سے قدم باہر نہ نکالنا۔''

''اور اگر وہ خود ہی یہاں سے اسے نکال دیں تو...؟''

نینی کا دل چاہا تھا کہ پوچھ لے مگر امی کی دل آزاری کے خیال سے خاموش ہی رہی۔

امی خود ہی موضوع بدل کر دیا کے بارے میں بتانے لگیں۔

اس نے مسعود سے طلاق کا فیصلہ کر لیا تھا اور پھوپھی' پھوپھا کے توسط سے یہ بات مسعود تک پہنچا دی گئی تھی۔

''شاید جلد ہی طلاق کے کاغذ مل جائیں۔ دیا انہیں کورٹ کچہری کی دھمکیاں دے رہی ہے اور ظاہر ہے تمہارے پھوپھی پھوپھا اس کی نوبت نہیں آنے دینا چاہتے' ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی ان لوگوں کا فون۔''

نینی خالی الذہنی کے عالم میں سنے گئی۔

امی کے پاس اب سب سے بڑا مسئلہ دیا کا تھا۔

لیکن وہ اس وقت ان کی دل جوئی کے بھی قابل نہیں تھی۔

''دیا آپی کا کیا ہے' ہمیشہ جو اپنا دل چاہا کیا۔ آئندہ بھی کریں گی۔'' امی کا فون بند کر کے اس نے محض اتنا ہی سوچا تھا اس بارے میں۔

اور خود وہ جس کے لئے ایک صبر آزما دور ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا آج بھی دوسروں کے رحم و کرم پر۔

آس پاس پھیلی ہوئی بے یقینی اور بھی گہری ہوئی۔

جس طرح مکمل نظرانداز کر کے وہ یہاں رکھی گئی تھی اس کے بعد ہر خوش امیدی رخصت ہوتی جا رہی تھی۔

''پتہ نہیں کس وقت اسے حکم ملے کہ...۔''

اس نے دروازہ کھولتے ہوئے باہر پھیلی نیم تاریکی کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ ''پتہ نہیں فیضی کبھی یہ جان پائے گا کہ وہ لوگ یہاں تک آئے اور پھر واپس بھیجے گئے۔'' ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے نینی نے

اسے یاد کیا جسے بھولا ہی نہیں جا سکا تھا۔

''کہاں تھا وہ' یہیں اسی شہر میں یا پھر کہیں دور جا چکا تھا۔'' لاؤنج کی کھلی کھڑکی سے باہر آسمان پر بکھرے ستاروں کو دیکھتے ہوئے اس نے آنکھ کے گوشے پر ٹکے آنسو کے قطرے کو انگلی کی پور سے جھٹک کر گرایا۔

نیچے مکمل سناٹا چھا رہا تھا۔

ایک ایک مہمان کے رخصت ہو جانے کے بعد شاید سب ہی گھر والے اور ملازمین تھک ہار کر سونے کے لئے جا چکے تھے۔

اسے تو ایسا ہی لگا تھا۔

مگر نیچے بابا کے بیڈ روم میں ایک خوشگوار سا ہنگامہ ابھی بھی جاری تھا۔

''خدا کا شکر ہے کہ لوگ اتنی محبت کرتے ہیں' اپنا بڑا سمجھتے ہیں ورنہ میں تو اب بالکل مایوس ہو چکا تھا۔''

باباکے لہجے میں گہرا اطمینان تھا۔

لوگوں کے ساتھ آئے مٹھائی کے ڈبوں اور پھولوں کے ہاروں کے بڑے سارے ڈھیر میں سے کچھ نمونہ ان کے معائنے کے لئے یہاں بھی لایا گیا تھا۔

فرحت کی وحید سے علیحدگی کے بعد ایک معنی خیز تعطل جوان کے گھرانے اور برادری کے درمیان آیا تھا۔ آج بخوبی دور ہوا تھا۔

لوگ فرسودہ روایتوں کو توڑنا چاہتے ہیں باباان کی سمجھ میں آنے لگا ہے کہ اصول انسانوں کے لئے بنتے بھی ہیں اور ٹوٹتے بھی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو اصول تو رہ جاتے ہیں لیکن انسان نہیں رہتا۔''

سجاد کے لہجے میں ٹھہراؤ اور درگزر کا وہی مخصوص سا تاثر۔ مگر آج مخالفت میں کوئی آواز نہیں اٹھی صرف بلقیس بھابی نے ناگواری سے پہلو بدلا تھا۔

''ٹھیک کہتے ہو تم' لوگوں کا اس بڑی تعداد میں آنا ثبوت ہے کہ کسی کو کوئی ناراضگی نہیں ہے ہم سے۔''

وقار بھائی سارا دن کی مہمانداری سے الجھے تو بہت تھے لیکن بے حد خوش تھے۔

''خیر سب تو نہیں آئے' بہت سے لوگ ابھی بھی وحید کے طرف دار ہیں' اس سے پہلے طلاق کا واقعہ ہوا بھی تو نہیں ہمارے ہاں' یہ تو ان ہونی ہے۔''

بلقیس بھابی کی تیز آواز نے کمرے میں موجود سب ہی لوگوں کو متوجہ کیا تھا۔

یہاں اب وحید کا نام لینا بھی ممنوع تھا۔

سجاد نے شکر کیا کہ کم از کم فرحت آپا یہاں نہیں تھیں۔

''تم سے اگر کچھ اچھا نہیں کہا جاتا تو بہتر ہے اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔ باباکی موجودگی کا لحاظ تھا ورنہ وقار کا دل تو چاہا تھا کہ ہاتھ پکڑ کر انہیں باہر کریں۔

مگر ان کے بگڑتے ہوئے تیور سے حسب عادت خائف نہیں تھیں۔

''میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں بابا یہ تو شکر ہے کہ وہ لڑکی اوپر سے نہیں اتری ورنہ اس کی بھی صفائی دینی پڑتی کہ کون ہے کہاں سے آئی ہے۔

ابھی تو صرف فرحت کے بارے میں ہی سوال کئے عورتوں نے پھر سجاد کی طرف بھی...''

سجاد نے دم بخود سا ہو کر باباکی طرف دیکھا۔

نینی کی یہاں آمد کا انہوں نے اب تک باباسے ذکر نہیں کیا تھا لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بلقیس بھابی یہ نیک کام کر چکی ہیں اور معلوم نہیں کس انداز میں کہہ چکی تھیں۔

جواب دہی ان کے حصے میں آئی ہی تھی یہ بڑا ہی ناوقت تھا۔

ایسے جیسے بناء تیاری کے امتحانی پرچہ ہاتھ میں پکڑا دیا جائے پھر بھی کسی اچھے طالب علم کی طرح سجاد نے کچھ مناسب سی تمہید ذہن میں ترتیب دینا چاہی مگر وہ ڈائریکٹ آخری سوال پر آئے تھے۔

''ہاں' یہ بلقیس نے بتایا تھا دوپہر میں کہ کوئی مہمان آکر ٹھہرے ہیں اوپر کی منزل میں' غالباً کوئی لڑکی...'' بابا کہتے ہوئے ذرا رکے تو بلقیس بھابی نے فوراً ہی پرجوش انداز میں لقمہ دیا۔ ''خالی لڑکی ہی نہیں اس کے ساتھ بچی بھی ہے ایسے کوئی جوان لڑکی کسی کے گھر آجائے تو سو وہم اٹھتے ہیں۔''

بابا نے محض ان کی طرف دیکھا تھا جو وہ گڑبڑا کر خاموش ہوئیں۔

''فی الوقت اس کا کوئی نہیں ہے بابا' ایک چھوٹی سی بچی کے ساتھ وہ کہاں جائے گی۔ اس کا شوہر گیا ہوا ہے' واپس آئے تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

ایک مختصر سی تفصیل' کچھ حاضر' کچھ غائب رکھ کر انہوں نے بابا کی خدمت میں پیش کی۔

''کسی کے کام آنا نیکی ہے' پہلے ہی ہم بڑے بھاری گناہوں کے نیچے آئے ہوئے ہیں' کوئی بے سہارا اگر یہاں ہے تو اسے رہنے دو' کیا فرق پڑتا ہے۔

بابا نے دردمندی سے بات پوری کی اور پھر بے نیازی سے وقار بھائی سے کوئی بات کرنے لگے۔

سجاد نے شکر گزار نگاہوں سے بابا کی طرف دیکھا۔ بلقیس بھابی اکتا کر باہر نکل گئیں۔

''اب آپ بھی آرام کریں' رات کافی ہو رہی ہے۔'' وقار اٹھے تو ساتھ سب ہی۔

''سجاد۔''

بابا نے انہیں پیچھے سے پکارا تو وہ دروازے سے نکل ہی رہے تھے۔

''جی مجھ سے کچھ کہہ رہے تھے۔''

ہاں اپنے سب سے خاص مہمان کے بارے میں پوچھنا تھا' انہوں نے میری دعوت قبول کی یا نہیں۔''

''آپ کی دعوت کون ٹھکرا سکتا ہے بابا۔'' وہ مسکراتے ہوئے قریب آئے۔ آرہے ہیں وہ اس ہفتے۔

''ثانیہ نے تو ٹھکرا دی' تمہارے جانے کے باوجود بھی نہیں آئی۔'' وہ اچانک ہی بے حد اداس ہونے لگے۔

''ٹھکرائی نہیں ہے' محض ضد میں آئی ہے' مان جائے گی۔''

پتہ نہیں انہیں سجاد کی یقین دہائی پر کتنا یقین آیا۔

''پورے عزت اور احترام کے ساتھ کوئی کسر رہنے مت دینا سجاد۔'' ان کی آواز میں ہلکی سی لرزش آئی۔

''آپ فکر نہ کریں بابا' بس آرام کریں۔''

وہ دونوں ہی شاید ایک دوسرے کی تسلی کی خاطر ہی مسکرائے تھے۔

''اور جو کچھ ابھی انہوں نے بابا کو مطمئن کرنے کے لئے کہا تھا کیا واقعی سچ تھا۔'' نیم روشن سیڑھیوں پر سے اوپر جاتے ہوئے سجاد کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔ ''یا وہ محض ایک مصلحت بھرا جھوٹ ہے جو بابا کی ضعیفی' ان کی بیماری کے خیال سے بولا گیا ہے۔''

انہیں ثانیہ یاد آئی۔

اس کے تیور یاد آئے اور یہاں اس خاندان کے ذکر پر اس کے چہرے پر پھیلی بے زاری بلکہ نفرت یاد آئی۔

کون اپنی زندگیوں میں جھیلی گئی ان تکلیفوں کو معاف کر سکتا ہے جو دوسروں کی مہربانی کے عوض حصے میں آتی ہیں۔ ہر شخص خون بہالنے کے لئے تیار ہیں ہوتا ہے۔

ان کی ساری توجہ سامنے رکھے لیپ ٹاپ پر تھی۔ دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک نے ان کے انہماک کو توڑا۔

عمر اندر آیا تھا۔

”آپ ابھی تک بیٹھی ہیں، پتہ بھی ہے کیا ٹائم ہو رہا ہے۔“

فرحت آپا مسکرا دیں۔

”کام میں پتہ ہی نہیں چلتا وقت کا۔ باقی سٹاف تو جا چکا ہے نا، میں نے کہا تھا کہ کسی کو نہ روکنا۔“

عمر ہلکے سے ہنس پڑا۔

”ایسے کیسے چلے جاتے، بڑے وفادار لوگ ہیں سجاد بھائی کے سٹاف میں اور آج کل جب وہ نہیں ہیں آفس میں تو سب کی ذمہ داری خود بخود ہی بڑھ گئی ہے۔ سب آپ کے فارغ ہونے کے منتظر ہیں۔“

”ارے۔“

انہیں اچھا تو لگا مگر شرمندگی بھی ہوئی۔ ”میں تو بس ویسے ہی... اصل میں بس گھر جا کر دوسری باتوں میں دھیان جانے لگتا ہے تو سوچتی ہوں کہ زیادہ کام یہیں نمٹا لوں۔“

لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے انہوں نے اپنی ضروری چیزیں سمیٹیں۔

اتنا کام مت کریں فرحت آپا، ہم لوگ ہیں نا۔

آپ نے اپنی ذمہ داری بہت بڑھا لی ہے۔ ”اتنے گھنٹے مستقل لگی رہتی ہیں، خدانہ کرے طبیعت خراب ہو جائے۔“

عمر ان کے لئے فکر مند تھا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں عمر اور کام اس لئے زیادہ کرتی ہوں کہ بہت وقت بے کاری میں گزار لیا ہے کچھ تو اس کی بھی تلافی ہو۔“

وہ بڑے لائٹ سے موڈ میں کہہ رہی تھیں مگر پھر بھی اس کا دل بری طرح دکھا۔

”پھر ٹھیک ہے اور ویسے بھی جب بابا آفس شروع کریں گے تو کیا پتہ کوئی انعام و نام بھی دے ڈالیں۔ اس وقت مجھ غریب کو مت بھولیے گا۔“

دلی کیفیت چھپا کر عمر نے مصنوعی سی راز داری اختیار کی۔

فرحت آپا ہنس پڑیں۔ عمر کی محبت بڑی قیمتی تھی۔

اجلی، شفاف، خاص اس کی موجودگی دل کو ایسی ڈھارس بندھاتی تھی جس کا الفاظ میں بیان بھی ممکن نہیں تھا۔

گاڑی تک انہیں چھوڑتے ہوئے وہ جتنی اوٹ پٹانگ باتیں کر سکتا تھا کئے گیا۔

اور اب فرحت آپا کو بھی اچھی طرح تجربہ ہو چکا تھا کہ اس کی یہی بے سروپا باتیں کیسی کارگر ثابت ہوتی ہیں۔

ساری ٹینشن ساری تھکن رفو چکر۔

گاڑی سے گھر کی طرف آتے ہوئے بھی وہ اسی کے بارے میں سوچ کر مسکرائے گئیں۔

سڑک پر وہی مخصوص گاڑیوں کا سیلاب۔ انہوں نے یوں ہی باہر نگاہ ڈالی تھی گاڑیوں کے درمیان چکراتے ہوئے سٹریٹ ہاکر بچے جن کے لئے دل ہمیشہ دکھتا تھا۔

عجیب الخلقت حلیوں والے فقیر، سب ہی حسب معمول تھے مگر اس سے بھی برا کچھ اور بھی تھا۔

ان کی نگاہ یوں ہی محض اتفاقاً اس طرف اٹھی اور پھر جامد ہوئی۔

گرین بیلٹ پر کھڑا وہ شخص وحید تھا۔

بڑھی ہوئی داڑھی، ملگجے کپڑے، پریشان حال اسے کوئی تکلیف تھی سو چلنے کے لئے سہارے کے لئے ایک لکڑی ہاتھ میں تھامی ہوئی تھی۔

اور اس حال میں وہ کھڑا ہوا وہ کتنا مفلوک الحال اور قابل رحم لگ رہا تھا کہ آس پاس سے چند ایک رحم بھری نگاہیں اٹھی ہی ہوں گی۔

کون جان سکتا تھا کہ آج نشان عبرت بنا یہ شخص ابھی کچھ دن پہلے تک کسی تکبر سے اللہ کی زمین پر قدم رکھتا تھا۔

اور خلق خدا کو اپنے جوتے کی نوک پر سمجھتا تھا۔

’’جب تک رحمت منزل اپنے نام نہ کرا لوں تجھ جیسی دو ٹکے کی عورت کو برداشت کرنا میری مجبوری ہے، اس کے بعد ایک منٹ نہیں لگاؤں گا باہر نکالنے میں۔‘‘

کوئی بالکل کان کے قریب آ کر چیخا تو وہ چونک کر واپس آئیں۔

گاڑی آگے بڑھ رہی تھی، گرین بیلٹ پر کھڑا وحید اور اس سے جڑی ہر درد بھری یاد پیچھے اور پیچھے دور بہت دور۔

سو ایک بار پھر مکافات عمل کی سچائی، ثابت ہوئی فرحت آپا نے ایک سکون بھری سانس لی۔

روز و شب ایک سی رفتار اور انداز سے گزر رہے تھے۔ معمول میں ایسی یکسانیت کہ دو کے پہاڑے کی طرح وہ فر فر پچھلے پورے ماہ کی مصروفیت سنا سکتی تھی۔

شدید گرمی اور چھٹیوں سے پہلے والے دباؤ کو جھیلتے ہوئے ایک سے دنوں کا اختتام گرمیوں کی تعطیلات پر ہوا تھا مگر سکون بھرا سانس لینے کے لئے حالات کی سازگاری درکار تھی۔

’’ان چھٹیوں میں تمہاری منگنی کی رسم ادا کرنے کا ارادہ ہے اللہ پورا کرے۔‘‘

وہ جو ٹی وی کے ایک ٹاک شو میں دل لگانے کی پوری کوشش کر رہی تھی اماں کی بات پر سٹ پٹا کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

’’ایسی حیرت کی کیا بات ہے، اچھے فرصت کے دن ہیں، سکول کھلنے کے بعد تمہیں پھر وقت نہیں ملے گا، شہزاد کی بھی یہی رائے ہے۔‘‘

اماں کے لئے شہزاد کی حیثیت سخت اہمیت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ ہر صلاح مشورہ اس سے ہوتا تھا، چپکے چپکے۔

کسی کسی وقت تو ثانیہ کو شبہ ہوتا تھا کہ وہ اماں کو اس کے خلاف کوئی نہ کوئی پٹی پڑھاتا رہتا ہے، اس وقت اس شبے کو ثبوت ملا تھا۔

’’وہ کون ہوتا ہے اتنی بڑی بڑی باتیں کرنے والا، آپ نے بھی اسے بہت سر چڑھا لیا ہے۔‘‘

اماں کو اس کے لہجے کی روکھائی کھل گئی تھی۔

’’وہ میرا بیٹا ہے اور تمہارا بھائی، مت بھولو کہ کس طرح اس نے اور اس کے گھر والوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے، شرم تو نہیں آتی اس کے بارے میں اس طرح بات کرتے ہوئے۔‘‘

’’میں نے یہ کب کہا کہ...‘‘ وہ تھوڑی سی شرمندہ بھی ہوئی۔

شہزاد کی محبت بڑا قیمتی سرمایہ تھی۔

"محبتوں کی قدر کرنا سیکھو ورنہ آخر کار پچھتاوا ہی رہ جاتا ہے انسان کے پاس۔ جو پیار کرتے ہیں وہ بڑے خاص لوگ ہوتے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ تم انہیں کھو نہ دو۔ اماں کی ہنڈیا چولہے پر چڑھی تھی۔

تخت سے اتر کر چپل پہنتے ہوئے انہوں نے بناء اس کی طرف دیکھے کہا اور پھر کچن کی طرف چلی گئیں۔

چند لمحے وہ یوں ہی گم صم بیٹھی رہی اماں کی باتوں سے ایسا لگتا تھا کہ وہ اسے ناشکرا ناقدرا ٹائپ سمجھنے لگی ہیں اور شاید ٹھیک ہی تھیں۔

وہ ایسی ہی تھی۔

اصل بات پیچھے ہی رہ گئی تھی۔

دل ہی دل میں الجھتی ہوئی وہ کچن کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

"یہ منگنی ونگنی رہنے دیجئے بے کار کا خرچہ ہے۔"

"خرچہ کیسا' زمانے میں ہوتی آئی ہیں اس میں ہم کوئی دنیا سے الگ تھوڑی ہیں۔"

وہ اس کی طرف سے پشت کئے ہوئے اپنی ہنڈیا بھوننے میں مصروف تھیں۔

سارے میں بڑا مزیدار سی خوشبو اڑ رہی تھی۔

"دنیا کے پاس تو پیسہ ہے وہ بھی بے شمار' جو چاہیں کریں انہیں تو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہاں سے آ رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تلخ ہو رہی تھی۔

"ہم بھی کوئی فقیر نہیں ہیں' ہزاروں لاکھوں سے بہتر ہیں' شکر ہے اس مالک کا۔"

مزید کچھ کہنا پھر سے ناشکرے پن کی صف میں کھڑا کرتا لیکن اماں کے ارادے سخت گھبراہٹ میں مبتلا کر رہے تھے۔

"بہرحال یہ منگنی وغیرہ فضول ہے مجھے نہیں اچھی لگتیں بے کار..."

"ہمیں اچھی لگتی ہیں' ہماری خوشی ہے۔"

"خوشی کا کوئی یہی طریقہ تو نہیں رہ گیا ہے۔"

"تمہارا مسئلہ کیا ہے اصل۔" چولہے کی آنچ دھیمی کر کے وہ جھنجلا کر مڑیں۔ "رشتے پر رضامندی تم نے خود دی ہے کوئی زبردستی نہیں کی ہم نے' پھر اب اس طرح کیوں ضد بحث باندھ لی ہے۔"

"ٹھیک ہے منگنی نہ سہی سیدھے سیدھے شادی کی تاریخ مقرر کر لیتے ہیں۔"

وہ کہتی ہوئی باہر نکل آئیں۔

ثانیہ کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

"حماقت کی بھی حد تھی کوئی۔"

فرار کی کوئی یہی ایک آخری راہ تو نہیں رہ گئی تھی۔

"اماں۔" بڑے مصالحت آمیز انداز میں اس نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "ابھی سب کچھ ایسے ہی رہنے دیں جیسے چل رہا ہے' ویسے ہی چلنے دیں نا' میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہتی' پلیز سمجھنے کی کوشش کریں میری بات کو۔"

اماں کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت اتری اور لمحے بھر کے لئے ثانیہ کو وہ کمزور پڑتی محسوس بھی ہوئیں لیکن یہ شاید اس کا وہم بھی تھا۔

"سب لڑکیاں ایسے ہی کہتی ہیں اور سب ماں باپ ان کے بغیر رہنا سیکھ لیتے ہیں۔ یہاں تو کوئی ایسی دور بھی نہیں ہے اصل میں تو ہمیں صرف اپنی چلانے کی عادت ہوتی جا رہی ہے دوسروں کی خوشیوں اور احساسات کی پرواکرنی بالکل چھوڑ دی ہے تم نے۔"

"کوئی ایک مثال دیں۔" بحث بھی عادت میں شامل ہوتی جا رہی تھی۔

"دو دے سکتی ہوں۔" وہ طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں۔ "فرح اور سجاد دونوں ہی نے کیا کچھ نہیں کیا ہمارے لئے لیکن جو کچھ تم نے ان کے ساتھ کیا کیا وہ اس کے مستحق تھے۔"

"مجھے صرف فرح سے شرمندگی ہے دنیا میں وہ میرے لئے مخلص ترین ہستی ہے۔" اس کی آواز دھیمی پڑی۔

"چلو شکر ہے کسی کا تو احساس ہے اور سجاد اس غریب نے کیا برا کیا۔"

ان کی نگاہ ثانیہ کے چہرے پر جمی۔

اعلان لاتعلقی کے باوجود بھید کھلنے کا ذرا ڈر اپنی جگہ آج بھی تھا۔

"سب کچھ اب پیچھے جا چکا ہے اماں اور اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کس نے اچھا کیا یا برا۔"

"بہت فرق پڑتا ہے اور میری اور تمہاری تو پوری زندگی پر فرق پڑتا ہے' نہ آتا وہ اس دن جب وہ بدبخت وحید اور تمہاری ممانی مل کر وہ گھناؤنا..."

ثانیہ کا دل بہت زور سے کانپا۔

"پوری زندگی کا نقشہ بدل جانا تھا' محض لمحوں کے فرق سے تم نہ سمجھو نہ مانو پر میرا تو رواں رواں احسان مند ہے سجاد کا ایک اچھے انسان کو کسی دوسرے کے کئے ہوئے عمل کی سزا دینا بھی کوئی انصاف ہے۔"

ان کا کہا ہر لفظ بجا تھا اور کسی ایک بات کی بھی تردید کجی بحث کے علاوہ کچھ نہیں تھی اور اب تو جیسے ہمت بھی جواب دیئے جا رہی تھی۔

بہت بھاری دل کے ساتھ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔

"شہزاد یا اس کی امی۔"

مستقل آنا جانا ان کا ہی تھا سو اس وقت بھی شہزاد ہی تھا۔

"کل چلیں گے کراچی' میں اور آپ صبح ہی تیار ہو جایئے گا' میں چھٹی لے آیا ہوں۔" ثانیہ اس کے پیچھے آنے کے بجائے وہیں رکی کھڑی تھی۔

اتنی نئی اور قیمتی گاڑی۔

اس کی نگاہ حیرت سے جمی تھی۔

""شہزاد یہ گاڑی۔""

پلٹ کر وہ اندر برآمدے میں آئی۔

""میرے دوست کی ہے اماں کو لانے لے جانے کے لئے ہی ہے۔"" وہ سرسری سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

""شہزاد کے دوست۔""

غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ثانیہ نے سوچا۔

کوئی ایک وجہ بھی نہیں تھی اس کی بات کا یقین کرنے کی۔

...☆☆☆...

وہ دروازہ بند کر کے واپس برآمدے میں آئی تھی۔

" یہ گاڑی کس کی ہے شہزاد۔"

" کہا تو ہے میرے دوست کی ہے۔" بے فکری سے کہتے ہوئے وہ شاید ثانیہ کا بدلا ہوا لب ولہجہ نوٹ نہیں کر سکا تھا۔

" سچ سچ بتاؤ جھوٹ مت بولو۔" وہ بالکل اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی اور نگاہ اس طرح اس کے چہرے پر جمی جیسے ہر راہ فرار بند کرتی ہو۔

" کیا ہو گیا ثانیہ آپا' کیوں جھوٹ بولوں گا آپ سے۔"

ایک کھسیائی سی مسکراہٹ' خود اس کے اپنے خلاف گواہی دے رہی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksitanipoint.com

ثانیہ کے دل پر بوجھ سا آ کر گرا۔

" ہمیشہ سچ بولنے والے کبھی جھوٹ بولنا بھی چاہیں تو پکڑے جاتے ہیں۔ تم بھی جھوٹ نہیں بولتے اسی لیے نہیں بول پائے۔"

وہ جو ابھی تک بڑا مگن تھا' ایک دم چپ سا ہوا۔

" آپ کو غلط فہمی ہوئی۔" لہجہ پہلے سے بھی زیادہ کمزور۔

" اب خود ہی بتاؤ گے یا یہ پہیلی بھی مجھے ہی بوجھنی پڑے گی' کس کی گاڑی ہے یہ؟"

کمرے سے باہر آتی ہوئی اماں کے قدم دروازے کی چوکھٹ پر ہی جمے۔

" کہاں جا رہے ہو اماں کو لے کر محض ڈاکٹر کے پاس تو ہرگز بھی نہیں' ٹھیک کہہ رہی ہو نا میں جواب تو دو۔"

" پتہ نہیں آپ کیا سمجھ رہی ہیں۔ ہمیں کس کے پاس جانا ہے' وہاں ظاہر ہے ڈاکٹر کو ہی دکھانا ہے اماں کو پہلے ہی لیٹ ہو گئے ہیں کئی دن۔"

سامنے کھڑی اماں کو دیکھ کر شاید اسے اچھی خاصی مورل سپورٹ حاصل ہوئی تھی۔

" اچھا اور یہ اتنی بڑی نئی گاڑی تمہیں لے جانے کے لیے فری ملی ہے۔ اتنے امیر لڑکوں سے کب سے تمہاری دوستی ہو گئی ہے جو تم پر اتنے مہربان بھی ہیں۔"

" میرے سارے دوستوں کو آپ نہیں جانتیں۔ اسی لیے بے کار کے شک میں پڑ رہی ہیں۔"

خود کو سنبھال کر وہ بڑے سرسری سے انداز میں کہتا ہوا ثانیہ کے پاس سے گزر کر آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ ثانیہ نے اس کا بازو تھاما۔

" میں تم سے صرف اس کا نام پوچھ رہی ہوں جس نے یہ گاڑی بھیجی ہے۔"

" میں نے کہا نا آپ...۔"

شہزاد کو اس بار اماں نے ہاتھ کے اشارے سے خاموش کیا تھا۔

" مجھ سے پوچھو' میں بتاتی ہوں اس کا نام۔"

ان کے لہجے میں بڑا ہی عجیب سا تاثر تھا۔

کسی راز کے افشا ہونے سے پہلے والی سنسنی جیسا۔ وہ چلتی ہوئی ثانیہ کے قریب آئیں۔

" یہ سجاد کی گاڑی ہے اور اس نے مجھے بھیجی ہے' آنے کے لیے' بس ہو گئی تسلی تمہاری یا پھر وہ سب بتاؤں' جو تمہیں پہلے ہی پتہ ہے۔"

بناء کسی تمہید کے انہوں نے اسے اطلاع دی۔

ثانیہ کے لب ہلکے سے کھلے اور پھر بند ہو گئے۔

پوچھنے کے لیے ایک ہزار ایک سو سوال' شروع کیا بھی جائے تو کہاں سے؟

حیرت کا ایک عالم تھا جو اس پر سے گزرا۔

اماں کب اس حقیقت سے واقف ہوئیں' جس نے زندگیوں کو تہ و بالا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

اسے یاد کرنے پر بھی کوئی ایک کمزور لمحہ یاد نہیں آیا۔ جس اماں کے سامنے راز کے کھلنے کا شبہ بھی' اسے گزرا ہو۔

آج اس لمحے تک بھی اسے یقین تھا کہ حقیقت صرف اس کے' سجاد کے اور بابا کے درمیان تک ہی محدود ہے۔

مگر یہ صرف اس کی بے وقوفی تھی۔

" آپ کو کس نے بتایا؟"

" کم از کم تم نے تو نہیں۔" اماں کا لہجہ سرد تھا۔

" میں نے منع بھی کیا تھا انہیں' لیکن وہ ہر بات ایسی ضرور ہی کرتے ہیں' جس سے مجھے تکلیف پہنچے۔"

وہ جیسے تھک کر تخت کے کنارے بیٹھی۔

" سجاد یہاں تک آیا اور تم نے مجھے بتانا تک گوارا نہیں کیا۔ اگر شہزاد اسے نہ دیکھتا تو میں یہ کیسے جان پاتی کہ وہ ان کھوئے ہوئے رشتوں کو لے کر۔"

شہزاد نے ثانیہ کی گلہ کرتی نگاہ خود پر جمتی محسوس کی۔

" غلط نہیں سمجھیں ثانیہ آپا' میں تو صرف آپ کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں' میں نے جو بھی کرنا چاہا' وہ صرف اسی لئے کہ مجھے لگا' یہ آپ کے لیے سب سے بہترین ہے۔"

وہ آگے بڑھ کر گھٹنوں کے بل' اس کے قریب زمین پر بیٹھا' بہت لجاجت سے کہہ رہا تھا۔

ثانیہ نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ہتھیلی سے اپنی نم ہوتی آنکھوں کو رگڑا۔

وہ یہ نہ بھی کہتا تو وہ جانتی ہی تھی۔

مگر کاش وہ ایسا نہ کرتا۔

" خدا کا شکر ہے کہ میں تمہارے ابا کے آگے سرخرو ہوئی۔ تمہیں تمہارے خاندان کے سپرد کر کے مرنے سے پہلے سکون کا سانس لے سکوں گی اب۔"

" میرا خاندان آپ اور شہزاد ہیں اماں' ان لوگوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

ان کے خاموش ہوتے ہی وہ بہت تیزی سے بولی تھی۔" وہ ظالم اور بے حس لوگ' جن کی بے حسی نے ابا جیسے فرشتہ صفت شخص کو چپ چاپ قبر میں اتار دیا۔ کسی کو ان کا خیال تک نہیں آیا۔ عیش کی زندگی بسر کی' ان سب نے اور وہ۔"

اچانک ہی بہت سارے آنسو اس کے گلے میں پھنسنے لگے۔

شہزاد پلٹ کر تیزی سے گلاس میں پانی بھر کر لایا۔

" ثانیہ آپا پلیز۔"

پانی کا گلاس پکڑاتے ہوئے اس نے ثانیہ کے ہاتھوں کی لرزش واضح طور پر محسوس کی تھی۔

" ریلیکس۔" اس نے دھیرے سے اس کے سر پر تھپکی دی۔

" آپ انہیں معاف کر سکتی ہیں تو بے شک کر دیں لیکن میں اپنے ابا کے قتل کو معاف نہیں کر سکتی' جو کچھ اس روز ہمارے ساتھ ہوا۔ جب دس منٹ کے نوٹس پر ہم نکالے گئے۔ وہ محض ایک جھلک تھی' ان دلوں کی سختی کی۔ کیا آپ کو اس کے بعد بھی ان سے اپنا کوئی رشتہ محسوس ہوتا ہے' اماں۔"

پانی کا گلاس ابھی تک اس کے ہاتھ میں ہی تھا اور چہرہ اتنی سی دیر میں ہی زرد پڑا تھا۔

اماں نے اس کے لہجے کی قطعیت کو بہت نزدیک سے محسوس کیا تھا اور تکلیف کے اس حد سے کہیں آگے جاتے احساس کو بھی جس سے وہ کب سے گزر رہی تھی۔

" اتنا حساس ہو کر نہیں جیا جاتا بیٹا' ایسے کیسے زندگی..."

" جینا چاہتا بھی کون ہے اماں' زندگی بسر ہی تو کرنی ہے کر لیں گے پلیز۔"

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر بنا ان دونوں کی طرف دیکھے' تیزی سے سامنے والے کمرے میں چلی گئی۔

اماں اور شہزاد دونوں ہی نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

" ہم بس سے چلے چلتے ہیں' میں سجاد بھائی کی گاڑی واپس بھجوا دیتا ہوں اماں۔"

شہزاد نے ان کی نگاہوں میں لکھی تحریر پڑھی تھی۔

اماں نے اثبات میں سر ہلایا اور ٹھیک اس جگہ بیٹھیں۔ جہاں سے ابھی ثانیہ اٹھ کر گئی تھی۔

ان کے چہرے پر گہری فکر چھائی تھی۔

...☆☆☆...

گھر پر بڑا پر سکون سا سناٹا پھیلا تھا۔

عزیز و اقارب کی مبارکبادیں' دعوتیں' اختتام پذیر ہوئیں اور اہل خانہ اپنی اپنی مصروفیت کی طرف پلٹے۔

گھر کے بڑے سارے لاؤنج میں بلقیس بھابی اس وقت اکیلا ہی تھیں۔ صوفے پر بیٹھی' کسی گہری سوچ میں گم۔

سامنے کے کوریڈور میں سے آتی ہوئی ثمینہ نے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور پھر خاموشی سے کھڑکیوں کی طرف بڑھ گئی۔

پردے ہٹائے' کھڑکیاں کھولیں۔

صبح کی نرم دھوپ' ٹھنڈی ہوا۔

ماحول میں خوبصورتی کا احساس بڑھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

ثمینہ ذرا رک کر سامنے پھیلے سبزے کو دیکھنے گئیں۔

تب ہی اوپر سے بچی کے رونے کی آواز سن کر انہوں نے بے ساختہ ہی پلٹ کر' لائونج میں سے اوپر جاتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔

معلوم نہیں کیا تکلیف تھی' اس بچی کو؟

" اس بے تابی سے رونا۔"

انہوں نے سوچتے ہوئے' بلقیس بھابی پر ایک چور سی نگاہ ڈالی۔

وہاں حسب توقع پیشانی پر گہری شکن پہلے سے ہی آموجود ہوئی تھی۔

" کیا نحوست پھیلی ہوئی ہے' اتنے دن سے ہر وقت رونا' بچی ہے یا مصیبت' مجھے تو وہم آنے لگا ہے۔اس کے ہر وقت کے رونے سے۔" پتہ نہیں بابا نکال کر باہر کیوں نہیں کرتے ان ماں بیٹی کو۔"

لہجے میں وہی ازلی رعونت جو سامنے والے کی حیثیت کو لمحے میں دو کوڑی کا کرتی تھی۔

" بے سہارا ہیں' بے چاری ایسے ہی تو کوئی کسی کے ہاں نہیں آکر بیٹھ جاتا۔کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہوگا' جب ہی تو یہاں آکر..."

" کیوں نہیں ہے سہارا' وہ جو یہاں لے کر آئے ہیں۔کسی رشتے کے بغیر تھوڑی لائے ہیں۔غضب خدا کا سب نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں جو کچھ ہو رہا ہے کسی کو بھی نظر نہیں آرہا۔"

انہوں نے بے تابی سے بات کاٹی۔

ثمینہ نے ناگواری سے زیرلب ہی کچھ کہا۔

" ایسی بے شرمی خدا کی پناہ' کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔سب اصول قاعدے ختم ہوگئے ہیں۔میں تو یہ سوچ کر ڈر رہی ہوں کہ جس وقت خاندان والوں کو پتہ چلے گا' اس لڑکی کے بارے میں اس وقت کیا جواب دیں گے ہم لوگ۔"

ان کی سراسیمگی' روز بہ روز بڑھ رہی تھی۔

خدشات اتنے زیادہ کہ لگتا تھا' ابھی اعلیٰ عدالت سے سزا سنائی جانے والی ہے۔

ثمینہ کو انہیں ٹوکنا ہی پڑا۔

" آپ فکر مندمت ہوں' جو بھی سوال جواب ہوگا۔اس کے لیے بابا موجود ہیں۔"

" کیوں بابا کیوں؟ سجاد سے کیوں نہیں پوچھا جاتا کہ یہ لڑکی اور یہ بچی کون ہے' کہاں سے لایا ہے وہ انہیں' کیا تعلق ہے اس کا سجاد سے؟" وہ اور بھی تلملائیں۔

" آپ پوچھ لیں' آپ کو کس نے روکا ہے؟"

ثمینہ تلخی سے کہتی ہوئی، اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ یہاں رک کر ان سے بحث میں الجھنا بے وقوفی تھی۔

بلقیس بھابی انہیں جاتا دیکھ کر اور بھی زور سے پکاریں۔

" پوچھ لوں گی، مجھے کسی کا ڈر نہیں لگا ہوا۔"

اور نہ ہی مجھے اس طرح منافقت کرنی آتی ہے۔ غلط کو غلط ہی کہوں گی ہمیشہ، تمہاری طرح خوشامد نہیں کرتی ہوں، فائدے حاصل کرنے کے لیے میری طرح ہو کر تو دکھاؤ پہلے۔"

ثمینہ بناء مڑ کر دیکھے، اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

ساری چیخ پکار، یوں ہی بے مزہ گئی۔

" مجھ جیسی قربانیاں کوئی دے کر تو دکھائے۔

اکلوتے بیٹے کی جدائی برداشت کر رہی ہوں، کس لیے بھلا، اس گھر کے اصولوں کے لیے، خاندان برادری کی عزت بنائے رکھنے کے لیے، اب اگر کوئی اور آکر اس سارے سسٹم کو ٹھوکر مارے گا تو میں اسے بخشنے والی نہیں ہوں۔"

وہ زور زور سے کہے گئیں۔ اس بات سے بے نیاز کہ کوئی سن بھی رہا ہے یا نہیں۔

اور جب دل کی بھڑاس اچھی طرح نکل گئی تو جا کر سیڑھیوں پر کھڑی ہو گئیں۔

بچی ابھی تک رو رہی تھی۔

" چپ کرا لو اسے یا میں اوپر آکر چپ کراؤں۔"

وہ بہت بدلحاظی سے چیخیں۔

اوپر کے لائونج میں بچی کو لے کر ٹہلتی ہوئی نینی نے سہم کر بچی کو گلے سے لگا لیا۔

یہ باتیں روز کا معمول تھیں لیکن معمول کا حصہ بننے کے بجائے اور بھی تکلیف دہ ہوتی جا رہی تھیں۔

کبھی کبھی تو نینی کو لگتا جیسے، وہ اسے دھکے مار کر گھر سے باہر کریں گے۔

" کسی کی نحوست لا کر ہمارے سر پر ڈال دی، جس کی اولاد ہے۔ وہ خود کیوں نہیں سنبھالتا یا پھر ہمت ہی نہیں ہے اپنی اولاد کو اپنانے کی اس میں۔"

آج ان کا جلال روز سے زیادہ تھا۔

" اور اگر انہیں پتہ چل ہی جائے تو وہ کس کی اولاد پر اپنا غصہ اتار رہی ہیں تو پھر پتہ نہیں ان کا ری ایکشن کیا ہو؟"

وہی تو تھی ان کے بیٹے کو جدا کرنے والی۔

جس کو وہ اٹھتے بیٹھتے بددعائیں دیتی تھیں۔

" مکار، آوارہ، جادو گرنی۔"

اس نے انہیں خود کہتے ہوئے سنا، جب وہ فیضی کو یاد کرتی تھیں۔

" فیضی۔"

وہ کچھ اور بھی اداس ہوئی۔

دل پر عجب انداز میں چوٹ پڑتی تھی۔

"پتہ نہیں کہاں ہو گا۔اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی یقین نہیں آتا تھا کہ وہ ان سے اتنا لاتعلق ہو سکتا ہے کہ مڑ کر خبر ہی نہ لے۔

نہ اس کی اور نہ رابعہ کی۔

ایک بار امی کے ہاں فون آیا۔اس کے بعد کوئی اطلاع ہی نہیں۔

"کہیں امی نے ہی تو اس سے فیضی کے بارے میں چھپانا نہیں شروع کر دیا۔بہت ممکن ہے کہ وہ اسے فیضی کے فون کے بارے میں بتا ہی نہیں رہی ہوں۔"

تھی تو ذرا نا ممکن سی بات لیکن اس کے دل کو اس وہم نے گھیرا۔

بچی شاید روتے روتے تھک چکی تھی' سو اسی لیے نیند میں محسوس ہو رہی تھی۔

نینی نے چند لمحے اس کے سونے کا انتظار کیا اور پھر احتیاط سے اسے بستر پر لٹا کر فون لے کر بیٹھی' خاموشی کے ان لمبے لمبے وقفوں میں اس کا آسرا تھا' یہی کیا کم تھا کہ وہ امی سے یا نازی سے بات تو کر سکتی تھی۔ان کی خیریت معلوم کر سکتی تھی' اپنی بتا سکتی تھی۔

ایسے میں وہ سجاد کی اور بھی مشکور ہونے لگتی۔

اس کے چاروں طرف پھیلے اندھیرے میں ایک چھوٹا سا دیا اسی نے جلا کر رکھا تھا۔

ادھر گھر میں فون امی نے ہی اٹھایا تھا۔

وہ پریشان تھیں اور ساتھ میں کنفیوژ بھی۔

"میری بیٹیوں نے مجھے سخت مایوس کیا۔میری ساری سپورٹ کے باوجود' اپنی اپنی زندگیوں میں سیٹ ہو کر ہی نہ رہیں۔"

"سب نے امی۔"

"نہیں' تم نے اور دیا نے میری نازی تو بہت صابر اور قسمت والی نکلی جو ہم نے چاہا اس نے مانا' تم دونوں کی طرح اپنی من مانی کرنے کھڑی نہیں ہوئی وہ۔"

گو ان کی تنقید کی زد میں وہ خود بھی آ رہی تھی پھر بھی' دیا کے لیے امی کا اعتراف' نینی کو بہت اچھا لگا تھا۔

"یہ تو ہے امی' اللہ نازی آپا کو بہت خوش رکھے۔انہوں نے بڑی محبت کی ہم سب سے شاید اسی کا صلہ..." وہ دھیرے دھیرے بہت دل سے کہے گئی۔

"تم نے بھی کس حد تک اپنے کیے کو نبھانے کی کوشش کر لی۔مجھے اور تمہارے ابا دونوں ہی کو تم سے اب کوئی شکایت نہیں ہے' خدا تمہاری مشکلوں کو آسان کرے۔"

"ابا نے اسے معاف کر دیا۔"

وہ شرم سے پانی پانی ہوئی۔" اس کی ساری نافرمانی کو معاف کر دیا گیا۔"

امی جب بھی ابا کے حوالے سے کچھ کہتیں' وہ خود اپنی نظروں میں گرتی تھی۔ساری تکلیفیں' ساری پریشانیاں اسی ایک جرم کے عوض محسوس ہوتیں جو نو عمری کی جذباتیت کے تحت سرزد ہوا۔

"تم نے بہت مصیبت اٹھالی' اب تو بس یہی دعا ہے کہ تم یہیں اپنے گھر میں پورے حق کے ساتھ بس جائو۔ بچی اپنوں کے ساتھ رہے۔ اس سے زیادہ خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"وہ تو اسے دیکھنے کے بھی روادار نہیں ہے امی' خاص طور پر فیضی کی امی' انہیں تو بچی کی آواز بھی برداشت نہیں ہے۔"

کچھ افسردہ سی ہو کر اس نے حقیقت حال بتانا چاہی' مگر وہ ہلکے سے "اللہ مالک ہے" کہہ کر خاموش ہو رہیں۔

"فیضی کا پھر کوئی فون آیا امی۔" کچھ رکتے رکتے نینی نے پوچھ ہی لیا۔

"ہاں آیا تھا' دو تین بار آ چکا ہے۔" ان کا لہجہ اتنا بے تاثر تھا کہ نازی کو عجیب سا لگا۔

"پھر آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں۔"

"کیا بتاتی' ایسے بے حس اور کم ظرف شخص کے بارے میں' جس نے خود فرار کا راستہ ڈھونڈا' اپنی بیوی کو اکیلا چھوڑ کر۔"

"آپ بھی حد کرتی ہیں' میں کتنی فکر مند ہوں' اس کے لیے پتہ نہیں کہاں ہے۔ کس حال میں ہے' آپ نے پوچھا' اس سے کچھ۔"

ان کا بتایا ہوا کوئی ایک بھی جواز اسے فیضی سے بد دل نہ کر سکا تھا۔

فون کے دوسرے سرے پر موجود امی کو یہی سوچ کر بے حد برا لگا تھا۔

"بس کر دو نینی' اب نکل آئو' اس جذباتیت سے بچی کی ماں بن چکی ہو۔ اپنے مقام کو پہچانو۔ فیضی خود آ کر معافی مانگے گا' تم بس ہمت کر کے وہاں بیٹھی رہو۔"

"وہ کیسے آئے گا۔ جب اسے پتہ ہی نہیں کہ میں اور رابعہ یہاں ہیں۔"

اس کی سمجھ میں امی کی بات ذرا بھی نہیں آئی تھی۔

"اسے نہیں پتہ' اسی لیے وہ آئے گا۔ جب وہ ہر طرح سے مایوس ہو جائے گا تو یہاں آنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہو گا لیکن ابھی نہیں' عقل سے کام لو نینی' دیکھو ابھی تم...۔"

بہت تحمل سے جو کچھ بھی وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ کچھ سمجھ میں آ رہا تھا اور کچھ نہیں بھی۔

"آپ کو یہاں کے حالات کا اندازہ نہیں ہے۔ یہ لوگ بہت سخت ہیں امی' بے لچک اور بات کے پکے' پتہ نہیں کیسے ری ایکٹ کریں گے۔ مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔" کوشش کے باوجود بھی کوئی اچھی امید نہیں بندھ رہی تھی' مگر امی بہت پر امید تھیں۔

سو اسے بھی خاموش ہونا پڑا۔ نیچے سے صفائی والی نو عمر سی لڑکی اوپر صفائی کے لیے آئی تھی۔

وہ احتیاطاً ملازموں کے سامنے زیادہ بات نہیں کرتی تھی مگر پھر بھی...

"اچھا امی' اب کہ فیضی کا فون آئے تو یہ ضرور پوچھ لیجئے گا کہ انہیں کوئی پریشانی تو نہیں۔ پیسے تو ہوں گے ابھی ان کے پاس یا پھر...۔"

دوسری طرف امی نے جیسے بہت جل کر فون بند کیا تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل پر کپڑا پھیرتی ہوئی لڑکی نے چونک کر نینی کی طرف دیکھا اور پھر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہوئی۔

...☆☆☆...

سیٹی کی لے پر کسی شوخ سے گیت کی دھن۔

تازہ خریدے گئے کپڑوں میں سے' سب سے اچھی شرٹ اور پرفیوم کا ایسا چھڑکاؤ کہ...

کمرے میں داخل ہوتے ہی خوشبو کا دلفریب احساس جاگا تھا۔

نازی نے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑے' عمر پر ایک خاموش نظر ڈالی۔

ساری ہی تیاریاں معنی خیز تھیں۔

پچھلے کئی ہفتوں کی طرح اس ویک اینڈ پر بھی وہ کہیں جانے کے لیے تیار تھا اور وہ بھی اکیلے۔

"کہیں جا رہے ہیں؟"

بیڈ کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے' اس نے بالکل سرسری سے انداز میں پوچھا تھا' مگر پھر بھی عمر چونک سا گیا۔

"ہاں... وہ ایک دوست آیا ہے' باہر سے اسے ہی کھانے پر لے جا رہا ہوں۔"

"اور بھی لوگ ہیں' میرا مطلب ہے کہ دوست کی فیملی بھی تو ہوگی۔" وہ اس کی طرف سے دانستہ پشت کیے ہوئے تھی۔ عمر کو شاید اسی لیے جواب دینے میں بھی آسانی ہوئی تھی۔

"نہیں' فیملی کہاں' اس کی تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔"

جواب مکمل تھا' سو آگے کچھ پوچھنے کی گنجائش نہ ضرورت۔

نازی چپ چاپ اپنے کام نمٹائے گئی۔

عمر ابھی بھی ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا تھا۔

نازی نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی' وہ خوش شکل تھا' اسمارٹ تھا۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں اور اس وقت جب وہ بہت دل لگا کر تیار ہوا تھا تو اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ...

کبھی کبھی تو نازی کو اس کے آگے کم مائیگی کا احساس گھیرتا بھی تھا۔

وہ محض نانی کی خواہش پر اس گھر میں آئی ہے اور وہ بھی ایک ناپسندیدہ ترین صورتحال کو ٹالنے کے لیے سو عمر کے لیے تو وہ ایک زبردستی کا سودا ہی ہے۔

پچھلے کئی دن سے ذہن پر پھر سے اسی ایک خیال کی تکرار تھی نہ چاہتے ہوئے بھی۔

وہ جو ایک انڈر اسٹینڈنگ آپس میں بڑھتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی' خود بخود ہی دم توڑ رہی تھی۔

وہ نظرانداز ہو رہی تھی یا پھر جان بوجھ کر کی جا رہی تھی۔

اسے دوسری بات پر زیادہ یقین تھا۔

"تمہیں کہیں جانا تو نہیں تھا؟"

عمر نے جیسے کوئی رسمی کارروائی نمٹائی اور اس کا جواب سنے بغیر اپنے موبائل پر آئے مسیج کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ جو پچھلے دو دن سے گھر کے سامان کی لسٹ سنبھال کر بیٹھی تھی۔ یہ ضروری کام بھی اس کے سپرد نہیں کر پائی۔

" اچھا' میں چلتا ہوں' دیر ہو رہی ہے۔ چھٹی کا دن تو بس یوں ہی نکلتا ہے پلک جھپکتے ہی۔"

خوش دلی سے کہتا ہوا وہ باہر نکلا اور جتنی دیر میں نازی اس کے پیچھے آئی' وہ نانی کو خدا حافظ کہتا ہوا باہر بھی نکل گیا تھا۔

وہ خاموشی سے دروازہ بند کر کے واپس پلٹ آئی۔

نانی نے اس کے اترے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لی۔

" یہ ٹھیک دوپہر میں کہاں روانہ ہوا ہے' اتنی گرمی ہے آج۔"

" کسی دوست کو لنچ پر لے کر جانا تھا نانی۔"

سادہ سے لہجے میں کہتی ہوئی وہ وہیں ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

" کس دوست کو' نام تو پوچھا ہو گا۔"

" نہیں' میں کون سا جانتی ہوں' ان کے دوستوں کو۔"

وہ ان کی تسلی کے لیے ہلکے سے مسکرائی بھی لیکن نانی کی کھوجتی ہوئی نگاہ کے آگے ٹکنا آسان نہیں تھا۔

" پہلے بھی سمجھایا تم کو اب پھر کہہ رہی ہوں' ہوش کے ناخن لو۔ ایک چھٹی کا دن' وہ بھی گھر پر نہیں گزارتا ہے اور تمہیں پرواتک نہیں۔ اس طرح تو وہ بالکل ہی ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔"

نانی کے لہجے میں تھکن تھی اور تھوڑی سی مایوسی بھی۔

نازی نے نوٹ کیا تھا کہ اب کچھ دن سے وہ عمر کو مخاطب کرنا بھی کم کر چکی تھیں۔

وہ اب اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

" میں کیا کروں نانی' اب ہر وقت روک ٹوک اچھی بھی تو نہیں لگتی' ہو گا تو وہی' جو وہ چاہیں گے۔" اس کا سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ اس کے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آ رہے تھے۔

" دیا کا اپنے شوہر سے جھگڑا ختم ہوا۔"

" وہ مسعود سے خلع لے رہی ہے' شاید مقدمہ فائل بھی کرا دیا ہے۔"

نانی سے چھپانا فضول تھا' سو اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے بتا ہی دیا۔

" برا ہوا۔"

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد انہوں نے محض اتنا کہا۔

اندر سیل فون بج رہا تھا۔

نازی تیز قدموں سے اندر آئی۔

دوسری طرف سمیع تھا۔

" آج تم اور عمر بھائی ہماری طرف آ جائو' نازی آپا' نانی کو لے کر۔ بہت دن ہو گئے سب کو مل کر بیٹھے ہوئے' مزا آئے گا۔"

وہ پر جوش انداز میں مدعو کر رہا تھا۔

جب سے دیا واپس آئی تھی، نازی کا جانا قطعی طور پر بند تھا۔امی نے واضح الفاظ میں اسے منع کیا تھا۔وہ نہیں چاہتی تھیں کہ دیا کی موجودگی میں عمر وہاں آئے۔

اور اپنے اس خیال کو انہوں نے کسی سے بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

نہ نازی سے اور نہ ہی ابا اور سمیع سے اور سب ہی نے ان کی اس احتیاط کو سمجھا اور مانا تھا۔

دل چاہنے کے باوجود بھی کوئی اسے آنے کو نہیں کہہ رہا تھا۔دو ایک بار وہ لوگ خود ہی آ کر مل گئے۔

مگر آج کچھ مختلف تھا۔

ساری ٹینشن بھلا کر نازی مسکرا دی۔

''بس پھر تم لوگ آ رہے ہو نا؟'' دوسری طرف سے سمیع پوچھ رہا تھا۔

آج نہیں، آج تو عمر کا کسی دوست کے ساتھ پروگرام ہے۔اگلا ویک اینڈ رکھ لو۔''

'' اب اگلا ہفتہ تو پتہ نہیں...''

نازی کو لگا، وہ ہچکچا رہا ہے۔

''اصل میں آج تو دیا گھر پر نہیں ہے، کسی دوست کے ہاں دعوت ہے، میں نے سوچا اچھا موقع ہے، کیوں نہ ہم لوگ مل کر بیٹھیں، ورنہ اس کی موجودگی میں تو یہ بھی ممکن نہیں رہا ہے۔''

سمیع کے لہجے کا سارا جوش و خروش مدہم ہوا۔

'' میں تمہیں بہت مس کر رہا ہوں نازی آپا۔''

مگر وہ توفی الوقت اس محبت بھرے اظہار کا جواب دینے کے بھی قابل نہیں رہی تھی۔

'' دیا کہاں گئی ہے سمیع۔''

خود اپنی آواز بھی کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

'' پتہ نہیں، اس کی کوئی پرانی دوست ہے، ہم نے تو شکر کیا کہ کچھ تو اس کا ذہن بٹے، ورنہ گھر میں تو ہر وقت کوئی نہ کوئی پرابلم کھڑی کیے رکھتی ہے۔ہم لوگ تو سچ مچ عذاب میں ہیں اس کی وجہ سے۔''

سمیع بے زار تھا۔اس کے بارے میں بات کرنے سے بھی اور نازی جیسے بالکل ہی گم صم۔

...☆☆☆...

ماں نے کس کر ایک ہاتھ اس کی پیٹھ پر جمایا۔

'' بدبخت، آہستہ تو بول۔''

'' باوجود غصے کے وہ نیچی آواز میں ہی کہہ پائی، ادھر آ میرے ساتھ۔''

مزید کچھ تفصیل جاننے سے پہلے وہ اسے کھینچتی ہوئی خاصے فاصلے تک لے گئی۔

گھر کے پچھلے حصے میں عموماً کسی کی آمد و رفت نہیں رہتی تھی، سو یہاں راز کی باتیں کہی اور سنی جا سکتی تھیں۔

'' اب بتا، کیا بکواس کر رہی تھی۔'' اس کا ہاتھ ابھی تک اپنی بیٹی کی پتلی سی کلائی کو اس طرح گرفت میں لیے ہوئے تھا جیسے ذرا بھی ڈھیلی پڑی تو وہ کہیں نکل نہ بھاگے۔

لڑکی کو خود شاید، اس شدید ردعمل کی توقع نہیں تھی۔

"کچھ نہیں کہہ رہی تھی میں، میرا ہاتھ چھوڑو تم۔"

غصے سے کہتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو وہ ماں کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔

"توڑ کر رکھ دیا لے کر۔" وہ بے ڈھنگے پن سے وہیں فرش پر بیٹھ کر، اپنا ہاتھ سہلانے لگی۔

"تیری بے وقوفیوں سے ڈر لگتا ہے، لگی روزی ہے، ذرا سی بات پر ہاتھ سے نکل جائے گی۔ دوسرا کوئی آسرا بھی نہیں ہے۔"

ماں اس کے قریب ہی بیٹھی۔

"میں نے تو ایک بات کہی تھی، وہ بھی صرف تم سے، کسی اور کے سامنے تو منہ سے بھی نہیں نکالا تھا کہ اوپر والی باجی کو فیضی بابا کا نام لیتے ہوئے سنا ہے۔"

وہ اب بھی خفا تھی اور مستقل اپنا ہاتھ سہلا رہی تھی۔

"دو چوڑیاں بھی ٹوٹ گئیں، میری سارا سیٹ خراب کر کے رکھ دیا۔ اب دوسرا دلانا مجھے۔"

اس کی نوعمری نے اب ایک نئے غم میں مبتلا کیا۔

ماں نے ایک پرسوچ سی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"ٹھیک سے سنا تھا تو نے، اس نے فیضی بابا کا نام ہی لیا تھا۔"

"ہاں اماں، میں نے بالکل صاف سنا تھا وہ ان ہی کا نام لے کر پوچھ رہی تھیں، میں بالکل قریب ہی تو کھڑی تھی۔ جب وہ باجی فون پر بات کر رہی تھیں۔"

ماں کے چہرے پر اضطرابی سی کیفیت پھیلنے لگی۔ وہ بہت پرانی ملازمہ تھی۔

گھر کے حالات و واقعات سے پوری طرح واقف اور اپنی حیثیت سے بھی۔

"دیکھو بیٹا، بس اب یہ بات کسی کے بھی سامنے منہ سے نہ نکالو، ورنہ ساری شامت ہماری آجائے گی۔ یہ تو بڑے لوگ ہیں۔ پتہ نہیں ان کے کیا کھیل ہیں۔ فیضی بابا ایسے گئے کہ پلٹ کر نہیں لوٹے، کیسی شادی، کیسی دلہن، ہم نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اب یہ لڑکی جسے تو نے فون پر فیضی کا نام لیتے سنا، معلوم نہیں کیا گورکھ دھندہ ہے ان کا، ہمیں اس میں نہیں پڑنا بس۔"

لڑکی نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔

"میں شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں کہ یہ فیضی صاحب کی بیوی ہے۔ اتنی پیاری لڑکی کے لیے کوئی بھی اپنا گھر اور رشتے دار چھوڑ سکتا ہے۔ فیضی بابا نے بھی چھوڑ دیا۔"

اسے ماں کی تشویش سے کوئی خاص سروکار نہیں تھا۔ وہ محض اس رومانٹک کہانی کے ایک اہم کردار کو کھوج لینے کی ایکسائٹمنٹ میں مبتلا ہوتی جا رہی تھی۔

"اخلاق بھی اتنا اچھا، اتنی محبت سے بات کرتی ہیں۔ بڑی بیگم صاحب سے تو لاکھ کیا کروڑ درجے اچھی ہیں، مجھے تو بہت پسند آئیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں پسند وسند کرنے کی، خبردار۔"

ماں، جو خود بھی بیٹی کی رو میں بہنے لگی تھی۔ خود کو سنبھال کر پھر سے خفا ہونے لگی۔

"ہمیں تنخواہ تو بڑی بیگم سے ہی ملتی ہے پھر ہم کیوں کسی دوسرے کا گن گائیں' اس طرح تو نمک حرامی ہوتی ہے' اللہ بھی حساب لے گا۔"

اپنے طور پر اس نے مؤثر ترین نصیحت کی۔

"لیکن کسی کی سچی تعریف کرنا گناہ نہیں ہے پھر ہماری تعریف یا برائی سے کوئی فرق تھوڑی پڑنے والا ہے۔

اماں' اصل بات تو یہ ہے کہ بڑی بیگم کو پتہ ہی نہیں ہے کہ یہ فیضی بابا کی بیوی ہیں۔"

"پھر وہی بات۔"

ماں نے بمشکل اپنا ہاتھ' دوبارہ اٹھنے سے روکا۔

"منع کیا ہے نا میں نے معلوم نہیں' کیا چکر چل رہا ہے۔

سجاد صاحب لے کر آئے ہیں اس لڑکی کو اور بیگم صاحب تو پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہی ہیں۔ اللہ معاف کرے..."

اس نے کان کی لو کو چھوا۔

لڑکی نے اس بار سمجھداری سے اثبات میں سر ہلایا۔

"سمجھ گئی نا۔"

"ماں اب بھی غیر مطمئن نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔"

"بے فکر رہو اماں' اب اتنی بے وقوف بھی نہیں ہوں۔ ایک لفظ نہیں سنو گی میرے منہ سے' وہ تو بس جذباتی ہو گئی تھی میں۔ بات ہی کچھ ایسی تھی' سچ میرے تو ہوش ہی اڑ گئے تھے۔"

ماں ہلکے سے مسکرا دی۔

"ہوش تو سارے گھر کے اڑیں گے جب انہیں پتہ چلے گا' جس کی خاطر فیضی بابا کو نکالا' وہ تو خود گھر میں آ کر بیٹھی ہے۔"

...☆☆☆...

نانی کئی دن سے کسی عزیز کی عیادت کے لیے جانا چاہ رہی تھیں۔ عمر کو فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔

فرح کے سامنے ذکر آیا تو فوراً ہی پروگرام بن گیا۔ وہ آج چھٹی پر تھی۔

"آپ بھی کس نالائق کے آسرے پر بیٹھی ہیں۔"

"وہ تو ہمیشہ اسی طرح ٹال مٹول کرتا آیا ہے اور پندرہ دن نکل جائیں گے۔"

نانی اور نازی دونوں ہی کو ساتھ لیے' جب وہ گاڑی نکال رہی تھی تو عمر کی سابقہ کارکردگی پر بھی تبصرہ جاری تھا۔

نانی کو بھی پچھلے کئی واقعے یاد آتے جا رہے تھے۔

آج کئی دن بعد وہ خاصی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

ذرا سی توجہ' ذرا سی محبت۔

"مایوسی کو دور کرنے کے لیے صرف اتنا ہی تو درکار ہوتا ہے۔" نازی نے انہیں دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

"اصل میں قصور عمر کا بھی نہیں' پہلے آپ اسے دل بھر کر بگاڑتی رہیں۔ اب یہ نازی آئی تو یہ بھی اس کی جی حضوری میں لگ گئی۔ بیویوں والا رعب رکھا ہی نہیں اس نے' وہ حضور اور بھی بگڑتے چلے گئے۔"

نازی ہلکے سے ہنس پڑی۔

راستے میں گھر کی چابی' عمر کو دینی تھی۔

یہ نانی کی رائے تھی۔ان کے خیال میں پتہ نہیں کتنی دیر لگ جانی تھی واپسی میں' حالانکہ فرح مخالفت بھی کرتی رہی۔

" دیر ہو بھی جائے تو کیا تھوڑی دیر اور گھوم گھام آئے گا' کہیں یا پھر باہر کھڑا بھی رہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔

مگر نانی کو عمر کی پریشانی منظور نہیں تھی۔

آفس راستے میں پڑتا تھا اور چھٹی کا وقت اب قریب ہی تھا۔

" تم جا کر چابی دے آئو' عمر کو بتانا نہیں کہ میرے ساتھ آئی ہو' کہہ دینا کہ باہر ٹیکسی کھڑی ہے شاید کچھ شرمندہ ہو۔"

فرح کے اصرار پر اسے اترنا پڑا۔

پارکنگ ایریا سے نکل کر' لابی تک جاتے ہوئے' کسی ایک دو شناساشکلوں نے اسے پہچان کر دعا سلام بھی کی۔

وہ یہاں پہلے بھی چند بار آچکی تھی اور کچھ لوگ اسے عمر کے حوالے سے یقیناً پہچانتے بھی تھے۔

عمر کے آفس تک پہنچنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

ٹھنڈے' روشن کوریڈور کے اختتام پر اس کے چیمبر کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔

کوئی ابھی آیا تھا یا پھر باہر گیا تھا۔

محض دو یا تین قدم اور۔

اور اسے بس چابی دے کر ہی تو پلٹنا تھا۔

مگر یہ محض اس کی خام خیالی تھی۔

" مسعود سے شادی کرنا میری بہت بڑی غلطی تھی۔عمر' پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے جو میں اس پر اعتماد کر بیٹھی' مگر اب سب ٹھیک ہو جائے گا مجھے تم پر پورا یقین ...۔"

اندر سے آتی دیا کی آواز پہچاننے میں وہ بھلا کیسے غلطی کر سکتی تھی۔

قدم ساکت ہوئے اور چند لمحوں کے لیے گرد و پیش سے سب ہی کچھ گم ہوا۔

" میں تمہارے لیے جو کچھ بھی کر سکتا ہوں ضرور کروں گا دیا' مجھے بہت افسوس ہے کہ..."

یہ عمر تھا۔

نازی کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

" اس یقین دہانی کو سننے کے لیے وہ اگر وہاں کھڑی رہی تو ضرور پتھر کی ہو جائے گی۔"

پوری ہمت مجتمع کر کے وہ واپس پلٹی تھی۔

تیز اور تیز۔

کوریڈور' لابی اس کے قدموں تلے سے گزرے' آس پاس کے لوگوں نے اس کے غیر معمولی انداز کو حیرت سے دیکھا' مگر اسے احساس تک نہیں ہوا۔

”کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے۔“

فرح نے اس کا پسینے میں تر ہوا چہرہ دیکھ کر تشویش سے پوچھا تھا۔

وہ جواباً کچھ بھی نہیں کہہ پائی۔

”نازی پلیز‘ بتاؤ کیا ہوا ہے۔“

فرح کی چھٹی حسن نے اسے خبردار کیا۔”عمر ملا تمہیں کچھ کہا اس نے کیا؟“

اس کی نگاہیں نازی کے چہرے پر جمی تھیں۔جہاں اب واضح طور پر پیلاہٹ پھیلی تھی۔

”کچھ نہیں فرح بس ایسے ہی دل گھبرا رہا ہے۔“

اپنی گئی گزری حالت پر کہنے کے لیے‘ اس کے پاس الفاظ بھی ختم ہوئے تھے۔

”واپس گھر چلو فرح بلکہ پہلے کسی ڈاکٹر کی طرف ہو لیتے ہیں۔ایسے ایک دم کیوں طبیعت خراب ہوئی ہے نازی کی‘ مجھے تو وہم آرہے ہیں‘ ضرور نظر لگی ہے۔“

نانی اتنی سی دیر میں بے حد گھبرا چکی تھیں۔

”میں چابی لے لیتی ہوں عمر سے۔“ فرح گاڑی سے اترنے لگی‘ تب ہی نازی نے اس کا ہاتھ تھاما۔

”عمر آفس میں نہیں ہے۔چابی میرے ہی پاس ہے۔“

مٹھی میں بند چابی پسینے میں بھیگی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

فرح نے اس کے بے حد سرد ہوتے ہاتھ کی ٹھنڈک اپنی کلائی پر محسوس کی اور اس کے الفاظ کا کھوکھلا پن بھی۔

وہ جھوٹ بول رہی تھی لیکن فرح کو اس کے جھوٹ کا ہی مان رکھنا تھا۔

گاڑی واپس گھر کی طرف موڑتے ہوئے وہ بہت گہری سوچ میں پڑی تھی۔

...☆☆☆...

وہ کب سے اسی ایک پوزیشن میں بیٹھی تھی۔

شام پوری طرح ڈھل کر‘ شب کی تاریکی میں بدلی۔

نانی نے آکر‘ باہر بالکونی کے رخ کی لائٹ جلائی اور خاموشی سے واپس پلٹ گئیں۔

نہ کوئی سوال‘ نہ جواب۔

آج اسے اکیلے چھوڑے رہنا ہی بہتر تھا۔یہ بات انہیں فرح سمجھا کر گئی تھی‘ سو وہ کاربند تھیں۔

عمر آیا تو وہ فرح کے ہاں جانے کا کہہ کر باہر نکل گئیں۔وہ دروازے بند کر کے لاؤنج میں آکھڑا ہوا۔

گھر میں خاموشی تو خیر رہتی ہی تھی۔آج بدرونقی کا احساس جاگا تھا۔

اس نے ایک الجھی الجھی سی نگاہ اطراف میں ڈالی اور وہیں صوفہ پر بیٹھا رہا۔

سامنے اس کا اپنا کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا تھا۔

بالکونی سے آتی روشنی ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک ایک چوڑی سی لکیر بنا رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

سو وہی جگہ روشن تھی۔

چند لمحے اس طرف یوں ہی دیکھتے ہوئے گزرے' وہ منتظر تھا کہ شاید نازی خود ہی نکل کر باہر آئے۔

روز کی مانند اس کی خوشگوار مسکراہٹ' چائے کا خوشبو اڑاتا گرم کپ' ایک مہربان سا احساس۔ مگر آج ایسا کچھ نہیں تھا۔

وہ اٹھ کر بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اندر کمرے میں آیا۔

نازی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ کمرے کے اس گوشے میں نیم تاریکی تھی۔ سو وہ فوری طور پر تو اس کے چہرے کے تاثرات بھی نہیں دیکھ پایا تھا۔

"نازی۔" وہ ہلکے سے پکارا۔

"دوسری طرف بالکل خاموشی تھی۔"

"میں کچھ کہہ رہا ہوں۔" وہ اس کے قریب بیٹھا تو نازی بے ساختہ ہی پیچھے کو ہوئی۔

"نازی پلیز۔" عمر نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔" بات کرو مجھ سے' اتنی ناراض ہو کہ بات کرنا بھی گوارا نہیں۔"

"میں کسی سے ناراض نہیں اور کیوں ناراض ہوں گی' کوئی وجہ بھی تو ہو۔"

بے تاثر سے لہجے میں کہتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی ہونے لگی تھی' لیکن عمر کے ہاتھ کی گرفت مضبوط تھی۔

آنکھیں اتنی دیر میں اس نیم تاریکی کی عادی ہو چکی تھیں اور اب وہ نازی کے چہرے کو بہت قریب سے دیکھ رہا تھا۔

"بہت روئی ہو۔"

"نہیں رونا چاہیے تھا۔" وہ چہرہ دوسری طرف موڑتے ہوئے ہلکے سے بولی۔

"کچھ پوچھے جانے بغیر ہی۔"

"نہیں' لاعلمی تو نعمت تھی میرے لئے' اسی لیے تو بے خبری میں ماری گئی۔"

وہ عجیب سے انداز میں ہنسی۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ ہاتھ چھڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

عمر ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

"مجھے نہیں پینی چائے وائے' بات سنو میری۔"

"مرضی ہے۔" اس نے ذرا جو اہمیت دی ہو۔

عمر کے انکار کو۔

"تم آفس آئیں اور مجھ سے ملے بغیر واپس چلی گئیں' بعد میں کسی نے مجھے بتایا کہ تم...."

عمر کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

"تمہیں اندر آنا چاہیے تھا نازی' اس طرح واپس جاتے ہوئے دیکھ کر آفس والوں نے بھی کیا سوچا ہوگا۔"

نازی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"آفس والوں کی نگاہ میں امیج کی فکر ہے عمر اور میں' میں اتنی بھی اہم نہیں۔"

" میرا یہ مطلب نہیں۔"

" کیوں آتی میں اندر' یہ دیکھنے کہ آپ اپنی پرانی منگیتر کی دل جوئی میں مصروف ہیں اور بد قسمتی سے وہ میری اپنی سگی بہن ہے۔ میں تو خود سے بھی نگاہ ملانے کے قابل نہیں رہی ہوں۔ عمر کیوں کیا آپ لوگوں نے ایسا۔"

وہ نہ چیخی نہ چلائی' بہت تحمل سے دھیرے دھیرے اپنی بات کہتے ہوئے' وہ حیرت انگیز طور پر خود کو سنبھال چکی تھی۔

" میں نے ایسا کچھ نہیں کیا' تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

اس کے ہاتھوں پکڑے جانے کے باوجود بھی وہ بڑے یقین سے کہہ رہا تھا۔

" ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی یا پھر ڈھٹائی۔"

فوری طور پر تو وہ فیصلہ بھی نہیں کر پائی۔

" تمہیں احساس ہے کہ اس طرح چپ چاپ واپس جانے پر وہاں لوگوں نے کیا نوٹس لیا۔" وہ اس کی تکلیف کو سمجھنے کے بجائے ابھی بھی اپنا ہی رونا لیے بیٹھا تھا۔

" سارا اسٹاف دوستوں کی طرح ہے۔ انہیں تو مذاق کا بہانہ مل گیا۔ تم جب وہاں تک آ ہی گئی تھیں تو کم از کم..." مارے کوفت کے اس سے بات بھی پوری نہیں کی جا رہی تھی۔" خیر یہ بتاؤ کیوں آنا ہوا تھا آفس؟"

" سو ثابت ہوا کہ وہ اس کی بات کو' اس کی تکلیف کو ذرا سی بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں۔"

نازی کا دل بری طرح دکھا۔

عمر پھر سے اپنا سوال دہرا رہا تھا۔

" دماغ خراب ہوا تھا میرا' اسی لیے آئی تھی۔"

کاٹ کھانے کے انداز میں اس نے کہا اور باہر نکل آئی۔

عمر کا قہقہہ اسے اپنے پیچھے تک سنائی دیا۔

کیا تھا یہ شخص بھی۔

عمر کے بارے میں اپنی ساری خوش گمانیوں پر اسے خود اپنے آپ پر ہی رونا آیا۔

سب سے بڑی احمق وہ خود تھی پھر کسی سے بھی کیا گلہ۔

وہ لاؤنج میں نانی کے تخت پر بیٹھی اپنی سوچوں میں گھری۔

" جو کچھ بھی دیا اور عمر کے بیچ چل رہا تھا' نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا اور اب جب وہ خود سن چکی ہے تو پھر باقی رہ ہی کیا گیا۔"

اس نے اپنے ڈوبتے ہوئے دل کو سنبھالتے ہوئے خود کو باور کرایا۔

" عمر اور دیا کی اس کہانی میں اس کا رول شاید یہیں تک تھا۔ آگے کی ہیپی اینڈنگ کے لیے قربانی شاید اس کے حصے میں آئی ہے۔ سو اس میں بھی نیا کیا؟"

" اب تک اس سے یہی کام تو لیا جاتا رہا ہے۔"

بہت بہادری کے ساتھ اس نے ایک نئے منظر نامے کے لیے خود کو تیار کرنا چاہا۔

مگر بہت سارے آنسو ایک ساتھ چہرے پر آ کر گرے۔

" کھانا گرم نہیں کیا اب تک۔" عمر پیچھے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

وہ ایک لفظ کہے بغیر کچن میں چلی آئی۔

ذہن کی رو ایک بالکل ہی مخالف سمت پر چل پڑی تھی۔

عمر نے کھانا کھاتے ہوئے اس کی مستقل گم صم سی کیفیت کو بخوبی نوٹ کیا تھا۔

اس کی خالی پلیٹ' سوجھی ہوئی آنکھیں۔

لیکن ایک حرف تسلی تک نہیں۔

بہت اطمینان سے وہ اپنی پلیٹ صاف کیے گیا۔

...☆☆☆...

" تم واقعی مصروف ہو' یا پھر مجھ سے چھپتے پھر رہے ہو سجاد۔"

بابا نے عین اس وقت پکڑا' جب وہ تیزی سے لاؤنج سے گزرتے ہوئے باہر جا رہے تھے۔

" دونوں میں سے کچھ بھی نہیں' آپ بھی یوں ہی بدگمان ہونے لگے ہیں مجھ سے۔" وہ ہلکے سے ہنس پڑے۔

بابا نے بہت غور سے ان کے چہرے کو دیکھا۔

" کبھی خود اپنی ہنسی پر غور کیا ہے تم نے؟"

" جی۔"

کچھ چونک کر سجاد نے ان کی طرف دیکھا۔

" بیٹھو۔" انہوں نے اپنے قریب والے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

" ضروری سے ضروری کام بھی ان کے آگے نہیں ٹھہر سکتا تھا' سو کچھ بھی کہنا لاحاصل تھا۔

وہ خاموشی سے ان کے قریب بیٹھے۔

" پورے دس دن گزر گئے' اب تک کوئی بھی نہیں آیا۔"

" تم مجھے کھل کر بتاتے ہو' نہ نمبر دیتے ہو' مرضی کیا ہے تمہاری؟"

" میری مرضی۔"

بابا نے ایک بار پھر اس مسکراہٹ کی اداسی کو بمشکل ہی برداشت کیا۔

" کچھ مصروفیت ہے وہاں ان کی' اس سے فارغ ہو کر ہی آ سکیں گی۔ اب میری شہزاد سے بات ہوئی تھی۔"

" وہاں بھلا کیا مصروفیت ہونی ہے۔ تم مجھے کیوں نہیں لے کر چلتے ہو۔ میں منا کر لے آئوں گا ثانیہ کو' ایک دن کے لیے بھی میں اسے وہاں نہیں چھوڑنا چاہتا ہوں۔ اپنے گھر کے ہوتے ہوئے وہ لوگ وہاں اکیلے ہیں۔"

بابا کی بے تابی سمجھ میں آتی تھی۔

کتنے ہی دن ہو چکے تھے۔ وہ انہیں ٹالے جا رہے تھے۔ آج' کل' پرسوں...

" مجھے صاف صاف بتائو سجاد' معاملہ کیا ہے۔ ورنہ میں تمہاری ایک نہیں سنوں گا۔ کل صبح ہی وقار کو لے کر نواب شاہ روانہ ہو جائوں گا۔ مجھے تمہیں ساتھ لے جانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

سجاد نے الجھن بھری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔

اور جو وہ کہتے تھے۔اسے کرنے میں انہیں کوئی ہچکچاہٹ کبھی بھی نہیں ہوئی تھی۔

مگر یہ ایک الگ ہی سلسلہ تھا۔

" آپ ایسا نہیں کریں گے' بابا اماں آجائیں گی۔کچھ عرصے بعد انہوں نے وعدہ کیا ہے' مجھ سے لیکن ابھی نہیں۔"

گول مول سے انداز میں جو انہوں نے سمجھانا چاہا تھا۔وہ اور بھی الجھانے کا سبب بنا۔

بابا نے بہت چبھتے ہوئے انداز میں سجاد کی طرف دیکھا۔

" صرف بھابی' ثانیہ نہیں۔"

" نہیں۔"

" وہ کہاں رہے گی۔"

سجاد نے بہت بے بسی سے بابا کی طرف دیکھا۔

...☆☆☆...

"ثانیہ اگر یہاں نہیں آئے گی تو کہاں جائے گی' سجاد تم بتا کیوں نہیں رہے مجھے ؟"

وہ ایک بار پھر اپنا سوال دہرا رہے تھے۔

" اس کی شادی طے ہو گئی ہے بابا' اماں اس کی شادی کے بعد' یہاں ہمارے ساتھ آکر رہنے کے لیے تیار ہو گئی ہیں لیکن اس سے پہلے نہیں...۔"

بات ادھوری چھوڑتے ہوئے' وہ دانستہ بابا کی طرف سے رخ موڑ چکے تھے لیکن دیکھنے کے لیے محض سامنے ہونا ہی تو ضروری نہیں تھا۔

اور اب تو ان کے شبے کو یقین میں بدلے ہوئے بھی عرصہ ہوا تھا۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے بابا نے سجاد کی پشت پر نگاہ جماتے ہوئے کچھ سوچا۔

" کس سے ہو رہی ہے ثانیہ کی شادی۔"

" مجھے نہیں پتہ۔"

" پوچھا کیوں نہیں تم نے۔"

" ضرورت نہیں سمجھی۔" وہ اب بھی بابا کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔

پھر بھی زبردستی کی طاری کی گئی یہ لاتعلقی بابا کو جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔

" کیسے ضرورت نہیں سمجھی' ثانیہ اس گھر کی بیٹی ہے اور اس کی شادی ایسے ہی کہیں بھی نہیں کی جا سکتی' میری زندگی میں۔"

سجاد نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔

" آپ کی زندگی میں ہی اور بہت کچھ ہوا' بابا جب وہ ہم نہیں روک سکے تو اب بھی ہمارا کیا دخل۔"

"طنز کر رہے ہو۔"

"نہیں، حقیقت یاد دلا رہا ہوں صرف، ہمارا کیا حق ہے بابا، ان لوگوں کی زندگیوں پر اور وہ کیوں ہماری دخل اندازی کو برداشت کریں گے۔ آپ یہ بھی تو سوچیے۔"

"وہ سب تقدیر میں لکھا تھا، سو بھگتنا پڑا، مگر اب تو معاملات کو سدھارا جا سکتا ہے۔ سجاد جو زیادتی میرے عزیز از جان بھائی کے ساتھ ہوئی، اس کا کچھ تو ازالہ کرنا ہے مجھے، ورنہ مجھے مر کر بھی چین نہیں آئے گا۔ رحم کرو تم لوگ مجھ پر۔"

ان کے لہجے میں بڑی دل توڑتی سی کیفیت اترتی تھی۔ وہ جب بھی اپنے بھائی کا ذکر کرتے تھے۔

اور اب تو کبھی کبھی سجاد کو ایسا لگنے لگا تھا۔

جیسے بابا کا یہ سارا کروفر، رعب ودبدبہ، محض ایک دکھاوا ہی بن کر رہ گیا ہے۔

تصویر کا محض ایک رخ اور وہ بھی غیر حقیقی۔

"آپ خود کو سنبھالیں بابا، بڑی مشکل سے طبیعت سنبھلی ہے آپ کی۔ اس طرح ٹینشن لیتے رہیں گے تو پھر سے طبیعت خراب نہ ہو جائے۔"

"ارے کچھ نہیں ہو رہا مجھے۔ اتنے بڑے صدمے کو اٹھا کر، اتنی لمبی زندگی جی لیا اور وہ پورے دس سال چھوٹا تھا مجھ سے، چلا گیا اس دنیا سے کتنا کچھ دل پر سہہ کر، میں تو خود سے نگاہ ملانے کے بھی قابل نہیں رہا سجاد۔"

آواز میں گھلتی نمی نے انہیں رکنے پر مجبور کیا۔

بھلا وہ کس طرح اپنے آپ کو اس ضعیف العمری میں اس شدید احساس جرم سے نجات دلا سکتے ہیں۔ جو ان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر چکا ہے۔

"زندگی میں شاید ہی کبھی اتنی بے بسی کا سامنا سجاد نے کیا تھا، جتنا کہ آج کل... مرتے وقت اسرار کے دل میں کیا کیا نہ ہو گا۔"

"اپنی بیوی اور بچی کے اکیلے رہ جانے کا خوف، میری بے اعتنائی کا گلہ، نہ اسے ڈھنگ سے علاج میسر آیا ہو گا، نہ غذا، نہ رہائش اور میں بد نصیب اس محل جیسے گھر میں پوری ڈھٹائی کے ساتھ جیتا رہا۔"

جب سے انہوں نے حقیقت کو جانا تھا تو اتر سے ایسی ہی باتیں کر رہے تھے۔

کوئی حرف تسلی کارگر نہیں ہوتا تھا۔

وہ خود کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

اور جو انہیں اس تکلیف سے باہر لا سکتی تھی۔ وہ اس طرح الغرض تھی جیسے نہ کوئی تعلق نہ واسطہ۔

"اگر فیضی گھر چھوڑ کر نہ جا چکا ہوتا تو میں بلقیس کو وہ سزا دیتا جو کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پناہ مانگتی وہ زندگی سے۔"

اعصاب کو شل کرتی، وہی مخصوص ٹھنڈک بابا کے لہجے میں اچانک ہی اتری جو ہمیشہ ہی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بنی تھی۔

سجاد بری طرح چونکے۔

" اس طرح کیا دیکھ رہے ہو۔ کیا صرف تم ہی کچھ بتاؤ گے تو میرے علم میں آئے گا' بڑھاپے نے اس کمرے تک ہی محدود کر کے رکھ دیا ہے مجھے 'اتنا کچھ ہوا اور مجھے بتانے تک کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔"

ان کی چبھتی ہوئی نگاہ کے سامنے ٹھہرنا کبھی آسان نہیں رہا تھا اور یہ کوئی شفقت بھری ڈانٹ ہرگز بھی نہیں تھی۔

سجاد نے ایک چھوٹے سے لمحے میں جانا تھا کہ انہوں نے کس طرف اشارہ کیا ہے۔

" جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا' بابا اور بلقیس بھابی کی فطرت کو ہم سب ہمیشہ سے بھگت رہے ہیں۔ ان سے کب اچھائی کی امید رہی ہے کسی کو بھی۔"

" وہ سب معاف کیا ہے ہم نے ہمیشہ لیکن جو کچھ اس نے میرے مرحوم بھائی کے گھرانے کے ساتھ کیا اس پر تو خدا بھی معاف نہیں کرے گا۔ میری تو حیثیت ہی کیا ہے۔ تمہیں پتہ ہے وقار اسے طلاق دینے پر تلا ہوا ہے اور مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ یہ سب سے چھوٹی سزا ہے جو ہم بلقیس کو دے سکتے ہیں لیکن میں صرف وقار کے بچوں کی وجہ سے ضبط کر رہا ہوں۔"

اب کچھ شک نہیں تھا کہ کوئی اور نہیں خود وقار بھائی نے بابا کو بلقیس بھابی کی ظالمانہ کارگزاری کی روداد سنائی ہے۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے سجاد نے خود کو کمپوز کیا۔

" یہ گھر اب کسی نئے جھگڑے کا متحمل نہیں ہو سکتا بابا۔ بہت سارے طوفان گزر چکے ہیں ہم پر' بس اب نہیں پلیز۔ بلقیس بھابی میں شاید کوئی اچھا چینج آ ہی جائے' کبھی نہ کبھی۔"

" میں ناممکنات کے بارے میں نہیں سوچتا۔" انہوں نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔" لیکن اگر وہ ہمارے خاندان کا حصہ رہتی بھی ہے' تب بھی میں اسے اب یہاں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں نے وقار سے کہا ہے کہ وہ بہت

جلد اس کے رہنے کا کہیں اور انتظام کر دے اور وہ جگہ اتنی پر آسائش ہرگز نہ ہو جس کی بلقیس عادی ہے۔ اس کی لالچی اور حاسد فطرت کے لیے یہ بھی کم نہیں ہو گا۔"

جو فیصلہ وہ کر چکے تھے' اس کے آگے رحم کی اپیل نہیں ٹھہرتی تھی۔

سجاد نے بے بسی سے سر جھکایا۔

" اور پرسوں اتوار ہے' میں صبح سویرے نواب شاہ کے لیے نکلوں گا۔ تم چلنا چاہو تو ٹھیک ہے' ورنہ وقار اور سہیل میں سے کوئی بھی بخوشی میرے ساتھ چلا جائے گا۔"

بات جہاں سے شروع ہوئی تھی' پھر وہیں پر پہنچی تھی۔

" بابا پلیز۔ ہم اس طرح ان لوگوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ ہمیں کوئی حق نہیں ہے زبردستی کرنے کا ان پر' جب ہماری طرف سے کوئی فرض پورا نہیں ہوا ہے تو پھر حق کا کیا سوال اٹھتا ہے۔ ثانیہ نہیں مانے گی ہماری بات' مجھے پتہ ہے نا۔"

" اسے ماننا پڑے گی میری بات' سرپرست ہوں میں اس کا' چاہے لاکھ قصوروار سہی لیکن میرا حق سب سے زیادہ ہے اس پر اور رہا اس کی شادی کا سوال تو میں دیکھنا چاہوں گا کہ وہ لوگ' وہ لڑکا' ثانیہ کے قابل بھی ہیں یا نہیں۔"

وہ خود پر قابو پا چکے تھے۔

اور سجاد کو انہوں نے محض اپنے پروگرام کی اطلاع دی تھی۔

" بات قابلیت کی نہیں ہے بابا' ثانیہ کی خوشی کی ہے' یہ رشتہ اس کی مرضی سے طے ہوا ہے۔"

اگر یہ جھوٹ تھا تب بھی انہیں بولنا پڑا۔

بابا نے معنی خیز نگاہ' سجاد کے چہرے پر ڈالی۔

" میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا سجاد اور نہ ہی مجھے ثانیہ کی خوشی ناخوشی کے بارے میں کسی سے بھی جاننے کی ضرورت ہے' تم جائو' تمہارے کام میں دیر ہو رہی ہو گی۔" انہوں نے قریب رکھا اخبار اٹھا کر اپنے سامنے پھیلایا۔

یہ اشارہ تھا کہ اب اس موضوع پر کوئی بات کہی اور سنی نہیں جائے گی۔

سجاد چند لمحے پھر بھی منتظر رہے اور پھر خاموشی سے باہر نکل آئے۔" پتہ نہیں بابا نے کیا ٹھانی تھی۔" ٹوٹل کنفیوژن۔
کوریڈور سے نکل کر لائونج سے گزرتے ہوئے' انہوں نے صوفے پر بیٹھی' بلقیس بھابی کو مکمل طور پر نظرانداز کیا لیکن اوپر سے بچی کے رونے کی آواز نے انہیں رکنے پر مجبور کیا تھا۔

وہ جس طرح رو رہی تھی' اس کی تکلیف کا احساس جاگ رہا تھا۔

سجاد فوراً ہی سیڑھیوں کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

بلقیس بھابی تلملا کر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئیں' شاید کچھ کہا بھی۔

لیکن فی الوقت وہاں سننے والا بھی کوئی نہیں تھا۔

چند منٹ بعد ہی انہوں نے سجاد کو واپس آتے دیکھا اور اس کے پیچھے وہی تھی جسے دیکھنے کی حسرت میں وہ مری جا رہی تھیں۔

ایک آدھ بار بس یوں ہی جھلک سی پڑی تھی' دیکھا تو تب بھی تھا لیکن اس طرح تفصیل سے نہیں۔

وہ انہیں سیڑھیوں سے اترتی نظر آئی۔ روتی ہوئی بچی کو کندھے سے لگائے ہوئے بنا ادھر ادھر دیکھے۔

وہ بڑی جھجکتی ہوئی ٹھیک سجاد کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اترتی آ رہی تھی۔

اپنے اندر کے کھولن پر بمشکل قابو پا کر وہ بغرض معائنہ سنبھل کر بیٹھیں۔

" سجاد سے تو یقیناً آدھی عمر کی ہو گی۔" انہوں نے فوری اندازہ لگایا تھا۔

بچی کسی طرح قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

پتہ نہیں کیا تکلیف تھی اسے۔

تب ہی سجاد نے مڑ کر بچی کو خود گود میں لیا اور اسے جلدی چلنے کا کہتے ہوئے خود تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

مارے تجسس کے وہ لائونج کی بڑی سی کھڑکی کے قریب آ کھڑی ہوئیں۔

سجاد ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ رہے تھے اور لڑکی بچی کو لے کر برابر والی سیٹ پر پہلے ہی بیٹھ چکی تھی۔

دور سامنے بڑا سارا گیٹ کھل رہا تھا۔

توبہ استغفار۔ کان کی لو کو چھو کر انہوں نے پتہ نہیں کس کے گناہ پر توبہ چاہی۔

ثمینہ ابھی چند لمحے پہلے یہاں آئی تھیں' بڑی فکرمندی سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

" اللہ خیر کرے' میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ بچی کو کوئی تکلیف ہے' ورنہ اس طرح بے تابی سے تھوڑی روتے ہیں بچے۔"

" ہاں اور نہ ہی ایسی بے تابی سے کوئی غیر بچوں کو لے کر دوڑتا ہے' جیسے یہ گیا ہے۔" بلقیس بھابی کا حتمی نتیجہ اب سامنے تھا۔

...☆☆☆...

چند دن تو وہ منتظر رہی کہ شاید اس حوالے سے کوئی اور بحث اٹھے لیکن اماں اور شہزاد دونوں ہی نے کوئی بات نہیں چھیڑی۔

شہزاد بس سے اماں کو لے جا کر ڈاکٹر کو بھی دکھالایا اور اماں نے بھی پھر سجاد اور بابا کا کوئی ذکر اس کے سامنے نہیں کیا۔

وہ دونوں ہی اس کے احساسات کو سمجھ رہے تھے اور اس کا احترام بھی کرتے تھے۔

چند دن کے لیے تو وہ بھی اس موضوع کے بند ہونے پر مطمئن رہی۔

سکول کی مصروفیت بڑھ رہی تھی اور بہت ساری یادیں باتیں خود بخود ہی ماضی کا حصہ بننے کے لیے تیار تھیں۔"

اس نے کچھ ایسا ہی فرض کر لینا چاہا تھا مگر وقت ضد باندھے کھڑا تھا۔

برآمدے کے تخت پر یوں ہی کاہلی سے بیٹھے بیٹھے اس نے کچھ حساب سا لگایا اور حیرت سے قریب بیٹھی اماں کی طرف دیکھا۔

" صرف ایک ہفتہ۔ آپ کو دکھا کر آئے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں اور ابھی حساب کیا تو ہفتہ ہی ہوا ہے۔ یہ دن بہت سست رفتاری سے نہیں گزرنے لگے ہیں اماں۔"

" وقت کو تو پر لگے ہیں ثانی آپا' اصل میں تو یہ آپ کی کاہلی ہے۔ سکول سے آکر سارا دن ایک جگہ بیٹھ کر مراقبہ کریں گی تو پھر تو وقت ایسے ہی کٹے گا کھینچ تان کر۔"

سامنے چھوٹی سی میز پر کچھ حساب کتاب جوڑتا شہزاد مسکراتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

بات شاید ٹھیک ہی تھی۔

ثانیہ دل ہی دل میں متفق بھی ہوئی تھی۔

مگر بوریت' بے زاری اور ستم یہ کہ فی الحال تو مصلحتاً کہنا تک آسان نہیں تھا معلوم نہیں جو اپا گیا حل تجویز ہو جاتا۔

مگر یہ ساری احتیاط بھی محض دل کو تسلی ہی تھی۔

" اماں ذرا چیک کریں کیا رہ گیا ہے۔

مٹھائی' پھل' ہار... ہار گلاب کے ہی ہوں یا پھر سفید بیلے کے پھولوں کے۔"

اب وہ اماں کے پاس کھڑا جو تفصیلات طے کر رہا تھا' وہ فی الفور ہوش اڑانے والی تھیں۔

" اب کوئی اور اعتراض لے کر مت بیٹھنا' ہم بھی تمہاری ہر بات مانتے چلے آ رہے ہیں اور یہاں اس رشتے کے لیے تو تم خود رضامندی دے چکی ہو۔"

اماں کو اس کا پہلا سوال ہی بے حد ناگوار گزرا۔

" اوہ یہ کوئی گڈے گڑیا کا کھیل بھی نہیں۔ بس رحم کر دو میرے حال پر۔" وہ غصے سے کہتی ہوئی اٹھ کر اندر چلی گئیں۔

ثانیہ آپا۔ شہزاد نے ہلکے سے اسے پکارا۔

ثانیہ نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

" بس اب اور کچھ نہیں پلیز۔اماں برداشت نہیں کر سکیں گی۔ڈاکٹر نے خاص طور پر ہدایت کی ہے کہ انہیں اب کوئی ٹینشن نہ دی جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ..."

اس نے ثانیہ کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

" پتہ نہیں کیوں' سب نے فرض کر لیا ہے کہ وہ ہی ہے جو ساری ٹینشن برداشت بھی کر سکتی ہے اور وہ سب کچھ بھلا سکتی ہے جو قیامت تھا۔"

اس نے سر جھکایا۔

" آپ بہت خوش رہیں گی' اتنی کہ آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتی ہیں ابھی۔"

ثانیہ کا دل چاہا کہ وہ بہت زور سے ہنس پڑے' لیکن....

اگر وہ سب کچھ مفروضے قائم کر کے خوش رہنا چاہتے تھے تو وہ کون ہوتی تھی' ان کی خوشی کو ملیامیٹ کرنے والی اور جو کچھ بھی ہو رہا تھا اس کی اپنی مرضی سے ہو رہا تھا۔ورنہ چاند چھونے کے لیے ایک ہاتھ ہی تو بڑھانا تھا۔

شہزاد اندر اماں کے پاس جا چکا تھا۔

...☆☆☆...

گھر بھر پر ہو کا عالم طاری ہوا تھا۔ برآمدے کی رنگین شیشوں والی کھڑکیوں پر کب دھوپ اتری اور کب ڈھلی۔

کسی نے نگاہ تک اٹھا کر نہیں دیکھا' کھڑکیوں کو کھولنا تو دور کی بات۔

امی دبے قدموں چلتی ہوئی اندر ہال میں آئیں تو سمیع نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

" نازی آپا کو بتا دیا آپ نے ؟"

" ہاں۔" ایک ٹھنڈی سانس ان کے لبوں سے آزاد ہوئی اور وہ جیسے بہت تھک کر صوفے پر بیٹھیں۔

سمیع اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب آ کر بیٹھا۔

" یہ تو ہونا ہی تھا' پتہ تو تھا نا ہمیں پھر اب اس طرح سب لوگ کیوں حوصلہ ہار رہے ہیں۔دیا نے خلع کا مقدمہ بھی تو کر ہی دیا تھا۔اچھا ہوا جو مسعود نے خود ہی..."

امی نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

" ہمارے خاندان میں آج تک نہ طلاق دی گئی اور نہ لی گئی۔یہ بھی ہماری ہی تقدیر میں لکھا تھا۔"

سمیع نے دھیرے سے ان کے کندھے کو تھپتھپایا۔

" خاندان میں سب کو کس طرح سے جواب دیا جائے گا۔ابھی تو اس کی شادی کا قصہ بھی ٹھنڈا نہیں پڑا تھا۔لوگ اب تک پوچھتے ہیں کہ عین وقت پر دیا کے منگیتر سے نازی کی شادی کیوں کی گئی تھی۔"

" خیر وہ تو سب ہی کو پتہ ہے کہ مسعود اور دیا کی منگنی کتنے سال رہی تھی۔آپ ہر بات کو ہی دل پر نہ لیں۔اس سارے معاملے کا اچھا پہلو دیکھیں تو عمر بھائی جیسا اچھا انسان' نازی آپا کے حصے میں بھی تو آیا ہے۔"

" یہ بھی دیا کو بہت ناگوار گزرا ہے۔ کہتی ہے کہ نازی کی شادی عمر سے کرنے کی کیا ضرورت تھی اور بھی تو کہیں کی جا سکتی تھی۔ اب بتاؤ نازی کے لیے کون سے رشتے تھے ہمارے پاس' یہ بھی نانی کی خواہش تھی۔

" خیر اب اس موضوع کو تو بند ہی رکھیں' نازی آپا اپنے گھر میں خوش ہیں۔ ہمارے لیے سب سے بڑی بات یہ ہے۔"

" خدا اسے خوش رکھے۔"

سمیع نے دیکھا کہ فکر مندی اب بھی ان کے چہرے پر جمی تھی۔ سامنے برآمدے میں سے گزرتی ہوئی دیا دکھائی دی تو وہ دونوں ہی اس طرف متوجہ ہو گئے۔

" دیا۔"

" کیا بات ہے۔" وہ دروازے میں آ کر کھڑی ہوئی۔

امی اور سمیع دونوں ہی نے اس کی خصوصی تیاری کو نوٹ کیا اور اس کے انداز سے نمایاں ہوتی جلدی کو بھی۔

" کہاں جا رہی ہو تم اس وقت؟" امی گھبرا کر اٹھیں اور اس کے نزدیک چلی آئیں۔

" اس وقت۔" دیا نے مڑ کر پیچھے پھیلتی شام کو دیکھا۔

" آپ تو اس طرح کہہ رہی ہیں' جیسے آدھی رات ہو گئی ہے۔"

"سمجھو تو ایسا ہی ہے۔" سمیع پیچھے آ کر کھڑا ہوا تھا۔

"میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ غلط سلط باتیں فرض کرتی رہوں اور مہربانی کر کے آپ لوگ بھی یہ ڈرامہ بن کر دیں' مر نہیں گئی میں جس کا سوگ منایا جا رہا ہے' تھوڑی دیر میں آ رہی ہوں۔"

روکھائی سے کہتی ہوئی وہ بیرونی دروازے کی طرف مڑ گئی۔ "کیا ہو گیا ہے دیا' ایسا کہاں جانا ضروری ہے' اندازہ ہے کچھ کیا قیامت ٹوٹی ہے' دین کی کوئی پابندی لاگو ہوتی ہے عورت پر' خدا کا خوف تو کرو۔"

امی نے مدد کے لئے سمیع کی طرف دیکھا مگر وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

"جانے دیجئے' آپ بھی کس کو سبق پڑھا رہی ہیں۔"

چلیں اندر۔ وہ ان کو لے کر واپس ہال کی طرف مڑا۔

"آ جائے گی خود سمجھدار ہے ہم سب سے زیادہ۔"

وہ کہتا ہوا ان کے ساتھ چلتا ہوا اندر آیا۔

"کون دوست بن گئے ہیں اس کے پہلے تو کبھی کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔ مجھے تو اس کے انداز ڈرا رہے ہیں سمیع۔"

امی کی قوت برداشت کا امتحان کب سے جاری تھا۔

"اب ہمیں نہیں اسے خود ڈرنا چاہئے امی' حد سے بڑھتی نافرمانی پر کہیں اور سے حکم لاگو ہوتا ہے۔" سمیع کا لہجہ بے تاثر تھا۔

...☆☆☆...

عمر نے کمرے سے نکلتے ہوئے ایک بار پھر نانی کے کمرے کی طرف دیکھا۔

نازی ابھی بھی وہیں بیٹھی تھی۔

پچھلے دو گھنٹوں سے وہ وہیں تھی۔

اس کے دو ایک بار آواز دینے پر نانی نے وہیں سے منع کر دیا تھا سو وہ بھی لحاظ میں خاموش ہو رہا۔

معلوم نہیں کیا کانفرنس جاری تھی جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ یوں ہی ٹائم پاس کرنے کیلئے نیچے کا چکر بھی لگا کر آیا۔

چوکیدار اور پڑوسیوں سے گپ شپ بھی کر لی۔ صبح کے لئے انڈے، ڈبل روٹی، بٹر، جیم وغیرہ بھی لگے ہاتھ خریدے گئے۔

مگر واپس آیا تو منظر پھر وہی بلکہ اب وہاں فرح بھی نظر آ رہی تھی۔

وہ اندر آیا تو سب لوگ اس طرح خاموش ہو گئے کہ وہ خود ہی شرمندہ ہو کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

گھر والوں سے پچھلے کچھ عرصے سے جو سرد مہری تعلق میں در آئی تھی وہ سچ مچ فاصلے کا سبب بن چکی تھی۔

خاموشی ناقابل برداشت ہونے لگی تو اس سے رہا نہ گیا۔

''کیا ہوا ہے بتاتے کیوں نہیں ہیں آپ لوگ۔''

وہ سیدھا اندر آیا، مخاطب نانی تھیں مگر گلہ مشترکہ تھا۔

''تمہیں کیا؟ کچھ بھی ہوتا رہے تم رہو مگن اپنی زندگی میں۔'' نانی اس سے بات کرنا بہت کم کر چکی تھیں۔

مگر اس وقت چونکہ سوال ان ہی سے کیا گیا تھا سو جواب دینا پڑا۔

''آپ لوگ آخر مجھ سے کس سلسلے میں ناراض ہیں اس قدر؟ خوامخواہ ہی بائیکاٹ کیا ہوا ہے میرا؟''

وہ الٹا خود خفا تھا اور یہ کس غضب کی ڈھٹائی تھی۔

کمرے میں موجود ان تینوں خواتین نے نوٹ کیا۔

''اور تم خود کیا کر رہے ہو عمر اپنا رویہ دیکھتے ہو۔ یہ دو لوگ ذمہ داری ہیں تمہاری پوری کر رہے ہو تم؟''

بہت ضبط کرتے ہوئے بھی فرح کو غصہ آنے ہی لگا۔

نانی دوسری طرف دیکھنے لگیں۔

خفگی میں وہ اسی طرح غیریت کا مظاہرہ کرتی تھیں البتہ نازی کی آنکھوں پر آئی سوجن بڑی نمایاں ہو رہی تھی۔

چند لمحوں کے لئے تو وہ چپ چاپ تکنے گیا۔

''اپنی بیوی کا حال دیکھا ہے، بیمار پڑ گئی ہے وہ تمہاری وجہ سے اور تمہیں پرواتک نہیں، پوچھا کبھی اس سے اس کا مسئلہ کیا ہے، وہ اتنی پریشان کیوں ہے۔''

''فرح پلیز۔'' نازی نے گڑبڑا کر اسے خاموش کرانا چاہا، کبھی کبھی تو وہ واقعی نادان دوست ثابت ہونے لگتی تھی۔

بھلا اس طرح جتا کر کسی سے رحم کی اور توجہ کی بھیک مانگی جاتی ہے، خواہ وہ شوہر ہی کیوں نہ ہو۔

''آؤ ہم ہیں تمہاری توجہ کے طالب۔ ہشت۔''

وہ ٹھیک سے شرمندہ بھی نہیں ہو سکی تھی مگر جسے شرم دلائی جا رہی تھی مزید سخت دلی پر اتر آیا تھا۔

''اگر کوئی اپنا مسئلہ اپنے تک ہی رکھنا چاہے تو اس کو مجبور تو نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا ہو کہ اپنی بات کو شیئر کرے۔''

صاف لفظوں میں اس نے الٹا الزام دھرا تھا۔

نازی کے دل کو دھکا سا لگا۔

کتنے دن بلکہ مہینے ہونے کو آئے تھے وہ اس طرح کٹے کٹے انداز میں رہتا اور گنے چنے الفاظ میں بات کرتا مگر غلطی پھر بھی اسی کی نکالی جا رہی تھی۔

''تم بھی تو وہ اعتماد نہیں دیتے اسے کہ وہ تم سے کھل کر اپنی بات کر سکے ایمانداری سے...''

فرح نے شاید طے کر لیا تھا کہ عمر سے اس کی غلطی کو منوا کر ہی اٹھنا ہے مگر اس طرح سامنے بیٹھ کر اپنی ذاتی زندگی کو ڈسکس ہوتے سننا بھی آسان نہیں تھا۔ نازی خاموشی سے اٹھنے لگی تھی کہ فرح نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔

''بیٹھو نازی تم نے بتایا عمر کو کہ آج تم کتنی پریشان رہی ہو سارا دن۔''

''صرف آج۔'' نازی کا دل چاہا کہ فرح کی تصحیح کر دے لیکن فائدہ۔ وہ خاموشی سے دوبارہ بیٹھی۔

''مسعود نے طلاق دے دی ہے دیا کو۔'' فرح نے بریکنگ نیوز کے انداز میں لائن پڑھی اور رک کر عمر کے چہرے کو دیکھا۔

مگر وہاں حیرت کا ہلکا سا بھی شائبہ نہیں تھا۔

''پتہ ہے مجھے دیا کا فون آیا تھا میرے پاس۔''

نازی نے بے ساختہ ہی پہلو بدلا۔

''کیوں تمہیں کیوں اطلاع دینی ضروری سمجھی اس نے جب وہ اپنی بہن سے کوئی تعلق نہیں رکھتی تو تم سے کیا واسطہ۔''

نانی کا پیمانہ صبر لبریز ہوا۔

''انسانیت کا واسطہ سمجھ لیں۔''

''چلو یہی سہی۔'' فرح نے اشارے سے نانی کو خاموش ہونے کو کہا۔ ''پھر تم نے نازی کو کیوں نہیں بتایا کہ ایسا کچھ ہوا ہے۔''

عمر نے نازی کی طرف دیکھا لیکن اس کا چہرہ اتنا جھکا ہوا تھا کہ وہ اس کے تاثرات نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''میں سمجھا کہ اسے معلوم ہے اور یہ کیا خود کچھ نہیں...''

جھنجلا کر وہ کہنے جا رہا تھا بیچ میں ہی رہ گیا' اس کا سیل فون بج رہا تھا سو وہ فون کان سے لگاتا ہوا باہر نکل گیا۔

''سب تمہاری غلطی ہے نازی' میں تمہیں اتنا بے وقوف نہیں سمجھتی تھی' دیا کو نہ سہی عمر کو تو روک سکتی ہو۔''

فرح جھنجلا کر نازی کی طرف پلٹی تو وہ اداسی سے مسکرا دی۔

''کوئی کسی کو نہیں روک سکتا فرح' زیادہ سے زیادہ تھوڑی سی رکاوٹ کھڑی کر سکتا ہے وہ بھی وقتی۔''

''تم سے تو یہ بھی نہیں ہوا تم لوگوں نے ایک دوسرے کو مخاطب کرنا تک چھوڑ دیا ہے اور آپ بھی کچھ نہیں کہتی ہیں۔''

فرح کو بیک وقت سب پر غصہ آ رہا تھا حتیٰ کہ نانی پر بھی۔ ''آپ نے عمر کو بہت ڈھیل دے دی ہے جب ہی تو وہ اتنا لاپروا ہو رہا ہے۔''

''میں تھک چکی اور وہ بہت سرپٹ بھاگ رہا ہے۔''

بہت ہلکے سے انہوں نے کہا اور تکیہ سے ٹیک لگائی۔

نازی کو ان پر بے حد رحم آیا تھا۔

''سب کچھ ٹھیک ہے آپ کیوں فکر کرتی ہیں' کل میں جاؤں گی امی کے پاس آپ چلیں گی نا۔''

اس نے دانستہ بات بدلی۔

لیکن وہ یوں ہی چپ چاپ اس کی شکل دیکھے گئیں۔ نازی کو اپنا سوال دہرانا پڑا۔

''نہیں' تم جا کر اپنی ماں کو تسلی دو وہ غریب تو سب سے زیادہ پریشان ہو گی۔ چاہو تو کچھ دن رہ آؤ' میرے پاس تو فرح بھی رک جائے گی۔''

''نازی۔'' باہر سے عمر آواز دے رہا تھا۔ وہ باہر آئی تو وہ دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

''میں جا رہا ہوں' دروازہ بند کر لو اور شاید آتے ہوئے دیر ہو جائے۔'' اس کا انداز بڑا رسمی سا تھا۔

نازی چلتی ہوئی قریب آئی' اسے یہی لگا تھا کہ اب وہ دروازہ کھول کر باہر نکل ہی رہا ہے لیکن ابھی کہنے کے لئے کچھ اور بھی تھا۔

''مجھے نہیں پتہ تمہارے دل میں کیا چل رہا ہے لیکن اگر ہمیں آپس کی بات کرنے کے لئے بھی کسی تیسرے شخص کی ضرورت پڑنے لگی ہے تو بہتر ہے کہ پھر کوئی بات کی ہی نہ جائے۔ تم نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے نازی۔''

''اور آپ۔'' بے ساختہ ہی اس کے منہ سے نکلا۔

ایک لمحے میں عمر کے چہرے کا تاثر بدلا۔

بناء کچھ کہے وہ باہر نکلا۔

دروازہ اتنی زور سے بند ہوا تھا کہ اندر فرح اور نانی دونوں ہی نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

نازی کی نگاہ بند دروازے پر جمی۔

''سو عمر نے اپنی طرف آنے والے اس کے ہر راستے کو بند کیا۔''

اس کے دل نے پورے یقین سے کہا۔

...☆☆☆...

کاؤنٹر پر بیٹھے موٹے سے شخص نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

''پلیز احمد صاحب۔'' وہ گڑگڑایا۔

''یار تم سمجھتے کیوں نہیں ہو' میرے پاس گنجائش نہیں ہے ایک اور آدمی کی' اتنے دن بھی اس لئے برداشت کر لیا کیوں کہ میرے دونوں بھائی پنجاب گئے ہوئے تھے لیکن اب ایک فالتو خرچہ اٹھانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ مہنگائی اتنی ہے کہ ہمیں اپنا پورا کرنا مشکل ہو رہا ہے' تم جا کر کوئی دوسرا بڑا اسٹور دیکھو' کمی تھوڑی ہے شہر میں۔''

بات پوری کر کے وہ سامنے رکھے کھانے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

فیضی پھر بھی امید بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

وہ اس خاموش دخل اندازی سے بھی ڈسٹرب ہو رہا تھا۔ سو چند منٹ میں ہی بری طرح جھنجلا گیا۔

''جاتا کیوں نہیں ہے بھائی یا پھر کسی سے دھکے دے کر نکلواؤں۔''

اتنا سب کچھ جھیل جانے کے باوجود بھی وہ اندر ہی اندر لرز گیا۔

''میں چلا جاتا ہوں آپ غصہ مت کریں۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں مڑا اور پھر جیسے کسی خیال نے اس کا قدم تھاما۔

''احمد بھائی ایک فون کر یوں یہیں لوکل لینڈ لائن پر۔''

کتنے فون کر لئے تونے اگر حساب کرنے بیٹھوں تو پتہ نہیں کتنے پیسے بن چکے ہوں گے خیر کرلے مگر بس اب آخری۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے روکا تو وہ شکر گزار سا ہو کر واپس پلٹا۔

ایک ہی نمبر تھا جو وہ بار بار ملاتا تھا۔

دوسری طرف بیل جارہی تھی۔

''آنٹی پلیز فون بند مت کیجئے گا بس دو منٹ۔''

اس کا حلیہ ہی نہیں' لب ولہجہ تک بدل چکا تھا' کوئی پرانا شناسا اگر دیکھتا بھی تو پہلی نگاہ میں نہیں پہچان سکتا تھا۔

''میں تمہیں کتنی بار کہوں فیضی کہ نینی یہاں نہیں آئی ہے' تمہیں یقین کیوں نہیں آتا آخر۔''

یہی ایک جواب تھا جو وہ مستقل سن رہا تھا پھر بھی ہر بار اس طرح مایوسی میں گھرتا۔

''یہاں نہیں تو کہاں گئی ہے اس کا تو کوئی اور ہے بھی نہیں۔''

''کیوں تم نہیں ہو جو بہت دعوے کے ساتھ لے کر گئے تھے اسے' برباد کر دی اس کی زندگی' اب ہم سے پوچھ رہے ہو کہ وہ کہاں ہے...'' وہ اسی طرح سے بے نقط سناتی تھیں اور وہ دم سادھ کر سنا کرتا تھا۔

''جتنی جلد ہو اسے ڈھونڈو تم ورنہ تمہارے خاندان پر نینی کی گمشدگی کا مقدمہ تو اب ہم کرنے ہی والے ہیں ایک آدھ دن میں پھر پتہ چلے گا تم لوگوں کو۔''

اس بار کچھ نیا بھی تھا۔

فیضی بری طرح گڑبڑایا۔

''میرے خاندان کا کیا تعلق اس معاملے سے' میں تو کتنے سال سے ان سے ملا بھی نہیں ہوں۔ آنٹی پلیز آپ انہیں مت انوالو کریں' نینی مل جائے گی۔ غلطی میری ہے میں تو یہ سمجھا کہ وہ آپ کے پاس آرام سے رہ لے گی۔ اسی لئے...''

فون دوسری طرف سے بند ہو چکا تھا۔

فیضی کو بالکل ایسا لگا جیسے اس کے پیروں میں اب کھڑا رہنے کی بھی طاقت نہیں رہی۔

''کہاں ڈھونڈے وہ نینی کو۔'' وہ بالکل ہی تنہا ہوا تھا۔

نینی۔ رابعہ۔ کہاں تھیں وہ دونوں۔

وہ بری طرح خوفزدہ ہوا۔

''کہیں نینی نے بچی کو لے کر...'' ایک انتہائی خوفناک خیال اس کے دل میں آرہا تھا۔

''یہ لو رکھ لو کام آئیں گے۔''

کاؤنٹر پر بیٹھے آدمی کو اس پر رحم آیا تو ایک آخری نیکی اور اس کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کیا۔

فیضی نے اس کے ہاتھ میں تھمے پچاس کے نوٹ کو دیکھا۔

ایک چھوٹے سے پل میں اسے کیا کچھ تھا جو یاد آیا۔

''جو تھا نہ رہا اور جو ہے وہ کیسا اندوہناک۔''

اس نے خود اپنے حال سے عبرت پکڑی۔

اللہ کی زمین پر اکڑ کر چلنا کس کو راس آیا ہے جو وہ پکڑ میں نہ آتا۔

زمین پر قدم گھسیٹتا ہوا وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔

عجیب انسان ہے ایک پھوٹی کوڑی جیب میں نہیں‘ میں تو رحم کھا کر...“ اس نے بڑبڑاتے ہوئے پچاس کا نوٹ واپس اپنی دراز میں ڈالا۔

...☆☆☆...

راستہ تقریباً سارا ہی خاموش کٹا تھا‘ بس آخری سگنل پر رکتے ہوئے عمر سے رہا نہ گیا تو...

”بہت چپ ہو۔“

مستقل باہر دیکھتی ہوئی نازی نے چونک کر اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اس چھوٹے سے سوال کی بھی توقع نہ تھی۔

عمر کو سوال دہرانا پڑا۔

”کوئی بات ہی نہیں ہے میرے پاس تو کیا کروں۔“

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی تو وہ بڑے طنزیہ انداز میں مسکرا دیا۔

”باتیں تو بہت ہیں لیکن میرے ساتھ کرنے کے لئے نہیں۔ بہت لوگ ہیں شیئر کرنے والے‘ ہمدرد‘ غمگسار۔“

نازی کو اس کا جتاتا ہوا انداز بہت برا لگا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
WWW.PAKSOCIETY.COM

ڈھٹائی کی بھی حد تھی۔

”آپ کے پاس تو مجھ سے زیادہ محبتیں جمع ہیں پھر کیسا گلہ۔“

”ہاں بالکل‘ یہ بھی اللہ کی مہربانی ہے۔“ سگنل کھل چکا تھا سو وہ گاڑی آگے بڑھا رہا تھا اور میں تم سے کیوں گلہ کروں گا‘ گلے شکوے اپنوں میں ہوتے ہیں اور ہم تو جیسے اب بہت دور کی رشتے داری ہوتی جا رہی ہے۔“

”چلیں کچھ تو باقی ہے بیچ میں‘ میں تو سمجھی تھی کہ اب کچھ بھی...“ آواز نم ہوئی اور بات ادھوری۔

عمر نے بہت چڑ کر رفتار بڑھائی۔

آج کئی دن بعد وہ خود کو امی کے ہاں جانے کے لئے آمادہ کر پائی تھی وہ بھی نانی کے بار بار کہنے پر عمر آج جلدی گھر آیا تھا سو وہ نکل ہی آئی۔

”آپ آئیں گے اندر۔“ گیٹ پر اترتے ہوئے اس نے رسمی سے انداز میں پوچھا تو وہ کچھ سوچ میں پڑا۔

”پتہ نہیں‘ اس وقت مجھے آنا بھی چاہئے یا نہیں‘ اتنا افسوسناک واقعہ ہے ظاہر ہے سب لوگ بہت تکلیف محسوس کر رہے ہوں گے میری موجودگی عجیب سی نا لگے۔“

وہ اس سے رائے طلب کر رہا تھا یا محض ایک اور ڈرامہ تھا۔

آج کل وہ سخت ناقابل اعتبار ہوا تھا‘ نازی نے ایک چبھتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی۔

”جسے سب سے زیادہ تکلیف ہونی چاہئے تھی وہ اپنا دکھ آپ سے شیئر کر چکی ہے باقی سب تو بے چارے خود ہی جھیل رہے ہیں‘ انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کسی کے آنے نہ جانے سے۔“

بے نیازی سے کہتی ہوئی وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ عمر کو پیچھے آنا پڑا۔

گھر پر سب ہی تھے ایک سوائے دیا کے اور ماحول میں اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی دکھ بھرا تناؤ برقرار تھا۔

''ہماری بدنصیبی۔'' امی نے بہت برداشت کے باوجود سسکی لی۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ اللہ جو کرتا ہے اس میں کوئی بہت امر پوشیدہ ہوتا ہے جو پھر وقت آنے پر سمجھ میں آتا ہے۔'' بشارت صاحب نے پہلو بدلتے ہوئے متانت سے ان سب کی طرف دیکھا۔ ''دیا کے لئے بھی اب دعا کی ضرورت ہے باقی وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے۔''

کیا شک تھا بھلا ان کی بات میں۔

سب ہی نے دلوں میں اطمینان سا اترتا محسوس کیا۔

''زیادہ فکر دیا کے روّیے کی تھی۔ اب بھی وہ اگر سبق نہیں لے گی اپنے حق میں بہت برا کرے گی۔''

بشارت صاحب نے خاص طور پر عمر سے ہی رائے چاہی۔

تو وہ کچھ گڑبڑا سا گیا۔

''ہم سب کو ہی اسے سمجھانے کی کوشش کرنی چاہئے انکل۔''

وہ سب سے سمجھنے والی نہیں ہے' وہ صرف ان کی سنتی ہے جن سے کلوز ہے۔'' نازی کے الفاظ کی معنی خیزی کو صرف وہی سمجھ سکا تھا اور جواباً کچھ بھی کہنے سے قاصر تھا۔ تب ہی اپنے سیل فون کے بجنے پر اسے وہاں سے اٹھنا پڑا۔

نازی کی نگاہ نے اس کے چہرے کا بدلا ہوا رنگ فوراً ہی محسوس کیا تھا۔

''تم وہیں رکو میں ابھی دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں' جانا نہیں پلیز۔ بڑی مشکل سے موقع ملا ہے۔''

وہ نیچی آواز میں بات کر رہا تھا مگر چار لفظ کان میں پڑ ہی رہے تھے اور جس طرح وہ بار بار ان کی طرف دیکھ رہا تھا وہ بھی شک میں ڈالنے والی بات تھی۔

نازی نے بڑی الجھن سی محسوس کی۔

عمر کو یک دم ہی عجلت نے گھیرا تھا۔

گھنٹے بھر میں واپسی کے وعدے کے ساتھ وہ کسی بے حد ضروری کام کا عذر لے کر وہاں سے روانہ ہوا تھا۔

''یہ دیا کہاں گئی ہے آخر' آج کل تو اسے نکلنا بھی نہیں چاہئے' آپ منع کیوں نہیں کرتیں اسے۔''

نازی بہت کوشش کے باوجود بھی تلخ ہونے سے خود کو نہیں روک سکی۔

''وہ کسی کی کب سنتی ہے روکو تو ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتی ہے' اسے تو ہر حال میں مرضی پوری کرنی ہے بس۔''

''اس کی یہی خود سری اس انجام تک لائی ہے اور اب آگے کیا ہونا ہے اس کے ہاتھوں یہ خدا ہی جانتا ہے۔''

نازی اٹھ کر چائے کے خالی کپ جمع کر کے ٹرے میں رکھنے لگی' کمرے سے نکلتے ہوئے سمیع نے مڑ کر بہت گہری نگاہ نازی کے چہرے پر ڈالی اور باہر برآمدے میں جا کر کھڑا ہوا۔

رنگین شیشوں کے اس پار احاطے کی شام کی نیلاہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے پھولوں کی خوشبوؤں سے بوجھل ہو رہے تھے۔

''نازی آپا۔''

نازی ٹرے اٹھا کر بڑے کمرے سے نکلی تو سمیع نے آواز دے کر اسے پکارا اور پھر چلتا ہوا اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔

"تم اتنی ناراض کیوں ہو۔"

"میں' نہیں تو۔" اپنی غلطی کا احساس ہونے پر وہ زبردستی مسکرائی۔

"جھوٹ مت بولو' کیا ہے جو تمہیں ڈسٹرب کر رہا ہے مجھے بھی نہیں بتاؤ گی۔"

"کچھ بھی نہیں ہے اور ڈسٹرب تو سب ہی ہیں اتنی ساری پریشانیاں ایک ساتھ چل رہی ہیں کب سے اب یہ دیا کی طلاق' فیضی کی گمشدگی کم ہیں کیا۔"

وہ بڑے مضبوط سے لہجے میں کہتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ سارے ہی جواز معتبر لیکن سمیع کی ذرا تسلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا کچن میں آیا تھا۔

"یہ سب دکھی کرنے والی باتیں ہیں لیکن یہ کڑواہٹ جو تم میں بھرتی جا رہی ہے اس کا سبب کچھ اور ہے مان لو پلیز۔"

وہ ہمیشہ اس کے نزدیک رہا تھا۔ سو اس سے پردہ پوشی بھی کٹھن مرحلہ ثابت ہو رہی تھی۔ سینک پر خاموشی سے کپ دھوتے ہوئے نازی نے بے بسی سی محسوس کی۔

"تم دیا سے خوفزدہ ہو نا۔" عقب سے سمیع کی آواز ابھری تو چند لمحوں کے لئے اس کے ہاتھ وہیں ساکت ہوئے' پانی کی موٹی سی دھار اس کے ہاتھوں کو بھگو رہی تھی۔

"میں دیا سے نہیں اپنے مقدر سے خوفزدہ ہوں سمیع۔" بہت ہلکے سے اس نے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں کسی سے ڈرنے کی اور عمر بھائی اتنے بے وقوف نہیں کہ وہ تم پر کسی کو بھی ترجیح دیں گے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ میں زبردستی ان کی زندگی میں آئی ہوں' زبردستی کے سودے پائیدار نہیں ہوتے ہیں سمیع۔"

نل بند کر کے مڑ کر اسے سمیع کو دیکھنا ہی پڑا۔ وہ بہت سنجیدہ تھا۔

"خود کو اتنا کم مت سمجھو نازی آپا' عمر بھائی خوش قسمت ترین شخص ہیں جو انہوں نے تمہیں پایا۔"

"یہ محض تمہارا خیال ہے۔" وہ بمشکل مسکرائی' باہر امی آواز دے رہی تھیں۔

دیا اب تک نہیں آئی تھی' ان کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔

"آج کل تو شرعاً بھی بلاوجہ اس کا باہر پھرنا جائز نہیں ہے۔ میں تو یہی سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کہ کسی رشتے دار نے اسے اس طرح پھرتے دیکھا تو کتنی باتیں بنیں گی۔"

وہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں انہیں تسلی دیئے گئی۔

"کتنی ہی بار دیا اور عمر کی ایک ساتھ غیر موجودگی اس کے نوٹس میں آئی' کیا ہر بار محض اتفاق؟"

"اور پھر اس روز آفس میں دیا کی موجودگی؟"

اس نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

شاید اسے امی اور سمیع کو بتا ہی دینا چاہئے تھا۔

عمر کو گئے گھنٹے سے اوپر ہو چکا تھا' نازی کے دل پر بوجھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

مغرب کی نماز پڑھ کر بھی وہ کافی دیر تک دعا مانگتی گئی۔ آنسو ایک تواتر سے گرتے ہوئے دامن بھگوتے رہے۔ اپنے اسی پرانے کمرے میں جہاں کسی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا وہ اکیلی ہی تھی۔

شاید ابا اور سمیع مسجد سے واپس آئے تھے۔

اسے کچھ ایسا ہی خیال گزرا' جائے نماز تہہ کر کے وہ کمرے سے باہر نکلی تو سامنے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔

''شاید سب ابا کے کمرے میں تھے یا ہال میں۔''

چہرے پر دوپٹہ پھیرتے ہوئے وہ ہال کی طرف جانے لگی تو بیرونی دروازہ کھلا دیکھ کر اسے بند کرنے کے لئے آگے بڑھی۔

''مجھے اپنی غلطیوں کا احساس ہے عمر اور مجھے پتہ ہے کہ یہ سب آسان نہیں پھر بھی مجھے یقین ہے کہ تم...''

اس نے دیا کو کہتے سنا تھا۔

وہ سیڑھیوں پر باہر کی طرف کھڑی تھی۔ نازی ٹھٹک کر رکی تھی۔

''تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس پر مجھے بے حد افسوس ہے دیا۔'' وہ وہیں تھا۔

''صرف افسوس۔'' دیا کے لہجے کی چبھن صاف محسوس ہو رہی تھی۔

''نہیں' میں نے عملی طور پر بھی جو ہو سکتا تھا کرنا چاہا۔''

عمر کا کہا ایک ایک لفظ واضح تھا۔

نازی کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

کیا تھا جو وہ بار بار کہنا چاہ رہا تھا۔

''میں نے مسعود سے رابطہ کیا تھا دیا جتنا زور ڈال سکتا تھا ڈالا' سجاد بھائی سے کہہ کر بہت بڑے اماؤنٹ کا بھی انتظام کر لیا تھا کہ وہ بآسانی اپنی بیوی کو چھوڑ کر تمہیں اپنے ساتھ رکھ سکے لیکن وہ ایسا چاہتا ہی نہیں تھا۔''

چند لمحوں کی گہری خاموشی اس نیم روشن کوریڈور میں اتری۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی۔'' شاید یہ دیا کے لئے بھی نئی اطلاع تھی۔

''نازی بہت پریشان تھی تمہاری وجہ سے اور میں اس کی ہر پریشانی میں اس کے ساتھ ہوں' بہت محبت ہے مجھے اپنی بیوی سے....''

آگے کسی نے کیا کہا' کیا سنا کیا فرق پڑتا تھا۔

واپسی کا سفر بھی خاموشی سے کٹا تھا۔

مگر اس بار خاموشی میں سکون تھا' وہ اس بار بھی تمام وقت باہر ہی دیکھتی رہی۔ ہمت ہی نہیں ہوئی تھی کہ اس کی طرف ایک نگاہ ہی ڈال لے۔

البتہ جب وہ دونوں رحمت منزل کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر جا رہے تھے عمر نے ایک اطلاع دینی ضروری سمجھی تھی۔

''آج فیضی مل گیا ہے کل صبح ہم اسے واپس گھر پہنچا دیں گے انشاءاللہ۔ شام میں میں اسی کو لینے گیا تھا۔

اس بار وہ خود کو اس کی طرف دیکھنے سے نہ روک سکی لیکن وہ بے نیازی سے آگے بڑھتا گیا۔

''سو یہ طے ہوا کہ وہ اسے ساری زندگی اسی طرح خوشگوار حیرت میں مبتلا رکھے گا اور خود اس کے سارے وہم و گمان سوائے شرمندگی کے کچھ بھی بخشنے والے نہیں ہیں۔''

بہت سا اطمینان لئے نازی نے اس کے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے سوچا تھا۔

...☆☆☆...

رات میں بچی کا بخار اترا تھا سو وہ آرام سے سوئی' کئی دن بعد نینی کو بھی سکون حاصل ہوا تھا۔

صبح آفس جانے سے پہلے سجاد اسے دیکھتے ہوئے گئے تھے۔ وہی حوصلہ دیتی مسکراہٹ اور کوئی فکر نہ کرنے کی دل چھوتی ہوئی تسلی۔

نینی طمانیت سے مسکرا دی۔

''ایک بات کہوں آپ سے انکل۔'' جب وہ جانے کے لئے اٹھ رہے تھے تو وہ آہستہ سے بولی۔

سجاد نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''آپ بہت اچھے ہیں' میں نے آپ جیسا شخص آج تک نہیں دیکھا' فیضی کہتا تھا کہ سجاد چچا جیسا کوئی ہونا مشکل ہے' جب مجھے یقین نہیں آتا تھا لیکن اب...'' وہ ذرا رکی۔

سجاد نے ہلکے سے اس کے سر کو چھوا۔

''اگر اس دن آپ میرا سہارا نہ بنتے تو میں اور رابعہ پتہ نہیں کہاں جاتے' مجھے معلوم نہیں۔''

''اپنا اور بچی کا خیال رکھو اور زیادہ سوچا مت کرو' سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا انشاءاللہ۔''

''میں آپ کے لئے بہت دعا کرتی ہوں' دیکھئے گا آپ بہت خوش رہیں گے ہمیشہ' اللہ آپ جیسے انسان کو ہمیشہ بہت نوازے گا مجھے پورا یقین ہے۔''

روشن مسکراہٹ ہلکی سی ماند پڑی۔

'' بہت شکریہ نینی میں دعا کروں گا کہ وہ تمہاری دعا ضرور سنے۔''

'' وہ سب کی سنتا ہے انکل' بس کبھی کبھی ہم ہی گھبرانے لگتے ہیں جلد باز ہیں نا۔''

سجاد نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔

فیضی کا طریق کار غلط سہی' مگر انتخاب بہترین تھا۔ ان تمام دنوں میں وہ اس کے صبر اور سادہ دلی دونوں ہی کو جان پائے تھے۔

بچی اٹھ گئی تھی۔ منہ دھلاتے ناشتہ کراتے' کچھ وقت گزرا تھا۔ تب ہی کام کرنے والی وہ نو عمر لڑکی اوپر آئی۔

اوپر کے لائونج اور کمروں کی صفائی میں جتنا وقت لگتا اس سے زیادہ وہ نینی کے کمرے میں گزارتی تھی۔

دل لگا کر صفائی کرتی' باقی وقت بچی کے ساتھ کھیلتی' اوپر سے نینی کا محبت بھرا برتائو۔

اسے بھی بلقیس بھابی کی ڈانٹ پھٹکار سے بچ کر یہ گوشۂ عافیت بڑا پسند تھا۔

نینی کے لیے اس کی موجودگی غنیمت ہوتی تھی۔ بچی کو سپرد کر کے اس وقت بھی وہ نہانے چلی گئی تھی۔

تب ہی بلقیس بھابی نے نیچے سے پکارنا شروع کر دیا۔ ایک آدھ بار اس نے جی آئی ابھی۔'' کہہ کر ٹالنا بھی چاہا لیکن ان کی بے تابی بڑھتی ہی جا رہی تھی' غصہ آنے پر وہ کئی بار اس پر ہاتھ اٹھا چکی تھیں۔ اس تلخ تجربہ کو یاد کر کے اس نے رابعہ کو گود میں لیا اور نیچے اتر آئی۔

بالکل قریب آ کر اس نے سرگوشی کی۔

'' باجی نہار ہی ہیں' تھوڑی دیر بعد چھوڑ آئوں گی۔'' لاپروائی سے سر جھٹک کر وہ بچی کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہوئی۔

ماں نے بے اختیار ہی ماتھے کو چھوا۔

'' ماردیں گی بڑی بیگم تجھے۔'' کن انکھیوں سے اس نے' فون پر بات کرتی ہوئی بلقیس بھابی کی طرف دیکھا۔

انہیں آتا ہی کیا ہے اس کے علاوہ۔ یہ دیکھو اماں کتنی پیاری لگ رہی ہے رابعہ تھوڑا تھوڑا کھڑی ہونے لگی ہے' وہ تو بخار کی وجہ سے کمزور ہو گئی ہے' بے چاری۔''

ڈانٹ کھا کھا کر وہ اتنی ڈھیٹ تو ہو ہی گئی تھی کہ بلقیس بھابی کی تھوڑی سی حکم عدولی کر سکے اور بچی یقیناً اتنی پیاری تھی کہ ماں بھی اس کی معصومانہ حرکتوں میں ذرا دیر کے لیے بہل سی گئی۔

'' رابعہ' یہ پکڑو...''

'' رابعہ یہ دیکھو... یہ کیا؟''

بچی کی خوبصورت مسکراہٹ' گالوں میں پڑتا ڈمپل ایک بے ساختہ یاد دلا گیا۔

'' اماں' رابعہ فیضی بابا میں کتنی ملتی ہے نا' ہنستے ہوئے تو بالکل...''

ایک زوردار ہاتھ اس کی پشت اس طرح پڑا کہ وہ بلبلا کر رہ گئی تھی۔

'' کیا بکواس کر رہی تھی بدذات' نام کیسے آیا میرے فیضی کا تیرے منہ پر بتا تو سہی۔''

وہ دبلی پتلی لڑکی' ان کی مضبوط گرفت میں اس طرح آئی تھی کہ چھڑانا ناممکن ہو رہا تھا۔

ایک ساتھ کتنے ہی تھپڑ' انہوں نے اس کے منہ پر مارے تھے۔

لڑکی کی چیخیں سارے گھر میں گونج رہی تھیں' ثمینہ گھبرا کر اپنے کمرے میں سے نکلی' اوپر سیڑھیوں سے نینی دوڑتی ہوئی نیچے آئی تھی۔

'' جرأت کیسے ہوئی کھال کھینچ لوں گی تیری' میرے بیٹے سے ملاتی ہے اسے یہ... یہ نحوست کی نشانی' میرے فیضی جیسی لگتی ہے تجھے...''

لڑکی پٹتے پٹتے زمین پر ڈھیر ہو چکی تھی۔ انہیں اب بھی صبر نہیں آیا تھا۔

ایک' دو' تین... کتنی ہی ٹھوکریں' انہوں نے اس کی پسلیوں پر ماریں۔

لڑکی کی چیخیں اور بھی کربناک ہوئیں۔ اس کی ماں بیٹی پر گری جا رہی تھی۔

مگر وہ بہت دن بعد پھر سے حواس کھوتی جا رہی تھیں۔

ثمینہ نے ٹھنڈے ہوتے ہاتھ پائوں کے ساتھ' ان پر پڑنے والے اس جنون کی شدت کا اندازہ کیا اور اپنا سیل فون اٹھانے اندر واپس دوڑی' گھر پر اس وقت اور کوئی بھی نہیں تھا۔

نینی کی آنکھوں میں جما خوف اور بھی گہرا ہوا اور قدم وہیں ساکت۔

تب ہی اس چیخ و پکار سے گھبرا کر' رابعہ نے رونا شروع کیا۔

" یہ ہے ساری مصیبت کی جڑ' نحوست ڈال رکھی ہے سارے گھر پر' پتہ نہیں کہاں سے اٹھا کر لایا ہے سجاد ان دو کو' بے حیائی کی انتہاء ہے' اپنے کیے پر شرم تک نہیں' آوارہ بد چلن..."

داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے چند قدم مضطرب ہو کر آگے بڑھے۔

اندر شرم سے پانی پانی ہوتی نینی نے بھاگ کر روتی ہوئی رابعہ کو اٹھایا۔

" نکلو ابھی اسی وقت یہاں سے' یہ گندہ خون جس کا ہے' وہ کہیں اور انتظام کرے۔ یہ شریفوں کا گھر ہے۔ یہاں نہیں چلے گا یہ سب کسی بھی راہ چلتی لڑکی کو بیوی بنا کر سب کی آنکھوں کے سامنے لا کر رکھا ہے اور کوئی کہنے والا نہیں۔

کندھے سے نینی کو پکڑ کر انہوں نے بچی کو اس سے چھیننا چاہا مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

" میری بات سنیں پلیز۔ خدا کے لیے اس طرح نہیں۔" نینی کی روتے روتے ہچکی بندھ چکی تھی۔

بلقیس بھابی نچلے ترین درجہ پر اتری تھیں اور غلیظ ترین الفاظ' ان کی ذہنیت ہی کے عکاس تھے۔

نینی کو دھکیلتی ہوئی وہ لاؤنج کے سرے تک لائیں اور زبان کو جیسے کہیں بریک نہیں تھا۔

" ہمارے گھر میں ایسی مشکوک عورتیں رکھی جاتی ہیں اور نہ ایسی مشکوک اولاد اور پتہ نہیں شادی ہوئی بھی یا نہیں' سجاد نے ایسے ہی ہمارے سر پر لا کر بٹھا دیا ہے ایمان' شرم سب اٹھ گیا ہے تم دونوں کے بیچ لیکن...."

نینی نے لرز کر ان کے آگے ہاتھ جوڑے۔

" کاش وہ یہ سب سننے سے پہلے مر چکی ہوتی۔"

بہت دل سے اس نے آرزو کی اور اس لمحے بلقیس بھابی کا بھاری ہاتھ پوری قوت سے اس کے منہ پر پڑا۔

نینی بری طرح لڑکھڑائی تھی۔

کسی نے پیچھے سے نہ تھاما ہوتا تو وہ بچی کو لے کر بری طرح گرتی۔

اس حواس گم کرتی صورت حال میں بھی ایک مانوس سے احساس نے اسے چونکایا۔

اپنی بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھول کر' نینی نے ذرا سر اٹھا کر اس مانوس چہرے کو دیکھا۔

خواب تھا کہ گمان۔

سر کو ہلکے سے جھٹک کر نینی نے یقین کا سرا تھامنا چاہا۔

" نینی میری بیوی ہے امی اور یہ گندہ خون میرا ہے۔"

اس نے فیضی کو کہتے سنا' وہ بچی کو اس کے ہاتھ سے لے چکا تھا۔

وہ جس کی گواہی سب سے معتبر تھی اس کے حق میں۔

ایک رکی رکی سی سانس' نینی کے لبوں سے آزاد ہوئی اور آنکھوں تلے مکمل اندھیرا۔

اس کی ہمت' حوصلہ' یہیں تک تھا۔ فیضی نے اسے بروقت تھاما۔

بابا اور سجاد اس کے عقب میں کھڑے تھے۔

"فیضی، میرا بچہ۔" بلقیس بھابی بڑی بے تابی سے آگے بڑھیں لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ "رک جائو بلقیس۔"

بابا بڑھ کر ان دونوں کے بیچ آکر کھڑے ہوئے۔

"جو کچھ آج دیکھا اور سنا اس کے بعد میں تم سے کیا، اس سے بھی نگاہ ملانے کے قابل نہیں رہا۔" انہوں نے بناء مڑ کر دیکھے، پیچھے کھڑے سجاد کی طرف اشارہ کیا۔

"جس نے تم پر آج آخری احسان کیا اور اب تم اپنے بیٹے کے سامنے کس طرح کھڑی ہو۔ یہ تم ہی جانتی ہو گی لیکن آج کے بعد میں اس گھر میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہوں گا۔"

"سجاد۔" وہ اس بار بھی نہیں مڑے تھے۔

"وقار کو فون کر بلائو فوراً۔" ان کے لہجے کی دھمک، معمول سے زیادہ بڑھی اور اپنی بات کہہ کر وہ بناء ایک پل بھی رکے، لائونج سے گزرتے چلے گئے۔

سجاد ان کے پیچھے اور فیضی...

نینی کو احتیاط سے صوفے پر لٹاتے ہوئے، وہ اتنا اجنبی لگ رہا تھا کہ بلقیس بھابی کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ "آج صرف وہ تھیں، جو بالکل تنہا رہ گئی تھیں۔"

نفرت، حسد، تنگ دلی کا منطقی انجام...

...☆☆☆...

پچھلی رات، بارش جم کر برسی تھی۔

صبح ہر شے گیلی گیلی، نکھری، نکھری شاداب۔ نمی سے بوجھل ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں کچی مٹی اور سبزے کی ملی جلی سی خوشبو اور آسمان پر اب بھی گہرے سرمئی بادلوں کا غبار جھکا پڑ رہا تھا۔

وہ گزشتہ کئی راتوں سے جاگ رہی تھی۔ پچھلی رات بارش کے شور کا بہانہ ہاتھ رہا تھا۔

"ایک منٹ بھی نیند آئی ہو، اتنی آواز تھی پانی کی کہ سر میں درد اٹھ گیا۔" کرسی اٹھا کر وہ اپنی من پسند کیاری کے پاس جا کر بیٹھی۔

"اچھا مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا بڑے آرام سے سوتی رہی۔" اماں کچن کے دروازے میں کھڑی تھیں۔

ثانیہ نے بڑے رشک سے ان کی طرف دیکھا۔

"آپ تو نیند کی ٹیبلٹ لیتی ہیں، اس لیے پتہ نہیں چلتا۔"

وہ بھی ہے لیکن اصل چیز تو دل کا سکون ہے، ورنہ دس گولیاں کھا کر بھی لوگ کروٹیں بدلتے ہیں۔ فضول سوچیں سکھ چین برباد کرتی ہیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھنے والے بے سکون نہیں ہوتے۔"

بہت اطمینان سے انہوں نے بات پوری کی اور پھر سے کچن میں جا کر اپنی ہنڈیا بھوننے لگیں۔

سارے اشارے اس کی طرف ہوتے تھے۔

وہی تھی ہر طرح سے قصوروار، باقی سب بری الذمہ۔

بڑے صبر سے وہ ان کی ہر بات سنتی اور مزید خاموشی اختیار کر لیتی۔

سجاد اور بابا کے بلاوے پر نہ جانے کا غصہ انہیں اب تک تھا۔ بلکہ ثانیہ کو تو لگتا تھا کہ ان کی ناراضگی روز بہ روز بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"مسلمان کو کینہ رکھنا جائز نہیں، روزہ نماز تک قبول نہیں ہوتا ہے۔ اللہ نے معاف کرنے والے کے درجہ کو بہت بلند رکھا ہے۔ وہ خود معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے والوں ہی کو پسند فرمایا ہے اس نے۔"

کل رات کسی بات پر انہوں نے اسے مخاطب کیے بغیر کہا تھا، تب وہ بڑی دیر افسردہ رہی تھی۔

"کتنی عجیب بات تھی کہ زندگی بھی اس کی تباہی کے آخری کنارے تک پہنچی اور ایمان بھی اسی کا خطرے میں پڑا۔ اگر انہوں نے اس کی ایک چھوٹی سی بات مان لی تھی تو جواباً وہ بھی تو انہیں اپنی پوری زندگی تھما رہی تھی۔ کیسا کڑا امتحان اور نہ ختم ہونے والی آزمائش۔

اس نے تھک کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

کچھ لوگوں کے لیے امتحانی پرچہ شاید اتنا ہی طویل ہوتا ہوگا کہ ساری عمر ہی حل کرتے رہو مگر ختم نہ ہو۔

آنکھیں بند کرتے ہوئے، اس نے خود اپنے حال پر رحم کھایا اور زندگی کے ان نہ سمجھ میں آنے والے بھید بھاؤ پر ایک بار پھر حیران ہوئی۔

ڈوری کہیں اور سے ہلتی ہے۔

یہاں تو صرف اشارے پر تعمیل ہوتی ہے۔

چاہے لاکھ رسی تڑانے کی کوشش کرو کچھ بن نہیں پڑتا۔ اندر سے کوئی بار بار آئینہ دکھاتا ہے۔

اور آئینے میں من پسند صورت نہ دیکھ کر وہ اور بھی مایوس ہو رہی تھی۔

"جو من چاہی زندگیاں گزارتے ہیں، محروم اور خوفزدہ انسانوں کو حقارت سے دھتکارتے ہیں، خود غرضیاں چاروں طرف محفوظ و مامون چار دیواری کھڑی کرتی ہے ان پر کیا کوئی حکم لاگو نہیں۔"

اسے بلقیس بھابی یاد آئیں۔

اسے ممانی اور لبنٰی یاد آئیں۔

اسے وحید کا خیال آتا۔

وہ سب جو ظلم کا استعارہ بنے۔

اور وہ جو اس تپتی دھوپ میں گھنی گہری چھاؤں تھے، بالواسطہ ہی سہی، بڑے مجرم ٹھہرے تھے۔

لیکن سزائے عمر اس کے حصے میں بھی آ رہی تھی۔

سو یہ انصاف تو نہ ہوا۔

باہر سے دروازہ کھول کر شہزاد اندر آیا تھا۔

"سجاد بھائی کا فون آیا تھا۔" اس نے وہیں صحن کے بیچ کھڑے ہو کر اطلاع دی۔

ثانیہ کو اپنے چہرے پر پھیلتی تپش کا خود اندازہ ہوا اور ہاتھ پاؤں اب بھی اتنے ہی ٹھنڈے۔

"دھت۔" اس نے خود کو اپنی ہی کمزوری پر شرم دلانا چاہی، مگر حالات بدستور تھے۔

"کیا کہہ رہا تھا۔" اماں فوراً ہی کچن سے باہر آئیں۔

"کچھ نہیں بس آپ کی طبیعت پوچھ رہے تھے۔"

وہ لاپروائی سے کہتا ہوا سامنے برآمدے میں جا کر بیٹھ گیا۔

"بڑی بات ہے' جو ہمارے ایسے روّیے پر بھی وہ ہمیں یاد کر لیتا ہے۔ ورنہ ہم نے اب کون سی کسر چھوڑی ہے۔ قطع تعلق کی اس سے کوئی ایک احسان بھی یاد نہیں رکھا ہم نے تو حالانکہ اس غریب کا تو قصور بھی کیا۔"

بلند آواز میں تبصرہ کرتی ہوئی' وہ بھی شہزاد کے پاس جا بیٹھیں۔

ثانیہ نے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا۔

وہ دونوں اب جو بھی بات کر رہے تھے' یہاں سنائی نہیں دے رہی تھی۔

"پتہ نہیں اور کیا کہا ہو گا انہوں نے۔"

اس کے دل نے بے ساختہ ہی خواہش کی' عجیب بات تھی کہ اس وقت اماں کا کہا کچھ بھی برا نہیں لگا تھا۔

دروازے پر پھر سے دستک ہو رہی تھی۔

وہ اب بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلی' شہزاد نے ہی آ کر دروازہ کھولا۔

چند بڑے شاپرز میں خاصا سامان تھا' جو کوئی دکان والا پہنچا کر گیا تھا۔

شہزاد نے پیسے گن کر حساب کیا' وہ پوچھتی بھی رہی کہ سلسلہ کیا ہے مگر وہ کان لپیٹے اپنے کام میں مصروف رہا۔

ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے لگی تھیں۔ ثانیہ کو اٹھ کر اندر آنا پڑا۔ "یہ کس کی دعوت ہو رہی ہے آخر۔"

"آپ کے سسرال والوں کی۔ انہوں نے شام آنے کا کہا تو ہم نے سوچا' کھانا تو کھلانا ہی چاہیے۔"

"کیوں بہت پیسے فالتو آ رہے ہیں کیا؟" اسے سخت کوفت ہوئی تھی۔ "اور یہ تم سسرال سسرال کی کیا رٹ لگاتے ہو' میری کوئی منگنی تو نہیں ہو گئی ہے۔"

"رضامندی تو دے دی ہے نا' منگنی کیا شادی بھی ہو جائے گی بہت جلد انشاءاللہ۔" اطمینان سے کہتا ہوا وہ کچن میں چلا گیا۔

"تمہاری ہو جائے خدا کرے۔" وہ جھنجلا کر بہت زور سے بولی' تو جواباً اس کا زوردار قہقہہ سنائی دیا۔

"اس کے لیے بھی انشاءاللہ۔"

"اماں۔" وہ اندر کمرے میں چلی آئی۔ "یہ کیا سلسلہ ہے روز کچھ نہ کچھ' ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ ہم لوگ وہاں جائیں گے۔ اب وہ کہاں سے آ رہے ہیں آج' کوئی طریقہ ہے کیا' جب دل چاہا منہ اٹھا کر چلے آئے۔"

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں لیکن اماں کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"سب اسی طرح آتے جاتے ہیں۔ آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ ملنے جلنے سے اور تم میں اتنی تنگ دلی کہاں سے آتی جا رہی ہے' جو ایک وقت کے کھانے پر اعتراض کر رہی ہو۔"

"کھانے پر کس کو اعتراض ہے۔" اس نے بے اختیار ہی ماتھے کو چھوا۔

’’ تو بس پھر خاموش رہو اور ان کے سامنے اس طرح ناخوشی ظاہر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔لوگ دس مطلب نکالتے ہیں۔کیا خبر وہ لوگ کوئی چھوٹی موٹی رسم بھی کر جائیں۔‘‘

اس کے گرد روشنی اور بھی کم ہوئی۔

کیا تھا جو اپنا منتخب کردہ ہو کر بھی‘ ختم کیسے دیتا تھا۔

اور اگر وہ غلط تھی تو کون تھا جو اسے سدھارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کوئی بھی نہیں۔

’’ کسی نے بھی اسے منانے کی کوشش نہیں کی تھی‘ نہ بابا نے اور نہ ہی...؟‘‘

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے خود کو کمپوز کیا۔

احمقانہ حد تک بڑھی ہوئی خوش امیدی‘ سوائے تکلیف کے اور کیا دیتی ہے بھلا۔

سارا گھر خوشبوئوں سے مہکنے لگا تھا۔شہزاد کی امی اور بہنوں نے مل کر کچھ ہی دیر میں کھانا پکا کر رکھ دیا تھا اور رات میں آنے کا کہہ کر رخصت ہوئی تھیں۔گھر میں پھر سے سناٹا چھانے لگا تو وہ باہر نکل کر آئی۔

’’ شہزاد مجھے ابا کی قبر پر لے چلو گے۔‘‘ وہ ہلکے سے اس کے قریب آکر بولی تھی۔

’’ اس وقت۔‘‘ اس نے چونک کر آسمان کی طرف دیکھا‘ گھٹا ابھی بھی گہری تھی۔

’’ پانچ دس منٹ کے لیے دور سے ہی دیکھ کر آجائوں گی‘ پلیز۔‘‘

شہزاد نے ذرا غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

وہ بہت اداس تھی اور جو فرمائش کر رہی تھی وہ بھی اداسی بڑھانے ہی والی تھی‘ لیکن پھر بھی وہ انکار نہیں کر سکا۔

’’ چلیں مگر بس دس منٹ سے زیادہ نہیں۔‘‘

چادر کو سر پر جماتے ہوئے وہ سکوٹر سے قبرستان کے باہر ہی اتر چکی تھی اور اپنی اسی مخصوص جگہ پر کھڑی تھی‘ جہاں سے وہ اکثر کھڑے ہو کر اس مقام کو دیکھتی تھی جہاں ابا کی آخری آرام گاہ تھی۔

بادلوں سے بھری دوپہر خاموش تھی اور شاید موسم کی وجہ سے سناٹا اور بھی زیادہ بڑھا ہوا تھا۔

اسے بہر حال بڑا غنیمت لگا۔

شہزاد فاتحہ پڑھنے اندر جا چکا تھا اور دور اکا دکا لوگ نظر آرہے تھے۔

ثانیہ کی نگاہیں اس جگہ پر ساکت تھیں۔

کبھی کبھی تو بڑا عجیب سا لگتا تھا کہ ابا کس طرح اسے اکیلا چھوڑ کر‘ خود بڑے سکون سے ابدی نیند سو رہے ہیں۔اس کے ہر مسئلے سے بالکل لاتعلق۔

تنہائی کا بڑا ہی ہولناک احساس اسے ہمیشہ یہاں آکر ہوتا تھا۔زندگی میں محبت کرنے والے رشتوں کا کال تو کب کا پڑا تھا ایک ان کے چلے جانے کے بعد تو اللہ کی اس زمین پر وہ اور اماں بالکل ہی اکیلی۔‘‘

آنسو آج کچھ زیادہ ہی بے تابی سے گرے۔

سامنے کے دھندلاتے ہوئے منظر میں سے کوئی تب ہی اس کی سمت بڑھتا چلا آیا۔

ایک قدم‘ دو‘ چار قدم۔

فاصلہ گھٹتے ہوئے کم اور کم ہوا لیکن اس کی آنکھوں میں اترتی حیرت لمحہ لمحہ بڑھی۔

" ابا۔" اس کے دل نے پورے یقین سے پکارا۔

اور وہ پلک جھپکانا تک بھولی۔ اگر یہ وہم بھی تھا تو وہ قائم رکھنے کے لیے جنبش تک نہیں کرے گی۔

اس کی سانس تک دھیمی ہوئی۔

وہ شفیق چہرہ' وہ نرم روشنی میں لپٹا ہوا وجود' وہ ابا ہی تھے۔

" ثانیہ۔" اسے ساکت دیکھ کر انہوں نے بڑی محبت سے اپنے دونوں بازو پھیلائے۔ ثانیہ...

وہ کسی ٹرانس سے آزاد ہوئی اور تیزی سے آگے بڑھی تھی۔

" یہ ابا ہی تو تھے۔" ان کے گلے لگتے ہوئے اسے پورا یقین ہوا تھا۔ قربت کی وہی مانوس سی آنچ تحفظ کا وہی حوصلہ بخش احساس اور محبت کی ناقابل بیان شدت۔

اس گہری نیلی سہ پہر میں' شہر خموشاں کے کنارے درد کا ایک الگ ہی سلسلہ آنسوئوں سے رقم ہوا تھا۔

" ثانیہ آپا۔" شہزاد نے قریب آکر ہلکے سے پکارا۔

" بابا کی طبیعت نہ خراب ہو جائے۔ سنبھالیں خود کو۔"

بہت نرمی سے اس نے ثانیہ کو الگ کیا تو اسے بھی اچانک ہی خیال آیا۔

" آپ ٹھیک تو ہیں نا بابا' طبیعت تو نہیں خراب ہو رہی۔" وہ سچ مچ فکر مند ہوئی تھی۔

" میں بالکل ٹھیک ہوں' فکر مت کرو۔" انہوں نے شفقت سے اس کا سر سہلایا اور قریب کھڑی گاڑی کی طرف بڑھے۔

" آپ لوگ آئیں' میں چل رہا ہوں۔" بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے شہزاد نے ایک دم ہی جلدی مچادی تھی۔

" میں گھر ہی آرہا تھا' لیکن پہلے اپنے بھائی سے معافی مانگنی ضروری تھی۔ حالانکہ جب میں خود اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا تو کس منہ سے اس سے کہتا' لیکن ڈھیٹ بن کر جا کھڑا ہوا اس کے سامنے..."

جب وہ گھر کی طرف جا رہے تھے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر بابا کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔

ثانیہ نے بے ساختہ ہی ان کا ہاتھ تھاما۔" ایک لفظ بھی نہیں کہیے گا بابا' ابا کو بہت تکلیف ہو گی اور... اور مجھے بھی۔"

وہ جوان سے سب سے زیادہ خفا تھی۔ ابھی ابھی ہی یہ حقیقت جان پائی تھی کہ وہ انہیں شرمندہ دیکھنا کسی طور گوارا نہیں کر سکتی۔

وہ ہلکے سے مسکرا دیئے اور جیسے کچھ ابھی ابھی یاد آیا۔

" سنا ہے تمہاری شادی کا سلسلہ چل رہا ہے۔ اگر لڑکا مجھے پسند نہیں آیا تو رد کرنے کا حق تو میرا ہے نا۔"

وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

ثانیہ نے جھینپ کر سر جھکایا۔

گاڑی گھر کے دروازے پر رک رہی تھی۔

بابا اس کے ساتھ ہی اترے۔" بہت سارے لوگ تمہیں لینے کے لیے آنا چاہ رہے تھے' بڑی مشکل سے انہیں وہاں رکنے پر مجبور کر پایا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ اپنی بیٹی کو منانے کے لیے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ اتنی ساری سفارشوں کی کم از کم مجھے تو ضرورت نہیں پڑنے والی۔"

" بابا پلیز۔ شرمندہ نہیں کریں۔"

انہوں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں پھر سے آنسو آنے لگے تھے۔

" اچھا چلو نہیں کرتا۔" وہ بے ساختہ ہی کہہ گئے۔

" کیا..."

" شرمندہ۔" کھلے ہوئے دروازے سے صحن میں آتے ہوئے' وہ دونوں ہی ہنس پڑے۔

" اور کیسی دل سے ہنسی جانے والی ہنسی۔" اماں کے پاس بڑی سعادت مندی سے بیٹھ کر کچھ سنتے ہوئے سجاد نے چونک کر اس طرف دیکھا۔

" ویسے ایک اور ضروری بات کرنی ہے تم سے۔" بابا کا ہاتھ اس کے کندھے پر تھا۔" ایک لڑکا ہم بھی ساتھ لائے ہیں' اگر اس میں تمہیں کوئی خرابی دکھائی نہیں دے رہی ہو تو مہربانی کر کے اس کے بارے میں بھی کچھ تھوڑا سا غور کر لو بیٹا۔"

نیچی آواز میں' جو درخواست وہ پیش کر رہے تھے۔ اتنی غیر اہم بھی نہیں تھی۔

بنا اِدھر اُدھر دیکھے وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ سجاد نے ان چند لمحوں کے وقفے میں ہی خوشی کی اس ننھی سی کرن کو جگمگاتے دیکھا تھا' جسے اب زندگیوں کو پوری طرح منور کرنا تھا۔

سکون کا بھرپور احساس چاروں طرف پھیلا۔

زندگیوں میں خواب ضرور دیکھنے چاہئیں' خاص طور پر جاگتی آنکھوں سے' ورنہ ہمیں تعبیر پانے کی خوشی کیسے حاصل ہو گی۔

" میں تو سخت ایکسائیٹڈ ہوا جا رہا ہوں' ایک کے بعد ایک کتنے ہی..." بابا خوش دلی سے کہتے ہوئے اندر آ رہے تھے۔